

خطباتِ حکیمِ الامت 32 جلدوں سے منتخب الہامی جواہرات

# جواہرِ حکیمِ الامت

از افادات

حکیمِ الامت مجید الملائت  
حضرت محمد اسلم علیہا نوری

پسند فرمودہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ  
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ  
ودیگر اکابرین

جمع و ترتیب

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحبِ مدظلہ  
خلیفہ مجاز  
مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ

جلد ۱

عقائد... نماز... حج  
رمضان... روزہ  
زکوٰۃ... سیرۃ النبی

جلد ۲

علم و عرفان  
شریعت کے اسرار و رموز  
حکمت و معرفت کا منتخب گنجینہ

جلد ۳

تصوف... اخلاق  
باطنی تزکیہ کا دستور العمل  
تصوف کی اصلاحات  
کی تشریحات

جلد ۴

اتباع سنت  
حقوق العباد فقہی مسائل  
معاملات... آخرت  
سیاست  
تعویذات و عملیات  
لطائف و ظرائف  
معاش و معاشرت

ادارۃ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

خطباتِ حکیمِ الامت 32 جلدوں سے منتخب الہامی جواہرات

# جواہرِ حِکْمِ الامت

عقائد... نماز... حج... زکوٰۃ... رمضان... آخرت... سیرۃ النبی... اتباع سنت  
تصوف... علم و عرفان... اُردو و وظائف... فقہی مسائل... اخلاق... معاملات... سیاست  
حقوق العباد... معاشِ شرعی... عملیات و تعویذات... لطائف و ظرائف

از افادات

حکیمِ الامت مجلہ الملت  
حضرت محمد اسلم علیہ السلام

جمع و ترتیب

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ  
خلیفہ مجاز  
مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ

پسند فرمودہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ  
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ  
و دیگر اکابرین

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملت ان پکستان

(061-4540513-4519240)



# جواہرِ حیاتِ حکیم الامت

تاریخ اشاعت..... ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت..... فیصل فدا پرنٹنگ پریس ملتان فون 061-4570046

## انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں  
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

قانونی مشیر

قیصر احمد خان

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

## قارئین سے گزارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔  
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔  
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں  
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ..... چوک فوارہ..... ملتان اسلامی کتاب گھر..... خیابان سرسید روڈ..... راولپنڈی  
ادارہ اسلامیات..... انارکلی..... لاہور دارالاشاعت..... اردو بازار..... کراچی  
مکتبہ سید احمد شہید..... اردو بازار..... لاہور مکتبہ القرآن..... نیوٹن کن..... کراچی  
مکتبہ رحمانیہ..... اردو بازار..... لاہور مکتبہ دارالخلاص..... قصہ خوانی بازار..... پشاور  
مکتبہ رشیدیہ..... سرکی روڈ..... کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121, HALLIWELL ROAD  
(ISLAMIC BOOKS CENTER) BOLTON BL1 3NE, (U.K.)

پتہ

## عرض ناشر

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

اما بعد! حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے خواص و عوام کی دینی ضروریات پر کثیر تعداد میں کتب تصنیف فرمائیں حتیٰ کہ آپ کو ”سیوطی وقت“ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ تصانیف کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریر و وعظ کے ملکہ سے بھی خوب نوازا اور سفر و حضر میں مواعظ کا سلسلہ جاری رہا۔ نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی آپ کے مواعظ و ملفوظات کی تاثیر زندہ جاوید ہے کہ ہر پڑھنے والا یہی پکاراٹھتا ہے کہ علوم و معارف اور ظاہر و باطن کی اصلاح پر مشتمل یہ مواعظ و ملفوظات کسی نہیں بلکہ الہامی ہیں کہ ”از دل خیزد بردل ریزد“ کا حسی آئینہ ہیں۔ خطبات و ملفوظات حکیم الامت کی افادیت اور ان کے بارہ میں اکابر کے تاثرات تیسری جلد کے شروع میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تمام مواعظ جو کہ تقریباً 350 ہیں اور 32 ضخیم جلدوں پر محیط ہیں۔ عصر حاضر کی مصروفیات کے پیش نظر اہل علم اور خواص حضرات اور عامۃ المسلمین کا ان سے استفادہ کرنا مشکل ہے، جبکہ ان مواعظ میں بیسیوں عنوانات پر علم و حکمت کے ہزاروں موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ (خلیفہ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے بندہ کی درخواست پر مواعظ کی 32 جلدوں سے منتخب جواہرات کی نہ صرف نشاندہی فرمائی بلکہ اہم عنوانات کے تحت ان کی تقسیم بھی فرمادی۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

نیز ہر جوہر کے آخر میں وعظ کا نام اور جلد نمبر بھی دے دیا گیا ہے تاکہ بآسانی مراجعت کی جاسکے۔ مواعظ سے ماخوذ ”جواہرات حکیم الامت“ کا یہ نافع سلسلہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات کی 30 جلدوں کے جواہرات بھی زیر ترتیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ حسب سابق ادارہ کے اس جدید اشاعتی سلسلہ کو شرف قبولیت سے نوازیں اور ہمیں تمام مراحل میں اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ دورِ حاضر میں تمام شر و رقتن سے حفاظت کا یہی ایک مضبوط قلعہ اور سہارا ہے۔ (واللہ اعلم)

محمد اسحاق غفرلہ ذیقعدہ 1431ھ بمطابق اکتوبر 2010ء



## کلمات مرتب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى  
 اما بعد! انی فی اللہ، برادر محترم حضرت الحاج حافظ محمد اسحاق صاحب ملتانی مدظلہ  
 کے ارشاد کے مطابق خطبات و ملفوظات حکیم الامتؒ کو مختلف عنوانات کے تحت علیحدہ  
 کر دیا، تاکہ ہر موضوع پر علیحدہ جلدیں شائع کر دی جائیں باوجود تقریباً روزانہ بلا ناغہ  
 اس امر کو سرانجام دینے میں علالت اور ضعف کے سبب دو سال لگ گئے آج بفضلہ تعالیٰ  
 بخیر و خوبی یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ الحمد للہ طیباً مبارکاً فیہ  
 حق سبحانہ و تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر زادِ آخرت و سرمایہ نجات بنادیں اور  
 ان کی اشاعت کے اسباب فرما کر ناشر اور ناچیز کیلئے صدقہ جاریہ بنادیں آمین  
 ان جلدوں میں مواعظ سے بفضلہ سبحانہ و تعالیٰ اتنا علمی و عملی مواد جمع ہو گیا ہے کہ  
 قارئین حضرات اور علماء و مشائخ نیز جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی مطالعہ کے بعد اپنے علم  
 میں اضافہ اور ترقی محسوس کریں گے اور عمل کیلئے جذبہ ذوق و شوق پائیں گے۔ حضرات  
 مشائخ اپنی مجالس میں انہیں اجتماعی طور پر سنیں تو از حد نفع ہوگا۔

فقط والسلام خیر ختام دعاؤں کا از حد محتاج

بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ

۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۸ جنوری ۲۰۱۰ء



Mohammad Rafi Usmani

Mufti & President Darul-Uloom Karachi Pakistan  
Ex-Member Council of Islamic Ideology Pakistan

محمد رفیع عثمانی

رئیس اعلیٰ مدرسۃ دارالعلوم کراچی و مفتی اعلیٰ  
عضو مجلس اعلیٰ عدالت اعلیٰ عدلیہ پاکستان و سابق

الرقعہ

۲۸ رزی الحجہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۲۰۰۸ء

عزیز محترم جناب محمد اقبال قریشی صاحب  
وجناب حافظ محمد اسحاق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خیر و عافیت کے ساتھ رکھے۔  
گرامی نامہ سے یہ معلوم ہو کر بہت مسرت ہوئی کہ خطبات حکیم الامت  
میں جو خطبات آئے ہیں، ان میں سے منتخب خطبات کو مؤب کر کے  
”جواہرات حکیم الامت“ کے نام سے چار جلدوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔  
ان شاء اللہ اس سے طالبین کو ہر موضوع سے متعلق حکیم الامت  
حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات تلاش کرنا بہت آسان ہو جائے  
گا۔ امید ظن غالب کے درجہ میں یہ ہے کہ اس انتخاب میں بھی کچھلی  
تالیفات کی طرح اس بات کا التزام کیا جائے گا کہ حکیم الامت حضرت  
تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اور عبارتوں میں ادنیٰ تغیر نہ ہو۔  
میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کا آپ حضرات کو اجر عظیم عطا  
فرمائے۔ لوگوں کو اس سے خوب خوب فائدہ پہنچے اور اسے آپ حضرات کیلئے  
ذخیرہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

والسلام  
محمد رفیع عثمانی  
(محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ)  
رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی



۶  
JUSTICE MUHAMMAD TAQI USMANI

محمد تقی عثمانی

Member Shariat appellate Bench  
Supreme Court of Pakistan  
Deputy Chairman : Islamic Fiqh Academy (OIC) Jeddah  
Vice President Darul-Uloom Karachi-14 Pakistan.

قاضی مجلس التعمیز الشرعی للمکامۃ العلیا پاکستان  
نائب رئیس : مجمع الفقہ الاسلامی بجدہ  
نائب رئیس : دارالعلوم کراچی ۱۴ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم منہ ایدم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماشاء اللہ آپ نے تو حضرت حکیم الامتہ تدریس کر کے  
علم کو پھیلانے کی بڑی سعادت حاصل کی ہے، انہی علوم میں  
یہ بات کہیں سے کہیں کتاب پر اسے دیکھیں بغیر لکھنا  
دیانت و خدافت ہے لہذا اگر آپ نے دیکھا لکھنا  
منہ سب نہیں ہے میرا خیال ہے کہ اللہ کی تعریف و  
اشتراف و بغیر شائع کر دیں۔ آپ کا نام ہی  
کافی ہے۔

والسلام  
نبی  
۱۱-۱۱-۱۱

# فہرست مضامین

عقائد	
۳۰	شان جلال و جمال
۳۱	حقیقت ایمان.....توحید کامل
۳۳	مغفرت خداوندی
۳۴	عقائد اصل ہیں.....تکمیل عقائد
۳۵	تعلیم توحید اور اعمال
۳۶	نزول خداوندی.....عقائد اور اعمال
۳۷	ایمان کے منافی امور
۳۸	ایمان اور عقائد
۳۹	شائبہ شرک.....مسئلہ قدر
۴۰	درجات توحید
۴۱	حقیقت وحدت الوجود
۴۲	مسئلہ تقدیر میں احتیاط.....برکات توحید
۴۳	شائبہ شرک کا ازالہ
۴۴	توحید کی رعایت.....اقسام واسطہ اور ان کی حیثیت
۴۵	ذات خداوندی
۴۶	اصلاح عقائد
۴۷	لا الہ الا اللہ سے مراد
۴۹	کلمہ توحید کے تمام دین کو مشتمل کی عجیب مثال
۵۰	مسئلہ وحدۃ الوجود



۵۱	ایمان کے مراتب
۵۲	تقدیر پر ایمان..... اسباب کی حقیقت
۵۳	فطرۃ حق تعالیٰ کی ہستی اور قدرت ماننے کی چیز ہے
۵۳	حق تعالیٰ شانہ کی کامل قدرت کو ماننے کی ضرورت
۵۴	مسئلہ تقدیر کا حاصل تاثیر قدرت ہے
۵۵	مرنے کا ہر ایک کو یقین ہے
۵۶	بد دین مسلمان کافر سے بہتر ہے..... موت اللہ کے ہاتھ میں ہے
۵۶	منکر تقدیر کا رنج دائمی ہے
۵۷	تقدیر کی تعلیم کا اثر
۵۸	ذات خداوندی
۵۹	توحید باری تعالیٰ..... مسلمانوں کی دو قسمیں
۶۰	عقائد میں درجہ کمال..... مسئلہ تصور شیخ کی وضاحت
۶۱	غلوفی الدین..... عقائد کی غلطیاں
۶۳	اعتقاد رسالت کی ضرورت..... اجزائے عقائد
۶۴	اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت..... ایصال ثواب میں اعتقادی غلطی
۶۵	شُرک فی النبوة
۶۶	اہل بدعت کی حالت
۶۷	وجود باری تعالیٰ
۶۸	گیارہویں کی رسم اور اس کی تردید
۶۹	جاہلانہ نظریات
۷۱	اتباع ہوئی
۷۲	ایک کفر عملی ایک کفر اعتقادی
۷۳	شادی بیاہ کی رسومات

۷۴	غلط عقائد و نظریات..... تعدیہ امراض
۷۵	مشرکانہ عقائد
۷۶	بسم اللہ کی برکات
۷۷	ایک متکبر فرقہ
۷۸	رازق حقیقی
۷۹	شرک سے احتیاط..... غلو فی الدین
۸۰	تقدیر و تدبیر
۸۱	قابلیت و قبولیت
۸۲	رؤیت باری تعالیٰ..... شریعت اور اسباب
۸۳	ایمان اور کفر و شرک..... اصلاح عقیدہ
۸۴	نظر بد
۸۵	اصلاح اعمال میں تقدیر کا دخل..... شریعت محمدی
۸۶	نظریہ توحید خداوندی
۸۸	برکات تقدیر
۸۹	تقدیر پر یقین..... بزرگوں کی شانیں
۹۱	دلائل عقلیہ کی بے بسی
۹۲	شرک کی مذمت
۹۳	شعبہ معبودیت کعبہ
۹۴	تکمیل توحید
۹۵	ایک قصہ
۹۶	جنت و نار
۹۷	رسومات معاشرہ
۹۸	وساوس کا علاج



۹۹	مشیت خداوندی
۱۰۰	مسئلہ تقدیر
۱۰۱	ہر چیز اپنے درجہ میں.....توحید و رسالت
۱۰۳	عقائد کی اہمیت.....شادی کی رسومات
۱۰۴	مسئلہ تقدیر
۱۰۵	عقیدہ توحید نجات کے لئے کافی نہیں
۱۰۶	ایمان کے لئے عمل صالح لازم ہے
۱۰۶	ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ اور تصرف تام ہے
۱۰۶	اسباب کو مؤثر حقیقی سمجھنا کفر ہے
۱۰۷	مدبر کے وقت اللہ پر نظر رکھنے کا حکم
۱۰۸	دل میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ٹٹولنے کا معیار
۱۰۸	شیخ کا فرض منصبی خواب کی تعبیر دینا نہیں
۱۰۸	ہر شئی دراصل ملک خداوندی ہے
۱۰۹	ثبوت وجود باری تعالیٰ پر ایک لطیفہ
۱۱۰	قمری کو منحوس سمجھنا فاسد عقیدہ ہے
۱۱۱	عورتوں کو منحوس سمجھنے کی حکایت....رسومات کی ادائیگی دراصل فساد عقیدہ ہے
۱۱۲	مخلوق کو بڑا اور کارساز سمجھنا شرک ہے
۱۱۳	مسلمان کبھی کافر نہیں ہو سکتا.....ایمان کی حالت
۱۱۴	شفیق ممتحن
۱۱۵	ایمان کی اقسام
۱۱۶	انا مومن ان شاء اللہ کہنے میں اختلاف....اپنے کو دعویٰ کے طور پر موجد نہ کہو
۱۱۷	سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے.....غلط عقائد
۱۱۸	بعض جانوروں کو منحوس سمجھنا غلط ہے....نکاح ثانی کو برا سمجھنا قابل افسوس ہے

۱۱۹	توحید کیا ہے؟..... اولیاء اللہ کو حقیقی خوف و حزن نہیں ہوتا
۱۲۰	موت کی حقیقت
۱۲۱	انسان کی حقیقت روح ہے..... طبائع کو دافع مرض بنانا
۱۲۲	کفر خفی..... معراج ایک خرق عادت واقعہ ہے
۱۲۳	نظیر اور دلیل میں فرق
۱۲۳	صفت اختیار میں حق تعالیٰ شانہ کا کوئی شریک نہیں
۱۲۴	حلال و حرام کرنا بھی حق تعالیٰ کا کام ہے
۱۲۴	عقیدہ توحید و رسالت ثابت بالعقل ہیں
۱۲۵	وحی اور عقل کا فرق
۱۲۶	بعض شبہات سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے
۱۲۷	لفظ استغناء کا بے موقع استعمال
۱۲۹	قرآن پر ایمان لانا شرط ایمان ہے.... اجابت دعا کا صریح وعدہ
۱۳۰	سفلی عملیات موجب شرک ہیں.... معبود ہونے کیلئے خالق ہونا ضروری ہے
۱۳۱	ایک کوتاہی..... لفظ بندگی کہنا شرک ہے
۱۳۲	موثر حقیقی اسباب نہیں
۱۳۴	سب خدا کے قبضہ میں ہے
۱۳۴	توحید کا ایک خاص مرتبہ عارفین کے ساتھ مخصوص ہے
۱۳۵	ہمارا عقیدہ..... حرام اشیاء پر تسمیہ پڑھنے کا حکم
۱۳۶	رسول کا ادب ہمارا ایمان ہے
۱۳۷	قدرت خداوندی..... داماد کا اسلام تو دیکھ لینا چاہئے
۱۳۸	نوبت ایں جا رسید..... ایمان کی جانچ..... خوف کے مراتب
۱۳۹	بزرگوں کی نسبت غلط اعتقاد
۱۴۰	عقیدہ تقدیر میں حکمت..... منکر تقدیر کا حال

۱۴۱	ہر عقیدہ کو دستور العمل بنانے سے نفع..... عشق و محبت
۱۴۲	ایک بوڑھی نادان عورت کی حکایت..... معتقد تقدیر کا حال
۱۴۳	بانی اسلام صرف خدا ہے
۱۴۵	انکار رسالت کفر ہے
<b>نماز</b>	
۱۴۷	نماز کی تاکید..... نماز میں قرأت..... اللہ سے ہمکاری
۱۴۸	حقوق نماز
۱۴۹	معرفت خداوندی اور لطف نماز
۱۵۰	نماز کی برکت..... فرض نماز کی اہمیت
۱۵۱	نماز کی جامعیت
۱۵۲	جماعت کی فضیلت
۱۵۳	فوائد نماز
۱۵۴	نماز کی خوبی..... نماز مطلوب ہے
۱۵۵	نماز کا مزا
۱۵۶	ہماری نماز پر سزا نہ ہونا غایت رحمت ہے
۱۵۸	صحابہ کی کیفیت نماز..... نماز کا شوق پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے
۱۵۹	نماز حظ نفس کے لئے نہ پڑھو
۱۶۰	ساری عمر کے مجاہدات و ریاضات کا حاصل
۱۶۱	کمال نماز
۱۶۲	ہماری نماز کی مثال
۱۶۳	شریعت میں نماز کا اہتمام روزہ سے زیادہ ہے
۱۶۳	نماز سے تکبر کا علاج



۱۶۴	نماز پڑھنے سے تکبر پیدا ہوا اس کا علاج
۱۶۵	سات برس کی عمر میں حکم نماز کی حکمت..... نماز باجماعت کا خاصہ
۱۶۶	نماز میں طریق حصول حضور قلب
۱۶۷	مسائل نماز سے ناواقفیت
۱۶۸	نماز کے دنیوی منافع
۱۷۰	بے نمازی کے چہرے سے بدروقتی عیاں ہوتی ہے
۱۷۱	تارک نماز کا حکم
۱۷۲	اللہ تعالیٰ سے واسطہ..... بغیر طہارت کے نماز
۱۷۳	تمیزہ کا وضو..... عورتیں اور نماز
۱۷۴	امام اور مقتدیوں کی حالت.... ایک ہمت افزا واقعہ... نماز اور وساوس
۱۷۷	نمائش و ریا کا اثر
۱۷۸	خلوص کی ضرورت
۱۷۹	عمل کی قلت و کثرت
۱۸۰	حصول خشوع کا آسان طریقہ
۱۸۱	تعلق باللہ کا اثر..... عبادات پر ناز نہیں چاہیے
۱۸۲	کمال عبادت
۱۸۳	عبادت شب برأت..... ریل میں نماز
۱۸۴	شرائط جمعہ
۱۸۵	ایک لطیفہ..... نماز کی شان
۱۸۶	نماز میں کلام... نماز میں ہنسنے کی ممانعت
۱۸۶	نماز میں چلنا..... شریعت کی مہربانیاں
۱۸۷	نماز میں ادھر ادھر دیکھنا

۱۸۸	خشوع کی حقیقت..... نماز میں حج
۱۸۹	نماز کی جامعیت
۱۹۰	نماز کی روح
۱۹۱	کید نفس
۱۹۲	توفیق منجانب اللہ ہوتی ہے..... حکمت اور مصلحت.... تاثیر صحبت
۱۹۳	پسندیدہ آدا
۱۹۴	استغراق کمال نہیں
۱۹۵	خود رائی
۱۹۶	شیطانی دھوکہ.... نمازی کی حالت
۱۹۷	امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی حکایت
۱۹۸	رفع اشکال
۲۰۰	صحابہ کی حقیقت شناسی..... وساوس کا علاج
۲۰۱	حقیقت حضور قلب
۲۰۲	دین میں اعمال کی اہمیت
۲۰۳	شادی کے وقت نماز
۲۰۴	سفر میں نماز
۲۰۵	اعلیٰ درجہ کی نماز حاصل کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے
۲۰۶	عورتوں کی نماز میں کوتاہیاں..... نماز سے متعلق
۲۰۷	غیبت کے مفاسد اور اس کا علاج
۲۰۸	صرف ذکر لسانی کافی نہیں
۲۰۸	بے نمازیوں کو وظیفہ بتانے کی ایک ضروری شرط
۲۰۹	وساوس کے دو درجے..... شیطانی نسیان

۲۰۹	نماز میں احضار قلب مطلوب ہے
۲۱۰	عورتوں کو صوم و صلوٰۃ کا پابند کرنے کی آسان تدبیر
۲۱۰	عورتوں کو نماز کا بہت کم اہتمام ہے
۲۱۱	چھوٹے بچوں کے عذر کے سبب
۲۱۱	مستورات کو نماز قضا نہ کرنا چاہئے
۲۱۱	حضرت سلطان جی کے سفر کی ایک حکایت
۲۱۲	تارک نماز میں ایک فعل کفار کا موجود ہے
۲۱۳	نماز تمام عبادات کی میزان الکمل ہے
۲۱۳	صلوٰۃ الکسوف میں حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کا سبب
۲۱۴	اوقات مکروہ نماز
۲۱۵	دین اور دنیا
۲۱۶	احکام نماز
۲۱۷	حضرت امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کی حکایت
۲۱۸	امامت میں کون افضل ہے؟..... عبادت میں ضرورت اعتدال
۲۱۹	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نماز میں انتظام لشکر کشی
۲۲۰	اہمیت نماز..... عقل پرستوں کی بیہودہ رائے
۲۲۱	منطقیوں کی صحبت کا اثر..... موذن کی فضیلت
۲۲۲	فراغت قلب کی دولت..... وساوس نماز کا علاج
۲۲۳	نماز کسی مقام پر معاف نہیں ہوتی
۲۲۴	خلقی موٹا پابند موم نہیں
۲۲۵	نماز میں حضور قلب کی ضرورت
۲۲۶	اقامت صلوٰۃ کا مفہوم..... نماز کی کوتاہیاں

۲۲۷	قومہ اور اس کا وجوب
۲۲۸	نماز کی روح
۲۲۹	اصطلاحی نماز کی قبولیت کی مثال
۲۳۰	خشوع سہل ہے
۲۳۱	ایک غلطی کا ازالہ
۲۳۲	رکوع وسجود کی اہمیت
۲۳۳	نماز کا اصل مقصود ذکر ہے..... ایک دیندار والی ملک نواب کی حکایت
۲۳۴	رکوع کا طریقہ..... حضور قلب
۲۳۵	مسائل نماز سے بے خبری..... کلمات اذان میں رحمت خداوندی
۲۳۶	فلاح کی حقیقت..... سلطان اللیل
۲۳۷	نماز میں ظاہری و باطنی فلاح
۲۳۹	دسوسہ نماز سے متعلق اہل تحقیق کا جواب
ج	
۲۴۱	ضرورت بیت اللہ الکریم
۲۴۲	حقیقت حج
۲۴۴	افعال حج کے اثرات
۲۴۵	حج ورمضان میں باہمی مناسبت
۲۴۷	حج و شہادت میں باہمی مناسبت
۲۴۸	عاشق نوازی
۲۴۹	پیدل سفر حج
۲۵۰	حج سے تسخیر طبیعت
۲۵۱	مجاہدہ حج



۲۵۴	حج سے ازدیاد محبت
۲۵۵	خاصیت حج
۲۵۶	تشبیہ بالحج
۲۵۷	سفر حج میں اہتمام نماز..... حج کی لڑائی..... حج کی رقم میں احتیاط
۲۵۸	مال حرام سے حج..... حج میں فخر و شیخی
۲۵۹	سفر حج سفر آخرت ہے..... حج کا سفر نامہ لکھنا
۲۶۰	حج میں خود بینی و خود رائی..... حج فرض ادا نہ کرنے پر وعید
۲۶۱	احرام کی ممنوعات..... حج کے بعد ریاء
۲۶۳	تکالیف حج کا تذکرہ
۲۶۳	قبولیت حج کی علامات
۲۶۳	حج کے منافع
۲۶۴	حج سے اصلاح نفس
۲۶۵	حج کے رموز
۲۷۰	پیدل حج
۲۷۰	اصلاح حجاج
۲۷۱	حج میں قربانی
۲۷۲	عوام کی غفلت
۲۷۲	ایک بدوی کی غفلت
۲۷۲	حج میں رضائے خداوندی
۲۷۳	حج اور اصلاح نفس
۲۷۶	حج کی خوبی
۲۷۸	قربانی میں بے رحمی کے شبہ کا جواب

۲۷۹	حج و قربانی میں مناسبت
۲۸۰	روح حج
۲۸۲	عشاق کا حج
۲۸۳	صورت حج
۲۸۶	روح قربانی
۲۸۸	حج میں اخلاص کی ضرورت
۲۸۹	فضیلت قربانی باعتبار حقیقت
۲۹۰	قربانی کا راز
۲۹۱	خاکساران جہاں
۲۹۲	روح حج و قربانی
۲۹۳	کیفیت آغاز سفر
۲۹۴	عورت کا احرام و تلبیہ
۲۹۴	زیارتہ مدینہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام)
۲۹۴	سید احمد رفاعیؒ کا واقعہ
۲۹۵	قربانی کی جگہ قیمت
۲۹۷	اشہر حج
۲۹۷	تاخیر حج
۲۹۷	فضیلت حج
۲۹۸	عمرہ کی فضیلت
۲۹۸	فضیلت یوم عرفہ
۲۹۹	خدائی مہمان
۲۹۹	زیارت مدینہ

۲۹۹	حج کے متعلق چند ضروری ہدایات
۲۹۹	تارک حج
۳۰۰	مسائل حج
۳۰۱	فرضیت حج کے بارے میں تنبیہ:
۳۰۳	نودن کے روزے اور دسویں شب تک بیداری کی فضیلت
۳۰۴	نماز عید الاضحیٰ کے احکام
۳۰۵	عورتوں کی جماعت: تنبیہ اول
۳۰۶	تنبیہ دوم نماز عید مسجد میں
۳۰۶	تنبیہ سوم دعا بعد خطبہ
۳۰۶	تنبیہ چہارم اذان عید
۳۰۶	تنبیہ پنجم اوقات عید
۳۰۶	تنبیہ ششم التزام عربی خطبہ
۳۰۷	نماز عید کے احکام
۳۰۷	پہلی صورت
۳۰۷	دوسری صورت:
۳۰۸	تیسری صورت:
۳۰۸	چوتھی صورت:
۳۰۸	چند ضروری مسائل
۳۰۹	قربانی کی تاکید و فضیلت
۳۱۶	ریا کاری کا نقصان
۳۱۶	احکام شرعیہ میں سہولتیں
۳۱۶	شرعاً فقط حج ہی فرض ہے

۳۱۸	ایک عاشق مجذوب کی سفر حج کی حکایت
۳۱۸	حج کے حدود و قیود
۳۱۹	حج کے حدود
۳۱۹	سفر حج سفر عشق ہے
۳۲۰	چند خوش نصیب بزرگ
۳۲۰	حکایت حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ
۳۲۱	دوران حج تجارت کا مسئلہ
۳۲۲	حج فرض میں تاخیر نہ کیجئے
۳۲۲	حج سفر عاشقانہ
۳۲۵	ایک عاشق کا سفر حج
۳۲۶	احکام حج سیکھنے کی ضرورت
رمضان المبارک اور روزہ	
۳۲۸	روزہ کا ادب
۳۲۸	روزہ کی حکمت
۳۲۹	روزہ کا مطلوب
۳۳۱	روزہ دار کی فرحت
۳۳۱	روزہ میں گناہوں سے بچنے کا اہتمام
۳۳۲	روزہ میں وسعت
۳۳۳	افطاری میں عجلت
۳۳۴	سفری روزہ کی شرط
۳۳۵	صبر سے مراد روزہ ہے
۳۳۵	روزہ کی سفارش



۳۳۷	ایک لطیفہ غیبی
۳۳۷	روزہ اور فدیہ
۳۳۸	صحت روزہ کا خیال کرو
۳۳۸	تاثیر حق
۳۳۹	فرضیت روزہ
۳۳۹	تکمیل کے دو درجے ہیں
۳۴۰	روزہ کا نور
۳۴۱	شب قدر کی فضیلت
۳۴۲	مجالس ختم قرآن
۳۴۳	زبان کے گناہ
۳۴۴	افطار علی الحرام
۳۴۴	شبینہ کے منکرات
۳۴۵	مساجد کی مسرفانہ تزئین
۳۴۶	ختم قرآن کی مجالس کے منکرات
۳۴۷	روزہ کے آداب سکھئے جائیں
۳۴۷	حقیقت روزہ
۳۴۸	ماہ رمضان اور زیادتی رزق
۳۵۰	روزہ کی غرض
۳۵۱	حکم تراویح
۳۵۱	روزہ میں غیبت سے اجتناب
۳۵۲	تراویح کی منکرات
۳۵۳	عورتوں کو نا محرم کا قرآن سنانا بھی خالی از قباحہ نہیں ہے

۳۵۳	ختم قرآن کے دن کثرت چراغاں کے منکرات
۳۵۳	ختم کی مٹھائی کے منکرات
۳۵۴	اہتمام شب قدر
۳۵۴	تخفیف تراویح
۳۵۵	تراویح و تہجد میں فرق
۳۵۵	مقصود روزہ
۳۵۶	مقصود روزہ
۳۵۶	اعتکاف کی صورت
۳۵۶	روزہ میں غسل
۳۵۷	احکام روزہ
۳۵۸	احتیاج معتکف
۳۵۸	معتکف کا سامان
۳۵۹	شب قدر کیلئے طاق راتوں کی تقسیم
۳۶۰	افطاری کا مزہ
۳۶۰	حفاظ کی اقسام
۳۶۱	بے باک لوگوں کو تنبیہ
۳۶۲	تعیین شب قدر
۳۶۲	اختلاف تاریخ میں تلاش شب قدر
۳۶۳	فضیلت عید الفطر
۳۶۴	روزہ اور قرآن
۳۶۵	ایک واعظ کے دیہاتی کو روزہ سے محروم کرنے کی حکایت:
۳۶۶	تراویح میں قرآن سنانا بقائے حفظ کا سامان ہے

۳۶۷	روزہ نہ رکھنے کا اصل سبب کم ہمتی ہے:
۳۶۸	کھانے پینے کی حلاوت روزہ دار کو نصیب ہوتی ہے:
۳۶۸	روزہ کی حدود
۳۶۸	کسی ایک حالت پر انسان کو قرار نہیں
۳۶۹	ہر مقام کی شب قدر کو فضیلت حاصل ہے
۳۶۹	حضرات فقہاء کی وسیع النظر فی
۳۷۰	روزہ میں شانِ تنزیہ کا ظہور ہے
۳۷۰	رمضان میں ترغیب تلاوت کا راز
۳۷۱	حکایت مومن خاں دہلوی
۳۷۲	روزہ میں تقلیل طعام
<b>زکوٰۃ</b>	
۳۷۵	زکوٰۃ کی خوبی
۳۷۵	مساکین کی اعانت
۳۷۶	تملیک زکوٰۃ
۳۷۶	ادائیگی زکوٰۃ کے لئے دل پر بوجھ ہونے کا سبب:
۳۷۷	ادائیگی زکوٰۃ کیلئے دل سے گرانی دور کرنے کا طریقہ:
۳۷۷	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت:
۳۷۸	زکوٰۃ میں درحقیقت ہمارا ہی نفع ہے:
۳۷۸	شریعت کی نظر بہت دقیق ہے
۳۷۹	زکوٰۃ کے حدود
۳۷۹	امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی فضل خداوندی
۳۷۹	طاعت نفاق

۳۸۰	زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم کرنے کی ضرورت
	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۳۸۲	قوت حافظہ
۳۸۲	حکمت رسالت
۳۸۳	واقف و ناواقف سے سلوک
۳۸۵	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فقر
۳۸۶	باطنی کائنات
۳۸۶	تبلیغی کاوش
۳۸۷	سادگی و متانت
۳۸۸	فضائل خیرات
۳۸۹	مقام و اخلاق محمدی
۳۹۱	حیاء النبی کی تفصیل
۳۹۲	جمال محمدی
۳۹۲	اتباع رسول
۳۹۴	فاح استعداد
۳۹۶	فیوض و علوم
۳۹۷	ختم نبوت
۳۹۸	سیرت میں کیا بیان کرنا چاہیے
۳۹۸	ایمان اور نبوت
۳۹۸	صدمہ وفات
۴۰۲	برکات نبوت
۴۰۳	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بشارت



۲۰۴	حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۲۰۷	واقعہ بعد وصال
۲۰۸	عشق و محبت
۲۰۹	جامعیت
۲۰۹	کمالات و فیوض
۲۱۱	جامع الکمالات
۲۱۲	واقعہ معراج کا حاصل
۲۱۳	جمال محمدی
۲۱۴	بشریت انبیاء
۲۱۵	کمال استقامت
۲۱۷	حقیقت معراج
۲۱۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت
۲۱۹	ختم نبوت
۲۲۰	تدبیر کی ضرورت
۲۲۰	فضیلت انبیاء
۲۲۱	حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۲۲۴	کمال عقل و دانش
۲۲۵	مقام صدیق
۲۲۶	ایک اشکال کا حل
۲۲۷	شان رسالت
۲۲۸	قوت و شجاعت
۲۲۸	مقررین کو انتباہ

۴۲۹	شان محبوبیت
۴۳۰	بشریت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
۴۳۱	غلو فی التعظیم
۴۳۲	ولایت و بزرگی
۴۳۴	ایک واقعہ
۴۳۴	صحابہ کی جانثاری
۴۳۶	رعب و دبدبہ
۴۳۸	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت:
۴۳۹	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جامعیت:
۴۴۰	کھانے میں برکت کا معجزہ
۴۴۱	عبدیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کمال ہے:
۴۴۱	حکایت حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندیؒ:
۴۴۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنس بشر سے ہونا ایک نعمت ہے:
۴۴۳	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت:
۴۴۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد ازواج میں حکمت:
۴۴۴	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے کا سبب:
۴۴۵	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت شفقت:
۴۴۵	سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
۴۴۶	وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خطبہ صدیق اکبرؓ
۴۴۸	سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے وقت
۴۴۸	دوسرے انبیاء کی تنقیص جائز نہیں
۴۵۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت رجولیت

۴۵۰	حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی سلطنت
۴۵۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے معنی اقویٰ تھی
۴۵۱	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شانیں:
۴۵۱	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی عاقل نہیں:
۴۵۲	اللہ تعالیٰ کی اُمت محمدیہ پر عظیم شفقت:
۴۵۲	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقت و رحمت:
۴۵۳	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال:
۴۵۳	دبدبہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
۴۵۵	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے دلائل
۴۵۵	تسبیحات سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شان و رود
۴۵۵	جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت
۴۵۶	کمال سادگی
۴۵۷	حضرت سیدۃ النساء کا جہیز
۴۵۸	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت
۴۵۹	تمام کمالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں
۴۵۹	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال زہد
۴۶۰	حسن و جمال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۴۶۰	اہل کمال کو تصنع کی ضرورت نہیں
۴۶۱	اشاعت اسلام اخلاق اسلامیہ سے ہوئی
۴۶۲	حکام تہمت سے بچنا چاہیے
۴۶۳	کفار کی ایذائیں

۴۶۴	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادب
۴۶۵	شان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۴۶۶	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال
۴۶۷	خاصہ بشریہ
۴۶۸	کمال شفقت
۴۷۰	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت جسمانی
۴۷۱	خاندانی اور غیر خاندانی میں فرق
۴۷۱	شریعت کی وسعت
۴۷۲	انبیاء علیہم السلام کا ملین کی حالت
۴۷۴	ظاہری غنا
۴۷۵	کمال ہدایت
۴۷۵	قوت و شجاعت
۴۷۶	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر
۴۷۷	احسانات رسول اکرم
۴۷۹	کفار کے حق میں رحمت



## فہرست مضامین

۲۷	قرآن کی تعلیم امن
۲۸	حفظ قرآن کی ضرورت
۲۹	عشق قرآن.....دو باتوں کا اہتمام
۳۰	داڑھی کا وجوب اور وجود.....ایک فکری غلطی
۳۱	حسب فہم جواب
۳۲	تعلیم اعتدال
۳۳	طلب جنت
۳۵	مراتب ایمانی مختلف ہیں.....حب و بغض کا مدار
۳۶	حکیمانہ طرز اصلاح
۳۷	اسلام کی تعلیم اعتدال
۳۸	حق کی قبولیت و تاثیر
۳۹	مقام رسالت.....نصاب اصلاح
۴۰	علم کی فضیلت و اہمیت
۴۱	مقام ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما.....عقل و فراست
۴۲	اہل جنت کی غذا
۴۳	ایک قرآنی حکم کی وضاحت
۴۴	داخلہ جنت کی خوش فہمی
۴۶	اسمائے جلال و جمال
۴۷	دین کے اثرات و برکات
۴۸	اخلاص کی قیمت.....کسب حلال اور حب دنیا
۴۹	انا للہ کی فضیلت
۵۱	شریعت اور رحمت
۵۲	حکیمانہ جواب



۵۳	ترجمہ قرآن کا معیار..... نظری کی وبا اور علاج
۵۵	دنیا و آخرت کا فرق
۵۶	دنیا کی حقیقت
۵۷	حب دنیا کا مرض
۵۸	دنیا کی حقیقت
۵۹	غفلت سے احتراز..... رخصت اور سہولت
۶۰	علم کی دو قسمیں..... عظمت و کیفیت وحی
۶۱	عہد الست
۶۲	دارالطلبہ کے فضائل..... درس عبرت
۶۳	مردہ کو چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے..... سعادت و نحوست کی حقیقت
۶۵	اہل باطل کی کتب سے اجتناب
۶۶	عوام الناس کا درجہ علم
۶۷	ایک شبہ کا عملی جواب
۶۸	حرمت کا مدار
۷۰	ایک حدیث کی وضاحت..... علماء کی کوتاہی
۷۱	رحمت خداوندی..... علم و فقہ کی عظمت
۷۲	وہبی علوم
۷۳	مطالعہ میں احتیاط..... تبلیغ کا طریقہ کار
۷۴	علم کی ضرورت..... علم کی قسمیں
۷۵	قوت اجتہادیہ
۷۶	قوت بیانیہ
۷۷	فن تدریس..... تقریر کا ایک ادب..... نزع کی تکلیف کا راز
۷۸	اسلام اور سائنس
۷۹	اجزائے دین کی تفصیل
۸۰	معاشرتی ادب..... بغاوت کا انجام

۸۱	خاوند سے مشورے کی ضرورت..... اہل جنت کی قسمیں
۸۲	قرآنی نکات..... قرآن کا طرز کلام
۸۳	فضیلت کسب حلال..... اولاد کا عذاب
۸۵	داڑھی کی ضرورت
۸۶	نہی عن المنکر کا طریقہ..... احکام چندہ..... علوم مقصودہ
۸۷	دعویٰ اور دعوت کا فرق
۸۸	امت کی زبوں حالی..... علماء کے کرنے کے کام
۸۹	نوافل کی اہمیت..... بدعت و سنت
۹۱	وسعت اختیار کا اثر
۹۳	ایمان و کفر
۹۴	تعمیر مساجد کی فضیلت
۹۶	فضیلت صدقہ
۹۷	زمین و سورج کی حرکت..... حقوق نفس کی رعایت
۹۸	فضائل امت محمدیہ
۹۹	اصلاح غیر کے مدارج
۱۰۱	اشاعت اسلام کا سبب..... مسلمان اور کافر کا فرق
۱۰۲	صدقہ کی برکات
۱۰۳	قرآنی افادات
۱۰۴	ایک عوامی غلطی کا ازالہ..... گناہ کے تاریک اثرات
۱۰۵	ماہ ربیع الاول کی فضیلت..... لوح محفوظ کی مثال
۱۰۷	ایک اشکال کا جواب
۱۰۸	اجزائے آخرت
۱۰۹	صحبت کی برکات
۱۱۱	واقعہ حضرت یونس علیہ السلام
۱۱۳	فرق ملکیت و تصرف

۱۱۵	انسانی تخلیق اور مقصد تخلیق
۱۱۸	اصلاح نفس میں عمومی غفلت
۱۱۹	حقیقت نور
۱۲۰	انسانی سلامتی کا راستہ
۱۲۱	ضرورت تقلید
۱۲۳	حکم یا سفارش..... آج کل کی حالت
۱۲۵	معرفت کی لذت..... فضیلت شب براءت
۱۲۶	خود سے خیر خواہی..... کمال اسلام
۱۲۷	باہمی ہدیہ کا تبادلہ..... ہدیہ میں خلوص کی ضرورت
۱۲۸	اصول شریعت..... ایک عوامی اشکال کا حل
۱۲۹	اتفاق کی ضرورت و صورت
۱۳۰	رہبر کامل کی ضرورت..... امت پر کمال پر شفقت
۱۳۱	عبادت کی ضرورت و اہمیت..... دنیا کو مقصود نہ بنایا جائے
۱۳۲	حقیقت علم
۱۳۳	رحمت حق
۱۳۴	نظام زکوٰۃ..... اہل اللہ کے مراتب
۱۳۵	کفر اور اس کی اقسام
۱۳۶	شب براءت
۱۳۷	غیبی نظام رزق
۱۳۸	شرارت نفس
۱۳۹	تلقین نماز
۱۴۰	آخری جنتی..... بدعات کے زہریلے اثرات
۱۴۲	ماہ صفر کی عید..... اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا
۱۴۳	اسلامی حدود کی وضاحت
۱۴۵	ایک حدیث کی تشریح

۱۴۶	مصائب اختیاریہ
۱۴۷	بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں
۱۴۸	طلب جنت کا ذریعہ..... حب دنیا کی حقیقت
۱۴۹	جنت اور اس کی وسعت..... صحت و اطمینان کی نعمت
۱۵۰	چندہ کا طریقہ..... نا اہل کو منتظم یا مہتمم بنانا
۱۵۱	چوری اور ہیرا پھیری
۱۵۲	تعزیت کا اچھا طریقہ
۱۵۳	ایک بزرگ کا کشف..... پتھر کا گریہ..... اولاد اور شفاعت
۱۵۵	کمال فہم و فراست
۱۵۶	آمد و خرچ کا طریقہ..... عقل کیا ہے؟..... رحمت خداوندی
۱۵۷	آداب عیادت..... احکام کے اسرار
۱۵۸	مباح کی حد
۱۵۹	اولاد نہ ہونے کی حکمت
۱۶۰	عبادت و طاعت کا فرق
۱۶۱	حضرت موسیٰ اور عزرائیل
۱۶۲	تکثیر جماعت کا اثر
۱۶۳	مضامین قرآن کی اقسام
۱۶۴	اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت و لطف
۱۶۵	اقسام افعال..... ایک علمی بحث
۱۶۶	تجلی کے معنی..... حلال و حرام
۱۶۸	مسلمات کی خصوصیات
۱۶۹	روزہ کی فرحت
۱۷۱	محبت رسول
۱۷۲	شان صحابہ
۱۷۴	نور کی حقیقت..... انسانی تخلیق

۱۷۶	فقیہ کون ہے؟..... نزول قرآن
۱۷۸	قرآنی آیت کی تشریح..... حق تعالیٰ کی توجہ
۱۷۹	اہل جنت کا عیش
۱۸۰	واقعہ معراج کی ایک جزئی
۱۸۲	وضو کی برکات..... مثالی ازدواجی زندگی
۱۸۳	فرائض و نوافل سے قرب حق
۱۸۴	ممنوعات شرعیہ کی حکمت
۱۸۵	حقوق اللہ کی حقیقت..... تعلق مع اللہ
۱۸۶	انسانی احتیاج
۱۸۷	جان و ایمان کی حفاظت
۱۸۸	تکبر حرام ہے..... تعلیم انبیاء علیہم السلام
۱۹۰	خدمت دین
۱۹۱	نسخہ کیمیا
۱۹۲	مجاہدہ اور ترقی..... نعمت رزق
۱۹۴	حکمت اور موعظت حسنہ
۱۹۷	نعمت اسلام کا حق
۱۹۹	سکوت کا اثر
۲۰۰	نور علم
۲۰۱	حفاظت دین کا نظام
۲۰۲	تہذیب اخلاق کا شرعی نظام
۲۰۳	فضیلت اسلام
۲۰۴	ایک اعتراض کا جواب
۲۰۵	اہل اسلام کا ترقی کا راستہ
۲۰۷	استقبال قبلہ کا راز
۲۰۸	حقیقت اسلام

۲۰۹	علوم کشفیہ کا مطالعہ:
۲۱۰	اطمینان و تشفی کا راستہ
۲۱۲	حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ
۲۱۳	خشیت صحابہؓ:
۲۱۴	ضعیف ترین ایمان:
۲۱۵	لفظ رب العالمین کا نکتہ:
۲۱۶	مسلمان کی ذمہ داریاں
۲۱۷	دعوت کا ضابطہ..... ایک معترض کی اصلاح
۲۱۹	اقسام تبلیغ
۲۲۰	بزرگوں کا طرز نصیحت..... عذر بلا اہتمام عمل
۲۲۱	مسلمان کا مذاق..... حسن اسلام کا تقاضہ
۲۲۲	ذکر قلبی..... حقیقت ذکر
۲۲۴	تبلیغ میں اعتدال
۲۲۶	تبلیغ بقدر استطاعت
۲۲۷	اہل علم کا عوام سے معاملہ
۲۲۸	اکابر دیوبند کی دقت نظر
۲۲۹	تعلیم خلوت کا راز
۲۳۰	تبلیغ کی برکت..... ناصح غیر عامل
۲۳۱	انذار کی قسمیں
۲۳۲	جمال و جلال خداوندی..... جنت کا سوال
۲۳۳	کیفیت نزع کی تفصیل
۲۳۵	تفسیری نکتہ
۲۳۶	ایک مسنون دعا کی تشریح
۲۳۷	افراط خوف کا اثر
۲۳۸	حکیمانہ جواب..... وجود صانع حقیقی..... شانِ عبدیت



۲۳۹	آیت کی تفسیر
۲۴۰	طاعت کے فائدے
۲۴۱	صورت مثالی..... اخلاقی حدود
۲۴۲	اعتدال حقیقی
۲۴۳	مصالح عقلیہ
۲۴۴	قرب کی صورتیں
۲۴۹	کشف اور جانور..... اجابت کا مروجہ مفہوم
۲۵۱	حقیقی اجابت..... احناف کا عمل بالحدیث
۲۵۲	ضرورت تقلید..... جواز قیاس
۲۵۳	تقلید میں غلو..... عہد صحابہ میں جمع قرآن کا مسئلہ
۲۵۴	اختلافی صورت میں طریقہ کار
۲۵۵	حق تعالیٰ کے ساتھ محبت طبعی
۲۵۷	محبت غیر حق..... مجاہدہ سے متعلق ایک شبہ کا ازالہ.... گھی مرغوب شے نہیں
۲۵۸	تصرف بلا واسطہ
۲۵۹	شرط احسان
۲۶۰	سلف کی خوبی
۲۶۱	قرب علمی
۲۶۲	مسئلہ انفاق سے متعلق وضاحت
۲۶۳	اہل اسلام سے شکوہ.... مرض سے گناہ معاف.... رزق میں برکت کے معنی
۲۶۴	نکاح کی ترغیب
۲۶۵	اسوہ حسنہ
۲۶۶	بنی اسرائیل کے کفن چور کا واقعہ
۲۶۸	روز محشر اعمال کی کیفیت
۲۶۹	فکر آخرت کی برکات
۲۷۰	فضیلت تلاوة..... وصل محبوب

۲۷۱	مقام ولدیت
۲۷۲	عرب کی جاہلانہ رسم
۲۷۳	حقیقت تعذیب
۲۷۴	تعذیب شمس و قمر
۲۷۶	صورۃ تعذیب
۲۷۷	اہل جنت کی غذا و نعمتیں
۲۷۸	جہنم کی ہولناکی
۲۷۹	نیکی کی برکات
۲۸۰	اقسام انسان..... تبلیغ کا حکیمانہ طرز..... رحمت خداوندی
۲۸۱	قربانی سنت ابراہیم
۲۸۳	سنت ابراہیمی کا مصداق
۲۸۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعداد ازواج کی مصالح و حکم
۲۸۶	جنت محل رضا
۲۸۷	محبت شیخ اور اس کی وجہ
۲۸۸	علوم انبیاء علیہم السلام
۲۸۹	تجلی کلامی..... حکم تدفین کے مصالح
۲۹۰	گناہ کی چنگاری کی یاد
۲۹۱	گناہ بے لذت
۲۹۲	باطنی گناہ
۲۹۳	استنباط رحمت
۲۹۴	مسلمان کیلئے گناہ بے لذت ہی ہے
۲۹۵	حفاظت نظر مقدم ہے..... بے پردگی کے مفسد
۲۹۷	فضیلت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
۲۹۹	استقامت اعمال
۳۰۱	ایک عوامی غلطی

۳۰۲	شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ
۳۰۳	دوستوں سے ملاقات بھی عبادت ہے..... عارف اور غیر عارف کا فرق
۳۰۶	واقعہ منصور
۳۰۷	تہذیب کی حقیقت
۳۰۸	جسم و روح
۳۰۹	حیاء کا اقتضاء
۳۱۱	ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے..... ترک تنخواہ کی خواہش
۳۱۲	غلبہ خشیت
۳۱۳	عفو و درگزر
۳۱۴	دولت کی بے وفائی..... حقیقت علم
۳۱۴	کمال معرفت
۳۱۵	رحمت حق بہانہ می جوید..... نا اتفاقی کا بڑا سبب
۳۱۶	مصیبت زدہ پر طعن..... نماز اور انتظار نماز
۳۱۸	انگریزی تعلیم کی ممانعت کا الزام
۳۲۰	خطبۃ الوداع کا اختلاف
۳۲۱	بددعا بغلبہ بشریت
۳۲۲	تعلیم نسواں
۳۲۳	اتفاق کی جڑ..... قرآن حکیم سے سائنسی مسائل کا استنباط
۳۲۴	محبوبیت کا باطنی سبب
۳۲۵	کے اسباب ظاہرہ
۳۲۸	فضیلت وعظ..... با کمال عورتیں
۳۳۰	کھانے میں اعتدال
۳۳۱	طریقہ تعلیم نسواں
۳۳۲	ازالہ شبہات میں، تقلید محقق لازم ہے
۳۳۲	قرآن میں ہر مضمون کا ہونا ضروری نہیں

۳۳۳	نکاح کی غرض و غایت
۳۳۴	جوش کا کم ہونا کمال محبت کی دلیل ہے.... علم اعتبار کی حقیقت کی توضیح
۳۳۵	مسلمانوں کی حضرات اہل بیتؑ سے محبت
۳۳۶	صالح جنات کیلئے جنت
۳۳۷	اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت
۳۳۸	خودکشی حرام ہونے کی وجہ.... گناہ کے دواثر
۳۳۹	دنیا میں کفر کا وجود بھی حکمت خداوندی ہے.... انبیاء اور اولیاء کی ایک شان
۳۴۰	بندہ کو علم غیب عطا نہ ہونے میں حکمت..... اجابت دعا کے دو درجے
۳۴۰	اجابت کے معنی درخواست لے لینا ہے
۳۴۱	معمولی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو..... انس سے متعلق احادیث مختلفہ میں تطبیق
۳۴۲	قرآن پاک کو سب سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے... ارواح کو عالم اجسام میں کیوں بھیجا گیا
۳۴۳	فضیلت شہادت
۳۴۴	شہادت کی فضیلت کا سبب:
۳۴۵	شہادت سے بغیر مشقت کے درجات مل جاتے ہیں:
۳۴۵	احکام کا علم نہ ہونا قابل قبول عذر نہیں
۳۴۶	بے علم دو گناہوں کا مرتکب ہے.... امراض باطنی کو مرض نہ سمجھنا جہالت ہے
۳۴۷	امراض جسمانی سے روحانی امراض اشد ہیں
۳۴۸	بزرگوں سے امور دنیا میں مشورہ لینے کی مثال
۳۴۸	اموال اور اعمال کی نسبت ہماری طرف مجازی ہے
۳۴۹	خودکشی کے حرام ہونے کا راز.... قرض کی فضیلت
۳۵۰	ماانا علیہ واصحابی کا مفہوم:
۳۵۱	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذکاوت..... ابوطالب کو آپ کی حمایت سے نفع
۳۵۲	مطعم بن عدی کا شکریہ
۳۵۳	حضرت علیؑ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حسی
۳۵۳	حضرت صدیق اکبرؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب معنوی

۳۵۴	توکل سے اطمینان اور سکون قلب حاصل ہوتا ہے
۳۵۵	دین کے دسویں حصہ پر عمل کا مفہوم... ولی کا صحابہ کے برابر نہ ہونے کا راز
۳۵۶	طلاق کا ایک اہم مسئلہ... اسلام میں حرج نہیں... عامل شریعت کو پریشانی نہیں ہوتی
۳۵۷	ویرانہ کا اصل سبب معاصی ہیں
۳۵۸	مستورات کو بہشتی زیور کو سبقاً سبقاً پڑھنے کی ضرورت
۳۵۹	کسی چیز کی خاصیت جاننے کا نفع
۳۶۰	اعمال کے خواص جاننے کے فائدے
۳۶۱	مالخو لیا میں علاج سے کم نفع ہونے کا سبب
۳۶۱	مزاج میں لطافت کی زیادتی کا اثر..... اعمال کی قسمیں
۳۶۲	طیب روحانی کا کمال..... علوم شرعیہ کو مدرک بالوحی مان لینے کا عظیم نفع
۳۶۲	مصلح کا اصل کام تعلیم دین ہے
۳۶۳	صنعت گری کا پہلا استاد کوا ہے
۳۶۴	کلمہ طیبہ کے حصول خواص کے ضروری شرائط..... ہر عمل کے الگ الگ خواص
۳۶۵	وسوسہ گناہ کا مقدمہ ہے
۳۶۶	اسرار شریعت
۳۶۷	مشقت اور مجاہدہ سے ثواب بڑھ جاتا ہے... مختلف اوقات میں مختلف دعاؤں کی حکمت
۳۶۸	شریعت میں کسب دنیا کی اجازت ہے انہماک کی نہیں
۳۶۸	قرض کا ثواب صدقہ سے زیادہ کیوں ہے
۳۶۹	ایک جوہری اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی حکایت
۳۷۰	پل صراط کی حقیقت
۳۷۱	علم صرف درسیات پر موقوف نہیں..... سبقت رحمۃ علی غضبی کی عجیب مثال
۳۷۲	حکایت حضرت حبیب مجہمی
۳۷۳	حصول حظ کیلئے رویت اور ہم کلامی کی ضرورت نہیں
۳۷۴	مثنوی مولانا روم میں فحش قصے بیان ہونے کی عجیب مثال
۳۷۴	حقوق اللہ کہنے کی عجیب مثال



۳۷۶	دین کا کوئی جزو بھی زائد نہیں
۳۷۷	مستحبات کی عجیب مثال..... کسب حلال کی ضرورت
۳۷۸	ربو اسے متعلق محرفین کی اختراع..... ہمارے گناہوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت
۳۷۹	غیر محقق کو محقق کے اتباع کے بغیر چارہ نہیں
۳۸۰	خودکشی کے حرام ہونیکا راز..... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ
۳۸۱	لیلۃ التعریس میں نماز فجر قضا ہونے کا سبب
۳۸۲	قاتل کی توبہ کا معروف واقعہ
۳۸۳	تواری کی قسمیں
۳۸۵	عمل... دخول جنت کی علت تامہ نہیں
۳۸۶	مصائب سے حق تعالیٰ شانہ کا قرب بڑھتا ہے
۳۸۷	کسب معصیت میں حکمت بیان کرنا کفر کے قریب ہے
۳۸۸	توبہ سے متعلق دو احادیث
۳۹۱	صحبت صالح کی علامات..... شبہات کا شافی علاج
۳۹۲	اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کی آسان تدبیر..... بندہ کا کام ہمت کرنا ہے
۳۹۳	حروف مقطعات..... سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے
۳۹۴	گناہوں کی تفصیلات کا علم ضروری ہے
۳۹۵	گناہ کی دو قسمیں
۳۹۶	نماز و خجگانہ کی دلیل پوچھنے والے کی حکایت
۳۹۷	احکام شرعیہ کے ساتھ ہمارا مشرب عاشقانہ ہونا چاہیے
۳۹۸	اسرار احکام معلوم کرنے کا طریقہ..... علوم ظاہری کا ماحصل
۳۹۹	مومن کے لئے خلود فی النار نہیں
۴۰۰	حدیث شفاعت میں ایک لطیف تحقیق.... جمع العلم فی القرآن کا جواب
۴۰۱	شریعت کی حفاظت علماء حضرات سے وابستہ ہے
۴۰۲	شہوتِ شیخ شباب سے اشد ہے... حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شدتِ نزاع کا سبب
۴۰۳	بعض اہل اللہ کی شدتِ نزاع کا موجب



۴۰۴	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کمال
۴۰۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء میں اکمل ہیں.... بعض اولیاء کی حالت رفیعہ
۴۰۵	خانقاہ اور مدرسہ دونوں کی ضرورت
۴۰۶	مشاہدہ جمال حق کی دو صورتیں
۴۰۷	ضرورت مجاہدہ..... متواضعین کی شہرت ہو ہی جاتی ہے
۴۰۸	اطاعت رسول کی اہمیت.... سود کا وبال
۴۰۹	موت ہا ذم اللذات ہے
۴۱۰	عیادت میں تھوڑی دیر بیٹھنے میں حکمت:
۴۱۱	تین شخصوں پر لعنت..... دن میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرنے کا اجر
۴۱۲	گناہ کا اثر..... علماء و مشائخ کی آبروریزی کا گناہ
۴۱۲	زمین کے روپیہ میں برکت نہ ہونے کا مفہوم
۴۱۳	کمال عبدیت..... متن قرآن کے تین اصول مسائل
۴۱۳	پل صراط
۴۱۴	حق کی پہچان..... بوقت دخول ابواب جنت کھولے جانے میں حکمت
۴۱۶	موت کے وقت مؤمن کا حال:
۴۱۷	ایک بے استعداد طالب علم کا حال:
۴۱۸	حق تعالیٰ شانہ کا امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل عظیم:
۴۱۹	علم خضر علیہ السلام کی مثال
۴۲۰	مثنوی کے شعر سے غلط استدلال
۴۲۱	کاملین اور محققین کی تقلید کا حکم
۴۲۲	جنت بہت بڑا انعام ہے
۴۲۳	طالب علم کیلئے تین ضروری کام..... دعا کے حدود و قیود
۴۲۴	حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کی حکایت
۴۲۷	تقسیم کار کا اصول
۴۲۸	احکام شرعیہ میں رعایت جذبات

۴۲۹	دشمنی اور دوستی کا اعتدال
۴۳۰	راحت کا راز..... غیر عامل واعظ کیلئے وعید
۴۳۱	ہدایت غیر کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں
۴۳۲	نفع رسانی کی حدود
۴۳۳	چند فضول سوالات
۴۳۴	ترقی کا مدار محض اسباب پر نہیں..... جسمانی اعضاء کے گناہ
۴۳۵	علم کی قسمیں.... جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بضرورت مذمت دنیا فرمائی
۴۳۶	اپنی فکر مقدم ہے
۴۳۷	صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا مناسب نہیں
۴۳۸	حضرت امام مالکؒ کی قابل رشک دیانت علم... ہر مسئلہ کی وجہ معلوم ہونا لازم نہیں
۴۳۹	باطل اور حق کے پہچاننے کا سہل طریقہ
۴۳۹	فقہ پر اعتبار نہ کرنے کا انجام..... دعائے مغفرت مطلوب ہے
۴۴۰	فضیلت شب برأت
۴۴۳	حکایت حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ
۴۴۴	خود کو مقدس سمجھنے کی عجیب مثال
۴۴۵	بھولنے کی دو علتیں
۴۴۵	مباحات کے انہماک کے مضر ہونے کا احادیث سے ثبوت
۴۴۹	دین سیکھنے کا سہل طریقہ
۴۵۰	فساد کا انجام..... جھوٹ کی مذمت
۴۵۱	مصنف کی قلبی ظلمت کا تصنیف پر اثر
۴۵۲	اپنی اولاد کو غیر مستند کتب کے مطالعہ سے روکئے
۴۵۳	اہل باطل کی کتب کا مطالعہ مضر ہے..... بلاغت حدیث
۴۵۴	حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ادب
۴۵۵	بنی اسرائیل کی بے ادبی کا انجام
۴۵۶	شیطان کی شرارت..... تفاوت فہم

۴۵۷	دعا کی خاصیت
۴۵۸	آج کل کی رسومات زیادہ خطرناک ہیں
۴۵۸	سلطان محمود غزنوی کی بت شکنی
۴۵۹	مستورات کی اصلاح کی آسان تدبیر
۴۶۰	جنت کو پہلے پیدا کرنے میں حکمت
۴۶۱	تحصیل علم کی اصل غرض محض رضاء الہی ہے
۴۶۲	مسائل کی تحقیق میں حضرت حاجی صاحب کا ارشاد
۴۶۳	مستورات کیلئے طریق تحصیل علم دین... آمین کہنے والا دعا میں شریک ہوتا ہے
۴۶۴	جنگلمینیوں کا عجیب مرض.... شیخ ابن عربی کا مقام
۴۶۵	امام غزالی کی وقعت و عظمت.... کسب اور طلب میں فرق
۴۶۶	نعمت مدرسہ کی قدر اور شکر گزاری.... انگریزی دانوں کی ایک غلطی
۴۶۷	دنیا کے ملعونہ
۴۶۹	اردو میں مسائل پڑھنے کا طریقہ.... دین کی برکات
۴۷۰	غیر عالم کے وعظ میں مفاسد
۴۷۲	قوانین کی دو قسمیں
۴۷۴	پردے سے گھبراتا عجیب بات ہے.... حضرت عارف رومی کے ایک شعر کا مفہوم
۴۷۵	فقہ کی تعریف.... اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل
۴۷۶	مثنوی شریف مضامین حقہ سے لبریز ہے
۴۷۸	مثنوی کا ایک خاص کمال
۴۷۹	محبت کا انحصار تین باتوں پر ہے... عبادت کے مقبول ہونے کی علامت
۴۸۰	حسن تعلیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم.... پیرانی صاحبہ کی عملی تبلیغ
۴۸۱	قبروں کی پختگی پر فخر قابل افسوس ہے.... ہمارے سلف کا فقر اختیار کیا تھا
۴۸۲	استقامت.... مدرسین کی ایک کوتاہی
۴۸۳	کبار بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے
۴۸۴	حج مردانہ.... ریل سے جہنم کی یاد تازہ ہوتی ہے

۴۸۶	بد نظری سے سیری نہیں ہوتی..... الفاظ و معانی
۴۸۷	دروغ برگردن راوی کہنے سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا... بڑوں کی موت میں حکمت
۴۸۸	نماز اور بیت الخلاء میں ہجوم و ساوس
۴۸۹	شادی ایک ماہ کی خوشی کا نام ہے
۴۹۰	تعلق مع اللہ کی برکت..... لیڈران قوم کی خیر خواہی کی عجیب مثال
۴۹۱	حضرت حکیم الامتؒ کا ایک خواب..... تاریکین تقلید کا حال
۴۹۲	غیر مقلدین کی آمین.... آمین کی تین قسمیں.... جنم روگ
۴۹۳	مدعیان عامل بالحدیث کو دو نصیحتیں..... ایک عامی کا عجیب استدلال
۴۹۴	جملہ معاصی میں سخت کلفت ہے
۴۹۶	تعدد کثرت ازواج رسول کریمؐ میں حکمت... عمل کا موقوف علیہ طلب صادق ہے
۴۹۷	و جب عمل علم پر موقوف نہیں.... علم و عمل
۴۹۸	باکمال شخص..... حضرات اہل اللہ پریشان کیوں نہیں ہوتے
۵۰۰	اہل اللہ کا مختلف مذاق.... حکایت حضرت بہلول دانا... اجازت اور مشورہ میں فرق
۵۰۱	احناف تفقہ فی الدین رکھتے ہیں.... تصوف اور فقہ کے معنی
۵۰۲	حضرت مولانا شاہ اسماعیل صاحب شہید حنفی تھے
۵۰۳	اہل حق کو سب و شتم کرنے کا انجام
۵۰۵	نیک صحبت خلوت سے بہتر ہے..... تمنائے موت
۵۰۶	جان کی دو حیثیتیں
۵۰۷	تقلید شخصی کی ضرورت
۵۰۸	تبلیغ کے حدود و آداب..... علاج بالا ضداد
۵۰۹	دین کا مدار اعمال پر ہے
۵۱۰	درجات کا اصل مدار..... مغلوب الحال کی تصانیف کا مطالعہ مضر ہے
۵۱۱	انبیاء علیہم السلام کامل العقل ہوتے ہیں
۵۱۲	احکام الغضب
۵۱۳	قضائی غیر الغضب کے بعد ضرورت سختی

۵۱۴	مسلمانوں کا اجراء حد کے وقت حال... جانوروں کو ذبح کرنا بے رحمی نہیں
۵۱۵	حرارت غریزیہ کی دعا
۵۱۷	تمام علوم کی روح اور تمام اعمال کا مدار
۵۱۸	اسلام اور عیسائیت کے مابین بڑا فرق ہے..... شیطان کا جال
۵۱۹	دین کی حقیقت
۵۲۰	انسان اور دیگر مخلوقات کی اطاعت کا فرق
۵۲۳	حقوق نفس..... اسلام کے چند درجے
۵۲۵	شریعت اور خواب.... درجات اسلام
۵۲۶	اعمال ظاہرہ و باطنہ
۵۲۷	شرف نسب..... شریعت میں ماں کے نسب کا اعتبار نہیں
۵۲۸	ایک جماعت اولیاء کا حال
۵۲۹	شان ملکیت شان نبوت کے تابع ہے
۵۳۰	ایک علمی نکتہ..... قبولیت ذکر کی عجیب مثال
۵۳۱	رحمت خداوندی..... عمل اور رحمت
۵۳۲	معراج کے اسرار..... ترجمہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام
۵۳۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت
۵۳۵	فضائل درود شریف
۵۳۶	زیارت روضہ اقدس کی فضیلت
۵۳۷	ایک نیم ملا کا غلط معنی سمجھنے کے سبب حافظ کو لقمہ دینا
۵۳۸	گیارہویں کرنے والوں کو تاریخی غلطی
۵۳۹	آیت اقل پر ایک اشکال کا جواب
۵۴۰	اصلاح کیلئے تین امور کی ضرورت
۵۴۱	نجات کیلئے ایمان کی ضرورت
۵۴۲	خود ساختہ محقق..... باغی سلطنت
۵۴۳	دین کے جملہ احکام آسان ہیں





## فہرست مضامین

۳۵	تصوف
۳۷	رحمت خداوندی
۳۸	زہد فی الدنیا کے درجے.... معرفت کیا ہے؟
۴۱	مقام کی وضاحت.....مقام رضا.....اہل اللہ کے حالات
۴۲	سلوک میں مقام فنا.....قصود حال نہیں اعمال ہیں
۴۴	اسلام کی ابتداء اور انتہا
۴۵	شان صحابہ رضی اللہ عنہم
۴۶	عارفانہ زندگی.... مسئلہ سماع
۴۷	اہل اللہ کی باتیں.....اہل علم کو خطاب
۴۹	استغراق غیر مقصود ہے
۵۱	خشیت خداوندی.....حصول خشیت کا طریقہ
۵۲	سالک کا نفع عام ہے.....شیخ کامل کی پہچان
۵۳	حقیقت شجرہ....ادب کی تعلیم.....کرامات اولیاء
۵۶	اصطلاحات صوفیا.....ہمہ اوست کے معنی
۵۹	ذکر اللہ کے ثمرات.....صحبت کی تاثیر
۶۰	تصوف کی حقیقت
۶۱	تقویٰ کہا ہے؟.....رحمت حق
۶۲	شہوت کے اقسام
۶۳	نیک صحبت کی ضرورت.....ثمرات صحبت
۶۴	نیک صحبت کے آداب
۶۵	صحبت نیک کا بدل
۶۷	استغراق اور اس کے آداب.....ایثار کی حقیقت
۶۹	ضرورت مرشد.....ترک لذات



۷۰	مقام علماء و صوفیاء
۷۲	اصلاح قلب کی اہمیت
۷۳	اہل جذب کی باتیں
۷۴	اصلاح باطن..... توبہ اور دُعا
۷۵	جمال محبوب.... کشف و کرامات کی حقیقت.... ضرورت شیخ کامل
۷۶	بیعت کے معنی.... حسن تربیت
۷۹	اہل جذب و جنون..... بری صحبت کے نقصانات
۸۰	اصلاح کیلئے مناسبت کی شرط
۸۲	زیادتی عمر نعمت ہے
۸۳	دینی رہبر کی ضرورت
۸۴	عشق مجازی کی تباہ کاریاں..... بڑھاپے میں حفاظت نظر
۸۵	مشائخ کے فرائض..... کراہت کی قسمیں
۸۶	فرقہ ملد متبیہ..... اہل اللہ کا طریق
۸۸	حصول خشوع کا طریقہ
۸۹	اہتمام خشوع کا طریق..... مسئلہ فناء الفناء
۹۰	ہر قدم پر راہبر ضروری ہے
۹۱	علامات صحبت صالح.... اللہ تعالیٰ سے کمال محبت
۹۳	حصول علم کا آسان طریقہ..... شیخ کامل کا معیار
۹۴	حجاب نورانی و ظلمانی
۹۶	توجہ الی اللہ کی حقیقت..... حال و کمال
۹۷	جنت کے راستے
۹۸	امید و خوف..... ایثار کی نادر مثال
۹۹	گناہ سے بچنے کا راستہ..... رجال اور احوال
۱۰۰	رزق کیا غیبی نظام
۱۰۱	معاملات کی درستگی

۱۰۲	خواص کی حالت
۱۰۳	حسن معاشرت
۱۰۵	اعمال پر مدد و امت
۱۰۶	شیطان و وساوس کا علاج
۱۰۷	فتویٰ اور معالجہ..... مشائخ کا طرق علاج
۱۰۸	تفویض میں راحت ہے
۱۰۹	شیخ محقق کا قاعدہ
۱۱۰	وساوس کا علاج..... صحیح استغراق
۱۱۱	مشائخ کی طبائع
۱۱۳	دفع و وساوس کا طریقہ
۱۱۴	تصوف کا ایک مسئلہ..... سالک کیلئے دنیاوی واقعات کی مثال
۱۱۵	اضطراری اور اختیاری غم..... اہل علم میں ایک کمی
۱۲۱	کمال انسانی کی طرق
۱۲۲	ریاضت کی مثال سے وضاحت..... صحبت کے ثمرات
۱۲۴	کشف سے متعلق وضاحت
۱۲۵	تصرفات مشائخ
۱۲۶	توجہ الی اللہ..... ترغیب ذکر اللہ
۱۲۷	منازل سلوک کی ترتیب..... خوف و حزن اور وساوس کا دفعیہ
۱۲۹	معرفت خداوندی
۱۳۲	اصلاح نفس.... اصلاح نفس بہ واسطہ روزہ..... علاج الغضب
۱۳۳	غم کا علاج.... مجاہدہ نفس کی ضرورت
۱۳۴	نظر بد
۱۳۵	علاج امراض باطنہ
۱۳۶	اخلاق طبعیہ مجاہدہ سے زائل نہیں ہوتے
۱۳۷	اصلاح نفس

۱۳۹	راحت کی جگہ عالم آخرت ہے..... درجات اعمال
۱۴۰	تصوف کا حاصل.... اصطلاح قلندر..... فنا کا کام
۱۴۱	شیخ کامل کی علامات..... مرشد کامل کی رہبری
۱۴۳	وساوس کا اثر
۱۴۵	خودی و کبر کا ازالہ
۱۵۰	عمل کی مثال
۱۵۱	معمول اہل تصوف
۱۵۳	بزرگی کے معنی
۱۵۴	رہبر کی ضرورت
۱۵۶	عشق کا طوق
۱۵۷	فرائض کی اہمیت..... ضرورت صحبت
۱۵۸	ایمان کی برکات..... کشف کی حقیقت
۱۵۹	درجات وحدۃ الوجود..... تکوینی و تشریحی امور ان کی علل
۱۶۱	اسلام کے بغیر قرب خداوندی نہیں مل سکتی
۱۶۲	علامت قبول.... محقق و غیر محقق کا فرق..... نفس کا دھوکہ
۱۶۳	منتہی کی طاعت..... رہبر کامل چاہیے
۱۶۵	درجات استقامت
۱۶۸	عالم برزخ
۱۶۹	عالم قبر کی دنیاوی مثال
۱۷۱	کمال دین..... حکیمانہ برتاؤ کی تاثیر
۱۷۲	ذکر اللہ سے دقت..... نفس کے مکائد
۱۷۴	اہل عرفان کی باتیں..... اختلاف طبائع
۱۷۶	شیخ سعدی اور عشق مجازی
۱۷۹	شیخ کا مقام.... ادب..... اہل اللہ کا ادب
۱۸۵	مشورہ کی اہمیت..... عجیب واقعہ

۱۸۶	تصوف کا راہ اعتدال.....حقیقت ریا
۱۸۷	تصوف کی حقیقت
۱۹۰	مبتدی کو ہدایات.....کمال اخلاص.....منتہی کی حالت
۱۹۲	لطافت شریعت.....اصول مشائخ
۱۹۳	غم کا علاج.....حصولِ توجہ
۱۹۵	درجاتِ توجہ.....نفعِ مراقبہ
۱۹۷	حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ذکر
۱۹۸	مشاہدہ و معائنہ.....تعیین طرق.....تراویح میں مجاہدہ
۲۰۱	تفصیل مجاہدہ.....ارکان مجاہدہ
۲۰۲	اہل اللہ کا حال.....جلاءِ قلب کے آثار
۲۰۷	ضرورت خلوت.....حکمت خلوت
۲۰۸	علوم نبوت کا نقل
۲۰۹	اولیاء کی ایک جماعت.....حج رب البیت
۲۱۰	عظمت حق سبحانہ و تعالیٰ
۲۱۲	طریق خشوع نماز
۲۱۳	حقیقت محمدیہ.....شانِ اولیاء
۲۱۶	حسب موقع علاج
۲۱۸	اولیاء کی شان
۲۲۰	اہل سلوک کی اصلاح
۲۲۱	کشف سے دھوکہ
۲۲۲	وساوس کا علاج
۲۲۳	ایک تائب چور کی حکایت.....اخلاقِ حسنہ و ذمیمہ
۲۲۴	مراقبہ کا طریقہ اور نفع
۲۲۵	نگاہ کی خرابی....مردوں کی فضیلت
۲۲۶	نصیحت پر عمل نہ کرنے کا وبال

۲۲۷	ایک غلط قیاس.....امام غزالی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ
۲۲۹	علامات شیخ کامل
۲۳۰	حقوق شیخ.....مسلک ابوذر غفاریؓ
۲۳۲	حضرت مرزا رحمہ اللہ کا ایک واقعہ
۲۳۳	سید حسن رسول نما کی کرامت
۲۳۵	اختیاری و غیر اختیاری.....اپنے مرض کو محقق پر ظاہر کر دینا چاہئے
۲۳۷	عشق علاج و ساوس ہے
۲۳۸	صوفیا پر ایک اعتراض اور اس کا جواب
۲۳۹	اعمال کے ظاہر و باطن کی تحقیق
۲۴۰	شبہات کا علاج صرف تعلق مع اللہ ہے
۲۴۲	نکاح تعلق مع اللہ کی نظیر ہے
۲۴۳	وصول کے دو معنی.....نکاح کا تکوینی راز
۲۴۴	سلوک جذب سے مقدس ہے...حضرت خواجہ باقی باللہ اور ایک بھٹیاریہ کی حکایت
۲۴۵	حضرات نقشبندیہ سلاطین اور حضرات چشتیہ مساکین ہیں:
۲۴۵	سالک کو نہ ملنے پر بھی شکر کرنا چاہئے
۲۴۶	شیطان سالک کے ہمیشہ درپے رہتا ہے
۲۴۷	نسیان و خطا امر غیر اختیاری ہے
۲۴۸	نامرادی کا مفہوم.....منازعات نفس مجاہدہ سے باطل نہیں ہوتے
۲۴۹	تر بیت بھی صحبت پر موقوف ہے
۲۵۰	شیخ کامل کی علامات:
۲۵۱	غفلت خروج عن الاسلام کے خطرے سے خالی نہیں
۲۵۱	کیفیات و آثار پیدا ہونے کا سبب
۲۵۱	وسوسہ کس صورت میں مضر ہو جاتا ہے؟
۲۵۲	وسوسہ غفلت کا ابتدائی اثر ہے.....وسوسہ گناہ نہیں
۲۵۳	غیر اختیاری وسوسوں سے ڈرنا نہ چاہیے

۲۵۵	استغراق کی حقیقت..... شیخ کامل کی ایک حالت
۲۵۶	قلب کو فارغ رکھنے کی ضرورت..... اصلاح کا زیادہ مدار قلب پر ہے
۲۵۷	سلک کی دو قسمیں..... حکایت حضرت سلیم چشتی اور شاہ جہان
۲۵۸	حکایت حضرت فرید الدین عطار
۲۵۹	سلاطین کو اولیاء اللہ کی روحانی دولت کا علم نہیں
۲۵۹	مشائخ کی نظر میں ہر وقت دو باتیں رہتی ہیں
۲۶۰	پریشانی کا اصلی علاج..... ملامت سے ہمت قوی ہو جاتی ہے
۲۶۱	ہمت اور اس کے حصول کی آسان تدبیر
۲۶۳	نفس شیطان سے زیادہ چالاک ہے..... ضعف تعلق پر قناعت کرنا ظلم ہے
۲۶۳	لفظ اللہ اعراف المعارف ہے..... سالک کا حال
۲۶۵	حجاب کی دو قسمیں..... اصل مقصد دل کا رونا ہے
۲۶۶	کیفیات و مقامات کی تمنا خلاف عبدیت ہے
۲۶۸	ساکین کی غلطی..... خطرہ کا ابقاء فعل اختیاری ہے
۲۶۹	قبض کی حقیقت..... شیخ کامل کی تجویز پر بلاچوں و چراغل کی ضرورت
۲۶۹	سلسلہ چشتیہ اور نقشبندی کی حقیقت
۲۷۰	خواب بزرگی کے ثمرات میں سے نہیں
۲۷۱	بزرگوں کی مجلس میں دنیا بھر کی خبریں سنانا لغو حرکت ہے
۲۷۳	مشائخ کا ملین کی علامت..... حجاب کے درجات
۲۷۵	انوار و تجلیات سے متعلق حضرت حاجی صاحبؒ کا مذاق.... اسرار و رموز
۲۷۶	ایک واقعہ..... عورتوں کے لئے صحبت اہل اللہ کا نعم البدل
۲۷۷	مسئلہ وحدت الوجود درحقیقت حالی ہے... شیخ کامل سے اصلاحی تعلق کی ضرورت
۲۷۸	شیخ کی رائے پر عمل کی ضرورت.... اہل اللہ سے محض وابستگی کافی ہے
۲۷۹	ذکر ربانی عدم ذکر سے بہتر ہے..... حقیقت تصوف
۲۸۰	کشف کوئی مطلوب شئی نہیں
۲۸۱	تصوف کی اصطلاحات کی دو قسمیں



۲۸۲	تفاضل بین الاولیاء کی ممانعت..... حضرت ابوذر غفاریؓ ہرگز ناقص نہ تھے
۲۸۳	حضرات صحابہؓ سب کامل تھے
۲۸۴	سالک کو شیخ کے سامنے مردہ بدست زندہ ہونا چاہیے
۲۸۵	نفس کشی کا امر..... نفس کے تین اقسام
۲۸۶	عارفین پر فنا کا غلبہ ہوتا ہے... قرب امور مامور بہ میں امور اختیار کو دخل نہیں
۲۸۸	مجاہدہ کی حقیقت.... نفس کی چال
۲۸۹	تقاضائے نفس کی تین اقسام
۲۹۰	اطاعت کا سہل طریق اہل اللہ کی صحبت ہے
۲۹۰	حضرت فرید الدین عطار کا اپنے مرید کے عشق مجازی کا علاج
۲۹۱	حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کا غیبت کرنیوالے پر عتاب
۲۹۱	استقامت کا مقام..... توجہ کی قسمیں
۲۹۲	دوستی کے بارے میں ضرورت احتیاط.... امراء کی صحبت کی خاصیت
۲۹۳	صحبت اہل اللہ کی قوت جاذبہ
۲۹۴	ابو جہل بڑا معجز تھا.... راحت باطنی کی تحصیل کا طریق
۲۹۵	حرکت میں برکت..... سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت
۲۹۷	محبت قائد ہے... دودن میں حصول محبت الہی کا طریق... حضرت غوث اعظم کی ایک حکایت
۲۹۹	اہل اللہ کا فیض عام
۳۰۰	شیطان سے بچنے کی صورت... وساوس کا علاج.... نفس کو عمل پر آمادہ کرنیکا ایک حیلہ
۳۰۲	رسم و رواج ظاہری اور باطنی مفاسد..... طریق اصلاح
۳۰۴	مجاہدہ اختیار یہ اور مجاہدہ اضطراریہ کے ثمرات.... ایک بزرگ کا عجیب واقعہ
۳۰۵	اہل اللہ کی صحبت کا اثر..... اہل اللہ کی حالت
۳۰۷	شیخ و مرید میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے.... باطنی احوال و مقامات کی حدود
۳۰۸	اسم اعظم کی نگہداشت اور اس کے حقوق
۳۰۹	توجہ الی اللہ اصل مطلوب ہے..... وصول مطلوب نہیں

۳۱۰	گناہ کی حقیقت..... مجاہدہ اضطراریہ سے اصلاح نفس... قبض کی حکمتیں
۳۱۱	حضرت سلطان الاولیاء کے جنازہ کا حال
۳۱۲	اشراف نفس اور ادب شیخ
۳۱۳	حضرت مولانا گنگوہیؒ کی شیخ سے محبت..... ایک بزرگ مولانا احمدؒ کی حکایت
۳۱۵	صحبت اہل اللہ کس صورت میں مفید ہو سکتی ہے
۳۱۷	مشائخ کا دامن صراط الرسولؐ پر چلنے کا وسیلہ ہے
۳۱۹	حکایت حضرت شیخ عبدالحق ردو لوی..... بزرگوں کی صحبت اختیار کرنیکی ضرورت
۳۲۰	حضرت حاجی صاحب کے ایک خادم کی حکایت
۳۲۲	ارادہ کے ساتھ بزرگوں کی توجہ کی ضرورت ہے
۳۲۳	حکایت حضرت حافظ شیرازیؒ... حکایت حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ
۳۲۴	اہل اللہ سے تعلق کا منشاء
۳۲۵	جائے بزرگاں بجائے بزرگاں
۳۲۷	علم حقیقی حاصل کرنیکا طریق.... عارفین کی نظر موجودہ کمالات پر نہیں ہوتی
۳۲۸	بزرگوں کے نقص کی مثال
۳۳۰	کشف قبور.... فیض کی دو قسمیں
۳۳۰	تصوف کی حقیقت.... حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی حکایت
۳۳۱	بزرگی کی تعریف.... مراتب کو سمجھنے کے لیے بصیرت کی ضرورت
۳۳۲	اصرار معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہتی.... حال کا مفہوم
۳۳۲	حق تعالیٰ جھوٹ موٹ نام لینے سے بھی عنایت فرماتے ہیں
۳۳۲	رہبر کامل کے دامن پکڑنے سے دولت ملتی ہے
۳۳۵	دینی مقاصد کے مجاہدے کبھی بے ثمرہ نہیں ہوتے
۳۳۵	دوام ترک معاصی عادیہ حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے
۳۳۵	عارف سے نہ گناہ ہوتا ہے نہ بعد ہوتا ہے.... موانع کا مقابلہ
۳۳۶	کیفیات نہیں اعمال مطلوب ہیں
۳۳۷	وسوسہ کے ساتھ بھی ذکر نافع ہے.... رضا کی طلب ہی طلب الہی ہے

۳۳۸	کیفیات کے مزے میں پڑنے کی نشانی
۳۳۹	اہل اللہ کو نعیم دنیا بلا مشقت ملتی ہیں.... زہد کے لیے ترک لذات کافی نہیں
۳۴۱	سلوک طریق کے اجزاء.... نفس کی قید
۳۴۲	اصلاح دل کا دستور العمل
۳۴۳	کامل کی علامت... نفس سے کام لینے کا طریقہ.... حضرت موسیٰ کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم
۳۴۴	حضرت خضر علیہ السلام کا علم لدنی تھا
۳۴۵	حکایت حضرت شبلیؒ
۳۴۶	بدزگاہی اور اس کا علاج
۳۴۷	بد نظری کی دنیا میں سزا
۳۴۸	قلب کو گناہ سے روکنے کے تین درجات
۳۴۹	بد نظری کا علاج.... مہمان کو کھانا کھلانے کا ایک ادب
۳۵۰	اہل اللہ کے الفاظ میں بھی تاثیر ہوتی ہے
۳۵۰	میزبانی کا ایک اور ادب
۳۵۱	لا علمی کے کرشمے.... قساوت کیا ہے؟
۳۵۳	شیخ کا ایک ادب..... اصلاح باطن کیلئے اہل علم کو توجہ کی ضرورت
۳۵۴	رسومات زمانہ.... اصل کارآمد عمل ہے
۳۵۵	بیعت مروجہ کی مصلحت.... آداب طریقت.... ولایت کی دو قسمیں
۳۵۶	سلوک عمل بالشریعت کا نام ہے.... غلطی کا منشاء
۳۵۷	جذب کی حقیقت.... چشتیہ اور نقشبندیہ کا فرق
۳۵۹	قرآن سے جذب کا استدلال
۳۶۰	ذکر و اطاعت
۳۶۱	کتب علوم مکاشفہ و اسرار کے مطالعہ کا حکم.... تارک دنیا ہونا بڑا مشکل ہے
۳۶۲	الفاظ میں بڑا اثر ہے
۳۶۵	ایک مبتلائے عشق مجازی کا علاج
۳۶۸	صرف اصلاح ظاہر کافی نہیں

۳۶۹	غفلت کے درجات
۳۷۰	حق سبحانہ تعالیٰ کا غایت کرم..... عقلی و طبعی بشارت
۳۷۱	شیخ کامل کی ضرورت
۳۷۲	حضور قلب کی عجیب مثال
۳۷۳	اثابت کے درجات... سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کا ادب اور حیا
۳۷۴	طالب اور مطلوب کی باہم احتیاج
۳۷۵	ترک تعلقات کی حقیقت..... غیر اللہ کی محبت انتہائی مذموم ہے
۳۷۶	حقیقت احسان..... ضرورت احسان
۳۷۹	وساوس شیطانی کا علاج
۳۸۰	ناجائز کی دو اقسام
۳۸۱	محقق کی دوراندیشی..... کیفیات کی کیفیت
۳۸۳	ارکان مجاہدہ..... ضرورت مجاہدہ..... تین مبغوض لوگ
۳۸۴	بسیار خوری کے نقصانات
۳۸۵	ضرورت اہتمام جمعیت قلب..... نفسانی لذت
۳۸۶	شہوت کا علاج..... احتمال خطرہ عظیم
۳۸۷	وساوس کا علاج
۳۸۹	مقصود سلوک
۳۹۰	انسان کی صورت اور حقیقت..... فکر کا اعتدال
۳۹۱	مخلوق کا وجود سراپا احتیاج ہے
۳۹۲	ذکر کا لطف..... حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۳۹۳	اہل وجد کا حال..... اعمال میں خلوص کی ضرورت
۳۹۴	عالمگیر کے بہرہ پے کا واقعہ
۳۹۵	ہمت بڑھانے کا گر..... ذکر لسانی اور ذکر قلبی
۳۹۷	فرن تعبیر کا بزرگی سے کوئی تعلق نہیں..... طریق عنایت خاصان حق
۳۹۸	اصل زندگی تو اہل اللہ کی ہے..... حکایت حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی

۳۹۹	حکایت حضرت جنید و حضرت شبلیؒ
۴۰۰	حکایت حضرت صاحب جی..... ایک مقبول الدعوات بزرگ کی حکایت
۴۰۲	اصلاح کا آسان دستور العمل
۴۰۳	خلاصہ دستور العمل.... اطلاع و اتباع
۴۰۷	کم گوئی کے فوائد
۴۰۸	تعلیم رجا..... دعا کا ادب
۴۰۹	عبادت اور ریا..... حب جاہ کا نقصان
۴۱۱	اخلاص اور اس کی علامت
۴۱۲	رضا بر قضا..... جھگڑوں کا سبب
۴۱۳	بدگمانی سے پرہیز.... علم میں اخلاص کی ضرورت.... حقیقت اخلاص
۴۱۴	علم و عمل..... اصول اخلاق
۴۱۵	صبر کی تین قسمیں
۴۱۶	نظر کا مرض
۴۱۷	اخلاق حمیدہ و رذیلہ
۴۱۸	متکبرانہ معاشرت..... ہوس جاہ
۴۲۲	تواضع کی شناخت
۴۲۴	اسراف کی تفصیل..... تواضع
۴۲۵	اسراف کی حقیقت..... تفاخر کی ممانعت..... غیبت کی صورت
۴۲۷	اخلاق ندارد.... حسن اخلاق کے ثمرات.... قوت استغفار
۴۲۸	لعنت اور غیبت
۴۲۹	اخلاق کیا ہے؟..... حب جاہ
۴۳۰	حضرت عمرؓ اور پابندی شریعت
۴۳۲	رضائے حق..... ضرورت رضائے حق
۴۳۵	صاحب جاہ..... خدمت خلق
۴۳۷	فہم و فراست..... حقیقت توکل



۴۳۸	بے صبری کی علامت.... صبر کے معنی.... تدبیر کی دو صورتیں
۴۳۹	صبر کا مفہوم..... دنیا کی حقیقت
۴۴۰	حق تفویض..... تفاخر و تکبر
۴۴۲	تکبر کا عملی علاج..... کمال استغفار
۴۴۴	راضی ہر ضار ہونے کی ضرورت..... خشوع کا طریقہ
۴۴۵	تکبر کی قباحت..... ترک عجب
۴۴۶	حضرت یوسفؑ کا توکل
۴۴۷	طریقہ دعا..... اقسام فکر
۴۴۹	غصہ اور اس کے مضرات
۴۵۲	اللہ کی محبت
۴۵۳	تواضع..... عوامی تواضع
۴۵۴	تدابیر اصلاح..... خلاصہ وعظ
۴۵۵	بد نظری کا نقصان
۴۵۶	بدگمانی سے احتراز..... لایعنی امور سے احتیاط
۴۵۷	فضول باتوں سے پرہیز
۴۵۸	لوگوں کی عادت..... حرص کی قسمیں..... طالب جاہ
۴۵۹	جامعیت اخلاق..... اخلاق ذمہ کے دنیوی نتائج
۴۶۲	مبلغ کو صبر و استقلال کی تعلیم.... تبلیغ ہر مسلمان پر ہے
۴۶۳	اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
۴۶۴	غیر ضروری کے ترک کی دو صورتیں
۴۶۵	اخلاق سے اشاعت اسلام..... خوف ورجاء
۴۶۶	رحمت خداوندی
۴۷۳	جھوٹ کی اقسام..... غیبت کی کدورت
۴۷۴	سلوک کا تقاضا
۴۷۵	اسوہ نبوی متعلق دنیا



۴۷۸	تلقین صبر
۴۷۹	حب دنیا
۴۸۲	ریا مع اللہ
۴۸۳	تعلیم اعتدال..... فنا کی حقیقت
۴۸۴	شوق تلاوت
۴۸۵	تعلیم اخلاص
۴۸۷	رذائل کا امالہ
۴۸۸	ارضائے خلق للحق ریا نہیں..... اخلاق اور ریا کا حال
۴۸۹	واقعہ امام صاحب..... خلوص کا معیار
۴۹۳	امالہ رذائل..... عمل اور جنت
۴۹۶	نعمت جنت..... حقیقت توبہ
۴۹۷	رحمت و مغفرت
۵۰۱	ترک معاصی کا ایک درجہ..... تسلیم و رضا..... اخلاص کی تعلیم
۵۰۲	غصہ کا عملی علاج
۵۰۴	فضیلت ضبط..... مظلوم و مغلوب کی رعایت
۵۰۵	تواضع..... عہد فاروقی کا ایک واقعہ
۵۰۸	جانوروں سے ہمدردی.... ذبح کے آداب
۵۰۹	حقیقی رحم کا فقدان
۵۱۴	وضو سے قرب الہی..... غصہ کا علاج... اہل عرب کا ایمان
۵۱۷	غصہ کے دیگر علاج
۵۱۹	مرد و عورت کے غصہ کا فرق..... حسد کی قباحت
۵۲۰	بھاوج کا غصہ
۵۲۱	قلم کی غیبت
۵۲۲	تفریح کے نام پر گناہ..... عہد رسالت کا ایک واقعہ
۵۲۳	طاعت کے پیرایہ میں معصیت

۵۲۶	مجلس شیعہ میں حضرت شہیدؒ کا وعظ
۵۲۸	غیبت کا نسب نامہ
۵۲۹	وسوسہ ریا..... کمال تواضع
۵۳۰	تکبر کا منشاء اور بنیاد جہالت ہوتی ہے
۵۳۲	حقیقت تقویٰ
۵۳۳	اعتدال طعام
۵۳۵	نیت لباس..... ریا کی کھانا
۵۳۶	رسمیں دو قسم پر ہیں..... نکاح میں فضول خرچی... انبیاء علیہم السلام کی دلیری
۵۳۷	حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کو تین باتوں کا حکم
۵۳۸	اسباب میں توکل..... اسباب کے تین اقسام.... خواص متوکلین کی ایک غلطی
۵۴۰	صفت توکل میں کمی..... دعا بھی اسباب توکل میں شامل ہے
۵۴۱	اقتدار الی اللہ منافی توکل نہیں..... تدابیر کی مشروعیت میں حکمت
۵۴۲	بعض اہل حال و خواص سے معاملہ
۵۴۲	توکل کے لئے ایک ضروری دستور العمل:
۵۴۲	حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ اور مولانا جامیؒ کی حکایت:
۵۴۲	اخلاق حسنہ کام نام و نشان مسلمانوں میں مٹ رہا ہے:
۵۴۴	نعمتوں کی دو اقسام..... وجودی اور عدمی نعمتیں
۵۴۶	حق تعالیٰ شانہ سے محبت حاصل کرنے کا طریقہ:
۵۴۷	عورتوں کو اپنے شوہروں کے شکر کی ضرورت.... دل کا شکر
۵۴۸	کامل شکر.... فرح بطر اور فرح شکر میں فرق
۵۵۰	بعض علماء و مشائخ کا باہمی حسد..... دل کی عجیب و غریب مثال
۵۵۱	توجہ الی المحبوب کے تین درجات.... محض خوف ریا کو مانع عبادت نہ سمجھو
۵۵۲	اکابرین کے صدقات میں صبر جمیل کے چند واقعات
۵۵۳	دل کھول کر گناہ کرنے سے ارمان نہیں نکلتا
۵۵۴	لوگ ناموری کی خاطر شادی میں زیادہ خرچ کرتے ہیں

۵۵۵	حضرت صدیق اکبر کا ایک عجیب واقعہ استقلال
۵۵۷	اپنے گناہوں کو بہت زیادہ سمجھنا تکبر ہے
۵۵۸	اسرار کی مثال..... حکایت حضرت جنید
۵۶۰	غفور رحیم کی خبر سے مقصود
۵۶۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی
۵۶۲	ضرورت توبہ..... ضبط اعمال کا مفہوم
۵۶۳	توبہ کا قانون..... حکایت حجتہ الاسلام حضرت نانوتوی
۵۶۴	اخلاق کے مراتب
۵۶۵	اخلاق ذمہ کا صرف امالہ مطلوب ہے... حضرت امام حسینؑ کا اپنے غلام سے غفور درگزر
۵۶۶	خوف کو ترک معاصی میں بڑا دخل ہے... غیبت کا منشاء کبر ہے
۵۶۷	غیبت حق العبد بھی ہے..... بدگمانی بڑا جھوٹ ہے
۵۶۸	مدرسہ دارالعلم ہے..... اتفاق کی اصل
۵۶۹	کبر سے احتراز کی ضرورت..... کبر دلوں کے اندر ایک چنگاری ہے
۵۷۱	تکبر تمام اخلاق ذمہ کا اصل الاصول ہے... شیخی عورتوں کی سرشت میں داخل ہے
۵۷۲	دین دار اور تعلیم یافتہ عورتوں میں بھی شیخی کا مرض ہے:
۵۷۳	بخل طبائع پر غالب ہے:
۵۷۵	اخلاق مامون الرشید
۵۷۹	اخلاق باطنہ..... طاعت کے ساتھ خوف کی ضرورت
۵۸۰	اطاعت کی حالت میں خوف کا ہونا محبت کا مقتضاء ہے
۵۸۰	ریا و دکھلاوے کی نیت سے ثواب نہیں پہنچتا
۵۸۲	اعتدال کے درجات
۵۸۳	اعتدال کی قسمیں..... اسراف اور تفاخر کا منشاء
۵۸۶	بچوں کو غصہ میں سزا نہ دینے کا حکم... حقیقت توکل... حضرت علیؑ کی نگہداشت نفس
۵۸۷	غلبہ شوق کی روحانی خرابی... خواص کا ایک مرض
۵۸۸	دوسروں کی فکر کا اصل منشاء... ذکر ریائی... غیبت گناہ جاہی ہے

۵۸۹	اسراف کی خرابیاں.....حقیقت اسراف
۵۹۰	حضرت ذوالنون مصریؒ کی تواضع...حضرت مولانا گنگوہیؒ کی تواضع
۵۹۱	اسراف بخل سے زیادہ برا ہے...لباس میں اسراف
۵۹۲	اسراف کی حد حقیقی....امتیاز شان کی نیت شرعاً کبر ہے...ترفع اور تکبر کا عملی علاج
۵۹۳	رضائے حق کی لذت
۵۹۵	اللہ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ....خشیت اعتقادی
۵۹۶	اسباب تکبر....حسد بہت مخفی مرض ہے....غیبت کی خرابیاں
۵۹۷	غیبت سے عداوت پیدا ہوتی ہے.....نفس کا مکر
۵۹۸	نامشروع تحریر کا حکم.....کثرت کلام کا منشاء
۵۹۹	اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کے مقاصد
۶۰۰	بزرگوں کے چند واقعات
۶۰۱	عورتوں سے خطاب.....جملہ رسوم کا مبنی
۶۰۲	حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ.....اور مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت
۶۰۳	غصہ کا علاج.....بدگمانی کا علاج.....غیبت کا منشاء
۶۰۴	غیبت کا ضرر و مفسدہ.....شاہجہاں کے صعوبت زوال کی حکایت
۶۰۶	تجسس کے بعض افراد دقیق ہیں
۶۰۷	کفر و شرک کا مبنی.....صفت کبر مضا دا ایمان ہے
۶۰۸	رسومات بیاہ و شادی میں تفاخر کا منشاء.....مفاسد غیبت
۶۰۹	حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کا مذاق....یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے
۶۰۹	حضرت امام اعظمؒ کی اپنے صاحبزادہ کو نصیحت
۶۱۰	حضرات اکابر دیوبند کی بے نفسی
۶۱۱	مسلمان کی اصل کامیابی.....منتظر سلام رہنا تکبر کی علامت ہے
۶۱۲	فقراء کا تکبر عجیب ہے.....شکر کا مفہوم
۶۱۳	اہل علم میں اخلاق حسنہ کی کمی پر اظہار افسوس
۶۱۴	ٹھنڈا پانی پینے میں حکمت.....بیت المال میں ضرورت احتیاط

۶۱۵	ہمت و ارادہ پر نصرت خداوندی.... حضرت گنج مراد آبادیؒ کی سادگی
۶۱۷	حضرت حاتم اہمؒ کی حکایت
۶۱۸	ذکر ریائی..... لطیفہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
۶۱۹	شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی حکایت متعلق پردہ پوشی
۶۲۰	ہر گناہ کی توبہ الگ ہے..... غیبت محرمہ
۶۲۱	تواضع حاصل کرنے کا طریقہ.... غرباء میں بھی مرض حب جاہ ہوتا ہے
۶۲۲	درستی باطن کا خلاصہ..... اہل اللہ کی زندگی پر لطف ہونے کا راز
۶۲۳	اللہ تعالیٰ کے عاشق صادق بننے کی ضرورت
۶۲۴	اخفاء عبادت میں ریا..... فنا بغرض شہرت کبر ہے
۶۲۵	بزرگوں کا مذاق..... وسوسہ ریا ریا نہیں
۶۲۶	وسوسہ کی مثال..... توبہ کرنے کا ایک فائدہ عاجلہ
۶۲۷	اخلاق صرف ظاہری نرمی کا نام نہیں.... اخلاق کا مفہوم
۶۲۸	شفقت میں ضرورت اعتدال..... ریا سب کے آخر میں دل سے نکلتی ہے
۶۲۸	ہمارے اعمال کی حالت
۶۳۱	اعمال صالحہ کی تین صورتیں... حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید کی طبعاً نرم مزاجی
۶۳۲	تواضع سے رفعت حاصل ہوتی ہے
۶۳۳	سرہانے کی طرف بیٹھنے کی دو حیثیتیں
۶۳۴	شکر کی حقیقت.... حکایت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
۶۳۵	تطیب قلب مسلم میں ریا نہیں
۶۳۶	دنیا کی عجیب مثال..... توکل کا درجہ فرض
۶۳۷	ریا ہمیشہ نہیں رہتی..... حقیقت تواضع
۶۳۸	حضرت صدیق اکبرؓ کا ادب



## اجمالی فہرست

۳۴	اتباع سنت .....
۸۴	حقوق العباد .....
۱۳۸	فقہی مسائل .....
۴۰۸	تعویذات و عملیات .....
۴۲۲	لطائف و ظرائف .....
۴۳۶	معاشرت .....



## فہرست مضامین

	اتباع سنت
۳۴	غربا کی قدر.....حقیقی کرامت
۳۵	نکاح میں ہم عمری کا لحاظ
۳۶	غم کے لمحات میں اسوہ حسنہ
۳۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا مقصد.....مجالس میلاد
۳۸	بدعت کی مذمت.....مثالی طرز معاشرت
۳۹	اتباع حکمت
۴۰	عارفین کی حالت
۴۲	محبت رسول کے حقوق
۴۳	اطاعت رسول کا انعام.....درجات اتباع
۴۵	اتباع سنت کا معیار
۴۶	اشراف نفس
۴۷	حقوق رسالت
۴۸	شغل اور استغراق
۴۹	اکابر کا اتباع سنت
۵۰	حالت غم میں اسوہ حسنہ
۵۱	بدعت سے احتراز.....اتباع شریعت
۵۲	عیادت کا حق.....ہر حالت کیلئے اسوہ حسنہ

۵۳	سیدۃ النساء کا نکاح
۵۴	رضاء محبت..... افعال میں اعتدال
۵۵	حقیقت ولایت..... عظمت رمضان..... نسبت مع اللہ
۵۶	ادب و تکلف کا فرق
۵۷	تعلیم اعتدال..... صحابہ کی کمال اتباع
۵۸	حضرت فاطمہؓ کی منگنی
۵۹	نکاح فاطمہؓ..... رخصتی
۶۰	اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
۶۱	سنت کا ادب
۶۲	دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے قریب چھپنا مسنون ہے
۶۳	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال دونوں متبوع ہیں
۶۵	نفس کے حقوق..... پرسکون زندگی صرف شریعت پر چلنے سے نصیب ہوگی
۶۷	علماء مشائخ کا ایک خلاف سنت عمل.... صحابہؓ کی محبت کا ایک قصہ
۶۹	آداب رزق.... کھانے کے آداب تعلیم فرمانے میں حکمت
۷۰	اطاعت رسول دو چیزوں سے مرکب ہے
۷۰	مستورات کا شادی کی تقریبات میں پردے کو پس پشت ڈالنا
۷۱	امر بالمعروف کے حدود و قیود
۷۱	حضرات صحابہؓ کا عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۷۲	سلف کا طرز مناظرہ
۷۳	کھانے میں حضرت ضامن شہید کا اتباع سنت
۷۴	حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی شادی کا حال

۷۵	ولیمہ اور اس کی حقیقت
۷۶	شریعت پر عمل کرنے والا بادشاہ ہے... دوستوں کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے
۷۷	حقوق نفس میں حکمت..... زمانہ طاعون میں تیجہ دسواں موقوف رہا
۷۸	ریل پر سوار ہوتے ہوئے کیا پڑھنا چاہیے
۷۹	پردہ اہتمام کی ضرورت..... لباس میں اتباع سنت
۸۱	اپنی اصلاح مقدم ہے..... محبت کا تقاضہ اطاعت ہے
	<b>حقوق العباد</b>
۸۴	قرض کا ضرر..... اہل و عیال کے حقوق
۸۵	عہد کی پاسداری
۸۶	جانوروں کے حقوق
۸۷	اصلاح مرض
۸۸	حقوق البہائم
۸۹	حق العبد کی اقسام
۹۰	حکومت عادلہ کی مثال
۹۲	خصوصی حقوق
۹۳	حقوق العباد کی تلافی کا طریقہ
۹۴	تین حق
۹۵	دوسروں کی راحت کا خیال
۹۷	کافر کا مال..... نئی ایجادوں سے تائید دین
۹۸	اہمیت حقوق العباد..... حقوق العباد
۹۹	ریل کا کرایہ

۱۰۰	وقف و میراث..... فیصلہ کا طریقہ..... اہل خانہ کی خبر گیری
۱۰۲	بچوں پر ظلم
۱۰۳	اہل اللہ کی حالت
۱۰۴	مسلمان اور حقوق انسانی
۱۰۵	حقوق المال
۱۰۶	حقیقی مفلسی
۱۰۷	ذاتی حقوق..... اہمیت حقوق
۱۰۸	حقوق کی نگہداشت
۱۰۹	میراث میں بے احتیاطی..... فضولیات سے اجتناب
۱۱۰	حقوق محکوم پر حکایت عجیب.... خانگی معاملات
۱۱۲	مسئلہ حق العبد
۱۱۳	مسئلہ مساوات مرد و زن..... حقوق والد و پیر
۱۱۵	خرچ زوجہ
۱۱۶	حقیقت حق
۱۱۷	نکاح میں تناسب عمر
۱۱۸	نکاح کا جو اثر زوجہ پر ہوتا ہے اس سے بھی ہم کو سبق لینا چاہیے
۱۱۸	میاں بیوی میں کبھی شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے
۱۱۹	مرد بیوی کی باتوں کا بہت تحمل کرتا ہے
۱۲۰	حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو اقسام
۱۲۰	حقوق العباد کا اہتمام حقوق اللہ سے زیادہ ہے
۱۲۱	باپ کے مرجانے کے بعد اس کا حق

۱۲۱	حقوق اللہ کی ادائیگی ذکر اللہ حقیقی ہے..... حقوق اللہ کی اقسام
۱۲۲	حقوق العباد حقوق اللہ کی قسم ہے..... حق العبد کی اہمیت
۱۲۲	حقوق العباد کی ادائیگی درویشی میں داخل ہے
۱۲۳	حقوق کی تین اقسام
۱۲۵	سفر ریل میں زائد اسباب لے جانے کی ممانعت... مالی حقوق کی اہمیت
۱۲۶	غیر مالی حقوق کا طریق معافی... حقوق اللہ کی دو اقسام
۱۲۷	بیوی کے الگ رہنے کا مطالبہ اس کا حق ہے... اولاد کے حقوق
۱۲۸	نفس کا حق
۱۲۹	والدین کے حقوق کی رعایت..... جھوٹی گواہی دینے کا حکم
۱۳۰	حقوق العباد کی چار قسمیں..... رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق
۱۳۱	احکام چندہ..... بہنوں کا حق
۱۳۲	شریعت میں اعتدال کی تعلیم
۱۳۳	خشوع مستحب اور خشوع واجب..... حقوق کی رعایت
۱۳۵	اصلی کام..... ترکیب تحصیل خلوص و احسان
	<b>فقہی مسائل</b>
۱۳۸	ارادہ عمل کا سبب غالب ہے
۱۳۹	میلا دمنانے کا آسان طریقہ
۱۴۰	برتنوں کی واپسی..... احکام چندہ
۱۴۱	مدعی مجتہد کا واقعہ..... تقریبات میں کھانے کا مسئلہ
۱۴۲	تلاوت قرآن کا مسئلہ... میراث میں مقررہ حصے... مال میراث غبن کرنے رواج
۱۴۳	صحت قرأت کا اہتمام..... ایک فقہی مسئلہ

۱۴۴	بدوعا سے ہلاکت میں تفصیل
۱۴۵	احکام مسجد.... دین سیکھنے کی ضرورت.... اجرت و نفقہ میں فرق
۱۴۶	مسجد میں بیع سے بچنا چاہئے..... احکام نماز..... احکام تصرف
۱۴۷	رسمی مشائخ کا ظلم..... خالی آنے جانے کا مسئلہ
۱۴۹	احکام کا ظلم
۱۵۰	عظمت مساجد..... نماز جمعہ
۱۵۱	اہل علم کو احتیاط کی ضرورت..... آداب تعزیت.... مسئلہ عشر و زکوٰۃ
۱۵۳	عشر کا مصرف
۱۵۴	تاویل سے نفرت
۱۵۵	حیلہ سے بچنے کی ترکیب
۱۵۶	عشر اور زکوٰۃ کا فرق..... قنوت نازلہ پڑھنا..... ایک سوال کا جواب
۱۵۷	جبہ شریف کے متعلق احکام
۱۵۸	دینی احکام علماء نے نہیں بنائے
۱۵۹	مقدار مہر
۱۶۰	ایک جاہل کی حکایت
۱۶۱	چاندی کا مسئلہ..... مقام ادب..... حرمت سود
۱۶۲	مسئلہ درود
۱۶۲	اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ہو المسک ما کررتہ یتضوع
۱۶۲	نماز عید..... فکر دین کے ثمرات
۱۶۳	مسئلہ طلاق و میراث..... بہنوں کا حصہ میراث
۱۶۵	مسائل نماز جمعہ



۱۶۶	شب برأت کی بدعات..... سفر میں روزہ
۱۶۸	بڑھیا کا مسجد میں آنا..... کافر سے سود لینا..... مغلوب العقل کا چندہ
۱۶۹	حق شفیعہ..... رائے دینے اور مسئلہ بتانے کی اجرت
۱۷۰	نفل حج کا مسئلہ..... باطنی تصرف..... نکاح کیلئے تعویذ
۱۷۱	حج اور تجارت..... احکام و مسائل نکاح سیکھنا ضروری ہیں
۱۷۲	ایام تعزیت کی حد
۱۷۳	تفقہ فی الدین
۱۷۴	فقہاء کی کمال فراست..... بلوغ کی قسمیں..... چند مسائل
۱۷۵	احداث فی الدین
۱۷۶	آج کل کے مجتہد
۱۷۷	صدقہ فطر
۱۷۸	افتاء کی مہارت
۱۷۹	واعظ کا تقرر
۱۸۰	قریب المرگ کیلئے حکم
۱۸۱	خسوف اور نکاح..... حق العبد مقدم ہے..... مریض کے احکام
۱۸۲	نیت کے کرشمے
۱۸۳	کسی کو کافر کہنا..... احتیاط کی ضرورت
۱۸۴	احکام تبلیغ و دعوت..... ایک حکایت
۱۸۵	اقسام تبلیغ
۱۸۶	مسائل بتانے میں احتیاط..... نماز سے غفلت
۱۸۷	اہل دین سے دنیا کا سوال..... جمعیت قلب

۱۸۸	اہل زمانہ سے واقفیت..... شرط داخلہ جنت
۱۸۹	بغاوت کی سزا
۱۹۰	شہادت قلب کا حکم
۱۹۱	عظمت والدین
۱۹۲	تکلیف دور کرنے کا نسخہ..... فضیلت طول قیام یا کثرت سجود
۱۹۳	ملکیت جسم..... ایمان کی حفاظت
۱۹۴	کمال کا تقاضہ..... مسئلہ استیجار علی العبادۃ
۱۹۵	مساجد کا استحکام ضروری ہے، نقش و نگار ضروری نہیں بلکہ ناجائز ہے
۱۹۵	فقہاء و صوفیاء
۱۹۶	وجوب قربانی..... عید گاہ میں نماز
۱۹۷	مداومت کی قسمیں..... قربانی میں ریاکاری
۱۹۸	قربانی کی حقیقت..... عمدہ قربانی کی جائے
۱۹۹	میت کی طرف سے قربانی... حرام جانور کی قربانی... جانور کی خرید میں احتیاط
۲۰۰	گوشت کی تقسیم
۲۰۱	کھال کا مصرف
۲۰۲	ذبح کے مسائل
۲۰۳	نہایت اہم مسئلہ..... زمانہ اجتہاد
۲۰۵	اجتہاد فی الفرع باقی ہے..... احکام المسجد
۲۰۶	جمال شریعت..... شریعت کا کمال شفقت
۲۰۷	چرم قربانی کا مسئلہ..... قدرت خداوندی
۲۰۸	مسائل طلاق

۲۰۹	نبوت کا حکم
۲۱۰	ایک مسئلہ..... داڑھی کا ثبوت
۲۱۱	خبر قطعی کا حکم
۲۱۲	جن اسباب کا ترک کرنا حرام ہے... ادنیٰ شئی مسکین کو کس نیت سے دینا جائز ہے
۲۱۲	مشترکہ مال خرچ کرنے کے چند شرائط
۲۱۳	ترکہ کی تقسیم میں چند عظیم کوتاہیاں
۲۱۴	دین کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے.... کافر بنانا اور کافر بتانا میں فرق
۲۱۵	یقینی امر نبوی ﷺ کا انکار کفر ہے.... رسومات کی حقیقت... رسم نبوت کے مفاسد
۲۱۶	باپ کی میراث میں عورتوں کا حصہ ہے
۲۱۷	غدر و سرقت کافر سے بھی حرام ہے
۲۱۸	بڑے مفسدہ کے خوف سے چھوٹے مفسدہ کو گوارہ کرنا.. حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے
۲۱۹	مسئلہ وقف
۲۲۰	کیمیانا جائز ہے..... یزید پر لعنت کرنے کا حکم
۲۲۱	دینی امور میں اپنی رائے دینا بڑا مرض ہے
۲۲۱	مضاربت..... فقہاء کی پردہ میں احتیاط
۲۲۲	باپ کے مرتے ہی لڑکیوں کا ترکہ لینے سے انکار کرنا شرعاً معتبر نہیں
۲۲۲	مستعمل ٹکٹ کا حکم
۲۲۳	ختم تراویح میں حافظ کو چندہ دینا ناجائز ہے
۲۲۵	نابالغ ورثہ کے مال میں تبرع حرام ہے
۲۲۶	تلاوت قرآن شریف پر اجرت لینا حرام ہے
۲۲۶	فضول کاموں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے

۲۲۷	علماء کا مقام.....حکم ضیافت
۲۲۸	طریقہ طلاق....نکاح ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے
۲۲۹	ناموافقت مزاج کے ساتھ نباہ مشکل ہے
۲۳۰	بوقت ضرورت ایک طلاق دی جائے
۲۳۰	سلام میں پہل کرنا.....چار انگشت حریر کا استعمال جائز ہے
۲۳۱	اغلاط العوام
۲۳۲	مردار کی ہڈی بعد رطوبت خشک ہو جانے کے پاک ہے
۲۳۳	قول صحابیؓ بھی حجت ہے
۲۳۴	اتباع فقہ اتباع وحی ہونے کا مفہوم
۲۳۵	تقلید کی حقیقت کی مثال.....آئمہ مجتہدین پر اجتہاد ختم ہونے کی دلیل
۲۳۶	مجازیب کے بارہ میں حکم...کثرت رائے مطلق حجت نہیں
۲۳۶	مجتہدین کے اختلاف کا حکم
۲۳۷	شریعت کی شفقت...جہاد فرض عین اور فرض کفایہ...سادات کی عظمت
۲۳۸	سجدہ شکر کی ممانعت کا سبب.....مستورات کی آواز کا پردہ
۲۳۹	غمی میں ایصال ثواب کے لئے اجتماع کی ضرورت نہیں...اجتہاد کی مثال
۲۴۰	مسئلہ استیذان
۲۴۱	لیڈران قوم کو مسائل نماز بھی معلوم نہیں....بکیت میں نماز کا قصر
۲۴۲	ایک لیڈر کا تیمم
۲۴۳	ایک بیوہ کا کلمہ کفر
۲۴۴	ایک مسئلہ.....اجتہاد ہر ایک کے بس کی بات نہیں....اردو میں خطبہ جمعہ کا مسئلہ
۲۴۵	شریعت کی آسانی.....جرت عابد کی حکایت

۲۴۷	مساجد کے نقش و نگار..... ترکہ کے مال میں ضرورت احتیاط
۲۴۸	تجوید سیکھنا فرض ہے..... پھلوں کی مروجہ بیج
۲۴۹	تیس سالہ تحقیق
۲۵۰	اللہ تعالیٰ کو عاشق رسول کہنا سخت گناہ ہے.... رضاعی بہن سے نکاح
۲۵۱	مسئلہ زکوٰۃ..... عامی کو ہر صورت میں مجتہد کی تقلید واجب ہے
۲۵۲	استیلاء کا فر موجب ملک ہے
۲۵۳	حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عمل بالحدیث.... مصافحہ متمم سلام ہے
۲۵۴	امور تکوینیہ میں دعا جائز ہے..... مستحب اور واجب میں فرق
۲۵۴	پردے کی احتیاط..... ارتکاب معاصی
۲۵۵	تقویٰ کامل
۲۵۶	مقدمات زنا بھی حرام ہیں.... برا کام ہمیشہ حرام سمجھ کر کیا جائے.. حرام مال کا مسئلہ
۲۵۷	خلاف ادب..... قیاس بھی حجت ہے
۲۵۸	نیت کا مفہوم..... اتحاد کی ہر فرد مستحسن نہیں
۲۵۹	احکام اسلام کی شفقت..... ایک عجب واقعہ
۲۵۹	عوام کو اہل اللہ کی گستاخی اور بے ادبی جائز نہیں
۲۶۰	قرآن فروشی
۲۶۱	ایک مسئلہ..... عید میلاد منانا بدعت و ضلالت ہے
۲۶۳	بجز مکتوبات محترمہ کے دوسرے تبرکات کا قبر میں رکھنا جائز ہے
۲۶۳	تعظیم رسالت کی جامعیت
۲۶۵	بدعات کے لیے وقف ناجائز و باطل ہے... میراث میں غصب مع مستورات
۲۶۶	زنا کی شہادت

۲۶۷	احکام فقہ..... فقہاء کی کمال فراست
۲۷۱	معاملات
۲۷۲	اقسام معاملہ
۲۷۳	افتاء میں احتیاط
۲۷۴	نظم کی ضرورت..... درستی معاملات کی ضرورت
۲۷۵	مشتبہ رقم کی واپسی
۲۷۶	دوسروں سے حسن ظن..... شان فاروقی.... ریلوے کی حق تلفی
۲۷۷	مالی احتیاط
۲۷۸	معاملات میں کوتاہی..... فقہ اور اہل علم
۲۸۰	سودی مال اور محقق کی حقیقت
۲۸۱	رشوت کا حشر.... نیوتہ کے مفاسد
۲۸۲	حقوق نفس
۲۸۳	باہمی معاملات و معاشرت کے احکام کا خلاصہ
۲۸۴	مشورہ میں اختیار
۲۸۵	کسب معاش میں حدود کی رعایت
۲۸۶	میراث میں غبن..... ایک غاصب کا علاج
۲۸۸	تغییر منکر
۲۹۰	گیارہویں کے سائل کو حضرت حکیم الامتؒ کا جواب:
۲۹۱	سفارش کی حقیقت
۲۹۳	بیع فاسد کی تمام صورتیں سود ہیں
۲۹۳	آج کل معاملات میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں



۲۹۳	معاملات اور حقوق کی چند مفید عام کتب..... ایک کاتب کا کارنامہ
۲۹۴	عورتوں کی ایک نامعقول حرکت
۲۹۵	آداب ملاقات:
۲۹۶	صفائی معاملات بھی ذکر موت میں داخل ہے:
۲۹۸	حدود معاملات..... اسلاف کی احتیاط
۲۹۹	مشائخ و علماء کو شفقت میں اعتدال کی ضرورت
۳۰۰	اولیاء اللہ کی طبیعتوں میں بڑا انتظام ہے
۳۰۰	رئیس ضلع بلند شہر کے رسم چہلم ختم کرانے کا واقعہ
۳۰۱	مسلمانوں میں صفائی معاملات کا فقدان ہے..... آداب ضیافت
۳۰۲	ایک دیندار ڈپٹی کی حکایت
۳۰۴	حضرات صحابہؓ کی عجیب شان
۳۰۵	اہل دین کا شفقت میں غلو
۳۰۷	آخرت
۳۰۸	دودھ والی رات کا واقعہ..... دنیا و آخرت
۳۰۹	دنیا کی حقیقت
۳۱۰	دنیا بقدر ضرورت..... موت کی یاد
۳۱۱	دعوت تدبیر..... امور آخرت میں تفکر
۳۱۲	ایک قابل عمل بات.... کلام عارف.... شوق لقاء میں موت کی تمنا جائز ہے
۳۱۳	آخرت کو مقدم رکھئے..... ارادہ دنیا کی قسمیں
۳۱۴	طرز تعزیت..... عقبی میں نیکیوں کی قدر
۳۱۵	تفکر آخرت..... عذاب قبر کا واقعہ

۳۱۶	صدقات جاریہ
۳۱۷	موت کی یاد
۳۱۸	اہل تقویٰ کی حالت.....تعلق مع اللہ کی برکات
۳۱۹	علیؑ و معاویہؓ
۳۲۰	صحابہ کی تسلی.....دنیا میں نعم البدل
۳۲۱	مغفرت کا بہانہ.....یزید اور لعنت
۳۲۲	عہد صحابہ میں ترقی کا مدار
۳۲۳	گناہوں میں ارضاء خلق
۳۲۴	فکر عاقبت.....ایصال ثواب کا طریقہ
۳۲۶	اصلاح کا نسخہ.....مکان آخرت.....عالم آخرت کے احوال
۳۲۸	زمین کی روٹی
۳۲۹	چھوٹے عمل کا بڑا اجر
۳۳۰	وقت ایک نعمت عظمیٰ ہے....مراقبہ کی حقیقت.....مسلمانوں کا اصل مقصود
۳۳۱	آخرت سے ذہول پر مولانا جامی کی تنبیہ...غفلت کا علاج تذکرہ آخرت ہے
۳۳۲	آخرت کی دو قسمیں.....مراقبہ موت
۳۳۳	منکر نکیر موت کے ایک مقررہ وقت کے بعد آتے ہیں
۳۳۳	حکایت قاضی یحییٰ بن اسلم
۳۳۴	حضرت رابعہ بصریہ کا منکر نکیر کو عجیب جواب
۳۳۵	حیات برزخہ
۳۳۶	غفلت کا علاج
۳۳۷	آخرت کے لئے تدابیر کی ضرورت.....آخرت کے دو درجے

۳۳۸	موت کو یاد کرنے کا طریق
۳۳۹	آخرت کے ثواب و عذاب کی ضرورت استحضار... درستی معاد کا طریق حصول
۳۴۰	حق تعالیٰ شانہ کی ناراضگی سے ڈرنے کی ضرورت... بیماری ڈرنے کی چیز نہیں
۳۴۱	کوئی مومن بشارت عند الموت سے محروم نہیں... اہل محبت کو وحشت نہیں ہوتی
۳۴۲	فکرِ آخرت کی ضرورت..... تمام غلطی کی جڑ
۳۴۳	فضولیات و ممنوعات کی بنا غفلت ہے
۳۴۴	جنازہ کی موجودگی میں غفلت
۳۴۵	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قبر پر رونے کا سبب
۳۴۵	بڈھوں کا یہ لفظ کہ ہم چراغ سحری ہیں صرف زبان ہی پر ہے
۳۴۶	گناہ بے لذت فوراً چھوڑنے کی ضرورت
۳۴۶	مراقبہ موت کی ضرورت
۳۴۹	غفلت کا اصل سبب
۳۵۰	قریب المرگ سے معاملہ..... کفن دفن میں تاخیر مناسب نہیں
۳۵۲	موت کی خبر دور دراز دینا مناسب نہیں... صاحب ہدایہ کا عجیب نکتہ
۳۵۳	حضرت زین العابدینؑ کی خشیت خداوندی... ایک دنیا دار عالم اور درویش
۳۵۵	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عجیب حکایت عدل
۳۵۶	جنت میں حسد نہ ہوگا... مضرتِ آخرت سے بچنے کا طریق
۳۵۷	حضرت اکابر صوفیاء کی عمدہ لباس اور عمدہ غذا میں نیت
۳۵۸	عورتوں کا دنیا میں انہماک و اشتغال... روزانہ محاسبہ نفس کی ضرورت
۳۵۹	حضرات مجتہدین کا خوف الہی... عورتوں کے قبرستان جانے کا حکم
۳۶۰	نا اہل کو علم دین پڑھانے کا انجام

۳۶۱	امور اختیار یہ کی قسمیں
۳۶۲	ہم ہر وقت سفر آخرت میں ہیں.....! لوازم سفر
۳۶۳	دل سے خیالات مٹانے کی عمدہ تدبیر
۳۶۴	سفر آخرت کا الارم
۳۶۵	شفاعت کبریٰ
۳۶۶	حکایت مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم
۳۶۸	خوف خدا
۳۶۹	اشیاء جنت کی حقیقت
۳۷۰	آخرت کی دو حالتیں.... اہل ایمان دوزخ میں امیدوار نجات ہوں گے
۳۷۱	اہل دوزخ میں باہم بھی عداوت ہوگی
۳۷۳	جنت میں نیند کی خواہش نہیں ہوگی
۳۷۴	روزانہ اپنے محاسبہ کی ضرورت
۳۷۵	سیاسیات
۳۷۶	سلطنت کی حیثیت..... لیڈر کی نماز
۳۷۷	امارت و سیادت
۳۷۸	احساس ذمہ داری
۳۷۹	دین میں قطع و برید..... مقام ادب اور تعمیل حکم
۳۸۱	قرآن اور جمہوری نظام.... حکومت ذمہ داری ہے
۳۸۳	حصول اقتدار کیلئے سعی
۳۸۵	باہمی جھگڑے..... کثرت رائے کی حقیقت
۳۸۶	حاکم کی اطاعت

۳۸۷	مذہب اور سیاست.... مشروعیت جہاد کی علت.... موجودہ سیاست
۳۸۸	تعلیم اعتدال..... ہوس اقتدار
۳۸۹	سلطنت کی ضرورت
۳۹۱	اسلام اور جمہوریت
۳۹۲	کثرۃ رائے کی حیثیت
۳۹۳	باہمی مشاورت
۳۹۴	مقصود سلطنت
۳۹۵	خلافت صدیقی کی افضلیت
۳۹۶	اہل یورپ کے نزدیک جمہوری سلطنت بہتر ہے
۳۹۷	قرآن پاک سے سلطنت جمہوری کا اثبات نہیں ہوتا
۳۹۸	اسلام اور مال..... شاہی اور فقیری کا فرق
۳۹۹	حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سلطنت کی عجیب تفسیر
۴۰۰	سلطنت تقرب الی اللہ کا سبب نہیں..... علم کی دو قسمیں
۴۰۱	بد امنی میں صبر و سکون کی تعلیم
۴۰۲	معاملات و معاشرت اور سیاسیات دین کا حصہ ہیں... کثرت رائے سے فیصلہ
۴۰۳	سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ فرمانے میں حکمت
۴۰۴	بعض کتب ناقابل مطالعہ ہیں
۴۰۶	حضرات صحابہؓ کا حال
	<b>تعویذات و عملیات</b>
۴۰۸	سحر کی اقسام..... ایک عوامی غلطی..... عورت کی تسخیر کا عمل کرنا کیسا ہے؟
۴۰۹	دعا کی طاقت..... صحابہ کرامؓ کی حالت

۴۱۱	راز محبوبیت.... ممنوع تعویذ..... وظائف و اوراد قابل قدر ہیں
۴۱۲	تعبیر خواب
۴۱۳	عمل تسخیر
۴۱۵	نسبت پر عملیات کا اثر
۴۱۶	جن بھگانے کے لئے اذان..... مرض طاعون کا ازالہ
۴۱۷	مسئلہ اجازت عملیات..... تعویذ کی حیثیت
۴۱۸	وکیل کی مخالفت الی الشر کی اجازت نہیں
۴۱۹	زیارت نبوی غیر اختیاری چیز ہے
	<b>لطائف و ظرائف</b>
۴۲۲	ضعیف اور ضعیفہ..... آمین کی اذان
۴۲۳	حفاظ جی کھائی..... اکبر اور بیر بل کا لطیفہ
۴۲۴	جنت میں بوڑھیاں
۴۲۵	کافر بنانا یا بتانا..... بڑھاپے کے اثرات... امراء و سلاطین میں نفرت موت
۴۲۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں حکمت
۴۲۷	مزاح مباح
۴۲۸	بزرگوں کے مزاح میں حکمت
۴۲۹	حضرت شیخ الہند کی ظرافت
۴۳۰	ایک حبشی کے آئینہ پانے پر حکایت... مزاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۴۳۱	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں حکمت
۴۳۲	بھوکوں کو ہیضہ کے تمنا کرنے کی حکایت



	معاشرت
۴۳۶	مقام ادب
۴۳۷	ہدایا کے آداب
۴۳۸	تدریس کا طریقہ
۴۳۹	اہل اللہ کی حالت..... آداب مجلس
۴۴۰	معاشرتی زندگی کا اہم سبق
۴۴۱	جدید معاشرت کی حالت
۴۴۲	معاشرتی آداب کے فوائد..... فقیرانہ طرز زندگی
۴۴۳	شادی کی فضولیات
۴۴۵	معاملات کی اہمیت
۴۴۶	خیر القرون میں اسلامی معاشرت..... آداب مجلس
۴۴۷	ایک عابدہ کا واقعہ
۴۴۹	مشورہ کی اہمیت
۴۵۰	رسومات کی تباہی
۴۵۱	مسئلہ استیذان
۴۵۲	آداب معاشرت
۴۵۳	دوسروں کو تکلیف نہ دیجئے
۴۵۴	ضیافت کا ادب..... آداب عیادت..... اقسام رسوم
۴۵۸	اقسام مجالس
۴۵۹	مذہب کا ست
۴۶۰	مسئلہ اجازت..... ایک قائدہ..... معاشرت بطور جزو دین

۴۶۱	معاشرت جزو دین ہے
۴۶۲	عورتوں کا دستور العمل..... نبی معاشرت.... امراء کی قابل رحم حالت
۴۶۳	اہل اللہ کی معاشرت
۴۶۴	شادی بیاہ کی رسومات
۴۶۵	غایت ادب..... سفارش کی تین صورتیں
۴۶۶	معاشرتی لا پرواہی..... آجکل کے واعظین
۴۶۷	سادگی علامت ایمان
۴۶۸	عورتوں کی عادت
۴۶۹	اسلامی قوانین
۴۷۰	معاشرتی ادب..... حسن معاشرت
۴۷۱	بد وضع کا اثر
۴۷۲	خوبی معاشرہ..... باہمی محبت کا راز
۴۷۳	مخلوق پر شفقت کا انعام..... مصیبت کا مفہوم
۴۷۴	امور معاشرت میں غفلت..... فضول خرچی
۴۷۵	مسئلہ ملکیت
۴۷۶	اسلامی طرز معاشرت
۴۷۷	کتابا لانا جائز کیوں ہے..... آج کل کی معاشرت کا خلاصہ
۴۷۸	ضیافت سے متعلق ضروری امر..... دین کے پانچ اجزاء
۴۷۹	عورتوں کو آپس میں مسنون طریقہ پر سلام کی ضرورت
۴۷۹	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کے آداب
۴۸۱	استیذان کا حکم..... استیذان میں حکمت

۴۸۲	سونے والوں کی رعایت کا حکم
۴۸۳	آداب گفت و شنید
۴۸۴	عورتوں کا کفرانِ عشیر
۴۸۵	نظر بد سے بچنے کا طریقہ
۴۸۵	بہنوں کا حق میراث نہ دینا ظلم ہے
۴۸۶	مستورات کی زیورات سے محبت کا حال
۴۸۷	گھر کا بگاڑنا اور سنوارنا عورتوں کے ہاتھ میں ہے
۴۸۷	بحث مباحثہ میں بڑی گنجائش ہے
۴۸۸	راقم گنہگار لکھنے کی مثال
۴۸۸	تان کر سلام کرنے کی مذمت
۴۸۹	حضرات سلف کا مذاق
۴۸۹	استیذان کا حکم
۴۹۰	سفر میں ضروری سامان کی حاجت
۴۹۱	لارڈ ڈفرن کا اسلامی وضع کو پسند کرنا
۴۹۲	بے پردگی شرمندگی
۴۹۳	جدید فیشنوں میں اسراف کثیر
۴۹۴	اہل زینت کی اقسام
۴۹۴	غریب آدمی کی فکر آرائش اسراف ہے
۴۹۴	تعلیم معاشرت
۴۹۵	فتح بیت المقدس کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عالم

۴۹۷	سادگی سے شادی کی ضرورت
۴۹۷	میزبان کے لیے ایک ضروری ہدایت
۴۹۷	حضرت امیر معاویہؓ اور ایک بدوی کی حکایت
۴۹۸	نظافت تو شریعت میں مطلوب ہے
۴۹۹	بچوں کی معاشرت..... مہمان کا اکرام
۵۰۰	آج کل کے مصافحہ کا غلو.... لباس معیار لیاقت نہیں
۵۰۲	مشکل الفاظ بولنے کا مرض
۵۰۳	علوم محمودہ اور مذمومہ کی مثال
۵۰۴	اجزائے دین..... اولاد کی اصلاح کا فکر..... عورتوں کی تربیت
۵۰۵	تشبہ کی ممانعت
۵۰۶	عبادت کی حقیقت..... اتفاق کی صورتیں
۵۰۷	جدید تعلیم یافتہ حضرات کا حال
۵۰۷	غیر قوموں کی تقلید
۵۰۷	مدعیان عقل کی ایک حکایت
۵۰۸	مردوں کو حضرات انبیاء علیہم السلام اور مستورات کو سیدۃ النساء کی تقلید کی ضرورت



# عقائد

- ایمان باللہ رسالت
- دیگر ضروریات دین
- ان کے متعلق اسلامی عقائد و نظریات
- دین میں عقائد کی اہمیت و ضرورت

## شان جلال و جمال

حق تعالیٰ کی دو شانیں ہیں ایک جلال ایک جمال۔ جمال لطف و رحمت وغیرہ ہے اور جلال وہ جسے آپ سختی و قہر سمجھتے ہیں۔ عاشق یہ چاہے گا کہ دونوں کو پہچانوں بغیر اس کے اسے صبر نہیں آتا۔ کیونکہ ایک رخ کی معرفت تھی دوسرے کی نہ تھی۔

یہی راز ہے آدم علیہ السلام کے جنت سے اخراج میں۔ یعنی جب وہ جنت میں تھے انہیں صفت محسن منعم و کریم کی بدرجہ عین الیقین معرفت تھی اور عادل منتقم عفو، تواب، رحیم، رؤف کی معرفت بدرجہ علم الیقین تو تھی مگر بدرجہ عین الیقین نہ تھی۔ حق تعالیٰ کو ان کی معرفت کو مکمل کرنا مقصود تھا۔ اس کے لئے سامان یہ ہوا کہ ممانعت کے بعد بوسوسہ شیطان گیہوں کا دانہ کھالیا۔ گو اس کا بھی انہیں ثواب ملا۔ کیونکہ یہ ان کی اجتہادی خطا تھی۔ ارشاد ہوا جنت سے باہر ہو جاؤ اس وقت انہیں عادل منتقم کی معرفت ہوئی اس کے بعد توبہ کرنے سے توبہ قبول ہوئی تو تواب کی معرفت ہوئی پھر معاف ہو گیا تو عفو کی معرفت ہوئی پھر رحمت خاصہ متوجہ ہوئی تو رؤف رحیم کی معرفت ہوئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آدم علیہ السلام کی معرفت اور ان کا عین الیقین کے درجہ تک مکمل نہ ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں سے ان کے معارف اور کمالات بڑھائے جاتے ہیں۔ یہی راز ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار آیا۔ ابن مسعودؓ سے فرمایا مجھ کو بہ نسبت تم لوگوں کے دو گنا بخار ہوتا ہے اور اجر بھی دو گنا ہوتا ہے چونکہ ان کو معرفت کامل بلکہ اکمل عطا ہوتی ہے اسلئے ان کے لئے بیماری بھی سب سے بڑھ کر ہونی چاہئے۔ صحت بھی اوروں سے بڑھ کر بیماری بھی اوروں سے بڑھ کر۔ یہی شان ہے انبیاء و صلحاء کی اور اسی مشاہدہ کی بدولت انہیں بلا میں اس قدر مسرت ہوتی ہے کہ آپ کو انعام میں بھی نہیں ہوتی۔

نفی الحدیث اللهم لا عیش الا عیش الاخرۃ (الامتحان ج ۹)



## حقیقت ایمان

ایمان ہر وقت فرض ہے اور مومن ہر وقت مومن ہے اس کی کوئی ساعت ایمان سے خالی نہیں حالانکہ ایمان کی حقیقت تصدیق بالقلب ہے اب اگر دوام ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اس تصدیق کا ہر وقت استحضار رہے تو ظاہر ہے کہ ہر وقت اس کا استحضار نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ دوام کے کوئی اور معنی بھی ہیں پس سمجھو کہ دوام ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ایک بار تصدیق کا استحضار کر کے پھر اس کی ضد کا استحضار نہ ہو جب تک ضد کا استحضار نہ ہوگا اس وقت تک اس استحضار کو باقی سمجھا جائے گا اور یہ شخص ہر ساعت میں مومن ہے یہ تو شرعی مثال ہے جس سے دوام کے یہ معنی معلوم ہوئے اور محسوسات میں بھی اس کی چند مثالیں ہیں مثلاً مشی فعل اختیاری ہے اور ہر قدم کا اٹھانا فعل اختیاری ہے اور فعل اختیاری مسبوق بالقصد ہوتا ہے مگر کیا ہر قصد جدید ہوتا ہے ہرگز نہیں اگر ایسا ہو تو مشی دشوار ہو جائے لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ ابتداء میں جو ایک بار قصد کیا ہے وہی آخر تک مستمر ہے علیٰ ہذا ستار بجانے والے کا ہر نقرہ فعل اختیاری مسبوق بالقصد ہے مگر یہاں بھی ہر نقرہ پر قصد جدید نہیں ہو سکتا ورنہ ستار بجانا دشوار ہو جائے گا اور یقیناً خراب بجے گا پس یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ ایک ہی قصد آخر تک مستمر ہے غرض شریعات سے اور محسوسات سے ہر طریقہ سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ ایک ہی مستمر ہو سکتا ہے اب سمجھئے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھی ہے اور اس وقت دل میں ارادہ ہے کہ ظہر بھی پڑھوں گا تو اس کا یہ قصد مستمر کیوں نہ ہوگا گو درمیان میں استحضار نہ رہے اب صوفی صاحب سن لیں کہ دوام صلوٰۃ صورت صلوٰۃ میں بھی ہو سکتا ہے یعنی صلوٰۃ کے ساتھ خاص نہیں۔ (الرباط ج ۱۱)

## توحید کامل

اسلام کی خوبی دیکھئے کہ اس میں توحید ایسی کامل ہے کہ دنیا کے کسی مذہب کی توحید ایسی کامل نہیں چنانچہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اسلام میں حرام ہے۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں نے فارس و روم کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم بھی آپ کو سجدہ کیا کریں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حرمت کو کس عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا۔ جس سے اس فعل کی لغویت بخوبی ظاہر ہو گئی۔ فرمایا یہ تو بتلاؤ اگر تم میرے مرنے کے بعد میری قبر پر گزرو تو کیا میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے۔ حضرات صحابہ کیسے سلیم العقل تھے۔ جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر اب ہی کیوں سجدہ کرتے ہو۔ خوب سمجھ لو کہ غیر خدا کو سجدہ کرنا حرام ہے اور اگر میں خدا کے سوا کسی کے لئے سجدہ جائز کرتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں (حضور نے اس جواب میں بتلا دیا کہ جو چیز فانی ہے اور اس کے ظہور فنا کے بعد تم اس کو سجدہ کرنا گوارا نہیں کرتے۔ وہ اس وقت بھی سجدہ کے قابل نہیں۔ کیونکہ وہ اس وقت بھی فانی ہے۔ حضرات صحابہ سلیم العقل تھے۔ اور بات کو سمجھ گئے کہ مرنے کے بعد انسان سجدہ کے قابل نہیں ۱۲ جامع اگر آج کل کے لوگ ہوتے تو کہتے حضور ہم تو آپ کی قبر کو ایک بار کیا چار مرتبہ سجدہ کریں گے۔ اس واقعہ سے اسلام کی توحید کا کامل ہونا معلوم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اشاعت اسلام سے اپنی تعظیم کرانا نہ تھا کیونکہ جو شخص بڑا بننا چاہتا ہے وہ تو خود اس کی کوشش کیا کرتا ہے کہ لوگ میرے سامنے جھکیں مگر حضور کی یہ حالت ہے کہ لوگ از خود آپ کو سجدہ کرنا چاہتے تھے اور آپ نے ان کو اس سے منع کیا اور صرف منع ہی نہیں کیا بلکہ اپنا فانی ہونا ان پر ظاہر کر دیا۔

مگر پھر بھی بعض جہلاء و کفر کا حضور پر یہ اعتراض ہے کہ آپ (نعوذ باللہ) بڑا بننا چاہتے تھے اور دلیل میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضور نے حج کے موقع پر ایک صحابی کو اپنے موئے مبارک دیئے تھے کہ مسلمانوں میں ان کو تقسیم کر دو۔ اس پر وہ جاہل لکھتا ہے کہ دیکھئے حضور نے اپنے بال اس لئے تقسیم کرائے تاکہ لوگ ان کو تبرک سمجھ کر تعظیم سے رکھیں تو گویا آپ نے بڑا بننا چاہا۔

استغفر اللہ! یہ آج کل کی فہم و عقل ہے۔ افسوس اس شخص کو عبادت و محبت کے مقتضی میں بھی فرق معلوم نہیں۔ واقعی کفار کو محبت و عشق کا چہ کہ نہیں لگا۔ اسی واسطے وہ ایسے واقعات کی حقیقت نہیں سمجھتے۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ ان لوگوں کو جواب بھی نہ دیا جاوے اور یہ کہہ دیا جاوے۔

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذارتا بمیرد در رنج خود پرستی  
عشق کے بھید مدعی کے سامنے مت کہو، اسکو چھوڑ دو تاکہ غرور اور گھمنڈ میں مر

جائے۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

## مغفرت خداوندی

ابوداؤد کی حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد اور ایک فاسق کا۔ عابد تو دن رات عبادت میں رہتا اور یہ دن رات گناہ اور فسق و فجور میں رہتا تھا وہ عابد اس کو نصیحت کیا کرتا تھا کہ تو یہ حرکتیں چھوڑ دے اس نے کہا کہ میاں تم اپنے کام میں لگو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں جانوں میرا خدا جانے۔ غرض ایسا فاسق تھا کہ نصیحت سے بھی باز نہ آتا تھا۔ ایک روز عابد نے اس کو کسی برے عمل میں دیکھا تو غصہ میں آ کر کہا کہ تجھے خدا تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا۔ یہ دعوے کا لفظ تھا۔ اس کے بعد دونوں کی موت آ گئی حکم ہوا کہ عابد کو دوزخ میں لے جاؤ اور فاسق کو جنت میں لے جاؤ اور عابد سے کہا گیا کہ کیا میری رحمت تیرے اختیار میں تھی جو تو نے میرے بندہ پر قطعی حکم لگا دیا کہ تجھ کو خدا تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا اب ہم تجھ کو دوزخ میں لے جاتے ہیں اور اس کو جنت میں اگر تجھ سے ہو سکے تو روک لے۔

یاد رکھو! جو شخص اسلام کا دعویٰ کرتا ہو یعنی زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہو تو وہ اس وقت تک کافر نہیں ہوتا جب تک کسی ایسی بات کا انکار نہ کرے جو ضروریات دین میں سے ہے مثلاً نماز کے فرض ہونے کا انکار کرے یا روزہ کی فرضیت کا انکار کرے یا اور جو چیزیں ضروریات دین سے ہیں ان میں کسی کا انکار کر لے تب تو البتہ اسلام سے خروج ہوتا ہے اور جو ضروریات کا انکار نہ کرے، ہاں عمل میں سستی کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے اس پر ایسا سخت حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ یہ بالکل اسلام سے خارج ہو گیا اور ابد الابد کیلئے حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا آخر کفر سے پہلے گناہ کا مرتبہ بھی تو ہے اور اس میں دو درجے ہیں صغیرہ اور کبیرہ۔ اہل حق کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے بھی خروج عن الاسلام نہیں ہوتا اور اس پر خلود فی النار نہ ہوگا اور یہ بھی عقیدہ ہے کہ شفاعت اہل کبار کو پہنچے گی۔ بڑے سے بڑا کبیرہ بھی اگر کوئی کرے اور ساری عمر کرتا رہے اور کبھی اس پر نادم بھی نہ ہو، نہ توبہ کرے اور مرتے وقت بھی توبہ نصیب نہ ہو تب بھی اہل حق کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کو خلود فی النار نہ ہوگا چاہے اس کو ہزار برس تک دوزخ میں رہنا پڑے اور گناہوں کی سزا میں چاہے کیسا ہی سخت سے سخت عذاب بھگتنا پڑے مگر کبھی نہ کبھی دوزخ میں سے ضرور نکال لیا جاوے گا۔ (الاسلام الہدی ج ۱۲)

## عقائد اصل ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فمن لم يستطع فبلسانه فمن لم يستطع فبقبله و ذلك اضعف الايمان (او کما قال) (الصحيح لمسلم: ۶۹)

کہ جو کوئی تم میں سے امر منکر کو دیکھے۔ تو اس کو ہاتھ سے مٹائے۔ یا زبان سے یاد دل سے۔ یہ مقتضا ہے امر منکر کا شرعاً۔ پھر یہ کیا غضب ہے کہ ہم لوگ امر منکر کو دیکھ کر نہ ہاتھ سے روکتے ہیں، نہ زبان سے، نہ دل سے نفرت کی جاتی ہے۔ بلکہ اعمال میں کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ وہی بشارت ہے، وہی دوستی ہے۔ جیسے کامل الایمان کے ساتھ ہوتی ہے۔ گویا آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے وکیل و مختار ہیں۔ کہ جس چیز کو چاہیں معاف کر دیں، اور جس منکر سے چاہیں قطع نظر کر لیں۔ تو بات یہ ہے۔ کہ لوگوں نے عقائد کی اہمیت سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ وہ یہ سمجھ گئے کہ اہمیت عقائد کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد اصلاح اعمال کی ضرورت ہی نہیں اور یہ بالکل غلط ہے۔ اس لئے اس اعتبار خاص سے اعمال زیادہ مہتمم بالشان ہو گئے ہیں۔ اس واسطے یہاں کلام کو تو اسی بالا اعمال کے ذکر پر ختم کیا گیا۔ تاکہ اس طرز خاص سے مخاطب کو معلوم ہو جائے۔ کہ گوا اعمال عقائد سے ذکر میں مؤخر ہیں۔ مگر ختم کلام پر مذکور ہونے سے ان کی اہمیت بھی مطلوب ہے اور وہ بھی مہتمم بالشان ہیں۔ سو یہ اتنی تو ضروری چیز، مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اعمال کی طرف سے ہم بہت بے فکر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عقائد اصل ہیں اور اعمال فروع۔۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

## تکمیل عقائد

عقائد کی تعلیم سے تکمیل اعمال بھی مقصود ہے۔ یعنی عقائد کی تعلیم اس لئے بھی کی گئی ہے۔ کہ ان سے اعمال میں کام لیا جائے۔ اس کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِى الْأَرْضِ وَلَا فِى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِى كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ.

ترجمہ: تم کو جو کچھ بھی مصیبت ارضی یا سماوی پہنچتی ہے۔ وہ سب مقدر ہو چکی ہے۔ قبل ازیں



کہ مصیبت کو پیدا کریں۔ (اور چونکہ خدا تعالیٰ کا علم کامل ہے۔ اس لئے) بے شک یہ بات خدا کے لئے آسان ہے۔ (کہ وہ ظہور سے پہلے مصائب وغیرہ کو مقدر کر دیں) اس کے بعد فرماتے ہیں:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ

(یہ مضمون تم کو اس لئے بتلایا گیا) تاکہ تم کسی فوت شدہ چیز پر غم نہ کرو اور حاصل شدہ پر اتر آؤ نہیں، یہ تعلیل ہے یا ماسبقگی۔ جس کا تعلق خبر نام بذلک مقدر سے ہے۔ یعنی ہم نے تم کو اس مسئلہ کی تعلیم اس لئے کی۔ تاکہ تم مغموم نہ ہو اور اتر آؤ نہیں۔ اب غور کے قابل یہ امر ہے۔ کہ لام کے غایت کے واسطے لایا جاتا ہے اور اوپر مسئلہ تقدیر کا ذکر ہے۔ تو اس کی علت و غایت و دوسری آیت میں بتلائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تم کو مسئلہ تقدیر اس لئے تعلیم کیا ہے۔ کہ جب تم اس کے معتقد ہو گے۔ تو تم کو حزن و فرح نہ ہوگا اور مسئلہ تقدیر کا یہ اثر مشاہد ہے۔ جو لوگ تقدیر کے معتقد ہیں۔ وہ مصائب و حوادث میں منکرین تقدیر سے زیادہ مستقل اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ تو اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ مسئلہ تقدیر کا ثمرہ ایک عمل بھی ہے۔ یعنی حصول تفویض و توکل اور اس کا عمل ہونا ظاہر ہے۔ پس عقائد ہر چند کہ خود بھی مقصود ہیں۔ مگر ان کو تکمیل عمل میں بھی بڑا دخل ہے اور یہ دخل مطلوب بھی ہے۔ جیسا کہ آیت میں لکھلا تا سوا (تاکہ تم غم نہ کرو) سے مستفاد ہوتا ہے۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

## تعلیم توحید اور اعمال

توحید کی تعلیم خود بھی مقصود ہے اور اس سے اعمال کی تکمیل بھی مقصود ہے کیونکہ جس شخص پر جس قدر توحید کا غلبہ ہوگا۔ اتنا ہی اس کے اعمال مکمل ہوں گے اس کی نماز دوسروں کی نماز سے اکمل اس کی زکوٰۃ و روزہ دوسروں کی زکوٰۃ و روزہ سے افضل ہوگی۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں:

مغرور نحن مشو کہ توحید خدا واحد دیدن بودن واحد گفتن

(دھوکہ مت کھاؤ کہ توحید خدا تعالیٰ کو ایک ماننے کا نام ہے نہ کہ ایک کہنے کا)

اور شیخ شیراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش

امید و ہراسش بنا شد زکس ہمیں ست بنیاد توحید و بس

(موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ سونا بکھیر دیں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں اس

کو بجز خدا کے کسی سے امید و خوف نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے) (التواصی بالصبر ج ۱۳)

## نزول خداوندی

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے۔ کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے۔ تو حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ اور اس نزول نسبت کی اجمالی عقیدہ کافی ہے۔ کیونکہ ہم کو نہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی کنہ معلوم نہ صفات کی نہ ذات کی۔ پس جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔

ہاں اس مقام پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔ کہ عقائد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اخبار متواترہ یا قرآن سے ثابت ہوں۔ وہ تو قطعی ہیں۔ دوسرے وہ جو اخبار آحاد صحیحہ سے ثابت ہوں۔ وہ ظنی ہیں۔ قسم اول کا اعتقاد فرض اور ثانی کا واجب ہے۔ اول کا انکار کفر اور ثانی کا انکار فسق ہے۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

## عقائد اور اعمال

اور عقائد کا تکمیل اعمال میں دخیل ہونا اس طرح ہے کہ مثلاً دو شخص فرض کیجئے۔ جنہوں نے راستہ میں بادشاہ کو دیکھا۔ جن میں ایک تو بادشاہ کو پہچانتا ہے۔ ایک نہیں پہچانتا۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ کو دیکھنے کے بعد دونوں کی حالت میں بن فرق ہوگا۔ جو شخص بادشاہ کو بادشاہ سمجھتا ہے۔ وہ تو فوراً آداب و تعظیم بجالائے گا۔ اور پوری طرح خدمت و طاعت کے لئے آمادہ ہو جائے گا اور جو اس کو معمولی آدمی سمجھتا ہے وہ اس طرح آمادہ نہ ہوگا۔ پس شریعت نے جو عقائد ہم کو تعلیم کئے ہیں۔ ان سے ایک تو مقصود یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اپنے دل میں جماؤ۔ دوسرا مقصود یہ ہے کہ اس عظمت کے مقتضا سے عمل میں کام لو۔ تو اب اعمال کو غیر مہتمم بالشان سمجھنا کتنا بڑا غضب ہے۔ جن مقدمہ اور آئمہ تکمیل عقائد کو بنایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جس کے مقدمات اتنے معظم ہیں۔ وہ خود کتنا معظم ہوگا۔ گو من وجہ سہی۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

وہ قاعدہ کلیہ میں نے اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ کتابیں زیادہ دیکھنے کی مجھے عادت نہیں۔ اگر کسی کو وسعت نظر کا شوق ہو۔ ان کو یہ شوق مبارک ہو۔ ہمیں تو حق تعالیٰ نے اساتذہ ہی ایسے دیئے تھے۔ جنہوں نے بہت سی کتب سے مستغنی کر دیا۔ کیسا ہی اشکال ہو۔ ان کی چند باتوں سے جو یاد ہیں۔ رفع ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ کہ ”شارع نے جو اعمال کے فضائل بیان کئے ہیں۔ وہ گویا خواص اعمال ہیں اور خواص اشیاء کا ظہور عقلاً ارتفاع موانع سے مشروط ہوتا ہے۔“



اس کی ایسی مثال ہے جیسے طبیب ادویات کی خاصیت بیان کرے، تو ہر عاقل اس کا یہ مطلب سمجھتا ہے۔ کہ اگر اس کے مخالف کوئی مضر چیز نہ کھائی جائے تو یہ نفع ظاہر ہوگا۔ پس اگر کوئی خمیرہ گاؤں زبان عنبری پر دو تولہ سنکھیا بھی کھالے اور مر جائے۔ تو اس سے خمیرہ کے خواص غلط نہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح لا الہ الا اللہ دل سے کہنے اور اس پر مستقیم رہنے کی بھی خاصیت ہے۔ کہ اس سے ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ بشارت سنائی جاتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کے منافی کوئی کام نہ کرے۔ مثلاً لا الہ الا اللہ کے بعد ان اللہ ثالث ثلثۃ یا المسیح ابن اللہ (اللہ تین میں کا تیسرا یا حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں) وغیرہ نہ کہے۔ اگر کلمہ ایمان کے بعد کلمہ کفر بھی کہہ دے گا تو اس کی وہی مثال ہوگی جیسے خمیرہ کے بعد سنکھیا کھالے۔

## ایمان کے منافی امور

منافی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو پورا منافی ہو۔ جیسے کلمہ ایمان کا مقابلہ کلمہ کفر ہے۔ یہ تو مبطل خاصیت ہے۔ کہ لا الہ الا اللہ کی خاصیت کو بالکل باطل و زائل کر دے گا اور ایک وہ جو پورا منافی نہ ہو۔ بلکہ فی الجملہ منافی ہو۔ جیسے کفر کے علاوہ اور معاصی ہیں۔ ان سے کلمہ ایمان کی خاصیت باطل تو نہیں ہوتی۔ مگر کمزور ہو جاتی ہے۔ نفع دیر میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے خمیرہ گاؤں زبان کے ساتھ کھٹائی اور تیل اور گڑ اور سرکہ اور بینگن بھی کھائے جائیں۔ کہ ان اشیاء سے خمیرہ کی قوت کمزور ہو جائے گی اور نفع دیر میں ظاہر ہوگا۔

اس تقریر سے ایک اور شبہ کا جواب معلوم ہو گیا۔ وہ یہ کہ میں نے جو اوپر کہا تھا۔ کہ یہ فضائل خواص اعمال ہیں اور خواص کا ظہور رفع موانع کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ اس پر کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موانع اور مضرات کو بھی پیش کیا تھا۔ کہ یا رسول اللہ و ان زنی و ان سرق۔ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چہ وہ زنا کرے اور اگر چہ وہ چوری کرے)

مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مضر نہیں مانا۔ یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو کوئی لا الہ الا اللہ کا معتقد ہو کر مر جائے و ہولا یشرک باللہ اس حال میں کہ وہ شرک نہ کرتا ہو۔ تو یہ شخص جنت میں جائے گا۔ اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! چاہے اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ و ان زنی و ان سرق۔

ہاں اگرچہ اس نے چوری بھی کی ہو اور زنا بھی کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان خواص کا ظہور بد پرہیزی سے بچنے کے ساتھ مقید نہیں۔

تقریر گزشتہ سے یہ اشکال اس طرح حل ہوا۔ کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے۔ کہ زنا و سرقة لا الہ الا اللہ کی خاصیت کے لئے مبطل نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس کو مبطل سمجھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی کر دی۔ رہا یہ کہ یہ اعمال کسی درجہ میں بھی لا الہ الا اللہ کی خاصیت کے منافی اور مضر نہیں۔ یہ اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے نصوص سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زنا و سرقة وغیرہ لا الہ الا اللہ کی خاصیت کے لئے مضعف اور اس کے ظہور کے لئے مؤخر ہیں۔ یعنی ایسا شخص جنت میں تو ایمان کی برکت سے چلا جاوے گا۔ مگر دیر میں جائے گا۔ یا یہ کہا جائے۔ کہ ایمان کی خاصیت تو اب بھی وہی باقی ہے۔ مگر مفرد جب دوسرے اجزاء سے مرکب ہو جاتا ہے تو مرکب کا مزاج دوسرا ہو جاتا ہے۔ پس اگر ایمان اعمال صالحہ کے ساتھ مرکب ہوا تو اس وقت مجموعہ کا مزاج اور ہوگا۔ اس وقت ایمان کی خاصیت تیز اور قوی ہوگی کیوں کہ یہ اجزاء لا الہ الا اللہ کے مناسب ہیں اور اگر اعمال سیئہ سے مرکب ہوا تو مجموعہ کا مزاج دوسرا ہوگا۔ یا یہ کہا جائے کہ خاصیت تو اب بھی وہی باقی ہے۔ مگر عارض و موانع کی وجہ سے دیر ہو جائے گی۔ پس اب یہ دعویٰ محقق ہو گیا۔ کہ یہاں جس فضیلت اور استقامت کا ذکر ہے۔ وہ مطلق استقامت علی الایمان ہی کی فضیلت ہے۔ خواہ کسی درجہ کی ہو۔ (الاستقامت ج ۱۳)

## ایمان اور عقائد

سب سے زیادہ ضروری ایمان ہے اس میں اس قدر سہولت ہے کہ عمر بھر میں ایک بار کلمہ شریف کا اعتقاد کر لینا اور زبان سے کہہ لینا کافی ہے تکرار استحضار و اظہار کی نجات مطلقہ کے لئے ضرورت نہیں صرف اتنا ضروری ہے کہ ایک مرتبہ دل سے اس کا اعتقاد و اظہار کر کے کسی وقت اس کی ضد کا اعتقاد و اظہار نہ ہو باقی ہر وقت اس اعتقاد کا استحضار و تکرار اظہار مکمل ایمان تو ہے جس سے درجات میں ترقی ہوگی باقی نجات مطلقہ کا موقوف علیہ نہیں اور اگر کسی کو عمر بھر میں ایک بار بھی زبان سے اس اظہار کی قدرت نہ ملی ہو تو دل میں تصدیق کر لینا ہی کافی ہے۔ (جمال الخلیل ج ۱۳)

## شائبہ شرک

افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ کچھ دنوں سے ہماری جماعت کے اندر بھی ایک شائبہ شرک کا آچلا ہے کہ خطوط میں بامداد اللہ اور ہوا رشید لکھتے ہیں اگر اس سے حضرت حاجی صاحب اور حضرت مولانا گنگوہی کے نام سے استعانت و تیمن مقصود نہیں تو اس کی کیا وجہ کہ بعون اللہ اور ہوا اللہ کو چھوڑ کر امداد اور رشید کا لفظ اختیار کیا گیا کیا اللہ کا نام رشید ہی رہ گیا اور بھی تو بہت سے اسماء ہیں مگر ان میں پیر کے نام کی طرف کیونکر اشارہ ہوتا بس یہی شائبہ شرک ہے گو شرک نہ ہو اور اسی کے قریب ایک مرض یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ اپنے نام کے ساتھ رشیدی قاسمی خلیلی محمودی لکھنے لگے اور بعض کوڑی ہو کر اپنے کو اشرفی لکھتے ہیں اس میں شائبہ شرک تو نہیں مگر تخریب ہے اور پارٹی بندی ہے اور حنفی شافعی لکھنے میں جو حکمت ہے وہ یہاں نہیں ہو سکتی کیونکہ وہاں تو اہل زلیغ یعنی مدعیان اجتہاد سے احتراز مقصود ہے یہاں کس سے احتراز مقصود ہے کیا اس جماعت میں بھی تمہارے نزدیک کوئی صاحب زلیغ ہے؟ جس سے امتیاز کا قصد کیا جاتا ہے البتہ اس کا مضائقہ نہ تھا کہ یہ سب کے سب اپنے کو امدادی لکھا کریں تو اس میں یہ حکمت ہو سکتی ہے کہ سلسلہ اہل بدعت سے احتراز مقصود ہے کیونکہ اس زمانہ میں صوفیہ کے جس قدر سلاسل ہیں قریب قریب سب بدعات میں مبتلا ہیں۔ صرف حاجی صاحب کا سلسلہ ہی ایسا ہے جو اتباع سنت کے ساتھ ممتاز ہے (جمال الخلیل ج ۱۳) جواب وہی ہے جو میں سب کو ابھی بتلا رہا تھا تو میں خود اس سے کیوں نہ کام لوں یعنی لا اعلم کہ ہم کو اس کا جواب معلوم نہیں۔ (جمال الخلیل ج ۱۳)

## مسئلہ قدر

میں اپنے دوستوں کو وصیت کرتا ہوں کہ صوفیہ اہل اسرار کی کتابیں ہرگز نہ دیکھیں کیونکہ اس میں خود بلا کو سر لینا ہے اور میں نے تو ایک خاص ضرورت سے اس کتاب کو دیکھا تھا کہ ان صوفی پر سے لوگوں کا اعتراضات کا رفع کرنا مقصود تھا مگر اتفاق سے بلا قصد کے ایک جگہ مسئلہ قدر کے متعلق کچھ مضمون نظر پڑ گیا بس قیامت آگئی اور ایمان پر خطرہ ہو گیا پھر جب تک میں شبہات کے جوابوں میں غور کرتا رہا پریشانی بڑھتی رہی آخر کار نجات جو ہوئی تو اسی بات سے ہوئی کہ ہم کیا جانیں ہمارا علم ہی کیا ہے ہم جانتے ہی کیا ہیں پھر ہم اس مسئلہ میں غور ہی کیوں کریں۔

واللہ اس وقت قدر ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امر کی کہ مسئلہ قدر میں غور نہ کرو خدا ناس کرے اُن ظالموں کا جو اس ارشاد کی قدر نہیں کرتے اور اسلام پر شبہ کرتے ہیں کہ مسئلہ قدر پر جو اشکالات پڑتے ہیں اُن کا جواب اسلام میں ہے ہی نہیں اس لئے غور کرنے اور گفتگو کرنے سے منع فرما دیا گیا ہے ارے احمق سارے جوابوں کے بعد بھی تسلی اسی سے ہوگی کہ یوں کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے۔ (جمال الخلیل ج ۱۴)

## درجات توحید

توحید مطلوب کے مختلف درجات میں ایک توحید اعتقادی ہے کہ حق تعالیٰ کو ذات و صفات میں واحد و یکتا سمجھنا اس درجہ کا عنوان لا معبود الا اللہ ہے اور بحمد اللہ یہ درجہ توحید کا سب مسلمانوں کو حاصل ہے اس کا مقابل شرک اعتقادی ہے اس شرک سے تو سب مسلمان محفوظ ہیں اور ایک توحید قصدی ہے کہ حق تعالیٰ کو قصد میں بھی یکتا واحد سمجھے کہ بجز حق تعالیٰ کے کسی چیز کو مقصود و مطلوب نہ بنائے اس درجہ کا عنوان لا مقصود الا اللہ ہے۔

اس درجہ میں بہت لوگ کوتاہی کر رہے ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور اس درجہ توحید کا مقابل شرک قصدی ہے یعنی غیر حق کو مطلوب و مقصود بنانا اور اسی شرک کا ایک فرد ریاء بھی ہے اور یہ دونوں درجے توحید کے مطلوب ہیں اور ایک تیسرا درجہ اور ہے مگر وہ توحید مطلوب کا کوئی درجہ نہیں ہے گو عام طور پر لوگ اس کو توحید ہی کا درجہ سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے بلکہ وہ ان درجات توحید کا ذریعہ اور سبب ہے کہ اُس سے ان درجات مطلوبہ کے حصول کمال میں سہولت ہو جاتی ہے۔ وہ خود مقصود نہیں۔ اُس کا نام توحید و جود ہے یعنی حق تعالیٰ کو وجود میں واحد و یکتا سمجھنا جس کا اثر یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کے وجود کا اثر اس کی طبیعت پر نہ ہو جس سے خوف یا رجا متاثر ہو جائے بلکہ بجز وجود حق کے سب کے وجود سے قطع نظر ہو جائے اور یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی موجود اس قابل نہیں جس سے خوف و رجا کو متعلق کیا جائے جیسے کوئی شخص کلکٹر صاحب کا مقرب ہو جائے تو اب وہ باورچی اور سپاہی اور خانساں سے متاثر نہ ہوگا۔ اب اس پر خانساں اور سپاہی کا وہ اثر نہیں ہوتا جو پہلے تھا کہ ان سب سے ڈرتا تھا اور ان کی خوشامد کرتا تھا اب وہ بجز کلکٹر کے کسی ماتحت سے نہ ڈرے گا۔ نہ کسی کی خوشامد کرے گا۔ اسی کو شیخ سعدی فرماتے ہیں ۔



موحد چہ برپائے ریزی زرش      چہ فولاد ہندی نہی بر سرش  
امید و ہر اسش نہ باشد نہ کس      ہمیں است بنیاد و توحید بس  
(موحد کے قدموں کے نیچے خواہ زر بکھیر دیں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں امید و خوف  
اس کے سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے) (ارضاء الحق ج ۱۵)

## حقیقت وحدت الوجود

اس توحید کا عنوان لا موجود الی اللہ ہے اسی کو وحدت الوجود کہتے ہیں مگر یہ شرعاً نہ مامور بہ ہے اور نہ اس کو توحید کہا گیا ہے نہ اس کے عدم کو شرک کہا گیا ہے جیسے ریاء کو شرک کہا گیا ہے۔ اسی لئے اس کو توحید کا درجہ سمجھنا غلط ہے۔ باقی اصطلاح میں کوئی نزاع نہیں مطلب یہ ہے کہ شرعاً جو توحید مطلوب و مامور بہ ہے وہ دو ہی درجے ہیں ایک درجہ ایمان میں دوسرا درجہ عمل میں توحید و جودی توحید مامور بہ نہیں ہے ہاں توحید مطلوب کی معین ضرور ہے کہ اس سے توحید اعتقادی و توحید قصدی کا حصول و کمال ہل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں کہ اس کے بغیر توحید کامل ہی نہ ہو سکے نہیں نہیں توحید اس کے بغیر کامل ہو سکتی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ نصوص پر عمل کرنے سے کوئی صوفی ہی نہ ہو حالانکہ تصوف کچھ اسی پر موقوف نہیں۔ میں تو یہ ضرور کہوں گا کہ غیر صوفی مومن کامل نہیں ہوتا مگر اسی کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ صوفی ہونا وحدۃ الوجود پر موقوف نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی تصوف حاصل ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک بہت سے علماء محققین خصوصاً آئمہ مجتہدین سب صوفی تھے کیونکہ تصوف سے جو مقصود ہے وہ ان کو علی وجہ الکمال حاصل تھا حالانکہ وحدۃ الوجود کا غلبہ ان پر نہ تھا۔ غلبہ وحدۃ الوجود سے اصل مقصود صرف یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ سمجھے اور ہر کام میں رضائے حق ہی کو مطلوب بنائے سو یہ بات بدوں اس غلبہ کے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر غیر حق کے وجود سے بھی قطع نظر ہو جائے گی تو یہ مقصود سہولت سے حاصل ہو جائے گا۔

یہ بات کہ توحید و جودی توحید مطلوب کا کوئی درجہ نہیں آج پینسٹھ سال کے بعد معلوم ہوئی ورنہ اب تک میں بھی اس کو توحید کی ایک قسم سمجھتا تھا۔ الحمد للہ آج غلطی منکشف ہوئی جس پر میں بے حد مسرور ہوں۔

لا موجود الا اللہ اور اسی کو توحید حالی کہتے ہیں۔ مگر یہ توحید شرعی کا کوئی درجہ نہیں

ہے صرف معین ہے بلکہ درجات توحید کا انتہا مقصود اِلَّا اللہ ہے۔ اور لا موجود اِلَّا اللہ نہ مامور بہ ہے۔ نہ اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ اگر یہ بھی توحید کا کوئی درجہ ہوتا تو ضرور اس کا امر بھی ہوتا اور اس پر ثواب بھی ہوتا مگر نصوص اس سے ساکت ہیں۔ ہاں کوئی مجاز اور اصطلاحاً اس معین توحید کو توحید کہے تو مضائقہ نہیں۔ لا مشاحۃ فی الاِصطلاح (اصطلاح میں کچھ مضائقہ نہیں ہے) لیکن اس کو مدار کمال سمجھو تو صلاح ہے۔

## مسئلہ تقدیر میں احتیاط

صحابہ کرام ایک مرتبہ مسئلہ قدر میں کچھ گفتگو فرما رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور سنا فرمایا کہ تم لوگ کیا گفتگو کر رہے تھے۔ معلوم ہوا تو عتاب فرمایا کہ تم اس میں گفتگو کرتے ہو کیا میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں اور فرمایا کہ جو اس میں گفتگو کرے گا اس سے باز پرس ہوگی۔ یعنی پوچھ گچھ ہوگی۔ کیوں اس میں گفتگو کی اور ایک لطیف معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ سوال ہوگا کہ ذرا ہم بھی سنیں تم نے اس بارہ میں کیا تحقیق کیا ہے۔ اس سے وہ شخص دم بخود رہ جاوے گا، اور عجز کی وجہ سے کچھ جواب نہ دے سکے گا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس قسم کے علوم میں گفتگو کرنے سے ممانعت کی طرف اشارہ کر دیا کیوں کہ یہ علم وہی ہے دلائل سے کبھی حل نہیں ہو سکتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان امور کے اظہار کی حاجت تو ہے نہیں جیسا اوپر بیان ہوا اور الفاظ وضع ہوئے ہیں۔ حاجت کی چیزوں پر دلالت کرنے کے لئے سوان مفہومات کے لئے الفاظ موضوع نہیں ہیں تو اگر ان مصلحین مفہومات کو الفاظ سے تعبیر کیا جاوے گا تو وہ تشبیہات ہوں گی اور وہ بالکل ناکافی ہیں۔ (طریق القلب ج ۱۵)

## برکات توحید

موحد کو اپنے علوم پر اطمینان ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو وہ علوم ہی اطمینان بخش ہیں۔ موحد کہتا ہے کہ ہر چیز کا فاعل خدا ہے۔ خدا نے آدم علیہ السلام کو دفعتاً مٹی سے پیدا کر کے دفعتاً انسان بنا دیا۔ اس کو کچھ ضرورت نہیں کہ اپنا نسب بندریا سور سے ملائے تو خدا کو فاعل ماننے میں کیسی راحت ہے کہ سب جھگڑوں سے نجات ہو گئی۔ یہ تو علمی راحت اور دنیوی حسی راحت یہ ہے کہ حوادث و مصائب میں موحد مستقل و مطمئن رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔



قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ کہ ہم کو وہی پیش آئے گا جو خدا نے مقدر کر دیا ہے۔ اس کے خلاف ہرگز کچھ پیش نہیں آ سکتا۔ اور حق تعالیٰ ہمارے آقا و مولیٰ ہیں۔ ان کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آئے گا اس میں رحمت و حکمت ہی ہوگی۔ اس لئے خدا ہی پر مسلمان کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ بتلائیے جس کا یہ اعتقاد ہو وہ مصائب میں کب پریشان ہو سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۱۶)

## شائبہ شرک کا ازالہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کی تقبیل کے موقع پر فرمایا

اننى لا علم انك حجر لا تضر ولا تنفع ولو لا انى رايته رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبلك ما قبلتك

یعنی میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع دے سکے نہ ضرر دے سکے مگر میں صرف اس لئے تجھ کو چومتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے تیری تقبیل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ورنہ تجھ کو ہرگز نہ چومتا۔ اور قرآن میں جہاں استقبال بیت کا امر ہے وہاں صاف ارشاد ہے: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر دیجئے (یہ نہیں فرمایا فَوَلِّ وَجْهَكَ لِلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) اپنے چہرہ کو مسجد حرام کے لئے پھیر لیجئے) اس آیت میں لفظ شرط بڑھا کر بتلا دیا گیا کہ کعبہ محض سمت عبادت ہے خود مقصود و معبود نہیں ہے پس مسلمان بڑے زور سے دعوے کرتے ہیں کہ ہم کعبہ کو سجدہ نہیں کرتے اس کی عبادت نہیں کرتے نہ وہ معبود ہے نہ مقصود ہے نہ معبود ہے نہ مطلوب محض سمت عبادت اور جہت صلوٰۃ ہے۔

بھلا مشرکین تو ذرا اپنے بتوں کے سامنے ایسا کہہ دیں جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کے سامنے کہا تھا کہ تو نہ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر دے سکتا ہے نہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں نہ ہم تجھے سجدہ کرتے ہیں مشرکین کبھی ایسا نہیں کہہ سکتے معلوم ہوا کہ وہ اپنے بتوں کو محض سمت عبادت نہیں سمجھتے بلکہ موثر و متصرف و معبود و معبود سمجھتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کا یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس پر دلائل قائم ہیں وہ یہ کہ مسلمان کعبہ کے اوپر بھی بعض دفعہ چڑھتے ہیں اس پر پیر رکھتے ہیں۔ ذرا کوئی مشرک تو اپنے بت پر پیر رکھ کر دکھلا

دے۔ مسلمانوں نے بعض دفعہ کعبہ کو مرمت وغیرہ کے لئے اپنے ہاتھ سے توڑا ہے اور گرایا ہے۔ مشرک تو ذرا اپنے بت کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر دکھلا دے۔ پھر اگر خدا نخواستہ کعبہ کو ہمارے سامنے سے ہٹا دیا جائے تو ہم جب بھی نماز ادھر ہی پڑھیں گے۔ اور مشرک کے سامنے سے بت کو ہٹا لو تو وہ اپنی عبادت ترک کر دے گا اس سے صاف معلوم ہوا کہ مشرکین کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ ہم بتوں کو سمت سمجھ کر سامنے رکھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کا دعویٰ صحیح ہے کیونکہ وہ کعبہ کے بغیر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (تحفیل المرام ج ۱۷)

## توحید کی رعایت

### اقسام واسطہ اور ان کی حیثیت

وسائط کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وسائط فی العلوم جو تعلیم طریق ہیں واسطہ ہیں دوسرے وسائط فی العمل جو توجہ فی اداء العبادۃ میں واسطہ یعنی معین ہیں اور توحید کی کس قدر حفاظت کی گئی ہے کہ وسائط طریق کو سمت عبادت نہیں بنایا گیا گو فضیلت ان کی کعبہ سے زیادہ ہے چنانچہ علماء امت کا اتفاق ہے کہ جس بقعہ ارض سے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر مماس ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے تو کعبہ سے تو بدرجہ اولیٰ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فضیلت اس جگہ میں محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتصال سے آئی ہے تو خود آپ کی ذات مقدس تو یقیناً عرش سے افضل ہوگی اور عرش کعبہ سے افضل ہے تو آپ کعبہ سے بھی افضل و اعظم ہیں۔ نیز ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن کعبہ کو دیکھا اور اس کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں تیری عظمت اور حرمت کو جانتا ہوں مگر مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے اسی لئے نماز سے فارغ ہو کر جب امام بیٹھتا ہے تو مسلمانوں کی طرف منہ کر کے کعبہ سے انحراف کر لیتا ہے۔ جب ہر مسلمان کی حرمت کعبہ سے زیادہ ہے تو حضرات مشائخ طریق اور انبیاء اولیاء ہیں۔ یقیناً ان کی حرمت کعبہ سے بدرجہ اولیٰ زیادہ ہوگی۔ مگر بایں ہمہ ان کو سمت عبادت نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ کعبہ تو ایک کوٹھڑی ہے اس کی سمت عبادت ہونے سے کسی کو اس کے مقصود و مسجد ہونے کا وہم نہیں ہو سکتا کوئی بہت ہی احمق ہوگا جسے ایسا وہم ہو۔

بخلاف وسائل تعلیم کے کہ ان کو سمت عبادت بنانے میں اندیشہ قوی تھا کہ جہلا ان کو مقصود و مسجود سمجھ جائیں اس لئے کہ وسائل تعلیم میں سب سے افضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ ہزاروں معجزات و خوارق عادات آپ کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے۔ آپ کی ذات بابرکات میں سینکڑوں کمالات ایسے موجود تھے جو کسی انسان میں نہ تھے اس حالت میں اگر آپ کی ذات کو سمت عبادت بنا دیا جاتا تو یقیناً بہت سے جاہل آپ کو خدا بنا لیتے باوجود سمت عبادت نہ بنانے کے تو جہلا کی یہ حالت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشریت سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کی ذات کو سمت عبادت بھی بنا دیا جاتا تو نہ معلوم لوگ کیا غضب ڈھاتے۔ اسی طرح اہل اللہ میں اپنے زمانہ کے لوگوں سے زیادہ کمالات معنویہ ہوتے ہیں اور بعض صاحب کرامات حسیہ بھی ہوتے ہیں ان کو سمت عبادت بنانے میں یہی اندیشہ تھا اس لئے وسائل تعلیم کو سمت عبادت نہیں بنایا گیا گو فضیلت میں وہ کعبہ سے بدرجہا زائد ہوں مگر ان کے احکام اور ہیں اور وسائل فی العمل کے احکام اور ہیں وسائل تعلیم کی طرف سجدہ کرنا یا ان کی طرف جھکنا حرام ہے اور وسائل فی العمل کے ساتھ یہ برتاؤ ہے کہ عبادت میں ان کی طرف منہ کیا جاتا ہے۔ (تحصیل الہرام ج ۱۷)

## ذات خداوندی

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے آ کر عرض کیا کہ میں نے ایک لونڈی کے تھپڑ مار دیا ہے اس کو ایک کفارہ میں آزاد کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے آزاد کرنے کے لئے ایمان کی شرط ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی کو طلب فرمایا۔ اس سے دریافت فرمایا ایں اللہ (موطا مالک ۷۷۷) یعنی اللہ تعالیٰ کہاں ہیں اس نے کہا فی السماء آسمان میں پھر دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں عرض کیا انت رسول اللہ آپ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے فرمایا کہ یہ مومن ہے اس کو آزاد کر دو۔ باوجود اس کے کہ وہ لونڈی یہ سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں۔ لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مومن فرمایا۔ حالانکہ بھلا اللہ تعالیٰ آسمان میں کیا سماتا۔ عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے مظروف سے ظرف بڑا ہونا چاہیے۔ سو خدا تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عرش تک تو کوئی چیز ہی نہیں تو آسمان تو کیا ہوتا ادھر دلائل قطعیہ قائم ہیں کہ حق تعالیٰ پاک

ہیں کسی مکان کے اندر آنے سے لیکن اس جاریہ (لونڈی) کی عقل اتنی ہی تھی۔ چنانچہ اگر بچوں سے پوچھو کہ خدا کہاں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اوپر ہے حالانکہ حدیث میں ہے۔

لودلیم الجبل الی الارض السفلی لہبط علی اللہ (العلل المتناہیہ ۱۳)

یعنی اگر رسی ساتوں زمین پار ہو کر اترے گی وہاں بھی اللہ میاں ہیں وہ نہ زمین کے ساتھ مقید ہیں نہ آسمان کے ساتھ مگر فطری امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر ہی ہونے کا گمان ہوتا ہے کیونکہ اس کی ذات عالی ہے۔ عوام کی سلامتی اسی میں ہے کہ اوپر سمجھیں عرش پر سمجھیں یا آسمان پر سمجھیں کچھ حرج نہیں خواص کے لئے ہے اس کو مکان سے پاک سمجھنا۔

چنانچہ میں نے ایک بار یہیں تھا نہ بھون میں حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ ایک رفیع الشان مکان کے فوق کی طرف جلوہ فرما ہیں لیکن بلا کسی لون اور رنگ یا مقدار یا کیفیت کے چونکہ میرے اعتقاد میں تنزیہ ہے اور بہت سوں نے جن پر کہ تشبیہ کا مذاق غالب تھا آدمی کی شکل میں دیکھا اور اس فرق کے اور بھی اسباب ہیں۔ سو اسی طرح یقظہ (بیداری) میں جتنی جیسی عقل ہوگی اتنا ہی سمجھے گا۔ چنانچہ وہی شخص حق تعالیٰ کی قدرت کا قائل سب کچھ تھا لیکن کچھ عقل کی کمی کچھ خشیت کا غلبہ اس نے اس کو بدحواس کر دیا۔ اسی طرح مغلوب الحال کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔ غلبہ حال سے کم ہو جاتی ہے۔

## اصلاح عقائد

بعض لوگ اعتقاداً بعض حالاً یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ بھی کریں ہم کو گناہ نہیں ہوتا جن کو اس کا اعتقاد ہے وہ تو کفر میں مبتلا ہیں وہ اپنی مثال ایسی سمجھتے ہیں کہ جیسے ایک دریا ہو کہ اس میں اگر پیشاب کے قطرات گریں تو وہ ناپاک نہیں ہوتا بلکہ وہ پیشاب ہی اس میں فنا ہو جاتا ہے ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے جو اپنے کو دریا سے تشبیہ دی یہ تشبیہ تمہاری تراشی ہوئی ہے یا قرآن وحدیث میں کہیں یہ تشبیہ ہے۔ اگر تراشی ہوئی ہے اور تمہارے نزدیک ٹھیک ہے تو یہ بھی کرو کہ گورنمنٹ جس کی اب تک اطاعت کی ہے اب اس کی عملداری میں ڈکیتی ڈالو اور جب گرفتار ہو کر آؤ تو کہو کہ اب ہم دریا ہو گئے ہیں اگر اس عذر کو سن کر سرکار چھوڑ دے تو خدا سے بھی امید رکھو اور جیسے خدا سے امید باندھے بیٹھے ہو کہ وہ ہم کو دریا سمجھ کر چھوڑ دے گا ایسے ہی ڈکیتی ڈالنے میں سرکار سے بھی امید رکھنی چاہیے یہ سب نفس کی شرارتیں ہیں۔ (مضار المعصیہ ج ۱۸)



## لا الہ الا اللہ سے مراد

حدیث میں ہے: ”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے یہ مولویوں کا اضافہ ہے رسالت کا قائل ہونا ضروری نہیں گوا چھا ہے اور غضب یہ ہے کہ یہ مضامین ان لوگوں نے مذہبی کتابوں میں چھاپ دیئے جن سے مسلمانوں کے ہوش اڑتے ہیں اور بعض نے اس سے بھی ترقی کی کہ توحید کے اختیار کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ دعویٰ کیا کہ توحید تو امر فطری ہے اور ہر شخص میں موجود ہے۔ اگر زبان سے نہ بھی کہے گا بلکہ اگر انکار کرے گا تب بھی وہ موحد ہے اور موافق اس حدیث کے اس کو نجات ہو جائے گی۔ بس ان لوگوں کے نزدیک ضروری کام صرف یہ رہ گیا کہ کھانے پینے کی ترقی کرو۔

صاحبو! یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذَرُّهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

”آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اپنے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ خوب کھالیں اور چین اڑا لیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں ان کو اپنی حقیقت معلوم ہو ہی جاتی ہے۔“ اور ان لوگوں سے سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ

فسوف تری اذا انكشف الغبار افرس تحت رجلک ام حمار

(جب غبار ہٹ جائے گا عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر)

یہ نہیں دیکھتے کہ اگر فطری کافی ہو تو بعثت انبیاء علیہم السلام عبث ہو جاتی ہے۔ خواہ مخواہ کیوں اتنا بکھیرا کیا گیا فطری توحید سے نجات تو سب کی ہو ہی جاتی۔ صاحبو! حقیقت یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ سے مراد پورا کلمہ ہے آدھا کلمہ مراد نہیں اور جن لوگوں نے اس سے آدھا کلمہ ہی مراد سمجھا ہے ان کی سمجھ بس ویسی ہے جیسے ریاست رام پور میں ایک طالب علم تھا۔ اس نے مجھ سے کسی پریشانی کے لیے وظیفہ پوچھا میں نے بتلادیا کہ لا حول کی کثرت کرو چند روز کے بعد وہ ملا اور بیان کیا کہ میں لا حول لا حول لا حول تمہارا بتلایا ہوا برابر پڑھتا ہوں مگر ثمرہ مرتب نہیں ہوا میں نے کہا لا حول ولا قوۃ تو جیسے لا حول سے میری مراد پورا جملہ تھا ایسے ہی لا الہ الا اللہ سے مراد پورا کلمہ مع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ غرض یہ تو محض واہیات اور غلط ہے کہ اعتقاد و رسالت کی ضرورت نہیں ہے یا توحید فطری کافی ہے اس کے

متعلق کلام کو طول دینا فضول ہے کیونکہ اس وقت مخاطبین میں کوئی اس خیال کا نہیں لیکن افسوس ان پر ہے جو رسالت کی ضرورت کو مانتے ہیں اور اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ کلمہ پڑھنے کو کافی سمجھتے ہیں اور اعمال کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ ان کے زعم میں ایک حدیث سے تائید مل گئی ہے وہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے اس کے آخری جزو سے ان کو دھوکہ ہوا ہے وہ جزو یہ ہے: ”وَإِنْ زَنْيٍ وَإِنْ سَرَقَ“ (اور اگر زنا کرے یا اگر چوری کرے) حدیث کا قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (جس شخص نے لا الہ الا اللہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں) کہا وہ شخص جنت میں داخل ہوا)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا ”وَإِنْ زَنْيٍ وَإِنْ سَرَقَ“ (اور اگر زنا کرے یا اگر چوری کرے) یعنی اگرچہ مومن سے معاصی بھی صادر ہوں کیا تب بھی وہ جنت میں جائے گا۔ حضور نے فرمایا ہاں ”وَإِنْ زَنْيٍ وَإِنْ سَرَقَ“ (اور اگر زنا کرے یا اگر چوری کرے) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر پوچھا ”وَإِنْ زَنْيٍ وَإِنْ سَرَقَ“ (اور اگر زنا کرے یا اگر چوری کرے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وَإِنْ زَنْيٍ وَإِنْ سَرَقَ“ (اور اگر زنا کرے یا اگر چوری کرے) انہوں نے پھر تعجب سے یہی پوچھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی جواب دیا اور اتنا لفظ اور بڑھایا: ”عَلَى رَغَمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ“ یعنی چاہے ابوذر کے طبیعت کے کتنا ہی خلاف ہو مگر ہوگا یہی کہ وہ جنت میں جائے گا۔ اس حدیث کے الفاظ ظاہراً بہت صریح ہیں۔ وہ حدیث جو اوپر پڑھی تھی یعنی ”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (جس شخص نے لا الہ الا اللہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں) کہا وہ شخص جنت میں داخل ہوا) وہ بھی اتنی صریح نہ تھی اور یہ حدیث عام لوگوں کو معلوم بھی نہیں ہے ورنہ خدا جانے کیا کرتے۔ میں نے ناحق ہی پڑھی کہ ان کے ہاتھ ایک دلیل آگئی مگر خیر اس پر مکمل بحث ہونے سے ان شاء اللہ تعالیٰ تحقیق ہو جائے گی اور غلطی نکل جائے گی اور یہ کچھ چھپی ہوئی حدیث تو ہے بھی نہیں نیز شریعت کا یہ حکم بھی نہیں ہے کہ کوئی مسئلہ چھپایا جائے۔ کتابوں میں تو یہ موجود ہے ہی طلباء اور اہل علم اس کو جانتے ہی ہیں ہاں تحقیق ہو جانے سے امید ہے کہ پھر کتاب میں دیکھ کر بھی غلطی نہ ہوگی اور آج کل تو اس کا علم طلبہ تک بھی محدود نہیں رہا، عوام کے سامنے اور گھروں کے اندر بھی حدیثیں پہنچ گئیں۔

اصل علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشاد فرمودہ ہیں سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے



کلام میں ایک جگہ تو یوں ہے: ”وَإِنْ زَنْيٌ وَإِنْ سَرَقٌ“ اور دوسری جگہ موجود ہے: ”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ“ جس کا مطلب یہ ہے کہ ذرا سی بد عملی سے بھی جنت سے محرومی ہوگی وہاں تو یہ کہ کسی عمل سے کلمہ گو جہنم میں نہیں جاسکتا اور یہاں یہ کہ ذرہ برابر برے عمل سے جنت نہیں پاسکتا۔ یہ تعارض کیسا۔ ایک تو ان لوگوں کے قول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض دوسرے یہ کہ اعمال کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تعلیم فرمائی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سکھائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو واسطہ ہیں اللہ تعالیٰ نے سکھائے ہیں تو یہ اعتراض اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے کہ ادھر تو اپنے رسول کی زبان سے یہ وعدہ کیا کہ کلمہ پڑھ لینا کافی ہے اور ادھر اعمال کو بھی ضروری بتلایا جو ان کے نزدیک ضروری نہیں کیا یہ صریح تعارض نہیں اس بناء پر تو یہ چاہیے تھا کہ تمدن سکھلاتے جیسا کہ مدعیان تمدن کا خیال ہے۔ بات یہ ہے کہ حب دنیا نے ان لوگوں کے قلوب کو چرایا ہے۔ بس اسی کی ضرورت ان کے قلب میں آتی ہے دین کی ضرورت قلب میں آتی ہی نہیں مگر اس کا صریح انکار بعض مصالحوں سے نہیں کر سکتے اس واسطے اس کے متعلق کچھ من سمجھوتہ کر لیتے ہیں اور ادنیٰ سے تاویل پر خواہ وہ بدابہتہ غلط ہو قناعت کر لیتے ہیں۔ بس مقصود دنیا ہے اور اس کو اپنا کام تو سمجھتے ہی ہیں۔ (القاف ج ۲۲)

## کلمہ توحید کے تمام دین کو مشتمل کی عجیب مثال

”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہو گیا) اس سے بعض فاسد دماغ لوگوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بس توحید کا قائل ہونا نجات کے لیے کافی ہے۔ رسالت کے قائل ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث میں تو صرف اتنا ہی آیا ہے ”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا) یہ حل اس طرح ہوا کہ لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) عنوان ہے دین کا جو حاوی ہے تمام اجزائے دین کو۔ گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو کوئی دین اسلام قبول کرے وہ جنت میں جائے گا اور دین میں تمام اجزاء دین آ گئے۔ ان کی تفصیل دوسری نصوص میں صراحتہ موجود ہے۔ مثلاً ”كُلُّ أَمَنٍ بِاللَّهِ مَلِكَتِهِ وَكُتِبَ وَرُسُلُهُ“ (ہر ایک ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر) اس میں اللہ پر ایمان

لانے کے ساتھ ملائکہ پر اور کتب سماویہ پر اور تمام انبیاء پر ایمان لانا مذکور ہے۔ اس طرح کہ صد ہا آیتیں نہیں جن میں اجزاء دین کا بیان ہے تو کیا یہ حدیث ان آیات کی معارض ہے حاشا و کلا حقیقت یہی ہے کہ یہ محض عنوان ہے مراد تمام اجزاء دین ہیں اور میں تو کہتا ہوں کہ توحید کو ماننا مستلزم ہے۔ رسالت کے ماننے کو بھی کیونکہ توحید کو ماننا مستلزم ہے اس بات کو حق تعالیٰ کو سچا مانا جائے اور حق تعالیٰ کے کلام میں موجود ہے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) تو جو شخص رسالت کو نہیں مانتا وہ حق تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے۔ جب تکذیب کی تو اس پر ”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (جس نے کہا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں) کہاں صادق ہوا۔ غرض یہ محض جہالت اور کوتاہ نظری ہے کہ لا الہ الا اللہ کو صرف اس کے لفظی معنی پر محمول کیا جائے بلکہ یہ تو ایک جامع مانع عنوان ہے جو تمام دین کو شامل ہے اس کی ایک بہت موٹی مثال وہی ہے جو قریب ہی بیان ہوئی ہے۔ یعنی نکاح جو کیا جاتا ہے وہ ظاہر میں تو نام ہے صرف ایجاب و قبول کا لیکن یہ ایجاب و قبول نکاح کا محض عنوان ہے اور درحقیقت ان کے اندر تمام دنیا کے بکھیرے اور مصائب اور مصارف سب داخل ہیں جو نکاح کے بعد پیش آتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ کسی نے نکاح کیا پھر چند روز کے بعد بی بی صاحبہ نے نان و نفقہ کا مطالبہ کیا اور آٹے دال کا تقاضا کیا اور رہنے کو گھر مانگا تو کیا دو لہے میاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ واہ میں نے تو تمہیں قبول کیا تھا اس آٹے دال اور گھر گھرستی کا دینا کب قبول کیا تھا۔ اگر کوئی ایسا کہے تو اس پر سب ہنسیں گے اور اس کو بے وقوف بنائیں گے اور اس کو یہی جواب دیں گے کہ میاں تم نے جو نکاح میں یہ کہا تھا کہ میں نے تجھ کو قبول کیا اس میں سب کچھ آ گیا۔ نان نفقہ بھی گھر گھرستی بھی نمک تیل لکڑی بھی اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نکاح ایک عنوان ہے جو خود تو مختصر ہے لیکن بہت سے بکھیروں کو شامل ہے۔ بس اسی طرح ”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ ہے کہ وہ ایک مختصر عنوان ہے جو تمام اجزاء دین کو شامل ہے نماز کو بھی روزہ کو بھی زکوٰۃ کو بھی معاملات کو بھی معاشرت کو بھی اخلاق کو بھی فرائض کو بھی مستحبات کو بھی ہاں ان مختلف اجزائے دین میں فرق مراتب ہونا اور بات ہے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

### مسئلہ وحدۃ الوجود

تصوف کے اصول سے بھی اہل سنت کا مذہب عبدیت کے قریب ہے کیونکہ صوفیہ

کے نزدیک عبدیت منجہائے کمالات ہے اور عبدیت عقیدہ اہل سنت میں اہل جبر سے زیادہ ہے۔ تو جناب یہ ہے ہماری حالت کہ دوسرے کے ہاتھ میں ہمارا ہاتھ ہے۔ جب تک وہ چاہ رہے ہیں ہم سے اعمال کا صدور ہو رہا ہے جیسے ہمارے ہاتھ میں قلم ہو کہ اگر ہم اس کو حرکت نہ دیں تو وہ ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا اور اسی کیفیت کی تحصیل کے لئے صوفیہ نے مسئلہ وحدۃ الوجود کی تعلیم کی ہے۔ پہلے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا قرب تھا اس لئے یہی اعمال نماز روزہ وغیرہ ان کیفیات کے حصول کے لئے کافی ہو جاتے تھے بعد میں جب لوگوں کی استعداد میں ضعف واقع ہوا تو ان مراقبات و اشغال کی حاجت ہوئی۔ تو حضرت یہ ہے وحدۃ الوجود جس کا لوگوں نے ستیاناس کر دیا ہے اور کفر بنا دیا ہے عنایت اس مسئلہ کی صرف یہ ہے کہ سالک کی نظر میں اپنی اور ساری مخلوقات کی ہستی اور اس کی صفات و کمالات حق تعالیٰ کی ہستی و صفات و کمالات کے سامنے مضحل ہو جائیں اور یہ حالت ہو جائے کہ۔

مؤحد چہ بر پائے ریزی زرش      چہ فولاد ہندی نہی بر سرش  
امیدو ہر اش بنا شد زکس      ہمین ست بنیاد توحید بس  
(مؤحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ سونا بکھیریں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں،  
امید و خوف اس کو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اس پر ہے۔)

اسی حقیقت کے متعلق سعدیؒ نے کہا ہے

دریں نوع از شرک پوشیدہ ہست      کہ زیدم بیازد و عمرم بخت  
(اس قسم میں اس طرح کا شرک پوشیدہ ہے کہ زید نے مجھے تکلیف دی اور میری عمر ختم  
ہو گئی)۔ (آثار اطوبہ ج ۲۳)

## ایمان کے مراتب

ایمان میں بھی یہ مراتب ہیں یعنی ابتدائی اور انتہائی اور اس وقت میری بحث کا تعلق صرف ایمان سے ہے میں درجات کفر سے تعرض نہ کروں گا غرض ایمان کا ایک درجہ تو ابتدائی ہوا اور ایک انتہائی اور آگے کی ایک آیت سے یہ دلالت بہت ہی واضح ہو جائے گی اور وہ آیت یہ ہے  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلَاحَةِ كَافَّةً یہ صاف ہے اس بارہ میں کہ دو مرتبے ہیں اسلام میں  
کیونکہ اس میں خطاب ہے ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اور ان کو حکم ہے دخول فی السلم کافۃ کا

معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد بھی کوئی مرتبہ باقی ہے جس کو دخول فی السلم کافہ کہہ سکتے ہیں اور اس سے پہلے یہ مرتبہ حاصل نہیں، غرض ایمان کے دو درجے ہونا بہت ہی صراحت کے ساتھ ثابت ہو گیا۔ ایک مطلق جو ابتدائی درجہ پر بھی صادق ہے اور چونکہ تفاوت ایمان کا اعمال سے ہوتا ہے چنانچہ بعض اعمال سے نفس ایمان کا وجود ہوتا ہے مثلاً کلمہ شریف کا پڑھنا اور بعض اعمال سے کمال ایمان ہوتا ہے جیسے دوسرے اعمال پس ایمان میں ان دو درجوں کے ہونے کے معنی یہ ہوں گے کہ ایمان سے جن اعمال کا تعلق ہے ان اعمال میں دو درجے ہیں ایک اول الاعمال دوسرا آخر الاعمال پس اب اس مدعا کو اس دوسرے مختصر عنوان سے یوں ادا کر سکیں گے۔ (بول الاعمال ج ۲۳)

## تقدیر پر ایمان

ایک شخص نے حضرت علی سے دریافت کیا کہ آپ تقدیر پر ایمان لاتے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں اس نے کہا کہ اگر تقدیر پر ایمان ہے تو اس دیوار سے کود پڑو اگر مقدر ہوگا تو زندہ رہو گے ورنہ نہیں۔ فرمایا کہ مجھ کو اپنے مولا کے امتحان لینے کا کب حق حاصل ہے، جو کچھ مقدر میں ہے ہوگا تو وہی، لیکن حق تعالیٰ سے عافیت طلب کرنا چاہئے اور احتیاط رکھنا چاہئے چنانچہ حدیث میں ہے سلوا اللہ العافیۃ (اصح البخاری ۶۲:۴) اللہ تعالیٰ سے عافیت کی درخواست کرو۔ پس نہ طاعون سے اس قدر گھبرانا چاہئے جیسے کہ لوگ بھاگتے پھرتے ہیں کہ ایمان بالقدر کے منافی ہے اور نہ مقام طاعون میں بے ضرورت گھسنا چاہئے بلکہ مشروع احتیاط و دعائے عافیت کرنا چاہئے۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

## اسباب کی حقیقت

حق تعالیٰ نے تعطیل اسباب فی بعض الاوقات کو جا بجا ظاہر کیا ہے اور اگر اسباب کی حقیقت پر غور کیا جاوے تو عقلاً بھی خدا تعالیٰ کی مشیت کو موثر ماننا ضروری ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ جس حادث کے لئے آپ نے ایک دوسری شے کو سبب مانا ہے وہ سبب بھی تو ایک حادث ہے اس کے لئے کون سبب ہوا اگر اس کے لئے آپ نے تیسری چیز کو سبب بنایا، ہم اس میں بھی کلام کریں گے تو اس سلسلہ ممکنات کو لامحالہ واجب پر منتہی کیا جائے گا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور لاتناہی کے ابطال پر متکلمین دلائل قائم کر چکے ہیں۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۴)



## فطرۃ حق تعالیٰ کی ہستی اور قدرت ماننے کی چیز ہے

فطرۃ حق تعالیٰ کی ہستی اور قدرت ماننے کی چیز ہے اور ماننے کی چیز کو بھی نہ ماننا حکم کا تو کوئی بھی جواب نہیں جیسے ایک مجنون پاخانہ کھارہا تھا، کسی نے ملامت کی تو کہا اس میں حرج ہی کیا ہے یہ تو وہی ہے جو تھوڑی دیر پہلے ہم نے داخل کیا تھا اب وہ ہمارے اندر سے نکل کر برا کیوں ہو گیا۔ ذرا عقلاً کسی عقلی دلیل سے اس کا جواب دیں مگر عرف اور طبیعت سے کام نہ لیں۔ محض عقلی دلیل سے اس کے دعوے کو باطل کریں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس کے ابطال پر وہ کوئی دلیل نہ قائم کر سکیں گے مگر کیا اس سے کوئی یہ کہے گا کہ اس مجنون کی بات صحیح ہے، ہرگز نہیں۔ سب یونہی کہیں گے کہ وہ نالائق پاگل ہے جو ماننے کی چیز کو بھی نہیں مانتا جو اجماعاً ماننے کی چیز ہے اس طرح ہم منکر صانع کو پاگل سمجھتے ہیں کیونکہ وہ بھی ایسے ماننے کی چیز کو نہیں مانتا جس کے ماننے پر اجماع عقلاً و اتفاق مذاہب ہے اور ضرورت فطرت اس پر مزید یہ تو کامل درجہ کی دہریت ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کو نہ مانے اور اس کی قدرت مشیت کو کامل نہ مانے بلکہ یہ پہلی قسم سے بھی بدتر ہے کیونکہ یہ شخص خدا تعالیٰ کا قائل ہے اور محض برائے نام قائل ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ فلاں بادشاہ تو ہے مگر پنشن یافتہ ہے کہ اسے اختیارات کچھ نہیں۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۳)

## حق تعالیٰ شانہ کی کامل قدرت کو ماننے کی ضرورت:

بعض لوگ خدا تعالیٰ کو ایسا قادر مانتے ہیں جیسے گھڑی کا کوکنے والا کہ کوک بھر دینے کے بعد گھڑی کے چلنے میں اس کے اختیار کو کچھ دخل نہیں بلکہ اب وہ خود بخود چلتی رہے گی چاہے کوک دینے والا زندہ ہو یا نہ ہو جب تک کوک بھری ہوئی ہے اس وقت تک گھڑی کو اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا کام اتنا ہے کہ اسباب کو پیدا کر دیا اب اسباب سے مسببات اور علل سے معلولات کا وجود خود بخود ہوتا رہے گا۔ نعوذ باللہ اس تاثر و تاثر میں حق تعالیٰ کا کچھ اختیار نہیں وہ اسباب سے مسبب کو مختلف نہیں کر سکتے بس ان لوگوں کا خدا تعالیٰ کو ماننا ایسا ہے جیسے بعض لوگ من تشبہ بقوم فہو منہم (جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی پس وہ ان ہی میں سے ہے) سے بچنے کے لئے کوٹ پتلون اور بوٹ سوٹ کے ساتھ ترکی ٹوپی پہنتے ہیں کہ ساری ہیئت تو کفار کی سی ہے صرف



ٹوپی سے آپ مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے ہی یہ لوگ حق تعالیٰ کے لئے قدرت و اختیار (تو ایسا ضعیف مانتے ہیں جیسا کہ دہری منکر صانع مانتا ہے کیونکہ جیسا اختیار یہ مان رہے ہیں وہ بھی نہ ماننے کے مثل ہے مگر الزام دہریت سے بچنے کے لئے برائے نام یوں کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ موجود ہے اور بعض لوگ خدا تعالیٰ کو بھی مانتے ہیں اور ان کی قدرت و اختیار کو کامل بھی مانتے ہیں جیسے عامہ مسلمین مگر سچ یہ ہے کہ یہ بھی محض زبان ہی سے خدا تعالیٰ کی قدرت کو کامل کہتے ہیں۔ دل سے یہ بھی کامل نہیں مانتے۔ چنانچہ مصائب و حوادث میں ہم اپنے قلب میں وہی ضعف پاتے ہیں جو قائل دہریت کے قلب میں ہوتا ہے۔ ہم نے مانا کہ طبیعت کا بھی ایک اقتضاء ہوتا ہے مگر پھر بھی طبیعت کے اقتضاء میں اعتقاد کی وجہ سے کچھ تو فرق ہونا چاہئے جیسے گرم پانی جو بہت گرم ہو جس کی حرارت ناگوار ہو اس میں ٹھنڈا پانی مل جانے سے کچھ تو فرق ضرور ہو جاتا ہے کہ اب حرارت ناگوار نہیں ہوتی اسی طرح اعتقاد قدرت الہیہ کی برودت سے طبعی خلجان میں کچھ تو کمی ہو جانا چاہئے۔ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ فرق تو ہے مگر چونکہ ہمارا اقرار ضعیف ہے اس لئے اس فرق کا ظہور نہیں ہوا جیسے گرم پانی کے ایک مٹکے میں لوٹا بھر ٹھنڈا پانی ملا دیا جائے تو پہلے سے گرمی میں کمی تو ضرور ہوگی مگر اس کا احساس نہ ہوگا تو میں کہتا ہوں کہ جو شے اپنے اثر سے خالی ہو وہ معتبر نہیں جس چیز پر غایت مرتب نہ ہو وہ غیر معتد بہ ہے اس لئے یہ اعتقاد جس کا اثر کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا معتد بہ نہیں دنیا میں تو اس سے کچھ نفع نہ ہوگا گو آخرت میں کسی مدت کے بعد کام آئے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کے قلب میں ادنیٰ ادنیٰ ذرہ ایمان بھی ہوگا وہ بھی کسی نہ کسی وقت جہنم سے نجات پالے گا مگر اس سے پہلے جو عذاب ہوگا اس کو اختیار کرنا کون سی عقل ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہم اس تھوڑے سے عذاب پر راضی ہیں تو یہ شخص قابل خطاب نہیں اس نے جہنم کو دیکھا نہیں اس لئے یہ جرات ہے اگر ایک دفعہ آنکھ بھر کے جہنم کو دیکھ لے پھر نانی یاد آ جائے۔ ہم نے مانا کہ ضعیف اعتقاد سے بھی کسی وقت نجات ہو جائے گی مگر کس مصیبت کے بعد اور دنیا میں تو ساری عمر پریشانی ہی رہے گی۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۴)

## مسئلہ تقدیر کا حاصل تاثیر قدرت ہے

حالانکہ حق تعالیٰ نے تقدیر کا مسئلہ تو جس کا حاصل تاثیر قدرت ہے اسی لئے ہم کو بتلایا ہے کہ حوادث میں ہم کو راحت ہو، پریشانی اور گھبراہٹ حد سے زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَاهَا  
 إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ  
 لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ کہ تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے خواہ زمین میں یا تمہاری  
 جانوں میں وہ سب ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں اور یہ  
 کام خدا پر آسان تھا۔ آگے فرماتے ہیں لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ یہ ایک محذوف کے  
 متعلق ہے یعنی واخبرنا لکم بذالک لکیلا سو ہم نے تم کو اس مسئلہ تقدیر کی خبر اس لئے  
 دی تاکہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا کی جائے اس پر ناز نہ  
 کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی متکبر اترانے والے کو نہیں چاہتے۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۴)

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ اعتقاد تقدیر کی تعلیم سے فلاح آخرت کے ساتھ یہ  
 بھی مقصود ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں بھی راحت ہے کہ کسی چیز کے فوت ہونے سے ان کو  
 زیادہ رنج نہ ہوا کرے بلکہ یہ سمجھ کر کہ تقدیر میں یوں ہی تھا صبر و شکر سے کام لیا کریں۔ اب  
 آپ دیکھ لیں کہ اعتقاد تقدیر کا یہ اثر ہمارے اندر کتنا ہے، سود یکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہم  
 مصائب و حوادث میں ضعف قلب اور قلت اعتقاد کی وجہ سے ایسے ہی پریشان ہو جاتے ہیں  
 جیسا ایک دہری یا منکر تقدیر پریشان ہوتا ہے۔ صاحبو! اگر ہم کو تقدیر پر کامل اعتقاد ہے تو اس  
 کا اثر ظاہر میں بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ یاد رکھو محض زبان سے اتنا کہہ دینا تو آسان ہے کہ ہم  
 کو تقدیر پر اعتقاد ہے مگر امتحان کے وقت ہر شخص کی قلعی کھل جاتی ہے اور امتحان کا وقت یہی  
 ہے جبکہ مصائب و حوادث کا نزول ہو رہا ہے اور کسی کی قلعی نہ بھی کھلے تب بھی حق تعالیٰ شانہ  
 کے ساتھ معاملہ ہے وہاں تو کوئی حیلہ نہیں چل سکتا۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۴)

## مرنے کا ہر ایک کو یقین ہے

موت کے بارہ میں مسلمانوں کا تو کیا کفار کا بھی عقیدہ ہے کہ ایک دن مرنا ضرور  
 ہے۔ ملحد بھی اس کا قائل ہے جو نہ مبداء کا قائل ہے نہ معاد کا۔ سو یہ مضمون ایسا ہے کہ خدا  
 تعالیٰ کی ہستی میں تو بعضوں نے شک بھی کیا ہے مگر اس میں کسی کو شک نہیں دنیا سے چلا جانا  
 سب کو مسلم ہے۔ ملحد بھی اس کا قائل ہے بلکہ وہ تو ایسی موت کا قائل ہے جو اہل مذاہب کے  
 اعتقاد سے بھی زیادہ ہے کیونکہ اہل مذاہب تو موت کے بعد بھی حیات کے قائل ہیں اور ان

کے نزدیک یہ موت دائمی اور ابدی نہیں بلکہ منقطع ہونے والی ہے تو وہ موت کامل کے معتقد نہیں بلکہ ناقص کے قائل ہیں اور ملحد حیات ثانیہ کا قائل نہیں ہے تو اس کے نزدیک یہ موت موبد (ہمیشہ کی موت) ہے جو کامل موت ہے تو وہ ایسی موت کا قائل ہے جو موت کی بہت بڑی فرد ہے گو وہ مقدر ہی ہے فرد محقق نہیں۔ غرض میرا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اہل حق سے زیادہ موت کے قائل ہیں۔ عجیب تماشا ہے کہ خدا کے منکر موجود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر موجود فرشتوں کے منکر موجود ہیں مگر موت کا منکر کوئی نہیں ہے۔ (غریب الدنیا ج ۱)

## بد دین مسلمان کافر سے بہتر ہے

سو مسلمان خواہ کیسا ہی بد دین مجرم ہو مگر اس کے جرائم کافر کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (الرضا بالدنیا ج ۱)

## موت اللہ کے ہاتھ میں ہے

نہ میدان کارزار میں جانا موجب موت ہو سکتا ہے اور نہ گھر میں رہنا مانع ہو سکتا ہے بلکہ موت تو خدا کے اختیار میں ہے اور مرقوم فی الکتاب ہے جس وقت اجل مقرر تمام ہو جائے گی خواہ مکانوں کی بند کوٹھریوں میں ہوں خواہ میدان کارزار میں ہوں موت کے چنگل سے رستگاری ہرگز نہیں ہو سکتی۔

”وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ“ (النساء: ۷۸)

(اگرچہ تم قلعہ چوہنے کے قلعوں ہی میں ہو۔ (الدنیا والآخرة ج ۱))

## منکر تقدیر کا رنج دائمی ہے

جو شخص منکر تقدیر ہے اس کو کبھی صبر نہیں آئے گا بلکہ ہمیشہ قلق و اضطراب میں رہے گا اور علاج ہی کی کوتاہی اور تدبیر علاج ہی کا قصور بتاتا رہے گا۔ بخلاف اس شخص کے جو سچے دل سے تقدیر پر ایمان لایا ہے اور تمام تغیرات و تصرفات احیاء و امانت کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے اور مرقوم فی الکتاب ہونے کا قائل ہے۔ گو یہ شخص بھی باقتضاء طبعی و فاقہ ولد زوجہ وغیرہ پر حزن و ملال کا اثر اپنے قلب میں پائے گا اور اس کا نفس بھی کسی وقت نقص علاج وغیرہ کو سبب بنا کر پیش کرے گا لیکن معاً اس کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ درحقیقت اس کا وقت ہی آ گیا تھا، حیات مستعار ختم ہو چکی تھی اور اے نفس! جس طرح اس کی عزیز عمر اس ساعت

تک مقدر تھی اور اس کے بعد کوئی سانس اس کے واسطے باقی نہیں رہا تھا اسی طرح نقص علاج بھی اس کے واسطے مقدر تھا اور جب اس کی موت کے واسطے خداوند تعالیٰ نے عالم ظاہر میں نقص علاج ہی کو علت بنایا تھا تو کوئی قوت دنیا میں ایسی نہ تھی جو اس کے نقصان علاج کو پورا کر دیتی۔ بس اس کے بعد اس کو صبر آ جائے گا اور کسی قسم کا رنج و ملال، قلق و اضطراب کا اثر اس کے قلب پر نہ رہے گا۔ (الدنیاء آخرہ ج ۱)

## تقدیر کی تعلیم کا اثر

خداوند تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے کہ:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ. لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ. (الحديد آیت نمبر ۲۲، ۲۳)

”کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوح محفوظ میں) لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ (یہ بات) بتلا اس واسطے دی ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج (اتنا) نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتر او نہیں۔“

اس آیت میں مسئلہ تقدیر کی تعلیم کی ہے یعنی جو کچھ مصیبت آفاقی یا انفسی پہنچتی ہے وہ ہم نے پہلے سے لکھ رکھی ہے۔ یہ ایک تعلیم ہے لیکن اس علم میں بھی ایک عملی غایت موجود ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تقدیر کی تعلیم کیوں دی اس لیے کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے فوت ہو جائے اس پر مغموم مت ہو اور جو چیز مل جائے اس پر شاداں نہ ہو (مراد فرح کبر ہے) اس تعلیم میں یہ بھی ایک بڑی خوبی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے بالکل طبیعت کے موافق بتلایا ہے کیونکہ غم و رنج طبعی ہوتا ہے۔ اس تعلیم سے غم کے موقع پر طبعاً تسلی و تسکین حاصل ہو سکتی ہے اور حوادث میں وہ سکون کا باعث ہو جاتی ہے تمام عقلاء جمع ہو کر بھی ایسی تدبیر نہیں بتلا سکتے۔ غرض مسئلہ تقدیر کی ایک غایت تسلی و تسکین اور صبر و سکون بھی ہے۔ چنانچہ ”لکیلا تأسوا“ میں اس کی تصریح ہے اور یہ ایک غایت ہے جس کا فائدہ اظہر من الشمس ہے۔ ایک مفروضہ واقعہ سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آ جائے گی۔



خیال کیجئے کہ دو شخص ایک ہی جگہ کے ہوں۔ دونوں کی ہر طرح سے یکساں حالت ہو لیکن فرق صرف یہ ہے کہ ایک ان میں تقدیر کا قائل ہو اور دوسرا تقدیر کا قائل نہ ہو اور دونوں کے دولڑکے یکساں ہو، دونوں نے یکساں تعلیم پائی ہو اور دونوں کے والدین نے یکساں تعلیم دی ہو، دونوں کے والدین کی امیدیں ان سے وابستہ ہوں۔ اتفاق سے دونوں لڑکے بیمار ہوں، یکساں دونوں کا مرض ہو اور معالج دونوں کا بھی ایک ہو۔ ڈاکٹر کی غلطی سے علاج ناکافی ہو اور دونوں مرجائیں۔ دونوں کے والدین کو سخت رنج ہوگا لیکن دونوں کا فرق اس موقع پر تقدیر کے مسئلہ سے ہوگا جو شخص تقدیر کا قائل ہے اس کی زبان سے تو اس موقع پر بے ساختہ کلمہ جاری ہوگا۔ ”لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا“ یعنی جو کچھ مصیبت آتی ہے وہ خدا ہی کی طرف سے آتی ہے۔ ”فَعَلَّ الْحَكِيمُ لَا يَخْلُو مِنَ الْحِكْمَةِ“ خدا کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ (تذکیر لا خیرۃ ج ۱)

## ذات خداوندی

ہر علم اور ہر اعتقاد میں ایک غایت عمل کی ضرور ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ خداوند تعالیٰ آخر شب میں آسمان اول پر نزول فرماتے ہیں۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ حرکت خداوند تعالیٰ کے لیے خلاف ہے لیکن اعتراض کی نوبت کیوں آتی ہے۔ غایت عمل پر نظر نہ ہونے سے۔ اگر غایت عمل پر نظر ہوتی۔ یہ اعتراض ہی پیدا نہ ہوتا بلکہ یہ سب ہی عزم ہوتا کہ اس وقت توجہ الی اللہ میں زیادہ اہتمام چاہیے کہ وقت قرب و قبول کا ہے۔ اس کا پتا مثال سے ملے گا۔ کوئی حاکم دورہ پر ہو اور کسی جگہ سے قریب آجائے اور لوگ آکر کہیں کہ فلاں حاکم یہاں سے ۶ میل کے قریب آگئے ہیں اور عنقریب آنا چاہتے ہیں۔ اگر اس جگہ کے ملازم کہنے لگیں کہ کل اتنے دور تھے آج اس قدر مسافت طے کر کے کیوں کر آئے تو اس سے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ کام نہیں کرتے۔ اگر وہ لوگ کام کرتے ہوتے تو قریب ہونے کی توجہ نہ ڈھونڈتے بلکہ کام کی درستی کے اہتمام میں لگ جاتے۔

اسی طرح حدیث میں خداوند تعالیٰ کے قرب کو اس لیے بتلایا جاتا ہے کہ قرب کے جان لینے سے تنبیہ ہوگی اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور بزبان حال کہیں گے:

امروزہ شاہاں مہماں شدہ است مارا جبرئیل بالملائک درباں شدہ است مارا

مجھے حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یاد آئی۔ حدیث



پڑھی گئی تھی کہ جو شخص تازہ وضو سے دو رکعت نماز پڑھے اور ان رکعتوں میں حدیث النفس نہ کرے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت ایسا ہو سکتا ہے کہ نماز میں خیال نہ آئے۔ مولانا نے فرمایا کہ کبھی کر کے بھی دکھایا ویسے ہی شبہ کرتے ہو۔

## توحید باری تعالیٰ

توحید کی غایت میں خداوند تعالیٰ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ“ (الاخلاص نمبر ۲) ”آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمال ذات و صفات میں) ایک ہے۔ اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کے سب محتاج ہیں۔“ اس سورت میں خدا کی ذات و صفات بیان کی گئی ہے اس سے فائدہ یہ ہے کہ جس وقت خدا کو ایسا سمجھو گے غیر خدا پر طمعاً و خوفاً نظر نہ ہوگی جس طرح حاکم کا مقرب رعایا سے نہیں ڈرتا اسی طرح توحید پرست غیر خدا سے نہیں ڈرے گا۔ (تذکیر الاخرہ ج ۱)

ایک اور واقعہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے اور بعض لوگ پریشان پھر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بٹھلانے کے لیے ارشاد فرمایا اجلسوا اس وقت ایک صحابی دروازہ پر تھے جس وقت آپ کی زبان مبارک سے اجلسوا کا لفظ ان کے کان میں پہنچا اسی وقت دروازہ پر بیٹھ گئے۔ ہر چند یہ حکم ان کے لیے نہ تھا لیکن شدت اطاعت غالب آگئی اور گوارا نہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حکم فرمائیں خواہ کسی کو سہی اور اس کی تعمیل نہ کی جائے۔

## مسلمانوں کی دو قسمیں

مسلمان دو قسم کے ہیں۔ ایک دنیا دار دوسرے دیندار۔ اور دنیا دار سے میری مراد وہ ہیں جو عقائد کے اعتبار سے دنیا دار ہیں اور دیندار سے مراد بھی وہ ہیں جو عقائد کے اعتبار سے دیندار ہیں۔ گو عمل سے دنیا دار پہلے زمانہ میں جب تک نیچریت کا ظہور نہ ہوا تھا ہندوستان میں عقائد کے اعتبار سے مسلمانوں کی یہ دو قسمیں نہ تھیں بلکہ اس وقت عقائد کے اعتبار سے سب دیندار تھے۔ صرف اعمال کے اعتبار سے دینداری اور دنیا داری کا فرق ہوتا تھا۔ افسوس ہماری قسمت کہ ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں عقائد کے اعتبار سے مسلمانوں کی دو جماعتیں

ہو گئیں۔ ایک وہ جن کو عقائد اسلامیہ میں شبہ ہے۔ ایک وہ جن کو عقائد میں کچھ کلام نہیں۔ اس لئے آج بعضے وہ فاسق غنیمت معلوم ہوتے ہیں جن کو عقائد میں کلام نہ ہو بلکہ عقائد اسلامیہ پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ اور بحمد اللہ! ابھی تک کثرت اسی جماعت کی ہے جس کے عقائد درست ہیں اور ان میں کچھ شبہ نہیں کرتے۔ کیونکہ تعلیم جدید سے ابھی تک بہت لوگ محروم ہیں۔ اور یہ لفظ نو تعلیم یافتہ جماعت کے محاورہ پر کہہ دیا ورنہ ہم تو ان کو محروم نہیں کہتے بلکہ محروم کہتے ہیں کیونکہ ”بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان“۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

## عقائد میں درجہ کمال

عقائد محضہ توحید وغیرہ بھی جب تک کہ ان کے مقتضاء پر عمل نہ ہو درجہ حال میں نہیں پہنچتے اور درجہ کمال اعتقاد کا وہی حال کا درجہ ہے۔ (العلم والنجیہ ج ۲)

## مسئلہ تصور شیخ کی وضاحت

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ تصور شیخ کیسا ہے؟ میں نے جواب دینے سے پہلے پوچھا کہ تم تصور شیخ کا مطلب کیا سمجھے ہو کہا خدا تعالیٰ کو پیر کی صورت میں سمجھنا۔ میں نے کہا یہ تو صریح شرک ہے۔ اسی تصور کو مولانا شہیدؒ نے منع فرمایا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس کے ابطال میں اس آیت سے تمسک کیا ہے

ما هذه التماثل التي انتم لها عكفون

(یہ کیا و اہیات مورتیں ہیں جن کی عبادت پر تم جے بیٹھے ہو۔) اور یہ آیت مشرکین ہی کے متعلق ہے باقی مطلق تصور کو وہ حرام نہیں کہتے ورنہ وہ شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی صراحتہ رد کرتے۔ کیونکہ شاہ صاحب نے القول الجلیل میں تصور شیخ کا مسئلہ لکھا ہے اور جن کا نام مولوی اسماعیل شہید ہے وہ کسی کی للو پتو کرنے والے نہ تھے بڑے صاف تھے۔ اگر وہ مطلق تصور کو سمجھتے تو اس کی پرواہ نہ کرتے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کو جائز لکھا ہے۔ بلکہ بے دھڑک ان کا بھی رد کر دیتے کہ اس مسئلہ میں ان سے تسامح یا غلطی ہوئی ہے مگر ان حضرات کا انھوں نے بالکل رد نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ نفس تصور کو وہ بھی جائز سمجھتے تھے ہاں غلو کو حرام کہتے تھے۔ (العلم والنجیہ ج ۲)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے ادبی کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی جوان کو موت ہوتی ہے تو اس وقت برادری کے لوگ جمع ہو کر کہتے ہیں کہ اے ہے کیسی بے وقت موت ہوئی۔ بے چارہ کے

چھوٹے چھوٹے بچے بے سرے رہ گئے۔ گویا اس کا تو فیصلہ کر لیا کہ یہ موت بے موقع و نامناسب ہوئی۔ اس کے بعد بوجھ بھکڑ صاحب (یعنی جو عقلمند شمار ہوتے ہیں) فرماتے ہیں کہ بھائی تقدیر میں کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں خدا کی ذات بڑی بے پرواہ ہے گویا انھوں نے اس بے موقع محل کی وجہ خدا تعالیٰ کی بے پرواہی کو قرار دیا تو نعوذ باللہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کے بے پرواہ ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے یہاں کوئی نظم نہیں۔ کسی کے حال پر رحم نہیں۔ پس اودھ کی سلطنت ہے یا ان نیاؤنگر ہے کہ عدل و انصاف کا خیال ہی نہیں۔ (اکبرالاعمال ج ۲)

## غلو فی الدین

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضرت میرا یہ کام کر دیجئے شاہ صاحب نے فوراً حکم دیا کہ نکالو اس مشرک کو کہ یہ مجھ سے کہتا ہے کہ میرا کام کر دیجئے ارے کیا تیرا کام کر دینا میرے اختیار میں ہے۔ بس آج کل لوگ یوں سمجھ لیتے ہیں کہ یہ تسبیح چلانے والے خدا تعالیٰ کے رشتہ دار ہو گئے کہ جو کہہ دیں گے ضرور ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں **يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ**۔ اے اہل کتاب دین میں غلومت کرو۔ اس میں غلو فی الدین سے منع فرمایا گیا ہے پس گو حضرات اولیاء کی تعظیم ضروری ہے اور دین میں داخل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی ایسی تعظیم کی جائے کہ خدا تعالیٰ کی توہین ہونے لگے اور شرک لازم آجائے۔

دیکھو اگر کوئی حاکم کے پاس جا کر سر رشتہ دار کو بھی سلام کر لے تو اس کا مضائقہ نہیں لیکن اگر اس سے وہ باتیں کہنے لگے جو حاکم سے کہنا چاہیں مثلاً یوں کہے کہ سر رشتہ دار صاحب بس سارا معاملہ آپ ہی کے ہاتھ میں ہے آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں اور اس کی ویسی ہی تعظیم کرنے لگے جیسے حاکم کی کی جاتی ہے تو کیا حاکم اس سے خوش ہوگا یقیناً حاکم اس شخص کو دربار سے نکال دے گا اور یقیناً سر رشتہ دار بھی ایسی تعظیم گوارا نہیں کر سکتا اور جو گوارا کرے گا تو وہ بھی دربار سے نکالا جائے گا۔ (تفصیل الدین ج ۳)

## عقائد کی غلطیاں

آج کل لوگوں کو عقائد کے باب میں دو قسم کی غلطیاں واقع ہو رہی ہیں۔ ایک تو وہ

لوگ ہیں جو عقائد کو ضروری سمجھتے ہیں مگر ضرورت کو اسی میں منحصر کرتے ہیں یعنی اعمال کی ضرورت نہیں سمجھتے چنانچہ عام طور سے یہ عقیدہ ہے

کہ جو توحید و رسالت کا قائل ہو اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا معتقد ہو بس وہ جنتی ہے۔ اب اسے کسی عمل کی ضرورت نہیں۔

پھر بعض نے اور انتخاب کیا ہے کہ ایمان کا بھی اختصار کر لیا کیونکہ ایمان کی حقیقت تو یہ ہے۔

التصديق بما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم

ان تمام کی تصدیق کرنا جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جو خبریں دی ہیں کہ اللہ واحد ہے۔ قیامت آنے والی ہے وزن حق ہے۔ حساب کتاب حق ہے۔ دوزخ جنت حق ہے۔ تقدیر کا مسئلہ حق ہے۔ فرشتوں کا وجود حق ہے۔ پل صراط پر چلنا حق ہے نماز کی فرضیت حق ہے۔ زکوٰۃ اور روزہ و حج سب کی فرضیت حق ہے۔ کیونکہ یہ طاعات گواہ اعمال ہیں مگر ان کی فرضیت کا اقرار کرنا ایمان میں داخل ہے یعنی ایک تو نماز کا پڑھنا ہے اور روزہ رکھنا زکوٰۃ دینا حج کرنا یہ تو عمل ہے اور ایک ان کی فرضیت کا اعتقاد رکھنا یہ ایمان کا جزو ہے۔ بدون اس اعتقاد فرضیت کے ایمان کا تحقق نہیں ہو سکتا۔

تو ایمان نام تھا ان سب چیزوں کی تصدیق کا مگر آج کل لوگوں نے اس میں بھی انتخاب کر لیا ہے۔ بعضے وزن اعمال کو ضروری نہیں سمجھتے۔ بعضے پل صراط کی تصدیق کو ایمان میں داخل نہیں سمجھتے۔ کوئی تقدیر کے مسئلے کا انکار کرتا ہے علیٰ ہذا۔ اور پھر بھی وہ اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

تھوڑے دنوں پہلے یہ حالت تھی کہ ان عقائد میں کسی کو اختلاف نہ تھا گو فروع میں اختلاف تھا کیونکہ اختلاف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو ایسے امور میں اختلاف جن میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ یہ تو فروع ظنیہ میں ہوتا ہے جیسا کہ مجتہدین میں اختلاف ہوا ہے یا ان کے بعد ان کے اتباع میں ہوا ہے۔ یہ تو سب اعمال کے درجہ میں اختلاف ہے عقائد میں کسی کو اختلاف نہ تھا۔ اور اگر عقائد میں بھی کسی نے اختلاف کیا ہے تو وہ عقائد مہمہ مقصودہ میں نہ تھا بلکہ عقائد مہمہ کی فروع میں تھا۔ مگر کچھ دنوں سے ایک ایسا اختلاف پیدا ہوا ہے جس کے ذکر کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا یعنی اب ان امور میں بھی اختلاف ہونے لگا ہے جن میں کچھ دن پہلے کسی کو شبہ بھی نہ تھا مگر اس وقت اس نئی تعلیم کی بدولت



بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ علم دین نہ ہونے یا دین سے محبت اور علماء کی صحبت نہ ہونے کی بدولت عقائدِ مہمہ میں بھی اختلاف ہونے لگا ہے۔ (تفصیل الدین ج ۳)

## اعتقاد رسالت کی ضرورت

شریعت سے پوچھئے کہ مسلمان ہونا کسے کہتے ہیں۔ تو معلوم ہوگا کہ اس کے لئے رسالتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد بھی شرط ہے اور جنت و دوزخ کا بھی اور ملائکہ کے وجود کا بھی اور تقدیر کے حق ہونے کا بھی اور صراط و وزن و حساب و کتاب کا قائل ہونا بھی اور فرضیتِ صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم و حج کا اقرار بھی الخ مگر ان عقلمندوں نے اس طالب علم کی طرح صرف لا الہ الا اللہ کو کافی سمجھ لیا۔ (تفصیل الدین ج ۳)

## اجزائے عقائد

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں ذات و صفات کے متعلق جس قدر احکام ہیں سب آگئے اور قیامت کے دن پر ایمان لانے میں جزا و سزا و حساب و کتاب و جنت و دوزخ وغیرہ کے سب احکام آگئے۔ الملائکہ اور فرشتوں پر ایمان لائے یعنی ان کے وجود کا قائل ہو اس میں تمام مغیبات داخل ہیں اور فرشتوں کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ شریعت کے معلوم ہونے کا مدار واسطہ ملائکہ ہی ہیں۔ والکتاب اور کتاب پر ایمان لائے۔ یہاں کتاب بصیغہ مفرد لایا گیا ہے حالانکہ کتب سماویہ متعدد ہیں اور ایمان لانا سب پر واجب ہے۔ (گوئل منسوخ پر جائز نہیں) اور اسی وجہ سے دوسری آیتوں میں صیغہ جمع اختیار کیا گیا ہے۔ کُلُّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِکَہِ وَ کُتُبِہِ وَ رُسُلِہِ

سب ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ لیکن یہاں صیغہ مفرد اختیار کرنے میں اشارہ ہے ایک امر کی طرف وہ یہ کہ قرآن ایسا جامع ہے کہ وہ تمام کتب سماویہ پر حاوی ہے اس لئے اس پر ایمان لانا گویا سب پر ایمان لانا ہے یا یہ کہا جاوے کہ کتب سماویہ میں سے ہر کتاب دوسری کتاب پر ایمان لانے کا امر کرتی ہے۔ پس وہ سب مل کر بمنزلہ کتاب واحد کے ہیں۔ ان سب پر ایمان لانا بمنزلہ کتاب واحد کے ایمان لانے کے ہے۔ (اور جو شخص ایک کتاب کو مان کر دوسری کا انکار کرے وہ حقیقت میں پہلی کتاب پر بھی ایمان نہیں رکھتا) لیکن یہ حکم ایمان کا ہے اور عمل کرنا سب کتابوں پر



جائز نہیں بلکہ عمل صرف موخر پر ہوگا کیونکہ وہ مقدم کے لئے ناسخ ہے۔ النہین اور پیغمبروں پر ایمان لائے یہاں تک تو امہات عقائد مذکور ہیں (الکمال فی الدین ج ۳)

## اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت

حضرت شبلی کا واقعہ ہے کہ ان کے ایک مرید نے شکایت کی کہ مجھے ذکر سے نفع نہیں ہوتا شیخ نے توجہ کی تو اس کا سبب تکبر معلوم ہوا۔ آپ نے اس کے علاج کرنے کے لئے فرمایا کہ تو ایک ٹوکرا خروٹوں کا فلاں محلہ میں (جہاں اس شخص کے معتقد بہت تھے) لیجا اور عام طور سے یہ اعلان کر دے کہ جو کوئی میرے ایک دھول مارے گا اسے ایک خروٹ ملے گا، یہ سن کر مرید نے کہا اللہ اکبر میں ایسا کروں؟ شیخ نے فرمایا کمبخت یہ اللہ کا نام وہ ہے کہ اگر کا فر صد سالہ اس کو کہے تو مسلمان ہو کر جنتی ہو جائے مگر تو نے جس موقع پر یہ نام لیا ہے اس سے تو کافر ہو گیا کیونکہ اس وقت تو نے اللہ اکبر خدا کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے نہیں کہا بلکہ اپنی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کہا ہے۔ جا اپنے ایمان کی تجدید کر۔ (العبدالربانی ج ۴)

## ایصال ثواب میں اعتقادی غلطی

بعض لوگوں میں ایک غلطی اعتقادی یہ بھی ہے کہ ثواب کی نوعیت میں بھی کھانے کے موافق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شیر خوار بچوں کے لئے ایصال ثواب میں دودھ دیتے ہیں، گوشت نہیں دیتے یہ سمجھتے ہیں کہ انکے دانت کہاں ہیں جو گوشت کھائیں، اسی طرح شہداء کو سبیل میں شربت کا ثواب پہنچاتے ہیں کیونکہ وہ پیاسے شہید ہوئے تھے اس کے علاوہ اس اعتقادی غلطی کے دوسری غلطی یہ بھی ہے کہ گویا ان کے نزدیک شہداء اب تک پیاسے ہی ہیں۔ نعوذ باللہ! اے صاحب انہوں نے تو مرتے ہی جنت کا ایسا شربت پیا ہوگا جس سے عمر بھر بھی پیاس نہ لگے، اس کے متعلق خیر آباد کے ایک بزرگ کا قصہ مشہور ہے کہ ان کے ایک مرید نے زندگی میں ان کی فاتحہ کی تھی۔ جب وہ فاتحہ دلا کر ان سے ملنے آیا تو فرمانے لگے کہ بھائی ذرا فاتحہ دیتے ہوئے گرم ٹھنڈے کا تو خیال کر لیا کرو، تم نے فاتحہ میں فریخی ایسی جلتی ہوئی دی کہ اب تک میری زبان میں چھالے پڑے ہوئے ہیں حالانکہ مرید نے اپنے گھر پر فاتحہ دی تھی مگر وہ جلتی جلتی ہی فقیروں کے منہ سے پیر صاحب کے منہ میں پہنچ گئی

ہمیں یہ قصہ گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے، واہیات بھلا ایصالِ ثواب سے دوسروں کو ثواب پہنچتا ہے یا وہی کھانا پہنچتا ہے۔ یقیناً ثواب پہنچتا ہے اور ثواب گرم ٹھنڈا ہوتا نہیں بلکہ وہ نیکیاں ہیں جو مہدی لہ کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں جس کا صلہ جنت کے درجات ہوتے ہیں۔ بہر حال یہ قصہ محض لغو ہے، ثواب کے لئے تو نص قطعی ہے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## شُرک فی النبوة

لوگوں نے مولود شریف تو اپنی طرف سے مخترع کیا اور غضب یہ کیا کہ اس کا نام عید اکبر رکھا۔ غضب کی بات ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے دو عیدیں دی ہیں اور انہوں نے تیسری اور ایجاد کر دی۔ اچھا خاصہ معارضہ ہو گیا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ اس میں شوکت اسلام کی ظاہر ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے تعزیرات ہند کی سزاؤں کو چھاپتے وقت مضاعف (دوچند) کر دیا کہ جس جرم میں چھ مہینے کی قید تھی وہاں برس روز لکھ دیا اور باز پرس ہونے پر یہ جواب دیدیا کہ کیا حرج ہے، اس میں گورنمنٹ کا رعب زیادہ ہوگا اور اس سے سلطنت میں استحکام ہوگا۔ اب بتلائیے اس نے جو سزاؤں میں اضافہ کیا مقبول ہوگا یا نہیں، مردود ہوگا بلکہ اس شخص پر مقدمہ قائم ہو جائے گا کہ تم اپنے کو شریک سلطنت سمجھتے ہو کہ قانون وضع کرتے ہو۔ بس تو پھر اگر کوئی احکام شریعت میں کچھ اضافہ کرے یا بدل دے تو وہ مجرم ہے یا نہیں؟

صاحبو! یہ شرک فی النبوة (نبوت میں اپنے آپ کو شریک کرنا) ہے کیونکہ ایسی مصلحتوں کا دیکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔ یہ وجہ ہے اس کے جرم ہونے کی، اب تو قانونی نظیر سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اس لیے بدعات سے منع کیا جاتا ہے کہ یہ شرک فی النبوة ہے۔ شیطان بدعت سے بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ یہ سمجھتا ہے کہ گناہ جو شخص کرتا ہے اس کو گناہ تو سمجھتا ہے مگر بدعت کو تو دین سمجھ کر کرتا ہے اور عمر بھر بتلا رہتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ”الیوم اکملت لکم دینکم..... الخ“ (ہم نے آج تمہارے دین کو کامل کر دیا) تو ایک یہودی کہنے لگا کہ ہم پر یہ آیت نازل ہوتی تو ہم تو اس دن عید مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کچھ دیوانہ ہوا ہے ہمیں علیحدہ علیحدہ منانے کی کیا

ضرورت یہ تو خود عید کا دن ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یوم عرفہ تھا، سب عرفات میں تھے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوم دوشنبہ میں روزہ رکھتے تھے۔ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اس دن میں روزہ کیوں رکھتے ہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ذالک الیوم الذی ولدت فیہ۔

(یعنی یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا ہوں) تو جب ایک عبادت یعنی روزہ رکھنا یوم ولادت ہونے کی وجہ سے حضور سے ثابت ہے تو ہم اس عبادت پر دوسری عبادتوں کو بھی قیاس کر کے اسی سے ثابت کر سکتے ہیں۔

ہمیں اس میں کلام ہے کہ روزہ اس لیے رکھا تھا کہ یہ یوم ولادت ہے ممکن ہے روزہ اسی لیے رکھا ہو کہ وہ پہلے سے یوم الفضیلت ہے اور یوم ولادت ہونا اسی فضیلت کے سبب تجویز کیا گیا ہو اور اس پر کہ روزہ کا سبب اس یوم کا کسی دوسری وجہ سے افضل ہونا ہے۔ ایک دلیل بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس روز میں نامہ اعمال پیش ہوتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل روزہ کی حالت میں پیش ہو۔ تو معلوم ہوا کہ یوم دوشنبہ پہلے سے ذی فضیلت ہے اور اسی وجہ سے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی محقق ہوئی۔

## اہل بدعت کی حالت

مجملہ ان منکرات کے ایک قیام ہے جس میں عوام کے اعتقادات حد و شرع سے متجاوز ہیں۔ اس میں بعض لوگ ہمارے علماء کو بدنام کرتے ہیں کہ قیام تو ذکر رسول کی تعظیم کے لئے ہے۔ اور یہ مولوی حضور کی تعظیم سے منع کرتے ہیں۔ اس کا جواب ایک مولوی صاحب نے خوب دیا کہ ہم ذکر رسول کی تعظیم سے نہیں روکتے بلکہ ذکر اللہ کی بے تعظیمی سے روکتے ہیں کیونکہ تم ذکر اللہ کے وقت قیام نہیں کرتے۔ پس اگر سارا ذکر مولد قیام ہی سے کرو اور سامعین بھی سارا ذکر کھڑے ہو کر سنیں تو ہم اس قیام سے کبھی منع نہ کریں گے۔ (نور النور ج ۵)

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ ہم لوگوں کو جو بعض دفعہ یہ تمنا ہوتی ہے کہ کاش ہم حضور کے زمانہ میں ہوتے یہ ٹھیک نہیں۔ لوگوں کا حضور کے زمانہ میں نہ ہونا اور اب ہونا یہی نعمت ہے کیونکہ ہم اگر اس وقت بھی ہوتے تو ایسے ہی ہوتے جیسے اب ہیں اور اب ہماری حالت یہ

ہے کہ ہمارے اندر تکبر ہے اور اتباع علماء سے اعراض ہے تو اس وقت اگر حضور کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ایمان ہی نصیب نہ ہوتا کیونکہ عادت مالوفہ یک لخت ترک کر دینا بڑی ہمت کی بات ہے جو ہر اک سے نہیں ہو سکتی۔ (نور النور ج ۵)

## وجود باری تعالیٰ

ایک اعرابی نے وجود صانع کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

البقرة تدل على البعير والاثر يدل على المسير فالسما ذات الابراج

والارض ذات الفجاج كيف لا تدلان على اللطيف الخبير

(یعنی اونٹ کی مینگنیاں یہ بتلا دیتی ہیں کہ یہاں سے اونٹ گیا ہے اور نشانات قدم چلنے والے کا پتہ بتلاتے ہیں۔ ادنیٰ ادنیٰ چیز اپنے موثر کا پتہ دیتی ہے تو یہ بڑے بڑے ستاروں والا آسمان اور وسیع راستوں والی زمین کیا لطیف خبیر جل مجدہ کا پتہ نہ دے گی۔) یہ ایک گنوار کا قول ہے۔ دیکھئے اس نے کیسی عمدگی سے اس عقیدہ کا فطری ہونا بتلایا ہے۔

ایک دلیل وجود صانع کی ہمارے چھوٹے ماموں صاحب نے ایک دہری کے سامنے بڑے مزے کی بیان کی۔ ماموں صاحب ایک سرکاری اسکول میں فارسی ریاضی کے مدرس تھے۔ ایک دفعہ انسپکٹر ممتحن آیا۔ جودہری تھا۔ خدا تعالیٰ کے وجود کا منکر تھا۔ اس نے طلباء سے سوال کیا کہ بتلاؤ وجود صانع کی کیا دلیل ہے۔ بچے خاموش ہو گئے۔ ماموں صاحب نے کہا صاحب! یہ مضامین ان بچوں کو بتلائے کب گئے ہیں۔ تو یہ جواب کیسے دے سکتے ہیں اور نہ یہ مضمون کورس کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے لیکن اگر آپ کو ایسا ہی شوق ہے تو مجھ سے پوچھئے میں بتلاؤں گا۔

اس نے غصہ سے کہا اچھا آپ ہی بتلائیے۔ فرمایا خدا وہ ہے جس نے آپ کو معدوم سے موجود کیا۔ کہنے لگا ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے بنایا ہے۔ فرمایا اچھا خدا وہ ہے جس نے آپ کے ماں باپ کو پیدا کیا ہے کہنے لگا کہ ان کو ان کے ماں باپ نے بنایا تھا۔ فرمایا اچھا! ان کے ماں باپ کو پیدا کیا ہے کہنے لگا کہ ان کو ان کے ماں باپ نے بنایا تھا۔ فرمایا اچھا! ان کے ماں باپ کو جس نے بنایا وہ خدا ہے۔ کہنے لگا کہ ان کو ان کے ماں باپ نے پیدا کیا تھا۔ ماموں صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ سلسلہ کہیں متناہی نہیں تب تو تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے اور اگر کہیں ختم ہوتا ہے تو بس اس منہا کو جس نے بنایا وہی خدا ہے۔ کہنے



لگا کہ یہ منطقی دلیلیں ہم نہیں جانتے۔ ہم تو سیدھی بات یہ جانتے ہیں کہ اگر خدا کوئی چیز ہے تو ہماری ایک آنکھ اندھی ہو گئی ہے اس کو درست کر دے (یہ انسپکٹر یک چشم تھا) ماموں صاحب بڑے ظریف تھے۔ فرمایا اچھا میں خدا تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر لبوں کو حرکت دی جیسے خدا سے کچھ کہہ رہے ہوں۔ پھر آسمان کی طرف کان لگائے گویا جواب سن رہے ہیں۔ غرض اچھا خاصا ممتحن کا مذاق اڑایا۔ پھر فرمانے لگے کہ میں نے خدا تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس سے کہہ دو کہ ہم نے تو اس کی دونوں آنکھیں بنائی تھیں مگر اس نے کفر کیا اور ہمارے وجود کا انکار کیا۔ اس لئے ہم نے غصہ میں آ کر اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی۔ میں ہرگز نہ بناؤں گا۔ اب اس سے کہو کہ اس آنکھ کو انہی ماں باپ سے بنوالے جنہوں نے اس سارے کو بنایا ہے۔ واقعی جواب اعلیٰ درجہ کا علمی جواب تھا۔ معقول بات تھی (کہ جب تیرے ماں باپ میں اتنی قدرت ہے کہ انہوں نے تجھے سارے کو بنادیا تو اب وہ تیری آنکھ کو کیوں نہیں بنادیتے اور اگر نہیں بنا سکتے تو اس سے ثابت ہوا کہ وہ پیدا کرنے والے نہیں کیونکہ قادر علی الکل قادر علی البعض بھی ضرور ہونا چاہئے ۱۲)

یہ جواب سن کر وہ انسپکٹر جھلا ہی تو گیا مگر کرتا کیا بس اس کے قبضہ میں اتنی بات تھی کہ اس نے ماموں صاحب کے اسکول کا معائنہ بہت خراب لکھا جس سے ان کے تنزل کا خطرہ ہو گیا۔ یہ خبر ماموں صاحب کے بڑے بھائی کو پہنچی وہ صاحب دل آدمی تھے ان کو سخت غصہ اور صدمہ ہوا اور انہوں نے بددعا کی کہ الہی اس کم بخت نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ اور میرے بھائی کا دل دکھایا۔ الہی ان دونوں باتوں پر صبر نہیں ہو سکتا بہت جلد اس سے انتقام لیجئے۔ چنانچہ غالباً ایک ہفتہ نہیں گزرا کہ اس کے گردہ میں یا کہیں اور دفعتاً درد اٹھا اور فوراً مر گیا اس پر مجھے مولانا رومی کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

اِس نہ آں شیرست کز وے جاں بری      باز پنچہ قہر او ایماں بری  
(یہ وہ شیر نہیں جس سے تو جان بچا سکے یا اس کے پنچہ ظلم سے ایمان بچا سکے۔) (المورد الفرخنی ج ۵)

## گیارہویں کی رسم اور اس کی تردید

اس روز لوگ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں مناتے ہیں اول تولد اتحدہ و اقبری عید اسے اس کا بھی رد ہو گیا کیونکہ مثل یوم المیلاد وغیرہ کے یہ



دن بھی متبدل ہو گیا جب غیر متبدل یعنی قبر نبوی کا عید بنانا حرام ہے تو متبدل یعنی بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کا عید بنانا کیسے جائز ہوگا۔

دوسرے یہ تاریخ حضرت کی وفات کی کسی مورخ نے نہیں لکھی۔ نہ معلوم عوام نے گیارہویں تاریخ کس کشف والہام سے معلوم کر لی بعض لوگ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں کیا کرتے تھے تو اول تو یہ روایت ثابت نہیں اس کا ثبوت دینا چاہئے دوسرے اگر ہو بھی تو کیا تم حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرتے ہو کہ رسول اللہ کی گیارہویں چھوڑ کر بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کرتے ہو یہ تو ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ اگر بالفرض وہ گیارہویں رسول کی کیا کرتے تھے تو اس کو ہرگز گوارا نہ کر سکتے تھے کہ میرے بعد بجائے رسول کے میری گیارہویں کی جائے۔

تیسرے اس میں عقیدہ بھی فاسد ہے کہ لوگ حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں کہ حضور کا میلاد کرتے ہیں تو بڑے پیر کی گیارہویں بلکہ بعض جگہ حضرت غوث اعظم کا میلاد بھی ہونے لگا گویا بالکل ہی رسول کی مساوات ہو گئی اور غضب یہ ہے کہ کرنے والوں کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر گیارہویں نہ کریں گے تو بلا نازل ہوگی۔ بڑے پیر صاحب ناخوش ہو جائیں گے اور پھر نا معلوم کیا سے کیا کر دیں گے۔ گویا نعوذ باللہ وہ مخلوق کو تکلیف دیتے پھرتے ہیں نیز گیارہویں کرنے کو مال و اولاد کی ترقی کا باعث سمجھتے ہیں اس میں حضرت غوث اعظم سے دنیا کے لئے تعلق رکھنا ہوا یہ کیسی بے حیائی ہے کہ جس مردار کو چھوڑ کر وہ الگ ہو گئے تھے اسی کے لئے اس سے تعلق کیا جائے۔

غرض گیارہویں کے اندر بھی عملی اور اعتقادی بہت سی خرابیاں ہیں ان کو چھوڑنا چاہئے۔ اگر کسی کو حضرت غوث اعظم کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہو تو کچھ قرآن پڑھ کر ان کی روح کو ثواب بخش دے یا بلا تعین تاریخ وغیرہ غربا کو کھانا کھلاوے۔ (راس الربیعین ج ۵)

## جاہلانہ نظریات

قصیدے اس قسم کے پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی خود رسول کی شان میں گستاخی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں عرض کرتا ہوں واقعات دکھاتا ہوں تاکہ محض فرضی دعویٰ نہ سمجھا جائے۔ ایک قصیدہ ہے اور اس کا یہ شعر شاعری میں آ کر یوں کہہ دیا۔

طواف کعبہ مشتاق زیارت کو بہانہ ہے کوئی ڈھب چاہئے آخر رقیبوں کی خوشامد کا  
یعنی اصل تو زیارت مدینہ کی ہے حج مقصود نہیں ہے حج محض ایک مصلحت سے کرتے  
ہیں اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اللہ میاں (نعوذ باللہ) عاشق ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہم  
بھی عاشق۔ اس لئے حضور کی زیارت کو چلے اور محبوب کے دو عاشق آپس میں رقیب کہلاتے  
ہیں تو گویا اللہ میاں (نعوذ باللہ) ان کے رقیب ہوئے اور رستہ میں گھر پڑتا ہے رقیب کا جو قادر  
ہے شاید جانے نہ دے اس لئے حج کر کے ان کی خوشامد کر لینی چاہئے۔ اس سبب سے پہلے  
طواف کعبہ کرتے ہیں کہ خوش رہیں اور کچھ کھنڈت نہ ڈال دیں (نعوذ باللہ) اور لیجئے۔

پئے تسکین خاطر صورت پیرا ہن یوسف محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا  
یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا  
ہے گو وہ ضعیف ہیں مگر فضائل میں متمسک بہ ہو سکتی ہیں۔ سو شاعر صاحب اس کا نکتہ بیان  
کرتے ہیں کہ سایہ کیوں نہ تھا تو وہ نکتہ یہ ہوا کہ یعقوب علیہ السلام نے جس طرح یوسف  
علیہ السلام کو رخصت کرتے وقت یہ سوچ کر کہ یوسف مجھ سے جدا ہوتے ہیں میرے دل کو  
تسلی کیسے ہوگی پیرا ہن رکھ لیا کہ اسی کو دیکھ لیا کروں گا۔ اسی طرح نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے  
حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنا چاہا تو سوچ ہوئی کہ میں کا ہے سے تسلی حاصل  
کروں گا۔ اس لئے سایہ کو رکھ لیا کہ اس سے تسلی تو ہو جایا کرے گی۔

الہی توبہ! الہی توبہ! انصاف سے کہئے کہ ان مضامین کے بعد ایمان باقی رہ سکتا ہے اس شعر  
میں حق تعالیٰ کے لئے بے چینی ثابت کی ہے۔ پھر بصیر ہونے کا انکار کیا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جب  
بصیر و خیر ہیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ دکھائی نہیں دیتا تھا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ  
لیا کرتے پھر سایہ رکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیا ایسی محفل کرنے سے پکڑ دھکڑ نہ ہوگی۔ بانی مجلس  
پر مواخذہ نہ ہوگا۔ اگر دین ایسا سستا ہے کہ کہیں سے بھی نہیں جاتا تب تو خیر گستاخی بھی کوئی چیز  
نہیں مگر دین تو ایسا سستا نہیں ہے۔ کیا دین کے یہ معنی ہیں کہ سب کچھ کئے جاؤ اور وہ نہ جائے۔  
یہ تو اللہ میاں کی شان میں سوادب تھے اب انبیاء علیہم السلام کی شان میں دیکھئے ایک  
شاعر صاحب کہتے ہیں۔

برآسمان چہارم مسیح بیمار ست تبسم تو برائے علاج درکار ست  
(یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان چہارم پر بیمار ہیں اور ان کا علاج آپ کے تبسم سے ہے)

سچ بتلائیے کہ کیا حضرت عیسیٰ بیمار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم سے وہ اچھے ہو جائیں گے اور حقیقت میں اسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناراض کرنا ہے۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات سے خوش ہوں گے جس میں دوسرے نبی کی توہین ہوتی ہو۔ آپ سمجھئے کہ اگر آپ کا کوئی بھائی حقیقی ہو اور اس کے ایک بیٹا ہو اور وہ آپ کی شان میں گستاخی کرے تو کیا بھائی کو یہ بات پسند ہوگی۔ اسی طرح انبیاء آپس میں بھائی ہیں اور حضور پر نور سب میں بڑے ہیں اگر آپ نے کسی نبی کی توہین اور ان کی شان میں گستاخی کی تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے۔

ایک شاعر صاحب ہیں کہ انہوں نے نعت لکھنے کیلئے روشنائی تجویز کی ہے اور یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کو اس روشنائی کے حل کرنے کے لئے کھل قرار دیا ہے وہ شعر اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا۔ سچ بتلائیے ایمان سے اگر ہم انبیاء علیہم السلام کو کسی موقع پر مجتمع پائیں اور وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہوں تو کیا اس مجمع میں ہم ان اشعار کو تکرار کر سکتے ہیں۔ کیا یعقوب علیہ السلام کی آنکھ میں روشنائی پس سکتے ہیں یا ان کے منہ پر ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔ جو بات منہ پر کہنا بے ادبی قرار دی جائے کیا پیچھے کہنا گستاخی نہ ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام کی تو بڑی شان ہے مخلص لوگوں نے تو دوسرے اہل اللہ کے ساتھ بھی اس کی رعایت کی ہے۔ (المرجع فی الرفع ج ۵)

## اتباع ہوی

اس محاورہ کو نصوص کے اندر بہت استعمال کیا گیا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تارک صلوٰۃ کے لئے فقد کفر کا لفظ استعمال کیا ہے من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر۔ (جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا) حالانکہ اہل حق کا مذہب قرآن کی دلیل سے یہ ہے کہ کبائر کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا اور نماز کا چھوڑنا جب کہ اس کی فرضیت کا اعتقاد ہو موجب کفر نہیں ہے مگر پھر بھی کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کی تاویل میں علماء نے غور و فکر کیا ہے اور دلائل سے مول ہونا ثابت کیا ہے۔ اس کی تفصیل کی حاجت نہیں ہے اس وقت مگر صرف اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ کفر کا لفظ استعمال کرنے سے معلوم ہوا کہ کفر کے درجات مختلف ہیں۔ (الرفع والوضع ج ۵)

## ایک کفر عملی ایک کفر اعتقادی

کفر عملی کا حاصل یہ ہے کہ اعتقاد تو مومنین کا سا ہے مگر اعمال کافروں کے سے ہیں تو فقد کفر کے معنی یہ ہوں گے کہ فقد کفر عملاً اس کی ایسی مثال ہے ہمارے محاورات میں جیسے کہ کوئی شخص عتاب میں زجر و توبیخ میں اپنے کسی عزیز محکوم بیٹے کو یہ کہے کہ تم تو بالکل پھمار ہو گئے ظاہر ہے کہ شرافت اس کی زائل نہ ہوگی نسب اس کا بدل نہیں گیا یعنی یہ کہ وہ ایک قوم سے نکل کر دوسری قوم میں داخل نہیں ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ کام تم ایسے رذیلوں کے کرتے ہو جیسے چمار کیا کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ محاورات کے اندر تو وسیع ہے مجاز بھی ہے حقیقت بھی ہے تو اس مجاز کا حاصل یہ ہوا کہ تشبیہ دی جاتی ہے ایک شخص کو کسی خاص حالت و صفت والے کے ساتھ کسی خاص وجہ سے تو فقد کفر کے بھی معنی یہ ہوئے کہ فقد کفر عملاً یعنی کام کیا کافروں کا سا۔ یعنی نماز کو فرض سمجھ کر نہ پڑھنا یہ مومن کی شان سے بعید ہے نماز نہ پڑھنا کام ہے کافروں کا کافر ہی نماز نہیں پڑھتے کیونکہ وہ منکر ہیں۔ جو نماز نہ پڑھے وہ مومن تو ہے بوجہ اعتقاد فرض سمجھنے کے مگر بھائی کام تو بہت ہی بے ہودہ کیا۔ تو جب کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے دوسرے درجہ کے لئے بھی محسب کا استعمال اس درجہ میں ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔

دوسرا درجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ اعتقاد تو نہیں ہے اہمال کا۔ یعنی اعتقاد میں تو نہیں سمجھتا کہ انسان مہمل ہے یعنی مکلف نہیں ہے اعمال کا یہ کہ سزا جزا نہ ہوگی۔ اعتقاد تو یہ ہے کہ جب کوئی پوچھتا ہے کیوں صاحب خدا اور رسول کا حق ہے تمہارے اوپر؟ ہاں صاحب! ہے۔ کیوں صاحب جیسا کرو گے ویسی جزا ملے گی؟ کیوں صاحب کیوں نہیں ملے گی۔ ایک ایک ذرہ کا حساب ہوگا پوچھنے پر تو یہ کہہ دیتا ہے کہ اعتقاد ضرور ہے لیکن برتاؤ ایسا ہے جیسے اس شخص کا ہو جو معتقد ہو اس کے انکار کا یعنی جزا و سزا کے انکار کا یا تشریع کے انکار کا کیونکہ اگر کوئی معتقد ہوتا انکار کا تو اس کا عمل کیا ہوتا۔ عمل یہی ہوتا کہ وہ شتر بے مہار کی طرح مطلق العنان ہوتا کیونکہ جب اعتقاد ہی نہیں سزا جزا کا تو اس کے پابند ہونے کی ضرورت کیا تو اس کا جو طرز ہے وہی اس شخص نے اختیار کیا ایک درجہ یہ بھی ہے۔ حسابان کا وہ پہلا درجہ مخصوص کفار کے ساتھ ہے دوسرا درجہ بہت سے ایمان والوں میں بھی پایا جاتا ہے یعنی ظاہر ہے کہ بہت سے اہل ایمان کے اعمال وہی ہیں جو منکرین میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی اعتقاد تو درست ہے



لیکن عمل وہی ہیں جو منکرین کے ہیں کچھ فکر اور پروا نہیں ہے کہ ہم لوگ کیا کر رہے ہیں جو کچھ جی میں آیا کر لیا جس کو اتباع ہوئی کہنا چاہئے جو خواہش ہوئی کر بیٹھے۔ نہ یہ سوچ ہے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ نہ یہ خوف ہے کہ سزا جزا ہوگی یا نہیں۔ اگر کسی نے ٹوکا بھی تو گو بعض لوگ تمسخر سے یہ بھی کہہ ڈالتے ہیں۔ (نقد اللیب فی عقد الحیب ج ۵)

## شادی بیاہ کی رسومات

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے پہلے زمانہ میں شادیوں کے اندر ایسی رسمیں شرک و بدعت کی بے حد تھیں یہاں تک کہ موسل میں ڈوری بندھوانے کی ایک رسم تھی جب کوئی بزرگ خاندان آتا تھا تو اس سے برکت کے لئے ڈوری بندھواتے تھے اور تعجب کی بات ہے کہ علماء کو بھی ان خرافات میں شریک کر لیتی تھیں اپنے گھر میں کوئی عالم ہوا تو اسے موسل میں ڈوری باندھنے لے جاتیں تاکہ برکت ہو اور من بھر کی جگہ دو من چاول نکل آویں۔ کہیں دلہن کے پلہ ہلدی کی گرہ باندھتیں کہیں ایک بچہ اس کی گود میں دیتیں کہ دیکھ کر کہہ اللہ میاں ایسا ہی بچہ لے لوں گی۔ یہ باتیں کہیں اب بھی ہیں۔ کسی عورت کے اگر بچے نہ جنیں تو بعض جاہل بچہ کو پیدا ہوتے ہی گھورے پر ڈال آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھ اللہ میاں! اگر لینا ہے تو ابھی لے لے پھر نہیں ملے گا۔ اگر وہ کچھ دنوں نہیں مرتا تو سمجھتے ہیں کہ ہمارا ان کا معاہدہ پورا ہوا۔ معاہدہ ہوا ہی کب تھا۔ اگر ہوا بھی تو ایک ہی طرف سے تو ہوا اس قسم کے خرافات کثرت سے ہیں۔

اناؤ کے ضلع میں میرے ایک دوست نے ایک نکاح میں مدعو کیا تھا میں نے کہا خرافات تو نہیں ہوں گی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ نہیں ہوں گے اور وعدہ بھی کیا عورتوں سے وعدہ لے کر ایک دن رات کو مجھے تو نیند میں پتہ بھی نہ چلا ان کو ڈھک ڈھمک کی آواز سنائی دی گھر میں گئے تو دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے۔ انہوں نے ڈانٹا کہ یہ کیا واہیات ہے۔ کہا نہیں ذرا سا شگون کیا تھا۔ اتنا بھی نہ ہو تو میت میں اور شادی میں فرق ہی کیا رہے۔

میرٹھ میں تماشا ہوا۔ ایک رئیس کے یہاں شادی تھی۔ وہ قبیح سنت تھے بالکل سادگی کے ساتھ تقریب تھی نہ ڈھول نہ تماشا نہ باجانہ گانا ایک صاحب چپکے سے بولے ارے میاں! چنوں کی کسر ہے ان رئیس صاحب نے کہیں سن لیا خدمتگار کو حکم دیا کہ ایک روپے



کے چنے لے آؤ۔ جب وہ لے آیا تو کہا ان کے سامنے رکھ دو اور کہا پڑھئے کلمہ شریف! کیا حرج ہے اور برکت ہو جائے گی اور کلمہ شریف کی برکت ہی حاصل کرنے کے لئے تو اس کو میت کیلئے پڑھتے ہیں تو میری شادی میں برکت ہو جاوے گی۔ (نقد الملیب فی عقد الحبیب ج ۵)

## غلط عقائد و نظریات

رام پور کی ایک حکایت سنی ہے مولوی عبدالحق خیر آبادی کی کہ ایک پٹھان ملنے آئے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ خان صاحب کیسے فرصت ہو گئی۔ آج کل تو آپ کو دیہات میں بہت انتظام کرنا ہوگا۔ خان صاحب بولے کہ انتظام تو بڑے پیر صاحب کے سپرد کر آیا ہوں مولوی صاحب نے فرمایا آہا ہم تو ان کو ولی سمجھتے تھے مگر معلوم ہوا کہ پدہان ہیں۔ خان صاحب کو بہت ناگوار ہوا کہ انہوں نے بے ادبی کی مگر واقع میں بے ادبی خود انہوں نے کی۔ تو بعض آدمی سب کام اولیاء اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

میں نے مکہ میں دیکھا کہ ایک شاہ صاحب نے آ کر حضرت کے بھتیجے حافظ احمد حسین صاحب کو کچھ روپیہ امانت سپرد کیا۔ حافظ صاحب نے کہا اللہ کی سپردگی میں رکھ جاؤ۔ تو آپ کیا کہتے ہیں کہ اللہ کے سپرد تو کرنا چاہئے ہی نہیں اور اس پر ایک مہمل حکایت ہانک دی کہ کسی شخص کی ایک دوکان تھی۔ وہ جب جاتا دکان حضرت غوث اعظمؒ کے سپرد کر کے جاتا۔ اس کا ایک بھائی تھا وہ ہمیشہ دل میں اس پر نکیر کرتا ایک بار یہ بھائی دکان پر تھا۔ یہ جب جانے لگا تو خدا تعالیٰ کے سپرد کر گیا۔ اسی دن چوری ہو گئی۔ دوسرے بھائی کو خبر ہوئی۔ کہنے لگا تو نے نادانی کی کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اللہ تعالیٰ کا تو کام یہی ہے کہ اس سے لیا اس کو دے دیا اور حضرت غوث اعظمؒ تو محکوم ہیں یہ خلاف امانت کر نہیں سکتے۔ اور حکایت ان شاہ صاحب نے احمد حسین صاحب کے سامنے بیان کی۔ وہ بہت جھلائے کہ کوئی بڑا مردود ہوگا۔ (نفی المخرج ج ۶)

## تعدیہ امراض

تعدیہ میں تین قول ہوئے۔

ایک یہ کہ بدون مشیت حق کے مرض لگتا ہے یہ تو کفر و زندقہ ہے۔ دوسرے یہ کہ مشیت حق سے لگتا ہے مگر مشیت تو ضرور ہوتی ہے۔ یہ قول غلط و باطل ہے گو کفر نہیں۔

تیسرے یہ کہ مشیت سے لگتا ہے اور مشیت ضرور نہیں۔ اگر مشیت ہوگی تو مرض نہیں لگے گا۔ اس میں زیادہ محذور نہیں اگر کوئی اس کا قائل ہو جائے تو گنجائش ہے۔

مگر احادیث صحیحہ سے ظاہر اترجیح اسی کو ہے کہ تعدیہ کوئی شے نہیں اور ایک کا مرض دوسرے کو نہیں لگتا لا عدوی ولا طیورہ (اصحیح مسلم: ۱۷۴۷ المسند للإمام احمد: ۱۷۴: ۱) (۱۵: ۲) (مرض کے متعدی ہونے اور شکوہ لینے کی کوئی حقیقت نہیں) حدیث مشہور ہے اسی طرح حدیث اعرابی میں فمن اعدی الاول (یعنی پہلے میں کس سے تعدی ہوگی) سے صاف عدوی کی نفی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ (الغالب للطالب ج ۶)

## مشرکانہ عقائد

دیکھو جب ہمارے سردار کامگار آقائے نامدار تشریف لائے تمام عالم پر کفر کی گھنگور گھنائیں چھائی ہوئی تھیں سب لوگ کافر تھے کیا آج روئے زمین پر کوئی ریفارمر کوئی لیکچرار کوئی مصلح قوم کوئی بھی خواہ قوم ہے جو یہ کہہ دے کہ جناب رسالت مآب نے نا اتفاقی کی۔ کیونکہ ساری دنیا کے مقابلے میں آنحضورؐ نے لا الہ الا اللہ کا باواز بلند نعرہ لگا کر زمین و آسمان کو گونجا دیا۔ ابھی اور احکام کے اظہار کی نوبت نہیں آئی تھی۔ صرف توحید ہی سے دنیا میں وحشت کے آثار پیدا ہونے لگے تھے مشرکین مکہ کہتے تھے۔

اجعل الالهة الها واحدا

کیا انہوں نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔

مشرک رحمدل بہت تھے۔ اللہ تعالیٰ پر رحم کھاتے تھے کہ ایک خدا کہاں کہاں کی خبر گیری کرے گا۔ اور کیا کیا کام کرے گا۔ نعوذ باللہ تھک جائے گا اس وجہ سے اس کے لئے خلیفہ اور نائب بنانا چاہئے کہ ایک کام کرے اور دوسرا آرام کرے۔ بیچاروں نے سلاطین دنیا پر قیاس کیا کہ جیسے یہ لوگ مقاصد مملکت میں بغیر اعانت غیر کے کامیاب نہیں ہو سکتے اسی طرح خدا بھی اور چھوٹے خداؤں کا محتاج ہے۔

جیسے مثلاً جارج پنجم ہیں۔ ان کو پارلیمنٹ کمشنر، کلکٹر، مجسٹریٹ، جج انسپکٹر وغیرہ کی ضرورت ہے۔ بیچاروں نے یہی سمجھا کہ علیٰ ہذا القیاس خدا بھی ماتحت حکام کا محتاج ہے۔ لیکن یہ خیال ان کا قیاس مع الفارق تھا اور خیر مشرکین تو کہا ہی کرتے تھے کہ بڑے بڑے

کام تو اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور چھوٹے چھوٹے کام اور دیوتا کرتے ہیں۔ حیرت ہے کہ بعض مسلمانوں میں اب تک ان مشرکین کے عقیدہ کا اثر چلا آتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کو سمجھتے ہیں کہ خدمتِ تلوینیہ میں ان کا دخل ہے اور یہ بالکل شرک ہے۔ (الاعتصام بحبل اللہ ج ۶)

## بسم اللہ کی برکات

ایک مولوی صاحب بسم اللہ کے فضائل بیان کر رہے تھے کہ جو کام بسم اللہ پڑھ کے کیا جائے اس میں ایسی برکت ہوتی ہے وہ خوب اچھا ہوتا ہے ایک گھسیارہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اچھا ہوا یہ نسخہ ہاتھ لگا روز دریا سے پار اترنے کا پیسہ دینا پڑتا ہے اب پیسہ روز بچے گا۔ چنانچہ وہ پانی میں سے بسم اللہ پڑھ کے پار ہو جاتا تھا اور کسی قسم کا خطرہ نہ ہوتا تھا۔ اس نے ان مولوی صاحب کی دعوت کی کہ جن کی بدولت یہ دولت ملی ان کی دعوت تو کرنا چاہئے۔ جب مکان کی طرف لے چلا تو راستہ میں دریا آیا۔ مولوی صاحب رک گئے۔ اس نے کہا مولوی صاحب چلو۔ مولوی صاحب نے فرمایا کشتی تو ہے نہیں کیسے چلوں۔ اس نے کہا جی بسم اللہ پڑھ کر چلے اس دن آپ ہی نے تو وعظ میں مجھے نسخہ بتایا تھا۔ جب اس پر بھی مولوی صاحب کی ہمت نہ ہوئی تو اس نے کہا چلے میں آپ کو لے چلوں۔ چنانچہ مولوی صاحب کا بھی اس نے ہاتھ پکڑ کر پار کر دیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا بھائی تو عامل ہے اور میں صرف عالم ہوں۔ تو ایسے ہی ہم لوگ بتلاتے تو ہیں مگر ہمارے قلوب میں عظمت نہیں ہے جب تم ہی اپنے عقائد پر مستقیم نہ رہو گے تو دوسرے کو کیا بلاؤ گے مگر خیر پھر بھی نہ بلانے سے بلانا اچھا ہے۔ (الاعتصام بحبل اللہ ج ۶)

مجھ سے ایک دیہاتی کہنے لگا کہ اگر ایصالِ ثواب کے وقت کھانے پر چند سورتیں پڑھ لی جائیں تو حرج ہی کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ جس مصلحت سے کھانے پر سورتیں پڑھی جاتی ہیں کبھی روپے پر یا کپڑے پر کیوں نہیں پڑھی جاتیں اور ایک نیت میں اصلاح کرنی ضروری ہے کیونکہ اکثر نیت یہ ہوتی ہے کہ ہم ان کو ثواب پہنچائیں گے تو ان سے ہمارے دنیا کے کام نکلیں گے۔

تو صاحبو! قطع نظر فسادِ اعتقاد کے اس کی ایسی مثال ہے کہ آپ کسی شخص کے پاس ہدیہ مٹھائی لے جائیں اور پیش کرنے کے بعد اس شخص سے کہیں کہ آپ میرے مقدسے میں گواہی دے دیں۔ اندازہ کیجئے کہ یہ شخص کس قدر کبیدہ ہوگا اور اس سے اس کی کیسی

اذیت ہوگی۔ پس جب اہل دنیا کو اذیت ہوتی ہے تو اہل اللہ کو تو اس سے زیادہ اذیت ہوگی پھر خصوصاً وفات کے بعد کیونکہ وفات کے بعد لطافت زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ قفس عنصری ٹوٹ جاتا ہے اور صرف روح ہی روح رہ جاتی ہے اور اس کا ادراک کامل ہو جاتا ہے۔ پس جس وقت ان کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ ہدیہ اس غرض سے پیش کیا گیا ہے کس قدر ناگواری ہوتی ہوگی۔ اس کے ماسوا کس قدر شرم کی بات ہے کہ اہل اللہ سے دنیا کے لئے تعلق اور محبت ہو۔

صاحبو! ان کے پاس دنیا کہاں ہے۔ ان سے دنیا کی امید رکھنا بالکل ایسی بات ہے جیسے کسی سنار سے کھر پانے کی امید رکھنا یا کسی حکیم سے یہ فرمائش کرنا کہ تم چل کر ہمارے گھر کی گھاس کھو دو۔ (تقویم الزلیخ ج ۶)

## ایک متکبر فرقہ

ایک فرقہ مسلمانوں میں ایسا بھی ہے کہ اس کے عقائد و اعمال سب درست ہیں مگر یہ فرقہ اپنے تقدس پر مغرور اور نہایت متکبر ہے اور دوسرے مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھتا ہے۔ صاحبو خوب سمجھ لو۔

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را در سنگلاخ بادیہ پیا بریدہ اند  
نومید ہم مباش کہ زندان بادہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند  
(غافل ہو کر نہ چل اس لئے مردان راہ کے گھوڑے سخت جنگل میں چلنے سے عاجز رہے ہیں  
ناامید بھی مت ہو اس لئے کہ رند شرابی اچانک ایک نالہ سے منزل پر پہنچ جاتے ہیں) اور  
تایار کر اخواہد میلش بکہ باشد

اور صاحبو! تکبر کس پر کیجئے۔ جو لوگ گناہ گار ہیں ان کو بھی برا اور ذلیل نہیں سمجھ سکتے۔  
کسی کا قول ہے۔

گناہ آئینہ عفو و رحمت ست اے شیخ میں پچشم حقارت گناہ گاراں را  
اے شیخ! گناہ (جس کے بعد توبہ نصیب ہو جائے۔ عفو و رحمت کا آئینہ ہے کیونکہ اگر  
گناہ نہ ہوتے تو توبہ کس چیز سے ہوتی۔ لہذا گناہ گاروں کو پچشم حقارت سے مت دیکھو۔  
جن کو تم گناہ گار سمجھتے ہو ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ اعتقادی گمراہی میں  
بتلا ہیں مگر ان کو کچھ بھی گناہ نہیں۔ کیونکہ

جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا اس کا گناہ مفتی پر ہوگا۔



تو بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو کچھ خبر بھی نہیں۔ اس کے ماسواوہ شخص کس منہ سے دعویٰ کر سکتا ہے جو دوسرے مسلمانوں کو ذلیل سمجھے اور ان پر طعن کرے حدیث کا مضمون ہے جس کا شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ترجمہ کیا ہے۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

(تمام انسان بدن کے ایک حصہ کے اعضاء کی مانند ہیں)

تو گویا تمام مسلمان مثل یک تن کے ہیں اور جب یہ حالت ہے تو آپ کو مسلمانوں کے جہنم میں جانے سے صدمہ اور رنج ہونا چاہئے اور ان کے بچانے کی تدابیر میں لگنا چاہئے۔ ہم کو گنہگار مسلمانوں کے ساتھ وہی دل سوزی ہونی چاہئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی۔ (تقویم الزلیع ج ۶)

## رازق حقیقی

ایک غیر مقلد کی حکایت ہے کہ ان کے نواح میں سخت قحط ہوا لوگوں نے گھر بار بیچ بیچ کر کھالیا ان غیر مقلد صاحب کے یہاں ایک گائے تھی جس کے دودھ میں خدا تعالیٰ نے برکت دے رکھی تھی۔ زمانہ قحط میں ان کا گھر بھر اس کے دودھ سے گزارا کرتا تھا۔ اس لئے زیادہ پریشانی نہ ہوئی جب قحط رفع ہوا تو کسی مہمان نے ان غیر مقلد صاحب سے پوچھا کہ تم نے کیوں کر گزر کیا۔ بیوی بول پڑی ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک گائے دے رکھی تھی۔ اس کے دودھ سے سب نے گزر کیا غیر مقلد صاحب سنتے ہی غصہ میں بھر گئے اور بیوی سے بولے کہ تو نے خدا کو چھوڑ کر گائے پر نظر کی اور یہ کہہ کر گائے کے گلے پر چھری پھیر دی۔

تو گو ہمارے نزدیک یہ بات تشدد اور غلو میں داخل ہے کیونکہ مسلمان کوئی بھی گائے کو رازق نہیں سمجھتا ہے بلکہ ایک ظاہری سامان ہے۔

اور رازق حقیقی خدا ہی کو سمجھتا ہے چنانچہ اس عورت نے بھی اس حقیقت کو اس طرح ظاہر کر دیا تھا کہ ہم کو تو خدا تعالیٰ نے ایک گائے دے دی تھی۔ مگر پھر بھی ہم ان کے اس فعل کی قدر کرتے ہیں کہ اس وقت ان پر مذاق تو حید غالب تھا۔ اس لئے اتنی بات بھی ناگوار ہوئی کہ گزارہ کا سبب گائے کو ہتلا یا گیا۔ اسی حالت میں وہ معذور تھے۔

گو وہ لوگ ہم کو برا کہیں گے مگر ہم تو جو بات قابل قدر ہوگی اس کی قدر ہی کریں گے کیونکہ ہمارے یہاں تو انصاف ہے اور ان کے یہاں ان صاف یعنی صفائی منفی اسی لئے ہم



اہل ظاہر کی اس بات کی بھی قدر کرتے ہیں کہ جس حکم کی علت شارع نے ہمیں بتلائی وہ اس کی علت تلاش نہیں کرتے بلکہ ظاہر پر رکھتے ہیں۔ مگر فقہاء محققین نے قیاس سے ان احکام کی علل بیان کی ہیں اور چونکہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت اس لئے احکام قیاسیہ بھی ویسے ہی ہیں جیسے احکام منصوصہ پس وہ کالمذکور فی النص ہیں مگر یہ سن لو کہ ہر شخص کو علل بیان کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ مجتہد کو حق ہے اور مجتہد کو بھی ہمیشہ حق نہیں بلکہ وہاں تعلیل کا حق ہے جہاں تعدیہ حکم کی ضرورت ہو اور جو امور تعدیہ ہیں جن کا تعدیہ نہیں ہو سکتا وہاں قیاس کا مجتہد کو بھی حق نہیں۔ اسی لئے فقہاء نے صلوٰۃ و صوم و زکوٰۃ و حج میں تعلیل نہیں کی کہ ان کی فرضیت کی بناء یہ ہے حتیٰ کہ اگر یہ بنا کسی دوسرے طریقہ سے حاصل ہو سکے تو دوسری صورت اختیار کرنا جائز ہو۔ ہرگز نہیں بلکہ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ یہ امور تعدیہ ہیں ان کی علت بیان کرنا جائز نہیں۔ (العید والوعید ج ۶)

## شرک سے احتیاط

ایسے ہی آج کل ہمارے خاندان میں ایک بدعت نکلی ہے کہ خطوط وغیرہ کے شروع میں بامداد اللہ یا ہوا الرشید یا ہوا القاسم یا ہوا المعین یا بفضل الرحمن لکھتے ہیں۔ صاحبو! مجھے اس میں سے بوئے شرک آتی ہے خدا کے واسطے اس طرز کو چھوڑ دو یہ مقدمہ شرک ہے (العید والوعید ج ۶)

## غلو فی الدین

بعض ایسے لوگ جن کے عقائد تو درست ہیں اور یہ غلطی بکثرت اہل علم کو یا ان کی صحبت والوں کو ہوتی ہے یعنی اگر وہ کسی کی نسبت مثلاً یہ سن لیں کہ یہ شخص بدعات سے مجتنب ہے گو اس کے تمام اعمال تباہ ہوں بس پھر اسے اس اہل بدعت پر بھی ترجیح دینے لگتے ہیں جہاں منشاء بدعت کا محض خطائے اجتہادی ہی ہو۔ یہ غلو فی الدین نہیں تو کیا ہے۔ انہوں نے عبادت کے درجات کو چھوڑ کر عقائد کو اساس قرار دے کر فروع کو بے وقعت سمجھ لیا ہے جیسے کوئی درختوں کی شاخیں کاٹ دیا کرے اور صرف تنہ دیکھ کر خوش ہوا کرے کہ باغ لگا ہوا ہے حالانکہ اس باغ دین کی تو یہ شان ہے۔

بردل سالک ہزاراں غم بود      گر زباغ دل خلا لے کم بود

(عارف کے دل پر ہزاروں غم ٹوٹ پڑتے ہیں اگر اس کے باغ دل سے ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے)

کہاں تو یہ حالت کہ ایک تنکا بھی کم ہونا گوارا نہیں اور کہاں یہ کہ تمام شاخیں کاٹ کے بھی خوش ہیں کہ جڑیں تو ہیں۔

ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص بنیاد بھر کر خوش ہو کہ میں نے مکان بنالیا ہے اگر کسی نے بنیادیں بھر دیں اور مکان بنایا نہیں تو برسات آنے دو، اب پانی برسا تو کپڑے بہے بہے پھرتے ہیں، سب سامان بھیگ رہا ہے اب سمجھ میں آیا کہ میں نے بڑی غلطی کی جو بنیاد کو کافی سمجھا۔ کام تو دیواروں اور چھت سے پڑے گا، گو بقاء ان کا بے شک بنیاد سے ہے، میں نے بڑی نادانی کی کہ پہلے ہی بنیاد کے ساتھ دیواریں نہ بنالیں۔

ہاں البتہ اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوگا کہ جس کی بنیادیں بھری ہوئی ہیں اس کی عمارت جب بنے گی جلدی تیار ہوگی اور مضبوط بنے گی اور جس کی جڑ ہی کھوکھلی ہوگی اس کو مشکل ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ اہم الاجزاء عقائد بے شک ہیں مگر ان کے بعد دوسرا درجہ اعمال کا بھی تو آخر کچھ ہے۔

ایک غلطی اس کے برعکس ہوتی ہے وہ یہ کہ بعض لوگ تصحیح عقائد کو ضروری نہیں سمجھتے، تسبیح نماز روزہ تو کرتے ہیں مگر عقائد کی تصحیح کی فکر نہیں کرتے اور اکثر اس میں ان کا زیادہ قصور نہیں ہے، قصور ان کا ہے جو بیعت کر کے کچھ وظائف بتلا کے خالی چھوڑ دیتے ہیں اس کی فکر ہی نہیں کہ عقائد اس شخص کے کیسے ہیں جن کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایک درویش صاحب نے مجھ سے پوچھا تصور شیخ جائز ہے یا ناجائز، میں نے کہا پہلے آپ اس کے معنی بتائیے تو کہتے ہیں کہ خدا کو پیر کی شکل میں سمجھنا، نعوذ باللہ! وہ حضرت تو پابند صوم و صلوٰۃ بھی تھے اور تہجد و ذکر والے بھی تھے اور عقیدہ یہ اور پھر مزہ یہ کہ اس بد عقیدگی کو مضر نہیں سمجھتے۔

ایک شخص نے مجھے خط لکھا کہ جب نماز تنہا پڑھتا ہوں تو وساوس نہیں آتے اور جماعت سے پڑھتا ہوں تو وساوس بہت آتے ہیں تو جی چاہتا ہے جماعت چھوڑ دیں تو یہ بزرگ خلاف سنت کو سنت سے افضل سمجھ رہے تھے۔ (آثار العبادۃ ج ۷)

## لقد یرودہ بیری

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ایک شخص روتا ہوا آیا کہ حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا فرمادیجئے کہ حق تعالیٰ اس کو شفاء عطا فرمائیں۔

حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ عجیب بات ہے ایک شخص قید خانہ سے چھوٹ رہا ہے اور

دوسرا روتا ہے کہ یہ قید خانہ سے کیوں رہا ہو رہا ہے۔ وہ کہنے لگا حضرت میری روٹی کون پکائے گا۔ فرمایا جی ہاں جب تم ماں کے پیٹ میں تھے تو وہ وہاں بھی تم کو روٹی پکا کر کھلاتی ہوگی۔

پھر فرمایا کہ میاں تم بھی چند روز میں وہیں پہنچنے والے ہو جہاں وہ جا رہی ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ آیا بیوی کو موت سے بچانے اپنی ہی موت کی بشارت لے چلا۔

اس وقت تک تو حضرت ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد ایک ایسی بات پر برہم ہو گئے جو آج کل برہم ہونے کی بات نہیں سمجھی جاتی بلکہ حب دین کی بات سمجھی جاتی ہے وہ کہنے لگا کہ حضرت فلاں شخص نے مجھے مدینہ لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ اب وہ وعدہ سے ہٹنے لگا ہے دعا فرما دیجئے کہ وہ مجھے مدینہ لے جائے۔ بس حضرت یہ سنتے ہی برہم ہو گئے فرمایا۔ ہمارے سامنے شرک کی باتیں نہ کرو۔ (غیر اللہ پر اتنی نظر کہ اس کے ہی لے جانے سے تو تم مدینہ پہنچو گے)

حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر بات بات سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہر دم موت کے لئے تیار ہیں اور ہر کام میں خدا تعالیٰ پر نظر ہے۔ اب ایسے شخص پر موت گراں کیوں ہوگی اور کسی مصیبت سے کیوں پریشان ہوگا۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

## قابلیت و قبولیت

بزرگوں کی توجہ کے لئے تو استعداد کی بھی ضرورت ہے اور وہاں استعداد کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ استعداد اور کمال دونوں معاً عطا فرماتے ہیں۔

داد اور قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داداوست  
ان کی داد و دہش کے لئے قابلیت کی شرط نہیں ہے بلکہ ان کی داد ہی قابلیت کی شرط ہے۔  
ان کی عطا سے قابلیت بھی ہوتی ہے اور داد بھی۔ وہ جھولی اور روپیہ دونوں ساتھ ساتھ دیتے ہیں۔ کریموں کے یہاں دیکھا ہوگا کہ سائل کو ظرف بھی دیتے ہیں اور اس میں چیز بھی دیتے ہیں۔ بہر حال ان کی نظر کی کیا انتہا ہے پس اگر وہ کسی زمانہ کی طرف توجہ فرمادیں تو اس کی برکت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ حدیث شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے چنانچہ وارد ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ربكم نفحات في الدهر فتعرضوا لها  
یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیشک تمہارے رب کے لئے زمانہ کے اندر جھونکے ہیں فیوض کے پس تم اس کی جستجو کرو۔

پس انسان کو چاہیے کہ ایسے زمانے کو بہت غنیمت سمجھے۔ (الصيام ج ۱۰)

## رویت باری تعالیٰ

ایک نو مسلم نے اپنا قصہ شوق رویت اور اسی شوق میں اسلام لانے کا جو مجھ سے بیان کیا تو مجھے شبہ ہوا کہ جب اس کی طلب کسی جگہ پوری نہ ہوگی تو عجب نہیں کہ یہ اسلام کو چھوڑ کر عیسائی ہو جائے۔ کہیں کوئی پادری صاحب کہنے لگیں کہ میں دکھلا دوں گا۔ تمہیں خدا کا نور۔ پھر وہ بھی کوئی دھوکا دے اور سائنس والوں کا دھوکا شاید سمجھ میں بھی نہ آئے میں نے صاف کہہ دیا کہ بھائی تمہارا کیا اعتبار۔ مجھے قوی شبہ ہوا ہے کہ کہیں تم اسلام ترک نہ کر دو کیونکہ تمہارا مقصود تو یہ ہے کہ میں خدا کو دیکھ لوں۔

جب تمہیں خدا نہ دکھائی دے گا تو پھر تم اسلام کو بھی چھوڑ سکتے ہو جیسے کہ ہندوؤں کے مذہب کو چھوڑ کر اسی تمنا میں مسلمان ہو گئے ہو کہنے لگے جی نہیں۔ اب اسلام کو نہیں چھوڑوں گا چاہے کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ بالکل گنوار اور لٹھ تھا لیکن اس نے ایسے علوم و معارف بیان کئے کہ میں دنگ رہ گیا۔

چنانچہ جب میں نے کہا کہ ہمیں کیسے اطمینان ہو کہ تم اسلام نہ چھوڑو گے اس نے کہا کہ اسلام میں میں نے ایک ایسی خاصیت پائی ہے کہ نہ کسی مذہب میں تھی نہ ہو میں نے پوچھا وہ کون سی خاصیت ہے کہا اس مذہب میں توحید ایسی کامل ہے کہ کسی مذہب میں نہیں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ ابھی سے کیا جانے کہ توحید کیا چیز ہے میں نے پوچھا مثلاً۔ کہا دیکھئے یہ کیا توحید نہیں ہے کہ ایک شخص بھنگی ہے یا چمار ہے وہ مسلمان ہو گیا تو آج تمام مسلمان اس کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور اس کو اپنے ساتھ بٹھلا کر کھلاتے ہیں ورنہ ساری قومیں ایسے شخص کو اپنے سے گھٹا ہوا اور ذلیل سمجھتے ہیں یہ اور بات ہے کہ شادی بیاہ نہ کریں۔ یہ تو اپنی اپنی مصلحت ہے باقی حقیر کوئی نہیں سمجھتا یہ توحید ہی کا اثر ہے کیا اچھی بات کہی اور استدلال بھی کیسے کھلے ہوئے واقعہ سے کیا اللہ کے بندے اب بھی ایسے موجود ہیں جو مساوات کرتے ہیں اگر طوعاً نہیں تو کرہاً سہی۔ (رمضان فی رمضان ج ۱۰)

## شریعت اور اسباب

شریعت نے بیماری کے لگنے میں بہت اچھا فیصلہ کیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ چاہتے ہیں بیماری لگتی



ہے جب نہیں چاہتے نہیں لگتی اور اسی طرح تمام اسباب کے متعلق شریعت کا یہی فیصلہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ چاہتے ہیں اسباب کے بعد مسبب کو پیدا کر دیتے ہیں اور نہیں چاہتے تو نہیں کرتے۔  
اب اس قاعدہ پر کچھ اشکال ہی نہیں اور بغیر اس عقیدہ کے مضرب بھی نہیں ہے ورنہ اس قدر اشکالات وارد ہوں گے کہ جواب دیتے دیتے تنگ ہو جاؤ گے اور پھر بھی وہ ختم نہ ہوں گے مولانا فرماتے ہیں۔

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند      بامن و تو مردہ با حق زندہ اند  
نیارد زمیں تا گلوئی بیار      نیارد ہوا تا نہ گلوئی بیار  
(مٹی، ہوا، پانی، آگ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں تیرے اور میرے نزدیک مردہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں)  
پانی غرق نہیں کر سکتا۔ ہوا اڑا نہیں سکتی۔ طاعون کچھ نہیں کر سکتا جب تک کہ ان کا حکم نہ ہو۔ (الہدیب ج ۱۰)

## ایمان اور کفر و شرک

ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ رام پور سے آتے ہوئے اسلام نگر ٹھہرے وہاں ایک خاں صاحب پہلے سے مہمان تھے۔ وہ حضرت کی خدمت میں آ کر بیٹھے۔ اب خاں صاحب کو کچھ خیال ہوا کہ حضرت سے کچھ باتیں کرنا چاہیں اور باتیں بھی ایسی ہونی چاہئیں جو ان کے مذاق کے موافق ہوں۔ تو آپ پوچھتے ہیں کہ حضرت وہ کون سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن سے ایمان جاتا ہے حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہمارا ایمان نہیں جاتا بے وقوفوں کا جاتا ہے (چھوٹی باتوں سے آپ کی مراد کیا ہے) خاں صاحب شرمندہ ہوئے اور تاویل کی غرض سے کہا کہ حضرت یہی کفر و شرک کی باتیں ہو جاتی ہیں حضرت نے فرمایا کہ خاں صاحب کفر و شرک جب تمہارے یہاں چھوٹی باتیں تو وہ بڑی باتیں کون سی ہوں گی خاں صاحب سن کر چپ ہو گئے۔ (الہدیب ج ۱۰)

## اصلاح عقیدہ

ترتیب صحیح یہ ہے کہ اول تو عقیدہ صحیح کرے اور عقائد و علوم صحیحہ حاصل کرے کہ اس سے اعمال کی تحریک ہوتی ہے۔ مثلاً یہ عقیدہ حاصل کیا کہ اللہ تعالیٰ خالق و رازق



ہیں اس سے خدا تعالیٰ کے احسانات اپنے اوپر معلوم ہوں گے اور ذکر و فکر احسانات سے محبت و اطاعت کی تحریک ہوتی ہے۔ اور یہ تحریک باعث عمل ہے مگر اس باعث کے ساتھ بعض اشیاء مانع بھی ہوتی ہیں اور وہ موانع غالباً دو ہیں ایک اسباب تنعم دوسرے ضعف نفس۔ یعنی باوجود عقیدہ صحیح ہونے کے اور تحریک طاعت پیدا ہونے کے بھی بعض دفعہ نفس ضعف و کم ہمتی کی وجہ سے یا اسباب تنعم اور سامان راحت میں منہمک ہونے کے سبب سے نماز روزہ وغیرہ سے سستی کرتا ہے۔ (الجاہدہ ج ۱۱)

### نظر بد

مثلاً بعض لوگ نظر بد کے گناہ میں مبتلا ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نگاہ نیچی رکھو اور مت دیکھو کیوں کہ دیکھنا اختیاری امر ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نظر کے روکنے پر قادر نہیں مگر واللہ یہ جواب بالکل غلط ہے یہ شخص قادر ضرور ہے مگر وہ مشقت سے گھبراتا ہے اور یوں چاہتا ہے کہ بدون مشقت کے قادر ہو جاؤں اس کے نزدیک قدرت کے معنی یہی ہیں کہ بدون مشقت کے آسانی سے کام ہو جائے سو اس معنی کو واقعی قادر نہیں مگر ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی یوں چاہے کہ بدون منہ میں لقمہ دیئے کھانا کھالوں اور جب اس طرح پیٹ نہ بھرے تو کہنے لگے کہ کھانا بہت مشکل ہے ہاتھ ہلاؤ روٹی تک لے جاؤ اس کو توڑو پھر لقمہ بناؤ منہ میں دو پھر چباؤ پھر نگلو۔ اگر اسی کا نام دشواری ہے کہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے تو واقعی نظر بد سے بچنا دشوار ہے اور تم اس کے روکنے پر قادر نہیں مگر اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ قدرت علی العمل کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اصلاً مشقت نہ ہو اور بحر عن العمل کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کسی قدر مشقت ہو جب یہ معنی مسلم نہیں تو وہ لوگ جو اپنے کو غضب بصر سے عاجز کہتے ہیں غور کریں کہ ایسی حماقت میں مبتلا ہیں انہوں نے قدرت و بحر کی حقیقت ہی غلط سمجھ رکھی ہے ورنہ یہ لفظ کبھی زبان پر نہ لاتے کہ ہم غضب بصر پر قادر نہیں۔ غرض لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بغیر مشقت کے نظر بد کو روک لیں سو قرآن میں اس کا ذمہ کہاں ہے وہاں تو مطلق حکم ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ (مسلمانوں کو حکم دیدہ بجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) یعنی خواہ تکلیف ہو یا نہ ہو مشقت ہو یا نہ ہو کچھ پرواہ نہیں ان کو ہر حال میں غضب بصر

کرنا چاہیے بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ باوجود مشقت کے غصہ بھر کرنا چاہیے۔ اور اس مشقت کو برداشت کرنا چاہیے۔

## اصلاح اعمال میں تقدیر کا دخل

مسئلہ تقدیر کو اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے کیونکہ اس سے حزن و بطر رفع ہو جاتا ہے اور حزن جڑ ہے تعطل ظاہر کی اور تکبر و بطر اصل ہے تعطل باطن کی یعنی غمگین و پریشان آدمی ظاہر میں تمام دین و دنیا کے کاموں سے معطل ہو جاتا ہے اور متکبر آدمی کا دل خدا کے تعلق سے معطل ہو جاتا ہے جب تک تکبر نہ نکلے خدا کے ساتھ دل کو لگاؤ نہیں ہو سکتا یہ تو تقدیر کو دخل تھا اعمال میں۔ اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ توحید جو اعظم العقائد و اساس العقائد ہے اس کو بھی اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے۔ چنانچہ سعدی فرماتے ہیں:

موحد چہ بر پائے ریزی زرش      چہ فولاد ہندی نہی بر سرش  
امید و ہر اسش نباشد ز کس      ہمیں ست بنیاد توحید و بس  
(موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ سونا بکھیر دیں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں۔ امید اور خوف اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے) (التحصیل والتسہیل ج ۱۱)

## شریعت محمدی

عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے سے نبی تھے اور شریعت اسلامیہ ہی کے تابع ہو کر تشریف لائیں گے ان کا حضور کے بعد آنا اور متبع ہو کر آنا لانا نبی بعدی کے خلاف نہیں۔ سو وہ آ کر حضور ہی کی شریعت کے موافق عمل کریں گے تو لانا نبی کے یہ معنی نہیں کہ کوئی پرانا نبی بھی حضور کے دین کی خدمت کیلئے نہ آوے گا۔

غرض عیسیٰ علیہ السلام نازل بھی ہوں گے اور اس وقت نبی بھی ہوں گے مگر اعطائے نبوت ان کیلئے پہلے ہو چکی ہے اور آپ نیابت کے طور پر آویں گے نہ کہ مستقل بن کر اور حاکم ہو کر بلکہ حضور کے محکوم ہو کر آویں گے۔

اس میں تو حضور کی اور فضیلت بڑھ گئی کہ نبی بھی حضور کے خادم ہوں گے۔ حدیث میں ہے لو کان موسیٰ حیا لما وسعه الا اتباعی (الأسرار المرفوعة: 292, 83) کہ

اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ سوائے میرے اتباع کے اور کچھ نہ کرتے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا سلبت نبوت کہ ان کی نبوت چھن جاتی بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ قبیح ہو کر رہتے۔ غرض رضیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہم نے ہمیشہ کیلئے اسی دین کو پسند کیا ہے پس حدیث میں جو ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر جزیہ کو موقوف کر دیں گے اور اس وقت دو ہی باتیں رہ جاویں گی یا اسلام لاؤ یا قتال کرو تو وہ نسخ نہیں ہے بلکہ اس وقت کیلئے شریعت محمدیہ کا یہی قانون ہوگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام جاری فرما دیں گے۔ اور بڑے مزہ کا لطیفہ ہے کہ عیسائی لوگ مسئلہ جہاد کے اوپر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے اس مد کو کیوں رکھا۔ میں کہتا ہوں کہ اپنے پیغمبر سے ہی پوچھیو وہ عنقریب آنے والے ہیں فانظروا انا منتظرون۔ حضورؐ نے تو پھر بھی تمہاری رعایت کی ہے کہ جزیہ دے کر بچا سکتے ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس کی بھی پرواہ نہ کی۔ ان کے عہد میں دو ہی باتیں ہوں گی یا اسلام یا سیف، غرض عیسیٰ علیہ السلام حکم اسلامی قدیم کو منسوخ نہ فرما دیں گے کہ پہلے جزیہ کا حکم تھا اور آپ اس کو اٹھا دیں گے تاکہ ان کو ناسخ کہا جاوے۔ (الاتمام للعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## نظریہ توحید خداوندی

پہلا جزو اسلام کا عقائد ہے اس کی خوبی کو دیکھو کہ اسلام کا بہت بڑا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کو واحد مانو موجود مانو۔ یعنی تمام کمالات علم و قدرت وغیرہ میں وہ یکتا ہے اس کا علم ایسا ہے کہ اس سے کوئی چیز خارج نہیں۔ قدرت ایسی ہے کہ کوئی ممکن چیز اس کی قدرت سے خارج نہیں۔ یہ عقیدہ قطع نظر اس سے کہ دلائل سے اس کا ہونا ثابت ہے، اس کے ثمرات دنیوی کو دیکھئے جو شخص اپنے سر پر ایسے مالک کو مانے گا جو ہر طرح سے کامل ہے اس کا اثر خاص یہ ہوگا کہ اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی ہیبت و عظمت ہوگی اور ان سے محبت ہوگی کیوں کہ بادشاہ جتنا کامل ہوگا اتنی ہی محبت و ہیبت زیادہ ہوتی ہے پھر حق تعالیٰ ایسے جمیل ہیں کہ کوئی ان کے جمال کے قریب قریب بھی نہیں۔ جب کسی کے قلب میں خدا تعالیٰ کی ہیبت و محبت ہوگی تو کسی شخص کو اس سے ایذا نہ پہنچے گی وہ کسی کا حق تلف نہ کرے گا کیوں کہ ڈرے گا کہ خدا ناراض ہوگا۔ ادھر تو محبت کا تقاضا محبوب کو راضی رکھنا ہے پھر ہیبت کے سبب اس کی مخالفت کرتے ہوئے جان نکلے گی۔ قطع نظر دوزخ جنت کے خوف و طمع کے اگر حق تعالیٰ کی

یہ محبت و ہیبت پیدا ہو جائے تو ایسا شخص ہرگز مخالفت نہیں کر سکتا چنانچہ حدیث میں ایک صحابی کی بابت آپ فرماتے ہیں کہ اگر ان کو خدا کا خوف بھی نہ ہو تو بھی نافرمانی نہ کرے گا وہ کیا چیز ہے جو نافرمانی نہ کرنے دے گی؟ وہ محبت ہی تو ہے۔ دیکھئے فوائد اس عقیدے کے بھلا جو شخص خدا کے ساتھ یہ عقیدہ رکھے گا کیا وہ کبھی اس کی نافرمانی کرے گا ہرگز نہیں برخلاف اس کے جو کوئی حاکم دنیا ہی سے خائف ہو وہ جرائم سے اتنا پرہیز نہ کرے گا۔ کیوں کہ دنیا کا حاکم ہر وقت سامنے نہیں اگر پیٹھ پیچھے کچھ کر لیا تو اس کو خبر بھی نہ ہوگی مثلاً کسی کے پاس کوئی خط آیا اس وقت اس کے سامنے کوئی پولیس کا آدمی بھی نہیں ہے اور لفافہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ٹکٹ پر مہر نہیں پڑی بالکل سادہ صاف ہے تو اب دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جن کو خدا کا خوف یا اس سے محبت ہے اور ایک وہ جس کو خوف خدا نہیں ایسے شخص کو اس وقت کوئی قوت روکنے والی نہیں ہے کہ وہ پھر اس سے کام نہ لے اور یہ جرم ہے جس میں ڈاکخانہ کا نقصان ہے گو کم ہی ہو مگر خبر یہی ہے کہ ایک پائی کی خیانت بھی خیانت ہی ہے بخلاف اس شخص کے جس کو خوف خدا ہے وہ اس پر ہرگز جرات نہیں کر سکتا کہ اس ٹکٹ سے پھر کام لے گو کسی کو اس کی خبر نہ ہو کوئی اس کو دیکھ نہ رہا ہو مگر مالک حقیقی کو تو خبر ہے اس لئے وہ خط پڑھنے سے پہلے اس ٹکٹ کو چاک کر دیگا۔ دیکھئے یہ دنیا کا نفع پہنچا حکومت کو یا نہیں؟ اور یہ محض اس لئے کہ اس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ رحم میں کامل ہیں انتقام میں بھی کامل ہیں۔

اور دیکھو فرض کرو کہ تم ریل میں جا رہے ہو ایک بچہ ملا۔ یتیم جس کے ساتھ کوئی نہیں اور ایک ہزار کا نوٹ اس کے پاس ہے اس نے کہا ہم کو فلاں جگہ پہنچا دو۔ راستہ میں اتفاق سے وہ مر گیا اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کے پاس اتنے روپے ہیں نہ ریل والے جانتے ہیں اور نہ کسی مسافر کو خبر ہے اور نہ ہم کو اس کی جان پہچان ہے صرف اتنا جانتے ہیں کہ فلاں جگہ جانے والا ہے غسل دینے کے وقت جو پہلا کپڑا اس کے بدن سے نکالا تو جیب سے ہزار کا نوٹ نکلا اب کسی کو خبر بھی نہیں اور تم حاجت مند بھی ہو کہ دس ہزار کے قرض دار بھی ہو جس میں جائیداد نیلام ہونے والی ہے آبرو پر بن رہی ہے۔ فرمائیے کوئی قوت ہے اس وقت اس نوٹ کے لینے سے روکنے والی۔ اب خیال کیجئے کہ ایک تو دہری ہے جو خدا کا قائل نہیں اور اس کو ایسا موقع پیش آوے وہ تو یقیناً سب روپیہ دبا لے گا اور ایک وہ ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہے وہ اس یتیم بچہ کے بتلائے ہوئے موقع پر جاوے گا اور اس کے ورثہ کو تلاش



کر کے یہ روپیہ سب کو حصہ رسد بانٹ دے گا اگر وہاں کوئی نہ ملے تو اس میں لقطہ کے احکام جاری کرے گا۔ دیکھئے یہ کیسا پاکیزہ عقیدہ ہے جس نے ایک عالم کو خطرہ سے بچالیا یہ اسی عقیدہ کی بدولت ہوا کہ خداوند کریم کامل ہے علم و قدرت میں۔ (الاتمام لنعمة الاسلام ج ۱۲)

## برکات تقدیر

اسلام کا ایک عقیدہ ہے کہ خداوند کریم نے جس چیز کو جس طرح مقدر کیا اسی طرح ہوگا اس کی برکت اور نافع ہونے کو خیال فرمائیے اس کا بیان یہ ہے کہ بڑا دنیوی نفع انسان کا جو اصلی مقصود ہے راحت ہے کماتا ہے اسی لئے کہ راحت ہو اولاد کی تمنا کرتا ہے اسی لئے تاکہ راحت ہو دولت جائیداد سے بھی مطلوب راحت ہی ہے۔ مکان بناتا ہے راحت ہی کیلئے غرض مطلوب ہر چیز میں راحت ہی ہے اب اس تمہید کے بعد میں کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں کوئی ناقابل تدارک مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اب دیکھنا چاہیے کہ اس کی راحت کا کوئی سامان کسی کے پاس ہے نہیں ہرگز نہیں مگر میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اسلام کے پاس اس کی بھی راحت کا سامان موجود ہے اور وہی عقیدہ تقدیر ہے بخدا اس عقیدہ کے بدون اس کو راحت ہرگز میسر نہیں ہو سکتی اور یہ عقیدہ اسلام کے سوا کسی کے پاس نہیں کہ ہر چیز مقدر کے موافق ہوتی ہے کسی کا جوان لائق بیٹا مر جاوے اور اس کا یہ اعتقاد نہ ہو تو عمر بھر مصیبت میں مبتلا رہے گا کہ ہائے اس کا علاج اچھی طرح کرتا تو نہ مرتا ہائے اس کا پرہیز اچھی طرح نہ ہوا اگر فلاں ڈاکٹر کے پاس لے جاتا تو اچھا ہو جاتا یہ تو منکر عقیدہ تقدیر کی حالت ہوگی اور ایک وہ ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز تقدیر کے موافق ہوتی اور اس میں حکمت ہوتی ہے اگر اس کا کوئی ایسا ہی عزیز مر جاوے تو گو اس کو رنج طبعی تو ہوگا اور وسوسہ کے طور پر اگر اس کو یہ خیال بھی ہو کہ دوا میں غلطی ہوگئی تو تھوڑی ہی دیر کے بعد معاً پھر وہ اسی سے تسلی حاصل کریگا کہ یہ بات بھی تقدیر ہی میں تھی کہ دوا میں غلطی ہو جائے اول اول تو اسے ضرور حزن تھا۔ مگر تفویض کے ساتھ تھا پھر بعد چندے وہ بھی زائل ہو گیا بخلاف دہری شخص کے وہ تو تمام عمر ہی غم و الم میں گھٹتا رہے گا تو دیکھئے مسئلہ تقدیر کا دنیوی بھی کتنا بڑا نفع عظیم ہے اور حق تعالیٰ نے بھی اس حکمت کو بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ یسیر



لکھیں تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتمکم واللہ لا یحب کل مختال  
 فخور (کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک بار  
 کتاب میں لکھی ہے قبل اسکے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں۔ بیشک یہ اللہ کے نزدیک  
 آسان کام ہے۔ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے تم اس پر رنج نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا  
 فرمائی ہے اس پر اتر اؤ نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا) یہ لام  
 کی ایک مقدر کے متعلق ہے جس پر پہلا جملہ دال ہے یعنی خبر کم بہذا لکھیں تاسوا یعنی ہم  
 نے مسئلہ تقدیر کو اس لئے بیان کیا تاکہ تم کو رنج نہ ہو مافات پر اور نہ اتر اؤ مآتی پر۔ یہ تو  
 مصیبت کا ذکر تھا۔ میں اور ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جو مسئلہ تقدیر کے معتقد نہیں ان کو نعمت  
 میں بھی راحت نہیں ہے کیونکہ انسان کے اندر اکثر طبعاً حرص بہت ہوتی ہے اس کو جتنا  
 بھی ملے اسی قدر اس کی حرص بڑھتی ہے کہ اور ترقی ہو (الاتمام لعمۃ الاسلام ج ۱۲)

### تقدیر پر یقین

میرے پاس ایک رئیس کا خط آیا تھا کہ میں تمہارے مدرسہ کیلئے دو سو روپیہ بھیجتا ہوں  
 اور میں تم کو بلاؤں گا بھی میں نے منی آرڈر واپس کر دیا اور یہ لکھا کہ آپ روپے بھیج کر مجھ کو  
 متاثر بنانا چاہتے ہیں، روپیہ اپنے پاس رکھئے اور اب بلانے کی تحریک کیجئے لوگوں کو خیال بھی  
 ہوا کہ اتنی بڑی رقم کو کیوں واپس کر دی۔ مدرسہ کا کوئی کام نکل جاتا میں نے کہا اگر یہ مدرسہ  
 کی تقدیر کا ہے تو پھر آوے گا چنانچہ پھر منی آرڈر آیا اور معذرت کی کہ میری غلطی ہوئی یہ رقم  
 حسبہ اللہ مدرسہ کو دیتا ہوں اور بلانے کی درخواست کو واپس لیتا ہوں اب میں نے لے لیا اور  
 لکھ دیا کہ آپ کی تہذیب سے اب مجھ کو آپ کے ملنے کا اشتیاق ہو گیا پھر مدت کے بعد  
 انہوں نے بلایا تو چلا گیا اب بتلائیے روپے آنے والے تھے۔ ٹالنے سے بھی نہ ٹلے۔ کیا  
 کوئی منکر تقدیر ایسا کر سکتا ہے؟ (الاتمام لعمۃ الاسلام ج ۱۲)

### بزرگوں کی شانیں

ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ میں مختلف بزرگوں کی شانیں دیکھنا چاہتا ہوں فرمایا  
 فلاں مسجد میں جاؤ تین آدمی مراقب بیٹھے ہیں ہر ایک کو ایک ایک دھپ مار دینا اس سے ان  
 کے الوان کا اندازہ ہوگا یہ ان کے پاس گیا تو دیکھا نورانی شکل متقی پارسلا حول ولا قوۃ ان کو

کیسے ماروں مگر اس کو آزمانا تھا اپنی طبیعت پر بار ڈال کر اول ایک کو دہپ مارا وہ اٹھے یہ سمجھے کہ بس اب کم بختی آئی یہ تو کھڑے ہی ہو گئے اب وہ دونوں بھی ان کا ساتھ دینے کو اٹھیں گے اور مار کوٹ کر مجھے پیس لیں گے اچھا امتحان کرنے آیا کہ جان بچانا مشکل ہو گئی مگر وہ بزرگ اٹھ کر اس کے ویسا ہی ایک دہپ مار کر پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے پھر دوسرے کے پاس گئے ان کو بھی ایک دہپ لگایا وہ کچھ نہ بولے اپنی نشست بھی نہیں بدلی پھر تیسری جگہ گئے وہاں بھی یہی حرکت کی وہ اٹھے اور اس کے ہاتھ پکڑ کر سہلانا شروع کیا کہ بھائی تمہارے بہت چوٹ لگی ہوگی کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی۔ یہ پیر کے پاس آئے کہا سمجھے بھی کیا دیکھا؟ کہا آپ سمجھائیے۔ فرمایا کہ پہلا شخص تو شریعت کے ضروری درجہ پر ہے اس نے جزاء سینۃ سینۃ مثلھا (برائی کا بدلہ اس برائی کے مطابق بدلہ لینا ہے) پر عمل کیا اس لئے اس نے صرف ایک دہپ پر اکتفا کیا اس سے معلوم ہوا کہ ہم لوگ اس پر بھی عمل نہیں کرتے انہوں نے اس قدر مساواة برتی کہ اس سے یہ پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا کہ تو کون ہے کیوں مارتا ہے کیوں کہ ادھر سے بھی اس نے تو صرف مارا ہی تھا کچھ بولا نہیں تھا آپ نے بھی صرف مارنے پر اکتفا کیا اور دوسرا صاحب طریقت ہے یعنی شریعت کے کامل درجہ پر اس کو یہ مراقبہ پیش نظر ہو گیا کہ۔

از خداداں خلاف دشمن و دوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست  
مخالف دشمن اور دوست کو اللہ کی طرف سے سمجھ، کہ دونوں کے دل اسکے قبضہ میں ہیں۔  
اس کا یہ مراقبہ راسخ ہو چکا تھا سمجھا کہ اس نے نہیں مارا یہ کون ہوتا ہے مارنے والا جو کچھ ہے ادھر سے ہی ہے یہ تو ایک پرزہ ہے اس کی کیا مجال ہے کہ اپنی طرف سے کچھ کر سکے۔

قال الجدار للوند لم تشقنی قال الوند انظر الی من یدقنی  
دیوار نے میخ سے کہا کہ تو مجھے شق نہ کر، میخ نے کہا اسکی طرف دیکھ جو مجھے ٹھونک رہا ہے۔  
اور تیسرا شخص شریعت کے کامل درجہ پر تھا یعنی فنا فی اللہ سے بڑھ کر بقاء باللہ میں پہنچ گیا فنا تک تو غیبت و اضمحلال کا غلبہ رہتا ہے۔ جب اس سے ترقی کر کے بقاء باللہ کو پہنچ جاتا ہے تو وجود کے آثار نمایاں ہوتے ہیں مگر مخلوق باخلاق الہیہ کے رنگ پر اور خدا تعالیٰ کی شان ہے شفقت اس لئے اس کو غلبہ شفقت سے رحم آیا کہ اس کو تکلیف ہوئی ہوگی اس لئے اس نے شفقت کا برتاؤ کیا۔ شیخ شیرازی نے ایسا ہی قصہ لکھا ہے کہ کسی شرابی کے ہاتھ میں بربط

تھا اس نے ایک درویش کے سر میں ایسی زور سے مارا کہ وہ ٹوٹ گیا ظاہر ہے سر کا کیا حال ہوا ہوگا درویش نے ایک دینار پیش کیا کہ میرا سر تو ویسے ہی جڑ جائیگا مگر تمہارا بربط بدون داموں کے درست نہ ہوگا ان داموں سے اس کو درست کرا لینا ان واقعات والوں پر اس عقیدہ ہی کا تو غلبہ تھا جس کے یہ آثار تھے خدا کی قسم ان عقیدوں نے سارے عالم سے بے فکر کر دیا ہے ان کی بدولت جہاں کو کتنی راحت پہنچتی ہے۔ سبحان اللہ۔ (الاتمام لعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## دلائل عقلیہ کی بے بسی

ایک فلسفی کی حکایت ہے وہ بڑے عالم تھے جب مرنے لگے تو مرتے وقت شیطان ان سے مناظرہ کو کھڑا ہو گیا۔ مناظرہ توحید ہی میں تھا جس کے سودلائل ان کے پاس تھے شیطان توحید کے دلائل پر نقوض وارد کرنے لگا یہ جو دلیل قائم کرتے وہ اس کو رد کر دیتا جتنے دلائل ان کے پاس تھے سب ہی پیش کئے اس نے سب کو توڑ دیا اس کے بعد اس نے شبہ ڈال دیا کہ توحید جو اصل الاصول ہے جب اس کی یہ حالت ہے تو اور اصول کی کیا اصل ہے خود ہی سمجھ لو قریب تھا کہ ان کو اصول اسلام کی حقانیت میں شبہ یا تذبذب ہو جاتا کہ ایک بزرگ نے ان کی دستگیری فرمائی وہ بزرگ شیخ نجم الدین کبریٰ تھے جو اس وقت صدہا میل کے فاصلہ پر اپنے گھر میں وضو کر رہے تھے ان کو مکشوف ہوا کہ اس عالم فلسفی کے اوپر یہ مصیبت نازل ہے آپ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ اس وقت ایک بڑے عالم کا ایمان خراب ہوا جاتا ہے کسی نے عرض کیا کہ حضرت بچا لیجئے آپ نے وضو کا پانی زور سے اس طرف پھینکا اور فرمایا کہد و بلا دلیل خدا واحد ہے اللہ تعالیٰ نے یہ پانی اور آواز ان کے کان میں پہنچا دی اور انہوں نے شیطان سے یہی کہا کہ میں بلا دلیل خدا کو واحد مانتا ہوں۔ شیطان یہ سن کر بھاگا اور اس کے دام تزویر سے رہائی ہوئی اسی کو مولنا فرماتے ہیں۔

دست پیراز غائبان کوتاہ نیست دست اوجز قبضہ اللہ نیست

پیر کی توجہ غائبوں سے کوتاہ نہیں ہے اس کا قبضہ بجز اللہ کے قبضہ کے نہیں ہے۔

وہ فلسفی عالم ان بزرگ کی خدمت میں آئے تھے۔ آپ نے ذکر کی تلقین فرمائی اور خلوت کا حکم دیا ذکر شغل شروع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ کوئی چیز اندر سے نکل رہی ہے۔ شیخ سے اس حال کو عرض کیا تو فرمایا کہ تمہارا فلسفہ دل سے نکل رہا ہے یہ ان کو گوارا نہ

ہوا شیخ نے فرمایا کہ بھائی ذکر شغل سے اللہ تعالیٰ تم کو اس سے بہتر علم عطا فرمادے گا مگر دل نے نہ مانا اور ذکر شغل چھوڑ کر چلے آئے کہ نقد راہ نہیہ گذاشتن پر کون عمل کرے فلسفہ تو اس وقت موجود ہے اور علم باطن اب تک حاصل نہیں ہوا نہ معلوم ہوگا بھی یا نہیں غرض شیخ کو چھوڑ کر چلے آئے تھے لیکن فقط ان کی خدمت میں جانے سے یہ فائدہ ہوا کہ مرتے وقت انہوں نے کیسی بڑی دستگیری فرمائی کہ عذاب ابدی سے بچا لیا۔ (الانعام لعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## شُرک کی مذمت

ان الله لا يغفرک یشرک (بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتے) الخ سے صاف معلوم ہو گیا کہ سب گناہوں پر عذاب لازم نہیں بجز شرک و کفر کے کہ ان پر عذاب لازم ہے (یعنی شرعاً، غرض گناہ کبیرہ تو بدون عقاب کے معاف ہو سکتا ہے مگر کفر و شرک کا ارتکاب بدون عذاب کے نہیں رہ سکتا اس پر عذاب لازم ہے اور وہ بھی ابد لا باد کے لئے جس کا انقطاع کبھی نہ ہوگا یہ جرم کسی طرح معاف نہ ہوگا نہ عذاب سے نہ بغیر عذاب کے۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

یہ عقیدہ عقلاً اقدام جرائم کا سبب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں گے باوجود کبائر کے عذاب سے معاف کر دیں گے جس میں تعین کسی کی نہیں ہے، یعنی کسی شخص کو معلوم نہیں کہ میرے متعلق مشیت الہی بصورت عفو ہے یا بصورت عذاب (نظر االی اصل الاستحقاق قانوناً ۱۲ جامع) پھر اس صورت میں کوئی شخص بھی عذاب سے بے فکر نہیں ہو سکتا بلکہ ہر ایک کو یہ اندیشہ لگا ہوا ہے کہ شاید

میرے ساتھ قانونی برتاؤ کیا جاوے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک عنین شخص شرم و ندامت کی وجہ سے خودکشی پر آمادہ ہو کر سٹکھیا استعمال کرے اور اتفاقاً وہ سٹکھیا کھا کر ہلاک نہ ہو بلکہ سٹکھیا ہضم ہو کر اس کے اندر قوت مردی پیدا کر دے چنانچہ بعض جگہ ایسے واقعات ہوئے ہیں مگر کیا اس اتفاقی واقعہ سے کسی کو سٹکھیا کھانے پر جرات ہو سکتی ہے، ہرگز نہیں بلکہ ہر عاقل سمجھتا ہے کہ زہر کا خاصہ تو ہلاک کرنا تھا مگر اتفاقاً اس شخص میں اس کی خاصیت کا ظہور نہ ہوا تو اس سے خاصیت نہیں بدل گئی اس لئے مردانگی بڑھانے کیلئے سٹکھیا کھانے کی نہ کوئی اجازت دے سکتا ہے اور نہ ہر شخص اس پر جرات کر سکتا ہے۔ علیٰ ہذا سب لوگوں کو معلوم ہے کہ بعض دفعہ حکام و سلاطین مراحم خسرانہ سے کسی قاتل کو رہا بھی کر دیتے ہیں مگر اس علم کی وجہ سے ہر شخص کو



قتل پر جرات نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قتل کی اصل سزا تو قتل ہی ہے اور عمل بھی اکثر اسی قانون کے مطابق ہوتا ہے اور مراحم خسر دانہ کوئی قانون نہیں بلکہ محض حاکم کی مشیت پر ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس کے ساتھ مراحم خسر دانہ کا برتاؤ کرے کس کے ساتھ نہ کرے۔

ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ ایک دوکان سے تمباکو لینے گیا اور دوکاندار سے کہا کہ خوب کڑوا تمباکو دینا۔ اس نے دکھلایا کہ میرے یہاں سب سے کڑوا یہ ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں اس سے بھی کڑوا دو تو دوکاندار کیا کہتا ہے کہ توبہ توبہ! بس اس سے کڑوا خدا کا نام۔ یہ شخص اس کلمہ سے کافر نہیں ہوا کیونکہ اس کے نزدیک کڑوا ہونا کمال تھا۔ اس لئے مطلب یہ ہوا کہ یہ تمباکو بہت کامل ہے۔ بس اس سے زیادہ کامل خدا کا نام ہے تو اس کے کلام میں کڑوا بمعنی کامل ہے۔ البتہ یہ عنوان نہایت قبیح ہے (محاسن اسلام ج ۱۲)

### شعبہ معبودیت کعبہ

باب توحید میں مخالفین کو استقبال قبلہ پر بھی اعتراض ہے کہ مسلمان کعبہ کی پرستش کرتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ہم کعبہ کی پرستش نہیں کرتے بلکہ عبادت خدا کی کرتے ہیں اور صرف منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس بہت سے دلائل ہیں ایک یہ کہ ہم خود اس کی معبودیت کی نفی کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی عابد اپنے معبود کی معبودیت کی نفی نہیں کیا کرتا۔ دوسرے یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے اگر کسی کے دل میں کعبہ کا خیال بھی نہ آئے مگر کعبہ کی طرف منہ رہے تو نماز درست ہے۔ چنانچہ بہت لوگ ایسے ہیں کہ وہ مسجد میں آ کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور کعبہ کا کچھ بھی خیال ان کو نہیں آتا ان کی نماز درست ہے اگر ہم کعبہ کی عبادت کرتے تو اس کی نیت کرنا شرط ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر کسی وقت کعبہ نہ رہے جب بھی نماز فرض رہے گی اور اسی طرف منہ کیا جائے گا، جہاں کعبہ موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کعبہ کے اینٹ پتھروں کو نہیں پوجتے، ورنہ انہدام کعبہ کے بعد نماز موقوف ہو جاتی۔

چوتھے یہ کہ اگر کوئی شخص سقف کعبہ پر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے اگر کعبہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو اس کے اوپر چڑھ کر نماز صحیح نہ ہوتی کیونکہ اب کعبہ اس کے سامنے نہیں ہے۔ دوسرے معبود کے اوپر چڑھنا گستاخی ہے۔ اس حالت میں کسی طرح نماز درست نہ ہونا



چاہیے تھی۔ مگر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کعبہ کی چھت پر بھی نماز صحیح ہے تو کیا معبود کے اوپر چڑھا بھی کرتے ہیں؟ ہاں معترضین نے اپنے اوپر قیاس کیا ہوگا کہ وہ گائے نیل کو دیوتا و معبود بھی سمجھتے ہیں پھر ان کے اوپر سوار بھی ہوتے ہیں مگر اس کا خلاف عقل ہونا ظاہر ہے۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

رہا تقبیل حجر کا راز تو میں کہہ چکا ہوں کہ اس کا منشا عظمت و عبادت نہیں بلکہ محض محبت اس کا منشاء ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کو مجمع عام میں ظاہر فرمایا ایک بار آپ طواف کر رہے تھے۔ اس وقت کچھ لوگ دیہات کے موجود تھے۔ جب آپ نے تقبیل حجر کا ارادہ کیا تو حجر کے پاس ذرا ٹھہرے اور فرمایا انی لا علم انک لحجر لا تضرو لا تنفع دلو لا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک ما قبلتک یعنی میں جانتا ہوں کہ ایک پتھر ہے جو نہ کچھ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر دے سکتا ہے اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔ کیا خشک معاملہ کیا ہے حجر اسود کے ساتھ۔ بھلا اگر یہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو کیا اس سے یہی خطاب کیا جاتا کہ نہ تو نفع دے سکتا ہے نہ ضرر پہنچا سکتا ہے؟ (محاسن اسلام ج ۱۲)

## تکمیل توحید

تکمیل توحید کی اسلام میں یہ ہے کہ تصویر کو حرام کر دیا گیا۔ تصویر کا بنانا بھی حرام ہے اور گھر میں رکھنا بھی حرام ہے حالانکہ تصویر قابل پرستش نہیں۔ نہ تو کفار تصویر کو پوجتے ہیں بلکہ وہ تو مجسم مور توں کو پوجتے ہیں۔ اس وقت بھی کفار کی یہی حالت ہے اور پہلے بھی یہی دستور تھا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں العبدون ماتختون (کیا تم ان چیزوں کو پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو) یہ نہیں فرمایا العبدون ماتصورون (کیا تم اسکی عبادت کرتے ہو جس کی تصویریں بناتے ہو) مگر با ایں ہمہ اسلام نے شرک سے اتنا بچایا ہے کہ تصویر کو بھی حرام کر دیا۔ کیونکہ گو اس کی عبادت نہیں ہوتی مگر مفہمی الی العبادۃ ہونے کا احتمال اس میں ضرور ہے کیونکہ جب تصویر کی اجازت ہوتی تو لوگ حضور کی صحابہ و بزرگان دین کی تصویریں بھی اتارتے اور عادیۃ تصویر کا اثر قلب پر وہی ہوتا ہے جو صاحب تصویر کا اثر ہوتا ہے تو وہ تصویروں کی تعظیم بھی کرتے۔ پھر رفتہ رفتہ جہلاء شرک میں مبتلا ہو جاتے چنانچہ پہلے زمانہ میں اسی سے شرک کی بنیاد قائم ہوئی۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

اہلسنت نے اس مسئلہ کی حقیقت کو خوب سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کوئی حق خدا پر واجب نہیں جو کچھ وہ عطا فرمائے محض رحمت اور خالص عنایت ہے۔ معتزلہ نے اس مسئلہ میں اہل سنت کا خلاف کیا ہے خدا جانے کیا سمجھے کہ ہمارا حق خدا پر واجب ہے۔ وجوب کا کوئی سبب کوئی علت ہونا چاہیے یہ بلا علت واجب کیسے ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ نے کچھ نہیں سمجھا اگر کوئی سبب یا علت ہو تو وہ بھی انہیں کی ہے پھر بھی ہم مستحق نہیں ہو سکتے وہ کہتے ہیں عبادت سے خدا پر جنت دینا واجب ہے اور وجوب عقلی کے قائل ہیں مگر انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ یہ سبب جو تراشا گیا ہے قطع نظر اس کے کہ یہ سبب بھی انہیں کا عطا کیا ہوا ہے اگر اس میں کچھ ظاہری سبب ہے تو اس کا یہ اثر موقوف ہے اس کے مقبول ہونے پر سو مقبول ہونا تو درکنار غنیمت ہے کہ ان اعمال پر مواخذہ نہ ہو۔ لطیف المزاج شخص اندازہ کر لے کہ ایک بد سلیقہ خدمت گار ہے۔ پنکھا جھلتے وقت کبھی مار دیتا ہے کبھی کسی کاغذ کو پریشان کر دیتا ہے غرض ایک ادھم مچا رہا ہے اور آقا حلیم و کرم سے معاف کر دیتا ہے تو کیا اس خدمت گار کا اپنی اس بیہودہ کارگزاری کو قابل انعام سمجھنا صحیح ہوگا۔

خوابہ پندار کہ دارد حاصلے حاصل خوابہ بجز پندار نیست

(خوابہ سمجھتا ہے کہ اسکو کچھ حاصل ہے اس کو بجز پندار کے کچھ حاصل نہیں) وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے بڑی خدمت کی۔ ارے کمبخت کیا خدمت کی؟ یہ آقا کا احسان ہے کہ وہ کرم کرتا ہے اور بڑی عنایت ہے کہ جرمانہ نہیں کرتا، اسی طرح ہماری عبادت ہے کہ ہم اس کا پورا پورا حق کیا ادا کرتے کہ محال ہے مگر جتنا سنوار کر ہم کر سکتے ہیں وہ بھی تو نہیں کرتے۔ (احسان الاسلام ج ۱۲)

## ایک قصہ

کان پور میں اس پر ایک قصہ ہو چکا وہاں ایک واعظ صاحب نے وعظ میں بلا ضرورت کہہ دیا کہ حضرت غوث اعظم کا جنتی ہونا یقینی نہیں بلکہ اُن میں احتمال جہنمی ہونے کا بھی ہے بس اس جملہ سے سارے شہر میں آگ لگ گئی ایک شخص مولوی صاحب کو لے کر مجھ سے استفتاء کرنے کو آیا میں بڑا پریشان ہوا کہ اس کی حقیقت لوگوں کو کس طرح سمجھاؤں جس سے فتنہ بھی فرو ہو جائے اور حقیقت بھی واضح ہو جائے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فوراً میری تائید کی کہ طریقہ تعلیم دل میں ڈال دیا میں نے اُس شخص سے کہا کہ کہئے آپ کیا فرماتے ہیں کہنے لگے ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ حضرت غوث اعظم یقینی جنتی ہیں میں نے کہا بالکل ٹھیک کہتے

ہو یہی اعتقاد چاہئے اگر وہ بھی جنتی نہ ہوں گے تو پھر ہم جیسوں کا کہاں ٹھکانا رہا میرا یہ جواب سُن کر مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے کہ اس نے عوام کی موافقت اس غلط عقیدہ میں کیونکر لی مگر عقل سے کام لیا کہ درمیان میں بولے نہیں خاموش بیٹھے رہے۔ پھر میں نے اس شخص سے پوچھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے کہا وہ بھی یقیناً جنتی ہیں پھر میں نے کہا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا کیسے معلوم ہوا کہا ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ جنتی ہیں میں نے کہا جزاک اللہ، اب یہ بتلاؤ کہ حضرت غوث اعظم کا جنتی ہونا کیسے معلوم ہوا کہا اُن کے متعلق بہت سے اولیاء کی شہادت ہے وہ بڑے ولی صاحب کرامات تھے، میں نے کہا ٹھیک کہتے ہو اچھا اب یہ بتلاؤ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء میں کچھ فرق مراتب ہے یا نہیں؟ کہنے لگا ہاں صاحب زمین و آسمان کا فرق ہے میں نے کہا کیا ایسا ہی فرق دونوں شہادتوں میں بھی ہے۔ بولا ہاں میں نے کہا کیا ایسا فرق ان دونوں شہادتوں کے اثر میں بھی ہے بولا ہاں، میں نے کہا کیا ایسا ہی فرق دونوں کے یقیناً جنتی ہونے میں بھی ہے، کہنے لگے ہاں ضرور ہے میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ مولانا یہ بھی اس یقین کے معتقد نہیں جس کی آپ نفی کرتے ہیں ورنہ یہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت غوث اعظم کے جنتی ہونے میں فرق نہ کرتے۔ (جمال الکلیل ج ۱۳)

## جنت و نار

اول یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دوام و استمرار اجر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو جملہ اعمال میں مشترک ہے دوسرے وہ جو بعض اعمال میں مشترک ہے اور بعض میں نہیں، تیسرے وہ جو بالکل مشترک نہیں بلکہ محض صوم کے ساتھ مختص ہے اور اب تک کسی اور عمل کے لئے اس کا ثبوت معلوم نہیں ہوا، استمرار کی قسم اول تو خلود ہے جو سب اعمال کے لئے ثابت ہے کیونکہ ہر عمل کا ثواب جنت میں ملے گا اور جنت و ما فیہا کے لئے خلوص منصوص ہے قرآن مجید میں جنت اور جنتیوں کے متعلق کالذین فیہا ابد وارد ہے جس سے صاف واضح ہے کہ نہ جنت کو کبھی فنا ہوگا نہ اہل جنت کبھی اُس سے نکلیں گے مگر اس کے متعلق ایک آیت سے طالب علما نہ اشکال ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ اس آیت سے اس عقیدہ میں کوئی تردد یا تزلزل

و تذبذب لازم آتا ہے، ہرگز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ شاید بعض ضعیف الفہم طبائع کو اس سے خلجان ہو جائے، اس لئے میں اس اشکال کو بطور جملہ معترضہ کے یہاں پر رفع کر دینا چاہتا ہوں جو ان شاء اللہ مفید ہوگا وہ یہ کہ سورہ ہود کی ایک آیت ہے:

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَ سَعِيدٌ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَ شَهيقٌ  
خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَ الْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ  
فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ وَأَمَّا الَّذِينَ سَعَدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ  
السَّمَوَاتُ وَ الْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْدُوذٍ

(ترجمہ) پھر ان میں تو بعضے شقی ہوں گے اور بعضے سعید ہوں گے بس جو لوگ شقی ہیں وہ تو دوزخ میں ایسے حال سے ہوں گے کہ اس میں ان کی چیخ و پکار پڑی رہے گی ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں ہاں اگر اللہ ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے آپ کا رب جو چاہے اس کو پورے طور پر کر سکتا ہے اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں پس وہ لوگ جنت میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں ہاں اگر اللہ ہی کو منظور ہے تو اور بات ہے وہ غیر منقطع عطیہ ہوگا۔

اس میں اہل جنت و اہل جہنم دونوں کیلئے خلدین فیہا کیساتھ مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَ الْأَرْضُ کی قید ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ جنت و نار میں خلود مطلق نہ ہوگا بلکہ مقید بقاء سموات و ارض ہوگا اور اگر اس میں کچھ تاویل بھی کر لی جائے تو آگے إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ میں دوام سے استثناء ہے یہ بھی خلود کو مقید بالمشیت کر رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خلود لازم نہیں بلکہ مشیت پر ہے کہ جب چاہیں باہر نکال دیں۔ (اجزایام من غیر انصرام ج ۱۴)

## رسومات معاشرہ

بہت سے لوگ پیروں سے اس قدر علاقہ رکھتے ہیں کہ خدا سے بھی اتنا علاقہ نہیں رکھتے۔ وہ ان کو ایسا سمجھتے ہیں کہ جیسا ایک سرمنہ چڑھا سرشتہ دار ہو کہ جو کچھ کہہ دے گا اسی پر دستخط ہو جاویں گے اور ان کے نام پر کہیں ہنسلی چڑھاتے ہیں کہیں منتیں مانتے ہیں۔ بعض نے تعزیوں کو اس قدر ضروری سمجھ رکھا ہے کہ ان کا سارا دین ایمان وہی ہیں۔ ایک شخص کہنے لگا کہ جب سے میں نے گیارہویں شریف چھوڑی ہیں اس وقت سے مجھ پر آفتیں آنی ہونا شروع ہو گئیں۔ استغفر اللہ! میرا یہ مطلب اس سے نہیں ہے کہ بزرگوں کو ایصال ثواب نہ کرو۔ مطلب



یہ ہے کہ اپنا عقیدہ خراب نہ کرو بلکہ اس نیت سے ایصالِ ثواب کرو کہ انہوں نے ہمارے ساتھ دینی احسان کیا تھا ہم اُن کو ثواب پہنچائیں باقی یہ بات کہ ان سے ہمیں مال یا اولاد ملے گی یہ کچھ نہ ہونا چاہئے اور غور کر کے دیکھو کہ اس نیت سے ایصالِ ثواب کرنا کیسی بے ادبی ہے۔ دیکھو اگر تمہارے پاس کوئی شخص مٹھائی لے کر آوے اور پیش کرنے کے بعد کہے کہ جناب آپ سے میرا فلاں کام ہے تو تمہارے دل پر کیا اثر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ خوشی اس کے مٹھائی لانے سے تم کو ہوئی ہوگی۔ وہ سب خاک میں مل جاوے گی اور سمجھو گے کہ یہ سب خوشامد اسی غرض کے لئے تھی۔ دوسرے جب وہ حضرات اپنی زندگی میں اس قسم کی چیزوں سے دلچسپی نہ رکھتے تھے تو اب مرنے کے بعد کیوں ان کو دلچسپی ہوگی تو ایمان کی درستگی جب ہوگی کہ اس قسم کی ساری باتوں سے توبہ کرو، دوسری چیز ہے عملِ صالح۔ اس کے متعلق یہ حالت ہے کہ بہت سے لوگ اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے بلکہ عقائد کی درستی کو کافی سمجھتے ہیں حالانکہ جب عمل نہیں تو نری عقائد کی درستی کیا کرے گی اور جو لوگ عمل کو ضروری بھی سمجھتے ہیں تو صرف دیانات روزہ نماز وغیرہ کو باقی معاملات تو بالکل خراب ہیں۔ میں نے بہت سے متقی ایسے دیکھے ہیں کہ ان کے معاملات نہایت گند درگند ہیں۔ خدا جانے کیسا تقویٰ ہے کہ وہ کبھی ٹوٹا ہی نہیں گویا بی بی تمیرہ کا وضو ہے کہ بس ایک دفعہ کر کے عمر بھر کو چھٹی ہوگئی۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے معاملات بھی اچھے ہیں لیکن اخلاق نہایت خراب ہیں۔ نہ خدا کی محبت، نہ خوف، نہ توکل، نہ صبر و شکر، نہ توحید بلکہ ان کے بجائے تکبر یا عجب حسد کینہ وغیرہ سے پُر ہیں یہ حال ہے کہ ۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل و اندروں قبر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید و از درونت ننگ میدارد یزید

(اوپر سے تو کافر کی قبر کی طرح مزین اور اندر اللہ کا عذاب ہے اوپر سے تم حضرت

بایزید رحمہ اللہ پر طعنہ کرتے ہو اور اندر یزید کی طرح ہے) (طریق القلب)

## وساوس کا علاج

صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ ہمارے دلوں میں ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ہم جل کر کوئلہ ہو جانا پسند کرتے ہیں اُن کو زبان پر لانے سے۔ تو دیکھئے صحابہ کیسے پریشان آئے تھے۔ مگر قربان جانیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ کہ کیسی تسلی فرمائی ہے۔ فرمایا:



أَوْجَدُ ثَمُوهُ ذَاكَ صَرِيحُ الْإِيمَانِ (سنن الترمذی: 1955، مسند أحمد 2: 258، مشکوٰۃ المصابیح: 3025) کیا تم کو وسوسے آنے لگے یہ تو ایمان خالص کی علامت ہے۔ کیونکہ کفار کو شیطان وسوسہ نہیں ڈالتا۔ اس لئے کہ وہ تو سرتاپا اس کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ اُن کے دل میں وساوس ڈالنے کی کیا ضرورت ہے معاصی یا کفر کے وساوس اُن کو پریشانی کیا ہوتی۔ وہ تو پہلے ہی سے کافر ہیں ہاں مسلمان یا متقی کے دل میں معاصی یا کفر کے وساوس ڈال کر ان کو پریشان کرتا ہے۔ کیونکہ یہ گناہ اور کفر سے بچنا چاہتا ہے تو شیطان اُن کو پریشان کرتا ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو صریح ایمان ہے۔ اب بتلائیے ایک پریشان شخص کے دل پر اس جملہ سے کیسی ٹھنڈک پہنچی ہوگی۔ (الوصل والفصل ج ۱۵)

## مشیت خداوندی

ارادہ بھی تو خدا تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے یعنی بدوں خدا کی مشیت کے تو یہ ارادہ بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ پہلے خدا کی مشیت ہوگی۔ پھر بندہ کا ارادہ ہوگا۔ چنانچہ صاف ارشاد ہے۔ وَمَا تَشَاءُ وَلَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ اور تم بدوں خدا کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔ ۱۲ جامع۔ تو اصل یہ ہے کہ بے شک بندہ ارادہ اُسی وقت کرتا ہے جب خدا کی مشیت ہو اور بدوں خدا کی مشیت کے بندہ ارادہ نہیں کر سکتا۔ مگر تم کو تو پہلے سے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی مشیت نہ ہوگی بس تم مشیت کر کے تو دیکھو اور چاہ کر دیکھو جب تم اپنی مشیت پوری کر لو اور اس وقت بھی اگر خدا کی مشیت نہ ہو تب بے شک تم مجبور سمجھے جاؤ گے بس تمہاری مشیت خدا تعالیٰ کی مشیت کی دلیل انی ہوگی یعنی قبل سے تمہیں کیا معلوم کہ خدا کی مشیت نہیں ہوگی یہ تو بعد میں معلوم ہوگا اور معلوم نہ ہونے کی صورت میں اس وقت تمہاری طرف تمہارا نہ کرنا یہ دلیل لمی ہے تمہاری بد معاشی اور شیطنت کی کیونکہ اس وقت تمہیں خدا کی عدم مشیت کی کیا خبر، غرض اگر مشیت کے وجوہ یا عدم کی ایسی ہی تحقیق مطلوب ہے تو تم مشیت کر کے دیکھو کہ خدا کی مشیت ہوئی یا نہیں۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ مشیت ہوئی اور بدوں اپنی مشیت کے تم نے مشیت حق کی نفی کا کیسے حکم لگا دیا۔ یہ تو تحقیقی جواب ہے۔

اور الزامی جواب یہ ہے کہ مشیت الہی عام ہے دنیوی اور اُخروی تمام افعال کو تو جیسا اُخروی افعال میں یہ عذر ہے کہ اگر حکم خداوندی ہوگا اور خدا کی مشیت ہوگی تو کارِ خیر کر لیں

گے تو دنیاوی افعال میں بھی ایسا ہی کیا کرو۔ مگر دنیاوی افعال میں تو ایسا نہیں کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق مقصود نہیں ہے۔ محض شرارت ہے۔ (اعاء النافع ج ۱۵)

## مسئلہ تقدیر

مسئلہ تقدیر ظاہر تو ایک معمولی بات ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے سب پہلے سے تجویز ہو چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پہلے سے سب لکھ دیا ہے اب واقعات میں اس کا اثر دیکھنا چاہئے۔ مثلاً دو ایسے شخص لئے جائیں جن کے لائق فائق بیٹوں کا علاج کی غلطی سے انتقال ہو گیا ہو اور ان میں سے ایک تو تقدیر کا قائل ہے۔ دوسرا منکر ہے منکر تقدیر کی تو یہ حالت ہوگی کہ وہ بار بار حسرت کرے گا کہ طبیب یا ڈاکٹر سے تشخیص میں غلطی ہو گئی۔ اور علاج میں کوتاہی ہو گئی۔ اگر فلاں شخص سے علاج کرایا جاتا تو ضرور بچ جاتا یا فلاں دوا دی جاتی تو یہ ہلاک نہ ہوتا اور دوسرا شخص جو قائل تقدیر ہے۔ ممکن ہے کہ طبعی طور پر کبھی اُس کو بھی طبیب یا طریقہ علاج کی غلطی کا خیال ہو مگر وہ پھر وہ یہ سمجھے گا کہ یہ غلطی تو لازم تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس کے لئے اتنی ہی عمر لکھی تھی۔ یہی وقت اس کی موت کے لئے مقدر تھا۔ اس واسطے اُس کے سامان پیدا ہونا ضروری تھے۔

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود (جب موت آتی ہے تو طبیب نادان بن جاتا ہے) اور اس وقت جو بھی دوا دی جاتی وہ نفع کے بجائے نقصان ہی کرتی۔ تو اس شخص کو طبیب وغیرہ کی غلطی سے حسرت نہ ہوگی۔ کہ ہائے یوں ہوتا تو ضرور اچھا ہو جاتا۔ بلکہ تقدیر کے اعتقاد سے بہت جلد سکون ہو جائے گا کہ یوں ہونا تو ضروری ہی تھا۔ اور دوسرے کی حسرت کبھی ختم نہ ہوگی۔ وہ ہمیشہ اسی خیال میں رہے گا کہ ہائے اگر یوں ہوتا تو ضرور نفع ہوتا۔ تبدیلی آب و ہوا کی جاتی تو ضرور مریض بچ جاتا۔ اسی اگر مگر میں اس کا دل ہمیشہ کڑھتا ہی رہے گا۔ اسی کے متعلق حدیث میں ہے۔

إِيَّاكُمْ وَاللَّوْفَانِهَا مَطِيئَةُ الشَّيْطَانِ

(بچو! تم اگر مگر سے کیونکہ وہ شیطان کی سواری ہے)

اس میں مطلق لؤ کی ممانعت نہیں بلکہ اُسی لؤ کی ممانعت ہے جو واقعات ماضیہ میں بطور حسرت کے استعمال کیا جاتا ہے۔ لوکان کذا لکان کذا۔ کہ اگر یوں کیا جاتا تو یہ نتیجہ ہوتا۔ ارے احمق! جب وہ قصہ رفت روگزشت ہوا۔ تو اب اسکے متعلق اس اگر مگر سے

فائدہ کیا کیا۔ تمہاری اگر مگر سے مُردہ زندہ ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں بس سوائے اس کے کہ شیطان اس طریقہ سے پریشان کرنا چاہتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ (النجات فی الاوقات ج ۱۵)

## ہر چیز اپنے درجہ میں

صاحبو! ہم لوگ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے اہل سنت والجماعت ہیں ہمارے نزدیک ہر ایک چیز اپنے درجے پر ہے، علم اپنے درجے پر ہے اور عمل اپنے درجے پر ہے اور یہ نہ سمجھو کہ ترکِ عمل گناہِ صغیرہ ہے اس لیے قابلِ توجہ نہیں کیونکہ اول تو یہ گناہِ صغیرہ نہیں بلکہ کبیرہ ہے۔ دوسرے اگر بالفرض صغیرہ بھی ہوتا تب بھی قابلِ توجہ تھا اس لیے کہ گناہِ صغیرہ اور کبیرہ کی مثال چھوٹی چنگاری اور بڑے انگارے کی سی ہے یعنی جس طرح ایک بڑا انگارا غفلت ہونے کی صورت میں قصرِ عالیشان کو خاکستر بنادینے کے لیے کافی ہے اسی طرح اگر چنگاری بھی تھوڑی مدت میں اس انگارے کی برابر بلکہ اس سے زائد کام کر سکتی ہے اور اگر اب بھی کسی صاحب کو گناہِ صغیرہ کے قابلِ ترک ہونے میں تامل ہو تو وہ مہربانی کر کے ایک چھوٹی چنگاری اپنے گھر کے چھپر میں رکھ کر دیکھ لیں۔ صاحبو! سچ کہتا ہوں کہ تمہارے قصرِ ایمان کے لیے گناہِ صغیرہ ایسا ہی ہے جیسے چھپر کے لیے چھوٹی چنگاری اور یہ گفتگو علیٰ سبیل التزل تھی ورنہ جیسا پہلے کہا جا چکا ہے ترکِ عمل صغیرہ نہیں کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ شریعت کے خلاف وضع رکھنا یا رشوت لینا عدل نہ کرنا چوری کرنا ہمیشہ داڑھی منڈوانا ٹخنوں سے نیچے یا ٹخنوں کی برابر پا جامہ پہننا معاصی صغیرہ ہیں۔ کبھی نہیں البتہ کفر سے کم ہیں لیکن جو چیزیں کفر سے کم ہوں ان سے بے فکری کی اجازت مل جانا ضروری نہیں۔

آسمان نسبتِ بعش آمد فرود لیک بس عالیت پیش خاک تود  
(عرش الہی کے لحاظ سے تو آسمان نیچے ہے مگر مٹی کے ڈھیر اور پہاڑوں سے بہت بلند ہے)

(حب العاجلہ ج ۱۸)

## توحید و رسالت

ایک مسلمان نے ایک مجمع میں کہا کہ توحید پر مدارِ نجات ہے۔ رسالت کا اقرار کوئی ضروری مسئلہ نہیں ہے اگر اس کا کوئی منکر بھی ہو تو اس کی نجات ہو جائے گی میں نے جواب

میں کہا کہ توحید کو تو موقوف علیہ نجات کا مانا جاتا ہے اب سمجھو کہ توحید کی حقیقت کیا ہے؟ سو توحید کی حقیقت یہ ہے کہ ہم ایسا معبود ایک مانیں کہ نہ اس کا کوئی شریک و سہم ہونہ کمالات میں کوئی حالت منتظرہ اس میں باقی ہونہ عیوب میں سے کوئی عیب اس کے اندر پایا جاتا ہو۔ اگر کوئی عیب خدا میں کوئی مانے وہ توحید کا منکر ہوگا اور من جملہ عیوب کے ایک عیب وقوع کذب بھی ہے لہذا جس میں کذب پایا جائے گا وہ خدا نہ ہوگا اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”محمد رسول اللہ“ تو جو شخص آپ کو رسول نہ مانے اس نے خدا کو کاذب کہا اور جو کاذب کہے وہ موحد نہیں۔ پس جو شخص آپ کو رسول نہ مانے وہ موحد نہیں پس انکار رسالت مستلزم ہے انکار خدا کو تو ثابت ہوا کہ منکر رسالت کو تمہارے ہی قاعدے سے نجات نہیں ہو سکتی اور میں نے کہا کہ قیامت تک اس کے جواب کی مہلت دیتا ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ غرض ان لوگوں کا مذہب محض ان کی قوم ہے۔ (حب العاجلہ ج ۱۸)

چنانچہ ارشاد ہے: ”اَكْثِرُوا ذِكْرَهَا ذِمَّ اللّٰذَاتِ الْمَوْتِ“ (لذاتوں کو ختم کر دینے والی یعنی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو) اس حدیث کے الفاظ خود غور کرنے کے قابل ہیں کہ اول موت کی صفت کو بیان کیا اس کے بعد موت کے نام کی تصریح فرمائی جس سے اس امر اکثر و اول کی حکمت دریافت ہوگئی۔ یعنی موت زیادہ یاد کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے لذات کی جڑ اکھڑ جاتی ہے اور سہل ترکیب اس کے یاد کرنے کی یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے مراقبہ موت کیا کرے اور سوچا کرے کہ ایک دن میں مروں گا، دوزخ اور جنت میرے سامنے پیش کی جائے گی اگر میں گنہگار مروں گا تو جنت کو مجھ سے چھپا لیا جائے گا اور تا قیامت مجھ کو عذاب قبر ہو جائے گا پھر قیامت آئے گی اور سب کے نامہائے اعمال ان کو دکھلائے جائیں گے اس کے بعد حساب ہوگا اگر خدا نخواستہ میری ناشائستہ حرکات بڑھ گئیں تو فرشتے کشاں کشاں مجھے جہنم کی طرف لے جائیں گے وغیرہ وغیرہ اس مراقبہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ انہماک فی الدنیا کا مرض بالکل زائل ہو جائے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دن میں بیس دفعہ موت کو یاد کرے گا اس کو شہادت حاصل ہوگی مگر موت کے یاد کرنے کے یہ معنی نہیں کہ لفظ موت کو بیس دفعہ دہرایا جائے اس لیے کہ موت کو یاد کرنے سے شہادت کا درجہ حاصل ہونے کی



وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے آپ کو بالکل سوپ دے گا اور تسلیم کر دے گا اور اس کے حظوظ نفسانی بالکل چھوٹ جائیں گے اور یہ ان لوگوں میں ہوگا کہ:

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است  
(جو لوگ تسلیم و رضا یعنی عشق کی تلوار کے مارے ہوتے ہیں غیب کی جانب سے ہر گھڑی ان کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے)  
بس موت کو یاد کرنا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یہ تقسیم تو اہل دنیا کے حالات کے اعتبار سے تھی۔

## عقائد کی اہمیت

عقائد جیسے خدا تعالیٰ نے بیان فرمائے ویسے ہی رکھے جائیں لیکن ان میں بھی بہت فساد آ گیا اور ان کو جو کچھ خراب کیا جہالت نے کیا، عورتوں میں تو عام رواج ہے کہ پڑھنے پڑھانے کو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتیں، جس کی طبیعت بچپن سے جس طرف کو چل جائے اسی طرح چھوڑ دی جاتی ہے۔ کیوں بیسیو! اپنی لڑکیوں کو کھانا پکانا، سینا پر دنا کیوں سکھلاتی ہوں کاموں میں بھی ان کو اپنی طبیعت پر چھوڑ دو پھر دیکھو بڑے ہو کر کیا لطف آتا ہے، ان کو اپنی زندگی کا ٹنڈا دشوار ہو جائے گی حالانکہ دنیا کی زندگی بہت محدود ہے۔ فرض کر لو کہ سو برس تک جئے گی اگر کھانا پکانا سینا پر دنا نہ بھی جانتی ہوگی تو آرام و عزت سے نہیں تکلیف اور ذلت سے ہی کسی طرح اس عمر کو کاٹ ہی لے گی۔ لیکن زندگانی آخرت بلا وہاں کے کام سیکھے ہوئے نہ کئے گی، کیونکہ وہ دائمی ہے۔

جب تم دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے اتنے ہنر سکھانے کی ضرورت سمجھتی ہو تو اس زندگانی کی نسبت کیا خیال ہے جو اس سے کہیں زیادہ اور دشوار ہے۔ از روئے قاعدہ اگر محدود زندگی کے لئے دس ہنروں کی ضرورت ہے تو غیر محدود کے لئے ہزاروں ہنروں کی ضرورت ہونی چاہئے مگر افسوس ہے کہ ہزاروں کی جگہ سینکڑوں بھی نہیں بلکہ اتنے بھی نہیں جتنے کہ دنیا کے لئے سکھلائے جاتے ہیں۔ آخرت کے بارہ میں لڑکیوں کو بالکل مخلفے بالطبع چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (منازلۃ الہوی ج ۲۰)

## شادی کی رسومات

نجومیوں اور پنڈتوں سے ساعت پوچھ کر بیاہ رکھا جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو کوئی ساعت نحس آن پڑے اور یہ خبر نہیں کہ نحس حقیقی ساعت کون سی ہے۔



نخس حقیقی وہ ساعت ہے جس میں حق تعالیٰ سے غفلت ہو جس وقت میں آپ نے نماز چھوڑی اس سے زیادہ نخس کون وقت ہو سکتا ہے اور جو اشتغال نماز چھوڑنے کے باعث بنے ان سے منحوس شغل کونسا ہو سکتا ہے۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ.

ترجمہ: شیطان کی جوئے اور شراب سے یہ غرض ہے کہ آپس میں دشمنی ڈال دے اور ذکر اللہ سے اور نماز سے روک دے، حق تعالیٰ نے اس آیت میں جوئے اور شراب کے دو نقصان بتلائے ایک یہ کہ شیطان اس کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں نفاق ڈال دے گا، دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روک دے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ عداوت اور بغضاء اور نماز اور ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں آلہ ہیں اور آلہ اور علت ایک ہی چیز ہیں اسی واسطے اس کی شرح میں فرماتے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

كُلُّ مَا أَلْهَاكَ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ فَهُوَ مَيْسِرٌ.

یعنی جو چیز تجھ کو ذکر اللہ سے غافل کرے وہ سب جوا ہے۔

ظاہر ہے کہ لفظ میں تو اس کو جوا نہیں کہتے حدیث میں جو اس کو جوا فرمایا گیا وہ با اشتراک علت ہے اس میں تصریح ہو گئی کہ: نَهَى عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ كِيْ عَلَتِ الْبَهَاءِ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ہے۔ پس جہاں البہاء عن ذکر اللہ پایا جاوے گا وہ سب حکماً خمر اور میسر ہوگا۔ اب اس سے اپنی رسموں کا حکم نکال لیجئے۔ (منازۃ الہوی ج ۲۰)

## مسئلہ تقدیر

اگر خدا تعالیٰ کے سامنے یہ جواب کافی ہے کہ ہم سے جو گناہ صادر ہوئے ہیں تو ہم کیا کرتے آپ نے مقدر میں یہی لکھ دیا تھا تو یہ جواب آپ کے غلام اور نوکر اور اولاد کی نافرمانی کے وقت بھی آپ کے مقابلہ میں کافی ہونا چاہئے جب غلام یا نوکر آپ کی نافرمانی کرے یا اس کے ہاتھ سے کوئی نقصان ہو جائے تو اس کو سزا ہرگز نہ دیا کرو بلکہ تقدیر کو کافی جواب سمجھا کرو کہ غریب معذور ہے اس کی تقدیر میں یہی عمل تھا۔ اسی طرح اولاد اگر تعلیم حاصل نہ کرے لڑکا اسکول سے بھاگتا ہو تو اس کو تنبیہ نہ کیا کرو بس صبر کر لو کہ اس کی تقدیر میں

یہی ہے۔ یہ کیا بات کہ یہاں تو باوجود اعتقاد تقدیر کے آپ کو صبر نہیں آتا بلکہ اول پوری تدبیر سے کام لیتے ہو پچہ کو سزا دیتے ہو لالچ بھی دیتے ہو جب کوشش کرتے کرتے تھک گئے اس وقت تقدیر پر صبر و شکر کر کے بیٹھتے ہو اور خدا کے سامنے عذر تقدیر کو کافی جواب سمجھتے ہو اگر تقدیر پر بھروسہ کر کے دین کے اعمال سے بے فکری اختیار کی جاتی ہے اور اپنے کو بد عملی میں بے قصور سمجھا جاتا ہے تو دنیا کے کاموں میں بھی تدبیر کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اور اپنے ماتحتوں پر کسی غلطی کی وجہ سے گرفت نہ کرنا چاہئے ان کو بھی بے خطا بے قصور سمجھنا چاہئے۔ صاحبو! اس طریقہ کو چھوڑو تم خدا تعالیٰ پر ہرگز الزام قائم نہیں کر سکتے بخدا وہ ہر مجرم شخص کو لا جواب اور قائل کر کے سزا دیں گے کسی کو ایسے حال میں سزا نہ دی جائے گی وہ اپنے کو بے قصور سمجھتا ہو۔

پس تم باتیں نہ بناؤ باتوں سے کام نہ چلے گا۔ عمل ہی سے کام چلے گا۔ ارے اگر کسی کے لئے پھانسی کا حکم ہو گیا ہو تو اس کو بجائے پھانسی کے علت کی تحقیق کے اور اس علت میں شبہات کے مراحم خسروانہ کی تفتیش و تلاش کرنا چاہئے اس سے تو کچھ کام چلے گا پھانسی کی علت کی تحقیق سے کیا کام چل سکتا ہے۔ (غایۃ النجاح فی آیۃ النکاح ج ۲۰)

## عقیدہ توحید نجات کے لئے کافی نہیں

صرف توحید کا قائل ہونا نجات کیلئے کافی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق بھی ضروری ہے مسلمانوں کے مجمع میں یہ مضمون بھی مستنبط کرتے ہوئے شرم آتی ہے مگر افسوس کہ آج کل مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو رسالت کے ماننے کو ضروری نہیں سمجھتے ایک صاحب نے لکھا کہ اصل مقصود توحید ہے۔ اگر کوئی نبوت کا منکر ہو تو وہ ناجی ہے اس کے آگے اور ترقی کی ہے کہ بلکہ جو توحید کا منکر ہو وہ بھی ناجی ہے۔ کیونکہ توحید امر طبعی ہے امر طبعی کا کوئی منکر ہو نہیں سکتا جو زبان سے اس کا انکار کرتا ہے وہ بھی درحقیقت اس کا قائل ہے خیال کیجئے کہ کیا آفت نازل ہو رہی ہے ایک صاحب اس مسئلہ کے قائل مجھے ملے ہیں میں نے اس سے کہا کہ اس کے تو آپ قائل ہیں کہ بدوں توحید کے نجات نہیں مخصوص نبوت کے مسئلہ میں آپ کو کلام ہے تو سنئے توحید بغیر نبوت کے مانے ہوئے ہو نہیں سکتی۔ پس نبوت کا انکار کر کے توحید بھی نہ رہے گی کیونکہ توحید کے معنی ہیں حق تعالیٰ کو جمیع صفات کا کمال

کے ساتھ متصف ماننا اور ان میں سے ایک صفت صدق بھی ہے، تو جب خدا تعالیٰ نے فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ نے انکار کیا نبوت کا تو انکار کیا اس فرمان کا اور اس کا انکار صفت صدق کا انکار ہے تو حید کا انکار ہو گیا۔ (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

## ایمان کے لئے عمل صالح لازم ہے

عمل صالح تو ایمان کے لئے لازم غیر منفک (جدا نہیں) ہے کہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں دیکھو اگر حاکم کہے کہ رعیت نامہ داخل کر دو تو اس کہنے کی ضرورت نہیں کہ قانون پر عمل بھی کرنا میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی شخص نے قاضی کے کہنے سے کہا کہ کیا میں نے اس عورت کو قبول کیا کچھ دنوں تک دعوتیں ہوتی رہیں اس لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوئی لیکن دو چار روز کے بعد نمک لکڑی کی ضرورت ہوئی تو بیوی نے فرمائش کرنی شروع کیں۔ اب وہ گھبرایا اور پہلو تہی کرنی شروع کی جب بیوی نے بہت دق کیا تو کہنے لگا سنو بیوی میں نے صرف تمہیں قبول کیا تھا نمک لکڑی کو قبول نہیں کیا تھا تو اگر آپ کے سامنے اس کا فیصلہ آوے تو آپ فیصلہ میں کیا کہیں گے ظاہر ہے کہ بیوی کا قبول کرنا ان سب چیزوں کا قبول کرنا ہے تو اسی طرح ایمان لانا سب چیزوں کا قبول کرنا ہے اس لئے المؤمنین (اس پر ایمان لاؤ) کہنا کافی ہو گیا اور وَاَعْمَلُوا صَالِحًا (اور نیک کام کرو) کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا اس کو سب کو سب کچھ کرنا پڑے گا (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

## ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ اور تصرف تام ہے:

وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَفْظِ مِيرَاثِ اس لئے فرمایا کہ اگر ملک فرماتے تو شبہ ہو سکتا تھا کہ بظاہر ملک تو ہماری ہے اس لئے علی سبیل التسلیم ارشاد ہے کہ اگر مان لیا جاوے کہ تمہاری ملک ہے تو جب تم سب مر جاؤ گے پھر بتلاؤ اس وقت یہ سب چیزیں کس کی ملک ہوں گی اس وقت تو سب ہماری ہیں پھر ہم سے کیوں دریغ کرتے ہو (التوکل ج ۲۱)

## اسباب کو موثر حقیقی سمجھنا کفر ہے

اللہ کے بندوں میں بہت سے متوکل عملاً بھی ہیں اور یوں علماً اور اعتقاداً تو سب ہی

مسلمان متوکل ہیں یعنی اس بات کا اعتقاد ہر مسلمان کو ہے کہ جو کچھ عالم میں ہوتا ہے وہ موثر حقیقی کی طرف سے ہوتا ہے اور اسباب کا تعلق مسببات سے محض ظاہری تعلق ہے کوئی مسلمان بھی اس اعتقاد سے خالی نہیں ہے اور اگر خالی ہو تو وہ مسلمان نہیں کافر ہے چنانچہ افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں بعض نام کے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ اسباب کو موثر حقیقی جانتے ہیں سو یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں۔ (التوکل ج ۲۱)

جیسے ترک اسباب میں خدا تعالیٰ پر نظر ہے اسی طرح اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں بھی ہونا چاہیے غرض کسی وقت مسبب سے غفلت نہ ہو، ایک بزرگ کہتے ہیں۔  
عقل در اسباب می دارد نظر عشق می گوید مسبب را نگر  
(عقل اسباب پر نظر رکھتی ہے اور عشق مسبب پر نظر رکھتا ہے)

یعنی اسباب سے نظر متجاوز کر کے خالق الاسباب کو دیکھو اسباب پر جس طرح اعتقاد نظر نہیں ہے حالاً بھی نظر نہ ہو مثلاً ایک شخص لکڑی سے کسی کو مار رہا ہے تو جو کوتاہ بین ہے وہ تو کہے گا لکڑی مار رہی ہے اور جس کی نظر اس سے آگے ہے وہ کہتا ہے کہ بے وقوف لکڑی کیا مارتی ہے ہاتھ مارتا ہے اور حقیقت میں ضارب کی طرف نسبت کرے گا۔ پس اسباب کو ایسی حیثیت سے مت دیکھو جس حیثیت سے اس ظاہر میں شخص نے لکڑی کو دیکھا مولانا فرماتے ہیں۔

دو دہاں داریم گویا بچھو نے یک دہاں پنہان ست در لبھائے دے  
یک دہاں نالاں شدہ سوئے شائے ہائے وہوئے در قلندہ در شائے  
(بانسری کی طرح ہم دو منہ رکھتے ہیں ایک منہ اس کے لبوں میں چھپا ہوا ہے اور دوسرے منہ کا رخ تمہاری طرف ہے اور اس سے ہائے ہو کا شور برپا ہو رہا ہے) (التوکل ج ۲۱)

## تدبیر کے وقت اللہ پر نظر رکھنے کا حکم

لیکن آیت کو ختم فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ پر جس سے مفہوم ہوا کہ تدبیر تو کرے لیکن اصل مقصود تدبیر کے وقت بھی توکل اور خدا پر نظر رکھنا ہے تدبیر کی مشروعیت کی علت تو محض ہمارا ضعف ہے اور اظہار ہے غایتہ افتقار کا کہ اے اللہ ہم ایسے مضبوط نہیں ہیں کہ آپ کی بنائی ہوئی چیزوں کے محتاج نہ ہوں۔



## دل میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ٹٹولنے کا معیار

ٹٹول کر دیکھو کہ دل میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ ہے یا بیوی بچوں کی شاید تم کہو کہ تعارض آثار سے دونوں طرف ذہن جاتا ہے اس کا معیار بتلاؤ جس سے فیصلہ کیا جائے تو وہ معیار یہ ہے جس معاملہ میں ایک طرف اللہ اور رسول کا حکم ہو اور ایک طرف اپنے نفس کی یا بیوی بچوں کی خواہش ہو تو اس وقت یہ دیکھو کہ تم کس کو ترجیح دیتے ہو اگر تم نے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ترجیح دی تو بے شک تم کو اللہ و رسول کی محبت ہے گو جوش و خروش نہ ہو کیونکہ محبت کے الوان ہیں اس کو صوفیہ نے اچھی طرح سمجھا ہے ورنہ اہل ظاہر تو سب کو کافر ہی بنا دیتے کیونکہ ان کے نزدیک تو محبت جوش و خروش ہی کا نام ہے اگر جوش نہ ہو تو ان کے نزدیک محبت ہی نہیں تو وہ سب کو محبت سے خالی کہتے۔

## شیخ کا فرض منصبی خواب کی تعبیر دینا نہیں

کیونکہ ان کا فرض منصبی یہ نہیں ہے کہ تعبیریں دیا کریں بلکہ ان کا اصلی کام تو قرب خداوندی کا طریق تعلیم کرنا ہے اس کے سوا اور کسی قسم کا عقیدہ خواب کے متعلق نہ رکھنا چاہئے۔ اسی طرح آجکل بزرگوں سے سفارش کراتے ہیں اور اس باب میں بھی عام غلط فہمی ہو رہی ہے۔

## ہر شئی دراصل ملک خداوندی ہے

یہ سب ملک خداوندی ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں امانت ہیں جن کی آمد و صرف میں ہم بالکل یہ مختار نہیں بلکہ مثل امین کے ہیں کہ جہاں سے لینے کا حکم ہو گیا وہاں سے لے سکتے ہیں اور جہاں صرف کرنے کا حکم ہو گا اسی جگہ صرف کر سکتے ہیں۔ ذرا انصاف کیجئے کہ ایک شخص کی زمین ہو اسی کے نیل ہوں، اسی کا تخم ہو تو پیداوار کسی کی ہوگی ظاہر ہے مالک زمین کی ہوگی پھر اگر وہ اس میں سے خرچ کرنا چاہیں اور نوکر کا جی دکھے تو یہ حماقت ہی نہیں اگر نوکر کو گرائی ہو تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا زمین تمہاری ہے یا نیل تمہارے ہیں یا تخم تمہارا ہے۔ جب کچھ بھی تمہارا نہیں تو مالک کے حکم کے خرچ کرنے میں جان کیوں نکلتی ہے۔ بعینہ یہی مثال ہماری ہے کہ یہ اموال جو ہمارے ہاتھ میں ہیں درحقیقت ہمارے نہیں کیونکہ زمین



کو ہم نے نہیں پیدا کیا وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ پانی ہم نے نہیں برسایا خدا ہی کی رحمت سے بارش ہوتی ہے۔ آفتاب ہم نے نہیں بنایا جس کی تپش سے کھیتی پکتی ہے۔ میل وغیرہ ہمارے پیدا کئے ہوئے نہیں جن سے ہل جوت کر تخم پاشی کرتے ہیں۔ تخم ہمارا پیدا کیا ہوا نہیں پھر پیداوار ہماری کدھر سے ہوگئی وہ بھی خدا ہی کی ملک ہوگی ہم صرف اس کے نوکر ہیں جو اس کے حکم مطابق اس میں تصرف کرنے کے مامور ہیں۔ چاندی اور سونا معدن سے نکلتا ہے جس کی تکوین میں ہم کچھ بھی نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ شانہ، اپنی قدرت سے معدن میں ان چیزوں کو پیدا فرمادیتے ہیں ہم وہاں تخم پاشی بھی جا کر نہیں کرتے تو وہ بھی خدا کی ملک ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ ہاتھ پیر تو ہمارے جو کام ہم ان سے کرتے ہیں وہ ہماری ملک ہونی چاہئیں تو سمجھو کہ حقیقت میں بھی یہ حق تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اسی طرح وہ قوت جس کے ذریعہ سے آپ کام کرتے ہیں وہ بھی بالکل آپ کے اختیار سے باہر ہے خدا تعالیٰ پر کسی کا زور نہ تھا کہ وہ آپ کو قوت عطا ہی فرماتے ممکن تھا کہ آپ کو اپنا بیج پیدا کرتے یہ بھی ممکن تھا کہ آپ کو ہاتھ پیر عطا ہی فرماتے لنجا منڈا پیدا کر دیتے تو پھر یہ ہاتھ پیر بھی انہیں کی ملک ہوئے ہمارا تو کچھ بھی نہ ہوا۔ اب آپ سمجھیں گے کہ جو شخص اموال کو اپنی ملک سمجھتا ہے وہ احمق ہے ہمارے اعمال بدنی بھی جیسے کہ نماز روزہ ہماری ملک نہیں کیونکہ ہی بدن کے کھیت کی پیداوار ہیں جب کھیت ہمارا نہیں تو پیداوار ہماری کہاں سے ہو جائے گی۔ آپ ناز کرتے ہیں کہ ہم تجارت کرتے ہیں کھیتی کرتے ہیں اس قدر غلہ ہماری ملک ہے اس قدر روپیہ ہمارا مملوک ہے لیکن یہ دیکھا جائے گا کہ جن چیزوں کے ذریعہ سے یہ حاصل ہوئے ہیں یہ کس کی ملک ہیں تب حقیقت معلوم ہوگی تو حالت یہ ہے۔

توادی ہمہ چیز ومن چیز تست

(تو نے سب چیزیں عطا فرمائیں اور میری سب چیزیں آپ کی ہیں)

## ثبوت وجود باری تعالیٰ پر ایک لطیفہ

مجھے ایک لطیفہ اپنے ماموں صاحب کا یاد آیا کہ وہ ایک مدرسہ میں ملازم تھے وہاں ایک ممتحن لاندہب آیا اور بچوں سے پوچھا کہ خدا تعالیٰ کے وجود کی کیا دلیل ہے ماموں صاحب نے کہا بچوں سے کیا پوچھتے ہو مجھ سے پوچھو اس نے کہا آپ ہی بتلائیے۔ انہوں

نے جواب دیا کہ دلیل یہ ہے کہ تم نہ تھے اور ہو گئے۔ اس نے کہا کہ ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اگر سلسلہ ختم نہ ہو تسلسل لازم آئے گا اور وہ محال ہے اور اگر سلسلہ ختم کرو گے تو اس کو کس نے پیدا کیا اس کا تو کچھ جواب اس سے نے بن پڑا کہنے لگا کہ یہ منطقی دلائل نہیں جانتے موٹی بات یہ ہے کہ ہمارے ایک آنکھ ہے تو اس سے کہو کہ ہماری آنکھ درست کر دے۔ ماموں صاحب بڑے ظریف تھے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر ذرا دیر کے بعد کہنے لگے میں نے خدا تعالیٰ سے کہا تھا انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنکھ بنادی تھی اس نے ہمارے وجود کا انکار کیا مجھ کو غصہ آیا میں نے آنکھ پھوڑ دی اب اسی سے کہو کہ اپنے ماں باپ سے بنو لے وہ بہت بگڑا مگر کچھ کر نہیں سکا خیر میں نے یہ قصہ اس تائید میں بیان کیا تھا کہ جان کے بارہ میں کسی کا کوئی دخل نہیں اس لئے جان بھی حق تعالیٰ ہی کی ملک ہے۔ (القرض ج ۲)

## قمری کو منحوس سمجھنا فاسد عقیدہ ہے

خواتین قمری کو منحوس کہتی ہیں جہاں قمری بولی عورتیں کہتی ہیں دور دورا سے مسجد میں لے جاؤ ہمارا گھر ویران کرے گی کیا خوب ویران کرنے کے لیے خدا کا گھر رہ گیا ہے یہ عجیب جہالت در جہالت ہے۔ اول تو اس کی اصل نہیں کہ وہ ویران کرتی ہے اور جب ویران کرنے کا خیال ذہن میں ہے تو اس کے لیے مسجد کو تجویز کیا جاتا ہے یہ عادت عورتوں کی اکثر باتوں میں ہے کہ جس چیز کو کوئی پسند نہ کرے وہ خدا کے نام کر دی جاتی ہے گھر میں کھانا بچتا ہے جب تک وہ کسی کام کا بھی رہے تو چاہے خود نہ کھائے مگر کسی کو نہیں دیں گے۔ جب وہ رکھے رکھے خراب ہو جائے گا تو کہیں گی لیجاؤ خدا کے واسطے دے دو۔ کپڑا جب پیوند لگا کر بھی پہننے کے قابل رہے اس وقت تک دل سے نہیں اترتا۔ جب وہ بالکل گودڑ ہو جائے تو کہتی ہیں مسجد کے ملا کو دے آؤ۔ بیوی خوب سمجھ لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بھوکا یا ننگا نہیں ہے جس کو تمہارا سڑا بھسا کھانا پھٹا کٹا کپڑا غنیمت معلوم ہوگا بلکہ اگر بہتر سے بہتر کھانا اور عمدہ سے عمدہ کپڑا جو ہم دیں اس کو قبول فرمالیں تو یہ ایک انعام اور احسان سمجھو ہم کھانا کہاں سے لائے اور کپڑا کہاں سے آیا جس کو خرچ کرنے سے ہم انعام اور احسان سمجھیں ہم کھانا کہاں سے لائے اور کپڑا کہاں سے آیا جس کو خرچ کرنے سے ہم انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو کھانا دیا تو اگر ہم

نے خدا کی راہ میں دے دیا تو خدا تعالیٰ پر کیا احسان ہوا۔ کسی نے خوب کہا ہے:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(تفصیل الذکر ج ۲۲)

## عورتوں کو منحوس سمجھنے کی حکایت

عورتیں بعضی عورتوں کو منحوس سمجھتی ہیں جب کسی کی عورتیں مرمر جاتی ہوں تو چوتھی بیوی کو منحوس کہتی ہیں۔ ایک قصہ ہے کہ ایک مرد کی تین بیویاں مر گئیں اس کی بہن نے چوتھا نکاح جب کرنا چاہا تو اس نحوست سے بچنے کے لیے پہلے ایک کپڑے کی گڑیا بنا کر اس سے نکاح پڑھایا۔ ایجاب و قبول سب اسی طرح ادا کیا گیا تا کہ چوتھی بیوی یہ ہو اور اس کے بعد ایک عورت سے نکاح کر دیا تا کہ یہ چوتھی نہ ہو کہ منحوس ہو۔ معاذ اللہ ان خرافات سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اس احمق سے یہ پوچھنا چاہیے کہ اگر چوتھی بیوی منحوس ہوتی ہے تو بیوی تو وہی ہے جس سے نکاح پڑھا جائے کیا گڑیا سے نکاح واقعی نکاح ہو گیا جو یہ عورت پانچویں ہوئی کس نے ایجاب کیا اور کس نے قبول اور کون میاں اور کون بیوی صرف شیطانی خیال ہے کہ اسی کو منکوحہ سمجھ لیا۔ اگر یہ تھا تو بلا نکاح کے ہی سمجھ لیا ہوتا کہ چوتھا نکاح ہو گیا۔ اور میں کہتا ہوں کہ چوتھی کا قصور کیا کہ وہ منحوس سمجھی جائے۔ اگر بیویوں کے مرنے میں کچھ دخل فرض بھی کیا جائے تو ان خاوند صاحب کو ہو سکتا ہے چوتھی بیوی کو جو بالقوہ بیوی ہے اس کا تو اب تک وجود بھی نہیں کہ اس نے ان تین کو مار ڈالا قطع نظر شریعت سے اگر عقل سے ہی کام لیں تو ان خیالات کا غلط ہونا واضح ہو جائے یہ عقائد میں ایجادیں ہوں۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

## رسومات کی ادائیگی دراصل فساد عقیدہ ہے

رسموں کا کرنا درحقیقت فساد عقیدہ ہے اسی واسطے ان مفاسد میں بیان کیا گیا جواز جنس عقائد ہیں اور اگر از جنس عقائد بھی نہ ہوں اور مان لیا جائے کہ رسوم از جنس فساد اعمال ہیں تب بھی میں ایک خرابی ان میں ایسی بتاتا ہوں کہ بہت اندیشہ کی چیز ہے۔ یاد رکھئے کہ جس عمل پر مداومت کی جاتی ہے اس کا استنکار (دل سے اس کو برا سمجھنا) قلب سے نکل جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی کچھری میں نوکر ہوتا ہے اور اس کو موقع رشوت لینے کا ملتا ہے تو تنہائی میں بھی لیتے ہوئے شرماتا ہے اور منہ سے مانگنا تو کیسا پھر چند مرتبہ لینے کے

بعد وہ شرم نہیں رہتی بلکہ خود منتظر رہتا ہے کہ اب ملے گی مگر منہ سے مانگنے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور چند روز کے بعد مانگنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ ایسا بے باک ہو جاتا ہے کہ سر بازار گردن پکڑ پکڑ کر وصول کرتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ رشوت لیتے لیتے عادی ہو گیا اور جو استنکار قلب میں تھا وہ جاتا رہا، ہر عمل کا یہی قاعدہ ہے کہ چند روز کی مشق سے استنکار قلب جاتا رہتا ہے اور جب استنکار جاتا رہا تو قلب کو اس کے چھوڑنے کا ارادہ اور خیال کیوں ہونے لگا بلکہ اور دن بدن اس عمل کی طرف میلان بڑھتا جائے گا اور برابر یہی حالت رہے گی۔ یہاں تک کہ موت آجائے گی اور خوف ہے کہ توبہ کی توفیق نہ ہو کیونکہ توبہ نام ہے ندامت اور پشیمانی کا اور پشیمانی اس کام سے ہو سکتی ہے جس کا استنکار قلب میں ہو یعنی قلب اس کو برا جانتا ہو اور یہ استنکار پہلے ہی جا چکا۔ یہ مفسدہ کس قدر اندیشہ کی چیز ہے اس کو وہ لوگ یاد رکھیں جو کہہ دیا کرتے ہیں کہ رسمیں ہیں تو بری ہی مگر شرما حضوری کر لیتے ہیں۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

## مخلوق کو بڑا اور کارساز سمجھنا شرک ہے

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص روتا ہوا آیا کہ حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا کیجئے وہ بچ جائے حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ ایک تو جیل خانہ سے رہائی پا رہا ہے اور یہ رو رہے ہیں کہ تو جیل خانہ سے کیوں نکلتا ہے تو بھی جیل خانہ سے نکلا چاہتا ہے وہ کہنے لگا حضرت میری روٹی کون پکائے گا؟ فرمایا! جی ہاں آپ ماں کے پیٹ سے نکلے تھے اس وقت بھی بیوی روٹی پکاتی ہوئی ساتھ آئی تھی میاں جس نے ماں کے پیٹ میں تم کو پالا وہ اب بھی پالے گا۔ ان باتوں پر تو حضرت ظرافت کے ساتھ باتیں کرتے رہے پھر اس نے کہا کہ حضرت فلاں شخص نے مجھے اپنے ساتھ مدینہ لے جانے کا وعدہ کیا تھا اب وہ انکار کرتا ہے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے مدینہ لے جائے ظاہر میں یہ بات غصہ کی نہ تھی مگر حضرت کو اس پر غصہ آ گیا اور تیزی کے ساتھ فرمایا کہ بس بس ہمارے سامنے یہ شرک کی باتیں نہ کرو کیا وہی شخص لے جائے گا تو تم مدینہ پہنچو گے ورنہ نہیں پہنچو گے مخلوق پر اتنی نظر توبہ کرو ہر چند کہ مخلوق پر نظر پہلی باتوں میں بھی تھی مگر وہاں مخلوق پر نظر تھی اس کے خادم ہونے کی حیثیت سے اور یہاں نظر تھی بڑا اور کارساز ہونے کی حیثیت سے اس لیے حضرت نے اس کو شرک کی بات فرمایا۔ مقصود یہ تھا کہ حضرت نے دنیا سے جانے کو جیل خانہ سے نکلنا



فرمایا، طبعی رنج ہونا قابل شکایت نہیں مگر ایسا رنج کہ پیٹ پھاڑنے لگے۔ یقیناً برا ہے تو یہ دنیا ذہاب کے وقت یہ غم دیتی ہے اور جب پاس ہوتی ہے اس وقت بھی تکدر کا سبب ہے کیونکہ سینکڑوں افکار اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ (الراقبہ ج ۲۲)

## مسلمان کبھی کافر نہیں ہو سکتا

مجھے حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آئی۔ مولانا فرماتے تھے کہ جو مسلمان ہو گیا وہ کافر کبھی نہیں ہو سکتا ہے اور یہ جو بعض مسلمان آریہ وغیرہ ہو جاتے ہیں وہ حقیقت میں مسلمان ہی نہ تھے ان کو ایمان نصیب ہی نہیں ہوا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایک شخص ظاہر میں اپنے کو مسلمان کہتا ہو اور اس کے دل میں ایمان نہ ہو کیونکہ زبانی دعوے سے دل میں ایمان کا ہونا لازم نہیں تو ممکن ہے کہ ایک مدعی اسلام عند اللہ مسلمان نہ ہو بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جو لوگ مرتد ہوتے ہیں وہ عند الناس بھی مسلمان نہیں تھے اور ہم لوگوں کا ان کو مسلمان سمجھنا محض حسن ظن پر مبنی تھا کہ نیک گمان کی وجہ سے ہم نے ان کی حالت میں غور نہیں کیا اور اگر دعویٰ اسلام کی حالت ہی میں ان کے اقوال و افعال کو غور سے دیکھا جاتا تو ہم کو بھی معلوم ہو جاتا کہ ان کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ (ذم النبیان ج ۲۲)

## ایمان کی حالت

حدیث میں بھی تو ہے کہ ہر قل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے اسلام لانے سے پہلے دریافت کیا تھا کہ کیا اس دین کو اختیار کر کے کوئی شخص کراہت کے ساتھ اس کو چھوڑتا بھی ہے۔ حضرت ابوسفیان نے کہا نہیں ہر قل نے اس پر کہا ”وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ إِذَا خَالَطَ بِشَاشَةِ الْقُلُوبِ“ یعنی ایمان کی یہی حالت ہوتی ہے کہ جب وہ قلوب میں پیوستہ ہو جاتا ہے پھر نہیں نکلتا کیونکہ ایمان ایک عشق ہے اور عشق اگر سچا ہو تو کبھی دل سے نہیں نکلتا حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی نہیں نکلتا جیسے کہ اگر کسی کو غیر اللہ سے محبت ہو جائے تو وہ بھی مر کر نہیں جاتی۔ اسی کو کہا ہے:

رُفِئَ اَنْدَرَتِ خَاکِ اَنْسِ بَتَانِمِ بَاقِی سَتِ

(میں تہ خاک ہو گیا اپنے معشوقوں کی محبت باقی ہے)



اسی لیے اہل اللہ اپنے دل میں کسی جائز محبت کو بھی جمنے نہیں دیتے کیونکہ مرنے کے وقت اس محبوب کا خیال آئے گا اور ان کا اصل مدعا یہ ہے کہ جب دنیا سے جائیں تو اس وقت کسی کی محبت بجز خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں نہ ہو۔ اہل اللہ نے تو جنت کی بھی رغبت نہیں کی۔ (ذم النیان ج ۲۲)

## شفیق ممتحن

حق تعالیٰ ہی کو تمہیں پاس کرنا منظور ہے پھر گھبرانا کا ہے کا کیونکہ جب ممتحن کو پاس کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ مضمون کی تقریر خود کر کے طالب علم سے پوچھتا ہے کہ تمہارا یہی مطلب ہے وہ کہہ دیتا ہے جی ہاں بس پاس ہو گیا۔ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی نے گڑبڑ کی اور مولانا خود مطلب بیان کر کے فرماتے ہیں کہ تمہارا یہی تو مطلب ہے جس کو پوری طرح ادا نہیں کر سکے وہ کہتا جی ہاں اور مولانا اس کو پاس کر دیتے۔ اسی طرح مولانا ذوالفقار علی صاحب بھی بہت سہل امتحان لیا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ ممتحن کو اپنے درجے اور طالب علم کے درجہ کے تفاوت میں غور کر کے سوال کرنا چاہیے اور اسی درجہ کے جواب کا منتظر رہنا چاہیے۔ بعض ممتحن طلبہ سے ایسے سوالات کرتے ہیں جو مدرسین سے کرنے چاہئیں یہ بہت ظلم ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت فرمایا تھا کہ مولانا کی طبیعت میری مرضی کے موافق ہے وہ یہی بات تھی کہ مولانا ہر شخص سے اس کی فہم کے موافق معاملہ کرتے تھے اور طبیعت میں رحمت و آفت کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ حاجی صاحب کے اس ارشاد کی اطلاع جب مولانا کو پہنچی تو بہت مسرور ہوئے۔ بہر حال جب دنیا میں شفیق ممتحن کے امتحان سے پریشانی نہیں ہوتی تو حق تعالیٰ کے امتحان سے کیوں پریشان ہوتے ہو مطمئن رہو کیونکہ حق تعالیٰ سب سے زیادہ رحیم و کریم ہیں وہ تم کو پاس ہی کر دیں گے۔ دوسری بات تسلی کی ایک اور ہے جو غلطی ہے وہ یہ جب فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ سوال کریں گے کہ من هذا الرجل یہ حضرت کون ہیں تو بعض اہل محبت کا قول ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے مومن کی قبر تک حجابات اٹھائے جائیں گے اور ہذا سے جو کہ اشارہ حسیہ کیلئے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک محسوسہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ حدیث کے اس محل کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نکتہ بھی فرمایا کہ حق تو یہ تھا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مرتے اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جنازہ کی نماز پڑھتے مگر یہ تو بعض حکمتوں کی وجہ سے حق تعالیٰ کو منظور نہ ہوا تو اب کیا عجب ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں آپ کی زیارت ہوگی پھر یہ شعر پڑھا:

کشے کہ عشق دارد نکذاردت بدنیساں      بجنازہ گر نیائی ہزار خواہی آمد

(عشق میں جو کشش ہے تجھے یونہی نہ چھوڑے گی، اگر تو جنازہ پر نہ آیا تو مزار پر تو ضرور آئیگا)

گو یہ بات قطعی نہیں مگر ظن کے متعلق بھی حدیث قدسی میں آیا ہے: ”أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي“ کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں پھر کیوں نہ گمان رکھا جائے۔ صاحب بعض دفعہ ہفتے ہفتے ہی گھر بس جاتا ہے پس تم امید رکھو کہ انشاء اللہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی خدا تعالیٰ اس گمان کو پورا کر دیں گے۔ (التبیت، بمراقبہ المیت ج ۲۲)

## ایمان کی اقسام

ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تحقیقی اور تقلیدی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان تقلیدی بھی معتبر ہے جیسے بعض عوام کو ایمان کی حقیقت پوری طرح معلوم نہیں ہوتی صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے دین پر ہیں یہ ایمان تقلیدی ہے یہ بھی معتبر ہے۔ مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا، فرماتے تھے کہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دھوبی جب مرا اور اس سے قبر میں سوال ہوا کہ ”من ربک وما دینک“ (تمہارا رب کون ہے؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟) تو اس نے جواب دیا کہ حضور میں تو بڑے پیر کا دھوبی ہوں (مطلب یہ تھا کہ جو مذہب ان کا ہے وہی میرا ہے) اس پر فرشتوں نے اس ہنس کر چھوڑ دیا کہ یہ تو بڑے شخص کا آدمی ہے اور اس پر کچھ اشکال نہ کیا جائے کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے مقتدی کہا کرتا ہے کہ جو نیت امام کی۔ وہی میری اور اس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یمن سے آتے ہوئے حج کا احرام اس طرح باندھا تھا:

أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”میں نے حج کا احرام باندھا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا۔“

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیت کو معتبر سمجھا اسی طرح ایمان میں بھی تقلید صحیح ہے۔ غرض انسان یا تو محقق ہو تب کامیابی ہے یا کسی محقق کا مقلد ہو اگر محقق ہوا تو وہ ایسا جواب دے گا کہ فرشتے بھی دنگ رہ جائیں گے۔ (التبیت، بمراقبہ المیت ج ۲۲)

## انا مومن ان شاء اللہ کہنے میں اختلاف

امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انا مومن حقا (میں یقیناً مومن ہوں) نہ کہنا چاہیے بلکہ انا مومن حقا انشاء اللہ (میں انشاء اللہ مومن ہوں) کہنا چاہیے اور انہوں نے بھی حقیقت میں دعوے ہی سے منع کیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ انا مومن حقا انشاء اللہ کہنا چاہیے یا انا مومن حقا تو اشعری انا مومن حقا (میں انشاء اللہ مومن ہوں) کہنا چاہیے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انا مومن حقا (میں واقعی مومن ہوں) کہنا چاہیے۔ انا مومن حقا انشاء اللہ (میں انشاء اللہ مومن ہوں) نہ کہنا چاہیے۔ مشہور قول میں تو اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ جن لوگوں نے انا مومن حقا سے منع فرمایا ہے اور انا مومن انشاء اللہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ انہوں نے حال پر نظر کی ہے اور چونکہ حال معلوم نہیں کہ ہم حال میں مومن ہیں یا نہیں اس لیے انشاء اللہ بڑھانے کی تاکید کی ہے اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے ان کی نظر حال پر ہے اور فی الحال اپنے ایمان میں تردد و شک کرنا کفر ہے اس لیے وہ انشاء اللہ بڑھانے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انا مومن حقا کہنا چاہیے اور یہ نزاع محض لفظی ہوگا کیونکہ حال کے اعتبار سے انشاء اللہ بڑھانے کو کوئی منع نہیں کر سکتا اور حال کے اعتبار سے انا مومن حقا سے کوئی روک نہیں سکتا مگر میرے ذوق میں یہ ہے کہ جیسے انا مومن حقا حال کے اعتبار سے ہے اسی طرح انا مومن انشاء اللہ بھی حال ہی کے اعتبار سے ہے مال کے اعتبار سے نہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حال کے اعتبار سے حقا کہنا چاہیے اور امام اشعری فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ حال کے اعتبار سے بھی انا مومن انشاء اللہ حقا انشاء اللہ ہی کہنا چاہیے اور مطلب اشعری کا یہ ہے کہ انا مومن حقا دعویٰ کے طور سے نہ کہنا چاہیے بلکہ دعوے سے بچنے کیلئے انشاء اللہ کہنا چاہیے اور یہ انشاء اللہ محض برکت کیلئے ہوگا، تعلیق و تردد کیلئے نہیں ہوگا جس سے مقصود تفویض و توکل ہے کیونکہ انشاء اللہ جیسے تعلیق فی المستقبل کے لیے آتا ہے کبھی حال کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے جس سے تعلیق مقصود نہیں ہوتی۔ (زکوٰۃ انفس ج ۲۲)

### اپنے کو دعویٰ کے طور پر موحد نہ کہو

دعویٰ سے بچنا چاہیے اور تفویض کے لیے ان شاء اللہ کہنا چاہیے یہی مطلب صوفیاء کا ہوگا اس قول سے

مغرور سخن مشکوکہ توحید خدا واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

(توحید خدا کا دعویٰ مت کر دو کہ توحید خدا کو واحد جاننا ہے نہ واحد کہنا)

یہاں بھی واحد گفتن کے معنی دعویٰ کردن ہیں تو صوفیاء کی مراد یہ ہے کہ اپنے کو دعویٰ کے طور پر موجد نہ کہو اور جنہوں نے حقا کہنے کو فرمایا ہے مراد وہ کہنا ہے جو بطور اقرار بالایمان کے ہو اور یہی مطلب لا تزکوا کا ہے کہ دعویٰ کے طور پر اپنے کو پاک نہ کہو جس پر قرینہ ہوا علم ہے یعنی خدا ہی کو خبر ہے کہ کون پاک ہے پس دعویٰ پاکی کا نہ کرو یہ قرینہ اس پر دال ہے کہ یہاں تزکیہ کے معنی پاک کہنے کے ہیں (زکوٰۃ النفس ج ۲۲)

## سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے

حدیث و قرآن میں یہ حکم کس لئے فرمایا گیا اس میں کیا حکمت ہے کیا بھید ہے؟ میں اس قسم کے سوال کرنے والوں کو میں جواب بھی ایسا ہی دیتا ہوں جس سے اُن کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہو جائے اب بعض تو سمجھ جاتے ہیں اور بعض الٹا مجھ ہی کو بدنام کرتے ہیں مگر میں اس بدنامی سے خوش ہوں جو نافہم کی طرف سے ہو۔

واذا اتک مذمتی من ناقص فہی الشہادۃ لی فانی کامل

(اور جب میری مذمت تمہارے پاس کسی ناقص سے آئے تو سمجھ لو کہ یہ میرے لئے کامل ہونے کی شہادت ہے)

چنانچہ ایک صاحب نے کسی خاص مسئلہ کی نسبت پوچھا کہ اس حکم میں کیا حکمت ہے میں نے کہا پہلے آپ یہ بتلائیے کہ آپ کے سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ اگر یہ کچھ حکمت بیان کریں گے تو میں اس پر اعتراض کر کے آخر میں ان کو عاجز کر دوں گا وہ اپنا عجز تسلیم نہ کرتے مگر طلبہ اور اہل فہم اُن کا عجز سمجھ جاتے۔

## غلط عقائد

عقائد کو لیجئے کہ ان میں سے بعض عقائد غلط اور خلاف واقع ہیں۔ مثلاً عورتیں بہت سی اچھی چیزوں کو بُری یا بُری چیزوں کو اچھی سمجھتی ہیں جیسے دنوں کو منہوس کہنا اکثر عورتیں بدھ کے دن کو منہوس سمجھتی ہیں اور غضب ہے کہ بعض مرد بھی اس میں ان کے ہم عقیدہ ہیں یا مثلاً عورتوں کا



عقیدہ ہے کہ اگر کسی دن کو گھر میں بولے تو اس دن مہمان ضرور آتے ہیں اسی طرح اگر آٹے میں پانی زیادہ ہو جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ آج کوئی مہمان آنے والا ہے اکثر جانوروں کو منحوس سمجھ رکھا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ قمری منحوس ہے اس کو گھر میں نہ پالو بلکہ اگر شوق ہو تو مسجد میں پالنا چاہیے شاید اس میں یہ حکمت ہو کہ اگر اجڑے تو اللہ ہی کا گھر اجڑے۔ (نعوذ باللہ!) (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## بعض جانوروں کو منحوس سمجھنا غلط ہے

جتنی چیزیں اپنے سے نکمی ہوں سب خدا کے لئے بعض عورتیں کیلے کے درخت کو منحوس سمجھتی ہیں کہتی ہیں کہ یہ درخت مُردے کے کام میں آتا ہے اس لئے اس کو گھر میں نہ ہونا چاہیے کہ شگون بد ہے اور مُردے کی چار پائی کو اس کے کپڑوں کو منحوس سمجھتے ہیں مگر تعجب ہے کہ اس کے کپڑوں کو تو منحوس سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس کا قیمتی دوشالہ ہو یا اس کی جائیداد ہو تو اس کو منحوس نہیں سمجھتے حالانکہ اگر مُردے کے ساتھ تلبیس سے اس کے لباس میں نحوست آئی ہے تو اس تلبیس سے اس کے قیمتی کپڑوں میں نحوست آنی چاہیئے اور اگر مُردے کی طرف نسبت سے ان چیزوں میں نحوست آئی ہے تو اسی نسبت سے اس کی جائیداد میں بھی نحوست آنی چاہیئے یہ عقیدہ بالکل مہمل اور وہم ہے مسلمانوں میں اس کا رواج ہندوؤں سے آیا اور بعض چیزوں کو مرد بھی منحوس سمجھتے ہیں جیسے اُلو کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ جس مقام پر بولتا ہے وہ مقام ویران ہو جاتا ہے اس لئے وہ منحوس ہے حالانکہ یہ بالکل غلط خیال ہے نہ اُلو منحوس ہے نہ اس کے بولنے سے کوئی جگہ ویران ہوتی ہے یا درکھو وہ جو بولتا ہے تو خدا کا ذکر کرتا ہے تو کیا خدا کے ذکر سے یہ نحوست آئی بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ذاکر تو ہے لیکن اس کا ذکر جلالی ہے اس لئے اس کا یہ اثر پڑتا ہے، حالانکہ خود یہ تقسیم اور یہ کہ جلالی میں یہ خاصیت ہوتی ہے یہی بے اصل ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اُلو ایسے مقام کو تلاش کرتا ہے جہاں یکسوئی ہو اور اس کو اندیشہ نہ رہے اس لئے وہ ویرانوں میں بیٹھتا ہے۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## نکاح ثانی کو بُرا سمجھنا قابلِ افسوس ہے

ایک گناہ عقیدے کے متعلق یہ ہے کہ عورتیں قریب کل کے اور اکثر مرد بھی نکاح ثانی کو بُرا سمجھتے ہیں اور افسوس ہے کہ بعض لکھے پڑھے لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب نکاح ثانی



فرض نہیں تو نکاح اول فرض ہے اور اگر نہیں تو نکاح اول کے ساتھ یہی معاملہ کیوں نہیں کیا جاتا اگر اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے تو خیر مولویوں کے کچھ تو آنسو پونچھ جاتے کیا وجہ ہے کہ نکاح اول کے لئے تو اس قدر کوشش کی جاتی ہے کہ اگر لڑکی کی عمر چودہ پندرہ برس کی ہو جائے اور کہیں سے پیام نہ آئے تو فکر پڑ جاتی ہے اور اس کے تذکرے کئے جاتے ہیں ہاں اگر کسی عورت پر شوہر اول کا بہت رنج غالب ہو یا اس کے پاس چھوٹے چھوٹے بچے ہوں کہ ان کی پرورش کا انتظام نکاح کے بعد دشوار ہو یا بچوں کی جائیداد وغیرہ موجود ہو کہ اس کا انتظام اس کے سپرد ہو تو البتہ ایسی عورت کو اجازت ہے کہ وہ نکاح نہ کرے، بشرطیکہ مرد کی بالکل خواہش نہ ہو لیکن اگر کوئی مانع بھی نہ ہو اور پھر بھی عرف کی شرم کی وجہ سے نکاح ثانی نہ کرے اور اس کو عیب سمجھے تو سخت گناہ ہے (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## توحید کیا ہے؟

توحید کیا چیز ہے صرف ذات ہی کا ماننا نہیں ہے ذات مع الصفات والکمالات کا ماننا ہے اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی کہے فلاں ملک کے بادشاہ کا میں قائل ہوں اور اس کو بادشاہ مانتا ہوں اور جب اس سے پوچھیں کہ وہ ہے کیسا تو کہے کہ ایک عجیب الخلقیت حیوان ہے جس کی آنکھیں گدی پر ہیں اور چار ہاتھ ہیں اور ایک دُم ہے تو کیا اس کو اس بادشاہ کا قائل کہا جائے گا کہ خدا کا قائل ہونا وہ معتبر ہے جو مع اس کے جملہ کمالات کے ہو ایک مقدمہ تو یہ ہو اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ صدق بھی منجملہ کمالات کے ہے جس کا مقابل کذب نقص اور عیب ہے اگر کوئی خدا کو جھوٹا مانے تو وہ خدا ہی کا منکر ہوگا۔ تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ قرآن میں ارشاد حق ہے مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، تو اب رسالت کا انکار صدق خدا کا انکار اور صدق خدا کا انکار خود خدا کا انکار ہے اور یہی مدعا تھا اب صرف یہ بات رہ گئی کہ محمد رسول اللہ جس قرآن میں ہے۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

## اولیاء اللہ کو حقیقی خوف و حزن نہیں ہوتا:

جو لوگ شریعت مقدسہ کی تعلیم پر عمل کرنے والے ہیں ان کو غم حقیقی کبھی ہوتا نہیں۔ پس اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یادرکھو اولیاء اللہ پر نہ

خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں) اپنی حقیقت پر ہے اس میں تاویل کی ضرورت نہیں مطلب یہ ہے کہ ان کو حقیقی خوف و حزن نہیں ہوتا کیونکہ وہ تقدیر پر پورا ایمان رکھتے ہیں جس کا اثر یہی ہے کہ رنج و غم اور تجویز کی جڑ کٹ جاتی ہے جیسا کہ میں نے ابھی ایک آیت سے ثابت کیا تھا لَکِنَّا لَا تَسُوْا عَلٰی مَا فَاَتٰکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰکُمْ (تاکہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر رنج نہ کرو اور جو چیز تم کو عطا کی جائے اس پر نہ اتر آؤ) پس قائل تقدیر کو آخرت میں تو خوف و حزن ہوگا ہی نہیں، دنیا میں بھی اس کو غم نہیں ہوتا اس لئے لَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں) ہر حال میں اپنی حقیقت پر ہے اور جو شخص تقدیر کے اعتقاد سے خالی ہے اس کو دنیا میں بھی غم اور آخرت میں بھی اور جس کا اعتقاد ضعیف ہے وہ آخرت میں تو پٹ چھت کر جنت میں پہنچ جائے گا مگر دنیا میں عمر بھر ضرور بے چین رہے گا تو کیا اچھا ہو کہ یہاں بھی راحت ہی ہو۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے عمل و اعتقاد کو کامل کرو، پھر تمہارے لئے دنیا میں بھی چین ہوگا لَہُمْ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوَةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ (ان کو دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی)

## موت کی حقیقت

موت کے متعلق لوگوں کے عقائد صحیح نہیں اگر موت کے متعلق عقیدہ درست کر لیا جائے اور حقیقت موت کا بار بار مراقبہ کیا جائے تو یہ خوف بہت کم ہو جائے گا۔ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مر کر آدمی ایک گڑھے میں اکیلا جا پڑتا ہے اور تمام لذات سے محروم ہو جائے گا۔ سو یہ بالکل غلط ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو موت کی حقیقت بھی معلوم نہیں یا درکھو کہ موت صرف جسم عنصری کو آتی ہے روح کو موت نہیں آتی بلکہ موت سے صرف اس کا تعلق جسم عنصری سے منقطع ہو جاتا ہے اب اس کے بعد یہ سمجھو کہ لذات سے منقطع ہونے والا کون ہے کیا آپ کے نزدیک یہ بدن ہے ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ روح منتفع و متلذذ ہوتی ہے اور جسم کے لئے بمنزلہ آلہ و مرکب کے ہے اور یہ روح موت کے بعد بھی علیٰ حالہ باقی رہتی ہے بلکہ اب اس کی قوت پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے تو موت کے بعد وہ اس عالم کے لذات سے متلذذ ہوتی ہے اور اگر تم یہ سمجھو کہ میری حقیقت تو محض جسم ہی ہے تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے آپ کی حقیقت وہ ہے جس کو آپ میں سے تعبیر کرتے ہیں کہ میں نے یہ کیا میں نے وہ کیا۔ اب غور

کیجئے کہ اس میں مصداق کیا چیز ہے کیا آنکھ، ناک یا منہ اور ہاتھ پیر کو میں کا مصداق کہہ سکتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ ورنہ چاہئے کہ ان اعضاء کے جاتے رہنے سے انسان ہی جاتا رہے۔ اور یہ غلط ہے اور اعضاء شریفہ اور قوی شریفہ جیسے قلب اور عقل وغیرہ ممکن ہے کہ آپ ان کو میں کا مصداق کہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اس کا مصداق نہیں ہیں کیونکہ آپ ان کو اپنی طرف سے مضاف کرتے ہیں کہ میرا دل کمزور ہو گیا یا میری عقل میں یوں آتا ہے وغیرہ وغیرہ اور اضافت علامت مغائرت ہے تو معلوم ہوا کہ یہ بھی آپ کی حقیقت نہیں۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۳)

## انسان کی حقیقت روح ہے

انسان میں حقیقت آپ کی روح ہے اور گو وہاں بھی اضافت ہوتی ہے کہ میری روح مگر چونکہ مستقل دلائل سے ثابت ہے کہ یہی حقیقت ہے اس لئے یہ اضافت مجازیہ ہے اور دوسرے اعضاء و قوی میں ایسی کوئی دلیل نہیں بلکہ خلاف پر دلیل قائم ہے چنانچہ ایک زمانہ میں یعنی بالکل بچپن میں عقل نہیں ہوتی اور آپ ہوتے ہیں ایک وقت میں یعنی بعد موت قلب نہ رہے گا اور آپ ہوں گے صاف دلیل ہے کہ آپ کی حقیقت یہ چیزیں نہیں اس لئے یہ اضافت حقیقیہ ہے بہر حال آپ کی حقیقت روح ہے اور اس پر موت نہیں آتی بلکہ وہ بجنہ موت کے بعد اپنے حال پر رہتی ہے اور اب بجائے اس جسم کے جو موت کے بعد فنا اور شکستہ ہو جاتا ہے روح کا مرکب دوسرا جسم بنتا ہے جس کو جسم مثالی کہتے ہیں اب روح اس جسم کے ذریعہ سے سارے اشغاعات و تلذذات حاصل کرتی ہے اور یہ جسم مثالی وہ نسہ ہے جس کو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں یعنی موت کے وقت جو چیز جسم عنصری سے الگ ہوتی ہوئی معلوم ہوتا ہے وہ نسہ ہے اور یہ بھی مادی چیز ہے مگر اس کا مادہ لطیف ہے اور اس کو اس جسم عنصری کے ساتھ ایسا حلوئی تعلق ہے جیسا جسم تعلیمی کا تعلق جسم طبعی کے ساتھ حکماء نے بیان کیا ہے یعنی وہ نسہ مقدار اور ہیئت و شکل میں بالکل جسم عنصری کے برابر ہے (اور وجہ تشبیہ یہی ہے ورنہ جسم تعلیمی تو عرض ہے اور یہ جوہر) اور یہ نسہ اس وقت یعنی زندگی میں اس کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے اور موت کے وقت الگ ہو جاتا ہے۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۳)

## طبائع کو دافع مرض بنانا

ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا عدوی (مجمع الزوائد ۵: ۱۰۲) (کوئی بیماری

دوسرے کو نہیں لگتی) فرما کر مسلمانوں کی طبائع کو قوی بنا کر ان طبائع کو فاعل صحت اور دافع مرض بنا رہے ہیں بشرطیکہ وہ اس پر پورا اعتقاد کر لیں، کیونکہ واقعی اس سے بڑھ کر تقویت قلب کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی کہ لوگوں کے دلوں میں یہ مضمون جما دیا جائے کہ بیماری لگتی نہیں ہے جس کا اعتقاد یہ ہوگا وہ نہایت قوی القلب ہوگا۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۳)

## کفر خفی

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ احکام مقصود بالذات نہیں ہیں۔ صرف مصالح خاصہ سے حکم کر دیا ہے۔ مثلاً جماعت کی فضیلت مطابق واقع کے نہیں ہے۔ صرف ترغیباً ثواب کا وعدہ ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ سن کر کہ بغیر جماعت کے بھی نماز ہو جاتی ہے، خوش ہو جاتے ہیں۔ خیال کیجئے کہ تاجر بازار میں بیٹھ کر دو چند نفع کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے پھر گھر پر کسی کو فروخت کرتے دیکھا ہے۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہ کفر خفی ہے۔ کفر کبھی خفی بھی ہوا کرتا ہے کہ خود اس شخص کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا۔ لوگوں کا گمان ہے کہ کبھی ایمان بوقت موت سلب ہو جاتا ہے۔ (اشرف الموعظ ج ۲۳)

## معراج ایک خرق عادت واقعہ ہے

اہل اسلام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معراج کے قائل ہیں بطور اعجاز و خرق عادت ہی کے قائل ہیں۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ تنفس کیلئے مکث طویل کی ضرورت ہے۔ تھوڑی سی دیر کے لئے تنفس لازم نہیں۔ بس اگر اس کے قائل ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طبقہ میں بہت دیر تک ٹھہرے ہیں جب تو ہم پر یہ اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ بدون تنفس کے آپ وہاں کیونکر زندہ رہے مگر جو شخص معراج کا قائل ہے وہ آپ کے لئے سرعت سیر کا بھی قائل ہے پس اگر ہم یوں کہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طبقہ سے ایک منٹ میں پار ہو گئے تھے۔ تو بتلائے اب کیا اشکال رہا۔ اور جب معراج خود خرق عادت ہے اور عادت سے بہت بعید ہے تو اگر اس کے مقدمات میں جو اس قدر بعید بھی نہیں ہم خرق عادت کے قائل ہوں تو کیا بعد ہے۔ حضرت صدیقؓ نے کفار کو یہی جواب دیا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کی صبح کو یہ واقعہ بیان فرمایا کہ رات مجھ



کو سموات کی معراج ہوئی ہے۔ تو کفار دوڑے ہوئے حضرت صدیقؑ کے پاس آئے کہ تم نے اور بھی کچھ سنا ہے تمہارے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ایک رات میں انہوں نے مکہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے ساتویں آسمان تک پہنچے اور صبح سے پہلے واپس بھی آگئے کیا اب بھی تم ان کی تصدیق کرو گے۔ حضرت صدیقؑ نے فوراً جواب دیا کہ میں تو اس سے زیادہ عجیب بات کی پہلے ہی تصدیق کر چکا ہوں کہ آسمان والے ان کے پاس آتے ہیں۔ اور خدا کا کلام ان پر نازل ہوتا ہے اور جس کے پاس آسمان والے آتے ہوں وہ اگر آسمان پر بلا لیا جائے تو کیا تعجب ہے؟ (الحمد و دو القیود ج ۲۵)

## نظیر اور دلیل میں فرق

دیکھو جس کے پاس بادشاہ خود آتا ہو اگر اس کو بادشاہ کبھی اپنے پاس بلا لے تو کیا تعجب ہے۔ بادشاہ کے پاس کسی کا جانا تو عجیب نہیں ہاں بادشاہ کا کسی کے پاس خود آنا زیادہ عجیب ہے تو حضرت صدیقؑ نے فرمایا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم معراج سموات کا دعویٰ کرتے ہیں تو میں اس کی بھی تصدیق کرونگا۔ کیونکہ میں اس سے عجیب تر کی تصدیق پہلے ہی سے کر رہا ہوں تو حضرت صدیقؑ کے جواب کا حاصل یہی ہے کہ جب میں ابعدا کا قائل ہوں تو بعید کا قائل ہونا کیا مشکل ہے۔ (الحمد و دو القیود ج ۲۵)

## صفت اختیار میں حق تعالیٰ شانہ کا کوئی شریک نہیں

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (و ربک یخلق ما یشاء ویختار ، اور آپ کا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے)۔ یعنی جس طرح صفت خلق میں کوئی اس کا شریک نہیں اسی طرح صفت اختیار میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہاں اختیار تکوینی مراد ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یخلق ما یشاء۔ (جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے) سے اختیار تکوینی خود ظاہر ہے۔ اگر بختار سے بھی اختیار تکوینی مراد ہوتا تو یخلق ما یشاء کے بعد اس کی ضرورت ہی کیا تھی معلوم ہوا کہ اختیار تشریحی مراد ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں ما کان لہم الخیرہ بندوں کے لئے کچھ اختیار نہیں۔ کیونکہ اوپر بختار میں اختیار شرعی کا مراد ہونا متعین ہو چکا ہے اس لیے ما کان



لهم الخيرة۔ ان کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ میں اسی کی نفی مراد ہونی چاہیے۔ اس صورت میں لام تعریف عہد کے لئے ہوگا۔ اور اگر لام جنس کے لئے مانا جائے تو عموم کی وجہ سے ہرگز اختیار کی نفی ہو جائے گی۔ معنی یہ ہوں گے کہ اختیار تکوینی اور تشریعی دونوں خدا کے لئے مخصوص ہیں کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں نہ تشریعی نہ تکوینی۔ آگے فرماتے ہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ یعنی اللہ تعالیٰ شرک تکوینی اور تشریعی دونوں سے پاک ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ الاله الخلق والامر۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی کیلئے ہے خالقیت و آمریت۔ یہ آیت تو بہت زیادہ صریح ہے کیونکہ اس میں اختیار تکوینی کا احتمال بھی نہیں کیونکہ امر کا اطلاق جبکہ خلق کے مقابلہ میں ہے شریعت میں امر تشریعی ہی پر ہوا کرتا ہے۔ امر کے معنی حکم کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا حکم کرنے والا اور احکام مقرر کرنے والا کوئی نہیں خلق سے اختیار تکوینی اور امر سے اختیار تشریعی مراد ہے اور ان دونوں کو بصورت حصر خدا کے لئے ثابت کیا گیا ہے جس سے دونوں کی نفی ماسوا سے لازم آگئی۔ (الباب لاوی الالباب ج ۲۵)

## حلال و حرام کرنا بھی حق تعالیٰ کا کام ہے

حلال و حرام کرنا حق تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ چنانچہ ایک جگہ نہایت تصریح کے ساتھ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب۔ یعنی کسی چیز کے بارہ میں بدون علم کے یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ پر افتراء باندھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کسی چیز کو حرام کرنا خدا کا کام ہے جب ہی تو بلا دلیل حرام کہنا افتراء ہوا۔ اسی طرح حلال کرنا بھی خدا ہی کا کام ہے۔ پس وہ دعویٰ بخوبی ثابت ہو گیا۔ (الباب لاوی الالباب ج ۲۵)

## عقیدہ توحید و رسالت ثابت بالعقل ہیں

دین میں صرف دو چیزیں ہیں توحید اور رسالت وہ ثابت بالعقل ہیں۔ توحید اور رسالت یہ دونوں بیشک بایں معنی عقلی ہیں کہ ان کے ثبوت کے لئے دلیل عقلی محض پیش کی جاوے گی باقی ان کے سوا اصول دینیہ میں سے کوئی اصل اور فروع میں سے کوئی فروع بالمعنی المذکور عقلی نہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ دین عقل کے موافق ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی کوئی چیز

دلیل عقلی کے خلاف نہیں باقی یہ نہیں کہ اگر دلیل شرعی نہ ہوتی تو عقل اس حکم کو ثابت کر لیتی یہی وجہ ہے کہ جن باتوں کے حسن و قبح کے ادراک میں عقل کو کافی بھی سمجھا جاتا ہے جیسے صدق کا حسن اور کذب کا قبح کہ تمام دنیا اس پر متفق ہے اور وہ لوگ بھی اس کو مانتے ہیں جن کو دین سے کچھ علاقہ نہیں ان کے بھی بعض افراد میں سوچنا پڑتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل ان کے لئے بھی کافی نہیں۔ (الصالحون ج ۲۶)

## وجی اور عقل کا فرق

اور وجی کی یہ حالت ہے کہ اس کو کبھی بھی تردد نہیں ہوتا ہے ہر جزئی کا حکم بتا سکتی ہے یہ اور بات ہے کہ وجی کے متعلق کسی مقام پر ہمارے استنباط کی وجہ سے تردد واقع ہو جاوے بہت ممکن تھا کہ وجی ہر جزئی کا حکم صاف صاف بتا دیتی ہے لیکن حق تعالیٰ کو منظور یہ ہوا کہ اجتہاد کا اجر بھی بندوں کو دیا جاوے اس واسطے قصد استنباط کی احتیاج رکھ دی ورنہ وجی ہر جزئی کا حکم بیان کر سکتی ہے بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں حکم کرنے کے لئے عقل حیران رہ جاتی ہے مثلاً ایک شخص نے دیکھا کہ ایک بے گناہ پر کوئی ظلم کر رہا ہے اور ایسی صورت ہے کہ اگر یہ سچی بات کہتا ہے تو وہ پھنستا ہے اور اگر وہ جھوٹ بولتا ہے تو وہ چھوٹتا ہے تو عقل کا حکم تو اپنے قاعدہ کے موافق یہی ہوگا کہ سچ کہنا چاہئے کیونکہ وہ صدق کے حسن کو تسلیم کر چکی ہے لیکن کہیں یہ بھی پڑھا تھا کہ بے گناہ کو ظلم سے چھڑانا واجب ہے تو اب دونوں طرف کی دلیل موجود ہے تو عقل حیران ہوئی کہ دونوں دلیلوں میں سے ایک کو کس طرح ترجیح دے۔ اور معتقد وجی کے پاس مرنج موجود ہے یعنی وجی کہ اس نے صدق کو اس لئے حسن کہا ہے کہ اس کے نہ ہونے سے فساد اور اتلاف حقوق لازم آتا ہے۔ اور جہاں خود صدق سے اتلاف حقوق ہونے لگے تو وہاں اس میں حسن نہ رہے گا لہذا اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ علیٰ ہذا کذب کو بھی سمجھ لیجئے کہ عقل اس کو قبیح کہتی ہے لیکن بعض وقت اس میں مصلحت ہوتی ہے عقل اس وقت حیران ہوتی ہے اور وجی حیران نہیں ہوتی وہ اس کے مواقع کی بلا تردد تعین کر دیتی ہے۔ ثابت ہوا کہ عقل احکام میں کافی نہیں۔ اور وجی کافی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر عقل بالکل بھی کافی ہوتی تب بھی بڑے سے بڑا کام عقل کا یہ ہوتا کہ یہ ادراک کر لیتی کہ یہ حالت حق تعالیٰ کو پسند ہے یا ناپسند۔ پسندیدہ کو حسن کہتی اور ناپسندیدہ کو قبیح۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حسن و

فتیح کا حکم بھی عقل کے تابع ہو جاوے پس اس صورت میں بھی عقل آلہ ادراک حسن و قبح ہوتی نہ کہ حاکم حق تعالیٰ ہی ہوتے عقل حق تعالیٰ کے سامنے وہ رتبہ رکھتی ہے جو بادشاہ کے سامنے اس کا ایک پیادہ رکھتا ہے۔ جو بادشاہ کا حکم لوگوں کو سناتا ہے۔ نہ اس کی کوئی عظمت ہوتی ہے نہ اس کو مطاع سمجھا جاتا ہے۔ عظمت حکم شاہی کی کی جاتی ہے اور مطاع بادشاہ ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ پیادہ صرف اس کے حکم کا مظہر ہوتا ہے پیادہ کو بادشاہ کے احکام میں دخیل سمجھ لینا یا بجائے بادشاہ کے اس کو کافی سمجھ لینا غلطی عظیم ہے۔ یہی نسبت عقل اور وحی کی ہے۔ غرض ثابت ہو گیا کہ عقل کسی طرح بھی حسن و قبح کے ادراک نام کے لئے کافی نہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اگر عقل اس کے لئے کافی ہوتی تو بہت سے وہ لوگ جو عقل معاش میں بہت بڑھے ہوئے ہیں وہ ایمان سے کیوں محروم ہوتے۔ اہل عقل ہونا ان کا مسلم ہے پھر ایمان کے حسن کو کیوں نہیں ادراک کیا اور کیوں اس دولت سے مشرف نہیں ہوئے مگر جب ان کو وحی کی رہبری سے سمجھایا جاتا ہے تو ان کو بھی اس کی ضرورت کو ماننا پڑتا ہے۔ تو وجہ صرف یہ ہوئی کہ عقل اس بات کے ادراک کے لئے کافی نہیں ہوئی تھی کہ ایمان ضروری ہے جب دوسری ایک چیز (وحی) نے اس کی ضرورت کو بتلایا تو اس کو ادراک ہو گیا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حکم کرنا عقل کا حق نہیں۔ یہ حق صرف خداوند تعالیٰ کا ہے۔ پس وہ چیز واجب ہے۔ جس کو وہ واجب کہیں وہ چیز حرام ہے جس کو وہ حرام کہے وہی ہذا۔ (الصالحون ج ۲۶)

### بعض شبہات سے ایمان رخصت ہو جاتا ہے

عام حالت یہ ہے کہ اگر غلطی کرنے سے کوئی شبہ دل میں بیٹھ گیا تو اتنی توفیق نہیں ہو گی کہ اس کو کسی جاننے والے سے حل کریں بس اس کو لائیکل سمجھ کر دل ہی دل میں پکاتے رہیں گے اور یہ فیصلہ اول ہی دن کر لیا جائے گا کہ یہ شبہ مولویوں سے حل ہو ہی نہیں سکتا اول تو مولوی لوگ جواب نہیں دیں گے بلکہ بجائے جواب کے کفر کا فتویٰ لگا دیں گے اور اگر جواب دیں گے بھی تو وہی خشک اور اپنے مذاق کے موافق جس سے ہماری تسلی نہیں ہو سکتی پس اس خیال کو پختہ کر کے شبہ کو دل ہی دل میں پالتے رہتے ہیں حتیٰ کہ بعض وقت وہ شبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے غرض دین کی تو یہ حالت ہے کہ کسی سے پوچھنے کی توفیق نہیں ہوتی اور فہم کی حالت آپ نے سن لی کہ راعنا کے لفظ کو قرآن سے

نکال ہی دینے کی تجویز کر رہے تھے اور یہ بھی صرف ان ہی صاحب کے ساتھ مخصوص نہ تھی جس کو شاذ کہا جائے تمام ترجمہ دیکھنے والے ایسے ہی ہیں الا ماشاء اللہ۔ تو اس صورت میں بجز اس کے کیا حکم ہو سکتا ہے کہ ترجمہ دیکھنا جائز نہیں۔ (الصالحون ج ۲۶)

## لفظ استغناء کا بے موقع استعمال

استغناء کے لفظ پر ایک واقعہ یاد آیا جو اکثر واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ مثلاً کوئی آدمی جو اس مرگیا اس کے مکان پر تعزیت کے لئے لوگ جمع ہوئے اول سب نے ہمدردی کی کہ بھائی بہت سخت واقعہ ہوا لیکن انسان کے لئے سوائے صبر کے اور کیا چارہ ہے۔ غرض اسی قسم کے الفاظ جو عرفاً کہے جاتے ہیں ادا کئے۔ اس کے بعد ایک صاحب نے اس میت کے فقدان سے اس کے اہل و عیال پر جو مصیبت نازل ہوئی اس کا ذکر کیا اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر یہ پانچ برس اور زندہ رہتا تو سب بچے بھی پرورش ہو جاتے اب بیچارے بے سہارے رہ گئے۔ اس کے بعد ایک صاحب نے بطور اس کی علت کے فرمایا کہ خدا کی ذات بے پروا ہے۔ وہ جو چاہیں کریں۔ آج کل یہ لفظ ایسے ہی موقعوں پر اکثر استعمال کیا جاتا ہے کہ خدا کی ذات مستغنی یا بڑی بے پروا ہے اور لوگ اس کو کچھ برا نہیں سمجھتے بلکہ اس کو خدا تعالیٰ کی عظمت کا لفظ سمجھتے ہیں۔ صاحبو یہ ایسا سخت اور بے ہودہ لفظ ہے کہ اس کی حقیقت سننے کے بعد آپ کانپ اٹھیں گے۔ یہ ماننا کہ غنی خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات مستغنی اور بے پروا ہے لیکن یہ الفاظ ان موقعوں پر جن معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں وہ معنی غنا کے ہرگز نہیں ہیں اور وہ استغنا خدا تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں کیونکہ آج کل اس کا استعمال ایسے موقع پر کیا جاتا ہے جو نہایت دردناک اور مصائب کا مجموعہ اور سطحی نظر میں مصالح کے منافی ہو مثلاً کسی جوان کی موت ہوئی اور بہت سے بچے کچے رہ گئے جن کا اب کوئی والی خبر گیر نہیں۔ ان کی حالت دیکھ کر دل پگھلتا ہے اور رونا آتا ہے اس وقت بطور تعجب کہتے ہیں خدا کی ذات بڑی بے پروا ہے جس کا مطلب بطور لزوم کے یہ ہوتا ہے کہ وہاں کوئی قاعدہ نہیں جو چاہا کر دیا۔ صاحبو یہ بات دو وجہ سے ہو سکتی ہے یا تو یہ کہ وہاں رحم نہیں یا یہ کہ کوئی انتظام نہیں جو ہو گیا سو ہو گیا کیا یہ دونوں باتیں غلط نہیں۔ خود انہیں لوگوں سے پوچھئے جو ایسے الفاظ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ رحیم ہیں یا نہیں جواب یہی ملے گا کہ ہیں تو یہ



شق تو گئی گزری ہوئی کہ ایسے واقعات اس وجہ سے ہوتے ہوں کہ حق تعالیٰ کو رحم نہیں۔ اب وہ دوسری شق رہ گئی کہ شاید وہاں کوئی انتظام نہیں سو یہ شق بھی باطل ہے اس واسطے کہ ایسا ہونا جب ہی ممکن ہے جبکہ وہاں علم و قدرت و حکمت نہ ہو اور یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت حق کو علم بھی ہر چیز کا ہے اور قدرت بھی ہر قسم کی ہے اور حکیم بھی بڑے ہیں خود وہ لوگ بھی اس کے خلاف نہیں کہہ سکتے جو ایسے کلمات بے دھڑک کہہ بیٹھتے ہیں۔ جب یہ صورت ہے تو بد نظمی کیسی۔ غرض نہ تو ایسے واقعات بے رحمی کی وجہ سے ہو سکتے ہیں نہ بد نظمی کی وجہ سے تو اب اس لفظ کے کیا معنی ہوئے کہ خدا کی ذات بڑی مستغنی ہے۔ سو اس کے کہ اس لفظ سے گویا شکایت و اعتراض کا اظہار کیا جاتا ہے جو حق تعالیٰ کے افعال کے متعلق اپنے دل میں ہے اور یہ اسی کا مصداق ہوا کہ اتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی بات کہتے ہو جس کا تم کو علم نہیں) اب فرمائیے یہ لفظ بے ہودہ ہے یا نہیں اور یہ بے ادبی ہے یا نہیں۔ اس کو لوگ بلا سوچے سمجھے کہہ بیٹھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک اچھی بات حق تعالیٰ کی طرف منسوب کی کیونکہ غنی خدا تعالیٰ کی صفت ہے سو یہ لفظ صورتہ اچھا اور صحیح ہے لیکن درحقیقت یہ کلمتہ حق ارید بہ الباطل کا مصداق ہے۔ غنی صفت خدائے تعالیٰ کی بیشک ہے لیکن اس کے معنی وہ نہیں ہیں جس میں یہ لوگ اس کو استعمال کرتے ہیں یہ تو شکایت کو اس مہذب لفظ سے ظاہر کرتے ہیں سچ یہ ہے کہ بدوں دین کے ہگنا موتنا چلنا پھرنا بولنا چالنا کچھ بھی نہیں آتا۔ شریعت ہی ہم کو ایسی چیز دی گئی ہے کہ جس میں ہر بات کی ایسی تعلیم موجود ہے کہ تمام دنیا کے عقلاء مل کر ایسی تعلیم نہیں تجویز کر سکتے مگر کیا کیا جائے دین کا سیکھنا ہی لوگوں نے چھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ یہ خیال دل میں جم گیا ہے کہ دنیا کی باتوں اور معمولی کاموں سے شریعت کو کیا علاقہ یہ تو ایسی چیزیں ہیں جن کو ہم اپنی عقل اور تجربہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔ (الصالحون ج ۲۶)

حضرت اسامہ کا قصہ ہے کہ جہاد میں انہوں نے ایک کافر پر قابو پایا اور قتل کرنے کو تلوار اٹھائی اس نے فوراً کلمہ پڑھ لیا انہوں نے یہ سمجھ کر کہ وہ دُل سے مسلمان تھوڑا ہی ہوا ہے اس نے جان کے خوف سے زبان سے کلمہ پڑھ لیا ہے اس کو قتل کر دیا۔ حضورؐ نے اس پر فرمایا ہلا شققت قلبہ۔ یعنی تم یہ کیسے کہتے ہو کہ اس نے صرف زبان سے کلمہ پڑھ لیا دل سے نہیں پڑھا کیا تم نے دل کو چیر کر دیکھا ہے۔ اس حدیث سے یہ قانون مقرر ہو گیا کہ جب کوئی کافر کلمہ پڑھ لے خواہ اس نے بناوٹ ہی سے پڑھا ہو اس کو قتل نہیں کرنا چاہئے۔ (الصالحون ج ۲۶)



## قرآن پر ایمان لانا شرط ایمان ہے

قرآن پر ایمان لانا شرط ایمان ہے قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا ٱلتَّوْرَةَ وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کسی شمار میں بھی نہیں ہو جب تک کہ انجیل اور توراۃ پر اور اس پر جواب اتارا گیا ہے یعنی قرآن پر پورا عمل نہ کرو اور ارشاد وَآمِنُوا بِمَا أُنزِلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ یہ خطاب اہل کتاب ہی کو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے اہل کتاب ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے اتاری ہے کہ وہ تمہاری کتابوں کی بھی تصدیق کرنے والی ہے اور اس کے ساتھ اول کافر نہ بنو یعنی اگر تم اس کا انکار کرو گے تو کافر ہو گے اور سب سے اول درجہ کے کافر ہو گے کیونکہ تم اہل علم ہو اور پہلے بھی تم کو کتاب مل چکی ہے برخلاف مشرکین کے کہ وہ اہل علم نہیں اور کسی کتاب کو نہیں مانتے ان سے اس کتاب کا انکار بھی اتنا بعید نہیں جتنا تم سے ہے اس آیت میں بِمَا أُنزِلَتْ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ سے سوائے قرآن کے اور کچھ مراد نہیں ہو سکتی۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآن پر ایمان لانا بھی شرط ایمان ہے بلا اس کے آدمی مومن نہیں ہو سکتا کافر ہی رہے گا اور کافر کی نجات نہیں اور ظاہر ہے کہ تمام قرآن حضور کی رسالت سے بھرا پڑا ہے قرآن پر جو کوئی ایمان لائے گا وہ حضور کی رسالت کا ضرور قائل ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ بلا حضور کی رسالت پر ایمان لائے بھی نجات نہیں ہو سکتی۔ (الصالحون ج ۲۶)

## اجابت دعا کا صریح وعدہ

جو لوگ دعا قبول نہ ہونے کے شاکی بھی ہوتے ہیں وہ یہ تو کہا کرتے ہیں کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی مگر یہ کسی کو کہتے ہوئے نہیں سنا گیا کہ دعا قبول ہونے کا وعدہ کہاں ہے بلکہ اس کا سب کو اعتقاد ہے کہ دعا قبول کرنے کا وعدہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس کا انکار کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ قرآن میں صریح ارشاد موجود ہے۔ اَدْعُونِيۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ تَمَّ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری اجابت کروں گا (رہا یہ اشکال کہ جب اجابت دعا کا صریح وعدہ ہے تو پھر اس میں تخلف کیوں ہوتا ہے اس کے جواب بہت سے ہیں مگر ان کی گنجائش کہاں سہل بات وہ ہے جس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ دعا کو قبول

فرماتے ہیں پھر کبھی تو جلدی وہی مطلوب عطا فرما دیتے ہیں جو مانگا گیا ہے اور کبھی دیر سے عطا فرماتے ہیں کہ اس میں مصلحت ہوتی ہے اگر اس مطلوب کا دنیا میں دینا مصلحت نہیں ہوتا تو اس کو آخرت کے لئے ذخیرہ کے طور پر جمع رکھتے ہیں جب بندہ قیامت میں حاضر ہوگا سب دعاؤں کا ثواب اس کے سامنے کر دیا جائے گا بہر حال اجابت دعاء امر ضروری ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا اس کے ساتھ ایک دوسرا مقدمہ یہ ملایا جائے کہ دعا کے وقت اس اعتقاد کا بھی حکم ہے۔ میری یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

## سفلی عملیات موجب شرک ہیں

عورتیں ٹوٹکے کرتی ہیں اور سفلیات سے عمل کراتی ہیں کہ اس کی اولاد مر جائے یا اسے کسی قسم کی بری بیماری لگ جائے اس میں قطع نظر تجاوز عن الحد کے اس فعل کا گناہ علیحدہ ہے محض ٹوٹکے اور سفلی عملیات ایسے ہیں جو موجب شرک ہیں لیجئے ایمان بھی گیا پھر نقصان رسانی کے لئے رشوتیں دیتے ہیں اور بے جا خوشامدیں کرتے ہیں۔ (ذم المکذوبات ج ۲۶)

## معبود ہونے کے لیے خالق ہونا ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کے سوا صانع و خالق کوئی نہیں تو معبود بھی وہی ہونا چاہیے کیونکہ معبود کے لیے کامل الصفات و جامع الکملات ہونا ضروری ہے اور خلق بہت بڑی صفت کمال ہے پس جو خالق نہیں وہ معبود بھی نہیں ہو سکتا اور جو خالق ہوگا وہ یقیناً تمام صفات کمال کا جامع ہوگا کیونکہ خلق کے معنی اعطاء وجود کے ہیں اور ظاہر ہے کہ تمام کمالات وجود کے تابع ہیں۔ پس جو ذات معطی وجود ہے یقیناً اس کے قبضہ میں خزانوں وجود ہیں اور جس کے قبضہ میں وجود کے خزانوں ہوں وہ تمام صفات کمال کا جامع ہوگا۔ اسی لیے حق تعالیٰ نے اکثر مواقع میں توحید کی دلیل میں صفت خالقیت کو بیان فرمایا ہے

اہل عرب دہری نہ تھے وہ محض مشرک تھے وجود صانع کا وہ انکار نہ کرتے تھے اس لیے وجود صانع کو ثابت کرنے کا قرآن نے اہتمام نہیں کیا۔ ہاں علمائے اسلام نے جب دہریوں کا بھی ایک فرقہ اسلام کے مقابل دیکھا تو انہوں نے وجود صانع پر بھی دلائل قائم کئے۔ اہل عرب کا دہری نہ ہونا قرآن کی بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد

ہے: ”وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولَنَّ اللَّهُ“ (اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین تو وہ یہ ضرور کہیں گے اللہ نے) (تعلیم العلم ج ۲۷)

## ایک کوتاہی

بعض لوگ معادیات کا انکار اس لیے کرتے ہیں کہ وہ امور محسوسہ نہیں ہیں۔ مثلاً جنت دوزخ کا انکار اس لیے کرتے ہیں کہ ان کا مشاہدہ نہیں ہوا تو ان کو اس تقریر سے سمجھنا چاہیے کہ بعض امور متفق علیہا مسلم عند الکل بھی ایسے ہیں جن کے وجود کا محض دلیل سے اعتقاد کیا گیا ہے اور ان کا مشاہدہ کسی نے آج تک نہیں کیا جیسے عقل اور روح وغیرہ کہ منکرین معاد بھی ان کے وجود کا اقرار کرتے ہیں اب اگر ہر چیز کا وجود مشاہدہ کے بعد ہی تسلیم کیا جائز کرے تو پھر یہ لوگ عقل و روح کے وجود کے کیونکر قائل ہو گئے۔ پس معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کا وجود یقینی ہے مگر مشاہدہ محسوس نہیں۔ اسی طرح جنت و دوزخ وغیرہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان اشیاء کا وجود بھی دلیل صحیح سے ثابت ہے لہذا اس کو تسلیم کرنا لازم ہے گو مشاہدہ کسی نے نہ کیا ہو۔ (تعلیم العلم ج ۲۷)

## لفظ بندگی کہنا شرک ہے

شریعت نے حکم کیا ہے السلام علیکم کا مگر اب لوگوں نے اس کے بجائے بندگی اور آداب اختیار کیا ہے۔ میں جب کانپور گیا تو لوگوں نے آ کر بندگی کہنا شروع کیا، مجھ کو بہت ناگوار ہوا کیونکہ یہ لفظ شرک کا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں اس کو ظالم بادشاہوں نے ایجاد کیا تھا اور اس سے بھی زیادہ قابل افسوس یہ ہے کہ لوگوں کے السلام علیکم کو بے تمیزی میں داخل کیا ہے۔ ایک طالب علم نے اپنے والد کو جا کر سلام کیا تو وہ کہنے لگے کہ بیٹا یہ بے تمیزی ہے آداب کہا کرو۔

صاحبو! یاد رکھو کہ سلام کو بے تمیزی کہنا کفر ہے کیونکہ سلام کو بے تمیزی کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بے تمیزی کہنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بے تمیزی کہنے والا کافر اور واجب القتل ہے اسی طرح تمام معاشرت ہماری خراب ہو رہی ہے اور اخلاق بھی اور اخلاق سے مراد ملکات نفسانیہ ہیں۔ (طلب العلم ج ۲۷)

## موثر حقیقی اسباب نہیں

حضرت بایزید بسطامی کا قصہ ہے کہ ان کو کسی نے بعد وفات کے خواب میں دیکھا، پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا مجھ سے سوال ہوا تھا کہ ہمارے واسطے کیا لائے میں نے سوچا کہ اور اعمال تو میرے ناقص ہیں ان کا تو کیا نام لوں، البتہ میں مسلمان ہوں اور بحمد اللہ توحید میری کامل ہے اس کو پیش کر دوں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ توحید لایا ہوں ارشاد ہوا ”ما تذکر لیلۃ اللبن“ (وہ دودھ والی رات بھی یاد نہیں رہی) یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک رات حضرت بایزید نے دودھ پیا تھا اس کے بعد پیٹ میں درد ہو گیا تو آپ کے منہ سے نکل گیا کہ دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہو گیا اس پر مواخذہ ہوا کہ تم نے درد کو دودھ کی طرف منسوب کیا۔ یہی توحید ہے دودھ کی کیا ہستی ہے کہ کچھ تاثیر کر سکتے۔ اسباب میں فی نفسہ کچھ تاثیر نہیں یہ تو محض علامات و امارات ہیں۔ موثر حقیقت میں حق تعالیٰ ہیں اور گو آثار کی نسبت اسباب کی طرف کر دینا شرعاً جائز ہے مگر کالمین سے بعض مباحات پر بھی مواخذہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے پھر وہ اسناد مجازی کا استعمال کس لیے کرتے ہیں ان کو ہمیشہ اسناد حقیقی کا لحاظ کرنا چاہیے اور اسباب کی طرف مسببات کی اسناد حقیقی نہیں ہو سکتی ان کی تو حالت مشاہدہ کی یہ ہے:

نیارد ہوا تا گلوئی بیار      زمین نادرد تا گلوئی بیار  
(جب آپ ہو اسے یہ نہ کہیں کہ برس اس وقت تک ہوا نہیں برساتی)  
مولانا اسی باب میں فرماتے ہیں:

انت کالرتح و نحن کالغبار      یخفی الریح و غمراھا جھار

ماہم شیران و لے شیر علم

جملہ شان از باد باشد دمبدم

آن کہ ناپیدا است ہرگز کم مباد

(اے از دل ما دل ۱۲) یعنی حق تعالیٰ کے سامنے اسباب کی ایسی مثال ہے جیسے ہوا کے سامنے غبار ہوتا ہے۔ ظاہر میں غبار اڑتا ہوا نظر نہیں آتا، ہوا نظر نہیں آتی۔ مگر ظاہر ہے کہ غبار کی حرکت جو کچھ ہے وہ ہوا ہی کی وجہ سے ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ ہم بھی ظاہر میں شیر



کی طرح حملہ کرتے ہیں مگر ایسے شیر ہیں جیسے جھنڈے پر شیر کی تصویر بنی ہوئی ہے کہ جب ہوا چلتی ہے تو وہ حملہ آور معلوم ہوتا ہے مگر حملہ تو ظاہر ہے اور ہوا جس سے ان کی حرکت اور حملہ کا وجود ہوا ہے مخفی ہے اسی طرح ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اس کا منشاء حق تعالیٰ کی مشیت ہے مگر ارادہ حق مخفی ہے اور ہمارے اعمال ظاہر ہیں اس لیے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ وہ اسباب کو فاعل کہہ دیتے ہیں۔ مولانا چونکہ ادب سے بھرے ہوئے ہیں اس لیے آگے ان تشبیہات و تمثیلات سے استغفار کرتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے لیے کوئی تشبیہ حقیقی نہیں ہو سکتی سب ناقص مثالیں ہیں۔ اس لیے فرماتے ہیں:

اے بروں از وہم و قال و قیل من خاک برفرق من تمثیل من  
سبحان اللہ مولانا کو کیسے عمدہ الفاظ ملتے ہیں۔ مثنوی میں معنوی خوبی تو ہے ہی ظاہری  
بلاغت و فصاحت بھی بہت اعلیٰ پایہ کی ہے۔ آگے ان تشبیہوں کا عذر بیان کرتے ہیں کہ  
جب یہ مثالیں ناقص ہیں تو پھر ان کو بیان ہی کیوں کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ بتلاتے ہیں:

بندہ نہ شکیدز تصویر خوشت ہر دم ت گوید کہ خانم مفرشت  
یعنی بندہ کو آپ کی خوشنما تصویریں بیان کرنے سے صبر نہیں آتا کیونکہ آپ کو دیکھ تو سکتے  
نہیں پھر کیا آپ کے کمالات کو بھی نہ سمجھیں اور آپ کی صفات سے بھی مزے نہ لیں اور اس  
کے لیے تمثیل وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس گو یہ ناقص مثالیں مگر ان سے صفات کمال الہیہ  
تک کسی قدر ذہن پہنچ جاتا ہے۔ علماء ظاہر بعض دفعہ عارفین کو بے ادب کہہ دیتے ہیں کیونکہ ان  
کے کلام میں تمثیلات بہ کثرت ہوتی ہیں کہیں حق تعالیٰ کو ہوا سے تشبیہ دیتے ہیں کہیں دریا سے  
کہیں آفتاب سے مگر حقیقت میں عارفین سے زیادہ مودب کوئی نہیں اور ان تمثیلات کا عذر  
مولانا نے بیان کر دیا ہے کہ عاشق کو محبوب کی تصویر سے صبر نہیں آتا اسے تصویر بھی پیاری ہوتی  
ہے حالانکہ ذات کے آگے تصویر ہے کیا چیز محض چند نقوش کا مجموعہ مگر جو عشق سے آشنا ہے وہ  
جانتا ہے کہ کاغذ کی تصویر ہی سے دل کو کس قدر تسلی ہو جاتی ہے۔ یہی حال عارفین کی تمثیلات کا  
ہے کہ وہ صفات الہیہ کی تصویر کے واسطے ناقص مثالوں کو ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ گویا ظاہر میں یہ  
بے ادبی معلوم ہو مگر ان کا باطن عشق کی وجہ سے سراپا ادب ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

بے ادب تر نیست ز کس در جہاں باداد تر نیست ز کس در نہاں  
(بے ادب تر ان سے دنیا میں کوئی شخص نہیں اور با ادب بھی زیادہ کوئی نہیں) (الہدیٰ والمغفرہ ص ۲۷)



## سب خدا کے قبضہ میں ہے

مولانا محمد رشید کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کو فالج پڑا تھا تو سورۃ فاتحہ تک بھول گئے تھے حالانکہ وہ بہت بڑے عالم و فقیہ تھے مگر فالج میں یہ حالت ہوئی کہ علم تو الگ رہا سورہ فاتحہ تک بھی بھول گئے تھے جو مسلمانوں کے بچوں کو بھی یاد ہوتی ہے۔ جب فالج سے افاقہ ہونے کے بعد ہفتہ بھر میں ان کو الحمد یاد ہوئی تو کثیر مقدار میں شیرینی تقسیم ہوئی تھی جیسے بچوں کو بسم اللہ کے موقع پر مٹھائی بانٹا کرتے ہیں۔ واقعی عبرت کا موقع ہے ایک بار مجھے خود یہ واقعہ پیش آیا کہ عشاء کے بعد ذرا سی دیر مدرسہ میں لیٹ کر جو میں گھر جانے لگا تو گھر کا راستہ بھول گیا۔ حالانکہ گھر مدرسہ سے کچھ بھی دور نہیں نہ راستہ پیچداڑ سیدھا راستہ برسوں سے پیروں کو لگا ہوا مگر اس وقت بالکل بھول گیا اور دوسروں کے گھر پر جا پہنچا۔ جب وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہ فلاں شخص کا گھر ہے تو پھر بہت ہی مشکل سے سوچ ساچ کر اپنے گھر پہنچا۔ پس سمجھ لیجئے کہ ہمارا علم کیا ہے کچھ بھی نہیں سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور موٹی بات ہے کہ رات کو سوتے ہوئے روزانہ ہمارے سب علوم سلب ہو جاتے ہیں پھر یہ حق تعالیٰ کا فضل ہی تو ہے کہ صبح کو سب خزانہ واپس مل جاتا ہے اگر وہ چاہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ جیسے سوتے ہوئے علم سے معرا ہو گئے تھے ایسے ہی صبح کو کورے کے کورے انھیں اس لیے ہم کو دعویٰ ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ دیکھئے حضرت بایزید کے منہ سے توحید کا دعویٰ نکل گیا تھا اسی لیے اسی وقت مواخذہ ہوا اور حقیقت کھل گئی۔ جب دعوے کے بعد ایسے کا ملین کی توحید بھی ناقص ثابت ہوئی تو ہمارا تو کیا منہ ہے جو دعویٰ کریں ہماری توحید ہی کیا ہے۔ (الحدی والمغفرۃ ج ۲)

## توحید کا ایک خاص مرتبہ عارفین کے ساتھ مخصوص ہے

ہماری توحید تو اتنی ہے کہ دل سے اعتقاد اور زبان سے تکلماً خدا تعالیٰ کو واحد کہتے ہیں گو اس کی حقیقت منکشف نہ ہو وہ حقیقت یہ ہے:

مغرور سخن مشوکہ توحید خدا واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

(توحید خدا کا دعویٰ مت کرو کہ توحید اللہ تعالیٰ شانہ کو واحد جاننا ہے نہ کہ واحد کہنا)

یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی فاعل کا مشاہدہ ہی نہ کرے گا مگر اس جگہ یہ بات سمجھ لینی

چاہیے کہ توحید کا یہ مرتبہ عارفین کے ساتھ مخصوص ہے۔ عام لوگ اس کے مکلف نہیں ہیں

کہ کسی سبب کی طرف بھی مسبب کو منسوب نہ کریں ان کو اس کی اجازت ہے۔ بس وہ تو اس کے مکلف ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں۔ اس کے بعد اگر وہ تاثیر مجازی کے درجہ میں کسی سبب کی طرف اثر کو مضاف کر دیں تو ان سے مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ کا ملین سے اس پر بھی مواخذہ ہوتا ہے وہ اس کے بھی مکلف ہیں کہ تاثیر مجازی کے درجہ میں بھی کسی چیز کی طرف اسناد نہ کریں اور عوام کو اس کا مکلف اس لیے نہیں کیا گیا کہ اگر وہ جملہ حوادث کی نسبت بلا واسطہ حق تعالیٰ کی طرف کرنے لگیں نافع کاموں کی بھی اور مضر کاموں کی بھی تو چونکہ ان کے قلوب میں حق تعالیٰ کی محبت و عظمت اس قدر نہیں اس لیے اندیشہ ہے کہ نعوذ باللہ ان کے قلب میں حق تعالیٰ کی طرف سے ناگواری پیدا نہ ہو جائے اور عارفین کو بوجہ غلبہ محبت کے یہ ضرر نہیں ہوتا۔ یہاں سے اسباب کی حکمت معلوم ہوگئی کہ حق تعالیٰ نے ان کو بیچ میں واسطہ اس لیے بنا دیا ہے تاکہ عوام کو ضرر یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ناگواری نہ ہو۔ اب یہاں میں آپ کو ایک بات بتلاتا ہوں جس سے حاجی صاحب کا امام فن ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت نے ضیاء القلوب میں مراقبہ توحید کو نقل کر کے تحریر فرمایا ہے لیکن محققان حال ازیں مراقبہ منع فرمودہ اند (لیکن محققین نے اس مراقبہ سے منع فرمایا ہے) (الہدیٰ والمغفرہ ج ۲۷)

### ہمارا عقیدہ

علوم رسالت کے متعلق ہمارا عقیدہ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب باتیں اور تمام علوم ایک دفعہ ہی معلوم نہیں ہوئے بلکہ آہستہ آہستہ معلوم ہوئے ہیں اور جب تک آپ کو کسی امر کی پوری حقیقت معلوم نہ ہوتی آپ کو بے چینی اور حیرت رہتی اسی کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ. وَجَدَكَ حَائِرًا طَالِبًا لِلزِّيَادَةِ فِي الْعِلْمِ فَعَلِمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ کہ خدا نے آپ کو طلب حقائق میں حیران و بے چین پایا تو آپ کو پوری طرح حقائق پر مطلع فرمایا۔ (الحج ج ۲۸)

### حرام اشیاء پر تسمیہ پڑھنے کا حکم

فقہاء نے لکھا ہے کہ حرام چیزوں پر بسم اللہ کہے تو کافر ہو جاتا ہے

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ کو بعد انتقال کے کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گزری فرمایا کہ جب میں پیش کیا گیا تو پوچھا گیا کہ کیا لائے میں نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ اعمال تو میرے کچھ ہیں نہیں ہاں شرک نہیں کیا تو حید کا اقرار کرتا رہا۔ فرمایا اما تذکر لیلۃ اللہ یعنی دودھ کی رات تم کو یاد نہیں ہے قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک رات حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے دودھ پی لیا تھا پیٹ میں درد ہوا تو منہ سے یہ نکل گیا کہ دودھ سے درد ہوا ہے تو اس کی نسبت ارشاد ہے کہ کیا تو حید یہی ہے کہ پیٹ کے درد کے اندر دودھ کو مؤثر سمجھو اور وہ درد بھی تو ہمارا ہی پیدا کیا ہوا تھا۔

درد از یارست درماں نیز ہم      دل فدائے اوشد و جاں نیز ہم  
(درد یار کی جانب سے اور درماں بھی اس کی طرف سے اس پر دل فدا ہے اور جان بھی)  
دریں نوعی از شرک پوشیدہ ہست      کہ زیدم بیازر دو عمر نخست  
(اس بات میں شرک کی ایک خفی نوع ہے کہ زید نے مجھ کو ستایا اور عمر نے مجھ کو رنجیدہ کیا کیونکہ مؤثر حقیقی سوائے خدا کے کوئی نہیں)۔ (ترجیح المفسد علی المصلحہ ج ۲۸)

## رسول کا ادب ہمارا ایمان ہے

ان بدعتیوں کو بڑی جرأت ہوتی ہے یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں خدا تعالیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی گستاخی سے بھی باک نہیں کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب تو ہمارا ایمان ہے مگر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے واسطے خدا کی بے ادبی کی بھی اجازت دے دی جاوے انبیاء کی توہین کی بھی اجازت دے دی جاوے کیا خدا تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کی گستاخی مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے خدا کی پناہ ان لوگوں کی عقلیں مسخ ہو گئی ہیں کہ جب ان کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور گستاخی سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و تعظیم سے روکتے ہیں۔ اگر کوئی بے وضو اور بے غسل نماز پڑھنے لگے اور اس کو روکا جائے کہ اس حالت میں نماز مت پڑھو بلکہ وضو غسل کر کے پڑھنا چاہئے تو کیا اس کو مانع صلوٰۃ کہا جاوے گا اِنَّ اللّٰهَ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ یہ ان لوگوں کا ذکر تھا جو محبت میں حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں لیکن اگر حدود میں رہ کر قسم کی یہ توجیہ نہ جاوے کہ اس قسم میں وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ (آپ کو اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے) کی قید سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان و محبوبیت کی طرف اشارہ ہے اور

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پا کی قسم کھانا ہے تو یہ جمع بین الادب والعشق (عشق و ادب جمع کرنا ہے) یہ توجیہ تو اہل محبت کے مذاق پر تھی۔ (ازلہ الغمین عن آلہ العین ج ۲۸)

## قدرت خداوندی

گنگوہ کا قصہ ہے کہ ایام عذر میں ایک شخص کے کپٹی میں گولی لگی اور اس کی طاقت ختم ہو چکی تھی اس لئے پار نہ جاسکی دماغ میں مجمع نور کے موقع پر بیٹھ گئی وہ شخص فوراً اندھا ہو گیا اب گولی کس طرح نکلے پار کس طرح کریں حق تعالیٰ شانہ کی ہستی ایسے واقعات سے بین طور پر معلوم ہوتی ہے واقعہ یہ ہوا کہ سب تو اسی سوچ میں تھے کہ کیا کریں دفعۃً ایک گولی اور آئی اور عین اسی جگہ کو ہوتی ہوئی پار ہو گئی اور پہلی گولی کو ساتھ لیتی گئی اور بینائی عود کر آئی۔ غیب سے علاج ہو گیا فقط زخم کی تکلیف باقی رہ گئی اس کا علاج کر لیا گیا یہ ترکیب کس سے ہو سکتی تھی اسی کو کہا گیا ہے۔

دردم نہفتہ بہ زطبیان مدعی باشد کہ از خزانہ غیش دوا کنند

(مدعی طبیبوں سے میرا مرض پوشیدہ رہا شاید خزانہ غیب سے اس کی دوا کریں)

(ازلہ الغمین عن آلہ العین ج ۲۸)

## داماد کا اسلام تو دیکھ لینا چاہئے

خدا بچا وے آج کل تو ضرورت اس بات کی ہے کہ نکاح کے وقت یہ بھی دیکھ لیا جاوے کہ کافر سے نکاح کیا جا رہا ہے یا مسلمان سے پہلے زمانہ میں تو لڑکوں کے اعمال دیکھے جاتے تھے کہ نماز اور پرہیز گار بھی ہے یا نہیں اب وہ زمانہ ہے کہ ایمان پر آبنی ہے اعمال کو چھوڑا اگر ایمان ہی داماد کا صحیح سالم ہو تو بڑی خوش قسمتی ہے ایسی نظیریں اس وقت کثرت سے موجود ہیں کہ ایک شریف اور پکے مسلمان دیندار کی لڑکی اور وہ ایک ایسے لڑکے کے تحت میں ہے کہ وہ ضروریات دین کا بھی قائل نہیں ہے مگر دونوں خاندان خوش ہیں اور اولاد بھی ہو رہی ہے اور علانیہ اس نے کلمات کفر بکے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رہینگئی اگر کوئی دوسرا آدمی کچھ کہے تو سب لوگ مارنے مرنے کو تیار ہو جاویں کہ ہماری لڑکی کو بدکار بتلایا جاتا ہے مصیبت ایسی لڑکیوں کی ہے کیونکہ وہ اگر دیندار ہوئیں اور جانتی ہوئیں کہ نکاح باقی نہیں رہا تو ان پر کیا گزرے گی مگر ظالموں کے ہاتھ میں ہیں اور بے بس ہیں ماں باپ ہی نے اس کو کنویں میں دھکا دیا ہے تو دوسرا کون دادرسی کرے۔ (الظاہر ج ۲۸)



## نوبت ایں جا رسید

لکھنؤ میں ایک محلہ ہے خیالی گنج وہاں کے ایک صاحب مجھ سے ملنے آیا کرتے تھے ایک روز ذرا دیر میں آئے تو پوچھنے پر بیان کیا کہ آج وہاں ایک کمیٹی ہوئی تھی جس میں اس پر بحث ہوئی کہ مسلمانوں کے تنزل کی اصل وجہ کیا ہے بہت گفتگو کے بعد جو اخیر بات طے ہوئی وہ یہ ہے کہ ان کا اصلی اور اخیر سبب تنزل کا اسلام ہے جب تک اس کو نہیں چھوڑا جاوے گا ترقی نہیں ہوگی اور یہ بات پاس ہوگئی لعنت ہے اس پاس ہونے پر اے صاحبو! خیال تو فرمائیے کہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے پھر اس پر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں کہ ٹھیٹ مسلمان ہیں ٹھیٹ نہیں بلکہ تمہارے اسلام کی آنکھ میں ٹینٹ نکل آیا ہے جس نے بالکل بے کار کر دیا اور جس کا علاج سوائے نشتر کے کچھ نہیں اور نشتر بھی کون سانائی کا پھر وہ نشتر نہیں جس سے آنکھ بن جائے بلکہ وہ جس سے اور پھوٹ جاوے اور کاٹ کر نکال ڈالی جائے کیونکہ اس میں قابلیت ہی بننے کی نہیں ہے۔ (الظاہر ج ۲۸)

## ایمان کی جانچ

میں بطور نصیحت اور خیر خواہی کہتا ہوں کہ جہاں دولہا کی صحت اور نسب اور حیثیت وغیرہ دیکھتے ہو اللہ کے واسطے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اس کا اسلام بھی دیکھ لیا کرو وہ زمانہ گیا کہ دولہا کے صرف افعال دیکھے جاتے تھے کہ نماز اور پرہیز گار بھی ہے یا نہیں اب تو وہ زمانہ ہے کہ اگر یہی دیکھ لیا کرو تو بہت ہے کہ وہ مسلمان بھی ہے یا نہیں اور لڑکی مسلمان کے گھر جا رہی ہے یا کافر کے گھر آج کل کے تعلیم یافتہ ایسے آزاد ہوئے ہیں کہ بہت سوں کا ایمان اور اسلام ہی باقی نہیں یقیناً کافر ہیں ان سے نکاح صحیح ہو ہی نہیں سکتا ان کو بیٹی دینے سے چپکے میں ہٹھا دینا بہتر ہے کیوں نام نکاح کا کیا بعضوں کو تو اس قدر اجنبیت ہوتی ہے اسلام سے کہ نام بھی مسلمان کا سا پسند نہیں کرتے اور اس کو ذلت سمجھتے ہیں اہل یورپ کے سے نام رکھتے ہیں اور ایسوں کو لوگ قومی لیڈر کہتے ہیں اور ان کی تعریفیں کرتے ہیں کہ بڑے ہمدرد اور باحمیت ہیں (الظاہر ج ۲۸)

## خوف کے مراتب

خوف کے مراتب مختلف ہیں ایک خوف وہ ہے جو درجہ اعتقاد میں ہو یہ تو ادنیٰ درجہ ہے اور ایک وہ ہے جو درجہ حال میں ہو اور جبکہ مدار ایمان کا خوف پر ہے تو ایمان کے بھی اسی



طرح دوم مرتبے ہیں ایک وہ ایمان جو صرف درجہ اعتقاد تک محدود رہتا ہے یہ تو عوام کا ایمان ہے کہ جب قلب میں ٹٹولتے ہیں تو قیامت جنت دوزخ حساب کتاب سب کا حق ہونا قلب میں پاتے ہیں اور تحریک و تذکیر و ترغیب و ترہیب کے وقت ہی مستحضر ہو جاتا ہے اور باقی اوقات میں اس سے غافل ہیں سو یہ ایمان اعتقادی موقوف ہے خوف اعتقادی پر اور دوسرا درجہ ایمان کا وہ جو اعتقاد سے متجاوز ہو کر درجہ حال میں آ گیا ہے یہ خواص کا ایمان ہے کہ ایک خاص حالت ان پر رہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ علوم اجمال کے درجہ میں ان کو ہر وقت مستحضر رہتے ہیں کسی وقت نہیں بھولتے ان کو ایک ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے جس کو یادداشت کہا جاتا ہے جیسے کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو دیکھئے کہ ہر وقت اس کا خیال رہتا ہے یا کسی مقدمہ کا خوف ہو جاتا ہے ہر وقت اس کا دھیان رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بیٹھے لیٹے کھانا کھانے میں سونے میں کسی وقت اس کو نہیں بھولتا یا کوئی مرض و بائی پھیلتا ہے تو بعض لوگوں کو ہر وقت اسی کا اندیشہ ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض تو اس خوف کی وجہ سے مر بھی جاتے ہیں۔ اسی طرح جب کسی کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے تو وہ کسی وقت بھولتا نہیں اور یہ ایمان حالی موقوف ہے خوف حالی پر بس یہ شبہ جاتا رہا اور اس استحضار کا جو ایمان حالی و خوف حالی سے ہوتا ہے یہ اثر ہے کہ آدمی اس سے ہر وقت متاثر رہتا ہے ایسے بندے مقبول اور اہل نسبت کہلاتے ہیں ایسے لوگوں کا ایمان ہر وقت تازہ رہتا ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

تازہ کن ایمان نہ از گفت زباں      اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں  
(یعنی ایمان کو صدق دل سے تازہ کرو صرف زبان سے کہنا کافی نہیں تم نے تو باطن میں خواہشات نفسانی کو تازہ کر رکھا ہے) (خواص الحیۃ ج ۲۹)

## بزرگوں کی نسبت غلط اعتقاد

بعض لوگ بزرگوں سے اس لئے تعلق رکھتے ہیں کہ ان سے دنیا کا کام بن جائے گا اور ان کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ ان کے منہ سے نکلے گا وہی ہو جائے گا ایک شخص مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کی خدمت میں آیا اور کچھ حاجت پیش کی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں دعا کروں گا کہنے لگا کہ دعا تو میں بھی کر سکتا ہوں یوں کہہ دیجئے کہ اس طرح کر دیا۔

یاد رکھو! بزرگوں کے اختیار میں کوئی شے نہیں ہے ان کا کام محض دعا کا ہے دعا کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ (اختیار الخلیل ج ۳۰)

## عقیدہ تقدیر میں حکمت

عقائد کا شریعت نے ہم کو مکلف بنایا ہے ان میں ہر ایک کو فرداً ایک ایک عمل سے تعلق ہے کسی عقیدہ کو کسی عمل میں دخل ہے کسی کو کسی سے مثلاً تقدیر کا عقیدہ ہے اس کی ایک خاص حکمت ہے اور خاص عمل میں اس کو دخل ہے چنانچہ اس کو حق تعالیٰ نے خود بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہے مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا طَائِفًا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لَكَيْلًا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ یعنی کوئی مصیبت نہ زمین میں آتی ہے اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ہمارے اس کو پیدا کرنے سے پہلے کتاب یعنی لوح محفوظ میں ہوتی ہے اور یہ کتاب اللہ پر آسان ہے (اور یہ اس لئے بتلادیا گیا) تاکہ تم اپنی فوت شدہ شے پر غمگین نہ ہو اور جو تم کو شے دی ہے اس پر اتر اؤ نہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص تقدیر کا عقیدہ راسخ کر لے گا اس کے اندر صبر اور استقلال اور ثبات پیدا ہو جائے گا کسی شے کے فوت ہو جانے کا اس کو اس درجہ غم نہ ہوگا کہ اس کو پریشان کر دے اس لئے کہ جانتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں حق تعالیٰ نے اسی طرح مقدر فرمایا تھا اور اس کا ہونا ضروری تھا اور یہ امر بہت ظاہر ہے مشاہدہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (الذکر ج ۳۰)

## منکر تقدیر کا حال

دو شخص فرض کر لیجئے ایک تو تقدیر کا منکر ہے اور دوسرا قائل ہے اور دونوں کے مثلاً دو بیٹے ہیں اور وہ دونوں مر گئے تو منکر تقدیر چونکہ تدبیر ہی کو موثر سمجھتا ہے اور کوئی مضمون تسکین بخش اس کے ذہن میں نہیں اس لئے وہ اگر فرط غم اور جزع فزع سے مر جائے تو تعجب نہیں اور جو تقدیر کا قائل ہے اور جانتا ہے کہ جو واقعہ ہوا ہے اس کا ہونا تو اسی وقت ضروری تھا اور اسی میں حکمت تھی اس کو معایہ مضمون مستحضر ہو جاوے گا قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادیں کہ ہم پر ہر گز مصیبت نہیں آ سکتی مگر وہی مصیبت جو اللہ تعالیٰ

نے ہمارے لئے لکھ دی وہ ہمارا مالک ہے) اور فوراً یہ آیت پیش نظر ہو جاوے گی اِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (جب ان کا معین وقت آ پہنچا ہے تو ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں) (الذکر ج ۳۰)

## ہر عقیدہ کو دستور العمل بنانے سے نفع

اگر ہر عقیدہ کو اپنا دستور العمل بنا لیا جاوے تو دین و دنیا کی کامیابی حاصل ہوگی۔ غرض جب علوم کا تعلق بھی عمل ہی سے ہو تو خود عمل تو عمل ہی ہے (الذکر ج ۳۰)

## عشق و محبت

شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کی حکایت ہے کہ آپ نے ایک مرید سے جو مدینہ شریف جا رہا تھا فرمایا کہ مزار شریف پر حاضر ہو کر میرا سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دینا اس نے پہنچ کر سلام عرض کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس شخص کو سلام کے جواب میں مکشوف ہوا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ اس نے آ کر شاہ صاحب کے پاس جواب پہنچایا مگر بدعتی کا لفظ نقل نہیں کیا۔ شاہ صاحب کو پہلے ہی کشف ہو گیا تھا فرمایا وہی الفاظ کہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے تھے اس نے کہا کہ حضرت جب آپ کو معلوم ہی ہے تو میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ ارشاد فرمایا کہ سن کر مزا آوے گا۔ واقعی اس سننے میں بھی لطف ہے اس کے متعلق ابونواس کا شعر مشہور ہے:

الا فاسقنی خمر او قل لی ہی الخمر ولا تسقنی سرّاً متی امکن الجھر  
(مجھے شراب محبت پلا اور مجھ سے کہو کہ یہ شراب ہے اور مجھے پوشیدہ مت پلا جب تک ظاہر کرنا ممکن ہو)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شاہ صاحب کو بدعتی فرما دیا تو ایسے افعال پر جو کہ صورتہ بدعت تھے کیونکہ وہ سماع میں شریک ہوتے تھے مگر وہ بدعت کے حقیقی درجہ میں نہیں پہنچے ہوئے تھے کیونکہ ان کا سماع منکرات و محرمات سے پاک تھا اس لیے آج کل کے اہل سماع اس واقعہ سے استدلال نہ کر بیٹھیں اور جب ان کا سماع حقیقت میں بدعت کے درجہ پر نہ تھا تو ہم کو اس کی اجازت نہیں کہ شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کو بدعتی

کہنے لگیں۔ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ادنیٰ سی بات پر گرفت کا حق ہے پھر گرفت بھی محاسبانہ انداز سے نہیں بلکہ محبوبانہ انداز میں۔

## ایک بوڑھی نادان عورت کی حکایت

ہمارے اسی قصبہ میں ہمارے محلہ کی ایک بوڑھی عورت میرے پاس آئیں اب تو اس بے چاری کا انتقال ہو چکا مگر ان کی اولاد موجود ہے آ کر کہنے لگی کہ مولوی جی میں یوں پوچھوں کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہیں ان کی اس بات پر گھر میں جو مستورات تھیں سب ہنسنے لگیں میں نے منع کیا کہ ہنسومت اس کو اس کی فہم کے مطابق جواب دوتا کہ یہ سمجھ جائے۔ غنیمت ہوا کہ اس نے یہ اعتقاد قائم نہیں کیا تھا کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ زندہ نہیں بلکہ کم فہمی کی وجہ سے ہی تردد میں رہی میں نے اس کی سمجھ کے موافق اس سے کلام کیا اور یہ پوچھا کہ بڑی بی آ خر تم دیکھتی ہو کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں مرتے ہیں دنیا میں اولاد ہوتی ہے تو یہ کام کون کرتا ہے کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ میں نے کہا اچھا بارش کون برساتا ہے کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ میں نے کہا جب یہ سارے کام حق تعالیٰ کرتے ہیں اور یہ سب کام بدستور جاری ہیں تو اس سے تو خود معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ زندہ ہیں زندہ نہ ہوتے تو یہ کام کیسے ہوتے کہنے لگیں کہ اب سمجھ میں آ گیا۔ تو اس بیچاری بڑھیا نے بھی حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا کہ اتنے زمانہ طویل سے موجود ہیں معاذ اللہ بوڑھے ہو گئے ہوں نہ معلوم زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ یہ حکایت تو محلہ محلت کی ہے۔ (الحجۃ نور الصدور ج ۳۱)

اہل حق کا عقیدہ ہے کہ دنیا ایک دن ختم ہو جاوے گی البتہ اہل باطل نے کہا ہے کہ دنیا ابدی ہے مگر اہل حق کا عقیدہ اس کے خلاف ہے اور آخرت اہل حق کے نزدیک ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی ہر چند کہ طویل عرض مکانی آخرت کا بھی متناہی ہے مگر اس کے بظاہر زمانی کی کوئی حد نہیں، نصوص میں اس کی تصریح موجود ہے۔ خلدین فرمایا ہے اور ابد افرمایا ہے جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہاں فنا نہیں (السلام تحقیق ج ۳۱)

## معتقد تقدیر کا حال

آج کل کے روشن خیال لوگوں نے مسئلہ تقدیر کو بالکل ہی چھوڑ دیا کہتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر ہی سے مسلمانوں کو تنزل ہو رہا ہے حالانکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تقدیر ہی



کے مسئلے کی بدولت ترقی ہوئی ہے اس سے تنزل ہرگز نہیں ہوا کیونکہ مدار ترقی کا ہمت پر ہے اور ہمت قائل تقدیر کی برابر کسی کو نہیں ہو سکتی منکر تقدیر تو فقدان اسباب کے وقت جی چھوڑ دیتا ہے اور معتقد تقدیر اس وقت بھی خدا تعالیٰ پر نظر کر کے ہمت نہیں ہارتا۔ اس کا مسلک یہ ہے کہ:

عقل در اسباب میدارد نظر عشق میگوید مسبب را نگر

(عقل اسباب اور وسائل پر نظر رکھتی ہے مگر عشق و محبت یہ کہتی ہے کہ اسباب کے پیدا کرنے والے کو دیکھ)

اسی طرح اس شخص کو کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی جو کچھ بھی پیش آئے گا وہ اپنے دل کو یہ سمجھ کر تسلی دے لے گا کہ ”لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا“ (ہم کو ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے کہ جس خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے لکھ دیا ہے) غرض پوری راحت تقدیر ہی کے ماننے سے ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر دو شخص ایسے ہوں کہ تمول میں بھی برابر ہوں دنیاوی عیش بھی دونوں کو برابر حاصل ہو عقل اور مزاج اور قوت وغیرہ سب میں یکساں ہوں دونوں کے ایک بیٹا بھی ہو۔ غرض ہر طرح کے سامان دونوں میں برابر ہوں کسی وجہ سے ایک کو دوسرے پر فوقیت نہ ہو مگر اتنا فرق ہو کہ ایک مسئلہ تقدیر کا قائل اور دوسرا منکر ہو اور اتفاق سے ایک ہی تاریخ میں ان دونوں کی اولاد مر جائے اور فرض کیجئے کہ ان کے مرنے کا ظاہری سبب یہ ہوا ہو کہ دونوں کی بیماری کی تشخیص ہونے میں اور علاج میں غلطی ہو گئی تھی۔ تو اب بتلائیے کہ ان میں سے کس کا صدمہ جلدی ختم ہوگا اور کس کا صدمہ دیر پا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو تقدیر کا قائل ہے اس کو بہت جلد راحت نصیب ہو جائے گی کیونکہ صدمہ پڑتے ہی اس کو یہ خیال ہوگا کہ ”ما اصابکم من مصیبة فباذن اللہ“ (جو کچھ بھی پہنچی تم کو مصیبت میں سے بس وہ خدا کی اجازت سے پہنچی ہے) کہ خدا کو یہی منظور تھا۔ نیز اس کو فوراً خیال ہوگا کہ ممکن ہے اس کی موت ہی میں کوئی مصلحت ہو۔ ان خیالات کے آتے ہی اس کا صدمہ ختم ہو جائے گا برخلاف منکرین تقدیر کے کہ اس کو ساری عمر یہ غم لگا رہے گا کبھی سوچے گا کہ افسوس میں نے فلاں تدبیر نہ کی ورنہ ضرور میں کامیاب ہوتا اور لڑکا بیچ جاتا کبھی کہے گا کہ فلاں بد پرہیزی نہ کی جاتی تو ہرگز نہ مرتا۔ غرض اسی طرح کے پریشان کن خیالات میں تمام عمر غلطاں پیچاں رہے گا۔ اب میں پوچھتا ہوں عقلاء زمان بتلائیے کہ اس موقع پر پریشانی کا دفعہ کرنا اور راحت حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو ذرا



مہربانی کر کے بتلا دیجئے کہ سوائے مسئلہ تقدیر کے ماننے کے اور کون سی ایسی صورت ہے کہ اس شخص کی پریشانیاں دور کر دی جائیں اور اسے راحت نصیب ہو جائے۔ افسوس شریعت نے کتنا پاکیزہ مسئلہ ہم کو دیا اور ہم نے اس کی یہ قدر کی۔ ہماری وہ حالت ہے کہ گدھے کو دیا تھا نمک اس نے کہا میری آنکھیں پھوڑ دیں۔ (فضائل العلم والحیۃ ج ۳۱)

## بانی اسلام صرف خدا ہے

اکثر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بانی اسلام کے لقب سے ملقب کرتے ہیں حالانکہ یہ سخت غلطی ہے۔ یہ لقب عیسائیوں نے تجویز کیا تھا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے بلکہ آپ کے احکام کو آپ کا تجویز کردہ کہتے ہیں مگر مسلمانوں نے محض تقلیداً یہ لفظ اختیار کر لیا۔ صاحبو! یاد رکھو بانی اسلام صرف خدا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت ہے کہ: در پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند آنچه استاد ازل گفت بگو میگویم

(فضائل العلم والحیۃ ج ۳۱)

صاحبو! یہ ترقی اسلام کی ترقی تو ہرگز نہیں، اسلام ایسی ترقیوں سے غنی اور بیزار ہے بلکہ سچ پوچھو تو اسلام کی ترقی تو تمہارے صوفی وضع بننے سے بھی نہیں ہوتی۔ جب تک ایمان دل میں پیوست نہ ہو جائے کیونکہ اسلام کے معنی ہیں ”شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ“ (گواہی دینا اس بات کی کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) اور شہادت میں بشہادت آیت ”اذا جاء ک المنفقون الخ“ (جبکہ آتے ہیں آپ کے پاس منافقین) توافق قلب و لسان ضروری ہے تو ترقی شہادتیں کی یہ ہوئی کہ وہ دل میں رچ جائے اور یہ حال ہو جائے۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کا ملے پامال شو  
(قیل قال) (اعترض و جواب) کو چھوڑ صاحب حال بزرگ بن جا اور بزرگ کامل کے سامنے پامال (اپنے کو عاجز کر دے) ہو جا)

دوسرے حکیم کہتے ہیں:

علم رسمی سر بسر قیل است و قال نے از و کیفیت حاصل نہ حال

(رسمی علم سر بسر قیل و قال ہے اس سے نہ تو کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کا حال پیدا ہوتا ہے)

## انکار رسالت کفر ہے

اگر کوئی خدا کو بھی مانتا ہو مگر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتا ہو تب تو اعمال کے جبط ہو جانے کی کوئی وجہ ہی نہیں معلوم ہوتی اور اس شبہ میں بہت سے لوگ مبتلا پائے گئے کہ وہ انکار رسالت کو کفر نہیں سمجھتے میں کہتا ہوں کہ اول تو نصوص قطعیہ اس کی تکذیب کرتی ہیں اور جن نصوص سے یہ شبہ واقع ہوا ہے ان کی صحیح تفسیر ان لوگوں نے نہیں سمجھی یہ تو کلام ہے نقل و تحقیق کی حیثیت باقی عقل و التزام کی حیثیت سے یہ جواب ہے کہ جو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا وہ واقع میں خدا کو بھی نہیں مانتا اور مان بھی نہیں سکتا۔ اس کو یوں سمجھئے کہ خدا کے ماننے کے معنی کیا ہیں۔ ظاہر ہے کہ خدا کو ماننا اسے کہتے ہیں کہ جیسا خدا ہو ویسا ہی اسے اعتقاد کرے اگر کسی نے اور طرح کا مان لیا تو اس نے خدا کو نہیں مانا بلکہ اپنے خیال کو مانا مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں بادشاہ کو مانتا ہوں اور کوئی پوچھے کہ خبر بھی ہے بادشاہ کیسا ہے اور وہ کہے کہ اس کے ایک آنکھ ہے ایک ٹانگ ہے ہاتھ دونوں کٹے ہوئے ہیں حالانکہ دراصل بادشاہ بہت حسین و جمیل ہے اور اس میں کوئی نقص یا عیب نہیں ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس نے بادشاہ کو مانا بادشاہ کو کہاں مانا بادشاہ تو نہایت حسین و جمیل ہے اور سب نقائص سے پاک ہے اس نے تو اپنے خیال سے ایک نیا بادشاہ تصنیف کر لیا ہے اس کو مانا ہے تو خدا کے ماننے کے یہ معنی ہیں کہ وہ جیسا ہے ویسا ہی اسے مانے یعنی تمام کمالات کے وجود کا اس میں اعتقاد رکھے اور چونکہ من جملہ کمالات کے ایک کمال سچا ہونا بھی ہے اس لیے اگر خدا کو سچا نہ مانے تو یہ بھی خدا کا نہ ماننا ہی ہوا بلکہ انکار ہی ہوا۔ جب یہ مقدمہ سمجھ میں آ گیا تو اب یہ دیکھئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لہذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا تو خدا کو جھوٹا سمجھا اور اس کے ایک کمال کا انکار کیا یعنی سچے ہونے کا ان سب مقدمات سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ جب کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانا تو وہ خدا سے باغی ہوا اور اس کو تسلیم ہی کر لیا گیا ہے کہ جس نے خدا سے بغاوت کی وہ مستحق ہے عذاب ابدی کا۔ تو صاحبو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باغی ہونا مستلزم ہے خدا سے باغی ہونے کو۔ (ملت ابراہیم ج ۳۱)

# نماز

- نماز فوائد و برکات
- نماز کے اسرار و جامعیت
- نماز میں خشوع و خضوع کی اہمیت
- خشوع و خضوع کے حصول کے طریقے
- احکام نماز سیکھنے کی ضرورت و اہمیت
- مسائل و آداب نماز سے بے خبری کے نقصانات

## نماز کی تاکید

نماز کی تاکید کے متعلق ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ارادہ کرتا ہوں کہ ایک شخص کو مسجد میں امام بناؤں اور خود ان لوگوں کی تلاش کروں جو عشاء کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتے (اور ان کو کوئی عذر بھی نہیں) پھر اپنے غلاموں کو حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کر کے ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دیں۔ عشاء کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ منافقین اس وقت کی جماعت میں نہیں آتے تھے۔

اللہ اللہ! حضور کی تو ایسی شفقت و رحمت ہے کہ باوجودیکہ کفار کو بھی آگ سے جلانا آپ کو گوارا نہ تھا۔ جیسا حدیثوں میں وارد ہے مگر تارک جماعت کے لئے آپ نے اس کا ارادہ فرمایا۔ اس سے سمجھ لیجئے کہ جماعت کا شریعت میں کس قدر اہتمام ہے پس نماز کی پابندی کے لئے جماعت کی پابندی کرنا چاہئے۔ اگر کوئی عذر مانع ہو تو خیر۔ مگر عذر بھی آپ کا تراشا ہو انہ ہو۔ بلکہ شریعت کا مانا ہوا عذر ہو۔ یہ تو آپ کے لئے حکم ہے یعنی ہر مکلف کیلئے کہ ترک جماعت پر عذر شرعی سے اقدام کرے بدوں اس کے نہ کرے۔ (الصبر والصلوة ج ۹)

## نماز میں قرأت

نماز میں پوری آیت بلکہ پوری سورت پڑھنی چاہیے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ لمبی لمبی سورتیں پوری پڑھا کرے جس سے مقتدیوں کو تکلیف ہو بلکہ ہر وقت کے مناسب جتنی مقدار فقہاء نے بتلائی ہے اس کے موافق سورتیں پڑھنا چاہئیں۔ نماز کا تو یہی حکم ہے مگر تبلیغ میں اس کا مضائقہ نہیں کہ ایک آیت وسط میں سے شروع کر دے یا وسط میں قطع کر دے۔ یہ توجہ تھی جزو آیت پر اکتفا کرنے کی۔ (تعمیم التعليم ج ۲)

## اللہ سے ہمکلامی

بعض لوگ دھوپ کی وجہ سے جماعت کی نماز ترک کر دیتے ہیں لیکن اگر اس وقت حاکم



بلاوے تو دھوپ کبھی مانع نہ ہو۔ عین دوپہر کے وقت جاویں گے پھر وہاں سے آ کر دھوپ کی کچھ شکایت نہ کریں گے بلکہ حاکم سے ملاقات کرنے پر فخر کریں گے کہ ہم سے آج خوب باتیں ہوئیں۔ حاکم نے فلاں مقدمہ کی بابت ہم سے یوں سوالات کئے۔ ہمارے فلاں معاملہ کے متعلق یوں کہا حالانکہ یہ کوئی فخر کی بات نہ تھی۔ آخر حاکم کون ہے تمہارے جیسا ایک آدمی ہے فخر کی بات تو یہ ہے کہ نماز میں حق تعالیٰ سے باتیں ہوتی ہیں ہم اس قابل تو کہاں تھے کہ خدا تعالیٰ ہم سے باتیں کرے۔ واللہ ہم تو اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ہم ان کا نام ہی لے لیں۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست  
اگر ہم ہزار بار بھی اپنے منہ کو مشک اور عرق گلاب سے دھولیں لیکن پھر بھی اس سے اللہ کا نام لینا کمال بے ادبی ہے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

## حقوق نماز

اگر کوئی یہ کہے کہ نماز کی قابلیت تو کیفیات پر موقوف نہیں ہے جن لوگوں نے مجاہدات نہیں کئے اور ان کو کیفیات حاصل نہیں ہوئیں۔ نماز پڑھتے ہیں تو بات اصل میں یہ ہے کہ نماز کے بھی حقوق ہیں۔ اگر یہ نماز پڑھتے ہیں مگر جو اس کے حقوق ہیں وہ ان سے ادا نہیں ہوتے۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مقبلاً علیہا بقلبہ

پس نماز کی طرف دل متوجہ ہو۔ پس نماز کے اندر خشوع اور خضوع بھی ہونا ضروری ہے اور فرماتے ہیں ان تعبد اللہ کانک تراہ (اصح البخاری ۶: ۱۳۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱: ۲۰۳) کہ حق تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا خدا کو دیکھتے ہو اس کا مطلب یہ نہیں کہ خیال کر لیا کرو کہ خدا کو دیکھ رہے ہو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی عبادت کرو جیسے کہ اگر خدا کو دیکھتے ہوتے تو اس وقت عبادت کس طرح کرتے اور ظاہر ہے کہ اس وقت نماز کے اندر کسی بات کی فرو گذاشت نہ کرتے۔ حضور قلب بھی ہوتا ہے اور خشوع بھی تعدیل ارکان بھی ہوتی۔ پس اب بھی اس طرح کی عبادت کرو اور فان لم تکن تراہ فانہ یراک یہ اس کی علت ہے۔ یعنی ایسے سے عبادت اس لئے ضروری ہے کہ گو تم خدا کو نہیں دیکھ سکتے مگر خدا تو تم کو دیکھتا ہے اور اس کا مقتضا بھی اسی اہتمام کے ساتھ عبادت کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو تو جیسے اس کا یہ مقتضا تھا کہ نماز کے اندر کوئی فرو گذاشت نہ ہو اسی طرح اس کا بھی یہی مقتضا ہے۔ لہذا اب بھی ویسی نماز پڑھنی چاہئے جیسی اس صورت میں پڑھتے۔

پس یہ معنی ہیں اس حدیث کے اور اسی لئے اس کا نام احسان ہے یعنی نیکو کردن عبادت (یعنی عبادت کو اچھی طرح ادا کرنا) پس مطلوب ایسی عبادت ہے نماز ہو تو ایسی قرآن مجید کی تلاوت ہو تو ایسی ہو۔ مطلوب تو عبادت کا یہ درجہ ہے اور یہ درجہ ہم کو حاصل نہیں ہے۔ پس اس کو حاصل کرنا ضروری ہے اور تحصیل کے طریق مختلف ہیں تو جن کی استعداد کامل ہے ان کی تو ذرا توجہ بھی کافی ہے اور جن کی استعداد ضعیف ہے ان کو صرف توجہ سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی بعض دفعہ تو خود حدیث ہی کے لئے یہ توجہ نا کافی ہوتی ہے پس ضرورت اس کی ہوئی کہ توجہ کو یکسوئی کا عادی کریں پھر اس سے نماز میں کام لیں۔ صحابہ کی استعداد چونکہ کامل تھی۔ ان کو محض توجہ کافی تھی اور ہماری استعداد میں ہواضعف اور ہم کو ہوا حضور سے بعد۔ اس لئے اب ہم کو ضرورت ہوئی اس بات کی کہ کچھ شغل کریں تاکہ توجہ میں یکسوئی حاصل ہو جائے پھر اس سے عبادت میں کام لیں تاکہ جیسی عبادت مطلوب ہے ویسی ہی ادا ہو۔ اس میں لوگوں کو آج کل بڑی غلطیاں واقع ہو رہی ہیں کہ ناواقف لوگ مجاہدات سے کیفیات مکاشفات ہی کو اصلی مقصود سمجھتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہو کر لذت حاصل کرتے ہیں۔

صاحبو! یہ بہت خطرناک بات ہے اس سے غلطی میں پڑ جانے کا بہت قوی شبہ ہے کیونکہ کیفیات تو اہل باطل کو بھی ہو جاتی ہے رہے مکاشفات مثلاً الوان و اصوات سو یہ بہت کم ملکوتی ہوتے ہیں بلکہ اکثر مٹلیہ کی صورتیں ہیں۔ اور اگر ملکوتی بھی ہوئیں تو وہ ہے کیا چیز وہ بھی مخلوق ہی تو ہے پس جب آپ اس کے تماشہ میں لگ گئے اور اس سے لذت حاصل کرنے لگے۔ تو آپ نے ایک مخلوق کو ترک کر کے دوسرے کو اختیار کیا تو ہر حال میں توجہ الی الخلق (مخلوق کی طرف توجہ) ہی رہی اور مقصود ہے توجہ الی الخالق (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا) پس مقصود سے اب بھی دور ہی رہے۔ (اتباع المیہ ج ۶)

## معرفت خداوندی اور لطف نماز

حضرت علیؑ سے پوچھا گیا کہ آپ کو بچپن میں مرجانا اور خطرات سے محفوظ ہونا پسند ہے یا بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا پسند ہے۔ فرمایا کہ مجھے بالغ ہو کر خطرہ میں پڑنا زیادہ پسند ہے بچپن کی موت پسند نہیں کیونکہ بلوغ کے بعد معرفت حق عزوجل زیادہ ہوتی ہے جو بچپن میں نہیں ہوتی۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسی معرفت پر خوش ہو کر فرماتے ہیں۔

شکر اللہ کہ نمر دیم و رسیدیم بدوست آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما  
(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردان پر آفرین ہے)  
میں نے حضرت شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے  
کہ بھائی جنت کا مزہ برحق، کوثر کا مزہ برحق، مگر نماز میں جو مزہ ہے وہ کسی چیز  
میں نہیں۔ جب ہم سجدہ میں جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے پیار  
کر لیا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب ہم جنت میں جائیں گے اور حوریں آئیں گی تو ہم ان  
سے کہہ دیں گے کہ بی اگر قرآن سناؤ بیٹھو ورنہ چلتی۔ (الغالب للطالب ج ۴)

## نماز کی برکت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (بامراد ہوا  
جو شخص (خباثت عقائد و اخلاق سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا)  
مگر یہ بات اسی وقت حاصل ہوگی جب کہ نماز کی تکمیل کرے، وقت پر پڑھے، جماعت کے  
ساتھ ادا کرے، قرآن کی تصحیح کرے، قلب کے متوجہ کرنے کی کوشش کرے اگر متوجہ نہ ہو تو کسی  
شیخ سے پوچھے۔ اور خود تو کرے ہی دوسروں کو اس کی ترغیب دلائے۔ جو اچھی چیز ہوتی ہے۔  
اس کو دوسروں کو بھی بتلاتے ہیں۔ اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتے ہیں و تواصوا بالحق (اور ایک  
دوسرے کو) (اعتقاد) حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے۔ جہاں توقع ہو راہ پر آنے کی  
وہاں ضرور کہو مگر نرمی سے کہو دوسرے کو ذلیل مت سمجھو۔ ممکن ہے کہ کوئی چیز اس میں ایسی ہو کہ وہ  
اس کی وجہ سے ہم سے بڑھ جائے۔ اگر کسی کو سیاست کرنی پڑے تب بھی حقیر مت سمجھو اگر کوئی  
کہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیاست کی جائے اور اس کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ (اصلوٰۃ ج ۱۰)

## فرض نماز کی اہمیت

فرض نماز ہے جو تمام عبادات میں افضل ہے اور قرب جس قدر فرائض ادا کرنے سے  
ہوتا ہے کسی عبادت سے اس قدر نہیں میسر ہوتا۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں میرا بندہ مجھ سے فرائض کے واسطے  
سے جو قرب حاصل کرتا ہے ویسا قرب اور کسی عبادت سے اس کو نہیں حاصل ہوتا۔ مگر اس

میں زیادت جائز نہیں۔ مثلاً ظہر کے فرض چار ہیں کوئی شخص پانچ یا چھ پڑھنا چاہے تو اس کو اجازت نہیں بلکہ ایسا کرنا حرام ہے۔ پس کام تو اتنا ہی کرو جتنا بتلایا ہے اور زیادہ مت کرو اور اجر کی انتہا نہیں۔ سبحان اللہ کیا شان کریمی ہے کہ محنت کی زیادتی کو منع کر دیا اور اجر کی زیادت کا وعدہ فرمایا البتہ نوافل میں تکثیر کی اجازت ہے۔ مثلاً شب و روز نوافل پڑھنا چاہے تو اجازت ہے مگر طلوع و غروب و استواء کے وقت اور بعد الفجر الی طلوع الشمس (فجر کے بعد سورج نکلنے تک) اور بعد العصر (عصر کے بعد) ممانعت ہے ان اوقات میں پڑھنا گناہ ہے۔ سو اس میں بھی علی الاطلاق کثرت کی اجازت نہیں۔ کیا عنایت و رحمت ہے کہ اجر کا تو حساب نہیں اور طاعت حساب ہی ہے ہو گو کتنی ہی بڑی طاعت ہو حتیٰ کہ بعض جگہ یہ سخت حکم لگایا ہے کہ اگر کوئی زیادہ کرے گا تو طاعت نہ ہوگی بلکہ معصیت ہوگی۔

روزہ اتنی بڑی عبادت ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو حق تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ محبوب ہے۔ مگر ۳ رمضان کے بعد یا اگر ۲۹ رمضان کو چاند نظر آجائے تو ۲۹ کے بعد وہی روزہ جو سب میں زیادہ پسندیدہ تھا۔ مبغوض ہو جاتا ہے یعنی عید کے روز روزہ رکھنا مکروہ تحریمی اور مبغوض الی اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی راز کو اہل اللہ نے سمجھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

بزہد و ورع کوش صدق و صفا      لیکن میزائے بر مصطفیٰ  
زہد و پرہیزگاری اور صدق و صفا میں کوشش کرو مگر نہ اتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جائے۔

شارع پر زیادتی کرنا گویا شریعت میں اصلاح دینا ہے اور اس کو ناقص سمجھنا ہے اور ظاہر ہے کہ قانون شاہی کا مقابلہ کرنا بغاوت ہے۔ شریعت کے آگے مت بڑھو۔ جہاں اور اسرار ہیں بدعت کے حرام ہونے میں وہاں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کے ساتھ سہولت چاہتے ہیں اور بندہ اپنی ذات پر سختی کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

یرید اللہ بکم اليسر ولا یرید بکم العسر .

اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں۔ (الفطرح ۱۰)

## نماز کی جامعیت

اہل لطائف نے نماز کو جامع جمیع عبادات کہا ہے۔ اس طرح کہ نماز کے اندر نماز تو ہے



ہی۔ تلاوت قرآن مجید بھی ہے۔ کھانا پینا بھی نماز کے اندر ممنوع ہے وہ گویا روزہ کے معنی ہوئے نمازی متوجہ ہوتا ہے خانہ کعبہ کی طرف، وہ گویا حج کے معنی ہوئے۔ کسی سے بولتا چالتا نہیں اور مسجد کے اندر ہی رہتا ہے۔ تو گویا نماز میں معنی اعتکاف کے بھی ہوئے۔ کچھ نہ کچھ خرچ بھی کرنا پڑتا ہے مثلاً کپڑا ہی بنایا جائے نماز ہی خریدی گویا معنی زکوٰۃ اور انفاق کے بھی نماز کے اندر پائے گئے۔ تو اس طرح سے بعض عبادات کے غیر رمضان میں بھی جامع الانوار ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ نماز کے اندر تو اور عبادات کے صرف معنی ہی پائے جاتے ہیں۔ اور رمضان المبارک میں ہر عبادت اپنے کامل ہیئت پر موجود ہے چنانچہ نماز کے اندر جو روزہ کی صفت پائی جاتی ہے وہ صرف ایک ساعت کے اعتبار سے ہے اور ایک ساعت کا روزہ اس کی صورت اصلی کے اعتبار سے کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح اعتکاف بخلاف رمضان المبارک کے کہ اس میں جتنی چیزیں ہیں سب مستقل طور پر موجود ہیں۔ صوم ہے وہ مستقل قرآن مجید کی تلاوت ہے وہ مستقل اعتکاف ہے وہ مستقل، لیالی قدر کی بیداری ہے وہ مستقل۔ یہ سب مستقل ہیں۔ یہ خاصیت کسی زمانہ میں یا کسی طاعت میں نہیں ہے۔ ایسی جامعیت ہے اس کے اندر۔ (رمضان فی رمضان ج ۱۰)

## جماعت کی فضیلت

جماعت میں نیک بھی ہوتے ہیں ان کی نماز غالباً قبول ہوگی اور بروں کی نماز بھی چونکہ نیکوں کے ساتھ ہے اس واسطے وہ بھی قبول ہو جائے گی اس کی ایک فقہی نظیر ہے وہ یہ کہ اگر متعدد اشیاء ایک سودے سے خریدی جائیں تو یا سب واپس کی جاتی ہیں یا سب رکھی جاتی ہیں اور جو ہر ایک کا الگ سودا ہوتا ہے تو معیوب کو واپس کر سکتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ بھی بندوں سے یہی معاملہ کرتا ہے اسی لیے جماعت مشروع فرمائی کیونکہ یہ تو مستبعد ہے کہ سب کی نمازیں واپس فرمائیں تو سب ہی قبول فرمائیں گے۔ البتہ اس میں ایک یہ شبہ رہ گیا کہ جماعت تو صرف فرضوں کے ساتھ مخصوص ہے وہ تو اس جماعت کے ذریعے سے قبول ہوگئی مگر سنت باقی رہ گئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تابع ہمیشہ اپنے متبوع کے حکم میں ہوا کرتا ہے سنتیں تابع ہیں فرضوں کی وہ بھی فرضوں کے ساتھ قبول ہو جائے گی جیسے کوئی شخص گائے بھینس خریدے تو اس کے رے وغیرہ بھی گو وہ کیسے ہی بوسیدہ ہوں لے لیتا ہے۔ غرض انضمام و اقتران کے یہ فوائد ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص اعمال دنیویہ میں بھی نیت خیر رکھے گا تو اس کو ضرور ثواب ملے گا۔ (سیرت صوفی ج ۱۱)



## فوائد نماز

نماز مسلمانوں کو برے کاموں سے روک دیتی ہے اس پر ظاہر میں اشکال پڑتا ہے کہ ہم تو بہت نمازیوں کو برے کام کرتے دیکھتے ہیں۔ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ نماز سے برے کام ضرور کم ہو جاتے ہیں۔ اگر اس شخص کی نماز کامل ہے۔ خشوع و خضوع و جملہ آداب کے ساتھ ہے۔ تب تو یہ شخص بالکل برے کاموں سے محفوظ ہو جائے گا اور اگر اس کی نماز ناقص ہے تو جیسی نماز ہے اسی کے مناسب برے کام چھوٹ جائیں گے۔ غرض جس درجہ کی نماز ہوگی اس درجہ کی نہی عن الفحشاء ہوگی۔ تجربہ کر لیا جاوے کہ دو جماعتوں کا امتحان کر کے دیکھو۔ ایک وہ جو بالکل بے نمازی ہے دوسری وہ جو نمازی ہے (گو ان کی نماز کسی درجہ کی ہو) یقیناً نمازی جماعت کے اندر برے کام کم ہوں گے اور بے نمازیوں میں ان کی نسبت سے زیادہ ہوں گے۔ تو مشہور تفسیر پر اشکال واقع ہوتا تھا جس کا جواب دینے کی ضرورت ہوئی۔ مگر جو تفسیر اس وقت القاء ہوئی ہے اس پر کوئی اشکال نہیں پڑتا وہ یہ کہ نماز اہل فحشاء و منکر کو نمازی کے پاس آنے اور اس کے بہکانے سے روک دیتی ہے۔

اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذان سے شیطان گوز مارتا ہوا بہت دور بھاگ جاتا ہے اور اس کا اقرار کفار کو بھی ہے۔ چنانچہ مندر کے پاس اذان دینے سے وہ لوگ روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اذان کی آواز سے ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں۔

ایک راجہ کے یہاں ہندو پنڈتوں نے استغاثہ دائر کیا تھا کہ مسلمانوں کی مسجد مندر کے پاس ہے۔ جس میں وہ اذان دیتے ہیں ان کو اس سے منع کیا جائے کہ زور سے اذان نہ کہا کریں۔ ہمارے دیوتا بھاگ جاتے ہیں۔ راجہ نے وزیر سے کہا کہ ہمارا ایک گھوڑا توپ کی آواز سے چونکتا تھا تو ہم نے اس کی چمک نکالنے کیلئے یہ تدبیر کی تھی کہ اس کو توپ کے پاس رسوں سے بندھوا کر خوب توپ چلانے کا حکم دیا تھا جس سے اس کی چمک جاتی رہی تھی۔ تو ہمارے دیوتا اگر اذان سے بھاگتے ہیں تو یہ ہم کو بہت مضر ہے۔ مسلمان جب چاہا کریں گے ان کو بھگا دیا کریں گے۔ لہذا ان کی چمک نکالنی چاہیے اور مسلمانوں سے کہنا چاہیے کہ خوب زور سے اذان دیں یہ تو ہمارے ہی واسطے مفید ہے۔

غرض جب کفار کے دیوتا اذان سے بھاگ جاتے ہیں تو جس گاؤں میں اذان ہوگی وہاں کفار بھی نہ آسکیں گے اور اگر آویں گے بھی ان کے حوصلہ پست ہو جائیں

گے۔ پس یہ تفسیر اس آیت کی بہت عمدہ لطیف ہے اور واقعی اس پر کوئی بھی اشکال نہیں چنانچہ اس وقت جو لوگ بھی دشمنوں کے بہکانے سے مرتد ہوئے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کو نماز سے کچھ علاقہ نہ تھا اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ فتنہ ارتداد سے بچنے کے لئے خود بھی نماز کی پابندی شروع کریں اور دیہات میں بھی مسلمانوں کو نمازی بنانے کی کوشش کریں۔ حفاظت اسلام کے لئے ایک تو یہ عمل ضروری ہے۔ (محسن اسلام ج ۱۱)

## نماز کی خوبی

ایک خوبی اسلام کی یہ ہے کہ نماز کو کس خوب صورتی کے ساتھ شروع فرمایا ہے اس کی نظیر کوئی مذہب نہیں دکھا سکتا۔ شروع سے لے کر آخر تک خدا کی حمد و ثنا تکبیر و تعظیم ہی ہے۔ کبھی رکوع ہے۔ کبھی سجدہ، کبھی قیام ہے کبھی قعود۔ گویا عاشق اپنے محبوب کی خوشامد کر رہا ہے نہ کسی طرف دیکھتا ہے نہ کسی سے بات کرتا ہے۔ کبھی محبوب کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہے کبھی جھکتا ہے کبھی پاؤں پڑتا ہے کبھی ادب سے بیٹھ کر عرض معروض کرتا ہے۔ غرض عجیب عبادت ہے۔ (محسن اسلام ج ۱۱)

## نماز مطلوب ہے

ایک عہدہ دار نے اپنی بیوی سے پوچھا تھا کہ تو جو اتنے زمانے سے نماز پڑھ رہی ہے تجھے کیا ملا! میں نے یہ بات سنی تو کہا کہ میں اس کا یہ جواب دیتا کہ نماز ملی کیونکہ نماز خود بہت قیمتی چیز ہے جس کو یہ دولت مل جائے اس سے یہ سوال کرنا کہ تجھے کیا ملا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص کو کسی سے روپیہ وصول ہوا اور اس سے پوچھا جاوے کہ مال لے کر تجھے کیا ملا، ہر شخص اس سوال کو فضول کہے گا کیونکہ مال خود مطلوب ہے اس کے مل جانے کے بعد کسی اور چیز کے ملنے کی کیا ضرورت ہے اسی طرح نماز خود مطلوب ہے جس کو یہ مل گئی اس سے یہ پوچھنا کہ تجھے کیا ملا حماقت ہے اور دخول جنت کو جو نماز کا ثمرہ کہا جاتا ہے تو وہ بھی نماز کا ایک ثمرہ ہے ورنہ حقیقت میں نماز خود مطلوب ہے کیونکہ اس کی حقیقت قرب حق ہے قرآن مجید میں **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** یعنی سجدہ کر کے قرب و وصال حاصل ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے **اقرب ما یكون العبد حين یسجد فی الصلوة** (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ: ۲۱۵، سنن ابی داؤد: ۸۷۵، سنن الترمذی: ۲۲۶۰) انسان کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب سجدہ میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے جنت بھی قرب ہی کے لئے مطلوب ہے بالذات مقصود نہیں۔

### عاشقانِ جنت برائے دوست می دارند دوست

حدیث شریف میں بھی اس طرف اشارہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہم انی اسئلك الجنة وما قرب اليها من قول او عمل (مسند أحمد: ۱۷۲، المصنف لابن أبي شيبة: ۱۰، ۲۶۴، کنز العمال: ۳۶۱۰۔) (اے اللہ میں آپ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اس (چیز) کا جو جنت سے قریب کر دے قول یا عمل) اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمالِ قرب کو جنت کے ساتھ سوال میں معطوف کیا ہے اگر جنت ہی مطلوب ہے اور یہ اعمال خود مقصود نہیں تو سوالِ جنت کے بعد ان کے مانگنے کی کیا ضرورت تھی اگر یہ کہا جائے کہ جنت کا ملنا ان پر موقوف ہے اس لئے ان کا سوال کیا گیا اور اسی لئے الیہا بڑھایا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ (جب ایک چیز ثابت ہوگئی اس کے لوازمات بھی ثابت ہو گئے) جب حصولِ جنت اعمال پر موقوف ہے تو سوالِ جنت میں ان کا سوال بھی آگیا تھا ان کے لئے مستقل سوال کی ضرورت نہ تھی اور الیہا کا بڑھانا اس لئے ہے کہ ظہورِ قرب جنت میں ہوگا گو حصول اب بھی ہو سکتا ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت کے بعد اعمالِ قرب کو مانگنا بتا رہا ہے کہ یہ اعمال خود بھی مطلوب ہیں اس لئے ان کو مستقل طور پر مانگا گیا اور اس کا راز وہی ہے کہ ان اعمال کی حقیقتِ قرب ہے اور جنت بھی قرب ہی کی وجہ سے مطلوب ہے تو یہ اعمال بھی قرب کی وجہ سے مطلوب ہیں اور قرب حق جنت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں دنیا میں بھی ہو سکتا ہے چنانچہ خود ارشاد ہے **وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ** سجدہ کر لو اور قربت حاصل کر لو، اگر دنیا میں قرب نہ حاصل ہو سکتا تو سجدہ پر اس کو متفرع نہ فرماتے۔ (المودة الرحمانية)

### نماز کا مزا

میں نے ایک بزرگ صاحب کشف سے خود سنا ہے فرماتے تھے کہ جنت کا مزا برحق کوثر کا مزا برحق مگر خدا کی قسم جو مزا نماز میں ہے وہ نہ جنت میں ہے نہ کوثر میں ہے ہم جب سجدہ کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا حق تعالیٰ نے پیار کر لیا پھر فرمایا کہ میں نے تم سے کہہ دیا ہے سب سے کہنے کی بات نہیں مگر میں نے اس کو مجمع میں اس لئے کہہ دیا کہ قلوب کسی طرح تو جاگیں اور ان اعمال کی قدر کریں پس بخدا یہ نماز اور ذکر وغیرہ خود بھی مطلوب ہیں مولانا نے ایک ذکر کی حکایت لکھی ہے کہ اس کو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ تو عرصہ سے

اللہ اللہ کرتا ہے مگر ادھر سے نہ سوال ہے نہ جواب ہے، نہ سلام ہے نہ پیام ہے اس سے فائدہ کیا، اس وسوسہ نے ایسا غلبہ کیا کہ اس نے ایک رات سب ذکر و شغل چھوڑ دیا اور پڑ کر سو رہا، خواب میں اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کے ذریعے سے پوچھا کہ میاں آج تم نے ہم کو کیوں یاد نہیں کیا اس نے وہی جواب دیا کہ حضور عرصہ سے اللہ اللہ کر رہا ہوں مگر ادھر سے نہ کچھ پیام ہے نہ جواب ہے فرشتہ نے حق تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا ۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست دیں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

(تیرا اللہ ہی کہنا ہمارا جواب ہے اور تیرا یہ سوز و ناز اور درد ہمارا قاصد ہے)

فرمایا کہ میاں تمہارا یہ اللہ اللہ کرنا ہی ہماری طرف سے لبیک اور جواب ہے اگر ہم کو تمہارا ذکر پسند نہ ہوتا تو ایک بار کے بعد دوبارہ ہمارا نام نہ لے سکتے، صاحبو! خدا کی قسم اگر حق تعالیٰ کو ہمارا ذکر کرنا ناگوار ہوتا تو دوبارہ ہم ہرگز ان کا نام دل سے نہ لے سکتے تھے، مجھے اپنا قصہ بچپن کا یاد ہے کہ ایک طالب علم نے مجھے چڑانے کے واسطے بار بار میرا نام میرے سامنے لیا، اشرف علی، اشرف علی اشرف علی جیسے کوئی وظیفہ پڑھتا ہو، مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کے ایک تھپڑ رسید کیا اور دھمکایا کہ خبردار جو تو نے آج سے میرا نام لیا تجھے کیا حق ہے میرا نام لے، اے صاحبو! ہم کیا ہیں کیا چیز ہیں کسی کی زبان پر ہمارا کیا قبضہ ہے مگر جتنا بھی اختیار تھا ہم نے اس سے کام لیا اور اپنا نام لینے سے ایک شخص کو روک دیا اس سے سمجھ لو کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا ذکر کرنا ناگوار ہوتا تو وہ کیوں ہی ہم کو اپنا نام لینے دیتے، زبان کا روک دینا ارادہ کا بدل دینا ہر وقت ان کے اختیار میں ہے، پس ان اعمال کی توفیق ہونا ہی حق تعالیٰ کے توجہ کی دلیل ہے تو یہ اعمال خود بھی مطلوب ہیں (المودۃ الرحمانیہ ج ۱۳)

## ہماری نماز پر سزا نہ ہونا غایت رحمت ہے

آپ اپنے معاملہ کو اللہ میاں کے ساتھ دیکھ لیجئے کہ ادھر سے تو حاضری کی اجازت ہر وقت یعنی نفل نماز کے لئے اجازت ہے جب چاہو پڑھو (باستثناء تھوڑے سے وقتوں کے) مگر ہمیں توفیق نہیں ہوتی کہ اس اجازت کو غنیمت سمجھیں یہاں تک کہ پکڑ کر بلانے کی نوبت پہنچی۔ یعنی فرض نماز کا وقت آیا نہایت کاہلی کے ساتھ گرتے پڑتے پہنچے۔ برا بھلا وضو کیا اور باکراہ نیت نماز کی یعنی سامنے باتیں کرنے کو کھڑے کئے گئے۔ کھڑے



ہوتے ہی منہ ایسا پھیرا کہ کچھ خبر نہیں صرف الفاظ زبان پر جاری ہیں۔ دھوکا دینے کے واسطے آداب شاہی بجالا رہے ہیں یعنی سبحانک اللہم (اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے) پڑھا، اللہ میاں نے اس منہ پھیرنے پر نظر نہ کی اور کلام شروع کیا۔

چنانچہ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں) پر جواب ملنا حدیثوں میں آیا ہے۔ ذرا سی بھنک کان میں پڑتے ہی ایسے بھاگے کہ سیدھے گھر آ کر دم لیا کبھی بیوی کے پاس کبھی بچوں کے پاس کبھی مکان میں کبھی طویلہ میں پہرا کئے۔ مراد اس سے خیالات کا جولانی دینا غرض یہی مسخرا پن کیا کہئے یہاں تک کہ بہ مشکل تمام دربار کی حاضری ختم تک پہنچی یعنی سلام پھیرا۔ بڑی خیر ہوئی بادشاہ کی ہم کلامی سے بچ گئے جانے وہ کاٹ کھاتا یا کیا کرتا۔

(یہ خبر نہیں کہ کیا کرتا اور کیا ہوتا اور یہ کیا پاتے)۔ صاحبو! اب ان گستاخیوں کی سزا وہی ہونی چاہیے تھی یا نہیں جو مثال میں میں نے عرض کی کہ اگر ایک دفعہ بھی ہم ایسی نماز پڑھتے تو کبھی اللہ میاں کے یہاں ہم کو گھسنے نہ دیا جاتا اور فوراً دربار سے نکلتے ہی گرفتاری اور جس دوام کار و بکار جاری ہو جاتا۔ مگر سنیے کہ اللہ میاں سے کیسا رو بکار جاری ہوا کَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا (تمہاری کوشش قابل قدر ہے) اس نے دربار میں آ کر اتنی دیر کی مصاحبت کو بہت اچھی طرح انجام دیا مر جانے کی بات ہے اچھی طرح تو جیسے انجام دی وہ ہم بھی خوب جانتے ہیں۔ اور جو وہاں حاضر تھے انہوں نے بھی خوب دیکھا۔ بلکہ حاضرین کے سامنے شرم رکھنے کے واسطے اور فرماتے ہیں اُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (وہ وہی لوگ ہیں جن کے گناہوں کو خداوند کریم نیکیوں سے بدل دیتا ہے)۔ گویا یہ بیوقوف ہے کتنی ہی گستاخیاں کیں مگر ہم اس آنے کو حاضری ہی میں لکھ لیتے ہیں۔ اور اس کی وہی عزت کی جائے جو باقاعدہ آنے والے کی کی جاتی ہے۔ اب فرمائیے کہ اگر ایک مرتبہ ایسا معاملہ بادشاہ کسی کے ساتھ کرے تو کیا دوبارہ اس شخص کی ہمت پڑ سکتی ہے کہ پھر اسی طرح وحشیانہ طریق سے دربار میں جاوے ہر گز نہیں بلکہ سر سے پیر تک خجالت کے پسینہ میں غرق ہو جائے گا۔ مگر ہم ایسے احسان فراموش ہیں کہ ایک دو دفعہ کیا معنی سینکڑوں بار بلکہ ہر روز پانچ بار یہی جفا کاری کرتے ہیں مگر ادھر سے مطلق خیال نہیں کیا جاتا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ ان

لنگڑے لو لے اعمال (بلکہ اعمال کیسے کہا جاسکتا ہے بد اعمالیوں کو) میں بھی کمی اور کوتاہی ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے محرمات کی طرف میلان ہے۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)

## صحابہ کی کیفیت نماز

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پرندہ اس میں اڑ کر آ گیا اور چونکہ باغ نہایت گنجان تھا باہر نکل جانے کے لئے اس کو کوئی راستہ نہ ملا۔ پریشان ادھر ادھر اڑتا پھرنے لگا اس پرندہ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت طلحہؓ کے دل میں باغ کے گنجان ہونے پر گونہ مسرت پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ ماشاء اللہ میرا باغ کس قدر گنجان اور اس کے درخت ایک دوسرے سے کیسے پیوستہ ہیں کہ کسی پرندہ کو بھی با آسانی نکل جانے کی جگہ نہیں ملتی۔ یہ خیال آ تو گیا چونکہ دل میں عظمت و محبت خداوندی معراج کمال پر تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پر برکت سے فیض یاب تھے اس لئے فوراً ہی متنبہ ہوا اور دل میں سوچا کہ اے طلحہ تیرے دل میں مال کی یہ محبت کہ حالت نماز میں تو ادھر متوجہ ہو۔ آخر نماز کے بعد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے باغ نے آج مجھے عین نماز کی حالت میں خدا سے مشغول کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیا لہذا اس کو میں اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا۔ اور اس شغل عن الحق کے کفارہ میں میں اس کو وقف کرتا ہوں آخر اس کو وقف کر دیا۔ جب دل کو اطمینان ہوا ان حضرات کی یہ شان ہے کہ اِذَا مَتَّهُمْ ظَلَمَ قَيْنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ کہ اگر شیطان کے وسوسہ سے کسی ضعیف درجہ میں بھی ان کے قلب کو میلان الی الدنیا ہو جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہوتے ہیں اور ایسا قلق ہوتا ہے کہ گو یفت اقلیم کی سلطنت ان کے قبضہ سے نکل گئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یفت اقلیم کی سلطنت نکل جانے سے بھی اتنا صدمہ نہیں ہوتا جو ان حضرات کے قلب پر اس میلان سے ہوتا ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف چہ ایماں بہر چہ از یار دور افتنی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا (جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو)

(اکمال الصوم والعید ج ۱۶)

## نماز کا شوق پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے

لوگ کسی بزرگ کے پاس جائیں گے تو یہ کہیں گے کہ کوئی ایسی تدبیر بتلا دیجئے کہ نماز

کا شوق ہو جائے حالانکہ شوق ہوتا ہے نماز پڑھنے ہی سے نماز تو یہ چاہتی ہے کہ یہ اس کو پڑھیں تو شوق پیدا ہوا اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ پہلے شوق ہو جائے تو نماز پڑھیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص چاہے کہ کھانا پختہ ہو جائے مگر جو اسباب ہیں پختہ ہونے کے ان کو جمع نہ کرے تو کیسے پختہ ہوگا البتہ ایسا پختہ ہو جائے گا جیسے ایک مسخرہ کی حکایت ہے کہ اس کو رس کی کھیر کا شوق ہوا لوگوں سے ترکیب پوچھی معلوم ہوا کہ چاول اور رس کو ملا کر آگ پر پکانا پڑتا ہے اور گھوٹنا بھی پڑتا ہے کہنے لگا یہ تو بکھیرا ہے آپ نے کیا کیا چاول کچے پھانک کر اوپر سے رس پی لیا اور چولہے کی طرف سرین کر کے کھڑا ہو گیا کہ آنچ لگ کر کہ پیٹ میں سب پک جائے گا تو جیسے اس شخص کی کھیر پک گئی تھی ایسا ہی ان لوگوں کا شوق حاصل ہوگا جو بدوں عمل کے شوق کے طالب ہیں اور اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ یہ لوگ بدوں حال کے عمل کو کالعدم سمجھتے ہیں اور یہ ناس کیا ہے واعظوں نے جو اپنے وعظوں میں علی الاطلاق کہہ دیتے ہیں۔

برزباں تسبیح و دردل گاؤں آخر ایں چنین تسبیح کے وارد اثر

زبان پر اللہ کا نام اور دل میں دنیا کا خیال۔ ایسی عبادت کیا اثر رکھتی ہے۔  
اگر یہ لوگ محقق سے رجوع کرتے تو کبھی یہ حالت نہ ہوتی مگر غیر محقق واعظوں کی تعلیم نے مخلوق کا ناس کر دیا ان کی یہ حالت ہے کہ۔ (الفصل والا انفصال ج ۲۱)

## نماز حظ نفس کے لئے نہ پڑھو:

اگر کسی کا ذکر اللہ یا نماز میں دل لگے تو اس کو چاہئے کہ ذکر و نماز کو ترک نہ کرے بلکہ ہمت کر کے کام میں لگا رہے کیونکہ

گر مرادت زانداق شکر ست بے مرادی نے مرادی لبراست

اگر تیری مراد کا مذاق اچھا ہے۔ نا مرادی سے امید مت رکھ مراد حاصل ہونے والی ہے اگر تم اعمال کے بعد اس پر بھی راضی نہ ہو اور تم کو اتنی بات بھی حاصل نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ تم نے نماز وغیرہ اللہ کے واسطے نہیں پڑھی بلکہ حظ نفس کی نیت سے پڑھی ہے جیسے ایک گاؤں والے کی حکایت ہے کہ اس کو واعظ مولوی صاحب نے نماز کی نصیحت کی ان نے کہا کیا ملے گا مولوی صاحب نے کہا کہ اگر تو چالیس دن اس طرح نماز پڑھ لے کہ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو تو میں تجھے ایک بھینس دوں گا اور خیال تھا کہ اس طرح پڑھنے سے خود نماز

ہی سے محبت ہو جاوے گی۔ پھر بھینس بھی نہ مانگے گا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ چالیس دن پورے کر کے وہ مولوی صاحب کے پاس آیا کہ وعدہ پورا کرو مولوی صاحب نے کہا کیسا وعدہ میں نے تو اس لئے بات کہہ دی تھی کہ چالیس دن نماز پڑھنے سے تجھے عادت ہو جائے گی اس نے کہا اچھا یہ بات تھی تو جاؤ پھر یاروں نے بھی بے وضو ہی ٹرخائی ہے۔ اس ظالم کو جو چالیس دن بعد بھی نماز کا شوق نہ ہوا تو جبہ اس کی یہ تھی کہ اس نے اللہ کے واسطے نماز ہی نہ پڑھی تھی۔ اسی طرح جو لوگ طالب احوال ہیں ان کو بھی اعمال کا شوق نہیں ہوتا کیونکہ وہ رضائے حق کے طالب نہیں بلکہ اپنی مراد کے طالب ہیں اور یہ حالت صدق قلب کے خلاف ہے۔ صدق طلب کی شان یہ ہے کہ اگر ساری عمر بھی شوق و کیفیت پیدا نہ ہو تو اسی پر راضی رہے اور یوں کہے

ارید وصالہ ویرید ہجری فاترک ما ارید لما یرید۔

میں ارادہ کرتا ہوں اس کے وصال کا اور وہ ارادہ کرتا ہے مجھ سے فراق کا پس میں چھوڑتا ہوں اپنے ارادہ کو اس کے ارادہ کے لئے۔

عارف شیرازی فرماتے ہیں ۔

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق ترک کام خود گر فتم تا برآید کام دوست  
عارف نے یہ بھی بتلادیا ہے کہ عاشق کے نزدیک یہ عدم وصال بھی وصال ہی کے برابر ہے  
فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے  
فراق و وصل کے جھگڑے بے کار ہیں دوست کی رضا مندی طلب کر۔ اس سے غافل رہ کر تمنا کرنا بیکار ہے۔

اور فراق و وصال کی تسادی کا جو حکم کیا ہے یہ وصال و فراق مزعوم ہے۔ یعنی فراق سے مراد قبض ہے جس میں احوال و کیفیات نہیں ہوتے اور وصال سے مراد بطل جس میں احوال و کیفیات کا ورود ہوتا ہے تو کہتے ہیں تم قبض و بطل کی فکر میں کیوں پڑے ہو بس رضائے دوست کو طلب کرو خواہ یہ رضا مضاف الی الفاعل ہو خواہ مضاف الی المفعول یعنی وہ رضا خواہ ادھر سے ہو خواہ ادھر سے۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

## ساری عمر کے مجاہدات و ریاضات کا حاصل

میں نے مولانا گنگوہیؒ سے سنا ہے کہ جس شخص کو ساری عمر کے مجاہدات و ریاضات کے بعد میں یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا اس کو سب



کچھ حاصل ہو گیا کیونکہ اس طریق کا حاصل یہی ہے بجا صلی۔ اور جو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ کمال حاصل ہو گیا وہ اس شعر کا مصداق ہے۔

خواجہ پندار د کہ دارد حاصل حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(الفصل والا فصل)

## کمال نماز

نماز میں اگر افعال صلوٰۃ پر پوری توجہ ہو تو سہونہ ہوگا اور یہ امر اختیاری ہے کہ توجہ رکھو تو اس کے ترک پر مواخذہ ہو سکتا ہے اب آیت وحدیث رفع عن امتی الخ پر تو اشکال نہ رہا۔ لیکن ایک مستقل اور اشکال وارد ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نماز میں سہو ہوا ہے کیا اس کا منشاء بھی عدم استحضار افعال صلوٰۃ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں سہو نبوی کی علت بھی یہی ہے۔ لیکن علت عدم استحضار افعال صلوٰۃ ہم میں اور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور۔ یعنی ہماری عدم توجہ الی الصلوٰۃ کا منشاء تو یہ ہے کہ ہم کو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی ہے جو نماز سے ادنیٰ ہے یعنی دنیا۔ اور حضور کی توجہ الی الصلوٰۃ کا منشاء یہ ہے کہ آپ کو ایسی چیز کی طرف توجہ ہوتی بھی جو نماز سے اعلیٰ ہے یعنی ذات حق خوب سمجھ لو۔ بحمد اللہ اب یہ مسئلہ ہر طرح منفتح ہو گیا کہ امور غیر اختیاریہ قابل اہتمام نہیں ان کا اہتمام چھوڑ دینا چاہئے اور غیر اختیاری مراد صرف احوال و کیفیات ہیں جزا امر انہیں بلکہ وہ تو مطلوب و مقصود ہے اور احوال مقصود نہیں گو محمود ہوں مگر اب تو ستم یہ ہے کہ لوگ نماز ہی اس لئے پڑھتے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلب ہوا اس لئے اگر حضور نہ ہو تو نماز بے کار سمجھتے ہیں حالانکہ حضور کی سعی اس لئے ہونا چاہی تھی۔ کہ نماز کامل ہو۔ ہاں احوال کیلئے دعا کرنا جائز ہے پس دعا کرو۔ لیکن شیخ سے ان کے عدم حصول کی شکایت نہ کرو۔ اور اگر وہ اجازت دے اور اس کا طریقہ بتلا دے تو اس کا تبرع ہے اس پر یہ بات لازم نہیں۔ پس عدم حصول احوال کی ایسی مثال ہے جیسے اولاد نہ ہونا کہ اس لئے دعا جائز ہے او توقع کی درجہ میں تدبیر بھی جائز ہے لیکن یہ لازم ہے کہ اگر ترتب ہو جائے تو وہ خوش ہو جاؤ اور ترتب نہ ہو تو جب بھی خوش رہو پریشان نہ ہو بلکہ سمجھو کہ میرے لئے عدم حصول ہی مصلحت مگر خود دعا میں یہ قید نہ لگا دیں کہ یا اللہ اگر حال محمود مجھے نافع ہو تو عطا ہو ورنہ نہیں عقیدہ اور عزم تو یہی رکھے کہ اگر عطا نہ ہوگا تو میں یہی سمجھوں گا کہ میرے واسطے حصول میں حکمت نہ تھی مگر دعا میں اس قید کی ضرورت نہیں کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے اس کا ذمہ خود لے لیا ہے کہ اگر حصول مضر ہوگا تو ہم خود ہی نہ دیں گے۔ چنانچہ اولاد و رزق کے واسطے بھی دعا مشروع ہے مگر اس میں کہیں اس قید کی تصریح نہیں۔ اور دعائے استخارہ سے شبہ نہ کیا جائے کہ وہاں یہ تعلیم ہے کہ اگر یہ میرے واسطے خیر ہو تو میرے لئے آسان ہو جائے ورنہ میرے دل کو اس سے پھیر دیا جائے کیونکہ استخارہ کا محل ایسا امر ہے جس میں ظاہر ابھی نفع و ضرر دونوں کا احتمال ہے اور یہاں ایسی دعا کا ذکر ہے جو بظاہر نافع ہی ہے فافترقا۔ بعض لوگوں کو خود دعا میں ایک اشکال واقع ہو گیا ہے کہ دعا کرنا بظاہر خلاف تفویض ہے تفویض اسی میں ہے کہ خود کچھ نہ مانگے جو وہ چاہیں گے خود ہی عطا فرما دیں گے۔

چہ حاجت بہ پیش تو حال دل گفتن کہ حال خستہ دلاں را تو خوب می دانی  
اے اللہ تیرے سامنے دل کے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ زخمی دلوں کا حال تو خوب جانتا ہے۔ (الفصل والافتصال ج ۲۱)

## ہماری نماز کی مثال

ہماری نماز ایسی خوبصورت ہوتی ہے کہ خشوع دوسرے درجہ میں ہے ارکان بھی باقاعدہ ادا نہیں ہوتے نہ رکوع درست ہے نہ سجدہ کا حق ادا کرتے ہیں۔ پس نام نماز کا ہے باقی حقیقت اور مغز تو ہے نہیں اس نماز کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی دوست سے آپ فرمائش کریں کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے وہ دس دن کے بعد چار آدمیوں کے سر پر ایک کھٹولہ لادے اور اس پر چادر پڑی ہو پوچھا کہ یہ کیا ہے جواب دیا کہ جناب آپ نے آدمی لانے کے لئے ارشاد فرمایا تھا میں آدمی لایا ہوں دوست نے کہا کہ میاں یہ کیسا آدمی ہے دیکھیں تو چادر اتاری تو کیا منظر نظر آیا کہ ایک مضغہ گوشت ہے ہاتھوں سے لولا پاؤں سے لنجا، اندھا، گونگا، بہراء جذامی غرض دنیا بھر کے عیب اس میں موجود مگر ہاں حیوان ناطق کا اطلاق اس پر صحیح ہے یعنی تعریف آدمی کی اس پر صادق ہے۔ اس پر وہ دوست یہ ہی کہے گا تم بھی عجیب احمق ہو یہ کوئی آدمی ہے یہ کس کام کا ہے پس صاحبو جیسے وہ لغتہ آدمی ہے اسی طرح ہماری نماز بھی لغتہ نماز ہے مگر باعتبار اس کے اغراض مختصر کے وہ نماز نہیں اور جس طرح سے آدمی کا لانا سب ناراضی صاحب فرمائش کا ہے اسی طرح ہماری ایسی نماز کا پیش ہونا بھی فی نفسہ موجب عتاب حق تعالیٰ شانہ کا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز چھوڑ بیٹھو۔ (الشکر ج ۲۱)

## شریعت میں نماز کا اہتمام روزہ سے زیادہ ہے

روزہ سے زیادہ شریعت میں نماز کا اہتمام ہے۔ یہ روزانہ پانچ مرتبہ فرض ہے اور روزہ تو مرض اور سفر وغیرہ کی وجہ سے قضا کرنا بھی جائز ہے لیکن نماز جب تک ہوش میں رہیں اس وقت تک معاف نہیں، اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھنا فرض ہے، بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھنا ضروری ہے مگر مسلمانوں کو اس کا بہت ہی کم اہتمام ہے۔ رمضان میں بعض لوگ روزہ تو رکھ بھی لیتے ہیں مگر نماز کا پھر بھی اہتمام نہیں کرتے۔ چنانچہ بعض لوگ صرف عید ہی کے نمازی ہوتے ہیں، عید کے دن لوگوں کو کپڑے دکھانے کے واسطے چلے جاتے ہیں حالانکہ اگر غور کیا جائے تو نماز میں ثواب کے علاوہ دنیوی فائدہ بھی ہے۔ نمازی کی طبیعت صاف رہتی ہے اور بے نمازی کی طبیعت میل میلی رہتی ہے۔ نمازی کی صورت پر نشاط اور رونق ہوتی ہے، بے نمازی کے چہرہ پر وحشت برستی ہے اس لئے اگر ثواب کی رغبت زیادہ نہ ہو تو نشاط اور فرحت ہی کے لئے نماز پڑھ لینا چاہئے۔ اس پر شاید کوئی بے نمازی یہ شبہ کرے کہ ہم کو تو اپنے اندر وحشت اور ظلمت نہیں معلوم ہوتی سو اول تو یہ بات غلط ہے جس شخص میں ذرا بھی ایمان ہوگا وہ ضرور نماز چھوڑنے کی ظلمت اور وحشت اپنے اندر پائے گا اور اگر کسی کا دل بے حس ہو گیا ہو اس سے یہ کہا جائے گا کہ تم نماز شروع کر کے پھر اپنے دل کی حالت کا اندازہ کرو یقیناً اس حالت میں اور پہلی حالت میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔ جو شخص بچپن سے اندھیرے تہ خانہ میں پرورش پاتا رہا ہو اس کو تاریکی اور روشنی میں کیا فرق معلوم ہو سکتا ہے، ہاں ایک مرتبہ اس کو تہ خانے سے باہر نکالو اس وقت اس کو روشنی اور اندھیرے کا فرق محسوس ہوگا، اس کے بعد وہ تہ خانہ میں زندگی بسر کرنا کبھی قبول نہ کرے گا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## نماز سے تکبر کا علاج

نماز کے متعلق ارشاد ہے **وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي** (نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو) اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا منشاء ذکر اللہ ہے اور نماز ذکر اللہ کے انواع میں سب سے افضل ہے اسی طرح نماز کا ایک اور منشاء دوسری آیت میں مذکور ہے۔ **وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ** اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس کا منشاء تو واضح بھی ہے اللہ تعالیٰ نے یہود کو اس میں خطاب فرمایا ہے کیوں کہ ان کو تکبر ایمان سے مانع تھا اور تکبر کا علاج نماز سے بہتر کچھ نہیں صاحبو! متکبر نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ رکوع کرنا اور سجدہ میں سرین کو سر سے اونچا اور سر کو زمین پر رکھنا متکبرین کو دشوار ہے اور ہم لوگوں کو عادت ہو گئی ہے اس لئے دشوار نہیں۔ (الارتباب والاغیاب ج ۲۶)

## نماز پڑھنے سے تکبر پیدا ہوا اس کا علاج

نماز میں خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حق تعالیٰ کی عظمت قلب میں نہ ہو اور جب عظمت ہو تو دوسری طرف توجہ ہی نہیں ہو سکتی بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنی نماز سے آدمی بجائے اس کے انداز سے الٹا شرمندہ ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی بہت بڑے شہنشاہ کے حضور میں ایک نہایت ذلیل آدمی کوئی تحفہ بہت کم قیمت لے جائے دربار کی عظمت و شوکت کو دیکھ کر اس کی کیا حالت ہوگی۔ مختصر یہ ہے کہ اس ذلیل تحفہ کو پیش کرنے پر بھی اس کو قدرت نہ ہوگی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور غنیمت سمجھے گا کہ کسی سزا کا حکم نہ ہو جائے جلدی کسی طرح یہاں سے خیریت سے نکل جاؤں۔ ہماری نمازوں کی جو کچھ حقیقت ہے وہ خوب معلوم ہے پھر اس کو حق تعالیٰ جیسے احکم الحاکمین کے سامنے پیش کر کے ذرا شرم بھی نہ آنا اسی وجہ سے ہے کہ عظمت و جلال حق تعالیٰ سے ہم نے قطع نظر کر لی ہے۔ اور اسی سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ دوسری طرف توجہ ہوئی اور اپنی نماز کو کچھ سمجھ کر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے اس تقریر سے بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نماز پڑھنے یا اور دین کے احکام بجالانے سے اگر دل میں کبر پیدا ہو تو اس کا علاج یہ نہیں کہ اس عمل کو چھوڑ دیا جاوے بلکہ جو سبب ہے اس کو قطع کیا جائے۔ سبب اس کبر کا تعمیل حکم دین نہیں بلکہ عظمت الہی کا دل میں نہ ہونا ہے سو اس کو پیدا کرنا چاہئے اس سے تعمیل حکم بھی ہوگی اور وہ خرابی جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے وہ بھی نہ رہے گی۔ اس غلطی میں بہت سے پڑھے لکھے اور سمجھدار بھی مبتلا ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ غرض ہمارے دیندار بھی کبر میں مبتلا ہیں اور دنیا دار بھی دنیا داروں میں اس طرح کا کبر تو نہیں ہے جو دینداروں میں ہے ہاں دنیا داروں میں اور طریقے کبر کے ہیں۔ وضع میں لباس میں۔ بیاہ شادی میں۔ کبر میں سب گناہوں سے بڑھ کر ایک خرابی اور ہے وہ یہ کہ مسلمان خواہ کسی درجہ کا ہو مگر اس کے دل میں یہ بات ضروری ہے کہ جب کوئی گناہ کر گزرتا



ہے کسی ضرورت سے لیکن کرنے کے بعد دل میں چوٹ ضرور لگتی ہے اور پشیمان ہوتا ہے مگر کبر کہ یہ گناہ ساری عمروں میں رہتا ہے اور دل پر صدمہ نہیں ہوتا۔ (علاج الکبر ج ۲۶)

## سات برس کی عمر میں حکم نماز کی حکمت

شریعت کا حکم ہے کہ جب بچہ سات برس کا ہو جاوے اس وقت اس سے نماز پڑھنے کے لیے کہو اور جب دس برس کا ہو جاوے تو مار کر نماز پڑھاؤ حالانکہ دس برس کا لڑکا بالغ نہیں ہوتا اور سات برس کی لڑکی بھی بالغ نہیں ہوتی تو سات ہی برس سے جبکہ دونوں نابالغ ہیں نماز پڑھانے کا حکم ہے۔ غرض سات برس یا دس برس ہر حالت میں نابالغ ہیں۔ سات برس کی عمر میں تو سب ہی نابالغ ہوتے ہیں اور دس برس کی عمر میں اکثر مگر پھر بھی نماز پڑھانے کا حکم ہے۔ ایک بچہ مجھ سے کہنے لگا کہ میں تو بالغ نہیں ہوں تو مجھ پر نماز واجب نہیں میں نے کہا کہ تم پر تو واجب نہیں لیکن ہم پر تو واجب ہے کہ تم کو جبراً پڑھائیں تو شریعت میں آخر یہ کیوں رکھا گیا کہ بلوغ سے بھی پہلے ہی ان سے نماز پڑھوائی جائے۔ اس لیے کہ اگر بلوغ کی حالت میں دفعۃً اس کو کہا جاوے گا تو بہت مشکل ہے کہ اول ہی تاریخ میں پانچ وقت کے مقید ہو سکے اس کے متعلق ایک نکتہ یاد آیا کہ سات برس کی تخصیص کیوں ہے حالانکہ اس کے قبل بھی نماز پڑھائی جاسکتی ہے۔ مجھے ایک مرتبہ یہ خیال ہوا کہ سات برس کی تخصیص مقصود نہیں ہے۔ یہ محض اس لیے ہے کہ سات برس میں بچہ کو اکثر نماز کی سمجھ ہو جاتی ہے لیکن اگر اس عمر سے کم ہی میں اتنی سمجھ ہو جاوے کہ نماز پڑھ سکے تو اسی وقت اس کو نماز پڑھوانا چاہیے۔ بس میں نے یہ خیال کر کے مدرسہ میں پانچ برس کے بچوں کو بھی کھڑا کر دیا۔ عصر کا وقت تھا بعد نماز کے معلوم ہوا کہ ایک بچہ نے نماز میں پیشاب کر دیا ہے اس وقت حکم شریعت کی معلوم ہوئی کہ سات برس کی تخصیص میں یہ حکمت ہے کہ اس سے کم ایسی باتوں کی تمیز نہیں آتی۔ خلاصہ یہ کہ سات ہی برس کی عمر سے بچوں کو نماز پڑھوانے کا حکم ہے جبکہ بالغ بھی نہیں ہوتے تو حکمت اس کی وہی ہے کہ پہلے سے عادت پڑے اب جبکہ بالغ ہوگا اور نماز پڑھنا پڑے گی تو اس وقت دشواری نہیں ہوگی جیسے ایک دم سے عمل کرنا دشوار ہے اسی طرح علم حاصل کرنا بھی دشوار ہے۔ (بفضل العظیم ج ۲۷)

## نماز باجماعت کا خاصہ

نماز جماعت کا یہ خاصہ ہے کہ اس سے قوت اتفاق برہتی ہے لیکن یہ جماعت سے مقصود

نہیں ہے۔ مقصود تو محض حق تعالیٰ کی رضا ہے تو اگر کوئی شخص نماز اس قصد سے پڑھے کہ قوت اتفاقی بڑھے تو ثواب کچھ نہیں ملے گا اور اگر رضائے خداوندی کے قصد سے پڑھے تو ثواب بھی ملے گا اور اتفاق بھی حاصل ہوگا۔ اب جو بعض تعلیم یافتہ لوگوں نے نماز کے یہ مصالح بیان کیے ہیں غلط بھی ہیں اور صحیح بھی اگر اس کو مقصود سمجھیں تو غلط ورنہ صحیح۔ (بفضل العظیم ج ۲)

## نماز میں طریق حصول حضور قلب

تکمیل نماز کے لئے مراقبہ موت و مراقبہ لقاء اللہ کا عادی ہونا چاہیے اور میرا ذوق یہ کہتا ہے کہ آیت میں یہ مراد ہے کہ عین نماز کے اندر بھی اس مراقبہ میں قلب کو مشغول کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ نمازی نماز کی ہدیت میں غور کرے کہ میں جو تمام دنیا سے رخ پھیر کر ہاتھ باندھ کر اس طرح کھڑا ہوں کہ نہ کسی سے بات کر سکتا ہوں نہ کسی کی طرف دیکھ سکتا ہوں نہ کھاپی سکتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں اور ان سے عرض معروض کر رہا ہوں پھر قیام کی حالت میں یہ سوچے کہ خدا تعالیٰ کے مجھ پر کس قدر احسانات و انعامات ہیں جن کا شکر یہ میرے ذمہ واجب ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے یہ سوچے کہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر یہ ادا کر رہا ہوں اور اس کی ربوبیت کا اقرار اور اپنی عبدیت کا اعتراف کر رہا ہوں اور اسی عبدیت پر قائم رہنے اور اہل عبدیت کے طریقے پر چلنے کی دعا کر رہا ہوں اور جو لوگ طریق عبدیت سے بہک گئے اور لعنت و غضب کے مستحق ہو گئے ہیں ان کے طریقے سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہوں اور جو قانون الہی تکمیل طریق عبدیت کے لئے نازل ہوا ہے اس پر ہمیشہ چلنے کا عہد کر رہا ہوں فاتحہ کے بعد سورت پڑھنے کا یہی مطلب ہے پھر جب رکوع میں جائے تو یہ سوچے کہ میری پیدائش اسی مٹی اور زمین سے ہے جو میرے پاؤں تلے ہے زمین کی خاک سے جیتا جاگتا سمیع و بصیر انسان پیدا ہو جانا محض خالق جل و علا کی قدرت ہے اور جس کی پیدائش زمین کی خاک اور اس کی نباتات وغیرہ سے ہو اس کو عبدیت اور بندگی کے سوا کچھ زیبا نہیں بڑائی اور بزرگی صرف خالق جل و علا کو زیبا ہے جو تمام عیوب سے بری ہے اسی لئے نماز میں بار بار اللہ اکبر کہا جاتا ہے کہ اے خدا ہم نے آپ کی عظمت کے سامنے اپنی خیالی عزت کو قربان کر دیا پھر سجدہ میں جاتے ہوئے یہ سوچے کہ مجھے ایک دن زمین کے اندر پیوند ہونا ہے اور اس وقت خدا کے سوا میرا ساتھ دینے والا کوئی نہ ہوگا دنیا سے میرا نام بھی مٹ جائے گا اور نشان بھی اس کے بعد

دوسرے سجدے میں یہ تصور کرے کہ گویا میں مرچکا اور خدا سے مل گیا ہوں اب خدا کے سوا کوئی میرے ساتھ نہیں پھر جلسہ تشہد میں یہ سوچے کہ مرنے کے بعد پھر ایک زندگی ہوگی جہاں اسلام اور اعمال و اقوال و احوال صالحہ ہی کام آئیں گے جو اللہ کے واسطے کئے گئے ہوں اور سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء و حضرات ملائکہ اور تمام نیک بندوں کی عزت ظاہر ہوگی کہ وہ گنہگاروں کی شفاعت کریں گے لہذا ان پر سلام بھیج کر ان سے تعلق پیدا کرنا چاہیے پھر چونکہ امت محمدیہ کو سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق ہے اس لئے اخیر رکعت میں آپ پر خصوصیت کے ساتھ درود شریف پڑھنا چاہیے جب یہ تصور جم جائے تو اس کے بعد میں یوں تصور کرے کہ گویا مرنے کے بعد یہ میدان قیامت حاضر ہوا ہے اور تمام اعمال و افعال و اقوال جو دنیا میں کئے ہیں اس کے سامنے ہیں جن میں سے وہی کام آ رہے ہیں جو اللہ کے واسطے کئے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء و صلحاء و ملائکہ کی جماعت کے سامنے ہے جو دربار الہی میں حاضر ہوں اور میں ان سب پر درود شریف و سلام بھیج رہا ہوں اور آخر میں اپنے لئے کامیابی و نجات و فلاح کی دعا کر رہا ہوں اور اسی واسطے آیت میں لفظ یظنون اختیار کیا گیا ہے حالانکہ لقاء اللہ کا تو اعتقاد جازم فرض ہے محض ظن کافی نہیں مگر چونکہ مقصود یہ ہے کہ نماز میں لقاء اللہ و رجوع الی اللہ کا استحضار کیا جائے اور یہ استحضار درجہ وقوع میں لازم نہیں بلکہ اسکا ظن اور تصور بھی نماز میں کافی ہے کہ گویا میں اسی وقت خدا کے سامنے حاضر ہوں اور مر گیا ہوں یا مرنے والا ہوں اور گویا میں اس وقت عالم آخرت میں حاضر ہوں اس واسطے لفظ ظن اختیار کیا گیا اس طرح نماز پڑھنے سے خشوع خاص ہو جائے گا اور تمام خیالات و وساوس قلب سے نکل جائیں گے واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲ جامع) (الحج ۲۸)

## مسائل نماز سے ناواقفیت

ہم نماز روزہ کرتے ہیں مگر ہم جو اپنے اعمال کو دیکھتے ہیں تو سراپا ناقص ہی ناقص ہیں ہماری حسنات بھی بجائے خود معصیت میں ہمارے بعض حضرات تو بوجہ ناواقفیت مسائل کے مفسدات میں مبتلا ہیں بعض حرکتیں ایسی کر جاتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کیونکہ مسائل سے بے خبر ہیں۔ مراد آباد میں ایک مسافر امام نے دو رکعت پر سلام پھیر کر مقتدیوں سے کہا کہ اپنی نماز پوری کر لو میں مسافر ہوں تو مقیمین میں سے ایک صاحب نماز کے اندر ہی کہتے ہیں ہاں جناب کیا فرمایا انہوں نے کہا کہ میں نے تو جو کچھ

فرمایا تھا بعد کو بتلاؤں گا مگر پہلے آپ اپنی نماز کا اعادہ کر لیں اسی طرح ایک مولوی صاحب ساڈھورہ میں تھے جب وہ طالب علمی کرتے تھے تو اس وقت ایک نماز میں کسی امام کے پیچھے شریک ہوئے۔ امام غلطی سے تیسری رکعت پر بیٹھ گیا تو آپ پیچھے سے فرماتے ہیں قم یعنی کھڑے ہو جاؤ امام کو یاد آ گیا کہ تیسری رکعت ہے وہ کھڑے ہو گئے سلام کے بعد انہوں نے کہا کہ قم فرمانے والے کون صاحب تھے وہ اپنی نماز کا اعادہ کر لیں تو آپ فرماتے ہیں کہ کیوں میں نے تو عربی میں کہا تھا۔ امام نے کہا سبحان اللہ تو پھر اہل عرب کی نماز تو کبھی باطل نہ ہونی چاہئے۔ خواہ کچھ ہی باتیں کرتے رہیں کیونکہ وہ اردو میں تھوڑا ہی باتیں کرتے ہیں تو یہ طالب علم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اردو فارسی ہی میں باتیں کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے عربی میں باتیں کرنے سے نماز نہیں ٹوٹی اور اس سے بھی عجیب ایک اور قصہ ہے ہمارے ملنے والوں میں ایک صاحب حافظ اکبر تھے سمجھدار پڑھے لکھے ایک دفعہ وہ اور دو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے امام کو نماز میں حدت ہوا تو انہوں نے ان ہی حافظ اکبر کو پیچھے سے آگے کھڑا کر کے خلیفہ بنا دیا اور خود وضو کرنے چلے گئے مقتدی دو شخص رہ گئے ان میں سے ایک بولا کہ ہیں یہ کیا ہوا (یعنی یہ کیا قصہ ہے کہ امام چلا گیا اور مقتدی امام بن گیا) دوسرا بولا چپ رہ یوں بھی ہوا کرتا ہے۔ خیر یہ تو دونوں جاہل تھے مگر مزایہ کہ حافظ اکبر صاحب جو امام بنے ہوئے تھے آگے کھڑے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب میں کس کو نماز پڑھاؤں ظالموں نے سبھی نے نماز غارت کر دی۔ اب یہ قصہ تو جاننے والوں کے سامنے ہوئے اس لئے معلوم ہو گیا کہ نماز نہیں ہوئی اور اگر کہیں سارے جاہل ہی ہوں تو نماز کا فاسد ہونا بھی معلوم نہ ہوگا۔ بتلائیے ایسی حالت میں بدون علم دین حاصل کئے ہوئے کیونکر اطمینان ہو کہ ہم لوگ جتنی نمازیں پڑھتے ہیں سب صحیح ہوتی ہیں۔ (ایواء الیتامی ج ۳۰)

## نماز کے دنیوی منافع

نماز کی ایک برکت یہ ہے کہ اس سے صحت اچھی رہتی ہے اطباء بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ و افعال حسنہ کا اثر صحت پر بہت اچھا پڑتا ہے اور افعال بد سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ ایک آدمی نمازی ہو اور ایک بے نمازی تو نمازی کی صحت بے نمازی سے ضرور اچھی ہوگی (مگر دونوں یکساں قوی اور قریب قریب بدن کے لینے چاہئیں) بلکہ ایک حدیث سے جو ابن ماجہ میں ہے تو معلوم ہوتا ہے گو محدثین نے اس کو



ضعیف کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے ذریعہ سے بعض امراض کا علاج کیا ہے ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں درد تھا وہ آہ آہ کر رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فارسی میں فرمایا اشکمت درد قال نعم قال قم فصل فزال وجع بطنہ (سنن ابن ماجہ ۳۴۵۸، تفسیر الطبری ۲۰۵:۱) کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے کہا ہاں فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو نماز چنانچہ پڑھتے ہی درد زائل ہو گیا چونکہ یہ مسئلہ احکام میں سے نہیں اس لئے ضعف حدیث اس میں مضرت نہیں۔ میں یہ تو دعویٰ نہیں کرتا کہ نماز پڑھنے سے ہمیشہ درد زائل ہو جایا کرے گا ممکن ہے کسی عارض سے اس نفع کا ظہور نہ ہو مگر یہ تو ضرور ہے کہ نماز سے ایک خاص سرور و نشاط اور قلب کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ جس کا اثر صحت پر بھی ضرور ظاہر ہوتا ہے اور ہم کو اس کی وجہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ نماز سے راحت و سرور کیوں ہوتا ہے کیونکہ ہر اثر کے لئے کسی علت کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ بعض چیزیں بالخاصہ موثر ہوتی ہیں دیکھئے مقناطیس میں جو جذب حدید کی خاصیت ہے اس کی وجہ کوئی نہیں بتلا سکتا اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ نماز میں یہ اثر بالخاصہ ہے جس کی علت بتلانے کی ہمیں ضرورت نہیں افسوس اتنی بڑی عبادت جس میں فلاح اخروی بھی ہے اور فلاح دنیوی بھی ہے اور ہم اس سے ایسے غافل ہیں کہ پانچ وقت خدا کی طرف سے ایک منادی ہم کو پکارتا ہے اور ہم جماعت میں نہیں آتے حالانکہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ولقد هممت ان امربا لصلوة الی ان قال فاحرق بیوتہم بالنار کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز میں ایک شخص کو امام بناؤں پھر چند آدمیوں کو ساتھ لے کر دیکھوں کہ کون کون لوگ جماعت میں نہیں آئے پھر جو جماعت سے پیچھے رہتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کے گھر پھونک دوں اور گو آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو پھونکا نہیں مگر چاہا تو تھا اور حضور کی شان یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انی اری ربک یسارع فی ہواک کہ میں خدا تعالیٰ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کی خواہش کو بہت جلد پورا کر دیتے ہیں اور بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان کیوں نہ ہو جب ادنیٰ ادنیٰ مقبولین کی یہ شان ہے کہ

تو چنین خواہی خدا خواهد چنین میدہد یزداں مراد متقیں

تو معلوم ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا چاہا ہے تو خدا تعالیٰ نے بھی ضرور چاہا ہے اب بتلاؤ جس کے گھر کو خدا اور رسول پھونکنا چاہیں وہ کیونکر بچ سکتا ہے تو

جو لوگ جماعت میں نہیں آتے ان کے گھر میں ضرور آگ لگی ہے شاید تم کہو کہ ہمارا گھر کہاں جلا وہ تو اچھا خاصا موجود ہے۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۲۰)

## بے نمازی کے چہرے سے بدروقتی عیاں ہوتی ہے

اس کے متعلق مولانا رومی کا جواب سن لو فرماتے ہیں۔

آتشی گرنا بدست ایں دود چہست جاں سیہ گشت و رواں مردود چہست  
یہ تھوڑی آگ لگی ہوئی ہے جس کے دھوئیں نے دل کو سیاہ کر دیا اور چہرہ پر وحشت و ظلمت  
برس رہی ہے اس ظلم قلب سے بے نمازی کے چہرہ پر ہی ضرور ایک اثر ہوتا ہے جس سے اس کا بے  
نمازی ہونا لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے نمازی کے چہرہ پر جو نور ہوتا ہے وہ بے نمازی کے چہرہ پر نہیں  
ہوتا اور یہ اثر قلب کا ہے نمازی کے دل میں نور ہے اس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے اور بے نمازی کے  
دل میں ظلمت ہے اس کا اثر چہرہ کی بدروقتی سے ظاہر ہوتا ہے معلوم ہوا کہ آگ ضرور لگی ہے اسی کا یہ  
دھواں ہے جس نے ظاہر و باطن دونوں کو سیاہ کر دیا ہے دل کی سیاہی یہ ہے کہ بہت لوگوں کو نہ رشوت  
سے نفرت ہے نہ جھوٹ بولنے سے نہ کسی پر بہتان باندھنے سے نہ کسی کی زمین دبانے اور قرض  
لے کر انکار کر دینے سے نہ لڑکوں اور عورتوں کو گھورنے سے وغیرہ وغیرہ اور مولانا کا یہ ارشاد حدیث  
سے موید ہے۔ حدیث میں ہے ان المومن اذا اذنب كانت في قلبه نكحة سوداء فان تاب  
واستغفر صقل قلبه وان زاد زادت حتى تعلو قلبه فذلکم الوان الذی ذکر اللہ تعالیٰ  
کَلَّا بَلْ (سنن ابن ماجہ: ۴۲۴۴ مسند احمد ۲/۲۹۷) (سکتہ) رَانَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا  
يَكْسِبُونَ (قال الترمذی حسن صحیح مشکوٰۃ ص ۱۷۰) یعنی جب مسلمان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل  
میں ایک سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر توبہ استغفار کر لے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ میں  
بڑھتا گیا تو یہ داغ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ دل کو گھیر لیتا ہے یہی وہ زنگ ہے جس کی بابت حق  
تعالیٰ فرماتے ہیں کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ یعنی ہرگز نہیں بلکہ ان کے  
دلوں پر ان کے کرتوتوں کا زنگ غالب ہو گیا ہے۔ اسی کو مولانا ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

ہر گنہ زنگے ست بر مرآۃ دل دل شود زین زنگ ہا خوار و خجل

چوں زیادت گشت دل راتیرگی نفس دون رایش گرد و خیرگی

یہ تو بالکل حدیث کا ترجمہ ہے پس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ گناہوں سے دل  
سیاہ ہو جاتا ہے اسی کو مولانا نے فرمایا کہ آگ نہیں لگی تو یہ دھواں کہاں سے آیا کہ دل

سیاہ ہو گیا اور صورت پر پھنکار برستی ہے۔ بزرگوں کا کلام کلیا یا جزئیا بالکل حدیث و قرآن کا ترجمہ ہے گویا ہر میں اشعار نظر آتے ہیں۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

## تارک نماز کا حکم

حدیث میں ارشاد ہے ”من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر اے“ لیجئے اب بہت صاف معنی ہو گئے اس حدیث کے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نماز جان کر چھوڑ دے وہ مسلمان نہ رہا اس کی اور توجیہوں میں محض تکلف ہے لیکن سیدھی تاویل جو جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق ہے وہ یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال اسلام کی نفی کی ہے مطلق نفی اسلام مراد نہیں۔ جمہور کی یہی توجیہ ہے۔ میں نے اس کو محاورات میں تعبیر کر دیا ہے اب اس کے معنی بالکل صاف ہو گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایسا ہی کافر فرمایا ہے جیسے ہم پیسہ کے مالک کو غیر مالدار کہہ دیتے ہیں۔ گوئی نفسہ نہ وہ علی الاطلاق کافر ہے نہ یہ علی الاطلاق غیر مالدار تو جیسے یہ حکم صحیح ہے اور اس میں کسی کوشبہ نہیں ہوتا نہ کسی مولوی کو نہ طالب علم کو نہ کسی فلسفی کو نہ عامی کو اسی طرح یہاں بھی نہ ہونا چاہیے تو معلوم ہوا کہ کمال اسلام وہ چیز ہے جس کی نفی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی الاسلام سے تعبیر فرمایا تو صاحبو! وہ درجہ اسلام کا ہم کو کیا خوش کر سکتا ہے جس کو نفی اسلام سے تعبیر کیا جاسکے اور واقعی کیا مسلمان ہیں کہ نہ نماز نہ روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ اور کہنے کو مسلمان۔ مگر اس مسلمان نے یہ فتویٰ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سنا کہ جب نماز کو عمداً ترک کر دے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ ایسے اسلام سے کیونکر تسلی ہو جاتی ہے مگر مال کے اس درجہ سے تسلی نہیں ہوتی۔ فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس اتنی مقدار مال کی تھی کہ وہ مالدار مشہور تھا ایک دن اس کی عدم موجودگی میں کہیں گھر کے اندر چور گھس آئے اور جو کچھ اندوختہ تھا سب لے گئے صرف دو چار پیسہ جو اتفاق سے اس کی اچکن کی جیب میں تھے وہ تو پڑے رہے باقی سارا مال و متاع جاتا رہا اب اس پر وہ کبھی یہ نہ کہے گا کہ اجی کامل مالدار اگر نہ رہا نہ سہی کیا غم ہے۔ کسی درجہ میں تو مالدار اب بھی ہوں ہی چنانچہ جیب میں چار پیسے موجود ہیں وہاں کبھی جی کو تسلی نہیں ہوتی کہ چار پیسے تو موجود ہیں بلکہ اگر کوئی سمجھائے بھی کہ کیوں غم کرتے ہو بلا سے زیادہ مال نہ رہا چار پیسے تو موجود ہی ہیں یہ

بھی تو آخر ایک مقدار مال ہی کی ہے اور اس کے اعتبار سے اب بھی تم مالدار ہی ہو تو کیا اس تقریر سے اس کی تسلی ہو جائے گی یا طیش میں آ کر یہ کہے گا کہ آپ بھی عجب چیز ہیں! آپ کے نزدیک یہ مال ہوگا۔ بھلا چار پیسے بھی کوئی مال ہے میرے پاس اب رہ ہی کیا گیا ہے۔ بجز ان چار پیسوں کے اور ان سے کیا خاک کام چل سکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہ مال تسلی بخش نہیں ہے تو وہ اسلام کیونکر تسلی بخش ہو گیا۔ آخر وجہ فرق کیا ہے؟ (ملت ابراہیم ج ۳۱)

## اللہ تعالیٰ سے واسطہ

ہمارے قصبہ میں ایک بڑے زمیندار مالدار کا لڑکا نماز پڑھنے لگا۔ اور رمضان میں اعتکاف بھی کرنے لگا اور پھر نماز کے بعد دعا بھی دیر تک کرتا تو اس کا چچا کہنے لگا کہ سوہرا (سسر) نماز پڑھ کر ہاتھ پھیلا پھیلا کر خدا سے کیا مانگتا ہے۔ اس کے گھر میں کس چیز کی کمی ہے۔ زمین اس کے پاس ہے، گھر اس کے پاس ہے، بیل گائے بھینس اس کے پاس ہے اور کیا مانگتا ہے۔ مطلب وہی ہے کہ خدا سے تو روٹی کے واسطے تعلق ہے۔ جب روٹی کا سب سامان موجود ہے تو اب خدا سے کیا واسطہ، نعوذ باللہ! (الفاظ قرآنی ج ۲)

## بغیر طہارت کے نماز

بعض دفعہ ایسی صورت پیش آتی ہے کہ کوئی بے نمازی نمازیوں میں جا پھنستا ہے۔ نماز کا وقت آ گیا اور سب لوگ نماز کے لئے تیار ہو گئے۔ اب یہ بے نمازی آدمی بڑا پریشان ہوتا ہے۔ نماز نہ پڑھے تو سب لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ برا بھلا کہتے ہیں۔ اور نماز پڑھتا ہے تو یہ مصیبت ہے کہ اس کو غسل جنابت کی ضرورت ہے۔ سب کے سامنے غسل کرے تو زیادہ بدنامی ہوتی ہے۔ اب ایسی صورت میں یہ بے نمازی بدنامی سے بچنے کے لئے نماز میں شریک ہو جاتا ہے۔ اور فقہاء نے لکھا ہے کہ بے وضو نماز پڑھنا کفر ہے، تو میں کہتا ہوں کہ ایسی حالت میں اگر کوئی ایسا شخص نماز پڑھے تو اس کو چاہیے کہ نماز کی نیت نہ کرے بلکہ بدون نیت کے نماز کی نقل کرتا رہے۔ اس طرح یہ شخص کفر سے بچ جائے گا۔ اگرچہ ترک نماز کے گناہ کے ساتھ دھوکا دینے کا بھی گناہ ہوگا۔ کہ لوگ اس کو نمازی سمجھیں گے اور بے نمازی۔ مگر کفر سے تو بچ جائے گا۔ (تعمیم التعليم ج ۲)



اس کی حالت یہ تھی کہ تکیہ میں اس کے پاس چند بد معاش رہتے تھے اور ہر وقت بھنگ وغیرہ پیتا رہتا تھا۔ ان رئیس صاحب کو اعتقاد اس حالت کے مشاہدہ سے بھی نہ گیا۔ یہ پیری ایسا پیشہ ہے کہ اگر ایک دفعہ کسی کے تقدس کا اعتقاد ہو جاوے تو پھر بی بی تمیزہ کے وضو کی طرح وہ تقدس کبھی ٹوٹتا ہی نہیں۔

## تمیزہ کا وضو

تمیزہ ایک فاحشہ تھی جو نماز بھی نہ پڑھتی تھی۔ ایک بزرگ نے اس کو نماز کی تاکید کی اور وضو کرا دیا۔ نماز کی ترکیب بتلا دی۔ جب سال بھر گزر گیا تو وہ بزرگ پھر آئے اور بی بی تمیزہ سے پوچھا کہ نماز بھی پڑھتی ہو؟ کہا حضور روزانہ پڑھتی ہوں پوچھا وضو بھی کیا کرتی ہو۔ کہنے لگی کہ حضور نے تو وضو کرا دیا تھا اسی وضو سے اب تک نماز پڑھ رہی ہوں۔

تو جس طرح بی بی تمیزہ کا وضو نہ پیشاب پاخانہ سے ٹوٹتا تھا نہ زنا اور بدکاری سے (وضو کیا لو ہلاٹ تھا) اسی طرح آج کل کی پیری جب چل جاتی ہے تو نہ وہ شراب خوری سے ٹوٹتی ہے نہ زنا و بدکاری سے نہ صوم و صلوٰۃ کے چھوڑنے سے نہ داڑھی منڈانے سے نہ ننگا پھرنے سے بلکہ اگر کوئی لنگوٹا بھی اتار کر پھینک دے تو اس کے اور زیادہ معتقد ہوتے ہیں۔ اگر پیر صاحب خاموش رہیں تو چپ شاہ بلکہ فنا فی اللہ ہیں۔ اگر اینڈی بینڈی باتیں ہانکنے لگیں تو رموز ہیں گو وہ کفریات ہی کیوں نہ ہوں اور کوئی ٹھیک بات کہہ دی تو عارف اور محقق ہیں۔

منشاء اس غلطی کا یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ بات جم رہی ہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے اس لئے اگر کوئی شخص ظاہر میں شریعت کے بالکل خلاف ہو اس سے بھی ان کا اعتقاد زائل نہیں ہوتا وہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ بھی طریقت کا کوئی رمز ہوگا۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

## عورتیں اور نماز

عورتیں نماز کا ارادہ ہی نہیں کرتیں ورنہ کچھ مشکل بات نہ تھی۔ لیجئے میں ایک تدبیر بتلاتا ہوں جس سے بہت جلد نماز کی پابندی حاصل ہو جائے گی۔ وہ یہ کہ جب ایک وقت کی نماز قضاء ہو تو ایک وقت کا فاقہ کرو۔ پھر دیکھیں نماز کیسے قضا ہوتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ نماز کی پابندی تو فاقہ سے ہوگی مگر فاقہ کی پابندی کیوں کر ہوگی اس کی بھی تو کوئی ترتیب تجویز

بتلاؤ کیونکہ یہ تو نماز سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ فاقہ کس سے ہو سکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ فاقہ کے لئے تو کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا بلکہ چند کاموں سے اپنے کو روکنا پڑتا ہے اور یہ اختیاری بات ہے کہ ایک کام مت کرو۔ کسی کام کا کرنا تو مشکل ہوتا ہے مگر نہ کرنا کیا مشکل ہے۔ اگر کسی سے یہ نہ ہو سکے تو وہ اپنے ذمہ کچھ جرمانہ مالی مقرر کر لے کہ اتنے پیسے فی نماز خیرات کیا کروں گی یا کچھ نمازیں مقرر کر لیں کہ ایک نماز قضا ہوئی تو مثلاً دس رکعتیں نفل جرمانہ کی پڑھا کروں گی اس طرح چند روز میں نفس ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ ذرا عمل کر کے تو دیکھو۔ (اسباب الغفلۃ ج ۳)

## امام اور مقتدیوں کی حالت

بعض لوگ تو تراویح سے جلدی فارغ ہونے کے لئے اس قدر عجلت کرتے ہیں کہ سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ بھی نہیں پڑھتے۔ اور التحیات کے بعد درود شریف تو شاید کوئی اللہ کا بندہ پڑھتا ہوگا اور التحیات بھی بہت تیز پڑھتے ہیں۔ ان سب امور سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود صرف قرآن خوانی کو سمجھتے ہیں نماز کو مقصود نہیں جانتے ورنہ اس کے اجزاء میں یہ کتر بیونت نہ کرتے۔ اور قرآن بھی اس قدر تیز پڑھتے ہیں کہ بجز غفوراً اور شکوراً کے کچھ سمجھ نہیں آتا کیا پڑھا۔ غرض یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے خلاصی ہو۔ (امتہدیب ج ۴)

## ایک ہمت افزا واقعہ

حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت (مجدد زماں) سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ لشکر کے ساتھ جا رہے تھے اور خود امیر عسکر تھے کہ راستہ میں نماز کا وقت آ گیا تو آپ نے اپنی بی بی صاحبہ کو برقع اوڑھا کر نماز کے لئے سب کے سامنے پہلی سے اتارا اور بلند آواز سے فرمایا کہ صاحبو! دیکھ لو یہ عبدالحی کی بیوی ہے جو نماز کے واسطے سب کے سامنے کھڑی ہوئی ہے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## نماز اور وسوس

حدیث شریف میں ہے۔ ”الشيطان جائم على قلب ابن ادم فاذا ذكر الله خنس واذا غفل وسوس.“ (مشکوۃ المصابیح : ۲۲۸۱)

(یعنی ابن آدم کے قلب پر شیطان چڑھا ہوا بیٹھا ہے جب وہ ذکر اللہ کرتا ہے اس وقت تو ہٹ جاتا ہے اور جب خالی رہتا ہے تو وسوسے ڈالتا ہے)

اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ اگر نفس کو مشغول نہ کرو گے تو یہ خود مشغلہ تجویز کرے گا اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ نماز کا تو کوئی رکن بھی ذکر سے خالی نہیں، قرأت، تسبیح، تکبیر، شہد، غرض سب ذکر ہی ہے مگر باوجود اس کثرت کے ساتھ اس کے مشتمل ”علی الذکر“ (ذکر کو مشتمل) ہونے کے سب سے زیادہ وسوسے نماز ہی میں پیدا ہوتے ہیں تو ہم یہ کیسے مان لیں کہ جب کسی کام میں مشغول ہوں تو وسوسہ نہیں آتا۔ اس مادہ جزئیہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ صحیح نہیں کہ ”جب نفس کو کسی کام میں مشغول نہ کرو گے تب ہی وہ کسی کام میں لگ جاوے گا۔“

بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم بخت تو کام کے اندر بھی اپنا کلام چلاتا رہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر کہتے ہیں یاد کو خواہ وہ تنہا قلب سے ہو، خواہ زبان بھی اس میں شریک ہو مگر محض زبان سے نہ ہو۔ اگر محض زبان سے یاد ہے تو وہ واقع میں ذکر نہیں بلکہ وہ تو صورت ذکر ہے۔ اب شبہ جاتا رہا کیونکہ دیکھ لیجئے کہ جہاں جس شخص کو وساوس آتے ہیں وہاں واقع میں ذکر کا وجود نہیں بلکہ محض ذکر کی صورت میں صورت ہوتی ہے۔ قلب اس کی طرف مشغول نہیں ہوتا۔ چنانچہ جس نماز میں وساوس آتے ہیں اس میں قلب نماز میں پورا مشغول نہیں ہوتا ورنہ ”النفس لا يتوجه الى شئین فی آن واحد“ (ایک آن میں نفس دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا) کے قاعدہ سے پوری مشغولی کے ساتھ وساوس نہیں آ سکتے۔

اب اس پر ایک اور شبہ رہا وہ یہ کہ جب قلب متوجہ نہیں ہوتا تو پھر ادا کیسے ہوتا ہے کیونکہ فعل اختیاری تو بدون ارادہ قلب کے ہو ہی نہیں سکتا اور ارادہ کے لیے توجہ لازم ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ کلیہ صحیح ہے مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ جب بالکل توجہ نہ ہو تو فعل نہیں ہو سکتا لیکن یہ ممکن ہے کہ شروع توجہ سے کیا ہو مگر استمرار میں توجہ نہ رہی ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے دو آدمی ساتھ ساتھ چلیں اور باتیں کرتے ہوئے راستہ طے کریں تو باتیں کرتے وقت توجہ فقط باتوں کی طرف رہے گی، چلنے کی طرف نہ رہے گی مگر مشی پھر بھی واقع ہوتی ہے جیسے گھڑی کی کوک کہ ابتداء میں حرکت چابی کو دینا پڑتی ہے پھر اس کی رفتار کے استمرار و بقاء کے لیے کوکنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح مشی ممتد کے ساتھ قصد متجدد کی ضرورت

نہیں۔ وہی پہلا قصد کافی ہے اور وہی ساری مثنیٰ میں مؤثر ہے یا جیسے ہارمونیم بجا کہ جب ایک دفعہ کوئی اسے بجانے بیٹھ گیا تو ہر قرعہ پر جدید قصد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ابتداء ایک دفعہ قصد کر لیا اور بجانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد خود بخود ہاتھ وہیں پڑتا ہے جہاں ضرورت ہوتی ہے۔ اب وہ ارادہ تو کیا کرتا اسے بعض دفعہ ایسی محویت ہو جاتی ہے کہ ہاتھ چلنے کی بھی خبر نہیں ہوتی اور جیسے قاری ہے کہ قرأت میں اگر ہر لفظ پر نیا قصد کرے تو اس کا لہجہ بے تکلف اور بے ساختہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بارہا تجربہ ہوا ہوگا کہ جب کسی نے بنا کر پڑھا وہیں اس کا لہجہ بگڑ گیا بلکہ بے ساختہ اور بے ارادہ پڑھنے سے نہایت اچھا پڑھا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی فعل اختیاری کی جب عادت اور مشق ہو جائے تو پھر ابتداء کے لیے قصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ استمرار کے لیے قصد مجدد کی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ ان تمام مثالوں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ فعل اختیاری کے صدور کے لیے ضروری نہیں کہ ہر ہر آن میں اس پر توجہ ہو بس ابتداء کے لیے توجہ ضروری ہے۔

پس اب نماز اور وساوس کے جمع ہونے میں کوئی اشکال نہیں رہا کیونکہ ابتدائی توجہ سے نماز شروع ہو گئی اور وہ ہو رہی ہے اور درمیان میں وساوس کی طرف توجہ مبذول ہو گئی اس لیے وساوس بھی آ رہے ہیں کیونکہ توجہ نماز کے ہر جزو کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔ وہاں تو تکبیر تحریمہ سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک کسی توجہ کی ضرورت نہیں ہے، ہاتھ پاؤں اس کام کے لیے اس قدر منجھے ہوئے ہیں کہ جب موقع رکوع کا آتا ہے خود رکوع کر لیتے ہیں اور سجدہ کا وقت ہوتا ہے خود ہی سجدہ کر لیتے ہیں۔ پس یہ شبہ حل ہو گیا کہ نماز میں سب سے زیادہ فکر ہے یہ کیوں مانع نہیں ہوئی وساوس کی۔

حاصل جواب کا یہ ہوا کہ یہ مانع کیسے ہو، وہاں تو یاد اور توجہ ہی نہیں ورنہ یہ ممکن نہیں کہ توجہ کامل ہو اور پھر وساوس آویں۔ جب چاہو آزمالو۔ صاحب! تم ذرا ایک خط لکھنے بیٹھو اور پھر دیکھو کیسے وساوس آتے ہیں، میں نے بعض دفعہ ایسا کیا ہے کہ قرآن پڑھنے بیٹھا ہوں اور یہ چاہا کہ پڑھنے میں خط بھی لکھوں تو نہیں ہو سکا۔ شاید الحمد اور قل ہو اللہ کی دوسری بات ہو کیونکہ وہ تو خوب یاد ہے۔ وہاں شدید توجہ کی ضرورت نہ ہو، باقی اور جگہ یا تو پڑھنے میں اٹکے گا یا لکھنے میں بھٹکے گا۔ اب تمام شبہات دور ہو کر وہ دعویٰ اچھی طرح



ثابت ہو گیا کہ نفس بے شغل بھی نہیں رہ سکتا اور دو شغل میں بھی نہیں لگ سکتا، اس لیے فقط مضر سے بچنا کافی نہیں بلکہ نافع میں مشغول ہونے کی ضرورت ہے۔

حق تعالیٰ نے ان دو جملوں میں بھی رعایت کی ہے کہ پہلے تو یہ مرض بیان فرمایا کہ انسان غیر ضروری امور میں مشغول ہے اور غیر ضروری امور کی سب سے بڑی فرد یہ ہے کہ دنیا میں اس کو انہماک ہے اس لیے سب سے پہلے اس کی مذمت بیان فرمادی اور اس کے بعد امر ضروری یعنی آخرت کا ذکر کر دیا کہ ذکر آخرت میں مشغول ہونا چاہیے تاکہ اس انہماک کا ازالہ ہو۔ سو غیر ضروری کے ترک کرانے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اسکی مذمت کر دی جاوے اور اس سے ہٹایا جاوے مگر ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس سے نفع نہیں ہو سکتا کیونکہ مشغلہ ضروری بتانا بھی ضروری ہے ورنہ یہ شخص اس غیر ضروری کو چھوڑ کر دوسرے غیر ضروری میں مبتلا ہوگا۔ (الصالح والاصلاح ج ۴)

اسی واسطے حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یا عبد اللہ لاتکن مثل فلان کان یصلی من اللیل ثم ترکھا۔ (الصحيح

للبخاری ۲: ۲۸، الصحيح لمسلم الصیام: ۱۸۵)

(کہ اے عبد اللہ! ایسے مت ہو جانا جیسے فلاں شخص تھے کہ اول تہجد کی نماز پڑھتا تھا پھر چھوڑ دی) باقی یہ سمجھنا کہ مجھے کمال حاصل ہو گیا، یہ تو صاف اعجاب اور کفر کا شعبہ ہے۔ صاحب! تھوڑی سی سنسناہٹ پیدا ہو جانے سے کمال حاصل نہیں ہو جاتا اسے کسی شیخ کی تشخیص پر چھوڑ دو اپنی رائے سے کچھ مت سمجھو۔

صوفی نہ شود صافی تا در نکشد جامی بسیار سفر باید تا پختہ شود حامی

(صوفی جب تک جام محبت نوش کر کے بہت سے مجاہدات نہ کرے ناقص ہی رہتا ہے)

(الصالح والاصلاح ج ۴)

## نمائش و ریا کا اثر

کلید در دوزخ است آن نماز کہ در چشم مردم گزاری دراز وہ نماز دوزخ کی کنجی ہے جس سے دوزخ کا دروازہ کھل جائے گا جو ریا اور شہرت کے واسطے پڑھی جاوے کیونکہ لعب وہ شغل ہے جو ثمرہ سے خالی ہو اور یہ نماز بھی فی الواقع ثمرہ

سے خالی ہے تو یہ دنیا ہوئی، آخرت بمعنی دین نہیں ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ ایک شہید کو بلائیں گے۔

”فیسئل عنه ماذا قدمت فيقول قاتلت في سبيلك حتى استشهدت  
فيقال لا بل انما قاتلت ليقال انك لجري فقد قيل فيومر به فيلقى في  
النار او كمال قال.“

(اس سے پوچھیں گے کہ تم نے ہمارے لیے کیا کام کیا، وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے آپ کے راستہ میں جہاد کیا تھا، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ ارشاد ہوگا نہیں، جہاد اس لیے نہیں کیا تھا بلکہ اس لیے کیا تھا لوگ یوں کہیں کہ بھئی بڑا ہی بہادر ہے تو یہ کہہ دیا گیا۔ یعنی جس کے لیے تم نے جہاد کیا وہ تمہیں حاصل ہو چکا۔ پس اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا)

اسی طرح ایک سخی کو بلائیں گے اور اس کا بھی یہی حشر ہوگا کہ ہمارے لیے تم نے سخاوت نہیں کی بلکہ اس لیے تم نے سخاوت کی تھی ”لیقال انک جواد فقد قيل“ تاکہ لوگ یہ کہیں کہ بڑا سخی ہے تو بہت تعریف ہو چکی۔

اسی طرح ایک عالم کو بلائیں گے۔ سوال ہوگا تم نے کیا کیا؟ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی رضا کے لیے وعظ کیا اور یہ کیا وہ کیا۔ ارشاد ہوگا! نہیں اس لیے یہ کام نہیں کیا بلکہ اس لیے ”لیقال انک لقاری“ کہ یہ کہا جاوے کہ یہ بڑے عالم ہیں تو آپ کی بھی بہت تعریف ہو چکی، اب یہاں کیا رکھا ہے۔

تو دیکھئے شہادت، سخاوت، علم دین کی خدمت جو اس طریقہ مذکور فی الحدیث (حدیث میں مذکور) سے ہو وہ بھی دنیا ہی ہے۔ اگرچہ صورت اس کی آخرت کی ہے۔ چنانچہ ایک خرچ کرنا کفار کا تھا کہ اپنے نزدیک نیک کام سمجھ کر کرتے تھے مگر پھر بھی ان کی مذمت کی گئی کیونکہ وہ محض صورت دین تھی اور حقیقت میں وہ انفاق دین نہ تھا۔ (الصالح والاصلاح ج ۴)

## خلوص کی ضرورت

دو قسم کی طبیعت کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو دین کے واسطے کام کرتے ہیں جس کا مذموم ہونا ظاہر ہے اور ایک وہ جو دین کا کام اس لیے بالکل چھوڑے بیٹھے ہیں کہ نیت تو

آخرت کی ہے ہی نہیں پھر بلا نیت کر کے کیا کریں چنانچہ یہی سمجھ کر بہت سے جاہل لوگوں نے نماز چھوڑ دی کہ جیسی مطلوب ہے ویسی تو ہو ہی نہیں سکتی تو پڑھنے سے کیا فائدہ، بعض نے روزہ چھوڑ دیا کہ جیسا ہونا چاہیے ویسا تو ہو نہیں سکتا پھر رکھنے سے کیا فائدہ۔

اے صاحبو! یہ بڑی غلطی ہے۔ روزہ و نماز حقیقی کے حاصل کرنے کی تدبیر بھی یہی ہے کہ پہلے روزہ و نماز صوری کو اختیار کرو گو خلوص نہ ہو مگر شرط یہ ہے کہ اس کی ضد بھی نہ ہو، خلوص کا درجہ ہو، اسی سے خلوص ہو جاتا ہے اور کرتے کرتے نیت بھی درست ہو جاتی ہے اور یہ نفس کا حیلہ و بہانہ ہے کہ جب کامل عمل نہیں ہوتا تو ناقص کیوں کریں۔ (الصلاح والاصلاح ج ۴)

## عمل کی قلت و کثرت

فقہاء نے کثرت عمل و قلت عمل کو نہیں دیکھا بلکہ مقصودیت پر نظر کی ہے۔ بعض نے رفع کو مقصود سمجھا کیونکہ نماز فعل و جودی ہے اور رفع بھی و جودی ہے تو دونوں میں تناسب ہے اور بعض نے عدم رفع کو مقصود سمجھا کیونکہ نماز کا مبنی سکون پر ہے۔ حدیث مسلم میں ہے اسکنوا فی الصلوۃ (اصحیح لمسلم کتاب الصلوۃ: ۱۱۹) (نماز میں سکون سے رہو) اور تکرار رفع سکون کے منافی ہے اور کہیں کثرت و مقصودیت دونوں جمع ہو جاتے ہیں جیسے منبر سے نیچے نماز پڑھنا کہ صلوۃ تحت المنبر عملاً بھی کثیر ہے صلوۃ فوق المنبر کا وقوع قلیل ہے اور مقصودیت بھی تحت المنبر میں ہے اور زیادہ تر ایسا ہی ہے کہ جو عمل وقوع میں کثیر ہوتا ہے مقصودیت بھی اس میں غالب ہے مگر بعض دفعہ اس کے خلاف بھی ہوتا ہے اس لئے حضورؐ کے طرز عمل سے آپ کی عادت و سنت کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ محقق کا کام ہے یہ بات قابل تحقیق و تدقیق ہے کہ مقصودیت کہاں ہے کہاں نہیں اس لئے کسی بزرگ کے عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کثیر کے خلاف اور عمل قلیل کے موافق دیکھ کر ان پر اعتراض نہ کرنا چاہئے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ممکن ہے ان کے نزدیک عمل قلیل ہی میں مقصودیت ہو۔

مثلاً شاہ فضل الرحمن صاحب میں تیزی غالب تھی اور یہ بات حضورؐ کی عادت غالبہ کے بظاہر خلاف ہے تو اپنے کو تو تم مہتمم سمجھو اگر تمہارے اندر ایسا ہو مگر بزرگوں پر اعتراض نہ کرو بلکہ یہ تاویل کرو کہ حضورؐ کی تیزی مقتضی کی وجہ سے تھی یعنی معتب کی بیہودگی کی وجہ سے اور اس وقت بوجہ سلامت طباع کے اس مقتضی کا وجود کم تھا۔ اس لئے تیزی کا وقوع بھی آپ سے کم ہوا۔ (اگر

حضور کے زمانہ میں بھی مقتضی کا وجود زیادہ ہوتا تو آپ کی تیزی کا وقوع بھی زیادہ ہوتا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام میں ہوا اور اب مقتضی زیادہ ہے اس لئے شاہ صاحب میں اس کا ظہور زیادہ ہوا۔ غرض اس طریق میں چین و اطمینان اور بے فکری جائز نہیں چنانچہ اتباع سنت کی حقیقت عادت غالبہ کا اتباع بتلایا گیا تھا اب عادت غالبہ کی تحقیق میں خدشہ پیدا ہو گیا کہ اس کا مدار بھی محض کثرت عمل پر نہیں رہا۔ اب قدم قدم پر غور و فکر کی ضرورت ہے کہ کہاں عمل غالب ہے مع مقصودیت کے اور کہاں مقصودیت غالب ہے بدوں عمل کے اور پھر چین اور بے فکری کہاں اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گہہ چینیں بنماید و گہہ ضد ایں جز کہ حیرانی نباشد کار دیں  
(کبھی ایسی حالت اور کبھی اس کے ضد پس دین کے کام سوائے حیرانی و پریشانی کے اور کچھ نہ ہو)  
اور فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دم فارغ مباحش  
راہ سلوک میں بہت تراش خراش ہیں لہذا آخر دم تک ایک دم کے لئے فارغ نہ ہو  
بلکہ کام میں لگے رہو۔

تادم آخر دے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

## حصول خشوع کا آسان طریقہ

مبتدی کے لیے تو یہ ہے کہ ذکر کی طرف توجہ کرے اس کا طریقہ نہایت سہل ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے بتایا کہ نماز کے ہر جز کو اپنے قصد سے ادا کرو۔ صرف یاد سے مت پڑھو یعنی اب تو یہ عادت ہے کہ گھڑی کی کوک کی طرح اللہ اکبر کہہ لیا کہ یہ تو نماز کی کوک ہے اور الحمد اور انا اعطینا اور قل ہو اللہ یہ سب ہی کو ازبر ہے۔ بس شروع سے آخر تک سب خود بخود نکلتا چلا گیا تو ایسا مت کرو بلکہ اللہ اکبر کہو تو سوچ کے اور ارادہ سے کہو کہ میں اللہ اکبر کہہ رہا ہوں اس کے بعد سبحانک اللہم پڑھو تو اس طرح پڑھو کہ ایک ایک لفظ کو مستقل ارادہ سے کہو، پھر اسی طرح الحمد پڑھو پھر اسی طرح سورت ملاؤ۔ غرض ہر لفظ ارادہ سے ادا کرو یہ تو مبتدی کا طریقہ تھا۔

منتہی کا یہ ہے کہ بلا واسطہ حضرت حق کی طرف توجہ کو قائم کر دے اور یہ



حالت جب ہی حاصل ہوگی جبکہ اول مبتدی کی طرح عمل کرو گے بس تم اول ذکر پر توجہ کرو پھر شدہ شدہ مذکور کی طرف توجہ حاصل ہوگی۔ (آثار العبادۃ ج ۷)

## تعلق باللہ کا اثر

کاپلی کا قصہ ہے کہ ایک مسجد میں ایک سب انسپکٹر نماز پڑھ رہے تھے، نماز میں تعدیل ارکان نہ کرتے تھے، جلدی جلدی پڑھ رہے تھے، وہاں ایک گندھی بھی باہر کا آیا ہوا تھا۔ جب وہ تھانیدار صاحب نماز پڑھ چکے تو اس گندھی نے کہا کہ داروغہ جی آپ کی نماز نہیں ہوئی، آپ نماز پھر پڑھ لیجئے، داروغہ جی نے کہا کہ پاجی مردود تیرا منہ اور تو ہم کو نصیحت کرے بڑا نمازی بن کر آیا ہے۔ اس گندھی نے کہا، خیر پاجی مردود ہی سہی مگر خدا کے واسطے آپ نماز پڑھ لیجئے، اس کو اور زیادہ غصہ آیا اور اس گندھی بچارے کو خوب مارا لیکن اس نے بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ پٹ کر کہا کہ مجھے اپنے پٹنے کا غم نہیں مجھے آپ کی نماز کی بہت فکر ہے میرا دل بہت دکھتا ہے کہ آپ کی نماز مقبول نہ ہو، میرا جسم تو اچھا ہو جائے گا مگر آپ کی نماز کا کوئی بدل نہیں۔ اس لیے آپ نماز پڑھ لیں، ان داروغہ جی پر ایسا اثر ہوا کہ ان کو نماز پڑھنا ہی پڑی، اس گندھی کی تمام قصبہ کاپلی میں شہرت ہو گئی جس طرف کو جاتا تھا لوگ کہتے تھے یہ ہے وہ شخص جس نے داروغہ کو نماز پڑھوائی تھی، سب اس کی قدر کرتے تھے۔ برکت کے واسطے اپنے یہاں لے جاتے تھے اور اس کا عطر خریدتے تھے تمام کاپلی کا پیر بن گیا اور تجارت بھی خوب چمکی۔ خدائے تعالیٰ نے دکھلادیا کہ جو شخص ہمارے ساتھ تعلق رکھتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی عزت ہوتی ہے۔ (الخصوع ج ۷)

## عبادات پر ناز نہیں چاہیے

اے صاحب! اگر نمازی ہونے پر آپ کو ناز اور غرہ ہے تو یہ دیکھو اور غور کرو کہ نماز کا جو ہم کو حکم ہے آیا ہم اسی طرح کی نماز ادا کرتے ہیں اگر غور کرو گے تو خاک بھی نہ پاؤ گے، ہماری نماز کیا ہے نماز کی نقل ہے جیسے مٹی کے خربوزے اور آم کی نقل بنا کر بادشاہ کی بارگاہ میں لے جاویں، بادشاہ کا کرم ہے کہ نقل پر اصل کے برابر انعام دے دیں بلکہ اگر سچ پوچھو تو نقل بھی نہیں ہے کیونکہ نقل مشابہ تو اصل کے ہوتی ہے۔ یہاں مشابہت بھی نہیں اس پر بھی اگر ہمارا نام نمازی ہو جاوے تو محض رحمت اور عطا ہے جزاء نہیں ہے اور ”اُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ

اللَّهُ سَيَاتِيهِمْ حَسَنَاتٍ“ کا مصداق ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہماری طاعات بھی سینات میں داخل ہیں۔ چنانچہ فقہاء نے ایسی نمازوں کو مکروہ فرمایا ہے اس لیے ہماری یہ طاعات بھی سینات میں۔ کیا عجب ہے کہ جو حق تعالیٰ ان کو بدل کر حسنات میں داخل فرمادیں، غرض عبادات کے اوپر ناز کرنے کا کیا حق ہے۔ (المنہج ج ۷)

## کمال عبادت

ہمارے حضرت قدس سرہ کے خلفاء میں ایک مولوی صاحب ہیں صاحب کشف ان کی حکایت ایک شخص نے بیان کی کہ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ ایک مرتبہ تو ایسی نماز پڑھیں کہ جس کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے:

لَا يَحْدُثُ فِيهِمَا نَفْسُهُ مَقْبَلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ.

”یعنی ایسی دور کعتیں پڑھیں کہ اس میں اپنے نفس سے بالکل بات نہ کرے اور اپنے قلب سے اس پر متوجہ رہے۔“

ان کو خیال ہوا کہ عمر بھر میں ایک نماز تو ایسی پڑھ لیں جس کی یہ شان ہو۔ چنانچہ انہوں نے بڑا اہتمام کیا اور خطرات کے روکنے کے لیے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی، بعد نماز کے اس نماز کی حقیقت مثالیہ کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھوں میری نماز کیسی ہوئی دیکھا کہ نہایت حسین و جمیل ہر طرح کامل ہے لیکن غور سے جو دیکھا تو آنکھیں نہیں ہیں، بہت حیرت ہوئی کہ یہ کیا بات ہے، میں نے اس نماز کی تکمیل میں کوئی دقیقہ نہیں رکھا تھا۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں گئے اور حضرت سے اجمالاً سارا قصہ عرض کیا، حضرت نے فوراً فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی ہوگی، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت واقعی خطرات کے روکنے کے لیے میں نے ایسا کیا تھا اور فقہاء نے اس غرض کے لیے آنکھیں بند کرنا جائز بھی لکھا ہے، فرمایا کہ جائز ہے لیکن سنت کے خلاف ہے اگر آنکھیں کھول کر سنت کے موافق پڑھتے تو یہ اچھا تھا گو خطرات آتے غرض کامل عبادت کس سے ادا ہو سکتی ہے۔

از دست و زباں کہ برآید کز عہدہ شکرش بدر آید

(ہاں) اور زبان سب طاعت و فایں مصروف ہوں پھر بھی اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے)

حدیث میں آیا ہے کہ بقدر وسعت عمل کرو اور تم احصار اور احاطہ ہرگز نہ کر سکو گے،

پس کمال دین پوری طرح حاصل کرنا بندہ کے امکان سے باہر ہے پھر بایں ہمہ عجز و نقص ناز کا کیا منہ ہے پس ہمارے لیے تو یہی کمال ہے کہ اپنے کو ناقص در ناقص اور عاجز در عاجز سمجھیں، ہمارا وجود ہی سر تا پا گناہ ہے۔ ”وجود ک رتب لایق اس بہ رتب“ (تیرا وجود ہی سر اپا گناہ ہے اسے گناہ کے علاوہ کچھ اور قیاس نہیں کیا جاسکتا)

اور نقص بھی ایک قسم کا نہیں بلکہ جس پہلو پر نظر کی جائے نقصان ہے کچھ نقص اضطراری کچھ اختیاری ہیں۔ (الخصوع ج ۷)

## عبادت شب برأت

صاحبو! وقت کو ضائع مت کرو ہر وقت کی قدر کرو، خاص کر ایسی شب کہ جس کا بیان ہو رہا ہے ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ یہ جو بعضی اور ادکی کتابوں میں پندرہویں شب شعبان میں خاص نوافل پڑھنے کو لکھ دیا ہے یہ کوئی قید نہیں جو چیز شرعاً بے قید ہے اس کو بے قید ہی رکھو حدیث میں نوافل کی کوئی قید نہیں آئی بلکہ جو عبادت آسان ہو وہ کرلو۔ اس میں نوافل بھی آگئے اور وہ بھی کسی ہیئت کے ساتھ نہیں۔ (شب مبارک ج ۷)

بعض شرائط ایسے ہیں جمعہ کے بغیر جن کے جمعہ جائز ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً مصر ہونا یہ شرط ایسی ہے کہ بغیر اس کے جمعہ پڑھنا جائز ہی نہیں، یہ شرط صرف واجب ہونے کی نہیں بلکہ جواز کی بھی ہے، حاصل یہ ہوا دوسرے لفظوں میں کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں مگر گاؤں والوں کو جمعہ کا بڑا شوق ہوتا ہے۔

ایک گاؤں والے نے مجھ سے پوچھا کہ گاؤں میں جمعہ کیوں جائز نہیں، میں نے کہا ممبئی میں حج کیوں جائز نہیں، اس نے کہا وہ تو موقع حج کا نہیں ہے، میں نے کہا وہ موقع جمعہ کا نہیں ہے، اس نے کہا کیوں نہیں، میں نے کہا وہ کیوں نہیں، اس نے کہا شریعت کی دلیل سے میں نے کہا یہ بھی شریعت کی دلیل سے ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں اور تمہیں پہچان کیا شریعت کی، شریعت نے جو حکم مقرر کر دیا تم کون دخل در معقولات دینے والے بس چپکے ہو گئے۔ (شرائط الطاعت ج ۷)

## ریل میں نماز

اتنا زمانہ ہوا میں نے ریل میں کبھی بے وضو یا بیٹھ کر یا بے رخ نماز نہیں پڑھی

اور میں اکثر تیسرے درجہ میں سفر کرتا ہوں، احباب بہت ترغیب دیتے ہیں کہ انٹر میں سفر کرو، بعضے اصرار کرتے ہیں کہ سیکنڈ میں بیٹھو، مگر غریبوں کو تو غریبوں ہی کی طرح رہنا چاہیے۔ اپنی حیثیت سے زیادہ نہیں بڑھنا چاہیے، غرض اکثر تیسرے درجہ ہی میں سفر کرنے کا اتفاق ہوتا ہے جس میں اکثر مسافروں کی بہتات ہوتی ہے اور بہت بھیڑ بھاڑ رہتی ہے لیکن بفضلہ تعالیٰ ہمیشہ نماز پڑھی۔ نیز وضو کے ساتھ رکوع و سجود کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر بات یہ ہے کہ اگر انسان ارادہ کرے تو حق تعالیٰ ساری رکاوٹوں کو دور کرتے چلے جاتے ہیں۔ خوب فرماتے ہیں مولانا:

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف داری باید دوید  
(گورستہ نظر نہ آوے لیکن تم دوڑو تو سہی رستہ خود بخود پیدا ہوتا چلا جاوے گا)

### شرائط جمعہ

بعضوں نے ایک اور مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ چاہے کھڑے ہونے پر قدرت ہو لیکن ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، پس بیٹھے اور ٹکریں مار لیں حالانکہ فرض نماز میں بشرط قدرت قیام فرض ہے۔ بعض نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ تشہد میں بیٹھنا ہی ضروری نہیں۔ پس پاؤں لٹکا کر اطمینان سے دوسرے تختے پر سر ٹیک دیا اور اپنے نزدیک نماز ادا کر لی، ذرا مشقت بھی تو گوارا نہیں، چاہے فرض سر سے اترے یا نہ اترے، بعضوں کو دیکھا کہ قبلہ رخ ہونا بھی ضروری نہیں سمجھتے، ریل میں کیا بیٹھے گویا اپنے نزدیک خانہ کعبہ کے اندر پہنچ گئے۔

وہاں بڑا لطف آتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں بھی اندر پہنچنا نصیب کیا تھا ہم نماز پڑھ رہے تھے، بھیڑ بہت تھی، سجدہ کا موقع نہ ملا تو ہم نے گھوم کر دوسری طرف سجدہ کر لیا کیونکہ وہاں تو چاروں طرف کعبہ ہی کعبہ ہے ہر طرف سجدہ کرنا جائز ہے، مثلاً چار رکعتیں پڑھنی ہوں تو چاروں سجدے چار مختلف سمتوں میں کر سکتا ہے۔ ایک ادھر ایک ادھر ایک اس طرف مگر یہ آزادی صرف اندر اندر ہی ہے، باہر پہنچ کر دنیا میں کوئی ایسی جگہ ہی نہیں جہاں یہ آزادی ہو کہ جس طرف چاہے سجدہ کر سکے۔ مولانا فرماتے ہیں:

در درون کعبہ رسم قبلہ نیست چہ غم ارغواص را چلبہ نیست  
(کعبہ کے اندر قبلہ رخ ہونے کے اہتمام کی ضرورت نہیں، ہر طرف قبلہ ہی ہے)



## ایک لطیفہ

رڑ کی میں ایک اہلم نے لمبی نماز پڑھائی جب لوگوں نے دھوپ کی شکایت کی تو جواب میں کہا کہ ارے ممخو! تم دوزخ میں کیسے رہو گے جو ذرا سی دھوپ سے گھبرا گئے۔ لوگوں نے کہا۔ کمبخت! جہنم میں تو ہی رہے گا ہم کیوں جہنم میں رہتے جو تو ہمیں جہنم میں رہنے کا اس طرح عادی بناتا ہے۔ (الصبر والصلوة ج ۹)

ایک طالب علم نے گاؤں میں جا کر وعظ کہا اور یہ کہا کہ بے نمازی سورکتے کے مثل ہیں اس جملہ پر گاؤں والوں کو جوش آگیا اور سب نے چڑھائی کر کے مولوی صاحب کو مارنا چاہا۔ میزبان نے یہ رنگ دیکھ کر مولوی صاحب سے کہ آج خیر نہیں لوگ آپ پر چڑھائی کر کے آرہے ہیں کہا کیوں؟ کہا! آپ نے وعظ میں بے نمازیوں کو سورکتا بنایا تھا، بولے بس اتنی بات پر چڑھائی کر رہے ہیں کہا ہاں جی کہنے لگے تم بے فکر رہو۔ میں ابھی سب کو ٹھنڈا کئے دیتا ہوں۔ یہ تو باتیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ واقعی یہ تاویل کا دروازہ کھلا رہے تو بات کا بدلنا کچھ بھی مشکل نہیں چنانچہ گاؤں والے آئے اور مولوی صاحب پر حملہ کرنا چاہا۔ انہوں نے پوچھا کہ بھائی آخر میری کچھ خطا بھی ہے؟ کہا اس سے بڑھ کر کیا خطا ہوگی کہ تم نے ہم کو سورکتا بنایا۔ کہا میں نے تم کو نہیں کہا تھا۔ بلکہ بے نمازیوں کو کہا تھا۔ گاؤں والوں نے کہا پھر بھی تو بے نمازی ہیں۔ مولوی صاحب بولے ہر گز نہیں تم بے نمازی کیوں ہوتے۔ بتلاؤ کیا تم نے کبھی نئے کپڑے پہن کر آخری جمعہ کی نماز نہیں پڑھی بولے جی ہاں۔ آخری جمعہ کی نماز پڑھ لی ہے کہا اور عید بقر عید کی نماز۔ بولے وہ بھی پڑھتے ہیں کہا پھر تم بے نمازی کدھر سے ہوئے بے نمازی تو وہ ہے جو ایک دفعہ بھی عمر بھر میں خدا کے سامنے نہ جھکا ہو بس اس جواب سے سب خوش ہو گئے۔ (الجزیر بالصر ج ۹)

## نماز کی شان

لہذا نماز میں روزہ کی شان ہوئی بلکہ نماز کے اندر روزہ کی شان روزہ کے اعتبار سے علی وجہ الکمال پائی جاتی ہے وہ یہ کہ نماز کے اندر بہت سے ایسے مباحات سے بھی روک دیا گیا ہے جن سے روزہ میں اس قدر روک نہیں کی گئی۔ اس میں تو صرف تین چیز سے روکا گیا ہے اور یہاں چلنے پھرنے، ہنسنے بولنے، کھانے پینے سب سے ممانعت ہے۔ بولنا بھی منع ہے حتیٰ کہ دعا بھی وہ درست ہے جو مشابہ کلام ناس کے نہ ہو۔ (الصلوة ج ۱۰)

## نماز میں کلام

ہمارے ایک دوست کہتے تھے کہ ہم نے منیہ میں پڑھا تھا کہ کلام ناس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ آپ اس کا مطلب یہ سمجھے کہ عربی کے سوا اردو وغیرہ بولنے سے نماز جاتی رہتی ہے اور عربی میں بولنے سے نہیں جاتی۔ اتفاق سے امام کو سہو ہوا کہ قعدہ اولیٰ کو قعدہ اخیر سمجھ گیا اس وجہ سے بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ سلام پھیرنے کے قریب ہوا تو آپ کہتے ہیں قم۔ امام کو سن کر خود یاد آ گیا کہ یہ قعدہ اولیٰ ہے اس وجہ سے کھڑا ہوگا یہ دل میں کہنے لگے کہ عربی سے بڑا فائدہ ہے۔ نماز فاسد بھی نہ ہوئی اور کام بھی بن گیا۔ امام صاحب نے بعد نماز کہا کہ قم والا کون تھا یہ بولے میں تھا۔ امام صاحب نے کہا کہ بھائی اس طرح نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو آپ کہتے ہیں کہ میں نے کلام ناس کے ساتھ تکلم تھوڑا ہی کیا ہے۔ آپ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جو بات عربی میں ہو وہ کلام ناس نہیں ہوتی۔ کلام ناس وہ بات ہوتی ہے جو کہ غیر عربی اردو وغیرہ میں ہو۔ (الصلوة ج ۱۰)

## نماز میں ہنسنے کی ممانعت

نماز میں ہنسی کی بھی ممانعت ہے ہنسی کے تین درجے ہیں۔ قہقہہ، ضحک، تبسم۔ قہقہہ میں نماز تو سب کے نزدیک فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک وضو بھی جاتا رہتا ہے۔ اور ضحک سے نماز جاتی ہے وضو نہیں جاتا۔ اور تبسم بے ادبی تو ہے مگر اس سے نماز نہیں جاتی۔ کیونکہ شرعاً تبسم کو ہنسی قرار نہیں دیا گیا۔ گویا وہ ملحقہ کلام ہی سے نہیں غرض ہیں یہ سب نماز کے خلاف گو تبسم سے نماز نہ فاسد ہو پس نماز میں ہنسنے کا بھی روزہ ہوا۔ (الصلوة ج ۱۰)

## نماز میں چلنا

نماز میں چلنے کا بھی روزہ ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر متصل چلا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ایک قدم چلا اور ٹھہر گیا پھر ایک قدم چلا اور ٹھہر گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (الصلوة ج ۱۰)

## شریعت کی مہربانیاں

اگر کوئی کہے کہ ایسی صورت میں اگر گھوڑا دوڑنے لگے تو پھر کیا کریں گے۔ سو اس کا جواب

یہ ہے کہ شریعت نے ایسے وقت میں نماز توڑنے کی اجازت دے دی ہے۔ یہاں تک کہ ایک درم یعنی چار آنے نقصان پر بھی نماز کے توڑ دینے کی اجازت ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص جوتا چراتا ہو تو نیت توڑ کر اس کو پکڑ لینے کی اجازت ہے یا چار آنے کی ہانڈی جاتی ہو یا خراب ہوتی ہو تو اس وقت بھی نماز توڑ دینے کی اجازت ہے کون کہتا ہے کہ شریعت میں تشدد ہے۔ شریعت میں تورائی برابر بھی تشدد نہیں بلکہ کی ممانعت ہے۔ دیکھئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَذُلَّ نَفْسَهُ. (یعنی مومن کو مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے)  
صحابہؓ نے عرض کیا: قالوا یا رسول اللہ کیف یذل نفسہ (یعنی اپنے نفس کو ذلیل کرنا سے کس طرح مراد ہے)

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یتحمل من البلاء لما لا یطيقہ. یعنی ایسی بلا میں اپنے آپ کو پھنسائے جس کی برداشت نہ کر سکے۔ (الصلوة ج ۱۰)

## نماز میں ادھر ادھر دیکھنا

روزہ میں ادھر ادھر دیکھنا جائز ہے نماز میں وہ بھی نہیں گواہ نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مگر ادب صلوة کے خلاف ہے۔ ہاں ادب نہ ہو نرا ضابطہ ہی ہو تو اور بات ہے۔ میرٹھ میں ایک مولوی صاحب تھے۔ نماز کے اندر ادھر ادھر دیکھنے کا مرض تھا۔ اتفاق سے ایک شخص جماعت میں ان کے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہ مولوی کھڑے ہوئے اور حسب عادت حالت ان کی یہ تھی کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ نماز کے بعد اس شخص نے کہا کہ آپ نماز میں ادھر ادھر دیکھ رہے تھے آپ کی نماز ہی کیا ہوئی۔ بجائے اس کے کہ وہ مولوی ان کے ممنون ہوتے کہتے ہیں کہ میرے ادھر ادھر دیکھنے کی تمہیں جب ہی تو خبر ہوئی جب کہ تم نے مجھے دیکھا پس تمہاری نماز بھی نہیں ہوئی۔ بس وہ یہ کہہ کر سرخرو ہو گئے مگر کس کے سامنے مخلوق کے سامنے۔ اللہ کے سامنے تو سرخرو نہ ہوئے۔ مخلوق کے سامنے سرخرو ہونے سے کیا ہوتا ہے۔

کارہا باخلق آری جملہ راست باخدا تزوید وحیلہ کے رواست

کار باادراست باید داشتن رایت اخلاص وصدق افراشتن

(مخلوق کیساتھ تیرے سب کام درست ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ مکر و حیلہ کب جائز ہے۔ حق تعالیٰ کیساتھ سب کام درست رکھنا چاہئیں، اخلاص اور صدق کا علم بلند کرنا چاہیے) (الصلوة ج ۱۰)

## خشوع کی حقیقت

اب جہاں حق تعالیٰ نے ہمارے مرض کا بیان کیا ہے (کہ نماز بھاری ہے) وہاں اس کا علاج بھی بتلادیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

انہا لکبیرۃ الاعلیٰ الخاشعین الذین یظنون انہم ملقوا ربہم و انہم الیہ راجعون۔  
یعنی نماز سب پر بھاری ہے مگر خشوع کرنے والوں پر بھاری نہیں جن کو یقین ہے اس بات کا کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف جانے والے ہیں۔  
مطلب یہ ہے کہ نماز بھاری ضرور ہے بوجہ قیود کے مگر جو لوگ اپنے اندر خشوع پیدا کر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ سے ملنے اور ان کے پاس جانے کا خیال جمالیاتے ہیں۔ ان پر بھاری نہیں رہتی۔ سو اس کے اندر ہمارے مرض کا پورا علاج بتلادیا کہ طریقہ خشوع سے نماز پڑھو تو کچھ گرائی نہیں رہے گی۔

اب خشوع کو لوگ جانے کیا سمجھتے ہیں حتیٰ کہ اس کو اختیاری بھی نہیں سمجھتے سو خشوع کی حقیقت لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سوائے حق کے کسی قسم کا خطرہ نہ آئے یہ غلط ہے۔ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ خطرہ خود نہ لادے گواز خود آجائے اور یہ نہ آنا تو غیر اختیاری ہے لیکن نہ لانا اختیار میں ہے۔ آورد خطرات منافی خشوع ہے۔ آمد خطرات منافی نہیں۔ آمد آورد میں فرق ظاہر ہے۔ ہاں البتہ یہ بھی کرنا چاہیے کہ جب وسوسہ بلا قصد آئے تو اس میں بقصد مشغول نہ ہو جائے۔ بعض ایسا کرتے ہیں کہ وسوسہ خود لاتے تو نہیں لیکن جب آتا ہے تو اس میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی غلطی ہے نہ قصد سے لانا ہو نہ قصد سے ابقاء ہو۔ کیونکہ بقصد باقی رکھنا بھی منافی خشوع ہے بس جب وسوسہ آئے تو اس کو رکھے نہیں دفع کر دے۔ (اصلوٰۃ ج ۱۰)

## نماز میں حج

نماز میں حج بھی موجود ہے۔ کیونکہ حج کی حقیقت ہے تعلق بالبت۔ سو نماز میں وہ موجود ہے۔ چنانچہ حکم ہے: فول وجھک شطر المسجد الحرام کہ نماز کے وقت، بیت الحرام کی جانب قصد کر کے رخ کر لیا کرو۔

سو تعلق بالبت نماز کے اندر قلب میں بھی ہے اور ظاہر میں بھی ظاہر میں تو یہ کہ نماز کی حالت



میں اسی کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے ہیں اور اس کو فرض کر دیا گیا ہے۔ اور قلب میں یہ کہ استقبال کعبہ کی نیت کی جاتی ہے۔ پس جو نماز پڑھے گا اسے برکات حج بھی میسر ہوں گے۔

اسی طرح نماز میں اعتکاف بھی ہے کیونکہ اعتکاف کی روح و حقیقت ہے گناہوں سے رکنا المعتکف يعتکف الذنوب کلھا ا۔ حدیث ہے اور یہ (خصوصیت) نماز کے اندر موجود ہے۔ چنانچہ نماز کے اندر تمام گناہوں سے رکنا ہے۔ نماز میں کون گناہ کر سکتا ہے ان الصلوۃ تنہی کی بعض نے یہی تفسیر کی ہے کہ نمازی جب تک نماز میں رہتا ہے اس وقت تک وہ اس کو گناہوں سے روکتی ہے۔ گو اس کی اور تفسیریں بھی ہیں مگر یہ بھی ایک لطیف تفسیر ہے۔ تلاوت قرآن بھی نماز میں موجود ہے جس کے حدیث میں بہت فضائل آئے۔ چنانچہ قرأت نماز میں فرض ہے بدون قرأت نماز ہی نہیں ہوتی۔ (الصلوۃ ج ۱۰)

## نماز کی جامعیت

جو شخص نماز پڑھے گا اس کو تلاوت قرآن کے فضائل بھی حاصل ہوں گے۔ خیال تو کیجئے کہ ذرا سی مختصر چیز میں کیا کیا فضائل مل گئے۔ حج بھی مل گیا، روزہ بھی مل گیا۔ تلاوت قرآن بھی اور اعتکاف بھی۔

بعض اذکار کی فضیلت احادیث میں آئی ہے جیسے سبحان اللہ کہ اس کے بارہ میں آیا ہے کہ سبحان اللہ نصف میزان ہے نماز میں وہ بھی موجود ہے چنانچہ رکوع میں پڑھتے ہیں۔ سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ احادیث میں دعا کے بہت فضائل وارد ہیں اور قرآن میں کہیں کہیں اور خصوصاً فاتحہ میں تو ہر رکعت میں دعا بھی موجود ہے اور وہ نماز میں پڑھا ہی جاتا ہے۔ نیز درود شریف کے بعد بھی دعا کی جاتی ہے۔ پس نماز میں دعا کے فضائل بھی آگئے۔ درود شریف کے کتنے فضائل ہیں وہ بھی نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ نمازی کسی برکت سے خالی نہیں۔ دعا ہے وہ اس میں موجود ثنا ہے وہ اس میں موجود، ذکر مبارک ہے وہ اس میں موجود۔ بعض لوگ اولیاء اللہ کا دم بھرتے ہیں اور ان کے تذکرے کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ سوان کا تذکرہ بھی نماز میں موجود ہے۔ چنانچہ ہر رکعت میں پڑھتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہُمْ اس میں اولیاء اللہ بھی تو آگئے۔

اب زکوٰۃ رہ گئی۔ شاید کوئی کہے کہ نماز میں زکوٰۃ کہاں ہے۔ سو سمجھ لیجئے کہ زکوٰۃ کی

روح ہے انفاق فی سبیل اللہ۔ ظاہر ہے کہ نماز ننگے تو پڑھو گے نہیں۔ کپڑا تو پہنو ہی گے اور اس میں خرچ بھی ہو ہی گا (خصوصاً اس زمانہ میں کہ کپڑے کی بہت زیادہ قیمت ہو گئی ہے) لہذا انفاق بھی ہو گیا۔ اب کون سی عبادت رہ گئی جو نماز میں نہیں۔

شاید کوئی کہنے لگے کہ نماز میں قربانی نہیں تو سمجھ لیجئے کہ قربانی کی حقیقت باطنی ہے۔ اپنے کو فنا کر دینا اور اپنی خواہشات کو مٹا دینا۔ سو وہ نماز میں ایسی ہے کہ اپنے نفس سے پوچھو کہ قیود کے اندر مقید ہو کر اپنی خواہشات کو چھوڑنا پڑتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

معنی تکبیر اس است اے ایم	کائے خدا پیش تو ما قبرباں شدیم
وقت ذبح اللہ اکبر مے کئی	ہم چنیں در ذبح نفس کشتنی
گوئی اللہ اکبر وایں شوم را	سر بر تا وارہدا جاں از غنا
تن چوں اسماعیل جاں ہمو خلیل	کرد جاں تکبیر بر جسم بنیل

(تکبیر کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ ہم تمہارے سامنے قربان ہوتے ہیں.... ذبح کے وقت تو تکبیر کہتا ہے ایسے ذبح نفس کے وقت جو مارنے کے لائق ہے اللہ اکبر ہو.... اور اس منحوس کا سر کاٹ مارو اور جان کو تکلیف سے رہائی دو.... مثل تن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اور جان مانند خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تکبیر بزرگ جسم مانند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اپنا سر اس محبوب حقیقی کے سامنے رکھ اور ہنسی خوشی اس کی تلوار کے سامنے جان دے اور اللہ کی بڑائی بیان کر)

غرض کون سی عبادت ہے جو نماز میں نہیں۔ (اصلوٰۃ ج ۱۰)

## نماز کی روح

ذکر نماز کی روح ہے۔ درمیان میں ایک کام کی بات بھی بیان کر دی اور چونکہ ذکر نماز کی روح ہے اسی واسطے نماز کی فضیلت کے موکد کے لئے فرماتے ہیں۔

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ . کہ اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے

اس لئے نماز میں اگر یہ خاصیت ہو کہ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ (برائیوں سے روکتی ہے) تو تعجب کی بات نہیں ہے بعض لوگ یہ کہنے لگے کہ ذکر بڑھ کر ہے یعنی نماز سے بھی۔ پس ذکر ہی کر لیا کریں نماز نہ پڑھیں۔

اس کا ایک لطیف جواب میرے عرض سابق سے نکل آیا یعنی وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ (اور اللہ کی یاد بڑی چیز ہے) کا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذکر اللہ نماز سے بڑھ کر ہے بلکہ یہ علت ہے ماقبل کی۔ پہلے نماز کی ایک خوبی بیان کی ہے اب آگے اس کی علت بتلاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ نماز کی یہ خاصیت ہے کہ وہ برائیوں سے روکتی ہے۔ مگر یہ خاصیت اس کی کیوں ہوئی اس لئے ہوئی کہ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ (اس کی روح ہے ذکر اللہ اور) اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے اور ہر پہلو سے مفید ہے طبع سے، عقل سے، عشق سے۔ عشاق کی نظر تو بس اس خاصیت پر ہے۔

ان ذکر نی فی نفسہ ذکر تہ فی نفسی وان ذکر نی فی ملاء ذکر تہ فی ملا خیر منهم یعنی جو دل میں یاد کرتا ہے تو خدا اس کو دل میں یاد کرتے ہیں (خدا دل سے پاک ہے مگر صرف شاکلۃ ایسا فرما دیا) جو مجمع میں یاد کرے تو حق تعالیٰ اس کو مجمع میں یاد کرتے ہیں۔ گویا ذکر کرنے سے حق تعالیٰ کے مذکور بنے۔ عاشق کے لئے کون سی دولت اس سے زیادہ ہوگی کہ اس کا محبوب اس کو یاد کرے۔ اول تو عاشق کو محبوب کا نام لینا ہی نہایت پیارا معلوم ہوتا ہے اور پھر اس کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کہ محبوب اس کا نام لے۔

یہاں سے ایک بڑی بشارت معلوم ہوئی کہ جیسے ہم خدا تعالیٰ کو چاہتے ہیں ایسے ہی وہ بھی ہم کو چاہتے ہیں۔ مگر ان کے چاہنے کا بظاہر اعلان نہیں ہوتا۔ اخبار و آثار سے معلوم ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

عشق معشوقاں نہاں است و ستیز عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر  
لیک عشق عاشقاں تن زہ کند عشق معشوقاں خوش و فرہ کند  
(معشوقوں کا عشق پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے، عاشق کا عشق دو سو طبل اور شہنائیوں کے ساتھ ظاہر و باہر ہے لیکن عاشقوں کا عشق دبلا کر دیتا ہے اور معشوق کا عشق موٹا اور فرہ کر دیتا ہے۔)  
سو جیسے عاشق معشوق کا طالب ہوتا ہے اسی طرح معشوق عاشق کا طالب ہوتا ہے ۔  
تشنگاں گر آب جوئند از جہاں آب ہم جوید بعالم تشنگاں  
(پیا سے اگر پانی کے متلاشی ہیں تو پانی بھی ان کا طالب ہے) (الصلوة ج ۱۰)

## کید نفس

بہت سے لوگ اس انتظار میں ہیں کہ نماز جب پڑھیں گے جب کہ حضور قلب ہوگا۔

ہم کیا نماز پڑھیں۔ دل تو ہمارے دنیا کے بکھیڑے بھر رہے ہیں۔ جب قلب پاک و صاف ہوگا اس وقت نماز پڑھیں گے۔

یاد رکھو! یہ نفس کا بڑا کید ہے۔ ظاہر میں تو تواضع ہے مگر واقع میں یہ تکبر ہے اس لئے کہ جو حالت اور جو وقت اس نے اپنے لئے نماز کا تجویز کیا ہے اس وقت کی نماز کو یہ سمجھا ہے کہ یہ نماز اس دربار کے لائق ہے۔ حالانکہ ہم عمل کرتے کرتے ہزاروں بار بھی مرمر کر زندہ ہو جائیں جب بھی ہم ناقص ہیں اور ہمارے اعمال اس وقت بھی ناقص ہی ہیں کسی طرح اس قابل نہیں ہیں کہ اس بارگاہ میں پیش ہوں۔ (الہدایہ ج ۱۰)

## توفیق منجانب اللہ ہوتی ہے

اب ہم نماز جو پڑھتے ہیں تو یوں سمجھتے ہوں گے کہ ہم بڑا کام کرتے ہیں حالانکہ نمازی سوچ لیں کہ نماز کے وقت قلب میں نماز کا تقاضا ایسا ہوتا ہے اگر نہ پڑھیں تو جی برا ہو اور دل پر بڑا بوجھ رہے۔ تو حضرت یہ وہ چیز ہے جو پانچوں وقت زبردستی نماز کے لیے کھڑا کر دیتی ہے۔ حدیث میں ہے:

والله لولا الله ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

(اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتے تو ہم کبھی ہدایت یافتہ نہ ہوتے نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے) (تکمیل الاعمال ج ۱۱)

## حکمت اور مصلحت

حق تعالیٰ نے حیات میں بھی پردہ ڈھکا رکھا ہے اور بعد ممات کے بھی کیسی ستاری کی ہے حکم دیا ہے کہ لاش نہ ہلاؤ تا کہ کوئی گندی چیز مرض کی حالت میں لگ لگا گئی ہو جس سے لوگوں کو نفرت ہو تو وہ دھل جائے اور جنازہ کالے چلنا ان پر بار نہ ہو اور صاف ستھرے کپڑوں میں لپیٹو اور خوشبو لگاؤ اور خوشبو میں سے بھی کافور کو اختیار کیا جو مانع تعفن بھی ہے ان سب میں یہی حکمت ہے کہ اس سے کسی کو نفرت نہ ہو اور عیوب ڈھکے رہیں۔ (اوج قنوج ۱۱)

## تاثر صحبت

صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ بے نمازی آدمی چند روز نمازیوں میں رہنے سے نمازی ہو



جاتا ہے۔ اور نمازی بے نمازیوں کی صحبت سے چند دنوں میں بے نمازی ہو جاتا ہے، پس کوئی اپنے کمال پر ناز نہ کرے میں بڑا نمازی ہوں یہ سب نمازیوں کے پاس رہنے کی برکت ہے پس یا تو اپنے سے بڑوں میں رہو اور اگر بڑے میسر نہ ہوں تو چھوٹوں میں ہی رہو بشرطیکہ وہ نیک اور صالح ہوں۔ بڑے کے پاس رہنے سے تو اس کی صحبت کا اثر اپنے اندر ہوگا۔ اس کے حالات کو دیکھ کر ذوق شوق پیدا ہوگا اور کوئی لغزش ہو جائے تو وہ روک ٹوک کریگا اور چھوٹوں کی صحبت سے ان کے اعمال صالحہ کو دیکھ کر شرم آئے گی کہ ہائے اتنے چھوٹے چھوٹے بچے تو کیا کچھ کرتے ہیں کس قدر خوف خدا ان میں ہے کس پابندی سے احکام کو ادا کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے بڑی شرم کی بات ہے غرض جس طرح بڑے سے نفع ہوتا ہے ایسے ہی کبھی چھوٹے سے بھی نفع ہوتا ہے۔ یہی راز ہے صحبت کا کہ اس سے عمل میں پختگی ہوتی ہے (الانعام لعمۃ الاسلام ج ۱۱)

### پسندیدہ ادا:

ایک رئیس والی ملک کی ریاست میں ایک بار قحط ہوا استقواء کی نماز پڑھی گئی اور لوگ دعا کر کے اٹھنے لگے رئیس نے پوچھا کیا ان کو مدعا حاصل ہو گیا جو دعا کر کے چلنے لگے واللہ! میں تو ساری عمر یہیں ختم کر دوں گا اور بدون بارش کے کبھی نہ اٹھوں گا، بھلا ہم جیسے ادنیٰ حاکموں کے دربار سے تو امیدوار ناکام نہیں لوٹتا اور احکم الحاکمین کے دربار سے ہم ناکام لوٹیں یہ نہیں ہو سکتا، اس بات کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بڑے زور کا بادل اٹھا اور بارش موسلا دھار پڑنا شروع ہوئی، صاحبو! کوئی مانگنے والا ہو تو پھر ان کی عطاء کی بارش دیکھئے وہ تو ایسا بازار ہے کہ وہاں بیع کی بھی تعین نہیں ہے کہ اعمال صالحہ کے بدلہ میں کیا دیں گے، بس اجمال یہ ہے کہ جو تم چاہو گے وہ یہی دیں گے اور جو تمہارے وہم میں بھی نہیں آیا وہ بھی دیں گے (المودۃ الرحمنیہ ج ۱۳)

سلاطین دنیا کے یہاں یہ جرم ہے مگر حق تعالیٰ کو یہ ادا پسند ہے بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضی باتیں سلاطین دنیا کے یہاں ادب ہیں اور وہاں بے ادبی میں داخل ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یقل احدکم اللہم اغفر لی ان شئت اللہم ارحمنی ولیعزم المسئلة فانہ لا یکرہ لہ (المصنف لابن ابی شیبہ ۱۰: ۱۹۹)۔ یعنی دعا میں یوں نہ کہو کہ اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو مجھے بخش دیں (بلکہ یوں کہو کہ اے اللہ مجھے ضرور بخش دیجئے ۱۲) کیونکہ دنیا میں جو سلاطین کو یوں لکھا جاتا ہے کہ اگر حضور..... کی مرضی ہو تو

ایسا کر دیجئے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ لکھنے سے ان پر دباؤ ہوتا ہے اور وہ ہر درخواست کے پورا کرنے پر قادر بھی نہیں ہیں اس لئے ان قیود کی ضرورت ہے اور حق تعالیٰ پر کسی کا کچھ بھی دباؤ نہیں ہے اور وہ ہر درخواست کے پورا کرنے پر بھی قادر بھی ہیں تو وہاں ان شمت کی کیا ضرورت ہے پھر ایسے دربار میں اگر ثمرہ ادھار بھی ملے تو کیا حرج ہے جہاں ادھار کا ثمرہ اضعا ف مضاعفہ دیا جاتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ (جو شخص اللہ تعالیٰ کو قرض دے قرض حسنہ تو اللہ تعالیٰ اس کا کئی گنا اضافہ فرمادیں گے اور اس کے لئے اکرام و اعزاز والا اجر ہوگا) یہاں قرض حسنہ کے وہ معنی نہیں جو عوام میں مشہور ہیں کہ بس خوشی سے ادھار دے دو اگر مقرض کے پاس ہو تو ادا کر دے گا۔

## استغراق کمال نہیں

بعض لوگ استغراق کو کمال سمجھتے ہیں کہ نماز میں ایسا محو ہو جائے کہ کچھ بھی خبر نہ رہے، حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے بعض دفعہ ارادہ کرتا ہوں کہ لمبی سورت پڑھوں گا۔ مگر کسی بچہ کے رونے کی آواز سن کر چھوٹی سورتیں پڑھتا ہوں کہ اس کی ماں زیادہ دیر سے بے چین ہو جائے گی۔ تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بچوں کے رونے کی خبر ہوتی تھی، تو استغراق حالت کمال نہیں بلکہ حالت توسط ہے اور کمال کے بعد استغراق و انقطاع کلی نہیں ہوتا، بلکہ اہل دنیا سے بھی تعلق ہو جاتا ہے، مگر یہ تعلق اور طرح کا ہوتا ہے، اُس تعلق میں جو قبل از کمال (کمال سے پہلے ۱۲ ص) ہوتا ہے اور اُس میں جو بعد کمال ہوتا بڑا فرق ہوتا ہے۔ پہلے سب سے تعلق اپنی نسبت کی وجہ سے تھا کہ یہ میرا باپ ہے، یہ بھائی ہے یہ بیوی ہے یہ بچہ ہے، اب خدا تعالیٰ کی نسبت کی وجہ سے تعلق ہوتا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور اس کی ذات کے مظہر ہیں اور اُس کے حقوق کے محل ہیں، پس یہ بھی اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کی محبت ہے۔ مگر وسط میں یہ نہیں رہتی۔ یہ حالت کمال ہی کی ہے کہ غیر میں بھی ذات خدا تعالیٰ کا مشاہدہ ہو۔ حاصل یہ کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور طرح کی ہوتی ہے اور ماں کی اور طرح کی بیوی کی دوسری قسم کی۔ (وحدۃ الحب ج ۱۰)

رخصت دینا حق تعالیٰ کی نعمت ہے۔ لہذا ہمیں حق تعالیٰ کی نعمت کو قبول کرنا چاہئے۔ اس قسم کے تقویٰ سے بعض اوقات نماز بھی ترک ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک عرب بڑے نیک

جہاز میں ہمارے ساتھ سفر میں تھے۔ انہوں نے نماز ترک کر دی۔ اُن سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میاں پاخانہ کے پانی کی شر شر سے کوئی اطمینانی حالت نہیں کپڑوں کا اعتبار نہیں اس لئے کامران جا کر پڑھ لیں گے۔ یعنی کامران جا کر کامرانی کریں گے سو اس قسم کے تقویٰ کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے جو ہم کو رخصت کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ یہ اس لئے تاکہ ہم شکر کریں۔ چنانچہ صاف ارشاد ہے وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (اور تاکہ تم شکر کرو) تو جب تک ہم نعمت کو قبول نہ کریں اور اس پر عمل کر کے سہولت حاصل نہ کریں۔ اس وقت تک شکر مشکل ہے اگر کوئی شخص کہے کہ ہم بلا نعمت ملے اور بغیر نعمت قبول کئے شکر ادا کر لیں گے تو اصل یہ ہے کہ یہ شکر صرف زبان سے ہوگا۔ اس شکر کے ساتھ دل شریک نہ ہوگا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ٹھنڈا پانی پی کر زبان اور دل دونوں سے الحمد للہ نکلتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ رمضان میں افطار کے وقت سرد پانی ملنے سے کتنی مسرت ہوتی ہے بلکہ اہتمام سے برف وغیرہ سے سرد کیا جاتا ہے۔ غرض مریض کو جب تیمم کی اجازت ہو تیمم کر لیا جاوے اور جب کھڑے ہونے پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لی جاوے۔ پھر جب کھڑے ہونے پر قدرت ہو۔ کھڑے ہو کر پڑھ لی جاوے۔ اصل یہ ہے کہ ہماری کوئی عبادت متعین نہیں۔ جس وقت جو حکم ہو اس وقت وہ کر لیا۔ اگر سونے کا حکم ہو تو سوؤ۔ ہم تو اپنے خلاف مرضی مالک اپنے نفس میں کوئی تصرف جائز نہیں کیونکہ وہ نفس ہماری چیز نہیں سرکاری چیز ہے۔ (اعانۃ النافع ج ۱۵)

## خود رانی

ہمارے حضرتؒ کے پاس ایک شخص آیا اور آکر یہ عرض کیا کہ میں بیمار ہو گیا تھا۔ اتنی مدت تک مجھ کو حرم کی نماز نصیب نہیں ہوئی۔ حضرتؒ نے اپنے خواص سے فرمایا کہ عارف ان باتوں سے مغموم نہیں ہوتا۔ کیونکہ مقصود تو حق تعالیٰ کا قرب ہے۔ اور جس طرح حالت اختیار میں حرم کی نماز قرب کا ایک طریق ہے اسی طرح قرب کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بیمار ہو جائیں اور بیماری کا اجر ملے اور بحسب حدیث اس کے ساتھ ہی نماز کا بھی وہی اجر ملے جو تندرستی کی حالت میں حاضری حرم سے ملتا۔ اس کے بعد

فرمایا کہ بندہ کو مولیٰ پر فرمائش کرنے کا حق نہیں کہ مجھ کو فلاں طریق سے قرب عنایت ہو۔  
- وہاں راستے خدا تک پہنچنے کے ہیں جس طریق سے چاہے پہنچائے۔ بندے کو کیا حق ہے کہ ایک طریق کو تجویز کرے۔ خوب کہا ہے۔

بدرود و صاف ترا حکم نیست دم درکش کہ آنچہ ساقی مار یخت عین الطافست  
(تجھے یہ نہ سوچنا چاہئے کہ شراب میلی ہے یا صاف چاہیے ہمارے ساقی نے جو کچھ ہم کو دیا ہے وہی عین مصلحت ہے) اور۔

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مژ و مکن کہ خواجه خود روش بند پروری داند  
(تو فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط لگا کر عبادت مت کر۔ جو آقا ہے وہ خود اپنے غلاموں کی پرورش کے طریقے جانتے ہیں)

فکر خود و رائی خود در عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی  
(عاشقی کے معاملہ میں اپنی فکر کرنا یا اپنی رائے پر چلنا درست نہیں۔ عشق کے مذہب میں خود کو کچھ سمجھنا اور اپنی رائے پر چلنا کفر کے برابر ہے) پس جس طرف سرکار لے جائیں بالکل خیر ہے  
در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیراوست بر صراطِ مستقیم ایدل کسی گمراہ نیست  
(درویشی کے راستہ میں درویش کے سامنے جو مصیبت بھی آ جائے اس کو بہتر ہی سمجھے۔ اے دل صراطِ مستقیم میں کوئی شخص بھی گمراہ نہیں ہوا) (قطع التمنی ج ۱۵)

## شیطانی دھوکہ

ہم نے ایک عابد زاہد کو سفر حج میں دیکھا کہ نماز بالکل چھوڑ بیٹھے تھے۔ شیطان نے ان کو اسی قسم کے پاکی اور ناپاکی کے توہمات میں مبتلا کر دیا تھا فقیہ ان باتوں میں کبھی نہ آئے گا تو حدیث میں جس فقیہ کو ہزاروں عابد سے زیادہ شیطان پر بھاری بتلایا گیا ہے یہ وہی فقیہ ہے جس کو دین کی سمجھ ہو صرف کتابیں پڑھنے والا فقیہ مراد نہیں۔ حضرات فقہاء شیطان کی ان چالوں کو خوب سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے پاکی اور ناپاکی کے مسائل میں بہت توسع فرمایا ہے۔ (انج امبرورج ۱۷)

## نمازی کی حالت

دیکھو اگر کسی نمازی کو نماز کے وقت دو آدمی پکڑ کر رے باندھ دیں تو وہ رے توڑ کر



بھاگے گا تو اس میں کیا راز ہے یہی ہے کہ اس کی طبیعت بدل گئی ہے وہ کشاں کشاں اس کو اپنے مقتضیٰ کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کو ملکہِ راسخہ اور طبعیہ ثانیہ کہتے ہیں۔

کسی بزرگ نے حکایت لکھی ہے کہ ایک آقا اور غلام چلے جا رہے تھے غلام نمازی تھا نماز کا وقت آ گیا وہ مسجد میں نماز پڑھنے گیا اور آقا صاحب مسجد سے باہر رہے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو آقا نے پکارا کہ آؤ۔ غلام نے کہا کہ آنے نہیں دیتا۔ فرق کیا تھا کہ نماز اس غلام کی طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی۔ اور مولیٰ کی طبیعت مہذب نہ تھی۔

اس کی وہ حالت تھی جیسے کسی قصائی کا بیل چھٹ کر مسجد میں گھس گیا۔ لوگوں نے ملامت کی تو کہنے لگا کہ میاں جانور بے عقل تھا چلا آیا کبھی ہم کو بھی دیکھا ہے۔ اللہ اکبر طبیعت کا کیسا اختلاف ہے اور یہی طبیعت کبھی ایسا پلٹا کھاتی ہے کہ تکبیر اولیٰ بھی اگر قضا ہو جائے تو گویا غم کا پہاڑ آگرتا ہے۔

۔ بردل سالک ہزاراں غم بود      گرز باغ دل خلالے کم بود

اس لئے بہت زیادہ ضروری طبیعت کا مسخر کرنا ہے۔ (المہذب ج ۱۷)

## امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی حکایت

امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی احمد غزالی جماعت سے نماز نہ پڑھتے تھے۔ مغلوب الحال زیادہ تھے ایک مرتبہ امام غزالی نے والدہ سے اس کی شکایت کی۔ انہوں نے ان کو سمجھایا بجھایا، خیر جماعت میں آ کر کھڑے ہوئے۔ امام غزالی امام بنے نماز پڑھنی شروع کی، بس تھوڑی ہی دیر میں ان کے بھائی صاحب نیت توڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو جو معلوم ہوا کہ نیت توڑ کر چلے گئے بہت ناگوار ہوا آ کر والدہ صاحبہ سے اس کی شکایت کی والدہ نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی وہ کہنے لگے اگر کسی کے کپڑے میں حیض کا خون لگ جاوے تو نماز نہیں ہوتی، ان کے قلب میں حیض کا خون لگ رہا تھا، بس میں اقتداء سے جدا ہو گیا اور ہوا یہ کہ اس زمانہ میں ایک فقہ کی کتاب لکھ رہے تھے تو اس وقت ایک خاص جزئیہ اس باب کا ان کے قلب میں گزرا ان کو مکشوف ہو گیا۔ اب دیکھئے کہ ان کی والدہ صاحبہ کیا فیصلہ فرماتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ محمد (امام غزالی کا نام ہے) واقعی تم نے نماز کا حق ادا نہ کیا، مسائل کے حل کے لیے دوسرا وقت ہے نماز میں کیوں ادھر التفات

کیا اور دوسرے سے فرمایا کہ احمد تم نے بھی خطا کی تمہارا حضور بھی کامل نہ تھا تم کو حق تعالیٰ سے توجہ ہٹا کر ادھر کیوں التفات ہوا؟ کہ امام کیا کر رہا ہے کیا سوچ رہا ہے دونوں کے حضور میں نقصان ہے۔ واقعی کیا اچھا فیصلہ کیا۔ گویا ان کا مطلب یہ تھا کہ نماز میں ایسی حالت ہونی چاہیے:

دلارامے کہ داری دل دروبند      دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہو تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لو)

اے صاحبو! اگر ہم کو ہر وقت یہ حالت نصیب نہیں تو کم از کم نماز میں تو ایسا ہو جانا چاہیے کہ تمام عالم سے آنکھیں بند کر لیں جس نے نماز میں بھی عالم سے آنکھیں بند نہیں کیں وہ پھر اور کس وقت خدا کی طرف لگے گا تب احمد سمجھے کہ واقعی ہم کچھ نہیں ہیں، خشوع و خضوع کا ہمارا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ والدہ صاحبہ ہم سے بھی بڑھی ہوئی ہیں، کتنی بڑی غلطی پر متنبہ کیا جس کو ہم غلطی بھی نہ سمجھتے تھے ہم تو بھائی صاحب ہی کو الزام دیتے تھے کہ وہ نماز میں خشوع نہیں کرتے۔ اب معلوم ہوا کہ ہم خود بھی خشوع سے خالی ہیں بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس وقت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے خشوع میں پھر بھی بہت زیادہ نقصان نہ تھا کیونکہ ان کو تو ایک شرعی مسئلہ ہی کا خیال آیا تھا اور مسائل شرعیہ اگرچہ غیر خدا ہیں مگر پھر ان کو خدا کے ساتھ ایک گونہ تعلق ہے تو خدا کی طرف سے اگر وہ بیان ہٹا تھا تو اسی کے احکام میں لگا ہوا بھی تھا اور شیخ احمد کا وہ بیان خدا کی طرف سے ہٹ کر امام کی حالت پر متوجہ ہوا اور ایک خاص واقعہ کا ان کو انکشاف ہو گیا تو ان کو خدا کی طرف خیال نہ رہا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ کا خدا کے احکام کی طرف تو یہ تھا تشمت ان کے تشمت سے اور ادون تھا اب اس واقعہ کو سن کر فرمائیے! کہ ہم میں خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے آدمی ہیں؟ غرض نماز ہی کو دیکھ لو! تو معلوم ہو جائے کہ ہماری کوئی طاعت طاعت کہنے کے قابل نہیں۔ (الجلال الاقلام ج ۱۸)

## رفع اشکال

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”اجہر جیشی وانا فی الصلوۃ“ کہ میں نماز کے اندر لشکر بھیجنے کا سامان کیا کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں نماز کے اندر لشکر کا خیال آتا تھا اور ایک آن میں دو چیزوں کی طرف التفات نفس محال ہے تو یقیناً لشکر کے خیال کے ساتھ حق تعالیٰ کی

طرف خیال نہ رہتا ہوگا یا کم رہتا ہوگا تو اب یا تو یہ مانا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں خشوع نہ کرتے تھے یا یہ کہا جائے کہ خدا کے سوا دوسرے خیالات میں مشغول ہونا خشوع کے منافی نہیں۔ اشکال ہے ہر ظاہر میں سخت۔ اسی لیے ہمارے حضرت حاجی صاحب کے پاس دو عالم جھگڑتے آئے تھے ایک تو خطرات کو آنے کو خشوع کے منافی سمجھتے تھے دوسرے اس کو خشوع کے منافی نہ سمجھتے تھے اور اس قصہ سے استدلال کرتے تھے۔ پہلے شخص کو اس کی حقیقت نہ معلوم ہونے سے کوئی جواب نہ پڑا تھا۔ اس لیے بعض لوگ اس واقعہ سے خشوع کے عدم وجوب کے قائل ہوئے ہیں کیونکہ ان پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کی حقیقت واضح نہیں ہوئی۔ حضرت حاجی صاحب نے اس کی حقیقت کو منکشف فرمایا آپ نے جواب دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجہیز و تہیز خشوع کے منافی نہیں کیونکہ وزیر جب بادشاہ کے دربار میں آتا ہے تو اس کا خشوع یہی ہے کہ سرکاری کاغذات کو دیکھے اور بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔ اس سے احکام دریافت کرے اور اس کے موافق فرمان شائع کرے تو ایک شخص تو وہ ہے جو بادشاہ کے دربار میں محض حاضری دینے آتا ہے اس کا کام یہ ہے کہ بادشاہ کی عظمت و جلال ظاہر کرنے کے لیے دست بستہ اس کے سامنے کھڑا رہے۔ چنانچہ دربار شاہی میں بہت سے خدمت گار صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے دست بستہ کھڑے رہیں۔ دوسرا کوئی کام ان کے ذمہ نہیں ہوتا۔ سو اس کا خشوع تو یہی ہے کہ ہاتھ باندھے سر جھکائے بادشاہ کے سامنے کھڑا رہے کسی چیز کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور ایک وزیر ہے جس کا کام یہ ہے کہ سلطنت کا انتظام کرے اور بادشاہ کے حکم کے موافق فرمان نافذ کرے اس کا خشوع یہی ہے کہ تمام کاغذات کو دیکھے بھالے ڈاک کو پڑھے ان کے جواب کو لکھ کر بادشاہ کو سنائے۔ پس ظاہر میں اگرچہ پہلے شخص کا خشوع بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نظر بادشاہ کے سوا کسی چیز میں نہیں اور وزیر بظاہر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ معلوم ہوتا ہے وہ دست بستہ بادشاہ کے سامنے یکسو ہو کر نہیں کھڑا ہوتا مگر کون نہیں جانتا کہ وزیر کا مرتبہ پہلے شخص سے کس قدر بڑھا ہوا ہے اور اس کی اطاعت اور خشوع یہی ہے کہ دوسرے کاموں میں مشغول ہو جو بادشاہ نے اس کے سپرد کیے ہیں اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وقت میں خلیفہ اللہ تھے جن کے سپرد انتظام عام کا کام کیا گیا تھا ان کا خشوع یہی تھا کہ نماز میں کھڑے ہو کر حق تعالیٰ سے لشکر و غیرہ کی بابت احکام دریافت کریں اور نماز میں جو بات

ان کے دل پر القاء ہو اس کے موافق عمل کریں اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ نماز میں جو کچھ القاء ہوتا ہے وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجہیز جیش کی وہی مثال ہے جو وزیر کی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر حالت ہوتی ہے۔ حضرت عمر کو تجہیز جیش میں بھی حضور حق ہی حاصل ہوتا تھا اس لیے ان کی یہ حالت کسی طرح خشوع کے منافی نہ تھی بلکہ عین خشوع تھی بلکہ مثال سے واضح ہو گیا کہ دوسروں کے خشوع سے آپ کا خشوع اس حالت میں بھی بڑھا ہوا تھا۔ غرض معلوم ہو گیا کہ یہ حالت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خشوع کی منافی کسی طرح نہیں اس سے ان لوگوں کی غلطی بھی معلوم ہو گئی جو اس واقعہ سے خشوع کے عدم وجوب کے قائل ہوئے ہیں۔ (الجلء الا بتلاء ج ۱۸)

### صحابہ کی حقیقت شناسی

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک شخص نے یہ طعن کیا کہ تم کو تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) گنا موتنا بھی سکھلاتے ہیں تو ان صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے نہایت دلیری سے یہ جواب دیا کہ بیشک ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو گنا سنا بھی سکھلاتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ حقیقت سمجھتے تھے ایسے مواقع میں اعداء دین سے الجھتے نہ تھے (ازلۃ الغفلۃ ج ۱۸)

### وساوس کا علاج

آپ کی وسعت میں ہے کہ ایک خطرہ قلب میں آئے اور آپ کو اس کو ہٹا کر دوسرے خیال میں لگ جائیں۔ اب دوسری طرف توجہ کرنے کے بعد بھی اگر وہ پہلا خیال رہے یہ بے اختیاری ہے۔

اور جو درجہ بے اختیاری ہے اس کیلئے حدیث میں ہے ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست به صدور۔ یہ ہے اس کی تفصیل باقی یہ سمجھنا کہ دل پر اختیار نہیں بالکل غلط ہے اور اسی غلطی نے لوگوں کو ذائل قلب کے ازالہ سے مایوس کر دیا ہے۔ مثلاً یہ بات انسان کے قبضہ میں ہے کہ نماز میں کھڑا ہو اور قلب کو اس کی طرف متوجہ کرے مگر اس کی پرواہ نہیں کیونکہ اس کو اپنے جہل سے غیر اختیاری سمجھے ہوئے ہیں۔

اے صاحبو! اگر قلب کا متوجہ کرنا اختیار میں نہ ہوتا تو حدیث میں نماز کے باب میں مقبلا علیہما بقلبه لایحدث فیہما نفسہ کیوں ہوتا۔ اگر قلب کا متوجہ کرنا اختیار میں نہیں تو اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے۔



صاحبو! نماز کی طرف توجہ کرنے سے ضرور توجہ ہوگی۔ مگر توجہ کا ارادہ بھی تو ہو۔ ارادہ کر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ احضار قلب اختیار میں ہے اور جب یہ اختیار میں ہے تو حضور قلب بھی اختیار میں ہوگا کیونکہ وہ احضار کا مطاوع ہے البتہ اس کے بعض مراتب اختیار میں نہیں۔ مثلاً یہ تو اختیار میں ہے کہ نماز کی طرف قلب کو متوجہ کر دے اور یہ توجہ واقع بھی ہو جاوے گی لیکن دوسری طرف جو پہلے سے توجہ تھی اس کا زائل ہو جانا یہ اختیار میں نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نماز کی طرف توجہ کی گئی مگر دوسری چیز بھی پہلے سے دل میں موجود ہے وہ جاتی ہی نہیں یہ غیر اختیاری ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک چیز کو قصداً آنکھ سے دیکھا تو عادتاً دیکھنے والے کی شعاع بصری فقط اسی چیز تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ شعاع پھیل کر اور چیزیں بھی بلا قصد کے نظر آنے لگتی ہیں۔ سو ایک تو نظر آنا ہے یہ تو غیر اختیاری ہے اور ایک انٹر میں لانا ہے یہ اختیاری ہے۔ اسی طرح ذہن کو جس وقت کوئی شخص ایک جانب متوجہ کرتا ہے تو مقصود بالتصور تو وہ چیز ہوتی ہے مگر دوسری چیزیں بھی بلا اختیار خیال میں آ جاتی ہیں۔ جن کو یہ قصداً ذہن میں نہیں لایا بلکہ بلا قصد آ گئیں اس پر کچھ مواخذہ نہیں۔ پس ذہن میں لانا یہ تو اختیاری ہے اور آنا اختیاری نہیں۔ (الہوی والہدی ج ۱۹)

## حقیقت حضور قلب

بعض لوگ قلب کا متوجہ کرنا اس کو سمجھتے ہیں کہ دوسری چیز کا تصور ہی ذہن میں نہ رہے اور کوئی چیز حاضر ہی نہ ہو اور اسی لئے اپنے کو اس میں ناکام دیکھ کر توجہ مامور بہ کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ تو ایسا ہے جیسے کسی چیز کو قصداً دیکھیں اور شعاع کو قصدی تعلق بھی اسی سے ہو کسی اور چیز سے نہ ہو مگر ایسا ممکن نہیں کہ شعاع کسی اور چیز کی طرف بلا قصد بھی متصرف نہ ہو۔ اسی طرح ذہن کی شعاع بھی ایک ہی چیز پر مقصود نہیں رہتی۔ بس یہاں بھی قصد کیجئے کہ توجہ نماز کی طرف ہو اگر اس کے بعد دوسری چیزیں بھی آپ کے ذہن میں از خود آ جائیں تو اس کو مانع حضور قلب نہ سمجھئے۔ یہ دوسری چیزوں کا آ جانا لوازم عادت سے ہے اب تو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ حضور قلب ایسا ہو جسے ہم حضور قلب سمجھیں حالانکہ حضور قلب کے یہ معنی نہیں جس کو لوگ سمجھے ہوئے ہیں۔

دیکھئے ناواقفیت سے کتنی بڑی خرابی ہوگئی کہ امراختیاری کو غیراختیاری سمجھ لیا گیا۔ اور اس کا اہتمام چھوڑ دیا۔ پس ایک سبب حضور قلب سے مایوس ہو جانے کا یہ بھی ہے کہ ذہن پر اس کے حصول کے لئے اس قدر زور ڈالتے ہیں کہ ذہن ادھر ادھر جانے ہی نہ پائے۔ حالانکہ ذہن میں خطرات کی لہریں اٹھتی ہیں جیسے سمندر میں مدوجزر (جوار بھاتا) کہ اس کیلئے سخت بند کی ضرورت ہے اور بند میسر نہیں ہے مبالغہ تو بہت کرتے ہیں اس کی روک تھام کا مگر کہاں تک کر سکتے ہیں آخر ذہن تھک جاتا ہے اور یوں سمجھ لیتے ہیں کہ حضور قلب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے چھوڑ بھی دو۔ اس کے بعد ارادہ ہی نہیں کرتے۔ یہ مبالغہ کرنے کا نتیجہ ہے اس لئے مبالغہ نہ کرنا چاہیے۔ میں اس کی ایک مثال واضح عرض کرتا ہوں کہ قلب کا کتنا حاضر کرنا ضروری ہے۔ دو حافظ تجویز کر لیجئے ایک تو ایسا جسے قرآن مجید اس طرح یاد ہے کہ شروع کرتے وقت تو توجہ اور قصد کی ضرورت پڑتی ہے پھر سوچنے کی ضرورت نہیں مشین کی طرح نکلتا ہوا چلا جاتا ہے۔ جیسے ہم الحمد پڑھتے ہیں کہ ادھر شروع کی اور ادھر ختم سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اور ایک وہ حافظ ہے جسے قرآن کچا یاد ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہر لفظ کو سوچ کر پڑھے گا جیسے ناظرہ خوانوں میں سے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو تو وہ ہر لفظ کو سوچ کر پڑھے گا۔ بے سوچے نہیں پڑھ سکتا تو اس کے حافظ کو جتنی توجہ ہر لفظ کے پڑھنے میں ہوتی ہے بس اتنی ہی توجہ کا نماز میں انسان مکلف ہے اور یہی کافی ہے۔ (الہوی والہدی ج ۱۹)

## دین میں اعمال کی اہمیت

دین میں آسان طریقہ تو یہ تھا کہ نہ نماز کی ضرورت ہوتی نہ زکوٰۃ کی نہ حلال و حرام کے اہتمام کی نہ رشوت چھوڑنے کی نہ تکبر چھوڑنے کی بس لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہہ کر نہایت آزادی کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے یہ نہایت سہل طریقہ تھا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تجویز فرماتے تو لوگ نہایت آسانی سے اسلام قبول کر لیتے مگر باوجود اس کے آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اعمال کی بھی تاکید اور تعلیم فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ..... کافی نسخہ نہیں ہے دوسرے اجزاء کی بھی ضرورت ہے مگر آج کل اہل الرائے کی عجیب حالت ہے چنانچہ ایک شخص نے یہاں تک رائے دی کہ اگر سب علماء مل کر نماز کو اسلام سے خارج کر دیں تو اسلام کو بہت ترقی ہو اور اس کے باقی رکھنے سے اسلام کی ترقی رک رہی ہے کیونکہ جب کوئی شخص سنتا ہے کہ

اسلام لا کر نماز گلے مڑھی جائے گی تو وہ اسلام لانے سے رک جاتا ہے بہت سے لوگ اسلام لانے پر آمادہ ہیں مگر نماز کی وجہ سے ہمت نہیں ہوتی اس لئے اس کو حذف کر دینا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ واقعی ظاہر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نماز نہ ہوتی تو مسلمان ہونا کچھ بھی مشکل نہ تھا بہت سہل ہوتا، مگر باوجود اس کے پھر کیا وجہ ہے کہ نماز فرض فرمائی گئی اور اس کے تارک پر وعید ارشاد فرمائی اور وعید بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ یوں فرمایا: مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ کہ جس نے عمداً نماز کو چھوڑا تو وہ کافر ہو گیا۔ یہاں ایک بات سمجھئے کہ مولویوں کی عجیب کم بختی ہے کہ جب وہ اس قسم کا مضمون بیان کرتے ہیں تو لوگ ان کو یوں کہتے ہیں کہ بس جی ان کو تو کافر بنانا آتا ہے۔ بھائی یہ تو رسول کا فتویٰ ہے مولویوں کے گھر کی تو بات نہیں اور اگر کہو کہ حدیث کوئی چیز نہیں چنانچہ ایسے لوگوں میں سے بعض اسکے بھی قائل ہیں تو صاحبو! قرآن شریف کا سیاق و سباق بھی تو تارک نماز کو مشرک بتلا رہا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

اقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے مت ہو) تو کیا قرآن شریف کو بھی حجت نہ کہا جاوے گا۔ حاصل یہ ہوا کہ اس درجہ جو نماز کی تاکید کی گئی یا حج و زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے اور ان کے بارے میں وعید سنائی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض ایمان لانا کامیابی کے لئے کافی نہیں بلکہ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔ کے یہ معنی ہی نہیں کہ کوئی عمل نہ کرے بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کا بھی اقرار کرے اور اس کے مقتضاء پر عمل بھی کرے کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ الشیء اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔ (جب کوئی شئی ثابت ہو جائے تو اس کے بعد لوازم ثابت ہوئے) (العلاقات الغافلات ج ۲۰)

## شادی کے وقت نماز

جہاں شادی وغیرہ دھوم دھام سے اور رواج کے موافق ہوتی ہے وہاں عورتوں کو اور مردوں کو اور صاحب خانہ کو اور نوکروں چاکروں کو نماز کا مطلق ہوش نہیں ہوتا رات بھر جاگنے اور کھانے دانہ میں اور مہمان داری اور لینے دینے میں کٹ جاتی ہے مگر نماز کی فرصت کسی کو نہیں ہوتی یہ حد شرعی سے خروج ہے کہ نہیں نماز جس کا چھوڑنا کسی ضرورت سے بھی جائز نہیں بے ضرورت چھوڑ دی جاتی ہے۔

بعضی عورتوں کو یہ ہی عذر ہوتا ہے کہ گھر میں اتنا جمع ہو گیا کہ نماز کے لئے جگہ ہی نہیں



اتنی عورتیں کہاں نماز پڑھیں کیوں بیویو! سارے کاموں کے لئے جگہ ہے اور نماز کے لئے جگہ نہیں کیا جس وقت سونے کا وقت آئے گا، اس وقت ان کے لیٹنے کے لئے بھی جگہ نہ ملے گی، لیٹنے کے لئے تو ضرور جگہ ملے گی اگر کسی بی بی کو ذرا سی بھی تکلیف ہوگی تو ساری برادری میں ننگ کٹی ہو جائے گی اگر بیبیاں سونے کے برابر بھی نماز کو ضروری سمجھیں تو نماز کی جگہ نہ ملنے پر بھی برادری میں ناک کٹی کر دیں مگر نماز پڑھنا ہی نہیں۔ یہ سب حیلے بہانے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جتنی جگہ سونے کے لئے چاہئے نماز کے لئے اتنی بھی درکار نہیں عورتوں کا سجدہ بہت دب کر ہوتا ہے ذرا سی جگہ کافی ہے پھر جگہ نہ ملنے کا حیلہ کیسے چل سکتا ہے اور کچھ بھی ہو فرض کر لیجئے جگہ بالکل نہیں ہے تو حق تعالیٰ اس کے کب ذمہ دار ہیں۔ حق تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ ایسے مجمع میں جاؤ جہاں نماز بھی نہ پڑھ سکو جب وقت آئے لاکھ تدبیر کرو اور نماز ادا کرو۔ مجمع میں پڑھو یا مجمع پر خاک ڈالو گھر جا کر نماز ادا کرو جس صورت سے بھی ہو۔ نماز چھوڑ کر گناہ سے نہیں بچ سکتیں۔

## سفر میں نماز

اسی ضمن میں ایک اور مسئلہ یاد آ گیا وہ یہ ہے کہ سفر میں بھی عورتوں کو یہ عذر ہوتا ہے کہ ریل میں جگہ نہیں ملی، یا یہ کہ پانی نہیں ملا، یا یہ کہ قبلہ کی سمت معلوم نہیں ہوئی۔ یہ سب عذر اپنے گھرے ہوئے ہیں۔ شریعت نے ان کا اعتبار نہیں کیا۔ ریل میں بیٹھنے کی جگہ تو مل جاتی ہے اور بچہ یا اسباب ساتھ ہوتا ہے تو اس کی بھی جگہ بری بھلی ہو ہی جاتی ہے تعجب ہے کہ نماز کی جگہ نہیں ہوتی اسی طرح بچہ پیاسا ہو تو کہیں نہ کہیں پانی مل جاتا ہے مگر نماز کے لئے نہیں ملتا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر اسٹیشن پر تم ہو تو وہاں پانی مانگ لو اگر پانی نہ مل سکے یا پانی ملنے میں ریل چھوٹ جائے گی تو تیمم کر لو، مگر تیمم کے مسئلے سیکھ لو۔

ایک بی بی نے ریل کے تختوں پر تیمم کیا اس خیال سے کہ جیسے گھر کی دیوار ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہ بھی ہے۔ یہ غلطی ہے دیوار مٹی کی ہوتی ہے اور وہ لکڑی ہے، ہاں اگر ریل کی بنچ پر خوب گرد پڑی ہوئی ہو تو اس پر تیمم جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ گرد پاک ہو، ناپاک مٹی پر تیمم نہیں ہو سکتا، اور اتنا بھی بکھیڑا کیوں کیا جاوے مٹی کا کوئی برتن پاس ہو تو اس پر تیمم کر لو اس پر گرد ہونا بھی شرط نہیں اول تو ریل کے سفر میں تیمم کی نوبت ہی آنے کی امید نہیں۔ پانی ہر جگہ ملتا



ہے۔ اگر یوں ملنے میں دقت ہو تو پیسہ دو پیسہ خرچ کرو پھر چاہے جتنا پانی لے لو جہاں دنیا کی آسائش کے لئے تیسرے درجہ کی جگہ ڈیورڈھایا دوم درجہ کا ٹکٹ لیتے ہو اگر دو چار پیسے خرچ کر کے نماز مل جائے تو کیا حرج ہو گا ہاں خیال رکھنا اور مستعدی شرط ہے۔ (دعوات عبدیت ج ۲۰)

## اعلیٰ درجہ کی نماز حاصل کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے

نماز کی کمی کی اصلاح کرو اور اسی اصلاح میں جب تک اعلیٰ درجہ کی نماز حاصل نہ ہو سعی کرتے رہو کہ درجہ علیا صلوٰۃ کا حاصل ہو جاوے۔ جب تم اپنی سعی کر لو اور پھر بھی وہ درجہ میسر نہ ہو تو عند اللہ بری ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ایسے کریم ہیں کہ وہ ایسے ہی قبول فرمائیں گے شکایت تو اسی کی ہے کہ اس طرف توجہ ہی نہیں پس سعی کے بعد ہم جیسی نماز پڑھیں گے اگر وہ صلوٰۃ مطلوبہ کے درجہ میں بھی نہ ہوگی مگر حق تعالیٰ کا کام ایسا وسیع ہے کہ وہ اسی کو مطلوب کے درجہ میں کر دیں گے۔ چنانچہ اسی بنا پر آیت فاولشک یبدل اللہ سینا تھم حسنات (پس یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیں گے۔) تفسیر حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ یہ فرماتے تھے کہ سینات سے مراد ہمارا نماز روزہ ہے کہ درحقیقت ہی عبادت نہیں بلکہ واقع میں گستاخی اور بے ادبی ہے اور ہم ایسی عبادت کو پیش کر کے بے ادب بنتے ہیں جیسے اس آدمی کا لانے والا بے ادب اور احمق شمار کیا گیا تھا اور ہمارا ایسے عبادات پر اپنے کو مستحق اجر سمجھنا ایسا ہی ہے کسی آقا کا گستاخ نوکر پنکھا جھلے اور ہر دفعہ میں اس کے سر پر پنکھا مارتا ہو اور پھر انعام کا طالب ہو اس پر تو اگر وہ آقا سزا ہی نہ دے تو بڑی عنایت ہے اسی طرح ہماری عبادت بے ادبی اور گستاخی ہے اس پر اگر ہم کو سزا بھی نہ ہو تو بڑی رحمت ہے لیکن حق تعالیٰ کی وہ رحمت ہے کہ ہمارے اس گمان کے موافق کہ ہم ان کو عبادت سمجھے ہوئے ہیں سچ مچ عبادت کر کے اس پر بھی ثواب دیں گے امراء کے یہاں دیکھا ہو گا کہ غرباء مٹی کے خر بوزے تر بوز بنا کر لاتے ہیں ان کو بھی انعام ملتا ہے ایسی ہی یہ ہماری نماز ہے کیسا عجب ہے جو اس پر بھی انعام مل جاوے لیکن واقع میں تو ضرورت اسی کی ہے کہ ہماری ایسی نماز ہو جیسی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور جب تک پر حاصل نہ ہو سعی کرتے رہیں غضب تو یہ ہے کہ ہماری تو صورت نماز بھی درست نہیں کیونکہ درستی ہوتی ہے صبر سے یعنی خلاف نفس مشقت اٹھانے سے اور اس

سے نفس گھبراتا ہے بلکہ بعضوں نے تو یہ حکم لگا دیا ہے کہ ہم سے خشوع خضوع حضور قلب نماز میں ہو ہی نہیں سکتا میں کہتا ہوں کہ ہو کیوں نہیں سکتا مگر ہاں ذرا نفس کو روکنا پڑتا ہے اور اس میں ہوتی ہے مشقت اس لئے اس سے جی گھبراتا ہے باقی ہو سب کچھ سکتا ہے۔

## عورتوں کی نماز میں کوتاہیاں

عورتوں میں بہت سی عورتیں جو نماز کی پابند ہیں وہ ساری ساری عمر نماز پڑھتی رہتی ہیں مگر ان کی نماز اس سے زیادہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ کا دھوکا دینا ہے نہ وقت کی پہچان ہوتی ہے نہ پاکی کے مسئلے جانتی ہیں وضو کرتی ہیں تو اس کے ارکان ادا نہیں ہوتے ایسی غلطیاں ہوتی ہیں کہ وضو ہوتا ہی نہیں نماز پڑھتی ہیں تو نماز نہیں ہوتی، اول تو وضو ہی نہیں ہوا تھا پھر اگر نماز درست کر کے بھی پڑھتیں جب بھی درست نہ ہوتی۔ چہ جائیکہ نماز بھی ایسی ہی پڑھتی ہیں کہ وضو کی طرح اس کے ارکان بھی ادا نہیں ہوتے نماز فاسد ہوتی ہے۔ یہی رواج چل گیا ہے کہ باریک کریب کا دوپٹہ یا تنزیب کا دوپٹہ سر پر رکھ کر نماز پڑھ لیتی ہیں اور خوش ہیں کہ ہم نماز پڑھتی ہیں مگر یہ نماز نہیں ہوتی محنت ضائع ہوتی ہے۔ کپڑا ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں بال ذرا نہ چمکیں کیونکہ بال بھی عورت مستورہ میں داخل ہیں پھر رکوع کریں گی تو وہ رکوع نہیں ہوتا سجدہ کریں گی سجدہ نہیں ہوتا۔ ساری ساری عمر اسی طرح گزر جاتی ہے۔

## نماز سے متعلق

مردوں سے بھی شکایت ہے ہم نے بہت سے مردوں کو دیکھا ہے کہ ایک نمک کھانے میں کم زیادہ ہو جانے پر عورت کو تنبیہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور اگر اس پر بھی نہ مانے تو نکال باہر کرتے ہیں اور یہ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ نمازیں ضائع کرنے پر کوئی عورت کو نصیحت بھی کرتا ہو۔ الا ماشاء اللہ اور اگر کسی نے کیا تو بہت سے بہت یہ کہ ایک دفعہ یا دو دفعہ سمجھا دیا پھر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں تو جان تیرا کام جانے برا کرے گی، آپ بھگتے گی۔ کیوں صاحب جب نمک کھانے میں ٹھیک نہ تھا تو ایک دو دفعہ کہہ کر کھانے کو کیوں نہ کھالیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”لَا فَكْلُكُمْ رَاعٍ وَهُوَ مَسْنُونٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ“ یہ ایک حدیث کا ٹکڑا جس میں بیان ہے کہ بادشاہ اپنی رعیت کا ذمہ

دار ہے حاکم اپنے محکوم کا ذمہ دار ہے۔ غرض ہر بڑا اپنے چھوٹے کا ذمہ دار ہے یہاں تک کہ گھر والا اپنے گھر بھر کے افعال کا ذمہ دار ہے تو سب اپنے چھوٹوں کے ذمہ دار ہوئے اور سب سے ان کے افعال کی باز پرس ہوگی۔ مردوں کو خدا تعالیٰ نے وہ ذرائع دیئے ہیں جن سے وہ گھر کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ اسی بناء پر ”قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ“ (عورتوں پر حاکم) فرمایا ہے تو جیسا کہ عورتوں کی دنیا کو درست کرتے ہیں ایسا ہی عورتوں کی آخرت کو بھی درست کرنا چاہیے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔ الا ماشاء اللہ کہ اس نے اپنی بی بی کا وضو درست کرایا ہو یا اس کی نماز درست کرائی ہو اپنے سامنے بٹھا کر وضو کرایا ہو اپنے سامنے قرآن پڑھایا ہو نماز کا ایک ایک رکن سکھایا ہو اے مردو! اپنے اعمال بھی درست کرو اور اپنے گھر والوں کے اعمال کو بھی درست کرو اور ارے عورتو! تم ان کے کہنے پر چلو اور اپنے اعمال کو درست کر لو پھر اپنے بچوں کے اعمال کو اور اپنے خادموں کے اعمال کو بھی درست کرو۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

## غیبت کے مفاسد اور اس کا علاج

غیبت میں احتیاط یہی ہے کہ پیٹھ پیچھے بلا ضرورت شدیدہ کسی کا ذکر کسی قسم کا بھی نہ کرو اور باتیں بھی تو بہت ہیں، مسئلے مسائل آپس میں پوچھا کرو، یہی باتیں ہو جائیں گی مگر مجھے بیبیوں سے اس کی امید کم ہے۔ جانے دو دنیا ہی کی بات کرو، کسی علم و فن کی تحقیق کرو، سینے پر رونے، کھانے پکانے کے متعلق باتیں کرو، تم کو اس سے اور اس کو تم سے کچھ حاصل ہوگا، کسی کی برائی بھلائی میں کیا رکھا ہے۔

لطف یہ ہے کہ غیبت میں صرف دین ہی کی خرابی نہیں ہے دنیا کی بھی خرابی ہی خرابی ہے ہم کوئی گھر ایسا نہیں پاتے جس میں عورتوں میں لڑائی جھگڑا کچھ نہ کچھ نہ ہو اس کے اسباب اور اس کے دفعیہ کی تدابیر کچھ بھی ہوں اس وقت ان کے بیان کا موقعہ نہیں میں صرف اتنا ہی کہتا ہوں کہ اگر گھر کی ساری بیبیاں ایک غیبت ہی کے چھوڑنے پر پکی ہو جائیں تو میں ذمہ دار ہوں کہ لڑائی جھگڑا نہ رہے جو خاندان چاہے امتحان کر لے خوب سمجھ لے کہ جو شخص غیبت نہیں کرتا وہ ہر دلعزیز ہوتا ہے لوگوں کو اس پر اعتماد ہو جاتا ہے کہ ہماری عیب جوئی نہ کرے گا، ہماری بات کسی سے نہ کہے گا، اس کے پاس بیٹھ کر دوسرا آدمی خوشی کے ساتھ اٹھتا ہے۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

## صرف ذکر لسانی کافی نہیں

خوب سمجھ لو کہ محض ذکر زبانی کافی نہیں ہے بلکہ اعمال نماز روزہ وغیرہ کی بھی ضرورت ہے۔ دین بدون ان کے کامل نہیں ہوتا ذکر میں شیطان کو بھگانے کی خاصیت بے شک ہے۔ (القاف ج ۲۲)

## بے نمازیوں کو وظیفہ بتانے کی ایک ضروری شرط

حضرت سے تو اگر کوئی بے نمازی دنیا کا وظیفہ پوچھتا ہے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایسا وظیفہ تجویز کر دیتے ہیں جس میں پانچوں نمازوں کے پڑھنے کی قید ہوتی ہے کہ اسی بہانہ سے نماز کی پابندی نصیب ہو جائے اور دنیا ہی کے طفیل آخرت کی طرف توجہ ہو جائے۔ (راحت القلوب ج ۲۲)

## وساوس کے دو درجے

وسوسہ کے دو درجے ہیں ایک اختیاری ایک غیر اختیاری اور کمال صلوٰۃ کے منافی وسوسہ اختیاری ہے اور غیر اختیاری وسوسہ منافی کمال صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ اس حالت میں اپنے کام میں لگا رہنا بوجہ شاق ہونے کے زیادہ ثواب کا موجب ہے جیسے حدیث میں آیا ہے: ”وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ يَتَعَتَّعُ فِيهِ لَهُ أَجْرَانِ“ (اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس میں اٹکتا ہے اس کے دو اجر ہیں) غرض وسوسہ غیر اختیاری سے نماز ناقص نہیں ہوتی بلکہ یہ واقع میں کمال ہے مگر بصورت نقصان مگر اس میں بعض اوقات یہ غلطی ضرور ہوتی ہے کہ ایک وسوسہ ابتداء تو بلا قصد و اختیار آیا پھر یہ شخص با اختیار خود ادھر متوجہ ہوا اور اسی میں مشغول ہو گیا۔ اس وقت دھوکہ ہو جاتا ہے کہ سالک اس وسوسہ کو غیر اختیاری سمجھتا ہے حالانکہ یہ توجہ غیر اختیاری نہیں ہے بلکہ اختیاری ہے۔ حاصل یہ کہ شیخ وساوس غیر اختیاریہ کی طرف التفات اور توجہ کرنے سے اسی لیے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم اس کے دفع میں بھی کوشش نہ کرو جس سے ظاہر بینوں کو شبہ ہوتا ہے کہ وساوس کی اجازت دیتے ہیں اور نماز ناقص کی تعلیم دیتے ہیں حالانکہ غیر اختیاری وساوس کے ساتھ نماز حقیقت میں کامل ہے گو ظاہر میں ناقص ہو۔ پس ظاہر میں شیخ کا یہ حکم ناقص نماز کا حکم ہے مگر وہ حقیقت بین ہے اور دور بین یہی سمجھتا ہے کہ وسوسہ دفعیۃً تو قطع ہوگا نہیں اور جب قطع نہ ہوگا تو یہ اس کو



ناقص نماز سمجھے گا اور یہ سمجھ کر چھوڑ بیٹھے اس لیے بھی وہ ایسی نماز کو کامل بتاتا اور اسی کی ترغیب دیتا ہے اور وساوس کی طرف التفات سے منع کر دیتا ہے۔ (زکوٰۃ انفص ج ۲۲)

## شیطانی نسیان

ایک شخص نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں نے گھر میں ایک جگہ روپیہ دفن کیا تھا اب وہ جگہ بھول گیا، کسی طرح یاد نہیں آتی کوئی ترکیب بتلائیے جس سے جگہ یاد آجائے۔ اول تو امام صاحب نے عذر کیا کہ بھائی اس کی ترکیب میں کیا بتلاؤں کوئی شرعی مسئلہ پوچھو تو میں بتلا سکتا ہوں مگر جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جا کر نماز پڑھو اور یہ عزم کر لو کہ جب تک وہ جگہ یاد نہ آئے گی برابر نماز پڑھتا رہوں گا۔ چنانچہ اس نے دو ہی رکعتیں پڑھی تھیں کہ جگہ یاد آ گئی۔ اس کا راز پوچھنے پر امام صاحب نے فرمایا کہ اس کو شیطان نے پریشان کرنے کے لیے بھلا رکھا تھا اس لیے میں نے یہ تدبیر بتلائی کہ میں جانتا ہوں کہ شیطان کو یہ کب گوارا ہوگا کہ ساری رات نماز پڑھے اس لیے اس نے جلدی ہی یاد دلادیا۔ مگر یہ ترکیب ہر جگہ کام نہیں دے سکتی یہ ترکیب وہاں کام دیتی ہے جہاں نسیان شیطان کے سبب ہو، طبعی نہ ہو یہ امام صاحب کا کمال ادراک تھا کہ اس شخص کی حالت سے سمجھ گئے کہ اس کو طبعی نسیان نہیں ہے بلکہ شیطانی نسیان ہے۔ شیطان نے پریشان کر رکھا ہے اس کا یہ علاج بتلا دیا کہ نماز پڑھتے رہو یاد آجائے گا کیونکہ شیطان جب یہ دیکھے گا کہ بدون میرے یاد کرائے یہ شخص نماز سے باز نہ آئے گا تو جلدی یاد دلادے گا۔ غرض نماز میں شیطان ایسی باتیں خوب سوچھاتا ہے اسی لیے حساب بھی نماز میں خوب یاد آتا ہے جس طرح نیند بھی خوب آتی ہے۔ (زکوٰۃ انفص ج ۲۲)

## نماز میں احضار قلب مطلوب ہے

بعض سالکین کو جو یہ خیال ہوتا ہے کہ ذکر و صلوٰۃ میں حضور نہیں ہوتا میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ احضار مطلوب ہے حضور مطلوب نہیں اور یہ بات وحی نے ہم کو بتلائی ہے حدیث میں آیا ہے مَنْ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ لَا يَحْدُثُ فِيهِمَا نَفْسُهُ أَوْ نَحْوَهُ (جو شخص دو رکعت پڑھے کہ ان دونوں پر اپنے دل سے متوجہ ہو اور اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہ آئے)۔ (استمرار التوبہ ج ۲۳)

## عورتوں کو صوم و صلوٰۃ کا پابند کرنے کی آسان تدبیر

اور میں جس روز نماز وغیرہ میں عورتوں کی ذراستی دیکھو اس روز ان کے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ یہ ایسی سخت سزا ہے کہ اس کے بعد بہت جلد اصلاح ہو جائے گی کیونکہ جس روز تم ان کے ہاتھ کا کھانا نہ کھاؤ گے اس روز یقیناً ان کا بھی فاقہ ہوگا بس جب دو چار روز ایسا ہوگا خود سنبھل جائے گی۔ تو طریقہ یہ ہے۔ صاحبو کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ نرے الفاظ سے نہیں ہوتا تو زیادہ تر الزام مردوں پر ہے بہر حال چونکہ اسباب عورتوں کی تعلیم کے کم ہیں اس لئے مناسب ہے کہ جب عورتوں کو کچھ سنائے تو انہیں کی ضرورت کا زیادہ لحاظ رکھے، مردوں کی رعایت نہ کرے (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## عورتوں کو نماز کا بہت کم اہتمام ہے:

آج کل نماز کا اہتمام بہت ہی کم کیا جاتا ہے، خصوصاً عورتوں کو روزہ رکھنا تو آسان ہے، چنانچہ عورتیں مردوں سے زیادہ روزے رکھتی ہیں، مگر نماز کے نام سے ان کو جاڑا چڑھتا ہے، دن بھر کھانا پکانے، سینے پر رونے میں گزر جاتا ہے مگر اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ ذرا سی دیر کو اٹھ کر چار رکعت پڑھ لیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کھانا پکانا تو فرض ہے اور نماز فرض نہیں حالانکہ شرعاً عورتوں کے ذمہ کھانا پکانا کوئی ضروری نہیں، اگر وہ چاہیں شوہر کو مجبور کر سکتی ہیں کہ کھانے کا انتظام کسی اور سے کرائے اور نماز پڑھنا ہر عورت اور مرد کے ذمہ فرض ہے مگر کھانا پکانے کا بھی ایک بہانہ ہے، میں پوچھتا ہوں کہ مگر کھانا پکاتے ہوئے انکو پیشاب یا پاخانہ کا تقاضا ہونے لگے تو یہ کیا کریں گی؟ کیا اس وقت بھی چولہے ہانڈی کو نہ چھوڑیں گی، پھر اس کی کیا وجہ کہ نماز کا بھی دل پر تقاضا ہوتا تو بدوں نماز پڑھے دل کو چین نہ آتی۔ پھر چولہے ہانڈی کا عذر وہ عورتیں کر سکتی ہیں جو خود کھانا پکاتی ہیں جو کہ نادار اور غریب ہیں مگر وہ تو اکثر نمازی بھی ہیں اور جن کے گھر میں مائیں کام کرتی ہیں اور زیادہ تر بے نمازی وہ ہی ہیں پھر ان کا یہ عذر کیونکر قبول ہو سکتا ہے اور جو خود پکاتی ہیں میں نے ان کو بھی جواب دے دیا کہ اگر ان کے دل پر تقاضا ہوتا تو وہ ہرگز یہ بہانہ نہ کر سکتیں، رات دن کا مشاہدہ ہے کہ عورتیں ہانڈی چولہے کا کام تمام دن نہیں کرتیں بہت تھوڑا سا وقت اس کام میں صرف ہوتا

ہے اور اس میں بھی اگر کوئی محلہ والی ان سے ملنے آ جائے تو سارے کام چھوڑ کر اس سے باتیں بنانے بیٹھ جاتی ہیں۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ تم کو ہانڈی چولہے کے کام میں نماز کے لئے تو فرصت ملتی نہیں باتیں بنانے کے لئے کہاں سے فرصت آ گئی۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## چھوٹے بچوں کے عذر کے سبب مستورات کو نماز قضا نہ کرنا چاہئے

بعض عورتوں کو بچوں کا عذر ہے کہ بچوں کے گوہ موت میں ہر وقت کپڑے ناپاک رہتے ہیں، پانچوں وقت کپڑے کس طرح پاک کریں، میں کہتا ہوں کہ جو عورتیں نماز کی پابند ہیں، آخر وہ کس طرح کرتی ہیں، کیا ان کے بچے نہیں ایسا کرتے، کیا تم ہی کو سارے بچے مل گئے ہیں، کیا ان کے بچے پیشاب پاخانہ نہیں کرتے، ان کے بدن پر ناپاکی نہیں لگتی مگر پھر بھی بعض اللہ کی بندیاں پانچوں وقت پابندی کے ساتھ نماز پڑھتی ہیں، کپڑوں کا ایک جوڑا نماز کے واسطے الگ رکھ دیتی ہیں، نماز کے وقت بدن پاک کر کے وہ جوڑا پہن لیا اور نماز پڑھتے ہی اس کو جدا کر دیا اور ناپاک جوڑا پہن لیا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## حضرت سلطان جی کے سفر کی ایک حکایت:

حضرت سلطان جی ایک مرتبہ سفر میں تھے۔ نماز کا وقت آ گیا۔ آپ اس فکر میں تھے کہ کوئی دوسرا آدمی آ جائے تو جماعت ہو جائے کہ اتنے میں سامنے سے ایک گھسیار اگھاس کا کٹھڑ سر پر رکھے ہوئے آیا۔ سلطان جی نے اس سے کہا بھائی نماز پڑھو گے؟ کہا ہاں، اسی واسطے آیا ہوں۔ فرمایا پھر جلدی وضو کر لو۔ کہا نظام الدین مسلمان کہیں بے وضو بھی رہا کرتا ہے۔ اب جو سلطان جی نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے مقام کا شخص ہے، معمولی بزرگ نہ تھا۔ تو ظاہری صورت سے کسی کو حقیر نہ سمجھو۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست شاید کہ پلنگ خفتہ باشد  
(ہر جنگل میں گمان مت لے جاؤ کہ خالی ہے، ممکن ہے کہ چیتا سویا ہوا ہو)

(خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۴)

## تارک نماز میں ایک فعل کفار کا موجود ہے:

حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر (کنز العمال: ۵۰۰۸) (جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا) پر سے بھی اشکال رفع ہو گیا۔ معنی یہ ہوئے کہ تارک صلوٰۃ میں ایک فعل کفار کا موجود ہے یعنی ترک صلوٰۃ کیونکہ یہ کام کفار ہی کا ہے اس وجہ سے اس پر کفر کا اطلاق فرما دیا اس سے تارک صلوٰۃ کا کافر ہونا لازم نہیں آیا جیسے جوار یوں میں ایک صفت پاک بازوں کی ہو جیسے اس کا پاک باز ہونا لازم نہیں آتا۔ اس میں شک نہیں کہ ہم لوگ باوجود دیندار کہلانے کے غفلت میں مبتلا ہیں جوام الامراض ہے۔ نماز، روزہ سب کچھ کرتے ہیں مگر یہ غفلت ضرور ساتھ رہتی ہے۔ نماز میں ہیں مگر اس کا تصور کبھی بھی نہیں آتا کہ ایک دن تو مریں گے لاؤ نماز کو ٹھیک طور سے پڑھ لیں۔ ایمان سے کہنے اور دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لیجئے کہ کبھی بھی یہ خیال آتا ہے۔ آخر جب ایک بات یقینی ہے تو تمام عمر میں کبھی تو اس کا واہمہ گزرنا چاہئے تھا۔ بچپن میں تو اتنا بھی تھا کہ جنازہ کو دیکھ کر ڈرتے تھے اب جنازہ کو دیکھ کر بھی خوف نہیں ہوتا۔ ہماری حالت بتاتی ہے کہ ہمارے دل میں یہ خیال اچھی طرح سے مرکوز ہے کہ یہ چار پائی اور گرڑھا اور یہ کفن اس طرح مرنے والے کے لئے تھا، ہم اس سے متشٹی ہیں۔ (دواء العیوب ج ۲۳)

## قربانی سے مقصود

یہ اللہ اکبر جو نماز میں کہا جاتا ہے یہ وہی ہے جو جانور کے ذبح کے وقت کہا جاتا ہے وہاں جانور کو اللہ کے نام پر قربان کرتے ہو۔ نماز میں اپنے نفس کو قربان کرتے ہو اور یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ قربانی سے مقصود اظہار عظمت حق ہے کہ ہم نے اپنی محبوب چیز کو اللہ کے نام پر قربان کر دیا اور یہ مقصود نماز میں اس سے زیادہ حاصل ہے کیونکہ یہاں انسان تکبر کہہ کر دست بستہ کھڑا ہو جاتا اور اللہ اکبر کہہ کر خدا کے سامنے جھکتا اور زمین پر سر رکھ دیتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اپنی عزت اور بڑائی کو خدا کے سامنے فنا کر دیا اور دماغ سے تکبر کا خناس نکال دیا۔ صاحبو! مال کو خدا کے نام پر قربان کرنے سے یہ زیادہ دشوار ہے چنانچہ متکبرین کو خیرات کرنا قربانی کرنا آسان ہے مگر نماز دشوار ہے۔ کیونکہ اس میں عاجزی اور غلامی کی ایسی صورت بنانا پڑتی ہے جو تکبر سے نہیں ہو سکتی غرض نماز میں توجہ



الی اللہ شرط ہے۔ جو بدون افناء غیر کے نہیں ہو سکتی۔ قربانی میں تو افناء حیوان ہی تھا یہاں افناء نفس و افنائے صفات نفس ہے اور گویا یہ بات زبان سے اللہ اکبر کہنے کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر زبان سے اس لئے کہا جاتا ہے کہ عظمت حق کا دل میں رسوخ ہو جائے کیونکہ مشاہدہ ہے کہ ذکر لسانی سے قلب میں ذکر کو رسوخ ہوتا ہے (الحدود والقیود ج ۲۵)

## نماز تمام عبادات کی میزان الکل ہے

نماز ایسی شے ہے جو تمام عبادات کی میزان الکل ہے۔ گوناہر میں مختصر شے ہے۔ اور میزان الکل تو ذرا سا ہوتا ہے دیکھو کئی لاکھ کا حساب کر کے میزان الکل تو اس کا اسی طرح میں لکھ دیا جاتا ہے مگر تفصیل میں کئی رم کاغذ صرف ہو جائینگے تو چاہیے تھا کہ نماز میں حدود و قیود بالکل نہ ہوتے بلکہ اطلاق ہی اطلاق ہوتا مثل مشہور ہے کہ مصری کی ڈلی ہے جدھر سے چاہو منہ مارو مگر یہاں مصری کی ڈلی میں بھی حدود ہیں ایک بار میں دیوبند میں بیمار ہو گیا تھا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب سے نسخہ لکھوایا کیونکہ مولانا بڑے حاذق طبیب بھی تھے۔ جب مولانا نسخہ لکھ چکے تو میں نے پوچھا حضرت اس کا پرہیز کیا ہے۔ فرمایا گناہ سے پرہیز ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے مصری کی رغبت زیادہ ہے وہ کھالوں یا نہیں فرمایا ہاں کھا لو مگر سیر دو سیر نہ کھانا۔ غرض نماز جیسی شے بھی حدود و قیود ہیں حالانکہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ حدود و قیود موجب تقلیل محدود ہیں۔ دیکھو رجل میں کیسا عموم تھا اس کے ساتھ جب عالم کی قید بڑھا دی گئی تو اس کی تقلیل ہو گئی۔ اسی طرح اگر نماز میں اطلاق ہوتا تو اس کا وجود کثیر ہوتا حدود و قیود کی وجہ سے اس میں تقلیل ہو گئی۔ مگر شریعت کو تکثیر مطلوب نہیں بلکہ کمال مطلوب ہے گو قلت ہی کے ساتھ ہو۔ اب میں کہتا ہوں کہ جب مقاصد میں اتنی قیود و حدود ہیں جن سے مقاصد کی تقلیل ہو گئی اب اگر غیر مقاصد میں قیود ہوں تو کیا عجب ہے۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

## صلوۃ الکسوف میں حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کا سبب

صلوۃ الکسوف میں امام ابو حنیفہؒ ایک ہی رکوع کے قائل ہیں جیسا کہ سب نمازوں میں ایک ہی رکوع معروف ہے اور شافعیہ دو رکوع کے قائل ہیں۔ کیونکہ بعض روایات صحیح میں یہ وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الکسوف میں دو رکوع کئے تھے حنفیہ کی دلیل

یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الکسوف کے بارہ میں فرمایا ہے صلوا کا حدث صلوٰۃ صلیتموها کہ اس سے پہلے جو نماز سب سے قریب تم پر پڑھی ہے اسی طرح دو رکعتیں پڑھو اور نماز کسوف سے قریب تر نماز فجر ہے اور اس میں ایک ہی رکوع ہے تو اس جیسی نماز بھی ایک ہی رکوع سے ہوگی اور یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ (رواہ النسائی والحاکم وصحیح علی شریطہا)

اور قولی ہے اور فعلی حدیث سے قولی مقدم ہے۔ یہ تو حنفیہ کی دلیل تھی مگر چونکہ حدیث فعلی بھی صحیح ہے اس لئے اس میں تاویل ضروری ہے تو علماء ظاہر نے تو یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں رکوع تو ایک ہی کیا تھا مگر طویل بہت تھا۔ تو ممکن ہے بعض لوگوں کو طول کی وجہ سے یہ شبہ ہوا کہ شاید حضور کھڑے ہو گئے ہوں اور ہم نے سمع اللہ لمن حمدہ کی آواز نہ سنی ہو اس لئے وہ کھڑے ہو گئے انکو دیکھ کر پچھلی صف والے بھی کھڑے ہو گئے۔ پھر اگلوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک رکوع ہی میں ہیں تو وہ پھر رکوع میں چلے گئے پچھلی صف والے بھی ان کو دیکھ کر رکوع میں چلے گئے اب اگلوں کو تو اپنے کھڑے ہونے اور دوبارہ رکوع میں جانے کی حقیقت معلوم تھی مگر پچھلے یہ سمجھے۔ کہ اگلوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر دو رکوع کئے ہیں اور اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دو رکوع کئے ہیں۔ یہ تاویل اس معنی کو کافی ہے کہ مانع کا احتمال کافی ہے مگر اس میں یہ کلام ہے کہ بعض روایات سے رکوعین کے درمیان قیام طویل ثابت ہے اور اس شبہ کی حالت میں قیام طویل نہیں ہو سکتا۔

مولانا محمد یعقوب صاحب نے جو کہ عارف کامل تھے حدیث فعلی کا یہ جواب دیا ہے کہ نماز میں جو قیام و رکوع و سجدہ ہے یہ تجلیات خاصہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اس نماز میں تجلیات کا تعاقب تھا جس وقت آپ رکوع میں گئے کچھ دیر کے بعد آپ پر وہ تجلی منکشف ہوئی جس کا حق قیام تھا اس لئے آپ کھڑے ہو گئے۔ پھر دوسری تجلی منکشف ہوئی جس کا حق رکوع تھا اس لئے آپ پھر رکوع میں چلے گئے یہ وجہ تھی آپ کے بار بار قیام و رکوع کی مگر یہ امر آپ کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اس کا منشا انکشاف خاص تھا اور ہم لوگوں کو تجلی کی خبر تو ہوتی نہیں اس لئے ہم کو قاعدہ ہی کا اتباع کرنا چاہیے۔ خلاف ضابطہ دو رکوع اور دو قیام نہ کرنا چاہیے

## اوقات مکروہ نماز

طلوع فجر کے بعد فرض ادا ہونے تک دو سنتوں سے زیادہ نفل نماز مکروہ ہے۔

اور فجر و عصر کے فرضوں کے بعد بھی طلوع و غروب تک نفلیں مکروہ ہیں اور عین طلوع و غروب و استواء کے وقت تو کوئی نماز بھی جائز نہیں نہ فرض نہ نفل بجز اسی دن کے عصر کے اور وہ بھی کراہت کے ساتھ پھر ہر نماز فرض کا وقت مقرر ہے یہ نہیں کہ ظہر کی نماز عصر کے وقت پڑھ لو عصر کی مغرب کے وقت۔ (حرمت الہد و دج ۲۵)

## دین اور دنیا

لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دین پر دنیا کے لئے توجہ کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، تہجد کو اٹھتے ہیں، وظیفے پڑھتے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ اسی ذریعہ سے ہمارے مقدمات میں آسانی ہو جائے ہم کو رزق میں فراخی حاصل ہو کیونکہ کسی مولوی سے سن لیا تھا کہ گناہوں سے روزی میں تنگی ہو جاتی ہے۔ مصائب نازل ہوتے ہیں تو یہ لوگ محض اسی غرض سے دین دار بنے ہوئے ہیں کہ دنیا کے کام چلتے رہیں۔ جیسے ایک گنوار سے کسی مولوی صاحب نے کہا تھا کہ تو نماز کیوں نہیں پڑھتا۔ اس نے کہا کہ نماز سے مجھے کیا ملے گا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ چالیس دن کے بعد تجھے ایک بھینس دوں گا اس نے نماز شروع کر دی اور دن گننے لگا گویا بھینس ہی میں فنا ہو گیا اسی سے اس کی حالت معلوم ہو گئی کہ اس کو نماز مقصود نہ تھی۔ جب چالیس دن پورے ہو گئے تو مولوی صاحب کے پاس گیا کہ لاؤ وعدہ پورا کرو انہوں نے کہا جا کیسی بھینس لئے پھرتا ہے میں نے تو اس واسطے کہہ دیا تھا کہ جو شخص چالیس دن تک نماز پڑھتا رہتا ہے اسے شوق ہو جاتا ہے میں نے سوچا کہ اس بہانہ سے تجھے نماز کا شوق ہو جائے گا یہ جواب سن کر وہ گنوار کیا کہتا کہ جاؤ۔ پھر یاروں نے بھی بے وضو ہی ٹرخائی بس پھر نماز چھوڑ دی۔ اور چونکہ اس ظالم نے بے وضو ہی ٹرخائی تھی اسی لئے اس کو شوق بھی نہ ہوا بھلا ایسی نماز کیا اثر کرتی اس حکایت پر تو لوگ ہنسے مگر صاحبو! ہم جیسے بھی سب اس میں مبتلا ہیں ہمارے اس ہنسنے کی ایک مثال ہے۔

حملہ بر خودی کنی اے سادہ مرد      ہچموں آں شیرے کہ بر خود حملہ کرو

بے وقوف اپنے ہی اوپر حملہ کرتا ہے جیسا کہ اس شیر نے اپنے اوپر حملہ کیا تھا۔

غور کر کے ایسا شخص دیکھ لے کہ اس کو دین کے کاموں میں دنیا مقصود ہے یا نہیں بعض لوگ جب تک تنگی معاش میں مبتلا رہتے ہیں اس وقت تک نمازی اور روزہ دار ہوتے ہیں

پھر جہاں فراخی میسر ہوئی اور انہوں نے ان کاموں کو بلائے طاق رکھا گویا دین کو محض دنیا کیلئے اختیار کیا تھا جب وہ حاصل ہوگئی پھر دین کی کیا ضرورت رہی۔ (الباب الاولیٰ الباب ج ۲۵)

## احکام نماز

اگر کسی پر پیشاب و پاخانہ کا تقاضا ہو تو اس دباؤ کی حالت میں اس کو نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس وقت بول و تغوط لازم ہے۔ تو کیا کسی وقت بول و تغوط کے مامور بہ ہونا اور نماز سے مقدم ہونا اس کو مقصود بالذات بنا دے گا اور کیا آپ اس کو مقصود بالذات کہیں گے ہرگز نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ بعض جہات سے اور بعض عوارض کی وجہ سے مقصود بالغیر ہو گیا ہے فی نفسہ ہرگز مقصود نہیں اور وہ عارض کیا ہے جس کی وجہ سے تغوط نماز پر مقدم کیا گیا یہاں ضرور امام ابوحنیفہؒ جیسے فقہاء کی یہاں محض روایت کافی نہیں کہ محض راویوں کی طرح حدیث بیان کئے جائیں اور علل احکام میں نظر نہ کریں گویا ایک مسلک یہ بھی ہے مگر مسلک منصور یہی ہے کہ احکام غیر تعبدیہ کی علل میں غور کیا جائے تو امام صاحب نے ایک حدیث میں یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کھانا اور نماز مجتمع ہو جائیں اور تم کو بھوک کا تقاضا ہو تو کھانے کو مقدم کرو اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے اگر نماز پڑھنے میں کھانے کی لذت میں فرق آنے کا اندیشہ ہو مثلاً ٹھنڈا مٹی ہو جائے گا تو جب بھی تقدیم طعام کی اجازت ہے مگر اس مسئلہ کو عام طور پر بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا کیونکہ آج کل اہل ہوی زیادہ ہیں۔ نہ معلوم وہ اس سے کہاں کہاں کام لیں گے بہر حال بعض وقت میں شریعت نے طعام کو صلوة سے مقدم کر دیا ہے امام صاحب سے اس کی وجہ میں منقول ہے۔ لان یکون اکلہ صلوٰۃ احب الی من ان یکون صلوتی کلہا اکلا، کہ میرا کھانا نماز بن جائے یہ اس سے اچھا ہے کہ نماز کھانا بن جائے۔ یعنی شریعت کا قاعدہ ہے کہ انتظار صلوة بحکم صلوة ہے تو جو شخص کھانا کھاتا ہو اور اس کا دل نماز کی فکر میں مشغول ہو تو وہ حکماً نماز ہی میں ہے اس طرح اس کا کھانا نماز بن گیا اور جو شخص نماز کی حالت میں کھانے کی فکر میں ہو تو وہ حکماً نماز کھانا بن جائے گی اس حکمت کی وجہ سے شریعت نے تقاضے بول و تغوط کے وقت قضاء حاجت کو نماز سے مقدم کیا اور نماز کو اس حالت میں مکروہ کہا ہے۔ (الرغیۃ المرغوبۃ ج ۲۵)



## حضرت امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کی حکایت

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک معتبر عالم سے سنا ہے کہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ سفر میں تھے۔ اونٹ کی سواری تھی جو بہت آرام کی سواری ہے۔ کچھ تو آرام ملنے کی وجہ سے کچھ تعب سفر کی وجہ سے سواری ہی کی حالت میں نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ صبح دیر میں آنکھ کھلی پہلے میں اس سے بہت ڈرا کرتا تھا کیونکہ بچپن میں ایک بار اس پر سوار ہوا تھا تو وہی تصور ذہن میں تھا کہ وہ بہت لمبا تھا اور میں بہت چھوٹا تھا گواہ وہ تصور تو عقلاً نہ رہا مگر اس کا اثر یعنی خوف طبعاً باقی تھا مگر جب میں سفر سندھ میں گیا اور بعض مقامات میں اونٹ کی سواری تجویز کی تو میں نے اول انکار کیا کہ مجھے تو اس سے ڈر لگتا ہے انہوں نے کہا آپ سوار ہو کر تو دیکھیں یہ تو بہت آرام کی سواری ہے اس وقت میں انکے کہنے سے سوار ہوا تو میرا خوف زائل ہو گیا اور معلوم ہوا کہ واقعی بہت آرام کی سواری ہے غرض کچھ تو سواری آرام کی تھی اور کچھ سفر میں وقت پر سونے کا موقع نہیں ملتا اس لئے ان حضرات کی آنکھ صبح کو دیر میں کھلی جلدی سے اتر کر وضو کیا اور امام صاحب نے اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ کو نماز میں آگے بڑھا دیا انہوں نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر نماز میں بہت اختصار کیا کیونکہ وقت بہت کم رہ گیا تھا راوی کو یہ یقینی یاد تھا کہ انہوں نے سنن کو ترک کر دیا اور اس میں شبہ بیان کیا تھا کہ واجبات کو بھی ترک کیا اور محض فرائض ہی پر اکتفا کیا تھا یا واجبات ترک نہیں کئے غرض بہت ہی جلدی دور کعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا اور دل دل میں ڈر رہے تھے کہ امام صاحبؒ نماز کے بعد دیکھئے اس تعجیل سے خفا نہ ہوں مگر امام صاحب نے نماز کے بعد فرمایا الحمد للہ صار یعقوبنا فقیہا، خدا کا شکر ہے کہ ہمارا یعقوب (امام ابو یوسفؒ کا نام ہے) فقیہ ہو گیا، جس فعل سے ان کو گرفت کا اندیشہ تھا اسی نے ان کو استاد کی زبان سے فقیہ کا خطاب دلوا دیا اور جس کو امام ابو حنیفہؒ فقیہ کہہ دیں سمجھ لو وہ کس درجہ کا فقیہ ہوگا میں اسی کو بیان کر رہا تھا کہ بعض دفعہ اختصار ہی مطلوب ہو جاتا ہے اور تطویل مکروہ ہو جاتی ہے اور اس کی رعایت کرنا فقیہ ہی کا کام ہے۔ نرا صوفی اس کی رعایت نہیں کر سکتا اور جاہل تو بھلا کیا خاک رعایت کریں گے چنانچہ بہت لوگ طلوع آفتاب سے پہلے

اٹھ جاتے ہیں۔ مگر علم نہ ہونے کی وجہ سے نماز کو قضاء کر دیتے ہیں ان کی تو نیت ہی اتنی دیر میں بندھتی ہے کہ جانے والا اس میں ایک رکعت پڑھ لے۔ (الرغبة الرغوبة ج ۲۵)

## امامت میں کون افضل ہے؟

ایک دفعہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ شاہ جانپور میں گئے ہوئے تھے واپسی کے وقت اسٹیشن پر مغرب کی نماز پڑھی جو عین گاڑی آنے کا وقت تھا۔ مجمع میں ایک قاری صاحب بھی تھے میں نے ان کو امامت کیلئے آگے کیا کیونکہ حدیث میں ہے یوم القوم اقراہم (سنن ابی داؤد ۵۸۲۰ سنن النسائی ۷۶۲) (لوگوں کی امامت وہ کرے جو ان میں قرآن پاک زیادہ قرأت سے پڑھتا ہو) مگر اس بندہ خدا نے قرأت میں ترتیل سے بڑھ کر ترتیل شروع کر دی اس وقت میری طبیعت کو بہت الجھن ہوئی اور بار بار یہ خیال ہوتا تھا کہ اب گاڑی آئی بڑی وقت سے نماز پوری کی خیر شکر ہے کہ گاڑی آنے سے کچھ پہلے ہی ختم ہو گئی تھی۔ اس دن میں سمجھا کہ امام صاحب نے جو اقراہم کی تفسیر اھم (ان میں زیادہ مسائل کا علم رکھنے والا ہو) سے کی ہے واقعی وہ صحیح سمجھے ہیں کہ نماز میں علم ہی کو امام بنانا چاہیے۔ (گو اقراء نہ ہو مگر بقدر ضرورت صحیح قرآن پڑھتا ہو) نرا قاری تو بعض دفعہ نماز کو فاسد کر دے گا۔ (الرغبة الرغوبة ج ۲۵)

## عبادت میں ضرورت اعتدال

اتنی مشقت برداشت نہ کرو جس سے نفس گھبرا جائے ورنہ اس کا انجام تعطل ہوگا کہ جتنا کام کر سکتے تھے وہ بھی نہ کرو گے مگر یہ بھی نہ ہوا کہ بالکل خراب نواب ہی ہو جاؤ کہ اتنی کم عبادت کرو جس میں نفس کو ذرا بھی مشقت نہ ہو بلکہ اعتدال کی رعایت چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں اسی کی بہت رعایت فرمائی ہے۔ چنانچہ امامت میں آپ نماز کو مختصر فرماتے تھے اور اسی کا حکم بھی فرمایا ہے۔ من ام منکم فلیخفف فان وراءہ الضعیف والمریض وذو الحاجة ومن صلی لنفسه فلیطول ماشاء (اصح مسلم الصلاۃ ۱۸۶۱ مسند احمد ۲۱۶:۴) کہ جو امامت کرے وہ ہلکی نماز پڑھے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بیمار اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے لئے نماز پڑھے یعنی منفرد ہو وہ جتنی چاہے تطویل کرے گویا نہ اختصار دائماً مطلوب ہے نہ تطویل بلکہ ہر اک کا ایک موقع

ہے مگر آج کل اس حدیث کے برعکس حالت ہے کہ جماعت میں تو لمبی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں اور تنہا نماز میں انا اعطینا اور قل ہواللہ ہی ہمیشہ پڑھتے ہیں۔ سورہ بقرہ پوری تو شاید ہی کبھی کوئی پڑھتا ہوگا ہاں صلوٰۃ الکسوف میں کسی متبع سنت نے کبھی پڑھ لی ہو وہ بھی جماعت ہی میں پڑھی ہوگی تنہا کون پڑھتا ہے پس یہ صورت اعتدال کے خلاف ہے بلکہ چاہیے کہ امامت میں تو مقتدیوں کے لحاظ سے اختصار کریں اور تنہا ذرا کسی قدر تطویل کیا کریں ہاں اتنی تطویل نہ کریں جو نفس پر زیادہ شاق ہو جس کو نباہ نہ سکیں غرض نہ تو انقد ہو نہ انحد ہو شاید آپ نے انقد کے معنی نہ سمجھے ہوں گے یہ اختصار ہے الحمد للہ قل ہواللہ کا جس میں الحمد کا الف لیا گیا اور الضالین کا نون اور قل ہواللہ کا قاف اور احد کی دال یہ انقد ہو گیا اور انحد میں ان نفی کا کلمہ ہے یعنی بیحد وہ یہ ہے کہ اتنی تطویل ہو جو حد سے گزر جائے کیونکہ ایک مفرط ہے ایک مفرط ہے اور افراط و تفریط دونوں معیوب ہیں۔ (الرغۃ المرغوبہ ج ۲۵)

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نماز میں انتظام لشکر کشی

کم از کم خلوت میں تو ایسی توجہ ہونا چاہیے کہ اس وقت دل خیالات غیر سے پاک ہو ورنہ وہ خلوت خلوت نہ ہوگی بلکہ جلوت ہوگی البتہ اگر ایسا خیال ہو جس کی اجازت محبوب کی طرف سے ہو یعنی دین کا ہو اور ضرورت کا ہو تو وہ خلوت کے منافی نہیں اور ایسا خیال قرب مقصود کے خلاف نہیں ہے۔ اس خیال کی ایک نظیر وہ ہے جس کو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ انی لا جہز جیشی وانا فی الصلوٰۃ، کہ میں نماز میں لشکر کشی کا انتظام کرتا ہوں وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ بھی دین ہی کا کام تھا اور ضروری تھا۔ اور ذکر اللہ و ما والاہ، میں داخل تھا کیونکہ اس سے مجاہدین کے ذکر کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور غافلوں کو ذاکر بنا کر اس سے کثرت ذاکرین کی تحصیل ہوتی ہے اور کثرت مشاغل کے سبب خارج نماز اوقات بعض دفعہ اس کیلئے کافی نہ ہوتے تھے اور نماز میں یکسوئی ہوتی ہے اور تدبیر و انتظام کا کام محتاج یکسوئی تھا اس لئے حضرت عمرؓ نماز میں بضرورت یہ کام کر لیتے تھے اور یہاں سے غلطی معلوم ہوئی ان لوگوں کی جو آج کل مشوروں کے لئے جلسے کرتے پھرتے ہیں بھلا مشورہ بھی کہیں جلسوں میں ہوا کرتا ہے۔ صاحب مشورہ کیلئے یکسوئی اور اجتماع قوت فکریہ کی ضرورت ہے اور مجمع کثیر میں قوت فکریہ کیسے مجتمع ہوگی۔ صاحبو! ایسے مہمات میں نظر کرنے کا طریقہ تو حق تعالیٰ

نے خود قرآن میں ہم کو بتلادیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے قل انما اعظکم بواحدة، اس میں کفار کو رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت معلوم کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں ان تقوموا لله مثنی وفرادی، کہ تم اللہ کے واسطے دودو اور تنہا تنہا کھڑے ہو جاؤ یعنی آمادہ ہو جاؤ ثم تفکروا مابصاحبکم من جنة، پھر سوچو کہ تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں ہے یا نہیں تو تمہارا دل اس وقت یہی کہے گا کہ جنوں نہیں ہے۔ اس میں سوچنے کا خاص طریقہ بتلایا گیا جس کے یہ اجزاء ہیں ایک یہ اہتمام کرو دوسرے یہ کہ یہ اہتمام اللہ کے لئے یعنی خلوص سے ہو تیسرے یہ کہ فکر کرو چوتھے یہ کہ مجمع نہ ہو کہ اس سے فکر میں تشتت ہوتا ہے یا تو اس کو اکیلے سوچو یا کوئی دقیق بات ہو تو ایک کو اور شریک کر لو اور ایک کی تحقیق نہیں مطلب یہ کہ اتنا تعدد ہو جو مشوش فکر نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو کام یکسوئی کے محتاج ہیں وہ جلسوں میں طے نہیں ہو سکتے مگر آج کل لوگ عام طور پر اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ مشورہ کیلئے جلسے کرتے ہیں جس میں ہزاروں آدمی ہوتے ہیں بھلا اس طرح مشورہ کیا خاک ہو گا غرض حضرت عمرؓ کی یہ خلوت میں جلوت چونکہ باذن حق تھی اس لئے الی ربک فارغب کے منافی نہ تھی خوب سمجھو۔ (الرغبة والرغبة ج ۲۵)

### اہمیت نماز

سات برس کے بعد خود شریعت کا حکم ہے کہ نماز پڑھو اور جس سے معلوم ہوا کہ بچپن ہی میں دین کی عادت ڈالنا چاہئے پس یہ خیال آنا کہ ابھی تو ہم بچے ہیں بوڑھے ہو کر کر لیں گے۔ یہ وسوسہ شیطانی ہے۔ کرنے کا زمانہ یہی ہے۔ اس وقت کے خیالات خوب پختہ ہوتے ہیں۔ اس لئے میں نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر جنازہ کی نماز کی دعائیں یاد نہ ہوں تو وضو کر کے جنازہ پر چار مرتبہ اللہ اکبر کہہ دیا کرو نماز ہو جائے گی اس لئے چار تکبیریں ہی اس میں فرض ہیں اور درود دعائیں سنت ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

### عقل پرستوں کی بیہودہ رائے

اس زمانہ میں تو اعمال صالحہ لوگوں پر بہت ہی بھاری ہیں چنانچہ بڑے ضروری اعمال صلوٰۃ صوم حج زکوٰۃ ہیں لیکن دیکھا جاتا ہے کہ ان سب کے اندر بے حدستی کی جاتی ہے بلکہ مصیبت سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اخبار میں شائع ہوا تھا کہ نماز نے ترقی کو



روک دیا ہے کیونکہ یہ سن کر کہ مسلمان ہو کر پانچ وقت کی نماز پڑھنی پڑے گی اسلام سے بعض آدمی رک جاتے ہیں اس لئے اس کو اسلام سے خارج کر دیا جاوے نعوذ باللہ ان احمقوں سے کوئی پوچھے کہ جس اسلام میں نماز نہیں وہ کیا اسلام ہوا۔ اس بے ہودہ رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عقل پرستوں پر نماز بہت ہی بھاری ہے۔ (تہذیب الاصلاح ج ۲۶)

## منطقیوں کی صحبت کا اثر

ہمارے مدرسہ دیوبند میں ایک طالب علم نووارد آئے تھے منطقیوں کی صحبت میں بہت رہے تھے دین کی مطلق پروانہ تھی نماز کی پابندی نہ تھی اور یہاں دیوبند میں نماز کا بڑا اہتمام ہے پانچ وقت سب طلبہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو جب نماز کا وقت آتا ان کو بھی زبردستی لے جاتے ایک روز کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو معراج میں تشریف لے گئے تھے وہاں پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں پھر کم ہوتے ہوتے پانچ رہی تھیں معلوم ہوتا ہے کہ دیوبند میں پوری پچاس کی پچاس ہی باقی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ نماز ان کو سخت مصیبت معلوم ہوتی تھی۔ (تہذیب الاصلاح ج ۲۶)

## موذن کی فضیلت

بیچارے موذنوں کو تو کون پوچھتا ہے ان کو تو بہت ذلیل اور اپنا خادم سمجھتے ہیں۔ سب کام موذنوں کے ہی ذمہ ہے۔ پانی گرم کرنے کے لئے۔ گوبر اور کوڑا لانا بھی اسی کے ذمہ ہے۔ اور محلہ بھر کے گھروں کا کام کرنا بھی اس کے ذمہ سمجھا جاتا ہے۔ صاحبو! موذنوں کی حدیث شریف میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ان کی قدر کرنا چاہئے۔ یہ سرکاری آدمی ہیں سمن الہی لانے والے ہیں۔ دیکھو اگر سمن لانے والے چڑاسی کی کوئی اہانت کرے تو سخت جرم ہے۔ اسی طرح ان کی عزت کرنا چاہئے اور موذنوں کو بھی چاہئے کہ اپنے منصب کی حفاظت کریں۔ یعنی افعال ناشائستہ سے احتراز کریں۔ اور قرآن شریف کے پڑھانے والوں کی بھی قدر کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن شریف کی تعلیم کرے۔ ہمت سے زائد ان کی خدمت کرو۔ یہ نہیں کہ پانچ روپیہ میں ٹال دو۔ دیکھو ابھی معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف سورہ بقرہ کے ختم پر تین سو دینار کی اونٹنی کہ

ایک دینار دس دس درہم کا ہوتا ہے اور ایک ایک درہم تقریباً سو چار چار آنے کا اتنے کی ذبح کر دی جو آج کل یہاں کے سکہ سے ایک ہزار روپیہ سے زیادہ کی ہوتی ہے اس وقت کوئی تمام قرآن شریف کے ختم پر ایک ہزار پیسے بھی نہیں دیتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ حضرات اس کی قدر جانتے تھے اور اس کو ہی دولت سمجھتے تھے۔ اور زبان حال سے کہتے تھے۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ      نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز  
(اپنی قیمت دونوں عالم کے برابر بتلائی ہے مگر تمہارا یہ نرخ ابھی سستا ہے ذرا اسے اور مہنگا کریں)  
صاحبو! اس نعمت کے مقابلہ میں تو ساری دنیا بھی بیچ ہے۔ (اشرف الموعظ ۲۶)

## فراغت قلب کی دولت

حضرت غوث اعظم کو بادشاہ سنجر نے لکھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ حضرت کی خانقاہ کے لیے ملک نیمروز کا کوئی حصہ وقف کر دوں تاکہ ذاکرین و شاغلین کے خرچ کو کافی ہو جایا کرے۔ آپ نے اس کے جواب میں یہ قطعہ لکھ کر بھیجا:

چوں چتر سنجر رخ ختم سیاہ باد      دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم  
زانکہ کہ یافتم خیر از ملک نیم شب      من ملک نیمروز بیک جوئی خرم  
(چتر سنجر کی طرح میرا بخت سیاہ رو ہوا اگر میرے دل میں سنجر کے ملک ہوس بھی ہو جب سے مجھے آدھی رات کی بادشاہت ملی ہے میں ملک نیمروز کو ایک جو کے بدلے میں نہیں خریدتا)  
آخر کوئی بات تو ان کو نصیب ہے جو دنیا کی لذتوں سے اس قدر سیر ہو گئے۔ صاحبو!  
ان کے دل میں ایک دولت ہے جس نے ان کو سب دولتوں سے بے نیاز کر دیا ہے وہ کیا ہے وہ یہ دولت ہے جس کو عارف شیرازی نے بیان فرمایا ہے:

بفراغ دل زمانے نظرے بمانہ روئے      بہازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز وہائے وہوئے  
(فراغ دل سے کچھ وقت محبوب کے چہرہ پر نظر کرنا تمام دن ہو وہائے کی چتر شاہی سے بہتر ہے)  
واللہ ایک بار فراغت قلب کے ساتھ محبوب کی طرف نظر کرنا سلطنت ہفت اقلیم سے افضل ہے۔ (تعظیم العلم ج ۲)

## وساوس نماز کا علاج

اگر نماز کو بے فکری اور مشق سے نہ پڑھا جائے بلکہ ہر لفظ کو توجہ اور ارادہ سے نکالا جائے تو

پھر وسوسے بہت کم آئیں بلکہ چند روز میں آنا ہی بند ہو جائیں۔ البتہ اس طریق میں گرائی ضرور ہے وجہ یہ کہ توجہ اور فکر سے کام کرنا نفس پر گراں ہوتا ہے اس لئے ایسی نماز بہت گراں ہے لیکن اگر اس نفل کو دور کرنا چاہو تو اس کے متعلق سلوک قرآن سے سیکھو حق تعالیٰ فرماتے ہیں **إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ** نماز واقعی گراں ہے مگر خاشعین پر گراں نہیں خشوع کے معنی ہیں قلب کا یکسو ہونا سو ظاہر ہے کہ جس شخص کو یکسوئی قلب حاصل ہوگی اسے نماز گراں نہ ہوگی کیونکہ گرائی کا منشاء تو یہی ہے کہ نفس آزاد رہنا چاہتا ہے اور نماز میں بہت پابندی ہے تو جس کا قلب پہلے سے پابندی اور یکسوئی کا عادی ہو اس پر گرائی نہ ہوگی۔ (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

خشوع کیونکر حاصل ہو اس کا طریقہ بھی حق تعالیٰ نے اسی جگہ بتلایا ہے **الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** (جن لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملیں گے اور بلا شک وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں) جس کا حاصل یہ ہے کہ لقاء رب کا اعتقاد حاصل کرو اس سے خشوع پیدا ہوگا مگر اعتقاد سے مراد یہ ہے کہ ہر وقت اس کا استحضار رکھو جب ہر وقت اس کا استحضار رہے گا تو قلب میں دوسرے خیالات کم آئیں گے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ نفس ایک وقت میں دو باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کسی بات کی طرف بھی متوجہ نہ ہو اس لئے نفس کو ایسے خیال میں مشغول کرو جو نماز کے مناسب ہو منافی نہ ہو اور وہ یہی خیال ہے لقاء رب (اللہ کے ملنے) کا کیونکہ نماز میں بھی حق تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوتی ہے تو جس کے دل میں یہ خیال جما ہوا ہوگا اس کو نماز گراں نہ ہوگی مگر ظاہر ہے کہ ایسے لوگ کم ہیں زیادہ حالت تو یہی ہے کہ لوگوں پر نماز گراں ہے خصوصاً نفل نماز کہ یہ تو فرض سے بھی زیادہ گراں ہے چنانچہ مجھے خود اپنا واقعہ یاد ہے کہ پہلے تو بہت نفلیں پڑھا کرتا تھا مگر جب سے منیۃ المصلیٰ میں یہ پڑھا کہ نفل مستحب کے معنی یہ ہیں کہ کرو تو ثواب ہے اور نہ کرو تو گناہ نہیں اس دن سے نفلیں کم ہو گئیں اب اگر ہر گناہ کے بعد دو رکعت نفل لازم کر لو گے تو بوجہ مؤنت نفل (نفل کی مشقت) کے نفس گناہ سے ایسا گھبرائے گا۔ (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

## نماز کسی مقام پر معاف نہیں ہوتی

جیسے بہت سے لوگ متقی ہیں نمازی ہیں مگر اعتقاد یہ رکھتے ہیں کہ ایک مقام پر پہنچ کر نماز فرض نہیں رہتی اسی خیال کے ایک شخص مجھ سے ملے میں نے کہا یہ ایک دعویٰ ہے

اور ہر دعویٰ کے لئے دلیل چاہئے اس کی دلیل کیا ہے کہا شیخ عبدالقدوس نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے میں نے کہا دکھائیے کہاں لکھا ہے ہر چند تلاش کیا مگر نہیں ملا میں نے کہا دس برس کی مہلت ہے شیخ عبدالقدوس کے کلام میں تو کیا کسی شیخ کے کلام میں بھی نہیں مل سکتا اور شیخ کے مکتوبات میں تو ہر ایک مکتوب میں سخت تاکید ہے اتباع شریعت کی اور سب کے کلام میں یہی ملے گا سعدیؒ اتنے پرانے ہیں ان کے کلام میں ہے ۔

مہندار سعدی کہ راہ صفا توں رفت جز بر پئے مصطفیٰ  
خلاف پیہر کے رہ گزید کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید  
(سعدی یہ مت خیال کر کہ سیدھا راستہ بغیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
طے ہو سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کرنے والا کبھی  
منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا) (الظاہر ج ۲۸)

## خلقی موٹا پاند موم نہیں

ایک صاحب موٹے بہت تھے وہ اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے تھے کہ اٹھنے بیٹھنے میں تکلف ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ موت کا مراقبہ کروائے موت کی یاد دہلا کر دیتی ہے واللہ اسی موٹے پن کی نسبت حدیث میں ہے ان اللہ لا يحب الحبر السمین یعنی اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو پسند نہیں کرتا موٹے آدمی اس سے متوحش نہ ہوں کیونکہ موٹا پا جو خلقی ہو وہ برا نہیں کیونکہ اس میں اختیار کو دخل نہیں برا وہ موٹا پا ہے جو خوش عیشی اور آرام طلبی اور بے فکری سے پیدا ہوا ہو کہ پڑے ہوئے لوٹ مار کر رہے ہیں نماز تک کے لئے نہیں اٹھتے یہ موٹا پا اختیاری ہے اور یہ جب ہی پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کو کچھ فکر نہ ہو اور مشقت نہ کرنا پڑے اور بے فکر ہونا اور آرام سے پڑا رہنا مسلمان کی شان سے نہایت بعید ہے کیونکہ مثلاً ہر شخص سے کچھ نہ کچھ گناہ ہو ہی جاتے ہیں پھر جو شخص آخرت پر یقین رکھتا ہے ان گناہوں کی سزا اس کے پیش نظر کیسے نہ ہوگی اور سزا ایسی ہے کہ اس کا تصور بھی خلقی موٹا پے کو بھی ذہول ہونے لگے نیز آرام سے مسلمان کیسے پڑا رہ سکتا ہے دن میں نماز اس کو پانچ مرتبہ پڑھنی ہے وضو کرنا ہے صبح کو نیند چھوڑ کر اٹھنا ہے سال میں ایک مہینے کے روزے رکھنے ہیں جن میں موٹا پا باقی رہ ہی نہیں سکتا اور حج کا بھی سفر کرنا ہوتا ہے اس میں ہر قسم کی مشقت ہے مسلمان کو



تو زیادہ موٹا ہونا مشکل ہی ہے تو یہ عذر کس قدر لغو ہے کہ موٹاپے کے مارے نماز پڑھی نہیں جاتی ایسے موٹے ہی کیوں ہوئے حضرت یہ سب روٹیاں ملنے اور بے فکری کی باتیں ہیں فکر میں آدمی موٹا ہو ہی نہیں سکتا آزمانے کے طور پر طبیب کسی سے کہہ دے کہ تم دو مہینہ میں مرجاؤ گے اور طبیب بھی معمولی ہو کوئی حاذق طبیب نہ ہو تب بھی موٹے سے موٹا آدمی دبلا ہو جائے اور سب بادی تحلیل ہو جاوے یہ بے فکری ہی ہے جس نے موٹا کر رکھا ہے کہ غم نہیں ہے دنیا کا نہ دین کا انسان کو تو بڑے مرحلے طے کرنے ہیں غم نہ ہونا کیا معنی آخرت کا ذرا سا بھی غم ہو تو موٹا پا تو پاس کو بھی نہ آئے غم ہی نہیں ہے جس سے آپ اس قدر موٹے ہیں کہ نماز پڑھنے میں تکلف ہوتا ہے غرض کوئی کچھ عذر کرتا ہے کسی کو نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے میں یہی عذر ہوتا ہے کہ دھوپ تیز ہے اس عذر کی سنئے۔ (الظاہر ج ۲۸)

## نماز میں حضور قلب کی ضرورت

فقہاء کرام اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمادے چونکہ بڑے شفیق ہیں اور ان کی نظر جیسی معاد پر ہے معاشی پر بھی ہے اور جس طرح تدین ان کا منظور الیہ ہے اسی طرح تمدن بھی محیط لحاظ ہے اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ لا صلوة الا بحضور القلب مسلم ہے لیکن نماز کے درجات مختلف ہیں اور حضور قلب کے مراتب بھی متفاوت ہیں۔ اگر حضور اعلیٰ درجہ کا ہے تو نماز بھی اکمل مرتبہ کی ہوگی اور اگر حضور میں کمی ہوگی تو اسی درجہ میں نماز بھی ہوگی حتیٰ کہ نفس صلوة کی صحت کے لیے یہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تھوڑا سا حضور قلب جس کو نیت کہتے ہیں ہونا ضروری ہے اگر اس قدر بھی نہ ہوگا تو وہ نماز ہی نہ ہوگی اور مستند فریقین کا وہ حدیث اعرابی کی ہے کہ اس نے آ کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز بغیر تعدیل ارکان جلدی جلدی پڑھی جب نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”وعلیک السلام ارجع فصل فانک لم تصل“ یعنی تجھ پر بھی سلام لوٹ نماز پڑھ اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ یہ حضرات صوفیاء کا تو اس طرح مستند ہے وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو اس شخص نے جلدی جلدی بلا حضور نماز پڑھی تھی اس کی نسبت آپ نے فرمایا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ معلوم ہوا کہ بغیر حضور نماز نہیں ہوتی اور اسی حدیث میں ہے کہ اس اعرابی نے پھر اسی طرح نماز پڑھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا

تیسری مرتبہ اس نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر خدا ہوں مجھ کو تو ایسی ہی نماز آتی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طریقہ نماز کا بتلایا اور مع تعدیل ارکان و خشوع و خضوع کے اس کو نماز تعلیم فرمائی اور آخر میں یہ فرمایا کہ جس قدر اس میں سے کمی کرے گا اسی قدر تیری نماز میں سے کمی ہو جاوے گی۔ یہ مستند فقہاء کا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ خشوع و خضوع و تعدیل ارکان کی کمی سے نماز میں کمی ہوگی نماز بالکل نہ جاوے گی۔ چنانچہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ سن کر فرمایا ”لَمْ تَذْهَبْ صَلَوتُہِ کُلُّہَا“ اسی واسطے ہم صوفیاء کے اس قول کے کہ نماز بلا حضور نہیں ہوگی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ بلا حضور کامل نہیں ہوگی ورنہ نفس صلوٰۃ کی صحت کے وہ بھی قائل ہیں۔ (التوبہ ج ۲۹)

## اقامت صلوٰۃ کا مفہوم

نماز کو درست کرو۔ جب ہی ہوگی جبکہ اس کے پورے حقوق ادا کئے جائیں اس وقت کہا جائے گا کہ نماز کو درست کیا۔ درست کرنے کا ترجمہ عربی میں اقامت ہے اور اگر ایسا نہ کیا اس کے اجزاء پورے ادا نہ کئے یا ان اجزاء کے تناسب کو قائم نہ رکھا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز کو درست کیا بلکہ یہ کہیں گے کہ نماز کو بگاڑا اور خراب کیا تو اَقِمُوا الصَّلَوةَ کے یہ معنی ہوئے کہ نماز پڑھو اور اس طرح پڑھو کہ پورے حقوق ادا ہوں نہ کہ ایسی نماز کہ فقط نام نماز کا لگ جاوے اس کو نماز ہی نہ کہا جائے گا۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

## نماز کی کوتاہیاں

لوگ نماز ایسی پڑھتے ہیں کہ نہ طہارت کی خبر نہ کپڑے کی خبر بعض لوگ ایسا چھوٹا کپڑا باندھتے ہیں کہ رکوع اور سجدہ میں ستر کھل جاتا ہے۔ اگر چوتھائی گھٹنا بھی کھل گیا تو نماز نہیں ہوئی مگر اس کی کچھ پرواہ نہیں نہ سجدہ ٹھیک نہ رکوع نہ دو سجدوں میں فصل بعض لوگ سجدہ میں سے اتنا سر نہیں اٹھاتے جو فاصل بین السجدتین ہو جائے کتابوں میں لکھا ہے ایسے دونوں سجدے ایک ہی سجدہ کے حکم میں ہیں تو اس صورت میں ایک سجدہ ہو واجب دوسرا سجدہ ہی نہیں ہوا تو نماز کیسی ایک سجدہ کر لینے کے بعد چاہئے کہ سیدھا بیٹھ جائے اور سب اعضاء ٹھیر جائیں تب دوسرا سجدہ کرے اگر اتنا وقفہ بھی نہ ہو تو اتنا ضرور ہے کہ اتنا سر اٹھایا جائے کہ

اقرب الی القعود ہو جائے گوا ایسی نماز مکروہ ہوگی اور ایک اور نئی ایجاد ہوئی ہے نماز میں کہ بہت لوگوں نے عادت کر لی ہے کہ قومہ بالکل ہی نادر دکر دیتے ہیں۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

## قومہ اور اس کا وجوب

قومہ کہتے ہیں رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونے کو یہ نماز میں واجب ہے بلا اس کے نماز نہیں ہوتی اور یہ مسئلہ سب نماز پڑھنے والوں کو معلوم ہے۔ گو بعض کو اس کا وجوب نہ معلوم ہو تب بھی یہ تو ضرور معلوم ہے کہ رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ (جس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا) یا ربنا لک الحمد (اے ہمارے پروردگار حمد و ثنا صرف آپ کے لئے ہے) کہا جاتا ہے معلوم نہیں جن لوگوں نے قومہ اڑا دیا ہے یہ دونوں لفظ وہ کس وقت کہتے ہوں گے شاید رکوع میں کہتے ہوں مگر رکوع بھی ان کا لمبا نہیں دیکھا جاتا بس سوائے اس کے کیا کہا جاوے کہ نماز کا ایک جزو اڑا ہی دیا یہ تو خدا کی بتائی ہوئی نماز میں ترمیم ہے جب نماز پڑھتے ہی ہو تو اس سے کیا فائدہ کہ پڑھی پڑھائی کو غارت کروا کر اعلیٰ درجہ کی نہیں ہو سکتی تو ادا کرنے درجہ کی تو ہو جائے اس کے اجزاء ضرور یہ تو ادا ہو جائیں جس سے کسی درجہ میں تو کہا جاسکے کہ نماز ہے نماز کی صورت تو درست ہو جائے حقیقت نہ سہی مگر ہم نے تو صورت کی بھی یہ گت بنائی ہے روح تو الگ رہی ہماری اس نماز کی مثال تو وہ بھی صحیح نہیں رہی جو ابھی میں نے بیان کی تھی کہ پنساری کے یہاں جائیں اور بادام مانگیں اور وہ نرے چھلکے مغز سے خالی دیدے یا کوئی آدمی منگائے اور ایک اپا ہج بیمار کو اس کے سامنے پیش کر دیں۔ اب یہ مثالیں بھی ہماری نماز کی نہ رہیں بلکہ ہماری اس نماز کی مثال اب تو یہ ہو گئی کہ کسی سے بادام مانگیں اور وہ بادام کے کونٹے ہاتھ میں رکھ دے یا آدمی مانگا جائے اور وہ مرگھٹ میں سے ایک مردہ لا کر پیش کر دے صاحبو یہ کیا بے ہودگی ہے کیا ایسی نماز سے ہمارا پیچھا چھوٹ سکتا ہے ذرا تو ہم کو خیال چاہئے یہ کیا غضب ہے کہ اپنی فرمائش پر تو نام کی چیز ملنے سے بھی ناراض اور خدا تعالیٰ کی فرمائش پر نام کی چیز بھی نہیں مہیا کی جاتی حالانکہ حق تو یہ تھا کہ حق تعالیٰ کی فرمائش پر وہ چیز پیش کی جاتی جو کام کی بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوتی اگر یہ بھی نہ ہو تو علی سبیل التزلزل کہا جاتا ہے کہ ایسی چیز تو ہوتی جو اپنی فرمائش پر پیش کی جاسکے کام کی چیز تو وہ ہوتی ہے جس میں روح ہو نماز کی روح کیا چیز ہے۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

## نماز کی روح

نماز کی روح کا بیان آیت میں اس طرح ہے **وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي** یعنی نماز کو درست کرو میری یاد کے واسطے خدا تعالیٰ کا تصور قلب میں اور اس کو یاد رکھنا نماز کی روح ہے اس سے تو ہم کوسوں دور ہیں کام کی نماز تو یہی ہے جس میں حق تعالیٰ ہی کی طرف دھیان ہوتا یہ اگر میسر نہیں تو کاش نام ہی کی نماز ہوتی کہ رحمت خدا کیا عجب ہے اسی وقت قبول کر لیتی مگر جبکہ اس کے اجزاء ضرور یہ ہی ندارد ہیں تو اس پر تو نماز کا نام بھی نہیں لگ سکتا۔

آگے فرماتے ہیں **وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ** جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مشرکین میں سے مت ہو اس میں غور کرنے کی یہ بات ہے کہ نماز کے حکم میں اور اسی میں جوڑ کیا ہے۔ اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ مشرکین عرب حج کرتے تھے مگر نماز نہ پڑھتے تھے چنانچہ حج کرنے والوں کو نہ روکتے تھے اور نماز پڑھنے والوں کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ سو وہ حج کے تو خلاف نہ تھے لیکن نماز کے بالکل خلاف تھے اور یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے تھے حج نہ کرتے تھے اس لئے حج نہ کرنے پر حدیث میں یہودی یا نصرانی ہو کر مرنے کی وعید کی گئی ہے اور یہاں آیت میں بے نمازی کو مشرک سے شبیہ دی گئی اور گویہ دونوں فرقے ہیں کافر لیکن یہود و نصاریٰ سے مشرک اور زیادہ برے ہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ موحد تو ہیں گوان کی توحید کا آمد اور کافی نہیں اور عدم مغفرت میں دونوں برابر ہیں تو نماز کا ترک کرنا دوسرے عبادات کے ترک سے زیادہ برا ہوا پس مطلب یہ ہوا کہ نماز چھوڑ کر مشرکوں کے مشابہ نہ بنو اور اس عنوان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہئے جس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہو۔ اب رہا یہ کہ آیت میں **وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ** پر کیوں نہیں اکتفا کیا تو اس میں نکتہ یہ ہے کہ مسلمان بے نمازی سے نفرت پیدا ہو کیونکہ کوئی ایسا نہیں جس کو مشرک سے نفرت نہ ہو کیونکہ توحید ہر شخص کو محبوب ہے اور توحید کی ضد مبغوض ہے۔ جب فرمایا کہ نماز پڑھو اور مشرک نہ بنو تو اس لفظ سے وحشت ہوگی یہ ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ اطاعت اختیار کرو اور باغی نہ بنو تو اس کے معنی یہی ہوتے کہ اطاعت اختیار کرو اور باغی نہ بنو تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اطاعت اختیار کرنا بغاوت سے بچنا ہے اور ترک اطاعت بغاوت ہے ایسے ہی نماز پڑھنا مشرک سے بچنا ہے اور نہ پڑھنا مشرک بننا ہے گو اس کے معنی یہ نہیں کہ نماز نہ پڑھنے سے آدمی کافر و مشرک ہو



جاتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ یہ عمل مشرکوں کا سا ہے۔ جیسے حدیث میں وارد ہے من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر عملاً (جس نے جان کر نماز چھوڑی پس اس نے کفر کیا) یعنی کام کافروں کا سا کیا جیسے کہتے ہیں کہ فلانا چہمار ہو گیا اس کے یہ معنی نہیں کہ واقعی چہمار ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ چہماروں کے سے کام کرنے لگا تو نماز نہ پڑھنے والے کو مشرک فرمانا بمعنی حقیقی تو نہیں ہے مگر جس معنی میں بھی ہو لفظ نہایت موحش ہے مشرک سے برا کوئی نہیں اس واسطے اللہ تعالیٰ نے نفرت دلانے کے لئے وَأَقِمْو الصَّلٰوةَ کے ساتھ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ بھی بڑھا دیا کیونکہ صرف نماز کے حکم سے اتنی تاکید نہ ہوتی اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مشرک بننا ترک نماز سے بہت زیادہ برا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے تو وجہ شبہ مشبہ بہ میں زیادہ ہوتی ہے خواہ زیادتی کسی حیثیت سے ہو مثلاً کہتے ہیں کہ زید شیر ہے یعنی ایسا بہادر ہے جیسا شیر تو اس میں ضرور ہے کہ بہادری شیر میں زید سے زیادہ ہے ایسے ہی جب ترک نماز کو مشرک بننے کے ساتھ تشبیہ دی گئی تو یہ بات مسلم ہوئی کہ شرک ترک نماز سے بھی زیادہ برا ہے تو شرک کس قدر بری چیز ہوئی۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

## اصطلاحی نماز کی قبولیت کی مثال

آپ کی نماز کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ مجھے آدمی کی ضرورت ہے اور آپ اس کے سامنے ایک اپاچ مضعہ گوشت کو لا کر پیش کر دیں اور جب وہ کہے کہ میں اس اپاچ کو لے کر کیا کروں یہ بھی کوئی آدمی ہے تو آپ اس کے جواب میں کہیں کہ صاحب تو نے آدمی کو کہا تھا میں نے آدمی لا دیا دیکھ لو یہ حیوان ناطق ہے یا نہیں تو بے شک وہ معقولی آدمی تو ہے مگر معقول آدمی نہیں وہ اس قابل نہیں ہے جس سے آدمیوں کے کام لئے جائیں بس یہی حال ہماری نماز کا ہے کہ نام کو تو وہ نماز ہے مگر اس کی شان یہ ہے کہ نہ اس کے ہاتھ ہے نہ پیر نہ سر ہے نہ آنکھیں اگر ہاتھ ہیں تو سر کٹا ہوا ہے سر ہے تو آنکھیں اندھی ہیں اہل حقیقت تو ایسی نماز کو کالعدم سمجھتے ہیں جیسے اپاچ مضعہ گوشت کو کالعدم سمجھا گیا تھا مگر فقہاء نے یہ دیکھ کر کہ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے اگر نہ ہونے کا حکم لگایا جاوے گا لوگ اسے بھی چھوڑ بیٹھیں گے اس پر صحت کا حکم لگا دیا ہے مگر یہ حکم صحت ویسا ہی ہے جیسے آپ نے اس اپاچ کو حیوان ناطق ہونے کی وجہ سے آدمی کہا تھا

بس ایسے ہی آپ کی نماز اصطلاحی نماز تو ہے مگر حقیقی نماز نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں آپ اس کو بے کار سمجھ کر چھوڑ دیں نہیں صاحب بے کاریہ بھی نہیں نہ ہونے سے اس کا ہونا پھر بہتر ہے کیونکہ بعض دفعہ اگر نظر عنایت ہو جائے تو حق تعالیٰ کے یہاں صورت بھی قبول ہو جاتی ہے۔ مولانا نے ایسی نماز کے قبول ہونے کی عجیب مثال دی ہے فرماتے ہیں۔

اس قبول ذکر تو از رحمت است چوں نماز مستحاضہ رخصت است  
(تیرے ذکر کی قبولیت رحمت سے ہے جس طرح مستحاضہ کی نماز رخصت کی وجہ سے قبول ہے)  
یعنی جس طرح عورت مستحاضہ کی نماز شرعاً صحیح مانی گئی ہے حالانکہ نماز کے اندر بھی اس کا خون جاری ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہ ناپاک ہے مگر محض رحمت کی بنا پر اس کو قبول کر لیا جاتا ہے یہی حالت ہماری تمام نمازوں کی ہے کہ گو حقیقت کے لحاظ سے وہ کالعدم ہیں مگر حق تعالیٰ کی نظر عنایت سے کبھی یہ بھی قبول ہو جاتی ہے۔ (ایواء الیتامی ج ۳۰)

## خشوع سہل ہے

عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ خشوع کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے بس یہ تو بڑے بڑے بزرگوں ہی کو حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ خشوع کا ہر مسلمان مکلف ہے اگر یہ ہر شخص کی قدرت میں نہ ہو تو تکلیف مالا یطاق لازم آتی ہے اور وہ شرعاً ممتنع ہے سو میں کہتا ہوں کہ خشوع کی حقیقت بہت سہل ہے کچھ مشکل نہیں۔

ہاں کرنے کی چیز ہے اگر آپ یوں چاہیں کہ بدون کچھ کئے کام ہو جائے تو پھر روٹی بھی نہ کھایا کیجئے کیونکہ اس میں بھی تو کچھ کرنا پڑتا ہے باقی اس کا میں اطمینان دلاتا ہوں کہ آپ کو زیادہ مشقت نہ کرنا پڑے گی صرف ارادہ کرنا پڑے گا اور یہ بھی کوئی مشکل کام ہے خشوع کا جو نسخہ میں بتلاؤں گا وہ میرے استاد علیہ الرحمۃ کا فرمایا ہوا ہے واقعی لاکھوں روپیہ کا نسخہ ہے جو بہت ہی سستے داموں بلکہ بلا داموں مل گیا قدر کی چیز ہے وہ نسخہ یہ ہے کہ نماز میں جو ہم لوگ دعائیں اور سورتیں پڑھتے ہیں وہ چونکہ ہم کو حفظ ہو گئی ہیں اس لئے ہم ان کو روانی کے ساتھ اس طرح پڑھتے ہیں کہ ان کے ہر جزو کے لئے ارادہ اور قصد کی ضرورت نہیں ہوتی بس ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد گھڑی کی طرح زبان خود بخود چلتی رہتی ہے آپ چاہے توجہ کریں یا نہ کریں سب دعائیں خود بخود زبان سے ادا ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ

سورتیں بھی ساری عمر کے لئے دو تین ہی چھانٹ رکھی ہیں اس لئے ان کی تعیین کے لئے بھی توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی یہ تو تمہید تھی اب خشوع کا طریقہ سمجھو کہ تم حافظوں کی طرح ان دعاؤں اور سورتوں کی نمازیں نہ پڑھا کرو بلکہ ناظرہ خانوں کی طرح پڑھا کرو اور ناظرہ خواں بھی وہ جس کا قرآن کچا ہو یا ایسے حافظ کی طرح جس کا قرآن کچا ہو تو جس طرح ایسا ناظرہ خواں یا ایسا حافظ ہر لفظ کو غور سے دیکھ کر یا سوچ کر ادا کرتا ہے اور لفظ لفظ پر دھیان کر کے پڑھتا ہے اسی طرح تم نماز میں ہر لفظ پر مستقل توجہ اور ارادہ کیا کرو کہ اب سبحانک اللہم کہہ رہا ہوں اب بھمک کہہ رہا ہوں اب الحمد للہ کہہ رہا ہوں اب رب العالمین زبان سے نکال رہا ہوں اسی طرح ساری نماز پڑھو پس خشوع حاصل ہو گیا۔ کیونکہ خشوع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی وسوسہ اور خیال نماز میں نہ لایا جاوے بلکہ اپنی توجہ کو نماز کی طرف رکھا جائے اس طرح ہر لفظ پر مستقل ارادہ اور توجہ کرنے سے پھر آپ کو عہد کوئی وسوسہ نہ آئے گا کیونکہ قاعدہ ہے النفس لا توجہ الی شئین فی آن واحد یعنی ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہو سکتی۔

انائے کہ پر شد دگر چوں پرد

(جب برتن بھر جائے پھر کیوں بھرے)

جب آپ پوری توجہ کو الفاظ پر مبذول رکھیں گے تو آپ کے ارادہ سے کوئی خیال نہ آئے گا۔ اول تو ان شاء اللہ کوئی بھی خیال نہ آئے گا اور آئے گا تو بلا ارادہ آئے گا جیسے نگاہ کو آپ ایک جگہ پر جمائیں تو شے منظور کے سوا اس پاس کی چیزیں بھی خود بخود مبصر ہو جاتی ہیں بصارت کی طرح بصیرت کا بھی یہی حال ہے کہ ایک طرف توجہ جمانے سے بھی خود بخود بعض مخزونات خیال سامنے آ جاتے ہیں مگر یہ خشوع کے لئے مضر نہیں اور ان کا نہ آنا اختیار میں نہیں۔ (ایواء الیتامی ج ۳۰)

## ایک غلطی کا ازالہ

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صلوۃ الخوف وقت قتال کے لئے مشروع ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ صلوۃ الخوف وقت خوف قتال کے لئے مشروع ہے اور یہ جب خوف سے بڑھ کر وقوع قتال کی نوبت آ جائے اس وقت نماز موخر ہو جاتی ہے قتال کے ساتھ نماز کی اجازت نہیں بلکہ صلوۃ الخوف میں بھی اگر قتال شروع ہو جائے تو حکم یہ ہے کہ نماز کو توڑ دیں اور اس میں نماز کی بے وقعتی نہیں بلکہ نماز کی وقعت یہی ہے کہ ایسے وقت میں اس کو توڑ دیا جائے

کیونکہ اس سے نماز کی سہولت واضح ہوتی ہے اور سہل کام پر دوام ہو سکتا ہے اگر نماز میں یہ سہولتیں نہ ہوتیں تو لوگ ہمت ہار جاتے اسی طرح اگر وسط صلوٰۃ میں اسٹیشن پر ریل چھوٹ جائے تو جائز ہے کہ نماز توڑ دی جائے اور بعض بزرگوں سے جو منقول ہے۔ کہ انہوں نے نماز نہیں توڑی یہ ان کا حال ہے ورنہ شرعاً قطع صلوٰۃ کی اجازت ہے بہر حال اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال درپیش تھا اور ایسی حالت تھی کہ صلوٰۃ الخوف بھی نہ پڑھ سکتے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قضا کی۔ (الاخوة ج ۳۰)

## رکوع وسجود کی اہمیت

جہلاء صوفیہ کہتے ہیں کہ ہم کو نماز کی روح حاصل ہے اس لئے ہم نماز نہیں پڑھتے میں ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی انگلی کاٹ لوں اگر آپ خوشی سے اجازت دیں تو فہماور نہ پوچھا جائے کہ کیا وجہ ہے کہ اپنی تو انگلی اور ناخن تک پیارے اور نماز کے ہاتھ پاؤں اڑانے کے لئے تیار ہو یہ قیام رکوع وسجود نماز کے ہاتھ پاؤں ہیں اور میں ان سے کہوں گا کہ زوجہ حسین کیوں ڈھونڈتے ہو جان تو یکساں ہے اور حقیقت سب کی ایک ہے خلاصہ یہ ہے کہ رکوع وسجدہ بڑی چیز ہے مگر مغز اس کا وہی ہے اگر یاد نہ ہوگی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کسی سے فرمائش کی کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے وہ تھوڑی دیر میں ایک کھٹولی چار آدمیوں کے سر پر لایا جب اس پر سے چادر اتاری گئی تو دیکھا ایک مردہ ہے جس کے ہاتھ پاؤں سب درست ہیں تو جیسے اس کو انسان نہیں کہہ سکتے گو ہاتھ پاؤں سب درست ہیں ایسے ہی بے ذکر کی نماز نماز کہلانے کی مستح نہ ہوگی گو رکوع سجدہ سب کچھ ہو اور اگر نرمی یاد ہو اور رکوع سجدہ میں کتر بیونت کرے تو ایسی مثال ہے جیسے ایک مضغہ گوشت ہے کہ آنکھوں سے اندھا پاؤں سے لولا ہاتھوں سے لنجانا ک سے نکلنا دانتوں سے پوپلا سر سے گنجا کانوں سے بہرہ نہ چل سکتا ہے جہاں چاہیں اس کو اٹھا کر پھینک دیں تو وہاں سے کہیں نہیں جاسکتا پوچھا کہ یہاں تم یہ کیا لائے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ آدمی لاؤ یہ آدمی ہے ظاہر ہے کہ اس کو یہی جواب دیا جائے گا کہ ہمارا مقصود یہ تھا اس کو ہم کیا کریں گے تو جیسے اس مضغہ گوشت تعریف انسان کے صادق ہے تو ایسے ہی وہ نماز کہ جس میں رکوع سجود نہیں یا رکوع سجود ناقص ہے کہنے کو نماز ہے لیکن فی الواقع کچھ نہیں غرض نہ ہاتھ پاؤں بلا جان کے کافی ہیں اور نہ جان بغیر ہاتھ پاؤں کے کام آ سکتی ہے۔ (الذکر ج ۳۰)



## نماز کا اصل مقصود ذکر ہے

ایک مقام پر ارشاد ہے فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم بَیْ صَلَوةِ الْخَوْفِ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اگر تم کو خوف لاحق ہو تو نماز پیادہ یا سوار ہو کر پڑھو اور جب امن میں ہو تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ تم کو اللہ نے سکھایا ہے فاذا کروا اللہ سے مراد اس آیت میں صلوة ہے اصل کلام یہ تھا فاذا امنتم فصلوا کما علمکم فصلوا کے مقام پر فاذا کرو فرمانے سے یہ بتلادیا ہے کہ صلوة کا اصل مقصود ذکر ہے اور اس مقام پر غور کرنے سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ صلوة الخوف میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو پہلے کے موافق پڑھنے لگو) اور آیت میں فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ مرتب جو فرمایا تو اس میں نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ صلوة الخوف میں دشمن کی طرف مشغولی ہوتی ہے اس لئے مقصود اصلی جو کہ ذکر ہے مظنہ ہے اس سے غفلت کا اس لئے ارشاد ہے کہ اس سے غفلت نہ ہونے پائے اور اس کے بعد فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو پہلے کی طرح نماز پڑھنے لگو) سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صلوة الخوف میں بوجہ مشغولی دشمن صلوم کا مکمل یعنی ذکر علی وجہ الکمال ادا نہیں ہوا اس لئے کہ حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جب تم کو اطمینان ہو تو نماز کو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرو اس سے اشارۃً یہ نکلا کہ خوف کی حالت میں نماز کامل نہیں ہوئی یعنی باعتبار صورۃ کے بہر حال ان آیات سے ثابت ہوا کہ صلوة کالب اور مغز ذکر ہے۔ (الذکر ج ۳۰)

## ایک دیندار والی ملک نواب کی حکایت

ایک دیندار نواب صاحب والی ملک کی حکایت ہے کہ ایک غریب آدمی نماز میں ان کے دوش بدوش کھڑا ہو گیا تھا وہ غریب ان سے بالکل مل کر نہیں کھڑا ہوا جیسا کہ نماز میں حکم ہے صرف اسی خوف سے کبھی یہ برامائیں وہ بچ بچ کر کھڑا ہوتا تھا اور سلام کے ساتھ ہی فوراً بھاگا۔ نواب صاحب نے اس کو طلب کیا وہ بہت ڈرا کہ کہیں کپڑا وغیرہ لگ گیا ہے اس کی باز پرس

ہوگی مگر لوگوں نے سمجھا دیا کہ تو ڈرنا مت اور دین کے خلاف بات مت کہنا۔ جب حاضر ہوا تو نواب صاحب نے پوچھا تم ہم سے بچ بچ کر کھڑے ہوتے تھے کیا ہم سے ڈرتے تھے اس نے کہا تم سے کیا ڈرتا خدا کے دربار میں سب برابر ہیں اس لئے بچتا تھا کہ کہیں مجھ میں دنیا کا اثر نہ ہو جائے۔ بڑے خوش ہوئے اور درباریوں سے کہا دیکھو اللہ کے بندے کیسے کیسے ہیں اور اس کی کچھ ماہواری تنخواہ مقرر کر دی اور بہت معتقد ہوئے۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

## رکوع کا طریقہ

رکوع کا قاعدہ یہ ہے کہ سر اور کمر اور سرین سب برابر سطح مستوی کی طرح رہیں یہاں یہ حالت ہے کہ کمر اونچی رہتی ہے سر کبھی بہت جھکا ہوا ہے کبھی اونچا اٹھا ہوا رکوع میں نظر پیروں پر ڈنی چاہئے ہماری نگاہ بہت دور پہنچتی ہے پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہونا واجب ہے مگر بہت لوگ سیدھی طرح کھڑے نہیں ہوتے بس یوں ہی سر کا ذرا سا اشارہ کر کے دہم سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں بعض لوگ جلدی میں تین بار بھی تسبیح پوری نہیں کرتے پھر سجدہ کی ہیئت بھی خلاف قاعدہ بنا رکھی ہے کہنیاں زمین پر رکھی ہوتی ہیں بازو اچھی طرح نہیں کھلتے کمر جھکی ہوئی رہتی ہے حالانکہ سجدہ میں کمر اونچی ڈنی چاہئے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر سیدھا بیٹھ کر دوسرا سجدہ کرنا چاہئے بہت آدمی سجدہ کر کے سیدھی طرح نہیں بیٹھتے بس ذرا سا سر کا اشارہ کر کے دوسرا سجدہ شروع کر دیتے ہیں تو بھلا اس حالت میں صورت بھی درست کہاں رہی۔ (درجات اسلام ج ۳۰)

## حضور قلب

حضور قلب کی حقیقت نہایت سہل ہے مگر ہوتی ہے کرنے سے وہ ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من صلی رکعتین مقبلاً علیہما بقلبه لم یحدث فیہما نفسہ دخل الجنة جو شخص دو رکعتیں اس طرح پڑھ لے کہ دل سے ان پر متوجہ ہو اور اپنے جی سے باتیں نہ کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس سے حضور قلب کی یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ نماز پر دل سے متوجہ ہو یعنی ہر رکن کے ادا کرنے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں پھر ہر رکن کو نماز کے قاعدہ پر ادا کرے بتلائیے تو یہ کیا مشکل کام ہے۔ اگر کسی کو خطرات و وساوس آتے رہیں تو یہ حضور قلب کے منافی نہیں پس اتنا ضروری ہے کہ خود وساوس نہ

لاوے اور جو آتے ہوں ان کی طرف التفات نہ کرے دیکھئے کس قدر تو آسان مگر ہم سے یہ بھی نہیں ہو سکتا وجہ ساری یہ ہے کہ دین کا اہتمام ہی قلب میں نہیں رہا۔ (درجات اسلام ج ۳۰)

## مسائل نماز سے بے خبری

ایک قریب کے قصبہ کے ایک بوڑھے میاں جو مہذب اور لکھے پڑھے ہیں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کسی نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ جس طرح فرضوں میں دو رکعتیں بھری ہوتی ہیں اور دو خالی کیا سنتوں میں بھی یہی حکم ہے میں نے کہا نہیں بلکہ سنتوں میں سب رکعتیں بھری ہوتی ہیں تو وہ بڑے میاں یہ سن کر بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم تو اب تک سنتیں بھی دو بھری اور دو خالی پڑھتے تھے یہ تو آج ہی معلوم ہوا کہ سنتوں میں کوئی رکعت خالی نہیں ہوتی۔ اب بتلائیے کہ بڑے میاں کے پیر تو قبر میں لٹکے ہوئے ہیں اور اب تک نماز کا طریقہ معلوم نہیں یہ ساری خرابی علم نہ ہونے کی ہے اسی طرح بعض صورتوں میں کسی غلطی سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور کسی غلطی سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے مگر بدون علم کے لوگ نہ معلوم کیا کیا گڑبڑ کرتے ہیں بس بات یہ ہے کہ لوگوں کی نظر میں احکام الہیہ کی وقعت نہیں رہی اس لئے کچھ فکر نہیں کہ نماز درست ہوتی ہے یا فاسد اور اگر درست بھی ہوتی ہو تو اس بے علمی کے سبب بہت لوگوں کو جماعت کا اہتمام نہیں وقت کا خیال نہیں بعضے بہت تنگ وقت میں نماز پڑھتے ہیں افسوس اگر عدالت میں ایک چپڑاسی آواز دے کہ فلا نا حاضر ہے تو اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ پکارنے کے بعد حاضری میں دو منٹ کی بھی دیر نہ ہو گھنٹہ بھر پہلے سے تیار بیٹھے رہتے ہیں اور یہاں پانچ وقت منادی پکارتا ہے اور کان پر جوں تک نہیں ریگتی بلکہ اذان کے بعد اقامت بھی ہونے لگے اور امام کی آواز اور سورت کا شروع ہو جانا بھی سن لیں جب بھی کچھ اثر نہیں ہوتا حتیٰ علی الصلوٰۃ سن کر تو کیا اثر ہوتا افسوس ہم پر حتیٰ علی الفلاح سن کر بھی اثر نہیں ہوتا۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

## کلمات اذان میں رحمت خداوندی

حق تعالیٰ کی بھی کیا عنایت ہے کہ وہ ہماری حالت سے خوب واقف ہیں جانتے ہیں کہ یہ ایسے بھدے اور ناقدرے ہیں کہ محض جی علی الصلوٰۃ کہنے سے نماز کونہ آئیں گے اس لئے جس

طرح بچوں کو مٹھائی وغیرہ سے لہایا اور بہلایا کرتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ نے ہم کو لبھانے کے لئے جی علی المصلوٰۃ کے ساتھ جی علی الفلاح بھی اذان میں بڑھا دیا کہ نماز میں فلاح و کامیابی بھی ہے اسی کے لئے آ جاؤ کیونکہ اس جگہ فلاح مطلق ہے جس میں فلاح دنیوی و اخروی دونوں داخل ہیں۔

## فلاح کی حقیقت

غرض بعض لوگ مال ملنے ہی کو فلاح سمجھتے ہیں اور نماز پڑھ کر چونکہ فوراً مصلے کے نیچے سے روپے نہیں نکلتے اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ نماز میں کیا فلاح ہے مگر میں کہتا ہوں کہ کیا مال خود مقصود بالذات ہے بھلا اگر ایک شخص کے پاس ہزار روپے کے نوٹ ہوں یا نقدی ہو اور وہ ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں کو سوں تک نہ کھانا ہے نہ پانی ہے اور اس وقت اس کو بھوک پیاس لگی تو بتلائیے یہ ہزار روپے اس کے کس کام کے اب اگر وہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دی تو کیا آپ اس کو فلاح اور کامیاب کہیں گے ہرگز نہیں معلوم ہوا کہ مال خود فلاح نہیں اب شاید آپ یہ کہیں کہ کھانا پینا تو فلاح ہے ہم اس کے طالب ہیں سو یہ بھی غلط ہے کھانا پینا بھی مقصود بالذات نہیں کیونکہ بعض دفعہ کھانا کھا کر ہیضہ ہو جاتا ہے اس وقت یہی کھانا سبب ہلاکت ہو جاتا ہے معلوم ہوا کہ مقصود اور کچھ ہے وہ کیا ہے چین و آرام جب یہ سمجھ میں آ گیا کہ فلاح کی حقیقت راحت ہے تو اب دعوے سے کہا جاتا ہے کہ نماز سے یہ فلاح ضرور حاصل ہوتی ہے نماز سے قلب کو وہ راحت ملتی ہے جو ہزار کھانوں سے بھی نہیں مل سکتی مگر جیسے بعض دواؤں کا نفع ایک خاص میعاد پر ہوا کرتا ہے چنانچہ اطباء کہا کرتے ہیں کہ اس دوا کو تین دن یا تین ماہ استعمال کر کے پھر آنا اس مدت سے پہلے نفع ظاہر نہ ہوگا اگر چھ ماہ کا اندھا کسی قیمتی سرمہ کو دو تین دن لگا کر سوا نکھا ہونا چاہے تو وہ بے وقوف ہے اسے چاہئے کہ کم از کم مثلاً تین ماہ تو استعمال کر کے دیکھے اسی طرح نماز کی راحت کا احساس ایک خاص میعاد کے بعد ہوتا ہے جو ہر شخص کے لئے اس کے مناسب ہوتی ہے پس یہ آپ کی غلطی ہے کہ آپ چار دن نماز پڑھ کر مراقبہ کرنے بیٹھ گئے کہ دیکھوں راحت قلب حاصل ہوئی یا نہیں صاحب کسی جاننے والے طبیب روحانی سے پوچھ کر نماز کو قاعدہ سے شروع کرو اور کچھ عرصہ تک ادا کرتے رہو پھر دیکھو کیا حال ہوتا ہے ان شاء اللہ چند ہی روز میں یہ حالت مشاہد ہوگی۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۲۰)

## سلطان اللیل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (فتح الباری)



۳۳۹:۱۱ کنز العمال ۱۸۹۱۲) میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے جو شخص نماز کا عادی ہے وہ جانتا ہے کہ نماز پڑھ کر کیا راحت ہوتی ہے مشہور ہے کہ عشاء کی نماز پڑھ کر آدمی سلطان اللیل (رات کا بادشاہ) ہو جاتا ہے۔ واقعی سلاطین کو کیا راحت نصیب ہوگی جو نمازی کو عشاء کی نماز پڑھ کر حاصل ہوتی ہے قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا ادراک ضد کو دیکھ کر کامل ہوتا ہے تو نماز کی راحت کا احساس بھی اس طرح ہوگا کہ کبھی ریل میں نماز پڑھنا دشوار ہوا ہو تو یاد کیجئے اس وقت کیسی پریشانی ہوئی ہوگی اور خدا خدا کر کے کسی اسٹیشن پر آدمیوں کے اترنے سے جگہ ملی ہوگی تو نماز پڑھ کر کیسا چین ملا تھا مگر یہ بات ایک زمانہ تک نماز کی عادت ہونے سے نیز اہل اللہ کے پاس بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ (الاکرمیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

## نماز میں ظاہری و باطنی فلاح

ان لوگوں کو بھلا نماز میں تو کیوں حظ نہ آئے گا جو خاص قرب محبوب اور حاضری دربار کی حالت ہے اس وقت واقعی طور پر ان کو جی علی الفلاح کا ادراک ہوتا ہے کہ نماز عجیب راحت کی چیز ہے یہ تو نماز میں فلاح عاجل باطنی ہے اس کے علاوہ نماز میں ظاہری فلاح عاجل بھی بہت کچھ ہے چنانچہ نماز میں ایک نفع یہ ہے کہ اگر کوئی آپ کو فضول مخالطت فضول مکالمات سے ایذا دینا چاہے تو نماز شروع کر دو جب تک نماز پڑھتے رہو گے کوئی تمہیں کچھ نہ کہے گا دوسرے اگر تم کسی آنے والے کی تعظیم نہ کرنا چاہو اور تعظیم نہ کرنے میں خطرہ کا اندیشہ ہو تو اس کو آتا ہوا دیکھ کر نماز شروع کر دو اس طرح تعظیم سے بھی بچے رہو گے اور دوسرے کو اپنی بے تعظیمی کا بھی خیال نہ آئے گا کیونکہ سب جانتے ہیں کہ نماز میں انسان دوسری طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تیسرے اگر کوئی یہ چاہے کہ میں اس طرح خلوت اختیار کروں کہ گوشہ نشین بھی مشہور نہ ہوں کیونکہ اس شہرت کے بعد پھر خلوت نہیں رہ سکتی لوگ تنگ کرتے اور ہجوم کرنے لگتے ہیں تو اس کی ہل صورت یہ ہے کہ ہر وقت نفل نماز پڑھا کرے ہمارے ایک عزیز بزرگ نے جو مشرب سماع رکھتے تھے اسی طرح خلوت اختیار کی تھی کہ بیٹھک ہی میں عام منظر پر رہتے اور ہر وقت نماز پڑھتے تھے جب کوئی ملنے آیا تو سلام کے بعد دو چار باتیں خیر و عافیت کی پوچھ لیتے اور پھر نماز شروع کر دیتے مجھے یہ طریقہ بہت پسند آیا کہ نہ تو وہ بداخلاق ہی مشہور ہوئے کیونکہ جو کوئی بھی آتا تھا اس سے ضرورت کی قدر مل

بھی لیا کرتے تھے اور نہ عزت گزینی میں خلل آیا اور نہ خلوت نشین مشہور ہوئے جو عوام کا ہجوم ہوتا ایک برکت نماز کی یہ ہے کہ اس میں بڑے بڑے سلاطین اور روساء کی برابری ہو جاتی ہے ایک انگریز کالج علی گڑھ میں گیا تو وہاں دیکھا کہ رئیسوں کے لڑکے پڑھتے ہیں جن کے ساتھ نوکر اور ملازم بھی ہوتے ہیں مگر خدمت کے وقت تو وہ نوکر دور کھڑے رہتے ہیں آقا کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتے اور نماز کے وقت آقا کے برابر پاس مل کر کھڑے ہوتے ہیں اس نے ان رئیس زادوں سے دریافت کیا کہ نماز میں برابر کھڑے ہونے سے یہ ملازم گستاخ نہیں ہو جاتے انہوں نے کہا کیا مجال ہے جو نماز کے بعد ہماری ذرا بھی برابری کر سکیں اس وقت کا یہی حق ہے کہ سب برابر ہوں اور دوسرے وقت کا دوسرا حکم ہے اس کو اس سے بڑی حیرت ہوئی اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ جو نوکر نماز پڑھتا ہے حالانکہ وہ نماز میں آقا کے برابر بھی ہو جاتا ہے مگر پھر بھی اس میں انقیاد کی صفت بڑھ جاتی ہے یعنی وہ آقا کی خدمت اور اس کے حقوق کی بجا آوری بے نمازی نوکر سے زیادہ کرتا ہے واقعی یہ بات مشاہد ہے کہ دیندار آدمی جیسے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے بندوں کے حقوق بھی خوب ادا کرتا ہے اسی برابری پر ایک اور قصہ یاد آیا نواب ٹونک جن کا نام وزیر الدولہ تھا بڑے دیندار تھے ایک دفعہ کسی نماز میں وہ آئے اور کسی غریب مزدور کے پاس کھڑے ہو گئے وہ بے چارہ ڈرا کہ کہیں نواب صاحب کو میرا دامن وغیرہ نہ لگ جاوے پھر مصیبت آوے اس لئے وہ ذرا سمٹا کر دب کر کھڑا ہوا جس سے صفت میں فرجہ ہو گیا نواب صاحب صف ملانے کے لئے ادھر کو اور کھسک گئے تو وہ اور ہٹ گیا اب نواب صاحب تو اس سے ملتے ہیں اور وہ الگ ہوتا جاتا ہے خدا خدا کر کے نماز پوری ہوئی تو وہ غریب فوراً ہی بھاگا نواب صاحب نے دعا سے فراغت کر کے فرمایا کہ یہ ہمارے پہلو میں کون شخص کھڑا تھا اس کو حاضر کر و خدم حشم نے اس کو حاضر کیا اب تو وہ سمجھا کہ میری کم بختی آوے گی لوگوں نے کہا ڈرو نہیں کچھ نہیں کہیں گے مگر نواب صاحب کے سامنے دب کر گفتگو نہ کرنا دلیرانہ بات چیت کرنا پھر وہ کچھ نہ کہیں گے چنانچہ نواب صاحب کے سامنے پہنچے انہوں نے فرمایا کیوں صاحب یہ کیا حرکت تھی کہ ہم تو صف میں خوب ملنا چاہتے تھے کیونکہ سنت بھی ہے اور تم ہم سے الگ ہوتے تھے کیا نماز میں بھی تم ہم سے ڈرتے تھے اس نے دلیر بن کر جواب دیا کہ نماز میں آپ سے میں کیوں ڈرتا یہ تو خدا کا دربار ہے جس میں بڑے سے بڑا بادشاہ بھی کسی

ادنی مسلمان پر ترجیح نہیں رکھتا۔ نواب صاحب نے فرمایا پھر کس لئے تم بچتے تھے کہا میں اس لئے بچتا تھا کہ کہیں آپ کی دنیا مجھ کو نہ لگ جائے یہ سن کر نواب صاحب اس کے بڑے معتقد ہوئے اور حاضرین سے تعریف کی اور رونے لگے اور کہا واقعی اس غریب کی کچھ تنخواہ مقرر کر دی۔

## وسوسہ نماز سے متعلق اہل تحقیق کا جواب

حدیث یہ ہے کہ جو اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ایسے پڑھے کہ ”لایحدث فیہما نفسہ“ یعنی اس میں اپنے جی سے باتیں نہ کرے یعنی حدیث النفس کے طور پر جو ہم لوگ ادھر ادھر کی باتیں سوچا کرتے ہیں اس سے وہ نماز بالکل خالی ہو۔ بے سوچے اگر ادھر ادھر کے خیالات آجاویں تو کچھ ڈر نہیں مگر خود نہ سوچے اور بے سوچے آنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ انہیں دل میں رکھے بھی نہیں یعنی احداث اور ابقاء دونوں اس کی جانب سے نہ ہوں یعنی نہ خود پیدا کرے نہ خود باقی رکھے۔ بس متوجہ الی اللہ رہے اور اگر کوئی خیال خود بخود آجائے تو کچھ حرج نہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ نماز میں حضور بہت آسان ہے جس کو لوگوں نے خواہ مخواہ مشکل سمجھ رکھا ہے تو مولانا کی خدمت میں یہ حدیث ہو رہی تھی کہ جو ایسی دو رکعت پڑھ لے گا ”غفرلہ ماتقدم من ذنبہ“ یعنی اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ایک طالب علم بولا! کیوں حضرت کیا ایسی نماز ممکن ہے جس میں خیالات نہ آویں؟ اول تو اس نے سوال ہی غلط کیا۔ حدیث شریف میں تو یہ ہے ”لایحدث فیہما نفسہ نہ کہ لا تحدث فیہما نفسہ“ مگر مولانا نے اس مواخذہ سے تعرض نہ فرما کر کیا خوب جواب دیا کہ میاں کبھی ارادہ بھی ایسی نماز پڑھنے کا کیا تھا جس میں کامیابی نہ ہوئی، کبھی پڑھ کر بھی دیکھی تھی اگر پڑھ کر دیکھتے اور ناکامی ہوتی تب تو پوچھتے ہوئے بھی اچھے معلوم ہوتے، شرم نہیں آتی کہ کبھی ارادہ تو کیا نہیں اور پہلے ہی اعتراض کرنے بیٹھ گئے۔ حدیث پر بھائی کبھی اس حدیث پر عمل تو کر کے دیکھا ہوتا۔ جب قدرت نہ ہوتی جہی اعتراض کیا ہوتا۔ (ملت ابراہیم ۳۱)

# حج

- ☆ حج کی صورت و حقیقت
- ☆ قبولیت حج کی علامات
- ☆ حج کے انوار و برکات
- ☆ حج اور قربانی
- ☆ حج کے احکام و مسائل
- ☆ نماز عید الاضحیٰ کے احکام
- ☆ عشاق حج کے واقعات
- ☆ فریضہ حج میں تاخیر کے حیلوں
- ☆ اور بہانوں کا شرعی جائزہ



## ضرورت بیت اللہ الکریم

وسائط میں سے ایک واسطہ بیت اللہ ہے کہ اس کے خاص تعلقات حق تعالیٰ کے ساتھ ظاہر کئے گئے اور اس اظہار کی تقریر کے لئے اس کے کونہ میں ایک پتھر جنت کا نصب کیا گیا ہے جس کا لقب یمن اللہ رکھا گیا کیونکہ اگر آپ محبوب حقیقی کو دیکھتے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے۔ ایک معاملہ تو یہ ہوتا کہ اس کو محبوب و مطلوب اور معبود و مسجود سمجھتے اس کو تو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اس کے سوا جو معاملہ بھی آپ محبوب کے ساتھ کرتے۔ ان سب معاملوں کی بیت اللہ کے ساتھ اجازت ہے اگر آپ محبوب کے گھر پہنچتے تو جب تک صاحب خانہ سے نہ ملتے اس وقت تک گھر کے گرد گھومتے پھرتے دیواروں کو چومتے (جیسا کہ مجنوں کہتا ہے)

ما امر علی الدیار دیار لیلیٰ اقبل ذالجدارو ذالجدار  
وما حب الدیار شققن قلبی ولكن حب من سكن الدیار  
(میں لیلیٰ کے گھر پر گزرتا ہوں کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو میرے قلب کو گھر کی محبت نے نہیں بلکہ اس گھر کے رہنے والے کی محبت نے پھاڑا ہے۔)  
اسی طرح یہاں بھی بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے اور کعبہ کے بعض ارکان کی تقبیل کی جاتی ہے۔ اور ایک معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے مصافحہ کرتے تو یمن اللہ سے مصافحہ کیجئے عاشق محبوب کے مکان پر پہنچ کر جب تک محبوب سے ملاقات نہ ہو اس کے گھر کی طرف ٹٹولی باندھے کھڑا رہتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی نماز میں استقبال بیت کیا جاتا ہے۔

اور یہ معاملات جس طرح ناشی ہوتے ہیں محبت سے اسی طرح یہ منشا بھی ہو جاتے ہیں۔ محبت کے کسی لباس کو روزانہ بتکلف آنکھوں سے ملا کرو۔ دیکھو چند روز میں محبت کا ولولہ پیدا ہو جائے گا۔ کسی کے گھر پر روزانہ ایک دو گھنٹے بیٹھ کر چلے آیا کرو۔ چند روز میں اس گھر سے اور اس کے مالک سے محبت ہو جائے گی۔ یہ نری باتیں نہیں ہیں تجربہ کر کے دیکھ

لو۔ اسی طرح طواف بیت اللہ بعض تو محبت کے بعد کرتے ہیں اور بعضوں کو طواف کے بعد محبت حق پیدا ہو جاتی ہے غرض اس کی ضرورت عقلی تھی کہ کوئی چیز ایسی بنائی جاوے جس کے ساتھ اظہار محبت کا معاملہ کیا جاوے تاکہ انسان کو اس واسطے سے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو اور جس کو پہلے سے محبت ہو اس کی محبت قوی و دائم ہو کیونکہ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ غائب کے ساتھ توجہ اور محبت بلا واسطہ قائم نہیں رہتی۔ چنانچہ وہ چیز بیت اللہ ہے جس کے ساتھ محبت کا برتاؤ ظاہر کیا جاتا ہے اور چونکہ اس کو حق تعالیٰ کی طرف نسبت و اضافت ہے اور اس میں انوار و برکات بھی ہیں اس لئے بیت اللہ کے ساتھ اس برتاؤ سے خدا کے ساتھ تعلق و محبت پیدا ہوتا اور قوی و مستحکم ہو جاتا ہے۔ (الحج المبرور ۱۷)

## حقیقت حج

حج کی حقیقت مشاہدہ ہے۔ چنانچہ ابھی معلوم ہو جائے گا تو اب مجاہدہ کے بعد جو کہ عبادات رمضان میں مرعی ہیں مشاہدہ کا وقت ہے۔ شاید اس لئے رمضان کے متصل شوال ہی سے اشہر حج شروع ہو جاتے ہیں کیونکہ مجاہدہ کے بعد ہی ہدایت سبیل کا وعدہ ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا اور جو لوگ ہمارے راستہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے) اور میں بدلیل کہہ چکا ہوں کہ ہدایت سبیل اس آیت میں ایصال کو مستلزم ہے اور وصول الی المقصود ہی کو مشاہدہ کہا جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ مشاہدہ کا وعدہ مجاہدہ سے متصل ہے۔ اسی لئے اشہر حج رمضان سے متصل ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ گوج ذی الحجہ میں ہوگا اور یہ محض شاعری نہیں بلکہ بعض افعال حج بھی شوال ہی سے شروع ہو جاتے ہیں یعنی احرام کہ قبل شوال مکروہ ہے اور احرام تیاری ہے مشاہدہ کی۔ اور مشاہدہ کی تیاری بھی اسی کے حکم میں ہے تو اب رمضان کے بعد بلا رہے ہیں کہ آؤ مشاہدہ کرو اور ہم سے ملو اور وہ ملنا یہ ہے کہ جب تک تم ہمارے دیکھنے کے قابل ہو اس وقت تک ہمارے گھر کیساتھ وہی برتاؤ کرو جو ہمارے ساتھ کرتے۔ بجز مقصودیت و مسجدیت کے کہ اس کی اجازت نہیں یہ صرف ذی واسطہ کا حق ہے واسطہ کو مقصود و مسجد سمجھنا شرک و کفر ہے۔ باقی اور سب برتاؤ کی اجازت ہے۔

اسی لئے میں نے کہا تھا کہ حج کی حقیقت مشاہدہ ہے چنانچہ محبوب سے ملنے کے لئے عاشقانہ انداز سے تیاری کرتے ہیں احرام باندھتے ہی سرنگے ہو جاتے ہیں۔ سلے ہوئے کپڑے چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ عاشق کو یہ تکلفات کہاں سوجھتے ہیں کہ اچکن ہو کرتہ ہو۔ پا جامہ وہ تو ویسے ہی کپڑوں کو پلیٹ لیا کرتا ہے اس لئے احرام میں بھی چادر و لنگی پہنی جاتی ہے اور سر کھلا رہتا ہے مگر پیر نہیں ننگے ہوتے کیونکہ کانٹا وغیرہ لگنے کا اندیشہ ہے جس سے تکلیف کا خوف ہے تو وہ عاشق نواز بھی ہیں کہ اپنے عشاق کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔

دوسرے یہ بھی بتلا دیا کہ تمہارا عشق چاہے کتنا ہی زیادہ ہونا تمام ہی رہے گا۔ کامل کبھی نہ ہوگا۔ اس لئے نقصان ظاہر کرنے کو جوتہ نکالنے کا حکم نہیں کیا

ز عشق نا تمام ماجمال یار مستغنی است بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا  
(جمال محبوب ہمارے عشق و عرفان نا تمام سے مستغنی ہے جس طرح زیبا صورت کو رنگ و روپ خط و خال کی احتیاج نہیں ہے)

اسی لئے کھانے کی اجازت ہے ہاں وحشی کے شکار کی ممانعت ہے اور مچھلی کے شکار کی اجازت ہے نہانے کی اجازت ہے اور خوشبو لگانے خط بنوانے ناخن کترنے کی ممانعت ہے حالانکہ عاشق کو تو نہ مچھلی کے شکار کی فرصت ہوتی ہے نہ وحشی کے نہ نہانے کی فکر ہوتی ہے نہ حجامت کی۔ تو چاہیے تھا کہ ان سب افعال کی ممانعت ہو جاتی مگر ایسا نہیں کیا بلکہ بعض کی اجازت دی اور بعض سے روک دیا تا کہ معلوم ہو کہ ہمارا عشق نا تمام ہی رہے گا۔

غرض نفس حج کا مشروع ہونا تو عقلی مسئلہ ہے خود عقل اس کا تقاضا کر رہی ہے آگے افعال عاشقانہ ہیں ان کا عقلی ہونا ضروری نہیں۔

اور اگر اس بناء کا لحاظ کیا جاوے جس کی وجہ سے عقل مشروعیت حج کا تقاضا کر رہی ہے تو یہ افعال بھی عقلی اور سراسر مطابق عقل ہیں۔ کیونکہ مشروعیت حج کا منہی تو یہی ہے کہ کسی چیز کے ساتھ جس کو خدا تعالیٰ سے تعلق ہے ایسے افعال کئے جائیں جن سے تعلق بالغائب مستحکم و دائم ہو اور حق تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا ہو۔ اور یہ بناء تمام افعال حج میں موجود ہے کیونکہ وہ سب عاشقانہ افعال ہیں تو اب وہ بھی عقلی ہو گئے چنانچہ احرام و طواف کا عاشقانہ فعل ہونا تو معلوم ہو چکا۔

اب آگے چلو تو عاشق کبھی جنگلوں مارا مارا پھرا کرتا ہے اسی طرح حجاج کبھی منیٰ میں جاتے ہیں کبھی مزدلفہ میں کبھی صفا پر چڑھتے ہیں کبھی مروہ پر کبھی آہستہ چلتے ہیں کبھی دوڑ کر پھر

کبھی عاشق کو اپنے گھر سے نکال بھی دیا کرتے ہیں یا تو عتاب کی وجہ سے یا کسی حکمت کی وجہ سے۔ محبوب اگر حکیم ہو تو تجدید نشاط کیلئے کبھی عاشق کو اپنے سے الگ کر دیتا ہے کیونکہ ہر وقت ایک جگہ میں رہنے سے شوق کم ہو جاتا ہے اور ولولہ عشق فرو ہو جاتا ہے۔ اہل مکہ میں جو حکماء ہیں وہ تجدید نشاط کے لئے مکہ والوں کو باہر جانے کی ترغیب دیا کرتے ہیں تاکہ سفر میں کعبہ سے غیبت ہو تو پھر شوق تازہ ہو اور ولولہ پیدا ہو اسی طرح حجاج کو ایک دن حد حرم سے باہر جانے کا حکم ہوتا ہے یہ وقوف عرفہ ہے۔ رمی جمار کی یہ حکمت ہے کہ عاشق رقیب کے ڈھیلے پتھر مارا کرتا ہے۔ حجاج بھی شیطان کے جلانے کو خاص موقع پر پتھر مارتے ہیں گو شیطان رقیب نہیں کیونکہ حق تعالیٰ سے اس کو محبت نہیں مگر عشاق کے لئے مانع تو ہے۔ دشمن تو ہے۔ پھر جس طرح کہ عاشق محبوب کے سامنے نذر پیش کرتا ہے اسی طرح حجاج خدا کے نام پر قربانی کرتے ہیں جو ان کی جان کا فدیہ ہے۔ عشق کا مقتضا تو یہ تھا کہ اپنی جان کو نذر میں پیش کرتے مگر حق تعالیٰ عاشق نواز ہیں اس لئے جان کے عوض میں ان کے محبوب جانوروں کی جان کو قبول فرما لیتے ہیں اس کے بعد پھر دوبارہ مشاہدہ بیت کے لئے بلا تے اور طواف زیارت میں اظہار محبت کی اجازت دیتے ہیں۔ غرض اول سے آخر تک سب افعال عاشقانہ ہیں۔ (الحج البرور ۱)

## افعال حج کے اثرات

جب حق تعالیٰ نے ان افعال کو مشروع کیا ہے تو ان میں اثر بھی رکھا ہے اس کا مشاہدہ اس سے ہوتا ہے کہ بیت اللہ کے برابر کسی چیز کا دل پر اثر نہیں ہوتا۔ بیت اللہ کو دیکھ کر گھڑوں پانی آنکھوں سے امدتا ہے جس کو حج نصیب ہو وہ جا کر دیکھ لے آخر کوئی تو بات ہے حجاج جب لبیک کہتے ہیں تو پتھر بھی موم ہو جاتا ہے۔ دل پر ایک چوٹ لگتی ہے جب ننگے سر لنگی چادر پہنے ہوئے فقیر بادشاہ ایک صورت میں نظر آتے ہیں تو کفار کے دل پر بھی اثر ہوتا ہے کہ کس چیز نے سب کو برابر کر دیا۔ بس سب کا یہ حال ہوتا ہے کہ

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست  
(جامی تو بندہ عشق ہے نسب کو چھوڑ کر اس راستہ میں فلاں بن فلاں کوئی چیز نہیں ہے)  
عشق نے سب کو برابر کر دیا۔ نہ بادشاہ بادشاہ معلوم ہوتا ہے نہ غلام غلام سب ایک صورت میں ننگے سر ہوتے ہیں۔ سب کے بال بڑھے ہوئے ناخن لمبے لمبے ہیں اور گور رسول اللہ صلی



اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے جو جگہ مس کئے ہوئے ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے تو بیت اللہ سے بدرجہ اولیٰ بایں ہمہ روضہ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) (قبۃ خضرا) کو دیکھ کر جو حالت ہوتی ہے وہ اس قسم کے نہیں جو بیت اللہ کو دیکھ کر ہوتی ہے وہاں رونا محبت جمال سے ہوتا ہے اور یہاں محبت جلال سے۔ اور کیوں نہ ہو مشاہدہ بیت میں مشاہدہ رب البیت کا اثر کچھ تو ہونا چاہیے۔ پس حج کا حاصل یہ ہے کہ ایسے وسائط سے تعلق پیدا کیا گیا ہے جن سے تعلق مع اللہ کو قوت ہو عبارت دیگر یوں کہئے کہ اور تمام عبادات تو مجاہدہ ہیں اور حج مشاہدہ ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

حج زیارت کردن خانہ بود حج رب البیت مردانہ بود

(حج خانہ کعبہ کی زیارت کرنا ہوتا ہے حج رب البیت مردانہ ہوتی ہے)

جو لوگ طریق مجاہدہ کو صحیح طور پر طے کر چکے ہیں وہ واقعی صرف حج بیت نہیں کرتے بلکہ حج رب البیت کرتے ہیں ان کو ظاہری آنکھوں سے گودیدار نصیب نہ ہو مگر حج میں قلب سے ان کو مشاہدہ حق ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔

حج کا لفظ بھی اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ لغت میں حج کے معنی قدوم غلبہ کے بھی ہیں اور قدوم وصال کا ہم معنی ہے اور غلبہ کامیابی کا مرادف ہے۔ بس لفظ حج میں وصال و کامیابی پر دلالت ہے اور اس کو اصطلاح میں مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ ۱۲ اجامع حج کی حقیقت مشاہدہ ہونا خود اس کے نام سے ہی ظاہر ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ جس طرح لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھا دیں گے) میں سبیل کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اسی طرح حج کے بارے میں مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (جو شخص استطاعت رکھے اس کی طرف راستہ کی) فرمایا گیا ہے دونوں جگہ لفظ سبیل ہے مادہ ایک ہی ہے معلوم ہوا کہ جس مشاہدہ کا وعدہ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھا دیں گے) میں فرمایا ہے اس کا ظہور حج میں ہوتا ہے اشارہ کے لئے اتنا کافی ہے باقی مدلول نص تو میں اس کو کہتا نہیں خلاصہ یہ کہ اعمال رمضان مجاہدہ ہیں اور اعمال حج مشاہدہ ہیں اور مشاہدہ بعد مجاہدہ کے ہوا کرتا ہے اس لئے حج رمضان کے متصل مشروع ہوا۔ میں اسی اتصال زمانی کی وجہ سے اکثر رمضان کے بعد حج کا معمولاً بیان کیا کرتا ہوں۔ (الحج المبرور ۱۷)

## حج و رمضان میں باہمی مناسبت

اعمال رمضان سے جو محبت اور توجہ الی اللہ پیدا ہوتی ہے حج سے اس کا دوام

واستحکام کیا جاتا ہے۔ اجمالاً یہ مضمون میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ان وسائط سے محبت کو باقی رکھا گیا ہے۔ اس اجمال کی برکت سے یہ تفصیل میرے قلب پر وارد ہوئی کہ غائب کے ساتھ تعلق بلا واسطہ دائم نہیں رہ سکتا توجہ بلا واسطہ تھوڑی دیر ہوتی ہے پھر غائب ہو جاتی ہے اس لئے ایسے وسائط کو اختیار کیا گیا جن کے واسطہ سے یہ محبت اور توجہ دائم ہو جاوے۔

اس پر شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ پھر چاہیے تھا کہ حج ہر سال فرض ہوتا یا ہر شخص پر فرض ہوتا کیونکہ جب حج کو دوام محبت واستحکام توجہ الی اللہ کے لئے مشروع کیا گیا ہے تو لازم آتا ہے کہ جن لوگوں نے حج نہیں کیا بس ان کی محبت فنا ہو جائے گی دائم نہ رہے۔

جواب یہ ہے کہ جس طرح ان وسائط میں یہ دخل ہے کہ ان کو دیکھ کر محبت قوی ہوتی ہے اسی طرح ان وسائط کے تذکرہ میں بھی یہ اثر ہے اور ان عشاق کو دیکھنے میں بھی یہ اثر ہے جو ان کی زیارت کو جاتے ہیں چنانچہ ایک بڑے عارف فرماتے ہیں

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیس دولت از گفتار خیزد  
(عشق محض دیکھنے ہی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ اکثر یہ دولت محبوب کے تذکرہ اور گفتگو سے حاصل ہوتی ہے) صاحبو! مشاہدہ کر لو کہ جب کوئی حج کو جاتا ہے تو اس کو دیکھ کر مسلمانوں کا کیا حال ہوتا ہے دل پر ہر سال ایک نشتر سا لگتا ہے کہ ہائے ہم بھی جاتے اگر بیت اللہ کا وجود ہی نہ ہوتا تو یہ اثر کیوں کر ہوتا۔ پس بیت اللہ کی زیارت سے تو حجاج کی محبت قوی ہوتی ہے اور حجاج کو جاتے ہوئے دیکھ کر دوسروں کے دل پر جو نشتر لگتا ہے اس حسرت و شوق سے ان کی محبت قوی ہوتی ہے۔ پس بیت اللہ کی وہ شان ہے

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را بہوار باب معنی را  
(اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو اپنے حسن صوری سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جان کو اپنے حسن معنوی سے تروتازہ رکھتی ہے) صاحبو! حج کے تذکرہ میں بھی ایک تاثیر ہے جس سے دل اٹھتا ہے۔ یہ تو ان کا حال ہے جن کو حج نصیب نہیں ہوا اور جن کو ایک دفعہ نصیب ہو چکا ہے ان کا حال کچھ نہ پوچھو کہ ہر سال موسم حج میں ان کے دل پر کیا گزرتی ہے۔

غائبان را چوں نوالہ سے دہند حاضراں از غائبان لاشک بہ اند

(غائبوں کو جب لقمہ دیتے ہیں تو حاضر غائبوں سے بیشک بہتر ہیں) واللہ اکثر لوگ کلیجہ مشوش کر رہے ہو جاتے ہیں اور ہر دن یہ خیال ہوتا ہے کہ ہائے آج حاجی مکہ میں پہنچے ہوں گے کل کو منیٰ جائیں گے آج عرفات میں ہوں گے اب عرفات سے لوٹ رہے ہوں گے۔ یہی ایک عبادت ایسی ہے کہ ایک بار کر کے دوبارہ اس کو جی چاہتا ہے جو لوگ حج کر چکے ہیں ان کے دل سے پوچھو کہ وہ بار بار حج کرنے کی کیسی تمنا کرتے ہیں۔ (الحج المبرور ۱۷)

## حج و شہادت میں باہمی مناسبت

حج کی مثال شہادت جیسی ہے شہید بھی جنت میں یہ تمنا کرے گا کہ میں دوبارہ دنیا میں جاؤں اور خدا کے راستہ میں بار بار شہید ہوں بھلا اور تو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کامل بھی بار بار شہادت کی تمنا فرماتے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

وَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ اَحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ ثُمَّ اَحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلَ الْحَدِيثُ  
(تاریخ بغداد للخطیب البغدادی ۷/۷۴)

(میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستہ میں شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں ۱۲) آخر آپ کے دل پر کچھ تو گزرتی ہوگی جو یوں بار بار قتل کی تمنا فرماتے ہیں۔ یہی حال حج کا ہے کہ اس سے بھی دل کبھی سیر نہیں ہوتا۔ بیت اللہ میں کچھ خاصیت ہے کہ وہ دل کو کشش کرتا ہے۔ ملاحدہ یورپ بھی اس کشش کا انکار نہ کر سکے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل بھی کعبہ کی طرف کھینچتے ہوں گے چنانچہ ایک انگریز محقق نے لکھا ہے کہ جس طرح مقناطیس میں حدید کی خاصیت ہے اسی طرح حجر اسود میں جذب قلوب کی خاصیت ہے یہ لوگ برکت وغیرہ کے تو معتقد نہیں اسباب طبعیہ کے معتقد ہیں اس لئے اس بیچارہ نے اپنے مذاق کے موافق حجر اسود کی کشش کو بھی اسباب طبعیہ میں داخل کر دیا۔ خیر کچھ ہی ہو اس کا اقرار تو ان کو بھی ہے کہ حجر اسود قلوب کو کشش کرتا ہے خواہ سبب کچھ ہی ہو۔ اب یہ اشکال جاتا رہا کہ جو لوگ حج کو نہیں گئے کیا ان کی محبت زائل ہو جائے گی جواب کا حاصل یہ ہوا کہ بیت اللہ کا نام سن کر ہی ان کے دل میں زیارت کا ولولہ اٹھتا ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ تمنا حج سے کوئی مسلمان غالباً خالی نہ ہوگا۔ تو یہ ولولہ بھی ان کی محبت باقی رکھنے کے لئے کافی ہے۔ پھر حجاج کو دیکھ کر یہ ولولہ اور تیز ہو جاتا ہے جس سے محبت کو ترقی ہوتی ہے اور جو لوگ

ایک دفعہ حج کر چکے ہیں ان کی محبت باقی رکھنے کے لئے ایک ہی حج کافی ہے۔ دوبارہ فرضیت حج کی ضرورت نہیں کیونکہ بیت اللہ کی کشش کی وجہ سے ہمیشہ ان کے دل مشتاق زیارت رہتے ہیں اور ہر سال ان کے دل پر نشتر لگتا ہے یہی نشتر ان کی محبت بڑھانے کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور اگر دنیا میں بیت اللہ کا وجود نہ ہوتا اور کوئی اس کی زیارت کو نہ جاتا تو نہ حاضرین کی محبت بڑھتی نہ غائبین کی۔ اب اس کے وجود سے جانے والوں اور نہ جانے والوں سب کی محبت قوی ہو رہی ہے (بشرطیکہ دل میں کچھ ایمان کا اثر ہو اور جن کے دلوں پر محبت دنیا نے اتنا غلبہ کر لیا ہے کہ دین کا ان کو کچھ بھی خیال نہیں ان کا یہاں ذکر نہیں۔ گو کشش کعبہ سے ان کے قلوب بھی ضرور متاثر ہیں۔ مگر وہ اثر ایسا ہی ہے جیسے ملاحدہ یورپ کے قلب پر اس کا اثر ہے اور یہ ضعیف اثر محبت بڑھانے کے لئے کافی نہیں جامع ۱۲) (الحج البہرہ ج ۱۷)

## عاشق نوازی

عشق کا مقتضا تو یہ تھا کہ مشاہدہ محبوب کے لئے سب پر حاضر ہونا فرض کر دیا جاتا مگر حق تعالیٰ بڑے عاشق نواز ہیں۔ وہ اپنے عشاق کی راحت و آسائش کا بھی بہت لحاظ فرماتے ہیں اس لئے حج سب پر فرض نہیں کیا بلکہ ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا اور اللہ کے لئے لوگوں پر حج بیت اللہ واجب ہے اس پر جو بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اور طاقت سے یہ مراد نہیں کہ جوان ہو ہٹا کٹا ہو۔ فحش جوان ہونے پر فرضیت حج کا مدار نہیں کیونکہ بعض جوان پیدل نہیں چل سکتے۔ بلکہ استطاعت سبیل سے مراد زاد و راحلہ ہے یعنی جو سوار ہو کر آرام سے آ سکے اور آرام سے لوٹ سکے وہ آئے اور جو سواری پر نہ آ سکے اس کے ذمہ حج فرض نہیں۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی رعایت ہے کہ زاد و راحلہ کا خرچ حوائج اصلیہ ضروریہ سے زائد ہو اور مدت سفر تک یعنی جانے سے لوٹنے تک اپنے اہل و عیال کا خرچ بھی اس سے الگ دے سکے تب حج فرض ہوتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی رعایت ہے کہ راستہ میں امن ہو کوئی اس کو تنگ نہ کر سکے۔ خطرہ کا یقین یا احتمال غالب نہ ہو باقی اوہام کا اعتبار نہیں۔ جیسا بعض لوگ ذرا ذرا سی بات سن کر حج ملتوی کر دیتے ہیں سو خوب یاد رکھو کہ حج تو ہم خطرہ سے ساقط نہیں ہوتا ایسا کونسا سفر ہے جس میں خطرہ کا وہم بھی نہ ہو۔ یوں تو سہارنپور سے مظفر نگر تک بھی خطرہ ہے کہ شاید ریل



لڑ جائے اور کبھی کبھی ایسے واقعات ہو بھی جاتے ہیں۔ مگر شاذ و نادر جن کا کوئی اعتبار نہیں کرتا تو ایسے اوہام کا حج میں بھی اعتبار نہیں بحمد اللہ آج کل حج میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ہاں سفر مدینہ میں کچھ خطرات بعض دفعہ بڑھ جاتے ہیں۔ سو وہ سفر مستحب ہے مستحب کی وجہ سے فرض کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ غرض فرضیت حج میں امن طریق بھی شرط ہے۔ یہ اتنی رعایتیں اس لئے ہیں کہ ہمارا عشق ناتمام ہے اگر راستہ میں خرچ کے کم ہو جانے سے کوئی تکلیف پیش آئی یا کسی نے تنگ کر دیا تو رہا سہا عشق بھی جاتا رہے گا۔ جیسے ایک شخص کی حکایت ہے کہ وہ روز ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ مجھے کھینچ۔ ایک مسخرے نے سن لیا اس نے یہ حرکت کی کہ ایک دن سویرے سے درخت پر رسی لے کر جا بیٹھا۔

جب اس نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے کھینچ تو اس نے آہستہ نرم آواز سے کہا کہ اے میرے بندے یہ رسی اپنے گلے میں ڈال لے میں کھینچ لوں گا۔ اور رسی میں پھانسی بنا کر لٹکا دی۔ یہ بڑا خوش ہوا کہ دعا قبول ہو گئی بس آج میں اللہ میاں کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ (مسخرہ نے تدبیر تو خدا تعالیٰ کے پاس پہنچانے ہی کی تھی گلا گھٹ کر مر جاتا تو خدا تعالیٰ کے پاس ہی پہنچتا ۱۲) اس نے خوشی خوشی رسی گلے میں ڈال لی۔ اس نے کھینچنا شروع کیا جب یہ زمین سے ایک دو بالشت بلند ہوا تو رسی گلے میں پھنسی اور گلا گھٹنے لگا تو تڑپ گیا اور کہنے لگا اے اللہ مجھے مت کھینچ میں نہیں کھینچتا۔ بس ذرا سی تکلیف میں سارا عشق ختم ہو گیا۔ یہی حال ہمارا ہے کہ محبت کے سارے دعوے اسی وقت تک ہیں جب تک آرام سے گزر رہی ہے اور جہاں تکلیف پہنچتی ہے بس عشق و محبت سب جاتا رہا دوسرے ان رعایتوں میں یہ بھی نکتہ ہے کہ عاشق کامل و عاشق ناقص کا کمال و نقصان چھپا رہے اگر زاد و را حلہ کی قید نہ ہوتی تو ہمت والے جاتے اور کم ہمت نہ جاتے اس وقت یہ لوگ رسوا ہو جاتے کہ ان میں خدا تعالیٰ کی محبت نہیں ہے فرض کو ترک کر رہے ہیں۔ اب رسوا نہیں ہوتے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس زاد و را حلہ نہیں اس لئے نہیں گئے۔ ہمارے ذمہ حج فرض ہی نہیں۔ (الجمہور ج ۱۷)

## پیدل سفر حج

بعض خشک مولوی ان لوگوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ پیدل سفر کرنا اور نفس کو مشقت میں ڈالنا جائز نہیں مگر ان لوگوں نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی

وَإِذْ فِي النَّارِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ  
 ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو تو وہ آپ کے پاس  
 پیدل چل کر آئیں گے اور دہلی اونٹنیوں پر بھی سوار ہو کر آئیں گے۔

اس میں بتلادیا گیا کہ بعضے عشاق پیدل بھی حج کو جائیں گے اگر پیدل سفر کرنا  
 مطلقاً ممنوع ہوتا تو قرآن میں رجالاً کا بلا تکیر ذکر نہ ہوتا اور ذکر بھی کیسا کہ پیدل آنے  
 والوں کو سواروں سے پہلے ذکر فرمایا۔

اور بات یہ ہے کہ نفس کو مشقت میں ڈالنا بیشک ممنوع ہے لیکن اگر کسی کو اس میں مشقت ہی  
 نہ ہو بلکہ لذت آوے تو پیادہ چلنا اس کے لئے القاء نفس فی العہلک (نفس کو ہلاکت میں  
 ڈالنا) کہاں رہا۔ خوب سمجھ لو۔ غرض حج کی حقیقت مشاہدہ ہے اور اس بناء پر لَنَهْدِيَنَّهُمْ  
 مَسْجِدَنَا (ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے) میں حج کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

## حج سے تسخیر طبیعت

عقل اور طبیعت کے آثار میں تفاوت ہے۔ عقل کا مقتضی یہ ہے کہ نفس عبادت کا  
 اہتمام ہو اور قیود اور بینات کا اہتمام بالکل نہ ہو اس لئے کہ عقل تجرد کو چاہتی ہے اور تعینات  
 اور تشخصات سے اس کو تنفر ہے اور طبیعت چونکہ محسوسات سے مالوف ہے اس لئے اس کو قیود  
 اور بینات و تعینات سے انس ہے اور جس شخص میں تجرد ہو اس کو الفت و انس نہیں ہے۔ مثلاً  
 نماز ہے اس کی روح خشوع اور خضوع ہے تو عقل محض اس معنی سے آشنا ہے اور جو قیود اس  
 کے علاوہ ہیں وہ دو قسم ہیں ایک تو وہ ہیں جو نماز کے مقام اور محقق ہیں جیسے رکوع اور سجدہ عقل  
 کو ان سے بھی گریز نہیں۔ اس لئے کہ یہ سب خشوع اور خضوع کی صورتیں ہیں اور اسی  
 طہارت کی قید سے بھی اس کو انکار نہیں اور دوسری قسم قیود کی وہ ہیں جو زائد اور خارج ہیں  
 جیسے مکان خاص یا زمان خاص عقل اس قسم کی قیود کو تجویز نہیں کرتی ایسے قیود طبیعت کا حظ  
 ہیں۔ اسی واسطے میں نے کہا تھا کہ نماز کے اندر عقلیت کی شان کا غلبہ ہے اور طبیعت مغلوب  
 ہے پس عقل ایسی عبادت کی مجوز ہے جو زمان اور مکان کی قید سے مبرا ہو جیسے ذکر اللہ کہ کسی  
 وقت کے ساتھ مقید نہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَرُكُوعًا  
 کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل حین لیکن طبیعت کی

رعایت کر کے بعض عبادتوں میں قیدیں لگائی گئی ہیں اس لئے کہ طبیعت کا تعلق جزئیات محسوسہ سے ہے اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ ہر قسم کی قید ہو پس جو عبادت عقل کی تسخیر کے لئے ہیں ان میں قیدیں نہ ہونی چاہئیں۔ اور جو طبیعت کی تسخیر کے لئے ہیں ان میں قیود ہونا ضروری ہے اس لئے ہر قسم کی عبادتیں حق تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں۔

اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ قیود کی تین قسمیں ہیں۔ اول قید زمان، دوسرے قید مکان، تیسرے علاوہ ان دونوں کے کوئی قید مناسب ہو۔ ان تینوں قسموں کے درمیان جو غور کر کے دیکھا جاتا ہے تو زمان کی قید عقل سے اتنی بعید نہیں ہے جس قدر کہ مکان کی قید بعید ہے۔ اس لئے کہ زمان بھی ہر چند کہ قید ہے لیکن وہ ایسی قید ہے کہ اطلاق کے مناسب ہے اس لئے کہ زمان خود ایک ایسی شے ہے کہ اس کے اندر ایک قسم کا اطلاق ہے خواہ فلاسفہ کے قول کے موافق فلک الافلاک کی حرکت کو کہا جائے یا متکلمین کے قول کے موافق ایک امتداد موہوم سے تعبیر کیا جائے۔ ہر صورت میں زمانہ ایک ایسی شے ہے کہ اس میں اطلاق کی مشابہت ہے پس اس قید سے بھی عقل کو زیادہ انکار نہیں ہے۔ باقی رہی قید مکان کی یا وہ قید جو محسوس ہونے میں مکان کی طرح ہو اس سے عقل کو بالکل انکار ہے وہ خالص طبع کے موافق ہے۔ پس حج چونکہ بیت کی طرف مضاف ہے اور بیت نام ایک مکان خاص کا ہے اس لئے یہ عبادت طبع کی تسخیر کے لئے ہوئی اور عقل اس کو بالکل تجویز نہیں کرتی ہے۔ (الہندیہ ج ۱۷)

## مجاہدہ حج

حج کو اول سے آخر تک دیکھ لیجئے کہ اس کے سب افعال ایسے ہی ہیں دیکھئے سب سے پہلے حج میں کیا ہوتا ہے سب سے اول یہ ہوتا ہے کہ اپنے گھر آرام سے اپنے اہل و عیال اور عزیزوں میں بیٹھے ہوئے ہیں دل میں آیا کہ حج کریں سفر کی تیاری ہوئی عقل یہاں سے ہی مانع ہوتی ہے کہ کیا ضرورت ہے۔ خصوصاً جبکہ عقل نے یہ اشعار بھی سن لئے ہیں

اے قوم حج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید

(اے حج کو جانے والی قوم کہاں جا رہے ہو؟ آؤ محبوب اس جگہ ہے)

حالانکہ یہ شعر خاص ان لوگوں کے واسطے ہے جو حج کر کے خدا سے اور زیادہ دور ہو جاتے ہیں یعنی پاس کچھ نہیں ہے اور شوق ہوا حج کا چل دیئے اور راستہ میں نمازیں قضا کر

رہے ہیں اور لوگوں سے بھیک مانگ رہے ہیں ایسے لوگوں کو خطاب ہے کہ محبوب تو یہاں ہی ہے یعنی اس کی مرضی نہیں ہے کہ تم وہاں جاؤ اور مرضیات کے خلاف کرو غرض عقل اول ہی سے سدراہ ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ حضرت حق تو مقید مکان کے ساتھ نہیں تم وہاں جا کر کیا کرو گے۔ غرض عقل کو سخت گنجلک ہوتی ہے۔

یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ آج کل جو بعض عقل پرست حج پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ عقل کے خلاف ہے اس امر کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور اسی کو ہم ثابت کرتے ہیں کہ واقعی عقل کے خلاف ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ عقل جس بات کو تجویز نہ کرے وہ ضروری نہیں ہے یہ عبادت طبع کی تسخیر کے لئے ہے اور اس کا تسخیر کرنا ضروری ہے کما مر۔

اب آگے چلے آگے یہ ہوتا ہے کہ اچھے خاصے آدمیوں کی صورت سے نکل کر یہ وحشت ہوئی کہ سب کپڑے اتار دیئے صرف ایک لنگی باندھ لی اور ایک چادر بدن پر اوڑھ لی اور سر ننگا کر لیا۔ یہاں بھی عقل کو وحشت ہوئی کہ ہائیں یہ کیا ہوا یہ کون سی عقل کی بات ہے کہ ننگے سر ہو اور اچھے خاصے کپڑے اتار کر مردوں کا سا کفن بدن سے لپیٹ لیا۔

اس کے بعد دو رکعت پڑھ کر چلانا شروع کیا۔ لبیک اللہم لبیک اب عقل پھر روکتی ہے کہ یہاں چلاتے کیوں ہو یہ تم کو کیا سودا ہوا۔ لیکن وہ ایک نہیں سنتا۔ اس کے بعد آگے چلے جب خانہ کعبہ پہنچے اور اس کو دیکھا تو آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو جاری ہو گئے۔ عقل کہتی ہے کہ باؤ لے کیوں ہو گئے روتے کیوں ہو؟ آگے بڑھے تو کیا سوچھی کہ دیوانوں کی طرح ایک مکان کے چاروں طرف پھر رہے ہیں اور پھر یہ حرکت کہ آپ دوڑتے ہیں اور شانے ہلاتے جاتے ہیں۔ عقل کہتی ہے کہ بس جی بالکل ہی دیوانگی آ گئی اور وہ جواب دیتا ہے

ما اگر فلاش و گر دیوانہ ایم      مست آں ساقی و آں پیانہ ایم  
اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد      مرعس را دید و درخانہ نشد

(ہم اگر مفلس اور دیوانہ ہیں تو ہم اس ساقی اور پیانہ سے مست ہیں)

(وہ دیوانہ دراصل دیوانہ نہیں ہے جو اتنی کششیں دیکھنے کے بعد گھر نہیں آتا)

غرض عقل وہاں لنگڑی، لنگی کھڑی تکتی ہے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ اس بھلی مانس سے کوئی پوچھے کہ تو یہاں آئی کیوں۔ اس کو مناسب تھا کہ یہ یہاں نہ آتی۔ لیکن طبیعت سے پوچھو وہ



باغ باغ ہے اور عقل کو ملامت کرتی ہے کہ تو یہاں کیوں آئی یہاں تیری دعوت نہیں ہے یہاں تو ہماری دعوت ہے تو یہاں محض طفیلی ہے ایک طرف چکی کھڑی رہ اگر ذرا دم مارا تو کان پکڑ کر نکال دی جائے گی۔ خیر عقل بے چاری چپ ہو گئی اس نے اور صبر کیا خیر۔

وہاں سے پھر پھرا کر صفامروہ کی طرف گئے وہاں کیا حرکت کی کہ اچھے خاصے متانت کے ساتھ چلتے چلتے میلین اخضرین کے درمیان ایک دم سے بھاگے۔ عقل کو سخت وحشت ہوئی پھر ایک دفعہ نہیں سات مرتبہ یہی کیا۔ اس کے بعد خیر عقل نے مغلوب ہو کر تسلیم کر لیا کہ یہ اللہ میاں کا گھر ہے یہاں ایسے ہی افعال مناسب ہیں اس کے بعد آٹھویں تاریخ جب آئی تو عرفات کو چلے عقل یہاں بھی روکتی ہے کہ میاں یہ کیا وحشت ہے۔ اللہ میاں کے گھر کو چھوڑ کر جنگل کیوں چڑھ گئے پھر وہاں کوئی شے نہیں محض ایک میدان ہے اور وہاں جا کر کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا۔ ایک نماز تھی جو عقل کا حظ تھا وہ بھی اپنے وقت پر نہیں ہے۔ یعنی عصر کی نماز اس روز ظہر کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ خیر عقل نے جوں توں کر کے تمام دن گزارا۔ اب مغرب کا وقت آیا عقل کہتی ہے کہ نماز پڑھو لیکن نماز نہیں پڑھتے اس لئے کہ اس روز مغرب کی نماز مزدلفہ میں جا کر عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہے مغرب کا وقت گزر رہا ہے اور عقل سخت بیچ و تاب میں ہے کہ یہ کیا اسرار ہے کہ نماز بھی اڑ گئی۔ عقل اس پارلیمنٹ سے بالکل علیحدہ ہے اس کے بعد منی میں پہنچے وہاں تین پتھر ہیں ان کو کنکریاں مارو یہاں بھی عقل منع کرتی رہی کہ یہ کیا دیوانگی ہے پھر جانور ذبح کرو۔ ذبح خود عقل کے خلاف نہ کہ اس شان کے ساتھ۔ اس کے بعد سرمنڈاؤ اچھے خاصے تھے سب کے سر کدو سے نکل آئے۔ اور عورتوں کے لئے بجائے سرمنڈانے کے تھوڑے سے بالوں کو کترانا ہے اس لئے کہ عورتوں کے سر کے بال مردوں کی داڑھیوں کے قائم مقام ہیں جیسے مردوں کی زینت داڑھی سے ہے عورتوں کی زینت سر کے بالوں سے ہے۔ اس لئے حج اور غیر حج کسی وقت ان کا بالکل کتر ڈالنا یا مونڈنا جائز نہیں۔

اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں ان کو چاہیے کہ عورتوں کے سر کے بال منڈایا کریں۔ اس لئے اگر داڑھی کے منڈانے سے ان کے زعم میں زینت ہوتی ہے تو عورتوں کے سر کے بال منڈانے سے بھی ہونی چاہیے۔

غرض حج کے جس قدر افعال ہیں اول سے آخر تک سب عقل کے خلاف ہیں۔ اس

لئے کہ اس مجاہدہ میں عقل کی رعایت نہیں ہے طبیعت کے مذاق کے موافق ہے اس لئے کہ طبیعت قیود مکانیہ کو مقتضی ہے یہ تو اجمالی بیان تھا۔ حج میں رعایت طبیعت کا۔ (الہدیب ج ۱۷)

## حج سے ازدیاد محبت

حق تعالیٰ کی محبت اور عبد کی محبت میں اتنا فرق ہے کہ عبد کی محبت کا تو آثار سے شور و غل ہو جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی محبت مثل حق تعالیٰ کے پوشیدہ ہوتی ہے

عشق معشوقاں نہاں ست دستیر      عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر  
لیک عاشق عاشقاں تن رہ کند      عشق معشوقاں خوش و فرہ کند  
عشق من پیدا و معشوقم نہاں      یار پیروں فتنہ اور درجہاں  
(معشوق کا عشق پوشیدہ اور پہنچ سے باہر ہے اور عاشق کا عشق سوانقاروں اور شور کے ساتھ ہوا کے درستی پر ہے عاشق کا عشق تن کو گھلاتا ہے اور معشوق کا عشق خوشی اور فرہ بھی کا باعث ہے میرا عشق تو ظاہر ہے اور میرا معشوق پوشیدہ۔ دوست تو باہر ہے اور اس کا فتنہ پورے عالم میں ہے) اور حج سے محبت کا بڑھنا ایک ایسا امر ہے کہ ہر مسلمان اس کو سمجھتا ہے چنانچہ ہر شخص اپنے قلب میں بیت اللہ شریف کی طرف ایک کشش اور انجذاب محسوس کرتا ہے اور جو وہاں گئے ہیں ان سے پوچھ لو کہ کیا حالت ہوتی ہے کہ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی دل بے قابو ہو جاتا ہے اور بالاضطرار آنسوؤں کا مینہ برسنے لگتا ہے اور یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ خانہ کعبہ پر ضرور کوئی جلوہ گر ہے ورنہ ایک تعمیر میں رولانے کا اثر کیا معنی

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں      کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں  
یہ ضروری بات ہے کہ حق تعالیٰ مقید بالمكان نہیں ہے لیکن مکان کے ساتھ ایک بے کیف اتصال اور تعلق ضرور ہے لیکن وہ اتصال ایسا نہیں کہ جس کی ہم کیفیت یا کمیت بتلا سکیں مولانا اسی مضمون کے متعلق فرماتے ہیں

اتصال بے تکلف بے قیاس      ہست رب الناس را باجاناں ناس  
(اللہ کے لوگوں کے ساتھ ہونے کی کیفیت کو نہ بیان کیا جاسکتا ہے نہ کسی پر قیاس۔ اتنی بات ہے کہ لوگوں کا رب ان کی جانوں کے ساتھ ہے) اور مولانا کعبہ کی نسبت فرماتے ہیں  
کعبہ راہر دم تجلی میفرود      ایں زاخلاصات ابراہیم بود

(کعبہ پر ہر دم تجلیات بڑھتی جا رہی ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کی وجہ سے ہے) اور یہ تجلیات اگر نہ ہوتیں تو اس میں کیا تھا۔ مثل دیگر ممکنہ کے وہ بھی ایک مکان تھا پس حجاج دراصل حج البیت نہیں کرتے بلکہ حج رب البیت کرتے ہیں مولانا فرماتے ہیں

حج زیارت کردن خانہ بود حج رب البیت مردانہ بود  
(حج خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کا نام ہے حج مردانہ دراصل رب البیت کی زیارت کا نام ہے) یہ حج کے اسرار ہیں جو بزرگوں کے کلام سے اول کتاب اور سنت کے اشارات سے میں نے بیان کئے ہیں۔ (المہذب ج ۱۷)

## خاصیت حج

حدیث میں آیا ہے کہ حج مبرور سے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں عشق کا خاصہ یہی ہے کہ اس سے ماسوا محبوب کے سب فنا ہو جاتے ہیں۔ عشق کی مثال آگ جیسی ہے کھیت میں اگر جاڑ جھنکار ہوں تو ایک کو اگر اکھاڑا جاوے تو بہت مدت صرف ہوگی اور اگر آگ لگا دو تو ایک دم سے سب جل بھن کر خاک سیاہ ہو جائیں گے۔ یہی حال آتش عشق کا ہے کہ ماسوا کو سوخت کر دیتی ہے۔ اور یہ وہ آگ ہے کہ پل صراط پر جب مومن کا گزر ہوگا تو نار دوزخ کہے گی جزیا مومن فان نورک اطفأ ناری یعنی اے مومن جلدی گزر جا تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا۔ بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ اس نور سے مراد آتش عشق ہے حاجی صاحب کا شعر ہے

اگر ظاہر کروں سوز جگر کو کروں شرمندہ دوزخ کی شرر کو  
مولانا فرماتے ہیں

عشق آں شعلہ است کوچوں بر فروخت ہرچہ جز معشوق باشد جملہ سوخت  
(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑک اٹھتا ہے معشوق کے علاوہ ہر چیز کو جلا دیتا ہے)  
اور گناہ بھی ماسوا میں داخل ہیں وہ بھی سوخت ہو جاتے ہیں اس لئے ارشاد فرمایا کہ حج کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہو یہ حاصل ہے حج کا اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حج کا خاصہ کیا ہے چنانچہ حج کرنے والوں کو دیکھا جاتا ہے کہ بعد حج کے ان پر محبت کا رنگ غالب ہو جاتا ہے اگر کوئی عارض مانع نہ ہو گیا۔

اب ایک شبہ رہ گیا وہ یہ ہے کہ جس کو حج کی استطاعت نہ ہو تو وہ ناقص رہے گا۔ اس لئے کہ طبیعت اس کی مسخر نہ ہوگی۔ اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ

حج سے تسخیر کامل ہوتی ہے اور نماز روزہ سے اس قدر نہیں ہوتی۔ گورفتہ رفتہ بتدریج کمال حاصل ہو جائے لیکن حج سے دفعتاً ہو جاتی ہے ایسی مثال ہے جیسے کسی لکڑی کو آہستہ آہستہ کاٹو تو مدت کے بعد وہ کٹ جائے گی۔ اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ دفعتاً کٹ جائے پس نماز روزہ سے بتدریج طبع پر اثر ہوگا اور حج سے فوراً رنگ بدل جائے گا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ گو حج نہ کرے لیکن نیت بلکہ شوق ہو تو ہر مومن کو ثواب حج کا ہوتا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ نیت المومن خیر من عملہ (المعجم الکبیر للطبرانی) (مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے) پس وہ بھی مثل حج کرنے والے ہی کے ہوگا اور اس کے شوق اور دوسری عبادات کے شوق میں بھی فرق ہے اس کا شوق سب سے بڑھ کر ہے چنانچہ دیکھ لو کہ ساری دنیا کے مسلمان حج کے شوق میں مٹے ہوئے ہیں اگر ذرا تذکرہ آ جاتا ہے تو ہر مسلمان تمنّا ظاہر کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو نصیب فرمائے یہ تو ان کا حال ہے جن کو نصیب نہیں ہوا اور جو مشرف ہو چکے ہیں ان کا ایک مرتبہ بلکہ دس مرتبہ سے بھی جی نہیں بھرتا۔ جتنی مرتبہ بھی جاؤ گے جی نہ بھرے گا پھر دل چاہے گا کہ جائیں۔ پس ایسا شوق بھی نایب ہو جاتا ہے۔ اصل کا۔

ایک شبہ اور ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نماز میں بھی تو قید مکان کی ہے کہ مسجد میں پڑھتے ہیں پس چاہیے کہ اس سے اسی درجہ کی تسخیر طبع کی ہو جواب یہ ہے کہ مسجد کی قید نماز میں فضیلت کی ہے نفس صلوٰۃ بغیر اس قید کے بھی ہو جاتی ہے بخلاف حج کے کہ وہ اس مکان کے بدوں متحقق نہیں ہوتا اور قید بھی ایسی عجیب و غریب ہے کہ وہ قید بھی خود مقید ہے۔ (الہدیب ج ۱۷)

## تشبیہ بالحج

اور اسی تقریر سے قربانی کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی کہ وہ ہماری جان کے قائم مقام ہے باقی اور مقامات پر جو سب مسلمان قربانی کرتے ہیں تو اس کا راز یہ ہے کہ حج کے برکات تو انہیں کو حاصل ہوتے ہیں جو حج سے مشرف ہوتے ہیں اور جو وہاں جانے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ اس کے برکات سے محروم تھے اس لئے حق تعالیٰ نے حج کا ایک جزو ان پر واجب کر دیا کہ تشبیہ بالحج سے ان کو بھی ان برکات کا ایک حصہ نصیب ہو جائے اور نیز اول بیان کیا گیا ہے کہ قربانی بھی منجملہ ان مجاہدات کے ہے جو طبیعت کی تسخیر کے لئے ہیں۔ اور طبیعت کی تسخیر کی ہر ایک کو ضرورت ہے اس لئے سب کو یعنی غیر حج کو بھی قربانی کا حکم ہوا اور یہ سنت ابراہیمی ہے۔ (الہدیب ج ۱۷)



## سفر حج میں اہتمام نماز

مثلاً بعض لوگ حج کے سفر میں نماز چھوڑ دیتے ہیں اور جو کوئی ان سے کہتا ہے کہ بھائی یہ کیسا حج ہے کہ نماز ہی موقوف کر دی تو کہتے ہیں کہ صاحب ایسی گندی حالت میں نماز کیسے پڑھیں۔ جہاز کے پانچانہ غلیظ ہوتے ہیں چھینٹیں اڑ کر کپڑوں پر آتے ہیں کپڑوں کا کیا اعتبار جو توں کا کیا اعتبار خدا فقہا کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے وسوسہ کو اس قدر قطع کیا ہے کہ کوئی کیا قطع کریگا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب تک قسم کھا کر نہ کہہ سکے کہ میرا وضو ٹوٹ گیا اس وقت تک وہ با وضو ہے اسی طرح کپڑوں کا حکم ہے جب تک یقین نہ ہو جائے کہ ان میں ناپاکی لگ گئی ہے اس وقت تک کپڑوں کو پاک سمجھنا چاہیے خواہ کیسی ہی پاخانہ غلیظ ہوں احتیاط کر کے بیٹھو اور احتیاط سے اٹھو جب تم کو ناپاکی کپڑوں پر نظر نہیں آتی ان کو پاک ہی سمجھو۔ لیجئے شریعت میں کس قدر آسانی ہے اب بھی اگر کوئی نمازیں برباد کرے وہ خود بھگتے۔ (الحج المبرور ۱)

## حج کی لڑائی

ایک معصیت خاص حج کے متعلق زیادہ پیش آتی ہے کہ گھر سے نکل کر لڑنا شروع کر دیتے ہیں چنانچہ حج کی لڑائی مشہور ہے۔ اچھے اچھے دوستوں بلکہ باپ بیٹوں میں بھی لڑائی ہو جاتی ہے اور پیر مرید کا تعلق حالانکہ باپ بیٹے سے بھی زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر حج میں پیر مرید کو بھی لڑتے دیکھا ہے۔ مگر کمال یہ کہ پیر پھر بھی ان سے خفا نہ تھے۔ (الحج المبرور ۱)

## حج کی رقم میں احتیاط

بعض لوگ ایک کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ رقم کی بابت احتیاط نہیں کرتے۔ رشوت وغیرہ کی رقم لے کر حج کو جاتے ہیں کبھی اور کوئی حرام کمائی ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے رب شعث اغبر یطیل سفرہ و ملبسہ حرام و ما کله حرام یرفع یدہ یدعو اللہ فان یرفع یدہ یرفع یدہ یرفع یدہ (لم اجد الحدیث فی موسوعۃ) بہت سے پراگندہ بال خستہ حال آدمی جو لمبا سفر کرتے ہیں ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعائیں کرتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ لباس بھی حرام کا ہے اور غذا بھی حرام ہے پھر ان کی دعا کیونکر قبول ہو اس سے معلوم ہوا

کہ حرام کمائی کے ساتھ دعا قبول نہیں ہوتی اور دعا بھی عبادت ہے تو اسی سے دوسری عبادات کا حال بھی سمجھ لیا جائے کہ اور عبادات بھی حرام مال سے اگر کی جائیں گی قبول نہ ہوں گی۔ پس حرام کمائی کے ساتھ حج بھی قبول نہ ہوگا اس لئے اس کا بہت خیال کرنا چاہیے کہ زاد و راحلہ اور روپیہ وغیرہ حرام مال سے نہ ہو حلال کمائی ہونی چاہیے۔

## مال حرام سے حج

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ حرام مال کما کر جاتے ہوئے دوسرے شخص کے حلال مال سے اس کو بدل لیتے ہیں گویا خدا سے بہانہ کرتے ہیں مگر اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ بد لین کا حکم ایک ہی ہوتا ہے اس بدلنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حلال مال بھی حرام ہو جاتا ہے۔ کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ فقہاء نے بھی تو ایسا حیلہ لکھا ہے جواب یہ ہے کہ اول تو وہ حیلہ اس طرح نہیں جس طرح تم کرتے ہو کہ حلال و حرام کا ادلہ بدلہ کرتے ہو وہ حیلہ دوسرا ہے۔ دوسرے فقہاء نے وہ حیلہ بھی اس لئے نہیں لکھا کہ اس کے سہارے سے حرام مال کمایا کریں اور اس کو اپنے تصرف میں لایا کریں۔ فقہاء نے وہ حیلہ صرف اس واسطے بیان کیا ہے کہ اگر کسی وقت کسی کے پاس ایسی رقم آ جاوے جو گانے والے نے تو حرام طریقہ سے کمائی ہو مگر اس کے پاس حلال طریقہ سے آئی ہو مثلاً کسی کو میراث میں رقم مل گئی اور مرئی والا سود خور رشوت خور تھا۔ اب یہ پتہ نہیں کہ یہ ساری میراث سود اور رشوت ہی کی ہے یا بالکل حلال ہے یا دونوں قسم کا روپیہ ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ رشوت کس کس سے لی تھی اس صورت میں آسانی کے لئے وہ صورت بیان کر دی ہے۔ باقی جس نے خود رشوت لی ہے اور وہ جانتا ہے کہ فلاں فلاں سے میں نے رشوت لی ہے۔ اس کو اس حیلہ پر عمل کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ جس سے رشوت لی ہے اس کو رقم واپس کر دے اور جس سے سود لیا ہے اس کو سود واپس کر دے پھر اس کے بعد دیکھے کہ حلال آمدنی کتنی بچتی ہے اگر اس میں حج کر سکے تو حج کو جائے ورنہ اس پر حج فرض ہی نہ ہوگا۔

## حج میں فخر و شیخی

ایک کوتاہی حج میں یہ ہوتی ہے کہ اکثر لوگوں کو افتخار و اشتہار کی عادت ہوتی ہے جہاں بیٹھتے ہیں اپنے حج کے تذکرے کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو حاجی سمجھیں لوگوں سے

فخر اُ کہتے ہیں کہ میں نے سفر حج میں اتنا روپیہ خرچ کیا مکہ میں اتنا دیا۔ مدینہ میں اتنا خیرات کیا۔ یقول اهلک مالاً لبدأ حق تعالیٰ کفار کی مذمت میں فرماتے ہیں کہ کافر خرچ کر کے گاتا پھرا کرتا ہے کہ میں نے مال کے ڈھیر خرچ کر دیئے یہ وہ معاصی ہیں کہ خشک مولوی بھی یہاں تک نہیں پہنچتے۔ حج میں افتخار اور اشتہار اور تعظیم و تکریم کی خواہش نہ ہونی چاہیے اس میں تواضع و مسکنت ذلت و خواری ہونی چاہیے۔ (الحج المبرور ۱)

## سفر حج سفر آخرت ہے

یہ سفر سفر آخرت کے مشابہ ہے کہ اپنے گھر بار زمین جائیداد وغیرہ کو چھوڑ کر اقربا سے رخصت ہو کر جاتا ہے اور تھوڑا سا سامان ساتھ لیتا ہے جیسا کہ مردہ سب سامان چھوڑ کر صرف کفن ساتھ لے جاتا ہے بلکہ بعض حاجی بھی اس خیال سے کہ موت ہر اک کے ساتھ ہے نہ معلوم کس وقت موت آ جائے کفن بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور عوام تو اس کو بہت ہی ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ کفن ساتھ لے کر بھی وہ کام نہیں کرتے جو کفن پہننے والے کو کرنے چاہئیں۔ جب کفن ساتھ لیا تھا تو چاہیے تھا کہ اپنے آپ کو اسی وقت سے مردہ تصور کرتے اور ساری شیخی اور تکبر کو یہیں چھوڑ جاتے اور پہلے سے زیادہ اعمال آخرت کے لئے کوشش کرتے مگر کچھ نہیں یہ کفن ساتھ لینے کی بھی ایک رسم ہو گئی ہے ورنہ بعض لوگ سفر حج میں پہلے سے گناہ کرنے لگتے ہیں نماز چھوڑ دیتے ہیں جماعت کا اہتمام تو اچھے اچھے بھی نہیں کرتے اور لڑائی جھگڑا کرتے ہیں اور حج کر کے اپنے کو سب سے افضل سمجھنے لگتے ہیں کیا سفر آخرت کی بھی یہی شان ہونی چاہیے۔

سفر حج اس اعتبار سے بھی قبر کے مشابہ ہے کہ جس طرح قبروں میں کبھی دو آدمی پاس پاس دفن ہوتے ہیں مگر ہر اک کا جدا حال ہوتا ہے کوئی راحت میں ہے کوئی عذاب میں اور ایک کو دوسرے کے حال کی خبر نہیں ہوتی۔ اس طرح حج میں ایک شگفتہ ہے ایک دیگر ہے اور ہر ایک کو اپنی اپنی فکر ہوتی ہے دوسرے کی فکر کسی کو نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ اور جو شخص اس سفر میں دوسروں کی خدمت کرے وہ تو گویا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ (الحج المبرور ۱)

## حج کا سفر نامہ لکھنا

بعض لوگ ایسے بیہودہ ہوتے ہیں کہ حج میں روزانہ کے واقعات قلمبند کرتے ہیں وہاں

بھی ان کو مضمون نگاری سوجھتی ہے اگر اس خیال سے کوئی شخص حالات قلمبند کرے کہ دوسروں کو سفر حج آسان ہو جائے گا اس کا مضائقہ نہیں مگر بعض لوگوں کو محض اخبار نویسی اور مضمون نگاری کا شوق ہوتا ہے ہمارے ساتھ ایک ڈپٹی کلکٹر تھے وہ ہندوستان کے اخباروں میں لکھ لکھ کر وہاں کے حالات بھیجتے تھے۔ اور سفر کی تکلیف کو بہت مبالغہ سے لکھتے تھے تا کہ پھر کوئی حج کا نام ہی نہ لے۔ اسی طرح ایک اور صاحب تھے وہ بھی وہاں کی شکایت جمع کیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ میرے پاس ایک محضر لکھ کر لائے جس میں وہاں کی تکالیف کو قلمبند کیا تھا کہ اس پر دستخط کر دو۔ میں نے کہا کہ حضرت تصدیق وہ کرے جس کو ان تکالیف کی اطلاع ہو مجھ کو تو کوئی تکلیف ہی پیش نہیں آئی۔ پھر کا ہے کی تصدیق کروں بس وہ خفا ہو گئے اور کہنے لگے کہ بس ہندوستانیوں میں اتفاق نہیں۔ (البحر المبرور ۱۷)

## حج میں خود بینی و خود رائی

بعض لوگ سفر حج میں پریشان ہو جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ شوق سے خالی ہیں اور وہ اس کو سفر آخرت نہیں سمجھتے۔ نیز جو شخص اس کو سفر آخرت سمجھتا ہوگا اس میں دعویٰ اور افتخار بھی نہ ہوگا۔ فکر خود و رائے خود در مذہب رندے نیست کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی (اپنی رائے اور اپنی فکر محبت کے راستہ میں نہیں ہے مذہب عشق میں خود رائی اور خود بینی کفر ہے) کلفت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اپنے کو بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے جب سفر میں کوئی بات اپنی شان کے خلاف پیش آتی ہے تو اس سے ناگواری پیدا ہوتی ہے پھر اسی سے دوسرے جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اگر ہر شخص اپنے آپ کو منادے اور عزت و آبرو کو بالائے طاق رکھ کر اپنے کو سب کا خادم سمجھے تو یہ باتیں پیش ہی نہ آئیں۔ مگر یہاں تو حالت یہ ہے کہ گھر سے چلتے ہیں یہی خیال کر کے کہ ہماری یوں آؤ بھگت ہوگی ہم جب لوٹیں گے لوگ ہم کو حج کی مبارکباد دینے آئیں گے اور جو مبارکباد دینے نہ آئے اس کی شکایت کی جاتی ہے کہ ہم حج کر کے آئے تھے ہم کو مبارکباد بھی نہ دی انا للہ (البحر المبرور ۱۷)

## حج فرض ادا نہ کرنے پر وعید

حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو اور وہ پھر بھی حج نہ کرے تو خدا کو پروا



نہیں چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ تو اگر تم حج نہ کرتے ان بلاؤں میں گرفتار ہوتے۔ پھر کسی پر کیا احسان کیا جو دوسروں سے مبارکباد ملنے کے منتظر ہو۔ (الحج المبرور ۱۷)

## احرام کی ممنوعات

حج کے زمانہ میں جو گناہ ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ محظورات احرام کا ارتکاب کیا جائے یعنی جو باتیں حج میں ممنوع ہیں ان کو کیا جائے۔ مثلاً حج میں مردوں کو سر ڈھانکنا حرام ہے عورتوں کو چہرہ پر کپڑا ڈالنا جائز ہے۔ احرام الرجل فی راسہ و احرام المرأة فی وجہہا مگر اس سے یہ استنباط نہیں ہو سکتا کہ پردہ عورتوں کو نہ کرنا چاہیے بلکہ اس سے تو اور پردہ کے تاکد پر استدلال ہوتا ہے کہ عورت کو ساری عمر چہرہ کا ڈھانکنا ضروری ہے صرف حج میں اس کو منہ کھولنا چاہیے۔ اگر یہ حج کی خصوصیت نہ ہوتی تو احرام المرأة فی وجہہا کے معنی کچھ نہیں ہونگے۔ اگر عورت کو ساری عمر چہرہ کا کھولنا جائز ہوتا تو اس کے کیا معنی کہ عورت کا احرام چہرہ میں ہے اسی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عورت کے لئے چہرہ بہت قابل اہتمام ہے جیسا کہ مردوں کو سر ڈھانکنے کا اہتمام ہوتا ہے سو احرام میں ان دونوں کے خلاف حکم دیا گیا کہ مرد سر کھلا رکھیں اور عورتیں چہرہ کھلا رکھیں۔ مگر مطلب اس کا یہ ہے کہ کپڑا چہرہ سے لگے نہیں یہ نہیں کہ اجنبی مردوں کو چہرہ دکھلاتی پھریں پس عورتیں اپنے چہرہ پر اس طرح کپڑا لٹکائیں کہ چہرہ سے علیحدہ رہے چنانچہ اس کے لئے ایک پنکھا ایجاد ہوا ہے جس سے چہرہ پر کپڑا نہیں لگتا۔ اس کے علاوہ اور بھی محظورات احرام بہت ہیں جن کو فقہاء نے مناسک میں بیان کیا ہے اور قافلہ میں جو لوگ اہل علم ہیں ان سے وقت پر سب باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ ان سے پوچھتے رہنا چاہیے پس یہ گناہ حج کے ساتھ ہوتا ہے کہ احرام میں جو چیزیں ممنوع ہیں ان سے پرہیز نہ کیا جاوے۔ (الحج المبرور ۱۷)

## حج کے بعد ریاء

ایک معصیت حج کے بعد یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ ریاء کرتے ہیں ریاء سے اکثر طاعات کے انوار زائل ہو جاتے ہیں ثواب جاتا رہتا ہے اس سے بہت احتیاط چاہیے۔ اور مستورات خصوصاً بہت ریاء کرتی ہیں کیونکہ ان کو ساری عمر میں ایک بار حج کے لئے گھر سے

نکلنا ہوتا ہے اس کو وہ بہت ہی بڑا کارنامہ سمجھتی ہیں اور حج کے بعد اگر کوئی ان کو حج نہ کہے اس پر خفا ہوتی ہیں اور وہاں سے آ کر سب کے سامنے گاتی ہیں کہ ہم نے سارے مقامات کی زیارت کی ہے اگر کسی غریب نے ایک جگہ کی زیارت نہیں کی ہے تو اس سے کہتی ہیں کہ تیرا حج ہی کیا ہوا تو جبل نور پر تو گئی ہی نہیں۔ حالانکہ اصل مقصود عرفات اور بیت اللہ ہے پھر بیت الرسول۔ مگر ان کی زیارت تو ہر شخص کرتا ہے اس لئے ان کو کوئی فضیلت میں بیان نہیں کرتا۔ ہاں جبل نور غار ثور اور امیر حمزہ کا مزار سب گناتی ہیں۔

اور بعض لوگ صراحتاً اپنے حاجی ہونے کا اگر ذکر نہیں کرتے تو کسی نہ کسی پیرایہ سے مخاطب کو جتلا دیتے ہیں کہ ہم حاجی ہیں۔ ایک بزرگ کسی کے یہاں مہمان ہوئے تو میزبان نے خادم سے کہا کہ اس صراحی کا پانی لانا جو ہم دوسرے حج میں ساتھ لائے تھے۔ مہمان نے کہا کہ حضرت آپ نے ایک بات میں دونوں حج کا ثواب کھو دیا۔ اس بات میں اس نے جتلا دیا کہ میں نے دو مرتبہ حج کیا ہے یہ ریا نہیں تو اور کیا ہے؟

ریاء کے طریقے بہت دقیق ہیں اگر کوئی شخص اپنے نفس کی نگہداشت کرے تو اس کو نفس کے دقائق معلوم ہو سکتے ہیں لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اکثر لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ حج کے بعد ہر مجلس میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں حالانکہ مسلمان کا مذہب تو یہ ہونا چاہیے۔

ماقصہ سکندر و دارانہ خواندہ ایم از ما بجز حکایت مہر و وفا میرس  
(ہم نے سکندر اور دارا کا قصہ نہیں پڑھا ہے ہم سے حق تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کے سوا اور کوئی بات نہ پوچھو) نادار کو ترغیب حج جائز نہیں

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر شخص کے سامنے حج کی باتیں کرنا جائز نہیں کیونکہ تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جن پر حج فرض ہے۔ سوائے شخص کے سامنے تو ترغیبی مضامین بیان کرنا جائز بلکہ مستحب ہے کہ دلالت علی الخیر ہے۔ دوسرے وہ جن پر نہ فرض اور نہ ممنوع ان کے روبرو بھی بیان کرنا جائز ہے تیسرے وہ جن پر حج فرض نہیں ہے اور ان کو جانا جائز بھی نہیں اس وجہ سے کہ نہ مالی استطاعت ہے اور نہ مشقت پر صبر و تحمل ہو سکے گا۔ ان کے سامنے تشویق اور ترغیب کے قصے اور مضامین بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے ان کو حج کا شوق پیدا ہوگا اور سامان ہے نہیں نہ ظاہری نہ باطنی تو خواہ مخواہ وقت اور

پریشانی میں مبتلا ہوں گے جس سے ناجائز امور کے ارتکاب کا بھی اندیشہ ہے اس لئے ایسے لوگوں کے سامنے حج کی ترغیب اور تشویق کے مفاہین بیان کرنا جائز نہیں یہ وہ مسائل ہیں جن پر لوگوں نے امام غزالی کی تکفیر پر فتوے دیئے۔ (الحج المبرور ۱۷)

## تکالیف حج کا تذکرہ

ایک کوتاہی بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ حج سے آکر وہاں کی تکالیف کا حال بیان کرتے ہیں۔ ایسی باتیں نہ کرنی چاہئیں چاہے وہ واقعی کلفتیں ہوں اور اگر واقعی کلفتوں میں اضافہ کر کے بیان کیا جائے تو یہ اس سے بھی بدتر ہے وہاں کی کلفتیں بیان کرنے کا یہ انجام ہوتا ہے کہ بہت لوگ حج سے رک جاتے ہیں اس کا سارا وبال ان لوگوں پر ہوتا ہے۔ جنہوں نے ان کو ڈرایا ہے۔ (الحج المبرور ۱۷)

## قبولیت حج کی علامات

یاد رکھئے! کہ حج کے مقبول ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ دوبارہ پھر وہاں جانے کا شوق دل میں پیدا ہو اور جو شخص وہاں سے آکر پھر دوبارہ جانے سے توبہ کر لے اندیشہ ہے کہ اس کا حج مقبول نہ ہوا ہو۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ دل میں پھر دوبارہ حج کا شوق پیدا ہو اس کی یہی تدبیر ہے کہ وہاں کے ثواب اور منافع اخروی پر نظر کرے اور یہ سمجھ لے کہ جنت میں جو درجات حج کی وجہ سے نصیب ہوں گے ان کے سامنے یہ تکالیف کیا ہیں ان جیسی ہزار بھی کلفتیں ہوں تو کچھ نہیں۔ (الحج المبرور ۱۷)

## حج کے منافع

حج میں علاوہ ثواب آخرت کے دنیا کا بھی تو نفع ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ حج کے بعد ضرور رزق میں فراخی ہو جاتی ہے پھر وسعت اور فراخی رزق کے لئے لوگ کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتے ہیں اگر ذرا سی وہاں بھی تکلیف پیش آگئی تو اس کی وجہ سے پریشان ہونا اور دوسروں کو پریشان کرنا اور حج کی دولت سے محروم کرنا یہ کون سی عقل کی بات ہے۔

نیز حج سے اخلاق کی تہذیب پر خاص اثر پڑتا ہے اور اگر کوئی حاجی اس کے خلاف پایا

جاوے تو وہ ایک عارض کے سبب سے ہے وہ یہ کہ علماء محققین نے لکھا ہے کہ حجر اسود میں کسوٹی کی خاصیت ہے یعنی اس میں یہ خاصیت ہے کہ اس کے استلام کے بعد جیسا شخص ہوتا ہے وہ اپنی اصل خلقت میں ظاہر ہو جاتا ہے بعض لوگ حج سے پہلے ظاہر نہیں ہوتے کہ یہ اندر سے کیسے ہیں مگر حج کے بعد چہار ہنا مشکل ہے اصلی حالت ضرور کھل جاتی ہے پس جس کی حالت حج کے بعد پہلے سے اچھی ہو جائے سمجھنا چاہیے کہ اس کا حج قبول ہوا۔ اور جس کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہو جائے اس کے حج قبول نہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

شاید اس سے بعض لوگ یہ خیال کریں کہ پھر حج نہ کرنا چاہیے تاکہ قلعی نہ کھلے اس کا جواب یہ ہے کہ حج نہ کرنے میں اس سے زیادہ اندیشہ ہے جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوا اور وہ پھر بھی نہ کرے تو خدا کو پرواہ نہیں ہے خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ پس اگر حج نہ کیا تب تو سوء خاتمہ کا اندیشہ زیادہ ہے اور حج کرنے میں تو صرف یہی اندیشہ ہے کہ قلعی کھل جائے گی وہ بھی اس وقت جبکہ اس کے آداب و شرائط کا لحاظ نہ کیا جائے۔ ورنہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ شوق اور محبت کے ساتھ جو حج ادا کیا جاتا ہے اس سے دینداری میں ترقی ہی ہو جاتی ہے پس یہ اشکال فضول ہے۔ (اللمح البرور ۱)

## حج سے اصلاح نفس

حج کے بعد بھی ہمیشہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ مگر حج میں احتیاط ہونا اسی وقت ممکن ہے جب حج سے پہلے نفس کی اصلاح کر لی جائے۔ ورنہ بالخصوص جھگڑے اور فساد کی تو ضروری نوبت آجائے گی۔ نیز نماز وغیرہ میں بھی ممکن ہے کہ سفر کی وجہ سے سستی ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سفر کی تکالیف کی وجہ سے شوق اور محبت میں کمی ہو جائے اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ حج سے پہلے اصلاح نفس کا اہتمام کیا جائے۔ مگر یہ سمجھ لو کہ نفس کی اصلاح خود اپنے آپ نہیں ہو سکتی اپنی عقل اور فہم اس کے لئے کافی نہیں ہو سکتی کسی مربی کامل سے اس کا طریقہ پوچھو

کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست شیر باطن سحر خرویش نیست  
(نفس کو مغلوب کرنا عقل و ہوش کا کام نہیں کوئی خرویش کسی تیر کا شکار کب کر سکتا ہے)  
کسی کو اپنی عقل پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے اس میں ضرورت ہے عنایت حق و

عنایات خاصاں حق کی (اللمح البرور ۱)



## حج کے رموز

حضرت ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض متعلقین سے دریافت کیا کہ تو نے حج کی نیت منعقد کی تھی اس نے کہا ہاں۔ انہوں نے پوچھا جتنے علاقہ اس کے مخالف تیری پیدائش کے وقت سے تھے تو نے سب کو قطع کر دیا تھا۔ اس نے کہا نہیں۔ شبلی نے کہا تو بس حج کی تو نے نیت ہی منعقد نہیں کی (کیونکہ نیت حج کی روح یہی قطع تعلقات ماسوی اللہ ہے جب یہ نہ ہو تو ظاہر ہے نیت مثل جسد بلا روح کے ہے جو غیر معتد بہ ہے)

پھر شبلیؒ نے اس سے پوچھا تو نے (احرام کے وقت پہلے سلعے ہوئے) اپنے کپڑے اتارے تھے اس نے کہا ہاں شبلیؒ نے پوچھا کیا (کپڑے اتارنے کے وقت) تو ہر چیز سے مجرد ہو گیا تھا اس نے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے کہا تو بس تو نے کپڑے ہی نہیں اتارے (کیونکہ ان کپڑوں کے اتارنے کی روح یہی تحریم ماسوی اللہ ہے) بدوں اس کے کپڑے اتارنا جسد بلا روح ہے۔ پھر شبلیؒ نے پوچھا تو نے (احرام کے وقت) وضو یا غسل کیا تھا۔ اس نے کہا ہاں شبلیؒ نے پوچھا تیرے وضو یا غسل کے وقت تجھ سے تمام (باطنی) علتیں دور ہو گئی تھیں اس نے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے کہا کہ بس تو نے وضو و غسل ہی نہیں کیا (کیونکہ اس طہارت ظاہری کی روح یہی طہارت باطنی ہے۔ جب یہ نہیں تو وہ کالعدم ہے) پھر شبلیؒ نے اس سے پوچھا کہ تو نے (احرام کے وقت) لبیک کہی تھی۔ اس نے کہا ہاں شبلیؒ نے پوچھا تو نے لبیک کا جواب ویسے ہی لبیک سے پایا تھا۔ اس نے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے کہا تو بس تو نے لبیک ہی نہیں کہی۔ کیونکہ اس کے لبیک یعنی حاضری کی روح محبوب کی طرف سے قرب و حضور کی دولت کا میسر ہونا ہے۔ جس کا اثر قلب پر ظاہر ہوتا ہے۔ بدوں اس کے لبیک کہنا خالی لفظ ہے)

اور اپنے بعض متعلقین سے جو حج کر کے آیا تھا حضرت شبلیؒ نے پوچھا (غالباً یہ کوئی اور شخص ہوگا اور ممکن ہے کہ پہلا ہی ہو مگر تفریق اجزاء قصہ کے سبب ناقل نے لفظوں میں ایسا عنوان اختیار کیا ہو جو دونوں شخصوں کے متغائر ہونے کا موہم ہو غرض اس سے پوچھا) کہ تو مسجد (حرام) میں داخل ہوا تھا اس نے کہا ہاں۔ انہوں نے پوچھا کہ تو نے کسی مقام قرب میں داخل ہونا بھی معلوم کیا اس نے کہا نہیں انہوں نے کہا تو بس تو مسجد ہی میں داخل نہیں ہوا۔ (کیونکہ دخول مسجد کی روح دخول مقام قرب ہے جس کا اثر قلب پر ہوتا ہے اور جسد بلا

روح کا عدم ہے) پھر شبلیؒ نے اس سے پوچھا تو نے کعبہ کو دیکھا اس نے کہاں ہاں! انہوں نے کہا کہ تو نے اس کو بھی دیکھا جس کے لئے خود کعبہ کا قصد کیا تھا (یعنی حضرت حق اور یہ رویت بالقلب ہوتی ہے) اس نے کہا نہیں شبلیؒ نے کہا تو بس تو نے کعبہ ہی کو نہیں دیکھا۔ (کیونکہ روح رویت کعبہ کی یہی تھی یہ نہیں تو وہ محض جسد ہے)

پھر شبلیؒ نے اس سے پوچھا کہ تو (طواف میں) تین بار دوڑ کر اور چار بار آہستہ چلا تھا اس نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کیا تو دنیا سے اس طرح بھاگ گیا کہ تجھ کو معلوم ہو گیا ہو کہ اس سے جدا ہو گیا اور وہ تجھ سے منقطع ہو گئی (کہ یہ بھاگنا روح ہے اس طواف میں دوڑنے کی) اور کیا تو نے اپنے چار بار آہستہ چلنے میں اس (بلائے دنیا) سے امن پایا۔ جس سے تو بھاگا تھا پھر اس پر تو نے مزید شکر کیا ہو (کہ اس امن کا معلوم ہونا روح ہے اس آہستہ چلنے کی کیونکہ امن میں آہستہ چلتے ہیں اور خوف و بلا میں دوڑ کر پس یہ دونوں رفتاریں اشارہ ہے اس خوف اور امن کی طرف) اس نے کہا کہ نہیں۔ شبلیؒ نے کہا تو بس تو طواف میں دوڑ کر ہی نہیں چلا (یعنی یہ چلنا محض صورت بے معنی ہوا۔ اور اسی طرح آہستہ چلنا بھی)

پھر اس سے پوچھا تو نے حجر اسود سے مصافحہ کیا تھا اور اس کو بوسہ دیا تھا اس نے کہا ہاں انہوں نے ایک چیخ ماری اور کہا کبختی مارے واللہ یہ کہا گیا ہے (یعنی اکابر نے کہا ہے) کہ جو شخص حجر اسود سے مصافحہ کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ سے مصافحہ کرتا ہے اور جو خدا تعالیٰ سے مصافحہ کرتا ہے وہ مقام امن میں آجاتا ہے (یعنی دوزخ سے محفوظ ہو جاتا ہے) کیا تجھ پر کچھ اثر امن کا ظاہر ہوا (مثلاً معاصی سے نفرت ہو گئی ہو کہ جو سبب ہے دوزخ میں جانے کا کہ یہ ظہور ہے اثر امن کا) اس نے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے کہا تو بس تو نے (حجر اسود سے) مصافحہ ہی نہیں کیا۔ (کیونکہ جب اس میں روح نہیں تو جسد محض صورت بے معنی ہوا۔)

اور ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا خواہ وہ پہلا ہی شخص ہو یا کوئی اور ہو جیسے یہی دو احتمال اوپر بھی آچکے ہیں) حضرت شبلیؒ نے کہا کیا خدا تعالیٰ کے روبرو مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور دو رکعت (طواف) کی پڑھی تھی۔ اس شخص نے کہا ہاں! شبلیؒ نے پوچھا کہ تیرا جو مرتبہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے تو اس پر بھی قائم ہوا پھر تو نے اپنا مقصود بھی ادا کیا (جس کی طرف اشارہ ہے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک مرتبہ قرب کا حاصل ہو اور مقام

قرب کے مناسب جو مناجات و مکالمات ہے وہ میسر ہو) اس نے کہا نہیں انہوں نے کہا بس تو نے نماز ہی نہیں پڑھی (کیونکہ جب اس نماز کی روح ہی نہیں تو قالب بے جان ہے۔ اور ایک شخص سے) (کہ وہی شخص مذکور تھا یا دوسرا) حضرت شبلیؒ نے کہا کہ تو کوہ صفا کی طرف گیا تھا۔ اس نے کہا ہاں شبلیؒ نے پوچھا کہ تجھ سے تمام علمیں دور ہو گئی تھیں یہاں تک کہ تو (سب سے) صاف ہو گیا تھا۔ (جیسا مادہ صفا میں بھی اس طرف اشارہ ہے و نیز صفا سے ابتداء ہوتی ہے حرکت سعی کی اور حرکت مسلمان کی تہذیب نفس کے لئے ہونا حق ہے اس لئے بھی اس حرکت کی روح زوال علل ہے اس شخص نے کہا نہیں شبلیؒ نے کہا تو بس تو نہ صفا پر چڑھا اور نہ اتر۔

پھر شبلیؒ نے کہا کیا تو (صفا و مروہ کی سعی میں میلین اخضرین کے درمیان دوڑا بھی تھا۔ اس نے کہا ہاں شبلیؒ نے کہا تو کیا اپنے سامان (ہوس) سے بھاگ کر اپنی ہستی (کی حقیقت پہچاننے) تک پہنچا (کہ روح اس دوڑنے کی یہی ہے اور مسلمان کے لئے یہی دوڑنا لائق ہے کہ پندار کو حذف کر کے اپنی ہستی فانی پر نظر کر کے حق عبدیت ادا کرے) اس شخص نے کہا نہیں شبلیؒ نے فرمایا بس تو دوڑا ہی نہیں۔

پھر شبلیؒ نے پوچھا تو نے مروہ پر پہنچ کر (اپنے نفس میں) سکون (و طمانیت علی الرضیات الالہیہ) کو پایا کہ اس کو تو نے حاصل کیا ہو اور اس کا تجھ پر نزول ہوا (کہ مروہ پر اخیر پھیرے میں حرکت سعی ختم ہوتی ہے گویا یہ اشارہ ہے اس سکون نفس کی طرف جو بعد حرکت مجاہدہ کے میسر ہوتا ہے) اس شخص نے کہا کہ نہیں۔ شبلیؒ نے کہا بس تو مروہ ہی پر نہیں پہنچا۔

اور شبلیؒ نے ایک حج کرنے والے شخص سے (کہ وہی شخص سابق تھا یا اس کے علاوہ دوسرا) پوچھا تو منیٰ کی طرف گیا تھا۔ اس نے کہا ہاں۔ شبلیؒ نے پوچھا کیا تو نے (وہاں پہنچ کر) غیر حالت معصیت کی تمنا کی تھی۔ اس نے کہا نہیں۔ شبلیؒ نے فرمایا تو بس تو منیٰ ہی میں نہیں گیا۔ (کیونکہ منیٰ کے مادہ میں مینہ بمعنی آرزو سے مناسبت ہے تو اس میں اس آرزو کی طرف اشارہ ہے)

پھر حضرت شبلیؒ نے اس سے پوچھا کہ تو مسجد خیف میں (جو کہ منیٰ میں ہے) داخل ہوا تھا۔ اس شخص نے کہا ہاں۔ شبلیؒ نے کہا تو نے اپنے اس آنے جانے میں خدا تعالیٰ سے خوف کیا تھا اور تو نے (اپنے دل میں) خوف کا ایسا درجہ پایا تھا جو اسی مقام میں تجھ کو حاصل ہوتا ہو۔ اس شخص نے کہا نہیں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا تو بس تو مسجد خیف میں داخل نہیں ہوا

( کیونکہ لفظ خیف کو مناسبت ہے لفظ حیفہ سے جس میں کسرہ ماقبل اور خود ساکن ہونے سے واؤ کو یا سے بدل لیا گیا ہے اور اس کی اصل خوف ہے پس وہاں جاننا نہ کر ہونا چاہیے۔

خوف حق کا جب یہ نہ ہوا تو وہاں جاننا نہ جاننا برابر ہوا۔ اور حضرت شبلیؒ نے دخول خیف و منیٰ و صحود و صفا میں الفاظ کو مذکور احوال کا قرار دیا کہ عبرت کے لئے ایسے ارشادات و مناسبات بھی کافی ہیں۔ اسی طرح آگے لفظ عرفات میں اسی مناسبت کا اعتبار فرمایا۔

اور شبلیؒ نے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا (یہاں بھی وہ دونوں احتمال ہیں اور اغلب مغائرت ہے) فرمایا تو عرفات گیا تھا اس شخص نے کہا ہاں۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کیا تو نے اس حالت کی معرفت حاصل کی جس کے لئے تو (ماضی میں) پیدا کیا گیا ہے اور (اسی طرح) اس حالت کی جس پر تو (فی الحال) وارد ہوتا رہتا ہے اور (اسی طرح) اس حالت کی جس کی طرف تو (مستقبل میں) رجوع کرے گا۔ اور کیا معرفت بخشے والے نے تجھ کو ان احوال کی معرفت کرائی۔ اور کیا تو نے اس مکان کو دیکھا۔ جس کی طرف یہ سب اشارات (مذکورہ) ہیں؟ مکان سے مراد مقام معرفت اور اشارات سے مراد عرفات کا احوال مذکورہ کی معرفت کی طرف مشیر ہونا) کیونکہ یہی مقام ہے جس نے انفاس عمر کو احوال مذکورہ میں سے ہر حال میں غم سے رہائی دی ہے (یعنی حالات ماضیہ و حالیہ و استقبالیہ مذکورہ کو اسباب معصیت سے بعید رکھنا یہ شعر معرفت ہی کا ہے۔) اس شخص نے کہا نہیں حضرت شبلیؒ نے فرمایا تو بس تو نے وقوف عرفات ہی نہیں کیا۔ (کیونکہ عرفات سے ان ہی معارف کی طرف اشارہ ہے جس کی مناسبت کا ابھی اوپر دخول مسجد خیف میں ذکر ہوا ہے)

اور حضرت شبلیؒ نے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا (خواہ وہ عین اول ہو یا غیر اول) فرمایا تو مزدلفہ کی طرف واپس آیا تھا۔ اس شخص نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا تو نے مشعر حرام (جو کہ مزدلفہ میں ہے) دیکھا تھا۔ اس نے کہا ہاں انہوں نے کہا تو نے وہاں اللہ تعالیٰ کا ایسا ذکر کیا تھا جس نے ماسوائے کو بھلا دیا ہو اور تو اس میں مشغول ہو گیا ہو (جس کا حکم اس آیت میں ہے **فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ** الآیہ۔) (پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر الحرام کے پاس (مزدلفہ میں شب قیام کر کے) خدا تعالیٰ کو یاد کرو) اور ظاہر ہے کہ ذکر میں درجہ مطلوبہ وہ ہے۔ جس میں ماسوائے سے



انقطاع ہو کما قال اللہ تعالیٰ وَذُكِّرَ لِسَمَرْهَنْ تَبْكُلُ الْيَدِ تَبْتِيلًا الْآیۃ (اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اس کی طرف متوجہ رہو) اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا بس تو نے وقوف مزدلہ نہیں کیا۔ (کیونکہ وہاں جو حکم تھا وہ نہ بجالایا۔ اور حضرت شبلیؒ نے ایک شخص سے اپنے متعلقین میں سے جس نے حج کیا تھا فرمایا تو منیٰ میں داخل ہوا تھا۔ (اور یہی سوال پہلے ایک شخص سے آچکا تھا اور ظاہر ہے کہ ایک شخص سے دوبار سوال بیکار ہے یہ قرینہ قویہ تحریر ہے کہ یہاں مخاطب اور ہے اور یہی ظن غالب سب جگہ ہے اس شخص نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا تو نے وہاں (جانور) ذبح کیا تھا اس نے کہا ہاں پوچھا اپنے نفس کو بھی ذبح کیا تھا جس کی طرف اشارہ ہے ذبح حیوان میں) اس نے کہا نہیں انہوں نے کہا کہ تو بس تو نے ذبح ہی نہیں کیا۔ پھر حضرت شبلیؒ نے فرمایا تو نے رمی جمار کیا تھا اس شخص نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کیا تو نے اپنے جہل کو اپنی ترقی علم سے پھینک دیا تھا جس کا تجھ پر ظہور ہوا ہو (کہ رمی بمعنی پھینکنا اس کی طرف اشارہ ہے) اس شخص نے کہا نہیں انہوں نے کہا تو بس تو نے رمی ہی نہیں کی۔

پھر انہوں نے پوچھا کیا تو نے سرمنڈایا تھا اس شخص نے کہا ہاں انہوں نے کہا کیا تو نے اپنی ہوسیں اپنے سے زائل کر دی تھیں (کہ سرمنڈانا اشارہ اس ازالہ کی طرف ہے) اس شخص نے کہا نہیں انہوں نے فرمایا تو بس تو نے حلق ہی نہیں کیا۔

اور حضرت شبلیؒ نے اپنے متعلقین میں سے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا۔ پوچھا کیا تو نے طواف زیارت کیا تو اس نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کیا تجھ کو کوئی بات خیرات میں سے مکشوف ہوئی؟ یا تو نے اپنے اوپر کچھ زیادات کرامات زیارت کے سبب دیکھی؟ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور جس کی زیارت کے واسطے کوئی جاوے اس پر حق ہوتا ہے کہ اپنی زیارت کے لئے آنے والوں کی خاطر داری کرے (سو تجھ کو کوئی اکرام بھی محسوس ہوا) اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا تو بس تو نے طواف زیارت ہی نہیں کیا۔

پھر انہوں نے اس سے پوچھا کیا تو حلال ہوا تھا۔ (یعنی احرام کھول دیا تھا جس سے سب ممنوعات احرام کے حلال ہو جاتے ہیں) اس نے کہا ہاں! انہوں نے پوچھا کیا تو نے اکل حلال کا عزم کیا تھا اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا تو بس حلال ہی نہیں ہوا۔

اور حضرت شبلیؒ نے اپنے متعلقین میں سے ایک شخص سے جس نے حج کیا تھا۔ پوچھا

تو نے طواف وداغ کیا تھا۔ اس نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کیا تو اپنے نفس اور روح سے بالکل یہ نکل گیا تھا۔ (کہ طواف وداغ اس وداغ نفس وروح کی طرف اشارہ ہے) اس شخص نے کہا نہیں انہوں نے فرمایا تو بس تو نے طواف وداغ ہی نہیں کیا تجھ پر دوبارہ جانا لازم ہے اور (دوبارہ حج میں) غور کرنا کہ کس طرح حج کیا جایا کرتا ہے۔ (الہذیب ج ۱۷)

## پیدل حج

بعض لوگوں کا ان پر طعن کرنا جنہوں نے جانبازی کی اور غلبہ شوق میں پیدل ہی چل کھڑے ہوئے کہ یہ ایسے بیہودہ لوگ ہیں جو خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشانی میں ڈالتے ہیں یہ طعن ناشی ہے جہل سے۔

صاحبو! معلوم ہوتا ہے تم نے عشاق کو دیکھا ہی نہیں، خود جیسے کم ہمت ہو دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہو۔ دو چار لنگاڑے فقیر تم نے دیکھے ہوں گے۔ بس اس سے حکم کلی لگا دیا کسی عطار ہی پر الٹ پلٹ کے نظر پڑتی رہی اس سے حکیم محمود خاں کے وجود کے منکر ہو گئے یا درکھو ہر زمانہ میں اللہ کے بندے ایسے ایسے رہے ہیں جو آپ کی نظر میں مسکین پریشان ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت کسی بزرگ کا الہام ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم سوانی کہ میرے دوست میرے دامن قبا کے نیچے چھپے ہوئے ہیں۔ جنہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔ تو آپ کو کیا خبر ہے

اے تراخارے پائشکستہ کے دانی کہ چست حال شیرانیکہ شمشیر بلا برسر خورند (تمہارے پاؤں میں کاٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کی حالت کو کیا سمجھ سکتے ہو جن

کے سروں پر بلا و مصیبت کی تلوار چل رہی ہے) (روح المعانی ج ۱۷)

## اصلاح حجاج

بعض حج کر کے ناجائز افعال کرنے لگتے ہیں کیونکہ حاجی تو مشہور ہو گئے ہیں اب کسی عمل کی کیا ضرورت ہے بعضے ایک کافر کو مار کر خوش ہیں کہ ہم غازی مشہور ہو گئے ہیں یا خادم قوم کہلانے لگے ہیں۔ پھر اعمال کی کیا ضرورت ہے بعض کچھ دنوں خوب ذکر و شغل کر کے پھر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ذاکر اور بزرگ مشہور ہو گئے ہیں اور اب اس لیے نہیں کرتے کہ لوگوں کو یہ دھوکا دے رکھا ہے کہ ہمارا قلب جاری ہو گیا ہے اب ہم کو ذکر لسانی کی ضرورت نہیں رہی۔

غرض انسان میں طبعاً استیلاء کا تقاضا تو ہے مگر کبھی یہ استیلاء ضعیف یا استیلاء ظاہری کو کافی سمجھ لیتا ہے جو نقص طلب کی دلیل ہے کیونکہ جہاں اس کی طلب کامل ہوتی ہے وہاں بدوں استیلاء کامل کے اس کو صبر نہیں آتا۔ پس جب یہ عمل کر کے چھوڑ دیتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس پر توجہ کم کر دیتے ہیں کیونکہ اس نے خود ہی طلب چھوڑ دی یا کم کر دی ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ استیلاء علمی کافی نہیں بلکہ استیلاء حقیقی کی ضرورت ہے اس دھوکہ میں سو میں سے اٹھانوے سالک مبتلا ہیں جو احوال و کیفیات و مقامات کا قدرے ذوق حاصل کر کے پھر عمل سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔ اس دھوکہ سے بچنا چاہیے طالب وہ ہے جو تکمیل کے بعد عمل سے بے فکر نہ ہو۔ (غریب الدنیاج ۱)

## حج میں قربانی

حج میں ایک دفعہ سواونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے قربانی کئے ہم نے تو کسی بادشاہ کو بھی نہیں سنا کہ اکیلے سواونٹ کی قربانی کی ہو۔ اونٹ تو خود حضور نے دست مبارک سے ذبح فرمائے اس سے حضور کی قوت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ہمیں تو ایک چڑیا کا بھی ذبح کرنا مشکل ہوتا ہے نہ کہ اونٹ اور ذبح کرنا بھی چھری پھیر کر نہیں بلکہ بھالے سے۔ اس زمانہ میں عرب کے اندر یہی رسم تھی کہ بھالا گلے میں مارا جاتا تھا اس کو نحر کہتے ہیں۔ اونٹ اس طرح ذبح کیا جاتا تھا۔ خیال کیجئے کہ بھالا کس قوت سے لگتا ہوگا۔

(۶۳) اونٹ اسی طرح ذبح کرنا سہل بات نہیں ہے۔ ۶۳ اونٹوں کو خود ذبح فرمایا بقیہ کو ذبح کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔ پورے ۱۰۰ اونٹ کی قربانی فرمائی۔ اس کے متعلق ایک لطیفہ یاد آیا۔ روایت میں ہے کہ ان اونٹوں کی یہ حالت تھی کہ کلھن یذدلفن الیہ۔ جب وہ اونٹ ذبح کئے جانے کے لئے ایک قطار میں کھڑے کئے گئے کہ ہر اونٹ حضور کی طرف جھک جھک کر بڑھتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کریں۔ ہائے اس موقع پر مجھے وہ شعر یاد آتا ہے۔

ہم آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف      بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد  
(تمام جنگل کے ہرنوں نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا اس امید میں کہ تو شکار کو آئے گا۔)

یہاں سے حضور کی شان محبوبیت بھی معلوم ہوتی ہے کہ جانور بھی حضور پر فدا تھے اور اپنا ذبح ہونا حضور کے ہاتھ سے چاہتے تھے بلکہ جانور کیا سب مخلوق حضور کو پہچانتی تھی صحیح روایت میں ہے۔  
 انی لا عرف حجرا کان یصلی علی (۲-الصحيح لمسلم: ۱۷۸۲)  
 مسند الإمام أحمد ۵: ۸۹، ۹۵، سنن الدارمی ۱: ۱۲، المعجم الكبير للطبرانی ۲: ۲۵۷، مشکوة المصابيح: ۵۸۵۳، کنز العمال: ۳۲۰۰۰)  
 یعنی فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پتھر بھی آپ کو پہچانتے تھے۔ پھر تعجب ہے کہ انسان نہ پہچانے بالخصوص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اور یہ پہچاننا نہیں ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ زبان سے کہہ لیا۔ پہچاننا کہتے ہیں کسی کے حق پہچاننے کو۔ (نقد الملبی فی عقد الحبیب ج ۵)

## عوام کی غفلت

اب میں دیکھتا ہوں کہ چھوٹے چھوٹے عذروں کی بنا پر لوگ حج کو موقوف کر دیتے ہیں۔ ذرا سن لیا کہ راستہ میں کچھ گڑبڑ ہے بس حج کو مت جاؤ، ذرا سن لیا کہ کچھ بیماری ہے بس حج کو مت جاؤ، ذرا یہ سن لیا کہ عملداری ترکوں کی نہیں بس حج کو مت جاؤ، آخر ترکوں کی عملداری میں اور حج میں جوڑ کیا، لوگوں نے آج کل یہی ایک مسئلہ خواہ مخواہ تراش لیا ہے۔  
 (شرائط الطاعت ج ۷)

## ایک بدوی کی غفلت

مکہ معظمہ میں سوق حراج میں ایک بڑا بدوی گاؤں کی چیزیں لا کر بیچتا تھا ساری عمر اسی بازار میں آتے جاتے گزر گئی تھی۔ مگر حج کی توفیق نہ ہوئی۔ ایک دفعہ وہ تعجب سے پوچھنے لگا کہ بعض موسموں میں لاکھوں آدمی یہاں کیوں جمع ہو جاتے ہیں اس کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ لوگ حج کے واسطے مکہ آتے ہیں ایک رئیس کو بڑھے کی بات پر بہت تعجب ہوا کہ مکہ میں ساری عمر گزر گئی اور آج تک اسکو حج کی توفیق نہیں ہوئی۔ (الصبر والصلوة ج ۹)

## حج میں رضائے خداوندی

شیخ مسعود بک خطاب فرماتے ہیں۔

اے قوم حج رفتہ کجائید کجائید معشوق درینجاست بیائید بیائید



اے لوگو حج کو کہاں جاتے ہو معشوق یہاں ہے۔ ادھر آؤ، ادھر آؤ۔

مطلب یہ ہے کہ جس حالت سے تم حج کو جا رہے ہو اس حالت میں رضائے محبوب اور وصال تم کو حاصل نہ ہوگا۔ ابھی تم کو اپنے گھر ہی میں کسی شیخ کے پاس رہ کر اصلاح نفس میں مشغول ہونا چاہیے۔ اور یہ مت سمجھو کہ شیخ حج سے روک رہے ہیں نہیں بلکہ وہ تمہارے ایمان کی حفاظت کر رہے ہیں۔ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں مگر ایمان کو مکہ ہی میں چھوڑ آتے ہیں۔ ان میں راستہ میں تکالیف کی جب برداشت نہیں ہوتی تو خدا اور رسول پر اعتراض کرتے ہیں اور حج کو فضول بتلاتے ہیں۔ بتلاؤ ان کا ایمان کہاں رہا۔ ایسے لوگوں سے یہی کہا جائیگا کہ تم ہندوستان میں رہ کر پہلے کسی شیخ سے نفس کی اصلاح کا نسخہ لے کر پی لو۔ جب وہ اجازت دے تب حج کرنا۔ البتہ حج فرض کے لئے جانے کی تو ہر حال میں اجازت ہے۔ ہاں حج نفل سے اس کو منع کیا جائیگا۔ کیونکہ بعض لوگ نفل حج کے لئے بہت سے فرائض ترک کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جہاز کے اندر آپ کو ایسے حاجی بہت ملیں گے جو دوسرے تیسرے حج کو جا رہے ہوں گے مگر نماز ندارد۔

ہمارے ساتھ ایک سید صاحب عرب تھے وہ جہاز میں نماز نہ پڑھتے تھے اور روتے تھے کہ یہاں پاخانہ میں پانی شر شر چلتا ہے جس سے پھینٹیں پڑ کر کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ میں نماز کیسے پڑھوں۔ میں نے کہا۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین خاک برفرق قناعت بعد ازیں  
مجھ سے شہنشاہ دین اگر طمع کا خواہاں ہو تو پھر ایسی قناعت پر خاک (محسن الاسلام ج ۱۲)

## حج اور اصلاح نفس

نفل حج کے لئے جانے سے پہلے نفس کی اصلاح ضرور کر لینی چاہیے۔ مکہ ایسی حالت میں جاوے کہ وہاں پہنچ کر ہندوستان یاد نہ آوے۔ نہ وہاں کی تکالیف سے گھبرا کر یہاں کی راحتوں کا خیال آوے۔ ہمارے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ مکہ میں رہنا اور دل ہندوستان میں اٹکا ہو۔ اس سے تو یہ بہتر ہے کہ ہندوستان میں رہے اور دل مکہ سے وابستہ ہو کر دیکھئے کب زیارت نصیب ہو۔ کس دن جانا ملے۔

اسی واسطے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد درہ لے کر لوگوں سے کہتے پھرتے تھے کہ بس حج ہو چکا۔ اب اپنے اپنے گھر کا راستہ لو یا اہل

الیمن یمکنکم ویاءہل الشام شامکم ویاءہل العراق عراقکم (اے یمن والو تم یمن جاؤ، اے شام والو تم شام جاؤ، اور اے عراق والو تم عراق جاؤ) واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے حکیم تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حج کے بعد قدرتی طور پر وطن کا اشتیاق دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اب ایسی حالت میں مکہ کے اندر قیام کرنا باطن کے لئے مضر ہے اس دربار میں اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے نہ رہنا چاہیے کہ یہ بڑی گستاخی ہے۔

مدینہ منورہ میں ایک صاحب نسبت بزرگ کی زبان سے اتنی بات نکل گئی کہ شام یا ہندوستان کا وہی یہاں کے وہی سے اچھا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا یا عالم واقعہ میں فرمایا کہ نکل جاؤ ہمارے یہاں سے وہیں جا کر رہو جہاں کا وہی اچھا ہے۔ صاحبو! یہ نقصان ہوتا ہے اس دربار میں پہنچ کر اپنے گھر بار کو یاد کرنے کا۔

اور اسی واسطے حضرت ابراہیم بن ادھم نے تکمیل سے پہلے حج کا ارادہ نہیں کیا جب سلوک کامل ہو گیا تب حج کو چلے۔ راستہ میں سمندر تھا۔ ایک جہاز میں سوار ہوئے۔ وہاں ایک رئیس رند مشرب بھی پہلے سے سوار تھا۔ اس کے ساتھ گانے بجانے والے بھانڈ بھی تھے۔ پہلے زمانہ کے روساء ان خرافات میں تو مبتلا ہوتے تھے مگر آج کل کے رئیسوں سے پھر بھی اچھے ہوتے تھے کیونکہ آج کل کے تعلیم یافتہ روساء گوان ظاہری خرافات سے بری ہیں مگر ان میں باطنی خرافات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ وہ کیا تکبر، غرور، حسد، بيمروتی اور بے رحمی اور پہلے روساء میں یہ باتیں نہ ہوتی تھیں۔ وہ دل کے بہت نرم ہوتے تھے۔ مروت اور رحم اور ہمدردی ان کے اندر بہت ہوتی تھی۔ اپنے کو خاکسار سمجھتے تھے۔ متواضع ہوتے تھے اور آج کل کے تعلیم یافتہ ایسے متکبر ہوتے ہیں کہ انگریزی پڑھ کر اپنے کو دین کا بھی محقق سمجھنے لگتے ہیں احکام شرعیہ میں رائے دیتے ہیں۔ مولویوں کی تو ہستی کیا ہے رسول کی بات کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک حکم عام بیان فرمائیں اور یہ بلا دلیل محض اپنے اجتہاد سے اس کو اس زمانہ کے لئے خاص بتائیں۔ پہلے رئیسوں میں یہ باتیں نہ ہوتی تھیں۔ باوجودیکہ وہ آج کل کے رئیسوں سے زیادہ دین کا علم رکھتے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں انگریزی پڑھنے کا نام تو علم تھا ہی نہیں۔ قرآن وحدیث فارسی کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا علم شمار ہوتا تھا اور ان کتابوں میں دین ہی کی باتیں ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی اس زمانہ کے روساء سے دین میں دخل اندازی منقول نہیں ہے اور اگر کسی سے منقول بھی ہے تو وہ بھی کسی عالم کے بہکانے سے خود ان کو ایسی جرات نہ ہوتی تھی۔

غرض بھانڈوں نے ایک دن کہا کہ آج تو ہم اس طرح نقل کرنا چاہتے ہیں کہ کسی شخص کے ساتھ مذاق کریں اس کے چپت اور دھول ماریں۔ اس لئے کوئی شخص اس کام کے لئے تجویز کیا جاوے وہاں بجز ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی شخص ایسا غریب نظر نہ آیا جس کو تختہ مشق بنایا جاوے اللہ اللہ۔

ایں چنین شیخ گدائی کو بکو عشق آمد لا ابالی فاتقوا  
ایسا فقیر صفت شیخ، عشق بڑا لا ابالی ہے ڈرتے رہو۔

چنانچہ ان کو لے چلے اور وہ ساتھ ہوئے۔ وہ اس لئے ساتھ ہوئے کہ۔

از خداداں خلاف دشمن و دوست گرگزندت رسد ز خلق مرغ  
کہ دل ہر دو در تصرف اوست کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج  
دوستو اور دشمنوں کے مخالف ہو جانے کو بھی خدا کی طرف سے جانو، دونوں کے دل اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اگر خلق خدا سے تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو رنج مت کر کیونکہ مخلوق (بغیر حکم خدا) نہ راحت پہنچا سکتی ہے نہ تکلیف۔

وہ تو یہ سب معاملہ خدا کی طرف سے سمجھتے ہوئے تھے اور زبان حال سے یہ کہتے جا رہے تھے۔

جرم عشق تو ام می کشند و غوغائست تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا نیست  
تیرے عشق کے جرم میں تکلیف اٹھا رہے ہیں اور شور مچا رہے ہیں۔ تو بھی کوٹھے پر آ جا بہت اچھا تماشا ہے۔

وہاں نقل شروع ہوئی اور حضرت ابراہیم کو چپتانے لگے۔ جب حضرت ابراہیم کا امتحان ہو چکا تو اب غضب الہی کو جوش ہوا۔ حق تعالیٰ اپنے دوستوں کا امتحان کرنے کے لئے بعض دفعہ مخالفوں اور دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتے ہیں مگر پھر بہت جلد مخالفوں پر غضب و قہر کا نزول ہونے لگتا ہے۔ یہ مت سمجھو کہ ہم کو مخالفت کرتے ہوئے اتنے دن ہو گئے اور کچھ نہیں ہوا۔ اہل اللہ کا ستانا خالی نہیں جاتا۔

حلم حق با تو مواسا ہا کند چونکہ از حد بگذری رسوا کند  
خدا کا حلم تجھے ڈھیل دیتا رہتا ہے تاکہ جب تو حد سے گزر جائے تو تجھے ذلیل کرتے۔  
اور اسی حالت میں حضرت ابراہیم کو الہام ہوا کہ تم ذرا زبان ہلا دو تو ہم ابھی ان سب

کو غرق کر دیں۔ اب ان کا ظرف دیکھئے اگر ہم جیسے ہوتے تو نہ معلوم کیسی تیز بددعا کرتے وہ عرض کرتے ہیں کہ حضور جب میری خاطر سے آپ ان کے حق میں میری بددعا قبول فرمانے کا وعدہ فرماتے ہیں تو میری خاطر آپ ان کی آنکھیں ہی نہ کھول دیں کہ جس باطنی بلاء میں یہ غرق ہو رہے ہیں۔ اس سے ان کو نجات مل جائے۔ دعا قبول ہوئی اور ان سب لوگوں کی قلبی آنکھوں پر سے غفلت کے پردے ہٹا دیئے گئے اور سب کے سب ولی ہو گئے۔ اب جو آنکھیں کھلی ہیں اور حضرت ابراہیم کا درجہ و حال معلوم ہوا اور اس پر اپنی حرکتوں کو دیکھا، تو بے اختیار سب قدموں میں گر پڑے۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

## حج کی خوبی

ایک عبادت حج کی مقرر فرمائی جس کی بناء یہ ہے کہ چونکہ بدوں حال کے قال بیکار ہے۔ دل پر بھی چڑھ کر لگانے کی ضرورت تھی اس لئے عشق و محبت کا چڑھ کر دل پر لگانے کے لئے یہ ایک عبادت ایسی بھی شروع ہوئی جس میں ابتداء سے انتہا تک جنون عشق کی کیفیت ہوتی ہے یعنی حج۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سب باتیں ظاہری ہی ہیں نہیں صاحب ان کا دل پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ احرام کی کیفیت دیکھ کر دشمنوں پر بھی اثر ہوتا ہے کہ بادشاہ اور غلام سب کے سب ننگے سر ہیں۔ چادر لنگی پہنے ہوئے ہیں۔ ناخن بڑھے ہوئے بال پریشان ہیں۔ نہ خوشبو لگا سکتے ہیں۔ نہ ناخن کتر سکتے ہیں، نہ خط بنا سکتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے لبیک اللہم لبیک پکارتے ہیں۔ جب حاجی لبیک کہتے ہیں تو پتھر بھی موم ہو جاتا ہے۔ پھر جب مکہ پہنچتے ہیں اور کعبۃ اللہ پر نظر پڑتی ہے تو نظر کے ساتھ ہی آنکھوں سے گھڑوں پانی بہنے لگتا ہے۔ کیا سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ کوئی تو چیز ہے جو یوں بے تاب کر ڈالتی ہے۔ یہ رونا نہ معلوم خوشی کا ہے یا غم کا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہمارے حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ رونا گرم بازاری عشق کا ہے۔ جس کا ذکر ان اشعار میں ہے۔

ملے برگ گلے خوشترنگ درمنقار داشت و اندراں برگ و نوا صد نالہائے زار داشت  
گفتمش در عین وصل اس نالہ و فریاد چیست گفت مارا جلوہ معشوق در ایں کار داشت  
ایک بلبل ایک خوبصورت پھول کی پتی چونچ میں لئے ہوئے تھی اور اس پتی میں سینکڑوں نالوں کی صدا میں رکھے ہوئے نالے کر رہی تھی۔ میں اس سے عین وصال کے وقت گیا کہ یہ نالہ و فریاد کیسا۔ اس نے جواب دیا کہ جلوہ معشوق نے اسی کام کا رکھا ہے۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)



حدیث شریف میں ہے۔

سنة ابيکم ابراهیم (تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام) کیوں فرمایا سنے ابراہیم فرمادیتے اہیکم (تمہارے باپ) کا لفظ کیوں بڑھایا اس کے متعلق دو اعتبار سے کلام ہے اول تصحیح کے اعتبار سے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تمام امت کا باپ کیسے فرمادیا۔ دوسرے غرض کے اعتبار سے کہ اس نسبت کی تصریح سے کیا فائدہ نکلا۔ سو تصحیح کے اعتبار سے تو یہ ہے کہ اہیکم فرمانا ایک تو اس طرح اس لئے صحیح ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اکثر عرب کے باپ ہیں اس لئے کہ اکثر عرب بنو اسماعیل ہیں اور اسماعیل علیہ السلام بیٹے ہیں براہیم علیہ السلام کے اس لئے اہیکم فرمایا لیکن چونکہ آیت میں خطاب تمام امت کو ہے اس لئے کہ احکام مخصوص اہل عرب کے ساتھ تو ہیں نہیں اس لئے بہتر وجہ دوسری ہے کہ اہیکم سے مراد روحانی باپ لئے جائیں اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے روحانی باپ ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت قرب ہے۔ نسباً بھی اور شریعتاً بھی۔ نسباً تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور شریعتاً اس لئے کہ شریعت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام شریعت ابراہیمی سے بہت ملتی جلتی ہے اصولاً بھی اور فروعاً بھی اسی واسطے فرمایا ہے۔

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا یعنی اتباع کرو ملت ابراہیم علیہ السلام کا یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تو تمام ملل و ادیان کی ناسخ ہے پھر ملت ابراہیمی کے اتباع کا آپ کو امر کیوں فرمایا۔ جواب یہ ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا امر اس حیثیت سے نہیں ہے کہ وہ ملت ابراہیم ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ملت ابراہیمی بھی اس کا ایک لقب ہے اور یہ لقب اس لئے ہے کہ یہ دونوں ملتیں آپس میں اصولاً و فروعاً باعتبار فروع کثیرہ کے متناسب و متوافق ہیں اور اسی واسطے یہ نہیں فرمایا کہ اتبعوا ابراہیم کہ ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرو بلکہ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کرو) فرمایا اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہا جائے کہ مذہب حنفی اختیار کرو تو اس کے یہ معنی نہیں کہ شریعت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتباع شریعت میں جو امام ابوحنیفہؒ کا

مسک ہے وہ اختیار کرو اب یہاں سے ان معترضین کا اعتراض بھی جاتا رہے گا جو مقلدین امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ یہ لوگ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع کرتے ہیں۔ (ترغیب الاضیہ ج ۱۷)

## قربانی میں بے رحمی کے شبہ کا جواب

لوگوں نے سلطان محمود سے پوچھا تھا کہ آپ ایاز کو زیادہ کیوں چاہتے ہیں کہ اس کے اندر کیا بات ہے۔

سلطان نے کہا کہ کسی وقت دکھلا دیں گے کہ اس کے اندر کون بات زائد ہے ایک روز خزانہ میں سے ایک بڑا قیمتی موتی نکلوایا اور وزیر اعظم کو حکم دیا کہ اس کو توڑ ڈالو۔ وزیر اعظم نے سمجھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو آج کچھ خلل دماغ ہے عرض کیا کہ حضور پھر ایسا نایاب میسر نہ ہوگا اس حکم پر پھر نظر ثانی کر لیجئے اس کے بعد دوسرے وزیر کو حکم دیا اور وزیر ثانی نے سوچا کہ جب وزیر اعظم نے باوجود مجھ سے زیادہ سمجھدار ہونے کے نہیں توڑا تو میں کیوں توڑوں اس نے بھی عذر کیا۔ غرض سب نے انکار کر دیا تو ایاز کو حکم دیا۔ ایاز نے کہا بہت اچھا فوراً دو پتھر لا کر ایک کے اوپر موتی رکھا اور دوسرے کو اس پردے مارا وہ چکنا چور ہو گیا۔ وزیر اعظم نے ملامت کی کہ ایسا موتی توڑ ڈالا ایاز نے کہا کہ تم پاگل ہو۔ تم نے بادشاہی حکم توڑا اور میں نے موتی توڑا اور یہ کہا۔

نقض امر از کسر درد شوار تر لاجرم بستم بامراد کمر  
(موتی کے توڑنے سے حاکم کا حکم توڑنا زیادہ برا ہے اسی لئے میں نے اس کے احکام بجالانے کی کمر باندھ رکھی ہے)

پس مسلمانوں کی مثال ایاز کی سی ہے کہ باوجود اس کے کہ گائے بکری سے بے حد محبت چنانچہ جس وقت یہ ذبح کرتے ہیں ان پر بے حد اثر ہوتا ہے جس کو مخالف معترض کیا جانیں لیکن محبوب حقیقی کے حکم کے سامنے اپنے اس جوش محبت کو روک لیا اور حکم شاہی کو نہیں توڑا حکم ہوا کہ ان کا گلا کاٹ ڈالو بلا چون و چرا تسلیم کر لیا کہ بہت بہتر اور دل اندر سے گھلا جاتا ہے اور پگھلا جاتا ہے لیکن حکم کو خوشی خوشی بجاتے ہیں۔

ہمارے استاد حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک گائے کا بچہ قربانی کے لئے پالا تھا۔ اس کی بڑی خدمت کی جاتی تھی اور خود اس کو جنگل میں لے جا کر اس کے

ساتھ دوڑتے تھے۔ غرض اس سے بہت ہی محبت تھی اور تازہ اس قدر ہوئی تھی کہ قصائی اس کے ۸۰ روپے دیتے تھے جس روز اس کو ذبح کیا ہے تو میں نے سنا تھا کہ مولانا کے آنسو جاری تھے۔ اور گھر بھر کو رنج ہوا۔ دیکھو اگر مسلمانوں کے اندر رحم اور محبت نہیں تو یہ رونا اور آنسو بہانا کیوں تھا لیکن کیا بات ہے اس سے زیادہ محبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اس لئے اس کے حکم کے سامنے سب مقتضیات طبعیہ ہیچ ہو جاتے ہیں۔ (الضحایا ج ۱۷)

## حج و قربانی میں مناسبت

قربانی کو حج سے ایک مناسبت تو اقتران فی الذکر کی وجہ سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بے جوڑ چیزوں کو ذکر میں مقتدر نہیں فرمایا کرتے اور میں نے وجہ جامع بھی بتلا دی ہے جس کی وجہ سے دونوں کو مقتدر بالذکر کیا گیا ہے۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ ایام حج و ایام قربانی متحد ہیں یا یوں کہئے کہ متصل ہیں کیونکہ حج کا ایک رکن طواف زیارت ہے یہ تو دسویں ذی الحجہ سے بارہ ہی تک ہوتا ہے اور یہی ایام قربانی کے ہیں اس کے لحاظ سے تو ایام حج و ایام اضحیہ متحد ہیں اور رکن اعظم حج کا وقوف عرفہ ہے یہ نویں کو ہوتا ہے اس رکن کے اعتبار سے یوں کہنا چاہیے کہ ایام قربانی ایام حج سے متصل ہیں تو جو لوگ حج کرتے ہیں وہ حج کے ساتھ یا یوں کہئے کہ اس کے متصل ہی قربانی بھی کرتے ہیں بہت سے حجاج پر قربانی واجب ہوتی ہے جو قارن یا متمتع ہوں اور بہت سوں کے لئے مستحب ہے جو مفرد بانحج ہوں۔

شاید یہاں یہ شبہ کیا جائے کہ یہ وجہ مناسبت تو حجاج کیساتھ مخصوص ہوئی اور قربانی تو غیر حاج بھی بہت کرتے ہیں۔

اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ مناسبت کے لئے اقتران فی الجملہ بھی کافی ہے گو اقتران کلی نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو یہ کہنا بعید نہیں ہے کہ غیر حاج پر قربانی کا واجب ہونا تشبہ بال حاج کے لئے ہے کہ جو لوگ مکہ میں نہیں اور حج میں مشغول نہیں وہ حاجیوں کے ساتھ مشابہت ہی کر لیں۔ چنانچہ جیسا حج میں تلبیہ ہوتا ہے یہاں اس کے مشابہ تکبیر تشریق ہے جو ہر مسلمان عاقل بالغ پر ایام تشریق میں واجب ہے جبکہ جماعت سے نماز پڑھے اور مفرد کے لئے مستحب ہے۔

نیز جو لوگ قربانی کرنے والے ہیں ان کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ یکم ذی الحجہ سے

قربانی تک اپنے ناخن اور بال وغیرہ نہ کٹوائیں بلکہ قربانی کے بعد حلق یا قصر کریں اس میں حالت احرام کے ساتھ تشبہ ہے (اور جن پر قربانی واجب نہیں اگر وہ بھی ایسا کریں تو بہت ثواب ہے) اب تو قربانی کی مناسبت حج سے بالکل ہی ظاہر ہے۔

تیسرے حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا ما الحج یا رسول اللہ کہ حج کی حقیقت کیا ہے تو حضور نے جواب میں فرمایا الحج والشج (الترمذی) کہ حج کی حقیقت ہے آواز بلند کرنا (تلبیہ میں) اور خون بہانا (قربانی میں) اب تو مناسبت بوجہ اکمل ظاہر ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کو داخل حقیقت حج کیا ہے گو وہ ارکان میں سے نہ ہو مگر اس کو تعلق حج کے ساتھ ایسا قوی ہے کہ گویا داخل حج ہے۔

اور حج کے افعال شوال سے شروع ہو جاتے ہیں تو قربانی کے احکام بھی اسی وقت سے شروع ہو جانے چاہئیں گو حکم مستحب ہی سہی یعنی تسمین نیز تعلق اضحیہ کا حج کے ساتھ اس سے بھی ظاہر ہے شرعاً سوق ہدی تلبیہ کے قائم مقام ہے کہ جو شخص احرام حج کے ساتھ سوق ہدی بھی کرے تو اس کا احرام تقلید ہدی سے منعقد ہو جاتا ہے تلبیہ پر موقوف نہ رہے گا پس اگر کوئی شخص شوال کے مہینہ میں احرام مع سوق الہدی کا ارادہ کرے تو اس کے ذمہ اسی ماہ میں ہدی کا خریدنا لازم ہے گو بعض صورتوں میں اس ماہ میں واجب نہ ہو مگر مناسبت کے واسطے یہ لطائف کافی ہیں کیونکہ یہ مضمون مبانی و مقاصد میں سے تو نہیں ہے جس کے لئے دلائل قطعیہ کی حاجت ہو۔ بہر حال جن تین مضامین کے بیان کا اس وقت ارادہ ہے ان میں سے دو کا تعلق تو اس ماہ سے بخوبی ظاہر ہو گیا ایک کا تعلق تو بدیہی تھا (یعنی حج کا) اور ایک کا تعلق وارتباط اس تقریر سے ظاہر ہو گیا۔ (السوال فی الشوال ج ۱۷)

## روح حج

سوروح حج وصول الی اللہ ہے۔ جس کی صورت حج البیت ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔  
 حج زیارت کردن خانہ بود حج رب البیت مردانہ بود  
 (خانہ کعبہ کی زیارت کرنا ظاہری حج کی صورت ہے حقیقت میں حج سے مقصود رب البیت ہے)  
 یعنی اصل میں مقصود حج رب البیت ہے زیارت خانہ کعبہ اس کی صورت ہے اس حقیقت کو حضرت حاجی صاحب نے ایک مرتبہ جوش میں بیان فرمایا تھا کہ اس وقت حکام مکہ



حضرت سے کچھ براہم تھے مگر کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ اپنے کو مٹاتے ہیں ان کو رفعت حاصل ہوتی ہے کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

دیکھو اللہ ہے چھوٹوں کو بڑائی دیتا آسمان آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا واقعی جو لوگ اپنے کو مٹاتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو بلندی عطا فرماتے ہیں۔ حدیث میں ہے من تواضع لله رفعه الله (مشکوٰۃ) مگر یاد رکھو جو بقصد رفعت تواضع کرے گا اس کو رفعت حاصل نہ ہوگی کیونکہ اس نے تواضع اللہ نہیں کی بلکہ لغیر اللہ کی ہے تو تواضع اللہ یہ ہے کہ حقیقت میں وہ اپنے کو لاشے اور ہچ سمجھ کر تواضع کرے اور اپنے کو رفعت کا اہل نہ سمجھے اور سچ مچ اپنے کو مٹانے کا قصد کرے حضرت حاجی صاحبؒ تو یوں چاہتے تھے کہ اپنے کو خاک میں ملا دیں اور جن لوگوں نے حضرت کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت میں کس قدر غلبہ فنا تھا مگر جتنا وہ مٹاتے تھے اتنا ہی بلند ہوتے تھے حتیٰ کہ حکام بھی آپ سے مرعوب تھے۔

تو جس زمانہ میں حکام مکہ حضرت سے براہم تھے۔ اسی زمانہ میں شریف صاحب کے ایک مصاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم لوگوں نے یہ خیال کیا کہ شاید حضرت ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے مگر حضرت نے ان کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کیا کہ ہم خدام بھی ڈر گئے کہ خدا خیر کرے فرمایا یاد رکھو شریف صاحب میرا کیا باگڑ سکتے ہیں بیش بریں نیست کہ مجھے مکہ سے نکال دیں گے سو خوب سمجھ لو کہ عارف جہاں بیٹھتا ہے وہی اس کا مکہ اور مدینہ ہے۔ کیونکہ مکہ کی حقیقت تجلی الوہیت اور مدینہ کی حقیقت ہے۔ تجلی عبدیت اور عارف اپنے اندر ہر وقت تجلی الوہیت و تجلی عبدیت کا مشاہدہ کرتا ہے وہ جہاں بیٹھے گا مکہ مدینہ اس کے ساتھ ہے پس وہ ہر جگہ خوش رہے گا کیونکہ مقصود سے ہر دم اس کو قرب حاصل ہے۔

ہر کجا دلبر بود خرم نشیں فوق گردوں ست نے قعر زمیں  
(جس جگہ محبوب ہو وہاں خوش و خرم بیٹھو وہ جگہ مرتبہ میں آسمان سے بلند ہے نہ زمین پست) اور  
ہر کجا یوسف رنے باشد چو ماہ جنت است آں گر چہ باشد قعر چاہ  
(جہاں محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے اگر چہ کنواں ہی کیوں نہ ہو)

پھر چونکہ حضرت محقق تھے اس لئے مسئلہ کے دوسرے پہلو کو بھی سنبھالا اور فرمایا مگر جو محقق ہے وہ صورت کو بھی ہاتھ سے نہیں دیتا بلکہ حتیٰ الامکان صورت و معنی کو جمع کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔

بہر حال مجھے حضرت حاجی صاحبؒ کی اس حکایت سے اس مسئلہ کی تائید کرنا مقصود تھی کہ روح حج وصول الی اللہ ہے جس کی صورت یہ حج بیت ہے۔ (السوال فی الشوال ج ۱۷)

## عشاق کا حج

چنانچہ مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفر حج میں ایک نو عمر لڑکا ہمارے ساتھ تھا بدون زاد و توشہ کے میں نے پوچھا کہ صاحبزادے تم نے توشہ نہیں لیا تو اس نے برجستہ جواب دیا۔  
وقدت علی الکریم بغیر زاد من الحسنات والقلب السليم  
قان الزادا فتح کل شئ ادا کان الوفود علی الکریم  
(میں حسنات اور قلب سلیم سے بغیر زاد راہ کے دربار میں جا رہا ہوں اس لئے کہ جب کریم کے دربار میں جائے ہر چیز سے بری چیز زاد راہ ہے)

اس وقت میں سمجھا کہ یہ معمولی لڑکا نہیں بلکہ مرد طریق ہے پھر احرام باندھنے کا وقت آیا تو سب نے لبیک کہا اس لڑکے نے نہ کہا اور حیران ہو کر سب کا منہ تکتے لگا میں نے کہا صاحبزادہ لبیک کیوں نہیں کہتے کہا ڈرتا ہوں کہ میں لبیک کہوں اور وہاں سے جواب آئے۔  
لا لبیک ولا سعدیک وحجک مردود علیک

(تیرا نہ لبیک قبول ہے اور نہ سعدیک اور تیرا حج تجھ پر مردود ہے)  
پھر حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں ہم سب آئے تو سب نے قربانی کی اس لڑکے نے آسمان کی طرف نظر کی اور کہا الہی سب اپنی ہمت کے موافق آپ کی جناب میں نذریں پیش کر رہے ہیں اور میرے پاس بجز اپنی جان کے کچھ نہیں اگر یہ نذر قبول ہو جائے تو زہے قسمت اور یہ کہہ کر چیخ مار کر جان بحق تسلیم ہوا۔

غیب سے آواز آئی کہ اس ولی کی قربانی کی بدولت سب کی قربانیاں قبول ہو گئیں۔ اور اس کے حج کی بدولت سب کا حج قبول ہو گیا۔ سبحان اللہ، اللہ کے بندے کیسے کیسے ہوئے ہیں۔

یہ واقعہ تو روض الریاحین یا کسی اور کتاب میں مذکور ہے اور ایک واقعہ زبانی سنا ہوا ہے کہ ایک شخص جواز ادوضع تھا حج کو جا رہا تھا ہاتھ میں ایک دف تھا اور گاتا بجاتا چلا جاتا تھا لوگ یہ سمجھے کہ کوئی مسخرہ ہے بعض لوگ وضع کے پابند ہیں مگر ان کا دل بھی پائے بند ہے کہ میدان عشق میں ترقی نہیں کرتا کیونکہ ان لوگوں میں تکبر ہے جو سد راہ ہے اور بعض لوگ وضع

سوز ہوتے ہیں ان کا دل تکبر سے پاک ہوتا ہے بشرطیکہ وہ وضع سوز ہی ہوں شرع سوز نہ ہوں ہمارے ماموں صاحب فرماتے تھے کہ شوخی علامت ہے روح کے زندہ اور نفس کے مردہ ہونے کی اور متانت علامت ہے نفس کے زندہ اور روح کے مردہ ہونے کی غرض وہ شخص وضع سوز تھا لوگ اس کو مسخرہ سمجھتے تھے جب مکہ معظمہ پہنچا اور معلم کے ساتھ سب کے سب طواف کعبہ کو چلے اور دروازہ کے قریب پہنچ کر بیت اللہ پر نظر پڑی اور معلم نے کہا ہذا بیت اللہ (یہ اللہ کا گھر ہے) تو اس شخص پر وجد طاری ہو گیا اور بے ساختہ یہ شعر زبان سے نکلا چوری بکوائے دلبر بسیار جان مضطر کہ مبادا بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا (جب محبوب کے در پر پہنچ گئے ہو تو اپنی جان کو فدا کر دو شاید پھر اس تمنا کے حصول کا موقع نہ ملے) یہ کہا اور گر کر وہیں جان دیدی بیت اللہ تک پہنچنے سے پہلے ہی رب البیت کے پاس پہنچ گیا گو اس شخص نے ظاہر میں نہ طواف کیا نہ حج کیا مگر یاد رکھئے کہ عاشق کا درجہ قرب میں عمال سے بڑھا ہوا ہے گو مناصب عمال کے زیادہ ہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تو ایاز تھا اور ایک حسن میمندی تھا۔ اختیارات تو حسن میمندی کے زیادہ تھے کیونکہ وہ وزیر تھا مگر قرب سلطان ایاز کو زیادہ تھا بعض وقت سلطان سے بات کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی بجز ایاز کے، اسی طرح بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں جو کسی خدمت پر مامور نہیں نہ تکوینی پر نہ تشریحی پر نہ قطب ہیں نہ غوث ہیں نہ مدرس ہیں نہ واعظ مگر خدا تعالیٰ کے پیارے ہیں غرض بعض لوگ حقیقتاً بھی جان فدا کر دیتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے اس لئے انہوں نے جانوروں کی جان کو ہماری جان کا عوض بنا دیا۔

(السوال فی الشوال ج ۱۷)

## صورت حج

روح حج کی وصول الی اللہ ہے لیکن صورت حج کو اگر دیکھا جائے تو اس صورت کو بھی سارا قصہ عاشقوں کا سا قصہ ہے چنانچہ احرام سے حج شروع ہوتا ہے اسی وقت سے یہ صورت ہو جاتی ہے کہ

لنکے زیرو لنکے بالا      نے غم وزد نے غم کالا

(ایک تہہ بند باندھے ہوئے تو ایک اوڑھے ہوئے نہ چور کا خطرہ نہ اسباب کا غم)

سرکھلا ہوا ہے سلعے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتے گویا اسی وقت سے مجنوںوں کی صورت اختیار کر لی اور کچھ پرواہ نہیں کہ کوئی کیا کہے گا کہ اس نے کیا صورت بنائی ہے۔

نہ ساز و عشق را کنج سلامت خوشا رسوائی کوئے ملامت  
(سلامتی کا گوشہ عشق کے موافق نہیں ہے کوچہ ملامت کی رسوائی بہتر ہے)

اس وقت اس رسوائی ہی میں عشاق کو مزا آتا ہے ایک اور شاعر کہتا ہے  
عاشقی چیت بگو بندہ جاناں بودن (عاشقی کیا ہے؟ کہہ دو محبوب کا بندہ ہو جانا)

واقعی احرام کی صورت بالکل بندگانہ و غلامانہ صورت ہے

عاشقی چیت بگو بندہ جاناں بودن دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن  
(اگر کوئی پوچھے عاشقی کیا ہے تو کہہ دو کہ محبوب کا بندہ بن جانا۔ دل کو دوسرے کے

ہاتھ میں دے دینا اور حیران رہ جانا)

اس وقت سب لوگ ایک حال میں ہوتے ہیں امیر بھی غریب بھی سلطان بھی رعایا بھی عاشق بھی اور غیر عاشق بھی کسی کے لئے کوئی خاص امتیاز نہیں ہوتا کیونکہ عشق کے لئے امتیاز سدا رہا ہے امتیاز سے شہرت ہوتی ہے اور شہرت بہت سی بلاؤں کا پیش خیمہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اشتہار خلق بند محکم است بند ایں از بند آہن کے کم است

(مخلوق میں مشہور بن جانا ایک سخت حجاب ہے جو فیوض سے محروم رکھتا ہے راہ

خداوندی میں۔ یہ حجاب قید آہنی سے کم نہیں ہے)۔

خولیش را رنجور ساز و زار زار تاترا بیروں کنند از اشتہار

(اپنے رنجور، زار و زار، پست و شکستہ بنا لو تا کہ عوام الناس شہرت سے خارج کر دیں)

اسی واسطے عشاق اپنے کو گمنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ شہرت سے لوگ ان کے

درپے نہ ہوں اور محبوب کے درمیان اور ان کے درمیان حائل نہ ہوں تو حق تعالیٰ نے احرام

میں سب کی صورت یکساں بنا دی تا کہ عشاق و غیر عشاق میں امتیاز نہ رہے کیونکہ عشاق تو

احرام میں عاشقانہ صورت بناتے ہیں ان سے تو اس وقت لباس وغیرہ کا اہتمام نہ ہو سکتا پھر

اگر تنہا وہی اس صورت میں ہوتے تو ان کا بھانڈا پھوٹا ان کا عشق طشت از بام ہو جاتا اس لئے

محبوب نے ان کی پردہ پوشی کے لئے سب کو عاشقانہ صورت بنانے کا حکم فرما دیا تا کہ عشاق کا

عشق مخفی رہے ان کو امتیاز نہ ہو اور امتیاز سے شہرت نہ ہو اور شہرت سے عجب و پندار پیدا نہ ہو۔



نیز شہرت میں دنیا کے بھی خطرے ہیں مولانا فرماتے ہیں ۔  
 چشمہاؤ چشمہاؤ اشکبا برسرت ریزد چو آب از مشکبا  
 (لوگوں کی نظریں، انکے غیض و غضب، انکے حسد، ایسے شخص پر جیسے مشک سے  
 پانی گرتا ہے برسنے لگے)

اہل شہرت ہی کے سب لوگ درپے ہوتے ہیں کوئی ان پر اعتراض کرتا ہے کوئی طعن کرتا  
 ہے کوئی حسد کرتا ہے اور گمنام آدمی ان بلاؤں سے محفوظ ہے چنانچہ جو لوگ دنیوی و جاہت  
 رکھتے ہیں وہ دنیا کے قصوں میں بہت پھنسائے جاتے ہیں آج حکام کی خوشامد ہے کل کو فوج کی  
 بھرتی کا انتظام ان کے سپرد ہے اور اگر کہیں بد امنی ہو جائے تو سب سے پہلے ان کے محلکے  
 لئے جاتے ہیں غریبوں کو کون پوچھتا ہے اس لئے غریبوں کی زندگی نہایت بے فکر زندگی ہے۔  
 حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے جب کوئی فقر و فاقہ کی شکایت کرتا تو فرماتے کہ تم کو یہ دولت مفت مل  
 گئی ہے اس لئے قدر نہیں مجھ سے قدر پوچھو کہ سلطنت چھوڑ کر فقر و فاقہ خریدا ہے تو حق تعالیٰ نے  
 احرام میں سب کی صورت یکساں بنا کر عشاق کو شہرت کے تمام خطرات سے بچا دیا دینی خطرات  
 سے بھی اور دنیوی خطرات سے بھی۔ بس ذرا سا امتیاز جائز رکھا گیا ہے کہ کوئی گاڑھے کی لنگی چادر  
 پہن لے اور کوئی لٹھے کی یا اس سے بھی قیمتی کپڑے کی کوئی کمبل اوڑھ لے کوئی شال اوڑھ لے۔

اس میں ایک تو یہی حکمت ہے کہ امتیاز طبعی خاصہ انسان کا ہے اور طبعی جذبات کو بالکل  
 فنا کرنے سے تکلیف ہوتی ہے سو حق تعالیٰ تکلیف دینا نہیں چاہتے دوسرے اس میں یہ بھی  
 حکمت ہے کہ سائلین کو اطلاع ہو جائے کہ یہ دو سالہ اوڑھنے والا مالدار ہے یہ خیرات دے  
 سکتا ہے ان حکمتوں سے کسی قدر امتیاز جائز رکھا گیا ورنہ اصل وضع میں سب مساوی ہیں اور  
 وضع میں زیادہ دخل لباس کی ہیئت ہی کو ہے مادہ کو نہیں۔ پھر سب کو حکم ہے کہ سر کھول دو تا کہ  
 سب کا حال معلوم ہو جائے کہ ان کا سر کیسا ہے بعض لوگ گنجے ہوتے ہیں اس وقت سر  
 کھولتے ہوئے ان کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ غرض احرام کے وقت تو یہ صورت بنائی  
 جس سے سراپا نیاز مندی اور عبدیت کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر جب دربار میں پہنچے اور طواف  
 شروع ہوا جس میں رمل بھی مشروع ہے تو چال بھی ڈھنک کی نہ رہی حالانکہ یہی حاضری  
 دربار کا وقت تھا ادب و وقار کا مگر نہیں یہی وقت ہے فناء و قار کا اور یہاں کا ہی ادب ہے۔

چو سلطان عزت علم برکشد جہاں سر بہ حبیب عدم درکشد  
(جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی ہے تو سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں)  
دربار حق میں جب عظمت حق کا علم بند ہوتا ہے وہاں کسی کی عزت کیونکر باقی رہ  
سکتی ہے بلکہ سب کو اپنی عزت و وقار کو فنا کر دینا چاہیے اور اگر کوئی اس ہیئت کو دیکھ کر  
انہیں دیوانہ کہے تو وہ یوں کہتے ہیں۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد مرعس را دیدو درخانہ نہ شد  
(جو دیوانہ نہیں ہوا وہی دیوانہ ہے جس طرح جو شخص کو تو ال کو دیکھتا ہے گھر میں چلا جاتا ہے  
اسی طرح جب محبوب حقیقی کا عشقی غالب ہوتا ہے عقل رفو چکر ہو جاتی ہے) اور یوں کہتے ہیں۔  
ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم  
(اگر ہم قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا پرواہ یہی دولت کیا کم ہے کہ ہم محبوب حقیقی اور اسکی  
محبت کے متوالے ہیں)

واقعی طواف میں رمل کی ہیئت بتلاتی ہے کہ یہاں کوئی بڑا دربار ہے جسکے سامنے سب کا  
وقار مٹ گیا سب کی عزت خاک میں مل گئی سب کے سب مجنوں کی طرح شانے ہلاتے  
ہوئے دوڑ رہے ہیں یہ توجج کی صورت تھی۔ (السوال فی الشوال ج ۱۷)

## روح قربانی

قربانی کی ہیئت بالکل نذر کی صورت ہے کہ جیسے کسی کے سامنے نذر پیش کر رہے ہوں  
کیونکہ کھانے پینے کے لئے قربانی ہوتی تو ہر شخص کو ایک سے زیادہ قربانی کی اجازت نہ ہوتی  
کیونکہ اس سے زیادہ کھانے کے کام میں نہیں آ سکتی بلکہ ایک ایک قربانی بھی کریں تب بھی  
بہت سا گوشت بچ رہتا ہے مگر باہنہ ایک شخص ہزار بکرے ذبح کرے تو شریعت اس کو منع  
نہیں کرتی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی روح نذر ہے۔

یہاں سے ان ملحدوں کا منہ بند کر دیا گیا جو یوں کہتے ہیں کہ اس قدر جانوروں کے  
ذبح میں فضول رقم ضائع کی جاتی ہے یہ رقم رفاہ عام میں خرچ کرنا چاہئے میں کہتا ہوں کہ اگر  
کوئی شخص جارج پنجم کے سامنے دس لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کرے تو وہاں کوئی نہیں کہتا کہ یہ  
روپیہ رفاہ عام میں خرچ کرنا چاہیے بلکہ وہاں تو تعریف ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے بڑی

ہمت سے کام لیا کہ دس لاکھ روپے نذرانہ میں پیش کئے افسوس خدا کے سامنے کوئی نذر پیش کرے تو اس کی رقم کو فضول ضائع کرنا کہا جاتا ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ آج کل جو بعض مسلمانوں میں عقل کی کمی ہے اور وہ شریعت کے احکام پر اشکال کرتے ہیں تو اس کا بڑا سبب خدا سے تعلق کی کمی ہے اگر ان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا تو ان کی عقلیں درست ہو جاتیں ان لوگوں کو رقم ضائع ہونے کا شبہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے قربانی کی غرض گوشت کھانا سمجھا حالانکہ اس کی یہ غرض نہیں بلکہ اس کی غایت صرف خدا کے نام پر جان فدا کرنا ہے مکہ معظمہ میں جا کر اس کا نمونہ نظر آتا ہے کہ قربانی کی کوئی حد ہی نہیں بالکل مقتل نظر آتا ہے کہ ایک جگہ ہزاروں لاکھوں جانیں خدا تعالیٰ کے نام پر قربان کی جاتی ہیں۔

اب ہمارے رفارمروہاں بھی رائے دیتے ہیں کہ سلطان کو ان جانوروں کی کھالیں کھینچنا چاہیے اور ان سے رفاہ عام کا کام نکالنا چاہئے حالانکہ رئیس العقلاء سید الحکماء افضل الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ الحج العج والشج۔ کہ حج نام ہے شور برپا کرنے کا جو حرکت ہے۔ دیوانوں کی مراد اس سے بلند آواز سے لبیک کہنا ہے اور نیز حج نام ہے اس کے نام پر خون بہانے کا جو نذرانہ دربار ہے حضور نے فقط جان لینا اور خون بہانا فرمایا ہے۔ کھانے تک کا بھی تو ذکر نہیں فرمایا بس معلوم ہوا کہ اصل روح قربانی کی نذر الی اللہ ہے اور حج کی روح دیوانہ شدن ہے۔ یہ اسرار ہیں اور یہ راز ہیں افعال حج کے اور یہ تو وہ ہیں جہاں تک ہم جیسوں کی عقلیں پہنچ گئیں اور جو حکماء امت ہیں وہ تو اور زیادہ بیان کر سکتے ہیں۔ میں اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ علماء اور طلبہ کو چھیڑ نہیں ان کے تھیلے میں سب کچھ ہے یہ اسرار کو بھی سب سے زیادہ جانتے ہیں مگر مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست (مصلحت نہیں ہے کہ راز افشا ہو جاتے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی خبر ایسی نہیں جو کہ نہ ہو) اور یہ جتنا کچھ بھی میں نے بیان کیا ہے رغبت سے بیان نہیں کیا کیونکہ علوم مکاشفہ سے مجھے زیادہ رغبت نہیں۔ مجھے زیادہ رغبت علوم معاملہ سے ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے علوم ہیں مگر بعض طبائع کی خاطر سے یہ اسرار بیان کر دیئے ہیں کہ اگر کسی کے یہاں احباب کی دعوت آموں کی ہو تو وہ پال کے آم بھی پیش کرتا ہے اور ڈال کے بھی تاکہ جس کو جس سے رغبت ہو ویسے ہی کھالے کسی کو کھٹے آم پسند ہوتے ہیں کسی کو میٹھے اور کسی کو

ایسے پسند ہوتے ہیں جو کچھ کھٹے ہوں کچھ میٹھے اس لئے میں نے بھی اس وقت ہر قسم کے مضامین جمع کر دیئے ہیں اب میں حج اور قربانی کا مضمون ختم کرتا ہوں۔ مضمون حج کا نام الحج ہے اور مضمون قربانی کا نام الحج ہے۔ اور یہ نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہوئے ہیں اس لئے ہم دوسرے نام کیوں رکھیں حضور تو اگر ہمارے بیٹوں کے اور ہمارے نام بھی رکھ دیتے تو ہم اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور ہرگز خود کوئی نام نہ رکھتے۔ (السوال فی الشوال ج ۱)

## حج میں اخلاص کی ضرورت

مگر میں ابھی بتلا دوں گا کہ اخلاص کی ضرورت حج میں زیادہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حج کی ایک خاص شان ہے جس کی وجہ سے وہ اکثر اخلاص سے خالی ہو جاتا ہے اور یہ ہمارے سوء فہم کا نتیجہ ہے کہ اس کی وہ خاص شان اس کو مقتضی ہو گئی کہ اس میں اخلاص کم ہوتا ہے ورنہ اس شان کا اصلی مقتضاء یہ تھا کہ اس میں دوسرے اعمال سے زیادہ اخلاص کا اہتمام کیا جاتا۔ حج کی ایک شان یہ ہے کہ وہ ساری عمر میں ایک بار فرض ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو کام بار بار ہوتا ہے اس میں اگر پہلی بار اخلاص نہ ہو تو آہستہ آہستہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے اگر کسی کو اول روز اخلاص نصیب نہ بھی ہو تو وہ کوشش کر کے دو چار روز یا دو چار ہفتوں میں اخلاص حاصل کر سکتا ہے روزہ میں اتنا تکرار تو نہیں مگر ہر سال رکھنا پڑتا ہے اسی طرح زکوٰۃ ہے اگر کوئی شخص تمنا کے ساتھ بلوغ کے بعد پچاس سال کی عمر پائے تو پچاس مرتبہ زکوٰۃ فرض ہوگی اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ دوسرے اعمال میں اخلاص کا پیدا ہونا آہستہ آہستہ ممکن ہے اگر پہلی بار میں نہ ہو دوسری تیسری بار میں ہو جائے گا۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اخلاص کے وجود ا وعدہ تین درجے ہیں۔ ایک یہ کہ فعل کے وقت غایت صحیحہ کا قصد ہو یہ تو غایت اخلاص ہے اور یہی مقصود اور مرتبہ کمال کا ہے۔ دوسرے یہ کہ غایت فاسدہ کا قصد ہو۔ یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے ایک یہ کہ کچھ بھی قصد نہ ہو نہ غایت صحیحہ کا نہ غایت فاسدہ کا بلکہ یونہی معمول کے موافق ایک کام کر لیا یہ درجہ بین بین ہے۔ اس کو اخلاص سے اتنا بعد نہیں جتنا دوسرے درجہ کو بعد ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور قصد یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہوں گے اس کے سوا اور کچھ نیت نہ ہو یہ تو اخلاص کا درجہ کمال ہے ایک یہ



صورت ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی دوسرے شخص کو دکھانے کا خیال ہو کہ فلاں شخص ہمارے خشوع و خضوع کو دیکھ کر ہمارا معتقد ہو جائے گا یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے ایک یہ صورت ہے کہ ہم معمول کے موافق نماز پڑھ لیں نہ وہ خیال دل میں ہو نہ یہ خیال ہو یہ مرتبہ بین بین ہے۔ یہ اگر اخلاص کا درجہ کمال نہیں تو اخلاص کے زیادہ منافی بھی نہیں۔ اس کو اخلاص سے قرب ضرور ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ فعل اختیاری فاعل مختار سے بدوں کسی غرض کے تصور کے نہیں ہو سکتا۔ تو اس کی کیا وجہ کہ بعض دفعہ ہم ایک فعل کرتے ہیں اور نیت کچھ نہیں ہوتی۔ یہ محض عادت کی برکت ہے جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود صادر ہونے لگتا ہے اس کے لئے اب بار بار ارادہ اور عزم نہیں کرنا پڑتا۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز کی نیت بھی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی غایت پر نظر نہیں ہوتی۔

تکرار کی وجہ سے عادت ہو جاتی ہے اور عادت کے بعد غایات کا لحاظ نہیں ہوا کرتا پس معلوم ہوا کہ جس کام میں تکرار ہو اس میں اخلاص سے من وجہ قرب ہے اور جس میں تکرار نہ ہو اس میں اخلاص اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ غایت صحیحہ کا تصور اور اس کا قصد نہ ہو۔ (الجب البرور ۱)

## فضیلت قربانی باعتبار حقیقت

حقیقت کے اعتبار سے سنیے کہ قربانی کی دو حقیقتیں ہیں ایک حقیقت جنسیہ اور دوسری حقیقت نوعیہ۔ حقیقت جنسیہ میں جنس سے مراد جنس قریب ہے جنس بعید مراد نہیں ہے۔ تو حقیقت جنسیہ اس کی انفاق مال ہے اور حقیقت نوعیہ اراقۃ الدم ہے۔ قربانی کو دونوں اعتبار سے فضیلت ہے۔ انفاق مال کے حیثیت سے تو اس لئے کہ اول سمجھنا چاہیے کہ بڑی چیز اور اصل مدار فضیلت اور کمال کا حق تعالیٰ کی محبت ہے اور سب احکام اس کے لئے ہیں پس نفس کے انقلابات میں جو غور کیا جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادت بدنی اتنی دلیل محبت کی نہیں جس قدر کہ عبادت مالی ہے دنیا میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں۔ ٹول کر دیکھئے کہ اگر کوئی بہت قیمتی شے اور پیاری شے آپ کے پاس ہو تو ہر محبوب کو دینا اس کا آپ پسند نہ کریں گے۔ بلکہ جس سے بے انتہا محبت ہوگی اس کو آپ دیں گے۔ مثلاً آپ کے پاس ایک گھوڑا ہے جس کے پانچ سو روپیہ قیمت ہے ایک دوست نے اس کو مانگا عذر کر دیا اور دوسرے نے مانگا فوراً بخوشی پیش کر دیا تو وجہ اس کی صرف یہ ہوئی کہ اس سے زائد محبت تھی۔ پس مال وہاں

ہی خرچ کیا جاتا ہے جہاں محبت ہو بخلاف جانی خدمت کے کہ ہر کسی کی کردی جاتی ہے مثلاً کوئی کہے کہ پانی پلا دو خواہ اس سے محبت ہو یا نہ ہو تو فوراً پلاؤ گے۔ غرض جانی خدمت اس قدر علامت محبت کی نہیں جس قدر مالی ہے اسی کو کسی شاعر نے کہا ہے

گر جاں طلبی مضائقہ نیست در زر طلبی سخن دریں است  
(اگر تو جان مانگتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے مصیبت تو یہ ہے کہ تو پیسہ مانگتا ہے) (البحر در ۱۷)

## قربانی کا راز

یہ تھی کہ بیٹے کی قربانی کریں لیکن چونکہ ہم ضعیف تھے اور بیٹا اپنی جان سے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس لئے بجائے اسکے یہ حکم ہوتا کہ اپنی جان قربان کرو اس لئے کہ اپنی جان دینا بھی لوازم عشق سے ہے۔

چنانچہ بعض بزرگوں کو یہ دولت نصیب بھی ہوئی کہ خانہ کعبہ پہنچ کر انہوں نے اپنی جان دیدی ہے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ یا کسی اور بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک شخص آپ کی مجلس میں اس مصرع کا تکرار کرنے لگا

جاں بدہ جاں بدہ جاں بدہ۔ (جان دے دو، جان دے دو، جان دے دو) حضرت کو جوش ہوا اور فرمایا کہ میاں محبوب جان مانگ رہے ہیں اور کوئی اتنا نہیں ہے کہ جان دیدے اور یہ کہہ کر فرمایا جان دادم جان دادم و جان دادم (میں اپنی جان پیش کرتا ہوں، میں اپنی جان پیش کرتا ہوں، میں اپنی جان پیش کرتا ہوں) اور وصال ہو گیا۔ پس اصل تو عشق کا مقتضی جان دینا ہے۔

اور اگر وہ جان مانگتے تو حق تھا چنانچہ ارشاد بھی ہے۔  
وَلَوْ اَنَّكَ تَبَنَّا عَلَيْهِمْ اِنْ اَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ اِلٰح (اور اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو) (یعنی خودکشی کرو) اور وہ تو سلطان السلاطین ہیں دنیا کے جب ایسے خطرناک موقعوں پر لے جاتے ہیں کہ جہاں جان کا خطرہ ہے اور انکار نہیں کرتے تو وہ بطریق اولیٰ اس کے مستحق ہیں خاص کر جب کہ جان بھی ہماری نہ ہو ان کی ہی دی ہوئی ہو اگر وہ جان لے لے تو کیا حرج ہے۔ مولانا توابل اللہ کے لئے فرماتے ہیں

آنکہ جاں بخشد اگر بکشند رواست نائب است اودست اودست خدا است  
ہجو اسمعیل بہ پیشش سربہ شاد ز خنداں پیش تیغش جاں بدہ

(جو جان عطا کریں اگر وہ قتل کریں تو جائز ہے) (حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ان کے سامنے اپنا سر جھکا دے۔ ہنستے کھیلتے ان کی تلوار کے سامنے جان دے دے) یعنی اسماعیل علیہ السلام کی طرح تفویض محض کر دو کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَاکِہِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی یعنی بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کرتا ہوں تم سوچ کر اپنی رائے بتاؤ۔ قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ یعنی اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا اے ابا آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ کیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صابرین سے پائیں گے۔ اللہ اکبر کیسے باپ بیٹے تھے کہ دونوں راضی ہو گئے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پچھاڑ کر ان کے گلے پر چھری چلا دی لیکن حق تعالیٰ نے بجائے ان کے ایک مینڈھے کو رکھ دیا اور وہ ذبح ہو گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے وَقَدْ یٰمَنُ بِذِکْرِ عَظِیْمٍ وہ مینڈھا جان کا فدیہ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ قربانی جان کا عوض ہے۔ (المائدہ ج ۱۷)

## خاکسار ان جہاں

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کہ ہم تو تم سے باعتبار علم کے نہایت قریب ہیں اور تم ہم سے باعتبار معرفت کے نہایت دور۔ اسی طرح اللہ کے بندے ایسے ایسے ہیں کہ ذات کے اعتبار سے تم سے بہت نزدیک ہیں مگر صفات کے اعتبار سے تم ان سے بہت ہی بعید ہو۔ ایک شخص بیان کرتے تھے کہ سفر حج میں ایک شخص نہایت آزاد وضع سے تھے۔ اس معنی کر آزاد نہیں کہ شریعت کی وضع سے بھی آزاد تھے بلکہ اس معنی کر آزاد وضع تھے کہ محدودیت مولویت مشیخت کی شان ان میں نہ تھی۔

۔ زیر بار اندر درختاں کہ ثمر ہا دارند اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

(یعنی پھل دار درخت زیر بار ہیں سر بہت اچھا کہ بند غم سے آزاد ہے)

تمام سفر میں ان کی یہ حالت تھی کہ رقص کرتے تھے عشقیہ اشعار پڑھتے تھے ان کو لوگ نقال مسخرہ سمجھتے تھے واقعی بظاہر ان کی وضع بھی ایسی ہی تھی آپ کے پاس ایک دفلی بھی تھی جو ایک طرف سے کھلی ہوئی تھی یونہی اپنے ہاتھ سے کسی چیز کے گھیرے پر جھلی منڈھ کر چھوٹے سے دف کی شکل بناتی تھی کبھی کبھی اسے بھی بجایا کرتے تھے غرض لوگ انہیں ان باتوں سے بالکل مسخرہ سمجھتے تھے۔

۔ خاکساران جہاں را بھارت منگر توجہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد  
 (خاکسار لوگوں کو بھارت کی نظر سے مت دیکھو ممکن ہے کہ ان میں کوئی اہل دل صاحب حال ہو)  
 اخیر تک بھی انہوں نے اس وضع کو نہ چھوڑا۔ اسی حالت میں تھے کہ حرم میں یعنی مسجد  
 حرام میں پہنچ گئے اور اس کو حرم میں میں نے بالمعنی العرفی کہہ دیا ورنہ یوں تو تمام مکہ حرم ہے  
 عرف میں البتہ خاص مسجد مسجد بیت اللہ کو حرم کہتے ہیں۔ میں نے بھی اسی اصطلاح کے  
 اعتبار سے حرم کہہ دیا۔ خیر جب خانہ کعبہ کے سامنے پہنچے اس کے سیاہ غلاف اور اس کی ایک  
 محبوبانہ شان کو دیکھ کر اور بھی جوش بڑھ گیا مطوف نے کہا کہ یہی بیت اللہ ہے اب طواف  
 کرو۔ یہ کہنا تھا کہ ان پر ایک حالت طاری ہوئی اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہو گیا  
 ۔ چوری بکوے دلبر بسیار جان مضطر کہ مبادا بار دیگر نری بدیں تمنا  
 کہ اب تو محبوب کے در پر پہنچ گئے ہو اب اپنی جان فدا کر دو شاید پھر اس تمنا کے  
 حصول کا موقع نہ ملے یہ کہہ کر فوراً گرے اور دم نکل گیا۔ تب معلوم ہوا کہ یہ کوئی  
 صاحب حال تھا مسخرہ نہیں تھا۔ تو یہ ایک واقعہ ظاہر ہو گیا ورنہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیسے  
 کیسے رتبے کے شخص ہوتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۷)

## روح حج و قربانی

اصل قربانی کی بڑے کو ذبح کرنا ہے کہ جو اپنے ذبح سے بھی اشد ہے۔ اور یہ قاعدہ  
 عقلیہ ہے کہ اشد اخف کو متضمن ہوتا ہے تو روح قربانی کی اپنا فدا کرنا اور اپنی قربانی کرنا  
 ٹھہرا۔ جس کی نسبت دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر ہم یہ فرض کر دیتے کہ:

اِنْ اَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اَوْ اَخْرَجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ

خودکشی کیا کرو یا شہر بدر ہو جایا کرو تو بہت کم لوگ کرتے اس سے معلوم ہوا کہ خودکشی  
 ایسی چیز ہے کہ اس میں مشروعیت کی صلاحیت تھی چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت مشروع  
 ہوئی اور انہوں نے اس کو کیا مگر حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ فوراً ہی ایک عنایت کا ظہور ہوا۔

چنانچہ فرماتے ہیں وَفَدَيْنَهُ بِذَبْحٍ عَظِيْمٍ (ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا)

ذبح عظیم کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فوراً ایک دنبہ وہاں پر رکھ دیا گیا اور ابراہیم علیہ  
 السلام نے اسے ذبح کر دیا۔ تو ابراہیم علیہ السلام کے دین میں قربانی مشروع ہوئی تھی۔ انہیں کے



موافقت میں اس دین میں بھی مشروع ہوئی۔ تو اصل قربانی کی اپنے نفس کو فدا کر دینا ہے اور اعتبار اصل کا ہوا کرتا ہے۔ اب تو اس اصل کے اعتبار سے قربانی نری عبادت بدنہ ہوئی اب مالیت کا پہلو مغلوب ہو گیا اور بدنہ کا پہلو غالب ہو گیا۔ بہر حال یہ بھی مرکب ہوئی تو حج و قربانی کے درمیان میں ایک ماہہ الاشتراک (وہ چیز جس کی وجہ سے اشتراک ہے) یہ بھی نکل آیا اور اس وجہ سے تشارک کے بیان کے ضمن میں اتفاقاً قربانی کی روح بھی مذکور ہو گئی جس کو بعد میں ذکر کرنے کا ارادہ تھا اور چونکہ ابھی متعدد وجوہ سے دونوں میں اشتراک ثابت ہو چکا ہے اسی مناسبت سے سمجھ لینا چاہیے کہ یہی فدا و فناء روح حج کی بھی ہے۔ تو گویا یہ دونوں عمل ایک جان دو قالب ہوئے تو روح دونوں کی کیا ہوئی اپنے کو فدا کرنا حق تعالیٰ کی راہ میں اہل ظاہر اس کو فدا کہتے ہیں۔ اور اہل معرفت اپنی اصطلاح میں فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۷)

## کیفیت آغاز سفر

جب میں والد صاحب مرحوم کے ساتھ حج کو چلا تو چھوٹی عمر تھی ایک خط میرے پاس آیا کہ اخبار کی خبر ہے کہ سمندر میں تلاطم و طوفان ہے اس حالت میں کہاں جاتے ہو میں نے جواب میں لکھا کہ

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چون تو پشیمان

چہ پاک از موج بھراں را کہ باشد نوح کشتیان

(امتوں کو کیا غم ہے جب کہ آپ جیسا ان کا معاون و مددگار ہے سمندر کے طوفان سے اس کو کیا خوف جس کا کشتیان نوح ہے)

اور اس قدر دل بے فکر تھا کہ نہ مرنے کا غم نہ تکلیف کا اندیشہ۔ دل کو عجیب اطمینان تھا غازی آباد کے اسٹیشن پر ایک تحصیلدار والد صاحب کو ملے کہنے لگے کہاں چلے بڑا طوفان ہے والد صاحب نے فرمایا معاف کیجئے اور بلسان حال یہ کہا۔

عذل العواذل حول قلبی التاء وھوالا حبة منہ فی سوداء

(ملامت گروں کی ملامت تو دل کے چاروں طرف رہتی ہے اور دوستوں کی محبت سودائے قلب ہے)

تجربہ کی بات ہے کہ جب ارادہ کر لیا تو پھر یہ حالت ہوتی ہے۔

ن ساز و عشق را کنج سلامت خوشا رسوائی کوئے ملامت

(یعنی عشق کو گوشہ سلامتی موافق نہیں اس کے مناسب کوچہ ملامت کی رسوائی بہت اچھی ہے)  
کچھ بھی پرواہ نہیں۔ (روح المعانی ج ۱۷)

## عورت کا احرام و تلبیہ

عورت کے لئے تلبیہ کا جہر نہیں کیونکہ اس کی آواز میں فتنہ ہے لباس بھی وہ نہیں اس واسطے کہ اس میں کشف عورت ہے۔ لیکن اس میں ایک جزو عقل کی رسائی سے آگے ہے کہ سر پر کپڑا ڈالنا تو فرض مگر منہ پر ڈالنا جائز۔ عورتیں یہ کرتی ہیں کہ خاص وضع کے سنکھے جو اسی لئے بنائے جاتے ہیں اور ان میں جالی بھی ہوتی ہے ماتھے پر لگالیتی ہیں تاکہ منہ پر بھی نہ لگے اور چہرہ بھی نہ کھلے۔ (روح المعانی ج ۱۷)

## زیارتہ مدینہ (علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام)

حج کے بعد ایک اور طاعت ہے جس میں خشک مزاج والوں نے اختلاف کیا ہے اور وہ زیارت مدینہ ہے۔ اس کی روح کیا ہے۔ اس کی روح یہ ہے کہ فنا کے مرتبے تک بھی جو کہ روح ہے حج کی مع قربانی کے پہنچ کر یوں سمجھ لے کہ سلوک و وصول میں تفرق کافی نہیں۔ اب بھی شیخ کی حاجت ہے کیونکہ بغیر اس کے فنا مشعر (نتیجہ خیز) نہیں تو شیخ الشیوخ کی زیارت سے اس وابستگی کو تازہ کر لو جو شیخ کے ساتھ حاصل ہے تاکہ فنا کا ثمرہ ظاہر ہو۔ واقعی زیارت مدینہ بڑی برکت کا عمل ہے۔ جو اہل قلب ہیں ان کو بڑے بڑے ثمرات عطا ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حج سے پہلے زیارت کر لے تو استعداد ان ثمرات کے حصول کی پیدا ہوتی ہے جو حج یا بعنوان دیگر فنا پر مرتب ہوتے ہیں اور اگر بعد میں زیارت کرے تو ان ثمرات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ عجیب جگہ ہے وہاں اللہ کے بندے بڑی بڑی دولتوں سے مشرف ہوئے ہیں۔

## سید احمد رفاعیؒ کا واقعہ

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ حاضر ہوتے تو آپ نے روضہ مقدسہ پر جا کر بآواز بلند عرض کیا السلام علیک یا جدی (دادا صاحب السلام علیک) جواب آیا وعلیک السلام یا ولدی (بیٹا! وعلیک السلام) خلاف توقع جواب ملا تو وجد کرنے لگے اور عرض کرنے لگے۔

فی حالة البعد روحی كنت ارسلها تقبل الارض عنی و هی نائیتی  
 یعنی دوری میں تو روح کو قدم بوسی کے لئے اپنا نائب بنا کر بھیجا کرتا تھا۔  
 فہذہ دولة الاشباح قد حضرت فامدیمینک کی تحفے بھاشتی  
 (یعنی اب جسم کی باری آئی ہے اب تو ذرا ہاتھ بڑھا دیجئے تاکہ میں اس کو بوسہ  
 دوں) دیکھا کہ ایک ہاتھ نکلا جیسے کالشمس فی نصف النہار (دوپہر میں سورج) جس کی  
 نورانیت نے آفتاب کو بھی ماند کر دیا تھا۔  
 علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ جس وقت یہ واقعہ ہوا تو نوے ہزار آدمی مشاہدہ  
 کر رہے تھے۔ ایک ہل چل پڑ گئی پھر نہایت شوق و ادب سے ہاتھ چوما۔  
 ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم کو احمد رفاعی پر رشک بھی ہوا تو فرماتے ہیں ہم تو  
 ہم اس وقت تو حاملان عرش رشک کر رہے تھے۔ اللہ اللہ یہ دولت۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو  
 دیکھا کہ لوگوں میں بڑی عزت ہو رہی ہے آپ نے نفس کا معالجہ کیا۔  
 صاحبو! جب ایسے ایسوں کو علاج کی ضرورت ہے تو ہم کیسے مخدوم ہو سکتے ہیں ہمیں تو  
 بدرجہ اولیٰ علاج کی حاجت ہے آپ نے معالجہ یہ کیا کہ مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی  
 دہلیز پر لیٹ گئے۔ اور فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں۔  
 کہ میرے اوپر سے گزروتا کہ ذلت ہو۔ لوگوں نے پھاندا شروع کیا۔  
 ایک بزرگ تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ نہیں پھاندے۔ فرمایا اگر میں ایسا کرتا تو مجھے آتش  
 قہر جلا ڈالتی۔ وہ اندھے تھے جو پھاندے۔ تو اللہ کے بندوں کو وہاں یہ یہ دو تئیں نصیب ہوتی ہیں۔  
 اتنی بڑی دولت کو بعض خشک مزاج بلا دلیل کہتے ہیں کہ ناجائز ہے۔ (روح المعجج والنجج ج ۱۷)

## قربانی کی جگہ قیمت

ایک بزرگ اہل حال اس غلطی میں مبتلا تھے کہ ہمیشہ دام دیدیا کرتے قربانی نہ  
 کرتے ایک روز خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے۔ سب کے پاس سواری ہے ان  
 کے پاس نہیں۔ انہوں نے سواری طلب کی جواب ملا کہ یہاں کہاں سواری جو قربانی  
 کرتے ہیں ان کو یہاں سواری ملتی ہے تم قربانی نہیں کرتے جاؤ گھسٹتے ہوئے۔ بیدار  
 ہوئے تو بہت پریشان ہوئے فوراً توبہ کی اور قربانی کرنا شروع کر دیا۔

اس پر بعضے نو عمر ہنستے ہیں کہ بہت سے جانور ہوں گے کون سے جانور پر سواری ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سب پر قادر ہیں۔ ایک تو یہ صورت ہے کہ سب کے عوض میں ایک بہت بڑا جانور دیدیں ورنہ سب کی ڈاک لگا دیں اگر کسی کے اصطبل میں بہت سے گھوڑے بندھے ہوں تو کیا اس پر بھی کبھی تعجب کیا ہے کہ اتنے گھوڑوں میں کس پر سواری کرتا ہو گا۔ وہاں تو یہ سمجھ لیتے ہو کہ مثلاً یہ ڈاک لگانے کے کام میں آتے ہیں طویل سفر ہو تو ایک گھوڑا کام نہیں دے سکتا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ایک ایک گھوڑا بھیج دیا جاتا ہے اور نہایت سہولت سے اتنا بڑا سفر بہت جلد قطع ہو جاتا ہے۔ آخرت کی سب باتوں پر تعجب اور دنیا کی کسی بات پر تعجب نہیں دنیا کی سب باتوں کو عقل کے قریب کر لیتے ہیں۔

مولانا احمد حسن صاحب امر وہی خود مجھ سے بیان فرماتے تھے کہ میں ریل میں سوار تھا۔ دوسرے درجہ میں ایک مولوی صاحب پرانی وضع کے اور ایک نئی وضع کے میانہ عمر شخص سوار تھے۔ ایک اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تو چند انگریزی خواں لڑکے آ کر اسی دوسرے درجہ میں بیٹھے اور ان مولوی صاحب کا اسباب منتشر کر کے خود اپنا اسباب جما کر بیٹھ گئے۔ وہ مولوی صاحب آئے تو ملامت کی شرمندہ ہوئے چاہا کہ مولوی صاحب کو شرمندہ کریں۔ کہنے لگے کیوں صاحب نماز پنجگانہ فرض ہے انہوں نے کہا ہاں کہا یہ سب جگہ پانچ ہی وقت فرض ہے انہوں نے کہا ہاں کہنے لگے جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے وہاں بھی پانچ ہی وقت فرض ہے مولوی صاحب نے کہا کیا تم وہاں سے آرہے ہو۔ یا وہاں جا رہے ہو کہنے لگے نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا تو بس ہم ایسے فضول سوال کا جواب نہیں دیتے۔ اس پر وہ سب قہقہہ مار کر ہنسے اور اس ہنسنے میں وہ میانہ عمر شخص بھی شریک تھے۔

مولانا فرماتے تھے کہ مجھ کو ان کا ہنسنا بہت ناگوار ہوا۔ آئندہ اسٹیشن پر وہ لڑکے تو اتر گئے میں وہاں جا کر بیٹھا اور ان صاحب سے میں نے پوچھا کیوں جناب آپ کا دولت خانہ کہاں ہے آپ ملازم کہاں ہیں۔ سب کا جواب ملا پھر میں نے پوچھا آپ کو شب و روز میں کے گھنٹہ کام کرنا پڑتا ہے۔ اس کا بھی جواب دیدیا۔ میں نے کہا کیوں جناب اگر گورنمنٹ کی سلطنت اس مقام پر ہو جاوے جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے اور آپ کی وہاں کی بدلی ہو جاوے تو کیا وہاں بھی



ایک شب و روز میں اتنے ہی گھنٹے کام کرنا ہوگا۔ کہنے لگے کہ نہیں بلکہ اندازہ وقت کا کر کے اس شب و روز کو سال بھر قرار دے کر سال بھر کا کام کیا جاوے گا۔

میں نے کہا افسوس سلطان دنیا کے احکام و تجویز کی تو آپ کے ذہن میں یہ وقعت کہ اس پر اشکال واقع ہو تو فوراً اس کی توجیہ کر لی اور سلطان دارین کے احکام کی اتنی بھی بے وقعتی کہ اس پر جو ایسا ہی اشکال واقع ہوا تو بجائے توجیہ کے اس کی تحقیر کی اور اس پر تمسخر اڑایا۔ وہ شخص بے حد شرمندہ ہوا اور معذرت اور توبہ کی۔ (روح المعج والنج ج ۱)

## اشہر حج

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول خداوندی الحج اشہر معلومات میں کہ وہ (یعنی حج کے معین مہینے) شوال اور ذیقعدہ اور ذوالحجہ (کے دس روز) ہیں الدر المنثور عن اوسط الطمرانی والخطیب وابن مردود یہ ونقل عن کثیر من السلف فائدہ شوال سے قبل حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے اور احرام کے علاوہ افعال حج میں سے کوئی فعل شوال سے قبل ہو تو وہ بالکل غیر معتبر ہے مثلاً کسی شخص نے طواف قدوم کے بعد سعی بین الصفا والمروہ رمضان میں کر لی تو سعی کافی نہیں اھ اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے لئے لوگوں کے ذمہ بیت اللہ کا حج کرنا ہے ان پر جو کہ اس تک سبیل (یعنی زادراہ) کی طاقت رکھیں۔ (احکام حج ج ۱)

## تاخیر حج

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ جلدی کرے۔ (ابوداؤد دارمی) یعنی فرض ہونے کے بعد اول ہی سال جانا لازم ہے اگر نہ گیا تو تاخیر حج کا گناہ ہوگا۔ اور اگر کئی سال تک تاخیر کرتا رہا تو فاسق مردود الشہادۃ ہے۔ کمافی الدر وغیرہ اھ۔ و نیز ارشاد فرمایا رسول خدا نے کہ جس شخص کو حج سے کھلم کھلا ضرورت یا ظالم بادشاہ یا رکاوٹ کے قابل مرض نے حج سے نہ روکا ہو اور پھر بھی (باوجود فرض ہونے کے) اس نے حج نہ کیا ہو پس خواہ وہ یہودی ہو کر مرے خواہ نصرانی (دارمی) (احکام حج ج ۱)

## فضیلت حج

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے (خالص) اللہ کے

لئے حج کیا اور اس میں فحش گوئی نہ کی۔ اور گناہ نہ کیا تو وہ شخص اس دن کی مانند لوٹتا ہے جس دن کہ اس کی ماں نے اس کو جنا تھا (متفق علیہ) (احکام حج ج ۱۷)

## عمرہ کی فضیلت

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ہیں وہ سب ذیقعدہ میں تھے۔ سوائے اس ایک کے جو حج وداع کے ساتھ تھا (کہ وہ ذوالحجہ میں واقع ہوا تھا۔ متفق علیہ) (احکام حج ج ۱۷)  
فائدہ: عمرہ سنت مؤکدہ ہے بلکہ بعض فقہاء نے واجب کہا ہے اور عمرہ اس کو کہتے ہیں کہ احرام میں عمرہ کی نیت کی جاوے اور طواف کعبہ اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرے پوری تفصیل کسی واقف سے زبانی معلوم کر لیں۔

فائدہ ۲: اس جگہ ایک بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ عام لوگ جو ماہ ذیقعدہ کو منہوس سمجھتے ہیں یہ بڑی سخت بات ہے اور باطل عقیدہ ہے دیکھئے آنحضرتؐ نے اس ماہ میں تین عمرے کئے ہیں اس سے کتنی برکت ثابت ہوتی ہے و نیز ذیقعدہ حج کے مہینوں میں سے ہے۔ جیسا کہ حدیث اول میں گزر چکا اھ اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حج اور عمرہ ملا کر کیا کرو کیونکہ وہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جیسا کہ بھٹی لوہے اور چاندی اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے اور حج مبرور (یعنی مقبول) کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔ (ترمذی و نسائی) (احکام حج ج ۱۷)

## فضیلت یوم عرفہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کسی دن عرفہ کے دن سے زیادہ ذلیل و راندہ ہوا اور حقیر و رنجیدہ نہیں دیکھا گیا اور نہیں ہے۔ یہ مگر اسی کی وجہ سے جو کہ وہ رحمت کا نازل ہونا۔ اور خدا تعالیٰ کا بڑے بڑے گناہ سے درگزر فرمانا دیکھتا ہے سوائے جنگ بدر کے (کہ اس میں تو یوم عرفہ کے برابر یا زیادہ اس کی خواری وغیرہ دیکھی گئی) کیونکہ (اس روز) اس نے جبرئیل علیہ السلام کو فرشتوں کی صفیں ترتیب دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ (مالک مرسل و شرح السنہ) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ (ایک) عمرہ (دوسرے) عمرے تک کفارہ ہے ان دونوں کے درمیان (کے گناہوں) کا (ترغیب عن مالک و ابن ماجہ و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ) (احکام حج ج ۱۷)

## خدائی مہمان

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر دعائیں تو خدا قبول کرتا ہے اور وہ استغفار کریں تو خدا ان کی مغفرت کر دیتا ہے (ترغیب نسائی وابن ماجہ) ۱۲ (احکام حج ج ۱۷)

## زیارت مدینہ

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت ضروری ہوگئی۔ (آثار السنن عن ابن خزمہ فی صحیحہ والدارقطنی وآخرین ونسائی واسنادہ حسن) فائدہ: جن کو گنجائش ہو وہ حج کے ساتھ زیارت مدینہ کا شرف بھی ضرور حاصل کریں کہ اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے بلکہ تاکید بھی روایات میں آئی ہے اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر شریف کی نیت سے جانا بھی مضائقہ نہیں رکھتا۔ ۱۲۔ اور حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ (ابراہیم علیہ السلام سے بھی کہا گیا تھا کہ) لوگوں میں حج (کے) فرض ہونے کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس (حج کے لئے) چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دہلی اونٹنی پر بھی جو کہ دراز رستوں سے پہنچی ہوں گی۔ (احکام حج ج ۱۷)

## حج کے متعلق چند ضروری ہدایات

### تارک حج

(۱) جس کے پاس ضروریات سے زائد اتنا خرچ ہو کہ سواری پر متوسط گزران سے کھانا پینا چلا جاوے اور حج کر کے چلا آوے اس کے ذمے حج فرض ہو جاتا ہے اور حج کی بہت بڑی بزرگی آئی ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو حج گناہوں اور خرابیوں سے پاک ہو اس کا بدلہ بجز بہشت کے اور کچھ نہیں ہے اسی طرح عمرہ پر بھی بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے اور جس کے ذمے حج فرض ہوا اور وہ نہ کرے اس کے لئے بڑی دھمکی آئی ہے چنانچہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کے پاس کھانے پینے اور سواری کا اتنا سامان ہو کہ وہ بیت اللہ شریف تک جاسکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ (نعوذ باللہ) غرضیکہ حج کی بیحد فضیلت آئی ہے اور اس کے تارک پر جبکہ اس پر فرض ہو چکا ہے سخت وعید آئی ہے سوائی بات تو اکثر لوگوں کو معلوم ہے لیکن اس میں بعض غلطیاں عام ہو رہی ہیں ان کو اس جگہ ظاہر کیا جاتا ہے۔

## مسائل حج

الف:- جب حج کے خرچ کا حساب لگاتے ہیں تو اس میں زیارت مدینہ منورہ کے خرچ کا بھی حساب لگاتے ہیں۔ پس اگر مدینہ منورہ تک جانے کا خرچ ہوتا ہے جب تو حج کو فرض سمجھتے ہیں ورنہ فرض نہیں سمجھتے تو یاد رکھو کہ اگر صرف سفر حج کے لئے جانے کا اور وہاں سے واپس چلے آنے کا خرچ ہو تو حج فرض ہو جاتا ہے گو مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے خرچ نہ ہو۔ البتہ اگر اس کی زیارت کا سامان یا ہمت ہو تو اس کا ثواب بھی بے حد و حساب ہے لیکن حج کا فرض ہونا اس پر موقوف نہیں اگر ایسا شخص حج نہ کرے گا تو اس کے لئے وہی وعید ہے جو مرقومہ بالا حدیث میں آئی ہے۔ (ب) راستہ میں اگر ذرا سا بھی شبہ ہوتا ہے تو لوگ حج کو فرض نہیں سمجھے حالانکہ معمولی اندیشہ کا اعتبار نہیں۔ پس اگر راستہ میں غالب گمان سلامتی کا ہے اور گمان بد امنی کا مغلوب ہے تو حج فرض ہو جاتا ہے۔ (ج) بعض لوگوں کو حج کی گنجائش ہوتی ہے لیکن تعمیر مکان یا شادی وغیرہ میں خرچ کرنے کو مقدم سمجھ کر حج سے اپنے آپ کو سبکدوش خیال کرتے ہیں اس کے متعلق یہ مسئلہ ہے کہ جس زمانہ میں عموماً لوگ حج کو جاتے ہیں (مثلاً ہمارے ملک میں ماہ شوال) اس سے قبل اگر کسی نے دوسرے کام میں رقم وغیرہ خرچ کر دی تب تو حج فرض نہ ہوگا اور اگر سفر حج کا زمانہ آ گیا تو حج فرض ہو گیا۔ اور تعمیر مکان یا شادی وغیرہ امور غیر ضروریہ عند الشرع میں خرچ کرنا جائز نہیں۔ گو اس تعمیر وغیرہ کی حاجت ہی ہو اگر خرچ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور حج ذمہ رہے گا خوب سمجھ لو۔

(۱) جس پر حج فرض ہو اور اس کے والدین منع کرتے ہوں اس کو جانا فرض ہے اس میں والدین کی اطاعت جائز نہیں (۲) اسی طرح جس عورت پر حج فرض ہو اور اس کے ساتھ اس کا محرم بھی ہو مگر اس کا شوہر منع کرتا ہو اس کو شوہر کا کہنا ماننا جائز نہیں۔ (۳) بعض



عورتیں بدوں محرم کے دوسری عورتوں کے ساتھ یا ثقہ مردوں کے ساتھ حج کو چلی جاتی ہیں یہ جائز نہیں (۴) عورت اگر عدت میں ہو اس کو حج کا سفر کرنا بھی جائز نہیں خواہ عدت وفات ہو یا عدت طلاق۔ اور طلاق رجعی ہو یا بائن یا مغلطہ حتیٰ کہ اگر حج کے راستہ میں عدت واجب ہو جاوے یعنی تین منزل سفر کرانے کے بعد راستہ میں خاوند نے طلاق بائن دے دی ہو یا اس کا انتقال ہو گیا ہو تو اسی جگہ عدت پوری کرے۔ البتہ اگر جہاز یا جنگل وغیرہ میں ایسا اتفاق پیش آ جاوے تو ساحل تک یا قریبی آبادی تک پہنچنا جائز ہے۔ اور یہ تفصیل جب ہے کہ مقام طلاق یا وفات سے مکہ معظمہ تین منزل ہو اور اگر تین منزل سے کم ہو تو پھر حج کو چلی جائے اور اگر خاوند نے طلاق رجعی دی ہے اور خاوند ساتھ جا رہا ہے تو سفر حج موقوف کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۵) جس نے نابالغی میں حج کیا ہو اور پھر اس کو گنجائش سفر حج کی ہو جاوے تو پھر اس پر حج فرض ہو گا وہ پہلا حج کافی نہیں۔ (۶) اگر بلوغ کے بعد ناداری کی حالت میں حج کیا ہو اور پھر مالدار ہو جاوے تو وہ پہلا حج کافی ہے۔

(۷) حج بدل کے مسائل بہت نازک ہیں جب کوئی حج بدل کے لئے جاوے یا کسی کو بھیجے تو کسی محقق عالم سے اس کے مسائل تحقیق کر لے۔ (۸) بعض لوگ تبرکات لانے کو ایسا لازم سمجھتے ہیں کہ اگر اس کے زیادہ خریدنے کے لائق خرچ نہ ہو حج کو ہی نہیں جاتے یا اسی طرح واپس آ کر دعوت دینے کو بھی۔ سوان امور کی وجہ سے حج کو ملتوی کرنا حرام ہے۔ (۹) عوام الناس میں جمعہ کے روز کے حج کا لقب حج اکبر مشہور ہے۔ سو یہ شریعت میں لفظی تحریف کرنا ہے کیونکہ اطلاقات شرعیہ میں حج اکبر مطلق حج کو کہتے ہیں اس عمرہ سے ممتاز کرنے کے لئے جس کو حج اصغر کہتے ہیں اور قرآن مجید میں جو شروع سورۃ براءت میں یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ آیا ہے وہاں یہی تفسیر ہے اب اس اصطلاح مخترع سے احتمال ہے تفسیر میں غلطی کا اور عوام اس کے اہتمام میں بھی بہت غلو کرتے ہیں یہ شریعت میں تحریف معنوی یعنی بدعت ہے۔ البتہ حج یوم جمعہ کی فضیلت کا انکار نہیں ایک بڑی فضیلت یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج جمعہ کے روز واقع ہوا تھا۔ مگر عوام کی زیادات یہ محض بے اصل ہیں۔

## فرضیت حج کے بارے میں تنبیہ:

عام طور پر یوں سمجھا جاتا ہے کہ جب نقد روپیہ مصارف حج کے لئے کافی موجود ہو

تب جج فرض ہوتا ہے۔ حالانکہ جس کے پاس حاجت سے زائد اتنی زمین وغیرہ ہو جس کی قیمت مصارف جج کے واسطے کافی ہو اس پر بھی جج فرض ہے لہذا عالمگیری سے وہ صورتیں مفصل لکھی جاتی ہیں جن میں بدوں نقد کے بھی جج فرض ہو جاتا ہے۔

(۱) رہائشی مکان کے علاوہ کوئی زائد مکان ہو تو اس کو بیچ کر جج کرنا فرض ہے۔ (یعنی جبکہ اس کی قیمت میں جج ہو سکے اسی طرح کسی کے پاس غلام ہو اور اس سے خدمت لینے کی ضرورت نہ ہو تب بھی فرض ہے کہ غلام کو فروخت کر کے جج کرے۔) یہی حکم جب ہے جبکہ ضرورت سے زائد گھوڑا وغیرہ کسی کے پاس ہو (لیکن اگر کسی کے پاس صرف ایک مکان ہو اور وہ اتنا بڑا ہو کہ ایک حصہ اس کی رہائش کے لئے کافی ہے اور باقی کی قیمت جج کے واسطے کافی ہو سکتی ہے تو اس کا حصہ فروخت کرنا ضروری نہیں ہے اسی طرح اگر کسی کے پاس بہت قیمتی مکان ہے کہ اس کی قیمت میں جج بھی ہو سکتا ہے اور معمولی مکان بھی مل سکتا ہے تب بھی اس کے ذمہ جج فرض نہیں ہے گو افضل یہی ہے کہ ان دونوں صورتوں میں جج کرے۔

(۲) اگر کسی کے پاس قیمتی کپڑے ہیں جو استعمال میں نہیں لائے جاتے تو لازم ہے ان کو فروخت کر کے جج کیا جائے۔ زائد برتنوں کا بھی یہی حکم ہے اور زیور تو شرعاً بالکل نقد کے حکم میں ہیں۔

(۳) اگر کسی جاہل کے پاس کتابیں ہوں تو ان کو جج کے واسطے فروخت کرنا ضروری ہے البتہ اگر عالم کے پاس فقہ کی کتابیں ہوں تو ان کو فروخت کرنا ضروری نہیں (اور کتب تفسیر و حدیث وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے اور شامی میں ہے کہ علوم الہیہ یعنی صرف نحو وغیرہ کی کتابیں بھی کتب دینیہ کے ساتھ شمار کی جائیں گی اور طب و نجوم (وغیرہ) کی کتابوں کو فروخت کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔ خواہ وہ جاہل کے پاس ہوں یا اہل علم کے اور گو وہ استعمال میں آتی ہوں اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ منطق فلسفہ وغیرہ کی کتابوں کا وہی حکم ہے جو طب کی کتابوں کا ہے۔ واللہ اعلم

(۴) اگر کسی دکاندار کے پاس اتنا مال تجارت ہے کہ اگر کچھ مال فروخت کر کے جج ہو سکتا ہے اور باقی ماندہ مال سے بقدر ضرورت تجارت ہو سکتی ہے تو جج کرنا فرض ہے۔

(۵) جس پیشہ ور کے پاس اتنی زمین ہے کہ اگر مصارف جج کی مقدار فروخت کر دے تو باقی زمین کی آمدنی سے گزر ہو سکتا ہے تو اس پر زمین فروخت کر کے جج کرنا لازم ہے۔

(۷) کاشتکار کے پاس اگر ہل اور نیل وغیرہ کے علاوہ اتنا سامان ہو کہ اس کو مصارف حج کے لئے کافی ہو سکتی ہے تو اس کے ذمہ بھی لازم ہے کہ زائد سامان کو فروخت کر کے حج کرے۔ فقط واللہ اعلم (احکام حج ج ۱۷)

## نودن کے روزے اور دسویں شب تک بیداری کی فضیلت

حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور طاق کی اور جفت کی۔ اس آیت کے متعلق درمنثور نے متعدد سندوں سے روایت درج کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا اس آیت میں دس راتوں سے عشرہ ذی الحجہ مراد ہے اور طاق سے عرفہ کا دن اور جفت سے قربانی کا دن مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی دن ایسے نہیں جن میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں (کے عمل) سے زیادہ پسند ہو (بخاری)

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی دن ایسے نہیں جن میں عبادت کرنا خدا تعالیٰ کو عشرہ ذی الحجہ (کی عبادت) سے زیادہ پسند ہو (کیونکہ ان میں سے ہر ایک دن کا روزہ ایک سال روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ اور ہر ایک رات کا جاگنا شب قدر میں جاگنے کے برابر ہے۔ (ابن ماجہ والترمذی وقال اسنادہ ضعیف) فائدہ: دسویں تاریخ سے تیرہویں تک چار یوم کا روزہ حرام ہے اس واسطے روزہ کی یہ فضیلت نو تاریخ تک کیلئے ہے اھ اور ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ عرفہ (یعنی ذی الحجہ کی نو تاریخ) کا روزہ ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ (مسلم) و نیز ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ عرفہ کا روزہ ہزار روزہ کے برابر ہے (ترغیب عن الیہتی والطبرانی باسناد حسن)

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پے در پے دو سال کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں (ترغیب عن ابی یعلیٰ ورجالہ رجال الصحیح) فائدہ: یعنی ایک سال گزشتہ کے اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں گزر چکا اھ اس عشرہ کی فضیلت میں بہت احادیث وارد ہوئی ہیں مگر ہم نے اختصار کی وجہ سے چند حدیثیں لکھی ہیں اور انہیں سے معلوم ہو گیا کہ یکم سے نہم

تک ہر طرح کی عبادت میں کوشش کرنا چاہیے۔ اور حتی الوسع ان ایام کو صیام و قیام یعنی روزہ و شب بیداری میں گزارنا چاہیے۔ بالخصوص نو تاریخ کا روزہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے اب آگے ایک حدیث شریف لکھی جاتی ہے جس سے دسویں رات کو جاگنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جو شخص عیدین (یعنی عید الفطر و عید الاضحیٰ) کی دونوں راتوں میں طلب ثواب کے لئے بیدار رہا اس کا دل اس دن زندہ رہے گا جس دن سب کا دل مردہ ہوگا۔ (ترغیب عن ابن ماجہ) علاوہ ازیں جن روایتوں میں اس عشرہ میں نیک عمل اور صیام و قیام کی فضیلت گزر چکی ہے ان سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کمالا یحییٰ واللہ اعلم۔

ارشاد فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ کوئی دن اللہ کے نزدیک اس عشرہ (ذی الحجہ) سے افضل ہے اور نہ کسی دن میں عمل کرنا ان میں عمل کرنے سے افضل ہے۔ پس تم ان میں (خصوصیت سے) لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کی کثرت رکھو کیونکہ یہ دن تکبیر اور تہلیل کے ہیں (درمنثور عن البیہقی)

فائدہ: یوں تو اس تمام عشرہ میں تکبیر و تہلیل کی زیادتی پسندیدہ ہے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا لیکن نو تاریخ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر نماز کے بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر ۳ کہنا ضروری ہے۔ جیسا کہ آثار السنن میں بحوالہ ابن ابی شیبہ حضرت علی کرم اللہ کا معمول مروی ہے۔ (ونقل عن ابن حجر ان اسنادہ حسن) و نیز سنن بیہقی میں حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ و حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے یہی روایت کی ہے علاوہ ازیں بیہقی ہی نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوم عرفہ کی فجر سے آخر ایام تشریق کی عصر تک تکبیر پڑھا کرتے تھے۔

(وقال اسنادہ لا یحتج بہ وقال ایضا بعد سر و الطرق و فی رواۃ الثقات

کفایۃ واللہ اعلم) (احکام حج ج ۱۷)

## نماز عید الاضحیٰ کے احکام

عید اور بقر عید کی نماز شہر اور قصبہ اور اس بڑے گاؤں کے لوگوں پر واجب ہے جو قصبہ کے مشابہ ہو جیسا کہ جمعہ اور جس طرح جمعہ چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں اسی طرح عیدین کی



نماز بھی جائز نہیں اس لئے چھوٹے گاؤں میں ہرگز نہ پڑھی جاوے۔ اور بقیہ عید کے روز سنت یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے کچھ کھائیں پیئیں نہیں جو لوگ قربانی کریں ان کے لئے یہ مسنون ہے کہ نماز کے بعد نہ کھائیں بلکہ قربانی کے بعد اپنی قربانی میں سے۔

کھائیں اور نماز سے پیشتر غسل اور مسواک کر کے اپنے موجودہ کپڑوں میں سے عمدہ ترین کپڑے پہنیں اور خوشبو لگائیں اور جہاں تک ہو سکے جلدی عید گاہ پہنچیں اور پیدل جاویں اور راستہ میں بآواز بلند تکبیر کہتے رہیں تکبیر وہی ہے جو ایام تشریق کے حاشیہ میں گزری یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد اور نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر پڑھیں کہ بعض فقہاء نے اس کو واجب کہا ہے اور خطبہ کے وقت اسی طرح صف بستہ چپ چاپ بیٹھے رہیں اکثر لوگ خطبہ نہیں سنتے وہ برا کرتے ہیں۔ اور ترک سنت متوارثہ کے وبال میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ خطبہ کے وقت بولتے ہیں وہ سخت گنہگار ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت چپ رہنا واجب ہے پھر جب واپس ہوں تو جس راستہ سے گئے تھے اس راستہ سے نہ آویں بلکہ دوسرے راستہ سے لوٹیں اور واپسی میں اگر کسی چیز پر سوار ہو جائیں تو مضائقہ نہیں۔ (احکام حج ج ۱۷)

## عورتوں کی جماعت: تنبیہ اول

بعض جگہ دستور ہے کہ جب عید گاہ میں مرد نماز کو جاتے ہیں تو عورتیں جمع ہو کر اپنے گھروں میں نفل نماز پڑھتی ہیں پھر بعض جگہ تو جماعت کرتی ہیں اور بعض جگہ تنہا پڑھتی ہیں حالانکہ دونوں طرح کراہت سے خالی نہیں کیونکہ نماز عید سے قبل نفل پڑھنا مکروہ ہے اور جماعت ہونے سے زیادہ کراہت ہو جاتی ہے کیونکہ عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہے اور اہتمام سے نفل کی جماعت بھی مکروہ ہے۔

غرض جماعت میں تین مکروہات جمع ہو جاتے ہیں و نیز ایک گناہ بے پردگی کا ہوتا ہے کیونکہ یہ گمان کرتی ہیں کہ سب مرد چلے گئے اسلئے بے فکر نکلتی ہیں حالانکہ بعض آدمی راستے میں مل جاتے ہیں اسلئے نہایت اہتمام کے ساتھ بچنا لازم ہے اور اگر کوئی نفل پڑھنا چاہے تو نماز عید کے بعد اپنے گھر میں تنہا ہی نفل چاشت کی نیت سے پڑھ لے تو ثواب ہے۔

## تنبیہ دوم نماز عید مسجد میں

عیدین کی نماز عید گاہ میں پڑھنا مسنون ہے اس واسطے اگر امام عید گاہ دیندار ہو تو عید گاہ میں جانا چاہیے۔ البتہ اگر بیماری یا بڑھاپے کے سبب مسجد میں شریک ہو جاوے تو مضائقہ نہیں اور مسجدوں میں عیدین کی نماز معذور لوگوں ہی کے واسطے جاری بھی ہوئی ہے لیکن جب امام عید گاہ ایسا ہو جس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہو تو پھر دیندار امام کے پیچھے مسجد میں پڑھ لیں غرض بلا وجہ مسجدوں میں نماز عید نہ پڑھی جاوے۔

## تنبیہ سوم دعا بعد خطبہ

عید کی نماز کے بعد تو دعا مانگنے کی گنجائش ہے لیکن خطبہ کے بعد دعا مانگنا محض بے دلیل ہے اس واسطے خطبہ کے بعد دعا نہ مانگی جاوے۔

## تنبیہ چہارم اذان عید

نماز عیدین کے لئے اذان اور اقامت نہیں ہے اور یہ جو دستور ہے کہ الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارتے ہیں یہ بدعت ہے اس کو ترک کرنا چاہیے۔

## تنبیہ پنجم اوقات عید

عید الفطر کی نماز میں تاخیر بہتر ہے اور عید الاضحیٰ میں تعجیل اور معیار اس کا یہ ہے کہ شروع وقت سے اخیر تک یعنی اشراق سے نصف النہار تک کا حساب لگایا جاوے۔ جتنا وقت ہوتا ہو اس کا آدھا کریں آدھے سے پیشتر پڑھنا تعجیل ہے اور آدھے کے بعد پڑھنا تاخیر اس حساب سے بقر عید کی نماز چھوٹے دنوں میں طلوع آفتاب کے بعد اڑھائی گھنٹہ کے اندر اندر ہو جانا چاہیے اور بڑے دنوں میں اس سے کچھ دیر بعد اور عید الفطر کا مستحب وقت چھوٹے دنوں میں طلوع سے اڑھائی گھنٹہ بعد شروع ہو جاتا ہے اور بڑے دنوں میں ساڑھے تین گھنٹہ بعد۔

## تنبیہ ششم التزام عربی خطبہ

خطبہ صرف عربی میں پڑھا جاوے اردو فارسی وغیرہ کوئی زبان شامل نہ کی جاوے۔

اور اگر ضروری مسائل سنانا مقصود ہو تو خطبہ ختم کر کے ممبر سے اتر کر سناویں بلکہ مجمع کی ہیئت بھی بدل دی جاوے اور اس کا بھی التزام نہ کیا جاوے بلکہ کبھی سناویں کبھی نہیں۔

امام یوں نیت کرے کہ میں دو رکعت واجب نماز عید چھ زائد تکبیروں سمیت پڑھتا ہوں منہ طرف کعبہ شریف کے۔ اور مقتدی اس کے ساتھ یہ نیت بھی کریں پیچھے اس امام کے۔ یہ نیت کر کے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور سبحانک اللہم پڑھیں اس کے سابعہ تین تکبیریں اس طرح کہی جاویں کہ دو تکبیروں میں تو کانوں تک ہاتھ اٹھا اٹھا کر چھوڑتے رہیں اور تیسری تکبیر میں بھی ہاتھ اٹھاویں مگر چھوڑے نہیں بلکہ باندھ لیں بعد ازاں امام اعوذ باللہ اور بسم اللہ آہستہ پڑھ کر بلند آواز سے قراءت یعنی الحمد اور سورت پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ سورۃ اعلیٰ وغاشیہ پڑھی جاویں مگر اس پر ہمیشہ پابندی نہ کی جاوے اور مقتدی حسب معمول خاموش رہیں اور دوسری نمازوں کی طرح رکوع سجدہ وغیرہ کر کے دوسری رکعت میں اول امام بلند آواز سے قراءت پڑھے اس کے بعد تکبیریں کہی جائیں اور تینوں تکبیروں میں ہاتھ اٹھا اٹھا کر چھوڑتے رہیں پھر بغیر ہاتھ اٹھائے چوتھی تکبیر رکوع کے واسطے کہہ کر رکوع میں جاویں اور دوسری نمازوں کی طرح سجدوں کے بعد التحیات وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دیں اور امام کو چاہیے کہ تکبیروں کے درمیان اتنا وقفہ کرے کہ مقتدیوں کے فارغ ہونے کا گمان ہو جاوے۔ (احکام حج ج ۱۷)

## نماز عید کے احکام

اور جو شخص بعد میں آ کر شامل ہو اس کی چند صورتیں ہیں سب کو الگ الگ لکھا جاتا۔

### پہلی صورت

اگر کوئی شخص تکبیروں سے پہلے ہی آ گیا۔ تب تو نیت باندھ کر شامل ہو جاوے اور اگر ایسے وقت پہنچا کہ تکبیریں ہو رہی ہیں تو جتنی تکبیر مل جاویں اتنی ساتھ کہہ لے اور باقی ماندہ بعد میں اسی وقت کہہ لے اور اگر کل تکبیریں ہو چکی ہوں تو نیت باندھتے ہی فوراً تینوں تکبیریں کہہ لے خواہ قراءت شروع ہو چکی ہو اور ہاتھ اٹھانے اور باندھنے کا وہی طریقہ ہے جو اوپر گزر چکا۔

### دوسری صورت:

اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں جا چکا ہے تو اگر غالب گمان ہو کہ تکبیریں

کہنے کے بعد رکوع مل جاوے گا تب تو طریقہ مذکورہ کے موافق تکبیریں کہنے کے بعد رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں جاوے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ رکوع نہ ملے گا تو رکوع میں شریک ہو جاوے اور رکوع ہی میں تسبیح کی جگہ بغیر ہاتھ اٹھائے تکبیریں کہہ لے اور اگر ایک یا دو تکبیر کے بعد امام رکوع سے اٹھ جائے تو یہ بھی ساتھ ہی اٹھا جائے باقی تکبیر معاف ہے۔

### تیسری صورت:

اور جو شخص دوسری رکعت میں اس وقت آیا ہو جب امام رکوع میں جا چکا ہے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو پہلی رکعت کے رکوع کا ابھی لکھا گیا ہے اور پہلی رکعت جو رہ گئی ہے جب امام کے سلام پھیر دینے پر اس کو پڑھے تو اول قرات پڑھنا چاہیے اس کے بعد تین تکبیریں زائد ہاتھ اٹھا کر کہنے کے بعد چوتھی تکبیر رکوع کے لئے بغیر ہاتھ اٹھائے کہتا ہو اور رکوع میں جائے جیسا کہ دوسری رکعت میں حکم ہے۔

### چوتھی صورت:

اگر دوسری صورت کے رکوع کے بعد کسی وقت آ کر ملے تو پھر دونوں رکعت اس طریقہ سے پڑھے جو شروع میں لکھا ہوا ہے۔

### چند ضروری مسائل

(۱) اگر امام نے پہلی رکعت کی تکبیر بھول سے چھوڑ کر قراءت شروع کر دی ہو تو یہ حکم ہے کہ اگر الحمد پڑھتے پڑھتے یاد آ جائے تب تو تکبیریں کہہ کر دوبارہ الحمد شریف پڑھی جائے اور اگر سورت شروع کر دی ہے تو پھر سورت پوری کرنے کے بعد دوسری رکعت کی طرح تین تکبیریں زائد اور چوتھی تکبیر رکوع کے لئے کہہ کر رکوع میں چلے جاویں قرائت کا اعادہ نہ کیا جائے اور اگر رکوع میں یاد آوے تو تکبیروں کے لئے رکوع سے اٹھنا جائز نہیں بلکہ رکوع ہی میں آہستہ آہستہ کہہ لے اور مقتدیوں میں سے بھی جس کو یاد آئے اپنی اپنی تکبیریں کہہ لیں خواہ ان کو امام کے تکبیر کہنے کا پتہ لگا ہو یا نہ لگا ہو۔ اور اگر کسی نے رکوع سے اٹھ کر تکبیریں کہنے کے بعد رکوع کیا تو نماز ہو گئی مگر برا کیا اور یہی تفصیل اس مسبق کے لئے ہے جس کی دونوں رکعت رہ گئی ہوں۔



(۲) اسی طرح اگر دوسری رکعت میں امام تکبیریں بھول کر رکوع میں چلا جائے تب بھی تکبیروں کے واسطے رکوع سے واپس نہ ہو بلکہ رکوع ہی میں آہستہ آہستہ تکبیریں پڑھ لے اور مقتدی بھی جیسا کہ ابھی گزرا اور یہی حکم مسبوق کے بھول جانے کا ہے۔

(۳) نماز عیدین میں اگر بھول سے تکبیر رہ جاویں یا اور کوئی بات سجدہ سہو کی موجب ہو جائے تو امام کو چاہیے کہ سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ زیادہ مجمع کی وجہ سے لوگوں کو غلطی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ البتہ اگر مجمع کم ہو اور غلطی کا اندیشہ نہ ہو تو سجدہ سہو کر لے اور اگر مسبوق سے اس کی رہی ہوئی نماز میں کوئی بات سجدہ سہو کی موجب سرزد ہو تو اس کو سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔

(۴) اگر نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے نماز بالکل نہیں ہوئی تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مجمع متفرق ہونے سے پیشتر ہی پتہ لگ گیا تب تو دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے اور اگر مجمع متفرق ہو چکنے کے بعد خبر ہوئی تو اعادہ نماز میں مختلف روایات ہیں۔ مگر آسانی اس روایت کو لینے میں ہے کہ اب جماعت کا دہرانا ضروری نہیں بلکہ صرف امام نماز لوٹا لے وہو حکم الاستحسان کما فی الشامی عن البدائع۔ ہاں اگر احتیاطاً اعلان کر کے دوبارہ پڑھ لی جاوے تو بہتر ہے اگر اس روز موقع نہ ملے تو عید الفطر میں دوسرے روز بھی لوٹا سکتے ہیں اور عید الاضحیٰ میں تیسرے روز بھی واللہ اعلم اور یہ سب تفصیل امام کی نماز فاسد ہونے میں ہے اور اگر مقتدی یا مسبوق کی نماز فاسد ہو جاوے تو کسی حال میں قضا نہیں ہے۔

(۵) اگر کوئی شخص عید گاہ میں ایسے وقت پہنچا کہ نماز ختم ہو چکی ہے تو یہ تنہا نماز عید نہیں پڑھ سکتا بلکہ اگر دوسری جگہ نماز ہوتی ہو وہاں چلا جاوے ورنہ چار رکعت چاشت کی نیت سے پڑھ لے اور اگر چند آدمی رہ گئے ہوں تو جائز ہے کہ کسی دوسری جگہ جماعت کر کے نماز عید پڑھ لیں۔ فقط والسلام (احکام حج ج ۱۷)

## قربانی کی تاکید و فضیلت

یہ تاکید و فضیلت کا مضمون حیات المسلمین سے کسی قدر تغیر و اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے جو شخص پورا مضمون دیکھنا چاہے وہ اصل کتاب ضرور دیکھ لے بلکہ وہ پوری کتاب حرز جان بنانے کے قابل ہے۔ بالخصوص دیباچہ کہ روح الارواح ہے اور تاکید تو اسی کیلئے ہے جس پر واجب ہو لیکن جس پر واجب نہ ہو اگر وہ بھی کر دے یا کوئی شخص اپنے بچوں کی

طرف سے بھی کر دے تو اس کو بھی بہت ثواب ملتا ہے اور اگر کسی میت کی طرف سے کرے تو اس میت کو بھی بہت ثواب ملتا ہے اب اس کے متعلق آیتیں اور حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

آیات (۱) فَصِّلْ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (کوثر) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے کہ نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ فائدہ: اور یہ حکم امت کو بھی شامل ہے کیونکہ آنحضرت کے لئے خاص ہونے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ عام ہونے کی دلیل موجود ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص قربانی کی گنجائش رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ میں نہ آوے (حاکم) اس حدیث شریف سے کس قدر ناراضی معلوم ہوتی ہے ان سے جو کہ باوجود واجب ہونے کے ترک کرتے ہیں کیا اس کو وہ لوگ سن کر بھی بیدار نہ ہوں گے۔

(۲) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپایوں پر (یعنی گائے اونٹ بکری بھیڑ سب کے نرمادہ پر) اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔ (ف ۱۰) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قربانی بڑی مہتم بالشان عبادت ہے جو کہ سب امتوں کیلئے مشروع رہی ہے۔

فائدہ (۲) بِهَيْمَةِ الْأَنْعَامِ۔ جو اس آیت میں آیا ہے اردو میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس کا ترجمہ ہو سکے اس لئے جن جن چوپایوں پر یہ لفظ بولا جاتا ہے ان سب کا نام لکھ دیا اور گائے کے حکم میں بھینس بھی ہے اور دنبہ بھیڑ کی قسم ہے۔ پس قربانی بارہ چیزوں کی جائز ہے گائے بیل بھینس بھینسا اونٹ اونٹنی بکرا بکری بھیڑ مینڈھا دنبہ دنبی ان کے سوا اور کسی کی قربانی جائز نہیں۔

(۳) اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے کہ ان کی قربانی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور دین کی رفعت ظاہر ہوتی ہے اور اس حکمت کے علاوہ ان جانوروں میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں۔ (مثلاً دنیوی فائدہ کھانا اور کھلانا اور اخروی فائدہ ثواب) (فائدہ: ۱) اگرچہ بکری بھیڑ بھی قربانی کے جانور ہیں اور اس لئے وہ بھی دین کی یادگار ہیں مگر آیت میں خاص اونٹ اور گائے کا ذکر فرمانا اس لئے ہے کہ ان کی قربانی بھیڑ بکری کی قربانی سے افضل ہے۔ اور حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ سب سے عمدہ قربانی سینگ والا مینڈھا ہے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی جنس میں مینڈھا سب سے افضل ہے یعنی بکری وغیرہ سے اور دنبہ بھی مینڈھے کے حکم میں ہے اور اگر پوری گائے یا اونٹ نہ ہو بلکہ اس

کاساتواں حصہ قربانی میں لے لے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ساتواں حصہ اور پوری بکری یا بھیڑ قیمت اور گوشت کی مقدار میں برابر ہوں تو جس کا گوشت عمدہ ہو وہی افضل ہے اور اگر قیمت اور گوشت میں برابر نہ ہوں تو جو زیادہ ہو وہ افضل ہے۔ (شامی از تاتارخانیہ)

فائدہ ۲: اس سے معلوم ہوا کہ گائے کی قربانی خاص درجہ رکھتی ہے اور بعض جاہل جو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے گائے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے سو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس کا گوشت شرعاً ناپسند ہے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی اہل عرب کو بوجہ خشک ملک ہونے کے موافق نہیں۔

نمبر ۴: اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان چوپایوں کو تمہارا زیر حکم کر دیا تاکہ تم اس بات پر اللہ کی برتری بیان کرو کہ اس نے تم کو توفیق دی اور (اے پیغمبر) اخلاص والوں کو خوشخبری سنا دیجئے (سورہ حج)

فائدہ: اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ خاص حق تعالیٰ کو خوش کرنے اور اس سے ثواب حاصل کرنے کی نیت ہو کوئی دنیا کی غرض شامل نہ ہو۔

احادیث - ۱: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دن میں آدمی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پیارا نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن مع اپنے سینگوں اور اپنے بالوں اور کھروں کے حاضر ہوگا۔ (یعنی ان سب چیزوں کے بدلے ثواب ملے گا اور) قربانی کا) خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک خاص درجہ میں پہنچ جاتا ہے سو تم لوگ جی خوش کر کے قربانی کیا کرو (زیادہ داموں کے خرچ ہو جانے پر جی برا مت کیا کرو) (ابن ماجہ و ترمذی و حاکم)

نمبر ۲: زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ یہ قربانی کیا چیز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے (نسبی یا روحانی) باپ ابراہیمؑ کا طریقہ ہے انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو اس میں کیا ملتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی انہوں نے عرض کیا کہ اگر اون (والا جانور یعنی بھیڑ دنبہ) ہو آپؐ نے فرمایا کہ ہر اون کے بدلے بھی ایک نیکی (حاکم)

فائدہ: کتنی بڑی رحمت ہے کہ بکری وغیرہ کی قربانی کرنے سے حضرت ابراہیم خلیل

اللہ کے پیروکار شمار کئے گئے جنہوں نے اپنے اس پیارے پہلوئے کے بچے کو قربانی کیا تھا جو بڑھاپے میں بڑی تمناؤں کے بعد نصیب ہوا تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی۔  
 نمبر ۳: حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہؑ اٹھ اور (ذبح کے وقت اپنی قربانی کے پاس موجود رہ کیونکہ پہلا قطرہ جو قربانی کا زمین پر گرتا ہے اس کے ساتھ ہی تیرے لئے تمام گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی (اور) یاد رکھ کہ (قیامت کے دن) اس (قربانی) کا خون اور گوشت لایا جائے گا اور تیرے میزان (عمل) میں ستر حصے بڑھا کر رکھ دیا جاویگا۔ (اور ان سب کے بدلے نیکیاں دی جاویں گی) ابوسعید نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ (ثواب مذکور) کیا خاص آل محمدؐ کے لئے ہے کیونکہ وہ اس کے لائق بھی ہیں کہ کسی چیز کے ساتھ خاص کئے جائیں یا آل محمدؐ اور سب مسلمانوں کے لئے عام طور پر ہے آپؐ نے فرمایا کہ آل محمدؐ کے لئے (ایک طرح سے) خاص بھی ہے اور سب مسلمانوں کے لئے عام طور پر بھی ہے (صہبانی)

فائدہ: ایک طرح سے خاص ہونے کا مطلب ویسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لئے فرمایا کہ نیک کام کا ثواب بھی اوروں سے دونا ہے اور گناہ کا عذاب بھی دونا ہے۔ سو قرآن مجید سے آپؐ کی بیبیوں کے لئے اور اس حدیث سے آپؐ کی اولاد کے لئے بھی یہ قانون ثابت ہوتا ہے اور اس کی بناء زیادہ بزرگی ہے۔

نمبر ۴: حسین بن علیؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس طرح قربانی کرے کہ اس کا دل خوش ہو کر (اور) اپنی قربانی میں ثواب کی نیت رکھتا ہو وہ قربانی اس شخص کیلئے دوزخ سے آڑ ہو جائے گی۔ (طبرانی کبیر)

نمبر ۵: جنش سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کو دیکھا کہ دو دنبے قربانی کئے اور فرمایا ان میں ایک میری طرف سے ہے اور دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے میں نے ان سے (اس کے متعلق) گفتگو کی انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ نے مجھ کو اس کا حکم دیا ہے میں اس کو کبھی نہ چھوڑوں گا (ابوداؤد ترمذی)

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر بڑا حق ہے اگر ہم ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی ایک حصہ مقرر کر دیا کریں تو کوئی بڑی بات نہیں۔

نمبر ۶: ابو طلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دنبہ کی اپنی طرف



سے قربانی فرمائی اور) دوسرے دنبہ کے ذبح میں فرمایا کہ یہ (قربانی) اس کی طرف سے ہے جو میری امت میں سے مجھ پر ایمان لایا اور جس نے میری تصدیق کی (موصلی و کبیر و اوسط) فائدہ: مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کو ثواب میں شامل کرنا تھا۔ نہ یہ کہ قربانی سب کے طرف سے ایسے طرح ہوگئی کہ اب کسی کے ذمہ قربانی نہیں رہی۔

فائدہ-۱: غور کرنے کی بات ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی میں امت کو یاد رکھا تو افسوس ہے کہ امتی حضور گویا نہ رکھیں اور ایک حصہ بھی آپ کی طرف سے نہ کر دیا کریں۔ نمبر ۷: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قربانیوں کو خوب قوی کیا کرو (یعنی کھلا پلا کر) کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

(کنز العمال فرعن ابی ہریرہؓ)

فائدہ: عالموں نے سواریاں ہونے کے دو مطلب بیان کئے ہیں ایک یہ کہ قربانی کے جانور خود سواریاں ہو جاویں گی اور اگر کئی جانور قربانی کئے ہوں یا تو سب کے بدلے میں ایک بہت اچھی سواری مل جاوے گی اور یا ایک ایک منزل میں ایک ایک قربانی پر سواری لے کریں گے دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ قربانیوں کی برکت سے پل صراط پر چلنا آسان ہو جائے گا جیسے گویا خود ان پر سوار ہو کر پار ہو گئے اور کنز العمال میں ایک حدیث اس مضمون کی یہ ہے کہ نمبر ۸: سب سے افضل قربانی وہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہو اور خوب موٹی ہو (حمک عن رجل) اور ایک حدیث یہ ہے کہ

نمبر ۹: اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پیاری قربانی وہ ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہو اور خوب موٹی ہو (ہق عن رجل) (والضعف غیر مضرفی الفصائل لا یما بعد انجبارہ بعد الطرق)

تاکید و فضیلت کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ کچھ ضروری احکام بھی مختصر طور پر لکھ دیئے جاویں لہذا اصلاح انقلاب سے مختصر اور خطبات الاحکام سے کسی قدر اضافہ و تغیر کے ساتھ چند احکام لکھے جاتے ہیں۔ (احکام حج ج ۱۷)

احکام قربانی: (۱) ہر عاقل بالغ مرد و عورت مسلمان مقیم جس کے پاس بقدر نصاب چاندی یا روزمرہ کی حاجت ضروریہ سے زائد یا اتنی ہی مالیت کا اسباب ہو اس پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے قربانی کرے۔

(۲) اونٹ، بکرا، دنبہ، بھیڑ، گائے، بھینس نہ ہو یا مادہ سب کی قربانی درست ہے گائے بھینس دو برس سے کم، بکری ایک برس سے کم کی نہ ہو۔ اور دنبہ چھ مہینہ کا بھی درست ہے جبکہ خوب فربہ ہو اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اور اونٹ گائے بھینس میں سات آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں مگر کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔

(۳) جانور قربانی کا بے عیب ہو لنگڑا، اندھا، کانا، اور بہت لاغر اور کوئی عضو تہائی سے زائد کٹا ہوا نہ ہو۔ خنسی (یعنی بدھیا) کی اور جس کے سینگ نکلے ہی نہ ہوں قربانی درست ہے اور پوپلی جس کے دانت نہ رہے ہوں اور بوچی جس کے پیدائشی کان نہ ہوں جائز نہیں اور اگر بکری وغیرہ کا ایک تھن خشک ہو گیا یا بھینس وغیرہ کے دو تھن خشک ہو گئے ہوں اس کی قربانی بھی درست نہیں۔

(۴) دسویں تاریخ عید کی نماز کے بعد سے بارہویں کے غروب سے پہلے پہلے تین دن دورات تک قربانی کا وقت رہتا ہے مگر دسویں افضل ہے پھر گیارہویں کا درجہ ہے پھر بارہویں کا اور رات کو ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دس تاریخ کو کسی وجہ سے نماز نہ ہوئی ہو مثلاً بارش تھی تو زوال کے بعد قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے اور اگر نماز عید ۲ چند جگہ ہوتی ہو تو ایک جگہ ہونے کے بعد قربانی جائز ہے اور دیہات کے باشندوں کو جائز ہے کہ نماز عید ۳ سے پہلے ذبح کر لیں بعد اس کے نماز کے لئے جائیں۔ (۶) اگر قربانی شرکت میں کریں تو محض انداز سے گوشت تقسیم کرنا جائز نہیں تول کر پورا پورا بانٹیں کسی طرف ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو۔ ہاں جس حصہ میں کلمے پائے بھی ہوں اس میں کمی چاہے جتنی ہو جائز ہے البتہ اگر مشترک ہی خرچ کرنا یا کسی کو دینا چاہیں تو تقسیم کی حاجت نہیں۔

(۷) بہتر ہے کہ کم از کم تہائی گوشت خیرات کر دے اور ایک تہائی اعزاء و احباب کو دیدے۔ (۸) قربانی کی کوئی چیز قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔ (۹) قربانی پر جھول ڈالنا مستحب ہے اور پھر اس کی رسی جھول سب تصدق کر دینا افضل ہے۔ (۱۰) قربانی کی کھال تو اپنے کام میں لانا جائز ہے مثلاً مصلیٰ وغیرہ بنوالے لیکن کھال کا بیچنا اپنے خرچ میں لانے کے لئے درست نہیں۔ ہاں اگر قیمت خیرات کرنے کے لئے بیچے تو خیر۔ مگر اولیٰ یہ ہے کہ کھال ہی کسی کو دیدی جاوے (۱۱) قربانی کے ذبح کے وقت دعا پڑھنا ایسی ضروری

نہیں کہ بدوں اس کے قربانی ہی نہ ہو۔ جس کو یاد نہ ہو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے ذبح کر لے۔  
 (۱۲) اکثر لوگ قربانی کی کھال امام یا مؤذن وغیرہ کو دیدیتے ہیں یہ جائز نہیں کیونکہ اس کو ان کی خدمت مسجد کا صلہ سمجھا جاتا ہے اور کسی خدمت کے معاوضہ میں چرم قربانی وغیرہ دینا جائز نہیں البتہ اگر کسی امام وغیرہ سے صاف کہہ دیا جاوے کہ قربانی کی کھال بالکل نہ ملے گی اور پھر کوئی شخص بطور ہدیہ یا صدقہ کھال بخشنہ دیدے تو کچھ حرج نہیں خواہ وہ امام مصرف زکوٰۃ ہو یا نہ ہو کیونکہ بعینہ کھال دینے میں مصرف زکوٰۃ ہونا شرط نہیں۔ بلکہ جس طرح گوشت خود کھاتے ہیں اور امیر غریب اور سید وغیرہ سب کو دیتے ہیں یہی کھال کا حکم ہے گوشت اور کھال میں صرف یہی شرط ہے کہ کسی کو بطور حق الخدمت نہ دیا جائے اور اگر کھال کے دام دینا ہوں تو جس کو دے اس کا مصرف زکوٰۃ ہونا بھی شرط ہے۔ یعنی صاحب نصاب اور بنی ہاشم کو دینا جائز نہیں خوب سمجھ لو۔

(۱۲) ایک عام رسم یہ ہو گئی ہے کہ قربانی کے بعض حصص کو بعض لوگوں کا حق سمجھا جاتا ہے مثلاً سری کو سقے کا اور اگر وہ چیز ان کو نہ دی جاوے تو جھگڑا ہوتا ہے یہ حق سمجھنا اور ایسے موقع پر دینا بالکل ناجائز ہے جس کسی کو کچھ دیا جائے محض تبرعاً دیا جائے جیسا کہ (۱۳) سے معلوم ہو چکا۔

(۱۴) بعض لوگ گا بھن گائے بکری وغیرہ کی قربانی کو ناجائز سمجھتے ہیں یہ تو غلط ہے قربانی میں کوئی فرق نہیں آتا لیکن اگر پہلے سے معلوم ہو جاوے تو بہتر یہی ہے کہ اس کی قربانی نہ کرے۔ بلکہ اس کے بدلے میں دوسری کردی جاوے لیکن اگر دوسری کم قیمت ہو تو جو دام باقی رہیں وہ خیرات کر دیئے جائیں۔

(۱۵) اگر کسی میت نے قربانی کی وصیت کی تھی تو اس قربانی کا گوشت خیرات کر دینا واجب ہے اور اگر بغیر وصیت کے ویسے ہی کسی نے ایصال ثواب کے لئے میت کی طرف سے قربانی کی ہو تو اس میں اپنی قربانی کی طرح اختیار ہے۔

(۱۶) بعض جگہ قربانی کی یا ویسے ہی کسی جانور کی کھال ذبح سے پہلے ہی فروخت کر دیتے ہیں یہ بالکل حرام ہے۔

(۱۷) اکثر جاہل یوں سمجھتے ہیں کہ اگر خاوند غریب یا قرضدار ہو تو بیوی کے ذمہ بھی

قربانی نہیں یہ بالکل غلط ہے جب بیوی صاحب نصاب ہو جیسا کہ اکثر مقدار نصاب زیور ان کی ملک ہوتا ہے تو اس پر مستقل قربانی وغیرہ واجب ہوتی ہے۔

(۱۸) قربانی کرنے والے کے واسطے یہ مستحب ہے کہ ذی الحجہ کے عشرہ میں بال اور ناخن نہ بنوائے بلکہ قربانی کے بعد بنوائے۔ فقط والسلام۔

باقی مسائل بہشتی زیور وغیرہ میں دیکھ لیں و نیز اصلاح الرسوم بھی قابل دید ہے (احکام حج ج ۱۷)

## ریا کاری کا نقصان

ایک بزرگ کسی بزرگ کے یہاں مہمان ہوئے ان میزبان بزرگ نے خادم سے کہا کہ اس صراحی میں پانی لانا جو ہم دوسرے حج میں لائے تھے ان مہمان نے کہا کہ آپ نے ایک کلمہ میں اپنے دونوں حج غارت کئے۔ دیکھئے! انہوں نے کیسے عنوان سے اپنے عمل کو ظاہر کیا اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت نے حج کیا اور ایک ہی نہیں دو حج کئے اس کا ریا ہونا تو ظاہر میں بھی سمجھ میں آتا ہے۔ (عمل الزمرہ ج ۱۹)

## احکام شرعیہ میں سہولتیں

حج میں کوئی دشواری نہیں ہے جس کے پاس اپنی حاجت اصلیہ سے زائد اس قدر خرچ ہو کہ مکہ معظمہ تک سواری میں چلا جائے اور چلا آئے اور سفر میں رہنے تک اہل و عیال کو خرچ دے جائے اس کے ذمے حج واجب ہے۔

## شرعاً فقط حج ہی فرض ہے

کوئی کہتا ہے کہ صاحب حج تو بہت ہی مہنگا ہو گیا، پانچ سو چھ سو روپے میں تو حج کیا جائے، میں کہتا ہوں کہ آج حج مہنگا ہو گیا، پہلے تو سستا تھا، بیس پچیس روپے جہاز کا کرایہ تھا، اس وقت کتنوں نے حج کیا، یہ بھی ایک بہانہ ہے اگر حج مہنگا ہو گیا ہے تو جس کے پاس اتنی رقم نہ ہو اس پر حج فرض بھی نہیں، مگر جن کے پاس ہزاروں روپے ہیں اور جو شادیوں میں نام و نمود کے لئے سینکڑوں روپے خرچ کرتے ہیں ان کے پاس کیا عذر ہے، کچھ بھی نہیں، بس خدا کی مار ہے کہ حج نہیں کرتے اور اس میں یہ ساری حیلے بہانے ان کو سوجھتے ہیں۔ دوسری بات یہ



ہے کہ حج تو اب بھی بہت مہنگا نہیں، پہلے تین سو روپیہ میں حج اور مدینہ دنوں ہو جاتے تھے، اب اڑھائی تین سو میں صرف حج ہو جاتا ہے اور شرعاً فقط حج ہی فرض ہے، مدینہ جانا مستحب ہے اور سنت ہے تو اگر کسی کو ایسا ہی پانچ سو روپے خرچ کرنا گراں ہوتا ہے، وہ حج ہی کر کے واپس چلا آوے، البتہ جس کے پاس رقم کافی ہو اور محض بخل کی وجہ سے مدینہ نہ جائے اس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت ضرور ہوگی، تاہم پھر بھی مدینہ کا جانا فرض نہیں ہے۔ کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کا خیال ہو وہ مدینہ بھی ہو آئے اور اگر اس کی پرواہ ہو تو حج نہ کرنے کے لئے مہنگے سے ہونے کا بہانہ کیوں کرتا ہے، حج میں تو اب بھی کچھ زیادہ رقم صرف نہیں ہوتی، پھر بعضے تو حج کو چنداں ضروری ہی نہیں سمجھتے، اور بعض ضروری تو سمجھتے ہیں مگر کھیتی اور تجارت وغیرہ کے عذر پیش کرتے ہیں۔ سو جو لوگ ضروری ہی نہیں سمجھتے ان سے اس وقت میرا خطاب نہیں کیونکہ وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں، میں اس وقت مسلمانوں کو خطاب کر رہا ہوں، مسلمان کوئی ایسا نہیں ہو سکتا جو خدا کے فرض کئے ہوئے کام کو ضروری نہ سمجھے۔ رہا کھیتی وغیرہ کا عذر، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آج ان کی آنکھ بند ہو جائے اور یہ میاں ٹیں ہو جائیں تو اس وقت ان کی کھیتی وغیرہ کا کیا انتظام ہوگا۔ میں بدفالی نہیں کرتا مگر معاملہ کی بات ہے، میں پوچھتا ہوں کہ تمہارے پاس وحی آگئی ہے یا کسی اور ذریعہ سے یقین ہو گیا ہے تم ہمیشہ زندہ ہی رہو گے۔ ظاہر ہے کہ زندگی کا بھروسہ ایک دن بھی نہیں۔ بہت لوگ کھاتے پیتے چل دیئے ہیں تو بس دل کو یہی سمجھا لو کہ اگر آج ہماری زندگی ختم ہو جائے تو اس وقت بھی تجارت اور کھیتی کا انتظام ہم سے آخر چھوٹے ہی گا تو چند مہینے کے واسطے آج ہی اس کو کیوں نہ چھوڑ دیں جو انتظام مرتے وقت کرتے ہو وہ آج ہی کیوں نہ کر لو اور میں سچ کہتا ہوں کہ اگر ارادہ کیا جائے تو ہر چیز کا انتظام خاطر خواہ ہو سکتا ہے۔ کیا کھیتی والوں اور تجارت والوں کو سفر پیش نہیں آتے اور اس وقت وہ اپنے کاروبار کا انتظام نہیں کرتے یا کبھی چار پانچ مہینوں کے لئے وہ بیمار نہیں ہوتے، کیا اس وقت ان کا کام بند ہو جاتا ہے؟ مگر کچھ عادت یہ ہے کہ مجبوری کے وقت انسان سب کچھ انتظام کر لیتا ہے اور چلتے ہاتھ پیروں یہی چاہتا ہے کہ میں ایک دن کے واسطے بھی اپنے کام سے علیحدہ نہ ہوں، پھر سو اس کے کہ یوں کہا جائے کہ دنیا کی محبت نے دل میں گھر کر لیا ہے اور اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## ایک عاشق مجذوب کی سفر حج کی حکایت

مجھ سے سرائے میران میں ایک وکیل صاحب نے بیان کیا کہ سفر حج میں ایک شخص اس وضع سے چلا کہ اس کے ہاتھ میں ایک ڈھیلی تھی۔ اسے بجاتا اور ناچتا کودتا تھا لوگوں نے کہا میاں سفر حج میں یہ حرکت۔ کہا تمہیں کیا ہم جانیں اور ہمارا اللہ۔ لوگ یہ سمجھے کہ یہ کوئی مسخرہ ہے اسی حال سے وہ مکہ تک پہنچا۔ جب مطوف کے ساتھ طواف بیت کے لئے چلے اور دروازہ حرم کے قریب پہنچے تو مطوف نے کہا دیکھو وہ ہے بیت اللہ کیونکہ وہ دروازہ کے باہر ہی سے نظر آنے لگتا ہے بس یہی سن کا اس شخص پر ایک حالت طاری ہوئی اور اس نے وجد کی حالت میں یہ شعر پڑھا:

چوری بکوائے دلبر بسپار جاں مضطر کہ مباد بار دیگر نرسی بدیں تمنا  
(اب تو محبوب کے در پر پہنچ گئے ہو اب اپنی جان فدا کر دو شاید پھر اس تمنا کے حصول کا موقع نہ ملے)  
اور شعر پڑھتے ہی دھڑام سے گرا اور جان دیدی اس وقت معلوم ہوا کہ یہ مسخرہ نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کا عاشق مجذوب تھا۔ صاحبو! اللہ کے بندے بہت سے چھپے ہیں کسی کو ظاہری حالت کی وجہ سے حقیر نہ سمجھو۔

خاکسارانِ جہاں را بہ حقارت مگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سواری باشد  
(خاکسار لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو ممکن ہے کہ ان میں کوئی اہل دل صاحب جاں ہو) (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۴)

## حج کے حدود و قیود

حج کے لئے بھی حدود و قیود ہیں۔ احرام شرط ہے وقوف عرفہ خاص تاریخ میں ضروری ہے۔ اگر وہ تاریخ نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہو سکتا۔ اس سے پہلے حج کیا جائے تو لغو ہے۔ قربانی میں بھی حدود ہیں کہ خاص ایام ہی میں ہو سکتی ہے۔ ان ایام کے بعد ہزار جانور ذبح کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ پھر جانور میں ایسا ہوا یا نہ ہو وغیرہ وغیرہ جب مقاصد میں اتنی حدود ہیں پھر غیر مقاصد میں کیوں نہ ہوں پس آج کل جو لوگوں نے ترقی دنیا کی یہ صورت اختیار کی ہے کہ کسی شے کیلئے کوئی حد نہیں یقیناً یہ صورت اسلام کے بھی خلاف ہے۔ اور عقل کے خلاف ہونا اوپر معلوم ہو چکا۔ اب میں ان چیزوں کے حدود و قیود

کا ذکر کرتا ہوں۔ جن کا اس آیت میں ذکر ہے تاکہ انکا بھی کچھ بیان ہو جائے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہاں جتنے امور مذکور ہیں سب میں حفظ حدود بھی مرعی ہے سب سے پہلے یہاں پر التائبون ہے اوپر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان و مال کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ اب انکی تعریف بیان فرماتے ہیں۔ کہ وہ مسلمان کیسے ہیں تو فرماتے ہیں کہ وہ توبہ کرنے والے ہیں۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

## حج کے حدود

حج کیسی اچھی عبادت ہے مگر اس کے واسطے بھی حدود ہیں عرفات میں جانے کا خاص دن مقرر ہے، منی میں آنے کا خاص دن معین ہے ان تاریخوں کے بغیر حج نہیں ہو سکتا اگر یہ حدود نہ ہوتے تو جب چاہتے حج کر لیتے مگر اب اگر عرفات کا دن نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح احرام باندھنے کے مہینے مقرر ہیں۔ اشہر حج سے تقدیم احرام مکروہ ہے اشہر حج شوال سے شروع ہوتے ہیں گوان سب میں حج نہیں ہوتا حج صرف ذی الحجہ کی بعض تاریخوں میں ہوتا ہے لیکن ان مہینوں میں احرام باندھنے کی اجازت ہے ان سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ پس یہ مہینے چونکہ محل احرام ہیں اور احرام شرط حج ہے۔ اس لئے ان سب کو اشہر حج کہا جاتا ہے۔ غور کیجئے ان اعمال سے بڑھ کر کونسا عمل ہوگا مگر ان سب کی حدود ہیں۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## سفر حج سفر عشق ہے

بعضے لوگ حج کا نام سن کر وہاں کی بہت مذمت کرتے ہیں کہ وہاں بدو مار ڈالتے ہیں لوٹ لیتے ہیں اور بعضے تو گئے بھی نہیں مگر اوروں سے سن سن کر وہ بھی مذمت کیا کرتے ہیں یہ سب کم ہمتی کی باتیں ہیں میں ان کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان میں ایسے واقعات نہیں ہوتے بلکہ اگر وہاں کے مجمع پر نظر کی جائے تو حق تو یہ ہے کہ جس قدر واقعات ہونے چاہئیں ان سے بہت کم ہوتے ہیں ہندوستان میں اس کا عشر عشر بھی اگر مجمع ہو جائے تو ہتھیرے واقعات ہو جاتے ہیں بلکہ بغیر مجمع کے بھی راستوں میں واقعات ہو جاتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے جیسا بعض کہتے ہیں کہ بدوؤں کو لوٹ مار حلال ہے اس لئے کہ وہ دائی حلیمہ سعدیہ کی اولاد ہیں یہ تو بالکل لغو ہے وہ اگر ایسا کرتے ہیں تو زیادہ گنہگار ہوتے ہیں لیکن یہ ضرور کہیں گے اور تم اس کو یاد

رکھو کہ حج کا سفر سفر عشق ہے راہ عشق میں تو سب کچھ پیش آتا ہے بلکہ پیش نہ آنا عجیب ہے دنیا کے محبوب سے ملنے کے لئے کیسی کیسی مصیبتیں پیش آتی ہیں مگر تب بھی گوارا کرتے ہیں۔

نسا زد عشق را گنج سلامت خوشا رسوائی کوی ملامت  
(عشق کے لئے سلامتی گوشہ مناسب نہیں بلکہ بدنامی کے کوچہ کی رسوائی بہترین چیز ہے)  
عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود کوی گشتن بہر او اولے بود  
(اللہ تعالیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے تو گلی گلی پھرنا ہی بہتر ہے) (تہذیب الاخلاق ج ۲۶)

## چند خوش نصیب بزرگ

ایک بزرگ ایسے باہمت تھے کہ انہوں نے ۳۳ حج کئے تھے۔ ایک شخص مولوی منظور احمد صاحب بنگالی تھے مدینہ طیبہ میں رہتے تھے مگر ہر سال حج کیا کرتے تھے اور حج کر کے مدینہ طیبہ لوٹ جاتے تھے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دیکھ کر ایک بار یہ شعر پڑھا۔  
زہے سعادت آن بندہ کہ کرد نزول گئے بہ بیت خداؤ گئے بہ بیت رسول  
(وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ کس قدر خوش نصیب ہے جو کبھی خدا کے گھر میں جا پہنچتا ہے اور کبھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں)

اور بعض ایسے بھی ہیں کہ قریب بیت اللہ شریف کے رہتے ہیں اور ان کو اب تک بھی حاضری نصیب نہیں ہوئی ایک صاحب فرماتے تھے کہ ایک بدوی بیس پچیس برس سے مکہ معظمہ آتا تھا اس نے ایک دن پوچھا کہ یہ لوگ اطراف و جوانب سے اس کثرت سے یہاں کیوں آتے ہیں اللہ اکبر اس کو اتنی بھی خبر نہیں تھی کہ یہاں کیوں آتے ہیں۔ (تہذیب الاخلاق ج ۲۶)

## حکایت حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ان کے ایک خلیفہ خاص حج کو جانے لگے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم بارگاہ نبوی میں حاضر ہو تو میرا بھی سلام عرض کر دینا جب پہنچے تو سلام عرض کیا جواب میں ارشاد ہوا کہ اپنے بدعتی پیرو ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ بدعتی اس لئے فرمایا کہ شاہ صاحب کبھی کبھی دو چار شعر سن لیا کرتے تھے۔ لیکن آج



کل کی طرح مجلس جما کر کہ جس میں عوام اور ہوا پرستوں کا ہجوم ہوتا ہے نہیں سنتے تھے۔ اس لئے آج کل کے اہل سماع اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔ اور ان مجالس مختصرہ پر کسی طرح دلیل نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر غور کیا جاوے تو جیسا حضرت شاہ صاحب نے سنا ہے اس پر بھی انکار حضرت کی نبوت سے سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ یہ جواب حضور کا جیسے شاہ صاحب کی علو شان کی طرف شعر ہے ایسے ہی اس فعل کی ناپسندیدگی کو بھی ظاہر کر رہا ہے۔ گو شاہ صاحب نے غلبہ حال میں سنا ہے اور وہ معذور بھی ہیں۔ لیکن سنت کے خلاف تو ضرور کہا جاوے گا۔ القصہ جب وہ خلیفہ حج کر کے واپس آئے تو حضرت شاہ صاحب نے پوچھا کہ ہمارا سلام بھی عرض کیا تھا کہا کہ حضرت عرض کیا تھا۔ حضور نے بھی سلام فرمایا ہے۔ فرمایا کہ نہیں اسی طرح کہو جس طرح ارشاد ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت آپ کو تو معلوم ہی ہے پھر آپ کیوں پوچھتے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں میں وہی لفظ سننا چاہتا ہوں سننے میں اور ہی مزہ ہے انہوں نے اسی طرح کہہ دیا کہ یوں ارشاد ہوا تھا۔ شاہ صاحب پر اس وقت ایک حالت طاری ہوئی اور یہ شعر پڑھا۔

بدم گفتی و خور سدم عفاک اللہ کو گفتی      جواب تلخ مے زبید لب لعل شکر خارا

(مجھ کو تو نے برا کہا، میں خوش ہوں، اللہ تجھے معاف کرے تو نے صحیح بات کہی تیرے شیریں ہونٹوں کیلئے یہی تلخ جواب مناسب ہے)

غرض اہل محبت ایسے عتاب کا لطف جانتے ہیں۔ (اشرف الموعظ ج ۲۶)

## دوران حج تجارت کا مسئلہ

حج میں اکثر لوگ عطر وغیرہ بھی لے جاتے ہیں تاکہ بکری ہو اور اس سے حج کے اخراجات میں آسانی ہو اور اس کو مقصود سمجھ کر نہیں لے جاتے کہ مال بیچیں گے اور نفع اٹھائیں گے اور مفت میں حج بھی کر لیں گے سو حج کی اعانت کے لیے ایسا کرنا مضائقہ نہیں اور اس صورت میں حج کا ثواب بھی پورا ملے گا ہاں اگر بکری ہی مقصود ہو جیسے بعض لوگ اس غرض سے جاتے ہیں اور وہ حج کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے پیران کلیہ اور اجمیر کا عرس جس کی شان ایک میلہ سے زیادہ نہیں تو اگر حج اس واسطے کیا بکری ہوگی تو حج خراب گیا اور اس کا سارا سفر بکری ہی بکری ہو گیا اور اگر نیت حج کی ہے ضمناً بکری بھی کر لی تو بھی حج میں داخل ہو گئی۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

## حج فرض میں تاخیر نہ کیجئے

یہ بات معلوم ہے کہ حج فرض ہے اس اقتراں سے ظاہراً اور دوسرے دلائل سے نصاً میں اس پر آپ کو اس وقت متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی کے ذمہ حج فرض ہوا تو وہ سستی نہ کرے کیونکہ اور عبادات اگر وقت پر ادا نہ ہوں تو فوراً ہی ان کی قضا ہو سکتی ہے بخلاف حج کے کہ یہ اگر وقت پر ادا نہ ہوا تو پھر سال بھر کے بعد اس کا وقت آئے گا اور سال بھر بڑی مدت ہے کیا خبر سال بھر تک زندگی ہے یا نہیں (الحج ج ۲۸)

## حج سفر عاشقانہ

ایک بڑی بی کا قصہ سنا ہے کہ عذر سے پہلے جب کراچی کا سفر حاجیوں کو بہلی میں کرنا پڑتا تھا کیونکہ ریل اس وقت تک جاری نہ ہوئی تھی تو پچاس سو بہلیاں ساتھ مل کر چلتی تھیں تاکہ ڈاکوؤں سے امن رہے تو ایک دفعہ اسی طرح حاجیوں کی بہلیاں جارہی تھیں کہ ایک بڑی بی نے جو جنگل میں بکریاں چرا رہی تھی بہلیوں کو دیکھ کر پوچھا کہ میاں یہ کس کی بارات ہے لوگوں نے کہا بارات نہیں ہے بلکہ حاجی لوگ اللہ کے گھر جا رہے ہیں یہ سن کر بڑھیا کے دل میں جاذبہ حق پیدا ہوا اور اس نے کہا پھر ہم بھی اللہ کے گھر کی زیارت کریں گے یہ کہہ بہلیوں کے ساتھ ہو گئی اور بکریوں کو وہاں ہی میدان میں چھوڑا ان کو گھر تک بھی نہ پہنچایا واقعی سچ ہے

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند از ہمہ کار جہاں بے کار ماند  
(جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے گھر بیٹے روزی ملتی ہے اسے کیا پڑی کہ وہ دنیا میں خوار ہوتا پھرے) اور

آنکس کہ تراں شناخت جانرا چہ کند فرزند و عیال و خانمرا چہ کند  
(جس نے آپ کو پہچان لیا وہ جان کی کیا پرواہ کرے گا اور بی بی بچوں مال و اسباب کو لے کر کیا کرے گا)

پھر بڑھیا کی ہمت تو دیکھئے کہ لاٹھی کے سہارے پیدل قافلہ کے ساتھ ہو گئی واقعی اپنے وقت کی رابعہ تھی اور رابعہ نہ تھی تو خامسہ تو ضرور تھی بات یہ ہے کہ اہل اللہ کی ہمت بہت بلند ہوتی ہے ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت تھی کہ اسی برس کی عمر

ہو گئی تھی اور یوں تو ابتدا ہی سے حضرت نحیف الجثہ تھے مگر بڑھاپے میں اور بھی ضعف زیادہ ہو گیا تھا لیکن نماز کو جب کھڑے ہوتے تھے تو ذرا ضعف نہ معلوم ہوتا تھا بڑی لمبی لمبی رکعتیں پڑھتے تھے گویا بزبان حال یوں فرماتے تھے۔

ہر چند پیر خستہ و بس ناتواں شدم ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم  
(ہر چند بہت بوڑھا اور ناتواں ہو گیا ہوں مگر جس وقت تیرے چہرہ پر نظر ڈالتا ہوں جوان ہو جاتا ہوں)

یہی حالت اس بڑھیا کی تھی کہ باوجود بڑھاپے کی ہمت ایسی تھی کہ جوانوں کو بھی مات کر دیا اور عشاق کی ہمت بلند ہونے کا راز یہ ہے کہ ان کو اپنی سی کوشش کر لینا مقصود ہوتا ہے کامیابی ہو یا نہ ہو ان کا مذاق یہ ہے۔

دست از طلب نہ دارم تا کام من بر آید یاتن رسد بجاناں یا جان ز تن بر آید  
(جب تک میرا مقصد پورا نہ ہوگا طلب سے باز نہ آؤں گا یا تو جسم محبوب حقیقی کی طرف پہنچے یا جان جسم سے نکل جائے)

اس لئے وہ ہر مشکل سے مشکل کام کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور وہ ان کی نظر میں مشکل نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارا کام تو طلب ہے اور اپنی ہمت کے موافق عمل شروع کر دینا آگے پورا ہونا نہ ہونا یہ ہمارے قبضہ میں نہیں یہ دوسرے کے قبضہ میں ہے اس سے ہم کو کیا سروکار۔

ملنے کا اور نہ ملنے کا مختار آپ ہے پر تجھ کو چاہیے کہ تک و دو لگی رہے  
جب بڑھیا قافلہ کے ساتھ ہو گئی تو لوگوں نے اس کو بہت سمجھایا کہ بیت اللہ بہت دور ہے ایک دو منزل نہیں کہ تم پیدل وہاں پہنچ جاؤ مگر اس کا یہ حال تھا کہ جوں جوں نصیحت کرتے اس کا شوق دونا ہوتا تھا۔

ناصحامت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے  
لوگوں نے کہا کہ ہمارے بھروسہ پر نہ چلنا ہم پہلی میں سوار نہ کریں گے ہمارے پاس گنجائش نہیں اس نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ میں تمہارے بہلیوں کے بھروسہ پر نہیں چلتی ہوں اپنے خدا کے بھروسہ پر چلتی ہوں چنانچہ ایک بڑی مسافت پیادہ طے کی سب کو حیرت

ہو گئی پھر لوگوں نے ترس کھا کر بڑھیا سے کہا کہ اچھا بہلی میں سوار ہو جاؤ اس نے کہا ہرگز نہیں میں سوار نہ ہوں گی اور میں تو تمہارے ساتھ بھی نہ ہوتی الگ لپٹتی جاتی مگر عورت ذات ہوں میرا الگ تنہا سفر کرنا مناسب نہیں دوسرے مجھے راستہ بھی معلوم نہیں بس تمہاری رفاقت صرف اس لئے گوارا کی ہے اور کچھ مقصود نہیں مگر لوگوں نے خوشامد شروع کی منتیں کیں تب سوار ہو گئیں جب کراچی پہنچے تو جہاز کے مالک نے کہا کہ میں الگ الگ ہر شخص سے کرایہ نہیں کر لیتا بلکہ پورے جہاز کا کرایہ کرتا ہوں کیونکہ حجاج کم ہیں اگر پورے جہاز کا کرایہ ادا کرو تو میں چل سکتا ہوں ورنہ نہیں اب تمہیں اختیار ہے جس کو چاہو خود سوار کر لو مجھے ہر شخص سے الگ الگ کچھ واسطہ نہیں لوگ سمجھ گئے کہ یہ بڑی بی کی پہلی کرامت ہے پھر خیال ہوا کہ جہاز میں تو اس کے لئے یہ سامان ہو گیا آگے جدہ سے کیا انتظام ہوگا جب جہاز میں سوار ہوئے تو بچوں میں بیماری پھیل گئی اور بڑی بی نے بچوں پر دم کرنا شروع کیا جس پر دم کر دیا فوراً اچھا ہو گیا اب تو اس کی طرف بہت رجوعات ہوئیں اور خوب نذرانے ملے کہ بہت روپے اس کے پاس جمع ہو گئے اور آرام سے جدہ پھر مکہ معظمہ پہنچیں حج سے فراغت ہوئی تو حجاج نے مدینہ کا قصد کیا بڑی بی بھی قافلہ کی ہمراہ پیدل چل پڑی ایک منزل تو پیادہ طے کی اگلے دن کوچ سے پہلے ایک رئیس عورت کی بہن کا انتقال ہو گیا جس کی جگہ اونٹ پر سوار ہونے کے لئے ایک عورت کی اس کو تلاش ہوئی کیونکہ اونٹ شندف میں دو آدمی سے کم سوار نہیں ہو سکتے میزان برابر کرنے کے لئے دو آدمی ضروری تھے بیگم صاحبہ کے نوکر عورت کی تلاش میں تھے کہ بڑی بی کے سوا کوئی عورت نہ ملی وہ ان کے پاس آئے کہ بیگم صاحبہ آپ کو یاد کرتی ہیں۔ بڑی بی نے بے رخی سے جواب دیا کہ جاؤ میں نہیں آتی کون بیگم میں نہیں جانتی مگر زیادہ اصرار سے ان کے پاس آئیں بیگم نے کہا کہ میں آپ کو بمنزلہ ماں کے سمجھوں گی آپ میری سرپرستی قبول فرمائیں اور میرے ساتھ اونٹ پر سوار ہو جائیں میں ہر طرح آپ کے تمام مصارف کا تحمل کروں گی اور علاوہ مصارف کے اپنی اس مرنے والی بہن کا تمام تر کہ بھی آپ کو دوں گی کیونکہ اس کی وارث صرف میں ہی ہوں اور کوئی نہیں غرض بڑی خوشامدوں کے بعد بڑی بی راضی ہوئیں اور راحت و آرام کے ساتھ شندف میں سوار ہو کر مدینہ پہنچیں پھر اسی بیگم کے ساتھ جدہ واپس آئیں اور اسی کے خرچے سے جہاز میں سوار ہو کر کراچی پہنچیں اور اس کی بہن کا ترکہ لے کر جس میں نقد و زیور و کپڑا بہت کچھ تھا



اپنے وطن واپس گئیں حافظ محمد یوسف صاحب جو اس قصہ کے ناقل ہیں فرماتے تھے کہ ہمارا جہاز بعد میں کراچی پہنچا بڑی بی ہم سے بھی پہلے پہنچ گئیں جب کراچی پر اتر کر ہم بھلیوں کے راستہ سے چلے تو بڑی بی کے گاؤں میں پہنچ کر ہم نے دریافت کیا کہ یہاں کی ایک بڑھیا جج کو اس طرح ہمارے ہمراہ ہو گئی تھی وہ آگئی یا نہیں تو اس کے بیٹے ملے اور کہا وہ تو بالکل خیرت سے ہیں اور بہت دن پہلے اپنے گھر پہنچ گئی ہیں اور بہت سامان ساتھ لائی ہیں انہوں نے پوچھا کہ بکریوں کا ان کے پیچھے کیا حال ہوا کہا ہم نے شام تک ان کا انتظار کیا جب دیر ہو گئی تو جنگل میں جا کر دیکھا سب بکریاں صحیح سالم ہیں مگر بڑی بی نہیں ہیں ان کو ہر طرف بہت تلاش کیا جب ناامیدی ہو گئی تو بکریاں لے کر گھر کو آ گئے اور یہ سمجھ لیا کہ ان کو بھیڑ یا یا شیر کھا گیا ہے مدت کے بعد صحیح سالم آ گئیں اور بکریوں میں خوب تو الد تناسل ہوا تو دیکھئے یہ ایک عورت تھی جس نے کسی بات کی فکر نہ کی جب جج کا ارادہ کر لیا سب کام بیچ ہی میں چھوڑ دیا تو جو مرد عورت سے بھی کم ہو وہ کیا مرد ہے پس سب مشاغل بیچ میں چھوڑ دو اور کام کا ارادہ کر لو ورنہ کیا اطمینان ہے کہ آئندہ سال تم کو موقع ملے یا نہ ملے حدیث میں ہے من اراد ان یفلح عجل جو جج کا قصد کر لے اس کو جلدی کرنا چاہئے اور ہمارے ائمہ تصریح کرتے ہیں کہ جج میں تاخیر کرنے سے ایک دو سال تک تو گناہ صغیرہ کا گناہ ہوتا ہے اور اس کے بعد اصرار میں داخل ہو کر گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے مگر جب جج کر لے گا تو یہ تاخیر کا گناہ بھی معاف ہو جائے گا کیونکہ اس کو گناہ اس لئے تھا کہ فوت کا خطرہ تھا اور یہ خطرہ میں جج کو ڈال رہا تھا اور جب خطرہ فوت مرتفع ہو گیا اب گناہ بھی مرتفع ہو گیا یہ سب درمختار و رد المختار میں مذکور ہے۔ (الحج ج ۲۸)

## ایک عاشق کا سفر جج

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے جج کے راستہ میں ایک نوجوان لڑکے کو دیکھا جو بدوں زاد راہ کے جا رہا تھا میں نے کہا کہ تم بدوں زاد راہ کے اتنا لمبا سفر کرتے ہو؟ کہل وفد علی الکریم بغیر زاد من الحسنات و القلب السليم فان الزاد اقع کل شی اذا کان الوفود علی الکریم کہ ہاں میں یوں ہی خالی ہاتھ جا رہا ہوں کیونکہ کریم کے گھر پر توشہ باندھ کر لے جانا نازیبا ہے اس جواب سے میں سمجھا کہ نوجوان عارف ہے معمولی آدمی نہیں اس کے

بعد احرام کا وقت آیا تو سب نے احرام باندھ کر لبیک کہا مگر اس لڑکے کا چہرہ مارے خوف کے زرد ہو گیا اور اس کے منہ سے لبیک نہ نکلا میں نے کہا صاحبزادے تلبیہ کیوں نہیں کہتے کہا ڈرتا ہوں کہ میں تو لبیک کہوں اور وہاں سے جواب آئے لا لبیک ولا سعدیک وحجک مردود علیک غرض تمام اعمال حج میں اس کی ایک نئی شان ظاہر ہوتی تھی حتیٰ کہ منیٰ میں جب حجاج پہنچے اور سب لوگ قربانی کرنے لگے تو نوجوان نے حسرت کے ساتھ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور عرض کیا خداوند آپ کے سب بندے آپ کی جناب میں نذریں پیش کر رہے ہیں مگر میرے پاس کچھ نہیں جو پیش کروں ہاں یہ جان حقیر ہے اگر قبول ہو تو جان حاضر ہے یہ کہنا تھا کہ دفعۃً ایک چیخ ماری اور جان بحق ہو گیا کما قیل۔

چورسی بکوے دلبر بسپار جان مضطر کہ مباد بار دیگر نرسی بدیں تمنا  
(در محبوب جب پہنچ جاؤ تو اپنی جان کو اسی پر فدا کر دو شاید تمنائے دل پورا کرنے کا موقع نہ ملے)  
مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ اس نوجوان نے ہم سب کو میدان عشق میں پیچھے چھوڑ دیا اور عشاق کے دل پر خاص نشان لگا دیا اس کے بعد ہم نے اس کو غسل و کفن دے کر نماز پڑھ کر دفن کر دیا پھر مجھے غنودگی طاری ہوئی تو میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ اے مالک! اس سال اس نوجوان کی برکت سے سب صاحبوں کا حج قبول کیا گیا اور اس کی قربانی کی برکت سے سب کی قربانیاں قبول ہو گئیں۔ (البحر ج ۲۸)

## احکام حج سیکھنے کی ضرورت

مولانا رحمت اللہ صاحب نے ایک عالم کی حکایت بیان کی جنہوں نے مناسک (یعنی احکام حج) میں بھی ایک کتاب لکھی تھی اس کے بعد حج کے لئے مکہ معظمہ حاضر ہوئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کسی کو مطوف بنائیں گے یا نہیں کہا ہم کو مطوف کی کیا ضرورت ہے ہم احکام حج کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔ (کیونکہ اس باب میں کتاب تصنیف کر چکے تھے ۱۲) مگر پھر جو تنہا افعال حج شروع کئے تو ان میں متواتر دو غلطیاں کیں جس پر ایک مطوف لڑکے نے متنبہ کیا آخر کار اس بچہ ہی کو مطوف بنایا جب کام چلا اس لئے میں کہتا ہوں کہ خط سے ترکیب افعال کی نہیں معلوم ہو سکتی۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

# روزہ

- ☆ روزہ کے ذریعے قرب خداوندی میں ترقی
- ☆ روزہ کے احکام و آداب
- ☆ ظاہر و باطن کی اصلاح میں روزہ کا کردار
- ☆ تراویح، اعتکاف
- ☆ شب قدر کے متعلق ضروری احکام و ہدایات

## روزہ کا ادب

دیکھ لیجئے کہ کتنے ہیں ایسے لوگ جنہوں نے رمضان سے پہلے کی حالت بدل دی ہو۔ جو حالت رمضان سے پہلے تھی وہی اب بھی ہے جن کو لڑکوں اور عورتوں کو گھورنے کی عادت تھی وہ اب بھی گھورتے ہیں۔ جو غیبت کیا کرتے تھے وہ اب بھی کرتے ہیں جن کو کسی سے کینہ تھا وہ اب بھی ہے اور جو پہلے سے پرایا حق کھا رہے تھے وہ اب بھی کھا رہے ہیں۔ کون سا فعل ہے کہ کسی نے اس کو رمضان کی وجہ سے چھوڑا ہو بلکہ رمضان کے آنے سے اور زیادہ وبال بڑھ جائے گا۔ اس لئے کہ جیسا کہ مکان کے مقدس ہونے سے معصیت کے اندر شدت آ جاتی ہے۔ اسی طرح زمان کے مقدس ہونے کا بھی یہی اثر ہے کہ اس سے معصیت زیادہ بڑھ جاتی۔ جیسے کوئی مسجد کے باہر بیٹھ کر شراب پیئے تو گناہ ہے لیکن مسجد کے اندر بیٹھ کر پینا اور زیادہ گناہ ہے پس رمضان سے جس سے نیکیاں بڑھتی ہیں اسی طرح اگر اس میں معاصی ہوں گے تو وہ بھی شدید ہوں گے۔ رمضان کا ادب یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں، تمام جوارح کی حفاظت کرو۔ (الصيام ج ۱۰)

## روزہ کی حکمت

روزہ کی حکمت یہی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ روزہ سے مقصود تو مجاہدہ اور کسر قوت نفس ہے اور مجاہدہ اور مشقت جب ہی ہوگا جب کہ کم کھائے گا اور اگر ہمیشہ کی عادت سے بھی زیادہ کھایا پیا تو مجاہدہ ہی کیا ہوا تو جواب یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ حکمت مجاہدہ ہے، لیکن مجاہدہ تقلیل طعام و شراب میں ہونے میں کلام ہے۔ مجاہدہ نام کھانے پینے کے ترک یا تقلیل کو نہیں کہتے بلکہ مجاہدہ نام ہے ترک عادت کا۔ اگرچہ رات بھر کھاؤ پیو لیکن دن کو جب وقت کھانے کا آئے گا تو فوراً تقاضا کھانے کا ہوگا اور یہ اس تقاضے کے خلاف کرے گا۔ بس یہی مجاہدہ ہے



گو بھوک بھی نہ ہو لیکن میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تقلیل طعام مطلوب نہیں بیشک مطلوب ہے اور احادی میں ترغیب بھی اسکی آئی ہے کلام اس میں ہے کہ آیا تقلیل طعام و شراب مکمل صوم ہے یا نہیں اس پر کوئی دلیل نہیں۔ دلیل ظنی تخمینی یا قرآن کا تو اعتبار ہے نہیں۔ کتاب و سنت، یا اجماع قیاس سے دلیل ہونا تقلیل طعام کی وجہ سے جو برکت ہوتی ہے وہ جدا شے ہے اور روزہ کی وجہ سے جو برکت حاصل ہوتی ہے وہ علیحدہ ہے اول موقوف علیہ ثانی کی نہیں ہے۔ روزہ کی برکت خاص یہ ہے کہ عادت کے وقت نفس کو نہیں ملا۔ اور یہ کوئی نہ کہے کہ عادت دو چار روز میں بدل جائے گی پھر یہی عادت ہو جائے گی کہ رات کو کھایا کریں۔ بات یہ ہے کہ نفس ایسی شے ہے کہ خواہ کتنا ہی زمانہ گزر جائے مگر وہ تقاضا اس کا نہیں جاتا۔ (الصیام ج ۱۰)

## روزہ کا مطلوب

حدیث میں آیا ہے: خلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک یعنی صائم کے منہ کی بد بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور یہ بواسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ معدہ میں کچھ نہ ہو۔ جب معدہ بالکل خالی ہوتا ہے تو اس سے کچھ رواتح اوپر کی طرف صعود کرتے ہیں۔ ان کا اثر منہ میں بھی آتا ہے تو اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم کھانا مطلوب ہے ورنہ اگر زیادہ کھایا اور وہ کھانا معدہ میں رہا تو خلوف کا وجود کہاں ہوگا اور لیجئے ایک دوسری حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کو روزہ سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ وصول نہیں ہوتا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ روزہ میں بھوک پیاس مطلوب ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ جناب اگر حدیث میں تقلیل طعام کو مکمل صوم ہونا نہیں آتا تو اس کے خلاف پیٹ بھرنے کا بھی ذکر نہیں آیا تو اس اعتبار سے دونوں مساوی ہو گئے۔ اگرچہ یہ شبہ سطحی ہے مگر ہمارے مدعا کو مضر نہیں۔ اس لئے کہ ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ تقلیل مکمل صوم نہیں ہے اور یہ ثابت ہے لیکن تبرعاً اب ہم اس کے خلاف کے دلائل بیان کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی روزہ دار کو افطار کرادے اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے اور اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے سب کے پاس

روزہ دار کے افطار کرانے کی قدر نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ثواب تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی دے دیتے ہیں جو تھوڑے دودھ یا ایک چھوہارہ یا ایک گھونٹ پانی پر افطار کرادے اور جو اس کو پیٹ بھر کر کھلا دے اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے سیراب کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ بھر کر کھانا ثواب کی بات ہے اور اس کا پیٹ بھر کر کھانا ذرا نقص نہیں ورنہ اس کی اعانت باعث فضیلت نہ ہوتی۔ پس بحمد اللہ ثابت ہو گیا کہ تقلیل طعام کو روزہ سے کوئی تعلق نہیں۔ باقی یہ ظاہر ہے کہ بہت زیادہ کھانا اور اناڑی کی بندوق کی طرح بھرنا یہ ناپسند ہے۔ (الصيام ج ۱۰)

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اخیر شب ہوتی ہے رمضان کی تو اللہ پاک میری امت کی مغفرت فرماتے ہیں۔ عرض کیا صحابہؓ نے کیا وہ لیلۃ القدر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں لیکن العامل انما یوفی اجرہ اذا قضی اعملہ یعنی جب کام کرنے والا کام پورا کر دیتا ہے تو اس کو پوری مزدوری مل جاتی ہے۔

مگر یہ سمجھ لو کہ پورا ہونا کسے کہتے ہیں۔ ٹھیکے داروں سے پوچھ لو جب کہتے ہیں کہ پل پورا ہو گیا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جانچ میں پورا ہو گیا۔ چنانچہ جب جانچ میں وہ تعمیر پوری نہیں ہوتی تو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کو از سر نو بناؤ پیمائش میں پورا ہونا معتبر نہیں جب تک منظوری کے نمونہ کے موافق نہ ہو جائے۔ ذرا متنبہ ہونا چاہیے۔

مگر یہاں اور وہاں کے معاملہ میں اتنا فرق ہے کہ یہاں تو اگر حکم ہوا تھا تمیں فرلانگ سڑک بنانے کا اور اس کو انتیس تک ہوش نہیں اور تیسویں میں ہوش آیا تو تمہارے تمیں کے تمیں برباد گئے۔ یہ تو یہاں کے قانون میں ہے اور قانون خدائی یہ ہے کہ اگر تیسویں روزہ میں بھی ہوش آجائے اور اس کو باقاعدہ ادا کیا جائے اور ماضی (گزرے ہوؤں) سے معذرت کر لی جائے تو تیسویں ٹھکانے لگ جاتے ہیں اور مقبول ہو جاتے ہیں۔ مگر کون قدر کرے۔ چونکہ آسانی اور سہولت سے یہ نعمت میسر ہوتی ہے، یہی سبب ہو گیا بے قدری کا۔

ہر کہ اوارزاں خرد ارزاں دہد گوہرے طفلے بہ قرص ناں دہد جو شخص کسی چیز کو ارزاں لیتا ہے وہ ارزاں دے بھی دیتا ہے اس کی قدر نہیں کرتا۔ چنانچہ بچہ نادان قیمتی موتی کو ایک قرص نان کے عوض میں دے دیتا ہے۔

اے گرانجاں خوار و بد مستی مرا      زان کہ بس ارزاں خریدستی مرا  
اے کاہل تو نے مجھ کو بے قدر سمجھ رکھا ہے وجہ یہ ہے کہ میں تجھ کو مفت مل گیا ہوں۔

## روزہ دار کی فرحت

للمصائم فرحتان (روزہ دار کیلئے دو فرحتیں ہیں) کا عموم بھی اس پر دال ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ روزہ دار کو دو فرحتیں حاصل ہوتی ہیں۔

فرحة عند الافطار و فرحة عند لقاء الرحمن

(ایک فرحت افطار کے وقت اور ایک فرحت اللہ تعالیٰ کے لقا کے وقت)

سوا یک تو افطار اصغر ہے جو روزانہ ہوتا ہے اور دوسرا افطار اکبر ہے جو مجموعہ رمضان کا افطار ہے یعنی عید اور ان دونوں کو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جو منجملہ جوامع الکلم کے ہے شامل ہے۔ پس یوم عید جامع ہو گیا عبادات و فرح طبعی کا پھر خود ان عبادات میں بھی فرح و نشاط طبعی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جوش مسرت میں مسلمان کا طبعی امر ہے اللہ اکبر! اللہ اکبر کہنا۔ سونماز میں یہی داخل کیا گیا۔ ولتکبروا اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔ کی یہ بھی تفسیر کی گئی ہے۔ غرض جو امر طبعی تھا اس کو جز و نماز کر دیا اور چونکہ موقع تھا اظہار سرور کثیر کا و اقل الجمع ثلاث۔ کم سے کم جمع میں تین ہوا کرتے ہیں۔ تین تکبیریں ایک رکعت میں اور تین دوسری رکعت میں مقرر فرمائیں اور بعض بعض صحابہؓ کے نزدیک زائد بھی ہیں مگر تین سے کم نہیں۔ پھر قرأت کے فصل سے رکوع و سجدہ کے اللہ اکبر بھی سب جمع ہو گئے کہ اظہار سرور کے کلمہ کا تواتر بھی امر طبعی ہے اور یہ رکعت ثانیہ میں تو ظاہر ہے باقی پہلی رکعت میں تعجیل اظہار کے نکتہ سے قرأت پر تکبیر مقدم ہو گئی۔ غرض امر طبعی کو جز و نماز بنا دیا گیا۔ یہ تو نماز کا بیان تھا۔ (الفطر ج ۱۰)

## روزہ میں گناہوں سے بچنے کا اہتمام

ہم تکمیل صوم کی فکر کریں۔ بہت لوگ اس میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ یہ نہایت اہم ہے۔ حدیث میں ہے: من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة ان يدع شرابه و طعامه جو شخص بیہودہ باتیں اور بیہودہ عمل ترک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہے۔

اس میں تنبیہ ہے کہ روزہ میں ترک اکل و شرب وغیرہ سے زیادہ ترک محرمات کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ اکل و شرب و جماع فی نفسہ تو حرام نہیں بلکہ روزہ کی وجہ سے ایک وقت خاص وحد متعین تک ممنوع ہو گئے ہیں اور قول زور و عمل زور تو فی نفسہ حرام ہے۔ یعنی جھوٹ، غیبت، زنا، سود، رشوت وغیرہ جب تم نے محرمات کا ارتکاب کر کے روزہ کو ناقص کر دیا تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے بھوکے پیاسے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جھوٹ اور غیبت اور سود و رشوت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ نہیں! روزہ تو نہیں ٹوٹا مگر ان اعمال کے ساتھ جو روزہ ہوتا ہے وہ ایسا روزہ ہے جیسے تم کسی سے کہو کہ فلاں کام کے واسطے ایک آدمی کی ضرورت ہے اور وہ وکیل تمہارے سامنے ایک مضغہ گوشت لا کر رکھ دے جو نہ حرکت کر سکے نہ کام کر سکے اور جب اس سے کہا جائے کہ میاں یہ کس کے لے آئے تو وہ جواب میں کہے کہ آپ نے آدمی کو کہا تھا اور یہ آدمی ہے کیونکہ حیوان ناطق اس پر صادق ہے۔ پس جیسے یہ مضغہ لحم معقول آدمی تھا مگر کام کا آدمی نہ تھا ایسے ہی آپ کا روزہ محض اصطلاحی روزہ ہوگا مگر کام کا روزہ نہ ہوگا۔ (النسوان فی رمضان ج ۱۰)

## روزہ میں وسعت

اللہ تعالیٰ روزہ میں بھی وسعت کی رعایت فرماتے ہیں۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ  
یعنی صبح ہونے سے پہلے تک کھاؤ پو پھر فرماتے ہیں۔

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ

رات تک روزہ کو پورا کیا کرو تم لوگوں کے واسطے روزہ کی رات میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا ہے۔ فالان باشروهن سوان بیبیوں سے اب ملو ملاؤ۔

عورتوں کو حلال کیا رات کو۔ سورات کے شروع سے عورتیں حلال ہو گئیں اور باشروهن پر آگے عطف کیا ہے۔ کُلُوا وَاشْرَبُوا کو اور اس کو مغیا کیا ہے حتیٰ یَتَبَيَّنَ کے ساتھ اور متعاطفات متماثل ہوتی ہیں تو مباشرت کی اجازت بھی صبح تک ہوئی اسی طرح اکل و شرب کی بھی پس معنی یہ ہوئے کہ دن چھپے کے وقت سے صبح نکلنے تک دن کی کمی کا عوض اچھی طرح نکال لو سو یہ کتنی وسعت ہو گئی اور یہ اور بات ہے کہ ان میں انہماک مناسب نہیں کہ اس میں بعض مقصود روزہ کے فوت ہوتے ہیں کھانا کم ہی کھانا



مناسب ہے اور اس میں راحت روحی بھی ہے لیکن شریعت کھانے وغیرہ سے نہیں روکتی۔ بعضے حریصوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو کھانے کی اجازت دیتا ہے کہ کلو واشربوا (تم کھاؤ اور پیو) تو بعض حکماء نے بطور لطیفے کے جواب دیا ہے۔

گرچہ خدا گفت کلو واشربوا      لیک نہ گفت ست کلو اتا گلو  
اگرچہ اللہ تعالیٰ نے کلو واشربوا (تم کھاؤ پیو) فرمایا ہے لیکن یہ نہیں کہ گلو تک کھاؤ۔  
جس طرح بعضے لوگ جولا تسرفوا (اسراف مت کرو) میں مبالغہ کر کے تقلیل کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں ان کو کسی نے جواب دیا ہے۔

گرچہ خدا گفت ولا تسرفوا      لیک نہ فرمود بکھیا وضو  
یعنی اگرچہ خدا تعالیٰ نے لا تسرفوا (اسراف مت کرو) فرمایا ہے لیکن بکھیا وضو (ایک کھیا سے وضو) نہیں فرمایا ہے۔

البتہ کلو واشربوا (تم کھاؤ پیو) سے محرمات خارج ہیں ولا تسرفوا (اسراف مت کرو) اس پر دال ہے جیسے کسی رند نے کہا تھا۔

ہم توبہ جب کریں گے کباب و شراب سے      قرآن میں جو آیہ کلو واشربوا نہ ہو  
ایک دیندار شاعر نے جواب دیا۔

تسلیم قول آپ کا ہم جب کریں جناب      جب آگے واشربوا کے ولا تسرفوا نہ ہو  
بہر حال اعتدال ہونا چاہئے کھانے پینے میں اعتدال ہو اور امور میں بھی اعتدال ہو غرض تمام چیزوں میں ہماری طبیعت کی رعایت ملحوظ رکھی گئی چنانچہ تاخیر سحر کو مستحب فرما دیا تا کہ جسمانی راحت بھی ہو اور روحانی بھی روزہ تو شروع ہوا ہے صبح سے اگر آدھی رات سے کھانا کھا لیتے ہیں تو دن میں بھوک کی کلفت ہوتی خلاصہ یہ کہ احکام شرعیہ میں ظاہری و باطنی ہر طرح کے مصالح مرعی ہیں۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد      برنگ اصحاب صورت را بوا ارباب معنی را  
اس کے عالم حسن کی بہار اصحاب ظاہر کے دل و جان کو رنگ یعنی ظاہری حسن سے اور ارباب معنی کے دل و جان کو بوی معنی باطنی حسن و خوبی سے تروتازہ رکھتی ہے۔ (شعبان ج ۷)

## افطاری میں عجلت

تجیل افطار کا امر فرمایا کہ زمانہ ترک اکل کا کم رہے اور پھر تاخیر سحر و تجیل افطار میں

باطنی مصلحت حد شرعی کی رعایت ہے کہ روزہ کی ابتدا و انتہا خلط نہ ہو جائے اسی طرح اتباعاً للشرع (شرع کی اتباع کر کے) امام کو اہل صوم کی رعایت چاہئے کہ مغرب کا وقت تنگ سمجھ کر جلدی نہ کرے مغرب کا وقت عشاء کے وقت ہونے تک باقی رہتا ہے خوب اطمینان سے آدمی کھانا کھا سکتا ہے لیکن اس قدر دیر نہ ہو کہ نماز ہی خراب ہو جاوے روحانی اور جسمانی امر کی یہاں بھی رعایت فرمائی۔ (شعبان ج ۷)

## سفری روزہ کی شرط

جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ سفر میں بھی روزہ رکھنا جائز ہے۔ البتہ بہت تھوڑے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ جس طرح بحالت سفر نماز میں قصر واجب ہے ایسے ہی روزہ میں افطار واجب ہے اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ ”لیس من البر الصیام فی السفر“ وہ کہتے ہیں کہ دیکھو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ روزہ رکھنا سفر میں اچھا نہیں، دیکھو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ تو بہتر ہے۔ (شرائط الطاعت ج ۷)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ينادى الملك يا باغي الخير اقبل ويا باغي الشر اقصر ولله عتقاء من النار  
(ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فرشتہ منادی کرتا ہے کہ اے خیر کے طلب گار آگے بڑھ اور اے برائی چاہنے والے رک جا اور اللہ کے لئے بہت سے لوگ آزاد کئے جاتے ہیں)

ترمذی شریف کی اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کی فضیلت ارشاد فرمائی ہے کہ ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ یا باغی الخیر اقبل۔ الخ۔ یعنی اے خیر کے طلب کرنے والے چل متوجہ ہو اور اے شر کے طلب کرنے والے اب تو رک جا۔ تیسرا جملہ ولله عتقا من النار اللہ تعالیٰ بہت سے بندوں کو اس راہ کی برکت سے آزاد کر دیتے ہیں۔ متحمل ہے یعنی یا تو وہ بھی فرشتہ کی ندا ہو۔ یعنی فرشتہ کہتا ہے کہ اس وقت خدائے تعالیٰ کے یہاں عام رہائی ہو رہی ہے۔ اے شخص تو بھی مستحق رہائی ہو جا۔

دیکھو جب کوئی شاہی خوشی ہوتی ہے تو ہر قیدی کو شش کرتا ہے چھوٹنے کی، تو اس وقت رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ خدائے تعالیٰ کا فضل عام ہو رہا ہے۔ قیدی چھوٹ رہے

ہیں۔ تم پر بھی تعزیرات آخرت کی بہت سی دفعات لگ چکی ہیں۔ اس لئے تم بھی انہی قیدیوں میں ہو۔ پس تم بھی سعی کرو کہ تمہاری رہائی ہو جائے۔ اور یا یہ جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے فرمایا ہو۔ دونوں کا حاصل ایک ہوگا۔ (ندارمضان ج ۱۰)

## صبر سے مراد روزہ ہے

قرآن شریف میں جو فرمایا گیا ہے: **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** وانہا لکبیرۃ الاعلیٰ الخشعین الذین یظنون انہم ملقوا ربہم وانہم الیہ راجعون۔ یعنی مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں۔ خشوع کرنے والے وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ بیشک اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

اکثر مفسرین نے صبر سے مراد صوم لیا ہے اس کو آیت میں نہیں فرمایا بلکہ صرف نماز کے ساتھ اس حکم کو مخصوص کیا اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ عورتیں روزہ رکھنے میں بڑی مستعدی کرتی ہیں اور نماز پڑھنا ان پر قیامت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ افعال و جود میں مشقت زیادہ ہے اور نہ کھانے میں عورتوں کا کچھ کمال بھی نہیں۔ اس لئے کہ اول تو مزاج بارد جس میں تحلیل رطوبات کم ہوتی ہے دوسرے کھانے پکانے سے طبیعت سیر ہو جاتی ہے اور مردوں میں یہ امور متحقق نہیں ہیں۔ (ندارمضان ج ۱۰)

## روزہ کی سفارش

ایک حدیث بیہقی میں ہے کہ قرآن اور روزہ دونوں سفارش کریں گے۔ قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو سونے نہیں دیا۔ اس لئے میری سفارش قبول فرما کر اس کو بخش دیجئے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام تمام رات بیدار رہے کیوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہ تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ بہ نسبت اور دنوں کے کم سونے دیا۔ چنانچہ کلام اللہ میں ہے۔

قلیلاً من اللیل ما یہجعون۔ یعنی رات کو بہت کم سوتے تھے۔

بزد و ورع کوش و صدق و صفا      لیکن میفرمائے بر مصطفیٰ

یعنی زہد و تقویٰ میں کوشش کرو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ بڑھو۔ (ندارِ رمضان ج ۱۰)  
 روزہ کہے گا میں نے دن میں کھانے پینے سے روکا اس طرح دونوں شفاعت کریں  
 گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رمضان میں صرف روزہ کافی نہیں بلکہ قرآن بھی پڑھا کرو۔ جس  
 کا سہل طریقہ اس ماہ میں تراویح ہے مگر دشواری یہ ہے کہ تراویح بھی باقاعدہ بہت کم پڑھتے  
 ہیں۔ یہ کمال میں شمار ہوتا ہے کہ فلاں حافظ نے ایک گھنٹہ میں اس قدر پارے پڑھے  
 حالانکہ کلام اللہ کے الفاظ تک درست نہیں ہوتے۔ نہ رکوع نہ سجود وغیرہ ٹھیک ہوتا ہے۔  
 اگر تو قرآن بدیں نمط خوانی بہ بری رونق مسلمانی  
 اگر اس طور سے قرآن پڑھتا ہے تو رونق مسلمانی کو زائل کرتا ہے۔

ادھر تو مقتدیوں کو نہایت اضطراب ہوتا ہے کہ کوئی باقاعدہ پڑھنا چاہے تو وہ چین نہیں لینے  
 دیتے۔ غرض جب فارغ ہو کر واپس ہوتے ہیں تو بجائے ثواب کے مواخذہ سر پر ہوتا ہے۔  
 از در دوست چہ گویم بچہ عنوان رستم      ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرمان رستم  
 محبوب کے دروازے سے کیا کہوں کس طور سے میں گیا۔ پورے شوق سے آیا  
 تھا۔ بالکل محروم ہو کر چلا۔

بعض شائقین تلاوت کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ ہم پورے طور سے کلام اللہ پڑھنے پر قادر  
 نہیں بلکہ اٹک اٹک کر پڑھتے ہیں۔ پس وہ یہ سمجھ کر تلاوت سے بیٹھ رہتے ہیں کہ ایسے پڑھنے  
 سے کیا فائدہ ہے۔ تو یہ سمجھ لیجئے کہ باوجود اٹک اٹک کر بہ دشواری تلاوت کرنے سے بھی  
 دہرا اجر ہو گا مگر اس سے یہ نہ سمجھیں کہ صاف پڑھنے والے سے یہ بڑھ گیا۔ ممکن ہے کہ اس  
 کا، اکہرا اس کے دوہرے سے بڑھ جائے۔ جیسے اشرفی اور دورو پے کہ کیت میں تو دورو پے  
 زیادہ ہیں اور کیفیت میں ایک اشرفی بڑھی ہوئی ہے۔ اور جن کو پڑھنا نہ آئے ان کے لئے  
 صرف سننے پر بھی ثواب مرتب ہو جاتا ہے۔ وہ بھی محروم نہیں ہیں۔ چنانچہ کلام اللہ میں:

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا .

یعنی جب قرآن پاک پڑھا جائے تو خاموش ہو جاؤ اور اس کو سنو۔

موجود ہے۔ اگر چہ تالی و تلاوت کرنے والا، کے مثل ثواب نہ ہو۔ لیکن

مرا از زلف تو مومئے بسند است      ہوس راہ رہ مدہ بومئے بسند است



یعنی اگر محبوب نہ ملے تو اس کا ایک بال ہی بہت ہے۔ اگر بال نہ ملے تو خوشبو ہی سہی جیسے قرآن کو نزول سے اس ماہ کے ساتھ مناسبت تھی ویسا ہی اس ماہ میں اس کی تلاوت و سماع کا بھی سامان کر دیا کہ تراویح کا امر فرمایا تا کہ کوئی ثواب سے محروم نہ رہے۔ (الصوم ج ۱۰)

## ایک لطیفہ غیبی

ایک لطیفہ ظنی طریق سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور ظالمین کی نیکیاں مظلوموں کو دی جائیں گی تو بعض اہل لطائف نے کہا ہے کہ روزہ نہ چھنے گا۔ اس لئے کہ سرکاری جائداد ہے۔ اس کو کوئی نہ لے سکے گا مگر اس کا دعویٰ لطیفہ کے درجہ میں ہے ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو اور اس کے ساتھ ہی ایک اور بات بھی یاد آئی۔ وہ یہ ہے کہ انا جزى به . میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔

ایک نسخہ انا جزى به بصیغہ مجہول بھی مشہور ہے اس کے معنی مشہور یہ ہیں کہ روزہ میرا ہے اور اس کے بدلہ میں دیا جاؤں گا۔ یعنی اس کا بدلہ یہ ہے کہ میں اس کو ملوں گا۔ اور یہ مضمون گوئی نفسہ صحیح ہو کہ حق تعالیٰ اس کے بدلے میں مل جائیں گے۔ (الصوم ج ۱۰)

## روزہ اور فدیہ

مجھ کو فائدہ لی جب یہ فرمایا کہ روزہ میرا ہے تو جب ہم نے روزہ رکھا تو گویا ہم زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ لیجئے حضور یہ آپ کے لئے ہے۔ اب آپ یہاں سے سبق حاصل کیجئے کہ اگر حاکم ضلع کے لئے کوئی شے تحفہ کے طور پر بھی لے جاؤ خاص کر جب کہ حاکم خود فرمائش بھی کرے تو اس کا کس قدر اہتمام کرو گے۔ جہاں تک ہو سکے گا عمدہ صاف ستھری شے لے جاؤ گے۔ اور اگر احتمال بھی اس میں عیب کا ہوگا تو اس کو ردی کر دو گے دوسری منگاؤ گے۔ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کو کہنا کہ روزہ میں بھی اتنا یا اس سے آدھا ہی اہتمام ہوا ہے بفضلہ تعالیٰ اکثر لوگ تو روزہ ہی نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ روزہ کی فلاسفی ہے کسر قوۃ بہمیہ۔ تو جب یہ علت ہے تو ہم اپنے اندر اس قوت کو مغلوب پاتے ہیں۔ خاص کر بعض نام کے مولویوں کا ترجمہ بعض نے جب سے دیکھا ہے تو اور زیادہ دلیری بڑھ گئی۔ (الصوم ج ۱۰)

## صحت روزہ کا حیارہ کرو

صاحبو! اگر حاکم تم سے یہ کہے کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے اور تم اندھا، بہر النکڑا، لولا، اپاہج محض لے جاؤ تو کیا حاکم اس سے خوش ہوگا ہرگز نہیں بلکہ حتی الوسع اس کی کوشش کرو گے کہ مرضی کے موافق آدمی ہو تو روزہ میں یہ قاعدہ کیوں مہمل چھوڑ دیا۔ آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں سب ہی کو گناہ سے بچانا چاہیے۔ دیکھو جب روزہ میں وہ چیزیں حرام کر دی گئی ہیں جو پہلے مباح تھیں تو جو پہلے سے حرام ہیں وہ تو بطریق اولیٰ واجب التکرار ہوں گی اور اگر روزہ میں گناہ ترک نہ کئے تو اس کا روزہ کیا ہے نام کا روزہ ہے۔

اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعض لوگوں کو روزہ میں سے صرف بھوک پیاس اور جاگنا ہی میسر ہوتا ہے اور بعض لوگ اطمینان حاصل کرنے کے لئے دنیا کے تعلقات تو کم کر دیتے ہیں لیکن بجائے اس کے شطرنج، گنجفہ، غیبت، بدنگاہی ناول دیکھنا اختیار کرتے ہیں یاد رکھو کہ یہ افعال سم قاتل ہیں ان کو معمولی نہ سمجھیں۔ مگر پھونکنے کے لئے ایک چنگاری بھی کافی ہے۔ ظاہر اِیہ افعال خفیف معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں سخت ہیں۔ (الصوم ج ۱۰)

## تاثر حق

حق تعالیٰ کی تجلی اور نظر میں یہ تاثر ہے کہ وہ شے بابرکت ہو جاتی ہے۔ پس رمضان المبارک کی طرف بھی کسی قسم کی تجلی فرمائی ہے کہ جس سے اس میں یہ برکت آگئی اور جس طرح زمان کی طرف یہ تجلی ہوتی ہے اور اس میں برکت آ جاتی ہے۔ اسی طرح کسی مکان کی طرف اگر تجلی ہوگی تو وہ مکان بھی متبرک ہو جائے گا۔ چنانچہ کعبہ کے اندر بھی تجلی الہی ہے کہ جس میں اس میں برکات اور انوار ہیں۔ اور اس کی طرف قلوب کو کشش ہوتی ہے۔

کعبہ راہروم تجلی می فرزد ایں ز اخلاصات ابراہیم بود  
کعبہ کو جو ہر دم تجلی افزوں ہو رہی ہے یہ ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کی بدولت ہے۔  
جس شے کو برگزیدہ کیا جاتا ہے اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس پر تجلیات خاصہ میں سے کوئی تجلی فائز ہوتی ہے (الصیام ج ۱۰)

## فرضیت روزہ

یہ تو سب جانتے ہیں کہ روزہ فرض ہے اور اس فرض روزہ ہی کی فضیلت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جس شخص نے ایمان اور ثواب کی طلب کے واسطے روزہ رکھا اس کے پچھلے گناہ سب بخشے جائیں گے۔ لوگ اس فضیلت کو بھی جانتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ وہ کس شان کا روزہ ہے جس کی یہ فضیلت ہے اور آیا یہ خاصیت ہر روزہ میں ہے یا وہ کوئی خاص روزہ ہے۔ سو یہ بھی حدیث سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر روزہ نہیں ہے بلکہ خاص ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

رغم انفه رغم انفه رغم انفه یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کی ناک خاک میں مل جائے اس کی ناک خاک میں مل جائے۔ اس کی ناک خاک میں مل جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون ہے۔ فرمایا تین شخص ہیں ایک تو وہ جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے میں پایا اور اس نے جنت نہ حاصل کی (یعنی ان کی خدمت کر کے) دوسرا وہ جس کے سامنے میرا ذکر آیا اور اس نے درود شریف نہ پڑھا۔

تیسرا وہ جس کے اوپر رمضان کا مہینہ آیا اور اس نے گناہ معاف نہ کرائے اور وہ اسی طرح نکل گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان یا روزہ میں خود معافی کا اثر نہیں بلکہ اس کے اندر خاص شان ہونا چاہیے اور وہ خاص شان وہ ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة ان يدع طعامه وشرابه  
جو شخص روزہ میں باطل بولنا اور برا کام کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو کچھ حاجت نہیں ہے اس بات کی کہ چھوڑ دے اپنا کھانا اور اپنا پینا۔

یہ ہے وہ شرط کہ جس کے پائے جانے سے روزہ کے اندر معافی کی شان آجاتی ہے اور اس شرط کا حاصل ہے معاصی کا چھوڑ دینا۔ سو اس کی طرف عام کا التفات نہیں یا التفات ہے تو عمل نہیں ہے۔ (الصيام ج ۱۰)

## تکمیل کے دو درجے ہیں

ایک تکمیل ضروری..... دوسری تکمیل کامل  
تکمیل ضروری وہ ہے جس سے شے نقصان سے نکل جائے اور اس کو ناقص نہ کہہ سکیں۔ اور تکمیل

کامل یہ ہے کہ رفع نقصان کے علاوہ اس میں کچھ حسن و خوبی اور پھول پتیاں بھی لگ جائیں۔  
جیسے ایک تو حسن ہے جو قبح کے مقابل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ناک اور نقشہ اچھا  
ہو اور رنگ نکھرا ہوا ہو۔ دوسرے زینت کا درجہ ہے کہ علاوہ حسن کے لباس اور زیور بھی بہت  
کچھ ہو۔ پس تکمیل ضروری تو حسن کا درجہ ہے اور تکمیل کامل زینت و آرائش کا درجہ ہے۔

اب سمجھئے کہ روزہ کی تکمیل ضروری تو کچھ بھی دشوار نہیں بلکہ بہت ہی آسان ہے کیونکہ وہ بھی  
عدمی ہے اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ محرمات کو ترک کر دو۔ غیبت نہ  
کرو، جھوٹ نہ بولو، لڑائی جھگڑا نہ کرو۔ نگاہ بد نہ کرو۔ رشوت نہ لو۔ سود نہ لو۔ اور یہ سب عدمیات  
ہیں۔ پس روزہ کی تکمیل ضروری محض سکوت اور نوم سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے نقلیں  
پڑھنے اور تلاوت قرآن کرنے یا درود و اذکار بجالانے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی شخص دن بھر سوتا  
رہے صرف نماز کے وقت جاگ کر نماز پڑھ لیا کرے تو اس کا روزہ کامل ہوگا ناقص نہ ہوگا۔

فقہاء نے جو کثرت نوم کو روزہ میں مکروہ لکھا ہے وہ اس کے لئے ہے جو روزہ کا وقت  
کاٹنے کے لئے سوئے اور جو محرمات سے بچنے کے لئے سوئے اس کے واسطے کراہت نہیں۔  
نیز وہ کراہت اس کے لئے ہے جس کو جاگنے میں ابتلاء فی المحرمات کا اندیشہ نہ ہو اور جس کو یہ  
اندیشہ ہو کہ میں جاگنے کی حالت میں لڑائی جھگڑاں اور جھوٹ غیبت سے نہ بچ سکوں گا اس  
کے لئے سونا مکروہ نہیں۔ (گفتہ ایں فتنہ است خوابش بردہ یہ) (النسوان فی رمضان ج ۱۰)

## روزہ کا نور

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ روزہ کس طرح سے نور ہے تو روزہ کی حقیقت دیکھنی چاہیے کہ کیا  
ہے حقیقت یہی ہے لذات کا ترک کر دینا، شہوات کا ترک کر دینا۔ تولذات کے ترک سے  
اور شہوات کے ترک سے خود مشاہدہ ہو سکتا ہے کہ قلب کے درمیان ایک کیفیت نور کی  
اور انشراح کی پیدا ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ معاصی میں دودر بے ہیں۔ ایک تقاضا اور ایک  
اس تقاضے پر عمل۔ اور بالفعل اور عمل کا ظلمت ہونا معلوم ہی ہے۔ باقی تقاضا گو وہ بالفعل ظلمت  
نہیں مگر بالقوہ ظلمت ضرور ہے اور بالقوہ شرط ہے بالفعل کی اور شرط کا فوت مستلزم ہے فوت  
مشروط کو۔ اور روزہ سے تقاضے میں کمی آتی ہے تو فعل میں بھی کمی آئیگی تو دونوں درجے ظلمت  
کے اس سے منفی ہو گئے۔ پھر نور ہونے میں کیا شبہ رہا۔ روزہ اس طرح نور ہوا۔ (رمضان ج ۱۰)



## شب قدر کی فضیلت

رمضان کے عشرہ اخیرہ میں تو ضرور ہی بیدار رہنا اور عبادت کرنا چاہیے کیونکہ ان راتوں میں شب قدر کا ہونا اغلب ہے اور اگر کوئی شخص نہایت ہی کمزور اور کم ہمت ہو تو خیر وہ ستائیسویں رات کو تو ضرور ہی بیدار رہے۔ کہ وہ شب اکثر شب قدر ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اتفاق سے وہ رات شب قدر نہ بھی ہوئی۔ اور تم نے بہ گمان شب قدر اس میں عبادت کی تو ان شاء اللہ تم کو شب قدر ہی کا ثواب عطا ہوگا۔ اور یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے۔ حدیث میں اس کی اصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ انما الاعمال بالنیات پھر ممکن ہے کہ اس کلیہ سے کسی کی تشفی نہ ہو تو دوسری حدیث موجود ہے۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں۔ الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون

جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص نے نہایت کوشش سے رمضان کے چاند کی تحقیق کی اور اس تحقیق کی بناء پر روزے رکھنے شروع کر دیئے پھر ختم رمضان پر عید کے چاند کی اسی طرح چھان بین کی اور اس کی بناء پر عید کر لی اسی طرح عید الاضحیٰ میں بھی کیا اور چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ تینوں تحقیقیں خلاف واقع تھیں تو اس صورت میں دل شکستہ نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ جس دن روزہ رکھا وہی دن عند اللہ باعتبار مقبول روزہ کا تھا۔ اور جس دن عید کی وہی دن عید کا تھا یعنی روزہ اور عید دونوں مقبول ہیں۔ پس اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر شب قدر کی نیت سے عبادت ہوئی ہے اور اتفاق سے وہ شب قدر نہ ہوئی تو ثواب شب قدر کامل جائے گا۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

ایک بہت بڑی فضیلت اعتکاف کی یہ ہے کہ معتکف کو ایام اعتکاف میں ہر وقت وہی ثواب ملتا ہے جو کہ نمازی کو نماز میں ملتا ہے دلیل اس کی یہ حدیث ہے۔ لا یزال احدکم فی الصلوۃ ما انتظر الصلوۃ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کیا جائے تو وقت انتظار میں بھی وہی ثواب ملتا ہے جو کہ وقت ادا الصلوۃ میں ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معتکف جب ہر وقت مسجد میں رہے گا تو اس کو صلوۃ کا انتظار ضرور رہے گا۔ اگر یہ سودے گا بھی تو اس نیت سے کہ اٹھ کر فلاں نماز پڑھنی ہے۔ کوئی کام بھی کرے گا تو اس نیت کے ساتھ کہ فلاں نماز تک یہ کام ہے۔ غرض اس کا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا ہر حرکت صلوۃ کے حکم میں لکھی جائے گی۔

اس تقریر کے بعد خیال میں آتا ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے المعتکف یعتکف الذنوب کلھا ویجری له الحسنات کلھا (معتکف تمام گناہوں سے رکارتا ہے اور تمام نیکیوں کا اس کو ثواب ملتا ہے) الحسنات میں الف لام عہد کا نہیں جیسا اب تک سمجھا جاتا ہے۔ جس کی بنا تھی کہ اعتکاف میں خاص حسنات کا صدور ہوتا ہے کل حسنات کا صدور خلاف مشاہدہ ہے۔ بلکہ استغراق کا ہو سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ معتکف اپنے ایام اعتکاف میں گویا ہر نیکی کر رہا ہے اس کو سب نیکیوں کا ثواب ملتا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ جب انتظار الصلوٰۃ صلوٰۃ کے حکم میں ہے اور معتکف منتظر صلوٰۃ ہے تو وہ مصلیٰ کے حکم میں ہو اور صلوٰۃ ام العبادت ہے تو اس کا ادا کرنے والا گویا تمام عبادتیں کر رہا ہے پس معتکف بحالت اعتکاف سب عبادتیں ادا کر رہا ہے۔ صاحبو! اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

## مجالس ختم قرآن

اس عشرہ میں اکثر مساجد میں قرآن شریف ختم ہوگا۔ اس میں اکثر لوگ پڑھنے والوں کو کچھ دیا کرتے ہیں۔ سو یہ لینا چھوڑ دو۔ دوسرے اکثر مساجد میں ختم کے دن شیرینی تقسیم ہوتی ہے اس میں جو گڑ بڑ ہوتی ہے کبھی جانتے ہیں اور ان گڑ بڑوں کی وجہ سے جو شرعی قباحتیں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں ان کو بھی متعدد مرتبہ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس وقت ان کے دہرانے کا وقت ہے نہ چنداں ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ اس کے مفاسد پر نظر کر کے اس کو بھی چھوڑ دو۔

دیکھو! اس کی بدولت بیچارے بعض غرباء پر سخت بار ہو جاتا ہے۔ اس انتظام کے متعلق بعض غریب جلاہوں نے شکریہ میں یہ کہا کہ ہم بہت ممنون ہیں۔ کیونکہ ہم کو چندہ دینے کی مصیبت سے بچا لیا۔ معلوم ہوا کہ لوگوں پر چندہ لینے سے بار ہوتا ہے بتلائے یہ کیونکر جائز ہوگا۔ بعض رئیسوں نے مجھ سے کہا کہ آپ غریبوں کو منع کیجئے لیکن امیروں کو منع کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ یہ خیال بالکل لغو ہے اس لئے کہ اگر امیروں نے چھوڑ دیا تو غریبوں کو چھوڑنا کچھ مشکل نہیں۔

بعض مساجد ایسی بھی ہیں کہ ان میں چندہ سے شیرینی تقسیم نہیں ہوتی لیکن وہاں دوسری خرابیاں ہوتی ہیں مثلاً ریاء و نمود کے لئے تقسیم کرنا۔ عوام الناس اور بچوں کے ہجوم

سے مسجد کی بے حرمتی ہونا۔ لڑکوں کا حصہ مانگنے میں بلا وجہ پٹنا۔ غرض اس قسم کی بہت سی خرابیاں ہیں کہ زیرک آدمی ان کو خود سمجھ سکتا ہے۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

## زبان کے گناہ

ایک زبان ہی کے بیس گناہ ہیں جیسا کہ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ایک ان میں سے کذب ہے جس کو لوگوں نے شیر مادر سمجھ رکھا ہے اور کذب وہ شے ہے کہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں اور پھر اس کو مسلمان کیسا خوشگوار سمجھتے ہیں ذرا سا بھی لگاؤ کذب کا ہو جائے بس معصیت ہو گئی۔

یہاں تک کہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے ایک بچہ سے بہلانے کے طور پر یوں کہا کہ یہاں آؤ چیز دیں گے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ آجائے تو کیا چیز دو گے۔ انہوں نے دکھایا کہ یہ کھجور ہے میرے ہاتھ میں۔ فرمایا کہ اگر تمہاری نیت میں کچھ نہ ہوتا تو یہ معصیت لکھ لی جاتی۔

حضرت! کذب یہ چیز ہے۔ خیر یہ تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ اگر اس سے احتراز نہ ہو سکے تو کذب مضر سے تو بچنا چاہیے اور پھر روزہ میں۔

دوسرا گناہ زبان کا غیبت ہے لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ میاں ہم تو اس کے منہ پر کہہ دیں۔ منہ پر عیب جوئی کرو گے تو بہت اچھا کرو گے اور پیچھے تو ظاہر ہے جیسا اچھا ہے بلکہ اگر منہ پر برا کہو گے تو بدلا بھی تو پاؤ گے وہ شخص تمہیں برا کہہ لے گا یا اپنے اوپر سے اس الزام کو دفع کرے گا۔ پیچھے برائی کرنا تو دھوکے سے مارنا ہے یاد رکھو! جیسا کہ دوسرے کا مال محترم ہے ایسی ہی بلکہ اس سے زیادہ آبرو ہے چنانچہ جب آبرو پر آہنتی ہے تو مال دولت کیا چیز ہے جان تک کی پرواہ نہیں رہتی۔ پھر آبرو ریزی کرنی والا کیسے حق العبد سے بری ہو سکتا ہے مگر غیبت ایسی رانج ہوئی ہے کہ باتوں میں احساس بھی نہیں ہوتا کہ غیبت ہو گئی یا نہیں۔ اس سے بچنے کی ترکیب تو بس یہی ہے کہ کسی کا بھلا یا برا اصلاً ذکر ہی نہ کیا جائے کیونکہ ذکر محمود بھی اگر کیا جائے کسی کا تو شیطان دوسرے کی برائی تک پہنچا دیتا ہے اور کہنے والا سمجھتا ہے کہ میں ایک ذکر محمود کر رہا ہوں اور اس طرح ایک خیر اور ایک شر مل جانے سے وہ خیر بھی کالعدم ہو گئی۔ اور حضرت اپنے ہی کام بہتیرے ہیں پہلے ان کو پورا کیجئے دوسروں کی کیا پڑی۔ علاوہ بریں غیبت تو گناہ بے لذت بھی ہے اور دنیا میں بھی مضر ہے جب

دوسرا آدمی سنے گا تو عدوات پیدا ہو جائیگی۔ اور پھر کیا ثمرات اس کے ہوں گے۔ اسی طرح زبان کے بہت گناہ ہیں سب سے بچنا ضروری ہے۔ (تطہیر رمضان ج ۱۰)

## افطار علی الحرام

ان کے علاوہ ایک گناہ جو خاص روزہ کے متعلق ہے افطار علی الحرام ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس مہینہ میں حلال کا کھانا بھی ایک وقت میں حرام ہو گیا اور پھر دن بھر تو اسے لوگ چھوڑے رہیں اور شام کو حرام سے افطار کریں۔ (تطہیر رمضان ج ۱۰)

## شبینہ کے منکرات

بعضے لوگ ایک ہی شب میں ختم کرتے ہیں جسے شبینہ کہتے ہیں اس میں تو کئی بدعتیں ہیں۔ غور کر کے دیکھ لیجئے کہ اس میں نیت صرف نمود کی ہوتی ہے کیا امام اور کیا مہتمم اور کیا سامعین۔ امام تو داد ملنے کے امیدوار رہتے ہیں کہ جہاں سلام پھیرا اور لوگوں نے منہ پر تعریف کر دی تو خوش ہو گئے ورنہ پڑھا بھی نہیں جاتا۔ حدیث شریف میں منہ پر تعریف کرنے والے کے لئے حکم ہے کہ اس کے منہ میں خاک جھونک دو۔ اور امام صاحب کے قلب پر بھی اثر ہوتا ہی ہے اور اسی تعریف کرانے کو بعضے امام تو لقمہ بھی نہیں لیتے۔ اسی وجہ سے کہ لوگ کہیں گے کہ اچھایا نہیں اور مہتمم تو سامعین میں شامل نہیں ہوتے۔ چائے پانی سے ہی فرصت ہی نہیں ہوتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ شبینہ سے چائے پانی مقصود ہے یا قرأت و سماعت قرآن ایک شے میں البتہ چائے سے مدد مل جاتی ہے سماعت اور قرأت میں۔ مگر جب ذریعہ مقصود میں نخل ہو جائے تو ذریعہ کہاں رہا۔ اور یہ بھی جانے دیجئے مہتمم صاحب کو تو یہ ثابت کرنا منظور ہے کہ ہمارے یہاں فانی مسجد سے اہتمام اچھا رہا۔ بس چائے پانی اچھا رہا مگر اصل شے تو اچھی نہیں رہی۔

رہے سامعین تو انصاف سے کہہ دیجئے کہ وہ قرآن شریف سننے کے لئے آتے یا نماز کے ساتھ دل لگی کرنے کو۔ کچھ کھڑے ہیں کچھ بیٹھے ہیں، کچھ کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں کبھی بیٹھ جاتے ہیں۔ کبھی کچھ لوگ بیٹھ بھی نہ سکے تو نیت توڑ کر لیٹے لیٹے سن رہے ہیں اور کریں بھی کیا۔ بیچارے گھنٹوں تک کیسے کھڑے رہ سکتے ہیں اور بعضے جو اپنے اوپر جبر کر کے کھڑے بھی ہیں تو امام کی زلتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ وہ خواہ کیسی ہی غلطی کرتا چلا جائے بتلا نہیں



سکتے کیونکہ حرج ہوگا اور قرآن شریف ختم سے رہ جائیگا۔ اور بعضے تو یہ غضب کرتے ہیں کہ خارج صلوٰۃ سے لقمہ دیئے جاتے ہیں اس صورت میں اگر امام نے لیا تو نماز سب کی فاسد ہوئی اور نہ لیا تو وہ غلطی اگر مغیر معنی ہیں تو یوں نماز فاسد ہوئی۔ اب ان سامعین کا گھنٹوں سے اپنے اوپر جبر کرنا بالکل ضائع گیا۔ علیحدہ علیحدہ بیٹھ کر سننا اور یہ برابر ہوا۔ اور تکلیف مفت میں ہوئی۔ غرض لقمہ لینے کی صورت میں بھی معصیت ابطال عمل کی لازم آئی۔ اور نہ لینے سے بھی نماز فاسد ہوئی۔ اب سب صورتوں کو ملا کر آپ ہی کہہ دیجئے کہ نماز ہے یا کھیل۔ احکام ظاہری کے لحاظ سے بھی تو نماز صحیح نہ ہوئی خشوع و خضوع کا تو ذکر ہی کیا۔ ایک خرابی شبینہ کی یہ بھی ہے کہ اکثر نفل کی جماعت لازم آتی ہے کیونکہ بعض ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اس کو تراویح کی جماعت میں کرتے ہیں کیونکہ سب مقتدیوں سے نہیں ہو سکتا کہ اول سے آخر تک شریک رہیں اور اسی کو تراویح رکھیں اس لئے تراویح علیحدہ پڑھ لیتے ہیں پھر نفلوں میں اس کو پڑھتے ہیں اور نفلوں میں نماز مکروہ ہے۔

غرض! بہت سے منکرات اس شبینہ میں لازم آتے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ بعض حفاظ اپنا پڑھنے کے بعد مغالطہ دینے آتے ہیں۔ یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سننے کو آئے ہیں اور یہ بے ادبی نہیں ہے اور ایسے ہی بہت سے بدعات ہیں۔ ہاں اگر شبینہ میں ختم ہی مد نظر ہے (مگر اخلاص کو غور کر لیجئے گا) تو امر حسن ہے۔ اس میں اعلان کی ضرورت نہیں تاکہ ریا و سمع سے خالی رہے۔ جتنی ہمت ہو قرآن شریف پڑھو۔ امام کو گڑبڑ میں نہ ڈالو۔ اور سب منکرات مذکور سے بچو۔ (تطہیر رمضان ج ۱۰)

## مساجد کی مسرفانہ تزئین

ایک بدعت رمضان میں یہ ہے کہ نامحرم حفاظ گھروں میں جا کر عورتوں کو محراب سناتے ہیں۔ اس میں چند قباحتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اجنبی مرد کی آواز جب وہ خوش آوازی کا قصد کرے عورت کے لئے ایسی ہے جیسے اجنبی عورت کی آواز مرد کے لئے۔ اور رواج یہی ہے کہ خوش آواز مرد تلاش کئے جاتے ہیں اور حافظ صاحب بھی مردوں کی جماعت میں تو شاید سادہ سادہ ہی پڑھتے ہیں یہاں خوب بنا بنا کر ادا کرتے ہیں۔ سو عورتوں کے لئے جماعت کی ضرورت ہی کیا ہے اپنی اپنی الگ پڑھیں اور کچھ ضرورت محراب سننے کی نہیں ہے۔ اگر حافظ ہیں تو

فرادی فراوی اپنی تراویح میں ختم کر لیں اور اگر حافظ نہیں ہیں تو الم ترکیف سے پڑھ لیں اور ناظرہ جتنا ہو سکے پڑھ لیا کریں۔ کیوں روپیہ خرچ کر کے گناہ مول لیا جائے۔

ایک بدعت رمضان شریف میں چراغوں کی کثرت ہے ختم کے روز۔ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس میں شوکت اسلام ہے۔ ہم کہتے ہیں رمضان میں ہی اظہار شوکت اسلام کی ضرورت ہے یا باقی تمام مہینوں میں بھی۔ تو ہمیشہ چراغ بہت سے جلایا کیجئے۔ یا یوں کہئے کہ اور دنوں میں اسلام کے چھپانے کا حکم ہے۔

خوب جان لیجئے کہ شوکت اعمال صالحہ ہی میں ہے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ سنا ہوگا کہ جس وقت شام کو گئے ہیں اور نصاریٰ کے شہر کے پاس پہنچے تو کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے اور سواری میں اونٹ تھا۔ اس پر بھی خود سوار نہیں تھے۔ غلام سوار تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہاں اظہار شوکت کا موقع ہے کم سے کم گھوڑے پر سوار ہو جائیے آپ نے بہت اصرار سے منظور کر لیا جب سوار ہوئے تو گھوڑے نے کودنا، اچھلنا شروع کیا۔ آپ فوراً اتر پڑے کہ اس سے نفس میں عجب پیدا ہوتا ہے (اللہ اکبر!) کیا پاکیزہ نفس حضرات تھے اپنے قلب کا خیال ہر وقت رہتا تھا) اور اظہار شوکت کے جواب میں فرمایا۔ نحن قوم اعزنا الله بالا سلام۔ ہم وہ قوم ہیں کہ اسلام سے ہی ہماری عزت ہے۔

چراغوں سے کہیں شوکت ہو سکتی ہے۔ شوکت اسلام تو اسلام ہی سے ہے۔ اسلام کو کامل کرو۔ میں کہتا ہوں ٹول کر دیکھ لو دلوں کو کہ اگر کوئی اور شخص تمہارے سوا مساجد کی زینت کر دے تو تمہیں ویسی خوشی ہوگی۔ جیسی کہ اس بات سے ہوتی کہ ہم نے اپنے خرچ یا اہتمام سے زینت کی ہے غور کر لیجئے کہ نہ ہوگی۔ (تظہیر رمضان ج ۱۰)

## ختم قرآن کی مجالس کے منکرات

شیرینی کی ایجاد کی وجہ اصل میں اظہار مسرت ہے ”شکر اللہ علی حصول النعمۃ“۔ لیکن مباح میں ایک منکر منضم ہو جائے بلکہ مستحب میں بھی تو اس کا ترک ضروری ہے اور اس سے تو بہتر یہ ہے کہ محتاجوں کو دیدیا جائے۔ جو روپیہ مٹھائی میں صرف ہوتا ہے محتاج کی خبر گیری بالاتفاق امر حسن ہے۔ تمام زمانہ میں کوئی بھی اس کا مخالف نہ ہوگا اور نہ منکرات لازم آئیں گے جو نماز میں مخل تھے۔

شیرینی میں فی نفسہ کچھ حرج نہیں۔ بلکہ حرج اس ہیئت میں ہے۔ بلکہ اس ہیئت کے ساتھ بھی فسادات دور ہو جائیں۔ فساد لازم بھی فساد متعدی بھی اور اس کے لئے پچاس برس سے کم میں کافی نہیں سمجھتا جب کہ اصلاح کا سلسلہ برابر جاری رہے اور اصلاح میں اس وقت یہ کافی نہیں کہ خاص لوگ منکرات سے بچ جائیں۔ کیونکہ عوام اپنے فعل کے لئے اسی کو سند گردانیں گے اور عوام سے جلدی ازالہ منکرات کی توقع نہیں پس اس وقت اصلاح یہ ہے کہ یہ عمل بالکل ہی ترک کر دیا جائے اور پھر اصلاح عقیدہ کا سلسلہ جاری رہے۔ جب عام طور سے عقیدے درست ہو جائیں تب میں بھی اجازت دیدوں گا لیکن اب تو بس ترک ہی کرایا جائے گا۔ غور کر لیجئے اور لا تقر بوا الصلوٰۃ کا قصہ نہ کیجئے۔ جہاں شیرینی کا جواز ہے وہاں ان منکرات کی حرمت بھی ہے اور جب تک دونوں جمع ہیں حرمت ہی کو ترجیح ہوگی۔ (تظہیر رمضان ج ۱۰)

## روزہ کے آداب سیکھئے جائیں

روزہ کے آداب سیکھو اور عورتوں کو بھی سکھلاؤ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم من صائم (الحديث) یعنی بہت سے روزہ رکھنے والے اور قیام اللیل کرنے والے وہ ہیں کہ ان کی بھوک اور پیاس کی طرف اللہ میاں کو کچھ حاجت نہیں۔ اور آداب کے موافق اگر ختم کر لیا تو اس کے حق میں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشفعان یعنی روزہ و نماز دونوں شفاعت کریں گے۔ پس اس شخص کے ساتھ دو محافظ ہوں گے عذاب سے بچانے کے لئے۔ پھر آپ کہہ سکتے کہ جس کے دو محافظ سرکاری موجود ہوں کیا اس کی نجات نہ ہوگی۔ خدا تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ والسلام (تظہیر رمضان ج ۱۰)

## حقیقت روزہ

روزہ کی حقیقت جو ترک ہے وہ بھی ترک محض نہیں بلکہ ترک بالارادہ ہے چنانچہ اگر کوئی روزہ کی نیت نہ کرے تو دن بھر فاقہ کرنے اور پیاسا مرنے سے وہ صائم نہ ہوگا۔ اسی لئے صحت صوم کے لئے نیت شرط ہے۔

اس پر شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب روزہ میں نیت بھی ضروری ہے اور بدوں نیت کے روزہ نہیں ہوتا تو پھر صوم عدمی نہ ہوا۔ بلکہ دیگر عبادات کی طرح وہ بھی وجودی ہو گیا۔ کیونکہ نیت امر وجودی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تم ذرا معقولیوں سے تو دریافت کرو کہ وہ مرکب من الوجودی والعدمی کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ عدمی اور وجودی سے مرکب عدمی ہوگا کیونکہ مجموعہ احسن کے تابع ہوتا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ ہم تو خود عاقل ہیں گو معقولی نہیں ہیں اس لئے ہم معقولیوں کی بات نہیں سننا چاہتے جب تک ہماری عقل میں نہ آئے تو دوسرا جواب یہ ہے کہ نیت روزہ کی حقیقت میں داخل نہیں۔ بلکہ وہ اس کی شرط اور اس سے مقدم ہے۔ چنانچہ جن ائمہ کے نزدیک طلوع فجر کے بعد نیت جائز نہیں۔ اور رات ہی کو نیت کرنا لازم ہے ان کے نزدیک تو ظاہر ہے کہ نیت جز و صوم نہیں ورنہ تقدم لازم نہ ہوتا۔ باقی جن کے نزدیک مطلقاً رات سے نیت کرنا شرط نہیں ان کے نزدیک بھی نیت صوم سے مقدم ہی ہے مگر ان حضرات نے اکثر اجزائے صوم پر مقدم ہونے کو دلیل سے بمنزلہ تقدم علی الكل کے قرار دیا ہے۔ چنانچہ نصف النہار کے وقت یا اس کے بعد نیت کرنا ان کے نزدیک بھی لغو و غیر معتبر ہے۔

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ دن بھر روزہ کی نیت کا رہنا تو ضروری ہے اور بقاء نیت بحکم نیت ہے تو نیت صوم سے مقدم نہ ہوئی۔ بلکہ مقترن ہوئی۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس کا فیصلہ مسائل شرعیہ خود کر رہے ہیں کہ بقاء نیت و اقتران ارادہ صوم کے لئے شرط بلکہ محض تقدم نیت شرط ہے حقیقتاً یا حکماً۔ پھر روزہ شروع ہو جانے کے بعد اگر بدوں فطر حسی یہ پختہ قصد بھی کر لے کہ میں روزہ نہیں رکھتا تب بھی روزہ باقی رہتا ہے۔ (عصم الصنوف ج ۱۰)

## ماہ رمضان اور زیادتی رزق

صاحبو! اگر کوئی عاقل فلسفی روزہ کو مشروع کرتا تو یقیناً وہ یہی حکم کرتا کہ جس حکمت کے لئے روزہ مشروع ہو رہا ہے۔ اس کا مقتضا یہی ہے کہ افطار میں تاخیر اور سحر میں تعجیل کی جائے تاکہ مجاہدہ کامل ہو۔ مگر شریعت اس کو منظور نہیں کرتی۔ وہ تعجیل افطار و تاخیر سحر ہی کو کمال صوم بتلاتی ہے۔ نیز فلسفی یہ بھی کہتا کہ سحری میں کم کھانا چاہیے ورنہ مجاہدہ ناقص ہوگا۔ وہ روزہ ہی کیا ہوا جس کے لئے رات کو خوب پیٹ بھر لیا گیا۔ مگر شریعت کہتی ہے کہ کم کھانا افضل نہیں ہے اور جن صوفیائے کم کھانے کو افضل کہا ہے یہ ان کی رائے ہے۔ اور ہر رائے قبول نہیں ہوا کرتی۔ اور میں بے تامل کہتا ہوں کہ ان حضرات کی اس رائے کا منشا محض اتباع



عقل ہے اتباع نقل نہیں۔ ورنہ کوئی حدیث دکھلائی جائے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ بھر کے کھانے کو مضر صوم بتلایا ہو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ حدیث کے اشارہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں مومن کو زیادہ کھانا چاہیے۔ اور میں اشارہ کا لفظ بھی احتیاطاً کہہ رہا ہوں ورنہ حدیث تو قریب بصراحت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شہر یزاد فیہ رزق المؤمن۔ کہ اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے اب بتلاؤ یہ زیادت کھانے کے واسطے ہے یا دھرنے کے واسطے ہے۔ جب حق تعالیٰ اس مہینہ میں رزق بڑھاتے ہیں تو چاہیے کہ اس مہینہ میں اور مہینوں سے زیادہ کھایا جائے اور فرماتے ہیں:

هو شهر المواساة کہ یہ مہینہ ہمدردی کا ہے

مشاہدہ ہے کہ رمضان میں خود بخود دل تقاضا کرتا ہے کہ احباب اور دوستوں کو بھی کچھ بھیجا جائے جس کے گھر میں کوئی نئی چیز پکتی ہے وہ افطار کے وقت اپنے دوستوں کو بھی کھانا چاہتا ہے۔ کسی کے ہاں سے پھلکیاں آتی ہیں۔ کوئی جلیبی بھیجتا ہے کوئی کباب بھیجتا ہے کوئی پھل اور میوہ جات بھیجتا ہے۔

اب بتلاؤ کیا ان نعمتوں کو نہ کھائیں؟ جب خدا تعالیٰ نے یہ چیزیں کھانے کے واسطے بھیجی ہیں ہم کسی سے مانگنے نہیں گئے تھے۔ تو یہ صاف اس کی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہی ہمارے واسطے من حیث لایحتسب بھیجی ہیں تو ان کو نہ کھائیں اور اٹھا کر دھردیں۔ حضرت اگر کوئی بادشاہ آپ کو امر و ددے اور آپ یہ کہیں کہ میں تو زاہد ہوں میوے نہیں کھایا کرتا تو گردن نپے گی۔ ایسے ہی یہاں زہد بھگارنا اور حق تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نعمتوں کو نہ کھانا خلاف ادب ہوگا۔

اسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی حقیقت واضح ہو گئی جو حدیث میں ہے۔ کان یا کل اکلا دریغا۔ کہ آپ جلدی جلدی کھایا کرتے تھے۔ اس کو بعض بد تہذیب لوگوں نے خلاف تہذیب کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس بد ذات نے تو صرف اس فعل ہی کو دیکھا ہے یعنی جلدی کھانے کو۔ اور اس ذات مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کھانا دینے والے پر پہنچی ہوئی تھی۔ اگر یہ شخص اس ذات مقدس کے مشاہدہ کے لاکھویں حصہ کے برابر بھی معظم ذات کو دیکھ لیتا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تیز کھاتا۔

بتلاؤ اگر ایک بادشاہ تم کو امر و دے تو کیا اس کو وقار اور متانت سے اس طرح کھاؤ گے جس سے استغناء ظاہر ہو یا فوراً ہی شوق و رغبت ظاہر کر کے جلدی جلدی کھاؤ گے اسی کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے اس جملہ میں کہ اکل کما یا کل العبد۔ یعنی میں تو اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھایا کرتا ہے

صاحبو! جو لوگ وقار و متانت و تکبر سے کھانا کھاتے ہیں ان کی آنکھیں اندھی ہیں ان پر کھانے کے وقت ذات حق کی تجلی نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ استغناء کے ساتھ کھاتے ہیں اور جس پر ذات حق کی تجلی ہوگی وہ یقیناً سراپا احتیاج اور سراپا غلام بن کر کھانا کھائے گا۔ اس کے ہاتھ سے اگر لقمہ گر پڑے گا تو فوراً صاف کر کے کھالے گا اور ہرگز اس کو پڑا ہوا نہیں چھوڑے گا۔ دیکھو! اگر بادشاہ نے تم کو ایک پھل دیا ہو اور تم اس کے سامنے قاشیں کر کے کھا رہے ہو اور ایک قاش زمین پر گر جائے تو کیا تم اس کو زمین پر ہی چھوڑ دو گے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ عطیہ شاہی کی عظمت کر کے فوراً زمین سے اٹھا کر کھا لو گے۔ یہی طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا تھا۔ (عصم الصوف ج ۱۰)

## روزہ کی غرض

درحقیقت ہم نے روزہ کے معنی اور غرض ہی نہیں سمجھی۔ روزہ کی اصلی غرض تھی کسر قوت بہیمیہ کے واسطے سے معاصی سے بچنا۔ جب معاصی سے ہم عین روزہ کی حالت میں بھی نہ بچے تو بعد میں وہ غرض اور غایت اس پر کیسے مرتب ہو سکتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اس کا روزہ جھوٹ بولنے سے نہ روکے اللہ تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پانی چھوڑے۔ یہ مطلب نہیں کہ جو جھوٹ سے بچتا ہے اس کے روزہ کی اللہ میاں کو حاجت ہے اس لئے کہ ان کی شان تو ان اللہ لغنی عن العلمین۔ بلکہ مقصود ناراضی اور ناخوشی ظاہر کرنا ہے پس جن کے یہاں رمضان المبارک دن کو اس شان سے آتا ہے۔ سو یہ کیا آنا ہے۔ ہاں روپیہ میں سے آنہ ہے اور رات کو تو پوچھو ہی مت۔ رات کو تو شاذ و نادر ہی کسی کے یہاں آتے ہیں اس لئے کہ جو عبادت رمضان المبارک کی راتوں میں مقرر کی گئی ہے اس کے حقوق ادا کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔ عموماً بوجھ ساٹا لتے ہیں۔ (الہذیب ج ۱۰)

## حکم تراویح

فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ رمضان میں نمازی ایک قرآن ہی سننے سے اکتاتے ہوں تو وہاں تراویح الم ترکیف سے پڑھ لیں۔ بعض حفاظ ایسا تم ڈھاتے ہیں کہ پانچ پانچ پارے پڑھ جاتے ہیں۔ ان حفاظ کو مسائل جاننے کی سخت ضرورت ہے بعض حافظ بہت جاہل ہوتے ہیں عجب نہیں بلکہ غالب ہے کہ سجدہ سہو کے مسائل کی بھی ان کو خبر نہ ہو۔

بعضے نابالغوں کو تراویح میں امام بنادیتے ہیں۔ نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنے میں اختلاف ہے۔ مختار اور مفتی یہ یہی ہے کہ ناجائز ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو بالغ تمیز دار نہ ہو اور مسائل سے واقفیت نہ رکھتا ہو اس کو بھی امام بنانا مناسب نہیں۔ امام یا تو عالم ہو یا علماء کا صحبت یافتہ ہونا چاہیے۔ اور اگر یہ دونوں امر نہ ہوں تو وہ ضرور نماز کو خراب کریگا۔ (امتدیب ج ۱۰)

## روزہ میں غیبت سے اجتناب

اکثر مضرتیں متعدی ہو جاتی ہیں جیسے غیبت کہ جب ایک آدمی کسی کی غیبت کرے گا تو دوسرے کو خبر پہنچے ہی گی پھر وہ کیوں نہ کرے گا بلکہ اس سے زیادہ کرے گا، اس سے دونوں میں عداوت پیدا ہوگی پھر عداوت وہ چیز ہے کہ جب دو میں پڑ جاتی ہے تو دونوں کا نماز روزہ سب عداوت ہو جاتی ہے اٹھنے میں بیٹھنے میں سونے میں ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کو نقصان پہنچے، نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل میں دوسرے کو نقصان پہنچانے کی تدبیریں سوچی جارہی ہیں یہ کیا نماز ہوئی، شغل قلب ہوا اور کاہے سے حرام چیز ہے منہ میں روزہ ہے اور زبان دوسرے کی غیبت میں آلودہ ہے، دل میں خوش ہیں کہ روزہ ہے یہ خبر نہیں کہ روزہ میں ان چیزوں کو تو چھوڑا جو فی نفسہ حلال تھیں یعنی کھانا پینا اور جو چیز ہمیشہ حرام ہے اس کو نہ چھوڑا تو کیا روزہ ہوا۔ غرض یہ عداوت اسی غیبت کی بدولت ہوئی اور عداوت وہ چیز ہے کہ قلب کو ایک ہی طرف کا کر لیتی ہے اور صرف ایک کام کا رہ جاتا ہے مضرت رسائی آپ جانتے ہیں کہ چھوٹا سا لفظ کس قدر شر کو جامع ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں اظہر من الشمس ہے، یہ اتحاد کا ضد ہے جتنی چیز دین و دینی اتحاد میں ہیں اتنا ہی شر بمقابلہ اس کے اس میں ہے یہ سب کس سے ہوا صرف ذرا سی غیبت سے یہ معصیت کی متعدی مضرت کی مثال ہوئی یہ بھی خواہش نفسانی کا ایک فرد ہے۔ (طلب الجہد ج ۱۳)

## تراویح کی منکرات

دن کا عمل روزہ ہے ایسے رات کا عمل قیام ہے۔ اس میں یوں ضبط کر دیا کہ تراویح کی بیس رکعت گنتی میں تو پوری کر لیں مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان میں تو ریت پڑھی جاتی ہے یا انجیل پڑھی جاتی ہے۔ یا تو شروع کا حرف سمجھ میں آتا ہے یا رکوع کی تکبیر ایک حافظ کا قصہ ہے کہ قرآن شریف پڑھتے پڑھتے جہاں بھولے وہاں کچھ اپنی تصنیف سے پڑھ دیا۔ بڑی تعریف ہوتی رہی۔ مدتوں کہ ان کو کہیں متشابہ نہیں لگتا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ (نہیں نیکی کرنے کی طاقت سوائے توفیق خداوندی کے اور نہیں گناہوں سے بچنے کی ہمت سوائے توفیق خداوندی کے)

صاحبو! اللہ میاں کو دھوکہ مت دو۔ بیس رکعتیں گنا کر ذرا ڈھنگ سر بھی تو کر لو۔ ایک یہ ظلم ہوتا ہے کہ حافظ مقتدیوں کو بھگاتا ہے اس طرح کہ قراءۃ کو اتنا طول دیتا ہے کہ کوئی ٹھہر ہی نہ سکے۔ پانچ پانچ پارے ایک ایک رکعت میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا۔ خوشخبری سناؤ اور نفرت مت دلاؤ اور آسانی کرو اور تنگی میں مت ڈالو۔ ہاں ایسا ہی شوق ہے تو تہجد میں پڑھو جتنا چاہو اور اس میں اور جس کا جی چاہے شریک ہو جائے۔ مگر اس میں بھی امام کے علاوہ تین سے زیادہ جماعت میں نہ ہوں کہ فقہاء نے مکروہ کہا ہے کیونکہ پھر نفل میں فرض کا سا اہتمام ہو جائے گا۔ بعض لوگ ایک ہی شب میں ختم کرتے ہیں جسے شبینہ کہتے ہیں۔ اس میں تو کئی بدعتیں ہیں۔ غور کر کے دیکھ لیجئے کہ اس میں نیت صرف نمود کی ہوتی ہے کیا امام اور کیا مہتمم اور کیا سامعین۔ امام تو داد ملنے کے امیدوار رہتے ہیں کہ جہاں سلام پھیرا اور لوگوں نے منہ پر تعریف کر دی تو خوش ہو گئے ورنہ پڑھا بھی نہیں جاتا حدیث شریف میں منہ پر تعریف کرنے والے کے لئے حکم ہے کہ اس کے منہ میں خاک جھونک دو اور امام صاحب کے قلب پر بھی اثر ہوتا ہی ہے اور اسی تعریف کرنے والے کو بعضے امام تو لقمہ بھی نہیں لیتے اسی وجہ سے کہ لوگ کہیں گے کہ اچھایا نہیں۔ اور مہتمم تو سامعین میں شامل ہی نہیں ہوتے۔ چائے پانی ہی سے فرصت نہیں ہوتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ شبینہ سے چائے پانی مقصود ہے یا قراءت و سماعت۔ قرآن میں ایک شے البتہ چائے سے مد دل جاتی ہے۔ سماعت اور قراءت میں۔ مگر جب ذریعہ مقصود میں مخل ہوئے تو ذریعہ کہاں رہا۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)



## عورتوں کو نامحرم کا قرآن سننا بھی خالی از قباحہ نہیں ہے

ایک بدعت رمضان میں یہ ہے کہ نامحرم حفاظ گھروں میں جا کر عورتوں کو محراب سناتے ہیں۔ اس میں چند قباحتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اجنبی مرد کی آواز جب وہ خوش آوازی کا قصد کرے عورت کے لئے ایسی ہے جیسے اجنبی عورت کی آواز مرد کے لئے۔ اور رواج یہی ہے کہ خوش آواز مرد تلاش کئے جاتے ہیں۔ اور حافظ صاحب بھی مردوں کی جماعت میں تو شاید سادہ سادہ ہی پڑھتے ہیں یہاں خوب بنانا کراد کرتے ہیں۔ سو عورتوں کے لئے جماعت کی ضرورت ہی کیا ہے۔

اپنی اپنی الگ پڑھ لیں اور کچھ ضرورت محراب سننے کی نہیں ہے اگر حافظ ہیں تو فرادی فرادی اپنی تراویح میں ختم کر لیں اور اگر حافظ نہیں ہیں تو الم ترکیف سے پڑھ لیں اور ناظرہ جتنا ہو سکے پڑھ لیا کریں۔

کیوں روپیہ خرچ کر کے گناہ مول لیا۔ دوسری بدعت اس میں استیجار علی العبادۃ ہے۔ یعنی حافظ صاحب سے اجرت دے کر قرآن شریف پڑھوایا جاتا ہے اور استیجار علی العبادۃ حرام ہے۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)

## ختم قرآن کے دن کثرت چراغاں کے منکرات

ایک بدعت رمضان شریف میں چراغوں کی کثرت ہے ختم کے روز۔ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس میں شوکت اسلام ہے ہم کہتے ہیں رمضان میں ہی اظہار شوکت اسلام کی ضرورت ہے یا باقی تمام مہینوں میں بھی تو ہمیشہ چراغ بہت سے جلایا کیجئے یا یوں کہئے کہ اور دنوں میں اسلام کے چھپانے کا حکم ہے خوب جان لیجئے کہ شوکت اعمال صالحہ ہی میں ہے۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)

## ختم کی مٹھائی کے منکرات

ایک منکر ختم کے دن شیرینی کا تقسیم کرنا ہے اور اس کا منکر ہونا اگرچہ خلاف ظاہر ہے مگر میں سمجھائے دیتا ہوں یہ مٹھائی اگر ایک شخص کی رقم سے آتی ہے تو اس کا مقصود ریاء و اشتہار و افتخار ہوتا ہے اور اگر چندہ سے ہوتی ہے تو اس کی تحصیل میں جبر سے کام لیا جاتا ہے اور جبر جیسا ایلام بدن سے ہوتا ہے ایسا ہی ایلام قلب سے بھی۔ جب دوسرے کو دبایا شرمایا جبر میں کیا شبہ رہا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ اس کا حکم اسی غضب کا سا

ہے جو لٹھی کے زور سے ہو۔ اللہ میاں اس تھوڑے ہی میں برکت دیتے ہیں جو رضا و خوشی کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا خیال بہت ہی کم لوگ کرتے ہیں۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)

## اہتمام شب قدر

شریعت نے ہماری راحت کی کس قدر رعایت کی ہے کہ لیالی قدر پے در پے نہیں ہیں بلکہ طاق راتیں ہیں یعنی اکیسویں اور تیسویں اور پچیسویں اور ستائیسویں اور انیسویں راتیں کہ بیچ میں ایک ایک رات کا فصل رکھا گیا ہے تاکہ ایک رات زیادہ جاگ کر بیچ کی رات میں زیادہ سولوا اور تہجد کے لئے جاگنا بھی مشکل نہیں کیونکہ سحری کے لئے اکثر لوگ اٹھتے ہی ہیں تو کھانے سے پہلے کچھ رکعتیں نماز کی پڑھ لینا کیا دشوار ہے۔ اس لئے جو شخص تہجد کا عادی بننا چاہے اس کو رمضان میں عادی بننا نہایت آسان ہے کیونکہ اس میں تہجد کے لئے اٹھنا مشکل نہیں سحری کھانے سب ہی اٹھتے ہیں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ سال بھر کے لئے عادی ہو جائے گا۔ (تقلیل المنام بصورۃ القیام ج ۱۶)

## تخفیف تراویح

تعجب ہے کہ ایسے لوگ جو بارہ مہینے فرض پڑھتے چلے آتے ہیں وہ اس میں تخفیف کرنا چاہتے ہیں آج ہی میں نے ایک خط کا جواب لکھا ہے تعجب تو یہ ہے کہ وہ حضرت پڑھے جنہیں اگر کوئی جاہل ہو تو اسے سمجھنا سہل ہے مگر یہ پڑھے جن بہت مشکل سے سمجھتے ہیں اس خط میں لکھا تھا کہ آج کل کسل غالب ہے اگر ان احادیث پر عمل کر لیا جائے جن میں آٹھ یا بارہ رکعت کی تصریح ہے تو کیا حرج ہے مجھے بھی فکر ہوئی کہ اس کا کیا جواب لکھوں پھر میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ اس مولوی کا کوئی جواب سمجھا دے چنانچہ حق تعالیٰ نے مجھے سمجھا دیا۔ میں نے یہ لکھا کہ سیدھی سی بات ہے کہ بیس رکعت کے سنت موکدہ ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اجماع کی مخالفت ناجائز ہے اور یہ اجماع علامت ہے ان احادیث کے منسوخ ہونے کی اور اگر اجماع میں شبہ ہو کہ بعض علماء نے صرف آٹھ کو سنت موکدہ لکھا ہے تو جواب یہ ہے کہ اجماع اس قول سے منعقد ہے۔ پس اس کے مقابلہ میں شاذ قول قابل اعتبار نہیں ہوگا جب تا کہ ثابت ہو گیا تو اس کے ترک کرنے سے مورد عتاب ہوگا۔

انہوں نے ایک اور بات لکھی تھی کہ صاحب فتح القدیر کی رائے ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھنا چاہیے میں نے لکھا کہ جمہور کے مقابلہ میں ایک صاحب فتح القدیر کی رائے نہیں چل سکتی۔ خصوصاً جب کہ ان کا عمل خود ان کے خلاف ہو کیونکہ صاحب فتح القدیر کی یہ علمی تحقیق ہے مگر پڑھیں انہوں نے بھی ہمیشہ بیس۔ لہذا ان کی تحقیق قابل عمل نہیں۔ (روح القیام ج ۱۶)

## تراویح و تہجد میں فرق

میرے پاس ایک خط آیا ہے کہ تراویح یہ وہی تہجد ہے جو پچھلی رات کو پڑھی جاتی تھی۔ اس نے یہ صورت اختیار کر لی ہے میں نے لکھا کہ دلیل سے ثابت ہے کہ تہجد اور ہے اور تراویح اور ہے چنانچہ تہجد کی مشروعیت حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہوتی **يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ قُلْ قَدْ أَيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۖ نُصْفُهُ أَوْ انْقُضَ مِنْهُ قَلِيلًا ۖ أَوْ يَذَّعَلِكِ الْقُرْآنُ تَرْتِيلًا ۝** ہے۔ (اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات کہ (اس میں قیام نہ کرو بلکہ آرام کرو یا اس نصف سے کسی قدر کم کرو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو ۱۲) اس کی دلیل ہے پھر دوسرا رکوع گیارہ بارہ مہینے میں نازل ہوا جس کا حاصل اس فرضیت کا منسوخ کر دینا ہے اور تراویح کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سنتت لکم قیامہ (سنن النسائی ۴: ۱۵۸، مسند احمد ۱: ۱۹۱، کنز العمال ۲۲: ۲۳۷) (میں نے تمہارے لئے اس میں تراویح مسنون کی ہے ۱۲) اگر یہ تہجد ہے تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف کیوں منسوب کیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ جو خدا کی طرف منسوب ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ تہجد اور ہے جس کی مشروعیت حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہوتی ہے اور تراویح اور ہے جس کی سنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتی ہے اور بڑی بات یہ ہے تعامل امت نے دونوں میں فرق کیا ہے۔ غرض یہ عبادت مخصوص ہے اس کے ساتھ اور حقیقت اس کی نماز ہے۔ (روح القیام ج ۱۶)

## مقصود روزہ

روزہ فرض ہوا ہے تمہاری اس امید پر کہ تم متقی ہو جاؤ گے یعنی روزہ رکھ کر یہ امید رکھو کہ متقی ہو جاؤ گے۔ یہاں بھی امید و بیم میں رکھا کہ تمہیں روزہ رکھ کر متقی بن جانے کی

امید رکھنا چاہیے یقین نہ رکھنا چاہیے یہ بھی خدا کا لطف ہے کیونکہ اگر یہ فرما دیتے کہ تم متقی ہونے کا یقین رکھو تو روزہ رکھنے کے بعد تو متقی ہونے کا ناز ہی ہو جاتا جو بالکل خدا سے بعید کر دیتا کیونکہ ناز و نیاز جمع نہیں ہوتے۔ (روح القیام ج ۱۶)

## مقصود روزہ

روزہ کا مقصود روح مجاہدہ ہے کہ جس کا مصداق اعظم ترک معاصی ہے اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے روزہ میں جھوٹ نہ چھوڑا بری اور بیہودہ باتیں نہ چھوڑیں خدا کو اس کے روزہ کی کچھ حاجت نہیں یوں تو خدا کو کسی کے روزہ کی بھی حاجت نہیں مطلب یہ ہے روزہ کا جو مقصود ترک معاصی جب وہ اسے نہ ہو تو پھر روزہ کس کام کا ہوا۔ یہی مجاہدہ ہے جس کے حق تعالیٰ نے فضائل بیان فرمائے ہیں۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب و ثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دیں گے (۱۲) (روح القیام ج ۱۶)

## اعتکاف کی صورت

اعتکاف کی صورت تو یہ ہے کہ مسجد میں جا کر بیٹھ جانا اس کے درجات مختلف ہیں۔ اگر پوری فضیلت حاصل کرنا ہو تو دس دن کا اعتکاف کرنا چاہیے۔ یوں تو ایک دن کا بلکہ ایک گھنٹہ کا بھی ہو سکتا ہے۔ دس دن تک اعتکاف کرنے کے یہ معنی ہیں کہ رویت ہلال تک اب کہیں دس ہوں گے اور کبھی نو ہی دن ہوں گے۔ اگر تمیں کا چاند ہے تو دس دن ہوں گے اور اگر انتیس کا ہے تو نو ہی دن کے ہوں گے مگر شارع کی کیا رحمت ہے کہ دونوں صورتوں میں خواہ دس دن ہوں یا نو دن عشرہ اخیرہ رکھا اور فقط نام ہی نہیں رکھا بلکہ ثواب بھی دس دن کا دیا۔ (روح الجوارح ج ۱۶)

## روزہ میں غسل

جو فعل کہ بے صبری پر دال (دلالت کرنے والا ۱۲) ہو شریعت کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اسی سے امام صاحب فرماتے ہیں روزہ کی حالت میں بار بار نہانا مکروہ ہے اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں جائز ہے مگر دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ایک نہانا ایسا ہے کہ بے



صبری سے پیدا ہوا ہے مثلاً گرمی پیاس کا صبر نہیں یا بے صبری سے تواناشی نہیں مگر دال ہے بے صبری پر کہ دیکھنے والے اس کے طرز اور اس کی ہیئت سے یہ سمجھتے ہیں کہ اسے گرمی کی برداشت نہیں ایسا نہانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کے فرض سے اظہار کراہیت ہے کہ خدا نے ایک عبادت فرض کی اور یہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ اس سے ثواب جاتا رہتا ہے۔ اس سے کیا فائدہ کہ کرنا تو پڑا ہی غل مچا مچا کے اس کا ثواب کیوں کھوتے ہو۔ یہی حال ہے ان کا جو پریشان کن واقعات میں گھبرایا کرتے ہیں اور پھر طرح طرح کی شکایتیں کرتے ہیں دنیا کا تو نقصان ہوا ہی دین کا بھی نقصان کیا۔ خواہ مخواہ شکایت کر کے خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ (دنیا و آخرت دونوں کا نقصان ہوا) (روح البوارج ۱۶)

## احکام روزہ

اعتکاف میں تمحعات ثلاثہ میں سے کھانا بھی جائز پینا بھی جائز ہے مگر مباشرت ناجائز۔ چنانچہ ارشاد ہوا لَا تَبْأَثِرُوا هُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ یعنی اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت جائز نہیں یہاں دو کی اجازت دے دی اور ایک سے منع فرما دیا۔ اور لَا تَبْأَثِرُوا فرمایا جو بشرہ سے ماخوذ ہے۔ اس لئے ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں کیونکہ دوائی وطی حکم وطی میں ہیں اسی لئے ان سے حرمت مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے اور دیکھئے کیسی خوبصورتی سے اعتدال کیا ہے کہ بالعکس کیوں نہ ہوا۔ یعنی یہ ہوتا کہ مباشرت تو جائز ہوتی اور اکل و شرب ناجائز ہوتا۔ بات ہے کہ ہر ایک میں دو حیثیتیں ہیں۔ حاجت و لذت مگر فرق اتنا ہے کہ عادتہ اکل و شرب میں تو حاجت غالب ہے اور لذت مغلوب اور مباشرت میں لذت غالب ہے اور حاجت مغلوب چنانچہ کھانے پینے میں حاجت کا غالب ہونا ظاہر ہے مگر چونکہ لذت بھی ایک درجہ میں مقصود ہے اس لئے اس میں تکلفات بھی سوچتے ہیں اور بیوی کے پاس جانا اس میں عادتہ حاجت مغلوب ہے لذت غالب ہے اگرچہ کسی معالجہ کی ضرورت سے حاجت کے پہلو کو غالب کر لینا ضروری ہو جیسا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے حدیث ان الذی معها مثل الذی معها (لم اجد الحدیث فی ”موسوعة اطراف الحدیث النبوی شریف“) کی تفسیر میں فرمایا تھا گو اس مضمون کا یہ موقع تو نہ تھا۔ مگر ایک کام کی بات ہے اس لئے بیان کر دیا۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی عورت احبہ کی طرف تم کو میلان ہو جاوے تو اپنی بی بی سے فراغت

کر لو کیونکہ دونوں کے پاس یکساں چیز ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب ان الذی معها سے یہ ہے کہ گو عادتہ اس میں لذت کا پہلو غالب ہے مگر تم معالجہ کے لئے اس میں بھی حاجت کے پہلو کو غالب رکھو۔ بہر حال معالجہ کے سوا طبعاً مباشرت میں حاجت مغلوب ہے اور اکل و شرب میں حاجت غالب ہے۔ اب دیکھئے جذبات فطریہ کی شریعت نے کس قدر رعایت کی ہے اگر اکل و شرب دس دن چھڑا دیں تو سخت اذیت ہو اور اس میں کچھ بھی اذیت نہیں زائد سے زائد لذت نہیں اسی واسطے فرمایا لَا تُبَايِسُوا هُنَّ (عورتوں سے مباشرت نہ کرو ۱۲) اور دوسرے مقام پر کُلُوا وَاشْرَبُوا (کھاؤ اور پیو ۱۲) بھی ہے یہاں فرماتے ہیں وَلَا تُبَايِسُوا هُنَّ - کُلُوا وَاشْرَبُوا (یہاں نہیں فرمایا مگر اس سے اوپر اجازت آچکی ہے پھر یہاں تعرض نہ فرمانا یہ سلوک معرض بیان میں بیان ہے اس کا حاصل یہ ہوا کہ کُلُوا وَاشْرَبُوا - وَلَا تُبَايِسُوا هُنَّ لہذا ان تینوں امر و نہی کے مجمع سے اعتدال ہو گیا سبحان اللہ کتنا صاف مضمون ہے اور کسی کا کلام اتنا صاف نہیں جتنا خدا اور رسول کا کلام صاف ہے۔ (روح البوارج ۱۶)

## احتیاج معتکف

مساجد کو اعتکاف کے واسطے اس واسطے مقرر کیا کہ فضیلت جماعت بھی منجملہ فضیلتوں کے ہے تاکہ دونوں فضیلتیں جمع ہو جائیں اعتکاف کی بھی اور جماعت کی بھی۔ اگر کوئی کوہ یا صحرا یا مکان کی کوئی کوٹھڑی اس کے واسطے تجویز کرتے تو یہ جماعت کی فضیلت سے محروم رہ جاتا۔ نیز اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ میاں تم خود اس جماعت کی برکت کے محتاج ہو۔ اگر نماز ہی نہ ہوتے تو تم کو یہ برکت کہاں سے حاصل ہوتی تم جماعت کی برکت سے محروم رہتے پس طاعت میں ساتھ ساتھ عجب کا بھی علاج ہو گیا۔ (روح البوارج ۱۶)

## معتکف کا سامان

معتکف کو اپنا ضروری سامان مسجد میں رکھنا جائز ہے مگر زیادہ بکھیڑا لانا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس سے تو وہ بھی گھر بن جائے گا۔ (روح البوارج ۱۶)

بہر حال مسجد میں معتکف کو اس لئے لایا گیا کہ شب قدر کی تحری سہل ہو کیونکہ بہت سے آدمی ہونگے جب سب ایک ہی کام میں مشغول ہونگے تو دل بھی لگے گا۔ (روح البوارج ۱۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے و یجزی له من الحسنات کعامل الحسنات کلھا یعنی جن حسنات پر یہ قادر تھا اور اعتکاف کی وجہ سے نہیں کر سکتا گو اس نے ان کی نیت بھی نہ کی ہو ان سب کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے (اور دلیل اس عموم کی الحسنات کلھا کا عموم ہے) پس جب معتکف کے لئے تمام حسنات کا ثواب لکھا جاتا ہے تو اس سے پہلے جملہ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام گناہوں سے بچنے کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے گو اس نے ان سے بچنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ (تقلیل الاختلاط ج ۱۶)

## شب قدر کیلئے طاق راتوں کی تقسیم

رات کو کام زیادہ کرنا چاہیے لیکن رات آرام کا وقت ہے اگر دس کی دس راتیں کام کریں تو بیمار ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے ان راتوں کی حق تعالیٰ نے عجیب طریقہ سے تقسیم فرمائی کہ طاق راتوں کو شب قدر بنا کر بتلادیا کہ ایک رات سوؤ اور ایک رات جاگو اور ان راتوں میں ایسی برکات رکھ دیں کہ الف شہر کی خلوت سے وہ بات نصیب نہیں جو ان راتوں سے ہوتی ہے۔ اگر حکماء اپنی عقل سے ہزار تدبیریں کرتے اور تدبیریں کرتے کرتے مر رہتے تو یہاں تک ہر گز روحانی نہ ہوتی۔ اس لئے کہ اس کا ادراک کیسے ہوتا۔ کون سے زمانہ میں کتنی برکت رکھی ہوئی ہے اور اسی طرح کسی زمانہ کے اندر کوئی برکت پیدا کرنے کی بھی قدرت نہ تھی یہ تو خالق الزماں کے تصرف سے برکت پیدا ہو گئی اور انہی کے بتلانے سے معلوم ہوا صاحبو! یہ برکات تم کو مفت ملتی ہیں۔ گو اب دس دن باقی نہیں رہے۔ لیکن جو باقی ہیں ان کو بھی ہاتھ سے نہ دو کم از کم تین ہی دن دنیا کے بکھیڑے چھوڑ کر مسجد میں بیٹھ جاؤ۔ تین دن نہ سہی ایک ہی دن سہی میں نے ایک جگہ دیکھا ہے کہ حضورؐ نے ابوطالب سے فرمایا تھا کہ میرے کان ہی میں کلمہ کہہ لو۔

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہنچے وہاں گرچہ کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم اور اس سے زیادہ سنئے علماء نے لکھا ہے کہ ایک گھنٹہ کا اعتکاف بھی مشروع ہے اللہ اللہ اگر اب بھی کوئی محروم رہے تو بہت ہی خسران کی بات ہے۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا  
(العذب ج ۱۶)

## افطاری کا مزہ

میں نے اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا کہ ہم بھی انہی میں سے ہو جاتے تو کیا اچھا ہوتا فرمانے لگے کہ خدا نہ کرے وہ کیا جانیں جنت کا مزہ جنہوں نے کبھی تکلیف نہیں اٹھائی۔ مزہ ان کو ہی آوے گا جو یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ ہمیں چین ہوگا انہیں کیا چین جس نے روزہ نہ رکھا ہو تو اس کو شام کے وقت کیا مزہ استطراد آیا د آ گیا کہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ شام کے وقت روزہ داروں میں بیٹھ کر کہتے ہیں لاؤ ہم بھی روزہ افطار کر لیں مگر جب روزہ نہیں تو جانے کس چیز کو افطار کرتے ہیں۔ یہ بھلے مانس روزہ دار تو ہوتے نہیں مگر افطاری میں سب سے پہلے آ موجود ہو جاتے ہیں مگر انہیں کیا مزہ۔ مزہ تو شام کے وقت سوختہ افروختہ لوگوں کو ہوتا ہے کہ پانی کا نام لینے سے ان میں جان آتی ہے استلذاز کے لئے پوچھا کرتے ہیں کہ یہ پانی کہاں ہے۔ ایک شخص کہنے لگے کہ میں تو رمضان شریف میں اسٹیشن پر رہتا کہ وہاں کے کنوئیں کا پانی عجیب ہے اسی طرح جنت کا مزہ بھی اہل مصیبت کو ہوگا۔ یہ ایک مضمون اپنے اساتذہ سے سنا ہوا بیان کر دیا۔ (مثلاً رمضان ج ۱۶)

## حفاظ کی اقسام

آج کل حافظ دو قسم کے ہیں ایک تو بشرط شئی کے مرتبہ میں یعنی کلام اللہ سنانے پر شرط کر لیں۔ یہ صورت تو جائز نہیں کیونکہ سنانے پر اجرت لینا حرام ہے۔ اس موقع پر سنت پر عمل چھوڑ دیں گے اور دوسری شرط لاشے کے مرتبہ میں یوں کہیں کہ ہم جب پڑھیں گے کہ تم ہمیں کچھ نہ دو۔ اور گو ایک احتمال لا بشرط شئے کا بھی ہے لیکن تتبع عرف سے اس کا مرجع بھی ان ہی دو قسم سے ایک قسم ہے اس لئے تقسیم واقعی ثنائی ہی رہی گو عقلی ثلاثی ہے بہر حال اگر حافظ بشرط لاشے مل جاوے تو کلام اللہ سننے میں کاہلی نہ کرے بلکہ سننے کے لئے مستعد ہونا چاہیے خیال کرنے کی بات ہے کہ لوگ دنیا کے واسطے کتنی محنت کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں یہاں تو کچھ بھی نہیں مگر بے رغبتی کی یہ حالت ہے کہ بعض کو تراویح ہی میں نیند آتی ہے سو اس کا علاج کرنا چاہیے آسان علاج ایک تو یہ ہے کہ سیاہ مرچ کھا لو اس سے نیند جاتی رہے گی اور سیاہ مرچ نافع بھی ہے البتہ لال مرچ مضر ہے اس کے مضر ہونے پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک بزرگ دماغ



سے معذور تھے جب ان کے سامنے مسلمانوں کی کسی قسم کی خرابیوں کا ذکر ہوتا تو یوں فرماتے کہ یہ سب فساد مرچوں کا ہے جو بات بھی ہوتی یہی فرمادیتے ایک شخص کہنے لگے کہ کیا بے جوڑ بات ہے میں نے ہنس کر کہا کہ بڑی جوڑ دار ہے۔ اس طرح سے کہ مرچوں سے کھانا مزہ دار ہو جاتا ہے اور بوجہ مزہ دار ہونے کے کھایا بہت جاتا ہے اور زیادہ کھانے سے قوت بہیمیہ میں ترقی ہوتی ہے اور وہ باعث ہوتی ہے فساد کا ہم تو بزرگوں کے قول کی تاویل کریں گے گو وہ بزرگ کیسے ہی ہوں خیر یہ تو ہنسی کی بات تھی باقی نیند کا اصل علاج یہ ہے کہ پانی کم پیو۔ ستر اہل مجاہدہ کا قول ہے کہ نیند کا مادہ پانی سے ہے اس کو امام غزالی نے لکھا ہے کہ پھر بھی اگر نیند زیادہ آوے تو سیاہ مرچ چبا لو آخر خدا تعالیٰ سے کچھ لینا بھی ہے یا نہیں حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَيُّطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ كَلَّا كَيَا هَرِثُفُ اس کی طمع رکھتا ہے کہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جاوے ایسا ہرگز نہیں۔ یعنی بدون کئے کچھ نہ ملے گا۔ پہلے اعمال کے ذریعہ سے جنت کے قابل تو بنو بدون اعمال کئے کیا منہ ہے جنت کے لینے کا۔ پس رمضان میں ہمت کر کے ایک قرآن تو سن ہی لو بہر حال سنت سے۔ آثار سے بزرگوں کے معمولات سے ذوق سے ثابت ہوتا ہے اس ماہ میں قرآن کی تلاوت خاص درجہ میں مطلوب ہے۔ (مثلاً رمضان ج ۱۶)

## بے باک لوگوں کو تنبیہ

بعضوں کے تو رمضان میں گناہ پہلے سے بھی بڑھ گئے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا مذاق یہ ہے ہر گناہ ہے کہ کئی در شب اوینہ کن تاکہ از صدر نشیناں جہنم باشی ترجمہ: جو گناہ کرنا ہے شب جمعہ میں کرو تاکہ جہنم میں صدر نشین تو بن سکو۔

یہ وہ بے باک لوگ ہیں جن کو متبرک زمانہ میں بھی تنبیہ نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں گناہ کرنے کا وبال اور دنوں سے زیادہ ہے قاعدہ سے تو یہ چاہیے تھا کہ جن لوگوں نے ان متبرک دنوں کو یوں برباد کیا ہے ان کے لئے ان ایام کی مکافات کا کوئی طریقہ نہ ہوتا مگر خدا تعالیٰ کی رحمت بے انتہا ہے وہ اب بھی رحمت کرنے کو موجود ہیں اگر ان بقیہ دنوں کی درستی کر لی جائے اور اب تک کے گناہوں سے توبہ کر لی جائے۔ صاحبو! ہمیں اس رحمت کی قدر کرنا چاہیے ورنہ پھر یہ وقت شاید نہ ملے۔ اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو ایک اور اندیشہ ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا نہ لگ جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو

بددعا دی ہے جس نے رمضان میں بھی اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کرائی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں کو بددعا دی ہے ایک وہ جس نے اپنے باپ ماں دونوں کو یا ایک کو ان کے بڑھاپے میں پایا اور ان کو خدمت وغیرہ سے راضی کر کے جنتی نہ بنا دوسرے وہ جس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا اور اس نے حضور پر درود و سلام نہیں بھیجا تیسرے وہ جس نے رمضان کو ختم کر دیا اور اپنے گناہوں کی مغفرت نہیں کرائی۔ کیا حضور کی بددعا سے بچنا ضرور نہیں اس لئے اس کا اہتمام کیا جائے اور پچھلے گناہوں سے توبہ کی جائے مگر قربان جائیے حضور کے کہ گو آپ نے بظاہر ان لوگوں کو بددعا دی ہے مگر بددعا بھی ایسے عنوان سے ہے جس میں دعا کی بھی جھلک ہے کیونکہ آپ نے رَغْمِ انْفِه رَغْمِ انْفِه (اصحیح مسلم کتاب البر والصلة: ۱۰، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۹۱۲، کنز العمال: ۴۵۴۷۸) فرمایا ہے کہ اس کی ناک خاک میں ملے یہ ایسی بددعا ہے جیسے قدسیہ بیگم والیہ بھوپال اپنی باندیوں کو غصہ میں کہا کرتی تھی کہ تمہاری چوٹی کٹواؤں گی تم کو گدھے پر سوار کراؤں گی پھر سب کوچ میں ساتھ لے گئیں اور وہاں احرام کھولتے ہوئے سب کی چوٹیاں کٹیں اور عمرہ لانے کے لئے گدھے پر بھی سوار ہونے کا موقعہ ہوا ہوگا۔ اسی طرح رَغْمِ انْفِه کے معنی یہ ہیں کہ اس کو سجدہ کی توفیق ہو اور یہ اس موقعہ کے مناسب بھی ہے کیونکہ گناہ بعد کا سبب ہے اور سجدہ قرب کا سبب ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ رمضان کا روزہ کے ساتھ پورا ہو جانا بڑی نعمت ہے کیونکہ اس سے ہم کو گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے اور آخرت میں جہنم سے نجات ہوگی پس ہم کو خوش اسلوبی کے ساتھ رمضان کو پورا کرنا چاہیے اور خوش اسلوبی یہی ہے کہ گناہوں سے بچنے کا پورا اہتمام کیا جائے۔ (اکمال العدة ج ۱۶)

## تعیین شب قدر

ستائیسویں رات کے متعلق بہت سے حضرات صحابہ کا جزم ہے کہ لیلة القدر یہی ہے۔

(اکمال العدة ج ۱۶)

## اختلاف تاریخ میں تلاش شب قدر

بعض لوگوں کو شاید ایک فلسفی شبہ پیدا ہوگا وہ یہ کہ چاند میں آج کل اختلاف ہے تو جو رات یہاں ستائیسویں ہوگی وہ بعض جگہ اٹھائیسویں ہوگی تو کیا لیلة القدر دو ہوں گی اور

ایک ہوئی تو کس کی رویت کا اعتبار ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو خبر بھی ہے کہ وہاں رات دن نہیں ہیں اور یہ تو خود سائنس والے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ لیل و نہار کرة النسیم سے نیچے ہی نیچے ہیں کرة النسیم کے اوپر رات دن نہیں بلکہ یکساں حالت ہے یہ جواب میرے دل میں آیا بڑی خوشی ہوئی اور اس سے ایک بات ابھی اور دل میں آئی ہے وہ یہ کہ معراج کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر بیان فرمائی ہے سیر سموات کا ذکر نہیں فرمایا جس سے بعض اہل باطل نے سیر سموات کی نفی پر استدلال کیا ہے تو وہاں تو سیر سموات کا ذکر اس واسطے نہیں کیا گیا کہ وہاں لیل کی قید بھی مذکور ہے پس ضروری ہوا کہ اسی قدر سیر بیان کی جائے جو لیل کے اندر واقع ہوئی اور ظاہر ہے کہ سیر سموات لیل و نہار سے باہر ہوئی ہے سموات میں لیل و نہار کا تحقق ہی نہیں تو اس سے سیر سموات کی نفی پر استدلال محض لغو ہے ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیر سموات رات میں نہیں ہوئی سو یہ مسلم ہے کہ بلکہ ہم تو یوں کہتے ہیں کہ وہ تو نہ دن میں ہوئی نہ رات میں وہ تو ایسے ایسے مقام پر ہوئی جہاں رات ہے نہ دن بہر حال وہاں لیل و نہار ہے اس واسطے لیلۃ القدر کی جو شان و برکات ہیں وہ لیل و نہار کے ساتھ مفید بلکہ نہیں بلکہ ارادۃ حق کے تابع ہیں تو اس کی مثال بارش کی طرح ہے کہ یہاں کے کرة النسیم کے نیچے آج بارش ہے اور کلکتہ کے کرة النسیم کے نیچے کل بارش ہے اگر شب قدر بھی ایسی ہو کہ یہاں آج ہے اور کلکتہ میں کل ہے تو اس میں اشکال کی کیا بات ہے آخر بارش میں کیا ایسا اختلاف نہیں ہوتا پھر معنوی بارش برکات میں ایسا اختلاف ہو تو کیا تعجب ہے اس لئے بے فکر ہو کر آپ اپنی ہی تانیخوں کے حساب سے کام کیجئے اللہ تعالیٰ تو سب کی نیتوں کو اور کام کو دیکھتے ہیں۔ وہ سب کو ان کے حساب کے موافق لیلۃ القدر کی برکات عطا فرماویں گے۔ (اکمال العدة ج ۱۶)

## فضیلت عید الفطر

ایک فضیلت یوم عید کی اور یاد آئی حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں کے عید گاہ میں جمع ہونے کے بعد خدا تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب بنا کر فرماتے ہیں ماجزاء اجیر وافہ عملہ یعنی اس مزدور کو کیا بدلہ دیا جاوے جس نے اپنے عمل کو پوری طرح کیا ہو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ جزاء ہ ان یوفی اجرہ کہ اس کی جزا یہ ہے کہ اسے پوری مزدوری دی جاوے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وعزتی وجلالی وارتفاع شانی لا غفرہم

فیرجعون مغفوراً لھم (لم اجد الحدیث فی ”موسوعة اطراف الحدیث النبوی شریف“) یعنی خدا تعالیٰ فرماویں گے کہ اپنے جلال اور عزت کی قسم آج میں ان کی مغفرت کئے دیتا ہوں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس گفتگو کو نقل فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ بس لوگ بخشے بخشائے واپس آتے ہیں تو اس حدیث کے سننے کے بعد اب لوگوں کو غور کرنا چاہیے کہ عید گاہ میں کیسی بیعت بنا کر چلنا چاہیے کہ اس کرامت کے اہل تو ہوں۔

افسوس ہے کہ اکثر لوگ نافرمانوں کی صورت بنا کر جاتے ہیں بہتر بلکہ ضروری بات ہے کہ جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں یا ترشواتے ہیں آج سے توبہ کر لیں ہمیشہ کیلئے نہ ہو سکے تو عید بقر عید کے گزرنے تک تو اس سے بچے رہیں کہ ان وقتوں میں بڑی حاضری ہوتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر داڑھی نہ منڈائی جائے تو کوئی نقصان بھی تو نہیں اور منڈانے سے کوئی نفع بھی تو حاصل نہیں ہوتا پھر اس بے لذت گناہ سے کیا نتیجہ کہ خدا کے سامنے ذلیل بھی ہوئے دنیا میں کچھ مزاتک بھی نہ آیا۔

اسی طرح بعض لوگ ریشمی لباس پہن کر عید گاہ میں جاتے ہیں ان لوگوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کی نماز مقبول نہیں ہوتی۔ نیز اپنے لڑکوں کو بھی ایسا لباس نہ پہناویں۔ صاحبو! کیا کسی بادشاہ کے دربار میں جاتے ہوئے کوئی شخص بغاوت کے تمنغے سجا کر جا سکتا ہے پھر کیا خدا کی عظمت شاہان دنیا کے برابر بھی نہیں اس کو سوچو۔ اور خدا تعالیٰ کے عذاب کو پیش نظر رکھ کر ان سب خرافات سے باز آ جاؤ۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ توفیق عمل دے۔ (اکمال الصوم والعید ج ۱۶)

## روزہ اور قرآن

روزہ اور تلاوت قرآن سے اس کا ربط سمجھ میں آنا آسان ہوگا کہ حضرت حق نے اول تو رمضان میں روزہ کا حکم فرمایا کہ اپنے کو پاک صاف کرو کیونکہ روزہ سے قوت بہیمیہ منکسر ہوتی اور معاصی سے رکاوٹ ہوتی ہے اور دل میں رقت پیدا ہوتی ہے پھر تخلیہ رذائل کے ساتھ ساتھ تراویح میں تلاوت قرآن کا حکم ہے یہ تخلیہ ہے کیونکہ تکثیر صلوٰۃ سے انسان کے اندر اخلاق حمیدہ پیدا ہوتے اور انوار طاعات زیادہ ہوتے ہیں اور قرآن کی تلاوت سے بھی قلب میں نور پیدا ہوتا اور زنگ دور ہوتا ہے۔ (السوال فی الشوال ج ۱۷)



حج عرفات میں جانے کا نام ہے اور یہ ایسا رکن کہ اگر یہ فوت ہو جائے تو اس کا بدل کچھ نہیں ایک مقدمہ تو یہ محفوظ رکھئے دوسرا مقدمہ یہ سمجھئے کہ حج میں بعض اعمال تو ایسے ہیں جو بظاہر عبادت معلوم ہوتے ہیں جیسے طواف خانہ کعبہ مگر وہ حج نہیں۔ کیونکہ جو شخص تنگ وقت میں مکہ پہنچے اس کو حکم ہے کہ سیدھا عرفات پہنچ جائے اور طواف وغیرہ کو ترک کر دے اور عرفات میں جانا ایسا عمل ہے کہ وہاں بظاہر کوئی عبادت نہیں نہ کسی خاص چیز کی تعظیم ہے نہ وہاں کوئی خاص نماز مقرر ہے پنج وقتہ نماز تو سب جگہ ہے وہاں بھی ہے مگر عرفات میں جانا ہی سب کچھ ہے حج اسی کا نام ہے کہ نویں تاریخ کو نصف النہار کے بعد سے ۱۰ ذی الحجہ کی صبح تک کسی ایک منٹ میں ایک قدم عرفات کے اندر رکھ دے بس اسی وقت مذکور میں اگر کسی وقت بھی ایک قدم عرفات میں پڑ گیا خواہ جاگتے ہوئے یا سوتے ہوئے ہوش میں یا بیہوشی میں تو حاجی بن گئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقوف عرفات کی حقیقت حاضری دربار شاہی ہے۔ جب ہی تو اس میں اور کچھ شرط نہیں صرف ایک قدم وہاں ڈال دینا شرط ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے پاس پہنچنا کتنا آسان ہے کہ صرف ایک قدم رکھ دیا اور واصل ہو گئے اے سالکین یہ دیر جو آپ کو ہوتی ہے راستہ میں ہوتی ہے وصول میں کچھ دیر نہیں ہوتی وہ تو ایک قدم سے ہو جاتا ہے۔

## ایک واعظ کے دیہاتی کو روزہ سے محروم کرنے کی حکایت:

ایک واعظ نے رمضان میں کسی دیہاتی سے کہا کہ آج روزہ رکھا ہے کہا ہاں رکھا ہے کہا نیت بھی کی تھی کہا ہاں کی تھی پوچھا کس طرح کی تھی اس نے بتلایا کہ سحری کھاتے ہوئے دل میں خیال کر لیا تھا کہ کل کو روزہ رکھیں گے واعظ صاحب بولے کہ یوں نہیں بلکہ زبان سے یوں کہنا چاہئے۔ نویت الصوم اللہ تعالیٰ غدا۔ دیہاتی نے کہا بہت اچھا اب سے یوں کہا کروں گا۔ اگلے دن واعظ صاحب نے دیکھا کہ چودھری چوپال میں بیٹھے ہوئے حقہ بجا رہے ہیں کہا میاں یہ کیا؟ رمضان میں حقہ پیتے ہو کیا روزہ نہیں ہے کہا نہیں آج روزہ نہیں رکھا کیونکہ نیت یا نہیں ہوئی جب نیت یاد ہو جائے گی تب روزہ رکھوں گا۔ دیکھئے اس واعظ نے بیچارے دیہاتی کا کیسا ناس کیا کہ اس کو روزہ سے محروم کر دیا بس ان کی وہ حالت ہے جو ناٹری حکیم کی حالت ہوتی چنانچہ ایسے ہی حکیم نے ایک بیمار کو مسہل دیا تھا نہ معلوم کیا خاک بلا دے دی کہ غریب کو بے انتہا دست آگئے حکیم صاحب کو مسہل دینا تو آتا تھا مگر دست بند کرنے کی

ترکیب معلوم نہ تھی۔ تیمارداروں نے آکر اطلاع کی کہ دست بہت آرہے ہیں بند نہیں ہوتے کہا کچھ ڈرنہیں مادہ فاسد ہے نکلنے دو۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اطلاع کی کہ بہت ضعف ہو گیا ہے کہا کہ کچھ ڈرنہیں مادہ فاسد نکلنے دو۔ پھر اطلاع کی کہ اس کو تو نزع کی سی کیفیت طاری ہے کہا مادہ فاسد ہے نکلنے دو۔ پھر اطلاع دی کہ وہ تو مر بھی گیا تو آپ فرماتے ہیں اللہ رے مادے جس کے نکلنے سے مر گیا اگر وہ اندر رہتا تو کیا ہوتا۔ یہ ویسا ہی جواب ہے جیسے بوجھ بجکڑ نے جواب دیا تھا جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک گاؤں میں ایک شخص تار کے درخت پر چڑھ گیا۔ چڑھ تو گیا مگر اترنا جانتا نہ تھا۔ لگا چلانے کہ مجھے اتارو گاؤں والے سارے بیوقوف تھے۔ کسی کے سمجھ میں تدبیر نہ آئی تو بوجھ بجکڑ کو (یعنی گاؤں کے عاقل کو) بلایا گیا۔ وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے کہ بس تدبیر سمجھ میں آگئی۔ ایک لمبا سار سالاؤ اور اس کے پاس پھینکو کہ اس کو اپنی کمر سے مضبوط باندھ لے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس کے بعد حکم دیا کہ زور سے جھٹکا دو۔ چنانچہ یہ بھی کیا گیا وہ نیچے تو آ گیا مگر روح اوپر کواڑ گئی۔ گاؤں والے بوجھ بجکڑ کے سر ہو گئے کہ یہ کیا ہوا تو آپ جواب دیتے ہیں کہ اس کی قسمت میں نے تو بہت آدمیوں کو اسی تدبیر سے کنویں سے نکالا ہے۔ بس یہی حالت آج کل کے واعظوں کی تعلیم کی ہے تحت کوفوق پر قیاس کرتے ہیں اور عوام کا ناس کرتے ہیں ان ہی لوگوں کی نسبت عارف فرماتے ہیں

حسنگاں را چو کلب باشد وقوت نبود گر تو بیدار کنی شرط مروت نبود

جب کمزوروں کو طلب کی خواہش ہو اور قوت نہ ہو۔ تو ان پر ظلم کرنا اچھا نہیں ہے۔

واقعی ایک کاروباری آدمی کو یہ مجاہدہ بتلانا کہ چالیس دن تک تجارت و زراعت و اہل و عیال سے الگ ہو کر ایک کونہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے۔ بیدار و ظلم ہے بلکہ ہر شخص کو اس کے مناسب حال طریقہ بتلانا چاہئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چار پارا قدر طاقت بار نہ برضعیفان قدر ہمت کار نہ

چوپایوں پر طاقت اور اندازہ سے بوجھ رکھنا چاہئے۔ کمزوروں سے ہمت کے موافق

کام لینا چاہئے۔ (الفصل والانفصال فی الفعل والانفعال ج ۲۱)

## تراویح میں قرآن سنانا بقائے حفظ کا سامان ہے

پانی پت میں شیعہ کے بعض بچے حافظ ہو جاتے ہیں مگر رہتے نہیں اور حفظ نہ رہنے کا سبب بھی وہی عدم اہتمام ہے۔ ایک شیعہ لڑکا غلام سردار نام میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ

حافظ ہو گیا تھا مگر بعد میں سُنی ہو گیا کیوں کہ جب وہ حافظ ہو گیا تو رمضان کے موقع پر اس نے اپنی جماعت سے کہا کہ تراویح میں میرا قرآن سنو انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں تو نہ جماعت ہے نہ تراویح ہے، اس نے کہا کہ جب تراویح میں میرا قرآن نہ سنا جائے گا تو مجھے محفوظ کیونکر رہے گا۔ شیعوں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو ہم تیری وجہ سے تراویح تو نہیں پڑھ سکتے اس نے کہا پھر میں سُنی ہوتا ہوں تاکہ میرا حفظ باقی رہے چنانچہ وہ سُنی ہو گیا۔ تو اس لڑکے کو دیکھ کر میرا خیال یہی ہے کہ شیعہ کے عدم تحفظ کا سبب ان کا عدم اہتمام ہے اگر وہ تحفظ کا اہتمام کریں تو حافظ ہو سکتے ہیں مگر حافظ رہیں گے نہیں کیونکہ بقاء حفظ کا سامان ان کے نہیں اور تنہا پڑھنے سے حفظ باقی نہیں رہتا۔ (استمرار التوبہ ج ۲۳)

## روزہ نہ رکھنے کا اصل سبب کم ہمتی ہے:

بعض لوگ گرمی کے روزہ میں پیاس کی شدت کا عذر کیا کرتے ہیں مگر اس رمضان میں لوگوں نے دکھلا دیا کہ یہ عذر محض ایک حیلہ اور بہانہ ہے ورنہ اصلی سبب کم ہمتی ہے کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے کہ بعض لوگ صبح اٹھ کر کھیت پر بیٹھے ہوئے تربوز کھاتے تھے، بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ صبح کے وقت کون سی گرمی تھی، یہ وقت کون سی پیاس کی شدت کا تھا، گرمی اور پیاس تو عصر ہی کے وقت زیادہ معلوم ہوتی ہے، تم نے روزہ رکھ کر تو دیکھا ہوتا جب عصر کے وقت پیاس کی شدت معلوم ہوتی اور صبط نہ ہو سکتا جب ہی روزہ توڑا ہوتا، مگر اس حرامزدگی کا کیا علاج کہ صبح ہی سے روزہ نہ رکھنے کا ارادہ کر لیا اور افسوس اسی بات کا ہے کہ پہلے زمانہ میں بھی لوگ گناہ کیا کرتے تھے مگر ان میں شرم اور غیرت کا مادہ بھی تھا، سب کے سامنے رمضان میں کچھ نہیں کھاتے تھے، چوری چھپے کھا لیا کرتے تھے مگر آج کل شرم اور غیرت بھی جاتی رہی، سب کے سامنے کھاتے پیتے ہیں اور ذرا لحاظ ان کو نہیں ہوتا کہ آخر رمضان کا مہینہ ہے اس کا بھی کچھ احترام کرنا چاہئے۔ میں صبح کو نماز پڑھ کر جنگل کی سیر کو جایا کرتا تھا، اس وقت کھیتوں پر بہت سے لوگ تربوز کھاتے ہوئے ملتے تھے، میں خود ہی غیرت مذہبی یا یوں کہئے کہ طبعی حیاء کی وجہ سے ان کی طرف کو نہ نکلتا تھا، چکر کاٹ کر دوسری طرف کو نکل جاتا تھا کہ ان لوگوں کو تو غیرت نہ آئے گی مگر مجھے تو غیرت کرنی چاہئے کہ رمضان میں کسی کو کھاتا ہوا نہ دیکھوں۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## کھانے پینے کی حلاوت روزہ دار کو نصیب ہوتی ہے:

روزہ توڑنے والا جب کھانا کھاتا ہے تو اس کو خود یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے پائخانہ کھارہا ہو، ذرا بھی حلاوت نصیب نہیں ہوتی، روزہ میں ثواب تو ہے ہی مگر سچ یہ ہے کہ کھانے پینے کی حلاوت بھی روزہ دار ہی کو نصیب ہوتی ہے۔

روزہ دار کے دل کو افطار کے وقت جو مسرت اور حلاوت نصیب ہوتی ہے روزہ خور کو قیامت تک وہ بات نہیں مل سکتی، پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ روزہ میں باوجودیکہ دنیا اور آخرت دونوں کی حلاوت ہے پھر بھی لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے، یوں کہتے ہیں کہ ثواب کی رغبت اور عذاب کا خوف تو دلوں سے نکل ہی گیا تھا ساتھ میں جس بھی خراب ہو گئی، گناہ بے لذت کے کرنے سے زیادہ اور کیا بے حسی ہو گئی۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## روزہ کی حدود

روزہ کیسی عمدہ عبادت ہے مگر اس کے واسطے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ جب چاہو روزہ رکھ لو سال بھر میں بعض ایام ایسے بھی ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے یعنی عید کے دن اور بقر عید کے دن اور ایام تشریق میں روزہ مکروہ تحریمی ہے۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## کسی ایک حالت پر انسان کو قرار نہیں

دیکھئے پہلے رمضان سردی میں تھا تو لوگ اس سے اکتاتے تھے کہ میاں یہ بھی کوئی روزہ ہے ادھارے ادھارے بیٹھے ہیں نہ بھوک ہے نہ پیاس ہے ذرا سادہ ہے خبر ہی نہیں ہوتی کہ روزہ بھی تھا یا نہیں روزہ تو گرمی کے لطف کا ہے کہ ذرا خبر بھی ہو کہ ہاں روزہ ہے پھر افطار میں شربت اور ٹھنڈے پانی کا اور بعض جگہ برف کا اہتمام ہوتا ہے ٹھنڈے کنوؤں کی تلاش ہوتی ہے کہ جس کنویں کا پانی سب سے زیادہ ٹھنڈا ہو اس کا پانی لایا جاتا ہے سردی میں تو یہ باتیں ہوتی تھیں اب جب رمضان گرمی میں آیا تو اس سے بھی گھبرا گئے۔ چنانچہ اب رمضان آنے والا ہے معلوم ہو جائے گا کہ کتنے آدمی روزہ رکھتے ہیں۔ اب یوں کہتے ہیں کہ صاحب رات تو ذرا سی ہوتی ہے تراویح پڑھنے کے بعد سونے کا موقع ہی نہیں ملتا ادھر آنکھ لگی ادھر سحری کا وقت آیا اتنی دیر میں افطار کے وقت کا کھانا پانی بھی ہضم نہیں ہوتا اب سحری میں کیا کھالیں بس سحری



کا لطف تو گرمیوں کی رات میں کچھ بھی نہیں۔ پھر دن ایسا پہاڑ کہ گھنٹے گنتے گنتے تھک جاؤ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا، پیاس کے مارے کلیجہ نکلا جاتا ہے پھر افطار کے وقت پانی اس بری طرح پیا جاتا ہے کہ تراویح پڑھنا محال ہو جاتا ہے بس گرمیوں میں نہ تراویح کا لطف ہے نہ روزہ کا لیجئے اب گرمیوں کے رمضان کی برائی ہونے لگی۔ (تعظیم العلم ج ۲)

## ہر مقام کی شب قدر کو فضیلت حاصل ہے

ایک صاحب کہنے لگے کہ شب قدر میں فضیلت ہے تو کہاں کی شب قدر میں ہندوستان کی یا لندن کی کیونکہ غروب ہر جگہ کا مختلف ہے۔ مولانا احمد حسن صاحب نے خوب جواب فرمایا کہ بعض مواسم میں کچھری دس بجے ہوتی ہے تو کہاں کے دس بجے مراد ہوتے ہیں، ہندوستان کے یا لندن کے، جو جواب اس کا ہے وہی اس کا ہے کہ ہر جگہ کی شب قدر میں فضیلت ہے خدا تعالیٰ کے ہاں کیا کمی ہے جب یہاں غروب ہو یہاں کے لیے، جب وہاں غروب ہو وہاں کے لیے، یہ دو چار مثالیں نمونے کے طور پر بیان کر دی ہیں۔ اس قسم کے لغو شبہات بہت سے ہیں اور ان سب کی وجہ یہ ہے کہ احکام شریعت کی عظمت دلوں میں نہیں رہی اور دوسرے یہ کہ ان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کیونکہ انسان جس چیز کو ضروری سمجھا کرتا ہے اس میں شبہات نہیں نکالا کرتا۔ مثلاً اگر کوئی مریض طبیب کے پاس جاوے اور وہ نسخہ لکھ کر دے اور مرض سخت ہو تو اعتماد کے بعد یہ سوال نہیں کرتا کہ آپ نے فلاں دوا کیوں لکھی یا فلاں دوا کا یہ وزن کیوں لکھا، اس کا دونایا نصف کیوں نہیں لکھا کیونکہ جانتا ہے کہ اگر ذرا بھی بے ڈھنگا پن کیا تو حکیم صاحب خفا ہو کر مطب سے نکال دیں گے اور نسخہ بھی نہ دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ میں مروں گا۔ اگر شریعت کو بھی ضروری سمجھتے تو احکام کے بتلانے والوں کا وجود غنیمت سمجھتے جیسے طبیب کا وجود غنیمت سمجھا جاتا ہے ہاں اگر نسخہ پینا ہی نہ ہو تو اس میں جتنے چاہیں عیب نکال دیتے ہیں۔ (ضرورة العمل فی الدین ج ۲)

## حضرات فقہاء کی وسیع النظر فی

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر امام جانے کی تراویح میں لوگ قرآن نہیں سن سکتے تو اس کو پورا قرآن پڑھنا مناسب نہیں۔ بس الم ترکیف سے تراویح پڑھ پڑھا دیا

کرے۔ تھانہ بھون کے قریب ایک گاؤں میں ایک حافظ صاحب نے گاؤں کے لوگوں سے کہا کہ کم بخت سب جگہ قرآن ہوتا ہے (نعوذ باللہ) تمہارے اوپر کیا خدا کی مار ہے تم بھی تو ہمت کر کے سن لیا کرو کہنے لگے کہ قرآن پڑھنے میں تو بڑی دیر لگتی ہے ہم سے اتنی دیر کہاں کھڑا ہوا جاتا ہے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ دیر کچھ نہیں لگتی بس ایک پارہ پڑھ دیا کروں گا۔ ایک پارہ تو ذرا سی دیر میں ہو جائے گا کہنے لگے کہ ایک روز پڑھ کر دکھلا دو۔ غرض حافظ صاحب مصلے پر پڑھنے کھڑے ہوئے اور وہ حقہ لے لے کر آن بیٹھے یہ حقہ پیتے رہے اور حافظ صاحب قرآن شریف پڑھتے رہے۔ جب تراویح پوری ہو گئیں تو حافظ صاحب نے کہا کہ دیکھا تم نے، کتنی دیر لگی کہنے لگے کہ ہاں جی ہاں کچھ ایسی دیر نہیں لگتی اب سے سنا کریں گے تو فقہاء نے ایسے موقع پر تشدد نہیں کیا کیونکہ تشدد سے اصل کام بھی رہ جاتا ہے۔ (الفضل العظیم ج ۲۷)

## روزہ میں شانِ تنزیہ کا ظہور ہے

روزہ میں شانِ تنزیہ کا ظہور ہے یعنی روزہ فی الجملہ تخلیق باخلاق اللہ ہوتا ہے اس کھانے پینے کے ساتھ جماع سے بھی روک دیا گیا کیونکہ حق تعالیٰ ان افعال سے منزہ ہیں اور اس کا مقتضایہ ہی تھا کہ پیشاب و پاخانہ سے بھی منع کر دیا جاتا مگر اس کی ممانعت اس لیے نہیں کی گئی کہ یہ تکلیف مالا یطاق تھی۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

## رمضان میں ترغیبِ تلاوت کا راز

رمضان میں تلاوت قرآن کا شریعت نے بہت ہی اہتمام کیا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ نزول قرآن آسمانِ اول پر رمضان ہی کے مہینے میں ہوا ہے پھر وہاں سے تدریجاً تینیس سال میں نازل ہوا تو اس ماہ کو قرآن کے ساتھ خاص تعلق ہے جو دوسرے ایام کو نہیں یہی وجہ ہے کہ رمضان میں تلاوت قرآن بالمشاہدہ اور دنوں سے زیادہ آسان بھی ہے اور ظاہر ہے کہ جب انسان تلاوت قرآن میں مشغول ہوگا تو لامحالہ دنیوی باتوں میں تقلیل ہوگی کیونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تو تلاوت قرآن کے

وقت اگر توجہ کے ساتھ تلاوت ہو۔ دوسری باتوں کا خیال بھی نہ آئے گا ورنہ زبان تو جب تک اس میں مشغول رہے گی۔ اس وقت تک دنیوی باتوں سے رکی رہے گی اس طرح سے تلاوت قرآن کے ضمن میں تقلیل کلام ہو جائے گی۔ پھر محض یہی نہیں کہ تقلیل کلام کا مجاہدہ حاصل ہو گیا اور کوئی نفع حاصل نہ ہو بلکہ اس میں ثواب بھی اتنا ہوتا ہے کہ کسی طاعت میں اتنا ثواب نہیں کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور رمضان میں وہ دس نیکیاں دس فرض کے برابر ہوتی ہیں یہ تو عام ثواب ہے اور جو کوئی زیادہ مخلص ہو تو اس کو ایک حرف پر سات سو نیکیاں تک ملتی ہیں بلکہ ”وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ“ یعنی سات سو پر بھی انتہا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس سے بھی زیادہ دیتے ہیں۔ اب بتلائے اگر شریعت میں تقلیل کلام کی وہی صورت تجویز کرتی جو اہل ریاضت میں مستعمل ہے کہ بس زبان کو گوند لگا دیا جائے اور بالکل خاموش بیٹھے رہا کریں تو یہ دولت بے شمار کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ شریعت کے قربان جائے کہ اس نے مجاہدہ تقلیل کلام کی وہ صورت تجویز ہو جس سے اس مجاہدہ کا فائدہ بھی حاصل ہو جائے کہ زبان گناہوں سے بچی رہے، فضول باتیں کرنے کی عادت کم ہو جائے اور اس کے ساتھ ثواب بھی بے شمار ملتا رہے اور ثواب ہی پر بس نہیں بلکہ تلاوت قرآن میں بندے کو حق تعالیٰ کا ایک خاص قرب بھی حاصل ہوتا ہے جو خاموش رہنے میں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن میں ایک خاص تجلی ہے جب اس کا ظہور قلب پر ہوتا ہے تو دل میں حق سبحانہ کے سوا کسی کی گنجائش نہیں رہتی، قلب عظمت حق سے پر ہو جاتا ہے۔ بس وہ حال ہوتا ہے:

چو سلطان عزت علم بر کشد جہاں سر بجیب عدم در کشد

(جب وہ سلطان عزت جھنڈا بلند کرتا ہے تو یہ کائنات تمام عدم کے جیب میں

سر ڈال دیتی ہے) (تقلیل الکلام ج ۲)

## حکایت مومن خاں دہلوی

مومن خاں شاعر سے رمضان شریف میں ایک ڈوم نے کہا تھا کہ تراویح میں جس دن وہ سورۃ آئے جو مردوں پر پڑھی جاتی ہے تو مجھ کو پہلے سے اطلاع کر دیجیو اس کا یہ اعتقاد تھا

کہ سورہ یسین شریف سننے سے مرجاتا ہے، مومن خاں نے ایک دن براہ مزاج کہا کہ میاں وہ سورہ تورات آچکی سنتے ہی بخار چڑھ آیا اور دو تین دن بعد مر گیا تو بعضے موت سے اتنا گھبراتے ہیں کہ اس گھبراہٹ میں ہی ان کو موت بھی آ جاتی ہے۔ بوڑھے سے بوڑھا بھی جینے کی تمنا کرتا ہے میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک بوڑھا تھا اس کو کسی لڑکی نے کہہ دیا کہ بڑھیا مر جا بہت برا مانا اور کسی سے شکایت کی کہ سنا بھی فلانی مجھ کو یہ کہتی ہے کہ تو یوں ہو جا، اللہ اکبر کس قدر موت سے کراہت تھی کہ اس کا نام بھی نہیں لیا، بخلاف بزرگان دین کے کہ ان کو موت کا شوق ہوتا ہے۔ (خواص الخیۃ ج ۲۹)

## روزہ میں تقلیل طعام

شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ شارع علیہ السلام نے تقلیل طعام کو تجویز کیا ہی نہیں بلکہ شارع نے کھانے کے اوقات معتادہ کو بدل کر ان میں فصل زیادہ تجویز کیا ہے اور اس تبدل عادت و زیادت فصل سے جو نفس کو تکلیف ہوتی ہے اسی کو شریعت نے تقلیل طعام کے قائم مقام سمجھا ہے۔

اور یہ دوسری صورت ہے تقلیل طعام کی پس کم کھانا اور بھوکا رہنا یہ شرعی مجاہدہ نہیں اور رمضان میں پیٹ بھر کے کھانا روح صوم کو کچھ مضر نہیں میں نے شاہ صاحب سے پہلے کسی کا قول نہیں دیکھا اور یہ مضمون اولاً خود بخود میرے قلب پر وارد ہوا تھا اس وقت تک میں نے شاہ صاحب کا قول بھی نہیں دیکھا تا اور میں نے تو کلا علی اللہ ایک وعظ میں اس کو بیان بھی کر دیا تھا بعد میں شاہ صاحب کے قول سے تائید ملی تو میں بہت خوش ہوا کہ الحمد للہ میں اس قول میں متفرد نہیں ہوں بلکہ امت کا ایک بہت بڑا محقق میرے ساتھ ہے ممکن ہے کسی اور نے بھی اس کی تصریح کی ہو مگر میں نے شاہ صاحب سے پہلے کسی کے کلام میں یہ مضمون نہیں دیکھا اور میری نظر کتابوں پر زیادہ ہے بھی نہیں صرف درسیات پر تھوڑی بہت نظر ہے اور درسیات بھی میں نے اس طرح ختم کی ہیں کہ ایک کتاب جماعت نے ختم کر لی اور میں زیادہ غیر حاضر رہا تو جماعت کے ختم کرنے سے میرے حق میں بھی وہ کتاب ختم ہو گئی بہر حال میرے نزدیک تقلیل طعام کی صورت شریعت میں یہ نہیں ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہو اور تم پیٹ بھر کے نہ کھاؤ بلکہ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ اوقات



طعام میں فصل کر دو جیسا کہ روزہ میں ہوتا ہے پھر افطار و سحر میں پیٹ بھر کے کھا لو تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ تجربہ ہے کہ سحر میں پیٹ بھر کے کھانے سے بھی دوپہر کو اپنے وقت پر بھوک کا تقاضا ضرور ہوتا ہے اور روزہ کی وجہ سے جب نہیں کھا سکتے تو نفس کو کلفت ہوتی ہے بس یہی شرعی مجاہدہ ہے۔ (تقلیل الطعام بصورة الصيام ج ۳۰)

حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

من لم يدع قول الزور و العمل به فليس لله حاجة في ان يدع طعامه و شرابه (سنن ابی داؤد: ۲۳۶۲، سنن الترمذی ۷۰۷)

یعنی (جو شخص جھوٹ بولنا اور غلط باتوں پر عمل کرنا نہ چھوڑے) (اس میں سب معاصی آگئے ۱۲) تو خدا کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ تو دیکھئے قول زور مفطر صوم نہیں جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹتا نہیں مگر چونکہ روح صوم کو مضر تھا اس لئے شارع نے اس کا مضر ہونا ظاہر کر دیا اگر شیع بھی روح صوم کو مضر تھا تو شارع نے اس سے کیونکر تعرض نہیں فرمایا جب شارع نے اس سے تعرض نہیں کیا تو ہم دل کھول کر کہتے ہیں کہ شیع روح صوم کو کچھ مضر نہیں جس کو غلاف کعبہ کے اندر سے کعبہ نظر آ رہا ہو وہ تو کعبہ ہی کی طرف منہ کرے گا اس کو غلاف کی طرف منہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ایسے ہی جب مجھ کو حقیقت منکشف ہوگئی تو میں وہی کہوں گا جو میں سمجھا ہوں ممکن ہے کسی محقق کے نزدیک یہ تحقیق صحیح نہ ہو تو ان کو وہ علم مبارک ہو جو ان کے پاس ہے اور چونکہ وہ ان کا اجتہاد ہے اس لئے اجر ان کو بھی ملے گا۔ (تقلیل بصورة الصيام ج ۳۰)

# زکوٰۃ

- ☆ اسلام کا اہم رکن
- ☆ زکوٰۃ کی فضیلت و اہمیت
- ☆ زکوٰۃ کی حدود و مصارف

## زکوٰۃ کی خوبی

ایک خوبی اسلام میں یہ ہے کہ غرباء کے لئے امراء پر زکوٰۃ کو فرض فرما دیا جس میں صرف چالیسواں حصہ دینا پڑتا ہے اور کھیتی میں دسواں یا بیسواں حصہ۔ یہ ایسی مقدار ہے جس میں دینے والے پر کچھ بھی بار نہیں اور اگر پابندی سے سب ادا کریں تو اہل اسلام کے تمام فقراء و معذورین کے لئے کافی ہے۔ کوئی بھی بھوکا ننگا نہ رہے مگر افسوس لوگ پابندی سے زکوٰۃ نہیں نکالتے۔ پھر لطف یہ کہ زکوٰۃ دینے سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے۔ کمی نہیں آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پختگی کے ساتھ فرمایا ہے کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی۔ آخرت کا ثواب تو ملے ہی گا۔ زکوٰۃ سے دنیا میں بھی مال بڑھتا ہے آفات سے محفوظ رہتا ہے چنانچہ تجربہ کر کے دیکھ لیا جاوے۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

## مساکین کی اعانت

زکوٰۃ کے اسرار بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس میں عقلیت کی شان اغلب ہے اس لئے کہ مالی اعانت مساکین کی کیسی شے ہے کہ اس کے استحسان میں کسی عاقل کو کلام نہیں ہے اور نیز اس میں کسی مکان یا زمان خاص کی بھی قید نہیں یعنی کوئی زمانہ ایسا نہیں ہے کہ اس وقت اگر ادا نہ کریں تو یہ عبادت قضا ہو جائے۔ باقی چالیسویں حصہ کی تعیین یہ سہولت کے لئے ہے اس لئے کہ چالیس روپیہ میں سے ایک روپیہ دیدینے سے کوئی حرج نہیں ہے۔ نصاب مقرر فرمانا بہ معنی سہولت کے لئے ہے مصارف جو مقرر فرمائے ہیں کہ نہ بیٹا ہو نہ پوتا نہ باپ نہ دادا ہو یہ اس لئے ہے تاکہ نفس پر گراں ہو اس لئے کہ ان لوگوں کو دینے سے نفس کو کچھ گرانی نہ ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ اول تو اس میں بہ نسبت اور مجاہدات کے قیدیں ہی کم ہیں اور جو قیدیں ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ اجمالاً ہر شخص ان کا راز سمجھ سکتا ہے گو تفصیلاً اس میں بھی بعض قیود و تعبدی ہیں اور ایسا ہونا بھی

چاہیے تاکہ اس میں بھی مثل نماز کے عقلیت غالب اور دوسری حیثیت مغلوب ہو مگر چونکہ زیادہ حصہ اس میں معقول ہے اس لئے اس کو مستقل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ (اتھذیب ج ۱۷)

## تملیک زکوٰۃ

تملیک زکوٰۃ کا مشروع طریقہ بتلاتا ہوں سو جو لوگ زکوٰۃ یا چرم قربانی کا روپیہ ایسے مواقع میں دینا چاہیں ان کیلئے ایک خاص تدبیر ہے اور جو لوگ اسے نہ سمجھ سکیں وہ میرے پاس روپیہ بھیج دیں۔ میں درست کر کے بھیج دوں گا۔ مگر وہ طریقہ بتلائے بھی دیتا ہوں تاکہ سمجھ دار لوگ اس پر عمل کر لیں وہ تدبیر یہ ہے کہ اول کسی غریب آدمی کو ترغیب اور مشورہ دو کہ اگر مفت کا ثواب لینا چاہتے ہو تو تم دس روپے مثلاً کسی سے قرض لے کر فلاں چندہ میں دیدو پھر ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے۔ جب وہ غریب کسی سے قرض لے کر چندہ میں دیدے تم اس غریب کو وہ زکوٰۃ کا روپیہ دیدو کہ اس کو اپنے قرضہ میں ادا کر دے تو سارا کام ہو گیا۔ چندہ بھی جمع ہو گیا اور زکوٰۃ اور چرم قربانی کی قیمت بھی جائز طور پر ادا ہو گئی۔ یہ نہایت آسان ترکیب ہے۔ مگر کسی کی سمجھ میں اگر اب بھی نہ آئی ہو تو وہ زکوٰۃ اور قربانی کا روپیہ میرے پاس بھیج دیں میں اسی ترکیب سے درست کر دوں گا۔ (بمواساة المصابین ج ۱۹)

## ادائیگی زکوٰۃ کے لئے دل پر بوجھ ہونے کا سبب:

ادائیگی زکوٰۃ میں ہماری یہ حالت ہے کہ روپیہ نکالتے ہوئے جان نکلتی ہے کہ ہائے ہم تو اڑھائی روپے اس میں اور ڈالتے یہ تو اور اسی میں سے نکلنے لگے، میں کہتا ہوں کہ اگر روپیہ یوں ہی رکھا رہے اور اس میں سے خرچ نہ کیا جائے، فائدہ ہی کیا؟ روپیہ تو خرچ ہی کے واسطے ہے، ضرورت میں صرف کرنے ہی سے روپیہ کی راحت معلوم ہوتی ہے تو لامحالہ دینی ضرورت میں صرف کرنے ہی سے روپیہ کی راحت معلوم ہوتی ہے، لامحالہ دینی ضرورت میں تم یقیناً صرف کرو گے، پھر اس وقت یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ ہائے ہم تم اس میں اور ڈالتے یہ تو اور اس میں نکلنے لگے، معلوم ہوا کہ تم دینی ضرورت کو سمجھتے ہو اور ان میں خرچ کرنا تم پر گراں نہیں ہے اور زکوٰۃ کو تم ضروری نہیں سمجھتے، اس لئے دل پر بوجھ ہوتا ہے تو پھر صاحبو! اس کا علاج کرنا چاہئے، آخر اس کی کیا وجہ کہ زکوٰۃ حالانکہ خدا تعالیٰ نے فرض کی اس کو تم ضروری نہیں سمجھتے اور اپنی دینی ضرورتوں کو جن کو تم نے اپنے اوپر



لازم کر رکھا ہے ضروری سمجھتے ہو اور اگر آپ زکوٰۃ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں تو پھر اس کی گرانی کی کیا وجہ دینوی کاموں میں تم صد ہا روپے خرچ کر دیتے ہو بلکہ فضولیات میں بہت سا روپیہ اڑا دیتے ہو اور اس وقت تمہارے دل پر ذرا بھی گرانی نہیں ہوتی۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## ادائیگی زکوٰۃ کیلئے دل سے گرانی دور کرنے کا طریقہ:

جو شخص روپیہ کو بالکل ہی خرچ نہیں کرتا اس سے تو یہ کہا جائے گا کہ روپیہ صرف جمع کرنے کے واسطے نہیں ہے، ایسے روپیہ میں اور ٹھیکروں میں کیا فرق ہے اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اور بڑے بڑے خرچ کرتے ہیں ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ سو روپیہ میں اڑھائی روپے کا خرچ ہی کیا ہے جو اس سے تمہارے دل پر گرانی ہے، بس اس کی بھی وہی علت ہے کہ دل میں خوف اور رغبت نہیں ہے ورنہ جس طرح دینوی راحت کے لئے خوشی سے خرچ کرتے ہیں اسی طرح آخرت کی راحت اور عذاب سے بچنے کے لئے زکوٰۃ بھی نکالتے ہیں، دنیا کے کاموں میں امید اور اندیشہ ہے اس لئے دل پر خرچ کا تقاضا بھی ہوتا ہے اور آخرت کی رغبت اور خوف نہیں اس لئے زکوٰۃ کا دل پر تقاضا نہیں ہوتا، تقاضا ہوتا تو خوشی سے زکوٰۃ نکالا کرتے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت:

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے کہ زکوٰۃ میں چالیسواں حصہ فرض کیا گیا، اس میں بھی لوگوں کی جان نکلتی ہے۔ پہلی امتوں پر علماء نے لکھا کہ چوتھائی حصہ نکالنا فرض تھا اگر تمہارے واسطے بھی ایسا ہی ہوتا تو کیا کرتے؟ حق تعالیٰ کا دیا ہوا مال ہے۔ اس میں وہ جو چاہیں حکم فرماویں ان کو اختیار ہے جب تم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اس وقت تمہارے ہاتھ میں کیا تھا، کچھ بھی نہ تھا، خالی ہاتھ آئے تھے، بعد میں یہ سب مال و دولت حق تعالیٰ نے تم کو دیا ہے تو اس میں اگر کچھ غریبوں کا حق رکھا گیا تو جان کیوں نکلتی ہے۔ بلکہ اس امت پر بہت ہی رحمت ہے کہ چالیسواں حصہ فرض ہے، حق تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں ویضع عنہم اصرہم کہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اوپر سے وہ بوجھ ہلکا کرتے ہیں جو پہلے ان کے اوپر تھا، جس کو میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ پہلے لوگوں پر زکوٰۃ میں چوتھائی مال کا نکالنا فرض تھا، اس کے علاوہ اور بہت سی آسانیاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہو گئی ہیں، اس نعمت کی ہم کو قدر کرنی چاہئے، بھلا حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو اس کا صدمہ نہ ہوگا کہ میری وجہ سے حق تعالیٰ نے امت پر اس قدر آسانی فرمائی اور پھر بھی میری امت نے احکام میں سستی کی، ہم نوچا ہے کہ پہلی امتوں سے زیادہ کام کریں کیونکہ ان پر احکام سخت تھے اور ہمارے لئے بہت سہولتیں کر دی گئی ہیں۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## زکوٰۃ میں درحقیقت ہمارا ہی نفع ہے:

اگر غور کیا جائے تو زکوٰۃ میں درحقیقت ہمارا ہی نفع ہے، ثواب آخرت کے علاوہ دنیا کے بھی بہت سے منافع ہیں، ایک منفعت تو بہت بڑی یہ ہے کہ زکوٰۃ کی وجہ سے مال محفوظ رہتا ہے کیونکہ غریب لوگ جو چوریاں کرتے ہیں ان کی زیادہ تر یہی وجہ ہے کہ وہ افلاس سے پریشان ہوتے ہیں اگر مالدار لوگ زکوٰۃ نکالتے رہیں اور ہر شہر میں اس کی پابندی ہو جائے تو غرباء کو چوری کا خیال بھی پیدا نہ ہو وہ چوریاں اسی لئے کرتے ہیں کہ تم گھر میں مال جمع کر کے رکھتے ہو اور ان کو نہیں پوچھتے، اگر تم ان کی خبر گیری بھی کرتے رہو تو تمہارے احسان کا خیال کر کے یا اپنی ضروریات پوری ہوتے دیکھ کر وہ اس قسم کے ارادے کبھی نہ کریں۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## شریعت کی نظر بہت دقیق ہے

لوگ مال کی حفاظت کے لئے بڑے بڑے قفل لگاتے اور چوکی پہرہ مقرر کرتے ہیں مگر شریعت کی نظر بہت دقیق ہے اس نے اس راز کی کیسی رعایت کی ہے کہ مال کی حفاظت اس طرح نہیں ہو سکتی، بلکہ اسکی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں سے اندیشہ ہے ان کا پیٹ بھر دو، پھر چاہے قفل بھی نہ لگاؤ، مال محفوظ رہے گا کیونکہ اس طرح سارا شہر بے فکری سے گزرنے لگے گا اور تم اگر زکوٰۃ میں سو روپے میں سے اڑھائی روپے بھی نہ نکالو گے تو کسی وقت تمہاری ساری جمع پونجی نکل جائے گی اس وقت ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے تو درحقیقت زکوٰۃ نکالنا اپنے مال کو محفوظ کرنا ہے، اگر زکوٰۃ نہ دو گے تو کسی اور بہانہ سے نقصان ہو جائے گا اور یہ حکمت زکوٰۃ کی میں نے طریق تبرع بیان کر دی ہے ورنہ ہم کو حق تعالیٰ کا منقاد ہونا چاہئے، اگر کوئی بھی مصلحت اس میں نہ ہوتی تب بھی ہم کو خدا کا حکم سمجھ کر خوشی سے زکوٰۃ دینی چاہئے چہ جائیکہ اس میں دنیوی اور اخروی فوائد بھی ہیں۔ بتلاؤ کہ آخر ہم کس کے ہیں، خدا ہی کے تو ہیں، تو ہمارا مال بھی اسی کا ہے جس کے ہم ہیں بعض لوگ زیور کی زکوٰۃ میں یہ عذر کرتے ہیں کہ صاحب اس طرح تو ہر سال زکوٰۃ نکالتے ہی نکالتے زیور ختم ہو جائے گا۔ سارا سرمایہ برابر ہو جائے گا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## زکوٰۃ کے حدود

نماز کے بعد زکوٰۃ کا درجہ ہے زکوٰۃ میں حدود و قیود ہیں کہ نصاب فاضل شرط ہے۔  
حولان حول شرط ہے۔ مصرف میں بہت سی قیود ہیں روزہ کو لیجئے تو اس میں بھی حدود و قیود  
ہیں کہ رات کو روزہ حرام ہے دن میں ہی ہونا ضروری ہے۔ صوم وصال مکروہ ہے۔ غروب  
سے ایک منٹ پہلے افطار ہو جائے تو روزہ فاسد ہے طلوع صبح کے ایک منٹ بعد سحری کھائے  
تو روزہ فاسد ہے ایام منہی عنہا میں روزہ حرام ہے۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

## امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی فضل خداوندی

زکوٰۃ میں گرانی ہوتی ہے چالیس ہزار میں سے جب ایک ہزار روپیہ نکلتا ہے تو گراں  
گزر رہا ہے حالانکہ چالیسواں حصہ بہت ہی کم ہے امم سابقہ پر چوتھائی حصہ مال کا فرض تھا یہ  
حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ چالیسواں حصہ ہی فرض کیا گیا یہ بھی لوگوں پر بھاری ہے۔ آج کل  
کے نو تعلیم یافتہ اس فکر میں ہیں کہ احکام شرعیہ ہماری عقل کے موافق ہوتے واللہ خدا تعالیٰ کی  
بڑی رحمت ہے کہ عقل کے فتوے پر حکم شرعی نہیں ہے عقل تو یوں چاہتی ہے کہ اگر کسی کے  
پاس چالیس ہزار روپیہ ہو تو ۳۹ ہزار بلکہ زیادہ زکوٰۃ میں دیا جائے اور ایک ہزار خود رکھا  
جائے اس لئے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ غرباء و مستحقین زکوٰۃ کی تعداد زیادہ ہے اور اغنیاء  
کی کم ہے اور ادھر یہ ثابت ہے کہ بنی آدم اعضائے یک دیگر اند اور نیز مساواة بین الاقوام  
آج کل کے اصول عقلیہ سے ہے تو ایک شخص کو کوئی حق اس بات کا نہیں ہے کہ اس کے  
پاس ۴۰ ہزار روپیہ ہوں اور دوسرا نان شبینہ کو محتاج ہو پس یہ رحمت نہیں تو کیا ہے ایک ہزار زکوٰۃ  
کے واجب ہوئے اور ۳۹ ہزار رکھنے کی اس کو اجازت ہوئی۔ (تسہیل الاصلاح ج ۲۶)

## طاعت نفاق

ایک خاص عبادت اور مجاہدہ ہے جس کو ہم نے بالکل چھوڑ دیا ہے جو کہ ایک شہوت کا علاج  
ہے اور وہ طاعت نفاق ہے۔ بہت لوگوں کے کچھ معمولات نماز روزہ اور ذکر و تلاوت وغیرہ میں  
مقرر ہیں مگر طاعت نفاق کا کوئی معمول کسی نے مقرر نہیں کیا۔ اسی طرح اس نفاق کی ایک خاص  
فرد کو کہ امر بالمعروف ہے جس کا ایک خاص معنی کہ نفاق کی فرد ہونا عنقریب مذکور ہوتا ہے۔

لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا ہے اس کے متعلق بھی کسی نے کچھ معمول مقرر نہیں کیا بلکہ لوگوں نے اس کے متعلق تو یہ سبق یاد کر لیا ہے ”عیسیٰ بدیں خود موسیٰ بدیں خود“۔ (انفاق المہذب ج ۳۰)

صاحبو! ہم کو انفاق کا بھی معمول کچھ ضرور مقرر کرنا چاہئے ایک معمول تو حق تعالیٰ کا بتلایا ہوا ہے یعنی چالیسواں حصہ اس سے کم تو کیا ہو مگر بعض لوگ اس میں بھی کوتاہی کرتے ہیں جب تک مال تھوڑا رہتا ہے اس وقت تک تو بہت لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں اور جب بڑھ جاتا ہے تو پھر بہت کم زکوٰۃ دیتے ہیں لوگوں کو چالیس میں سے ایک دے دینا یا سو میں ڈھائی نکال دینا تو آسان ہے مگر چالیس لاکھ میں سے ایک لاکھ دینا مشکل ہوتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ زکوٰۃ نکال کر بقیہ کو نہیں دیکھتے خود زکوٰۃ کی رقم کو دیکھتے ہیں اگر وہ قلیل ہوئی تو دینا آسان ہوتا ہے اور اگر زیادہ ہوئی تو دینا مشکل ہوتا ہے حالانکہ جہاں زیادہ ہے وہاں بقیہ کس قدر زیادہ ہے اس کو دیکھو تو نفس خوش ہو جاوے کہ نکال کر بھی اتنا بچ گیا پھر دینا مشکل نہ ہوا اور بقیہ کو نہ دیکھنا نہایت بے انصافی ہے تو اس بے انصافی کی کیا وجہ باقی کو کیوں نہیں دیکھتے اگر اس کو دیکھو وہ تو اتنا ہے کہ اس کے ورق کی روٹیاں بنا کر کھایا کرو تب بھی عمر بھر کے لئے کافی ہو جاوے۔ (انفاق المہذب ج ۳۰)

## زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم کرنے کی ضرورت

بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو زیادہ مال میں سے بھی زکوٰۃ نکالتے ہیں مگر وہ موقع پر صرف نہیں کرتے کہیں اسکول میں دے دیتے ہیں کہیں کسی شاہ صاحب کو دے دیتے ہیں گو وہ مالدار ہی ہوں غرباء کو تلاش کر کے نہیں دیتے بعضے قومی چندوں میں دے دیتے ہیں جہاں تملیک وغیرہ کی بھی رعایت نہیں ہوتی۔ اگر امراء اپنی زکوٰۃ موقع پر صرف کیا کریں تو مسلمانوں میں افلاس بہت کچھ کم ہو جاوے زکوٰۃ کا قانون شرعی یہ ہے کہ پہلے اپنے غریب عزیزوں کو دی جائے ان سے فاضل ہو تو اور غرباء کو دی جائے اس لئے اس کی بہت ضرورت ہے کہ امراء زکوٰۃ کے معاملہ میں علماء سے مشورہ کر لیا کریں گو زکوٰۃ کا روپیہ ان کے ہاتھ میں نہ دیا جائے مگر مشورہ ضرور کر لیا جائے تاکہ زکوٰۃ موقع پر صرف ہو بعضے مدعیان علم و عمل ایسے بھی ہیں کہ ان کو زکوٰۃ کا روپیہ دیا جائے گا تو وہ اپنے گھر ہی میں دھریں گے۔ (انفاق المہذب ج ۳۰)



# سیرۃ النبی ﷺ

- ☆ رسالت کی ضرورت و اہمیت
- ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل
- ☆ کمالات، برکات اور اخلاق حسنہ پر مشتمل واقعات
- ☆ اسوہ حسنہ کے دینی و دنیاوی فوائد و ثمرات
- ☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمگیر دعوت کے عالمی اثرات

## حکمت رسالت

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہؓ نے اس کو گھورا اور دھمکانا چاہا۔ حضورؐ نے فرمایا اس کا پیشاب قطع نہ کرو۔ سبحان اللہ کیسی حکمت کی بات ہے۔ اس لئے کہ یا تو وہ پیشاب روکتا یا بھاگتا۔ روکنے میں تو اس کو سخت تکلیف ہوتی اور بھاگنے سے مسجد اور زیادہ خراب ہوتی۔ جب وہ باطمینان پیشاب کر چکا تو آپؐ نے ایک ڈول اس جگہ بہا دینے کا حکم صادر فرما دیا؟ کہ یہ مسجد اللہ کا گھر ہے اس میں عبادت کی جاتی ہے۔ اس کو ناپاکی سے ملوث نہیں کرنا چاہئے۔

(الصحيح للبخارى، كتاب الوضوء باب: ۵۵، الصحيح لمسلم كتاب

الطهارة باب: ۳۴ البول في المسجد)

اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ مسلمان کی وقعت خدا اور رسولؐ کے نزدیک مسجد سے زیادہ ہے کہ آپؐ نے اس مسلمان کی رعایت مسجد سے زیادہ فرمائی۔  
(الدین الخالص ج ۳)

## قوت حافظہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کو اچھی طرح ظاہر کرتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ اس مکان پر پہنچے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے مخفی تھے۔ اور حضرت عمرؓ نے کواڑ کھلوانے چاہے تو کواڑوں کی درزوں سے ان کی صورت دیکھ کر حضرات صحابہؓ ڈر گئے اور کہا، یا رسول اللہ! یہ عمرؓ تلوار ہاتھ میں لئے کھڑے ہیں اور کواڑ کھلوانا چاہتے ہیں۔ ہم کو ان سے خطرہ ہے (کذا فی سیرۃ ابن ہشام ۱۲)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم کواڑ کھول دو، وہ کیا کر لیں گے۔ اگر اچھی نیت سے آئے ہیں تو خوشی کی بات ہے اور برے ارادے سے آئے ہیں تو اپنی سزا کو پہنچ کر رہیں گے۔ چنانچہ کواڑ کھولے گئے۔ اور جب حضرت عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آپؐ نے ان کی چادر کا کونہ

پکڑ کر نہایت زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا، اے عمر! کیا تیری بھلائی کے دن نہیں آئے، تو کب تک اللہ و رسول کا مقابلہ کرتا رہے گا۔ اس سے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص سے اتنے آدمی ڈرتے اور کواڑ کھولنے میں تامل کرتے تھے، اس کی آپ نے کچھ بھی پروا نہ کی اور اس طرح دھمکایا جیسے معمولی آدمی کو دھمکا لیا کرتے ہیں۔

اور سیرت ابن ہشام میں ایک واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سے تنہا ملنے کا اور نہایت بے فکری سے ان کو دھمکا دینے کا مذکور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا تو کیا پوچھنا۔ آج کل سے تو اس زمانہ کے سب ہی لوگ قوی تھے۔ حضرات صحابہ کا حافظہ بھی ہم لوگوں سے زیادہ قوی تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو سب ہی سے زیادہ قوی تھا۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

## واقف و ناواقف سے سلوک

حضور ایک مرتبہ مسجد شریف میں تشریف لائے اور دیوار مسجد پر تھوک لگا دیکھا تو حضور کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے اس کو لکڑی سے کھرچ دیا۔ ایک صحابی خوشبو لائے اور اس جگہ مل دی۔ اب دیکھئے کہ وہی ذات بابرکات جنہوں نے وہاں سختی نہیں کی جب کہ ایک شخص نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا یہاں صرف تھوکنے پر آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا تو فرق یہ تھا کہ پہلا آدمی دیہاتی تھا اور یہ دوسرے شخص آپ کی صحبت کے فیض یافتہ تھے تو معلوم ہوا کہ غیر واقف سے دوسرا برتاؤ ہوتا ہے اور واقف سے دوسرا پس اگر ہر سختی بد خلقی ہوتی تو حضور سے کبھی صادر نہ ہوتی جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ کا ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلِقْتَ عَظِيْمٌ

(بلا شک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں) اور لیجئے ایک مرتبہ ایک صحابی لقطہ کے بارہ میں حضور سے سوال کر رہے تھے کہ اگر بکری جنگل میں ملے تو اس کو حفاظت کے لئے اپنے قبضہ میں کر لیا جاوے یا نہیں حضور نے فرمایا کہ ہاں اس کو لے آنا چاہئے ورنہ درندے اس کو ہلاک کر دیں گے۔ پھر کسی نے پوچھا کہ اگر اونٹ ملے تو اس کو بھی ایسا ہی کیا جائے۔ اس پر آپ کو غصہ آ گیا اور چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ فرمایا کہ اس کی حفاظت کی کیا ضرورت ہے وہ خود موذی جانوروں کے دفع کرنے پر قادر ہے۔ درختوں سے پتے کھاتا ہوا اپنے مالک سے آ ملے گا۔

اس بات پر حضور کو غصہ اس لئے آیا کہ اس سوال سے حرص اور طمع مترشح ہو رہی تھی۔ کیا اب بھی یہ کہا جائیگا کہ بد خلقی مطلق سختی اور غصہ کا نام ہے۔ آج علماء پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ذرا سی بات میں خفا ہو جاتے ہیں۔ انکے اخلاق عمدہ نہیں سو بحمد اللہ ان واقعات کے معلوم کرنیکے بعد یہ الزام رفع ہو گیا ہوگا۔

اس سے ایک اور بات بھی نکل آئی۔ وہ یہ کہ بعض طلباء استادوں کی شکایت کیا کرتے ہیں کہ بڑے سخت ہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ سنت ہے کہ بے موقع بات پر غصہ کیا جائے اور بعض طالب علم بھی بہت بکھیڑے نکالا کرتے ہیں اور استاد کو تنگ کرنا چاہتے ہیں یہ بڑی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اگر استاد سے غلطی بھی ہو جائے تو اس وقت خاموش ہو جانا چاہئے دوسرے وقت ادب سے عرض کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر اپنی غلطی ہو تو فوراً رجوع کرنا چاہئے اب تو طالب علم ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے خواہ مخواہ غصہ ہی آوے اور سچ یہ ہے کہ طالب علم ہی کم رہ گئے ہیں۔ چنانچہ بعضے طالب علم استاد کی تقریر بہت بے پروائی سے سنا کرتے ہیں اور جب مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو استاد سے جھگڑتے ہیں۔ اس کو غصہ کیسے نہیں آئے گا؟ (الدین الخالص ج ۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (اور اپنے رشتہ داروں کو آتش دوزخ سے ڈرائیے)  
تو حضورؐ نے اپنے سب خاندان کو جمع کیا اور سب کے ساتھ صابریہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کر کے فرمایا۔

(یا فاطمة بنت محمد انقذی نفسك من النار لا اغنی عنک من اللہ

شیئاً سنن الترمذی: ۳۱۸۵)

اے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کو آتش دوزخ سے رہا کر  
میں تجھ کو کسی چیز سے اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ نہیں کر سکتا۔  
اور اپنی پھوپھی صاحب کو خطاب کر کے فرمایا۔

یا صفیة عمة رسول اللہ انقذی نفسك من النار لا اغنی عنک من اللہ

شیئاً (الصحيح للبخاری ۸: ۶، ۱۴۰۰)

اے صفیہ رضی اللہ عنہا پھوپھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کو اعمال صالحہ کر  
کے دوزخ سے بچا میں کسی چیز سے تجھ کو اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ نہیں کر سکتا۔



اسی طرح سب اعزہ سے فرمایا کہ اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔ میں تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ یعنی اگر نرے میرے بھروسہ پر رہو گے۔ تو اس صورت میں میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ ہاں خود بھی کچھ سرمایہ جمع کر لو تو بے شک آپ کام آئیں گے۔

بس یہ درجہ ہے انتساب اور تبرکات کا کہ وہ بدون اپنے عمل کے تنہا کافی نہیں ہوتے۔ باقی اپنے پاس کچھ عمل ہو تو پھر وہ ضرور نافع ہیں۔ ان کی برکت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر تبرکات نافع نہ ہوتے تو سلف صالحین اس کا اہتمام نہ کرتے۔ حالانکہ سلف سے اس کا اہتمام منقول ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرکات دیئے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چادرہ مبارک ایک صحابی کو عطا فرمایا اور حج کے موقع پر اپنے بال تقسیم فرمائے اور بعض واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ تبرکات واقعی کام بھی آتے ہیں مگر نرے تبرکات کام نہیں آتے۔ بلکہ اصل سرمایہ کے ساتھ یہ بھی مل جائیں تو نفع بڑھ جاتا ہے۔

اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کھانے کے ساتھ چٹنی اور مربہ کہ اس سے کھانے کا لطف بڑھ جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص دوستوں کی دعوت کرے اور سارا دسترخوان چٹنی اور مربہ ہی سے بھر دے تو کیا یہ دعوت ہوگی۔ یہ تو مسخر اپن ہوگا۔

اسی طرح جو چیزیں زوائد میں سے ہیں وہ سب ایسی ہی ہیں کہ ان پر حصول مقصود موقوف نہیں ہوتا اور وہ تنہا مقصود سے مغنی نہیں ہوتیں۔ ہاں ضروریات کے ساتھ جمع ہو جائیں تو مفید ہوتی ہیں۔ دیکھو اگر دسترخوان پر چٹنی مربے نہ ہوں تو وہ دعوت ضرور ہے اور اگر چٹنی مربہ ہی ہو کھانا نہ ہو تو اسے دعوت نہیں کہہ سکتے اور دونوں جمع ہو جائیں تو اعلیٰ درجہ کی اور لذیذ دعوت ہوگی۔ (تفصیل الدین ج ۳)

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فقر

سلف صالحین نے تو یہاں تک کہا کہ ایک درزی کے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تھی۔ درمیان میں ایک جملہ معترضہ یاد آیا کہ ہماری شان خدا جانے کیا بڑھ گئی ہے کہ ہم غریبوں کے ہاں جاتے ہوئے عار کرتے ہیں بلکہ ان کو بلاتے ہوئے بھی عار آتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا کہ جو لوگ ذرا معزز عہدوں پر فائز ہیں وہ اپنی برادری کے غریب لوگوں کو اپنے پاس بلاتے ہوئے اور ان کے پاس بیٹھتے ہوئے عار کرتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ آپ ایک غریب آدمی کے ہاں تشریف لے گئے اور اگر کوئی کہے کہ حضور غریب تھے (نعوذ باللہ) تو سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا۔ اضطراری نہ تھا فقر وہ ہے کہ جس کا فقر اضطراری ہو۔

شریف گر متواضع شود خیال بند کہ پانگاہ رفیعش ضعیف خواہد شد  
شریف متواضع نہ ہو تو خیال مت کر اس کا بلند مقام کمزور ہو جاتا ہے۔ (ضرورۃ الاعتناء بالمدین ج ۳)

## باطنی کائنات

ایک بار آپ دعوت اسلام کے لئے طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے رئیسوں نے آپ کو سخت جواب دیا اور اتباع سے انکار کیا اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ اوہا شوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے حضور پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپ کی ایڑی مبارک سے خون بہنے لگا اس وقت غضب الہی جوش میں آیا اور حق تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام ملک الجبال کو ساتھ لیکر حاضر ہوئے اور فرمایا اے محمد! حق تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سنا اور ان کا معاملہ آپ کے ساتھ دیکھا اب یہ ملک الجبال آپ کے حکم کے تابع ہے آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں اگر آپ چاہیں تو یہ اسی وقت مکہ اور طائف کے پہاڑوں کو باہم ٹکرا کر سب آدمیوں کو پیس ڈالے گا صاحبو! تم دنیا کے محکموں کو دیکھتے ہو حق تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا محکمہ ہے پہاڑوں کا بھی ایک محکمہ ہے جس پر فرشتے مقرر ہیں اور پہاڑ ان کے حکم کے تابع ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں فرشتے پہاڑوں کو ہلا دیتے ہیں جس سے زلزلہ آ جاتا ہے بعضے پہاڑ پھٹ جاتے ہیں کسی سے چشمے ابلنے لگتے ہیں اسی طرح ہوا کا ایک محکمہ ہے اس پر بھی فرشتے مقرر ہیں پانی کا بھی ایک محکمہ ہے پھر ایسے محکمے باطنی کائنات میں بھی ہیں اسی کو سنائی کہتے ہیں۔

آسمان ہاست در ولایت جان کار فرمائے آسمان جہان  
در رہ روح پست وبالا ہاست کوہ ہائے بلند و صحرا ہاست  
ترجمہ:- ولایت جان میں بہت سے آسمان ہیں جو ظاہری آسمان میں کار فرما ہیں  
روح (باطن) کے راستہ میں نشیب و فراز کوہ صحرا موجود ہیں۔ (العبدالربانی ج ۴)

## تبلیغی کاوش

حضور کی شفقت کی یہ شان ہے کہ میں نے تیس برس میں اس قدر تبلیغ کی اور اس قدر

جانفشانی برداشت کی کہ کوئی نہیں کر سکتا کلیات کی علیحدہ تبلیغ فرمائی اور جزیات کی علیحدہ پھر جزیات میں ایک ایک جزئی کی تبلیغ فرمادی یہ تو تبلیغ قوی تھی پھر اس پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ تبلیغ عملی بھی فرمائی یہ سب حضور کی شفقت ہے نیز صحابہ کا خلوص بھی قابل نظر ہے کیونکہ اگر صحابہ کی طلب کامل نہ ہوتی اور ان میں خلوص نہ ہوتا تو وہ علوم محفوظ نہ رہتے۔ مگر بحمد اللہ آج حضور کے تمام علوم محفوظ ہیں، جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آپ نے اس قلیل عرصہ میں اس قدر علوم کیونکر بیان فرمادیئے خصوصی جبکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ آپ محض تعلیم ہی کے کام کے لئے فارغ نہ تھے بلکہ اس کے ساتھ انتظام ملکی اور تدابیر غزوات کا کام بھی آپ کو بہت زیادہ کرنا پڑتا تھا حضور کی اس شفقت کا خیال تو کیجئے کہ باوجود اس قدر مشاغل کثیرہ کے آپ نے کس قدر اور کس درجہ ہم کو معاشرت سکھائی اور کس درجہ آداب مجالس سکھائے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی ہم کو ایک دوسرے کو اذیت دینے سے بچایا ایک دو نمونہ بتلاتا ہوں غور کیجئے! کہ حضور فرماتے ہیں کہ جب کسی مجمع میں تین آدمی ہوں تو دو آدمی علیحدہ سرگوشی نہ کریں جب تک کہ چوتھا آدمی نہ ہو دیکھئے آداب مجالس کی کس قدر رعایت فرمائی سلف صالحین کا معمول تھا کہ جب کسی مجلس میں چوتھا آدمی نہ ہوتا اور دوسرے آدمی سے تنہائی میں بات کرنی منظور ہوتی تو چوتھے آدمی کے آنے کا انتظار کرتے تا کہ وہ اس سے ہم کلام رہے اور اس کو تو حش نہ ہو نہ تفرد سے اس خیال سے کہ مجھ سے ہی اخفاء راز تو مقصود ہے اور دیکھئے حضور فرماتے ہیں کہ اگر کھانا کھاتے ہوئے لقمہ گر پڑے تو اس وقت یہ خلاف ادب ہے کہ اس کو چھوڑ دے بلکہ فلیمطط عنه اذی ”اس کو صاف کر کے کھالے“

دیکھئے کیسے چھوٹے چھوٹے اور دقیق دقیق امور پر آپ کی نظر تھی کسی بات کو چھوڑا نہیں اس تعلیم میں آپ نے کھانے کا کس قدر ادب تعلیم فرمایا ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

(علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

## سادگی و متانت

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت سادہ زندگی تھی۔ آپ میں تکلف اور ظاہری وضع میں کوئی شان و شوکت نہ تھی کیونکہ آپ سچے تھے۔ باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے باوقار اور انتہا درجہ کے متین تھے مگر ساتھ ہی اس کے نہایت بے تکلف تھے۔

حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو نو برس کی عمر میں بیاہ کر آ گئی تھیں ان کی دل جوئی کے لئے فرمایا: کہ آؤ مسابقت کریں (یعنی دوڑیں) دیکھیں آگے کون نکل جاتا ہے۔ آپ کا سن شریف بھی زیادہ تھا اور جسم مبارک بھی بہ نسبت ان کے بھاری تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک تو گھسن لڑکی دوسرے چھریا بدن، وہ آپ سے آگے نکل گئیں۔ ایک مرتبہ پھر کئی سال بعد آپ نے فرمایا کہ آؤ مسابقت کریں، اس مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں کیونکہ عورتوں کا بدن مردوں کے مقابلہ میں بہت جلد لٹک جاتا ہے اور اس سے جسم میں سستی پیدا ہو جاتی ہے (آج کل لوگ دونوں میں مساوات چاہتے ہیں، انہیں چاہیے پہلے اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اس تفاوت کو موقوف کریں) غرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں بچپن کی سی چستی نہ رہی تھی اور آپ اس وقت بھی ویسے ہی تھے جیسے پہلے مسابقت میں تھے۔ اس لیے اس مرتبہ آپ آگے نکل گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شرمندگی کو رفع کرنے کے لئے فرمایا تلک بتلک یہ آگے نکلنا اس وقت کے تمہارے آگے نکلنے کے بدلے میں ہے۔ یعنی ہم تم دونوں برابر ہو گئے۔ آج کل کے وقار میں اور کبر میں کچھ بھی فرق نہیں رہا۔ چنانچہ آج کل مدعیان وقار کبھی ایسا نہ کریں گے حالانکہ یہ وقار کے منافی نہیں البتہ کبر کے مناقض ضرور ہے کہ شان کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ (اصلاح الیتمی ج ۴)

## فضائل خیرات

حدیث شریف میں اس کی نظیر ایک واقعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف فرما تھے تو آپ کی خدمت میں چند آدمی قبیلہ مضر کے حاضر ہوئے۔ بیچارے کسبوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس بے سروسامانی پر ترس آیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ”فتمعر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک رنج سے متغیر ہو گیا)۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ ہماری ذرا سی تکلیف بھی گوارہ نہ تھی۔ جب دنیا کی تکلیف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوتا تھا تو بھلا آخرت کی تکالیف سے کیونکر اثر نہ ہوگا۔ مسلمانوں کے لئے بڑی خوشی کی بات ہے کہ خدا نے ان کو ایسا پیغمبر دیا کہ ہماری خراب و خستہ حالت دیکھ کر ان کو بے چینی ہو جاتی ہے۔

نماند بعضیاں کسے درگرو کہ دارد چنین سید پیشرو

(وہ شخص گناہوں کے باعث رہن رہے گا جو ایسا پیشتر و سردار رکھتا ہو) (حقوق السراء و الضران ج ۴)



## مقام و اخلاق محمدی

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ سے سوائے خدا کے کون اشرف و اعلیٰ ہو گا، کسی نے خوب کہا ہے۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر      من وجہک المیر لقد نور القمر  
(اے صاحب جمال اور اے تمام لوگوں کے سردار یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
آپ کے رخ روشن سے چاند منور ہو گیا)

لا یملکن الثناء کما کان حقہ      بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر  
(آپ کے لائق تعریف کرنا ممکن نہیں، قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں)  
اس مصرعہ پر (بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر) بہت عمدہ تفسیریں ہیں۔

شبابش آں صدف کہ چناں پرورد گہر      آبا از و مکرم و ابناء عزیز تر  
(اس صدف کو شہابش کہ ایسا گہر پالا، آبا و اجداد اس سے مکرم اور بیٹے عزیز تر ہیں)  
صلو علیہ ما طلع الشمس والقمر      بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر  
(یعنی جب تک سورج اور چاند طلوع ہوں یعنی قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجو۔ قصہ مختصر خدا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بزرگ ہیں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہی ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر  
(قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بزرگ ہیں)  
اور کسی نے خوب کہا ہے

آنچه خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری  
(جو کمالات تمام انبیاء علیہم السلام میں پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب تنہا  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں)

باوجود اتنے کمالات اور خوبیوں کے آپ کی حالت یہ تھی کہ اگر چھوٹے سے چھوٹے  
صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی مشورہ دیتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرما لیتے تھے۔ مثلاً  
حدیبیہ کا واقعہ ہے کہ باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے لوگ احرام نہیں کھولتے

تھے۔ حضور اُم سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا کروں، لوگ احرام نہیں کھولتے، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) سب سے پہلے آپ احرام کھول کر قربانی کر دیجئے پھر سب احرام کھول دیں گے۔ چنانچہ آپ نے قربانی کر دی۔ پھر کیا تھا تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ٹوٹ پڑے اور احرام کھول کر قربانی کرنے لگے۔ اس سے بڑھ کر ایک مرتبہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں تشریف فرما تھے۔ وہاں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! جاؤ اور جو تمہیں ملے بشارت دو کہ جولا الہ الا اللہ پڑھتا ہو گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ تو بڑی بات ہے۔ میرے کہنے کا کون یقین کرے گا، آپ نے فرمایا کہ میری نعلین مبارک لے جاؤ اور یہ دکھا کر کہو۔ حضرت ابو ہریرہ بہت خوشی خوشی آ رہے تھے کہ سب سے پہلے راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے اور پوچھا کہ اے ابو ہریرہ یہ نعلین کیسی ہیں۔ عرض کیا کہ یہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں، مجھ کو دے کر بھیجا ہے کہ جو شخص تمہیں ملے اور یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے اسے بشارت دو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے دھکا دیا اور فرمایا کہ لوٹ جاؤ کیسی بشارت۔ یہ روتے روتے گئے اور سارا بیان کیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حاضر ہوئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے عمر! تم نے ایسا کیوں کیا، عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا آپ نے حضرت ابو ہریرہ کو نعلین دے کر بھیجا تھا کہ جولا الہ الا اللہ کہے اسے جنت کی بشارت دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ کر کے نماز روزہ نہ چھوڑ بیٹھیں۔ اس لیے بہتر ہے چند روز اور ان لوگوں کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بہتر ہے اور چند روز اسی حالت میں رہنے دو۔ یہ تو بھلا خیر دوستوں سے برتاؤ تھا، آپ کا تو دشمنوں سے بھی یہی برتاؤ تھا اور آپ کی تو بڑی شان ہے آپ کے غلاموں کا یہی برتاؤ تھا۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمنان ہم نکردند جنگ  
(ہم نے اہل اللہ کے قصے سنے ہیں کہ انہوں نے دشمنوں کے دل کو بھی  
رنجیدہ و ناگوار نہیں کیا)

ترا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستان خلافت و جنگ  
(تم کو یہ مرتبہ کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے اس لئے کہ دوستوں کے ساتھ تمہارا  
اختلاف و لڑائی سے دشمن تو رہے درکنار) (الوقت ج ۴)

## حیۃ النبی کی تفصیل

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اول معلوم ہو چکا ہے قسم معمولی شے کی نہیں کھائی جاتی۔  
مقسم بہ کوئی عجیب اور ذی شرف شے ہونا چاہئے۔ اب دیکھنا چاہئے مقسم بہ یہاں کیا ہے تو  
مقسم بہ یہاں حضور کی حیات ہے اس لئے کہ عمر بفتح و ضم نام ہے حیات اور بقاء کا اور حیات کہتے  
ہیں ذی حیات کی اس حالت کو جو تولد سے لے کر وفات تک ہے اور اگر نظر کو اور وسیع کیا جاوے  
تو حضور کے لئے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی  
سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے  
احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں۔ دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے حضور  
کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، حضور کی میراث  
بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ و سلام کا سماع وارد ہوا ہے۔ سو یہ تحقیقات ہیں اہل  
اسرار کی۔ اس سے اصلی راز ان احکام یعنی لا تنکحوا ازواجہ من بعدہ اور لا نورث  
ما ترکنہ صدقہ کا معلوم ہو گیا پھر حیات برزخی کے بعد حیات اخروی ہے۔ وہ تو سب کو  
شامل ہے تو انبیاء کو بطریق اولیٰ حاصل ہوگی پس حیات کا مصداق حضور کی ولادت شریف سے  
لے کر جنت کے دخول و خلود تک ہے یہ کلام تو منتہی کی جانب میں ہے اور اگر ابتداء کی جانب نظر  
کو وسعت دی جاوے تو آپ کی نوریت کی جو حالت عالم ارواح سے بھی پہلے تھی اس کو بھی  
حیات کہہ سکتے ہیں جس کی نسبت ارشاد ہے کنت نبینا و آدم بین الروح والجسد

میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے مابین تھے۔  
اور عالم ارواح میں جب الست کا عہد لیا گیا اور پوچھا گیا الست برکم تو سب نے حضور کی  
طرف دیکھا کہ دیکھیں آپ کیا جواب دیتے ہیں تو سب سے اول حضور نے جواب دیا بلی  
انت ربنا۔ اس کے بعد اوروں نے بلی کہا اوروں کی علم و معرفت کے مربی بھی حضور ہوئے

اور تربیت فی العلوم حیات پر موقوف ہے پس جب سے نور مخلوق ہوا ہے اس وقت سے حیات لی جاسکتی ہے پس اس تقریر پر حضور کی حیات کی چار حالتیں ہوں گی۔

ایک تو نور شریف کے پیدا ہونے سے ولادت شریف تک۔

دوسرے ولادت شریفہ سے وفات تک۔

تیسرے وفات شریفہ سے حشر و نشر تک۔

چوتھے اس سے خلود جنت تک۔ (الظہور ج ۵)

## جمال محمدی

چوں جمال احمدی در ہر دو کون کے بدست اے فریز دانیس عون

(یعنی جمال احمدی کے برابر دونوں جہاں میں کہاں ہے یعنی آپ اس اجمال میں یکتا ہیں۔ آگے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ وجہ اس یکتائی کی یہ ہے کہ شان یزدانی آپ کی معین ہے یعنی آپ شان یزدانی کے مظہر اکمل ہیں۔) قال

ناز ہائے ہر دو کون اورا رسد غیرت آں خورشید صد تو را رسد

(یعنی دونوں عالم کے اسباب ناز (بتقدیر مضاف) آپ کو پہنچتے ہیں۔ یعنی آپ کے

اندر ہر جہت سے ناز کے اسباب موجود ہیں۔)

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خواہاں ہمہ دارند تو تنہا داری

(آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حسن یوسف (علیہ السلام) دم عیسیٰ (علیہ السلام) اور ید بیضا رکھتے ہیں جو تمام اوصاف حضرات انبیاء علیہم السلام رکھتے ہیں وہ سب اوصاف تنہا آپ میں ہیں۔)

## اتباع رسول

ابو طالب حضور کے چچا تھے مگر چونکہ اتباع سے ان کو عار آیا اس سے استعداد ان کی

فاسد ہو گئی اس لئے محروم رہے۔ قال

خود یکے ابو طالب آں عم رسول می نمودش شمع عریاں مہول

”یعنی وہ جو ابو طالب حضور کے چچا تھے ان کو اسلام لانے پر عرب کا تشیع

ہولناک نظر آتا تھا قال۔



کہ چہ گویندم عرب کر طفل خود او بگر دانید دین معتمد  
 منصب اجداد و آباء ایماند در پیئے احمد چنیں بے راہ براند  
 کہ بیانیہ شمعیت کا بیان ہے یعنی اگر اسلام لے آؤں گا تو عرب کے لوگ مجھ کو کیا کہیں  
 گے کہ اپنے لڑکے کے سبب سے اس نے اپنے پرانے دین کو بدل دیا اور احمد صلی اللہ علیہ وآلہ  
 وسلم کے پیچھے ایسا بے راہ چلا کہ باپ دادا کے منصب کو چھوڑ دیا۔ طریق مذہبی کو منصب سے  
 اس لئے تعبیر کیا کہ بنی ہاشم میں ریاست و امارت تھی اور وہ ظاہر ہے کہ اسی حالت میں قائم رہ  
 سکتی تھی کہ یہ اپنی قوم کے مذہبی طریقہ پر قائم رہیں جیسے اس زمانہ میں بہت سے اہل بدعت  
 پیرزادگان کو حق واضح ہو گیا ہے لیکن اپنے بدعت کے طریقوں کو صرف اس لئے نہیں چھوڑتے  
 کہ منصب پیرزادگی اور خانقاہ کے اوقاف اسی شرط سے مشروط ہیں کہ وہ بدعت کے طریق کو  
 نہ چھوڑیں۔ پس یہ عار اور ننگ ایسی شے ہے کہ حق سے دور کر دیتی ہے۔ قال

آں رسول پاک باز مجھے از پئے آں تا رہاند مرورا  
 گفتش اے عم یک شہادت تو بگو تا کنم با حق شفاعت بہر تو  
 یعنی محض ابوطالب کی خلاصی کے واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم نے  
 فرمایا کہ اے چچا! ایک مرتبہ تم کلمہ شہادت میرے سامنے کہہ لو تا کہ حق تعالیٰ کے سامنے  
 تمہارے لئے شفاعت کروں۔ جو جواب انہوں نے دیا وہ آگے مذکور ہے قال

گفت لیکن فاش گرد داز سماع کل سر جاوزا لاشنین شاع  
 ابوطالب نے جواب دیا کہ کہتا تو ضرور لیکن جب آپ سنیں گے تو ظاہر ہو جاوے گا اور پھر  
 مخفی رہنا مشکل ہے اس لئے جو راز دو سے گزرا وہ پھیل جاتا ہے دو سے مراد یا تو دو شخص ہیں اگر دو  
 شخص مراد ہوں تب تو یہ حکم ظاہر ہے کیونکہ جب دو شخصوں سے آگے بات چلے گی یعنی تیسرے کو  
 بھی خبر ہو جاوے تو وہ پھر عام میں ضرور ظاہر ہو جاتی ہے اور یا مراد دو سے دو لب ہیں اس صورت  
 میں یہ حکم ذرا مخفی ہے کیونکہ اس صورت میں تیسرے کا سننا تو فرض نہیں کیا گیا تو مطلب یہ ہوگا کہ  
 عادت یہی ہے کہ جب دو شخصوں میں بات ہوتی ہے اس کی خبر تیسرے کو بھی ہو جاتی ہے قال

من بمانم در زبان ایں عرب پیش ایشاں خوار گردم زیں سبب  
 ”یعنی میں عرب کی زبان میں رسوا ہوں گا اور ان کے نزدیک اس سبب سے ذلیل ہو جاؤں گا قال  
 لیک اگر بودیش لطف ما سبق کے بدے ایں بدولی با جذب حق

”یعنی اگر ابوطالب پر لطف ازلی ہوتا تو جذب حق کے ہوتے ہوئے راہ حق سے یہ بددلی کیسے ہوتی“ غرض اس حکایت سے معلوم ہوا کہ فساد استعداد اتباع سے عار اور رنگ کا سبب ہو جاتا ہے۔ (الظہور ج ۵)

## فاح استعداد

معنی ختم علی افواہم ایں شناس این است راہو را ہم  
تاز راہ خاتم پیغمبراں بوکہ برخیزد زلب ختم گراں

فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں جو نَخْتِمُ عَلٰی افْوَاهِهِمْ (ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے) آیا ہے اس کے معنی فساد استعداد کے ہیں اس کو پہچانو کہ یہ راہو یعنی سالک کے لئے ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس نَخْتِمُ عَلٰی افْوَاهِهِمْ کے معنی تو یہ ہیں کہ ہم اس کے منہ پر تکلم سے مہر لگا دیں گے فساد استعداد تو اس کے معنی نہیں ہیں پس تحقیق اس کی یہ ہے کہ ایک تو تفسیر ہے اور ایک تعبیر۔ تفسیر تو یہ ہے کہ مدلول قرآنی کو بیان کیا جاوے اور تعبیر یہ ہے کہ مدلول حقیقی سے بوجہ تشابہ کے بطور تمثیل کے دوسرے مقام کی طرف ذہن کو عبور کرنا اور منتقل ہونا۔ اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ قرآن شریف میں یہ مراد ہے بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس پر دوسری حالت کو جو اس کے مشابہ ہے قیاس کرو۔ پس نَخْتِمُ عَلٰی افْوَاهِهِمْ کی تفسیر تو یہی ہے کہ ہم تکلم سے ان کے منہ پر مہر کر دیں گے مگر مولانا فرماتے ہیں کہ اس مہر سے ذہن منتقل کرو۔ دوسری مہر کی طرف جو کہ اس مہر کا سبب اصلی ہوئی ہے۔ وہ کیا ہے؟ فساد استعداد کی مہر۔ پس اس کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کو پہچانو کہ مہر کا سبب فساد استعداد ہے تاکہ لب سے یہ مضبوط مہر خاتم پیغمبران کی راہ کا اتباع کرنے سے ٹوٹے۔ اور اس لب کھلنے اور مہر کے ٹوٹنے سے مراد یہ نہیں کہ بولنے کے لئے کھل جاویں بلکہ مطلب یہ ہے کہ باطنی لب و دہان کھلنے سے غذائے روحانی فیوض کی پہنچنے لگے۔ آگے آپ کی مہر اٹھانے کی شان بیان فرماتے ہیں۔ قال ختمائے کانیا بگذاشتند آں بدین احمدی برداشتند

”یعنی وہ مہریں نقصان استعداد کی جو انبیاء چھوڑ گئے تھے آپ کا دین ایسا کامل ہے کہ اس کی برکت نے وہ سب نقصان اٹھا دیئے“ اور یہاں مہر سے یہی نقصان مراد ہے نہ کہ فساد کیونکہ فساد استعداد تو ہر نبی کے اتباع سے مرفوع ہوتا رہا ہے البتہ جس درجہ کا

کمال استعداد آپ کی برکت سے نصیب ہوا وہ آپ کے ساتھ خاص اس خاص کمال کے مقابل استعداد سابقہ کو ناقص کہا جاسکتا ہے۔ قال

قفلهائے ناکشانده مانده بود از کف انا فتحنا برکشود  
 ”یعنی استعداد کے بہت سے قفل بے کھلے رہ گئے تھے۔ انا فتحنا یعنی صاحب انا فتحنا کے ہاتھ مبارک سے کھلے اور آپ کو بالخصوص صاحب انا فتحنا کہنے میں ایک نکتہ ہے۔ ورنہ یوں تو آپ کو صاحب ق ص صاحب الم بھی کہہ سکتے ہیں اور وہ نقطہ یہ ہے کہ یہاں قفلوں کے کھولنے کا چونکہ بیان ہے اس لئے صاحب انا فتحنا کہنا مناسب ہوا اور نیز آپ کا لقب بھی فاتح ہے۔ یہ تو لفظی وجہ ہوئی اور معنوی نکتہ یہ ہے کہ انا فتحنا کو عام لیا جاوے فتح مکہ ہی کے ساتھ خاص نہ کیا جاوے خواہ فتح مکہ ہو یا فتح باطنی ہو اور آگے جو مضمون ہے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ

عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرمائے اور آپ پر احسانات کی تکمیل کر دے اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے۔ وہ واقع میں بھی فتح باطنی ہے۔

یہاں پر ایک طالب علمانہ شبہ ہوا کرتا ہے اس کا حل کر دینا بھی جملہ معترضہ کے طور پر ضرور ہے۔ وہ یہ ہے کہ انا فتحنا پر لیغفر لک اللہ الخ کیسے مرتب ہوا۔ کہاں فتح مکہ اور کہاں مغفرت وغیرہ۔ فتح کو مغفرت وغیرہ میں کیا دخل؟ مفسرین نے مختلف اور بعید از بعید توجہیں اس مقام کی لکھی ہیں مگر الحمد للہ! میری سمجھ میں جو آیا ہے وہ بے تکلف اور دلپذیر بات ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام عرب کے لوگ اس کے منتظر تھے کہ فتح مکہ ہو تو ہم مسلمان ہوں چنانچہ فتح مکہ پر جوق در جوق اسلام لانے لگے اور لوگوں کے اسلام لانے سے حضور کے مراتب قرب بڑھتے ہیں نفس تبلیغ سے تو اور طرح کا ثواب ہوتا ہے اور اس تبلیغ سے اسلام لانے کا ثواب اور نوع کا ہے۔ ورنہ تبلیغ تو تمام انبیاء نے کی ہے۔ نفس تبلیغ میں سب انبیاء برابر ہیں۔ حضور جو فخر فرمادیں گے وہ کثرت امت پر ہوگا فتح مکہ سبب ہے اسلام لانے کا اور اسلام لانا لوگوں کا سبب ہے۔ آپ کی زیادت قرب کا اور زیادت قرب سبب ہے لیغفر لک اللہ (الی) ینصرک اللہ کا۔ اور سبب کا

سبب یا سبب السبب کا سبب اس سبب کا بھی سبب ہوتا ہے پس فتح مکہ کو مغفرت وغیرہ میں اس طرح دخل ہوا اور ترتیب بے تکلف درست ہو گیا۔ (الظہور ج ۵)

## فیوض و علوم

قال مولانا الرومی رحمۃ اللہ علیہ

باز گشتہ از دم او ہر دو باب ہر دو عالم دعوت او مستجاب  
”آپ کے دم یعنی کلام سے دونوں دروازے کھل گئے یعنی دنیا میں تو علوم کے  
دروازے جن کا بیان قفلہائے ناکشادہ الخ میں آچکا ہے اور آخرت میں لقائے حق اور  
دخول جنت کا دروازہ جس کا بیان مقدمہ میں آچکا ہے۔ پس دونوں جہاں میں آپ کی دعا  
مستجاب ہے۔ آگے آپ کے اس فیض کا اکمل ہونا بیان فرماتے ہیں۔ قال

بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود مثل او نے بودو نے خواہند بود  
آپ اس سبب سے خاتم ہوئے ہیں کہ فیوض و علوم کے جو دو عطا میں آپ کا مثل نہ ہوا  
اور نہ ہوگا۔ کمالات کے تمام مراتب آپ پر ختم ہو گئے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خاتم  
زمانی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ خاتم مطلق ہیں زمانا بھی اور کمالا بھی اور خاتمیت کے یہ  
معنی جو اس شعر میں مع شعر مابعد کے مذکور ہیں وہ ہیں جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ  
اللہ علیہ نے تحذیر الناس میں بیان فرمائے ہیں جس پر مبتدعین نے مولانا پر بے حد شور مچایا  
ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو یہ اشعار ملے نہیں ورنہ سہولت کے ساتھ فرما دیتے کہ خاتمیت  
کے یہ معنی بیان کرنے میں میں تنہا نہیں ہوں۔ مولانا روم نے بھی اس کو لیا ہے قال

چونکہ در صنعت برداستا دوست نے تو گوئی ختم صنعت برنوست  
تمثیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ دیکھو جب کسی صنعت میں استاد سبقت لے جاتا ہے  
تو تم اس کو کہتے نہیں۔ یعنی یہ کہتے ہو کہ یہ صنعت تجھ پر ختم ہے اسی طرح حضور خاتم کمالات  
ہیں یعنی آپ کا مثل کمالات میں کوئی نہیں۔ پس یہ معنی ہیں خاتمیت کے یعنی ختم زمانہ کے  
ساتھ آپ اس طرح بھی خاتم ہیں۔ قال

در کشاء و ختمہا تو خاتمى در جہان روح بخشاں خاتمى  
اول تو قوت فیضان کے اندر آپ کا خاتم ہونا بیان فرمایا تھا۔ اس شعر میں نقصان استعداد



کی مہروں کے فاتح ہونے کے اعتبار سے آپ کا خاتم ہونا ظاہر فرماتے ہیں کہ آپ مہروں کو کھولنے میں خاتم ہیں اور روح بخش حضرات یعنی انبیاء کے عالم میں آپ بمنزلہ خاتم کے ہیں اور اس تقریر میں عجیب لطیفہ ہے یعنی آپ فاتح ہونے میں بھی خاتم ہیں وجہ لطافت کی یہ ہے کہ فاتح اور خاتم کے معنی میں ظاہر و آقا بل ہے اور یہاں بجائے تقابل کے ایک دوسرے کا مکمل ہے۔ قال ہست اشارات محمد المراد کل کشاد اندر کشاد

یعنی آپ کی تصریحات تو علوم کا خزانہ ہیں ہی حضور کے تو اشارات سے علوم کے دریا کھلتے ہیں المراد کے معنی ہیں الحاصل۔ یعنی حاصل یہ ہے کہ حضور کے اشارات سے اتنا بڑا دریا علوم کا کھلتا ہے کہ فتوح در فتوح ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ احادیث کے چھوٹے چھوٹے اشاروں سے بڑے بڑے علوم کھلتے ہیں اور وہ مثال ہو جاتی ہے کہ

یارب چه چشمه ایت محبت کہ من ازاں یک قطره آب خوردم و دریا گریستم  
یہ ہے غایت حضور کے تولد شریف کی اور نبوت شریف کی اے مدعیان محبت تم لوگوں نے اس غایت پر بھی نظر کی ہے یا خالی زبانی محبت ہی ہے۔ یاد رکھو! زبانی محبت بلا اس غایت کی تحصیل کے کارآمد نہیں ہے۔ آپ لوگ تو صرف ایک چیز یعنی ذکر ولادت کا اہتمام کرتے ہو اور ہم اس ذکر کے ساتھ اس فکر کو بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ غایت اس کی کیا ہے۔ (الظہور ج ۵)

متاخرین کے لئے رحمت ہونا تو بعید نہیں لیکن پہلوں پر رحمت ہونے کے لئے بھی حضور کا ایک وجود سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ اور وہ وجود نور کا ہے کہ حضور اپنے وجود نوری سے سب سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں اور عالم ارواح میں اس نور کی تکمیل و تربیت ہوتی رہی آخر زمانہ میں اس امت کی خوش قسمتی سے اس نور نے جسد عنصری میں جلوہ گر و تاباں ہو کر تمام عالم کو منور فرمایا۔ پس حضور اولاً و آخراً تمام عالم کے لئے باعث رحمت ہیں۔ پس حضور کا وجود تمام نعمتوں کی اصل ہونا عقلاً و نقلً ثابت ہوا تو ایسا کون مسلمان ہوگا کہ جو حضور کے وجود باوجود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے۔ (السرور ج ۵)

## ختم نبوت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ یا سیرت میں اول کمالات نبوت کا ذکر ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا کمال یہی ہے کہ آپ نبی ہیں اور خاتم النبیین و سید المرسلین ہیں۔ جن میں اول احکام بیان کئے جائیں گے تاکہ معلوم ہو کہ آپ ایسی معتدل اور کامل اور سہل

شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہیں جس کے بعد واقعی کسی اور شریعت کی ضرورت نہیں۔ پھر معجزات کا ذکر ہوگا کیونکہ عقلاء تو احکام و شریعت کی خوبی سے کمال کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مگر متوسط العقول کی فہم وہاں تک دیر میں پہنچتی ہے اور کم عقل کی تو پہنچتی ہی نہیں اور نبی عامہ مخلوق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتا ہے تو چاہیے کہ اس میں وہ کمالات بھی ہوں جن کو ہر شخص سمجھ سکے وہ معجزات ہیں اس کے بعد پھر حسن و جمال ظاہری کا تذکرہ ہوگا اور یوں کہا جائے گا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری      آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری  
(آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن یوسف علیہ السلام دم عیسیٰ علیہ السلام اور ید بیضا رکھتے ہیں تمام اوصاف جو انبیاء رکھتے ہیں وہ تنہا آپ میں موجود ہیں۔) (نور النور ج ۵)

## سیرت میں کیا بیان کرنا چاہیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حالات و کمالات زیادہ بیان کرنے چاہئیں جو بعد از نبوت ظاہر ہوئے ہیں کیونکہ انہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا اور سردار عالم ہونا ظاہر ہو سکتا ہے۔ نیز ان کے ذکر سے حضور کا اتباع بھی ہو سکتا ہے باقی جو حالات قبل از نبوت ہیں ان میں اتباع نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آپ کی ولادت کے وقت ایوان کسریٰ میں زلزلہ آ گیا تھا یا ستارے زمین کی طرف جھک آئے تھے اس میں کوئی اتباع کیوں کر کر سکتا ہے یہ کس کے اختیار میں ہے کہ اپنی پیدائش کے وقت بادشاہوں کے ایوان کو ہلا دیا کرے۔ (المورد الفرخی فی المولد البرزخی ج ۵)

## ایمان اور نبوت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان نبوت سے پہلے بھی حاصل تھا۔ آپ کے اندر اور کمالات کا مادہ بھی سب موجود تھا۔ آپ ابتداء ہی سے معرفت و انوار کے جامع تھے مگر آپ کو اس کی خبر نہ تھی۔ بعد نبوت کے حق تعالیٰ نے ان کمالات سے واقف کر دیا تب معلوم ہوا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی دولت دے رکھی ہے اور اب خبر ہوئی کہ جو کیفیت میرے اندر ابتداء سے موجود ہے اس کا نام ایمان و معرفت وغیرہ وغیرہ ہے۔ (المورد الفرخی فی المولد البرزخی ج ۵)

## صدمہ وفات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت تلوار نکال کر سب کو دھمکایا خبردار کوئی شخص زبان

سے یہ لفظ نہ نکالے کہ حضور کی وفات ہوگئی بلکہ آپ پر غشی طاری ہوگئی اور درگاہ قرب میں روحانی طور پر تشریف لے گئے ہیں۔ ابھی واپس آ کر منافقوں کو قتل کریں گے۔ حضور کی وفات ابھی نہیں ہو سکتی جب تک کہ اسلام کی تکمیل نہ ہو جائے۔

یہ کوئی پالیسی نہیں تھی جیسا کہ بعض اہل ظاہر کا خیال ہے بلکہ واقعی اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال ہی یہ تھا کہ یہ حالت جو حضور پر طاری ہے موت نہیں ہے بلکہ آپ کو معراج روحانی ہوئی ہے۔ اگر ان کو یہ شبہ ہوتا کہ یہ حالت موت ہے ان کو اپنے ہوش بھی نہ رہتے۔ چہ جائیکہ پالیسی اور تدبیر سوچتے۔ چنانچہ جس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے ان کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ حضور کا وصال ہو چکا ہے اس وقت ان سے کھڑا بھی نہ ہوا گیا۔ قدم لڑکھڑا گئے۔ اور سکتہ کی حالت میں رہ گئے بھلا عاشق کو محبوب کی مفارقت کے وقت کہیں پالیسی کی سوچتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ حقیقتہً ان کا خیال یہ تھا کہ حضور دین کی تکمیل فرما کر دنیا سے تشریف لے جائیں گے۔

اس پر شاید اہل علم کو یہ شبہ ہو کہ دین کی تکمیل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو چکی تھی۔ چنانچہ حج واداع میں آیت۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا  
(آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر انعام تام کر

دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔)

نازل ہو چکی تھی۔ پھر حضرت عمرؓ کو کس تکمیل کا انتظار تھا۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں جس تکمیل کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ احکام کے اصول و قواعد ہر بات میں مکمل ہو چکے ایسے قاعدے بتلا دیئے گئے کہ اب قیامت تک کے واقعات کا حکم انہیں سے معلوم ہو سکتا ہے اور حقیقی تکمیل اسلام یہی ہے بھی مگر حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ فروعی تکمیل بھی حضور ہی کے ہاتھوں سے ہوگی جس کے بعد کسی کے اجتہاد کی ضرورت نہ رہے گی۔ جیسا مسئلہ ربو میں تبیین کامل منصوص کی تمنا ان سے منقول ہے۔ یا اشاعت اسلام کی تکمیل بھی آپ ہی کے ہاتھوں ہوگی۔ جس کی صورت یہ ہے کہ تمام عالم کی فتوحات آپ کے سامنے ہوں۔ جیسا ان کا قول وارد ہے کہ جب تک منافقین کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹیں

گے آپ کی وفات نہ ہوگی۔ گو اصولاً یہ تکمیل بھی ہو چکی تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نقشہ بھی صحابہ کو بتلادیا تھا کہ اول شام کی طرف پیش قدمی کرنا، پھر فارس کی طرف۔ چنانچہ مرض وفات ہی میں جیش اسامہ کو تیار فرما کر شام کی طرف جانے کا حکم فرمایا تھا اور کنوز کسریٰ و خزان فارس کے فتح ہونے کی پیشین گوئی صحابہ سے کئی بار فرمائی۔ تو اصولاً فتوحات کی بھی تکمیل آپ فرما چکے تھے۔ صرف اتنی دیر تھی جیسے انجینئر اعظم نہر کھدا کر لیول درست کر دے اور تمام مقامات سے اس کو ہموار کر کے چلا جائے کہ اب صرف اتنا کام باقی ہے کہ اس میں پانی چھوڑ دیا جائے۔ سو یہ کچھ کمی نہیں محض ظاہری کمی ہے۔ حقیقت میں تو نہر کا کام ختم ہو گیا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتوحات کا کام بھی حقیقت میں ختم فرما چکے تھے۔ نقشہ سب تیار ہو چکا تھا صرف فوجوں کا اس پر چلانا باقی تھا۔ سو یہ کچھ کمی نہیں تھی، مگر حضرت عمر کا خیال یہ تھا کہ یہ ظاہری کمی بھی حضور ہی کے سامنے پوری ہوگی (یہ خبر نہ تھی کہ یہ کام میرے ہی ہاتھوں سے خدا تعالیٰ کو لینا منظور ہے اور مجھے فاتح اعظم اسلام کا لقب دینا ہے)

غرض جب تک حضرت عمر کا یہ خیال رہا کہ آپ کو معراج روحانی ہوئی ہے اس وقت سنبھلے رہے۔ نہ رونا آیا نہ رنج و فکر ہوا بلکہ دلیری کے ساتھ منافقوں کو دھمکاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کی اطلاع ہوئی۔ وہ اس وقت اپنے گھر میں تھے۔ کیونکہ صبح کی نماز کے وقت وہ حضور کو اچھا دیکھ گئے تھے کہ نماز کے وقت آپ بستر سے اٹھ کر دروازہ مکان تک بھی تشریف لائے جس سے صحابہ کو گمان ہوا کہ شاید آپ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں اور اس خوشی میں قریب تھا کہ نماز درہم برہم ہو جائے کہ حضور پردہ چھوڑ کر بستر پر تشریف لے آئے۔ اس حالت کو دیکھ کر گمان نہ ہوتا تھا کہ آپ کا آج ہی وصال ہو جائے گا۔ اس لئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بے فکر ہو کر کسی ضرورت سے مکان پر چلے گئے کہ پیچھے آپ پر حالت نزع طاری ہو گئی اور وصال ہو گیا)

یہ خبر سن کر حضرت صدیق جلدی سے تشریف لائے تو مسجد میں صحابہ کو حیران و پریشان اور حضرت عمر کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ خبردار! حضور کی نسبت وفات کا لفظ کسی کی زبان سے نہ نکلنے پائے ورنہ اس تلوار سے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ حضرت صدیق نے کسی کی بات پر التفات نہ کیا اور سیدھے حجرہ عائشہ صدیقہ میں تشریف لے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اطہر سے چادر



مبارک کھول کر حضور کو دیکھا تو دیکھتے ہی یقین آ گیا کہ حضور کا وصال ہو گیا۔ اس وقت سب سے زیادہ حضرت صدیق مضبوط رہے کہ وفات کا یقین ہو جانے کے بعد اتنا تو منہ سے نکلا۔

والخلیلاہ و احببناہ طبت حیا و میتا واللہ لا یجمعن اللہ علیہ موتین

ابدا اما الموتہ الی کتب علیک مقدمتها

واہ خلیل! واہ حبیب! آپ کی حیات و ممات دونوں احسن ہیں اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ کبھی بھی دو موتیں آپ پر جمع نہیں کرے گا ایک موت جو آنی تھی وہ آ چکی۔

اس کے بعد نہایت ضبط کے ساتھ حجرہ سے باہر آئے۔ اس وقت صحابہ کی عجیب حالت تھی کہ سب حضرت صدیق کے منہ کو تکتے تھے کہ دیکھئے ان کے منہ سے کیا نکلتا ہے۔ حضرت صدیق نے اول تو حضرت عمر کو پکار کر فرمایا علی رسلک یا رجل۔ اے شخص ٹھہر جا خاموش ہو جا۔ مگر حضرت عمر جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ خاموش نہ ہوئے۔ تو حضرت صدیق سیدھے ممبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھا۔ اس وقت سب صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تو آپ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا۔ اما بعد۔ فمن کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات و من کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت (الصحيح للبخاری ۱: ۲۶، ۵: ۴) مسند الإمام

احمد ۳: ۱۸، کنز العمال: ۳۲۵۹۰ فتح الباری لابن حجر: ۱: ۵۵۸، ۴: ۱۲۰)

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ كُنَّا

أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ

فَلَنُيَظِّرَنَّ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿٥٠﴾

إِنَّكَ بَيْنَ يَدَيْهِمْ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْجَارُ يُنْفَخُ الْغُيُوبُ

یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معبود سمجھتا ہو وہ سن لے کہ حضور کا تو وصال ہو چکا اور جو خدا کی عبادت کرتا ہو (اور یہی سمجھ کر اسلام لایا ہو) تو حق تعالیٰ زندہ ہیں وہ کبھی نہ مریں گے۔ اس میں بتلادیا کہ تکمیل اسلام کے لئے حق تعالیٰ کا جی لا یموت ہونا کافی ہے۔ حضور کے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ بس یہ سن کر حضرت عمر بالکل ٹھنڈے ہو گئے اور اب اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ کھڑے رہ سکیں۔ ایک آہ بھر کر تلوار کے سہارے سے بیٹھ گئے۔

سو بتلائیے! حضرت عمر کو یہ صدمہ پہلے کیوں نہ ہوا۔ حالانکہ معراج روحانی میں بھی

مفارقت موجود تھی اور وہ بھی بالکل مشابہ موت کے تھی۔ اب کیوں صدمہ ہوا تو بات یہ ہے کہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ مفارقت دائمہ نہیں۔ تھوڑی دیر کی ہے ابھی حضور تشریف لے آئیں گے۔ اور اب یقین ہو گیا کہ حضور اس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے۔ جو کہ بمنزلہ مفارقت دائمہ کے ہے۔ اس لئے رنج ہوا پس ثابت ہو گیا کہ اصل سبب رنج کا موت نہیں بلکہ مفارقت دائمہ ہے۔ (المورد الفرخی فی المولد البرزخی ج ۵)

## برکات نبوت

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو گئے اور حضور ہم سے جدا ہو گئے اور وہ برکات نبوت منقطع ہو گئیں۔ فبکی لذلک الشیخان۔ یہ سن کر حضرات شیخین بھی رونے لگے۔ یہاں اہل ظاہر کو شبہ ہو گا کہ یہ حضرات کیوں رونے لگے۔ یا تو ان کو بھی رونے سے منع کرتے تھے یا خود بھی رونے لگے۔

صاحبو! یہ رونا بھی ان کے محقق ہونے کی دلیل ہے۔ حضرات صحابہ عارف تھے اور عارف بھی کامل۔ اور عارف کامل کا قاعدہ ہے کہ وہ ہر چیز کا حق ادا کرتا ہے عقل کا بھی طبع کا بھی۔ تو حضرات شیخین نے اول تو عقل کا حق ادا کیا کہ عقلاً عاشق کو محبوب کے لئے وہی بات پسند کرنا چاہئے جس کو محبوب خود پسند کرتا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت ہی محبوب ہے چنانچہ (حدیث متفق علیہ میں ہے کہ) وصال سے پہلے ایک بار حضور نے فرمایا۔

ان الله خير عبدا بين الدنيا وبين ما عنده فاختار ما عند الله فبکی ابو بکر وقال نفدیک بابائنا و امهاتنا یا رسول الله. (۱- المعجم الکبیر

للطبرانی ۳: ۱۴۰، إتحاف السادة المتقين ۱۰: ۲۹۳، ۲۹۶).

یعنی حق تعالیٰ نے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ چاہے دنیا میں رہیں یا خدا تعالیٰ کے پاس جائیں تو اس بندہ نے خدا تعالیٰ کے پاس جانا پسند کیا۔ حضرات صحابہ اس کا مطلب نہ سمجھے۔ یہ خیال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور شخص کا قصہ بیان فرما رہے ہیں مگر حضرت ابو بکر صدیق سمجھ گئے کہ حضور اپنا ہی واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ وہ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں صحابہ اس قصہ میں فرماتے ہیں فکان ابو بکر اعلمنا ابو بکر ہم میں سب سے زیادہ عالم تھے کہ وہ مطلب سمجھ گئے۔

اس سے صراحتہ معلوم ہوا کہ حضور کو آخرت پسند تھی۔ اس کے علاوہ وہ اور بھی احادیث ہیں جن میں یہ امر مصرح ہے۔ چنانچہ بیہقی کی حدیث میں ہے جب وصال کا وقت قریب آیا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت نے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ بدوں آپ کی اجازت کے کچھ نہ کروں۔

فنظر الی جبرئیل فقال یا محمد ان الله قد اشتاق الی لقائك فقال امض

ما امرت به. (۲-الصحيح للبخاری ۶: ۱۸، ۱۹، ۸: ۹۴، ۱۳۳، الصحيح

لمسلم ۱۸۹۴، مسند الإمام أحمد ۶: ۸۹، المغنی عن حمل الأسفار

للعراقی ۴: ۱۵۸، إتحاف السادة المتقين ۹: ۲۱۰، ۱۰: ۲۸۸)

یعنی اس وقت حضور نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف نظر کی (کہ بتلاؤ میں کوئی حالت اختیار کروں) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حق تعالیٰ آپ کے ملنے کے مشتاق ہیں۔ اس کے معنی میں بیہقی نے کہا ہے۔

قد اراد لقائك بان یردک من دنیاک الی معادک زیادته فی قربک

تو آپ نے فرمایا، بسم اللہ! اے عزرائیل! اپنا کام شروع کرو (کہ مجھے بھی اپنے پروردگار کے لقاء کا اشتیاق ہے) نیز عین وصال کے وقت آپ یہ فرما رہے تھے۔

اللهم الرفیق الاعلیٰ، اور یہ بھی فرما رہے تھے۔

مع الذین انعمت علیہم من النبین والصدیقین والشهداء والصالحین

یعنی اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کو تلاش کرتا ہوں جہاں ان لوگوں کا ساتھ ہوگا۔ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے سمجھ لیا کہ حضور کو اس وقت اختیار دیا گیا تھا اور آپ نے رفیق اعلیٰ کو پسند فرمایا۔ فاذا لا یختار نابلس اب ہمارے پاس رہنا آپ کو منظور نہیں۔ (المورد الفرجی فی المولد البرزخی ج ۵)

## حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بشارت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ حدیث میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور کے مرض وفات میں مزاج پرسی کے لئے تشریف لائیں۔

فسارھا فبکت فلما رای حزنها سارھا الثانية فضحکت

یعنی حضور نے خفیہ طور سے کوئی بات ان سے کہی تو وہ رونے لگیں۔ پھر دوبارہ کوئی بات چپکے سے فرمائی تو ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں مجھ کو تعجب ہوا کہ ایک ہی جلسہ میں روتی بھی ہیں ہنستی بھی ہیں۔ ان کو کیا ہو گیا اور فرماتی ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ میں تو فاطمہ کو ایک بڑی عاقلہ جانتی تھی یہ تو معمولی عورت نکلیں۔ پھر دوسرے وقت اس کا سبب پوچھا کہ تم ایک ہی جلسہ میں روتی اور ہنستی کیوں تھیں۔ تو انہوں نے فرمایا یہ حضور کا ایک راز ہے جس کو میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ حضرت عائشہ نے حضور کے وصال کے بعد پھر دریافت فرمایا تو حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ ہاں اب بتلانے میں کوئی عذر نہیں۔ بات یہ ہے کہ حضور نے اول تو مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جبریل علیہ السلام ہر رمضان میں مجھ سے ایک بار قرآن کا دور کرتے تھے۔ اس سال دو مرتبہ کیا ہے۔ اس کو میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ یہ سن کر تو میں رونے لگی۔ اس پر دوسری دفعہ آپ نے فرمایا کہ اے فاطمہ میرے متعلقین میں سب سے پہلے تم میرے پاس آؤ گی یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔ (المورد الفریخی فی المولد البرزخی ج ۵)

## حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مرتبہ تو تمام جماعت مومنین کو حاصل ہے جس کے ذریعہ سے نعیم قبر کی ہر مسلمان کو حس ہوگی۔ دوسری حیات شہداء کی ہے یہ عام مومنین کی حیات برزخیہ سے اقوی ہوگی۔ عام مومنین کی حیات برزخیہ بہ نسبت شہید کے کمزور ہوتی ہے اگرچہ اس حیات ناسوتیہ سے وہ بدرجہا اعلیٰ ہو۔ پس یہ کوئی نہ سمجھے کہ عام مومنین کی حیات برزخیہ اس حیات دنیوی سے بھی کمزور ہوگی اور حیات شہید کے اقوی ہونے کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ زمین اس کی لاش کو نہیں کھاتی۔ اور یہ نہ کھانا ایک اثر ہے حیات کا پس شہید میں اس اثر کا ظاہر ہونا اور عام مومنین کا ہونا یہ دلیل ہے شہید کی حیات کے اقوی ہونے کی بہ نسبت عام کی حیات کے۔

بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مشاہدہ اس کے خلاف ہوا ہے مگر یہ کوئی انکار کی وجہ نہیں بن سکتی کیونکہ جس طرح اس کے خلاف مشاہدہ ہوا ہے اس کے موافق بھی مشاہدہ ہوا ہے جب دونوں طرح مشاہدہ موجود ہے تو سرے سے اس کا انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ بہت سے بہت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قاعدہ کلی نہیں اکثری ہے اور نصوص کا محمل بھی اسی کو کہا جاوے گا۔ باقی مطلقاً انکار تو صحیح نہیں ہو سکتا۔



یہ تو جواب سلیمی ہے اس تقدیر پر جب کہ ہم مان لیں کہ جہاں تم نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید ہی تھا مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ شہید ہی نہ ہو کیونکہ شہادت صرف اسی کا نام نہیں کہ معرکہ میں قتل ہو جائے بلکہ حقیقی شہادت کے لئے کچھ باطنی شرائط بھی ہیں مثلاً نیت کا خالص ہونا لوجہ اللہ جس کی خبر سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کو آپ نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید حقیقی نہ تھا صرف شہید احکام تھا اور یہ حیات کا قوی درجہ صرف شہید حقیقی کے ساتھ خاص ہوگا اور اگر مان بھی لیا جائے کہ حقیقی شہید تھا تو ممکن ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے کہ اس کی لاش گل گئی۔ مثلاً اس جگہ کی مٹی تیز ہو۔ ہم نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ شہید کی حیات ایسی ہوتی ہے کہ اگر جلاؤ بھی تو اس کی لاش نہ جلے بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ اگر شہید کو موافق عادت کے دفن کر دیا جائے جیسا کہ عموماً مردے دفن ہوتے ہیں کہ اس کی قبر میں کوئی خاص عارض دوسروں سے زیادہ مثل شوریہ زمین وغیرہ کی نہ ہو تو اس کی لاش مثل دوسرے مردوں کے نہیں گلے گی۔ بعینہ محفوظ رہے گی۔ تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی حیات برزحیہ کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لئے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھا سکتی۔ حدیث میں ہے۔

حرم الله اجساد الانبياء على الارض (۱) - تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر ۳: ۱۵۷ (اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد کو کھانا حرام کر دیا ہے)۔

اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم السلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث وراثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔

نحن معاشر الانبياء لانورث ماتر كنا صدقة (۲) - فتح الباری لابن

حجر ۱۲: ۸ تفسیر زاد المسیر لابن الجوزی ۵: ۲۰۹

(ہم حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے ہمارا سارا ترکہ صدقہ ہے۔) انبیاء علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے یہ باتیں شہید کے لئے شریعت نے مشروع نہیں کیں۔ تو اگرچہ شریعت نے اس کا خاص کوئی راز نہیں بیان کیا۔ مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں

اس کار از قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں امروں سے اور گواہ و ارجحی سے بعد وفات نبی کے نکاح حرام ہونا تمام انبیاء کے بارہ میں منقول نہیں ہوا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ خصوصیت قرآن میں ذکر کی گئی ہے مگر علماء حکم میراث پر قیاس کر کے اس حکم کو بھی عام جملہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے لئے سمجھتے ہیں اور میراث کا تقسیم نہ ہونا حدیث سے جملہ انبیاء علیہم السلام کے لئے عام طور پر معلوم ہو چکا ہے تو ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے قوی ہونا ثابت ہوا۔ بہر حال خاص بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور کے بارہ میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں۔ ان کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے۔

چنانچہ اس واقع سے ان کا اقرار معلوم ہو جائے گا۔ تاریخ مدینہ میں یہ واقعہ لکھا ہے اور میں نے خود اس تاریخ میں دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند صدی بعد (یاد نہیں رہا کس بادشاہ کے وقت میں) دو شخص مدینہ میں حضور کے جسد اطہر کو نکالنے کے لئے آئے تھے مسجد نبوی کے پاس ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا اور دن بھر نماز و تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔ لوگ ان کے معتقد بھی ہو گئے تھے۔ زاہد مشہور ہو گئے تھے۔ وہ کم بخت رات کے وقت اس مکان سے قبر شریف کی طرف سرنگ کھودتے تھے اور جس قدر سرنگ کھود لیتے تھے راتوں رات مٹی مدینہ سے باہر پھینک آتے تھے اور جگہ برابر کر دیتے تھے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ کئی ہفتہ تک وہ لوگ سرنگ کھودنے میں مشغول رہے۔

جب ادھر ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا حق تعالیٰ نے اس زمانہ کے سلطان کو (نام یاد نہیں رہا) بذریعہ خواب کے متنبہ کر دیا۔ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ مبارک پر حزن و غم کے آثار ہیں اور آپ اس بادشاہ کا نام لے کر فرما رہے ہیں کہ مجھے ان دو شخصوں نے بہت ایذا دے رکھی ہے جلد مجھے ان سے نجات دو۔ خواب میں دونوں شخصوں کی صورت بھی بادشاہ کو دکھلا دی گئی۔ خواب سے بیدار ہو کر بادشاہ نے وزیر سے اس کا تذکرہ کیا۔ وزیر نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ آپ جلد مدینہ تشریف لے جاویں۔ بادشاہ نے فوراً فوج لے کر بہت تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف سفر شروع کیا اور بہت جلد مدینہ پہنچ گیا۔

اس عرصہ میں وہ لوگ بہت سرنگ کھود چکے تھے اور بالکل جسد اطہر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ایک دن کی بادشاہ کو اور تاخیر ہو جاتی تو وہ لوگ اپنا کام پورا کر لیتے بادشاہ نے مدینہ پہنچ کر تمام لوگوں کی مدینہ سے باہر دعوت کی اور سب کو مدینہ سے ایک خاص دروازے سے باہر نکالنے کا حکم کیا اور خود دروازہ پر کھڑے ہو کر ہر شخص کو خوب غور سے دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ مدینہ کے سب مرد شہر سے باہر نکل آئے مگر ان دو شخصوں کی صورت نظر نہ پڑی جن کو خواب میں دیکھا تھا اس لئے بادشاہ کو سخت حیرت ہوئی اور لوگوں سے کہا کہ کیا سب لوگ باہر آ گئے لوگوں نے کہا اب کوئی اندر نہیں رہا۔ بادشاہ نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ضرور کوئی اندر رہا ہے لوگوں نے کہا کہ دوزاہد اندر رہ گئے ہیں وہ کسی کی دعوت میں جایا نہیں کرتے اور نہ کسی سے ملتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا مجھے ان ہی سے کام ہے۔

چنانچہ جب وہ پکڑ کر لائے گئے تو وہ بعینہ وہ دو صورتیں نظر پڑیں جو خواب میں دکھائی گئی تھیں۔ ان کو فوراً قید کر لیا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے حضور کو کیا ایذا دی ہے چنانچہ بڑی دیر کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ ہم نے جسد اطہر کو نکالنے کے لئے سرنگ کھودی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے وہ سرنگ دیکھی تو معلوم ہوا کہ قدم مبارک تک پہنچ چکی ہے بادشاہ نے قدم مبارک کو بو سے دے کر سرنگ بند کرادی اور زمین کو پانی کی تہ تک کھدوا کر قبر مبارک کے چاروں طرف سیسہ پلا دیا تاکہ آئندہ کوئی سرنگ نہ لگا سکے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح و سالم ہونے کا ایسا پختہ اعتقاد ہے کہ کئی سو برس کے بعد بھی اس کے نکالنے کی کوشش کی۔ اگر ان کو جسد اطہر کے محفوظ نہ ہونے کا یقین ہوتا تو وہ سرنگ کیوں لگاتے۔ محض وہم و شبہ پر اتنا بڑا خطرہ کا کام کوئی نہیں کرتا وہ لوگ اہل کتاب ہیں وہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ نبی کے جسم کو زمین نہیں کھا سکتی۔ (راس الزبیین ج ۵)

## واقعہ بعد وصال

سب سے بڑا واقعہ وفات کا تھا۔ ایسے عشاق کو تو حس بھی نہیں رہنی چاہئے تھی مگر وہی ہیں کہ ثابت قدم رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس قدر پریشان ہو گئے۔ اسی میں ان کو اجتہادی غلطی ہو گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ بعض صحابہ وفات ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ ہونا سمجھتے تھے کہ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے معراج میں (کہ حضور جا کر واپس آ گئے تھے۔

اسی طرح یہاں بھی ہوگا کہ گو وفات ہوگئی مگر پھر زندہ ہو جاویں گے (اس وقت ایک عارضی غیبت ہے اس کے مرتفع ہونے پر آپ زندہ ہو جاویں گے۔ یہ خیال تھا۔ بعض صحابہ کا یہی حال تھا حضرت عمر کا۔ یوں کہتے تھے کہ اگر کوئی کہے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ اسی حالت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گھر میں تشریف لے گئے اور چہرہ مبارک سے چادر اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا طبت حیا و میتا۔ یعنی آپ حیات اور موت دونوں حالت میں پاک ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اس سے منزہ ہیں کہ حق تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع کریں۔ نہیں کبھی نہیں ایسا ہوگا اور باہر آ کر فرمایا حضرت عمر سے اے بھلے مانس بیٹھ! پھر جا کر خطبہ پڑھا۔

من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قلمات و من کان یعبد الله فان الله حی لا یموت اور یہ آیت پڑھی۔

إِنَّكَ يَتَّوْنُ وَإِنَّهُمْ يَتَتَوْنَ اور یہ أَفْأَيْنَ نَأَتْ أَوْ قَتَلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ

اور صحابہ کا جو یہ خیال ہو گیا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت میں محبوب کی موت کا خیال بھی لانا ناگوار نہیں ہوتا اس لئے صحابہ کبھی سوچتے بھی نہ تھے کہ موت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگی۔ مجھ کو اس امر پر تعجب ضرور ہوتا تھا مگر ایک واقعہ دیکھ کر یقین ہو گیا قریب کا واقعہ ہے۔ ایک بی بی کی شادی ہوئی ایک عالم سے وہ عالم مر گئے۔ شدید صدمہ ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ تحقیق ہوئی کہ اس بی بی کا گمان یہ تھا کہ عالم مرا نہیں کرتے اور یوں کہا کرتی تھی کہ میں بڑی خوش قسمت ہوں جو ان سے شادی ہوئی کہ کبھی مریں گے نہیں۔ ان کا طاعون میں انتقال ہو گیا تھا۔ وہ بی بی کہتی تھیں کہ میں نے سنا ہی نہ تھا کہ مولوی مرتے ہیں۔ (الربع فی الربع ج ۵)

## عشق و محبت

ایک عاشق صحابی فرماتے ہیں۔

رایتہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فی حلتہ حمراء والقمر طالع فکنت اری الی القمر مرتہ والی وجہہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتہ فواللہ کان وجہہ احسن منه او کمال قال

یعنی ایک رات میں حضور کو سرخ (دھاریدار) جوڑے میں دیکھا۔ اس وقت چاند نکلا



ہوا تھا تو میں کبھی آپ کے چہرہ پر نظر کرتا کبھی چاند کو دیکھتا۔ بخدا آپ کا چہرہ مبارک چاند سے زیادہ خوبصورت تھا اسی کو کسی شاعر نے عجیب لطیف عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

گہے بروئے تو گاہے بسوئے مکرم کند مقابلہ چوں کس کتاب را تنہا  
(یعنی کتاب کے مقابلہ کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے میں تنہا کیونکر  
مقابلہ کر سکتا ہوں) (الرفع والوضع ج ۵)

## جامعیت

جامعیت لکھج کمالات انبیاء علیہم السلام ہے وہ ہے جو مولانا رومی (قدس اللہ سرہ) نے خاتم النبیین سے مستنبط کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت جس طرح زمانی ہے اسی طرح آپ کو خاتمیت رتبی بھی حاصل ہے کہ کمالات انبیاء کے تمام مراتب آپ پر ختم ہو گئے ہیں۔ یعنی آپ میں تمام کمالات سب سے اعلیٰ درجہ کے مجتمع ہیں۔ مولانا نے اس مضمون کو بہت اشعار میں بیان فرمایا۔ وعظ الظہور میں وہ سب اشعار مفصل مذکور ہیں۔ اور اس سے مولانا کا یہ مقصود نہیں ہے کہ نعوذ باللہ آپ خاتم زمانی نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ خاتم زمانی ہونے کے ساتھ خاتم رتبی بھی ہیں۔ یعنی تمام مراتب کمالات آپ پر ختم ہو گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس تفسیر پر آپ کی خاتمیت اور زیادہ اکمل ہو گی خاتمیت زمانی و خاتمیت رتبی دونوں آپ کے لئے ثابت ہوں گی۔

یہی وہ مضمون ہے جو مولانا محمد قاسم صاحب نے ظاہر فرمایا تھا تو لوگوں نے اس پر بہت شور مچایا مگر مولانا رومی کو کوئی کچھ نہیں کہتا کیونکہ لوگ ان کو درویش سمجھتے ہیں۔ اور درویش بھی مجذوب۔ اس لئے ان سے ڈرتے ہیں۔ لوگ درویشوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ یہ زبان سے کہہ دیں گے وہی ہو جائے گا بلکہ ان کی مخالفت سے وبال آ جانے کا خوف کرتے ہیں اس لئے ان پر زبان درازی نہیں کرتے۔ خصوصاً مجذوبوں پر کیونکہ سالک تو پھر کچھ سوچ سمجھ کر کہتا ہے اور مجذوب تو بے باک ہوتا ہے جو جی میں آتا ہے بے دھڑک کہہ ڈالتا ہے خواہ بددعا سے کوئی ہلاک ہی ہو جاوے۔ (الرفع والوضع ج ۵)

## کمالات و فیوض

تمام کمالات کا فیض حضرات انبیاء علیہم السلام کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے پہنچا ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں ایک حدیث ہے

یا جابر ان الله تعالى خلق قبل الاشياء نور نبيك من نوره (الحديث)

اے جابر! حق تعالیٰ نے سب سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے اور ایک حصہ سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ آگے طویل حدیث ہے۔ اب یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہو گئی ہے اول ما خلق اللہ نوری۔ مضمون تو صحیح ہے مگر حدیث کے الفاظ یہ نہیں ہیں۔ سو اول تو اس حدیث جابر میں تخصیص ہے کہ بقیہ سب مخلوقات کی تکوین میں جن میں حضرات انبیاء اور ان کے کمالات بھی آگئے آپ کو دخل ہے اور یہی حاصل ہے استفادہ کا آپ سے۔

دوسرے یہاں بھی جس طرح مولانا رومی نے خاتمیت کی دو قسمیں کی ہیں اولیت انبیاء کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک اولیت زمانیہ کہ حضور زمانا سب سے مقدم ہیں۔ ایک اولیت ذاتیہ کہ آپ ذاتاً سب سے مقدم ہیں کہ تمام مخلوقات اپنے وجود اور کمالات میں حضور کی محتاج ہیں جن میں انبیاء بھی داخل ہیں مگر اولیت ذاتیہ کے وہ معنی مراد نہیں جو فلاسفہ کی اصطلاح ہے جس میں مقدم کی ذات مستلزم ہے متاخر کے وجود کو بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ میں اولیت زمانیہ کے ساتھ اولیت علیت بھی ہے کہ آپ دوسری مخلوق کے لئے علت ثبوت کمالات ہیں مگر نہ علت بمعنی موثر بالاضطرار بلکہ علت بمعنی توسط کے ہیں۔ جیسے فلاسفہ باری تعالیٰ کو عقل اول کے اعتبار سے مقدم بالذات کہتے ہیں کہ عقل کو مخلوق بالا اختیار نہیں کہتے بلکہ مجعول بالاضطرار کہتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ سے بالاضطرار موجود ہو گئی۔ پھر وہ اپنے ماتحت کے لئے اسی طرح علت موثرہ ہے بلکہ ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول مخلوق بالا اختیار ہیں۔ جس سے آپ کا حدوث لازم ہے اور پھر آپ دیگر مخلوق کے وجود کمالات میں بھی اس طرح موثر نہیں ہیں محض باختیار حق واسطہ ہیں۔

غرض اس حدیث سے آپ کے دو کمال ظاہر ہوئے۔ ایک اولیت زمانیہ دوسرے اولیت بالعلیۃ۔ آپ کا زمانہ سب سے اول ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ میں استفادہ فیض وجود و کمالات وجود کی قابلیت تمام مخلوق سے زیادہ ہے اور اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ وہ قابلیت آپ کے اندر از خود بلا جعل حق تھی بلکہ وہ قابلیت بھی آپ کے اندر مشیت الہی و عطاء خداوندی سے آئی ہے۔ قابلیت بھی آپ کے لئے بالاضطرار ثابت نہیں بلکہ بالقصد والاختیار ثابت ہوئی ہے۔ یہاں سے اس شعر کا اگر اس میں تاویل ہو جائے غلط ہونا واضح ہو گیا۔

نقصاں ز قابل است و گرنہ علی الدوام فیض سعادتش ہمہ کس را برابر است  
 اس کا مدلول یہ ہے کہ مخلوق میں جو بعض کامل اور بعض ناقص ہیں اس اختلاف کا منشا  
 قابل کی استعداد کا ناقص و کامل ہونا ہے ورنہ حق تعالیٰ کا فیض سعادت سب کے لئے یکساں  
 ہے۔ گویا فیض الہی کی مثال نور آفتاب جیسی ہے کہ وہ تو اپنی طرف سے نور افشانی سب پر  
 یکساں کرتا ہے کسی پر کم زائد نہیں کرتا مگر قابل کے اختلاف سے آثار تنویر مختلف ہو جاتے  
 ہیں (کہ سیاہ توے میں نور کی قابلیت کم ہے اس لئے وہ زیادہ روشن نہ ہو سکا اور آئینہ میں  
 قابلیت زیادہ ہے وہ زیادہ منور ہو گیا) یہ ہے مدلول اس شعر کا۔

سو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر شخص میں جو قابلیت مختلف ہے وہ  
 حق تعالیٰ کی طرف سے بالاضطرار ثابت ہے۔ بالاختیار ثابت نہیں اور اسی وجہ سے  
 باوجودیکہ سب کو فیض برابر پہنچاتے ہیں مگر کہیں زیادہ پہنچتا ہے کہیں کم۔ اور یہ لازم بالکل  
 باطل ہے کیونکہ وہ قابلیت فی نفسہ امر ممکن ہے تو بعض ممکنات کا قدیم و مستغنی عن الجاہل ہونا  
 لازم آئے گا جو بالکل غلط ہے۔ ممکن کوئی ایسا نہیں جو جاہل سے مستغنی ہو یا حق تعالیٰ سے  
 بطریق ایجاب و اضطرار کے صادر ہوا ہو۔ یہ مذہب فلاسفہ کا ہے جو مادہ کو اور اس کی استعداد  
 کو قدیم اور صادر بالاضطرار کہتے ہیں اہل اسلام کا یہ مذہب نہیں ہے اور فلاسفہ کے قول کا غلط  
 ہونا متکلمین نے خوب ثابت کر دیا ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ نقصان کا منشاء استعداد کا نقص  
 ہے بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہی نے کسی کی استعداد کامل اور کسی کی ناقص بنائی ہے  
 اور وہی خود سب کو یکساں فیض پہنچانا نہیں چاہتے اگر وہ سب کو یکساں فیض پہنچانا چاہیں تو  
 استعداد ناقص کی کیا مجال ہے جو اس کو قبول نہ کرے اس لئے صحیح مضمون اس شعر کا ہے۔

داد ار را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

یعنی حق تعالیٰ کی عطا قابلیت پر موقوف نہیں بلکہ قابلیت خود عطا پر موقوف ہے اگر حق تعالیٰ  
 کسی کو کمالات عطا کرنا چاہیں تو اس میں قابلیت بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ (الرفع والوضع ج ۵)

## جامع الکمالات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کمالات انبیاء میں واسطہ فی الثبوت ہیں اس لئے جتنے کمالات  
 انبیاء میں موجود ہیں وہ سب آپ میں مجتمع ہیں اور آپ ہی سے انبیاء کو حاصل ہوئے ہیں۔ اس

کی مزید تائید نشر المطیب کی چھٹی روایت منقولہ من الموابہ سے ہوتی ہے کہ امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم میثاق میں یہ اقرار لیا کہ الست بربکم سب سے پہلے آپ ہی نے فرمایا۔ ملی۔ گویا اور حضرات اس جواب کی آپ سے تلفی کی۔ (الرفع والوضع ج ۵)

## واقعہ معراج کا حاصل

واقعہ معراج سے جو سبق ہم کو حاصل ہوا وہ دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ معراج کی حقیقت قرب الہی ہے اور وہ سب انبیاء کو حاصل ہے تو یہ نہ کہنا چاہئے کہ معراج صرف حضور ہی کو ہوئی ہے اور کسی کو نہیں ہوئی۔ نہیں بلکہ معراج سب کو ہوئی ہے۔ ہاں اجمالاً اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ حضور کی معراج اوروں کی معراج سے افضل و اکمل ہے۔ وہ بھی اس طرح سے کہا جاوے جس میں دوسرے انبیاء کی معراج کی تنقیص نہ ہو بلکہ صرف حضور کی افضلیت و اکملیت کا بیان ہو اور معراج ہی کی کچھ تخصیص نہیں مطلقاً تمام احوال و مقامات انبیاء میں تفصیلی افضلیت جب تک منصوص نہ ہو بیان نہ کرنا چاہئے جیسا عام لوگوں کی عادت ہے

دوسرا سبق اس واقعہ معراج سے سالکین کو یہ حاصل ہوا کہ وہ جو اپنے حالات کا فیصلہ خود کر لیا کرتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے مثلاً پہلے ذکر میں جی لگتا تھا خطرات نہ آتے تھے انوار کی کثرت تھی اس کو وہ افضل حالت سمجھتے ہیں پھر خطرات آنے لگے انوار میں کمی ہو گئی تو اب سمجھتے ہیں کہ ہم مردود ہو گئے خبر بھی ہے کہ وہ عروج کی حالت تھی اور یہ نزول کی حالت ہے اور معراج کی حقیقت آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ معراج کبھی عروج سے ہوتی ہے کبھی نزول سے ہوتی ہے اور دونوں حالتیں مقبول ہیں پھر تم نزول کو ادا کیوں سمجھتے ہو پس سالک کی تو یہ حالت ہونا چاہئے۔

تو بندگی چوں گدایاں بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند  
(تو گدا گروں کی طرح مزدوری کی شرط پر بندگی مت کر اس لئے کہ آقا خود بندہ پروری کا طریقہ جانتا ہے۔)

چاہے قبض ہو یا بسط ہر حال میں خدا سے راضی رہے اور اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرے۔ اگر قبض کسی معصیت کی وجہ سے نہ ہو تو پھر اس کو نزول پر محمول کرنا چاہئے جو کہ صوفیہ کے نزدیک عروج سے افضل ہے مگر اپنے لئے تجویز اس کو بھی نہ کرے بلکہ جب بسط عطا ہو تو اسی میں خوش رہے حق تعالیٰ نے قبض و بسط و نزول و عروج تمہاری مصلحت کے لئے عطا فرمایا ہے۔ وہی مصلحت کو خوب جانتے ہیں ایک عارف فرماتے ہیں۔



گوش گل چہ سخن گفت کہ خداں است بہ عندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است  
(گل سے کیا کہہ دیا کہ خداں ہے بلبل سے کیا فرمایا دیا کہ نالاں ہے۔)

گل سے صاحب بسط مراد ہے اور عندلیب سے صاحب قبض۔ مطلب یہ ہے کہ سب  
اسی کے باغ کی پروردہ ہیں گل بھی اور عندلیب بھی کسی کا خندہ ان کو پسند ہے اس کو بسط عطا  
فرمادیا کسی کا نالہ و گریہ پسند ہے اس کو قبض عطا فرمادیا تم کو تجویز کا کوئی حق نہیں ہر حال میں  
راضی رہنا چاہئے اصل مقصود معیت ہے اور وہ سب ان احوال میں حاصل ہے صرف لون  
مختلف ہے۔ اسی کو مولانا و ہُو مَعَكُمْ اِنَّ مَا كُنْتُمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

گر بعلم آئیم مایوان اوست ورنجہل آئیم مازندان اوست  
گر بخواب آئیم مستان و نیم و رہہ بیداری بدستان و نیم  
(اگر علم تک ہماری رسائی ہو جائے تو یہ ان ہی کا ایوان ہے کہ درج علم تک ان سے  
تصرف عطا ہوا اور اگر ہم جہل میں مبتلا رہیں تو ان ہی کا زندان ہے یعنی حق تعالیٰ کا تصرف ہے  
کہ مجلس جہل سے نہیں نکلے اگر سو رہیں تو ان ہی کے بے ہوش کئے ہوئے ہیں اور اگر جاگ  
اٹھیں تو انہی کی گفتگو میں ہیں یعنی یہ قوت بیانیہ بھی انہی کی عطا کی ہوئی ہے۔) (الرفع والوضع ج ۵)

## جمال محمدی

زلیخا نے زنان مصر سے ان کی ملامت کے جواب میں کہا تھا کہ لودیکھ لومیرا محبوب یہ  
ہے جسے دیکھ کر تم نے مہوت ہو کر بجائے نارنگی کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ حضرت عائشہ  
فرماتی ہیں کہ یہ عورتیں اگر حضورؐ کو دیکھ لیتیں تو اپنے دل و جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتیں۔  
ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن میں فرق یہ تھا کہ  
یوسف علیہ السلام کے حسن کا رعب اول وہلہ میں زیادہ ہوتا تھا کہ تحمل نہ ہو سکتا تھا پھر رفتہ  
رفتہ تحمل ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ حضرت زلیخا کو تحمل ہو گیا تھا اور حضورؐ کے حسن کا اول وہلہ میں  
تحمل ہو جاتا تھا مگر جوں جوں غور کیا جاتا دل قابو سے نکلا جاتا اور تحمل دشوار ہو جاتا تھا۔ یہی  
وجہ ہے کہ آپؐ پر مرد بھی عاشق تھے اور بچے بھی عاشق تھے اور حضرات صحابہؓ نے کیسی کیسی  
جان بازی اور جان نثاری سے آپؐ کے عشق میں جان دی ہے۔ (الغالب للطالب ج ۶)

## بشریت انبیاء

استاد مولانا محمد یعقوب صاحب کے پاس ایک سوال آیا تھا کہ کیا حضور بشر تھے؟ اس شخص کو حضور کے بشر ہونے پر تعجب تھا اور اس تعجب کا منشاء یہی ہوا کہ آپ میں بشریت کے علاوہ بعض وہ کمالات بھی تھے جو دوسرے انسانوں میں نہیں جس سے ناواقف کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ آپ بشر نہیں ملک بصورت بشر ہیں۔ یا نعوذ باللہ بصورت بشر ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ جرات تو نہ ہوئی مگر انہوں نے آپ کی ولادت شریفہ کے متعلق ایک مضمون اختراع کیا ہے جس سے گویا آپ کو بشریت سے جدا کرنا چاہا ہے بلکہ آپ سے تجاوز کر کے اہل بیت وائمہ اطہار کی نسبت بھی یہ اختراع کیا ہے کہ ان کی ولادت موقع معتاد سے نہیں ہوئی بلکہ حضور اور ائمہ اطہار ان سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اس اختراع کی طرف داعی یہ ہوا کہ ان لوگوں نے حضور کی ولادت کو موضع نجاست سے مستبعد سمجھا مگر ان کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں سوائے گستاخی کے پھر حضور کے متعلق تو علماء کا یہ قول بھی ہے کہ آپ کے تمام فضلات پاک ہیں۔ اس لئے آپ کے متعلق محل نجاست سے پیدا ہونے میں اگر کسی کو استبعاد بھی ہو تو کسی درجہ میں ایک وجہ استبعاد اس کے پاس موجود بھی ہے کہ جب علماء آپ کے فضلات تک کو پاک کہتے ہیں تو ایسے پاک صاف ذات کو محل نجاست سے نہ پیدا ہونا چاہئے بلکہ موضع طاہر سے پیدا ہونا چاہئے مگر ائمہ اطہار کی بابت تو کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ان کے فضلات بھی پاک ہیں۔ ان کے متعلق یہ اختراع کیوں کیا گیا۔

اب میں حضور کے متعلق اس استبعاد کا جواب دیتا ہوں وہ یہ کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ رحم محل نجاست ہے۔ بلکہ رحم موضع بول و بزار سے بالکل الگ ہے اور نجاست اصل یہ بول و بزار میں ہے کہ یہ دونوں نجس العین ہیں۔ سو رحم کو ان سے کوئی تعلق نہیں پس موضع معتاد سے ولادت میں اشکال لازم نہیں آتا کہ اس میں محل نجاست سے خروج ہے کیونکہ وہ محل نجاست ہی نہیں بلکہ محل طاہر ہے۔ ولادت کے وقت جو رطوبت جسم جنین کے ساتھ لگی ہوتی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ طاہر ہے۔

وقال فی الشامیة رطوبة الولد عند الولادة طاهرة وكذا لا سخلته اذا خرجت

من امها وكذا البيضة فلا يتنجس بها الثوب ولا الماء اذا وقعت فيه

رطوبة بچے کی پیدائش کے وقت پاک ہے۔

اور اگر کسی کے نزدیک وہ رطوبت ناپاک بھی ہو تو اس کی ناپاکی عارضی ہے جو دھونے سے زائل ہو جاتی ہے دھونے کے بعد جسم پاک ہو جاتا ہے اور ایسی عارضی ناپاکی کا جسم کو لگ جانا کچھ محل استبعاد نہیں حضورؐ کے جسم و لباس پر بعض دفعہ بچوں کا پیشاب کر دینا اور آپؐ کا اس کو دھلوانا ثابت ہے۔ بس اس سے زیادہ یہ رطوبت نہیں ہو سکتی وہ بھی عارضی طور پر جسم کو لگ گئی جو دھلنے سے پاک ہو گئی اور یہ بھی علی سبیل التنزیل ہے اگر اس رطوبت کا ناپاک ہونا تسلیم کیا جائے ورنہ امام صاحب کے نزدیک تو رطوبت ولد جو ولادت کے وقت جسم سے لگی ہوتی ہے پاک ہے اس قول پر تو کچھ اشکال ہی نہیں۔

مجھے اتنی تقریر اس مسئلہ میں محض ان گستاخ لوگوں کے اس اختراع کی وجہ سے کرنا پڑی تاکہ ان کے استبعاد کا جواب ہو جائے ورنہ اس مسئلہ میں گفتگو کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا میرے پاس خود ایک سوال آیا تھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ حضورؐ معتاد پیدا ہوتے تھے میں نے بڑا تعجب کیا کہ یہ شخص اپنے کو حضورؐ کا محب کہتا ہے اور ایسی بحث لے کر بیٹھا ہے جس میں ولادت کے اترے پترے کھولتا ہے اس کو ایسی گفتگو کرتے ہوئے شرم نہیں آتی کیا اپنی ماں کے متعلق بھی وہ ایسی گفتگو کر سکتا ہے میرا دل نہ چاہتا تھا کہ اس کو جواب دوں مگر غلطی کی اصلاح ضروری تھی۔ اس لئے میں نے جواب دیا کہ احادیث میں وارد ہے ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلیۃ کذا کہ حضورؐ کی ولادت فلاں شب کو ہوئی اور ولادت کی حقیقت یہی ہے کہ بطریق معتاد پیدائش ہو اور الفاظ میں اصل معنی حقیقی ہی ہوتے ہیں۔

فلا یصرف عنہ الابدلیل یعنی حقیقت سے بدوں دلیل کے عدول نہیں ہو سکتا۔  
لہذا ہم کو دلیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں جو شخص حقیقت کو چھوڑ کر ولادت کے دوسرے معنی بیان کرتا ہے اس کو دلیل قائم کرنا چاہئے جواب تو میں نے لکھ دیا مگر میرا قلم کانپتا تھا۔ (السر مع العسر ج ۶)

## کمال استقامت

او ذیت فی اللہ مالہ یوذا حد (فتح الباری لابن حجر ۷: ۱۶۶)  
”یعنی مجھ کو اللہ کے راستے میں اس قدر ایذا پہنچی ہے جو کسی کو نہیں پہنچی“

بظاہر اس پر حیرت ہوتی ہے اور یوں شبہ ہوتا ہے کہ حضور گونوح علیہ السلام کے برابر تو تکلیف نہیں پہنچی نوح علیہ السلام کا صرف زمانہ وعظ ساڑھے نو سو برس تھا۔ اتنی مدت تک وہ کفار کی تکلیفیں سہتے رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف ۲۳ سال ہی تبلیغ فرمائی تو کیا ۲۳ سال میں حضور کو اتنی تکلیف پہنچی جو نوح علیہ السلام کو ساڑھے نو سو برس میں بھی نہیں پہنچی پھر نوح علیہ السلام کو کفار نے بہت تنگ کیا تھا سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار وعظ کے وقت ان کو لہو لہان کر دیتے تھے اللہ اکبر! پھر ان کی شفقت و ہمت کا یہ حال تھا کہ لہو لہان ہو کر بھی تبلیغ سے نہ رکتے تھے ساڑھے نو سو برس تک یہی حال رہا۔

او ذیت فی اللہ مالہم یوذاحد (فتح الباری لابن حجر ۷: ۱۶۶)

یعنی مجھ کو اللہ کے راستہ میں اس قدر تکلیف پہنچی جو کسی کو نہیں پہنچی ہے۔

جب حضور کے خدا میں ایسا بے لطیف المزاج گزرے ہیں تو پھر حضور کی لطافت کا تو کیا پوچھنا۔ حدیثوں میں یہ تو تصریح ہے۔

ما انتقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ فی شیء قط (متفق علیہ)

(اخرجه البخاری ومسلم، وابن عبد البر فی التہمید ۶: ۲۵۹)

حضور نے اپنے نفس کا کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔

اور طائف کے واقعہ میں وارد ہے کہ جب وہاں آپ کو کفار نے تکلیف دی تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہا ان اللہ قد سمع قول قومک وماردوا علیک اور یہ بھی کہا کہ یہ پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے آپ اس کو جو حکم دیں گے عمل کرے گا خود اس فرشتہ نے عرض کیا کہ میں ان کو پہاڑوں کے درمیان دبا دوں آپ نے فرمایا۔

بل ارجوان ینخرج اللہ من اصلاہم من یعبد اللہ (تفسیر ابن کثیر

۳: ۲۵۹، مشکوٰۃ المصابیح ۵۸۴۸)

بلکہ امید رکھتا ہوں میں کہ حق تعالیٰ ان کی اولادوں میں سے ایسی اولاد پیدا فرمادے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی وجہ سے بھی کسی کی تکلیف گوارا نہیں تھی اور بعض جگہ جو آپ سے بدو عا منقول ہے وہ کسی عارض سے ہے۔ اصل و غالب مذاق



حضور اقدس کا یہی تھا شاید کسی ذہن کو یہاں یہ شبہ ہو کہ اس میں غم کی بات تھی یہ تو حق العبد تھا آپ معاف فرمادیتے تو کچھ بھی مواخذہ نہ ہوتا۔

تو بات یہ ہے کہ اول تو آپ کی ایسی مخالفت درجہ کفر میں تھی آپ کافر کو کیسے معاف فرمادیتے دوسرے یہ کہ محبوبیت کے درجے ہوتے ہیں ایک درجہ محبوبیت کا یہ کہ محبوب کے ایذا دینے والے سے ہر حال میں مواخذہ ہوتا ہے محبوب معاف بھی کر دے جب بھی جرم معاف نہیں ہوتا علاوہ ازیں یہ کہ حق العبد میں حق اللہ بھی ہوتا ہے وہ عبد کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا اس نکتہ سے اکثر لوگ غافل ہیں عام طور پر لوگوں کا یہ خیال ہے حق العبد میں محض بندہ ہی کا حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا حق نہیں ہوتا۔ یہ غلط ہے کیونکہ بندہ کا وہ حق اللہ تعالیٰ ہی نے تو مقرر فرمایا ہے۔ (السر مع العسر ج ۶)

## حقیقت معراج

حقیقت کے اعتبار سے ہر پیغمبر کو معراج ہوئی ہے کیونکہ معراج کی حقیقت ہے قرب حق اور ظاہر ہے کہ قرب حق جملہ انبیاء کو حاصل تھا اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ قرب حق کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ کبھی بصورت عروج ہوتا ہے اور کبھی بصورت نزول ہوتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

قرب نیز پستی؟ بالا رفتن است      قرب حق از قید ہستی خود رستن است  
اور قرب بصورت نزول کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے حدیث میں آتا ہے سب سے زیادہ قرب بندہ کو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے وہ حالت سجدہ میں ہوتا ہے نیز قرآن میں ہے واسجدوا اقترب یعنی سجدہ کرو اور مقرب بن جاؤ۔

جس سے سجدہ کا محل قرب ہونا معلوم ہوا حالانکہ ظاہر میں وہ پستی ذلت اور نزول کی حالت ہے اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کو اس واقعہ میں معراج بصورت نزول ہوئی تھی تو یہ واقعہ منافی کمال نہ تھا بلکہ عین کمال تھا کیونکہ معراج کا کمالات سے ہونا مسلم ہے۔

باقی ہمارے حضور چونکہ صورت و حقیقت کے جامع ہیں اس لئے آپ کو معراج بصورت عروج ہوئی جس میں حقیقت اور صورت دونوں کو جمع کر لیا گیا پھر آپ کو معراج میں

جس طرح عروج تھا نزول بھی تھا اور نزول میں بھی صورت معنی دونوں مجتمع تھے۔ صورت تو یہ کہ آپؐ بلندی سے زمین کی طرف تشریف لائے اور حقیقت یہ کہ فنا کے بعد بقا حاصل ہوا اور یہ نزول ہے جس کو اہل سلوک جانتے ہیں۔ (ایسر مع العسر ج ۶)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت

جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوئی تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پچیس سال کی عمر تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر چالیس سال تھی، یہ بیوہ تھیں اور بہت مال دار چنانچہ اپنے تمول ہی کی وجہ سے ملکہ عرب مشہور تھیں اور یہاں سے مخالفین اسلام کو شرم کرنا چاہیے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں ہی کی فکر رہتی تھی۔ اس واقعہ کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ آپؐ کو عورتوں ہی کی فکر رہتی تھی۔ حضورؐ کو جوان کنواری لڑکی ملنا کیا دشوار تھا، اگر آپؐ چاہتے تو بوجہ عالی خاندان ہونے کے کہ بنی ہاشم مکہ کے سردار تھے، آپؐ کو کتنی ہی لڑکیاں مل سکتی تھیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے کبھی اس امر پر توجہ ہی نہیں کی پھر علاوہ عالی خاندان ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت بھی بہت زیادہ تھی کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ کو تیس مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی۔

وفی رواية اربعین وقال مجاهد اعطی قوة اربعین من رجال الجنة

حدیث کو کوئی نہ مانے تو حضرت رکانہ کا واقعہ اس کے سامنے پیش کیا جائے گا کہ وہ عرب کے مشہور پہلوان تھے جن کی طاقت و قوت ہزار مردوں کے برابر شمار کی جاتی تھی۔ ان کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کی تو انہوں نے کہا کہ کوئی بات دکھلاؤ تو میں ایمان لاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بتلاؤ کیا چاہتے ہو کہنے لگے کہ مجھ سے زیادہ طاقتور عرب میں کوئی نہیں۔ اگر آپؐ کشتی میں مجھے پچھاڑ دیں تو ایمان لے آؤں گا۔ حضورؐ نے فرمایا بہت اچھا: چنانچہ کشتی ہوئی اور حضورؐ نے رکانہ کو پچھاڑ دیا، وہ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے یہ اتفاقی بات ہے، دوبارہ پھر کشتی ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر رکانہ کو پچھاڑ دیا تو وہ اسلام لے آئے۔ (اصل العبادۃ ج ۷)

## ختم نبوت

اصل کمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ سو آپ کا اصل کمال یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے بھی نبی ہیں اور سب کے آخر بھی، کسی نے اس اولیت و آخریت میں نکتہ خوب نکالا ہے:

پیش از ہمہ شاہاں غیور آمدہ ہرچند کہ آخر بظہور آمدہ  
اے ختم رسل قرب تو معلوم شد دیر آمدہ از راہ دور آمدہ  
(پہلے تمام بادشاہوں سے آپ غیور آپ ہرچند ظہور میں آئے، اے ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا قرب تو مجھ کو معلوم ہے، دیر میں آئے دور راستے سے آئے)  
واقعی نکتہ ہے عجیب و غریب کہ آپ چونکہ بہت دور سے آرہے ہیں اس لیے آنے میں اتنی دیر لگی۔ دوسرے انبیاء مسافت قریبہ سے آئے ہیں اس لیے جلدی آ گئے۔ ان کو علمی دلیل نہ سمجھے۔ نشاط کے لیے لطیفہ کے طور پر بیان کر دیا ہے۔

اس پر حضرات خلفاء کی فضیلت اور ترتیب کے متعلق بعض نکات یاد آ گئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے ”خیر القرون قرنی“ (سنن الترمذی: ۲۳۰۲) لفظ قرنی میں نکتہ یہ کہا گیا ہے کہ اس میں اشارہ ہے زمانہ خلافت نبوت کی طرف کیونکہ خلفاء اربعہ کے نام کے آخری حروف میں بہ ترتیب آ گئے ہیں۔ یعنی صدیق کا ق اور عمر کی را اور عثمان کا ن اور علی کی ی اور ایک نکتہ اردو میں بھی کسی نے نظم کیا ہے۔

ابوبکر یکسو علی ایک جانب خلافت کو گھیرے ہیں با صد صفائی  
الف اور ی کی طرح ان کو جانو کہ محصور ہے جن میں ساری خدائی  
یہ تشبیہ ہے واقعی تو جگہ میں الف اور ی نے یہ ترتیب پائی  
وہ اول خلیفہ کے اول میں آیا یہ آخری خلیفہ کے آخر میں آئی  
بھلا کوئی شعر کہے ایسے تو کہے۔ غرض بادشاہی سے اغراض نبوت کی تکمیل مقصود تھی  
وہ خود مقصود نہ تھی اور وہ نبوت کی غرض اصلاح خلق ہے اور اصلاح خلق دو صورتوں سے  
ہو سکتی ہے۔ ایک حکومت سے دوسرے عقیدت سے یعنی ایک تو یہ کہ بادشاہ کی عقیدت  
ہے کہ لوگ اسے بزرگ اور نیک سمجھ کر بڑا مانتے ہیں اور ایک یہ کہ اگر نہ مانیں گے تو  
تلوار کے زور سے منوایا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حق تعالیٰ نے

اصلاح خلق کے لیے بھیجا تو دونوں قوتیں آپ میں جمع کر دیں کہ جو اہل بصیرت ہیں وہ تو عقیدت سے مانیں گے اور آپ کے کمالات ذاتیہ کو پہچانیں گے اور جو اہل بصیرت نہیں ہیں وہ تلوار کے زور سے مانیں گے کیونکہ تلوار بھی بڑا وعظ ہے۔ (اسرار العبادۃ ج ۷)

## تدبیر کی ضرورت

ایک معرکہ میں حضور شریف لے گئے اور دوزرہ آپ پہنچے ہوئے تھے۔ اوروں کے پاس تو ایک ایک زرہ ہی تھی اور حضور کے پاس دوزرہ تھی کوئی ناواقف ہو تو یہ کہے کہ حضور (نعوذ باللہ) بڑے ڈر پوک تھے کہ سب کے پاس تو ایک ایک زرہ تھی یا بالکل نہ تھی اور آپ نے دوزرہ پہنی تھیں حالانکہ یہ اظہار ہے اپنے عجز کا ہاں غلبہ حال کا قصہ جدا ہے غلبہ حال میں تو بعض اوقات دعا بھی چھوٹ جاتی ہے لیکن باوجود غلبہ حال نہ ہونے کے تدبیر نہ کرنے کا گویا یہ مطلب ہے کہ اے اللہ ہم ایسے مضبوط ہیں کہ ہم کو تدبیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ صبر کے یہ معنی نہیں ہیں۔ (المصر ج ۹)

## فضیلت انبیاء

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جڑ ہی کاٹ دی فرماتے ہیں: ”لا تفضلوا بین الانبیاء“ کہ انبیاء علیہم السلام میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو اور فرماتے ہیں ”لا ینبغی لعبد ان یقول انی خیر من یونس ابن متی“ اس میں اتنا سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہر متکلم مراد نہیں (کما قیل ۱۲) یعنی کسی کو میری نسبت یہ کہنا لائق نہیں کہ میں یونس علیہ السلام سے افضل ہوں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام انبیاء پر قطعی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تفضیلی گفتگو سے منع فرما دیا (نیز اس سے بھی منع فرما دیا کہ کسی نبی کا نام لے کر یہ کہا جائے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فلاں نبی سے افضل ہیں بس اجمالاً ہی کہنا چاہیے کہ آپ سب سے افضل ہیں ۱۲) کیونکہ تفضیل سے دوسرے نبی کی تنقیص ہو جاتی ہے اور ایسے بہت کم لوگ ہیں جو تفضیلی کلام کے مقابلہ میں تنقیص سے بچ سکیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غایت رحمت ہے کہ آپ نے ہم کو اس بات میں تفضیلی گفتگو سے بالکل منع فرما دیا اور اگر کسی کا اس باب میں تفضیلی گفتگو کر کے یہ خیال ہو کہ میرے کلام سے کسی نبی کی تنقیص لازم نہیں آتی تو میں اس کے سامنے ایک معیار بیان کرتا



ہوں اس پر اپنی تقریر کو پرکھ لیا جائے وہ یہ کہ تفاضل انبیاء پر تقریر کرنے کے قبل یہ سوچ لے کہ اس مجلس میں سارے انبیاء علیہم السلام مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف فرما ہیں اور میں سب کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ظاہر کر رہا ہوں۔ اس وقت معلوم ہو جاوے گا کہ کس مضمون کے بیان کی جرأت ہوتی ہے اور کس کی نہیں ہوتی۔ اس معیار سے اپنی اکثر تقریروں کا حدود سے متجاوز ہونا معلوم ہو جاوے گا اور اس کی فکر ہوگی کہ کسی لفظ سے ایہا نا بھی کسی دوسرے نبی کی تنقیص لازم نہ آجائے ورنہ وہ حضرات تو شاید خفا نہ ہوں مگر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جائیں گے کیونکہ حدیث میں ہے: ”الانبياء اخوة من علات و اماتهم شتى و دينهم واحد“ یعنی انبیاء میں باہم علاقائی بھائیوں جیسا تعلق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ حضرات کیسے بھائی ہیں دنیا داروں کی طرح نہیں بلکہ ان میں باہم پورا اتحاد و اتفاق و محبت ہے تو ایسے بھائیوں میں سے ایک کو اپنے دوسرے بھائی کی تنقیص کب گوارہ ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ (التحصيل والتسهيل ج ۱۱)

## حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے بڑھ کر عاقل سید العقلاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کفار نعوذ باللہ مجنوں کہتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا ان کے یہ اقوال موجود ہیں: ”أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ“ (یا یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جنون کے قائل ہیں (نعوذ باللہ) اور کہتے ہیں آپ مجنوں ہیں) اور خدا تعالیٰ نے اس کی نفی فرمائی ہے: ”مَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٌ“ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے فضل سے مجنوں نہیں) گو یہ احتمال بھی ہے کہ اور کچھ تو بن نہ پڑتا تھا محض جل کر یہ کہہ دیتے ہوں کوئی اور منشاء نہ ہو اس قول کا مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے چنانچہ شاعر اور ساحر بھی تو کہتے تھے تو وہ لوگ یہ تینوں لقب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطلاق کرتے تھے۔ یعنی شاعر ساحر اور مجنوں اور شاعر اور ساحر کا منشاء ہمیں معلوم ہے چنانچہ میں ابھی عرض کروں گا۔ جب دو کا منشاء معلوم ہے تو ظاہر یہ ہے کہ تیسرے لقب کا منشاء بھی ضرور ہوگا۔ شاعر اور ساحر کہنے کا منشاء سنئے وہ ایسا ہے جیسا کسی نے کہا ہے کہ معشوق من آنست کہ نزدیک تو زشت است۔ شاعر اور ساحر اس لیے کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں ایسا اثر

تھا کہ جب کفار سنتے تھے تو ان کے خیالات میں عظیم الشان تبدیلی واقع ہو جاتی تھی۔ پس طرز بیان کی تاثیر کو تو شاعری اور مضمون کی تاثیر کو ساحری کہتے تھے۔ اسی لیے کوششیں کرتے تھے کہ کسی طرح لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ سنیں۔ چنانچہ ڈرتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو ان کا کلام مت سنو "لا تسمعوا القرآن" خبردار قرآن مت سننا، بس اس کا سننا ہی غضب ہے والغوافیہ اور اگر وہ پڑھنے ہی لگیں تو تم شور و غل مچانا، گپڑ پٹڑ کرنا شروع کر دو، لعلکم تغلبون شاید اسی سے جیت جاؤ (اس طرح سے کہ وہ مجبور ہو کر خاموش ہو جائیں) یہ تہذیب تھی ماشاء اللہ۔ غرض وہ بہت ہی ڈرتے تھے کہ یہ تو شاعر اور ساحر ہیں، ان کا کلام سنا نہیں اور اثر ہوا نہیں، بس اسی واسطے شاعر اور ساحر کہتے تھے۔ غرض کلام کی قوت تاثیر اس کا منشاء تھا۔ اسی طرح مجنوں جو کہتے تھے تو اس کا بھی ایک منشاء تھا وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کے مقابلہ میں ساری دنیا کی مصلحتوں کو چھوڑ دیا، یعنی ان بیوقوفوں کے نزدیک نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عقل کے خلاف بات کی۔ چنانچہ سب نے مل کر ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک سفیر بھیجا جو حاضر ہو کر آپ کی خدمت میں منافع و مصالح پیش کرے اس نے آ کر عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم لوگ سب آپ کو بخوشی اپنا سردار بنالیں کیونکہ آپ نہایت شریف النسب ہیں، آپ جس قبیلہ میں پیدا ہوئے ہیں وہ حسب نسب میں سب سے بڑھ کر ہے، آپ کو اپنا سردار بنالینے میں ہم کو کوئی عار نہیں مگر ہمارے بتوں کو برا نہ کہیے، اگر آپ عورتیں چاہتے ہیں تو قریش کی ساری لڑکیاں حاضر ہیں، ایک سے ایک حسین موجود ہے، جتنی چاہیں پسند کر لیجئے، اپنی بہنیں اور لڑکیاں آپ کے نکاح میں دینا ہمارے لیے فخر ہے بلکہ انہیں خود آپ کی لونڈیاں بننا باعث عزت ہے اور اگر مال کی خواہش ہے تو ہم ابھی ایک بڑا خزانہ آپ کے لیے فراہم کر دیں بس آپ قرار و سکون سے بیٹھے رہیے اور ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیجئے۔ جب سفیر یہ سب باتیں کہہ چکا تو آپ نے بجائے جواب دینے کے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ حم سجدہ کا شروع کا حصہ تلاوت فرمایا:

حَمْدٌ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ

يَعْلَمُونَ بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ.

(یہ کتاب رحمن و رحیم کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان

کی گئی ہیں، یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی ہے ایسے لوگوں کے لیے جو دانشمند ہیں بشارت دینے والا ہے ڈرانے والا ہے مگر اکثر لوگ روگردانی کرتے ہیں اور سنتے نہیں) الیٰ الخ۔ آیات اور اس کی یہ حالت تھی کہ بالکل ساکت اور صامت تھا جیسے کہ نقش دیوار۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھتے پڑھتے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ“ (پھر یہ اعراض کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد و ثمود پر آئی تھی) تو گھبرا کر کہنے لگا بس کیجئے بس کیجئے اب سننے کی تاب نہیں اس قدر اثر ہوا کہ سنا نہیں گیا اور اٹھ کر بھاگا اور بھاگ کر اپنے ساتھیوں میں پہنچا جنہوں نے اسے بھیجا تھا یعنی ابو جہل وغیرہ وہ سب منتظر بیٹھے تھے ابو جہل بڑا ذہین تھا اس نے دور ہی سے دیکھ کر تاڑ لیا کہا کہ بھائی یہ کیا تو تھا اور چہرہ سے ایسا شریر تھا کہ دور ہی سے پہچان گیا کہ ارے یہ تو ڈھیلے ڈھیلے گھٹنوں سے آ رہا ہے اس کے چہرہ کا تو کچھ رنگ ہی بدلا ہوا ہے گیا تھا اور چہرہ سے آ رہا ہے اور چہرہ سے جب پاس پہنچا تو سب نے پوچھا ارے یار کہہ تو سہی کیا گزری اس نے کہا کہ اجی کیا پوچھتے ہو جب میں سب باتیں پیش کر چکا تو انہوں نے ایک ایسا کلام پڑھا کہ واللہ اگر میں وہاں تھوڑی دیر اور بیٹھا رہتا تو سخت اندیشہ تھا کہ کوئی بجلی میرے اوپر آ گرتی۔ کیا پوچھتے ہو کیا کیفیت تھی اثر کی۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ میں تم کو ایک ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جیسی کہ عاد اور ثمود پر گرائی گئی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس اب بجلی گری۔ خدا جانے کیا کلام تھا اور کس غضب کا اس میں اثر تھا۔ واللہ اگر اور تھوڑی دیر بیٹھوں اور سنوں تو بجز اس کے مسلمان ہو جاؤں اور کوئی صورت نہ تھی، مشکل سے اپنا پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔ تو یہ حال تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر کا چونکہ وہ لوگ رات دن دیکھتے تھے کہ یہ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں ایک جلسہ میں تمام قوموں کو (قوم جمع ہے قومہ کی بمناسبت مقابلہ لفظ جلسہ جامع ۱۲) اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) شاعر اور ساحر کہتے تھے۔

جب اس قوم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرداری مل رہی ہے وہ نہیں لیتے، اونٹ مل رہے ہیں وہ نہیں لیتے، مال مل رہا ہے وہ نہیں لیتے، حسین حسین عورتیں مل رہی ہیں وہ نہیں لیتے تو وہ نامعقول سمجھے کہ بھلا یہ کون سی عقل کی بات ہے۔ جب دنیا کی ساری نعمتیں

مل رہی ہیں تو پھر خواہ مخواہ انکار ہے۔ عقل کی بات تو یہ ہے کہ میاں جب چندہ اور روپے مل رہے ہیں تو لے لو کام آویں گے، احمقوں نے اپنے اوپر قیاس کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ ایک مقام پر میری ایک انگریز سے جو کہ اجنٹ تھا اس کی خواہش پر ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو میں اس نے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے آپ نے قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے میں نے کہا ہاں صاحب لکھی ہے۔ تو آپ کیا کہتے ہیں آپ کو کتنا روپیہ ملا۔ میں نے دل میں کہا کہ واہ واہ بس یہ ہے آپ کا مبلغ پرواز اور سطح نظر۔ جب میں نے کہا کہ کچھ بھی نہیں ملا تو بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ نے اتنی بڑی کتاب لکھی اور کچھ بھی نہ ملا تو پھر کیا فائدہ ہوا اتنی محنت ہی پھر کیوں کی اس کے نزدیک جسے روپیہ نہ ملے وہ کوئی دین کا کام ہی نہ کرے خیر میں نے اسی کے مذاق کے موافق اسے سمجھایا میں نے کہا کہ اس سے مجھے دو فائدے ہوئے ایک تو یہ کہ علاوہ اس زندگی کے ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق ایک دوسری زندگی بھی ہے جس کو ہم لوگ آخرت کہتے ہیں وہاں ایسے کاموں کا عوض ملنے کی ہمیں توقع ہے اور دوسرا فائدہ دنیا کا بھی ہے وہ یہ کہ میں نے جو یہ تفسیر لکھی ہے اپنے بھائی مسلمانوں کے فائدہ کے لیے لکھی ہے اور یہ ایک قومی خدمت ہے۔ جب میں اس تفسیر کو اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہوں تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ میری قوم کو اس سے نفع پہنچ رہا ہے چونکہ یہ تقریر اس کے مذاق کے موافق تھی اس کو سن کر اس کی نظر میں میری بڑی وقعت ہوئی تو جو روپیہ پیسے اور جاہ کو مقصود سمجھے گا وہ ضرور ایسے شخص کو کہے گا کہ بڑا بیوقوف ہے کہ اس نے محض دین کے لیے اپنا جاہ مال سب برباد کر دیا۔ (طریق القلند ج ۱۱)

## کمال عقل و دانش

میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاقل پر ایک لطیفہ بیان کیا کرتا ہوں وہ یہ کہ مسلمان تو آپ کو عاقل مانتے ہی ہیں وہ تو غلام ہیں اپنے آقا کو اچھا کہیں ہی گے اور جتنا کچھ کہیں تھوڑا ہے۔ مگر لطیفہ یہ ہے کہ کفار مسلمانوں سے زیادہ آپ کو عاقل مانتے ہیں کیونکہ اس کا اقرار کفار کو بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی مدت میں اتنے بڑے بڑے کام کئے ہیں جو دوسرا نہیں کر سکتا۔ عرب کے جاہلوں کو تھوڑے ہی دنوں میں ایسا شائستہ اور مہذب بنا دیا کہ تمام تعلیم یافتہ قومیں اُن کے سامنے پست ہو گئیں پھر اس کے ساتھ قواعد متعلقہ معاش و معاد ایسے مہمد



کئے جن کی نظیر نہیں مل سکتی یہ سب باتیں کفار کو تسلیم ہیں مگر ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محض سلطان نہیں کہتے بلکہ نبی بھی کہتے ہیں اور ان فیوض و برکات کو تائید من اللہ اور نبوت کی برکت سمجھتے ہیں اور کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب کارناموں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل شے ناشی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت بڑے عاقل انسان تھے کہ تھوڑی سی مدت میں آپ نے ایسے ایسے کام انجام دیئے تو وہ آپ کو ہم سے زیادہ عاقل مانتے ہیں کہ جو کام ہمارے نزدیک خدا کے کرنے کا تھا۔ اُن کے نزدیک وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کا نتیجہ ہے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے عاقل تھے کہ موافق و مخالف سب کو آپ کا عاقل کامل ہونا مسلم ہے۔ (فتاویٰ انفس ج ۱۵)

## مقام صدیق

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نظر حق تعالیٰ پر استقلاً لا تھی۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فرمایا تھا۔

الا ان من كان منكم يعبد محمدًا فانه قد مات و من كان يعبد الله فانه حي لا يموت ط  
کہ جو تم لوگوں میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا۔ تو آپ کی تو وفات ہوگئی اور جو خدا کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ ہیں کبھی نہ مریں گے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات نبوی کے بعد یہ ارشاد فرمایا تھا جس سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر استقلاً لا خدا تعالیٰ کی طرف تھی۔ صوفیہ کرامؒ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حکایت بھی نقل کی ہے کہ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ

هَلْ عَرَفْتُ رِبَّكَ بِمُحَمَّدٍ اَمْ عَرَفْتُ مُحَمَّدًا بِرَبِّكَ

کہ آپ نے خدا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پہچانا۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے ذریعہ سے پہچانا۔ ارشاد فرمایا کہ بل عرفتم محمدًا برّبی . یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی وجہ سے پہچانا۔ مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت من حیث الاستقلال نہیں بل من حیث انہ رسول اللہ ہے تو توحید کامل یہی ہے۔ جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ ہے۔ عارف کسی چیز پر بالاستقلال نظر نہیں کیا کرتا نہ استقلالاً کسی چیز کو سمجھتا ہے۔ بلکہ ہر چیز کو خدا تعالیٰ کے ملک سمجھتا ہے۔ اور ہر چیز میں اول

خدا کو دیکھتا ہے۔ پھر اُس شے کو دیکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر سر میں درد اور ضعف ہو تو اس حیثیت سے خمیرہ گاؤ زبان کھانا بھی ثواب اور اجر رکھتا ہے کہ یہ ہمارا سر نہیں۔ بلکہ سرکاری مشین ہے۔ پس اس حیثیت سے تمام لذات و تمحعات میں ثواب ہے۔ صرف حیثیت اور جہت کا فرق ہے۔ اسی فرق سے اجر اور عدم اجر کا فرق ہو گیا۔ (اعاء النافع ج ۱۵)

## ایک اشکال کا حل

یہ تو محال ہے کیونکہ سب سے پہلے نبی پر اپنی نبوت پر ایمان لانا لازم ہے بلکہ منشا اس کا وہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے آثار و علامات کی تفصیلی اطلاع نہ تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم سب وحی سے ماخوذ ہیں نہ کہ کتب سے تو اوّل وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ آثار و کیفیات کیسے معلوم ہو جاتے۔ اور ورقہ بن نوفل کتب سماویہ کے عالم تھے وہ کتابوں کے ذریعے سے آثار و علامات نبوت کی تفصیل معلوم کئے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ سن کر فوراً سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تفصیلی حالات عرض کئے۔ چنانچہ ان حالات میں یہ بھی عرض کیا کہ نبوت کے لئے قوم کی مخالفت کرنا۔ ایذا پہنچانا ضروری ہے۔ مگر انجام کار نبی کو غلبہ ہوا کرتا ہے۔ اور یہ بھی عرض کیا۔

يَا لَيْتَنِي كُنْتُ فِيهَا جَذَعًا يَا لَيْتَنِي اَكُونُ حَيًّا اِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ قَالَ  
اَوْ مُخْرِجِيْهُمْ قَالَتْ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتُ بِهِ اِلَّا عُودِيْ .

(ترجمہ) کاش! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہور نبوت کے وقت جوان ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قوم (مکہ سے) نکالے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کیا وہ مجھ کو نکالنے والے بھی ہیں۔ ورقہ نے کہا ہاں جو کوئی بھی نبوت سے ممتاز ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ عداوت ضرور کی جاتی ہے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کے کہنے سے ورقہ کے پاس اس غرض سے چلے گئے تھے کہ یہ کتب سماویہ کے عالم ہونے کی وجہ سے آثار نبوت و حالات انبیاء کو زیادہ جانتے ہیں۔ ان سے کچھ معلومات زیادہ حاصل ہوں گی جو موجب زیادت طمانیت و سکون ہوں۔ مگر اس سے ورقہ کی فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم نہیں آتی۔ نعوذ باللہ! کیونکہ

اس کی تو بلا تشبیہ ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص کو دفعۃً ڈپٹی کلکٹر بنا دیا جائے اور وہ کسی قانون داں سے جو کسی عہدہ سے ممتاز نہیں۔ اس منصب کے لوازم و وظائف کی تحقیق کرے کہ فلاں کام کس طریقہ سے اور فلاں انتظام کس صورت سے کرنا چاہئے۔ مگر کیا محض اتنی بات سے وہ قانون داں درجہ میں اُس سے افضل ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ (الہیات فی الاوقات ج ۱۵)

## شان رسالت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان حدیث شریف میں وارد ہے

كان اجود الناس بالخير وكان اجود ما يكون في رمضان كان جبريل يلقاه كل ليلة في رمضان يعرض عليه النبي صلى الله عليه وسلم القرآن فاذا لقيه جبريل كان اجود بالخير من الريح المرسلة (الصحيح للبخاری ۱: ۵، الصحيح لمسلم كتاب الفضائل: ۴۸، مسند احمد ۱: ۳۶۳، مشکوة المصابيح: ۲۰۹۸)

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو ہر وقت ہی سب سے زیادہ نخی تھے مگر سب سے بڑھ کر رمضان میں آپ نخی ہوتے تھے۔ اور جبریل علیہ السلام ہر شب میں آپ سے ملتے تھے۔ ان کی ملاقات کے وقت آپ ہوا سے بھی زیادہ فیض رساں ہوتے تھے۔ (ہوا کی فیض رسائی کہ اس سے بارش ہوتی ہے معلوم ہے اس جو د میں سے بعض کی تصریح بھی وارد ہے مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت ابن عباس آیا ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل شهر رمضان اطلق كل اسير واعطى كل سائل (الدر المنثور ۱: ۱۸۵، كنز العمال: ۱۸۰۶۰)  
(جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قیدی کو چھوڑ دیتے اور ہر سائل کو عطا فرماتے) اس میں آپ نے عملی تعلیم فرمائی ہے کہ رمضان میں اور دنوں سے زیادہ فیض رساں ہونا چاہیے اور قولاً یہ کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ هذا شهر المواساة هذا شهر يزد فيه رزق المؤمن من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن ادى فريضة فيما سواه (كنز العمال: ۲۴۲۹۴) یعنی یہ مہینہ ہمدردی کا ہے اس مہینہ میں مؤمن کا رزق زیادہ کیا جاتا ہے جو اس میں نفل کام کرے اس کو اور دنوں کے فرض کے برابر ثواب ملے گا اور جو اس میں فرض ادا کرے اس کو اور دنوں کے ستر

فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ اس میں کس قدر ترغیب و تحریض ہے صدقہ خیرات اور اعمال صالحہ کی کہ رمضان میں رکعات نافلہ کا ثواب فرض نمازوں کے برابر ملتا ہے اور جو فرض کو اس ماہ میں ادا کرتے ہیں ان کو ستر فرضوں کا ثواب ملتا ہے۔ (تقلیل المنام بصورۃ انقیام ج ۱۶)

## قوت و شجاعت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت بھی دیکھئے کہ تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کئے حالانکہ اس کے ذبح کرنے میں نہایت دشواری ہے اور جانور کے ذبح میں تو سہولت ہے کہ لٹا کر ذبح کر لیا۔ اس کو اس طرح ذبح کرتے ہیں کہ پاؤں اس کا خاص طریقہ سے باندھ دیتے ہیں تاکہ بھاگ نہ سکے۔ پھر اس کے سینہ پر ایک خاص رگ ہے اس پر برچھا مارتے ہیں اسے نخر کہتے ہیں مشک کی طرح رگوں کا منہ کھل جاتا ہے۔ تمام خون بہہ کر وہ گر پڑتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نشانہ میں بھی بڑے مشاق تھے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قوت جسمانی بھی بہت تھی۔ چنانچہ ایک شخص رکانہ بہت بڑے پہلوان تھے کہ ہزاروں آدمیوں کا مقابلہ کرنے والے سمجھے جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ۔ وہ آئے آپ نے انہیں پچھاڑ دیا۔ عرض کیا یہ تو اتفاقاً پچھاڑ دیا اب کے پچھاڑیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا پھر سہی پھر آئے پھر اٹھا کر پھینک دیا۔ پھر وہ مسلمان ہو گئے۔ غرض سوا دنوں کی قربانی اور اس میں سے تریسٹھ کے دست مبارک سے نخر کرنے سے آپ کی ثروت قوت پر استدلال ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مفلس نہ تھے ہاں فقیر تھے کیونکہ مفلس تو وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور آپ کے پاس تھا سب کچھ مگر دے دیا کرتے تھے۔ (روح البوار ج ۱۶)

## مقررین کو انتباہ

محققین نے مشورہ دیا ہے کہ عوام کم فہم جہلاء کے مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاقہ وغیرہ کا بیان نہ کرے بلکہ ایسے عوام کے سامنے وہی مضامین بیان کرنا چاہئیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہو۔ ان کے سامنے فقر و فاقہ کے مضامین نہ بیان کرنا



چاہیے کیونکہ اس میں احتمال ہے ان کے قلوب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت نکل جائے میرے ایک دوست تھے۔ مولوی منت اللہ انہوں نے ایک قریہ (گاؤں ۱۲) میں یہ بیان کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی مع نعلین مبارک نماز پڑھتے تھے ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ نعلین مبارک میں نجاست بھری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکال ڈالا۔ فی نفسہ واقعہ تو صحیح ہے مگر لوگ بگڑ گئے کہ تو کیسا بد عقیدہ ہے کہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک نجس ہو سکتی ہے خیر تھا تو ان کا جہل مگر ناشی تھا اعتقاد عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ مولوی صاحب نے مجھ سے شکایت کی۔ میں نے کہا ایسی جگہ آپ کو ایسی بات کہنا چاہیے نہ تھی۔ اس میں فتنہ کا احتمال ہے۔ غرض علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ عوام کے مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کو نہ بیان کرنا چاہیے تاکہ قلوب میں عظمت باقی رہے مگر جہاں فہیم ہوں کچھ مضائقہ نہیں۔ (روح الجوارح ۱۶)

## شان محبوبیت

حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک دفعہ مکہ میں ایک اونٹ ذبح ہوا تھا آپس میں کفار کا مشورہ ہوا کہ کوئی شخص اس کی الالیش آپ پر رکھ آوے۔ ایک بد بخت اٹھا اس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ سجدہ میں تھے اس نے آپ پر وہ الالیش رکھ دی کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ ایسے رسول ہیں کہ نماز توڑ کے تھپڑ نہیں ماریں گے۔ اَفَلَا تَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ (یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے ۱۲) حضرت فاطمہ کو علم ہوا آئیں۔ اور اس الالیش کو ہٹایا اور خوب کوری سنائیں اور کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ منہ سے کہہ سکے۔ حدیث میں آیا ہے کہ فاقبلت فاطمة وھی جویریة حضرت فاطمہ (آئیں آپ ۱۲) اس وقت بچی تھیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد بد دعا کی۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ مقابلہ میں آکر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ یہ تھا آپ کا رعب حتیٰ کہ بالمشافہ (رو برو ۱۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخانہ کلام کی بھی کسی کو جرأت نہ تھی آپ خود فرماتے ہیں نصرت بالرعب (رعب کے ذریعہ سے میری مدد کی گئی ہے ۱۲) ورنہ آپ تو اکیلے تھے جو کچھ وہ چاہتے کر سکتے کمیٹیاں ہوتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکال دیں مگر آپ کو خدا نے رعب اتنا دیا تھا کہ اس کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ الغرض جب ورقہ بن نوفل نے کہا کاش میں اس وقت جوان ہوتا

جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی آپ نے تعجب سے فرمایا کہ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی میری اس قدر قدر اور اتنی وقعت میں اتنا محبوب ہوں میں نے کبھی کسی کے ساتھ برائی بھی نہیں کی۔ انہوں نے کہا کہ جتنے نبی آپ سے پہلے ہوئے ہیں وہ سب انہیں اوصاف سے موصوف تھے مگر جب انہوں نے تبلیغ شروع کی ان کے ساتھ یہی ہوا۔ اسی طرح آپ کے ساتھ بھی ہوگا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے آپ کی توقع کے خلاف آپ کو بہت پریشان کیا۔ آپ نے سب برداشت کیا۔ (روح الجوارح ۱۶)

### بشریت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مگر آج کل بعض لوگوں کی جہالت کا یہ حال ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت لفظ بشر کو نہیں سن سکتے۔ چنانچہ کاٹھیاواڑ میں ایک دفعہ کسی مسافر امام نے نماز میں یہ آیت پڑھ دی قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (آپ کہہ دیجئے کہ میں تم جیسا بشر ہوں) تو نماز کے بعد ایک جاہل نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی اعادہ کرنا چاہیے کیونکہ امام نے ایسی آیت پڑھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا گیا ہے میں کہتا ہوں کہ صرف بشر ہی نہیں کہا بلکہ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تم جیسے ہی آدمی ہیں۔ بھلا یہ تو اس کے نزدیک بہت ہی بڑا مفسدہ صلوٰۃ ہوگا۔

اس جاہل سے کوئی پوچھے کہ تو نے اعتراض کس پر کیا؟ امام پر یا خدا تعالیٰ پر؟ امام پر تو اعتراض ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کا تم کو بھی اقرار ہے کہ اس نے قرآن ہی کی آیت پڑھی تھی۔ بس خدا ہی پر اعتراض ہو تو کچھ ٹھکانا ہے اس غلو کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں حق تعالیٰ پر اعتراض کرنے لگے گویا حق تعالیٰ نے إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (میں تم جیسا آدمی ہوں) فرما کر نعوذ باللہ آپ کو کذب کی تعلیم دی ہے کہ تم واقع میں تو بشر نہیں ہو مگر لوگوں سے یوں ہی کہو کہ میں بشر ہوں۔ مگر اسے یہ خبر نہیں کہ یہ اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پہنچتا ہے کہ آپ نے اس مضمون کی تبلیغ کیوں کی۔ اور وہاں جن نمازوں میں آپ نے ایسی آیتوں کو پڑھا ہے کیا آپ کی بھی (معاذ اللہ) وہ نمازیں فاسد ہوئیں اور ان کا اعادہ آپ سے ثابت نہیں تو بس آپ کی وہ نمازیں یوں ہی رہیں۔ استغفر اللہ العظیم۔ واقعی یہ جہالت بری بلا ہے۔ خدا بچائے اس سے۔ ایک شخص نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سوال بھیجا تھا کہ کیا حضور

صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس بیوقوف کو بھی آپ کی بشریت میں تردد تھا۔ بعض لوگوں نے اس مضمون کی احادیث بھی گھڑی ہیں جن سے معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ہونا ثابت کیا ہے چنانچہ ایک حدیث یہ گھڑی ہے انا عرب بلا عین (میں عرب بلا عین ہوں یعنی رب ہوں) اس کے الفاظ ہی بتلا رہے ہیں کہ کسی جاہل نے فرصت میں بیٹھ کر گھڑی ہے۔ بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیتاں کی کیا ضرورت تھی آپ نے صاف ہی کیوں نہ فرمادیا انا رب (میں رب ہوں) ہیر پھیر کے ساتھ انا عرب بلا عین کہنے کی کیا ضرورت؟ پھر اس سے مدعا کیونکر حاصل ہوا۔ کیونکہ عرب میں باء مشدود نہیں ہے مخفف ہے۔ تو عین نکال کر رب (بلا تشدید) باقی رہا اور یہ کوئی لغت نہیں رب (بالتشدید) تو ثابت نہ ہوا۔ دوسرے آپ عرب کہاں تھے۔ آپ تو عربی تھے۔ پھر انا عرب میں حمل کیونکر صحیح ہوگا۔ حدیث بھی گھڑی تو ایسی جس کے سر نہ پاؤں جس میں ایک ادنیٰ طالب علم بھی غلطیاں نکال سکتا ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فصیح بلیغ تھے کہ آپ کے کلام میں کسی کی مجال نہیں کہ انگلی بھی دھر سکے۔ (تحصیل المرام ج ۱۷)

## غلو فی التعظیم

بہر حال جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں غلو کر کے آپ کو بشریت سے نکالنا چاہتے ہیں وہ آپ کی توہین کرتے ہیں اور ان واقعات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں۔ اس غلو کا ایک اثر یہ ہے کہ شعراء تو بہت حد سے نکل گئے وہ آپ کی تعریف میں دوسرے انبیاء کی توہین کرتے ہیں۔ خصوصاً موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام تو ان کے تختہ مشق ہیں چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے

برآسمان چہارم بیمار است تبسم تو برائے علاج درکار ست

(عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر بیمار ہیں۔ علاج کے لئے آپ کا تبسم درکار ہے) کیا اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبض دیکھی تھی آخر اسے ان کا بیمار ہونا کیسے معلوم ہوا اگر آسمان پر بھی وبا پھیلنے لگی تو خدا خیر کرے فرشتوں کی۔ واہیات ایک کہتا ہے

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوہ صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

(ایک تجلی صفاتی سے موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو گئے آپ تجلی ذاتی کو تبسم میں دیکھ رہے

تھے) کتنا بڑا فیصلہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ذاتی نہ ہوئی تھی صفاتی ہوئی تھی پھر موسیٰ کے بیہوش نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر دنیا میں تجلی ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیہوش نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے آخرت میں حق تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ آخرت میں تو موسیٰ علیہ السلام بھی بیہوش نہ ہوئے اور دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی غالباً بے ہوش ہو جاتے کیونکہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ خدا کا دیدار دنیا میں ہوتا تو نہ معلوم کیا حال ہوتا۔ بھلا اگر کوئی مخالف اس شاعر پر اعتراض کرے کہ موسیٰ علیہ السلام تو حق تعالیٰ ہی کی تجلی سے بے ہوش ہوئے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے جو ایک مخلوق ہیں تو اس کے پاس کیا جواب ہوگا؟

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مقامات ذوقی ہیں۔ اور ناقص کا ذوق کامل کے مقام ذوق کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہم کو مقامات انبیاء میں کلام نہ کرنا چاہیے ہمارا ذوق نبی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ غضب ہے کہ شیخ ابن عربی تو اتنے بڑے صاحب کشف ہو کر بھی مقامات انبیاء میں سکوت کی تعلیم دیتے ہیں اور آج ہر بیضاوی و جلالین پڑھنے والا بلکہ ہر شاعر مقامات انبیاء کا فیصلہ کرتا ہے اور اپنی رائے سے وجوہ فضیلت بیان کرتا ہے۔ امت میں چند لوگ بڑے صاحب کشف ہوئے۔ ایک شیخ ابن عربی ان کا صاحب کشف ہونا سب کو مسلم ہے۔ (تحصیل المرام ج ۱۷)

## ولایت و بزرگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کھانے پینے حتیٰ کہ ایام جاہلیت کے تذکروں میں بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ شامل رہتے تھے اور ان لوگوں کے تذکروں کو سن کر آپ تبسم فرماتے تھے اور آپ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہ ہوتا تھا اور کبھی کسی نے آپ کی آواز قہقہہ کی نہیں سنی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تجربہ ہے کہ جب کسی وجہ سے غم کا غلبہ ہوتا ہے تو ہنسی کی آواز نہیں نکلتی۔ اگرچہ کم و بیش تبسم کی حالت ہو جائے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو تجربہ سے ثابت ہوتا ہے اور ایک مقدمہ شامل ترمذی سے ملائے۔ شامل میں ہے: ”کان دائم الفکرۃ متواصل الا حزان“ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فکر مند رہتے اور آپ پر غم یکے بعد دیگرے آتے رہے) اور وجہ اس کی خود ہی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں کیونکر چین سے رہوں حالانکہ صاحب صورت تیار کھڑا ہے کہ اب حکم ہوا اور صورت پھونک دوں۔ گویا یہ حالت تھی کہ



مراد منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم جس فریاد می دارد کے بر بندید مملہا  
(مجھے محبوب کے گھر پہنچ کر بھی امن و عیش نہیں ملا وجہ یہ ہے کہ گھنٹہ ہر وقت کوچ کی خبر دے رہا ہے)  
ہنسی تو ان لوگوں کو آ سکتی ہے جو بالکل بے فکر ہوں۔ سو اللہ والوں کو بے فکری کہاں؟ البتہ  
دوسروں کی خاطر سے کبھی کچھ ہنس دیتے ہیں۔ اس کے مناسب حکایت ہے کہ حضرت عیسیٰ  
علیہ السلام سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کثیر التبسم تھے  
اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کثیر البکا تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ! کیا تم  
خدا تعالیٰ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو گئے ہو کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا۔ حضرت  
یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام کیا تم خدا تعالیٰ کے قہر سے بالکل مامون ہو کہ تم  
کو ہر وقت ہنسی آتی رہتی ہے۔ آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم تم  
دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ علیہ السلام جلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب رہتے ہو  
لیکن خلوت میں یحییٰ کی طرح گریہ وزاری کیا کرو اور اے یحییٰ علیہ السلام خلوت میں تو ایسے ہی  
رہو جیسے اب ہو لیکن لوگوں کے سامنے کچھ تبسم بھی کر لیا کرو کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ  
ہو جائے کہ جب نبی علیہ السلام کا یہ حال ہے تو ہم کو نجات کی کیا امید ہے۔

اور یہ حکایت اس لیے بیان کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم جو کچھ تھا وہ محض اس  
لیے تھا کہ آپ کے مصالح خلق کے وابستہ تھے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید تبسم بھی نہ ہوتا  
غرض جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم باتوں میں مشغول ہوتے تھے اس وقت حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کے کمال کی عام کو کیا خبر ہوتی ہوگی۔ اس لیے کافر کہتے ہیں: ”مَا لِهَذَا الرَّسُولِ  
يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ..... الخ“ (یہ کیسا رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم)  
ہے کہ کھانا بھی کھاتا ہے (ان کے زعم میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف تھا)  
اور بازار میں بھی چلتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسی زا بدال حق آگاہ شد  
(تمام عالم اسی سبب سے گمراہ ہو گیا کہ بہت کم لوگ خدا کے نیک بندوں سے مطلع ہوتے ہیں)

ہم سری با انبیاء برداشتند اولیاء را بچو خود پنداشتند

(اپنے کو انبیاء کے برابر رکھتے ہیں اولیاء اللہ کو اپنی ہی طرح سمجھتے ہیں)

گفت اینک مابشر ایثاں بشر ماؤ ایثاں بستہ خوانیم و خور  
(کہتے ہیں کہ ہم بھی انسان اور یہ بھی انسان ہم اور وہ دونوں خواب اور کھانے میں فطرتاً مجبور ہیں)  
ایں ندانستند ایثاں زاعمی درمیاں فرقے بود بے منتہا  
(یہ ان کو عدم بصیرت کی وجہ سے پہچان ہی نہیں سکتے جبکہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے  
(تفاضل الاعمال ج ۱۸)

## ایک واقعہ

ایک حدیث میں ہے کہ بعض عورتیں آپ سے کہتی تھیں کہ ہم نے اپنے نفس کو آپ کیلئے ہبہ کیا یعنی اپنے کو بلا مہر کے آپ کے نکاح میں دیتی ہیں کیونکہ آپ کا نکاح بلا مہر بھی صحیح ہو جاتا تھا۔  
حضرت عائشہؓ نے ان عورتوں کو ایک بار بے حیا کہہ دیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:  
وامرأة مومنة ان وهبت نفسها للنبي الى قوله ترجى من تشاء منهن  
وتؤى اليك من تشاء.

اس پر حضرت عائشہؓ نے آپ سے عرض کیا ماری ربک الایسارع فی ہواک  
یہاں بھی لفظ ہوا آیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش محمود ہی تھی اس  
سے معلوم ہوا کہ ہوا کا اطلاق ہوائی محمود پر بھی ہوتا ہے اس صورت میں بغیر ہدیٰ من اللہ قید  
احترازی ہوگی۔ فیصلہ یہ ہوگا کہ ہوی دو قسم کا ہے ایک وہ جو تابع ہدیٰ کے ہو اور ایک وہ جو تابع  
ہدیٰ کے نہ ہو پس جو ہوی تابع ہدیٰ کے ہے وہ ہوی اہل اللہ کی ہے ان کا نفس مطمئنہ ہوتا ہے  
جس کا تعلق رضاء حق سے ہو چکا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو بہلول کی حکایت میں ہے کسی بزرگ  
سے انہوں نے پوچھا کہ کس حال میں ہو ان بزرگ نے فرمایا اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو  
جس کی خواہش کے خلاف دنیا میں کچھ بھی نہ ہوتا ہو کہا یہ کیسے؟ فرمایا یہ ایسے کہ میں نے اپنی  
خواہش کو حق تعالیٰ کی خواہش میں فنا کر دیا ہے۔ اب کوئی واقعہ میری خواہش کے خلاف ہوتا  
ہی نہیں پھر مجھے راحت ہی راحت ہے رنج کیوں ہو۔ (الہوی والہدیٰ ج ۱۹)

## صحابہ کی جانثاری

صحابہ رضی اللہ عنہم حضور کے اس قدر جاں نثار تھے کہ اشاروں پر جان دیتے تھے وہاں اس کی  
ضرورت کب تھی کہ کسی بات کو دوبار کہا جاوے۔ احادیث سے سیکڑوں واقعات ایسے معلوم ہوتے

ہیں کہ جن سے صحابہ کی بے حد اطاعت اور محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مترشح ہوتی ہے۔ عام حدیبیہ میں جب حضور مکہ معظمہ تشریف لائے اور کفار نے بیت اللہ شریف سے آپ کو روک دیا۔ اور کفار نے بڑے بڑے عقلاء اور رؤسا کو صلح کیلئے بھیجا۔ جب وہ لوگ واپس ہو کر مکہ معظمہ آئے تو ان میں سے بعض نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ ان سے مت لڑو۔ ہم نے بڑے بڑے ملوک کی مجلس دیکھی ہے ایسی محبت اور ادب کسی بادشاہ کے خدم حشم میں نہیں دیکھا جس قدر کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھا لا یجدون النظر الیہ یعنی نظر بھر آپ کی طرف نہیں دیکھتے دزدیدہ نظر سے دیکھتے ہیں کسی شخص نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے حضور کا حلیہ شریف پوچھا انہوں نے فرمایا کہ میاں بیان تو وہ کرے جس نے حضور کو نظر بھر کر دیکھا ہو اور یہاں تو یہ کیفیت رہی کہ ۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش رانیز حدیث تو شنیدن نہ دہم  
بعض خشک مغز اہل ظاہر اس شعر کو مجنوں غیر عاقل کا کلام جانتے ہوں گے لیکن ہم ان کو جواب دیتے ہیں کہ تم کو اس کا ذوق نہیں ہے جو شخص عنین ہو وہ کیا جانے کہ عورت میں کیا لطف ہے ۔  
تو مشو منکر کہ حق بس قادرست

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس شعر کے مضمون کو کر کے دکھلا دیا۔ الحاصل وہ رئیس مکہ کے لوگوں کو کہتا ہے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی یہ حالت ہے کہ ذرا ان کے منہ سے کوئی بات نکلتی ہے تو اسکی بجا آوری کے لئے چاروں طرف سے سب دوڑ پڑتے ہیں اور جس وقت وہ تھوکتے ہیں تو آب دہن زمین نہیں گرتا سب ہاتھوں میں لے کر منہ کو اور آنکھوں کو مل لیتے ہیں اور اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ ان لینے والوں کے ہاتھوں کو مس کر کے ایسا ہی کرتے پس ان کی وہ حالت ہے ۔

مرا از زلف تو بوئے پسند است ہوس را ہ مدہ بوئے پسند است  
اور وہ رئیس کہتا ہے کہ جب آپ وضو کرتے ہیں تو جو پانی اعضاء وضو سے چھوٹتا ہے اس پر اس قدر لڑائی ہوتی ہے کہ قریب ہے کہ آپس میں تلوار چلنے لگے۔ سبحان اللہ! یہ کیا اچھی لڑائی ہے ایسی لڑائی جنت میں بھی ہوگی۔ ارشاد ہے یَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْنِيَةٌ۔ اگر جنت میں یہ لڑائی نہ ہوتی تو وہاں کچھ مزہ نہ تھا اس کو اہل محبت سمجھ سکتے ہیں ۔ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا یہ کیفیت تھی صحابہ کی محبت کی۔ (الغضب ج ۱۹)

## رعب و دبدبہ

صاحبو! یہ وہ تعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بعض دفعہ ازواج مطہرات ناز میں آ کر برابر کے دوستوں کا سا برتاؤ کرتی تھیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کون ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کمال میں بے نظیر تھے کوئی آپ کے برابر نہ تھا۔ نیز اس کے ساتھ آپ صاحب سلطنت تھے رعب سلطنت بھی آپ میں بہت زیادہ تھا (چنانچہ حدیث میں ہے کہ مہینہ بھر کی مسافت تک آپ کے رعب کا اثر پہنچتا تھا کہ سلاطین آپ کا نام سن کر کانپتے تھے ۱۲ جامع) مگر بایں ہمہ بیبیوں پر آپ نے کبھی رعب سے اثر نہیں ڈالا بلکہ ان کے ساتھ آپ کا ایسا برتاؤ تھا جس میں حکومت اور دوستی کے دونوں پہلو ملحوظ رہتے تھے تعلق حکومت کا تو یہ اثر تھا کہ ازواج مطہرات حضور کے احکام کی مخالفت کبھی نہ کرتی تھیں آپ کی تعظیم اور ادب اس درجہ کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی کی عظمت بھی ان کے دل میں حضور کے برابر نہ تھی اور تعلق دوستی کا یہ اثر تھا کہ بعض دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ پر ناز کرتیں مگر کبھی آپ کو ناگوار نہ ہوتا تھا مثلاً جس وقت قصہ افاک ہوا اور منافقین نے حضرت صدیقہؓ پر بہتان باندھا تو اول اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت دلگیر رہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جبکہ وہ اپنے باپ کے گھر پر تھیں یہ فرمایا کہ اے عائشہ اگر تم بالکل بُری ہو تو حق تعالیٰ تمہاری براءت ظاہر کر دیں گے۔ اور اگر واقعی تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو حق تعالیٰ سے توبہ و استغفار کر لو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات سے بہت رنج ہوا، (کیونکہ اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا تھا کہ حضور کو بھی (نعوذ باللہ) میری نسبت کچھ احتمال ہے ۱۲) تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتی کہ اس بات کا کیا جواب دوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بالکل بُری ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بالکل بُری ہوں تو اس کو آپ لوگوں کے دل قبول نہ کریں گے۔ اور اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے بُری ہوں تو اس بات کو آپ فوراً تسلیم کر لیں گے پس اس وقت میں وہی بات کہتی ہوں جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمائی تھی فَصَبِرْ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ۔ (پس صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا اور جو باتیں تم بناتے ہو اس میں اللہ ہی مدد کرے) یہ کہہ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرط غم سے



بستر پر لیٹ گئیں اور رونے لگیں۔ تو اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے آثار نمایاں ہوئے اور مکان میں سناٹا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وحی ختم ہو چکی تو پہلی بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی وہ یہ تھی اَبَشْرِیْ یَا عَائِشَةُ فَقَدْ بَرَکَ اللہُ یعنی اے عائشہ خوشخبری سن لو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری براءت ظاہر کر دی پھر آپ نے وہ آیات پڑھ کر سنائیں جو اس وقت نازل ہوئیں تھیں۔ اس بات کے سنتے ہی سب کو ایسی خوشی ہوئی کہ سارے گھر میں ہر شخص کا چہرہ خوشی سے کھل گیا۔ اور حضرت عائشہ کی والدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا قُومِیْ یَا عَائِشَةُ اِلَیْهِ وَقَبِلیْ (ای الی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی اے عائشہ اٹھو یعنی حضور کو سلام کرو، تو حضرت عائشہ نے فرمایا، وَاللّٰہِ لَا اَقُومُ اِلَیْهِ وَآلِیْ لَا اَحْمَدُ اِلَّا اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ۔ بخدا میں آپ کے پاس اٹھ کر نہ جاؤں گی اور میں اپنے خدا کے سوا کسی کی حمد نہیں کرتی۔ کیونکہ آپ نے تو مجھے آلودہ سمجھ ہی لیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے بری کیا۔

اب مردوں کو سمجھنا چاہئے کہ حضرت عائشہ کی یہ بات کس بنا پر تھی اس کا منشاء وہی ناز تھا جو بی بی کو تعلق دوستی کی وجہ سے شوہر پر ہوتا ہے اور شریعت نے عورتوں کی اس قسم کی باتوں پر جو وہ ناز میں کہہ ڈالیں کوئی مواخذہ نہیں کیا۔ اگر عورت کو ناز کا حق نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو اس بات پر ضرور تنبیہ فرماتے کیونکہ ظاہر میں یہ کلمہ نہایت سخت تھا اور یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت فرمائیں۔ چنانچہ ایک عورت نے چوری کی تھی جن کا نام فاطمہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم شرعی کے موافق ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، لوگوں نے سفارش کرنا چاہی اور حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ کو سفارش کے لئے تجویز کیا۔ کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور محبوب زادے تھے چنانچہ وہ بھولے بھالے سفارش کرنے بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت برہم ہوئے۔ اور فرمایا کہ حدود میں سفارش کرنا پہلی امتوں کو ہلاکت میں ڈال چکا ہے۔ اس کے بعد ایسی بات فرمائی کہ ہم تو اس کو نقل بھی نہیں کر سکتے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سمجھ کر نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واللہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی ہوتی (نعوذ باللہ، نعوذ باللہ، نعوذ باللہ) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا (پھر فاطمہ مخزومیہ تو کیا چیز ہیں۔ چنانچہ ان کا ہاتھ کاٹا گیا) (کذا فی ابوداؤد ۲۵۳، جلد ۲) اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم احکام شرعیہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول خلاف شریعت ہوتا تو آپ ان کی ہرگز رعایت نہ فرماتے اور ضرور تنبیہ فرماتے یہ بات بیشک ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایسی خصوصیتیں ہیں کہ ان میں کوئی ان کا شریک نہ تھا اور برتاؤ میں ان خصوصیتوں کا زیادہ ظہور ہوتا تھا۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سفر میں تشریف لے جاتے تو جاتے ہوئے سب سے اخیر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے تھے اور واپسی میں سب سے پہلے ان سے ملتے تھے۔ تاکہ جدائی کا زمانہ کم ہو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ سے کس قدر محبت تھی نیز جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت محبت سے ان کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے تو ان کی محبت کے ساتھ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بھی رعایت نہ کر سکتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تو کیا رعایت فرماتے پس ثابت ہوا کہ ان کا یہ کہنا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھ کر نہیں جاتی اور اپنے خدا کے سوا کسی کا شکریہ ادا نہیں کرتی خدا اور رسول کے خلاف نہ تھا۔ تو بی بی کا شوہر سے وہ تعلق ہے جس میں اتنی بڑی بات کو خدا اور رسول نے گوارا کر لیا۔ ورنہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرفت فرماتے یا اس پر کوئی آیت ضرور نازل ہوتی (حقوق البیت ج ۲۰)

## جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کے واقعات پیش آئے مگر ذرا بھی نہیں گھبرائے۔ چنانچہ ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ پیش آیا کہ دو پہر کو آرام فرمانے کیلئے ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے صحابہ آپ سے ذرا فاصلہ پر تھے اتفاق سے ایک کافر کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے اس موقع کو بہت ہی غنیمت سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا سو رہے ہیں اور تلوار لٹکی ہوئی ہے۔ بس اس وقت جو ہو سکے کر لینا چاہئے۔ مگر اس کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ اور تلوار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کر لیا تو سخت مشکل ہوگی پھر اپنی ہی جان بچانی دشوار ہوگی۔ اس لئے اس نے پہلے آپ کی تلوار پر قبضہ کر لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جگایا۔ اور کہا من یمنعک منی اب آپ کو مجھ سے کون بچاوے گا یہ ایسا وقت

تھا کہ شجاع سے شجاع آدمی بھی گھبرا جاتا کیونکہ اول تو ننگی تلوار سر پر دیکھ کر آدمی ویسے ہی بد  
حواس ہو جاتا ہے خاص کر جب نیند سے جاگ کر ایسا واقعہ ہو وہ وقت کتنا وحشت کا ہوتا ہے مگر  
آپ پر ذرا بھی وحشت کا اثر نہیں آیا اور آپ نے بالکل بے دھڑک جواب میں فرمایا کہ اللہ  
یعنی اللہ تعالیٰ بچاویں گے کیونکہ آپ کو تو پورا بھروسہ تھا خدا تعالیٰ پر ہم تو اسباب کو دیکھتے ہیں۔  
اور آپ کی نظر تھی مسبب پر پھر آپ کو اس سے کس طرح خوف ہو سکتا تھا۔

عقل در اسباب میدارد نظر عشق میگوید مسبب را نگر

(اجابۃ الداعی ج ۲۱)

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جامعیت

اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں ذرہ پہنتے تھے۔ لیکن اس سے یہ لازم  
نہیں آتا کہ آپ کو اندیشہ تھا یا اسباب پر نظر تھی سو آپ تو کل اور تدبیر دونوں کو جمع  
فرماتے تھے اور واقعی تدبیر کو کس طرح چھوڑا جاسکتا ہے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے  
خوان لگا ہے۔ اس میں تو کل بھی ہے تدبیر بھی ہے قسم قسم کی نعمتیں اس میں موجود ہیں۔  
پس سبب ہی سے منتفع ہونا چاہئے۔ یہ نہیں کہ ایک کو لے کر دوسری کو چھوڑ دیں۔

دیکھو اگر کوئی حاکم ہماری دعوت کرے اور چار طرح کے کھانے دسترخوان پر لگائے  
اور ہم ان میں سے بعض کھائیں اور بعض نہ کھائیں تو اس پر ضرور عتاب ہوگا۔ ایک بزرگ  
کی حکایت لکھی ہے کہ روٹی کھا رہے تھے اس میں ایک ٹکڑا جلا ہوا تھا۔ اس کو اٹھا کر انہوں  
نے علیحدہ رکھ دیا۔ فوراً آواز آئی کہ کیوں صاحب کیا یہ فضول ہی بنا ہے۔ تمام آسمانوں کو  
چکر ہوا فرشتوں کو چکر ہوا۔ کرہ ہوا کو حرکت ہوئی۔ تب یہ بنا آپ کے نزدیک یہ فضول ہی  
ہے۔ یہ آواز سن کر وہ بزرگ ڈر گئے اور اس جلے ہوئے ٹکڑے کو بھی کھا لیا۔ مگر اس کا یہ  
مطلب نہیں ہے کہ جلے ہوئے ٹکڑے بھی کھایا کرو کیونکہ ہم کو اجازت دی ہے کہ جو مضر ہو  
اس کو نہ کھائیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس کو حقیر نہ سمجھو، غرض یہ کہ اس کا تو اختیار ہے کہ جو  
مضر ہو اس کو نہ کھاؤ۔ لیکن حقیر سمجھ کر نہ چھوڑو۔ جیسے کہ اگر کسی کے ہاتھ کا ٹکڑا گر جاتا ہے تو  
اس کو یہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اگر ہم اس کو کھالیں گے تو لوگ ہم کو ندیدہ کہیں گے لوگوں  
کے ندیدہ سمجھنے کی پرواہ نہ کرنی چاہئے بلکہ یوں سمجھو کہ ہاں ہم ندیدہ ہیں۔ جب حق تعالیٰ  
ہی کو یہ پسند ہے کہ ہم ان کی نعمتوں کے ندیدہ ہوں پھر ہم کیوں ندیدہ نہ ہوں۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں خاک برفرق قناعت بعد ازیں



(یعنی جب حق تعالیٰ ہی ہم سے طمع خواہاں ہوں تو پھر قناعت پر خاک ڈالنی چاہئے)  
 اور جو چیز تم کو مضر ہو اس کو بھی اگر چھوڑ دو تو یوں سمجھو کہ یہ تو فی نفسہ ہی بڑی نعمت ہے  
 لیکن ہم اس کے متحمل نہیں ہیں یہ دقیق ادب ہے۔ (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

## کھانے میں برکت کا معجزہ

حدیثوں میں موجود ہے کہ حضرت جابرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی انہوں نے غزوہ خندق میں دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ بھوک لگی ہے۔ بس وہ جا کر اپنی بیوی سے کھانا پکانے کو کہہ آئے۔ اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے آپ کیلئے کچھ کھانا تیار کر لیا ہے تشریف لے چلے، آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ جابرؓ نے دعوت کی ہے ان کے یہاں کھانے کیلئے یہ سن کر جابرؓ بہت گھبرائے۔ کیونکہ انہوں نے کھانا تھوڑا ہی تیار کر لیا تھا۔ اور آ کر بیوی سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہؓ کے تشریف لارہے ہیں۔ اور کھانا تھوڑا، اب کیا کرنا چاہئے۔ بیوی نے کہا تم گھبراؤ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری حالت خوب معلوم ہے۔ آپ نے کچھ سمجھ کر ہی صحابہؓ کو ساتھ لیا ہوگا۔ غرض آپ تشریف لائے اور اپنا لعاب دہن آٹے میں اور ہنڈیا میں ڈال دیا پھر فرمایا اب پکانا شروع کر دو غرض روٹیاں پکتی گئیں اور سب لوگ کھاتے گئے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ تمام آدمی کھانا کھا چکے اور جتنا کھانا تھا اس میں کچھ بھی کمی نہیں آئی۔ یہ معجزہ ہے لیکن اس میں بھی یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر دعا فرماتے کہ ویسے ہی روٹیاں پیدا کر دے تو کیوں قبول نہ ہوتی ضرور ہوتی، چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے دعا کی تھی رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ۔ (اے رب! آسمان سے ہم پر مائدہ نازل کیجئے) اور وہ قبول ہوئی تھی تو اسی طرح اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تو روٹیاں یہاں بھی غائب سے آتیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ انہیں روٹیوں میں سے نکلیں اور اسی سالیں میں سے تو دیکھئے کہ خدا تعالیٰ کی حکمتوں کی آپ نے کتنی رعایت کی ہے کہ معجزہ میں بھی ایک گونہ تدبیر کی رعایت فرمائی تو چونکہ تدبیر خدا تعالیٰ کی مشروع کی ہوئی ہے اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں زرہ پہنتے تھے۔ نہ اس وجہ سے کہ آپ کو اندیشہ تھا یا اسباب پر نظر تھی۔ غرض کہ اس کافر نے جب آپ سے کہا کہ مَنْ يَمْنَعُكَ مَنِي (اب آپ کو میرے ہاتھ



سے کون بچائے گا) تو آپ نے بے دھڑک فرمایا اللہ۔ اس کہنے سے کافر کے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھالی اور فرمایا من یمنعک منی کہ اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔ مگر اس کی زبان سے یہ نہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ بچائیں گے اس کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ یہ جواب دے حالانکہ اگر وہ کہہ دیتا کہ اللہ کیا اللہ تعالیٰ کا نام سکر آپ اس کو قتل کرتے ہرگز نہیں۔ اور آپ کی بڑی شان ہے بعض اولیاء اللہ کی آپ کو حکایت سناتا ہوں۔ (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

## عبدیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کمال ہے

حدیث عائشہ ہے ماخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الاختار اھونھا (متفق علیہ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ آسان کو اختیار فرماتے تھے اس میں ایک حکمت تو یہ تھی تاکہ ضعفاء امت کا عمل بھی موافق سنت ہو جائے اور وہ آسان صورت کو اختیار کر کے بھی اتباع سنت کا ثواب حاصل کر سکیں اور ایک لطیف حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں تمام کمالات ہیں وہاں سب سے زیادہ عبدیت کی شان ہے اور یہ آپ کا سب سے بڑا کمال ہے۔ اور قوی شق کے اختیار کرنے میں گویا قوت کا دعویٰ ہے اور شق اھون کے اختیار کرنے میں عبدیت کا اظہار ہے کہ میں عاجز ہوں۔ (التیسیر للتیسیر ج ۲۱)

## حکایت حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندیؒ:

حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ کی مجلس میں ایک مرتبہ یہ حدیث بیان کی گئی کہ حضرات صحابہ کے زمانہ میں چھلنی نہ تھی بس آٹے کو پیس کر یوں یہ پھونک مار دیا کرتے تھے۔ جو بھوسی اڑ گئی باقی گوندھ لیا اور پکا لیا۔ شیخ نے حدیث سن کر فرمایا کہ آج سے ہماری خانقاہ میں اسی کے موافق عمل ہونا چاہئے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مگر رات کو سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ اب عارفین کی عقل دیکھئے واللہ ان کی عقل بوجہ تعلق مع اللہ کے مطہر بھی ہو جاتی ہے اور معطر بھی اور منور بھی اور کیا کہوں سب قافئے ختم ہو گئے ہاں مدور بھی ہو جاتی کیونکہ مدور کی کوئی نہایت نہیں ہوتی (لتساوی اجزاء ۱۲۵) اگر اس وقت ہم وہاں ہوتے تو معاذ اللہ یوں کہتے اچھا اتباع سنت کیا مگر شیخ نے یوں فرمایا کہ ہم نے بڑی گستاخی کی حضور

صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ساتھ مساوات کا قصد اور دعویٰ کیا بھائی ہم لوگ ضعیف ہیں ہم ان حضرات کے ساتھ مساوات نہیں کر سکتے بس آج سے چھلنی کا چھنا ہوا آٹا دستور سابق کے موافق پکایا کرو۔ سبحان اللہ کس قدر ادب کی رعایت کی اور کتنی جلدی عبدیت کی طرف مائل ہوئے۔ واللہ عشق نے ان کی عقل کو منور کر دیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق سے عقل زائل ہو جاتی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ محبت و عشق ہی سے عقل کامل ہوتی ہے۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد وہ دیوانہ ہے جو دیوانہ نہیں

(التیسیر للتیسیر ج ۲۱)

**حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنس بشر سے ہونا ایک نعمت ہے:**

ایسی ذات مقدس کو بھیجا جن کی شان یہ ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم یعنی تمہارے پاس ایک رسول آئے ہیں تمہاری جنس سے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہماری جنس سے ہونا ایک نعمت تو یہ ہے اس لئے اگر کسی فرشتہ یا جن کو بھیج دیتے تو سب ہیبت ہی کے مارے مر جاتے اور آپس میں کچھ مناسبت بھی نہ ہوتی آج کل لوگ اس فکر میں ہیں کہ پیغمبر کو عبدیت اور بشریت کے مرتبہ سے گزار کر الہ تک پہنچا دیں گویا اس صفت کو مٹانا چاہتے ہیں کہ جو ہمارے اور ذات حق میں واسطہ اضافی ہے حالانکہ یہ عین رحمت الہی اور عین کمال نبوی بھی ہے کہ بشر ہو کر قرب کے ایسے درجہ پر تھے کہ تو یہ کمال تھا اور رحمت اسلئے کہ بشریت کی مناسبت سے بے راہوں کو راہ پر لاویں سوان عبدیت کو مٹانے والوں کی وہی حالت ہے۔

یکے برشاخ بن مے برد

کہ ایک شخص شاخ پر بیٹھا تھا اسی کو کاٹتا تھا۔

اسی صفت کے ذریعہ سے تو ہم کو ہدایت ہوئی اور یہ ظالم اسی کو اڑانا چاہتے ہیں۔ اور اپنے نزدیک اس کو مدح اور شان بڑھانا سمجھتے ہیں اور بشریت کے اثبات کو تنقیص کہتے ہیں نعوذ باللہ۔ الحاصل اثبات میں ایک نعت تو یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بنایا دوسرے یہ کہ عزیز علیہ ما عنتم یعنی ارشاد ہے کہ امتیو تمہاری مشقت ان پر بہت شاق ہے حریص علیکم بالمؤمنین رؤف الرحیم۔ تم پر حریص اور مؤمنین کے ساتھ شدت سے رحمت فرمانے والے ہیں۔ کیا ٹھکانا ہے آپ کی شفقت کا ہم تو تمام رات آرام سے سوویں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے تمام رات کھڑے ہو کر گزار دیں۔ (الشکر ج ۲۱)

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت:

ایک مرتبہ ایک آیت میں صبح ہو گئی وہ آیت یہ ہے۔ ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفرلہم فانک انت العزیز الحکیم۔ (یعنی اے اللہ اگر آپ ان کو عذاب کر دیں تو آپ کے بندے ہیں اور اگر ان کے لئے بخشش فرمادیں تو آپ غالب ہیں حکمت والے ہیں، اور ہم تو سوتے بھی نہ تھے بلکہ معدوم محض تھے سو ہم ناکاروں کیلئے جن کا اس وقت وجود بھی نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعب اٹھاتے تھے اور فکر میں گھلے جاتے تھے چنانچہ ارشاد ہے۔ لعلک باخع نفسک ان لا یکنوا موہنین یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاید اس غم میں ہیں کہ یہ مومن نہیں ہوئے آپ اپنی جان ہلاک کر دیں گے اور یہ سب مجاہدہ اور محنت ہمارے لئے تھی ورنہ خود تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی۔ لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وما تاخر۔ (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادیں) تو آپ کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ اتنا تعب برداشت فرماویں۔ (غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود ہمارے لئے سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے حاصل یہ کہ نعمتیں خواہ دینی ہوں یا دنیوی ہم پر ہر وقت بے شمار نعمتیں ہیں اسی لئے شاد ہے۔ فان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوها۔ یعنی اگر تم اللہ کی نعمت کو شمار کرو تو احاطہ نہیں کر سکتے اور بعض نعمتیں وہ ہیں جن کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا وہ بھی ملا تو یہ مضمون اور بھی مؤکد ہوتا ہے۔ (الشکر ج ۲۱)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد ازواج میں حکمت:

یہ بھی ایک حکمت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بیبیاں کیں کیونکہ وہ ان احکام کو جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں مشاہدہ کے سبب دوسروں سے زیادہ سمجھ سکتی تھیں اور دوسری عورتیں تو صرف سوال اور استفتاء کر کے معلوم کر سکتی تھیں پھر اول تو سوال ہر چیز کا دشوار ہوتا ہے گاہ گاہ کسی بات کو پوچھ سکتے ہیں۔ دوسرے استفتاء کرنے والا اس بات کو پوچھے گا جو اس کے نزدیک سوال کے قابل ہوں گی تو ایسا بہت ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور باتیں بھی دریافت کے قابل ہوں جن کی طرف اس کو التفات بھی نہ ہو۔ اس لئے استفسار کے ذریعہ سے ہر حال کو معلوم نہیں کیا جاسکتا بخلاف اس کے جو شخص ہر وقت پاس رہتا ہے اس کو بدوں پوچھے ہی بہت

ی باتیں خود بخود معلوم ہوتی رہیں گی اس لئے بھی آپ نے متعدد نکاح کئے تاکہ ایسے احکام کا بھی اور آپ کی اندرونی حالت کا بھی علم ان متعدد بیسیوں کو ہو جائے تو وہ بآسانی بہت زیادہ عورتوں کو تبلیغ کر سکیں گی۔ چنانچہ اسی قرب و خصوصیت کی وجہ سے عورتوں میں تو ازواجِ مطہرات کا علم زیادہ تھا بہت سے مردوں سے بھی زیادہ تھا چنانچہ بہت دفعہ اکابر صحابہؓ کو ان کی احتیاج پڑتی تھی بالخصوص حضرت عائشہؓ کا علم تو بہت ہی زیادہ تھا صحابہؓ مشکل مسائل میں بکثرت آکر تشفی و تسلی حاصل کرتے تھے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد ازواج میں یہ بھی حکمت تھی کہ اس کے گھر والے زیادہ ہوں گے تو احکام مخصوصہ کا علم بھی ان کو پوری طرح ہوگا ایک یا دو عورت سے اس قدر مسائل کا احاطہ عادیۃ ضرور دشوار ہوتا۔ (تحقیق الشرح ۲۱)

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے کا سبب

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ سورہ ہود میں ایک آیت ایسی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سخت حکم کیا گیا ہے فاستقم کما امرت کہ جس طرح آپ سے کہا گیا ہے اسی طرح مستقیم ہو جائیے اور حق تعالیٰ کے ارشاد کے موافق استقامت بڑی بھاری چیز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں استقیموا ولن تحصوا کہ مستقیم رہو مگر استقامت کا حق ادا نہیں کر سکتے تو جیسی استقامت حق تعالیٰ کو محبوب ہے ویسی انسان سے عادیۃ دشوار ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ جس استقامت کا آپ کو امر ہوا ہے ویسے ہی مستقیم رہئے اس بارِ عظیم نے آپ کو بوڑھا بنا دیا بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بھی ایسا مشکل حکم نہ تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو استقامت پر جنمے ہوتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ایک اور حکم ہے وہ بالکل ہی کمزور دینے والا ہے فاستقم کما امرت ومن تاب معک کہ جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اسی طرح مستقیم رہئے اور آپ کے ساتھ جو ایمان لائے ہیں وہ بھی مستقیم رہیں۔ اس جملہ نے آپ کو کمزور بنا دیا کیونکہ دوسروں کی ذمہ داری بڑی مشکل ہے آپ اپنی ذات پر پورا اختیار رکھتے تھے مگر دوسروں کو بھی ویسا ہی مستقیم بنا دیں جیسا کہ حکم ہوا ہے یہ بڑا بارِ عظیم تھا اس فکر میں آپ گھلتے رہتے تھے کہ میری طرح سب ہی لوگ پوری طرح مستقیم ہو جائیں۔ تحصیلدار کو اپنی فکر تو ہوتی ہے اپنے عملہ کی بھی فکر ہوتی ہے اگر عملہ میں کوئی خرابی ہوتی ہے تو اس سے تحصیلدار کو بھی ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے اسی لئے حدیث میں ہے



لا تسودوا وجهی يوم القيامة کہ قیامت کے دن میرا منہ کالا مت کر دینا یعنی مجھ کو شرمندہ مت کرنا ہمارے اعمال بد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شرمندگی کیسی آپ کو یہ ندامت کیوں ہو گی یہ وہی سنت الہی ہے جس کو سعدیؒ اس شعر میں فرماتے ہیں

کرم بین و لطف خداوندگار گنہ بندہ کردہ است و او شرمسار

یعنی حق تعالیٰ کا لطف و کرم دیکھو کہ بندہ گناہ کرے اور حق تعالیٰ شرمندہ ہوں اور حق تعالیٰ کو یہ حیا اس سے ہے کہ ہمارا ہو کر یہ حرکت یہی سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم کو قیامت کے دن شرمندہ نہ کرنا یعنی شرمندگی کہ ہمارے کہلا کر یہ حرکت غرض کہ آپ کو اس فکر نے گھلا دیا تھا کہ میں اپنے آپ تو مستقیم بن سکتا ہوں مگر ساتھیوں کا ذمہ دار کون ہو اس غم نے آپ کو بوڑھا کر دیا پھر یہ غم زندگی ختم ہونے کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت شفقت:

حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری تمہاری ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی نے آگ روشن کی ہو اور پروانے گرتے ہوں وہ شخص ان پروانوں کو ہٹاتا ہو لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہوں۔ اسی طرح تم لوگ دوزخ کی آگ میں جان جان کر گرتے ہو اور میں تمہاری کمریں پکڑ پکڑ کر ہٹاتا ہوں لیکن تم مجھ پر غالب آئے جاتے ہو اور اس میں گھسے جاتے ہو۔ ان الفاظ سے ہر زبان دان کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ یہ لوگ آگ سے بچیں اور یہی وجہ تھی کہ اگر کوئی ایسی تجویز آپ کے روبرو پیش کی جاتی جس سے آپ کو اپنے مقصود حاصل ہونے کی امید ہوتی ہو تو آپ اس کو بہت جلد قبول فرما لیتے تھے۔ (فوائد الصبحہ ج ۲۱)

## سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

صاحبو! سب سے بڑے اللہ والے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح اٹھا کر دیکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل کیا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی پیبیاں تھیں، کتنے مکان تھے، کتنے خادم تھے، کتنے سواری کے جانور تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس تسبیح کے لیے مسجد ہی میں بیٹھے رہتے تھے یا لوگوں سے ملتے جلتے بات

چیت بھی کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مسلمانوں سے کیا کفار سے بھی بات چیت کرتے تھے۔ گھر میں بھی رہتے تھے وعظ و تلقین بھی فرماتے تھے لوگوں کے مکانوں پر بھی جاتے تھے مریضوں کی عیادت کرتے جنازوں کی نماز پڑھتے دفن میں شرکت فرماتے تھے کیا یہ سب کام دنیا داری کے ہیں۔ خیر یہ تو جہالت کی باتیں ہیں کہ ہر وقت تسبیح گھماتے رہنا ہی کمال ہے اور بلا اس کے کمال ہوتا ہی نہیں۔ صاحبو! کمال ہوتا ہے اتباع شریعت سے ہر حالت میں بولنے میں چالنے میں کھانے میں پینے میں لینے میں دینے میں ملنے میں جلنے میں اور یہ سب باتیں جمہی حاصل ہو سکتی ہیں جب شریعت کا علم ہو تو علم مقدم ہوا تسبیح گھمانے اور وظیفہ گھونٹنے پر۔ اسی بناء پر میں نے ان مہمان صاحب سے کہا کہ جو تسبیح ہر وقت تمہارے ہاتھ میں رہتی ہے اس کی ضرورت نہیں نماز درست کرو اس کے مسئلے پڑھو یا پوچھو۔ غرض آج کل بعض لوگ اس مذاق کے ہیں کہ ذکر اور وظیفوں ہی کو کافی سمجھتے ہیں اور بعض اس مذاق کے ہیں کہ ذکر اور وظیفوں کو بیکار سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اصل چیز علم اور ہمت ہے اور ذکر اس کا معین ہے اس نفع کے لیے ضرور کرنا چاہیے ذکر سے قلب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: ”أَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرَنِي“ یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کا ہم نشین ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے اس سے زیادہ کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ ذکر سے حق تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی حاصل ہوتی ہے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خطبہ صدیق اکبرؓ

یہ خبر سن کر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے ہوئے عوالی سے تشریف لائے اور سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جا پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو ہی چکا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چادر چہرہ مبارک سے ہٹائی اور بے اختیار پیشانی انور کا بوسہ لیا۔ اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ مضبوط نکلے ان کی زبان سے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین ہو جانے کے بعد کوئی بات نہیں نکلی سوا اس کے کہ ایک دو دفعہ اتنا کہا:

وَإِخْلِيلَاهُ وَاحِبِيَّاهُ لَقَدْ طُبْتُ حَيًّا وَمَيِّتًا وَلَأَنْتَ أَكْرَمُ عَلَى اللَّهِ مِنْ أَنْ يُذِيقَكَ الْمَوْتَ مَرَّتَيْنِ ۝

(رواہ کما قال) (ہائے خلیل ہائے محبوب آپ زندگی میں خوشبودار تھے موت میں بھی خوشبودار ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم اس بات سے کہ دو مرتبہ موت کا ذائقہ چکھیں) اس کے بعد غایت ضبط کے ساتھ حجرہ سے باہر آئے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام کے تمام حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ کو تک رہے تھے کہ دیکھئے ان کے منہ سے کیا نکلتا ہے اور یہ کیا خبر سناتے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ”عَلَىٰ رِسْلِكَ يَا رَجُلُ“ اے شخص! بس ٹھہر جا مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور برابر اپنی اس بات کو پکارتے رہے۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدھے ممبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تشریف لے گئے اور خطبہ ماثورہ کے بعد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ ۝ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ فَإِنَّ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنُيَضِرَّ اللَّهَ شَيْئًا ط وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ۝

یعنی اے لوگو! جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معبود سمجھتا ہو تو وہ سن لے کہ آپ کا تو وصال ہو گیا اور جو خدا تعالیٰ کو معبود سمجھتا ہو اس کی عبادت کرتا ہو تو وہ سن لے کہ خدا حی لا یموت ہے وہ کبھی نہ مرے گا۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی: ”وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ“ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرجائیں یا قتل ہو جائیں تو تم دین حق سے الٹے پاؤں ہٹ جاؤ اور جو اس طرح بٹے گا وہ خدا تعالیٰ کو کچھ بھی نقصان نہ دے گا (اپنا نقصان کرے گا) اور حق تعالیٰ (ایسے وقت میں) شکر و حمد کرنے والوں کو جزا دیں گے اور یہ آیت بھی پڑھی ”إِنَّكَ مَيِّتٌ“ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں کہ آپ بھی ایک دن مرنے والے ہیں اور یہ کفار بھی پھر تم سب قیامت کے دن اپنا جھگڑا خدا کے پاس لے جاؤ گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ مضمون اور یہ آیتیں سنیں تو سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا۔ اب ان سے کھڑا بھی نہ ہوا گیا مارے غم کے

تلوار ٹیک کے بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے ذہن سے اس وقت بالکل غائب ہو گئی تھی جس وقت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر ان کو پڑھا ہے۔ تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ابھی اتر رہی ہیں۔ یہ سب کچھ ہوا مگر تھوڑی ہی دیر میں سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنبھل گئے اور دین کے کاموں میں مشغول ہو گئے مگر جیسے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل الصحابہ تھے ویسے ہی اس وقت سب سے زیادہ صاحب ضبط و استقلال بھی نکلے۔ (ذم النبیان ج ۲۲)

## سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے وقت دوسرے انبیاء کی تنقیص جائز نہیں

حضرت نوح علیہ السلام کی بابت بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ رحم سے خالی تھے اور دلیل میں یہ واقعہ پیش کیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے سخت بددعا کی تھی رَبِّ لَا تَذَرُ عَلٰی الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ذِيَّارًا (اے پروردگار زمین پر کفار میں سے کسی بسنے والے کو نہ چھوڑے سب کو تباہ کر دیجئے ۱۲ جامع) یہ کتنی بڑی گستاخی ہے کہ نبی کو رحم سے خالی کہا جائے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ رہی دلیل تو اس کا جواب خود نص میں موجود ہے۔ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو سمجھایا۔ غور کیجئے کہ سمجھانے کی بھی کوئی حد اتنی مدت تک ان کی اذیتوں پر صبر کرنا تھوڑی بات ہے ذرا کوئی کر کے تو دکھلائے نو سو برس تو کیا نو ہی برس میں حقیقت معلوم ہو جائے گی تو نوح علیہ السلام کا یہ تھوڑا رحم ہے کہ اتنی مدت تک قوم کی بدحالی اور ایذا رسانی پر صبر کرتے رہے اور بددعا نہ فرمائی۔ اس مدت کے بعد اگر وہ از خود بھی بددعا فرماتے تو اس کو بے رحمی نہیں کہہ سکتے تھے چہ جائیکہ انہوں نے خود بددعا نہیں فرمائی بلکہ جب ان کو وحی سے معلوم ہو گیا کہ اب ان میں سے کوئی ایمان نہ لائے گا اور ان کی تقدیر میں کفر ہی پر خاتمہ لکھا ہے اس وقت دعا فرمائی بتلائے جب ایک قوم کی اصلاح سے مایوسی ہو جائے تو اس وقت ان کا باقی رہنا بہتر ہے یا ہلاک ہو جانا۔ ظاہر ہے کہ ایسی قوم کی بقا میں کچھ فائدہ نہیں بلکہ اندیشہ فساد ہے کہ یہ دوسروں کو بھی غارت کریں گے۔ اس وقت ان پر بددعا کرنا بے رحمی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے حق میں رحم ہے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے اپنی



بددعا میں اس بات کو ظاہر فرمادیا تھا اِنَّكَ اِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (خدا وندا اگر آپ ان کو زندہ چھوڑیں گے تو یہ آپ کے دوسرے بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور کافر فاجر کے سوا کسی کو نہ جنیں گے) اور یہ بات نوح علیہ السلام نے اپنے قیاس سے نہیں فرمائی بلکہ وحی سے ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب ان میں یا ان کی اولاد میں کوئی بھی ایماندار نہ ہوگا وَ اَوْحٰی اِلٰی نُوْحٍ اِنَّكَ لَنْ تُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ سو ان کے جو ایمان لائے ہیں اور کوئی تمہاری قوم میں سے ایمان نہ لائے گا سو جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں غم نہ کرو)۔

تو بتلائیے اس حالت میں اگر نوح علیہ السلام ان کے لئے بددعا نہ فرماتے تو اس کا انجام کیا ہوتا، ظاہر ہے کہ اس وقت تمام دنیا کافروں سے بھری ہوئی تھی مسلمان بہت ہی کم معدودے چند تھے اور کفار کے متعلق معلوم ہو چکا تھا کہ یہ خود ایمان لائیں گے نہ ان کی اولاد میں کوئی مومن ہوگا اور مسلمانوں کی اولاد کے متعلق یہ یقین نہ تھا کہ سب ایمان دار ہی ہوں گے بلکہ ان میں بھی ایمان دار اور کافر دونوں قسم کے لوگ ہونے والے تھے بلکہ مسلمانوں کی اولاد میں بھی غلبہ کفار ہی کو ہونے والا تھا۔ اب اگر اس زمانہ کے کافر غرق نہ کئے جاتے اور ان کی اولاد بھی اس وقت موجود ہوتی تو مسلمانوں کو دنیا میں زندہ رہنا دشوار ہو جاتا۔

(احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جتنے لوگ موجود ہیں وہ نوح علیہ السلام کے صرف تین بیٹوں کی اولاد ہیں، جب تین آدمیوں کی اولاد میں کفار کا اس قدر غلبہ ہے جو مشاہدہ میں آ رہا ہے تو دنیا بھر کے آدمیوں کی اولاد میں کفار کا کیا کچھ غلبہ نہ ہوتا، خصوصاً جب کہ ان کفار کی اولاد میں مسلمان کوئی نہ ہوتا سب کافر ہی ہوتے اس مقدمہ کے ملانے کے بعد تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی نوح علیہ السلام نے مسلمانوں کے حال پر بہت ہی رحم فرمایا جو اپنے زمانہ کے کافروں پر بددعا کی ورنہ آج کفار کا غلبہ ہوتا کہ مسلمانوں کو حقیقت نظر آ جاتی اور ان کو جینا محال ہو جاتا ۱۲)۔

غرض اس سیرت کے مصنف نے صرف ایک پہلو کو دیکھا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے واسطے ایسی سخت بددعا کی جو بے رحمی معلوم ہوتی ہے مگر اس نے دوسرے پہلو کو نہ دیکھا کہ ان کی یہ بددعا مسلمانوں کے حق میں خود جن میں یہ مصنف بھی داخل ہے سراسر رحم تھی ورنہ میاں کو آج دنیا میں رہنا اور کفار سے جان بچانا دو بھر ہو جاتا۔ یہ اعتراض تو نوح علیہ السلام پر تھا۔ (العمرہ یذبح البقرہ ج ۲۳)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ رجولیت

قوتِ رجولیت کی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت زیادہ تھی چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ کے اندر سو مردوں کی قوت تھی اور یہ معلوم ہے کہ ایک مرد کو چار بیبیاں تک رکھنے کی اجازت ہے پس جب آپ میں سو مردوں کی قوت تھی۔ اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ آپ چار سو بیبیاں رکھتے آپ نے چار سو میں سے نوپرا کتفا فرمایا کہاں چار سو کہاں نو یہ کمی نہیں تو اور کیا ہے اس لئے میں نے کہا ہے کہ آپ نے بہت کم بیبیاں رکھیں سو اس کا سبب بھی وہی فکر اور غم تھا آپ کو ایسے افکار لگے ہوئے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے آپ کا قلب مبارک حظوظ کے لئے کیسے خالی ہو سکتا تھا۔ پس یہ حال تو تھا ان کا جن کو مستثنیٰ کیا گیا تھا اور ہم تو مستثنیٰ بھی نہیں پھر کیسے بے فکر ہو گئے اسی طرح بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھئے کہ باوجود اس کے کہ ان کو دنیا ہی میں بشارت جنتی ہونے کی دی گئی تھی چنانچہ ان میں سے دس تو ایسے تھے کہ ان کو ایک مجلس میں خوشخبری دی گئی تھی مگر وہ سب سے ہی زیادہ خائف اور سب سے ہی زیادہ کام کرنے والے تھے ہمارے لئے تو اگر کوئی حدیث ضعیف بھی آجاتی تو حلال و حرام کی تمیز نہ رہتی۔ اور ان کی حالت یہ تھی کہ ان کو اس خبر نے مطمئن نہیں بنایا ہر وقت فکر اور غم ہی میں رہتے تھے۔ (الظلم ج ۲۳)

## حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی سلطنت

### حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے معنی اقویٰ تھی

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی نہیں ہوا اور نہ ہوگا کہ آپ نبی ہونے کے ساتھ صاحبِ سلطنت بھی تھے اور سلطنت بھی آپ کی سب سے زیادہ تھی بظاہر حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت بڑھی ہوئی تھی لیکن میں ایک قصہ عرض کرتا ہوں اس سے معلوم ہو گا کہ حضور کی سلطنت معنی سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر تھی۔ گو صورتِ سلیمان علیہ السلام کی سلطنت اشد تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور نماز پڑھتے تھے شیطان ایک آگ کا شعلہ لے کر اس طرف چلا۔ اللہ اکبر اس کی جسارت تو دیکھئے کہ بارگاہِ نبوی میں بھی اس کی یہ ہمت ہوئی حضورؐ نے فرمایا اعوذ باللہ منک (میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں) یہ فرمانا تھا بھاگ گیا۔ بعد نماز کے حضورؐ نے یہ قصہ بیان فرمایا اور یہ فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو اس کو پکڑ لیتا اور ستون سے

باندھ دیتا کہ صبح مدینہ کے لڑکے اس سے کھیلتے۔ مگر مجھ کو اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعایاد آگئی کہ انہوں نے یہ دعا فرمائی تھی قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي یعنی اے رب میرے مجھ کو ایسی سلطنت بخش کہ میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہ ہو۔ اس قصہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی سلطنت معنی اقویٰ تھی کیونکہ کسی کو پکڑ کر وہ چھوڑ سکتا ہے جس کو پورا اطمینان ہو کہ جب چاہوں گا پھر پکڑ لوں گا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا شیطان کو قید کر دینا صورتہ تسلط عظیم ہے مگر یہ چھوڑ دینا معنی تسلط اعظم ہے۔ (الظلم ج ۲۳)

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شانیں:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شانیں حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ مبشراً و نذیراً کہ آپ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہیں یعنی بندوں میں رغبت اور خوف پیدا کرنے والے ہیں جس پر تمام دین کا مدار ہے اس کے بدون دین کامل نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ طبائع مختلف ہیں کہیں زیادہ خوف نفع ہوتا ہے کہیں زیادہ رغبت زیادہ نفع ہوتی ہے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان دو شانوں کے ہونے کا راز وہی ہے جو میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی عاقل نہیں:

کفار بھی اس کے قائل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی عاقل نہیں ہوا۔ یہ ایک شبہ کا جواب استطراداً بیان کر دیا گیا ہے باقی اصل جواب ان شبہات کا وہ ہے جو میں نے چھتاری کے ایک بیان میں عرض کیا تھا جس میں علی گڑھی جنٹلمین بہت تھے۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ جو دین میں شبہات کرتے ہیں اور ان کو حل کرنے کے لئے یہ صورت آپ نے اختیار کی ہے کہ جہاں کوئی مولوی صاحب ملیں ان پر مشق کرنے لگے تو یہ تدبیر اچھی نہیں کیونکہ اس طرح تو ساری عمر شبہات ہی میں گزر جائے گی کیونکہ عقلی شبہات کے جوابات بھی عقلی ہوتے ہیں اور عقلی جواب کے مقدمات بھی عقلی ہوتے ہیں۔ آپ کو ان مقدمات عقلیہ میں بھی شبہات ہوں گے پھر ان کا جواب بھی عقلی ہوگا جو مقدمات عقلیہ ہی پر مبنی ہوگا، ممکن ہے اس جواب کے مقدمات میں شبہ ہو جائے تو یہ سلسلہ غیر متناہی ہے جیسے بچوں کی کپاس کہانی، یہ کمبخت ختم ہی نہیں

ہوتی بس ہر بات کے بعد یوں ہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ کپاس کہانی بوجھو گے، دوسرا کہتا ہے بوجھیں گے، مجھے تو اس کی تفصیل یاد بھی نہیں آتی بچپن کی باتیں اب کہاں یاد آئیں۔

وقت پیری شباب کی باتیں ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں دوسرے اگر فرض کر لیا جائے کہ عقلی جواب کے مقدمات پر آپ شبہ بھی نہ کر سکے اور سلسلہ اعتراض کا ختم ہو گیا جب بھی اس تدبیر سے قلب میں سے شبہات کی جڑ نہیں کٹ سکتی اور شفاء نہیں ہو سکتی۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۴)

## اللہ تعالیٰ کی اُمت محمدیہ پر عظیم شفقت:

میں کہتا ہوں کہ اگر مریض یوں کہے کہ طبیب کو میری علت کی کیا ضرورت ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بیمار کبھی اچھا ہوگا اور یہ خیال اس کا اچھا خیال ہے۔ مریض کبھی خیال نہیں کرتا کہ میں طبیب پر بڑا احسان کرتا ہوں اور عابد کو یہ خیال ہوتا ہے۔ تو وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عبادت اللہ میاں کا کام ہے، پھر یہ عنایت دیکھو کہ اللہ میاں نے پہلی اُمتوں کو ایک ہی مرتبہ ایک کتاب جامع دے دی کہ جس میں تمام امراض لکھے ہوئے تھے اور یہ بندوں کے سپرد کر دیا کہ حسب ضرورت اس میں سے نکال لو۔ اور اس اُمت کو ایک ایک نسخہ کر کے مرحمت فرمایا۔ مرض مرض کے موافق جیسے ایک طبیب کہ ابتدائے علاج سے انتہا تک حسب ضروریات جزئیہ ایک ایک نسخہ مریض کو دیتا ہے۔ یہ زیادہ شفقت ہے اور زیادہ رحمت ہے اور پھر اس سے بڑھ کر یہ رحمت کہ ہماری نگرانی معالجہ کے لئے کیسے شفیق پیغمبر کو مبعوث فرمایا (فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ) آپ صرف خدائے تعالیٰ کی رحمت سے اس قدر مہربان ہیں پھر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت کی کیا قدر کی۔ (اشرف المواعظ ج ۲۴)

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقت و رحمت:

بے حد شفیق اور نرم تھے آپ۔ حد ہے اس کی کہ اللہ میاں نے آپ کو جاہد الکفار کا امر فرمایا کہ بہت نرمی نہ کیجئے۔ کچھ تو شدت و غلظت چاہئے۔ کبھی برائی تو کسی کی چاہی ہی نہیں۔ اگر کبھی مقتضائے بشریت تمہارے نقصان کی دعا مانگی بھی تو پہلے عہد کر لیا ہے خداوند تعالیٰ سے کہ اس دعا کو موجب رحمت کر دیا کریں، نہ کہ موجب نقصان، آپ کی



دعا تو دعا، بد دعا بھی دعا ہے اور یہ حضور کی رحمت ہے کہ صرف زبانی اصلاح نہیں فرمائی بلکہ خود مشقت اٹھائی۔ آپ کو کبھی یہ خیال نہ ہوا کہ عبادت کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ ماتقدم و ماتأخر سب حضور کو عفو کر دیئے تھے۔ (اشرف الموعظین ج ۲۴)

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال:

حدیث شریف میں ہے کہ آپ اس قدر قیام فرماتے کہ پاؤں مبارک ورم کر جاتے اور فرماتے: افلا اکون عبداً شکوراً۔ (کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں) حضور کا باوجود مغفور ہونے کے یہ حال تھا، پھر ہمیں کیا ہوا، حالانکہ ہم مغفور قطعی ہیں بھی نہیں۔ حضور کے شکر اُعبادت کرنے پر قصہ یاد آیا۔ ایک بزرگ نے ایک پتھر کو دیکھا، رو رہا تھا۔ بہت رحم آیا اور بذریعہ کشف معلوم کیا کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا کہ جب سے یہ آیت اُتری ہے: وَقُوْذْهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ تب سے برابر رو رہا ہوں۔ ان بزرگ نے دعا مانگی کہ اللہ میاں اس پتھر کو تو دوزخ سے بچا۔ دعا قبول کر لی گئی۔ اس پتھر کا آپ نے اطمینان کر دیا۔ پھر ایک مرتبہ جو گزر ہوا، دیکھا کہ اور زیادہ رو رہا ہے۔ بڑا تعجب ہوا۔ پوچھا کہ اب بھائی کیوں رو رہا ہے؟ اب تو تیری نجات ہو گئی تو جھٹ سے کہا وہ جس عمل سے ایسا بڑا ثمرہ ہوا اس کو اور زیادہ کیوں نہ کروں۔ (اشرف الموعظین ج ۲۴)

## دبدبہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے آپ کو رُعب جلال اس درجہ عطاء فرمایا تھا کہ ہر قل و کسری اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے آپ کے نام سے تھراتے تھے۔ حدیث میں ہے نصرت بالرعب مسيرة شهر (سنن النسائی، الجہاد ب ۱- مسند احمد ۲: ۲۶۸) کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد رعب سے بھی کی ہے جو ایک مہینہ کی مسافت تک پہنچا ہوا ہے یعنی اس مخلوق پر بھی آپ کا رعب طاری تھا جو بقدر ایک مہینہ کی مسافت کے آپ سے دور تھے۔ پاس والوں کا تو کیا ذکر اور حضور تو بڑی چیز ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان غلام کے نام سے بھی سلاطین کانپتے تھے۔ جیسے حضرت عمر و حضرت خالدؓ اور یہ معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان نہ تھے بلکہ رسول بھی تھے اور رسول کا کام یہ ہے کہ امت کی ظاہری باطنی اصلاح کرے جس کے لئے

افادہ واستفادہ کی ضرورت ہے اور افادہ واستفادہ کی شرط یہ ہے کہ مستفیدین کا دل مربی سے کھلا ہوا ہوتا کہ وہ بے تکلف اپنی حالت کو ظاہر کر کے اصلاح کر سکیں اور جس قدر رعب وجلال خدا تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ صحابہؓ کو استفادہ سے مانع ہوتا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاہ گاہ اس مصلحت سے مزاح فرماتے تھے کہ صحابہؓ کے دل کھل جائیں اور وہ ہر وقت مرعوب رہ کر اپنے دل کو باتوں کے بیان کرنے سے رکیں اور یہ مسلم نہیں کہ مزاح خلاف وقار ہے خلاف وقار صرف وہ مزاح ہے جس میں کوئی مصلحت و حکمت نہ ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح سے آپ کے وقار و عظمت میں کمی نہ آتی تھی بلکہ اس کا اثر صرف یہ تھا کہ صحابہؓ کے قلوب میں انشراح پیدا ہوتا اور وہ انقباض جاتا رہتا تھا۔ جو غایت اور رعب کی وجہ سے قلوب میں عادت پیدا ہوتا ہے جس کا ثمرہ یہ تھا کہ قلوب میں آپ کی محبت جاگزیں ہوتی تھی اگر آپ مزاح نہ فرماتے تو صحابہؓ کے اوپر آپ کا خوف ہی خوف غالب ہوتا محبت غالب نہ ہوتی۔ اور جب مزاح سے آپ کی محبت غالب ہوئی تو آپ کے وقار و عظمت میں کچھ بھی کمی نہ ہوئی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ کیونکہ پہلے تو وقار و عظمت کا منشا صرف خوف تھا اب محبت و خوف دونوں مل کر کام کرنے لگے۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ مزاح سے تو خوف زائل ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہاں ہوتا ہے، جہاں مزاح کرنے والے میں شان رعب کم ہو اور وہ مزاح بکثرت کرے اور اگر شان رعب بہت زیادہ ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت احادیث میں وارد ہے اور مزاح بھی کثرت سے نہ ہو تو اس صورت میں مخاطب بے خوف نہیں ہو سکتا چنانچہ مشاہدہ اس کی دلیل ہے اور احادیث سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہؓ کے قلوب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کس قدر تھی اور جب کبھی کسی بات پر آپ کو غصہ آ گیا تو صحابہؓ کی کیا حالت ہوتی تھی۔ کہ حضرت عمرؓ جیسے قوی القلب شجاع بھی تھرا جاتے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عاجزانہ التجا کرنے لگتے تھے۔ اس جواب کے بعد ملکہ نے کہا کہ اب میرا اطمینان ہو گیا اور اب مجھے حقانیت اسلام میں کوئی شبہ نہیں رہا یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول و فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بڑی چیز ہیں میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان بھی کوئی فعل عبث نہیں کرتے ان کے ہر فعل میں نیت صالح ہوتی ہے اور اگر کسی فعل میں کوئی خاص نیت نہ ہو۔ (الحمد و دو القیود ج ۲۵)

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے دلائل

اور حضور کی محبوبیت کے مستقل دلائل تو ہیں ہی خود اس آیت میں اس محبوبیت پر ایک عجیب دلالت ہے وہ یہ کہ اس آیت میں یعنی فَلَا وَرَبِّكَ میں مقسم بہ ذات حق ہے اور انہوں نے اپنی ذات کی قسم کھائی مگر ایک عجیب عنوان سے جو حضور کی محبوبیت پر دلالت ہے کیونکہ قسم کے لئے تو اور بھی الفاظ ہو سکتے تھے مثلاً واللہ تاللہ جیسا کہ اور دوسرے مقامات پر موجود ہیں۔ (الصالحون ج ۲۶)

## تسبیحات سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شان و رود

حدیث شریف میں قصہ وارد ہوا ہے کہ سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دست مبارک میں چکی پینے سے چھالے پڑ گئے تھے ان سے کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں غلام باندی بہت آتے ہیں ایک آپ بھی مانگ لیں۔ چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں اس وقت تشریف نہ رکھتے تھے۔ جب حضور تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صاحبزادی صاحبہ کا تشریف لانا ذکر فرمایا۔ حضور خود ان کے یہاں تشریف لے گئے۔ وہ اس وقت لیٹی تھیں۔ اٹھنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسی حالت سے رہو۔ فرمایا اے فاطمہ رضی اللہ عنہا تم لونڈی غلام کی درخواست کرتی ہو کیا تم کو اس سے اچھی اور بہتر شے نہ بتاؤں۔ جب تم سونے لگو تو سبحان اللہ (۳۳ بار) الحمد للہ (۳۳ بار) اور اللہ اکبر (۳۳ بار) پڑھ لیا کرو۔ یہ لونڈی غلام سے بہتر ہے سیدۃ النساء اس پر راضی ہو گئیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے تنعم اور دنیا کو مطلقاً پسند نہیں فرمایا۔ (اشرف الموعظ ج ۲۶)

## جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں پر بہت شفقت تھی حالانکہ اس قدر شفقت اور اتنا اہتمام اور اس قدر دل سوزی و ہمدردی آپ پر واجب تو کیا ہوتی اس سے تو براہِ رحمت آپ کو روکا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاید آپ اپنی جان کھپائیں گے اس غم سے کہ یہ مومن نہیں ہیں۔ اور

ارشاد ہے فاعرض عنهم آپ ان سے اعراض کیجئے اور فرماتے ہیں وَ لَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ یعنی آپ سے سوال نہ ہوگا دوزخیوں سے۔ مگر باوجود اس کے حضور کو وہ شفقت تھی کہ امت کے لئے کھڑے ہو کر دعا فرما رہے ہیں اور قدم مبارک ورم کر گئے ہیں حدیث میں آتا ہے کہ ایک رات کامل حضور کو ایک آیت کے تکرار میں گزر گئی وہ آیت یہ ہے اِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرَ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ یعنی اے اللہ اگر آپ ان کو عذاب کریں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ بخشیں تو بیشک آپ غالب ہیں حکمت والے ہیں۔ اور یہ بھی احتمال نہیں ہے کہ آپ نے جو علاج تجویز فرمایا ہے اس میں حضور کی کوئی غرض وابستہ ہو حضور کے برتاؤ کو حدیثوں کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے کبھی اپنے یا اپنی اولاد کے لئے دنیا کی فلاح نہیں چاہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسی پیاری بیٹی تھیں کہ باوجود اس کے کہ حضور کی عادت شریفہ نہ تھی کہ کسی کے لئے کھڑے ہوں مگر جب یہ تشریف لاتی تھیں تو حضور بے چین ہو کر جوش محبت میں کھڑے ہو جاتے تھے اور جب حضور سفر میں تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں ان سے ملتے تھے اور جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو سب سے اول ان سے ملتے تھے ایسی چیمتی بیٹی کام کاج کے لئے ایک لونڈی مانگنے تشریف لائیں حضور اس وقت دولت خانہ تشریف نہ رکھتے تھے جب آپ تشریف لائے اور صاحبزادی صاحبہ کے اس غرض سے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اس وقت وہ لیٹی ہوئی تھیں اٹھنے لگیں تو حضور نے فرمایا کہ تم لیٹی رہو حضور ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا کہ بیٹی لونڈی لیتی ہو یا لونڈی سے بہتر چیز۔ بیٹی بھی ایسی باپ کی چاہنے والی اور مطیع تھیں عرض کیا کہ لونڈی سے اچھی شے دیجئے فرمایا کہ سوتے وقت سبحان اللہ ۳۳ بار اور الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۳ بار پڑھ لیا کرو یہ تم کو لونڈی غلام سے بہتر ہے ایسے پیغمبر پر کسی کو غرض کا کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ (السوال ج ۲۶)

## کمال سادگی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تکیہ میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ حدیث میں رث البیت رث الاهییت کا لفظ آیا ہے یعنی آپ کی وضع بھی سادی تھی اور بود و باش بھی سادی تھی ممتاز جگہ پر بھی



آپ نہ بیٹھتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں باہر کے لوگ آتے تھے تو پہچان نہیں سکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں اور پوچھنا پڑتا تھا کلمہ من محمد فیکم (تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں) جب صحابہ بتلاتے تھے ہذا الابيض المتكى (یہ گورے چٹے تکیہ کا سہارا لگانے والے) تب پہچان ہوتی تھی (صلی اللہ علیہ وسلم) متكى کے معنی تکیہ پر بیٹھنے والے کے نہیں بلکہ ہاتھ کا یا دیوار وغیرہ کا سہارا لگانے والے ہجرت کے واقعہ میں آتا ہے کہ مسجد قبا میں انصار حضرت ابوبکرؓ سے بہت دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دھوکہ میں مصافحہ کرتے رہے کچھ ٹھکانا ہے جانین سے سادگی اور بے تکلفی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع میں کسی بات کا امتیاز نہ تھا ورنہ لوگ پہچان ہی نہ لیتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ کہ آپ نے اس کو خلاف ادب نہیں سمجھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے بچانے کے لئے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خود مصافحہ کرتے رہے یہ ہے مساوات اب کوئی آج کل کے لوگوں سے پوچھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو ایسا برتاؤ کیا کیا ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں تھی۔ دیکھئے کس قدر سادگی ہے اس برتاؤ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت کو سب جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دو برس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زندہ رہے مگر روایات میں آیا ہے کہ کبھی ہنسی نہیں آئی کیا اس کی کوئی نظیر دکھلا سکتا ہے۔ (ذم المکر وہات ج ۲۶)

### حضرت سیدۃ النساء کا جہیز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز دیا مگر نہ اتنا کہ گھر لٹا دیا نہ کسی کو دکھایا جہیز دینے سے منع نہیں کیا جاتا۔ ہاں جس طرح دیتے ہیں وہ بیشک منع ہے۔ ایک ایک عدد اٹھا اٹھا کر سب کو دکھایا جاتا ہے جوڑوں پر گوٹہ لپیٹا جاتا ہے کہ جو کوئی نہ بھی دیکھتے تو اس کی چمک ہی سے نگاہ اٹھ جائے بیسیو! یہ تو جائز نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگوں نے آج کل اس کی یہ اصلاح کی ہے کہ جہیز کھول کر دکھاتے اور گنواتے نہیں صندوقوں میں بند کر کے برادری کے سامنے رکھ دیتے ہیں میں کہتا ہوں یہ اس سے بھی بدتر ہے کھول کر دکھانے سے تو ایک حد اور مقدار اس کی ذہنوں میں آ جاتی ہے اسی کے موافق تحسین و آفرین ہوتی ہے اور بند چیز کی نسبت یہی خیال ہوتا ہے کہ خدا جانے کیا کیا کچھ ہوگا اس سے دینے والے کے نفس کو اور زیادہ بڑائی کا

موقع ملتا ہے۔ جہیز کو رخصتی کے وقت بالکل بھیجو ہی مت گھر میں رکھا رہنے دو جب لڑکی کا گھونگھٹ کھل جائے تب لے جاؤ اور اس کے ہاتھ میں فہرست دو اور گنوا دو اور کنجیاں اس کے حوالے کر دو کہ یہ تیرا جہیز ہے یہ طریقہ تو ہے محبت سے دینے کا باقی سب ریا و نمود ہے۔ یہ طریقہ اس رواج سے بہتر ہے کہ جس کا جہیز ہے اس کو خبر بھی نہیں ہوتی سسرال والوں کو کنجی دے دیجاتی ہے اگر کوئی چیز جاتی آتی رہتی ہے تو تمام عمر کی لڑائی بندھ جاتی ہے اور ایسا ہوا ہے کہ سسرال والوں کی بدنیتی سے یا غفلت سے چیزیں ضائع ہو گئی ہیں۔ (علاج الکبرج ۲۶)

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وَلَوْلَا اَنْ تَبْتَئَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنْ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا“ یعنی اگر ہم آپ کو نہ سنبھالے رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر حق کی طرف کبھی میلان نہیں ہوا تو اب کیا شبہ رہا۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت میں کبھی ذرا بھی فتور نہیں پڑا اس وقت مختصر اُمیں نے بیان کر دیا ہے اپنی تفسیر میں میں نے اس کو مفصل لکھا ہے۔ یہ تو پہلا رکوع ہے اور دوسرا رکوع ہے ”وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوكَ“ (اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ آپ کو غلطی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا) اس سے بھی آپ کی عصمت میں شبہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ ”وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ“ فرماتے ہیں یعنی اگر حق تعالیٰ کا آپ پر فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ارادہ کرتا ایک گروہ یہ کہ آپ کو غلطی میں ڈال دے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ کا مرتبہ بھی نہیں ہوا کیونکہ ہم اس کو کہتے ہیں جس کے بعد صدور فعل کا ہو جاوے اور وہ مرتبہ عزم کا ہے اور بعض نے ہم کو عزم سے قبل کہا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ قرآن میں ”وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا“ (اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال عزم کے درجہ میں جم رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) بھی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ہم بالمرآة (آپ کے دل میں اس عورت کا خیال ہو چلا تھا) اور انبیاء چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لیے عزت معصیت ان سے محقق نہیں ہو سکتا اس لیے وہ اس کے قائل ہو گئے کہ ہم عزم سے پہلے ہوتا ہے۔ (بفضل العظیم ج ۲)

## تمام کمالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں

نصوص سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالات میں انبیاء علیہم السلام سے اکمل ہیں اس لیے یہ شبہ نہیں ہو سکتا الغرض ترک لذات لازم زہد نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرتے بلکہ تقلیل لذات زہد کے لیے کافی ہے سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے نکاح کئے ہیں آپ کی اصلی قوت کے اعتبار سے وہ تقلیل لذات ہی میں داخل ہیں کیونکہ احادیث میں وارد ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے اندر تیس مردوں اور بعض روایات میں ہے کہ چالیس مردوں کی قوت کا اندازہ کرتے تھے اور ایک مرد کی قوت چار عورتوں کے لیے کافی ہے۔ اسی لیے شریعت نے چار نکاح تک کی اجازت دی ہے۔ اس اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنی قوت تھی جو ایک سو بیس عورتوں کو اور دوسری روایت کے موافق ایک سو ساٹھ عورتوں کے لیے کافی تھی بلکہ شرح شفاء میں ابو نعیم سے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ چالیس مرد جنت کے مردوں میں سے ہیں اور ان میں ہر مرد کی قوت حسب روایت ترمذی ستر مردوں کے برابر ہوگی اور ایک روایت میں سو مردوں کی برابر آیا ہے تو ایک حساب سے آپ میں قریب تین ہزار مرد کے برابر اور ایک حساب سے چار ہزار مرد کے برابر قوت ہوئی۔ (تقلیل الکلام ج ۲)

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال زہد

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نو پر صبر کرنا یہ کمال زہد تھا اور آپ اس پر بھی قادر تھے کہ بالکل صبر کر لیتے چنانچہ جوانی میں آپ نے پورا صبر کیا کہ پچیس سال کی عمر میں چالیس سال کی بیوہ عورت سے نکاح کیا، بھلا کنوارا مرد ایسی عورت سے نکاح کر سکتا ہے جو اس کی ماں بن سکے ہرگز نہیں۔ پس جوانی میں آپ کا چالیس سالہ عورت سے نکاح کرنا اور ساری جوانی اسی کے ساتھ تیر کر دینا اس کی کافی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم متبع شہوات ہرگز نہ تھے بلکہ آپ اعلیٰ درجہ کے زاہد تھے مگر بوڑھاپے میں آپ نے نو نکاح کئے تو ضرور آپ کے ان نکاحوں میں کوئی حکمت تھی۔

چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یاد فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ آپ

ان بڑھیا کو کیا یاد فرمایا کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے اچھی آپ کو دیدی۔ حدیث میں ہے: ”فغضب حتیٰ قلت والذی بعثک بالحق لا اذکرھا بعد هذا بخیر“ یعنی آپ کو غصہ آ گیا جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ڈر گئیں اور بقسم عرض کیا کہ اب سے جب کبھی ان کا ذکر کروں گی بھلائی سے کروں گی۔ یہ حالت رعب کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تھی جن کو سب سے زیادہ ناز تھا تو دوسرے ازواج کی تو کیا حالت ہوگی تو ناز برداری کے ساتھ رعب کا جمع کرنا سرسری بات نہیں۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

## حسن و جمال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کا حسن تو عجیب و غریب تھا جو ہزاروں لاکھوں میں نہ چھپتا تھا اگر یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب آپ کا حسن ایسا تھا تو پھر نو واردوں کو پوچھنے کی کیوں نوبت آتی تھی حسن تو سب کو معلوم ہو جاتا ہے تو بات یہ ہے کہ (حسن بے شک چھپ نہیں سکتا مگر اس سے اتنا ہی تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ شخص سب سے زیادہ خوبصورت اور جمال میں بے نظیر ہے لیکن جو نو وارد آپ کو سلطان سمجھ کر آتا تھا اسے سامان سلطنت و اسباب امتیاز نہ دیکھ کر بلکہ آپ کو سب کے ساتھ ملا جلادیکھ کر حیرت ہوتی ہی تھی کہ میں ان میں سے کس کو بادشاہ سمجھوں کیونکہ حسن و جمال بدوں سامان سلطنت کے کسی کو سلطان سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ) آپ کا حسن ایسا لطیف تھا کہ دیکھنے والے کو فوراً اس کے تمام کمالات کا احاطہ نہ ہوتا تھا بلکہ آپ کے حسن کی یہ شان تھی

یزیدک وجھ حنا اذا مازدت نظراً

(تیرے چہرہ میں حسن زیادہ ہی ہوتا ہے جس قدر اس پر نظر زیادہ ڈالتا ہوں) (اسباب اللہ ج ۲۸)

## اہل کمال کو تصنع کی ضرورت نہیں

چلنے پھرنے میں آپ کی یہ عادت تھی کہ نہ سب سے آگے چلتے تھے نہ سب کے پیچھے بلکہ ملے جلے میں چلتے تھے اور بیچ میں اس طرح کہ کبھی دائیں کبھی بائیں غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سادگی تھی حالانکہ آپ کی شان یہ ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(قصہ مختصر آپ کا رتبہ خدا کے بعد بزرگ تر ہے)



اور یہ بزرگی ہی توجہ تھی اس حالت کی کیونکہ اہل کمال کو تصنع کی ضرورت نہیں ہوتی تصنع اور تکلف وہ کرتا ہے جس میں ذاتی کمال نہ ہو اور جس میں ذاتی کمال ہوتا ہے وہ اسباب کمال سے مستغنی ہو جاتا ہے آپ کا ذاتی کمال خدا کی معرفت و محبت ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی تصنع کی آپ کو ضرورت نہ تھی اور یہ کمال آپ کی برکت سے بحمد اللہ ہر مسلمان کو حاصل ہے اور جس پر اس کی عظمت منکشف ہو گئی ہے وہ بھی آپ کی طرح سب چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے چنانچہ ایک کابلی کہا کرتا تھا کہ ہم بڑے امیر ہیں ہم سے بڑھ کر دولت کسی کے پاس بھی نہیں ہے ہمارے پاس لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دولت ہے مگر ہم نے اس دولت کی حقیقت کو نہیں سمجھا اس کے اثر کو دیکھا نہیں اس کی قدر کو جانا نہیں اس لئے ہم تکلف اور تصنع میں مبتلا ہیں واللہ یہ وہ دولت ہے کہ جس کے پاس یہ ہے اس کو کسی سامان کی ضرورت نہیں مگر ہماری وہ حالت ہے

جوئی لب ناں در بدر      یک سبد پر ناں ترا بر فرق سر تو ہی  
تا بزانوئی میاں قعر آب      وز عطش و ز جوع کشتستی خراب  
(تمہارے سر پر ایک ٹوکرا روٹیوں کا دھرا ہوا ہے اور تم روٹی کے ٹکڑے کو در بدر مارے پھرتے ہو  
تم دریا میں زانو تک پانی میں کھڑے اور بھوک اور پیاس سے مر رہے ہو) (اسباب اللہ ج ۲۸)

## اشاعت اسلام اخلاق اسلامیہ سے ہونی

دراصل اشاعت اسلام اخلاق اسلامیہ سے ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئے ہیں تو وہاں کے رؤساء نے آپ کو سخت جواب دیا اور قبول اسلام سے انکار کر دیا، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ بستی کے شریروں کو بھڑکا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈھیلے پتھر پھینکیں اس وقت غیرت خداوندی کو جوش ہوا اور بحکم الہی حضرت جبریل علیہ السلام ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) کو ساتھ لے کر آئے اور عرض کیا حق تعالیٰ نے سلام کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کی قوم کا برتاؤ آپ کے ساتھ دیکھا اور ملک الجبال کو حکم دے دیا ہے کہ آپ جو کچھ اس سے فرمائیں اس کی تعمیل کرے۔ اگر آپ حکم دیں تو یہ اسی وقت طائف کے دونوں پہاڑوں کو باہم ملا دے۔ جس سے ساری آبادی پس کر رہ جائے گی مگر آپ کی رحمت

آپ نے فرمایا کہ چھوڑ دو مجھ کو اور میری قوم کو میں ان کی تباہی نہیں چاہتا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ان کی آنکھیں کھل جائیں اور اگر یہ اسلام نہ لائیں تو مجھے امید ہے کہ شاید ان کی اولاد میں سے کوئی شخص خدا کی توحید کا اقرار کر لے۔ آپ کی دلجوئی کی یہ حالت تھی کہ جب بنو ثقیف کے کفار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اتارا کہ پاس کے پاس ان کی خاطر مدارات اچھی طرح ہو سکے (اور یہ بھی مصلحت تھی کہ وہ مسلمانوں کی عبادات اور نماز وغیرہ کو اچھی طرح دیکھ لیں۔ چنانچہ ان پر اس کا اثر ہوا اور وہ اسلام لانے پر آمادہ ہو گئے) پھر یہ بھی دلجوئی کی کہ بعض نے اسلام لانے کے لئے یہ شرط پیش کی تھی کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے بعض نے کہا کہ ہم جہاد نہ کریں گے آپ نے فرمایا اچھا بہتر ہے تم زکوٰۃ نہ دینا نہ جہاد کرنا۔ صحابہ گو اس شرط کی منظوری پر حیرت ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ جب یہ اسلام لے آئیں گے تو سب کچھ کریں گے کیونکہ جب اسلام دل میں آ جاتا ہے تو یہ حالت ہو جاتی ہے

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند      فرزند و عیال و خانماں را چہ کند  
(جس شخص نے تجھ کو پہچان لیا وہ جان کو کیا کرے گا اہل و عیال مال و اسباب کو  
لے کر کیا کرے گا) (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## حکام تہمت سے بچنا چاہیے

تہمت اور بدگمانی کے موقع سے بچنا بھی سنت ہے۔ چنانچہ حضور کی شان اس باب میں یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضور مسجد میں معتکف تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو کہ ازواج مطہرات میں ہیں وہاں تشریف لائیں واپسی کے وقت حضور ان کے پہنچانے کے لئے ان کے ساتھ دروازے تک کہ وہ مسجد ہی کی طرف تھا تشریف لائے سامنے دیکھا کہ دو شخص آ رہے ہیں فرمایا کہ علی دسلکما یعنی اپنی جگہ ٹھہر جاؤ یہاں پردہ ہے اور اس کے بعد فرمایا یا ایہا صفیہ یعنی یہ عورت صفیہ تھی اور کوئی لہجہ نہ تھی فکبر علیہما ذالک یعنی یہ بات ان دونوں پر بہت بھاری ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ پر ایسا گمان ہو سکتا ہے فرمایا شیطان ابن آدم کے اندر بجائے خون کے دوڑتا ہے مجھے خیال ہوا کہ کبھی وہ تمہارے ایمان کو نہ تباہ کر دے پس جو لوگ ارشاد کی شان لئے ہوئے ہیں وہ تو ابہام سے بھی بچتے ہیں۔ ایسے حضرات قابل بیعت ہیں باقی جن کا ظاہر شریعت کے موافق نہ ہو ان میں بعض تو ایسے ہیں کہ مکار ہیں باطن بھی ان کا

موافق نہیں ہے وہ مردود ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ باطن ان کا بالکل شریعت کے موافق ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر ان کا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ان پر اعتراض نہ کرے اور نہ ان کا اتباع کرے غرض مرشد ایسے کو بنادے جو ظاہر اباطن پاک صاف ہو۔ (غض البصر ج ۲۸)

## کفار کی ایذا میں

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے جب آپ سجدہ میں گئے تو چند کفار نے آپ کی گردن پر گندگی رکھ دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلویت ثیاب کے اندیشہ سے دیر تک سجدہ ہی میں رہے یہ حال دیکھ کر کفار ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گر رہے تھے کہ اتنے میں کسی نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی یہ اس وقت بچی سی تھیں فوراً دوڑی ہوئی آئیں اور رؤساء کفار کو ان کے منہ پر برا بھلا کہا اور گندگی کو اٹھا کر پھینک دیا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سے سر اٹھایا اور ان کافروں کے نام لے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعا فرمائی حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بدعا نکلی تو کفار کے رنگ فق ہو گئے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ جو کچھ کہہ دیں گے ضرور ہو کر رہے گا حالانکہ مسلمانوں کا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشاد سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بدعا کا لگنا ضروری نہیں چاہے لگے یا نہ لگے مگر کفار کا تو یہی خیال تھا کہ آپ جو کچھ کہہ دیں گے ضرور پورا ہو کر رہے گا پس اگر یہ لوگ آپ کی رسالت کو نہ پہچانتے تھے تو آپ کی بدعا سے اتنے خائف کیوں تھے؟ معلوم ہوا کہ پہچانتے تھے مگر عناد و عار کی وجہ سے انکار کرتے تھے چنانچہ اسی عار کی بناء پر کہا کرتے کہ کیا رسالت کے لئے یتیم ابی طالب ہی رہ گئے تھے اگر خدا تعالیٰ کو رسول ہی بھیجنا تھا تو مکہ اور طائف کے کسی مالدار دولت مند کو رسول ہونا چاہیے تھا و قالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم (اور انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے اس قرآن کو دونوں مقاموں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے مالدار پر کیوں نہیں اتارا) حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں۔

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّعَلَّيْهِ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ  
اس کی تقسیم ان کے ہاتھ میں ہے جو اپنی طرف سے تجویزیں پاس کرتے ہیں ہم نے ایک

ذلیل چیز معیشت دنیا کی تقسیم کا تو اختیار ان کو دیا ہی نہیں بلکہ اس کو بھی ہم نے خود ہی تقسیم کیا ہے پھر نبوت کو یہ لوگ کیا بائیں گے غرض ان کو محض عار مانع تھی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں ان کو شبہ نہ تھا چنانچہ بعض نے مرتے ہوئے اقرار کیا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ نبی ہیں اور آپ کا دین حق ہے مگر مجھے اسلام لانے میں اس کا خوف ہے کہ قریش کی بوڑھی عورتیں یہ کہیں گی کہ دوزخ کے خوف سے اپنے باپ دادا کا دین بدل دیا گویا کفر پر جسے رہنے کا منشا بہادری تھی کہ لوگ یوں کہیں بڑے بہادر ہیں کہ دوزخ سے بھی نہیں ڈرتے واقعی بڑا بہادر تو وہی ہے جو یوں کہے کہ میں دوزخ سے بھی نہیں ڈرتا فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (سودوزخ کے لئے کیسے باہمت ہیں) (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

## حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادب

حدیث میں آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں اس طرح بیٹھتے کہ کوئی ناواقف آتا تو اس کو پوچھنا پڑتا من محمد فیکم صحابہ کہتے تھا لا بیض المتکنی متکے کے معنی ٹیک لگانے والے کے ہیں کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ ٹپکے بیٹھے ہوں گے اس وقت یہ لفظ کہا گیا ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنکے پر بیٹھے تھے۔ کیونکہ عربی زبان میں اتکا کے معنی مطلب ٹیک لگانے کے ہیں اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنکیہ اور مسند پر بیٹھا کرتے تو آنے والا شناخت ہی نہ کر لیتا کیونکہ ظاہر ہے کہ مجلس میں جو تنکیہ پر بیٹھا ہوتا ہے وہی بڑا ہوتا ہے۔ اور ہجرت کے واقعہ میں ہے کہ جب مسجد قبا میں آنے والے حضرت صدیق اکبرؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دھوکے میں مصافحہ کرتے رہے جب دھوپ چڑھ آئی تو حضرت صدیقؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر تان کر کھڑے ہو گئے تب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر سادگی سے رہتے تھے اب یہاں قابل لحاظ یہ بات ہے کہ معلوم ہونے پر دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے مصافحہ نہیں کیا نیز یہ کہ حضرت صدیقؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے بچانے کے لئے خود ہی سب سے مصافحہ کیا کہئے کیا ادب ہے حقیقی ادب اس کو کہتے ہیں کس جان نثاری سے لوگ آئے تھے اور ان کے لئے مصافحہ کس درجہ نعمت غیر مترقبہ تھی مگر اپنی خواہش پوری کرنے کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا زیادہ پاس کیا آج کل کا مصافحہ نہ



تھا۔ آج کل تو لوگ غضب ہی کرتے ہیں ایک مرتبہ میں گردن جھکائے وظیفہ پڑھتا تھا ایک شخص آئے اور مصافحہ کے لئے کھڑے رہے میں نے آنکھیں بند کر لیں تاکہ وہ چلے جائیں مگر وہ اس پر بھی نہ گئے اور پکار کر کہا کہ مصافحہ میں نے بھی کہہ دیا کہ وظیفہ اور بعض لوگ کندھا پکڑ پکڑ کر کھینچتے ہیں کہ مصافحہ کر لیجئے مصافحہ کیا ہوا کہ بلائے جان ہو گیا اور پھر کتنا ہی کہنے کوئی سنتا نہیں ابھی ایک شخص کو منع کیا اور دوسرا اسی طرح مصافحہ کرنے کو تیار فرمایا اور یہ رسم بھی قابل اصلاح ہے کہ مسافر چلتے وقت جبکہ اسباب باندھتا ہوتا ہے اس وقت اس کو گھیرتے ہیں اس وقت اس کو مخلی بالطبع چھوڑ دینا چاہئے جب تک اسباب باندھے اس سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ جانا چاہئے ہاں اس کی اعانت کے واسطے اگر ایک دو آدمی پاس رہیں جن سے بے تکلفی ہو تو خیر جب تہیہ سفر کر چکے تو اطمینان سے مل لیں فقط۔ (ادب العشر ج ۲۸)

## شان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دیکھئے کہ آپ لباس ہمیشہ موٹا پہنتے تھے اور کمر اوڑھا کرتے تھے مگر اس کمر ہی میں رعب و جلال کی یہ حالت تھی کہ سفراء دول آپ سے کانپتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی بادشاہ کا سفیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو صورت دیکھ کر تھر تھرا کر کانپنے لگا۔ اس کی یہ حالت تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت کہ آپ اپنے رعب کو کم کرنا چاہتے تھے کوئی دنیا کا بادشاہ ہوتا تو اس حالت سے خوش ہوتا کہ مجھے دیکھ کر سفراء دول کانپتے ہیں۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو دین کے بادشاہ تھے آپ خود اس کی خواہش کیوں کرتے۔ چنانچہ سفیر کی یہ حالت دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ بھائی مجھ سے کیوں ڈرتے ہو میں تو ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ یعنی غریب تھی جو گوشت کو سکھا کر دوسرے اوقات کے لیے رکھتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اپنی تواضع کو ظاہر فرمایا شاید کوئی کہے کہ گولباس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سادہ تھا مگر شاید کوئی اور ہیئت رعب کی ہوگی تو سنئے! حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں اس طرح بیٹھا کرتے تھے کہ نو وارد کو یہ بھی خبر نہ ہوتی تھی کہ ان میں سردار کون ہیں اور خادم کون ہیں۔ کوئی صورت امتیاز کی نہ تھی اسی لیے نو وارد کو پوچھنا پڑتا تھا۔ ”من محمد فیکم“ تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ صحابہ

فرماتے: ”هذا الابيض المتكسني“ (یہ گورے چٹے جو سہارا لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ تو نشست و برخاست کی سادگی تھی اور گفتگو کی سادگی یہ تھی کہ دیہات والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا محمد ابن عبدالمطلب کہہ کر گفتگو کرتے تھے صاف نام لیا کرتے تھے القاب و آداب کچھ نہ استعمال کرتے تھے اس میں کچھ تو ان کے دیہاتی ہونے کا اثر تھا اور کچھ عرب میں سادگی ہے۔ بھئی سنا ہے کہ اب تک بھی ان کی یہی معاشرت ہے کہ وہ اپنے امراء و سلاطین کو نام لے کر خطاب کرتے ہیں۔ شیوخ عرب شریف مکہ کو یا حسین یا حسین کہہ کر خطاب کرتے ہیں اور آج کل ابن مسعود کے متعلق بھی سنا گیا ہے کہ ان کے بعض آدمی یا ابن مسعود کہہ کر ان سے خطاب کرتے ہیں اور چلنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سادگی تھی کہ آپ اکثر صحابہ کے پیچھے چلتے تھے اور کبھی درمیان میں ہو جاتے تھے۔ غرض میمنہ میسرہ اور مقدمہ ساقہ کی کوئی ترتیب نہ تھی بلکہ کبھی کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے ہو جاتا کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہو جاتے اور کبھی سب سے پیچھے ہو جاتے۔ شاید کوئی کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن ایسا تھا جس سے دیکھنے والے پر رعب پڑتا ہوگا کیونکہ حسن کا بھی رعب ہوتا ہے تو سنئے حسن کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اول نظر میں دیکھنے والے کو مغلوب کر دے مگر بار بار دیکھنے سے رعب کم ہو جائے دوسرے وہ جو اول نظر میں مرعوب نہ کرے اور جوں جوں نظر کرتا جائے دل میں کھجنا چلا جائے۔

يزيدك وجه حسنا اذا مازدته نظراً

(جبکہ اس کو تم جس قدر زیادہ دیکھو گے اس کے چہرہ میں حسن زیادہ نظر آئے گا)

(الرحيل الى الخليل)

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اسی باب میں اس طرح بیان کی گئی ہے: ”كان دائم الفكرة متواصل الاخران“ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فکر و سوچ میں اور رنج و غم میں رہتے تھے اور اس فکر و غم ہی کا یہ اثر تھا کہ آپ کبھی کھل کر ہنستے نہ تھے۔ حدیث میں ہے: ”كان جل ضحكهم التبسم“ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا ہنسنا یہ ہوتا کہ تبسم فرما لیتے تھے اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حوصلہ تھا کہ ہماری خاطر سے تبسم بھی فرما لیتے

تھے ورنہ جس کے سامنے وہ احوال شدیدہ ہوں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف تھے اس کو تو تبسم بھی نہیں ہو سکتا۔ شاید کوئی اس پر یہ شبہ کرے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا خوف تھا؟ آپ سے تو سب ذنوب کے بخش دیئے جانے کا وعدہ ہو چکا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ بس آپ کے نزدیک جہنم ہی تو ایک خوف کا سبب ہے۔ صاحب اس سے بڑھ کر عظمت حق کا انکشاف خوف کا سبب ہے جس پر عظمت حق کا انکشاف ہو گیا ہے وہ جہنم کو تو تصور میں بھی نہیں لاتا پھر اس سے آگے ایک اور مقام ہے جس میں باوجود مغفرت ذنوب کے بھی جہنم سے اطمینان نہیں۔ ”وہو انکشاف قدرة الحق“ (وہ قدرت حق کا منکشف ہونا ہے) اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”لو علمتم ما اعلم لضحكتم قليلاً ولبكيتم كثيراً“ یعنی اگر تم وہ باتیں جانتے جو مجھے معلوم ہیں تو بہت کم ہنستے اور زیادہ رویا کرتے۔ اس جگہ کم ہنسنے کے معنی یہ ہیں کہ بالکل نہ ہنستے مگر یہ محاورہ ایسا ہے جیسا اردو میں آپ کہا کرتے ہیں کہ میں ایسا روگ کم پالتا ہوں یعنی نہیں پالتا اور محاورات اکثر تمام زبانوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ بھی یہ استعمال آیا ہے جہاں قلت کے معنی ہو ہی نہیں سکتے عدم ہی کے معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی: فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ۔ (سو وہ ایمان نہیں لاتے ہیں) (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

### خاصہ بشریہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر جو امور عظام و احوال شدیدہ تھے ان کے ہوتے ہوئے کسی کو ہنسنے کی تاب نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ تھا کہ آپ اس کے باوجود بھی تبسم فرما لیتے تھے اس پر اگر یہ سوال ہو کہ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم بھی کیوں فرماتے تھے اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ہماری خاطر سے تاکہ لوگوں کا کلیجہ نہ پھٹ جائے اور وہ یوں نہ کہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت غمگین رہتے ہیں تو ہمارے تو پھر کہاں ٹھکانا ہے لوگ اس سے مایوس ہو جاتے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاہ گاہ تبسم فرما لیا کرتے۔ دوسرے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ضحک و تبسم خاصہ بشریہ ہے کہ ہنسی کی بات پر ہنسی آ ہی جاتی ہے چاہے اندر سے دل پر کیسا ہی غم کا پہاڑ ہو مشہور ہے کہ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے کیونکہ خاصہ بشریہ! چلتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی حالت تھی کہ آپ ہمیشہ فکر مند اور اندویش رہتے تھے تو ہم آخر کس بات پر بے فکر ہیں۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)



## کمال شفقت

حضرت اولیٰؑ سے بڑھ کر حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے یہ حالت کفر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے بعد میں اسلام لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا اهل تستطیع ان تغیب وجھک عنی (الصحيح للبخاری ۵: ۱۲۹) اے وحشی! کیا تم اپنا چہرہ مجھ سے غائب رکھ سکتے ہو۔ یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ تم عمر بھر میرے سامنے نہ آؤ۔ واللہ! یہ واقعہ تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے لئے کافی ہے کہ آپ کو قاتل حمزہ کی صورت دیکھنے سے طبعاً مال و کوفت ہوتا تھا بے تکلف آپ نے اس طبعی اثر کو ظاہر فرمادیا کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور بناوٹ کرتا اور اپنے رنج کو چھپاتا کہ ایسی بات کیا کہوں جس سے دوسروں کو یہ خیال ہوگا کہ معافی کے بعد بھی ان کے دل میں غبار ہے اور یوں کہے گا کہ اسلام سے خدا تعالیٰ نے تو پہلے گناہوں کو معاف فرمادیا اور ان کے دل میں ابھی تک پہلی باتوں کا اثر باقی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی مطلق پروا نہ تھی کہ کوئی معتقد رہے گا یا نہیں اس لئے صاف صاف فرمادیا کہ اے وحشی اگر تم عمر بھر کے لئے مجھ سے اپنا منہ چھپا لو تو اچھا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طریق میں تکرار قلب شیخ مانع و حاجب ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے آنے سے روک دیا کہ روز روز دیکھ کر انقباض ہوگا اور میرے انقباض سے ان کو ضرر ہوگا کہ فیوض و برکات سے حرمان ہو جائے گا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ہی راحت کا سامان نہیں کیا بلکہ ان کی راحت کا بھی سامان تھا کہ ان کو بعد ہی میں ترقی ہو سکتی ہے قرب میں نہ ہوگی۔ اسی لئے صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ بعض مریدوں کے لئے شیخ سے بعد ہی مفید ہے ان کو قرب میں زیادہ نفع نہیں ہوتا۔

دوسرے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی اس قسم کے امور طبعیہ اور جذبات بشریہ کی رعایت و موافقت کی اجازت دے دی اور بتلادیا کہ مجرم کی خطا معاف کر دینا اور ہے اور دل کھل جانا اور ہے یہ ضرور نہیں کہ خطا معاف کر دینے کے ساتھ فوراً ہی دل بھی کھل جائے اس واقعہ میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے جو خطا ہوئی تھی یعنی قتل حمزہ وہ اسلام سے پہلے ہوئی تھی اور اسلام لانے سے گزشتہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو یقیناً ان کی خطا معاف کر دی گئی تھی مگر خطا معاف کر دینے سے وہ طبعی اثر معاً کیوں کر دل سے



زائل ہو جاتا کہ صورت دیکھ کر قاتل ہونے کا بھی خیال نہ آتا اس لئے آپ نے حضرت وحشی کو اپنے سامنے آنے سے منع فرما دیا۔ لوگ اس میں بہت غلطی کرتے ہیں کہ خطا کی معافی اور دل کی صفائی کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں یہ غلطی ہے خطا معاف کر دینے سے فوراً دل صاف نہیں ہو جاتا دیکھو اگر تم کسی کے نشتر چبھا دو پھر معافی چاہو اور وہ اسی وقت معاف بھی کر دے تو کیا معاف کر دینے سے زخم بھی فوراً اچھا ہو جائے گا ہرگز نہیں بلکہ اس کا علاج معالجہ مہینوں ہفتوں کرو گے تب کہیں اچھا ہوگا یہی حال دل کے زخم کا ہے کہ خطا معاف کر دینے سے وہ معامند مل نہیں ہو جاتا بلکہ دیر میں اچھا ہوتا ہے اور کبھی خطا کار کے بار بار سامنے آنے سے دل کا زخم چھلنے لگتا ہے تو اس وقت اس کی اجازت ہے کہ اس کو اپنے سامنے آنے سے منع کر دو تا کہ دل کا زخم زیادہ نہ بڑھے اور جلدی اچھا ہو جائے مگر بعض لوگ اس حالت کے ظاہر کرنے سے شرماتے ہیں کہ لوگ یوں کہیں گے کہ ان کے دل میں معافی کے بعد بھی غبار ہے یہ محض تصنع ہے اور بعض اس سے تو نہیں شرماتے مگر دوسرے شخص کی دل شکنی کے خیال سے اس کو سامنے آنے سے منع نہیں کرتے اور اپنے دل پر جبر کئے رہتے ہیں کہ یہ عزیمت ہے مگر کبھی اس رخصت پر بھی عمل کرنا چاہئے جس پر حضرت وحشی کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے اگر رخصت شرعیہ سے ہم انتفاع نہ کریں گے تو کیا فرشتے انتفاع کریں گے اور میرے نزدیک اس کا معیار یہ ہونا چاہئے کہ جس شخص کے سامنے آنے سے کلفت قابل برداشت ہوتی ہو وہاں عزیمت پر عمل کر لے اور جہاں کلفت ناقابل برداشت ہوتی ہو وہاں رخصت پر عمل کرے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت لوگوں نے ایذا دی مگر چونکہ وہ ایذا میں آپ کی ذات تک محدود تھیں اس لئے ان کو آپ بہت جلد دل سے بھلا دیتے تھے اور ان ایذا دینے والوں کے اسلام کے بعد ان کی پہلی ایذا کا آپ کو خیال بھی نہ رہتا تھا اور حضرت وحشی کی ایذا کا اثر آپ کی ذات ہی تک نہ تھا بلکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو قتل کیا تھا اور بری طرح قتل کیا تھا جس کا صدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور حضرت حمزہ کے سب عزیزوں کو بہت تھا جس کی وجہ سے حضرت وحشی کی صورت دیکھنے کا آپ کو تحمل نہ تھا اس لئے یہاں آپ نے رخصت پر عمل فرمایا (۱۲) (انفاق المحب ج ۳۰)

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت جسمانی

خاندان بنی ہاشم تھا ہی بہت قوی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس آدمیوں کی قوت تھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہلوان کو پچھاڑا تھا ان کا نام رکنا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور کہا تھا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں آپ نے ان کو پچھاڑ دیا انہوں نے کہا کہ یہ اتفاقی بات تھی کہ میں کچھڑ گیا۔ اب کے پچھاڑے تو جانوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو اٹھا کر پھینک دیا یہ صاف ثبوت ہے اس بات کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں قوت بدنی بھی بہت تھی۔ غرض یہ بات ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس آدمیوں کی قوت تھی۔

یہاں سے ملحدوں کے تعدد ازواج پر اعتراض کا جواب بھی نکلتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس آدمیوں کے برابر قوت تھی اور ایک آدمی کو ایک بیوی رکھنے کی اجازت تمام دنیا دیتی ہے تو اس حساب سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس بیویاں رکھنے کی گنجائش تھی تیس کی جگہ اگر نو ہی رکھیں تو اس تعدد ازواج پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کمی کی حساب سے ایک تہائی سے بھی کم پر بس کیا ذرا انصاف سے کام لینا چاہئے اور یوں کوئی بک بک کرتا پھرے تو اس کا کیا علاج اور یہ تعدد ازواج بھی بطور نفس پروری نہ تھا کیونکہ اس کے خلاف پر بہت سے قرائن ہیں۔

دیکھئے سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سب بیواؤں سے عقد کیا اور سب سے اول جو شادی کی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس برس کی تھی یہ وقت عین شباب کا تھا اس وقت میں تو کنواری سے کرنا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا ان کی عمر اس وقت چالیس برس کی تھی اور بیوہ تھیں دیکھئے یہ نفس پروری ہے یا نفس کشی اور جب تک وہ زندہ رہیں ان کے سامنے اور کوئی نکاح نہیں کیا۔ یہاں سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورتوں سے اس واسطے عقد کئے کہ کنواری ملتی کہاں آپ کوئی گھر کے امیر نہ تھے اور شبہ اس طرح رفع ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مملکت العرب کہلاتی تھیں انہوں نے خود اپنی خواہش سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا تھا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت لوگوں کے دلوں میں یہ تھی کہ مملکت العرب نے خود خواہش کی تو غریب غربا کنواریوں کا ملنا کیا مشکل تھا۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

## خاندانی اور غیر خاندانی میں فرق

خاندانی اور غیر خاندانی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند تعالیٰ نے ایسے خاندان میں پیدا کیا تا کہ کسی بڑے سے بڑے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے میں عار نہ ہو اسی واسطے حق تعالیٰ نے سب انبیاء کو خاندانی بنایا ہے۔ اگرچہ خدائے تعالیٰ کے یہاں نسبت کا چنداں اعتبار نہیں بلکہ کسب کا اعتبار ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اتَّقٰكُمْ مَگر لوگوں کے مذاق کا اعتبار کیا تا کہ کسی کو بھی اتباع سے عار نہ ہو۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

## شریعت کی وسعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ فرماتے ہیں اوتیت علم الاولین والآخرین (مجھ کو اولین اور آخرین کا علم دیا گیا ہے) اور فرماتے ہیں ادبئی ربی فاحسن تادیبی و علمنی ربی فاحسن تعلیمی (کشف الخفاء للعجلونی ۱: ۷۲ 'کنز العمال ۱۳۹۹۵) (مجھ کو میرے رب نے ادب دیا پس میرا ادب دینا اچھا ہوا مجھ کو میرے رب نے تعلیم دی پس اچھی ہوئی تعلیم میری) اور یہاں سے شریعت کی وسعت معلوم ہوگئی ہوگی کہ شریعت اسلامی کے سوا کوئی قانون ایسا نہیں کہ جس میں تمام واقعات جو قیامت تک ہونے والے ہیں سب کا حکم موجود ہو اگر کوئی کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض مسائل کے متعلق لا ادری (مجھ کو معلوم نہیں) فرمایا ہے تو جواب یہ ہے کہ لا ادری اس وقت تک تھا کہ جب تک شریعت کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔

اور جب آیۃ الْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (میں نے آج کے دن تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا) نازل ہوئی اور شریعت من کل الوجوہ مکمل ہوگئی پھر کوئی حکم غیر مبین نہیں رہا سب مبین ہو گئے اور مبین ہونے کے یہ معنی نہیں کہ بالتخصیص ہر ہر واقعہ کا حکم بیان فرمایا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ قواعد کلیہ ایسے فرمائے جن سے تمام واقعات کے احکام مستنبط ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدن گودنے والے پر جو لعنت فرمائی تو ایک

عورت نے دریافت کیا کہ قرآن میں تو یہ حکم ہی نہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو قرآن پڑھتی تو اس میں یہ حکم پاتی کیا تو نے قرآن میں پڑھا نہیں وَمَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیں (یعنی کسی شے کا امر فرمادیں) اس کو لو اور جس شے سے منع فرمادیں اس سے باز رہو۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن گودنے والے پر لعنت فرمائی ہے پس یہ حکم بھی من اللہ ہوا اسی طرح سے آج کل جو اخباروں میں لکھا جاتا ہے کہ داڑھی رکھنے کا حکم قرآن میں ہی نہیں یہ مولویوں کی گھڑت ہے یہاں سے اس کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ اگرچہ قرآن میں تصریح نہیں ہے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امر فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا اللہ تعالیٰ ہی کا فرمایا ہوا ہے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود  
(انکا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اگرچہ اللہ کے بندہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلا ہے)  
آپ کی شان یہ ہے

در پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند انچہ استاد ازل گفت بگو آں گویم  
(آئینہ کے پیچھے مجھے طوطی کی طرح رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں)  
پس اس قاعدہ سے داڑھی رکھنے کا حکم بھی قرآن میں مذکور ہو گیا اور یہاں سے ایک اور ضروری بات ثابت ہوئی وہ یہ کہ جب معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا گویا اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے۔

## انبیاء علیہم السلام کا ملین کی حالت

انبیاء اور کاملین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ گوان سے خطائیں نہیں ہوتیں مگر بات بات پر ان کو یہ وہم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کہیں ناراض نہ ہو گئے ہوں اسی لئے حق تعالیٰ نے سورہ فتحنا میں فرمایا ہے۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیں) حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذنب سے پاک تھے مگر پھر بھی ذنب اس لئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تسلی ہو



جائے کیونکہ آپ تو اس بے گناہی میں بھی اپنے کو گنہگار سمجھتے تھے آپ کے خیال کے موافق فرما دیا کہ اچھا اگر آپ اپنے کو گنہگار ہی سمجھتے ہیں تو لو ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔ اب تو آپ کو تسلی ہو جانی چاہئے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے عاشق محبوب سے رخصت ہوتے ہوئے کہا کرتا ہے کہ میری خطائیں معاف کر دو وہاں خطا کا نام کہاں محبوب کہتا ہے کہ تم تو جان نثار ہو تم سے خطا کیسی؟ مگر وہ آگے ہاتھ جوڑتا ہے خوشامدیں کرتا ہے کہ ایک بار تم زبان سے کہہ دو کہ میں نے سب خطائیں معاف کیں چنانچہ وہ محض اس کی تسلی کے لئے کہہ دیتا ہے مگر واقع میں خطا کا نام بھی وہاں نہیں ہوتا۔ اس عشق کی بھی عجیب کیفیات ہیں بس عاشق کا حال یہ ہوتا ہے کہ بعد میں تو چین کہاں ہوتا قرب میں بھی بے چین ہی رہتا ہے۔

من شمع جا نگدازم و تو صبح دل کشائی      سوزم گرت نہ ینم میرم چورخ نمائی  
نزدیک آں چنانم و دور آں چنانم کہ گفتم      نے تاب وصل دارم و لے طاقت جدائی  
(میں شمع ہوں تو صبح ہے اگر تجھے دیکھ لوں تب بھی موت ہے کہ لوگ بجھا دیں گے اور اگر نہ دیکھوں تب بھی ہلاکت ہے کہ جل جاؤں گا اس محبوب کی نزدیکی ایسی ہے اور جدائی ایسی جیسا اوپر کے شعر میں ذکر کیا نہ جدائی کی طاقت نہ وصل کی تاب) نہ اس کو وصل میں چین ہے نہ فصل میں چین ہے جتنا مقرب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ بے چین ہوتا ہے۔ (ایواء الیتامی ج ۳۰)

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق      مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی  
جب حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ چاہے نبی ملک (بادشاہ) ہونا اختیار کر لیں یا نبی عبد ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کے مشورہ سے نبی عبد ہونا اختیار کیا اگر آپ بھی نبی ملک ہونا چاہتے تو آپ سے بھی یہی ارشاد ہوتا ہذا عطاءنا فامئن أو امسک بغیر حساب (یہ بے شمار ہماری عطا ہے دو یا نہ دو) اور اس سے آپ کی بھی تسلی کر دی جاتی مگر آپ نے سلطنت پر عبدیت کو ترجیح دی اور غنائے ظاہری کو اختیار نہیں فرمایا دوسرے اگر غنائے ظاہری ہی مراد لی جائے جیسا مشہور مفسرین میں یہی ہے تو گو آپ کے پاس مال جمع نہ رہتا تھا اور اسی سے شبہ عدم غنائے ظاہری کا ہو سکتا ہے مگر جو مقصود ہے غنائے ظاہری سے کوئی مصلحت ان کی نہ رہے وہ مقصود اس

طرح حاصل تھا کہ وقتاً فوقتاً اس طرح مال آتا تھا کہ سلاطین و امراء کی طرح آپ خرچ فرماتے تھے جس میں یہ بھی حکمت تھی کہ آپ مقتدا تھے اور مقتدا کے لئے وقعت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ عرفاً تمول سے ہوتی ہے بشرطیکہ تمول پر تحول بھی مسلط ہو (یعنی سخاوت بھی ہو کہ لوگوں کو دیتا دلاتا رہے جس سے مال چلتا پھرے) (ایواء الیتامی ج ۳۰)

## ظاہری غنا

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری غنا کی بھی یہ حالت تھی کہ آپ نے حج و داع میں سواونٹ قربان کئے جن میں تریسٹھاپنے دست مبارک سے نحر کئے جس کی کیفیت حدیث میں آتی ہے کلھن یز دلفن الیہ کی ہراونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی گردن بڑھاتا تھا گویا ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ پہلے مجھے ذبح کیجئے سبحان اللہ کیا شان محبوبیت تھی۔

ہمہ آہون ان صحرا سر خود نہادہ برکف بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد (جنگل کے تمام ہرنوں نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا ہے اس امید پر کہ کسی دن تو شکار کو آوے گا) یہ شعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان میں زیادہ چسپاں ہے واقعی آپ تو ایسے ہی تھے کہ جانور اپنی گردنیں خود آگے بڑھاتے تھے اور ہر ایک چاہتا تھا کہ کاش پہلے میں آپ کے ہاتھ سے ذبح ہو جاؤں اتنے اونٹوں کا ذبح ہونا بدون ظاہری غنا کے کب ممکن ہے اسی طرح آپ کی عطاء اور سخاوت کی یہ حالت تھی کہ بعض دفعہ آپ نے سو سو دو سو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطا فرمائے ایک اعرابی کو بکریوں کا بھرا جنگل عنایت فرما دیا۔

بحرین سے جب مال آیا تو وہ اتنا تھا کہ مسجد میں سونے چاندی کا ڈھیر لگ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا سب ایک دم سے بانٹ دیا اور بعض صحابہ کو اتنا دیا جتنا وہ اٹھا سکتے تھے ایسی نظیریں تو سلاطین کے یہاں بھی نہیں سنی جاتیں اس سے آپ کا غنائے ظاہری بھی ظاہر ہے کیونکہ غنائے ظاہری کی حقیقت مال کا رکھنا نہیں ہے بلکہ مال کا خرچ کرنا ہے وہ بوجہ اکمل ثابت ہو گیا۔ (ایواء الیتامی ج ۳۰)

## کمال ہدایت

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (اور آپ کو بے خبر پایا تو راستہ بتلا دیا) میں آپ کی کمال ہدایت کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ نے خود آپ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا تو ضرور ہے کہ اس کا درجہ بھی کامل ہو چنانچہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کتنا کچھ کامل تھا۔ بھلا جس نے بچپن میں کسی استاد سے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو نہ ایک حرف لکھا ہو اس کے علم کی یہ حالت کہ تمام دنیا کو علم سکھلا دیا عرب کے جاہلوں کو ارسطو و افلاطون سے زیادہ حکیم بنا دیا یہ کمال ہدایت نہیں تو کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا اندازہ احادیث کے پڑھنے سے اور قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ قرآن کے مطالب کو ایسا کوئی شخص حل نہیں کر سکا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جانتے تھے ادھر احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح اخلاق و تہذیب نفس و حسن معاشرت و تمدن و قضاء و امارات و سلطنت کے جو اصول و قواعد بیان فرمائے ہیں ان کو دیکھ کر آپ کے علوم کا اندازہ ہو سکتا ہے بھلا کوئی شخص بھی ایسا جامع ہو سکتا ہے جو عبادات کی بھی کامل تعلیم دے اخلاق کی بھی معاملات کی بھی معاشرت کی بھی اور تمدن و سیاست کی بھی پھر تعلیم بھی کیسی پاکیزہ جس کی نظیر ملنا محال ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقائص کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ آپ کے احوال کی تکمیل و کمال کو بیان فرمایا ہے خوب سمجھ لو اشکال کا جواب تو ہو گیا۔ (ایواء الیتامی ج ۳۰)

## قوت و شجاعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بھی اپنی کوئی خصوصیت نہیں رکھی جس طرح دوسروں کو سلام کیا جاتا تھا ویسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا جاتا تھا ورنہ سلاطین کا سلام تو سب سے الگ ہوتا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے کچھ امتیاز نہ رکھا تھا رہا نکاح میں آپ کا تو نو بیبیاں کرنا اور امت کے لئے چار سے زیادہ کو حرام کرنا اس کی وجہ علاوہ خاص حکمتوں کے ایک یہ بھی تھی کہ آپ میں قوت اتنی تھی کہ یہ عدد بھی اس قوت کے اعتبار سے کم ہی تھا۔ تو جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نو نکاحوں پر

اعتراض کرتے ہیں پہلے وہ یہ تو معلوم کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں قوت کتنی تھی صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس مردوں کی قوت ہے اور یہ محض خوش اعتقاد ہی نہیں بلکہ اس کے دلائل موجود ہیں ایک دلیل حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ عرب میں یہ بڑے زبردست پہلوان تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کشتی میں مجھ کو پچھاڑ دیں تب میں آپ کی نبوت تسلیم کر سکتا ہوں کیونکہ ان کو اپنی قوت پر ناز تھا کہ مجھے کوئی نہیں پچھاڑ سکتا عرب میں قوت کا بھی وزن کیا جاتا تھا تو اہل عرب حضرت رکانہ کو ہزار مردوں کے برابر سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے کشتی میں رکانہ کو پچھاڑ دیا ایک دفعہ کو انہوں نے اتفاق پر محمول کیا اور کہا ایک دفعہ اور کشتی ہو آپ نے پھر بھی پچھاڑ دیا تب وہ اسلام لے آئے تو جب ایسے شخص سے بھی آپ کی قوت زیادہ تھی جو ہزار مردوں کے برابر شمار ہوتا تھا تو اس میں کیا شک ہے کہ آپ میں تیس مردوں کی قوت ہو بلکہ اس کو تو صحابہ کی احتیاط کہنا چاہئے ورنہ رکانہ کے واقعہ سے تو آپ میں اس سے زیادہ قوت معلوم ہوتی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض دفعہ آپ سب بیبیوں سے یکے بعد دیگرے ایک ہی دن میں فارغ ہو لیا کرتے تھے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں قوت بہت تھی پھر نو نکاح آپ کے لئے کیا زیادہ تھے کچھ بھی نہیں ہیں۔ (ایواء البیضاء ج ۳۰)

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر

حضرات صحابہ نے ہر قل اور مقوقس کے دربار میں جو حکیمانہ کلام کیا ہے اس کو سن کر سلاطین بھی حیرت میں رہ جاتے تھے کہ ان پڑھ لوگوں کے یہ علوم ہیں یہ محض حضور کی صحبت کا اثر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی۔

نگار من کہ بملکب زلفت و درس نکرد      بغمرہ مسئلہ آموز صد مدرس شد  
اس لئے پڑھ نہ سکنے کا عذر تو فضول ہے آپ سن سن کر ہی علم حاصل کر لیجئے اور اگر آج بڈھوں کو گورنمنٹ کی طرف سے قانون یاد کرنے کا حکم ہو جائے تو اس وقت یہ بوڑھے طوطے سب جوانوں کی طرح قانون یاد کرنے لگیں گے یہ بہانہ محض دین کے کاموں میں ہے دنیا کے کاموں میں بوڑھے بھی جوان ہو جاتے ہیں۔ غرض علم جس



طرح سے بھی ہو حاصل کرنا ضروری ہے۔ بدون علم کے ایسی ایسی غلطیاں ہوتی ہیں کہ بعض لوگ عمر بھر نماز غلط ہی پڑھتے رہتے ہیں۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

## احسانات رسول اکرمؐ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نسبت خود ارشاد فرمایا ہے: ”انا رحمة مهداة“ کہ میں ایک رحمت ہوں خدا تعالیٰ کی طرف سے بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے آپ کو رحمت فرمایا۔ دوسرے قرآن شریف میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ کہ ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ غرض حدیث و قرآن دونوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام پر ایک شبہ بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ (ہم نے تمام جہان والوں پر آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام عالم کے لیے رحمت ہونا معلوم ہوتا ہے اور ”بالمؤمنین رؤف رحیم“ (مسلمانوں پر بڑے شفیق اور مہربان ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں پر رحمت فرماتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ”بالمؤمنین رؤف رحیم“ میں رحمت خاص مراد ہے کہ وہ مسلمانوں کے سوا کسی پر نہیں اور ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ میں رحمت عامہ مراد ہے رحمت عامہ کفار کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رحمت ایک تو ہے کہ تمام عالم کا وجود آپ کی برکت سے ہوا کہ آپ کے نور کی شعاعوں کی برکت سے تمام عالم کا مادہ بنا۔ دوسری رحمت عامہ یہ ہے کہ یوم میثاق میں تمام جہان کو توحید کی تعلیم فرمائی۔ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ جس وقت حق تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پشت آدم علیہ السلام سے ظاہر فرما کر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ ”الست بربکم“ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) تو سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف تکتے لگے کہ آپ کیا جواب دیتے ہیں تو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی ہاں (بیشک ہمارے رب ہیں) فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب نے بلی کہا۔ تیسرے یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے آپ ہی کی برکت سے نجات پائی۔ یہ بھی

تمام عالمین پر رحمت ہے کیونکہ نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں کہ ان کے بعد سلسلہ بنی آدم انہیں کی اولاد سے جاری ہوا۔ اس وقت جس قدر انسان ہیں وہ سب ان کے تین بیٹوں ہی کی نسل سے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے: ”وجعلنا ذریتہ ہم الباقین“ کہ ہم نے نوح علیہ السلام ہی کی اولاد کو دنیا میں باقی رکھا (باقی سب کو ہلاک کر دیا)۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ کچھ آپ کی مدح کروں (چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح خود طاعت ہے اس لیے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سالم رکھے۔ انہوں نے یہ اشعار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے:

من قبلھا طبت فی الظلال وفی مستودع حیث یخسف الورق  
ثم هبطت البلاد لابشر انت ولا مضنة ولا علق  
بل نطفة ترکب السفیر وقد الجم نسرا و اهلها الفرق  
تنقل من صالب الی رحم اذا مضی عالم بد اطبق  
وردت نار الخلیل مکتماً فی صلبه انت کیف یحترق  
حتی احتوی بیتک المہیمن من خندف علیاء تحتها النطق  
و انت لما ولدت اشرق الارض وضاءت بنورک الافو  
فخن فی ذالک الضیاء وفی النور سبل الرشاد تخترق

ترجمہ: زمین پر آنے سے پہلے آپ جنت کے سایہ میں خوش حالی (اور راحت) میں تھے اور نیز (اس) ودیعت گاہ میں تھے جہاں (جنت کے درختوں کے) پتے اوپر تلے جوڑے جاتے تھے (یعنی آپ صلب آدم علیہ السلام میں تھے) سوزمین میں آنے سے پہلے جب آدم علیہ السلام جنت کے سایوں میں تھے آپ بھی تھے اور پتوں کا جوڑنا اشارہ ہے اس قصہ کی طرف کہ جب آدم علیہ السلام نے اس منع کیے ہوئے درخت سے کھالیا اور جنت کا لباس اتر گیا تو درختوں کے پتے ملا ملا کر بدن ڈھانکتے تھے یعنی اس وقت بھی آپ ان کی پشت میں تھے (اور آپ ہی کی برکت سے آدم علیہ السلام کی یہ خطا معاف ہو گئی اور

حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی) اس کے بعد آپ نے بلاد (زمین) کی طرف نزول فرمایا اس وقت آپ نہ بشر تھے نہ مضغہ نہ علقہ (کیونکہ یہ حالتیں پیدائش کے بہت قریب ہوا کرتی ہیں اور اس وقت آپ کی پیدائش قریب کہاں تھی اور یہ زمین کی طرف نزول فرمانا بواسطہ آدم علیہ السلام کے ہوا کہ جب وہ زمین پر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے ساتھ زمین پر نزول فرمایا مگر اس وقت آپ نہ بشر تھے اور نہ مضغہ نہ علقہ) بلکہ (پشت آباء میں محض ایک مادہ مائے بصورت نطفہ تھے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس طرح بصورت نطفہ تو تمام انبیاء بلکہ تمام عالم آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں کوئی فضیلت ثابت ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود دوسروں کے وجود سے ممتاز تھا کہ دوسرے تو محض بصورت نطفہ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کی پشت میں بصورت نطفہ تشریف فرما ہوئے تھے اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو بھی کچھ تعلق ہوتا تھا کہ اس تعلق روحی کی برکتیں آپ کے ان اجداد میں ظاہر ہوتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگلے شعر میں ابراہیم علیہ السلام کے سوزش نار سے بچ جانے کی نسبت یہ بات فرمائی ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پشت میں تھے وہ کیونکر جل سکتے تھے تو یہ برکتیں اس تعلق روح ہی کی وجہ سے تو ظاہر ہوئیں) کبھی وہ مادہ کشتی نوح میں سوار تھا اور حالت یہ تھی کہ نسبت اور اس کے ماننے والوں کے لبوں تک طوفان غرق پہنچ رہا تھا۔ مطلب یہ کہ بواسطہ نوح علیہ السلام کے وہ مادہ راکب کشتی تھی مولانا جامیؒ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

زجودش گر نکشے راہ مفتوح      بجودی کے رسیدے کشتی نوح

(شکرالعمۃ بذکر رحمۃ الرحمن ج ۳۱)

## کفار کے حق میں رحمت

کہ قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن گنہگار مسلمانوں کے لیے جو کہ جہنم میں جائیں گے سفارش فرمائیں گے اگر یہ شفاعت نہ ہوتی تو ان کی میعاد اور زیادہ ہوتی تو میعاد کی کمی یہ رحمت ہوئی کوئی ہزار برس کے عتاب کا مستحق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

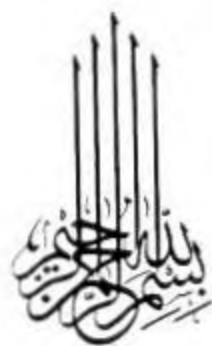
سفارش سے اس میں کمی کر دی جائے۔ مثلاً پانچ سو برس کے بعد وہ جہنم سے نکال دیا جائے  
 صحت ہونا اس کا ظاہر ہے اور کفار کے حق میں یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میعاد میں کمی کر دی  
 عذاب تو ان کو ابدالاً بادتک ہوگا مگر بقول شیخ عبدالحق محدث جو عنقریب آتا ہے  
 عذاب میں تخفیف کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تخفیف عذاب کا ذکر تو  
 صحاح میں بھی آتا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کو  
 کچھ آپ کی خدمت سے نفع بھی ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں نہ  
 ہوتا تو ابوطالب سر سے پاؤں تک آگ میں غرق ہوتے مگر میری وجہ سے یہ ہوا کہ ان کو  
 صرف دو جوتیاں آگ کی پہنائی جائیں گی جس سے ان کا بھیجا مثل ہانڈی کے پکے گا اور  
 اس پر بھی وہ یہ سمجھیں گے کہ مجھ سے زیادہ عذاب کسی کو نہیں۔ ابولہب کے بارے میں  
 حدیث میں آتا ہے کہ چونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کی خوشی میں  
 بشارت لانے والی باندی کو آزاد کر دیا تھا ہر پیر کے دن ذرا سا ٹھنڈا پانی پینے کو مل جاتا ہے  
 باقی عام کفار کے حق میں تخفیف کی شفاعت مجھے کسی حدیث سے تو نہیں معلوم ہوئی مگر شیخ  
 عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک کتاب اشعة اللمعات میں لکھا ہے کہ  
 قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت دس طرح کی ہوگی ان میں ایک شفاعت  
 یہ بھی ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام کفار کے لیے شفاعت فرمائیں گے کہ یہ لوگ جس  
 سخت عذاب کے مستحق ہیں اس میں کچھ کمی کر دی جائے۔ چنانچہ آپ کی برکت سے ان  
 کے عذاب میں کمی کر دی جائے گی گو کم ہونے کے بعد بھی وہ اس قدر سخت ہوگا کہ وہ اس کو  
 بھی بہت سمجھیں گے۔ خدا محفوظ رکھے وہاں کا تو ذرا سا عذاب بھی ایسا ہوگا کہ ہر شخص یہی  
 سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو عذاب نہیں۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمن ج ۳)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



# علم و عرفان

- ☆ شریعت مطہرہ کے انوار و برکات
- ☆ ہزاروں علمی مباحث پر حکیمانہ نکات
- ☆ شریعت کے اسرار و رموز سے پردہ کشائی
- ☆ حکمت و معرفت کے بے شمار مضامین
- ☆ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے الہامی خطبات
- ☆ علم و حکمت اور علوم و معرفت کا منتخب گنجینہ



اللَّهُمَّ

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُبْرِكِينَ

اللَّهُمَّ

بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُبْرِكِينَ

## قرآن کی تعلیم امن

قرآن نے صرف دو چیزوں کا اہتمام کیا ہے ایک امن عام کہ اس دنیا میں رہ کر یہ حالت ہو کہ

کسے را با کسے کارے نباشد کوئی کسی کے کام میں ٹانگ نہ اڑائے  
میں کہتا ہوں کہ جو امن قرآن نے سکھلایا ہے کسی قانون نے نہیں سکھلایا لیکن  
افسوس ہے کہ اس وقت لوگ مسلمانوں کو شورش پسند کہتے ہیں حالانکہ اگر موازنہ کر کے دیکھا  
جائے تو مسلمانوں سے زیادہ امن پسند اور عافیت جو کوئی قوم دنیا میں نہیں ہے مثال کے  
طور پر ایک جزئی بیان کرتا ہوں جمعہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ جب نماز مکمل ہو جائے تو زمین پر پھیل جاؤ۔  
وہ مجمع جو کہ محض خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے اور خدا تعالیٰ کے سامنے سر جھکانے کے  
لئے جمع ہوا ہے اس کو بھی یہ حکم ہو رہا ہے کہ جب اپنا کام کر چکو تو جمع رہنے کی کوئی ضرورت  
نہیں سب منتشر ہو جاؤ کیونکہ ممکن ہے فضول اجتماع سے کوئی خرابی پیدا ہو آگے فرماتے ہیں۔  
وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ اور اللہ کے فضل (روزی) کو تلاش کرو۔

جس سے مقصود یہ ہے کہ منتشر ہو کر بھی ادھر ادھر مارے مارے نہ پھرو۔ کیونکہ اس میں پھر فساد  
کا احتمال ہے بلکہ رزق حلال کی تلاش میں لگو پھر فرماتے ہیں وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا یعنی خدا  
تعالیٰ کو بہت یاد کرو کیونکہ اصل مقصود یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہو تو حق تعالیٰ کے  
اس کلام سے معلوم ہوا کہ مجمع بلا ضرورت نہ ہونا چاہئے اور اگر کسی ضرورت سے ہو تو ضرورت  
کے ختم ہو جانے پر سب کو منتشر ہو جانا چاہئے غور کیجئے کہ نمازیوں کا مجمع جس میں شورش و فساد کا  
احتمال ہی نہیں ہے مگر چونکہ خدا تعالیٰ جانتے ہیں کہ انسان ضعیف ہے عجب نہیں کہ اس میں تو تو  
میں میں ہو جائے اگرچہ جوتی پیزار نہ ہو۔ اس لئے حکم فرما دیا کہ سب منتشر ہو جاؤ۔

غرض ایک تو قرآن میں امن کی رعایت ہے دوسرے خدا تعالیٰ کی رضا جوئی ان دو امر کے سوا اگر کوئی تیسرا مسئلہ آگیا ہے تو وہ اس کے تابع ہو کر آیا ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن میں اس کے سوا اور کوئی مسئلہ نہ ڈھونڈنا چاہئے علیٰ ہذا اگر حکایتیں قرآن میں ہیں تو وہ بھی ان ہی کی خادم ہو کر ذکر کی گئی ہیں کہ فلاں قوم نے یہ کیا تھا تو ان کو یہ سزا ملی اور فلاں قوم نے یہ کیا تھا تو ان کو یہ اجر ملا ہم اگر ایسا کریں گے تو ہم کو بھی ایسی ہی سزا یا اجر ملے گا اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جملہ خبریہ ہیں ان سے مقصود جملہ انشائیہ ہی ہیں۔ (ضرورۃ العلم بالمدین ج ۳)

## حفظ قرآن کی ضرورت

ایک اور دلیل حفظ قرآن کے ضروری ہونے کی بیان کرتا ہوں اور یہ دلیل اس وقت کے مذاق کے اعتبار سے بہت عجیب دلیل ہے اس کے لئے اول دو مقدمے سنئے۔  
 پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جتنی ارضی و سماوی کتابیں ہیں ان میں کوئی کتاب بھی ایسی نہیں ہے کہ وہ یاد ہو کر یاد رہ سکے اور اگر کسی نے یاد بھی کر لیا تو بہت بڑے حافظے کی ضرورت ہے اور قرآن شریف بہت جلد یاد ہو جاتا ہے اور بہت تھوڑی عمر میں لڑکے اس کو حفظ کر لیتے ہیں۔  
 چنانچہ قصبہ پانی پت میں تو اگر دس برس کا بچہ حفظ نہ کر لے تو کہتے ہیں کہ کیا بوڑھا ہو کر حفظ کرے گا اور اکثر لڑکیاں بھی وہاں کی حافظ ہوتی ہیں اور سبع کی جاننے والی لڑکیاں متعدد ہیں اور قرآن کے حفظ کے ایسے عجیب و غریب قصے ہیں کہ لوگ سن کر تعجب کرتے ہیں۔  
 چنانچہ میرے ایک دوست برودان کے رہنے والے ہیں انہوں نے تین ماہ سے بھی کم مدت میں قرآن حفظ کر لیا تھا ایک اور میرے دوست نے اپنے پیر یعنی میرے استاد کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے ان کو اپنے سینے سے لگایا اور ان کے سینے میں ایک نور داخل ہوا۔  
 انہوں نے ایک معبر سے بیان کیا انہوں نے تعبیر یہ دی کہ تم کو قرآن حفظ ہو جائے گا۔  
 چنانچہ انہوں نے یاد کرنا شروع کیا۔ سوچہ ماہ میں اچھا خاصہ حفظ ہو گیا۔

ایک اور قصہ یاد آیا ایک واعظ مظفر نگر میں وعظ کہہ رہے تھے ایک آیت میں قصداً کے اور حاضرین سے خطاب کیا کہ اس مجلس میں جتنے حافظ ہوں کھڑے ہو جائیں تاکہ میں ان سے یہ آیت پوچھ سکوں اس کو سن کر ایک کثیر جماعت کھڑی ہو گئی انہوں نے کہا کہ صاحبو! مجھ کو آیت یاد ہے میں نے صرف یہ دکھلانا چاہا کہ مسلمانوں کے اس اتفاقی اور مختصر مجمع میں



جہاں خاص حفاظ ہی کو جمع نہیں کیا گیا ایسی تعداد سے مذہبی کتاب کے بر زبان یاد رکھنے والے موجود ہیں کیا دوسری کوئی قوم قصد اجمع کر کے بھی اس قدر تعداد اپنی مذہبی کتاب کے حافظوں کی دکھلا سکتی ہے غرض قرآن مجید بہت سہولت سے یاد ہوتا ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اس زمانے میں عقلاء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نیچر ہر زمانے میں اس چیز کو پیدا کرتا ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے میں اس کو شرعی اصطلاح میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہر زمانے میں اس چیز کو پیدا کرتے ہیں جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان دونوں مقدموں کے مہم ہونے کے بعد میں کہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ مادہ طبیعت میں ودیعت کیا ہے کہ قرآن شریف بہت جلد یاد ہو جائے معلوم ہوا کہ فطرۃ اس کے حفظ کی ضرورت ہے تو صاحبو! اپنے نیچر کی مخالفت نہ کرو۔ (ضرورۃ العلم بالمدین ج ۳)

## عشق قرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے الفاظ کا اس قدر عشق تھا کہ آپ خود تلاوت کرتے ہی تھے۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا اعلیک اقراء وعلیک انزل۔ (اوکما قال) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں سناؤں حالانکہ آپ ہی پر تو قرآن اترا ہے۔ فرمایا، ہاں! میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے یہ درخواست کیوں کی حالانکہ سارا قرآن آپ کو حفظ تھا۔ اور اس کے معانی بھی آپ کے ذہن میں حاضر تھے۔ صرف اسی لئے کہ قرآن کے الفاظ سے آپ کو عشق تھا۔ اور دوسرے کی زبان سے سننے میں بوجہ یکسوئی کے مزہ زیادہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ صرف الفاظ قرآن بھی بدون لحاظ معنی کے مطلوب و مقصود ہیں۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

## دو باتوں کا اہتمام

حضرت تھانویؒ نے ڈھا کہ میں ایک مرتبہ خاص نواب صاحب کے اعزہ میں وعظ کیا تھا جن میں زیادہ تر جنٹلمین تھے۔ میں نے اس جلسہ میں خاص طور پر تصحیح عقائد ہی کا بیان کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آپ لوگ اگر اپنی پوری اصلاح نہ کر سکیں تو کم از کم دو باتوں کا اہتمام کر لیں۔ ایک یہ کہ اپنے عقائد تصحیح کر لیں۔ دوسرے جو ناجائز اعمال آپ کرتے ہیں ان کو حرام سمجھ کر کریں۔

کھینچ تان کر ان کے جائز کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ آپ کی لغو تاویل سے حرام فعل حلال تو ہو نہیں سکتا مگر اس تاویل سے یہ مفسدہ لازم آئے گا کہ آپ حرام کو حلال سمجھیں گے اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ قطعی یا ظنی تو یہ حالت سخت خطرناک ہے اور اگر حرام سمجھ کر کریں گے، تو کفر کا خطرہ نہ رہے گا، صرف معصیت رہ جائے گی۔ یہ کفر سے اہون ہے دوسرے جب آپ اس کو حرام سمجھتے رہیں گے تو کیا عجب ہے کہ کسی وقت توبہ کی توفیق ہو جائے۔ اور اگر مان لیا جائے کہ آپ عمر بھر ان افعال کو نہ چھوڑ سکیں گے تو کفر سے توبہ چاؤ رہے گا۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

### داڑھی کا وجوب اور وجود

ایک صاحب نے مجھ سے اپنا قصہ بیان کیا کہ ایک جنٹلمین کو میں نے نصیحت کی کہ تم داڑھی کیوں منڈاتے ہو یہ گناہ ہے۔ اس سے توبہ کرنی چاہیے۔ وہ کہنے لگے کہ داڑھی کا ثبوت تم قرآن سے اگر دے دو تو میں بھی توبہ کر لوں گا۔ میں نے کہا کہ قرآن سے داڑھی کا ثبوت میں دے سکتا ہوں چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی:

قال یابن ام لاتاخذ بلحیتی ولا براسی

ہارون علیہ السلام نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اے میرے ماں جائے! میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام کے داڑھی تھی ورنہ موسیٰ علیہ السلام اسے کس طرح پکڑتے۔

میں نے ان حضرت سے یہ کہا کہ اگر وہ شخص تم سے یہ سوال کرتا کہ اس آیت سے تو داڑھی کا وجود ثابت ہوا کہ ہارون علیہ السلام کے داڑھی تھی وجوب تو ثابت نہ ہوا کہ اس کا رکھنا واجب ہے۔ تو تم کیا جواب دیتے۔ اور وجود ثابت کرنے کیلئے تم نے قرآن کو کیوں تکلیف دی اپنی ہی داڑھی دکھلا دی ہوتی کہ لو میری داڑھی دیکھ لو اس سے وجود ثابت ہو گیا۔ وہ کہنے لگے کہ اجی اس کو اتنی عقل تھوڑا ہی تھی کہ وہ یہ سوال کر سکتا۔ میں نے تو اس کو دڑ بڑا ہی لیا۔ میں نے کہا، بس یہی فرق ہے ہم طالب علموں میں اور آپ میں۔ ہم ایسی دلیل کبھی نہیں بیان کر سکتے جو خود ہمارے نزدیک بھی مخدوش ہو۔ (تعلیم ج ۲)

### ایک فکری غلطی

اہل سائنس نے یہ تحقیق کیا ہے کہ انسان کی منی میں ایک قسم کا کیڑا ہوتا ہے اس سے

حمل قرار پاتا ہے۔ ایک صاحب کو اس کی فکر ہوئی کہ قرآن سے اس مسئلہ کو ثابت کیا جائے۔ کیونکہ سائنس والوں کی تحقیق تو غلط ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ تو یقیناً صحیح ہے۔ بس کسی طرح اس کو قرآن میں ٹھونسنا چاہئے۔ استغفر اللہ العظیم۔ غرض انہوں نے کھینچ تان کر اس کو قرآن سے ثابت کیا۔ اب سنئے! کیا خوبصورت استدلال ہے آپ نے اس آیت سے ثبوت دیا۔

اقرا باسم ربك الذي خلق خلق الانسان من علق.

علق کے معنی لغت میں خون بستہ بھی ہیں اور جو تک کو بھی علق کہتے ہیں۔ آپ نے یہ تفسیر کی کہ خدا نے پیدا کیا کہ انسان کو جو تک سے۔ کیا واہیات ہے۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ اس تفسیر سے سائنس کا مسئلہ کیوں کر ثابت ہو گیا کیونکہ وہ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں کہ انسان کی منی میں جو تک ہوتی ہے۔ ہاں اس پر ایک حاشیہ اور لگانا چاہیے کہ جو تک سے مراد وہ نہیں ہے جسے عام لوگ جو تک کہتے ہیں بلکہ مطلق کیڑا مراد ہے۔ بس یہ تفسیر کر کے وہ صاحب خود ہی اپنے جی میں خوش ہو لیے ہوں گے تو آپ نے دیکھا کہ اس طرز میں شریعت کی کس قدر تحریف لازم آتی ہے۔ اور اس سے احتراز کس قدر ضروری ہے کہ اگر کوئی ایسے مسائل کو ثبوت قرآن سے مانگے تو اس سے صاف کہہ دینا چاہیے کہ قرآن علم تشریح کی کتاب نہیں ہے۔ اسی طرح جب کسی چیز کے حرام ہونے کی وجہ دریافت کی جائے تو بس یہی جواب دو کہ خدا نے اس کو منع کیا ہے۔ خواہ مخواہ اپنی طرف سے علتیں نہ گھڑنا چاہئیں۔ (تیمم التعليم ج ۲)

## حسب فہم جواب

ایک مرتبہ میں ریل میں سفر کر رہا تھا۔ اتفاق سے ایک جنٹلمین صاحب بھی گاڑی میں اسی درجہ میں رونق افروز تھے۔ ایک اسٹیشن پر پہنچ کر ان کا ایک ملازم ایک کتا ان کے سپرد کر گیا۔ جس کو انہوں نے ایک سیچے سے باندھ دیا۔ جب گاڑی چلی تو میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شریعت نے کتا پالنے سے کیوں منع کیا ہے حالانکہ اس میں ایسے ایسے کمالات ہیں۔ انہوں نے اس کے وہ کمالات بیان کئے جو خود آقا صاحب میں بھی نہ تھے۔

میں نے کہا اس کے دو جواب ہیں۔ ایک جواب عام اور ایک جواب خاص۔ جواب عام تو یہ ہے کہ نھانا عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اس لئے ہم کو

اس کی تلاش کی ضرورت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں منع کیا۔ اس کو سن کر وہ ساکت ہو گئے۔ مگر ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس جواب سے ان کی تسلی نہیں ہوئی۔ پھر کہنے لگے میں خاص جواب سننے کا بھی مشتاق ہوں۔ میں نے کہا کہ خاص جواب یہ ہے کہ کتے میں جہاں بہت سے کمالات ہیں وہاں اس پر ایک عیب بھی اتنا بڑا ہے جس نے اس کے سارے کمالات کو دھو دیا ہے۔ وہ یہ کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں ہے۔ اپنے آقا کے ساتھ چاہے کیسا ہی وفادار ہو مگر اپنی قوم سے اس کو ایسی نفرت ہے کہ جہاں دوسرا کتا اس کو نظر پڑا اور یہ اس کو پھاڑ کھانے کو دوڑا۔ پس جس میں قومی ہمدردی نہیں وہ پاس رکھنے کے قابل نہیں۔ یہ جواب چونکہ ان کے مذاق کے موافق تھا کیونکہ یہ لوگ قومی ہمدردی کا سبق رات دن رٹا کرتے ہیں گو اس پر عمل کی توفیق نہ ہو۔ اس جواب سے پھڑک اٹھے اور کہنے لگے کہ جواب یہ ہے۔ حالانکہ یہ جواب کچھ بھی نہیں محض لطیفہ ہے۔ (تعلیمِ تعلیم ج ۲)

## تعلیمِ اعتدال

جس پیغمبر کا یہ ارشاد ہے: ”کسب الحلال فریضة بعد فریضة“ انہی کا یہ ارشاد بھی ہے: ”حب الدنيا رأس کل خطیئة“ اور یہ اشارہ بھی ہے:

تعس عبد الدینار تعس عبد الدرهم تعس عبد الخمیضة ان اعطی  
رضی وان منع سخط تعس وانتکس و اذا شیک فلا انتقش.

اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا دی ہے کہ دینار و درہم کا بندہ ہلاک ہو جائے ذلیل ہو جائے اور اگر اس کے کاٹنا لگے تو خدا کرے نکلنا نصیب نہ ہو۔ شاید کوئی ذہین یہاں یہ اشکال پیدا کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا بھی دعا ہو کر لگتی ہے پھر اس کا کیا ڈر؟ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حق تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ:

اللهم انما بشر فایما رجل اذیتہ او شتمتہ او لعنتہ فاجعلها له صلوة  
وزکوة وقربة تقربه بها الیک.

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم اس بددعا کا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشریت کے اقتضاء سے غلبہ غضب میں فرمادی ہو۔ تشریحی بددعا کا یہ حکم نہیں اور اس جگہ جو عبد الدینار و الدرہم کو بددعا دی گئی ہے وہ بشریت کی راہ سے نہیں ہے بلکہ تشریحی بددعا ہے جب یہ بات سمجھ میں



آگنی تو اب اس بددعا سے بہت ڈرنا چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور تشریحی بددعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ”انی اری ربک یسارع فی ہواک“ کہ میں دیکھتی ہوں کہ جو آپؐ چاہتے ہیں حق تعالیٰ ویسے ہی کر دیتے ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ کا ارشاد ہے: ”حلالہا حساب و حرامہا عذاب“ کہ دنیا کی حالت یہ ہے کہ اس کا حلال حصہ تو حساب سے خالی نہیں اور حرام پر عذاب ہوگا تو کوئی جز و کلفت سے خالی نہ ہوا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ دنیا کی تمام لذتیں ماکولات و مشروبات و ملبوسات و نساء میں منحصر ہیں اور ماکولات میں سب سے افضل شہد ہے اور وہ ایک مکھی کی قے ہے اور مشروبات میں سب سے افضل پانی ہے جس میں خنزیر تک بھی آدمی کا شریک ہے اور ملبوسات میں سب سے بہتر حریر ہے جو ایک جانور کا لعاب ہے اور نساء کی یہ کیفیت (یہ مضمون نساء کے متعلق مستورات کے حاضر ہونے کے سبب بیان نہ کیا تھا نظر ثانی میں بڑھا دیا گیا ۱۲ منہ) ہے کہ ”ترہن للاحسن مواضعھا ویقعمدمنھا اثنتن مواضعھا“ یہ باتیں ہیں جن پر غور کرنے سے دنیا کی حقیقت دوسروں پر بھی واضح ہوتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمان پل صراط پر سے گزریں گے تو جہنم مؤمن سے کہے گا: جزیا مؤمن فان نورک اطفاء ناری۔

اے مسلمان! جلدی سے آگے بڑھ جا، تیرے نور نے تو میری آگ ہی کو بجھا دیا۔ اس کی تفسیر میں بعض نے فرمایا ہے کہ جیسے مؤمن جہنم سے پناہ مانگتا ہے ایسے ہی جہنم بھی مؤمن سے پناہ مانگتا ہے تو جس سے جہنم بھی پناہ مانگے جو راس الغموم ہے اس کی خوشی کی کیا حد ہوگی اور واقعی جہنم کو مؤمن سے پناہ مانگنا چاہیے کیونکہ مؤمن میں اور جہنم میں کوئی مناسبت نہیں اور جہاں مناسبت نہ ہو وہاں تو طرفین اسے اعراض ہی ہوگا۔ اس مضمون کو ایک شاعر نے دوسرے رنگ سے بیان کیا ہے:

میں جو ہوں قابل دوزخ تو گناہوں کے سبب لیک دوزخ نے کیا کیا جو مرے قابل ہے  
یعنی جہنم نے کیا قصور کیا جو مجھے اس کے اندر بھیجا گیا، واقعی مسلمان بھی عجیب چیز ہے  
کہ دوزخ سے وہ بعد چاہتا ہے اور دوزخ اس سے بعد چاہتی ہے۔ (ہم الآخرہ ج ۱)

## طلب جنت

صاحبو! تم جنت کے طالب ہو تو جنت تو انشاء اللہ تم کو ملے ہی گی، جنت تمہارے ہی

واسطے ہے کفار کے واسطے تھوڑا ہی ہے اس سے تو بے فکر ہوؤ پس ذرا برے برے کام چھوڑ دو مگر جی یوں چاہتا ہے کہ جنت کی بھرتی نہ ہو بلکہ کام کے آدمی بنو تو جنت میں اتنی وسعت ہے کہ سب سے ادنیٰ مسلمان کو بھی دنیا سے دس گنا رقبہ جنت میں ملے گا۔

اس پر بعض نیچریوں نے اعتراض کے طور پر کہا ہے کہ ہم نے تو سارا جغرافیہ پڑھا ہے ہم کو تو جنت کا کہیں پتہ نہیں لگا۔

اس کا جواب میں نے یہ دیا ہے کہ تم نے جغرافیہ ارضی پڑھا ہے جغرافیہ عالم نہیں پڑھا ہے وہ ہمارے پاس ہے اگر تم جغرافیہ عالم پڑھتے یعنی قرآن تو تم کو جنت کا پتہ چل جاتا اور جن لوگوں نے یہ جغرافیہ عالم پڑھا ہے ان کو جنت کا بھی علم ہے اور دوزخ کا بھی اور پل صراط کا بھی اور عرش و میزان کا بھی اور بعض کو تو ان میں دنیا ہی کے اندر سب کا انکشاف ہو گیا ہے۔

چنانچہ شیخ عبدالکریم جیلیؒ بڑے صاحب کشف ہیں انہوں نے تو جنت اور دوزخ کی پیمائش تک کر لی ہے کیونکہ دونوں باوجود وسعت کے ہیں تو محدود ہی اور محدود کی پیمائش ممکن ہے لیکن اگر حواس جسم سے پیمائش کی جاتی تو پھر بھی عرصہ دراز لگتا۔ جب قوی روحانیہ سے پیمائش کی گئی تو عرصہ دراز کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ روح کی قوت بہت زیادہ ہے۔ نیز شیخ عبدالکریم جیلیؒ کو ایک دریا بھی منکشف ہوا ہے جس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ اس کی ایک ایک لہر آسمان و زمین سے دس گنا زیادہ ہے مگر فرشتے اس کی لہروں کو روکے ہوئے ہیں ورنہ آسمان و زمین سب غرق ہو جاتے۔

پھر بعض جاہلوں نے یہ شبہ کیا ہے کہ جنت جب اتنی بڑی ہے کہ ”غَرَضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ“ تو وہ سمائی کہاں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو اس شبہ کا حق نہیں کیونکہ تمہارے مقتدر اہل سائنس اس بات کے خود قائل ہیں کہ فضاء الجو غیر متناہی ہے پھر اس غیر متناہی میں اگر جنت بھی ہو تو کیا حرج ہے۔ ممکن ہے جس طرح مرتخ میں تم آبادی کے قائل ہو اسی طرح کوئی کرہ جنت بھی ہو اور وہاں بھی آبادی ہو مگر بوجہ بعد کے وہ کرہ تم کو نظر نہ آتا ہو کیونکہ مرتخ کی آبادی کا علم تم کو اس لیے ہوا ہے کہ تم اس کو زمین سے قریب مانتے ہو اور یہ جواب بطور الزام کے ہے ورنہ جنت کو ہم اس فضاء الجو سے باہر ساتوں آسمانوں سے اوپر مانتے ہیں چنانچہ قرون سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جنت آسمانوں سے آگے ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا تُفْتَحُ لَهُمْ (امی للکفار) أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ. (الاعراف آیت نمبر ۴۰)

”جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان (کے ماننے) سے تکبر کرتے ہیں ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جاویں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جاوے۔“

اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سموات سبعہ سے اوپر اور عرش سے نیچے ہے اور عرش ان سب سے بڑا ہے اس سے بڑی کوئی مخلوق نہیں۔ شیخ عبدالکریم جیلیؒ کو جو دریا منکشف ہوا ہے جس کی ایک لہر آسمان و زمین سے بھی دس گنی ہے عرش سے وہ بھی اس کے نیچے لکھتے ہیں اور عرش گو سب سے بڑا ہے مگر وہ بھی محدود ہے اور حق تعالیٰ کی ذات حد سے منزہ ہے۔ وہ غیر محدود ہے۔ (ہم الآخرہ ج ۱)

## مراتب ایمانی مختلف ہیں

بات یہ ہے کہ مراتب ایمانی مختلف ہیں۔ ایک مرتبہ اہتمام آخرت کا ایمان کا درجہ نفس تصدیق ہے کہ اس سے کم پر اکتفا جائز نہیں یہ درجہ فکر آخرت و ایمان کا زنا اور سرقت و دیگر معاصی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اور ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی طبیب نے مریض کو نسخہ لکھ کر دیا اور جملہ امور اس کے متعلق بتلا دیئے اور طبیب کو مقصود ہے کہ اس مریض کو اس نسخہ سے کامل شفا ہو جائے گی مگر مریض نے پورے نسخہ کا استعمال نہ کیا بلکہ آدھے نسخہ کا استعمال کیا۔ ظاہر ہے کہ آدھے نسخہ سے ادنیٰ درجہ کا نفع ہوگا اور پورے سے پورا نفع ہوگا۔ اسی طرح نفس تصدیق عذاب دائمی جہنم سے بچنے کا باعث ہو سکتی ہے مگر پوری نجات کا سبب نہیں بن سکتی اور اس درجہ کے ساتھ معاصی جمع ہو سکتے ہیں اور دوسرا درجہ ایمان کا وہ تصدیق ہے جس پر اثر کامل مرتب ہو اور یہی تصدیق کامل ہے۔ یہ مرتبہ ایمان کا معاصی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا جس شخص کو یہ مرتبہ حاصل ہو تو اس سے زنا اور سرقت وغیرہ سرزد ہی نہیں ہوگا۔ (الاطمینان بالدنیا ج ۱)

## حب و بغض کا مدار

مدار حب و بغض کا اعمال پر ہے۔ البتہ مومن و کافر کے عمل معصیت میں اتنا تفاوت

ہے کہ ایک شخص نے سنکھیا کھایا اور تریاق نہیں کھایا۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص مرے گا اور ایک شخص نے سنکھیا کھایا اور تریاق بھی کھالیا، اثر سنکھیا کا اس صورت میں بھی ہوگا مگر ضعیف۔ یہی حال مومن اور کافر کا ہے کہ مومن نے باوجود استعمال معصیت کے تریاق بھی کھا رکھا ہے۔ وہ کیا ہے؟ ایمان کہ اس نے اثر کو ضعیف کر دیا ہے۔ بخلاف کفار کے کہ تریاق ایمانی انہوں نے کھایا اس لیے پورا اثر ہوا باقی زہر کھانے والے دونوں برابر ہیں اس لیے دونوں کو زہر کے مفاسد سنائے جائیں گے۔ (الاطمینان بالذنیاج ۱)

## حکیمانہ طرز اصلاح

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ اسی مجلس میں ایک شخص پر نظر پڑی جس کا پا جامہ ٹخنوں سے نیچا تھا، کوئی آج کل کا مولوی ہوتا تو یا وعظ ہی میں اس کی خبر لیتا یا کچھ بھی نہ کہتا مگر شاہ صاحب نے وعظ میں تو اس سے کچھ تعرض نہ کیا کیونکہ آداب وعظ میں سے یہ بات ہے کہ وعظ میں تعرض خاص نہ ہو بلکہ خطاب عام ہونا چاہئے اور امر بالمعروف کو ترک بھی نہیں کیا بلکہ جب وعظ ہو چکا تو آپ نے ان صاحب سے فرمایا کہ تم ذرا ٹھہر جاؤ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، وہ تو سہم گیا کہ بس اب میری خبر لی جائے گی، مگر اہل اللہ کے یہاں کسی کی خبر نہیں لی جاتی۔ ہاں خبر دی جاتی ہے چنانچہ جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے جس کو میں تم پر ظاہر کرتا ہوں وہ یہ کہ میرا پا جامہ ڈھلک کر ٹخنوں سے نیچے پہنچ جاتا ہے اور اس کے متعلق حدیث میں سخت وعید آئی ہے اس کے بعد آپ نے سب وعیدیں بیان کر دیں، پھر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا دیکھنا میرا پا جامہ ٹخنوں سے نیچے تو نہیں ہے اس شخص نے شاہ صاحب کے پیر پکڑ لئے اور کہا حضرت آپ میں تو یہ عیب کیوں ہوتا یہ مرض تو مجھ نالائق میں ہے۔ میں آج سے توبہ کرتا ہوں ان شاء اللہ پھر ایسا نہ ہوگا۔ دیکھئے شاہ صاحب نے کس شفقت کے ساتھ نصیحت فرمائی جس کا فوراً اثر ہوا۔ واللہ شفقت کا اثر مخاطب پر ضرور ہوتا ہے ہاں کوئی بہت ہی بے حس ہو تو اور بات ہے۔ صاحبو ہم کو عوام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا چاہئے جیسا کہ اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر کسی سے کنارہ کش اور علیحدگی ہی اختیار کی جائے تو اس میں بھی خیر خواہی کا قصد ہونا چاہئے۔ اور ظاہر میں تہذیب کے ساتھ تعلق قطع کرنا چاہئے۔ (العبدالربانی ج ۴)



## اسلام کی تعلیم اعتدال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار تفقہ احوال صحابہؓ کے لئے رات کو اٹھے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ کو دیکھا کہ آہستہ آہستہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ زور زور سے بلند آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ صبح ہوئی اور حضورؐ نے سب سے فرمایا کہ تم ایسا کیوں کر رہے تھے اور تم ایسا کیوں کر رہے تھے۔ سب نے کچھ وجوہات بیان فرمائے۔ پھر حضورؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اے ابو بکرؓ تم کسی قدر اپنی آواز کو اونچا کر دو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو ذرا پست کرو۔ نیز جماعت اشعریین کی حضورؐ نے تعریف فرمائی کہ مجھے ان کے منازل کا علم ان کی آواز سے ہو جاتا ہے جب کہ رات کو وہ قرآن پڑھتے ہیں اور آیت وتقلبک فی السجدين کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ آپ رات کو اپنے اصحاب کا تفقہ فرماتے تھے اور اس وقت آپؐ صحابہؓ کی آواز سے ان کے عمل کو معلوم فرماتے تھے۔

اب بتلائیے میں اس ادھیڑ بن کو کیا کروں کہ پہلے ایک خیال آیا اور ساتھ ہی اس کا جواب بھی ذہن میں آ گیا۔ تو میں خاموش ہو گیا مگر چونکہ اس حدیث میں اور فقہاء کے فتویٰ میں بظاہر تعارض ہوا اس لئے پھر فکر میں لگ گیا چنانچہ پھر اس تعارض کو اس طرح رفع کیا کہ سونے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو تہجد کے لئے جاگنا چاہیں دوسرے وہ جو جاگنا نہ چاہیں جو جاگنا چاہیں ان کے پاس ذکر بالجہر کی اجازت ہے چنانچہ ہم نے خانقاہ میں رات کو دو بجے کے بعد ذکر بالجہر کی اجازت دے رکھی ہے کیونکہ وہ سب جاگنا چاہتے ہیں اور جو جاگنا نہ چاہے اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ خانقاہ میں تمہاری رعایت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ سونے والوں کی جگہ نہیں اور جو لوگ سونا چاہیں ان کے پاس بیٹھ کر ذکر جہر ممنوع ہے تاکہ ان کی نیند میں خلل نہ آئے۔

اب اسی مسئلہ میں دیکھئے کہ فقہاء کا فتویٰ تو یہ تھا کہ سونے والوں کے پاس ذکر جہر مکروہ ہے مگر احادیث میں ایسے واقعات ملے جن سے رات کے وقت ذکر جہر کا ناٹمین کے پاس ثبوت ہوتا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کا قول حضورؐ کے جواب میں یہ تھا کنت اطر و الشیطان و اوقفظ الوسنان کہ میں بلند آواز اس لئے کر رہا تھا کہ شیطان کو بھگاتا اور سونے والوں کو جگاتا تھا۔ ایسے موقعہ میں غلبہ مقصودیت سے فیصلہ کیا جائے گا اور دلائل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصہ میں ناٹمین کے پاس رفع صوت بالذکر عارض عادی تھے اور اصل مقصود عدم رفع ہے۔ (الغالب للطالب ج ۶)

## حق کی قبولیت و تاثیر

حضور کا وعدہ ہے: لا یزال طائفة من امتی منصورین علی الحق  
لا یضرهم من خذلهم (سنن ابن ماجہ: ۱۰۱ بلفظ ظاہرین)

(میری امت میں سے ہمیشہ ایک جماعت دین حق کی نصرت کرنے والی رہے جو ان کی مخالفت کرے گا ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا)

اب اس کے بعد بتاؤ کہ اسلام میں ضعف کہاں ہے۔ البتہ اہل اسلام میں بے شک ضعف ہے جس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ کھانا اچھا عمدہ موجود ہے لیکن کھانے والا بیمار ہے کہ برا معلوم ہوتا ہے یا کھانے والے کو صفر ہوا ہے کہ کڑوا معلوم ہوتا ہے تو اب شرابی کھانے میں ہے یا کھانے والے میں؟ اسی طرح مسلمان ضعیف ہے یا اسلام ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت در فشانست خم و خم خانہ با مہر و نشانست

ابھی وہ ابر رحمت موتی بکھیر رہا ہے خم و خم خانہ بارونق ہے۔

یہ تو قوت اسلام کی لمبی دلیل تھی اور اسلام کے مضبوط ہونے کی دلیل انی یہ ہے کہ جو شخص اس کو اختیار کرے وہ کمزور نہیں رہتا۔ تو اگر دین میں یہ اثر نہیں تو یہ قوت کہاں سے آئی۔ اگر لامبھی مضبوط نہ ہو انسان بے خوف نہیں چل سکتا اور اگر لامبھی مضبوط ہو تو انسان بے خوف و خطر چلا جاتا ہے اسلام میں اگر طاقت نہ ہو تو انسان خوف کرے لیکن اسلام کی طاقت تو روز بروز ترقی پر رہتی ہے۔ اس لئے معلم کامل کی حالت پیرانہ سالی میں یہ رہتی ہے۔

خود قوی ترے شود خمر کہن خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

پرانی شراب تیز ہو جاتی ہے خاص کر وہ شراب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور فرماتے ہیں۔

ہر چند پیروختہ و بس ناتواں شدم ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم  
ہر چند بہت کمزور اور بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن جس وقت تیرے چہرے پر نظر کرتا ہوں جوان ہو جاتا ہوں۔

میں نے دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ باوجود ضعف کے جب کچھ بیان فرماتے تھے تو بہت بلند آواز سے فرماتے تھے اور گھنٹوں بیان کرتے تھے حالانکہ بعد میں آہ آہ کرنے لگتے تھے میری موجودگی میں مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کی عمر

سوسال سے زیادہ تھی۔ ایک مرتبہ فجر کے وقت خوب سردی کے زمانہ میں خادم سے کہا کہ غسل خانہ میں گھڑا رکھ دے مجھے کچھ شبہ معلوم ہوتا ہے پھر کھلے غسل خانہ میں کھڑے ہو کر نہائے اور خود آ کر امامت کی تو اس عمر میں اول تو شبہ ہی مستبعد ہے دوسرے ایسا موقع میں نہانا پھر امامت کرنا سب باتیں طاقت کی علامت ہیں۔ گو یہ ضروری نہیں کہ جسمی قوت بھی ہو مگر رومی طاقت تو ضرور ہوتی ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ روحی اثر جسمی طاقت کو بھی تا دیر قائم رکھتا ہے چنانچہ اسی وجہ سے بزرگ باہمت ہوتے ہیں ان میں ضعف اور بودا پن نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق میں بڑی قوت ہے۔ (الاعتصام بحبل اللہ ج ۶)

## مقام رسالت

ملا دو پیازہ نے ایک آل نامہ لکھا۔ اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے کہ الرسول خیر خواہ دشمنان (رسول دشمنوں کا خیر خواہ ہوتا ہے) واقعی انبیاء علیہم السلام کی شان یہی ہے کہ وہ دشمنوں سے بھی غایت شفقت و خیر خواہی کرتے ہیں چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد اپنی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد قرآن مجید میں مذکور ہے۔

فتولیٰ عنہم وقال یا قوم لقد ابلغتکم رسلت ربی ونصحت لکم  
فکیف اسلی علی قوم کافرین

شعیب ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی۔ پھر میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں۔ (الیسر مع العسر ج ۶)

## نصاب اصلاح

اطاعت مطلقہ کے محل کیا کیا ہیں۔

سو سنئے کہ سب سے اول محل تو عقائد ہیں یعنی جس طرح شریعت نے عقائد سکھائے ہیں اسی کے موافق اعتقاد رکھیں۔

دوسرا محل اعمال دیانات ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ انہیں بھی شریعت کے موافق پابندی سے صحیح طور پر ادا کریں۔

تیسرا محل معاملات ہیں، بیع و شراء وغیرہ کہ ان کو بھی احکام شرع کے مطابق کریں اور یہ معلوم کریں کہ کون سی بیع فاسد ہے اور کون سی باطل، کون سا معاملہ صحیح ہے اور کون سا فاسد، کس معاملہ میں ربوا لازم آتا ہے اور کس میں قمار یہ سب شریعت سے معلوم کر کے اسی کے موافق کیا کریں۔ چوتھا محل معاشرت ہے کہ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، ملنا جلنا اس کو معلوم کریں کہ اس کے شریعت میں کیا آداب ہیں۔

پانچواں محل اخلاق ہیں، اخلاق کے یہ معنی نہیں کہ نرمی سے بول لیے یا تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے یا ادب سے سلام کر لیا، یہ تو آثار ہیں اخلاق کے خود اخلاق نہیں۔ اخلاق یہ ہیں کہ تواضع، صبر، شکر، زہد و قناعت، شوق و رضا وغیرہ یہ ہیں۔ اخلاق یعنی اعمال باطنی، ان کے مقابلہ میں ان کے اضداد ہیں، کبر، بے صبری، ناشکری، طمع و حرص، حسد، بغض، کینہ یہ اخلاق ذمیمہ ہیں۔ (آثار العبادۃ ج ۷)

## علم کی فضیلت و اہمیت

بڑی کمی اس وقت یہ ہے کہ لوگ علم کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اگر کسی کو دین کی طرف توجہ کی توفیق بھی ہوتی ہے تو وہ مسجد بنواتا اور مسجد میں رقم لگاتا ہے، مدارس کی امداد نہیں کرتا چنانچہ لوگ مسجد میں تو تیل بہت دیتے ہیں مگر طلبہ کی خدمت نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

فضل العالم علی العابد کفضل علی ادناکم (سنن الترمذی: ۲۶۸۵)

”کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت ادنیٰ امتی پر ہے۔“

اس فضیلت کا منشا یہ نہیں کہ علم کا نفع متعدی ہے اور عبادت کا نفع لازم کیونکہ علم کا نفع بھی متعدی نہیں لازم ہے۔ نفع متعدی اگر ہے تو تعلیم کا ہے بلکہ فضیلت علم کا منشا یہی ہے کہ وہ شرط عمل ہے کیونکہ عبادت بدون علم کے نہیں ہو سکتی اور جو ہوتی ہے وہ عبادت کی محض صورت ہوتی ہے حقیقت نہیں ہوتی۔ ہاں تعلیم کی فضیلت کا منشا یہی ہے کہ اس کا نفع متعدی ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”انما بعثت معلما“ (کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں) یہاں سے معلم کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ وہ اس امر میں نائب رسول ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو وہاں دو جماعتیں تھیں، ایک علماء کی جو مسائل



شرعیہ کا تذکرہ کر رہے تھے دوسری عابدین کی جو ذکر اذکار کر رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم علماء میں بیٹھ گئے اور فرمایا ”انما بعثت معلما“ (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں) مگر آج کل قرآن کے معلموں کی تو ایسی بے قدری ہے کہ دو روپیہ ماہوار اور کھانا ان کو ملتا ہے۔ اس سے زیادہ تنخواہ کسی کی ہوئی تو دس بارہ حد ہے۔ اسی طرح مؤذنوں کی اور اماموں کی بڑی بے قدری ہے بلکہ جو لوگ امامت سے پہلے معزز تھے، امام بن جانے کے بعد ان کی بھی بے قدری کی جاتی ہے کیونکہ وہ بھی مسجد کے ملا ہی کہلاتے ہیں۔ سو یاد رکھو کہ معلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے مگر حضور کا پیشہ معلمی نہ تھا کہ اس پیشہ سے آپؐ نے گزر کیا ہو بلکہ آپؐ کا ذریعہ معاش جہاد اور توکل علی اللہ تھا۔ آج کل جو معلمین کی بے قدری ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس کو پیشہ بنا لیا ہے لیکن اگر مسلمانوں کو علم کی طرف توجہ ہوتی اور شوق ہوتا تو معلموں کو اس کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ شکایت تو اسی کی ہے کہ مسلمانوں کو علم کی طرف بالکل توجہ نہیں۔ (اصل العبادۃ ج ۷)

## مقام ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما

حدیث میں آیا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتے تو اس پر ظاہر ایہ شبہ ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اپنے بعد نبوت کا مستحق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا حالانکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان سے افضل تھے اس لئے ان کا استحقاق زیادہ معلوم ہوتا ہے تو اس کا راز ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تو حضورؐ کے اندر فنا ہو گئے تھے وہ من بعدی میں داخل ہی نہ تھے وہ آپؐ کے غیر تھوڑا ہی تھے۔ وہ تو عین ہو گئے تھے یہ وجہ ہے کہ آپؐ نے اپنے بعد ان کو مستحق نہیں کیا کیونکہ وہ تو معی تھے ان کو من بعدی کیسے کہا جاسکتا ہے۔ یہی راز ہے اس کا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اتنے پریشان نہیں ہوئے جتنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پریشان ہوئے پریشانی تو بعد سے ہوتی ہے جو فانی ہو چکتا ہے وہ بعد نہیں ہوتا وہ تو ہر وقت مشاہدہ کر رہے تھے پھر کیسی پریشانی۔ (احکام المال ج ۸)

## عقل و فراست

عقل ایسی چیز ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ اس وقت کیا حال ہو گا جب قبر میں رکھے جاؤ گے اور

فرشتے کڑکتے ہوئے گرجتے ہوئے تمہارے پاس آویں گے اور تم سے پوچھیں گے من ربک ما دینک اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلا دیجئے کہ عقل بھی اس وقت رہے گی یا نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل تو دنیا سے بھی زیادہ ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عقل ہمارے پاس ہوگی تو پھر کیا اندیشہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عقل سے کام لیں گے اور جواب صحیح دیں گے۔ (احکام المال ج ۸)

## اہل جنت کی غذا

حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جنت میں سب سے پہلی غذا زمین کی روٹی ہوگی۔ حق تعالیٰ زمین کی روٹی بنا کر جنت والوں کو کھلائیں گے۔ ظاہراً اس حدیث پر کوئی ہنسے گا کہ اچھے جنت میں گئے کہ ڈھیلے اور پتھر کھانے کو ملے اس سے تو دنیا ہی میں اچھے تھے۔ وہاں تو روٹی کھاتے تھے اور یہاں ڈھیلے اور پتھر نصیب ہوئے کسی کے حصہ میں کوہ منصوری کا پتھر اور کسی کے حصہ میں کوہ شملہ کا۔ اچھے جنت میں آئے کہ ایسی چیزیں کھانی پڑیں۔ اس حدیث کی شرح بجز اہل اسرار اور اہل اللہ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کی شرح سن کر آپ کو اہل اللہ کی قدر معلوم ہوگی کہ حق تعالیٰ نے ان کو کیسا فہم دیا ہے حقیقت میں ظل اللہ فی الارض کا لقب پورا ان ہی حضرات پر صادق ہے سو وہ حضرات یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں جتنی چیزیں اچھی سے اچھی کھا رہے ہیں اور اچھے سے اچھے کپڑے پہن رہے ہیں یہ کہاں سے آئے۔ زمین ہی سے تو نکلے ہیں۔ اگر اونی کپڑے ہیں تو اون ہوتی ہے حیوانات سے اور حیوانات نے زمین ہی کے تواجز اکھائے ہیں جن سے وہ اون پیدا ہوئی ہے۔ غرض جس چیز کو بھی لیجئے گا اجزائے زمین ہی اس کی حقیقت نکلے گی۔ زمین میں پانچ سیر گیہوں ڈالے تھے اور پیدا ہوئے پانچ من تو وہ پانچ سیر سے زیادہ جو پیدا ہوئے وہ زمین ہی کے تواجزاء ہیں۔ انہی کی تو صورت بدل گئی ہے یا آم کا درخت نکلا اور اس میں ہزاروں آم پیدا ہوئے یا غلہ پیدا ہوا کسی قسم کا پھل اتر اسب زمین ہی کے تواجزا ہیں عناصر سے مرکب ہو کر جس میں جزو غالب ارضی ہے اس شکل سے نمودار ہو گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے اندر سب چیز موجود ہے پس یہ کہنا غلط ہو گیا کہ زمین میں بس ڈھیلے اور پتھر ہی ہیں۔ زمین میں انار بھی ہیں، آم بھی ہیں، انگور بھی ہیں، کھنائی بھی مٹھائی بھی۔ سب چیزیں زمین

کے اندر موجود ہیں۔ ہر طرح کا مادہ اس میں رکھا ہوا ہے۔ یہ وہی مادہ ہے جو ان رنگ برنگ صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ زمین کے اندر سب کچھ ہے۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی کے یہاں مہمان ہو کر جاتا ہے تو اس کو بے چھنا آنا تک نہیں کھلاتے۔ اور لوگ جائیں گے خدا کے مہمان ہو کر تو اللہ تعالیٰ پر یہ گمان کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ زمین کو بے چھانے کھلا دیں گے بس وہ اپنی قدرت کی مشین سے شملہ اور منصوری کے پتھر سے جو فضلہ ہے وہ الگ کر دیں گے اور ان میں جو اجزاء قابل کھانے کے ہیں وہ رہنے دیں گے۔

اب اس تقریر سے کچھ بھی شبہ نہیں رہتا (میں کہتا ہوں کہ زمین کی روٹی کے برابر کوئی چیز مزیدار ہو ہی نہیں سکتی) اس لئے کہ دنیا میں جتنے بھی مزے ہیں سب زمین ہی کا طفیل ہے خوشبوئیں جس قدر بھی ہیں زمین ہی سے پیدا ہوئی ہیں اس سے جو روٹی تیار ہوگی ظاہر ہے کہ اس میں ہزاروں قسم کے تو مزے اور ہزاروں قسم کی خوشبوئیں ہوں گی۔ لہذا اس کی روٹی سے کون سی چیز مزہ دار ہو سکتی ہے۔ (جامع)

اب ایک بات اور رہ گئی وہ یہ ہے کہ اس تکلف کی ضرورت کیا تھی کہ اس زمین کی روٹی بنائی جائے یہ جنت کی نعمتوں کے برابر تو ہوگی نہیں پھر جنت ہی کی چیز کھلا دیتے۔

اس کا راز بھی حضرات اہل اللہ ہی نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ اہل اللہ میں سے بعض ایسے ہوئے ہیں کہ انہوں نے دنیا کی لذت چکھی تک نہیں یا تو قصد آیا میسر نہیں ہوئی اس لئے وہ موازنہ نہ کر سکتے تھے جنت اور دنیا کی نعمت میں اور جب کہ دونوں کا تفاوت معلوم نہ ہوتا تو جنت میں نعمتوں کی قدر بھی پوری نہ ہوتی اس لئے حق تعالیٰ نے پہلے دنیا کی چیز کو کھلا دیا کہ سب سے زیادہ لطیف غذا دنیا کی یہ ہے اب ہمارے یہاں کی غذا کھاؤ۔

اگر کوئی کہے کہ پھر ایسے ہی لوگوں کو کھلا دیا ہوتا جن کو دنیا کی لذات نہیں ملیں سب کو کیوں کھلایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کریم کی یہ عادت نہیں ہوتی کہ بعض کو کھلائیں اور بعض کو محروم رکھیں اس لئے ہم سوالیوں کو بھی ان کے ساتھ شامل کر دیا یہ راز ہے اس حدیث کا اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ زمین کیا چیز ہے کھانے اس میں میوے اس میں کپڑے اس میں سب چیزیں زمین ہی میں ہیں۔ اس لئے یہ بڑی قدر کی چیز ہے۔ (احکام المال ج ۸)

## ایک قرآنی حکم کی وضاحت

فلیضحکوا قليلاً وليبكوا كثيراً کہ ہنسنا کم چاہیے اور رونا بہت چاہیے اس

سے ہنسنے اور رونے کا حکم ثابت کیا ہے کہ رونا افضل ہے ہنسنے سے حالانکہ اس آیت کا یہ مدلول نہیں۔ یہ آیت منافقین کے بارہ میں ہے انہی کے متعلق پہلے سے بیان چلا آ رہا ہے فلیضحکوا میں ہم کی ضمیر منافقین کی طرف ہے اور یہ خبر ہے بصورت انشاء اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں تھوڑے دنوں ہنستے رہیں پھر قیامت میں زیادہ روئیں گے۔ اس آیت میں منافقین کی اخروی حالت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں کچھ دنوں کو ہنس لیں پھر آخرت میں رونا ہی رونا ہے۔ یہ مطلب تھا آیت کا نہ یہ کہ رونے کی فضیلت اور ہنسنے کی مذمت جیسا آج کل کے مدعی سمجھے ہیں اور قلیل سے دنیا کی زندگی مراد ہے اور اس کے مقابل کثیراً سے آخرت کی زندگی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت میں خوب دل کھول کر روو گے اور ہنسنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔ جزاء بما کانوا یعملون خود اس کا قرینہ ہے غرض یہ آیت آخرت کے متعلق ہے۔ فلیضحکوا ولیسکوا امر ہے لفظاً اور خبر ہے معنی۔

مگر مصیبت تو یہ ہے کہ لوگوں نے ذرا سی آیت دیکھ لی اور نتیجہ نکالنا شروع کر دیا نہ ما قبل کی خبر ہے نہ مابعد کی اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ قرآن کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں۔

اسی طرح ایک اور آیت ہے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ کافر مسلمانوں پر کبھی غالب نہ آئیں گے پھر اس پر بڑا اشکال کہ قرآن شریف میں تو یہ ہے اور واقعہ اس کے خلاف ہے وہ یہ کہ کفار کو بہت دفعہ دنیا میں مسلمانوں پر غلبہ ہوا ہے جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ مشاہدہ کا کیا انکار مگر حقیقت میں آیت کا یہ مطلب ہی نہیں جو سمجھا گیا ہے یہ آیت دنیا کے متعلق ہے ہی نہیں یہ تو آخرت کے متعلق ہے۔ کیونکہ اوپر ذکر منافقین کا ہے۔ ان کا ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ فاللہ یحکم بینکم یوم القیمة ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فیصلہ کے وقت ڈگری مومنین کی ہوگی اور منافقین ہاریں گے خود۔ فاللہ یحکم بینکم یوم القیمة بتلا رہا ہے کہ یہ حکم آخرت کے متعلق ہے یعنی قیامت میں جب مقدمہ پیش ہوگا تو اس میں مسلمان مغلوب نہ ہوں گے اب کوئی اشکال نہیں۔ (احکام الجاہ ج ۸)

## داخلہ جنت کی خوش فہمی

حدیث شریف میں ہے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة جس نے لا الہ الا اللہ کہا جنت میں داخل ہو گیا۔



اس سے اپنے نفس کے موافق یہ مراد لے لی ہے کہ بس یہی کافی ہے۔ نہ کسی عمل کی ضرورت ہے نہ کسی گناہ سے بچنے کی حاجت۔ جو جی چاہے کرتے پھر و بس لا الہ الا اللہ کہہ لو سیدھے جنت میں چلے جاؤ گے یہ بھی وہی کلمۃ الحق ارید بها الباطل (یہ کلمہ تو حق ہے مگر اس سے مراد باطل لی گئی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ ہم نے جو اس حدیث میں کہا ہے خود اسی حدیث ہی میں آگے مصرع ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ وان زنی و ان سرق یعنی اگر چہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ تب بھی جنت میں داخل ہوگا اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بعد لا الہ الا اللہ کہہ لینے کے کچھ بھی کرتا پھرے کچھ مضرت نہیں۔

جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اعمال مامور بھا (جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے) کے بجالانے اور معاصی سے بچنے کی ضرورت نہیں بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ زنا و سرقت سے ایمان نہیں جاتا۔ اس ایمان کی برکت سے کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ گو بعد سزا سہی تو اعمال کی عدم ضرورت اس سے کیسے ثابت ہوئی جیسے جہلاء کا زعم ہے کہ جو جی چاہے کرتا پھرے کچھ بھی حرج نہیں اور موٹی بات ہے کہ اگر صرف لا الہ الا اللہ کافی ہوتا اور کسی عمل کے کرنے یا گناہوں کے چھوڑنے کی ضرورت نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اعمال کی تاکید فرماتے اور گناہوں پر وعیدیں کیوں ارشاد فرماتے۔ یہ تو بہت آسان بات تھی اسی کی تعلیم فرما دیتے۔ نیز جب آپ ہی سے اعمال ساقط نہ ہوئے تو اور کیسے ساقط ہو سکتے ہیں۔ دیکھئے آخر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کوئی بھی سمجھ دار تھے یا نعوذ باللہ سارے ناواقف ہی تھے۔ کیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور اعمال نہیں کرتے تھے۔ کیا صرف لا الہ الا اللہ پر بس کرتے تھے ان کے واقعات دیکھ لیجئے دین پر ان کو کیسی توجہ تھی۔ مستحب تک کو چھوڑنا بہت برا خیال کرتے تھے معلوم ہوا کہ یہ صرف تمہارا مذاق ہے ان دلائل کا یہ مفہوم نہیں صرف نفس کو اعمال کی مشقت سے بچانے کے لئے تم نے حیلے تراش لئے ہیں۔ کیا آیت لمثل هذا فليعمل العاملون اس کی مثل عمل کرنے والوں کو چاہیے کہ عمل کریں۔

اور حدیث من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر جس نے نماز کو قصداً چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا۔ وغیرہ یہ نصوص نہیں ہیں کیا آپ کو صرف ایک ہی نص ملی مجھے تو شرم آتی ہے ایسی ظاہر بات کی تفصیل کرتے ہوئے۔ (خیر المال للرجال ج ۸)



تعالیٰ کے غصہ میں بھی رحمت نظر آتی اور اس سے ہمارے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی اسی طرح اہل اللہ بھی غصے ہوتے ہیں مگر ان کے غصہ کے اندر رحمت بھی ہوتی ہے واقعات کو دیکھو تو معلوم ہو کہ وہ کتنی رعایتیں کرتے ہیں۔

یہ حالت ہوتی ہے اہل اللہ کے دنیوی تعلقات کی کہ ان کو کسی چیز کے نہ آنے سے فرحت ہو، نہ جانے سے غم۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

## دین کے اثرات و برکات

دین سے فہم بھی درست ہو جاتا ہے۔ اسی درستی فہم پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک شخص گنوار حضرت مولانا گنگوہی صاحب کی خدمت میں آیا اور کہا کہ مولوی جی مجھے مرید کرلو۔ حضرت نے فرمایا اچھا بھائی آ۔ مرید کرتے ہوئے جو باتیں کہلواتے ہیں کہ نماز پڑھو روزہ رکھا کرو سب کچھ کہلوا یا جب مولانا اپنی باتیں پوری فرما چکے تو آپ کہتے ہیں کہ مولوی جی تم نے افیم سے تو توبہ کرائی نہیں مولانا نے فرمایا کہ بھائی مجھے کیا خبر کہ تو افیم بھی کھاتا ہے حضرت چونکہ طبیب بھی تھے جانتے تھے کہ دفعۃً ایفون کا چھوڑنا مشکل ہے اور طالب کی حالت کی رعایت ضروری ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ کتنی کھایا کرتے ہو۔ میرے ہاتھ پر رکھ دو۔ اس نے گولی بنا کر حضرت کے ہاتھ پر رکھ دی۔ حضرت نے اس میں سے کچھ کم کر کے باقی اس کو دے دی اور فرمایا کہ اتنی کھالیا کرو پھر مشورہ کر لینا۔ وہ شخص کچھ دیر خاموش بیٹھ کر کہنے لگا جی مولوی جی جب توبہ ہی کر لی پھر اتنی اور اتنی کیا یہ کہہ کر ایفون کی ڈبیہ نکال کر دیوار پر ماری اور یہ کہا کہ اری افیم جا میں نے تجھے چھوڑ دیا بس یہ کہہ کر چلا گیا نہ ذکر پوچھا نہ شغل۔

ایفون کے چھوڑنے سے دست آنے لگے۔ اس نے کہلا کر بھیجا کہ مولوی جی دعا کر دیجو کہ میں اچھا ہو جاؤں مگر افیم نہ کھاؤں گا غرض بری حالت تک نوبت پہنچی مرتے مرتے بچا مگر اچھا ہو گیا تندرست ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے پوچھا کون؟ کہا میں افیم والا اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد دو روپیہ پیش کئے مولانا نے کس قدر عذر کے بعد دلجوئی کی اور روپے قبول فرمائے تو آپ کہتے ہیں کہ جی یہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں کہ یہ کیسے روپے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی اب بتلا دے کیسے روپے ہیں اس نے کہا کہ یہ روپے افیم کے ہیں۔ حضرت نے پوچھا کہ افیم کے کیسے اس نے کہا میں دو روپے مہینہ کی افیم کھاتا تھا جب

میں نے افیم سے توبہ کی تو نفس بڑا خوش ہوا کہ اب دو روپے ماہوار بچیں گے میں نے کہا کہ یہ تو دین میں دنیا مل گئی بس میں نے نفس سے کہا کہ یہ یاد رکھو کہ یہ روپیہ تیرے پاس نہ چھوڑوں گا۔ یہ مت سمجھ کہ تجھے دے دوں گا بلکہ اسی وقت نیت کر لی کہ جتنے کی افیم کھایا کرتا تھا وہ پیر کو دیا کروں گا پس یہ دو روپیہ ماہوار آپ کے پاس آیا کریں گے۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

## اخلاص کی قیمت

حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ کا واقعہ ہے کہ ایک جہاز میں بیس مٹکے شراب کے خلیفہ وقت کے واسطے آئے تھے آپ بھی دریا کے کنارے ٹہلتے ہوئے پہنچے جہاز والے سے پوچھا کہ اس میں کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ خلیفہ کے واسطے شراب آئی ہے آپ نے مٹکوں کو توڑنا شروع کیا انیس توڑ دیئے صرف ایک مٹکا باقی رہ گیا تھا کہ اس کو آپ نے چھوڑ دیا اس واقعہ کی خبر خلیفہ کو پہنچی خلیفہ کو غصہ آیا اور ان کے پکڑ لانے کا حکم ہوا حاضر کئے گئے۔ خلیفہ نے ایسی جرات کی وجہ دریافت کی تو آپ نے کہا حق تعالیٰ کا حکم ہے۔

وامر بالمعروف و انه عن المنکر و اصبر علی ما اصابک حکم کر کرنے کا اور روک برائی سے جو تکلیف تجھ کو پہنچے اس پر صبر کر۔

خلیفہ نے پوچھا کہ ایک کو کیوں چھوڑ دیا فرمایا کہ اس کے توڑنے میں نفس کی آمیزش ہو گئی تھی۔ اس لئے چھوڑ دیا وہ اس طرح کہ جب میں انیس مٹکے توڑ چکا تو نفس کے اندر خیال ہوا کہ تو نے بڑا کام کیا کہ خلیفہ کی بھی پرواہ نہ کی اس بات پر نفس پھولا تو میں نے ایک کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ کام خالص اللہ کے واسطے نہ رہا تھا خلیفہ پر اس اخلاص کا یہ اثر ہوا کہ ان کا معتقد ہو گیا اور محتسب شہر بنا دیا اسی طرح نفس کی کید کی طرف اس گنوار کا فہم بھی پہنچا۔

یہ حکایت (گنوار کی) اس پر یاد آ گئی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ دین اختیار کرنے سے آدمی کا فہم بھی درست ہو جاتا ہے ایسے شخص کو وہ باتیں منکشف ہوتی ہیں جو علماء کو بھی نہیں ہوتیں۔ یہ تو نعمت معنوی تھی باقی حسی نعمتیں بھی ایسے شخص کو اوروں سے زیادہ عطا ہوئی ہیں۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

## کسب حلال اور حب دنیا

کسب الحلال فریضۃ حدیث ہے پس کسب حلال تو فرض ہے ہاں حب دنیا سے منع کیا جاتا ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے۔



حب الدنيا راس كل خطيئة (کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے) صاحبو! ایک ہے کسب دنیا اور ایک ہے حب دنیا کسب دنیا جائز اور بعض مواقع پر واجب اور فرض بھی ہے اور حب دنیا حرام ہے اور ان میں باہم تلازم نہیں نہ کسب دنیا کے لئے حب دنیا لازم اور نہ حب دنیا کے لئے کسب دنیا لازم کیونکہ کسب دنیا اس وقت بھی ممکن ہے کہ معاش حاصل کرے مگر اس کے ساتھ شغف نہ ہو۔ اسی طرح حب دنیا اس وقت بھی ہو سکتی ہے کہ کمائے بھی نہیں مگر اس کے ساتھ شغف ہو مثلاً کوئی شخص دنیا نہ کماتا ہو مگر دین سے بھی غافل ہو تو اس کو حب دنیا حاصل ہے اور کسب دنیا حاصل نہیں کیونکہ دین سے غفلت ہونا یہی حب دنیا ہے اور بعض جگہ دونوں جمع ہو جاتی ہیں یعنی کسب دنیا بھی ہو اور حب دنیا بھی ہو مثلاً ایک شخص دنیا بھی کماتا ہے اور دین سے بھی غافل ہے اور بعض جگہ دونوں نہیں ہوتیں نہ کسب دنیا نہ حب دنیا مثلاً کوئی شخص کسب دنیا نہیں کرتا اور دین سے غافل بھی نہیں غرض حب دنیا و کسب دنیا متلازم نہیں بعض محبت ہیں کا سب نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی کا سب ہو اور محبت نہ ہو سو ہم حب دنیا سے منع کرتے ہیں۔ باقی کسب دنیا وہ تو خاص قیود کے ساتھ ضروری ہے آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ شرعی فتوے سے تجارت فرض کفایہ ہے اسی طرح زراعت بھی فرض کفایہ ہے کیونکہ زندگی موقوف ہے ان چیزوں پر اور ضروریات معاش کی تحصیل فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ وہ ہے کہ بعض کے کر لینے سے بقیہ لوگوں کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اس لئے یہ خیال بالکل ہی غلط ہے کہ علماء کسب دنیا سے منع کرتے ہیں بھلا فرض کفایہ سے کون منع کر سکتا ہے۔ بس محبت دنیا ہونا تو کسی کو جائز نہیں باقی کسب دنیا میں کسی قدر تفصیل ہے یعنی ایک وہ شخص ہے کہ جس کو کسب دنیا ضروری ہے اور بعض وہ ہیں جن کے لئے کسب دنیا ضروری نہیں بیان اس کا یہ ہے کہ جس شخص کو عدم کسب کی حالت میں پریشانی ہو تو پریشانی کی حالت میں کسب دنیا ضروری ہے اس کو چاہیے کہ کسب دنیا کرے۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

## اناللہ کی فضیلت

قرآن کے ایک ایک لفظ میں اتنی دلائل اور اس قدر رعایتیں اعجاز قرآن کی دلائل ہیں آگے فرماتے ہیں الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون۔ یہ جملہ یا تو صفت مادحہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ بشارت جن صابرین کے لئے ان کی یہ خاص

مدح ہے یا صفت مقیدہ ہے کہ صابرین میں جن کی یہ شان ہے صرف انہی کے لئے بشارت ہے۔ بہر حال اس سے ہر مصیبت کے وقت انا اللہ پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوئی۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغ گل ہو جانے پر بھی انا اللہ پڑھا کیونکہ یہ بھی ایک مصیبت ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ روشنی بھی نعمت ہے واقعی رات کو اندھیرے مکان میں جب چراغ روشن کیا جاتا ہے تو جان میں جان آتی ہے۔ اندھیرے گھر سے وحشت سی معلوم ہوتی ہے اس لئے آپ نے چراغ گل ہونے انا اللہ پڑھ کر روشنی کا نعمت عظمیٰ ہونا اور..... اندھیرے کا مصیبت ہونا ظاہر کر دیا۔

مگر آج کل انا اللہ بہت بدنام ہو گیا ہے لوگوں نے اس کو مردوں کیلئے خاص کر لیا ہے۔ گنگوہ میں ایک لڑکا ہر بات پر انا اللہ پڑھا کرتا تھا تو ایک بڑھیا نے کہا بچے خدا سے خیر مانگ۔ تو ہر بات پر انا اللہ پڑھ کر کس کو مارے گا شاید بڑھیا کو اپنی ہی فکر ہوئی ہوگی کہ بس سب سے زیادہ میری عمر ہے کہیں انا اللہ سن کر ملک الموت گھر میں نہ آگھسیں اور مجھے سب سے زیادہ عمر والی دیکھ کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ اسی طرح لا حول بھی بہت بدنام ہے۔

کانپور کا ایک قصہ ہے کسی نے دوسرے کو دور سے دیکھ کر سمجھا کہ یہ فلاں شخص ہے پاس پہنچا تو اور تھا۔ اس نے اپنی غلطی پر لا حول پڑھ دی وہ دوسرا شخص اس کے سر ہو گیا کہ تم نے مجھ کو شیطان کہا وہ ہر چند سمجھاتا ہے کہ میں نے تم پر لا حول نہیں پڑھی اپنی غلطی پر پڑھی ہے۔ مگر وہ کسی طرح مانتا ہی نہیں بہت مشکل سے پیچھا چھڑایا۔

سورہ یسین بھی بہت بدنام ہے اس کو بھی لوگوں نے مردوں کے لئے خاص کر لیا ہے حالانکہ حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے اس سورہ کو دم کرنے سے بڑے مہلک امراض میں شفا حاصل ہوتی ہے مگر میں جب کسی مریض پر یہ سورت دم کرتا ہوں تو آہستہ پڑھا ہوں کہیں زور سے پڑھنے میں وہ بیمار یا اس کے گھر والے یہ نہ کہیں کہ مارنے کو آیا تھا۔

دہلی میں ایک دفعہ مومن خاں شاعر تراویح میں قرآن سنتے تھے ایک ڈوم بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ وہ مومن خاں سے چند روز کے بعد کہنے لگا کہ خان صاحب وہ سورت آوے جو مردوں پر پڑھی جاتی ہے تو مجھ سے ایک دن پہلے کہہ دینا تا کہ میں اس دن نہ آؤں۔ اس کے سننے سے آدمی مر جاتا ہے۔ مومن خاں نے وعدہ کر لیا چند روز کے بعد اس نے یہ بات پھر یاد دلائی تو مومن خاں نے کہہ دیا کہ وہ سورت تو پڑھی بھی گئی مجھ

کو کہنا یا نہیں رہا۔ بس ڈوم یہ سن کر سہم ہی تو گیا کہ ہائے وہ سورت پڑھی گئی اور وہم کی وجہ سے اس کی روح تحلیل ہو گئی اور دو تین دن میں مر گیا یہ محض اس کے وہم کا اثر تھا۔ اس سورت کا اثر نہ تھا ورنہ آج کل لوگ کیوں نہیں مر جاتے۔ (حقیقت الصبر ج ۹)

## شریعت اور رحمت

مجھ کو تو ہر آیت میں رحمت ہر حکم میں رحمت نظر آتی ہے۔ اگر شریعت کے ہر ایک برتاؤ کو غور سے دیکھیں تو ہر ایک میں رحمت پائی جاوے گی۔ اور یہ میری من گھڑت نہیں بلکہ سلف کے اقوال اس کے مؤید ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی آیت رحمت کی آیت مدہنت ہے کہ آپس میں کالین دین لکھ لیا کرو۔ وجہ دلالت یہ کہ حق تعالیٰ کو جب ہمارا دنیا کا نقصان گوارا نہیں تو اخروی نقصان کو کب گوارا فرمائیں گے لکھنا شروع فرمایا۔ تاکہ چار پیسہ کی بھی بھول نہ ہو کہ نقصان اٹھانا پڑے ایک لمبی آیت رکوع کا رکوع اسی قانون میں نازل فرمایا تو ہمارا چار پیسہ کا نقصان بھی گوارا نہیں یہ کتنی بڑی رحمت اور محبت ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں سحر کا بڑا زور تھا تو حضرت موسیٰ کو وہ وہ معجزے عطا کئے گئے کہ جس سے اہل سحر متحیر و عاجز ہو گئے اور ناچار آپ کو رسول برحق ماننا پڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بڑا زور تھا اس لئے حضرت عیسیٰ کو دم سے مردہ زندہ کر دینے کا معجزہ عنایت ہوا لا علاج برص والے کو دم اچھا کر دیتے۔

زمانہ بھر کا مسلم ہے کہ مادر زاد نابینا کسی دوا سے بھی نہ ہو سکتا۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو بھی بحکم خداوندی بینا کر دیتے تھے۔

چونکہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں حکومت اور سلطنت کا زور تھا کہ ہر بادشاہ اپنی طاقت و خداداد قوت پر مغرور تھا اپنے اس زور و قوت پر مغرور ہو بیٹھے تھے خدائی اور آسمانی احکام بالکل نسیا منسیا ہو چکے تھے۔ اس زمانہ میں جب سلیمانؑ کو نبی برحق بنا کر بھیجا گیا تو ان کو ایسا زبردست بادشاہ بنایا گیا کہ جس کو دیکھ کر وہ لوگ اپنی طاقت و زور سب بھول گئے اور سر تسلیم خم کرتے ہی بن پڑا۔

باقی یہ بات کہ ہر نبی کو وہی معجزہ کیوں دیا جاتا ہے جس میں اسکی قوم کو غلو ہو۔ اس میں

حکمت یہ ہے کہ جس امر کا جس زمانہ میں غلبہ ہوتا ہے اس کی معرفت ان لوگوں کو زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر معرفت زیادہ ہوتی ہے اس کی حد مقدوریت زیادہ معلوم ہوتی ہے جب معجزہ اس حد سے آگے ہوگا اس کے اعجاز کو بھی وہ لوگ خوب سمجھیں گے اور جو مصلحت ہے معجزہ کی وہ خوب ظاہر ہوگی۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایسی قوت کی سلطنت دی گئی تاکہ بمقابلہ دوسرے سلاطین کے یہ بات ظاہر ہو جاوے کہ سلاطین کتنے ہی بڑھ جائیں ساری دنیا غرب سے شرق تک کے مالک ہو جائیں کتنے ہی ریلوے انجن موٹر کار وغیرہ نکالیں مگر جن اور طیور پر کہاں سے حاکم بنیں گے۔ ان کی زبانیں کیسے معلوم کریں گے۔ ہوا کو کیونکر ایسا تابع بنائیں گے کہ صرف زبان ہلانے سے وہ کام کرنے لگے۔

اور حضرت سلیمان کو ان چیزوں پر حاکم بنایا۔ سب کو ان کے قبضہ میں دیا

پس اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ معجزہ ہے۔ (دواء الفریق ج ۹)

## حکیمانہ جواب

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا۔ نماز پانچ وقت کی کیوں فرض ہوئی۔ اس میں کیا مصلحت ہے۔ میں نے کہا تمہارے ناک آگے کیوں ہے پیچھے کیوں نہیں اس میں کیا حکمت ہے انہوں نے کہا اگر پیچھے ہوتی تو بدنما معلوم ہوتی میں نے کہا جب سب کی پیچھے ہوتی ہے تو کیوں بدنما معلوم ہوتی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ افسوس ہے کہ اگر محمد ابن زکریا کچھ کہہ دے تو مان لیا جائے۔ اور اگر محمد بن عبد اللہ کچھ کہیں تو اس کی تصدیق نہ کی جائے۔ غرض! جب میں نے ثابت کر دیا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر ہمیں ضرورت نہیں کہ ہر ایک حکم کی علت بتائیں۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ اس میں خاصہ یہی ہے جو خدا تعالیٰ کے ارشاد سے معلوم ہو جاتا ہے۔ بلکہ جو ادویہ مؤثر بالکیفیت کہلاتی ہیں تو وہ بھی مؤثر بالخاصیت ہی ہیں۔

مثلاً برودت کا علاج اجزاء حارہ سے کرتے ہیں۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ علاج بالکیفیت ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ حرارت نہیں کیونکہ اول تو علاج بالمثل بھی ہوتا ہے تو وہاں علت کہاں گئی اور شفاء وہاں بھی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ حرارت علت نہیں۔ (دواء الفریق ج ۹)



## ترجمہ قرآن کا معیار

صاحبو! اگر ہم قرآن کو کتاب علاج روحانی سمجھتے تو تراجم کے اندر بھی اسی بات کو ملحوظ کرتے کہ کون سا ترجمہ ماہر فن کا ہے کہ اس کا معتبر جان کر اس پر عمل کیا جائے اور کون سا غیر ماہر کا ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ اگرچہ وہ کیسا ہی رنگین کیوں نہ ہو کیونکہ مقصود تو عمل ہے اور اس میں رنگینی عبارت کو کوئی بھی دخل نہیں مگر ہم لوگ قرآن کو قصہ کہانی کی کتاب سمجھ کر دیکھتے ہیں۔ جب ہی تو رنگین ترجمہ کی قدر ہوتی ہے۔ اگر ترجموں کے مطالعہ سے مقصود عمل ہوتا تو رنگینی پر نظر نہ ہوتی بلکہ مقصود پر نظر ہوتی۔ اگر رنگین عبارت دیکھنے کا شوق ہے تو اس کیلئے ترجمہ قرآن کا کیوں انتخاب کیا جاتا ہے۔ عمدہ زبان تو قصہ چہار درویش کی ہے اس کا مطالعہ کر لیا کیجئے۔ ترجمہ قرآن کو خواہ مخواہ کیوں تکلیف دی۔ غرض صحیح معیار عمدہ ترجمہ قرآن کا یہ نہیں جو آج کل عوام کا مذاق ہو گیا بلکہ صحیح معیار وہ ہے جو میں نے بیان کیا کہ معتبر ماہر فن کا ترجمہ لیا جائے پھر اس کو کسی معتبر عالم سے سبقاً سبقاً پڑھ لیا جائے۔ بدوں اس کے ترجمہ دیکھنا کافی نہیں۔

اسی طرح ترجمہ سمجھنے کے لیے محض ادب دانی کافی نہیں آج کل لوگوں میں یہ بھی بڑی کوتاہی ہے کہ ان لوگوں کی بڑی قدر کرتے ہیں جو عربی میں تقریر و تحریر کر لیا کریں اور اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں مگر قرآن سمجھنے کے لیے محض ادب دانی کافی نہیں اور میں اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں کہ اگر قانون کی کتاب ایک شاعر سے پڑھی جائے جس کی زبان بہت عمدہ ہے مگر قانون سے اس کو مس نہیں اور ایک دوسرا شخص ہے جو زبان دانی میں حصہ کم رکھتا ہے مگر قانون سے پورا واقف ہے۔ اب اگر کتاب قانون کی کسی عبارت میں دونوں کا اختلاف ہو۔ شاعر کچھ مطلب بیان کرے اور قانون دان وکیل کچھ اور کہے۔ عقلاء زمانہ انصاف سے بتلائیں کہ اس صورت میں کس کا قول قابل توجہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ قانون دان وکیل کے سامنے زبان دان شاعر کا قول ایک کوڑی کو بھی نہ پوچھا جائے گا زبان آ جانے سے فن سہل نہیں ہو سکتا۔ (المراد ج ۱)

## بد نظری کی وبا اور علاج

ایک شخص میرے پاس آئے جو بوڑھے ہو گئے تھے مگر نظر بد کے مرض میں مبتلا تھے۔ آج کل لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جوانی میں گناہ نہیں چھوٹے تو بڑھاپے میں جا کر چھوٹ جائیں گے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جو گناہ جوانی میں نہیں چھوٹا وہ بڑھاپے میں کبھی نہیں چھوٹے گا۔

درختے کہ انکوں گرفت سست پائے بہ نیروئے شخصے برآید ز جائے  
 اگر ہچمناں روزگارے ہلی گر دولش از بیج برنگی  
 (وہ درخت جس نے ابھی جڑ پکڑی ہے ایک شخص کی طاقت سے اکھڑ سکتا ہے۔ اگر  
 ایسے ہی وقت گزرتا گیا تو چرخی کی مدد سے بھی جڑ سے نہ نکالا جاسکے گا)

سو جو گناہ اب جوانی میں نہ چھوٹا حالانکہ ابھی اس کی جڑ کمزور ہے تو بڑھاپے میں کیا خاک  
 چھوٹے گا جبکہ جڑیں مضبوط ہو جائیں گی اور چاروں طرف پھیل جائیں گی۔ نیز ایک بات تجربہ  
 کی یہ ہے کہ ہمیشہ عفت جوان آدمی کی قوی ہوتی ہے کیونکہ جس طرح جوانی میں تقاضا زیادہ ہوتا  
 ہے اس کے روکنے کی قوت بھی زیادہ ہوتی ہے اور بڑھاپے میں یاد رکھئے کہ تقاضا کم نہیں ہوتا۔  
 اگرچہ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا مگر تقاضے میں کمی نہیں آتی اور اس کے تقاضے کو روکنے والی قوت کم  
 ہو جاتی ہے تو اور بھی کچھ نہ ہو نظر بد میں تو وہ شخص مبتلا رہے گا ہی۔ خصوصاً جبکہ عورتیں اس کی نظر  
 سے احتراز بھی نہیں کرتیں۔ چنانچہ بوڑھے آدمی سے پردہ بھی کم کرتی ہیں بہت سے بہت وہ فعل  
 نہ کر سکے گا مگر میں کہہ چکا ہوں کہ مدار معصیت ارادہ پر ہے۔ جب ایک شخص نے معصیت کا پختہ  
 ارادہ کر لیا اور پھر بوجہ ناکارہ ہونے کے اسے پورا نہ کر سکا تو گناہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا گیا۔

غرض وہ بوڑھے شخص مجھ سے ملے کہ اس کی کوئی سہل تدبیر بتلاؤ کہ میں اس مرض  
 سے نجات پاؤں۔ میں نے کہا کہ سہل کی قید سے تو یہ سلسلہ غیر متناہی چلے گا۔ آج آپ  
 مرض کے ازالہ کی سہل تدبیر پوچھتے ہیں کل کو اس تدبیر کو سہل کرنے کے لیے اگر وہ سہل  
 نہ معلوم ہوئی، دوسری تدبیر پوچھیں گے اس میں کچھ دشواری پیش آئی تو پھر اس کی  
 سہولت کے لیے اور تدبیر پوچھیں گے۔ اس طرح تو مرض کا علاج نہیں ہو سکتا، بس  
 سہولت کی فکر نہ کیجئے۔ بجز ہمت کے اس کا کوئی علاج نہیں۔ ایک دفعہ پختہ عزم کر لیجئے  
 کہ چاہے کتنی ہی تکلیف ہو ہرگز نگاہ اوپر کو نہ اٹھاؤں گا اور جو کبھی اٹھ جائے تو فوراً نیچی  
 کر لیجئے۔ اس ترکیب سے ان شاء اللہ مرض زائل ہو جائے گا۔ اس کے بدوں زوال  
 ممکن نہیں وہ کہنے لگا کہ میں چھوڑنے پر قادر ہی نہیں ہمت کیسے کر سکتا ہوں؟ میں نے کہا  
 کہ یہ آپ غلط کہتے ہیں۔ آپ یقیناً چھوڑنے پر قادر ہیں اور دلیل سے میں نے ان کو  
 سمجھا دیا کہ آپ قادر ہیں وہ دلیل یہ تھی کہ حق تعالیٰ شانہ کا ایک طرف تو یہ ارشاد ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا. (البقرہ آیت نمبر ۲۸۶)

کہ حق تعالیٰ طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتے۔

دوسری طرف یہ ارشاد ہے: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا

فُرُوجَهُمْ. (النور۔ آیت نمبر ۳۰)

کہ مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں۔ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ نگاہ سچی کرنے پر بندہ قادر ہے اس لیے کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ کا حکم ہے اور ان کا کوئی حکم طاقت سے زیادہ نہیں ہوتا۔ میرے سامنے تو وہ اس دلیل میں تاویل میں نکالتے رہے مگر گھر جا کر جو انہوں نے اس میں غور کیا اور خط بھیجا کہ واقعی میں غلطی پر تھا، انسان ہر گناہ سے بچنے پر قادر ہے۔ البتہ پہلے پہل کلفت ضرور ہوتی ہے اس کے بعد یہ کلفت کم ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ پھر عادت ہو جاتی ہے۔ (المراد ج ۱)

## دنیا و آخرت کا فرق

طالبین دنیا کے بارے میں پہلے یہ فرمایا گیا ہے۔ ”عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ“ کہ طالبین دنیا میں سے ہم جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں عطا کر دیتے ہیں۔ اس کا مقتضایہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں طالبین آخرت کے لیے یہ فرمایا جاتا ”اعطيناه ما يشاء“ کہ ہم طالب آخرت کو جو کچھ وہ چاہے گا وہی دیں گے کیونکہ جب دنیا والوں کے لیے یہ فرمایا گیا کہ ان کو جو ہم چاہیں گے وہ دیں گے تو بظاہر اس کے مقابل طالبین آخرت کے لیے فضیلت پوری اس طرح معلوم ہوگی کہ ان کو ان کی طلب کے موافق سب کچھ دیا جائے مگر بخلاف اس کے اس آیت میں ”ما يشاء“ نہیں فرمایا گیا بلکہ بجائے اس کے ”أُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا“ فرمایا گیا۔ تو بات یہ ہے کہ اگر اس جگہ حق تعالیٰ اہل آخرت کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے کہ ان کو جو کچھ وہ چاہیں گے وہی دیا جائے گا تو اس میں درحقیقت کچھ زیادتی نہ ہوتی بلکہ وعدہ گھٹ جاتا کیونکہ نعمائے آخرت کی شان یہ ہے:

مَالَا عَيْن رَأَتْ وَلَا أُذُن سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ.

”یعنی نہ ان کو آنکھوں نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ کسی بشر کے قلب پر خیال گزرا۔“

تو بتلائیے کہ جب وہاں کی نعمتوں کا یہ حال ہے تو اگر یہ فرمایا جاتا کہ طالبین آخرت کو جو

کچھ وہ چاہیں گے دیا جائے گا اس سے زیادتی ہوتی یا کمی؟ بہت کمی ہو جاتی کیونکہ وہاں کی نعمتوں کا ہم کو وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر ہماری خواہش کے موافق جو ہم کو ملتا وہ تو بہت ہی کم ہوتا۔ حق تعالیٰ شانہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ہمارے واسطے انہوں نے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کا ہم کو خطرہ بھی نہیں ہو سکتا اور وہاں کا ثواب ہماری خواہش پر موقوف نہیں۔ فرمایا بلکہ اپنی رحمت سے خواہش سے بہت زیادہ عطا فرمائیں گے۔ اسی کے بارے میں مولانا کا ارشاد ہے:

خود کہ یا بدایں چنین بازار را کہ بیک گل مے خری گلزار را  
نیم جاں بستاند و صد جاں دہد آنچہ دروہمت نیاید آں دہد

(المرادج ۱)

## دنیا کی حقیقت

حدیث شریف میں ہے کہ دنیا گھر اس شخص کا ہے جس کا گھر نہ ہو، یعنی دنیا گھر بنانے کی جگہ نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ گھر سے سب کو محبت ہوتی ہے اور محبت کی وجوہ مختلف ہیں۔ بعض کو تو خود گھر ہی سے بالذات تعلق ہوتا ہے، خاص کر عورتیں چونکہ رات دن اسی میں رہتی ہیں اس لیے ان کو گھر سے شدید تعلق ہوتا ہے۔ ہمارے بزرگوں میں ایک بی بی تھیں، بہت بوڑھی ہو گئی تھیں۔ جب کبھی ان سے عرض کیا جاتا کہ تم ہمارے یہاں آ جاؤ تو وہ یہی کہتی تھیں کہ نہیں بھائی میں تو یہی چاہتی ہوں کہ جس گھر میں ڈولی آئی تھی اسی گھر کھنولی نکلے۔ (یعنی جس گھر میں دلہن بن کر آئی تھی اسی گھر سے جنازہ بھی نکلے) اور بعضوں کو گھر سے اس وجہ سے محبت ہوتی ہے کہ گھر میں آسائش بہت ہوتی ہے، کسی کا زور نہیں، دباؤ نہیں، چین سے پڑے ہیں۔ بعضوں کو اس لیے ہوتی ہے کہ گھر میں سامان ہے، راحت کی سب چیزیں مہیا ہیں۔ دوسری جگہ جاتے ہیں تو پریشانی ہوتی ہے، جب جی گھبرا یا گھر چلے گئے، جب بھوک لگی گھر میں جو کچھ رکھا ہو خواہ باسی تازہ یا کوئی اور شے کھالیا، یہ بات باہر کہاں! بلکہ وطن ہی میں اگر کہیں دعوت ہو جائے اور باسی روٹی کو جی چاہے تو ممکن نہیں کہ آپ باسی کھائیں، تازی ہی کھانا پڑے گی یا کسی خاص شے کو جی نہیں چاہتا، کبھی وہ شے کھائی نہیں اور دعوت میں وہی سامنے آئی، جھک مار کر وہی کھانا پڑے گی یا اس وقت بھوک نہیں، اپنے گھر تو نہ کھاتے لیکن یہاں کھانا ہی پڑے گا خواہ تھوڑا ہی کھائیں۔ یہ آسائش گھر ہی میں ہے۔ غرض اور



بلاد کے اعتبار سے اپنے وطن میں اور وطن کے اجزاء کے اعتبار سے وطن کے اس خاص حصہ میں جس کو اپنا گھر کہتے ہیں زیادہ راحت ملتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ گھر وہ شے ہے کہ جتنی چیزیں آدمی کو مرغوب ہوتی ہیں ان سب چیزوں کا میزان الكل لفظ گھر ہے۔ یعنی حق تعالیٰ نے اس کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، جاہ و مال، اولاد، کھانے پینے، پہننے کی چیزیں اور تمام تفریح کا سامان وہ سب گھر کے اندر آ گئیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ”الدنيا دار من لا دار له“ ہزاروں دفتروں کا ایک دفتر ہے اگر دنیا کی تمام چیزوں کی مال کی جاہ کی اور اولاد کی کھانے پینے وغیرہ کی الگ الگ مذمت کی جاتی اور ان کو دل سے اتارنے کی کوشش کی جاتی تو اتنا مبلغ اور مختصر مضمون نہ ہوتا جس قدر یہ مبلغ ہے کہ اس میں سب کچھ آ گیا اور پھر صرف دو لفظ۔ (الدنيا ج ۱)

حدیث میں ہے:

يا عبد الله اذا أصبحت فلا تحدث نفسك بالمسا و اذا مسيت فلا

تحدث نفسك بالصباح وعد نفسك من اهل القبور ۵

اے عبد اللہ بن عمرو جب تم صبح کرو تو اپنے دل میں شام کا خیال نہ لاؤ اور جب شام کرو تو صبح کا خیال نہ لاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت امائی محضہ نہ پکاؤ کہ شام کو یوں کریں گے تو صبح کو یوں کریں گے کیونکہ الحدیث یفسر بعضہ بعضا اور دوسری حدیث میں اس قید کی تصریح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ“ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لایعنی امور کے ترک کرنے کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ضروری اور مفید امور کا ترک ضروری نہیں تو اس میں ضروری خیالات کی بھی اجازت ہے۔ مثلاً کسی کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو اس کی بابت تحدیث النفس جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ اس کے ادا کی تدبیریں سوچے یہ ممنوع نہیں بلکہ ممانعت اس کی ہے کہ شیخ چلی کی طرح خیالی منصوبے پکائے۔ (غریب الدنيا ج ۱)

## حب دنیا کا مرض

اگر غور کیا جائے تو حب دنیا کو ہر مرض سے تعلق ہے کیونکہ جس میں حب دنیا ہوگی اس کو

آخرت کا اہتمام ہی نہ ہوگا تو وہ شخص اعمالِ حسنہ کو انجام ہی نہ دے گا نہ برائیوں سے بچے گا اور ایسے ہی برعکس جب آخرت کی فکر ہوتی ہے تو جرائمِ صادر نہیں ہوتے مثلاً جو لوگ جرائم کرتے ہیں وہ محض اس وجہ سے کہ آخرت کی فکر نہیں اگر آخرت کے واقعات لوگوں کے پیش نظر ہوں تو جرائم کبھی صادر نہ ہوں مگر حب دنیا کے مراتب مختلف ہیں جیسے فکر آخرت کے مراتب مختلف ہیں۔ پس جن درجات میں تضاد ہے وہ جمع نہیں ہو سکتے اور جن میں تضاد نہیں وہ جمع ہو سکتے ہیں اور یہی راز ہے۔ اس کا کہ ایک حدیث میں تو فرمایا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

”لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مومن ولا یسرق السارق حین یسرق وهو مومن۔“  
 ”زانی شخص اس حال میں کہ وہ مومن ہے زنا نہیں کرتا اور چور اس حال میں کہ مومن ہے چوری نہیں کرتا۔“

اور دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 من قال لا اله الا الله دخل الجنة وان زنی وان سرق۔

”جس نے لا اله الا الله کہا وہ جنت میں داخل ہوا اگرچہ اس نے زنا کیا اور چوری کی۔“

(الاطمینان بالدين ج ۱)

## دُنیا کی حقیقت

حدیث کے معنی ہیں میرے نزدیک ”الدنيا سجن المؤمن“ کے۔ لوگوں نے اس حدیث کے مختلف معنی کہے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ جیل خانہ تکلیف و غیرہ کی وجہ سے نہیں فرمایا کیونکہ بعض مومنین کو دنیا میں ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ اس لیے فرمایا کہ جیل خانے میں کبھی جی نہیں لگا کرتا اگرچہ کیسا ہی عیش ہو تو مسلمان کی شان یہ ہے کہ دنیا میں اس کا جی نہ لگے۔ اگرچہ بظاہر اس میں کیسا ہی عیش و آرام ہو کیونکہ جی لگنے کی جگہ گھر ہے اور وہ گھر نہیں ہے۔ پھر جب جی نہ لگے گا تو کیوں ہو میں ہوں گی اور کیوں سوچے گا کہ یوں ہو اور یہ ہو اور وہ ہو بلکہ اب یہ سوچے گا کہ دنیا تو پردیس ہے یہاں جس طرح سے بھی دن گزر جائیں ٹھیک ہے اور دنیا کی سوچ کے بجائے اب یہ ہوگا کہ آخرت کی سوچ ہوگی کہ اس کے لیے یہ سامان ہونا چاہیے اور یہ فکر ہونا چاہیے اپنے نفس کی اصلاح ہونی چاہیے اور یہ سوچے کہ اگر یہ سامان ہو گیا تو پھر یوں بہار ہوگی اور یوں عیش ہوگا ورنہ یوں مصیبت ہوگی یوں پریشانی ہوگی۔ (متاع الدین ج ۱)

## غفلت سے احتراز

بعض اہل لطائف نے لکھا ہے کہ مولود کے کان میں جو اذان کہی جاتی ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس کو سنار ہے ہیں کہ اذان تکبیر ہو گئی ہے۔ اب جنازہ کی نماز کے منتظر رہو اور یہ بھی حکمت ہے کہ اذان و تکبیر میں اللہ کا نام ہے تو شروع ہی سے اس کے کان میں اللہ کا نام اس لیے لیا جاتا ہے تاکہ استعداد ایمان کی قوی ہو جائے اور شیطان اس سے دور ہو جائے اور دونوں حکمتوں میں گویا اشارہ ہے اس طرف کہ دنیا میں غافل ہو کر نہ رہنا مگر ہم لوگوں کی غفلت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ اس پر بھی تنبیہ نہیں ہے۔ (الباقرج ۱)

## رخصت اور سہولت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سہولت ہی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ: ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امرین الا اختار ایسرهما۔ الخ ترجمہ: ”جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ دونوں میں سے آسان کو اختیار فرماتے۔“

لہذا اسی حدیث کے موافق ہم کو یہی عمل کرنا چاہیے کہ ایسے مواقع پر رخصت ہی کو اختیار کریں چنانچہ وضو بھی قربات مقصودہ سے نہیں بلکہ شرائط صلوٰۃ میں سے ہے لہذا اس کے بارے میں سہولت کو اختیار کرنا مناسب ہے دوسرے مقاصد میں بھی جس محل میں رخصت میں کوئی شرعی مصلحت ایسی ہو جو کہ عزیمت میں نہ ہو وہاں مشقت اور عزیمت اختیار نہیں کی جاتی بلکہ رخصت و سہولت کو ترجیح ہوتی ہے۔

اور جیسے وضو قربت مقصودہ نہیں اسی طرح جو کا کھانا بھی گو سنت نبویؐ تو ضرور ہے اور تعامل صحابہ بھی یقیناً ہے لیکن یہ قربات میں سے نہیں بلکہ عادات میں سے ہے اور وہ بھی ان لوگوں کے واسطے جو قوی المعده تھے تو اب جو لوگ اپنے اوپر یہ اعتماد رکھتے ہیں کہ بے چھنے جو کھانے سے ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی پیٹ کو پکڑے پکڑے نہ پھریں گے ان لوگوں کے واسطے جو کھانا مضائقہ نہیں بلکہ اولیٰ و انب ہے اور نیت اتباع کے ساتھ باعث ثواب کثیر ہے۔ (الدنیاء الخ ج ۱)

## ۶۰ علم کی دو قسمیں

علوم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا علم فی نفسہ بھی مقصود ہے اور دوسری قسم جن کا علم مقصود برائے اعمال ہے۔ ان دو قسموں میں سے ثانی قسم میں تو ہم اور عامہ اہل علم دونوں شریک ہیں کہ جس طرح ہم اس جگہ اعمال و علوم دونوں کو مقصود قرار دیتے ہیں اسی طرح وہ بھی ہماری موافقت کرتے ہیں اور دونوں کو مقصود میں داخل کرتے ہیں۔ گو نفسہ وغیرہ کا فرق ہو۔ مثلاً طریقہ وضو کا علم حاصل کرنا کہ یہ خود مقصود بالذات نہیں بلکہ اس وجہ سے مقصود ہے کہ یہ طریقہ ادائے فرض کا جو شرط صلوٰۃ میں سے ہے لہذا صرف وضو کے طریقہ کا جان لینا اتفاقاً کافی نہ ہوگا بلکہ وضو کر کے جب نماز ادا کر لی جائے گی اس وقت مقصود کی تکمیل ہوگی یہ مسئلہ تو مجمع علیہ وسلم ہے۔ رہی پہلی قسم علم کی جس کا علم فی نفسہ بھی مقصود ہے اس میں عامہ اہل علم صرف علوم ہی کو مقصود قرار دیتے ہیں اور ان کو اعمال کیلئے کسی درجہ میں مقصود نہیں سمجھتے جیسا کہ مسئلہ مجوٹ عنہ سے واضح ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ گو علوم مقصود اصلی اور مطلوب بالذات ہیں لیکن اعمال بھی مقصودیت میں شرکت رکھتے ہیں اور ان کی تعلیم اس لیے بھی کی گئی ہے تاکہ اعمال میں ان سے کام لیا جائے بغیر اس کی تکمیل مقصود نہیں ہوتی۔ (الدینا ولا خرہ ج ۱)

## عظمت و کیفیت وحی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر سر رکھے ہوئے لیٹے تھے کہ نزول وحی ہونا شروع ہوا۔ وہ صحابی فرماتے ہیں کہ اسی وقت ثقل سے یہ حالت تھی کہ قریب تھا کہ میرا زانو پھٹ جائے۔ نیز ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے کہ آپ پر نزول وحی ہوا۔ اونٹنی اس شدت کو برداشت نہ کر سکی اور بیٹھ گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ باوجود یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ممتاز تحمل عطا فرمایا گیا تھا مگر پھر بھی آپ پر اس قدر شدید اثر ہوتا تھا مگر ہم جو آج اس کلام مجید کو پڑھتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ شدت ہم کو نہیں ہوتی اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اول اس کے نزول میں جبرائیل علیہ السلام وارد ہوئے اور اس میں خفت ہوئی۔ اس کے بعد آنحضرت



صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا نزول ہوا تو اور خفت ہوئی۔ اب ان واسطوں کے بعد ہم اس کے متحمل ہو سکے کہ ہم اس کو پڑھ سکیں اور یاد کر سکیں۔ باقی اس کی اصل عظمت کہیں نہیں گئی۔ ان دونوں حضرات نے اس کی صولت کو برداشت کر لیا۔ اب ہمارے واسطے سہل ہو کر ہم تک پہنچا ہے جیسے بچے سے بوجھ اٹھوانا ہو تو ماں باپ سہارا لگا دیتے ہیں تو بچہ اس کو اٹھا لیتا ہے لیکن اب تک بھی اگر موانع مرتفع ہوں تو اس نجی کاتنا بڑا اثر باقی ہے کہ بعض وقت جب نہایت خشوع و خضوع سے تلاوت کی جاتی ہے تو ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض اولیائے کرام تو ان آیات کلام مجید کو سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ اس جہان سے رحلت فرما گئے اور ان حضرات کے قلوب تو اعلیٰ درجہ کے نورانی تھے جو اس سے متاثر ہوئے مگر ہم سیاہ کاروں پر بھی اتنا اثر تو ضرور ہے کہ بسا اوقات جب قرآن شریف کو قرآن کی طرح پڑھا جاتا ہے تو ایک عجیب کیفیت اور رقت طاری ہو جاتی ہے۔ (الدنیاء لا خروہ ج ۱)

## عہد الست

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ ہم کو عہد الست کا لیا جانا خوب یاد ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے الست بر بکم فرمایا ہے اس وقت تمام روحیں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ تک رہی تھیں کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیں تو پھر ہم بھی جواب دیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلیٰ اس کے بعد سب نے کہا بلی۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ حدیث میں جو وارد ہے:

الارواح جنود مجنونة فما تعارف منها ائتلف وماتنا کر منها اختلف.

کہ روحیں لشکروں کی طرح جمع کی گئی تھیں جن میں باہم وہاں تعارف ہو گیا ان میں یہاں بھی الفت ہو گئی اور جن میں وہاں تعارف نہیں ہوا ان میں اختلاف ہو گیا۔ تو وہ بزرگ کہتے ہیں کہ اس تعارف و تنا کر کی صورت یہ ہوئی کہ جب ارواح جمع کی گئی ہیں تو بعض رو در رو تھے ان میں تو طرفین سے الفت ہو گئی اور بعض رو در پشت تھے کہ ایک کا منہ دوسرے کی طرف اور اس کی پشت دوسرے کی طرف۔ ان میں ایک تو دوسرے سے الفت ہو گئی جس کا منہ دوسرے کی طرف تھا اور دوسرے کو اس سے نفرت ہوئی جس کی پشت اس کی طرف تھی اور بعض پشت در پشت تھے کہ اس کی پشت اس کی طرف اس کی پشت اس کی طرف۔ ان

دونوں میں دنیا میں بھی نفرت ہوئی اور اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ فلاں میری دہنی طرف تھا فلاں بائیں طرف تھا وکذا۔ (ہم الآخرة ج ۱)

## دارالطلبہ کے فضائل

اس دارالطلبہ کے باب میں حدیث میں ہے: ”اوبیتاً لابن السبیل بناہ“ یعنی اگرچہ وہ ابن السبیل فاسق ہو پھر بھی اس کے لیے گھر بنانے میں ثواب ہوگا چہ جائیکہ وہ طلبہ علم ہوں جو کہ اضياف ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور پھر یہ بھی نہیں کہ یونہی سکونت رکھیں بلکہ قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شغل رکھیں کہ اس کے برابر کوئی شغل ہی نہیں۔ (ابن ماجہ)

## درس عبرت

اگر تم مسلمان ہو تو ان آیات کو دیکھ کر جو کفار کی شان میں ان کے فعل کی وجہ سے ہیں عبرت حاصل کرو اور دیکھو کہ جو خصائل کفار کے تھے وہ آج ہم میں پائے جاتے ہیں۔ افسوس! کس قدر بری بات ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شریف کو چمار کہہ دیا جائے اس کو بہت برا معلوم ہوگا لیکن اگر چمار کو چمار کہہ دیا جائے تو اس کو خیال بھی نہ ہوگا۔ اسی طرح کفار کو کافر کہہ کر خطاب کرنے سے جتنا انہیں خیال ہو سکتا ہے اس سے زیادہ ہمیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ

من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر۔

میں یہ بھی بات سمجھنا چاہیے کہ تاویل بہ نسبت عدم تاویل کے اس خاص اعتبار سے زیادہ موجب ہے تغلیظ کو اور اس سے زبرد توئیخ اور بڑھ گئی ہے اور اشد اذکم نہیں ہوا۔ (تذکیر الآخرة ج ۱)

آپ نے کسی عاقل کو انجن یا تنور کی آگ سے احتیاط کی تعلیم کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوگا کیونکہ اس تعلیم کی ضرورت نہیں اس سے تو ہر شخص خود ہی بچتا ہے۔ ہاں ڈبیہ اور چنگاری سے احتیاط کی تاکید کرتے ہوئے اپنے بڑوں کو بہت دیکھا ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مضرت کا ادنیٰ درجہ زیادہ قابل اہتمام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی لوگوں سے خلوت کو منع کرنے میں زیادہ سخت الفاظ نہیں فرمائے اور نامحرم اقارب سے خلوت کے بارے میں ارشاد ہے: ”الحموا الموت“ یعنی کسی نے

سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! عورت اگر اپنے دیور کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے تو کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تو موت ہے۔ اس فرق کی وجہ یہی ہے کہ اس کو لوگ خفیف سمجھتے ہیں اور خفیف سمجھ کر اس سے احتیاط نہیں کرتے اور تربیت کا اصول یہ ہے کہ لوگ جس مضرت کو خفیف سمجھیں، مربی و حکیم اس سے زیادہ ڈرایا کرتا ہے۔ (ترجیح الاخرۃ ج ۱)

حدیث میں ہے کہ گناہ سے دل پر زنگ لگ جاتا ہے جو بار بار گناہ کرنے سے بڑھتا رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

ہر گناہ زنگے ست بر مرآة دل      دل شود زیں زنگہا خوار و خجل  
چوں زیادت گشت دل را تیرگی      نفس دوں را بیش گردد خیرگی  
”ہر گناہ دل کے آئینہ پر ایک زنگ کا داغ ہے جس کی وجہ سے دل ذلیل و شرمندہ ہو جاتا ہے اور جب دل کی تاریکی زنگ کی زیادتی سے بڑھ جاتی ہے تو کمینے نفس کی حیرانگی بڑھ جاتی ہے۔“ (تذکیر الاخرۃ ج ۱)

ایک مرتبہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند یہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی آج سے سنت کے موافق جو کی روٹی کھایا کریں گے۔ چنانچہ جو کا آٹا پسوایا گیا اور اس کو چھلنی میں نہیں چھانا گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آٹے میں پھونک مار دیا کرتے تھے، جتنی بھوسی پھونک مارنے سے اڑ گئی وہ اڑ گئی باقی کو گوندھ لیتے تھے۔ خواجہ صاحب نے بھی ایسا ہی کیا اب جو وہ روٹی کھائی گئی تو سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔

اب ان کا ادب دیکھئے کہ یہ نہیں فرمایا کہ سنت کے اتباع سے ایسا ہوا بلکہ یہ فرمایا بھائی ہماری غلطی تھی جو ہم نے برابری کا دعویٰ کیا اور اپنے کو اس سنت کے قابل سمجھا، ہم اس کے قابل نہ تھے اس لیے ہم کو تکلیف ہو گئی۔ بس اس سنت پر وہی عمل کر سکتا ہے جو اس درجہ کا ہو، ہم اس درجہ کے نہیں ہیں۔ سبحان اللہ! ادب اسے کہتے ہیں۔ (تذکیر الاخرۃ ج ۱)

لوگ دیوان حافظ کو معمولی کتاب سمجھتے ہیں حالانکہ اس میں تمام تر سلوک ہی سلوک بھرا ہوا ہے اور یہ محض اعتقادی بات نہیں ورنہ تم کسی اور کتاب سے تو اتنے مسائل تصوف سلوک کے نکال دو جو واقع میں تصوف کی کتاب نہ ہو۔ بات یہ ہے کہ مضمون نکلتا اسی جگہ سے ہے جہاں پہلے سے ہوتا ہے۔ آخر دوسرے دیوان بھی تو ایسے موجود ہیں جن میں دیوان حافظ کا اتباع کیا گیا ہے مگر ان میں سے اتنے مسائل نہیں نکل سکتے کیونکہ وہاں پہلے ہی سے کچھ نہیں۔ (تذکیر الاخرۃ ج ۱)

## مردہ کو چیزوں کا ثواب پہنچتا ہے

بعض لوگ ہر موسم پر موسم کی چیزیں اپنے عزیزوں کے لیے خیرات کیا کرتے ہیں۔ خاص کر وہ چیزیں جن کو مرنے والے کو رغبت تھی۔ اس میں پڑھے لکھے بھی مبتلا ہیں اور وہ بہت دور پہنچے۔ انہوں نے اس عمل کے لیے ”لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ“ (ال عمران آیت نمبر ۹۲)

## سعادت و نحوست کی حقیقت

سعادت کی حقیقت لغت میں نیک بختی ہے جس کے معنی ہیں خوش قسمتی۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اچھے نصیب والے ہیں وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور اس حقیقت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ دخول جنت میں عمل کو دخل نہیں بلکہ جس کا نصیب اچھا ہے جس کی تقدیر بھلی ہے وہی جنت میں جائے گا۔ سو یہ خیال بالکل غلط ہے کہ جنت میں جانے کے لیے عمل کی ضرورت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن و حدیث دو قومی کی تاکید اور گناہوں پر وعید کیوں ہوتی؟ کیا یہ تاکید و وعید بیکار ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ جس کے نصیب اچھے ہیں جس کی تقدیر بھلی ہے اس کے متعلق وہاں یہی لکھا جاتا ہے کہ فلاں شخص چونکہ عمل نیک کرے گا اس لیے جنت میں جائے گا۔ پس صاحب نصیب وہی ہے جو نیک عمل کرتا ہے اور بد نصیب وہ ہے جو برے عمل کرتا ہے۔ نصیب کا اچھا ہونا تقدیر کا بھلا ہونا عمل صالح پر موقوف ہے۔ قانون اور قاعدہ یہی ہے۔ یوں خلاف قاعدہ کسی پر فضل ہو جائے وہ اور بات ہے مگر وہ بھی صرف ہمارے نزدیک خلاف قاعدہ ہوگا کیونکہ ہم کو اس کے عمل کی خبر نہیں باقی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بھی خلاف قاعدہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کی پوری خبر ہے تو جس کو باوجود بد عملی کے بدون عذاب کے جنت میں بھیجا جائے گا اس کے پاس کوئی عمل صالح اتنا بڑا ہوگا جو تمام گناہوں پر غالب آ گیا ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ کو تھی ہم کو خبر نہ تھی۔

سعادت کے دوسرے معنی اور بھی ہیں جو نحوست کے مقابل ہیں یعنی بابرکت ہونا۔ اس کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ بابرکت ہیں وہ جنت میں جائیں گے اور جو منحوس ہیں وہ جہنم میں جائیں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ حقیقی منحوس کون ہیں؟ صرف وہ ہیں جو کہ جہنم میں جائیں گے اور یہ جو مشہور ہے نحوست کہ بعض لوگ قمری کو یا الکو یا کیلے



کے درخت کو منحوس سمجھتے ہیں یا بعض ایام کو منحوس سمجھتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں۔ میرٹھ میں ایک بنیا منحوس گھوڑوں کو خریدتا تھا اور بہت نفع کماتا تھا۔ اس کے حق میں وہی بابرکت تھے، بعض لوگوں کو قرآن کی اس آیت ”فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ“ (القرآنیت نمبر ۱۹) ”تو ہم نے ان پر ایک ہوائے تند ایسے دنوں میں بھیجی جو (ان کے حق میں) منحوس تھی۔“ سے شبہ ہو گیا ہے کہ بعض ایام بھی منحوس ہوتے ہیں مگر انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ایام نحسات کی تفسیر دوسری آیات میں ”سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ“ وارد ہوئی ہے تو اس کو ملا کر یہ لازم آئے گا کہ کوئی دن بھی مسعود نہیں بلکہ سب ایام منحوس ہی ہیں اور اس کا کوئی قابل نہیں۔ لہذا اس سے استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ دراصل ایام میں سعد و نحس کا مسئلہ اہل نجوم کا اختراع ہے اور شیعہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بھی اس کو منسوب کیا ہے مگر وہ روایت موضوع ہے۔ شریعت میں بعض ایام متبرک تو ہیں مگر منحوس کوئی دن نہیں۔ رہا یہ سوال کہ پھر ایام نحسات کے کیا معنی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے معنی نحسات علیہم ہیں یعنی قوم عاد کے حق میں وہ ایام منحوس تھے کیونکہ ان پر ان ایام میں عذاب آیا تھا اور وہ عذاب مسبب تھا کفر و معصیت سے۔ پس معلوم ہوا کہ اصل نحوست کی چیز معصیت ہے۔ بہر حال خود اس آیت سے معلوم ہوا کہ سعادت نام ہے طاعت کا اور نحوست نام ہے معصیت کا۔ اب بتلاؤ کہ منحوس ہم ہیں یا الو اور قمری اور کیلا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں معصیت سے مبرا ہیں تو یہ کیسی غلطی ہے کہ ہم اپنی نحوست کو دوسری چیزوں پر ٹالتے ہیں۔ بس ہماری وہ حالت ہے:

حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد      ہچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد  
”بے وقوف اپنے اوپر حملہ کرتا ہے جب کہ اس شیر نے اپنے اوپر حملہ کیا۔“ (دارالمسعود)

## اہل باطل کی کتب سے اجتناب

عالم حقانی وہی ہے جو تمہاری مرضی کے موافق فتویٰ نہ دے کیونکہ جو مرضی کے موافق فتویٰ دیا کرے، اس میں غرض کا قوی شبہ ہے کہ وہ عوام کو اپنے سے مانوس کرنا چاہتا ہے۔ اور جو شخص کسی کی مرضی کی رعایت نہ کرے سمجھ لو کہ وہ صحیح احکام بیان کرتا ہے۔ طبیب اگر تلخ دوا دے تو بتلاؤ اس میں اس کی کیا مصلحت ہے، یقیناً کچھ نہیں بلکہ سراسر مریض کی مصلحت

ہے۔ پس جو علماء ایسی باتوں سے منع کرتے ہیں۔ جن میں لوگوں کو مزہ آتا ہے سمجھ لو کہ وہ محض خیر خواہی سے منع کرتے ہیں کیونکہ وہ ان باتوں میں زہریلا اثر مشاہدہ کرتے ہیں۔ واللہ! اہل باطل کی کتابوں کا بعض علماء پر بھی برا اثر ہو جاتا ہے تو عوام کی توان کے مطالعہ سے کیا حالت ہوگی۔ لہذا عوام کو کوئی کتاب بدون مشورہ علماء کے ہرگز نہ دیکھنا چاہیے۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

## عوام الناس کا درجہ علم

ایک نو تعلیم یافتہ نے مجھ سے ایک باریک مسئلہ پوچھا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ اس مسئلہ کو نہیں سمجھ سکتے ان کو میرا یہ جواب بہت ناگوار ہوا۔ کہنے لگے اس کی کیا وجہ کہ میں اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ میں نے کہا وجہ یہ ہے کہ اس کے سمجھنے کے لئے جن مقدمات و مبادی کے جاننے کی ضرورت ہے۔ آپ نے ان کو نہیں جانا اور جس بات کا علم مقدمات و مبادی پر موقوف ہو۔ اس کو بدون ان کے جانے ہوئے سمجھنا دشوار ہے اور اگر آپ اس کا دعویٰ کریں کہ بدون مقدمات و مبادی کے بھی میں سمجھ سکتا ہوں تو پہلے آپ میرے سامنے ایک گھس کھدے کو جس نے اقلیدس کے مقدمات و اصول موضوعہ معلوم نہیں کئے اقلیدس کی کوئی شکل سمجھائیں اور میرے سامنے اس سے تقریر بھی کروائیں تو میں بھی اس مسئلہ کا جواب بدون مقدمات و مبادی کے آپ سمجھا دوں گا۔ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا خاموش ہو گئے۔ ایک شخص سے میں نے ایسے ہی موقع میں یہ بھی کہا تھا کہ شاید آپ کے دل میں وسوسہ آیا ہو کہ علماء کے پاس میرے سوال کا جواب نہیں اس لئے بہانہ کر کے ٹال دیا۔ تو اب آپ یہ کیجئے کہ سامنے درس گاہ میں جو مدرس پڑھا رہے ہیں ان سے اپنا سوال بیان کر دیجئے اور کہئے کہ وہ اس کا جواب مجھ سے دریافت کریں۔ میں ان کے سامنے جواب بیان کر دوں گا کیونکہ وہ اس کے مقدمات و مبادی سے واقف ہیں۔ اس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ علماء کے پاس آپ کے سوال کا جواب ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آپ اس کا جواب کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ آپ اس کے مقدمات سے جاہل ہیں اور جس کو مقدمات کا علم ہے وہ سمجھ جائے گا۔ چنانچہ میں آپ کے سامنے اس مدرس سے بھی جواب کی تقریر کرادوں گا۔ اور اگر وہ ایسا کرتے تو بہت جلدی اقرار کر لیتے کہ واقعی میں اس سوال کا اہل نہ تھا۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی حقیقت سمجھ لو کہ اگر کھانا کھاتے ہوئے لقمہ زمین پر گر جائے تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لو کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ تو ان کی نعمت کی ان کے سامنے بے قدری کرنا بڑی بے حیائی ہے۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

## ایک شبہ کا عملی جواب

ہمارے اطراف میں ایک بزرگ مولانا ظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں جو تقویٰ کے اندر ہمارے اکابر میں مسلم و ممتاز تھے۔ وہ ایک بار موضع گڑھی پختہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے رئیس نے مولانا سے سوال کیا کہ حدیث میں آیا ہے۔

لایومن احدکم حتی یکون اللہ ورسولہ احب الیہ من نفسه ومالہ وولده اجمعین۔

کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک اللہ و رسول اس کی جان و مال و اولاد وغیرہ سب سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جائیں۔

مگر میں دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنے والد صاحب سے محبت زیادہ ہے مولانا نے اس وقت تو اس کا ایک مناسب جواب دے دیا۔ پھر یہ چاہا کہ ان کے اس شبہ کو عملی طور پر دفع کر دیا جائے تو زیادہ اطمینان کا باعث ہوگا۔ چنانچہ آپ نے عملی طور اس کا جواب اس طرح دیا کہ تھوڑی دیر میں باتوں باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ شروع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایسا ہے جس میں ہر مسلمان کو لطف آتا ہے۔ سب لوگ شوق سے سننے لگے۔ اور وہ رئیس بھی بہت مزے لے لے کر سن رہے تھے۔ جب مولانا نے دیکھا کہ رئیس صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں بہت مزہ آرہا ہے۔ تو درمیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر قطع کر کے فرمانے لگے کہ اچھا خان صاحب اس ذکر کو تو رہنے دیجئے۔ اب میں کچھ آپ کے والد ماجد کے کمالات و مناقب بیان کرتا ہوں کہ وہ بھی بڑے اچھے آدمی تھے۔ وہ رئیس بو لے حضرت توبہ توبہ یہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں میرے والد صاحب کا تذکرہ کہاں سے ٹھونس دیا۔ نہیں نہیں! آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تذکرہ کیجئے۔ میرے والد کے کمالات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت! جو آپ درمیان میں خواہ مخواہ ان کا ذکر کرنے لگے۔ میرے قلب کو اس سے بہت گرانی

ہوئی۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا، کیوں خان صاحب! تم تو یہ کہتے تھے کہ مجھے اپنے والد کے ساتھ محبت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں والد صاحب کا تذکرہ گراں کیوں ہوا؟ خان صاحب سمجھ گئے کہ مولانا نے میرے شبہ کا عملی جواب دیا ہے۔ کہنے لگے، مولانا جزاک اللہ! اب میرا شبہ جاتا رہا اور معلوم ہو گیا کہ الحمد للہ! مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی محبت ہے کہ والد کی محبت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی مرابا جان جاں ہمزاز کردی

تو صاحبو! موازنہ کے وقت معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اللہ و رسولؐ کے برابر مسلمان کو کسی سے محبت نہیں اور موازنہ ہوتا ہے کسی محرک کے پائے جانے پر۔ مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص تمہارے ماں باپ کو گالی دے اور ایک شخص اللہ و رسولؐ کی شان میں (معاذ اللہ) گستاخی کرے تو بتاؤ تم کو کس پر غصہ زیادہ آئے گا۔ یقیناً جس کے اللہ و رسولؐ کی شان میں گستاخی کی ہے اس پر زیادہ غصہ آئے گا اور تم آپے سے باہر ہو کر اس کی زبان نکالنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ جب ہر مسلمان کی یہ حالت ہے کہ وہ اپنی ذلت اور ماں باپ کی ذلت کو گوارا کر سکتا ہے۔ مگر اللہ و رسولؐ کی شان میں ذرا سی گستاخی کا تحمل نہیں کر سکتا، تو اب مطمئن رہو کہ بحمد اللہ تم کو طبعی محبت بھی اللہ و رسولؐ سے ہی زیادہ ہے مگر اس کا ظہور کسی محرک کے پائے جانے پر ہوتا ہے اور جب آپ کو اللہ و رسولؐ سے محبت زیادہ ہے تو اب اس کے کیا معنی کہ بدون سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ! (الفاظ قرآن ج ۲)

## حرمت کا مدار

چنانچہ اس مسئلہ کو قرآن شریف میں بہت صاف طور پر حل کر دیا گیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

وَاثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کی بابت سوال کرتے ہیں کہ یہ حلال ہیں یا حرام۔ آپ فرمادیتے ہیں کہ ان دونوں میں ایک گناہ (ہے مگر وہ) بڑا (گناہ) ہے اور لوگوں کے لئے منافع متعدد ہیں۔ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ طرز کا جواب ہے۔ یعنی لوگوں کو شراب اور جوئے کی حرمت میں یہ وسوسہ ہو سکتا تھا کہ ان میں منافع دنیویہ بہت ہیں اس لئے ان کو حرام نہ کرنا چاہیے تو حق تعالیٰ اس شبہ کے اصل سے انکار نہیں فرماتے بلکہ اس کو تسلیم فرماتے ہیں کہ واقعی ان میں لوگوں



کے لئے نفع بھی ہے۔ اور ایک ہی نفع نہیں بلکہ ہم صیغہ واحد کی بجائے جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں کہ ان میں بہت سے منافع ہیں مگر بات یہ ہے کہ ان میں ایک گناہ بھی ہے۔

اس جگہ یہ بات قابل غور ہے کہ حق تعالیٰ نے منفعت کے بیان میں تو جمع کا صیغہ اختیار فرمایا یعنی منافع للناس اور مضرت کے بیان میں صیغہ واحد لایا گیا یعنی اثم۔ اگر یہ کلام بشر کا ہوتا تو مقابلہ کے لئے یہاں بھی جمع کا صیغہ اثم ہوتا۔ مگر حق تعالیٰ نے اس جگہ صیغہ واحد ہی اختیار فرمایا۔ جس سے اس حقیقت پر متنبہ فرمانا منظور ہے۔ اگر کسی چیز میں ہزاروں منفعتیں ہوں مگر اس میں ایک گناہ بھی ہو یعنی ادنیٰ شائبہ ناراضی حق کا ہو تو وہ ہزاروں منفعتیں ایک گناہ کے سامنے ہیچ ہیں۔

کیونکہ جس طرح خدا کی رضا خواہ ذرا ہی سی ہو بڑی دولت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:  
رضوان من اللہ اکبر۔ اسی طرح خدا کی ناراضی بھی بڑی وبال کی چیز ہے خواہ اس ناراضی کا سبب ایک ہی گناہ کیوں نہ ہو۔ اسی لئے اس جگہ اثم بصیغہ واحد لایا گیا مگر اس کو کبیر کے ساتھ موصوف کر دیا گیا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ شراب اور جوئے میں منافع تو بہت ہیں مگر ایک گناہ بھی ہے اور وہ ایک ہی گناہ اتنا بڑا ہے جس نے ان سبب منافع کو گاو خور و خورد کر دیا ہے۔ اس لئے آگے منافع کا لفظ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ نفع کا لفظ اختیار فرمایا۔ واثمہما اکبر من نفعہما

کہ ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔ یہاں صیغہ واحد اختیار کرنے کی وجہ یہی ہے کہ پہلے کلام سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ ان منافع کے مقابلہ میں ایک گناہ بھی ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر ایک من مٹھائی میں تولہ بھر زہر ملا ہوا ہو تو وہ ساری مٹھائی اس ایک تولہ زہر کی وجہ سے خاک میں مل جاتی ہے۔ اسی طرح جب وہ منافع ایک گناہ کی وجہ سے خاک میں مل گئے تو اب وہ اس قابل نہیں رہے کہ ان کو جمع کے صیغہ سے تعبیر کیا جائے۔ اس لئے فرماتے ہیں: واثمہما اکبر من نفعہما

اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ کسی چیز کے حرام ہونے اور گناہ ہونے کا مدار دنیا و نقصان پر نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھے ہوئے ہیں اور بعض دفعہ زبان سے بھی کہہ دیتے ہیں کہ اس کام میں کیا حرج ہے۔ (تعمیم التعلیم ج ۲)

## ایک حدیث کی وضاحت

ایک معقولی صاحب کی حکایت ہے کہ انہوں نے حدیث پڑھی نہ تھی مگر پڑھانے کو تیار ہو گئے۔ ایک حدیث میں حضرت عبدالرحمن بن عوف کا قصہ آیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر اطلاع کئے نکاح کر لیا تھا۔ جب وہ شادی سے اگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان پر زردی کا اثر دیکھا۔ یہ دلہن کے زعفرانی کپڑوں کا نشان لگ گیا تھا۔ فرمایا مہیم هذه الصفرة . انہوں نے کہا، تزوجت یا رسول اللہ یعنی میں نے شادی کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا اولم ولوبشاة ولیمہ کروا اگرچہ ایک ہی بکری کا ولیمہ ہو یہ تو حدیث تھی۔ کسی طالب علم نے سوال کیا کہ یہ زردی کیسی تھی؟

مدرس صاحب نے حدیث پڑھی تو تھی نہیں جو اس کی حقیقت سمجھتے۔ آپ نے اجتہاد کیا کہنے لگے کہ بات یہ ہے کہ عبدالرحمن بن عوف جو ان آدمی تھے۔ ایک زمانہ سے رکے ہوئے تھے۔ جب شادی ہوئی تو انہوں نے مقاربت میں کثرت کی اس لئے چہرہ پر زردی آگئی۔ ظالم نے کیا حدیث کا ناس مارا ہے۔ آپ نے رای علیہ اثر الصفرة کے یہ معنی سمجھے کہ چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ لاحول ولا قوۃ!

طالب علم بے چارہ یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا۔ مگر اس کے دل کو یہ بات نہ لگی۔ اس نے ایک دوسرے عالم سے اس کا مطلب پوچھا انہوں نے صحیح مطلب بیان کر دیا کہ شادی کے دن دلہن کے کپڑوں کو خوشبو اور عطر لگایا جاتا ہے۔ عرب میں جو خوشبو اس وقت استعمال کی جاتی تھی اس میں زعفران وغیرہ پڑتی تھی۔ دلہن کے پاس جانے سے وہ رنگ عبدالرحمن بن عوف کے کپڑوں پر بھی لگ گیا چونکہ اس خوشبو کا استعمال مرد نہیں کرتے تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہ رنگ دلہن کی خوشبو کا ہے۔ اس حقیقت کے معلوم ہو جانے پر طالب علم کا اطمینان ہو گیا۔

## علماء کی کوتاہی

اس غلطی کا منشاء زیادہ تر علماء کی کوتاہی ہے کہ انہوں نے کبھی صاف صاف یہ نہیں کہا کہ اردو میں علم دین پڑھ لینے سے بھی وہ فضائل حاصل ہو سکتے ہیں جو احادیث و قرآن میں علم کے لئے وارد ہیں حالانکہ حدیث و قرآن میں کہیں عربی کی تخصیص نہیں۔ چنانچہ اس آیت سے

بھی معلوم ہوتا ہے کہ علم مضروہ ہے جو آخرت میں کام نہ آئے اور نافع وہ ہے جو آخرت میں کام آئے۔ اس میں کہیں یہ قید نہیں کہ وہ عربی میں ہونا چاہیے۔ مگر شاید علماء نے یہ بات صاف صاف اس لئے نہیں کہی کہ ان کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر ہم یہ کہہ دیں گے کہ اردو میں مسائل جان لینے سے بھی علم کی یہ فضیلتیں حاصل ہو سکتی ہیں تو پھر ہماری قدر نہ ہوگی۔ پھر تو سارے ہی عالم ہو جائیں گے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس صورت میں بھی علماء کو نقصان ہوا بلکہ دو نقصان ہوئے ایک عوام کو ایک علماء کو۔ عوام کو تو یہ نقصان ہوا کہ انہوں نے جب علم کو عربی کے ساتھ مخصوص سمجھا اور عربی پڑھنے کی سب کو فرصت یا ہمت نہ ہوئی اور اردو میں پڑھنے کو وہ علم ہی نہ سمجھے تو مسائل شریعت سے بالکل بے خبر رہ گئے اور علم ہی سے محروم ہو گئے۔ علماء کا یہ ضرر ہوا کہ جب عوام علم سے بالکل محروم ہو گئے تو وہ علماء کی قدر و منزلت سے بھی اندھے ہو گئے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ہر چیز کی قدر وہی کر سکتا ہے جس کو کچھ تو اس سے مناسبت ہو۔ (تعمیم التعليم ج ۲)

## رحمت خداوندی

ما یفعل اللہ بعد اذ بکم ان شکرتہ وامنتم وکان اللہ شاکراً علیما  
یعنی اگر تم خدا کی نعمتوں کا شکر کرو جس کی تفسیر یہ ہے کہ ایمان لے آؤ۔ یہ واؤ عطف تفسیری کے لئے ہے تو حق تعالیٰ تم کو عذاب کر کے کیا کریں گے۔ یعنی تمہارے عذاب کرنے میں خدا کا کون سا نفع ہے اور حق تعالیٰ بڑے قدردان ہیں۔ جاننے والے ہیں ان کو سب خیر ہے کہ کون ایماندار ہے اور کون نہیں اور وہ ہر مسلمان کے ایمان کی قدر فرمائیں گے۔ اس آیت میں کیسی بلاغت ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو ہم تم کو عذاب نہ کریں گے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ہم تم کو عذاب کر کے کیا کریں گے۔ اس عنوان میں جس قدر بلاغت ہے اہل لسان و اہل ذوق اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ واقعی حق تعالیٰ کا ہمارے عذاب میں کیا نفع ہے۔ وہ تو ہر وقت بخشش کے لئے تیار ہیں۔ کوئی اپنے کو خوشوانا بھی چاہے۔ (تعمیم التعليم ج ۲)

## علم وفقہ کی عظمت

حقیقت علم یہی ہے جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے اور یہی ہے وہ فقہ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔

کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ گراں ہے اس سے درسی فقہ مراد نہیں۔ کیونکہ محض کتابیں پڑھنے سے شیطان کی چالیں سمجھ میں نہیں آتیں بلکہ وہ معرفت ہے جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ جس سے عارف کو دین کی سمجھ بوجھ ایسی کامل ہو جاتی ہے کہ شیطان کے تمام تار و پود کو توڑ دیتا ہے۔ شیطان بعض دفعہ دنیا کو دین کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ عارف اس دھوکا کو سمجھ کر لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے جس سے لوگ دھوکا سے بچ جاتے ہیں اس لیے وہ شیطان پر گراں ہے۔

اسی علم کی فضیلت میں یہ حدیث وارد ہے۔ من یرد اللہ بہ خیر ایفقہ فی الدین یہ علم حقیقی کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہ کے ان پڑھ ہونے پر فخر فرماتے ہیں امة لا تکتب ولا تحسب بتلائے صحابہ نے کیا لکھا پڑھا تھا کچھ بھی نہیں بلکہ بعض تو ان میں دستخط بھی نہ کر سکتے تھے۔ اور بعض صحابہ فتاویٰ کو تابعین کے حوالے کر دیتے تھے۔ مگر باہم علوم میں وہ سب سے افضل تھے۔ چنانچہ عبد اللہ بن مسعود صحابہ کی شان میں فرماتے ہیں انکم علماء امت میں سب سے بڑھ کر صحابہ کا علم عمیق ہے۔ آخر وہ کونسا علم تھا کیا درسی اور کتابی علم تھا۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ علم وہی فہم قرآن تھا جو حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے ان کو عطا فرمایا تھا جس میں ان کے تقویٰ سے ترقی ہوتی رہتی تھی اور یہی وہ علم ہے جس کے متعلق امام شافعی کا قول ہے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی فإوصانی الی ترک المعاصی  
آخر وہ کونسا علم ہے جس میں معاصی حائل ہیں۔ کیا وہ کتابی علم ہے ہرگز نہیں۔  
کتابی علم تو جس کا حافظ قوی ہوگا اس کو زیادہ یاد رہے گا۔ (کوثر العلوم ج ۲)

## وہی علوم

حقیقت علم جس کو حاصل ہوتی ہے۔ اس کے قلب پر غیب سے وہ علوم وارد ہوتے ہیں جو کتابوں میں نہیں مل سکتے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

علم چوں برتن زنی مارے شود علم چوں بر دل زنی یارے شود  
بنی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

اس سے معلوم ہوا کہ وہ علوم وہی ہیں کسی نہیں ہیں۔ اس کے متعلق ایک روایت میں آیا من



عمل بما علم به علمه الله ما لم يعلم۔ آج کل لوگوں نے کثرت معلومات کو علم سمجھ لیا ہے حالانکہ علم اور چیز ہے اور معلومات اور چیز ہیں۔ (کوثر العلوم ج ۲)

## مطالعہ میں احتیاط

صاحبو! اللہ کے واسطے، رسول کے واسطے بے دینوں کی خصوصاً مخالفین اسلام کی کتابیں ہرگز مت دیکھو۔ طلباء بھی ایسی کتابیں نہ دیکھا کریں جواب دینے اور رد کرنے کے لیے بھی نہ دیکھیں۔

الا ان یامرہ واحد من الکاملین بضرورۃ۔

(مگر یہ کوئی کاملین میں سے ضرورت کی وجہ سے اس کا حکم دیدے)

حدیث میں آیا ہے کہ دجال کی خبر سن کر اس سے دور بھاگو پاس نہ جاؤ۔ مناظرہ اور رد کے واسطے بھی نہ جاؤ کیونکہ بعض لوگ مناظرہ کے واسطے جائیں گے اور معتقد ہو جائیں گے تو طلباء کو چونکہ ان کا علم بھی ناقص ہے مناظرہ کے قصد سے بھی مخالفین کی کتابیں نہ دیکھنا چاہئیں کیونکہ پہلو ان اگر کسی سے کشتی کرنا چاہے تو اس کو پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ مقابل اپنے سے کمزور ہے یا زبردست اگر کمزور ہے تو مقابلہ کرے ورنہ اس سے دور ہی رہے۔ ایسے شخص کا مقابلہ وہ کرے جو اس سے بھی زیادہ زبردست ہو۔ پس محقق کے سوا کسی کو اجازت نہیں کہ مخالفین کی رد کے درپے ہو کیونکہ غیر محقق پر اندیشہ ہے کبھی خود ہی کسی شک میں نہ پڑ جائے آج کل مخالفین کی کتابوں میں بہت گندے مضامین ہوتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر اول دہلہ میں ناقص کو پریشانی ہوتی ہے تو ایسی کتابیں ہرگز نہ دیکھنی چاہئیں۔ (العلم والخشیۃ ج ۲)

## تبلیغ کا طریقہ کار

تبلیغ کا قاعدہ اور طریقہ، یہ علماء کی رائے سے ہونا چاہیے تم روپیہ جمع کر کے علماء سے طریقہ پوچھو اور مبلغ بھی انہی کی رائے سے مقرر کرو۔ اس مشورہ کے لیے ایک کمیٹی بناؤ۔ علماء کو اس میں مشورہ اور رائے دینے سے انکار نہ ہوگا اور میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ وہ اس سے انکار نہ کریں۔ پھر اس طرح اللہ کا نام لے کر کام شروع کریں۔ ان شاء اللہ بہت جلد کامیابی ہوگی۔ گواہ معمولی دقتیں بھی پیش آئیں گی مگر دقت سے نہ گھبرائیں۔ پیادہ سفر کرنے کی تو ضرورت نہیں۔ سواری میں سفر کریں۔ جہاں ریل ہو وہاں ریل سے پہنچیں ورنہ گاڑی

بہلی سے جائیں باقی فٹن اور موٹر کی ضرورت نہیں نہ لیمن اور برف کی ضرورت ہے مبلغوں کو ان فضولیات میں قوم کا روپیہ برباد نہ کرنا چاہیے۔ آپ کا تو یہ رنگ ہونا چاہئے۔  
 اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی بے زرو گنج بصد حشمت قاروں باشی  
 در رہ منزل لیلے کہ خطر ہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی  
 (اے دل یہی بہتر ہے کہ عشق الہی میں مٹ جاؤ۔ بے زرو مال سے حشمت و دبدبہ میں  
 قاروں (دنیا داروں) سے بہت بڑھ جاؤ۔ لیلے (محبوب حقیقی) کی راہ میں جان کو سینکڑوں  
 خطرات ہیں۔ اس راہ میں قدم رکھنے کی اول شرط یہ ہے کہ مجنوں بنو) (العلم والخشية ج ۲)

## علم کی ضرورت

علم اس لیے ضروری ہے کہ اس سے خشیت پیدا ہوتی ہے جو کہ ضروری ہے اور اب اس کے برعکس یہ تقریر ہوئی کہ علم اس لیے ضروری ہے کہ بدوں اس کے خشیت پیدا نہیں ہوتی۔ تو مشہور تقریر صحیح نہ ہوئی۔

یہ اشکال ذہن میں عرصہ دراز سے تھا مگر جواب ابھی دس بارہ دن ہوئے ذہن میں آیا ہے۔ نہ معلوم اب تک ذہن میں یہ اشکال کیوں رہا۔ کیا جواب کی طرف التفات نہیں ہوا جواب ثانی اب تک نہ ملا تھا۔ بہر حال اب جواب ذہن میں آ گیا ہے۔

حاصل جواب کا یہ ہے کہ قرآن کا نزول محاورات کے موافق ہوا ہے۔ اسالیب معقول پر نہیں ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن سے قضایا عقلیہ کی نفی ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ قضایا عقلیہ سے قضایا نقلیہ کا تعارض جائز نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ولالات قرآنیہ میں محاورات کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اصطلاحات معقول کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ پس یہ ہو سکتا ہے کہ اسلوب معقول سے ایک کلام کی دلالت کسی خاص معنی پر ہو اور اسلوب محاورہ سے دوسرے معنی پر دلالت ہو اور مقصود ثانی ہونہ کہ اول۔ پس بطریق اسلوب معقول تو وہ اشکال وارد ہوتا ہے مگر بطریق اسالیب محاورات پر یہ اشکال نہیں پڑتا۔ (العلم والخشية ج ۲)

## علم کی قسمیں

علم کی دو قسمیں ہیں۔ اور یہی دو قسمیں خشیت میں بھی جاری ہیں۔ ایک عقلی ایک

حالی۔ عقلی کو کبھی اعتقادی بھی کہہ دیتے ہیں اور حالی کو طبعی بھی کہا جاتا ہے پس جہاں علم اعتقادی ہے وہاں خشیت بھی اعتقادی ہے۔ اور جہاں علم حالی ہے جس کو کہا تھا۔

علم گر بر دل زنی یارے شود

(علم اگر دل میں اثر کرے وہی معاون و مددگار ہوتا ہے) وہاں خشیت بھی حالی ہوگی۔ پس اب کوئی مادہ ایسا نہ رہا جس میں علم ہو اور خشیت نہ ہو جن کو آپ اہل علم سمجھ کر خشیت سے خالی دیکھتے ہیں وہ خشیت حالی سے خالی ہیں خشیت اعتقادی سے وہ بھی خالی نہیں۔ پس جیسا علم ان کا اعتقادی ہے ایسی ہی خشیت بھی اعتقادی ہے اور یہاں سے یہ اشکال بھی رفع ہو گیا کہ اس آیت میں خشیت کو علماء میں منحصر کیا گیا ہے۔ حالانکہ بہت سے جاہل بھی خدا سے ڈرتے ہیں۔ جواب ظاہر ہے کہ جن کو آپ جاہل سمجھتے ہیں علم اعتقادی سے ہو بھی خالی نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے زبردست وقہار و منتقم ہونے کا اعتقاد ان کو بھی ہے اور یہی علم اعتقادی ہے پھر وہ علم سے خالی کہاں ہوئے۔

اب خشیت اعتقادی کے معنی بھی سمجھ لیجئے۔ خشیت اعتقاد یہ کہتے ہیں احتمال مکروہ و احتمال عقاب کو۔ سو ایسا کون سا مسلمان ہے جس کو اپنے متعلق احتمال کے درجہ میں یہ خطرہ نہ ہوتا ہو کہ شاید مجھے عذاب ہو۔ سو نفس ایمان کے واسطے اتنا کافی ہے مگر کمال ایمان کے واسطے یہ خشیت کافی نہیں۔ بلکہ اس کے لیے خشیت عالی کی ضرورت ہے جس میں ہر وقت عظمت و جلال خداوندی کا استحضار رہتا ہے جہنم کا عذاب ہر دم پیش نظر رہتا ہے۔ اور اسی درجہ کمال کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا یزنی الزانی حین یزنی و هو مؤمن

(نہیں زنا کرتا زانی جب کہ وہ زنا کرتا ہے کہ مؤمن ہو یعنی زنا کی حالت میں ایمان نہیں رہتا یہاں محض ایمان اعتقادی مراد نہیں جس کے ساتھ اعتقادی خشیت ہوتی ہے۔ بلکہ ایمان کامل مراد ہے جس کے ساتھ خشیت حالی ہوتی ہے اب مخالفین اسلام کا یہ اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن زنا نہیں کر سکتا اور ہم بہت سے مسلمانوں کو زنا کار دیکھتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اس میں مؤمن اعتقادی مراد نہیں بلکہ مؤمن حالی مراد ہے۔ (العلم والخشية ج ۲)

## قوت اجتہادیہ

حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ

بال نوچنے (یعنی جو حسن کے لیے پیشانی وغیرہ کے بال نوچ دے تاکہ پیشانی فراخ معلوم ہو ۱۲ منہ) والی وغیرہا کو لعنت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جس کو قرآن لعنت کرے میں اسکو کیوں لعنت نہ کروں۔ کہنے لگی میں نے تو تمام قرآن پڑھا۔ اس میں تو یہ نہیں ہے آپ نے فرمایا لو قراءتہ لوجدتہ یعنی اگر خیال کر کے پڑھتی تو اس میں ملتا کیونکہ ان افعال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور قرآن میں ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جو حکم دیں اس کو قبول کرو۔ پس اس طرح یہ احکام بھی مدلول قرآن ہو گئے۔

تو دیکھئے حضرت ابن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو بھی قرآن ہی میں داخل فرماتے ہیں اور خود قرآن میں بھی ہے۔

فاذا قراءناہ فاتبع قرآنہ . ثم ان علينا بيانہ

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن کے اجمال کو بیان فرمایا اور اگر کہیں حدیث میں بھی خفا رہا تو اس کو حضرت مجتہدین نے ظاہر فرمادیا حتیٰ کہ اکملت لکم دینکم پوری طرح ظاہر ہو گیا اور اس ظہور اکمال کے بعد پھر چونکہ کوئی حاجت باقی نہیں رہی حکمت الہیہ چوتھی صدی کے بعد قوت اجتہاد یہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ اب اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ (تعلیم البیان ج ۲)

## قوت بیانیہ

اجتہاد سے اکمال کے ظہور کا یہی حاصل ہے کہ ان کا قیاس بھی مثل حدیث مبین قرآن و نیز مبین حدیث ہے پس مجتہدین کے قیاسات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یہ سب علوم قرآنیہ ہیں لہذا علم القرآن سے علم الشریعہ مراد ہوگا اور قرآن کا ترک شریعت کا ترک ہوگا۔ اس پر استدلال کرنے کے لیے بھی زیادہ صاف ایک واقعہ یاد آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کے متعلق فرمایا تھا کہ اقصیٰ بینکما بکتب اللہ اور پھر وہ ہوگا جو کہ شریعت کے موافق ہو اور بیان میں تقریر اور تحریر دونوں داخل ہیں۔ چنانچہ اسی تعلق کے اعتبار سے قرآن شریف میں ایک مقام پر ارشاد ہے:

علم بالقلم علم الا نسان ما لم یعلم

یعنی کبھی تو بالبنان ہوتا ہے اور کبھی باللسان یہ دونوں قسمیں بیان کی ہیں اس بیان کا نعمت ہونا منافع دنیوی کے اعتبار سے بھی ہے لیکن اس وقت ان کا ذکر نہیں اس وقت



خاص منافع دین کا ذکر ہے جن کے اعتبار سے یہ بیان ایک بڑی نعمت دینیہ بھی ہے اور وہ یہ ہیں کہ آج ہم لوگوں میں جو علم موجود ہے اس کی بدولت ہم خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ نعمت بیانیہ ہی کی بدولت ہے کیونکہ اگر ہمارے حضرات سلف صالحین علوم کو مبین نہ کر جاتے تو ہم کو کچھ خبر بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ (تعلیم البیان ج ۲)

## فن تدریس

صدر امین مثناة بالکری کی بحث ایک مشہور بحث ہے۔ کانپور میں ایک مولوی فضل حق طالب علم مجھ سے صدر اپڑھتے تھے جس دن یہ مقام آیا ہے تو میں نے بلا اہتمام معمولی طور سے اس کی تقریر کر دی۔ جب انھوں نے اس کو اچھی طرح سمجھ لیا تو میں نے یہ کہا کہ یہ وہی مقام ہے جو مثناة بالکری کے لقب سے مشہور ہے۔ ان کو بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ یہ تو کچھ بھی مشکل نہیں۔ آخر سالانہ امتحان میں ممتحن نے یہی مقام سوال میں دیا۔ مولوی فضل حق مرحوم نے اس مقام کی جو تقریر لکھی تھی (کہ وہ اب تک مدرسہ جامع العلوم میں محفوظ ہے) ممتحنین بھی اس پر عیش کرتے تھے۔ بعض نے یہ کہا کہ ہم نے اس مقام کی تقریر ایسی کبھی نہیں دیکھی۔ (تعلیم البیان ج ۲)

## تقریر کا ایک ادب

حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت بے باکی اور آزادی سے تقریر کرنا بھی مذموم ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔

الحیاء والعی شعبتان من الایمان والبذاء والبیان شعبتان من النفاق.

اس حدیث میں حضورؐ نے حیاء کے مقابلے میں اور عی کو بیان کے مقابلے میں فرمایا ہے اور حیاء اور عی کو ایک ساتھ جمع کر کے ایمان کے شعبوں میں سے قرار دیا ہے اور بذاء اور بیان کو نفاق کے شعبے قرار دیئے ہیں۔ اس قرینے سے معلوم ہوا کہ عی سے وہ عی مراد ہے جو کہ حیا کی وجہ سے ہو۔ اور حیاء فی نفسہ عام ہے خواہ حیا من الخلق خواہ من الخالق۔ مگر اس مقام پر مقصود حیا من اللہ ہے یعنی ہر لفظ پر یہ سوچے کہ کہیں شریعت کے خلاف کوئی بات نہ نکل جائے۔ (تعلیم البیان ج ۲)

## نزع کی تکلیف کا راز

اہل اللہ کو اپنے متوسلین سے بے حد تعلق ہوتا ہے۔ یہاں سے اس کا راز بھی معلوم ہوتا

ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نزع کی جو تکلیف زیادہ ہوئی۔ بعض لوگ شدت نزع کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کو علامت بد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس کی کچھ بھی اصل نہیں۔

اس وجہ سے اہل تحقیق نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کی بنا شدت تعلقات پر ہے۔ تعلق جسمانی ہو یا روحانی۔ جسمانی یعنی رطوبات اصلہ زیادہ ہوں جیسے بچوں میں یا پہلوانوں میں دیکھا ہوگا کہ بچوں میں نزع کی تکلیف بہت زیادہ ہوتی ہے حالانکہ ابھی انہوں نے گناہ کون سے کیا ہے اور مدقوق کو بالکل نہیں ہوتی کیونکہ رطوبات ان میں باقی نہیں رہتیں۔ تارکین کو نزع کی تکلیف کم ہوتی ہے خواہ وہ برے ہوں یا اچھے ہوں کیونکہ ان کو تعلق روحانی نہیں ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کو امت سے بہت تعلق ہوتا تھا۔ (تعلق شفقت کا نہ جائیداد اور مال کا) اس وجہ سے نزع کی تکلیف ان کو زیادہ ہوئی۔ (آخر الاعمال ج ۲)

## اسلام اور سائنس

ایک حدیث میں ہے جو نسائی میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کسوف کے موقع پر فرمایا کہ میں نے مسجد کی دیوار کے قریب جنت و دوزخ کو دیکھا۔ بعض لوگ اس پر ہنستے ہیں کہ جنت و دوزخ تو آسمان زمین سے بھی بڑی بتلائی جاتی ہیں۔ حضورؐ نے ان کو دیوار پر کیوں کر دیکھ لیا اور اصلی حالت پر کیسے دیکھ لیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے فوٹو اور خوردبین کو ایجاد کرا کے اس استبعاد کو دور کر دیا فوٹو میں بڑی سے بڑی شے کو چھوٹا کر کے دکھایا جاسکتا ہے اور خوردبین سے چھوٹی سے چھوٹی چیز پہاڑ بنا کر دکھائی جاسکتی ہے تو کیا خدا تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں کہ اس نے جنت و دوزخ کا فوٹو مسجد کی دیوار پر اتار دیا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شعاع میں خوردبین کی قوت رکھ دی ہو جس سے فوٹو کی چھوٹی چیزیں آپؐ کو اصلی حالت پر نظر آ گئیں ہوں اور حدیث میں یہی لفظ وارد ہے۔ مثلث لی الجنة والنار۔ یہ نہیں فرمایا کہ جنت و دوزخ زمین میں آئی تھیں بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ وہ میرے لئے مثل ہو گئیں۔

اسی لئے جب کوئی نئی ایجاد ہوتی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں۔ کیونکہ ان سے شریعات کا استبعاد دور ہو جاتا ہے چنانچہ ایک عجیب بات اس زمانہ میں یہ ہے کہ آج کل حرارت و برودت کا بھی وزن ہونے لگا۔ کہ اس مکان میں کس وزن کی حرارت ہے اور کس درجہ کی برودت ہے (اور بخار میں تھرمامیٹر سے مریض کی حرارت کا وزن کیا

جاتا ہے) اب اگر کسی گنوار سے کہئے کہ گرمی بھی تلتی ہے تو اس کو کتنا تعجب ہوگا تو جب دنیا ہی میں بعض اعراض کا وزن ہونے لگا جس کی حقیقت ہے ما بہ الوزن کے انخفاض وارتفاع سے مقدار کا معلوم ہو جانا جو کہ سرسری نظر میں خواص جوہر سے ہے تو اگر دوسرے عالم میں جا کر وہ جوہر ہی بن جاوے تو کیا تعجب ہے۔ (تفصیل الدین ج ۳)

## اجزائے دین کی تفصیل

دین کے پانچ اجزاء ہیں۔ ایک جز تو ہے عقائد کا کہ دل سے اور زبان سے یہ اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی جس طور پر خبر دی ہے وہی حق ہے (جس کی تفصیل کتب عقائد سے معلوم ہوگی)

دوسرا جز وعبادات ہیں یعنی نماز روزہ زکوٰۃ و حج وغیرہ۔

تیسرا جز و معاملات یعنی احکام نکاح و طلاق و حدود و کفارات و بیع و شراء و اجارہ و زراعت وغیرہ اور ان کے جزو دین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت یہ سکھاتی ہے کہ کھیتی یوں بویا کرو اور تجارت فلاں چیز کی کیا کرو بلکہ ان میں شریعت یہ بتلاتی ہے کہ کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو اور اس طرح معاملہ نہ کرو جس میں نزاع کا اندیشہ ہو غرض جواز و عدم جواز بیان کیا جاتا ہے۔

چوتھا جزو ہے معاشرت یعنی اٹھنا بیٹھنا، ملنا، جلنا، مہمان بننا، کسی کے گھر پر جانا کیوں کر چاہئے اور اس کے کیا آداب ہیں۔ بیوی بچوں عزیزوں اجنبیوں اور نوکروں وغیرہ کے ساتھ کیوں کر برتاؤ کرنا چاہئے۔

پانچواں جزو جس کا نام ڈراؤنا ہے تصوف ہے اور ڈراؤنا اس لئے ہے کہ آج کل لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تصوف کیلئے بیوی بچوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ تو خوب سمجھ لیجئے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ جاہل صوفیوں کا مسئلہ ہے جو تصوف کی حقیقت کو نہیں جانتے غرض یہ پانچواں جزو ہے جسکو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں۔

تو یہ پانچ اجزاء دین کے ہیں۔ ان پانچوں کے مجموعہ کا نام دین ہے اگر کسی میں ایک جزو بھی ان میں سے کم ہو تو وہ ناقص الدین ہے۔ جیسے کسی کا ایک ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص الخلق ہے۔ (تفصیل الدین ج ۳)

## معاشرتی ادب

اسلام میں استیذان کیلئے کارڈ بھیجنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہر جگہ اور ہر مکان کیلئے اجازت مانگنے کی ضرورت ہے بلکہ قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص خلوت میں بیٹھا ہے، مثلاً بیٹھک کے کواڑ بند کر رکھے ہیں یا پردے چھوڑ رکھے ہیں یا زنا نہ مکان ہے تو اس وقت استیذان کی ضرورت ہے اور اگر مردانہ مکان ہے اور کواڑ بند نہیں نہ پردے چھوڑے ہوئے ہیں تو بلا استیذان کے جانا جائز ہے (مگر یہ کہ قرائن سے معلوم ہو جائے کہ اس وقت کسی ضروری کام میں مشغول نہیں ہے۔ جس میں دوسروں کے آنے سے خلل واقع ہوگا) اور جہاں استیذان کی ضرورت ہے وہاں یہ طریقہ ہے کہ پہلے جا کر سلام کرو والسلام علیکم! پھر اپنا نام بتلا کر کہو کہ میں اندر آ سکتا ہوں؟ اگر وہ اجازت دے چلے جاؤ ورنہ تین دفعہ اس طرح کر کے لوٹ آؤ۔ (تفصیل الدین ج ۳)

## بغاوت کا انجام

حدیث شریف میں ہے لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض اللہ اللہ

(المسند للإمام احمد ۳: ۴۰۷، ۱۰۱، ۲۰۱، ۲۶۸)

جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے قیامت نہ آئے گی۔

مختصر اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام طاعت ہے اور کفر بغاوت ہے تو دنیوی سلطنتوں کا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی شہر میں باغی زیادہ ہوں تو شہر پر توپ خانہ لگا دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اگر یہی کرتے تو اکثر اوقات توپ لگے ہوتے۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے یہ قانون مقرر کیا کہ اگر کل باغی ہوں مگر صرف ایک غیر باغی ہو تو اس کی بدولت تمام عالم محفوظ رہے گا۔ ہاں جب بغاوت عام ہو جائے اس وقت پھر ہلاک عام بھی ہوگا۔

یہیں سے ایک اور بات بھی سمجھ میں آگئی کہ بہت سے لوگ جن کو آپ حقیر سمجھتے ہیں جیسے اللہ اللہ کہنے والے غرباء وہ آپ کی بقاء کے سبب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس خلق کا اتباع ہم کو بھی کرنا چاہئے کہ ایک کے لئے سب کی رعایت فرمائی۔ شیخ فرماتے ہیں۔

مراعات صدکن برائے یکے ایک کی خاطر سو کی رعایت کرو

اور فرماتے ہیں۔ خورند از برائے گلے خار ہا (ضرورۃ العلم بالدين ج ۳)



## خاوند سے مشورے کی ضرورت

اگر خاص عورت ہی کا مال ہے تو گو اس میں اجازت خاوند کی ضرورت نہیں مگر اس سے مشورہ کر لینا ضرور چاہئے۔ نسائی میں ایک حدیث ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا يجوز لامرأة هبة فی مالها

اذا ملک زوجها عصمتها الا باذن زوجها. (سنن النسائی ۶: ۲۷۸)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کے بعد عورت کو اپنے مال میں سے ہبہ کرنا بدوں اجازت زوج کے جائز نہیں۔ اس میں بعض علماء نے اضافت بادی ملا بست مانی ہے اور مالھا سے مراد مال زوج لیا ہے لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو اس پر محمول کیا جاوے کہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اگر یہ اپنے مال میں خود مختار ہوں گی تو نہ معلوم کہاں کہاں روپیہ برباد کریں گی۔ اس لئے آپ ناقص العقل طبقہ کو حکم فرماتے ہیں کہ تم اپنے مال میں بھی جو تصرف کرو اس میں اپنے مرد سے مشورہ کر لیا کرو تو یہ بات جی کو لگتی ہے اور اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس طرح برتاؤ کرنے میں میاں بی بی میں اتحاد بڑھتا ہے اور مرد کو عورت سے محبت زیادہ ہوتی ہے کہ اس کو مجھ سے اتنا تعلق ہے کہ اپنے مال میں بھی کوئی کام بغیر میرے مشورے کے نہیں کرتی اور اگر عورت اپنی جمع کو الگ رکھ کر اس میں اپنی رائے سے تصرف کرے تو اس صورت میں ایک قسم کی اجنبیت معلوم ہوتی ہے اس وجہ سے میرے نزدیک حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اور مالھا سے مال زوج مراد لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

(قلت قال السندی فی تعلیقہ علی النسائی و هو عند اکثر العلماء

علی معنی حسن العشرة واستطابة نفس الزوج واخذ مالک

یظاہرہ فی ما زاد علی الثلث. (اسباب الغفلة ج ۳)

## اہل جنت کی قسمیں

جنت میں دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک کاملین وہ تو دونوں صورتوں میں جمال حق ہی کا مشاہدہ کریں گے دوسرے ناقصین وہ ایک رخنے ہوں گے کہ صرف ارنی ارنی پکاریں گے۔ ان کو کسی چیز کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ مگر یہ ناقصین کاملین کے سامنے ناقص ہیں ہم سے آپ سے تو بہت بڑھے ہوئے ہیں۔

آسمان نسبت بعرش آمد فرود      لیک بس عالی ست پیش خاک تو د  
 آسمان اگر چہ عرش کی نسبت پست ہے مگر ایک خاک کے ٹیلہ کے سامنے بہت بلند ہے۔  
 (مظاہر الاعمال ج ۳)

## قرآنی نکات

یہاں ایک بات قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے بنون کو زینت حیوۃ الدنیا بتلایا ہے بنات کو بیان نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ بنات کو خود تم نے بھی بے حقیقت سمجھ رکھا ہے کیونکہ لوگوں کو لڑکوں سے زیادہ خوشی ہوتی ہے اور لڑکیوں کو عموماً وبال سمجھتے ہیں تو تمہارے نزدیک وہ کیا خاک زینت دنیا ہوں گی۔

دوسرا نکتہ بنات کے ذکر نہ کرنے میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ بنات زینت دنیا بھی نہیں ہیں بلکہ محض زینت خانہ ہیں اگر وہ بھی زینت دنیا ہوتیں تو حق تعالیٰ ان کو یہاں ذکر فرماتے۔ پس صرف بنون کو زینت دینا فرمانا اور بنات کو ذکر نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ لڑکیاں دنیا کی بھی زینت نہیں ہیں کیونکہ عرفا زینت دنیا وہ سمجھی جاتی ہے جو منظر عام پر زینت بخش ہو اور وہ ایسی زینت نہیں کہ تم ان کو ساتھ لئے لئے پھرو اور سب دیکھیں کہ ان کی اتنی لڑکیاں ہیں اور ایسی آراستہ پیراستہ ہیں بلکہ وہ محض گھر کی زینت ہیں۔

یہاں سے پردہ کی دلیل کی طرف اشارہ نکل آیا۔ دوسرے لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عورتوں کا پردہ کرایا جائے کیونکہ اردو میں عورت کو عورت کہتے ہیں جس کے معنی لغت میں ہیں چھپانے کی چیز تو اس کے ساتھ یہ کہنا کہ عورتوں کو پردہ نہ کراؤ ایسا ہے جیسا یوں کہا جائے کہ کھانے کی چیز کو نہ کھاؤ۔ پہننے کی چیز کو نہ پہنو اور اس کا لغو ہونا ظاہر ہے تو یہ قول بھی لغو ہے کہ عورتوں کا پردہ نہ کراؤ۔ ان کو عورت کہنا خود اس کی دلیل ہے کہ وہ پردہ میں رہنے کی چیز ہیں۔ (مظاہر الاعمال ج ۳)

## قرآن کا طرز کلام

اس میں ضرورت مخاطب کے لحاظ سے گفتگو کی جاتی ہے جس کی بے ربطی ہزار ربط سے افضل ہوتی ہے اور یہی شفقت منشا ہے اس امر کا کہ قرآن کی ہر تعلیم کامل ہے جس میں تمام پہلوؤں کی پوری پوری رعایت کی جاتی ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ ہر سورت

میں بہت سے احکام بیان فرما کر اخیر میں ایسی بات بیان فرماتے ہیں جو سب کی جامع ہوتی ہے اور جس پر عمل کرنے سے تمام احکام مذکورہ میں سہولت ہو جاتی ہے چنانچہ سورہ آل عمران میں مختلف ابواب کے احکام بیان فرما کر کلام کو ختم نہیں کیا بلکہ اخیر کی آیت میں بطور میزان الکُل کے ایک بات ایسی بتلا دی جو سب کو جامع ہے۔

یہ ایسا ہے جیسا تفصیلی حساب کے بعد میزان دی جایا کرتی ہے اگرچہ مفصل حساب بیان کرنے کے بعد میزان کی ضرورت نہیں ہوتی مگر ظاہر ہے کہ میزان بیان کر دینے سے ایک قسم کا ضبط و تکرار ہو جاتا ہے مفصل حساب کا یاد رہنا دشوار ہے اور میزان کا یاد رہنا آسان ہے۔

اسی طرح یہ آیت اخیرہ تمام سورت کی میزان ہے جس میں بالا جمال جملہ احکام مذکورہ داخل ہیں اور دیکھنے میں دو تین باتیں ہیں جن پر عمل بہت سہل ہے خدا تعالیٰ نے اس بات کی رعایت ہر جگہ رکھی ہے یہ طرز سوائے قرآن کے کسی کلام میں بھی نہیں ہے کہ تمام باتوں کو ختم کر کے ایک بات ایسی بتلا دی جو سب کو جامع ہے۔

یہ ایسا ہے جیسے شفیق باپ مفصل نصیحتیں کر کے اخیر میں ایک گر بتلا دیتا ہے اور منشا اس کا شفقت ہے کہ لڑکے کو ساری باتیں شاید یاد نہ رہیں یا اتنی باتوں کو سن کر گھبرا جائے تو اخیر میں ایک گر بتلا دیتا ہے کہ بس اس کو یاد کر لو۔ تو جس نے دوسروں کو شفقت سکھائی اس کے کلام میں شفقت کی پوری رعایت کیوں نہ ہوگی۔ (سبیل النجاح ج ۳)

## فضیلت کسب حلال

حدیث میں ہے۔

كسب الحلال فريضة من بعد الفريضة (حلیۃ الاولیاء: ۱۶۲) كشف الخفاء للعجلونی (۱۶۲: ۲)

حلال روزی کماتا فرض کے بعد ایک فرض ہے۔ اس صورت میں تجارت و زراعت بھی باعث ثواب ہے بلکہ ان کاموں میں مشغول ہو کر دین کی پابندی کرنا یہ نرے ذکر و شغل سے افضل ہے۔ (سبیل النجاح ج ۳)

## اولاد کا عذاب

حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ طَائِفًا مِّمَّنْ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا

ان کے اموال و اولاد تم کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے دنیوی زندگی میں ان کو عذاب دینا چاہتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اموال و اولاد کو اس جگہ آلہ عذاب فرمایا ہے اور واقعی غور کر کے دیکھا جائے تو کثرت مال و اولاد کے ساتھ افکار و تشویشات بھی زیادہ ہو جاتی ہیں اور یہی کلف و پریشانی کی حقیقت ہے جس میں امراء اکثر مبتلا ہیں چنانچہ کسی مالدار کے اولاد نہ ہو تو اس کو اپنے مال کی فکر ہوتی ہے کہ میرے بعد یہ تیرے میرے پاس پہنچے گا اس لئے وہ کسی نہ کسی کو متنبی بناتا ہے اور بعد میں اپنے بھی اولاد ہو جائے تو پریشان ہوتا ہے اور اگر کسی کو مال کے ساتھ اولاد بھی نصیب ہو جائے تو خیر ایک غم تو دھلا اب یہ فکر ہے کہ بچہ بڑا ہوا ہے اس کی تعلیم و تربیت کرنا چاہئے اور یہ ایسی چیز ہے کہ کسی کے قبضہ و اختیار میں نہیں۔ بعض دفعہ لاکھ کوشش کرو مگر اولاد نالائق اٹھتی ہے اور جو لائق بھی ہوئی تو پھر اس کے نکاح کی فکر ہے سو پریشانیوں کے بعد نکاح بھی ہوا تو اب یہ فکر ہے کہ بیٹے کے اولاد نہیں ہوتی۔ اگر لڑکا بے اولاد رہ گیا تو پھر جائیداد کے غیروں کے پاس جانے کا اندیشہ ہے غرض عمر بھر یہی پریشانی رہتی ہے۔

میں نے ایک بڑی بی بی کو دیکھا جو اپنے بچوں کو بہت چاہتی تھیں رات کو سب بچوں کو اپنے ہی پلنگ پر لے کر سوتی تھیں جب اولاد زیادہ ہوئی تو پلنگ کی بجائے فرش پر سب کو لے کر سوتی تھیں اور رات کو یہ حالت تھی کہ بار بار اٹھ کر سب کو ہاتھ سے ٹولتی تھیں کہ سب زندہ بھی ہیں یا نہیں اور اگر ذرا کبھی کسی کو تکلیف ہو گئی تو بس ساری رات کی نیند اڑ گئی تو بھلا اس صورت میں یہ اولاد آلہ عذاب نہیں تو کیا ہے خدا کی قسم راحت میں وہ ہے جس کے دل میں صرف ایک کی محبت ہو وہ ایک کون خدا تعالیٰ اور یہ حالت ہو۔

یکے بین و یکے دان و یکے گوے یکے خواہ و یکے خوان و یکے جوے  
ایک ہی کو دیکھ ایک ہی کو جان ایک ہی کو چاہ ایک ہی کو پڑھ اور ایک ہی کی تلاش کر۔  
خلیل آسا در ملک یقین زن نوائے لایحب الافلین زن  
حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح یقین کا دروازہ کھٹکھٹا اور لایحب الافلین (میں فانی ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا) کی صدا بلند کر اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں۔  
مصلحت دیدن آنست کہ یاراں ہمہ کار بگزارند و خم طرہ یارے گیرند  
مصلحت یہ ہے کہ دوست سارے جہان کی مصلحتوں کو چھوڑ کر محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہوں۔



اور فرماتے ہیں۔

دلارامیکہ داری دل دروبند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند  
جس محبوب سے تمہارا دل بستہ ہے تو پھر تمام جہان سے آنکھیں بند کر لو۔ (سبیل النجاة ج ۳)

## داڑھی کی ضرورت

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک جماعت فرشتوں کی ایسی ہے کہ وہ ہر وقت یہی تسبیح پڑھتے ہیں۔

سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب.

(کشف الخفاء للعجلونی ۱: ۵۳۸)

وہ ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے مردوں کو داڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو چوٹی سے زینت بخشی۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کے داڑھی کا ہونا زینت ہے اور اگر اس زینت کے رکھنے کی ضرورت نہیں تو عورتوں کا سر بھی منڈانا چاہئے غرض داڑھی منڈانے کی وجہ حسن و جمال تو نہیں ہو سکتی۔

ملکتہ میں ایک ملحد نے مولانا شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تھا کہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی رکھنا خلاف فطرت ہے کیونکہ اگر فطرت کے موافق ہوتی تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت بھی ہوتی۔ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر خلاف فطرت ہونے کی یہی وجہ ہے تو دانت خلاف فطرت ہیں ان کو بھی توڑ ڈالو کیونکہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت دانت بھی نہیں تھے۔

غرض داڑھی کا منڈانا نہایت لغو حرکت ہے اور میں نے اس وقت بالقصد داڑھی کا تذکرہ نہیں کیا لیکن میں چونکہ اپنے عیوب و امراض بتلا رہا ہوں۔ اسی ذیل میں اس کا تذکرہ بھی آ گیا صاحبو! واللہ بعض دفعہ داڑھی کے تذکرہ سے شرم آتی ہے کہ شاید کسی کو ناگوار گزرے مگر منڈانے والوں کو اتنا حجاب بھی نہیں ہوتا اور اب تو غضب یہ ہے کہ بعض لوگ داڑھی منڈانا حلال بھی سمجھنے لگے ہیں اور جب اس کی بابت ان سے گفتگو کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ قرآن میں اس کی حرمت دکھلائیے۔ (طریق النجاة ج ۳)

## نہی عن المنکر کا طریقہ

اپنے ہی لوگوں کو کہتا ہوں کہ منکرات کو منع تو کریں مگر اس طرح کہ نفسانیت کو دخل نہ ہونے پائے پھر ان شاء اللہ ضرور اثر ہوگا کسی پرانکار کرنے کا مضائقہ نہیں ہاں اتنا ہو کہ خلوص ہو۔ (حقوق القرآن ج ۴)

## احکام چندہ

چندہ دینے والوں کیلئے دو باتیں ہیں جو کہ خیال رکھنے کے قابل ہیں ایک یہ کہ اپنی وسعت سے کم مت دو اور خواہ تھوڑا دو مگر نباہ دو۔

احب الاعمال الى الله اذومها وان قل۔ (صحیح مسلم ص ۲۱۸)

(ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کو وہ عمل محبوب ہے جو ہمیشہ ہو خواہ مختصر ہو۔)

دوسرے یہ کہ چندہ دے کر مدرسے کو اپنی ملکیت مت سمجھو، اور مہتممین کی رائے میں دخل مت دو۔ آج کل یہ مرض بکثرت ہو گیا ہے کہ ذرا سا چندہ دے کر حکومت کرتے ہیں۔ ایک پیسہ بھی جس کا مدرسے میں شامل ہے وہ مدرسے کے ہر کام میں دخل دینے کو تیار ہے اور اپنی ہی رائے کو ترجیح دینا چاہتا ہے اور اگر بلائے رائے ان کے کوئی انتظام کر لیا جائے تو چندہ بند کر لیتے ہیں۔ (حقوق القرآن ج ۴)

گفتگوئے عاشقاں در کار رب جوش عشق است نے ترک ادب

با ادب تر نیست زو کس در جہاں بے ادب تر نیست زو کس در جہاں

ایسا ہی ایک قصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ جب تم مجھ سے خفا ہوتی ہو تو اس وقت لا و رب ابراہیم کہتی ہو، اور جس وقت خوش ہوتی ہو، اس وقت لا و رب محمد (قسم ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی) کہتی ہو۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: لا اہجر الا اسمک (بجز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے نہیں چھوڑتی ہوں) (حقوق القرآن ج ۴)

## علوم مقصودہ

میں طلبہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ زیادہ توجہ فقہ و حدیث و تفسیر پر کریں کہ یہی علوم مقصودہ ہیں، انہی سے خدا تعالیٰ اور رسول کی عظمت کا علم ہوتا ہے اور معقول و ادب میں بقدر

ضرورت توجہ کریں کیونکہ عربی دان ہونا کچھ کمال نہیں خدا دان ہونا چاہئے اگر عربی دانی کوئی چیز ہوتی تو ابو جہل حضرت بلالؓ سے افضل ہوتا کیونکہ وہ قریشی فصیح ہے اور حضرت بلالؓ حبشی ہیں جو ابو جہل کے برابر ہر گز فصیح و بلیغ نہ تھے مگر دیکھ لیجئے کہ عربی دانی اس کے کیا کام آئی کچھ بھی نہیں بلکہ وہ ابو جہل ہی رہا اور حضرت بلالؓ وہ ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں اپنے آگے آگے چلتا دیکھا تھا اسی کو ایک بزرگ کہتے ہیں۔

حسن زبصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ ز روم ز خاک مکہ ابو جہل اس چہ بوالعجبی ست  
(ترجمہ:- حضرت حسن بصریؒ کو بصرہ سے اور حضرت بلالؓ کو حبش سے اور حضرت صہیبؓ رومیؒ کو روم سے جذب فرمایا اور خاک مکہ مکرمہ سے ابو جہل پیدا ہو یہ کس قدر عجیب قدرت ہے۔) یہاں سے معلوم ہوا کہ محض عربی دانی کوئی چیز نہیں اور نہ ایسا شخص عالم ہے بلکہ ابو جہل کی طرح جاہل ہے اصل علم وہ ہے جس کو حق تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں۔  
”كُونُوا رَبَّيْنَ .“ یعنی اللہ والے ہو جاؤ خدا تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو۔“

بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَذَرُسُونَ .  
یعنی تم کتاب پڑھاتے اور پڑھتے ہو اس میں ایک مقتضی کا ذکر ہے کہ تمہارا یہ فضل خود اس کو مقتضی ہے کہ تم کو اللہ والا بننا چاہئے (العبدالربانی ج ۴)

## دعویٰ اور دعوت کا فرق

اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ واعظ جس امر پر خود عامل نہیں ہوتا اس کے متعلق اگر وہ وعظ کہنے بیٹھتا ہے تو الفاظ میں شوکت و صولت نہیں ہوتی اندر سے دل بھجنے لگتا ہے چنانچہ ایک مقدمہ یہ ہے ایک بزرگ کے پاس ایک بڑھیا اپنے بچہ کو لے گئی اور کہا حضرت یہ گڑ بہت کھاتا ہے ذرا آپ اس کو نصیحت کر دیجئے انہوں نے کہا کہ کل آنا کل سمجھا دوں گا وہ اگلے دن بچہ کو لے کر آئی اور آپ نے نصیحت کر دی وہ اس سے رک گیا کسی خادم نے کہا حضرت یہ کونسا باریک مسئلہ تھا جس کے لئے آپ نے ایک دن کی مہلت مانگی تھی فرمایا بات یہ ہے کہ کل تک میں خود اس مرض میں مبتلا تھا اس وقت میری نصیحت کا اثر نہ ہوتا کیونکہ زبان ہی نہ اٹھتی اس لئے میں نے ایک دن کی مہلت مانگی تاکہ پہلے اپنی اصلاح کر لوں چنانچہ کل سے میں نے بھی گڑ کھانا چھوڑ دیا اور اس کا عزم کر لیا کہ آئندہ بھی نہ کھاؤں گا تو آج

میرے بیان میں اثر تھا الفاظ میں زور تھا سو واقعی غیر کامل کے وعظ میں شوکت و صولت نہیں ہوتی پھر اگر اس میں حیا ہے تو اس کو انقباض کا احساس ہوگا یہ دوسرا مقدمہ ہو واپس وہ جلد اپنی اصلاح کر لے گا اس لئے با حیا کو وعظ سے نہ روکنا چاہیے (العبدالربانی ج ۴)

## امت کی زبوں حالی

وعظ کہنے والے زیادہ تر جاہل ہیں اور علماء وعظ نہیں کہتے اگر علماء واعظ ہوتے تو مسلمانوں کی حالت تباہ و برباد نہ ہوتی بعض علماء اس کے متعلق یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم کو وعظ کہنا نہیں آتا میں کہتا ہوں کہ آپ کو عربی پڑھنا ہی کب آتا تھا یہ بھی تو محنت کرنے سے ہی آیا ہے اسی طرح وعظ کہنے کا ارادہ کیجئے اور کچھ دنوں محنت کیجئے یہ کام بھی آ جائے گا جس کی سہل تدبیر یہ ہے کہ اول اول طلبہ کے سامنے مشکوٰۃ وغیرہ لے کر بیٹھ جاؤ اور کتاب دیکھ کر بیان کرو پھر کچھ دنوں میں بدوں کتاب کے بیان کرنا شروع کرو۔ اسی طرح ایک دن خوب بیان کرنے لگو گے حیرت کی بات ہے کہ جہلاء میں تو وعظ کی جرات ہو اور علماء کو اس کی ہمت نہ ہو جس کا نتیجہ یہ ہو کہ اب جہلاء علماء کے سامنے بھی غلط باتیں بیان کرنے سے نہیں ڈرتے۔ (العبدالربانی ج ۴)

## علماء کے کرنے کے کام

اس وقت اس کے چند افراد میرے ذہن میں ہیں ان کو عرض کرتا ہوں اور استقرار چار ہیں وعظ، تدریس امر بالمعروف، خطاب خاص، تصنیف۔ علماء کو ان چاروں شعبوں کو اختیار کرنا چاہئے اس طرح کہ طلباء کے سامنے تو مدرس بن کر بیٹھیں اور عوام کے سامنے واعظ ہوں اور خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں اور خاص مواقع میں مراد یہ ہے کہ جہاں اپنا اثر ہو وہاں خطاب خاص سے نصیحت کریں کیونکہ ہر جگہ امر بالمعروف مفید نہیں ہوتا اور بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف کرنے کی وجہ سے مخالفت بڑھ جاتی ہے جس کا تحمل ہر ایک سے نہیں ہوتا اور اگر کسی سے تحمل ہو سکے تو سبحان اللہ! وہ امر بالمعروف کریں مگر یہ ضرور ہے کہ اپنی طرف سے سختی اور درشتی کا اظہار نہ کریں بلکہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف کرے اس پر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے اور اگر تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے محض خطاب عام پر اکتفا کرے۔



(علامہ بیہقی نے حدیث لایزال طائفۃ من امتی علی الحق منصورین .

(سنن ابن ماجہ: ۱۰، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹: ۲۲۶)

(ہمیشہ میری امت میں سے ایک جماعت حق کی نصرت کرتی رہے گی)

کی شرح میں لکھا ہے کہ اس سے کوئی خاص جماعت مراد نہیں بلکہ دین کی خدمتیں بہت سی ہیں ہر شخص ان میں سے جو خدمت بجالا رہا ہے وہ اس میں داخل ہے خواہ واعظ ہو یا مصنف، فقیہ ہو یا محدث (جامع)

اگر ایک قصبہ میں مثلاً بقدر ضرورت واعظ موجود ہوں۔ تو دوسرے علماء پر وعظ کہنا واجب نہیں ان کو درس و تدریس میں مشغول رہنا جائز ہے اور اگر واعظ کوئی نہ ہو تو مولوی صاحب کو اجازت نہیں کہ وہ صرف مدرس ہی بن کر رہیں بلکہ ضرورت کے موقع پر ان کو وعظ بھی کہنا چاہئے۔ (العبدالربانی ج ۴)

## نوافل کی اہمیت

فرائض کی تکمیل نوافل سے ہوتی ہے اگر کوئی نوافل ادا نہ کرے اور بالکل ترک کرے۔ اس کا فرض بھی غیر کامل ہوگا۔ گو بمعنی ناقص نہیں بلکہ غیر اکمل ہوگا اور اگر مع نوافل ادا کرے۔ تو وہ فعل اکمل ہوگا تو دیکھئے تکمیل فرائض کی نوافل سے ہوئی۔ (علوم العباد علوم الرشاد ج ۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر

علی قلب بشر۔ (المسند للامام احمد بن حنبل ۲: ۴۳۸، الترغیب

والترہیب للمندری ۴: ۵۲۱، ۵۵۷)

”یعنی میں نے بندوں صالحین کے لئے وہ شے تیار کی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی کے دل پر ان کا گذر ہوا۔“ آپ بہت سے بہت وہ نعمتیں چاہیں گے جو کچھ آپ کے دل میں آویں گی اور جن اشیاء کا وعدہ ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں جو تمہارے ذہن میں آتی ہیں اس سے زیادہ آپ کیا چاہیں گے اور ثمرات تو ان لوگوں کے لئے ہیں جو طالب ثمرات ہیں۔ (العزیز ج ۴)

## بدعت وسنت

کئی سال ہوئے میں ایک دفعہ کان پور گیا تھا تو مجھے معلوم ہوا کہ نواح کان پور میں

بعض دیہات کے نو مسلم راجپوت مرتد ہونے والے ہیں۔ آریہ ان کو بہکا رہے ہیں تو میں نے اپنے احباب میں سے کچھ علماء اور رؤساء کو ساتھ لیا اور موضع گجنیور میں قیام کیا جو سب دیہات میں بڑا گاؤں تھا پھر وہاں سے دو دو تین عالموں کو متفرق دیہات میں تبلیغ کے لئے بھیجا گیا اور ان کے چودھریوں کو بلایا اور کہا کہ بھائی ہم نے سنا ہے کہ تم آریہ ہونے والے ہو، اگر کوئی شبہ اسلام میں ہو رفع کر لو، ایک نے جواب دیا کہ ہم آریہ کیوں ہوتے، انکے یہاں تو نیوگ کا بڑا فحش طریقہ ہے جس کو کوئی شریف ہرگز گوارہ نہیں کر سکتا پھر ہم نے کہا کہ ہاں بھائی بس تم مسلمان ہی رہنا وہ کہنے لگے کہ ہم مسلمان بھی نہیں ہوتے ہم تو نو مسلم ہی اچھے رہیں گے، میں نے کہا اچھا تو نو مسلم ہی رہو پھر باتوں باتوں میں ان سے پوچھا گیا تم ہماری طرح مسلمان کیوں نہیں ہوتے تو کہنے لگے اصل بات یہ ہے کہ ہم تمہاری طرح مسلمان ہو جائیں تو ڈریہ ہے کہ ہمیں تم میں سے کوئی اپنی لڑکی نہ دے گا نہ ہماری لڑکی لے گا اس لئے ہم تمہارے ساتھ بھی نہیں مل سکتے اور نہ آریوں کے ساتھ ملیں گے۔ اس جواب پر میں ذرا خاموش ہوا تھا کیونکہ اس کا وعدہ میرے اختیار سے باہر تھا، خدا بھلا کرے قصبہ بارہ کے پٹھانوں کا وہ بھی خبر سن کر آگئے تھے ان میں سے ایک رئیس کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ صاحبو! تم بے فکر رہو تم کو ہم اپنی لڑکیاں دیں گے اور تمہاری لڑکیاں لیں گے گو اس سے برادری میں ہماری ذلت ہوگی مگر اسلام کی وقعت و خدمت کے لئے ہماری جان و آبرو سب فدا ہیں، میں اس جواب سے بڑا خوش ہوا اور ان کو بہت دعا دی کہ شاباش!

ایں کارزار تو آید و مرداں چنیں کنند

(یہ کام تم سے ہوا اور مردان خدا ایسا ہی کرتے ہیں)

مگر یہاں آکر چودھری لا جواب تو ہو گیا لیکن اپنی حالت کے بدلنے پر آمادہ نہ ہوا۔ معلوم ہو گیا کہ یہ بات اس نے محض شرارت کی راہ سے کہی تھی جس سے ہم کو صرف لا جواب کرنا مقصود تھا اور حقیقت میں ان لوگوں کو اپنی حالت کا بدلنا منظور نہیں وہ اپنے اسی طرز میں خوش ہیں دراصل وہ مسلمان بھی برائے نام ہی ہیں۔ حالت ان کی یہ ہے کہ ان کے نام ہندوؤں جیسے ہیں چنانچہ ایک چودھری کا نام ننو سنگھ تھا اور دوسرے چودھری کا نام ادھار سنگھ تھا۔ یہ بہ نسبت پہلے کے ذرا سمجھدار تھا، بڑے چودھری سے کہا گیا کہ تجھے کلمہ بھی آتا ہے

کہنے لگا ہاں آتا ہے کہا گیا سناؤ تو کہنے لگا کہ بس تو مت پوچھ گاؤں کے لوگ یوں کہیں گے کہ بڑھاٹھیا گیا جو کلمہ پڑھتا ہے ان کو کلمہ پڑھنے سے بھی رکاوٹ تھی۔ وہ ایسے مسلمان تھے بس چند باتیں ان میں اسلام کی موجود تھیں۔ ایک تو وہ ختنہ کراتے تھے، دوسرے مردوں کو دفن کرتے تھے، تیسرے نکاح قاضی سے پڑھواتے تھے مگر ساتھ ہی ہندوؤں کی طرح پھیرے بھی کرتے تھے اور ایک یہ بات ان میں اسلام کی تھی کہ محرم میں تعزیہ بناتے تھے اور اس کو اتنا بڑا اشعار سمجھتے تھے کہ ادھار سنگھ نے یوں کہا تھا کہ ہم آریہ کیسے بنت۔ ہمارے یہاں تو تاجیہ (تعزیہ) بنت ہے میں نے یہ سن کر کہا کہ دیکھو تعزیہ مت چھوڑنا کہنے لگے اجی بھلا اسے ہم کب چھوڑنے لگے۔ بعض علماء کو میری اس بات پر خیال ہوا کہ اس نے ایک بدعت کی، مسلمانوں کو اجازت دی میں نے کہا بس چپکے بیٹھے رہو یہ کانپور اور لکھنؤ میں ہی شرک و بدعت ہے مگر یہاں فرض ہے کیونکہ اس جگہ تعزیہ ہی ان لوگوں کے دین کا وقایہ ہے ابھی تو ان لوگوں کا تعزیہ بناتے رہنا ہی ان کے اسلام کے محافظ ہے۔ پھر جب رفتہ رفتہ یہ بکے مسلمان ہو جائیں گے اس وقت بدعت و سنت کی تعلیم دے دینا۔ ہمارے ایک دوست نے عجیب بات کہی میں نے اسے کہا کہ کالج علی گڑھ میں مولود شریف ہوا کرتا ہے جو کہ بدعت ہے وہ دوست فرمانے لگے کہ یہ مولود شریف (بہیدہ معروفہ) اور جگہ تو بدعت مگر کالج میں جائز واجب ہے کیونکہ اس بہانہ سے کبھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و معجزات سن لیتے ہیں تو اچھا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں قائم رہے ورنہ وہ تو سال بھر ایسی خرافات میں مبتلا رہتے ہیں کہ بھول کر بھی خدا و رسول کا نام ان کی زبان پر نہیں آتا مجھے ان کی یہ بات پسند آئی کیونکہ واقعی اگر کسی جگہ بدعت ہی لوگوں کے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہو جائے تو وہاں اس بدعت کو غنیمت سمجھنا چاہئے جب تک کہ ان کی پوری اصلاح نہ ہو۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## وسعت اختیار کا اثر

میں مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اگر کوئی بڑا ہندو یا عیسائی مسلمان ہو جایا کرے تو اس کو نچاتے نہ پھرا کرو ہاں اس کی خدمت اور خاطر کرو بلکہ ایسی دھوم دھام نہ کیا کرو، جس

سے کسی کو عجیب بات معلوم ہو کیونکہ کوئی رئیس ہو، بادشاہ ہو جو کوئی بھی اسلام لاتا ہے اپنی نجات اور اپنی فلاح کے لئے لاتا ہے، مسلمانوں پر کیا احسان کرتا ہے یہ تو جملہ معترضہ تھا میں کہہ رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی حکومت ہو تو خیر ورنہ غیر عادل حکومتوں کی یہی حالت ہے کہ ان میں رؤسا و امراء کی غریبوں کے مقابلہ میں بہت رعایت کی جاتی ہے تو غرباء نالش کر کے بھی مال داروں سے انتقام نہیں لے سکتے۔ اس لئے مال داروں کے ہاتھ سے مخلوق کی جان پر زیادہ ظلم ہوتا ہے اور ایک ظلم حکام کے ہاتھ سے یہ ہوتا ہے کہ کسی کے دو چار بیدیں بلا وجہ لگوا دیں ان کی تو کون نالش کرتا ہے اور بعضے اس طرح ظلم نہیں کرتے تو یوں کرتے ہیں کہ مقدمہ میں ایک فریق سے رشوت لے کر کسی کا حق ضائع کر دیا، ایک ڈپٹی صاحب کی یہ حالت تھی کہ دونوں فریق سے رشوت لے لیا کرتے تھے مگر ان سے سب خوش تھے بلکہ ایماندار مشہور تھے کیونکہ جس فریق کے خلاف وہ فیصلہ کرتے تھے ان کی رشوت واپس کر دیا کرتے تھے اور بعضے یہ کرتے ہیں کہ جس نے زیادہ رشوت دیدی اس کے موافق فیصلہ کر دیا اور دوسرے کی رقم بھی ہضم کر لی مقدمہ تو حاکم کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس کے چاہے موافق کر دے حاکم کو مقدمہ کا بدلنا کیا مشکل ہے، ہیر پھیر کر جس طرح چاہے بنا دے۔ اسی وسعت خیال پر نظر کر کے میں مسلمانوں کو کہا کرتا ہوں کہ حکام وقت کو ناراض نہ کرو یہ طریقہ بہت مضر ہے اس پر بعض نوجوان کہا کرتے ہیں کہ ہم تو جو کچھ کرتے ہیں قانون کے اندر کرتے ہیں، خلاف قانون کچھ نہیں کرتے پھر حکام کیا کر سکتے ہیں؟ میں نے کہا کہ حکام کو تمہاری نیت تو معلوم ہے جب وہ یہ جانیں گے کہ یہ لوگ ہم کو ناراض اور تنگ کرنے کے لئے یہ حرکت کر رہے ہیں تو قانون ان کے ہاتھ میں ہے جس بات کو تم خلاف قانون نہیں سمجھتے ہو وہ اس کو بھی کسی ترکیب سے خلاف قانون کر دیں اور شریعت کا امر ہے۔

لاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کہ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو تو ایسا کام نہ کرنا چاہیے جس میں حاکم کی ناراضی ہو کیونکہ اس کا انجام قریب بہ ہلاکت ہے اور مدت دراز تک مسلمانوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور ایسے خطرات سے حفاظت نفس شرعاً مطلوب ہے مگر اتنا فرق ہے کہ عوام تو اپنی جان سمجھ کر اپنے نفس کی حفاظت کرتے ہیں اور اہل اللہ خدا کی امانت سمجھ کر حفاظت کرتے ہیں کہ اس کو خلاف منشاء حق صرف نہ کیا جاوے (اس لئے



عارف ایسے موقع میں جہاں شریعت نے حفاظت نفس کا حکم دیا ہو اپنی جان کی بہت حفاظت کرتا ہے گو عوام اس کو بز دلوں و ڈرپوک کہیں اور جہاں شریعت نے بذل نفس کا حکم دیا ہو وہاں اہل اللہ سے زیادہ جانبازی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا (۱۲ جامع) تو دو طبقے تو یہ ہیں جو ظلم میں زیادہ بدنام ہیں یعنی رؤسا اور حکام۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۳)

## ایمان و کفر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے:

لا تکفرہ بذنب ولا تخرجه عن الاسلام (مجمع الزوائد للہیثمی ۱۰۶:۱)

(یعنی مسلمان کو کسی گناہ کی وجہ سے نہ تو کافر کہو اور نہ اس کو اسلام سے خارج کہو)

بہت دنوں تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ دو جملے کیوں بیان فرمائے۔ صرف پہلا ہی جملہ کافی تھا دوسرے جملہ کی کیا ضرورت تھی مگر بہت دنوں کے بعد سمجھ میں آیا کہ ایک جملہ میں تو رد ہے خوارج (ایک فرقہ ہے) کا اور ایک میں معتزلہ (ایک فرقہ ہے) کا اول جملہ خوارج کا تو رد ہو گیا مگر معتزلہ کا رد نہ ہوتا کیونکہ وہ گناہ کی وجہ سے کفر میں نہیں داخل کرتے اس لئے دوسرا جملہ بھی بیان فرمایا کہ معتزلہ پر بھی رد ہو گیا اور لا تکفرہ بذنب (مسلمانوں کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ کہو) پہلے اس لئے فرمایا کہ دوسرے جملہ میں ترقی ہو کیونکہ اول لا تکفرہ بذنب سے تو یہ فرمایا کہ کافر نہ کہو تو اب ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ ہم تو کافر نہیں کہتے بلکہ اسلام سے صرف خارج کرتے ہیں تو اس کے رد کے لئے فرماتے ہیں کہ اسلام سے خارج بھی نہ کہو۔

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں اب بہت سے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، یہ ہرگز جائز نہیں کیونکہ علاوہ اور دلائل منع کے اس سے تکلیف بھی تو ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ ہم تو زبان سے نہیں کہتے بلکہ لکھ کر کہتے ہیں تو یہ بھی لسان (زبان) ہی سے ہے کیونکہ نقوش کی دلالت الفاظ پر اصطلاح سے ہوئی ہے اور اصطلاح زبان سے مقرر ہوئی تو مترجم اس کا بھی زبان ہی ہے تو لسانہ میں داخل ہے اور اسی کو فقہاء کہتے ہیں الکتابت کالنطق کہ لکھنا زبان سے کہنے کے مثل ہے اور اگر یہ دقیقہ کسی کی سمجھ میں نہ آوے تو چلے جانے دیجئے آخر ”یدہ“ میں تو داخل ہے اور لا تکفرہ (اس کو کافر نہ کہو) کے بعد بذنب (کسی گناہ کی وجہ سے) اس لیے فرمایا کہ اگر کوئی بات صریح کفر کی ہو

اور اس میں احتمال دوسرا نہ ہو تو اس وقت کافر کہنے کی اجازت ہے لیکن اگر اس میں دوسرا احتمال بھی ہو جس کے اعتبار سے وہ بات کفر نہ ہو تو اس صورت میں کافر نہ کہے۔

چنانچہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر ننانوے وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ عدم کفر کی ہو تو بھی کافر نہ کہو، آج کل بعض لوگ اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ننانوے عمل کفر کے ہوں اور ایک عمل عدم کفر کا الخ تو یہ مطلب نہیں اگر یہ مطلب ہوتا تو دنیا میں ایک بھی کافر نہ رہتا کیونکہ ہر شخص میں کوئی بات تو اچھی ہوتی ہی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک قوم میں مثلاً ننانوے وجہ کفر کی اور ایک وجہ عدم کفر کی ہو۔

مثلاً امام صاحب کے پاس ایک شخص آیا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ کوئی کافر جہنم میں نہ جاوے گا تو وہ اس کے کہنے سے کافر ہوا یا نہیں؟ امام صاحب نے شاگردوں سے پوچھا کہ اس کلام سے کوئی ایسے معنی ہو سکتے ہیں جس کی بناء پر یہ شخص اسلام سے خارج نہ ہو، شاگردوں نے کہا اس میں تو کوئی تاویل نہیں ہو سکتی یہ تو نص قطعی کا صریح انکار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ کوئی کافر دوزخ میں جاتے وقت کافر نہ رہے گا کیونکہ اس وقت تو سب ایمان لے آئیں گے گو اس وقت کا ایمان مقبول نہ ہو۔ یہاں سے امام صاحب کی ذہانت کا خیال کیجئے اور عجب نہیں کہ امام صاحب نے یہ وہاں سے سمجھا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کوئی بڑھیا نہ جاوے گی۔ جیسا کہ کافر و منکر اور اس وقت کوئی منکر نہ ہوگا بلکہ سب مومن ہوں گے گو اس وقت کا ایمان مقبول نہ ہو۔ یہ ہے حاصل اس تاویل کا تو امام صاحب نے فرمایا کہ اس قول کا یہ مطلب ہو سکتا ہے پھر اس میں کفر کی کوئی بات ہے تو حاصل یہ ہوا کہ جس قول میں تاویل ہو سکے اور اس کی بناء پر مومن ہو سکے تو ایسی بات ہے اس کو کافر نہ کہہ دینا چاہیے اگر ننانوے مطلب کی بناء پر کفر ہو اور ایک مطلب کی بناء پر کفر نہ ہو تو یوں سمجھو کہ شاید وہی مطلب ہو۔ (کف الاذی ج ۴)

## تعمیر مساجد کی فضیلت

دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنی لله مسجدا ولو كمفحص قطاة بنی الله له بیتا فی الجنة.

(المسند الامام احمد ۱: ۲۴۱، تفسیر ابن کثیر ۸: ۷۱)

(یعنی اگر کوئی قطا پرندہ کے آشیانہ کے برابر بھی مسجد بنائے تو اس کیلئے جنت میں گھر بنے گا)

تو دیکھئے کتنے قلیل عمل پر کتنی عظیم فضیلت فرمائی۔ بعض لوگ جن کو شبہات نکالنے کی عادت ہے شاید یہ کہیں کہ یہ حضور کا کلام نہیں کیونکہ اتنی چھوٹی مسجد ہی نہیں ہوگی تو اگرچہ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ تمام اہل زبان میں مبالغہ کلام کا حسن سمجھا جاتا ہے مگر ہم حدیث کا دوسرا مطلب بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی نے مسجد میں مثلاً چار آنے دیئے جس سے عمارت میں اس کے حصہ میں گھونسلا کے برابر جگہ آئی تو اس کو بھی جنت میں پورا گھر ملے گا۔ اگرچہ اس نے پوری مسجد نہیں بنوائی تو اگر کسی نے خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی دیا تب بھی نجات کے لیے ویسا ہی کافی ہے جیسا کہ ہزار دو ہزار، بلکہ غرباء کے دو چار پیسے امراء کے ہزاروں سے بڑھ جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی ترغیب دی تھی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف تو اتنا لائے کہ اٹھ بھی نہ سکا اور ایک صحابی جو کے دانے لائے۔ منافقین دونوں پر ہنسے، ایک کو ریاکار بنایا، ایک کو بے شرم، حق تعالیٰ اس کو بھلا کیا دیکھ سکتے تھے۔ ایک قدسی میں فرماتے ہیں: میں نے تفسیر مظہری میں یہ حدیث دیکھی ہے کہ مجھے اپنے مقبول بندے کو چھیڑنے پر ایسا غصہ آتا ہے جیسے شیر کے بچوں کے چھیڑنے پر شیر کو۔ دوسری حدیث قدسی میں ہے: ”من عادلی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب“ (کہ جو میرے ولی سے عداوت رکھے اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے) بس تجربہ کر دیم دریں مکافات بادرد کشاں ہر کہ در افتادہ بر افتاد (اس دیر مکافات میں بہت تجربہ ہم نے کیا ہے کہ جو شخص اہل اللہ سے الجھا ہلاک ہو گیا) اور فرماتے ہیں:

بچ قوے را خدا رسوا نہ کرد تادل صاحب دلے نامہ بدرد  
(کسی قوم نے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کیا جب تک انہوں نے کسی اہل اللہ کو تکلیف نہیں پہنچائی)

ایک مقبول بندے کے ستانے پر شہر کے شہرتابہ کر دیئے ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندے پر طعن کو نہیں دیکھ سکتے، فوراً اس کا بدلہ لیتے ہیں۔ اسی طعن کے بارے میں فرماتے ہیں:

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا  
يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ

کہ جو لوگ طعن کرتے ہیں ان لوگوں پر بھی جو رغبت ظاہر کرتے ہیں صدقات میں اور وہ

مومن ہیں اور ان لوگوں پر بھی جو نہیں پاتے خرچ کرنے کو مگر اپنی طاقت کے موافق، تو جو ان سے تمسخر کرتے ہیں، خدا ان کے تمسخر کا بدلہ لے گا اور وہ بدلہ یہ ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ کہ ان کو سخت عذاب ہوگا۔ آگے اس کو اچھی طرح موکد فرماتے ہیں کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں برابر ہے۔ اگر آپ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو خدا تعالیٰ ان کو نہ بخشیں گے۔

اس سے کوئی یہ نہ سمجھیں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہے کہ وہ توبہ و استغفار سے بھی نہیں بخشا جاسکتا کیونکہ اس آیت میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ آپ ان کے واسطے کتنا ہی استغفار کریں ہم نہیں بخشیں گے۔ بات یہ ہے کہ وہ لوگ خود استغفار نہ کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا و استغفار اسی وقت مفید ہو سکتی ہے کہ گناہ کرنے والا خود بھی توبہ کرنا چاہے۔ حق تعالیٰ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ یہ لوگ استغفار کریں یا نہ کریں ہم بخشیں گے۔ اگر یہ فرماتے تو شبہ کی گنجائش تھی کہ کیا بعض گناہ استغفار سے بھی معاف نہیں ہو سکتے تو اگر وہ خود استغفار کرتے تو ایک مرتبہ ”اللهم اغفر لی“ کہنا بارود کی طرح گناہوں کو اڑا دیتا ہے۔ (حقوق السراء والضراء ج ۴)

## فضیلت صدقہ

صدقہ کی فضیلت خصوصیت محل سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ آج کل بہت سے یتیم ہیں، بہت سی عورتیں بیوہ ہیں اور یتیم اور بیواؤں پر رحم کرنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔ حدیث میں وارد ہے:

الساعي على الارملة كالصائم يفطر والقائم لا يفتر او کمال قال۔

(الصحيح للبخاری ۷: ۸۰، ۸: ۱۰، ۱۱، الصحيح لمسلم الزهد: ۴۱)

(ساری رات کا جاگنا اور ساری عمر روزہ رکھنا جتنی فضیلت رکھتا ہے، اتنی ہی مساکین کی نگہداشت میں فضیلت ہے)

ارملہ کی فرہ بیوہ عورتیں بھی ہیں اور حدیث میں وارد ہے: ”انا و کافل الیتیم کھاتین او کما قال“۔ (یعنی جو شخص یتیم کی کفالت کرے جنت میں وہ اور میں مثل ان دو انگلیوں کے ہوں گے یعنی سبابہ اور وسطی کی۔ حدیث میں یہ بھی مذکور ہے۔ ”و فرج بینہما“ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کے وقت دونوں انگلیوں میں کشادگی فرمائی تھی۔ اس تشبیہ سے حضور کا مقصود قرب کا بتلانا ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں مجھ سے قرب حاصل ہوگا جیسا کہ سبابہ کو وسطی سے قرب ہے۔



اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ وہ شخص حضور کے برابر ہو جائے گا۔ (معاذ اللہ) کیونکہ اول تو یہ شبہ اسی سے زائل ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیہ میں انگشت شہادت اور وسطی استعمال فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ ان دونوں انگلیوں میں سے انگشت دوسری سے بڑھی ہوئی ہے اور اس کے ساتھ باہم قرب بھی ہے۔ ایسے ہی سرور دو عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ نبوت و رسالت کے اس شخص سے بڑھے ہوئے ہیں مگر اس فضیلت کے ساتھ ہی اس عمل مقبول کی وجہ سے کافل یتیم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قسم کا قرب بھی ہے۔ دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ میں کشادگی ظاہر کر دینے سے بھی یہ بتلا دیا کہ علاوہ فرق مراتب کے حضور میں اور اس میں حسی فرق بھی ہو گا تو مساوات کا وہم بالکل نہیں ہو سکتا۔ (حقوق السراء والضراء ج ۴)

## زمین و سورج کی حرکت

کیا یہ مشاہدہ ہے کہ آفتاب کو سکون ہے، زمین کو حرکت ہے۔ خیر ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کس کو سکون ہے اور کس کو حرکت کیونکہ یہ قرآن کے مخالف نہیں مگر یہ سوچ لو کہ اتنا بڑا دعویٰ کس بنا پر ہے، دلیل کچھ بھی نہیں۔ مگر ہم کہیں گے ”الشمس تجری“ (سورج چلتا رہتا ہے) چونکہ قرآن میں وارد ہوا ہے اس لیے آپ آفتاب کو ساکن محض ماننے سے گنہگار ہوں گے۔ زمین کو چاہے آپ ساکن نہ مانئے متحرک مانئے مگر آفتاب کو بھی متحرک ماننا پڑے گا۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو ”وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ الْأَخْ“ (یعنی اور ہم نے زمین میں اس لیے پہاڑ بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر ہلنے نہ لگے) اسے تو زمین کا سکون ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ کیوں کہتے ہو کہ حرکت ارض کا ماننا قرآن کے خلاف نہیں۔ (الوقت ج ۴)

## حقوق نفس کی رعایت

حدیث شریف میں ہے:

اِذَا غَلَبَ أَحَدُكُمُ النَّعَاسَ وَهُوَ يَذْكُرُ اللَّهَ فَلْيَرْقُدَا وَكَمَا قَالَ عَلَيْهِ

السلام (اتحاف السادة المتقين ۸: ۱۶۰)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس وقت تک نیند نہ آئے اس وقت تک تو

تفلیس تسبیح اور ذکر وغیرہ سب کچھ کرو اور جب نیند کا غلبہ ہونے لگے تو سو رہو ”فلیرقد“ (تو سو رہو) امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حالت میں ذکر لسانی بند کر دینا ضروری ہے۔ آگے اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں:

لعلہ یستغفر فی سب نفسہ۔

یعنی ممکن ہے کہ وہ قصد تو استغفار کا کرے اور بجائے استغفار کے اپنے آپ کو کوٹنے لگے کیونکہ اس وقت مارے نیند کے ہوش درست نہیں رہتا۔ لامحالہ کہے گا کچھ اور نکلے گا کچھ تو شاید دعا کے بدلے بدعا نکلے۔ چنانچہ علماء نے اس کی تفسیر میں مثال کے طور پر کہا بھی ہے کہ مثلاً وہ کہنا چاہتا ہے ”اللہم اغفر لی“ (کہ اے اللہ! مجھے بخش دے) تو ممکن ہے کہ بجائے اس کے ”اللہم اغفر لی“ مہملہ زبان سے نکلے۔ یعنی اے اللہ! مجھے تباہ کر دیجئے، برباد کر دیجئے، مٹی میں ملا دیجئے، صرف ایک نقطہ کے گھٹنے بڑھنے سے معنی کس قدر بدل گئے۔

تو یہ حدیث نص ہے کہ جب نیند کا غلبہ ہو تو زبان سے ذکر نہ کرے۔ پس اس وقت زبان سے ذکر ممنوع ہے۔ (الصلاح والاصلاح ج ۴)

## فضائل امت محمدیہ

”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ“

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے، حکم کرتے ہو نیکیوں کا اور برائی

سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو)

اس آیت میں اس امت کی تین فضیلتیں بیان فرمائی ہیں جن میں فضیلت ایمان باللہ کی تو ہر شخص کے پاس اپنے لیے ہے اور باقی دو فضیلتیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی۔ یہ دوسروں کے نفع کے لیے ہیں کیونکہ اس سے دوسرے پر نفع کا اثر پہنچتا ہے اور مقتضاء قواعد کا یہ تھا کہ یہاں تو مومن باللہ کو مقدم فرماتے کیونکہ وہ اساس اعمال ہے مگر مؤخر کرنے میں غالباً یہ نکتہ ہے کہ عوارض پر نظر کر کے اصلاح گیر کا اہتمام زیادہ مقصود ہے کیونکہ اپنی ضرورت کا اہتمام تو ہر شخص خود ہی کر لے گا ورنہ فی نفسہ اپنی اصلاح غیر کی اصلاح سے مقدم ہے مگر اس تقدیم کے یہ معنی نہیں کہ اگر اپنی اصلاح نہ کرے تو دوسرے کی اصلاح بھی واجب نہیں بلکہ یہ تو محض عمل

ترتیب ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرنا چاہیے پھر دوسرے کی کرے، یہ نہیں کہ اگر مقدم کام نہ کیا ہو تو مؤخر کو بھی نہ کرے کیونکہ دراصل یہ دو کام الگ الگ ہیں اور ایک دوسرے کا موقوف علیہ نہیں۔ ایک کو بھی ترک کرے گا تو اس ایک کے ترک کا گناہ ہوگا اور دوسرے کو ترک کرے گا تو دوسرے کے ترک کا گناہ ہوگا اور دونوں کو ترک کرے گا تو دونوں کے ترک کا گناہ ہوگا۔

تو یہ غلطی ہے کہ اپنی اصلاح نہ ہوئی تو دوسروں کو بھی تنبیہ نہ کرے۔ بعض اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

اتَّامِرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنَسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ.

(لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھلاتے ہو)

وہ اس سے یہی سمجھے گا کہ اگر اپنی اصلاح نہ کرے تو دوسرے کی اصلاح بھی نہ کرے کیونکہ ہمزہ تامرون پر انکار کے لیے داخل ہوا ہے تو امر بالبر (نیکی کا حکم) منکر ہوا۔ یعنی جس حالت میں تم اپنے نفسوں کو بھولے ہوئے ہو لوگوں کو امر بالبر کیوں کرتے ہو مگر یہ محض غلط ہے بلکہ ہمزہ مجموعہ پر داخل ہوا ہے اور انکار مجموعہ کے دوسرے جزو کے اعتبار سے ہے کہ اپنے کو اصلاح میں بھلانا نہیں چاہیے۔ اس آیت کا تو یہ جواب ہو گیا۔ (اصلاح والا اصلاح ج ۴)

## اصلاح غیر کے مدارج

اصلاح غیر کے بقدر استطاعت مدارج ہیں۔ چنانچہ ایک درجہ یہ ہے کہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا“ (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ) اس درجہ کا حاصل اپنے خاص متعلقین کی اصلاح ہے۔ افسوس اس باب میں بھی ہم سے کتنی کوتاہی ہو رہی ہے خود تو نماز پڑھ بھی لیتے ہیں مگر کبھی بیوی کو، بچوں کو، نوکروں کو اور متعلقین کو نہیں کہتے، بچے اگر امتحان میں فیل ہو جائیں تو رنج ہوتا ہے مگر نماز قضاء کر دیں تو کچھ بھی پروا نہیں ہوتی۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ سات برس کے بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور دس برس کے بچے کو اگر کہنے سے نہ پڑھے تو مار کے پڑھاؤ، اگر کوئی دس برس کا بچہ سرپرست کی غفلت کی وجہ سے بے نمازی ہوگا تو اس کا سرپرست گنہگار ہوگا تو اگر اصلاح غیر کی ضرورت نہ ہوتی تو ”قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ“ (آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ) میں اہلیکم کے کیا معنی ہوں گے۔ دوسرا درجہ یہ ہے:

”وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“  
 (کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جس کا کام صرف یہی ہو کہ لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے) اس درجہ کا حاصل تبلیغ عام ہے اور ایک جگہ ہے کہ ”وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“ (ایک دوسرے کے حق کی فرمائش کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو پابندی کی فرمائش کرتے رہتے ہیں) اس میں بھی تخصیص نہیں اہل وعیال کی۔ یہ تو قرآن میں اس امر و نہی کی تاکید ہے۔ اسی طرح حدیث میں تاکید ہے۔ ارشاد ہے: ”کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ“۔ (یعنی ہر ایک تم میں سے نگہبان ہے اور ہر ایک تم میں سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جاوے گا) اس سے بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی اصلاح بھی ضروری ہے، اگر دوسرے کی اصلاح ضروری نہیں ہے تو پھر ان آیات اور احادیث کے کیا معنی ہیں۔

غرض یہ مسئلہ اتنا بدیہی ہے کہ اب زیادہ تفصیل سے شرم آتی ہے مگر کیا کروں۔ اس وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس کی خبریں اخباروں میں آپ کو بھی معلوم ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو دوسری قومیں مرتد بنا رہی ہیں۔ اس کے متعلق مجھے ایک آیت یاد آئی:  
 ”وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ  
 أَوْلِيَاءَ حَتَّى يُهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ“

اس کے ترجمہ سے اس وقت کی حالت کا اندازہ کر کے آپ کو عبرت ہوگی۔ ترجمہ یہ ہے (کہ کفار تو دل سے پسند کرتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ تا کہ سب برابر ہو جاؤ جس جیسے ایک کبڑے سے کسی نے پوچھا تھا کہ تو اپنا اچھا ہونا چاہتا ہے یا دوسروں کو کبڑا ہونا، کہنے لگا کہ دوسروں کا کبڑا ہونا تا کہ میں بھی دوسروں کو اس نظر سے دیکھ لوں جس نظر سے لوگوں نے مجھ کو دیکھا ہے۔ تو کفار تو یہ چاہتے ہیں کہ تم سب ان کے برابر ہو جاؤ۔ آگے مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ ”فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ“ (ان سے دوستی اور اتحاد مت کرو) کیونکہ جب ان کی یہ حالت ہے کہ وہ دل سے تمہارا کافر ہونا پسند کرتے ہیں تو لامحالہ وہ تم سے مل کر اسی کی کوشش کریں گے۔ افسوس مسلمانوں کو تو ان سے ملتے ہوئے اس کا خطرہ بھی نہیں ہوتا کہ ان کو مسلمان بنادیں اور وہ ہر وقت دل میں یہی خیال رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بنادیں۔

صاحبو! برائے خدا تم ان سے دوستی اور اتحاد مت کرو۔ ہاں تھوڑی سی اتنی



رعایت کر دیا کرو کہ وہ تمہارے اخلاق کے گرویدہ ہو کر اسلام کا اثر قبول کریں مگر افسوس وہ تورات دن اس کوشش میں منہمک ہیں کہ پرانے مسلمانوں کو بھی کافر بنا دیں اور ہمیں اس کی بھی پروا نہیں کہ ہمارے جو بھائی پہلے سے مسلمان ہیں ان کو ہی اسلام کے اندر رکھنے کی کوشش کریں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو کس جانفشانی سے اسلام پھیلایا تھا آج ہم اپنی غفلت سے اسے مٹا رہے ہیں۔ (الصلاح والاصلاح ج ۴)

## اشاعت اسلام کا سبب

بعض اہل کفر کا مسلمانوں پر یہ بھی اعتراض ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ اب ہمارا زور ہے ہم اس زور سے کام لے رہے ہیں مگر یہ بالکل ہی غلط ہے دراصل شمشیر کا استعمال مزاحمت کے روکنے اور مدافعت کے واسطے تھا یعنی حفاظت اسلام کے لیے تھا نہ کہ اشاعت اسلام کے لیے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اس کا خوب ہی جواب دیا ہے کہ بزور شمشیر اسلام پھیلانے کے لئے شمشیر زنوں کی بھی تو ضرورت ہے تو وہ شمشیر زن کس شمشیر کے زور سے جمع ہوئے جنہوں نے بزور شمشیر اسلام پھیلایا۔ دراصل اسلام پھیلا ہے اخلاق سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اخلاق سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے۔ چنانچہ سیر و تاریخ اس پر شاہد ہیں۔ اگر ہم بھی ویسے ہی پکے مسلمان ہو جائیں تو سچ جاننے کے کفار ہمیں بھی دیکھ دیکھ کر مسلمان ہونے لگیں۔ (الصلاح والاصلاح ج ۴)

## مسلمان اور کافر کا فرق

ایک شخص نے کسی کافر سے کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ، اس نے کہا کہ میں ایسا مسلمان تو نہیں ہو سکتا جیسے بایزید ہیں کیونکہ اس پر قدرت نہیں اور ایسا مسلمان ہونا جیسے تم ہو، میں پسند نہیں کرتا اس سے تو میں کافر ہی اچھا۔

صاحبو! اس کافر کا یہ کہنا تو بالکل ہی لغو ہے، کافر تو مسلمان سے کسی طرح اچھا ہو ہی نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ ظالم مسلمان رحم دل کافر سے بھی بدرجہا یقیناً بہتر ہے اور رحم دل کافر کو مسلمان سے بہتر وہی کہے گا جسے دنیا کا بھی قانون معلوم نہیں۔ (الصلاح والاصلاح ج ۴)

حدیث شریف میں ہے کہ ”لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَذُلَّ نَفْسَهُ“ (یعنی مومن کو

مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے (صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مومن اپنے آپ کو کس طرح ذلیل کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یتحمل من البلاء ما لا یطيقہ“ (ایسی بلا اپنے ذمہ لے جس کے تحمل کی طاقت نہیں ہے) (اصلاح والاصلاح ج ۴)

## صدقہ کی برکات

حدیث میں ہے: ”مانقص المال من صدقة قط او کما قال“۔ (مجمع

الزوائد للہیثمی ۳: ۱۱۰)

(صدقہ سے مال کبھی کم نہیں ہوتا) اس کا یہ مطلب نہیں کہ دس روپے میں سے اگر دو روپے دے دو تو وہ آٹھ نہ رہیں گے دس ہی رہیں گے یا اسی وقت بیس ہو جائیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مال میں برکت ہوگی اور کچھ دنوں کے بعد مال بڑھ جائے گا۔ ایک طریقہ برکت کا یہ بھی ہے کہ مال چوری سے اور دوسری آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ کیا تھوڑی بات ہے اور اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو مسلمان کے لیے یہ کیا کم ہے کہ صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ مسلمان کی شان سے نفع دنیا کی طلب بعید ہے۔ اس کو صدقہ خیرات سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی طلب کرنا چاہیے۔ حکام دنیا کے لیے لوگ کتنا خرچ کرتے ہیں، پھر خدا کے لیے خرچ کرنا کیوں مشکل ہے۔ پھر خدا تعالیٰ کے حقوق جو شرعاً مقرر ہیں کچھ زیادہ نہیں ہیں بلکہ بہت تھوڑے سے ہیں جن کا ادا کرنا بہت سہل ہے پھر جس عنوان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے اس نے تو اور بھی سہل کر دیا۔ چنانچہ اول تو یہ ارشاد ہوا کہ ان باغات اور زراعات کو اللہ تعالیٰ نے بھی پیدا کیا ہے۔ انشاء..... الخ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب یہ خدا کا دیا ہوا، اسی کا پیدا کا ہوا ہے تو اللہ کے نام پر خرچ کرنا دشوار کیوں ہے۔

آں کہ جاں بخشدا اگر بکشد رواست

(جس نے جان عطا کی اگر وہ اسے لے لیں تو جائز ہے)

دوسرے اس میں ایک اور نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ نعمت کے بیان سے منعم کے ساتھ مخاطب کو محبت ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد محبوب کے نام کے دو مقتضی ہیں۔ ایک یہ کہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے تو بڑے شرم کی بات ہے کہ اس کے نام پر خرچ نہ کیا جائے اور اس کا شکر نہ ادا کیا جائے۔ دوسرے اس عنوان کو محبت پیدا کرنے میں بڑا دخل ہے اور محبت بھی اسباب یسر سے ہے۔ (العشر ج ۴)

## قرآنی افادات

قرآنی آیت وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ میں ایک نکتہ عجیب اسی وقت سمجھ میں آیا ہے اور وہ میرے مقصد کی پوری دلیل ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے تو اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ یہ فرماتے لَا تَقُولُوا عَلَى عِيسَىٰ إِلَّا الْحَقُّ یعنی عیسیٰ پر سوائے حق بات کے مت کہو۔ پھر علی اللہ کیوں فرمایا؟ پس سمجھئے کہ علی اللہ فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ جب مخلوق کی شان میں حد سے تجاوز کرو گے تو یہ ضرور خدا تعالیٰ کی تنقیص ہوگی۔ پس عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا یہ تنقیص ہے باری تعالیٰ کی۔ یہاں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہم لوگ جو بدنام ہیں کہ یہ رسول اللہ کی مدح سے منع کرتے ہیں تو جو مدح حد کے اندر ہو اس کو ہم اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ ہاں ہم خدا تعالیٰ کی تنقیص کو منع کرتے ہیں پس رسول کی اتنی مدح کرنا کہ جس سے حق تعالیٰ کی شان میں بے ادبی ہو۔ یہ رسول کی تو ظاہر مدح ہوگی لیکن واقع میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہوگی۔ ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کسی کی اتنی مدح کرے کہ اس کے باپ کی اہانت ہو جاوے۔ پس ایسی مدح کو وہ بیٹا بھی پسند نہ کرے گا بلکہ اس سے ناراض ہوگا۔

پس لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مدح کے اندر حد شرعی سے بڑھنا یہ خدا تعالیٰ کی تنقیص ہے۔ آگے جو ارشاد ہے اس سے میرا مقصود جو نکتہ کے عنوان سے بیان کیا ہے بہت صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ بھی اس مدح عیسوی ہی کے متعلق ہے اور وہ ارشاد یہ ہے۔

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ

”یعنی مسیح عیسیٰ ابن مریم اور کچھ نہیں ہیں صرف اللہ کے رسول ہیں۔“

پس اگر آیت کے یہ معنی نہ ہوں جو میں نے بیان کئے ہیں تو درمیان میں لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ (اور اللہ پر بجز حق بات کے مت کہو) بالکل بے ربط معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اول و آخر میں تو عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے اور درمیان میں لَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ کے کیا معنی ہیں؟ پس صاف ظاہر ہے کہ مدعا یہی ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی جزئیات کے قائل ہو گے تو اللہ تعالیٰ پر بہتان ہوگا اور اس سے تنقیص جناب باری تعالیٰ کی لازم آئے گی پس مدح بھی اسی وقت تک جائز ہوگی کہ حد سے نہ گزرے۔ (الظہور ج ۵)

## ایک عوامی غلطی کا ازالہ

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صوفیوں کے پاس کچھ علوم و احکام شریعت سے علیحدہ بھی ہیں سو یہ بالکل غلط ہے ان کا علم قرآن و حدیث سے ہی ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ اور لوگ سمجھتے نہیں اور وہ حضرات سمجھتے ہیں اور یہ خیال لوگوں کا بہت پرانا ہے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ علوم و احکام ایسے پہنچے ہیں کہ کسی دوسرے کو نہیں بتائے گئے لیکن اس کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا قول کافی ہے مگر ان سے پوچھتے کون! سو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ کسی باہمت نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھ بھی لیا۔ چنانچہ بخاری کی جو کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے۔ روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا۔

هل خصكم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشئى دون الناس  
یعنی کیا تم کو حضور نے ایسی خاص بات بتائی ہے جو اوروں کو نہیں بتائی۔

قال لا الا فهمما اوتيه الرجل فى القرآن.

فرمایا ہر گز نہیں مگر ہاں ایک سمجھ جو آدمی کو قرآن یعنی دین کے اندر عطا ہوتی ہے۔ پس حضرات صوفیہ و اہل اسرار کو حق تعالیٰ نے قرآن و حدیث کی سمجھ ایسی عطا فرمائی ہے کہ وہ اس سمجھ سے کام لے کر جب کسی کو سمجھاتے ہیں تو بعد ان کے بتانے کے سمجھ میں آ جاتا ہے کہ یہ قرآن و حدیث ہی ہے اور لوگوں کو بدوں ان کے بتائے سمجھ میں نہیں آتا اور یہی معیار ہے۔ ان تحقیقات کے صحیح اور ثابت ہونے کا کہ اگر بعد سمجھانے کے یہ روز روشن کی طرح معلوم ہونے لگے کہ یہ تحقیقات قرآن و حدیث کے خلاف نہیں تو وہ صحیح ہیں اور اگر بعد سمجھانے کے بھی مخالف معلوم ہوں تو غلط اور تصنیف یا راں ہے۔ (الظہور ج ۵)

## گناہ کے تاریک اثرات

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے آنکھیں عطا فرمائی ہیں گو بعض وقت نفس کے غلبہ و شرارت سے ان سے کام نہ لیں۔ پس ان آنکھوں سے ہم کو صاف نظر آتا ہے کہ جب کوئی کبھی گناہ ہوا ہے۔ اس سے قلب میں ایک روگ پیدا ہو گیا ہے اسی روگ کی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔



بَلْ مَحْزَانٌ عَلَى قُلُوبِهِمْ تَاكَانُ وَآيَكُيُبُونَ

(یعنی ”بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کے رنگ کا غلبہ ہو گیا ہے“۔ اور اسی کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو قلب پر ایک داغ لگ جاتا ہے۔ اگر توبہ کر لے تو وہ مٹ جاتا ہے ورنہ بڑھتا ہے۔) مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

ہر گناہ رنگے ست برمراۃ دل      دل شود زیں رنگہا خوار و تجل  
چوں زیادت گشت دل را تیرگی      نفس دوں را بیش گرد و خیرگی

(ہر گناہ دل کے آئینہ پر ایک رنگ ہے کہ دل ان رنگوں سے خوار و شرمندہ ہوتا ہے جب دل کی تاریکی زیادہ بڑھ جاتی ہے تو نفس کمینہ کو اس سے خیرگی ہوتی ہے۔) (السردرج ۵)

## ماہ ربیع الاول کی فضیلت

اس مہینہ کی اسلام میں بڑی فضیلت ہے اور یہ تمام مہینوں پر فوقیت رکھتا ہے۔  
ربیع فی ربیع فی ربیع و نور فوق نور فوق نور

بہار پر بہار پر بہار ہے اور نور پر نور اس پر بھی نور ہے۔

باقی یہ گفتگو تو فضول ہے کہ ربیع الاول افضل ہے یا رمضان افضل ہے ایک عارف ایسے سوالات کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ سوال ایسا ہے جیسا کہ یہ سوال کیا جائے کہ پانی افضل ہے یا کھانا ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ تفصیل نوع واحد کے افراد میں ہوا کرتی ہے نہ کہ نوعین مختلفین میں کھانا اور پانی ایک نوع نہیں ہیں بلکہ دونوع ہیں ہر نوع اپنے درجہ میں مستقل ہے ہر ایک کے خواص جدا ہیں پانی اپنے خواص میں افضل ہے اور کھانا اپنے خواص میں افضل ہے اس لئے ان میں تفصیل کا سوال ہی فضول ہے بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ نوع واحد کے افراد میں بھی ہر فرد کا حسن الگ ہے اور اختلاف مذاق کے اعتبار سے یہ ہو سکتا ہے کہ ایک فرد کسی کے نزدیک حسین ہو دوسرے کے نزدیک حسین نہ ہو۔ (نور النور ج ۵)

## لوح محفوظ کی مثال

مولانا محمد قاسم صاحب نے دیانند سرتی کے مقابلہ میں ایک دفعہ اس نے سوال کیا۔

مسلمان کہتے ہیں کہ لوح محفوظ میں اول خلقت سے قیامت تک کے تمام واقعات لکھے ہوئے ہیں اور واقعات تو لاتعداد و لا تحصى ہیں تو وہ کتاب بہت ہی بڑی ہوگی پھر وہ رکھی کہاں جاتی ہوگی۔ یہ سوال ایسا ہی تھا جیسے دو شخصوں میں بحث ہوئی۔ ایک نے کہا کہ ہمارے دادا کے ہاں اتنا بڑا اصطلبل تھا کہ اگر ایک کونہ میں گھوڑی نے بچہ دیا تو دوسرے کونہ تک پہنچتے ہی پہنچتے بوڑھا ہو جاتا ہے۔ دوسرے نے کہا جی ہاں پہلے لوگوں کے کارنامے ایسے ہی ہوتے تھے ہمارے دادا کے یہاں ایک بانس اتنا بڑا تھا کہ جب بارش نہ ہوتی تو وہ بادلوں میں اس سے سوراخ کر دیا کرتے تھے جس سے بارش ہو جایا کرتی تھی۔ پہلا شخص بولا کہ اتنا جھوٹ بھلا اتنا بڑا بانس رکھا کہاں جاتا ہوگا۔ کہا آپ کے دادا کے اصطلبل میں رکھا جاتا تھا کیونکہ میرے دادا اور آپ کے دادا بہت دوست تھے۔

تو جیسے اس شخص کو اس بانس کے متعلق یہ اشکال ہوا کہ وہ کہاں رکھا جاتا ہوگا ایسے ہی دیانند کو لوح محفوظ پر شبہ ہوا کہ وہ کہاں رکھی جاتی ہوگی مولانا نے اس کا جلدی جواب نہیں دیا بلکہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے کہ لالہ جی! آپ کی کتنی عمر ہے؟ اس نے کہا ستر برس کی۔ مثلاً پوچھا کہاں کہاں تعلیم حاصل کی ہے کیا کیا پڑھا ہے؟ اور آپ کو اپنے بچپن کے واقعات بھی کچھ یاد ہیں؟ اس نے بیان کیا کہ میں نے پہلے وہاں تعلیم حاصل کی پھر وہاں اور میں نے اتنی کتابیں دیکھیں اور اتنی کتابیں پڑھیں۔ اور میں نے اتنے سال سیاحت کی۔ مولانا نے پوچھا کہ یہ سب واقعات آپ کو یاد ہیں کہا ہاں! اور بچپن کے واقعات بھی بہت یاد ہیں اور جوانی کے اور سیر و سیاحت و تعلیم وغیرہ کے واقعات تو گویا اس وقت میرے سامنے ہیں۔ غرض اس نے اپنے حافظہ کی بہت تعریف کی۔ مولانا نے پوچھا کہ یہ سب واقعات آپ کو محفوظ ہیں اس نے بڑے دعوے سے کہا جی ہاں۔ بجنسہ سب محفوظ ہیں۔ اب مولانا نے فرمایا کہ لالہ جی! اس ذرا سے دماغ میں جو ایک بالشت سے بھی کم ہے ستر برس کے واقعات اور کتابوں کے مضامین اور لوگوں کی باہمی تقریریں اور اباحت کس طرح سما گئے اس پر وہ خاموش ہوا۔

مولانا نے فرمایا کہ لوح محفوظ کی نظیر تو خود آپ کے اندر موجود ہے آپ کا دماغ پھر حیرت ہے کہ آپ لوح محفوظ پر یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ کہاں رکھی جاتی ہو گی۔ آپ کو کبھی اپنے دماغ پر شبہ نہ ہوا کہ اس ذرا سے دماغ میں اس قدر بے شمار واقعات و مضامین کس طرح محفوظ رہتے ہیں۔ (نور النور ج ۵)

## ایک اشکال کا جواب

ایک اشکال پچھلے دنوں بہت مشہور ہوا تھا۔ وہ یہ کہ اخباروں میں شائع ہوا تھا کہ امریکہ میں ایک شخص کے دودل ہیں اور اخباروں کو آج کل ایسا سمجھتے ہیں جیسے وحی آسمانی چاہئے تو یہ تھا کہ اس خبر میں اشکال کیا جاتا مگر وہ اخباری خبر تھی غلط کیسے ہو سکتی تھی۔ بعض مسلمانوں کو اس خبر سے قرآن پر اشکال ہو گیا کہ قرآن میں جو آیا ہے۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ

یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دودل نہیں بنائے۔

کہ حق تعالیٰ نے کسی آدمی کے دودل نہیں بنائے۔ یہ آیت اس خبر کے معارض ہے تو اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ ہمارے بعض لکھے پڑھے لوگ بھی اس اعتراض سے متاثر ہو گئے۔ چنانچہ مجھ سے بھی ایک صاحب نے سوال کیا۔ میں نے کہا کہ قرآن میں ما جعل صیغہ ماضی آیا ہے جس سے زمانہ ماضی میں کسی کے دودل ہونے کی نفی ہے زمانہ مستقبل میں ایسا ہونے کی نفی نہیں۔ سو نزول قرآن کے وقت تک تو کسی کے دودل نہیں ہوئے اس لئے قرآن پر اشکال جب ہوگا جب کہ نزول قرآن کے وقت یا اس سے پہلے کسی کے دودل ہوئے ہوں۔ سو اس کا جواب ہم اس وقت دیں گے جب کہ پہلے کسی معتبر دلیل سے آپ اس کو ثابت کر دیں۔ ابھی ہمارے ذمہ جواب ہی نہیں۔ بس اس جواب کے بعد کوئی آگے نہیں چل سکا۔

ایسے جاہلوں کو مختصر رستہ سے لے جانا چاہئے۔ علمی تدقیقات سے یہ لوگ نہیں سمجھتے (جیسا کہ بعض نے کہا ہے حق تعالیٰ نے جوف میں دو قلب ہونے کی نفی کی ہے تو اس شخص کے جوف میں دو قلب نہیں ہوں گے بلکہ ایک جوف میں ہوگا دوسرا دماغ وغیرہ میں ہوگا۔ اس جواب سے معترض ساکت نہیں ہو سکتا) اور ما جعل کو صیغہ ماضی کہہ کر جواب دیا گیا ہے۔ یہ مسکت بھی ہے اور صحیح بھی ہے اور اس کی ضرورت بھی بعد تسلیم خبر کے ہے ورنہ اصل بات تو یہ ہے کہ یہ خبر ہی غلط تھی کیونکہ اس شخص کے دل کو کسی نے دیکھا تھا یا دل دو ہی ہوں گے مگر مد رک ایک ہو تو دل وہی ہوگا۔ (المورد القرظی فی المولد البرزخی ج ۵)

## اجزائے آخرت

آخرت کے دو جزو ہیں ایک زمان آخرت تو وہ بعد قیامت کے شروع ہوگا اور ایک مکان آخرت وہ ابھی موجود ہے یعنی سموات۔ یہ شیخ ابن عربی کی تحقیق ہے۔

اس تحقیق سے انہوں نے ایک اشکال کا جواب بھی دیا ہے وہ یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں رویت حق تعالیٰ ہوئی ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آخرت سے قبل رویت باری تعالیٰ کی ممتنع عادی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے ہوئی۔

اس اشکال نے علماء کے دانت کھٹے کر دیئے۔ کوئی اس کا جواب ایسا شافی نہیں دے سکا جیسا شیخ اکبر نے دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور کو دنیا میں رویت نہیں ہوئی بلکہ آخرت میں ہوئی ہے اور آخرت کا جیسا ایک جزو زمان آخرت ہے ایک جزو اس کا مکان آخرت بھی ہے جو اس مکان دنیا سے مافوق ہے۔ معراج کے وقت آپ مکانا آخرت میں تھے۔ اس سے ساری ٹھٹھیاں کھل گئیں۔

بہر حال معراج میں باوجود انتقال الی الآخرت کے مفارقت کا کسی کو رنج نہیں ہوا کیونکہ مفارقت دائمہ نہ تھی۔ (المورد الفرخنی فی المولد البرزخی ج ۵)

عصاة کو بھی نجات اولیٰ حاصل نہیں تو دونوں میں فرق کیا ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہوگا کہ ان میں ناجی صرف ایک فرقہ ہے معلوم ہوا کہ فرقہ ناجیہ کو تو کبھی نہ کبھی نجات حاصل ہو جائے گی اور باقی بہتر فو قس کو کبھی نجات حاصل نہ ہوگی تو یہ اہل بدعت کیونکر نجات پاسکتے ہیں۔ اگر اس کا التزام کیا جاوے تو اہل بدعت کی عدم تکفیر کے کیا معنی؟

جواب یہ ہے کہ مراد حدیث میں یہ ہے کہ وہ بہتر بوجہ فساد عقیدہ کے جہنم میں جائیں گے اور اہل حق جو کہ فرقہ ناجیہ ہے فساد عقیدہ کی وجہ سے جہنم میں نہ جائیں گے دونوں میں مابہ الفرق دخول الفساد والعقائد ہے۔ باقی دخول للعمل یہ دونوں میں مشترک ہے پس اس تقریر کے بعد اہل بدعت کا خلود ثابت نہ ہوا۔ اور اس تقریر کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ نص قطعی

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ سے معلوم ہے کہ اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا اور جو کوئی ذرہ برابر بھلائی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا تو جس شخص میں کچھ ایمان ہے اگرچہ فساد عقیدہ ہی کے ساتھ ہے تو اگر وہ بھی



ناجی نہ ہو تو وہ اس کی جزا کب پائے گا۔ آیا قبل دخول نار یا بعد دخول نار۔ قبل دخول نار تو محال ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ وہ اول جنت میں جاوے اور پھر وہاں سے خارج ہو کے جہنم میں جاوے اور نصوص سے معلوم ہے کہ بعد دخول جنت کسی کو عذاب نہ ہوگا۔ اور اگر جنت کے سوا اور کہیں ثواب پاوے تو جنت سے پہلے کوئی اور موقع ثواب کا نہیں۔ بس یہی ایک صورت ہے کہ وہ اپنے ایمان قلیل کی جزا بعد دخول نار پائے کہ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو ورنہ اگر کہیں جزا نہ ملے تو لازم آئے گا کہ کوئی عمل صالح ایسا بھی ہوا جس کا کوئی صلہ کرنے والے کو نہ ملے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اہل بدعت کو خلود ہوگا کبھی نجات نہ ہوگی بلکہ کبھی نہ کبھی تو نجات ضرور ہو جائے گی۔ گو اس سے پہلے عذاب بھی بھگتنا پڑے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ جو عذاب فساد عقائد سے ہو وہ اشد ہے اس عذاب سے جو فساد عمل سے ہو۔ چنانچہ احادیث اور بزرگوں کے اقوال سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل بدعت کو دوسرے فساق سے زیادہ سخت عذاب ہوگا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک جگہ میرا گزر ہوا تو کچھ ایسا معلوم ہوا کہ اہل قبور کو عذاب ہو رہا ہے ہم نے ان کے لئے دعا کی تو معلوم ہوا کہ اہل بدعت کے سوا سب کی اس وقت مغفرت ہوگئی۔ اس لئے یوں تو سب گناہوں سے مسلمان کو بچنا چاہئے کیونکہ مقصود اعلیٰ نجات اکمل ہی ہے اور وہ بدوں گناہوں سے بچے حاصل نہیں ہو سکتی مگر بدعت سے بہت زیادہ اجتناب ضروری ہے کیونکہ بدعت حق تعالیٰ شانہ کو بہت مبغوض ہے۔ اس لئے کہ دیگر اعمال تو لوگ حرام اور گناہ سمجھ کر کرتے ہیں اور افعال بدعت کو نیکی سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس سے توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ (اس الیقین ج ۵)

## صحبت کی برکات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بارہا ایسا قصہ پیش آیا کہ وحی سے ان کو توافق ہو گیا۔ بعض دفعہ تو وحی ان کی رائے کے موافق نازل ہوئی اور بعض دفعہ بلفظ توافق ہوا کہ وحی انہیں الفاظ میں نازل ہوئی جو حضرت عمر کی زبان سے نکلے تھے مگر ان کو ایک دفعہ بھی یہ خیال نہ ہوا کہ میں کچھ ہوں اور مجھ پر بھی وحی آتی ہے بلکہ وہ اس کی حقیقت کو سمجھتے تھے کہ یہ محض حضور کی صحبت کی برکت ہے جو ہمارے قلب میں تھوڑی سی نورانیت حضور کے طفیل سے پیدا ہوگئی ہے کہ بعض دفعہ وہی بات دل میں آ جاتی ہے جس کے موافق وحی نازل ہونے والی ہے بلکہ

حضرت عمر کو اس پر ناز تو کیا ہوتا بعض دفعہ کسی واقعہ میں جب ان کی رائے میں اور حضور کی رائے میں اختلاف ہوتا اور وحی حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق نازل ہوتی تو حضرت عمر بجائے خوش ہونے کے شرمندہ ہوتے اور کئی کئی دن تک شرمندہ رہتے۔

چنانچہ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کے قصہ موت میں حضرت عمرؓ نے حضور سے گفتگو کی تھی کہ آپ اس منافق کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ان منافقوں کی بابت آپ کتنا ہی استغفار کریں ہم ان کی مغفرت ہرگز نہ کریں گے (اور نماز جنازہ کی حقیقت دعا و استغفار ہی ہے تو ان کے لئے دعا نہ کرنا چاہئے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

إِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے صراحتہ ان کے لئے استغفار کرنے سے منع نہیں فرمایا اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے ستر سے زیادہ استغفار کرنے سے حق تعالیٰ بخش دیں گے تو میں ستر سے زیادہ استغفار کر لوں گا۔ اس گفتگو کے بعد آپ نے نماز جنازہ پڑھادی۔ وہاں سے ہٹنے بھی نہ پائے تھے کہ وحی نازل ہوئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ

(اور ان میں اگر کوئی پر جائے اور اس پر کبھی نماز (جنازہ) نہ پڑھے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو جائے انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالت کفر میں مرتے ہیں۔) جس میں حضرت عمرؓ کی رائے کی پوری موافقت تھی۔ حضور نے حضرت عمرؓ سے فرمایا

کہ اے عمر! حق تعالیٰ نے تمہاری رائے کو قبول فرمایا۔ حضرت عمرؓ بہت ہی شرمندہ ہوئے کہ یہ کیا ہوا۔ میں نے حضور سے کیوں اختلاف کیا تھا۔ روایات میں حضرت عمرؓ کا قول آتا ہے۔

فَعَجِبْتُ مِنْ جَرَاءِ تِي عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

(پس مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس جرات پر حیرانی ہوئی۔)

بلکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو عبداللہ بن عمرؓ سعد بن ابی سرح کے واقعہ میں توافق

بالوحی نہ تھا کیونکہ وہاں وحی نازل ہو چکی تھی صرف انعکاس تھا کہ آپ کے دل میں جو الفاظ منزلہ موجود تھے ان میں سے ایک جملہ اس کے قلب میں آ گیا اور یہ کچھ زیادہ عجیب بات نہیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے دل میں جو بات ہوتی ہے پاس بیٹھنے والے پر اس کا عکس پڑ جاتا ہے اور اس کی زبان سے وہی بات نکل جاتی ہے جو پہلے شخص کے دل میں تھی۔ چنانچہ ایسے موقع پر کہا کرتے ہیں کہ میاں تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی ۱۲ جامع) اور حضرت عمر کے واقعہ میں وحی اب تک نازل بھی نہ ہوئی تھی۔ واقعہ اختلاف کے بعد وحی نازل ہوئی جو ان کی رائے کے مطابق تھی اور بعض دفعہ تو الفاظ بھی وہی ہوتے تھے مگر ان کو ایک دفعہ بھی اس پر ناز نہ ہوا بلکہ اس کو حضور ہی کی صحبت کی برکت سمجھتے تھے۔

غرض امتی اپنے کو مستقل سمجھنے سے بالکل کورا رہ جائے گا۔ سارے کمالات سلب ہو جائیں گے جیسا ابن ابی سرح کے واقعہ میں ہوا۔ پس کمالات امت کے لئے آپ واسطہ فی العروض ہی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے لئے واسطہ فی الثبوت ہیں۔ (الرفع والوضع ج ۵)

## واقعہ حضرت یونس علیہ السلام

مولانا نے مثنوی دفتر سوم میں ایک مقام پر حدیث لاتفصلونی علی یونس بن متی (مجھے حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ۔

گفت پیغمبر کہ معراج مرا	نیست از معراج یونس اجتبا
آں من بالا و آں او بشیب	زانکہ قرب حق بروست از حسیب
قرب تر پائیں ببالا جستن است	قرب حق از جس ہستی رستن است

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ میری معراج حضرت یونس علیہ السلام کی معراج سے برگزیدہ نہیں ہے میری معراج عروجی تھی اور انکی نزولی اس لئے کہ قرب حق حساب سے باہر ہے قرب حق کی حقیقت ارتفاع مکانی نہیں ہے بلکہ قرب حق قید ہستی سے چھوٹنا ہے۔

اس تفسیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ حدیث عام ہے جس میں وہ سب امور داخل ہیں جن میں تفصیل سے وہم تنقیص ہو سکتا ہے۔ پس مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ جن باتوں میں تم کو میری فضیلت اور یونس علیہ السلام کے نقص کا شبہ ہو اس میں مجھ کو یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو جن میں قصہ معراج بھی داخل ہے کہ حضور تو ساتوں آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ آپ کو

اس طرح معراج ہوئی اور یونس علیہ السلام عرصہ تک مچھلی کے پیٹ میں رہے ظاہر بینوں کو ان کی یہ حالت ناقص معلوم ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں کہ ان کی یہ حالت ناقص نہ تھی بلکہ یہ یونس علیہ السلام کی معراج تھی جو بصورت نزول واقع ہوئی پس حضور کی معراج کو یونس علیہ السلام کی معراج پر فضیلت نہ دو (یعنی ایسی فضیلت جس سے وہم ان کے نقص کا ہو) اور یہ مت سمجھو کہ معراج صرف حضور ہی کو ہوئی ہے۔ یونس علیہ السلام کو نہیں ہوئی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ ان کو بھی ہوئی۔ مچھلی کے پیٹ میں ان کا جانا یہ بھی معراج ہی تھی کیونکہ معراج کی حقیقت ہے یہ حضور کو قرب حق اور صورت سے حاصل ہوا عروج و جا بھی اور نزول بھی اور یونس علیہ السلام کو قرب حق اور صورت سے حاصل ہوا کہ وہ دریا میں ہوئے اور مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

جس کا قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو عذاب الہی سے ڈرایا اور فرمایا کہ ایمان لے آؤ ورنہ اتنی مدت میں عذاب نازل ہوگا۔ جب وہ مدت قریب آئی تو آپ اس خیال سے کہ یہاں عذاب نازل ہوگا وہاں سے چل پڑے مگر حق تعالیٰ سے صریح اذن نہیں لیا۔

اور یہاں یہ قصہ ہوا کہ جب وہ تاریخ آئی عذاب کی آمد شروع ہوئی۔ یہ آثار دیکھ کر لوگ گھبرائے اور ایمان پر آمادہ ہوئے اور یونس علیہ السلام کو تلاش کیا کہ ان کے ہاتھ پر ایمان لائیں۔ یہ نہ ملے تو انہوں نے کہا کہ اگر یونس علیہ السلام نہیں ہیں تو کیا ہوا ان پر اور حق تعالیٰ پر ایمان لانا تو ممکن ہے چنانچہ ایمان لے آئے اور عذاب ٹل گیا یونس علیہ السلام لوگوں سے اس بستی کا حال پوچھتے رہتے تھے۔ جب کسی نے عذاب کی خبر نہ سنائی اور پورا واقعہ معلوم نہ ہوا تو آپ کو خیال ہوا کہ اب اگر واپس بستی میں جاؤں گا تو وہ لوگ جھٹلائیں گے کہ تمہارے قول کے موافق عذاب تو نہ آیا۔ اس شرمندگی کی وجہ سے واپس نہ ہوئے بڑھے چلے گئے راستہ میں دریا پڑا اور آپ کشتی میں سوار ہوئے چلتے چلتے وہ کشتی چکر کھانے لگی ملاح نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا سوار ہے اس وقت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں بھائی! میں اپنے آقا سے بدوں اجازت بھاگ آیا ہوں مجھے دریا میں ڈال دو۔ لوگوں نے ان کی صورت سے نیکی اور بزرگی کے آثار دیکھ کر اس کلام میں شبہ کیا بالا خر قرعہ اندازی ہوئی جس میں یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَسَاهَهُ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ یونس علیہ السلام نے قرعہ اندازی کی تو وہی ہارے۔ پس لوگوں نے ان کو دریا میں ڈال دیا۔ وہاں ایک بہت بڑی



مچھلی تھی اس نے بحکم حق آپ کو نگل لیا اور قعر دریا میں پہنچی چالیس دن اس کے پیٹ میں رہے مگر ہضم نہیں ہوئے حق تعالیٰ نے حفاظت فرمائی مولانا اس کو معراج قرار دے کر فرماتے ہیں۔

قرب تر پستی ببالا رفتن است      قرب حق از جس ہستی رفتن است

(قرب پستی سے بالا جانے کا نام ہے اور قرب حق قید ہستی سے آزاد ہونے کا نام ہے۔)  
قرب حقیقت ہے معراج کی اور ظاہر ہے کہ قرب حق تمام انبیاء علیہم السلام کو حاصل تھا تو حقیقی معراج سب کو حاصل تھی گو بعض کو صوری نہ ہوئی ہو اور ادریس علیہ السلام کو تو ایک قول پر صوری بھی ہوئی ہے اور مولانا رومی کی تحقیق کے موافق یونس علیہ السلام کو نزولی معراج ہوئی ہے۔ پس ان کو اس طرح قرب ہوا کہ اوپر سے نیچے بلائے گئے اور یہ ضروری نہیں کہ معراج بصورت نزول ناقص ہوا کرے تاکہ اس بناء پر معراج یوسی کو معراج محمدی سے مفضل کہا جاوے گو دوسرے دلائل سے آپ کی معراج سب معراجوں سے افضل ہے مگر محض نزول کو ناقص ماننا اس کی بناء نہیں ہے بلکہ صوفیہ کا مقولہ یہ ہے کہ عروج سے نزول افضل ہے۔ (الرفع والوضع ج ۵)

## فرق ملکیت و تصرف

حق تعالیٰ ہمارے مالک ہیں یا نہیں اور پھر مالک ہیں تو مطلقاً یا بعض وجوہ سے یا یوں سمجھئے کہ ہم لوگ ان کی ملک تام ہیں یا ملک ناقص دوسرے یہ دیکھنا چاہئے کہ مالک کو حق ہوتا ہے تصرف کا یا نہیں یعنی حق تصرف مبنی مالکیت پر ہے یا نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تصرف کرنا موقوف ہے مالک ہونے پر نیز مالک ہونا مقتضی ہے تصرف کرنے کو۔ یعنی جیسا کہ تصرف کرنا موقوف ہے مالک ہونے پر ایسے ہی مالک ہونا مقتضی ہے تصرف کرنے کو یعنی نہ تصرف ہو سکتا ہے بدوں مالکیت کے نہ ملکیت متحقق ہوتی ہے بدوں تصرف کے پہلا قضیہ تو بالکل صاف ہے حتیٰ کہ جہاں بھی تصرف صحیح ہوگا وہاں مالکیت کا ہونا ضروری ہے خواہ ناقص ہو یا تام۔

مثلاً حکام دنیویہ جو رعایا میں تصرف کرتے ہیں اسی بنا پر کہ وہ ایک درجہ میں اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہیں گو وہ درجہ لغت میں ملکیت کا ہے یعنی حاکم مالک نہیں ہے صرف ملک ہے ملک کہتے ہیں حاکم کو اور بادشاہ کو اور بادشاہ مالک نہیں ہوتا کیونکہ لوگ اس کے بردے اور غلام نہیں البتہ ایک گونہ اس کو اختیار ہوتا ہے خاص مصالح کی وجہ سے بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ کہیں تصرف نہیں ہوتا بدوں ملکیت کے اگر ہے تو غضب اور ظلم ہے تو تصرف صحیح اور

تصرف بحق بدوں ملکیت کے نہیں ہوتا سو یہ تو بالکل صاف ہے البتہ اس میں ذرا اخفا ہے کہ ملکیت کا تحقق بدوں تصرف کے نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر اتویہ معلوم ہوتا ہے کہ مالک ہونے کے لئے یہ ضرور نہیں کہ تصرف بھی کرے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بادشاہ اور حکام بعض چیزوں کو کبھی ہاتھ بھی نہیں لگاتے غرض اس میں ذرا اخفا ہے۔

تو بات یہ ہے کہ ایک تو وہ مالک ہے جس کا علم نا تمام جس کی شفقت نا تمام جس کی حکمت نا تمام جس کا تصرف نا تمام جس کی ملک نا تمام ایسی ملکیت تو واقعی مقتضی نہیں تصرف کو اور ایک مالک وہ ہے کہ علم اس کا محیط ہر وقت اسے معلوم کہ کون چیز کس حالت میں ہے۔ قدرت اس کی پوری ہر قسم کے تصرف پر وہ قادر توجہ اس کی ایسی کامل کہ ایک قسم کی توجہ دوسری قسم کی توجہ سے مانع نہیں لایشغلہ شان عن شان ایک حال دوسرے حال سے اس کو غافل نہیں کرتا پھر حکم بھی علی الاطلاق کہ سب چیزوں کی مصالح کو محیط ادھر شفقت بھی عام اور تام نہایت خیر خواہ ہر چیز کی جو مصلحت ہے اس کے موافق اس کو مکمل بھی کرتا ہے ایک مقدمہ تو یہ اور دوسرا مقدمہ یہ کہ تکمیل بلا تصرف نہیں ہو سکتی جو مالک اس شان کا ہو گا وہ ان صفات کی وجہ سے لازم ہے کہ ہر وقت اپنی مملوک چیز میں تصرف کرے۔ حق تعالیٰ کی چونکہ یہی شان ہے اور تمام صفات کمال کی اس میں موجود ہیں تو عاۃً ممکن نہیں کہ وہ ہر چیز میں ہر وقت تصرف نہ کرے۔ پھر تصرف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تصرف تشریعی ایک تصرف تکوینی کسی چیز میں یہ کہ مثلاً اس چیز کا موجود کرنا اس شے کو نشوونما دینا اس کو صحت دینا اس کو مریض کرنا اس کو ہلاک کرنا اس کو معدوم کرنا یہ تو تصرف تکوینی ہوا۔

ایک تصرف تشریعی ہے یعنی یہ خطاب کرنا کہ فلاں چیز جائز ہے فلاں چیز ناجائز کسی شے کی نسبت امر کرنا کسی شے سے نہی کرنا۔ جب ان کے تصرفات عام ہیں۔ تو جیسا کہ تکوینی تصرف سے کوئی چیز کسی وقت خالی نہیں اسی طرح تشریعی کیفیت و تصرف سے بھی کوئی شے کسی وقت عقلاً خالی نہیں ہو سکتی ہاں اگر کوئی امر اس تصرف سے مانع ہو تو وہ اور بات ہے مثلاً مخاطب میں عقل نہ ہو بلوغ نہ ہو و مثل ذالک۔ پس انسان کو بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ اس میں بھی ہر وقت متصرف ہیں۔ اسی تصرف کو اس آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہانوں کا۔

تو صلوٰۃ اور نسک تصرفات تشریعیہ ہیں اور محیا و ممات تصرفات تکوینیہ ہیں۔ اس سے ہر قسم کے تصرفات حق تعالیٰ کے لئے ثابت ہوئے۔

آگے فرماتے ہیں لا شریک لہ۔ اور کوئی شخص نہیں ہے جو ان تصرفات میں شریک ہو۔ ہر چیز میں حق تعالیٰ ہی متصرف ہیں اور کسی کا تصرف نہیں۔ تو ایسے تصرف کا انکار کیسے ہو سکتا ہے۔ لہذا ضروری بات ہے کہ کسی امر میں بھی ہم کو مہمل نہیں چھوڑا گیا۔ تو لازم آگئی یہ بات اور ثابت ہو گیا کہ کسی ایک حکم میں بھی ہم کو آزاد نہیں چھوڑا اور کوئی ایسی حالت نہیں جس سے شریعت نے تعرض نہ کیا ہو اب کیا حال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ شریعت کا قانون ہماری حالت سے تعرض نہیں کرتا بلکہ بعض سے کرتا ہے بعض سے نہیں کرتا۔

غرض حق تعالیٰ کے قانون کو دنیوی قانون پر قیاس نہیں کر سکتے اس لئے وہاں جو حکام ہیں ان کا تصرف عام نہیں ہے کیونکہ ان کی ملکیت نامتتام ہے اور ملکیت اس وجہ سے نامتتام ہے کہ جو کمالات شرط ہیں ملکیت کے وہ ان میں نامتتام ہیں اور چونکہ حق تعالیٰ کے کمالات تام ہیں اس لئے ان کے صفات بھی عام اور تام ہونے چاہئیں غرض خدا تعالیٰ کا یہ تصرف ہے کہ ہم ان کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں نشوونما پاتے ہیں صحت یاب ہوتے ہیں مریض ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی تصرف ہے کہ وہ ہم کو ہر حالت میں خطاب کرتے ہیں کہ افعل کذا ولا تفعل کذا۔ یہ کام کرو اور یہ کام نہ کرو یہ حاصل ہے آیت کا۔ (نقد الملبی فی عقد الحبیب ج ۵)

## انسانی تخلیق اور مقصد تخلیق

حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ فرماتے ہیں اَیَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى۔ یہاں صرف انسان کو خطاب کیا حالانکہ یہ ثابت ہے کہ جن والنس دونوں جزاؤں پر پائیں گے اور جزاؤں دونوں کو جب ہی ہو سکتی ہے جب دونوں مکلف ہوں۔ جب دونوں مکلف ہیں تو اس خطاب میں انسان کی تخصیص کیوں کی گئی۔ اَیَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى۔ ہاں جنوں کے ثواب کے متعلق البتہ اختلاف ہے۔ چنانچہ امام صاحب کا قول مشہور اور کتب میں منقول ہے کہ وہ جنت میں نہ جائیں گے ان کی جزا یہی ہوگی کہ عذاب سے

نجات ہو جائے گی۔ یہ امام صاحب کا مشہور مذہب ہے۔ باقی جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مومنین جن بھی جنت میں جائیں گے۔ دلیل امام صاحب کی یہ مشہور ہے۔

يَقُومُنَا أَجِبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجْزِلَكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْآلِخِ  
اس آیت میں جنوں کا قول حق تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے کہ جنوں نے آپس میں کہا تھا کہ کہا مان لو خدا تعالیٰ کے داعی کا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو عذاب الیم سے نجات دے گا۔ یہاں عذاب سے نجات دینے کا وعدہ ہے۔ یہ وعدہ نہیں ہے کہ جنت میں بھی داخل کرے گا۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ سکوت معرض بیان میں ہوتا ہے۔ یہاں جزا کا بیان ہے اگر جزا کچھ اور ہوتی تو اس کا بھی بیان ہوتا اور بیان ہے نہیں تو اور کچھ جزا بھی نہیں۔ تو جزا صرف یہ ہوئی کہ ان کو دوزخ سے نجات ہو جاوے گی۔ یہ ہے امام صاحب کا قول۔

جمہور کی دلیل یہ آیتیں ہیں۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ۔ جنت کی نعمتیں یاد دلا کر فرماتے ہیں۔ کس کس نعمت کو تم دونوں جھٹلاؤ گے اے جن و انس اس سے ظاہر اے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نعمتیں دونوں کے لئے ہیں اور اس سے بھی زیادہ تصریح اس آیت میں ہے کہ لَحْمٌ يُّطْمِثُهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌ۔ یہ آیت حوروں کے بارہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حوریں جن و انس دونوں کے لئے ہوں گی اور حوریں جنت کے اندر ہیں تو جنت میں جانا جنوں کا ثابت ہوا۔ اور ہر مجتہد دوسرے مجتہد کے استدلال کا جواب دے سکتا ہے۔

احقر کا گمان یہ ہے کہ امام صاحب کا مقصود نفی نہیں دخول جنت کی مومنین جن کے لئے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ ہم بوجہ نص صریح نہ ہونے کے ایسا حکم نہیں کر سکتے اور غالباً اطفال کے باب میں بھی امام صاحب کا یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن ظاہر جمہور کا قول زیادہ جی لگتا ہے اور اس کے اختیار کرنے سے ترک تقلید کا کسی کو شبہ نہ ہو کیونکہ یہ مسئلہ فقہ کا نہیں ہے جس میں امام صاحب کے قول کی تقلید واجب ہو۔ یہ مسئلہ معاد کا ہے اور اس سے زیادہ اسلم یہ ہے کہ خدا کے سپرد کیا جائے۔ خدا جانے کیا ہوگا۔ جو ہوگا ہو رہے گا۔ بہر حال اس کا فیصلہ ہمارے اجلاس میں نہ آوے گا۔ ہم کو کاوش کی ضرورت نہیں۔

باقی جنوں کے مکلف ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں اور وہ ان آیتوں سے



ثابت ہے سَنَفَرًا لَّكُمْ آيَةُ الثَّقَلَيْنِ۔ (اے جن وانس ہم عنقریب حساب کے لئے خالی ہوئے جاتے ہیں یعنی حساب لینے والے ہیں) جن وانس دونوں کو قتل فرمایا۔ قتل کے معنی ہیں جس پر قتل یعنی بوجھ ہو۔ بوجھ سے مراد وہی بار تکلیف ہے۔ معلوم ہوا دونوں مکلف ہیں اور دوسری آیت میں فرماتے ہیں۔

يَمْعَشَرُ الْجَنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

قیامت میں جواب طلب کیا جائے گا دونوں سے اور پوچھا جائے گا کہ اے جن وانس کیا تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مکلف ہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اس آیت یعنی اَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى۔ میں صرف انسان کا ذکر کیا گیا؟ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن کی تبلیغ اول انسانوں ہی کو ہوئی پھر ثانیاً جنوں کو۔ ایک تو یہ جواب ہے سیدھا سادہ۔ دوسرے یہ کہ ہر چند کہ مکلف انسان اور جن دونوں ہیں ہی۔ لیکن غور سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنی عنایت حق تعالیٰ کی انسان پر ہے اتنی جن پر نہیں ہے جن دوسرے درجہ پر ہے لہذا مخاطب ہونا بھی ان کا تبعاً لہذا انسان ہے اور فضائل میں بھی وہ تابع ہیں انسان کے۔ چنانچہ جو لوگ قائل ہوئے ہیں اس بات کے کہ جن جنت میں جائیں گے وہ بھی کہتے ہیں کہ جنت کے گرد و پیش میں رہیں گے جیسے تابع لوگ ہوا کرتے ہیں۔ بہر حال وہ تابع ہیں۔ اس بنا پر خطاب میں ان کو شریک نہیں کیا گیا۔ لیکن اثر خطاب میں وہ داخل ہیں کیونکہ تابع متبوع کے اثر سے داخل خطاب میں ہوا کرتا ہے اور تابع ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ۔ (اور ہم نے بنی آدم کو مکرم کیا) صوفیہ کرام سمجھے ہیں اس راز کو کہ انسان مکرم کیوں ہے وہ راز یہ ہے کہ انسان مظہر اتم ہے حق تعالیٰ کا۔ اسی واسطے آیا ہے۔

ان الله خلق آدم على صورته (الصحيح لمسلم كتاب البر والصلة: ۱۱۵، الجنة: ۲۸)

مسند الإمام أحمد: ۲، ۲۳۴، ۲۵۱، ۳۲۳، ۳۳۴، ۳۶۳، ۵۱۹، فتح الباری لابن حجر ۱۱: ۳۰۱)

اس کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا لیکن یہ مسلم ہے کہ صورت کے معنی متبادر مراد نہیں کیونکہ اس سے تجسم لازم آتا ہے حق تعالیٰ کا۔ لامحالہ دوسرے معنی مراد ہوں گے جس کی حقیقت یہ ہے کہ صورت کے معنی ظہور ہیں۔ چنانچہ صورت متعارفہ کو جو صورت کہتے ہیں وہ بھی اس بنا پر کہ وہ ظہور ہے حقیقت ذی صورت کو۔

پس معنی یہ ہوئے کہ ایسی حالت پر پیدا کیا کہ خدا تعالیٰ کا اس حالت سے ظہور ہوا۔ تو علی صورتہ کے معنی ہوئے علی ظہورہ۔ یہی معنی ہیں صوفیہ کے اس قول کے کہ انسان مظہر اتم ہے حق سبحانہ تعالیٰ کا۔ مطلب یہ کہ حق سبحانہ تعالیٰ کا پورا پورا ظہور انسان کے ذریعہ سے ہوا۔ اس ظہور سے مراد وہ ہی ظہور ہے جو کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔ (میں مخفی خزانہ تھا بس میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پسند کیا) میں ہے کیونکہ لا عرف کے معنی کا حاصل یہی ہے لا ظہر۔ یوں تو حق تعالیٰ کا مظہر ہر چیز ہے لیکن انسان خصوصیت کے ساتھ مظہر ہے۔ اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ انسان مظہر اتم ہے۔ ایک تو یہ وجہ ہے انسان کے سب سے زیادہ مکرم ہونے کی۔ (نقد الملیب فی عقد الحیب ج ۵)

## اصلاح نفس میں عمومی غفلت

لوگ اس مجاہدہ سے ہی گھبراتے ہیں اور جو اس کا قصد بھی رکھتے ہیں وہ منتظر بڑھاپے کے ہیں حالانکہ اس وقت آدمی قریب قریب معطل ہو جاتا ہے۔ پھر اخلاق ذمیمہ جو شباب میں راسخ ہو چکے ہیں وہ جدا مزاحمت کرتے ہیں کیونکہ جو خصلتیں جوانی میں جم چکتی ہیں وہ بڑھاپے میں بھی نہیں جاتیں۔ مگر پھر بھی لوگ کہا کرتے ہیں کہ جوانی میں کھانے پینے کے دن ہیں۔ جب بڑھاپا آئے گا تو اللہ اللہ کریں گے۔

یہ غلطی ہے دو وجہ سے۔ اول تو جس چیز کی عادت جوانی میں نہ ہو وہ بڑھاپے میں یوں بھی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے بڑھاپے میں قوت و ہمت نہیں رہتی۔ کسل بڑھ جاتا ہے۔ مشکل سے ٹھیل ٹھیل کے اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے نماز فرض کے لئے مشکل سے اٹھا جاتا ہے۔ ایک بزرگ کہتے تھے کہ یہ قول کہ

دریغا کہ عمر جوانی گئی جوانی گئی زندگانی گئی

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ زندگانی کیوں کر گئی۔ کیونکہ بڑھاپا آنے سے اور آرام سے بیٹھے رہتے ہیں۔ لڑکے بالے یا نوکر چاکر پنکھا جھل رہے ہیں پاؤں دبا رہے ہیں مگر جب بڑھاپا آیا تو واقعی سمجھ میں آ گیا کہ جوانی گئی زندگانی گئی کیونکہ نہ کھانے کی حلاوت نہ پینے کا مزہ نہ سونے کا چین نہ جاگنے کا لطف اگر دماغ میں پیوست غالب ہے تو سب لوگ سو رہے ہیں۔ یہ رات بھر اختر شماری میں مشغول ہیں نیند نہیں آتی۔ اور اگر رطوبت غالب ہے تو ہر وقت آنکھیں بند ہیں اونگھ

رہے ہیں۔ اٹھنا چاہتے ہیں مگر اٹھا نہیں جاتا پھر اس کے علاوہ کہیں ناک میں درد ہے کہیں کان میں درد ہے کبھی ٹانگ میں درد ہے کبھی برسات کی ہوا لگ کر کمر میں درد ہے۔

جوانی میں طاعات کرنے میں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ جب جوانی میں طاعات کا خوگر ہو جائے گا تو بڑھاپے میں عادت کی وجہ سے آسانی ہو جائے گی۔ اسے ہر شخص عقل سے سمجھ سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب بڑھاپا اتنا آ جائے کہ کچھ نہ کر سکے تو اس کے لئے حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص صحت کی حالت میں نیک عمل کرتا ہو اور مرض میں نہ کر سکے یا حالت اقامت میں کرتا ہو سفر کی وجہ سے نہ کر سکے تو فرشتوں کو حکم کیا جاتا ہے کہ اس حالت میں بھی عمل پورا لکھنا۔ یہاں تو پنشن آدھی دی جاتی ہے اور وہاں پوری پنشن دی جاتی ہے بلکہ ایک ضمیمہ بھی اس پنشن کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ کیا ہے عمل نہ کرنے کی حسرت کا اجر۔ کہ پڑے سو رہے ہیں سبحان اللہ سبحان اللہ ثواب بھی لکھا جا رہا ہے۔ یہ جوانی کے عمل کی برکت ہے ورنہ یہ ثواب کیسے ملتا۔ یہ دلیل نقلی سے معلوم ہوا۔ غرض دلیل سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ جوانی کے عمل سے بڑھاپے کا تدارک ہو سکتا۔ (الشریعت ج ۶)

## حقیقت نور

بات ذوق عارفین کے سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اعمال میں ایک برکت خاصہ ہے جس سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے اور وہ نور وہی ہے جس کے لئے تہجد کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ اللہم اجعل فی قلبی نوراً (سنن النسائی ۲: ۲۱۸ سنن ابی داؤد ۱۳۴۹) اے اللہ میرے قلب میں نور پیدا کر دے۔ وفی سمعی نوراً اور میرے کانوں میں نور پیدا کر دے وفی بصری نوراً اور میری آنکھوں میں نور پیدا کر دے وفی لحمی نوراً اور میرے گودے میں نور پیدا کر دے۔ وفی عظمی نوراً اور میری ہڈیوں میں نور پیدا کر دے وفی شعری نوراً اور میرے بالوں میں نور پیدا کر دے وفی عصبی نوراً اور میری رگوں میں اور پٹھوں میں نور پیدا کر دے وفی لحمی نوراً اور میرے گوشت میں نور پیدا کر دے وفی دمی نوراً اور میرے خون میں نور پیدا کر دے اور یہاں تک کہا کہ اعظم لی نوراً۔ بڑھا اس نور کو میرے لئے واجعلنی نوراً مجھے سراپا نور کر دے واجعل من فوقی نوراً اور میرے اوپر نور کر دے واجعل من تحتی نوراً

اور میرے نیچے نور کر دے و عن یمینی نوراً میرے داہنے نور کر دے و عن شمالی نوراً اور میرے بائیں نور کر دے اسی کا ترجمہ مولانا رومی نے کیا ہے۔

نور او در یمن و یسر و تحت و فوق بر سر و بر گردنم مانند طوق

(اس کا نور دائیں بائیں اوپر نیچے چہرے پر اور گردن میں مثل طوق کے)

وہ نور لائٹین کی روشنی نہیں بلکہ ایک کیفیت خاصہ ہے کیونکہ حقیقت نور کی یہ ہے کہ ظاہر نفسہ و مظهر لغیرہ (یعنی خود بھی ظاہر اور دوسرے کو بھی ظاہر کر دے) اللہ نور السموات والارض (اللہ تعالیٰ نور دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا) میں بھی نور کے یہی معنی ہیں نور کے معنی چمک دمک کے نہیں ہیں۔ تو یہ ہوئی نور کی حقیقت کہ خود بین ہوتا ہے اور دوسرے حقائق کو بین کر دیتا ہے اور قلب کے اندر اس نور کے پیدا ہونے سے ظلمت دور ہو جاتی ہے کون سی ظلمت ظلمت کسل کی، ظلمت کینہ کی، ظلمت حسد کی، ظلمت کبر کی، ظلمت غصہ کی، ظلمت معصیت کی وغیرہ وغیرہ۔ اور اس کے اندر نشاط تازگی شگفتگی اور فرحت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسا شخص بڑھاپے میں بھی نکما نہیں ہوتا۔ (الشریعت ج ۶)

## انسانی سلامتی کا راستہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان کی سلامتی مقید رہنے میں ہے اور اطلاق مضر ہے کیونکہ اطمینان اور چین بدوں تقلید کے نہیں ہوتا مثلاً ہم نے یہ ارادہ کر لیا کہ جب بیمار ہوں گے تو فلا نے طبیب کا علاج کریں گے۔ تو اطمینان ہے کہ طبیب موجود ہے بیماری کا خوف نہیں ہوگا اور نہ بیماری کے وقت سوچنا پڑے گا کہ کس کا علاج کریں اور اگر تقلید نہیں ہے تو پھر ہم کسی خاص طبیب کے پابند نہیں۔ اگر آج ذرا سا تغیر پیش آیا ایک طبیب سے رجوع کیا۔ دوسرا تغیر پیش آیا دوسرے سے رجوع کر لیا۔ تیسرا پیش آیا تیسرے سے رجوع کر لیا۔ تو اس میں دل کو چین نہیں ہوگا اور ہر وقت یہ فکر رہے گی کہ اب کے تغیر میں کس سے رجوع کریں۔ غرض تقلید سے اطمینان حاصل ہوتا ہے چاہے وہ طبیب دانشمند بھی نہ ہو۔ مگر تمہارے نفس کو تو اطمینان ہو جائے گا اور اگر وہ تقلید حقائق کے موافق ہو تو سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ اگر شریعت کا علم و حکمت کے موافق ہونے کا بھی دعویٰ نہ ہوتا جیسا کہ مدلول ہے ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون کا تب بھی شریعت کا امر حکیمانہ ہوتا اور اب



تو جب کہ شریعت کا علم و حکمت کے موافق ہونا ثابت کر دیا گیا تو اس اتباع کا ضروری مصلحت و موجب طمانیت ہونا اور بھی ثابت ہو گیا۔ (الشریعت ج ۶)

## ضرورت تقلید

یقین کے دو درجے ہیں ایک تقلیدی اور ایک تحقیقی۔ تقلیدی تو یہ کہ احکام کو بلا دلیل مان لو پھر ان احکام کی برکت سے تحقیقی یقین ہو جائے گا جیسے شروع میں الف کو محض استاد کے تقلید سے مان لیتے ہو اس کے بعد اسی تقلید کی بدولت بڑے بڑے دیگر علوم کے محقق بن جاتے ہو اگر شروع ہی میں یہ پوچھا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ الف ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ جاہل ہی رہو گے اس لئے پہلے کسی محقق کی تقلید کرو پہلے ہی سے محقق بننے کی کوشش مت کرو۔

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی      تا راہ میں نہ باشی کے راہ بر شوی  
(اے بے خبر کوشش کرتا کہ با خبر ہو جائے جب تک راستہ نہیں دیکھو گے رہبر کیسے بنو گے)  
اور طریقہ محقق بننے کا یہی ہے کہ پہلے تقلید کرو۔

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق      ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی  
اس کے متعلق مجھے ایک حدیث یاد آئی کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں حاضر ہوا اور کہانی احبک یا رسول اللہ کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا علم ما تقول کہ جو کہہ رہے ہو سمجھ کر کہو (مطلب یہ کہ میری محبت آسان چیز نہیں اس میں بڑی آزمائش ہوتی ہے) اس نے عرض کیا کہ واقعی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فاعد للفقرتجاناً (المستدرک للحاکم ۴: ۳۳۱) (یعنی فقر و فاقہ کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لے) اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے اس کی طرف فقر و فاقہ اس طرح آتا ہے جیسا کہ سیلاب نشیب کی طرف دوڑ کر آتا ہے جو میری حالت ہے وہی تمہاری ہوگی المرء مع من احب (آدمی قیامت کے دن اس کے ہمراہ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہوگا) اور اگر حضور جیسی حالت کسی کو بھی پیش نہ آئے تو حضور کے محبت کو اس حالت سے محبت تو ضرور ہوگی۔ تو وہ اس کے آنے پر ہر وقت تیار تو رہے گا نیز جیسا میں اوپر کہہ چکا ہوں جب یہ شخص خدا کا محبوب ہوگا تو ہو اس کو مضرات سے ضرور بچائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے خاص بندوں کو دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں

جیسے تم اسسقاء کے مریض کو پانی سے بچاتے ہو۔ اس لئے دیندار کو ایک بد دین کے برابر تمول تو ہرگز نہیں ہوگا مگر اس کو ایک دوسری دولت ایسی ملے گی کہ یہ تمول اس کے سامنے گرد ہے اور یہ وہی دولت ہے جس نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے تخت سلطنت چھڑا دیا مگر کوئی یہ نہ سمجھے کہ تخت چھوڑ دینا دولت باطنی کے ساتھ ہر ایک کو ضروری ہے۔ بات یہ ہے کہ اہل باطن دل سے تو ہمیشہ اس کو چھوڑ ہی دیتے ہیں یعنی اس کی طرف ان کو رغبت نہیں ہوتی۔ پھر جو منتہی ہوتے ہیں وہ ظاہر میں اس کو نہیں چھوڑتے کیونکہ وہ متحمل ہوتے ہیں چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کے متحمل تھے۔ مگر اب عموماً طبائع اس کے متحمل نہیں۔ تو اگر ایک اہل اللہ کے پاس اچھا کپڑا نہ ہو تو اس کی ذلت کرنا کب جائز ہو سکتی ہے۔ سرکاری آدمی جس حال میں بھی ہو اس کی توہین جرم ہے۔ حق تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں۔

من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب (سنن ابن ماجہ : ۳۹۸۹)

کہ جو کوئی میرے ولی سے عداوت رکھے تو اس کو اعلان جنگ سناتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت خدا کی محبت کا غیر نہیں کیونکہ حضور سے محبت اسی لئے ہے کہ وہ ذریعہ ہیں وصول الی اللہ (اللہ تعالیٰ تک پہنچنے) کا تو یہ تو بعینہ خدا کی محبت ہے تو یہ لا الہ کے تصور سے خارج نہ کی جائے گی۔

مولانا نے ایک مقام پر اس کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص نے لعل سے پوچھا کہ تو کس کو زیادہ محبوب رکھتا ہے؟ اپنے کو یا آفتاب کو۔ اس نے کہا کہ جس کو زیادہ محبوب بتلاؤں اس سے دوسرے کا محبوب ہونا لازم آتا ہے کیونکہ اگر اپنے نفس سے محبت ہے تو بوجہ لعل ہونے کے وصف کے ہے اور اس کا یہ وصف آفتاب سے آیا ہے۔ تو آفتاب سے محبت ہوئی اور اگر آفتاب سے محبت ہے تو اسی لئے کہ اس نے یہ وصف میرے نفس کو عطا کیا ہے تو اپنے نفس کی محبت ہوئی۔

اس تمثیل سے یہ مسئلہ خوب حل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی واسطے محبت ہے کہ آپ مظہر (ظاہر ہونے کی جگہ) صفات خداوندی ہیں۔ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ آپ نور من انوار اللہ (انوار الہی کا ایک نور ہیں) آپ موصل (الی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے) ہیں تو یہ بعینہ خدا ہی کی محبت ہے۔

## حکم یا سفارش

حضرت بریرہؓ لونڈی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا اور شرعی قانون یہ ہے کہ لونڈی جب آزاد ہو تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے خاوند سے الگ ہو جائے۔ پس جب یہ آزاد ہوئیں تو اپنے شوہر سے علیحدہ ہو گئیں حضرت مغیثؓ ان کا نام تھا۔ ان کی یہ کیفیت تھی کہ روتے ہوئے ان کے پیچھے پھرتے تاکہ حضرت بریرہؓ ان سے الگ نہ ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ سے حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے اس پر تعجب ہے کہ مغیثؓ تو بریرہؓ سے اس قدر محبت رکھتے ہیں اور بریرہؓ مغیثؓ سے اس قدر بغض رکھتی ہیں۔ چنانچہ پھر بہ نفس نفیس خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے مغیثؓ کی سفارش کی کہ ان سے علیحدہ مت ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ سفارش کرتے ہیں یا امر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ امر تو نہیں کرتا۔ پس انہوں نے جواب دیا کہ جب امر نہیں ہے تو میں قبول نہیں کرتی۔

حضرت بریرہؓ کیسی قانون دان تھیں کہ دریافت کر لیا کہ امر ہے یا سفارش۔ اگر امر ہو تو اس کو قبول کرنا لازم ہے اور سفارش ہو تو نہیں۔ یہ ہے آزادی خیال تو کیجئے کہ کجا بریرہؓ اور کجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر نہایت آزاد ہو کر سوال کرتی ہیں کیونکہ جانتی ہیں کہ شریعت نے جو دعویٰ کیا ہے اسی پر عمل بھی ہے اور یہ بھی ایک بڑا فرق ہے شریعت اور دوسرے قوانین میں کہ شریعت میں دعویٰ کے ساتھ عمل بھی ہے اور اور جگہ جگہ دعویٰ تو ہے مگر اس کے ساتھ عمل نہیں۔ (اتباع المصیب ج ۶)

## آج کل کی حالت

آج کل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے احکام شرعیہ کو صرف چھوڑا ہی نہیں بلکہ احکام سے مزاحمت کرتے ہیں۔ صدقہ فطر کے بارہ میں ایک لڑکے نے یہ کہا تھا کہ کیا اس گرائی میں بھی ڈیڑھ سیر ہی گے ہوں واجب ہے۔ پہلے تو انا ج ارزاں تھا اس وقت کم قیمت میں آتا تھا۔ اب اس قدر واجب ہونا چاہئے جتنا اس وقت میں آجائے۔ غضب ہے احکام سلطنت میں کوئی شخص معارضہ نہیں کرتا اور احکام شرعیہ میں ہر شخص جسارت کرتا ہے۔

ایک مسئلہ فرائض کا میرے پاس آیا۔ اس میں ایک بیوی ایک بیٹی ایک عصبہ تھا۔ مسئلہ کا جواب سن کر بیوی اور بیٹی کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (توبہ توبہ) یہ عصبہ کی

کہاں شاخ لگا دی۔ ان کی رائے یہ تھی کہ عصبہ نہ ہونا چاہئے میں نے ان سے پوچھا کہ اگر تم خود عصبہ ہو تو اس وقت کیا رائے دو۔ اس وقت تو یہی کہیں کہ سبحان اللہ شریعت میں کیسا عدل اور حق رسانی ہے کہ دور دور کے رشتے کی بھی رعایت رکھی ہے۔ ایک اور قصبہ کا قصہ ہے کہ ایک شخص کی ہمشیرہ کا نکاح کسی شیعہ سے ہوا وہ ہمشیرہ مرگئی اور اس نے خاوند اور دو بھائی وارث چھوڑے۔ بھائی نے چاہا کہ خاوند کو حصہ نہ دوں۔ چنانچہ ایک استفتاء تیار کیا کہ شیعہ مرد کا نکاح سنیہ عورت سے ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ مکر اس لئے کیا کہ نکاح جائز نہ ہوگا تو وہ شوہر شوہر نہ ہوگا تو تمام جائیداد میرے ہی پاس رہے گی اور اس کی کچھ پروا نہیں ہوئی اور نہ غیرت آئی کہ اتنے دنوں تک بہن بلا نکاح ایک غیر مرد کے پاس رہی۔

شریعت کو لوگوں نے موم کی ناک سمجھ رکھا ہے جس طرح چاہا توڑ لیا۔ غرض اخیر فیصلہ ہوائے نفسانی پر کرتے ہیں اور اگر شریعت سے ملے تو شریعت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر شریعت سے حصہ نہ ملے تو عدالت میں جاتے ہیں کہ بھائی ہم تو گنہگار ہیں بال بچے والے ہیں۔ ہم سے شریعت پر کیسے عمل ہو سکتا ہے۔ شریعت پر تو وہ عمل کرے جس کے نہ جو رو ہو نہ اولاد دم نقد ہو جس طرح چاہے اور دنیا دار کو تو ہر قسم کی ضرورتیں پیچھے لگی ہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے تاجر اور امراء کا خیال ہے کہ شریعت پر عمل کرنے سے دنیا کے کام اٹکتے ہیں۔ مال جاتا رہتا ہے کمائی نہیں ہو سکتی ہے۔

میں اس کے جواب میں ایک موٹی سی مثال پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ مثلاً ایک حاکم مالک خزانہ ہے اور اس خزانہ کی کنجیاں اس حاکم کے پاس ہیں تو اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ خزانے میں سے کچھ مل جائے تو اس کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے ظاہر ہے کہ ہر عاقل یہی تجویز کرے گا کہ اس حاکم کو خدمت و اطاعت کر کے راضی کرنا چاہئے اور اگر اس کو ناراض کر دیا تو ہرگز نہ ملے گا بلکہ جو دیا ہے وہ بھی چھین جائے گا اسی طرح حق تعالیٰ خزانے کے مالک ہیں اور ان کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں پس اگر آپ اس میں سے کچھ لینا چاہتے ہیں تو اس کی اطاعت اختیار کیجئے۔ جب وہ نافرمانی کی حالت میں بھی دیتے ہیں تو فرمانبرداری کی حالت میں کیوں نہ دیں گے اور ان کی شان رزاقیت تو وہ ہے کہ اگر رو رو کر یہ دعا کرو کہ ہم کو رزق نہ دو تو ان کو تمہارے ساتھ اس قدر محبت ہے کہ وہ یہ دعائیں ہرگز نہ قبول فرمائیں گے تو یہ کہنا کہ اتباع



شریعت سے دنیا نہ ملے گی اس کے تو یہی معنی ہیں کہ مالک خزان کے راضی کرنے سے تو خزانہ نہ ملے گا اور ناراض کرنے سے ملے گا کیسی الٹی بات ہے۔ (شرط الایمان ج ۶)

## معرفت کی لذت

حضرت معرفت ایسی لذیذ شے ہے کہ عارفین کے نزدیک جنت اور حوروں میں بھی وہ مزہ نہیں جو اس میں ہے۔ اور اس سے نعمائے دنیا کا کہ ان میں معرفت بھی ہے نعمائے جنت سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جنت میں یہ معرفت ایسی ہوگی کہ وہاں کی نعمت سے زیادہ لذیذ ہوگی۔ تو خود جنت کی بعض نعمتیں بعض سے افضل ہوں گی۔ باقی ہم جیسوں سے کوئی پوچھے ہم تو یوں کہیں کہ روٹیوں میں زیادہ مزہ ہے نماز میں کیا مزہ ہے! اور فقہاء نے ہم جیسے ضعفاء کے لیے وسعت بھی دے دی ہے کہ اگر کھانا سامنے ہو نماز ہونے لگے تو روٹی پہلے کھا لو نماز بعد میں پڑھ لینا تا کہ نماز فراغت سے پڑھی جائے ورنہ ساری نماز میں روٹی ہی کا خیال رہے گا کیونکہ تمہارے نزدیک روٹی میں مزہ زیادہ ہے۔ اور اسی لیے شریعت سے تعجیل افطار کا حکم دیا ہے کہ نماز مغرب سے پہلے افطار کر لینا چاہیے اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

للسائم فرحتان فرحتہ عند فطرہ و فرحتہ عند لقاء الرحمن

(الصحيح البخارى ۹: ۱۷۵)

کہ روزہ دار کو دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت ہوتی ہے دوسری اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت ہوگی۔ ہم لوگوں کو افطار کے وقت خوشی اسی کی ہوتی ہے کہ کھانے کو ملا، منہ کا تالا کھل گیا مگر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو جو مسرت تھی وہ اس بات پر تھی کہ منزل پوری ہو گئی۔ خدا کا حکم ادا ہو گیا۔

شکر اللہ کہ نمر دیم و رسیدیم بدوست آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما  
(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفرین ہے) (الغالب للطالب ج ۶)

## فضیلت شب براءت

شب براءت کی بڑی فضیلت ہے شب قدر کے قریب قریب برابر اس کی فضیلت

احادیث میں آئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض نے سورہ دخان میں لیلۃ مبارکۃ کی تفسیر شب برات سے کر دی ہے اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ لیلۃ القدر اور شب برات کے فضائل احادیث میں ملتے جلتے سے ہیں یہی دیکھ کر انہوں نے قرآن میں بھی لیلۃ مبارکۃ سے شب برات ہی سمجھ لی۔ مگر یہ خلاف ظاہر ہے کیونکہ آیت میں لیلۃ مبارکۃ کی صفت یہ مذکور ہے کہ اس میں نزول قرآن ہوا ہے اور شب برات میں نزول قرآن ہونے کا کہیں ثبوت نہیں۔ اس لئے رائج یہ ہے لیلۃ مبارکۃ سے قرآن میں تو لیلۃ القدر ہی مراد ہے مگر اس میں شک نہیں کہ شب برات کی بھی بڑی فضیلت ہے اس رات میں اور راتوں سے زیادہ عبادت کرنا چاہئے اور صبح کو روزہ رکھا جائے۔

تو جو بات اذا انتصف شعبان (سنن ابی داؤد ۲۳۳۷، مشکوٰۃ المصابیح ۱۹۷۴) سے اشارۃ معلوم نہ ہوئی تھی دوسری احادیث سے صراحۃً معلوم ہو گئی کہ نصف شعبان سے پہلے روزہ مشروع ہے بلکہ مسنون ہے۔ (الیسر مع العسر ج ۶)

## خود سے خیر خواہی

میں ایک انجمن میں بلایا گیا اس کی حالت جو تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ نہ اس کے ممبروں کی آمدنی شریعت کے موافق ہے نہ اعمال ان کے درست ہیں ترک صلوٰۃ و شرب خمر تک میں بعضے مبتلا ہیں۔ میں نے داعی سے کہا کہ غرض اہل انجمن کی خیر خواہی قوم بیان کی جاتی ہے لیکن اگر وہ خیر خواہ قوم ہیں تو اپنے خیر خواہ کیوں نہیں اور جب انہوں نے اپنی اصلاح نہیں کی تو کیسے مان لیا جائے کہ ان کو قوم پر توجہ ہے۔

صاحبو! لیڈران قوم کو متوجہ کرتا ہوں کہ جب تک وہ اپنی اصلاح نہ کریں گے اس وقت تک ان کی خیر خواہی کسی درجے میں موثر نہ ہوگی نہ ان کی خیر خواہی کو کوئی تسلیم کرے گا اسی کو تو فرماتے ہیں۔

اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم و انتم تتلون الکتب  
کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے ہو کتاب کی۔ (تکمیل الاسلام ج ۶)

## کمال اسلام

اسلام کامل یہ ہوا کہ عقائد بھی درست اور کتاب و سنت کے موافق ہوں اور اعمال یعنی

دیانات و معاملات، گواہی، وکالت، تجارت، زراعت اور معاشرت مثلاً کھانا، پینا اٹھنا بیٹھنا اور اخلاق باطنہ صبر و شکر و اخلاص یہ سب کے سب موافق شریعت کے ہوں۔ یہ پانچ چیزیں ہیں جن کے مجموعے کا نام اسلام کامل ہے۔ اگر ان میں سے ایک جزو بھی کم ہو تو وہ اسلام ایسا ہے جیسا کوئی شخص حسین ہو لیکن اس کے ناک نہ ہوں۔ (تکمیل الاسلام ج ۶)

## باہمی ہدیہ کا تبادلہ

حدیث میں ہے تھا دو اتحابو (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۶۹:۶) (ہدیہ دو آپس میں محبت بڑھاؤ) تو ہدیہ دینے کی مصلحت حضورؐ نے ازدیاد محبت قرار دیا ہے اور ازدیاد محبت اس وقت ہوتا ہے جب ہدیہ لے کر جی خوش ہو اور جی اس وقت خوش ہوتا ہے کہ جب اشراف نفس نہ ہو ورنہ مسرت نہیں ہوتی۔ بلکہ انتظار کی جو کلفت تھی وہ رفع ہو گئی۔ تو اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہدیہ میں اشراف کی نوبت نہیں آنی چاہئے۔ دوسرے اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ بیعت کے وقت ہدیہ نہ لینا چاہئے کیونکہ اس کی بھی وہی حالت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ بھائی آج کل کے پیروں کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی دیہاتی ان کے سامنے سر کھجلانے لگے تو پیر صاحب کا خیال ہوتا ہے کہ شاید پگڑی میں سے روپیہ نکال کر دے گا۔ واقعی بالکل سچ ہے۔ (تجارت آخرت ج ۶)

## ہدیہ میں خلوص کی ضرورت

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کو ایک اونٹ دیا۔ آپؐ نے اس کے عوض میں کئی اونٹ اس کو دیئے مگر وہ شخص راضی نہ ہوا۔ اس پر حضورؐ کو سخت رنج ہوا اور آپؐ نے خطبہ فرمایا کہ فلاں فلاں خاندان کے سوا کسی سے ہدیہ نہ لوں گا۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ اس شخص نے دنیوی غرض سے ہدیہ دیا تھا اور اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ اکثر لوگوں سے اول ملاقات میں ہدیہ نہ لینا چاہئے کیونکہ اول ملاقات میں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ہدیہ دینے والے کی کیا نیت ہے۔ اسی لئے میں نے اپنا یہ معمول مقرر کر لیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اس سے میں ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ اگر قرآنِ قویہ سے خلوص ثابت ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔

لا یرد طیب فانه خفیف المحمل (کنز العمال ۱۷۳۵۵)

اچھے ہدیہ کو واپس نہ کیا جائے کیونکہ وہ ہلکا بوجھ ہے۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رد کرنے کی علت طیب کے خفیف

انجمل ہونے کو قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ علت نہ پائی جائے بلکہ اس کے برخلاف طبیعت پر گرانی اور بار گزرے تو ایسی چیز کا واپس کر دینا جائز ہوگا۔

میں نے اس کا ایک تخمینی معیار مقرر کر لیا ہے وہ یہ کہ کسی شخص سے اس کی ایک دن کی آمدنی سے زیادہ ہدیہ نہ لیا جائے اور جب ایک دن کی آمدنی کے برابر ایک مرتبہ لے لیا تو پھر دوسرا ہدیہ ایک مہینہ گزرنے سے پہلے نہ لیا جائے گویا اگر کسی شخص کی تنخواہ تیس روپے ماہوار ہے تو اس سے مہینہ بھر میں صرف ایک روپیہ ہدیہ میں لینا مضائقہ نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ جب ایک شخص جوش طبیعت سے اس سے زیادہ دینا چاہتا ہے تو انکار کی کیا ضرورت۔ تو سمجھو کہ جس جوش میں مصالح کی رعایت نہ ہو وہ جوش نہیں بلکہ جنون ہے جس کی اصلاح کرنی واجب ہے۔ (تجارت آخرت ج ۶)

## اصول شریعت

اصول شریعت کے چار ہیں۔

(۱) قرآن شریف (۲) حدیث شریف (۳) اجماع (۴) قیاس  
پس جب کسی حکم کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں حکم شریعت سے ثابت ہے اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ یہ حکم ان چاروں میں سے کسی ایک سے ثابت ہے ہاں اگر کسی ایک سے بھی ثابت نہ کر سکے تو حکم شرعی کہنا غلط ہوگا۔ (تقویم الزیغ ج ۶)

## ایک عوامی اشکال کا حل

ایک شخص نے ڈھاکہ میں مجھ سے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ انگریزی خوان طالب علم نہایت باہمت، عالی حوصلہ جری جفاکش ہوتے ہیں اور عربی خواں طالب علم نہایت پست ہمت، تنگ خیال، سست، کم حوصلہ ہوتے ہیں۔ مقصود ان کا یہ تھا کہ یہ فرق عربی اور انگریزی کے اثر سے ہے۔ یعنی پست ہمتی وغیرہ عربی کے آثار ہیں اور علو حوصلگی وغیرہ انگریزی کے آثار ہیں۔ میں نے کہا جناب علو حوصلگی وغیرہ صفات جس قدر ہیں علو خاندان پر موقوف ہیں یعنی جو عالی خاندان ہوگا اس میں یہ صفات ہوں گے۔ وہ خواہ عربی پڑھے یا انگریزی اور جو عالی خاندان نہ ہوگا اس میں یہ صفات نہ ہوں گی اگرچہ وہ انگریزی اعلیٰ پایہ کی ڈگری حاصل کرے بلکہ اکثر واقعات اور



مشاہدات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پست خاندان آدمی اگر عربی پڑھ لیس تو کم وبیش ان کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں اور اگر انگریزی پڑھیں تو بالکل ہی برباد ہو جائیں۔ عربی و انگریزی کے آثار کا پورا مقابلہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ ایک خاندان کا ایک طبیعت کے دو بچے لئے جائیں۔ ایک کو انگریزی شروع کرائی جائے دوسرے کو عربی اور دس برس کے بعد دونوں کا موازنہ کیا جائے اور جب کہ خوش قسمتی سے انتخاب ہی ایسا پاکیزہ ہو کہ عربی کے لئے جولا ہے تیلی اور انگریزی کے لئے شرفاء تو عربی کہاں تک اپنا اثر کرے اور کس حد تک ان کی پستی کو مٹائے اور اگر شرفاء میں سے کوئی بچہ عربی کے لئے دیا بھی جاتا ہے تو ایسا کہ جو کہ بالکل ہی کودن ہو۔ تو جب عربی میں سارے کودن ہی کودن منتخب ہوں گے تو پھر ان سے علو و صلگی کی کیا امید ہوگی اور میں نے ان سے کہا کہ آپ میرے ہمراہ چلئے تو میں آپ کو دکھلاؤں کہ علماء ایسے ہوتے ہیں۔

غرض ایسے علماء سے ایک ضرر یہ پہنچ سکتا ہے اور میں تو ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اگر اس پر بھی کسی کو کمال حاصل ہو تو وہ اس دنائت و خست سے ضرور دور ہوگا۔ سو ایسے لوگوں کو جب غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ عالم ہی نہیں ہیں کیونکہ علم کمال ہے اور کمال خاصہ ہے استغناء دیکھئے بڑھئی راج لوہار جب اپنے فن میں کامل ہو جاتے ہیں تو کیسے مستغنی ہو جاتے ہیں۔ تو کیا علم ان ذلیل کاموں کے برابر بھی اثر نہیں رکھتا۔ ضرور رکھتا ہے اور بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ جس میں استغناء نہیں اس کے کمال ہی میں کمی ہے۔ (تقویم الزلیغ ج ۶)

## اتفاق کی ضرورت و صورت

اتفاق پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ اپنے اعمال درست کرو اور جو لوگ اپنے اعمال درست کر چکے ہیں ان کے پاس آمد و رفت رکھو مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لو کہ بزرگوں کی خدمت میں اگر جاؤ تو نیت محض اپنی اصلاح کی کر کے جاؤ بعض لوگ بزرگوں کی خدمت میں جاتے ہیں لیکن نیت ان کی محض وقت پورا کرنا اور دل بہلانا ہوتی ہے۔ اور علت اس کی یہ ہے کہ بزرگوں کے پاس جا کر دنیا بھر کے قصے جھگڑے اخبار شروع کر دیتے ہیں ایسے لوگ اپنا بھی نقصان کرتے ہیں اور ان بزرگ کا بھی وقت ضائع کرتے ہیں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ اصلاح ہی کی نیت سے جاتے ہیں لیکن عجلت پسند ہونے کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ دو ہی دن میں ہماری اصلاح ہو جائے۔ ان لوگوں کی بالکل وہ مثال ہے۔

الحائک اذا صلی یومین منتظر الوحی

جولاہا جب دودن نماز پڑھ لیتا ہے تو وحی کا منتظر ہو جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کے جواب میں ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ کیا کم فائدہ ہے کہ تم کو خدا کا نام لینے کی توفیق ہوگئی اور فرمایا کرتے تھے کہ بھائی اگر واقعی کچھ بھی حاصل نہ ہو تب بھی طلب نہ چھوڑنی چاہئے۔

یا بم اور یا نیا بم جستجوئے می کنم حاصل آید یا نہ آید آرزوئے می کنم کچھ ملے یا نہ ملے جستجو میں لگا رہوں گا اور کچھ حاصل ہو یا نہ ہو میں آرزو کرتا رہوں گا۔  
(تقویم الزلیغ ج ۶)

## رہبر کامل کی ضرورت

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ذاکر کو تقلیل غذا سے منع فرمایا تھا۔ انہوں نے اپنے کچھ حالات بیان کئے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ دماغ میں پیش آ گیا ہے جنون کا مقدمہ ہے۔ تم تقلیل غذا موقوف کر دو اور دماغ کا علاج کرو۔ مگر وہ تو ان کشفیات کو کمال سمجھے ہوئے تھے اس لئے مولانا کے قول پر اعتماد نہ کیا۔ بالآخر جنون ہو گیا اور سارے اذکار و اشغال موقوف ہو گئے۔ پھر یہ حالت تھی کہ بالکل ننگے بیٹھے رہا کرتے۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ اپنے اعضاء کو سرکاری مشین سمجھ کر کبھی تیل بھی دیا کرو۔ دودھ کھی بھی کھایا کرو۔ اس حیثیت سے ان سے محبت کرنا۔ حفاظت کرنا اور جب ان سے خدا تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو جائے تو ان پر ان کی تعریف کرنا سب محمود ہے۔ یہی مطلب ہے اس شعر کا۔  
شکر اللہ کہ نمر دیم و رسیدیم بدوست آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

(العید والوعید ج ۶)

## امت پر کمال پر شفقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخصوں پر بددعا کی ہے کہ ان کی ناک رگڑی جائے ذلیل و خوار ہو جائیں۔ اب سمجھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کیسی ہوگی۔ شاید اس پر کوئی طالب علم یہ کہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے نہیں ڈرتے کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں دوسرے آپ نے حق تعالیٰ سے یہ بھی عرض کیا ہے۔

انما انا بشر فایما مومن اذیتہ او شمتہ او جلتہ او لعنتہ فاجعلہما لہ  
صلوۃ و زکوۃ و قربتہ تقربہ الیک (مسند الامام احمد بن حنبل ۲: ۴۸۸)  
اے اللہ! میں بشر ہی ہوں (اس لئے عوارض بشریہ مجھے بھی لاحق ہوتے ہیں) تو جس  
شخص کو میں ایذا دوں یا برا بھلا کہوں یا سزا دوں یا کسی پر لعنت (بددعا) کروں تو اس کو اس  
کے حق میں رحمت اور گناہوں سے) پاکیزہ اور قربت کا سبب بنا دیجئے کہ اس کے ذریعے  
سے آپ اس کو اپنا مقرب بنالیں۔ تو جب آپ نے اپنی بددعا کے متعلق خود یہ دعا کی ہے  
کہ وہ سبب رحمت و قرب بن جایا کرے تو پھر آپ کی بددعا سے کیا ڈر؟ (العیذ والوعید ج ۶)

## عبادت کی ضرورت و اہمیت

عبادت ایسی ضروری چیز ہے کہ غایت خلق جن و انس کی بھی ہے اور یہاں جن کو بھی  
انسان کے ساتھ ذکر و شریک کیا گیا ہے اور دوسرے اکثر مقامات میں باوجودیکہ جن بھی انسان  
کی طرح تمام احکام شرعیہ کے مکلف ہیں مگر پھر بھی تعبیر میں جو جن کا ذکر نہیں آتا تو وہ اکتفاء  
ہے۔ لہذا انسان ہی کا ذکر آتا ہے ورنہ احکام شرعیہ دونوں ہی میں مشترک ہیں۔ اس آیت سے  
یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ آفرینش کی غایت محض عبادت ہے اب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ بجز اس  
کے اور کوئی مقصود ہی نہیں تمام مقاصد کا انحصار کر کے فرمایا کہ صرف عبادت کیا کریں اور اس حصر  
سے باوجودیکہ سب غایت کی نفی ہو گئی مگر پھر بھی جن غایات کی مقصودیت کا باعتبار عادات کے  
کچھ شبہ ہو سکتا تھا۔ اس مقام پر ان سب کی نفی تصریحاً بھی فرمادی۔ کلام الہی میں ہمارے  
عادات و محاورات کی بے حد رعایت کی گئی ہے۔ بعض غایات کو تو انسان بھی غایت نہیں سمجھتا،  
اس کی نفی کی ضرورت نہ تھی جن کو مقصود سمجھنے کا احتمال تھا، صرف انہیں کی نفی کی گئی۔ (العبادۃ ج ۷)

## دنیا کو مقصود نہ بنایا جائے

ایک بہت بڑی جماعت ایسی بھی تھی جو اس طرح دنیا کو مقصود بنائے ہوئے ہے اس  
لیے اس کا تدارک فرماتے ہیں۔

مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ أَيْ لَا نَفْسَهُمْ وَلَا لِعِيَالِهِمْ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا  
أَيْ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يَخْلُقَهُمْ أَنْ يَطْعَمُونِي.

”یعنی میں نے اس لیے نہیں پیدا کیا کہ وہ اپنے اور اپنے عیال کے لیے رزق ڈھونڈیں نہ اس لیے پیدا کیا کہ وہ مجھے کھلاویں۔“

یہاں ایک نکتہ سمجھنا چاہیے کہ اطعام حق کے غایت ہونے کا تو احتمال ہی نہ تھا، پھر اس کی نفی کی کیا ضرورت تھی۔ سو نکتہ یہ ہے کہ یہاں دونوں میں دو غایتوں کی نفی کو قرین فرمایا، ان میں ایک ایسا امر ہے کہ اس کے غایت ہونے کا احتمال ہی نہیں اور ایک میں اس کا احتمال تھا سو دونوں کو قریب فرمانا اشارہ اس طرف ہے کہ جیسا ایک امر یقیناً منفی ہے۔ ایسا ہی دوسرے کو سمجھو کیونکہ دونوں کی علت مشترک ہے چنانچہ اس علت کو اس طرح ذکر فرمایا کہ ”ان اللہ هو الرزاق“ یعنی وہ تو خود بڑے رازق ہیں کہ تم کو اور تمہارے عیال کو سب کو رزق دیتے ہیں۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ.  
”اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر قائم رہیے، ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے، ہم آپ کو رزق دیتے ہیں۔“

یہ آیت بھی اس کے قریب قریب ہے۔ خلاصہ یہ کہ نہایت تاکید و اہتمام کے ساتھ اس مقصود کو ثابت فرمادیا کہ انسان کو حق جل و علی شانہ نے صرف عبادت کے واسطے پیدا کیا ہے تو عبادت اتنا بڑا امر اہم ہے۔ (العبادۃ ج ۷)

## حقیقت علم

جن علماء کے فضائل نصوص میں وارد ہیں وہی علماء ہیں جو درویش بھی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

”یعنی خوف خشیت خدا سے صرف علماء ہی کو حاصل ہے۔“

اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ مراد ہیں کیونکہ خشیت کاملہ ان ہی میں ہے۔ اسی طرح علماء کو ورثہ الانبیاء کہا گیا ہے۔ اس بناء پر کہ انبیاء نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم نہ زراعت نہ تجارت، انہوں نے صرف علم چھوڑا تو جن کے پاس یہ علم موروث انبیاء ہوگا وہی لقب عالم کا مستحق ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء کا علم، یہ علم رسمی نہ تھا، علم حقیقی و قلبی تھا جس کی شان یہ ہے۔  
علم چوں برتن زنی مارے شود      علم چوں بردل زنی یارے شود



دوسرے محقق کہتے ہیں:

علم رسمی سر بسر قیل است و قال      نے ازو کیفیت حاصل نہ حال  
علم چہ بود آن کہ راہ بنمایدت      زنگ گمراہی زدل بر بایدت  
ایں ہوس ہا از سرت بیروں کند      خوف و خشیت در دلت افزون کند  
اور ہماری حالت کیا ہے اسے بھی بیان کرتے ہیں:

توندانی جز بجوز ولا بجوز      خود ندانی کہ تو حوری یا عجوز  
لہذا القوم الذی فی المدرسہ      کما ہلتموہ وسوسہ  
علم نبود غیر علم عاشقی      ماقی تلپس ابلیس شقی  
تو حضرت وہ علم جو انبیاء نے چھوڑا وہ یہ ہے جس کے خواص آپ نے سنے اور جو اس علم کے حامل ہیں وہ ہیں نائب رسول اور ورثہ الانبیاء تو حقیقت میں درویش بھی علماء ہوئے، غرض دو طبقے ایسے ثابت ہوئے جن کی اصلاح سب سے مقدم ہے کیونکہ ان کا اثر سب سے زیادہ ہے اس لیے اگر یہ گمراہ ہوں گے تو سب کو گمراہ کریں گے۔ سو افسوس یہ ہے کہ عبادت کے متعلق یہ طبقے بھی غلطیوں میں مبتلا ہیں تو عوام کیوں کر غلطیوں سے بچتے۔ (آثار العبادۃ ج ۷)

## رحمت حق

قارون نے جب ایک فاحشہ کو بہکایا کہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ تہمت لگانا، حق تعالیٰ نے اس کو توفیق دی کہ مجمع عام میں سچ کہہ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا اور زمین سے فرمایا کہ یا ارض خذیہ کہ اے زمین! پکڑ اس قارون کو، چنانچہ وہ دھنسا شروع ہوا، اس نے پکارا اے موسیٰ مجھے چھوڑ دے، آپ نے جوش میں پھر فرمایا ارض خذیہ (اے زمین اسے پکڑ) وہ چلاتا تھا اور آپ برابر یا ارض خذیہ (اے زمین اسے پکڑ) فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بالکل دھنس گیا۔ بعد میں حق تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ اس وقت بہت غصہ میں تھے اس لیے ہم نے بھی نہیں کہا لیکن اگر وہ بجائے آپ کے ہم کو پکارتا تو ہم تو چھوڑ دیتے، کیا انتہا ہے اس رحمت کی کہ:

اگر خشم گیرد بکردار زشت      چوباز آمدی ماجرا در نوشت  
(اگر برے کام پر غصہ آئے تو جب واپس آئے تو بہ کرنے، ماجرا لپیٹے) (اسرار العبادۃ ج ۷)

## نظام زکوٰۃ

ایک ڈپٹی کلکٹر جو بجل میں مشہور تھے کہتے تھے کہ جب خدا نے حقوق مالیہ کی فہرست بتادی ہے تو یہ غلو ہے کہ اس سے زیادہ کا اہتمام کریں۔ اس لیے وہ زکوٰۃ سے ایک پیسہ زیادہ نہ دیتے تھے حالانکہ ایسے ذہین لوگوں کا انتظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمادیا ہے کہ:

ان فی المال لحقا سوى الزکوة ثم تلی لیس البر ان تولوا وجوهکم۔ الا یہ ”تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق ہے“  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے استدلال کیا کیونکہ اس میں  
اتى المال على حبه ذوى القربى والیتامى والمساكين وابن السبیل  
والسائلین وفى الرقاب

”اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے والوں کو“

اول فرمایا ہے اس کے بعد ”اقام الصلوة واتى الزکوة“ یعنی انفاق کا ایک مرتبہ تو یہ فرمایا کہ مال دیا قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو۔ پھر دوسرا عمل یہ فرمایا کہ زکوٰۃ دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال دینے سے اور مراد ہے اور زکوٰۃ دینے سے اور۔ اس کو سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ان فی المال لحقا سوى الزکوة“ اس لیے ہمیں یہ حقوق سمجھ کر فرائض کے علاوہ اور بھی کچھ کرنا چاہیے۔ چہ جائیکہ جن کاموں کو ضابطہ میں اور فہرست میں لکھ دیا ہو ان کو بھی چھوڑ دیں بلکہ ان کو تو سب سے پہلے کرنا چاہیے۔ (اسرار العبادۃ ج ۷)

## اہل اللہ کے مراتب

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جو معاصر ہیں حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فرماتے ہیں جب ارواح کو جمع کیا گیا تو ہر ایک سے پوچھا گیا کیا چاہتے ہو تو جو جس کی سمجھ میں آیا وہ اس نے مانگا، جب اس ناچیز کی نوبت آئی اور پوچھا گیا کیا چاہتے ہو، میں نے کہا:

اریدان لا ارید واختار ان لا اختار

”یعنی میں یہی تجویز کرتا ہوں کہ کچھ تجویز نہ کروں اور یہی چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں۔“

فاعطانی مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر  
من اهل هذا العصر

”پس مجھے وہ چیزیں عطا ہوئیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی کے دل میں ان کا وسوسہ ہی آیا، اس زمانہ والوں سے۔“

مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا رتبہ حضرت غوث اعظم سے بھی بڑھا ہوا ہو۔ ممکن ہے کہ اکثر اہل عصر مراد ہوں اور ایک حیثیت سے یہ بڑھے ہوئے ہوں اور ایک حیثیت سے وہ۔ اس بارہ میں گونص تو ہے نہیں جو کسی ایک شق کا جزم کیا جاوے اور یہی فیصلہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ہے جن کی افضلیت مطلقہ منصوص نہیں ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کہ آپ تو علی الاطلاق سب سے افضل ہیں، باقی انبیاء کے تفاضل میں بھی یہی فیصلہ ہے کہ ایک فضیلت کے اعتبار سے ایک افضل ہوں اور دوسری فضیلت کے اعتبار سے دوسرے۔ (اسرار العبادۃ ج ۷)

## کفر اور اس کی اقسام

حدیث ہے: من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر۔

”جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔“

اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ نماز کا عمد ا ترک کرنا یہ بتلاتا ہے کہ اس شخص کو اس کی فرضیت کا اعتقاد نہیں یعنی کامل اعتقاد نہیں بلکہ اعتقاد میں نقص ہے۔ اس نقص کی وجہ سے اس پر کفر کا اطلاق کیا گیا جو مقابل ہے ایمان کا۔ جب ایمان اعتقاد کامل کا نام ہوگا تو اس کا ارتقاء کفر سے مسمی ہوگا۔ نیز ایک حدیث میں ہے:

لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مومن۔

”زنا کرنے والا زنا نہیں کرتا مگر اس حال میں کہ وہ مومن کامل نہیں ہوتا۔“

یہ سب نصوص صوفیاء کی اصطلاح کے مویدات ہیں تو صوفیاء کے نزدیک تو گویا اعتقاداً بھی ہم گناہ کو مضر نہیں سمجھتے کیونکہ عمل اس کے خلاف ہے اور جس اعتقاد کے خلاف عمل ہو وہ ان کے یہاں اعتقاد ہی نہیں البتہ فقہاء کے نزدیک یعنی ان کی اصطلاح کے موافق ہمارا ان کو مضر سمجھنا یہ اعتقاد ہے مگر عملاً و حالاً ان کے نزدیک بھی مضر ہونے کا اعتقاد

نہیں ہے جیسی تو صغیرہ پر جرأت ہے تو غفلت کا ایک درجہ تو یہ ہوا جس کو درجہ ضعیفہ کہا جاتا ہے مگر وہ اقویٰ کے مقابلہ میں ضعیف ہے ورنہ فی نفسہ یہ بھی قویٰ ہے۔

دوسرا درجہ غفلت کا کفر جو دیا عناد ہے۔ یہ اقویٰ و اقبح ہے۔ ہر چند کہ اس درجہ سے بحمد اللہ خدا تعالیٰ نے ہم کو محفوظ رکھا ہے مگر دوسرا درجہ معصیت کا جس میں ایسی غفلت ہو کہ مطلوب کا استحضار نہ ہو اس میں ہم بھی مبتلا ہیں اور اس سے خالی نہیں ہیں۔ اب جس درجہ کی غفلت ہوگی اسی درجہ کی مذمت ہوگی۔ گو درجہ کفر کی مذمت ہم میں نہ ہو مگر مطلق مذمت و شکایت سے تو ہم بھی صاف اور بری نہیں ہیں۔ (دواء الغفلت ج ۷)

## شب برأت

ایک حدیث میں آیا ہے کہ لیلۃ شعبان کی یہ فضیلت ہے کہ اس میں بندوں کے اعمال بلند کئے جاتے ہیں یعنی قبول کئے جاتے ہیں اور آیا ہے۔ فیہا تقسم ارزاقکم یعنی اس رات میں تمہارے رزق بانٹے جاتے ہیں۔

اور اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ اس سال کے اندر اندر پیدا ہونے والے ہیں اور جتنے مرنے والے ہیں وہ فرشتوں کو بتلا دیئے جاتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے جو ضعیف ہے موضوع نہیں اگرچہ روایت قوی نہیں کہ عالم غیب میں ایک درخت ہے اور اس میں پتے ہیں۔ تو جو شخص اس سال میں مرنے والا ہوتا ہے تو ایک پتا (جس کا تعلق اس شخص سے ہے) اس درخت کا گر جاتا ہے۔

میں نے ایک لڑکی کے سامنے یہ روایت بیان کی جو میرے گھر میں کی شاگرد ہے اور ماشاء اللہ اب وہ بال بچوں والی ہے تو ہر سال قبل شب برأت اس کا خط آتا ہے کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ میرا پتا نہ گرے اس درخت سے بھلا میری اس دعا سے کیا ہوتا ہے جو ہوتا ہوگا وہ تو ہو ہی گا۔ مگر دعا کرنے میں مضائقہ نہیں۔

اتنا مضمون صحاح کی روایت میں ہے کہ اس سال جو مرنے والے ہوتے ہیں وہ تجویز کر لئے جاتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ حق جل و علا شانہ اس رات میں آسمان دنیا کی طرف توجہ فرماتے ہیں (خاص طور پر) شام سے صبح صادق تک اور فرماتے ہیں۔



الامن مستغفر فاغفر له الامن مسترزق فارزقه.

کیا کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اس کو بخش دوں کیا کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو رزق دوں۔

غرض یہ کہ الا کذا الا کذا (اسی طرح اور بھی مضمون ہے) اور استغفار کی طرف متوجہ فرمانے کے ساتھ استرزاق کی طرف متوجہ فرمانے کا اس وقت اہتمام سے اس لئے بیان کیا کہ لوگوں کا گمان ہے کہ خدا کی اطاعت سے رزق کم ملتا ہے تو اس حدیث میں تقدیم استغفار اور تاخیر استرزاق سے معلوم ہو گیا کہ استغفار اور معاصی سے پاک ہونا کہ اطاعت کی ایک فرد ہے اس کو برکت رزق میں دخل ہے۔ (شعبان ج ۷)

## غیبی نظام رزق

میں نے مولانا فتح محمد صاحب مرحوم سے جو میرے ابتدائی کتابوں کے استاد تھے سنا ہے کہ ایک شخص نے ضد باندھی کہ کھانا نہ کھاؤں گا۔ دیکھوں کیسے زبردستی کھانا پڑے گا چنانچہ اس نے کھیت چھوڑ دیا جنگل چلا گیا اور کئی روز تک کھانا نہ کھایا۔ اگرچہ اس نے یہ حماقت کی اور اگر ایسی حالت میں اس کو رزق نہ ملتا تو اس کی وجہ یہ ہوتی کہ اس کی قسمت میں رزق نہیں رہا تھا مگر اللہ تعالیٰ سب کی مرادیں پوری کرتے ہیں یہ جارہا تھا ایک قبر راستہ میں پڑی جس پر سولہ لڈو رکھے ہوئے تھے۔ نفس کی سرکشی کے احتمال سے وہاں سے بھاگا کہ ایسا نہ ہو کہ نفس اس کی طرف متوجہ ہو جاوے اور میرا عہد ٹوٹ جاوے اتفاق سے ڈاکوؤں کی جماعت جو تعداد میں سولہ تھی چھپی ہوئی آ رہی تھی وہ اتفاق سے ادھر ہی کو گزرے دیکھا کہ ایک شخص بھاگا جاتا ہے سمجھے اس کے پاس گنیاں ہوں گی اور وہ بھی سولہ تھے اور لڈو بھی سولہ تھے وہ سمجھے کہ اس شیرینی میں اس نے زہر ملا دیا ہے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ یہ سب لڈو اسی کو کھلاؤ اور لوٹ لو۔ یہ وہاں سے دوڑا مگر کئی روز کا بھوکا تھا، ان لوگوں نے پکڑ لیا اور اس کو گرا کر تمام لڈو چمٹے سے منہ کھول کر اسی کے پیٹ میں اتارے۔ اس نے توبہ کی۔

آنچه نصیب است بہم می رسد      گرنہ ستانی بہ ستم می رسد  
جو قسمت میں ہوتا ہے وہ ضرور پہنچتا ہے اگر خوشی سے نہ لو تو زبردستی پہنچتا ہے۔ (شعبان ج ۷)

## شرارت نفس

چنانچہ حدیث میں ہے لایحل لمؤمن ان یہجر اخاہ فوق ثلثۃ ایام۔ (کنز العمال: ۲۴۷۹۴) کسی مومن کو حلال اور جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن اور تین رات سے زیادہ چھوڑے رہے بھائی کا لفظ شفقت کے لئے فرمایا کہ بھائی کو لائق نہیں کہ بھائی کو چھوڑے (پس یہ کلمہ لانے سے حدیث پر عمل ہونا سہل ہو اور رغبت میں ترقی ہو) ہاں اگر تین دن تک منہ پھلائے رہے تو اجازت دے دی (گو بہتر یہ ہے کہ بالکل ہی کینہ نہ رکھے اور تین دن تک اجازت مقید ہے امور دنیویہ کے ساتھ اگر کوئی کسی بد دین سے اس کی بدینی کی وجہ سے چھوڑ دے تو اگر وہ فاسق ہمیشہ بد دین رہے اور دوسرا شخص ہمیشہ اس کو چھوڑے رہے تو اجازت ہے اور ثواب ہوگا اور بعض مواقع پر واجب ہے)

یہاں تک یہ ثابت کیا گیا کہ شریعت نے ہماری طبیعت کی بڑی رعایت فرمائی ہے اگر کوئی شبہ کرے کہ طبیعت تو نماز سے بھاگتی ہے اور شریعت نے اس کے چھوڑنے کی اجازت نہیں دی اور یہاں طبیعت کی رعایت نہیں کی صاحبو! نماز ایسی چیز ہے کہ اس میں رعایت مضر ہے اور اس کے چھوڑنے کی اجازت مناسب ہی نہیں کیونکہ اس رعایت کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے زہر کھالیا ہو اور اس سے کوئی کہے کہ تو تریاق کھالے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نہیں کھاتا پھر اس کی رعایت کر کے کہنے لگیں کہ اچھا مت کھانا کسی کے حلق میں زخم ہے اور اس کو دوا کرنے کیلئے کہا جاتا ہے وہ منظور نہیں کرتا اور اس میں اس کی رعایت کی جاوے تو اگر ایسا کیا تو یہ ظلم ہے یا رحم ہے۔

پس نماز بھی ایسی ہی چیز ہے کہ اس کے چھوڑنے کی اجازت دینے میں بڑا ضرر ہے بندہ کا ہاں اس میں بھی یہ رعایت کی گئی ہے کہ اس کے اوقات میں توسیع کر دی صبح کی نماز کا وقت طلوع صبح صادق سے آفتاب نکلنے تک ہے جو سوا گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے اگر اس قدر وقت میں بھی سرکار کی طبیعت درست نہ ہو تو ایسے سرکار کی ترکاری پکالیوے ظہر کا وقت دن ڈھلنے سے دو مثل یا ایک مثل تک ہے علی اختلاف الاقوال اور عصر کا وقت ظہر کا وقت نکلنے کے بعد سے آفتاب غروب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت بعد مغرب سے آدھی رات تک بلا کراہت ہے۔ (شعبان ج ۷)

## تلقین نماز

اس کے بعد طلوع صبح صادق تک مکروہ ہے۔ مغرب کے وقت کو عوام الناس بہت تنگ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ وہ تنگ نہیں بلکہ جو مقدار صبح کے وقت کی ہے یعنی طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک وہی مقدار مغرب کے وقت کی ہے ہاں تاخیر کرنا بلا ضرورت مکروہ ہے (تارے چٹک آنے کے بعد مغرب کا وقت مکروہ ہو جاتا ہے) ہاں کسی نے نہ پڑھی ہو تو مکروہ وقت میں بھی پڑھ لے اس لئے کہ قضا پڑھنے سے ادا پڑھنا اچھا ہے گو مکروہ وقت میں ہو۔

یہ بیان مغرب کے متعلق میں نے اس لئے کیا کہ رمضان شریف آنے والے ہیں افطار میں لوگ بہت تنگی کرتے ہیں کہ روزہ داروں کو کھانے پینے بھی نہیں دیتے فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں سودق نہیں کرنا چاہئے۔ یہ وقت اتنا تنگ نہیں ہے پس امام کو تمام مقتدیوں کی رعایت چاہئے اور جماعت اس وقت تک قائم نہ کرے جب تک کہ سب لوگ فارغ نہ ہو جائیں (یہ عرض نہیں ہے کہ اس قدر تاخیر کی جاوے کہ وقت جاتا رہے بلکہ بقدر ضرورت اپنی حاجت پوری کر کے جماعت قائم کر لی جاوے) حدیث میں کھانے کے بارے میں وارد ہوا ہے۔

اذا حضر العشاء والعشاء فابدوا بالعشاء

یعنی جس وقت شام کا کھانا سامنے آ جاوے تو پہلے کھانا کھا لو اور پھر نماز پڑھو۔

کیا ٹھکانا ہے اس رعایت کا اور شریعت کے احکام میں ظاہری مصلحت بھی ہے باطنی بھی ناسوتی مصلحت بھی اور ملکوتی بھی ظاہری اور ناسوتی مصلحت تو یہ ہے کہ کھانا گرم اور حلوا نرم موجود تھا۔ خواہش کھانے کی تھی ضرور تھا کہ اسی میں دل لگا رہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے ایسی حالت میں حضور قلب کیسے ہو سکتا تھا اور کس قدر خرابی ہے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے ایسی حالت میں حاضر ہو تو اگر اجازت نہ ہوتی تو تم کہہ سکتے تھے اور عذر کر سکتے تھے کہ ہم طبعاً معذور ہیں دل تو وہاں لگا ہے ہم کیسے حضور قلبی سے حاضر ہوں پس تم کو اجازت دے دی کہ پہلے حلوا کھائیے اور پھر جلوا دیکھئے غرض دونوں مصلحتیں ملحوظ رکھی گئیں جو ظاہر کے دیکھنے والے ہیں انہوں نے یہ مصلحت سمجھی کہ پیٹ بھر گیا اور جو اہل باطن ہیں انہوں نے یہ مصلحت سمجھی کہ وہ حضرت پروردگار کے قابل ہو گئے اور ان میں حضور کی استعداد پیدا ہو گئی۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را بوار باب معنی را  
اس کے عالم حسن کی بہار دل و جان کو تازہ رکھتی ہے رنگ سے اہل ظاہر کے دل و جان  
کو اور بوسے ارباب حقیقت کے دل و جان کو۔ (شعبان ج ۷)

## آخری جنتی

حدیث میں ہے کہ ایک شخص سب سے اخیر میں دوزخ سے گھسٹتا ہوا نکلے گا اور وہ جہنم  
میں شور و غل کرے گا کہ اے اللہ میں ہی کیوں رہ گیا۔ حکم ہوگا کہ اس کو یہاں سے نکال کر  
دوزخ کے کنارہ پر بٹھا دو۔ پس ایسا ہی ہوگا اور اس کا منہ دوزخ کی طرف ہوگا۔ پٹ لگے  
فریاد کرے گا۔ حکم ہوگا کہ دوزخ کی طرف اس کی پشت کر دو۔ پشت کرنا تھا کہ اب جنت نظر  
آنا شروع ہوئی اور اس کی ایک درخت پر نظر پڑے گی تو عرض کرے گا کہ اے اللہ! اس  
درخت تک پہنچا دیجئے۔ پھر دوسرے درخت پر نظر پڑے گی اس کے لئے بھی یہی تمنا کرے  
گا۔ ارشاد ہوگا یہ کیا ابھی تو ایک ہی درخت تک کی فرمائش تھی اب دوسرے درخت کی  
فرمائش ہو گئی، مگر اس پر غلبہ خواہش کا ہوگا اور صبر نہ کر سکے گا۔ پس عرض کئے جائے گا۔ غالباً  
حضرت امام حسن بصری جو تابعی ہیں یا اور کوئی بزرگ اس حدیث کو بیان کر کے فرمانے لگے  
کہ کاش میں وہی شخص ہو جاؤں۔ ان پر کس قدر خشیت تھی۔ اپنے کو کس قدر کم درجہ کا سمجھتے  
تھے کہ اے اللہ میں ہی وہی شخص ہو جاؤں کہ کبھی دوزخ سے نکل جاؤں گا۔ (شعبان ج ۷)

## بدعات کے زہر پلے اثرات

بدعت میں سنکھیا چھپی ہوئی ہے۔ سمیات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو برنگ سم دوسری  
برنگ شیرنی جیسے لڈو میں زہر ملا ہوا ہے ہی معصیت کے بھی دو رنگ ہیں ایک تو برنگ  
معصیت اور دوسرا برنگ عبادت۔ جس طرح تعطیل عدالت کا بڑھا دینا بظاہر تو خیر خواہی تھی  
مگر حقیقت میں عداوت تھی اس لئے کہ اس میں تبدیلی تھی حکم عدالت کی۔

دوستی بے خبر جوں دشمنی ست حق تعالیٰ زیں چنین خدمت غنی ست  
بے وقوف کی دوستی حقیقت میں دشمنی ہے۔ حق تعالیٰ ایسی خدمت سے جس میں ان  
کے حکم میں تغیر لازم آوے، بے پرواہ ہیں۔



اللہ پاک ہے بدعت سے اس کو حاجت نہیں کہ آپ بدعت کی صورت میں عبادت پیش کریں۔  
اس شب میں بھی بعض بدعات ہیں، جن کا بیان آتا ہے اور بعض کھلی معصیت اور بعض مستحبات۔  
مستحب تو اس شب کے متعلق تین حکم جو حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ دو قول حدیث میں۔

صوموا نھا رھا و قوموا الیھا

(اس کے دن میں روزہ رکھو اور رات میں شب بیداری کرو)

اور ایک فعلی حدیث میں وہ یہ کہ آپ بعد عشاء بقیع الغرقہ میں (جو مدینہ منورہ میں ایک قبرستان ہے) تشریف لے گئے اور وہاں مردوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ حضرت عائشہ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ میرے پاس جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ وہاں جا کر مردوں کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ یہ روایت ترمذی اور نسائی میں ہے۔ یہ تو ثابت ہے حدیث سے۔ پھر اس پر حاشیہ چڑھایا گیا اور اس پر درحاشیہ اور پھر برحاشیہ۔ اول حاشیہ تو موضح اور مفسر تھا مغیرہ تھا اور اس میں جائز ہے کہ کوئی مفتی خلاف کرے مگر ہمارے اساتذہ نے خلاف نہیں کیا اور وہ حاشیہ یہ تھا کہ جس طرح حدیث سے استغفار ثابت ہے اسی طرح مردوں کو نفع پہنچایا جاوے۔ قراءۃ قرآن سے صدقات سے۔ اور یہ تینوں بھی مساوی نہیں استغفار تو متفق علیہ ہے معتزلہ بھی اس کے قائل ہیں۔ اور اہل بدعت بھی۔ باقی قراءۃ قرآن میں بعض اہل سنت بھی اور معتزلہ صدقات میں بھی اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا ثواب نہیں پہنچتا۔ منکرین وصول ثواب عبادت بدنیہ کے عدم نص سے استدلال کرتے ہیں اور معتزلہ اس نص سے لیس للانسان الاماسعی (انسان کو اپنی ہی کوشش کا نفع ملتا ہے)

جواب اول کا ورد بعض نصوص کا اس کے اثبات میں جب حضرت ابو ہریرہؓ نے کسی سے کہا تھا کہ مسجد عشر میں دو رکعت پڑھ کر کہہ دے ہذا لابی ہریرہ (یہ ابو ہریرہ کے لئے ہیں) اور ثانی کا جواب یہ ہے کہ یہ حصر حقیقی ہے یا اضافی۔ اگر حقیقی ہے تو اس استغفار سے بھی ثواب حاصل نہ ہوگا حالانکہ یہ تم بھی نہیں کہتے ہو۔ پس حصر اضافی ہے اور مسئلہ مذکورہ مستقل دلیلوں سے اپنے موقع پر ثابت ہے۔ یہ اس کا موقع نہیں اور اہل سنت والجماعت میں حضرت امام اعظم صاحب تو قائل ہیں کہ عبادت مالی دو بدنی دونوں کا نفع مردوں کو پہنچتا ہے اور بعض فقط عبادت مالیہ کے نفع پہنچنے کے قائل ہیں جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ (شعبان ج ۷)

## ماہ صفر کی عید

حیدرآباد میں ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کی عیدی کا دستور ہے۔ حضور نظام کے استاد مولوی محمد زمان خان صاحب سے حضور نظام نے بچپن میں عرض کیا کہ عیدی دیجئے جیسی مشہور ہے۔ آخری چہار شنبہ آیا ہے۔ غسل صحت نبی نے پایا اور اصرار کیا مولوی صاحب نے عیدی کیادی۔ اس میں تبلیغ بھی کر دی اور عید کی نفی بھی کر دی۔

آخری چار شنبہ ماہ صفر ہست چوں چار شنبہائے دگر  
ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ مثل دوسرے چار شنبوں کے ہے۔

نہ حدیث شدہ راں وارد نہ درو عید کرد پیغمبر  
اس میں نہ کوئی حدیث آئی ہے نہ اس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عید منائی۔  
مولوی صاحب کو حضور نظام نے اکیس اشرفیاں نذر دیں۔ عید کیا تھی بقر عیدی تھی کہ وہ عید ہی ذبح ہو گئی۔ تو دیکھو انہوں نے نفی بھی کر دی اور جو قسمت کا تھا وہ بھی مل گیا۔ (شعبان ج ۷)

## اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا

ہم نے حق تعالیٰ کی تعریف کی۔ یعنی جن چیزوں کو ہم عیب سمجھتے ہیں ان سے حق تعالیٰ کے بری ہونے کا دعویٰ کیا، لیکن حق تعالیٰ کی شان کے مناسب جو پا کی ہے وہاں ہمارا تو کیا ذہن پہنچتا، سیدالحامدین صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ عرض کر رہے ہیں:

لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك.

”اے اللہ! میں آپ کی ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا، آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے خود اپنی تعریف کی۔“

یعنی اگر کوئی آپ کی تعریف کر سکتا ہے تو وہ خود آپ ہی ہیں کیونکہ تعریف حقیقی کے لیے معرفت بالکنہ شرط ہے اور معرفت بالکنہ کس کو حاصل ہو سکتی ہے۔ بجز خود ذات حق کے تو ہم تو کیا چیز ہیں، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بجز ظاہر فرما رہے ہیں۔ یہی معنی ہیں اس فرمانے کے۔

من نکر دم پاک از تسبیح شاں پاک ہم ایشاں شوند و درفشان

(میں ان کی تسبیح و تقدیس بیان کرنے سے پاک نہیں ہوتا بلکہ اس تسبیح کرنے سے وہ خود پاک ہوتے ہیں) (شرائط الطاعت ج ۷)

صاحبو! اجمالاً اتنا سمجھ لو کہ بزرگوں کے قول کی تقلید کرنا چاہیے ان کے افعال کی نہیں کرنا چاہیے۔ (شعبان فی شعبان ج ۷)

اس وقت لوگ کہتے ہیں کہ علم کو بہت ترقی ہے سو علم کو بے شک ترقی ہے مگر کون سے علم کو یہی ریل تار فوٹو گراف بس ان کو ترقی ہے مگر حقیقت میں خود ان کو علم کہنا ہی غلطی ہے اس کو صنعت کہئے۔ تدبیر کہئے گو بالمعنی الاعم (اعم معنی کے اعتبار سے) علم ہی سہی۔ یوں بعض علوم وہ بھی ہیں جن کی شان میں حدیث ہے۔

ان من العلم لجهلا بعض علوم جہل ہوتے ہیں مگر علم مطلوب واقعی میں تو وہی ہے کہ علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت زنگ گمراہی زدل بزد آیدت واقع میں علم وہی ہے جو تم کو محبوب حقیقی کی راہ پر لگا دے اور تمہارے دل سے گمراہی کا زنگ دور کر دے۔ ایں ہوس ہا از سرت بیروں کند خوف و خشیت در دلت افزوں کند خواہشات نفسانی و شیطانی کو تمہارے سر سے نکال کر اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت تمہارے دل میں زیادہ کر دے۔

اگر کہا جاوے کہ علم کے معنی جاننے کے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ کل ایک مہتر کو بھی حق ہو گا کہ وہ اپنے کو ذی علم کہے کیونکہ صحت کے لئے صفائی کی ضرورت اور مہتر صفائی کے فن کو جانتا ہے مگر آپ اس کو علم نہیں کہتے تو جس طرح آپ اس کو علم نہیں کہتے ہم ریل تار فوٹو گراف وغیرہ جاننے کو علم نہیں کہتے۔ ہاں صنعت ہے اور ضروری ہے۔ (المال والجاه ج ۸)

## اسلامی حدود کی وضاحت

حدیث میں ہے لعن اللہ السارق يسرق البيضة فتقطع يده و يسرق الحبل فتقطع يده (یعنی اللہ چور پر لعنت کرے کہ وہ ایک انڈا چراتا ہے اور اس پر اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور ایک رسی چراتا ہے اور اس پر اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے)

اس حدیث میں اشکال یہ ہوتا ہے کہ ایک انڈا چرانے سے یا رسی چرانے سے ہاتھ کہاں کاٹا جاتا ہے۔ ہاتھ کاٹنے کا نصاب تو اس سے زیادہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک

انڈے اور ایک رسی پر ہاتھ کاٹنے پر فرما رہے ہیں۔ ہمارے (یعنی حنفیہ کے) نزدیک قطع ید کا نصاب دس درہم ہیں دوسرے ائمہ کے نزدیک اس کی اور مقدار ہے۔ بہر حال اہل مذاہب متبوعہ میں کوئی ایسا نہیں کہ جس کے نزدیک اس کا کوئی نصاب نہ ہو اور انڈے اور رسی چرانے پر اہل مذاہب متبوعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی قطع ید نہیں آتا۔ اس لئے اس حدیث کا ماول کرنا واجب ہوا کہ اس کو ظاہر سے منصرف کیا جاوے پس بعض نے کہا کہ بیضہ سونے کا مراد ہے جس کی قیمت نصاب سے بھی زائد ہے اور بعض نے کہا کہ بیضہ سے مراد خود ہے خود لوہے کی ٹوپی ہوتی ہے جس کو سر پر پہن لیتے ہیں تاکہ تلوار اثر نہ کرے وہ اتنی قیمت کی ہو سکتی ہے جس پر قطع ید آوے اسی طرح بعض نے جبل سے مراد جبل سفینہ لیا ہے کہ وہ اتنی قیمت کی ہو سکتی ہے بعض نے کہا ہے کہ اتنی حقیر چیز پر قطع ید ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا یہ سب بعید تاویل ہیں۔ ہمارے استاد رحمہ اللہ نے جو تاویل فرمائی ہے وہ جی کو لگتی ہے اور ظاہر حدیث سے کچھ بعید بھی نہیں تو جب تک کہ متبادر معنی بن سکیں غیر متبادر کی طرف کیوں جائیں۔ میرے استاد فرماتے ہیں کہ حدیث میں بیضہ اور جبل کے وہی معنی مراد ہیں جو متعارف ہیں۔ یعنی انڈا اور رسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس سے معصیت کی عادت ہوتی ہے اور بڑی معصیتوں کا باب کھلتا ہے جو چور بد معاش ہوتے ہیں وہ اول چوری پیسہ پیسہ سے شروع کرتے ہیں جب وہ کھپ گیا آگے جرات ہوئی پھر اور آگے چلے یہاں تک کہ ایک روز اس کی نوبت پہنچی کہ ہاتھ کاٹ دیا گیا یعنی کسی زمانہ میں انڈا یا رسی چرائی تھی آج یہاں تک نوبت پہنچی کہ اتنا مال چرایا کہ جس پر قطع ید کا حکم آ گیا یہ مطلب ہے اس حدیث کا۔ مثلاً ایک شخص سو روپیہ قرض لینے آیا مگر ہمیں تجربہ نہیں اس کا کہ یہ شخص معاملہ کا کیسا ہے تو ہمیں اس گمان کرنے میں کچھ حرج نہیں کہ نہ معلوم یہ شخص کیسا نہیں کیسا ہے۔ دین دار ہے یا نادہندہ۔ اگر ہم جھوٹ بھی بول دیں کہ روپیہ ہمارے پاس نہیں ہے تو بھی گناہ نہ ہوگا کیونکہ یہ شخص اپنے کو ضرر سے بچا رہا ہے۔ دوسرے کو ضرر نہیں دے رہا۔ اس جھوٹ سے گناہ نہیں ہوتا یہی معنی ہیں۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

(مصلحت آمیز جھوٹ فتنہ پھیلانے والی سچائی سے اچھا ہے)

کے اور یہ عام نہیں ہے کہ ہر مصلحت میں جھوٹ بول دیا کرے۔ مصلحت سے



مطلق مصلحت مراد نہیں بلکہ جس دروغ میں دوسرے کا ضرر نہ ہو اور اپنا یا کسی اور کا اس سے ضرور دفع ہوتا ہو شیخ نے اس کو مصلحت سے تعبیر کیا ہے۔

مثلاً کوئی شخص کسی ظالم کے خوف سے چھپا ہوا ہے اور اس کو معلوم ہے اور وہ ظالم تلاش کرنے آیا اور اس سے پوچھا اس نے کہہ دیا کہ مجھ کو خبر نہیں تو یہ جائز بلکہ واجب ہے خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں سے بدگمانی معاملہ کے اعتبار سے ہونہ اعتقاداً۔ ہاں اپنے نفس سے ہر حالت میں بدگمان رہے۔

حضرت ابو بکر ؓ کا سارا گھر لے لیا کیونکہ وہ صدیق اکبر بھی تھے۔ وہاں نہ طبع پر ناگواری کا شائبہ تھا نہ تکلیف سے متاثر ہونے کا اس لئے لے لیا کیونکہ وہ تو آپ کے اندر فنا ہو گئے تھے غیریت بالکل اٹھ گئی تھی پھر ان میں یہ احتمالات کس طرح ہو سکتے تھے۔

## ایک حدیث کی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تکفرہ بذنب ولا تخرجه من الایمان یعنی کسی مسلمان کو کافر مت بناؤ کسی گناہ کی وجہ سے اور اس کو ایمان سے خارج مت کرو۔ حضور نے دو جملے ارشاد فرمائے ایک لا تکفرہ بذنب اور دوسرا لا تخرجه من الایمان بظاہر دوسرے جملہ کے بیان کرنے کی حاجت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ لا تخرجه من الایمان تو لا تکفرہ بذنب میں خود ہی آ گیا۔ کیونکہ جب مسلمان کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ ہوا۔ تو خروج من الایمان بھی نہ پایا گیا۔ پھر دوسرا جملہ ارشاد فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔

سو اس کا راز یہ ہے کہ آپ کے بعد دو متبوع فرقے بڑے بڑے پیدا ہونے والے تھے جن کا فتنہ عظیم تھا۔ ایک خوارج دوسرے معتزلہ خوارج کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان گناہ کبیرہ کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر تو نہیں ہوتا مگر مومن بھی نہیں رہتا۔ بین بین حالت ہو جاتی ہے نہ اس کو کافر کہہ سکتے ہیں نہ مومن۔ آپ نے ان دونوں فرقوں پر نکیر فرمائی۔ پہلے جملہ میں تو خوارج کا رد ہے اور دوسرے میں معتزلہ کا۔ اس لئے آپ نے دو جملے ارشاد فرمائے۔ (خیر الاثم للاثم ج ۸)

جب میں نواب صاحب ڈھا کہ کے یہاں جاتا تھا وہ میری وجہ سے گھی کم ڈلواتے تھے۔ کیونکہ ہم لوگوں کے مذاق میں زیادہ گھی ڈالنے سے کھانے کا مزہ ہی باقی نہیں رہتا۔

مگر وہاں نواب صاحب کے چچا سے معلوم ہوا کہ ہمارے یہاں تو سیر بھر گوشت میں سیر بھر گھی پڑا کرتا ہے میں نے کہا اتنا گھی تو ہمارے یہاں بیلوں کو دیا جاتا ہے میں نے یہ بھی کہا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ گھی کوئی زیادہ مرغوب چیز نہیں۔ مجھ سے پوچھا گیا قرآن مجید سے کیسے معلوم ہوا۔ میں نے جواب دیا کہ قرآن مجید نے جنت میں چار نہریں بتلائی ہیں۔ ایک پانی کی ایک دودھ کی ایک شراب طہور کی ایک شہد کی۔ اگر گھی بھی مرغوب ہوتا تو ایک نہر اس کی بھی مذکور ہوتی۔ (خیر الاثاث للاناث ج ۸)

## مصائب اختیار یہ

حق تعالیٰ فرماتے ہیں لا تلقوا بایدیکم الی التهلکة (اپنے آپ کو ہلاکت کے ہاتھوں میں مت ڈالو) اور رسول فرماتے ہیں۔

لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسه قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کیف یذل نفسه قال یتحمل من البلاء لما لا یطیقہ۔ (الحديث)

نص قرآنی سے معلوم ہوا کہ جس ہوس کا نتیجہ ہلاکت ہو وہ ممنوع ہے وہ دین نہیں ہے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو اپنے آپ کو ذلیل کرنا بھی جائز نہیں گو ہلاکت بھی نہ ہو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مسلمان اپنے آپ کو کیونکر ذلیل کرتا ہے؟ فرمایا ایسی بلا کو سردھر لے جس کے تحمل کی طاقت نہیں۔ اس سے بھی تجاوز عن الحد کی مذمت معلوم ہوئی۔ یہ تو مصائب اختیار یہ کے متعلق شریعت کی تعلیم تھی۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو اختیاری مصائب سے جو پریشانی ہوتی ہے وہ کبھی پاس نہ آ سکے۔ (علاج الحرص)

یہاں سے اس حدیث کا مطلب واضح ہو گیا ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ (دنیا کی محبت سب برائیوں کی جڑ ہے) حب دنیا ہی کا نام تو حرص ہے اور عورتوں میں یہ مرض مردوں سے زیادہ ہے۔ ان کو زیور کپڑے اور برتنوں کی بہت حرص ہے پھر اس سے ریاء و تفاخر بھی پیدا ہوتا ہے جب محفل میں بیٹھیں گی تو کسی بہانہ سے اپنے کرن پھول اور کنگن دکھانا چاہیں گی۔ کنگن تو ہاتھوں میں ہوتے ہیں وہ تو سب بے تکلف دیکھ لیتے ہیں البتہ کرن پھول اور طوق گلو بند وغیرہ دوپٹے سے مستور ہوتے ہیں تو جوان میں ثقہ نہیں ہیں وہ تو بدالالت قال دکھلاتی ہیں کہ اے فلانی! دیکھئے میرے کرن پھول کیسے ہیں؟ اچھے بھی

بنے ہیں گلوبند عمدہ بھی ہے جس سے سب سمجھ جاتی ہیں کہ مقصود یہ جتلانا ہے کہ ہمارے پاس یہ چیزیں بھی ہیں اور جو ثقہ بھی ہیں وہ بدالالت قال تو نہیں دکھلاتیں مگر بدالالت حال دکھلاتی ہیں کہ بیٹھے بیٹھے ان کے کان میں یا گلے میں کھجلی اٹھتی ہے بار بار کان اور گلا کھجلاتی ہیں مگر یہ کھجلی اول دل میں ہوئی تھی پھر کان میں ہونے لگی۔ (علاج الحرص ج ۸)

حدیث میں آیا ہے۔ اذ ادخل رمضان صفدت الشیاطین

(کہ جب رمضان آتا ہے تو شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں)

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ پھر رمضان میں گناہ کیوں ہوتے ہیں اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ سب قید نہیں ہوتے بلکہ بڑے بڑے شیاطین قید ہوتے ہیں جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض روایات میں مردۃ الشیاطین (بڑے بڑے شیاطین) آیا ہے تو چھوٹے قید نہیں ہوتے اور رمضان میں صدور معاصی انہی کی وجہ سے ہوتا ہے مگر میرے نزدیک اگر سب بھی قید ہو جائیں تب بھی کچھ اشکال نہیں کیونکہ معاصی کا سبب تقاضائے نفس بھی ہے پس شیاطین کے قید ہو جانے کے بعد جو گناہ ہوتے ہیں ان کا منشاء تقاضائے نفس ہے۔ (علاج الحرص ج ۸)

## بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بڑا ساز و سامان تھا۔ سلطنت جیسے ٹھاٹ تھے مگر مال سے بے تعلقی کی یہ حالت تھی کہ ایک فقیر نے آپ کا امتحان لینا چاہا کہ دیکھو ان کو مال سے کتنا تعلق ہے اس نے ایک دن خواجہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت میرا جی چاہتا ہے کہ اس سال آپ کے ساتھ حج کروں اس نے دل میں سوچا ہوگا کہ خواجہ صاحب انتظام ریاست کا عذر کر کے کچھ طویل میعاد مقرر کریں گے مگر وہاں کیا دیر تھی خواجہ صاحب فوراً رومال جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا بہت اچھا چلو۔ فقیر نے کہا، حضرت ریاست کا تو کچھ انتظام فرما دیجئے۔ فرمایا یہ تو خدا کا مال ہے وہ خود اس کی حفاظت کر لیں گے میں تو ایک برائے نام محافظ ہوں اگر میں نہ ہوں گا تو وہ کسی دوسرے کو میری جگہ مقرر کر دیں گے مجھے انتظام کی ضرورت نہیں اس نے کہا اچھا میں ذرا کمبل اور کپڑے گھر سے لے آؤں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا بس اسی پر اپنے کو دنیا سے بے تعلق سمجھتے ہو مجھے تو اتنی بڑی ریاست کی بھی فکر نہ ہوئی اور تمہارا دل ابھی تک کمبل اور کپڑوں ہی میں اٹکا ہوا ہے۔ درویش اپنا سامانہ لے کر رہ گیا۔ (علاج الحرص ج ۸)

## طلب جنت کا ذریعہ

حدیث قدسی میں فرماتے ہیں اعدت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر قلب بشر۔ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کی ہے کہ نہ کسی نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی نہ کسی کے دل میں اس کا خیال تک گزرا۔ حالانکہ خیال بڑی وسیع چیز ہے۔ مگر بروئے حدیث وہ چیزیں اسباب آخرت پر متفرع ہوتی ہیں جو خیال میں بھی نہ آسکیں۔ اب سوچئے کہاں تک سوچیں گے جمال باغ نہریں خادم ماکولات و مشروبات وغیرہ جہاں تک بھی آپ کا خیال پہنچے پھر ایک مرتبہ ایسا نکالئے کہ خیال سے بھی باہر ہو اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہو مگر وہاں ملے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اگر فضل ہوا آخرت میں ترتب اثر تو کیا اس اثر کا وعدہ ہے کہ سبب سے اور اس سے کچھ نسبت بھی نہیں جمال اور باغ وغیرہ میں بھی ایسے مراتب نکل سکتے ہیں کہ خیال سے باہر ہوں اور بعض نتیجے وہاں کے وہ ہیں کہ ان کا صرف لفظ ہی سنا ہے ماہیت تو عقل میں بھی نہیں آتی۔ وہ رویت الہی ہے غرض ترتب اثر یقینی ہوا کیونکہ وعدہ فرمایا ہے باری تعالیٰ نے کہ اثر ہم ضرور متفرع کریں گے تم ذرائع کو حاصل کرو۔ (وعظ میرٹھ ج ۸)

## حب دنیا کی حقیقت

مال را گر بہر دیں باشی حمل  
نعم مال صالح گفت آں رسول  
”اگر مال و دولت کو دین کیلئے حاصل کرو تو ایسے مال کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا مال فرمایا ہے“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نعم المال الصالح للرجل الصالح (اچھا نیک مال نیک آدمی کا مال ہے) مال سے مدرسہ بنا سکتا ہے۔ مساکین کی خدمت طلباء کی اعانت کر سکتا ہے حقوق ادا کر سکتا ہے۔ دوسری قوم کے مقابلہ میں اپنی قوم کی اس سے مدد کر سکتا ہے۔ کتنے نفع کی چیز ہے۔ کون کہتا ہے کہ مال مضر ہے البتہ حب مال مضر ہے پس ہاتھ میں رہے۔ قلب میں نہ رہے۔ یہ حالت ہو کہ دل بیار دست بکار۔

حاصل یہ ہوا کہ وہ شخص دنیا دار نہیں جس کے قلب میں تو محبت ہو خدا اور رسول کی اور ہاتھ میں مال رکھتا ہو۔ جس کی علامت یہ ہے کہ اگر لاکھ روپے ملتے ہوں اور دین کا نقصان ہوتا ہو تو وہ دین کے



مقابلہ میں لاکھ روپے پر لات مار دے۔ سو ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے کہ جس کے دل سے دنیا کی محبت نکل جائے۔ جب محبت دنیا کی دل سے نکال دے گا تو پھر دنیا دار نہ ہوگا۔ (وعظ الحیاة ج ۸)

## جنت اور اس کی وسعت

میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ سے عرض کیا کہ حضرت جب سارے جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اور جنت پھر بھی خالی رہے گی اور حق تعالیٰ سے وہ عرض کرے گی کہ مجھے بھرئیے کیونکہ آپ نے مجھے بھرنے کا وعدہ فرمایا تھا تو حق تعالیٰ جنت کو بھرنے کے لئے اسی وقت ایک نئی مخلوق کو پیدا فرمائیں گے تو یہ نئے لوگ بہت اچھے ہوں گے کہ ان کو مفت جنت مل گئی فرمایا کیا اچھے ہوں گے ان کو جنت سے خاک بھی لذت نہ ہو گی وہ تو سمجھیں گے کہ زندہ ہو کر یوں ہی چین ہوتا ہوگا جیسا جنت میں ہو رہا ہے اچھے ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ہوں گے کہ جنت میں دنیا کی تکالیف جھیل کر پہنچیں گے ہم کو جنت کی نعمتوں سے زیادہ حظ آئے گا کہ وہاں قدم رکھتے ہی بے ساختہ زبان سے نکلے گا۔

الحمد لله الذى اذهب عنا الحزن ان ربنا لغفور شكور الذى احلنا

دار المقامة من فضله لا يمسنا فيها نصب ولا يمسنا فيها لغوب

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سب سے رنج و الم دور کر دیا بے شک ہمارا رب بڑا بخشنے والا قادر دان ہے جس نے ہمیں محض اپنے فضل سے دارالحسن سے نکالا جہاں سے نکل کر ہم نے نہ تکان محسوس کی اور نہ ہمیں خستگی و در ماندگی پہنچی۔ (مطاہر الاموال ج ۸)

## صحت و اطمینان کی نعمت

ہم لوگ تو اس زمانہ کے اعتبار سے آج کل بادشاہ ہیں کیونکہ حدیث میں ہے۔

اصبح معافى فى جسده اماناً فى سر به عنده قوت يومه فكانما

حيزت له الدنيا بهذا فيرها

کہ جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ بدن میں صحت اور نفس میں بے فکری

ایک دن کا کھانا پاس ہو اس کو تمام دنیا مل گئی۔

جب صحت و اطمینان کے ساتھ ایک دن کا کھانا گھر میں موجود ہو تو یوں سمجھو کہ تمام دنیا گھر میں آگئی۔ اگلے دن کی فکر نہ کرو۔ (مطاہر الاموال ج ۸)

مترس از بلائے کہ شب درمیانت

## چندہ کا طریقہ

لگ لپٹ کر چندہ نہ مانگنا چاہئے جس سے دوسروں کو علماء پر احتیاج کا شبہ ہو کیونکہ یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے یہاں تو یہ حالت ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو دارو گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

”جب دل چاہے آؤ جب دل چاہے چلے جاؤ اس دربار میں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں“ بلکہ یہ طریقہ شرافت کے بھی خلاف ہے شریف آدمی کو احتیاج بھی ہو جب بھی وہ لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتا۔ چنانچہ ایسے ہی فقراء کی شان قرآن میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

للفقراء الذين احصر و افی سبیل اللہ لا یستطیعون ضرباً فی الارض یحسبهم الجاهل اغنیاء من التعفف تعرفهم بسیمامہم لا یسئلون الناس الحافاً

ہم نے عرب میں سائلوں کی یہ حالت دیکھی ہے کہ جہاں ان سے کسی نے اللہ اکبر کہہ دیا تو فوراً اللہ کریم کہتے ہوئے چل دیئے اس لفظ کے سننے کے بعد دوبارہ ہرگز نہیں مانگتے۔ اب اگر کسی کو دینا ہو تو خود دوڑ کر انہیں دے دے وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ اور جو لوگ سر ہو جاتے ہیں وہ اکثر ہندوستان کی نسل ہیں عرب نہیں ہیں۔ مگر وہاں رہ کر صورت عربوں کی سی بنا لی ہے۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کو عربی بولنا بھی نہیں آتی۔ (مطاہر الاموال ج ۸)

## نا اہل کو منتظم یا مہتمم بنانا

حدیث میں ہے اذا وسد الامر الی غیر اہلہ فانتظر الساعة (جبکہ کام کو اسکے غیر اہل کے سپرد کرو تو قیامت کا انتظار کرو)

آج کل یہی حالت ہے کہ ناقابل کے کام سپرد کر دیتے ہیں اور اہل کے اس واسطے سپرد نہیں

کرتے کہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آپ اہل کہتے ہیں ان کے کرتے پا جامے پھٹے ہوئے ہیں۔ وضع قطع غیر مناسب ہے۔ ایسے لوگوں سے ہماری مجلس کی بے قدری ہوگی۔ (تائیس البیان)

## چوری اور ہیرا پھیری

ایک بزرگ کے ہاتھ پر ایک چور نے چوری سے توبہ کی۔ اور خانقاہ میں رہنے لگا۔ صبح کو خانقاہ والوں کے جوتے گڑ بڑ ہو جاتے۔ کسی کا ایک کہیں پڑا ہے دوسرا کہیں پڑا ہے۔ لوگوں کو دس پندرہ منٹ تک جوتوں کی تلاش میں پریشانی ہوتی اور اتنی دیر تک اچھی خاصی رونق ہو جاتی سب کو فکر ہوئی کہ یہ کس کی حرکت ہے۔ پھر اس نو وارد پر شبہ ہوا۔ مگر چونکہ اہل اللہ تھے۔ اس لئے بدگمانی نہ کی بلکہ تفتیش شروع کی۔ آخر ایک رات پکڑے گئے اور صبح کو شیخ کے سامنے حاضر کئے گئے۔ کہ حضرت یہ نو وارد خانقاہ والوں کے جوتے گڑ بڑ کر دیتا ہے۔ نہ معلوم اس کو اس میں کیا مزا آتا ہے اور ہم کو بے فائدہ پریشانی ہوتی ہے۔

شیخ نے پوچھا۔ نو وارد نے کہا کہ حضرت میں آپ سے پالیسی نہیں کرتا بلکہ صاف صاف اپنا فرض بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں پہلے چوری کا عادی تھا جس سے اب توبہ کر لی ہے۔ مگر جب رات کو دو بجتے ہیں تو نفس تقاضا کرتا ہے میں اس کو دو باتا ہوں کہ بزرگوں سے بیعت ہو کر ان کی مخالفت کرنا چھوڑ دو وہ پھر تقاضا کرتا ہے۔ میں پھر روکتا ہوں۔ گھنٹہ بھر تک میری اس کی جنگ ہوتی ہے۔ آخر کار مصالحت پر فیصلہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ صلح میں کچھ دینا پڑتا ہے کچھ دوسرے کو دبایا جاتا ہے۔ تو میں نفس سے کہتا ہوں کہ چوری میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک چیز کا اٹھانا دوسرے اسے لے جانا۔ تو ان دونوں میں ایک کام کر لے ایک کام چھوڑ دے۔ اسلئے خانقاہ والوں کے جوتے گڑ بڑ کر دیتا ہوں کہ ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتا ہوں۔ اب اگر یہ بھی ممنوع ہے تو میں اس سے بھی توبہ کر لوں گا۔ مگر اندیشہ ہے کہ جب نفس کا تقاضا زیادہ ہوگا تو چوری میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

شیخ نے کہا کہ تم جوتے گڑ بڑ کر دیا کرو۔ تم کو جائز ہے۔ بلکہ تم پر واجب ہے کیونکہ چوری سے وقایہ ہے اور خانقاہ والوں سے کہا تم اس تکلیف کو گوارا کر لو تم کو ثواب ملے گا۔

## تعزیت کا اچھا طریقہ

ایک اعرابی نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے موقع پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھی۔ آج کل اگر کوئی ایسا مضمون بیان کرے تو لوگ کہیں گے۔ لیجئے تسلی دینے آئے تھے ڈھیلا سا مار گئے۔ آج کل تو تعزیت اس کو کہتے ہیں کہ بیٹھتے ہی رونے لگو۔ یا رونے کی صورت بنا لو اور یوں کہو کہ یہ خبر سن کر بہت ہی غم اور صدمہ ہوا۔ تمہارے دل پر کیا گزری ہوگی۔ ہائے! یہ کیسا گھر برباد ہو گیا جس سے غم زدہ کا دل اور پاش پاش ہو جاتا ہے خصوصاً عورتوں کے کلمات تو ایسے زہر آلود ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق تو میں فتویٰ دیتا ہوں کہ غم کے وقت ان کے کلمات سننا جائز نہیں۔ مجھے تو ایک مرتبہ عورتوں کے کلمات تعزیت سن کر اختلاج قلب ہو گیا تھا جس کی مضرت دو رتک پہنچ گئی تھی۔ ان کا سننا صحت جسم اور صحت دین دونوں کے لئے مضر ہے اب اس اعرابی کا مضمون سنئے۔ کہتا ہے۔

اصبر نكن بك صابرين فانما صبر الرعية بعد صبر الراس  
اے عبد اللہ بن عباس! صبر کیجئے تاکہ آپکو دیکھ کر ہم بھی صبر کا سبق سیکھیں..... کیونکہ آپ مقتداء ہیں اور مقتداء کے صبر سے ہی رعیت کو صبر کا سبق حاصل ہوتا ہے اگر مقتداء بے صبر بن جائے تو رعیت کیوں کر صابر ہوگی۔“

سبحان اللہ! کیسی عجیب تعلیم ہے جس کو سن کر مقتدا پوری طرح صبر کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ آپکو اول تو اپنے علم کی وجہ سے صبر کرنا چاہئے۔ اگر یہ نہ ہو تو کم از کم ہمارے ہی خیال سے صبر کیجئے۔ آگے کہتا ہے۔

خير من العباس اجرک بعده واللہ خير منك للعباس  
حضرت عباسؓ کے انتقال سے جو آپ کو غم کو ہوا اور اس پر اجر ملا وہ اجر آپ کے حق میں حضرت عباس سے بدرجہا بہتر ہے عباس کو لے کر کیا کرو گے۔ وہ تو دنیا ہی میں کام آتے اور ثواب تو جنت تک آپ کو پہنچا دیگا۔ اور حضرت عباسؓ کے لئے خدا تعالیٰ آپ سے بہتر ہیں۔ وہ آپ سے جدا ہو کر خدا کے پاس پہنچ گئے۔ پھر کا ہے کا غم کہ نہ آپ کا نقصان ہو نہ ان کا بلکہ دونوں کا نفع ہی ہو گیا۔ (الصبر والصلوة ج ۹)



## ایک بزرگ کا کشف

عبدالکریم جیلیؒ کا کشف ہے کہ ایک دریا زمین و آسمان سے باہر ہے جس کی ایک موج ساتوں آسمان و زمین سے دس لاکھ حصہ زیادہ ہے۔ مگر اس کی موج آسمان و زمین کے ساتھ ٹکرا جائے تو سب غرق ہو جائیں۔ مگر ملائکہ اس کی موجوں کو تھامے ہوئے ہیں۔ تاکہ آسمان و زمین سے نہ ٹکرائیں اور اس دریا میں نہ معلوم کتنی مخلوق دریائی ہوگی۔ تو حق تعالیٰ کی کیسی قدرت ہے کہ اپنی تمام مخلوق کی حفاظت اور کافی انتظام فرماتے ہیں اور واقعی اگر وہ حفاظت نہ فرمائیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔

چنانچہ اس حفاظت پر اپنا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک رات اندھیرے میں خانقاہ سے میں اپنے گھر گیا تو گھر کا راستہ بھول گیا اور کسی کے گھر پہنچ گیا بڑی دقت سے راستہ ملا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور عظمت منکشف ہوئی۔ (السمہ بالصبر ج ۹)

## پتھر کا گریہ

سیر میں ایک پتھر کی حکایت لکھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا اس پر گزر رہا تھا۔ دیکھا کہ زار زار رو رہا ہے پوچھا کیوں روتا ہے کہا جب کہ میں نے یہ آیت سنی ہے۔

وقودھا الناس والحجارة کہ جہنم کا ایندھن آدمی بھی ہیں اور پتھر بھی۔

اس وقت سے مارے خوف کے رو رہا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ! اس پتھر کو جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ وہاں سے وحی آگئی کہ ہم نے آپ کی دعا قبول کر لی۔ اس پتھر کو جہنم میں نہ ڈالا جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی تسلی کر دی۔ بہت خوش ہوا اور رونا موقوف کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ گئے۔ ایک مدت کے بعد موسیٰ علیہ السلام پھر یہاں سے گزرے تو دیکھا پھر رو رہا ہے۔ پوچھا اب کیوں روتا ہے جب کہ تیری تسلی کر دی گئی۔ اور تجھ کو بشارت مل گئی کہا اے موسیٰ علیہ السلام وہ بشارت رونے ہی کی بدولت ملی تھی اب رونے کو کیوں چھوڑوں جس کی بدولت اتنی بڑی دولت ملی ہے۔ (السمہ بالصبر ج ۹)

## اولاد اور شفاعت

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے تین بچے مر گئے

ہوں وہ اس کے لئے جہنم کی آگ سے آڑ بن جائیں گے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے دو بچے مرے ہوں، فرمایا وہ بھی۔ پھر کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کا ایک ہی بچہ مرا ہو۔ فرمایا وہ بھی پھر کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ جس کا ایک بھی بچہ نہ مرا ہو۔

قال انا فرط لا متی ولن یصابوا بمثلی

فرمایا تو میں اپنی امت کا آگے جا کر سامان کرنے والا ہوں اور میری موت جیسا حادثہ میری امت پر کوئی نہ آئے گا۔ اس لئے ان کے واسطے میری وفات کا صدمہ ہی مغفرت کو بس ہے۔

نفدیک باباء ناوامہا تنایا رسول اللہ

فلو ان رب الناس بقی محمدا سعدنا ولكن امره كان ما ضیا  
”اگر اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی رکھتے تو یہ ہماری سعادت تھی مگر خدا کا حکم نافذ تھا اس لئے وہ اس جہان سے چلے گئے۔

یعنی میں آگے جا کر اپنی امت کے لئے مغفرت کی سعی و سفارش کروں گا۔

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ جیسے بے اولادوں کے لئے حضور کی شفاعت کافی ہے۔ ایسی ہی اولاد والوں کے لئے بھی کافی تھی اولاد کی شفاعت کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کو زیادت تسلی کے لئے اس کی ضرورت تھی دو وجہ سے ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ادب و خوف کے ساتھ شفاعت فرمائیں گے اور بچہ ضد کے ساتھ شفاعت کرے گا۔ یہ بچے جس طرح یہاں والدین پر ضد کرتے ہیں۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ پر بھی ضد اور ناز و نخرے کریں گے چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ بچہ جنت کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو جائے گا۔ اس سے کہا جائے گا اندر جاؤ کہے گا نہیں جاتے۔ پوچھیں گے کیوں؟ کہے گا جب تک ہمارے ماں باپ ہمارے ساتھ نہ ہوں گے اس وقت تک ہم جنت میں نہیں جاسکتے تو اس سے حق تعالیٰ فرمائیں گے۔

ایہا الطفل المرا غم ربہ ادخل ابویک الجنة

”اے اپنے پروردگار سے ضد کرنے والے بچے جا اپنے ماں باپ کو بھی جنت میں لے جا۔“  
دوسرے عقلاً عدد بڑھنے سے زیادہ قوت ہوتی ہے گو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انضمام ضمیمہ کی ضرورت نہیں۔ آپ تنہا ہی اکفی ہیں۔ مگر طبعاً عدد بڑھنے سے تسلی زیادہ ہوتی ہے۔

نیز حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی مسلمان کا بچہ مرتا ہے اور ملائکہ اس کی روح کو لے کر آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرماتے ہیں۔

اخذتم ولد عبدی قالوا اللہم نعم ثم یقول هل قبضتم ثمرة فؤاد عبدی قالوا اللہم نعم فیقول فماذا قال عبدی قالو اللہم حمدک وصبر فیقول ابنوا العبدی بیتا فی الجنة وسموه بیت الحمد کمال قال۔

کیا تم نے میرے بندہ کے بچہ کو لے لیا۔ وہ کہتے ہیں اے اللہ ہاں! پھر فرماتے ہیں کیا تم نے میرے بندہ کے جگر گوشہ کو لے لیا وہ کہتے ہیں اے اللہ ہاں!۔ پھر فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے کیا کہا فرشتے عرض کرتے ہیں اے اللہ اس نے آپ کی حمد کی (مراد شکر ہے) اور صبر کیا۔ اس پر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (کہ گواہ رہو کہ میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا اور) اس کے لئے جنت میں ایک محل تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

یہ تو چھوٹوں کے مرنے پر وعدہ ہے جس سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بچوں کے مرنے پر نعم البدل عطا فرماتے ہیں۔ یعنی مغفرت اور جنت کا محل اور بڑوں کے مرنے پر بھی اسی طرح اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

## کمال فہم و فراست

ہارون رشید جو مسلمانوں کا بڑا بادشاہ اور خلیفہ تھا۔ عید کے دن جشن کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ دربار میں جتنی چیزیں موجود ہیں اس میں سے جس چیز پر جو شخص ہاتھ رکھ دیا وہ اسی کی ہو جائے گی۔ درباریوں نے اس اعلان کے بعد ہاتھ رکھنا شروع کر دیا۔ کسی نے جوہرات پر ہاتھ رکھا کسی نے سونے چاندی پر۔ ایک باندی نے جو ہارون رشید کو پنکھا جھل رہی تھی۔ خلیفہ کی کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ خلیفہ نے اس حرکت پر برہم ہو کر سوال کیا کہ یہ کیا حرکت ہے کہا حضور کا اعلان عام تھا کہ جو جس پر ہاتھ رکھ دے وہ اسی کی ہے۔ اس میں کوئی استثناء نہ تھا تو میں نے دیکھا کہ یہ درباری بے وقوف ہیں جو سونے چاندی اور جوہرات پر ہاتھ رکھ رہے ہیں تو میں نے سوچا کہ ایسی چیز پر ہاتھ رکھنا چاہئے جس کے ہاتھ میں سب چیزیں ہیں اس لئے میں نے حضور پر ہاتھ رکھ دیا کہ جب آپ میرے ہوں گے تو سب چیزیں میری ملک ہو جائیں گی۔

اس جواب کو سن کر ہارون بہت خوش ہوئے اور (فرمایا کہ میں تیرا ہو گیا) واقعی باندی بہت سمجھ دار تھی تو بتلائیے ان واقعات مصیبت میں کیا یہ بات تھوڑی ہے کہ ان کے ذریعہ سے خدا ہم کو ملتا ہے جس کی جنت ہے اور دوزخ بھی۔

شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آیا ہو کہ دوزخ ہماری ہو گئی تو کیا نفع ہوا۔ کیا ہم دوزخ میں رہیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ افسوس آپ نے بات کو سمجھا ہی نہیں دنیا میں جیل خانہ بادشاہ کی ملک ہوتا ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ بادشاہ جیل خانہ میں رہتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم جس کو چاہو گے بخشوا لو گے اور جہنم سے نکلوا لو گے۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

## آمد و خرچ کا طریقہ

شیخ الہی بخش صاحب رئیس میرٹھ کا مقولہ ہے کہ آمدنی کی فکر سے زیادہ خرچ کی فکر لازم ہے اگر خرچ کی فکر ہو تو تھوڑی بھی کافی ہو جاتی ہے اور خرچ کا انتظام نہ ہو تو بہت آمدنی بھی کافی نہیں۔ آج کل لوگوں کی زیادہ پریشانی کا سبب یہی ہے کہ وہ اپنے خرچ کا انتظام نہیں کرتے۔ اس لئے پچاس اور ساٹھ کی تنخواہ بھی ان کو قلیل معلوم ہوتی ہے۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

## عقل کیا ہے؟

کسی مجذوب سے پوچھا گیا کہ عقل کیا ہے؟ کہا جو خدا کو پاوے پوچھا خدا کون ہے؟ کہا جو عقل میں نہ آوے۔ مطلب یہ ہے کہ عقل وہ ہے جو ہمیشہ اس کی جستجو میں لگی رہے اور اس سے کبھی غافل نہ ہو۔ غرض یہ بات ماننا پڑے گی کہ عقل کے لئے بھی ایک حد ہے جس سے آگے وہ نہیں چل سکتی۔ (الامتحان ج ۹)

## رحمت خداوندی

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ کے غم کے ناگوار ہونے کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔  
ما ترددت فی شیء ترددی فی قبض نفس عبدی ارید لقاءہ وهو  
یکرہ الموت ولن یلقانی حتی یموت۔ او کما قال  
یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی کام میں ایسا تردد نہیں ہوتا جیسا اپنے بندے کی جان قبض



کرنے میں تردد ہوتا ہے (اس کی تفسیر ہم نہیں کر سکتے بلکہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کے ساتھ کس قدر تعلق ہے کہ موت سے جو اس کو تکلیف ہوتی ہے وہ بھی ان کو گوارا نہیں حالانکہ موت ضروری اور لا بدی ہے) دوسروں کو بھی حکم ہے کہ مصیبت زدہ کو تسلی دیں چنانچہ تسلی دینے کی فضیلت حدیث میں بہت آئی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شفقت و رحمت کی دلیل ہے کہ خود بھی اپنے بندے کو تسلی دیتے ہیں اور کوئی دوسرا تسلی دے تو اس کو ثواب عطا فرماتے ہیں حدیث میں ہے:

من عزی ثکلی کسی بردا فی الجنة او کما قال  
جو ایسی عورت کو تسلی دے جس کا بچہ مر گیا ہو اس کو جنت میں (بڑھیا) چادر یا لباس پہنایا جائیگا۔  
من عزی مصابا فلہ مثل اجرہ او کما قال  
جس نے کسی مصیبت زدہ کی تسلی کی اس کو مصیبت زدہ کے برابر ثواب ملے گا۔ (آداب المصاب ج ۹)

## آداب عیادت

حدیث میں تاکید ہے کہ جب بیمار کے پاس جاؤ تو نفسو الہ فی اجلہ یعنی اس کو تسلی دو کہ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے یا ابھی تمہارا وقت نہیں آیا ہے حضور ایک مریض کی عیادت کو تشریف لے گئے تو فرمایا لا باس طہور ان شاء اللہ اس احمق نے کہا بل حمی تفر راجی خوف کیوں نہیں۔ بڑھے آدمی کو بخار چڑھا ہی نہیں ضرور اچھا نہ ہوں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا ایسا ہی ہوگا۔ بالآخر وہ مر گیا۔ قال بدایک قسم کی ناامید ہے رحمت حق سے سو کبھی اس کا اثر برا ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارے وطن میں ایک لڑکی ہے۔ بچپن میں جب اس سے کوئی کہتا کہ تیرا بیاہ کب ہوگا تو وہ کہتی کہ بس اب کیا ہوگا۔ آخر اس کے بیاہ کی ایسی مشکل پڑی کہ اللہ اللہ کر کے بڑی مدت میں ہوا

## احکام کے اسرار

تفسیر مظہری میں ایک حدیث سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعض میرے بندے ایسے ہیں کہ اگر ان کو تندرست و متمول رکھوں تو وہ کفر کرنے لگیں۔ چنانچہ اس حدیث کے آخر میں فرماتے ہیں۔ و ذالک بانی اعلم بعبادی۔ بعض کی نسبت ارشاد ہے ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض جیسا حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑا تھا۔ بظاہر کوئی مصلحت نہ تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اعتراض کیا۔ مگر اس میں کتنی بڑی مصلحت نکلی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حکمت و مصلحت سے بھرا ہوتا ہے۔ فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمة۔ چنانچہ ایک مصلحت یہ ہے کہ اہل مصیبت کو وہ درجے ملیں گے کہ اغنیاء یہ تمنا کریں گے کہ کاش! ہمارا بدن..... قینچیوں سے کاٹا جاتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم خود بلا مانگو۔ تم تو عافیت ہی مانگو۔ اگر وہ مراتب اور عافیت دونوں دے دیں۔ تو ان کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔ حضورؐ بیماری سے بچنے کی بھی دعا مانگتے تھے اور عافیت کی بھی۔ تم بھی ہر مراد مانگو۔ (دواء الصیق ج ۹)

## مباح کی حد

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن دو نابالغ لڑکیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گارہی تھیں۔ حدیث میں اس کے ساتھ ہی یہ بھی آتا ہے ولیستا بمغنتین کہ وہ گانے والیاں نہ تھیں یعنی انکو باقاعدہ گانا نہیں آتا تھا۔ یوں ہی بے قاعدہ محض خوشی کے طور پر گارہی تھیں۔ پس اس سے مطلق غنا کے جواب پر استدلال نہیں ہو سکتا۔

غرض حدیث میں آتا ہے کہ وہ لڑکیاں گارہی تھیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ آئے جب بھی وہ گاتی رہیں پھر حضرت عمرؓ آئے تو ان کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئیں اور گانا بند کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تبسم فرمایا اور فرمایا اے عمرؓ! شیطان تم سے بھاگتا ہے خدا کی قسم! اگر تم ایک راستہ کو چلو گے تو شیطان اس راستہ کا چلنا چھوڑ دے گا۔

اب شبہ یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ غنا حرام تھا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ منع فرمایا اور جائز تھا آپؐ نے ان کے قطع غنا پر یہ کیوں فرمایا شیطان عمرؓ سے بھاگتا ہے۔

اس کا بھی جواب اسی قاعدہ سے نکلتا ہے کہ ہر شے کی حد ہے۔ مباح کی بھی ایک حد ہے اور یہ غنا حد مباح کے اندر تھا۔ مگر اس وقت مباح کی حد ختم ہو چکی تھی کہ حضرت عمرؓ اتفاقاً تشریف لے آئے اور ان کے دیکھتے ہی گانے والیاں خاموش ہو گئیں۔ اگر وہ خاموش نہ ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما دیتے۔ مگر حضورؐ کو تعجب و تبسم اس پر ہوا کہ حضرت عمرؓ کی صورت دیکھتے ہیں بدوں ان کے کچھ کہے گانے والیاں خود ہی چپ ہو گئیں۔

اس پر حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو بشارت دی کہ شیطان تم سے بھاگتا ہے (اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ غنا اس وقت بھی حد مباح پر تھا۔ مگر یہ ایسا مباح ہے جس کو شیطان اپنی کامیابی کا وسیلہ بنایا کرتا ہے کمافی

الحديث والشعر من مزامير ابليس اور حضرت عمرؓ کا رعب ایسا تھا کہ ان کے سامنے ایسا مباح واقع نہ ہو سکتا تھا جس میں شیطان کا کچھ بھی حصہ ہو ویجوز مثل هذا المباح بحضرة الرسول صلى الله عليه وسلم لكونه شارعاً لحدود المباح والحرام ونحوهما. (الاجر النبیل ج ۹)

## اولاد نہ ہونے کی حکمت

اگر کسی کے بالکل ہی اولاد نہ ہو وہ یوں سمجھے کہ میرے لئے یہی حکمت ہے نہ معلوم اولاد ہوتی تو کن کن مصائب کا سامنا ہوتا۔ چنانچہ خدا نے مجھے اولاد نہیں دی۔ میں اس کو اپنے واسطے عین حکمت سمجھتا ہوں۔

حضرت حاجی صاحب سے میرے گھر میں خالہ نے دعا کے واسطے عرض کیا تھا کہ اشرف علی کے اولاد ہو جائے۔ حاجی صاحب مجھ سے فرمانے لگے کہ بھائی تمہاری خالہ اولاد کے لئے دعا کرنے کو کہتی تھی۔ دعا سے کیا انکار ہے لیکن میرا جی تو یہی چاہتا ہے کہ جیسا میں ہوں ایسے ہی تم رہو۔ میں نے دل میں کہا کہ بس تو خیر صلا ہے اگر آپ دعا بھی کریں گے جب بھی اولاد نہ ہوگی کیونکہ دلی منشا تو یہ ہے اور

تو چنین خواہی خدا خواہد چنین مید ہد یزداں مراد متقیں

”تو ایسا چاہتا ہے اور خدا ایسا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کی مراد پوری فرماتا ہے۔“

میں نے کہا حضرت بس! میں وہی چاہتا ہوں جو آپ چاہتے ہیں۔

اولاد نہ ہونے میں بعض کے لئے ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اس شخص کے تعلقات دنیا میں نہیں بڑھتے۔ اور اولاد والے کے تعلقات بہت بڑھ جاتے ہیں چنانچہ ہماری پھوپھی صاحبہ میرے لئے اس طرح دعا کیا کرتی تھیں کہ اے اللہ! میرے بھتیجے کا بھی سا جہاد دنیا میں رلا دے (یعنی اولاد دیدے) میں غصے ہوتا تھا کہ تم مجھے کوستی ہو دنیا دار بنانا چاہتی ہو مگر یہ عنوان بتلا رہا ہے کہ اہل عرف کے نزدیک دنیا کے اندر وہی پھنستا ہے جو صاحب اولاد ہو اور اس سے خود سمجھ لو کہ جو صاحب اولاد نہ ہو وہ کیا ہوگا۔ وہ دنیا سے بے تعلق و بے لوث ہوگا۔ بلکہ یوں کہئے کہ اللہ والا ہوگا۔ اب تم خود سمجھ لو کہ اللہ والا ہونا اچھا یا دنیا والا ہونا اچھا۔ مگر یہ بعض کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض اولاد والے بے تعلق رہتے ہیں اور بعض بے اولاد دنیا دار ہوتے ہیں۔ (الاجر النبیل ج ۹)

چنانچہ اگر میرے اولاد ہوتی تو شاید میرے لئے تکلیف کا سبب ہوتی کیونکہ مجھے تعلقات سے پریشانی ہوتی ہے۔ نیز مجھے انتظام کا ہیضہ ہے بد انتظامی سے مجھے سخت الجھن ہوتی ہے۔ اور اولاد کا انتظام سب سے زیادہ دشوار۔

## عبادت و طاعت کا فرق

حضرت حاجی صاحب کے سامنے آیت وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون۔ پر اشکال کیا گیا کہ اس میں جن و انس کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت تو ساری ہی مخلوق کرتی ہے کچھ جن و انس کی تخصیص نہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک تو عبادت ہے اور ایک طاعت ہے اول ایک مثال سے ان دونوں مفہوموں میں فرق سمجھ لو۔ وہ یہ کہ ایک تو نوکر ہے اور ایک غلام۔ نوکر کا کام تو معین ہوتا ہے خواہ ایک یا متعدد مثلاً باورچی ہے کہ اس کیلئے کھانا پکانے کی خدمت معین ہے یا سپاہی ہے یا مکان پر بازار اور گھر کام کرنے کے واسطے کوئی نوکر ہے تو جس خدمت کے واسطے یہ لوگ نوکر ہیں ان سے وہی خدمت لی جاسکتی ہے۔ خود آقا بھی اس کا لحاظ رکھتے ہیں۔

حتیٰ کہ اگر باورچی سے آقا کہے کہ یہ خط لے کر گنگوہ چلے جاؤ تو نوکر ضابطہ میں انکار کر سکتا ہے۔ اور غلام کی کوئی خدمت معین نہیں ہوتی۔ بلکہ تمام خدمات اس کے ذمہ ہیں جس کا بھی حکم ہو جاوے۔ چنانچہ ایک وقت اس کو آقا کا پاخانہ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ اور ایک وقت میں آقا کی پوشاک پہن کر آقا کا قائم مقام اور نائب بن کر جلسہ میں یا دربار میں جانا پڑتا ہے۔ غرضیکہ غلام کو کسی وقت بھی کسی خدمت سے انکار نہ ہوگا۔

اسی طرح جن و انس کے تمام مخلوق کی طاعت معین ہے ہر شے مخلوقات میں سے ایک خاص کام پر معین ہے کہ اس کے سوا دوسرا کام اس سے نہیں لیا جاتا۔ مگر انسان کی کوئی خدمت معین نہیں۔

چنانچہ ایک وقت میں انسان کا سونا عبادت ہے۔ ایک وقت میں پاخانہ پھرنا بھی عبادت ہے مثلاً جماعت تیار ہو اور پیشاب پاخانہ کا زور ہو تو اس وقت پیشاب وغیرہ سے فراغت حاصل کرنا واجب ہے اور نماز پڑھنا اس وقت حرام ہے اگر پیشاب پاخانہ سے فراغت حاصل نہ کی تو حرام فعل کا مرتکب ہوا۔ اس وقت اس کا بیت الخلاء میں جانا عبادت ہے۔

ایک وقت تو انسان کی یہ حالت ہے اور ایک وقت انسان کی یہ شان ہے کہ مظہر حق بنا ہوتا ہے۔ اس وقت اس کی زبان سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں۔



غرض جو شان غلام کی ہوتی ہے وہی شان انسان کی ہے۔ عبد شدن کے لئے انسان ہی ہے باقی تمام مخلوق ذاکر شاعل ہے۔ مگر عابد صرف انسان ہی ہے۔ یہ کسی خاص حالت اور خاص کام کو اپنے لئے تجویز نہیں کر سکتا بلکہ حضرت حق جس حالت میں رکھیں اس میں اس کو رہنا چاہئے۔ کمبل اوڑھائیں تو کمبل اوڑھے دو شالہ اوڑھائیں تو دو شالہ اوڑھے۔ بھوکا رکھیں تو بھوکا رہے۔ گھی دودھ کھلائیں تو گھی دودھ کھائے یہی شان تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ (سلوہ الحزین ج ۹)

## حضرت موسیٰ اور عزرائیل

وہ موت کا واقعہ یہ ہوا کہ عزرائیل موسیٰ علیہ السلام کے پاس قبض روح کے واسطے تشریف لائے آپ نے ان کے ایک طمانچہ مارا۔ بعض ملاحدہ نے اس قصہ سے انکار کیا ہے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ یہ لوگ انبیاء کے مراتب سے واقف نہیں موسیٰ کے طمانچہ سے عزرائیل کی آنکھ پھوٹ گئی۔ تو عزرائیل حق تعالیٰ کے حضور میں پہنچے اور عرض کیا انہ لا یرید الموت کہ موسیٰ تو موت سے گریز کرتے ہیں اور انہوں نے مجھے اس طرح مارا۔ یہاں پر اشکال یہ ہے کہ کیا موسیٰ کو خدا کے حکم سے انکار تھا جواب یہ ہے کہ موسیٰ نے ان کو پہچانا نہیں کیونکہ اس وقت عزرائیل بہ شکل بشر آئے تھے۔

انبیاء کا ادب یہی ہے کہ فرشتے ان کے پاس اپنی قاہرانہ صورت میں نہ آویں۔ بلکہ کسی بشر کی صورت میں آویں۔ اس لئے عزرائیل بشر کی صورت میں آئے تھے۔ موسیٰ نے پہچانا نہیں اور ایک طمانچہ رسید کیا۔

اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ فرشتوں میں تو بڑی قوت اور طاقت ہوتی ہے موسیٰ کے طمانچہ سے ان کی آنکھ کیسے پھوٹ گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ میں قوت زیادہ تھی۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ مسلم ہے کہ فرشتوں میں قوت زیادہ ہوتی ہے مگر اصل اور غالب یہ ہے کہ جس نوع کی صورت میں وہ آتے ہیں اس وقت اسی نوع کے برابر قوت ہوتی ہے۔ جب فرشتہ شکل بشر میں ہوگا تو اس وقت اس میں بشر سے زیادہ قوت نہ ہوگی۔ اسی طرح جنات بھی جس شکل میں ہوں گے اسی جیسی قوت ہوگی۔ (سلوہ الحزین ج ۹)

## تکثیر جماعت کا اثر

جس زمانہ میں طاعت کی فضیلت زیادہ ہوتی ہے اس زمانہ میں معصیت کی عقوبت بھی سخت ہوتی ہے۔ اس لئے اس زمانہ میں بدعات وغیرہ سے سخت احتراز لازم ہے۔ مثلاً بعض لوگ اس زمانہ میں تعزیہ کی رسمیں کرتے ہیں جو بے اصل ہیں۔ اور بعض لوگ جو ذرا مہذب ہیں وہ اس سے تو بچتے ہیں مگر مجالس میں جو کہ اس زمانہ میں ہوتی ہیں شرکت کرتے ہیں۔ میں اس وقت ان لوگوں کو نہیں کہتا جن کے مشرب اور مذہب میں یہ مجالس محبوب ہیں میرا خطاب صرف اہل سنت والجماعت سے ہے۔ اور گو اس شرکت میں اہل سنت والجماعت کے عقائد تو عام طور سے وہ نہیں ہوتے جو شیعہ کے ہوتے ہیں بلکہ کوئی تماشہ کی نیت سے چلا جاتا ہے کسی کو وہ لوگ خود بلاتے ہیں۔ اس لئے مروت سے چلا جاتا ہے بعضوں کی اور خاص غرضیں بھی ہوتی ہیں۔ مگر سب صاحب خوب سن لیں حدیث میں صاف موجود ہے۔ من کثر سواد قوم فہو منہم کہ جس نے کسی قوم کی جماعت کو زیادہ کیا (خواہ عقیدۃً اسے برا سمجھتا ہو) قیامت کے دن وہ انہی کے ساتھ ہوگا۔

اس پر مجھے ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی کہ ہولی کا زمانہ تھا سب جانوروں پر رنگ لگا ہوا تھا۔ وہ بزرگ جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک گدھا بیٹھا ہے اور اس پر رنگ نہیں ہے او رہا رے گدھے پر کون رنگ لگاتا۔ دیکھ کر ان بزرگ نے مزاحاً فرمایا کہ تو ہی خالی ہے۔ تجھے کسی نے نہیں رنگا یہ کہہ کر پان کھا رہے تھے پیک اس پر تھوک دی کہ لا تجھے میں رنگ دوں بعد مرنے کے عذاب میں گرفتار ہوئے اور اس کی پوچھ ہوئی کہ تم ہولی کھیلے تھے تو کسی جماعت کی تکثیر کرنا اور اس کی زیادتی کرنا سرسری بات نہیں ہے اور پکڑ سے خالی نہیں۔

غرض تکثیر جماعت خواہ استہزاء ہو یا بطور تماشہ یا دل جوئی وغیرہ کے ہو غرض کسی صورت سے ہو ہر صورت میں بروئے قانون قیامت کے دن پوچھ ہوگی اور قیامت میں انہی کے ساتھ حشر ہوگا اس لئے نہ خود مجلس کرنا جائز ہے نہ کسی کی مجلس میں جانا جائز ہے۔

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ ان ایام میں امام حسینؑ کی شہادت کا قصہ کوئی کتاب لے کر پڑھتے ہیں اور دوسروں کو سناتے ہیں یہ فعل بھی تخصیصاً ان ایام میں کرنا جائز نہیں اس لئے کہ شریعت میں غور اور تدبر کرنے سے شریعت کا مقصود واقعات مصیبت میں ازالہ غم اور رفع غم معلوم ہوتا ہے اور یہ قصہ

پڑھ کر اور سن کر یا سنا کر غم کا تازہ کرنا مقصود ہے تو یہ اچھا خاصا شریعت کا مقابلہ ہے اسی قسم کی باتوں کی جس کی شریعت میں کچھ اصل نہ ہو بدعت کہتے ہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں۔  
لیکن میفرمائے بر مصطفیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر کچھ مت بڑھا۔ (محرم المحرم ج ۹)

## مضامین قرآن کی اقسام

کلام اللہ میں دو قسم کے مضمون ہیں۔ ایک تو مضمون ہے تذکیر کا۔ قرآن کے جتنے حصہ میں یہ مضمون ہے وہ تو نہایت آسان ہے کسی کو بھی اس کے سمجھنے میں دقت نہیں۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ ولقد یسرنا القرآن للذکر (اور ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان کر دیا ہے) اس بات کو صاف طور پر بتلایا جا رہا ہے کہ وہ حصہ قرآن کا اتنا سہل کیا گیا ہے کہ ہر شخص اس سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے اور واقعی وہ حصہ ہے بھی ایسا ہی کہ کسی کو بھی اس کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوتی مثلاً قیامت کا ہونا، عذاب، ثواب کا پایا جانا، جنت و دوزخ کا موجود ہونا۔ اسی طرح اور عقائد ہیں کہ ان کو ایسی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے بتلایئے تو کہ ان امور کے سمجھنے میں کسی کو کیا دقت ہے اور انہی کا سمجھنا منکر کو دلائل عقلیہ سے ضروری بھی ہے۔ رہے باقی احکام ان کا ایسے دلائل سے سمجھنا ضروری نہیں ہے۔ اسی وجہ سے دین کے دو جزو قرار دیئے جاتے ہیں۔ ایک اصول ایک فروع۔ اصول تو وہی ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے۔ پس وہ ایسے سہل کئے جائیں کہ کسی کو بھی ان کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ فروع جن کا دلائل سے سمجھنا ضروری نہیں۔ ایک تو قرآن میں یہ مضمون ہے اور دوسرا مضمون ہے احکام غامضہ کا جس میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔

ہاں ترجمہ کی نسبت میں یہ ضرور کہوں گا کہ اگر ترجمہ پڑھایا جاوے تو خود مطالعہ کرنے کی اجازت نہ دی جاوے بلکہ کسی واقف کار سے سبقاً سبقاً پڑھا جاوے اور جو مضامین دقیق ہوں ان کے اجمال پر اکتفا کیا جاوے۔ معلم بھی ان کی تفصیل نہ بیان کریں بلکہ اجمال کے ساتھ ان کا مطلب بیان کر دیں۔ تفصیل کی کاوش نہ کریں۔ جتنی بات سمجھ میں آسکتی ہے اس کے بتلانے پر اکتفا کریں اور خود مطالعہ کر کے امتحان دے دیا کرو۔ استاد سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کہا جاوے کہ اقلیدس پیچیدہ ہے۔ اس لئے استاد سے پڑھنے کی ضرورت ہے اور قرآن

شریف ایسا نہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ قانون بھی تو ایسا پیچیدہ نہیں ہے۔ قانون ہی کی کتاب لیجئے اور خود اس کا مطالعہ کیجئے ضرور آپ اس کے سمجھنے میں غلطی کریں گے اور جو استاد سے پڑھے ہوں وہ غلطی نہ کریں گے۔ قانون دان ہی جانتا ہے قانون کی باتوں کو۔

قانون کتاب کی ایک خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں ایک امر کے متعلق ایک جگہ اجمالی ہوتا ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف میں بھی ایسا واقع ہوا ہے کہ ایک حکم کو دو مقام سے تعلق ہے۔ ایک موقع میں تو اس کو اجمالاً بیان کیا ہے اور دوسری جگہ اس کی تفصیل کر دی ہے جب تک تفصیل کے موقع کو سمجھے ہوئے نہ ہوگا تو یہاں کیا سمجھے گا اور کہیں ایسا ہے کہ کچھ تفصیل اس موقع پر ہے اور کچھ دوسرے موقع پر۔ پس اس کے سمجھنے کی کیا ضرورت ہے کہ دونوں موقعوں کا علم ہو اور یہ بات واقف کار ہی جان سکتا ہے کہ اس کا ذکر کتنی جگہ ہوا ہے۔ خود مطالعہ کرنے والا کیا جانے گا۔ بس یہ ہوگا کہ ایک موقع میں مجمل دیکھ کر اس کو الجھن پیدا ہوگی اور شکوک واقع ہوں گے اور یہ کچھ کلام اللہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہر فن میں یہی ہے۔ (الصلوة ج ۱۰)

## اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت و لطف

حق تعالیٰ کی بندوں سے اس قدر محبت ہے۔ حتیٰ کہ حق تعالیٰ کے عتاب تک میں بھی عنایت ہوتی ہے چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

ولو يؤاخذ الله الناس بما كسبوا ما ترك على ظهرها من دابة .  
اگر اللہ میاں لوگوں کے اعمال پر مواخذہ کرتے تو کسی جاندار کو زمین پر نہ چھوڑتے۔  
بظاہر یہ کلام بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے۔ مقدم اور تالی میں بظاہر علاقہ نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ ظاہر تو ہے کہ یوں فرماتے: ولو يؤاخذ الله الناس بما كسبوا ما ترك عليهما من بشر .  
کہ اگر آدمیوں سے مواخذہ فرماتے تو زمین پر کسی آدمی کو نہ چھوڑتے۔

نہ یہ کہ مواخذہ تو صرف آدمیوں سے فرماتے اور ہلاک جانوروں کو بھی کر دیتے۔ بظاہر یہ بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔ سو بات یہ ہے کہ عین عتاب میں بھی ان کا شرف بتلایا ہے کہ مقصود بالخلق انسان ہی ہے اور دوسری چیزیں اسی کے واسطے بنائی گئی ہیں تو اگر ان سے مواخذہ کرتے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑتے اور جب ان کو نہ رکھتے تو جانور نرے کیا کرتے۔



کیا رحمت ہے کہ عتاب میں بھی ہمارا شرف بیان کیا جا رہا ہے کہ انسان ہی اشرف المخلوقات ہے حق تعالیٰ کا انعام دیکھئے کہ جوتیاں لگائیں مگر قدر و منزلت نہیں گھٹائی بھلا ایسا آقا قائل سکتا ہے۔ ایسے آقا کا یہی ادب اور یہی معاملہ ہے جیسا ہم کر رہے ہیں۔ (السلوة ج ۱۰)

## اقسام افعال

افعال کی دو قسمیں ہیں۔ وجودی اور عدمی وجہ افعال جیسے افعال وجودیہ نماز وغیرہ، عدمی جیسے ترک ریا وغیرہ، عدم سے مراد عدم محض نہیں بلکہ وہ افعال جو ترک اختیاری ہوں افعال وجودیہ کا۔ سو بعض عبادات تو ایسی ہیں جس میں افعال وجودیہ کم ہیں اور افعال عدمی زیادہ جیسے روزہ۔ کیوں کہ اس میں تین جزو عدمی ہیں۔ ایک ترک کھانے کا، دوسرے ترک پینے کا۔ تیسرے ترک جماع کا۔ اور ایک جزو ہے وجودی اور وہ ان تینوں چیزوں کا عزم اور نیت ہے اور بعض عبادات میں تو باوجودیکہ وہ مرکب ہیں وجودیات اور عدمیات سے مگر غلبہ وجودیات کو ہوتا ہے۔ جیسے نماز وغیرہ۔ اور جو افعال عدمیات کی قبیل سے ہیں۔ ان کے کرنے میں زیادہ مشقت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ بلکہ ایک شے کو عدم اصلی پر باقی رکھا جاتا ہے۔ اور افعال وجودی میں مشقت زیادہ ہے کیوں کہ ایک شے کو وجود کی طرف لانا ہوتا ہے۔ (ندار مضان ج ۱۰)

## ایک علمی بحث

ایک بات طلباء کے کام کی یاد آئی۔ وہ یہ ہے کہ مجسمہ (ایک فرقہ ہے جو خدا تعالیٰ کے جسمانی ہونے کا قائل ہے) نے الرحمن علی العرش استوی، اللہ تعالیٰ نے عرش پر باعتبار صفت رحمانیہ کے تجلی فرمائی، کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ خدا تعالیٰ عرش پر ایسے ہی بیٹھے ہیں جیسے ہم چوکی پر بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی کچھ قدر نہ جانی اور عرش کو انہوں نے بڑھا دیا۔ کیونکہ مستقر بفتح القاف عاده مستقر با کسر القاف سے اوسع (یعنی جس چیز پر قرار پکڑا جاتا ہے وہ زیادہ وسیع ہوتی ہے قرار پکڑنے والی چیز سے) ہوتا ہے۔ حالانکہ عرش کو ذات باری تعالیٰ سے کوئی بھی نسبت نہیں۔ ایسی بھی نسبت نہیں ہے جیسے رائی کے دانہ کو ہم سے ہے۔ اگر کوئی رائی کا دانہ ہمارے قدم کے نیچے پڑا ہو تو کیا عاقل کہہ سکتا ہے اور کیا یہ محاورہ صحیح کہا جاسکتا ہے کہ ہم اس پر بیٹھے ہیں۔ رائی کا دانہ بیچارہ کیا چیز ہے۔ پس عرش کہاں اور خالق عرش کہاں۔ پس معنی اس آیت کے یہ نہیں ہیں جو مجسمہ نے سمجھے ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ پھر کیا معنی ہیں تو سلف صالحین نے اس آیت اور جو اس کے مشابہ

اور آیات ہیں ان کے بارہ میں یہ فرمایا ہے کہ ان کے معنی کی تعین نہ کرو۔ اور ان کے معانی کو اللہ کے حوالے کرو۔ صرف اتنا اعتقاد رکھو کہ جو کچھ مراد ہے وہ حق ہے اور اسلم طریقہ آیات متشابہات میں یہی ہے۔ باقی متاخرین نے اس میں کچھ تاویل فرمائی ہے بعض نے یہ کہ استویٰ کے معنی استول ہیں اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر غالب ہیں۔ اور ایک تاویل احقر کیا کرتا ہے کہ استویٰ علی العرش بمعنی برتخت نشستن کنایہ ہے نفاذ امور و تصرف فی الامور میں تصرف کرنا ہے۔ چنانچہ بعض جگہ اس کے بعد مدبر الامر (وہ ہر امر کی تدبیر کرتا ہے) کا آنا بطور اس کے تفسیر کے ہو سکتا ہے۔

(اور دوسرے مقام میں ہے اللہ الذی خلق السموت والارض فی ستة ایام ثم استویٰ علی العرش، اللہ ہی ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر تخت پر قائم ہوا استویٰ میں ضمیر اللہ کی طرف ہے۔ سو وہاں حسب قاعدہ القرآن یفسر بعضہ بعضا بعض جز قرآن کا بعض جز کی تفسیر کرتا ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں بھی مراد تجلی الہی بہ اعتبار صفت رحمانیہ کے ہے فافہم) ایک تاویل ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب و غریب فرمائی۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ اللہ علی العرش استویٰ (اللہ عرش پر بیٹھے ہیں) تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھے ہیں بلکہ الرحمن فرمایا ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت عرش کو محیط ہے اور عرش تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ اللہ کی رحمت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے پس اس تاویل سے۔

یہ آیت۔ وسعت رحمتی کل شیء۔ میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ کی مرادف ہوگی۔ اور عرش کی خصوصیت اس لئے ہوگی کہ تعلق رحمت کا اولاً بلا واسطہ اس کے ساتھ ہوا ہے اور دوسری اشیاء کے ساتھ بلا واسطہ اس کے ہے پس حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کی تجلی اس پر اولاً ہوتی ہے۔ (الصیام ج ۱۰)

## تجلی کے معنی

یہاں سے تجلی کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ تجلی کے معنی یہ ہیں کہ کسی صفت کا تعلق متجلی لہ (جس کیلئے تجلی کی گئی ہے) سے ہو جائے۔ تجلی کے معنی چمک دمک کے نہیں ہیں جیسے عوام سمجھتے ہیں۔ (الصیام ج ۱۰)

## حلال و حرام

اللہم اجعل رزق آل محمد قوتاً۔ کہ اے اللہ آل محمد کا رزق بقدر قوت کیا جائے۔ اور قدر قوت وہ ہے جس سے بقدر کفایت گزر رہو جائے کچھ فاضل نہ ہو اور اس میں شک

نہیں کہ ازواج مطہرات بھی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہیں۔ اس لئے یہ دعا ان کو بھی شامل تھی اور اسی طرح ذریت بھی داخل ہیں۔ بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج مطہرات تو آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اصالتاً داخل ہوں اور ذریت طبعاً داخل ہو کیونکہ آل کہتے ہیں اہل بیت کو یعنی گھر والوں کو اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے۔ پس یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ ذریت تو آل میں داخل ہوں اور ازواج داخل نہ ہوں۔

بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی و فاطمہ و حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی عبا میں داخل فرما کر فرمایا

اللہم ہولاء اہل بیتی (کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں)

اس سے بعض عقلمندوں نے یہ سمجھا ہے کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت میں سے ہیں۔ ان کو بھی انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیراً کی فضیلت میں داخل کر لیا جائے۔ یہاں حصر مقصود نہیں کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں ہیں اور یہ جو اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو عبا میں داخل فرما کر یہ دعا کی تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ تم کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو دوسرے حضرت علیؓ حضرت ام سلمہؓ سے اجنبی تھے ان کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کو عبا میں کیونکر داخل کیا جاسکتا تھا۔ یہ تو اشکالات کا جواب تھا۔

اصل مدعا کے لئے دلیل اول تو لغت ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ازواج اولاً داخل ہیں دوسرے قرآن کا محاورہ یہی ہے۔ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں جب کہ ملائکہ نے ان کو ولد کی بشارت دی اور حضرت سارہ کو اس بشارت پر تعجب ہوا، ملائکہ کی طرف سے یہ قول نقل فرمایا ہے۔

قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت انہ

حمید مجید

ترجمہ: فرشتوں نے کہا کہ کیا تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی اور (خصوصاً) اس خاندان کے لوگوں پر اللہ کی (خاص) رحمت اور اس کی (انواع اقسام) کی برکتیں (نازل) ہوتی رہتی ہیں بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) بڑی تعریف کے لائق (اور) بڑی شان والا ہے۔  
ظاہر ہے کہ یہاں اہل بیت میں حضرت سارہ علیہا السلام یقیناً داخل ہیں کیونکہ خطاب انہی سے ہے معلوم ہوا کہ اہل بیت میں ازواج بھی داخل ہیں۔ (النسوان فی رمضان ج ۱۰)

## مسلمات کی خصوصیات

قرآن کریم میں ہے: مسلمات مؤمنات قانتات ثابتات عبادات سائحات۔  
وہ اسلام والیاں ہوں گی اور ایمان والیاں اور خشوع خضوع والیاں، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے والیاں اور عبادت اور سائحات ہوں گی۔ سائحات کی تفسیر عنقریب آتی ہے۔ یہ تو شرعی صفات ہیں آگے تکوینی صفات مذکور ہیں ثابت و ابکاراً۔

اس مقام پر ایک اشکال طالب علمانہ ہے۔ وہ یہ کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ازواج مطہرات سے خیر و بہتر عورتیں موجود تھیں۔ اگر نہیں تھیں تو یہ دھمکی کیسی؟ اور اگر تھیں تو یہ بظاہر بہت بعید ہے کہ ان سے بہتر عورتیں دنیا میں ہوں اور حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کمتر تجویز فرمائیں۔

دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال فیض و قوت تاثیر صحبت پر نظر کر کے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت یافتہ عورتوں سے بہتر کوئی ایسی عورت ہو سکے جس نے ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہیں کی اور خود نص میں بھی تو ہے یا نساء النبی لستن کا حد من النساء ان اتقین (اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو) اس آیت میں قلب ہے مطلب یہ ہے لیس احد من النساء کمثلک کہ کوئی عورت تم جیسی نہیں ہے اگر تم متقی ہو۔ اور ازواج مطہرات کا متقی ہونا معلوم ہوا کہ ان کے مثل کوئی عورت دنیا میں اس وقت نہ تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تب نہ ہو اور تقدیر اس طرح ہو۔

یا نساء النبی دینات کغیر کن۔

اس اشکال کا جواب میں نے ایک عالم کے خادم سے سنا ہے۔ وہ اپنے شیخ سے نقل کرتے تھے کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ ازواج مطہرات کی خیریت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم



کے نکاح ہی کی وجہ سے تھی۔ قبل از نکاح تو وہ اور دوسری عورتیں یکساں تھیں۔ پھر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو طلاق دے دیتے تو ان سے خیریت کم ہو جاتی اور دوسری جس بیوی سے نکاح کر لیتے نکاح کے بعد وہ ان سے بہتر ہو جاتی۔ پس خیر امنکن بالفعل کے اعتبار سے نہیں فرمایا گیا بلکہ مایوول کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے۔  
اب کوئی اشکال نہیں یہ جواب مجھے بہت پسند آیا۔ (النسوان فی رمضان ج ۱۰)

## روزہ کی فرحت

چنانچہ اکثر علماء نے حدیث للصائم فرحتان فرحة عند الفطر وفرحة عند لقاء الرحمن کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے کہ افطار کے وقت جو فرحت ہوتی ہے وہ اتمام عمل کی وجہ سے ہوتی ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام لے لیا۔ اور روزہ تمام آفات سے منزہ ہو کر پورا ہو گیا۔ اور بعض نے فرحت افطار کا سبب ظاہری بیان کیا ہے کہ افطار کے وقت زوال جوع اور تناول غذا و شراب سے خوشی ہوتی ہے اور یہ اختلاف تفسیر اختلاف مذاق پر مبنی ہے۔ لوگوں کے مذاق مختلف ہیں۔ کسی کو افطار کے وقت کھانے پینے کی خوشی ہوتی ہے اور کسی کو اتمام عمل کی۔

جیسے حدیث میں اہل جنت کی صفت یہ آئی ہے یلہمون التسیح کما یلہمون النفس۔ تسبیح کا انہیں الہام ہوگا جیسے سانس بلا اختیار آتا ہے اسی طرح سبحان اللہ سبحان اللہ! یا اللہ یا اللہ بے اختیار ان کے منہ سے نکلا کرے گا۔ کسی وقت غفلت طاری نہ ہوگی۔ بعض اولیاء کی شان دنیا میں بھی ایسی ہی رہی ہے کہ ان پر کبھی غفلت طاری نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ ذاکر ہی رہے اور چونکہ خود ہر وقت ذکر میں مشغول رہے انہیں اہل دنیا کی غفلت کا احساس ہی نہیں ہوا اور خبر بھی نہیں ہوئی کہ دنیا میں اہل غفلت بھی موجود ہیں۔ جب کسی کو معصیت میں مبتلا دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت متنبہ ہوئے اور حیرت سے پوچھا کہ اللہ اکبر! کیا ایسے بھی لوگ دنیا میں ہوا کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوں۔

اس پر ایک لطیف نکتہ بعض اہل لطائف نے کیا ہے۔ بعضے نکلتے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ علوم تو نہیں ہوتے محض نکلتے دل خوش کن ہوتے ہیں لیکن اگر متاید ہوں نصوص سے تو ان میں بھی ایک علم کی شان پیدا ہو جاتی ہے دعویٰ تو نہیں کیا جاتا۔ احتمال کا درجہ ہے ایک محمل ہے یہ

بھی۔ یہ جو حدیث میں ہے کہ جب مومن دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آکر تین سوال کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی سوال ہوتا ہے۔

ما تقول فی حق هذا الرجل . یعنی یہ کون بزرگ ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ہمارے پیغمبر ہیں۔ جو ہماری ہدایت کے لئے حق تعالیٰ کے یہاں سے بینات لائے اور آیات لائے یہ ہے مضمون حدیث کا۔

یہاں یہ سوال کیا گیا ہے کہ ہذا محسوس باشارہ حسیہ کے لئے ہے وہاں قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہوں گے۔ جو ہذا سے پوچھا جائے گا۔

جمہور نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہر مومن کے ذہن میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوں گے علم ضروری کے طور پر۔ حق تعالیٰ کی تائید سے اس کی یہ صورت ہوگی کہ مومن کے قلب میں اس وقت علم ضروری کے طور پر یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پوچھ رہے ہیں۔ یہ جواب بالکل کافی ہے لیکن بعض اہل لطائف اس طرف بھی گئے ہیں۔ یہ تھا تو احتمال کے درجہ میں مگر عشاق نے محقق کر لیا ہے شوق میں۔ اس کا دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں تمنا اور شوق کے درجہ میں کیا حرج ہے اگر اس امید سے متلذذ ہو۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ اس کے اور رسول کے درمیان میں جتنے حجاب ہیں وہ سب اٹھا دیئے جائیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ نما ہوں گے۔ اب چونکہ یہ شخص مشرف بالزیارت ہے اور پہچانتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے فرشتوں کے سوال کا جواب آسانی کے ساتھ دے رہا ہے۔

اور یہ رفع حجاب تو ہے اس میں بھی دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضورؐ اپنی جگہ پر رہیں یہ اپنی جگہ پر رہے اور درمیان کے حجاب اٹھیں اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کرم فرمائیں۔ بعض عشاق شدت شوق میں اس طرف چلے گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مومن کی قبر میں تشریف لائیں گے۔ بعض عشاق نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر موت کی تمنا اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق میں کرے تو جائز ہے ہی شوقا الی لقاء رسول اللہ بھی تمنا موت کی جائز ہے کچھ حرج نہیں۔

استاذی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت زندہ دل تھے ان

پر شوق کی حالت غالب تھی صاحبِ حلال بزرگ تھے اس حدیث کے متعلق کسی طالب علم نے سوال کیا تھا کہ قبر میں جو رسول اللہ کی زیارت مشہور ہے اس کی کیا اصل ہے۔ یہ سن کر مولانا پر حالت طاری ہو گئی اور یہ شعر پڑھا

کشتے کہ عشق دارد نہ گذاردت بدیں ساں بجزازہ گرنیائی بزار خواہی آمد  
(وہ کشت جو عشق اپنے اندر رکھتا ہے اُس کی خاصیت یہ ہے کہ محبوب اگر جنازہ پر نہ آئے گا تو مزار پر ضرور آئے گا)

اور فرمایا کہ مقتضی تو اس تعلق کا جو ہم کو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اتنی طویل ہوتی کہ آپ ہر امتی کے جنازہ پر خود تشریف لا کر نماز جنازہ پڑھتے مگر خدا کی حکمتیں ہیں آپ کی وفات ہی میں مصلحت تھی۔ خیر! اگر یہ دولت حاصل نہ ہو سکی تو کیا عشق کی خاصیت خالی جاسکتی ہے اگر جنازہ پر نہیں تو مزار ہی پر لا کر کھڑا کر دیا کہ دیکھ لو یہ وہی محبوب ہیں جن کے شوق اور محبت میں تم نے عمر گنوا دی۔ اور اپنے آپ کو فنا کر دیا۔

مگر یہ سب مشتاقین کے نکات ہیں اور ممکن ہے کہ ان کے گمان کے موافق ان کے اس شوق کو پورا بھی کر دیا جائے کیا عجب ہے کہ گویہ زیارت عام نہ ہو لیکن حق تعالیٰ بعض خاص خاص عشاق کی کشت شوق میں یہ خاصیت محقق کر دیں اور ان کی اس امید کو انا عند ظن عبدی بی کی بناء پر پورا کر دیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ (رمضان فی رمضان ج ۱۰)

## محبت رسول

مرا از زلف تو موئے بسندست ہوس رارہ مدہ بوئے بسندست  
(مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زلف کی خوشبو کافی ہے اس سے زیادہ کی ہوس مجھے نہیں ہے)  
یہ شعر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر لکھا ہے اللہ اکبر! کیا موقع پر لکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ایک صحابی نے تراشے۔ پھر آپ کے حکم سے وہ سب لوگوں کو تقسیم کئے گئے اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد شیخ لکھتے ہیں کہ بڑے خوش قسمت تھے وہ لوگ! لیکن ہم بھی بد قسمت نہیں خیر! اگر بال ہم تک نہیں پہنچے تو ہم کو یہ بھی کم نہیں کہ اس واقعہ کی خبر تو پہنچ گئی اور اس مقام پر انہوں نے یہ شعر لکھا ہے

مرا از زلف تو موئے بسندست      ہوس رارہ مدہ بوئے بسندست  
(مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زلف کی خوشبو کافی ہے اس سے زیادہ کی ہوس مجھے نہیں ہے)  
واقعی عاشق صادق کی یہی شان ہے جس کو ہر چیز میں چاہے کسی درجہ کی ہواپنے محبوب  
ہی کا جلوہ نظر آتا ہے کہتے ہیں نا۔

ہرچہ یتیم در جہاں غیر تو نیست      یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو  
(جو کچھ جہاں میں دیکھتا ہوں یا تو ہے یا تیری خوشبو ہے)

ہر درجہ پر قانع ہیں اس واسطے کہ محبوب سے کچھ تو تعلق ہے

ہرچہ یتیم در جہاں غیر تو نیست      یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو  
(جو کچھ جہاں میں دیکھتا ہوں یا تو ہے یا تیری خوشبو ہے)

تو غرض شیخ کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہم تک نہیں پہنچے تو خیر یہی سہی خبر تو پہنچی  
بلا بودے اگر ایں ہم بہ بودے (اگر یہ بھی نہ ہوتا تو بڑی مصیبت ہوتی)

یعنی اگر محبوب کی حکایتیں بھی ہم تک نہ پہنچتیں تو کیا ہوتا پھر کون سی تسلی تھی عاشق کے  
لئے۔ اس سے زیادہ اگر ہو جائے عنایت ہے ورنہ ہمارا حق تو اتنا بھی نہیں یہ نہایت تواضع کی  
بات ہے۔ عاشق صادق کی عبدیت لازم ہے اور عبدیت کا خاصہ ہے کہ بلند پروازی نہیں رہتی  
جو کچھ بھی عطا ہو جائے اپنی حیثیت سے زیادہ سمجھتا ہے وہ بزبان حال یا بزبان قال یہ کہتا ہے  
ادائے حق محبت عنائے ست زاوست      وگرنہ عاشق مسکین بہ ہیج خرسندست

(رمضان فی رمضان ج ۱۰)

## شان صحابہ

ایک صحابیؓ سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک پوچھا تو آپؐ کہتے  
ہیں کہ ارے یہاں دیکھا تھا کس نے نظر بھر کر جو بیان کر دوں بیٹھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ  
وسلم کا یہ حلیہ تھا۔ ہمت ہی نظر بھر کر دیکھنے کی کبھی نہ ہوئی۔

ایک کافر رئیس کی شہادت ملاحظہ ہو جو حدیبیہ میں صحابہؓ کی حالت دیکھ کر اپنی قوم کے پاس  
گیا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا حالت ہے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس نے بہت سے واقعات  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادب و عظمت کے بیان کر کے مختصر یہ حالت بیان کر دی کہ

لا یحدون النظر الیہ۔ یعنی گھور کر نہیں دیکھ سکتے



اور گھورنا کسے کہتے ہیں نظر بھر کر دیکھنے کو۔ غرض کسی کی ہمت نہیں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر بھر کر دیکھ لے۔ بس! یہ حالت تھی صحابہ کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً صحابہ نظر بھر کر نہیں دیکھتے تھے۔ اور یہ تو ہمت کس کی ہو سکتی تھی کہ نظر سے نظر ملا کر دیکھے۔ تو عشاق کی شان یہ ہوا کرتی ہے کہ تھوڑے سے پر بھی راضی ہو جاتے ہیں وہی شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کا مذاق۔

مرا از زلف تو موئے بسند ست      ہوس رارہ مدہ بوئے بسند ست

(مجھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زلف کی خوشبو کافی ہے اس سے زیادہ کی ہوس نہ ہونی چاہیے) تو میں کہتا ہوں کہ رویت نہ ہو رویت کی قابلیت ہی عطا ہو جائے گو فی الحال رویت حاصل نہیں لیکن وعدہ تو ہے گوا دھار ہی سہی۔ وہ بھی کافی ہے ایک عاشق کہتا ہے۔

اگرچہ دور افتادم بدیں امید خرسندم      کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد  
(اگرچہ دور پڑا ہوں لیکن اس امید پر خوش ہوں کہ شاید ہمارا محبوب حقیقی ازراہ کرم

ہمارا ہاتھ دوسری بار پکڑ کر اپنی بارگاہ کی طرف جذب فرمائے)

جس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پیدا کر دیا۔ یہاں گمان بھی نہ تھا کہ ایسا بڑا شخص پیدا ہوگا کسی کو خبر نہ تھی کہ یہاں بلال پیدا ہوں گے جو محبوب اور مقبول ہوں گے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ ایسے کہ جو خدا کے محبوب ہیں اور ان کا اتنا بڑا درجہ ہوگا کہ ان کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمائیں گے کہ اے بلال! تم کون سا عمل کرتے ہو کہ جب میں شب معراج میں سیر کرتا ہوا جنت میں پہنچا تو میں نے اپنے آگے آگے تمہاری جوتیوں کی کھسکھاہٹ سنی۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نعوذ باللہ حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ گئے۔ نہیں! بلکہ آگے آگے جو جا رہے تھے خادم کی حیثیت سے جا رہے تھے صورتاً آگے تھے معنی آگے نہ تھے جیسے ارجاع الضمیر قبل الذکر ہوتا ہے کہ وہاں گو مرجع موخر ہے ذکر لیکن رتبہ مقدم ہے تو بھائی نحو میں تائید بھی اس کی موجود ہے اور دنیا میں بھی تو بہت سے امراء ایسے ہوتے ہیں جن کے آگے آگے خادم چلتے ہیں۔ اسی طرح حضرت بلال جنت میں گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چل رہے تھے مگر تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم۔ لیکن یہ رتبہ کیا کچھ کم ہے کہ خادم کی وہ قسم بنے جو مخدوم کے آگے آگے چلتی ہے۔ (رمضان فی رمضان ج ۱۰)

## نور کی حقیقت

لوگ ”نور“ چمک کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ نور کہتے ہیں اس کو جو ظاہر لُفْسہ و مظہر لغیرہ ہو یعنی جو خود بھی ظاہر ہو اور دوسرے کو بھی ظاہر کر دے۔ بس حقیقت یہ ہے نور کی۔ اب اللہ نور السموت کی تفسیر میں استعارہ کی تاویل کی حاجت ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سموت اور ارض کو ظاہر بھی کر رہا ہے اور ان کے واسطہ سے خود بھی ظاہر ہے بہر حال نور اس کو کہتے ہیں جو خود بھی ظاہر ہو اور دوسرے کو بھی ظاہر کرے۔

تو اب وہ شبہ نہیں رہا کہ ہم نے تو نماز پڑھی تھی کوئی نور نہیں پیدا ہوا۔ ہم تو روزہ رکھتے ہیں کوئی نور انیت قلب میں محسوس نہیں ہوتی۔ طاعت میں کوئی نور نظر نہیں آتا۔ اب یہ شبہ رفع ہو گیا کیونکہ نور چمک دمک کا نام نہیں ہے۔ بلکہ نور وہ ہے جس کی میں نے ماہیت عرض کی کہ ظاہر لُفْسہ و مظہر لغیرہ۔ خیر عوام کیا سمجھیں اس کو لیکن اس کی علامتیں اور آثار ہیں جن سے وہ نور کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آگ دکھائی نہیں دیتی تو دھواں تو دکھائی دیتا ہے۔ دھوئیں سے تو پہچان سکتے ہیں کہ آگ موجود ہے آثار کیا ہیں اس نور کے؟

ترمذی کی حدیث ہے اس آیت کی تفسیر میں فمن یرد اللہ ان یرہد یہ یشرح صدرہ للاسلام کہ جب شرح صدر ہوتا ہے تو نور قلب میں داخل ہوتا ہے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ما علامۃ نور کے داخل ہونے کی کیا علامت ہے فرمایا التجانی عن دارا لغرور والانا بۃ الی دار الخلود۔ دنیا سے تعلق کا کم ہو جانا اور متوجہ ہو جانا آخرت کی طرف۔

یہ علامت ہے نور قلب کی۔ تو بھائی اس علامت سے ہی سمجھ لو کہ طاعت میں نور ہے یا نہیں۔ تو طاعت میں مشغول ہونے سے یہ علامتیں پاؤ گے اور معصیت کے بعد اس کے خلاف پاؤ گے۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ معصیت میں ظلمت ہے اور طاعت میں نور ہے۔ اس طرح نور و ظلمت ہونا طاعت کا اور معصیت کا تم پر منکشف ہوگا اور اگر منکشف نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ کبھی خالص طاعت کو اختیار کر کے دیکھا نہیں امتحان ہی کے طور پر چند روز خالص طاعت میں گزار لو۔ پھر معصیت کے بعد جو کیفیت ہو اس کو یاد رکھ لو۔ خود فرق معلوم ہو جائے گا۔

## انسانی تخلیق

حدیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا

تو ملائکہ نے عرض کیا کہ وہ تو کھائیں گے بھی پیئیں گے بھی فاجعل لهم الدنيا ولدار الآخرة۔ ان کے حصہ میں دنیا کر دیجئے ہمارے حصہ میں آخرت۔ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں۔ بھلا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے اور جس کو صرف کن کہہ کر پیدا کیا ہے دونوں کو برابر کر دوں یعنی تم کو کہ صرف کن کہہ کر پیدا کیا ہے اور انسان کو جن کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے کیسے برابر کر دوں۔

اب رہا یہ کہ دونوں ہاتھوں سے پیدا کرنے کے کیا معنی ہیں۔ سو اس کا حقیقی علم تو حق تعالیٰ ہی کو ہے باقی حاصل مطلب یہ ہے کہ انسان کو خاص توجہ اور عنایت اور اعتنا کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ ان کی نوع بلحاظ مجموعہ کے ملائکہ کی نوع سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ ہر فرد ہر فرد سے افضل ہے یہاں سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ انسان ملائکہ سے بھی افضل ہے ولو باعتبار بعض الافراد۔ اور کیا یہ بات فضیلت ظاہر کرنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ فرشتوں کو تو انسان کی خدمت سپرد کی گئی لیکن اس کو ان کی کوئی خدمت سپرد نہیں کی گئی۔ یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ سارے کام انسان کے ملائکہ کے سپرد ہیں۔ یہاں تک کہ خود ان کی خدمت بھی اور ان کی چیزوں کی خدمت بھی۔ ان کی جس گھاس کو نیل کھاتے ہیں اس کی بھی۔ کیونکہ قوت نامیہ سے کام لینے والے وہ ملائکہ ہیں جو مدبرات ہیں ارض و سموات کے۔ یہاں تک کہ نطفہ میں بھی ملائکہ ہی تصرف کرتے ہیں۔ جس وقت نطفہ قرار دیا۔ اسی وقت ایک فرشتہ فوراً متعین کر دیا گیا پہلے اس نے علقہ بنایا پھر عرض کیا اب کیا کروں۔ پھر مضغہ بنایا پھر عرض کیا اب کیا کروں غرض اخیر تک برابر فرشتہ تصرفات کرتا رہتا ہے۔

اطباء سمجھتے ہیں کہ قوت مولدہ کام کرتی ہے چلو بیٹھو بھی۔ قوت بیچاری کام کیا کر سکتی ہے۔ جب تک کوئی قوت سے کام لینے والا نہ ہو۔ یہ صاحب حکماء کہلاتے ہیں! یہ حکماء ہیں؟ حتماء ہیں کہ طبیعت کو عدیمة الشعور بھی مانتے ہیں اور ایسے افعال بدیعیہ کو بھی اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جب بہت لتاڑ پڑی کہ بھلا کوئی عدیمة الشعور ایسے افعال بھی کر سکتا ہے تو اخیر میں ذرا متاخرین کو ڈھیلا ہونا پڑا اور کہنا پڑا کہ ضعیفہ الشعور ہے۔ مگر پھر بھی اعتراض باقی ہے۔ یعنی ان کے قول کا حاصل تو یہ ہوا کہ طبیعت بے عقل تو نہیں کم عقل ہے لیکن وہ اعتراض تو پھر بھی باقی ہے کہ کم عقل سے ایسے افعال بدیعیہ کیسے صادر ہو سکتے ہیں بلکہ اب اعتراض اور قوی ہو گیا

کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے عقل کا تصرف تو ایک نوع احد پر چلتا رہتا ہے۔ جیسے مشین کہ ایک مرتبہ گھما دینے سے کام کرتی رہتی ہے تو جو عدیم الشعور ہے وہ کام کو اتنا نہ بگاڑے گا لیکن جو کم شعور ہے وہ بہت بگاڑے گا مشین سے کام اتنا نہیں بگڑتا جتنا انارٹی سے۔

سو واقعی ان حکماء نے یہ کیا حماقت کی بات کہی۔ بس سیدھی بات یہ ہے کہ مسلمان ہو جاؤ اور اس کے قابل ہو جاؤ کہ اللہ میاں فرشتوں سے یہ سب کام لیتے ہیں۔ پھر کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا۔

## فقیہ کون ہے؟

فقیہ وہ شخص ہے جس میں خدا داد ملکہ اجتہاد کا ہو۔ جو شخص ایک مسئلہ بھی نہ جانتا ہو وہ فقیہ ہو سکتا ہے اور جو شخص ایک لاکھ مسئلے جانتا ہو وہ فقیہ نہیں ہو سکتا۔ تفقہ اور چیز ہے اور ضبط جزئیات اور چیز ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے فیصلہ کر دیا ہے اور علماء نے کیا فیصلہ کیا ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ وعظ کہنے کا اہل ہر شخص نہیں ہے کیونکہ ہر منصب کا وہی اہل ہو سکتا ہے جو اس منصب کے شرائط کا جامع ہو۔ یہ تھوڑا ہی ہے کہ ایک آدھ کتاب دیکھی اور واعظ بن گئے (اور جا کر منبر سنبھال لیا۔ حضرت اس منبری کا حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ منصب منصب نبوت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے سچے وارث ہیں وہی اس کے اہل ہیں)۔ (رمضان فی رمضان ج ۱۰)

## نزول قرآن

کلام مجید کا نزول دو طرح ہوا ہے۔ ایک نزول تدریجی جو کہ ۲۳ برس میں حسب ضرورت نازل ہوتا رہا۔ اور جس کا ثبوت علاوہ کتب سیر کے خود کلام مجید سے ہوتا ہے۔ لولا انزل علیہ القران جملة واحدة کذلک لنثبت به فؤادک ورتلنہ ترتیلا۔ یہ آیت مشرکین نصاریٰ کے اس اعتراض پر نازل ہوئی تھی کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو ان کو کوئی کتاب پوری کی پوری دفعۃً آسمان سے کیوں نہیں دی گئی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ خدا تعالیٰ ان کفار کے اعتراض کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ کذلک لنثبت به فؤادک جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے کلام مجید کو بتدریج ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس لئے نازل کیا ہے کہ اس تدریج کے ذریعہ سے آپ کے دل کی تثبیت اور اس کا محفوظ کر لینا اور سمجھ لینا آسان ہو جائے۔



واقعی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس قدر تثبیت فواد اور ضبط و فہم بتدریج نازل کرنے میں ہو سکتا ہے نزول دفعی میں نہیں ہو سکتا۔ دفعۃً نازل کرنے میں احکام جزئیات کا سمجھنا امت کے لئے اس لئے دشوار ہوگا کہ جب دفعۃً نازل کیا جائے گا تو یقیناً اس کے احکام امور کلیہ ہوں گے اور ان پر جزئیات کو منطبق کرنا پڑے گا۔ سو جب تک کہ نبی زندہ ہیں اس وقت تک سوال کرنے سے بآسانی تعلیم ہو جائیگی لیکن نبی کی وفات کے بعد چونکہ ان کا منطبق کرنا محض امت کے اجتہاد پر رہ جائے گا۔ اس لئے بہت سی غلطیوں کا ہونا ممکن ہے جیسا کہ نصاریٰ اور یہود سے ہوئیں۔

اس تفاوت کی ایسی مثال ہے کہ ایک مریض کسی طبیب کے پاس آئے اور اپنی حالت بیان کر کے حکیم سے کہے کہ میں آپ کے پاس تو رہ نہیں سکتا۔ نہ میں وقتاً فوقتاً آ کر آپ کو اپنی حالت کی اطلاع کر سکتا ہوں۔ آپ میری حالت کے مناسب کئی نسخے مجھے لکھ دیجئے۔ جوں جوں میری حالت متغیر ہوتی جائے اور مرض میں کمی یا بیشی ہو میں اس کے مناسب نسخوں کو بدل کر استعمال کرتا جاؤں۔ پس اس صورت میں اگرچہ طبیب کتنا ہی ماہر ہو۔ اور کتنے ہی غور و خوض سے نسخوں کی تجویز کرے لیکن اس مریض کی حالت اس مریض کے برابر بہتر نہیں ہو سکتی جو کہ روزانہ طبیب کے پاس آتا ہے، اپنی حالت بیان کرتا ہے پچھلا نسخہ دکھلاتا ہے اور روزانہ اس میں تغیر و تبدل کمی بیشی کرا لے جاتا ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ پہلی صورت میں تمام تغیرات کے لئے طبیب نے نسخہ جات لکھ دیئے لیکن تغیرات کی تعیین اور ان کا فہم یہ محض مریض کی رائے پر رہا جو کہ رائے العلیل ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ زیادتی صفر کی ہو اور وہ سودا کا بیجان سمجھ جائے اور چستی سنبھالنے کی ہو اور وہ مرض کی کمی سمجھ جائے۔

اس سے واضح ہو گیا ہوگا کہ جس قدر عام اور تمام فائدہ جزئی حالت کے دیکھنے اور حسب ضرورت تغیر تبدل کرنے میں ہے۔ امور کلیہ سمجھا دینے میں اس قدر فائدہ نہیں۔ اس میں بہت سی غلطیاں ممکن ہیں۔ بس خدا کا ہم پر بڑا فضل ہے کہ اس نے کلام مجید جزء جزء نازل فرمایا کہ علماء امت نے اس کو اچھی طرح سمجھا۔ اس کے اسباب نزول پر پوری نظر کی اور اس کو اپنے ذہن میں لے لیا۔

یہاں بظاہر دو شبہات ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ جب تدریجی نزول میں اس قدر فائدہ اور دفعی نزول میں اس قدر نقصان کا احتمال ہے تو خدا نے قرآن سے پہلی

کتب کو دفعۃً کیوں نازل فرمایا۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ مصلحت اور فرق غلط ہے یا امم سابقہ کے مصالح کی رعایت نہیں کی گئی۔

اس کا جواب تو یہ ہے کہ شرائع سابقہ چونکہ چند روزہ تھیں اور اس زمانہ کے اکثر ایام میں ان کے نبی یا ان کے خاص اصحاب ان میں موجود رہتے تھے جن سے تمام جزئیات حل ہو جاتی تھیں۔ اس لئے کتب سابقہ کا دفعۃً نازل ہونا ان لوگوں کے لئے مضرت نہیں ہوا۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ باوجود قرآن کے تدبیراً نازل ہونے کے فہم قرآن میں غلطیاں اب بھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ اختلاف مجتہدین سے صاف معلوم ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف اور خطا میں اور امم سابقہ کے اختلاف اور غلطیوں میں بڑا فرق ہے۔ ان سے زیادہ اور مضرت غلطیاں ہوئی تھیں اور اس امت سے ایسی غلطیاں نہیں ہوئیں۔ وجہ یہ کہ اسباب نزول نصوص کی تفسیر ہے جس کو تعین مراد میں خاص دخل ہے اور ظاہر ہے کہ تعین مراد کے بعد کے غلطی خفیف ہوگی اور عدم تعین مراد کی صورت میں عظیم ہوگی۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بلا تعین مراد ان لوگوں پر احکام کیسے متوجہ ہوئے۔ بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بیان سے تعین ہو جاتی تھیں۔ سواول تو انہوں نے اس کی حفاظت نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ بیان بھی مواقع سوال ہی میں ہوتا ہے اور سوال کا ہر جگہ اذن تھا۔ مگر قلت توجہ سے ان لوگوں کو اس کی نوبت بھی کم آئی اور اس امت میں جو تعین مراد کے بعد اختلاف پیش آیا۔ اس میں حکمت تھی تو سبب مسالک کی۔ پس وہ رحمت ہوا۔ پس دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

## قرآنی آیت کی تشریح

حق تعالیٰ نے اکل و شرب (کھانے پینے) کا ذکر مستقل طور پر کیوں کیا۔ حالانکہ فحونی عیشۃ راضیہ (وہ شخص نہایت چھین میں ہوگا) میں یہ بھی داخل ہو چکا تھا تو اس افراد بالذکر کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کھانے پینے کا سب سے زیادہ عاشق ہے اور اس کے سوا جتنی مستیاں ہیں وہ سب اسی کے تابع ہیں مثلاً اگر کسی شخص کو جو کسی عورت یا مرد پر عاشق ہو چار پانچ دن کھانے پینے کو نہ دیا جائے پھر اس سے پوچھا جائے کہ بتلاؤ روٹی اور پانی لائیں یا عورت اور امر د کو بلا لیں۔ تو وہ اس وقت روٹی اور پانی ہی کی درخواست کریگا۔ اور عورت

اور امر د کے عشق کو بھول جائیگا۔ اسی طرح اور سارے مطلوبات کو دیکھ لیا جائے تو سب کا مدار اسی پر ہے چنانچہ اسی کیلئے نوکری اور ملازمت کی جاتی ہے اور اسی کے لئے تیری میری غلامی کی جاتی ہے بعض دفعہ آدمی اس سے گھبرا کر یوں بھی کہنے لگتا ہے کہ یہ دوزخ کہاں کا لگ گیا۔ مگر پھر بھی اس دوزخ کے بھرنے سے چارہ نہیں۔ ایک وقت بھرنے کے بعد پھر دوسرے وقت کے لئے فکر ہے کہ شام کو اسے کس چیز سے بھرا جائے گا۔ اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہمارے جذبات کی کس قدر رعایت فرمائی ہے۔ (عصم الصنوف ج ۱۰)

## حق تعالیٰ کی توجہ

اپنے ساتھ حق تعالیٰ کے برتاؤ کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس کرم کے ساتھ تربیت فرماتے ہیں ہمارے اور مربی ہیں اول تو ان میں زیادہ تر وہ ہیں جو اپنی اغراض کو صاحب حاجت کی اغراض پر مقدم رکھتے ہیں۔ البتہ والدین اس سے کس قدر مستثنیٰ ہیں کہ وہ اولاد کے جذبات کی بے غرضانہ رعایت کرتے ہیں۔ گو بعض دفعہ وہ بھی اپنے جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ چونکہ کسی چیز سے مغلوب نہیں ہیں وہ تو بندہ کے ساتھ بالکل اسی کے جذبات کی رعایت سے معاملہ فرماتے ہیں۔ (عصم الصنوف ج ۱۰)

## اہل جنت کا عیش

قیامت میں اصحاب الیمین سے کہا جائے گا کلووا و اشربوا ہنیئاً بما اسلفتم فی الایام الخالیہ، (جو تم نے ایام ماضیہ میں کئے تھے) کہ کھاؤ پیو ان اعمال کے عوض میں جو تم نے ایام خالیہ میں کیے ہیں۔ ایام خالیہ کی ایک تفسیر ابن عدی و بیہقی نے وہ نقل کی ہے جو پہلے سے میرے دل میں تھی اور اسی کی بنا پر میں نے اس آیت کو بیان کے لئے اختیار کیا تھا۔ مگر مجھے تلاش تھی کہ اس کی تائید سلف کے کلام سے بھی مل جائے۔ بدوں تائید سلف کے میں قرآن کے ایک لفظ کی تفسیر بھی گوارا نہیں کرتا۔ تفسیر بالرائے سے ڈر لگتا ہے۔ ہاں نکات و لطائف بیان کرنے کا مضائقہ نہیں۔ کیونکہ وہ تفسیر میں داخل نہیں۔ بلکہ امر زائد کی قبیل سے ہیں۔

بہر حال مجھے تلاش تھی کہ ایام خالیہ سے میں نے جو سمجھا ہے اس کی تائید منقول سے مل جائے۔ اول اور تفاسیر دیکھیں جلالین وغیرہ مگر کسی میں اس کی موافقت نہ ملی۔ پھر اخیر میں درمنثور

میں تلاش کیا تو اس میں ابن منذر و ابن عدی اور بیہقی کی تخریج سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن رفیع نے بما سلفتم فی الايام الخالیہ (جو تم نے ایام ماضیہ میں کئے تھے) کی تفسیر میں فرمایا ہے:

هو الصوم (وہ روزہ ہے) (قلت وعزاه القمی فی تفسیر الی مجاہد والکلبی قالا ہی ایام الصیام قال القمی فیکون الاکل والشرب فی الجنة بدل الامساک عنهما فی الدنيا ۵)

(کھانا پینا جنت میں دنیا میں کھانے پینے سے رکنے کا بدل ہو جائے گا) (ص ۳۴ ج ۲۹)

اگر یہ تائید نہ ملتی تو بڑی فکر ہوتی اور مجھے کوئی دوسری آیت تلاش کرنا پڑتی۔ مگر دل اسی کے بیان کو چاہتا تھا کیونکہ اول ذہن میں یہی آئی تھی اور اس کے متعلق ہی ایک خاص مضمون ذہن میں بھی آ گیا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ تائید مل گئی اور مجھے دوسری آیت تلاش کرنا نہ پڑی۔

اب سنئے کہ مشہور تفسیر تو ایام خالیہ کی ایام ماضیہ ہے اور میرے دل میں یہ بات آئی تھی کہ ایام خالیہ سے مراد وہ ایام ہیں جو طعام و شرب سے خالی تھے یعنی ایام صیام، چنانچہ سلف کے کلام سے بھی اس کی تائید ہو گئی۔ دوسرے عقلی طور پر یہ ظاہر ہے کہ جزا مناسب عمل ہو اور نصوص میں غور کرنے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور صوفیاء نے تو اس کو کشفی طور پر بیان کیا ہے۔ اس قاعدہ سے بھی صوم کا عوض اکل و شرب ہی ہونا چاہیے۔ (عصم الصوف ج ۱۰)

## واقعہ معراج کی ایک جزئی

قصہ معراج میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حالت عروج میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرے اور سلام وغیرہ کر کے آگے بڑھے تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں تو فرمایا کہ میں اسلئے روتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے بعد مبعوث ہوئے ہیں اور یہ میرے سامنے جوان لڑکے ہیں مگر ان کی امت جنت میں میری امت سے زیادہ داخل ہوگی۔

اس پر بعض جہلاء کوشبہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد ہوا یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کی کوتاہی پر حسرت و افسوس ہوا کہ انہوں نے میری ویسی اطاعت نہ کی جیسی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ علیہ السلام کی اطاعت کر گئی (قلت اوبکی تحسرا علی ما فات منه من رؤیتہ تعالیٰ مع تمنیہ ایاہا



وتشرف بها محمد صلى الله عليه وسلم فى الاسراء والله تعالى اعلم (۱۲) اور ان جہلاء کے خیال کی تردید خود واقعہ معراج ہی میں موسیٰ علیہ السلام کے اس دوسرے واقعہ سے ہوتی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اپنی امت کے لئے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ اگر معاذ اللہ! ان کو حسد ہوا ہوتا تو وہ تخفیف کی درخواست کیلئے کیوں کہتے۔ بلکہ وہ پچاس کے حکم سے خوش ہوتے کہ اچھا ہے ان کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہوں تاکہ وہ نباہ نہ سکیں اور جنت میں زیادہ نہ پہنچیں۔ مگر نہیں انہوں نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر نہایت شفقت فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار تخفیف کی درخواست کرائی۔ یہاں تک کہ اخیر میں پانچ نمازیں رہ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اس میں بھی تخفیف کی درخواست کی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس میں بار بار مراجعت کرنے سے شرمایا گیا ہوں اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی

امضیت فریضتی وخففت عن عبادی هن خمس وهى خمسون

کہ میں نے اپنا فریضہ بھی پورا کر دیا اور بندوں سے تخفیف بھی کر دی یہ پانچ نمازیں ہیں اور حقیقت میں یہ پچاس ہی ہیں۔ کیونکہ ایک بمنزلہ دس نمازوں کے ہے۔

اسی وقت سے یہ قاعدہ مقرر ہوا ہے کہ ایک حسنہ (اس میں تنبیہ تھی ایک عالم کی غلطی پر جنہوں نے اسی باب میں اپنے وعظ میں کہا تھا کہ رمضان میں ایک فرض شریف ستر فرضوں کے برابر ہے اور ایک نیکی دس گنی ہوتی ہے اور پانچ اوقات کی نماز پچاس نمازوں کے برابر معراج میں ہو چکی ہے تو پچاس کو پچاس میں پھر ستر میں ضرب دیا تو ایک لاکھ پچاس ہزار حاصل ہوئے پھر اس کو جماعت کے ثواب میں ضرب کیا تھا اور کئی لاکھ تک پہنچایا) پر دس کا ثواب ملے گا پہلے یہ قاعدہ نہ تھا جن صاحبوں نے الحسنۃ بعشر امثالها کی تضعیف کو تضعیف لیلۃ المعراج سے علیحدہ سمجھا ہے یعنی یہ سمجھا کہ لیلۃ المعراج میں جو پانچ نمازوں پر پچاس کا وعدہ ہوا ہے۔ ایک تضعیف تو یہ ہے کہ پھر ان پچاس میں عشر امثال کی تضعیف الگ ہوگی۔ انہوں نے صحیح نہیں سمجھا۔

تو دیکھئے انبیاء علیہم السلام کی بھی تسہیل و تخفیف کا کتنا اہتمام ہے اور یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی محبت کا اثر ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام میں جو شفقت و رحمت ہے وہ حق تعالیٰ ہی کی شفقت و رحمت کا ظل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے کہنے سے نمازوں میں تو تخفیف کی درخواست کی اور اس وقت آپ کو معلوم ہو گیا کہ میری امت پہلے لوگوں سے کمزور ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس سے تخفیف کی درخواست کر کے پانچ کرائیں لیکن روزہ کا عدد تیس سے تین نہیں کرایا۔

اس سے صاف میرے دعوے کی تائید ہوتی ہے یعنی اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ روزہ سال بھر میں ایک مہینہ کا کچھ دشوار نہیں ورنہ ایک تجربہ ہو جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بھی تخفیف کی ضرورت درخواست کرتے اور تیس دن کے تین کرا لیتے اور اگر عدد بھی کم نہ کراتے تو کم از کم کیفیت ہی میں تخفیف کرا لیتے۔ (عصم الصوف ج ۱۰)

## وضو کی برکات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ وضو سے گناہ دھلتے ہیں تو عجب نہیں ہے کہ یہ انشراح اور نور جو وضو کے بعد ہر مومن کو محسوس ہوتا ہے یہ اسی کا اثر ہے۔ اس لئے کہ گناہ سے ظلمت، کدورت اور سیاہی کا قلب پر ہو جانا تو حدیث سے معلوم ہوتا ہی ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک دھبہ سیاہ لگ جاتا ہے حتیٰ کہ گناہ کرتے کرتے سیاہی قلب کو محیط ہو جاتی ہے۔ پس جب کہ گناہ سے ظلمت ہوتی ہے تو وضو سے گناہ معاف ہو کر اس ظلمت میں کمی ہوتی ہے اس لئے اس کا احساس ہوتا ہے اور اسی کی خبر دی گئی ہے کہ وضو سے گناہ دھلتے ہیں۔ (اتھدیب ج ۱۰)

## مثالی ازدواجی زندگی

افک کے قصہ میں جب حضرت عائشہؓ کی برات نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابشری یا عائشہ! فقد براك الله یعنی خوش ہواے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تم کو بری کر دیا۔ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ گھڑی ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ کیوں کروں میں تو اپنے اللہ کی حمد بیان کروں گی۔

دیکھئے! بظاہر تو یہ کلمہ بے ادبی کا ہے لیکن حقیقت اور منشا اس کا حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی محبت ہے۔ حضرت عائشہؓ کا قلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز تھا اور جیسے محبوب ناز کیا کرتا ہے کبھی محبت بھی کرتا ہے۔ لیکن ہر شخص کا حوصلہ نہیں ہے کہ ایسی بات کہے یا جی میں لائے۔ اس لئے کہ

نازاراروئے باید ہنچو درد چوں نداری گرد بد خوئی مگرد  
(ناز برداری کیلئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے اگر تو ایسا حسین نہیں ہے تو بری عادات چھوڑ دے)

اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے عائشہ! مجھے معلوم ہو جاتا ہے جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو اور جس وقت راضی ہوتی ہو تو اس طرح قسم کھاتی ہو لا اور ب محمد، (قسم ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی) اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو لا اور ب ابراہیم۔ (قسم ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کی) حضرت عائشہؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! لا اہجر الا اسمک یعنی یا رسول اللہ! میں اس وقت صرف آپ کا نام ہی چھوڑ دیتی ہوں یعنی دل میں تو آپ ہی بے ہوئے ہیں لیکن صرف نام مبارک زبان سے ترک کر دیتی ہوں۔ (المہذب ج ۱۰)

## فرائض و نوافل سے قرب حق

فرائض کی نسبت حدیث قدسی میں آیا ہے کہ میرا بندہ جس قدر فرض ادا کرنے سے مقرب بنتا ہے اس قدر کسی شے سے نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرض بہت بڑی شے ہے اور نوافل کی نسبت ارشاد ہے: لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ الذی یبطش بہا ”یعنی میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے قرب تلاش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں اور جب میں اس کو چاہتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں کہ وہ مجھ سے سنتا ہوں اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں کہ وہ مجھ سے دیکھتا ہے اور میں ہی اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ مجھ سے پکڑتا ہے“

اس کا یہ مطلب نہیں اللہ میاں تو بہ تو بہ اس کا کان آنکھ ہاتھ ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان اعضاء سے اس سے کوئی کام حق تعالیٰ کے خلاف مرضی نہیں ہوتا۔ اب غور کیجئے کہ

فرائض کی خاصیت یہ بیان فرمائی کہ جس قدر قرب ان سے ہوتا ہے اس قدر کسی عبادت سے نہیں ہوتا۔ اور نوافل کے بارہ میں یہ ارشاد فرمایا شینا شینا حاصل ہوتا رہتا ہے جیسا لایزال۔ تقرب اس پر دل ہے تو حاصل اس کا یہ ہے کہ زیادت قرب دو قسم کی ہے ایک کیفیہ اور ایک کمیہ کا اور وہ دونوں مطلوب ہیں تو فرائض سے تو کیف کے اعتبار سے قرب بڑھتا ہے اور نوافل سے کمیہ بڑھتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص سرکاری عہدہ دار ہے تو نفس قرب تو اس کو اپنا منصبی کام انجام دینے سے حاصل ہوگا۔ اور اگر یہ کام نہ کرے تو قرب ہی نہ ہوگا تو یہ منصبی کام بہت بڑی شے ہے کہ اس نے اس کو سرکاری آدمی بنا دیا ہے اب وہ چاہتا ہے کہ میرا قرب حاکم سے اور بھی زیادہ بڑھ جائے تو وہ حاکم کے خوش کرنے کے لئے ایسا کام اختیار کریگا کہ وہ کام اس کے ذمہ نہیں ہے مثلاً اس کے لئے ڈالی لے جائے اور تحائف بھیجے نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ حاکم کا بہت مقرب ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ حاکم کے پاس بیٹھنا بھی اس کو نصیب ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس تشبیہ سے پاک ہیں لیکن بطور تمثیل کے سمجھنا چاہیے کہ عاشق کو نفس قرب کیفی سے تسلی نہیں ہے وہ اپنی استعداد کے اعتبار سے کمال قرب کی کا طالب ہوتا ہے مثلاً محبوب نے اپنے پاس خوش ہو کر بٹھلایا تو وہ کھسکتا ہوا اور آگے مل کر بیٹھنا چاہتا ہے اس لئے حق تعالیٰ نے دو عبادتیں مقرر فرمائی ہیں۔ فرض اور نفل قرب کیفی کا تعلق تو فرض کے ساتھ ہے۔ فرض کے بعد کوئی درجہ کیف کا باقی نہیں رہتا۔ اور کمیہ کا تعلق نفل سے ہے اور کمیت قرب کے مراتب بے شمار ہیں۔ جس قدر بھی مراتب طے کریگا ختم نہ ہوں گے اور نہ سیری ہوگی۔ برابر دل چاہتا رہے گا کہ اور بڑھے اور بڑھے۔ (المہذب ج ۱۰)

## ممنوعات شرعیہ کی حکمت

یہ بات اہل علم کے سمجھنے کی ہے کہ قرآن کی تعلیم کا اکثر طرز یہ ہے کہ ممنوعات میں انہی چیزوں سے صراحۃً منع کیا گیا ہے جن سے تقاضا طبیعت انسانیہ کو خود نفرت ہے اس سے صراحۃً منع نہیں کیا گیا چنانچہ اکل ربوہ سے شراب پینے سے منع کیا گیا ہے مگر پیشاب پاخانہ کھانے سے منع نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا تقاضا تھا اس کا تقاضا نہ تھا ایک مقدمہ تو یہ ہوا اب دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ یہ ملاؤ کہ جس چیز کا تقاضا طبیعت میں ہو اس سے رکنا مشقت و دشواری کا سبب ہے یہ مقدمہ عقلی اور بدیہی ہے اب سمجھئے کہ جب قرآن میں نظر



بد سے منع کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ طبائع میں اس کا تقاضا ہے اور جس کا طبیعت میں ہو اس سے روکنا سبب مشقت ہے تو آیت کا تو خود یہی مطلب ہوا کہ باوجود مشقت کے اس گناہ سے بچو مگر آجکل کے دیندار یوں چاہتے ہیں کہ بغیر مشقت کے سب کچھ ہو جائے اسی کی میں شکایت کر رہا تھا کہ یہ کیسی طلبِ دین ہے جس میں راحت کی طلب ہے حالانکہ طالبِ دنیا ذرا سی مردار دنیا کے لئے جان و دل سے مرتے کھپتے رہتے ہیں اور طالبِ دین کو بغیر مشقت کے حصولِ دین و اصلاحِ اعمال کا انتظار ہو رہا ہے افسوس

بہ میں تفاوتِ راہ از کجاست تا یکجا

اس راہ کا فرق تو دیکھو کہ کہاں سے کہاں تک ہے۔ (الجمادہ ج ۱۱)

## حقوق اللہ کی حقیقت

حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت کا ذکر آیا کہ وہ بہت نمازیں پڑھتی ہے بہت روزے رکھتی ہے بہت قرآن پڑھتی ہے ”ولکن توذی جیرانھا“ لیکن زبانِ دراز ہے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ”ہی فی النار“ وہ دوزخی ہے اور یہ بھی پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت ہے کہ وہ بہت نماز روزہ تو نہیں کرتی یہ نہیں کہ فرض نماز روزہ بھی نہ کرتی تھی مطلب یہ تھا کہ بہت نفل نمازیں نہ پڑھتی تھی اور بہت نفل روزے نہ رکھتی تھی جیسے ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ مولوی جی میں آٹھ وقت کی نماز پڑھتی ہوں۔ میں نے کہا کہ کم بخت اللہ تعالیٰ نے تو پانچ وقت کی نماز فرض کی اور تو آٹھ وقت کی پڑھتی ہے۔ اگر تہجد اشراق اور اوائین کی نفلیں مراد ہیں تو کہاں نفل نماز کہاں فرض نماز ان کو ان میں کیوں ملاتی ہے یوں کیوں نہ کہہ دیا کہ میں یہ یہ نفلیں پڑھتی ہوں فرضوں کیساتھ نفلوں کو بھی آپ نے ملا دیا اور ہانک دیا کہ میں آٹھ وقت کی نماز پڑھتی ہوں تاکہ یوں معلوم ہو کہ آٹھوں نمازیں ایک ہی درجہ کی ہیں۔ (تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال ج ۱۱)

## تعلق مع اللہ

”وَإِيَدُهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ“ یعنی خدا نے مدد دی ان کو ایک روح کے ساتھ وہ روح کیا ہے نسبت باطنی خدا کے ساتھ۔ اس سے ایسی قوتِ قلب میں پیدا ہوتی ہے کہ اگر سارا عالم

بھی مخالف ہو جائے تو بھی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ تعلق مع اللہ سے ایک نور قلب میں پیدا ہوتا ہے اس نور کو روح اس لیے کہہ دیا کہ اس سے قلب میں حیات پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسا تعلق بڑھتا ہے کہ بس یہ شان ہو جاتی ہے۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش      چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش  
امید و ہراسش نباشد ز کس      ہمین است بنیاد توحید و بس  
(موحد کے قدموں پر سونا نچھاور کر دیا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھ دو امید و خوف اس کو کسی سے نہ ہوگا بس توحید کی بنیاد یہی ہے) (طریق القلندر ج ۱۱)

## انسانی احتیاج

قرآن کریم میں ہے فرماتے ہیں: ”و کانا یا کلان الطعام“ یعنی مسیح اور ان کی والدہ خدا کیسے ہوتے یہ تو دونوں کھانا کھاتے تھے۔ اس میں اول تو یہ بات بتلائی کہ کھانا کھانے والا بھوک سے زیادہ عاجز ہو کر غذا کا محتاج ہوتا ہے اور خدا محتاج اور عاجز نہیں ہوتا۔ دوسرے اس میں اس طرف سے بھی اشارہ ہے کہ کھانا کھانے والے کو بول و براز کی حاجت ہوتی ہے اور بول و براز کا کرنے والا خدا کیا ہوتا خدائی کی شان کے لائق یہی حرکات ہیں تو دیکھئے حاجت بول و براز کو کیسے لطیف پیرایہ میں اشارۃ ادا فرمایا، صراحۃً ذکر نہیں کیا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک عیسائی کے سامنے یہ مضمون پیش کیا تھا تو اس نے کہا کہ پیشاب پاخانہ کا نام نہ لو۔ حضرت مسیح کے ذکر میں ایسی گندگی باتیں لانا بے ادبی ہے، مولانا نے کہا پیشاب پاخانہ کا نام بے ادبی ہے تو بول و براز سہی الفاظ کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جائے گی۔ اس حقیقت کا وجود الوہیت کے منافی ہے غرض پاخانہ میں بیٹھ کر اصلی حالت انسان کی کھل جاتی ہے اس وقت اپنے آپ کو دیکھ کر سمجھ جاؤ کہ ہم کیا چیز ہیں جو شخص دن رات میں دو تین مرتبہ نجاست میں آلودہ ہوتا ہے تو وہ کیا بڑا ہو سکتا ہے صفائی ستھرائی بھی جو کچھ نظر آتی ہے وہ بھی حق تعالیٰ کی ایک کار سازی ہے کہ پانی جیسی ایک ایسی چیز پیدا کر دی ہے جس سے گندگی کا ازالہ کر لیا جاتا ہے اگر پانی نہ ہو تو ہر وقت سنے ہی رہیں۔ اس وقت بڑائی معلوم ہو اب تو یہ ہے کہ پاخانہ میں تھوڑی دیر رہنا پڑتا ہے سب سے علیحدہ ہو کر جو کچھ گت بن گئی پھر پانی سے صاف ہو کر آبیٹھے اگر نجاست دور کرنے کی کوئی ترکیب نہ ہو تو بدبو ہر وقت آیا کرتی اس وقت

یہ بات خوب پھبتی کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں اگرچہ اس زمانہ میں سنا رہنا ہی بعض لوگوں کے نزدیک معیوب نہیں جو لوگ فیشن کے دلدادہ ہیں ان کو دیکھ لیجئے۔ (اوج قنوج ج ۱۱)

## جان و ایمان کی حفاظت

ارشاد ہے: ”لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ“ کہ اپنی جان کی حفاظت کرو مصائب نوائب سے بچو اپنی نفوس کو قتل مت کرو جان بوجھ کر مصیبت میں نہ پھنسو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”ان لنفسك عليك حقا ان لعينك عليك حقا“ (بے شک تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے تیری آنکھ کا تجھ پر حق ہے) جب نفس اور جان کا ہم پر حق ہے تو اس کی حفاظت کیوں نہ ضروری ہوگی انسان جان اور زندگی ہی کے ذریعے سے مدارج کمالات کو طے کرتا ہے ہر دنیوی و دینی طبعی و شرعی ترقی اسی پر موقوف ہے تمام افعال و اعمال کا موقوف علیہ یہی ہے تو اس کی حفاظت کیسی کچھ ضروری ہوگی اس طرح وہ پریشانی بھی ممنوع ہے جس سے اعضاء ظاہری و باطنی قلب وغیرہ پر کچھ برا اثر ہو ان کی حفاظت بھی ضروری ہے کیونکہ یہ اعضاء مقدمہ و آلہ ہیں روح اور جان کے ساتھ مقصود اصلی مرغوب ہوتا ہے اسی طرح اس کے مقدمات بھی ہوتے ہیں مقدمات کا احترام اور ان کی نگہداشت مقصود ہی کی نگہداشت ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں کسی شخص نے تسبیح دیکھی کہا حضرت آپ کو تسبیح کی کیا حاجت ہے یہ تو مبتدیوں کے واسطے موزوں ہے فرمایا اسی کی بدولت تو ہم کو یہ دولت ملی ہے اسی کی وجہ سے تو آج واصل الی اللہ ہوئے ہیں اور اسی کو چھوڑ دیں ایسے رفیق کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔ یہ تو کفران اور ناشکری ہے کہ جس چیز کی وجہ سے نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو اس سے ہی اعراض کیا جائے اسی طرح یہ اعضاء اور نفس مطلوب بالذات یعنی قرب حق کے لیے آلہ ہے لہذا ان کی حرمت و عزت بھی ضروری ہے خوب کہا ہے

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است      اتم پائے خود کہ بکویت رسیدہ است  
ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را      کو دامت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرا جمال دیکھا ہے اور میں اپنے پیروں پر رشک کرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچہ میں پہنچے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو ہزار بوسہ دیتا ہوں کہ ان سے تیرا دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ہے) (دستور سہارنپور ج ۱۱)

## تکبر حرام ہے

حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ فرماتے ہیں: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ“ (اللہ تعالیٰ کسی متکبر فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتے) نیز صحیح مسلم میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے قلب میں رائی برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا حق تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے ”الکبرياء ردائی والعظمة ازاری فمن ناز عني فيها قصمته“ (بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری تہہ بند ہے پس جو شخص ان دونوں کو مجھ سے چھیننا چاہے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا) ان نصوص سے معلوم ہو گیا کہ تکبر حرام ہے اب اس میں خوشامد کرتے ہیں ہر قسم کی ذلت برداشت کرتے ہیں وہ بھی دنیا ہے حالانکہ اذلال النفس منہی عنہ ہے اس لیے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”لَا يَسْتَلُونَ النَّاسَ الْحَافًا“ (وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے) یعنی مانگنے میں اصرار و ابرام نہ کرو لوگوں پر بوجھ نہ ڈالو دیں دیدیں اور نہ دیں تو کچھ زور نہیں اجارہ نہیں آج کل کے مدعی درویشوں کو دیکھئے پیٹ کے لیے الحاف کو گوارا کرتے ہیں اکثر لوگ ان کے سوال سے خواہ تہذیب سے ہو یا بے تہذیبی سے تنگ ہوتے ہیں یہی الحاف ہے میرے خیال میں اگر حاجت بھی ہو تو صلیاء غرباء سے سوال کر لے اور ان رؤساء امراء کے تو پاس بھی نہ پھٹکے ان سے تو دور ہی رہنا مصلحت ہے ان میں محض ظاہری تہذیب ہوتی ہے ورنہ دل میں حقیر سمجھتے ہیں ان کو چھوڑنا چاہیے۔ (دستور سہارنپور ج ۱۱)

## تعلیم انبیاء علیہم السلام

انبیاء کی تعلیم ایسی ہوتی ہے جیسے بعض اطباء جڑی بوٹیوں سے علاج کیا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ طبیب بڑا ماہر ہے جو ایک معمولی گھاس سے بڑے سے بڑے مرض کا علاج کر دے مگر اس کی قدر وہی کر سکتا ہے جو اس کے علاج پر ایک دفعہ عمل کر کے اس کے فائدہ کا مشاہدہ کر چکا ہو ورنہ ظاہر ہے لوگ تو یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی کوئی علاج ہے جس میں جنگل کی گھاس ہی بتلادی جو ایک پیسہ کو بھی نہیں پوچھی جاتی مگر حقیقت میں فن دانی اسی کا نام ہے کہ ہلدی لگے نہ مھٹکڑی اور کام جلدی ہو جائے۔ ہمارے استاد علیہ الرحمۃ (مولانا محمد



یعقوب) صاحب اکثر جڑی بوٹیوں سے علاج بتلادیا کرتے تھے۔ مولانا علم طب میں بھی بڑے ماہر تھے اور آپ کے نسخہ میں زیادہ تر اجزاء نہ ہوتے تھے۔ اکثر تو مفردات بتلادیا کرتے تھے ورنہ دو یا تین سے زیادہ اجزاء نہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک رئیس کو یہ دوا بتلائی کہ جامن کی کونپلوں کو سیاہ مرچوں میں پیس کر استعمال کریں یہ واقعہ تو میں نے نا تمام سنا ہے یہ معلوم نہیں کہ ان حضرات نے اس کو استعمال کیا یا نہیں۔ دوسرا واقعہ مکمل سنا ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ مولانا انبھٹہ تشریف لے گئے مولانا کی دوسری شادی انبھٹہ ہی میں ہوئی تھی اس لیے وہاں جانا آنا رہتا تھا ایک رئیس کو وہاں معدہ کا کچھ مرض تھا جس کے علاج انہوں نے بہت کیے تھے مگر کسی علاج سے نفع نہ ہوا۔ جب مولانا وہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے حضرت سے بھی رجوع کیا، مولانا نے ان کو یہ دوا بتلائی کہ اکاس بیل کو دودھ میں پکا کر استعمال کریں چونکہ ایک معمولی دوا تھی جس میں ایک پیسہ بھی خرچ نہ تھا کیونکہ اکاس بیل خود رو بہت ملتی ہے اس لیے اس رئیس کو اس کی قدر نہ ہوئی۔

وہ یہ سمجھے کہ میرے مرض کے لیے تو ایسے نسخے کی ضرورت ہے جس میں بہت سے روپے خرچ ہوں اس معمولی دوائی سے مجھے کیا آرام ہوگا۔ مولانا کو بھی آثار سے معلوم ہو گیا کہ اس شخص نے میرے نسخے کی قدر نہیں کی، فرمایا اس کو معمولی نہ سمجھو تمہارے مرض کی یہی ایک دوا ہے کہ اس کو استعمال کر کے دیکھو مگر اس نے پھر بھی توجہ نہ کی جب مریض کو طبیب پر اعتماد نہ ہو تو اس کی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ اس کی خوشامد کرے پھر مولانا کو کون سی فیس ملتی ہے جو وہ خوشامد کرتے۔ مولانا بھی خاموش ہو رہے۔ اتفاق سے اس محلہ کی مسجد میں ایک نابینا ملاجی مؤذن تھے جن کی بزرگی کے لوگ معتقد تھے انہوں نے صبح کو اس رئیس کے روبرو خواب بیان کیا کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا اور دریافت کیا کہ حضرت اس مرض کے لیے کوئی دوا بتلا دیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی صرف ایک دوا ہے اور وہی دوا بتلائی جو حضرت مولانا نے بتلائی تھی۔ یہ خواب مولانا سے بیان کیا گیا مولانا نے پوچھا کہ حافظ جی دیکھو میں ہی تو نہ تھا تو حافظ جی کیا کہتے ہیں ہاں حضرت آواز تو ایسی ہی تھی۔ مولانا نے فرمایا بھائی جب تم نے جاگتے میں میرا کہنا نہ مانا آخر میں نے سوتے میں بتلادیا تو دیکھئے مولانا کے ارشاد کی قدر اسی لیے نہ ہوئی کہ بظاہر وہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی تھی۔ (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

## خدمت دین

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سب سے زیادہ عاشق تھے ورنہ بقیہ صحابہ کے حضور کی وفات کے شدۃ صدمہ سے ہوش بجا نہ تھے جب صدیق اکبرؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو فوراً منبر پر تشریف لے گئے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خاص نظر تھی۔ جب ان کو منبر پر دیکھا سب منبر کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد حمد و نعت فرمایا:

”الَا اِنْ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنْ مُحَمَّدٌ قَدَمَاتٍ وَمِنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَاِنْ اللَّهَ حَيًّا لَا يَمُوتُ“ (یعنی آگاہ ہو جاؤ، بے شک جو تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے ان کو موت نہ آئے گی) اور اس کے بعد یہ آیت

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا

یعنی نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر ایک رسول ان سے پہلے بھی بہت رسول گزر چکے ہیں کیا پس اگر وہ مرجائیں گے تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو شخص پھر جائے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کافی ہونا بیان فرمایا اور جس کے واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے اس پر استقامت کی تعلیم فرمائی اور اس کے بعد حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”وَمَا كَانَ لَنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا“، یعنی کسی جان کے لیے یہ نہیں ہے کہ وہ بغیر حکم الہی کے مر سکے اور آپ نے آیت بھی پڑھی۔ ”إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ“ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کلام سن کر ہماری یہ حالت ہوئی کہ گویا ہم نے یہ آیت پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں کلام اللہ سن کر جو حالت قلب کے تاثر کی ہوا کرتی ہے اس کو سن کر وہی حالت ہوگئی اور ہوش سے آگئے اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غور کرنا چاہیے کہ حضور جس کام کے لیے تشریف لائے تھے یعنی دین حق کی اشاعت اور احیاء وہ کام ہم کو کرنا

چاہیے چنانچہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس شغل کو لے کر نہیں بیٹھے اور سب کے سب فوراً خدمت دین میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ غزوات اور فتوحات اور تفسیر اور حدیث اور فقہ اور علوم کی اشاعت خدمات دین اس درجہ تک کیں کہ نادان آدمی کو دیکھ کر سرسری نظر سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہیں ہوئے تھے وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بعد کے علماء نے کئے حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے بنیاد حضور ہی نے رکھی تھی اور بنیاد رکھنا ہی کسی کام کی مشکل کام ہے اور جب بنیاد رکھی جائے اور بنیاد درست ہو جائے تو آگے اس کے چلانا کون سا مشکل کام ہے اسی مشکل کے موقوف علی الرسول ہونے کے مضمون کو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً فِيهَا كُتِبَ قِيمَةٌ“ یعنی جو لوگ کافر ہوئے ہیں اہل کتاب اور مشرکین سے وہ اپنے کفر سے باز آنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ ان کے پاس دلیل روشن آئی اور وہ دلیل اللہ کی طرف سے ایک عظیم الشان رسول ہیں جو پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں کہ ان صحیفوں میں لکھے ہوئے مضبوط مضمون ہیں۔ غرض صحابہ نے اس صدمہ جانکاہ کا وظیفہ نہیں کیا حالانکہ صحابہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں تھا اور اسی وجہ سے صدمہ بے حد سخت تھا پس ہم کو بھی چاہیے کہ ہم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتدا کریں۔ (رفع الموانع جلد ۱۱)

### نسخہ کیمیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ”اصيب بمصيبة فليتعض بمعصيتي“ یعنی جس کو کوئی مصیبت پہنچے اس کو چاہیے کہ میری مصیبت سے وہ تسلی حاصل کرے یعنی میری وفات سے جو میری امت کو صدمہ پہنچا ہے اس کو یاد کرے یعنی یہ سوچے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس میرے محبوب سے بھی زیادہ محبوب ہیں جب آپ ہی اس حیات ظاہری میں نہ رہے اور اس پر ہم نے صبر کر لیا تو اس کی کیا پروا ہے اس پر وہ شخص شبہ کر سکتا ہے جو یہ کہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہی نہیں لیکن مسلمان تو ایسا کہہ نہیں سکتا۔ بفضلہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی جان اولاد اور مال سے زیادہ محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور جس کو نہیں اس کی طرف ہمارا روئے سخن نہیں ہے۔ غرض ان طریقوں کے اختیار کرنے سے

مصیبت کا جو زیادہ ناگواری کا درجہ ہے وہ نہ رہے گا ورنہ مصیبت اپنی اپنی حد سے بڑھ کر حضرت حق سے مانع ہو جائے گی اور یہ اور زیادہ مصیبت پر مصیبت ہوگی۔ (رفع الموانع ج ۱۱)

## مجاہدہ اور ترقی

مجاہدہ سے ترقی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کون مدارج میں ترقی نہیں ہے کیونکہ ان میں مجاہدہ متصور نہیں اور بشر میں مجاہدہ بوجہ میلان اور رغبت معاصی کے متصور ہے اس لیے ان کے مدارج میں بسبیل لا تقف عند حد ترقی ہوتی رہتی ہے۔ حکیم ترمذی ایک بزرگ گزرے ہیں جوانی میں ان پر ایک عورت عاشق ہو گئی تھی اور ہر وقت ان کی تلاش اور جستجو میں رہتی۔ آخر کار ایک دن موقع پر ایک باغ میں ان کو دیکھا اور وہ باغ چاروں طرف سے چار دیواری کی وجہ سے بند تھا۔ وہاں پہنچ کر ان سے اپنے مطلب کی درخواست کی یہ گھبرائے اور گناہ سے بچنے کی غرض سے بھاگ کر دیوار سے کود پڑے اس قصہ کے بعد ایک روز بڑھاپے کے زمانے میں وسوسے کے طور پر خیال آیا کہ اگر میں اس عورت کی دل شکنی نہ کرتا اور اس کا مطلب پورا کر دیتا اور پیچھے توبہ کر لیتا تو یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا اور اس کی دل شکنی بھی نہ ہوتی۔ (سیرت صوفی ج ۱۱)

## نعمت رزق

ہم مسلمان ہیں، ہم نعمت اسلام سے نوازے گئے ہیں۔ اگر ہم اس کو نعمت سمجھتے تو جیسے اور نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اس کا بھی شکر ادا کرنا چاہیے تھا، بلکہ سب سے زیادہ کرنا چاہیے تھا، کیونکہ دین و دنیا کی ساری بہبودی اسی کی بدولت ہے۔ مگر یہاں ایک مرتبہ بھی زبان پر نہیں آتا کہ الہی تیرا شکر ہے۔ اور مستقلاً تو کیا شکر کرتے، دوسری نعمتوں کے ساتھ منضم کر کے بھی اس پر شکر نہیں کرتے۔ حالانکہ شارع علیہ السلام نے اس کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ اگر تم سے مستقلاً اس کا شکر ادا نہ ہو سکے تو دوسری نعمتوں ہی کے ساتھ ملا کر کر لیا کرو۔ چنانچہ کھانے کے ساتھ حکم ہے کہ کھانے پر شکر کرتے وقت نعمت اسلام کا بھی شکر ادا کرو۔ کھانے کے بعد جو دعاء آئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔ (سنن الترمذی: 3396) اور ہمیں مسلمان بنایا۔ یعنی تمام حمد اس ذات کیلئے ہے جس نے ہم کو کھانے کو دیا، پینے کو دیا، اور ہمیں مسلمان بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تعلیم دی ہے کہ کھانے پینے کے ساتھ اس کو بھی بڑھا دو۔ وجعلنا من المسلمین۔



مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہم اس نعمت کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی اور لاپرواہی کرتے ہیں کہ اس وقت بھی نعمت اسلام پر شکر نہیں کرتے۔ (الاتمام للعمۃ الاسلام ج ۱۲)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے تفسیر مظہری میں ایک عجیب تفسیر کی ہے۔ عام مفسرین نے تو یہ تفسیر کی ہے کہ یہ معمول ہے ارزق مقدر کا یعنی وارزق من کفر کہ میں کافر کو بھی رزق دوں گا۔ آگے اس کی تفصیل ہے فامتعه قليلا ثم اضطره الى عذاب النار (پس ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤں گا پھر اس کو کشاں کشاں عذاب میں پہنچاؤں گا) اس تفسیر کے موافق گویا من کفر پر جملہ ختم ہو گیا۔ فامتعه قليلا (پس اس کو تھوڑے روز آرام پہنچاؤں گا) الخ الگ جملہ ہے۔ اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے کہا ہے کہ من مبتدا ہے اور فامتعه خبر ہے یا یوں کہو کہ من شرطیہ ہے اور امتعه اس کی جزا ہے۔ خواہ من کو مبتدا مانو یا شرطیہ، اور امتعه کو خبر بناؤ یا جزا دونوں جائز ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ جملہ مستقلہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو کفر کرے گا اس کو دنیا سے متمتع کروں گا اور قلیلا قید واقعی ہے۔ کما قال تعالیٰ قل متاع الدنیا قلیل۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ دنیا کا ساز و سامان بہت کم ہے) اب اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ اس تقریر کا تو حاصل یہ ہوا کہ جو کفر کرے گا اسی کو متاع حاصل ہوگی تو کیا کفر سبب متمتع کا ہے؟ قاضی صاحب نے اس کا جواب دیا ہے۔ کہ دنیا کو مومن سے کم مناسبت ہے اور کافر سے زیادہ مناسبت ہے۔ یہ ایسی بات ہے جیسے ارشاد ہے الخبیث للخبیثین والخبیثون للخبیث (گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق) کہ خبیث کو خبیث ہی ملا کرتا ہے۔ دنیا خبیث ہے اور کفار بھی خبیث ہیں۔ لہذا ان میں باہم تناسب ہے۔ اور مومن شریف ہے اور دنیا خبیث ہے لہذا ان میں باہم تناسب نہیں ہے۔ میں نے اسی تفسیر پر دعویٰ کیا تھا کہ کفار کا دنیا سے تناسب نقل سے ثابت ہے۔ اس لئے تدابیر باطلہ کفار کیلئے مفید ہیں۔ بخلاف اہل اسلام کے ان کیلئے تو وہی تدابیر نافع ہوں گی جو اسلام کے مناسب ہیں وہ تدابیر کیا ہیں وہ وہ ہیں جو اللہ میاں نے بیان فرمائی ہیں جن کو میں نے اب بیان کیا ہے کہ اپنی اصلاح کرو اخلاق کو درست کرو عقائد و اعمال کو سنوارو اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے کو تمہارے بہکانے کی طمع نہ ہوگی دست درازی کی ہمت نہ ہوگی۔ یہ تو اپنا ذاتی فائدہ ہے اپنے نفس کی

حفاظت ہے آگے دوسرا درجہ اشاعت اسلام کا ہے اس سے بھی اس میں کامیابی ہوگی۔ کیونکہ اسکا حسن ایسا ہے کہ دوسروں کے دل بھی کھینچتا ہے۔ اگر تمہارے اندر اسلام کے پورے اوصاف پائے جائیں گے۔ اسکے انوار و برکات تم میں جمع ہو جائیں تو دوسری قومیں خود ہی اسکے اندر آ جائیں گی۔ زیادہ بولنے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔ (الانتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## حکمت اور موعظت حسنہ

بعض تو وہ لوگ ہیں کہ دعوت کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ ضروری تو سمجھتے ہیں مگر جنگ و جدال کرنے لگتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی اصلاح فرمائی ہے کہ دعوت تو کرنا چاہیے وہ تو ضروری ہے اس میں فرقہ اول کی اصلاح ہوگئی۔ آگے فرماتے ہیں کہ دعوت تو ہو مگر ایک خاص طریقہ سے۔ آگے وہ طریقہ بتلاتے ہیں کہ طریقہ دعوت کا یہ ہے کہ حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ۔ نرمی سے سمجھاتے رہو۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا امر فرمایا ہے۔ ایک حکمت دوسرے موعظت حسنہ۔

اول یہ سمجھو کہ ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ سو حکمت تو کہتے ہیں علم کو اور موعظت حسنہ کہتے ہیں ترغیب و ترہیب و ترقیق قلب کو یعنی ان کو علمی مضامین سے بلاؤ۔ مضامین علمیہ ان کے کانوں میں ڈالتے جاؤ اور ان مضامین کو ترغیب و ترہیب سے موثر بناؤ۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ بلاؤ اور یہ حکمت مقابل ہے مناظرہ و جدال کا گو وہ بھی علمی مباحث سے ہوتا ہے مگر وہ حکمت نہیں بلکہ حکمت اثبات مدعا کا نام ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک تو ہوتا ہے اثبات مدعا اور ایک جواب ہوتا ہے نقیض مدعا کا۔ یعنی ایک تو ہے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا دوسرے معترض کے اعتراض کا جواب دینا اس کے خدشات کو دفع کرنا تو حکمت تو اثبات مدعا ہے اور جواب دینا نقیض مدعا کا یہ جدال ہے۔ تو اصل مفید چیز تو دعوت کرنا ہے حکمت کے ساتھ لیکن اس میں اگر کبھی جدال واقع ہو جاوے تو اس کے بھی خاص طریقے ہیں۔ سو آگے ان طریقوں سے خصم کے اعتراض دفع کرنے کی تاکید ہے۔ غرض دعوت الی الاسلام کیلئے حکمت تو لازم ہے۔ بلا حکمت کے دعوت ہوتی ہی نہیں۔ باقی جدال لازم نہیں یہ ضروری نہیں کہ جہاں دعوت ہو وہاں جدال بھی

ہو۔ تو مطلب یہ ہے کہ دعوت میں مضامین علمی بیان کرو۔ فوائد علمیہ سناتے جاؤ۔ اپنے دعوے کو دلائل علمیہ و عقلیہ سے ثابت کرو اس کی خوبی اس کے محاسن بیان کرو لیکن اگر اس میں کوئی دوسرا اعتراض کرے کوئی نقض وارد کرے تو اس وقت ضرورت ہوگی مباحثہ کی۔ تو اس وقت مباحثہ کرو مگر احسن طریقہ سے اسی کو فرماتے ہیں و جادلہم بالتی ہی احسن (اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے) یعنی اس طرح جواب دو کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو، لعن و طعن نہ ہو، خشونت نہ ہو۔ کسی پر طعن نہ کرو کسی کو ملامت نہ کرو کسی کی ہجو نہ ہو۔ ایسے مباحثہ حسنہ سے مخاطب کو رنج و ملال نہ ہوگا بلکہ وہ اثر پذیر ہوگا۔ یعنی مضامین کے بیان میں کبھی خشونت ہو جاتی ہے، کبھی غصہ اور تیزی کے لہجہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی ممانعت فرماتے ہیں کہ ایسے طریق اختیار نہ کرو جس سے مخاطب بھڑک اٹھے اس کے بدن میں آگ لگ جائے۔ سو ایک تقریر تو مقام کی یہ ہوئی۔

دوسری تقریر یہ ہے کہ موعظت بھی ایک مستقل طریق ہے۔ تو اس وقت حاصل مقام کا یہ ہوگا کہ اگر مخاطب میں علمی قابلیت دیکھو اس کے اندر سمجھ کا مادہ ہو تو وہاں حکمت کے ساتھ بلاؤ اس کو مضامین علمیہ سناؤ اور اگر استعداد علمی نہ ہو تو موعظت سے کام لو۔ کیونکہ وعظ کیلئے چنداں ذہن فہیم ہونے کی ضرورت نہیں۔ وعظ کا اکثر مضمون عام فہم ہوتا ہے کیونکہ موعظہ حسنہ اس کو کہتے ہیں جس سے قلب میں نرمی پیدا ہو رقت طاری ہو تو معنی یہ ہوئے کہ جنت کی ترغیب دو۔ دوزخ سے ترہیب کرو، نعمائے جنت و آسائش و راحت بہشت کو بیان کرو اس سے رغبت پیدا ہوگی۔ اور دوزخ کے ورکات اور تکالیف و عذاب سے ڈراتے رہو اور اس کے بعد بھی اگر کوئی شبہ کرے تو اس کیلئے حکم ہے جادلہم بالتی ہی احسن کہ ان سے مجادلہ کرو احسن طریقہ سے جس کی تفسیر اوپر گزر چکی۔

آگے ان ربک ہو علم (بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے) الخ بڑھا کر مجموعہ میں ایک باریک بات بتلا دی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ طرز تعلیم فرمایا ہے کہ ان کو حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ بلاؤ یعنی نرمی سے سمجھاؤ۔ کوئی خشونت نہ ہو، درستی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ طرز وہی اختیار کر سکتا ہے جس کے اندر شفقت ہو۔ اگر وہ شفیق نہیں تو اس کو منت سماجت کی کیا پڑی؟ دیکھو جب استاذ شفیق ہوتا ہے تو چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ پڑھ لے۔ طرح طرح

سے اس کو سمجھاتا ہے، کبھی پیسہ دیتا ہے، کبھی مٹھائی کھلاتا ہے، پیار کرتا ہے، چمکارتا ہے کہ میاں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ سبق پڑھو دیکھو اگر پڑھو گے تو درجات ملیں گے۔ تو اس طریق کی تعلیم فرمانا گویا شفقت کا حکم فرمانا ہے مگر اس حکم شفقت میں ایک اشکال بھی تھا وہ یہ کہ شفقت کی وجہ سے جس طرح ابتدائے تعلیم میں نرمی اختیار کرتا ہے ایسے ہی انتہا میں ناکامی سے رنج بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی بچہ کے ساتھ محنت اور جان کا ہی کی جاوے اور پھر بھی ناکامی ہو تو بڑا رنج ہوتا ہے کہ ہائے ہماری ساری محنت برباد گئی، خاک ہی میں مل گئی۔ پھر رنجیدہ ہو

کر کام سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس لئے اس اشکال کے عملی علاج کیلئے آگے ان ربک ہو اعلم (بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے) میں اس شفقت کو اعتدال پر لانے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ اور وہ طریقہ ایک مراقبہ ہے واقعی اخلاق کی میزان سوائے خدا کے کسی نے نہیں بتائی ان کی تعلیم میں افراط تفریط نہیں ہے بالکل اعتدال ہی اعتدال ہے۔ کیونکہ افراط بھی مضر ہے اور تفریط بھی۔ چنانچہ اگر حد سے زیادہ شفقت ہو تو یہ بھی مضر۔ کیونکہ اس سے آخر کو بد دل ہو جاوے گا اور کام بھی چھوڑ بیٹھے گا، اور اگر تفریط ہے یہ بھی مضر کیونکہ شفقت کی تعلیم کا اور اثر ہوتا ہے اور بے شفقت کا اور اثر۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اس کی ایک میزان بتادی تاکہ کسی جانب میں کمی بیشی نہ ہو۔ دونوں پہلو برابر ہیں۔ چنانچہ اول فرماتے ہیں ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی راہ کی طرف علم اور نصیحت کی باتوں سے بلائیے) اس میں تو شفقت کے ساتھ تعلیم کا امر ہے کیونکہ اگر ابتداء میں شفقت نہ ہو تو ایسی تعلیم کم نفع دے گی اور اس کے بعد افراط فی الشفقت کی ممانعت ہے اس کیلئے یہ مراقبہ بتلاتے ہیں کہ ان ربک ہو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وهو اعلم بالمہتدین (بیشک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اپنے رستہ سے گم ہوا اور راہ چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے) گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ لا تحزن علیہم ان لم یؤمنوا (اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان پر غم نہ کریں) یعنی آپ کا فرض منصبی تو دعوت کرنا ہے وہ آپ نے کر دی اب اگر وہ ایمان نہیں لاتے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو آپ غمگین نہ ہوں، کیونکہ ایمان لانا یا نہ لانا یہ تو خدا کے قبضہ قدرت میں ہے۔ آپ کے اختیار میں نہیں، پھر آپ غمگین کیوں ہیں؟



اس مضمون کے استحضار سے غلو فی الشفقت نہ ہوگا جو کہ مضر ہے اور اس کے مضر ہونے کا ایک راز ہے وہ یہ کہ شفقت سے حزن ہوگا اور حزن کا خاصہ یہ ہے کہ اس سے قلب ضعیف ہو جاتا ہے اور بد دل ہو کر آدمی کام چھوڑ دیتا ہے کہ اتنا تو سر مارا اور پھر بھی ناکامی ہوئی چھوڑو اور اس قصہ ہی کو الگ کرؤ اس سے کیا فائدہ؟ تو شدت شفقت کی وجہ سے یہ بات ہوگی اور اس سے سلسلہ تبلیغ کا بند ہو جائے گا۔ اس لئے غلو کا بھی علاج کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ مسلم کی تبلیغ کا کام شفقت سے ہوتا ہے۔ مگر شفقت سے تبلیغ کی صرف تکمیل ہوتی ہے یہ خود بنفسہ مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود تبلیغ ہے۔ (الاتمام لنعمة الاسلام ج ۱۲)

## نعمت اسلام کا حق

نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کو کامل طور پر حاصل کیا جائے تو اسلام کا بھی ہم پر یہ حق ہوا کہ ہم اسے کامل طور پر حاصل کریں اب سمجھئے کہ اسلام کیوں کہ کامل ہوتا ہے تو شریعت نے بتا دیا ہے کہ جیسے اسلام بغیر صوم و صلوٰۃ کے کامل نہیں ہوتا ایسے ہی اور ایک چیز ہے کہ اس کے بدون بھی اسلام کامل نہیں ہوتا اس کا بیان یہ ہے کہ ہم نے جو احکام کو دیکھا تو جہاں اقيموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ کا حکم ہے یعنی نماز ادا کرو۔ زکوٰۃ دو۔ اور کتب علیکم الصيام یعنی تم پر روزہ فرض ہے اور اتموا الحج والعمرة لله (اور حج و عمرہ کو اللہ کے واسطے پورا پورا کرو) یعنی حج کا بھی حکم ہے۔ یہ سارے احکام تو ہم پر فرض ہیں ہی نماز روزہ حج زکوٰۃ سب ہی کے ادا کرنے کا حکم ہے اور اتل ما اوحى اليك من الكتاب (جو کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کیجئے) میں تلاوت قرآن کا بھی حکم پایا۔ ان احکام کے ساتھ ہی ایک حکم یہ بھی فرمایا ہے وامر بالمعروف وانه عن المنکر یعنی دوسروں کو بھی بھلائی کا حکم کرو اور برائی سے روکو اور یہ حکم احکام مذکورہ کے مقابل نہیں بلکہ جہاں نماز کا حکم ہے وہاں ہی امر بالمعروف کا بھی حکم ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ یعنی اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانه عن المنکر (اے میرے بیٹے نماز کو قائم کرنا اور نیک کاموں کا حکم دینا اور بُرے کاموں سے منع کرنا) اور ارشاد ہے والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولياء بعض یا مرون بالمعروف وينهون عن المنکر وقيمون الصلوٰۃ ويوتون الزکوٰۃ ويطيعون الله ورسوله اولئك سير حمهم الله ان الله عزيز حكيم

(اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول) اور جہاں جنت کا وعدہ ہے وہاں نماز کے ساتھ امر بالمعروف کا وصف بھی مذکور ہے۔ چنانچہ آیت بالا میں ان اوصاف کے بعد ہی ارشاد ہے۔ وعد اللہ المؤمنین والمومنات جنات (اللہ تعالیٰ نے مؤمنین اور مؤمنات سے بہشتوں کا وعدہ فرمایا ہے) جہاں ان کے اور فضائل بیان کئے گئے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں سو حکم تو یہ ہے کہ جیسے اور احکام فرض ہیں ایسے ہی امر بالمعروف بھی فرض ہے مگر حالت ہماری یہ ہے کہ اس کا بالکل خیال ہی نہیں اول تو ہم لوگوں کو خود دین ہی کی طرف توجہ نہیں اور جو دیندار ہیں بھی ان کی حالت یہ ہے کہ صرف اپنی کملی کی تو خیر مناتے ہیں مگر دوسروں کی خبر نہیں کسی کو نہ نیک کام کی ترغیب دیتے ہیں اور نہ برائی سے روکتے ہیں۔ گویا یہ حکم قرآن میں ہے ہی نہیں اور غیروں کو تو کیا کرتے خود اپنے گھر والوں سے بھی پوچھ گچھ نہیں کرتے؟ حالانکہ جیسے اپنے اوپر عمل کرنا فرض ہے ایسے ہی اپنے اہل و عیال کو عمل کیلئے کہنا بھی فرض ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں قوا انفسکم واهلیکم نارا (اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ) اور خاص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وامراہلک بالصلوۃ یعنی خود بھی نماز ادا کیجئے اور اپنے گھر والوں کو بھی حکم کیجئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے کیا نماز نہیں پڑھتے تھے؟ ان جیسا تو نمازی بننا مشکل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جو آپ کا حکم ہوا ہے کہ اہل بیت کو نماز کا حکم کیجئے تو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کرتا بھی رہے اسے بھی کہتے رہو۔ دیکھو جب بچہ قرآن ختم کرتا ہے تو جو شفیق استاد ہوتا ہے وہ اس سے کہتا رہتا ہے کہ بھائی اس کو بھول مت جانا بلکہ دو ایک منزل ہمیشہ پڑھتے رہنا۔ شفیق استاد یہ نہیں کرتا کہ میں نے تو اب ختم کرادیا آگے وہ جانے اس کا کام جانے یا تم نے اپنے کسی عزیز کو حساب سکھلایا ہو تو اسے کہتے رہتے ہو کہ دیکھو روزانہ ایک دو سوال نکال لیا کرو۔ نہیں تو بھول جاؤ گے اور پھر اس پر بس نہیں کرتے بلکہ روزیادوسرے تیسرے دن اس سے پوچھتے رہتے ہو کہ سوال نکالا تھا یا نہیں اگر کسی دن اس نے سستی کی تو ڈانٹتے ہو اسی طرح اپنی اولاد اور اپنے بچے کو بیماری میں آپ نے سکھلادیا کہ تم کو فلاں چیز مضر ہے۔ دماغ خراب کرتی

ہے اس سے پٹھے خراب ہو جاتے ہیں رطوبت پیدا کرتی ہے کھٹائی مت کھانا وہ یہ یہ نقصانات کر یگی اور وہ سمجھ بھی گیا کہ یہ شے مضر ہے مگر پھر بھی تم دوسرے تیسرے دن کہتے رہتے ہو دیکھو کبھی کھٹائی نہ کھانا اب وہ کہتا ہے کہ میں نے تو سمجھ لیا ہے سن لیا ہے پھر روزانہ کہنے کی ضرورت کیا؟ تو اس سے کہتے ہو کہ بھائی محبت کا تقاضا ہوتا ہے اس لئے کہتا ہوں یہ نہ ہو کہ کبھی غلطی سے کھا جاؤ۔ اور نقصان کرے تو۔ اسی طرح حق سبحانہ و تعالیٰ نے حضور کو فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے باوجودیکہ حضرات ازواج مطہرات اس کی نہایت پابند تھیں اور ایسی کامل ولیات تھیں کہ ان کے فضائل قرآن میں جا بجا موجود ہیں ایک مقام پر تو یہ تصریح ہے کہ۔

یا نساء النبی لستن کاحد من النساء کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ کیا اسی طرح بے نمازیوں کے فضائل ہیں ایسا خطاب ہو سکتا ہے ہرگز نہیں مگر پھر بھی حکم ہوتا ہے۔ و امر اہلک بالصلوة اپنے گھر والوں سے نماز کیلئے کہتے رہو کہنا مت چھوڑو واقعی کہنے کی بڑی برکت ہے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## سکوت کا اثر

بعض اوقات کچھ نہ کہنے کا بھی اثر ہوتا ہے چنانچہ میں ایک دفعہ ریل میں سفر کر رہا تھا اس میں ایک ڈپٹی کلکٹر بھی سوار تھے جب نماز کا وقت آیا ہم نے ریل میں نماز پڑھی اور وہ ویسے ہی بیٹھے رہے۔ میرے ایک دوست کہ وہ بھی ڈپٹی کلکٹر تھے اس سفر میں رفیق تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ان کو تم سے محبت معلوم ہوتی ہے تم ان سے کہو تو نماز پڑھ لیں گے میں نے کہا کہ مجھے کہنے کی کیا ضرورت ہے یہ کوئی بچے ہیں کہ میں کہوں گا تو سمجھیں گے ورنہ نہیں سمجھیں گے۔ بالآخر ہم نے ان سے کچھ نہیں کہا اور نماز پڑھ لی اور حقیقت میں سب کچھ کہا مگر اس طریقہ سے کہا کہ دوسروں کو علم بھی نہ ہوا اور اثر ہو گیا۔ اب ان کا یہ گمان تھا کہ جب یہ نماز پڑھ کر بیٹھیں گے تو بولیں گے بھی نہیں۔ مگر میں پھر ویسے ہی بشارت سے باتیں کرنے لگا اس سے ان پر یہ اثر ہوا کہ وہ پکے نمازی ہو گئے پھر وہ ہمارے ضلع میں پولیس کے سپرنٹنڈنٹ ہو گئے تھے اور وطن میں مجھ سے ملے تھے مجھ سے یہ بھی کہا میرا جی چاہتا ہے کہ تمہارے پیچھے نماز پڑھوں اس وقت نماز ایک دوسرے امام پڑھاتے تھے میں نے ان سے اجازت لے لی کیونکہ وہ تو دراصل میرے ہی نائب تھے تو کہنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے کہنا کبھی

صریح ہوتا ہے کبھی تدبیر سے موقع محل کا خیال کرنا چاہیے مگر فکر کہنے کی ہو۔ اگر اسی دھن میں لگے رہو تو یہ طریقے بھی معلوم کرنے کا شوق ہوگا مگر یہاں تو یہ فکر ہی نہیں بلکہ اپنی خیر منائی جاتی ہے اور نصیحت کریں گے بھی تو برے طریقہ سے جیسے دوسرے کے سر پر کلہاڑی مار دی جاوے اس کی بھی پرواہ نہیں کہ کس طرح کہنے سے فائدہ ہوگا؟ کیوں کہ نصیحت کے بھی اقسام ہیں کبھی نصیحت قالی ہوتی ہے کبھی حالی مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زباں روشن گرسست      لیک عشق بے زباں روشن ترست  
اگرچہ زبان کا بیان روشن گرے لیکن عشق بے زبان زیادہ روشن ہے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## نور علم

قلب میں نور ہونا شرط ہے اور وہی نور علم ہے حقیقت میں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔  
شکوت الی و کیع سوء حفظی      فاوصانی الی ترک المعاصی  
فان العلم فضل من الہ      وفضل اللہ لا یعطی العاصی  
میں نے حضرت وکیعؒ سے سوء حافظہ کی شکایت کی۔ انہوں نے مجھے گناہوں کے چھوڑنے کی نصیحت کی پس علم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے جو گناہگار کو عطا نہیں ہوتا۔  
پس علم وہ ہے جو گناہ کرنے سے زائل ہو جاتا ہے اور گناہگار کو حاصل نہیں ہوتا۔ اگر محض الفاظ دانی کا نام علم ہوتا تو وہ معاصی کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے بلکہ کفر کے ساتھ بھی ورنہ بیروت اور جرمن میں عیسائی عربی کے ادیب کیسے ہوتے۔ ان کا حافظہ بھی قوی ہے ذہن بھی تیز ہے۔  
پس معلوم ہوا کہ علم اس کا نام نہیں ہے حقیقت میں علم کی حقیقت نور ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین (تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح) اسی کو روح بھی فرمایا ہے وایلدھم بروح منہ۔ (اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے) بس حقیقت میں یہی چیز علم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کتابیں زیادہ نہیں پڑھی تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے قلب میں ایک نور بخشا تھا کہ جس چیز کو بیان فرماتے تھے۔ بالکل صحیح فرماتے تھے اور اب کسی کو کتنا ہی تبحر ہو جاوے مگر وہ علم نصیب نہیں جو امام صاحب کو حاصل تھا۔ اس حالت میں اگر کوئی کہنے لگے کہ میں ابوحنیفہؒ سے علم میں زیادہ ہوں تو وہ جاہل ہے۔ اس کو حقیقت معلوم نہیں کہ علم کہتے ہیں کس کو۔ عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں۔



نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ہزار نکتہ باریک ترز مواہجاست  
 نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند  
 ہر وہ شخص جو اپنے چہرہ کو روشن کرے ضروری نہیں کہ وہ دلبری بھی جانتا ہو ہر وہ شخص جو  
 آئینہ رکھتا ہو ضروری نہیں۔ اس میں بال سے زیادہ باریک نکات ہیں ہر وہ شخص جو سر منڈاتا  
 ہو ضروری نہیں کہ وہ دلبری بھی جانتا ہو۔ (الانتمام لنعمة الاسلام ج ۱۲)

## حفاظت دین کا نظام

خدا نے اپنے دین کی حفاظت خود کی ہے حدیث میں ہے لا ینزال طائفة من امتی  
 ظاہرین علی الحق منصورین لا یضرهم من خذلهم (سنن ابن ماجہ: 10) کہ اس  
 امت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم رہ کر اہل باطل پر غالب رہے گا ان کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے گا  
 اس لئے تحریف محرفین سے کچھ ضرر دین کو نہیں پہنچتا حدیث میں طائفہ کا جو لفظ آیا ہے غالباً  
 اشارہ اس طرف ہے کہ وہ جماعت قلیل ہوگی مگر موید من اللہ ہوگی خدا کی طرف سے اس کی تائید  
 ہوگی اگر کوئی ان کا ساتھ نہ دے تو ان کو کچھ ضرر نہ ہوگا بلکہ ان کی منصوریت کی شان یہ ہوگی کہ  
 اگر کوئی ان کی مخالفت کرے وہ خود مخدول ہوگا خاذل تو کیا ہوتا عارف شیرازی فرماتے ہیں۔  
 بس تجربہ کر دیم دریں دیر مکافات بادرد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد  
 اس دیر مکافات میں بہت تجربہ ہم نے کیا ہے کہ جو شخص اہل اللہ سے الجھا ہلاک ہو گیا۔  
 اور مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ قوے را خدا رسوا نہ کرد تادل صاحب دلے نامد بدرد  
 کسی قوم نے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کیا جب تک انہوں نے کسی ولی  
 اللہ کو اذیت نہ پہنچائی۔

ان کی یہ شان ہے ان کی منصوریت کا یہ اثر ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے من عادى  
 لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب (السنن الکبریٰ للبیہقی 3: 346) کہ جو ہمارے کسی ولی سے  
 عداوت کرے ہم اس کو اعلان جنگ سناتے ہیں۔ لڑائی کا الٹی میٹم دیتے ہیں۔ پھر کیا خدا کا  
 کوئی مقابلہ کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ غرض وہ اتنے قوی ہوتے ہیں۔ ظاہر میں تو بہت پست  
 اور ضعیف مگر باطن میں بڑے رفیع اور قوی۔ مولانا اسی اثر کو فرماتے ہیں۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید      ترسدا زوے جن و انس و ہر کہ دید  
جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے جنات اور انسان اور جو بھی  
اسے دیکھتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں۔ (الانعام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## تہذیب اخلاق کا شرعی نظام

حکماء نے بھی اقرار کیا ہے کہ تہذیب اخلاق جیسی شریعت نے کی ہے اس کے بعد کسی  
اور بیان کی ضرورت نہیں رہی چنانچہ مشاہدہ ہے حکماء کی کتابوں کو دیکھئے پھر قرآن و حدیث کو  
دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ تہذیب اخلاق میں شریعت نے اس قدر مدقیق کی ہے کہ حکماء اس کی  
گرد کو بھی نہیں پہنچتے چنانچہ شریعت میں طلب رضاء کی بھی تعلیم ہے جس کو فلاسفہ نے چھوا بھی  
نہیں۔ یہ رضا جڑ ہے سارے اخلاق کی اور جس کا ایک بین اور نقد نفع تو یہ ہے کہ جو خدا سے  
ہر حال میں راضی ہوگا اس کو کبھی پریشانی اور ناگواری نہ ہوگی۔

یہ کتنی راحت ہے اس سے بڑھ کر اور کیا راحت ہوگی جیسا مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا  
ہے کہ صاحب شریعت کو ہر چیز میں راحت ہے۔

حضرت بہلول نے کسی بزرگ سے دریافت کیا کہنے کیا حالت ہے کہا اس شخص کی حالت  
کیا پوچھتے ہو کہ دنیا میں اس کی خواہش کے خلاف کوئی کام نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ وہ ہر وقت خوش  
رہیگا یہی میری حالت ہے حضرت بہلول نے کہا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ کوئی ایسا شخص  
ہو کہ کوئی بات اس کے خواہش کے خلاف نہ ہو۔ فرمایا یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی کام بلا ارادہ حق نہیں ہوتا  
ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے مشیت ایزدی سے ہوتا ہے پس اگر کسی نے اپنے ارادے کو خدا کے ارادے  
میں فنا کر دیا ہو تو جو کام خدا کی مشیت و ارادہ کے موافق ہوگا وہ اس کے ارادہ خواہش کے موافق بھی  
ہوگا مثلاً یہ شخص بیمار ہوا اور معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے تو یہی اس شخص کی بھی۔۔۔ مرضی  
ہوگی یعنی وہ یہ سمجھے گا کہ اگر ہمارا بیمار ہونا خدا کو پسند ہے تو ہم کو بھی پسند ہے اس لئے کوئی کام دنیا  
میں اس شخص کی مرضی کے خلاف نہیں ہوگا یہ ہے رضاء کی تعلیم جس میں بے شمار منافع ہیں۔

پھر شریعت نے اس میں بھی ایک دقیقہ رکھا ہے وہ یہ کہ رضاء کے اختیار کرنے میں  
بھی دو طرح کی نیت ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ رضا اختیار کرنے سے راحت حاصل ہوتی  
ہے، حکمائے شریعت کہتے ہیں کہ یہ درجہ طلب رضا کا خفی شرک ہے کیونکہ یہ شخص طالب

راحت ہے مقصود اس کا راحت ہے اور ظاہر ہے کہ راحت خدا نہیں بلکہ غیر خدا ہے تو یہ شخص غیر خدا کا طالب ہوا۔ اور ایک اس نیت سے رضا اختیار کرتا ہے کہ بندہ کے ذمہ خدا کا یہ حق ہے کہ وہ جو حکم کر دے اس پر بندہ راضی رہے سو یہ درجہ مطلوب ہے اور یہ شخص موحّد کامل ہے مومن ہے عارف ہے اب بتلائے ہے کوئی حکیم ارسطو۔ سقراط۔ بقراط اس دقیقہ کو سمجھنے والا؟ وہ تو اس گرد کو بھی نہیں پہنچے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## فضیلت اسلام

اسلام کی فضیلت اس درجہ کی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی بھی فضیلت نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فضیلت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ فضیلت ہے کہ اگر وہ حاصل نہ ہو تو ضرر کچھ نہیں یہ درجہ فضیلت استحباب کا ہے۔ ایک درجہ فضیلت کا وہ ہے کہ اگر اس کو حاصل نہ کیا جائے تو ضرر ہوتا ہے اس کا حاصل کرنا ضروری اور ترک کرنا ناجائز ہے۔ یہ فضیلت فرض کہلاتی ہے اور ایک درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے وہ یہ کہ تمام فرائض کی تحصیل کسی خاص فضیلت کی تحصیل پر موقوف ہو کہ بدون اس کے کوئی فرض ادا نہیں ہو سکتا۔ سب کی صحت اس پر موقوف ہے یہ درجہ بھی گو فضیلت فرض ہی کا ایک فرد ہے لیکن تمام افراد میں سب سے اعلیٰ ہے۔ یہ درجہ اسلام و ایمان کو حاصل ہے کہ اس کا حاصل کرنا خود بھی فرض ہے اور تمام فرائض کا موقوف علیہ بھی ہے۔ اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اسلام کی فضیلت کا کتنا بڑا درجہ ہے۔ آج کل عام طور پر مستحبات میں فرض سے زیادہ فضیلت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ نوافل و مستحبات کا جو پابند ہو، اس کی بہت تعریف کی جاتی ہے، گو وہ فرائض کو اچھی طرح بھی نہ ادا کرتا ہو اور جو شخص محض فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا ہو مگر ان کو اچھی طرح ادا کرتا ہو، اس کی زیادہ قدر نہیں کی جاتی نہ بہت تعریف ہوتی ہے۔ یوں سمجھتے ہیں کہ اونہمہ یہ کرتا ہی کیا ہے۔ مگر حقیقت اس کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرض کی فضیلت مستحبات و نوافل سے بڑھی ہوئی ہے اور ثواب بھی اسی میں زیادہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کی کیا فضیلت ہوگی کہ وہ ضروری ہے اور مستحب ضروری نہیں۔ تو فرض کا وہ درجہ ہے جو غذا کا درجہ ہوتا ہے اور نوافل و مستحبات کا درجہ چٹنی کے مثل ہے اور ظاہر ہے کہ غذا کو چٹنی سے زیادہ فضیلت ہے، محض چٹنی بدوں غذا کے بے سود ہے، امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے کہ اگر ایمان پر خاتمہ چاہتے ہو تو ہمیشہ نعمت ایمان پر خدا کا شکر

کرتے رہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے لئن شکرتکم لازیدنکم اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں نعمت کو بڑھاؤں گا اسے زیادہ کروں گا۔ سبحان اللہ یہ نہیں فرمایا لئن شکرتکم لا اسلبنکم یا لا انقصنکم کہ اگر شکر کرو گے تو میں نعمت سلب نہ کروں گا یا کم نہ کروں گا بلکہ لا زیدکم فرمایا جس میں زیادت کا وعدہ ہے وعدہ زیادت سے نقصان کی نفی ہوگئی اور نفی نقصان سے سلب کی نفی بدرجہ اولیٰ ہوگئی کیا بلاغت ہے کہ ایک لفظ ایسا فرمادیا جس سے نقصان و سلب دونوں کی نفی بھی ہوگئی اور ترقی کا وعدہ بھی ہو گیا۔ کوئی کلام ایسا بلیغ ہے جس کے ایک لفظ سے اتنے معانی حاصل ہوتے ہوں اگر خدا فہم دے تو قرآن کا لفظ لفظ اعجاز سے بھرا ہوا ہے جب شکر پر وعدہ زیادت ہے تو جو شخص نعمت ایمان پر شکر ادا کرتا رہے گا اس کا ایمان کبھی زائل یا کم نہ ہوگا بلکہ دن بدن بڑھتا رہے گا۔ پس یہ درد دستور العمل بنانے کے قابل ہے اگر اپنا ایمان دنیا سے سلامت لے جانا چاہتے ہو تو ایمان کا شکر کبھی نہ بھولو۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

## ایک اعتراض کا جواب

ایک عالم نے میرے سامنے اعتراض کیا کہ دیکھئے صاحب فلاں مولانا نے ذبیحہ گاؤ کو شعرا اسلام کہہ دیا۔ میں نے کہا وہ کیا کہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شعرا اسلام فرمایا ہے۔ کہنے لگے حضور نے کہاں فرمایا۔ میں نے کہا۔ مسلم کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی له ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ الحدیث (”موسوعة أطراف الحديث النبوی الشریف“) (جو ہماری نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے اس کیلئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں حضورؐ نے مسلمان کی علامتیں بیان فرمائی ہیں کہ جس شخص میں یہ علامتیں موجود ہوں۔ اس کو مسلمان سمجھنا چاہیے کہ جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان جس کیلئے خدا اور رسول کی پناہ و عہد ہے۔ پس جہاں آپ نے صلوٰۃ و استقبال قبلہ کو علامت اسلام قرار دیا ہے وہیں اکل ذبیحتنا بھی فرمایا ہے تو جو اعتراض آپ کو ان مولانا صاحب پر ہے کہ انہوں نے کھانے پینے کی چیز یا ایک جانور کے ذبح کو شعرا اسلام کہہ دیا وہی اعتراض حدیث پر وارد ہوتا ہے کہ حضورؐ نے صلوٰۃ و استقبال قبلہ کیساتھ اکل ذبیحہ کو کیسے بیان فرمادیا۔



شاید کوئی یہ کہے کہ اس میں تو مطلق ذبیحہ مسلم کے کھانے کو علامت اسلام بتلایا گیا ہے اس سے ذبیحہ بقر کا کھانا علامت اسلام معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بقر کا لفظ وارد نہیں ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ فہیم شخص کے لئے تو ذبیحہ ہی بقرہ پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ عنقریب آتا ہے اور بد فہم کے لئے خود لفظ بقرہ کا مذکور ہونا بھی نا کافی ہے۔

چنانچہ میرٹھ میں ایک وکیل صاحب نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اسلام میں گائے کا ذبیحہ کہیں نہیں بلکہ بکری کا ذبیحہ ثابت ہے۔ چنانچہ دیکھیے اس عید کا نام ہی بکر عید ہے۔ یعنی بکرے کی عید، اس ظالم نے بقر کو بکرے کی عربی سمجھا۔ واقعی جب ایسے ایسے ذہین دنیا میں ہو گئے تو پھر ذبیحہ گاؤ کی دلیل شریعت میں کیوں ملے گی۔ اسی طرح اگر آپ بھی لفظ بقر حدیث میں ہونے کے بعد یہی تاویل کرنے لگیں تو پھر اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہوگا کہ۔

جواب جاہلاں باشد خموشی (محاسن الاسلام ج ۱۲)

## اہل اسلام کا ترقی کا راستہ

مسلمان کبھی دوسری قوموں کا اتباع کر کے ترقی نہیں کر سکتا اگر وہ مسلمان ہے۔ مسلمان کی ساری عزت اسی میں ہے کہ وہ اپنے طریقہ پر قائم رہے اور کسی حال میں احکام شریعت سے تجاوز نہ کرے۔ اسی سے فلاح ہوتی ہے گو سامان کم ہو اور اس کے خلاف میں فلاح نہیں گو سامان زیادہ ہو۔

دیکھئے اس کی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی۔ مدینہ میں پہنچ کر اجازت ہوئی۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ ظاہر میں یہ سمجھتے ہیں کہ قلت جماعت و قلت اسباب اس کا سبب تھا یہ خلاف تحقیق ہے۔ کیونکہ مدینہ ہی میں پہنچ کر کیا جماعت بڑھ گئی تھی؟ کفار کا پھر بھی غلبہ تھا۔ مدینہ کی تمام جماعت تمام عرب کے مقابلہ میں کیا چیز تھی۔ بلکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ تمام کفار عالم کے مقابلہ میں یہ اجازت ہوئی تھی۔ تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا۔ اسی طرح مدینہ پہنچ کر سامان میں کیا زیادتی ہو گئی تھی۔ کفار ہمیشہ نہایت ساز و سامان سے مقابلہ کرتے تھے اور مسلمانان مدینہ کی یہ حالت تھی کہ بعض مواقع میں ایک ایک سواری میں سات آٹھ آدمی شریک ہوتے تھے بعض دفعہ چند آدمیوں میں ایک ہتھیار مشترک ہوتا تھا پس یہ کہنا بالکل واقع کے خلاف ہے کہ مدینہ

میں جا کر جماعت و سامان کی زیادت اس اجازت کا سبب ہوئی۔ نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلہ میں اکثر مواقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے وانزل جنود الم تر وھا (اور لشکروں کو اتارا جس کو تم نے نہیں دیکھا) اور ارشاد ہے بلی ان تصبرو و اتقوا ویاتوکم من فورہم ہذا یمددکم ربکم بجمسۃ الاف من الملئکۃ مسومین (ہاں کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے پہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو خاص وصف بنائے ہوں گے) اور یہ صورت ملائکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی مگر پھر بھی اس صورت کو اختیار کر کے وہاں اجازت نہ دی گئی تو اس کی کوئی اور وجہ بتلانی چاہیے۔ اہل ظاہر اس کی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے۔

محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے اندر اخلاق حمیدہ اخلاص و صبر و تقویٰ کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے۔ اس وقت اگر اجازت قتال کی ہو جاتی تو سارا مقابلہ جوش غضب و انتقام للنفس کے لئے ہوتا محض اخلاص و اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے نہ ہوتا اور اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے ان کی امداد کجاوے اور حمایت الہی ان کے شامل حال ہو۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں بلی ان تصبروا و اتقوا (ہاں کیوں نہیں اگر مستقل مزاج اور متقی رہو گے) کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایت الہی اسی وقت متوجہ ہوتی ہے جب کہ مسلمان صبر و تقویٰ میں راسخ ہوں (اور تقویٰ کے معنی ہیں احتراز عما نہی اللہ عنہ و امتثال ما امر بہ جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء و عن شائبۃ النفس بھی داخل ہے ۱۲ جامع اور مدینہ میں پہنچ کر یہ اخلاق راسخ ہو گئے تھے مہاجرین کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذا پر صبر کرنے سے نفس کی مقاومت سہل ہو گئی نیز قوت غضب نفسانی ضعیف بلکہ زائل ہو گئی تھی۔ پھر ہجرت کے وقت جب انہوں نے اپنے وطن و اہل و عیال و مال و دولت سب پر خاک ڈال دی تو ان کی محبت الہی کامل ہو گئی اور

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت      سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی  
دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو تیری خنجر آزمائی کیلئے  
دوستوں کا سر سلامت رہے۔

اور اس میں رازیہ ہے کہ اہل اللہ نے ایک سے تعلق جوڑ لیا ہے بس ان کو اگر خوف ہے تو اسی کا ہے۔ امید بھی ہے تو اسی سے ہے۔ اس لئے ہر حال میں وہ خوش رہتے ہیں۔ کسی بڑے سے بڑے واقعہ میں وہ خلاف حق کچھ نہیں کرتے چاہے کام ہو یا نہ ہو۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

## استقبال قبلہ کا راز

استقبال قبلہ کا راز یہ ہے کہ عبادت کی روح دل جمعی اور یک سوئی ہے۔ بدوں یکسوئی اور دل جمعی کے عبادت کی صورت ہی صورت ہوتی ہے روح نہیں پائی جاتی اور یہ ایسی بات ہے جس کو تمام اہل ادیان تسلیم کرتے ہیں اب سمجھئے کہ اجتماع خواطر میں اجتماع ظواہر کو بہت بڑا دخل ہے۔ اسی لئے نماز میں سکون اعضاء کا امر ہے۔ التفات و عبث سے ممانعت ہے۔ صف کے سیدھا کرنے کا امر ہے۔ کیونکہ صف کو ٹیڑھا کرنے سے قلب پریشان ہوتا ہے۔ عام قلوب کو اس کا احساس کم ہوگا کیونکہ ان کو دل جمعی اور یک سوئی بہت کم نصیب ہے مگر جن کو نماز میں دل جمعی کی دولت نصیب ہے ان سے پوچھئے کہ صف ٹیڑھی ہونے سے قلب پر کیا اثر ہوتا ہے۔ صوفیہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ صف غیر منظم سے قلب کو خلجان و پریشانی ہوتی ہے اس دل جمعی کے لئے سجدہ گاہ پر نظر جمانے کی تاکید ہے کیونکہ جگہ جگہ نظر گھمانے سے بھی قلب کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہی اصل ہے تمام اشغال صوفیہ کی جو مراقبات و اشغال تعلیم کرتے ہیں۔ ان سے محض یہی یک سوئی و جمیعت قلب پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

ہمارے حضرتؒ کے پاس ایک بڑھا آیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے کہ بیوی بہت بیمار ہے جاں بلب ہے تندرست ہو جاوے۔ فرمایا کہ بھائی مرنے کا دعا دے دو خدا کا شکر کرو کہ ایک مسلمان جیل خانہ سے چھوٹا ہے۔ جہاں وہ جاتی ہے تم بھی پہنچ جاؤ گے میں نے کہا لو! بڑے میاں آئے تھے بیوی کو بچانے اپنے مرنے کی بھی بشارت لے چلے۔ لو اور آؤ دعا کرانے۔ پھر کہنے لگا حضرت اگر وہ مرجائے گی تو میری روٹی کون پکائے گا فرمایا باجی وہ ماں کے پیٹ سے روٹی ہی پکاتی تو آئی تھی۔ اللہ اکبر ہر امر میں حقیقت پر نظر بھی غرض جب نظر معرفت کی کامل ہو جائے گی پھر پریشان ہو اس کی بلا بہر حال یہ آثار تھے تعلق کے اور بے تعلقی کے کہ بے تعلقی سے دونوں جہان کی مصیبتیں وابستہ ہیں افسوس ہے کہ اس کے بعد بھی ہم کو فکر نہ ہو۔ (احسان اسلام ج ۱۲)

## حقیقت اسلام

اسلام تعلق مع اللہ کا نام ہے اور مَنْ اَسْلَمَ (جس نے سپرد کیا) سے یہی مقصود ہے پس اس حقیقت پر اگر مفصل نظر کرو تو اب معلوم ہوگا کہ اسلام کیسی حسین چیز ہے اسلام وہ چیز ہے کہ زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگریم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جالینجاست (سر سے پیر تک جس جگہ نظر کرتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوبیت کی ہے۔) خدا کی قسم جس پہلو سے لو نہایت راحت بخش اور مصالح کی رعایت کرنے والا مذہب ہے میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اس کی تعریف کر سکوں۔

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش حسن این قصہ عشق است در دفتر نمی گنجد (قلم توڑ سیاہی کو پھینک کاغذ کو جلا اور خاموش رہاے حسن یہ عشق کا قصہ ہے دفتر میں نہیں سما سکتا) کسی محقق کے پاس چند روز رہ لو اس وقت آنکھیں کھلیں کہ اسلام کیا چیز ہے اسلام وہ مذہب ہے جس نے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی ہے کہ جب تین آدمی کسی مجلس میں بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ تیسرے کی دشمنی ہوگی وہ سمجھے گا کہ بس مجھ سے مخفی رکھتا ہے ہاں جب چار ہو جائیں تو کچھ حرج نہیں کہ وہ دونوں بھی سرگوشی کر سکتے ہیں اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شاید دوسرے سے مخفی رکھتا ہو اور لیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے آواز دی آپ نے پوچھا من کون ہے انہوں نے کہا انا میں ہوں آپ نے فرمایا انا انا میں میں یہ بھی کوئی جواب ہوا۔ کتنی معقول بات فرمائی پہلی آواز سے آپ نے نہیں پہچانا۔ اس لئے پوچھا کہ کون ہے اس کے جواب میں میں ہوں کہنا غلطی ہے اس واسطے کہ اس سے مزید پتہ نہ معلوم ہوا جو آواز پہلے معلوئی ہوئی تھی وہی اب بھی معلوم ہوئی اگر آواز سے پہچانتے تو پہلے ہی پہچان لیتے اور یہاں تک تعلیم فرمائی کہ قانون بتلا دیا جب کسی کے گھر جاؤ تو پہلے دروازہ پر اجازت لے لو کہ السلام علیکم فلاں حاضر ہوا اگر جواب نہ آوے پھر اجازت مانگو پھر کہو تیسری بار اجازت مانگو تین دفعہ کے بعد بھی اگر کوئی نہ آوے نہ جواب دے تو لوٹ جاؤ شکایت مت کرو و برامت مانو کتنی اچھی تعلیم فرمائی ہے باب اخلاق کا خلاصہ یہ ہے

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے رابا کسے کارے نباشد

(وہ جگہ بہشت ہے جہاں کوئی تکلیف نہ ہو کسی کو کسی سے تنگی ہو۔) (احسان الاسلام ج ۱۲)



## علوم کشفیہ کا مطالعہ:

میں محقق ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ محض شفقت کی بناء پر کہتا ہوں کہ میرا عمر بھر کا تجربہ یہ ہے کہ علوم کشفیہ کا مطالعہ مضر ہے ان کا مطالعہ کبھی نہ کرے نہ ان کی تحقیق کے درپے ہو۔ ہاں اجمالاً اہل کشف کی بزرگی کا معتقد رہے اور اجمالاً ان کی تصدیق بھی کرے۔ مگر تفصیل کی فکر میں نہ پڑے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو بڑے رتبہ کے ہیں وہ تو بے دھڑک فرماتے ہیں۔ کہ شیخ اکبر از مقبولان الہی نظری آید مگر علوم اونا مقبول اند (شیخ اکبر مقبولان الہی میں سے معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے علوم نامقبول ہیں) مگر مشکل ہماری ہے کہ ہم شیخ کی باتوں کو نامقبول کیسے کہیں ہمارا تو یہ رتبہ نہیں۔ سو الحمد للہ کچھ دن ہوئے ہیں کہ اس اشکال کا جواب سمجھ میں آ گیا۔ مگر ایک مسئلہ سمجھ میں آ جانے کے بھروسہ دوسرے مسائل کا مطالعہ یہ سمجھ کر نہ کرنا چاہیے کہ ہم کو تو دامن چھڑانا آتا ہے کیونکہ بعض دفعہ ایسا خار لگتا ہے کہ پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے وہ دامن کو بھی پھاڑ کے رکھ دیتا ہے اور خود نہیں نکلتا۔ دیکھو اگر ایک شخص کو نگاہ نیچی کر لینے کی مشق ہے تو اس کو یہ تو مناسب نہیں کہ اس کے بھروسہ خود قصد کر کے بازار میں ایسی جگہ کو نکلا کرے جہاں بازاری عورتوں کا مجمع رہتا ہے۔

صاحبو! بہتر تو یہی ہے کہ بازار ہی میں نہ جائے تاکہ کوئی عورت نظر ہی نہ پڑے ورنہ کبھی تو ایسی نظر پڑے گی کہ یہ ساری مشق رکھی رہ جائے گی۔ تم ہزار نگاہ نیچی کرنا چاہو گے وہ پھر اوپر کو آنکھ اٹھاوے گی اور نگاہ نیچی کر بھی لی تو ایک بار کی نظر سے بعض دفعہ دل پر ایسا تیر لگتا ہے کہ عمر بھر دل سے نہیں نکلتا۔ پھر یوں کہو گے۔

درون سینہ من زخم بے نشان زدہ      بجیر تم چہ عجب تیر بے کمان زدہ  
(تو نے میرے سینہ میں بے نشان زخم مارا ہے۔ حیرت ہے کہ کیا عجیب تیر بلا کمان کے مارا ہے۔)  
اسلئے اہل تجربہ کا قول ہے راہ راست روا گر چہ دور است (سیدھے راستہ پر چلو اگر چہ دور ہو۔)  
اس قول پر اہل اقلیدس کو شبہ ہوا ہے کہ خط مستقیم تو بوجہ اقصر الخطوط الواصلہ بین النقطین (دونقطوں کے درمیان جو خطوط ہیں ان سب سے چھوٹے خط کو خط مستقیم کہتے ہیں) ہونے کے اقرب الطرق (راستوں میں قریب تر) ہوگا۔ وہ دور کیونکر ہو سکتا ہے؟ اسی خرابی کا نتیجہ ہے کہ محاورات کو تدقیقات پر محمول کرنے لگے۔ محاورہ میں راہ راست کہتے ہیں راہ بے خطر کو۔

مطلب یہ ہے کہ جس راستہ میں خطرہ نہ ہو۔ اس کو اختیار کرو اگرچہ دور ہی کیوں نہ ہو۔ اب کچھ شبہ نہیں پس علوم کشفیہ کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ خطرہ سے خالی نہیں۔ بلکہ صرف علوم معاملہ کا مطالعہ کرے کہ وہ بے خطر ہیں۔ اور میں نے وہ قول کشف صحیح کے مامون عن التلکبیس ہونے کا قصد انہیں دیکھا تھا بلکہ نظر سے گذر گیا اور آفت آگئی اور کہیں حاشیہ یا شرح میں اس کا حل بھی نہ تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ باوجود کسی شخص کی عدم اعانت کے اشکال حل ہو گیا۔

وہ حل یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ صاحب کشف صحیح تلکبیس سے مامون ہو جاتا ہے لیکن باوجود امن عن التلکبیس کے حجت شرعیہ اس کو لازم نہیں۔ کیونکہ ایسی نظائر موجود ہیں جہاں باوجود امن عن التلکبیس کے شرعاً ایک شے حجت نہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے البصار بالنظر گواکثر اوقات مامون عن التلکبیس ہے۔ جس کی نگاہ درست ہو اس کا البصار عموماً غلطی نہیں کرتا۔ مگر پھر بھی وہ شرعاً حجت نہیں۔ نہ اس کے مقتضاء پر اعتقاد واجب ہے نہ اس کے خلاف کا احتمال گناہ ہے۔ مثلاً ہم کو چاند سورج سے چھوٹا نظر آتا ہے مگر اس پر اعتقاد لازم نہیں۔ ممکن ہے کہ واقع میں بڑا ہو اور ہم کو چھوٹا نظر آتا ہو۔ ہاں وہ مواقع مستثنیٰ ہیں جن میں شریعت نے البصار کو حجت مانا ہے۔ جیسے رویت ہلال وغیرہ اس نظیر کا ذہن میں آنا تھا کہ بادل سا پھٹا اور اشکال کی ظلمت رفع ہو کر دل میں نور چمکا اور حق تعالیٰ کا بار بار شکر ادا کیا ورنہ دل پر پہاڑ سا رکھا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر پہاڑ پر یہ ثقل ہوتا تو پھٹ جاتا۔ بس خطرات میں قصد اُپر کر پھر نکلنا یہ عقلمندی نہیں، بلکہ سلامتی اسی میں ہے کہ خطرات کے پاس نہ جاؤ۔ (الدوام علی الاسلام والاعتصام بالانعام ج ۱۲)

## اطمینان و تشفی کا راستہ

میں بقسم کہتا ہوں کہ اطمینان اور تسلی اسی سے ہوتی ہے کہ میں اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بلا دلیل مانتا ہوں۔ اسرار اور حکم کے درپے ہونے سے پوری تسلی نہیں ہوتی۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے معقولی اور فلسفی ہیں۔ متکلم بھی بڑے درجے کے ہیں۔ اخیر عمر میں اپنی عمر بھر کا تجربہ بیان کرتے ہیں۔

نِهَایَةُ أَقْدَامِ الْعُقُولِ عِقَالٌ وَلَمْ نَسْتَفِدْ مِنْ بَحْثِنَا طَوْلَ عُمْرِنَا  
وَعَايَةُ سَعَى الْعَالَمِينَ ضَلَالٌ سِوَى أَنْ جَمَعْنَا فِيهِ قِيلَ يُقَالُ

(دنیا والوں کی کوشش کا خلاصہ ضلال ثابت ہوا بجز بک بک اور قیل قال کے کچھ حاصل نہ ہوا عمریوں ہی ضائع کی)

کہ ہم کو عمر بھر کی بحث سے سوائے قیل و قال کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ان ہی امام رازی کا قصہ سنا گیا ہے کہ یہ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے گئے تھے۔ شیخ نے بیعت کیا۔ اور ذکر و شغل تعلیم کر کے ایک حجرہ میں رہنے کا امر کیا یہ ذکر و شغل میں مصروف ہو گئے تو چند روز کے بعد یہ محسوس ہوا کہ دل میں سے کوئی چیز نکل کر بھاگی جا رہی ہے شیخ سے عرض کیا فرمایا یہ آپ کا منطق و فلسفہ ہے جو قلب سے نکل رہا ہے۔ انہوں نے کہا حضرت میں نے تو اس کو بڑی محنت سے حاصل کیا تھا اس کا قلب سے محو ہونا تو مجھے گوارا نہیں۔ فرمایا اس کے عوض تم کو حق تعالیٰ دوسرے علوم عطا فرمائیں گے جو حقیقی علوم ہیں اور یہ تو کتابی علم ہے وہ وہی علم ہوگا۔

بنی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید واوستا

(بے کتاب و بے مددگار استاد کے اپنے اندر انبیاء جیسے علوم پاؤ گے)

مگر امام رازی کو گوارا نہ ہوا۔ شیخ نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے چنانچہ یہ ذکر و شغل چھوڑ کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اتفاق سے شیخ کی زندگی ہی میں امام کی وفات کا وقت آ گیا اور نزاع کی حالت میں شیطان ان کے پاس آیا اور کہا تم دنیا سے جا رہے ہو تو حید بھی سالم لے چلے ہو کہا ہاں الحمد للہ میری توحید سالم ہے۔ شیطان نے کہا ذرا مجھے تو بتلاؤ تمہارے پاس توحید کی کیا دلیل ہے۔ امام رازی نے کتاب التوحید میں توحید کے سودلائل لکھے تھے وہ بیان کرنا شروع کئے اور شیطان کم بخت نے ایک ایک دلیل کو توڑنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کے تمام دلائل کو توڑ دیا۔ اب تو امام رازی کا رنگ فق ہو گیا۔ شیطان نے کہا کہ یہ تو آپ کی توحید کا حال تھا جو رکن اعظم اسلام ہے جس میں آپ جہل مرکب کے اندر مبتلا تھے۔ اس پر دوسرے مسائل کو بھی قیاس کر لو۔ یہ واقعہ شیخ نجم الدین کبریٰ کو منکشف ہو گیا۔ اس وقت شیخ وضوء کر رہے تھے۔ امام رازی کی پریشانی دیکھ کر شیخ گھبرا گئے اور فرمایا کہ اس وقت ایک بہت بڑے عالم کا ایمان خطرہ میں ہے۔ ایک خادم جو حضرت کو وضوء کر رہا تھا بولا کہ حضرت پھر آپ دستگیری فرمائیے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جگہ سے ایک چلو پانی امام رازی کی طرف پھینکا۔ حالانکہ وہ بہت دور دراز فاصلہ پر تھے مگر شیخ کی کرامت تھی کہ حق تعالیٰ نے وہ چلو بھر

پانی امام رازی کے منہ پر پہنچا دیا جس سے ان کے حواس بجا ہوئے۔ پھر شیخ نے کہا کہ شیطان سے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ”نا معقول میں بلا دلیل خدا کو واحد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مانتا ہوں“ بطور کرامت ہی کے یہ آواز بھی ان کے کان میں پہنچی۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہوئے منکشف ہوا کہ لشکر اسلام دشمن کے نرغہ میں ہے اور دشمن غالب ہو چاہتا ہے، تو آپ نے خطبہ ہی میں جوش سے فرمایا

يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ يَا سَارِيَةَ الْجَبَلِ کہ اے ساریہ (یہ سردار لشکر کا نام ہے) پہاڑ کی پناہ اور حق تعالیٰ نے یہ آواز مدینہ سے لشکر اسلام میں پہنچا دی جو اس وقت شام یا عراق میں تھا اور حضرت ساریہ نے حضرت عمرؓ کی آواز سن کر پہاڑی مورچہ پر قبضہ کر لیا جس کے بعد دشمن کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور لشکر اسلام کو فتح ہوئی۔ ایسا ہی یہاں ہوا اور امام رازی نے شیطان کو بھی جواب دیا کہ ”اونا معقول میں بلا دلیل کے خدا کو واحد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مانتا ہوں“ یہ جواب دینا تھا کہ شیطان دم دبا کر بھاگا اور حضرت شیخ نے خادم کو بشارت دی کہ الحمد للہ امام رازی شیطان کے جال سے نکل گئے۔

دست پیراز غائبان کوتاہ نیست دست اوجز قبضہ اللہ نیست  
(پیر کا ہاتھ (توجہ) غائبوں سے کوتاہ نہیں ہے۔ اس کا سوائے اللہ کے دوسرے کے قبضہ میں نہیں ہے۔)

اس میں علم غیب کا دعویٰ نہیں ہے کہ پیروں کو (معاذ اللہ) مریدوں کا حال ہمیشہ معلوم ہو جاتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ یہ حضرات مقبولان الہی ہیں تو جو ان سے وابستہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو محروم نہیں رکھنا چاہتے۔ جس کے طرق مختلف ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک طریق یہ بھی ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ ان مشائخ کو کشف کے ذریعے سے اطلاع دے دیتے ہیں اور ان کو حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی امداد کرو اور کبھی شیخ کو اطلاع بھی نہیں ہوتی۔ کوئی لطیفہ غیبی شیخ کی صورت میں آکر مدد کر جاتا ہے۔ بس اصل یہ ہے کہ اگر ابتلاء اللہ کی طرف سے وارد ہے تو لطفاً انہی کی طرف سے در مان بھی ہے۔ (الدوام علی الاسلام والاعتصام بالانعام ج ۱۲)

## حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ

حضرت حذیفہؓ صاحب سر یعنی حضور کے راز دار کہلاتے تھے۔ ان کو حضورؐ نے بتلادیا



تھا کہ فلاں فلاں شخص کا خاتمہ کفر پر ہونے والا ہے گو یہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر دل میں ان کے اسلام نہیں ہے اور جس طرح حضورؐ نے عام طور سے اس کو ظاہر نہیں کیا تھا اسی طرح حضرت حذیفہؓ نے بھی اس کو راز میں رکھا اور کسی پر ظاہر نہیں کیا اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے وہ باتیں معلوم ہیں کہ اگر میں زبان سے نکالوں لقطع هذا البلعوم یعنی میرا گلا کاٹ دیا جائے مطلب یہ ہے کہ ایسوں کی حالت مجھے معلوم ہے جن کی نسبت کسی کو بھی برا خیال نہیں ہو سکتا۔ اگر میں زبان سے نکال بیٹھوں تو لوگ میرے ہی دشمن ہو جائیں اور میرا گلا کاٹ دیں۔ (الاسلام الحقیقی ج ۱۲)

### خشیت صحابہؓ

صحابہ کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ ان کو یہ بات معلوم ہے اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب کوئی جنازہ آتا تو یہ دیکھ لیتے کہ اسکے ساتھ حضرت حذیفہؓ بھی ہیں یا نہیں اگر حضرت حذیفہؓ نہ ہوتے تو حضرت عمرؓ بھی اس کی نماز میں شریک نہ ہوتے اس خیال سے کہ حضرت حذیفہؓ کا بدوں عذر شریک نہ ہونا خالی از علت نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بھی شاید ان ہی میں سے ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا نہ تھا اور حضرت عمرؓ کی خشیت دیکھئے کہ باوجود یکہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ان کا تقویٰ طہارت علم سب کو معلوم ہے مگر خوف کی یہ حالت تھی کہ کبھی کبھی حضرت حذیفہؓ سے پوچھتے کہ سچ بتانا کہ میرا نام تو اس میں نہیں لیا گیا جن کی نسبت منافق ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کی خشیت تھی ورنہ یہ تھوڑا ہی تھا کہ حضرت عمرؓ کو حدیث کے سچا ہونے میں کچھ شک تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلام میں دس آدمیوں کو نام بنام جنت کی بشارت دی تھی ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے تو حدیث نبویؐ میں یہ بشارت سننے کے بعد ان کو اپنے ایمان پر کوئی شک تھوڑا ہی ہو سکتا ہے پھر اس سوال کی وجہ کیا تھی۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کی عظمت و قدرت منکشف ہو جاتی ہے وہ یہ تو بخوبی سمجھ جاتا ہے کہ وہاں وعدہ خلافی نہیں ہو سکتی۔ ایک ذرا سے باختیار حاکم کے یہاں بھی ایسا نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ احکم الحاکمین کے یہاں کہ جہاں کسی قسم کی روک ٹوک اور مجبوری ہے نہیں پھر وہاں وعدہ خلافی ہو تو کیوں ہو مگر عظمت و قدرت پر نظر ہونے سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اگر وہ وعدہ پورا نہ کریں تو کسی کا کیا اجارہ ہے وعدہ کرنے سے قدرت سلب نہیں ہو گئی پس جیسا کہ

وعدہ پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں اسی طرح قدرت کو کام میں لانے سے بھی تو کوئی رکاوٹ نہیں ہے یہ خیال ان کی جان کو گھلا دیتا ہے۔ اور اس وقت جو آثار بھی خشیت کے ان پر ظاہر ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ حضرت عمرؓ جیسے کامل الایمان ہیں۔ سب جانتے ہیں کیا ان کو حدیث کی بشارت میں کچھ شک ہو سکتا ہے ہرگز نہیں مگر وہی بات ہے کہ جس وقت خشیت کا غلبہ ہوتا ہے اور قدرت پر نظر ہوتی ہے تو بشارت کا خیال بھی نہیں رہتا۔ (الاسلام الحقیقی ج ۱۲)

## ضعیف ترین ایمان:

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب شفاعت کی اجازت ہوگی تو سب علی قدر مراتب شفاعت کریں گے۔ انبیاء علیہم السلام بھی کریں گے اور امتی بھی، جب سب کی شفاعت ختم ہو چکے گی تو حق تعالیٰ فرمادیں گے کہ انبیاء بھی شفاعت کر چکے اور ملائکہ بھی کر چکے اب ارحم الراحمین باقی ہیں۔ یہ فرما کر دو ہتھ بھر کر دوزخیوں کو جنت میں داخل کر دیں گے۔ (اللہ میاں کی دو ہتھ خدا جانے کتنی ہوگی اس سے یہاں بحث کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ متشابہات میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کچھ مراد ہو حق ہے) یہاں مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ بہت سے ان دوزخیوں کو جہنم سے نکالیں گے جن کو نہ شفاعت امتیوں کی پہنچی نہ ملائکہ کی، نہ انبیاء علیہم السلام کی۔

اور اسی حدیث میں یہ لفظ بھی ہے اخرجوا من النار من كان في قلبه مثقال ذرة من ايمان (اتحاف السادة المتقين 1: 139) یعنی انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کو یہ حکم ہوگا کہ دوزخ سے اس شخص کو بھی نکال لو جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو ان دونوں کے ملانے سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ شفاعت سے رہ گئے تھے ان میں ذرہ برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔ تو اب اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ لوگ مومن ہوں گے یا کافر؟ اگر کافر ہوں گے تو ان کی مغفرت بعد میں بھی کیسی ہوگی کیونکہ کافر کی مغفرت ممتنع ہے اور اگر مومن ہیں تو کسی شفاعت کرنے والے نے مومنین نے یا ملائکہ نے یا کسی نبی نے کیوں شفاعت نہیں کی۔ جبکہ یہ حکم ہوا تھا کہ جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے ان کو بھی نکال لیا جاوے۔

اس اشکال کا جواب یہی ہے کہ یہ شق تو باطل ہے کہ وہ کفار ہوں کیونکہ کافر کی بخشش نہیں ہو سکتی بلکہ وہ مومن ہی ہونگے لیکن ان کا ایمان اتنا ضعیف اور اس قدر مخفی ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کے اور اک میں بھی نہیں آئے گا حالانکہ حق تعالیٰ نے ان کو علم کامل عطا فرمایا ہے۔

خصوصاً آخرت میں کہ وہ تو مقام ہی ہے انکشاف حقائق کا مگر اس پر بھی ان حضرات کو پتہ نہ چلا۔ اتنا ذرا سا ایمان تھا کہ سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو علم نہ ہوگا غرض یہ لوگ حقیقت میں ہونگے مومن ہی لیکن ان کا ایمان اس قدر دھندلا ہوگا کہ انتہا درجہ کی تیز چشم بصیرت کے بھی اور اک میں نہ آئے گا اس سے ثابت ہوا کہ بعض کا ایمان ایسا ضعیف بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اس کا پتہ چلنا مشکل ہے پھر مولویوں کو تو کیسے پتہ چل جاوے گا اور عوام تو کسی شمار ہی میں نہیں اس لئے بات بات میں کسی پر کفر کا فتویٰ لگا دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ (الاسلام الحقیقی ج ۱۲)

### لفظ رب العالمین کا نکتہ:

اور دیکھئے قرآن شریف کی بھی کیا بلاغت ہے۔ اللہ اکبر۔ یہاں رب العلمین کا لفظ کیا موقع سے بڑھایا ہے جس کے معنی ہیں تمام جہاں کا پالنے والا۔ اس میں یہ بتلا دیا کہ ہمارے احکام میں وسوسہ بھی نہ لاؤ ہم نے ربوبیت اور تربیت کے لئے احکام مقرر کئے ہیں تم کو نقصان پہنچانا مقصود نہیں ہے ہم تم کو پرورش کرنے والے ہیں اگر کسی حکم میں کچھ تکلیف بھی معلوم ہوتی ہو۔ تو اس کی ایسی مثال ہے۔

طفل مے لرزد ز نیش احتجام مادر مشفق ازاں غم شاد کام  
ایک بچے کے پھوڑا ٹکلتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ ماں سے زیادہ کوئی اس کے واسطے ہی خواہ اور مہربان اور مشفق نہیں ہے اپنی تکلیف کو ماں گوارا کر لے مگر بچے کی تکلیف کو گوارا نہیں کر سکتی مگر اس پھوڑے کا آپریشن اپنی آنکھوں کے سامنے کراتی ہے بچہ چیخ رہا ہے مگر وہ رحم نہیں کرتی بلکہ دل میں خوش ہوتی جاتی ہے کہ اب میرے بچے کو آرام ہوگا کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بے رحمی ہے، نہیں عین رحم ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اگر آپریشن نہ ہوگا تو یہ پھوڑا دو چند سے چند ہو کر ناسور بن جائے گا پھر علاج بھی نہ ہو سکے گا اور ساری عمر کو زندگی تلخ ہو جائے گی۔ اس ساری عمر کی تکلیف سے بچانے کے لئے وہ بچہ کا آپریشن کراتی ہے اسی واسطے خوش ہوتی ہے تو یہ تکلیف سے بچانا رحم ہے یا بے رحمی؟

اسی طرح حق سبحانہ، تربیت کرتے ہیں کہ گناہ سے بچنے کے لئے بندوں کو احکام کی تکلیف دیتے ہیں کیوں کہ گناہ کا انجام دوزخ ہے اگر اس وقت اس سے بچنے کی تکلیف نہ دی جاوے تو آخر میں دوزخ میں جانا ہوگا اور ممکن ہے کہ ابد الابد کی زندگی تلخ ہو جائے اس

لئے وہ ہم کو احکام کا مکلف کر کے اس تلخی سے بچاتے ہیں یا دنیا کی کوئی مصیبت نازل کر دیتے ہیں تو اس کے ذریعہ سے معاصی کا کفارہ کرتے ہیں گویا مادہ فاسدہ کا آپریشن کرتے ہیں مگر مرہم بھی اس کے ساتھ ساتھ ہے۔

درد از یار است و درمان نیز ہم      دل را فدائے او شدہ جان نیز ہم  
درد دوست کی طرف سے ہے اور علاج بھی اسی کی طرف سے ہے مہر ادا اس پر  
قربان اور جان بھی قربان ہے۔

تکلیف بھی وہی دیتے ہیں اور اس کی جزا بھی وہی دیں گے ناگوار حالت آپریشن ہے اور گوارا حالت مرہم ہے اصل مرہم تو آخرت میں ملے گا اور دنیا میں بھی تھوڑا سا مرہم ملتا ہے وہ مرہم کیا ہے دل کی راحت اور چین، جو شخص احکام الہی کا اتباع کرتا ہے اور گناہ سے بچتا ہے اور اپنی حالت اختیاری و غیر اختیاری کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اس کے قلب میں وہ اطمینان و راحت پیدا ہوتی ہے کہ اس کے سامنے ناگوار حالت اور مصیبت کچھ بھی اثر نہیں کر سکتی ان کے واسطے مصیبت بھی صرف صورۃ مصیبت ہوتی ہے اور حقیقت میں راحت ہوتی ہے جنہوں نے اس حقیقت کو سمجھا ان سے پوچھئے بعض وقت عین کلفت میں ان پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے انہی کی حالت اس طرح بیان کی گئی ہے۔ (الاسلام الحقیقی ج ۱۲)

## مسلمان کی ذمہ داریاں

سو ہر شخص اپنی حالت دیکھ لے کہ شب و روز میں کتنے منٹ اور کتنا وقت اس کام کے لئے اس نے خاص کر رکھا ہے۔ یوں تو ہم میں عابدین بھی ہیں، زاہدین بھی ہیں۔ علماء بھی ہیں، طلباء بھی ہیں، غرض طرح طرح سے دین کی خدمت میں کی جا رہی ہیں اور ان کا اہتمام بھی ہے مگر یہ دیکھ لیں کہ جتنی دیر وظیفہ، تلاوت، ذکر و شغل اور نفلیں پڑھنے میں صرف کرتے ہیں اور کسب حلال میں (جو بقصد ثواب عبادت ہے) مشغول ہوتے ہیں۔ آیا اس وقت میں سے کوئی حصہ اس کام میں بھی صرف ہوتا ہے کہ دوسروں کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کریں اب فرمائیے ایسے کتنے ہیں جو اس کام کو کرتے ہیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مہینے کے مہینے خالی جاتے ہیں جن میں ایک شخص کو بھی متوجہ الی اللہ نہیں کیا جاتا۔ یعنی اس کی نوبت ہی نہیں آتی کہ کافر کو اسلام کی ترغیب دیں۔۔۔ ضعیف الاسلام کو تقویت اسلام



کی ترغیب دیں اور جو متردد ہیں۔ جن کے اسلام سے نکل جانے کا اندیشہ ہے ان کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیں یہ بے توجہی تو اصول کے اعتبار سے ہے۔  
اب فروع کے اعتبار سے بھی دیکھیں تو اس میں بھی وہ کوتاہی نظر آئے گی یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا باب ہی مفقود ملے گا۔ یہ امر بالمعروف نیک کام کی ترغیب، نماز کی ترغیب، جن پر نماز فرض ہے جن کے پاس بقدر نصاب مال ہے انہیں زکوٰۃ کی ترغیب، جن پر حج فرض ہے انہیں حج کی ترغیب دی ہو، یا جس کے اخلاق باطنی اچھے نہ ہوں۔ اسے تہذیب اخلاق کے طریقے بتائے ہوں۔ کہ یہ سب دعوت الی اللہ ہی کے شعبے ہیں اور امر بالمعروف کے اقسام ہیں۔ یا کسی کو نہی عن المنکر کیا ہو۔ کسی مبتلائے معصیت کو معصیت سے روکا ہو۔ خواہ وہ صغیرہ ہو خواہ کبیرہ۔ (دعوت الی اللہ ج ۱۳)

## دعوت کا ضابطہ

دعوت عامہ میں داعی کو بھی مقتداء ہونا چاہیے جس کیلئے عالم ہونا بھی لازم ہے۔ دوسرے اس لئے بھی مقتداء کو عالم ہونے کی ضرورت ہے کہ خطاب عام کرتا ہو یعنی وعظ کہتا ہو ادیکھ کر لوگ بھی یہی سمجھیں گے کہ یہ دین کے مقتداء اور عالم ہیں اور یہ سمجھ کے ان سے شرعی اور فقہی مسائل پوچھیں گے اور یہاں مسائل کے نام صفر ہوگا اور اتنی ہمت نہ ہوگی کہ کہہ دیں کہ ہم کو معلوم نہیں اور ہر وقت ایسی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی کہ مثال دیا کریں۔ لاملحہ اس حدیث کا مضمون واقع ہوگا۔

فافتو ابغیر علم فضلو واضلوا۔ یعنی بغیر علم کے جو جی میں آئے گا فتویٰ دے دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (دعوت الی اللہ ج ۱۳)

## ایک معترض کی اصلاح

میں ایک دفعہ سہارن پور گیا تو ایک شخص نے وہاں بہشتی زیور کا ایک باریک مسئلہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے پوچھا تھا۔ مولانا نے اپنے حسن اخلاق سے اس کو سمجھا دیا تھا۔ مگر وہی مرغی کی ایک ٹانگ ان کی سمجھ میں کہاں آنا تھا۔ کیونکہ سمجھنا مطلوب ہی نہ تھا۔ جب میں گیا تو وہ سمجھے کہ یہ تو مؤلف ہی آگیا، ان سے پوچھنا چاہیے، چنانچہ میرے

پاس بھی آئے، پہلے آن کے تو زور سے کہا السلام علیکم، اسلام ہی سے خشونت اور اکھڑ پن ٹپکتا تھا۔ پھر کہنے لگے کہ یہ عبارت ہے بہشتی زیور کی۔ ذرا اس کو دیکھ لیجئے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو سب دیکھ ہی کے لکھا ہے۔ آپ کہیئے کیا کہنا ہے۔ کہا یہ سمجھ میں نہیں آیا، میں نے کہا مطلب نہیں سمجھے یا علت نہیں سمجھے۔ مطلب تو ظاہر ہے، اردو میں سہل کر کے لکھا گیا ہے۔ کہا جی علت نہیں سمجھا۔ کہ اس کی علت کیا ہے۔ میں نے کہا، آپ کو کچھ اور بھی مسائل یاد ہیں۔ کہا جی ہاں بہت سے۔ میں نے کہا کہ کیا ان سب کی علت کو آپ نے معلوم کر لیا ہے۔ یا بہت سے ایسے بھی ہیں جن کی علت اور حکمت معلوم نہیں۔ اگر سب کی علت معلوم ہو چکی۔ تو مجھے اجازت دیجئے کہ دو چار کی میں بھی علت دریافت کر لوں۔ کہا ہاں! غیر معلوم علت بھی بہت سے ہیں۔ میں نے کہا، پھر اسے بھی اسی فہرست میں داخل کر لیجئے۔ اس جواب سے وہ ناراض تو بہت ہوئے۔ مگر بولے کچھ نہیں۔ پس کتاب بغل میں دبا جلدی سے اٹھ گئے۔

مولانا نے فرمایا۔ کہ تم نے تو بڑی جلدی ساکت کر دیا۔ میں نے کہا، حضرت میں آپ کی طرح خلیق نہیں۔ کہ ایک کوڑھ مغز کے ساتھ چار گھنٹے مغز ماروں۔ اخیر میں بڑا خفش کی طرح وہ کہے۔ کہ میں نہیں سمجھا اور پھر میں تقریر کروں۔ قصہ بڑا خفش کا طالب علموں میں یہ مشہور ہے کہ وہ اپنے بکرے سے سبق کا تکرار کیا کرتے۔ تقریر ختم کرنے کے بعد اس سے پوچھتے۔ کہ سمجھا اور اس کو یہ تعلیم کر رکھا تھا کہ وہ نفی کے طور پر سر ہلا دیتا ہے۔ یہ پھر تقریر شروع کرتے۔ ایسے ہی مکرر یہ تقریر کرتے۔ تو مجھ سے خفش نہیں بنا جاتا۔

اس کے بعد اور ایک جنٹلمین صاحب آئے۔ وہ بھی اسی علت میں مبتلا تھے۔ مہذب عنوان سے کہنے لگے۔ کہ حضرت جب لوگ علماء کی شان میں گستاخی کرتے ہیں تو ہم کو برا معلوم ہوتا ہے۔ بہت رنج ہوتا ہے چنانچہ اس مسئلہ میں جہلاء اعتراض کرتے ہیں، جو ناگوار ہوتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں۔ تو میں ایک چھوٹا سا جلسہ جمع کروں۔ آپ اس میں ان چند مسائل کی تقریر کر دیں۔ میں نے کہا، میں آپ کی محبت کا نہایت ممنون ہوں۔ مگر عقلی قاعدہ ہے کہ الاہم فالاہم، جو کام سب سے اہم ہو۔ پہلے اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ آپ کو مسلم ہے یا نہیں۔ کہا ضرور مسلم ہے۔ کیونکہ یہ مقدمہ تو عقل کے موافق تھا۔ اس کو بغیر تسلیم کئے تو چارہ ہی نہیں تھا۔ ان لوگوں کے عقلیات سارے مسلم ہیں، بس نقلیات ہی میں کلام

ہے۔ میں نے کہا جو لوگ علماء کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر ایک طبقہ وہ ہے جو ائمہ مجتہدین کی شان میں گستاخی کرتا ہے وہ ان سے بھی گستاخ تر ہے۔ ان سے بڑھ کر ایک وہ فرقہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ اور سب سے بدتر وہ گروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو سب و شتم کرتا ہے۔ تو ترتیب سے کام کرنا چاہیے۔ آپ اول ان لوگوں کی اصلاح کا انتظام کر دیجئے۔ جو اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ پھر ان کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں پھر ان کی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہیں چھوڑتے۔ پھر ان کی جو ائمہ کو برا بھلا کہتے ہیں جب ان سب کا انتظام ہو جاوے گا۔ آخر میں یہ جماعت علماء کی شان میں گستاخی کرنے والی رہیگی۔ اس کا انتظام میں کردوں گا، اب وہ چپ، کیا جواب دیں، جب دیکھا کہ اس طرح کام نہ چلا تو گفتگو کا طرز بدلا اور کہا یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ اس وقت ان کی اصلاح کی ضرورت تو نہیں لیکن اگر کر دی جائے تو ضرر ہی کیا ہے۔ میں نے کہا کچھ ضرر نہیں، کہنے لگے، پھر ایسا کر دیجئے۔ میں نے کہا یہ مشورہ ہے یا حکم ہے۔ اگر حکم ہے تو آپ کو حکومت کا کوئی حق نہیں۔ میں آپ کا کوئی محکوم نہیں۔ نوکر نہیں، آپ کا شاگرد نہیں۔ مرید نہیں اور اگر مشورہ ہے تو مشورہ میں مخاطب کے ماننے کا انتظار نہیں ہوتا۔ آپ اپنے فرض منصبی سے فارغ ہو چکے۔ آگے ہمارا کام ہے۔ ہماری جو سمجھ میں آوے گا کریں گے۔ آپ کی کچھری کا وقت آ گیا ہے۔ تشریف لے جائیے۔ غرض یہ بھی چلے گئے، تمام دن یہی قصہ رہا۔ مگر میں نے کسی کو ایک منٹ میں ختم کیا۔ کسی کو دو منٹ میں اور پہلے ایک ہی آدمی نے کئی دن سے اکابر کو تنگ کر رکھا تھا۔ غرض یہ کہ ہر سائل کے ساتھ نہ تو مطلقاً خشکی برتے اور نہ ہر جگہ خلیق بنے۔ اصلاح اسی طرح ہوتی ہے۔ اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ اول تو حقیقت ظاہر کرو اور اگر نہ سمجھے تو آخر میں کہہ دو کہ بس جاؤ یہ خدا کا حکم ہے۔ خدا کے حکم کے مقابلہ میں ہم تمہاری واہیات خرافات کو نہیں مانتے ہیں۔ (آداب التبلیغ ج ۱۳)

## اقسام تبلیغ

تبلیغ کی قسمیں کردی جائیں کہ ایک تبلیغ اصول و عقائد کی ہے۔ کفار کو۔ دوسری قسم تبلیغ فرد ہے مسلمانوں کو۔ تیسری قسم ایک جماعت کو تبلیغ کے قابل بنانا۔ پھر تو درس تدریس کا تبلیغ

میں داخل ہونا بالکل ظاہر ہے اور جب تبلیغ کی مختلف قسمیں ہیں۔ تو اب یہ ضروری نہیں۔ کہ ہر شخص ساری قسمیں ادا کرے۔ بلکہ اس کے لئے تقسیم خدمات ضروری ہے پس ان سب کاموں کو خاص خاص جماعت کے سپرد کیا جائے۔ یعنی قابلیت اور مناسبت کو دیکھ کر تقسیم خدمات کی جائے۔ کیونکہ ہر ایک آدمی ہر ایک کام کے قابل نہیں ہوتا۔ (آداب تبلیغ ج ۱۳)

## بزرگوں کا طرز نصیحت

مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی قدس سرہ کی حکایت ہے کہ آپ سے کسی نے ایک رئیس خان صاحب کی شکایت کی کہ یہ نماز نہیں پڑھتے۔ مولانا نے ان سے پوچھا کہ خان صاحب نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ کہا، حضرت! آپ سے کیا پردہ۔ بات یہ ہے کہ ”میں داڑھی چڑھانے کا عادی ہوں۔ یہ شوق مجھ سے نہیں چھوٹتا اور نماز کے لئے پانچ وقت وضو کرنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے بار بار داڑھی کا اتارنا چڑھانا مشکل ہے۔ اس لئے میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔“ مولانا نے فرمایا کہ بس آپ کو یہی عذر ہے۔ کہا ہاں۔ فرمایا ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ بے وضو ہی نماز پڑھ لیا کریں۔ مگر نماز کو نہ چھوڑیں۔ خان صاحب نے کہا حضرت بے وضو کے نماز پڑھنے سے تو یوں سنا ہے کہ آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ فرمایا۔ تم کافر نہ ہو گے تم بے فکر رہو اور بے وضو ہی اپڑھ لیا کرو۔ چنانچہ خان صاحب بے وضو ہی نماز پڑھنے کھڑے ہوئے۔ مگر اندر سے دل نہ مانا۔ آخر نماز چھوڑ کر وضو کیا اور وضو سے نماز پڑھی۔ پھر ایک دو روز تک تو ہر وضو کے بعد داڑھی چڑھا لیا کرتے۔ اس کے بعد یہ بھی چھوڑ دیا اور اچھے خاصے پکے نمازی ہو گئے۔ دیکھئے مولانا نے کیسے عجیب طرز سے نصیحت کی۔ کہ مخاطب کو ذرا بھی تو حش نہ ہوا۔ (التواصی بالحق ج ۱۳)

## عذر بلا اہتمام عمل

ہماری حالت یہ ہے کہ جیسا تبلیغ اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ویسا ہم کو اس کا اہتمام نہیں ہے۔ بلکہ اس میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے۔

جیسا کہ دعوت الی الایمان اور تبلیغ عقائد میں کوتاہی ہو رہی ہے اور جیسا ایک امر مانع ہو رہا ہے۔ تبلیغ عقائد اور دعوت الی الایمان سے اسی طرح ایک امر مانع ہو رہا ہے۔ تبلیغ



اعمال سے اور وہ امر یہ ہے کہ ہم کو عادت ہو گئی ہے ترک دعوت الی الاعمال کی اور اس کے مانع ہونے سے یہ مطلب نہ لیا جائے۔ کہ یہ عادت عذر ہے۔ کیونکہ جب میں اس کا لغو ہونا بیان کر دوں گا۔ تو اس سے عذر نہ ہونا معلوم ہو جائے گا اور اس کے یہ معنی نہیں کہ ترک دعوت الی الاعمال کے لئے کوئی عذر فی نفسہ بھی نہیں۔ اگر عذر شرعیہ موجود ہوں اور ان کا تحقق ہو جائے تو اس وقت ترک دعوت جائز ہے۔ مگر اس وقت میں ان عذر شرعیہ کو بیان نہ کروں گا۔ نہ بیان کی ضرورت ہے کیونکہ کسی عمل کے متعلق بیان عذر کی ضرورت جب ہو کہ ہم کو اس عمل کا اہتمام ہو اور جہاں مخاطب کو عمل ہی کا اہتمام نہ ہو۔ وہاں عذر کو بیان نہ کیا جائے گا بلکہ اولاً اس کو اہتمام عمل پر متوجہ کیا جائے گا۔ جب وہ عمل کا اہتمام کرنے لگے اور عمل میں مشغول ہو جائے گا۔ پھر اس کو عذر شرعیہ سے مطلع کیا جائے گا۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

## مسلمان کا مذاق

دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جن کو تبلیغ کرنے میں ضرر کا اندیشہ ہے۔ جیسے دشمن اور مخالف۔ اور بعض وہ ہیں۔ جہاں ضرر کا کچھ اندیشہ نہیں۔ صرف ناگواری کا خطرہ ہے اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی ہیں۔ چنانچہ دوست احباب۔ بھائی اور عزیز سے ضرر جسمانی یا مالی کا کوئی خطرہ نہیں۔ بس ان کی تبلیغ سے محض اس واسطے پہلو تہی کی جاتی ہے کہ ان کو ہماری روک ٹوک ناگوار ہوگی۔ سو اس کا علاج یہ ہے کہ نصیحت کا عنوان ایسا اختیار کرو۔ جس سے ناگواری نہ ہو۔ اور اس پر بھی کسی کو ناگواری ہو تو اس کی پرواہ نہ کرنی چاہیے۔ مسلمان کا تو یہ مذاق ہونا چاہیے:

ہزار خویش کہ بے گانہ از خدا باشد      فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

(التواصی بالصبر ج ۱۳)

## حسن اسلام کا تقاضہ

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

من حسن اسلام المرء ترک ما لا یغنیہ (مجمع الزوائد للہیثمی ۸: ۱۸)  
(یعنی لا یعنی امور کا ترک کر دینا آدمی کے حسن اسلام سے ہے) اور لا یعنی کے معنی ابھی مذکور ہوئے ہیں۔ کہ عبث و لغو کو لا یعنی کہتے ہیں۔ یعنی جو چیز نہ نافع ہو۔ نہ مضر۔ وہ لا یعنی ہے۔ اسی کے ترک کو حضور نے حسن اسلام فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا:-

من احسن اسلام المرء ترک ما یضره

کہ مضر کا ترک کر دینا حسن اسلام سے ہے۔ حالانکہ مضر کا ترک کر دینا یقیناً حسن اسلام ہے۔ مگر حضور نے بجائے مایضرہ کے مالا یعنی فرما کر یہ بتلادیا۔ کہ جو عبث ہے۔ وہ واقع میں مضر ہی ہے۔ تو گویا ترک نافع کی دو صورتیں ہوں۔ ایک ارتکاب مضر اور ایک خلوعن الشغل المفید۔ اور یہ دوسری قسم اپنے مال کے اعتبار سے پہلی ہی قسم میں داخل ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ فقط مضر کا ترک کر دینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ نافع میں مشغول ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مشغلہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو دوسرے مشغلہ سے روک سکتا ہے۔ ورنہ بغیر مشغلہ کے مضر سے رکار ہنا ناپائیدار ہوگا۔ کیونکہ چند روز تک تو نفس صبر کرتا ہے۔ اس کے بعد پھر کسی نہ کسی مشغلہ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ اور وہ اکثر مضر ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کا مقولہ ہے۔ کہ تم نفس کو مشغول کر لو۔ قبل اس کے کہ وہ تم کو مشغول کر لے۔“ (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

## ذکر قلبی

حدیث شریف میں ہے کہ:-

کان صلی اللہ علیہ وسلم یذكر اللہ فی کل احیانه (الصحيح للبخاری ۱: ۸۳)  
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر الہی میں مشغول رہتے تھے اور کل احیان میں اوقات بول و براد و قضائے حاجات بھی شامل ہیں اور ظاہر ہے۔ کہ بول و براز کے موقع پر زبان سے ذکر و تلاوت مکروہ ہے۔ بس کل احیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے احوال اور ایسے مواقع میں قلب سے ذکر کیا کرتے تھے۔ (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

## حقیقت ذکر

حدیث شریف میں ہے۔ الشیطان جائم علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ

خنس و اذا غفل وسوس (مشکوۃ المصابیح: ۲۲۸۱)

یعنی ابن آدم کے قلب پر شیطان چڑھا ہوا بیٹھا ہے۔ جب وہ ذکر اللہ کرتا ہے۔ اس وقت تو ہٹ جاتا ہے اور جب خالی رہتا ہے تو وسوسے ڈالتا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا۔ کہ اگر نفس کو مشغول نہ کرو گے۔ تو یہ خود مشغلہ تجویز کر لے گا۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے۔ کہ نماز کا تو کوئی رکن بھی ذکر سے خالی نہیں۔ قراءت، تسبیح، تکبیر، تشہد غرض سب ذکر ہی ذکر ہے۔ مگر باوجود اس کثرت کے ساتھ اس کے مشتمل علی الذکر ہونے کے سب سے زیادہ وسوسے نماز ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ تو ہم یہ کیسے مان لیں۔ کہ جب کسی کام میں مشغول ہوں تو وسوسہ نہیں آتا۔ اس مادہ جزئیہ سے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ قاعدہ صحیح نہیں۔ کہ جب نفس کو کسی کام میں مشغول نہ کرو گے۔ تب ہی وہ کسی کام میں لگ جائے گا۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کمبخت تو کام کے اندر بھی اپنا کام چلاتا رہتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ذکر کہتے ہیں یاد کو۔ خواہ وہ تنہا قلب سے ہو، خواہ زبان بھی اس میں شریک ہو۔ مگر محض زبان سے نہ ہو۔ اگر محض زبان سے یاد ہے۔ تو وہ واقع میں ذکر نہیں۔ بلکہ وہ تو صورت ذکر ہے۔ اب شبہ جاتا رہا۔ کیونکہ دیکھ لیجئے کہ جہاں اور جس شخص کو وساوس آتے ہیں۔ وہاں واقع میں ذکر کا وجود نہیں۔ بلکہ محض ذکر کی صورت ہی صورت ہوتی ہے۔ قلب اس کی طرف مشغول نہیں ہوتا۔ چنانچہ جس نماز میں وساوس آتے ہیں۔ اس میں قلب نماز میں پورا مشغول نہیں ہوتا۔ ورنہ النفس لا توجہ الی شئین فی ان واحد کے قاعدہ سے پوری مشغولی کے ساتھ وساوس آ نہیں سکتے۔

اب اس پر ایک اور شبہ رہا۔ وہ یہ کہ جب قلب متوجہ نہیں ہوتا۔ پھر ادا کیسے ہوتا ہے۔ کیونکہ فعل اختیاری تو بدو ارادۃ قلب کے ہو ہی نہیں سکتا اور ارادہ کے لئے توجہ لازم ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ کلیہ صحیح ہے۔ مگر اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ جب بالکل توجہ نہ ہو تو فعل نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ شروع توجہ سے کیا ہو۔ مگر استمرار میں توجہ نہ رہی ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے دو آدمی ساتھ ساتھ چلیں اور باتیں کرتے ہوئے راستہ طے کریں۔ تو باتیں کرتے وقت توجہ فقط باتوں کی طرف رہے گی۔ چلنے کی طرف نہ رہے گی۔ مگر مشی پھر بھی واقع ہوتی ہے۔ جیسے گھڑی کی کوک کہ ابتداء میں حرکت چابی کو دینی پڑتی ہے۔ پھر اس کی رفتار کے استمرار و بقا کے لئے کوکنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح مشی ممتد کے ساتھ قصد متجدد کی ضرورت نہیں۔ وہی پہلا قصد کافی ہے اور وہی ساری مشی میں مؤثر ہے۔ یا جیسے ہارمونیم باجہ کہ جب ایک دفعہ کوئی اسے بجانے بیٹھ گیا۔ تو ہر قرعہ پر جدید قصد کی حاجت نہیں۔ بلکہ ابتداء پڑتا ہے۔ جہاں ضرورت ہوتی ہے۔ اب وہ ارادہ تو کیا کرتا۔ اسے بعض دفعہ ایسی محویت ہوتی ہے۔ کہ ہاتھ چلنے کی بھی خبر نہیں ہوتی اور جیسے قاری ہے۔ کہ قراءت میں اگر ہر

ہر لفظ پر نیا قصد کرے۔ تو اس کا لہجہ بے تکلف اور بے ساختہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بارہا تجربہ ہوا ہوگا۔ کہ جب کسی نے بنا کر پڑھا۔ وہیں اس کا لہجہ بگڑ گیا۔ بلکہ بے ساختہ اور بے ارادہ پڑھنے سے نہایت اچھا پڑھا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی فعل اختیاری کی جب عادت اور مشق ہو جائے۔ تو پھر ابتداء کے لئے تو قصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ استمرار کے لئے قصد متجدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ تمام مثالوں سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ فعل اختیاری کے صدور کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہر آن میں اس پر توجہ ہو۔ بس ابتداء کے لئے توجہ ضروری ہے۔ بس اب نماز اور وساوس کے جمع ہونے میں کوئی اشکال نہیں رہا۔ کیونکہ ابتدائی توجہ سے نماز شروع ہوگئی اور وہ ہو رہی ہے اور درمیان میں وساوس کی طرف توجہ مبذول ہوگئی۔ (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

ہر چیز میں تین درجے ہیں۔ ایک آسائش اور ایک آرائش ایک نمائش۔ تو آسائش تو ہر ایک کے لئے مستحب ہے اور آرائش یا زیبائش میں اگر معصیت کا مثلاً بلا ضرورت قرض وغیرہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے تو یہ بھی مباح ہے۔ گو اس کا ترک اولیٰ ہے اور نمائش جس میں ریا و کبر و عجب اور فخر ہوتا ہے۔ یہ حرام ہے۔ اب اس کا فیصلہ ہر شخص کے تدین پر ہے۔ کہ اس کی نیت کیا ہے۔ اگر دل میں غور کر کے یہ دیکھے کہ یہ کام میں نے نمائش کے لئے کیا ہے۔ تو تاویل کر کے اس کو آرائش میں داخل نہ کرے۔ مگر اس کے ساتھ دوسرے کے فعل کو بھی خواہ مخواہ معصیت میں داخل نہ کرے۔ کہ ہر ایک کے فعل کو نمائش پر محمول کرنے لگے۔ بلکہ حسن ظن رکھے۔ تو خلاصہ یہ ہوا۔ کہ مساکن مرضیہ اگر احب من اللہ ہوں۔ تب محل وعید ہیں، ورنہ نہیں۔ (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

## تبلیغ میں اعتدال

تبلیغ کے کام کو اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے:-

أَذْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ.

سبحان اللہ کام بھی بتلادیا اور کام کرنے کا طریقہ بھی بتادیا۔ کہ لوگوں کو خوبصورتی اور نرمی و لطافت سے اللہ کی سبیل کی طرف بلاؤ اور راہ راست پر لاؤ۔ یہ ہے وہ کام جو بذریعہ وعظ کے یا مکاتیب و مدارس کے ذریعہ سے ہونا چاہیے۔ یعنی مبلغین ان ناواقف مسلمانوں کو اسلام کے محاسن اور احکام جا کر سنائیں اور رفتہ رفتہ کچھ مکاتیب و مدارس وہاں قائم کر دیئے جاویں۔ ان میں سے جو طریقہ زیادہ مفید معلوم ہو۔ اسے اختیار کرنا چاہیے۔ بس یہ تو ہمارا کام ہے۔ اسے



پورا کرنے کے بعد نتیجہ خدا کے سپرد کردو۔ ناکامی کے متعلق تو کہہ چکا اب کامیابی کے متعلق بھی کہتا ہوں۔ کہ اگر خوش قسمتی سے کامیاب ہو جاؤ۔ تو ناز مت کرو۔ جیسے ہم سے یہ غلطی بھی ہوتی ہے اور اس وقت ہماری حالت اس شعر کا مصداق ہوتی ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی  
یعنی ہماری جو حالت ہے۔ وہ اعتدال سے باہر ہے۔ نہ ناکامی میں حدود پر رہتے ہیں نہ کامیابی میں۔ پس سنئے کہ قرآن مجید میں مطلق کامیابی کے متعلق دو ارشاد ہیں:-

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا.

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا کے فضل پر خوش ہونا چاہیے اور ایک جگہ یہ ارشاد ہے:-  
لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ.

بہت مت خوش ہو۔ خدا پسند نہیں کرتا زیادہ خوش ہونے والوں کو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خوش نہ ہونا چاہیے۔ پس ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ مگر دراصل ان میں تعارض نہیں۔ بلکہ یہ دونوں حالتیں جدا جدا ہیں۔ جن کے متعلق تنبیہ کی گئی ہے۔ ایک خوشی اضطراری ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً تمہاری ایک ہمیانی روپے یا اشرفیوں کی کھو گئی ہے۔ جس سے آپ بہت پریشان ہیں۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بہت دق ہو چکے ہیں۔ کہیں پتہ نہیں چلتا۔ کہ دفعۃً کسی نے ہاتھ میں لا کر دے دی۔ ایک خوشی تو اس وقت ہے۔ یہ اضطراری اور بے اختیاری خوشی ہوگی اور ایک یہ صورت ہے۔ کہ ہمیانی گم ہونے پر تم نے نوکروں کو خوب مارا پیٹا۔ اب خدا جانے۔ وہ ان کو ملی یا نہیں۔ مگر بے چاروں نے ڈر کے مارے لا کر دے دی۔ ایک خوشی اس پر ہے۔ یہ اختیاری خوشی ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلی خوشی جو آپ کو ہوگی۔ وہ اترانے کی نہ ہوگی۔ بلکہ شکر کی ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کھوئی ہوئی چیز مل گئی اور دوسری خوشی اترانے کی اور ناز و تکبر کی ہوگی۔ کہ دیکھا ہم نے کیسی اچھی تدبیر کی۔ ورنہ یہ ہمیانی کیسے ملتی تو ان دونوں میں پہلی خوشی محمود ہے اور دوسری مذموم۔

اسی طرح تبلیغ کی کامیابی پر اضطراری خوشی کا تو مضائقہ نہیں۔ باقی اپنی تدابیر اور مساعی کو سوچ سوچ کر خوش ہونا۔ کہ ہم نے یوں کیا تو کیا اچھا اثر ہوا۔ یہ مذموم ہے۔ بہر حال ہم کو کوشش کرنی چاہیے اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کرنا چاہیے اور ناکامی پر

مغموم نہ ہونا چاہیے اور کامیابی پر اترانا نہیں چاہیے۔ کام شروع کر دو۔ اس کے سب رستے خود کھل جائیں گے۔ بقول مولانا رومیؒ

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف دارمی باید و دید  
(اگرچہ قیود نفسانیہ سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے پھر بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح بھرپور کوشش کرنا چاہیے)

یعنی جب زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو قصر مسبع میں بند کیا تھا۔ تو اس وقت وہ زلیخا کے پاس سے بھاگے تھے۔ حالانکہ محل کے سات دروازے تھے اور ساتوں دروازوں میں زلیخا نے قفل ڈال دیئے تھے۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم تھا۔ مگر چونکہ نبی تھے۔ اس لئے آپ نے یہ سمجھا۔ کہ گو دروازے مقفل ہیں۔ مگر جتنا میرا کام ہے وہ تو میں کروں۔ کم از کم دروازہ تک تو بھاگوں۔ چنانچہ بھاگے، اب جس دروازہ کے پاس پہنچتے تھے۔ قفل خود بخود ٹوٹ کر گر پڑتا تھا۔ اسی طرح ساتوں دروازے کھل گئے اور یہ بچ گئے۔ مولانا اسی کو یاد دلاتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف دارمی باید و دید  
(اگرچہ قیود نفسانیہ سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے پھر بھی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح بھرپور کوشش کرنا چاہیے)

تو بس تم بھی دوڑو اور یوں سمجھو۔ کہ نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کے فضل سے سب کچھ ہوگا۔ پھر اگر کوشش کی اور تمہاری کوشش سے لوگ ارتداد سے بچ گئے۔ تو ناز مت کرنا۔ بلکہ شکر کرنا۔ غرض یہ دونوں درجے مطلوب نہیں۔ یعنی ایک یہ کہ کوشش ہی نہ کرے۔ دوسرا یہ کہ کوشش پر کامیابی کو لزوماً مرتب سمجھے۔ جیسے سودا نے ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے۔ جو خود بھی کام نہیں کرتے اور کام کرنے والوں کو یہ الزام دیتے ہیں۔ کہ میاں تم نے کیسا کام کیا۔ جو نتیجہ مفید نہ نکلا۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن بازی اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھو سکا  
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا  
(ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

## تبلیغ بقدر استطاعت

مگر اس کوشش کے لئے ایک شرط بھی ہے۔ یعنی استطاعت۔ اور یہ سب کچھ میں ان

ہی کے کاموں کے لئے بیان کر رہا ہوں۔ جو اسباب ظاہرہ کی رو سے اپنی قدرت میں ہوں۔ یہ سب کوشش اور کوشش پر اجر اور دوسرے احکام ایسے ہی کاموں کے لئے ہیں۔ اور ایک وہ کام ہیں۔ جو اسباب ظاہرہ کی رو سے اپنی قدرت واستطاعت سے باہر ہیں۔ ان کے لئے کوشش کرنا فضول ہے۔ نہ مامور بہ اور نہ ایسی کوشش پر کچھ اجر۔ مثلاً کوئی شخص سورج کو قبضہ میں کرنے کے لئے آسمان کی طرف ہر روز کودا کرے۔ اور یہ سمجھے۔ کہ اگر کبھی گر کے مروں گا۔ تو شہید مروں گا۔ تو یہ محض خبط ہے۔ کیونکہ یہ فعل اس کی قدرت واستطاعت سے باہر ہے۔ اس لئے اس پر بجائے اجر کے باز پرس ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ:

لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسه. (سنن الترمذی: ۲۲۵۴، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۶)  
یعنی مومن کو مناسب نہیں۔ کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔ یا رسول اللہ۔ مومن اپنے کو کس طرح ذلیل کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
یتحمل من البلاء لما لا یطيقہ

ایسی بلا اپنے ذمہ لے لے جس کے تحمل کی طاقت نہیں ہے۔ (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

## اہل علم کا عوام سے معاملہ

علی گڑھ میں ایک پروفیسر نے جو عربی ادب کے بڑے ماہر تھے۔ مجھ سے ایک حدیث کا متن پڑھ کر جس میں آیا ہے۔ کہ زنا کی کثرت سے طاعون پھیلتا ہے۔ سوال کیا۔ کہ کیا یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے کہا حدیث کا مدلول سمجھ میں نہیں آیا یا جنایت وعقوبت میں وجہ ربط سمجھ میں نہیں آئی۔ کہا ربط سمجھ میں نہیں آیا میں نے کہا کہ ربط کے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس پر کوئی دین کا کام اٹکا ہوا نہیں ہے۔ آپ بدوں علم ربط ہی کے حدیث پر ایمان رکھیے۔ کہا اس میں ایک نفع ہے میں نے کہا وہ کیا۔ کہا زیادت اطمینان۔ میں نے کہا۔ خود اطمینان کے مطلوب ہونے کی کیا دلیل؟ کہا دلیل اس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

وَلٰكِنْ لَّيَطْمَئِنُّ قَلْبِيْ. میں نے کہا یہ کیا ضرر ہے۔ کہ جو چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نافع تھی۔ وہ آپ کو بھی نافع ہو۔ بس اس پر وہ خاموش ہو گئے علماء کو عوام کے ساتھ یہی طرز اختیار کرنا چاہیے۔ کہ دلائل وحکم واسرار ان کے سامنے بیان نہ کریں۔ اس

سے ان کا دماغ خراب ہوتا ہے۔ پھر وہ کوئی حکم بدوں علت و حکمت معلوم کئے بغیر قبول نہ کریں گے اور بعض احکام کی علل و حکم دقیق ہوتی ہیں۔ عوام بیان کے بعد بھی ان کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہاں عوام یا تو عمل ترک کریں گے یا علماء علت و حکمت کے سمجھانے میں اپنا دماغ اور وقت ضائع کریں گے۔ اس سے بہتر یہی ہے۔ کہ علماء کا اتباع کریں۔ خود اجتہاد نہ کریں۔ ان سے احکام دریافت کریں۔ علل و حکم دریافت نہ کریں۔

علماء کو ایک بات کی اور نصیحت کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ جس کے سر پر بڑے موجود ہوں۔ اس کو اپنی شہرت کی کوشش نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ جہاں تک ہوا اپنے گوتم کرو۔ گمنامی میں رہو۔ کیونکہ بڑا بننا سخت خطرہ کی بات ہے اور شہرت سے دنیوی مصائب کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:-

خویش رارنجور ساز و رزار زار      تا ترا پیروں کنند از اشتہار  
 اشتہار خلق بند محکم است      بندایں از بند آہن کے کم است  
 چشمہاؤ چشمہاؤ اشکبا      برست ریزو چو آب از مشکبا  
 (اپنے آپ کو رنجیدہ اور آہ و زاری میں مصروف رکھنا کہ تو شہرت و اشتہار سے باہر نکلے، مخلوق کی شہرت اللہ اور اسکے بندہ کے درمیان مضبوط بند ہے یہ بند لوہے کے بند سے کیا کم ہے، غصے اور آنکھیں اور اشک تیرے سر پر اس طرح ٹپکتے ہیں جیسے مشکوں سے پانی ٹپکتا ہے) (اتباع علماء ج ۱۳)

## اکابر و یو بند کی وقت نظر

ہمارے حضرت کی اتنی دقیق نظر تھی۔ کہ مولانا محمد قاسم صاحب جیسے زبردست عالم ایک سوال کریں اور حضرت انہیں جواب مسکت دیں۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کی اور مولانا محمد یعقوب صاحب کی ایک ریاست سے نوکری آئی۔ سو روپے تنخواہ مولانا محمد یعقوب صاحب کی تھی اور مولانا محمد قاسم صاحب کی تین سو روپے تھی۔ مولانا محمد قاسم جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میں فلاں مطبع میں دس روپے کا ملازم ہوں۔ ملاحظہ کیجئے۔ کہ مولانا اور دس روپے۔ قرآن کی تصحیح کا کام کرتے تھے۔ ہر چند مالک مطبع نے اضافہ کرنا چاہا۔ مگر یہی فرمایا کہ میں تصحیح کا کام کر سکتا ہوں۔ اس کے لئے یہی بہت ہیں۔ تو تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میں دس روپے کا نوکر ہوں۔ مجھے اسی کے خرچ کرنے کی فکر رہتی ہے۔ سو پانچ روپے تو



اہل و عیال کو دیتا ہوں اور پانچ روپے طالب علموں کی ضروریات میں خرچ ہو جاتے ہیں۔ تین سو ملیں گے۔ تو مجھ کو تو وہی پانچ روپے کافی ہوں گے۔ بقیہ کے لئے ہر وقت میں اسی خلجان میں رہا۔ کہ کیوں کر خرچ ہوں گے۔ اور مولانا محمد یعقوب صاحب تجویز فرماتے ہیں۔ کہ میں تین سو روپے سے کم پر نہیں آسکتا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا، حضرت آپ نے یہ کیا کیا۔ اگر وہاں سے منظوری ہو جاوے۔ تو پھر کیا کیجئے گا۔ آپ کے مقابلہ میں تو ایک لاکھ بھی تھوڑے ہیں۔ تو اس کے آگے مولانا نے تحریر فرمایا۔ کہ لیکن جب چاہوں گا۔ گھر رہوں گا۔ جب چاہوں گا نوکری پر۔ جب خط وہاں پہنچا۔ معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات کہیں نہیں جائیں گے۔ تو بس حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی یہ دس روپے کی نوکری برائے نام نوکری تھی۔ نام تو تھا نوکری کا۔ مگر حقیقت میں کیا یہ نوکری کی تھی۔

اس حالت میں حضرت حاجی صاحب سے رائے لیتے ہیں۔ نوکری چھوڑنے کی۔ حضرت فرماتے ہیں۔ پوچھنا دلیل تردد کی ہے۔ تو وہ دلیل خامی کی ہے۔ خامی میں نوکری چھوڑنا مناسب نہیں۔ جب قوت ہوگی تو رے سے تڑوا کے بھاگو گے۔ بلکہ پوچھیں گے بھی نہیں۔ اللہ اکبر سارے ارسطو، افلاطون، بقراط و سقراط جمع ہو کر تو ایسا کلیہ نکال دیں تو ضعیف کے لئے یہی مسئلہ ہے کہ نوکری نہ چھوڑے۔ (آداب اصلاح ج ۱۳)

## تعلیم خلوت کا راز

صوفیاء کی خلوت کی تعلیم کا یہی راز ہے لوگ سمجھتے ہیں وہ شریعت نہیں۔ اس لئے خلوت میں تعلیم دیتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت لوگوں کا یہ گمان تھا کہ ان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خاص باتیں تعلیم فرمائی ہیں جو اوروں کو نہیں بتائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ:

هل خصكم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشيء من دون الناس  
یعنی کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتیں بتائی ہیں جو اوروں کو نہیں بتائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

والله ما خصنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بشيء الا فهمما  
ادبته الرجل في القرآن.

بخدا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے ساتھ مجھے مخصوص کیا ہو ہاں مجھے ایسا فہم ضرور ملا ہے جس سے قرآن سمجھتا ہوں اور اس فہم سے کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسے معنی سمجھ میں آتے ہیں جن پر عوام کی دسترس نہیں ہے۔ (آداب اصلاح ج ۱۳)

## تبلیغ کی برکت

قادر بخش خاں رئیس نماز نہیں پڑھتے تھے۔ مولانا مظفر حسین صاحب جب گڑھی تشریف لائے۔ انہیں معلوم ہوا۔ خان صاحب کے پاس گئے اور فرمایا۔ کہ مجھے آپ سے کچھ مختصر سا کہنا ہے۔ انہوں نے کہا۔ فرمائیے، فرمایا کہ آپ نماز نہیں پڑھتے۔ نماز پڑھا کیجئے۔ خان صاحب نے کہا۔ سچی بات ہے کہ مجھے ڈاڑھی چڑھانے کا شوق ہے۔ وضو کرنے سے سب بال برابر ہو جاتے ہیں اور بے وضو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ فرمایا بے وضو ہی پڑھ لیا کیجئے۔ اجازت ہے۔ خان صاحب نے ایک وقت کی نماز تو بے وضو پڑھی۔ جب دوسرا وقت آیا۔ خیال پیدا ہوا کہ کیا بے وضو پڑھیں۔ محنت بھی کریں اور نفع کچھ بھی نہ ہو۔ بس ایک وقت بے وضو پڑھ کے دوسرے وقت سے با وضو نماز پڑھنے لگے۔ اس طرح سے وہ نمازی بن گئے اور ڈاڑھی بڑھانا بھی چھوٹ گیا۔ حضرت تو ایک چنگاری لگا گئے تھے۔ تو بزرگوں کی یہ بات ہے۔ ناقصین کیا سمجھیں گے۔ گوپیری مریدی کرنے لگیں۔

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند      نہ ہر کہسر بترا شد قلندری داند  
د دنیا بد حال پختہ ہیچ خام      پس سخن کوتاہ باید والسلام  
(جو شخص آئینہ بنانا ہو ضروری نہیں کہ وہ سکندری بھی جانتا ہو، جو شخص سرمنڈاتا ہو ضروری نہیں کہ وہ قلندری بھی جانتا ہو، خام پختہ کے حال کو نہیں سمجھ سکتا پس کلام کو مختصر کر کے ختم کرنا چاہیے والسلام)  
اور ایسے ہی مبصر کا کام ہے کہ بچوں کو ہر بات سے نہ روکے۔ (آداب اصلاح ج ۱۳)

## ناصح غیر عامل

ایک بڑھیا اپنے لڑکے کو ایک بزرگ کی خدمت میں لائی اور عرض کیا۔ کہ حضرت یہ گڑبہ کھاتا ہے۔ اسے نصیحت فرما دیجئے۔ ان بزرگ نے فرمایا۔ کل لانا۔ دوسرے دن بڑھیا اس لڑکے کو لائی۔ ان بزرگ نے نصیحت فرمادی۔ کہ میاں گڑبہ

مت کھایا کرو۔ نقصان کرتا ہے۔ اس کے بعد اس لڑکے نے گڑ کھانا چھوڑ دیا۔ خدام نے پوچھا۔ کہ حضرت ایک دن کی تاخیر میں کیا مصلحت تھی۔ فرمایا کہ جب تک مجھے بھی گڑ کھانے کی عادت تھی۔ اب میں نے وہ عادت چھوڑ دی۔ اگر اس وقت کہتا تو اثر نہ ہوتا۔ اب میرے لہجہ میں قوت زبان میں برکت قلب میں طاقت پیدا ہو گئی۔ اب تجربہ کر لیجئے۔ کہ ناصح غیر عامل کا لہجہ نرم ہوتا ہے، نہ برکت ہوتی ہے، نہ قوت ہوتی ہے اس سے اثر بھی نہیں ہوتا، اگر کوئی غیر عامل بتکلف اپنے لہجہ میں قوت پیدا کرے تو اس کی وقاحت اور بے شرمی ہے۔ اسی ضعف کو کسی نے کہا ہے۔۔

احب مناجاة الحبيب باوجه ولكن لسان المذنبين كليل

محبوبوں سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ مگر خطاوار ہوں۔ اس لئے زبان یاری نہیں دیتی۔  
(آداب اصلاح ج ۱۳)

## انذار کی قسمیں

انذار کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ وحشت ہو۔ ایک یہ کہ الفت ہو۔ پہلی قسم تنفرا میں داخل ہے۔ دوسری قسم بشرا میں داخل ہے۔ مثلاً انداز سے یوں جی خوش ہوتا ہے۔ کہ سب مردہ کو قبر میں رکھ دیتے ہیں۔ تو جنت سے پہلے دوزخ دکھائی جاتی ہے۔ کہ اگر اعمال اچھے نہ ہوتے اور اصلاح نہ ہوتی تو یہ ٹھکانا تھا تو اس جہنم دکھانے کو دخل خوش کرنے میں نہیں تو کیوں دکھلائی۔ حضرت جہنم دکھلا کر خوشی اور بڑھادی۔ اب جنت کو دیکھ کر زیادہ خوشی ہوگی۔  
الحمد لله الذي نجاني.

اسی طرح جو دنیا کے رنج و غم دیکھ چکے ہیں۔ وہ کہیں گے

الحمد لله الذي اذهب عني الحزن

حدیث میں ہے۔ کہ جب تمام اہل ایمان جنت میں چلے جائیں گے اور جنت نہ بھرے گی تو حق تعالیٰ جنت کے لئے ایک نئی مخلوق اور پیدا کریں گے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ کہ بھئی! ان سے تو ہم زیادہ مزہ میں ہیں۔ کہ انہوں نے کوئی چیز جنت کے مقابل دیکھی ہی نہیں۔ انہیں اس کی کیا قدر اور کیا خوشی۔ (آداب اصلاح ج ۱۳)

## جمال و جلال خداوندی

مجھے چند روز سے یہ بات محسوس ہوئی ہے اور بچپن سے بھی مجھے اس کا احساس تھا۔ مگر اب چند روز سے زیادہ احساس ہے۔ کہ مجھے قرآن کے دو صفحوں پر تو نور سا محسوس ہوتا ہے اور اس کے بعد دو صفحے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے ان پر سایہ پڑا ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی چند آیات شروع کے دو صفحوں پر ہیں۔ مجھے یہ زیادہ روشن محسوس ہوتی ہیں اور اس کے بعد کے دو صفحے ایسے ہیں کہ گویا ان پر ظل پڑا ہوا ہے۔ اسی طرح سارے قرآن میں ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ چند روز سے مجھے اس کی علت یہ ذہن میں آئی۔ کہ جمال و جلال کی صورت منکشف ہوتی ہے۔ کیوں کہ قرآن میں ترغیب و ترہیب ساتھ ساتھ چلی گئی ہے۔ تو جہاں ترغیب ہے وہاں تجلی جمالی ہے۔ جو زیادہ واضح ہے اور جہاں ترہیب ہے وہاں تجلی جلالی ہے جو کسی قدر ستر و حجاب لئے ہوئے ہے۔ خواہ کوئی اسے میرا وہم سمجھے۔ مگر میرے خیال میں یہی آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (الاستقامت ج ۱۳)

## جنت کا سوال

ایک صحابی زادے نے اس طرح دعا کی تھی۔

اللهم انی اسئلك القصر الابيض عن یمین الجنة

(اے اللہ میں سفید محل مانگتا ہوں۔ جو جنت کی دائیں طرف ہو) ان کے والد

صاحب نے جو صحابی تھے۔ فرمایا۔

یا بنی سل اللہ الجنة ولا تعتد فی الدعاء ما نى سمعت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یحب المعتدین فی الدعاء.

(لم أجد الحديث فی "موسوعة أطراف الحديث النبوی الشریف")

(صاحب زادے! اللہ سے جنت مانگو اور دعا میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ میں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دعاء میں حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں

رکھتے۔ تو دعا کے لئے بھی ایک حد ہے۔ شوق کے لئے ایک حد ہے۔



## کیفیت نزع کی تفصیل

شدت نزع کا مدار طاعت و معصیت پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سبب دو ہیں۔ ایک قوت جسم، دوسرے کثرت تعلقات۔ کیونکہ موت کے وقت روح طبعی جسم سے جدا ہوتی ہے۔ اگر جسم قوی ہے تو روح کا طبعی انفصال اس سے وقت کے ساتھ ہوگا۔ کیوں کہ وہ رگ رگ میں پیوستہ ہوتی ہے اور چونکہ روح مجرد کو بھی روح طبعی کے واسطے سے جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ تو اگر روح مجرم کو دنیا کی چیزوں کے ساتھ تعلق زیادہ ہوگا۔ تو اس تعلق کا منقطع ہونا اسے ناگوار ہوگا۔ اس لئے وہ جسم سے اپنا تعلق دیر میں قطع کرتی ہے۔ اس کے بعد سمجھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھی قوی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس کو اپنی امت کے ساتھ تعلق بھی بہت تھا۔ وصال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی طرف سے فکر تھی۔ اس لئے شدت ہوئی۔ جب حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کی طرف سے بے فکر دیا۔ اس وقت روح نے جسم سے تعلق منقطع کیا۔ اب اگر یہ تعلق محمود ہے تو شدت نزع محمود ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ میں ہوا اور اگر تعلق مذموم ہے تو شدت مذموم ہے اور اگر کسی کی روح کو اشیاء دنیا سے کچھ بھی تعلق نہ ہو تو نزع میں سہولت ہوگی۔ چاہے میت کافر ہی ہو۔ جیسے کوئی جوگی تعلقات واجبہ و غیر واجبہ سب کو قطع کر دے۔ تو اس کو نزع میں سہولت ہوگی۔ گو یہ سہولت محمود نہیں۔

اسی طرح اگر کسی کا جسم بہت کمزور ہو۔ اس کو بھی نزع میں آسانی ہوگی اور یہ بھی کمال نہیں۔ چنانچہ مدقوق کا جسم بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ اس کو نزع سہل ہوتا ہے۔ کہ پاس والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ کہ روح کب نکل گئی، چاہے مدقوق مومن ہو یا کافر۔ بہر حال شدت نزع کو بشارت ملائکہ سے کچھ منافات نہیں۔ ہر مومن مرتے ہوئے فرشتوں کی بشارتیں سن کر خدا سے ملنے کا مشاق ہو جاتا ہے۔ گو جسم سے جان نکلنے میں کلفت ہی کیوں نہ ہو۔

اس وقت اس کی وہ حالت ہوگی جیسے کسی شخص کو اس کا محبوب کھڑکی میں نکلنے کو کہے کہ اس ایک تنگ کھڑکی میں سے نکل کر ہمارے پاس آؤ۔ تو اس وقت وہ پینترے بدل کر اور دب بچک کر جانے کی کوشش کرے گا۔ گو اس حالت میں اس کے جسم پر خراش آجائے۔ مگر اندر سے اس کا دل وصال محبوب کا خیال کر کے خوش ہوگا۔ بلکہ اس تکلیف پر بھی وہ خوش ہوگا۔ کیونکہ محبوب اس کے

سامنے ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ محبوب میری اس مشقت کو دیکھ رہا ہے۔ کہ میں کس مصیبت سے اس کے پاس جانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس وقت وہ زبان حال سے یوں کہتا ہوا جائے گا۔  
 بجرم عشق تو ام میکشد و غوغائیست تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا نیست  
 (تیرے عشق کے جرم میں قتل کرتے ہیں اور غوغائی اب تو بھی بر سر بام آ کہ عجب تماشا ہے)  
 واقعی محبوب کے حکم کی تعمیل میں یا اس کی محبت میں نگاہوں کے سامنے جتنی بھی تکلیف ہو۔ سب آسان ہو جاتی ہے۔

اسی لئے حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مراقبہ تعلیم فرمایا۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔

اپنے رب کے حکم کیلئے (تکالیف پر) صبر کیجئے۔ کیونکہ آپ ہمارے سامنے ہیں ہم آپ کی سب حالت دیکھ رہے ہیں۔ یہاں فانک باعیننا بڑھا کر صبر کو آسان کر دیا۔  
 ایک عاشق کو کسی شخص کے ساتھ محبت کے جرم میں لوگوں نے بہت مارا۔ ننانوے کوڑوں پر تو اس نے ایک بھی آہ نہ کی۔ سوویں کوڑے پر اس کے منہ سے آہ نکلی۔ کسی نے پوچھا کہ کہ تو نے ننانوے کوڑوں پر تو آہ نہ کی۔ اخیر میں ایک کوڑے پر آہ کی۔ کہ اس کی کیا وجہ تھی۔ کہا ننانوے کوڑوں تک تو محبوب میرے سامنے تھا۔ میرا حال دیکھ رہا تھا۔ اس لئے مجھے کلفت کا احساس نہ ہوا بلکہ اس میں مزہ آرہا تھا۔ کہ محبوب دیکھ رہا ہے۔ کہ اس کی محبت میں میرا کیا حال ہے۔ اخیر کوڑے پر وہ چلا گیا۔ اس لئے کلفت کا احساس ہوا۔

صاحبو! یہ تو اس کا محبوب تھا۔ جس کی نگاہ سے عاشق غائب ہو گیا اور ہمارا محبوب ایسا ہے کہ کسی وقت کوئی چیز اس سے غائب نہیں ہے۔ ہمارے ہر حال کو دیکھ رہا ہے۔ پھر فانک باعیننا (آپ ہمارے سامنے ہیں) جس کے پیش نظر ہو۔ اس کو مصائب میں کیوں کلفت ہو۔ بہر حال شدت نزع کا شبہ رفع ہو گیا۔ غرض ایک تو یہ وقت ہے نزول ملائکہ کا۔ جب کہ مومن مرتا ہے اور روح نکلنے کے بعد کی کیفیت حدیث میں آتی ہے۔

حتى انه لينادله بعضهم بعضا۔

یعنی فرشتے اس روح کو ایک دوسرے کو دیتے ہوئے لے چلتے ہیں۔ ہر ایک چاہتا ہے۔ کہ میں لے کر جاؤں۔ دوسرا چاہتا ہے۔ کہ میں لے کر جاؤں۔

دوسرا وقت اس کا قبر میں ہوتا ہے۔ کہ فرشتے آتے ہیں اور مردہ سے سوالات کرتے ہیں:- من ربک ما دینک و من ہذا الرجل۔

تیرا پروردگار کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے اور یہ شخص کون ہیں۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مومن تو جواب ٹھیک ہی دے گا پھر اس کو فرشتے بشارت دیں گے۔

نم كنومة العروس۔ (لم أجد الحديث فی "موسوعة أطراف الحديث النبوی الشریف") تیرا وقت حشر کا ہے۔ کہ اس وقت فرشتے آئیں گے اور قبر سے مومن کا استقبال کریں گے اور اس کو بشارتیں سنائیں گے اور تعظیم و تکریم کے ساتھ میدان حشر میں لے جائیں گے۔ (الاستقامت ج ۱۳)

## تفسیری نکتہ

ہمارے علماء نے خَلَقَ سَمَوَاتٍ وَ أَرْضٍ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ میں یہی حکمت بیان کی ہے کہ اس میں حق تعالیٰ نے ہم کو تنبیہ کی ہے کہ کام میں عجلت نہ کرنا چاہئے بلکہ سکون و اطمینان سے کرنا چاہئے دیکھو ہم نے باوجودیکہ ہم ایک کلمہ کن سے سب کچھ پیدا کر سکتے تھے پھر بھی زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا ہے پھر تم باوجود عجز کے عجلت کیوں کرتے ہو تو جیسا علماء نے حق تعالیٰ کے اس فعل کو تعلیم عملی پر محمول کیا ہے اسی طرح میرے نزدیک قرآن میں جمع کی رعایت نہ ہونا بھی عملی تعلیم ہے

حق تعالیٰ کے لئے ایک تو افعال ہیں اور ایک صفات ہیں اور ظاہر ہے کہ صفات کا قرب بہ نسبت افعال کے ذات سے زیادہ ہے کیونکہ صفات لا عین لا غیر ہیں اور افعال اتفاقاً غیر ذات ہیں اس لئے افعال کو بہ نسبت صفت کے ذات سے بعد ہے اور اسماء الہیہ میں بعض اسماء تو صفات پر دال ہیں اور بعض اسماء افعال پر دال ہیں پھر آج میں نے بہت غور کیا تو اسماء الہیہ میں کوئی نام ایسا نہیں پایا جو مرتبہ صفت میں غضب پر دال ہو بہت سے بہت آپ قہار و جبار کو پیش کریں گے تو جبار کے معنی تو غضب کے نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی جو صفت جبار ہے وہ جبر کسر کے معنی میں سے ہے جس کا حاصل ہے تلافی کرنا شکستگی کو جوڑنا تو اس کی دلالت تو خود رحمت ہی پر ہے اور قہار میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ اسم فعلی ہو جو فعل پر دال ہو اسم وصفی نہ ہو جیسے محی و ممیت و خالق و رازق ہے تو اس صورت میں تو شبہ ہی نہیں ہو سکتا دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسم صفت ہو مگر لغت عربی میں قہر کے معنی غصہ و غضب کے ثابت نہیں بلکہ

غلبہ کے معنی ہیں پس یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غضب حق تعالیٰ کی صفت ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ حق تعالیٰ سے صدور غضب نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے لیکن درجہ فعل میں ہوتا ہے نہ کہ درجہ صفت میں اور رحمت کا ثبوت درجہ صفت میں ہوتا ہے جو کہ قدیم ہے اور اسی قدوم کے سبب صفت و موصوف کے تعلق میں ارادہ کو دخل نہیں کیونکہ لازم ذات و ملزوم میں تحلیل جعل نہیں ہوا کرتا گو رحمت کا تعلق عباد سے تو بالا ارادہ ہی ہوگا مگر ذات کی طرف اُس کا انتساب بلا ارادہ ہے اور غضب کا انتساب بھی ذات حق کی طرف بالا ارادہ ہے اور یہ ایک دوسری توجیہ ہے سبقت رحمتی علی غضبی کی کہ رحمت کو غضب پر سبقت بہ اس معنی ہے کہ وہ صفت ہے اور یہ فعل ہے اور صفت سابق ہوتی ہے فعل پر یہی وجہ ہے کہ رحمت تو بلا سبب بھی ہو جاتی ہے کیونکہ مقتضی ذات کا ہے اور غضب بلا سبب نہیں ہوتا اور ایک توجیہ سبقت رحمتی علی غضبی کی وہ ہے جو میں نے استاد رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے کہ جس شخص میں مقتضیات رحمت و غضب دونوں مجتمع ہوں اُس پر رحمت ہوتی ہے اور ایک صورت سبق کی یہ ہے کہ اعمال حسنہ میں تضاعف ہوتا ہے کہ ایک حسنہ کو دس حسنات کی برابر کر دیا جاتا ہے اور بعض کے لئے ایک حسنہ کو سات سو حسنہ تک اور بعض حسنات کو الی مالائینا ہی بمعنی لا تقف عند حد بڑھایا جاتا ہے چنانچہ صوم کے بارے میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کے ثواب کا تضاعف مالا نہایت بمعنی لا تقف عند حد تک ہوتا ہے اور اعمال سیئہ میں تضاعف نہیں ہوتا بلکہ ہر گناہ ایک ہی گناہ شمار ہوتا ہے یہ توجیہ بھی لطیف ہے (مگر آج کی توجیہ الطف و اشرف ہے ۱۲ ظ) اور اس سے معلوم ہوا کہ رجاء و خوف میں رجاء اصل ہے کیونکہ اس کا تعلق رحمت سے ہے جو صفت حق ہے اور خوف اصل نہیں اس کا تعلق غضب سے ہے جو صفت نہیں بلکہ فعل ہے اور ظاہر ہے کہ صفت بمقابلہ فعل کے اصل ہے اس لئے لازم ہے کہ ان دونوں کی فروع میں بھی جو شے فرع صفت کی ہے وہ اصل ہو اور جو غضب کی فرع ہے وہ اصل نہ ہو پس رجاء و خوف کی ایسی مثال ہے جیسے غذا و دوا کہ غذا اصل ہے اور دوا عارض پس رجاء غذا ہے اور خوف دوا ہے۔ (جمال الجلیل ج ۱۴)

## ایک مسنون دعا کی تشریح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واسئلک من خشیتک ما تحول بہ بینی و بین معاصیک (لم أجد الحديث في "موسوعة أطراف الحديث النبوی الشریف") کہ اے اللہ! میں آپ سے اتنا خوف مانگتا ہوں جس سے گناہوں میں آڑ ہو جائے یہ حد آپ



نے اس لئے بیان کی ہے کہ غلبہ خوف سے تعطل کا اندیشہ ہے ہم نے تجربہ کیا ہے کہ زیادہ خوف سے مایوسی ہو جاتی ہے کانپور میں ایک وکیل میرے ہم نام تھے انہوں نے احیاء العلوم کا باب الخوف دیکھا تھا ان کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ خاتمہ بالخیر ہونے سے مایوس ہو چلے اور اس کا نام سن کر تھراتے اور کانپتے تھے ایک دن وہ میرے پاس کتاب لے کر آئے اور حالت یہ تھی کہ کتاب کو کھولتے ہوئے ان کا ہاتھ کانپتا تھا آخر میں نے تسلی کی جب کچھ ان کے ہوش و حواس درست ہوئے اور مجھ سے میری اس تقریر کے ضبط کرنے کی درخواست کی چنانچہ وہ ضبط اور شائع ہو چکی اس کا نام خاتمہ بالخیر ہے اسی طرح ایک انسپکٹر پولیس پر خوف غالب ہو گیا تھا اور وہ اس غلبہ سے اپنی مغفرت سے مایوس تھا آخر کہنے لگا کہ میں دوزخ میں ضرور جاؤں ہی گا پھر ظلم و رشوت میں بھی کیوں کمی کروں مگر نہ معلوم حق تعالیٰ کو اس کا کون سا فعل پسند آ گیا ہو گا کہ آخر میں توبہ نصیب ہوئی اور خاتمہ اچھا ہو گیا۔ (جمال الجلیل ج ۱۳)

## افراط خوف کا اثر

بعض دفعہ غلبہ خوف سے یہ حالت ہو جاتی ہے کہ انسان سمجھ لیتا ہے کہ میری بخشش تو ہو نہیں سکتی یقیناً میں جہنم میں جاؤں گا پھر گناہوں میں کمی کیوں کروں۔ جیسے ایک دیہاتی نے کہا تھا پڑھن تو مرن نہ پڑھن تو مرن پھر دانتا کر کر کیوں کرن یعنی پڑھ کر بھی ایک دن مریں گے اور بے پڑھے بھی مریں گے پھر کس لئے پڑھنے میں محنت کریں غرض چونکہ خوف کا افراط مضر تھا اس لئے اس کو محدود کیا گیا اور رجا کے لئے کوئی حد نہیں کیونکہ یہاں یہ اندیشہ تو ہے ہی نہیں کہ غلبہ رجا سے پیغمبر ہو جائے گا جیسے ایک دیہاتی نے میاں جی سے کہا تھا کہ میرے لونڈے کو ڈھیر نہ پڑھاؤ کہیں لوٹ پوٹ پگمر (پیغمبر) ہو جائے تو یہاں یہ اندیشہ نہیں اس لئے بزرگوں نے خوف کا نام سوط رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ کوڑا اصل مقصود نہیں ہوتا بلکہ ضرورت کے وقت بقدر ضرورت استعمال کیا جاتا ہے اسی لئے خوف مانع عن المعاصی قبل الموت تک مطلوب ہے جب تک کہ عمل ہو سکے اور موت کے وقت انقطاع عمل ہے وہ خوف مطلوب نہیں بلکہ اُس وقت غلبہ رجا مطلوب ہے چنانچہ حدیث میں ہے لا یموتن احدکم الا وهو یحسن الظن باللہ تعالیٰ (او کمال قال) (سنن ابن ماجہ: ۲۱۶۷، مسند احمد ۳: ۲۹۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۲۶۰۵) شاید اس جگہ کسی کو شبہ ہو کہ

بعض دفعہ غلبہ رجاء سے دلیری و بے باکی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے لئے بھی ایک حد ہوئی کہ رجاء اس حد تک مطلوب ہے جس سے دلیری و بے باکی پیدا نہ ہو اس کا جواب یہ ہے کہ جس چیز سے دلیری و بے باکی پیدا ہوتی ہے وہ رجاء نہیں ہے کیونکہ میں اوپر وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ کے ذرا قبل کہہ چکا ہوں کہ رجاء بدون عمل کے نہیں ہوتی بلکہ وہ تمنا و غرور ہے پس رجاء کے لئے حد ثابت نہ ہوئی۔ (جمال الجلیل ج ۱۴)

## حکیمانہ جواب

ایک دفعہ ریل میں ایک ہندو نے مجھ سے کہا کہ صاحب مسلمانوں میں اور تو سب باتیں اچھی ہیں مگر جانوروں پر ظلم بہت کرتے ہیں میں نے کہا کیا ظلم کرتے ہیں کہنے لگا یہی کہ ان کا گوشت کھاتے ہیں میں نے کہا پھر یوں تو تم بھی ظلم کرتے ہو کہ روٹی کھاتے اور درختوں کو کاٹتے ہو کہنے لگا جی ان میں جان کہاں ہے میں نے کہا اگر ان میں جان نہ ہوتی تو ان کے کھانے سے تمہارے اندر جان کیونکر بڑھتی اور قوت حیات کیونکر پیدا ہوتی ہے بے جان چیز کے کھانے سے جان نہیں بڑھ سکتی۔ بس وہ چپ ہو گیا۔ (اجر الصیام من غیر انصرام ج ۱۴)

## وجود صانع حقیقی:

ہمارے ماموں منشی شوکت علی صاحب کا ایک لطیفہ ہے آپ نے ایک ہندو سے پوچھا کہ لالہ جی یہ تو بتلاؤ گائے ہندو یا مسلمان اگر ہندو ہے تو مسلمانوں کے گھر کا چارہ کیوں کھاتی ہے اور اگر مسلمان ہے تو جب تمہارا دیوتا ہی مسلمان ہے تو تم مسلمان کیوں نہیں ہوتے، ہندو بالکل لا جواب ہو گیا اور کہنے لگا منشی جی تم تو ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہو (اجر الصیام من غیر انصرام ج ۱۴)

## شانِ عبدیت

نماز میں شانِ عبدیت اس سے کیا زیادہ ہوگی کہ اشرف الاعضاء یعنی وجہ کو اخس الاشیاء یعنی زمین پر رکھا جاتا ہے، چہرہ کا اشرف الاعضاء ہونا تو ظاہر ہے کہ اعضاء رئیسہ دماغ و سمع بصر سب اسی میں ہیں، اسی لئے حدیث میں منہ پر مارنے سے ممانعت آئی ہے اور زمین کا اخس وارزل ہونا اس سے ظاہر ہے کہ سب اس پر گتے مومتے ہیں اور جو چاہے تصرف کرتے ہیں اس پر چہرہ کو رکھنا

غایت عبودیت ہے صاحبو! شکر کیجئے کہ ہم لوگوں کو اس کی عادت بچپن ہی سے ہے اس لئے منکر نہیں معلوم ہوتی اور جو بڑی عمر میں شروع کرتے ہیں چونکہ وہ اوروں کو بھی یہی افعال کرتے دیکھتے ہیں اس لئے ان کو گرائی نہیں ہوتی ورنہ واقعی حرکات صلوٰۃ میں جس درجہ ذلت و عبودیت ہے متکبرین اس پر دفعۃً قادر نہیں ہو سکتے متکبرین کو تو جھکنا بھی دشوار ہے (اجزایام من غیر انصرام ج ۱۳)

## ایک آیت کی تفسیر

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں علم خشیت کے لئے شرط ہے علت نہیں ہے اس کی تفسیر میں لوگ غلطی کرتے ہیں کہ علم کو علت خشیت سمجھتے ہیں اس لئے اس پر یہ اشکال بھی وارد ہوتا ہے کہ آیت کا مقتضا تو یہ ہے کہ کوئی عالم خشیت سے خالی نہ ہو اور کسی مولوی سے گناہ کا صدور نہ ہو حالانکہ اس کے خلاف مشاہدہ ہوتا ہے، یہ اشکال پہلے مجھے بھی ہوتا تھا پھر خود بخود قلب پر یہ بات وارد ہوئی کہ اس کا حصر مفہوم تو یہ ہے کہ ”لا يخشى الله من عباده الا العلماء“ کا خلاصہ یہ ہوا کہ ”لا خشية الا بالعلم“ نہ کہ ”لا علم الا بالخشية“ پس یہ حصر ایسا ہو گیا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے لا صلوٰۃ الا بطهور کہ نماز بدون وضو کے نہیں ہوتی جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا جہاں وجود ہوگا وضو کے ساتھ ہوگا، بدون وضو کے نہ ہوگا، یہ تو مطلب نہیں کہ جب وضو کا وجود ہو تو اس کے ساتھ نماز کا وجود بھی لازم ہو اسی طرح یہاں پر علم شرط خشیت ہے کہ جہاں خشیت ہے وہاں علم ضرور ہے گو وہ مولوی بھی نہ ہو کیونکہ جاہل بھی اللہ سے ڈرتا ہے تو اسے کم از کم عذاب ہی کا علم ہے تو خشیت بدون علم کے اس کو بھی نہیں ہوتی باقی یہ ضروری نہیں کہ جہاں علم ہو وہاں خشیت لازم ہو کیونکہ علم اس کی علت نہیں۔ (المعرق والرحیق للمحرق والغریق ج ۱۳)

آپ نے جان لیا کہ طرق طلب جنت کا حاصل دو (۲) امر ہیں اب یا تو ایک دونوں میں سے اصل ہے دوسرا معین یا دونوں اصل ہیں، مجھے یوں معلوم ہوتا ہے اپنے مذاق سے کہ اصل نبی النفس ہے اور خوف اس کے لئے معین ہے میں یہ اپنے دل سے نہیں کہتا ہوں بلکہ اس حدیث سے کہ نسا لک من خشیک ماتحول بہ بیننا و بین معاصیک۔ (لم أجد الحمد یث فی ”موسوعة أطراف الحديث النبوی الشریف“) دعا مانگتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ

اے اللہ! ہم مانگتے ہیں خوف میں سے اس قدر کہ حائل ہو جاویں آپ اس سے ہم میں اور معصیت میں، تعلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب ہے بالذات مقصود نہیں، ورنہ نسائک خشیتک مطلقاً فرماتے کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں خوف کی حد فرمادی کہ اس قدر چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے تو محمود نہیں، خوف مع الرجاء یہی ہے اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ رجاء نہ رہے اور نا اُمیدی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے اس سے معصیت چھوٹی نہیں بلکہ آدمی یہ سمجھ کر کہ طاعت سے کیا ہوگا زیادہ معصیت میں پڑ جاتا ہے، میں نے خود دیکھا ایک مغلوب کو تب معلوم ہوا کہ شریعت میں جو توسط ہے اُس میں یہ مصلحت ہے یہ ایک وکیل صاحب تھے نماز روزہ کے خوب پابند تھے، خوف غالب ہوا تو عجیب حالت ہو۔ (طلب الجنة ج ۱۴)

## طاعت کے فائدے

میں کہتا ہوں امتحان کرنے سے تو کیا اثر، بھولے سے بھی طاعت اگر ہوگئی تو اثر ضرور کرے گی، کپڑا بھولے سے رنگ میں گر جائے تو گو وہ بات نہ آئے گی کہ اگر کوئی قصد ارتکاب کر دھبے تو ضرور پڑ ہی جائیں گے، تجربہ ہوا ہے لوگوں کو کہ دھوکے سے طاعت ہوگئی اور اثر ہوگیا، قصہ مشہور ہے کہ ایک چور بادشاہ کی لڑکی پر عاشق تھا، ایک روز کہیں چوری کے ارادہ سے بادشاہ کے یہاں پہنچ گیا وہاں بادشاہ اور بیگم میں اسی لڑکی کی شادی کی نسبت گفتگو تھی، بادشاہ کہہ رہے تھے کہ میں تو اس کی شادی کسی ایسے شخص سے کروں گا کہ نہایت عابد و زاہد متقی ہو، یہ چور صاحب چوری تو بھول گئے اور بہت غنیمت سمجھا کہ آج خوب کام بنا وہاں آکر ایک مسجد میں جا بیٹھے اور دن رات عبادت کرنا شروع کی تہجد بھی اشراق بھی چاشت بھی غرض عبادت ہی سے کام تھا لوگوں میں شہرہ ہوا کہ ایک بڑے عابد صاحب..... تشریف لائے ہیں رفتہ رفتہ تمام شہر میں ان کی شہرت ہوگئی ادھر بادشاہ نے بھی آدمی تعینات کر رکھے تھے کہ دیکھو شہر میں سب سے زیادہ عابد و پرہیزگار کون ہے، ان مخبروں نے خبر دی کہ ایک عابد کہ ایک صاحب فلاں مسجد میں..... قیام رکھتے ہیں ان سے زیادہ متقی و پرہیزگار کوئی نظر نہیں آتا، بادشاہ نے خاص وزیر کو ان کے پاس پیغام لے کر بھیجا اور یہاں کام ہو چکا تھا، انہوں نے التفات بھی نہ کیا، خیر وزیر نے نہایت ادب



سے پیغام شاہی سنایا انہوں نے کہا دراصل نیت تو میری فاسد تھی اسی غرض سے عبادت شروع کی تھی مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا اب مجھے آپ کی بیٹی کی ضرورت ہے نہ آپ کے جاہ و حشم کی بس تشریف لے جائیے اور میرا وقت ضائع نہ کیجئے۔ (طلب الجنة ج ۱۴)

## صورت مثالی

صراط مستقیم کی شکل مثالی پل صراط کے ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حقیقت لکھی ہے جس سے یہ استبعاد بھی دفع ہو جاتا ہے کہ جب وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے تو پھر اس پر چلیں گے کیسے، سو انہوں نے اس کی حقیقت بتلا دی ہے لیکن یہ تحقیق ظنی ہے محض تائید کے لئے ذکر کر دی ہے، باقی نفس مسئلہ کہ اعمال کی مثالی صورتیں ہوتی ہیں تو یہ حدیث سے ثابت ہو چکا، وہ حقیقت پل صراط کی یہ لکھی ہے کہ شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال فرع ہیں اخلاق کی تو اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں۔ (طلب الجنة ج ۱۴)

## اخلاقی حدود:

ان کا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جو جڑ ہیں تمام اخلاق کی یعنی جن قویٰ سے اخلاق پیدا ہوئے ہیں وہ تین ہیں قوت عقلیہ، قوت شہویہ، قوت غصبیہ، حاصل یہ کہ اپنے منافع کے حصول اور مضار کے رفع کے لئے خواہ وہ دنیویہ ہوں یا اخرویہ دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک وہ قوت کہ جس سے منفعت و مضرت کو سمجھے کہ یہ مضرت یا منفعت ہے وہ قوت مدد کہ قوت عقلیہ ہے اور ایک یہ کہ منفعت کو سمجھ کر اس کو حاصل کرے، یہ قوت شہویہ کا کام ہے اور ایک یہ کہ مضرت کو سمجھ کر اس کو دفع کرے۔ یہ قوت دافعہ قوت غصبیہ ہے۔ غرض یہ قویٰ ہیں ایک کا نام قوت عقلیہ ہے ایک کا نام قوت شہویہ ہے ایک کا قوت غصبیہ، پھر ان تینوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں پھر ان اعمال کے تین درجے ہیں افراط و تفریط اعتدال، چنانچہ قوت عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی ہے کہ وحی کو بھی نہ مانے، جیسے یونانیوں نے کیا، تفریط یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل و سفہ تک اتر آئے، اسی طرح قوت شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حلال حرام کی بھی تمیز نہ رہے، بیوی اجنبی سب برابر ہو جائیں اور ایک درجہ ہے تفریط یعنی ایسے پرہیزگار بنے کہ بیوی سے بھی پرہیز کرنے

لگے یا مال کے ایسے حریص ہوئے کہ اپنا پرایا سب ہضم کرنے لگے یا ایسے زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں، اسی طرح غصہ کا افراط یہ ہے کہ بالکل بھیڑ یا ہی بن جاویں اور تفریط یہ کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جوتے بھی مارے لے دین کو بھی برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ نہ آوے تو یہ افراط و تفریط تھا ایک ان تینوں قوتوں کا اعتدال یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کا استعمال کرے اور جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے، یہ اعتدال ہے تو ہر قوت میں تین درجے ہوئے، افراط تفریط اعتدال۔ ان سب درجوں کے الگ الگ نام ہیں جو قوت عقلیہ کا افراد درجہ ہے اس کا نام ہے جزیرہ جو تفریط کا درجہ اس کو سفاہت لکھتے ہیں جو اعتدال کا درجہ ہے اس کا لقب حکمت ہے، اسی طرح قوت شہویہ کا افراط کا درجہ فجور ہے، تفریط کا درجہ نمود ہے، اعتدال درجہ عفت ہے اور قوت غصہ کا بڑھا ہوا درجہ تہور ہے گھٹا ہوا درجہ جبن ہے، اعتدال کا درجہ شجاعت ہے تو یہ نو چیزیں ہوئیں جو تمام اخلاق حسنہ و سیئہ کو حاوی ہیں اور مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین درجے اعتدال کے ہیں یعنی حکمت، عفت، شجاعت باقی سب رذائل ہیں تو اصول اخلاق حسنہ کے یہ تین ہوئے اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام ہے عدالت اسی لئے اس اُمت کا لقب ہے اُمت وسط یعنی اُمت عادلہ غرض انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو اب آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں بزرگ تو بہت ہیں انسان بہت کم ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے

زاہد شدی و شیخ شدی و دانشمند  
 ایں جملہ شدی ولیکن انسان نشدی  
 (زاہد ہوئے شیخ ہوئے، دانشمند ہوئے، یہ سب کچھ ہوئے لیکن انسان نہ بنے) (طلب الجنة ج ۱۴)

## اعتدال حقیقی

اعتدال حقیقی سب میں زیادہ مشکل ہے کیونکہ اعتدال حقیقی کہتے ہیں وسط حقیقی کو کہ اس میں ذرہ برابر نہ افراط ہو نہ تفریط ہو اور مشاہدہ سے اس کا دشوار ہونا ظاہر ہے اور پل صراط اسی اعتدال کی صورت مثالیہ ہے اور اس کی دشواری تلوار کی تیزی کی صورت میں ظاہر ہوئی اور اس کا اعتدال حقیقی بال سے زیادہ باریک ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا کیونکہ جب اعتدال وسط حقیقی ہوگا اور وسط حقیقی غیر منقسم ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ منقسم ہو تو پھر خود اس میں طرفیں اور وسط نکلیں گے تو وہ وسط حقیقی نہ رہا بہر حال وسط حقیقی کا غیر منقسم ہونا لازم ہے اور بال منقسم ہے تو وہ بال سے

زیادہ باریک ہوگا، پس اس طریق شریعت کا وسط حقیقی ہونا اس شکل سے ظاہر ہوگا کہ وہ پل صراط بال سے زیادہ باریک ہوگا اس تشبیہ میں کوئی امر خلاف اصول عقلیہ لازم نہیں آیا اور اسی درجہ کے وسط ہونے سے اُس کا مشکل ہونا بھی لازم آیا کہ نہ ادھر جاؤ نہ ادھر جاؤ، بچوں بیچ میں رہو بس یہ ہے حقیقت پل صراط کی وہ شریعت کی صورت مثالی ہے جس کا بال سے زیادہ باریک اور تنوار سے زیادہ تیز ہونا بدلائل ثابت کر دیا گیا تو شریعت پر چلنے والے اب بھی پل صراط پر چل رہے ہیں جب یہ ہے تو جو یہاں پل صراط پر یعنی شریعت پر چل چکا ہے وہ وہاں بھی با آسانی چل سکے گا، کیونکہ وہ یہی تو ہے اب بتلائیے پل صراط پر چلنا کیا دشوار ہوا جو یہاں شریعت پر چل رہا ہے، اسے وہاں چلنا بھی آسان ہو جائے گا، سو پل صراط پر چلنے کا طریقہ بہت ہی آسان ہے اور وہ سنت طریقہ ہے یہی سنت بیچ کا رستہ ہے (طلب الجنة ج ۱۲)

## مصالح عقلیہ :

مصالح عقلیہ ایک کتاب ہے اس میں میں نے ایک مقدمہ لکھا ہے نہایت لطیف نہایت نفیس میں اس کی اس حیثیت سے تعریف نہیں کر رہا ہوں کہ وہ میری تقریر ہے اور اپنی تقریر محبوب ہوا ہی کرتی ہے مقرر سے کیا بحث ہے وہ تقریر دراصل ہے ہی اچھی اگر وہ تقریر دوسرے کی بھی ہوتی تب بھی میں اس کی ایسی ترغیب دیتا کیونکہ وہ بہت ہی ضروری ہے تو میں مصالح عقلیہ کے مقدمہ کو یاد دلاتا ہوں کہ وہ دیکھنے کے قابل ہے اگر کسی کو مصالح کے مطالعہ کا شوق ہو اس کے لئے تو نہایت ہی ضروری ہے اس کا پہلے سے دیکھ لینا ورنہ ضرور ضرر ہوگا اس واسطے کہ علوم اسرار غامض ہوا کرتے ہیں اور میں نے بھی اس وقت محض تقلید بعض العلماء بیان کر دیئے ورنہ میرا اصلی مذاق یہ نہیں ہے یوں سمجھئے کہ مہمانوں کی خاطر سے چٹنی دسترخوان پر رکھ دی ہے (چنانچہ چند خاص مہمانوں ہی کی تحریک سے یہ وعظ بیان فرمایا گیا تھا جن میں سے بعض پیرزادے تھے اور بعض بوجہ دوسرے سلسلہ میں ہونے کے متعارف درویشانہ مذاق رکھتے تھے ۱۲) کسی کا بغیر چٹنی کے منہ ہی نہ چلے تو کیا کیا جائے، ہاں جس کے مذاق کے موافق نہ ہو وہ ساری تقریر کو بھلا دے لیکن جو شخص جزئیات کو بھی یاد رکھنا چاہئے، اُسے کلیات کا بھلا دینا جرم ہے، اگر وہ کلیات کو بھلا دے گا تو کلیات یعنی کلموں میں رکھا جاوے گا، یعنی جیل خانوں میں، کیا معنی کہ تنگی میں پڑے گی اُس کی روح۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

نکتہ چوں تیغ پولا دست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز  
پیش اس الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ رانہ و د حیا  
(تصوف کے نکتے فولاد کی تلوار کی طرح تیز ہیں اگر تیرے پاس ڈھال  
(حفاظت کا سامان) نہ ہو تو واپس ہو جا اس الماس کے سامنے بغیر ڈھال کے مت جا  
کیونکہ تلوار کو کاٹتے وقت کسی کا لحاظ اور شرم نہیں ہوتی)  
اور جنہوں نے بے دھڑک ان مضامین کو بیان کر دیا ہے اور کسی قسم کی احتیاط نہیں کی تو  
ان پر مولانا سخت ناراض ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند از سخن ہاعالمی راسوختند  
(وہ قوم ظالم ہے جس نے آنکھیں بند کر لیں اور ناروا باتوں سے ایک عالم کو جلا دیا)  
سبحان اللہ کیسے محقق شخص ہیں، یہ فرماتے ہیں۔  
ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند از سخن ہاعالمی راسوختند  
(وہ قوم ظالم ہے جس نے آنکھیں بند کر لیں اور ناروا باتوں سے ایک عالم کو جلا دیا)  
مگر باوجود اس کے خود بھی کہیں کہیں نکتے بیان کرنے لگتے ہیں مگر بضرورت اور  
مخاطب کے فہم کا ہر موقع پر لحاظ کر کے چنانچہ عالم مثال کی صورت بیان کرتے کرتے جوش  
میں حق تعالیٰ کی بھی بہت سی مثالیں بیان کر گئے، پھر سب کچھ بیان کر کے آخر میں  
سب کی نفی فرمادی اور تنزیہ کو یہ کہہ کر ظاہر کر دیا۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من خاک برفرق من و تمثیل من  
(اے وہ ذات عالی جو میرے وہم اور قیل وقال سے افزوں ہے مجھ پر اور میری مثال پر خاک)

## قرب کی صورتیں

قرب کی مختلف صورتیں ہیں کبھی بصورت عروج ہوتا ہے اور کبھی بصورت نزول جنت  
میں قرب بصورت عروج ہوگا اور یہاں سجدہ میں بصورت نزول ہوتا ہے اس مضمون کو مولانا  
رومی نے کیا خوب بیان فرمایا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ معراج مرا نیست از معراج یونس اجتبا  
(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری معراج کو حضرت یونس علیہ السلام کی معراج پر ترجیح مت دو)



مولانا اس مقام پر حدیث لا تفصلونی علی یونس بن متی (الشفاء للقاضی عیاض ۱: ۲۶۵،  
 إتحاف السادة المتقین ۲: ۱۰۵) کی تفسیر فرما رہے ہیں چنانچہ سرخی میں بھی یہی حدیث لکھی ہے  
 یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ کو یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور معراج کے  
 قصہ کو بطور مثال لائے ہیں، پس فرماتے ہیں کہ یونس علیہ السلام کا جو قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے  
 کہ بدوں صریح اجازت خداوندی کے تبلیغ چھوڑ کر وہ اپنے شہر سے چلے گئے یہاں تک کہ کشتی  
 میں سوار ہوئے اور کشتی چکر میں آگئی پھر ان کو پانی میں ڈال دیا گیا اور مچھلی نے نگل لیا تو ان کی اس  
 حالت کو نقص پر محمول نہ کرو کیونکہ یہ ان کے لئے ویسی ہی معراج تھی جیسے مجھے معراج ہوئی ہے  
 پس تم میری معراج کو ان کی معراج پر ایسی فضیلت نہ دو جس سے ان کی معراج کو گھٹا دو اور اس کا  
 نقص ظاہر ہو کیونکہ ان کی معراج بھی کامل تھی ناقص نہ تھی گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج اکمل  
 تھی اب یہاں عام لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو آسمانوں پر عروج ہوا، اس لئے  
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو معراج کہنا درست ہے مگر حضرت یونس علیہ السلام کو تو عروج  
 نہیں ہوا بلکہ نزول ہوا تھا اس کو معراج کہنا کیوں کر صحیح ہوگا مولانا نے اس کا جواب دیا ہے۔

قرب از پستی بیا لا رفتن ست      قرب حق از قید ہستی رستن ست

(قرب اس کا نام نہیں کہ نیچے سے اوپر چلے جاؤ بلکہ قرب یہ ہے کہ ہستی سے چھوٹ جاؤ)  
 فرماتے ہیں کہ قرب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نیچے سے اوپر کو بلایا جائے اور ایک  
 صورت یہ بھی ہے کہ اوپر سے نیچے کو بلایا جائے کیونکہ قرب حق کسی خاص صورت کے ساتھ  
 مقید نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کسی خاص جہت کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔

نور اوزیمین ویر و تحت و فوق      بر سر و برگردنم مانند طوق

(اس کا نور دائیں اوپر نیچے ہر طرف ہے جیسے گلے کا ہار گردن کو گھیرے ہوتا ہے)

ان کی تجلی تو ہر جہت میں ہے اس لئے ہر سمت میں معراج ہو سکتی ہے، خود ایک حدیث میں آیا ہے

لودلیتم محبل الی الارض السفلی لهطباء علی اللہ (الدر

المنثور ۶: ۱۷۰، و تفسیر ابن کثیر ۸: ۳۳، تفسیر الطبری: ۲۷۰) (رواہ

الترمذی فی کتاب التفسیر من جامعہ عن الحسن عن ابی ہریرۃ مرفوعاً

وقال غریب و حسن لم یسمع من ابی ہریرۃ مقاصد ص ۱۶۰)

یعنی اگر ایک رسی کو ارض سفلی تک لٹکایا جائے تو وہ حق تعالیٰ پر پہنچے گی مطلب یہ ہے کہ

وہاں بھی تجلی حق موجود ہے کوئی جگہ اور کوئی سمت ان کی تجلی سے خالی نہیں رہی، عرش کی تخصیص الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی میں تو اس پر تو سب کا اجماع ہے کہ حق تعالیٰ مکان سے منزہ ہیں عرش مستقر الہی بالمتعارف ہرگز نہیں پھر اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ کے کیا معنی ہیں اس کے متعلق سلف نے تو سکوت کیا ہے (اور یہی اسلم ہے) اور خلف نے مناسب تاویلیں بیان کی ہیں اسی قبیل سے حضرت حاجی صاحب کی ایک تاویل ہے فرمایا کہ نصوص میں اللہ اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ نہیں فرمایا بلکہ جابجا الرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اسْتَوٰی آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت کی تجلی عرش پر زیادہ ہے پس یہ تخصیص ایک خاص صفت کی تجلی کے اعتبار سے ہے، ذات کے اعتبار سے نہیں اسی لئے احکام سب عرش سے آتے ہیں کیونکہ احکام میں رحمت کا خاص ظہور ہے، (المودۃ الرحمانیہ ج ۱۳)

سلاطین دنیا کے یہاں یہ جرم ہے مگر حق تعالیٰ کو یہ ادا پسند ہے بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعضی باتیں سلاطین دنیا کے یہاں ادب ہیں اور وہاں بے ادبی میں داخل ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا یَقْل أَحَدُکُمُ اللّٰہم اغفر لی ان شئت اللّٰہم ارحمٰنی ولیعزم المسئلة فانہ لا یکرہ لہ (المصنف لابن ابی شیبہ ۱۰: ۱۹۹) یعنی دعا میں یوں نہ کہو کہ اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو مجھے بخش دیں (بلکہ یوں کہو کہ اے اللہ مجھے ضرور بخش دیجئے ۱۳) کیونکہ دنیا میں جو سلاطین کو یوں لکھا جاتا ہے کہ اگر حضور..... کی مرضی ہو تو ایسا کر دیجئے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ لکھنے سے ان پر دباؤ ہوتا ہے اور وہ ہر درخواست کے پورا کرنے پر قادر بھی نہیں ہیں اس لئے ان قیود کی ضرورت ہے اور حق تعالیٰ پر کسی کا کچھ بھی دباؤ نہیں ہے اور وہ ہر درخواست کے پورا کرنے پر بھی قادر بھی ہیں تو وہاں ان شئت کی کیا ضرورت ہے پھر ایسے دربار میں اگر ثمرہ ادھار بھی ملے تو کیا حرج ہے جہاں ادھار کا ثمرہ اضعا ف مضاعفہ دیا جاتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فِیْضِعْفَہُ لَہٗ وَلَہٗ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (جو شخص اللہ تعالیٰ کو قرض دے قرض حسنہ تو اللہ تعالیٰ اس کا کئی گنا اضافہ فرمادیں گے اور اس کے لئے اکرام و اعزاز والا اجر ہوگا) یہاں قرض حسنہ کے وہ معنی نہیں جو عوام میں مشہور ہیں کہ بس خوشی سے ادھار دے دو اگر مقروض کے پاس ہو تو ادا کر دے گا اور نہیں تو صبر کرو مگر اللہ تعالیٰ کا قرض حسنہ ایسا نہیں کہ جو دیا ہو وہی لے لو بلکہ اختیار ہے کہ جتنا چاہے سود لے لو، گو اس کو سود کہنا بے ادبی ہے مگر میں

نے مشاکلہ اس کو سود کہہ دیا ہے، حق تعالیٰ ایک جگہ فرماتے ہیں **فِيضَاعِفْ لَكَ أَضْعَافًا كَثِيرَةً** (پس اس کا کئی گنا بہت زیادہ اضافہ کریں گے) کہ اس قرض کو حق تعالیٰ چند در چند کر کے ادا کریں گے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک چھوڑے کو حق تعالیٰ بڑھاتے ہیں کہ وہ جبل احد کے برابر ہو جاتا ہے۔ بتلائیے اس میں کتنے اضعا ف ہوئے، صاحبو! پھر ایسے کریم کو ادھار دینا کیا مشکل ہے کیا تم نعوذ باللہ تعالیٰ کو نادار سمجھتے ہو غرض اگر آخرت ہی کا ثمرہ مراد ہو تب بھی اول تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ایمان و اعمال صالحہ کا ثمرہ نقد ہی ہے ادھار نہیں کیونکہ آخرت کا مثل نقد ہونا اوپر مذکور ہوا ہے اور اگر ادھار بھی ہو تو میں نے بتلا دیا کہ ایسا ادھار طبعاً مرغوب ہوتا ہے جس کا نتیجہ **أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً** ہو، تیسرے **سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا** میں سین قرب کے واسطے اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے بلا نے کا کوئی وقت مقرر نہیں ممکن ہے کہ آج ہی نماز پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ آپ کو بلا لیں اور سارا معاملہ طے کر دیں پھر مرتے ہی تم کو سب عوض مل جائے گا (کیونکہ مرنے کے بعد ہر مسلمان کو دکھلا دیا جاتا ہے کہ تمہارے واسطے جنت کے یہ درجے تیار ہیں گو دخول جنت قیامت کے بعد ہوگا مگر معاملہ تو مرتے ہی طے ہو جاتا ہے) چوتھے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سین المقرّب کا مدلول دنیا ہی میں حاصل ہوتا ہے یعنی ایمان و اعمال صالحہ کا یہ ثمرہ آخرت میں تو ملے ہی گا دنیا میں بھی ملتا ہے یعنی جس کو حق تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے، **سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا** (اللہ تعالیٰ ان میں محبت پیدا فرما دیتا ہے) یہ وہ جیسا کہ آخرت میں حاصل ہوگا دنیا میں بھی حاصل ہوتا ہے کیونکہ ود کی چار قسمیں ہیں ایک یہ کہ حق تعالیٰ اس کے محبت ہوں اور بندہ محبوب ہو، دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ محبوب ہوں اور بندہ محبت ہو تیسرے یہ کہ خلق کو اس شخص کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے، چوتھے یہ کہ خلق سے اس کو محبت ہو جاتی ہے ان اقسام اربعہ میں بجز قسم اول کے سب اقسام کا ظہور دنیا ہی میں ہوتا ہے گو حصول سب کا یہاں بھی ہو جاتا ہے ان میں شاید آپ کو ایک قسم کھٹکی ہوگی کہ اس شخص کو خلق سے بھی محبت ہو جاتی ہے اس پر شبہ ہوگا کہ یہ تو غیر اللہ کے ساتھ تعلق ہے جو مذموم ہے پھر اس کو ثمرہ اعمال صالحہ کیونکر بنایا گیا مگر کہتا ہوں کہ محبت خلق مطلقاً مذموم نہیں بلکہ اس کی دو قسمیں ہیں ایک مذموم ہے ایک محمود ہے جس کی ایک دلیل تو یہیں موجود ہے وہ یہ کہ مخلوق کا آپ سے محبت کرنا یہ تو آپ کے نزدیک بھی مطلوب ہے اس میں کھٹک نہیں ہوئی آخر کیوں؟ یہ بھی تو خلق کا تعلق ہے کیونکہ آپ بھی تو مخلوق ہی ہیں،



یہ کیا آپ کو تو سب چاہیں اور آپ کسی کو نہ چاہیں اگر مخلوق کا آپ سے محبت کرنا مطلوب و محمود ہے تو آپ کا مخلوق سے محبت کرنا بھی کسی درجہ میں محمود ہونا چاہئے، بات یہ ہے کہ مخلوق کا آپ سے محبت کرنا کیونکر محمود ہوا؟ اس لئے کہ وہ تم سے اللہ محبت کرتے ہیں (اگر یہ نہ ہو بلکہ کسی دنیوی غرض کے لئے محبت کریں تو یہ محمود نہیں ۱۲) اسی طرح ایمان و اعمال صالحہ کے بعد جو آپ کو مخلوق سے محبت ہوگی وہ حقیقت میں خدا سے محبت ہوگی اس وقت مخلوق سے جو کچھ تعلق یا محبت ہوگی محض اس وجہ سے ہوگی کہ حق تعالیٰ کے بندے ہیں اللہ کے ساتھ ان کو نسبت ہے اور قاعدہ ہے کہ جب انسان کسی پر عاشق ہوتا ہے تو اس کے متعلقین سے بھی اس کو محبت ہوتی ہے (قال مجنون بنی عامر امر علی الدیار دیار لیلی اقبل ذا الجدار وذا الجدارا وما حب الدیار شغفن قلبی ولكن حب من سكن الدیارا (۱۲) (مجنون) لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرا، دیواروں کو دیوار والوں کو چومتا ہوا اور گھروں سے محبت کرنا میرے دل کا شیوہ نہیں لیکن میں اس سے محبت رکھتا ہوں جو ان گھروں میں رہتے ہیں) اور کسی سے تعلق اور واسطہ سے کسی کو چاہنا حقیقت میں واسطہ کو چاہنا ہے پس خدا تعالیٰ کی وجہ سے مخلوق کے ساتھ محبت کرنا بھی محمود ہے۔ (المودة الرحمانیہ ج ۱۳)

اب بے چارے منصور کے انا الحق کا مطلب بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ انا الحق خود نہ کہہ رہے تھے بلکہ اس وقت ان کی وہ حالت تھی جیسے شجرہ موسیٰ سے آواز آئی تھی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (بے شک میں اللہ سارے جہانوں کا پروردگار ہوں) گو آواز شجرہ ہی سے نکل رہی تھی چنانچہ خود نص میں تصریح ہے نُوْدِیْ مِنْ شَاطِئِیْ الْوَادِیْ اَیْمَنْ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبْرَکَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یُّمُوْسٰی (وادی ایمن میں بقعہ مبارکہ اور درخت سے آواز دی اے موسیٰ علیہ السلام) تو کیا شجرہ خود کہہ رہا تھا اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ ہرگز نہیں ورنہ شجرہ کا رب ہونا لازم آئے گا اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ آواز شجرہ میں سے نہیں نکلی تھی بعینہ صورت حق تھی کیونکہ حق تعالیٰ صوت سے پاک ہیں اور یقیناً موسیٰ علیہ السلام کو صوت ہی مسموع ہوئی تھی جو سمت خاص اور مکان خاص کے ساتھ مقید تھی تو اس کو حق تعالیٰ نے وادی ایمن اور بقعہ مبارکہ اور من الشجرۃ کے ساتھ مقید کیا ہے ورنہ کلام حق بعینہ ہوتا تو ان قیود سے مقید نہ ہوتا پس ماننا پڑے گا کہ وہ آواز تو شجرہ ہی کی تھی اور اسی میں سے نکلی تھی مگر حق تعالیٰ کی طرف سے



متکلم تھا خود متکلم نہ تھا جیسے قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا ہے فَإِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ کہ جب ہم قرآن پڑھا کریں تو آپ قرأت کا اتباع کیا کیجئے یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی صوت کو سنتے تھے اور اللہ تعالیٰ صوت سے منزہ ہیں پھر اذ اقراناہ کا کیا مطلب ہے یہی کہا جاتا ہے کہ یہاں قرأت جبریل کو قرأت حق کہا گیا ہے کیونکہ وہ بحکم حق قرأت کرتے تھے ایسے ہی یہاں بھی قول شجر کو قول حق کہا جاتا ہے کیونکہ اس نے جو کچھ کہا تھا بحکم حق کہا تھا پس یوں ہی منصور کے انا الحق کو اللہ تعالیٰ کا قول کہنا چاہئے کیونکہ غلبہ حال میں کلام حق ان کی زبان سے نکلتا تھا وہ بھی متکلم بحکم حق تھے، خود متکلم نہ تھے چنانچہ ایک بزرگ کے واقعہ سے اس کی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ ایک بزرگ نے حق تعالیٰ سے سوال کیا کہ منصور نے بھی اپنے کو خدا کہا تھا اور فرعون نے بھی وہ تو مقبول ہو گئے اور یہ مردود ہو گیا اس کی کیا وجہ جواب ارشاد ہوا کہ منصور نے اپنے کو مٹا کر انا الحق کہا تھا اور فرعون نے ہم کو مٹا کر اَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلٰی (میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں) کہا تھا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ منصور نے جو کچھ کہا تھا خود نہ کہا تھا کیونکہ وہ خودی کو مٹا چکے تھے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گفت فرعون نے انا الحق گشت پست      گفت منصور ے انا الحق گشت مست

لعنت اللہ آں انار ا در جفا      رحمت اللہ ایں انار ا در وفا

(فرعون نے انا الحق کہا رسوا اور ذلیل ہوا، حضرت منصور نے انا الحق کہا مقبول

ہو گئے، راہ جفا میں انا کہنا اللہ کی لعنت کے موجب بننے کا سبب ہے اور راہ وفا میں انا

کہنا اللہ کی رحمت کا سبب ہے) (المودة الرحمانیہ ج ۱۳)

## کشف اور جانور

جو شخص اپنے نفس کے ساتھ اس حیثیت سے محبت کرتا ہے کہ وہ اللہ کی امانت ہے اس

کی چیز ہے تو اس کے سب کام اللہ کے لئے ہوتے ہیں اپنے لئے کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس

لئے اپنے نفس کے ساتھ اس کا محبت کرنا عین محبت حق ہے، (المودة الرحمانیہ ج ۱۳)

## اجابت کا مروجہ مفہوم

آج کل جس چیز کو اجابت سمجھا جاتا ہے اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے ایک بزرگ نے

عاقبت بخیر و سلامتی ایمان کی تفسیر کی تھی۔ پانی پت میں مولوی غوث علی صاحب ایک درویش تھے۔ بڑے ظریف تھے ان کے سامنے کسی نے کسی کو یہ دعا دی کہ عاقبت بخیر ہو ایمان کی سلامتی۔ مولوی صاحب نے کہا جانتے بھی ہو عاقبت بخیر و سلامت ایمان کا کیا مطلب ہے اس نے کہا جی یہی کہ انجام بخیر ہو اور ایمان سلامت رہے۔ فرمایا یہ تو ظاہری مطلب ہے اُس نے کہا حضرت پھر دوسرا مطلب آپ بیان کر دیجئے۔ فرمایا ایمان کی سلامتی یہ ہے کہ دونوں وقت کھانے کو روٹی ملتی رہے اور عاقبت بخیر یہ ہے کہ دونوں وقت اجابت آسانی سے ہو جائے۔ مطلب یہ تھا کہ تم جیسوں کے لئے تو یہی خیر اور سلامتی ہے ایسے ہی عام لوگ اجابت دعا کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جو ہم نے مانگا ہے وہ مل جائے۔

كما ورد في الحديث ان وفد بني تميم قدموا على النبي صلى الله عليه وسلم فقال لهم يا بني تميم اقبلوا البشرى فقالوا ابشرتنا فاعطنا ثم جاءه وفد الاشعر بين فيما احسب قال يا معشر الاشعر بين اقبلوا البشرى اذردة بنو تميم فقالوا البشرنا يا رسول الله (۱۲) (الصحيح للبخاری 4: 135، سنن الترمذی 3161)

حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بنی تمیم کا وفد حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے بنی تمیم بشارت کو قبول کرو انہوں نے عرض کیا کہ آپ بشارت دینے کی بجائے ہم کو کچھ عطا کیجئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعر بنین حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اشعر تم بشارت کو قبول کرو اس لیے کہ بنی تمیم نے اسکو رد کر دیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے بشارت کو قبول کیا۔ اہل اللہ کا دعا سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ جو مانگا ہے وہ مل جائے اسی واسطے ظہور اثر دعا میں تاخیر ہونے سے وہ پریشان نہیں ہوتے کیونکہ ان کا مقصود تو خود دعا ہی ہے بلکہ بعض دفعہ وہ اس کی تمنا کیا کرتے ہیں کہ ابھی دعا کا اثر ظاہر نہ ہو ورنہ پھر کس بہانہ سے مانگا کریں گے اور کس بہانہ سے باتیں کریں گے۔

جیسے ایک مریض طبیب پر عاشق ہو گیا تھا تو وہ اپنے لئے طول مرض کی دعا کرتا تھا تاکہ اس بہانہ ہی سے محبوب کی زیارت ہوتی رہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## حقیقی اجابت

حقیقی اجابت یہی ہے حق تعالیٰ ان کو اس دعائے مرضی کا مظہر بنا دے جس کو مولانا فرماتے ہیں۔ جیسا اوپر مذکور ہوا۔

چوں خدا از خود سوال و گد کند پس دعائے خویشتن چوں رد کند  
حق تعالیٰ شانہ جب سوال کرنے کی خود فرمائش کرتے ہیں تو اپنی طلب و دعا کی  
فرمائش کو کب رد کریں گے۔

ما چو چنگیم و تو زخمہ می زنی زاری ازمانے تو زاری میکنی  
اے اللہ ہماری مثال چنگ کی سی ہے اور آپ گویا مضراب مار رہے ہیں تو اس بناء پر  
ہم گریہ و زاری کریں وہ بھی حقیقتہً ہماری طرف سے نہیں ہے۔

اسی لئے ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ اوروں کی مظہریت تکوینی ہے (کہ ان کے وجود سے صرف  
تکوین حق کا ظہور ہوتا ہے) اور اہل اللہ کی مظہریت تشریعی بھی ہے کہ ان کے وجود سے احکام شرعیہ  
کا ظہور ہوتا ہے یعنی ان سے انہی اعمال کا ظہور ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کو پسند ہوتے ہیں غرض ارادہ کا  
فنا نہ کرنا اور اپنے لئے کچھ تجویز کرنا یہی غلطی ہے۔ ارضاء خلق اسی کا شعبہ ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## احناف کا عمل بالحدیث

مدعیان عمل بالحدیث کا یہ اعتراض کہ تمہارے سامنے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔ اور تم  
اُس کو نہیں مانتے محض اس وجہ سے کہ تمہارے امام کا قول اس کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا  
ہے۔ کہ تم کو تقلید حدیث مقصود بالذات نہیں بلکہ تقلید قول امام مقصود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ  
جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا ہے اس میں احادیث مختلف ہوتی ہیں۔ جس حدیث کو تم ہمارے  
سامنے پیش کرتے ہو ہمارا عمل اگر اس پر نہیں تو اس مسئلہ میں دوسری حدیث پر ہمارا عمل ہے اور تم  
اس حدیث کو نہیں مانتے جس کو ہم مانتے ہیں پھر ہمارے ہی اوپر کیا الزام ہے تم پر بھی تو الزام ہے۔  
رہا تمہارا یہ کہنا کہ ہماری حدیث رائج ہے تمہاری مرجوح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ  
طریق ترجیح کا مدار ذوق پر ہے تمہارے ذوق میں ایک حدیث رائج ہے اور امام ابوحنیفہ کے  
ذوق میں دوسری رائج ہے اور ہمارے نزدیک امام کا ذوق تمہارے ذوق سے اسلم و رائج ہے پھر  
تمہارا اپنے آپ کو عامل بالحدیث کہنا اور مقلدین کو عامل بالحدیث نہ کہنا محض ہٹ دھرمی ہے۔

اسی کو میں دوسرے عنوان سے کہتا ہوں کہ عمل بالحدیث کے معنی آیا۔

عمل بکل الاحادیث ہے یا عمل ببعض الاحادیث؟

اگر کہو عمل بکل الاحادیث مراد ہے سو یہ تو تم بھی نہیں کرتے اور یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ آثار مختلفہ واحادیث متعارضہ میں سب احادیث پر عمل نہیں ہو سکتا یقیناً بعض پر عمل ہوگا۔ اور بعض کا ترک ہوگا اور اگر عمل ببعض الاحادیث مراد ہے تو اس معنی کے ہم بھی عامل بالحدیث ہیں پھر تم اپنے ہی کو عامل بالحدیث کہہ رہے ہو۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## ضرورت تقلید

مسائل منصوصہ تو بہت کم ہیں زیادہ مسائل اجتہادیہ ہیں اور ان میں مدعیان عمل بالحدیث بھی حنفیہ کی کتابوں سے فتوے دیتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ (یا اور کسی امام کے قول کو لیتے ہیں) تو زیادہ مسائل میں آپ بھی مقلد ہوئے تو یہ کیا بات کہ تقلید کرنا تو حرام نہیں صرف تقلید کا نام لینا ہی ناجائز اور شرک ہے اور اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ وہ تمام مسائل میں احادیث منصوصہ پر ہی عمل کرتا اور فتوے دیتا ہے تو وہ ہم کو اجازت دیں کہ معاملات و عقود و فسوخ و شفیعہ و رہن وغیرہ کے چند سوالات ہم ان سے کریں اور ان کا جواب وہ ہم کو احادیث منصوصہ صریحہ صحیحہ سے دیں قیامت آجائے گی اور احادیث سے وہ کبھی جواب نہ دے سکیں گے۔ اب یا تو وہ کسی امام کے قول سے جواب دیں گے یہ تو تقلید ہوئی یا یہ کہیں گے کہ شریعت میں ان مسائل کا کوئی حکم نہیں یہ الیوم اکملت لکم دینکم (آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا) کے خلاف ہوگا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## جواز قیاس

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دین کو کامل کر دیا گیا تو چاہئے کوئی صورت ایسی نہ ہو جس کا حکم شریعت میں نہ ہو اور ظاہر ہے کہ احکام منصوصہ بہت کم ہیں تو اب تکمیل دین کی صورت بجز اس کے کیا قیاس و استنباط کی اجازت ہو کہ انہی مسائل منصوصہ پر غیر منصوصہ کو قیاس کر کے ان کا حکم معلوم کریں یہاں سے ان مدعیان عمل بالاحادیث کی غلطی بھی ظاہر ہو گئی جو قیاس و استنباط کو مطلقاً رد کرتے ہیں۔ اور بعض احادیث میں جو



قیاس کی مذمت ہے وہ وہ قیاس ہے جو اصول شریعت کے خلاف ہو یعنی جس کی اصل نص میں موجود نہ ہو بلکہ اس کا بنی محض اپنی رائے ہو اور جس قیاس کی اصل نص میں موجود ہو اس کی مذمت ہرگز نہیں ورنہ دین کا نقص لازم آئے گا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## تقلید میں غلو

میرا مقصود دراصل مقلدین کو ان کی اس غلطی پر متنبہ کرنا ہے کہ ان میں سے بعض کو تقلید میں ایسا غلو ہوتا ہے کہ آیات و احادیث کو بے دھڑک یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ ہم ان کو نہیں جانتے ہم تو اپنے امام کے قول کو جانتے ہیں یہ طرز نہایت خطرناک اور شنیع ہے اور قرآن میں اس پر سخت وعید وارد ہے گویا یہ لوگ اس آیت کا مصداق ہیں۔

وَ اِذَا تُلِيْ عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا الْمُنْكَرَ  
يَكَاذِبُوْنَ يَسْتُطُوْنَ بِالَّذِیْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰیٰتِنَا ط

ترجمہ: اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں آپ کافروں کے چہروں میں تغیر محسوس کرینگے قریب ہے کہ وہ لوگ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## عہد صحابہ میں جمع قرآن کا مسئلہ

جمع قرآن کے لئے جب حضرت عمرؓ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ دیا تو حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ میں ایسا کام کیونکر کر سکتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے کوئی دلیل بیان نہیں کی صرف بار بار یوں کہتے رہے کہ واللہ انہ لخیر بخدا یہ کام اچھا ہے۔ چنانچہ اس کے تکرار ہی سے حضرت صدیق اکبر کو شرح صدر ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور ان کو جمع قرآن کا حکم دیا انہوں نے بھی وہی شبہ کیا جو حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے کیا تھا مگر حضرت صدیقؓ نے بھی زید بن ثابتؓ کے سامنے کوئی دلیل بیان نہیں کی وہ بھی بار بار یہ کہتے رہے کہ یہ کام اچھا ہے۔ اس کے تکرار ہی سے حضرت زید بن ثابتؓ کو شرح صدر ہو گیا۔ اور انہوں نے جمع قرآن کا کام شروع کر دیا۔ اسی

طرح قتال مرتدین کے بارے میں جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے جازم ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

امرت ان اقاتل الناس حتی يقولوا لا اِلهَ اِلاَّ الله فَمَنْ قالها فقد عصم منی ما به و دمہ او کما قال (السنن الکبری للبیہقی 100:6، مجمع

الزوائد 4:172، کنز العمال:397 بدون لفظ: ألا)

مجھ کو لوگوں سے قتال کا امر کیا گیا ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں۔ جب اس کا اقرار کر لیں تو ان کے نفس و اموال محفوظ ہو جائیں گے۔ اور ان مرتدین میں ایک جماعت وہ ہے جو توحید و رسالت کی مصدق ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتی ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتی ہے صرف فرضیت زکوٰۃ میں تاویل کرتی ہے تو اس سے آپ کیونکر قتال کریں گے۔ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ نہیں کیا کہ حضرت عمرؓ کی دلیل کا جواب بیان کریں۔ بلکہ یہ فرمایا۔

والله لو منعونی عناقا او عقالا کانوا یؤدونہا الی رسول الله صلی

الله علیہ وسلم لا قاتلنہم علیہ۔ (الدر المنثور 2:255، الترغیب

والترہیب 2:557)

بخدا اگر یہ لوگ ایک بکری کا بچہ یا ایک رسی بھی روکیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے جہاد کروں گا۔ بس اسی سے حضرت عمرؓ پر حق واضح ہو گیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

فوالله ما رأیت الا ان الله قد شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت

انہ الحق (الدر المنثور 2:255، الترغیب والترہیب 2:557)

## اختلافی صورت میں طریقہ کار

میرے ایک دوست نے خوب کہا ہے کہ جب علماء کسی فعل کے جواز و عدم جواز میں اختلاف کرتے ہیں اور کوئی اُسے واجب و ضروری نہ کہے تو اسے ترک کر دینا چاہئے۔ واقعی ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کیونکہ جس بات کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہو اس کو کرتے ہوئے دل میں کھٹک ضرور ہوگی اور جس بات میں کھٹک ہو وہ حدیث کی رو سے گناہ کا فرد ہے (ارضاء الحق ج ۱۵)

اب جن لوگوں کی دعا قبول ہو جاتی ہے وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور جن لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی وہ سخت نالاں رہتے ہیں۔ حالانکہ نہ قبولیت دعا مقبول ہونے کی علامت ہے نہ عدم قبولیت مردود ہونے کی علامت ہے۔ (طریق القلب ج ۱۵)

## حق تعالیٰ کے ساتھ محبت طبعی

حق تعالیٰ کے مدرک بالحواس اور مدرک بالکلمہ نہ ہونے اور ان کی نظیر اور مثل نہ ہونے پر اس حکم کا متفرع کرنا تو صحیح ہے کہ ان کا ادراک نام نہیں ہو سکتا۔ مگر بعض نے غلطی کی ہے کہ اس پر یہ حکم بھی متفرع کیا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ محبت طبعی بھی نہیں ہو سکتی اور دلیل میں یہ کہا ہے کہ محبت طبعی یا تو دیکھنے سے ہوتی ہے یا آواز سننے سے۔ چنانچہ اندھوں کو آواز سن کر عشق ہو جاتا ہے وہ صورت کہاں دیکھتے ہیں اس لئے محض مشاہدہ صورت تو مدار عشق نہیں ہے بلکہ آواز بھی اس کا منشاء ہو سکتی ہے۔ رئیس العاشقین مولانا جامی فرماتے ہیں۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیس دولت از گفتار خیزد

عشق تنہا دیدار سے ہی نہیں پیدا ہوتا بہت دفعہ یہ دولت گفتگو سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور حق تعالیٰ کا نہ مشاہدہ ہو سکتا ہے اور نہ عادت حق تعالیٰ سے کلام ہو سکتا ہے اور اگر خرق عادات کے طور پر کسی کو ہو بھی۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا ہے مگر وہ صورت سے منزہ ہے تو پھر وہ بھی جب کہ اس کو بلا واسطہ کلام الہی مانا جائے بواسطہ مثال کے نہ مانا جائے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو کلام ہوا وہ بواسطہ مثال کے تھا۔ کیونکہ وہ کلام مسموع تھا۔ اور کلام مسموع میں ترکیب بھی ہوگی الفاظ بھی ہوں گے۔ آواز بھی ہوگی۔ اور یہ امور مثال میں ہو سکتے ہیں نہ کہ اصل کلام الہی میں کیونکہ صوفیہ کا اجماع ہے۔ اور یہی متکلمین کا بھی مذہب ہے۔ کہ

قول اور لحن نے آواز نے اس کی بات کو آواز اور لحن نہیں

حق تعالیٰ کا کلام لحن اور آواز سے مبرا ہے اور دنیا میں بدوں لحن و آواز کے ہم کلام کو نہ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں تو اس اعتبار سے کلام بھی مثل رؤیت کے ہے کہ دنیا میں حق تعالیٰ سے کلام بھی بلا واسطہ مثال کے نہیں ہو سکتا۔ اور شاید یہی مراد ہے حجاب سے اس آیت میں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ

ترجمہ: کسی بشر کی یہ مجال نہیں کہ حق تعالیٰ اُس سے (دنیا میں) کلام کریں مگر وحی سے یا حجاب کے پیچھے سے (۱۲)

ہاں! مثال کے واسطے سے رویت بھی ہو سکتی ہے اور کلام بھی ہو سکتا ہے۔ یہ شبہ نہ ہو کہ پہلے تو حق تعالیٰ کی نظیر کی تم نے نفی کی ہے اور یہاں مثال کو جائز کہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہاں نظیر سے مراد مثل ہے جو متحد فی النوع ہوتی ہے اور اس سے حق تعالیٰ منزہ ہے اور مثال مشارک فی الوصف ہوا کرتی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ کے لئے مثل یعنی مشارک فی النوع تو کوئی نہیں ہاں مثال مشارک فی الوصف جائز ہے۔ پس بعض متکشفین کہتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کی نہ رویت ہو سکتی ہے نہ ان کا کلام بالا واسطہ مثال کے مسموع ہو سکتا ہے تو حق تعالیٰ کے ساتھ محبت طبعی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ محبت طبعی کا سبب رویت صورت یا سماع صورت ہی ہوا کرتا ہے یہ دلیل اپنی جزامت و پختگی میں بظاہر قوی معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں محض لاشع ہے۔

امام غزالیؒ نے اس کا خوب رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ محبت طبعیہ کا سبب ان اسباب میں منحصر نہیں ہے اور اس کی خوب مثال دی ہے کہ ہر مومن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت طبعیہ ایسی ہے کہ بیوی بچوں اور ماں باپ وغیرہ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کرنے کو تیار ہے حالانکہ نہ اس وقت کے مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت دیکھی ہے۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی ہے اسی طرح بزرگوں کے سلسلہ سے ہم کو محبت ہے۔ جن کو ہم نے دیکھا بھی نہیں۔ (مثلاً حضرت فاطمہ زہرا اور امام حسین رضی اللہ عنہما اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت مسلمانوں کو طبعی محبت ہے)۔

نیز مقلدوں کو ائمہ مجتہدین سے طبعی محبت ہے۔ چنانچہ مقلدوں اور غیر مقلدوں سے جو جھگڑا ہوتا ہے وہ اس کی دلیل ظاہر ہے کہ ذرا سی گستاخی پر مقلدوں کو جوش آجاتا ہے۔ اور آپ سے باہر ہو جاتے ہیں اور یہ اثر محبت طبعی کا ہے محبت عقلی کا نہیں کیونکہ محبت عقلی استدلال سے ہوتی ہے اور استدلال سے جوش نہیں ہوا کرتا بہر حال محبت طبعی بدوں ان دو کے بھی ہو سکتی ہے تو معلوم ہوا کہ اس کا ایک اور سبب بھی ہے جس کا نام ہے مناسبت اور مناسبت ہی مدار محبت طبعیہ ہے۔ سو حق تعالیٰ سے زیادہ بندہ کو کسی سے بھی مناسبت نہیں۔ پس محبت طبعی بھی خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ (الوصل والفصل ج ۱۵)



## محبت غیر حق

بلکہ محققین نے تو دعویٰ کیا ہے کہ غیر خدا سے محبت ہو ہی نہیں سکتی اور جس کو غیر سے بظاہر محبت ہے وہ بھی حقیقت میں خدا تعالیٰ ہی سے محبت ہے۔ باقی اس پر جو مواخذہ ہے وہ بوجہ نیت کے ہے کیونکہ اس کو تو یہ خبر نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کر رہا ہوں۔ یہ تو نیت غیر ہی کی کر رہا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ مواخذہ جب ہوتا ہے نیت ہی پر ہوتا ہے اور جہاں بظاہر عمل پر مواخذہ ہے وہ بھی حقیقت میں نیت ہی پر ہے۔ (الوصل والفصل ج ۱۵)

## مجاہدہ سے متعلق ایک شبہ کا ازالہ

مجاہدہ سے لوازم بشریت اور امور طبعیہ زائل نہیں ہوا کرتے۔ اس میں بعض لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مجاہدہ سے لوازم بشریت و تقاضائے طبعی مسلوب ہو جاتے ہیں، پھر بعد اعتدال و تمکین کے جب ان آثار کا عود ہوتا ہے تو پریشان ہوتا ہے کہ ہائے میری ساری محنت برباد اور میرا سارا مجاہدہ ضائع گیا۔ حالانکہ یہ اعتقاد غلط ہے۔ مجاہدہ سے امور طبعیہ مسلوب نہیں ہوتے بلکہ جوش مجاہدہ سے صرف مغلوب ہو جاتے ہیں پھر بعد اعتدال کے جب ہنڈیا پک جاتی ہے تو وہ جوش نہیں رہتا بلکہ سکون ہو جاتا ہے۔ (فناء النفوس ج ۱۵)

## گھی مرغوب شے نہیں

جب میں ڈھا کہ گیا تو وہاں کھانے میں گھی بہت ہوتا تھا۔ میں نے منع کیا کہ (اتنا گھی مت ڈالا کرو، میں اتنا گھی نہیں کھا سکتا) تو نواب صاحب کے ایک عزیز کہنے لگے کہ ہم تو آپ کی وجہ سے گھی بہت کم ڈالتے ہیں ورنہ ہمارے یہاں تو سیر بھر گوشت میں سیر بھر گھی ڈالا جاتا ہے۔ میں نے کہا ہمارے یہاں تو اتنا گھی جانوروں کو دیا کرتے ہیں۔ جب بیل منزل چل کر آتے ہیں تو آدھ سیر یا سیر بھر گھی نال میں بھر کر ان کو پلایا جاتا ہے۔ آدمی تو اتنا گھی کبھی نہیں کھاتے اور قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گھی انسانوں کے لئے کوئی زیادہ مرغوب شے نہیں۔ کہنے لگے صاحب! قرآن سے کیونکر معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا کہ حق تعالیٰ نے جنت کے اندر نہریں بتلائی ہیں ایک پانی کی، ایک دودھ کی ایک شراب کی، ایک شہد کی اگر

گھی مرغوب شے ہوتا تو جنت میں ایک نہر گھی کی بھی ضرور ہوتی ہے۔ مگر گھی کی نہر کوئی بھی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی مرغوب شے نہیں۔ (فتاۃ النفوس ج ۱۵)

## تصرف بلا واسطہ

تفویض کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر تصرف پر راضی رہنا چاہئے تو پھر گناہ پر راضی رہنا چاہئے کیونکہ وہ بھی تصرف حق ہی ہے اس شبہ کو رفع کرتے ہیں کہ خبردار گناہ مت کرنا ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها کہ زمین میں فساد نہ کرنا بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ گناہ موجب فساد ہے اور ہم نے فساد کو نبوت اور تشریع احکام کے ذریعہ سے ممنوع قرار دیا ہے پس اب تم اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔ اور گو گناہ بھی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے کیونکہ خالق خیر و شر وہی ہے مگر یہ تصرف بلا واسطہ حق تعالیٰ کا تصرف نہیں بلکہ اس کے اندر تم واسطہ ہو کیونکہ بندہ کا سب افعال ہے اور واسطہ مذموم ہے اور گناہ میں بندہ کے واسطہ ہونے پر لا تفسدوا میں خطاب کے صیغہ سے بھی دلالت ہو رہی ہے خلاصہ تعلیم کا یہ ہوا کہ تفویض کے معنی یہ ہیں کہ جو تصرف حق تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ ہو اُس پر راضی رہو، اور جو تصرف ایسا ہو جس میں تمہارے فعل قبیح کا واسطہ ہو اُس پر راضی ہونا بایں معنی کہ گناہوں پر جرأت کرنے لگو اور اُن سے بچنے کا اہتمام نہ کرو۔ تفویض نہیں۔

اب یہ شبہ بھی رفع ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ گناہ پر راضی ہونا تفویض نہیں۔ اب گناہ سے منع کرنے کے بعد طاعات کا امر فرماتے ہیں وادعوه خوفا وطمعا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ خوف و رجاء کے ساتھ یعنی عبادت کر کے نہ تو ناز ہو نہ مایوس ہو۔ ناز تو جب ہوتا ہے کہ اپنی عبادت کو کامل سمجھے اور مایوسی جب ہوتی ہے کہ اپنی عبادت کو بالکل ہی بے کار سمجھے۔ حاصل تعلیم کا یہ ہوا کہ نہ تو عبادت کو ایسا کامل سمجھو کہ ناز کرنے لگو نہ ایسا ناقص سمجھو کہ بیکار سمجھنے لگو اس میں بتلادیا گیا کہ تفویض کا مقتضی یہ ہے کہ عبادت میں لگو اور گناہوں سے بچو کیونکہ تفویض کا منشاء ادائے حق الوہیت ہے اور اظہار عبدیت اب تم خود سمجھ لو کہ اس کا مقتضایہ ہو سکتا ہے کہ خدا کی نافرمانی کرو یا یہ ہو سکتا ہے کہ اُس کی عبادت میں مشغول ہو یقیناً ہر عاقل یہی کہے گا کہ عبدیت کا مقتضا اطاعت ہے نہ کہ معصیت آگے اطاعت کی مزید ترغیب ہے۔ ان رحمۃ اللہ قریب من الحسنین کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بلاشبہ نیک کاروں سے قریب ہے۔ پس تم کو احسان کی کوشش کرنا چاہئے تاکہ رحمت تم سے قریب ہو۔ (التعرف بالتصرف ج ۱۵)

## شرط احسان

بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ احسان یعنی اخلاص یہ ہے کہ عبادت و خوف ورجا کے ساتھ نہ ہو بلکہ محض رضا کے لئے ہو اس کے بعد یہ لوگ ڈینگے ہانکتے ہیں کہ ہم کو جنت کی کیا پرواہ ہے دوزخ کی کیا پرواہ ہے یہ سخت بے ادبی ہے اور ان کا یہ دعویٰ خود اس آیت سے رد ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں خوف و طمع کے ساتھ عبادت کا حکم فرمایا ہے اور اس پر احسان کو متفرع کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احسان یہی ہے کہ عبادت خوف و طمع کے ساتھ ہو۔ خوف و طمع احسان کے منافی نہیں۔ بس اخلاص کے لئے شرط یہ ہے کہ عمل میں دنیا کی کوئی غرض نہ ہو۔ یہ شرط نہیں کہ خوف و طمع اخروی بھی نہ ہو جب اصل دعویٰ ہی غلط ہے تو اس پر جو باتیں متفرع ہیں کہ جنت سے لا پرواہی اور دوزخ سے عدم مبالغہات ظاہر کی جاتی ہے ان کا گستاخی ہونا ظاہر ہے مگر یہ سب باتیں میں غالین کے بارہ میں کہہ رہا ہوں۔ غالین یعنی حالین کے بارہ میں نہیں کہہ رہا جو مغلوب الحال ہیں وہ حضرات مستثنیٰ ہیں اگر جنت سے لا پرواہی یا دوزخ سے عدم مبالغہات ان کے کلام میں نظر سے گزرے تو ان پر اعتراض نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ حضرات باطن میں سب سے بڑھ کر باادب ہیں گو ظاہر میں بے ادب معلوم ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں اہل سکر کے بارہ میں جن کی زبان سے خلاف ادب باتیں نکل جاتی ہیں کہ

بے ادب تر نیست زو کس در جہاں      با ادب تر نیست زو کس در نہاں  
اور اہل صحو کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں جو باوجود صحو کے ایسی بے تمیزی کی باتیں بناتے ہیں۔

از خدا جو کیم توفیق ادب	بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را درشت بد	بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق	باشد او درجہ حیرت غریق
از ادب پر نور گشت ست ایں فلک	وز ادب معصوم و پاک آمد ملک
بد ز گستاخی کسوف آفتاب	شد عزازیلے زجر آت روبات
ایک جگہ فرماتے ہیں۔	

ظالم آل قوے کہ پشمان دوختند	از سخن با عالمے را سوختند
-----------------------------	---------------------------

بھلا جو شخص ایک ادنیٰ مخلوق سے بھی صبر نہ کر سکے۔ بیوی بچوں سے بھی صبر نہ کر سکے اس کا کیا منہ ہے جو جنت سے لاپرواہی ظاہر کرے۔ مولانا فرماتے ہیں۔  
 ایک صبرت نیست از فرزند وزن      صبر چوں داری زرب ذوالمنن ہے  
 ایک صبرت نیست از دنیائے دوں      صبر چوں داری ز نعم الما جدون ۱  
 بحمد اللہ اب سب شہادت مرفوع ہو گئے جس کے بعد مضمون الالہ الخلق والامر یعنی مضمون تفویض مکمل ہو گیا۔ (التعرف بالتصرف ج ۱۵)

## سلف کی خوبی

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ ایک لڑکا تیزی کے ساتھ چلا جا رہا تھا امام صاحبؒ نے فرمایا کہ صاحبزادہ سنبھل کر چلو گر پڑو گے۔ وہ لڑکا بولا کہ آپ سنبھل کر چلیں۔ اس لئے کہ آپ کے سنبھلنے سے عالم سنبھل جائے گا اور آپ کے بگڑنے سے عالم بگڑ جائے گا۔ اور میرے گرنے تو صرف مجھ ہی پر اثر ہوگا۔ امام صاحبؒ بچہ سے یہ بات سن کر بہت متاثر ہوئے اُن حضرات میں یہ خوبی تھی کہ  
 لا تنظر الی من قال وانظر الی ما قال پر پورا عمل تھا۔ یعنی وہ حضرات قائل کو نہیں دیکھتے تھے۔ بات کو دیکھتے تھے۔ کہ کس درجہ کی ہے۔

یہاں یہ کیفیت ہے کہ چھوٹوں کی بات پر تو کیا ہی عمل کرتے۔ چھوٹوں کی باتوں کو تو کان لگا کر سنتے بھی نہیں۔ بلکہ بڑوں کی باتوں کو بھی نہیں سنتے اور بڑوں کے ارشاد پر بھی عمل نہیں کرتے۔ ایک مولوی صاحب مفتی تھے۔ فرماتے تھے کہ میرے پاس جب کوئی فتویٰ بغرض تصحیح آتا ہے تو میرا جی دستخط کرنے کو نہیں چاہتا۔ بلکہ حتی الوسع اسی کی سعی رہتی ہے کہ مخالفت کروں۔ ہمارا یہ مذاق ہو گیا ہے اللہ اکبر کہ حق کی موافقت سے بھی عار ہے۔

اب تو مرید بھی پیروں پر رد و قدح کرنے لگے۔ حالانکہ یہ فرقہ سب سے زیادہ فانی اور مودب تھا۔ مگر اب تو وہ بھی یوں چاہتے ہیں کہ ہماری ہی بات غالب رہے۔ چنانچہ شیخ اگر کسی بات پر تنبیہ کرے اولاً تو اپنی خطا کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیتے ہیں تو صاف اقرار غلطی کا نہیں کرتے۔ بلکہ منشا اشتباہ کو ایسے انداز سے بیان کرتے ہیں جس سے



غلطی میں بعد نہ رہے اور سبکی نہ ہو۔ افسوس آج کل یہ کیسا مادہ پیدا ہو گیا ہے کہ اپنی بات بنانے اور اپنے پہلو کو اونچا رکھنے کا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں لکھا ہے۔  
وَكَانَ وَقَافًا عِنْدَ كِتَابِ اللَّهِ يَعْنِي كَيْسِي أَيْسَى تَحْقِيقَ كَيْسَى عِنْدَ جَسْمِ  
آپ کے قول کا نص سے تعارض بھی نہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی شخص کتاب اللہ کی آیت پڑھ دیتا تو آپ ادب سے فوراً سکوت فرما لیتے تھے۔ (اعاۃ النافع ج ۱۵)

## قرب علمی

حق تعالیٰ جو بندہ کے قریب ہیں۔ اس قرب سے قرب علم یا رضا مراد ہے۔ قرب حسی مراد نہیں۔ اس لئے کہ قرب حسی جانبین سے ہوتا ہے کیونکہ ایک شے جب کسی شے سے حشا قریب ہوگی تو لا محالہ وہ شے بھی اس سے قریب ہوگی اور آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب جانبین سے نہیں ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ہم اس کی طرف شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) یہاں اَنْتُمْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ نہیں فرمایا نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ (تم اس کی طرف زیادہ نزدیک ہو) فرمایا یعنی ہم بہت قریب ہیں تو معلوم ہوا کہ قرب خدا کی طرف سے ہے۔ ہماری طرف سے نہیں پس یہاں اس قرب سے قرب علمی مراد ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے جی میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)

اس آیت میں نَعْلَمُ پر قرب کو مرتب فرمایا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قرب سے مراد قرب علمی ہے یعنی جیسا خدا کو علم ہے بندہ کا بندہ کو اُس کا ذرہ بھر بھی نہیں۔ باقی حقیقت کے اعتبار سے حق تعالیٰ کو بندہ سے بہت بعد ہے وہ وراء الوراۃ ثم وراء الوراۃ ہے۔ بندہ کو اُس سے کیا نسبت یہ تو اس کا تصور صحیح بھی نہیں کر سکتا۔

كُلُّ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَهُوَ هَالِكٌ وَاللَّهُ اعَزُّوْا عَلٰی مِنْ ذٰلِكَ  
(ہر وہ چیز جو تمہارے دل میں گزرتی ہے وہ فانی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے برتر و اعلیٰ ہے)

اے برادر بے نہایت درگہ است ہر چہ بروے میری بروے مالیت  
(اے بھائی بے نہایت درگاہ ہے جس درجہ پر پہنچو اس پر مت ٹھہرو اس سے  
آگے بڑھنے کی کوشش کرو) (اعانة النافع ج ۱۵)

امام غزالی نے لکھا ہے کہ جہنم میں مکث طویل کا ادنیٰ درجہ سات ہزار برس ہیں۔ حضرت  
جہنم کے اندر تو سات دن بھی کوئی عذاب کا تحمل نہیں کر سکتا۔ مگر میں مسلمانوں کو بشارت دیتا  
ہوں کہ ان کو عذاب جہنم کا احساس کفار سے بہت کم ہوگا۔ جس کی حقیقت مسلم کی ایک حدیث  
میں ان لفظوں سے بیان کی گئی ہے۔ اَمَاتَةُ اللَّهِ فِيهَا اَمَاتَةٌ کہ حق تعالیٰ ان کو جہنم میں ایک قسم کی  
موت دیدیں گے۔ حدیث میں تو اتنا ہی ہے۔ شیخ ابن عربی نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ  
مومنین کو جہنم میں ایک مدت کے لئے ہلکی سی نیند آ جائے گی۔ حدیث النوم اخو الموت سے اس  
کی تائید بھی ہوتی ہے۔ نیز اس سے بھی کہ اَمَاتَةُ اللَّهِ فِيهَا اَمَاتَةٌ کا سیاق کلام بتلا رہا ہے کہ حقیقی  
موت تو مراد نہیں۔ ورنہ اَمَاتَةٌ بڑھانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ صرف اَمَاتَتُهُمْ کافی تھا یہ طرز کلام  
بتلا رہا ہے کہ خاص قسم کی مراد ہے جو موت کے مشابہ ہے حقیقی موت مراد نہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ  
شیخ عربی نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے کہ اس نیند کی حالت میں وہ یوں خواب دیکھے  
گا کہ میں جنت میں ہوں اور خود ان کے پاس ہوں۔ یہ بات کہنے کی تو نہ تھی کہیں مسلمان بے  
فکر نہ ہو جائیں۔ کہ بس جہنم میں جا کر مزے سے سوئیں گے! جی ہاں کبھی جاگو گے تو ہو ہی  
نہیں سکتا اگر تھوڑی دیر کو بھی جاگ گئے تو نانی یاد آ جائے گی۔ (افناء المحبوب ج ۱۵)

## مسئلہ انفاق سے متعلق وضاحت

حدیث میں ہے کہ جب نیا کپڑا پہنے تو پرانے کپڑے کو خیرات کر دے اور نیا جوتا  
پہنے تو پرانے کو اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ روئی مال صدقہ کیا جائے گا تو میں اس  
حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہوں کہ پرانے کپڑے اور جوتا کو اللہ کے نام پر ثواب کی نیت  
سے نہ دیا جائے۔ بلکہ اعانت غریب کی نیت سے صدقہ کیا جائے تم اعانت غریب کے سوا  
کچھ قصد نہ کرو۔ چاہے اللہ تعالیٰ تم کو ثواب بھی دیدیں خوب سمجھ لو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے  
کہ مراد اس سے وہ پرانا ہو جو ردی کے درجہ تک نہ پہنچا ہو۔ بہر حال تحصیل بر کے لئے  
احب الاشياء کا انفاق ضروری نہیں۔ (افناء المحبوب ج ۱۵)

## اہل اسلام سے شکوہ

میں بریلی ایک مرتبہ گیا تو صاحب جنٹ نے ملاقات کی رغبت ظاہر کی۔ میں اُن سے ملا۔ اول سوال اُنہوں نے یہ کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے کوئی تفسیر لکھی ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں لکھی ہے پوچھا کہ آپ کو اس میں کتنا روپیہ ملا۔ میں نے کہا کہ ایک بھی نہیں کہا کہ پھر آپ نے اتنا محنت کیوں کیا۔ میں نے کہا کہ ثواب آخرت کی نیت سے کہنے لگا کیا ابھی مسلمانوں میں ایسے خیال کے لوگ موجود ہیں۔ میں نے کہا کہ بہت کثرت سے۔

اس حکایت کے نقل کرنے سے میرا مقصود یہ ہے کہ اس متاع دنیا کے مقصود سمجھنے کی جڑ بتلا دوں۔ کہ یہ خیال مسلمانوں میں غیر مسلم قوموں سے آیا ہے۔ اور یہ لوگ اہل یورپ کی شاگردی کرتے ہیں۔ لیکن شاگردی بھی ناتمام ہے کیونکہ وہ لوگ تو مادہ پرست ہیں۔ صانع عالم کے قائل نہیں تو جو شخص نہ مبداء کا قائل ہو نہ معاد کا وہ تو اس خیال میں معذور ہے۔ اگرچہ اس میں وہ بھی معذور نہیں کہ مبداء و معاد کا باوجود قیام دلائل کے انکار کیا۔ مگر بعد انکار کے اس انکار کی فرع کا قائل ہونا۔ یعنی دنیا کو مقصود بالذات سمجھنا زیادہ عجیب نہیں۔ مگر مسلمان پر کیا آفت نازل ہوئی کہ باوجود قیامت کے قائل ہونے کے پھر بھی اگر کسی کام میں دنیا کا فائدہ یا دنیا میں فائدہ نہ ہو تو اس کو بے کار سمجھے اس لئے شاگردی بھی ناتمام شاگردی ہے۔ (قطع التمنی ج ۱۵)

## مرض سے گناہ معاف

حدیث شریف میں ہے کہ طاعون مومن کے لئے رحمت ہے کیونکہ اُس سے تطہیر ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر بیماری سے گناہ پاک ہوتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک آیا ہے کہ اگر کوئی چیز رکھ کر بھول جائے تو اتنی پریشانی سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں۔ غرض ہر چیز جو ہمارے اختیار سے خارج ہو وہ ہمارے لئے رحمت ہے۔ (قطع التمنی ج ۱۵)

## رزق میں برکت کے معنی

رزق میں برکت کے یہ معنی نہیں کہ کم چیز مقدار میں بڑھ جاتی ہے کہ بازار سے تو ایک من گےہوں لائے اور گھر پر آ کر دو من اترے ممکن تو ایسا بھی ہے ایک صاحب خیر نے مجھ سے بیان

کیا کہ وہ مسجد بنواتے تھے اور ایک تھیلی میں روپیے رکھے تھے۔ اور کام شروع کیا جب ضرورت ہوتی اس میں سے ہی ہاتھ ڈال کر نکال لاتے یہاں تک کہ سب کام بن گیا۔ حساب جو لگایا تو جتنا روپیہ تھا اس سے کم نہیں ہوا تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے مگر ہمیشہ ضرور نہیں۔ بلکہ اس کے معنی اور ہیں اور وہی اکثر واقع ہیں اور وہ یہ کہ یہ مقدار قلیل جب تمہارے ہی صرف میں آئے بیماری میں خرچ نہ ہو اور ایسے ہی فضول خرچیوں میں مقدمات میں لا طائل تکلفات میں ضائع نہ جائے۔ جو کچھ آئے تمہاری ذات پر صرف ہو چاہے تھوڑا ہو اس سے بہتر ہے کہ زیادہ آئے اور تم پر خرچ نہ ہو اور آخر میں میں کہتا ہوں کہ نہ ہو برکت مگر خود اللہ میاں کی رضا ہی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اللہ میاں ملیں پھر کیا حقیقت ہے کسی چیز کی مال و دولت کے مقابلہ میں کیا اللہ میاں کی کچھ وقعت نہیں سمجھتے ہو۔ حضرات! اللہ میاں کی رضا وہ چیز ہے کہ جس کی نسبت ایک بزرگ کہتے ہیں۔

بمان اے آنکہ جز تو پاک نیست

دنیا کے حکام کی صرف خوشنودی کے واسطے کتنے کتنے سفر اور کیا کیا خرچ کرنا پڑتا ہے اور پھر ان کی خوشنودی دیر پا نہیں۔ ذرا سی بات پر بگڑ گئے اور اللہ میاں فرماتے ہیں کہ ہم شکور ہیں۔ خیال کیجئے اس لفظ کو۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)

## نکاح کی ترغیب

حدیث شریف میں ہے: یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانہا اغض للبصر و احسن للفرج۔

(الصحيح للبخاری ۷: ۳، الصحيح لمسلم کتاب النکاح ۱، ۲، سنن النسائی ۴: ۱۶۹)

(اے جوانوں کی جماعت تم میں سے جو مہر دے سکے اس کو نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ یہ پست نظری اور شرمگاہ کی حفاظت کا باعث ہے)

اور ترغیب نکاح سے محض کسر شہوت ہی مقصود نہیں بلکہ لذت بھی مراد ہے ورنہ کسر شہوت کی تو اور بھی صورتیں ہیں چنانچہ رہبانیت ہے۔ اختصاء ہے کا فور کھالینا ہے۔ بعض صحابہؓ نے اپنے اجتہاد سے یا راہوں کو دیکھ کر اختصاء کی اجازت چاہی تھی۔ تو حضورؐ نے نہایت سختی سے منع فرمایا۔ پھر شریعت میں عزل سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں شیع کامل



ولذت اکمل نہیں ہوتی۔ اگر نکاح سے محض کسر شہوت ہی مقصود ہوتی تو عزل پر انکار نہ کیا جاتا اور گو بعض نصوص سے ترغیب سے مقصود تو ابد ہے لیکن وہ خود موقوف ہے لذت پر تو مشروط کی ترغیب شرط کی ترغیب ہے۔ (تقلیل المنام بصورة القيام ج ۱۶)

### اسوہ حسنہ

احادیث میں اس طرح ہے کہ حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعض صحابہ نے حضورؐ کے معمولات پوچھے۔ انہوں نے ظاہر فرمایا جس کا حاصل یہ تھا کہ آپؐ رات کو کچھ دیر سوتے ہیں کچھ دیر جاگتے ہیں۔ کچھ دیر عبادت کرتے ہیں کچھ وقت بیبیوں کی باتوں میں صرف کر دیتے ہیں کبھی روزہ رکھتے ہیں کبھی افطار کرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں۔

فكانهم تقالوها وقالوا اين نحن من النبي صلى الله عليه وسلم وقد غفر الله ماتقدم من ذنبه وماتأخر فقال احدهم اما انا فاصلى الليل ابدأ وقال آخر انا اصوم النهار ابدأ ولا افطر وقال الاخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدأ  
یعنی ان حضرات نے حضورؐ کے دستور العمل کو سہل دیکھ کر قلیل سمجھا اور کہنے لگے کہ حضورؐ کو گناہ بخش دیئے ہیں۔ (بالفرض اگر ہوں وگرنہ آپؐ میں گناہ کا وجود ہی نہ تھا ۱۲) لیکن ہم کو بوجہ اپنے نقصان مرتبہ کے زیادہ عمل کی ضرورت ہے۔ اس لئے ایک نے قسم کھالی کہ میں تو آج سے تمام رات نہ سوؤں گا یہ عمل شاق تو اس نے اختیار کیا۔ دوسرے بولے کہ میں ساری عمر روزے ہی رکھا کروں گا۔ تیسرے بولے میں کبھی نکاح ہی نہ کروں گا۔ صحابہؓ کی بھی عجیب حالت تھی کہ حضورؐ کے عمل قلیل دیکھ کر یہ خیال نہیں پیدا ہوا کہ لاؤ ہم بھی کم ہی کیا کریں کیوں مصیبت میں پڑے واقعی ہم تو اپنے مرشد کی عبادت کم دیکھ کر یہی کہیں کہ ہم کو بھی زیادہ کی کیا ضرورت ہے۔ مگر صحابہؓ نے اس کے برعکس یہ کہا کہ گو حضورؐ کم کریں مگر ہم کو زیادہ ہی کرنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور ان حضرات کے خیالات کی غلطی ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم نے ایسا ایسا کہا یاد رکھو میں تم سے زیادہ حق تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ لیکن باوجود اس کے

اصوم وافطر واصلى وارقد و اتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني متفق عليه: (الصحيح للبخاري والصحيح لمسلم)

یعنی میں کبھی روزہ رکھتا ہوں، کبھی افطار کرتا ہوں اور کچھ جاگتا ہوں، کچھ سوتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ (یہی میری سنت ہے) اور جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ تو دیکھئے ان صحابہ کے خیال کا یہی حاصل تھا کہ حضورؐ کو لذات کے استعمال سے ضرر نہیں ہوتا مگر ہم کو ضرور ہوگا۔ اس لئے ہمیں لذات سے بچنا چاہیے۔ مگر حضورؐ نے اس خیال کو خلاف سنت بتلایا۔ پس ثابت ہوا کہ کثرت وقاع سے ضرر کا اعتقاد رکھنا دین میں بدعت ایجاد کرنا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کثرت وقاع میں ہر شخص کو اپنی قوت کا اندازہ کر لینا ضروری ہے۔ اسراف تو ہر شے میں مذموم ہے پھر حضورؐ کے بعد صحابہؓ کے طرز عمل کو دیکھا جائے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رمضان میں افطار کر کے عشاء کے وقت تک گیارہ عورتوں سے فارغ ہوا کرتے تھے۔ ان میں باندیاں بھی تھیں۔ شاید کوئی یہ کہے کہ مغرب سے عشاء تک وقت ہی کیا ہوتا ہے جس میں گیارہ سے فراغت کر لیتے تھے اور جلدی جلدی فارغ ہوتے تھے تو یہ ان کے ضعف کی دلیل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں عشاء کی نماز دیر میں ہوتی تھی اس لئے ان کو کافی وقت ملتا تھا اور ہم اس لئے جلدی پڑھتے ہیں کہ شاید زیادہ دیر کرنے سے کوئی نماز ہی کو نہ آوے۔ اور ہم کسی کو کیوں کہیں ہمیں سب سے پہلے اپنا ہی احتمال ہے کہ شاید ہم ہی نہ آویں۔ غرض صحابہ کا کثرت وقاع میں یہ طرز عمل تھا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ وہ بزرگ ہیں جو اتباع سنت وزہد و عبادت میں صحابہ کے اندر ممتاز تھے۔ ان کے طرز سے بھی معلوم ہوا کہ کثرت وقاع زہد و عبادت کی خلاف نہیں اور نہ باطن کو مضر ہے۔ (تقلیل المنام بصورة القيام ج ۱۶)

## بنی اسرائیل کے کفن چور کا واقعہ

حدیث میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک کفن چور تھا اس نے مرنے کے وقت اپنے سب بیٹوں کو جمع کر کے کہا کہ میں تمہارا کیسا باپ تھا یعنی تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ہے انہوں نے کہا بہت اچھا برتاؤ کیا اس نے کہا اس کے عوض میرا ایک چھوٹا سا کام کر دو گے انہوں نے کہا جان و دل سے کر دیں گے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو میری لاش کو جلا دینا اور اس کی راکھ کو محفوظ رکھنا اور جب خوب زور شور کی آندھی چلے تو اس راکھ کو منتشر کر دینا شاید

میں اس طرح سے خدا کے ہاتھ نہ لگوں اور عذاب سے بچ جاؤں اور خدا تعالیٰ مجھ پر قادر ہو گئے تو مجھ پر ایسا سخت عذاب کریں گے کہ کبھی کسی پر نہ کیا ہوگا۔ چنانچہ جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا حق تعالیٰ نے اس کے تمام اجزاء جمع کر کے نفخ روح کیا جب زندہ ہو گیا تو پوچھا کیوں صاحب یہ کیا حرکت تھی ایسا کیوں کیا اس نے عرض کیا اے پروردگار تیرے خوف سے ایسا کیا حدیث میں آتا ہے۔ فغفرلہ یعنی اتنی بات پر اس کی مغفرت کر دی گئی۔ اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب اسے خدا کی قدرت میں شک تھا تو مومن کیسے ہوا۔ جب مومن نہ ہو تو مغفرت کیسے ہو گئی اور اس کا جواب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ شاید پہلی امم میں غیر مومن کی بھی مغفرت ہوا کرتی ہو سو اس کا احتمال اس لئے نہیں کہ یہ امر نصوص سے معلوم ہے کہ اس امت پر رحمت زیادہ ہے حتیٰ کہ کفار پر بھی بہ نسبت پہلے کفار کے رحمت زیادہ ہے کہ گناہ کرتے ہیں اور بنی اسرائیل کی طرح مسخ نہیں ہوتے۔ عادی طرح تیز ہواؤں سے ہلاک نہیں کئے جاتے کسی کو الٹ دیا گیا۔ کسی کو فرشتے کی چیخ سے ہلاک کر دیا۔ کہیں اس امت میں بھی ہے اور اس امت کے کفار کے واسطے نص قطعی ہے کہ مغفرت نہیں ہوگی سو پہلی امم کے کفار کی مغفرت ہوگی تو اس امت کے کفار کی بھی ہوگی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان پر رحمت زیادہ ہے اور لازم باطل ہے لہذا ملزوم بھی باطل پس یہ جواب نہیں چل سکتا پس اعتراض باقی رہا کہ وہ قدرت میں تردد کی وجہ سے کافر تھا تو مغفرت کیسے ہو گئی۔ غرض یہ اشکال ہے بعضوں نے اس سے بچنے کے لئے ان قدر اللہ (اگر قادر ہو گئے اللہ تعالیٰ ۱۲) کے معنی ہیں تاویل کی کہ قدر کے معنی ضیق (تنگی کی ۱۲) کے بھی آتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان تکلفات کے بغیر اس کا جواب نہایت سہل ہے وہ یہ کہ اس کی سمجھ اتنی ہی تھی اور وہ اپنی سمجھ کے موافق مکلف تھا۔ وہ یوں سمجھتا تھا کہ بس قدرت اتنی ہی ہوتی ہے۔ اتنی عقل نہ تھی کہ یہ سمجھتا کہ وہ قدرت اس سے بہت آگے ہے۔ اسی طرح اس باب میں اعرابیوں کی عجیب و غریب حکایتیں مشہور ہیں۔ ایک اعرابی کی حکایت ہے کہ ایک واعظ نے اپنے وعظ میں بیان کیا کہ حق تعالیٰ کے نہ ہاتھ ہے نہ پاؤں نہ آنکھ ہے نہ ناک نہ اور اعضاء۔ غرض وہ جوارح سے بالکل پاک ہے۔ ایک اعرابی سن کر کہنے لگا کہ بطخ شامی کی طرح گول مول اور اپا بچ تیرا ہی خدا ہوگا ہمارے خدا کے سب کچھ



ہے۔ غرض ہر شخص اپنی فہم کے موافق سمجھتا ہے اور اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ باوجود ان بدیہی غلطیوں کے پھر بھی ان سب کا نام دفتر عارفین میں لکھا ہوا ہے اور دوسرے تو کنہ ذات کی کیا سمجھتے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی لا اھسی ثناء علیک (مسند احمد ۶: ۵۸، اتحاف السادة المتقين ۲: ۷۱) (میں تیری تعریف ہی نہیں کر سکتا ہوں ۱۲) فرماتے ہیں پھر کسی اور کی کیا مجال جو کنہ اور حقیقت دریافت کر سکے۔ (روح القیام ج ۱۶)

## روز محشر اعمال کی کیفیت

قرآن مجید میں ہے وَوَجَدُوا اَعْمَالَهُمْ اَحْضَرًا (جو جو اعمال انہوں نے کئے ہیں ان میں موجود پائیں گے ۱۲) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کی بھی تفسیر فرمائی تھی۔ مشہور تفسیر تو اس کی مکتوب فی الصحیفہ (نامہ اعمال میں لکھا ہوا ۱۲) سے کی ہے مگر مولانا فرماتے تھے کہ خود اعمال حاضر ہوں گے جب ظاہر الفاظ وَوَجَدُوا اَعْمَالَهُمْ اَحْضَرًا سے معلوم ہوتا ہے یعنی قیامت کے روز سارے اعمال کو حاضر پائیں گے اس پر اشکال یہ ہے کہ جو اعمال ختم ہو چکے وہ کیسے عود کریں گے۔ محقق دوانی نے اسے اس طرح رفع کیا ہے کہ انہوں نے اپنے رسالہ زوراء میں یہ ثابت کیا ہے کہ حقائق اعمال کے جوہر ہیں۔ یہ رسالہ حضرت نے میرے پاس بھیجا تھا شاید بھیجنے سے یہ مقصود ہو کہ ان کی تحقیق حضرت کو پسند آئی ہو واللہ اعلم میں اس کو یقیناً کہہ نہیں سکتا کیونکہ کچھ فرمایا نہیں۔ میں نے اس رسالہ کو دیکھا میری سمجھ میں یہ بات تو نہیں آتی کہ حقائق اعمال جوہر ہیں۔ ہاں اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ معنی مصدري قیامت میں نہ ہوں گے بلکہ حسب تحریر مولانا محمد یعقوب صاحب ان اعمال کے اثر قیامت کے روز شکلیں بن کر اہل محشر کو نظر آئیں گی۔ مثلاً جو چوری کر چکا ہے وہاں نظر آئے گا کہ چوری کر رہا ہے۔ زنا کر چکا وہاں نظر آئے گا۔ کہ زنا کر رہا ہے۔ غرض جو آثار اعمال کے اس کے بدن میں جمع ہیں سب وہاں اعمال بن کر نظر آئیں گے۔ اس کی مثال یہاں بھی خدا نے پیدا کر دی ہے یعنی جس طرح بائیسکوپ کے اندر گذشتہ واقعات کی صورتیں نظر آتی ہیں اسی طرح قیامت کے دن یہ بھی بائیسکوپ بن جائے گا اور اس کے ہاتھ پیر گراموفون کی طرح جو کچھ اس نے کیا ہے بولیں گے۔ ایک زانی کی حکایت ہے کہ زنا کر کے غسل کر رہا تھا۔ غسل کا پانی نالی سے بہہ رہا تھا۔ ایک بزرگ کا ادھر سے گزر ہوا اس پانی کو دیکھ کر کہا اس میں زنا بہہ رہا ہے۔ پوچھا حضرت آپ کو کیونکر معلوم ہوا فرمایا کوئی



زانی غسل کر رہا ہے۔ مجھے پانی کے ہر قطرہ میں زنا کی تصویر نظر آتی ہے۔ تو حضرت تمام اعمال کے آثار اس میں پیدا ہو جاتے ہیں تو جو صورت صلوٰۃ پہلی ہیں وہ سب اس شخص کے اندر موجود ہیں تو یہ صلوٰۃ جس میں نفخ ہو اور وح کا اسی سے سب میں روح پھیل جائے گی۔ دیکھو جس وقت ایک آئینہ پر روشنی کا عکس پڑتا ہے تو وہ اپنے پاس کے آئینوں کو بھی روشن کر دیتا ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو جو صورت ایک آئینہ کے اندر آتی ہے سب میں پہنچ جاتی ہے اسی طرح اگر پہلی نمازوں میں قابلیت ہے تو بھی ایک روح ان میں بھی پہنچ جائے گی۔ کما قیل

۔ آفتابے در ہزاراں آئینہ تا فتہ

(ایک سورج ہزاروں شیشوں میں چمکتا ہے ۱۲) (روح القیام ج ۱۶)

## فکر آخرت کی برکات

دنیا ظل ہے آخرت کا حدیث شریف میں ہے۔

من جعل همومہ ہما واحداً ہم الاخرة کفاه اللہ همومہ کلہا (سنن

ابن ماجہ: ۲۵۷، المستدرک للحاکم ۲: ۴۴۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۲۶۳)

یعنی جس نے اپنے تمام افکار کو ایک ہی فکر بنا لیا یعنی فکر آخرت اللہ تعالیٰ اس کے تمام افکار کو کفایت فرماتا ہے۔ ومن تشعبت بہ هموم الدنيا اور جس پر ہموم دنیا نے ہجوم کر دیا لم یبال اللہ فی ای اودیۃ ہلک خدا کو کچھ پرواہ نہیں کہ وہ اس کے کس جنگل میں ہلاک ہوگا۔ بہر حال حدیث سے بھی ثابت ہو گیا کہ ترک دنیا کے بعد دنیا خود حاصل ہو جاتی ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے فرماتے ہیں وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایک راستہ نکال دیتے ہیں مگر اس کے یہ معنی نہ سمجھنا کہ نوکری کی ضرورت نہیں رہے گی زراعت و تجارت کی حاجت نہیں رہے گی۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ دو دو مہینے چولہا نہیں گرم ہوا۔ ہنڈیا نہیں چڑھی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ فرعون کو ظاہری تکلیف نہ ہونے سے فضیلت ہو گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بیمار ہوتے ہیں تو انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہائے بیماری بڑھ جائے گی تو کیا ہوگی۔ ہائے مقدمہ اگر ہائی کورٹ سے بھی ہار گئے تو پھر کیا ہوگا۔ ہائے کل کھانے کو نہیں تو دن کیونکر کٹے گا۔ یہ حالت ان کی نہیں ہوتی انہیں ہر حال میں سکون و اطمینان رہتا ہے۔ (روح القیام ج ۱۶)

## فضیلت تلاوت

تلاوت سب عبادتوں سے افضل ہے بہت سی حدیثیں اس باب میں وارد ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ فقط الحمد کہہ لو پچاس نیکیاں مل گئیں۔ تو دیکھئے قرآن میں کس قدر حرف ہیں۔ اگر پورے قرآن کی تلاوت کریں گے تو کس قدر نیکیاں ملیں گی۔ اور فرماتے ہیں کہ خدا کسی کی طرف اس قدر متوجہ نہیں ہوتا جتنا قرآن پڑھنے والے بنی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بنی میں یہ قید لگانا دال ہے علت توجہ کی طرف کہ وہ قرآن کا پڑھنا ہوا اگرچہ تالی امتی ہو۔ اسی واسطے میں جس ذکر کو دیکھتا ہوں کہ تلاوت سے رغبت ہے تو اور اذکار چھڑا دیتا ہوں یا کم کر دیتا ہوں اور تلاوت کی تعلیم کرتا ہوں۔ یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب قرآن کی تلاوت اس قدر افضل ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر ذکر و شغل کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے۔ کیونکہ بات یہ ہے کہ جو تلاوت قرآن کے شرائط ہیں بعض اوقات ان میں کمی ہوتی ہے تو ذکر و شغل میں اسی لئے لگاتے ہیں تاکہ تلاوت کے قابل ہو جائے۔ (نور الصدور ج ۱۶)

## وصل محبوب

حدیث میں آیا ہے کہ شہر ا عید لا ینقصان (الصحيح لمسلم کتاب الصیام: ۳۱، سنن ابی داؤد: ۲۳۲۳، سنن الترمذی: ۶۹۲) (عید کے دنوں میں کم نہیں ہوتے ۱۲) اس کی تفسیر بھی خود حدیث میں آئی ہے کہ وہ رمضان و ذی الحجہ ہیں۔ ذی الحجہ کا شہر عید فرمانا تو ظاہر ہے کہ اس میں عید کا دن ہے۔ لیکن رمضان کو اس وجہ سے عید فرمایا کہ یہ فرحت کا مہینہ ہے کہ ہر روز افطار کے وقت اس میں فرحت ہوتی ہے اور یہ وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس معنی کو تم اسے عید کا مقابل سمجھتے ہو یعنی امساک عن الغذاء (غذا سے باز رکھنا ۱۲) سو اس معنی کے اعتبار سے بھی یہ عید ہی کا مہینہ ہے یعنی اس میں روحانی غذائیں ملتی ہیں۔ بلکہ جو حقیقی غذائیں اس ماہ میں ملتی ہیں وہ عید میں میسر بھی نہیں آتیں۔

و ذکرک للمشتاق خیر شراب و کل شراب دونہ کسراب (روح الجوارح ج ۱۶)

ایک حکمت اس میں میرے قلب پر منجانب اللہ وارد ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ایک کمال یہ ہے کہ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ یعنی جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتے

ہیں تو کن کہہ دیتے ہیں وہ ہو جاتی ہے اور انسان مظہر ہے کمالات حق کا۔ پس انسان کے اندر بھی اس کا کوئی نمونہ ہونا چاہیے۔ کہ اس کے ارادہ کرنے سے کوئی چیز پیدا ہو جاوے۔ بدون دخل اکتساب و اتعاب کے چنانچہ اس کا ظہور اس نکاح و مباشرت سے ہوا کہ صرف ارادہ متوجہ ہوا کہ ہمارے بیٹا ہو بس ہو گیا تو اگر یہ نہ ہوتا تو حق تعالیٰ کی اس صنعت کا انسان میں ظہور نہ ہوتا۔ میرے ایک دوست عارف تھے وہ نکاح نہیں کرتے تھے میں نے انہیں یہ حکمت سمجھائی چنانچہ انہوں نے نکاح کیا ان کے یہاں بیٹا بھی ہوا مگر ہم کہ ہماری ہی بتائی ہوئی یہ تدبیر تھی یوں ہی رہ گئے اور کچھ بھی نہ ہوا۔ (یہ ظرافت تھی ۱۲)

افلاطون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ اگر آسمان کمان ہو اور حوادث تیر ہوں اور خدا تعالیٰ تیر انداز ہوں تو اس سے بھاگ کر کہاں جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیر انداز کے پاس جا کھڑا ہو۔ کیونکہ تیر دور والے کے لگتا ہے پاس والے کے نہیں لگتا۔ افلاطون نے کہا کہ یہ جواب بجز نبی کے کوئی نہیں دے سکتا واقعی آپ نبی ہیں مگر باہمہ یہ حکم اتباع نہیں کرتے تھے یہ کہتے تھے کہ نبی کی ضرورت ان لوگوں کو ہے جنہوں نے اپنے نفوس کی اصلاح نہیں کی۔ ونحن قوم قلہذبنا انفسنا فلاحاجة لنا الی من یہذبنا اور ہم اپنے نفوس کو مہذب بنا چکے ہیں۔ ہمیں کسی مہذب بنانے والے کی ضرورت نہیں۔ مگر بخدا ان کا یہ خیال غلط تھا۔ بھلا عقلی تہذیب بھی کہیں نبی سے مستغنی کر سکتی ہے ان لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی تہذیب کو دیکھا ہی نہیں۔ ورنہ اقرار کر لیتے کہ اس کے سامنے ہماری تہذیب سراسر بد تہذیبی ہے۔

قلت کلام کی ضرورت فی نفسہ اس قلت اختلاط سے زیادہ ہے مگر قلت کلام عادیہ موقوف ہے قلت اختلاط پر کیونکہ لوگوں سے میل جول کر کے زبان کو سنبھالنا دشوار ہے اس لئے قلت کلام کی سہل صورت یہی ہے کہ مخلوق سے الگ رہے۔ گوشہ نشینی اختیار کرے کیونکہ مجمع کا قرب بھی اختلاط کی مثل ہے مجمع کے قرب سے بھی سکوت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے صوفیہ نے عزلت کو اختیار کیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی ہے (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶)

## مقام ولدیت

حضرت خضر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ میں سب اولیاء اللہ کو پہچانتا ہوں لیکن ایک مرتبہ ایک مجمع تھا وہاں حدیثوں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ اور وہاں ایک شخص علیحدہ

نماز پڑھتا تھا میں نے اس سے کہا کہ بھائی تم اس مجمع میں کیوں شریک نہیں ہوتے وہ شخص صاحب حال تھے انہوں نے جو جواب دیا گو وہ بظاہر قواعد شرعیہ پر منطبق نہیں ہوتا مگر واقع میں خلاف نہیں جواب یہ دیا کہ بتلاؤ یہ لوگ کس سے روایت حدیث کی بیان کرتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ سفیان اور اوزاعی وغیرہما سے کہا کہ جو خود اللہ تعالیٰ سے حدیث بیان کرے اس کو کیا ضرورت ہے کہ سفیان اور اوزاعی سے بیان کرے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی دلیل کیا ہے کہ تم ایسے ہو کہا کہ دلیل اس کی یہ ہے کہ تم کو پہچانتا ہوں اور تم مجھ کو نہیں پہچانتے تم خضر ہو اور تم تو بتلاؤ میں کون ہوں۔ خضر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس روز مجھ کو معلوم ہوا کہ بعض اہل ولایت کو میں بھی نہیں پہچانتا۔ سچ ہے۔ اولیائی تحت قبائی لا يعرفہم سوانی (اولیاء اللہ میری چادر تلے ہیں ان کو میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا) ایسے حضرات سے ارشاد اور تلقین بھی بہت کم ہوتا ہے مگر ان کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ ہم سے کسی کو نفع نہیں۔ حضرت احمد جامؒ اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں۔

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

ترجمہ: اے احمد تو عاشق ہے تجھے پیری مریدی سے کیا کام ہے دیوانہ رہ۔

سلسلہ ہوا ہوا نہ ہوا نہ ہوا۔ (الہندی ج ۱۶)

## عرب کی جاہلانہ رسم

حدیث میں ہے الوائدة والموؤدة کلتا ہما فی النار کہ زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کی گئی دونوں آگ میں ہیں۔ ہندوستان میں بھی لڑکیوں کے مارنے کی عادت تھی مگر سلطنت نے اس کا انتظام کر دیا۔ عرب میں یہاں سے زیادہ آفت تھی کہ لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے تھے کہ وہ خود ہی گھٹ کر مر جاتی تھی یہاں تو مار کر دفن کر دیتے تھے مگر عرب کا طریقہ یہاں سے اشد تھا شاید اس صورت سے مارنے میں عرب کا یہ خیال ہو کہ مارنے کے فعل کو اپنے ذمہ کیوں رکھیں یا معلوم نہیں کہ عرب کے نزدیک اس کا کوئی اور اختراعی سبب تھا غرض کہ یہ رواج تھا اور یہ حدیث اس کے متعلق ہے۔ الوائدة والموؤدة کلتا ہما فی النار (سنن ابی داؤد: ۴۷۱۷، مسند احمد ۳: ۴۷۸، کنز العمال: ۲۸۱، الدر المنثور ۳: ۲۸۳) اس میں ظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ بچی نے کیا خطا کی ہے جس کی وجہ سے



وہ دوزخ میں ڈالی گئی۔ علماء نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ بچی دوزخ میں تو ہوگی مگر معذب نہ ہوگی جیسے جہنم میں فرشتے بھی ہوں گے مگر معذب نہ ہوں گے چنانچہ خزنہ جہنم دوزخ ہی میں ہوں گے مگر وہاں بھی ویسے ہی مقرب ہیں جیسے جنت کے فرشتے جنت میں کیونکہ اصل انعام تو بندہ پر یہ ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی معیت نصیب ہو خواہ دوزخ میں ہو یا جنت میں اگر دوزخ میں معیت ہے تو پھر تکلیف کا کیا ذکر ہے وہی جنت ہے اور اگر جنت میں معیت نہ ہوتی وہ دوزخ سے بدتر ہوتی۔

باتو دوزخ جنت است اے جان فزا      بے تو جنت دوزخ است اے دلربا  
(اے میری جان تیرا ساتھ ہو تو دوزخ بھی جنت ہے اے دل ربا تیرے بغیر جنت بھی دوزخ ہے)  
خزنہ جہنم کے ساتھ خدا تعالیٰ کی معیت ہوگی اس لئے وہ فرشتے آرام ہی میں ہونگے۔

(مثلث رمضان ج ۱۶)

## حقیقت تعذیب

جیل خانہ میں ایک تو مجرم ہوتے ہیں اور ایک وہ جو وہاں ملازم ہیں۔ مجرمین کو تکلیف ہوتی ہے کہ ایک ایک دن کا ٹنا مشکل ہوتا ہے اور ملازمین جیسے اور جگہ خوش ہیں اسی طرح وہاں بھی وجہ یہی ہے کہ مجرمین کے ساتھ حکومت کی معیت نہیں ہوتی بلکہ عتاب متعلق ہوتا ہے اور ملازمین کے ساتھ معیت ہوتی ہے۔

البتہ ایک شبہ یہاں یہ واقع ہوتا ہے کہ پھر مودودہ کو جہنم میں رکھنے سے فائدہ کیا جبکہ وہ معذب نہیں کیا اس کے لئے جہنم ہی میں ٹھکانا تھا جواب یہ ہے کہ اول تو ہمیں مصلحت دریافت کرنے کی مجال نہیں خیر میں مصلحت بھی بتاتا ہوں وہ یہ کہ بچی جس کو زندہ درگور کیا تھا وہ ماں کے پیش نظر رہے اس سے ماں کے لئے زیادتی عذاب کی مقصود ہے کہ اس کو دیکھ دیکھ کر اپنا فعل یاد کر کے خوب کڑھے اور رنج ہو کہ ہائے میں کیسی سنگدل تھی کہ میں نے اپنی بیٹی کے ساتھ یہ حرکت کی جس کی وجہ سے آج عذاب بھگت رہی ہوں نیز ممکن ہے کہ اس پر حقیقت بھی منکشف نہ ہو اور وہ یہی سمجھتی رہے کہ میری بچی پر بھی عذاب ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہ معذب نہیں اور حقیقت منکشف نہ ہونے سے اس کا حسرت اور رنج اور زیادہ ہو جاوے جو کہ باعث زیادتی عذاب کا ہے اور یہ ضرور نہیں کہ وہاں سب ہی کو ایسا انکشاف عام ہو جاوے کہ کوئی چیز مخفی ہی نہ رہے ہاں دنیا سے زیادہ وہاں انکشاف ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ ممکنات کے علوم متناہی ہیں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ بعض علوم مخفی بھی ہوں بس ماں یہ سمجھے گی کہ مجھ پر عذاب ہے اور میری وجہ سے بچی پر بھی عذاب ہے اس سے عذاب میں زیادتی ہوگی اور اولاد سے تعلق فطری ہے وہاں بھی یہ تعلق بالکلیہ منقطع نہ ہوگا کیونکہ فطریات عادتاً بدلا نہیں کرتے تو جب ماں یہ سمجھے گی کہ میری وجہ سے یہ بھی عذاب میں ہے اس سے اس کی کلفت بڑھے گی اگر اس محمل پر حدیث کو محمول کر لیا جاوے تو کیا قباحت ہے۔ (مثلث رمضان ج ۱۶)

## تعذیب شمس و قمر

حدیث میں ہے الشمس والقمر مکوران فی النار یوم القیمة (مجمع الزوائد ۱۰: ۳۹۰، مشکوٰۃ المصابیح: ۵۶۹۲، مشکل الآثار ۱: ۶۷) کہ آفتاب اور چاند بے نور کر کے جہنم میں ڈالے جاویں گے یہاں بھی وہی شبہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کیا خطا کی ہے کہ جس کی وجہ سے جہنم میں ہوں گے جواب یہ ہے کہ خطا کی تحقیق کی ضرورت اس وقت ہے جبکہ وہ معذب بھی ہوں سو وہ معذب نہ ہوں گے اور ان کو دوزخ میں ڈالنے سے مشرکین کو دکھانا ہوگا کہ یہ خود کو تو دوزخ سے بچا ہی نہ سکے تم کو تو کیا بچا سکتے۔ اس کو اقرب اس لئے کہا گیا کہ ذی روح کا معذب ہونا اتنا مستبعد نہیں جتنا غیر ذی روح کا معذب ہونا (اس موقع پر ذی روح وہ لڑکی ہے جس کو زندہ درگور کیا تھا اور غیر ذی روح شمس و قمر ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکی معذب تو نہ ہوگی مگر اس کا معذب ہونا اتنا بعید نہ تھا جتنا کہ شمس و قمر کا معذب ہونا بعید ہے کیونکہ لڑکی ذی حیات ہے اور ذی حیات کو عادتاً تکلیف ہونا بعید نہیں اور شمس و قمر غیر ذی حیات ہیں اور غیر ذی روح کو عادتاً تہذیب نہیں ہوتی چنانچہ لکڑیوں کو آگ میں جلاتے ہیں مگر بوجہ غیر ذی روح ہونے کے ان کو تکلیف ہونا مستبعد ہے بخلاف اس کے کہ کسی جاندار کو آگ میں ڈال دیں کہ اس کو تکلیف ہونا کچھ بھی بعید نہیں اگرچہ حق تعالیٰ کو اس پر بھی قدرت ہے کہ غیر ذی روح کو بھی معذب فرماویں۔ پس شمس و قمر ہوں گے تو وہ دوزخ میں مگر معذب نہ ہوں گے کیونکہ ذی روح نہیں اور اسی لئے مکلف نہیں بلکہ بعض ذی روح بھی مکلف نہیں جیسے حیوانات و بہائم بلکہ بعض ذوی العقول بھی بواسطہ انبیاء کے مکلف نہیں یعنی ان کی طرف انبیاء کی بعثت نہیں ہوئی گو بعض اہل لطائف اس کے بھی قائل ہوئے ہیں

کہ ملائکہ بھی اس طرح مکلف ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت ان کی طرف بھی ہے۔ بلکہ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ بعثت جمادات کی طرف بھی ہے اور وہ بھی مکلف ہیں اور بعثت الی کافۃ الخلق سے استدلال کیا ہے مگر میرے نزدیک یہ ایک لطیفہ ہے اور اگر اس کو مان بھی لیا جاوے تو کہا جاوے گا کہ یہ مکلف تو ہیں مگر ان چیزوں سے عصیان کا ظہور نہیں ہوا اس لئے معذب نہ ہوں گے چنانچہ کلام اللہ سے ان کا مطیع ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ  
وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ (اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں زمین اور سورج اور چاند اور چوپایوں اور بہت سے آدمی اور وہ سجدہ کرتے ہیں) اگر ان سے عصیان ہوتا بوجہ اس کے کہ اس قول میں ان کی طرف بھی بعثت ہے اور یہ مکلف ہیں اس لئے ضرور تھا کہ یہ معذب بھی ہوں مگر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں عصیان نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے سموات وارض وشمس و قمر ودواب (آسمان زمین سورج چاند اور چوپائے) سب کے متعلق بلا استثناء کے یہ سجدہ فرمایا ہے اور ناس کے لئے کثیر کی قید بڑھائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ناس میں تو بعض مطیع اور بعض عاصی ہیں مگر اور مخلوقات میں سب مطیع ہیں اور آیت میں ناس سے مراد انس و جن دونوں ہیں کیونکہ ناس کا ترجمہ ہے لوگ جن کو بھی کہتے ہیں مگر ایک طالب علم تھے وہ جانوروں کو بھی لوگ کہا کرتے تھے ایک دفعہ کہنے لگے کہ بندر لوگ بڑے شیریں ہیں مگر محاورہ میں لوگ صرف انس و جن کو کہتے ہیں۔ غرض انس و جن میں تو دو قسمیں ہیں بعض فرمانبردار بعض نافرمان اور جوان کے سوا ہیں وہ سب فرمانبردار ہیں۔ لہذا شمس و قمر کا غیر معذب ہونا واضح ہو گیا اس کے خلاف کا احتمال ہی نہیں گو طالب علمی کے زمانہ میں ایک شخص مجھ سے جھگڑ رہے تھے کہ یہ بھی معذب ہوں گے اور سبب یہ بتلاتے تھے جو چیزیں سبب معصیت ہوئی ہیں وہ بھی معذب ہونے چاہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ سبب معصیت ہونا جو بلا اختیار ہو وہ معذب ہونے کو مستلزم ہے نہ وہ جو کہ سبب بلا اختیار ہو چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ سبب بلا اختیار معصیت نہیں ہے فقہاء اور صوفیہ ہی شریعت کو خوب سمجھنے والے ہیں ان ہی دونوں گروہ نے شریعت کے اسرار کو خوب



سمجھا ہے گو بعض فقہاء اور صوفیہ میں لڑائی بھی رہی ہے مگر جو حضرات جامع شریعت و طریقت ہوئے ہیں وہ کبھی نہیں لڑے۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ محقق وہ ہے جس میں تین وصف ہوں، فقیہ ہو، محدث ہو، صوفی ہو، محققین میں لڑائی نہیں ہوئی ہاں غیر محققین میں ہوئی ہے۔ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند (جب حقیقت معلوم نہ ہوتی تو افسانے بنانے شروع کر دیے) غرض فقہاء نے یہ مسئلہ سمجھا ہے کہ مطلق سبب بننا معصیت نہیں اس لئے جو چیزیں بلا اختیار سبب معصیت ہوئی ہیں وہ معذب نہ ہوں گی۔ (مثلث رمضان ج ۱۶)

## صورة تعذیب

البتہ اس میں کلام ہے کہ شمس و قمر آیا اپنی جگہ رہ کر جہنم میں ہوں گے یا ان کو اپنی جگہ سے ہٹا کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جمہور کی رائے ہے کہ دونوں کو ہٹا کر جہنم میں ڈالا جائے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم بھی بہت بڑی ہے اس لئے کہ یہ اجرام یعنی شمس و قمر کوئی چھوٹی سی چیز نہیں ہیں شمس زمین سے ہزاروں حصہ بڑا ہے ایسے ہی قمر کو سمجھنا چاہیے بایں ہمہ مثل گولے کے جہنم میں پھینک دیئے جاویں گے مگر شیخ اکبر کا کشف ہے کہ شمس و قمر اپنی جگہ رہیں گے۔ اور جہنم میں بھی ہوں گے اور وہ اس طرح کہ جہنم کو ان کی مستقر تک بلکہ اس سے بھی آگے بسط دیا جاوے گا یعنی جہنم کی آگ میں بسط ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسی ہانڈی ڈھکی ہوئی پک رہی ہو اور پھر اس کو کھول دیا جاوے تو اس کی گرمی پھیل جاتی ہے اسی طرح جب جہنم کو کھول دیا جاوے گا تو اس کی حرارت پھیل جائے گی جس سے سمندر و ہوا سب آگ بن جاویں گے حتیٰ کہ آسمان تک حرارت پہنچے گی جو آفتاب و قمر کو بھی محیط ہو جاوے گی اور آفتاب و قمر دونوں اس میں داخل ہوں گے یہ صورت ہوگی شمس و قمر کے اپنی جگہ رہنے کی اور جہنم میں بھی ہونے کی اور پھر جہنم کی آگ متجاوز ہو کر ساتویں آسمان کے مقعر تک پہنچے گی اور وہاں بہت ہی لطیف ہو جائے گی کہ اس کی لطافت میں لذت ہوگی اور جنت کے میوے اسی لطیف گرمی سے پکیں گے اور جنت ساتویں آسمان کے محدب پر ہوگی اس کشف کی قرآن و حدیث نہ تائید ہی کرتا ہے اور نہ تکذیب ہی کرتا ہے۔ کشفیات میں ہم شیخ اکبر کے تابع نہیں ہیں لیکن اگر کوئی اس کا قائل بھی ہو مگر جزا نہیں تو کچھ حرج بھی نہیں کیونکہ جیسے تائید نہیں ویسے تکذیب بھی نہیں یہ فائدہ کے طور پر بیان کر دیا۔ بہر حال یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ لڑکی جہنم میں ہو اور معذب نہ ہو۔ تو



اس بناء پر ممکن تھا کہ اہل جنت دوزخ میں بھیج دیئے جاتے اور معذب نہ ہوتے مگر حق تعالیٰ کی رحمت کو دیکھئے یہ احادیث میں آتا ہے کہ جب جنت میں اہل جنت داخل ہو چکیں گے پھر اس میں جگہ باقی رہ جائے گی تو حق سبحانہ تعالیٰ ایک مخلوق کو پیدا کریں گے کہ وہ اس میں رہا کرے گی اسی طرح جب جہنم باوجود اہل جہنم کے داخل ہونے کے **هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ** کہتی رہے گی پھر اس کے لئے حق تعالیٰ یہ نہ کریں گے کہ کسی مخلوق کو پیدا کر کے اس میں داخل کریں اور اس کا پیٹ بھر دیں گو وہ باوجود جہنم میں ہونے کے معذب بھی نہ ہوتے۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ بلاوجہ عذاب کی صورت کو بھی گوارا نہیں فرماتے کہ کسی کو پیدا کر کے اس میں صورۃ بھی داخل فرمائیں۔ یہ عین رحمت ہے حدیث میں آتا ہے کہ دوزخ کے پکارتے رہنے پر حق تعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھ دیں گے تو وہ کہے گی بس بس۔ اس حدیث کے معنی اول تو واللہ اعلم کہلائیں اور اگر کوئی بات بھی سمجھ میں آوے مگر وہ بات مجلس عام میں کہنے کے قابل نہیں۔ اسلم طریق یہی ہے کہ زبان کو بند رکھا جاوے۔ (مثلث رمضان ج ۱۶)

## اہل جنت کی غذا و نعمتیں

حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو ایک خاص غذا عطا ہوگی اور غذا اس زمین کی روٹی ہوگی اس میں اشکال یہ ہے کہ کیا ڈھیلے اور پتھر کھائیں گے کیونکہ زمین میں تو یہی چیزیں ہیں۔ دوسرے اس میں حکمت کیا ہے کہ اس زمین کی روٹی ملے کیا کوئی دوسری چیز جنت کی نہ تھی۔ ہمارے اساتذہ نے اس کو حل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے اور بات بھی نہایت لطیف ہے۔ گودرجہ ظن میں ہے اشکال کا جواب تو یہ ہے کہ حدیث میں یہ کہاں ہے کہ ڈھیلے اور پتھر کھائیں گے وہاں تو روٹی کا ذکر ہے کہ حق تعالیٰ زمین کی روٹی دیں گے اور سب اس میں سے کھائیں گے یہاں بھی تو ہم زمین کے اجزاء کھاتے ہیں۔ دیکھئے ایک من گیہوں بوتے ہیں اور بیس من پیدا ہوتے ہیں جو ایک من سے زائد ہیں وہ زمین ہی کے تو اجزاء ہیں۔ عناصر کے امتزاج سے ایک خاص ترکیب سے مٹی کی شکل گیہوں کی بن گئی۔ پس تم یہاں بھی تو زمین ہی کے اجزاء کھا رہے ہو پھر جیسے یہاں چھنے کے بعد کھاتے ہو اسی طرح اللہ میاں وہاں بھی لطیف اجزاء کو چھان کر کھلائیں گے۔ زمین سے جتنے پھل وغیرہ پیدا ہوتے ہیں سب زمین ہی کے تو اجزاء ہیں اجزاء لطیف ان شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں تو ایک سوال تو

اس سے حل ہو گیا۔ باقی رہا حکمت کا سوال تو میں اپنے اساتذہ ہی سے اس کو نقل کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بہت سے اللہ کے بندے وہ ہیں جنہوں نے دنیا کی چیزوں کو چکھا تک نہیں۔ خواہ اضطراب کہ میسر نہیں ہوئی یا اختیاراً بمصلحت مجاہدہ و معالجہ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو پان کا مزہ نہیں جانتے تو بعضوں نے میوے نہ کھائے ہوں گے بعض نے گوشت نہ کھایا ہوگا تو اگر ان کو صرف جنت ہی کی نعمتیں دیتے تو ان کو دنیا اور جنت کی نعمتوں میں تفاوت نہ معلوم ہوتا اور بدون تفاوت کی پوری لذت اور قدر نہ ہوتی اس لئے ان کو اس شکل میں دنیا کی نعمتیں بھی عطا فرمائیں گے اور وہ نعمت دیں گے کہ جس میں ہزار ہا قسم کے مزے ہوں گے کیونکہ جتنے مزے دنیا میں ہیں زمین ہی سے نکلے ہوئے ہیں تاکہ موازنہ کر کے لذت زائد ہو پھر اصل میں تو صرف ان زاہدوں کو حکمت مذکورہ کے سبب کھلانا منظور ہوگا مگر کرم کی عادت پر زاہدوں کے ساتھ ہم شکم پروروں کو بھی کھلا دیں گے۔ پس جیسا اس موازنہ سے نعم جنت کا مزہ بڑھے گا اسی طرح ایسے ہی موازنہ سے جنت کا مزہ ایسے ہی لوگوں کو ہوگا جو دنیا میں مشقتیں اور مصائب اٹھا کر راحت کے موقع پر پہنچیں گے بخلاف ان کے جنہوں نے دنیا دیکھی ہی نہیں پیدا ہوتے ہی جنت میں داخل کر دیئے گئے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ دونوں کے پر کرنے کے طریق میں رحمت کا ظہور ہوگا اسی ظہور کی فرع یہ بھی ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے مقرر فرمائے۔ (مثلاً رمضان ج ۱۶)

## جہنم کی ہولناکی

بعض اہل کشف نے جہنم کی شکل کے بارہ میں کہا ہے کہ اس کی شکل اژدھے کی سی ہے اس کے پیٹ میں سانپ بچھو کنھو رے وغیرہ ہیں سارا جہنم اژدھے کی صورت ہے اس سے ایک حدیث کے معنی بلا تاویل کے سمجھ میں آ جاویں گے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جہنم میدان قیامت میں لائی جاوے گی جس کو ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوں گے مگر پھر بھی قابو سے نکلی جاتی ہوگی اور کڑکتی ہوگی اور *هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ* پکارتی ہوگی اس کے معنی صوفیہ کے قول پر اس طرح سمجھ میں آتے ہیں کہ چونکہ وہ ذی حیات ہے اس لئے اس قسم کے آثار اس سے پائے جاویں گے بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث کو جس سہولت سے اہل باطن سمجھتے ہیں اور لوگ نہیں سمجھتے اور جاندار

ہونے کی صورت میں اس کا اثر فرحت میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے اہل باطن کے مسلک پر سیرابی کی فرحت صائمین کو بہت زیادہ حاصل ہوگی کیونکہ جب سنیں گے کہ باب الریان ذی حیات ہوگا تو یہ سمجھیں گے کہ دروازہ میں داخل ہونے والے تو خوش ہی ہوں گے مگر وہ دروازہ بھی بوجہ ذی حیات ہونے کے خوش ہوگا اور پھانک کے جاندار ہونے پر خلاف عادت ہونے کے خیال سے تعجب نہ کیا جاوے کیونکہ خلاف عادت بھی نہیں جیسے دنیا میں بچے کے لئے اماں جان پھانک بن جاتی ہیں کہ لڑکا اس کے طریق خاص سے نکلتا ہے ایسی ہی وہ دروازہ ہوگا اور یہ تعجب ایسا ہی ہے جیسے ایک ملحد نے اعتراض کیا تھا کہ جنت میں دودھ کی نہروں کے واسطے اتنی گائیں کہاں سے آئیں گی جواب یہ ہے کہ دنیا میں دودھ تھن میں سے نکلتا ہے اور خدا ہی پیدا کرتا ہے اگر وہاں وہ نہر ہی خاصیت میں ایک بڑا تھن ہو اور اس میں دودھ پیدا کر دیا جاوے تو کیا تعجب کی بات ہے اسی طرح جیسے یہاں جاندار پھانک پیدا کئے ہیں وہاں بھی پیدا کر دیں تو کیا محل تعجب ہے۔ (مثلث رمضان ج ۱۶)

## نیکی کی برکات

طاعات کا یہ بھی اثر ہے کہ ان کی برکت سے گناہ کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے بلکہ بعض دفعہ گناہ مقدر (بتقدیر معلق) بھی ٹل جاتا ہے چنانچہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا بہت نماز تہجد گزار پابند ذکر و شغل اس کو ایک رات میں ستر بار احتلام ہوا وہ پڑا پریشان ہوا کہ یہ کیا مصیبت ہے ساری رات غسل ہی میں گزر گئی نہ تہجد رہا نہ ذکر و شغل صبح کو شیخ سے حالت عرض کی فرمایا کہ تم اس حالت سے مغموم مت ہو مجھے معلوم ہوا تھا کہ تیری تقدیر میں ستر دفعہ زنا کرنا لکھا ہوا ہے میں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ اس بلا سے نجات دیجئے اللہ تعالیٰ نے میری دعا سے بیداری کے زنا کو خواب کے زنا کی طرف منتقل فرمادیا ہے جس میں گناہ ہی نہیں ہوا اب تم بے فکر رہو بڑی بلا ٹل گئی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو کچھ ہم ذکر وغیرہ کر رہے ہیں اور آسانی سے کر لیتے ہیں یہ آسانی خدا تعالیٰ کی عطا ہے ورنہ بہت سی مخلوق ایسی بھی ہے جس کو ذکر کی توفیق نہیں اور ان کے لئے یہ کام سب سے زیادہ دشوار ہے اس پر میں نے استسار ادا یہ بھی بتلادیا تھا کہ بعض دفعہ ذکر سے زبان بند ہونے کا سبب غایت قرب بھی ہوتا ہے بہر حال آپ کو جو کلمہ شریف پڑھنا آسان ہے یہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے ورنہ کبھی یہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ (اکمال الہدۃ ج ۱۶)

## اقسام انسان

انسان چار قسم کے ہیں ایک وہ جن کو دین کی عقل بھی ہے اور دنیا کی بھی جیسے انبیاء اور ورثۃ الانبیاء یعنی وہ علماء مسند ارشاد پر متمکن ہیں دوسرے وہ جن کو دین کی عقل ہے اور دنیا کی نہیں۔ جیسے بھولے بھالے اصلحاء و اولیاء امت۔ تیسرے وہ جن کو دین کی عقل نہیں ہے اور دنیا کی عقل ہے جیسے عاقل کفار چوتھے وہ جن کو نہ دنیا کی عقل نہ دین کی عقل جیسے بیوقوف کفار۔ غرض انبیاء اور علماء محققین کامل العقل ہوتے ہیں گو تجربہ میں اس لئے کمی ہو کہ وہ دنیاوی امور میں منہمک نہیں ہیں۔ (اکمال الصوم والعید ج ۱۶)

## تبلیغ کا حکیمانہ طرز

حضرت مولانا شاہ عبدالقار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں ایک شخص حاضر ہوا آپ نے دیکھا کہ اس کا پا جامہ ٹخنوں سے نیچا ہے۔ جب وعظ ختم ہوا اور لوگ چلنے لگے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ ذرا آپ ٹھہر جائیں مجھ کو آپ سے ایک کام ہے۔ جب سب چلے گئے تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں نے تم کو اس لئے روکا ہے کہ بھائی ذرا میرے پا جامہ کو دیکھو مجھ کو شبہ یہ ہو جاتا ہے کہ میرا پا جامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک جاتا ہے آیا یہ میرا خیال ہی خیال ہے یا واقعی ٹخنوں سے نیچا ہے کیونکہ جس کا ٹخنوں سے نیچے پا جامہ ہو گا وہ دوزخ میں جائے گا وغیرہ وغیرہ تو بھائی دوزخ کا سخت عذاب ہے۔ مجھے اس سے ڈر لگتا ہے ذرا اچھی طرح میرے پا جامہ کو دیکھ لو۔ یہ سنتے ہی وہ شخص شرمایا اور پیروں میں گر پڑا اور کہا کہ حضرت آپ کا پا جامہ تو نہیں لٹکتا ہے البتہ مجھ نالائق کو لٹکتا ہے میں توبہ کرتا ہوں آئندہ ایسا نہ ہوگا۔ (سنت ابراہیم ج ۱۷)

## رحمت خداوندی

جو لوگ گائے ذبح نہ کرنے میں دعویٰ رحم کا کرتے ہیں وہ بد فہم بھی پورے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قربانی کا بھی حکم دیا ہے اور جانوروں پر رحم کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے اگر قربانی خلاف رحم ہوتی تو اللہ تعالیٰ جو سب سے زیادہ رحیم ہیں وہ کیوں اس کا حکم فرماتے مگر جب اللہ تعالیٰ نے قربانی کا حکم فرمایا ہے اب اس کو بے رحمی کہنا گویا معاذ اللہ خدا کو بے رحم کہنا ہے۔ (سنت ابراہیم ج ۱۷)



## قربانی سنت ابراہیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے عرض کیا ما هذه الاضاحی یا رسول اللہ یعنی یہ قربانیاں کیا چیز ہیں؟ آپ نے فرمایا سنة ابيکم ابراهیم (تمہارے ابا جان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے) سو احقر نے اس میں یہ بیان کیا تھا کہ صحابہ نے قربانی کی حقیقت پوچھی تھی آپ نے حقیقت بیان فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سنت ہے ابراہیم علیہ السلام کی اور ظاہر ہے کہ سنت سے مراد ہر سنت تو ہے نہیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا ہر فعل تو قربانی نہیں ہے بلکہ مراد سنت خاصہ ہے پس جواب یہ ہوا کہ التضحية سنة خاصة لابراهيم (قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت خاصہ ہے) پس ایک مقدمہ تو یہ ہوا جو حدیث سے ثابت ہے اب دیکھنا چاہئے کہ وہ سنت خاصہ کون سا فعل ہے سو قرآن میں جو اس کے متعلق قصہ مذکور ہے اس میں ان کے دو فعل منقول ہیں ایک ذبح ولد دوسرا ذبح كبش فدیہ اور ہر چند کہ سرسری نظر میں جو آپ کا اخیر فعل ہے یعنی ذبح كبش وہ مصداق معلوم ہوتا ہے سنت ابراہیم کا لیکن اگر غور کر کے دیکھا جاوے تو اس بناء پر کہ اصل مامور یہ ذبح ولد تھا یہی اہق ہے سنت کے مصداق ہونے کا پس دوسرا مقدمہ یہ ہوا کہ سنة ابراهيم ذبح الولد جو قرآن سے ثابت ہے اور اس کے عدم وقوع کو مانع ارادہ نہیں سمجھا جاوے کیونکہ ذبح بمعنی ذبح کردن جو کہ فعل اختیاری ہے وہ تو واقع ہوا البتہ اس کا اثر مطاوع یعنی مذبح شدن واقع نہیں ہوا تو ذبح پر عدم وقوع کا حکم ہی غلط ہے نیز انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہے اور وحی میں غلطی کا احتمال نہیں اور خواب میں انی اذبحک (میں تجھے ذبح کر رہا ہوں) نص ہے تو ضرور ذبح کو واقع کہا جاوے گا۔ پس جب یہ اس کا مصداق ہوا تو اب عبارت جواب کی یہ ہوئی کہ التضحية ذبح الولد (قربانی لڑکے کو ذبح کرنا ہے) اور ظاہر ہے کہ یہ حمل ظاہراً صحیح نہیں اور صحیح ضروری ہے کیونکہ دونوں مقدمے صحیح ہوں تو نتیجہ ضرور صحیح ہوگا یعنی التضحية ذبح الولد اور اس کا نتیجہ بالمعنی الاصطلاحی نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ لازم ہوتا ہے۔ صغریٰ اور کبریٰ کو اور یہاں سے ابراہیم ذبح الولد جو مقدمہ ثانیہ ہے کلیہ نہیں مگر مدعا کا اثبات اس کے کبریٰ ہونے کے طور پر کیا بھی نہیں گیا بلکہ تقریر کی توجیہ یہ ہے کہ سنت سے مراد جب ذبح الولد ہے تو جملہ التضحية سے ابراہیم میں بجائے لفظ سنت ابراہیم کے لفظ ذبح الولد رکھ دو تو عبارت یہ بن جاوے گی کہ التضحية ذبح

الولد (قربانی کی صورت لڑکے کو ذبح کرنا ہے) اور یہی مدعا تھا غرض جب دونوں مقدمے صحیح ہیں تو مدعا بھی صحیح ہونا لازم ہے پس اس کو سمجھنا چاہیے۔ یہاں موضوع و محمول میں دودو احتمال ہونے سے کل چار احتمال اس حمل میں ہو سکتے ہیں ایک صورۃ التضحیۃ صورۃ ذبح الولد (قربانی کی صورت لڑکے کو ذبح کرنا ہے) دوسرا روح التضحیۃ روح ذبح الولد (قربانی کی صورت روح ہے ذبح الولد کی) تیسرا صورۃ التضحیۃ روح ذبح الولد چوتھا روح التضحیۃ ذبح الولد (روح قربانی کی ذبح ولد کی صورت ہے) اور بجز ثانی کے سب کا بطلان ظاہر ہے پس ثانی متعین ہو گیا یعنی ان دونوں فعل کی روح اور لب اور مغز ایک ہے مطلب یہ ہے کہ تضحیۃ کی جو حقیقت اور مغز ہے وہ وہ ہے جو ذبح ولد کی حقیقت اور مغز ہے۔

اب یہ بات رہ گئی کہ وہ مغز ذبح الولد کا کیا ہے کہ اسی کو روح تضحیۃ کہا جاوے گا سو وہ مغز ذبح الولد کا بالکل امر وجدانی ہے یعنی وہی امر ہے کہ تصور کیا جاوے کہ اگر بحکم حق میں ولد کو ذبح کر ڈالوں تو مجھ پر کیا حالت گزرے سو ظاہر ہے کہ سخت ناگواری طبعی گزرے اور ایسی حالت میں اس فعل کو کر ڈالنا یہ اس ناگواری طبعی کو برداشت کر لینا ہو پس وہ امر جو گزرے وہ یہ ہوا کہ طبعی ناگواری شدید کو خدا کے حکم سے برداشت کرنا اور اسی کو صوفیہ کی اصطلاح میں فناء نفس کہتے ہیں پس روح ذبح الولد کی فناء نفس ٹھہرا پس یہی فناء نفس روح تضحیۃ کی ہوئی پس معنی جملہ التضحیۃ ذبح الولد کے یہ ہوئے کہ روح التضحیۃ روح ذبح الولد پس حقیقت تضحیۃ کی فناء نفس ہوا۔

اور میں نے اس پر یہ حکم متفرع کیا تھا کہ جب روح اور حقیقت تضحیۃ کی یہ ہے تو خود اس تضحیۃ میں اور اس کے متعلق جمیع احکام و اعمال میں نفس کا ذرا اتباع نہ کیا جاوے بالکل احکام شرعیہ کا اتباع کیا جاوے واجبات میں لزوماً اور مستحبات میں بطریق محبت پس یہ حاصل تھا اس تقریر کا اس تقریر سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ تقریر سید ابراہیم سے تو قربانی کی حقیقت فناء النفس معلوم ہوتی ہے اور آج کی تقریر عود العید سے قربانی کی حقیقت تعظیم بالقلب معلوم ہوتی ہے جس کا ترجمان تکبیر باللسان ہے پس ان میں تدافع ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ سید ابراہیم میں حقیقت بمعنی ماہیت ہے چنانچہ حدیث میں حمل اس کی دلیل ہے اور عود العید میں حقیقت بمعنی غایت ہے چنانچہ قرآن میں لام کے لکبیر واللہ (تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیں) اس کی دلیل ہے اور صوفیہ کی اصطلاح میں لفظ حقیقت کا اطلاق دونوں معنی میں شائع ہے۔ اس اصطلاح پر دونوں تقریروں میں لفظ حقیقت وارد ہو گیا بس کچھ تدافع

نہ رہا اور باوجود اس کے میں نے تقریر عود العید میں لفظ حقیقت کو بھی بچایا ہے۔ اب ختم کرتا ہوں اور اس غایت پر بھی میں وہی احکام متفرع کرتا ہوں جو سنت ابراہیم میں حقیقت تضحیہ یعنی فناء النفس پر متفرع کئے تھے۔ یعنی جب حکمت اس طاعت کی تکبیر بالقلب واللسان ہے اور اس تکبیر کے لئے لازم ہے نفس کی تصغیر پس کبیر کے مقابلہ میں صغیر کا اتباع نہ کیا جاوے کبیر ہی کے احکام کو متبوع اصل قرار دیا جاوے خلاصہ یہ ہے کہ ان احکام میں مثل جمیع احکام کے نفس کا ذرا اتباع نہ کیا جاوے پس ترجیح احکام النصوص علی احکام النفوس لازم عام ہے (عود العید ج ۷)

## سنت ابراہیمی کا مصداق

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ اس حدیث سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جانوروں کی جان ہماری جان کا عوض ہے اس سے تو صرف یہ معلوم ہوا کہ قربانی کرنا حضرت ابراہیم کی سنت ہے اور حضرت ابراہیم نے دنبہ ذبح کیا تھا؟

تو بات یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اصل فعل تو ذبح ولد تھا اور ذبح کبش ان کا فعل نہ تھا بلکہ یہ تو بدوں ان کے ارادہ کے غیب سے فد یہ اسماعیل بنایا گیا پس سہ ابراہیم (تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے) (الدر المنثور) سے وہی فعل مراد لینا چاہیے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل فعل تھا اور وہ ذبح ولد تھا اور ذبح کبش کا وقوع بطور فد یہ کے ہوا ہے چنانچہ وَفَدَيْنَهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ (اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا) میں لفظ فَدَيْنَا اس پر صراحۃً دال ہے۔

تو حاصل حدیث کا یہ ہوا کہ اصحیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور وہ سنت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ولد کو ذبح کیا تھا پھر حق تعالیٰ نے کبش کو فد یہ ولد بنا دیا پس معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کو ذبح کرنا قائم مقام ذبح ولد کے ہے کیونکہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام میں ایسا ہی ہوا تھا۔ اور اگر اس دلالت کے غیر صریح ہونے سے کوئی اس پر اشکال کرے تو ہم کو مضرت نہیں کیونکہ اول تو یہ مضمون عقائد کی قبیل سے نہیں جس کے لئے حدیث صحیح الدلالة کی ضرورت ہو بلکہ منجملہ ترغیبات و فضائل کے ہے جس کے لئے فی الجملہ دلالت حدیث کافی ہے دوسرے اگر یہ حدیث اس دعوے پر صریح الدلالة نہیں تو ہم دوسری حدیث کو جو اپنے عموم سے دلالت میں صریح ہے اس سے ملا کر اپنا مدعی پورا کر لیں گے حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔



انا عند ظن عبدی بی (مسند احمد) کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں سو ہم کو تو اس وجہ دلالت کی بناء پر جو سنۃ ابیکم ابراہیم (الدر المنثور) کے متعلق اوپر مذکور ہوئی حق تعالیٰ کے ساتھ یہ گمان پختہ ہے کہ ان شاء اللہ قربانی کا جانور قائم مقام ذبح و لد کے ہے اور ہم کو اس میں وہی ثواب ملے گا جو ذبح و لد میں ملتا ہے تو کچھ اشکال نہیں رہا اور جس کو اب بھی اشکال ہو وہ اپنا ثواب کم کر لے وہ قربانی کو ذبح و لد کا عوض نہ سمجھے اسے اختیار ہے۔ (السوال فی الشوال ج ۱۷)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعداد ازواج کی مصالح و حکم

مخالفین کا اعتراض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ اللہ حفظ نفس کے لئے تعدد ازواج کیا۔ نو بیبیوں سے نکاح کیا اور افسوس یہ ہے کہ بعض مسلمان بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ گو اعتراضات نہیں بلکہ اپنے حظوظ نفس کی گنجائش کے لئے چنانچہ بعض لوگ چند نکاح کر کے کہتے ہیں کہ ہم نے اگر کیا تو کیا حرج ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو چند نکاح کئے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ نفس کے لئے چند نکاح ہرگز نہیں کئے حضور کے لئے تعدد ازواج مصالح دینیہ کے سبب مشروع ہوا۔ مثلاً آپ کی شان تھی شارع کی کہ آپ تمام امت کے لئے احکام الہی بیان فرماتے تھے بعض احکام ایسے بھی ہیں جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور عورتیں خود حضور سے بلا واسطہ دریافت کر نہ سکتی تھیں اور مردوں کے ذریعہ سے کہاں تک جزئیات کی تحقیق ہو سکتی اس لئے آپ کے احکام کی اشاعت میں تعدد ازواج کی مصلحت تھی کہ دوسری عورتیں ازواج کے واسطے سے سوال بآسانی کر لیا کریں اور جو بات ان کی سمجھ میں نہ آوے اس کو ان ازواج مطہرات کے ذریعہ سے بخوبی سمجھ لیا کریں۔

اب آپ ہی انصاف کریں کہ ہزار ہا مسلمان عورتوں کو احکام سمجھانے کے لئے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نو سے زیادہ بھی نکاح کرتے تب بھی کم تھا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعدد ازواج میں اعتدال کی تعلیم فرمائی ہے اور خود بھی عدل کے کسی دقیقہ کو نہیں چھوڑا گو بعض اقوال پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب بھی نہ تھا۔ علاوہ اس کے نکاح میں دو جانبین ہیں ایک افراط اور ایک تفریط افراط یہ کہ باوجود قوت کے نکاح ہی نہ کرے۔ ایک تفریط کہ ضرورت سے زیادہ کرے۔ حضور نے دونوں سے منع فرمایا اور اعتدال کی تعلیم دی کہ جتنی ضرورت ہو اس سے آگے نہ بڑھے اور چار سے زیادہ کی کسی کو بھی ضرورت



نہیں اور شاذ کا اعتبار نہیں اس لئے اس سے زیادہ سب کے لئے حرام ہے۔ اب غور کیجئے کہ ایک شخص کو ایک نکاح کی ضرورت تھی اس نے ایک نکاح کر لیا یہ تو اعتدال ہے اور اگر ایک شخص کو دو یا تین کی ضرورت ہو اور اس نے ایک پر اکتفا کر لیا تو یہ مجاہدہ ہے۔

جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب سنئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت جو ملاحظہ کا اعتراض ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ ان کو حضور کی قوت کا اندازہ نہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معمولی آدمیوں جیسا سمجھتے ہیں حالانکہ عادیۃ اللہ یہ جاری ہے کہ انبیاء علیہم السلام باطنی کمالات کے علاوہ ظاہری اور بشری کمالات میں بھی دوسروں سے زیادہ ہوتے ہیں چنانچہ حضرت دلاؤد اور سلیمان علیہما السلام کے سوا اور ہزار بیبیاں ہونا۔ اہل کتاب میں مشہور ہے اسی طرح ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قوت بشریہ میں دوسروں سے بڑھے ہوئے تھے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس مردوں کی اور ایک روایت میں چالیس مردوں کی قوت تھی۔ پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یا چالیس نکاح بھی کرتے تب بھی اعتدال سے کسی طرح باہر نہ ہوتے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر قوت حاصل تھی پھر جب اتنی قوت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نو بیبیوں پر اکتفا کیا تو یہ مجاہدہ ہو یا کہ حظ نفس؟ بہر حال یہ صورت اعتدال سے آگے کسی طرح نہ تھی بلکہ اعتدال سے گزر کر مجاہدہ میں داخل تھی۔

پھر ضروری بات ہے کہ نو بیبیاں ہونے سے حقوق بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ بڑھ گئے خواہ لزوماً یا التزاماً کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عورتوں کی باری مقرر کرنا اور برابری وغیرہ کرنا واجب تھا۔ آپ تبرعاً کرتے تھے بہر حال اس میں چاہے اختلاف ہو مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابری اور عدل کا پورا لحاظ فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ بیماری میں بھی ایک کی باری میں دوسری کے گھر نہ رہتے تھے۔ البتہ مرض وفات میں جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کے دن کا بہت انتظار رہتا ہے تو سب نے رضامندی کے ساتھ عرض کیا کہ بس اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں تشریف رکھیں اور اس حالت میں ہر اک کے گھر جانے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کلفت پہنچتی ہے۔ اب خیال کیا جائے کہ جس شخص کو حقوق کے ادا کرنے کا اس درجہ خیال ہو اس کے لئے نو بیبیوں کی اجازت محض ظاہر میں ایک

رخصت ہے۔ ورنہ حقیقت میں بڑی مشقت ہے۔ حتیٰ کہ بیبیوں میں عدل کرنا بڑی سلطنت کے عدل سے بھی مشکل تر ہے۔ کیونکہ یہاں محض ضابطہ کا تعلق نہیں کہ صرف ڈانٹ ڈپٹ سے کام لے لے دونوں سے محبت کا تعلق ہے ہر اک کی تکلیف سے دل دکھتا ہے۔

پھر شریعت کی پابندی کا مقتضایہ ہے کہ ظاہری برتاؤ میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے ایسی حالت میں عدل کرنا بڑے مرد کا کام ہے اور حضور عدل کی اس قدر رعایت فرماتے تھے کہ آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں کر سکتا اس کے بعد بھی آپ یہ فرمایا کرتے اللھم ھذہ قسمتی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (سنن النسائی ۶۳/۷) الہی یہ میری تقسیم ہے ان امور میں جو تیرے قبضہ میں ہیں۔ پس مجھ کو اس چیز میں ملامت نہ فرمائیے جو میرے اختیار سے باہر ہے یعنی قلبی محبت اور رجحان مثلاً میلان زیادہ آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف زیادہ تھا۔ تو یہ بات اختیار سے باہر تھی۔ مگر ظاہری برتاؤ میں آپ سب کے ساتھ عدل پورا فرماتے تھے۔ پس اس مشقت پر نظر کر کے وہ رخصت بھی رخصت نہ رہی بلکہ وہ بھی عزیمت تھی اب کس کا منہ ہے کہ اپنے آپ کو احکام سے مستثنیٰ سمجھے۔ (الحج المبرور ج ۱۷)

## جنت محل رضا

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اصل مقصود رضائے حق ہے ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ رضائے حق پر نظر کرتے ہوئے جنت کی درخواست ضروری ہے کیونکہ اول تو وہ محل رضا ہے جنت ہی میں حق تعالیٰ کی رضا کا ظہور ہوگا۔ جب رضا مطلوب ہے تو محل رضا بھی مطلوب ہونا چاہیے۔ ای شئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ ہر شے اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوا کرتی ہے مطلوب کے مقدمات اور وسائل بھی من وجہ مطلوب ہوئے ہیں لہذا رضا کے مطلوب ہونے سے بھی جنت کا مطلوب ہونا لازم آتا ہے پھر اس سے بے پروائی کے کیا معنی؟ (الحج المبرور ج ۱۷)

میں کہا کرتا ہوں کہ یہ دو فرقے دین کے محافظ ہیں۔ فقہاء اور صوفیہ اور فقہاء کا وجود تو مسلمانوں کے حق میں بہت بڑی نعمت تھی۔

علماء نے لکھا ہے کہ کسی کو خبر نہیں کہ میرے ساتھ خدا کو کیا منظور ہے۔ مگر فقہاء کو معلوم ہے کہ خدا کو ان کے ساتھ بھلائی منظور ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین جس کے ساتھ خدا کو بھلائی کرنے کا ارادہ ہوتا ہے اس کو دین کی سمجھ

یعنی فقہ عطا کرتے ہیں امام محمدؒ کو کسی نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا مجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمدؐ مانگو کیا مانگتے ہو میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کر دی جائے جواب ملا کہ اگر ہم تم کو بخشا نہ چاہتے تو فقہ عطا نہ کرتے۔ ہم نے تم کو فقہ اسی لئے عطا کیا تھا کہ تم کو بخشا منظور تھا۔

مگر اس سے مامون العاقبت ہونا لازم نہیں آتا۔ یعنی یہ نہ سمجھا جاوے کہ فقہاء پر سوء خاتمہ کا اندیشہ بالکل نہیں اس لئے مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں کیونکہ حق تعالیٰ اگر فقیہ کو عذاب کرنا چاہیں گے تو فقہ کو اس سے سلب کر لیں گے کوئی یہ نہ کہے کہ فقہ کیونکر سلب ہو جاوے گا۔ بات یہ ہے کہ فقہ کتابوں کے پڑھ لینے کا نام نہیں۔ فقہ ایک نور ہے جو فقیہ کے دل میں ہوتا ہے جس کی برکت سے اس کو دین کی سمجھ حاصل ہوتی ہے اور اس نور کو حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کر لیں وہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے اب تم لاکھ کتابیں پڑھتے پڑھاتے رہو۔ مگر چونکہ دین کی سمجھ نہیں رہی تم فقیہ نہیں ہو سکتے اور وہ نور فقہ طاعات اور تقویٰ سے بڑھتا ہے اور معاصی سے سلب ہو جاتا ہے جو فقیہ مطیع اور متقی نہ ہو وہ کتابوں کا فقیہ ہے حقیقی فقیہ نہیں اور نہ اس کے واسطے وہ بشارت ہے جو حدیث میں مذکور ہے اس لئے خاتمہ سے اطمینان کسی حال میں فقیہ کو بھی نہیں ہو سکتا۔ (اللمع البرور ج ۱۷)

## محبت شیخ اور اس کی وجہ

شریعت میں سب سے زیادہ حق باپ کا ہے اس کے بعد استاد کا اس کے بعد پیر کا مگر یہ طبعی بات ہے کہ محبت پیر کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ پیر کا تعلق خالص دینی تعلق ہے دنیا کا اس میں لگاؤ نہیں اور جس تعلق میں دنیا کا لگاؤ نہ ہو گا وہ ضرور مستحکم ہوگا۔ پیر چونکہ خالص دین کی تربیت کرتا ہے اس لئے اس سے زیادہ کوئی علاقہ موثر نہیں (اللمع البرور ج ۱۷)

شیخ (ابن عربی کی تحقیق یہ ہے کہ ایک تو زمان آخرت ہے اور ایک مکان آخرت ہے۔ زمان آخرت تو مرنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اور مکان آخرت اسی وقت موجود ہے چنانچہ جنت و دوزخ کے بارے میں جملہ اہل سنت کا قول ہے کہ وہ اس وقت موجود ہیں تو کیا وہ دنیا میں ہیں۔ اگر دنیا میں ہیں تب تو اس شخص کا قول صحیح ہو جائے گا جو کہتا ہے کہ ہم نے تو تمام دنیا کا جغرافیہ پڑھا جنت و دوزخ کا اس میں کہیں پتہ ہی نہیں۔

اس کا جواب اہل حق کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ تم نے دنیا کا جغرافیہ پڑھا اور ایک جغرافیہ آخرت کا ہے تم نے وہ نہیں پڑھا وہ تمہارے کورس میں داخل نہیں ہے اس لئے تم کو جنت و دوزخ کا پتہ نہیں چلا اگر آخرت کا جغرافیہ پڑھتے تب ان کو پتہ چلتا پس اہل حق جنت و دوزخ کو دنیا میں موجود نہیں مانتے بلکہ ان کو مکان آخرت میں موجود مانتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مکان آخرت اس وقت بھی موجود ہے اور جس طرح آخرت میں رویت ممکن ہے اسی طرح مکان آخرت میں بھی ممکن ہے گودیکھنے والا ابھی زمانہ آخرت میں داخل نہ ہوا ہو۔ پس قاعدہ مذکور منقض نہیں ہوا جس رویت کو آپ کے لئے ثابت کیا جاتا ہے وہ دنیا میں نہ تھی بلکہ مکان آخرت میں تھی۔ (تحصیل الہام ج ۱۷)

## علوم انبیاء علیہم السلام

انبیاء اور محققین کو اصل میں نفع رسانی مقصود رہی ہے اور نافع مضمون کی شان ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ اس سے عوام سے لے کر خواص تک نفع حاصل کریں اور ایسے مضامین عجیب و غریب نہیں ہوتے۔ بلکہ سننے سے معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر ان پر عمل کیا جائے تو اس وقت ان کا نفع معلوم ہوتا ہے اور جس قدر ان میں غور کیا جاتا ہے اسی قدر زیادہ باریکیاں اس میں نکلتی ہیں اور حقائق و دقائق اور مضامین غامضہ سے چونکہ کوئی نفع نہیں اس لئے انبیاء اور ان کے جانشین ایسے مضامین بیان نہیں فرماتے نہ اس وجہ سے کہ ان کو معلوم نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ فہم عوام سے باہر ہیں اور نیز کوئی نفع بھی نہیں۔

اس کو ایک مثال کے ضمن میں سمجھنا چاہیے کہ حکیم محمود خاں کی دو مقام میں دو شانیں ہیں ایک تو جس وقت وہ طالب علموں کو پڑھاویں اور ایک جس وقت نسخہ لکھیں تو اگر کوئی شخص مطب میں ان کو دیکھ کر کہے کہ میں نے تو سنا تھا کہ حکیم محمود خان صاحب طب کے بڑے عالم ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں۔ سونف کا سنی تو کوئی بتا دے تو وہ شخص احمق ہے اس کو یہ عقل نہیں کہ جو لوگ ان کے پاس اس وقت جمع ہیں یہ مریض ہیں ان کے لئے یہی مناسب ہے۔ اگر اس کو طب کی تحقیقات سننے کا شوق ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس وقت کا انتظار کرے جب کہ وہ طالب علموں کی نفیسی اور قانون کا سبق پڑھاتے ہیں۔ (اسرار حج ج ۱۷)



## تجلی کلامی

الحاصل اگر کلام الہی کو یہ لباس حدوث کا نہ پہنایا جاتا تو یہ حالت ہوتی۔  
 لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْنَاهُ خَائِشًا فَتَصَدَّ عَاقِبَتُ حَشِيَّةِ اللَّهِ یعنی اگر ہم اس قرآن کو کسی  
 پہاڑ پر نازل کرتے تو اسے مخاطب تو اس کو اللہ کے خوف سے دب جانے والا اور پھٹ جانے  
 والا دیکھتا۔ کوہ طور پر ایک ہی تجلی تو ہوئی تھی جس نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ موسیٰ علیہ  
 السلام نے اول رویت کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں ارشاد ہوا۔  
 وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي یعنی تم مجھ کو نہیں دیکھ سکتے اس پہاڑ کی  
 طرف دیکھو اگر یہ اپنی جگہ پر جما رہا تو تم مجھ کو دیکھ لو گے۔  
 فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَذَ مُوسَىٰ صَعِقًا یعنی رب موسیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس  
 کو ریزہ ریزہ کر دیا اور بیہوش ہو کر گر گئے۔ پس یہی حال تجلی کلامی کا بھی ہوتا کہ کسی کو اس کی تاب  
 نہ ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے لو کشف سبحات وجہہ لا حترق ما انتھی الیہ بصرہ  
 (لم اجد الحدیث فی موسوعة) (اگر وہ اپنے چہرے کے حجابات اٹھا دیتے جہاں تک اس  
 کی نظر پہنچے سب جل جاتے) پس غایت رحمت ہے کہ اپنے کلام کو ایسی صورت سے اس عالم میں  
 اتارا کہ ہمارے قلوب اس کے متحمل ہو گئے تو لازم تو یہ تھا کہ اس کا احسان مانیں نہ کہ الٹا اعتراض  
 کریں۔ غرض انبیاء اور اولیاء اللہ کا کلام تنزل کے بعد بھی نہایت رفیع الشان ہوتا ہے وہ کلام سہل  
 ممتنع ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایسی رعایت اور پہلو ہوتے ہیں کہ نہایت مفید اور نہایت مفید  
 ہونے کے ساتھ نہایت عالی کہ ارسطو اور افلاطون اور مشائخ اور اشرافین بھی وہاں تک  
 نہیں پہنچ سکتے۔ پس اس پر اعتراض کرنا نری حماقت ہے اور عقل پرستی نہیں بلکہ وہم پرستی ہے  
 خلاصہ یہ ہے کہ ان عقلاء کی عقل نے راہ ماری ہے اور فِرْحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ (جو کچھ ان کے  
 پاس ہے اس پر خوش ہیں) کے پورے مصداق ہیں۔ (اسرار حج ج ۱۷)

## حکم تدفین کے مصالح

اسلام کی خوبی یہاں سے ظاہر ہوتی ہے کہ دفن کا حکم دیا اور جلانے کی ممانعت کر دی کہ  
 دفن میں اکرام اور احراق (جلانے) میں ترک احترام ہے اور اس کے علاوہ دفن میں ارجاع  
 الی الاصل (اصل کی طرف لوٹنا) بھی ہے۔ اور احراق میں اصل سے عدول ہے۔ بعض

مدین فلسفہ جلانے کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور دفن کی خرابیاں کہ اس سے مٹی خراب ہو جاتی ہے اور اس سے جو بخارات اٹھتے ہیں وہ گندے زہریلے اور متعفن ہوتے ہیں اس طرح کے نکتوں سے ثابت کرتے ہیں کہ جلانا اچھا ہے مگر ہم تو اس کے خلاف مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کسی مدفون کی قبر پر ہمیں بدبو نہیں آتی مگر مرگھٹ پر تو اس قدر متعفن اور گندی ہوا ہو جاتی ہے کہ ناک نہیں دی جاتی ایسے مہمل نکتے تو ہر چیز میں بیان ہو سکتے ہیں مگر سلامت فطرت حق و باطل کا فیصلہ خود کر لیتی ہے بلکہ عقل تو دفن کو پسند کرتی ہے کہ اس میں بدن کو اس کی اصل میں پہنچا دیا باقی خاک کا اصل ہونا سو اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر عنصر کا اپنے خمیر کی طرف طبعی میلان ہے اگر کوئی انسان کو ٹھٹھے پر سے اچھلے اگر وہ اوپر چلا جاتا تو ہوا یا نار غالب ہوتی اور اب تو خاک غالب ہے یا آب اور آب کا غالب نہ ہونا بھی ظاہر ہے ورنہ آب میں پہنچ کر عمق کی طرف نہ جاتا۔ پس خاک کا غلبہ متعین ہو گیا اور یہ قاعدہ عقلی ہے کہ:

کل شئی یرجع الی اصلہ (یعنی ہر چیز اپنی اصل کی طرف عود کرتی ہے) تو خاک میں دفن کرنا بالکل عقل کے موافق اور اس کے ماسوا سب فطرت سلیمہ اور عقل کے بالکل خلاف ہے۔ (روح المعج والنج ج ۱)

الحمد للہ حق تعالیٰ نے اس وقت مجھے جواب میں یہ بات سمجھا دی کہ انہیں کیا خبر کہ مسلمانوں میں رحم نہیں۔ اب آپ سب مسلمان ٹٹول لیجئے کہ ذبح کے وقت قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے کڑھتا ہے یا نہیں۔ بعض موجود بزرگوں کا قصہ سنا ہے کہ ذبح کے وقت آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے آخر یہ کیا بات ہے رحم اور کسے کہتے ہیں۔ (روح المعج والنج ج ۱)

## گناہ کی چنگاری

گناہ کی مثال تو آگ کی سی ہے۔ ایک چنگاری بھی مکان جلانے کے لیے کافی ہے اور بڑا انگارہ بھی۔ پس صغیرہ چنگاری ہے اور بڑا گناہ انگارہ۔ پس عمل کرنے کے لیے یہ پوچھنا کہ یہ صغیرہ ہے یا کبیرہ شبہ میں ڈالتا ہے کہ اگر کبیرہ ہوگا تو بچیں گے اور اگر صغیرہ ہو تو خیر ہم ایسے شخص سے اجازت لیتے ہیں کہ لاؤ تمہارے چھپر میں چھوٹی سی چنگاری رکھ دیں۔ اگر یہ ناگوار ہے تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کیسے گوارا ہے (استخفاف المعاصی ج ۱۸)

## موت کی یاد

حدیث شریف میں ہے ”اکثروا ذکر ہاذا م اللذات“ (لذتوں کو توڑنے والی یعنی موت کو اکثر یاد رکھو) مراقبہ کے لیے یہ اشعار نہایت مناسب ہیں۔

کل ہوں اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے خوب ملک روس ہے اور سرزمین طوس ہے  
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی اس طرف آواز پبل ادھر صدائے کوس ہے  
صبح سے تا شام چلتا ہے مئے گلگوں کا دور شب ہوئی تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے  
سننے ہی عبرت یہ بولی ایک تماشا میں تجھے چل دکھاؤں تو تو قید آرز کا محبوس ہے  
لے گئی یکبارگی گور غریباں کی طرف جس جگہ جان تمنا سو طرح مایوس ہے  
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیاؤس ہے  
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج کچھ بھی انکے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے  
اس مراقبہ کے بعد دنیا کی بھی محبت کم ہو گئی اور توبہ بھی ہو گئی اور مرض گناہ کا بفضلہ تعالیٰ دور ہو جائے گا۔ سبحان اللہ شریعت نے کیا علاج تجویز فرمایا ہے۔ اگر امر تکوین سے مبتلائے مرض ہوا تھا تو امر تشریعی سے صحت یاب ہوا۔

درد از یار است و درماں نیز ہم دل فدائے اوشد و جاں نیز ہم  
(درد محبوب کی طرف سے ہے اور علاج بھی اسی کی جانب سے ہے۔ اس پر دل بھی قربان ہو اور جان بھی قربان ہو) (استخفاف المعاصی ج ۱۸)

## گناہ بے لذت

بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ ان کو شوکت سے بھی کوئی تعلق نہیں مثلاً تصویر رکھنا، کتاب پالنا، داڑھی منڈانا، مجھے ایک اپنی اور ایک دوسرے صاحب کی حکایت یاد آئی، اپنی تو یہ کہ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا کہ ایک جنٹلمین جو کتا لیے ہوئے تھے مجھ سے فرمانے لگے کہ کتے میں ایسے ایسے اوصاف ہیں پھر اس کا پالنا کیوں منع کیا گیا، میں نے کہا کہ صاحب اس کا ایک تو عام جواب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور یہ جواب ہزاروں شبہات کا ہے۔ دوسرا جواب خاص جواب ہے جو اس باب کے ساتھ مخصوص ہے وہ یہ کہ اس

میں باوجود ان صفات کے ایک ایسا عیب ہے کہ جس نے سب اوصاف کو گرد کر دیا اور وہ یہ ہے کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں اس لیے اس کا پالنا منع ہے۔ بس چپ ہی تو ہو گئے اور خوش ہو کر تسلیم کیا اور دوسرے کی حکایت یہ ہے کہ ایک صاحب کتابغل میں دبائے بیٹھے تھے کسی نے کہا کہ اس میں کیا مصلحت ہے کہنے لگے تاکہ فرشتہ موت کا نہ آئے۔ انہوں نے کہا یہ تو کوئی بات نہیں آخردنیا میں کتے بھی تو مرتے ہیں جو فرشتہ ان کی جان نکالتا ہے وہی تمہاری بھی نکالے گا اور پہلی حکایت میں جو میں نے دوسرا جواب دیا تھا جس سے وہ بہت خوش ہوئے تھے واقع میں وہ کوئی بڑی بات نہیں بات اصلی تو وہی تھی کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ غرض بعضے گناہ میں تو بالکل ہی ضرورت و مصلحت کا کوئی درجہ نہیں گو جن کو ضروری سمجھا جاتا ہے بایں معنی کہ ان کے نہ کرنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے اور ان کے لیے نفس کچھ حیلہ نکال لیتا ہے عقل صحیح کے سامنے وہ بھی لغو ہیں لیکن اس وضع کے بدلنے میں تو کسی درجے کا بھی نفع نہیں اور اس کے چھوڑنے میں کوئی تکلیف ہے تو یہ گناہ بالکل گناہ بے لذت ہوا اور اگر بالفرض کوئی لذت و ضرورت ہو تو بھی تو خدا کے حکم کے سامنے اپنی مصلحت کیا چیز ہے یہ تو ظاہری گناہ تھے۔ (ترک المعاصی ج ۱۸)

## باطنی گناہ

باطنی گناہ یہ ہیں کہ مثلاً اہل دنیا تو دوسروں کو ذلیل سمجھتے ہیں اور دیندار اس پیرایہ میں تو نہیں لیکن وہ اپنے کو بزرگ سمجھ کر دوسروں کو ذلیل سمجھتے ہیں خوب کہا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ کہاں کی بزرگی یہ کہا ہے:

غافل مرد کہ مرکب مردان مرد راہ      در سنگلاخ بادیہ پیا بریدہ اند  
نومید ہم مباش کہ زندان بادہ نوش      ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

(ترک المعاصی ج ۱۸)

مباح کے ساتھ جو معاملہ کیا جاتا ہے اس میں دو غلطیاں ہوتی ہیں ایک افراطی دوسری تفریطی، افراطی غلطی تو یہ ہے کہ مباح کے ہر درجہ کو مباح سمجھ کر تمام درجات طے کر جاتے ہیں کسی درجہ پر جا کر رکتے نہیں حالانکہ بعض درجے مباح کے ایسے ہیں کہ وہاں پہنچ کر آدمی محرم سے بچ نہیں سکتا۔ جیسے کھیت کے چاروں طرف کی ڈول بھی مباح



المشی ہے لیکن اس پر مویشی کو نہ چلانا چاہیے اس لیے کہ اس کے قریب کھیت ہے اس میں چرنے لگنے کا قوی احتمال ہے اور کسی کے کھیت میں مویشی کا چرانا حرام ہے ایسے مباحات کا ایک درجہ وہ ہے کہ محرم سے ملا ہوا ہے تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں جا کر پھر محرم سے بچنے کی سعی کرنے میں آدمی ناکام رہتا ہے اس لیے اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ بس مباح میں اس قدر توسع کرنا کہ کسی درجہ میں نہ رکے یہ مناسب نہیں ہے۔

### استنباط رحمت

اور دلیل اس کی یہ ہے کہ آدم و حوا علیہما السلام کو حکم ہوا تھا کہ ”لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ“ یعنی اس درخت کے قریب مت جاؤ حالانکہ منہی عنہ اکل شجرہ ہے لیکن منع کیا گیا اس کے پاس جانے سے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نہایت رحیم و کریم ہیں۔

انہوں نے دیکھا کہ جب پاس جاویں گے تو پھر رکنا دشوار ہے ایک شخص کو کان پور میں، میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ شدت خوف کی وجہ سے مایوس ہو کر قریب تھا کہ نماز روزہ ہی چھوڑ دے اور لیجئے دیکھئے شوق ذوق بہت محبوب و مطلوب چیز ہے مگر اس کی نسبت بھی ارشاد ہے: ”وَاسْتَلِكْ شَوْقًا إِلَى الْقَائِكَ فِي غَيْرِ ضَرَاءٍ مُضْرَةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضْلَةٍ“ (یعنی اے اللہ مجھے ایسا شوق عطا ہو جس میں مصیبت آزار دینے والی اور بلا گمراہ کرنے والی نہ ہو) یعنی شدت شوق کے بعض اوقات میں دواثر ہوتے ہیں یا تو اہل شوق ہی پکھل جاتے ہیں نہ کھانے کے رہتے ہیں نہ سونے کے ہر وقت اسی طرف مشغول رہتے ہیں اور بیمار ہو کر بعض اوقات جان تک نوبت آ جاتی ہے۔ من غیر ضراء مضرة (بلا آزار دینے والی سے) میں اس سے احتراز ہے اور یا یہ اثر ہے کہ گستاخ و بے ادب ہو کر گمراہی اور کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے اس کے متعلق ارشاد فرمایا وَلَا فِتْنَةٍ مُضْلَةٍ (بلا آزار دینے والی سے) دنیا میں بھی اس دوسرے اثر کا نمونہ موجود ہے اگر کسی نوکر چاکر کو زیادہ منہ لگاؤ تو اگر وہ بھلا مانس ہے تو اس پر تو زیادہ عنایت کرنا اس کو مسخر کر لینا ہے اگر وہ پہلے ایک گھنٹہ خدمت کرتا ہوگا تو اب چار گھنٹہ کرے گا اور اس کے اندر خباثت ہے تو اور زیادہ منہ چڑھے گا۔ حتیٰ کہ نوبت اس کی پہنچے گی کہ آقا اس کو نکال کر باہر کرے گا۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

خشیت میں حد لگائی، شوق میں حد لگائی، اسی طرح معصیت کے استمقال کی بھی حد ہوگی۔  
قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کوئی شے حد سے بڑھے گی ضرور خرابی ہوگی۔ اسی طرح گناہ کی نسبت یہ  
خیال کر لینا کہ یہ اتنا بڑا ہے کہ اب میری کوئی طاعت بھی قبول نہ ہوگی یہ افراط کا درجہ ہے۔

## مسلمان کیلئے گناہ بے لذت ہی ہے

میں بہ قسم کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان کے لیے تو گناہ ہمیشہ بے لذت ہی ہوتا ہے بلکہ بے  
لذت سے بڑھ کر بد لذت اور یہ بات بہت ہی ظاہر ہے مگر اس سے نظر قاصر اس وجہ سے  
ہو رہی ہے کہ لوگوں نے لذت جسم ہی کو لذت سمجھ لیا ہے اور یہ نہیں دیکھا کہ لذت درحقیقت  
کس کو حاصل ہوتی ہے جسم کو یا روح کو جسم اور روح میں نسبت عینک اور آنکھ کی سی ہے دکھائی  
تو بیشک عینک ہی سے دیتا ہے مگر دیکھنے والی عینک نہیں ہے بلکہ آنکھ ہے بلکہ ترقی کر کے کہہ  
سکتے ہیں کہ آنکھ بھی دیکھنے والی نہیں ہے آنکھ آلہ ہے ادراک اور مد رک نفس ناطقہ ہے  
درحقیقت صحیح یہی ہے کہ دیکھنے والا نفس ناطقہ ہے اور آنکھ اور عینک دونوں آلات ہیں تو  
عینک کی طرف اگر دیکھنے کی نسبت کی جاوے گی بلکہ آنکھ کی طرف بھی اگر لی جائے گی تو  
مجازاً ہی صحیح ہو سکتی ہے حقیقتاً صحیح نہیں۔ اسی طرح ادراک لذت یا ادراک الم کی نسبت جسم کی  
طرف ہمیشہ محالاً ہوگی جو کہ ناقابل اعتبار ہے اور درحقیقت الم اور لذت جو کچھ ہے وہ روح کو  
ہے مگر ایک زمانہ ہے جو اس غلطی میں مبتلا ہے کہ محض راحت جسم کا نام راحت رکھ لیا ہے گو  
روح کیسی ہی مردہ ہو رہی ہو حالانکہ اگر جسم کو لذت ہوئی اور روح کو نہ ہوئی تو وہ کیا خاک  
لذت ہے وہ لذت تو ایسی ہوگی جیسے زیادہ مرچ دار سالن کہ زبان کو تو مزہ آتا ہے مگر دل کو  
تکلیف پہنچتی ہے کہ گرمی بڑھ جاتی ہے اور خفقان ہوگا اور طبیبوں کی ناز برداری کرنی پڑے  
گی اور وہ لذت ایسی ہے کہ جیسے غصب کی چیز کھا رہا ہے اور غاصب پر غصب ساتھ ساتھ  
نازل ہو رہا ہے۔ مثلاً حلوائی کی دکان سے ہاتھ مار کر مٹھائی کھالی اور ادھر سے لٹھیاں پڑنے  
لگیں کہ زبان کو تو مٹھائی کا مزہ آیا مگر سر پھوٹا اور ذرے سے مزہ کے لیے مدتوں مرہم پٹی  
ہوتی رہی لذت تو یہاں بھی آئی مگر کیا یہ لذت کس شمار میں ہے؟ اور کیا کوئی عقل مند اس  
لذت کے لیے غصب کی اجازت دے دے گا؟ اور بے حسی کی اور بات ہے۔ (الکاف ج ۱۸)

## حفاظت نظر مقدم ہے

جس آیت میں غرض بصر اور حفاظت فرج دونوں کا حکم ہے اس میں حق تعالیٰ نے امر غرض بصر کو مقدم کیا ہے۔ ارشاد ہے: ”قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ“ یعنی کہہ دیجئے مومنین سے کہ اپنی نگاہیں نیچی کریں یعنی نظر سے بچیں اس حکم کو مقدم کیا۔ دوسرے حکم پر یعنی وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ پر یعنی اصل فعل سے بچنے پر اس کی وجہ یہی ہے کہ غرض بصر ذریعہ ہے حفاظت شرمگاہ کا اور ذریعہ آسان ہوتا ہے اسی واسطے اس کو اختیار کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل فعل یعنی زنا سے بچنا اتنا آسان نہیں جتنا نظر کو بچا لینا آسان ہے۔ ثابت ہوا کہ غرض بصر کوئی زیادہ مشکل کام نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت مقدسہ نے آسانی کے واسطے تدبیر بتلائی ہے اور اسی واسطے پردہ کا حکم رکھا ہے لوگ کہتے تو ہیں کہ پردہ کی کیا ضرورت ہے۔ اصل گناہ یعنی زنا کیا نہ جاوے پردہ ہو یا نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ذرائع کو اختیار کرنے کے بعد بھی اگر مقصود میں کامیابی ہو جاوے تو بہت ہے۔ چہ جائیکہ ذرائع کو اختیار ہی نہ کیا جاوے اور کامیابی کی امید رکھی جاوے۔ میں کہتا ہوں کہ پردہ کے بعد بھی زبان سے بچ جاؤ تو بڑی بات ہے کیونکہ شیطان کے شر سے کہیں بے پردگی ہو جاتی ہے اور پردہ کو توڑ کر امید رکھنا کہ زنا سے حفاظت رہے گی محض حماقت ہے ان لوگوں نے شرعی انتظام کو بالکل لغو سمجھا ہے۔ (الکاف ج ۱۸)

## بے پردگی کے مفاسد

ایک جگہ اعتراض کیا گیا ہے کہ پردہ میں بھی سب کچھ ہو جاتا ہے جن طبیعتوں میں خرابی ہوتی ہے وہ کسی صورت میں باز نہیں رہ سکتیں کیا پردہ داروں میں زنا نہیں ہوتا۔ میں نے کہا جب کبھی بھی کچھ ہوا تو بے پردگی ہی سے ہوا اور اکثر تو یہ ہے کہ جن لوگوں میں ایسے واقعات ہوئے ہیں ان کو پردہ دار کہنا ہی برائے نام ہے ورنہ ان کے یہاں نہ چچا زاد بھائی سے پردہ ہے نہ ماموں زاد بھائی سے نہ خالہ زاد سے نہ بہنوئی سے نہ دیور سے نہ جیٹھ سے۔ جب ہی تو مفاسد مرتب ہوئے ہیں۔ اس حالت میں ان کو پردہ دار کہنا ایسا ہے جیسے کوئی معزز آدمی جو اکھیل کر یا شراب پی کر جیل خانہ میں پہنچ جائے تو کوئی کہے لو صاحب جیل خانہ میں معززین بھی جانے لگے۔ یہ غلط ہے بلکہ وہ معززین جیل خانہ میں جب ہی پہنچے جب کہ

عزت کو چھوڑ دیا۔ اس وقت ان کو معزز کہنا تو ان کا صرف خاندانی امتساب سے ہے ورنہ عزت تو رخصت ہو چکی کیونکہ عزت تو عزت کے افعال کا نام ہے جب جو اکیلا یا شراب پی تو افعال بگڑ چکے پھر عزت کہاں؟ ایسے ہی پردہ داروں میں جو زنا ہو جاتا ہے ان کو پردہ دار کہنا باعتبار ما کان کے ہوگا یا باعتبار رسم کے ہوگا ورنہ پردہ ٹوٹنے کے بعد ہی تو اس فعل کی نوبت آئی۔ غرض غلطی ہے ان لوگوں کی جو پردہ کے خلاف ہیں اور یہ خیال خام ہے کہ زنا سے حفاظت ہو سکتی ہے بلا سد ذرائع کے۔ جب شریعت اس کو ایسا مشکل سمجھتی ہے کہ اس کے لیے ذرائع اور تدابیر کی ضرورت سمجھتی ہے تو وہ واقع میں مشکل ہی ہے شریعت کی نظر ہم سے کہیں غامض ہے؟ اس کے سامنے ہماری تحقیق کیا چیز ہے؟ اور پھر وہ کچھ تحقیق بھی تو ہو صرف تقلید اور خود رائی کا نام تو تحقیق نہیں ہو سکتا۔ (اکاف ج ۱۸)

واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو وہ رتبہ بخشا ہے کہ بڑے سے بڑے ولی بھی حتیٰ کہ امام مہدی علیہ السلام بھی ایک ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتے اور یہ حق تعالیٰ شانہ کا بہت ہی بڑا فضل و احسان امت محمدیہ کے حال پر ہے کہ ہمارے خلف پر صحابہ کی فضیلت کو پوری طرح منکشف کر دیا کہ سب نے اس پر اجماع و اتفاق کر لیا کہ الصحابة کلہم عدول و افضل الخلق بعد الانبياء اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی صحابہ سب کے سب معتبر اور ثقہ ہیں۔ ان میں کوئی شخص غیر معتبر نہیں اور تمام مخلوق میں بعد انبیاء علیہم السلام کے سب سے زیادہ افضل صحابہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مسئلہ کا انکشاف ہمارے حق میں بہت ہی بڑی رحمت ہے اور وہ رحمت یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حق تعالیٰ شانہ کو اس دین کی حفاظت ہی منظور ہے۔ اگر حضرات صحابہ کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد نہ ہوتا بلکہ خدا نخواستہ ان کے غیر معتبر ہونے کا یہ ان کی نسبت خیانت کرنے کا کچھ بھی شبہ ہوتا تو شریعت کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ قرآن و احادیث کی بابت طرح طرح کے خیالات و شبہات پیدا ہوتے اور کسی طرح دل کو اطمینان نصیب نہ ہوتا اور صحابہ کی نسبت حضرات سلف صالحین کا یہ اجتماع محض حسن اعتقاد ہی کی بناء پر نہیں بلکہ خود ان کے احوال و اعمال سے ان کی دیانت اور راست بازی و پرہیزگاری ایسی کھلی ہوئی نظر آتی ہے کہ موافق تو موافق مخالف تک اس کا اقرار کیے ہوئے ہیں جس پر تاریخ گواہ ہے جس کے بعد اس قول میں کچھ بھی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ الصحابة کلہم عدول۔ حضرات صحابہ کی اس فضیلت کے انکشاف سے صرف یہی



نہیں کہ دین کی حفاظت ہوگئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کی فضیلت کے اقرار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت بڑھ گئی جس قدر صحابہ کے ساتھ اعتقاد بڑھتا ہے اسی قدر حضور کے ساتھ محبت بڑھتی ہے اور جس قدر صحابہ سے کسی کو بے اعتقادی ہوتی ہے اسی قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت میں کمی ہو جاتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس مدرسہ کے سارے طلبہ بد استعداد ہوں وہاں مدرسین کی بد استعدادی کا بھی شبہ کیا جاتا ہے سواگر ہمارے اعتقاد صحابہ کے ساتھ اچھے نہ ہوں گے تو معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بھی اچھا خیال نہ ہو سکے گا بلکہ یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ بس جی جیسی روح ویسے ہی فرشتے اور یہ حالت ہماری بہت ہی خراب و ناگفتہ بہ ہوتی۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جن کو صحابہ کے ساتھ بے اعتقادی و بدگمانی ہے سوان کی دینی حالت دیکھ لی جائے کہ کس قدر کمزور ہو رہی ہے۔ (الجلالہ بتلاء ج ۱۸)

## فضیلت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سائل کو کیسا دندان شکن جواب دیا کہ تو معاویہؓ کی بابت سوال کرتا ہے عمر بن عبدالعزیز و اوایس قرنی کو حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک کی خاک سے بھی تو نسبت نہیں۔ آج کل بھی بعض لوگوں کو اس قسم کے سوالات کا خبط سوار ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک عالم سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ ان دونوں میں سے کون حق پر تھے انہوں نے خوب جواب دیا کہ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ قیامت کے روز یہ مقدمہ تمہارے اجلاس میں نہیں بھیجا جائے گا اور اگر بھیجا گیا تو میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ مقدمہ خارج کر دینا اور کہہ دینا کہ مقدمہ میرے حدود اختیار سے باہر ہے پھر میں واقعات سے بھی بے بہرہ ہوں اور میں نے علماء سے اس کی تحقیق بھی کرنی چاہی تھی مگر انہوں نے مجھ کو جواب نہیں دیا تمہاری گردن تو اس جواب سے چھوٹ جائے گی۔ پھر اگر ہم سے سوال ہوا کہ تم نے اسے کیوں نہیں بتلایا تو ہم خود نمٹ لیں گے۔ واقعی اچھا جواب دیا بھلا اپنے حوصلہ سے زیادہ بڑھنا حماقت ہے یا نہیں؟ پہلے ہم اپنے گھر کا تو فیصلہ کر لیں پیچھے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ کے جھگڑے میں پڑیں دنیا میں اس کی نظیر دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی مقدمہ وائسرائے کی عدالت کے متعلق ہو جس کی بابت یقین ہے کہ تحصیلدار صاحب کی کچہری میں کبھی نہ آئے گا اور تحصیلدار اس کے فیصلہ و قوانین معلوم کرنے کے درپے ہو اور نہ معلوم ہونے سے پریشان

ہو تو یہ حماقت ہے یا نہیں، ہر شخص یہی کہے گا کہ آپ کو اپنی تحصیل کے قواعد معلوم کرنے چاہئیں ان میں اگر کوتاہی ہوگئی تو آپ سے باز پرس ہوگی، آپ سے یہ سوال کوئی نہ کرے گا کہ تم نے وائسرائے کے اجلاس کے قوانین کیوں نہیں یاد کئے۔ (الجلالہ علاہ السلام ج ۱۸)

میں نے لوگوں سے کہا توبہ واستغفار کرو! اور ہر روز پانچ سو مرتبہ کم از کم ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ (نہیں نیکی کرنے کی ہمت اور نہ گناہوں سے بچنے کی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ کے جو بلند وبالا اور عظمت والا ہے) (کی توفیق سے) کا وظیفہ مقرر کرلو! ان شاء اللہ ایک ہفتہ میں سب مصیبت دور ہو جائے گی۔ یہ میں نے کوئی کشف سے نہیں کہا تھا بلکہ حدیث میں آیا ہے: ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ كُنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ بَخْتِهِ وَهُوَ دَوَاءٌ لِّسَبْعِينَ ذَاً اَيَسْرُهَا اَللّٰهُمَّ“ کہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ یہ جنت کا ایک خزانہ ہے اور ستر بلاؤں کی دوا ہے جس میں سے ادنیٰ فکر و غم ہے (رواہ فی الحصن جامع ۱۲) اس بھروسہ پر میں نے کہہ دیا تھا اور عدد کی تعیین اتفاق سے میرے منہ سے نکل گئی، ان لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور عمل شروع کیا، واقعی ایک ہفتہ گزرنے نہ پایا تھا کہ وہ حکم منسوخ ہو گیا اور امن چین ہو گئی پھر ان لوگوں کو اس عمل سے ایسا اعتقاد ہوا کہ کان پور کی جامع مسجد میں اب تک نماز عصر کے بعد اس کا ورد چلا جا رہا ہے۔ غرض مصائب سے نجات چاہتے ہو تو ایک ذات سے تعلق پیدا کرو! وہ کون ہے:

مصلحت دیدن آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و خم طرہ یارے گیرند  
(میں بڑی مصلحت یہ دیکھتا ہوں کہ دوست سب کو چھوڑ کر محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائیں)  
یعنی حق تعالیٰ شانہ سے تعلق پیدا کرو! اس کے سوا سب سے نظر قطع کرو! کیونکہ راحت و کلفت سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس کو راضی کرو! انشاء اللہ وہ تمام مصائب کا انتظام فرما دیں گے:

اَمَنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَيَكْشِفُ السُّوْءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ  
اَلْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۝

”یا وہ ذات جو بے قرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اسکی مصیبت کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین صاحب تصرف بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے مگر تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو۔“

ہاں! وہ کون ہے؟ جو کہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں یکے بعد دیگرے قائم مقام بناتا ہے (وہ صرف خدائے عزوجل ہے) کیا (اب بھی) خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (ہرگز نہیں) مگر پھر جو بعض لوگ خدا کی طرف نہیں جھکتے اس کا یہ سبب نہیں کہ وہ اس مضمون کو جانتے نہیں بلکہ وہ لوگ (محض کورانہ تقلید سے) خدا کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں۔ (الجلالہ اللہ تعالیٰ ج ۱۸)

## استقامت اعمال

اور حق تعالیٰ کی صفات پر مجھے ایک بات یاد آئی جو بہت ہی کام کی بات ہے۔ ایک علم عظیم ہے جو حق تعالیٰ نے آج عطا فرمایا ہے اس کی قدر وہ جانے جس پر گزرتی ہے۔ مجھ سے اگر پوچھئے! تو لاکھوں کی بات ہے وہ یہ کہ بعض سالکوں کو یہ بات پیش آتی ہے کہ ان میں تاثر کم ہوتا ہے نہ خوف نہ غلبہ نہ زیادہ غلبہ محبت پس ان کی طبیعت خالی خالی معلوم ہوتی ہے اور بعضوں پر احوال و مواجید کا بہت غلبہ ہوتا ہے ذرا ذرا سی بات پر رقت اور خوف طاری ہو جاتا ہے گریہ غالب ہو جاتا ہے کبھی شوق و محبت میں سکر کی سی کیفیت رہتی ہے تو جن سالکوں پر ان احوال کا غلبہ نہیں ہوتا وہ پریشان رہتے ہیں کہ ہم کو ذکر سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ لیجئے! آج میں اس کی حقیقت بتلاتا ہوں اور وہ علم ایک نیک بی بی کے خط کے آنے سے حاصل ہوا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہاں موت کثرت سے ہو رہی ہے جس سے بہ تمام کاموں کو طبیعت چاہتی ہے مگر مجھے خوف نہیں معلوم ہوتا نہ کچھ رقت طاری ہوتی ہے یہ حالت کیسی ہے ان کو تو میں نے ہی لکھ دیا کہ حالات مقصود نہیں ہیں بلکہ اعمال مقصود ہیں اگر اعمال میں کوتاہی نہ ہو تو ان حالات کے ہونے یا نہ ہونے کی کچھ بھی پروا نہ کرنی چاہیے مگر اس کی حقیقت جو اسی وقت میرے دل پر منکشف ہوئی وہ ان کو نہیں لکھی کیونکہ وہ بات ان کی فہم سے زیادہ تھی اور اس حقیقت کے سمجھنے سے پہلے دو مقدمے سمجھ لیجئے ایک یہ کہ تمام سلوک کا مقصود حضرت حق میں فنا ہے یعنی اپنی صفات کو صفات حق میں فنا کر دینا اور مخلوق باخلاق اللہ ہونا یہ مقصود ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت حق میں جو صفات ہیں ان سے مراد غایات ہیں مبادی نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہماری صفات کے دو درجے ہیں ایک مبادی انتہی مبادی انفعال ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے اندر رحمت و شفقت کا مادہ ہے تو اس کا ایک مبادی انتہی ہے مبادی کہ کسی کی حالت اور مصیبت کو دیکھ کر دل دکھتا ہے



دل پر اثر ہوتا ہے یہ انفعال ہے اور منتہی یہ ہے کہ دل دکھنے کے بعد ہم نے اس شخص کے ساتھ ہمدردی کی اس کی اعانت کی یہ فعل ہے اور یہی مقصود بھی ہے۔ صفت رحمت سے اسی طرح حیا اور علم و رغبت وغیرہ تو حق تعالیٰ چونکہ انفعال اور تاثر سے پاک ہیں اس لیے ان کو جو رحمن الرحیم عفو غفور وغیرہ کہا جاتا ہے تو ان کی صفات میں صرف غایات مرد ہیں مبادی مراد نہیں ایک مقدمہ یہ ہوا۔ اب سمجھئے! کہ خوف اور محبت غیرہ جو صفات ہیں ان کے اندر بھی دو درجے ہیں ایک مبدا دوسرا منتہی۔ مبدا وہی تاثر اور انفعال ہے کہ خدا کی عظمت و جلال کے خیال سے دل پر اثر ہوا رقت طاری ہوئی اور منتہی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے رک گئے یہ فعل ہے محبت کا مبدا یہ ہے کہ دل میں عشق کی دکھن پیدا ہو اور محبوب کے خیال میں محو ہو جائے یہ انفعال ہے اور منتہی یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور خوشنودی کی طلب میں لگ جائے تو جس شخص کے اوپر خوف اور محبت کی کیفیت غالب نہ ہو مگر استقامت حاصل ہو کہ معاصی سے پوری طرح بچنے والا اور طاعات کا بجالانے والا ہو اس میں صفات کے مبادی نہیں پائے گئے بلکہ صرف غایات پائے گئے تو یہ شخص اصل مخلق باخلاق اللہ ہے اور جس پر ان کی کیفیات کا غلبہ ہو اس میں اول مبادی پائے گئے پھر غایات پائے گئے تو یہ شخص اس درجہ کا مخلق باخلاق اللہ نہیں ہے اس حقیقت کے انکشاف کے بعد سالکین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جن احوال و کیفیات کے فقدان سے وہ پریشان ہوتے ہیں ان کا فقدان کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہی ہے کہ بدون غلبہ احوال کے استقامت حاصل ہو جو کہ مقصود ہے اس لیے اب ان چیزوں کی خواہش اور تمنا میں نہ پڑنا چاہیے اس میں حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کسی کو غلبہ احوال عطا فرمایا اور کسی کو بدون اس کے ہی استقامت عطا فرمادی کسی پر خوف کا غلبہ ہے وہ رو رہا ہے کسی پر رجاء کا غلبہ ہے وہ ہنس رہا ہے کسی پر طلب اور شوق غالب ہے وہ بے چین ہے اور کسی پر کوئی حال غالب نہیں وہ سادگی کے ساتھ اعمال مقصودہ میں لگا ہوا ہے یہ سب خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں ایک کو دوسرے کے حال کی طلب نہ کرنا چاہیے:

بگوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است      بعند لیب چہ فرمودہ کہ نالان است

(پھول کے کان میں کیا فرمادیا کہ خندان ہے بلبل سے کیا فرمادیا کہ نالان ہے)

اگر حق تعالیٰ نے صاحب اضطراب بنایا ہے تو سکون کے طالب نہ بنو! اور صاحب سکون بنایا ہے تو اضطراب کے طالب نہ بنو! اب جو لوگ کام کرتے ہیں ان سے پوچھو کہ یہ علم کس قدر عظیم ہے اس سے ان کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی اور پریشانی اور غم کا پہاڑ دل سے



ہٹ گیا ہوگا کیونکہ سالکین کو ذرا سی بات سے رنج و غم ہونے لگا ہے اگر کچھ بھی شبہ اس کا ہو جائے کہ ان کی محبت میں یا طلب میں کمی ہے تو بس ان پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود      گرز باغ دل خلا لے کم بود  
(سالک کے دل میں ہزاروں غم ہوتے ہیں اگر باطنی حالت میں ذرا برابر کمی پاتا ہے)  
یہ علوم اور حقائق وہ چیزیں ہیں کہ سالکین ان کے سامنے ہفت اقلیم کی بھی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اب میں غور کرتا ہوں اگر میرے پاس ہزار گاؤں ہوتے تب بھی جو مسرت اس وقت مجھ کو اس علم کے حاصل ہونے سے ہوئی میں سچ کہتا ہوں کہ ہزار گاؤں کے اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی پر خوف و شوق کا غلبہ نہ ہو مگر استقامت اعمال نصیب ہوگئی ہے اس کو بے فکر رہنا چاہیے مگر سامان کرنے کے بعد۔ (الجلالہ لاء بتلاء ج ۱۸)

## ایک عوامی غلطی

لوگ افضل کی تعیین اپنی رائے سے کرتے ہیں یا اگر بعض لوگ کسی دلیل شرعی سے تعین کرتے ہیں تو وہ لوگ اس دلیل شرعی میں غور نہیں کرتے کہ یہ دلیل اس دعوے کے لیے کافی ہوگی یا نہیں اور انطباق ہوا یا نہیں ہوا چنانچہ عوام الناس جب تفاضل کی تحقیق کرتے ہیں اول تو اکثر اپنی رائے سے کرتے ہیں اور اس تفاضل کا معیار بھی ایک مقرر کر لیا ہے کیونکہ ہر تفاضل کے لیے کوئی نہ کوئی معیار تو ضرور ہونا چاہیے ایک چاندی کو دوسری چاندی پر یا ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے پر اگر ترجیح دیں تو اس ترجیح کا کوئی معیار ضرور ہوگا۔

پس اسی بناء پر عوام نے بھی اس تفاضل کے لیے ایک معیار مقرر کر لیا ہے کہ جس عمل کو وہ صورت عبادت سے زیادہ تلبیس دیکھتے ہیں اس کو افضل سمجھتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں کہ جس طرح وہ واقع میں عبادت ہیں۔ اسی طرح صورت بھی وہ عبادت ہیں یا عبادت سے ان کو تلبیس ہے۔ مثلاً نماز پڑھنا کہ یہ حقیقتاً اور صورتاً دونوں طرح عبادت ہے یا مسجد تیار کرنا کہ اس کو صورت عبادت سے تلبیس ہے دوسرے وہ اعمال ہیں کہ واقعی میں وہ عبادت ہیں لیکن ان کی ظاہری صورت عبادت نہیں معلوم ہوتی نہ ان کو کسی عبادت سے ایسا ظاہری تلبیس ہے کہ ہر شخص کی نظر میں آجائے جیسے کسی طالب علم کی مدد کرنا، کھانے یا کپڑے سے (کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے کسی طالب علم کا کھانا مقرر کرانا ہے ہرگز نہیں) کیونکہ

طالب علم کا کھانا مقرر کرنا جو عبادت ہے تو اس لیے کہ یہ خدمت دین ہے اور اس کا خدمت دین ہونا اس وقت سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جب طالب علم فارغ ہو کر خدمت دین میں مصروف ہو تو یہ دونوں قسم کے اعمال عبادت ہیں لیکن دونوں میں تفاوت یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر صورتہ بھی عبادت ہے کہ اس کے ساتھ عبادت کو تلبس ظاہر ہے یعنی اس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں اور تلبس بھی بلا واسطہ ہے اور اسی وجہ سے یہ تلبس بہت ظاہر ہے اور عبادت بھی ایسی کہ وہ بصورتہ عبادت ہے یعنی اس کا عبادت ہونا نظری نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ نماز پڑھنا عبادت ہے۔ لہذا اس کو یوں سمجھا جاتا ہے کہ بناء مسجد یا اس میں تیل بتی دینا بھی بہت بڑی عبادت ہے۔

برخلاف تقرر طعام طالب علم کے کہ یہ جس سے متلبس ہے اول تو وہ ایسی ظاہر عبادت نہیں کہ عوام بھی فوراً سمجھ لیں دوسرے اطعام کو اس عبادت سے تلبس بھی بوساطہ ہے کیونکہ امداد طلبہ میں علم دین کی مدد ہے اور وہ اتنی ظاہر عبادت نہیں کیونکہ اگر ایک شخص میزان الصرف یا درس کی کوئی کتاب بالخصوص فلسفہ یا ہیئت پڑھتا ہے تو کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ یہ عبادت کر رہا ہے اس لیے کہ اس کا عبادت ہونا مال اور انجام کے اعتبار سے ہے یعنی اگر درس برس تک یہ شخص مثلاً اسی میں لگا رہے اور فراغت حاصل کرے تو وہ اس قابل ہوگا کہ دین کی خدمت کر سکے اور خدمت دین افضل العبادات ہے۔ (تفاضل الاعمال ج ۱۸)

## شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کا حکم فرمایا اور یہ تینوں باتیں میری مرضی کے خلاف ہیں مگر ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے اپنی مرضی کو چھوڑ دیا۔

ایک تو یہ کہ میرا رجحان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفضیل کی طرف تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو افضل الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سمجھو۔ دوسرے میرا میلان ترک تقلید کی جانب تھا، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوا کہ مذاہب اربعہ سے باہر نہ ہو۔

تیسرے میں ترک اسباب کو پسند کرتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک کر تشبث بالاسباب کا حکم فرمایا۔

ان تینوں حکموں میں بہت سے راز ہیں لیکن یہ وقت ان کی تفصیل کا نہیں لہذا اس کو یہیں چھوڑا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عالم برزخ میں بھی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہی معلوم ہوا کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھو! غرض حدیث سے کشف سے محققین کی رائے سے ہر طرح شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اگر کسی کو اس مسئلے کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو (ازالۃ الخفاء) کا مطالعہ کرے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ خاص اسی متن کی پوری طرح شرح ہوگی۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ سے اسلام کی خدمت بہت زیادہ ہوئی۔ پس علم کی افضلیت کی تو یہ حالت لیکن باوجود افضل العبادات ہونے کے اس کی صورت عبادت کی نہیں ہے۔ (تفاضل الاعمال ج ۱۸)

## دوستوں سے ملاقات بھی عبادت ہے

حضرت مولانا فتح محمد صاحب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت رحمۃ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ آخر جب بہت دیر ہو گئی تو میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا، حضرت فرمانے لگے کہ مولانا یہ کیا فرمایا، کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بیٹھتے تھے اور حد جواز تک جس قسم کی باتیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ شریک رہتے مگر عوام الناس کیا سمجھیں۔

ورنیا بد حال پختہ چچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام  
(تجربہ کار آدمی کی حالت کو غیر تجربہ کار آدمی نہیں سمجھ سکتا لہذا بات کو طول نہ دے) (بڑوں کی شان میں اعتراض کرنے سے اپنی زبان کو تھامے رکھنا اسی میں بھلائی و خیریت ہے) (تفاضل الاعمال ج ۱۸)

## عارف اور غیر عارف کا فرق

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں علم اور معرفت درجہ کمال پر تھا اس کی تائید میں مرشدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ عارف کی دو رکعتیں غیر عارف کی ہزار رکعتوں سے بھی زیادہ درجہ رکھتی ہیں۔ وجہ فرق

کی یہ ہی ہے کہ عارف کو جو علم و معرفت حاصل ہے غیر عارف کو حاصل نہیں اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ نے مبالغہ ایسا فرمادیا ہوگا ہرگز نہیں۔ صاحبو! یہ بالکل واقع کے مطابق اور اس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ کا عمیق علم معلوم ہوتا ہے اور یہ ہی وہ علوم ہیں جن کی وجہ سے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے متحریوں فرماتے تھے کہ مجھے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو کچھ اعتقاد ہوا ہے وہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم کی بدولت ہوا ہے تو اس میں اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا مبالغہ نہیں فرمایا۔ خود حدیث شریف میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اگر ایک صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایک مد یا نصف مد صدقہ دیں اور غیر صحابی جبل احد کے برابر صدقہ دیں تو غیر صحابی کا یہ صدقہ صحابی کے نصف مد کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اب ذرا مدینہ منورہ جا کر دیکھئے! کہ نصف مد غلہ کس قیمت کا ہوتا ہے اور اس قیمت کا کس قدر چاندی یا سونا آتا ہے اور وہ سونا جبل احد سے کیا نسبت رکھتا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ بلا تو وسط قیمت کے اگر خود نصف مد غلہ کا طول و عرض بھی لیجئے اور اس مقدار کو جبل احد کے مقابلہ میں دیکھئے کہ کیا نسبت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کو جبل احد سے کوئی نسبت بھی نہیں تو اس کا مقتضایہ تھا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ اس کو کروڑوں حصے سے زیادہ فرماتے۔ (حب العاجلہ ج ۱۸)

چنانچہ ارشاد ہے: ”اَكْثِرُوا ذِكْرَ هَٰذِمِ اللَّذَاتِ الْمَوْتِ“ (لذتوں کو ختم کر دینے والی یعنی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو) اس حدیث کے الفاظ خود غور کرنے کے قابل ہیں کہ اول موت کی صفت کو بیان کیا اس کے بعد موت کے نام کی تصریح فرمائی جس سے اس امر اکثر واک کی حکمت دریافت ہوگئی۔ یعنی موت زیادہ یاد کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے لذات کی جڑ اکھڑ جاتی ہے اور سہل ترکیب اس کے یاد کرنے کی یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے مراقبہ موت کیا کرے اور سوچا کرے کہ ایک دن میں مروتوں گا، دوزخ اور جنت میرے سامنے پیش کی جائے گی، اگر میں گنہگار مروتوں گا تو جنت کو مجھ سے چھپا لیا جائے گا اور تاقیامت مجھ کو عذاب قبر ہو جائے گا، پھر قیامت آئے گی اور سب کے نامہائے اعمال ان کو دکھلائے جائیں گے اس کے بعد حساب ہوگا، اگر خدا نخواستہ میری ناشائستہ حرکات بڑھ گئیں تو فرشتے کشاں کشاں مجھے جہنم کی طرف لے جائیں گے وغیرہ وغیرہ اس مراقبے سے ان شاء اللہ تعالیٰ انہماک فی الدنیا کا مرض بالکل زائل ہو جائے گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص



دن میں بیس دفعہ موت کو یاد کرے گا اس کو شہادت حاصل ہوگی مگر موت کے یاد کرنے کے یہ معنی نہیں کہ لفظ موت کو بیس دفعہ دہرایا جائے اس لیے کہ موت کو یاد کرنے سے شہادت کا درجہ حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے آپ کو بالکل سوئپ دے گا اور تسلیم کر دے گا اور اس کے حظوظ نفسانی بالکل چھوٹ جائیں گے اور یہ ان لوگوں میں ہوگا کہ:

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است  
(جو لوگ تسلیم و رضا یعنی عشق کی تلوار کے مارے ہوتے ہیں غیب کی جانب سے ہر گھڑی ان کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے)

بس موت کو یاد کرنا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یہ تقسیم تو اہل دنیا کے حالات کے اعتبار سے تھی۔ دین کا مقدم کرنا دین کے علم پر موقوف ہے مگر اس جملہ سے کوئی یہ مطلب نہ سمجھ جائے کہ میں سب کو مولوی بنانا چاہتا ہوں بلکہ جن علماء کی نسبت آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سب کو مولوی بنانا چاہتے ہیں وہ خود ہی سب کو مولوی بنانے سے منع کرتے ہیں کیونکہ اس سے دو نقصان ہوں گے ایک تو یہ کہ تمام لوگ مولوی بن جائیں گے تو کھیتی اور تجارت سب برباد ہو جائے گی اور مجموعہ قوم پر معاش کی حفاظت کرنا فرض ہے اگر سب چھوڑ دیں اور اس سبب سے سب مرجائیں تو سب گنہگار ہوں گے تو واجب ہے کہ ایک جماعت کھیتی کے لیے رہے ایک تجارت کے لیے اور ایک خدمت دین کے لیے جس کو لوگوں نے اڑا دیا ہے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ اگر سب مولوی بنے تو چونکہ اکثر طبائع میں حرص اور لالچ غالب ہے اور معاش سے بھی اکثر لوگ مستغنی نہیں ہوتے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مولوی کہلائیں گے اور حرص دنیا میں دین کو تباہ کریں گے اور دین کو ذریعہ تحصیل دنیا کا بنائیں گے ان کا تو یہ ضرر ہوگا اور دوسرے لوگ ان کو اس حالت ذلیل میں دیکھ کر دین کو بھی ذلیل سمجھنے لگیں گے دوسروں کا یہ ضرر ہوگا۔ سلف صالحین کا اس وجہ سے یہ معمول تھا کہ جو شخص امراء سے زیادہ ملتا تھا اس کو اپنے حلقہ درس میں شریک ہونے سے روک دیتے تھے۔ غرض یہ تو مطلب نہیں ہے کہ سب کے سب اصطلاحی عالم بنیں لیکن یہ ضروری ہے کہ کچھ لوگ اصطلاحی عالم ہوں اور کچھ لوگ متوسط درجہ تک پڑھ لیں اور ان کو جو ضرورت پیش آتی جائے علماء کا ملین سے اس کے متعلق استفتاء کر لیں۔ صاحبو! اس وقت دو پیسے میں کلکتہ تک سے ہر بات دریافت ہو سکتی ہے۔ دیکھئے!

اگر ایک ہفتہ میں چار مسئلے معلوم ہوں تو ایک ماہ میں کس قدر ہو جائیں۔ پھر ایک سال میں ان کی کتنی تعداد ہو جائے اور چند سال میں کیسا معتد بہ ذخیرہ اپنے پاس ہو جائے تو ان کے لیے جو پڑھے لکھے ہیں اور جو حرف شناس نہیں ہیں ان کے لیے یہ کیا جائے کہ کسی ایک شخص کو مقرر کیا جائے جو ان کو ہر ہفتہ مسائل سنایا کرے اور یہ نہ ہو سکے تو ہر مہینے میں ایک بار تو ضرور ہی کچھ مسائل سنایا کرے اور یہ لوگ اپنی عورتوں کو سنایا کریں مگر اس کے لیے ایک مرکز کی ضرورت ہوگی کہ وہ اس کو اپنے ذمہ لے اور وہ کوئی عالم ہونا چاہیے اس کا کام یہ ہو کہ محض مسائل کا وعظ کہا کرے اس لیے میں نے اس وقت ”وَأَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَكُمْ“ (اور جو کچھ ہم نے تمہیں رزق عطا کیا اس میں سے خرچ کرو) کو پڑھا کہ لوگ اس کی طرف توجہ اور ہمت کر کے ایک مولوی کو مناسب معاوضہ پر اس کام کے لیے رکھ لیں۔ مجھے یہ سن کر بہت خوشی حاصل ہوئی کہ یہاں یہ انتظام ہوا ہے۔ اس کی آسان تدبیر یہ ہے کہ روزانہ جب کھانا پکانے بیٹھو تو آٹے کی ایک چٹکی نکال کر علیحدہ کسی برتن میں ڈال دیا کرو اسی طرح جب روپے کے پیسے لو تو اس میں سے ایک پیسہ نکال کر اس کے مد کے لیے رکھ دیا کرو اور اس میں بستی کے ہر شخص کو شریک کرو اور جب مدرسے کی صورت ہو جائے تو اس میں تین چیزوں کی ضرورت ہوگی ان کو جاری کرو ایک تو یہ کہ قرآن شریف کی تعلیم ہو جو لڑکے ناظرہ پڑھیں ان کے ساتھ تو یہ طرز رکھو کہ جب بیس پارے قرآن شریف کے پڑھ لیں تو ان کو مسائل کا کوئی اردو رسالہ شروع کرادیا جائے اور جو لڑکے حفظ پڑھیں ان کے ساتھ یہ طرز رکھو! کہ جب تک قرآن شریف ختم نہ ہو جائے کسی دوسرے شغل میں نہ لگاؤ دوسرا کام یہ کہ ایک شخص کو ملازم رکھو کہ وہ عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھا دیا کرے تیسرا کام یہ کہ ایک واعظ مدرسے میں رکھا جائے کہ وہ ہر ہفتہ وعظ کہا کرے اور قرب و جوار کے دیہات میں بھی وقتاً فوقتاً مسائل کی تعلیم کر دیا کرے تو اس کی کوشش کرنا بھی ”أَنْفِقُوا“ میں داخل ہے۔ (ازلہ المغفلت ج ۱۸)

### واقعہ منصور

ایک بزرگ نے حق تعالیٰ سے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ منصور نے بھی انا الحق کہا تھا اور فرعون نے بھی انا الحق کہا تھا (کیونکہ انا ربکم الاعلیٰ کا بھی وہی حاصل ہے جو انا الحق کا ہے) تو بات ایک ہی تھی مگر منصور تو مقبول ہو گیا اور فرعون مردود ہو گیا۔ وہاں

سے جواب عطا ہوا کہ تم سمجھتے نہیں دونوں میں بڑا فرق تھا، منصور نے اپنے کو مٹا کر انا الحق کہا تھا اور فرعون نے ہم کو مٹا کر انا الحق کہا تھا یعنی منصور نے ایسی حالت میں انا الحق کہا تھا کہ اپنی ہستی ان کی نظر سے غائب تھی اور ہستی خداوندی کے سوا کسی پر ان کی نظر نہ تھی تو وہ اپنی نفی کر کے انا الحق کہتے تھے اور فرعون نے ایسی حالت میں انا ربکم الاعلیٰ کہا تھا کہ اس وقت خدا کی ہستی اس کی نظر سے غائب تھی محض اپنی ہی ہستی پیش نظر تھی تو وہ ہستی خداوندی کی نفی کر کے اپنی ہستی کو ثابت کر رہا تھا، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ منصور کے انا الحق کے یہ معنی تھے کہ میں اور تمام عالم کچھ نہیں صرف خدا ہی کا وجود ہے اور فرعون کے انا الحق کا یہ مطلب تھا کہ خدا کوئی چیز نہیں۔ بس میں ہی ہوں جو کچھ ہوں۔ واقعی یہ جواب ایسا عجیب ہے کہ حق تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

گفت فرعون نے انا الحق گشت پست      گفت منصورے انا الحق گشت مست

(فرعون تو اس بات سے مردود اور پست ہو گیا اور منصور مجذوب اور مست شمار ہوئے)  
(مراقبۃ الارض ج ۱۸)

## تہذیب کی حقیقت

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ افلاطون نے موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے اور وہ آپ سے ملا بھی ہے اور کچھ سوالات بھی کیے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک سوال یہ مشہور ہے کہ بتلائیے کہ اگر اللہ تعالیٰ تیرا انداز ہوں اور فلک کمان ہو اور حوادث تیر ہوں تو ان سے بچ کر کہا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرا انداز کے پاس جا کھڑا ہو کیونکہ تیرا ہی کے لگتا ہے جو تیرا انداز سے دور ہو اور جو اس کے پہلو میں کھڑا ہو اس کے نہیں لگ سکتا۔ اس جواب پر افلاطون حیران ہو گیا اور کہنے لگا کہ یہ جواب نبی کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ آپ بیشک نبی ہیں مگر عوام کے واسطے۔ ہمارے واسطے نہیں کیونکہ ہم نے تو اخلاق و علوم سے اپنے کو مہذب بنالیا ہے اب ہم کو اس سے زیادہ تہذیب کی ضرورت نہیں ہاں ان لوگوں نے انبیاء کی تہذیب کو دیکھا نہیں ورنہ معلوم ہو جاتا کہ جس کو ہم تہذیب سمجھے ہوئے ہیں وہ محض تعذیب ہے اور اصل تہذیب انبیاء علیہم السلام ہی کے پاس ہے نیز انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے علوم کو حاصل ہی نہیں کیا ہے ورنہ معلوم ہو جاتا کہ جن علوم پر ہم نازاں ہیں ان پر ناز کرنے کی حقیقت یہ ہے:

چو آں کر میکہ در سگے نہاں است      زمین و آسمان دے ہماں است

(مراقبۃ الارض ج ۱۸)

## جسم و روح

اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ ہمارے اندر دو چیزیں ہیں ایک جسم ایک روح ان میں سے ایک سفلی ہے ایک علوی اور ہر ایک کا مبداء و معاد الگ الگ ہے جسم تو سفلی ہے اور اس کا مبداء و معاد تو زمین ہی ہے۔ چنانچہ یہ آیت بھی جو کہ میں نے تلاوت کی ہے اس کی دلیل ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ”مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ“ اور روح علوی ہے اس کا مبداء و معاد آسمان ہے وہ آسمان ہی سے آئی ہے مرنے کے بعد آسمان ہی پر چلی جاتی ہے کیونکہ روح سے مراد روح انسانی ہے جس سے ادراک معقولات ہوتا ہے۔ روح طبعی مراد نہیں جو کہ دم سے متولد ہے روح انسانی کو سفلی کوئی نہیں کہتا سب نے علوی مانا ہے یہ الگ اختلاف ہے کہ وہ مجرد ہے یا مادی اگر مجرد ہے جیسا کہ حکماء نے بھی کہا ہے کیونکہ جس چیز کو وہ نفس ناطقہ کہتے ہیں وہ روح انسانی ہے اور نفس ناطقہ کو ان لوگوں نے بھی مادی نہیں مانا بلکہ مجرد کہا ہے اور یہی صوفیاء کی بھی تحقیق ہے کہ روح مجرد ہے تب تو علوی بایں معنی ہے کہ فوق الاحیاز ہے اور یہی محل ہوگا۔ صوفیاء کے نزدیک روح کے فی السماء ہونے کا جیسا کہ یہی محمل ہے علماء ظاہر کے نزدیک بھی احادیث کون اللہ فی السماء کا اور اگر مادی ہے جیسا کہ متکلمین کا قول ہے کہ انہوں نے اسے جسم مانا ہے مگر جسم علوی لطیف۔ تب وہ علوی بایں معنی کہ اس کا جزء عالی ہے پس ثابت ہوا کہ روح کے علوی ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور ہم کو سب سے کیا لینا کوئی بھی نہ مانے تو کیا جب کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ روح کا مبداء و معاد آسمان ہے معاد ہونا تو صراحۃً اور مبداء ہونا قیاساً چنانچہ حدیث میں روح کی حالت وارد ہے: ”حَتَّى تَخْرُجَ ثُمَّ إِلَى السَّمَاءِ فَيُفْتَحُ لَهَا إِلَى قَوْلِهِ حَتَّى تَنْهَى إِلَى السَّمَاءِ الَّتِي فِيهَا الْحَدِيثُ“ (مشکوٰۃ عن ابن ماجہ) یعنی جب آدمی مرتا ہے تو فرشتے اسی کی روح کو آسمان پر لے جاتے ہیں اس سے یہ تو ظاہر ہے کہ روح کا معاد آسمان ہے اور مبداء ہونا اس طرح معلوم ہوا کہ موت کے بعد جسم کے لیے دفن کا حکم دیا گیا ہے جس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس کو اصل کی طرف لوٹا دینا مقصود ہے جب جسم کا مبداء زمین تھی اور اس کو جسم کا معاد بنایا گیا اور روح کے لیے آسمان پر لے جانا بتلایا جس سے معلوم ہوا کہ آسمان سے مراد روح ہے اور یہ ابھی معلوم ہو چکا کہ معاد اسی کو بنایا ہے جو مبداء تھا تو معلوم ہوا کہ آسمان ہی روح کا مبداء بھی





دوسرا احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ گو پردہ حقیقی کا تحقق توحی ہی کے اندر ہو سکتا ہے لیکن پردہ صورت میت سے بھی ممکن ہے پس اس احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال کرنا سمع کے مسئلہ پر مشکل ہے۔

اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی بلا ضرورت برہنہ ہونا نہ چاہیے اور بیوی کا ستر دیکھنا تو اس سے بھی زیادہ شرمناک ہے بعض حکماء نے کہا ہے کہ اس حرکت سے اولاد اندھی پیدا ہوتی ہے لیکن اگر اندھی نہ ہو تو بے حیا تو ضرور ہوتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقت خاص میں جس قسم کی اس سے حرکت ہوتی ہے اولاد کے اندر وہی خصلت پیدا ہوتی ہے اسی واسطے حکماء نے لکھا ہے کہ انزال کے وقت اگر زوجین کو کسی اچھے آدمی کا تصور آجائے تو بچہ نیک ہوگا اسی واسطے پہلے لوگ اپنے خلوت کے کمرے میں علماء اور حکماء کی تصویریں رکھا کرتے تھے۔ شاید یہ سن کر کسی کی رال ٹپکی ہو کہ یہ تو تصویریں رکھنے کی ایک مصلحت بھی نکل آئی پھر کیوں ناجائز کہا جاتا ہے اس سے کیوں فائدہ نہیں اٹھایا جاتا لیکن ع فی طلعتہ الشمس ما یغنی عن زحل

(ہمارے پاس سورج کی روشنی ایسی ہے جس کے ہوتے ہوئے سیارہ زحل کے روشنی کی ضرورت نہیں) حضرت! ہمارے پاس ایسی تصویر ہے کہ وہ ان تصویروں سے معنی ہے۔ وہ کیا ہے:

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی یعنی ہم کو چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا تصور کریں اور یہ دعا پڑھیں: ”اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا“ (اے اللہ ہم کو شیطان سے بچا اور دور رکھ شیطان کو اس سے جو ہم کو عطا فرما) اللہ جل جلالہ سے زیادہ کون ہے کہ جس کا خیال کیا جاوے۔ اگر کوئی کہے کہ شیطان کا خیال تو اس وقت نہ ہونا چاہیے اور اس دعا کے پڑھنے میں شیطان کا خیال ضرور آوے گا۔ بات یہ ہے کہ ایک تو کسی شے کا خیال اس کو مقصود و مرغوب بنا کر لانا ہے اور ایک مہربانہ بنا کر دونوں میں بڑا فرق ہے اس دعا کا حاصل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا گیا ہے کہ اے اللہ ہم کو اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچائیے تو اس کا تصور بحیثیت تنفر کے ہوا پس اثر اسی کے مناسب ہوگا۔ چنانچہ اس دعا کا اثر یہ آیا ہے: ”فانہ لن یضرہ الشیطن“ اس کو ضرر نہ پہنچائے گا۔ اولاد پاک اور مقدس ہوگی اور یوں اگر اپنے ہاتھوں بگڑیں وہ دوسری بات ہے پس ہم کو اس تصویر کے ہوتے ہوئے کسی اور تصویر کی

حاجت نہیں۔ بہر حال بیوی کو برہنہ دیکھنے سے اخلاق پر اولاد کے اثر پڑتا ہے اور اس میں آدم و حوا کے رتبہ کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔ (المہذب ج ۱۸)

## ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

ایک شخص نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میں ایمان تو لے آتا لیکن قریش کی بڑھیاں کہیں گی کہ دوزخ سے ڈر گیا۔ بہادری میں فرق آجائے گا۔ چنانچہ اسی حال میں مر گیا۔ آپ کو بہت رنج ہوا۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ۔ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت کرتا ہے۔ تو ایسی جڑ بری ہے ورنہ حق پر ملامت ہونے سے جڑ بڑھ جائے تو خیر ہے۔ بہر حال اللہ کے بندوں نے ملامت سر پر لی اور حق کو اتباع ہوئی پر ترجیح دی۔ غرض اتباع ہوئی کا سخت مذموم ہونا ثابت ہو گیا۔ (ذم ہوئی ج ۱۹)

## ترک تنخواہ کی خواہش

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے ان کے نفس نے یہ تجویز کیا تھا کہ نوکری چھوڑ کر اللہ کے واسطے پڑھائیں اس لئے کہ تنخواہ لینے سے خلوص نہیں رہتا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے کہ شیطان نے دیکھا کہ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں ان سے یہ کام کسی تدبیر سے چھڑوانا چاہیے تو اگر یہ کہتا کہ پڑھانا چھوڑ دو تو اس کی ہرگز نہ چلتی اس لئے اس کی وہ صورت تجویز کی جو دینداری کے رنگ میں ہے کہ اس میں خلوص نہیں ہے۔ نوکری چھوڑ کر پڑھاؤ تو سمجھ لو کہ اب تو پابندی تنخواہ سے بھی کام ہو رہا ہے اور اگر نوکری چھوڑ دو گے تو پابندی تو ہوگی نہیں رفتہ رفتہ پڑھانا ہی چھوٹ جائے گا۔ اور شیطان کامیاب ہوگا۔ اور یہ جو تم کو وسوسہ ہے کہ ہم نے معاوضہ لے لیا ہے خلوص نہیں رہا۔ تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم کو اب مثلاً ۲۵ ملے ہیں سو بتلاؤ کہ اگر تم کو ۳۰ یا ۴۰ پر بلا دیں تو تم اس صورت موجودہ کو چھوڑ کر وہاں چلے جاؤ گے یا نہیں کہنے لگے کہ میں تو ہرگز نہ جاؤں گا۔ میں نے کہا کہ بس معلوم ہو گیا کہ تم روپیہ کے لئے نہیں پڑھاتے بلکہ اللہ کے واسطے پڑھاتے ہو اور روپیہ گزران کیلئے لیتے ہو دنیا تم کو مقصود نہیں۔ پس خلوص نہ ہونے کا وسوسہ غلط

ثابت ہوا اس لئے نوکری ہرگز مت چھوڑو بلکہ میری رائے تو یہ ہے اگر عالم امیر ہو اور تنخواہ ملنے لگے تب بھی اس کو چاہیے کہ تنخواہ لے کر پڑھائے اگر ایسا ہی امارت کو جوش اٹھے وہ تنخواہ پھر مدرسہ میں دیدے مگر لے لے ضرور! تاکہ پابندی سے کام ہوتا رہے۔ ہمارے فقہاء جزا ہم اللہ خیرا نے لکھا ہے کہ اگر قاضی امیر کبیر ہو تو اس کو بھی تنخواہ لینا چاہیے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی قاضی تنخواہ نہ لے اور دس برس تک وہ قاضی رہا۔ اور اس کے بعد کوئی غریب قاضی ہو کر آیا تو اب تنخواہ کا اجراء مشکل ہوگا۔ سبحان اللہ! فقہاء کا کیا فہم ہے یہ حضرات حقائق شناس تھے اس شان کا علم و فہم یہ اخلاص و تقویٰ کی برکت تھی مولانا فرماتے ہیں۔

بنی اندر خود علم انبیاء بے کتاب و بے معین و اوستا

(انبیاء جیسے علوم بلا کتاب و استاد اور معاون کے اپنے قلوب پر قابض پاؤ گے)

علم چوں بردل زنی یارے بود علم چوں برتن زنی یارے بود

(علم جب قلب پر اثر کرے کہ خشیت اور خلوص پیدا ہو جائے تو وصول الی

اللہ میں معین ہوگا اور اگر تن پر اثر ہو یعنی زبان پر تقریر رہی ہو یا اس کو تن پروری

کا ذریعہ بنایا تو تیرا بوجھ اور وبال ہے)۔ (ذم ہوئی ج ۱۹)

## غلبہ خشیت

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی منافات کو اس عنوان سے بیان

فرماتے ہیں لا یزنی الزانی حین یزنی و هو مومن ولا یسرق السارق حین

یسرق و هو مومن یعنی زنا کرنے والا زنا نہیں کرتا اس حالت میں کہ وہ مومن ہو اور

چوری کر نیوالا چوری نہیں کرتا اس حالت میں کہ وہ مومن ہو۔

ظاہر اس حدیث پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ کیا ان افعال سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے

حالانکہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جب تک مسلمان گناہ کو گناہ سمجھے گا کافر نہ ہوگا۔ اور حدیث سے

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زنا کرنے سے چوری کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔ یہ اشکال ہے۔

جواب یہ ہے کہ حدیث میں ایمان کا خاص مرتبہ مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی

مرتبہ ایمان اور زنا میں منافات کو بیان فرما رہے ہیں اور وہ ایمان خاص یہ ہے کہ جن باتوں

کا اعتقاد ہے وہ درجہ حال میں ہر دم پیش نظر رہنے لگیں یہی ہے ایمان کا کمال۔



پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ کمال ایمان کے ساتھ زنا جمع نہیں ہوتا یعنی کامل مومن ہو کر زنا نہیں کر سکتا۔ حضرات اہل اللہ اسی کی تدابیر کرتے ہیں کہ گناہ کا مانع راسخ ہو جائے جب وہ مانع راسخ ہو جاتا ہے تو اس حالت میں گناہ نہیں ہوتا۔ جس کی تعبیر دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ جس پر خدا تعالیٰ کی خشیت غالب ہو اور ان کے وعدے وعید بھی پیش نظر ہوں۔ شرم بھی دامن گیر ہو اور خوف بھی غالب ہو تو پھر اس سے گناہ نہیں ہوگا۔ بلکہ جس شخص میں ان چیزوں کا غلبہ ہوا ہے اس نے اگر قصد بھی کیا ہے گناہ کا تو ان چیزوں نے اس کو بچا لیا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق اہل اللہ کے بہت سے قصے ہیں کہ کسی نے معصیت کا ارتکاب بھی کرنا چاہا اور ان چیزوں کا غلبہ ہوا تو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

غرض اہل اللہ زیادہ تر اس کی کوشش کرتے ہیں کہ قلب کی ایسی اصلاح ہو جائے۔ حدیث میں بھی اس اصلاح کا بڑا اہتمام آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله یعنی بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ درست ہو تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ فاسد ہو تو تمام بدن فاسد ہوتا ہے الا وہی القلب سن لو وہ دل ہے۔ واقعی قلب کی درستی سے تمام جوارح درست ہو جاتے ہیں اور اس کے بگڑنے سے سب بگڑ جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اتنے بڑے اہتمام کی چیز اور اس سے اس قدر غفلت! ہوی جس کا نام ہے اس کا محل قلب ہی تو ہے قلب سے جب تک ہوی نہ نکالی جائے گی اس وقت تک کامل اصلاح قلب کی نہ ہوگی۔ (الہوی والحدی ج ۱۹)

### عفو و درگزر

حضرت امام حسینؑ کی حکایت ہے کہ آپ کے یہاں چند مہمان تھے کھانے کا وقت آیا۔ غلام کھانا لایا۔ اتفاق سے شور بے کاپیالہ لیے ہوئے تھا کہ فرش پر پاؤں پھسلا۔ پیالے میں سے گرم گرم شوربا آپ کے چہرہ مبارک پر گر پڑا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کیسا منظر تھا۔ اس وقت کے اہل جاہ اپنے دل میں ٹولیں کہ ایسے موقع پر وہ کیا کرتے آپ نے کچھ نہیں کیا۔ مگر بمصلحت تعلیم نظر تادیب سے اس کی طرف دیکھا اس کی زبان پر فوراً یہ جاری ہو گیا والکاظمین الغیظ۔ اللہ کے خاص بندے غصہ کو پینے والے ہیں آپ نے

فرمایا کظمت غیظی کہ میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ پھر غلام نے کہا والعافین عن الناس اور وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں آپ نے فرمایا عفوت عنک کہ میں نے تجھے معاف کیا پھر اس نے کہا واللہ یحب المحسنین اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا قد اعتقتک لوجہ اللہ کہ میں نے تجھ کو اللہ کے واسطے آزاد کیا۔ حضرت یہ نمونے ہیں اقتداء کیلئے اب یہ سوچو کہ ہم میں ان حضرات سے زیادہ کون سی فضیلت ہے جو غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ (الہوی والہدی ج ۱۹)

## دولت کی بے وفائی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں  
رضینا قسمته الجبار فینا لناعلم وللا عداء مال  
فان المال یفنی عن قریب وان العلم باقی لا یزال  
یعنی مال تو فنا ہو جائے گا۔ اور علم ہمیشہ باقی رہے گا۔ (نسیان النفس ج ۱۹)

## حقیقت علم

علم سے مراد یہ نہیں کہ قال دراصل قول بود جانتا ہو بلکہ علم ایک نور ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا یَمْشِیْ بِہِ فِی النَّاسِ اور اس نور کے ہوتے ہوئے قلب کی یہ حالت ہوتی ہے کہ  
موحد چہ برپای ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش  
امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں ست بنیاد توحید و بس  
اگر چاروں طرف سے اس کو تلواریں میں گھیر لیا جائے تب بھی اس کے دل پر ہراس نہیں ہوتا۔  
(نسیان النفس ج ۱۹)

## کمال معرفت

علم کامل سے معرفت کامل ہوتی ہے وہ جانتا ہے کہ عَسٰی اَنْ تَكُوْهُوَ اَشِیْئًا وَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ۔ اس لئے گھبراتا نہیں اور سمجھتا ہے کہ یہ میرے لئے علاج اور کفارہ سینات ہو رہا ہے نیز اس میں یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم خدا کے ہیں اپنے نہیں ان کو اختیار ہے کہ جس حالت کو ہمارے لئے مناسب سمجھیں۔ (نسیان النفس ج ۱۹)

## رحمت حق بہانہ می جوید

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ شب کے وقت گھر میں چراغ گل ہو گیا تو حضورؐ نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت عائشہؓ نے لگیں کہ حضورؐ! یہ بھی کوئی مصیبت ہے یعنی حضرت عائشہؓ کو یہ معلوم تھا کہ انا للہ مصیبت کے وقت پڑھا جاتا ہے لیکن ان کو اس واقعہ کے مصیبت ہونے میں تاثر تھا۔ کیونکہ ظاہر ایہ واقعہ ایک معمولی بات تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو بات مومن کو ناگوار ہو وہ مصیبت ہے اور چراغ کے گل ہونے سے جبکہ قصد نہ ہونا گواری ہوتی ہے۔ لہذا یہ بھی مصیبت ہوئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوا ہوگا کہ خدا نے اپنے بندوں کو ثواب عطا فرمانے کے کیسے معمولی طریقے رکھے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رحمت حق بہانہ می جوید

اور اس سے بڑھ کر لیجئے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی چیز جیب میں رکھ کر بھول جائے اور ادھر ادھر اس کو تلاش کرے تو اس تلاش کرنے میں جو پریشانی اس کو ہوگی خدا تعالیٰ اس پر بھی ثواب عطا فرمائیں گے اور کفارہ سینات فرمائیں گے۔ بالکل ایسی حالت ہے کہ جیسے ہمارا چہیتا بچہ ہو کہ اس کے چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے حتیٰ کہ گرنے پڑنے پر بھی ہم کو پیارا آتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ بھی ہم کو ہر فعل پر ثواب عطا فرماتے ہیں مالک یکن معصیۃ و عناداً تو انا للہ جو سکھلایا گیا ہے اس لئے کہ اس کے ذریعے سے تخفیف حزن ہو کیونکہ جب اس کو پڑھے گا تو اس مضمون کی یاد تازہ ہوگی کہ ہم خدا کی ملک ہیں وہ ہمارے مالک ہیں اور مالک کو اختیار ہے کہ ہم میں جو چاہیں تصرف کریں اور اس کا مخفف حزن ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے اس خیال کے تازہ ہونے سے خدا تعالیٰ سے محبت بڑھتی ہے اور محبت کا خاصہ ہے کہ اس کی بدولت سخت سے سخت مصیبت بھی ہلکی ہو جاتی ہے۔ از محبت تلخ ہا شیریں شود (نسیان انفس ج ۱۹)

## نا اتفاقی کا بڑا سبب

آج کل بڑے زور سے اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہم لوگوں میں اتفاق رہے اس کے لئے تقریریں ہوتی ہیں۔ اخباروں میں تحریری مضامین بھیجے جاتے ہیں جلسے کئے جاتے ہیں لیکن جو نا اتفاقی کی جڑ ہے یعنی زبان۔ اس کے کاٹنے کی آج تک کسی کو فکر نہیں۔

صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ نا اتفاقی کا بڑا سبب ہم لوگوں کی زبان ہے جس کو لگام ہی نہیں جو چاہا کہہ دیا جس کو چاہا کہہ دیا۔ یہ ظالم اس قدر چلتی ہے کہ جس کی حد نہیں اور پھر غضب یہ کہ بے حیا کبھی ٹھکتی بھی نہیں دوسرے اعضاء مثلاً سر، آنکھ، کان، ہاتھ، پیر جب ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے تو تھک جاتے ہیں لیکن زبان کسی وقت بھی تھکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو تمام اعضاء زبان سے خوشامد کر کے کہتے ہیں کہ تو ٹھیک رہنا اگر تو درست رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو بگڑی تو ہم سب بھی بگڑ جائیں گے۔ (نسیان النفس ج ۱۹)

اسی طرح اگر مصیبت میں کسی کو گرفتار دیکھتے ہیں اس کو اسی شخص تک محدود سمجھتے ہیں حالانکہ سمجھنا چاہیے۔ کہ اس پر مصیبت کیوں مسلط ہوئی۔ ظاہر ہے کہ گناہوں کی وجہ سے تو ہم کو بھی گناہوں سے بچنا چاہیے اسی لئے حدیث میں ہے کہ جب کسی کو مبتلائے مصیبت دیکھو تو کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔ اس میں بھی تذکیر ہے احتمال ابتلاء کی اور اسی میں تنبیہ اجمالی ہے۔ اسباب ابتلاء کی کہ معصیت ہے اسی پر یہ شکر سکھلایا کہ احتمال تھا کہ اسی معصیت کے سبب شاید ہم بھی مبتلا نہ ہو جائیں لیکن یہ دعا آہستہ پڑھے کہ مصیبت زدہ کی دل شکنی نہ ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرماتے ہیں لَا تَظْهَرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِیْکَ بَعْضُ دَوَسَرِے کے مصائب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ڈرنا چاہیے کیونکہ مقتضی تو ہم میں بھی موجود ہیں۔

### مصیبت زدہ پر طعن

بعض لوگ وہ ہیں کہ دوسرے کی مصیبت پر افسوس تو کرتے ہیں لیکن طعن کے طور پر اس کی بابت اسی حدیث میں ہے فیرحمہ اللہ ویتحلیک یعنی ہنسومت شاید بجائے اس کے تم مبتلا ہو جاؤ اسی کو کہتے ہیں۔  
 نہ خواہندہ برادر دیگران بشکرانہ خواہندہ از درمراں  
 یعنی اگر اور کچھ نہیں تو سائل کو اسی شکر میں دیدو کہ تم مانگنے نہیں گئے تو یہ شکر اسی احتمال پر تو ہے کہ شاید ہم ہی اپنی معاصی کے سبب اس حالت کو پہنچ جائے۔

### نماز اور انتظار نماز

امام صاحب نے اس کاراز سمجھا ہے اور اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے لان یکون



اکلی کله صلوة احب الی من ان یکون صلوتی کلها اکلا یعنی میرا کھانا نماز بن جاوے یہ اس سے بہتر ہے کہ نماز کھانا بن جاوے۔ یعنی نماز کے انتظار میں کھانا کھانا نماز ہی کے حکم میں ہے کیونکہ حدیث میں ہے لا یزال احدکم فی الصلوة ما انتظر الصلوة۔ یعنی نماز کا انتظار بھی ثواب کے اعتبار سے نماز کے برابر ہے۔ تو اب جو شخص اس حالت میں کھانا کھا رہا ہے کہ دل نماز کی طرف لگا ہوا ہے اس کو کھانے میں بھی نماز کا ثواب مل رہا ہے۔ اور یہی راز ہے اعتکاف کی فضیلت کا۔ کیونکہ روح اعتکاف انتظار صلوة ہی ہے۔ معتکف کو ہر وقت نماز کا ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ وہ نماز جماعت ہی کی پابندی کیلئے معتکف ہوا ہے۔ اسی لئے اعتکاف کے لئے مسجد جماعت شرط ہے۔ جس مسجد میں جماعت نہ ہوتی ہو وہاں اعتکاف جائز نہیں پس نماز کے اندر دل اٹکا ہوا ہو۔ اور کھانا کھا رہا ہو تو اس کو نماز کا ثواب اس وقت بھی ملے گا۔ اور اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دل کھانے میں اٹکا ہو اہو تو اس کی نماز کھانا ہو جائے گی۔ وہ گویا نماز میں کھانا کھا رہا ہے۔ پس شریعت نے کھانے کو نماز سے مقدم نہیں کیا بلکہ وہ آپ کے کھانے کو نماز بنانا چاہتی ہے نماز کو کھانا بنانا نہیں چاہتی۔ حاجی صاحب علماء کو ہجرت سے منع کرتے تھے تاکہ ہندوستان میں علمی فیض بند نہ ہو جائے وہ بے چارے ہندوستان ہی کی قید میں رہتے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے اس کے متعلق حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ دل بمکہ جسم بہندوستان بہ ازانکہ جسم بمکہ و دل ہندوستان۔ یعنی دل مکہ میں اٹکا رہے اور جسم ہندوستان میں ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم تو مکہ میں ہو اور دل ہندوستان میں۔ کیونکہ جو شخص مکہ کے اشتیاق میں رہے وہ گویا ہر وقت مکہ ہی میں ہے گو بظاہر ہندوستان میں ہو اور جو شخص بظاہر مکہ میں ہو اور دل ہندوستان میں اٹکا ہوا ہو وہ مکہ میں نہیں۔ بلکہ ہندوستان ہی میں ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے جو ظاہر میں بہت اچھے تھے اور مکہ میں ہجرت کر کے رہتے تھے مگر ان میں یہ مرض تھا کہ ہندوستان کو بہت یاد کرتے تھے۔ چنانچہ مرض الموت میں ان پر بے ہوشی طاری ہوئی تو بار بار زبان سے یہ نکلتا تھا کہ ہندوستان لے چلو۔ خدام کو بڑی پریشانی ہوئی کہ مکہ سے ہندوستان کیونکر لے چلیں لوگ تو مکہ میں مرنے کی تمنا کرتے ہیں ہم اپنے ہاتھوں ان کو یہاں سے کیونکر نکال دیں پھر ان کی حالت سفر کے قابل نہ تھی مگر ان کا بار بار یہی اصرار تھا

اور جان نہ نکلتی تھی۔ بعضے خدام ذہین تھے انہوں نے یہ کیا کہ ان کے پلنگ کو ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ میں لے گئے اور کہا حضرت ہندوستان آگیا۔ پس یہ سنتے ہی آنکھیں کھل گئیں اور فوراً انتقال ہو گیا۔ گویا وہ اپنے نزدیک ہندوستان میں مرے پھر اس حالت میں ہجرت کرنے سے کیا نفع ہوا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ابدء و بالہ العشاء قبل العشاء کا یہی راز سمجھا ہے کہ جو شخص کھانا نماز سے پہلے کھائیگا اس کا دل نماز میں انکار ہے گا اس حالت میں وہ کھانا بھی نماز میں داخل ہوگا اور جو شخص نماز کھانے سے پہلے پڑھے گا اس کا دل کھانے میں انکار ہے گا تو اس کی ساری نماز کھانا بن جائے گی۔ پس اس تعلیل سے یہ مستفاد ہوا کہ یہ اس شخص کیلئے ہے جس کو شدت سے بھوک لگی ہو کہ وہ اگر نماز پہلے پڑھیگا تو اس کا اشتیاق کھانے ہی کی طرف رہے گا ہر شخص کیلئے نہیں مگر ہر حال میں اس سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ شریعت نے بھی یکسوئی کا اہتمام کیا ہے اگر کامل یکسوئی نہ ہو تو بقدر ضرورت تو ہونا چاہیے۔ اسی لیے مجھے اس بیان کیلئے فی الجملہ یکسوئی کا انتظار تھا۔ (اصلاح ذات البین ج ۱۹)

## انگریزی تعلیم کی ممانعت کا الزام

ایک عہدہ دار صاحب نے جو کہ ایک تقریب میں ہمارے یہاں مہمان تھے میرے بچپن میں علماء پر اعتراض شروع کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔ انگریزی پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور حکومت کے عہدہ لینے سے روکتے ہیں۔ حالانکہ عہدوں ہی سے مسلمانوں کی عزت ہے اور وہ بغیر انگریزی کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اول اول تو میں نے صبر کیا خاموش رہا۔ کیونکہ وہ معترض صاحب مہمان تھے۔ مگر جب وہ اس سلسلہ کو دراز ہی کرتے رہے تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے کہا صاحب مجھے آپ کی باتوں پر صبر کرتے ہوئے بہت دیر ہوگئی ہے۔ مگر آپ بات کو بڑھاتے ہی چلے جاتے ہیں اس لئے اب مجبوراً میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مجھے اس وقت اس سے تو بحث نہیں کہ مسلمانوں کی ترقی انگریزی پڑھنے پر موقوف ہے یا نہیں۔ فرض کر لیجئے کہ اسی پر موقوف ہے اور بدوں اس کے مسلمانوں کو ترقی نہیں ہو سکتی مگر اس پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے انگریزی نہ پڑھنے کا الزام آیا علماء پر لگانا صحیح ہے یا غلط۔ سو میں پوچھتا ہوں کہ کیا علماء صرف انگریزی ہی سے منع کرتے ہیں یا علم دین حاصل کرنے کا حکم بھی

دیتے ہیں۔ اب بتلائیے کسی اور بات سے بھی منع کرتے ہیں۔ یقیناً وہ بہت سی باتوں سے منع کرتے ہیں مثلاً جھوٹ بولنے غیبت کرنے اور کسی کا حق دبانے۔ مسلمان انگریزی علماء کے منع کرنے سے نہیں پڑھتے تو ان کے کہنے سے علم دین کیوں نہیں پڑھتے۔ اگر یہ مولویوں کا اثر ہوتا تو دوسری باتوں میں بھی تو ہوتا۔ صرف اسی ایک بات میں کیوں اثر ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ مسلمان انگریزی پڑھنے میں دوسری قوموں سے اپنی سستی کی وجہ سے پیچھے ہیں کہ ان سے محنت نہیں ہوتی یا افلاس کی وجہ سے کہ ان کے پاس انگریزی تعلیم کے مصارف کیلئے رقم نہیں۔ علماء کے منع کرنے سے کوئی نہیں رکتا (الامشاء اللہ وھونا در والنادر کالمعدوم ۱۲) مگر آجکل تو الزام ملنے میں علماء کی وہی حالت ہے۔ جیسے ایک بھٹیاری کی حکایت ہے گو حکایت تو فحش ہے۔ مگر مولانا نے اس سے بھی زیادہ فحش حکایتیں مثنوی میں لکھی ہیں۔ اور ان سے علوم نکالے ہیں اس لئے بیان کرتا ہوں۔

قصہ یہ ہے کہ ایک سپاہی سرائے میں ٹھہرا اور بھٹیاری کو کھانا پکانے کے لئے جنس دی۔ بھٹیاریاں اکثر جنس چرایا کرتی ہیں اس لئے سپاہی اس کے پاس مسلط ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ آنکھ بچا کر کچھ چراؤں مگر سپاہی نے موقع ہی نہ دیا۔ اب اس نے یہ تدبیر کی کہ جب سپاہی کھانا کھانے بیٹھا تو ساتھ میں اپنے لڑکے کو بھی بٹھا دیا کہ تو بھی کھالے۔ شریف آدمی کو دسترخوان پر سے کسی کا اٹھانا گوارا نہیں ہوتا۔ اس لئے سپاہی خاموش ہو گیا۔ اتفاق سے بھٹیاری کی رتخ زور سے صادر ہوئی اس نے خفت اتارنے کو اپنے بچے کے ایک دھپ لگایا کہ دوڑ موڑے کھانا کھاتے ہوئے یہ کیا کرتا ہے۔ سپاہی کو انتقام کا موقع ملا اس نے قصد رتخ صادر کی۔ اور زور سے ایک چیت لڑکے کے رسید کیا اور کہا یا درکھ کریگا کوئی مگر پٹے گا تو ہی۔ اس سے بھٹیاری کو بھی بتلا دیا کہ تیری حرکت کو میں سمجھ گیا ہوں بس یہی حال آج کل کے مسلمانوں نے علماء کا کر رکھا ہے کہ کریگا کوئی مگر الزام انہی پر ہوگا۔ انگریزی نہ پڑھنے کا الزام بھی مولویوں پر اور مسلمانوں کے تنزل و افلاس کا الزام بھی علماء پر اور جاہلوں کے مرتد ہونے کا الزام انہی پر، مسلمانوں کی نا اتفاقی کا الزام بھی انہی پر۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ مولویوں نے مسلمانوں میں تفریق کر دی ہے ایک بات کو بعض مولوی جائز کہتے ہیں بعض ناجائز۔ ایک جگہ وعظ کہنے کا اتفاق ہوا جس میں گیارہویں کی رسم

سے منع کیا۔ وعظ کے بعد ایک داروغہ صاحب جو گیارہویں کے معتقد تھے کہنے لگے کہ صاحب علماء کے اختلاف نے ہم کو پریشان کر دیا آپ تو گیارہویں کو منع کرتے ہیں اور فلاں مولوی صاحب جائز کہتے ہیں۔ ہماری بڑی مشکل ہے کس کی بات کو مانیں۔ میں نے کہا داروغہ صاحب۔ میں اس بات کے جواب سے پہلے آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ جس طرح آپ ہم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ فلاں مولوی صاحب گیارہویں کو جائز کہتے ہیں۔ ایمان سے بتلائیے کبھی آپ نے ان سے بھی کہا کہ فلاں مولوی صاحب اس کو ناجائز بتلاتے ہیں اب ہم کیا کریں؟ بس اب تو کھوئے گئے اس کا ان کے پاس کچھ جواب نہ تھا۔ میں نے کہا داروغہ صاحب اتنا تو دروغ نہ بولو۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کو تحقیق مقصود نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ کے دل کو لگتی ہے اور جس کی بات خواہش نفس کے خلاف ہوتی ہے اس پر اعتراض ہے اگر تحقیق مطلوب ہوتی تو جو اعتراض آپ یہاں کر رہے ہیں کبھی وہاں بھی تو کیا ہوتا۔ بے چارے تھے منصف اپنی غلطی کا اقرار کر لیا۔ (اصلاح ذات البین ج ۱۹)

## خطبہ الوداع کا اختلاف

الوداع کے خطبہ میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب مولویوں کے اختلاف نے تنگ کر دیا۔ اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہ اعتراض دونوں جگہ کیوں نہیں کیا جاتا یہ تو الزامی جواب ہے اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ پہلے لوگ تو رمضان کے عاشق تھے ان کو واقعی رمضان کے جانے کا رنج ہوتا تھا۔ اس لئے ان کو الوداع کے خطبہ کا حق تھا مگر اب تو لوگ دوسرے معنی میں رمضان کو الوداع کرتے ہیں یعنی رخصت دور دور۔ حالت یہ ہے کہ زبان سے تو الوداع کا خطبہ ہو رہا ہے۔ ظاہر میں رو رہے ہیں اور اب تو کوئی روتا بھی نہیں۔ بلکہ منہ تک بھی نہیں بناتے بلکہ دل میں خوش ہیں کہ اچھا ہوا رمضان ختم ہو گیا۔ اب خوب کھائیں پیئیں گے۔

صاحب! الوداع کا خطبہ پڑھ سن کر کچھ تو غم زدوں کی سی حالت بنائی ہوتی مگر یہاں تو یہ مستیاں ہیں کہ شیر کے لئے آٹھ آنہ سیر اور بارہ آنہ سیر دودھ خریدتے ہیں۔ ارے غمزدوں کی یہی صورت ہوتی ہے جس کے سر پر غم کا پہاڑ ٹوٹا ہو کیا اس کو شیر کے اہتمام کی بھی سوچتی



ہے ہم تو جب جانیں کہ کسی کا باپ وداع ہو جائے اور اس کے مر جانے پر شیر پکا کر کھائے۔  
توبہ! یہاں تو اگر کوئی اس کا نام بھی لے دے تو اس کو کچا کھا جائیں کہ کمبخت! ہمارا تو باپ مرے  
اور تو ہمیں شیر کی ترغیب دلاتا ہے۔ اگر رمضان کے جانے کا رنج ہوتا تو یہاں بھی یہی حالت  
ہوتی۔ بہر حال ممانعت کے وجوہ موجود مگر مانع پر اس کا پھر بھی الزام۔ کہ مولویوں کے  
اختلاف نے عوام میں اختلاف پیدا کر دیا اس لئے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی کسی سے  
نزاع نہ کرے سب اتفاق و اتحاد سے رہیں۔ (اصلاح ذات البین ج ۱۹)

### بدوعا بغلبہ بشریت

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے۔  
اللَّهُمَّ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَغْضِبُ كَمَا يَغْضِبُونَ فَإِنَّمَا رَجُلٌ أَذِيْتُهُ أَوْ شَتَمْتُهُ  
أَوْ كَعَنْتُهُ فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلَوةً وَزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا إِلَيْكَ  
(اے اللہ! میں بشر ہوں مجھے بھی غصہ آجاتا ہے۔ جیسا اوروں کو غصہ آتا ہے تو جس شخص کو (جوش  
غضب میں) میں کچھ ایذا دوں یا برا بھلا کہوں یا بدوعا کروں تو ان سب کو اس کے حق میں رحمت  
خاص اور سبب تذکیہ اور موجب قربت بنا دیجئے جس سے آپ اس کو اپنا مقرب بنا لیں)۔  
سبحان اللہ! کیا رحمت ہے فرماتے ہیں کہ اے اللہ میری بدوعا بھی دعا ہی ہو کر لگے تو آپ  
کی عجیب شان ہے کہ غضب میں بھی آپ رحمت ہی فرماتے ہیں اس پر شاید کوئی خوش ہو کہ جب  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدوعا بھی دعا ہو کر لگتی ہے تو اب جتنی وعیدیں حضور نے بیان فرمائی ہیں  
سب سے بے فکری ہے کیونکہ آپ کی وعید میں بھی عید ہوتی ہے ذرا کوئی اردو خوان جو قرآن  
وحدیث و مسائل فقہ کا ترجمہ دیکھ کر علماء سے اپنے کو مستغنی سمجھتے ہیں اس اشکال کا جواب تو دیو یں  
انشاء اللہ منہ ہی تکتے رہیں گے اور کچھ جواب نہ آئے گا۔ بات یہ ہے کہ محض ترجمہ دیکھنے سے  
مضمون کی حقیقت منکشف نہیں ہوتی اور جب تک حقیقت منکشف نہ ہو۔ اس وقت تک  
اشکالات کا جواب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ چنانچہ آپ نے اردو کتابیں تو دینیات کی بہت پڑھی  
ہوں گی مگر ذرا اس کا جواب دیجئے۔ صاحبو! حقیقت کا انکشاف محققین کے پاس رہ کر ہوتا ہے  
لیجئے میں اس شبہ کا جواب دیتا ہوں۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث انہی بدوعاؤں کے متعلق ہے  
جو غلبہ بشریت سے بحالت غضب نکل جائیں۔ چنانچہ خود شروع میں اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ کا لفظ خود اس  
پر دال ہے کہ یہ ان بدوعاؤں کے متعلق ہے جن کا منشاء بشریت ہے۔ (الانسد والفساد ج ۱۹)

## تعلیم نسواں

تعلیم کا اصل مدار اہتمام پر ہے تو آپ بھی اہتمام کیجئے اور پردہ میں رکھ کر ہی اپنی عورتوں کو پڑھائیے۔ یقیناً تعلیم یافتہ ہو جائیں گی۔ آخر ایک زمانہ میں مسلمانوں کی عورتیں بھی تو بہت تعلیم یافتہ ہو چکی ہیں۔ حالانکہ اس وقت بھی پردہ موجود تھا۔ تاریخ اٹھا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اسلامی عروج کے زمانہ میں کتنی عورتیں محدث اور مفسر اور ادیب عالم ہوئی ہیں۔ (جامع)

مگر عورتوں کو پردہ میں رکھ کر بھی صرف دینیات کی تعلیم دینا چاہیے جغرافیہ اور تاریخ نہ پڑھانا چاہیے ورنہ ان کو بھاگنے کے راستہ معلوم ہو جائیں گے پھر وہ گھر سے ایسی جائیں گی کہ پتہ بھی نہ دیں گی۔ غرض! پردہ کی وجہ سے عورتوں کی نا اتفاقی شدید تو نہیں ہوتی مگر مدید ہوتی ہے کہ ان میں باہم کشیدگی ہوتی ہے تو زمانہ دراز تک اس کا سلسلہ چلتا ہے نیز ان میں ایک ایسی بری عادت ہے کہ جب کسی بات پر لڑائی ہوگی تو پہلے مردے اکھیڑے جاتے ہیں۔ مردوں میں یہ مرض کم ہے مگر عورتیں جن باتوں کی صفائی بھی کر چکتیں ہیں دوبارہ لڑائی کے موقع پر پہلی باتوں کو پھر دہراتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس وقت کا معاملہ اگر فی نفسہ خفیف بھی ہو تو پہلی باتوں کی یاد دہانی سے سنگین بن جاتا ہے۔ خصوصاً جبکہ یاد دہانی بھی دل خراش الفاظ سے جس میں عورتوں کو خاص ملکہ ہے۔ یہ طعن کے موقع پر اپنے احسان کو بھی ایسے عنوان سے جتلاتی ہیں جس سے دوسرے کا کلیجہ پاش پاش ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ہمارے قصبہ میں ایک خاندان میں نکاح کی تقریب تھی اور صاحب تقریب کی بھانج بہت مفلس تھی۔ مگر اس نے قرض اور ادھار کر کے اس موقع کے لئے جوڑے تیار کئے اور صرف دلہن ہی کا جوڑا نہیں بلکہ سب گھر والوں کیلئے جوڑے تیار کئے گو وہ بڑھیا تو نہ تھے مگر نام کرنے کو کافی تھے۔ چنانچہ اس نے امید سے زیادہ کام کر کے دکھلادیا پھر کسی موقع پر بھانج اور نند میں تکرار ہوا۔ تو بھانج کیا کہتی ہے کہ ”ارے میں تو وہ ہوں کہ میں نے نہ ہوتی میں بھی تمہارے وقت میں سارے خاندان پر کفن ڈالا تھا“ دیکھئے! اس نے جوڑے دینے کو کس لفظ سے ادا کیا کہ ساری ڈکشنری بھی ایسا لفظ نہ نکال سکتی مگر ان کی لڑائی باتوں ہی باتوں میں ہوتی ہے اس سے آگے یہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ (الانسداد للفساد ج ۱۹)

## اتفاق کی جڑ

میں سچ کہتا ہوں کہ آجکل جو تقریروں میں کہا جاتا ہے کہ اتفاق کرو، اتفاق کرو۔ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ سب میرے ساتھ اتفاق کریں ہر شخص اپنی رائے پر اتفاق کی دعوت دیتا ہے اور اس صورت میں قیامت تک اتفاق قائم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قیام اتفاق کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اس کیلئے آمادہ ہو کہ اگر کوئی میرا اتباع نہ کریگا تو میں اس کا اتباع کر لوں گا (بشرطیکہ خلاف شرع کام نہ کرے) حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ آجکل لوگ اتفاق پر تو بہت زور دیتے ہیں مگر اس کی جڑ کو نہیں دیکھتے۔ اتفاق کی جڑ تو وضع یہ ہے ایک حجرہ نشیں صوفی کی تحقیق ہے جس کے سامنے تمام تحقیقات فلسفہ گرد ہیں۔ (الانسداد للفساد ج ۱۹)

## قرآن حکیم سے سائنسی مسائل کا استنباط

آجکل بہت سے قرآن مجید دشمن دوست نمایا ہوئے ہیں۔ جو قرآن مجید میں سے سائنس کے مسائل درجہ دلالت میں ثابت کرتے ہیں یہ سخت دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ تو فخر کے طور پر کہتے ہیں کہ جو مسئلہ اہل یورپ اور سائنس دانوں نے آج سمجھا ہے وہ قرآن مجید میں تیرہ سو برس پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکل چکا ہے۔ لیکن فی الواقع دوستی بے خرد چوں دشمنی ست حق تعالیٰ زیں چنین خدمت غنی ست خدا کو اور خدا کے کلام کو اس خیر خواہی کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھو! اس مسلک میں کئی طرح کی دشمنی ہے اور مولوی لوگ ان مسائل کی تحقیق اور قرآن مجید کے ساتھ زبردستی چسپاں ہو سکنے کی تقریر سے بے خبر نہیں ہیں۔ چنانچہ میں حالانکہ ایک ادنیٰ طالب علم ہوں مگر خود میرے پاس اس کا بڑا دفتر ذہن میں موجود ہے لیکن ان ہی خرابیوں کے سبب قرآن مجید سے ان کو کبھی متعلق نہیں کیا جاتا بقول بزرگے

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

ہمارے زمانہ کے یہ محققین تو یوں سمجھتے ہیں کہ ان ملانوں کو خبر نہیں ہے۔ صاحبو! ان مدعیوں کو تو ایک ہی خبر ہے کہ یہ مسائل قرآن مجید سے اس طرح نکلتے ہیں اور ملانوں کو اس کی بھی خبر ہے اور اس میں جو مضرت ہے اس کی بھی خبر ہے۔ چنانچہ اہل نظر و تحقیق کے نزدیک ایک خرابی جو اس کیلئے لازم غیر منفک ہے یہ ہے کہ جس فن کی وہ کتاب وہ مسئلے اس فن کے نہیں۔

طب کی کتاب اگر کوئی لکھے اور اس میں ایک فصل تو لکھے امراض راس کی اور آگے اس کے فعل فعلاً فعلوا کی بحث لکھے پھر دوسری فصل لکھے۔ امراض بطن کی اور تیسری فصل میں یفعل یفعلان کی بحث لکھ دے تو یہ کتاب کیا ہوگی۔ آدھی میزان الطب اور آدھی میزان الصرف اس کو کہا جائیگا۔ پھر اس کو اگر اہل علم کے روبرو پیش کیا جائے تو اس کتاب کو کون پسند کریگا۔ تو کیا قرآن مجید کو آپ ایسا بنانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ قرآن مجید کے لئے نقص نہ ہوگا۔ دوسرے جو مسائل قرآن مجید سے یہ لوگ استنباط کرتے ہیں اور جن کے اوپر بڑا فخر و ناز ہے وہ کوئی وقیع مسائل بھی نہیں سب ممد و معاون شکم و دہن کے ہیں تو جن کے نزدیک شکم و دہن اور ان کی خدمت بڑی چیز ہے ان کے نزدیک یہ مسائل بیشک مہتمم بالشان اور مایہ فخر و ناز ہونگے۔ ہم تو ان کو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ اور اگر وہ ایسے مسائل ہوں جن میں شکم و دہاں کی بھی امداد نہیں تو پھر تو بالکل ہی لغو ہونگے۔ کیونکہ نہ آخرت کیلئے مفید نہ دنیا کے لئے نافع۔ (الاتفاق ج ۱۹)

## محبوبیت کا باطنی سبب

ایمان و عمل صالح کی وجہ سے محبت کیوں ہوتی ہے۔ اصل وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاصیت ہی یہ رکھ دی ہے۔ جیسے بعض دوائیں بالخاصہ موثر ہوتی ہیں۔ ایسے ہی یہ بھی ہے لیکن یہ زمانہ ہے تحقیقات کا۔ اس لئے اس پر اکتفا نہ کیا جائیگا۔ اس لئے میں اس کی دو وجہ بیان کرتا ہوں۔ ایک تو راز ظاہری اور ایک باطنی۔ باطنی کو اول بیان کرتا ہوں حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جبریل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ تمام ملائکہ میں پکار دو کہ فلاں بندہ سے ہم کو محبت ہے تم بھی اس کو دوست رکھو پھر حکم ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی پکار دو۔ اگر کوئی کہے کہ ہم کو کسی کی نسبت بھی اعلان نہیں۔

سنیئے بات یہ ہے کہ فرشتوں کا اعلان قلوب میں ہوتا ہے اور وہ یہی کہ اس کی محبت قلوب میں پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ زمین پر یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ فیوضع له القبول فی الارض پس وہ سب کی نظروں میں مقبول ہوتا ہے اس کے بعد حضور نے استشہاد میں یہ آیت پڑھی اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لّٰہُمُ الرّٰحْمٰنُ وُدًّا۔ حضور کا یہ آیت پڑھنا صریح دال ہے اس پر کہ وڈا یہاں پر مصدر مبنی للمفعول ہے۔ اور میرا اس مضمون کو اس آیت سے استنباط کرنا صحیح ہے۔ دوسرا راز باطنی یہ ہے کہ محل محبت کا قلب ہے اور قلوب حق



تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جب وہ قلوب میں کسی کی محبت پیدا کرنا چاہیں گے بالاضطرار اس کے سامنے جھک جانا ہی پڑیگا۔ اس کے سامنے پھر کسی کا حوصلہ نہیں ہے کہ ٹیڑھا چلے۔ ایک مقام پر ایک بزرگ سے کوئی شخص الجھا۔ دونوں طرف خشک خشک جواب ہوئے ان بزرگ کے پاس سے وہ شخص پچاس قدم بھی نہ گیا ہوگا کہ دل میں ایک چوٹی لگی اور قدم آگے نہ بڑھا۔ اور واپس آ کر ہاتھ جوڑے کہ خدا کے واسطے میرا قصور معاف کر دو۔ اور یہ کہا کہ خدا جانے مجھ کو کیا ہوگا کہ میں قدم آگے بڑھاتا تھا۔ اور وہ پیچھے کو ہٹتا تھا۔ وہ بات کیا تھی یہ نہیں کہ ان بزرگ نے کچھ تصرف کیا ہو۔ بلکہ اس پر ایک سرکاری پیادہ مسلط ہو گیا۔ اور کشاں کشاں اس کو پکڑ لیا۔ غرض! ان بزرگ نے جب قصور معاف کیا اس وقت وہ گیا اس سے معلوم ہوا کہ قلب میں کوئی بات خدا تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں۔ غرض راز باطنی تو اس کا یہ ہے۔ (الاتفاق ج ۱۹)

## محبت کے اسباب ظاہرہ

اور راز ظاہری یہ ہے کہ محبت کے کل تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ نوال، کمال، جمال۔ یعنی عطا و احسان سبب محبت کا ہوتا ہے۔ چنانچہ محسن سے اسی بناء پر محبت ہوتی ہے اور عطا ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کی خطا معاف کر دی جائے یا کسی کا کام کر دیا جائے کسی کی بیہودگی پر درگزر کی جائے۔ کبھی کمال کی وجہ سے محبت ہوتی ہے خواہ علمی ہو یا عملی یا اخلاقی۔ مثلاً اہل علم سے محبت اسی واسطے ہوتی ہے کہ ان میں کمال علم ہے اگرچہ اس کے علم سے اپنے کو بھی نفع نہ ہو اور جیسے حاتم کی سخاوت سن کر اس کی طرف ایک میلان ہوتا ہے۔ اور جیسے رستم سے اسی واسطے محبت ہے کہ اس میں شجاعت کا کمال ہے۔ مجھ کو یاد ہے کہ بچپن میں اردو شاہنامہ دیکھا کرتا تھا جب کسی لڑائی کا قصہ آتا تو جی سے تمنا ہوتی تھی کہ خدا کرے یہ لکھا ہو کہ رستم جیت گیا۔ حالانکہ اگر وہ جیت گیا یا ہار جائے تو ہم کو کیا نفع ہے مگر اس کے کمال کی وجہ سے کان اس بات کو نہیں سن سکتے تھے کہ ہار گیا۔

تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اسکے اندر شجاعت کا کمال تھا۔ اس زمانہ میں جو بہت سے واقعات لڑائی کے ہوئے تو مسلمانوں کے غلبہ کو سن کر مسلمانوں کا دل تو خوش ہوتا ہی تھا۔ مگر بہت سے ہنود کو بھی دیکھا کہ وہ ان کے غلبہ کو سن کر خوش ہوتے تھے۔ اس کا سبب بھی وہ ہی محبت ہے۔ ترکوں سے بسبب ان کے کمال شجاعت کے اور اس کے علاوہ ایک سبب

ترکوں سے محبت کا ان کی مظلومیت بھی تھی کہ یہ بھی کمال میں داخل ہے۔ اس لئے کمال یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرے اور جب اس پر ظلم ہو تو مستقل رہے۔ تیسرا سبب محبت کا جمال ہوتا ہے۔ جیسے کوئی حسین و جمیل ہے اس سے بالطبع محبت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ گورے چٹے کو جمیل نہیں کہتے یہ تو پوست پرستوں کا مذہب ہے کہ ان کے یہاں محبت جمال صورت ہی سے ہے۔ عقلاء کے نزدیک اصلی جمال یہ ہے کہ اخلاق میں تناسب و اعتدال ہو اور اسی سے کشش ہوتی ہے قلوب کو اگر اس کے ساتھ صورت بھی کچھ اچھی ہو تو بہت ہی کچھ کشش ہوتی ہے یہ ہیں طبعی اسباب محبت کے۔ (الاتفاق ج ۱۹)

صاحبو! ہر شے کا ایک مصرف ہے رحم اور ہمدردی کا بھی موقع ہے اگر اس موقع پر کی جائیگی تو مدح کے قابل ہوگی۔ ورنہ ہمدردی نہ ہوگی۔ دیکھو! پیار محبت بہت اچھی شے ہے۔ مگر کس کے ساتھ اپنے بچوں کے ساتھ بیوی کے ساتھ۔ اگر کوئی بیہودہ معمول کر لے کہ جب گھر آیا کرے اماں جان کو پیار کیا کرے تو اس کو سب مسخرہ اور بیوقوف اور بے ادب کہیں گے۔ اسی طرح مثلاً باپ کو بر خوردار، نور چشم لکھنے لگے تو معیوب ہوگا۔ غرض ہر شے کے اندر اعتدال ہونا چاہیے ورنہ پھر وہ اپنی حد سے نکل کر اپنی ضد میں جا پہنچتی ہے۔ بقول اہل تحقیق الشئ اذا خرج عن حدود الحق یضد مثلاً ترحم ہی ہے۔ اس میں اگر اعتدال نہ ہو مثلاً چوہوں کو نہیں مارا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے آدمیوں کو مارا کیونکہ وہ آدمیوں کو تکلیف دیں گے۔ کیا اچھا رحم ہوا کہ چوہوں پر تو رحم کیا اور پنی بنی نوع کا نقصان کیا۔ اسلام نے اخلاق کی تعدیل کی ہے۔ یہ تو نوال میں گفتگو تھی۔ اب کمال کو لیجئے۔ بڑا کمال علم ہے شریعت میں اسکے حاصل کرنے کی بہت ہی تاکید ہے۔ سخاوت اور شجاعت بھی کمال ہیں۔ شریعت نے ان دونوں کا بھی ایسا اہتمام کیا ہے کہ کوئی اس کی نظیر نہیں دکھلا سکتا۔ اب رہ گیا جمال! تو اس کا مدار ہے اخلاق پر اس لیے کہ اخلاق جمیلہ میں جو کشش ہے۔ حسن صورت میں اس قدر نہیں ہے اگر کسی میں اخلاق جمیل ہوں اگرچہ ترکیب اعضاء کے قاعدے سے عرفاً وہ حسین نہ ہو۔ مگر اس کے اندر ایک دلربائی چہرہ پر حلاوت اور نور ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے حسینوں میں وہ بات نہیں ہوتی۔

بازاری عورتیں اپنے کو بہت بناتی ہیں مگر چونکہ اخلاق ذمیمہ ان کے اندر ہوتے ہیں اس لئے

چہرہ پر پھٹکار برستی ہے۔ بھولا پن نہیں ہوتا۔ بخلاف عقیف عورتوں کے کہ کیسی ہی میلی کچیلی کالی کو لی ہوں۔ مگر انکے اوپر ایک نور اور کشش ہوتی ہے۔ سوا اعمال صالحہ میں یہ خاصیت بھی ہے کہ جمال بڑھ جاتا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **سَيِّمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثْرِ السُّجُوْدِ**۔  
مولانا فرماتے ہیں۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی      نیک ہیں باشی اگر اہل ولی  
کسی نے خوب ترجمہ کیا ہے

مرد حقانی کی پیشانی کا نور      کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور  
اور اگر کسی کا ذہن اتنا عمیق نہ ہو اور غایت بلاہت سے وہ حسن متعارف ہی میں جمال کو  
منحصر سمجھتا ہو تب بھی ظاہر ہے کہ محبوبیت کاملہ کے لئے اس کا مدار ہونا مشروط ہوگا اس حسین  
الصورت کے حسین السیرت ہونے پر۔ جس سے پھر اصلی مداریت ایمان و عمل صالح ہی کے  
لئے ثابت رہی ورنہ اگر اس کی سیرت اچھی نہ ہوئی تو بعض کو اس سے محبت ہی نہ ہوگی۔ اور اگر کسی  
کو ہوگی۔ کامل نہ ہوگی۔ یعنی ضعیف ہوگی۔ یا جلدی زائل ہو جائیگی۔ یعنی جب یہ حسن جاتا رہے  
گا تو محبوبیت بھی جاتی رہیگی۔ اور حسن سیرت پر جو محبوبیت ہوگی وہ مدت العمر باقی رہے گی۔

علاوہ اس کے اگر اس سے بھی قطع نظر کی جائے تب بھی محبوبیت کے لئے مجموعہ  
اسباب کا جمع ہونا ضروری نہیں اگر مومن و عامل صالحات میں جمال بھی نہ ہو تب بھی  
دوسرے اسباب تو قوت کے ساتھ موجود ہیں۔ وہ بھی محبوبیت کیلئے کافی ہیں اور اگر کسی  
کافر میں محبوبیت پائی جائے تو اگر وہ اخلاق اسلامی میں سے کسی خلق کے پائے جانے  
سے ہے تب تو اس کا سبب وہی عمل صالح ٹھہرا باقی یہ بات کہ پھر مومن کی کیا تخصیص  
ہوئی۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ وہ خلق بھی غیر مومن میں اس کمال کے ساتھ ہرگز نہ  
پایا جائیگا۔ جیسا مومن میں کیونکہ مومن میں اس کا مقتضی مضبوط ہوگا یعنی ابتغاء مرضات  
حق۔ جس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ بخلاف کافر کے کہ اس کا جو منشاء ہوگا وہ متبدل ہوگا۔  
اور اس کے تبدل سے وہ خلق متبدل ہو سکتا ہے پس کمال محبوبیت مومن ہی میں رہی۔  
اور اگر اخلاق کے علاوہ اور کوئی امر ہے جیسے حسن صورت وغیرہ تو وہ عام محبوبیت کا سبب  
نہ ہوگا۔ چنانچہ مسلم و مشہور ہے معشوق من است آنکہ بہ نزدیک تو زشت ست

بخلاف اسباب تعلیم فرمودہ شریعت کے کہ اسمیں یہ اثر عام ہے۔ البتہ جس کے مدرکات ہی ٹھیک نہ رہے ہوں یا اس کی کوئی غرض فوت ہوئی ہو اس کا اعتبار ہی نہیں۔ یہ مضمون آئندہ مقصوداً بھی آتا ہے۔ (الاتفاق ج ۱۹)

## فضیلت وعظ

حدیث میں آتا ہے کہ جب کہیں اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو فرشتوں کی ایک جماعت وہاں مجتمع ہو جاتی ہے پھر وہ ذکرین کے اوپر سکینہ نازل کرتے ہیں پھر جب وہ حق تعالیٰ کے پاس چلے جاتے ہیں تو وہاں سوال ہوتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ ہم نے ان کو آپ کا ذکر کرتے ہوئے چھوڑا حق تعالیٰ سوال فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے ہم کو دیکھا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ نہیں یا اللہ انہوں نے آپ کو دیکھا نہیں اگر دیکھ لیتے تو اس سے بھی زیادہ کوشش کرتے پھر سوال ہوتا ہے کہ وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ آپ سے جنت اور آپ کی رضا کو طلب کرتے ہیں اور آپ کی ناراضگی اور جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ گواہ رہو ہم نے ان سب کو بخش دیا۔ اس پر بعض فرشتے کہتے ہیں کہ یا اللہ فلاں شخص تو ذکر کے قصد سے نہ آیا تھا ویسے ہی آکر ان کے پاس بیٹھ گیا تھا ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اس کو بھی بخش دیا یہ جماعت ایسی نہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم ہو۔ یہ تو حدیث کا مختصر مضمون ہے اور ظاہر ہے کہ وعظ کی مجلس بھی مجلس ذکر ہے اس میں خدا تعالیٰ کے احکام کا ذکر ہوتا ہے اور یہ بھی ذکر اللہ ہی ہے ذکر اللہ فقط تسبیح و تہلیل وغیرہ میں منحصر نہیں صاحب حصن حصین نے اس مسئلہ پر متنبہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں بل کل مطیع اللہ فہو ذاکر، کہ ہر شخص جو خدا کی اطاعت میں مشغول ہو وہ ذاکر ہی ہے۔ (الکمال فی الدین للنساء ج ۲۰)

## باکمال عورتیں

ایک حدیث میں بھی ہے کَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ کَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمَلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرِيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةِ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ.



جس کا حاصل یہ ہے کہ مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہوئے لیکن عورتوں میں بجز مریم علیہا السلام اور آسیہ فرعون کی بیوی کے اور کوئی کامل نہ ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے تمام کھانوں پر۔ اس سے علماء نے حضرت عائشہ کا کمال بھی سمجھا ہے کہ وہ کامل ہیں۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں کامل ہو بھی سکتی اور اس کا وقوع بھی ہوا ہے گو ان میں کامل افراد بہ نسبت مردوں کے کم ہیں مگر ایک حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عورتیں کامل ہو ہی نہیں سکتیں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ آپ نے ایک بار عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا: مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتٍ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلْبَّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ۔ ترجمہ: ”میں نے عورتوں سے بڑھ کر کوئی ناقص العقل اور ناقص الدین ایسا نہیں دیکھا جو ہوشیار مرد کی عقل کو جلدی زائل کر دیتا ہوں۔“

اس پر عورتوں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری عقل اور دین میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورتوں کی گواہی مردوں کی آدھی گواہی کے برابر نہیں ہے۔ انہوں نے کہا بے شک۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو ان کی عقل کا نقصان ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر شمار کی گئی ہے اور کیا جب تم کو حیض آتا ہے تو تم نماز روزہ چھوڑ کر نہیں بیٹھ جاتیں۔ انہوں نے کہا بے شک! فرمایا کہ یہ تمہارے دین کا نقصان ہے۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ناقص ہونے کا جو سبب بیان فرمایا ہے وہ ایسا سبب ہے جس سے کوئی عورت بھی خالی نہیں۔ لہذا لازم آتا ہے کہ عورتوں میں کوئی بھی کامل نہ ہو سکے۔ حالانکہ قرآن اور دیگر احادیث سے ان میں بھی کمالات کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ یہ اشکال عرصہ سے میرے ذہن میں تھا مگر اس کا کوئی شافی جواب اب تک ذہن میں نہ آیا تھا۔ اسی لئے اس اشکال کو اب تک میں نے کہیں بیان نہ کیا کہ خواہ مخواہ دوسروں کو بھی کیوں پریشانی میں ڈالوں الحمد للہ اس وقت جواب ذہن میں آ گیا اس لئے میں نے اشکال کو بھی بیان کر دیا اور جواب بھی عرض کرتا ہوں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کمال کی دو قسمیں ہیں ایک کمال اختیاری ایک کمال غیر اختیاری۔ اسی طرح نقصان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری ایک غیر اختیاری اور انسان مکلف ہے تحصیل کمال اختیاری کا جو

کہ امر مکتسب ہے اور مکلف ہے ازالہ نقصان اختیاری کا جو اس کی قدرت میں داخل ہے اور کمال غیر اختیاری کی تحصیل اور نقصان غیر اختیاری سے اجتناب کا انسان مکلف نہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا. (اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) لیکن یہ ضرور ہے کہ کمال غیر اختیاری کے حاصل نہ ہونے سے عورتوں کو گناہ نہ ہوگا لیکن گناہ نہ ہونے سے اس کا موجب نقصان نہ ہونا لازم نہیں۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے نہ ہونے سے گناہ نہیں ہوتا۔ لیکن نقصان ضرور ہے (مثلاً ایک آدمی میں طبعاً بزدلی اور خوف بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ جہاد نہیں کر سکتا اس صورت میں اس کو گناہ تو نہیں ہوگا لیکن یہ نقصان ضرور ہے اور مجاہدین کے برابر وہ شخص نہیں ہو سکتا۔ ۱۲)

پس قرآن میں جو عورتوں کو کامل کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کمال مکتسب کا درجہ اس کو حاصل ہو سکتا ہے اور حدیث میں جو ان کو ناقصات الدین کہا گیا ہے اس میں نقصان غیر اختیاری کو بیان کیا گیا ہے اور کمال مکتسب و نقصان غیر اختیاری کے جمع ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ اب یہ سوال رہا کہ دوسری حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ مردوں میں تو بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں بجز مریم علیہا السلام و حضرت آسیہ کے اور کوئی کامل نہیں ہوا۔ اس سے در یہ ہوتا ہے کہ ان دونوں میں کمال کا وہی درجہ تھا جو مردوں میں تھا (کیونکہ جس کمال کو مردوں کے لئے ثابت کر کے عورتوں سے اسکی نفی کی گئی ہے۔ حدیث میں صیغہ استثناء کے ساتھ اسی کمال کو ان دونوں کیلئے ثابت کیا گیا ہے۔ اگر یہ مطلب نہ ہو تو ان کے استثناء کرنے کے کچھ معنی نہ ہوں گے ۱۲) اور جب یہ مطلب ہوا کہ ان دونوں کو کامل مردوں کے برابر کمال حاصل تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان میں نقصان عقل و نقصان دین کا وہ سبب غیر اختیاری موجود نہ تھا جو دوسری عورتوں میں موجود ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ممکن ہے ان میں وہ نقصان غیر اختیاری موجود نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ کچھ بعید نہیں۔ دوسرے ممکن ہے کہ ان میں بھی نقصان غیر اختیاری جس سے اس نقصان غیر اختیاری کی تلافی ہوگئی ہو۔ (الکمال فی الدین للنساء ج ۲۰)

## کھانے میں اعتدال

حدیث میں ہے۔ ثَلَاثٌ لِّطَعَامِهِ وَ ثَلَاثٌ لِّشَرَابِهِ وَ ثَلَاثٌ لِّنَفْسِهِ.

ایک تہائی کھانے کے لئے اور ایک پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے اور ایک ٹلٹ کی قید غالباً اتفاقی ہے مطلب یہ ہے کہ کچھ گنجائش رکھ کر کھانا چاہئے یہی تعلیم مولانا کی لکھنے پڑھنے کے متعلق تھی کہ تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر محنت کیا کرو۔ پھر مولانا نے فرمایا کہ تم نے چکی بھی پھرائی ہے ہم نے کہا حضرت نہیں فرمایا تم نے دنیا میں خاک دیکھا۔ دیکھو چکی پھرانے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس پر سے سارا ڈورا نہ اُتارا جائے اگر ڈورا سارا اُتر جائے گا تو پھر از سر نو چڑھانا پڑے گا اور اگر تھوڑا سا ڈورا اس پر لپٹا رہے تو نہایت آسانی سے اسی پر لوٹ آتی ہے۔ یہی قاعدہ شارع نے مقرر کیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَمْلِكُ حَتَّى تَمْلُؤُوا. یعنی عمل شوق باقی رکھ کر و اتنا عمل نہ کرو کہ سارا شوق ایک دم سے ہی پورا کر لو بلکہ نفس پر آسانی کرو زیادتی نہ کرو عبادت تحمل کے موافق کرو تحمل سے زیادہ نہ کرو۔ (رفع الالتباس عن نفع الالتباس ج ۲۰)

## طریقہ تعلیم نسواں

عورتوں کو وہ کتابیں پڑھائیے جن میں ان کے ضروریات دینی لکھے گئے ہیں اور ان کو سبقاً سبقاً پڑھائیے ان کے ہاتھ میں کتاب دے کر بے فکر نہ ہو جائیے عورتیں اکثر کج فہم اور کم فہم ہوتی ہیں یا تو کتاب کے مطلب کو سمجھیں گی نہیں یا کچھ کا کچھ سمجھ لیں گی اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر کے گھر کا کوئی مرد بیبیوں کو اکٹھا کر کے وہ کتابیں پڑھایا کرے یا اگر وہ پڑھ نہ سکتی ہوں تو ان کو سنایا کرے مگر نظر تعلیم کی غایت اور غرض پر رہے۔ صرف ورق گردانی نہ ہو جو جو مسئلے ان کو پڑھائے جائیں یا سنائے جائیں ان پر عمل کی نگرانی بھی کی جائے۔

یہ بھی قاعدہ ہے کہ مسئلہ پڑھنے سے یاد نہیں رہتا بلکہ اس کے کاربند ہو جانے سے خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی بی بی پڑھی ہوئی میسر ہوں تو وہی کتاب لے کر دوسری بیبیوں کو پڑھائیں یا سکھائیں۔

بہر حال کوئی صورت ہو مگر اس سے غفلت نہ ہونی چاہئے آپ صرف اپنی ذات خاص سے پابند شرع ہو کر بری نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے:

قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

یعنی بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔ اور حدیث ہے

أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْنُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ.

یعنی ہر بڑا چھوٹے کا نگران ہے۔ اور اس سے باز پرس ہوگی تو جس طرح ممکن ہے عورتوں کو دین سکھاؤ۔ مرد خود سکھائیں یا کوئی بی بی دوسری بیبیوں کو سکھا دیں اور سکھانے کے ساتھ ان کو کار بند بھی بنادیں اس کے بغیر برأت نہیں ہو سکتی اس پر آپ یہ نہ کہیں کہ عورتیں راہ پر آتی ہی نہیں کیونکہ آپ کو خدا تعالیٰ نے حاکم اور ان کو محکوم بنایا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ. (مرد عورتوں پر حاکم ہیں) (منازعہ الہوی ج ۲۰)

## ازالہ شبہات میں، تقلید محقق لازم ہے

آج کل علماء بھی خود طریق علاج نہیں جانتے۔ تو اب عوام نے اپنا علاج خود کرنا شروع کیا کہ قرآن و حدیث کا ترجمہ پڑھنے لگے اور ترجمہ دیکھ کر شبہات کا خود ہی جواب دینے لگے مگر میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ ایسے عوام کو خود ترجمہ پڑھنا حرام ہے۔ بلکہ تم کو لازم ہے کہ کسی محقق سے رجوع کرو اور جو طریق وہ بتلائے اس پر عمل کرو اپنی رائے کو دخل نہ دو پھر وہ بھی تم کو قرآن کا ترجمہ پڑھائے گا یا پڑھنے کی رائے دے گا۔ مگر قابل بنا کر۔ اور اگر اس کے سامنے بھی اپنی رائے چلائیں گے تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے اپنے بچے کے لئے تمام ایک نصاب تعلیم تجویز کرو اور وہ اس میں اپنی رائے کو دخل دے تو کیا آپ کو اس کی رائے کی کچھ وقعت ہو گی.....؟ ہر گز نہیں صاحبو! دنیا و دین کا کام بدوں تقلید محقق کے نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے اگر ایک سرکاری مکان دو لاکھ روپے میں تیار ہوا ہو مگر انجینئر اس کو پاس نہ کرے اور یہ کہے کہ دو ماہ میں یہ مکان گر جائے گا تو اسی وقت لاکھوں کی عمارت کو بیکار کر دیا جاتا اور اس کو خالی کر دیا جاتا بلکہ بعض دفعہ گر دیا جاتا ہے یہاں کوئی اپنی عقل کو دخل نہیں دیتا بلکہ بلاچوں و چرا انجینئر کی تقلید کی جاتی ہے یہی حال ڈاکٹروں کی تقلید کا ہے کہ انکی تجویز میں کوئی دخل نہیں دیتا۔ (غایۃ النجا ج ۲۰)

## قرآن میں ہر مضمون کا ہونا ضروری نہیں

قرآن میں ہر واقعی بات مذکور ہونا چاہئے اور اس کے متعلق کسی بزرگ کی طرف ایک شعر منسوب کیا جاتا ہے۔

جَمِيعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْآنِ لَكِنْ تَقْصِرُ عَنْهُ أَفْهَامُ الرِّجَالِ



(قرآن میں تمام علوم ہیں لیکن لوگوں کی افہام اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں ۱۲) مگر میں کہتا ہوں کہ اول تو سند صحیح سے اس کا ثبوت دو کہ یہ شعر کس بزرگ کا ہے۔ دوسرے یہ کہ امیں یہی تو کہا گیا ہے کہ قرآن میں تمام علوم ہیں جمیع الجہل فی القرآن تو نہیں کہا تو اب تم اس کا ثبوت دو کہ جن تحقیقات کو تم قرآن میں ٹھونکتے ہو یہ علم ہے جہل نہیں۔ اور اگر علم سے مراد مطلق دانستن ہے تو میں کہوں گا کہ اگر ویرائے کا امتحان قانون وغیرہ میں ہو رہا ہو تو کیا کوئی اس وقت یہ کہے گا کہ ویرائے کا امتحان پارچہ سازی و پارچہ و درزی میں بھی ہونا چاہئے کیونکہ علم لغوی تو یہ بھی ہے یقیناً کوئی اسکی جرأت نہ کرے گا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ویرائے کے علم کے سامنے یہ جہل ہے علم نہیں اسی طرح جن باتوں کو آپ قرآن میں اپنی رائے سے ٹھونکتے ہیں وہ علوم قرآن و حدیث کے سامنے علم نہیں بلکہ جہل محض ہیں۔

صاحبو! عوام کو لازم ہے کہ اپنے کو جاہل سمجھیں عاقل اور ذی رائے نہ سمجھیں اور اگر عاقل و ذی رائے سمجھیں تو دنیا کی باتوں میں رائے چلا لیا کریں۔ قرآن و حدیث کو تختہ مشق نہ بنائیں۔ بلکہ علماء کو بھی لازم ہے کہ اپنے کو عالم نہ سمجھیں مگر جاہل بھی نہ سمجھیں کہ اس میں ناشکری ہے بلکہ علماء سابقین سے اپنے کو کم سمجھیں۔ (غایۃ النجاح ج ۲۰)

صاحبو! آج کل جو لوگ قرآن میں اپنے رائے کو دخل دیتے ہیں ان کو ایمان عزیز نہیں ورنہ اگر جان کی طرح ان کو ایمان بھی عزیز ہوتا تو قرآن میں اپنی رائے کو نہ ٹھونکتے نہ علماء سے مزاحمت کرتے جیسا کہ اطباء سے مزاحمت نہیں کرتے اور اگر وہاں طبیب یا ڈاکٹر کی رائے سے مزاحمت کریں گے تو وہ نکال باہر کر دے گا پھر نہ معلوم دین ہی اتنا سستا کیوں ہے کہ اس میں ہر شخص اپنی رائے کو دخل دیتا ہے۔

## نکاح کی غرض و غایت

یہ نکاح کا اصل موضوع ہے یعنی سکون حاصل ہونا باقی خدمت وغیرہ یہ سب فرع ہیں وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً۔ اور تمہارے درمیان باہمی محبت اور ہمدردی پیدا کی، یہ بھی دلائل قدرت میں سے ہے کہ جو دو شخص ابھی ایک ساعت پہلے اجنبی محض تھے اب ان میں نکاح کے بعد کیسی محبت ہو جاتی ہے کہ دوسرے تعلقات میں اس کی نظیر نہیں ملتی اسی لئے حق تعالیٰ نے اس کو صیغہ امر سے بیان نہیں کیا کہ تم کو آپس میں مودت و رحمت کا برتاؤ رکھنا چاہئے بلکہ صیغہ خبر

سے بیان فرمایا کہ ہم نے تمہارے درمیان خاص تعلق پیدا کر دیا یعنی ہم نے تمہاری مدد کی ہے بدوں ہماری مدد کے اجنبیت میں ایسا تعلق نہیں ہو سکتا تھا اور یہاں مودت و رحمت دو لفظ اختیار کئے گئے اس سے مطلب یہ ہے کہ اس تعلق میں کبھی مودت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی رحمت و ہمدردی کا چنانچہ ابتداء میں عموماً محبت کا غلبہ ہوتا ہے اور انتہا میں رحمت و ہمدردی کا۔ اور اس عنوان میں عورتوں کی اس شکایت کا بھی جواب ہو گیا جو عورتوں کو مردوں سے اکثر ہوا کرتی ہے۔ جب نکاح کو چند سال گزر جاتے ہیں تو عورتیں مردوں سے کہا کرتی ہیں کہ اب تمہارے دل میں ہماری ویسی محبت نہیں رہی جیسی شروع میں تھی اب وہ ولولہ اور تقاضا اور جوش عشق نہیں رہا اس شکایت کا منشا جہل ہے اور اگر مرد لا جواب ہو جائے تو یہ اس کا جہل ہے دونوں جاہل ہوں گے تو شکایت بڑھے گی عاقل اس اعتراض کو کبھی تسلیم نہ کریگا وہ اس کا یہ جواب دے گا۔

## جوش کا کم ہونا کمالِ محبت کی دلیل ہے

قاعدہ یہ ہے کہ قدامت کے بعد جوش کم ہو جاتا ہے مگر جوش کا کم ہو جانا زوالِ محبت کی دلیل نہیں بلکہ کمالِ محبت کی دلیل ہے کیونکہ جوش خود نقص کی دلیل ہے دیکھو ہنڈیا میں جب تک جوش رہتا ہے کچی ہے اور جب جوش کم ہو کر سکون ہو جاتا ہے اس وقت سمجھتے ہیں کہ ہنڈیا پک گئی اسی لئے انبیاء علیہم السلام اور کالمین میں کیفیات کا جوش کم ہوتا ہے اور متوسطین میں ان سے زیادہ اور چھٹ بھیوں میں تو سب سے زیادہ جوش ہوتا ہے مگر سب جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کامل ہیں تو اسکی محبت بھی سب سے کامل ہے حالانکہ وہاں جوش نہیں۔ پس عورتوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ..... بیوی کے پرانی ہو جانے سے اگر مرد کا جوش کم ہو جائے تو یہ محبت کے کم ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اس کی دلیل ہے کہ محبت کامل ہو گئی ہے مگر رنگ بدل گیا ہے پہلے محبت و عشق کا رنگ تھا اب رحمت و ہمدردی کا رنگ ہے پہلے محبت تھی مگر کسی قدر تکلف اور اجنبیت بھی تھی اب بالکل بے تکلفی ہے کہ ایک دوسرے کا ہمراز و مساز اور راحت و غم کا شریک ہے گویا دو قالب ایک جان ہیں یہ نکتہ ہے مودت و رحمت دو لفظوں کے اختیار کرنے میں (غلیہ النجاشی ج ۲۰)

## علم اعتبار کی حقیقت کی توضیح

علم اعتبار کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مشبہ کو دوسرے مشبہ بہ سے واضح کیا جائے ثابت نہ کیا

جائے بلکہ مشبہ ثابت بدلیل آخر ہے اور یہ نہ مجاز میں داخل ہے خواہ مجاز مرسل ہو خواہ استعارہ کیونکہ کنایہ میں موضوع لہ کے مراد نہ ہونے پر قرینہ ہونا ہے اس لئے غیر موضوع لہ مراد ہوتا ہے اور یہاں نہ موضوع لہ کے غیر مراد ہونے کا کوئی قرینہ ہے نہ غیر موضوع لہ مراد ہے اور نہ یہ کنایہ میں داخل ہے کیونکہ کنایہ میں معنی موضوع لہ متروک نہیں ہوتے بلکہ کلام کا مدلول اصلی وہی موضوع لہ ہوتا ہے مگر مقصود اس کا لازم یا ملزوم ہوتا ہے جیسے طویل النحاد کہ اس میں مدلول وضعی متروک نہیں مدلول کلام وہی ہے مگر مقصود طویل القلمۃ ہے کیونکہ طویل النحاد کے لئے طویل القلمۃ لازم ہے اور اعتبار میں وہ معنی نہ مقصود ہے نہ مدلول کلام ہے۔ پس یہ اعتبار گویا قیاس تصرفی ہے اور مشابہہ ہے قیاس فقہی کے مگر ہمیں قیاس فقہی نہیں کیونکہ قیاس فقہی میں علت جامعہ مؤثر ہے حکم مقیس میں اس لئے وہ حکم منسوب الی القیاس ہوتا ہے یہاں یہ بھی نہیں صرف مقیس مقیس میں تشابہہ ہے۔ اور اس مشابہت کو حکم میں کوئی اثر نہیں بلکہ وہ حکم خود مستقل دلیل سے ثابت ہے یہ حقیقت ہے علم اعتبار کی پس صوفیہ تو اس کے حدود سے نہیں نکلتے کیونکہ وہ معانی منقولہ کے نہ مدلولیت کے منکر ہیں نہ مقصودیت کے اور جہلاء صوفیہ خود ان کے مدلولیت ہی کے منکر ہیں اور جدید تعلیم یافتہ مدلولیت کے تو منکر نہیں مگر مقصودیت کے مابین بلکہ مقصود معانی سیاسیہ ہی کو سمجھتے ہیں ان سب فرقوں کے سب فرقوں کو اچھی طرح سمجھ لو۔

اب سمجھئے کہ جس مضمون کو میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں وہ اس آیت کا نہ مدلول ہے نہ مقصود ہے بلکہ صرف اس کو اس کے مدلول سے مشابہت حاصل ہے پس یہ بیان اس آیت کے تحت میں بطور علم اعتبار کے ہوگا۔ (غایۃ النجاشی ج ۲۰)

## مسلمانوں کی حضرات اہل بیتؑ سے محبت:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں کہ مجھے وہم ہوا کرتا تھا کہ حضرات اہل بیت سے مجھے محبت نہیں ہے۔ اور اکثر اہل سنت کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کو جتنی محبت صحابہ سے ہے اتنی اہل بیت سے نہیں ہے۔ چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے یہ شبہ کیا بھی تھا کہ میں نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں صحابہ کے منکر تو ہیں۔ اس لئے ان کی نفرت اور حمایت میں اہتمام کیا جاتا ہے اور اہل بیت کے منکر نہیں اس لئے ان کے متعلق

اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے شبہ ہوتا ہے کہ اہل بیت سے محبت نہیں تو جیسے اکثر لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کو بھی یہ خیال ہوا اور اس کی وجہ سے پریشان ہوئے۔ آخر ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے صحابہ کی شان میں گستاخی کی آپ سن کر غصہ سے بے تاب ہوئے۔ اور تلوار نکال کر چاہا کہ اس کا کام تمام کر دیں اس نے کہا کہ امام حسینؑ کے واسطے مجھ کو چھوڑ دو۔ بس امام حسینؑ کا نام سنکر آپ کی یہ حالت ہوئی کہ بدن پر لرزہ پڑ گیا اور پھر اس پر ہاتھ نہ اٹھ سکا اس سے آپ کو تسلی ہوئی کہ مجھ کو اہل بیت کے ساتھ بھی محبت ہے۔ (اجابۃ الداعی ج ۱۶)

## صالح جنات کیلئے جنت

اب وہ مسئلہ بتلاتا ہوں کہ اس میں علماء کا اختلاف ہوا ہے وہ یہ کہ اگر جن عمل صالح کریں تو ان کو جنت ملے گی یا نہیں ایک قول امام صاحبؒ کا ہے عذاب سے تو بچیں گے لیکن جنت میں جانے کا حکم نہیں کیا جاسکتا اور اسی آیات سے استدلال کیا ہے کہ اس میں ایمان لانے پر مغفرت اور عذاب سے نجات کا وعدہ ہے جنت کا وعدہ نہیں تو امام صاحب نے بہت احتیاط کی ہے کہ جس کی تصریح نہ تھی اس میں توقف فرمایا اصل قول تو امام صاحب کا اتنا ہے اور یہ بھی احتیاط کی بنا ہے کہ اثبات بھی نہ کریں اور انکار بھی نہ کریں مگر اب مشہور قول یہ ہے کہ وہ جنت میں نہ جاویں گے۔ باقی پھر کہاں ہوں گے۔ تو اس کے متعلق مختلف احتمال ہیں بعض کے میں کہا ہے یہ ہے امام صاحب کے مذہب کا حاصل مگر جو میری سمجھ میں آتا ہے وہ عرض کرتا ہوں کہ ظاہر ایہ امام صاحب کی احتیاط ہے اور یہ بھی ثابت نہیں کہ آخر تک امام صاحب اسی قول پر رہے کیونکہ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جن اچھے عمل کریں گے تو جنتی ہوں گے۔ میں تو اس کو قریب قریب قطعی سمجھتا ہوں ایک تو سورۃ رحمن میں جنت کی نعمتیں ذکر کر کے فرمایا ہے فبا ی الا ربکما تکذبان (پھر تم اے جن و انس اپنے رب کی کوئی نعمت کا انکار کرتے ہو) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتیں دونوں کو ملیں گی نیز یہ بھی فرمایا کہ لَمْ یَطْمِئْنُوْهُمْ اَنْسَ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۡنٌ (یعنی حوروں کو ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہو گا نہ کسی جن نے) تو اگر جن کا احتمال ہی نہ تھا۔ تو یوں کیوں فرمایا اور اس سے بھی صاف لیجئے کہ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی



السَّعِيرِ ایک فریق جنت میں ہوگا۔ اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا تو دو فریق فرمائے ہیں تیسرا فریق نہیں فرمایا اور یہ یقین ہے کہ دوزخ سے بچے رہیں گے۔ تو اب اگر وہ جنت میں جاویں تو تیسرا فریق ہونا لازم آتا ہے نہ فریق فی الجنة (جنت کے فریق) میں داخل ہوئے نہ فریق فی السعیر (دوزخ کے فریق) میں۔ (اجابۃ الداعی ج ۱۶)

## اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت

واقع کے اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بھی اختیار ہے اور قانون کے اعتبار سے میں نے اس لئے کہا کہ واقع کے اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بھی اختیار ہے کہ بندہ کے حقوق بھی خود ہی معاف فرما دیں اس لئے کہ وہ حقوق العباد درحقیقت اللہ ہی کے حقوق ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے مالک ہیں تو بندے کے اموال اور نفس اور عزت و آبرو کے مالک بھی وہی مالک ہیں تو جو کوئی کسی بندے کو مالی یا جسمانی ضرر پہنچائے گا تو اس نے فی الواقع اللہ کے ملک میں تصرف کیا اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کسی کا غلام ہو اور اس کے پاس مال ہو تو اگر کوئی اس غلام کا وہ مال لے گا تو واقع میں اس نے اس کے مولا کی حق تلفی کی پس اس واقعیت کے لحاظ سے حقوق العباد کو حقوق اللہ کہنا صحیح ہے لیکن کیا انتہا ہے رحمت کا کہ ان حقوق اللہ کا نام حقوق العباد رکھ دیا ہے جیسے اپنے غلام یا اپنے بچہ سے اپنی کسی شے کی نسبت یہ کہیں کہ یہ شے تمہاری ہے اس کہنے سے وہ شے اس کی نہیں ہو جاتی لیکن ان کی دلجوئی کے واسطے کہتے ہیں کہ یہ شے تمہاری ہے بلکہ بچہ کو تو اگر کوئی شے ہتہ دیدیں تو وہ بھی مالک ہو جاتا ہے اور غلام مملوک تو کسی شے کا کسی صورت سے مالک ہی نہیں ہوتا یہی راز ہے شریعت کا کہ شارع نے غلامی کو موانع ارث سے قرار دیا ہے یعنی اگر کوئی شخص مر جائے تو ایک بیٹا جو کسی کا غلام ہے وارث چھوڑ دے تو اس کو میراث نہ ملے گی اس لئے اگر اس کو میراث ملے تو وہ مالک نہ ہوگا بلکہ اس کا مولا مالک ہوگا جو اس مورث سے اجنبی ہے تو تو ریث اجنبی کی لازم آوے گی اس لئے غلام کو میراث نہ ملے گی دیکھئے شریعت کا کیا عدل ہے غلام کو میراث نہیں دی اس لئے کہ وہ جب مالک ہی نہ ہوگا تو اس کی حسرت ہی حسرت ہوگی پس یہ مسئلہ بھی فرع ہے اسی کی کہ غلام کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اور بیٹا بہ سے مالک ہو جاتا ہے (التوکل ج ۲۱)

## خودکشی حرام ہونے کی وجہ

ہماری جان بھی ہماری نہیں ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے خودکشی کو حرام فرمایا ہے اگر جان ہماری ہوتی تو ہم اس میں جس طرح چاہتے تصرف کر سکتے یہی وجہ ہے کہ جن معاصی میں دوسروں کو ضرر پہنچتا ہے وہ تو ظاہر ہے کہ حرام ہیں ہی اور ان کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ اس کو کیا اختیار ہے کہ دوسرے کی چیز میں تصرف کرے

مگر ایک حکمت اسکی مجھ جیسے نادان کی سمجھ میں بھی آتی ہے اور اس سے قدر ہوگی شریعت کی کہ شریعت کا وجود ہمارے لئے کس کی قدر نعمت ہے کہ اگر قانون کی شریعت نہ ہوتا تو زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر اشیاء کی نسبت عباد کی طرف نہ ہوتی اور یہ قانون مقرر نہ کیا جاتا تو حقیقت اور واقعیت کا مقتضا تو یہ تھا کہ کوئی شخص کسی شے کا مالک نہ ہوتا کیونکہ واقع میں حق تعالیٰ ہی سب کے مالک ہیں۔ (التوکل ج ۲)

## گناہ کے دو اثر:

گناہ کے دو اثر ہیں ایک آجل یعنی عذاب کا ہونا دوسرے عاجل یعنی گناہ سے قلب میں ایک ظلمت پیدا ہو جانا جو سبب ہوتا ہے آئندہ دوسرے معاصی کے صدور کا اور جب بندہ توبہ کرتا ہے تو قبولیت توبہ کے بھی دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ عذاب سے نجات ہو جاوے دوسرے یہ کہ قلب میں ظلمت اور کدورت جو گناہ سے ہوئی تھی وہ نہ رہے تو یہ محض توبہ سے نہیں جاتی بلکہ بار بار توبہ کرنے سے ندامت سے گھل جانے اور مجاہدات اور مراقبات طویلہ کرنے سے جاتی ہے ہاں توبہ بشرائطہا کرنے سے عذاب سے نجات ہو جاوے گی۔ باقی یہ کدورت اور ایک قسم کی رکاوٹ اور حجاب جو فیما بین اللہ و بین العبد پیدا ہو گیا ہے سو نفس توبہ اس کیلئے کافی نہیں ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی بزرگ کے حق میں ہم سے کوتاہی ہو جاوے مثلاً ان کو ٹھوکر لگ جاوے اور پھر ان سے اس بے ادبی کو معاف کرایا اور انہوں نے معاف کر دیا لیکن اس معاف کرنے سے تسلی نہیں ہوتی بار بار کہتے ہیں کہ حضرت بڑی حماقت ہوئی بہت قصور ہوا اور وہ برابر کہہ رہے ہیں کہ میں نے معاف کر دیا تم اس قدر کیوں پریشان ہوتے ہو مگر دل ہے کہ مانتا نہیں جب بہت کہ سن لیں گے اس وقت اطمینان ہوتا

ہے جب ادنیٰ سی عظمت کا یہ اثر ہے تو حق تعالیٰ کی عظمت تو غیر محدود ہے اتنا جلدی قلب صاف ہونا مشکل ہے وہاں تو یہ حالت ہوتی ہے

بر دل سالک ہزاراں غم بود      گرز باغ دل خلائے کم بود  
(اگر دل کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جاوے تو سالک کے دل میں ہزاروں غم ہوتے ہیں)  
(التوکل ج ۲۱)

صحابہ چونکہ جان نثار تھے جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لئے ان کا دل ابھی اس لئے صاف نہ ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مکدر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تکدر بمقتضائے بشریت تھا۔ (التوکل ج ۲۱)

## دنیا میں کفر کا وجود بھی حکمت خداوندی ہے:

بات یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی حکمت کا مقتضا ہے کہ عالم میں کفر کا رہنا بھی ضرور ہے اسی کی نسبت حافظ شیرازی کہتے ہیں

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است      آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد  
(عشق کے کارخانے میں کفر بھی ناگزیر ہے کیونکہ آگ کس کو جلانے گی اگر بولہب نہ ہو)  
اگر کوئی کہے کہ اگر آگ بولہب کو نہ جلاتی تو کیا حرج ہے جواب یہ ہے کہ راز دان حقائق نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کے اسماء جمیل ہیں اور جمال کی سبب ہر اسم مقتضی ظہور کو ہے اور ان ہی اسماء میں سے منتقم بھی ہے وہی ظہور کو چاہتا ہے اور اس کے ظہور کی یہی صورت ہے کہ دنیا میں کفر و معصیت کرنے والے بھی ہوں تاکہ وہ دوزخ میں جاویں علیٰ ہذا غفور بھی نام پاک باری تعالیٰ کا ہے اس کے ظہور کا مقتضی یہ ہے کہ معاصی کا وجود بھی عالم میں ہو (لیکن اس سے کوئی شخص معصیت و کفر کے ارتکاب سے معذور نہ قرار دیا جاوے گا اس لئے کہ رضا اور شے ہے اور مشیت دوسری چیز ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سب کچھ تعالیٰ کی مشیت اور تخلیق سے ہوتا ہے لیکن رضا کا تعلق ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے اور ہم کو خیر و شر دونوں راہ بتادیئے گئے ہیں پس جس راہ کو ہم اختیار کریں گے اس کے خواص و لوازم آثار اس پر مرتب ہوں گے (جامع) (التوکل ج ۲۱)

## انبیاء اور اولیاء کی ایک شان:

انبیاء بھولے بھالے نہیں ہوتے عقل کامل ان کو عطا ہوتی ہے اور بعض بزرگوں کی

نسبت جو بھولے ہونے کو صفت کمال شمار کیا جاتا ہے تو یہ صفت ان بزرگوں کی ہے جن کے متعلق ارشاد اور تربیت نہیں ہے اور جن حضرات کو ارشاد اور تربیت اور ہدایت کا کام سپرد ہوتا ہے وہ بھولے نہیں ہوتے وہ سب سے زیادہ عاقل اور ہوشیار ہوتے ہیں انبیاء کی بھی یہی شان تھی کہ بڑے عاقل ہوتے تھے۔ کوئی شخص ان کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ (التوکل ج ۲۱)

## بندہ کو علم غیب عطا نہ ہونے میں حکمت:

بندہ کو غیب کا عمل جو عطا نہیں کیا گیا اس میں بڑی مصلحت ہے اور حکمت ہے ورنہ جس چیز کا نہ ہونا معلوم ہو جاتا اس کو یہ کیوں کر مانگ سکتا اور اس صورت میں کہ دعا کا جو مقصود ہے عبدیت کا اور تذلل اور افتقار اس سے یہ محروم رہتا پس رضا بالقضا اور دعا اور حرکت اور سکون سب جمع ہو گئے اور کوئی اشکال نہ رہا جیسے گھڑی کے کل پرزے جب علیحدہ علیحدہ کر دیئے جاویں تو ناواقف اگر ان کو بے ٹھکانے جوڑ دے تو گھڑی نہ چلے گی اور واقف ہر پرزے کو اس کے ٹھکانے پر رکھ دیگا تو گھڑی چل جاوے گی۔ (التوکل ج ۲۱)

## اجابت دعا کے دو درجے:

وہ جواب یہ ہے کہ منظوری اور اجابت اور قبول کے دو درجے ہیں ایک یہ کہ درخواست لے لی جائے اور اس پر توجہ کی جائے دوسرے یہ کہ درخواست کے موافق فیصلہ بھی کر دیا جائے۔ صاحبو! درخواست کا لے لیا جانا بھی ایک قسم کی منظوری اور بڑی کامیابی ہے آپ نے مقدمات میں دیکھا ہوگا کہ جب کسی مقدمہ کی اپیل کی جاتی ہے تو وہاں بھی دو درجے ہیں ایک یہ کہ اپیل لے لیا جائے اور اس میں غور کیا جائے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ بڑی ناکامی اس شخص کی جس کا اپیل لیا ہی نہ جائے اس کے بعد دوسرا درجہ کامیابی یہ ہے کہ اپیل منظور کر لینے کے بعد درخواست کے موافق فیصلہ کر دیا جائے اور پہلے فیصلہ کو منسوخ کر دیا جائے اور جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھئے کہ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ منظوری کی قسم اول پر محمول ہے قسم ثانی پر محمول نہیں جس کی دلیل خود نص کے الفاظ ہی ہیں (الاصابہ ج ۲۱)

## اجابت کے معنی درخواست لے لینا ہے:

اجابت جس کا وعدہ ہے اس کے معنی درخواست لے لینا اور درخواست پر توجہ کرنا ہے یہ



اجابت یقینی ہے اس میں کبھی تخلف نہیں ہوتا آگے دوسرا درجہ ہے کہ جو مانگا ہے وہی مل جائے اس کا وعدہ نہیں بلکہ وہ انشاء سے مقید ہے کہ اگر مشیت ہوگی تو ایسا ہو جائے گا ورنہ نہیں (الاصابہ ج ۲)

## معمولی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو:

اور کسی حاجت کے بھی یہ مت سوچو! کہ یہ تو معمولی سی بات ہے اس کے واسطے اللہ تعالیٰ سے کیا دعا کریں کیونکہ حدیث میں اللہ تعالیٰ سے نمک تک مانگو اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شبہ کو رفع کیا ہے وہ یہ کہ بعض لوگ چھوٹی سی چیز مانگتی شان خداوندی کے خلاف سمجھتے ہیں جیسے سکندر سے کسی نے ایک روپے کا سوال کیا تھا سکندر نے کہا کہ۔ ایک روپیہ مانگنا میری شان کے خلاف ہے سائل نے کہا پھر سلطنت دیدو کہا یہ تیری شان کے خلاف ہے سلاطین دنیا کے مذاق پر قیاس کر کے بعض کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ بھی چھوٹی چیز کے سوال سے ناخوش ہوں گے مگر یہ غلط ہے کیونکہ سلاطین چھوٹی چیز کے سوال سے اس واسطے ناخوش ہوتے ہیں کہ ان کے نزدیک کوئی چیز بڑی بھی ہے اور حق تعالیٰ کے سامنے کسی چیز کی بھی کچھ وقعت نہیں ان کے نزدیک عرش اور نمک کی ڈلی برابر ہے حالانکہ عرش اتنا بڑا ہے کہ ساتوں آسمان زمین اس کے سامنے بے حقیقت ہیں۔ شیخ عبدالکریم جیلی بڑے صاحب کشف ہیں ان کو ایک دریا مکشوف ہوا ہے جس کی ایک ایک موج اتنی بڑی ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو غرق کر دے مگر ملائکہ محافظ ہیں وہ اس کی موجوں سے زمین و آسمان کو بچاتے ہیں مگر عرش اس سے بھی بڑا ہے عرش کی برابر کوئی چیز نہیں ہے عرش کا پیدا کرنا اور نمک کی ڈلی کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کے نزدیک برابر ہے کیونکہ ان کو تو صرف حکم کرنا پڑتا ہے ایک کلمہ کن سے وہ عرش بھی بنا دیتے ہیں اور نمک کی ڈلی بھی۔ پس جو شخص نمک کی ڈلی مانگنے کو شان خداوندی کے خلاف سمجھتا ہے وہ کسی چیز کو خدا تعالیٰ کے سامنے عظیم و وقیع بھی سمجھتا ہے اور یہ خیال غلط ہے اس لئے حق تعالیٰ سے ہر چیز مانگو اس کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹی چیز کو بڑی سمجھ کر مانگو بلکہ مطلب یہ ہے کہ بڑی کو بھی چھوٹی سمجھو! صاحبو! جب خدا تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز آسان ہے کوئی چیز دشوار و مشکل نہیں تو اس سے کیوں نہیں مانگتے (الاصابہ ج ۲)

## انس سے متعلق احادیث مختلفہ میں تطبیق:

بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا من احب

الناس الیک کہ آپ کو دو آدمیوں میں کس سے محبت بہت زیادہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں کبھی تو فرمایا کہ حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں اور کبھی حضرت فاطمہؓ کا نام لیا اور بعض روایات میں ابو بکر صدیقؓ کا نام آیا ہے۔ محققین نے فرمایا ہے کہ ان احادیث میں تعارض کچھ نہیں کیونکہ محبت کے الوان و انواع ہیں۔ ایک نوع محبت کی وہ ہے جو بیوی سے ہوتی اس نوع میں حضرت عائشہؓ کے مساوی کوئی نہیں۔ ایک نوع محبت کی وہ ہے جو اولاد سے ہوتی ہے۔ اس میں حضرت فاطمہؓ کے برابر کوئی نہیں ایک نوع وہ ہے جو دوستوں سے ہوتی ہے اس نوع میں حضرت صدیقؓ کے برابر کوئی نہ تھا و علیٰ ہذا القیاس۔ (الفصل والانتظام ج ۲۱)

## قرآن پاک کو سب سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے:

قرآن کو سب سے زیادہ وہ شخص سمجھتا ہے جو عادات و جذبات انسانیہ پر نظر رکھتا ہو نہ کہ دقائق منطقہ پر کیونکہ قرآن میں جذبات و عادات کی رعایت بہت زیادہ ہے مصنفین کی طرح دقائق فلسفہ کی رعایت نہیں کی گئی (الفصل والانتظام ج ۲۱)

## ارواح کو عالم اجسام میں کیوں بھیجا گیا:

اہل ظاہر اس سوال کا جواب دیں کہ ارواح کو عالم اجسام میں بھیجا گیا۔ کیا چیز ان کو یہاں کھینچ کر لائی۔ حضرت وہ وہ چیز ہے جس کو اہل ظاہر نہیں سمجھ سکتے۔ سنئے یہاں ارواح کو بھیجنے سے مقصود قرب حاصل کرنا تھا۔ یعنی وہ قرب جو اعمال سے ہوتا ہے اور احوال سے نہیں ہوتا کیونکہ اعمال اختیاری ہیں اور احوال غیر اختیاری اور اس قرب کا مدار صرف اختیار پر ہے اور بہت سے اعمال وہاں یعنی عالم ارواح میں ممکن نہ تھے۔ کیونکہ بعض اعمال کا تعلق جسد سے ہے اور وہاں روح مجرد تھی مثلاً روزہ کیسے رکھا جاتا کیونکہ بھوک ہی نہ تھی۔ حج کیسے ہوتا وہاں خانہ کعبہ ہی نہ تھا۔ زکوٰۃ کیسے ادا ہوتی وہاں مال ہی نہ تھا۔ اور مصائب پر صبر کیسے ہوتا وہاں بیماری اور موت ہی نہ تھی۔ پس یہ قرب خاص اعمال پر موقوف تھا اس لئے حکمت حق مقتضی ہوئی کہ ارواح کو عالم اجسام میں بھیجا جائے تاکہ قرب خاص حاصل ہو۔ یہ ہے سلوک پھر اس کے بعد جذب حاصل ہوتا ہے مگر چونکہ اثناء سلوک میں استعداد کامل ہو جاتی ہے اس لئے اب اس کے جذب کا ایسا غلبہ نہیں ہوتا کہ حواس معطل ہو جائیں اور اعمال سے محروم ہو جائیں۔

حدیث میں ہے کہ دو شخص ساتھ ساتھ مسلمان ہوئے تھے ان میں سے ایک تو شہید ہو گیا اور دوسرے رفیق کا ایک ہفتہ کے بعد بستر پر انتقال ہوا تو حضرات صحابہؓ نے دوسرے کو یہ دعا دی اللھم اللھ بصلیہ کہ اے اللہ اس کو اس کے ساتھی کے ساتھ ملا دیجئے یعنی اس کو بھی وہی درجہ عطا فرمائیے جو اس کے رفیق کو بوجہ شہادت ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ کیا کہا۔ سبحان اللہ حضرات صحابہؓ کی بھی کیا شان تھی کہ ان کو ہر وقت بارگاہ وحی سے فیضان علوم ہوتا تھا۔ اور الحمد للہ ہم بھی صاحب نصیب ہیں کہ ہم پر بھی ہر دم فیضان ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ وہاں فیضان بالمشافہ تھا۔ یہاں بواسطہ ہے اور یہ فرق ایسا ہے جیسے ایک شخص سے محبوب سامنے ہو کر باتیں کرے اور ایک سے پردہ میں ہو کر باتیں کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو بھی فیضان ہو رہا ہے مگر بواسطہ کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متجلی ہیں جیسا قرآن میں اللہ تعالیٰ شانہ، جلوہ فرما ہیں اس پر مجھے مخفی کا شعر یاد آتا ہے۔

درخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد درخن بیند مرا  
میں اپنے کلام میں اس طرح پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول کی پتی میں جو مجھ سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے میرا کلام دیکھے۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

## فضیلت شہادت

شہادت کی فضیلت علی الاطلاق نہیں ہے ورنہ لازم آگے گا کہ شہید انبیاء سے بھی افضل ہو۔ دوسرے یہ کہ تمنائے شہادت بجائے شہادت ہے۔ حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات۔ نية المؤمن خیر من عمله دوسری حدیث میں ہے من طلب الشهادة صادقاً من قلبه اعطيها ولو لم تصبه (رواہ مسلم)

اور اگر کسی کے قلب میں تمنائے شہادت بھی نہ ہو تو اس کا ایمان ناقص ہے حدیث میں ہے من لم یغیر ولم تحدث به نفسه لقی الله وفي دينه ثلثه..... اور بحمد اللہ ہر مسلمان ان کے لئے آمادہ ہے کہ اگر دین کے واسطے جان دینے کی نوبت آئے تو جان دینے کو حاضر ہیں اور جب ہم جیسے مہمل بھی اس کے لئے آمادہ ہیں تو وہ صحابی اس کے طالب اور اس کے لئے آمادہ کیوں نہ ہوں گے اور اسی بنا پر ہم کہیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری شہادت خفیہ حضرت حمزہؓ کی شہادت جلیہ سے افضل ہے گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

ظاہری شہادت حاصل نہیں ہوئی مگر آپ کو اس کی تمنا تو بے حد تھی حدیث ہے و دت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احی ثم اقتل ثم احی (الحدیث) اور بعض دفعہ ذکر خفی ذکر جلی سے افضل ہوتا ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادۃ خفیہ دوسروں کی شہادت جامعہ سے افضل ہے اور اگر اس قاعدہ شرعیہ کو تسلیم نہ کیا جائے تو سخت اشکال وارد ہو کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کمالات حاصل نہیں ہوئے اور یقیناً شہادت بھی کمالات میں سے ہے پس یہ اشکال اسی تقریر سے رفع ہو جائے گا جو میں نے نصوص حدیث سے بیان کی ہے۔

## شہادت کی فضیلت کا سبب:

شہادت کی فضیلت کس وجہ سے ہے۔ سو ظاہر ہے کہ شہادت کے دو جز ہیں ایک اقدام یعنی اعداء اللہ کی طرف پیش قدمی کرنا ان پر حملہ کرنا۔ دوسرے گردن کٹ جانا۔ اور قواعد سے یہ بات معلوم ہے کہ مبنیٰ فضیلت کا امور اختیار یہ ہیں تو اب خود سمجھ لو کہ ان دونوں میں امر اختیاری کونسا ظاہر ہے کہ اقدام ہی اختیاری ہے گردن کٹ جانا اختیاری نہیں یہ تو دوسرے کے فعل پر موقوف ہے۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقدام میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ حضرات صحابہؓ خود فرماتے ہیں کہ ہم میں بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو معرکہ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے دشمن کی صف میں گھسے رہتے تھے تو شہادت کا جو مبنیٰ اختیاری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سب سے افضل تھے لہذا آپ کی شہادت بھی سب سے افضل ہے چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بعض اعمال کا اجر بے حساب ہے چنانچہ ذکر اللہ کے فضائل جو احادیث میں مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے ذکر اللہ شہادت سے بھی افضل ہے جس کی وجہ میری سمجھ میں آتی ہے کہ شہادت میں تو جو کچھ ہونا ہوتا ہے ایک دفعہ ہو جاتا ہے۔ تلواریں کے ایک ہاتھ میں فیصلہ ہو جاتا ہے اور ذکر اللہ میں ہر دم دل پر آ رہ چلتا ہے۔ ذاکرین کی حالت دیکھ لی جائے کہ ان پر کیسی کیسی حالتیں گزرتی ہیں۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود      گرز باغ دل خلائے کم بود

اللہ والے کے دل پر ہزاروں غم ہوتے ہیں۔ اگرچہ دل کے باغ میں گنجائش کم ہوتی ہے



اور اس حالت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا زیبا ہے کہ  
 کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگرست  
 خنجر تسلیم سے مرنے والوں کیلئے ہر وقت اللہ کی طرف سے دوسری جان موجود ہے  
 کہ ان کیلئے تو بار بار موت و حیات کا تکرار ہوتا رہتا ہے۔ (خصوصاً ذکر نفی اثبات میں تو ذکر  
 کامل کو بار بار موت و حیات کا تکرار ہونا بہت ظاہر ہے کمالاً یخفی علی من له ذوق  
 بالذاکر مع المعرفة رزقناہ اللہ تعالیٰ دائماً ابداً) پس یہ مسلم نہیں کہ شہادت کی  
 فضیلت علی الاطلاق ہے بلکہ بعض اعمال شہادت سے بھی افضل ہیں۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

## شہادت سے بغیر مشقت کے درجات مل جاتے ہیں:

شہادت سے درجات بے مشقت مل جاتے ہیں۔ دوسرے طرق میں جو شہادت سے  
 افضل ہیں مشقت ضرور ہے شہادت سے بے مشقت درجات ملنے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی  
 لکھنؤ میں ایک خان صاحب تھے جو نہ نماز پڑھتے نہ روزہ رکھتے تھے جب کوئی ان کو اصلاح  
 اعمال کے لئے کہتا اور اس کا ثمرہ حصول جنت اور نجات دوزخ بتلاتا تو کہتے میاں جہاں تلوار  
 کے دو ہاتھ ادھر دو ہاتھ ادھر مارے تو سب کاٹی سے پھٹتی چلی جائے گی۔ اور جنت میں جا پہنچیں  
 گے۔ وہاں پہنچنا مشکل ہے لوگ ان کی باتوں پر ہنستے تھے پھر جس وقت مولانا امیر علی صاحب  
 کے پاس آئے اور پوچھا کہ مولانا کیا مجھ جیسا فاسق بھی خدا کے یہاں مقبول ہو سکتا ہے اور کیا  
 شہادت سے میری بھی مغفرت ہو جائے گی فرمایا مقبولیت سے کیا چیز مانع ہے یقیناً شہادت  
 سے جنت ملے گی۔ یہ سنتے ہی خان صاحب نے تلوار ہاتھ میں لی اور دو ہاتھ ادھر مارے  
 اور دو ہاتھ ادھر بہت سے کافروں کو مار کر خود بھی شہید ہو گئے سو واقعی تلوار کے دو ہاتھ میں کاٹی سی  
 پھٹ گئی اور خان صاحب نے ذرا سی دیر میں جنت لے لی بس یہ ضرور ہے کہ شہادت سے بے  
 مشقت ذرا سی دیر میں درجات مل جاتے ہیں یہ بات دوسرے اعمال میں نہیں لیکن اس سے یہ  
 لازم نہیں آتی کہ دوسرا کوئی عمل شہادت کے برابر نہ ہو۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

## احکام کا علم نہ ہونا قابل قبول عذر نہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ احکام پوچھنا نہ چاہئے کیونکہ معلوم ہونے پر پھر خلاف کیا تو

سخت گناہ ہوگا۔ اور بلا معلوم ہوئے جو کوتاہی ہو جاوے وہ قابل گرفت نہیں مگر یہ محض من گھڑت لغویات ہے کیا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ ایسے بھولے ہیں کہ آپ کے بہلانے میں آجاویں گے۔ کیونکہ صاحب اگر اللہ تعالیٰ یہ دریافت فرمائیں کہ تم نے خبر کیوں نہیں حاصل کی؟ جواب کیا دو گے۔ یہ عذر بے علمی کا جب مقبول ہو سکتا ہے جبکہ باوجود کوشش کے معلوم نہ ہو سکے اور جب دل میں ایک بات کے متعلق شک ہے اور بتلانے والے موجود ہیں تو پھر یہ عذر کیسے معتبر ہو سکتا ہے۔ اور ایسے باطل خیالات اور مقالات لوگوں کے ذہن اور دہن میں دین ہی کے باب میں آتے ہیں۔ دنیا کے معاملات میں کبھی نہیں آتے چنانچہ دنیا کے احکام کو دیکھتے ہیں کہ اگر مجرم عدم علم قانون کا عذر کرے تو یہ ان کے نزدیک معتبر نہیں ہوتا۔ وہاں کوئی بھی چون و چرا نہیں سکتا وہاں تو خود ہی فتویٰ لگا دیتے ہیں کہ وکیل اور بیرسٹر موجود ہیں ملزم کو ان سے دریافت کرنا چاہئے تھا اور یہ سمجھنا کہ جان کر گناہ کرنا زیادہ عذاب کا باعث ہے من وجہ صحیح ہے مگر علی الاطلاق من کل الوجوہ غلط ہے۔ (شفاء الی ج ۲۱)

## بے علم دو گناہوں کا مرتکب ہے:

مسلمان کے دو فرض ہیں علم اور عمل پس فرض علم کو ادا کر کے وہ ایک فرض سے تو سبکدوش ہو گیا اور بے علم دو گناہوں کا مرتکب ہے۔ پس بتلائیے دو گناہ زیادہ ہیں یا ایک یقیناً دو گناہ زیادہ ہیں البتہ جاننے والے کا عملی گناہ نہ جاننے والے کے عمل گناہ سے اشد ہوگا مگر جاننے والا بے علمی کے گناہ سے محفوظ ہوگا اور جاہل بلا عذر کو بے علمی کا گناہ بھی ہوگا۔ پس لازم ہے کہ عزم عمل کا انتظار نہ کرے بلکہ احکام دریافت کرتا رہے جب عمل کی توفیق ہوگی اس وقت یہ علم کام آوے گا۔ جیسا کہ کسی خارجی نے علاج تو نہیں کیا مگر مجرب نسخہ یاد کر لیا ہے۔ سو یہ بھی مفید ہے کیونکہ جب کبھی اس کو علاج کی طرف توجہ ہوگی تو نسخہ پاس موجود ہے علاج کر لے گا اور اگر نسخہ بھی یاد نہیں تو مشقتیں اٹھانا پڑیں گی۔ ایک نسخہ تلاش کرنے کی اور دوسرے دو استعمال کرنے کی۔ پس اسلم یہی ہے کہ ہر حال میں احکام شرعیہ معلوم ہو جاویں۔ (الفصل والافتصال ج ۲۱)

## امراض باطنی کو مرض نہ سمجھنا جہالت ہے:

امراض جسمانی کو تو لوگ مرض سمجھتے ہیں مگر روحانی مرض کو مرض ہی نہیں جانتے۔ اگر کسی

کودق یا سل ہو جائے تو مزاج پر سی کے جواب میں مریض ہونا ظاہر کیا جاوے گا اور اگر ان امراض مذکورہ سے محفوظ ہوں تو ہمیشہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ الحمد للہ اچھا ہوں چاہے باطن میں کتنے ہی امراض ہوں۔ امراض باطنہ کی تو پرواہ ہی نہیں کی جاتی۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

چند خوانی حکمت یونانیاں      حکمت ایمانیاں راہم بخواں  
صحت اس حس بجوئید از طبیب      صحت آں حسن بجوئید از حبیب

یونانی حکمت کی کتابیں کب تک پڑھتے رہو گے۔ کچھ حکمت ایمانی یعنی معرفت پڑھو۔ اس حس جسمانی کی درستی چاہتے ہو تو طبیب جسمانی سے رجوع کرو۔ اور اگر حس روحانی کی درستی منظور ہے تو مرشد کامل سے رجوع کرو۔ (شفاء الہی ج ۲۱)

## امراض جسمانی سے روحانی امراض اشد ہیں

مرض جسمانی پر تو ثواب دیا جاتا ہے بخار سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے خزاں میں درختوں سے پتے گرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے کانٹا لگ جاوے اس پر بھی حق تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں بخلاف اس مرض روحانی کے کہ اس میں ثواب تو درکنار اللہ خدا کے غضب اور عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے مگر افسوس کہ اسکو بیماری ہی نہیں سمجھتے حتیٰ کہ اس کی سزا کو دیکھ کر ذہن میں یہ بات نہیں آتی چنانچہ جب کوئی جسمانی بیماری ہم کو لاحق ہوتی ہے تو یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ ہمارے افعال کا نتیجہ ہے بلکہ آب و ہوا خراب ہونے کی طرف گمان کیا جاتا ہے اور اسی کی صفائی کا اہتمام ہوتا ہے اور امراض باطنہ کی طرف اور اصلاح اعمال کی جانب اصلاً توجہ نہیں کرتے حالانکہ بعض امراض جسمانیہ مسبب ہو جاتے ہیں امراض روحانیہ یعنی معاصی اور سبب نہیں ہوتے امراض روحانیہ کے کیونکہ وہ اپنی ذات میں رحمت ہیں۔ البتہ اگر سوء فہم سے مرض میں شکایت کی تو اس عارض کے سبب گناہ نہ ہوگا۔ باقی فی نفسہ مرض جسمانی سبب رحمت ہی ہے۔ عدم تحمل سے کوئی سخت کلمہ کہ دیا۔ سو یہ قبح بالواسطہ ہے کہ جو اس کے تصرف سے پیدا ہو گیا غرض امراض جسمانی اور امراض روحانی میں ایک طرف سے سببیت و مسببیت کا خاص علاقہ ہو جاتا ہے جیسا کہ خود امراض جسمانی بھی ایک دوسرے مرض میں علاقہ قائم کیا جاتا ہے مثلاً زکام کو بخار کا سبب قرار دیکر زکام علاج کرتے ہیں مگر روحانی اور جسمانی مرض میں علاقہ کا اعتقاد نہیں کرتے حالانکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَا أَصَابَكُمْ

مِنْ مُصِيبَةٍ فَمِمَّا كَسَبَتْ اِنَّكُمْ لَعِنَىٰ تَمَّ كُوْجُوْ مَصِيْبَتٍ پهنچتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی بدولت ہے پس معلوم ہو گیا کہ امراض روحانی یعنی معصیت کبھی سبب ہو جاتا ہے امراض تکالیف جسمانی کا بعض روایا تکا ترجمہ کرتے ہوئے مولانا رومی کا ارشاد ہے ۔

ا برناید از پئے منع زکوت و زنا افتد و با اندر جہات  
زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے بادل نہیں آتے اور زنا سے پورے اطراف میں مصیبت آ جاتی ہے۔  
لوگ کہتے ہیں کہ اس میں جوڑ نہیں۔ (شفاء الی ج ۲۱)

## بزرگوں سے امور دنیا میں مشورہ لینے کی مثال

بزرگوں سے ان کاموں میں مشورہ لینے کی وہی مثال ہے جیسا کہ سنار سے کھرپا بنوانا۔ اللہ والوں کا کام دین سکھانے کا ہے یہ کام ان سے نہ لینا چاہئے۔ یہ تو دنیا داروں کا برتاؤ ہے اور جو دیندار ہو وہ بزرگوں سے تعبیر کا کام لیتا ہے حالانکہ اس کو بزرگی سے کیا علاقہ اگر تعبیر دنیا کوئی بزرگی کی بات ہوتی تو ابو جہل بھی بزرگ ہوتا کیونکہ وہ بڑا معبر مشہور تھا۔ بات یہ ہے کہ جس کو کشف یا علم تناسب سے مناسبت ہوتی ہے وہ تعبیر اچھی دے سکتا ہے مگر یہ امر بزرگی سے الگ ہے بزرگی یہ ہے کہ اللہ کا ہو جاوے چاہے ساری عمر میں ایک مرتبہ بھی کشف و فراست نہ ہو۔ غرض بزرگوں کو تعبیر کی تکلیف دینا بھی زیبا نہیں پھر ان میں جو منتظم ہیں وہ حقیقت پر مطلع و متنبہ کر دیتے ہیں اور جو زیادہ خلیق ہیں ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

کشد از برائے دلے بارھا خورند از برائے گلے خارھا  
ایک دل کی دلداری کے لئے بار بار بوجھ اٹھاتے ہیں اور ایک پھول کے لئے بہت کانٹے کھاتے ہیں۔ (شفاء الی ج ۲۱)

## اموال اور اعمال کی نسبت ہماری طرف مجازی ہے

جہاں کہیں اموال اور اعمال کی اضافت ہماری طرف کر دی گئی ہے یہ صرف ہمارا جی خوش کرنے کے فرما دیا گیا ہے کہ یہ تمہاری چیز ہے۔ نیز انتظام تمدن کے لئے یہ نسبت لگادی گئی ہے کیونکہ اگر نسبت بھی نہ ہوتی تو میری ٹوپی آپ کے ہاتھ میں ہوتی اور آپ کا عمامہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو اس صورت میں انتظام کیونکر ہوتا جو چیز آپ کے ہاتھ میں وہ بھی خود خدا کی جو



میرے ہاتھ میں وہ بھی خدا کی اور بندے خدا کے سب برابر تو اب انتظام کیسے ہوتا اس لئے حق تعالیٰ نے ایک گونہ نسبت ہمارے ساتھ ان چیزوں کی فرمادی تاکہ نظام عالم درست رہے جب اس نسبت کے ہوتے ہوئے یہ حالت ہے کہ دن رات مقدمات عدالتوں میں بھر مار رہتی ہے تو عدم نسبت کی حالت میں تو کیا کچھ نہ ہوتا۔ غرض یہ نسبت محض مجازی ہے جو بمصلحت قائم کی گئی ہے حتیٰ کہ جن چیزوں سے اسباب ظاہری کے اعتبار سے بھی یہ نسبت زائل ہو جاتی ہے وہاں بھی انتظام کیلئے ایک نہ ایک نسبت باقی رہتی ہے۔ (القرض ج ۲۱)

## خودکشی کے حرام ہونے کا راز:

خودکشی حرام ہے اس لئے کہ جان ہماری ملک نہیں خدا تعالیٰ کی ملک ہے اس میں ناجائز تصرف کا ہم کو اختیار نہیں اسی لئے مال میں بھی ہر قسم کا تصرف جائز نہیں ہر جگہ صرف کرنے کے ہم مجاز نہیں کیونکہ ہم محض تولیدار ہیں مالک و مختار نہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ دنیا میں اگر کوئی خزانچی ہوتا ہے تو خزانچی کو کم ملتا ہے اور تحویل ساری گورنمنٹ یا مالک ہوتی ہے اور یہاں اگر دس لاکھ آپ کی تحویل میں ہیں تو مشکل سے ایک ایک لاکھ کی تقسیم کا حکم فرمایا گیا ہوگا اور نو لاکھ پورے آپ ہی کو دیدیئے کہ اپنے صرف میں لاؤ اسی سے تو دھوکہ ہوا کہ ہم یوں سمجھ بیٹھے کہ یہ ہمارا مال ہے اگر تھوڑا سا آپ کو دیکر سارا لے لیا جاتا تو اس وقت آنکھیں کھلتیں کہ ہم مالک نہیں تولیدار ہیں اب اس رحمت سے دھوکا میں پڑ گئے اور جو لوگ شریف النفس ہوتے ہیں وہ تو رحمت سے اور پکھل جاتے ہیں اور ہماری یہ حالت ہے۔  
چوباسفلہ گوئی بلطف و خوشی فزوں گردش کبر و گردن کشی  
جب کسی بدذات سے بات کرتے ہیں لطف و خوشی سے تو وہ تکبر اور غرور سے کہیں بڑھ جاتا ہے (القرض ج ۲۱)

## قرض کی فضیلت:

ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ قرض میں ایک کے عوض اٹھارہ ملیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے پوچھا کہ اے جبریل یہ کیا بات ہے کہ قرض کا ثواب صدقہ سے زیادہ کیا اچھا جواب دیا کہ صدقہ تو شخص بھی لے لیتا ہے جس کو ضرورت نہ ہو اور قرض وہی لیتا

ہے جس کی جان پر آئی ہو تو ایسے شخص کی امداد زیادہ فضیلت ہے صاحبو! اس وقت نہ معلوم کتنے اللہ کے بندے ہوں گے جن کی جان پر بن رہی ہے مگر ہمیں کیا ہم تو آرام سے دونوں وقت کی کھاتے پیتے ہیں اور رات کو سو رہتے ہیں ۔  
 اے تراخارے پانہ شکستہ کے دانی کہ چست حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند  
 (اے وہ شخص جس کے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ان شیروں کا حال کیا جان سکتا ہے  
 جو کہ اپنے سروں پر مصیبت کی تلوار کے زخم پر زخم کھائے جاتے ہیں)  
 مصیبت زدہ کی تکلیف کا اندازہ ناز پروردہ کیسے کر سکتا ہے تو ایسے لوگوں  
 کو اول تو مفت امداد دینی چاہئے اور اگر کسی پر یہ گراں ہو تو میں سہل طریقہ بتلاتا  
 ہوں کہ قرض ہی سے ان کی امداد کرو۔ (القرض ج ۲۱)

### مانا علیہ واصحابی کا مفہوم:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے جس میں سے جنت میں ایک جائے گا وہوا مانا علیہ واصحابی اور فرقہ وہی جو میری اور مرے صحابہ کی طرز پر ہو اور مانا علیہ واصحابی صرف نماز روزہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ معاشرت کو بھی عام ہے اور یہاں سے میں ایک شبہ کو رفع کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ شاید کوئی صاحب اعتراض کریں کہ آج کل تو کوئی بھی مانا علیہ واصحابی پر پورا عامل نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ باریک کپڑے یہ طرز و انداز لباس کا جواب ہے کہاں تھا یہ سواریاں ریل وغیرہ کہاں تھیں تو سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق ہو یا قول کے تو اگر ایک عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق نہیں مگر قول کے مطابق ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قول اس کی اجازت دی ہے تو وہ بھی مانا علیہ واصحابی میں داخل ہے تو اب یہ شبہ جاتا رہا مانا علیہ واصحابی کے خلاف وہ عمل ہوگا جو نہ عمل رسول صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ کے مطابق ہو نہ قول سے اس کی اجازت نکلتی ہو جو کام دونوں کے خلاف ہوگا وہ البتہ مخالفت مانا علیہ واصحابی کا مصداق ہوگا۔ (القرض ج ۲۱)

## حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذکاوت

آج کل کے شیعوں اور جاہل صوفیوں کے دل میں بھی وہی باتیں آتی ہیں جو پہلے لوگوں کے دل میں آتی تھیں۔ تشابہت قلوبہم (ان سب کے قلوب باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں) او منشاء ان خیالات کا یہ تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذکاوت اور نور فہم اعلیٰ درجہ کا تھا ان کے قضاء یا فیصلے اور حکیمانہ اقوال بہت عجیب و غریب ہوتے تھے جس سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کچھ خاص اسرار دوسروں سے علیحدہ بتلائے ہیں اس وجہ سے یہ سوال کیا گیا جس کا جواب حضرت علیؑ نے بڑی تاکید کے ساتھ قسمیں کھا کر یہ دیا والذي برا السمۃ و فلق الحبة ما خصنا رسول اللہ علیہ وسلم بشی الامافی هذه الصحيفة او فہماً اوتیہ الرجل فی القرآن قسم اس ذات کی جس نے جان کو پیدا کیا اور دانہ کو پھاڑا (اور اس میں سے درخت وغیرہ کو نکالا) کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا مگر وہ باتیں جو اس صحیفے میں ہیں یا وہ فہم جو انسان کو قرآن سمجھنے کے عطا ہوا اور صحیفہ میں تو بعض احکام زکوٰۃ اور صدقہ کے متعلق تھے جو دیگر صحابہ کو بھی معلوم تھے اور فہم ایسی چیز ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دینے کی نہ تھی ہاں یہ نعمت حق تعالیٰ کے دینے کی تھی۔ حضرت علیؑ کے جواب کا حاصل ظاہر ہے یعنی جن لوگوں کا میری نسبت یہ خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خاص علوم بتلائے ہیں یہ خیال بالکل غلط ہے البتہ حق تعالیٰ نے مجھے قرآن کی فہم عطا فرمائی ہے جس وجہ سے یہ عجیب و غریب فیصلے اور حکیمانہ اقوال میری زبان سے نکلتے ہیں۔ مگر بعض لوگ پھر بھی ایسی بھدی طبعیت کے تھے کہ ان کا خیال نہ بدلہ اور انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ حضرت علیؑ تقیہ کرتے ہیں اور بات کو چھپانا چاہتے ہیں چنانچہ اب بھی بعض نادان مقتد اپنے شیخ کے بارے میں کچھ سے کچھ خیال پکا لیتے ہیں اور اگر وہ اس کی تردید کریں تو یوں کہتے ہیں کہ یہ حضرت کی تواضع ہے۔

## ابوطالب کو آپ کی حمایت سے نفع:

ابوطالب کے بارے میں حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب نے آپ کے ساتھ بہت جان نثاری کی ہی اس سے کچھ نفع

بھی ہوا آپ نے فرمایا نعم لولا انا لکان فی الدّٰرک الاسفل من النار والآن فی رجلہ نعلان من النار یغلی بہ دماغہ (کما قال) کہ بے شک ان کو میری نصرت و حمایت سے نفع ہوا ہے اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نیچے والے طبقے میں ہوتے اور اس وقت صرف ان کے پیروں میں دو جوتیاں آگ کی ہیں جن سے ان کا بھیجا پکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود پھر بھی افسوس کے ساتھ یہی کہا جاتا ہے کہ ابوطالب کی طبعی محبت کام نہ آئی کیونکہ اصل نفع تو یہ ہے کہ جہنم سے نجات ہو جائے سو یہ ان کو حاصل نہیں ہوا۔ باقی عذاب کم ہو جانا یہ بھی اگرچہ ایک قسم کا نفع ہے جس کا نفع ہونا خود ان کو بھی معلوم نہ ہوگا کیونکہ اس وقت وہ اگرچہ پوری طرح آگ میں نہیں ہیں صرف آگ کی دو جوتیاں ان کے پیروں میں ہیں جن سے ان کا دماغ پکتا ہے مگر وہ اب بھی یہی سمجھتے ہوں گے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو عذاب نہیں۔ تیسری دلیل کفار کے عذاب متفاوت ہونے کی عقلی ہے وہ یہ کہ بعض کفار بہت ظالم ہوتے ہیں بعضے رحمدل ہوتے ہیں بعضے خائن و عاصب ہوتے بعضے دیانتدار اور سخی ہوتے ہیں کوئی فرعون ہے کوئی غریب کمزور تو ظاہر یہ ہے کہ ان کے عذاب میں بھی تفاوت ہوگا مگر جتنا جس کے لئے تجویز ہو جائے گا پھر اس سے کم نہ ہوگا اور ابد الابد کے لئے جہنم سے نکلنا بھی نصیب نہ ہوگا۔ (تحقیق الشکر ج ۲)

### مطعم بن عدی کا شکریہ:

فرمایا لو کان مطعم بن عدی حیا و کلمنی فی ہولاء النتنی لترکتہم لہ۔ کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور مجھ سے ان سڑیل کافروں کی نسبت کچھ کہتے تو میں ان کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا اور فدیہ معاف کر دیتا۔ راوی حدیث اس حدیث کو بیان کر کے اخیر میں کہتے ہیں یشکر لہ کہ اس بات سے ہے آپ مطعم بن عدی کے ایک احسان کا شکریہ ظاہر فرمانا چاہتے تھے اور وہ احسان یہ تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس ہوئے اور اہل طائف نے ایمان قبول نہ کیا آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے اور لڑکوں شریر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا کہ وہ کمبخت آپ کے اوپر ڈھیلے پتھر پھینکتے تھے تو آپ وہاں سے مغموں ہو کر لوٹے اور مکہ کے قریب آ کر ٹھہرے اور مطعم بن عدی کو یہ کہلا کر بھیجا کہ میں مکہ میں داخل ہوتے ہوئے ڈرتا ہوں کہیں مکہ والے مجھ کو ایذا نہ دیں اگر تم مجھ کو اپنی پناہ میں لے تو میں مکہ میں آ جاؤں چنانچہ مطعم بن عدی نے بیت اللہ میں کھڑے ہو کر کفار



مکہ سے خطاب کر کے کہہ دیا کہ محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میں نے پناہ دی ہے وہ میری حمایت میں ہیں خبردار ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے اس کے بعد آپ مکہ میں تشریف لائے۔ تو غزوہ بدر میں آپ کو اس کا یہ احسان یاد آ گیا اور یہ فرمایا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتا اور ان سڑیل کافروں کی سفارش مجھ سے کرتا تو میں اس کی سفارش قبول کر لیتا اور ان سب کو چھوڑ دیتا تو جب آپ غیروں کا اتنا احساس مانتے تھے تو اپنوں کو تو آپ کہاں بھول جاتے۔ ایک تو یہ مقدمہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ نصوص سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ شکر کا متمم یہ بھی ہے کہ اگر وہ محسن نہ ہو تو اس کی اولاد کے ساتھ احسان کیا جائے۔ (تحقیق الشکر ج ۲)

## حضرت علیؑ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حسی:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علیؑ سے بہت تعلق تھا جس کو آپؐ نے مختلف عنوانات سے مختلف اوقات میں ظاہر بھی فرمایا ایک دفعہ ارشاد فرمایا من كنت مولاه فعلى مولاه جس کا میں دوست علی بھی اس کے دوست ہیں اسکے بعد حضرات صحابہ نے نہایت مسرت کے ساتھ حضرت علیؑ کو مبارک باد دی کہ انت مولانا کہ آپ ہمارے دوست (یا آقا) ہیں۔ ایک بار فرمایا انت منى بمنزلة هارون من موسى تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ حضرات شیعہ اس کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں اس سے حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کا مسئلہ نکالتے ہیں۔ اس وقت میں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا مگر ان احادیث سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علیؑ سے قرب اور تعلق بہت تھا اور قرب حسی تو ضرور ان سے زیادہ تھا۔

## حضرت صدیق اکبرؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب معنوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تمام صحابہ پریشان ہو گئے اگر کوئی شخص مستقل رہنے والا ثابت قدم تھا تو وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے اس وقت تمام صحابہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ واقعی ابو بکر صدیقؓ ہم سب سے افضل اور اعلم ہیں صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایک عجیب بات معلوم ہوتی تھی اس وقت ان کے خیال سے وہ آیات بھی غائب ہو گئیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر تھا کہ آپ کا بھی وصال ہو جائے گا جیسا

کہ دوسرے انبیاء گزر گئے اور عام لوگ وفات پاتے ہیں جس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ممبر پر کھڑے ہو کر یہ آیات پڑھی۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشكرين (اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہرے رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت رسول گزر چکے ہیں سوا اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا شہید ہی ہو جائیں تو کیا تم کل لئے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر بھی جائے گا تو خدا تعالیٰ کا نقصان نہ کرے اور اللہ تعالیٰ جلد ہی ثواب دیدیگا شکر گزار لوگوں کو) اور

انك ميت وانهم ميتون ثم انكم يوم القيامة عند ربكم تختصمون (آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے) اس وقت صحابہ کی آنکھیں کھل گئیں اور سب کی زبانوں پر یہی آیتیں تھیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیتیں گویا آج ہی نازی ہوئی ہیں۔ حضرات صوفیہ نے اس واقعہ کا راز بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی آپ سے بعد نہ ہوا تھا جیسا قرب حیات میں تھا وصال کے بعد بھی ویسا ہی حاصل تھا اس لئے ان کو دوسرے صحابہ کی طرح بدحواسی اور زیادہ پریشانی نہیں ہوئی وہ اسی طرح مستقیم رہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مستقیم تھے یہی وجہ ہے کہ حدیث میں حضرت عمرؓ کے لئے آیا ہے لو کان بعدی نبیاً لکان عمر اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے اور حضرت صدیقؓ کے بارے میں یہ بات نہیں فرمائی اس کے جواب مختلف طور پر علماء نے دیئے ہیں مگر مجھ کو اپنے استاد کا جواب زیادہ پسند ہے۔

وللناس فيما يعشقون مذاهب (تحقیق الشکر ج ۲۱)

**توکل سے اطمینان اور سکون قلب حاصل ہوتا ہے:**

حضرت بہلولؓ سے کسی نے کہا کہ روٹی گراں ہو گئی کہا ہم کو کیا فکر ہے ہماری روٹی کا ذمہ انہوں نے لیا ہے اور ہم پر عبادت فرض کی ہے کہ ہم کو عبادت میں لگنا چاہئے روٹی وہ آپ دیں گے۔ (التنبہ ج ۲۱)

## دین کے دسویں حصہ پر عمل کا مفہوم:

یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ آوے گا کہ دسواں حصہ بھی اگر کوئی عمل کرے گا تو اس کی نجات ہو جاوے گی۔ مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پانچ وقت کی نماز فرض تھی تو اب نصف وقت کی نماز کافی ہوگی۔ یعنی اگر فرض و وتر کا مجموعہ بیس رکعتیں ہوں تو دور رکعتیں کافی ہو جاویں۔ چونکہ یہ شبہ ہو سکتا تھا اس لئے میں اس حدیث کی توضیح کرتا ہوں کہ یہ تخفیف کیفیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ کیت کے اعتبار سے یعنی اعمال میں جو خلوص اس وقت تھا اگر اس وقت نو حصہ کم بھی ہو تو نجات ہو جائے گی۔ تو یہ خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت ہم پر ہے کہ ہم زمانہ تخفیف میں پیدا ہوئے۔ یہ تو تخفیف کا بیان ہے۔ (فوائد الصبحہ ج ۱ ص ۲۱)

## ولی کا صحابہ کے برابر نہ ہونے کا راز:

غیر صحابی خواہ کتنا ہی بڑا ہو جاوے لیکن صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت غوث الاعظمؒ سے حضرت امیر معاویہؓ کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر معاویہ گھوڑے پر سوار ہوں اور اس کے پیروں کی گرداڑ کر اس گھوڑی کی ناک پر جا بیٹھتے تو حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی وہ ناک کی گرد عمرو بن عبدالعزیزؓ اور اویس قرنیؓ سے افضل ہے۔ ہم کو اس فتوے کی قدر نہیں ہے مگر اہل محبت جانتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظمؒ نے کیا بات فرمائی۔ قدر گو ہر شاہ داند یا بداند جو ہری۔ (گوہر کی قدر بادشاہ جانتا ہے یا جوہری جانتا ہے) تو صحابہ میں بڑی بات یہ تھی کہ وہ حضرات پورے عاشق تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے علمی عملی وہ اصلاح کی کہ نہ کوئی فلسفی اپنی قوم کی کرسکا اور نہ کوئی سلطان اپنی رعایا کی کرسکا کیونکہ ان کے پاس تو نور ہی دوسرا تھا جس کو فرماتے ہیں۔ او من کان میتا فاحیینا ہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس (کیا جو مردہ ہو پس اس کو ہم زندگی بخشیں اور اس کے لئے ایک نور کر دیں کہ وہ اس کو لوگوں میں لئے پھرتا ہے) اس کو نور سے تعبیر کیجئے یا برکت صحبت کہئے سب کا خلاصہ ایک ہی ہے۔

عباراتنا شتی وحسنک واحد وکل الی ذاک الجمال بشیر  
(ہمارے عنوانات بیان مختلف ہیں مگر تیرا حسن ایک ہی ہے ہر عنوان اسی حسن کی طرف اشارہ کرتا ہے)

اگر ہم بھی اس مقام پر پہنچنا چاہیں جس پر صحابہ تھے (یعنی باعتبار عطا کے کیونکہ وہ جاہ تو ہم کو کہاں نصیب) (فوائد الصبحہ ج ۲۱)

## طلاق کا ایک اہم مسئلہ:

لفظ اختاری (اختیار کر تو) کنایات میں سے اس کو باب الکنایات میں دیکھ کر بعض لوگوں کو ہی لغزش ہوئی کہ وہ یہ سمجھے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو بہ نیت طلاق یہ لفظ کہہ دے تو طلاق ہو جاوے گی۔ حالانکہ یہ مسئلہ ایک تو بات تفویض طلاق سے متعلق ہے اور دوسرے باب کنایات سے تو باب کنایات میں تو یہ لکھا ہے کہ کنایہ ہے اور باب تفویض میں یہ لکھا ہے کہ وقوع کی شرط یہ ہے کہ عورت اخترت نفسی (میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا) بھی کہے اور اگر عورت کچھ نہ کہے تو مرد کے صرف اختیاری کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی اسی لئے میں نے ان شافعی المذہب سے انکار کر دیا۔ اور مولوی طیب صاحب عرب شافعی کا نام بتلادیا تھا کیونکہ دیانت کی بات یہی تھی اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں کہ جب تک کامل شیخ اس کے غوامض پر مطلع نہ کرے اس وقت تک وہ حل نہیں ہو سکتیں اس لئے صحبت کی حاجت ہوئی۔ سو ایک ضرورت تو صحبت کی اصلاح علمی کے لئے ہے۔ (فوائد الصبحہ ج ۲۱)

## اسلام میں حرج نہیں:

مولانا فضل الرحمن صاحب علیہ الرحمۃ سے ایک شخص نے آکر پوچھا کہ ایک عورت کا شوہر گم ہو گیا ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مرد کی نوے برس کی عمر تک انتظار کرو۔ کہنے لگا کہ جناب اس میں تو بڑا حرج ہے اور دین میں حرج نہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھائی اگر یہ حرج ہے تو جہاد میں بھی حرج ہے۔ سو حرج کے یہ معنی نہیں۔ حرج کہتے ہیں پریشانی اور الجھن کو سو اسلام میں یہ نہیں۔ ہاں تعب و مشقت ہے تو کیا دنیا کے کاموں میں تعب اور مشقت نہیں ہے۔ (فوائد الصبحہ ج ۲۱)

## عامل شریعت کو پریشانی نہیں ہوتی:

واللہ جو شخص شریعت پر عمل کرے گا تمام پریشانیوں سے نجات میں رہے گا۔ اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ ہم بہت دینداروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اکثر تکلیف میں رہتے ہیں مثلاً ان کی



آمدنی کم ہوتی اور خرچ تنگی سے ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ تکلیف جسم پر ہے روح پر نہیں اور پریشانی ہوتی روح کی تکلیف سے پس اس کی مثال دلدادگان شریعت کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے کسی عاشق سے کوئی مدت کا پھنڑا ہوا محبوب ملے اور دور ہی سے دیکھ کر یہ محبت اس کو سلام کرے اور اس کے گلے سے لگا لینے کا متمنی ہو اور اس کی عین تمنا کے وقت وہ محبوب دوڑ کر اس کو گلے سے لگا لے اور اس قدر زور سے دبا دے کہ اس کی ہڈیاں بھی ٹوٹنے لگیں۔ اب میں اہل وجدان سے پوچھتا ہوں کہ اس دبانے سے عاشق کو کچھ تکلیف ہوگی یا نہیں۔ یقیناً یہ تکلیف ہوگی لیکن یہ ایسی تکلیف ہے کہ ہزاروں راحتیں اس تکلیف پر قربان ہیں۔ اگر عین اسی تکلیف کی حالت میں محبوب کہے کہ اگر تجھ کو کچھ تکلیف ہو تو چھوڑ دوں اور جو تیرا قریب سامنے موجود ہے اس کو اسی طرح دبا لوں تو وہ کیا جواب دے گا۔ ظاہر ہے یہ جواب دے گا کہ نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سردوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تمہاری تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ اس پر خنجر آزمائی کریں) (فوائد الصبحہ ج ۱)

## ویرانہ کا اصل سبب معاصی ہیں

صاحبو! یہ مسلم ہے کہ الو ویرانہ کو پسند کرتا ہے لیکن یہ نہیں کہ ویرانہ اس کے آنے سے پیدا ہو بلکہ ویرانہ دیکھ کر وہ آیا اور خود ویرانہ آپ کے اعمال بد سے ہوا تو منحوس ہم ہوئے نہ کہ وہ۔ ہم کو اپنی نحوست اس کے اندر نظر آتی ہے۔ پس ہماری مثال اس حبشی کی سی ہے کہ راستے میں ایک آئینہ پڑا ہوا پایا اس نے جو اپنی صورت دیکھی تو بہت خفا ہوئے اور آئینہ کو زمین پر پٹک دیا کہ لا حول ولا قوۃ ایسا بد صورت تھا جب تو پھینک گیا۔ سو اس نے اپنی زشتی کو اس کی زشتی سمجھا، الو بے چارہ ایک صوفی منش جانور ہے کہ خلوت کو پسند کرتا ہے اگر آپ نظر کو عمیق کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ آپ کے لیے واعظ ہے کہ آپ کو آپ کے گناہوں پر آگاہ کرتا ہے جن سے ویرانہ پیدا ہوا یا ہونے والا ہے اور اصل سبب ویرانہ کا معاصی ہیں جب آپ کو خود کسی طرح تنبیہ نہیں ہوتا تو الو آن کر بولتا ہے جس سے آپ کے کان میں پڑ جائے کہ ہم نے ویرانہ بنا دیا ہے لیکن آپ نے اس کو غلط سمجھا کہ الو کے بولنے کو اس کا سبب سمجھا۔ اس کا سبب معاصی ہیں ان کا علاج استغفار ہے اس کو اڑانے اور مارنے سے کیا ہوگا اگر حبشی نے

آئینہ کو پٹک کر توڑ دیا تو کیا صورت درست ہو گئی اس کو چاہیے کہ اگر کسی تدبیر سے کر سکے تو صورت درست کرے پھر اسی آئینہ کو دیکھے جس نے بری صورت دکھائی تھی اب وہی آئینہ اس کو اچھی صورت دکھائے گا۔ (تفصیل الذکر ج ۲۳)

## مستورات کو بہشتی زیور کو سبقاً سبقاً پڑھنے کی ضرورت

اس کتاب کی تصنیف خاص عورتوں ہی کے واسطے ہوئی ہے۔ بیوی اس کو ضرور پڑھو اور اپنی اولاد کو پڑھاؤ لیکن اتنی بات یاد رکھو کہ گوتم پڑھی لکھی ہو مگر بطور خود مطالعہ نہ کرو۔ بہشتی زیور کو سبقاً سبقاً پڑھو۔ اپنے خاوند سے یا اپنے بیٹوں سے کسی اور محرم سے اور کوئی بھی نہ ہو تو کسی عورت سے جس نے باقاعدہ کسی سے پڑھا ہو اور اس کتاب کو ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھو۔ ایک دفعہ پڑھ لینے سے کچھ نہیں ہوتا اور پھر جب کوئی بات پیش آئے بہشتی زیور میں اس کا لم کو تلاش کرو اکثر تو اسی سے نکل آیا کریں گے اور اگر کوئی مسئلہ نہ ملے تو کسی مولوی معتبر سے پوچھئے۔ اپنے خاوند سے یا کسی اور محرم سے زبانی دریافت کرالو یا آج کل تو سہل ترکیب یہ ہے کہ دو پیسے خرچ کرو اور بذریعہ تحریک چاہے جہاں سے جواب منگالو۔ یہ تو ان کے واسطے ہے جو پڑھی لکھی ہیں اور جو بیبیاں ناخواندہ ہیں وہ اپنی اصلاح اس طرح کریں کہ جہاں دنیا کے سینکڑوں کاموں کے وقت ہیں وہاں ایک دین کا بھی وقت مقرر کر لیں۔ چند بیبیاں بیٹھ جائیں اور ایک پڑھی ہوئی بی بی یا کوئی لڑکی یا محارم میں سے کوئی مرد بیٹھ جائے اور بہشتی زیور ورق ورق کر کے سنا ڈالے اور بیبیاں تھوڑی دیر کے لیے چچ چچ کو بند کر کے دھیان لگا کر سنیں اور پڑھنے والا ہر بات کو مناسب طریق سے سمجھائے۔ جب کتاب ختم ہو جائے تو پھر شروع سے دہراؤ۔ اسی طرح بار بار سنو اور پڑھو گھر کے مرد اس بات کا خیال رکھیں کہ جو کچھ کتاب میں پڑھایا سنایا جاتا ہے عورتیں اپنے افعال میں اس کی کاربند ہیں یا نہیں اس طرح سارے گھر کی اصلاح ہو سکتی ہے نہ کہیں سکول میں جانے کی ضرورت رہی نہ مدرسہ میں یہ سب داخل ہیں اس آیت میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا“ (اے ایمان والو! کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو)۔ (تفصیل الذکر ج ۲۳)

فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ. إِنَّ الشَّيْطَانَ جَائِمٌ عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَكَرَ اللَّهَ خَنَسَ وَإِذَا غَفَلَ وَسَّوَسَ ۝

”جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! شیطان انسان کے دل سے چپکا رہتا ہے جب وہ دل سے اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔“ (القاف ج ۲۲)

## کسی چیز کی خاصیت جاننے کا نفع

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزوں کی دو خاصیتیں بیان فرمائی ہیں۔ ان دو چیزوں کو سب جانتے ہیں لیکن ان کی خاصیتوں سے آگاہی کم ہے اور اس آگاہی نہ ہونے سے دو قسم کی مضرتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب کسی چیز کی خاصیت کا علم نہیں ہوتا تو اگر اس میں کچھ نفع ہے تو اس کے حاصل کرنے کی طرف رغبت نہیں ہو سکتی اور اگر اس میں نقصان ہے تو اس سے بچنے کی کوشش نہیں ہو سکتی۔ سٹکھیا سے جو لوگ ڈرتے اور احتیاط کرتے ہیں اس کی وجہ علم خاصیت ہی ہے کہ جانتے ہیں کہ اس کا کھانا قاتل ہے ورنہ ممکن تھا کہ اس کی صورت اور رنگ اور آب و تاب کو دیکھ کر کسی نادان کو رغبت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بہت سی وہ چیزیں جن کی خاصیت معلوم نہیں ہے کھالی جاتی ہیں اور نقصان پہنچتا ہے۔ بہت دفعہ کسی نافع چیز کے دھوکے میں زہر کھالیا گیا ہے۔ مثلاً طباشیر سمجھ کر سٹکھیا کھالیا گیا اور موت تک نوبت آ گئی۔ اس کی وجہ کیا ہے وہی جہل عن الخاصیت اسی طرح اعمال کی حالت ہے جس کام کا اثر معلوم نہ ہو عجب نہیں اس پر عمل کر لیا جائے جس کو یہ معلوم نہ ہو کہ گلے میں پھانسی ڈالنے سے مر جاتے ہیں عجب نہیں کہ وہ کبھی ایسا کر بیٹھے چنانچہ بعض جگہ لڑکوں سے ایسا بھی ہوا کہ ہنسی ہنسی گلے میں رسی ڈالی اور کھینچ لی اور ہنسی کی گل پھنسی ہو گئی اور قتل نفس ہو گیا۔ پس ثابت ہوا کہ مضر چیز سے بچانے کی تدبیر یہی ہے کہ اس کی خاصیت بتلا دی جائے اسی طرح نافع چیز کی حالت ہے کہ اس کی طرف رغبت جیسی ہو سکتی ہے جبکہ اس کی خاصیت اور منفعت معلوم ہو اور اگر کسی چیز کا فائدہ معلوم نہ ہو تو بسا اوقات ایسی ایسی مفید چیزیں پاس پڑی رہتی ہیں جو بہت قیمتی اور کام کی ہوتی ہیں مگر ان سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا، ناواقف کے ہاتھ بہت دفعہ ہیرے اور جواہرات آگئے ہیں اور ان کو کوڑیوں میں دے دیا، اس کو یہ نقصان ہوا اور مشتری کو علم خاصیت کی وجہ سے یہ فائدہ پہنچا کہ لاکھوں روپیہ کی چیز کوڑیوں میں مل گئی۔ یہی حالت ہے۔ (القاف ج ۲۲)

## اعمال کے خواص جاننے کے فائدے

علم خاصیت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ آدمی کا نافع کی تحصیل میں جو ناگواریاں بھی پیش آئیں ان کو آسان کر دینا ہے۔ دیکھئے بدمزہ دوا کی خاصیت اجمالاً مریض کو یا تفصیلاً طبیب کو معلوم نہ ہو تو مسہل کون دے جس کی بدمزگی دور کرنے کے لیے پان اور الا پچی کی ضرورت ہوتی ہے بازو باندھے جاتے ہیں یہ سب کچھ اسی لیے کیا جاتا ہے کہ یہ گوارا نہیں ہوتا کہ ایسی بدمزہ چیز قے ہو کر پیٹ میں سے نکل جائے پس اس کو آسان کرنے والی چیز اگر ہے تو وہی علم خاصیت ہے کہ اس دوا سے امید ہے کہ تندرست ہو جائیں گے۔ غرض کہ علم خاصیت ہی جالب نفع ہے اور علم خاصیت ہی منفعت ہے خاصیت نہ جاننے کا پہلا ضرر یہ ہے کہ بدون علم خاصیت کے استعمال نافع اور طرز المضر دونوں سے محرومی رہتی ہے اور دوسری مضرت یہ ہے کہ اگر بالفرض نافع کے استعمال سے محرومی بھی نہ ہوئی بلکہ اتفاقاً کسی کی تقلید سے اس کا استعمال بھی کر لیا تب بھی بدون علم خاصیت کے گواجمالاً ہی معتد بہ نفع مرتب نہیں ہوتا گونا گوار میں اس صورت میں خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس کو علم خاصیت کی ضرورت نہیں کیونکہ جو غرض تھی علم خاصیت سے یعنی استعمال نافع وہ اس کو حاصل ہے۔

لیکن میں اس صورت میں بھی یہی کہتا ہوں کہ علم خاصیت کی اس شخص کو بھی ضرورت ہے اور بلا اس کے اس کو پورا فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور یہ بات گواول وبلہ میں بالکل اجنبی سی معلوم ہوگی خصوصاً طالب علموں کو کیونکہ ان کو ہر بات میں لم اور کیف کی ضرورت ہے مگر میں اس کو ایسا قریب الی الفہم کر دوں گا کہ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ شک و شبہ باقی نہ رہے گا۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ اطباء دوا سے امراض کا علاج کرتے ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ دواؤں میں خواص ہیں لیکن تحقیق اطباء کی یہ ہے کہ گودوا سے مرض کو آرام ہوتا ہے مگر فاعل دوا نہیں ہے بلکہ طبیعت فاعل ہے اسی واسطے معالجہ میں تقویت طبیعت کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی واسطے قوی الطبع شخص کو اثر دوا کا جلد ہوتا ہے اور ضعیف الطبع کو اثر دیر میں ہوتا ہے جو اں آدمی کو جلد فائدہ پہنچتا ہے اور بڑھے کو دیر میں ایک مقدمہ تو اس کو سمجھئے یعنی گودوا سے فائدہ پہنچتا ہے مگر فاعل طبیعت ہے اور اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ یہ ملائے کہ جیسے مقوی دوا کے استعمال سے قوت آتی ہے۔ (القاف ج ۲۲)



## مالیخو لیا میں علاج سے کم نفع ہونے کا سبب

چنانچہ مالیخو لیا میں جو نفع کم ہوتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ مریض کو اعتقاد نہیں ہوتا کیونکہ اعتقاد صحت خیال سے ہوتا ہے اور مالیخو لیا فساد خیال ہی کا نام ہے اور اس کے جملہ خیالات فاسد ہیں بلکہ مجنون کو تو الٹی ہی سوجھتی ہے اسی لیے مجنون کے علاج میں بڑے ہوشیار اور عاقل طبیب کی ضرورت ہے تاکہ وہ تدبیر سے خیال کو بدلے۔ (القاف ج ۲۲)

## مزاج میں لطافت کی زیادتی کا اثر

انسانوں میں سب سے بڑا آدمی بادشاہ ہوتا ہے جس کا استقلال اس درجہ ہوتا ہے کہ بڑی سے بڑی مہم سے بھی طبیعت میں تغیر نہیں آتا مگر بات کا اثر اس پر بھی ہوتا ہے بلکہ اوروں سے زیادہ ہوتا ہے اس زیادتی کی وجہ ضعف طبیعت نہیں ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ جوں جوں آدمی بڑا ہوتا جاتا ہے مزاج میں لطافت زیادتی آتی جاتی ہے اور لطافت زیادہ ہونے سے حس بڑھ جاتی ہے اور تو ادنیٰ شے سے بھی انفعال ہوتا ہے۔ بادشاہوں کی نسبت کہا گیا ہے: گا ہے بسلائے بر بخند دگا ہے بدشتائے خلعت دہند۔

## اعمال کی قسمیں

اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کے خواص عقل سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ عقل سے مراد ادراک حواس و عقل سب ہے کوئی عقل بالمعنی الفلسفی نہ لے اور دوسری قسم وہ جن کی خاصیت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی اور ان کی خاصیت کے معلوم ہونے کے لیے ایک چیز کی ضرورت ہے جو وراء العقل یعنی عقل سے بالاتر ہے اس کا نام وحی ہے اعمال شرعی اسی دوسری قسم کے اعمال ہیں جن کے منافع و مضار صرف وحی سے اور ارشاد انبیاء علیہم السلام سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ عقل ان کے ادراک کے لیے کافی نہیں۔ میری اس تقریر سے یہ خلجان رفع ہو جائے گا کہ بہت سے مذہبی کام محض اعتقاد سے مفید تسلیم کر لیے گئے ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ کہ مسلمان ہر روز پانچ مرتبہ دنیاوی کاموں کا حرج کرتا ہے اور ایک مہینہ تک بھوکا رہتا ہے ان میں اور ان کے نتیجہ متوقعہ میں علاقہ کیا ہے جس کی امید پر ان کو کیا جاتا ہے۔ (القاف ج ۲۲)

## طیب روحانی کا کمال

طیب روحانی طیب ظاہری سے زیادہ کامل بھی ہے کیونکہ طیب ظاہری بہت سے امراض میں جواب بھی دے دیتا ہے اور طیب باطنی کسی مرض کو لا علاج نہیں کہتا برے سے برے اور سخت سے سخت مرض کا علاج کر سکتا ہے۔ علاج کر کے دیکھو۔ پس اس سے بھی مزاحمت کا حق کسی کو نہیں۔ آج کل عجیب مذاق ہو گیا ہے کہ ذرا کسی نے پڑھ لکھ لیا اور اعمال شرعی میں دخل دینے کے لیے تیار ہو گیا اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عقل کی بات ہے حتیٰ کہ زبان پر بھی یہ لفظ آتا ہے کہ ہم ایسے بیوقوف نہیں ہیں کہ بلا سوچے سمجھے مان لیں اور اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ بلا علت معلوم کیے کسی بات کو تسلیم کر لیں اب تعلیم کا زمانہ ہے حیرت ہے کہ یہی بات ڈاکٹر اور طیب سے کیوں نہیں کی جاتی۔ (القاف ج ۲۲)

## علوم شرعیہ کو مدرک بالوحی مان لینے کا عظیم نفع

حقیقت واقعیہ کسی چیز کی بھی ہم کو معلوم نہیں بس ہم کو ایک حد پر قناعت ہو گئی ہے اس وجہ سے آگے تلاش نہیں کرتے اور جس حد کا علم ہو گیا ہے اسی کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم اپنی ذات اور افعال تک کی حقیقت واقعیہ نہیں جانتے آنکھ سے ہر وقت دیکھتے ہیں مگر اس کی حقیقت نہیں بتا سکتے کہ دکھائی کس طرح دیتا ہے اس کی حقیقت سے صرف اسی درجہ پر قناعت کر لی ہے کہ آنکھ کھولتے ہی تو چیز دکھائی دے جاتی ہے اور اس پر ایسا شرح صدر ہے کہ اس میں ذرا بھی تاثر نہیں ہوتا اور نہ ذہن اس سے آگے کبھی جاتا ہے اور اس کو بدیہی سمجھتے ہیں جس کے لیے دلیل کی احتیاج ہی نہیں یہ اس قناعت ہی کا نتیجہ ہے ورنہ جن لوگوں نے اس کی تحقیق کرنی چاہی ان کو دیکھئے کس مصیبت میں پڑ گئے اور اس مسئلہ میں کتنے اقوال ہو گئے پھر بھی جس کو تحقیق کہتے ہیں وہ حق نہ ہوئی اس سے وہ قناعت ہی اچھی تھی اسی طرح علوم شرعیہ کو مدرک بالوحی مان لینے سے بہت سے بکھیروں سے نجات مل جاتی ہے اور اس کے بعد کوئی توجیہ مناسب بھی کر دی جائے تو مزید اطمینان کا باعث ہے تو یہ بیان اہل علم کی غلطی کا ہوا۔ (القاف ج ۲۲)

## مصلح کا اصل کام تعلیم دین ہے

علماء نائب انبیاء علیہم السلام ہیں جو طریقہ ان کا تھا وہی ان کا ہونا چاہیے ان کی تقلید یہ

کیسے ہوئی کہ اہل دنیا میں بھی دنیا کی تعلیم دیں اور اہل دین بھی دنیا ہی کی تعلیم دیں۔ آخر اس صورت میں دین کی تعلیم دینے کون آئے گا۔ شاید فرشتے آئیں گے لیکن اگر ایسا ہوا تو ان کے متعلق بھی مصلحان قوم کا فتویٰ یہی لگے گا کہ ان کو بھی تمدن ہی سکھانا چاہیے۔ غرض دین کا نام نہ آنے پائے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ طریقہ تو یہ اور دعویٰ انبیاء علیہم السلام کی تقلید کا۔ حضرت ان کی صحیح تقلید یہی ہے کہ دنیا کی تعلیم قدر ضرورت سے آگے نہ بڑھائی جائے اور یہ کہ اصلی کام مصلح کا تعلیم دین سمجھا جائے اور دنیا کی تعلیم دنیا والوں کے حوالہ کی جائے۔ نیز یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ انہوں نے تعلیم دنیا کس وقت میں کی جس وقت کی ضرورت تھی اور انسان کو کسی ذرا حاجت کا پورا کرنا نہیں آتا تھا۔ (القاف ج ۲۲)

### صنعت گری کا پہلا استاد کوا ہے

دیکھو قانبل نے ہانبل کو قتل کیا تو اتنی بات سمجھ میں نہ آئی کہ اس کی لاش کو کیسے چھپاؤں کرنے کو تو کر گیا مگر اب اس کا چھپانا مشکل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ سال بھر تک لاش کندھے پر لادے پھرا اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی جس کو کوئی آدمی جانتا نہ ہو وہ چاہے واقع میں کیسا ہی آسان کام ہو مگر مشکل ہوتا ہے۔ دیکھئے منہ میں لقمہ رکھنا بھی کام ہے مگر بچہ کتنے دنوں میں سیکھتا ہے۔ غرض بہت پریشان تھا اور ڈرتا تھا کہ آدم علیہ السلام کو خبر نہ ہو جائے دو کو لے لڑتے ہوئے آئے قرآن شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ نے ان دو کو کو بھیجا اللہ اللہ گناہ کے بعد بھی حق تعالیٰ ہی کی رحمت کی ضرورت ہوتی ہے یہ ان ہی کی شان ستاری ہے کہ گناہ گار کو فضیحت سے بچنے کی تدبیر بھی خود ہی بتاتے ہیں:

گنہ بیندو پردہ پوشد بحکم

(گناہ دیکھتا ہے اور حلم سے پردہ پوشی کرتا ہے)

غرض ایک کو لے دوسرے کو مار ڈالا پھر چونچ سے زمین کو کرید کر گڑھا کر کے اس میں اس کو سر کا کر مٹی برابر کر دی تب قانبل کی سمجھ میں آیا کہ یہ تدبیر عیب چھپانے کی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی خود بھی کیا اور اس بار سے سبکدوش ہوا اور بہت ہی خفیف ہوا کہ اتنی سی بات بھی مجھے نہ آئی۔ دیکھئے انسان اس وقت اپنی ضروریات کے پورا کرنے سے اس قدر عاری تھے ایسے وقت میں حق تعالیٰ نے بذریعہ انبیاء علیہم السلام کے دنیا کی ضروریات کا علم بھی دیا۔ اس

وقت پر قیاس کرنا محض غلط ہے جب وہ ضرورتیں پوری ہو گئیں تو منصب نبوت سے ان کو الگ کر لیا گیا اور اس قصہ سے معلوم ہوا کہ صنعت میں کو ا قانیل کا بھی استاد ہے۔ (القاف ج ۲۲)

## کلمہ طیبہ کے حصول خواص کے ضروری شرائط

ہر چیز کے اثر کے لیے تحقیق شرط اور ارتفاع مانع ضروری ہے تو حضور کے اس ارشاد ”مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (جس شخص نے لا الہ الا اللہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں) کہا وہ شخص جنت میں داخل ہوا) کا یہ مطلب کیوں نہیں لیا جاتا کہ اس میں تو خاصیت یہی ہے کہ جنت میں لے جائے مگر اس کے لیے کچھ شرائط اور موانع بھی ہیں۔ اگر موانع کا وجود یا شرائط کا فقدان ہو تو اس کے وجود یا فقدان کے درجہ کے موافق یہ اثر ہوگا کہ لا الہ الا اللہ کا اثر باطل یا ضعیف ہو جائے گا اگر پورا معارض موجود ہو گیا جیسے کفر و شرک تو اس کا اثر بالکل باطل ہو جائے گا اور اگر پورا معارض موجود نہ ہو جیسے معاصی تو اثر ضعیف ہو جائے گا۔ یہ تو اس معارض کا اثر ہے اور لا الہ الا اللہ کا اثر یہ ظاہر ہوگا کہ انجام کار جنت میں پہنچے گا۔ اب یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ لا الہ الا اللہ کا پورا معارض تو کفر ہے قولاً یا اعتقاداً اگر کوئی ساری عمر لا الہ الا اللہ کہتا رہا مگر کلمہ کفر بھی بکثرت رہا یا کوئی عقیدہ کفر کا رہا تو بوجہ وجود قوی مانع کے لا الہ الا اللہ کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا جیسے انڈے کھانے کے ساتھ فصد کھلوانے سے انڈے کا کوئی اثر نہ ہو سکا اور ناقص معارض گناہ ہیں اگر کوئی کلمہ پڑھنے کے ساتھ گناہوں میں بھی مبتلا ہو تو لا الہ الا اللہ کا اثر ضعیف ہو جائے گا لیکن کچھ نہ کچھ رہے گا اور وہ اس طرح ظاہر ہوگا کہ اول گناہوں کی سزا ہوگی پھر لا الہ الا اللہ کا اثر ظاہر ہوگا اور دخول جنت نصیب ہوگا۔ (القاف ج ۲۲)

## ہر عمل کے الگ الگ خواص

اعمال میں جدا جدا خاصیت ہے اور اپنا اپنا اثر سب کرتے ہیں ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا جس میں یہ ہے: ”قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ وہ بھی ٹھیک ہے اور جس میں یہ ہے: ”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ“ (جس کے دل میں ذرا برابر کبر ہے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا) وہ بھی ٹھیک ہے کلمہ کا وہ اثر ہے اور کبر کا یہ اثر ہے۔ ایمان موجب دخول جنت ہے اور کبر مانع دخول جنت تو اگر مانع ایسا قوی ہوا کہ پورا



معارض ایمان کا ہو گیا مثلاً حق تعالیٰ کی بندگی ہی سے انکار کر دیا تو ایمان کا اثر باطل ہو جائے گا اور اگر ضعیف ہو تو بقدر اپنے وجود کے اثر کرے گا اور اخیر میں غلبہ ایمان کو رہے گا بالکل سمجھ میں آتی ہوئی بات ہے مگر مدعیان عقل نے حدیث ”قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ میں اپنے مطلب کے واسطے من کو تو عام لے لیا کہ جو بھی لا الہ الا اللہ کہہ لے خواہ اعمال کرے یا نہ کرے اس کے لیے دخول جنت ثابت ہے لیکن اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ اسی حدیث کے دوسرے لفظ یعنی دخل الجہنم کو عام کیوں نہیں لیا جاتا جس سے یہ معنی ہو جاتے ہیں کہ دخول جنت بیشک ثابت ہے مگر عام ہے اس سے کہ ابتداء ہو یا بعد سزا و جزا ہو جو شخص سزا پا کر جنت میں جائے تو اس پر بھی تو دخل الجہنم صادق ہے تو نہیں سمجھتے ذرا سی بات تھی کہ لفظ من کو عام لے کر دخل الجہنم کو بھی عام لینا چاہیے پھر کوئی اشکال نہیں مگر نہیں سمجھتے اور یاد رکھو کہ ترجمہ دیکھنے سے یہ باتیں سمجھ میں نہیں آ سکتی ہیں ان کے لیے تو استاد کی ضرورت ہے۔ (القاف ج ۲۲)

### وسوسہ گناہ کا مقدمہ ہے

ہر گناہ میں اول وسوسہ ہی ہوتا ہے پھر دل میں وہ خیال پکتا ہی جاتا ہے تو وسوسہ کوئی معمولی بات نہ ٹھہری بلکہ مقدمہ ہے گناہ کا ہاں اس پر گرفت نہیں ہے بلکہ جب تک عزم اور فعل میں نہ آجائے مگر وسوسہ کے بعد اس کے فعل میں آ جانے کا اندیشہ تو ضرور ہے تو اس بھروسے پر رہنا کہ اس خیال کو ہم آگے نہ بڑھنے دیں گے خلاف عقل ہے جب نفس چل نکلا اور کئی درجے طے کر گیا تو پھر عین وقت پر نفس کو روکنا سخت مشکل ہے۔ جیسے گھوڑا جب چل نکلے اور تیزی میں آجائے تو مقام منہی عنہ سے اس کو ایک فرلانگ پہلے سے روکنا چاہیے ورنہ اگر ایک دم روکو گے تو نہیں رکے گا بلکہ تم ہی گر پڑو گے۔ اسی طرح اگر نفس کو روکنا ہے تو بہت دور پہلے سے روکنے اس بھروسے نہ رہے کہ وسوسہ تو گناہ نہیں اور فعل کی نوبت ہم آنے نہ دیں گے نفس تو وہ چیز ہے کہ بڑے بڑے شاطروں کے قابو میں نہیں آتا کیونکہ گھوڑا تو ایک حیوان ہے جس کو عقل نہیں آپ کے قبضہ میں ہے جہاں چاہیں رک سکتا ہے۔ اپنی طرف سے وہ کوئی عذر رکنے میں نہیں کر سکتا۔ صرف وہ اپنی ایک طبعی بات سے مجبور ہے کہ تیز دوڑتے ہوئے ایک دم رک جانا اور بعض اوقات اس کو دشوار ہوتا ہے۔ نفس کی تو حالت یہ ہے اس کو آپ کے ساتھ دشمنی بھی ہے اور اس کی طبیعت بھی مکر بھی ہے وہ کوئی دقیقہ آپ کو نقصان پہنچانے میں اٹھا نہیں رکھتا اور اس کو وہ

مدبیریں آتی ہیں کہ بڑے بڑے عقل مند بھی ان کو سمجھ نہیں سکتے۔ ایسی حالت میں اس کی باگ کو ڈھیلا چھوڑ کر یہ امید رکھنا کہ موقع پر روک لیں گے خام خیال ہے۔ (القاف ج ۲۲)

## اسرار شریعت

شریعت نے اس کا بہت لحاظ کیا ہے کہ جس عمل سے روکنا ہے اس سے بہت دور پہلے سے روکا ہے اسرار شریعت میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس قاعدہ سے کس قدر کام لیا گیا ہے۔ دیکھئے شریعت نے نماز عصر اور نماز فجر کے بعد نوافل سے منع کیا۔ اس واسطے کہ اگر اجازت دی جاتی تو ممکن تھا کہ ایسے وقت میں بھی لوگ نماز پڑھنے لگتے جو نماز کا وقت نہیں ہے یعنی عین طلوع اور عین غروب کے وقت اس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ ممنوعات سے بچانے کے لیے شریعت نے پہلے سے انتظام کیا ہے اور دیکھئے حق تعالیٰ نے زنا کی حرمت اس لفظ سے بیان فرمائی ہے کہ لَا تَقْرَبُوا الزَّانَا حَالًا نَكَهَ لَفْظ بھی کافی تھا لَا تَزْنُوا یعنی زنا نہ کرو مگر بطور تاکید اور پیش بندی کے یہ لفظ اختیار کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ اور آدم علیہ السلام کو اکل من الشجرہ سے منع فرمانے کے لیے بھی ”لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ“ اختیار کیا گیا جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قریب بھی مت جاؤ اور ایک حدیث تو اس بارے میں صریح موجود ہے۔ ”مَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ“ یعنی ارشاد فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کوئی سرکاری چراگاہ کے آس پاس بکریاں چرائے گا تو ممکن ہے کہ کوئی بکری چراگاہ میں بھی گھس جائے۔ یہ ٹکڑا ہے ایک حدیث کا وہ یہ ہے کہ:

الْحَلَالُ بَيْنَ وَالْحَرَامِ بَيْنَ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَمَنْ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ ۝

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال بین ہے اور حرام بین ہے اور دونوں کے درمیان میں مشتبهات ہیں یعنی وہ اعمال ہیں جن کا حلال و حرام ہونا پوری طرح واضح نہیں ہے ان کی نسبت فرماتے ہیں کہ جو شبہات سے بھی بچا رہے اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور جو کوئی سرکاری چراگاہ کے قریب اپنے مویشی کو لے جائے گا (یعنی شبہات کا ارتکاب کرے گا جو حرام کی سرحد سے ملی ہوئی ہے) تو عجب نہیں کہ مویشی چراگاہ میں بھی گھس جائیں اور وہ سرکاری مجرم ہو جائے۔ (القاف ج ۲۲)

## مشقت اور مجاہدہ سے ثواب بڑھ جاتا ہے

اگر ذکر کے بعد بھی وساوس باقی رہیں تو ثواب وہی ہوگا جو ذکر بلا وسوسہ میں ہوتا۔ راز یہ ہے کہ اصل ثواب رضا اور قرب کے قصد سے ہوتا ہے اور دفع وساوس سے بھی رضا و قرب ہی کا قصد ہوتا ہے سو یہ فعل اب بھی پایا ہی گیا۔ لہذا ثواب بھی حاصل ہوگا بلکہ یہاں ایک بشارت اور ہے کہ جو شخص باوجود ہجوم وساوس کے ذکر کرتا ہے وہ مجاہدہ اور پریشانی کا ثواب اور زیادہ پائے گا اور اس بات میں وہ من وجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بڑھ جائے گا کیونکہ جنید رحمۃ اللہ علیہ اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بلا مجاہدہ ہے اور اس کا ذکر مع المجاہدہ ہے اور یہ تو بڑی بات مگر میں اپنی طرف سے نہیں کہتا ہوں بلکہ حدیث میں یہ مضمون موجود ہے صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص فتنہ کے وقت دین پر عمل کرے گا اس کو پچاس آدمیوں کا ثواب ملے گا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے پچاس کا یا ان میں سے پچاس کا حضور کا جواب سننے کے قابل ہے فرماتے ہیں کہ تم میں سے پچاس کا اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ فساد میں عمل بالدین کا ثواب پچاس ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ملتا ہے اور اس میں راز یہی ہے کہ فساد کے وقت دین پر عمل کرنا بہت دشوار ہے۔ اس مجاہدہ کی وجہ سے ثواب اتنا بڑھ گیا معلوم ہوا کہ مشقت اور مجاہدہ سے ثواب بڑھ جاتا ہے تو جو شخص ہجوم وساوس کے ساتھ بھی ذکر میں لگا رہے اس حدیث کے مطابق اس کا ثواب ذکر بلا وسوسہ کے برابر بلکہ من وجہ زیادہ ہوگا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کیا شفقت تھی کہ سوال کر کے ہم لوگوں کے لیے کیسی بشارت چھوڑ گئے۔ (القاف ج ۲۲)

## مختلف اوقات میں مختلف دعاؤں کی حکمت

شریعت نے ہر وقت کے لیے جدا جدا خاص خاص دعائیں سکھلائی ہیں اٹھنے کی دعا الگ اور بیٹھنے کی دعا الگ اور سونے کی الگ اور جاگنے کی الگ اور کھانے سے پہلے کی الگ اور بعد کی الگ اور پینے کی الگ اور یہ سب اسی یاد کے طریقے ہیں اور اس تعدد طرق سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دل اکتائے نہیں۔ غرض محبوب نے تم کو ہزاروں آئینے دیئے ہیں کہ خواہ اس کو دیکھو خواہ اس کو دیکھو۔ (القاف ج ۲۲)

## شریعت میں کسب دنیا کی اجازت ہے انہماک کی نہیں

شریعت میں دنیا کے کاموں کی اجازت ہے مگر انہماک کی اجازت نہیں۔ مثلاً پیشاب پاخانہ ضروریات میں سے ہے اور عقلاً ایک وقت ان کے واسطے دینا بھی ضروری اور واجب قرار دیا گیا ہے مگر وہ وقت ان سے فراغت کرنے کے لیے دیا گیا نہ کہ عطر کی طرح اس کو سونگھنے اور لگانے کے لیے اسی طرح دنیا کے واسطے بھی وقت دینا چاہیے مگر اس سے فراغت کے واسطے نہ کہ دلچسپی کے واسطے۔ بس اس مثال کو پیش نظر رکھئے اور اسی درجہ میں دنیا کے کاموں میں لگئے۔ یہ اصلاح کا ایک چھوٹا سا گرہ ہے سوچ کر دیکھو تو معلوم ہو کہ زیادہ وقت فضول کاموں میں جاتا ہے یا نہیں اگر فرضاً جو ارح ظاہری بھی دین کے کام میں ہوں تب بھی قلب تو ضرور ادھر ادھر کے خیالات میں مصروف رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں ان فضول خیالات کی ضرورت ہی کیا ہے جس ضروری کام کو کرنا ہو اس کے متعلق جو سوچنا ہے تھوڑی دیر بقدر ضرورت سوچ لیجئے۔ (القاف ج ۲۲)

## قرض کا ثواب صدقہ سے زیادہ کیوں ہے

حدیث شریف میں آیا ہے کہ صدقہ کا دس حصہ ثواب ملتا ہے اور قرضہ کا اٹھارہ حصہ کیونکہ قرض عادتاً وہی لیتا ہے جس کو ضرورت ہو اور خیرات تو بلا ضرورت بھی لے لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ ضرورت میں دینے کا زیادہ ثواب ہے تو اس شخص نے اس کی تکلیف تو رفع کی اور خود تکلیف اٹھائی اور دوسرے کو اس کی تکلیف رفع کر کے وہی شخص نفع پہنچا سکتا ہے جو خود تکلیف اٹھائے اس لیے قرض کا ثواب صدقہ سے زیادہ ہے اور گو صدقہ دینے میں بھی کچھ نفس کو تکلیف ہوتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر کے لیے یہ خیال کر کے روپے جیب سے نکل گئے مگر یکسوئی ہو گئی اور قرض میں تو بار بار یاد آنے کی سخت تکلیف ہوتی ہے۔ بس قرضہ دینے میں زیادہ اجر ہے اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ صدقہ خیرات بند کر دیا جائے کیونکہ حیثیتیں مختلف ہوتی ہیں جیسا کہ ماں بہن کی محبت اور قسم کی ہے اور بیوی کی محبت اور طرح کی ہے۔ پس اسی طرح صدقہ کا اجر ایک حیثیت سے زیادہ ہے اور قرض کی فضیلت دوسری حیثیت سے۔ غرض جب قرض دار نے قرضہ ادا کیا تو قرض خواہ کو اس نے انتظار کی تکلیف سے نجات دیدی۔ اس واسطے حدیث میں تعلیم دی گئی ہے کہ قرض ادا کرنے والے کو دعا دیا کرو چنانچہ طبعاً بھی ادا



کرنے کا ممنون ہوتا ہے۔ غرض مخلوق کا احسان تو ادائے قرض کے وقت بھی مانتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) ایسا قرض دار سمجھتے ہیں کہ گویا اس سے قرض وصول کرنے میں ہم نے خود احسان کیا کہ وصول کر لیا اگر کوئی کسی کو ایک وقت عمدہ کھانا کھلا دے تو یاد رہتا ہے کہ اس نے کھانا کھلایا تھا اور تعریف کرتے رہتے ہیں لیکن خدا کی کبھی ایسی یاد نہیں آتی جس کی بے شمار نعمتیں ہم کو رات دن ملتی رہتی ہیں۔ بس یوں سمجھتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) ہم نے ہی یہ سب کچھ کمایا ہے خدا کا اس میں کیا دخل ہے۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ ہاتھ اسی نے دیئے اور سب سامان وہی مہیا کرتا ہے۔ درحقیقت ہر چیز ملک تو خدا ہی کی ہے (شرط التذکر ج ۲۲)

## ایک جوہری اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی حکایت

میرے استاد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان فرمائی تھی کہ کوئی شخص حضرت خضر کی ملاقات کے لیے دعا کیا کرتا تھا ایک روز خضر علیہ السلام تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا چاہتے ہو۔ اسی نے کہا ایسی دعا کر دیجئے کہ دنیا میں مجھے کوئی غم نہ ہو، فرمایا یہ دعا تو کر نہیں سکتا البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ تو دنیا میں جس شخص کو سب سے زیادہ بے غم دیکھے اس کی موافق تیری حالت ہونے کی دعا کر دوں تو ایسے شخص کو منتخب کر لے۔ وہ پھرتا پھرتا حیران ہو گیا اور کوئی امیر و رئیس بے غم نہ ملا آخر ایک جوہری کو دیکھا جو صبح کو دکان پر آتا، خوبصورت لڑکے اس کے ساتھ ہوتے بہت سے نوکر چاکر بھی ہمراہ آتے، صبح سے شام تک خرید و فروخت کرتا اور غرباء کو بہت کچھ خیرات کرتا، اس نے اس کو مجموعی حالت سے خیال کیا، یہ ضرور بے غم ہوگا، میں ایسا ہونے کی دعا کرالوں، پھر دل میں کہا کہ قبل دعا کرالینے کے اس سے تو حال دریافت کر لینا چاہیے شاید کوئی مخفی حالت ہو۔ چنانچہ اس سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا بھائی صاحب مجھ کو خضر علیہ السلام سے دعا کرانی ہے کہ تمہارے جیسا ہو جاؤں، بتلاؤ تو سہی تم کو تو کوئی غم نہیں ہے اس نے سرد آہ بھری اور کہا بھائی مجھ کو تو ایسا غم ہے کہ کسی دشمن کو بھی نہ ہو اور قصہ سنایا کہ ایک بار میری بیوی جو میری بڑی ہی محبوبہ تھی سخت بیمار ہو گئی، میں رونے لگا اس نے کہا روتے کیوں ہو میں مرجاؤں گی تم اور شادی کر لینا، میں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ بولی ممکن ہے اب تو تیرا ایسا ہی خیال ہے مگر پھر نہیں رہ سکتا، بہت دیکھا یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ جب اس کو کسی طرح یقین نہ آیا میں نے شدت عشق میں اپنا عضو تناسل اس کے سامنے کاٹ ڈالا کہ

اب تو یقین آ گیا، اتفاق سے وہ مری نہیں اچھی ہوگئی اور میں بیکار ہو گیا، اب وہ کم بخت نوکروں سے سازش رکھتی ہے اور یہ سب بچے دوسروں ہی سے ہیں۔ اب میں دیکھتا ہوں اور گھلتا ہوں، اس نے کہا بھائی تو تو بڑے ہی گندے غم میں مبتلا ہے اللہ بچا دے۔ آخر حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گیا اور سارا حال سنایا۔ پوچھا اب کیا خیال ہے اس نے کہا پس دین کی دعا کر دیجئے، غرض اہل دنیا کی تو یہ حالت ہے بے شک چین جس کا نام ہے دنیا اور آخرت دونوں کا دینداروں ہی کو میسر ہوتا ہے۔ (شرط التذکر ج ۲۲)

## پل صراط کی حقیقت

پل صراط کا بال سے باریک ہونا اور تلوار سے تیز ہونا ایک امر عقلی ہے جس کو میں عقلی طور پر ثابت کر سکتا ہوں وہ اس طرح کہ ہر شے کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایک صورت پل صراط ایک صورت ہے اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہیے تو کشف سے معلوم ہوا کہ وہ شریعت کی صورت مثالیہ ہے اور شریعت اس کی حقیقت ہے اور یہ کشف اس لیے مقبول ہے کہ شریعت کے خلاف نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ اشارات نصوص سے اس کی تائید پر استدلال بھی کیا جاسکے۔ بس یہ صراط مستقیم یعنی شریعت قیامت میں بشکل پل صراط بن جائے گی اور شریعت ہر چیز کے افراط و تفریط کے درمیان ایک وسط چیز ہے اور وسط حقیقی وہ ہے جو تقسیم نہ ہو سکے ورنہ وسط وسط نہ رہے گا اس میں خود طرفین اور وسط نکلے گا اور بال منقسم ہے پس شریعت بال سے بھی باریک ہوئی اور چونکہ اس پر چلنا دشوار ہے اس لیے تلوار سے تیز بھی ہوئی بس یہی باریک اور تیز چیز صورت پل صراط میں ظاہر ہوگی تو دیکھئے ہم نے عقلی طور پر حقیقت پل صراط کی بتلادی مگر اب بتلائیے ہم ایسی باتیں اگر آپ کو بتا دیں تو ان کو سمجھے گا کون۔ چنانچہ اس جلسہ میں بھی بہت لوگ اس مضمون کو نہیں سمجھے ہوں گے بعض کہتے ہیں کہ بس بیان کر دیا جائے چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے اول تو اس سے نفع کیا بلکہ بعض کو غلط فہمی سے ضرر ہوتا ہے اور دوسرے کو یہ اہل کمال کا تو یہ حکیمانہ مذاق ہوتا ہے کہ

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در رنداں خبرے نیست کہ نیست  
(مصلحت نہیں کہ راز آشکارا ہو جائے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو معلوم نہ ہو)

(شرط التذکر ج ۲۲)

## علم صرف درسیات پر موقوف نہیں

صحبت علماء سے بعض عوام جاہل نہیں رہتے خواص ہو جاتے ہیں۔ گواکثر اخص  
الخواص نہ ہوں پس جاہل وہ ہے جو خدا کا راستہ نہ جانتا ہو اور جو واقف ہو وہ عالم ہے گو لکھا  
پڑھا نہ ہو البتہ ایسا شخص عالم لازم ہے عالم متعدی نہیں اس کو وعظ وغیرہ کی اجازت نہ ہوگی یا  
یوں کہو کہ عالم ہے معلم نہیں جیسا کہ ہر تندرست طبیب نہیں اس لیے علاج نہیں کر سکتا بلکہ  
علاج طبیب ہی کرتا ہے اسی طرح جو ناخواندہ صحبت علماء میں ضروریات دین سے واقف ہو  
گیا ہو وہ تندرست تو ہے چاہے دوسروں کو نفع نہ پہنچا سکے مگر اس کو جاہل نہیں کہہ سکتے کیونکہ علم  
لکھنے پڑھنے ہی پر موقوف نہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کثرت سے ایسے تھے جو کثرت  
سے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ (شرط التذکر ج ۲۲)

## سبقت رحمتی علی غضبی کی عجیب مثال

حدیث شریف میں آیا ہے: ”سَبَقْتُ رَحْمَتِي عَلَى غَضَبِي“ (میری رحمت میرے  
غضب سے بڑھ گئی) اس کی مثال بلا تشبیہ ایسی ہے جیسا ایک شخص بڑا فصیح و بلیغ ہو اور وہ کسی  
گنوار کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے اور اپنے درجہ فصاحت سے گر کر اور منزل ہو کر اس سے اسی  
زبان میں گفتگو کرتا ہے یا جیسے بڑا آدمی بچہ سے تو تلابن کربات کرتا ہے اس لیے کہ مخاطب  
نہایت کم درجہ کا ہے جیسے میرٹھ میں میں نے ایک انگریز وکیل کو ایک گنوار سے کہتے سنا کہ تیرا  
یہی مطلب (مطلب) ہے اس لیے کہ اگر وہ اپنے درجے پر رہ کر اپنی استعداد کے موافق کلام  
کرے تو کسی شخص کی سمجھ میں نہ آئے۔ تفضل حسین خان ایک زمیندار تھے لغت بہت بولتے  
تھے گاؤں والے ایک مرتبہ ان کے پاس آئے تو آپ ان سے کہتے ہیں امسال تمہاری کشت  
زار گندم پر تقاطر امطار ہوایا نہیں؟ گاؤں والے آپس میں کہنے لگے کہ اس وقت چلو میاں قرآن  
پڑھ رہے ہیں اور بلا تشبیہ میں نے اس لیے کہا کہ یہاں تو بڑے لوگوں کی چھوٹوں سے اغراض  
بھی وابستہ ہوتی ہیں اس لیے اگر وہ ایسا کریں گے تو خود اپنا بھی نقصان ہے بخلاف خداوندی  
تعالیٰ شانہ کے کہ اگر وہ اپنی عظمت کے موافق بھی ہمارے ساتھ معاملہ فرماتے تو عین عدل تھا  
اور ان کا کچھ نقصان نہ تھا اس لیے کہ وہ غنی بالذات ہیں مخلوق کی ان کو کسی درجے میں بھی احتیاج

نہیں ہے باوجود اس کے اپنی علوشان کے موافق برتاؤ نہیں فرمایا بلکہ ہم کو اپنی ہم کلامی کی اجازت دے دی اور پھر رحمت پر رحمت یہ ہے کہ کسی زبان کی قید نہیں رکھی بلکہ جو زبان جس کی ہو اسی زبان میں اپنی درخواست پیش کر سکتے ہیں۔ (شرف المکالمہ ج ۲۲)

## حکایت حضرت حبیب عجمیؒ

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا دیکھا تو ان کے الفاظ درست نہیں ہیں اس لیے ان کی اقتداء نہ کی خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھا تو پوچھا کہ اے اللہ بہترین اعمال کیا ہے حکم ہوا کہ حبیب عجمی کے پیچھے پڑھنا اس سے معلوم ہوا کہ اصل شے اخلاص ہے کوئی یہ نہ کہے کہ فقہاء نے تو یہ لکھا ہے کہ ”أَوَّلُهُمْ بِالْإِمَامَةِ أَقْرَأُ هُمْ“ کہ اولی امامت کے لیے وہ ہے جو اقرء ہو بات یہ ہے کہ یہاں اقتداء اور امامت کی بحث نہیں ہے کیونکہ وہ پہلے سے کھڑے پڑھ رہے تھے اس حکایت کی غرض یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے یہاں وہ عمل مقبول ہے جو دل سے ہو البتہ حروف کی تصحیح بے شک واجبات سے ہے سوان کی اقتداء جائز ہوگی تو مطلب یہ نہیں کہ حروف کو بھی صحیح نہ کرے لیکن شکایت تو اس کی ہے کہ اصلاح قلب کو لوگوں نے بالکل ہی پس پشت ڈال دیا ہے اس کی طرف مطلق التفات نہیں ہے حالانکہ مدار قلب پر ہے بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ظاہری حالت انکی اچھی نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ قلوب ان کے اللہ تعالیٰ کی محبت سے پر ہیں اس لیے وہ مقبول ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ ظاہر ان کا بہت اچھا ہے لیکن قلب میں چونکہ حب دنیا ہے اس لیے مطرود ہیں۔

اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ ہم جو ادب کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں واقع میں ان کی شان کے لائق وہ بھی نہیں کیونکہ ہماری تسبیح سے اس کی ذات عالی کہیں زیادہ ہے۔ مولانا نے اس کی عجیب مثال بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

شاہ را گوید کسی جولاہہ نیست      ایں نہ مدح اوست مگر آگاہ نیست

یعنی اگر بادشاہ کو کوئی کہے کہ وہ جولاہہ نہیں ہے تو یہ مدح نہیں ہے لیکن چونکہ اس شخص کو بادشاہ کے علو مرتبہ کی خبر نہیں تو اپنے نزدیک اس نے مدح کی ہے مگر واقع میں ذم ہے۔ پس یہی حالت ہمارے تنزیہ کی ہے کہ وہ ان کے اظہار عظمت کے لیے کافی



نہیں حتیٰ کہ سید الحامدین فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر فرماتے ہیں: ”لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَيَّ نَفْسِكَ“ (یعنی میں تیری تعریف نہیں کر سکتا تو اسی تعریف کے لائق ہے جو تو نے اپنی ذات کے لیے کی ہے) وجہ یہ ہے کہ ہم ممکن ہیں اور ممکن سے واجب کے کمالات کا احاطہ نہیں ہو سکتا ہے خوب کہا ہے:

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں!

(عنقا کسی سے شکار نہیں ہوتا جال کو سمیٹ لو)

حتیٰ کہ قیامت کے دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے تو فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد ایسے الفاظ سے کروں گا کہ اس وقت وہ الفاظ میرے ذہن میں نہیں ہیں۔

ای برادر بے نہایت در گہیست ہرچہ بروی میری بروی مایست

(اے بھائی بے نہایت درگاہ جس درجہ پر پہنچو اس پر مت ٹھہرو بلکہ آگے کو ترقی کرو)

(شرف المکالمہ ج ۲۲)

الحاصل کلام یا رویت کی دنیا میں تمنا کرنا غیر ضروری ہی نہیں بلکہ مصلحت بھی نہیں ہے

اور جن سے کلام ہوا ہے وہ بھی بلا واسطہ نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ

رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ ۝

یعنی کسی بشر کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بات کرے مگر بطور وحی کے یا پس پردہ یا

فرشتہ بھیج دے پس جو چاہے وحی کرے اس لیے کہ وہ اس سے برتر ہے کہ بشر سے کلام

فرمائے اور چونکہ حکیم ہے اس لیے مصلحت بھی اسی میں ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا

ہم سے ہم کلام نہ ہونا عین مصلحت اور حکمت ہے۔ (شرف المکالمہ ج ۲۲)

## حصول حظ کیلئے رویت اور ہم کلامی کی ضرورت نہیں

رہا یہ کہ اس کے نہ ہونے سے حظ میں کمی ہے سو یاد رکھو کہ یہ کمی ہماری طرف سے ہے وہ

یہ ہے کہ ہم کو اس طرف التفات نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے ہیں اور وہ ہماری

پکار سنتے ہیں۔ آپ تجربہ کر لیجئے اور قرآن شریف پڑھنے اور دعاء اور ذکر کے وقت اس کا

تصور کیا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں دیکھئے کس قدر حظ ہوتا ہے دیکھو اگر کوئی کسی پر عاشق

ہو جائے اور معشوق یوں کہے کہ تم عرض حال کرو ہم پس پردہ بیٹھے سنتے ہیں تو عاشق صادق کو اپنا اذن ایک دولت معلوم ہوگا کہ میری ایسی قسمت کہاں کہ میں کچھ کہوں اور وہ سن لے اور رو رو کر اور نوع بنوع سے اپنا عرض حال کرے گا اور اس میں اس کو وہی لطف ہوگا کہ جس طرح سامنے بیٹھ کر سنتا ہے۔ پس حظ کے حاصل کرنے کے لیے رویت اور ہم کلامی کی ضرورت نہیں

## مثنوی مولانا روم میں فحش قصے بیان ہونے کی عجیب مثال

مولانا کی مثنوی میں بھی بہت سے فحش قصے ہیں ایسے کہ اگر یہ کتاب مولانا کی نہ ہوتی تو ہم تو اس کو ہاتھ بھی نہ لگاتے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مولانا نے جہاں کہیں ایسے قصے لکھے ہیں وہاں بغیر ان کے کام نکل ہی نہیں سکتا تھا تو اب اس کی مثال ایسی ہوگئی جیسے اناج کی کاشت کہ اناج کیسی پاکیزہ چیز ہے لیکن اس کی کاشت میں پہلے کھاد دینا پڑتا ہے اگر اس پر اناج کی پیداوار موقوف نہ ہوتی تو اس کا ڈالنا لطیف طبیعتیں کبھی گوارا نہ کرتیں۔ یہ لوگ چونکہ اہل تحقیق اور عارف ہیں یہ فحش سے بھی وہ پاکیزہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دوسرا کوئی نہیں نکال سکتا۔ ان کے فحش کلام سے بھی انوار پیدا ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں گندگی بھری ہوئی ہے اور دین اور عرفان سے ان کو مس نہیں ان کے پاکیزہ کلام سے بھی گندگی اور ظلمات ہی پیدا ہوتے ہیں لہذا ناولوں کو مثنوی پر قیاس نہیں کر سکتے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## حقوق اللہ کہنے کی عجیب مثال

بعض اعمال کو جو حقوق اللہ کہا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہے کہ وہ خدا کے ذاتی نفع کے کام ہیں جن کو وہ اپنی کسی ضرورت سے تم سے لینا چاہتے ہیں بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو طبیب اور مریض کی مثال میں بیان کر چکا ہوں کہ بعض وقت طبیب کسی مریض سے خاص تعلق کی وجہ سے کہتا ہے کہ میرا کام سمجھ کر دوا پی لو اسی طرح بعض اعمال کو حقوق اللہ کہہ دیا گیا ہے تاکہ ہم خدا ہی کا کام سمجھ کر ان کو کر لیں اور اس کی جزا کے مستحق ہو جائیں۔ اب لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کا کام کر رہے ہیں۔ بعضے رات کو اٹھتے ہیں بارہ تسبیح کا ذکر کرتے ہیں پھر دل میں ناز کرتے ہیں کہ ہم ذاکر ہیں اور اپنی بزرگی کے خود ہی معتقد ہو جاتے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ پر احسان رکھتے ہیں۔ ارے بیوقوفو تم خدا کا کام کرتے ہو یا اپنا اور اس

میں بزرگی کی کیا بات ہے اول تو یہ خدا کا کام نہیں تمہارا ہے اگر ہو بھی تو تم نے کیا کیا خدا ہی نے تو توفیق دی اور اسباب مہیا کیے تب تم کام کر سکتے تو اس کی حقیقت وہ ہی ہوئی یا نہیں جو میں نے ابھی کہا کہ ایک شخص کسی کو کچھ دیتا ہے مگر دینے والا ایسا کریم ہے کہ اپنا نام کرنا اور احسان جتلا نا نہیں چاہتا اس واسطے پہلے اس کو ایک اشرفی دے دیتا ہے پھر کہتا ہے کہ اس اشرفی کی یہ چیز ہم سے خرید لو۔ کون عقلمند خریدار ہے جو اس خریداری کا احسان الٹا اس دینے والے پر رکھے۔ درحقیقت تو سب اسی کا احسان و کرم ہے ایسے دینے والے پر تو قربان ہو جانا چاہیے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے دماغ بگڑ گئے ہیں دین تو خود ہمارا کام تھا نماز پڑھتے روزہ رکھتے تمام ارکان دین بجالاتے اور احسان مانتے کیونکہ ہم کو ان کا فائدہ ملنے والا ہے لیکن خیالات اُلٹے ہو گئے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور اس پر ناز کرتے ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ دوسرے کا کام ہے جب ایسا مذاق خراب ہو گیا ہے تو عجب نہیں کہ عین کو بیکار اور اپنے ذمہ بار سمجھنے لگیں۔ پھر نتیجہ یہ ہو کہ ان تمام ثمرات سے جو اس پر موعود ہیں محروم رہیں۔ اسی محرومی سے بچانے کے لیے بعض اعمال کو حق اللہ کہہ دیا گیا ہے کہ اپنا کام سمجھ کر نہیں کرتے تو خدا ہی کا کام سمجھ کر کر لو۔ یہ خلاف حقیقت ہے اس عنوان میں بھی ایک کام کی بات ہے وہ یہ کہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کام کرتا ہے اور اس میں لگا رہتا ہے تو کام خود فہم درست کر لیتا ہے۔ دیکھئے بچہ کو پڑھنے بٹھاتے ہیں تو اس پر اس قدر گرانی ہوتی ہے اور وہ کسی طرح پڑھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ اگر مربی یہ کہہ کر اس کو چھوڑ دے کہ یہ کام تیرا ہی تو تھا تیرا دل نہیں لگتا تو جا بھاڑ میں تو اس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ ہمیشہ جاہل ہی رہے اس کو کوئی سمجھدار اور اس کا بھی خواہ پسند نہیں کرتا بلکہ بچہ کو خوشامد وغیرہ سے زبردستی سے لالچ سے پیسے دے کر راہ پر لگاتے ہیں۔ پھر یہ ہوتا ہے کہ جب وہ الٹا سیدھا جس طرح بھی ہو پڑھنے میں لگ جاتا ہے تو اس کی سمجھ خود درست ہو جاتی ہے اسی معنی کو کہا جاتا ہے کہ کام خود بخود فہم کو درست کر لیتا ہے۔ بس اسی فائدہ کے لیے یہ کہا گیا کہ اگر تم دین کو کام نہیں سمجھتے اور اس سے تمہیں وحشت ہے تو اس کو خدا ہی کا کام سمجھ کر کر لو۔ جب کام میں لگ جاؤ گے تو کام تمہارے فہم کو درست کر لے گا۔ یہ وجہ ہے بعض اعمال کو حق اللہ کہنے کی۔ بہر حال کام میں لگانا چاہتے ہیں اور اس کے ثمرات دینا چاہتے ہیں اس کی قدر کرنا چاہیے کہ باوجود



بے نیازی کے کام بتانے کے ساتھ اس کا طریقہ بھی بتاتے ہیں اگر کام ان ہی کے بتائے ہوئے طریقہ سے کیا جائے گا تو نفع یقینی اور بہت ہوگا اگر قرآن سے تعلیم ان طریقوں کے مطابق لی جائے جو قرآن نے بتائے ہیں تو ناممکن ہے کہ نفع نہ ہو۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## دین کا کوئی جزو بھی زائد نہیں

میں تو کہتا ہوں کہ دین کا کوئی جزو بھی زائد نہیں حتیٰ کہ مستحبات بھی اپنے درجہ میں غیر زائد ہیں گویا اتنا تفاوت ہے کہ واجبات کی کمی میں خسران ہے اور مستحبات کی کمی میں حرمان مگر ضرورتاً ان کی کمی میں بھی ہوا۔ اب لوگ مستحبات کو یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ کوئی ضروری کام نہیں کریں گے تو ثواب ملے گا نہ کریں گے تو گناہ نہ ہوگا۔ صاحبو! گناہ نہ ہونا اور بات ہے اور منفعت ہونا اور بات ہے اگر آپ کو مستحبات کے ثمرات معلوم ہو جائیں تو ان کا بھی کافی اہتمام کرنے لگیں۔ اگر مستحبات کے ثمرات سامنے آجائیں تو کوئی ایک ادنیٰ سے مستحب کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ گو یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ مستحبات سے ضرورت کو اٹھالیا اس وجہ سے کہ ہم لوگوں میں ہمت کم ہے اگر سب کو فرض کر دیا جاتا تو غالباً ہم مستحبات ہی کو نہیں بلکہ فرائض کو بھی چھوڑ دیتے اور یہ فرق علوم دینیہ کی تکمیل کے لیے ظاہر کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ علماء کو جزائے خیر دے جنہوں نے احکام دین کے مراتب کو خود شریعت کے اشارات سے سمجھ کر قائم کیا اور یہ منجانب اللہ دین کی حفاظت ہے کہ ایسے وقت میں یہ ترتیب ہوگئی جبکہ دین میں کچھ گڑبڑ بھی نہیں ہونے پائی تھی اگر اس وقت علماء دین کو بلا ترتیب چھوڑ دیتے تو اس وقت میں جبکہ ہوا اور رائے کا دور دورہ ہے دین میں خلط مبحث ہو جاتا اور اس کے کسی جزو کا بھی پتہ نہ چلتا۔ الحمد للہ کہ اب دین کی ایسی ترتیب ہوگئی کہ تمام احکام کے مراتب محفوظ ہیں فرائض الگ ہیں سنن الگ ہیں مستحبات الگ ہیں جس کی علت و حکمت وہ ہے جو ابھی مذکور ہوئی مگر ہم لوگوں نے اس کا نتیجہ الٹا نکالا کہ مستحبات کو زائد سمجھ لیا اور ان کا اہتمام بالکل چھوڑ دیا۔ یہ ماننا کہ ضرورت کو ان سے اٹھالیا گیا ہے مگر جو ثمرات اور درجات ان پر موعود ہیں وہ بھی تو بلا ان کے نہیں ملیں گے اور وہ ثمرات معمولی چیز نہیں ہیں۔ دیکھئے کوئی اعلان کرتا ہے کہ جو کوئی صبح کو میرے مکان پر پہنچ جائے گا اس کو ایک لاکھ روپیہ ملے گا یہ اعلان امر اور وجوب کے درجہ میں نہیں ہے۔ انعام اور بخشش کے درجہ میں ہے جس کو زائد ہی کہہ سکتے ہیں لیکن ہے کوئی ایسا جو اس اعلان کو سن کر وہاں پہنچ نہ جائے۔ ایک لاکھ روپیہ تو بڑی چیز ہے



ایک روپیہ کا بھی اعلان ہو بلکہ دولڈوؤں کا بھی اعلان ہو تب بھی وقت مقررہ سے پہلے ہی پہنچ جائیں گے۔ خیر اس اعلان میں تو یقین یا کم از کم ظن غالب ہوتا ہے شے موعود کے مل جانے کا اور جوئے میں تو یقین بلکہ ظن بھی نہیں ہوتا۔ صرف امید موہوم پر ہزاروں روپیہ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ اس احتمال پر کہ شاید ہم ہی جیت جائیں پھر جس پر یقین ہوا ایسے ثمرات کے ملنے کا جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں اس پر کیا ہونا چاہیے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## مستحبات کی عجیب مثال

مستحبات کی مثال احکام کے اندر ایسی ہے جیسے دعوت کے کھانوں میں چٹنی کہ چٹنی کسی معنی کو زائد ہی ہے نہ اس پر بقائے حیات موقوف ہے نہ پیٹ بھرنا موقوف ہے۔ پھر دیکھئے چٹنی کا بھی کتنا اہتمام ہوتا ہے کہ فرمائش کر کے چٹنی منگائی جاتی ہے اور صرف ایک ہی قسم کی چٹنی سے سیری نہیں ہوتی بلکہ طرح طرح کی چٹنیوں اور اچاروں کا مطالبہ ہوتا ہے اور بلا چٹنی کے دعوت پھینکی کہی جاتی ہے۔ اسی طرح صرف فرائض و موکدات ادا کر لینے سے ضرورت کا مرتبہ تو پورا ہو جائے گا اور آخرت میں عذاب بھی نہ ہوگا لیکن بلا مستحبات کے جنت سونی سونی رہے گی اس کے جنت کا حصہ دوسروں کے حصہ کے نسبت ایسا رہے گا جیسا کم درختوں کا باغ زیادہ درختوں والے باغ کے سامنے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام ہے جو شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت پہنچایا گیا ہے: ”الْجَنَّةُ قَيْعَانٌ وَغَرَا سَهَا سُبْحَانَ اللَّهِ“ یعنی فرمادیتے گے گا اپنی اُمت سے کہ جنت چٹیل میدان ہے اور اس میں درخت لگانے کی ترکیب یہ ہے کہ سبحان اللہ پڑھا جائے یہ باعث حدیث سے ثابت ہے کہ اگر ایک دفعہ بھی کوئی سبحان اللہ کہتا ہے تو اس کے لیے فوراً ایک درخت جنت میں لگ جاتا ہے۔ دیکھئے ظاہر میں یہ کوئی ایسی ضروری بات نہ تھی جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہم لوگوں تک پہنچایا۔ بات یہ ہے کہ وہ حضرات رحیم و کریم ہیں خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام انہوں نے ہم کو ایسی تدبیر بتادی جس سے جنت کے زیادہ درخت مل جائیں اس میں یہ تعلیم بھی ہو گئی کہ فرائض پر بس مت کر لینا آگے بھی ہمت کرنا۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## کسب حلال کی ضرورت

حدیث ہے: ”كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ“ (حلال کمانا فرض ہے بعد

فرائض کے) اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا باوجود سید التاکیں ہونے کے یہ ارشاد ہے کہ جس کے پاس کچھ نقدی ہو اس کو محفوظ رکھنا چاہیے اگر ہم محتاج ہوتے تو امراء ہم کو ہاتھ کا رومال بنا لیتے یعنی ذلیل کرتے جیسے رومال کہ اس سے میل کچیل پونچھا جاتا ہے۔ شریعت میں کہیں بھی یہ تعلیم آپ دکھا سکتے ہیں کہ روپے پیسے کو ضائع کر دو اور بے موقع اڑا دو بلکہ اس کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ اگر مسلمان شریعت پر عامل ہوتے تو نہ دوسروں کے دست نگر ہوتے نہ دوسروں سے مغلوب ہوتے اس لیے سخت ضرورت ہے کہ جس کے پاس مال ہو وہ تھوڑا بہت جمع کر کے بھی رکھے نفس کی تسلی کے لیے۔ غرض خرچ کو کم کیا جائے اور اسراف سے بچا جائے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## ربو اسے متعلق محرّفين کی اختراع

قرآن کی آیت سود کے بارے میں صریح موجود ہے: ”وَحَرَّمَ الرِّبَا“ (حرام کیا سود کو) پھر بھلا کسی کی مجال ہے کہ اس کی حلت کا فتویٰ دے دے جیسا بد دینوں نے یہ شیوہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ بعض ذہین مگر جاہل لوگوں نے اس میں بھی ایک ایجاد کی ہے اور یہ کہہ دیا ہے کہ قرآن میں ربوا بکسر راء ہے ہی نہیں جس کے معنی سود کے ہیں بلکہ ربوا بضم راء ہے اور مشتق ہے ربودن سے۔ جیسے دلبر با ہو شرباء۔ ربودن کے معنی اچک لے جانا تو اس سے ممانعت ہوئی ڈکیتی اور غضب کی اور کہتے ہیں یہ مولویوں کی اختراع ہے کہ ربوا پر زیر لگا دیا۔ یہ تحریف نئے لوگوں کی ایجاد ہے اللہ بچائے۔ غرض اول تو بہت سے ذرائع حرام ہیں ضرورت ہی کا درجہ مسلم نہیں اور اگر تمہاری خاطر سے مان بھی لیا جائے تب بھی غایت سے غایت یہ ہے کہ حرام کماؤ مگر دین میں تو ترمیم مت کرو گناہ کو گناہ ہی کے مرتبہ میں رہنے دو اور میں اس وقت تمہاری خاطر سے کہتا ہوں کہ خیر گناہ کر لو لیکن جب تمہاری ایک درخواست میں نے منظور کی تو تم بھی میری دو درخواستیں منظور کر لو۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## ہمارے گناہوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت

میں کہتا ہوں کہ اگر ملامت سے آپ ڈرتے ہیں تو گناہ میں بھی تو ملامت ہوتی ہے تو ملامت ہی کے خوف سے گناہ کو چھوڑنا چاہیے وہ ملامت معلوم بھی ہے کس کی ہوتی ہے وہ اللہ کی ہوتی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی ہے کیونکہ گناہ کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ملامت کرتے ہیں اور رنجیدہ ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہفتہ میں دو بار عرض اعمال اُمت ہوتا ہے۔ آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جب مسلمانوں کے گناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر رنج ہوتا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ ہے کہ کفار پر بھی اس قدر رنج فرماتے تھے گویا جان دینے کو تیار ہیں۔ قرآن میں ہے: ”لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ اَنْ لَا يَكُوْنُوْا اٰمُوْنَ مِّنْهُنَّ“ یعنی شاید آپ اپنی جان کو تلف کر دیں گے اس رنج میں کفار ایمان نہیں لاتے۔ جب کفار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر شفقت تھی تو مسلمانوں پر کیا کچھ ہوگی جس وقت مسلمانوں کی بد اعمالیاں پیش ہوتی ہوں گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزرتی ہوگی۔ کیا یہ مسلمان گوارا کر سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دے۔ (جلء القلوب ج ۲۲)

## غیر محقق کو محقق کے اتباع کے بغیر چارہ نہیں

کسی محقق کا دامن پکڑیے اور جو وہ کہے اس کو تسلیم کیجئے تمام فنون میں یہی طریقہ ہے آپ کیسے ہی بڑے آدمی ہوں اور کیسے ہی تعلیم یافتہ ہوں لیکن ڈاکٹر نہ ہوں اور آپ کا بچہ بیمار ہو تو آپ کو ڈاکٹر ہی کے پاس جانا پڑے گا اور جو وہ کہے گا وہی کرنا ہوگا۔ اس کے نسخہ کو آپ پڑھ بھی نہ سکیں گے مگر یہ نہ کہہ سکیں گے کہ ذرا سمجھا دیجئے کہ نسخہ کیا لکھا ہے اور کس مرض کا لکھا ہے اسی کا نام تو اتباع ہے۔ وہ ڈاکٹر اس وقت بمقابلہ آپ کے محقق ہے آپ غیر محقق ہیں۔ اس واسطے اس کی ہر بات کو تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ غیر محقق کو محقق کے اتباع سے چارہ نہیں دنیا کے کاموں میں یہ سب کے نزدیک مسلم ہے پھر دین کے کاموں میں کیوں مسلم نہیں۔ غرض یا تو محقق بنئے یا محقق کا اتباع کیجئے اور اس کے سامنے قیل وقال نہ کیجئے میں یہ بتا دوں گا کہ محقق کس کو کہتے ہیں اور وہ کیسے مل سکتا ہے کوئی پہلو نہ چھوڑوں گا۔ انشاء اللہ مگر سب سے پہلے اس پندار کو دماغ سے نکال دیجئے کہ ہم محقق ہیں پھر محقق کی تلاش شروع کیجئے اور عزم کر لیجئے کہ اگر کوئی محقق مل گیا تو ہم اس کی جوتیوں میں پا مال ہو جائیں گے جس کو مولانا فرماتے ہیں:

پیش یوسف نازش و خوبی مکن جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

(یوسف یعنی کامل کے روبرو ناز و خوبی یعنی دعویٰ کا اظہار کمال مت کرو بجز آہ و نیاز

یعقوبی کے اور کچھ مت کرو)

اس کے سامنے ناز سے کام نہیں چلتا، نیاز ہی سے کچھ کام چل سکتا ہے۔ اب میں ان سے ملنے کا طریقہ بتلاتا ہوں سو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو غیر مکتسب یعنی منجانب اللہ ایسا محقق مل گیا۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## خودکشی کے حرام ہونے کا راز

اہل اللہ اپنی ذات یا اپنے ہاتھ پاؤں اور تمام متعلقات کی حفاظت نو کر کی طرح کرتے ہیں مالک کی طرح نہیں کرتے ہم تو کہتے ہیں اپنا پیٹ بھرنے کے لیے اور وہ سرکاری مشین کی حفاظت کے لیے کھاتے ہیں اور یہاں سے ”لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ“ (اپنی جانوں کو ہلاک مت کرو) کا راز بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ حق تعالیٰ نے قتل نفس سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ یہ آپ کی جان انہی کی ملک ہے تمہاری ملک نہیں ہم سب خدا ہی کی چیزیں ہیں اس لیے انہوں نے اپنی چیزیں بدون اجازت کے تصرف کرنے سے منع فرمادیا۔ اسی مرتبہ میں حکم ہے:

إِنَّ لِحَسَبِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا

”بلا شک جسم کا تجھ پر حق اور تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے۔“ پس کسی کو یہ حق نہیں کہ کوئی دو بار دکھا کر نامرد ہو جائے یا آنکھوں میں گرم سلائی لگا کر اندھا ہو جائے۔ عارفین پر چونکہ یہ راز منکشف ہو گیا ہے اس لیے وہ اپنی جان کو سرکاری چیز سمجھ کر اس کی خوب حفاظت کرتے ہیں اور اسی نیت سے بعض دفعہ عمدہ غذا اور عمدہ لباس بھی استعمال کرتے ہیں لوگ اس کو تن پروری سمجھتے ہیں مگر نہیں وہ اس سے بہت دور ہیں لیکن درنیا بد حال پختہ ہیچ خام بس سخن کوتاہ باید والسلام (ناقص کامل کی حالت کو نہیں سمجھ سکتا پس کلام کو کوتاہ کرنا چاہیے) (ذم النسیان ج ۲۲)

## حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ تو یہاں تک ہے کہ ان سے پوچھا گیا:

هَلْ عَرَفْتَ رَبَّكَ بِمُحَمَّدٍ أَمْ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا بِرَبِّكَ

کہ آپ نے حق تعالیٰ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے پہچانا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو



خدا کے واسطے سے پہچانا تو فرمایا: ”عَرَفْتُ مُحَمَّدًا بِرَبِّي“ کہ میں نے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے واسطے پہچانا۔ اگر آج کوئی شخص یہ بات کہہ دے تو بس کفر ہو گیا، بجائے قدر کرنے کے غریب پر چار طرف سے کفر کے فتوے لگیں گے کیونکہ حقیقت شناس دنیا سے اٹھ گئے۔ چنانچہ ایک شخص نے میرے ایک دوست سے کہا کہ تم جو توحید کے مضامین زیادہ بیان کرتے ہو (کہ حق تعالیٰ کے افعال میں نہ کسی ولی کو دخل ہے نہ نبی کو وہاں کوئی دخل کار نہیں ہے وغیرہ وغیرہ) اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے تعظیسی ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ توبہ توبہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سے تھوڑا ہی روکتے ہیں بلکہ خدا کی توہین سے روکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ حق تعالیٰ کو گھٹا دو غور کر کے دیکھا جائے تو جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صفات الوہیت ثابت کرتے ہیں حقیقت میں وہ آپ کی بے تعظیسی کرتے ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ صفات الوہیت درجہ کمال میں تو آپ کے لیے ثابت کر نہیں سکتے لامحالہ درجہ نقصان میں ثابت کریں گے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناقص قرار دیا (نعوذ باللہ) اور ہم آپ کے لیے صفات الہی کو ثابت نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کی نفی کر کے صرف صفات بشریہ اور کمالات نبوت کو آپ کے لیے ثابت کرتے ہیں اور ان میں سے ہر صفت کو درجہ کمال میں ثابت کرتے ہیں تو ہم آپ کو بشر کامل و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامل کہتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہو گے تو ناقص خدا کہو گے اور ہم انسان کہتے ہیں مگر کامل انسان تو بتلاؤ بے تعظیسی کس نے کی بے ادب وہ ہے جو آپ کو ناقص کہے یا وہ جو کامل کہے (ذم النبیان ج ۲۲)

## لیلۃ التعریس میں نماز فجر قضا ہونے کا سبب

سونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ ٹوٹا تھا اس پر شاید لیلۃ التعریس کے قصہ سے کسی کو شبہ ہوگا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نہیں سوتا تھا تو پھر اس واقعہ میں آپ کی نماز فجر کیوں قضا ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روشنی صبح کا دیکھنا آنکھ کا فعل ہے قلب کا فعل نہیں مبصرات کا ادراک قلب کو بواسطہ بصر ہی کے ہو سکتا ہے اور اس وقت آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں اس لیے صبح کا ادراک نہ ہو سکا اس پر پھر یہ اشکال ہوتا ہے کہ وقت کا اندازہ کرنا تو قلب

کا فعل ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کا اندازہ کیوں نہ کر لیا یہ اشکال اور اس کا جواب میں نے کہیں منقول نہیں دیکھا یہ ابھی میرے قلب پر وارد ہوا ہے اور جواب بھی حق تعالیٰ نے ساتھ ساتھ قلب میں ڈال دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قلب سے وقت کا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ قلب کسی فکر اہم میں مشغول نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اس وقت مشاہدہ جمال الہی میں مشغول تھا اور کامل یکسوئی کے ساتھ ادھر متوجہ تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آنکھیں بند کیے ہوئے تھے اور آنکھیں بند کر کے قلب کو پوری یکسوئی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے اس لیے وقت کا اندازہ بھی نہ ہو سکا۔ دوسرا جواب بہت ہی سہل یہ ہے کہ نوم عین سے مراد نعاس ہے اور نعاس میں بھی اندازہ پر قدرت نہیں ہوتی۔

(قلت والجواب الاصلی ماورد فی الحدیث انه کان من اللہ  
لیشرع لہم ای احکام القضاء فلم یکن صلی اللہ علیہ وسلم نسی  
بل قد نسی وما نام بل قد نوم ۱۲ جامع)

غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کو اپنی نیند پر قیاس نہ کرو آپ تو نیند میں بھی حق تعالیٰ سے غافل نہ ہوتے تھے اور تم جاگتے ہوئے بھی غافل ہو۔  
بہ بین تفاوت رہ ایکجا ست تا یکجا

(اس راہ کا فرق تو دیکھو کہ کہاں سے کہاں تک ہے) (الشبیت ج ۲۲)

## قاتل کی توبہ کا معروف واقعہ

حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک شخص نے ننانوے خون کیے تھے پھر اس کو توبہ کا خیال ہوا تو ایک عالم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اتنے خون کیے ہیں اب میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں۔ عالم نے کہا نہیں تیری توبہ قبول نہیں ہو سکتی اس کو غصہ آ گیا اور اس عالم کو ختم کر کے پورے سو کر دیئے پھر دوسرے عالم کے پاس گیا (شاید ان کو پہلے عالم کا قصہ معلوم ہو چکا ہوگا ۱۲) ان سے پوچھا کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا ہوا ہے اگر تو توبہ سچے دل سے کرے گا تو ضرور قبول ہوگی لیکن تیری توبہ کی شرط یہ ہے کہ اپنی بستی کو چھوڑ کر فلاں بستی میں جا کر سکونت اختیار کر (کہ وہاں صلحاء رہتے ہیں صحبت نیک سے تیری کامل اصلاح ہو جائے گی ۱۲) غرض

انہوں نے ہجرت عن الوطن کو قبول توبہ کی شرط بتلایا۔ اس شخص کے دل میں طلب پیدا ہو گئی تھی اس لیے وطن سے بہ نیت ہجرت چلا راستہ ہی میں تھا کہ اس کی موت آ گئی اس نے اتنا کیا کہ مرتے مرتے بھی اس بستی کی طرف گھسٹتا رہا جہاں ہجرت کر کے جا رہا تھا۔ چنانچہ نزع کے وقت بھی اس نے اپنے سینہ کو اس زمین کی طرف بڑھا دیا کہ جس قدر سعی ممکن ہے وہ تو کر لوں بس یہ عمل مقبول ہو گیا۔ چنانچہ اس کے انتقال کے وقت ملائکہ رحمت و ملائکہ عذاب دونوں آئے اور ان میں باہم اختلاف واقع ہوا۔ ملائکہ رحمت کہتے تھے کہ یہ جنتی ہے کیونکہ یہ بقصد توبہ ہجرت کر کے اپنے وطن سے چل پڑا تھا اب پہنچنا نہ پہنچا تقدیری بات ہے اس نے تو اپنی سی کوشش تکمیل توبہ میں کر لی ہے۔ ملائکہ عذاب نے کہا کہ نہیں یہ دوزخی ہے کیونکہ ساری عمر گناہوں کا مرتکب رہا ہے اور اخیر میں توبہ بھی کی ہے تو وہ بھی ناقص ہے ابھی اس کی توبہ صحیح نہیں ہوئی تکمیل توبہ کے لیے زمین صلحاء میں پہنچ جانا شرط تھا اور یہ ابھی پہنچا نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی استنباط و اجتہاد کرتے ہیں۔ پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ ملائکہ اجتہاد نہیں کرتے بلکہ ہر امر میں ان کے پاس نص آتی ہے جیسا کہ ”یَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ“ (وہ وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم کیا جاتا ہے) سے بظاہر معلوم ہوتا ہے مگر اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ بھی اجتہاد کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی بعض دفعہ نص کلیت کے ساتھ آتی ہے اور جزئیات میں استنباط کرتے ہیں جس میں بعض اوقات اختلاف کی بھی نوبت آتی ہے اگر استنباط نہ کرتے تو ان میں باہم اختلاف نہ ہوا کرتا۔ اب حق تعالیٰ نے اس معاملہ کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک اور فرشتہ بھیجا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کی لاش سے دونوں طرف کی زمین کی پیمائش کر لو اگر اس کا وطن نزدیک ہو تو یہ دوزخی ہے اگر جائے ہجرت نزدیک ہو تو جنتی ہے۔ چنانچہ زمین ناپی گئی اور واقع میں وطن ہی کی زمین نزدیک تھی مگر حق تعالیٰ کا وطن کی زمین کو حکم ہوا کہ دور ہو جاؤ اور ہجرت کی زمین کو حکم ہوا کہ نزدیک ہو جاؤ۔ چنانچہ جائے ہجرت بالشت بھر نزدیک نکلی (اور یہ وہی مقدار تھی جو نزع کے وقت اس نے کچھ حرکت کی تھی ۱۲) آخر کار وہ جنتی قرار پایا اور ملائکہ رحمت کے سپرد ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل بقصد کامیابی کیا جائے اس میں اگر دنیا میں ناکامی بھی رہے تو آخرت میں یہ ناکامی کامیابی ہی کی برابر شمار ہوتی ہے۔

قلت والیہ الاشارة قوله تعالى ومن يخرج من بیتہ مهاجرا الی اللہ  
ورسوله ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ

”جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرے پھر اس کو راستہ میں موت آجائے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گیا۔“

وقال صلی اللہ علیہ وسلم نیت المؤمن ابلغ من عمله (۱۲)

”مومن کی نیت اس کے عمل سے ابلغ ہے“ (ذکوۃ النفس ج ۲۲)

## تولی کی قسمیں

قرآن کریم میں وَلَا تَتَوَلَّوْا الْفُجُورِ مِیْنِ یعنی اعراض مت کرو مجرم ہو کر مطلق وَلَا تَتَوَلَّوْا نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ تولی کی دو قسمیں ہیں ایک صورت تولی ایک حقیقت تولی۔ صورت تو یہ کہ بشریت سے غلطی ہو گئی۔ ایسی غلطیوں سے انسان بچ نہیں سکتا۔ اور حقیقت تولی ہوتی ہے مقابلانہ و باغیانہ تو فرماتے ہیں کہ باغیانہ تولی مت کرو یعنی باغی مت بنو اور گناہ سے تو کیسے پاک ہو سکتے ہیں لیکن اگر گناہ ہو جائے تو ساتھ کے ساتھ توبہ کرلو۔ حدیث شریف میں ہے کُلُّكُمْ خَطَّاءٌ وَّنَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُونَ (مسند احمد ۲: ۱۹۸، سنن الترمذی: ۲۴۹۹) یعنی تم سب خطاوار ہو اور بہتر خطاوار توبہ کرنے والے ہیں۔ یہ تعلیم ہے حق تعالیٰ کی اور یہ طریقہ وہ ہے کہ جس سے قومی مالی جسمی، دینی دنیوی ترقی ہے اس کو پلے باندھو یا درکھو کہ ہماری دینی دنیوی فلاح دین کے ساتھ وابستہ ہے جب کبھی اس کے خلاف ہوا ہے تنزل اور پستی اور ادا بار اور قحط سب ہی بلائیں مسلط ہو جاتی ہیں۔

اب حق تعالیٰ سے دعا کرو کہ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

میرے نزدیک یہی معنی ہیں اس حدیث کے اِنَّ اللّٰهَ یُبْغِضُ الْبَلِیْعَ مِنَ الرِّجَالِ الْخ (سنن الترمذی: ۲۸۵۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۸۰۰) (بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے بغض رکھتے ہیں جو جہان میں غلو فی البلاغت اختیار کرے) یعنی اس کا مصداق وہی درجہ ہے جس میں تکلف سے بلاغت کا جلب کرے تاکہ سننے والے سمجھیں کہ اس کو قوت ہے بیان میں یہی غلو فی البلاغت مبغوض ہے باقی اگر یہ قصد نہ ہو اور تکلف بھی نہ ہو بلکہ تکلف کلام میں بلاغت آجائے تو اس کا مضائقہ نہیں۔ اور ایک غلو ہے سننے والوں کے لیے وہ یہ ہے کہ اگر بیان میں کوئی خاص رنگ نہ ہو تو اس بیان سے وہ منتفع ہی نہ ہوں بلکہ منتظر رہیں دوسرے رنگ کے

مگر صاحب میرا تو مشاہدہ ہے کہ جس چیز کا وہ حکم دیتے ہیں اس کو خود ہی عطا بھی فرما



دیتے ہیں۔ مثلاً یہ جو حدیث میں ہے کہ لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان والا نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اسکے والدین اسکی الادا اور سب لوگوں سے زیادہ پیار نہ ہو جاؤں) (مسند احمد ۳: ۱۷۷، کنز العمال ۷۰: ۷۰) اس میں محبت کا امر بھی فرمایا گیا ہے اور مدد بھی کی گئی ہے کہ خود ہی ہم کو ایسی محبت عطا بھی فرمادی۔ مگر اس طرح عطا فرمائی کہ بعض اوقات اس محبت کا اس وقت ظہور نہیں ہوتا۔ بلکہ ظہور چند روز کے بعد ہوگا اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب چند روز کے بعد اس کا ظہور ہوگا تو بندہ اس کو اپنے اکتساب کا نتیجہ سمجھ کر اس سے خوش ہوگا۔ گویا یہ خوشی اللہ میاں نے ہم کو دینا چاہی تھی اس لئے اس کا ظہور جلدی نہیں فرمایا۔ (آثار الخو بہ ج ۲۳)

## عمل... دخول جنت کی علت تامہ نہیں

حضرت عائشہؓ نے ایسے ایسے سوالات کر کے ہمارے لئے راستہ صاف کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا ولا انا (المعجم الكبير للطبرانی ۷: ۳۷۰) کہ ہاں میں بھی عمل سے جنت میں نہ جاؤں گا بلکہ محض فضل و رحمت سے جاؤں گا۔ اور یہ جواب بڑی علامت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے کی کہ باوجود یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کیا فضائل ہیں کیسے کیسے کمالات ہیں مگر اس پر بھی صاف صاف فرماتے ہیں ولا انا جھوٹا مدعی ہرگز یہ جواب نہیں دے سکتا۔ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ عمل علت تامہ نہیں دخول جنت کی اور ہو بھی کیسے سکتی ہے اس لئے کہ جتنی بڑی جزا ہے اتنا ہی بڑا عمل تھوڑا ہی ہے۔ ہماری اعمال تو اس نوکر کے کام کے برابر بھی نہیں جو چار روپے ماہوار پر آپ کا کام کرتا ہے۔ وہ مہینہ بھر تک صبح سے شام تک محبت و مشقت کرتا ہے تو آپ اس کو چار روپے دیتے ہیں اگر حق تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ اسی طرح برتاؤ فرماتے تو شاید ہمارے عمر بھر کے اعمال کی قیمت چار (۴) آنے بھی نہ ہوتی۔ پھر اس پر غیر متناہی نعمتیں عطا فرمانا جو ختم ہی نہیں ہوں گی اور جن کے متعلق ارشاد ہے کہ وما لایعین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی دل میں اس کا وسوسہ ہوا) (مسند احمد ۲: ۴۳۸، الترغیب والترہیب ۴: ۵۸۱) تو کیا یہ نعمتیں ہمارے اس عمل کا عوض ہو سکتی ہیں ہرگز نہیں اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے آپ ترازو کے ایک پلے میں تورائی کا دانہ رکھیں اور دوسرے میں چکی کا پاٹ۔ بھلا ان دونوں میں کوئی نسبت بھی ہے؟ اور

یہ مثال بھی پوری مثال نہیں کیونکہ چکی کا پاٹ پھر متناہی ہے حساب کر کے رائی کے دانہ سے اس کی نسبت معلوم ہو سکتی ہے اور نعمائے آخرت غیر متناہی ہیں جس سے عمل متناہی کو کچھ بھی نسبت نہیں۔ مگر حق تعالیٰ ہمارے اس رائی کے دانہ کو بھی اتنا وزنی فرما دیتے ہیں جتنا وہ چکی کا پاٹ ہے تاکہ دیکھنے والے یہی سمجھ جائیں کہ ان کے پاس اتنے اعمال ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسه (مشکوۃ المصابیح: ۲۵۰۳، کنز العمال: ۵۳۰۴) صحابہ نے اس کی تفسیر دریافت فرمائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یتحمل من البلاء لمالا یطیقہ یعنی اپنے نفس کو ذلیل کرنا یہ ہے کہ انسان اپنے ہاتھوں ناقابل برداشت مصیبت میں پڑے سو یہ حقیقت میں معصیت ہے قرب نہیں۔ (آثار الخوہ ج ۲۳)

## مصائب سے حق تعالیٰ شانہ کا قرب بڑھتا ہے

جو مصیبت غیر اختیاری ہو اس سے کچھ بعد نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں تو اس کی ہر قسم کی مدد بھی کی جاتی ہے اور وہ حال ہوتا ہے کہ

درد از یا رست و درماں نیز ہم      دل فدائے اوشد و جاں نیز ہم  
(درد محبوب حقیقی کی طرف سے ہے اور علاج بھی ان کی طرف سے ہے تو میرا دل بھی ان پر قربان اور جان بھی)۔

اس سے تو قرب بھی بڑھتا ہے اور محبت بھی بڑھتی ہے۔ چنانچہ ایام مصیبت کی حالت کو یاد کر کے دیکھ لیجئے اور خیر ہم لوگ تو جیسے مصائب میں مبتلا ہیں اسی طرح گناہوں میں بھی پھنسے ہوئے ہیں۔ مگر جو حضرات ہم سے پہلے گزر چکے ہیں مثلاً انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ان کے حالات میں غور کیجئے کہ ان پر کیسی کیسی شدتیں ہوئی ہیں، ہائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔  
زاں بلا ہا کا نبیاء برداشتند      سر بخرخ ہفتیمیں برداشتند

(یہ مصائب حضرات انبیاء علیہم السلام نے برداشت کئے بلکہ ساتویں آسمان کے سر تک برداشت کئے)۔  
یعنی انبیاء علیہم السلام پر کیسی کیسی ایذائیں امت کی طرف سے ہوئی اور وہ بلائیں ان کی ترقی کا سبب بنیں اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ بعض امتوں کے لوگ آروں سے چیرے گئے ہیں مگر ان لوگوں کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر کس چیز نے ان کو مستقل بنائے رکھا وہ کیا چیز تھی وہ محبت تھی کیونکہ

از محبت تلخہا شیریں بود (محبت کے باعث تلخیاں میٹھی (خوشگوار) ہو جاتی ہیں)۔  
بجرم عشق تو ام میکشد و غوغا نیست  
تو تیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا نیست

یعنی عاشق اپنے محبوب سے کہہ رہا ہے کہ ذرا آپ بھی آ کر یہ تماشا دیکھ جاتے تو اچھا تھا کہ

## کسب معصیت میں حکمت بیان کرنا کفر کے قریب ہے

اہل طریق سے طریق کے دھوکہ میں بعض ایسی دقیق غلطی ہو جاتی ہے کہ وہ کفر تک پہنچتی ہے۔ ایک صاحب مجھ کو سفر میں ملے کہنے لگے کہ صاحب اگر کبھی نفس میں گناہ کا تقاضا پیدا ہو اور تقاضہ کے روکنے سے اس میں اور زیادتی ہو تو ایسی صورت میں اگر ایک بار اس معصیت کا ارتکاب کر لیا جائے تاکہ قلب فارغ ہو جائے اور یکسوئی کے ساتھ ذکر و شغل میں لگ سکے تو اس میں کیا مضائقہ ہے کیونکہ جب تک وہ تقاضا قلب میں رہے گا اس وقت تک قلب ادھر ہی مشغول رہے گا۔ اور جب تقاضا جاتا رہے گا تو پھر آئندہ معصیت کا بھی اندیشہ نہ رہے گا۔ اس وقت اس معصیت سے استغفار کر لے۔ میں نے کہا تو بہ کرو تم قریب بکفر ہو معاصی میں حکمتیں بیان کرتے ہو۔ اگر کوئی کہے کہ معصیت بھی ایک واقعہ ہے اور ہر واقعہ میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر فعل کے اندر دو مرتبے ہوتے ہیں، خواہ وہ فعل طاعت ہو یا معصیت ایک مرتبہ خلق کا اور ایک کسب کا تو خلق معصیت میں حکمت بیان کرنا تو فعل حق میں حکمت بیان کرنا ہے یہ تو محمود ہے باقی کسب معصیت میں حکمت بیان کرنا تو یہ قریب بکفر ہے۔ اور درحقیقت یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ گناہ کر لینے سے تقاضا کم ہو جائے گا کیونکہ ارتکاب معصیت سے فی الحال کچھ دیر کو تقاضا کم ہو جائے گا مگر اس کا یہ اثر ہوگا کہ آئندہ کے لئے مادہ معصیت قوی ہو جائے گا اور جڑ پکڑ جائے گا۔ پھر اس کا ازالہ قدرت سے باہر ہو جائے گا کیونکہ انسان جب تک کوئی گناہ نہیں کرتا اس وقت تک گناہ اس کی نظر میں پہاڑ کی طرح بھاری اور خطرناک ہوتا ہے اور جب ایک دفعہ کر لیا اب ایسا خطرناک نہیں دکھائی دیتا ہے معمولی بات ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ارتکاب کے بعد پھر بچنا آسان نہیں۔ اسی کو شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا ہے۔

شکم صوفیے رازبوں کر دو فرج  
دو دینار بر ہر دو آل کرد خرچ

یکے گفتش از دوستان در نہفت  
چہ کردی بدیں ہر دو دینار گفت

بدینارے از پشت راندم نشاط بہ دیگر شکم را کشیدم سماط  
 فرو مائیگی کردم وابلہی کہ ایں بچناں پر شد دال تہی  
 (صوفی کے شکم اور فرج نے خراب کر دیا دونوں دینار ان دو پر خرچ کر دیئے  
 دوستوں میں سے ایک نے اس سے چھپ کر کہا کہ تم نے دونوں دینار کا کیا کیا تو اس  
 نے کہا کہ ایک دینار میں نے خوشی پر خرچ کیا اور دوسرے سے پیٹ کو موٹا کیا۔ میں نے  
 گھٹیا کام کیا کہ یہ اس سے پُر کیا اور وہ خالی ہے)۔

یعنی جس چیز کو بھر لیا تھا۔ یعنی شکم کو وہ تو پھر خالی ہو گئی اور جس کو خالی کیا تھا۔ یعنی شرم گاہ  
 کو وہ پھر بھر گئی دونوں فعل بے نتیجہ ہوئے۔ اور بالفرض اگر تقاضا نہ بھی رہا تو پھر اس پر خوش نہ  
 ہونا چاہیئے کیونکہ وہ تقاضا جاتا رہنا مسبب ہے گناہ (یہ تحقیق آپ زر سے لکھنے کی ہے، فللہ  
 درہ ثم للہ درہ ۱۲) سے اور تقاضا کا باقی رہنا، مسبب تھا طاعت سے اس لئے میں جزم  
 کے ساتھ کہوں گا کہ طاعات کے ساتھ تقاضائے معصیت موجب قرب ہے اور معصیت کے  
 ساتھ عدم تقاضا موجب قرب نہیں ہو سکتا بلکہ ارتکاب سے پہلے جو اس تقاضے کی وہ مخالفت کر  
 رہا تھا یہ مقاومت نفس اور مجاہدہ کی ایک فرد تھی جو موجب قرب ہے۔ (آثار الحوبہ ج ۲۳)

## توبہ سے متعلق دو احادیث

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دو حدیثیں بیان کی ہیں جن میں سے ایک اپنی طرف  
 سے روایت کی ہے مگر یہ ان کا اپنی طرف سے بیان کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ  
 وسلم کی طرف سے ہی بیان کی گئی ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کی شان وہ ہے جیسے کسی نے کہا ہے  
 در پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم  
 ”آئینہ کے پس پردہ مجھے بٹھا رکھا ہے جو کچھ استاد ازل نے کہا وہی میں کہتا ہوں“

تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مثال مومن کی جو ڈرتا ہے اپنے  
 گناہوں سے ایسی ہے جیسے ایک شخص پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں گرنہ  
 پڑے (پھر حضرت حکیم الامت مجدد الملت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا)  
 کہ مجھ کو یاد ہے کہ ایک بار میرا کوئٹہ کا سفر ہوا تھا۔ وہاں ہم سیر کرتے چلے جا رہے تھے۔  
 راستہ میں ایک پہاڑ دیکھا جس کا ایک بہت بڑا حصہ آگے کو جھکا ہوا ایک بہت تھوڑی جگہ



پر لٹکا ہوا ہے۔ اور صدیوں سے اسی صورت سے موجود ہے تو جب ہم اس کے نیچے پہنچے تو بڑا ہی ڈر معلوم ہوا۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب گرا۔ اسی طرح مومن بھی اپنے گناہوں سے ڈرتا ہے۔ گواہی ہی گناہ ہوا اس سے بھی ڈرتا ہے۔ بخلاف فاجر کے کہ وہ گناہ کو مثل مکھی کے سمجھتا ہے کہ آئی اور اڑا دیا۔ تو معلوم ہوا کہ گناہ کو سخت سمجھ کر توبہ کرنا علامت ہے ایمان کی اور اس کو ہلکا سمجھنا علامت ہے بے ایمانی کی اور اوپر جو آیا ہے کہ جو گناہ کو بڑا نہ سمجھے اس کو مطلب یہ ہے کہ اتنا بڑا نہ سمجھے کہ توبہ سے مانع ہو جائے اور یہاں بڑا سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا چھوٹا نہ سمجھے کہ توبہ کی ضرورت نہ سمجھے غرض اصل چیز توبہ ہے جو اعتقاد توبہ سے مانع ہو وہ مذموم ہے خواہ بڑے ہونے کا اعتقاد خواہ چھوٹا ہونے کا اعتقاد۔

دوسری حدیث وہ ہے جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے یعنی اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندے کے توبہ کرنے سے اتنا خوش ہوتے ہیں جیسا ایک شخص اونٹنی پر سوار ہو کر سفر کے لئے روانہ ہوا چلتے چلتے وہ ایک ایسے مقام پر پہنچا جو چٹیل میدان ہے نہ وہاں کوئی چیز کھانے کی نہ پینے کی نہ کوئی درخت ہے جس کے سایہ کے نیچے آدمی قیام کر سکے۔ غرض کہ تمام سامان ہلاکت کے موجود ہیں اور اس کے پاس جو اونٹنی ہے اسی پر تمام سامان کھانے پینے کا لدا ہوا ہے یہ گویا ایک مثال فرض کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ بس وہ شخص اس جنگل میں جا کر اتر پڑا اور سر رکھ کر سو گیا۔ سوتے سوتے آنکھ کھلی تو اونٹنی ندارد اب وہ بڑا حیران و پریشان ہوا۔ ہر طرف تلاش کیا مگر کہیں پتہ نہ چلا بے سرو سامانی سے یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ اپنی زندگی سے بھی ناامید ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ مرنا تو ہے ہی پھر پریشانی میں کیوں مروں۔ مرتا بھی سکون ہی کے ساتھ اچھا (پھر حضرت حکیم الامتہ نے ارشاد فرمایا کہ) جیسے ایک بخیل کی حکایت مشہور ہے۔ کہ ایک بار وہ بیمار ہو گیا اس کے لڑکے نے کہا ابا جان علاج کرائیے! کہنے لگا کہ اگر علاج نہ کرایا تو کیا ہوگا۔ کہا ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ کہنے لگا اچھا حساب لگاؤ کہ علاج میں کیا خرچ ہوگا۔ چنانچہ اندازے سے حساب لگا کر بتایا گیا۔ پھر کہا اچھا اس کا بھی حساب کرو کہ اگر ہم علاج نہ کرائیں اور مرجائیں تو مرنے میں کیا خرچ ہوگا بتلایا گیا کہ مرنے میں اتنا خرچ ہوگا۔ جو علاج کے خرچ سے کم تھا، کہنے لگا کہ بس اب

ہماری رائے مرنے ہی کی ہو گئی ہے کیوں کہ اس میں خرچ کم ہے۔ بخل ہو تو ایسا تو ہو۔ تو اس نے حساب اسی لئے لگایا کہ یکسوئی کے ساتھ مروں۔ خیر میں یہ بیان کر رہا تھا کہ جب وہ شخص ناامید ہو گیا تو اس نے اونٹنی کا تلاش کرنا چھوڑ دیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا کلائی پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں گویا مرنا اختیار میں نہ تھا۔ تو مرنے کی شکل بنانا تو اختیار میں تھا۔ اسی حالت میں وہ سو گیا۔ اب آنکھ جو کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ اونٹنی سامنے کھڑی ہے اور سارا سامان جو اس کے اوپر لدا ہوا تھا موجود ہے اب اس کی خوشی کی کچھ انتہا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ تو زندگی سے مایوس ہو کر مرنے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ تو دیکھتا ہے کہ خلاف امید اونٹنی کھڑی ہے اور اس پر اس کا سامان بھی جوں کا توں رکھا ہوا ہے تو اب وہ کیسا خوش ہوگا آگے حدیث میں اس کے خوشی کے بعض آثار بھی مذکور ہیں جو ابھی آتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جتنا یہ شخص خوش ہوگا۔ اس سے زیادہ اللہ میاں خوش ہوتے ہیں۔ جب بندہ توبہ کرتا ہے۔ بھلا نہیں کیا ضرورت تھی خوش ہونے کی ان کا اس میں کیا نفع تھا۔ مگر وہ اپنے بندہ کو بہت ہی چاہتے ہیں، عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آیت لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ سے بہت کچھ امید رحمت کی ہوتی ہے میں کہتا ہوں کہ اس آیت کی شان نزول پر نظر کر کے کہ نو مسلموں کے باب میں ہے۔ حدیث میں اس سے بھی زیادہ رحمت حق پر دلالت ہے تو گو توبہ سے بندہ کا ہی بھلا ہوتا ہے مگر دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مرتبہ اتنا اپنی صحت سے جی خوش نہیں ہوتا جتنا اپنے پیارے کی صحت سے ہوتا ہے۔ مثلاً کہا کرتے ہیں کہ تیری بیماری مجھے لگ جائے۔ گو امتحان پر بہت کم لوگ پورے اترتے ہیں۔ مگر خیر زبان سے تو کہتے ہیں۔ جو ایک درجہ میں علامت ہے غایت محبت کی جب ہی تو اس کی بھلائی سے اپنا جی خوش ہوا۔ پھر انسان کو اپنی غرض بھی مطلوب رہتی ہے اور اگر کوئی بالکل ہی بے غرض ہو تو کم از کم اپنے پیارے کی راحت سے قلب کو راحت تو ضرور ہوگی یہ بھی ایک غرض ہی ہے کیونکہ انفعال خاصہ بشری ہے تو انسان کے اندر اس کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ کام اپنی راحت قلب کی وجہ سے کیا ہوگا۔ لیکن حق تعالیٰ تو انفعال سے بھی پاک ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ما بری از پاک و ناپاک کی ہمہ در گراں جانی و چالاکی ہمہ

(ہم تو ایسے مقدس ہیں کہ پاکی سے بھی پاک ہیں، پاکی سے پاک ہونے کی معنی یہ

ہیں کہ جیسی پاکی تم سمجھتے ہو ہم اس سے پاک ہیں)۔

من نگر دم پاک از تسبیح شان پاک ہم ایشاں شوند و درفشان  
(یعنی لوگوں کی تسبیح و تقدیس سے ہم پاک نہیں ہوں گے بلکہ اس سے وہی پاک ہو گئے)۔  
یعنی حق تعالیٰ جل جلالہ، تو اتنے پاک ہیں کہ تمہاری سمجھی ہوئی پاکی سے بھی پاک  
ہیں ان کی تو وہ شان ہے کہ وراء الوراۃ ثم وراء الوراۃ ثم وراء الوراۃ تو انسان کا تو انسان کی  
بیماری سے دل دکھتا ہے اسی لئے اس کی صحت چاہتا ہے۔ حق تعالیٰ تو اس سے بھی پاک  
ہیں بس حق تعالیٰ کو جو بندہ سے محبت ہے وہ بالکل بے علت و بے غرض محبت ہے۔ غرض وہ  
تمہارے ساتھ اس درجہ کے رحیم و شفیق ہیں (آثار الحوبہ ج ۲۳)

## صحبت صالح کی علامات

جب اطاعت میں انسان کمال پیدا کرتا ہے تو یہ ثمرہ حاصل ہوتا ہے کہ بے کتاب کے  
اس کو علم حاصل ہوتے ہیں پس حدیث میں یہ علم اور ایسا عالم مراد ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ  
علیہ نے لکھا ہے کہ جس شخص کے اندر تین باتیں ہوں اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو۔ ایک یہ کہ  
وہ فقیہ ہو۔ دوسرے محدث ہو۔ تیسرے صوفی ہو۔ (آثار الحوبہ ج ۲۳)

## شبہات کا شافی علاج

ایک بار میں چھتاری گیا۔ نواب صاحب چھتاری نے بلایا تھا وہاں میرا بیان ہوا جس  
میں بہت سے علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ بھی جمع تھے۔ میں نے بیان میں یہ بھی کہا کہ آپ  
لوگوں نے جو یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ جہاں کسی عالم سے ملاقات ہوئی اور آپ نے  
اپنے شبہات کا دفتر اس کے سامنے کھول دیا۔ یہ طریقہ کامیابی کا نہیں اس سے آپ کے مرض  
کو شفا نہیں ہو سکتی۔ میں بتلاتا ہوں شفا کا طریقہ کیا ہے۔ آپ اپنے قلب کے اندر محبت پیدا  
مکریں۔ محبت وہ چیز ہے کہ اگر ایک کسی عورت کسی فلسفی سے یہ کہے کہ لنگوٹا باندھ کر بازار  
کے اس سرے سے اس سرے تک گشت لگاؤ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ کسی کا سچا عاشق ہے تو  
کبھی بھی پس و پیش نہیں کرے گا۔ بھلا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ بی بی تمہاری اس میں کوئی منفعت  
نہیں اور میری اس میں ذلت ہے بلکہ اگر کوئی دوسرا بھی اس سے وجہ دریافت کرے گا تو یہ  
فلسفی اس سے بھی یہ کہے گا جی پوچھو مت کہیں اس کی رائے نہ بدل جائے اسی کو غنیمت سمجھنا  
چاہیئے کہ اس نے ایک تدبیر تو بتلا دی ہے اپنے ملنے کی۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود  
تو دیکھئے اس کسی کے امر و عمل میں اس عمل میں اس شخص کو وسوسہ تک نہیں ہوا کہ اس  
میں کیا حکمت ہے؟ کیا فائدہ ہے؟ نہ خود اس سے حکمت پوچھتا ہے نہ کسی دوسرے کو پوچھنے  
دیتا ہے۔ نہ کسی کے اعتراض پر توجہ کرتا ہے تو یہاں کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے وسوسہ تک  
بھی نہ آیا۔ یہ محبت تھی اور کچھ نہیں۔ (آثار الخو بہ ج ۲۳)

## اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کی آسان تدبیر

اب رہا یہ سوال کہ محبت حق پیدا کیونکر ہو تو میں نے کہا میں تم کو ایسی آسان بات بتلاتا  
ہوں کہ سارے علی گڑھ کی تعلیم میں ایسا آسان سبق آج تک تم کو نہ ملا ہوگا۔ وہ یہ کہ محبت  
والوں کے پاس بیٹھنا شروع کر دو  
غدر سے پہلے ہمارے ضلع میں ایک ڈپٹی نصر اللہ خان صاحب تھے جو کہ خود مستقل شیخ  
تھے اور ہمارے حضرات کو دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنی بیاض میں جس کا نام دل کشا ہے، ان  
ہمارے حضرات کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ۔

آہن کہ پیارس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد  
تو صحبت عجیب چیز ہے غرض اس عالم کے کہنے کے موافق وہ بیچارہ اپنی بستی کو چھوڑ کر  
دوسری بستی کی طرف چلا اور آدھے ہی راستہ پر پہنچا کہ موت کا وقت آ گیا۔  
قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا  
اب وہ بیچارہ کیا کرتا مجبور تھا۔ اور کچھ تو اس سے ہونہ سکا۔ بس اپنے سینہ کو اس دوسری  
زمین کی طرف بڑھا دیا چونکہ اس نے توبہ کا سامان شروع کر دیا تھا مگر ظاہر ابھی اس کی تکمیل  
نہیں ہوئی تھی اس لئے رحمت کے فرشتے بھی آئے اور عذاب کے بھی، ملائکہ رحمت تو کہتے  
تھے کہ اس کی روح کو ہم لے جائیں گے کیونکہ اس نے توبہ کا سامان کرنا شروع کر دیا ہے اور  
ملائکہ عذاب کہتے تھے کہ اس کی روح کو ہم لے جائیں گے کیونکہ ابھی توبہ مکمل نہیں ہوئی۔

## بندہ کا کام ہمت کرنا ہے

بندہ کو چاہئے ہمت کرے پھر اس کی تکمیل اللہ تعالیٰ خود کر لیتے ہیں۔ جیسے باپ دیکھ  
لیتا ہے کہ بچہ دس قدم چلا اور گر گیا تو خود ہی رحم کھا کر اس کی مدد کرتا اور اس کو گود میں اٹھا لیتا



ہے تو جیسے باپ یہ چاہتا ہے کہ بچہ اپنی طرف سے کوشش کرے چلنے کی اسی طرح حق تعالیٰ ہماری طلب کو دیکھنا چاہتے ہیں مگر ہم تو سرکتے ہی نہیں اپنی جگہ سے۔ اور حق تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ چل کر گرا بھی ہے یا نہیں وہ صرف طلب کو دیکھتے ہیں پھر خود ہی امداد فرماتے ہیں ورنہ بغیر ان کی امداد کے بندہ کیا کر سکتا ہے۔

مابداں مقصد عالی نتو انیم رسید ہاں مگر لطف شاپیش نہد گامے چند  
نہ گرد قطع ہرگز جادۂ عشق ازد دید نہا کہ می مالد بخود ایں راہ چوں تاک ازد برد نہا  
تو یہ طریق تو انہیں کے قطع کرنے سے قطع ہو سکتا ہے۔ (آثار الحوبہ ج ۲۳)

## حروف مقطعات

### سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے

مثلاً یہ سوال کہ حدیث و قرآن میں یہ حکم کس لئے فرمایا گیا اس میں کیا حکمت ہے کیا بھید ہے؟ میں اس قسم کے سوال کرنے والوں کو جواب بھی ایسا ہی دیتا ہوں جس سے اُن کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہو جائے اب بعض تو سمجھ جاتے ہیں اور بعض الٹا مجھ ہی کو بدنام کرتے ہیں مگر میں اس بدنامی سے خوش ہوں جو نافہم کی طرف سے ہو۔

واذا اتتک مذمتی من ناقص فہی الشہادۃ لی بانی کامل  
(اور جب میری مذمت تمہارے پاس کسی نافہم سے آئے تو سمجھ لو کہ یہ میرے لئے کامل ہونے کی شہادت ہے)

چنانچہ ایک صاحب نے کسی خاص مسئلہ کی نسبت پوچھا کہ اس حکم میں کیا حکمت ہے میں نے کہا پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کے سوال عن الحکمت میں کیا حکمت ہے؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ اگر یہ کچھ حکمت بیان کریں گے تو میں اس پر اعتراض کر کے آخر میں ان کو عاجز کر دوں گا وہ اپنا بجز تسلیم نہ کرتے مگر طلبہ اور اہل فہم اُن کا بجز سمجھ جاتے۔

غالباً حروف مقطعات کی مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی

چنانچہ کانپور میں جلالین کا درس میرے پاس ہو رہا تھا اور ایک کورٹ انسپکٹر بھی اس وقت میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے میں نے اَلَم کے متعلق یہی بیان کیا کہ غالباً حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو ان کی مراد پر اطلاع تھی مگر صحابہ کو اطلاع نہ تھی اور سلاطین کا قاعدہ ہے کہ بعض اسرار کو وہ وزیر ہی تک محدود رکھتے ہیں عام رعایا کو ان پر مطلع نہیں کرتے اسی طرح یہ بھی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں اس تقریر کو سن کر وہ کورٹ انسپکٹر کہنے لگے کہ واقعی یہ بالکل صحیح ہے میں نے کہا کہ آپ تو اس کی ایسی تصدیق کر رہے ہیں جیسے آپ کو اس کا مشاہدہ ہو رہا ہو آپ نے اس قوت کے ساتھ کیونکر اس کی تصدیق کی کہنے لگے کہ میں ابھی اناؤ سے آ رہا ہوں ایک ضرورت کی وجہ سے میں کلکٹر سے ملنے گیا تو ان کی میز پر ایک کتاب رکھی ہوئی تھی میں اُس کو اٹھا کر دیکھنے لگا۔ کلکٹر نے مجھے اس کے دیکھنے سے منع کیا اور کہا اس کو بند کر کے رکھ دیجئے یہ آپ کے دیکھنے کی چیز نہیں میں نے وجہ پوچھی تو کہا کہ اس میں محکمہ سی آئی ڈی کی اصطلاحات ہیں اور اس کا محکمہ آپ کے محکمہ سے الگ ہے آپ اس کو نہ دیکھیں۔

تو معلوم ہوا کہ سلاطین کے بعض اسرار ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر سب عہدہ داروں کو مطلع نہیں کیا جاتا بلکہ ہر محکمہ کے جدا احکام اور اسرار ہیں ایک محکمہ والے کو دوسرے محکمہ کے اسرار معلوم کرنے کا حق نہیں تو دیکھئے اس شخص پر چونکہ یہ حالت گذر چکی تھی اس لئے اس نے میری تقریر کو سن کر سب سے پہلے تصدیق کی اور اس طرح تائید کی جیسے اس کو حقیقت کا مشاہدہ ہو رہا ہے پس جن اسرار پر اطلاع سے ہم کو روک دیا جائے ان کو اپنے حق میں منہی عنہ سمجھنا چاہئے اور ان کے درپے نہ ہونا چاہئے اور اس میں راز یہ ہے کہ اسرار میں غموض زیادہ ہوتا ہے اگر ان کو بیان بھی کر دیا جائے تو سب لوگ ان کو سمجھ نہیں سکتے۔ پھر حقیقت تک تو بیان کے بعد بھی نہ پہنچیں گے بس یہ ہوگا غیر حقیقت کو حقیقت سمجھ کر دھوکے میں پڑ جائیں گے اسی لئے صوفیہ نے اہل ظاہر کو مخاطب کر کے فرمایا ہے اَنْتُمْ تَخَافُوْنَ الْمَعَاصِي وَنَحْنُ تَخَافُ الْكُفْرَ کہ تم کو تو صرف گناہ ہی کا خطرہ رہتا ہے اور ہم کو قدم قدم پر کفر کا خطرہ رہتا ہے کیونکہ ان کے سامنے جن اسرار کا انکشاف ہو رہا ہے وہ نہایت عالی ہیں ان میں اگر کبھی دھوکا پڑ گیا تو کفر تک نوبت پہنچے گی۔ (استرار النوبہ ج ۲۳)

## گناہوں کی تفصیلات کا علم ضروری ہے

ہم کو گناہوں کی تفصیل معلوم نہیں تو جب گناہ ہی کا علم نہ ہوگا اور توبہ گناہ ہی سے ہوتی ہے تو توبہ کیونکر ہوگی افسوس ہے ہم لوگوں کو علم سے اس قدر اجنبیت ہو گئی ہے کہ اگر کوئی عالم

ہمارے سامنے ہمارے افعال کا گناہ ہونا بیان کرتا ہے تو سن کر تعجب ہوتا ہے علم سے اجنبیت کے متعلق ایک حکایت یاد آگئی ایک معتبر راوی سے معلوم ہوا کہ ایک بڑے انگریزی کے فاضل کو سفر میں پانی نہ ملا تو نماز کے وقت آپ نے تمیم کیا اور مٹی لے کر اس سے کلی بھی کی خدا جانے کیا کیا ہوگا منہ میں مٹی لے کر اس کو تھوکا ہوگا یا اور کوئی صورت نکالی ہوگی ملاحظہ کیجئے کہ ناواقفی کس حد تک پہنچ گئی۔ عورتوں کی یہ حالت ہے کہ اگر دس بیس عورتوں کو جمع کر کے ان کی نمازیں سنی جائیں تو شاید ایک کی بھی نماز صحیح نہ نکلے اور اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ مردوں سے سیکھ کر نماز صحیح کر لو تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہم کو تو شرم آتی ہے انہیں شرم والیوں سے اگر ان کا شوہر یہ کہے کہ میں تم کو ایک ہزار کا زیور بنا دوں گا بشرطیکہ تم نماز صحیح کر لو تو دیکھیں اس وقت ان کی شرم کہاں جاتی ہے خاص کر اگر کسی بوڑھی عورت سے کہا جاتا ہے تو وہ تو ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتی اور کہتی ہے کہ اب بوڑھے طوطے کیا پڑھیں گے لیکن اگر انہیں بوڑھے طوطوں کو کوئی دنیا کا لالچ ہو تو دیکھئے کیسی زبان کھلتی ہے۔ افسوس ہے کہ عورتوں کو تو ثواب عذاب کا مردوں سے زیادہ خیال ہوتا ہے کہ وہ عذاب سے ڈرتی ہیں اور ثواب کی طرف راغب ہوتی ہیں پھر بھی وہ کیوں متوجہ نہیں ہوتیں ہاں اگر کسی نے تصحیح قرآن شریف میں محنت و مشقت کی اور پھر بھی حروف درست نہ ہوئے تو وہ معذور ہے پھر اس سے جس طرح بھی ادا ہو سکے جائز ہے لیکن محنت کئے بغیر معاف نہیں ہوگا۔ غرض کوشش کرنی چاہیئے کہ نماز صحیح ہو جائے اسی طرح نماز تنگ وقت میں پڑھنا بھی عام عادت ہو گئی ہے۔ خاص کر اکثر عورتیں کام کاج میں اس قدر دیر کر دیتی ہیں کہ مکروہ وقت میں نماز پڑھتی ہیں لیکن اس کو ذرا بھی بُرا نہیں سمجھا جاتا۔

علیٰ ہذا جلدی جلدی نماز پڑھنا کہ گویا ایک بے گار ہے جس طرح بنے اس سے جان چھڑاؤ اس میں بعض اوقات ایسی صورتیں پیش آ جاتی ہیں کہ نماز بالکل ہی نہیں ہوتی کہ پڑھی بھی اور ثواب بھی نہ ملا بلکہ الٹا گناہ ہوا عورتوں سے تعجب ہے کہ وہ ان باتوں کی طرف ذرا خیال اور توجہ نہیں کرتیں اسی طرح بہت سے ایسے امور ہیں کہ ان کے گناہ ہونے کی خبر بھی نہیں سو اس کا علاج یہی ہے کہ علم دین پوری طرح حاصل کیا جائے۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## گناہ کی دو قسمیں

گناہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں کہ اگر ان کو نہ کیا جائے تو دنیا کا کوئی کام اٹکتا ہے

بعض وہ ہیں کہ اگر ان کو چھوڑ دیا جائے تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ مثلاً لباس خلاف وضع اسلامی پہننا اگر اس کو ترک کر دیا جائے تو دنیا کا کوئی بھی نقصان نہیں ہے۔ اسی طرح ٹخنوں سے نیچے پا جاے پہننا کہ ان کے ترک سے دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ یا مثلاً عورتیں اس قدر باریک لباس پہنتی ہیں کہ اس میں پورے طور پر ستر نہیں ہوتا تو ان باتوں کو اگر چھوڑ دیا جائے تو کوئی نقصان بھی نہیں ہے رشوت وغیرہ میں تو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بغیر ان کے ہمارے کام چلنے دشوار ہیں لیکن ان معاصی بے لذت میں کیا نفع ہے اور ان کے ترک میں کیا نقصان ہے علیٰ ہذا کسی امر دیا اجنبی عورت کو بُری نظر سے دیکھنا کہ اس میں کچھ بھی نفع نہیں نہ اس کے ترک میں کوئی ضرر۔ اگر کہو کہ صاحب نہ دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے تو یہ بالکل غلط ہے بلکہ تکلیف دیکھنے میں ہوتی ہے کہ اول نظر پڑتے ہی قلب میں ایک سوزش پیدا ہوئی اس کے بعد جب وہ نظر سے غائب ہو گیا تو اس سوزش میں ترقی شروع ہوئی حتیٰ کہ بعض لوگوں کا اس میں خاتمہ ہو گیا اور اگر مان بھی لیا جائے کہ نہ دیکھنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے تو تھوڑی سی تکلیف کا پھر وہ بھی چند دن کی برداشت کر لینا کیا دشوار ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ بہت ہی تکلیف ہوتی ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر ضرر کیا ہوا کیا اس تکلیف سے تنخواہ بند ہو گئی یا کھانا بند ہو گیا ہر گز نہیں اور خود یہ تکلیف دہی کوئی معتد بہ ضرر نہیں غرض ان معاصی کو تو فی الفور چھوڑ دیا جائے اور جن معاصی کو بہ زعم خود موقوف علیہ حوائج دنیویہ کا سمجھ رکھا ہے ان کو اگر ترک نہ کر سکیں تو روزانہ ندامت و استغفار اور یہ دعا کہ اے اللہ ہم کو اس سے نجات دے یہ تو ممکن ہے اتنا ہی کر لیا کرو یہ بے فکری و بے پروائی تو بہت بُری چیز ہے۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## نماز پنجگانہ کی دلیل پوچھنے والے کی حکایت

ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ نماز پانچ وقت کی کیوں مقرر ہوئی میں نے بطور نظیر کے ان سے پوچھا کہ اول یہ بتلائیے کہ آپ کی ناک چہرے پر کیوں لگائی گئی کمر پر کیوں نہیں لگائی گئی جب اس ترتیب کے وجوہ اور مصالح سب آپ کو معلوم ہو جائیں تو اس کے بعد اوقات نماز کی تعیین کے مصالح دریافت کیجئے گا غرض جس کوفن سے مناسبت نہیں ہوتی اس کا بولنا ہمیشہ بے موقع ہوتا ہے اور اس لئے وہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)



## احکام شرعیہ کے ساتھ ہمارا مشرب عاشقانہ ہونا چاہیے

صاحبو! شریعت کے احکام کے ساتھ ہمارا بالکل وہ مذہب ہونا چاہیے جو عاشق کا معشوق کے ساتھ اور مملوک کا مالک کے ساتھ ہوتا ہے مشہور ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے اس نے کہا کہ جو آپ مقرر کریں پھر آقا نے پوچھا کہ تو کیا کھایا کرتا ہے غلام نے کہا جو آپ کھلائیں اسی طرح لباس کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ جو کچھ آپ پہنائیں وہی لباس ہے تو صاحبو! کیا خدا سے جو علاقہ ہمارا ہے وہ غلامی نہیں ہے۔ بلکہ اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کو حقیقی غلامی حاصل ہے۔ دیکھو انسانی غلامی سے انسان ایک وقت میں نکل بھی سکتا ہے۔ یعنی جب کہ آقا غلام کو آزاد کر دے برخلاف ہماری غلامی کے کہ یہ طوق ہماری گردن سے کبھی نکل ہی نہیں سکتا کیونکہ اس غلامی سے آزادی کی یہی صورت ہے کہ نعوذ باللہ ہم بندے نہ رہیں اور خدا خدا نہ رہے اور یہ غیر ممکن تو ہماری آزادی بھی غیر ممکن نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری آزادی محال عقلی ہے اور ہم ہمیشہ کے لئے غلام ہیں تو ہم کو غلام ہی کا برتاؤ بھی کرنا چاہیے اور کسی حکم کے امتثال میں گرانی نہ ہونی چاہیے اور میں کہتا ہوں کہ احکام کے دشوار معلوم ہونے سے ان میں کسی قسم کا شبہ کرنا تو بالکل ہی لغو ہے کیونکہ احکام کا نفس پر گراں گذرنا یہی تو دلیل ہے اس حکم کے خداوندی حکم ہونے کی کیونکہ جو حکم نفس کے موافق ہو اس کو تو نفس خود ہی اپنے لئے تجویز کر لیتا ہے اُس میں کسی دوسرے کے حکم کرنے کی کیا ضرورت تو خدا کی جانب سے تو وہی احکام مقرر ہوں گے جو کہ نفس پر بار ہوں تا کہ خدا تعالیٰ دیکھیں کہ جو کچھ کرتے ہو اس سے اپنے نفس کا خوش کرنا منظور ہے یا خدا کا اور اس خوش کرنے میں بھی ہماری ہی مصلحت ہے نہ کہ خدا کی۔

من نکر دم خلق تا سودے کنم      بلکہ تا بر بند گاں جو دے کنم

(میں نے مخلوق کو اپنے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ اپنے بندوں پر سخاوت کریں)۔

اتنا وسیع نظام عالم ہمارے ہی فائدے کے لئے ہے اور ہمیں کو نفع پہنچانا مقصود ہے اور ہر طرح ہماری ہی مصلحتوں پر نظر ہے البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہماری مصالحہ حال کی بھی جن کو ہم نے اختراع کر کے مصلحت کا لقب دیا ہے ان احکام میں رعایت ہو لہذا ہم کو بھی یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ فی الحال ہماری کیا مصلحت ہے بلکہ اگر مصالحہ حال پر نظر ہوتی تو

احکام بتلانے کی ہی کیا ضرورت تھی جب ہم نے مصالح کو اختراع کیا تھا ان کے مناسب تجاویز بھی خود ہی سوچ سکتے تھے۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

## اسرار احکام معلوم کرنے کا طریقہ

اول قلب میں نور پیدا کرو خود بخود یہ کیفیات پیدا ہوں گی اور ہر چیز کی سینکڑوں حکمتیں نظر آنے لگیں گی۔ دیکھو اگر کوئی معمولی شخص کسی والی ملک سے کہے کہ مجھے اپنے خزانے کے جواہرات دکھا دو تو اس کی سخت غلطی ہے اور کبھی یہ شخص کامیاب نہیں ہو سکتا۔ البتہ کامیابی کی یہ صورت ہے کہ پہلے صاحب جواہرات سے ایک خاص تعلق پیدا کرے اور اس کے خواص میں داخل ہو جائے اس کے بعد بغیر درخواست ہی کبھی وہ مہربان ہوگا تو خود دکھلا دے گا اسی کو کہتے ہیں۔

بنی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا  
(تو اپنے اندر انبیاء علیہم السلام کے علوم کو بغیر کتاب اور مددگار کے اور بغیر استاد کے دیکھے گا)  
علم چوں بر تن زنی مارے بود علم چوں بر دل زنی یارے بود  
(تو علوم ہے اگر نفس کی موافقت میں کام لے تو وہ سانپ کے جیسا بن جاتا ہے اور جب تو علم کو روحانیت پر چلائے تو وہ تیرا دوست بن جائے گا)۔

تو دل پر مؤثر بناؤ اس کے بعد دیکھو کن علوم کا انکشاف ہوتا ہے اب لوگ چاہتے ہیں کہ ساری باتیں استاد کے سامنے بیٹھ کر حل کر لیں حالانکہ یہ محض فضل خداوندی سے ہوتا ہے اور وہ بھی جب کہ خدا تعالیٰ چاہیں کہ فضل اسی خاص طریقے سے ہو کیونکہ کبھی کسی خاص شخص کے بارے میں یہی فضل ہوتا ہے کہ اس کو اسرار پر مطلع نہ کیا جائے جیسا کہ بعض کے لئے مطلع ہونا فضل ہوتا ہے اور وجہ اس فرق کی یہ ہے کہ بعض آدمیوں کو جو کچھ اسرار معلوم ہونے لگتے ہیں تو ان کو ناز ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بعض بعض اپنے کو اکابر کی برابر سمجھنے لگتے ہیں لہذا اس لئے یہی مناسب ہے جب ہر ایک کے لئے مصلحت جدا ہے تو خود کچھ بھی تجویز نہ کرو۔

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مُزدِ مکن کہ خواجہ خود رویں بندہ پروری داند  
(تو فقیروں اور مزدوروں کی طرح مزدوری حاصل کرنے کے لئے عبادت کر کیونکہ جو مالک ہے وہ اپنے بندوں کی پرورش کے طریقوں سے خود واقف ہے)۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

## علوم ظاہری کا ماحصل

ابن العربی کا ایک خط اپنی کُشکول میں علامہ بہاء الدین عاملی نے نقل کیا ہے جو انہوں

نے اپنے ایک معاصر عالم کو لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ایک روز بیٹھے رو رہے تھے آپ کے کسی شاگرد نے وجہ پوچھی تو آپ نے وجہ بیان کی کہ میں اتنے سال سے ایک دعوے کو دلیل عقلی سے صحیح سمجھے ہوئے تھا آج ایک مقدمہ اس دلیل کا مخدوش معلوم ہوا تو میں اس لئے رو رہا ہوں کہ اتنے زمانے تک جہل میں مبتلا رہا اور اب بھی اطمینان نہیں کہ جواب جو ثابت ہوا وہ بھی صحیح ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ تم نے اپنے علم ظاہری کی قوت دیکھی اب چاہیے کہ دوسرا علم حاصل کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت اور دوام ذکر اختیار کرو بس اس قسم کا مضمون لکھا ہے۔ امام رازیؒ اتنے تبحر کے بعد جب کہ ان کو کچھ حقیقت شناسی کا رائقہ نصیب ہوا اس وقت یوں کہتے ہیں۔

نہایۃ اقدام العقول عقل و غایۃ سعی العلمین ضلال  
ولم نستقد من بحثنا طول عمرنا سوی ان جمعنا فیہ قیل یقال  
(اور ہماری ساری عمر کی بخشا بخشی نے ہمیں اس کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچایا کہ ہم نے یہ باتیں لکھ کر جمع کر لی ہیں کہ یوں کہا گیا ہے اور یوں کہا جائے گا)۔  
کہ ساری عمر کے مباحث اور علوم کا نتیجہ جو اخیر میں کھلا تو یہ تھا کہ قیل کذا و قال فلان کذا (اس طرح کہا گیا ہے اور فلاں نے اس طرح کہا ہے)۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

## مومن کے لئے خلود فی النار نہیں

ہر مومن کی نجات ضرور ہے گواخیر میں ہو اور اولاً جزا و سزا اعمال کی بھگتنی پڑے چنانچہ حدیث میں اس معنی کی تصریح موجود ہے لَا یَبْقٰی فِی النَّارِ مَنْ كَانَ فِی قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ اِیْمَانٍ ؟ (سنن ابن ماجہ: ۵۹، سنن الترمذی: ۱۹۹۸ بلفظ آخر) (نہیں باقی رہے گا دوزخ میں کوئی ایسا شخص جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو) کہ دوزخ میں کوئی وہ شخص نہیں رہے گا۔ دوزخ اس کے رہنے کا مکان نہیں ہے۔ مکان اصلی اس کا جنت ہے مگر بعارض دوزخ میں آ گیا ہے، غرض جس کے دل میں ذرا سا بھی ایمان ہے جس کی وجہ سے اس کو کافر نہ کہہ سکیں اس کے واسطے بھی جنت ثابت ہے اور خُلُوذٌ فِی النَّارِ نہ ہوگا۔ اور کبھی نہ کبھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا حتیٰ کہ اس قدر ضعیف اور قلیل الا ایمان شخص بھی جس کے دل میں اس قدر تھوڑا حصہ ایمان کا ہوگا۔ جس کا پتہ انبیا اور ملائکہ کو بھی نہ لگے گا۔ اور اس کی

اطلاع فقط اللہ تعالیٰ کو ہوگی۔ وہ بھی نکال لیا جائے گا۔ چنانچہ ایک حدیث ہے جو شفاعت کے بارہ میں وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اخیر میں فرمائے گا کہ سب لوگ شفاعت کر چکے انبیاء بھی اور ملائکہ بھی اور مومنین بھی۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

## حدیث شفاعت میں ایک لطیف تحقیق

شفاعت دراصل تو رحمت ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو کسی دوسرے سے سفارش کرنا نہیں ہے یہ فرما کر ایک لپ بھر کر دوزخیوں کی جنت میں داخل کر دیں گے یہ لپ بھر کرنا یہ ہے تعداد کثیر سے۔ اس حدیث میں غور کرنا یہ ہے کہ تھوڑے تامل سے بخوبی واضح ہو سکتا ہے کہ اس سے میرے اس دعوے کا اثبات ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے قلب میں اتنا خفیف ایمان ہوگا جس کا پتہ کسی شفاعت کرنے والے کو حتیٰ کہ انبیاء اور ملائکہ کو بھی نہ چلے گا اور ان کو بھی نجات ہوگی۔ یہ بات ذرا غامض (پوشیدہ کلام) معلوم ہوتی ہے مگر تھوڑی تقریر کے بعد غامض نہ رہے گی وہ تقریر یہ ہے کہ نص قطعی موجود ہے اس پر کہ کافر کی کبھی مغفرت نہ ہوگی چنانچہ سورہ بینہ میں ہے إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا (جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے) اور اس مضمون کی آیتیں صدہا قرآن شریف میں موجود ہیں چنانچہ عقیدہ اہل سنت کا یہی ہے کہ کافر کے لئے خلود فی النار ضرور ہوگا۔ اور اس کی کبھی مغفرت نہ ہوگی۔ تو اب یہ لوگ جن کو حق تعالیٰ نے اخیر میں دوزخ سے نکالا وہ اس دلیل سے مومن تو ضروری ہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی نے ان کی سفارش کیوں نہیں کی کیونکہ مومنین کے لئے سفارش کی اجازت ہو چکی، اس کی وجہ اگر ہو سکتی ہے تو یہی کہ یہ لوگ اس قدر ضعیف الایمان ہوں گے کہ کسی کو ان کے ایمان کا احساس نہ ہو سکے گا باوجود یہ کہ سب حدید البصر ہیں مومن کے لئے حدیث میں وارد ہے اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ (سنن الترمذی: ۳۱۲۷، کنز العمال: ۳۰۷۳۰) یعنی مومن کے تاثر لینے سے ڈرو کیونکہ وہ نور خدا سے دیکھتا ہے۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

## جميع العلم في القرآن کا جواب

اس سے مراد علوم مقصود یعنی علوم دین ہیں اور پھر علوم دین میں کے بھی اصول گو کہ ہیں فروع



بھی ہیں مگر جملہ فروع نہیں یہی توجہ ہے کہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔  
 اَوْتِیْتُ مِثْلَ الْقُرْآنِ (مجھے قرآن کے اس کا مثل (حدیث) بھی دیا گیا ہے) چنانچہ میں  
 گدھے کو حرام کرتا ہوں دیکھ لیجئے اس کی حرمت قرآن میں نہیں ہے صرف حدیث سے ثابت  
 ہے غرض اصول اور مبہات دین تو سب کے سب مذکور ہیں قرآن میں اور بعض فروع بھی ہیں  
 فروع کے احاطہ کا اہتمام نہیں کیا گیا اور آج کل اسی کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہر ہر فرع بھی قرآن  
 ہی سے نکالی جائے بلکہ دین تک بھی اس کا حصہ نہیں رہا دنیا کی باتیں بھی قرآن ہی سے نکالنا  
 چاہتے ہیں اور اس کو قرآن کا بڑا کمال سمجھتے ہیں، اخباروں میں ایسے مضمون چھپتے ہیں مثلاً ایک  
 سوال نو جوانوں کا یہ شائع ہو رہا ہے کہ داڑھی کا ثبوت قرآن میں کہاں ہے (اول الاعمال ج ۲۳)

## شریعت کی حفاظت علماء حضرات سے وابستہ ہے

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے زمانہ میں ایک عالم نے کسی صوفی کا رد لکھا تھا شاہ صاحب کو  
 جوش آیا اور ارادہ جواب لکھنے کا کیا اسی وقت ان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 روحانیت مکشوف ہوئی اور ان کو منع کیا۔ شاہ صاحب اس کو لکھ کر آگے لکھتے ہیں کہ مجھ کو زیادہ  
 گوشہ خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علماء کی طرف معلوم ہوا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت کی  
 حفاظت اور عالم کے انتظام کا قیام ان ہی حضرات سے وابستہ ہے اور نرے صوفی آزاد  
 ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہہ اٹھتے ہیں جو لوگ اس کی حقیقت تک نہیں پہنچتے وہ گمراہ ہوتے  
 ہیں اور جو صوفی علم شریعت نہیں رکھتے وہ تو خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ  
 کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں مولانا فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومیکہ چشماں دو خند از سخبا عالم را سوختند  
 نکلتا چوں تیغ پولا دست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز  
 پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را بنو حیا  
 (بڑے ظالم تھے وہ لوگ جنہوں نے آنکھیں بند کر کے ایسی باتوں سے ایک عالم  
 کو ویران کر دیا۔ بہت سے تکتے تلوار کی طرح تیز ہیں اور سیر سے مراد فہم یعنی اگر فہم نہ ہو  
 تو دور رہو اس کے سامنے بدون سپر کے نہ آؤ کیونکہ ایمان اگر اس کے سامنے نہ پڑے گا  
 یہ اس کو قطع کر دے گا)۔ (الافتتاح ج ۲۳)

## شہوتِ شیخِ شباب سے اشد ہے

میں کہا کرتا ہوں کہ شہوتِ شیخ (بوڑھا) شہوتِ شباب سے اشد ہے کیونکہ جوانِ نفس زندہ ہے اس کو شہوت کا احساس بھی جلد ہوتا ہے اور احساس کے بعد اس میں قوتِ کف بھی زیادہ ہے وہ اپنے نفس کو جلد ہوائے نفسانی سے روک سکتا ہے اور شیخ کا نفس چونکہ مرچکا ہے اس لئے اس کو ہوائے نفس کا احساس جلد نہیں ہوتا بلکہ بہت دیر میں ہوتا ہے تو اس حالت میں استرسالِ نفس (ڈھیل دنیا) زیادہ ہوتا ہے، پھر اس ڈھیل کے بعد شیخ کو ہوائے نفس کا جس وقت احساس ہوتا ہے تو اب وہ ضبط پر قادر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس طرح اس کی قوتِ شہوت کمزور ہے اسی طرح قوتِ ضبط بھی کمزور ہے۔ اب وہ لاکھ کوشش کرے کہ کسی طرح نفس کو سوءِ نظر سے روکوں مگر قدرت نہیں ہوتی۔ (العبرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

اور جوان کی جس طرح شہوتِ کامل اور زندہ ہے اسی طرح اس کی قوتِ ضبط بھی کامل اور زندہ ہے اسی لئے جوان کو بوڑھے سے زیادہ عفت پر قدرت ہے اور اس کی عفتِ شیخ کی عفت سے کامل بھی ہوتی ہے کیونکہ نہ اس کو زیادہ استرسال ہوتا ہے اور نہ استرسال کے بعد ضبط دشوار ہوتا ہے۔

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شدتِ نزع کا سبب

انبیاء علیہم السلام کو جب دنیوی اسباب سے تعلق نہیں ہوتا تو چاہئے ان سے مفارقت سہل ہو پھر ان کا نزع کیوں شدید ہوتا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نزع میں بہت شدت ہوئی حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شدتِ نزع دیکھ کر میں کسی کی سہولتِ نزع دیکھ کر اس کی تمنا نہیں کرتی اسی طرح بعض اولیاء کو بھی نزع شدید ہوتا ہے اس کی کیا وجہ ہے تو بات یہ ہے کہ شدید نزع کا سبب تو تعلقات ہی ہیں جس قدر روح کو ناسوت سے تعلق ہوگا۔ اسی قدر نزع میں شدت ہوگی۔ مگر تعلقات دو قسم پر ہیں ایک وہ جو مانع عن الآخرت ہیں جیسے جائیداد اور مال وغیرہ کی محبت ان سے جو شدت ہوتی ہے اس سے تکلیفِ سخت ہوتی ہے۔ دوسرے وہ تعلقات ہیں جو آخرت سے مانع نہیں ہیں بلکہ معین آخرت ہیں اور یہ وہی تعلقات ہیں جو اس کے مصداق میں داخل ہے۔

اسیرش نہ خواہد خلاصی ز بند (اس کا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا) (العبرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

## بعض اہل اللہ کی شدتِ نزع کا موجب

اہل اللہ کو حقیقی تعلق تو بجز ذاتِ حق کے کسی سے نہیں ہوتا اور اس کا مقتضا سہولتِ نزع ہے مگر بعض حضرات کو حق تعالیٰ کی طرف سے ارشادِ خلق و تربیتِ طالبین کی خدمت سپرد ہوتی ہے اور یہ بدون توجہ الی الخلق کے نہیں ہو سکتی اس لئے ان کو امرِ حق سے مخلوق کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور اصلاح و ارشاد کے لئے ان سے ایک گونہ تعلق ہو جاتا ہے اور یہ تعلق چونکہ بامرِ حق ہے اس لئے آخرت سے مانع نہیں ہوتا بلکہ موجبِ اجر اور سببِ ترقی ہے جس سے جس قدر اصلاح و ارشاد کا فیض ہوگا اسی قدر اس کے درجات میں اضافہ ہوگا چونکہ یہ خدمت سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کے سپرد کی گئی ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام کو مخلوق کے ساتھ یہ تعلق زیادہ ہوتا ہے اور انبیاء میں بھی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد سب سے زیادہ یہ خدمت تھی کیونکہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لئے آپ ہی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں آپ کے بعد کوئی دوسرا رسول آنے والا نہیں تو آپ کو سب سے زیادہ ارشادِ اصلاح کی فکر و اہتمام تھا اس لئے آپ کو نزع میں شدت زیادہ ہوئی کیونکہ روح کو امت کے ساتھ تعلق تھا اور وصال کے وقت بھی آپ کو ان کا اہتمام تھا مگر یہ تعلق لذیذ اور یہ فکر خوش گوار تھا۔ آپ کے لئے اس میں اجر اور ترقی درجات تھی اس لئے شدتِ نزع سے جسم کو تو تکلیف ہوئی مگر روح کو کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔ انبیاء کے بعد بعض اولیاء ایسے ہوتے ہیں جن کے سپرد خدمتِ ارشاد و تبلیغ ہوتی ہے ان کو بھی نزع میں بوجہ طالبین کی فکر کے شدت ہوتی ہے مگر ان کو انبیاء کے برابر شدت نہیں ہوتی کیونکہ ان کی ذمہ داری انبیاء کے برابر نہیں ہے اس لئے ان کو مخلوق کے ساتھ اصلاح و ارشاد کا تعلق بھی ان سے کم ہوتا ہے اور جن بعض اولیاء کے سپرد یہ خدمت نہیں ہوتی وہ بالکل آزاد ہوتے ہیں ان کو نہ کسی کی فکر ہے نہ کسی سے تعلق ہے ان کا نزع بہت سہل ہوتا ہے۔ ایسے لوگ مرتے ہوئے بڑے شاداں و فرحاں ہوتے ہیں بعضے غزل پڑھتے ہوئے جاتے ہیں، بعضے ہنستے ہوئے جان دیتے ہیں۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم      راحت جاں طلسم وز پئے جاناں بروم  
نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے      تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم  
(جس دن دنیا سے کوچ کروں وہ دن بہت اچھا ہے راحت جاں طلب کروں  
اور محبوبِ حقیقی کے پاس جاؤں میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو  
خوش و خرم اور غزلیں پڑھتا ہوا جاؤں)۔

ایک بزرگ مرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذارم سراسر جاں شوم

(اب وقت آگیا ہے کہ میں عریاں ہوں جسم کو چھوڑ کر سراسر جان بن جاؤں)

ان کی یہ حالت دیکھ کر بعض لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ یہ لوگ ان اولیاء سے افضل ہیں جن کے سپرد خدمت ارشاد ہے کیونکہ وہ موت کے وقت ان کے برابر بے فکر نہیں ہوتے ان کو اپنی ذمہ داری کی بھی فکر ہوتی ہے اپنے متعلقین کا بھی خیال ہوتا ہے اسی وجہ سے ان کو نزع میں شدت بھی واقع ہوتی ہے مگر یہ اعتقاد افضلیت صحیح نہیں بلکہ اکثر وہی اولیاء افضل ہوتے ہیں جو صاحب ارشاد ہیں کیونکہ ان کی حالت انبیاء علیہم السلام کے مشابہ ہے اور جو جتنا انبیاء کے مشابہ ہوگا وہ دوسروں سے افضل ہوگا لیکن تم کو اس تجویز کا حق نہیں ہے کہ اپنے لئے صاحب ارشاد ہونے کی تمنا کرو۔ (العبرہ بذبہ البقرہ ج ۲۳)

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کمال

حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تمدن و سیاست اور انتظامی قابلیت بدرجہ کمال موجود ہے گو اس جوہر سے ابھی تک کام نہیں لیا گیا اور اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمْ عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ عَدْلًا مُّقْسِطًا (او کما قال) (صحیح مسلم: ۱۵۵، فتح الباری ۶: ۴۹۱) تمہارا کیا حال ہوگا اس وقت جب کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام تمہارے اندر (آسمان سے) نازل ہو کر آئیں گے۔ عادل و منصف ہو کر حکومت کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت سے مسرت ظاہر فرمائی ہے جب کہ عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں میں حکومت کریں گے اور آپ ان کے متعلق عدل و انصاف کی خبر دے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ عدل و انصاف بدون قابلیت انتظام کے نہیں ہو سکتا، عدل وہی کر سکتا ہے جس میں سیاست کا مادہ بدرجہ کمال موجود ہو۔

نیز احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس وقت بہت امن و امان اور خیر و برکت ہوگی جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ سلطنت کا انتظام کریں گے، اگر ان میں فی نفسہ یہ مادہ موجود نہیں تو اس وقت کیونکر سلطنت کا انتظام کر لیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ اس شخص نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جامعیت پر جو اعتراض کیا ہے وہ نہایت لغو ہے۔ (العبرہ بذبہ البقرہ ج ۲۳)



## حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء میں اکمل ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ثابت کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ آپ کے بھائیوں میں نقص نکالا جائے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھو انبیاء علیہم السلام سب کامل ہیں ان میں ناقص کوئی نہیں یہ اور بات ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکمل ہیں تفاضل بین الانبیاء (انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت دینے) سے اسی واسطے منع کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بھائیوں کی تنقیص گوارا نہیں۔ (العبرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

## بعض اولیاء کی حالت رفیعہ

بعض اولیا ایسے بھی ہیں کہ صاحب ارشاد نہیں ہیں مگر ان کی حالت یہ ہوگی۔  
 الْمُتَحَابُّونَ فِي اللَّهِ عَلَىٰ مَنْابِرٍ مِّنَ الْمَسْكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُغْبِطُهُمُ الْآلَاءُ نَبِيَّاءُ  
 وَالصِّدِّيقُونَ (او کما قال) (مسند احمد ۵: ۲۳۶، کنز العمال: ۲۳۶۹۳)  
 حدیث میں ہے کہ متحابین فی اللہ قیامت کے دن منابر مسک پر بے فکر بیٹھے ہوں گے ان کی اس حالت پر انبیاء و صدیقین کو رشک آئے گا کہ یہ بڑے بے فکر ہیں علماء قشر تو تھک گئے اس کی تفسیر میں لگے ادھر ادھر کی باتیں کرنے مگر حقیقت تک نہ پہنچے وہ نہ بتلا سکے کہ یہ کون لوگ ہیں اسی لئے عارف شیرازی ایسے مدارس سے برأت ظاہر کرتے ہیں۔  
 از قال و قیل مدرسہ خالے ولم گرفت (مدرسہ کی قیل و قال سے کسی حال نے میرے دل پر اثر نہیں کیا) (العبرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

## خانقاہ اور مدرسہ دونوں کی ضرورت

از قال و قیل مدرسہ خالے ولم گرفت یک چند نیز خدمت معشوق و مے کم  
 (مدرسہ کی قیل و قال دل گرفتہ نہیں ہوا چند دن محبوب اور عشق کی طرف متوجہ ہوتا ہوں)  
 قال و قیل مدرسہ سے دل گرفتہ ہونے کا سبب یہی ہے کہ وہاں حقائق کا انکشاف نہیں ہوتا بلکہ لفظوں ہی کے پھیر میں رہتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مدارس بے کار ہیں ہرگز نہیں ان کی بھی ضرورت ہے اور ان کے بعد خانقاہ میں آنے کی بھی ضرورت ہے۔ نہ تنہا مدرسہ کافی ہے نہ تنہا خانقاہ کافی ہے۔ مدرسہ بمنزلہ وضو کے ہے اور خانقاہ بمنزلہ نماز کے ہے تو

جو صوفی مدرسہ میں نہ جائے وہ ایسا ہے جیسے کوئی نماز بلا وضو ٹرائے تو وہ صوفی نہ ہوگا بلکہ صافی ہوگا مگر وہ صوفی نہیں جس کے متعلق کہتے ہیں۔

صوفی نشو و صافی تا در نکشد جائے بسیار سفر باید تا پختہ شود خاے  
(یعنی صوفی جب تک بہت سے مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے پختگی مجاہدات کے بعد ہوتی ہے)  
بلکہ وہ صافی جس سے برتن اور پتیلیاں صاف کیا کرتے ہیں اور جو عالم مدرسہ سے فارغ ہو کر خانقاہ میں نہ جائے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص وضو کر کے اسی پر قناعت کر لے اور نماز نہ پڑھے تو وہ اس کا مصداق ہے۔

أَيُّهَا الْقَوْمُ الَّذِي فِي الْمَدْرَسَةِ كُلُّ مَا حَصَلْتُمُوهُ وَ سُوْسَهُ  
(مدرسہ والو! جو کچھ مدرسہ میں علم لفظی حاصل کیا وہ وسوسہ تھا) (العبرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

## مشاہدہ جمال حق کی دو صورتیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کبھی میرے دل پر بھی بادل چھا جاتا ہے اور میں اس کی وجہ سے دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں علماء قشراں کی حقیقت نہ سمجھ سکے انہوں نے کہہ دیا کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے اور ہم نہیں جانتے کہ یہ غین کیا چیز ہے اور یہ طریقہ اسلم ہے کہ جس بات کی حقیقت معلوم نہ ہو اس سے سکوت کیا جائے مگر کسی کو معلوم ہو جائے تو اس کے بیان کرنے میں بھی مضائقہ نہیں چنانچہ بہت سی آیات متشابہات میں متاخرین نے مناسب تو جیہات بیان کی ہیں جیسے يَذُّ اللّٰهُ وَ وَجْهَهُ اللّٰهُ وَ اَمْثَالُهَا (اللہ کا ہاتھ اللہ کا چہرہ اور مثل ان کے) اسی طرح اگر کسی کی سمجھ میں غین کی حقیقت آجائے تو نصوص کے خلاف بھی نہ ہو اور شان نبوت کے بھی خلاف نہ ہو تو اس کا بیان کر دینا مذموم نہ ہوگا۔  
محققین نے اس کا مطلب سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ جمال حق کی دو صورتیں ہیں ایک حضور بلا واسطہ (جو مقام فناء میں ہوا کرتا ہے ۱۲) دوسرے حضور بواسطہ (جو مقام بقا میں ہوتا ہے ۱۲) حضور بلا واسطہ تو یہ ہے کہ سوائے حضرت حق کے اور کسی چیز کی طرف اصلا التفات نہ ہو ہر دم خدا تعالیٰ کی طرف بدون کسی واسطہ کے متوجہ رہے (مقام فنا میں حضور غالب ہوتا ہے ۱۲) اور حضور بواسطہ یہ ہے کہ مخلوق کی طرف بھی توجہ و التفات ہو مگر مخلوق آئینہ بن جائے رویت جمال الہی کے لئے (مقام بقا میں یہی صورت حضور ہوتی ہے

(۱۲) تو پہلی صورت کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص محبوب کو بدون کسی حجاب کے دیکھتا رہے کہ اس کا چہرہ عاشق کے سامنے ہو اور دوسری صورت کی نظیر یہ ہے کہ محبوب عاشق سے کہہ دے کہ مجھ کو مت گھورو بلکہ سامنے جو آئینہ رکھا ہے اس میں سے میری صورت کو دیکھو اس وقت بھی عاشق کی توجہ محبوب ہی کی طرف ہے مگر رویت بواسطہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس دیدار میں اور پہلے دیدار میں فرق ضرور ہے جو بات بلا واسطہ دیکھنے میں ہے وہ آئینہ سے دیکھنے میں کہاں اسی طرح حضور بلا واسطہ (جو مقام فنا میں ہوتا ہے ۱۲) حضور بواسطہ سے (جو مقام بقا میں ہوتا ہے) اکمل والذہ سالک کو اس میں زیادہ لذت آتی ہے کیونکہ اس میں غیر کی طرف اصلا التفات نہیں ہوتا اور حضور بواسطہ میں گو اس کی نظر بالذات حضرت حق ہی پر ہوتی ہے مگر فی الجملہ واسطہ پر بھی نظر ہوتی ہے اور عاشق پر اتنا واسطہ بھی گراں ہے۔ (العبرہ بذبہ البقرہ ج ۲۳)

## ضرورت مجاہدہ

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مالا بدمنہ میں لکھتے ہیں۔

از سینہ درویشاں باید جست (درویشوں کے سینہ سے ڈھونڈنا چاہیے)

اور تم کہتے ہو کہ سینہ میں کیا رکھا ہے بجز بلغم کے۔ سو میرے پاس اس بات کا جواب تھا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ جو چیز سینہ سے بدون مجاہدہ طالب کے دی جاسکتی ہے وہ تو بلغم کے سوا کچھ نہیں اور جس چیز کو قاضی ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ درویشوں کے سینہ سے حاصل کرنی چاہیے میں اس کی نفی نہیں کرتا لیکن وہ مجاہدہ سے ملتی ہے بدون مجاہدہ کے نہیں مل سکتی (العبرہ بذبہ البقرہ ج ۲۳)

## متواضعین کی شہرت ہو ہی جاتی ہے

حدیث میں وعدہ ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (کنز العمال: ۵۷۳۰، مشکوٰۃ

المصابیح: ۵۱۱۹) (جو شخص انکساری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتے ہیں)۔

اور جو شخص اپنے کو بڑھانا چاہتا ہے حق تعالیٰ اس کو گرا دیتے ہیں اسی حدیث سے لازم آتا ہے کہ مَنْ تَرَفَّعَ وَضَعَهُ اللّٰهُ (جو شخص اپنے کو بڑھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست کر دیتے ہیں) پس اگر کسی کو شہرت ہی مطلوب ہو تو اس کی بھی یہی صورت ہے کہ فنا اختیار کرے اور طلب شہرت کو دل سے نکال دے۔

اگر شہرت ہوں داری اسیر دام عزلت شو کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا  
یعنی دیکھو عنقار نے اپنے آپ کو غائب کر دیا تو اس کا کیسا نام ہوا اسی طرح تم فنا اختیار  
کرو تو حق تعالیٰ تم کو رفعت و شہرت عطا کریں گے طلب شہرت سے شہرت حاصل نہیں ہو سکتی۔

(العبرہ بذبہ البقرہ ج ۲۳)

## اطاعت رسول کی اہمیت

قرآن کریم میں ہے **أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ** (خوشی سے اللہ کا کہنا مانو اور  
خوشی سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانو)۔

اب اس آیت کے اسلوب سے ایک اور امر ضروری مستنبط ہوتا ہے اس کو بھی اختصار  
کے ساتھ عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا  
حکم فرمایا ہے اپنی ذات پاک کا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور (جو لوگ تم میں  
سے جو اولی الامر ہیں) کا اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو مکرر اطیعوا لائے اور  
اولی الامر کے لئے تکرار اطیعوا کا نہیں کیا سو اس کی وجہ یہ تو ہے نہیں کہ حق تعالیٰ کی اطاعت  
علیحدہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت جدا بلکہ اس اسلوب میں ایک فائدہ کی  
طرف اشارہ لطیف یہ ہے کہ ہر چند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی  
اطاعت ہے لیکن بعض خصوصیات کے اعتبار سے من وجہ استقلال ظاہری کا حکم رکھتی ہے۔

پس اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جیسے قرآن مجید حجت مستقلہ ہے اسی طرح حدیث  
شریف بھی حجت مستقلہ (دائمی حجت) ہے اور میں قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کی  
برابری کا دعویٰ نہیں کرتا ہوں۔ لیکن اس اعتبار سے دونوں برابر ہیں کہ جیسے قرآن مجید کے احکام  
ماننا ضروری ہے اسی طرح احادیث سے جو احکام ثابت ہیں ان پر بھی ایمان و ایقان واجب ہے  
کسی کو کہنا جائز نہیں کہ جو مسئلہ قرآن شریف میں نہیں ہے میں اس کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ بہت سے  
مسائل ایسے ہیں جو قرآن شریف میں نہیں احادیث سے ہی ثابت ہوتے ہیں۔

## سود کا وبال:

اس کے بارے میں ارشاد ہے **يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُغْفِرُ الصَّدَقَاتِ** یعنی اللہ تعالیٰ  
ربوا (سود) کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ مٹانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آج گن



کر سو روپے رکھتے تھے دوسرے دن پچاس رہ گئے یا بالکل نہیں رہے۔ یہ بات ہے کہ مال کا اصل مقصود یہ ہے کہ اپنی یا اپنی اولاد کے کام آئے۔ کھانے پہننے اور دیگر حوائج میں صرف ہو اور سود خوار کی آمدنی کسی کے کام نہیں آتی۔ فضول اڑ جاتی ہے۔ یا تو مکانات کی تعمیر میں روپیہ اڑ جاتا ہے یا رنڈیوں اور شراب خواری میں ضائع ہو جاتا ہے اور دوسرا وبال سود کا یہ ہے کہ سود خوار سے کسی کو محبت نہیں ہوتی اور سرمایہ راحت آپس کی محبت والفت ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ سود خوار لوگوں میں نہ باپ کو بیٹے سے محبت ہے، نہ بیٹے کو باپ سے۔ سود خوار ہر شخص کے نزدیک ساقط النظر ہوتا ہے اور نیز اس کو کسی وقت راحت نہیں ہوتی۔ ہر وقت ادھیڑ بن میں رہتا ہے اور اسی فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح دس کے بیس ہو جائیں۔ دنیا کی نعمتوں سے محروم رہتا ہے۔ یہ مٹانے کی روح ہے۔ اب بے تکلف آپ کی سمجھ میں یمحق اللہ الربوا اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں کے معنی آگئے ہوں گے۔ نیز کبھی قرض داروں کے پاس روپیہ مارا بھی جاتا ہے۔ بہر حال یہ دعویٰ بالکل محفوظ ہے کہ شریعت آسانی کی طرف بلا رہی ہے اور آپ کا دستور و عرف دشواری میں ڈال رہا ہے اور نیز یہ بھی محقق ہوا کہ شریعت پر عمل کرنے سے راحت ہی راحت ہے اور شریعت کو چھوڑنے میں دشواری ہی دشواری ہے۔ مگر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم مطلق العنان رہیں، اس لئے شریعت کی پابندی دشوار معلوم ہوتی ہے لیکن واقع میں دین میں کوئی مشقت نہیں۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

## موت ہا ذم اللذات ہے:

حدیث میں ہے فرمایا: اکثرُوا ذکرَها ذم اللذات (سنن الترمذی: ۲۴۰۷) یعنی لذات کی قطع شکستہ کرنے والی شے (موت) کو بہت یاد کیا کرو۔ سبحان اللہ کیا خوبصورت عنوان ہے۔ حکم فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ موت کو یاد کیا کرو بلکہ موت کو ہا ذم اللذات سے تعبیر فرمایا۔ اس میں ایک بڑی گہری بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ بات یہ ہے کہ آدمی جو گناہ کرتا ہے یا دنیا کے مال و جاہ میں منہمک ہوتا ہے تو مقصود اور غایت سب کی تحصیل لذت ہے اور جب یہ یاد کرے گا کہ یہ سب ایک دن ختم ہو جائے گا اور اس کا تصور ہوگا تو مزہ ہی نہ آئے گا اور جب مزہ ہی نہ آئے گا تو وہ گناہ بھی چھوٹ جائے گا۔ دنیا میں اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً کسی بڑے عہدے پر ہے، مثلاً ڈپٹی کلکٹر ہے لیکن

اس پر کوئی مقدمہ بھی قائم ہے جس سے خوف غالب ہے کہ اس عہدہ سے برطرف کر دیا جائے گا۔ اس کو اس کلکٹری میں خاک بھی لذت نہ ہوگی۔ غرض کلیہ قاعدہ ہے کہ جس شے میں انقطاع کا خوف ہوتا ہے اس میں لذت نہیں رہتی۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

## عیادت میں تھوڑی دیر بیٹھنے میں حکمت:

حدیث شریف میں آیا ہے من عاد منکم مریضا فلیخفف الجلوس (مسند احمد ۳: ۱۱۸) (یعنی جو شخص تم میں سے کسی مریض کی عیادت کرے تو چاہئے کہ کم بیٹھے)۔ سبحان اللہ شریعت کی کس قدر گہری نظر ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی پوری نظر ہے اور یہ بجز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا کام نہیں۔ کوئی کتنا ہی بڑا فلاسفر ہو مگر اس کی نظرایسے دقائق تک کہاں پہنچ سکتی ہے۔ اکثر لوگ آج کل ایسی غلطی کرتے ہیں کہ بیمار کے پاس بیٹھ کر مجلس آرائی کرتے ہیں۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ آرام کرے یا کروٹ بدلے لیکن ان کے لحاظ سے بے چارہ ایک حالت میں لیٹا رہتا ہے۔ یہ بڑی سخت غلطی ہے۔ ہاں اگر مریض سے ایسی بے تکلفی ہو کہ اس کو اس سے کچھ لحاظ نہ ہو اور اس لئے آرام میں خلل نہ ہو بلکہ اس سے انس و راحت ہو تو وہ مستثنیٰ ہے اس لئے کہ علت اس حکم کی ایذا ہے اور وہ یہاں مرتفع ہے۔ حاصل یہ کہ مرض میں کسی شے کی حلاوت نہیں رہتی۔ ہر امر میں بے لطفی ہو جاتی ہے۔ نہ کھانے کو جی چاہتا ہے، نہ پینے کو۔ اسی واسطے تو فرمایا ہے لا تکرہو مرضا کم علی الطعام (سنن ابن ماجہ: ۳۴۴۴) اور مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو۔ آج کل اس کے بھی خلاف کرتے ہیں اور مریض کو مجبور کرتے ہیں کہ کچھ کھا ہی لے۔ خاص کر مائیں بچوں کو بے انتہا مجبور کرتی ہیں۔ یاد رکھو بعض مرتبہ کھانے سے اور مرض بڑھ جاتا ہے بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایسا ہرگز نہ کرو۔ اس کے آگے فرماتے ہیں فان اللہ یطعمہم ویسقیہم یعنی اللہ تعالیٰ ان کو کھلا پلا دیتے ہیں۔ حقیقت میں بعض مریضوں پر بیس بیس دن گزر جاتے ہیں اور بالکل نہیں کھاتے اور پھر جس قدر کمزوری ہونا چاہئے اس قدر نہیں ہوتی۔ تندرست آدمی اگر اتنے دنوں تک نہ کھائے تو بہت ضعیف ہو جائے۔ اس کے اعتبار سے مریضوں کو اتنا ضعیف نہیں ہوتا، اگر کوئی کہے کہ ہم رات دن بیمار کے پاس بیٹھے رہتے ہیں، کسی وقت جدا نہیں ہوتے

اور خود بھی بیمار پڑتے ہیں مگر کبھی اللہ تعالیٰ کو کھلاتے پلاتے نہیں دیکھا۔ بات یہ ہے کہ کھلانے پلانے سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو جاتا ہے۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

## تین شخصوں پر لعنت:

حدیث شریف میں تین شخصوں پر لعنت آئی ہے۔ اول ملک کذاب یعنی جھوٹے بادشاہ پر اس لئے کہ جب وہ بادشاہ ہے تو اس کو جھوٹ کی کیا ضرورت، جھوٹ تو وہ بولے جو کسی سے دبتا ہو اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت عطا فرمائی ہے تو اس کو کیا حاجت ہے۔ دوسرے عاقل متکبر پر لعنت آئی ہے یعنی غریب ہو کر تکبر کرے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض غریب باجود اپنی شکستہ حالی کے بھی اینٹھ مروڑ میں رہتے ہیں۔ امیر بے چارے رتیج جاتے ہیں مگر یہ غریب اپنی شیخی میں رہتے ہیں۔ خاص کر تقریبات میں اکثر اینٹھ جاتے ہیں اور بلائے سے بھی نہیں آتے۔ تقریب والے مناتے ہیں، خوشامدیں کرتے ہیں مگر ان کی ناک ہی سیدھی نہیں ہوتی۔ ہمارے یہاں ایک مال دار شخص تھے، ان کے یہاں تقریب تھی۔ ایک مفلس شخص کو جو کہ ان کے یہاں مدعو تھے اور انتظار طعام میں بیٹھے تھے ان کے یہاں کا سامان دیکھ کر بہت حسد ہوا۔ سوچنے لگے کہ کوئی عیب نکلے۔ چنانچہ ایک بات نکلی سقاء کارخانہ میں جا رہا تھا۔ اس کی مشک میں ایک سوراخ تھا۔ اس میں سے پانی نکل کر ان کے کپڑوں پر گرا۔ بس شیخ صاحب کہاں تھے چھنک کر کھڑے ہو گئے اور خدا جانے گھر والے کو کیا کیا کہا۔ اب مناتے ہیں منتے نہیں، ایسوں کا علاج تو یہ ہے کہ ان کو منہ نہ لگانا چاہئے۔ اگر خفا ہو جائیں بلا سے۔ تیسرے شیخ زانی پر لعنت آئی ہے اور بدنگاہی اور دل کے اندر خیال پکانا بھی زنا ہی میں داخل ہے اور وجہ یہ ہے کہ تقاضا کرنے والی تو کوئی چیز اندر ہے نہیں جو مجبور کرے۔ اس پر بھی کمبخت مبتلا ہوتا ہے تو یہ زیادہ موجب وعید ہے۔ یہ وقت تو وہ تھا کہ ذکر و فکر میں گزارتا۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

## دن میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرنے کا اجر:

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص دن بھر میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرے تو اس کو شہادت کا مرتبہ ملتا ہے اور شہادت کا مرتبہ معلوم ہے کتنا بڑا ہے کہ شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور بے حساب و کتاب جنت میں جاتا ہے۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

## گناہ کا اثر:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بعض دن گھوڑا شرارت کرتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ آج مجھ سے ضرور کوئی گناہ ہوا ہے۔ چنانچہ سوچنے سے گناہ یاد آ جاتا ہے اور بعض دن گناہ کی وجہ سے بیوی بچے مجھ سے لڑتے ہیں، یہ تو نافرمانی کی سزائیں ہیں، اسی طرح فرمانبرداری پر جزائیں ملتی ہیں۔ چنانچہ اس کے بعض آثار کی نسبت فرماتے ہیں۔

تو ہم گردان از حکم داور پیچ کہ گردن نہ پیچید ز حکم تو پیچ  
تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی مت کرو تمہارے حکم سے بھی کوئی روگردانی نہ کرے گا۔

(ذکر الموت ج ۲۳)

## علماء و مشائخ کی آبروریزی کا گناہ

علماء و مشائخ کی عزت و آبرو عام لوگوں سے علاوہ عرف کے شرعاً بھی بڑھی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے من لم یرحم صغیر ناولم یوقر کبیر ناولم یجبل عالیمینا فلیس منا (سنن ابی داؤد الادب: ۶۵) جو کوئی ہمارے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کا لحاظ اور ہمارے علماء کی تعظیم نہ کرے وہ ہمارے میں سے نہیں، یہ تو علماء کی شان میں ہے، بزرگوں اور مشائخ کی بابت ایک حدیث قدسی میں ہے، من آذی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب (اتحاف السادة المتقين ۵: ۲۹۵) جو کوئی میرے ولی کو تکلیف پہنچائے میں ان کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ علماء اور مشائخ کی غیبت میں اور ان کی آبروریزی کرنے میں کیا کچھ گناہ ہوگا اس لئے میں کہتا ہوں کہ علماء و مشائخ کی غیبت عوام کی غیبت سے زیادہ سخت ہے مگر ان کی کسی کو بھی کچھ پرواہ نہیں، اکثر گناہ کر کے جی بھی برا ہوا کرتا ہے، مگر غیبت ایسی عام ہو گئی ہے کہ اس کے بعد جی بھی برا نہیں ہوتا، یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کچھ ہم نے گناہ کا کام بھی کیا ہے یا نہیں۔ اس حالت پر نظر کر کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ غیبت بہت ہی بڑا گناہ ہے کیونکہ گناہ کو ہلکا سمجھنا فریب بکفر ہے اور غیبت کو عام طور پر اعتقاداً نہ ہو تو عملاً تو ضرور ہلکا سمجھا جاتا ہے اس سے بچنے کا بہت ہی اہتمام چاہئے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## زمین کے روپیہ میں برکت نہ ہونے کا مفہوم

حدیث میں اگرچہ زمینداری سے ممانعت بھی آئی ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہے



کہ اگر زمین کسی کے پاس ہو اور کسی ضرورت سے اس کو بیچے تو فوراً اس کے روپیہ سے کوئی دوسری زمین خرید لے ورنہ برکت نہ ہوگی۔ میں ان دونوں حدیثوں سے یہ سمجھا ہوں کہ جس کے پاس زمین نہ ہو وہ تو زمین نہ خریدے اور جس کے پاس پہلے سے ہو یا میراث میں مل جائے وہ اس کو فروخت نہ کرے اور اگر فروخت کرے تو فوراً زمین ہی میں وہ روپیہ لگا دے، واقعی اس کا تجربہ ہوا ہے۔ زمین فروخت کر کے روپیہ ادھر ادھر اٹھ جاتا ہے اور یہی معنی اس کے کہ اس میں برکت نہیں ہوتی تو دیکھئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعمت کی احتیاط اور قدر کی کہاں تک تعلیم دی ہے (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## کمال عبدیت

حدیث میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا نوش فرما کر جو الفاظ فرماتے تھے ان میں یہ بھی ہے غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا کہ اے پروردگار میں اس کھانے کو رخصت نہیں کرتا اور نہ اس سے مستغنی ہوں۔ دوسرے وقت پر اس کا محتاج ہوں گا اور اس وقت بھوک ختم ہوگئی ہے اس لئے اس کو اٹھواتا ہوں، کچھ ٹھکانا ہے اس عبدیت کا کہ کھانا اٹھوانے میں چونکہ بظاہر استغنا کی صورت ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم استغنا کی صورت سے بھی اتنا بچتے تھے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## متن قرآن کے تین اصول مسائل:

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ متن قرآن یعنی اس کے اصول مسائل تین چیزیں ہیں۔ توحید اور رسالت اور معاد یہ تینوں اصول اور متن ہیں باقی سب ان کی شرح ہیں۔ (السوق لاهل الشوق ج ۲۴)

## پل صراط

پل صراط پر صرف مومنین اور منافقین اتارے جاویں گے کیونکہ پل صراط کے بارہ میں وارد ہے کہ وہ ایک پل ہے جو جہنم کے اوپر بچھایا جاوے گا اور اس پر چلنے والے بعضے پار اتر جاویں گے (وہ مومنین ہوں گے) اور بعض پار نہ اتر سکیں گے بلکہ کٹ کر دوزخ کے اندر گر پڑیں گے۔ پس اگر کہا جاوے کہ وہ کٹ کر گرنے والے عام کفار ہوں گے تو ان کے متعلق یہ

مضمون کہاں صادق ہوگا ادخلوا ابواب جہنم کیونکہ اوپر سے گرنے والے کو داخل من  
الوسط کہا جاسکتا ہے داخل من الابواب نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں ایک گروہ کفار کا بھی ایسا ہوگا جو  
صراط پر اتارا جاوے گا اور وہ منافقین کا گروہ ہے اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ صراط جنت کی سڑک  
ہے کہ اس سے عبور کر کے جنت میں جاسکیں گے تو اس پر چلنے کے مستحق وہی ہو سکتے ہیں جو  
جنت میں جانے کا ارادہ رکھیں اور وہ مومنین ہیں یا وہ جن میں شبہ ہے مومنین کا یعنی مشابہت  
ہے مومنین کے ساتھ اور وہ منافقین ہیں جو زبان سے مدعی ہیں مومن ہونے کے۔ مومنین تو  
حقیقتاً جنت کے مستحق ہیں اور منافقین صرف ظاہر اوداعاً۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوگا کہ مومنین عبور کر  
جاویں گے اور منافقین کٹ کر جہنم میں گر جاویں گے۔ یہ خلاصہ ہے شاہ صاحب کی تحقیق کا کہ  
کافر محض جس نے زبان سے بھی ایمان ظاہر نہیں کیا پل صراط پر نہیں چلایا جائے گا بلکہ یہ لوگ  
ابواب جہنم سے داخل کئے جائیں گے۔ پل صراط پر صرف مومنین چلائے جائیں گے خواہ حقیقی  
مومن ہوں یا ادعائی خلدین فیہا حال مقدرہ ہے، ادخلو کی ضمیر اتم سے مطلب یہ ہے کہ جہنم میں  
جاؤ۔ اس حال میں کہ خلوت تمہارے واسطے تجویز شدہ ہے۔ فبئس مہوی المتکبرین پس وہ بری ہے  
جگہ متکبرین کی۔ یہاں یہ بات قابل غور کرنے کے ہے کہ متکبرین سے مراد کون لوگ ہیں؟  
ظاہر ہے کہ وہی کفار مراد ہیں جن کو دروازہ جہنم سے داخل کیا جائے گا (السوق لاهل الشوق ج ۳)

## حق کی پہچان:

میں نے ایک مکتوب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا دیکھا ہے جو بیاور ضلع اجمیر کسی کو  
لکھا تھا۔ اس مکتوب میں یہ الفاظ تھے کہ حق وہ ہے جو مدلول ہو، نص کا بلا کلفت مطلب یہ ہے کہ  
جو لوگ آپس میں کسی بات میں جھگڑتے ہیں ایک فریق کہتا ہے کہ قرآن سے یہ ثابت ہے اور  
دوسرا فریق کہتا ہے کہ یہ ثابت ہے تو اس میں قول فیصل یہ ہے کہ اپنے اغراض اور خیالات کو الگ  
کر کے اور ان سے بالکل قطع نظر کر کے دیکھو کہ نص قرآنی کا مدلول بلا کلفت کیا ہے جس میں  
اونچ نیچ اور تکلف اور تاویل کی بالکل ضرورت نہ ہو، بس وہی حق ہے۔ (السوق لاهل الشوق ج ۳)

## بوقت دخول ابواب جنت کھولے جانے میں حکمت:

جنت کے بارہ میں بھی ہمارے استاد رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ جنت کے

دروازہ بھی پہلے سے کھلے ہوئے نہ ہوں گے بلکہ بعد میں کھولے جاویں گے اور اس میں چند نکتے ہیں ایک تو یہ نکتہ کہ عادت ہے کہ دفعتاً نعمت پر نظر پڑنے سے حظ زیادہ ہوتا ہے مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کو ایک لاکھ روپیہ ملنے والا ہے اول اس کو خبر ملی کہ کلکتہ میں میرا اتنا روپیہ ہے پھر وہاں سے اس کی روانگی کی خبر ملی کہ وہاں سے چل دیا پھر معلوم ہوا کہ الہ آباد بینک میں آ گیا ہے پھر معلوم ہوا کہ مراد آباد کے خزانہ میں آ گیا ہے حتیٰ کہ لاکر سامنے رکھ دیا گیا تو اس کو خوشی تو ضرور ہوگی مگر اتنی جتنی اس صورت میں ہوگی کہ ایک شخص کو مطلق خبر نہیں اور وہم و گمان میں بھی نہیں کہ میرا کہیں اتنا روپیہ ہے یکلخت کوئی سب روپیہ سامنے لا کر رکھ دے کہ یہ تم کو ملا ہے اس صورت میں ایسا حظ ہوگا کہ عجب نہیں مارے خوشی کے شادی مرگ ہو جاوے۔ ایسے واقعات ہوئے بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض جگہ کسی ملزم کو پھانسی کا حکم ہوا، پھر اپیل میں رہائی کا حکم ہوا تو اس حکم کو یکلخت نہیں سنایا گیا اس وجہ سے کہ ناامیدی کے بعد ایک دم یہ خبر سن کر کہیں مارے خوشی کے مرنے جائے اس کی وجہ زیادت حظ و سرور ہی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک دم نعمت پر نظر پڑنے میں زیادہ حظ ہوتا ہے بہ نسبت نظر تدربجی کے، اس واسطے جنت کے دروازے بند ہوں گے اور جب جنتی اس کے پاس پہنچیں گے تب ایک دم کھول دیئے جائیں گے اور ایک نکتہ ہے اس کے سمجھنے کے لئے دو مقدموں کو ملانے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اہل جنت، جنت میں جانے کے بعد باہر نہیں نکلیں گے۔ ایسی جگہ میں سے کون نکلتا گوارا کرتا ہے، ہاں اہل دوزخ بعض دوزخ میں سے نکلیں گے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو چند روز کے بعد نجات پا کر نکالے جائیں گے۔ غرض اہل جنت اندر جانے کے بعد پھر باہر نہ نکلیں گے۔ ایک مقدمہ یہ ہوا اور ایک مقدمہ یہ ہے کہ جنت باہر سے بھی مزین ہے اگرچہ عادت یہ ہے کہ باغ کو باہر سے نہیں سجایا کرتے جیسا کہ مشہور ہے:

بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستان را

(نقاش کو نقش و نگار کیلئے گلستان کے دیوار کی ضرورت نہیں)

مگر وہاں ایسا نہیں، وہاں اندر سے تو جنت ہے ہی جیسی ہے باہر سے بھی مزین اور مرصع ہے اور یہ ظاہر ہے کہ باہر کی زینت ایسی نہیں ہو سکتی جیسی اندر کی ہوگی کیونکہ اندر کی زینت مقصود اصلی ہے اور باہر کی بالتبع اور مقصود اور تابع میں فرق ہوتا ہے تو اگر دروازے

جنت کے پہلے سے کھول دیئے جاویں تو اندر کی زینت کے سامنے باہر کی زینت کو کون دیکھے ، اس واسطے اول دروازے بند ہوں گے تاکہ باہر کی زینت کو بھی دیکھ لیں پھر کھول دیئے جاویں گے کیونکہ اندر سے باہر کون آوے گا۔ نیز اس واسطے بھی جنت کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے نہ ہوں گے کہ جہنم میں تو لوگ بجز واکراہ جاویں گے تو اگر دروازہ کھلے ہوئے ہونے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے تو جہنم کے لئے ہو سکتی ہے کہ سب سامان عذاب کا تیار ہو گا صرف دھکیل دینے کی ضرورت ہوگی۔ اگر دروازے بند ہوں تو شاید کچھ دیر لگے اور یہاں تو خوشی سے جاویں گے اور ہر قسم کا اطمینان ہوگا تو مزے لیتے ہوئے اور سیر کرتے ہنستے بولتے ہوئے جاویں گے تو کیا جلدی ہے کہ دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں۔ باہر کی سیر کر کے جب اندر جانا چاہیں گے کھول دیئے جائیں گے۔ ان میں بعض نکلتے حضرت استاذنا علیہ الرحمۃ کے ارشاد فرمائے ہوئے ہیں۔ یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ وقت کا واؤ عاطفہ لیا جاوے کیونکہ اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دروازے پہلے سے کھلے ہوئے نہ ہوں گے اور اگر واؤ کو حالیہ لیا جاوے تو حال قید ہوتا ہے عامل کے لئے تو معنی یہ ہوں گے کہ آئیں گے جنت کے پاس اس حال میں کہ دروازے کھلے پڑے ہوں گے اس صورت میں اس کا یہ مدلول ہوگا کہ دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے۔ (السوق لاهل الشوق ج ۲۴)

## موت کے وقت مؤمن کا حال:

موت سے تو ہر شخص کو کراہت ہوتی ہے اور زندگی ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے کیونکہ یہ تو طبعی امر ہے تو سب ہی کو عام ہے اس کا جواب حدیث شریف میں آچکا ہے، حق تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درجات بلند فرمائیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر کے اس اشکال کو حل کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من احب لقاء الله احب الله لقاءه ومن كره لقاء الله كره الله لقاءه (الصحيح للبخاری ۸: ۱۳۳) کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی لقاء سے کراہت کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی لقاء سے کراہت فرماتے ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلنا یکرہ الموت (ہم میں ہر شخص موت کو مکروہ سمجھتا ہے) یعنی حق تعالیٰ کی لقاء تو



موت کے بعد ہوگی اور موت سے طبعاً ہر شخص کو کراہت ہے تو من احب لقاء اللہ کا مصداق کون ہوگا؟ سب من کرہ اللہ لقاء اللہ ہی کے مصداق ہوں گے اور اس کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون دے سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ محبت و کراہت مراد ہے سو من موت کے وقت لقاء اللہ کا مشتاق ہو جاتا ہے جبکہ اس کو فرشتے بشارتیں سناتے اور تسلی دیتے ہیں اور جنت کی نعمتیں اور راحتیں دکھلاتے ہیں اس وقت اس کی وہ حالت ہوتی ہے جیسے ایک پرندہ پنجرہ میں ہو اور اس کو ایک ایسے سبزہ زار میں رکھ دیا جائے جہاں چار طرف پھول پھلواڑی اور ہر قسم کے میوہ جات ہوں اور اس طرح کہ ہم جنس پرندے آزادی کے ساتھ اس باغ میں میوے وغیرہ کھاتے پھرتے ہوں اور خوشی سے چہچہاتے ہوں تو اس وقت یہ پرندہ جو پنجرہ میں مقید ہے پھڑ پھڑاتا ہے اور پنجرے سے نکلنے اور اپنی ہم جنسوں کے ساتھ سبزہ زار میں چلنے پھرنے کا مشتاق ہوتا ہے اور کافر موت کے وقت حق تعالیٰ کے پاس جانے سے کراہت کرتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ عذاب کے فرشتے ڈراؤنی صورت میں چاروں طرف کھڑے ہیں۔ میری روح نکلی اور ان لوگوں نے مجھے عذاب کرنا شروع کیا، اس وقت اس کی روح جسم سے نکلنا نہیں چاہتی جیسے پنجرہ کے گرد چاروں طرف بلیاں دانت نکالے بیٹھی ہوں تو اس وقت پرندہ پنجرہ سے نکلنا نہ چاہے گا بلکہ کوشش کرے گا کہ پنجرے ہی سے چمٹا رہے کیونکہ اسی میں خیر ہے پنجرہ سے باہر قدم رکھا اور بلیوں نے اس کو دبوچا تو یہ کراہت مراد ہے جو عین موت کے وقت ہوتی ہے باقی طبعی کراہت مراد نہیں ہے کیونکہ طبعاً زندگی ہر ایک کو عزیز ہے۔ (خیر البیات و خیر الممات ج ۲۳)

## ایک بے استعداد طالب علم کا حال:

ایک بے استعداد طالب علم کو سند فراغ دیتے ہوئے استاد نے یہ گربت لایا تھا کہ جب تم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے تو جواب میں یہ کہہ دینا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اس سے تمہارا جہل مخفی رہے گا۔ واقعی بات تو بہت گہری بتلائی مگر اس کے استعمال کے لئے بھی تو کسی قدر عقل کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ایک شخص سمجھ گیا کہ یہ جو ہر بات کے جواب میں یہی کہتا ہے کہ اس میں اختلاف ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کچھ آتا جاتا نہیں اس کا امتحان کرنا چاہئے۔ اگلے دن اس نے آ کر پوچھا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ اس احمق نے کہا یہاں بھی وہی جواب دیا کہ اس میں اختلاف ہے اب تو سب پر قلعی کھل گئی۔ یہ ویسا ہی

قصہ ہے جیسے طوطی کی دریں چہ شک (اس میں کیا شک ہے) کی حکایت ہے کہ شخص نے طوطی کو یہ جملہ سکھا دیا تھا ”دریں چہ شک“ پھر بازار میں آ کر دعویٰ کیا کہ میری طوطی فارسی بولتی ہے۔ چنانچہ ایک سوداگر نے خریدنے کا قصد کیا مالک نے دام بہت بتلائے۔ سوداگر نے طوطی سے پوچھا کہ کیا تیری قیمت اتنی ہے جتنی مالک بتلا رہا ہے؟ کہا دریں چہ شک (اس میں کیا شک ہے) سوداگر بہت خوش ہوا اور خرید کر گھر لایا۔ اب جوابات بھی کرتا ہے اس کے جواب میں دریں چہ شک ہی آتا ہے۔ کہنے لگا میں بہت احمق تھا جو تجھے اتنی رقم دے کر تجھے لایا۔ طوطی نے کہا دریں چہ شک (اس میں کیا شک ہے) یہاں تو یہ جواب واقعی بر محل تھا۔ بہر حال میں نے خود کوئی دعویٰ نہ کیا بلکہ ان کے سوال ہی میں سے سوال نکالتا رہا، حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے پھر میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ اس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ ملائوں کے پاس آپ کے سوالات کے جوابات نہیں ہیں اور یہ خیال نہ کریں کہ اس حدیث کی حقیقت کو آپ کی طرح وہ بھی نہیں سمجھتے۔ بحمد اللہ ہمارے پاس حقائق و اسرار بہت کچھ ہیں مگر ہم آپ کو نہیں بتلاتے۔

کیونکہ اسرار کا بیان کرنا ہمارے ذمہ نہیں، ہمارے ذمہ احکام کا پہنچانا ہے، پھر میں نے یہ شعر پڑھا: مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست راز کا فاش کرنا مصلحت کے خلاف ہے ورنہ مجلس عارفین میں ایسی بات نہیں کہ نہ ہو۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۳)

## حق تعالیٰ شانہ کا امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل عظیم:

ایک شاعر کے متعلق کسی قصور پر بادشاہ نے حکم قتل صادر فرمایا تو وہ بادشاہ سے لجاجت کے ساتھ معافی چاہنے لگا کہ مجھے قتل سے معاف کیا جائے۔ بادشاہ نے کہا ہرگز نہیں کیونکہ تمہارے قتل میں حکمت ہے کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ شاعر نے کہا حضور یہ حکمت تو اس طرح بھی حاصل ہو سکتی ہے کہ آپ کسی دوسرے کو مار دیجئے تاکہ مجھے عبرت ہو۔ یہ جواب سن کر بادشاہ کو ہنسی آ گئی ایشیائی بادشاہوں کی تو ہنسی ہی معافی ہے۔ اس کو چھوڑ دیا تو جیسے اس شاعر نے کہا تھا کہ دوسرے کو مار دیجئے تاکہ مجھے عبرت ہو حق تعالیٰ نے آپ کے واسطے ایسا ہی کیا کہ دوسروں کو تمہارے لئے نمونہ عبرت بنا دیا۔ تم کو ہلاک کر کے کسی کے لئے نمونہ عبرت نہیں بنایا۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۳)

## علم خضر علیہ السلام کی مثال

علم خضر کی مثال ان کے سامنے ایسی تھی جیسے وائسرائے کے علم کے سامنے کوتوال کا علم کہ جزئیات و وقائع کا علم کوتوال کو وائسرائے سے زیادہ ہوتا ہے مگر اصول سلطنت اور کلیات قانون کے علم میں وائسرائے کی برابر کوئی حاکم بھی نہیں ہوتا۔ خضر کا مرتبہ علم باطن میں بھی موسیٰ سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ علم باطن بھی شریعت ہی کا ایک جزو ہے کیونکہ شریعت نام ہے مجموعہ احکام ظاہرہ و باطنہ کا اور علم باطن کی حقیقت احکام باطنہ ہے اور جب یہ بھی علم شریعت ہی کا جزو ہے تو یقیناً موسیٰ اس میں خضر سے اکمل تھے کیونکہ موسیٰ انبیاء اور اولوالعزم سے ہیں۔ اور خضر کی نبوت خود مختلف فیہ ہے اور نبی کے لئے علم شرائع میں غیر نبی سے اور اس طرح اس شخص سے بھی جس کی نبوت مختلف فیہ ہے کامل ہونا ضروری ہے پس خضر سے علم باطن میں بھی موسیٰ اکمل تھے اور یہ میں نے اس لئے بیان کر دیا کہ اس میں بہت لوگوں کو دھوکہ ہو گیا ہے بعض لوگ خضر کو علم باطن میں موسیٰ سے افضل سمجھتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ بعض علماء بھی اس غلطی میں مبتلا ہو گئے مگر یہ علماء وہ ہیں جو صرف اہل ظاہر ہیں جنہوں نے علم باطن کی حقیقت کو نہیں سمجھا ان کو دھوکہ اس سے ہوا کہ قرآن میں جو وقائع خضر کے مذکور ہیں جس کی حقیقت موسیٰ کو ابتداء میں معلوم نہیں ہوئی ان حضرات نے ان واقعات کو علم باطن کی قبیل سے سمجھا ہے حالانکہ ان کو علم باطن سے کچھ تعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق صرف کشف کوئی سے ہے اور کشف کوئی ہی میں خضر سے بڑھے ہوئے تھے اور کشف کوئی کو علم موسیٰ سے کچھ بھی نسبت نہیں اس کی مثال بالکل وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ کوتوال کو شہر کے واقعات و حالات کا علم وائسرائے سے زیادہ ہوتا ہے مگر اس سے کوتوال کا درجہ وائسرائے سے نہیں بڑھ جاتا کیونکہ اس علم کو اس علم سے کچھ بھی نسبت نہیں جو وائسرائے کو حاصل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم ظاہر اور علم باطن اور کشف الہی میں جس سے اسرار و حکم معلوم ہوتے اور معرفت ذات و صفات میں ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ ہی افضل تھے صرف کشف کوئی میں جس کو قرب حق میں کچھ بھی دخل نہیں گو بعض مقربین کو عطا ہو جاتا ہے۔ خضر پڑھے ہوئے تھے (الحمد للہ والقیود ج ۲۵)

## مثنوی کے شعر سے غلط استدلال

مولانا فرماتے ہیں۔

خلق را تقلید شان برباد داد کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد  
مخلوق ایسی تقلید سے برباد ہوئی کہ ایسی تقلید پر دو سو لعنتیں۔

بعض لوگ جو تقلید فی الاحکام کے منکر ہیں مقلدین کے مقابلہ میں مولانا کا یہ شعر پڑھ دیا کرتے ہیں کہ دیکھو مولانا نے تقلید پر لعنت فرمائی ہے مگر یہ ان کا جہل ہے مولانا نے مطلق تقلید پر لعنت نہیں فرمائی بلکہ خاص تقلید پر لعنت فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے یوں نہیں فرمایا کہ دو صد لعنت بر تقلید باد بلکہ بریں تقلید باد فرمایا۔ جس میں اشارہ اس تقلید پر جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے اور اسے پہلے یہ قصہ بیان فرمایا ہے کہ ایک صوفی گدھے پر سوار ہو کر ایک خانقاہ میں پہنچے خانقاہ والے سچے متوکل تھے بلکہ رہزن طریق نام کے متوکل تھے۔ اور اس وقت ان کے یہاں کئی وقت کا فاقہ تھا۔ صوفی کو گدھے پر سوار دیکھ کر خوش ہوئے۔ کہ شکار ہاتھ لگا۔ بس اس کے گدھے کو بیچ کر دو چار دن مزے اڑائیں گے۔ چنانچہ صوفی کی خوب خاطر کی اور گدھے کو اصطبل میں بھیج دیا۔ پھر ایک آدمی کے ہاتھ بازار میں بھیج کر فروخت کر دیا اور اس کی قیمت سے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے گئے۔ رات کو کھانے کے بعد سماع شروع ہوا تو ایک شخص نے قوال سے کہہ دیا کہ یہ گانا۔

خر برفت و خر برفت و خر برفت

گدھا گیا اور گدھا گیا اور گدھا چلا گیا

قوال نے ایسا ہی کہا۔ کیونکہ خانقاہ والوں کو سب لطف امروزہ اسی کی بدولت تھا ان کو وجد ہونے لگا اور اس کا تکرار شروع کر دیا سب کی دیکھا دیکھی وہ درویش بھی یہی کہنے لگے۔ خر برفت و خر برفت و خر برفت۔ کچھ عرصہ کے بعد مجلس سماع ختم ہوئی اور سب لوگ پڑ کر سو رہے صبح درویش نے اپنے خادم سے کہا کہ گدھے پر زین کسوتا کہ آگے روانہ ہوں خادم نے کہا حضور گدھا تو رات ہی سے غائب ہے نہ معلوم کون لے گیا۔ درویش نے کہا ارے کمبخت تو نے رات ہی کیوں نہ اطلاع کی تا کہ نفیث کی جاتی خادم نے کہا حضور میں تو اطلاع کرنے گیا تھا مگر جب آپ کے پاس پہنچا تو میں نے مجلس سماع میں آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا خر برفت و خر برفت و خر برفت میں سمجھا کہ حضور کو گدھے کے جانے کا کشف ہو گیا



ہے۔ درویش نے کہا کجخت مجھے تو کچھ بھی خبر نہ تھی میں تو دوسروں کے دیکھا دیکھی کہہ رہا تھا مولانا اس تقلید کی نسبت فرماتے ہیں۔

خلق را تقلید شان برباد داد کہ دوشد لعنت بریں تقلید باد  
کہ ایسی تقلید جیسی اس درویش نے کی تھی یعنی بے سمجھے اس تقلید پر مولانا لعنت فرما رہے ہیں۔  
(الحمد و دو القیود ج ۲۵)

## کاملین اور محققین کی تقلید کا حکم

کاملین و محققین کی تقلید کو اور حقیقت سمجھنے کے بعد جو تقلید ہو اس پر مولانا لعنت نہیں فرماتے بلکہ اس کا تو امر فرماتے ہیں۔

چوں گزیدی پیرہین تسلیم شو ہم چوموسیٰ زیر حکم خضر رو  
جب کسی کو پیر بنایا تو اس کی اطاعت ہر بات میں کرو۔ اور اس کی تو اس قدر تاکید فرماتے ہیں کہ کامل کے سامنے بولنے کو بھی منع فرماتے ہیں۔

صبر کن درکار خضر اے بے نفاق تا گوید خضر رو ہذا فراق  
اے بے نفاق خضر کے کام میں صبر کرو تا کہ خضر یہ نہ کہہ دیں کہ جدائی ہے۔  
قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو  
قال کو چھوڑو، حال کے مرد بنو کسی اللہ والے کے سامنے روندے جاؤ۔  
اور لقائے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل وقال  
آپ کی ملاقات ہر سوال کا جواب ہے اور بغیر بحث مباحثہ کے آپ کی ملاقات سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔

اور شیخ کی سختی پر اور اسکے امتحان پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرماتے ہیں۔  
چوں بیک زخمی گریزانی ز عشق تو بجز نامے چہ مے دانی ز عشق  
جب تو ایک ہی زخم سے عشق سے بھاگتا ہے تو سوائے عشق کے نام کے اور کیا جانتا ہے۔  
گرنداری طاقت سوزن زدن از چمنیں شیر ثیاں بس دم مزین  
جب تم کو سوئی چھبے کو برداشت نہیں تو پھر ایک شیر کا نام مت لینا۔

تو جو لوگ مولانا کے ایک شعر سے مطلق تقلید کی مذمت ثابت کرتے ہیں وہ مولانا کے اس کلام کو بھی تو دیکھیں کہ اس میں وہ کس تاکید سے تقلید کا امر فرما رہے

ہیں۔ سب مجموعہ کو ملا کر حاصل یہ نکلے گا کہ مولانا کورانہ تقلید کی مذمت فرماتے ہیں نہ اس تقلید کی جو بصیرت اور تحقیق کے ساتھ ہو چنانچہ فرماتے ہیں۔

ایک شعر کا صحیح مفہوم

کور کورا نہ مرد در کر بلا      تانفتی چوں حسین اندر بلا

(تم اندھے ہو کر کر بلا نہ جاؤ جب تک حضرت حسینؑ کی مجاہدات سے تصفیہ باطن نہ کرلو)  
اس میں صاف طور تقلید کورانہ سے منع فرما رہے ہیں مگر اس شعر کا صحیح مطلب بھی سن لیجئے کیونکہ بہت لوگ اس کا مطلب غلط سمجھے ہوئے ہیں عام طور سے اس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ اندھے بن کر کر بلا میں نہ جاؤ کہیں تم بھی حسین رضی اللہ عنہ کی طرح گرفتار بلا نہ ہو جاؤ پھر اس پر اشکال کرتے ہیں کہ اس میں حسینؑ کی تنقیص لازم آتی ہے سبحان اللہ ترجمہ تو غلط تم کرو اور تنقیص کا الزام مولانا پر رکھو۔ اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے کہ لفظ تا تعلیل کے واسطے نہیں بلکہ غایت کے واسطے ہی یعنی تم اندھے ہو کر کر بلا میں نہ جاؤ جب تک کہ امام حسینؑ کی طرح بلا مجاہدہ کا تحمل نہ کر لو یعنی پہلے مجاہدات سے تصفیہ باطن کرو پھر کر بلا میں جانے کا نام لینا کیونکہ امام حسینؑ بھی مجاہدہ سے فارغ ہو کر کر بلا میں گئے تھے۔ اس لئے پہلے نہیں گئے اس پر کچھ بھی اشکال نہیں اور اس توجیہ کی ضرورت اس وقت ہے کہ یہ شعر مولانا کا ہو مگر میرے نزدیک یہ شعر مولانا کا نہیں ہے کیونکہ مثنوی میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ بہر حال ممانعت کورانہ تقلید سے ہے۔ اور حقیقت سمجھ کر تقلید کرنے کا مضائقہ نہیں وہ ایک درجہ تحقیق ہی ہے۔ (الحمد و دو القیود ج ۲۵)

## جنت بہت بڑا انعام ہے

مولانا محمد یعقوب صاحب مجازی معنی کے اعتبار سے فرماتے تھے کہ جنت کیا ہوگی گویا چھوٹی سی خدائی ہوگی کیونکہ آدمی وہاں جس چیز کی خواہش کرے گا فوراً موجود ہو جائے گی۔ ولکم فیہا ماتشتہی انفسکم ولکم فیہا ماتدعون۔ اور تمہارے واسطے وہاں ہے جو چاہے دل تمہارا اور تمہارے لئے ہے جو کچھ مانگو۔ اور اللہ تعالیٰ دل کی بات کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں بس ادھر آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی اور ادھر اس کا ظہور ہو گیا بس اللہ تعالیٰ کے دربار کی ایسی شان ہے کہ:

نیم جان بستاند و صد جاں دہد      انچہ دروہمت نیاید آں دہد

فانی اور حقیر جان لیتے ہیں اور اس کے بدلے میں باقی جان عطا فرماتے ہیں جو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

کس نیا ید ایں چنین بازار را کہ بیک گل میخری گلزار را  
تم ایسا بازار کہاں سے لاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلے پورا باغ خرید لو۔ (الحمد و القیود ج ۲۵)

## طالب علم کیلئے تین ضروری کام

طالبان علم تین باتوں کا لحاظ رکھے اور ہمیشہ کے لئے ان پر دوام رکھے ان شاء اللہ اس کی استعداد اچھی ہوگی اور یہی تین باتیں اس کے واسطے کافی ہوں گی۔ ایک یہ کہ سبق سے پہلے مطالعہ کرے دوسرے سبق سمجھ کر پڑھے بدون سمجھے آگے نہ چلے تیسرے یہ کہ سبق پڑھنے کے بعد ایک بار اس کی تقریر کر لیا کرے خواہ تنہا یا جماعت کے ساتھ تکرار کر کے اس سے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ زیادہ محنت کا انجام اچھا نہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک بار فرمایا کہ شوق باقی رکھ کر کام کیا کرو یعنی سارا شوق پورا کر کے کام سے نہ اٹھا کرو بلکہ ایسے حال میں اٹھ کھڑے ہو کہ کچھ حصہ شوق کا باقی ہو پھر فرمایا کہ تم نے چکی پھرائی ہے۔ میں نے کہا حضرت نہیں۔ فرمایا تم نے دنیا کو کیا خاک دیکھا۔ ہمارے اکابر کیسے زندہ دل تھے یوں چاہتے تھے کہ بچے کھیلنے کے زمانہ میں کھیلیں اور کام کے وقت اچھی طرح کام کریں۔ پھر خود ہی بتایا کہ چکی پر ڈور اپیٹ کر اس کو پھراتے ہیں اور چکی پھراتے ہوئے سارا ڈور نہیں اتارا کرتے بلکہ تھوڑا سا ڈور چھوڑ دیتے ہیں تاکہ سہولت سے پھر لوٹ آئے اگر سارا ڈور اتر جائے تو دوبارہ چڑھانا پڑے گا اسی طرح سارا شوق ختم کر کے کتاب چھوڑ دے تو دوسرے دن از سر نو شوق پیدا کرنا پڑیگا۔ نہیں اس لئے تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر کتاب چھوڑا کرو تا کہ اگلے دن کتاب پڑھنے کو خود جی چاہے اطباء بھی تو کہتے ہیں کھانا تھوڑی سی بھوک باقی رکھ کر چھوڑنا چاہیے تاکہ دوسرے وقت اشتہائے صادق ہو ورنہ مشورہ کے لئے کمیٹی کرنا پڑے گی۔ اس وقت کھاؤں یا نہ کھاؤں پھر یار دوست سوڈا واٹر اور نمک سلیمانی کی رائے دینگے اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ کبھی بند پڑ جائیگا تو حقنہ کرنا پڑے گا۔ (الحمد و القیود ج ۲۵)

## دعا کے حدود و قیود

دعا کیسی اچھی چیز ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا مغز بتایا ہے مگر اس

کے لئے بھی حدود و قیود ہیں کہ دعا میں فضول قیدیں نہ بڑھائے جیسے ایک صحابی زادہ نے دعا کی تھی۔ اللھم انی اسئلك القصر الابيض عن یمین الجنة۔ کہ اے اللہ میں جنت کے دائیں جانب والا کوشک ابیض آپ سے مانگتا ہوں ان کے باپ نے اس پر ٹوکا کہ یہ قید کیسی ہے خدا سے جنت الفردوس مانگو یہ کیا کہ دائیں جانب کا حصہ ہو اور سفید محل ہو۔ یہ تجاوز عن الحدود ہے اور میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا میں حد سے تجاوز کو پسند نہیں فرماتے اسی طرح یہ بھی دعاء کا ادب ہے کہ بے تمیزی کی دعا نہ کرے اسی لئے میں نے مناجات مقبول اور بعض بزرگان سلف نے حزب اعظم وغیرہ تالیف کی ہے جس میں ادعیہ ماثورہ کو جمع کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر دعا نہ کیا کریں۔ کیونکہ اختراعی دعا میں بے ادبی کا اندیشہ ہے کیونکہ جاہل آدمی کا ادب ہی کیا ممکن ہے وہ اپنی جہالت سے بے ادبی کو ادب سمجھ جائے جاہلوں کا ادب تو ایسا ہوتا ہے جیسے ایک گنوار کا اپنے ربیب کے ساتھ مقدمہ تھا ڈپٹی نے اس سے پوچھا کہ یہ لڑکا تیرا کیا لگتا ہے کہا یہ میرا کڈھیلو ا ہے ڈپٹی صاحب نے یہ وحشی لغت کیوں سنا تھا پوچھا کڈھیلو کیا بلا ہے گنوار نے کہا تو نہیں جانتا لے میں تجھے بتاؤں کڈھیلو اسے کہیں جیسا تیرا باپو مر جا اور تیری ماں مجھے کر لے اور تو اس کی گیلوں آئے تو تو میرا کڈھیلو ا ہوگا اب بھی سمجھا ڈپٹی نے کہا کہ ایسا سمجھا کہ عمر بھر نہ بھولوں گا مولانا جاہلوں کے ادب کی مثال دیتے ہیں۔

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست  
ایں نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست  
بادشاہ کو اگر کوئی جولاہا کہے کہ تو یہ اس کی تعریف نہیں ہے مگر وہ اس کے مرتبہ سے واقف نہیں ہے۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

## حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ کی حکایت

ایک حکایت میں میں نے نصاب الاحساب کے مصنف قاضی ضیاء الدین سنائی کے ایک بزرگ سے سنی ہے جو الہ آباد میں مجھ سے ملے ہیں وہ اپنے کسی بزرگ کی کتاب سے نقل کرتے تھے اور وہ ایسے بزرگ تھے جن سے حضرت خضر علیہ السلام ملا کرتے تھے ان کے یہاں ایک کتاب پر حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ کی ف لکھی ہوئی ہے شاید انہوں نے حاشیہ کے طور پر کوئی فائدہ لکھنا چاہا تھا۔ مگر ف لکھ کر آگے نہیں لکھ سکے۔ وہ کتاب تبرک کے طور



پران کے کتاب خانہ میں رکھی ہوئی ہے۔ ان واقعات پر جزم تو نہیں کیا جاسکتا مگر تکذیب کی بھی کوئی حد نہیں کہ میرے نزدیک راوی غیر معتبر نہیں ہے تو ان بزرگ سے کسی نے سماع کی بابت سوال کیا تھا کہ اس میں آپ کا فیصلہ کیا ہے یہ جائز ہے یا نہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ عزیز من تم نے ایسی بات کا سوال کیا ہے جس کا فیصلہ کرنا ہمارا تمہارا کام نہیں بس میں بجائے جواب کے تم کو ایک حکایت سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ قاضی ضیاء الدین سنائی حضرت سلطان الاولیا سلطان نظام الدین کے ہم عصر ہیں سلطان جی صاحب سماع تھے سنائی ان کو سماع سے منع کرتے تھے۔ ایک بار قاضی صاحب کو معلوم ہوا کہ سلطان جی کے یہاں سماع ہو رہا ہے تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر روکنے آئے یہاں پہنچ کر دیکھا تو ایک بڑا شامیانہ قائم تھا اور اس کے اندر سلطان جی کی جماعت کا اس قدر ہجوم تھا کہ قاضی صاحب کو اندر جانے کی جگہ نہ ملی تو انہوں نے حکم دیا کہ خیمہ کی طنائیں کاٹ دو تا کہ مجمع منتشر ہو جائے فوج نے خیمہ کی طنائیں کاٹ دیں مگر خیمہ اسی طرح ہوا پر معلق رہا گرا نہیں قاضی صاحب نے اپنی جماعت سے فرمایا کہ اس سے دھوکہ نہ کھانا بدعتی سے خوارق کا صدور ہو سکتا ہے۔ اور یہ موجب قبول نہیں اس وقت تو وہ واپس ہو گئے۔ دوسرے وقت حضرت سلطان جی کے مکان پر گئے اور فرمایا کہ تم سماع سے توبہ نہ کرو گے۔ سلطان جی نے فرمایا اچھا اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھوادیں جب تو تم منع نہ کرو گے کہا اچھا پچھوادو قاضی صاحب کو سلطان جی کی بزرگی کا علم تھا جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر سکتے ہوں اس لئے سوچا کہ اس دولت کو کیوں چھوڑوں۔ چنانچہ سلطان جی نے ان کی طرف توجہ کی تو انکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت مکشوف ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما رہے ہیں کہ فقیر کو تنگ کرتے ہو قاضی سنائی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں کس حال میں ہوں جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں۔ اور صحیح طور پر سن رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں یا مدہوش ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار شادات حضرات صحابہ نے بحالت یقظہ آپ سے سن کر بیان فرماتے ہیں۔ وہ اس ارشاد سے اولی و اقدم ہیں جو میں اس وقت سن رہا ہوں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ اور یہ حالت ختم ہو گئی۔ تو سلطان جی نے فرمایا کہ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا قاضی صاحب نے کہا اور دیکھا ہم نے کیا عرض کیا۔ پھر سلطان جی نے قاضی صاحب کے سامنے ہی منشد کو یعنی قوال کو اشارہ کیا اس نے سماع شروع کیا۔ قاضی

صاحب بھی بیٹھے رہے کہ اس بدعت کو یہیں بیٹھ کر توڑوں گا۔ قوال نے کوئی شعر پڑھا۔ سلطان جی کو وجد ہوا اور وہ کھڑے ہو گئے۔ قاضی صاحب نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھلادیا تھوڑی دیر میں غلبہ وجد سے سلطان جی پھر کھڑے ہوئے اور قاضی صاحب نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھلادیا تیسری دفعہ سلطان جی پھر کھڑے ہوئے اس دفعہ قاضی صاحب نے ہاتھ باندھ کر سلطان جی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس پر قاضی صاحب کی جماعت کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہونے لگا۔ سب کا خیال ہوا کہ بس اب آئندہ قاضی صاحب سلطان جی کو سماع سے منع نہ کریں گے مگر جب مجلس سماع ختم ہوئی تو قاضی صاحب یہ کہہ کر اٹھے اچھا میں پھر کبھی آؤنگا اور تم کو اس بدعت سے روکوں گا واپسی کے وقت قاضی صاحب کی جماعت نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی۔ کہ تیسری دفعہ میں آپ سلطان جی کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا بات یہ ہے کہ سلطان جی کو پہلی بار جو وجد ہوا تو ان کی روح آسمان اول تک پہنچی یہاں تک میری بھی رسائی تھی میں ان کو وہاں سے واپس لے آیا۔ اور بٹھلادیا۔ دوسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح عرش کے نیچے پہنچی یہاں تک بھی میری رسائی تھی میں وہاں سے بھی ان کو واپس لے آیا۔ تیسری بار جو وجد ہوا تو ان کی روح فوق العرش پہنچی میں نے چاہا کہ وہاں سے بھی واپس لاؤں کہ ملائکہ عرش نے مجھے روک دیا کہ عرش کے اوپر نظام الدین ہی جاسکتے ہیں تم نہیں جاسکتے۔

اس وقت مجمع کی عجیب حالت تھی۔ اور اس وقت مجھے عرش کی تجلیاں تک نظر آئیں میں ان تجلیات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو گیا تھا اس بدعتی کے سامنے تھوڑا ہی دست بستہ ہوا تھا وہ چاہے عرش سے اوپر پہنچ جائے مگر اس بدعت سے پھر بھی اس کو منع کرونگا۔ وہ بھی بڑے پکے تھے کہ سلطان جی کے مقامات سے بھی واقف تھے اور خود بھی صاحب مقامات تھے اور جانتے تھے کہ سلطان جی کا مقام مجھ سے اعلیٰ و ارفع ہے مگر بایں ہمہ بدعت ہی سمجھتے ہیں یہ بڑا کمال ہے ورنہ ناقص تو ایسے وقت دھوکہ میں آجائے اور بدعت کے بدعت ہونے میں تامل کرنے لگے مگر قاضی صاحب کو اس پر بھی تامل نہیں ہوا یہ انکے کمال کی دلیل تھی اور واقعی ایسے ہی صاحب کمال کو سلطان جی جیسے پر احتساب کا حق بھی تھا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ قاضی صاحب کا وقت وصال سلطان جی سے پہلے آیا سلطان جی ان کو عیادت کو گئے اور دروازہ پر پہنچ کر اجازت مانگی قاضی صاحب نے فرمایا کہ سلطان جی سے کہہ دو کہ یہ وقت وصال حق کا وقت ہے اس وقت میں بدعتی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا سلطان جی نے جواب دیا کہ قاضی صاحب سے عرض کر دو کہ وہ

بدعتی ایسا بے ادب نہیں کہ بارگاہ سنت میں بدعت سے ملوث ہو کر آتا وہ حضرت والا کے مذاق سے واقف ہے اور آپ کے مذاق کی پوری رعایت کر کے حاضر ہوا ہے میں اس بدعت سے توبہ کر کے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر مجمع گویا ذبح ہو گیا تھا۔ یہ جواب سن کر قاضی صاحب پر حالت طاری ہو گئی اور آبدیدہ ہو کر اپنا عمامہ سر سے اتار کر خادم کو دے دیا۔ کہ سلطان جی سے کہو کہ اس عمامہ پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں۔ بس ان میں یہی ایک کسر تھی جو جاتی رہی باقی ان کے مقامات عالیہ اور کمالات سے میں ناواقف نہیں ہوں۔

گر برسرو چشم من نشی نازت بکشم کہ نازنینی  
اگر تو میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھے تو تیرا آنا آٹھاؤں اس سے کہ تو ناز نہیں ہے۔  
خادم قاضی صاحب کا عمامہ لے کر سلطان جی کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے عمامہ کو سر پر رکھ لیا کہ یہ عمامہ شریعت ہے میں اس کو اپنے سر پر رکھ کر حاضر ہوں گا چنانچہ تشریف لائے اور قاضی صاحب نے فرمایا۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشہ چشمے بمانند  
وہ گوشہ جو تیری خاک ہے مٹی کو کیمیا بناتے ہیں کیا وہاں ہماری جانب رسائی ہے۔  
حضرت اب میرا آخری وقت ہے اللہ میرے اوپر توجہ فرمائے چنانچہ حضرت سلطان جی نے توجہ شروع کی اور ایسی توجہ کی کہ قاضی صاحب کی روح نہایت فرح و شادمانی کے ساتھ عالم بالا کو پرواز ہو گئی۔ حضرت قاضی صاحب کا وصال ہو گیا تو سلطان جی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ افسوس شریعت کا ستون گر گیا۔ اس حکایت کو ذکر کر کے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ بھائی نہ میں نظام الدین ہوں جو اجازت دوں نہ ضیاء الدین ہوں جو منع کروں یہ حکایت میں نے اخبار الاخیار میں بھی دیکھی ہے مگر مختصر۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

## تقسیم کار کا اصول

ہر قوم کے لئے تقسیم خدمات ضروری ہے بدون اس کے کام نہیں چل سکتا تمام اہل تمدن اس کی ضرورت پر متفق ہیں۔ چنانچہ جنگ میں فوج جاتی ہے فوجی افسر جاتے ہیں منشی محرر کیلکٹر اور جج۔ وغیرہ نہیں جاتے پھر نہ معلوم مولویوں کے ذمہ سارا کام کیوں رکھا جاتا ہے کہ وہ حدیث و فقہ و تفسیر کا علم بھی حاصل کریں۔ فتویٰ بھی لکھیں وعظ بھی کہیں درس



و تدریس بھی کریں، مدرسے بھی قائم کریں، مدارس کے لئے چندہ بھی کریں، مناظرہ بھی کریں، اور لیڈروں کے ساتھ جھنڈا لیکر سیاسیات میں بھی شریک ہوں یہ طریقہ تقسیم خدمات کے بالکل خلاف ہے میں یہ کہہ رہا تھا کہ علماء کا جو کام ہے وہ اس سے کسی وقت غافل نہیں اس لئے یہ اعتراض لغو ہے کہ جب مولوی علماء کا جو کام نہ کریں تو لیڈر کیا کریں۔ انہوں نے دین کی خدمت کرنا شروع کر دی۔ سو میں نے بتا دیا ہے کہ جو خدمت مولویوں کے ذمہ ہے یعنی معافی قرآن و حدیث کا حل کرنا احکام شرعیہ بیان کرنا وہ اس خدمت کو بخوبی انجام دے رہے ہیں اس میں لیڈروں کو دخل دار معقول کی کیا ضرورت ہے۔ مطالب قرآن و حدیث اور احکام تو لیڈروں کو علماء سے پوچھنا چاہیے اور ترقی قومی کے اسباب و وسائل لیڈروں کو سوچنا چاہئے اور ہر تدبیر کے جواز و عدم جواز کو اپنی رائے سے طے نہ کیا کریں بلکہ اول علماء سے استفتاء کر لیا کریں (الحدود والقیود ج ۲۵)

## احکام شرعیہ میں رعایت جذبات

حدیث شریف ہے لایحل لاحدان یہجر اخاہ فوق ثلثة ایام (الادب المفرد للبخاری ۳۹۹) کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال وغیرہ موقوف رکھے دیکھئے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ چاہے آپس میں کیسا ہی رنج و تکرار ہو بولنا مت چھوڑو حالانکہ شریعت کو یہ بھی اختیار تھا کہ ایسا حکم دیدیتی چنانچہ بعض مشائخ نے طالبین کی اصلاح کیلئے کبھی ایسا حکم دیا ہے مگر ایسی ہمت سالکین کو ہو سکتی ہے۔ ہر شخص کو نہیں ہو سکتی۔ رنج و تکرار کا طبعی تقاضا ہے کہ جس سے تکرار ہو اس سے کلام نہ کیا جاوے۔ چونکہ احکام شرعیہ عام ہیں اس لئے اس جذبہ کی رعایت کر کے حکم دیا گیا کہ غصہ اور رنج میں بول چال چھوڑ دینا جائز ہے مگر اس کی حدود مقرر ہیں کہ تین دن سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اس میں نکتہ یہ ہے کہ رنج و تکرار کے بعد فوراً سلام و کلام کرنے میں غصہ کو گھونٹنا پڑے گا اور غصہ کے گھونٹنے سے کینہ اور حسد پیدا ہو جاتا ہے اس لئے غصہ نکالنے کی اجازت دی گئی۔ کہ بول چال ترک کر سکتے ہو۔ مشائخ کو بھی ایسے موقع پر غصہ گھونٹنے کا حکم نہ دینا چاہیے بلکہ موقع اور حالت کو دیکھ کر حکم دینا چاہیے اسی لئے شیخ بننا بڑا مشکل ہے غرض عام حکم یہ ہے کہ تین دن تک نہ بولنا جائز ہے اور تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ تھوڑی



دیر گزر جانے سے غصہ کم ہو جاتا ہے۔ پھر رات گزر جانے سے اگلے دن طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے بوجھ نہیں رہتا۔ پھر تیسرے دن غصہ نکل جاتا رہتا ہے۔ اب شریعت ایسے وقت میں دونوں کو ملانا چاہتی ہے کہ ان کے دلوں پر غصہ کا بوجھ نہیں رہا۔ تجربہ ہے کہ تین دن کے بعد غصہ اور رنج کا طبعی اثر باقی نہیں رہتا ہاں اگر کوئی سوچ سوچ کر خود ہی رنج و غصہ کو تازہ کرنا چاہے تو اور بات ہے مگر یہ رنج و غصہ کسی ہوگا طبعی اثر نہ ہوگا۔ شریعت نے طبعی تقاضہ کی رعایت کی ہے کیونکہ وہ اختیار سے باہر ہے، کسی امور کی رعایت نہیں کی کیونکہ ان کا وجود و عدم اپنے اختیار میں ہے مگر یہ حدود اس رنج و غصہ میں ہیں جو دنیوی سبب سے ہو اور اگر دینی سبب سے ہو تو تین دن سے زیادہ بھی ترک کلام و سلام جائز ہے جب تک کہ وہ سبب باقی ہے۔ مثلاً نعوذ باللہ کوئی مرتد ہو گیا یا کوئی شخص فاسق و فاجر و زنا کار ہے وغیرہ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ قطع تعلق کا منشاء محض وہ معصیت ہی ہو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قطع تعلق تو کرتے ہیں کسی دنیوی سبب سے مثلاً ان کو کسی سے کوئی زک پہنچی ہے اس لئے بول چال قطع کرتے ہیں۔ مگر ان کا نفس مولوی ہے وہ اس کے لئے دینی سبب نکال لیتا ہے کہ میں نے تو اس شخص سے قطع تعلق اس لئے کیا ہے کہ یہ فاسق ہے بدعتی ہے اس مرض میں آج کل مولوی زیادہ مبتلا ہیں کہ وہ دنیا کو دین بنا لیتے ہیں مگر ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ان تاویلوں سے مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہیں مگر خدا کے یہاں یہ ترکیبیں اور حیلے نہیں چل سکتے۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## دشمنی اور دوستی کا اعتدال

دشمنی اور دوستی کیلئے بھی شریعت نے ایک حد مقرر کی ہے اور اس میں بھی اس حکمت کا جریان بہت واضح ہے بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے احب حبیبک ہونا ما عسی ان یکون بغیہک یوما ما و البغض بغیہک ہونا ما عسی ان یکون حبیبک یوما (سنن الترمذی ۱۹۹۷، کنز العمال ۴۲/۲۳)، یعنی دوستوں کے ساتھ دوستی اعتدال کے ساتھ کرو شاید وہ کسی وقت تمہارا دشمن ہو جائے تو تمہارے سارے راز معلوم ہونے کے سبب تم کو ضرر پہنچا دے۔ اور دشمن کے ساتھ دشمنی بھی اعتدال سے کرو شاید وہ کسی وقت دوست ہو جائے تو آنکھیں سامنے کرتے ہوئے حجاب نہ ہو۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر ساری دنیا کے عقلاء جمع ہو جائیں تو اس ذات پاک

حضور کے برابر ہر گز حکمتوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ نے دوستی اور دشمنی کی کیسی حد بتلا دی کہ دوستی ایسی کرو کہ وہ کسی وقت دشمن ہو جائے تو تم کو پریشانی نہ ہو۔ اور دشمنی بھی ایسی کرو کہ اگر کسی وقت دوست ہو جائے تو آنکھیں سامنے کرتے ہوئے ندامت نہ ہو۔ یہ وہی حکمت ہے لعل اللہ متحد ث بعد ذلک امرا (شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی بات پیدا کر دیں)۔ کہ دوستی اور دشمنی کرتے ہوئے یہ سوچ لیا کرو کہ شاید حق تعالیٰ بعد میں کوئی نئی بات پیدا کر دیں۔ پھر نادوم ہونا پڑے تو اسی وقت اس کی رعایت کر لینی چاہیے کیا کوئی حکیم ہے جس کی باتوں میں ایسی حکمتیں ہوں ہر گز نہیں۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ نہ ہماری دوستی کی کوئی ح د ہے نہ دشمنی کی۔ دوستی کریں گے تو ایسی کہ دوست کو بھائی اور اولاد سے بڑھا دیں گے۔ بھائی سے تو روپے پیسے کا بھی حساب ہوتا ہوگا اور دوست سے کسی چیز کا حساب نہیں وہ جو چاہے کرے پورا خود مختار ہے۔ اس کے سامنے اپنے سارے راز بیان کر دیتے ہیں حتیٰ کہ خاندانی جھگڑے بھی سب اس کے سامنے کھول دیتے ہیں۔ عزیزوں سے تو کچھ پردہ بھی ہوتا ہے مگر دوستوں سے کسی بات کا پردہ ہی نہیں ہوتا جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت وہ دشمنی پر آمادہ ہو گیا تو ان حضرت کے سارے راز ظاہر کر دے گا میں کہتا ہوں کہ دوستوں سے اپنے خاص راز ہر گز ظاہر نہ کرو پیر سے زیادہ کوئی دوست نہیں ہوتا۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## راحت کا راز

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے استاد الا ستاد فرماتے تھے کہ راحت اگر چاہتے ہو تو کسی سے توقع نہ رکھو۔ کیونکہ اکثر رنج و غم کا سبب یہی ہوتا ہے کہ ہم کو کسی سے امید تو اور کچھ اور اس سے برتاؤ اور کچھ ظاہر ہوا۔ پھر مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھائی میں کہتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی امید نہ رکھو اللہ اکبر یہی تو اہل اللہ کی علامت ہے کہ وہ معاملات میں اپنے کو بھی دوسروں کے برابر سمجھتے ہیں۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## غیر عامل و اعظ کیلئے وعید

اگر واعظ خود عامل نہ ہو تو اس کی فضیلت سامعین عالمین پر کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ حدیث میں ایسے واعظ پر وعید ہے حدیث میں ہے کہ ایک شخص جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹتا ہوا گھومے گا اور اس کی بدبو سے جہنم والے تنگ آ جائیں گے تو وہ کہیں گے ارے فلا نے تیرا یہ کیا حال ہے تو ہم

کو امر و نہی کیا کرتا تھا وہ کہے گا ہاں لیکن میں تم کو نیک کام کا امر کرتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا اور تم کو گناہوں سے منع کرتا تھا اور خود نہیں بچتا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ نفع لازم ہی اصل ہے ورنہ اگر کوئی شخص نماز کی ترغیب دیتا ہو اور خود نہ پڑھتا ہو اس کی فضیلت کافی نہیں بلکہ محل وعید سے یوں خلا ف قاعدہ مغفرت ہو جائے تو اور بات ہے باقی قانون نہیں ہے۔ (التراجم فی التراجم ج ۲۵)

## ہدایت غیر کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنا چاہیں تو مجھے ایسی حالت میں اٹھالیجئے کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں بلکہ اس سے بچا رہوں آپ نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ مجھے اس فتنہ کے رفع کرنے کی ہمت دیجئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت غیر کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں ہے بلکہ اپنا بچاؤ مقدم ہے اپنے بچنے کا سامان کرنا چاہیے کیونکہ بعض فتنے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا دفع کرنا قدرت سے باہر ہوتا ہے اس وقت طلب مدافعت مناسب نہیں بلکہ اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔ رہا یہ کہ اس حدیث سے یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ مراد ایسا فتنہ ہے جس کا دفع قدرت سے باہر ہو حدیث میں اس قید پر کیا قرینہ ہے سو قرینہ اس کا اذاردت بقوم فتنہ ہے۔ کہ جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر چکیں اور ظاہر ہے کہ ارادہ کا تخلف محال ہے تو اس فتنہ کا رفع بھی محال ہے اس لئے ایسے وقت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ مجھے ہی اس سے پہلے اٹھالیجئے اور مجھے ہی فتنہ سے بچالیجئے پھر یہ بات معلوم کرنا کہ فتنہ کا رفع دفع کرنا قدرت سے باہر ہے یا نہیں۔ یا تو دلیل قطعی سے معلوم ہوگا۔ جیسا کہ حضرات انبیاء کو وحی سے معلوم ہو جاتا ہے یا دلیل ظنی سے اس طرح معلوم ہو کہ اسکے ظن غالب میں اس کا رفع قدرت سے باہر ہو جیسا کہ آجکل فتن کی حالت ہے کہ فتنوں کی گھٹائیں آرہی ہیں ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا فتنہ نکل کھڑا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا کہ اخیر زمانہ میں فتنے ایسے پے درپے آئیں گے جیسے موتیوں کی لڑی ٹوٹ جائے کہ ایک کے بعد دوسرا گرتا چلا جاتا ہے۔ آجکل یہی حالت ہے جس کو دیکھ کر اہل دردیوں کہتے ہیں۔

یک تن دخیل آرزو دل بچہ مدعا دہم تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم  
ایک جسم ہے اور دل کی بہت آرزوئیں ہیں کس کس کو مدعا دوں سارا بدن داغ داغ  
ہے۔ پھاریہ کہاں کہاں رکھوں۔ (التراجم فی التراجم ج ۲۵)

## نفع رسائی کی حدود

دوسروں کی نفع رسائی کا اس وقت اہتمام کیا جائے جبکہ اپنا ضرر نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک دینار ہے اس کو کیا کروں۔ قال انفقه علی نفسک (مشکوۃ المصابیح: ۱۹۳۰) (فرمایا اس کو اپنی ذات پر خرچ کرو۔

قال آخر قال انفقه علی اہلک (مسند الحمیدی ۱: ۱۱۷۶)۔ (اس نے کہا میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے فرمایا اس کو اپنے گھر والوں پر خرچ کرو۔ قال و آخر قال انفقه علی ولدک (شرح السنۃ: ۶: ۱۹۳) (اس نے کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، المراد بہ البالغون من الاولاد فان الصغار قد دخلوا فی الاہل لکونہم فی عیالہ و اہل الرجل اہل بیتہ الذین بعد قال و آخر انفقه علی خادمہ، کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو۔ قال و آخر وقال فانت املک علیہ۔ (کہا میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اب تم کو اختیار ہے (جہاں چاہو خرچ کرو)۔ صوفیہ کا مذاق تو یہ ہے کہ خود بھوکے رہو اور دوسروں کو دے دو اور اسی کا نام ایثار ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اپنے اوپر پھر اپنے متعلقین پر انفاق کا امر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ نفع لازمی نفع متعدی سے مقدم ہے۔ (التزام فی الترام ج ۲۵)

صحابہ نے تابیر کو اس سال چھوڑ دیا تو اس مرتبہ پھل کم آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس سال پھل کم کیوں آئے معلوم ہوا کہ تابیر نہ کرنے سے ایسا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا تابیر کر لیا کرو اس وقت آپ نے یہ بھی فرمایا انتم اعلم بامور دنیا کم (الصحيح لمسلم، الفضائل: ۱۴۱، كنز العمال ۳۲: ۱۸۲)، تم دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ دنیوی کاموں کا طریقہ اور اسباب کے خواص تم زیادہ جانتے ہو یعنی مجھے اس خاصیت کی اطلاع نہ تھی۔ اور یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ دنیوی کاموں کے احکام میں تم خود مختار ہو۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو آپ پہلے ہی سے منع کیوں فرماتے آپ نے ممانعت اسلئے کی ٹوٹکہ اور شگون کا آپ کو شبہ ہوا تھا جب یہ احتمال رفع ہو گیا اور معلوم ہوا کہ تابیر میں یہ خاصیت فطری ہے اس وقت آپ نے اجازت دے دی۔ (الباب لاوی الالباب ج ۲۵)



## چند فضول سوالات

کانپور میں ایک عربی خواں طالب علم سے ایک انگریزی خواں نے سوال کیا کہ بتلاؤ ثوابت کی شمار کیا ہے انہوں نے کہا کہ مرصودہ کا عدد تو لکھا ہے کہ ایک ہزار بائیس ہیں مگر غیر مرصودہ معلوم نہیں وہ بولا بس یہی ریاضی پڑھی ہے۔ اس نے سائل سے یہ سوال کیا کہ اچھا آپ بتلا دیں کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں اور یہ سوال زمین کا ہے اور آپ کا سوال آسمان کا ہے پہلے آپ زمین کا حال بتلا دیں تو میں بھی آسمان کا حال بتلا دوں گا۔ اب وہ خاموش ہیں طالب علم نے کہا بس یہی جغرافیہ پڑھا ہے آج کل یہ بھی ایک مرض ہے کہ مولویوں سے اینڈے بینڈے سوالات کرتے ہیں اور اگر ان سے جواب نہ آئے تو ان کے علم پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے کیا خاک پڑھا ہے اتنی بات کا تو جواب نہ دے سکے۔ سبحان اللہ اسی لیے علماء نے پڑھا لکھا ہے کہ آپ کے واہیات سوالات کو حل کیا کریں ان سے احادیث و آیات کا مطلب پوچھو مسائل و احکام واقعات کا جواب لو الغرض دنیا کے کاموں کا تجربہ تو ان کو ضروری نہیں مگر سلیقہ اور تہذیب اور انتظام ان میں اس قدر ہوتا ہے کہ واللہ اہل دنیا کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی جس کا امتحان اس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان کے پاس تھوڑے دن رہ کر دیکھ لے اور وہ شخص ایسا ہو جس کو اپنے مہذب اور سلیقہ دار اور منتظم ہونے کا دعویٰ ہو اور اپنے کو بڑا عاقل سمجھتا ہو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ اپنے کو بے وقوف کہہ کر نہ اٹھے تو کوئی بات نہیں تھوڑے ہی عرصہ میں اس کو اپنی تہذیب کا بد تہذیبی ہونا اور اپنے انتظام کا غلط ہونا مشاہدہ ہو جائے گا۔ (الباب لا ولی الا الباب ج ۲۵)

## ترقی کا مدار محض اسباب پر نہیں

میں نے ایک شہر میں ایک رئیس دیکھا ہے کہ پہلے وہ چھ پیسے کے مزدور تھے پھر ریلوے میں نوکر ہو گئے۔ پھر ریلوے کے ٹھیکے لینے لگے حتیٰ کہ ترقی کرتے کرتے ہزاروں لاکھوں کے آدمی ہو گئے کہ بڑے بڑے بی اے، ایم اے کی ڈگری پاس کرنے والے ان کے یہاں ملازم تھے اور خود اپنے دستخط بھی نہ کر سکتے تھے اگر ترقی کا مدار محض اسباب پر ہے تو ذرا تم کسی دوسرے کو تو چھ پیسہ کی مزدوری سے لاکھوں ہزاروں کا آدمی

بنادو۔ اور جس طرح اس رئیس نے ترقی کی ہے اس کو بھی وہی ذرائع بتلا دو۔ یقینی بات ہے کہ ہر شخص ان ذرائع سے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ ہر شخص رات دن مشاہدہ کرتا ہے کہ آج وہ ایک کام کا ارادہ کرتا ہے جو پورا ہو جاتا ہے کل کو پھر اسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور پورا نہیں ہوتا۔ اسی لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں عرفت ربی بفسخ العزائم، کہ میں نے خدا تعالیٰ کو ارادوں کے ٹوٹنے اور ناکام رہنے سے پہچانا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ارادہ سے کچھ نہیں ہوتا کوئی دوسرا کام کرنے والا ہے۔ (الباب لاوی الالباب ج ۲۵)

## جسمانی اعضاء کے گناہ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں العینان تزنیان وزنا هما النظر والقلب یتمنی ویشتہی ویصدق ذلک الفرج اویکذبه (مسند احمد ۲: ۳۷۲ مجمع الزوائد ۶: ۲۵۶) اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کے لئے بھی زنا ثابت فرمایا ہے اور قلب کے لئے بھی کہ آنکھ بھی زنا کرتی ہے۔ اس کا زنا دیکھنا ہے (بقصد شہوت) اور دل بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا تمنا اور اشتہا ہے آگے فرج کے زنا کو الگ بیان فرمایا ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ قلب کی تمنا و اشتہا پر بھی مواخذہ ہے مگر وہی جو بقصد ہو جو بلا قصد تو وسوسہ زنا کیا کفر و شرک کے وساوس بھی مضر نہیں پس وساوس غیر اختیاریہ سے بالکل مطمئن رہو ان سے کچھ بھی ضرر نہیں ہوتا۔ میں اس مسئلہ کو تاکید و توضیح کے ساتھ اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ بہت لوگ اس کے نہ جانے کی وجہ سے پریشانیاں اور وہم میں مبتلا ہیں اور اس میں عوام کو زیادہ ابتلاء نہیں زیادہ وساوس کے وہم میں آپ اتقیاء کو مبتلا دیکھیں گے کیونکہ شیطان اپنے وقت کو خراب نہیں کرتا ہے وہ بڑا جنٹلمین ہے کہ وہ بے ضابطہ اپنے وقت کو فضول ضائع نہیں کرتا بلکہ ضابطہ سے کام کرتا ہے۔ تو جن سے وہ گناہ بھی آسانی سے کرا سکتا ہو ان کو وسوسے کیوں ڈالے اور خواہ مخواہ القاء وساوس میں اپنا وقت کیوں برباد کرے ہاں جن سے گناہ بلا واسطہ نہیں کرا سکتا اور یہ اتقیاء ہیں جن سے اگر وہ زنا یا چوری کراتا چاہے تو جانتا ہے کہ وہ فوراً اس سے متوحش ہوں گے اور کبھی اس فعل پر جرات نہ کریں گے ان کو وہ عبادت کے وقت وساوس میں مبتلا کرتا اور اس طرح پریشان کرتا ہے تا کہ وساوس سے گھبرا کر یہ عبادت کو ترک کر دیں چنانچہ بہت سے اتقیاء کو اس نے وساوس کے چکر میں ڈال کر

عبادات و ذکر سے معطل کر دیا کیونکہ ان کی حالت یہ ہو گئی ویسے بیٹھے رہیں تو ایک وسوسہ بھی پاس نہیں آتا اور جہاں نماز و ذکر میں مشغول ہوئے معاً وساوس کفر و شرک و معاصی کے آنا شروع ہوئے پھر چونکہ وہ محقق نہ تھے اس لئے گھبرا گئے۔ اور نماز و ذکر چھوڑ بیٹھے اور شیطان اپنے مقصود میں کامیاب ہو گیا، مگر جو محقق ہیں وہ اس سے نہیں گھبراتے کیونکہ ان کی نظر میں قرآن و حدیث ہے اور عمل بالقرآن ان کی طبیعت ثانیہ ہو گئی ہے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شان کا ظہور ہے کان خلقہ القرآن (مسند احمد ۹۱۶) کنز العمال ۱۸۳۷۸ وہ تو وساوس آنے کے وقت کہتے ہیں الحمد للہ الذی رد کیدہ الی الوسوسۃ (سنن ابی داؤد ۵۱۱۲) مسند احمد ۲۳۵:۱ کہ خدا کا شکر ہے کہ دشمن کی سب چالیں ختم ہو کر وسوسہ ہی پر رہ گئیں وہ ان وساوس سے نہیں گھبراتا بلکہ شیطان سے کہتا ہے کہ آجتنے وسوسے ڈال سکے ڈال دے میرا کچھ ضرر نہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ وسوسہ سے خوش ہونا چاہیے تاکہ شیطان تمہاری خوشی کو دیکھ کر بھاگ جائے کیونکہ اس کو مسلمان کی خوشی گوارا نہیں وہ تورنج دینے کیلئے وسوسہ ڈالتا ہے پھر جب دیکھے گا کہ اس کو تو الٹی خوشی ہے بھاگ جائے گا۔ (الربغہ المرغوبہ ج ۲۵)

## علم کی قسمیں

علم کی تین قسمیں ہیں نافع اور مضر اور غیر نافع و غیر مضر لیکن واقعات کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو غیر مفید ہے وہ بھی حقیقت میں مضر ہی ہے میں پختگی کے ساتھ کہتا ہوں کہ جس شے کے اندر کوئی فائدہ نہیں ہے وہ مضرت سے خالی نہیں اور تقسیم مشہور اور اس تحقیق میں کچھ تعارض نہیں اس لئے کہ تین قسموں کی طرف تفریق باعتبار ابتداء کے ہے یعنی ابتداء میں فی الواقع علم کی تین ہی قسمیں ہیں مفید مضر غیر مفید مضر لیکن آثار کے اعتبار سے اور مال کار میں وہ غیر مفید بھی مضر ہو جاتا ہے تو آثار کے اعتبار سے کل دو قسمیں ہیں مفید اور مضر اس لئے امر فضول بھی قابل ترک ہوا حاصل یہ کہ چونکہ دنیا کی مذمت کی اس مقام میں ضرورت نہ تھی اس لئے ایک لغوبات ہوئی اس لئے حضرت رابعہ بصریہ کو ناپسند ہوا حضرات اہل بصیرت بلا ضرورت بروں کو بھی برا نہیں کہتے۔ حکایت ختم ہوئی۔ (التصدی للغیر ج ۲۵)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بضرورت مذمت دنیا فرمائی

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی مذمت کی ہے بات یہ ہے کہ نری اردو کی

کتابیں دیکھنے سے عالم نہیں ہوتا جب تک کہ ان کو کسی عالم سے سبقاً سبقاً نہ پڑھے جیسے طب کی کتابیں اردو میں ہونا کافی نہیں جب تک کسی حکیم کے یہاں طب نہ کرے طب کی کتابیں دیکھنے سے جیسے کوئی حکیم نہیں بنتا اسی طرح دینیات دیکھنے سے دیندار نہیں بنتا جب تک کسی استاد سے نہ پڑھے پس یہ قصہ رابعہ بصریہ کا بھی ایسے ہی علم متعلق عن الثیوخ پر موقوف ہے اگر ایسا علم ہو تو اعتراض کچھ بھی نہیں بات یہ ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دنیا کی مذمت کی تو آپ کو ضرورت تھی دنیا کے محبین دنیا کو سنائیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام جن وانس کی طرف مبعوث تھے اور ان میں محبین دنیا بھی تھے اور حضرت رابعہ بصریہ کی خدمت میں اس وقت سب کے سب مقدس ہی تھے اس لئے انہوں نے فرمایا قوموا عنی فانکم تحبون الدنيا اور من احب شیاً اکثر ذکرہ یعنی میرے پاس سے اٹھ جاؤ اس لئے کہ تم لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہو اور جو شخص کسی شے کو دوست رکھتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے شرح اس اجمال کی موقوف ہے اس کی چند مثالیں سمجھنے پر دیکھو فخر اور تفاخر اس پر کیا کرتے ہیں کہ ہم کو ہزاروں روپے ملتے تھے ہم نے نہیں لیے اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا ہم نے گواہ نہیں لیا ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ فرق یہی ہے کہ ہزار روپے کو با وقعت سمجھتے ہیں اسلئے اس کے ترک کو فخر جانتے ہیں اور گواہ کی کوئی وقعت نہیں اسلئے اس کے چھوڑ دینے کو فخر نہیں سمجھتے۔ اور مثال لیجئے یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں رئیس کو پٹیا اور یہ نہیں کہتے کہ ہم نے فلاں بھنگی کو مارا اس لیے کہ رئیس کو موقع سمجھتے ہیں پس حضرت رابعہ بصریہ کے فرمانے کا حاصل یہ ہوا کہ اے بزرگو تم جو دنیا کی مذمت کرتے ہو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تمہارے قلب میں وقعت ہے اس لئے مذمت کرتے ہو چیونٹی کی مذمت کیوں نہیں کرتے اس لئے وہ بچاری اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی مذمت کرے تو حضرت رابعہ بصریہ نے ان کا مرض بیان کیا۔ (التصدی للغیر ج ۲۵)

## اپنی فکر مقدم ہے

ایک بزرگ سے کسی نے یزید کے بارے میں پوچھا تھا کہ یزید کیسا تھا۔ یزید شعر گوئی میں بڑا ماہر تھا دیکھئے اس شیخ نے یزید کی بھی ایک مدح کی اس لئے کہ ان حضرات کو بجز اپنے عیوب کے دوسروں کے عیوب میں سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے بھی



پوچھا تھا کہ یزید کو لعنت کرنا جائز ہے میں نے کہا کہ ہاں اس شخص کو جائز ہے کہ جس کو یقین ہو کہ میں یزید سے اچھا ہو کر مروں گا تو حقیقت یہی ہے کہ جب تک خاتمہ ایمان پر نہ ہو کیا اطمینان ہو سکتا ہے ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے۔

کہ رشک برد فرشتہ برپا کی ما کہ خندہ زندیو زنا پا کی ما  
کبھی ہماری پا کی پر فرشتہ کو رشک آتا ہے اور کبھی ہماری ناپا کی پر شیطان بھی ہنستا ہے۔  
ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم احسنت بریں چستی و چالا کی ما  
قبر کے کنارہ پر جب ہم ایمان کو صحیح سلامت لیجائیں اسی وقت ہماری چستی و چالا کی  
پر تم کو آفرین کہنا چاہیے۔ تو ایسی حالت میں ہم کیا منہ لیکر کیا کسی کو کہیں۔ (التقدی للغیر ج ۲۵)

## صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا مناسب نہیں

حدود شرعیہ میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ وسعت سے زیادہ خرچ نہ کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں افضل الصدقة ما كان عن ظهر غنى (الصحيح للبخاری ۷: ۸۱) الصحيح لمسلم (الزكاة ۹۵) بہتر صدقہ وہ ہے کہ دے کر بھی کچھ پاس رہے و ابداء بمن يتمول. شروع کرو ان لوگوں سے جن کا نفقہ تمہارے ذمہ لازم ہے، ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ صدقہ میں وسعت سے زیادہ خرچ کرنا نہ چاہئے۔ دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ اور ملا لیجئے وہ یہ کہ صدقہ تمام نفقات سے افضل ہے اب نتیجہ یہ نکلا کہ جب صدقہ میں یہ قید ہے کہ وسعت سے زائد خرچ نہ کیا جائے تو پھر اپنے لباس میں اس کی کہاں اجازت ہوگی کہ وسعت سے زیادہ خرچ کیا جائے

حدیث میں ہے لا ينبغي للمؤمنين ان يذل نفسه (سنن الترمذی ۲۲۵۳) سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۶) مسلمان کو مناسب نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے قالوا یا رسول اللہ و کیف یذل نفسه قال تحمل من البلاء لما لا یطيقہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان اپنے کو ذلیل کیونکر کیا کرتا ہے فرمایا کہ اپنی سر پر ایسی بلا لے لے جس کے تحمل کی اس میں طاقت نہیں ہے۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھ کس درجہ کی محبت ہے کہ آپ کی ذلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا نہیں اس پر بھی مسلمان احکام شریعہ کی قدر نہیں کرتے تو قرض کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابواب غیر مباحہ کی طرف نظر جائے گی ذلیل کام کرنے لگے گا۔ کہیں جو اکیلے گا کہیں جھوٹی شہادت دیگا، کہیں رشوت لے گا۔ دھوکہ دے کر کبھی ظلم کر کے لوگوں کا مال دبا نا چاہے گا۔ (الاسراف ج ۲۵)

## حضرت امام مالکؒ کی قابل رشک دیانت علم

امام مالکؒ کی حکایت ہے کہ ایک مجلس میں ان سے چالیس مسائل کسی نے پوچھے اچھی طرح یاد نہیں رہا 36 کا جواب دیا اور چار میں لا ادری (میں نہیں جانتا) کہایا چار کا جواب دیا اور 36 میں عدم واقفیت ظاہر کی۔ آج کل ادنیٰ طالب علم سے پوچھ کر دیکھئے جو ہر گز بھی یہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔ مجھ کو باوجود اس کے کہ اتنے دن کام کرتے ہو گئے مگر اب تک ایسی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ لکھتا ہوں کہ اس مسئلہ میں مجھ کو شرح صدر نہیں ہوا اور قواعد سے اگر جواب لکھتا ہوں تو اس میں یہ احتیاط کرتا ہوں کہ یہ لکھ دیتا ہوں کہ قواعد سے یہ جواب لکھا ہے۔ جزئیہ نہیں ملا اور کبھی جواب لکھ دیتا ہوں اور بعد میں لغزش ثابت ہوتی ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ جو لوگ لکھے پڑھے ہیں جب ان کو لغزشیں ہوتی ہیں تو جو ان پڑھ ہیں وہ تو بطریق اولیٰ غلطیوں میں مبتلا ہوں گے۔ اور وہ شخص بھی ان پڑھ ہی ہے جو آمد نامہ دستور الصبیان بلکہ گلستان سکندر پڑھا ہو یا انٹرلس یا ایف اے پاس ہو۔ (الغناء المجازۃ ج ۲۵)

## ہر مسئلہ کی وجہ معلوم ہونا لازم نہیں

ایک شخص پوچھنے لگا کہ گاؤں میں جمعہ نہ ہونے کی کیا وجہ ہے اس زمانہ میں لوگوں کو مجتہدیت کا ہیضہ بھی ہو گیا ہے ہر بات کی وجہ سمجھنا چاہتے ہیں میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ نے ہر مسئلہ کی وجہ معلوم کر لی ہے تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مجھے اس کی وجہ بتلائیے کہ مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی چار کیوں ہیں اور اگر ہر مسئلہ کی وجہ معلوم نہیں ہے تو اسی مسئلہ کی کیا تخصیص ہے۔ اس کو بھی اسی فہرست میں داخل کر لو۔ ایسے ہی یہ سوال ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور ایصال ثواب کے لئے ناجائز بات یہ ہے کہ حکم شرعی اسی طرح ہے قانون یہی ہے۔

اگر جج کے یہاں مقدمہ ہو اور ایک شخص ہار جائے اور وہ ہارنے والا یہ کہے کہ اس دفعہ کی رو سے بیشک میں ہار گیا لیکن اس دفعہ کی وجہ کیا ہے جج فوراً کان پکڑ کر نکال دے گا کہ قانون سرکاری کی گستاخی کرتا ہے۔ اسی طرح عوام کو مسائل شرعیہ کی وجوہ دریافت کرنا شریعت کی بے ادبی ہے اور منشاء اس کا قلب میں احکام کی عظمت نہ ہونا ہے ہاں اگر طالب

علم ہو اور فن سیکھتا ہو اس کو وجہ اور دلائل کا سوال کرنا برا نہیں بلکہ اس کو ضروری ہے اس لئے کہ وہ دین کے اندر محقق بننا چاہتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم بھی محقق بننا چاہتے ہیں تو ہم ان سے کہیں گے کہ جناب نوکری چھوڑیئے زراعت تجارت دنیا کے سب کام چھوڑیئے اور ہمارے پاس کم از کم دس برس رہئے دیکھئے آپ کو بھی ہم بتلائیں گے۔ (الغاء المجازفة ج ۲۵)

## باطل اور حق کے پہچاننے کا سہل طریقہ

جس حدیث میں تہتر فرقوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اس میں سے ایک ناجی ہے اور باقی سب ناری۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا من ہم یا رسول اللہ یہ کون سا فرقہ ہے جو ناجی ہے یہ وہی سوال ہے جس پر گفتگو ہو رہی ہے حضورؐ سے زیادہ کون اچھا اور سہل جواب دے سکتا ہے۔ فرمایا انا علیہ و اصحابی (تفسیر ابن کثیر ۴: ۲۳۰)

یعنی ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس مسلک پر ہونگے جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے یعنی میرا اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا اتباع کریں گے یہ ایک ایسی پہچان ہے کہ اس سے بہت ہی سہولت سے اہل حق اور اہل باطل میں فرق کیا جاسکتا ہے۔ اب یہ دیکھ لیا جاوے کہ کس کے اقوال و افعال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے اقوال و افعال سے ملے ہوئے ہیں۔ کھینچ تان کر کسی بات کا ثبوت حاصل کر لینا اور بات ہے۔ (الغاء المجازفة ج ۲۵)

## فقہ پر اعتبار نہ کرنے کا انجام

فقہ پر اعتبار نہ کرنے کا انجام چند روز میں یہ ہوگا کہ قرآن و حدیث بھی حجت نہ رہے گا کیونکہ جب آزادی کی ٹھہری اور ہر شخص ایک رائے رکھتا ہے اور ایک رائے کو دوسری پر کوئی ترجیح نہیں بلکہ جو جس کا خیال ہو وہی دین ہے تو اگر کسی کی رائے یہی ہو کہ قرآن و حدیث کی بھی ضرورت نہیں تو پھر یہی دین ہوگا۔ (الغاء المجازفة ج ۲۵)

## دعائے مغفرت مطلوب ہے

حضرت ابراہیم بن ادہم کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے دعا کی اللھم اعصمنی کہ اے اللہ مجھے گناہوں سے بچائیے (ارشاد ہوا کہ اگر سب یہی دعا کرنے لگیں تو رحمت و مغفرت

کا ظہور کہاں ہوگا۔ اللھم اغفر لی (اے اللہ میری مغفرت کر) کیوں نہیں کہتے وہ اس میں مبتلا دیا گیا ہے کہ جس طرح حفاظت مطلوب ہے مغفرت بھی مطلوب ہے یہی مطلب ہے اس حدیث کا لو لم تذنبوا لرجاء اللہ بقوم یذنبون فیستغفرون اللہ فیغفرلھم۔ ترجمہ (اگر تم گناہ نہ کرو تو حق تعالیٰ ایسی جماعت کو پیدا کریں گے جو گناہ کریں پھر استغفار کریں اور ان کی مغفرت کی جائے ۱۲) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ ہم سے مقصود ہے اور حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم گناہ کیا کریں۔ بلکہ گناہ سے جو ضعف و عجز ظاہر ہوتا ہے وہ مقصود ہے پس اگر کہیں بدون صدور گناہ ہی کے یہ ضعف و عجز پیدا ہو جائے جیسے انبیاء علیہم السلام باوجود عصمت کے جس قدر اپنے کو گنہگار خطاوار سمجھتے ہیں ہم گنہگار ہو کر بھی اپنے کو اتنا گنہگار نہیں سمجھتے اور جس قدر وہ حق تعالیٰ سے خوف و خشیت رکھتے ہیں ہم مجرم ہو کر بھی اتنا تو کیا اس کا ہزارواں حصہ بھی خوف نہیں رکھتے۔ تو اگر ہم لوگ گناہوں میں مبتلا نہ کئے جاتے تو نہ معلوم ہماری کیا حالت ہوتی جب ہم گنہگار ہو کر بھی اپنے کو کچھ زیادہ گنہگار نہیں سمجھتے تو معصوم ہو کر نہ معلوم ہم اپنے کو کیسا کچھ مقدس سمجھتے اور ہمارے عجب کی کیا حالت ہوتی۔ اس لئے کبھی کبھی ہم کو گناہ میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ جس سے ہمارا وہ عجب توڑ دیا جاتا ہے جو طاعات و اذکار سے کبھی پیدا ہونے لگتا ہے۔ اور وہ خیال تقدس پارہ پارہ ہو جاتا ہے جو کچھ دنوں تہجد اور مراقبات کی پابندی سے دل پر گزرنے لگتا ہے۔ تو جیسے ہم کو حفاظت حق کی ضرورت ہے اسی طرح مغفرت کی بھی ضرورت ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادہم کو تنبیہ کی گئی کہ محض عصمت کی دعا کیوں کرتے ہو۔ اس کے ساتھ دعائے مغفرت کیوں نہیں ملاتے۔ اس کے علاوہ اللھم اعصمنی (اے اللہ مجھے گناہوں سے بچائیے) کے ساتھ اللھم اغفر لی (اے رب مجھے بخش دیجئے) ملانے میں ایک اور بھی حکمت ہے جس پر نظر کر کے اس کا ملانا بہت ہی ضروری ہو گیا وہ یہ کہ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے حق تعالیٰ مجیب الدعوات ہیں۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

## فضیلت شبِ برأت

شعبان کی بابت حدیث میں یہ خاص فضیلت مذکور ہے۔

اذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها فان الله تبارك و تعالى ينزل فيها لغروب الشمس الى السماء الدنيا



فیقول الامن مستغفر فاغفر له الامن مسترزق فارزقه الامن مبتلى  
فاعافيه الاكذالا كذا حتى يطلع الفجر رواه ابن ماجه سندہ ضعیف  
كما يدل عليه تصدير المنذرى اياه بلفظ روى وهو علامته الضعف  
كما صرح به فى خطبته كتابه اه ترغيب ص ۱۷۹ لكنه تجمل فى  
فضائل الاعمال. جامع (سنن ابن ماجه: ۱۳۸۸)

یعنی حق تعالیٰ اس مہینے کی پندرہویں رات میں غروب ہی کے وقت سے  
آسمان اول کی طرف نزول فرماتے ہیں۔

جیسا نزول ان کی شایان شان ہے اس میں ہم کو کاوش کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی  
ممانعت بھی ہے کیونکہ یہ تشابہات میں سے ہے پھر فرماتے ہیں کہ کوئی مغفرت کا طالب  
ہے؟ کہ میں اس کی مغفرت کر دوں کوئی روزی کا طالب ہے کہ میں اس کو روزی دوں کوئی  
بیمار (طالب شفا) ہے کہ میں اس کو عافیت دوں اسی طرح بہت سے امور کے متعلق فرماتے  
رہتے ہیں کہ کوئی ایسا ہے کوئی ایسا ہے یہاں تک کہ طلوع فجر تک یہی معاملہ رہتا ہے سبحان  
اللہ یہ اس رات کی کتنی بڑی فضیلت ہے گویا یوں کہنا چاہئے کہ اس رات حق تعالیٰ ہمارے  
گھر پر تشریف لاتے ہیں کیونکہ آسمان اول ہمارے گھر کی چھت ہے اور محبوب کا چھت پر آ  
جانا گھر ہی میں آجانا ہے تو بس ہمارا حال اس شعر کے مصداق ہوتا ہے۔

امروز شاہ شاہاں مہماں شد است مارا جبریل باملائک درباں شد است مارا  
(آج بادشاہوں کا بادشاہ ہمارا مہمان ہے جبرائیل و ملائک ہمارے دربان ہیں)

اب اس کو خود سوچ لو کہ جب محبوب گھر میں مہمان ہو تو عاشق کا کیا حال ہوتا ہے  
جناب خوشی کے مارے رات بھر نیند نہیں آتی۔ یہی جی چاہا کرتا ہے کہ ساری رات محبوب  
سے باتیں کرتا رہوں خصوصاً جس کا محبوب ایسا ہو جو اپنے عشاق کی باتیں سننے سے گھبراتا  
بھی نہ ہو نہ اس کو نیند آتی ہو نہ غنودگی ستاتی ہو ایسے محبوب کا عاشق تو ہرگز اس رات میں نہ  
سووے گا۔ جس میں محبوب اس کے گھر پر آیا ہو پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس رات  
میں قیام کا امر بھی نہ فرماتے جب بھی صرف اس خبر کا کہ حق تعالیٰ اس رات آسمان دنیا پر  
نزول فرماتے ہیں مقتضا یہی تھا کہ ہم اس رات کو عبادت و ذکر میں گزاریں اور رات بھر  
بیدار رہیں چہ جائیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے۔ تو موالیہا و صوموا نهارہا (اس کی

رات میں شب بیداری کرو اور دن میں روزہ رکھو) مگر وہ شاہ شاہاں ایسا مہربان ہے کہ مہمان ہو کر بھی تمہیں سونے سے نہیں روکتا تم کو سونے کی اجازت مگر باوجود اس طرف سے اجازت ہونے کے پھر بھی یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ جیسے اور ویسے ہی اس روز کچھ تو کرنا چاہئے۔ رات بھر جاگنے کی ضرورت نہیں بلکہ اچھا بھی نہیں کیونکہ حدیث میں ہے۔

احب الاعمال الى الله ادومها (الصحيح لمسلم، المسافرین: ۲۱۸)

بہتر عمل خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس پر دوام کیا جائے سوشعبان کی اس شب میں اتنا جاگنا چاہئے جس پر نباہ ہو سکے یہ نہیں کہ ایک مرتبہ تو ساری رات جاگ لئے اور دوسری مرتبہ کچھ بھی نہیں شاید کوئی صاحب اس حدیث کو سن کر یہ کہیں کہ یہ دوام تو بڑا سرگاسال میں ایک رات تو کچھ دیر جاگنا آسان تھا سال بھر کون جاگے ارے صاحب! آپ گھبرا ئیں نہیں میں سال بھر کی راتوں میں آپ کو نہیں جگاتا بلکہ آپ سال میں ایک ہی رات جاگ لیا کیجئے رہا یہ شبہ کہ اس صورت میں دوام کہاں ہوا تو میں کہتا ہوں یہ بھی ایک صورت دوام کی ہے کہ سال میں ایک رات ہمیشہ جاگ لیا کرے جیسے روٹی پر آپ کو دوام ہے مگر اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ ہر وقت کھایا کرے یا کپڑے بدلنے پر دوام ہے کہ ہفتہ میں ایک بار یا دو بار بدلاتے ہیں اس دوام کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہر وقت کپڑے بدلے جائیں پس اسی طرح سال بھر میں ایک رات جاگنے کا التزام کر لینا یہ بھی دوام ہے بشرطیکہ یہ ایک رات نافع نہ ہو تو اس رات میں اتنی مقدار بیداری کے لئے معین کرنی چاہئے کہ جس پر ہمیشہ کم از کم اس رات میں تو دوام ہو جایا کرے چاہے ایک ہی گھنٹہ ہو۔

حدیث میں آتا ہے اس رات سب کی مغفرت ہو جاتی ہے (جو بھی مغفرت طلب کرے ۱۲) سوائے مشرک اور مشاحن کے یعنی جن دو شخصوں میں دنیوی عداوت و کینہ ہو ان کی بھی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ کہہ دیا جاتا ہے ان کو ابھی رہنے دو جب تک یہ صلح کر لیں قلت رواہ البیہقی من طریق العلاء بن الحارث عن عائشۃ و قال هذا مرسل جید یعنی ان العلاء لم یسمع من عائشۃ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم کذا فی الترغیب ص ۱۰ ج ۱)

اللہ اللہ کینہ بھی کتنا گناہ ہے کہ اس کو شرک کے ساتھ جمع کیا گیا ہے کہ جس طرح مشرک کی مغفرت اس رات میں نہیں ہوتی اسی طرح کینہ ور کی بھی مغفرت نہیں ہوتی اب تو مسلمانوں میں کینہ بہت ہی بڑھ گیا ہے حالانکہ اس میں ہر مسلمان کا وہ مشرب ہونا چاہئے تھا جو صوفیہ کا ہے وہ یوں کہتے ہیں۔

کفرست در طریقت ما کینہ داشتن آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن  
(ترجمہ: ہمارے طریق میں کینہ رکھنا کفر ہے ہمارا آئین ہے سینہ کو مثل آئینہ صاف رکھنا)  
(کینہ کو کفر کہنا کا مطلب یہ ہے کہ وہ قریب بکفر ہے اور اس کی دلیل حدیث مذکور میں  
موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشاجین کو مشرک کے ساتھ جمع فرمایا (۱۲) مگر اب تو صوفیوں  
میں بھی یہ بات نہیں رہی ان میں کینہ و بغض کی کثرت ہونے لگی حالانکہ مسلمانوں کو تو یہ دعا  
تعلیم کی گئی ہے وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا (اے اللہ ہمارے دلوں میں  
مسلمانوں کی طرف سے کینہ پیدا نہ کیجئے ۱۲) تو اس مرض سے بچنا چاہئے مگر آج کل مسلمان  
اپنے بھائیوں ہی سے کینہ بہت رکھتے ہیں غیروں سے تو اتحاد کی کوشش کی جاتی ہے ان کو غیر  
قوموں سے اتنا کینہ نہیں ہوتا جتنا اپنے بھائیوں سے ہوتا ہے افسوس! پس اس رات سے پہلے  
ہر شخص کو اپنے دل میں سے مسلمانوں کی طرف سے کینہ نکال دینا چاہئے ورنہ اس کی مغفرت  
نہ ہوگی اس دن کے ختم ہونے کے بعد (اس دن چودھویں تاریخ تھی) جو رات اب آرہی ہے  
وہی لیلۃ النصف من شعبان ہے۔ جس کا نام شب برات ہے۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

### حکایت حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ

جناب مولوی احمد علی صاحب محدث سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ بازار میں جوتا  
خریدنے کے لئے تشریف لے گئے ایک دکان دار نے کہا کہ میں آپ سے نفع نہیں لوں  
گا۔ ساتھیوں سے فرمایا کہ چلو بھائی آگے اس کے یہاں سے ہم نہ لیں گے اس لئے کہ دو  
حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ سچ بولتا ہے یا جھوٹ۔ اگر سچ بولتا ہے تو ہم اپنے بھائی کے  
لئے یہ نہیں چاہتے کہ وہ بازار میں چار پیسہ کے لئے بیٹھے اور اس کو وہ بھی نہ ملیں۔۔۔ اور  
اگر جھوٹا ہے تو یہ ہم کو الو بنا کر لینا چاہتا ہے۔ کہ آج کل اس کے برعکس معاملہ ہے کہ اگر  
دوست سے کوئی شے خریدیں گے تو کہیں گے کہ بندہ خدا ہم سے بھی نفع لیتے ہو۔ آج کل  
بس اس پر عمل ہے خانہ دوستاں بروب کہتے ہیں کہ دوستوں کی قسمیں مختلف ہوتی ہیں  
جانی۔ ونانی۔ نانی وہ ہیں کہ بس نان پیارا ہے۔ ہزاروں روپیہ کا تاجروں کا مال اسی  
دوستی کی بدولت دبا پڑا ہے لے کر دینا جانتے ہیں نہیں اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ د  
وست کو کبھی قرض نہ دے۔ اور نہ قرض اس سے لے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے۔

مدہ شان قرض مستان نیم حبہ فان القرض مقرض المحبہ  
یعنی نہ ان کو قرض دے نہ لے۔ کیونکہ قرض محبت کے لئے مقرض ہو جاتی ہے۔ اور  
قرض سے محبت منقطع ہو جاتی ہے۔ (اشرف الموعظ ج ۲۶)

## خود کو مقدس سمجھنے کی عجیب مثال

ہماری مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی شخص باہر پردیس میں تھے۔ ان کے گھر سے ایک  
نائی آیا اور اس نے یہ خبر دی کہ آپ کی بیوی بیوہ ہو گئی۔ سنتے ہی رونے پٹنے لگے۔ یاروں  
دوستوں نے سمجھایا کہ ان کے گھر کوئی موت ہو گئی۔ یہ سمجھ کر تعزیت کے لئے جمع ہو گئے اور  
پوچھنے لگے کہ کیا ہوا فرمائیے تو سہی۔ کہنے لگے کہ گھر سے خبر آئی ہے کہ ہماری بیوی بیوہ ہو  
گئی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ بھی بڑے بیوقوف ہیں آپ تو خود زندہ بیٹھے ہیں پھر بیوی کے  
بیوہ ہونے کے کیا معنی؟ کہنے لگے کہ یہ تو صحیح ہے لیکن نائی معتبر ہے۔

گو کہ میں جانتا ہوں اے بھائی ایک آیا ہے معتبر نائی  
پس صاحبو یہی حالت ہماری بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اپنی حالت سے خوب  
واقف ہیں کہ ہمارے اندر یہ خرابیاں ہیں لیکن چار آدمیوں کے کہنے سے دھوکے میں آ  
گئے۔ پھر جب تقدس مشہور ہو جاتا ہے تو بعض اوقات اپنے افعال کو تقدس کے خلاف سمجھ کر  
بھی لوگوں کے سامنے بنے لگتے ہیں۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو کہتے ہیں۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر میکنند  
(واعظ جو کہ محراب و منبر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں جب تنہائی میں جاتے ہیں تو  
دوسرے کام کرتے ہیں)

بعض واعظوں نے اس کے معنی یہ گھڑے ہیں کہ ظاہر میں خشک واعظ ہیں مگر جب  
خلوت میں جاتے ہیں تو ذکر و شغل کرتے ہیں ایک تو شرارت کریں پھر اس کے ساتھ نصیحت  
میں تاویلیں کریں۔ اچھا پھر اس آئندہ شعر کے کیا معنی ہوں گے۔

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس  
(مجھے یہ مشکل درپیش ہے کہ مجلس کے خردمند شخص سے پوچھوں کہ دوسروں کو توبہ کی  
نصیحت کرنے والے خود کیوں توبہ نہیں کرتے) (اشرف الموعظ ج ۲۶)



## بھولنے کی دو علتیں

شیطان کو نماز کے ناگوار ہونے پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ ایک شخص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا کہ میں نے اپنے گھر میں کچھ مال دفن کیا تھا اور اب یاد نہیں رہا کہ کہاں دفن کیا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ نماز پڑھنا شروع کر دو اور جب تک یاد نہ آوے پڑھتے رہو۔ چنانچہ اس نے نماز شروع کی پس فوراً ہی یاد آ گیا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ تو خوب نسخہ ہاتھ آیا۔ بہت سی چیزیں ہم کو یاد نہیں رہتیں اب اس تدبیر سے یاد ہو جا کریں گے۔ تو خوب یاد رکھو کہ بھولنے کی دو علتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ وہ شے متخیلہ کے اندر ہے۔ لیکن شیطان نے محزون کرنے کے لئے دماغ میں تصرف کر کے اس کو بھلا دیا کقولہ تعالیٰ 'وَمَا أَنْسَيْنِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ' (اور مجھ کو شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا ذکر کرتا) سو ایسی بھولی ہوئی شے بعلت مذکورہ نماز سے یاد آ سکتی ہے۔ دوسری علت یہ ہے کہ متخیلہ ہی میں کچھ فتور ہے سو اس کے لئے یہ تدبیر موثر ہوگی۔ سو اس کا پہچانا صاحب بصیرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ کا کام ہے۔ اس لئے نماز کو نسیان کا عام علاج سمجھنے کا شبہ جاتا رہا۔ (اشرف الموعظین ج ۲۶)

## مباحات کے انہماک کے مضر ہونے کا احادیث سے ثبوت

حدیث میں ہے لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فان کثرة الکلام بغیر ذکر اللہ قسوة وان ابعث الشیء عند اللہ القلب القاسی (سنن الترمذی: ۲۳۱۱) یعنی اللہ کی یاد کے سوا کلام کی کثرت نہ کر اس لئے کہ کثرت کلام بدون ذکر اللہ کے قساوت ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ دور قلب قاسی ہے۔ اور ارشاد ہے

لا تکثروا الضحک فان کثرت الضحک تمیت القلب

(سنن الترمذی: ۲۳۰۵)

یعنی ہنسی زیادہ مت کرو کیونکہ کثرت ہنسی کی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔ حضرت شیخ عطار فرماتے ہیں۔

دل زپر گفتن میرد در بدن گرچہ گفتارش بود در عدن

گر خبر داری زحی لایموت بر زبان خود بنہ مہر سکوت

(دل زیادہ بولنے سے بدن کے اندر مر جاتا ہے اگرچہ اس کی گفتار عدن کے موتی

کے ہی برابر کیوں نہ ہو۔ اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کی خبر بھی ہے تو اپنی زبان پر مہر سکوت لگا لے)

یہ بزرگوں کے ارشادات بھی حدیثوں ہی کے ترجمے ہیں۔ اور ایک حدیث اس مسئلہ پر سب سے زیادہ دال ہے گو اس میں ذرا فکر کی ضرورت ہے اور اس میں بہت بڑی مضرت کی تصریح ہے اور نیز طلبہ کے کام کی بات ہے وہ یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عید کا دن تھا حضور دولت خانہ میں تشریف رکھتے تھے دولڑکیاں دف لئے بجا رہی تھیں اور گارہی تھیں اور ایک روایت میں ایک قصہ جشن کا آیا ہے کہ لڑکے جمع تھے اور وہ اچھل کود رہے تھے۔ میرٹھ میں ایک شخص نے ایک روایت سے دعویٰ کیا کہ (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گانا بجانا سنا اور ناچ دیکھا بات یہ ہے کہ برے آدمی کی نظر بھی بری ہی طرف جاتی ہے چونکہ اپنے دماغ میں خباثت ہے اس قصہ میں بھی اسی طرح ذہن گیا۔ ایک بد دین نے جنت کی حوروں کے اعتقاد کے متعلق طعن کیا ہے کہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ جنت میں عورتیں ہیں وہ چاندی کے کنگن پہنیں گی جیسے ہمارے یہاں کی گھوسنیں۔ مولوی محمد علی صاحب پچھرا یونی نے خوب جواب دیا ہے کہ چونکہ خود گندہ تھا خیال میں بھی گندی ہی عورتیں آئیں۔ الخبیثات الخبیثین والخبیثون الخبیثات (خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں) اسی طرح ان میرٹھی صاحب نے بات کہی چونکہ طبیعت میں ناپاکی ہے اس لئے کبیوں ہی کی طرف ذہن گیا اگر شرافت اور سادگی اور پاکی طبع میں ہوتی تو اس طرف ذہن نہ جاتا۔ جناب من یہ لڑکیاں جوان نہ تھیں یہ نابالغ چھوٹی چھوٹیاں تھیں جو اکثر گھروں میں ادھم مچایا کرتی ہیں اور ان کا گانا بھی ایسا ہی تھا جیسے گھروں میں بسا اوقات ان کو شور مچاتے دیکھا ہوگا گانا ان کو کیا ہوتا ہے یہ گانا ہے ”میری مہندی کے چوڑے پات ری بوواری واری جا“ نہ ان کے گانے میں کچھ لطف ہوتا ہے اور نہ ان کے دف میں کوئی فتنہ۔ اسی طرح وہ جشن یونی سڑی بسی پاگلوں کی طرح کو درہی تھی جس سے بجائے لطف کے اور تکدر ہوتا تھا محض لڑکوں کا ایک کھیل تھا جیسے ایک ڈوم جج کرنے گیا تھا بدوؤں کا گانا سنان کر کہنے لگا قربان جاؤں اپنے حضرت جی کے ایسوں ہی کا راگ سنا ہے جو حرام کر دیا میرا راگ سنتے تو ثواب کا وعدہ فرما لیتے۔ بہر حال انہیں بدوؤں کی طرح سے دوچھوٹیاں تھیں اور وہ کچھ گابجا رہی تھیں۔ اور حضور چادرہ اوڑھے لیٹے ہوئے تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف

لائے اور وہ برابر اسی طرح گاتی رہیں اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو وہ بھاگ گئیں حضور نے فرمایا کہ دیکھو میں لیٹا تھا یہ لڑکیاں گاتی رہیں۔

اس کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے پھر بھی گاتی رہیں پھر اے عمر رضی اللہ عنہ تم آئے تمہارے آتے ہی بھاگ گئیں تم سے شیطان بھاگتا ہے۔ اس حدیث میں طلبہ کو سخت اشکال ہوتا ہے کہ وہ فعل جائز تھا یا ناجائز اگر ناجائز تھا تو حضور نے کیسے گوارا فرمایا اور اگر ناجائز نہیں تھا بلکہ جائز تھا تو شیطان کی طرف اس کو کیوں نسبت فرمایا۔ میری اس تقریر سے یہ اشکال حل ہو گیا بات یہ ہے کہ تھا تو یہ فعل مباح لیکن بوسائط اس کی کثرت مضرت ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تشریف لانے تک تو کثرت نہ تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے وقت آئے کہ اس وقت کثرت ہو گئی شیطان کا دخل آ گیا اور اس کا وقت آپہنچا کہ اس فعل سے شیطان اپنا کچھ کام نکالے حتیٰ کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نہ آتے تو خود حضور بھی اس وقت اس کو روک دیتے مگر پھر بھی یوں نہ کہیں گے کہ اس حالت میں یہ فعل مباح نہیں رہا تھا لیکن یہ مباح ایسا ہے کہ احیاناً واسطہ ہو جاتا ہے کسی امر ناجائز کا اب کوئی اشکال نہیں ہے اور یہاں سے اس حدیث کے معنی بھی سمجھ میں آ گئے ہوں گے کہ بغض المباحات طلاق ہے کیونکہ بنا بر تقریر مذکور ممکن ہے کہ بعض چیزیں حلال اور مباح ہوں اور مضر ہوں مثلاً کسی نے طلاق دی تو دیکھو طلاق مباح ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ سبب ہو جائے۔ دو خاندانوں کی باہمی کدورت کا چنانچہ ایسا ہوتا بھی ہے اور نیز ممکن ہے کہ مرد کو بیوی کے ملنے میں دیر ہو اور وہ مبتلا ہو جائے حرام میں اسی طرح ممکن ہے کہ اس عورت کے اندر آوارگی آ جائے اس لئے طلاق مباح بھی اور بغض بھی ہے۔ بہر حال میرا مقصود یہ ہے کہ جو لوگ مباحات میں کثرت رکھتے ہیں ان کو چاہئے کہ ذرا اپنے نفس کو روکیں گو وہ امر مباح ہی ہو کیونکہ مباح ہونے سے یہ تو ضروری نہیں کہ اس میں حد سے بڑھ جائے دیکھو کھانا فی نفسہ مباح ہے لیکن دو لقمہ اگر زیادہ کھائے جاویں گے تو تخمہ ہو جائے گا۔ وہی نفس غذا سبب ہو جاتی ہے تکلیف اور مرض کا اور اس واسطے چونکہ مباح کی کثرت باوجود مباح ہونے کے مورث قساوت اور منافی خشوع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس سے اٹھتے تھے تو پڑھتے تھے۔

سبحانک اللہم وبحمدک اشہد ان لا الہ الا

انت استغفرک واتوب الیک (سنن الترمذی : ۳۴۳۳)

(اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے اور تیری ثناء کے ساتھ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں تجھ سے استغفار کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں) اس لئے کہ شاید مجلس میں کوئی امر ایسا ہو گیا ہو جو بوسائط بعیدہ سبب ہو جاوے کسی محذور کا تو اس کا یہ کفارہ ہو جاوے گا۔ جب حضور باوجود اس پاکی اور عصمت کے اس قدر احتیاط فرماتے ہیں تو ہم کو تو بطریق اولیٰ اس کا اہتمام ضروری ہے۔ اور یہاں سے ایک حدیث کی بھی شرح ہوتی ہے جس کے اندر شرح حدیث کو حیرانی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے

انه ليغان على قلبي (الصحيح المسلم الكتاب الذکر : ۴۱)

وانی لا استغفر الله فی اليوم مائة مرة (مسند احمد ۲ : ۳۹۷)

(میرے دل پر حیرانی ہوئی اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں) اس میں حیرانی ہوئی ہے کہ یہ غین جس کے معنی ابر اور گرد و غبار کے ہیں کیا تھا خدا نخواستہ معصیت کا تو تھا نہیں تو ممکن ہے کہ وہ ایسے مباح کا اشتغال ہو کہ جو فی نفسہ معصیت نہیں لیکن کثرت اس کی گو وہ مباح ہو بلکہ ہمارے اعتبار سے عبادت سے بھی بڑھ کر ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کے اعتبار سے خشوع کے کسی درجہ کے منافی ہو کیونکہ بعضی بات مباح ہوتی ہے مگر چونکہ حد سے ذرا بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس لئے اس کا اثر بھی صحیح الادراک کو محسوس ہوتا ہے جس طرح جو لطیف المزاج اور ذکی الحس ہوتا ہے اس کو دور کی آواز محسوس ہوتی ہے مشہور ہے کہ بوعلی سینا اس قدر ذکی الحس تھا کہ بارہ بارہ میل کی آواز سنتا تھا یہ حکم تھا کہ بارہ بارہ میل چاروں چکی نہ چلے اس لئے کہ چکی کی آواز سے شیخ کو نیند نہ آتی تھی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی لطافت و نفاست مزاج کے قصے بہت مشہور ہیں۔ سنا ہے کہ ایک شخص نے انگور ہدیہ بھیجے اپنے نزدیک اس نے نہایت نفیس چھانٹ کر بھیجے تھے حضرت نے ایک دانہ چکھ کر چھوڑ دیا۔ ایک روز وہ مہدی صاحب آئے اور عرض کیا کہ حضرت میں نے انگور بھیجے تھے پہنچے بھی۔ حضرت نے فرمایا پہنچ گئے۔ اب یہ رئیس صاحب منتظر تھے کہ کچھ داد ملے گی حضرت فرما کر خاموش ہو گئے اس نے اپنے دل میں کہا کہ حضرت نے معلوم ہوتا ہے کچھ التفات نہیں فرمایا پھر پوچھا حضرت آپ نے کھائے بھی کیسے تھے۔ فرمایا کہ میاں کیا ہتلاؤں ان میں مردوں کی بو آتی تھی وہ شخص حیران ہوا کہ انگوروں کو مردوں



سے کیا تعلق کچھ سمجھ میں نہ آیا بہت تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ ان انگوروں کے درخت مدت دراز ہوئی کہ مرگھٹ میں لگائے گئے تھے پس ادراک باطنی میں چونکہ حضور سے زیادہ کوئی لطیف المزاج نہیں آپ نے اس مضرت کو محسوس فرما کر غین سے تعبیر فرمایا اور اس سے استغفار کیا۔ اس کی ایک دلیل اور لیجئے ایک شخص تھے ابو جہم انہوں نے ایک منقش چادرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھیجی تھی حضور نے اس کو اوڑھ کر نماز پڑھی اور نماز کے بعد یہ فرمایا کہ یہ چادر واپس کر دو اور اس کے پاس سے یہ سادہ چادر لے آئے۔ دیکھئے محتمل افشاء الی الالہاء سے آپ نے کس درجہ احتیاط فرمائی پھر فرمایا کہ فافھا کادت ان تلھنی انفا یعنی قریب تھا کہ وہ ابھی میرا دل بٹا دیتی۔ اور جب حضور قرب وقوع یعنی احتمال افشاء کا پہلے سے انسداد و انتظام فرمادیں تو ہم کو تو بہت زیادہ ضرورت ہے کہ بہت ہی پہلے سے اس کا انتظام کریں اس لئے کہ آپ تو عین وقت پر بھی نفس کو روک سکتے تھے آپ کا نفس تو بالکل قابو میں تھا اور ہمارا نفس تو منہ زور گھوڑے کی طرح ہے کہ جب نکل جاتا ہے پھر قابو میں نہیں رہتا پھر جو کچھ بھی اس سے صادر ہو بعید نہیں اس لئے ہم کو بہت انتظام کی ضرورت ہے ورنہ وقت پر بچنا ایسا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس دشواری کو دیکھ کر بعض متحدوں نے شریعت پر الزام لگا کر یہ شعر بک دیا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ باز میگوئی کہ دامن ترمن ہشیار باش  
(تو نے دریا کی گہرائی میں مجھے تختہ بند کر دیا ہے اور پھر مجھ سے تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہوشیار رہنا دامن نہ بھیکے) (اشرف الموعظ ج ۲۶)

## دین سیکھنے کا سہل طریقہ

ایک مسئلہ روز پوچھ لیا جاوے ایک مہینے میں تیس مسئلے ہو جاویں گے اور سال بھر میں تین سو ساٹھ مسئلے ہوں گے۔ اگر دس برس اسی طرح گزار دیئے تو اس قدر مسائل یاد ہو جائیں گے کہ کسی معمولی مولوی کو بھی اس قدر مسائل یاد نہیں ہوں گے اور کچھ محنت بھی نہ اٹھانی پڑے گی اور اگر اس وقت کوئی بتلانے والا موجود نہ ہو تو اس کو ایک بیاض میں لکھ لیا جب کوئی بتلانے والا ملا اس سے سب مسائل کے جوابات پوچھ کر لکھ لئے۔ اور عورتوں کے لئے یہ مناسب ہے کہ گھر کے مردوں کی معرفت دریافت کرا لئے۔ غرض جس بات کا آدمی کو فکر ہوتا ہے اس کے سینکڑوں طریقے خود ہی سوچ کر نکال لیتا ہے۔ عورتوں کو گہنے زیور کا فکر ہے پھر دیکھ لیجئے اس کے لئے

کیسے کیسے فکر اور اہتمام کرتی ہیں دور دور سے چوڑیاں اور چھڑے اور کڑے بنوا بنوا کر منگاتی ہیں اگر ایک چوڑی ٹوٹ جاتی ہے تو اس کا تو ان کو غم ہوتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اگر دین کا ایک مسئلہ بھی ان کو یاد نہ ہو تو اس کا غم نہیں گویا دین بزبان حال شکایت کرتا ہے۔

نماند ستمگار بد روزگار بماند برو لعنت پاندار  
(بد ذات ظالم زمانہ میں ہمیشہ نہیں رہتا مگر اس پر لعنت قائم رہتی ہے) (السوال ج ۲۶)

## فساد کا انجام

حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فساد ذات البین مونڈنے والی چیز ہے میری مراد یہ نہیں کہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے کہ ایک کیل تک بھی نہیں چھوڑتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو آپس کی باتیں ہیں ان کو شریعت سے کیا تعلق۔ میں کہتا ہوں کہ شریعت کو تعلق کا ہے سے نہیں کیا خدا کی خدائی سے باہر یہ کام ہوتے ہیں ایک حاکم دنیا کے قانون کو بھی رعایا کے افعال میں دخل ہوتا ہے پھر خدائی قانون کو آپ کے افعال میں کیسے دخل نہیں خدا تعالیٰ کو ہمارے جملہ افعال میں دخل تام ہے اور ان کے لئے قانون مقرر کر دیا ہے جس میں کسی کو مجال دم زدنی نہیں ہے۔ اور وہ قانون ایسا ہے کہ ہمارے نفع کا بھی ہے۔ دیکھئے عداوت سے اگر منع کیا گیا ہے تو کیا ظلم ہے حیوان سے انسان بنایا گیا تو کیا برا ہو گیا۔ ہمارے ہی بھلے کے واسطے یہ باتیں بتائی گئی ہیں جس کی یہ قدر کی کہ بیباکی کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ شریعت کو ہمارے افعال میں کیا دخل ہے (ذم المکتروہات ج ۲۶)

## جھوٹ کی مذمت

حدیث میں فرمایا گیا ہے: کفی بالمرء کذباً ان يحدث بكل ما سمع

(الصحيح المسلم، المقدمة باب : ۳ رقم : ۵)

یعنی آدمی کے لئے جھوٹ بولنے کے لئے یہی بہت ہے کہ جو کچھ سنے اسے فوراً نقل کر دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جھوٹ فرمایا ہے حالانکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنی سنائی باتوں میں بعضی باتیں سچی بھی ہوتی ہیں سب کو جھوٹ فرمانے کی کیا وجہ تو سنو وجہ یہ ہے کہ جو شخص اس کا عادی ہوگا وہ ضرور بالضرور جھوٹ میں مبتلا ہوگا تو حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ ہر

مسموع کو روایت کر دینا اور اس کا عادی ہونا جھوٹا بننے کے لئے کافی ہے دو شخص حضرت سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بغرض بیعت حاضر ہوئے نماز کے وقت دونوں حوض پر وضو کرنے بیٹھے۔ ایک بولا ہماری مسجد کا حوض اس حوض سے بہت بڑا ہے حضرت سلطان الاولیاء نے سن پایا پوچھا کہ کتنا بڑا ہے کہا حضرت یہ تو ٹھیک طور پر نہیں بتلا سکتے مگر اس سے بہت بڑا ہے فرمایا جاؤ اس کو ماپ کر آؤ کہ کتنا بڑا ہے جب انہوں نے ناپا تو صرف ایک بالشت کا فرق نکلا آ کر خوش خوش حضرت سلطان جی سے عرض کیا کہ حضرت ایک بالشت بڑا ہے فرمایا ایک بالشت کو بہت بڑا نہیں کہہ سکتے تم بہت بے احتیاط آدمی ہو کہ بدون تحقیق کے تم نے اسے بہت بڑا کہہ دیا میں تم کو بیعت نہیں کرتا اور اول اپنی زبان کی اصلاح کرو اس کے بعد بیعت کا نام لو اور دیکھئے ظاہر میں کتنی ذرا سی بات ہے حتیٰ کہ اس قصہ کو سن کر آج کل کے لوگ تو تعجب کریں گے کہ اس میں کیا ایسا قصور ہو گیا جو بیعت سے انکار کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ قصور کیا چاہئے کہ یہ بات حدیث کے خلاف ہے اور حدیث میں ایسی بات کو جھوٹ فرمایا گیا ہے اور جھوٹ کچھ کم قصور ہے مگر افسوس ہے کہ ہم تو صریح جھوٹ کو بھی عیب نہیں سمجھتے اس کو تو کیا عیب سمجھیں گے۔ (ذم المکر وہات ج ۲۶)

## مصنف کی قلبی ظلمت کا تصنیف پر اثر

کسی کا کلام یا کتاب سننے یا دیکھنے سے اس کے مصنف کا خفی اثر قلب پر پڑتا ہے گو وہ کتاب ظاہراً کیسی ہی ہو حتیٰ کہ ایک بزرگ کسی کے مکان پر گئے تھے پوچھا کہ یہاں بڑی ظلمت محسوس ہوتی ہے کیا بات ہے۔ صاحب خانہ نے کہا کہ یہاں ظلمت کی کوئی وجہ نہیں۔ یہاں قرآن شریف کی تفسیر رکھی ہے۔ پوچھا کونسی تفسیر ہے کہا کہ تفسیر کشاف ہے کہا کہ یہ اسی تفسیر کی ظلمت ہے کیونکہ یہ ایک معتزلی کی تصنیف ہے۔ دیکھئے مصنف کی قلبی ظلمات اس کتاب میں موجود تھیں۔ اسی طرح مصنف کے قلبی انوار بھی اس کی تصنیف میں موجود ہوتے ہیں۔ پرانے عام لوگوں کے قلوب میں اتنی ظلمات نہ تھیں جتنی آج کل کے قلوب میں ہیں اس واسطے ان کی نامناسب تصنیف میں بھی اتنی برائی نہیں جتنی آج کل کی تصانیف میں ہیں بلکہ ایسے لوگوں کی تصانیف جو اہل دل تھے مطلق ظلمت نہیں رکھتیں گوان میں کیسا ہی

نامناسب مضمون ہو دیکھئے یوسف زلیخا جامی کی کیسی کتاب ہے بعض جگہ اس میں ظاہراً حسن و عشق کے مضامین ہیں خصوصاً زلیخا کا سراپا لکھنے میں تو ذرا بھی کوتاہی نہیں کی گئی مگر آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ اس کو پڑھ کر کسی پر برا اثر پڑا ہو۔ یوسف زلیخا پرانے مکتبوں میں داخل درس تھی اور اب تک بھی ہے مگر اس کے پڑھنے والوں میں سے کسی پر بھی بے حیائی کا اثر نہیں پڑا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ تصنیف ایک اہل دل کی ہے جن کا قلب نہایت سلیم تھا ان کی سلامت قلب ان کے کلام کے اندر موجود ہے خوب یاد رکھئے کہ جب کوئی کتاب دیکھنا ہو تو اول اس کے مصنف کے حالات معلوم کر لیجئے جس مذاق کا وہ ہوگا وہ مذاق اس کتاب سے دیکھنے والے میں ضرور متعدی ہوگا یہ بڑے کام کی بات ہے۔ (ذم المکتروہات ج ۲۶)

### اپنی اولاد کو غیر مستند کتب کے مطالعہ سے روکئے

میرا اعتراض صرف ناولوں پر ہی نہیں ہے جو کتابیں بھی اس قسم کی ہوں سب کو الگ کر دینا چاہئے جیسے گل بکا ولی بدر منیر، قصہ حاتم طائی وغیرہ وغیرہ یہ سب جلا دینے کے قابل ہیں۔ تعجب ہے کہ اچھے اچھے عقلمندان کتابوں سے اپنی اولاد کو نہیں روکتے بلکہ خود بھی دیکھتے ہیں اور بار بار پڑھتے ہیں۔ بوڑھے بوڑھے آدمی اس خبط میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح جو کتابیں بے اصل ہیں گودین کی صورت میں ہوں ان کو مت پڑھوان کے پڑھنے سے سوائے وقت ضائع کرنے کے اور کیا حاصل ہے اسی جنس سے معراج نامہ ہے۔ عورتیں معراج نامہ بہت پڑھتی ہیں اور معراج نامہ بکتے بھی بہت ہیں۔ علیٰ ہذا آج کل مولد شریف کے رسالے بہت تصنیف ہو رہے ہیں۔ ظاہراً یہ کتابیں خیر ہی خیر ہیں اسی وجہ سے لوگ ان پر بہت گرویدہ ہیں اور منع کرنا بھی ظاہراً سوء ادب معلوم ہوتا ہے اور ظاہر بین اور ناواقف اور جاہل لوگ منع کرنے والوں کے مخالف بھی ہو جاتے ہیں اور ان کو بے ادب اور گستاخ سمجھتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ مانعین گستاخ نہیں۔ ان کے اس ممانعت کا سبب گستاخی اور بے ادبی نہیں بلکہ اس کا اصلی سبب شان تحقیق اور ادب ہے وہ اس کو پسند نہیں کرتے کہ غیر واقعی مضامین اللہ اور رسول کی طرف سے منسوب کئے جائیں۔ کیونکہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اس کو منع فرمایا ہے۔ (ذم المکتروہات ج ۲۶)



## اہل باطل کی کتب کا مطالعہ مضر ہے

دنیا میں وہ کون شخص ہے جو اپنی تمام ضروریات کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دے سکتا ہو کہ کھیتی بھی خود ہی کر لے آٹا بھی خود ہی پیس لے روٹی بھی خود ہی پکا لے کھانے پکانے کے آلات ہانڈی، برتن، چمٹا تو وغیرہ بھی خود بنا لے جوتا بھی خود ہی سی لے۔ کوئی ایک ہی شخص ایسا بتا دیجئے۔ انسان کے مدنی الطبع ہونے کے یہی تو معنی ہیں کہ یہ اپنے کاموں میں محتاج ہے۔ اور آج کل تو تقسیم عمل کا مسئلہ بہت ہی مسلم اور زبان زد ہے پھر دین ہی نے کیا قصور کیا کہ اس میں ہر شخص دخل دینے لگے اور دوسرے افراد کی احتیاج نہ سمجھے مجھے سخت تعجب ہے ان لوگوں سے جو تمدن کے مدعی ہیں اور رفارمر کہلاتے ہیں اور وہ دین کے لئے اپنی رائے کو کافی سمجھتے ہیں اور اس جماعت کی ضرورت نہیں سمجھتے جو اس کام کی متکفل ہے اسی طوفان بے تمیزی کو دیکھ کر میں نے خطاب عام کیا ہے کہ کوئی شخص اپنی رائے کو کافی نہ سمجھے اور اپنی رائے سے کسی کتاب کو نہ دیکھے بلکہ اس جماعت سے رائے لے لے جو اس کام کے لئے مخصوص ہے یعنی علماء سے عقل کی بات یہی ہے اور یہ ضروری بات ہے اس کو سرسری نہ سمجھا جاوے۔ (ذم المکتروہات ج ۲۶)

## بلاغت حدیث

صاحبو! کثرت کلام ایسی چیز ہے اس واسطے اس سے حدیث میں

ان الله کرہ لكم قيل وقال (مسند احمد ۴: ۲۴۹)

(یقیناً اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا تمہارے لئے کثرت کلام کو) کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ظاہر اتوا اس میں کثرت کلام سے روکا ہے لیکن جب ثابت ہو گیا کہ کثرت کلام اس قدر مفاسد کو ضمن میں لئے ہوئے ہے تو اس سے روکنا ان سب سے روکنا ہوگا۔ یہ حدیث کی بلاغت ہے کہ ذرا سے لفظ سے کس قدر اصلاحیں کی ہیں۔ یہ بیان ہوا حدیث کے ایک جملہ کا اس کے بعد حدیث میں یہ لفظ ہے و کثرة السؤال (اور کثرت سوال کو) اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ سوال کے معنی دو ہیں ایک تو سب جانتے ہیں جس کا ترجمہ مانگنا اور ایک معنی اور ہیں جس کا ترجمہ ہماری زبان میں ہے پوچھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی کثرت سے منع فرمایا ہے یعنی نہ کثرت سے مانگو اور نہ کثرت سے پوچھو۔ لفظ کثرت سے معلوم ہوا کہ قلت کے ساتھ دونوں جائز ہے مگر یہ سمجھ لیجئے کہ تھوڑے

سے مراد یہ نہیں کہ پیسہ دو پیسہ مانگ لینا جائز ہے۔ اور زیادہ نہ مانگے یا ایک آدھ مسئلہ پوچھ لینے میں کچھ حرج نہیں زیادہ نہ پوچھے بلکہ دونوں صورتوں میں قلیل کا معیار یہ ہے کہ محتاج الیہ کا سوال جائز ہے یعنی ضرورت کے وقت سوال جائز ہے اور بلا ضرورت جائز نہیں خواہ سوال کے معنی مانگنے کے لئے جاویں یا پوچھنے کے بہر تقدیر معنی یہ ہوئے کہ ضرورت کے وقت مانگنا بھی جائز ہے اور پوچھنا بھی اور بلا ضرورت مانگنا بھی جائز نہیں اور پوچھنا بھی جائز نہیں پھر ضرورت کے وقت جو سوال کیا جاوے وہ چاہے قلیل ہو یا کثیر وہ سب قلت میں داخل ہے اور جو سوال بے ضرورت کیا جاوے وہ کثرت میں داخل ہے چاہے وہ ایک پیسہ ہی یا ایک بات ہی ہو۔ اب میں اس کو بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آج کل لوگوں نے دونوں میں کیا کیا غلطیاں کر رکھی ہیں اور دونوں میں کس قدر افراط اور تفریط ہے خاص کر عورتوں میں۔ انہوں نے بعض مواقع سوال پورا کرنے کے ایسے سمجھ رکھے ہیں کہ وہاں خرچ کرنا بہت ضروری سمجھتی ہیں مثلاً بھیک مانگنے والے فقیران کو اس طرح ٹھگتے ہیں کہ یہ ڈر جاتی ہیں اور خواہ اپنے آپ فاقہ ہی کرنا پڑے مگر اس کا سوال ضرور پورا کرتی ہیں۔ کوئی شاہ صاحب بن کر آتے ہیں اور اپنا یہ کمال دکھلاتے ہیں کہ الگنی پر فلانی رضائی پڑی ہے میں تو وہ لوں گا کوٹھے میں صندوق کے اندر فلاں کپڑا رکھا ہے میں تو وہ لوں گا بس عورتیں سمجھتی ہیں کہ کوئی بڑے کامل آگئے اگر وہی چیز ان کو نہ دی گئی تو خدا جانے کیا آفت آ جاوے گی مال پر وبال پڑے یا اولاد پر پڑے پس وہ چیز ان کو دے ہی دیتی ہیں نہ یہ دیکھتی ہیں کہ ہم کو تکلیف ہوگی نہ یہ کہ شوہر کی اجازت بھی ہے یا نہیں عورتوں کو اس سے بھی بحث نہیں ہوتی کہ کون چیز کس کی ملک ہے یا درکھو خاوند کی ملک میں تصرف کرنا درست نہیں بلکہ عورت کو تو اپنے مال میں بھی خاوند سے مشورہ کر کے تصرف کرنا چاہئے کیونکہ وہ ناقص العقل ہوتی ہے مگر یہاں یہ حالت ہے کہ دوسرے کی ملک میں بھی بے دھڑک تصرف کر ڈالتی ہیں خوب سمجھ لو کہ یہ دینا بالکل جائز نہیں اور کسی شاہ صاحب اور فقیر صاحب کی دھمکی میں نہ آنا چاہئے سمجھنے کی بات ہے کہ جو شخص اس طرح سے ڈرا دھمکا کر پرایا مال چھینے وہ کامل کہاں سے ہوا وہ تو غاصب اور ڈاکو ہے۔ (ذم المکتر وہات ج ۲۶)

## حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ادب

صحابہ ایسے مودب تھے کہ جو ضروری باتیں پوچھنا بھی چاہتے تھے تو کئی کئی دن تک نہ پوچھتے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے بعض دفعہ فرشتہ کو بصورت انسان بھیجا اور اس نے وہ

سوالات کئے جو صحابہؓ کے دل میں تھے تا کہ لوگوں کو علم ہو یہ ان کے ادب کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ نے خود ان سوالات کو حل فرما دیا چنانچہ حدیث جبریل ایک مشہور حدیث ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ جبریل بصورت انسان آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے اور اس سے غرض یہی تھی کہ لوگوں کو ان باتوں کا علم ہو جائے۔ ادب کی یہ برکت ہے کہ خود خدا تعالیٰ کی طرف سے ضرورت پوری کی گئی۔ (ذم المکتروہات ج ۲۶)

## بنی اسرائیل کی بے ادبی کا انجام

بے ادبی کا یہ نتیجہ ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم ہوا تھا کہ ایک گائے کی قربانی کرو انہوں نے اس حکم میں جحش نکالنا شروع کیں کہ بتلائے گائے کیسی ہو بتلایا گیا کہ جو ان گائے ہو کہا یہ بھی بتلائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو حکم ہوا کہ رنگ زرد ہونا چاہئے پھر کہا کہ ٹھیک ٹھیک اور شرح بتلائے کہ کیسی گائے ہو اب تک ہماری سمجھ میں پوری حالت اس کی آئی نہیں حکم ہوا کہ ایسی گائے ہو کہ جس سے نہ جوتے کا کام لیا گیا ہو اور نہ سینچائی کا کام لیا گیا ہو اور بالکل یک رنگ ہو کہیں اس میں داغ دھبہ نہ ہو چنانچہ ایسی گائے ان کو تلاش کرنا پڑی اور یہ ہزار وقت رقم کثیر خرچ کر کے بہم پہنچی۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر بنی اسرائیل اتنی حجت نہ کرتے اور جیسے ہی حکم ہوا تھا فوراً کوئی سی گائے ذبح کر ڈالتے تو کافی ہو جاتی یہ تنگی کثرت سوال کی وجہ سے ہوئی حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس امت کو حق تعالیٰ نے خود ہی اس فعل سے منع فرما دیا چنانچہ ارشاد ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَلْكُمْ تَسْأَلُكُمْ** (اے ایمان والو وہ باتیں مت پوچھو کہ اگر ظاہر کردی جاویں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو) اور آگے یہ بھی فرما دیا **قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ** یعنی تم سے پہلی امت نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ احکام میں اس طرح جحش کرتے تھے گویا تحقیق کر رہے ہیں لیکن جب حکم ہوتا اور اس کی پوری شرح کردی جاتی تو اس کی امثال سے انکار کر دیتے ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ جحش کرنا اسی بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو کام کرنا منظور نہیں کام کرنے والا ہمیشہ ڈرا کرتا ہے کہ خدا جانے مجھ سے تعمیل ہو سکے گی یا نہیں اسی واسطے وہ اپنے اوپر تنگی کو اختیار کرتا ہے بنی اسرائیل بڑے سرکش تھے انہوں نے جحش چھانٹیں اور تقریریں کر کر کے اپنے اوپر مصیبت لادی اس امت پر خدا کا فضل رہا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حکم کو سن کر اس میں شقوق اور احتمالات نہ نکالتے تھے۔ (ذم المکتروہات ج ۲۶)

## شیطان کی شرارت

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ میں اس قابل ہی نہیں کہ خود دعاء کروں میں نے کہا کہ کلمہ بھی پڑھتے ہو یا نہیں کہنے لگے کہ پڑھتا ہوں میں نے کہا کہ اس کی کیا وجہ کہ تم کلمہ پڑھنے کے قابل تو ہو مگر دعاء کرنے کے قابل نہیں یہ شیطان کی شرارت ہے کہ دلیلیں یوں ڈالتا ہے کہ دعا کے قابل نہ سمجھنا تواضع ہے ایک صاحب نے یہ فرمائش کی تھی کہ تم ہی استخارہ بھی دیکھ دو غرض اپنے اوپر کسی قسم کی تکلیف نہ ہو سب کچھ دوسرے ہی کر دیں مجھے پھر یاد آتا ہے کہ کھانے میں کبھی یہ نہ سوچا کہ بزرگوں سے کہتے ہیں کہ آپ ہی کھالیا کیجئے ہمارے کھانے کی ضرورت نہیں۔ (اصلاح النفس ج ۲۶)

## تفاوت فہم

یعنی حضرت علی سے پوچھا گا کہ کیا آپ حضرات (اہل بیت) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خاص باتیں دوسروں سے الگ بتلائیں فرمایا نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو قرآن کی فہم (خاص درجہ میں) عطا فرماویں (تو وہ دوسروں سے زیادہ صاحب علوم ہو جائے گا) یا وہ چند باتیں جو اس صحیفہ میں ہیں (اس کو دیکھا گیا تو اس میں دیت وغیرہ کے کچھ احکام تھے جو حضرت علی کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ دوسرے صحابہ کو بھی اس کا علم تھا مقصود اس سے نفی کرنا تھا تخصیص کی) اس سے معلوم ہوا کہ فہم میں تفاوت ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے ایک شخص کو قرآن سے وہ علوم حاصل ہوں گے جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ حضرت علی کو چونکہ قرآن سے مناسبت تھی اس لئے ان کو بعض دوسروں سے زیادہ قرآن کے علوم حاصل تھے شاید اس سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کچھ باتیں دوسروں سے الگ بتلائیں ہیں یا کسی نے اڑائی ہو یہ خیال اسی وقت سے لوگوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ بعض علوم سینہ بسینہ ہیں جو کتاب و حدیث میں نہیں۔

یہ خیال عبد اللہ بن سبا بنی فرقہ سائبیہ نے ایجاد کیا ہے جس سے مقصود اس کا اسلام کا استیصال تھا کیونکہ عبد اللہ بن سبا اول یہودی تھا پھر بطور نفاق کے مسلمان ہوا اور حضرت علی کی محبت کا دم بھرنے لگا اور ان کے متعلق مسلمانوں میں غلط اعتقادات پھیلانے لگا کیونکہ وہ



لوگ یہ سمجھ چکے تھے کہ تلوار سے اسلام کا خاتمہ نہیں ہو سکتا تو اب انہوں نے یہ تدبیر نکالی کہ احکام اسلامیہ میں خلط کرنا چاہئے۔ اور اس کا یہ ذریعہ نکالا کہ بعض علوم کو سینہ بہ سینہ بتلایا مگر اللہ کا وعدہ ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ اللہ تعالیٰ نے دین کی خود حفاظت کی ہے کہ احکام میں خلط نہیں ہو سکتا گو فرق ضالہ اسلام میں بہت ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں جن کے متعلق حدیث میں ہے کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے اور تہتر تو اصول کے اعتبار سے ہیں ورنہ ہر فرقہ کے اندر بہت سے فرقے ہو گئے ہیں بلکہ آج کل تو ہر شخص ایک مستقل فرقہ ہے کیونکہ ہر شخص دین کے متعلق اپنی الگ رائے قائم کرتا ہے اور اس میں بھی حکمت ہے تاکہ اس تفرق سے پریشانی نہ ہو کیونکہ اختلاف تو ناگزیر تھا کہ کسی قدر اختلاف تو ضرور ہوتا اس عالم میں بناء حکمت یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی امر میں اختلاف نہ ہو اب اگر اختلاف کبھی کبھی ہوتا تو طالب حق کو طبعاً احتمال ہو سکتا تھا کہ نہ معلوم ان میں سے کون حق پر ہے اور جب روزانہ نئے نئے فرقے نکلتے آتے ہیں تو اس کا اثر طبعاً کم ہو جائے گا اور دیکھے گا کہ اختلاف کی تو کہیں انتہا نہیں یہ تو روز کی دال روٹی ہو گئی ہے کہاں تک ہر چیز کی تحقیق کیا کرے بس وہ پرانا ہی طریقہ اسلم ہے۔ (الاریاب والاغیاب ج ۲۶)

## دعا کی خاصیت

ایک نو مسلم کا بیان ہے کہ جب میں نے مذہب حق کو تلاش کرنا شروع کیا تو مجھے مذہب میں حق کی جھلک نظر آتی تھی جس سے میں پریشان ہو گیا آخر میں نے یوں دعا کی کہ اگر آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا کوئی ہے تو میں اس سے دعا کرتا ہوں کہ مجھ پر حق واضح ہو جائے بس یہ دعا کرتے ہوئے دو چار دن نہ گزرے تھے کہ اسلام کا حق ہونا مجھے واضح ہو گیا۔ صاحبو! دعا بڑی چیز ہے دعا میں خاصیت ہے کہ اس سے تدبیر ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے جس کا بار بار مشاہدہ ہو چکا ہے مگر یہ مطلب نہیں کہ تم تدبیر نہ کرو تدبیر ضرور کرو اور اس کے ساتھ دعا بھی کرتے رہو اس سے تدبیر ضعیف قوی ہو جائے گی افسوس ہم لوگوں نے اس کو آج کل چھوڑ دیا اس کے بعد میں ایک اور بات کہتا ہوں وہ یہ کہ اگر دعا کے بعد بھی کسی پر حق واضح نہ ہو جب بھی اس کو ترک نہ کرے کیوں کہ اس وقت دعا کا یہی قاعدہ ہو گا کہ اس سے دل میں قوت پیدا ہوگی قلب کو راحت و سکون ہوگا اور بھی

مطلوب ہے کیونکہ دنیا کی تمام تدابیر سے راحت قلب ہی تو مقصود ہے ورنہ پھانسی کے مجرم کے پاس سامان عیش تو بعض دفعہ دوسروں سے بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن کیا نفع! اس کی نظر میں سب خار ہے اور محض بے کار ہے کیونکہ اس کے قلب کو راحت حاصل نہیں۔

## آج کل کی رسومات زیادہ خطرناک ہیں

جس شریعت میں کفر و شرک کو برا لکھا ہے کبیرہ گناہ کو بھی برا لکھا ہے زائد سے زائد گوہ اور موت کا سافرق کہہ لو۔ بلکہ میں کہتا ہوں اس زمانہ کی موجودہ رسمیں ان رسموں سے زیادہ بری ہیں جو چھوٹ گئیں اس واسطے کہ تمہارے ہی قول کے بموجب ان کا مبنی کفر پر تھا اور ان کا مبنی اس چیز پر ہے کہ وہ کفر کی بھی جڑ ہے یعنی کبر پہلی رسمیں کفر تھیں لیکن حظ نفس سے خالی تھیں ان کے ترک میں نفس مزاحم نہ تھا کیونکہ ان میں حظ نہیں تھا اور رسوم موجودہ میں حظ نفس ہے ان سے تنبیہ ہونے کی امید نہیں۔ سمجھ لو کہ کفر و شرک میں حظ نفس نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ نفس کو سب سے زیادہ ناگوار کسی کے سامنے لچنا ہے تو جو شخص مشرک ہے اس کو بہت سوں کے سامنے لچنا پڑتا ہے۔ تو اس میں حظ کہاں جہالت وغیرہ اور داعی ان کو ہو جاتے ہیں ورنہ نفس کے وہ رسوم خلاف ہیں علی ہذا یہ سمجھنا کہ آج کل کی رسمیں کچھ رسمیں ہی نہیں ہیں اور زیادہ خطرناک ہے کیونکہ جس گناہ کو آدمی گناہ نہ سمجھے اس سے توبہ کی کیا امید ہو سکتی ہے کیونکہ توبہ نام ندم یعنی پشیمانی کا ہے اور پشیمانی اسی چیز سے ہوا کرتی ہے جس کی کچھ برائی دل میں ہو۔ جب ان رسموں کی برائی ہی دل میں نہیں ہے تو پشیمانی کیوں ہوگی اور جب پشیمانی نہیں تو اس سے توبہ کیسی (علاج الکبرج ۲۶)

## سلطان محمود غزنوی کی بت شکنی

محمود بادشاہ نے جب ہندوستان کو فتح کیا اور سومنات کا مندر توڑا تو تمام بت توڑ ڈالے جو بت سب سے بڑا تھا اس کو بھی توڑنا چاہا۔ پجاریوں نے بہت الحاح و زاری کی اور کہا اس کے برابر ہم سے سونا لے لیا جائے اور اس کو نہ توڑا جائے۔ محمود نے ارکان سے مشورہ کیا سب نے کہا ہم کو فتح ہو چکی ہے اب ایک بت کے چھوڑ دینے سے ہمارا کیا جاتا ہے اس قدر مال ملتا ہے لشکر اسلام کے کام آئے گا چھوڑ دینا چاہئے مجلس میں سید سالار مسعود

غازی بھی تھے فرمایا یہ بت فروشی ہے اب تک بادشاہ بت شکن مشہور تھا اب بت فروش کہلائے گا محمود کے دل کو یہ بات لگ گئی مگر گو نہ تردد باقی تھا دو پہر کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ میدان حشر ہے اور ایک فرشتہ ان کو دوزخ کی طرف یہ کہہ کر کھینچا ہے کہ یہ بت فروش ہے دوسرے فرشتے نے کہا نہیں یہ بت شکن ہے اس کو جنت میں لے جاؤ اتنے میں آنکھ کھل گئی فوراً حکم دیا بت توڑ ڈالا جائے اس کو جو توڑ اتمام پیٹ میں جواہرات بھرے ہوئے نکلے حق تعالیٰ کا شکر کیا کہ بت فروش سے بھی بچا اور جس مال کی طمع میں بت فروش اختیار کرتا تھا اس سے زیادہ مال بھی مل گیا۔ یہ جنت اور دوزخ کی طرف کھینچا جانا اس تردد کی صورت دکھائی گئی جو محمود کے قلب میں تھا۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ بت کو چھوڑ دینا حقیقت میں بت فروش نہ تھا لیکن صورت بت فروشوں کی مشابہت تھی جس کا یہ نتیجہ ہوا خدا پناہ دے مسلمانو! اس میں سب کفار کی رسمیں ہیں مزید برآں مل گیا ہے ان میں تفاخر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور بدعات ظلمات بعضہا فوق بعض تہہ بہہ تاریکیاں، شر کے اندر شر گھسا ہوا ہے۔ (علاج الکبرج ۲۶)

## مستورات کی اصلاح کی آسان تدبیر

خواتین علاج کے لئے سوچ کر کوئی نہ کوئی تدبیر ایسی نکال لیتی ہیں کہ شرم بھی نہ جائے اور علاج بھی ہو جائے۔ بیبیو! کسی مسئلہ کا تحقیق کر لینا تو آج کل کچھ بھی بات نہیں دوپیسے میں چاہے کہاں سے جواب منگالو اگر خود نہ کر سکو اپنے خاوند کی معرفت پوچھو الو یا اور کسی بی بی کے ہاتھ سے لکھوا کر دریافت کرالو اگر نہ خود لکھ سکونہ شوہر موجود ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ جب ہو کہ جب دین کا خیال ہو۔ اس غفلت کو چھوڑو اور دین کو دنیا سے بھی زیادہ ضروری سمجھو۔ دنیا ختم ہو جائے گی اور آخرت ختم نہ ہوگی۔ جو طریقہ میں نے بیان کیا اس سے بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ گھر میں جب مسائل کا تذکرہ ہوگا بچوں کے کان میں پڑیں گے اور ساری عمر ان کو یاد رہیں گے۔ جو لوگ تمہارے تابع ہیں ان کی اصلاح ہوگی ان کی اصلاح بھی تمہارے ذمہ ضروری ہے۔ حدیث میں ہے

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ (الصحيح للبخاری ۶:۲)

یعنی ہر بڑے کو چھوٹے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محافظ فرمایا کہ ہر شخص کچھ نہ کچھ ذمہ دار ہے اور اس کی جواب دہی اس کے ذمہ ہے اگر نوکرانی تمہاری نماز نہیں

پڑھتی تو وہ گنہگار ہے ہی مگر تم بھی اس کے ساتھ گنہگار ہو اور جواب دینا ہو گا کہ اسے نماز کیوں نہیں سکھائی تھی۔ بعض لوگوں نے اس کا جواب یہی اختیار کر لیا ہے کہ ہم نے تو بہتیری تاکید کی مگر وہ نماز پڑھتی ہی نہیں۔ کیوں بیسیو! اگر کھانے میں وہ نمک کم و بیش کر دے تو تم کیا کرتی ہو کیا ایک دو دفعہ سمجھا کر نیک بخت نمک ٹھیک رکھا کہہ کر خاموش ہو رہتی ہو اور پھر نمک ویسا ہی کھا لیتی ہو جیسا اس نے ڈال دیا ہو۔ یہ تو کبھی بھی نہ کرو گی چاہے نوکرانی رہے یا نہ رہے اسے سمجھاؤ گی پھر مارو پیٹو گی اگر کسی طرح نہ مانے گی تو نکال باہر کرو گی۔ بیسیو! دین کا اتنا بھی خیال نہیں جتنا نمک کا جو نماز کے مقابلے میں بالکل غیر ضروری چیز ہے۔ دین کا خود بھی خیال کرو اور جن پر تمہارا قابو چل سکتا ہے ان کو بھی دین دار بناؤ تمہاری کوشش سے جو کوئی دیندار بنے گا تمہیں بھی اسی کے برابر ثواب ملے گا۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو میں نے بیان کیا کہ جہاں دنیا کے دس کاموں کا وقت ہے ایک دن کے کام کا بھی وقت نکال لو۔ جو بی بی خود کتاب پڑھ سکیں وہ کتابوں کو دیکھ کر اپنی اصلاح کریں اور جو خود نہ پڑھ سکیں کسی اپنے رشتہ دار سے پڑھوا کر سنیں علماء سے وعظ اپنے مکانوں میں کہلوایا کریں جو واقعات پیش آیا کریں ان کی پوچھ پاچھ کیا کریں۔ علماء سے ان کی معرفت یا خط کے ذریعے سے جواب منگا لیا کریں اس سے دین میں ایسی بصیرت ہو جائے گی کہ رفتہ رفتہ ہر عمل کی نسبت حکم معلوم ہو جائے گا۔ جب کسی چیز کا علم ہو جاتا ہے تو کبھی نہ کبھی تو دل میں اس سے بچنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہی ہے رات میں اگر تم ذرا سی بھی ہمت سے کام لو گی تو دن دو دن رات چو گنی ترقی ہو گی۔ اور تم میں شدہ شدہ تمام مفاسد کی جڑ یعنی کبر بھی قلب سے نکل جائے گی۔ (علاج الکبر ج ۲۶)

## جنت کو پہلے پیدا کرنے میں حکمت

حق تعالیٰ نے آسمان و زمین کو تو پہلے پیدا کیا ہی جنت کو بھی پہلے ہی پیدا کر دیا حالانکہ اس کی ضرورت اس عالم کے بعد انسان کو ہو گی کیا ٹھکانا ہے اس رحمت کا اور اس میں راز یہ ہے کہ انسان کو جب یہ معلوم ہو گا کہ میرا اصلی گھر جہاں ہر قسم کی راحت و آسائش ہے اس وقت موجود ہے تو اس کو ادھر زیادہ رغبت ہو گی اور دنیا میں اس کا دل نہ لگے گا اور اگر اس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جنت تو ابھی بنی بھی نہیں دنیا کے فنا ہونے کے بعد بنے گی تو اکثر طبائع



کو عالم آخرت کی طرف رغبت نہ ہوتی اور اگر ہوتی بھی تو کم ہوتی کیونکہ معدوم کی طرف رغبت ہونا انسان کے طبائع میں نادر ہے گو وہ معدوم کیسا ہی یقینی الوجود ہو اور اب جس وقت حق تعالیٰ کے اس ارشاد پر نظر پڑتی ہے: ”أَعَدَّتْ لِّلْمُتَّقِينَ“ کہ جنت خدا سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے تو خواہ مخواہ اس کی طرف کشش ہوتی ہے اور تقویٰ کو جی چاہتا ہے۔

بعض لوگ عقل کے منکر ہیں انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انسان کے اندر عقلی نہیں ہے حالانکہ جانور اور انسان میں فرق ظاہر ہے مگر یہ خدا کے بندے پھر بھی عقل کے منکر ہیں اس کا عقل جواب تو ہے ہی مگر لطیفہ کے طور پر ایک جواب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے گھر کا حال خوب جانتا ہے تو وہ جو عقل کے منکر ہیں وہ اپنا حال بیان کرتے ہیں سوان میں واقعی عقل نہ ہوگی اور ہم کو اپنے گھر کا حال معلوم ہے اور ہمارے اندر عقل ہے ہم کو خود اپنا حال معلوم ہے اس لیے ہم عقل کے منکر نہیں ہیں۔ (تعظیم العلم ج ۲)

## تحصیل علم کی اصل غرض محض رضا الہی ہے

حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِيَمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ إِلَىٰ آخِرِهِ“ مجھے حدیث کے الفاظ بعینہ کم یاد رہتے ہیں اسی طرح حوالہ بھی یاد نہیں رہا کرتا کہ یہ کس کتاب کی حدیث ہے:

اہل علم اس کی تحقیق کر لیں مجھے حدیث کا مضمون یاد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص علم کو اس لیے حاصل کرے تاکہ اس کے ذریعے سے علماء کا مقابلہ کرے اور جاہلوں سے جھگڑا کرے اور لوگوں کا رخ اپنی طرف پھیرے خدا تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کریں گے تو دیکھئے مراء پر کس قدر شدید وعید ہے مگر افسوس کہ آج کل تحصیل علم سے زیادہ غرض وہی ہوتی ہے جس سے حدیث میں ممانعت وارد ہو رہی ہے بلکہ آج کل تو عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کی تحصیل علم سے کوئی بھی غرض نہیں ہوتی نہ حسن نہ مذموم اب تک تو ہم یہ سنا کرتے تھے کہ افعال اختیار یہ بدون تصور غایت و غرض کے موجود نہیں ہو سکتے مگر آج کل کے طلبہ کی حالت دیکھ کر اس مسئلہ میں ہم کوشبہ ہو گیا اور جن کی کچھ غرض ہوتی بھی ہے تو ایسے لوگ بہت کم ہیں جن کی غرض محض رضائے الہی ہو بلکہ اکثر کو تو جاہ مطلوب ہوتی ہے کیونکہ بہت لوگ علم دین پڑھتے ہیں مگر اپنی اصلاح نہیں کرتے اگر رضائے الہی ان کو مطلوب ہوتی تو عمل کا اہتمام ضرور ہوتا بلکہ ہم

دیکھتے ہیں کہ بہت لوگوں کا مشغلہ تحصیل علم کے بعد جھگڑنا ہی رہ جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مراء جدال ہی کے واسطے علم حاصل کرتے تھے۔ بس آج کل اسی میں فخر و ناموری سمجھتے ہیں کہ اس سے مقابلہ بحث کر لی اس سے جھگڑ لئے، کچھ جاہل ان کی طرف ہو گئے پھر علاوہ ناموری کے اس صورت میں آمدنی بھی زیادہ ہوتی ہے اور جب ان دونوں جھگڑنے والوں میں فیصلہ نہیں ہوتا تو علماء محققین کے پاس سوالات جاتے ہیں اور خواہ مخواہ ان کو بھی اس جھگڑے میں پھانسا جاتا ہے اگر کوئی اللہ کا بندہ اس سے احتیاط کرے اور جھگڑے سے بچنا چاہے تو اس کے پاس سے ملنے نہیں اس کے سر ہو جاتے ہیں۔ (تعظیم العلم ج ۲)

## مسائل کی تحقیق میں حضرت حاجی صاحب کا ارشاد

حضرت حاجی صاحب ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی تم کو تنگ کرے اور کسی مسئلہ کی تحقیق و تدقیق کرنی چاہیے تو سب رطب و یابس شبہات و جواب اس کے سامنے رکھ دو اور کہہ دو کہ ان میں سے تم خود انتخاب کر لو مجھے انتخاب اور ترجیح کی فرصت نہیں مجھے اور بھی کام کرنا ہے جس کے واسطے میں پیدا ہوا ہوں۔ حضرت حاجی صاحب نے اس کی ایک مثال بھی ارشاد فرمائی کہ ایک شخص نے جس کے کچھ بال سفید کچھ سیاہ تھے حجام سے کہا کہ میری داڑھی میں سے سفید سفید بال چھانٹ دے اس نے استرہ لے کر سارے بال مونڈھ کر اور سب کو سامنے رکھ کر کہا کہ اس میں سے سفید سفید چھانٹ لیجئے مجھے فرصت نہیں۔ لیکن حضرت حاجی صاحب کے ارشاد پر عمل کرنا اسی شخص کو آسان ہے جو تنگ و ناموس کو آگ لگا چکا ہو کیونکہ ایسے جواب سے مجیب کی وقعت نہیں ہوتی، لوگ اس کو جاہل یا بد مزاج مشہور کر دیتے ہیں۔ اسی لیے آج کل ایسے جواب بہت کم لوگ دیتے ہیں اکثر تو جھک جھک میں مشغول ہی ہو جاتے ہیں۔ سلف کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ فضول وقت ضائع نہ کیا جائے۔ (تعظیم العلم ج ۲)

مسلمانوں کو علم نافع حاصل کرنا چاہیے اور اس کی طرف پوری توجہ کرنا چاہیے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو نماز، روزہ کی طرف تو توجہ ہے مگر علم نافع کی طرف توجہ نہیں اگر کوئی نماز نہ پڑھے روزہ نہ رکھے زکوٰۃ نہ دے حج نہ کرے تو سب لوگ اس کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں اور اگر کوئی شخص علم دین بالکل حاصل نہ کرے تو اس کو برا کوئی نہیں کہتا حالانکہ بقدر ضرورت علم حاصل کرنا ہر شخص کے ذمہ و سیاہی فرض عین ہے

## مستورات کے لیے طریق تحصیل علم دین

جو مرد پڑھے لکھے نہ ہوں وہ عورتوں سے کہہ دیا کریں کہ تم کو جو مسئلہ پوچھنا ہو ہم سے کہہ دیا کرو ہم علماء سے پوچھ کر تم کو بتلا دیں گے۔ لیجئے اس ترکیب سے ساری امت بقدر ضرورت علم سے فیض یاب ہو سکتی ہے اور جو لوگ اردو پڑھ بھی سکتے ہیں ان کو علماء سے ملنے ملانے اور سوال کرنے کا عادی رہنا چاہیے کیونکہ بعضی بات کتاب سے حل نہیں ہوتی علماء سے زبانی دریافت کر کے اس کی حقیقت حل ہو جاتی ہے اور دین کے ساتھ تعلق و مناسبت تو بدون صحبت کے حاصل ہوتا ہی نہیں۔ (تعظیم العلم ج ۲)

## آمین کہنے والا دعا میں شریک ہوتا ہے

قَالَ قَدْ أَجَبْتُ دَعْوَتُكُمْ فَأَسْتَقِيمًا وَلَا تَتَّبِعَنَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی موسیٰ و ہارون علیہما السلام مراد ہیں کیونکہ حضرت ہارون اس دعا پر آمین کہہ رہے تھے اور آمین کہنا بھی دعا میں شریک ہوتا ہے۔ دعا قبول کر لی گئی سو تم (اپنے منصبی کام پر) مستقیم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔ پس باوجود یہ کہ دعا قبول ہو چکی تھی اور اس کی قبولیت کی اطلاع بھی فوراً دیدی گئی تھی مگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ ظہور اس دعا کا چالیس سال کے بعد ہوا۔ مفسرین نے ”وَلَا تَتَّبِعَنَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ“ کی تفسیر میں لکھا ہے یعنی استعجال نہ کرنا یعنی جیسا کہ جاہل لوگ دعا کے اگلے ہی دن وحی کے منتظر ہوا کرتے ہیں۔ دیکھئے اگر آپ کسی طبیب کے پاس جائیں کہ مجھ کو مسہل کی ضرورت ہے، مسہل دیدو تو یہ بھی کہیں ہو سکتا ہے کہ آج تم نے درخواست کی اور کل ہی دست آنے لگیں، ہرگز نہیں بلکہ وہ اول منضج (مادہ کو پکانے والی دوا) کا نسخہ لکھے گا، مہینہ بھر اس کو پینا پڑے گا، اس کے بعد وقت اور موسم کو دیکھ کر مسہل دیا جائے گا اور ہر مسہل کے بعد تبرید ہوگی پھر اگر مسہل میں کچھ کسر رہ گئی تو کوئی ملین شربت مہینہ بھر پینا پڑے گا۔ غرض چار مہینہ کے بعد کہیں مسہل پورا ہوگا۔ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ صبح کو نسخہ پی کر شام ہی کو دست آ جاویں، سو بعضے طبیب ایسے بھی ہیں لیکن وہ آپ کو ایسا مسہل دیں گے کہ مادہ کے ساتھ روح کا بھی اخراج کر دے گا۔

## جٹلمینوں کا عجیب مرض

ایک مولوی صاحب جو کہ ریاست بہاولپور میں کسی سکول میں پروفیسر ہیں وہ فرماتے تھے کہ ایک بار میں بہاولپور سے وطن کو آ رہا تھا میرے ساتھ ٹھنڈے پانی کی ایک صراحی تھی۔ اس گاڑی میں ایک جٹلمین سوار تھے وہ میرے برتنوں کو دیکھ کر ہنسنے لگے کہ یہ بھنگیوں کے سے برتن آپ کہاں سے ساتھ لائے۔ میں اس پر خاموش ہو رہا تھا تو ڈیر میں ان صاحب کو پیاس لگی تو اسٹیشن پر گلاس لے کر اترے وہاں پانی نہ ملا اور کئی اسٹیشن تک نہ ملا تو اب ان کا مارے پیاس کے برا حال تھا بار بار کن انکھیوں سے میری صراحی تکتے تھے آخر مجھے رحم آیا اور میں تختہ پر آنکھیں بند کر کے سوتا بن کر لیٹ رہا تھا تو ڈیر میں وہ صاحب آہستہ آہستہ صراحی کے پاس آئے اور اس سے منہ لگا کر پانی پینا شروع کیا مگر حالت یہ کہ ایک آنکھ میری طرف تھی اور ایک آنکھ پانی کی طرف بڑی گھبراہٹ میں غریب نے پانی پیا میرے جی میں آیا کہ فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لوں مگر میں نے خیال کہ بے چارہ پیاسا ہے جب پانی پی چکے گا پھر سمجھوں گا چنانچہ جب وہ خوب پانی پی چکے اور وہاں سے اٹھنے لگے تب میں نے ہاتھ پکڑ لیا کہ کیوں صاحب آپ نے بھنگیوں کے برتن سے کیوں پانی پیا۔ بس اب تو ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور معافی چاہنے لگے میں نے پھر تو ان کی بدتمیزی خوب ظاہر کی کہ تم تہذیب کا دعویٰ محض جھوٹا کرتے ہو تم میں خاک تہذیب نہیں میں کہتا رہا اور خاموش سنتے رہے۔ (تعظیم العلم ج ۲)

## شیخ ابن عربی کا مقام

شیخ ابن عربی کو ان کے زمانہ میں بہت لوگوں نے کافرو زندقہ کہا حتیٰ کہ مرنے کے بعد ان کی قبر پر سالہا سال پاخانہ پڑتا رہا تو کیا جہلاء کے ان افعال سے نعوذ باللہ (اللہ کی پناہ) شیخ کا درجہ گھٹ گیا ہر گز نہیں تو اگر آج تم کو بھی لوگ برا بھلا کہنے لگیں تو کیوں ڈرتے ہو پھر ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ شیخ ابن عربی امام اور شیخ اور صدیق کہلانے لگے اور ان کی قبر زیارت گاہ بن گئی۔ حضرت شیخ نے اس کی نسبت پیشین گوئی بھی فرمائی تھی۔ ”اذا دخل السین فی الشین ظہر المیم“ سین سے مراد سلطان سلیم ہیں اور شین سے مراد ملک شام ہے اور میم سے مراد خود حضرت شیخ ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جب سلطان سلیم ملک شام



میں داخل ہوں گے اس وقت محی الدین بن عربی کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ جب سلطان سلیم کا شام پر تسلط ہوا ہے اور شیخ کی قبر کا حال معلوم ہوا تو اس کو گندگیوں سے صاف کرایا اور اس پر قبہ تعمیر کیا اس دن سے شیخ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام بن گئی۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

## امام غزالی کی وقعت و عظمت

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو کچھ معاملہ ہوا سب کو معلوم ہوا ہے۔ لوگوں نے ان پر کفر کے فتوے لگائے ان کی کتاب احیاء العلوم کو جلایا گیا تو کیا اس سے ان کی وقعت کچھ کم ہوگئی ہرگز نہیں اس کے بعد ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ احیاء العلوم کو سونے کے پانی سے لکھوایا گیا اور آج امام غزالی کے نام کی جو وقعت ہے مخفی نہیں ہر شخص ان کو حجۃ الاسلام اور امام کے لقب سے یاد کرتا ہے اور وہ لوگ جو امام غزالی اور شیخ ابن عربی کو کافر و زندیق کہتے تھے جن کی وقعت اس زمانہ میں بہت کچھ تھی خدا تعالیٰ نے آج ان کے ناموں کو ایسا مٹایا ہے کہ کوئی بھی ان کا نام نہیں لیتا۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

## کسب اور طلب میں فرق

کسب دنیا کو منع نہیں کرتا کسب وہ ہے کہ جس میں نقصان دین نہ ہو اور طلب وہ ہے جس میں دین مغلوب یا گم ہو جائے تو اصلی چیز مطلوب علم دین ہونا چاہیے اور علم دنیا ہو تو اس کا معین ہو۔ دیکھو جب ایک شخص گھوڑے کی خدمت کرتا ہے تو اصلی غرض قطع مسافت ہوتی ہے کہ یہ کھا کر قطع مسافت کرے گا اور گھاس دانہ دینا مقصود بالعرض ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص گھوڑے کو کھلائے اور اس سے کام نہ لے تو کہا جائے گا کہ اس نے گھوڑے کو قبلہ توجہ بنا رکھا ہے اور سب اس کو بیوقوف کہیں گے کہ مقصود بالغیر کو مقصود بالذات بنا لیا۔ غرض گھوڑے کی خدمت منع نہیں مگر جب اصل مقصود میں مزاحم ہو تو روکا جائے گا اور مشورہ نیک دیا جائے گا۔ اسی طرح کسب دنیا اس درجہ میں مزاحم نہ ہو طلب دنیا پر غالب نہ ہو تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں: ”کسب الحلال فریضة بعد الفریضة“ (فرائض کے بعد کسب حلال مستقل فریضہ ہے) اور عجب نہیں کہ یہ بعدیتہ اسی اشارہ کے لیے ہو کہ یہ تابع ہے کیونکہ اس میں بعدیتہ رتبہ ہے اور تابع رتبہ میں متبوع کے بعد ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ تابع

ہے اسی پر تنبیہ فرمایا ہے اس حدیث میں۔ مگر اس کے متعلق اکثر لوگ غلطی میں مبتلا ہیں کہ اس وقت مسلمان بہت کم طلب علم ہیں۔ اہتمام کے ساتھ مشغول ہیں اور دنیا میں بہت زیادہ مشغول ہیں بعض کی تو یہ کیفیت ہے کہ مہینوں میں بھی ان کو نوبت نہیں آتی کسی مسئلہ کے دریافت کی۔ کیا ان لوگوں کو کبھی کوئی شبہ نہیں پڑتا جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگوں نے بہت سے کاموں کو دین سے خارج کر رکھا ہے۔ مثلاً معاملات معاشرت اخلاق کے بہت کم لوگ ہیں کہ جائیداد خرید کر یا بیچ کر کسی مولوی کو اس کا مسودہ دکھلاتے ہوں کہ کوئی معاہدہ اس میں خلاف شریعت تو نہیں۔ یوں سمجھ رکھا ہے کہ اس کو دین سے کیا واسطہ۔ (طلب العلم ج ۲۷)

## نعمت مدرسہ کی قدر اور شکرگزاری

نعمت مدرسہ کی قدر اور شکرگزاری یہی ہے کہ دین کی تلاش میں لگ جاؤ۔ دوسرے قدر دانی یہ کرو کہ آج کل جو ہم لوگ کسی کام کو ایک ہی کے ذمہ ڈال دیتے ہیں اس عادت کو بھی چھوڑ دو کیونکہ یہ بہت برا ہے۔ صاحبو! جو شخص جتنا کام کر رہا ہے غنیمت سمجھو کیونکہ وہ فرض کفایہ ہے وہ تم سب کی طرف سے کر رہا ہے سو جن باتوں میں تمہاری ضرورت ہے ان میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔ مثلاً جو صاحب وسعت ہیں وہ اس طرح شرکت کریں کہ کچھ طالب علم یہاں باہر کے بھی رہیں اور وہ ان کی امداد کریں اگرچہ یہ ضروری ہے کہ سب بالکل باہر ہی کے نہ ہوں کیونکہ بستی کو زیادہ نفع ہونا چاہیے تو زیادہ تو بستی کے ہوں اور چار پانچ باہر کے بھی ہوں۔ اس میں ایک تو برکت ہوتی ہے دوسرے وہ صرف طلب علم کے لیے آئے ہیں ان کی امداد میں بڑی فضیلت ہے۔ تیسرے ان سے مدرسے کی رونق ہوتی ہے چوتھے ان سے مدرس کی دلچسپی ہوتی ہے (طلب العلم ج ۲۷)

## انگریزی دانوں کی ایک غلطی

جن علمینوں نے انگریزی پڑھنے کو بھی علم میں شمار کر لیا ہے اور جتنے فضائل احادیث میں علم کے وارد ہیں انگریزی تعلیم پر بھی ان کو جاری کرتے ہیں اور اس کے متعلق یہ حضرات ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں ”اطلبوا العلم ولو بالصین“ (علم کو طلب کرو اگرچہ چین میں ہو) وہ کہتے ہیں کہ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چین سے بھی طلب علم کی

ترغیب دی ہے حالانکہ اس وقت چین میں دین کا علم بالکل نہ تھا بلکہ محض دنیوی علم تھا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلق علم کی ترغیب دے رہے ہیں خواہ دنیا کا علم ہو یا دین کا پس انگریزی بھی علم ہے اور اس حدیث کے تحت میں داخل ہے ان لوگوں کو اول تو اس حدیث کا ثبوت دینا چاہیے۔ ان الفاظ سے یہ حدیث محدثین کے نزدیک ثابت ہی نہیں۔

اور اگر ثابت بھی ہو تب بھی ان لوگوں کا مدعا حاصل نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے لفظ ولو پر نظر نہیں کی۔ یہ لفظ فرض کے لیے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض چین میں بھی علم ہو تو وہاں سے بھی کوشش کر کے حاصل کرنا چاہیے اور فرض اسی چیز کو کیا جاتا ہے جو معدوم یا مستبعد ہو موجود کو فرض نہیں کیا جاتا اور دنیوی علم کا چین میں اس وقت موجود ہونا آپ کو مسلم ہے تو اس کو لفظ ولو سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس حدیث میں وہی علم ہے جو چین میں اس وقت موجود نہ تھا اس لیے بطور فرض کے فرما رہے ہیں کہ اگر وہاں بھی ہو تو حاصل کرو اور وہ علم دین ہی ہے ورنہ اگر علم کو ایسا عام کیا گیا کہ دنیوی علم بھی اس میں داخل ہو جائیں تو پھر ایک بھنگی اور چمار کو بھی عالم کہنا چاہیے کیونکہ اس کو بھی دنیا کا ایک علم حاصل ہے جو کام وہ کرتا ہے اس کو وہ خوب جانتا ہے اگر آپ ان کاموں کو بھی علم میں داخل کر لیں گے تو پھر آپ کی خاطر سے ہم انگریزی کو بھی اس میں داخل کر لیں گے اور خیر جانے دیجئے ہم لفظ ولو سے بھی استدلال نہیں کرتے مگر ہم کہتے ہیں: ”اطلبوا العلم ولو بالصین“ (علم کو طلب کرو اگرچہ چین میں ہو) میں تو تصریح نہیں کہ اس سے کونسا علم مراد ہے اب شریعت کی دوسری نصوص سے اس کو دریافت کیا جاوے۔

بس علم شرعی وہ ہے جس کو شریعت علم کہتی ہے جس کے جاننے والوں میں ایک شیخ سعدی بھی ہیں وہ فرماتے ہیں:

علمی کہ رہ بحق نماید جہالت است

(جو علم حق کا راستہ نہ دکھائے وہ جہل ہے) (الہدی والمغفرة ج ۲۷)

## دنیا ملعونہ

حدیث میں ہے: ”الدنيا ملعونة وما فيها ملعون الا ذكر الله وما والاه الحدیث“ (دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ملعون، بجز ذکر اللہ کے اور وہ چیز جو ذکر کو قریب کرے)

معلوم ہوا کہ جو چیز خدا کی طرف قریب نہ کرے وہ دنیا ملعونہ ہے۔ اس میں ایسے علوم بھی داخل ہیں اب میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ کیا سائنس اور جغرافیہ اور انگریزی زبان سے خدا کی طرف قرب ہوتا ہے؟ وصل ہوتا ہے یا فصل قرب ہوتا ہے یا بعد۔ مشاہدہ ہے کہ ان سے بعد ہی بڑھتا ہے گو چاہیے تو یہ تھا کہ سائنس سے اور خدا کی طرف قرب بڑھتا کیونکہ اس سے قدرت صانع کا انکشاف زیادہ ہوتا ہے اور اپنا عجز زیادہ مشاہدہ ہوتا ہے کیونکہ اہل سائنس رات دن ترقی کی فکر میں رہتے ہیں اس لیے ان کے مقاصد بہت وسیع ہیں جن میں کثرت سے ایسے مقاصد بھی ہیں جو عرصہ تک پورے نہیں ہوتے زمانہ دراز تک ان میں ناکامی رہتی ہے۔ بخلاف ہمارے مقاصد کے کہ وہ محدود ہیں جو اکثر پورے ہو جاتے ہیں مگر ہم پھر بھی اپنے عجز کے معترف ہیں اور ان لوگوں کے زیادہ مقاصد ناکام رہتے ہیں جو کھلی دلیل ہے عجز کی مگر یہ لوگ باوجود مشاہدہ عجز زائد کے پھر بھی اپنے کو قادر کہتے ہیں وجہ یہ کہ یہ لوگ اپنے عجز پر نظر نہیں کرتے بس عرصہ کے بعد جو کسی مقصود میں کامیابی ہوگئی اس پر نازاں ہوتے ہیں کہ ہم نے یہ ایجاد کر لی ڈالے پھر اتحاد کر لی۔ اگر ایجاد تمہارے اختیار میں تھی تو پہلے ہی دن کیوں نہ ایجاد کر لی۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ سوچو اور غور کرو باقی ذہن میں ایجاد کا صحیح طریق آ جانا یہ تمہارے اختیار سے بالکل خارج ہے۔ یہ محض حق تعالیٰ کے قبضے میں ہے مگر عادت الہیہ یہ ہے کہ جب کسی بات کے لیے انسان غور و فکر کرتا ہے تو وہ اکثر راستے کھول دیتے ہیں اور بعض دفعہ اپنی قدرت ظاہر کرنے کے لیے ہزار غور و فکر کے بعد بھی حقیقت ظاہر نہیں کرتے۔ چنانچہ اب تک کسی کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ مقناطیس لوہے کو کیوں جذب کرتا ہے اور ایسی نظائر بکثرت موجود ہیں اگر غور و فکر کے بعد حقیقت تک پہنچ جانا تمہارے اختیار میں ہے تو ان چیزوں کی حقیقت کا انکشاف کیوں نہ کر لیا، غرض تجربے سے یہ بات مشاہدہ ہے کہ کچھ عوارض کہ بمنزلہ لوازم کے ہیں ایسے جمع ہو رہے ہیں کہ سائنس اور جغرافیہ سے قرب خداوندی نہیں بڑھتا بلکہ بعد ہی میں ہوتا ہے تو یہ علم شرعی میں داخل نہیں ہو سکتے اور نہ ان کے جاننے سے دین کا علم حاصل ہو سکتا ہے ہاں ایسے لوگوں کو ایسے علم دین ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔

دین کے بارے میں علم کی ضرورت کوئی نہیں سمجھتا۔ پس جو لوگ دین پر عمل ہی نہیں کرتے وہ بھی سن لیں اور جو عمل کر رہے ہیں وہ بھی سن لیں کہ علم کی ضرورت سب کو ہے کیونکہ جو لوگ دین پر عمل کر رہے ہیں اگر وہ علم سے کورے ہیں تو ان کا عمل ضرور ناقص ہوگا ان کو تکمیل عمل کے لیے علم



کی ضرورت ہے اور جو عمل نہیں کرتے ان کو عمل کی بھی ضرورت اور چونکہ وہ موقوف ہے علم پر اس لیے پھر علم کی ضرورت۔ غرض علم کی ضرورت سب کے لیے ہوئی۔ (الہدیٰ والمغفرہ ج ۲۷)

## اردو میں مسائل پڑھنے کا طریقہ

بھم اللہ آج کل علم کا سامان بہت کچھ میسر ہے، جا بجا دینی مدارس موجود ہیں، سب مسلمانوں کو ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے، میں یہ نہیں کہتا کہ سب عربی پڑھ کر عالم ہی بنیں بلکہ جن کو عربی پڑھنے کی فرصت نہ ہو وہ اردو رسائل ہی سے دینی مسائل کا علم حاصل کریں۔ آج کل خدا کا شکر ہے کہ اردو میں بھی مسائل کا ذخیرہ کافی مقدار میں موجود ہے لیکن ان کا خود مطالعہ کرنا کافی نہیں بلکہ سبقاً سبقاً کسی عالم سے سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت ہے کیونکہ اردو میں مسائل کا ترجمہ ہو جانے سے صرف زبان سہل ہو جاتی ہے مضامین سہل نہیں ہو جاتے۔ چنانچہ اردو میں اقلیدس اور طب کی کتابیں بھی ترجمہ ہو گئی ہیں تو کیا ان کے مطالعہ سے کوئی شخص ریاضی داں یا طبیب ہو سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ استاد سے پڑھنے کی ضرورت ہے پھر قرآن یا فقہ کا اردو ترجمہ آپ کو استاد سے کیونکر مستغنی کر سکتا ہے، میں تجربہ کی بناء پر سچ کہتا ہوں کہ محض ترجمہ کے مطالعہ سے آپ قرآن مجید یا فقہ کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے یقیناً بہت جگہ ٹھوکریں کھائیں گے اور مطلب کچھ کا کچھ سمجھ جائیں گے اس لیے عربی میں نہ پڑھو تو اردو ہی میں پڑھو لیکن کسی عالم سے سبقاً سبقاً پڑھو اپنے مطالعہ کو کافی نہ سمجھو۔

## دین کی برکات

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ کی اس بے اعتنائی سے قرآن مجید کا وجود دنیا سے ناپید ہو گیا تو ساتھ ساتھ اسلام اور مسلمانوں کا نام بھی مٹ جائے گا۔ اب تک جو اسلام کا نام دنیا میں روشن ہے وہ اس مبارک کتاب ہی کی بدولت ہے اور جس فرقہ کو آپ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بیکار سمجھتے ہیں واللہ وہی اسلامی قومیت کا محافظ ہے تم ہو کس ہو میں خدا کی قسم اگر یہ قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے والے نہ رہے تو مسلمان دنیا کے طبقہ میں کہیں بھی نہ رہیں گے ساری قومی حمیت ناک کے رستہ نکل جائے گی بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ یہ فرقہ جو تمہارے نزدیک بیکار ہے صرف قومیت اسلامی کا محافظ نہیں بلکہ وجود عالم کا محافظ

ہے۔ اگر یہ جماعت دنیا میں نہ رہے تو دنیا نہ رہے گی بلکہ سارا عالم برباد ہو کر قیامت آ جائے گی اور یہ میں اپنے گھر سے نہیں کہتا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَبْقَى فِي الْأَرْضِ وَاحِدٌ يَقُولُ اللَّهُ اللَّهُ أَوْ نَحْوَهُ.

قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہنے والا ایک شخص بھی موجود رہے اور ظاہر ہے کہ اللہ اللہ کرنے والے یہی لوگ ہیں جن کو آپ بیکار سمجھتے ہیں اور دوسرے طبقوں میں بھی اگر کوئی خدا کا نام لینے والا ہے تو وہ بھی ان ہی کی برکت سے ان ہی کے تعلق سے ہے۔ اب تو ان جنٹلمین صاحب کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مسلمان کا بچہ دو سال قرآن پڑھ کر دنیا و آخرت کے کتنے درجے طے کرتا ہے۔ اسکول کا ایک درجہ طے کر کے تو وہ خاک بھی حاصل نہیں کرتا اور قرآن کی ایک سورت بلکہ ایک آیت پڑھ کر وہ اسلامی قومیت کا محافظ بلکہ تمام عالم کا محافظ بن جاتا ہے۔ یہ تو دنیا کا نفع ہے اور آخرت کا نفع تو سب جانتے ہیں پھر میں کہتا ہوں کہ آج کل جس علم کی وجہ سے لوگ تعلیم قرآن سے غفلت کر رہے ہیں زمانہ نے اس وقت اس کی قلعی کھول دی ہے۔ پہلے انگریزی تعلیم کی جس درجہ قدر تھی اب اس کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ خدا اس محکمہ تخفیف کا بھلا کرے اس نے دکھلادیا کہ بہت سے انگریزی پڑھنے والے جو تیاں چٹاتے پھرتے ہیں گو اس سے رنج بھی ہوتا ہے کہ ملازمت چھوٹنے سے بعض مسلمانوں کو تکلیف ہوئی اور ان پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا مگر اس کی خوشی ہے کہ جس کے نشہ میں وہ دین سے غافل ہو رہے تھے اس محکمہ نے وہ نشہ ان کے دماغوں سے اتار دیا اور ان کو معلوم ہو گیا کہ انگریزی تعلیم سے دین تو حاصل ہوا ہی نہ تھا دنیا بھی سب کو حاصل نہیں ہوتی۔ ایک صاحب نے خوب کہا کہ علم دینا تو جب تک مکمل نہ ہو کسی مصرف کا نہیں اور علم دین کا جو درجہ بھی حاصل ہو جائے وہ نافع ہے۔ آخرت کا تو نفع ہے ہی دنیا کا بھی نفع اگر کوئی حاصل کرنا چاہے وہ بھی حاصل کر سکتا ہے۔ (الہدیٰ والمغفرہ ج ۲۷)

## غیر عالم کے وعظ میں مفاسد

غیر عالم وعظ کبھی نہ کہے اس میں چند مفاسد ہیں ایک تو یہ کہ اس میں حدیث کی مخالفت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ہے کہ ہر کام اس کے اہل کے سپرد کرنا چاہیے اور آپ فرماتے ہیں: ”اِذَا وَسَدَ الْأُمَرَاءُ غَيْرَ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ“ کہ جب کام

نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو قیامت کے منتظر رہو۔ گویا نااہل کو کوئی کام سپرد کرنا اتنی سخت بات ہے کہ اس کا ظہور قیامت کی علامات سے ہے اور یہ امر مصرح و ثابت ہے کہ جو فعل اختیاری علامات قیامت سے ہوں وہ معصیت اور مذموم ہے اور ظاہر ہے کہ غیر عالم وعظ گوئی کا اہل نہیں یہ منصب صرف علماء کا ملین کا ہے اس لیے غیر عالم کو اس کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔ دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ بعض دفعہ جاہل کو کسی مسئلہ میں بوجہ ناواقفیت کے ایسی غلطی پیش آتی ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی گو بعضے بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ وہ اپنی علمی حیثیت ہی کے موافق اختیار کر سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں کر سکتے اور جب پورا علم نہیں تو غلطی کا احتمال رہے گا۔ علاوہ ازیں جب یہ شخص وعظ کہے گا تو لوگ عالم سمجھ کر اس سے ہر قسم کے مسائل بھی پوچھیں گے۔ پھر آج کل ایسے نفس کہاں ہیں جو صاف کہہ دیں کہ ہم جاہل ہیں ہم کو مسائل معلوم نہیں ضرور کچھ گڑھ مڑھ کر جواب دیں گے اور اکثر وہ غلط ہوگا اور اگر گول مول جواب دیا اور اس طرح غلط جواب سے اپنے کو بچالیا تو ممکن ہے کہ عوام اس سے کسی غلطی میں پڑ جاویں۔ بعض دفعہ جاہل ایسے ہوشیار ہوتے ہیں کہ جو مسئلہ ان کو معلوم نہیں ہوتا اس کا ایسا جواب دیتے ہیں جس سے نہ جواب معلوم ہونہ جہل ظاہر ہو۔ گنگوہ میں ایک جاہل فتویٰ دیا کرتا تھا۔ مولانا گنگوہی نے اپنی نو عمری میں اس سے امتحان سوال کیا کہ حالت حمل میں بے شوہر عورت سے نکاح کرنا کیسا ہے کہا ایسا ہے جیسے گھیرا دینا۔ اس گول مول جواب سے نہ اس کا جہل ظاہر ہوا نہ جواز کا فتویٰ ہوا۔ مگر ایسے جوابات سے عوام کیا سمجھیں گے۔ یقیناً غلطی میں پڑیں گے شاید کوئی جاہل واعظ یہ کہے کہ ہم کتابیں دیکھ دیکھ کر فتویٰ دیا کریں گے اور آج کل اردو میں بھی مسائل کا ذخیرہ موجود ہے تو میں کہتا ہوں کہ بعض مسائل کا تعلق دو باب سے ہوتا ہے۔ ایک باب تو اطلاق ہوتا ہے اور دوسرے باب میں اس کا مقید ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ قیود و شرائط بعض دفعہ ایسے ہوتی ہیں جن پر جاہل تو جاہل ناقص عالم کی نظر بھی نہیں پہنچتی۔ بعض دفعہ ناقص عالم سے لوگوں کو تنگی میں ڈالے گا اور جب وہ تنگی کی برداشت نہیں کر سکیں گے تو شرع کو بدنام کریں گے۔ مثلاً شریعت کا حکم ہے کہ اتحاد جنسین کے ساتھ تفاضل ناجائز ہے۔ مثلاً چاندی کے بدلے چاندی یا سونے کے بدلے سونا خریدا جائے تو مساوات ضروری ہے تفاضل (کمی بیشی) حرام ہے اب جاہل تو اس مسئلہ کو دیکھ کر اسی طرح بیان کر دے گا اور ممکن ہے کہ ایک وقت



میں چاندی کا بھاؤ روپے کے برابر نہ ہو بلکہ چاندی دس آنے تولہ ہو جو ایک روپیہ کے مقابلہ میں روپیہ کے وزن سے زیادہ آجائے گی اور ان حضرت کو صرف اتنا ہی مسئلہ معلوم ہے کہ اتحاد جنس کے وقت تفاضل حرام ہے تو یہ حضرت یا تو خود روپے کے برابر ہی لائیں پھر گھر والے ان کو بیوقوف بنائیں گے اور یا دوسروں کو اس پر مجبور کریں گے تو دونوں صورت میں شریعت کو بدنام کریں گے کہ یہ اچھا مسئلہ ہے کہ ایک چیز روپے میں روپے سے زیادہ آسکتی ہے مگر شریعت کہتی ہے کہ نہیں برابر ہی لو زائد مت لو۔ تو یہ خرابی جہل کی وجہ سے ہوئی محقق اگر اس مسئلہ کو بیان کرے گا تو ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ دے گا کہ اگر چاندی ایک روپیہ کے بدلہ میں اس سے زیادہ آتی ہو تو اس وقت روپے سے چاندی نہ خریدو بلکہ روپے کو بھنا کر کچھ دونیاں چونیاں اور ان کے ساتھ کچھ پیسے ملا کر خریدو اب جائز ہے کہ ایک روپے کے بدلے میں تولہ بھر سے زیادہ چاندی لے آؤ کیونکہ ریزگاری میں جتنی مقدار چاندی ہوگی اس کے مقابلہ میں تو اس کے برابر چاندی آجائے گی باقی چاندی پیسوں کے مقابلہ میں ہو جاوے گی اور پیسہ اور چاندی میں جنس بدل گئی اس میں کمی بیشی جائز ہے بعض جاہل کہہ دیتے ہیں کہ یہ بات ہی کیا ہوئی روپیہ دینا اور روپیہ کی ریزگاری دینا ایک ہی بات ہے پھر اس کی کیا وجہ کہ روپے کے بدلہ میں تولہ بھر سے زیادہ چاندی نہ لے سکیں اور ریزگاری کے بدلہ میں زیادہ لے سکیں میں کہتا ہوں کہ یہ ضابطہ کی بات ہے کہ شریعت نے اس کو ناجائز کیا ہے اور اس کو جائز کیا ہے اس میں ایسے سوالات کا حق نہیں شریعت کا مقصود یہ ہے کہ تم کو نقصان نہ ہو اور احکام کے پابند بھی رہو۔ اس طرح سے کہ جو کام کرو شریعت سے پوچھ کر کرو تا کہ تم معاملات میں آزاد اور مطلق العنان نہ رہو کہ جس طرح چاہا کر لیا بلکہ حکم کے پابند ہو کر کام کرو کیونکہ جو ضروری کام تم آزادی کے ساتھ کرنا چاہتے ہو پابندی شریعت کے ساتھ بھی وہ کام نکل سکتا ہے۔ پھر خواہ مخواہ گناہ میں مبتلا ہونا کوئی عقلمندی ہے۔ یہ تو مثال تھی تنگی میں ڈالنے نہ ڈالنے کی۔ (الہدیٰ والمغفرہ ج ۲۷)

## قوانین کی دو قسمیں

قوانین دو قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ جن میں محض ہار جیت ہو جیسے مال کے قوانین۔ سو اول تو ان کا جاننا بھی ضروری ہے کہ ان میں جلب منفعت اور دفع مضرت ہے لیکن اگر ان کو نہ سیکھا جائے تو زیادہ ضرر نہیں کیونکہ ہار جانا خسارہ ہے جرم نہیں۔ دوسرے وہ قوانین ہیں کہ



ان کی خلاف ورزی جرم اور بغاوت ہے اس کا سیکھنا واجب ہوتا ہے۔ خواہ پڑھ کر یا پوچھ کر جیسے ایک شخص کو تجارت کی اجازت ہے اور جب معلوم ہو کہ مثلاً کوکین کی تجارت کی اجازت نہیں تو اس سے رکے۔ اب یہ سوال کرتا ہوں کہ ہم لوگ خدا تعالیٰ کی عملداری میں ہیں یا نہیں اور دوسرا سوال یہ کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے کچھ قوانین ہیں کہ نہیں اگر ہم اس کی عملداری سے باہر ہوتے یا وہ صاحب قوانین نہ ہوتا تب تو چنداں فکر نہ تھی اور جبکہ یہ دونوں باتیں ہیں تو اب بدوں قوانین سیکھے چارہ نہیں۔ خدا تعالیٰ کی عملداری سے باہر نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ سب کو قدرۃً محیط ہے ہر مذہب کے لوگ بلکہ حکماء بھی اس کو جانتے ہیں رہا دوسرا جز تو اس کو سب مسلمان بلکہ ہر مذہب کے لوگ مانتے ہیں اب یہ بات رہ گئی کہ وہ قوانین کس قسم کے ہیں۔ آیا ان میں صرف اپنا نقصان ہے یا ان کی مخالفت جرم اور بغاوت بھی ہے۔ سو قرآن شریف کو اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ تمام قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے۔ کہیں ”اَحْلُ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا“ اللہ نے خرید و فروخت حلال کی ہے اور سود حرام کیا ہے۔ ”لَا تَقْرُبُوا الزِّنَا“ دور رہو زنا سے ہے۔ غرض تمام قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے معاشرت اور معاملات دونوں کے متعلق کافی انتظام فرمایا ہے اور عدم اطاعت پر وعید بھی فرمائی ہے پھر کیا شبہ رہ گیا۔ آج کل لوگ قوانین خداوندی صرف نماز روزہ کو سمجھتے ہیں باقی دوسرے امور میں اپنے کو آزاد محض سمجھتے ہیں۔ سواول تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ آپ نے نماز روزے ہی میں کونسا اہتمام کیا ہے۔ افسوس ہے کہ معاملات سے یہ آزادی شروع ہوتی تھی مگر چونکہ زمانہ ترقی کا ہے ہر چیز کو ترقی ہوتی ہے اس کو بھی یہاں تک ترقی ہوئی کہ تحریر اور تقریر ایہ کہا جاتا ہے کہ جس غرض سے نماز مقرر ہوئی تھی یعنی تہذیب نفس اب بوجہ غلبہ تہذیب کے چونکہ وہ ضروری نہیں رہی اس لیے نماز کی ضرورت نہیں۔ روزہ کے متعلق کہتے ہیں کہ فدیہ دیدیں تو روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں اور یہ خرابی اس کی ہے کہ ہر شخص قانون شریعت کے معنی بیان کرنے میں آزاد ہے جس کا جو جی چاہے کہہ دے حالانکہ موٹی سی بات ہے کہ اس وقت قانون کی کتابیں موجود ہیں لیکن پھر بھی اگر کوئی فیصلہ ہائی کورٹ میں جا کر منسوخ ہو تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ماتحت نے اس دفعہ کے معنی نہیں سمجھے اب دیکھئے کہ ماتحت بھی جج ہے اور حاکم بالا بھی جج ہے مگر چونکہ یہ مان

لیا گیا ہے کہ ہائیکورٹ کے جج کی برابر کوئی قانون کو نہیں سمجھتا تو سب اس کا اتباع کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ گو قانون عام ہو اور سب کے پاس ہو مگر پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ بعض لوگ اس قدر سمجھتے ہیں کہ دوسرے نہیں سمجھتے۔ (ضرورۃ العلیٰ فی الدین ج ۲)

## پردے سے گھبرانا عجیب بات ہے

پردے سے گھبرانا سوال تو یہ عجیب بات ہے کہ پردے میں رہیں تو عورتیں اور جی گھبرائے مردوں کا خیر اگر تمہارے نزدیک پردے کا توڑ دینا ہی مصلحت ہے تو پردے کو واجب سمجھ کر ہی توڑ دو بے پردگی کا مقصود تو اس طرح بھی حاصل ہو جائے گا اور تمہارے نزدیک اس واسطے کہا کہ واقع میں پردے کا توڑنا ہرگز مصلحت نہیں ہو سکتا اور یہ جو بعض کہتے ہیں کہ صاحب جب طبائع میں فساد ہوتا ہے تو پردے میں بھی سب کچھ ہو جاتا ہے سو یہ کوتاہی نظر کی دلیل ہے واقع میں جو کچھ خرابیاں ہوں وہ بے پردگی یا ادھورے پردے کی وجہ سے ہوں۔ بھلا کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ مرد کبھی اجنبی عورت کو نہ دیکھے اور عورت کبھی اجنبی مرد کو نہ دیکھے اور پھر ان میں کسی قسم کا فساد ہو سکے اور جب ذرا سی بے پردگی میں اتنے فساد ہوئے تو پوری بے پردگی میں جتنے فساد ہوں کم ہیں اسی طرح اگر نماز کو چھوڑنا ہے تو فرض سمجھ کر بھی چھوڑا جاسکتا ہے اس کی کیا ضرورت ہے کہ فرضیت سے انکار کر کے ایمان بھی برباد کر لو۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ اگر سود کو حلال نہ سمجھیں تو قوم ترقی نہیں کر سکتی کیونکہ حرام سمجھنے کی صورت میں کم لوگ سود لیں گے میں نے کہا کہ اول تو آپ کو دوسروں کی کیا فکر دوسرے حلال کہہ کر بھی تمام قوم ترقی نہیں کر سکتی کیونکہ جو مسلمان قوت ایمان سے سود کو چھوڑ بیٹھے ہیں وہ تمہارے یا مولویوں کے کہہ دینے سے بھی کبھی نہ لیں گے بلکہ یوں کہیں گے علماء بگڑ گئے تو حلال کہہ کر بھی سود خواروں کی تعداد دس پانچ سے زیادہ نہ ہوگی۔ (ضرورۃ العلیٰ فی الدین ج ۲)

## حضرت عارف رومی کے ایک شعر کا مفہوم

میں جب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مثنوی پڑھا کرتا تھا تو اس شعر میں مجھے خیال ہوا کہ یہ فرض محض شاعرانہ طور پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمادیا ہے کیونکہ واقعی فرق تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب اہل اللہ کے پیٹ سے فضلہ نہ نکلنا جب سبق شروع ہوا تو حضرت قبلہ نے کیا

خوب فرمایا کہ پلیدی سے مراد اخلاق ذمیمہ ہیں اور نور خدا سے مراد اخلاق حسنہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق حمیدہ میں مدد ملتی ہے اور دوسرے لوگ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق ذمیمہ میں مدد ملتی ہے تو باوجود اس فرق عظیم کے کفار نے نہ سمجھا اور انبیاء کو اپنی مثل کہا کیونکہ ان میں کوئی انوکھی بات نہ تھی کھانا بھی کھاتے تھے پانی بھی پیتے تھے۔ (تفاضل الاعمال ج ۲۷)

## فقہ کی تعریف

امام ابو حنیفہ نے فقہ کی تعریف یہی کی ہے کہ معرفتہ النفس مالہا و علیہا کہ نفس کا یہ پہچاننا کہ اس کے لیے کیا چیزیں نافع ہیں، کیا چیزیں مضر ہیں۔ سو یہ تعریف ظاہر و باطن دونوں قسم کے احکام کو عام ہے۔ البتہ علم مکاشفہ نہ تو نافع ہے نہ مضر مثلاً اگر کسی کو تہجد و امثال توحید و جود و تنزلات ستہ وغیرہ منکشف نہ ہوں تو یہ ذرا بھی قرب الی اللہ میں مانع نہیں لیکن اگر معاملہ درست نہ ہو تو قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کیا گزری فرمایا کہ ”فتت الرموز والاشارات ونفدت الحقائق والعبارات وما نفعنا الارکیعات فی جوف اللیل“ یعنی حقائق و معارف متعارفہ سب فنا ہو گئے صرف چند رکعتیں جو پچھلی رات میں پڑھ لیا کرتا تھا وہ کام آئیں اور علمی تحقیقات کچھ کام نہیں آئیں حالانکہ ان کے پاس کتنے بڑے علوم تھے مگر وہ فقہ نہیں تھے بلکہ علوم مکاشفہ تھے جو کچھ بھی کارآمد نہیں ہوئے۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

## اللہ تعالیٰ کی ہستی کی دلیل

جس زمانہ میں میرے ماموں منشی شوکت علی صاحب مدرسہ سرکاری میں مدرس تھے اس زمانے میں ایک انسپکٹر مدارس مدرسہ میں امتحان کے لیے آئے اثنائے امتحان میں انہوں نے لڑکوں سے اپنے منصب کے خلاف سوال کیا کہ بتلاؤ خدا کی ہستی کی کیا دلیل ہے لڑکے بیچارے کیا جواب دیتے وہ تو خاموش رہے ماموں صاحب نے فرمایا کہ جناب مجھ سے پوچھئے میں جواب دوں گا انسپکٹر صاحب اپنی افسری کے گھمنڈ میں تھے انہوں نے ناخوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ اچھا آپ ہی جواب دیجئے ماموں صاحب نے فرمایا کہ خدا کی ہستی کی دلیل یہ ہے کہ پہلے تو معدوم تھے اور اب موجود ہو اور ہر حادث کے لیے کوئی علت ہونی چاہیے وہ



علت خدا ہے اس نے جواب دیا کہ ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا ہے نہ کہ خدا نے ماموں صاحب نے فرمایا کہ آپ کے ماں باپ کو کس نے پیدا کیا اس نے کہا کہ ان کے ماں باپ نے ماموں صاحب نے فرمایا کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو الی غیر النہایہ یوں ہی سلسلہ چلا جاوے گا یا جا کر ختم ہوگا۔ پہلی صورت میں تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔ دوسری صورت میں خدا کا وجود ماننا پڑے گا اس کا اس سے کچھ جواب نہ آیا اور اس نے کہا کہ آپ تو منطق کی باتیں کرتے ہیں لوگوں کا مذاق بگڑ گیا ہے کہ دقیق اور گہرے مضامین کو ناقابل التفات سمجھتے ہیں اور سطحی اور پیش پا افتادہ باتوں کو دلائل خیال کرتے ہیں غرض کہنے لگا کہ ہم ان منطقی باتوں کو نہیں جانتے وہ یہ کہ اچھا اگر خدا ہے تو آپ اپنے خدا سے کہئے کہ ہماری آنکھ درست کر دے یہ اسپیکٹر کا نا تھا ماموں صاحب نہایت ظریف تھے انہوں نے کہا بہت بہتر ہے ابھی کہتا ہوں یہ کہہ کر انہوں نے آنکھیں بند کر کے آسمان کی طرف منہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے اسپیکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے عرض کیا تھا مگر وہاں سے یہ جواب ملا ہے کہ ہم نے اس کو دو آنکھیں عطا کی تھیں اس نے ہماری نعمت کی ناشکری کی اور کہا کہ ہمارے ماں باپ نے ہمیں پیدا کیا ہے ہمیں اس پر غصہ آیا ہم نے اسکی ایک آنکھ پھوڑ دی اب اس سے کہو کہ اس آنکھ کو اپنے انہیں ماں باپ سے بنوا جنہوں نے تجھے پیدا کیا ہے اس جواب پر اس کو بہت غصہ آیا اس کا اور تو کچھ بس نہ چلا مگر معائنہ خراب لکھ گیا اس گستاخی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر درد اٹھا اور ہلاک ہو گیا۔ (شکر المثنوی ج ۲۷)

## مثنوی شریف مضامین حقہ سے لبریز ہے

مثنوی ایک ایسی کتاب ہے جو مضامین حقہ سے لبریز مولوی جامی رحمۃ اللہ نے اسکی نسبت فرمایا ہے:

ہست قرآن در زبان پہلوی مثنوی مولوی معنوی

(یہ مثنوی مولوی معنوی فارسی زبان میں الہامی کتاب ہے)

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اس میں اسرار و دقائق قرآنیہ کو بیان فرمایا ہے یہ معنی ایسے ہیں جن سے عوام کو وحشت نہیں ہو سکتی اور دوسرے معنی وہ جن میں عوام کے تو محسوس کا خطرہ ہے اور وہ وہ ہیں جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں یعنی مثنوی حق سبحانہ کا الہامی کلام ہے اور اس مقام پر قرآن سے کلام معروف حق سبحانہ مراد نہیں ہے



بلکہ مطلق کلام حق مراد ہے گو بالوحی نہ ہو بالاہام ہو حق سبحانہ کا کلام فی نفسہ تو حرف و صوت سے پاک ہے مگر جس طرح وہ لباس عربیت میں جلوہ گر ہوا ہے یوں ہی لباس فارسی میں بھی جلوہ گر ہو سکتا ہے اس سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب یہ کلام حق ہے تو اس کے لیے بھی وہی احکام ثابت ہوں گے جو قرآن کے ہیں کیونکہ قرآن کا کلام الہی ہونا قطعی ہے اور مثنوی کا کلام الہی ہونا قطعی نہیں ہے اس لیے دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا قرآن اپنے مرتبہ میں رہے اور مثنوی اپنے مرتبہ میں بلکہ دوسری کتب سماویہ خود کلام قطعی بھی ہیں ان کے لیے بھی کسی حکم کا ہونا محتاج دلیل مستقل ہوگا خیر یہ وہ معنی ہیں جو حضرت حاجی صاحب نے غلبہ حال میں بیان فرمائے ہیں۔

اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے پھر حاجی صاحب کیسے مغلوب ہوئے کیونکہ یہ خود قاعدہ ہی صحیح نہیں کہ اہل کمال مغلوب الحال نہیں ہوتے ضرور ہوتے ہیں مگر ان میں اور غیر اہل کمال میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جن احوال سے غیر اہل کمال مغلوب ہو جاتے ہیں اہل کمال ان سے مغلوب نہیں ہوتے بلکہ ان کے مغلوب کرنے والے احوال دوسروں کے احوال سے اقویٰ ہوتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اہل کمال کی مغلوبیت کم ہوتی ہے اور غیر اہل کمال کی زیادہ مگر ان کی نفس مغلوبیت کا انکار مشکل ہے انبیاء سے زیادہ کون صاحب کمال ہو سکتا ہے لیکن جب ان کے حالات میں غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تاثر من الحال وہاں بھی ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں ان الفاظ سے دعا فرمائی تھی: ”اللھم ان تھلک هذا العصابة لم تعبد بعد الیوم“ (اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو آج کے بعد (کوئی) آپ کی عبادت نہیں کرے گا) اب آپ خیال کر لیجئے کہ اگر غلبہ حال نہ ہوتا تو کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عنوان سے دعا فرماتے جس میں ابہام سے حق سبحانہ کی احتیاج الی العبادات کا گو آپ کا مقصود یہ نہیں بلکہ آپ کا مقصود یہ ہے کہ اے اللہ آپ نے انسانوں کو اپنی عبادات کے لیے پیدا فرمایا ہے گو آپ کو ان کی احتیاج نہیں ہے اور نہ آپ کا کچھ نفع ہے پس اگر تیرے بندوں کی یہ قلیل جماعت ہلاک ہوگئی تو میرے خیال میں پھر حق کی اشاعت نہ ہو سکے گی اور انسانوں کی پیدائش سے جو مقصود ہے وہ فوت ہو جاوے گا اس لیے آپ اس جماعت کو بچا لیجئے:

رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلِ وَآيَايَ أَتَهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا  
إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ ۝

یہ اگر غلبہ حال نہ تھا تو کیا تھا یہ واقعات محض تائید کے درجے میں ہیں اگر ان کو کوئی نہ مانے تو اس کو خود غیر انبیاء اہل کمال کا اعتراف تو ماننا ہی پڑے گا۔ (شکر المثنوی ج ۲)

## مثنوی کا ایک خاص کمال

مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کے مضامین حافظہ میں ضبط نہیں ہو سکتے حالانکہ میں اس کی شرح بھی لکھ چکا ہوں اور متعدد بار پڑھنے پڑھانے کا بھی اتفاق ہوا ہے لیکن جب اٹھا کر دیکھتا ہوں تو ہر مرتبہ وہ مجھے نئی معلوم ہوتی ہے اور جن اشعار کے جو مضامین میں نے پہلے سمجھے تھے وہ یاد نہیں آتے بلکہ نئے مضامین یاد آتے ہیں کبھی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا اور خود اپنی شرح کو دیکھنا پڑتا ہے۔ یہ ہی حالت قرآن شریف کی ہے کہ جب دیکھئے نیا معلوم ہوتا ہے اور اس کے مطالب سمجھنے کے لیے ہی مجھے اپنی تفسیر دیکھنی پڑ جاتی ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن شریف مثنوی شریف بخاری شریف یہ تینوں کتابیں البیلی ہیں یعنی ان تینوں کتابوں کا کوئی ضابطہ نہیں ہے جس کا احاطہ ہو سکے۔ مثنوی اور قرآن کے اس تشابہ طرز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مثنوی الہامی کلام حق ہے۔ مثنوی میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وقت و علوصولت و شوکت معانی کی طرح اس میں شوکت و صولت الفاظ بھی ہے جو اور کتابوں میں نہیں دیکھے جاتے اور اس کا فیصلہ ذوق صحیح کر سکتا ہے کیونکہ یہ ایک ذوقی بات ہے نہ کہ استدلالی دیکھو ایک بلغاء عرب تھے جن پر قرآن کریم کی بلاغت نے وہ اثر کیا ہے کہ باوجود کمال مخالفت و عناد و حق پوشی کے ان کو جرأت نہ ہو سکی وہ جھوٹا بھی کوئی کلام بنا کر اس کے مقابلہ میں لے آئیں اور کہہ دیں کہ یہ اس کے ہم پلہ ہے اور ایک آج کل کے حتماء ہیں جو مقامات حریری کو بلکہ خود اپنے کلام کو قرآن کے برابر بتاتے ہیں۔ یہ تفاوت کیوں ہے محض اس لیے کہ بلغاء عرب کا ذوق صحیح تھا اور ان کا ذوق فاسد ہے ان کا ذوق صحیح ان کو اعتراف اعجاز پر مجبور کرتا تھا اور ان کا فساد مذاق اس بیہودہ دعوے پر جرأت دلاتا ہے۔ دیکھو بلغاء تصریح کرتے ہیں کہ قرآن میں ابلاغ آیات یہ آیت ہے:

قِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَائِكَ وَيَا سَمَاءُ أَقْلَعِي وَغِيضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ  
الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدَ اللَّقَوْمِ الظَّالِمِينَ.

ترجمہ: ”اور حکم ہو گیا کہ اے زمین اپنا پانی نکل جا اور اے آسمان تھم جا اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا اور وہ (کشتی) جودی پر آٹھری اور کہہ دیا گیا کہ کافر لوگ اللہ کی رحمت سے دور“ (شکر المثنوی ج ۲۷)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”لو کان بعدی نبی لکان عمراً“ اور یہ نہیں فرمایا لکان ابو بکر اس کی وجہ استادِ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بوجہ شدت تعلق بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملحق بر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حکماً بعد کے مضاف الیہ میں داخل ہیں (شکر المثنوی ج ۲۷)

## محبت کا انحصار تین باتوں پر ہے

محبت اور حقوق کا صرف تین چیزیں ہیں جمال، کمال، نوال یعنی عطاء و انعام تو کیا خدائے تعالیٰ کے اندر کوئی کمال نہیں یا اس کی طرف سے کوئی انعام نہیں یا اس کے اندر جمال نہیں ظاہر ہے کہ مرکز تمام کمالات کی وہ ہی ذات پاک ہے اور جو کمال اوروں کے اندر دیکھا جاتا ہے وہ اسی کے کمال کا پرتو ہے۔

حسن خویش از روئے خواباں آشکارا کردہ پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردہ  
(تو نے اپنی خوبی کو خوبصورتی کے چہروں سے ظاہر کر دیا ہے مگر عاشقوں کی نظروں میں نمایاں بن گیا ہے)

پرتو حسنت تلخبد در زمین و آسمان در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جاں کردہ  
(تیرے حسن کا پرتو نہ زمین میں سما سکتا ہے نہ آسمان میں، میں حیران ہوں کہ میرے سینہ کی چار دیواری میں کس طرح سمایا ہے)۔ (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

## عبادت کے مقبول ہونے کی علامت

ایک شخص عبادت کیا کرتا تھا کہ ایک روز اس کو شیطان نے بہکایا اس کو یہ خیال آیا کہ میں ذکر اور عبادت کرتے کرتے تھک گیا اور ادھر سے نہ پیام ہے نہ جواب ہے۔ یہ خیال کر کے اس روز وہ تمام اپنے اوراد اور عبادت چھوڑ کر سو رہا۔ خواب میں حق تعالیٰ کا پیام آیا کہ تو نے آج ہمارا نام نہیں لیا، عرض کیا کہ نام کیا لوں نہ کچھ جواب ہے نہ پیام ہے ارشاد ہوا کہ یہ جو تو ہمارا نام لیتا ہے اور تجھ کو توفیق نام لینے کی ہوتی ہے یہی ہماری طرف سے لبیک ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

گفت آں اللہ تو لبیک ماست دیں نیاز و سوز و دردت پیک ماست  
(انہوں نے کہا کہ تمہارا اللہ کہنا ہماری لبیک ہے تمہارا سوز و درد ہماری پکار ہے)  
(مظاہر الاحوال ج ۲۷)

## حسن تعلیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن تعلیم کو ملاحظہ فرمائیے کہ آپ فرماتے ہیں لا یغلبنکم  
الاعراب علی اسم العشاء الاخرة وکانو ایسمونها العتمة (او کما قال) مطلب  
یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عشاء کے وقت کو عتمة کہا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے  
ہیں کہ جہلا عرب اس لفظ میں تم پر غلبہ نہ کرنے پائیں کہ تم بھی ان کی طرح عشاء کو عتمة کہنے  
لگو۔ اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ شریعت نے جن الفاظ میں اپنی کوئی خاص اصطلاح  
مقرر کی ہے مسلمانوں کو اسی کا استعمال کرنا چاہئے اس کو چھوڑ کر کفار کی اصطلاح نہ برتنی  
چاہئے ظاہر میں تو یہ معمولی بات ہے کہ بول چال میں اپنے اسلامی الفاظ بولے جائیں مگر  
اس کے چھوڑنے میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کو دیکھ کر اس تعلیم کی قدر معلوم ہوتی ہے  
واقعی اگر سب مسلمان الفاظ کو معمولی چیز سمجھ کر دوسری زبان کے مہینے استعمال کرنے لگیں تو  
رمضان اور عید اور حج وغیرہ کا کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کب آئے تھے اور کب چلے گئے تو  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رعایت الفاظ کی تعلیم فرما کر حقیقت میں محض الفاظ کو نہیں سنبھالا  
بلکہ دین کو سنبھالا ہے مگر آج کل لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## پیرانی صاحبہ کی عملی تبلیغ

میں نے اپنے گھر میں کہا کہ یہ کام تمہارے کرنے کا ہے کیونکہ وعظ کہاں تک اثر کرے گا  
تم اس رسم کو توڑو اور عورتوں کو سمجھاؤ کہ میت کے گھر جا کر کھانا پینا بہت بری بات ہے۔ ایک تو ان  
غریبوں پر موت کا صدمہ ہوا اور دوسرا صدمہ ان پر یہ ڈالا جاوے کہ وہ آنے والیوں کے کھانے  
پینے اور پان چھالیہ کا انتظام کریں بہت شرم کی بات ہے میرے گھر میں اس سے پہلے کسی شادی  
عمری میں نہیں جاتی تھیں کیونکہ اکثر جگہ منکرات ہوتے ہیں مگر میں نے اس ضرورت سے ان کو عمری  
کے مواقع میں جانے کی اجازت دے دی اور یہ کہا کہ دین کا کام ہے اس لئے تم کو شرکت کرنی



چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کرنا شروع کیا اور عورتوں کو میت کے گھر جا کر کھانے پینے حتیٰ کہ پان کھانے سے بھی روکا زیادہ اثر اس کا ہوا کہ انہوں نے خود اس پر عمل کیا کہ جس کے گھر گئیں اس کے یہاں پان تک نہ کھایا اول اول تو بہنوں نے ناک منہ چڑھایا کہ کیا ہم ایسے گرے پڑے اور مفلس غریب ہیں جو آنے والیوں کے پان چھالیہ کی بھی ہمیں مقدور نہ ہو لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں سب مستورات نے اس پر عمل شروع کر دیا اور اب کوئی میت کے گھر پر پان تک نہیں کھاتی مرد تو بعض دفعہ چوک بھی جاتے ہیں مگر عورتیں بالکل پختہ ہیں۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## قبروں کی پختگی پر فخر قابل افسوس ہے

شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے، نا کہ ایک رئیس زادے اور غریب زادے میں گفتگو ہوئی رئیس زادے نے کہا کہ دیکھو ہمارے باپ کی قبر کیسی عمدہ اور مضبوط ہے جس پر شان و شوکت برستی ہے اور تمہارے باپ کی قبر کچی اور شکستہ ہے جس پر بے کسی برستی ہے۔ غریب زادہ نے کہا بے شک یہ فرق تو ہے لیکن قیامت کے دن میرا باپ تو قبر میں سے آسانی سے نکل آئے گا اور تمہارا باپ پتھر ہی ہٹانے میں رہے گا وہ اتنے چٹانوں اور پتھروں کو ہی ہٹاتا رہے گا میرا باپ جنت میں جا پہنچے گا کچھ ٹھکانا ہے اس تفاخر کا کہ قبروں کی پختگی پر بھی فخر کیا جاتا ہے۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## ہمارے سلف کا فقر اختیار ہی تھا

خود حضرت عمرؓ سے عرض کیا گیا تھا کہ اب فتوحات میں وسعت ہو گئی ہے آپ اتنی تنگی کیوں فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارے بہت سے بھائی اس فقر کی حالت میں شہید ہو گئے انہوں نے خدا کے راستہ میں عمل زیادہ کیا اور دنیا سے تمتع حاصل نہیں کیا ان کا سارا ثواب آخرت میں ذخیرہ رہا اور ہم لوگوں نے فتوحات حاصل کر کے بہت کچھ مال و دولت حاصل کر لی ہے اور ہماری محنت کا کچھ ثمرہ یہاں مل گیا ہے۔ اب مجھے اس مال و دولت سے تمتع ہوتے ہوئے یہ ڈر لگتا ہے کہ قیامت میں کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ۝ کہ تم نے حیات دنیا میں مزے اڑائے ہیں اور طیبات سے تمتع حاصل کر لیا ہے اب یہاں (تمہارے واسطے کچھ نہیں

بس) تم کو عذاب ذلت کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم بڑا بننا چاہتے تھے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارے سلف کا فقر اختیاری تھا اضطراری نہ تھا۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## استقامت

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چور کو پھانسی پر لٹکا ہوا دیکھا پوچھا کہ اس کو پھانسی کیوں دی گئی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بڑا پکا چور تھا ایک بار گرفتار ہوا تو اس کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا پھر بایاں پیر کاٹا گیا پھر بھی چوری سے باز نہ آیا تو خلیفہ نے پھانسی کا حکم دیا حضرت جنیدؒ نے یہ سن کر اس کے پیر چوم لئے لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ چور کے پیر چومتے ہیں فرمایا میں نے چوری کی وجہ سے اس کے پیر نہیں چومے بلکہ اس کے استقلال کے قدم چومے ہیں کہ یہ اپنے محبوب پر گو وہ مذموم ہی تھا ایسے استقلال کے ساتھ جمار ہا کہ اسی میں جان دے دی، افسوس ہم اپنے محبوب محمود کے ساتھ بھی یہ معاملہ نہیں کرتے تو جیسے حضرت جنیدؒ نے برے فعل سے نتیجہ اچھا نکال لیا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ گو اس شخص کا گالیاں دینا برا فعل تھا مگر سادگی کے ساتھ یہ اس میں خوبی تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ لوگ اس کی باتوں کا برا نہ مانتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ سادگی اور بے تصنعی عجب چیز ہے جو تلخ کوشیریں کر دیتی ہے۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## مدرسین کی ایک کوتاہی

ہندوستان کے اکثر مدرسین میں بھی یہ برامرض ہے کہ اپنی غلطی کا کبھی اعتراف نہ کریں گے اگر کسی مقام کی غلط تقریر زبان سے نکل گئی اور طالب علم نے کہہ دیا کہ اس مقام کی یہ تقریر نہیں بلکہ صحیح تقریر یہ ہے تو کبھی طالب علم کی بات کو نہ مانیں گے برابر رد کئے جائیں گے یہاں تک کہ ایسی جھک جھک میں سبق کا وقت ختم ہو جاتا ہے ان کو اس حدیث سے سبق لینا چاہیے کیا ان کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے بھی بڑھ گیا حضورؐ تو ایک جواب دے کر حضرت جبریلؑ کے مطلع کرنے سے علی الاعلان اپنے جواب کا ناتمام ہونا ظاہر فرمائیں اور تم کبھی اپنی کوتاہی کو ظاہر نہیں کرتے ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کی یہ حالت تھی کہ اگر درس میں کسی ادنیٰ طالب علم نے بھی حضرت کی تقریر پر اعتراض کر دیا اور اس کا اعتراض معقول ہوا تو فوراً اپنی غلطی کا اعتراف فرما لیتے اور کئی کئی بار

یہ فرماتے رہتے کہ ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی تم نے صحیح سمجھا یہاں تک کہ طالب علم شرمندہ ہو جاتا اور اس سے ایسی عظمت مولانا کی طلبہ کے دل میں پیدا ہوتی تھی کہ تاویل کرنے والے مدرسین کو اس کا دسواں حصہ بھی نصیب نہیں ہو سکتی البتہ مدرسین عرب کا مذاق وہی ہے جو حضرت استاد کا مذاق تھا وہ کبھی اعتراف خطا سے نہیں شرماتے۔ (الحج ج ۲۸)

## کبار بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے

الحج یہلم ما کان قبلہ سے ایک تودیون (یعنی حقوق العباد و حقوق اللہ از قسم صلوٰۃ فائتہ و صوم فوت شدہ و زکوٰۃ واجبہ سبقا و نحوہا) مستثنیٰ ہیں دوسرے کبار مستثنیٰ ہیں حج سے کبار معاف نہیں ہوتے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں کیونکہ قرآن میں الْحَسَنَاتُ يُلْهِيَنَّ السَّيِّئَاتِ کہ نیک کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں اور قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے سَيِّئَاتٍ سے مراد صغائر ہیں چنانچہ ارشاد ہے اِنْ تَجْتَبُوا كَبَائِرَ مَا تَنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفِرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ یہاں سَيِّئَاتِ کو کبار کے مقابلہ میں لانا اس کی دلیل ہے کہ مراد صغائر ہیں پس معلوم ہوا کہ اعمال حسنہ سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں کبار معاف نہیں ہوتے جب تک کوئی دلیل نہ ہو اور ہجرت سے بھی صغائر ہی معاف ہوتے ہیں کبار معاف نہیں ہوتے۔ (الحج ج ۲۸)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حجر اسود کسوٹی ہے اس کے چھونے سے انسان کی اصلی حالت ظاہر ہو جاتی ہے اگر واقعی فطرۃ صالحہ ہے تو حج کے بعد اعمال صالحہ کا اس پر غلبہ ہوگا اور اگر فطرۃ طالع ہے محض تصنع سے نیک بنا ہوا ہے تو حج کے بعد اس پر اعمال سیئہ کا غلبہ ہوگا جن لوگوں پر حج فرض نہیں وہ تو کل کے دعوے پر ارادہ نہ کریں بلکہ وہ ہندوستان ہی میں رہ کر خدا کو راضی کریں اور اپنے کو کسی محقق کے سپرد کریں جس وقت وہ حج کی اجازت دے اس وقت حج کا ارادہ کریں ایسے ہی لوگوں کے متعلق حضرت مسعود مکہ کا قول ہے۔

اے قوم حج رفتہ کجائید کجائید معشوق در نیجاست بیائید بیائید

(اے قوم جو حج کو گئی ہوئی ہے کہاں ہو، معشوق (محبوب حقیقی) تو یہاں ہے یہاں آؤ)

اس مضمون کے مخاطب تو ناقص ہیں اور کاملین کے بارہ میں مولانا فرماتے ہیں۔

حج زیارت کردن خانہ بود حج رب البیت مردانہ بود

(حج بیت اللہ کی زیارت کرنے کا نام ہے، اس میں خانہ کعبہ کے مالک کی ہیبت مردانہ ہے)

## حج مردانہ

جس پر حج فرض ہو اس کو اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ حج مردانہ نصیب ہو جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی محقق سے تعلق پیدا کر کے حج کو جائیں ان شاء اللہ اگر درجہ اعلیٰ میں کامل حج نہ ہوگا تو ایک درجہ میں کامل ضرور ہو جائے گا تیسرے وہ لوگ ہیں جن پر حج فرض نہیں مگر خدا تعالیٰ نے ان کو وسعت قلب و قوت توکل عطا فرمائی ہے ان کو بدوں زاد و راہ کے بھی حج کی اجازت ہے چنانچہ ایک صاحب حال عازم نے شاہ فضل الرحمن صاحب سے سفر حج کی اجازت مانگی تو شاہ صاحب نے فرمایا تم کو شرائط حج بھی معلوم ہیں کہا ہاں حضور معلوم ہیں فرمایا بتلاؤ کیا معلوم ہے کہل

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست بجان شرط اول قدم آن ست کہ مجنوں باشی  
(لیلیٰ کی راہ کی منزل جان کو خطرے لاحق ہیں اس راہ کی شرط اول مجنون ہونا ہے)  
اس جواب سے شاہ صاحب پر وجد کی سی حالت طاری ہوئی اور ایک چیخ ماری پھر چونکہ صاحب مقام تھے اس لئے سنبھلے اور فرمایا کہ یہ سب فضول ہے زاد و راہ ساتھ ہونا چاہئے جس کا شریعت میں حکم ہے مگر وہ مولوی صاحب بدوں زاد و راہ ہی کے چل پڑے اور چونکہ توکل صحیح تھا اس لئے کسی جگہ پریشان نہیں ہوئے پھر ان کی ایک کرامت یہ ظاہر ہوئی جس کی مجھ سے ایک حاجی نے چشم دید روایت کی کہ جب بیت اللہ میں داخل ہونے لگے تو شیخی (خادم کعبہ) سب سے فیس لے کر اندر جانے کی اجازت دیتا تھا مولوی صاحب سے بھی فیس لی اور انہوں نے دے دی مگر ان سے رقم لیتے ہی اس پر پریشانی کا اثر ظاہر ہوا اور حجاج کے نکلنے کے وقت وہ ایک ایک کا منہ تکتا تھا جب یہ باہر آنے لگے تو اس نے ان کی رقم واپس کر دی تو ایسے لوگ بدوں زاد و راہ کے جائیں تو مضائقہ نہیں باقی ہر اک کا یہ منہ نہیں۔ (الحج ج ۲۸)

## ریل سے جہنم کی یاد تازہ ہوتی ہے

مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا تھا کہ ریل کو دیکھ کر مجھے جہنم یاد آتی ہے کیونکہ اس کا انجن جہنم کی اس صفت کا مصداق ہے وَهِيَ تَفُورُ تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ کہ اس قدر جوش کھاتا ہے گویا غصہ اور قہر سے ابھی پھٹ پڑے گا اور ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے کہ



ریل کے تیسرے درجہ جہنم کی اس صفت کا ذکر ہونا ہے کُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعْنَتْ أُخْتَهَا کہ جیسے جہنم میں ایک جماعت دوسری جماعت پر لعنت کرے گی ایسے ہی ریل میں تیسرے درجہ والے آپس میں خوب لڑتے ہیں جب کسی اسٹیشن پر نئے مسافر تھڑ میں بھرتے ہیں تو جو پہلے سے بیٹھے ہوتے ہیں وہ انہیں کوستے برا بھلا کہتے ہیں کہ سارے اسی گاڑی میں آ جاؤ تمہارے واسطے اور کہیں جگہ نہیں رہی۔ منہ پر آنکھیں نہیں کہ یہ تو پہلے ہی سے بھر رہی ہے بس تمہاری سزا یہ ہے کہ کھڑے رہو۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ جگہ تو بہت ہے سیدھے ہو کر بیٹھو کیا تم ہی نے کرایہ دیا ہے تم ریل کے مالک ہو پھر خوب گالم گلوچ اور جھگڑا فساد ہوتا ہے۔ اس وقت بالکل یہی منظر ہوتا ہے کُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعْنَتْ أُخْتَهَا اور جب کہتے ہیں کہ ہم نے بھی تو ٹکٹ لیا ہے اس وقت اس کا نمونہ ہوتا ہے لکل ضعف اور جب کہتے ہیں کہ تم کو ہم پر کیا ترجیح ہے اس وقت اس کا نمونہ ہوتا ہے فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔

ایک شان اس میں جنت کی بھی ہے وہ یہ کہ جنت میں جس چیز کو دل چاہے گا وہ جلدی مل جائے گی اس بات میں ریل جنت کے مشابہ ہے کہ جس چیز کو دل چاہتا ہے ریل کے ذریعہ سے جلدی حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ کلکتہ اور پشاور کے میوے یہاں دوسرے دن پہنچ جاتے ہیں بڑے شہروں میں ہر ملک کی چیزیں ہر وقت ملتی ہیں نیز جیسے جنت میں جہاں جانے کو دل چاہا فوراً پہنچ گئے اسی کا نمونہ گوادنی ہی نمونہ ہو اس میں بھی ہے چنانچہ ظاہر ہے اور اس کے متعلق اسٹیشنوں کے انداز سے تقارب اور ہر اسٹیشن پر ضرورت کی چیزیں ملنا بالکل بلا وساطت کو یاد دلاتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرَى ظَاهِرَةً وَ قَدَرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لِيَاءِىَ وَ آيَا مَا آمِنِينَ۔ (اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان میں جہاں ہم نے برکت کر رکھی ہے بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے اور ہم نے ان دیہات کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص انداز کر رکھا تھا کہ بے خوف خطر ان میں راتوں کو اور دنوں کو چلو۔) اور گو یہ نعمت دنیوی تھی مگر اس پر ناشکری کی مذمت اس طرح فرمائی گئی فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَا لَهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَقْنَا لَهُمْ كُلَّ مُمَرِّقٍ (پس وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں درازی کر دے اور

انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا اور بالکل تتر بتر کر دیا (الآیہ پس اس طرح یہ ریل بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس کا شکر کرنا چاہیے اور اس کے اندر جو مشابہتیں جنت و دوزخ کی مذکور ہوئیں ان پر اگر نظر کی جائے تو نعمت ظاہرہ کے ساتھ اس سے نعمت باطنہ یعنی تذکر آخرت بھی حاصل ہوگی۔ (النعم المرغوبہ ج ۲۸)

## بد نظری سے سیری نہیں ہوتی

دیگر معاصی اور بدنگاہی کی معصیت میں ایک اور فرق ہے وہ یہ کہ صدور کے بعد سب گناہوں کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور دل بھر جاتا ہے مگر بدنگاہی ایسی شے ہے کہ جب صادر ہوتی ہے اور زیادہ تقاضا ہوتا ہے کہ اور دیکھو آدمی کھانا کھاتا ہے سیر ہو جاتا ہے پانی پیتا ہے پیاس بجھ جاتی ہے، مگر یہ نظر ایسی بلا ہے کہ اس سے سیری نہیں ہوتی اس حیثیت خاص سے یہ تمام گناہوں سے بڑھ کر ہے۔ (غض البصر ج ۲۸)

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے چنانچہ حدیث میں ہے انا غیور واللہ اغیر منی و من غیرہ حرم الفواحش ما ظہر منها وما بطن اور یہ سب فواحش ہیں آنکھ سے دیکھنا ہاتھ سے پکڑنا پاؤں سے چلنا کیونکہ ان سب کو شارع نے زنا ٹھہرایا ہے۔ (غض البصر ج ۲۸)

## الفاظ و معانی

زمانہ طالب علمی میں ہم لوگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عربی عبارتیں مقفلاً و مستحجج لکھ کر پیش کرتے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ تم لوگ معانی کو الفاظ کے تابع کرتے ہو الفاظ کو معانی کے تابع نہیں کرتے اس کے بعد قافیہ کی رعایت سے منع فرمایا پھر قافیہ کی رعایت چھوڑنے کے بعد عبارت کا رنگ بالکل بدل گیا اب خود معلوم ہوتا تھا کہ پہلی مقفلاً عبارتیں اس کے سامنے بالکل ردی تھیں۔ قافیہ پر ایک حکایت یاد آئی۔ ایک شیخ صاحب نے کسی جاٹ سے کہا کہ جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ اس نے جواب دیا کہ شیخ رے شیخ تیرے سر پر کولہو شیخ نے کہا واہ قافیہ تو ملا ہی نہیں تو وہ جاٹ کہتا ہے کہ بلا سے بوجھ میں تو مرے گا۔ دیکھئے اس جاٹ نے بھی قافیہ کے ضروری نہ ہونے کو سمجھ لیا۔ جو مضامین صحیح ہوتے ہیں وہ عام لوگوں کے دماغوں میں بھی آ جاتے ہیں۔ (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

## دروغ برگردن راوی کہنے سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا

بعض گناہوں کا گناہ ہونا لوگوں کو معلوم نہیں جیسے بے تحقیق کسی بات کا نقل کرنا اور سنی سنائی بات کو بدوں تحقیق کے فوراً زبان سے نکال دینا اس کو بہت لوگ گناہ ہی نہیں جانتے حتیٰ کہ اتقیا بھی اس میں مبتلا ہیں اور جو بہت محتاط ہیں وہ سنی سنائی بات کو نقل کر کے اخیر میں کہہ دیتے ہیں کہ دروغ برگردن راوی اول (جھوٹ کا گناہ اول راوی کی گردن پر ہے گویا اس کہنے سے وہ بری ہو گئے ہرگز بری نہیں ہو سکتے اگر یہ قاعدہ ہوتا کہ سارا گناہ راوی اول ہی پر ہو اور اس سے سن سنا کر جو لوگ بعد میں نقل کریں وہ بری الذمہ ہوں تو واقعہ افک میں حق تعالیٰ کیوں لتاڑتے اور ان پر یہ جرم کیوں قائم کرتے اِذْ تَلْقَوْنَهُ بِالْإِسْتِخْصَارِ وَتَقُولُونَ بِلَا فَوَاحِشٍ مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ (جبکہ تم اپنی زبانوں سے اس افتراء کا تذکرہ کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی) کیونکہ وہاں بھی تو ایک راوی اول تھا جس نے یہ بہتان تراشا تھا اور اسی سے یہ بات مدینہ میں پھیلی تھی کیونکہ اول منافقین نے اس بات کا چرچا کیا تھا پھر کچھ مسلمانوں نے بھی منافقین سے سن کر تذکرہ شروع کیا تھا جس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ نہیں کہا گیا کہ دروغ برگردن راوی اول (جھوٹ کا گناہ پہلے راوی کی گردن پر ہے) بلکہ یہ فرمایا گیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ جَاؤْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ اِمْرَاٍ مِنْهُمْ مَّا كَتَبَ مِنَ الْاِثْمِ (کہ جن لوگوں نے یہ بہتان باندھا ہے وہ تمہارے ہی میں سے ایک جماعت ہے تم اس واقعہ کو اپنے لئے برا مت سمجھو بلکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے ان میں سے ہر شخص کے لئے وہ ہے جو گناہ حاصل کیا ہے) کیونکہ ایک تو اس سے افتراء (یعنی حد قذف ۱۲) کا حکم معلوم ہو جائے گا دوسرے یہ معلوم ہو جائے گا کہ سنی سنائی بات کا نقل کرنا اور اس کا اعتبار کرنا جائز نہیں۔ (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

## بڑوں کی موت میں حکمت

حضرت استاد علیہ الرحمۃ نے اس کا مطلب عجیب بیان فرمایا کہ اگر موت نہ ہوتی تو آج پہلے زمانہ کے اسخیا حاتم وغیرہ اور پہلے زمانہ کے اتقیا حضرات انبیاء علیہم السلام و صحابہ وغیرہ اور پہلے زمانہ کے بہادر حضرت خالد بن ولید اور رستم وغیرہ سب موجود ہوتے پھر ان کے ہوتے

ہوئے ہماری سخاوت و شجاعت و استقلال کی کیا خاک قدر ہوتی کچھ بھی نہیں اس وقت جو ہمارے کمالات کی قدر ہے وہ موت ہی کی برکت سے ہے کہ پہلے زمانہ کے اہل کمال اس وقت مفقود ہیں پس شعر کا حاصل یہ ہوا کہ کبرنی موت الکبراء بڑوں کی موت نے ہمیں بڑا بنا دیا ہے پھر فرمایا کہ مطلب تو یہی ہے چاہے متنبی نے بھی نہ سمجھا ہو واقعی اس وقت یہ شعر ایک علمی پاکیزہ مضمون پر مشتمل ہو گیا وھو کما قال ابو حنیفہ فی جواب من مدحہ واثنی علیہ (اور ایسا ہے جیسا کہ ابو حنیفہ نے اس شخص کے جواب میں فرمایا ہے جس نے آپ کی تعریف اور ثناء کی ہے)

خلت الدیار فسدت غیر مسود ومن الشقاء قفر دی بالسودد  
(کذا فی مناقب الامام للقاری ۱۲)

(یہ شعر امام اعظم کے مناقب میں جو قاری نے لکھے ہیں مذکور ہے) (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

## نماز اور بیت الخلاء میں ہجوم و وساوس

شیطان کی چالوں کو عارفین خوب سمجھتے ہیں امام صاحب نے خوب سمجھا کہ یہ جو دفن کر کے بھول گیا ہے اس کو شیطان نے بھلایا ہے وہ اس کو پریشان کرنا چاہتا ہے اس لئے آپ نے ایسی تدبیر بتلائی جس سے شیطان جلدی سے بتلا دے کیونکہ اس کو نماز گوارا نہیں اسی لئے یہ نماز میں وساوس بہت زیادہ ڈالتا ہے دنیا بھر کی باتیں نماز ہی میں یاد دلاتا ہے واللہ بڑی شرم آتی ہے کہ دو جگہ بہت وساوس آتے ہیں ایک بیت الخلاء میں دوسرے نماز میں، بیت الخلاء شعراء کے لئے بہت مناسب جگہ ہے وہاں بیٹھ کر مضامین خوب ذہن میں آتے ہیں شاعروں کے لئے بیت الخلاء فرحت خانہ ہے جیسا کہ کبھی ظالموں کے لئے جیل خانہ بھی ہو جاتا ہے چنانچہ ریل میں ایک عہدہ دار شخص نہایت بد خلق بد زبان سفر کر رہا تھا کئی آدمیوں کی جگہ گھیر رکھی تھی مسافروں کو اس سے بہت تکلیف تھی بے چارے کھڑے کھڑے جارہے تھے کسی کو جگہ نہ دیتا تھا اتفاق سے اس کو بیت الخلاء جانے کی حاجت ہوئی جب اس نے اندر کی چٹنی لگائی تو نہ معلوم کس طرح سے لگ گئی کہ پھر کھل نہ سکی اب آپ اندر قید ہو گئے جب نکلنے لگا تو کواڑ نہ کھل سکا اول تو زور لگا تا رہا مگر جب دیر ہو گئی تو مسافروں کی خوشامد کرنے لگا لوگوں نے کہا بس تمہاری یہی سزا ہے کہ اندر بند رہو تم لوگوں کو بہت تنگ کر رہے تھے غیب سے تم کو قید کیا



گیا ہے آخر کار غریب نے منت سماجت کی کہ اب کسی کو کچھ نہ کہوں گا جب خوب پختہ عہد لے لیا تب کو اڑ کھولا اس کے بعد بے چارہ شرمندہ ہو کر تختہ کے ایک کنارہ پر خاموش بیٹھ گیا۔

غرض ہم کو ایک تو پاخانہ میں بہت وساوس آتے ہیں اور ایک نماز میں اور اس کا ایک راز ہے ورنہ ظاہر میں تو اس حالت سے سخت افسوس ہوتا ہے کہ ہماری حالت نماز میں وہ ہے جو بیت الخلاء میں ہوتی ہے مگر راز معلوم کرنے کے بعد زیادہ وحشت نہ رہے گی گو حالت وہ بھی اچھی نہیں راز یہ ہے کہ وساوس اس کام میں آیا کرتے ہیں جس کے کرنے میں سوچ اور فکر کی ضرورت نہ ہو دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ جس کام کی خوب مشق ہو کیونکہ مشق کے بعد وہ کام تو خود بخود ہوتا رہے گا قلب کو ادھر متوجہ ہونے کی ضرورت نہ ہوگی اب لامحالہ وہ کسی دوسری طرف متوجہ ہوگا تو ہم کو جیسے پاخانہ کی مشق ہے کچھ سوچنا نہیں پڑتا ایسی ہی نماز کی مشق ہے جس میں کچھ سوچنا نہیں پڑتا بلکہ جہاں تکبیر کہی فوراً گھڑی کی سوئی کی طرح زبان چلنے لگی گویا تکبیر کہنا کوک بھرنا ہے اس کے بعد گھڑی خود چلتی رہے گی اسی لئے اکثر لوگ ہر نماز میں دو ہی چار سورتیں ہمیشہ پڑھتے ہیں کیونکہ وہ زبان پر چڑھی ہوئی ہیں جو قل هو اللہ ، انا اعطینا ، لایلف والعصر ہی کے اندر اندر محدود ہیں اور یہ اس لئے تجویز کی ہیں کہ ان سے چھوٹی اور کوئی نہیں اگر کوئی سورت ان سے بھی چھوٹی ہوتی تو اسی کو تجویز کرتے چنانچہ ایک شخص ہر نماز میں صرف قل هو اللہ پڑھا کرتا تھا کسی نے اس کا سبب پوچھا کہ ہر نماز میں قل هو اللہ ہی کیوں پڑھتے ہو کہنے لگا اس لئے کہ اس سے چھوٹی کوئی سورت نہیں ورنہ اسے پڑھتا غرض نماز میں سب کام بے سوچے ہوتے ہیں اس وجہ سے نماز میں وسوسے زیادہ آتے ہیں۔ (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

## شادی ایک ماہ کی خوشی کا نام ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا تھا کہ شادی کیسی چیز ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سرور شہر یعنی ایک ماہ کی خوشی ہے سائل نے کہا تم ماذا پھر کیا ہوتا ہے فرمایا: لزوم مہر (مہر کا لازم ہونا) اس نے پوچھا تم ماذا پھر کیا؟ فرمایا: کسور ظہر (کمر کا ٹوٹنا) اس نے کہا تم ماذا فرمایا: غموم دھر یعنی عمر بھر کا غم لگ جاتا ہے۔ (ازالۃ الغین ج ۲۸)

## تعلق مع اللہ کی برکت

ایک پادری نے لکھا ہے کہ مسلمان اپنے خدا سے شرمندہ نہیں ہے اس واسطے شگفتہ رہتے ہیں عاصی اور مطیع کی حالت میں ضرور فرق ہوتا ہے بلکہ ادنیٰ مسلمان کی حالت میں بھی کافر سے فرق ہوتا ہے کیونکہ تعلق مع اللہ کچھ نہ کچھ ہر مسلمان کو حاصل ہے جس کی وجہ سے اس کی حالت کو اس شخص کی حالت سے ضرور فرق ہوتا ہے جس کو بالکل تعلق نہیں یعنی کافر آپ کو نسبت حق تعالیٰ سے ضرور حاصل ہے گو آپ کو خبر نہیں۔

یک سبد پرناں ترابر فرق سر      تو ہی جوئی لبِ ناں در بدر  
تا بزا نو غرق ہستی اندر آب      وز عطش و ز جوع کشتستی خراب  
(ایک ٹوکرا روٹوں کا تیرے سر پر رکھا ہے اور تو ایک روٹی کے ٹکڑے کے لئے در بدر مارا پھرتا ہے تو زانو تک پانی میں کھڑا ہے اور بھوک اور پیاس سے خراب ہوتا ہے) (اظہار ج ۲۸)

## لیڈران قوم کی خیر خواہی کی عجیب مثال

آج کل لیڈران قوم نے دین میں وہ تصرفات کئے ہیں اور ایسی خیر خواہی اس کے ساتھ کی ہے جیسے کسی بوڑھیا نے ایک شاہی باز کے ساتھ کی تھی حکایت اس کی اس طرح ہے کہ ایک شاہی باز اڑ کر ایک بڑھیا کے یہاں جا بیٹھا بڑھیا نے اس کو پکڑ لیا اور اس کی چونچ اور پنجوں کو دیکھ کر بڑا رحم آیا دیکھا چونچ ٹیڑھی ہے ناخن کس قدر بڑھے ہوئے ہیں اور ٹیڑھے بھی ہیں اور اس کو گود میں لے کر رونا شروع کیا کہ ہائے بچے تو کیسے زمین پر بیٹھتا ہوگا تیری انگلیاں ٹیڑھی ہیں ناخن اتنے بڑھ گئے ہیں اور کھاتا کیسے ہوگا کیونکہ چونچ بھی ٹیڑھی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تو بے ماں باپ کا ہے کوئی تیری غور کرنے والا نہیں ہے جو ناخن کاٹا اور چونچ کو درست کرتا ہے اور رحم و شفقت نے ایسا زور کیا کہ قینچی لے کر اس کے ناخن سب کاٹ دیئے اور چونچ بھی تراش دی اپنے نزدیک تو بڑھیا نے اس کی بڑی خیر خواہی اور ہمدردی کی مگر خدا بچا وے ایسی ہمدردی سے کہ اس کو برباد ہی کر دیا نہ وہ شکار پکڑنے کے کام کار ہا اور نہ کھانے کے۔

یہی خیر خواہی اسلام کے ساتھ آج کل کے ہمدردان اسلام کرتے ہیں کہ یہ بھی فضول اور وہ بھی فضول نماز بھی زائد ہے روزہ بھی زائد ہے زکوٰۃ کی حاجت نہیں، حج بھی فضول ہے اور پھر

مسلمان ہونے کے مدعی معلوم نہیں اسلام کس چیز کا نام ہے کوٹ کا نام ہے یا پتلون کا نام ہے جب اسلام کا ہر جز فضول ہے تو کل بھی فضول ہے اس کا نام ہی کیوں لگا رکھا ہے اور ہم تو جانیں تم بھی فضول ہو جو ایسی فضول باتیں کرتے ہو سچ یہی ہے کہ درحقیقت یہی لوگ فضول ہیں ایک پیسہ کا سنکھیا کھا کر مر جاتے تو دنیا ایسی ناپاک وجود سے پاک ہو جاتی۔ (اظہار ج ۲۸)

## حضرت حکیم الامتؒ کا ایک خواب

میرا ایک خواب ہے جو موافقت قواعد صحیحہ کی وجہ سے میرے نزدیک خوب ہے اور اس سے اچھا فوٹو اس بحث کا شاید ہی ملے میرے دل میں کھٹک پیدا ہوئی اور یہ زمانہ طالب علمی دیوبند کا ذکر ہے کہ غیر مقلد اپنے ہر مدعا پر حدیث پیش کرتے ہیں جو ہمارے امام کے خلاف ہوتی ہے شاید ان ہی کا طریق حق ہو خواب دیکھا کہ میں دہلی میں ایک محدث میاں صاحب کے مکان پر ہوں دیکھا کہ وہاں چھاچھ تقسیم ہو رہی ہے مجھے چھاچھ کا شوق ہے انہوں نے مجھ کو بھی دی مگر میں نے نہیں لی۔ بس آنکھ کھل گئی معاً تعبیر ذہن میں آئی کہ علم کی صورت رو یا میں لہن ہے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے اور چھاچھ کی صورت تو دودھ کی ہے مگر حقیقت بالکل مغائر ہے معنی اور مغز اس میں نہیں پس یہ سمجھ میں آیا کہ ان کا طریقہ صورت دین تو ہے مگر اس میں معنی دین بالکل ندارد ہے یہ لوگ امام صاحب پر خلاف حدیث کا اعتراض کرتے ہیں۔ امام صاحب نے بھی حدیث کے خلاف کوئی بات نہیں کہی مگر معنی اور مغز کو لے کر اور یہ لوگ صرف صورت سے شبہ کرتے ہیں تو یہ معارضہ معارضہ حدیث نہ ہوا بلکہ معارضہ معنی و صورت حدیث ہوا اور ایسا ممکن ہے

## تاریکین تقلید کا حال

جو لوگ تارک تقلید ہیں وہ کہنے کو تو ائمہ کے خلاف ہیں مگر درحقیقت دین کے خلاف ہیں اس کی بناء صرف خود رائے پر ہے اور اتباع ہوئی اور اعجاب سب جانتے ہیں مہلک چیزیں ہیں جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے کہ تاریکین تقلید میں اکثر یہ دونوں مرض رگ و پے میں گھسے ہوئے ہوتے ہیں ہمارا علم کچھ بھی نہیں ہم سے بڑوں نے اور ان لوگوں نے جن کو علم مسلم ہے کیوں تقلید کو اختیار کیا معلوم ہے کہ ہماری رائے غلط اور متہم ہے تقلید شخصی چھوڑ کر گنجائش نکالی جاویں تو نتیجہ اس کا بہت ہی جلد آزادی نفس پیدا ہو جاتا ہے ان میں سے بعض نفس کے نزدیک اجتہاد ہی کوئی چیز نہیں بدوں نص کے ان کے نزدیک کوئی حکم ہی ثابت نہیں۔ (ادب الاعلام ج ۲۸)

## غیر مقلدین کی آمین

ایک شخص نے کہا حضور ہاں ایک جگہ مقلدین کی جماعت میں ایک غیر مقلد آ گیا اور آمین زور سے کہی تو اس پر بڑا فساد ہوا اور پولیس تک نوبت پہنچی اور مقدمہ کو بڑا طول ہوا فرمایا حضرت والا نے اس پر جنگ وجدل کرنا ہے تو زیادتی لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ عمل کچھ ہو مگر جس نیت سے کیا جاوے اس کا اثر ضرور ہوتا ہے اگر اس نے خلوص سے اور عمل بالسنّت کی نیت سے کیا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی غیر مقلدین کی آمین اکثر صرف شورش اور مقلدین کے چڑانے کے لئے ہوتی ہے میرے بھائی محمد مظہر نے قنوج میں غیر مقلدین کی آمین سن کر کہا آمین تو دعا ہے اس میں خشوع کی شان ہونی چاہئے اور ان لوگوں کے لہجہ میں خشوع کی شان نہیں ہے خود سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی کو چھیڑتے ہوں اس نے عرض کیا کہ یہ واقعی بات ہے مقدمہ مذکور جب پولیس میں پہنچا تو ایک ہندو تھانیدار اس کی تحقیقات پر تعینات ہوا وہ بہت سمجھدار تھا اس نے فساد کا الزام غیر مقلد ہی پر رکھا اور رپورٹ میں لکھا کہ یہ لوگ شورش پسند ہیں اور بلاوجہ اشتعال دلاتے ہیں اور آمین صرف فساد اٹھانے کے لئے کہتے ہیں اس پر غیر مقلدین نے بڑا غل مچایا اور کہا کہ آمین مکہ مکرمہ میں بھی ہوتی ہے داروغہ نے کہا کہ مکہ مکرمہ میں آمین خدا کی یاد کے لئے ہوتی ہوگی دنگے کے لئے نہ ہوتی ہوگی یہاں دنگے کیلئے ہے۔ (ادب الاعلام ج ۲۸)

## آمین کی تین قسمیں

ایک موقع پر ایک انگریز نے تحقیقات کی اور آخر میں گویا تمام واقعہ کا نوٹو کھینچ دیا اور کہا آمین تین قسم کی ہیں۔ ایک آمین بالجبر اور اہل اسلام کے ایک فرقہ کا وہ مذہب ہے اور حدیثیں بھی اس کے ثبوت میں موجود ہیں اور ایک آمین بالسر ہے اور وہ بھی ایک فرقہ کا مذہب ہے اور حدیثوں میں موجود ہے اور تیسرے آمین بالشر ہے جو آج کل کے لوگ کہتے ہیں۔ (ادب الاعلام ج ۲۸)

## جنم روگ

ہمارے حضرت حافظ ضامن صاحب نے کسی شخص سے پوچھا تھا کہ آپ کا لڑکا کیا پڑھتا ہے کہا قرآن حفظ کرتا ہے فرمایا: ارے اس بیچارے کو کیوں جنم روگ لگایا۔ حافظ



صاحب میں مزاج بہت تھا اس لیے گفتگو کے عنوان ایسے ہی ہوا کرتے تھے مگر حقیقت اس کی یہ تھی کہ حفظ قرآن ایک دن کا کام نہیں، عمر بھر کا کام ہے، ساری عمر اسی میں لگا رہے تب تو محفوظ رہتا ہے ورنہ بہت جلد حفظ سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ رجب کا مہینہ آتے ہی حفاظ کو قرآن یاد کرنے کی فکر ہوگی، دور شروع ہو جائے گا۔ پانی پت میں ایک رئیس ہیں وہ سب سے قرأت کے حافظ ہیں اور کمال یہ ہے کہ ہر سال ایک قاری کی روایت میں تراویح سناتے ہیں مگر کیا مجال کہ دوسری قرأت اس میں اختلاط ہو جائے۔ اگر قالون کی روایت شروع کریں گے تو اخیر تک قالون ہی کی روایت رہے گی ورش کی روایت کا اس میں خلط نہ ہوگا بڑا اچھا حافظ ہے مگر یہ اس کی بدولت ہے کہ ہر سال رجب سے جو وہ قرآن میں مشغول ہوتے ہیں پھر کسی کام کو نہیں دیکھتے۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## مدعیان عامل بالحدیث کو دو نصیحتیں

ایک دفعہ قنوج گیا تو غیر مقلدوں نے میری دعوت کی، حنفیوں نے تو مجھے منع کیا اور کہا کہ ان لوگوں کا کیا اعتبار کہیں سنا دیکھیں مگر میں نے دعوت قبول کی اور کھانے کے بعد یا قبل ان سے کہا کہ میں آپ کا بالقوہ یا بالفعل نمک خوار ہو گیا ہوں اس لیے میرے ذمہ آپ کی خیر خواہی لازم ہوگئی۔ اس خیر خواہی کی بناء پر میں آپ کو دو نصیحت کرتا ہوں ایک یہ کہ بدگمانی نہ کرو دوسرے یہ کہ بدزبانی نہ کرو غیر مقلدوں میں یہ دو مرض زیادہ غالب ہیں۔ اسی وجہ سے وہ آئمہ کو حدیث کا مخالف سمجھتے ہیں ان کے نزدیک تاویل و قیاس کے معنی مخالفت حدیث ہیں۔ گو وہ مستند الی الدلیل ہی ہو۔ (سبیل السعید ج ۲۹)

## ایک عامی کا عجیب استدلال

ایک عامی نے ایک غیر مقلد عالم کو اسی بناء پر سخت الزام دیا۔ ان سے پوچھا کہ ”من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر“ کے کیا معنی ہیں، کہا کہ معنی کیا ہوتے۔ تاویل ہی کی کیا ضرورت ہے بس جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے عامی نے کہا کہ حنفی لوگ امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے اور حدیث میں ہے کہ ”لا صلوۃ لمن لم یقر ابام الكتاب“ (جو شخص سورۃ الفاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں) تو یہ لوگ آپ کے اصول پر کہ اس میں کچھ تاویل نہیں تارک صلوۃ

ہوئے اور تارک صلوٰۃ کافر ہے تو کیا حنفی سب کافر ہیں۔ جناب وہ عالم دم بخود ہو گئے اور ایسے خاموش ہوئے کہ کچھ جواب نہ بن پڑا کیونکہ وہ محض اس بات پر ان کی تکفیر نہیں کرتے پس نہ حنفیوں کو کافر کہہ سکے اور نہ حدیث میں تاویل کر سکے کیونکہ تاویل اور قیاس کرنا ان کے نزدیک شرک و کفر میں داخل ہے مگر عامی نے ان کو الزام دے کر بتلادیا کہ بدون تاویل و قیاس کے چارہ نہیں اور یہ الزام دینے والا ایک عامی لوہا تھا۔ غرض مشکوٰۃ و بخاری کا ترجمہ دیکھ کر اجتہاد کرنا جاہلوں کا کام ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا اور بات ہے مگر وہ کسی محقق عالم کے سامنے اپنے اجتہادات بیان کریں تو حقیقت معلوم ہو جائے وہ ان کے سب اجتہادات کی قلعی کھول کر رکھ دے گا اور ان سے اقرار کرائے گا کہ تم اجتہاد کے ہر گز اہل نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند  
(کسی صاحب نظر کو اپنا موتی دکھاؤ کہ وہ اصلی ہے یا نہیں چند گدھوں کی تصدیق سے کوئی عیسیٰ نہیں ہو سکتا)

شہد آں نیست کہ موے و میاں دارد بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد  
(معشوق وہ نہیں کہ وہ اچھے بال اور پتلی کمر رکھتا ہو حسین وہ ہے کہ اس میں کچھ آن ہو)  
(سبیل السعید ج ۲۹)

## جملہ معاصی میں سخت کلفت ہے

جس قدر گناہ ہیں ان کے نہ کرنے میں اس قدر تکلیف نہیں جس قدر کہ ان کے کرنے میں ہے نہ کرنے سے تو تھوڑے دنوں کی کلفت ہے اور اس کے بعد حلاوت ہی حلاوت ہے اور کرنے سے فوراً تو کوئی حظ ہوتا ہے اس کے بعد روح کو سخت پریشانی ہوتی ہے۔ چنانچہ جس نے اول بار کوئی گناہ کیا ہو اور اس سے پہلے اس گناہ کا وہ شخص مرتکب نہ ہوا ہو وہ اس کو خوب سمجھ سکتا ہے کہ پہلے میرے اندر کیا تھا اور اب کیا ہوگا۔ واللہ وہ اپنے اندر سخت کدورت محسوس کرے گا اور اپنے کو سخت لعنت ملامت کرے گا اور اپنی موت کو زندگی پر ترجیح دے گا باقی ہم لوگوں کو تو اس لیے احساس نہیں رہا کہ گناہ کرتے کرتے قلب کا احساس باطل ہو گیا ہے اس لیے گناہ کے اندر جو کلفت اور کدورت ہے وہ محسوس نہیں ہوتی جس نے آنکھ کھول کر کبھی راحت حقیقی نہ دیکھی ہو اس کو تکلیف کا احساس نہ ہوگا لیکن اگر آپ اس کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ایک طریقہ ہے کہ جس کو میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے نفس سے چالیس روز

مستعار لے لو اور ان دنوں میں اس سے صلح کر لو اور اس کو کہو کہ صرف ان چالیس روز کے لیے تو معاصی کو چھوڑ دے اور اطاعت اختیار کرے اس کے بعد پھر تجھ کو آزادی ہے اور یہ چالیس روز اس طرح گزار دو کہ کسی قسم کی معصیت اس میں سرزد نہ ہو، فضول کلام، غیبت، فضول میل جول، بدنگاہی غرض تمام گناہوں کی چالیس دن کے لیے تعطیل کر دو لیکن بداعتقادی کے ساتھ نہیں میں یہ بھی نہیں کہتا کہ اعتقاد ایسا کرو یعنی یہ اعتقاد کہ اس سے نورانیت ہوگی بلکہ ذہن دونوں امر سے خالی کر لو۔ جب یہ چالیس دن اس حالت سے گزر جاویں اس کے بعد اندازہ کر لو کہ ہمارے قلب کی پہلے کیا کیفیت تھی اور اب کیا کیفیت ہے۔ واللہ قلب میں اس وقت ایک ایسی حلاوت اور لطف پاؤ گے جو اس چالیس روز سے پہلے نہ تھی اور یہ معلوم ہوگا کہ ہم تو جہنم میں تھے اب جنت میں ہیں۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ گناہ میں کیا کلفت ہے اور طاعت میں کیسی حلاوت ہے۔ غرض گناہ کے چھوڑنے میں تھوڑے دنوں کی کشاکشی ہے اس کے بعد راحت دائمی ہے۔

چند روزے جہد کن باقی بخند

( کچھ دن جدوجہد کر پھر آرام سے رہ )

اور آپ خود مشاہدہ کر لیجئے جن حضرات نے طاعت کو اختیار کر لیا ہے اور دنیا کو چھوڑ دیا ہے وہ کس راحت اور اطمینان کے اندر ہیں۔ واللہ ان حضرات کی طمانیت اور راحت وہ ہے کہ جو قلم کے بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم کو یہ درجہ کہاں نصیب ہو سکتا ہے صاحبو! ممتنع اور محال نہیں ہے اعمال صالحہ اختیار کرو اور معاصی کو ترک کر دو تم کو بھی ایسی ہی راحت میسر ہو جاوے گی۔ الحاصل کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے نہ کرنے میں کلفت ہو لیکن میں آپ کے زعم کے موافق گفتگو کرتا ہوں کہ جن گناہوں کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کے چھوڑنے میں آپ کو کیا عذر ہے۔ مثلاً رشوت کے بارے میں تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر چھوڑ دیں گے تو کبھی نہ ملے گا مگر ڈاڑھی رکھنے سے کون سی مصلحت برباد ہوتی ہے ابتدائے عمر میں تو اس لیے منڈانا شروع کی تھی کہ خوبصورت معلوم ہوں گے لیکن اب بوڑھے ہو کر منڈانے میں کیا مصلحت ہے۔ اسی طرح اور بہت سے گناہ ہیں کہ اگر ان کو چھوڑ دیں تو دنیا کا کچھ بھی نقصان نہیں ہے خدا کے لیے ایسے ہی گناہ چھوڑ دو غرض یہ طبقہ فضائل دیدیہ کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہے گوا اعتقاد صحیح ہے۔ (اسباب الفضائل ج ۲۹)

## تعدد کثرت ازواج رسول کریمؐ میں حکمت

بعض مخالفین کثرت ازواج پر اعتراض کرتے ہیں لیکن علاوہ اور بہت سی حکمتوں اور مصالح اور ضرورتوں کے یہ کتنی بڑی مصلحت اس وقت معلوم ہوئی کہ علم کا وہ باب جو کسی کے ذریعے مفتوح نہیں ہو سکتا تھا وہ ہم کو حضرات ازواج مطہراتؓ کے معرفت پہنچا۔ احسان ماننا چاہیے ان بیبیوں کا تم خود اپنے دل میں ٹٹولو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و شوکت و ہیبت خداداد کے پیش نظر ہوتے ہوئے کہ جس کی وجہ سے صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسے بیٹھے رہتے تھے ”کان علی روسنا الطیر“ یعنی گویا کہ ہمارے سروں پر پرندہ بیٹھا ہے۔ یعنی جیسے کسی کے سر پر پرندہ بیٹھ جائے اور وہ یہ چاہے کہ اڑے نہیں تو وہ جیسے بے حس و حرکت ہوتا ہے اس طرح ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رہتے تھے تو کس کی ہمت تھی کہ بولے اور سوال کرے اور سوال بھی ایسا یہ بیوی کا رشتہ ہی ایسا ہے کہ اس میں بہت سے ایسے امور کھپ جاتے ہیں جو اوروں سے بے ادبی اور گستاخی شمار ہوں۔ اقل کے قصہ میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اٹھو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ان کا شکریہ ادا نہ کروں گی میں تو اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر کروں گی دیکھئے اگر کوئی اور شخص اس کلمہ کو کہے تو سخت بے ادبی اور گناہ ہے لیکن زوجیت کا ایسا علاقہ ہے کہ یہ کلمہ اس میں بے حد لطف دے رہا ہے۔ الحاصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں اپنے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ”ولا انا الا ان یغمدنی اللہ برحمته“ یعنی میں بھی عمل سے جنت نہ جاؤں گا مگر جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھ کو ڈھانپ لیں۔ پس جبکہ حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم ہی یہ فرمادیں تو آج کون شخص ہے جو اپنے عمل پر اعتماد کرے حالانکہ عمل میں آپ کے برابر تو کوئی کیا ہوگا، قریب بھی آپ کے کوئی نہیں بلکہ بعید اور بعد بھی نہیں کہا جاسکتا، کہاں ہمارا عمل کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی یہ نہ کہے کہ میں تمام رات جاگتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے بھی تھے اور جاگتے بھی تھے۔ (اسباب الفحائل ج ۲۹)

## عمل کا موقوف علیہ طلب صادق ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو نقلیں ہم سب کی تمام عمر کی عبادت سے کہیں زیادہ ہیں ہمارے اندر وہ اخلاص وہ محبت کہاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو بڑا رتبہ ہے ہمارے حضرت



پیر مرشد فرماتے تھے کہ عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے افضل ہے اور اسی واسطے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایک مہم اوروں کے اہل پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ پس اس تفاوت کے ہوتے ہوئے آج اگر کوئی عمل پر مدعی استحقاق ہو بڑا نادان ہے۔ اگر کوئی کہے کہ جب فضل ہی پر مدار ہے تو ہم کو عمل کی کیوں تکلیف دی۔ بات یہ ہے کہ دیں گے تو فضل ہی سے لیکن عمل توجہ فضل کی شرط ہے، مؤثر مستقل نہیں۔ (اسباب الفضائل ج ۲۹)

## وجوب عمل علم پر موقوف نہیں

ایک ڈوم کی حکایت ہے اس نے وعظ میں سنا کہ چاند دیکھنے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے اس نے کہا کہ میں چاند ہی نہ دیکھوں گا اور ۲۹ شعبان سے گھر کے اندر محبوس ہو کر بیٹھ گیا، کھانا بھی وہاں کھاتا اور پاخانہ پیشاب بھی وہاں کرتا، ایک روز بیوی نے کہا کہ کم بخت تجھے کیا ہو گیا، ایسا کیوں احمق بن گیا کہ گھر میں بگتا موتا ہے، بیوی کے کہنے سننے سے باہر نکلا مگر اس صورت سے کہ منہ پر کپڑا رکھے ہوئے اور آنکھوں کو چھپائے ہوئے کہ کہیں چاند نظر نہ آجائے اسی ہیئت سے جنگل پہنچا اور قضائے حاجت کے بعد طہارت کے واسطے تالاب پر آیا اور نظر نیچے کیے ہوئے تھا، جب پانی کے پاس آیا تو تالاب میں چاند کا عکس نظر آ گیا تو آپ فرماتے ہیں کہ بندہ خدا میں تو تجھ کو دیکھتا نہیں تو کیوں خواہ مخواہ میری آنکھوں میں روزہ فرض کرنے کو گھسا آتا ہے بڑے بڑے ثقہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم وعظ سنیں گے یا مسئلہ دریافت کریں گے تو اس پر عمل کرنا فرض ہو جائے گا اس لیے ہم سنتے ہی نہیں۔ یاد رکھو عمل کرنا بغیر سننے اور جاننے بھی فرض ہے جب تم مسلمان ہو تو تمام احکام اسلام کے تم پر فرض ہیں۔ پس یہ سمجھنا غلطی ہے کہ وجوب عمل علم پر موقوف ہے چونکہ تحقیق اور وجود خارجی عمل کے بغیر نہیں ہو سکتا پس علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اس سے ایک واجب تو ادا ہوگا، دوسرے کو بھی توفیق ہو جائے گی۔ غرض پوچھا کرو کہ جائز ہے یا ناجائز اور علم سے دینی فائدہ یقینی ہے کم از کم کاموں میں جو خرابیاں اور گناہ پیدا ہو جاتے ہیں علم سے ان کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ (اسباب الفضائل ج ۲۹)

## علم و عمل

یہ بھی یاد رہے کہ عمل جب ہو سکتا ہے جب علم ہو اور علم حاصل ہو سکتا ہے سیکھنے سے اور

کسی کا اتباع کرنے سے تو حاصل یہ ہوا کہ خیال اس وقت مفید ہے کہ اس کے ساتھ عمل اور اتباع کسی محقق کا ہو ہر خیال کی یہی حالت ہے۔ پس اسی طرح اللہ کا خیال بھی ہے کہ وہ جب مفید ہے کہ کام بھی شروع کر دیا جائے اور یہ نہ ہو تو نرے خیال سے مقصود حاصل نہیں ہوتا وہ مقصود کیا ہے تعلق مع اللہ جو صرف یاد سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ یاد اور خیال میں فرق ہے خیال تو وہ ہے جو شیخ چلی نے باندھا تھا اور یاد وہ ہے جو دن رات آپ کے محاورات میں موجود ہے۔ آپ کے دوست کا خط آتا ہے کہ میاں تم نے تو ہم کو بھلا دیا کبھی ملتے نہیں خط نہیں بھیجتے کبھی ہم کو بلاتے نہیں کیا آپ اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے بھلایا نہیں ہر وقت تمہارا خیال دل میں رہتا ہے اس جواب کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا بات کیا ہے؟ وہی کہ خیال کو یاد نہیں کہتے خیال اور یاد میں فرق ہے مجھے اسی کی شرح کرنے کی اور فرق بتلانے کی ضرورت نہیں اس مثال سے بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ دونوں میں فرق ہے۔ (الباطن ج ۲۹)

## باکمال شخص

تین قسم کے لوگ ہیں اول تو وہ جو سب سے کنارہ کش ہوتے ہیں اور ذکر و عبادت میں مشغول ہیں کسی سے بولتے تک نہیں۔

اگر کوئی آتا بھی ہے تو خلوت خانہ سے براہ نہیں ہوتے اگر کچھ بات کریں گے تو اشارہ سے جواب دیں گے ایسے شخص کو لوگ باکمال سمجھتے ہیں اور ایک وہ ہے جو رات دن ہنسی مذاق دل لگی لغویات فضولیات ہی میں رہتا ہے یہ دونوں کچھ نہیں۔ تیسرا وہ شخص ہے کہ وقت پر عبادت بھی کرتا ہے اور کسی وقت دوستوں میں ہنسی دل لگی کی باتیں بھی کرتا ہے تو وسط کو لیے ہوئے یہ شخص باکمال ہے غرض جو ہر وقت کام میں رہتا ہے وہ کسی نہ کسی وقت ضرور بیکار ہو جاوے گا ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور بہت دیر تک باتیں کیں آخر میں عرض کیا حضرت میں نے آپ کی عبادت میں بڑا حرج کیا فرمایا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ نماز پڑھنا ہی عبادت ہے بھائی دوستوں سے باتیں کرنا بھی عبادت ہے۔ (التوبہ ج ۲۹)

## حضرات اہل اللہ پریشان کیوں نہیں ہوتے

حضرات اہل اللہ کسی وقت پریشان نہیں ہیں اور وہ خود تو کیا پریشان ہوں گے آپ کو

جس وقت پریشانی ہو آپ ان کے پاس بیٹھ کر دیکھ لیجئے، خود آپ کی پریشانی مبدل بہ اطمینان ہو جاوے گی اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ ہم لوگوں کو تو دنیا کی طرح طرح کی پریشانیاں اور تفکرات اور غموم ہیں اس لیے پریشان ہیں اور وہ آزاد ہیں اس لیے پریشان نہیں تو اس میں ان کے اہل اللہ ہونے کو کیا دخل، سو اس کا امتحان یہ ہے کہ آپ ان کو ایسے وقت دیکھئے کہ جب ان پر کوئی واقعہ مصیبت کا ہو کہ جس میں آپ گھبرا جاتے ہوں ان کو آپ اس وقت دیکھیں گے کہ ان کی جمعیت میں مطلق ذرا برابر فرق نہیں، مثلاً ان کا بیٹا یا عزیز مر جاوے یا کوئی مالی نقصان پہنچے اس وقت ان کو دیکھئے میں یہ نہیں کہتا کہ ان کو رنج نہ ہوگا ان کے آنسو نہ بہیں گے، رنج بھی ہوگا، روئیں گے بھی لیکن جس کا نام پریشانی ہے، گھبراہٹ ہے، اضطراب ہے، قلب کا تفرق ہے، وہ مطلق نہ ہوگا، دل سے راضی برضائے الہی ہوں گے۔ بخلاف دنیا داروں کے کہ ایسے وقت پریشان ہوتے ہیں کہ ہائے اب کیا ہوگا، دل کسی کام میں نہیں لگتا، ہر وقت وہی دھن لگ جاتی ہے اور اہل اللہ مغموم بھی ہوتے ہیں اور اسی عین غم میں راضی بھی ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص کے ذہن نکل آیا اور ڈاکٹر نے یہ تجویز کیا کہ یہ بغیر شگاف کے اچھا نہ ہوگا تو وہ مریض بہت خوشی سے اس عضو کو نشتر زن کے سامنے کر دے گا۔ دیکھئے اس وقت اس کو نشتر لگانے کی تکلیف بھی محسوس ہوگی مگر اس پر دل سے راضی ہے اور جانتا ہے کہ اس میں میری بہبودگی ہے۔ چنانچہ بعد نشتر لگانے کے وہ نائی انعام مانگتا ہے، حضور انعام لایئے، چنانچہ خوشی سے اس کو انعام دیتے ہیں اگر ناراض ہوتا تو انعام کیوں دیتا، اسی طرح اہل اللہ اگر بیمار ہوتے ہیں یا ان کا کوئی عزیز مرتا ہے تو تکلیف ضرور ہوتی ہے مگر اندر سے دل ان کا ہر وقت باغ باغ ہے، کسی وقت پریشانی یا اضطراب نہیں بخلاف دنیا داروں کے کہ اگر کوئی بیٹا یا عزیز مر جاتا ہے تو حسرتیں اور ارمان آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس جی برباد ہو گئے، کیسا اچھا ہوتا کہ دس برس اور جیتا اور بعض تو اتنا بڑھتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کی شکایت کرنے لگتے ہیں نعوذ باللہ منہ اور خواص اہل اللہ کی تو یہ شان ہے ہی ان کے عوام میں بھی ایسے ایسے موجود ہیں کہ خواہ کچھ گزر جائے مگر ان کی زبان سے بجز شکر کے کلمات کے اور رضا کے کچھ نہیں نکلتا۔ یہاں تھانہ بھون میں ایک خان صاحب تھے اکثر بیچارے سخت تکلیف میں رہتے لیکن جب کوئی پوچھتا تو ہنس کر یہی کہتے کہ اللہ کی رحمت ہے۔ (التوبہ ج ۲۹)

## اہل اللہ کا مختلف مذاق

اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو اہل اللہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم کو بخار ہے سر میں درد ہے بات یہ ہے کہ بخار وغیرہ ظاہر کرنا دو طور سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ شکایت کے طور پر ہو اور قضاۃ الہی اور اپنی خواہش میں جو مزاحمت ہوتی ہے اور اپنی خواہش حاصل نہیں ہوتی اس لیے تنگ دل ہوتا ہے اور اپنا درد ظاہر کرتا ہے یہ تو مذموم ہے اور اس طور کا اظہار حضرات اہل اللہ میں نہیں ہوتا اور دوسری جہات اظہار مرض کی یہ ہے کہ اپنا عجز اور در ماندگی اور قضا کے سامنے اپنی بیچارگی ظاہر کرنا مقصود ہے اور نیز مخاطب یعنی عیادت کرنے والے کا اکرام اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ منظور ہے اس لیے کہ جو شخص آپ کی عیادت کے واسطے آیا ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ تمہارا درد معلوم کر کے تمہارا شریک حال ہو اور غمخواری کرے۔ اگر آپ نے خشک جواب دیا کہ جی اچھا ہوں یہ بداخلاقی ہے اور یہ رضا نہیں ہے بلکہ بزبان حال آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم ایسے مضبوط ہیں کہ کوئی شے ہم کو از جارفہ نہیں کر سکتی بعض اولیاء اللہ سے کسی نے پوچھا کہ اب تو آپ کی طبیعت اچھی ہے فرمایا کہ نہیں لوگوں نے کہا کہ کیا آپ مرض ظاہر کرتے ہیں فرمایا کہ کیا میں خدا کے سامنے پہلوان بنوں عجز ظاہر نہ کرو غرض حضرات اہل اللہ کا گو اس بارے میں بھی مذاق مختلف ہے لیکن یہ امر مشترک ہے کہ تنگی قلب میں ہرگز ہرگز نہ ہوگی اور دنیا داروں سے جب سنا ہے شکایت ہی کے کلمات سنے گئے ہیں بلکہ کفر و شرک تک کے کلمات ان کی زبان سے نکلتے ہیں مجھ کو تو ایسے کلمات سے اس قدر نفرت ہے کہ کان سن نہیں سکتے۔ (التوبہ ج ۲۹)

## حکایت حضرت بہلول دانا

حضرت بہلول دانا نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہے کیسا مزاج ہے جواب دیا کہ اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو کہ جو کام دنیا میں ہوتا ہے وہ اس کے حسب خواہش ہوتا ہے بہلول اس جواب سے حیران ہوئے (اس لیے کہ یہ تو خدا تعالیٰ کی ہی شان ہے) فرمایا کہ جس شخص نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں فنا کر دیا ہو تو جو کام دنیا میں ہوتا ہے سب اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہے وہ کسی وقت پریشان نہیں ہوتے۔

کوئے ناامیدی مرد کامید ہاست

(ناامید ہونے کی کیا ضرورت ہے ابھی تو بہت امیدیں موجود ہیں) (التوبہ ج ۲۹)

## اجازت اور مشورہ میں فرق

اجازت اور چیز ہے اور مشورہ اور چیز۔ آپ نے اجازت کو مشورہ سمجھا میں اجازت تو عام طور



سے دیتا ہوں کہ صلحاء کے پاس جانے میں کچھ حرج نہیں ہے اور مشورے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ بات بتاؤں کہ جو صرف غیر مضر نہیں بلکہ مفید بھی ہو اس کی مثال یہ ہے کہ طبیب سے اجازت چاہتے ہیں کہ گنا کھالیں وہ اس کو اگر مضر نہیں دیکھتا تو کہہ دیتا ہے کھا لو یہ اجازت ہے اور مشورہ یہ ہے کہ طبیب سے کہتے ہیں کہ آپ کے سپرد ہے جو مناسب تدبیر ہو بتلائیے۔ وہ اس وقت ایسی تدبیر نہیں بتلائے گا جو غیر مضر اور مفید نہ ہوں بلکہ وہ تدبیر بتلائے گا جو مفید ہوں اس وقت یہ کبھی نہ کہے گا کہ گنا کھاؤ بلکہ اس وقت کہے گا گلو پیو اور شاہترہ پیو اور کوئین کھاؤ اس وقت وہ آپ کا متبع نہ ہوگا بلکہ اپنی رائے کا متبع ہوگا۔ خواہ آپ کی طبیعت کے خلاف ہو۔ (ادب الطریق ج ۲۹)

## احناف تفقہ فی الدین رکھتے ہیں

اکثر غیر مقلد لوگ اپنا نام اہلحدیث رکھتے ہیں لیکن حدیث سے ان کو مس بھی نہیں ہوتا صرف الفاظ پر رہتے ہیں اور حدیث میں جو بات سمجھنے کی ہے جس کی نسبت وارد ہے: ”مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ“ (جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں) وہ اور چیز ہے اگر وہ صرف الفاظ کا سمجھنا ہوتا تو کفار بھی تو الفاظ سمجھتے تھے وہ بھی فقیہ ہوتے اور اہل خیر ہوتے۔ ”تفقہ فی الدین“ یہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ دین کی حقیقت کی پوری معرفت ہو سو ایسے لوگ حنفیہ میں بکثرت ہیں۔ (التوبہ ج ۲۹)

## تصوف اور فقہ کے معنی

اب لوگوں نے تصوف اور فقہ دونوں کے معنی بدل دیئے ہیں اور دونوں کو متنافیین قرار دیا ہے حالانکہ ان میں تنائی نہیں کیونکہ تصوف کے معنی ہیں تعمیر الظاہر و الباطن ظاہر کی تعمیر اعمال سے اور باطن کے اخلاق سے اور فقہ کی امام صاحب نے تعریف کی ہے معرفت النفس مالها وما علیها یہ عام ہے۔ اعمال ظاہر و باطنی سب کو تو تصوف اور فقہ میں منافات کہاں ہے پہلے لوگ فقہ اور تصوف کے جامع ہوتے تھے یہ بلا آج کل ہی پھیلی ہے کہ دونوں علیحدہ سمجھ کر دونوں کو خراب کیا حالانکہ ان دونوں کا ساتھ ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ صحبت کے لیے اس شخص کو اختیار کرو جو محدث بھی ہو اور فقیہ بھی صوفی بھی اعتدال اسی سے ہوتا ہے یہ قول ان کا قول جمیل میں ہے۔ (ادب الاعتدال ج ۲۹)

## حضرت مولانا شاہ اسماعیل صاحب شہید حنفی تھے

شاہ عبدالعزیز صاحب کا خاندان ماشاء اللہ ان اوصاف کا جامع ہے جن میں مولانا اسماعیل صاحب بھی ہیں، بعض لوگ مولانا کو غیر مقلد سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے میرے ایک استاد بیان فرماتے تھے کہ وہ سید صاحب کے قافلے کے ایک شخص سے ملے ہیں ان سے پوچھا تھا کہ مولانا غیر مقلد تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو ہم کو معلوم نہیں لیکن سید صاحب کے تمام قافلہ میں یہ مشہور تھا کہ غیر مقلد چھوٹے رافضی ہوتے ہیں اس سے سمجھ لو کہ اس قافلہ میں کوئی غیر مقلد ہو سکتا ہے۔ ایک حکایت اور فرمائی سند یا نہیں کسی نے مولانا سے مسئلہ پوچھا، فرمایا کہ امام صاحب کے نزدیک یوں ہے اس نے کہا آپ اپنی تحقیق فرمائیے فرمایا میں کیا کہتا ہوں امام صاحب کے سامنے مولانا کے غیر مقلد مشہور ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ مولانا نے بعض جاہل غسالی مقلدین کے مقابلہ میں بعض مسائل خاص عنوان سے تعبیر کرائے اور ایک بار ان کے مقابلہ میں آمین زور سے کہہ دی کیونکہ غلو اس وقت ایسا تھا کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص نے زور سے آمین کہہ دی تھی تو اس کو مسجد کے اونچے فرش پر سے گرا دیا تھا، مولانا کو اس پر بہت جوش ہوا اس کتاب میں ہے کہ آپ نے بیس مرتبہ آمین کہی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب سے لوگوں نے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا ان کو سمجھائیے فرمایا وہ خود عالم ہیں اور تیز ہیں کہنے سے ضد بڑھ جاوے گی خاموش رہو۔ مولانا نے ایک رسالہ بھی رفع یدین کے اثبات میں لکھا ہے لیکن غیر مقلد ہرگز نہ تھے۔ ایک حکایت مولوی فخر الحسن صاحب بیان کرتے تھے اس سے بھی مولانا کے حنفی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مولانا کے ایک بیٹے محمد عمر نام مجذوب تھے اور بہت بھولے لیکن بہت ذہین چنانچہ ایک شخص ان کے سامنے کنز لے گیا کہ اس کا سبق پڑھا دیجئے، کہا میں نے یہ کتاب دیکھی نہیں مگر جب وہ طالب علم پڑھنے بیٹھا تو بہت اچھی طرح سے پڑھا دی، حتیٰ کہ تھوڑا تھوڑا پڑھ کر اس نے کتاب بند کی تو کہا بھائی دس ورق تو پڑھو اور بھولے ایسے تھے کہ ایک بار مولوی محبوب علی صاحب کے وعظ میں پہنچے مجمع بہت تھا مگر واعظ صاحب کی آواز پست تھی ان کو آواز نہ آئی تو گھر لوٹ کر گئے اور کہا کہ دعا کریں گے کہ اس واعظ کی آواز بڑھ جاوے اور دعا مانگی پھر فوراً آدمی بھیجا دیکھنے کے لیے بتلاؤ آواز کچھ بڑھی یا

نہیں۔ سو یہ صاحبزادے ایک دفعہ جامع مسجد کے حوض کے پاس کو گزر رہے وہاں غیر مقلدین میں مذاکرہ حدیث ہو رہا تھا یہ بھی بیٹھ گئے ہمراہیوں نے عرض کیا حضرت کہ یہ لوگ غیر مقلد ہیں فرمایا بلا سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تو بیان ہو رہا ہے۔ بیان کرنے والے نے ایک مقام میں امام صاحب پر کچھ طعن کیا انہوں نے ایک دھول رسید کی اور کہا چلو یہاں بے ایمان ہیں ان کی وجاہت بہت تھی کوئی بول نہ سکا سو اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا غیر مقلد نہ تھے۔ اگر غیر مقلد ہوتے تو ان کا بیٹا ایسا کیوں ہوتا واللہ اعلم (ادب الاعتدال ج ۲۹)

## اہل حق کو سب و شتم کرنے کا انجام

جو لوگ اہل حق کو سب و شتم کرتے ہیں ان کے چہروں پر نور علم نہیں پایا جاتا بلکہ خالص کفار اتنے مسوخ پائے جاتے جتنے یہ لوگ ہیں۔ اس کی وجہ میں نے بطور لطیفہ کے کہا تھا کہ کفر فعل باطن ہے اس کا اثر چھپا ہوا رہتا ہے اور سب و شتم فعل ظاہر ہے اس کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے۔ انگریزی خوانوں پر نور ایمان نہ سہی مگر شان تو ہوتی ہے ان میں وہ بھی نہیں خدا بچا وے۔ شعر

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد  
میلش اندر طعنہ پا کاں برد  
(جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ داری اور رسوائی چاہتے ہیں تو اس کا میلان نیک لوگوں کے طعن میں پیدا کر دیتے ہیں) دیگر

چوں خدا خواہد کہ پوشد عیب کس  
کم زند در عیب معیوبان نفس  
(اللہ تعالیٰ کو جب کسی کی عیب پوشی منظور ہوتی ہے تو وہ شخص عیب دار لوگوں کے عیب میں بھی کلام نہیں کرتے) (ادب الاعتدال ج ۲۹)

شیطان تو انسان کی آخرت کا جیسا دشمن ہے اسی طرح دنیا کا بھی دشمن ہے لیکن اس سے زیادہ دشمن نفس ہے جو کسی وقت اس سے جدا ہی نہیں ہوتا اس سے کسی وقت بے فکر نہ ہونا چاہیے خواہ تم کو وہ نفس ولی ہی نظر آوے مگر پھر بھی اس سے اطمینان نہ ہونا چاہیے کہ اس کی یہ ساری ولایت مجبوری اور بے سروسامانی کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

نفس اثر دہاست او کے مردہ است  
از غم بے آلتی افسردہ است  
(نفس تو ناگ ہی ہے وہ بھلا کب مردہ ہوتا ہے ہاں بے اوزار ہونے پر بعض اوقات افسردہ ہو جاتا ہے) (ادب الاعتدال ج ۲۹)

## عذاب جان

بعض عورتوں اور نیز مردوں کو دیکھا ہے کہ ان کو اولاد کی بے انتہا محبت ہوتی ہے ایک بیگم تھیں ان کے بہت سے بچے تھے شب کو سب کو اپنے پاس سلاتی تھیں اب اتنی بڑی چارپائی تو کہاں سے آوے فرش پر سوتی بیچ میں خود ہوتی تھیں اور چاروں طرف بچے اور رات کو کئی کئی مرتبہ ہاتھ سے دیکھتی تھیں کہ کوئی کم تو نہیں ہو گیا تو بہ تو بہ ایسی محبت بھی عذاب جان ہے۔ ایسی ہی محبت کے بارے میں تو ارشاد ہے جو کفار میں ہوتی تھی:

وَلَا تُعْجِبُكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ.

یعنی اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ان کے مال اور اولاد پسند نہ آنے چاہئیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس مال اور اولاد سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دینا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ان کی جانیں اسی حالت میں نکل جاویں اور وہ کفر کرتے رہیں (نعوذ باللہ منہا) واقعی دنیا دار سخت تکلیف میں ہیں اگر راحت ہے تو بس اللہ والوں کو ہے لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ والوں کو اولاد اور مال سے تعلق نہیں ہوتا یا یہ کہ وہ اپنے اہل و عیال کا حق ادا نہیں کرتے۔ ان سے زیادہ محبت کرنے والا اور حقوق کو ادا کرنے والا تو کوئی بھی نہیں ہے ہاں حق تعالیٰ کی محبت اور اس کے حقوق پر مال اور اولاد کی محبت کو غلبہ نہیں ہوتا اور اس کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جبکہ دنیا اور دین میں باہم تراحم ہو کہ وہ اس وقت دنیا کو چھوڑ دیتے ہیں اور دین کو اختیار کرتے ہیں۔ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ گھر میں ملے جلے رہتے مگر جب اذان ہوتی تو آپ اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ گویا ہم کو پہچانتے بھی نہیں۔ پس ان کو حق تعالیٰ کی ایسی محبت ہوتی ہے کہ اس سے وہ ہر وقت چین میں رہتے ہیں۔ ایک دفعہ جب وہ اللہ کا نام لیتے ہیں تو رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں ان کے سکون اور چین اور اطمینان طاری ہو جاتا ہے اسی واسطے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ہم کو ایسی دولت میسر ہے کہ اگر ملوک دنیا کو اس کی اطلاع ہو جاوے تو ہم پر تلوا ریں لے کر آ چڑھیں۔ (العفة ج ۲۹)



## دیندار سے دوستی

المراء علی دین خلیلہ (ہر شخص اپنے دوست کے طریق پر ہوتا ہے)

(سنن الترمذی: ۲۳۷۸، مشکوٰۃ المصابیح: ۵۰۱۹)

تو جملہ خبریہ ہے اور فلینظر الخ جملہ انشائیہ ہے۔ جملہ خبریہ کا حاصل ایک قاعدہ کلیہ ہے اور جملہ انشائیہ اس پر متفرع اور اس کا فائدہ ہے تو جملہ اولیٰ سے بھی مقصود یہی انشاء ہے اور وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اب اس پر متفرع فرماتے ہیں کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے اور دین کی درستی ہے ضروری تو ہر شخص غور کرے کہ کس سے دوستی رکھتا ہے تاکہ اس کا اثر دین میں سمجھ سکے اور جملہ فلینظر (چاہئے کہ غور کرے) سے اہل زبان سمجھ سکتے ہیں کہ بعد نظر کے دو امر میں سے ایک امر تحقیق ہوگا۔ یا تو یہ تحقیق ہوگا کہ وہ دیندار ہے اور یا یہ معلوم ہوگا کہ دیندار نہیں پس فلینظر سے دو ارشاد ثابت ہوئے ایک یہ کہ دیندار سے دوستی کرو اور ایک یہ کہ غیر دیندار سے دوستی نہ کرو۔ (اختیار الخلیل ج ۳۰)

## نیک صحبت خلوت سے بہتر ہے

مرزا مظہر جان جاناں کی حکایت سنی ہے کہ ان کی مجلس میں یہ حدیث شریف بیان کی گئی کہ ایک ساعت ایسی ہوتی ہے کہ جو کچھ دعا اس میں کی جائے قبول ہوتی ہے۔ شرکاء جلسہ کے آپس میں تذکرہ ہوا کہ اگر وہ ساعت مل جائے تو اس ساعت میں کس شے کی دعا کرنا چاہئے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہم تو صحبت نیک کی دعا کریں یہ بڑی چیز ہے اور تمام خیر کی جڑ یہی ہے اور عزلت سے یہ افضل ہے البتہ اگر صحبت نیک کسی وقت میسر نہ ہو تو اس وقت عزلت ضروری ہے۔ (اختیار الخلیل ج ۳۰)

## تمنائے موت

آخر اہل اللہ کس سے ڈریں اور کیوں ڈریں بس وہ تو ایک سے ڈرتے ہیں اس کے سوا کسی سے ڈرنے کی ان کو ضرورت نہیں آخر لوگ ان کا کیا کر لیں گے بیش بریں نیست کہ مار ڈالیں گے سو یہ تو ان کا عین مقصود ہے وہ تو اس دن خوشیاں منائیں گے جس دن روح بدن سے مفارقت کرے گی ان کی تو یہ حالت ہے کہ غلبہ شوق لقاء میں موت کی تمنا کیا کرتے ہیں۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم      راحت جاں طلعم وزپئے جاناں بروم  
 نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے      تا درمیکده شادان و غزل خواں بروم  
 (میں بہت خوش ہوں گا جس دن اس منزل ویراں یعنی دنیا سے میں رخصت ہوں گا  
 اور حق تعالیٰ کی بقاء سے اپنی جان کی راحت پالوں گا۔ میں نے نذر کیا ہے کہ اگر کسی دن  
 محبوب حقیقی کا غم مجھے مل گیا تو کسی اللہ والے کے پاس شاداں و غزلخواں جا پڑوں گا)  
 یہ نری شاعری نہیں بلکہ سچا حال ہے واقعی سالک کو سچ مچ موت کی تمنا ہی ہوتی ہے اور  
 یہ تمنا خلاف شرع نہیں تمنائے موت وہ ممنوع ہے جو کسی دنیوی تکلیف کی وجہ سے ہو چنانچہ  
 حدیث میں لضر نزل بہ کی قید موجود ہے۔ باقی اشتیاق لقاء میں تمنائے موت ہونا یہ ولایت  
 خداوندی کی دلیل ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هٰاٰذُوْا اِنْ رَّعٰمْتُمْ اَنْكُمْ  
 اَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنُّوْا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (اے نبی اکرم صلی اللہ  
 علیہ وسلم آپ فرمادیں کہ تم اپنے خیال میں لوگوں سے الگ (ممتاز) اولیاء اللہ ہو تو ذرا موت  
 کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو) دعوے ولایت پر تمنائے موت کا مطالبہ فرماتے ہیں جس سے  
 صاف معلوم ہوا کہ حصول ولایت کے لئے تمنائے موت لازم ہے۔ تو جو چیز لوگوں کے  
 نزدیک سب سے بڑی کلفت ہے عارف کے نزدیک وہ محبوب ہے تو پھر کسی سے کیوں  
 ڈرے نیز عارف کو یہ یقین ہوتا ہے کہ مخلوق مجھ کو نفع یا ضرر کچھ نہیں دے سکتی جو کچھ ہوگا خدا  
 کے حکم سے ہوگا اس لئے اس کو نہ کسی سے طمع ہوتی ہے نہ خوف۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش      چہ فولاد ہندی نہی برسرش  
 امید و ہراسش نہ باشد زکس      ہمیں است بنیاد توحید و بس  
 (جس کو توحید کی دولت ملتی ہے اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاؤں پر اگر سونے  
 کا تم نے ڈھیر ڈال دیا اس کے سر پر تلوار ہندی رکھ دو تو نہ تو پہلے شخص سے اس کو امید و طمع  
 ہوگی اور نہ دوسرے شخص سے کوئی خوف ہوگا)۔ (تقلیل الطعام ج ۲۰)

## جان کی دو حیثیتیں

جان میں دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنی جان ہے اس لحاظ سے وہ ان کو  
 عزیز نہیں (کیونکہ وہ کسی چیز کو اپنی سمجھتے ہی نہیں ۱۲)

دوسری یہ حیثیت ہے کہ یہ سرکار کی دی ہوئی مشین ہے اس لحاظ سے وہ عزیز و محبوب ہے۔ کیونکہ سرکاری چیز ہے جو ہم کو امانت کے طور پر دی گئی ہے اور اس کی حفاظت کا حکم کیا گیا ہے اور اسی لحاظ سے عارف کبھی اپنی مدح بھی کیا کرتا ہے۔ ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی مدح کر رہا ہے مگر حقیقت میں وہ خدا کی چیز کی مدح کر رہا ہے جو خدا ہی کی مدح ہے۔ چنانچہ حضرت غوث اعظمؒ فرماتے ہیں۔

شکر اللہ کہ نمرودیم ورسیدیم بدوست آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفرین ہے)  
(تقلیل الطعام ج ۳۰)

## تقلید شخصی کی ضرورت

میں کہتا ہوں کہ کم از کم چالیس روز علماء کی صحبت میں رہو یا کم از کم علماء کے پاس بیٹھنے والوں کو دیکھو۔ پھر انتخاب کے بعد ایک کو لے لو۔ ”یک درگیر محکم گیر“۔ (ایک کو لونہایت مضبوطی سے تھامو) جب تک اطمینان و استقلال سے ایک کا اتباع نہ کیا جائے گا۔ کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یہی راز ہے بیعت اور تقلید شخصی کا کہتے ہیں تقلید شخص کے لئے کوئی آیت نہیں اتری کیا بتلایا جاسکتا ہے کہ ایک ہی حکیم سے علاج کرانے کے لئے کون سی وحی اتری ہے۔ یہ تمام حالات تجربہ سے معلوم ہوتے ہیں اور ہوئے ہیں کہ فلاں چیز نافع اور فلاں شے ضار ہے تقلید کی ضرورت بھی تجربہ سے معلوم ہوئی ہے کیونکہ تاوقت کہ تقلید شخصی نہ ہوگی دین کا نظام قائم نہ رہ سکے گا ہر شخص جہاں اور جس طرف اپنا فائدہ خیال کرے گا چلا جائے گا کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف مثال میں شفع کا مسئلہ لیجئے کہ ایک شخص نے اپنا مکان فروخت کیا قریب کے مکان والے نے جو حق شفع رکھتا ہے۔ حق شفع جتلا کر خود خرید کر لیا اور دوسرے کی بیع فسخ کرادی اس وقت تو حنفی رہے اور خود جو ایسی ضرورت پیش آئی تو امام شافع کے مقلد بن گئے اور کہہ دیا کہ ہمارے یہاں حق شفع نہیں ہے۔ اس مثال کی بناء پر تقلید شخصی نہ ہونے سے ہر شخص فائدہ کو پسند کرے گا اور فائدہ کی طرف رغبت کرے گا جو نظام دین کے لئے مخل ہوگا۔

”تقلید شخصی“ کا ضروریات دین کی وجہ سے اگر علماء نے التزام کیا ہے تو اس کے لئے

حدیث ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (دعاء ج ۳۰)

## تبلیغ کے حدود و آداب

وَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(بھلائی کا حکم کرتے رہیں اور برائی سے روکتے رہیں) لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس فریضہ کے کچھ حدود و شرائط ہیں ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں کیونکہ اگر ہر شخص کو امر بالمعروف کی اجازت دی جائے تو واقعی ہر روز فوجداری ہوا کرے گی آپ چلے جا رہے ہیں راستہ میں کوئی ہندو ملا آپ نے اس سے کہا مسلمان ہو جاوہ کہے گا ہندو ہو جا۔ بس اسی پر لڑائی شروع ہو جائے گی۔ یا کسی کو بری طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس سے کہا کہ نماز لوٹا صحیح نہیں ہوئی وہ کہے گا تیرے باپ کا کچھ اجارہ ہے نہیں لوٹاتے۔ آپ کہیں گے ہاں ہمارا اجارہ ہے بس یہیں سے فوجداری شروع ہو گئی۔ اب یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ صاحب اگر امر بالمعروف کریں تو دنیا میں فوجداری اور امر بالمعروف نہ کریں تو آخرت میں فوجداری تو اس مسئلہ میں یہ بڑا اشکال ہوا اس کا جواب الحمد للہ مجھے القا ہوا وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے جو امر بالمعروف کا امر فرمایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکم کو سنتے ہی امر بالمعروف شروع کر دو بلکہ یہ حکم ایسا ہی ہے جیسے اقیمو الصلوٰۃ (نماز کو قائم رکھو) وغیرہ کہ اس کو سن کر فوراً نماز شروع نہیں کی جاتی خواہ نماز پڑھنا آتا ہی نہ ہو بلکہ اول سیکھنے کی فکر ہوتی ہے پھر نماز پڑھتے ہیں اسی طرح یہاں بھی اول طریقہ سیکھو پھر امر بالمعروف کرو بدون سیکھے امر بالمعروف کرنے کی اجازت نہیں البتہ سیکھنا فرض ہے جیسا کہ نماز کا سیکھنا فرض ہے اب بعض لوگ خط سے طریقہ دریافت کرنا چاہتے ہیں یہ نہایت حماقت ہے بھلا کہیں خط سے بھی کسی کام کا طریقہ معلوم ہو سکتا ہے ہم تو جب جانیں کہ کتاب دیکھ کر بدون کسی نمازی کو دیکھے ہوئے کوئی نماز تو پڑھ لے ہرگز نہیں پڑھ سکتا ضرور غلطی کرے گا۔ (اتفاق المحبوب ج ۳۰)

## علاج بالاضداد

بریلی میں ایک لڑکا میرے سامنے لایا گیا کہ اس کو ذرا نصیحت کر دیجئے یہ نماز نہیں پڑھتا میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی نماز کیوں نہیں پڑھتے اس نے کہا کہ سچ کہہ دوں میں تو خدا



تعالیٰ کے وجود ہی کا قائل نہیں یہ کہا اور کہہ کر رویا اور کہنے لگا کہ میرے ماں باپ سے مواخذہ ہوگا کہ مجھے علم دین نہیں پڑھایا اور نہ نیک صحبت کی طرف کبھی توجہ دلائی۔ یہ لڑکا ایک اسلامی کالج میں پڑھتا تھا۔ اب دیکھئے اس کی کیا حالت ہے میں نے ان لوگوں سے کہا کہ اس کو اس کالج سے نکال کر گورنمنٹ کالج میں بھیجے وہاں یہ اتنا خراب نہ ہوگا جتنا کہ یہاں ہوا کیا انتہا ہے کہ گورنمنٹ کالج کو ترجیح دینی پڑی۔ اس کالج پر جو مسلمانوں کا کالج کہلاتا ہے اور جس پر لوگ ہم سے لڑتے مرتے ہیں کہ اس کالج کو علماء برا کہتے ہیں دیکھئے یہ اثر آپ کے نزدیک برا ہے یا نہیں۔ گورنمنٹ کالج میں یہ اثر نہیں ہوتا وجہ یہ کہ اس میں ہندو بھی ہوتے ہیں جب دو قوم اجنبی ایک جگہ رہتی ہیں تو دونوں میں مقابلہ رہتا ہے۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

## دین کا مدار اعمال پر ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے لفظ دین کے دو چیزیں ارشاد فرمائی ہیں ایک عمل دوسری نیت اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ دین کا مدار اعمال پر ہے کسی اور شے پر مثلاً کسی دنیوی و دینی شرف کی طرف انتساب پر نہیں بہت لوگ آج کل مغرور ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے مرید ہیں ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہماری نجات ہو جاوے گی اعمال کی ہم کو ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کے رد میں فرماتے ہیں۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ گزر گئے ان کے لئے ان کے اعمال ہیں تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں تم سے ان کے اعمال کی نسبت سوال نہ ہوگا۔ ہاں بزرگوں کے انتساب سے برکت البتہ حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ اعمال و عقائد کا ذخیرہ بھی اپنے پاس موجود ہو اور اگر اعمال نہ ہوں نہ عقائد صحیح ہوں تو نری برکت کیا کام آوے گی برکت مثال چٹنی اور مرے کی سی ہے اور اعمال کی مثال غذا کی سی ہے جو کہ جزو بدن ہوتی ہے۔ مرے اور چٹنی معین ہضم طعام ضرور ہیں لیکن غذا بھی ہونی چاہئے اور اگر غذا نہ ہو صرف مرے اور چٹنی مہمان کے سامنے رکھ دیں اور روٹی وغیرہ کچھ نہ ہو تو کیا اس سے کام چل سکتا ہے۔ پس اسی طرح انتساب الی الانبیاء والاولیاء باعث برکت فی الاعمال ہے نہ کہ نجات کے لئے انتساب ہی کافی ہو اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص بیٹی کو خطاب کر کے فرمایا یا فاطمہ انقذی نفسك من النار فانی لا اغنی

عنک من اللہ شیئاً (الصحيح للبخاری ۸:۳، الصحيح المسلم الايمان ۸۹، رقم ۳۵۱)  
یعنی اے فاطمہ نفس آگ سے بچاؤ میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا یعنی  
اگر تمہارے پاس اعمال کا ذخیرہ نہ ہوگا تو میں کچھ کام نہ آؤں گا اور اس کی نفی نہیں کہ اعمال  
کے ہوتے ہوئے بھی میں باعث ترقی درجات ہونا خود منصوص ہے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## درجات کا اصل مدار

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ  
وَمَا أَلْتَنَّهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کا ایمان  
کے ساتھ اتباع کیا ہم اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے کچھ کمی نہ  
کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ اولاد کے اعمال اس درجہ کے نہ ہوں جیسے کہ آباء کے تھے  
لیکن اگر اس اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کیا ہوگا تو ہم ان کو ان کے آباء کے درجہ میں  
پہنچا دیں گے تو اسی الحاق کا انکار نہیں ہو سکتا مگر اس کی کوئی دلیل نہیں کہ صرف یہ انتساب ہی  
الحاق کے لئے کافی ہے بلکہ اس آیت میں ایمان کو خود شرط فرمایا ہے اور مَا أَلْتَنَّهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ  
مِنْ شَيْءٍ (اور ان کے عمل میں سے کچھ کمی نہ کریں گے) میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ  
ضروری عمل بھی شرط ہے کیونکہ دفع دخل میں یہ فرمایا کہ ہم ان اسلاف کے عمل سے کچھ کم نہ  
کریں گے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصل مدار درجات کا عمل ہے اور ظاہر ہے کہ اصل کا ہونا  
ضروری ہے اور یوں اضافہ خواہ غیر عمل سے ہو جاوے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## مغلوب الحال کی تصانیف کا مطالعہ مضر ہے

تم ان حضرات کو مغلوب الحال سمجھ کر کافر نہ کہو مگر ایسے مجذوبوں کے پاس نہ جاؤ ان کی  
صحبت میں نہ بیٹھو نہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرو ان کی صحبت کم فہم کے لئے مضر ہے اور نا اہل کو  
ان کے کلام کا مطالعہ سم قاتل ہے بس ان کی ایسی مثال ہے جیسے بجلی کا تار کہ فی نفسہ وہ  
نہایت عجیب شے ہے کہ روشنی اور ہوا کا آرام اس سے ملتا ہے ٹریموے اس سے چلتی ہے مگر  
اس سے دور ہی رہنا چاہئے ہاتھ لگانا غضب ہے جہاں ہاتھ لگایا اور اس نے انسان کا خاتمہ  
کیا اسی طرح ان حضرات کو صاحب کمال سمجھتے رہو ان کا احترام کرو مگر دور ہی رہو ان کی  
صحبت مضر ہے گو خود قابل احترام ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

نکتہ ہاچوں تیغ پولا دست تیز چوں نداری تو سپرواپس گریز  
پیش اس الماس بے اسپرمیا کز بریدن تیغ رانا بود حیا  
(نکتے مانند فولادی تلوار کے تیز ہیں جب تمہارے ڈھال نہیں واپس بھاگو اس تلوار  
کے سامنے بغیر ڈھال کے مت آؤ اس لئے کہ کاٹنے سے تلوار حیا نہیں کرتی)  
وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۖ يُعْنِي خَدَا تَعَالَىٰ نے آپ کو (امور قطعیہ سمعیہ سے)  
ناواقف پایا پھر خبردار کر دیا۔ (ایواء الیتامی ج ۳۰)

## انبیاء علیہم السلام کامل العقل ہوتے ہیں

امور عقلیہ کے علم میں انبیاء علیہم السلام بدوں فطرت ہی سے کامل ہوتے ہیں جس کی  
وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عقل میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ محض  
دعویٰ ہی نہیں بلکہ ہر زمانہ کے عقلاء کو یہ بات تسلیم کرنا پڑی ہے کہ واقعی انبیاء علیہم السلام کامل  
العقل ہوتے ہیں پس آپ امور عقلیہ سے کسی وقت ناواقف نہ تھے۔ البتہ وہ علوم جو عقل  
کے ادراک سے باہر ہیں جیسے بعض صفات واجب و احوال جنت و نار و مقادیر عبادات وغیرہ  
وغیرہ ان سے قبل از وحی آپ بے خبر تھے وحی کے بعد خبردار ہوئے اور بعض امور عقلیہ ظنیہ  
میں گو قبل از وحی بھی آپ کو علم حاصل تھا مگر ظنی تھا پھر وحی سے ان کی تاکید کردی گئی تاکہ وحی  
سے وہ علم قطعی ہو جائے کیونکہ عقل سے بلا واسطہ جو علوم حاصل ہوتے ہیں ان میں خلط و ہم کا  
اندیشہ رہتا ہے اور وحی میں کسی قسم کا احتمال نہیں اس لئے امور عقلیہ وحی کے بعد زیادہ قطعی ہو  
جاتے ہیں اس لئے شیخ ابن عربی کا مقولہ ہے کہ صوفیہ کے جو علوم حق سے بلا واسطہ ماخوذ  
ہوں وہ ظنی ہیں اور جو بواسطہ انبیاء کے ہوں وہ قطعی ہیں اسی کو عارف شیرازی فرماتے ہیں۔  
در راہ عشق و سوسہ اہر من بے است ہمدار و گوش را بہ پیام سرش وار  
(طریق باطن میں شیطان کے خطرات و سوسے ہیں اگر ان سے بچنا چاہتے ہو تو  
ہوشیار رہو اور شریعت کا اتباع کرو)

یعنی صوفیہ کو جو بلا واسطہ القا ہوتا ہے اس میں خلط شیطانی کا اندیشہ رہتا ہے اور جو علوم  
بواسطہ قرآن و حدیث کے حاصل ہوتے ہیں وہ اس خلط سے بری ہیں اس لئے علوم مکاشفہ  
میں ضرورت ہے شریعت کے سامنے ان کو پیش کرنے کی اگر شریعت ان کو قبول کرے تو  
قبول ہیں ورنہ رد ہیں۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم تین قسم کے ہیں۔

(۱) عقلیہ محضہ جو عقل محض کے متعلق ہیں ان میں تو علوم انبیاء کے سامنے نہ ارسطو کی کچھ حقیقت ہے نہ افلاطون کی۔

(۲) امور سمعیہ غیر عقلیہ جہاں عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی ان سے قبل از وحی انبیاء علیہم السلام ناواقف ہوتے ہیں وحی کے بعد ہی ان کو علم حاصل ہوتا ہے۔

(۳) امور عقلیہ ظنیہ ان میں کبھی تو مزید تاکید کے لئے وحی کی احتیاج ہوتی ہے تاکہ وحی سے قطعیت ہو جائے اس وقت وحی آپ کے علم کے موافق نازل ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو بھی مطابقت بالوحی ہو گئی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کیوں مطابقت نہ ہوتی مگر مزید قطع وحی ہی سے ہوتا ہے اور کبھی بدون وحی کے آپ کو یہ علم ہوتا ہی نہیں اور کبھی وحی ناسخ اس اجتہاد کی ہوتی ہے اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ علوم عقلیہ قطعہ سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت بھی ناواقف نہ تھے اور امور عقلیہ ظنیہ ہیں بعض سے قبل از وحی واقف تھے اور بعض سے ناواقف تھے اور امور سمعیہ غیر عقلیہ سے بعد وحی ہی کے واقف ہوئے خوب سمجھ لو۔

## احکام الغضب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا یقضین قاض بین اثنین وهو غضبان (سنن الدارقطنی ۲۰۶۱۳) یعنی حاکم کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ کو ملتوی کر دے تاریخ بڑھا دے اور یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی دو آدمیوں پر حکومت ہو اس میں معلم اور استاد بھی داخل ہیں اور گھر کا مالک بھی کیونکہ اپنے گھر میں بھی ہر شخص حاکم ہے اور رؤسا اور حکام تو داخل ہیں ہی پس غصہ کی حالت میں کبھی سزا نہ دو بلکہ اس وقت کو ٹال دو اور بعد میں خوب سوچو کہ یہ عمل کتنی سزا کے قابل ہے پھر سوچ سمجھ کر سزا دو مگر سزا کی مقدار بھی کسی عالم سے پوچھو اپنی رائے سے تجویز نہ کرو اور عالم کو بھی چاہئے کہ جواب جلدی نہ دے بلکہ سوچ کر جواب دے اور جو مسئلہ پیچیدہ ہو اس کا جواب زبانی کبھی نہ دے بلکہ سائل سے اگر وہ دور کا ہو کہہ دے کہ سوال لکھ کر جواب کے لئے لفافہ دے جاؤ ہم ڈاک سے جواب بھیج دیں گے کیونکہ زبانی جواب میں غلطی کی وجہ سے بعض قیود رہ جاتے ہیں۔ یہ قاعدہ میں میانجیوں کو بھی سنا تا ہوں اور رؤسا کو بھی اور پولیس والوں کو بھی مگر یہ میانجی نہیں مانیں گے کیونکہ سوچ کر سزا



دینے میں مزا نہیں آتا مزا تو غصہ ہی میں مارنے سے آتا ہے مگر وہ یاد رکھیں کہ اس وقت سو آپ کو بچوں کے مارنے میں مزا آتا ہے اور قیامت میں جب آپ کو سزا ملے گی تو مظلوموں کو مزا آئے گا اس لئے ہمیشہ غصہ کو ٹال کر سزا دو اور کسی عالم سے سزا کی مقدار معلوم کر کے جتنی وہ بتلا دے اتنی سزا دو اسی طرح رؤسا و حکام کو علماء سے پوچھ کر فیصلہ کرنا چاہئے اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں حدیث میں آیا ہے کہ طیب ناواقف اور جاہل فیصلہ کرنے والا دونوں جہنم میں ہیں گوان کی نیت درست ہی ہو مگر خوش نیتی سے کام نہیں چلتا یہاں علم کی ضرورت ہے۔ ابھی قریب زمانہ میں قومی پنچائیتیں قائم ہوئی تھیں میں اس تحریک میں بھی شریک نہیں ہوا گو بعض لوگوں نے کہا بھی کہ یہ تو اچھا کام ہے میں نے کہا عدل شرعی کی رعایت تو نہ ان پنچائتوں میں ہوگی نہ عدالت میں ہوتی ہے تو غیر عادل ہونے میں تو دونوں برابر ہیں لیکن اول تو عدالتیں ہم نے تو مقرر نہیں کیں ان کی کارروائی ہماری طرف منسوب نہیں پنچائتیں ہماری بنائی ہوئی ہیں ان کے افعال ہماری طرف منسوب ہیں دوسرے عدالت میں عدم عدل کے ساتھ آئین کی پابندی تو ہے اور یہاں کوئی آئین بھی نہ ہوگا تو بڑا فساد ہوگا چنانچہ اسی قاعدہ کو دیکھ لیجئے لا یقضین قاض بین اثنین وهو غضبان (سنن الدار قطنی ۲۰۶۳) کہ پنچائتوں میں اس پر کون عمل کرتا ہے پھر چند روز کے بعد ان پنچائتوں سے جو کچھ فساد ہوا سب نے دیکھ لیا۔ بہر حال شریعت میں سختی کے موقع پر غضب کی حالت میں فیصلہ کی تو ممانعت ہے۔ (الاخوة ج ۳۰)

## قضانی غیر الغضب کے بعد ضرورت سختی

قضانی غیر الغضب کے بعد سختی کی اجازت ہے چنانچہ ارشاد ہے وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيَشْهَدُ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ کہ زنا کاروں پر حکم خداوندی جاری کرنے میں تم کو شفقت نہ پکڑے اگر تم کو اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے اور چاہئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو یعنی عدل فقط نرمی ہی کا نام نہیں بلکہ جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سختی کرنا بھی عدل ہے اس موقع پر نرمی کرنا ظلم ہے پھر قرآن کی کیا بلاغت ہے کہ یوں نہیں فرمایا لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ کہ مجرموں کو سزا دیتے ہوئے تمہارے دل میں بھی شفقت نہ ہو بلکہ لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شفقت

کا ایسا غلبہ نہ ہونا چاہئے جو حد شرعی کے جاری کرنے کے وقت تم پر ایسی غالب آ جائے کہ اس کے جاری کرنے سے تمہارا ہاتھ پکڑ لے باقی حد جاری کرتے ہوئے اگر دل میں شفقت ہو تو اس کا مضائقہ نہیں وہ شفقت طبعی ہوگی جس کے ساتھ غیظ عقلی و شرعی بھی ہوگا اور یہ بڑا کمال ہے کہ شفقت طبعیہ کے ساتھ غیظ شرعی بھی مجتمع رہے۔ (الاخوة ج ۳۰)

## مسلمانوں کا اجراء حد کے وقت حال

صاحبو! اجراء حد کے وقت مسلمانوں کا جو کچھ حال ہوتا ہوگا اس کو ان کے ہی دل جانتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے ابو شحمہ پر حد خمر جاری کی تھی تو کیا ان کا دل اندر سے نہ روتا ہوگا ضرور روتا ہوگا کیونکہ اولاد کے ساتھ طبعاً محبت ہوتی ہے مگر اسی کے ساتھ حکم شرعی سے حد بھی جاری کی طبعی محبت اجراء حد سے ان کو مانع نہ ہوئی۔ (الاخوة ج ۳۰)

## جانوروں کو ذبح کرنا بے رحمی نہیں

مسلمان جب جانوروں کو ذبح کرتے ہیں تو ان کے دل پر آ رہ چلتا ہے مگر حکم کی وجہ سے ذبح کرتے ہیں یہ بڑا کمال ہے کہ دل کڑھ رہا ہے اور پھر حکم کا امتثال کر رہے ہیں۔ بعض قومیں اس پر اعتراض کرتی ہیں مگر اس میں شریک وہ بھی ہیں کیونکہ جانور جانور سب برابر ہیں اور بعض جانوروں کو وہ بھی مارتے ہیں کوئی جوں کو مارتا ہے کوئی کھٹل کو کوئی چوہے کو کوئی سانپ بچھو کو۔ کیوں صاحب کیا یہ پتہ نہیں ہے اور بعضے ہندو کمال کرتے ہیں خود اپنے ہاتھ سے تو نہیں مارتے بلکہ ہمارے محلہ میں چوہوں کو چھوڑ جاتے ہیں تاکہ ہم مار دیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر جانوروں کا مارنا بے رحمی ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک حق تعالیٰ بھی رحیم ہیں یا نہیں۔ یقیناً ہیں پھر بتلاؤ کہ حق تعالیٰ بھی جانوروں کو مارتے ہیں یا نہیں۔ یقیناً مارتے ہیں تو کیا اس کو بھی بے رحمی کہو گے ہرگز نہیں جب یہ بے رحمی نہیں تو مسلمان ہی کیوں بے رحم ہیں وہ تو وہی کام کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مالک ہیں چاہے وہ خود بلا واسطہ مار دیں یا اپنے نوکر اور غلام کے ہاتھ سے مار دیں اب یہ سوال باقی رہا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ مسلمان خدا کے حکم سے مارتے ہیں تو اس کا ثبوت ہم ہر وقت دینے کو تیار ہیں ہم دلائل سے قرآن کا کلام اللہ ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول برحق ہونا ہر وقت ثابت کر سکتے ہیں اور قرآن و حدیث میں حکم ذبح موجود ہے تو مسلمان یقیناً حکم الہی سے ذبح کرتے ہیں۔ تیسری یہ ہے کہ

ذبح کرنے والوں کو بے رحم کہنا فلسفہ کے قاعدہ سے بھی بالکل غلط ہے بلکہ قاعدہ فلسفہ کا مقتضایہ ہے کہ جو لوگ ذبح نہیں کرتے وہ زیادہ بے رحم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اطباء و فلاسفہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس قوت سے کام نہ کیا جائے وہ رفتہ رفتہ زائل ہو جاتی ہے جیسے ترک جماع عنیت کا سبب ہو جاتا ہے اسی طرح انسان میں ایک صفت کڑھنے کی ہے اگر اس کا کوئی سبب واقع نہ ہو تو یہ صفت زائل ہو جائے گی۔ ہندو چونکہ ذبح نہیں کرتے اس لئے ان کی یہ صفت معطل رہتی ہے اور مسلمانوں کی یہ صفت ذبح کے وقت حرکت میں آتی ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ ذابح سے زیادہ رحم غیر ذابح کو کبھی نہیں ہو سکتا اسی لئے حق تعالیٰ انسان پر مصائب نازل کرتے ہیں تاکہ اس کو اہل مصیبت پر رحم و شفقت بڑھے اور جس میں یہ صفت نہ ہو اس میں پیدا ہو جائے کیونکہ جس شخص پر نزول مصائب نہ ہو وہ سنگدل ہو جاتا ہے اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام زمانہ کے قحط میں خود بھی کم کھایا کرتے اور اکثر اوقات بھوکے رہا کرتے تھے تاکہ قحط زدوں پر رحم آئے کہ ان کو بھی بھوک سے ویسی ہی تکلیف ہوتی ہوگی جیسے مجھے ہو رہی ہے۔ حالانکہ آپ کے یہاں اناج کے کوٹھے بھرے ہوئے تھے اور جو شخص دونوں وقت پیٹ بھر کے کھائے گا اسے بھوکوں پر کیا خاک رحم آئے گا کیونکہ اسے تو بھوک کی حقیقت ہی معلوم نہیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کسی شخص کی اصلاح سختی پر موقوف ہو تو وہاں سختی کی بھی اجازت ہے مگر اس کا طریقہ یہ ہے کہ اول مرہم سے کام لو اور اگر مرہم سے کام نہ چلے بلکہ آپریشن ہی کی بضرورت ہو تو آپریشن کرو مگر چند ماہروں کو مشورہ میں شریک کر لو گو وہ تم سے چھوٹے ہی ہوں جیسے ڈاکٹر آپریشن کے وقت اسٹنٹ کو بھی بلا لیتا ہے حالانکہ وہ درجہ میں اس سے چھوٹا ہے۔ (الاخوة ج ۳۰)

## حرارت غریزیہ کی دعا

ایک دفعہ ہم سفر میں گئے اور میزبان کے گھر کے پاس ایک مسجد تھی وہاں سب کا ٹھہرنا قرار پایا تھوڑی دیر میں کچھ گانے کی آواز آئی معلوم ہوا کوئی بازاری عورت ہے تو ہم نے وہاں سے بستر اٹھوا لیا اور ایک دوسرے مکان میں چلے گئے مگر ایک پیر صاحب ہمارے ساتھ تھے وہ وہیں سوئے اور صبح کو کہنے لگے کہ رات بھر آواز تو اس کی کان میں تھی (یعنی گانیوالی کی) اور دل خدا کی طرف تھا۔ ان لوگوں کا دل خدا کی طرف بھی اگر مائل ہوتا ہے تو گانے ہی کی آواز سے ہوتا ہے نماز میں قرآن پڑھنا خدا کی طرف ان کے دل کو متوجہ نہیں کرتا واللہ ان لوگوں کو

لذت نماز کی کچھ بھی خبر نہیں جس کو نماز کی لذت کا ادراک ہے اس کا دل قرآن کی تلاوت سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور گانے بجانے کی آواز سے اس کو وحشت ہوتی ہے اور ان پیر صاحب کو جو گانے کی آواز سے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ ہوئی یہ محض حرارت غریزیہ کی مستی تھی روحانی لذت نہ تھی لوگوں کو اس میں بہت دھوکہ ہوتا ہے بہت لوگ حرارت غریزیہ کی مستی کو روحانی لذت سمجھ لیتے ہیں ان کو بڑھاپے میں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اس وقت حرارت غریزیہ کم ہو جاتی ہے تو جس کو جوانی میں روحانی لذت حاصل ہو چکی ہے بڑھاپے میں اس کی لذت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے اور جس نے حرارت غریزیہ کی مستی کو روحانی لذت سمجھا تھا وہ اب اپنے کو لذت طاعات سے کورا پاتا ہے تو نہایت پریشان ہوتا ہے۔ ایک بزرگ بڑھاپے میں افسوس کرتے اور روتے تھے کہ میں اب تک غلطی میں تھا میں جوانی کی حالت میں نماز کے اندر حلاوت پا کر یہ سمجھتا تھا کہ مجھ کو نماز میں لذت آتی ہے مگر اب معلوم ہوا کہ وہ نماز کی لذت نہ تھی بلکہ حرارت غریزیہ کی لذت تھی ان دونوں لذتوں کی ایسی مثال جیسے قند اور گڑ گڑ بہت میٹھا ہوتا ہے مگر اس میں لطافت نہیں کثافت ہے اور قند میں مٹھاس کم ہوتا ہے مگر لطیف ہے اسی طرح حرارت غریزیہ کی لذت میں مستی اور جوش تو بہت ہوتا ہے مگر اس میں نفس کی آمیزش ہے اس لئے کشف ہے۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

### جوانی اور بڑھاپا

لڑکپن اور جوانی میں اگر اعمال صالحہ اور ذکر کی عادت کر لو گے وہ بڑھاپے میں بھی رہے گی بلکہ بڑھاپا تو درکنار سوتے سوتے بھی کیا کرو گے۔ اس لئے کبھی یہ خیال نہ کرو کہ بڑھاپے میں کر لیں گے۔ حدیث میں ہے اغتم خمسا قبل خمس صحتک قبل سقمک شبابک قبل هرمک و فراغک قبل شغلک و حیاتک قبل موتک (المستدرک الحاکم ۳۰۶:۲ حلیۃ الاولیاء ۱۳۸:۴) انچ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت سمجھو اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اپنی فرصت کو اپنی مصروفیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے بہت لوگ ایسے ہیں کہ ان کو فراغ اور صحت اور شباب سب کچھ حاصل ہے لیکن وہ اس کی قدر نہیں کرتے اور اپنے اوقات کو فضول ضائع کرتے ہیں اپنے وقت کی قدر کرنا چاہئے اس لئے کہ ہر طرح بے فکر ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے



خوشا روز گارے کہ دارد کسے کہ بازار حرص نباشد بے  
 بقدر ضرورت یسارے بود کند کارے از مرد کارے بود  
 اس وقت عمل کی سہولت کو بہت غنیمت سمجھنا چاہئے بڑھاپے میں یہ نہ ہوگا اور بوڑھوں  
 کو بڑھاپا ہی غنیمت سمجھنا چاہئے اس لئے کہ مر کر یہ بھی نہ رہے گا۔ مرنے کے بعد اگر لاکھ  
 جتن کرو گے کہ ایک مرتبہ ہم سبحان اللہ کہہ لیں تو ہرگز نصیب نہ ہوگا اور اگر بھی تو اس  
 وقت ثواب نہ ملے گا وہاں جو ذکر ہوگا وہ بطور غذا کے ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے یلہمون  
 التسبیح کما یلہمون النفس (الصحيح لمسلم الجنة ۱۸ مسند احمد ۳۵۳۳)  
 جس طرح سانس لینا اضطراب ہوتا ہے ایسے ہی ان کا ذکر ہوگا۔

مرنے کے بعد ثواب سب منقطع ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کو صدقات جاریہ سے شبہ ہو  
 تو وہ بھی اس حیات ہی کا ثمرہ ہے ہاں اگر کسی کے حال پر فضل ہو جاوے اور بعد مرنے کے  
 بھی درجہ بڑھ جاوے تو وہ دوسری بات ہے یہاں کلام قواعد کی رو سے ہے سوا قاعدہ سے ہر  
 عمل کا ثواب بعد مرنے کے منقطع ہو جاتا ہے۔ (الذکر ج ۳۰)

## تمام علوم کی روح اور تمام اعمال کا مدار

بلکہ قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعمال کا قطب الرحی اور  
 مدار کار اور مقصود اعظم ذکر ہے اور اسی طرح تمام علوم کی روح اور لب یہی ذکر ہے دو چار  
 امثلہ نمونہ کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں اعمال میں سب سے بڑی شے نماز ہے اور اس کی نسبت  
 ارشاد ہے اَتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَائِنَ الصَّلَاةِ تَنْهَى عَنِ  
 الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ طَوَّلَ ذِكْرُ اللَّهِ اكْبَرُ (یعنی آپ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت  
 کیجئے وہ جو آپ کی طرف کتاب سے وحی کیا گیا ہے اور نماز کو قائم کیجئے بے شک نماز بے  
 شرمی کی بات اور بری بات سے روکتی ہے) آگے اس کی علت میں ارشاد ہے کہ بے شک  
 اللہ کی یاد بڑی شے ہے یعنی فحشا اور منکر سے نماز کا روک دینا عجب نہیں اس لئے کہ وہ ذکر  
 ہے اور اللہ کی یاد بڑی شے ہے حقیقت میں اللہ کی یاد ایسی ہی شے ہے کہ جب وہ پائی جاتی  
 ہے اس کے سامنے سب شے ہیچ ہو جاتی ہے۔ (الذکر ج ۳۰)

## اسلام اور عیسائیت کے مابین بڑا فرق ہے

میرے بھائی نے ایک عیسائی سے عجیب گفتگو کی میرے بھائی نے کہا کہ اسلام اور عیسائیت میں بڑا فرق یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے مولیٰ کی محبت میں یہ چاہے کہ میں رات دن چوبیس کے چوبیس گھنٹے اپنے خدا کی خدمت میں گزاروں تو اسلام ہی کے اندر یہ خوبی ہے کہ ہر ہر منٹ کے کام کی فہرست اس کو بتلا دی ہے بلکہ کام زیادہ ہیں اور وقت کم ہے سوائے اسلام کے کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں اس طور سے اوقات کو مشغول کر دیا ہو وہ عیسائی یہ سن کر ساکت ہو گیا۔ (الذکر ج ۳۰)

## شیطان کا جال

مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ دریا کے پاس ایک ناپاک کا گزر رہا اور دیر پا نے کہا کہ میرے پاس آ جا میں تجھ کو پاک کر دوں اس نے کہا کہ میں ناپاک ہوں کیسے تجھ جیسے طاہر مطہر کے پاس آؤں مجھ کو شرم آتی ہے دریا نے کہا کہ بچہ اگر شرم ہی شرم میں رہو گے تو تمام عمر اسی ناپاکی میں گزر جاوے گی اور جب کبھی پاک ہو گے مجھ ہی سے ہو گے یا میری کسی موج سے آ جاؤ ایک موج اٹھے گی اور سب ناپاکیوں کو دور کر دے گی مجھ سے شرم نہ کرو مجھ سے شرم کرو گے تو کہاں جاؤ گے کہیں ٹھکانا نہیں ہے

ہرچہ یتیم درجہاں غیر تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو  
(یعنی تمام عالم آپ کی صفات کا مظہر ہے ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے غیر کا وجود بھی نہیں بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے) پس حق تعالیٰ سے اگر حجاب کرو گے تو کہاں ٹھکانا ہے شیطان بہکاتا ہے کہ تمہاری ایسی ردی حالت ہے کہ تم اگر ذکر کرو گے تو کچھ نہ ہوگا اس کے جال میں نہ آؤ یہ ہمیشہ نئے نئے جال پھیلاتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں دام و دانہ است اے خدا      ماچو مرغان حریص بے نوا  
دمبدم پابستہ دام تو ایم      گرہمہ شہباز سیر شویم  
مے رہائی ہر دے مارا و باز      سوئے دامے میر ویم اے بے نیاز  
(اے خدا لاکھوں جال اور دانے ہیں اور ہم لالچی بھوکے پرندوں کی طرح ہیں ہم ہر

وقت ایک سے جال میں گرفتار ہیں اگر ہم شہ باز اور یسرغ بن جائیں تو ہمیں ہر وقت چھڑاتا ہے اور پھر ہم کسی جال کی طرف چل دیتے ہیں)

ذاکرین کو تو اس طرح روکتا ہے اور غیر ذاکر کو اس طرح روکتا ہے کہ ان کو ذکر ہی نہیں کرنے دیتا غرض شیطان کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ذکر نہ کرے۔ (الذکر ج ۲۰)

## دین کی حقیقت

ہماری حالت یہ ہے کہ ہم دین کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اس لئے محض نماز روزہ کر کے اپنے کو دیندار سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ معاملات و معاشرت وغیرہ بھی سب دین ہیں حتیٰ کہ پیشاب و پاخانہ کرنا اور ان سے فراغت کرنا بھی دین ہے گونا گویا ہر میں راحت نفس ہے مگر ان کاموں میں اگر نیت درست رکھی جائے تو سب دین کے کام ہیں مثلاً پیشاب و پاخانہ اس نیت سے کرو کہ اس سے فارغ ہو کر طبیعت ہلکی ہوگی اور تندرستی قائم رہے گی تو نماز وغیرہ میں دل لگے گا اس نیت سے یہ کام بھی باعث ثواب ہوں گے۔ حدیث میں ہے لا یصلے احدکم وھو یدافعه الا خبثان (کنز العمال ۳/۲۰۰، موارد النظمآن ۱۹۵) یعنی ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو کہ تم کو بول و براز کا تقاضا ہو۔ اب دیکھئے اس وقت نماز پڑھنا حرام اور پیشاب و پاخانہ سے فراغت کرنا واجب ہے اور یہ شخص دنیا کے کام میں نہیں بلکہ دین کے کام میں ہے کیونکہ اس حالت میں یہ حکم شرعی کا امتثال کر رہا ہے پس دین کی حقیقت امتثال امر ہے جس وقت جس کام کا شریعت امر کرے اس وقت وہی دین ہے فقط نماز روزہ ہی دین نہیں بلکہ نماز وغیرہ بھی اسی وقت تک دین کے کام ہیں جبکہ امر کے موافق ہوں اگر امتثال امر نہ ہو تو یہ بھی دین میں داخل نہیں۔ مثلاً نماز خلاف امر ہو جیسے طلوع یا غروب کے وقت پڑھی جائے تو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا روزہ کیسی اچھی عبادت ہے مگر خلاف امر ہو تو وہ بھی دین کا کام نہیں۔ مثلاً کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھے اور تمام دن غیبت بھی نہ کرے ذکر شغل ہی میں مشغول رہے اور تمام آداب صیام کی رعایت کرے مگر شام کو یہ شخص مردود ہے کیونکہ اس دن روزہ رکھنا خلاف امر ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص حج کرے مگر ذی الحجہ کی نویں تاریخ کے بجائے دسویں کو وقوف عرفہ کرے تو اس کا حج مردود ہے کیونکہ اس نے خلاف امر کیا۔ پس معلوم ہوا کہ دین کی حقیقت امتثال امر ہے۔ (درجات الاسلام ج ۲۰)

## انسان اور دیگر مخلوقات کی اطاعت کا فرق

اب دیکھنا یہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی اطاعت کس قسم کی ہے سو انسان کی اطاعت اور دوسری مخلوقات کی اطاعت میں بڑا فرق ہے۔ اس کو پہلے اپنے خادموں کے اندر دیکھ لو۔ ہمارے یہاں دو قسم کے خادم ہوتے ہیں ایک تو نوکر ہوتا ہے اور ایک غلام۔ نوکر کی خدمات اکثر متعین ہوا کرتی ہیں گو اس سے مختلف قسم کے کام لئے جائیں مگر پھر بھی باوجود عموم کے اس میں کچھ مستثنیات بھی ہوا کرتے ہیں مثلاً جو نوکر آپ کی ڈیوڑھی کا ملازم ہے آپ اس سے گھر کے کام جتنے چاہیں لے لیں مگر اس سے پاخانہ نہیں اٹھوا سکتے وہ اس کام سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ اس کی خدمتیں متعین ہیں جن میں یہ خدمت داخل نہیں اس کو اس سے انکار کا حق ہے اور غلام کی خدمتیں معین نہیں ہوتی اس سے ہر قسم کا ذلیل و خسیس اور نفیس و شریف (جائز) کام لیا جاسکتا ہے اس کو کسی خدمت سے انکار کا حق نہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آقا کو کسی مجلس یا محفل میں جانا ہے مگر خود کسی وجہ سے نہیں جاسکتا تو سلاطین و امراء کے قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایسے مواقع میں اپنے غلام کو اپنا لباس پہنا کر بھیج دیا۔ اس وقت وہ غلام شاہی منصب کے فرائض انجام دیتا تھا کیونکہ اس وقت وہ بادشاہ کا نائب بنا ہوا ہے اور کبھی آقا بیمار ہے غلام اس کی تیمارداری کرتا اور بعض دفعہ اس کا پاخانہ تک اٹھاتا ہے۔ غرض غلام کے لئے کوئی خاص خدمت متعین نہیں یہی حالت انسان و دیگر انواع خلق کی ہے کہ تمام مخلوق کے متعلق خاص خاص عبادات ہیں مگر انسان کے لئے کوئی عبادت خاص نہیں (انسان سے مراد مجموعہ انس و جن ہے یعنی مکلفین) مثلاً ملائکہ میں بعض کے لئے عبادت رکوع معین ہے وہ رکوع ہی میں رہتے ہیں بعض کے لئے عبادت سجود متعین ہے وہ ہر وقت سجدہ ہی میں رہتے ہیں)

(یہاں سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہئے۔ جو اسلام کے مسئلہ غلامی پر اعتراض کرتے ہیں بھلا جس غلامی کے یہ آثار ہوں کہ آقا اور غلام میں کامل اتحاد پیدا ہو جاوے اس کو خلاف عدل کون کہہ سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب دشمن کی فوج کے ہزاروں لاکھوں آدمی معرکہ قتال میں اسیر و قید ہو کر آئیں تو ان کے متعلق بہتر سلوک کی صورت کیا ہے۔ اگر ان کو فوراً رہا کر دیا جائے تو یہ صورت جس قدر ضرر رساں ہے ظاہر ہے کہ جس دشمن کی کثیر تعداد کو مصیبت کے ساتھ گرفتار کیا تھا اس کو پھر اپنے مقابلہ کے لئے رہا کر دیا



اور اگر ان کو قید کیا جاوے تو اس میں جو قباحت ہے ظاہر ہے۔ قید کو قیدی رکھ کر خواہ کتنی ہی راحت دی جائے اس کے دل سے عداوت نہیں نکل سکتی۔ دوسرے قیدیوں پر جتنا روپیہ صرف ہوتا ہے اس کا اندازہ ہر سلطنت کر سکتی ہے تو دشمنوں کے اوپر اتنی کثیر رقم صرف کرنا جس سے نتیجہ کچھ بھی حاصل نہیں کیونکہ وہ دشمن کے دشمن ہی رہتے ہیں۔ محض حماقت ہے پھر قید کے اندر اسیروں کو ہر قسم کی علمی اور تمدنی ترقی سے روکنا ظاہر ہے کہ قید میں رہ کر کوئی شخص علمی ترقی نہیں کر سکتا اس کی تمام قوائے فکریہ معطل پڑی رہتی ہیں اس لئے اسیروں کو قید رکھنا بھی کچھ مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر ضرر سے بچنے کے لئے سب کو تہ تیغ کیا جاوے تو اس کا قبیح ہونا ہر شخص کو معلوم ہے ان سب باتوں پر نظر کر کے بتلایا جاوے کہ قیدیوں کے ساتھ بہتر سلوک کی صورت کیا ہے ہم دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ اس کے متعلق جو طریقہ اسلام نے بتلایا ہے اس سے بہتر کوئی مذہب نہیں بتلا سکتا اسلام کا حکم ہے کہ جتنے قیدی معرکہ جنگ میں گرفتار ہوں تو ان سے اپنے قیدیوں کا مبادلہ کیا جاوے جو فریق مخالف کے ہاتھوں میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد جو بچیں ان کو غنائم میں تقسیم کر دیا جائے کہ وہ ان کو اپنا غلام بنا کر اپنے گھر میں رکھیں جو خود کھاویں وہی ان کو کھلاویں جو خود پہنیں وہی ان کو پہناویں طاقت سے زیادہ ان سے کوئی کام نہ لیں اور ان کے دین و دنیا کے درست کرنے کا خیال رکھیں۔ جب آقا غلام کو اپنے گھر میں اولاد کی طرح رکھے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلی عداوت اس کے دل سے نکل جائے گی اور آقا کے گھر کو اپنا گھر سمجھے گا اس کی اولاد کو اپنے بھائی خیال کرے گا اس طریقہ پر خزانہ سلطنت اسیروں کے بیشمار مصارف سے محفوظ رہتا ہے اور ایک ایک آدمی پر ایک ایک غلام تقسیم ہو جانے سے اس پر بھی کوئی بار نہیں پڑتا بلکہ وہ غلام کے کھانے کپڑے کو اس کی خدمت کے معاوضہ میں خوشی سے قبول کر لیتا ہے۔ مسلمان غلاموں کو علم و حرفت سے بھی محروم نہیں رکھ سکتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جاہل غلام سے مہذب اور شائستہ غلام کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اس وجہ سے مسلمانوں نے عموماً غلاموں کی تعلیم کا بہت زیادہ انتظام کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج علماء کی فہرست میں صد ہا اور ہزار ہا آزاد شدہ غلاموں کا نام نہایت عزت و احترام سے لکھا ہوا نظر آ رہا ہے۔ پھر چونکہ آقا کو غلام کے ساتھ ایک تعلق مالکانہ ایسا دیا گیا ہے جو انسان کو اپنی اولاد کے ساتھ بھی حاصل نہیں اس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ غلاموں کے ساتھ آقاؤں کو اولاد سے زیادہ تعلق ہو گیا کہ جس طرح کسی شخص کے بیٹے کو گالی دینا اور مارنا باپ کی اہانت شمار ہوتا ہے اسی طرح کسی کے غلام کو ذلیل و حقیر کرنا آقا کو ذلیل کرنا سمجھا جانے لگا جو مسلمان احکام اسلام کے پابند تھے ان کے واقعات تاریخ میں موجود ہیں کہ وہ غلاموں کو کس محبت اور شفقت کے ساتھ پالتے تھے اور ان کی تعلیم و تہذیب کا کس درجہ خیال کرتے تھے تو کیا اس غلامی کو خلاف عدل و انصاف کہنا انصاف کا خون کرنا نہیں ہے۔ رہا یہ کہ بعض لوگوں نے غلاموں کے ساتھ برے برتاؤ بھی کئے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ برتاؤ ایسا ہی تھا جیسا کہ بعض مسلمان نماز نہیں پڑھتے اور شراب پیتے ہیں اس کے ذمہ دار یہ لوگ خود ہیں قانون اسلام اس کا کسی طرح ذمہ دار نہیں اسلام نے غلاموں کے متعلق جس قدر رعایتی احکام صادر کئے ہیں کوئی قوم اس کی نظر نہیں دکھا سکتی کہ دشمن کی فوج کے قیدیوں کے ساتھ اس نے اتنے حقوق کی رعایت کی ہو۔ واللہ اعلم (جامع)

اور وہ ایک حال پر رہنے سے تھکتے نہیں کیونکہ وہ نور سے بنے ہیں اور نور میں یہ خاصیت ہے کہ اس میں تعب و نصب نہیں ہوتا حق تعالیٰ فرماتے ہیں يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ (رات دن پاکی بیان کرتے ہیں اس سے تھکتے نہیں) اسی طرح آسمان زمین وغیرہ کے لئے ایک ایک عبادت متعین ہے۔ چنانچہ ان کی ایک عبادت تو محسوس ہے وہ یہ کہ جس کام کے لئے جو چیز بنائی گئی ہے اس کام میں آتی رہے جیسے پہاڑ جس کام کے لئے بنائے گئے ہیں اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ زمین اپنے کام میں لگی ہوئی ہے آسمان چاند سورج سب ایک ایک کام میں لگے ہوئے ہیں یہ ان کی عبادت ہے چنانچہ آیت فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا طَقَالَتَا اْتَيْنَا طَائِعِينَ کی تفسیر میں یہی کہا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آسمان و زمین سے فرمایا کہ تم (جس کام کے لئے بنائے گئے ہو اس کے انجام دینے کے لئے) آؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے انہوں نے جواب دیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ غرض ان مخلوقات کا ان کاموں میں مستعمل ہوتے رہنا جن کے لئے یہ بنائے گئے ہیں ایک عبادت ہے یہ عبادت تو محسوس ہے اور ایک عبادت غیر محسوس ہے جیسے حق تعالیٰ نے ہر مخلوق کو ایک تسبیح جدا گانہ تعلیم کر دی ہے۔ (درجات الاسلام ج ۲۰)

## ۵۲۳ حقوق نفس

حدیث میں ہے کہ تمام رات مت جاگو ان لنفسک علیک حقاً وان لعینک علیک حقاً وان لزوجک علیک حقاً فادوا الی کل ذمۃ حقہ (مسند احمد ۲۶۸، المستدرک للحاکم ۶۰۳) (تیرے نفس کا تجھ پر حق اور تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے پس ہر صاحب حق کے حق کو ادا کرو) تو دیکھئے ایک مخصوص حصہ شب میں سونا مامور بہ ہوا اور وہ مخصوص حصہ ہر شخص کے مزاج کے مناسب ہوگا جتنی دیر میں دماغ و جسم کا تعب زائل ہو جایا کرے۔ نیز اگر کسی شخص کو ذکر کرتے کرتے یا تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے نیند کا غلبہ ہونے لگا تو اس کے لئے حدیث میں وارد ہے۔ لیرقد یعنی سو رہے۔ لعلہ یستغفر فیسبب نفسہ مبادا کہیں استغفار کرتے ہوئے اپنے آپ کو برا بھلا ہی کہنے لگے مثلاً اللھم اغفر لی (اے اللہ مجھ کو بخش دے) کی جگہ اللھم اغفر لی عین سے کہنے لگے تو اس کے معنی برے ہیں جس میں اپنے اوپر بددعا ہے کہ مجھے مٹی میں ملا دے اور یہاں تک بھی غنیمت ہے بعض دفعہ نیند میں حق تعالیٰ کا نام غلط سلط نکلنے لگتا ہے اس لئے میں مشورہ دیتا ہوں کہ ذکر میں جب نیند آنے لگے تو زبان سے ذکر فوراً بند کر دو اس وقت قلب سے توجہ اور خیال رکھو اور کوئی شخص ذکر قلبی کو بے اصل سمجھ کر اس سے متوحش نہ ہو یہ بھی احادیث سے ثابت ہے۔ صحیحین کی متفق علیہ روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیاء (الصحيح للبخاری ۸۳: ۱ سنن الترمذی ۳۳۸۳) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر وقت میں ذکر اللہ کرتے رہتے تھے) اب بتائیے کہ ذکر ہر وقت میں زبان سے کیونکر ہو سکتا ہے بعض مواقع میں ذکر لسانی نہیں ہو سکتا اب یا تو علی کل احیاء میں مجاز کے قائل ہو جائیے کہ اس کے معنی فی اکثر احیاء ہیں یا صوفیہ کے مذہب پر ذکر قلبی کے قائل ہو کر اس کو اپنے عموم پر رکھیے اور یہی ظاہر ہے۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

## اسلام کے چند درجے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قریب ہے لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آوے گا

کہ لوگوں میں اسلام کا نام ہی رہ جائے گا اور قرآن سے کچھ نہ رہے گا مگر رسم یعنی نقش حدیث طویل ہے مگر آگے اجزاء کا بیان اس وقت مقصود نہیں گو ممکن ہے کہ ضمناً وہ بھی بیان میں آجاویں مگر مقصود اس وقت یہی جملے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے چند درجے ہیں۔ لایبقی من الاسلام الا اسمہ (مشکوۃ المصابیح ۲۷۶ کنز العمال ۳۱۱۳۶) (نہیں باقی رہے گا اسلام بجز اس کے نام کے) میں لفظ من الاسلام (اسلام ہے) بتلا رہا ہے کہ یہ بھی اسلام کی ایک فرد ہے گو فرد ادنیٰ ہی سہی تو ایک درجہ تو یہ ہوا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ اسم فرمایا ہے یعنی نام کا اسلام پھر اس جملہ میں نفی و استثناء ہے جو حصر کو مفید ہے اور حصر میں ماعدا کی نفی ہوا کرتی ہے معلوم ہوا کہ اسلام میں ہیں اور بھی چیزیں جن کی یہاں نفی کر کے صرف درجہ اسم کو باقی رکھا گیا ہے اور ویسے بھی محاورہ میں نام کا درجہ حقیقت کے مقابلہ میں بولا جایا کرتا ہے تو ایک درجہ اور نکلا جس کو کام کا اسلام یا حقیقی اسلام کہنا چاہئے اب آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اس حدیث میں مضمون کو اسلام سے کس قسم کا تعلق ہے اس میں اسلام کے درجے بتلائے گئے ہیں جن میں بعض ناقص ہیں بعض کامل جب اس حیثیت کا تعلق ہے تو اس کی ضرورت میں کیا کلام رہا۔ پھر جب اسلام مطلوب ہے جیسا کہ بیان بھی ہو چکا اور مسلمان کے لئے اسلام کا مطلوب ہونا بدیہی بات ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز مطلوب ہوا کرتی ہے اس کا درجہ کمال ہی مطلوب ہوا کرتا ہے۔ درجہ نقصان کسی کو مطلوب نہیں ہوتا نہ اس پر کوئی راضی ہوتا ہے مثلاً تعلیم اولاد کا درجہ ایک کامل ہوتا ہے ایک ناقص مثلاً انٹرنس کا درجہ کامل ہے تو اس سے کم کے اوپر کوئی راضی نہیں ہوتا اور اگر کوئی زیادہ مالدار ہے اس کی نظر میں درجہ کمال بی اے یا ایف اے وہ اس سے کم کے اوپر راضی نہیں ہوتا پھر خود بی اے اور ایف اے میں بھی دو درجے ہیں ایک ناقص ایک کامل ناقص یہ کہ پڑھنے لکھنے کے بعد استعداد درست نہ ہو کسی فن سے مناسبت نہ ہو تو اس حالت میں کہا جاتا ہے کہ صاحب تعلیم برائے نام ہوئی روپیہ ہی برباد گیا ایسی تعلیم باوجودیکہ عدم تعلیم کے مقابلہ میں کچھ درجہ ضرور رکھتی ہے مگر عموماً اس کو نا کافی اور برائے نام سمجھا جاتا ہے اور کوئی شخص اپنی اولاد کے لئے ایسی ناقص تعلیم کو پسند نہیں کرتا اسی طرح ہر چیز کو دیکھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مطلوب میں ہمیشہ درجہ کمال مقصود ہوتا ہے درجہ نقصان کوئی گوارا نہیں کرتا جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سمجھو کہ اسلام



کے بھی مختلف درجات ہیں جن میں بعض کامل اور بعض ناقص ہیں اور اسلام مطلوب ہے تو اسلام میں بھی درجہ کمال ہی مطلوب ہونا چاہئے مگر افسوس کہ اسلام میں ہم لوگ ناقص حالت پر قناعت کئے ہوئے ہیں۔ اس کے کمال کی فکر نہیں کرتے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی شکایت فرماتے ہیں یہ حدیث گو بظاہر بصورت خبر ہے مگر درحقیقت اس سے مقصود شکایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دراصل ہماری شکایت فرما رہے ہیں کہ تمہاری دین سے لاپرواہی رفتہ رفتہ اس درجہ بڑھ جائے گی کہ ایک وقت میں تمہارا اسلام ناکارہ ہو جائیگا۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

### شریعت اور خواب

خواب کا درجہ شریعت میں صرف اتنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے خواب کو مبشرات سے فرمایا ہے کہ یہ دل خوش کن چیز ہے اور برے خواب کو تحزین من الشیطان (شیطان کی طرف سے حزن و ملال میں ڈالنا) کہا گیا ہے یعنی شیطان برے خواب دکھلا کر مسلمان کو پریشان کرنا چاہتا ہے تو اس سے پریشان و مغلوب نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ شیطان اور تنگ کرے گا خواب سے نہ کوئی جنت میں جائے گا نہ دوزخ میں کیونکہ اس کا مدار اعمال اختیار پر ہے اور خواب اختیاری نہیں اگر کوئی آدمی ساری عمر برے خواب دیکھتا رہے تو اس کا کیا قصور ہے اور جو ساری عمر اچھے خواب دیکھے اس کا کیا کمال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خواب علت نہیں محض علامت ہے وہ بھی جبکہ خواب خواب ہی ہو تبخیر دماغ نہ ہو اور آج کل اکثر خواب تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ تبخیر دماغ سے پریشان خیالات نظر آنے لگے ہیں مگر لوگوں نے اس کو مقاصد میں داخل کر لیا ہے اور خواب کے اوپر اعتماد کر کے فیصلے کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ مردہ کو خواب میں دیکھ لیا جائے اور جب تک وہ نظر نہیں آتا اس وقت تک متفکر رہتے ہیں۔ حالانکہ اس میں ایک ضرر ہے وہ یہ کہ مردہ اگر اچھی حالت میں نظر آیا تو اس کے بعد ایصال ثواب سے غفلت ہو جاتی ہے گویا ان کے نزدیک ثواب پہنچانے کے لئے معذرب ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اگر اسے معذب دیکھا تو مسلمان سے خواہ مخواہ بدگمانی ہوگی حالانکہ محض خواب کی بنا پر کسی سے بدگمان ہونا جائز نہیں۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

### درجات اسلام

اسلام کے تین درجے ہوئے ایک تو درجہ حقیقت ہے جس کو کام کا اسلام کہنا چاہئے

دوسری صورت کا درجہ ہے تیسرے نام کا اسلام ہے جس میں نہ حقیقت ہے نہ صورت ہے مگر برائے نام اس پر حقیقت کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ اس کو ایک مثال میں سمجھئے کہ مثلاً دوستی ایک شے ہے اس کے بھی ہمارے عرف میں تین درجے ہیں ایک تو دوستی کی حقیقت ہے کہ دل سے خیر خواہی اور ہمدردی ہو دوسرے دوستی کی صورت ہے کہ ظاہر میں برتاؤ ایسا ہے جیسا دوستوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مگر دل میں محبت زیادہ نہیں لیکن اس کے ساتھ اتنی بات بھی ہے کہ دشمنی کا برتاؤ بھی نہیں نہ پیچھے غیبت شکایت ہے نہ دشمنوں کے ساتھ سازش ہے یہ بھی ایک درجہ میں دوستی ہے یعنی دوستی کی صورت میں جس کی حقیقت یہ ہے کہ دشمنی نہ کرنے کو بھی دوستی کہہ دیا جاتا ہے اور ایک قسم کی دوستی یہ ہے کہ منہ پر تو دوستی کا برتاؤ کیا جاتا ہے جھک کر سلام کرتے ہیں سامنے خوشامد کی باتیں بناتے ہیں اور پیچھے ایذا و اضرار کے درپے ہوتے ہیں تو پہلا درجہ تو کمال دوستی کا ہے اور دوسرا درجہ صورت دوستی کا ہے اور تیسرا درجہ صرف نام کی دوستی ہے۔ جیسے منافقین کو برائے نام مسلمان کہہ دیا جاتا ہے مگر ظاہر ہے کہ جس طرح ہماری نگاہ میں نام کی دوستی کی ذرا بھی قدر نہیں ہوتی اسی طرح خدا تعالیٰ کے یہاں منافقوں کے اسلام کی کچھ بھی قدر نہیں مومن کہلانے سے اور مسلمان نام ہو جانے سے کیا ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

میم وہ داؤمیم ونون تشریف نیست      لفظ مومن جز پئے تعریف نیست  
(میم و اویم نون میں کچھ شرافت نہیں اسی طرح صرف مؤمن کہنے سے مؤمن نہیں ہوتا جب تک ایمان و عمل صالح نہ ہو) (درجات الاسلام ج ۳۰)

## اعمال ظاہرہ و باطنہ

اسلام اعمال ظاہرہ پر اطلاق کیا جاتا ہے اور ایمان عقائد کا نام ہے گو اطلاق میں دونوں متحد ہیں کیونکہ آج کل جو شخص صورت اسلام اختیار کئے ہوئے ہو ہم اس کو مومن ہی کہیں گے کیونکہ نفاق کا علم ہم کو نہیں ہو سکتا وحی بند ہو چکی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام و ایمان میں اطلاقا بھی فرق تھا پس آج کل دونوں کا اتحاد ایک عارض کی وجہ سے ہے کہ ہم کو نفاق کا علم نہیں ہو سکتا ورنہ اصل میں فرق ضرور ہے۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

## شرف نسب

شرف نسب کوئی چیز نہیں دیکھو آدمی کا حسین یا بد صورت ہونا یا اندھا اور سوانکھا ہونا اگرچہ امر غیر اختیاری ہے اور اس پر فخر نہ کرنا چاہئے مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حسن صورت اور سوانکھا ہونا نعمت بھی نہیں یقیناً اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ گو شرف نسب بوجہ امر غیر اختیاری ہونے کے سبب فخر نہیں مگر اس کے نعمت ہونے میں شبہ نہیں۔

تو احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی فضیلت بیاہی فرمائی ہے انصار کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور ایک حدیث میں ہے الناس معادن کمعادن الذهب والفضة خيارهم فی الجاهلیة خيارهم فی الاسلام اذا فقهوا (مسند احمد ۲: ۴۹۸) مستدرک حاکم ۳: ۲۳۳) کہ جیسے چاندی سونے کی کانیں ہیں اسی طرح آدمیوں کی بھی مختلف کانیں ہیں جن میں بعض سونے کے مشابہ ہیں بعض چاندی کے بعض دوسرے معادن کے مثل ہیں پھر آپ فرماتے ہیں کہ جو خاندان جاہلیت میں اچھے شمار ہوتے تھے وہی اسلام کے بعد بھی اچھے ہیں جب کہ علم حاصل کر لیں بعض نے یہ سمجھا کہ اس میں قید اذا فقهوا اہل انساب کو مضر ہے کہ اس میں مدار فضل فقہ کو فرمایا مگر کچھ بھی مضر نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقہ کے بعد خیار فی الجاہلیہ کو خیار فی الاسلام فرما رہے ہیں تو فقہ کے بعد مساوات نہ رہی بلکہ حاصل یہ ہوا کہ فقیہ غیر صاحب نسب فقیہ صاحب نسب کے برابر نہیں بلکہ فقیہ صاحب نسب افضل ہوگا۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

## شریعت میں ماں کے نسب کا اعتبار نہیں

خدا تعالیٰ نے ماں کے نسب میں اعتبار کرنے کی ایسی جڑ اکھاڑی ہے کہ ان کو سر اٹھانے کا موقعہ نہیں ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیبیاں تھیں ایک حضرت سارہ وہ تو ان کی خاندان کی تھیں دوسری حضرت ہاجرہ جن کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جو ابوالعرب ہیں وہ کنیز تھیں تو جو عورت ساری عرب کی جو اصل ہے وہ کنیز ہیں اب جو قبائل عرب ہندوستان میں عورتوں کے کھوٹ کی وجہ سے دوسرے خاندانوں میں عیب نکالتے ہیں وہ اس دھبہ کو دھوئیں کس طرح دھوتے ہیں مگر درحقیقت یہ کوئی عیب ہی نہیں اسی لئے شریعت نے نسب میں ماں کا اعتبار نہیں کیا۔

اولاد فاطمہ میں ماں کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ سیادت کا مدار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ہے اور سیدوں کا شرف دوسرے قبائل پر انہی کی وجہ سے ہے اور یہاں سے بعض علویوں کی غلطی واضح ہوگئی کہ وہ بھی اپنے کو سید کہتے ہیں حالانکہ سیادت کی بناء پر حضرت علی پر نہیں ہے بلکہ حضرت فاطمہ پر ہے پس حضرت علی کی جو اولاد حضرت فاطمہ سے ہے وہ تو سید ہے اور جو دوسری بی بی سے ہے وہ سید نہیں ہے اب ایک سوال یہاں ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر ایک شخص کا باپ سید نہ ہو اور ماں سید ہو تو وہ سید ہے یا نہیں تو قواعد کے موافق یہ شخص سید نہیں ہے ہاں ماں کی سیادت کی وجہ سے ایک گونہ شرف اس کو ضرور حاصل ہے مگر یہ اپنے کو سید نہیں کہہ سکتا اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے اگر صاحب نصاب نہ ہو بہر حال ماں کا نسب میں اعتبار نہیں البتہ حریت ورق میں اولاد شرعاً ماں کی قائم ہوتی ہے اور اس سے ایک اشکال کا بھی جواب ہو گیا وہ یہ کہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ من عمل کذا فلہ اجر من اعتق اربعۃ من ولد اسمعیل (جس شخص نے ایسا عمل کیا اسے حضرت اسماعیل علیہ السلام میں سے چالیس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا) کا عتاق ہی متصور نہ ہوگا تو پھر حدیث میں اعتاق ولد اسماعیل کا کیا مطلب ہے بعض نے تو یہ کہا ہے کہ یہ بطور فرض کے ہے کہ اگر اہل عرب کا استرقاق جائز ہوتا تو ان کا اعتاق سب سے افضل ہوتا اس کا ثواب اس عمل سے ملے گا مگر جواب صحیح اور بے تکلف اس قاعدہ مذکورہ سے حاصل ہو گیا وہ یہ کہ کسی عربی نے عجمیہ رقیقہ سے نکاح کیا تو اولاد نسب میں تو باپ کے تابع ہو کر ولد اسماعیل ہوگئی اور ان میں ماں کے تابع ہو کر محل اعتاق ہو سکے گی۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

## ایک جماعت اولیاء کا حال

مولانا رومی نے ایک جماعت اولیاء کا حال لکھا ہے کہ وہ پل صراط سے گزر کر جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو حق تعالیٰ یا ملائکہ سے سوال کریں گے کہ ہم نے سنا تھا کہ پل صراط سے گزرتے ہوئے جہنم بھی راستہ میں آتا ہے مگر ہم کو تو ملا ہی نہیں تو ارشاد ہوگا کہ تم نے ایک باغ سرسبز و شاداب دیکھا تھا یا نہیں وہ کہیں گے ہاں باغ دیکھا تھا ارشاد ہوگا کہ وہی جہنم تھا جو تمہارے ایمان کی برکت سے گلزار ہو گیا جیسے حضرات ابراہیم علیہ السلام کے لئے دنیا میں آگ گلزار ہوگئی تھی۔

گلستان کند آتش بر خلیل      گروہے بآتش بردز آب نیل



اور نیز قیامت میں انبیاء علیہم السلام اور بعض مومنین اذن شفاعت کے بعد جہنم میں گھس گھس کر دوزخیوں کو نکالیں گے مگر جہنم ان کا کچھ بھی نہ کر سکے گی اور اس وقت بھی زبانیہ جہنم دوزخ میں موجود ہیں مگر ان کو اس سے کچھ ضرر نہیں ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی حالت ہے جو کامل الایمان ہیں اور جن میں ایمان ضعیف ہے ان کو بھی جہنم پوری طرح نہ جلا سکے گی کیونکہ ان کے دل میں ایمان ہے مومن کے قلب پر آگ کا اثر نہ پہنچے گا اور حدیث مسلم میں ہے کہ امانتہم اللہ امانتہ کہ گنہگار مسلمانوں کو حق تعالیٰ جہنم میں داخل کر کے ایک قسم کی موت یعنی نیند کا سا اثر دیدیں گے پھر ان کو عذاب جہنم کا کافر کے برابر احساس نہ ہوگا الغرض اصل جہنم تو خدا کی ناراضی ہے۔ (الاکرامیہ بالاعملیہ ج ۳۰)

## شان ملکیت شان نبوت کے تابع ہے

آج کل جدید سوانح عمریوں کا حاصل صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں شان ملکیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ یعنی آپ بادشاہ اعلیٰ درجہ کے تھے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح وہ ہے جس میں شان رسالت کا بیان ہو اور گو آپ میں دونوں شانیں تھیں نبوت کی بھی سلطنت کی بھی مگر شان رسالت اصل ہے اور شان سلطنت تابع اور منصب نبوت کی مکمل ہے کیونکہ اصلاح خلق میں جو کہ منصب نبوت ہے لوگوں کے مزاج ہونے کی بھی نوبت آ جاتی ہے ایسے لوگوں کو زیر کرنے کے لیے سلطنت بھی ضروری ہے۔ پس سلطنت تابع ہوئی مگر یہ لوگ اصل چیز یعنی نبوت کے بیان کو چھوڑ کر سلطنت کے بیان کو لے بیٹھتے ہیں جو کہ تابع ہے آج کل کی سوانح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بادشاہی تو ملے گی مگر کمالات نبوت کے ذکر کے اہتمام سے خالی ملیں گی۔ حتیٰ کہ ان سوانح عمریوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک نہ ہو تو دیکھنے سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کسی نبی کی سوانح ہے۔ بھلا یہ سوانح سوانح نبویہ کس طرح کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہیں جبکہ اصل کمالات کے ذکر ہی سے عاری ہیں (بلکہ غور کیا جاوے تو یہ سوانح تو تابع کے بیان سے بھی کوری ہیں کیونکہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت کا بیان تو اس کو کہا جاوے گا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہو جیسا کہ وہ سلطنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح ہوگی مگر جب ان میں اس حیثیت کی رعایت نہیں کی گئی تو محض ایک بادشاہ کی بادشاہی کا بیان ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سلطنت کا تذکرہ نہ ہوا۔ (۱۲ جامع) (الرحمہ علی الامۃ ج ۳۱)

## ایک علمی نکتہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے یوں دعا فرمائی: ”اللہم ادس الحق معہ حیث د“ (یعنی اے اللہ علی جدھر ہوں حق کو ادھر ہی کر دیجئے) یہ نہیں فرمایا کہ حق کی طرف ان کو کر دے اس میں اسی مقام مرادیت کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے کبھی اجتہاد کی غلطی بھی ہو جاوے تو آپ اسباب ایسے پیدا کر دیجئے کہ ان کی بناء پر حق علیؑ کی طرف ہو جاوے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ناحق کو حق بنا دیا جائے نہیں بلکہ صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ جو حضرت علیؑ کریں یا کہیں وہی حق ہو جائے مثلاً مدعی نے غلط دعویٰ کیا اور حضرت علیؑ نے اجتہادی خطا سے اس کو غالب کر دیا۔ یہ ظاہر میں خلاف حق ہوا مگر پھر مقدمہ میں مظلوم نے زیادتی شروع کر دی جس سے ظالم مظلوم ہو گیا تو حق علیؑ کی طرف ہو گیا۔ خوب سمجھ لو یہ احادیث کے لطائف ہیں جو صوفیہ کے علوم سے حاصل ہوتے ہیں مگر جہلاء صوفیہ کے لطائف معتبر نہیں جاہل صوفی تو بالکل ڈوب گئے اور ظاہری مولوی بالکل کورے رہ گئے مگر اتنی غنیمت ہے کہ کورے نہیں ہیں۔ بہر حال جب یہ برکت ہے اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ اس کی بدولت آدمی رضائے حق کی طرف خود بخود ہو جاتا ہے۔ (الرحمۃ علی الامم ج ۳۱)

## قبولیت ذکر کی عجیب مثال

مولانا خوب فرماتے ہیں:

ایں قبول ذکر تو از رحمت است چوں نماز مستحاضہ رخصت است  
خوب مثال دی کہ جیسے استحاضہ والی عورت جس کو ہر وقت خون جاری رہتا ہے شریعت اس کو حکم دیتی ہے کہ ایسی حالت میں تو نماز پڑھتی رہ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب اس کا خون بہہ رہا ہے تو وہ حقیقت میں ناپاک ہے مگر اس حالت میں بھی اس کی نماز قبول ہو جاتی ہے تو اسی طرح گو ہمارا منہ مثلاً خدا کی یاد کے قابل نہیں مگر شریعت کا حکم ہے کہ قابل ہو یا نہ ہو کام کرنا چاہیے حق تعالیٰ قبول فرمانے والے ہیں اور اس میں ایک راز غامض ہے وہ یہ کہ اگر کوئی بدون طہارت غیر مامور بہا کے اطاعت نہ کرے یا نہ ہو سکتی ہو اور یہی انتظار رکھے کہ جب تک ہم ذکر کے قابل نہ ہو جاویں ذکر شروع نہ کریں تو

جس وقت بھی یہ شخص ذکر شروع کرے گا یا کوئی طاعت کرے گا تو اس وقت اپنے آپ کو طاہر اور اس کے قابل سمجھے گا حالانکہ حق تعالیٰ کی عظمت حقوق کے اعتبار سے کوئی بھی قابل اور طاہر نہیں ہو سکتا اور کسی اور کی تو کیا مجال ہے جبکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ”لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك“ (کہ اے اللہ میں بھی آپ کی ثناء نہیں کر سکتا تو جب بھی ہم طاعت کریں گے وہ ناقص ہی ہوگی) (شکر النعمۃ ج ۳۱)

## رحمت خداوندی

ایک ناپاک شخص کا دریا پر گزر رہا تھا اور دریا نے اس کو پکارا کہ میرے پاس آ جا میں تجھے پاک کر دوں اس نے کہا کہ میں کس منہ سے آؤں تو پاک صاف اور میں گندہ ناپاک۔ دریا نے کہا کہ تو چاہتا ہے کہ پاک ہو کر میرے پاس آئے اور بدون میرے پاس آئے تو پاک نہیں ہو سکتا تو ہمیشہ ناپاک ہی رہے گا۔ بس تو اسی حالت میں ناپاک ہی میرے پاس چلا آ تجھے میں ہی پاک کر سکتا ہوں مجھ سے دور رہ کر تو پاک نہیں ہو سکتا۔

صاحبو! اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ اپنے گمان کے موافق پاک صاف ہو کر خدا کی طرف رخ کریں۔ حالانکہ بدون خدا کی طرف رخ کیے تم پاک ہی نہیں ہو سکتے۔ بس اس کا تو یہی طریقہ ہے کہ تم جیسے بھی ہو چلے آؤ۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ      گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ  
(واپس آ واپس آ جو کچھ بھی تو ہے واپس آ جا، گرچہ کافر اور آتش پرست و بت پرست بھی ہے تو واپس آ)

رحمت متوجہ ہو کر تم کو خود پاک کر دے گی۔ (شکر النعمۃ ج ۳۱)

## عمل اور رحمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ ”لن یدخل الجنة احد بعمله“ کہ جنت میں اپنے عمل کی وجہ سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ سب رحمت خداوندی سے جنت میں جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ”ولا انت یا رسول اللہ“ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا ”ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمته“ یعنی نہ میں ہاں اگر خدا کی رحمت متوجہ ہو جائے تو میں بھی اللہ کی رحمت سے جنت میں جاؤں گا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں تو اور تو کس شمار میں ہیں بالکل سچ فرمایا:

خود کہ باید ایں چنین بازار را کہ بیک گل می خری گلزار را  
(ایسا بازار کہاں پاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلہ میں چمن ہی خرید لو)

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد انچه در و ہمت نیاید آں دہد  
(فانی اور حقیقت جان لیتے ہیں اور اس کے بدلہ میں باقی رہنے والی جان عطا کرتے ہیں جو وہم و گمان سے بلند و بالا ہے) (شکو النعمۃ ج ۳۱)

## معراج کے اسرار

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ کی کیا باتیں ہوئیں؟ انہوں نے جواب میں یہ شعر فرمایا:

اکنوں کر ادا مغ کہ پر سدز باغباں بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد  
(اب کس کی ہمت ہے کہ باغ کے مالی سے یہ پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا اور پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا) واقعی خوب ہی جواب دیا اس وقت کسی کی کیا طاقت جو ان اسرار کو یقینی طور پر معلوم کر سکے۔ اگر قسمت میں ہے تو جنت میں جا کر معلوم کر لیں گے باقی یہاں اول تو کسی کو معلوم کس طرح ہو سکتا ہے اور جو کسی کو کشف سے کچھ معلوم بھی ہوتا ہے تو وہ ظنی ہے اس پر یقین کیونکر ہو سکتا ہے (شکو النعمۃ ج ۳۱)

## ترحم سیدنا حضرت نوح علیہ السلام

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام پر یہ الزام لگایا کہ ان میں ترحم کم تھا۔ افسوس کہ یہ لوگ قرآن کو بھی تو نہیں دیکھتے۔ قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ ارشاد خداوندی موجود ہے:

”واوحی الی نوح انه لن یؤمن من قومک الا من قد امن فلا تبتئس

بما کانوا یفعلون واصنع الفلک باعیننا ووحینا ولا تخاطبنی فی

الذین ظلموا انہم مغرقون۔“

ترجمہ: ان آیات کریمہ کا یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ بس اب



آپ کی قوم میں سے بجز ان لوگوں کے جو کہ ایمان لا چکے ہیں اور کوئی بھی ایمان نہ لائے گا تو آپ ان کے افعال سے رنجیدہ نہ ہو جائیے۔ معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کے افعال سے رنج ہوتا تھا اور رنج ہونا شفقت کی دلیل ہے۔ شفقت نہ ہوتی تو ان کے افعال کی کچھ بھی پرواہ نہ ہوتی۔ یہی سمجھتے کہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے مگر نہیں ان کو بوجہ شفقت کے رنج ہوتا تھا ہاں جب تو حق تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ بس اب مت رنج کرو تو پھر رنج نہیں کیا اور ان کی طرف سے دل کو خالی کر لیا۔ اس کے بعد حکم ہوتا ہے کہ تم ایک کشتی ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے بناؤ اور ان ظالموں کی بابت اب کوئی بات ہم سے نہ کہجو یہ بالیقین غرق ہوں گے۔

بھلا جب حق تعالیٰ نے صاف صاف منع فرمادیا کہ اب ان لوگوں کی بابت مجھ سے بات نہ کہجو تو حضرت نوح علیہ السلام ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیسے ظاہر کر سکتے تھے مگر انہوں نے پھر بھی جہاں ذرا سی گنجائش پائی شفقت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ حق تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم تمہارے اہل کو غرق نہ کریں گے جب نوح علیہ السلام کا بیٹا غرق ہونے لگا تو حق تعالیٰ سے اس کی سفارش کی ”و نادى نوح ربه فقال رب ان ابني من اهلي وان وعدك الحق وانت احكم الحاكمين“ یعنی نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ یا اللہ میرا بیٹا بھی تو میرے اہل میں سے ہے اور آپ کا وعدہ سچا ہے یعنی آپ وعدہ فرما چکے ہیں کہ تمہارے اہل کو ہم غرق نہ کریں گے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح وہ تمہارے اہل میں سے نہیں تھا اس کے اعمال برے تھے اور تمہارے اہل سے مراد وہ لوگ تھے جو کہ آپ کے خاندان کے ہوں اور متبع بھی ہوں تو دیکھئے شفقت نہ ہوتی تو بیٹے کے واسطے عرض نہ کرتے۔ شاید آپ یہ کہیں کہ اپنے بیٹے کے لیے دعا کرنا اور سفارش کرنا یہ تو دلیل شفقت نہیں ہو سکتی کیونکہ اپنے بیٹے سے تو باپ کو شفقت ہوا ہی کرتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اول تو نوح علیہ السلام پیغمبر تھے اور انبیاء علیہم السلام مثل اپنی اولاد کے دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں مگر چونکہ دوسروں کی سفارش کے لیے کوئی گنجائش نہ رہی تھی اس لیے نہ کر سکے اور بیٹے کے بارے میں چونکہ عرض معروض کی گنجائش تھی بوجہ وعدہ سابق کے اس لیے ذرا سی گنجائش پر بھی نہ چونکے اور فوراً عرض کر ہی دیا اس سے ہم یہی سمجھیں گے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو دوسروں پر بھی شفقت تھی مگر بوجہ گنجائش باقی نہ رہنے کے ان کے لیے عفو کی دعا نہ کر سکے۔ (شکر النعمۃ ج ۳۱)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت

اگر آپ کے پاس مال و دولت بکثرت بھی جمع رہتا تب بھی آپ کو اس سے کچھ ضرر نہ تھا مگر پھر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقہ کشی کو اختیار فرمایا تو اس کی کیا وجہ تھی صرف امت کا خیال کہ اگر میں ذرا بھی دنیا کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا تو میری امت اس کو بھی سنت سمجھے گی اور میری سنت سمجھ کر مال و دولت جمع کرنے کی طرف جھک جائے گی میرے واسطے تو اگرچہ مال و دولت مضر نہیں ہو سکتا مگر امت کو اس سے ضرر پہنچے گا تو محض ہماری خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر فاقہ کی تکلیف برداشت کی۔ حتیٰ کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین برتن پیش کیے گئے ایک شہد کا ایک شراب کا ایک دودھ کا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو اختیار فرمایا یہ بھی امت کے حال پر رحمت تھی۔ حالانکہ اگر آپ شراب کو اختیار فرمالیتے تو چونکہ وہ دنیا کی شراب نہ تھی جنت کی شراب تھی حلال اور پاکیزہ تھی کچھ آپ کا ضرر نہ ہوتا نہ آپ کو گناہ ہوتا۔ اسی طرح اگر شہد کو لے لیتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر ذرا بھی لذات کی طرف میلان فرماتے تو امت کو اس سے حصہ ملتا اور امت کے لیے وہ میلان مضر ہوتا اسی لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو اختیار فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے خوش ہو کر عرض کیا ”اخترت الفطرة ولو اخذت الخمر لغوت امتک“ یعنی آپ نے دین کو اختیار فرمایا اور اگر آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ عالم برزخ میں دودھ دین کی صورت ہے۔ چنانچہ اگر کوئی خواب میں دودھ پیٹے ہوئے یا پلاتے ہوئے دیکھے تو اس کی تعبیر دین ہوگی جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعبیر اپنے اس خواب کی ارشاد فرمائی جس میں خود دودھ نوش فرما کر بچا ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمانا دیکھا تھا۔ اس کی مناسبت سے اپنا ایک خواب یاد آ گیا۔

میں نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ ایک مجمع ہے جس میں لوگوں کو چھاپھ تقسیم ہو رہی ہے میرے سامنے بھی پیش ہوئی تو میں نے انکار کر دیا میں نے نہیں پی جب میں بیدار ہوا تو تعبیر خود بخود دل میں یہ آئی کہ جس طرح دودھ کے معنی عالم میں دین کے ہیں چھاپھ کی تعبیر صورت دین ہے جس میں معنی نہیں سو یہ مجمع بھی عمل بالحدیث کا مدعی ہے۔ گویا اس خواب میں یہ بتلایا گیا تھا کہ ان لوگوں میں دین کی صورت ہی صورت ہے روح دین کی نہیں ہے۔ (شکر النعمة ج ۳۱)

اس میں امر سے پہلے یہ ارشاد فرمایا ہے: ”ان الله و ملائکته یصلون علی النبی“

(حق تعالیٰ اور ملائکہ علیہم السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں) ”یصلون علی النبی“ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں) صیغہ تجدد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں چاہے کوئی درود بھیجے یا نہ بھیجے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ سے بڑھ کر کس کا درود ہو سکتا ہے اور حق تعالیٰ ہمیشہ درود نازل فرماتے رہتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو درجات عالیہ عطا ہونے والے ہیں وہ تو حق تعالیٰ خود ہی حضور صلی اللہ کو ضرور ہی عطا فرمائیں گے اگر تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درود پڑھو گے تو اس سے تم کو بھی نفع ہوگا باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اس کی کوئی ضرورت نہیں اور درود شریف میں علاوہ اس کے کہ وہ ایک ذکر ہے جو مقتضا محبت کا ہے اور بھی فضائل ہیں۔ (شکر النعمۃ ج ۳۱)

## فضائل درود شریف

حدیث شریف میں فرماتے ہیں: ”من صلی علی واحد صلی اللہ علیہ عشرين“ جو میرے اوپر ایک بار درود بھیجے گا حق تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجیں گے۔ ایک فائدہ درود میں بہ نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کے دوسرے طرق کے یہ ہے کہ ذکر بسیط ہے اور ذکر بسیط متفرق اذکار سے زیادہ سہل و دلچسپ ہوتا ہے۔ پھر اس میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ذکر اللہ بھی ہے اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیونکہ درود شریف میں اللہ کا نام بھی ضرور ہوتا ہے تو خلوت میں اس سے زیادہ دلچسپ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی طریقہ نہیں۔ البتہ جلوت میں اگر مجمع مشتاق ہو تو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اخلاق وغیرہ کا بھی ذکر کر دیا جائے یہ ذکر ولادت سے بھی افضل ہے کیونکہ ولادت بھی تو اسی کے واسطے ہوئی تھی یہ کمالات مقصود بالولادت ہیں ان کا ذکر اس کے ذکر سے افضل ہوگا۔ درود کی اور فضیلت بھی آئی ہے چنانچہ ایک صحابی نے چند اور ادحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے کہ میں چند وظائف پڑھتا ہوں جن میں درود شریف ربع کے قریب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لو زدت لکان خیراً لک“ (اگر اس سے زیادہ کرتا تو تیرے لیے یہ بہتر تھا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصف کے قریب درود شریف پڑھا کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا کہ اگر اور بڑھاؤ گے تو بہتر ہوگا۔ یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا کہ میں سارا وظیفہ درود شریف ہی کا رکھوں گا اور کچھ نہ پڑھوں گا۔ حضور صلی



اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”اذا یلفی ہمک ویغفر ذنبک“ کہ اگر ایسا کرو گے تو تمہارا تمام فکر دور ہو جائے گا اور گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (شکر النعمۃ ج ۱ ص ۳)

## زیارت روضہ اقدس کی فضیلت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک حق یہ ہے کہ قبر شریف کی زیارت سے مشرف ہو خصوصاً جو حالت حیات میں زیارت سے مشرف نہیں ہوئے وہ روضہ اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے برکات حاصل کر لیں کہ وہ برکات اگرچہ زیارت حیات کے برکات جیسے بالکل نہ ہوں مگر ان کے قریب قریب ضرور ہیں۔ حدیث میں ارشاد موجود ہے: ”من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی“ جس شخص نے میرے مرنے کے بعد زیارت میری قبر کی کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خود بھی قابل توجہ ہے اگر آپ کا تعلق صرف مبلغ ہی ہونے کی حیثیت سے ہوتا تو زیارت قبر مسنون نہ ہوتی کیونکہ اس وقت تبلیغ کہاں ہے۔ افسوس کہ بعض لوگ ایسے خشک ہیں کہ وہ زیارت قبر شریف کی فضیلت کو نہیں مانتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے ناجواز کے قائل ہیں۔ کانپور میں ایک مرتبہ ایک مترجم اربعین حدیث میں بچوں کا امتحان تھا۔ جلسہ امتحان میں ایسے ہی ایک شخص تھے جو کہ زیارت قبر شریف کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ایک بچہ کا امتحان شروع ہوا اس نے اتفاق سے یہ حدیث پڑھی۔ ”من حج ولم یزرنی فقد جفانی“ (جس نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر ظلم کیا) فرمایا ہے تو یہ آپ کی حالت حیات کے ساتھ خاص ہے بعد وفات زیارت ثابت نہیں طالب علم بچہ تھا اشکال سمجھا بھی نہیں نہ اس کو جواب معلوم تھا وہ سادگی سے آگے بڑھنے لگا۔ خدا کی شان آگے جو حدیث موجود تھی وہ اس اعتراض ہی کا جواب تھی آگے یہ حدیث تھی کہ ”من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی“ (جس نے میرے مرنے کے بعد زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی) جتنے علماء اس وقت موجود تھے سب نے ان صاحب سے کہا لیجئے حضرت آپ کے اعتراض کا جواب منجانب اللہ ہو گیا بس خاموش رہ گئے بعض لوگ زیارت قبر شریف پر ایک شبہ کرتے ہیں کہ اب تو قبر کی بھی زیارت نہیں ہوتی کیونکہ قبر شریف نظر نہیں آتی اس کے گرد پتھر کی دیوار قائم ہے جس کا دروازہ بھی نہیں یہ عجب لغو اشکال ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر زیارت قبر کے لیے قبر کا دیکھنا ضروری ہے تو



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے بھی یہ شرط ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جائے حالانکہ بعض صحابہؓ نابینا تھے۔ عبد اللہ بن ام مکتوم صحابیؓ ہیں یا نہیں؟ مستورات کے بارے میں کیا کہو گے جس طرح صحابیت کے لیے حکمی زیارت کافی مانی گئی ہے اسی طرح زیارت قبر شریف میں بھی حکمی زیارت کو کیوں نہ کافی مانا جائے گا، یعنی ایسی جگہ پہنچ جانا کہ اگر کوئی حائل نہ ہو تو قبر شریف کو دیکھ لیتے یہ بھی حکماً زیارت قبر شریف ہے۔ (شکر النعمۃ ج ۳۱)

## ایک نیم ملا کا غلط معنی سمجھنے کے سبب حافظ کو لقمہ دینا

بنگلور میں ایک حافظ صاحب نے یہ آیت نماز میں پڑھی ”ولکن ظننتم ان اللہ لایعلم کثیراً مما تعلمون“ (لیکن تم اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر نہیں) ان کے پیچھے ایک نیم ملا بھی تھے انہوں نے حافظ کو لقمہ دیا۔ ”ان اللہ یعلم کثیراً مما تعملون“ (بے شک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اکثر اعمال کو جو تم کرتے ہو) حافظ صاحب نے پھر آیت کا اعادہ کیا چونکہ اس کو اچھی طرح ”لا یعلم کثیراً مما تعملون“ (تمہارے اکثر اعمال کو جو تم کرتے ہو نہیں جانتے) یاد تھا اس نے پھر یہی پڑھا اور ان مولوی صاحب کے لقمہ کی پرواہ نہ کی بعد نماز کے مولوی صاحب نے حافظ صاحب سے سخت لہجہ میں کہا کہ ہم نے تم کو لقمہ دیا تم نے لیا کیوں نہیں سب کی نماز خراب کی۔ حافظ کو چونکہ خوب یاد تھا اس نے صاف کہہ دیا کہ قرآن میں ”لا یعلم“ ہی ہے دیکھ لیا جائے۔ قرآن کو دیکھا تو واقعی اس میں بھی ”لا یعلم“ نکلا۔ اب تو مولوی صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ ”ان اللہ لایعلم“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عدم علم تو محال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب سے غلطی ہو گئی۔ ایک عالم بھی وہاں تھے انہوں نے سمجھایا کہ ”ان اللہ لایعلم کثیراً مما تعملون“ ہی صحیح ہے اور یہ تو ظن کفار کا معمول ہے کہ تم یوں گمان کرتے ہو کہ خدا کو ہمارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں کہ ”ان اللہ لایعلم ظننتم“ کے تحت میں داخل ہے۔ جب ان نیم ملا صاحب کی حیرت ہوئی اور سمجھے کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کی کہ ”ظننتم“ پر خیال نہ کیا۔ دوسرے اس بھلے مانس کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ ”ان اللہ لایعلم کثیراً مما تعملون“ (بے شک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اکثر اعمال کو جو تم کرتے ہو) میں کثیراً کی قید کے کیا معنی ہوں گے

اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت اعمال کو جانتے ہیں یعنی سب کو نہیں جانتے مگر خیر چونکہ بے چارے کسی قدر ذی علم تھے اس لیے تنبیہ سے سمجھ گئے۔ شاید کوئی یہ کہے کہ نیم ملا ہونا تو برا ہے پھر اسے اچھا کیوں کہا گیا کہ ذی علم تھے۔ بات یہ ہے کہ نیم ملا ہونا اس وقت برا ہے جبکہ وہ اپنے کو مستقل سمجھے اور جو نیم ملا محقق کا تابع ہو کر رہے تو ایسا نیم ملا تو اچھا ہے یہ تو ”ان اللہ لایعلم کثیراً مما تعملون“ (بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اکثر اعمال کو جو تم کرتے ہو نہیں جانتے؟) کے متعلق ایک لطیفہ تھا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ لوگ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک واقعہ تو حدیث کا بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مرض لوگوں میں قدیم سے ہے آج کل بھی ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں۔ (الحجور لنور الصدور ج ۳۱)

## گیارہویں کرنے والوں کو تاریخی غلطی

حضرت کی وفات کی کسی مورخ نے نہیں لکھی نہ معلوم عوام نے گیارہویں تاریخ کس کشف والہام سے معلوم کر لی۔ بعض لوگ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں کیا کرتے تھے تو اول تو یہ روایت ثابت نہیں اس کا ثبوت دینا چاہیے دوسرے اگر ہو بھی تو کیا تم حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہویں چھوڑ کر بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کرتے ہو یہ تو ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ اگر بالفرض وہ گیارہویں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کرتے تھے تو اس کو ہرگز وہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ میرے بعد بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میری گیارہویں کی جائے۔ تیسرے اس میں عقیدہ بھی فاسد ہے کہ لوگ حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد کرتے ہیں تو بڑے پیر کی گیارہویں بلکہ بعض جگہ حضرت غوث اعظم کا میلاد بھی ہونے لگا، گویا بالکل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوات ہو گئے اور غضب یہ ہے کہ کرنے والوں کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر گیارہویں نہ کریں گے تو بلا نازل ہوگی بڑے پیر صاحب ناخوش ہو جائیں گے اور پھر نہ معلوم کیا سے کیا کر دیں گے۔ گویا (نعوذ باللہ) وہ مخلوق کو تکلیف دیتے پھرتے ہیں۔ نیز گیارہویں کرنے کو مال و اولاد کی ترقی کا باعث سمجھتے ہیں اس میں حضرت غوث اعظم سے دنیا کے لیے تعلق رکھنا ہوا یہ کیسی بے حیائی ہے کہ جس مردار کو وہ چھوڑ کر الگ ہو گئے تھے اسی کے لیے ان سے تعلق کیا جائے۔ (الحجور لنور الصدور ج ۳۱)

## آیت افک پر ایک اشکال کا جواب

چونکہ اس کی تحقیق اہل علم کے سمجھنے کے قابل ہے اس لیے اس کو بھی بیان کرتا ہوں اس معنی میں عند اس آیت میں ہے ”فاذلم یاتوا بالشہداء فاولئک عند اللہ ہم الکاذبون“ یہ آیت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے افک کے قصہ میں ہے۔ قصہ طویل ہے اس کا بیان کرنا یہاں ضروری نہیں جتنا جزو اس قصہ کا یہاں ضروری ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منافقین نے متہم کیا، کئی دن تک اس کا بہت چرچا ہوا۔ آخر ان کی برأت حق تعالیٰ نے قرآن میں اتاری اور منافقین کے بکواس کو رد کیا۔ اس رد میں یہ آیت بھی ہے ”فاذلم یاتوا بالشہداء فاولئک عند اللہ ہم الکاذبون“ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ گواہ نہیں لاسکے لہذا یہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں اس کا مدلول یہ ہوا کہ ان کے جھوٹے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ چار گواہ نہ لاسکے۔ اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کذب کس کو کہتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ کذب کے معنی حکایت خلاف واقع کے ہیں یعنی ایک کام واقع میں نہیں ہوا اور بیان کیا کہ ہوا ہے اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شہادت نہ لاسکنا مستلزم کذب ہے۔ اب فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کسی کو حرام کرتے دیکھا اور اس کی حکایت بیان کی مگر گواہ نہ لاسکا تو اس آیت کی بموجب تو وہ کاذب ہے لیکن یہ حکایت مطابق واقع کے ہے اس پر تعریف کذب کی صادق نہیں آتی اور آیت اس کو کاذب کہتی ہے اور لطف یہ ہے کہ آیت میں عند اللہ کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اور بلفظ دیگر حق تعالیٰ کے علم میں اور یہ مقدمہ مسلم ہے کہ حق تعالیٰ کا علم واقع کے مطابق ہے ورنہ علم صحیح نہ ہوگا تو عند اللہ کے مفہوم پر آیت سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ شخص جس نے حرام کو دیکھ کر حکایت بیان کی واقع میں بھی جھوٹا ہے یعنی اس نے واقع میں حرام نہیں کیا کیونکہ علم الہی میں اس کو کاذب قرار دیا گیا ہے اور علم الہی مطابق واقع کے ہوتا ہے تو اب یہ لازم آتا ہے کہ (نعوذ باللہ) علم الہی خلاف واقع ہے۔ یہ ایک سخت اشکال ہے قرآن پر مگر الحمد للہ حق تعالیٰ نے اس کا بہت سہل جواب دل میں ڈال دیا جس کو سننے کے بعد یہ معلوم ہوگا کہ اشکال کچھ بھی نہ تھا۔ اس کی بناء اسی پر ہے کہ قرآن میں محاورات جاننے کی زیادہ ضرورت ہے صرف لفظی ترجمے اور لغت پر نہ رہنا چاہیے۔ ایک لفظ کے لغوی معنی ایسے ہوتے ہیں کہ اس سے مخاطب کو کوئی بات قابل شرح صدر حاصل نہیں ہوتی اور اسی کے ساتھ محاورہ کی رعایت کر دی جائے تو بالکل اطمینان ہو جاتا ہے اور سننے والا پھر کٹ اٹھتا ہے اور بہت سے اشکال رفع ہو جاتے



ہیں۔ وہ جواب سنئے وہ یہ ہے کہ عند اللہ کے معنی یہاں ”فی علم اللہ“ (اللہ کے علم میں) کے نہیں ہیں بلکہ ”فی قانون اللہ“ (اللہ کے قانون) میں کے اور فی دین اللہ کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ قانون شرعی اس صورت میں کہ شہادت نہ پہنچ سکی، تہمت لگانے والوں کے لیے یہ ہے کہ ان پر حکم کذب کا کیا جائے گا یعنی ان کے ساتھ کاذب کا سا معاملہ کیا جائے گا چاہے واقع میں کچھ بھی ہو۔ اب کوئی اشکال نہیں رہا کیونکہ اشکال تو یہی تھا کہ علم الہی کا خلاف واقع ہونا لازم آتا ہے اور یہاں علم الہی مراد ہی نہیں صرف یہ معنی ہو گئے کہ قانون ان کو جھوٹا کہے گا، قانون ایک ایسی چیز ہے جس میں ضابطہ دیکھا جاتا ہے جس کے کچھ قواعد مقرر ہوتے ہیں کہ جب تک ان کے موافق کام نہ ہو اس کو معتبر نہیں مانا جاتا۔ (السلام التحقیقی ج ۳۱)

”اسئلک من خشیتک ماتحول بہ بیننا و بین معاصیک“ (میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ سے ڈرتے رہنے کا اس چیز سے جو حائل بنے ہمارے اور تیری نافرمانی کے درمیان) صاحبو! غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے خوف مانگتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ قید لگا دی ہے کہ خوف اس قدر ہو کہ گناہ نہ ہونے دے اس میں حکمت یہ ہے کہ خوف جب حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو موجب تعطل ہو جاتا ہے اور انسان کسی قابل نہیں رہتا۔ دیکھئے ہم لوگ پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں مگر سمجھتے وہی لوگ جن کی شان یہ ہے کہ:

بنی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و استا

(اپنے اندر انبیاء علیہم السلام کے علوم دیکھتا ہے) (فضائل العلم والخشیة ج ۳۱)

## اصلاح کیلئے تین امور کی ضرورت

اصلاح میں تین امر ضروری ہوئے ایک علم دوسرا عمل تیسرا حال چونکہ جب تک حال نہ ہو نرے علم و عمل سے کام نہیں چلتا۔ مثلاً ایک شخص جانتا ہے کہ زنا حرام ہے اور اس پر عمل بھی کرے کہ زنا سے بچا رہے لیکن اس عمل کو بقاء اس وقت نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس عمل میں صاحب حال نہ ہو جائے بغیر حال کے عمل ایسا ہے جیسے بے انجن کی گاڑی کہ اس کو ہاتھ سے دھکیل کر کچھ دور تک لے جائے لیکن جہاں چھوڑ دیجئے رہ جائے گی کیونکہ اس میں آگ نہیں پس یا تو خود انجن بن جاؤ کہ تمہارے اندر آتش محبت الہی بھری ہوئی نہیں تو کسی انجن کے ساتھ ہو لو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وہی حالت ہوگی جس کو پہلی مثال میں عرض کیا۔ حضرت عراقی کہتے ہیں:



صنما رہے قلندر سزاوار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی  
(اے صنم قلندر کار راستہ لائق یہ اگر تو مجھ کو دکھائے اس واسطے کہ میں پارسائی کے راہ و  
رسم سے دور دیکھتا ہوں) (فضائل العلم والخشیۃ ج ۳۱)

## نجات کیلئے ایمان کی ضرورت

بعض خطوط میرے پاس آئے ان میں یہ شبہ پیش کیا گیا تھا کہ صاحب یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو مسلمان نہ ہو اس میں سارے کمالات موجود ہوں لیکن اس کو نجات نہ ہوگی تو بعض مدعیان عقل نے یہ شبہ پیش کیا کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص میں تمام کمالات موجود ہیں سخاوت بھی مروت بھی ایثار بھی قومی ہمدردی بھی آج کل بس یہ اخلاق شمار کیے جاتے ہیں اور آج کل بڑی تہذیب ان اخلاق ہی کو سمجھا جاتا ہے اور عقائد کو عقیدہ تو نہیں لیکن حالاً دائرہ مفہوم تہذیب سے گویا خارج ہی کر دیا ہے بلکہ عقائد کے اندر تو اپنے آپ کو بالکل مختار ہی سمجھ لیا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ عقیدہ تو محض خیال کا نام ہے اور خیال کو بھلا کیا دخل نجات میں عقائد کو تو یوں غیر ضروری قرار دے دیا ہے اعمال کو کسی درجہ میں ضرور موثر سمجھتے ہیں مگر ان میں بھی سب اعمال نہیں محض چند اعمال جن کا نام اخلاق رکھ لیا ہے اور انہی کو مدار ٹھہرا دیا ہے ترقی اور کمال کا اور انہیں اخلاق کا نام تہذیب رکھا ہے اور ان کے یہ کام ہیں ترحم ایثار ہمدردی نفع رسانی حب قومی۔ بس ان چند اخلاق میں تہذیب کو منحصر سمجھ کر شبہ پیش کر دیا کہ ایک شخص سب بزرگوں کی تعظیم و تکریم بھی کرتا ہے کسی نبی کی اہانت بھی نہیں کرتا کسی کا دل بھی نہیں دکھاتا۔ داد و دہش بھی کرتا ہے مگر فقط رسالت کا منکر ہے گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی بھی نہیں کرتا اور خدا کو بھی مانتا ہے یا خدا کو بھی نہیں مانتا تو یہ کہا جائے گا کہ صرف دو مفروض کمالات نہیں ہیں پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف ان دو مفروض کمالات کے نہ ہونے سے اس کے سارے کمالات پر کیسے خاک ڈال دی جائے گی اور اس کو جہنم میں ٹھونس دیا جائے گا یہ تو بڑی بے رحمی کی بات ہے اور شبہ کو اس سے قوی کرتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں ایسا شخص ہے جو نہ حلال حرام کی پرواہ کرتا ہے نہ فرائض کو ادا کرتا ہے نہ نماز کا نہ روزہ کا بلکہ پر لے درجہ کا فاسق و فاجر اور بدکار غرض تمام اعمال اور اخلاق اس کے خراب مگر ہے مسلمان تو کہتے ہیں کہ صاحب چونکہ مسلمان ہے اس لیے کبھی نہ کبھی جنت میں ضرور جائے گا خواہ کٹ پٹ کر ہی جائے مگر جائے گا ضرور۔ تو یہ سمجھ میں نہیں آتا یوں اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں لیکن بظاہر یہ

معاملہ خدا کی شان کے خلاف ہے یہ تو بالکل تعصب معلوم ہوتا ہے تو یہ شبہ پیش کرتے ہیں۔ بھلا غور تو کیجئے کیسے افسوس کی بات ہے۔ یہ شبہ ان لوگوں کی زبان اور قلم سے نکلتا ہے جو اپنے کو سچا اور پکا مسلمان بلکہ قوم کا لیڈر اور مصلح خیال کرتے ہیں وہ شبہات پیش کرتے ہیں۔

## خود ساختہ محقق

سو حضرت میں ان شبہات کا راز بتلا دوں جو جاہل ہو کر اپنے کو محقق سمجھے گا وہ ایسی ہی خرابی میں پڑے گا حضرت تحقیق کوئی معمولی چیز نہیں ہے بہت بڑی چیز ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ یہ ساری خرابی ان کے دعوائے تحقیق کا نتیجہ ہے یعنی انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم محقق ہیں حالانکہ لوازم میں سے حقیقت کے یہ سمجھنا بھی ہے کہ ہم محقق نہیں ہیں۔ جب علم و کمال کے ساتھ یہ اعتقاد نہ رہے کہ ہم محقق ہیں تب کہیں جا کر انسان محقق ہوتا ہے۔ اگر یہ لازم منفی ہے تو محقق شدن بھی منفی ہے چاہے عالم فاضل ہی کیوں نہ ہو اور چہ جائیکہ عالم فاضل بھی نہ ہو چنانچہ آج کل جو اپنے کو محقق سمجھتے ہیں ان کا مبلغ علم بھی تو کچھ نہیں۔ بس کچھ تاریخیں پڑھ لیں کچھ فلسفہ پڑھ لیا اور سمجھنے لگے کہ ہم بہت بڑے محقق ہیں۔ جب اپنے نزدیک محقق ہو گئے تو پھر یہ خیال غالب ہو گیا کہ جو ہماری رائے کے خلاف ہے وہ واقع اور تحقیق کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ جو چاہا شبہ پیش کر دیا۔

## باغی سلطنت

چنانچہ یہ بھی ایک شبہ پیش کر دیا جو میں نے عرض کیا۔ میں نے اس لیے اس مثال کی ضرورت سمجھی کہ یہ شبہ رفع ہو جائے ورنہ فی نفسہ یہ مسئلہ بالکل صاف تھا اور محتاج مثال نہ تھا۔ تقریر یہ ہے اس مثال کے انطباق کی کہ میں صاحب اعتراض اور صاحب شبہ سے گورنمنٹ کا قانون پوچھتا ہوں کہ ایک شخص ہونہایت لائق جس کو تمام کمالات اعلیٰ درجہ کے حاصل ہوں مگر باغی ہو یعنی سلطنت کی اطاعت نہ کرتا ہو اس کی سزا کیا ہے؟ سب جانتے ہیں کہ اس کی سزا پھانسی ہے یا عبور دریا شور یا جس دوام اب ایک شخص ایسے مجرم کے مقدمہ کی پیشی کے وقت عدالت میں حاضر ہے، جج صاحب نے سزائے جس دوام کا حکم سنایا آپ نے سنا۔ سن کر آپ نے پوچھا! کیوں صاحب اس پر کیا الزام لگایا گیا ہے اور کون سی دفعہ قائم کی گئی ہے جو اس قدر سخت سزا تجویز کی گئی۔

جج صاحب نے کہہ دیا اس نے بغاوت کا جرم کیا ہے اس لیے اسے جس دوام کی سزا دی گئی ہے۔ یہ سن کر آپ کیا فرماتے ہیں کہ حضور کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ شخص ایم اے ہے ایل ایل بی ہے اور بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کیے ہوئے ہے۔ انگریزی ایسی جانتا ہے کہ انگریز بھی نہیں جانتے۔ جج صاحب نے کہا ہاں معلوم ہے پھر کہا حضور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ شخص سائنس کا بھی بڑا ماہر ہے اس نے وہ وہ صنعتیں ایجاد کی ہیں کہ اہل یورپ بھی دنگ ہیں کہا ہاں سب معلوم ہے پھر کہا بڑے ہی غضب کی بات ہے اور بڑی بے انصافی ہے کہ اس کی ساری لیاقتیں پس پشت ڈال دی گئیں اور ساری قابلیتیں خاک میں ملا دی گئیں۔ فقط اتنی سی بات پر کہ باغی ہے جس دوام کی سزا دیدی گئی۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جج کے اس حکم پر کبھی وسوسہ بھی ذہن میں نہ آئے گا کہ ایسی سخت سزا انصاف کے خلاف ہے یا ترحم کے خلاف ہے کیونکہ سمجھ لو گے کہ بغاوت جرم ہی ایسا ہے جس کی یہی سزا ہونی چاہیے۔ اگر اس صاحب شبہ کو جج کے فیصلہ پر بھی وسوسہ آتا تو خیر یہ کہا جاسکتا تھا کہ بیچارہ کیا کرے اس کی سمجھ ہی موٹی ہے اس لیے جو وسوسہ خدا پر پہنچا وہی جج پر بھی پہنچا مگر غضب تو یہ ہے کہ جج کے فیصلے پر تو کبھی وسوسہ نہ آیا اور خدا نے جو اسی کے مثل فیصلہ فرمایا اس پر شبہ پیش کر دیا۔ پھر اے صاحبو! یہ کیسا ایمان ہے اور یہ کیسا اسلام ہے کہ اس شخص کے نزدیک جج کا فیصلہ تو عقل کے قریب اور خدا کا فیصلہ عقل سے بعید ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ (اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں) ایک شخص سلطنت سے بغاوت کرے تو اس کے سارے اعمال اور اس کی ساری خوبیاں ضبط ہونا تو معقول جو خدا سے بغاوت کرے اس پر شبہ اور اس شبہ کے جواب کے بعد ایک شبہ اور کیا جاتا ہے کہ یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ اگر خدا سے بغاوت کرے تو واقعی اس کے سارے اعمال جبط ہی ہو جانے چاہئیں۔ (ملت ابراہیم ج ۳۱)

## دین کے جملہ احکام آسان ہیں

دین کی ساری باتیں آسان ہیں نماز بھی روزہ بھی مگر ہم نے خود ان کو مشکل بنا رکھا ہے بلکہ زیادہ تر تو سب تنگی کا کم ہمتی ہے جیسے مشہور ہے کہ واجد علی شاہ کے یہاں ایک احدیوں کی جماعت تھی ان کی ایک یوں ہی افواہی حکایت سنی ہے کہ دو شخص تھے ایک تو بیٹھا ہوا تھا اور ایک لیٹا ہوا۔ ایک سوار کا وہاں سے گزر ہوا لیٹے ہوئے نے پکار کر کہا کہ میاں سوار

ذرا یہاں تو آنا وہ آیا کہ نہ معلوم بیچارے کو کیا حاجت ہوگی، پوچھا کہ کیا کام ہے، کہا میاں یہ جو میرے سینہ پر ایک بیر پڑا ہوا ہے گھوڑے سے اتر کر ذرا میرے منہ میں ڈال دو، سوار نے کہا لا حول ولا قوۃ میں تو سمجھا تھا کہ نامعلوم کیا ضروری اور مشکل کام ہوگا بھلا کون کوئی کام ہے، خواہ مخواہ میرا راستہ کھوٹا کیا، ارے بھلے مانس تو خود اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا، کیا تیرے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ اس نے کہا جی صاحب بھلا کہاں ہاتھ لیجاؤں اتنا بکھیرا کس سے ہوا، اگر ذرا تمہیں ڈال دو گے تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا۔

صاحب انسان کو ایسا بھی بے مروت نہ ہونا چاہیے، سوار سخت متحیر ہوا اس کے پاس والے سے کہا کہ ارے تو کس مصرف کا ہے تو بھی تو یہاں ہی بیکار بیٹھا ہوا ہے تو ہی بیر اٹھا کر اس کے منہ میں ڈال دے، اس نے بگڑ کر کہا کہ بس جی مجھ سے کچھ نہ بولو، نہیں تو لڑائی ہو جاوے گی، تمہیں میرے دکھ کی میرے درد کی کچھ خبر بھی ہے، آئے اور بس رائے دیدی اس سے اور مجھ سے یہ معاہدہ ٹھہرا تھا کہ ایک دن ہم بیٹھیں گے اور تم لیٹے رہو اور ایک دن تم بیٹھو اور ہم لیٹے رہیں اور جو بیٹھا ہو وہ لیٹے ہوئے کا کام کر دیا کرے، کل اس کے بیٹھنے اور میرے لیٹنے کا دن تھا مجھے لیٹے لیٹے جمائی آئی ایک کتا آ کر میرے منہ میں موتنے لگا یہ بیٹھا دیکھتا رہا اور کتے کو ہٹایا تک نہیں، اب میں اسے ضرور بیر کھلاؤں گا سوار کی حیرت کی حد نہ رہی کہ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے عالی ہمتی کا کہ منہ کے اندر کتے کے موتنے میں بھی اس کے منتظر ہیں کہ کوئی اور ہٹا دے اور بیر اٹھانے میں اس کے منتظر ہیں کہ کوئی اور اٹھا کر منہ میں ڈال دے خود کون اٹھائے احدیت میں فرق آ جائے گا۔ خیر یہ تو واہیات گھڑی ہوئی حکایت ہے۔ (ملت ابراہیم ج ۳۱)



## حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ و ملفوظات کا تعارف

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ کے خلیفہ اجل حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمہ اللہ نے مآثر حکیم الامت میں حضرت کے مواعظ و ملفوظات کا بڑا جامع اور مفصل تعارف تحریر فرمایا ہے۔ زیر نظر کتاب جواہرات حکیم الامت چونکہ حضرت کے مواعظ سے مرتب کی گئی ہے۔ ذیل میں ان کے اس مضمون کی تلخیص پیش خدمت ہے۔

### حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ فرمان کا یہ طریقہ تھا کہ خطبہ ماثورہ کے بعد کلام اللہ کی کوئی ایک آیت یا کوئی حدیث شریف تلاوت فرماتے اور پھر اس کی تشریح کیلئے کئی کئی گھنٹے تک تقریر فرماتے۔ بعض اوقات کئی کئی ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ سامعین میں ہر طبقے کے لوگ ہوتے۔ اہل علم، اہل باطن، موافق و مخالف، خواص و عوام، انگریزی تعلیم یافتہ، حج، وکلاء تجارت پیشہ، دفتری لوگ، شہری، دیہاتی، بوڑھے، جوان، بچے سب طرح کے لوگ ہوتے اور حضرت رحمہ اللہ کا انداز مخاطب ایسا دلکش اور دلنشین ہوتا کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ میرے دل کی بات کہہ رہے ہیں۔

اگر روئے سخن علماء کی طرف ہو گیا تو بیان میں عالمانہ نکات ہوتے، مگر عامی اور عالم دونوں سر دھنتے صوفیا کی طرف متوجہ ہوتے تو مشکل سے مشکل معارف و حقائق بیان فرماتے اور رفتہ رفتہ تقریر کو آسان کرتے کرتے عوام کے ذہنوں تک پہنچا دیتے۔

حضرت رحمہ اللہ کی نظر دل کی گہرائیوں تک پہنچتی اور ان کے شبہات و اعتراضات و اشکالات حضرت خود ہی سامنے لاتے اور خود ہی جواب دیتے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کے سامنے عقل کو مغلوب اور کالعدم کر دیتے پھر جو کچھ کہنا چاہتے اجمال سے یا تفصیل سے، حکایتوں سے، روایتوں سے اور اشعار سے دل میں اتار دیتے۔ یہ

کرامت ہے ہمارے حضرت کی کہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو دہریوں کو فلسفیوں کو اور بدعتیوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی اور پکی بات سمجھا گئے اور عمل کرنے کیلئے آسان تدابیر بتا گئے۔

حضرت والا رحمہ اللہ کا ایک محفوظ ہے فرمایا کہ الحمد للہ! یہ میری عادت نہیں ہے کہ مسلمانوں کی حالت کا تجسس کروں نہ فرمائشی مضمون کبھی بیان ہو سکے۔ بلکہ تو کلا علی اللہ بیان شروع کیا اور جو باتیں اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتے ہیں بیان کر دیتا ہوں اور وہ اکثر سامعین کی ضرورت و حالت کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس سے لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ کسی نے ہماری حالت اس سے کہہ دی ہے ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کو کشف سمجھیں مگر مجھے تو عمر بھر بھی کشف نہیں ہوا اور اس میں کشف کی کیا بات ہے بس حق تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ اتنی بات تو ہے کہ بحمد اللہ بیان کے وقت یہ نیت ضرور ہوتی ہے کہ اے اللہ! ایسا مضمون بیان ہو جو ان لوگوں کی ضرورت کا ہو جس سے ان کی اصلاح ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کو علم غیب ہے وہ سب کی حالت جانتے ہیں وہ اس نیت کے بعد ضرورت و حالت کے مطابق مضمون دل میں ڈال دیتے ہیں کہ آج کی مجلس میں یہ بیان کرو۔

حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں کسی کے فرمائشی مضمون پر کبھی وعظ نہیں کہتا بلکہ وقت اور حالات کی ضرورت کے مطابق جب منجانب اللہ میرے دل میں تقاضا پیدا ہوتا ہے اسی وقت میری زبان کھلتی ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ پڑھئے تو اندازہ ہوگا کہ حضرت رحمہ اللہ نے دین کے ہر شعبہ پر کس قدر مصلحانہ اور مجددانہ گہری نظر ڈالی ہے اور ان میں جو غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کو کس قدر حسن و خوبی کے ساتھ رفع کرنیکی تدابیر بتائی ہیں۔ مثلاً مغربی تعلیم و فلسفہ سے نوجوانوں میں الحاد و زندقہ کے رجحانات پیدا ہو گئے تھے اسلامی شعائر سے مغایرت پیدا ہو رہی تھی امور آخرت میں اوہام و شکوک پیدا ہو گئے تھے پھر عبادات میں افراط و تفریط کی طرف مسلمانوں کی طبیعتیں مائل ہو گئی تھیں۔ بدعات و رسومات دین میں شامل کر لی گئی تھیں یا احکامات شریعت و سنت میں تاویلات پیدا کی جا رہی تھیں۔ اسی طرح معاملات میں اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑا جا رہا تھا اپنے مقاصد اور اغراض نفسانی کیلئے ہر ناجائز چیز کو

جائز اور ہر حرام چیز کو حلال کرنے کی تاویلین جاری ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے کاروباری اور خانگی زندگی بالکل درہم برہم ہو کر رہ گئی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں کا معاشرہ مغربی تہذیب و تمدن سے بری طرح مسموم اور مجروح ہو رہا تھا اور احساس شرافت ہی ختم ہوتا جا رہا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اخلاق باطنی کا تو یکسر فقدان ہی فقدان پیدا ہو گیا تھا، نفسانی و شہوانی لذتوں کی فراوانی نے مسلمانوں کو مدہوش کرنا شروع کر دیا تھا۔ تعلقات باہمی ریاکاری، منافقت، فریب دہی اور بے مروتی نے زندگی کو بالکل بے کیف بنا دیا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے انہی تمام باتوں کیلئے اصلاحی مضامین اپنے مواعظ میں بیان فرمائے ہیں میں نے چند خاص خاص باتوں کی طرف آپ کی توجہ اس لئے مبذول کرائی ہے کہ آپ اس دور کے مجدد و مصلح امت کے مواعظ پڑھیں اور اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ لیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت رحمہ اللہ سے دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام لینا منظور تھا۔ اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے تحصیل علوم سے فراغت کے بعد جب درس و تدریس کا کام شروع کیا تو ابتدائے سن ہی سے وعظ کہنا شروع کر دیا تھا اور وہ وعظ اہل ذوق قلمبند کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ کے اسی ابتدائی زمانے کے جو وعظ ہیں تو آج بھی اسی طرح نافع اور عقدہ کشائی باطن ہیں جیسے کہ اس وقت کے یوں تو حضرت نے اپنی تریسٹھ سالہ مدت تبلیغ میں ہزاروں وعظ فرمائے ہیں لیکن جس قدر قلمبند ہو گئے ان کی تعداد بھی تقریباً ساڑھے تین سو یا کچھ زائد ہے اور بہت سے قلمبند شدہ مواعظ ایسے بھی ہیں جو شائع نہ ہو سکے۔

حضرت رحمہ اللہ کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ اشاعت سے پہلے ہر قلمبند شدہ وعظ کو خود بنظر اصلاح دیکھ لیتے تھے پھر شائع ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ اس طرح ہر وعظ گویا حضرت کی خود ایک مستقل تصنیف ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس بات کی بھی تاکید و نصیحت فرمائی ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں جن تصانیف، مواعظ و ملفوظات پر نظر کر لی ہے بس وہی معتبر ہیں میرے بعد جو بھی تصنیف میری طرف منسوب کی جائے گی میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

حضرت رحمہ اللہ کے وعظ میں خداداد والہانہ انداز ہوتا تھا۔ سننے والوں کے دل روشن ہوتے، ذوق بدلتے، دین کی فہم پیدا ہوتی۔ حق و باطل میں امتیاز، عقائد کی پختگی، دین کی صحیح نظر اور پہچان ایسی پیدا ہوتی کہ بڑے سے بڑے زندقہ و الحاد کے پردے چاک ہو جاتے، اوہام و شکوک

سے ذہن پاک و صاف ہو جاتے اور شیاطین و رہزنان طریق کی فریب کاری کا راز فاش ہو جاتا۔  
الفاظ و انداز تحریر، مخلوق کی دلسوزی اور خدا تعالیٰ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہوتے، اس لئے دل  
میں اتر جاتے اور ”از دل خیزد بر دل ریزد“ کا مصداق ہوتے۔ (ماثر حکیم الامت)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے معارف کا آخری باب ”اصلاحات“ ہے اور یہ  
خاصہ اہم باب ہے۔ مسلمانوں کی اصلاح کی جو دقیق نظر ان کو بارگاہ الہی سے عنایت ہوئی  
تھی اس کا اندازہ ان کی اصلاحی کتب سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ اصلاح کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ  
بچوں، طالب علموں اور عورتوں سے لے کر مردوں اور علماء و فضلاء کے حلقہ تک پھیلا ہوا ہے  
اور سب کیلئے مفید ہدایات کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ دوسری طرف ان اصلاحات کی  
وسعت کا عالم یہ ہے کہ مجالس و مدارس اور خانقاہوں سے شروع ہو کر شادی و غمی کے رسوم اور  
روزمرہ کی زندگی تک کو وہ محیط ہیں۔ غرض ایک مسلمان جدھر اپنی زندگی میں رخ کرے ان  
کے قلم نے شریعت کی ہدایات کا پروگرام تیار کر رکھا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت رحمہ اللہ کی سب سے اہم چیز مواعظ ہیں واعظ تو بحمد اللہ زمانہ خیر  
کے بعد اسلام کی دس بارہ صدیوں میں بے شمار گزرے ہوں گے مگر شاید واعظین میں ابن نباتہ  
رحمہ اللہ اور ائمہ سلوک میں حضرت شیخ الشیوخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مواعظ کے سوا کوئی  
دوسرا مستند اور مفید مجموعہ موجود نہیں لیکن یہ ان بزرگوں کے صرف چند مواعظ پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس اخیر دور میں امت اسلامیہ کی اصلاح کیلئے بہت بڑا فضل یہ فرمایا  
کہ حضرت کے مستفیدین کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ حضرت کے مواعظ کو جو شہر بشہر ہوئے  
ہیں عین وعظ کے وقت لفظ بہ لفظ قید تحریر میں لائیں اور حضرت کی نظر سے گزار کر ان کو  
دوسرے مسلمانوں کے عام فائدہ کی غرض سے شائع کریں۔ چنانچہ اس اہتمام اور احتیاط  
کے ساتھ تقریباً چار سو مواعظ جو احکام اسلامی، رد بدعات، نصائح دل پذیر اور مسلمانوں کی  
مفید تدابیر و تجاویز پر مشتمل ہیں اور جن میں حقائق کے ساتھ ساتھ دل چسپیوں کی بھی کمی نہیں  
مرتب ہوئے اور اکثر شائع ہوئے اور مسلمانوں نے ان سے فائدے اٹھائے۔

سلسلہ اصلاح و تربیت میں حضرت رحمہ اللہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً



واعظین صرف عقائد و عبادات پر گفتگو فرماتے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان چیزوں کی اہمیت کے ساتھ مسلمانوں کے اخلاق و معاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی اصلاح پر زور دیتے ہیں بلکہ اپنی تربیت و سلوک کی تعلیم میں بھی ان پر برابری کی نظر رکھتے تھے حالانکہ عام مشائخ نے اس سبق کو صدیوں سے بھلا دیا تھا۔ (حوالہ بالا)

محترم منشی عبدالرحمن خان مرحوم حضرت کے وعظ دنیا و آخرت کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں۔  
پیش کردہ مواعظ کے اندر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے انہی امور کی طرف انسان کی توجہ دلائی ہے اور اس پر نہایت احسن طریقے سے دنیا کی حقیقت، آخرت کی اہمیت اور اعمال صالحہ کی افادیت واضح کی ہے تاکہ وہ غفلت و معصیت کی دلدل سے نکل کر اپنے سفر آخرت کی تیاری کرے جو ہر انسان کو ہر حالت میں پیش آتا ہے اور جس سے کسی کو مفر نہیں۔ ان میں بعض ایسے رموز و نکات اور حقائق و معارف بھی آگئے ہیں جن کا مستقل تصنیف میں ملنا مشکل ہے اور جو اپنی انفرادی حیثیت سے نشان راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (دنیا و آخرت)

## حضرت رحمہ اللہ کے ملفوظات

حضرت عارفی رحمہ اللہ آپ کے ملفوظات کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ایک دوسرا اہم مسئلہ ملفوظات کا ہے۔ بزرگوں کے ملفوظات مرتب کرنے کی رسم قدیم زمانہ سے قائم ہے یہاں تک کہ چشتیہ حضرات میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ملفوظات بھی موجود ہیں لیکن افسوس ہے کہ اہل شوق اس کام کو پورے استیعاب سے نہ کر سکے کیونکہ ان اکابر کے جو ملفوظات قلمبند ہو سکے وہ چند سال بلکہ چند ماہ سے زیادہ کے نہیں ہیں اور نہ ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ لکھنے والوں نے ان کو ان بزرگوں کی نظر کی میا اثر سے بھی گزارا تھا۔ تاہم چونکہ لکھنے والے خود اہل کمال و اہل احتیاط تھے اس لئے ان کی صحت میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا اور وہ اس اختصار کے باوجود بھی ہمارے لئے بڑی خیر و برکت کی چیزیں ہیں۔

ملفوظات کے اس مبارک سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہمارے حضرت (حکیم

الامت تھانوی) رحمہ اللہ کے ملفوظات بھی ہیں جو تقریباً ساٹھ مجلدات اور رسائل میں مدون ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک انکی نظر سے گزار کر چھاپا گیا ہے اور جن میں سے اکثر حسن العزیز وغیرہ ناموں سے چھپے ہیں۔

ان ملفوظات میں بزرگوں کے قصے، سنجیدہ لطیف قرآن و حدیث کی تشریحات، مسائل فقہ کے بیانات، سلوک کے نکتے، اکابر کے حالات، طالب علموں کیلئے ہدایات و تنبیہات، آداب و اخلاق کے نکات، اصلاح نفس و تزکیہ کے خبریات وغیرہ اس خوبی اور خوش اسلوبی سے درج ہیں کہ اہل شوق کے دل و دماغ دونوں اس آب زلال سے سیراب ہوتے ہیں۔

چونکہ ہمارے حضرت رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت، قطب الارشاد و حجتہ اللہ فی الارض کے مناصب پر فائز فرمایا تھا، اس لے آپ دیکھیں گے کہ حضرت کی تمام تصانیف و تالیفات خصوصاً مواعظ و ملفوظات حضرت کے ان ہی مراتب کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کیلئے ہر شعبہ زندگی میں دنیا و آخرت کے تمام امور میں شریعت و طریقت کے ہر مسئلہ میں جو دشواریاں اور اشکالات پیدا ہوتے رہے ہیں ان سب کا حل اور آسان طریقہ عمل حضرت رحمہ اللہ کے ملفوظات میں موجود ہے اور اس قدر تنوعات ہیں کہ جس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ (ماثر حکیم الامت)

مولانا مفتی محمد زید صاحب (انڈیا) تحفۃ العلماء کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی شخصیت اور آپ کے اصلاحی کارنامے مصنفات، مؤلفات، ملفوظات و مواعظ محتاج تعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا ملکہ نصیب فرمایا تھا کہ جس کسی مسئلہ کی تحقیق فرماتے تو اس کا حق ادا کر دیتے، اس انداز سے بیان فرماتے ہیں کہ ہر طبقہ اسے تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ استشہاد و استخراج اور سرعت انتقال کی اللہ نے وہ صلاحیت نصیب فرمائی تھی کہ وقت کے ابن تیمیہ نظر آتے تھے کسی مسئلہ کی تنقیح اور اس کے اصول و مقدمات بیان فرماتے تو ابن قیم معلوم ہوتے، تصوف و سلوک کے مباحث بیان کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ جنید وقت و شبلی زماں موتی بکھیر رہا ہے۔ علم عقائد اور مختلف مذاہب کی تردید و اسلام کی حقانیت بیان کرنے پر آتے تو ایسا لگتا جیسے رازی

وغزالی کی زبان بول رہی ہے، کسی فقہی مسئلہ کو چھیڑتے تو ایسا لگتا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تمام مجتہدات و مستدلّات دلائل عقلیہ و نقلیہ ان کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ جیسے کچھ بھی تھے ملفوظات و مواعظ میں صاف آئینہ کی طرح نظر آتے ہیں۔ کتنی آیات کی تفسیر اور تفسیری نکات و فوائد ایسے ہیں جو خود حضرت کی تفسیر بیان القرآن میں مذکور نہیں، لیکن ملفوظات و مواعظ کے ضمن میں آگئے ہیں۔ کتنی علمی مباحث اور فقہی تحقیقات ایسی ہیں جن سے خود حضرت کی مصنفات و فتاویٰ کا دامن خالی ہے لیکن ملفوظات و مواعظ نے انہیں اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ (تحفۃ العلماء جلد اول ص ۱۱۱۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ علم و حکمت کا خزانہ ہوتے تھے۔ آپ کے وعظ کی مجلس میں زندگی کے ہر طبقہ کے لوگ ہوتے تھے۔ علماء، صلحاء، نج، وکلا، تاجر، شہری، دیہاتی، بوڑھے، جوان، بچے لیکن آپ کے وعظ کا موضوع اور انداز ایسا ہوتا تھا کہ ہر آدمی سمجھتا کہ آپ میرے دل کی بات کہہ رہے ہیں۔

آیات و احادیث کی روشنی میں روزمرہ کی سماجی الجھنوں کا حل، ذاتی زندگی کی پیچیدگیوں کے حل کیلئے مختصر و آسان نسخے، عبادات و معاملات کے متعلق شرعی مسائل ایسے دلنشین انداز میں بیان فرماتے کہ ہر سطح اور ہر طبقہ کا آدمی اپنے دل و دماغ کا دامن بھر کر اٹھتا تھا۔ شرعی مسائل و مضامین کی تفہیم کیلئے آپ اپنے وعظ میں عام فہم حکایات، اشعار اور لطائف سے بھی کام لیتے تھے۔ اہل علم کیلئے عملی نکات بھی ایسے بیان فرماتے کہ بڑے بڑے اصحاب علم عیش و عشرت کراٹھتے۔

آپ کے مواعظ گویا ایک فحی صورت تھے جو مردہ دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی روح پھونک دیتے تھے۔ آپ کے مواعظ کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق آپ نے دینی تعلیمات کو مجددانہ اور مصلحانہ انداز میں پیش فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مواعظ سننے اور پڑھنے سے لوگوں کیلئے دین پر عمل کا راستہ آسان ہو گیا اور دل میں نیکی کی امنگ اور اتباع سنت کا ولولہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ جیسے جیسے آپ کے مواعظ کا دائرہ وسیع ہوتا گیا خلق خدا میں انقلاب آتا گیا۔

بے پناہ افادیت و ضرورت کے پیش نظر حضرت رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں کئی سارے ماہنامے جاری ہوئے جن کا مقصد فقط یہی تھا کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ و مضامین کو شائع کر کے زیادہ سے زیادہ پھیلا جائے۔

ماہنامہ النور ماہنامہ المبلغ اور الامداد تھانہ بھون سے شائع ہوئے۔ دہلی سے الہادی اور الابقاء شائع ہوئے۔ لکھنؤ سے ماہنامہ الاشراف جاری ہوا اور سہارنپور سے اشرف العلوم شائع ہونے لگا۔ اس طرح گویا پورے برصغیر میں آپ کے فیض تبلیغ و ارشاد کی بہار چھا گئی۔ آپ کے مواعظ و مضامین اور ملفوظات شائع کرنے والے ماہنامے ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے اور لوگ پورا مہینہ بڑے کرب و اضطراب کے ساتھ رسالہ کے انتظار میں گزارتے۔

پچھلے دنوں ۱۰ دسمبر ۲۰۰۲ء کے روزنامہ اسلام میں شعبہ زراعت کے نامور پاکستانی سائنسدان چوہدری محمد اختر کا انٹرویو شائع ہوا تو اس میں انہوں نے بتلایا کہ شاہ کوٹ میں ہمارا گھرماموں کے گھر کے سامنے تھا۔ میں جب کالج کی تعلیم کے دوران چھٹیوں میں گاؤں گیا تو اپنے ماموں مولانا کرم الہی سے اصلاحی تعلق قائم کیا میرے ماموں حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ ان کے پاس حضرت کے مواعظ اور ہر قسم کے اخبارات بھی آتے تو میں وقت گزارنے ان کے ہاں چلا جاتا۔

میرے ماموں نے فرمایا آپ میری تین باتیں مان لیں تو زندگی بدل جائے گی (کیونکہ اس وقت طالب علمی کے زمانہ میں کوٹ پتلون وغیرہ زیب تن رہتی اور داڑھی نہ تھی۔ فرض نماز کبھی نہ چھوڑنا، سو دفعہ روزانہ کلمہ طیبہ کا ورد، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ پر مشتمل رسالہ ہفت اختر کا روزانہ کچھ نہ کچھ مطالعہ کر لیا کرو۔

چنانچہ میں نے باقی کاموں کے ساتھ ہفتہ اختر کا مطالعہ شروع کر دیا جب میں نے حضرت کے وعظ روح القیام اور روح الصیام والا باب پڑھا تو اس نے زندگی بدل کر رکھ دی۔ غیر شرعی بالوں، کپڑوں اور کاموں سے توبہ کر لی۔ یہاں سے میری زندگی بالکل بدل گئی جواب تک قائم ہے۔

چنانچہ چوہدری محمد اختر صاحب کو عین جوانی کے زمانہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ کے ذریعہ معرفت الہی کو ایسی لو لگی کہ پھر یہی صاحب حضرت حکیم الامت



تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ اجل اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ (ماخوذ از ماہنامہ محاسن اسلام)

## مواعظ حکیم الامت، ایک عمدہ خزانہ

عالم ربانی حضرت مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کبیر والہ نے ارشاد فرمایا۔ بھائی! میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ بھی پڑھا کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت کے مواعظ میں بڑے علوم ہیں۔ پڑھ کے دیکھو ان شاء اللہ آنکھیں کھل جائیں گی ان میں ایسے حقائق و دقائق ہیں یہ عربی زبان میں ہوتے تو غزالی اور رازی کے علوم کے برابر ہوتے۔ ماشاء اللہ حضرت کے مواعظ میں بہت کچھ ہے۔ ہمارے استاذ حضرت مولانا ظہور الحق رحمہ اللہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

مزار برسات کا چاہو تو ان آنکھوں میں آ بیٹھو سیاہی ہے سفیدی ہے شفق ہے برباراں ہے  
آنکھیں ایسی ہی ہوتی ہیں نا بھائی! ان میں سفیدی بھی ہوتی ہے سیاہی بھی ہوتی  
ہے، کبھی سرخی بھی ہوتی ہے اس سے پانی بھی بہتا ہے۔ میں نے اس شعر کو حضرت  
رحمہ اللہ کے مواعظ پر منطبق کیا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت کے مواعظ پڑھو!  
ان شاء اللہ ہر چیز ملے گی۔ واقعات چاہتے ہو واقعات ملیں گے۔ قصص چاہتے ہو  
قصص ملیں گے، حکایات چاہتے ہو حکایات ملیں گے، اشعار چاہتے ہوئے اشعار ملیں  
گے، مثالیں چاہتے ہو مثالیں ملیں گی، تفسیر چاہتے ہو آیات کی تفسیر ملے گی، حدیث کی  
ترجیحات ملیں گی مسائل ملیں گے، ان میں عجیب و غریب علوم ہیں۔

یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں، بس حضرت بیٹھے اور بیان شروع فرمادیا، کئی کئی گھنٹے  
بیان ہوتا رہتا، ماشاء اللہ علوم کے دریا تھے۔ وعظ کے شروع میں کبھی لکھا ہوتا ہے کہ  
پچاس کا مجمع تھا اور تین گھنٹے بیان فرمایا۔ اخلاص دیکھئے! ورنہ ہم جیسا آدمی بھی کہتا ہے  
کہ بڑا مجمع ہو تو بیان کروں۔ حضرت نے پچاس آدمیوں کے سامنے تین گھنٹے بیان فرمایا  
اور کبھی لکھا ہوتا ہے کہ دس ہزار کا مجمع تھا، ایک گھنٹہ بیان فرمایا۔ اندازہ لگائیے! کس قدر  
اخلاص تھا؟ اور ماشاء اللہ حضرت نے ہر مسئلے پر بحث کی ہے۔ اکابر کا ذوق بتایا ہے۔

اکابر کا ذوق ایسے ہی معلوم ہوتا ہے، کتابیں پڑھنے سے اور بزرگوں کے پاس بیٹھنے سے بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ تو مواعظ بڑی عمدہ چیز ہیں۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ کو اہتمام کے ساتھ پڑھا کرو۔ (ماہنامہ محاسن اسلام)

## شیخ الاسلام کی اہل علم کو نصیحت

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی) کا سا لہا سال سے مستقل معمول ہے کہ آپ ہر سال اختتام بخاری شریف کے موقع پر دورہ حدیث میں شامل ”جو انسان سعادت مند“ کو گراں بہا اور قیمتی نصائح سے نوازتے ہیں۔ آپ کی ان نصائح میں سب سے اہم اور مؤکد ترین نصیحت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ سے متعلق ہوتی ہے۔

یہ نصیحت حضرت کس قدر درد مندی و دل سوزی سے فرماتے ہیں اس کا اندازہ حضرت کے الفاظ سے کیجئے۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے اور ملک ملک پھرا ہوں ہر ملک اور ہر طبقہ کی اردو، عربی، فارسی اور انگلش کی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ اصلاح نفس اور اصلاح ظاہر و باطن سے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ سے بڑھ کر میں نے کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ اپنی حد سے زیادہ مصروفیات کے باوجود میں ہر روز سونے سے پہلے ان کا تقریباً پانچ منٹ ضرور مطالعہ کرتا ہوں۔ بعض اوقات دل ان میں ایسا لگتا ہے کہ یہ مختصر سا دورانیہ آدھے گھنٹے تک بھی چلا جاتا ہے۔ حضرت کا کوئی نہ کوئی وعظ ہمیشہ میرے سر ہانے رکھا رہتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں انکی افادیت تمہارے دل و دماغ میں کس طرح اتاروں؟

بس! میں آپ سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر طالب علم حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ (خطبات) کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کر لے۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں آپ کا دل ان میں نہ لگے لیکن آپ جوں جوں آگے بڑھتے جائیں گے ان شاء اللہ دل ان میں کھینچتا چلا جائے گا اور ایک ہی مجلس میں آپ انہیں ختم کرنا چاہیں گے۔

**ملاحظہ:** حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ و ملفوظات کے بارہ میں تفصیلی تعارف ادارہ کی مطبوعہ کتاب ”لطائف اشرفیہ“ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

# تصوف

- ☆ تصوف و طریقت کی ضرورت و اہمیت
- ☆ قرآن و حدیث میں مطلوب تصوف کی نشاندہی
- ☆ ظاہر و باطن کی اصلاح کیلئے باطنی تزکیہ کا دستور العمل
- ☆ تصوف کے اہم موضوع پر حکیم الامت رحمہ اللہ کے تجدیدی کارہائے نمایاں کی جھلک
- ☆ شیخ کامل کی علامت، صحبت صالح کی ضرورت و اہمیت
- ☆ نفس و شیطان کے حربوں سے تحفظ کی تدابیر
- ☆ تصوف کی اصطلاحات کی دل نشین تشریحات پر مبنی منتخب جواہرات

## رحمت خداوندی

قاضی یحییٰ بن اکثم ایک بزرگ ہیں جو بخاری کے شیخ ہیں۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ ان سے سوال ہو رہا ہے اور عتاب آمیز سوال ہو رہا ہے اور وہ چپ خاموش کھڑے ہیں۔ جب عتاب ہو چکا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں تو حدیث میں پڑھا کرتا تھا کہ ”ان اللہ يستحي من ذی الشیبة المسلم“ کہ حق تعالیٰ شانہ بوڑھے مسلمان سے حیا فرماتے ہیں اور اس کو بخش دیتے ہیں مگر یہاں تو معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ جاؤ اگرچہ نیکی کچھ نہیں مگر تمہارے بڑھاپے پر رحم کر کے تم کو بخش دیا جاتا ہے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا ہے۔ بے شک ہم کو بوڑھے آدمی پر رحم آتا ہے۔ اسی کو شیخ سعدی فرماتے ہیں:

دلم میدہد وقت وقت ایں امید کہ حق شرم دارد ز موی سفید  
(میرادل ایسے وقت یہ امید دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سفید بالوں سے شرم رکھتے ہیں)

اس سے زیادہ حیرت انگیز دوسری حکایات ہیں کہ یہاں تو قاضی یحییٰ بن اکثم واقعی بوڑھے تھے۔ ایک مسخرہ جو ان کی حکایت ہے کہ جب مرنے لگا تو اس کو اپنی حالت پر خوف تھا کیونکہ عمل صالحہ کچھ نہ کیا تھا۔ اس نے یہ وصیت کی کہ جب مجھ کو غسل و کفن دے چکو تو میری داڑھی پر ذرا سا آٹا چھڑک دینا۔ چنانچہ ورثاء نے وصیت پوری کی۔ اس کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ اس سے سوال ہوا کہ تو نے یہ وصیت کیوں کی تھی۔ اس نے عرض کیا کہ یا اللہ میرے پاس عمل تو کچھ تھا نہیں اس لیے اپنی حالت پر اندیشہ تھا اور یہ حدیث میں نے سنی تھی۔ ”ان اللہ يستحي من ذی الشیبة المسلم“ کہ خدا بوڑھے مسلمان سے شرماتا ہے قسمت سے میں بڑھاپا بھی نہ تھا اور بوڑھا بننا اپنے اختیار میں نہ تھا تو میں نے یہ وصیت کی کہ میرے بالوں میں آٹا لگا دینا کہ بوڑھوں کی سی صورت تو ہو جائے۔ بس اتنی بات پر وہ شخص بخش دیا گیا۔ سچ کہا ہے کہ رحمت حق بہانہ می جوید (اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے)



یہ تو حکایتیں اہل کشف کی ہیں جو خود حجت شرعیہ نہیں مگر حدیث میں بھی ان کی اصل موجود ہے۔ چنانچہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص کو صرف راستہ میں سے کاٹنا ہٹا دینے پر بخش دیا گیا۔ جب ان کی اصل حدیث میں موجود ہے تو پھر ان کشفیات کو بھی تائید میں بیان کرنا صحیح ہو گیا کیونکہ کشف کا بھی حکم ہے کہ اگر حدیث و قرآن کے موافق ہو تو قبول ہے ورنہ رد ہے۔ (المراد ج ۱)

## زہد فی الدنیا کے درجے

زہد فی الدنیا کے چار درجے ہیں۔ گو مشہور تو تین ہی درجے ہیں مگر میرے قلب پر اس وقت ایک درجہ اور آیا ہے جو فی نفسہ بزرگوں کے کلام میں مذکور ہے مگر اس سلسلہ میں مذکور نہیں تھا۔ ایک درجہ علم کا، ایک عمل کا، ایک حال کا۔ یہ تو مشہور ہیں اور ایک میں نے بڑھایا ہے کیونکہ حال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حال راسخ ایک حال غیر راسخ۔ تو میں نے حال میں تفصیل کی ہے کہ ایک درجہ حال غیر راسخ کا اور ایک درجہ حال راسخ کا جس کو سہولت ضبط کے لیے مقام سے تعبیر کرنا چاہیے اور حال غیر راسخ کو صرف حال کہنا چاہیے تو اب چار درجے یوں ہوئے۔ ایک درجہ علم کا، ایک عمل کا، ایک حال کا، ایک مقام کا اور اس کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ لوگوں کو اس میں دھوکا ہو جاتا ہے بہت لوگ حال راسخ کافی سمجھتے ہیں اور حال غیر راسخ بمعنی کیفیت غیر دائمہ کچھ کمال نہیں۔ یہ تو اکثر کو پیش آ جاتا ہے۔ اب اگر اسی پر درجات کا خاتمہ کر دیا جائے جیسا کہ تقسیم مشہور میں ہے تو لوگوں کے نزدیک یہی منتہی ہوگا حالانکہ یہ کچھ معتد بہ نہیں جب تک کہ راسخ نہ ہو۔ (غریب الدنیا ج ۱)

## معرفت کیا ہے؟

اس کا مطلب عارفین نے سمجھا ہے کیونکہ وہی زبان شناس نبوت ہیں۔ ان سے اس کا مطلب پوچھو خود اپنی طرف سے تفسیر نہ کرو کیونکہ تم نبوت کی زبان نہیں سمجھتے۔

تو ندیدی گہے سلیمان را      چہ شناسی زبان مرغان را  
(جب تو نے سلیمان علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں تو پھر تو پرندوں کی بولیاں کس طرح سمجھے گا)

اس کا مطلب حضرت فرید عطارؒ بیان فرماتے ہیں:

ہر کہہ اورا معرفت بخشد خدائے      غیر حق را در دل او نیست جائے

نزد عارف نیست دنیا را خطر      بلکہ بر خود نیستش ہرگز نظر  
عارف از دنیا و عقبی فارغ ست      انچہ باشد غیر قوی فارغ ست  
(جس کو خدائے بزرگ اپنی پہچان نصیب کر دے تو اس دل میں غیر اللہ کے لیے  
کوئی جگہ نہیں، عارف کے نزدیک دنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہے بلکہ خود اپنے وجود ہی کے  
ہونے نہ ہونے پر نظر نہیں، عارف دنیا و آخرت کے غم سے فارغ ہے اس لیے کہ فرمان  
الہی کے علاوہ جو کچھ ہے اس سے بے تعلق ہے)

فرماتے ہیں کہ معرفت اس کا نام ہے کہ دنیا کی قدر دل میں نہ ہو اور اس سے دل کو  
خالی رکھو۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہاتھ کو بھی خالی رکھو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

اے پسر از آخرت غافل مباش      بامتاع ایں جہاں خوش دل مباش  
در بلیات جہاں صبا باش !      گاہ نعمت شاکر جبار باش !  
(صاحبزادے! فکر آخرت سے غفلت میں نہ رہ اس جہاں کے سامان زینت سے  
دل بستگی نہ کر دنیا کے سرد گرم پر راضی برضارہ اور ہمیشہ خدا کی نعمتوں کا شکر کرتا رہ)

شیخ فرید عطار رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب پند نامہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو دی تھی۔  
چنانچہ مولانا رومی نے اس کتاب کو اپنا دستور عمل بنایا۔ پھر معلوم ہے کہ وہ کس درجہ کے  
ہوئے۔ اس طرح شیخ فرید عطار مولانا رومی کے استاد ہو گئے۔ مولانا رومی نے بعض  
مقامات پر ان کی بہت تعریف فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ہفت شہر عشق راعطار گشت      ماہنوز اندر خم یک کوچہ ایم  
حضرت عطار عشق کے سات شہروں کو طے کر چکے اور ہم تو ابھی تک ایک ہی گلی کے موڑ پر ہیں۔  
تو اتنے بڑے شخص کا قول یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگانا ہی معرفت ہے۔ باقی دنیا کا  
پاس ہونا مضر نہیں۔ ہاں بے ضرورت سامان جمع نہ کرے۔ فرماتے ہیں:

چیت تقویٰ ترک شبہات و حرام      از لباس و از شراب و از طعام  
تقویٰ کیا ہے؟ کھانے پینے پہننے میں شبہ اور حرام سے بچنے کا نام ہے۔  
ہرچہ افزوں ست اگر باشد حلال      نزد اصحاب ورع باشد وبال  
زائد از ضرورت ہر شے چاہے حلال ہو متقی بندوں کے لیے وبال ہے۔ (غریب الدنیاج)

ہر چیز میں ضرورت کا معیار یہ ہے کہ جس کے بغیر تکلیف ہو وہ ضروری ہے اور جس کے بغیر تکلیف نہ ہو وہ غیر ضروری ہے اب اگر اس میں اپنا دل خوش کرنے کی نیت ہو تو مباح ہے اور اگر دوسروں کی نظر میں بڑا بننے کی نیت ہو تو حرام ہے۔ اس معیار کے موافق عمل کرنا چاہیے مگر اس سے ہر شخص خود کام نہیں لے سکتا بلکہ اس پر عمل کرنے کے لیے کسی مربی کی رائے کی ضرورت ہے۔ یہاں سے شیخ کی ضرورت معلوم ہو گئی۔ خوب فرمایا کہ

گر ہوائے اس سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس بیا  
یار باید راہ راتہا مرو بے قلاوز اندریں صحرا مرو  
اے دل! اگر طریق الفت میں تجھ کو چلنے کی خواہش ہے تو کسی شیخ کامل کا پلہ پکڑ اور  
خود رائی کو چھوڑ دے۔ واقف کار ساتھی کے بغیر اکیلا سفر میں مت چل۔ خصوصاً صحرائے  
محبت میں تو شیخ کامل کے بغیر ہرگز قدم نہ رکھ۔ اور اس کے لیے کسی سے بیعت ہو جانا کافی  
نہیں بلکہ اس کی ضرورت ہے کہ اپنے کو اس کے سپرد کر دے۔

چوں گزیدی پیر ہیں تسلیم شو ہچو موسیٰ زہر حکم خضر رو  
صبر کن درکار خضرائے بے نفاق تا گوید خضر رو ہذا فراق  
جب تو نے شیخ کامل اختیار کر لیا تو سراپا اطاعت بن جا۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرح خضر علیہ السلام  
کے حکم پر چل اے مخلص خضر راہ کے حکم کی علت معلوم کرنے میں جلدی مت کرنا کہ تجھ کو تیرا خضر  
راہ ”هَذَا فِرَاقٌ بَيْنِي وَبَيْنَكَ“ (کہ یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے) نہ کہہ دے۔  
غرض ہر بات کو شیخ سے پوچھو کہ میں یہ کام کرنا چاہتا ہوں یہ ضروری ہے یا غیر ضروری۔  
اس سے پوچھ کر کچھ عرصہ کرو ان شاء اللہ ایک دن تم بھی محقق ہو جاؤ گے۔ (غریب الدین ج ۱)

## تصوف کی کنجی

مگر پیر کو پہلے دیکھ لو۔ ہر شخص کے ساتھ نہ ہو جاؤ۔ اس فرقے میں راہزن بہت ہیں۔  
پیر کامل ہو۔ قبیح سنت ہو۔ قبیح شیطان نہ ہو۔ کامل مکمل ہو اور جامع ہو ظاہر و باطن کا۔ نہ ظاہر  
اس کا خلاف شرع ہو نہ باطن خوب پرکھ لو اس میں جلدی نہ کرو۔ اس میں جتنی دیر لگے گی اتنا  
ہی نفع زیادہ ہوگا۔ جب ایسا پیر مل جاوے تو ہم تن اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دو۔ اور وہ جو  
کچھ بتا دے اسی کو صحیح سمجھ لو۔ کچھ اس میں شک و شبہ نہ کرو۔ اس کے حکم کو خدا کا حکم سمجھو اور یہ

پیر پرستی نہیں۔ وہ خدا نہیں ہے بلکہ یہ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ جو کچھ بتاتا ہے وہ خدا اور رسولؐ ہی کا حکم ہوتا ہے اور سب قرآن و حدیث کے موافق ہوتا ہے۔ (آخر الاعمال ج ۲)

## مقام کی وضاحت

اصطلاح صوفیہ میں جس کو مقام کہتے ہیں اور جس کا مجھے انتہائی درجہ بیان کرنا ہے وہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ نیک کام اختیار کرنے کو مقام کہتے ہیں اور اتنی ہی تخصیص اور ہے کہ نیک کام سے مراد بھی عمل باطنی ہے۔ عمل ظاہری کو مقام نہیں کہتے۔ مثلاً نماز پڑھنے کا کوئی عادی ہو گیا اور اچھی طرح اس کی تکمیل کر لی تو ان کی اصطلاح میں اس کو مقام نماز کے طے کرنے والا نہ کہیں گے۔ بلکہ اعمال باطنہ کا نام مقام ہے۔ جیسے تواضع یعنی اپنے آپ کو کم تر سمجھنا یا اخلاص یعنی عمل کو بلا کسی غرض کے کرنا یا جیسے صبر و شکر، رضا و حید وغیرہ جن کی تفصیل کتب فن میں موجود ہے۔ ان کے حاصل کرنے کو سلوک مقامات کہتے ہیں۔ تو جب کہیں فلاں شخص نے مقام تواضع طے کر لیا تو معنی یہ ہوں گے کہ اس ملکہ کی تکمیل کر لی۔ علیٰ ہذا القیاس! (آخر الاعمال ج ۲)

## مقام رضا

غرض مقام رضایہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ہر فعل سے عقلاً راضی ہو گو طبعاً گواہی بھی محسوس ہو۔ جیسے بیٹے کے مرنے سے رنج ہوا اور آنسو بھی نکل آئے مگر عقلاً جانتا ہے اور اچھی طرح یہ بات ذہن نشین ہے کہ ٹھیک وہی ہے جو حق تعالیٰ نے کی ایسے شخص کو مقام رضا حاصل ہے۔ (آخر الاعمال ج ۲)

## اہل اللہ کے حالات

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ بارش ہوئی تو انہوں نے کہا آج کیا موقع پر بارش ہوئی ہے۔ الہام ہوا کہ او بے ادب اور بے موقع کب ہوئی تھی۔ بس ہوش ہی تو اڑ گئے کہ کیا تھا شکر اور ہو گئی گستاخی اور جواب طلب ہے۔ یہ ان کے مواخذے ہیں اور ہم لوگ یہ لفظ ہیں تو شکر ہو اور باعث ثواب ہو۔ دیکھئے لفظ آج پر یہ عتاب ہو گیا۔

ایک بزرگ کے وقت میں بن میں بارش ہوئی تو انہوں نے کہا کہ یہ بارش بستی میں ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ بس اس لفظ پر اپنے رتبے سے گرا دیئے گئے مگر ان کو خبر نہ ہوئی۔ یہاں



سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ہر واقعہ کی خبر اولیاء کو ہو جانا ضروری نہیں۔ لوگ اولیاء کو جانے کیا سمجھتے ہیں گواپنے متعلق اکثر تو ہو جاتی ہے کبھی نہیں بھی ہوتی۔ چنانچہ ان بزرگ کو نہ ہوئی۔ دوسرے ایک بزرگ کو معلوم ہو گیا وہ ان سے ملنے آئے تھے مگر اس سے اس کو ظاہر نہ کیا اور وہاں سے جانے کے بعد ایک اور شخص سے کہا کہ ان پر عتاب ہے اس کلمہ کی وجہ سے۔ اس نے کہا آپ نے ان سے اس کو ظاہر کیوں نہ کر دیا کہا مجھے شرم آئی اور خیال کیا کہ ان کا دل برا ہوگا انہوں نے اجازت چاہی کہ میں ظاہر کر دوں انہوں نے اجازت دے دی۔ انہوں نے ظاہر کر دیا ان کی بری حالت ہو گئی اور فرمائش کی کہ اس کی تدبیر میں میری مدد کرو اور وہ علاج یہ کیا کہ رسی باندھ کر مجھے گھسیٹو چنانچہ ایسا کیا گیا اللہ اکبر! یہ ایک شیخ وقت کے حالات ہیں۔

ایں چنین شیخ گدائے کو بکو

یہ حالتیں اہل اللہ پر گزرتی ہیں (آخراعمال ج ۲)

## سلوک میں مقام فنا

بعض نے اخیر مقام فنا کو کہا ہے اور فنا کے معنی موت نہیں ہے کبھی کوئی سمجھے کہ خود کشی کر لو بس سارے مقام طے ہو گئے۔ موت تو حیات کا آخر ہے۔ مقامات سلوک کا آخر نہیں۔ بلکہ فنا سے مراد معاصی و نامرضیات کے متعلق تقاضائے نفس کا فنا ہو جانا ہے نفس کا جب تک تقاضا فنا نہیں ہوا۔ اس وقت تک وہ فضولیات میں شہوات میں اغراض میں مبتلا کرتا ہے۔ یہ باتیں جاتی رہیں اس کا نام فنا ہے اور تقاضے کا لفظ اس واسطے کہا کہ معاصی کی طرف نفس کا میلان بالکل جاتا رہنا ضروری نہیں البتہ نفس کا تقاضا کھونے کی ضرورت ہے اور یہ بات مجاہدہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مجاہدہ سے نفس ایسا رام ہو جاتا ہے جیسے شائستہ گھوڑا کہ قابو میں آ جاتا ہے اور سوار کا مطیع ہو جاتا ہے اور اس کی قوت اور دوڑ دھوپ سب باقی رہتی ہیں۔ ہاں اتنا فرق ہو جاتا ہے کہ پہلے دوڑ دھوپ اپنی خواہش کے موافق تھی اور اب سوار کے موافق ہو گئی۔ (آخراعمال ج ۲)

## مقصود حال نہیں اعمال ہیں

صاحبو! حال پیدا کرو بدوں حال کے کام نہیں چل سکتا۔ گو حال مقصود نہیں بلکہ مقصود اعمال ہیں اگر بدوں حال کے بھی آدمی عمل پر جمار ہے تو کامیاب ہو جائے گا مگر بدوں حال

کے عمل پر استقامت دشوار ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے ریل کو آدمی ٹھیلے ہوں۔ آخر کہاں تک ٹھیلیں گے تھوڑی دور چل کر رہ جائیں گے۔ پھر کچھ بھی حرکت نہ ہوگی اور حال کے ساتھ عمل کی ایسی مثال ہے جیسے انجن کی اسٹیم گرم ہو اور وہ ریل کو لئے جا رہا ہو اب وہ بدوں روکے ہوئے تھوڑا ہی رکے گا۔ اگر اس کے روکنے کو راستہ میں لکڑا اور پتھر بھی رکھ دو گے تو وہ سب کو پھینک پھانک چل دے گا۔ عراقی اسی کی طلب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صنما ! رہ قلندر سزدار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی  
”میرے مرشد مجھے تو طریق جذب کا رستہ دکھلا دے کیونکہ ریاضت و محنت کا راستہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے“

رہ قلندر سے مراد طریق حالی ہے اور رسم پارسائی سے عمل محض کا طریق مراد ہے تو فرماتے ہیں کہ طریق عمل محض تو بہت دور دراز ہے اس میں غوائل بہت ہیں آدمی کہاں تک اپنے کو ٹھیلتا رہے اور کہاں تک خلوص و اخلاص کی رعایت کرے کبھی ریاء پیدا ہوتا ہے کبھی عجب پیدا ہوتا ہے سب سے الگ الگ کہاں تک بچے۔ چنانچہ اسی کو آگے فرماتے ہیں:

بطواف کعبہ رستم بحریم رہم نداوند کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی  
بز میں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی  
بقمار خانہ رستم ہمہ پاکباز دیدم چو بصر معہ رسید ہمہ یافتہ رہائی  
”طواف کعبہ کے لیے میں گیا تو مجھے حرم کے در پر روک کر کہا کہ باہر کیا ہی کیا ہے جو اندر آ کر پورا کرنے کی آرزو ہے۔ جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین پکاری مجھ کو تو نے ریائی سجدہ کر کے گندہ کر دیا میں جوئے خانہ میں پہنچا تو وہاں سب کو جوئے کے عہدوں پر مخلص پایا عبادت خانہ میں گیا تو اکثر کو خلوص سے خالی پایا۔“

غرض اخلاق عمل بدوں حال کے بسہولت نصیب نہیں ہوتا اور حال بدوں کسی شیخ کی صحبت کے حاصل نہیں ہوتا۔

نفس نتوان کشت الاطل پیر دامن آں نفس کش راحت گیر  
”نفس کا شیخ کامل کی سرپرستی کے سوا قابو میں آنا مشکل ہے اس مصلح نفس کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے“

بدوں طریق حالی کے ہوئے نفس کا غلبہ رہتا ہے۔ محض عمل میں نفس نہیں رہتا بلکہ غلبہ حال ہی سے دہتا ہے اور حال کیونکر پیدا ہوتا ہے دوام عمل اور کسی قدر ذکر اور صحبت کا ملین سے، میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ان تین چیزوں کو اختیار کر لو انشاء اللہ حال پیدا ہو جائے گا۔

پھر ضرورت ہے اس کے ابقاء کی پھر ترقی کر کے یہی حال مقام ہو جائے گا اور دونوں میں یہ فرق ہوگا کہ صاحب مقام کی حالت تو ظاہر میں عوام متدین کی طرح ہوگی اور باطناً اس کو ترقی ہوگی۔ منتہی کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ دل سب سے الگ اور ہاتھ میں سب کچھ۔ اگر سلطنت بھی اس کے ہاتھ میں ہو تو اس سے بھی دل کو تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ہزاروں لاکھوں روپے بھی اس کے پاس ہوں تو دل کو ان سے ذرا بھی لگاؤ نہیں ہوتا جب اس سے کہا جائے کہ اٹھو چلو اسی وقت سب کو چھوڑ کر الگ ہو جائے گا کیونکہ وہ اس کو اپنا مال ہی نہیں سمجھتا۔ اس پر تو ہر وقت یہ حال غالب ہے۔

فی الحقیقت مالک ہر شے خداست ایں امانت چند روزہ نزد ماست  
”حقیقت میں ہر چیز کا مالک تو خدا ہی ہے ہمارے پاس یہ چیزیں کچھ دنوں کے لیے امانت ہیں۔“  
(غریب الدنیاج)

حدیث میں اسی مسافر سے تشبیہ ہے جسکی یہ شان ہو اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے۔

## اسلام کی ابتداء اور انتہا

ان الاسلام بدء غریبا وسیعود غریبا فطوبی للغرباء

کہ اسلام غریب ہو کر ظاہر ہوا اور اخیر میں بھی غریب ہو جائے گا۔ یہاں غریب کے معنی مسکین نہیں کیونکہ دین کسی حال میں مسکین نہیں تھا۔ اگر مسکین ہوتا مالداروں کی خوشامد کرتا ان سے دہتا۔ حالانکہ اسلام نے تو شروع ہی سے متکبرین کو نیچا دکھایا ہے ان کے آلہہ باطلہ کی صاف صاف مذمت کی ہے اور ان کو اپنی اتباع و اطاعت کی دعوت دی ہے مسکین کہیں ایسے بھی ہوتے ہیں۔ ہاں ابتداء میں دین بے یار و مددگار اور اجنبی البتہ تھا کہ لوگوں نے اس کا ساتھ کم دیا۔ زیادہ آدمیوں نے مخالفت ہی کی۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اخیر میں بھی دین اجنبی اور بے یار و مددگار ہو جائے گا کہ لوگ زیادہ تر اس کی مخالفت کریں گے موافقت نہ کریں گے۔ ”فطوبی للغرباء“ یعنی مبارکباد ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو اس حالت میں دین پر جئے رہیں اور دنیا میں اجنبی اور بے یار و مددگار بن کر رہیں کیونکہ جس

زمانہ میں دین کی مخالفت ہوگی اہل دین کی بھی ضرور مخالفت ہوگی۔ اس وقت اہل دین بھی غرباء ہوں گے۔ یعنی بے یار و مددگار اور یہ لوگ اہل حق ہیں جو حق پر جمے رہتے ہیں اور جس طرح وہ غرباء ہیں اسی طرح وہ غرباء کی طرح رہنے کا قصد بھی کرتے ہیں جس کی تعلیم اس حدیث میں ہے اس لیے ان کو کسی کی مخالفت کی پروا نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو ”کن فی الدنیا کالنک غریب“ پر عمل کر کے دنیا میں اپنے کو بے یار و مددگار سمجھتے ہیں۔ وہ خدا کے سوا کسی کو اپنا ساتھی نہیں سمجھتے۔ لہذا کسی کی مخالفت سے ان کو رنج نہیں ہوتا۔ اگر تمام دنیا ان کو چھوڑ دے جب بھی ان کے حال میں فرق نہیں آتا۔ وہ سب سے آزاد ہیں ان کی وہ حالت ہوتی ہے۔

زیر بارند درختاں کہ ثمر ہا دارند  
اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد  
”جو درخت پھل پھول والے ہیں بوجھ میں دبے ہوئے ہیں سرو کتنا اچھا ہے جو ہر قسم کی خوشی و غمی سے آزاد ہے“ (غریب الدنیاء ج ۱)

## شان صحابہ رضی اللہ عنہم

عارف و صحابہ کی عبادت اور ہماری عبادت کا فرق مراتب کا یہی راز ہے۔ عارف و صحابہ کی عبادت خواہ مالی ہو یا بدنی اس کے مقابلہ میں کسی کی عبادت نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کی عبادت میں کیا بات زیادہ ہے؟ وہی علم و خلوص عارف کی دو رکعتیں ہماری دو لاکھ رکعتوں سے بہتر و افضل ہیں اس لیے کہ علم و اذعان اور خلوص اس میں اس قدر پایا جاتا ہے جو ہماری عبادت میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مرشدی نے فرمایا تھا کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے بہتر و افضل ہیں۔ حضرت نے یہ غلط نہیں کہا اور نہ اس میں مبالغہ ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرا صحابی آدھامد غلہ خیرات کرے وہ احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ اگر اس حدیث کی بناء پر آدھامد غلہ کے مقابلے میں آدھ سیر سونا لیا جائے اور اس کی نسبت سے احد پہاڑ کو دیکھیں تو نسبت معلوم ہوگی کہ کیا ہے اور اگر یہ نسبت اس طرح لی جائے کہ بجائے آدھ سیر غلہ کے اس کی قیمت لے کر پھر سونے کی قیمت سے موازنہ کیا جائے تو اور زیادہ نسبت حاصل ہوگی اور یہ ثواب کی زیادتی صرف علم معرفت کی زیادتی سے ہے اور اس سے اچھی طرح صحابہ کی عبادت اور ہماری عبادت کی نسبت معلوم ہو سکتی ہے۔ (تذکیر لا خروہ ج ۱)



## عارفانہ زندگی

جو لوگ عارف باللہ ہوتے ہیں انہیں ایسے تکلفات سے غرض نہیں ہوتی سادہ زندگی رکھتے ہیں اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور انکے قلب میں اس سامان کی وقعت ہوتی ہے۔ (تذکیر لاخرہ ج ۱)

### مسئلہ سماع

حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کی قبر پر سماع و قوالی نہیں ہوتی، محض قرآن خوانی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی بتلائی جاتی ہے کہ شیخ متبع سنت بہت تھے اس لئے قبر پر قوالی نہیں ہوتی اس جواب میں ان لوگوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ سماع اور قوالی اور پختہ قبر بنانا یہ سب افعال خلاف سنت ہیں۔ جیسا تو تم اس بزرگ کی قبر پر یہ نہیں کرتے جس کو کامل متبع سنت سمجھتے ہو۔ گو یہ لوگ اس نیت سے کہ یہ امور خلاف سنت ہیں یہ جواب نہ دیتے ہوں مگر سچی بات تو بے ساختہ منہ سے نکل ہی جاتی ہے اور اہل انصاف تو صاف صاف اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے ہیں۔

چنانچہ میں ایک بار حضرت شاہ سلطان نظام الدین قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اس وقت وہاں پر سماع کا سامان جمع کیا جا رہا تھا۔ میں فاتحہ پڑھ کر چلنے لگا، تو اہل سماع نے مجھے روکا کہ آپ سماع میں شریک کیوں نہیں ہوتے۔ آپ بھی تو چشتی ہیں اور چشتیہ تو سب صاحب سماع ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اس لئے شریک نہیں ہوتا کہ سلطان جی ناراض ہو جائیں گے۔ کہا کیوں؟ سلطان جی تو خود صاحب سماع تھے۔ میں نے کہا، ہاں! مگر سلطان جی نے اپنے رسالہ فوائد الفواد میں سماع کی چار شرطیں لکھی ہیں۔

۱۔ سماع ۲۔ مسموع ۳۔ مسموع ۴۔ آلہ سماع

سماع کے متعلق فرمایا ہے کہ ”اہل ہوی و شہوت نباشد“۔ اور مسموع کی نسبت ارشاد ہے کہ ”مرد تمام باشد، زن و کودک نباشد“۔ اور مسموع میں شرط لگائی ہے کہ ”ہزل و فحش نباشد“۔ اور آلہ سماع کے باب میں فرمایا ہے کہ ”چنگ و رباب در میان نباشد“۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ یہاں یہ شرائط مجتمع نہیں۔ تو مجھ میں حضرت کے ناراض کرنے کی ہمت نہیں۔ پس یہ جواب سن کر سب شرمندہ ہو گئے۔ اگر میں عام مولویوں کی طرح وہاں بحث کرنے لگتا کہ سماع مطلقاً حرام ہے تو کوئی میری بات کو نہ سنتا

مگر اس نرمی کے جواب کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اقرار کر لیا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو اور جیسا سماع ہم سنتے ہیں وہ بزرگوں کی شرائط کے خلاف ہے۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

## اہل اللہ کی باتیں

ایک بادشاہ کسی بزرگ کی زیارت کو گئے۔ خانقاہ کے دروازہ پر پہنچے تو دربان نے روک دیا کہ میں اول شیخ کو اطلاع کر دوں۔ اگر اجازت دے دی تب اندر جانا۔ بادشاہ کو دربان کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی مگر چونکہ معتقدانہ آیا تھا اسی لئے خاموش رہ گیا۔ دربان نے شیخ کو اطلاع کی کہ بادشاہ سلامت زیارت کو آنا چاہتے ہیں وہاں سے اجازت ہوگئی۔ جھلایا ہوا تو تھا ہی بزرگ کے سامنے جاتے ہی برجستہ یہ مصرع پڑھا کہ ۔

در درویش را درباں نہ باید      بزرگ نے فی البدیہہ جواب دیا۔

باید تا سگ دنیا نیاید      بادشاہ اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔

اسی طرح جب شاہ جہاں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی زیارت کو گئے تو شیخ پہلے تو پیر سمیٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ بادشاہ کے پہنچنے پر پیر لمبے کر کے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کے ساتھ ایک عالم بھی تھے۔ انہوں نے اس حرکت سے نفرت ظاہر کرتے ہوئے سوال کیا کہ آپ نے پیر لمبے کب سے کر دیئے شیخ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ جب سے ہاتھ سمیٹ لئے۔ (الفاظ قرآنی ج ۲)

## اہل علم کو خطاب

میں علماء سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ اپنے اندر یہ مذاق پیدا کرو اور اپنے اعمال و اخلاق کو درست کرو۔ کہاں کے مناصب اور کیسی امامت؟ یاد رکھو! تم قوم کے ذمہ دار ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے ان افعال کی وجہ سے لوگ دین کو ذلیل سمجھنے لگیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ان حرکات پر یہ نتیجہ بد مرتب ہو رہا ہے۔ لوگوں نے علماء کی طمع اور پارٹی بندی کی وجہ سے علم دین کو ذلیل سمجھ رکھا ہے۔ تم نے ہی قوم کو ڈبویا ہے۔ تم نے ہی ان کے اعمال کو خراب اور ستیاناس کیا ہے۔ جب عوام علماء کو پارٹی بندی کرتے دیکھیں گے تو بتلاؤ کیا وہ پارٹی بندی نہیں کریں گے۔ ضرور کریں گے پھر ان کی اصلاح کے لئے ہمارا کیا منہ رہے گا۔

صاحبو! تم مسلمانوں کے خادم ہو مخدوم نہیں ہو۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ راستہ میں چلتے

ہوئے کسی عامی کا سامنا ہو تو تم اس کو خود سلام نہیں کرتے بلکہ اس کے سلام کے منتظر رہتے ہو۔ یہ بھی وہی حب جاہ ہے کہ تم اپنے کو بڑا سمجھتے ہو۔ کہاں تک روؤں؟ ہزاروں باتیں ہیں۔ بقول شاعر۔  
 یک تن دخیل آرزو دل بچہ مدعا دہم      تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم  
 ایک بات ہو تو اس کو روایا جائے۔ افسوس! ہم تو سر سے پیر تک ذمائم میں غرق ہیں۔  
 صاحبو! ہمارے اکابر تو ایسے نہ تھے بلکہ ان کی تو یہ حالت تھی کہ حضرت مولانا محمد منظر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار چار پائی کی پائنتی کی طرف بیٹھے ہوئے تھے کہ خط بنانے کو حجام حاضر ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ بھائی بیٹھ جاؤ۔ اس نے کہا، حضرت! میں تو سرہانے نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ سرہانے بیٹھ جائیں تو میں بیٹھوں فرمایا، تو پھر اس وقت چلا جا۔ جب تو مجھے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھے اس وقت آکر حجامت بنا دینا۔ میں کہاں جھگڑا کروں کہ پائنتی چھوڑ کر سرہانے جا کر بیٹھوں۔ ایک دوسرے بزرگ اس وقت موجود تھے انہوں نے حجام سے کہا کہ ارے! یہ سرہانے نہیں بیٹھیں گے۔ تو ہی بیٹھ جا۔ صاحبو! ہمارے اکابر تو اس شان کے تھے۔ (الفاظ قرآنی ج ۲)

مجدوبوں کی مثال ایسی ہے جیسے سپاہی اور کوتوال کہ ان کے سپرد شہر کا انتظام ہوتا ہے شہر کے تمام حالات کی ان کو اطلاع ہوتی رہتی ہے۔ اور سالک کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کا محبوب کہ اسے شہر کے حالات کی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں بادشاہ کا مزاج شناس اس درجہ ہوتا ہے کہ کوتوال کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ (تعلیم و تعلیم ج ۲)

## صحبت کی ضرورت

اگر کسی سے تعلیم و تعلم کا مشغلہ بالکل ہی نہ ہو سکے اس کو چاہئے کہ کم از کم علماء سے ملتا جلتا رہے اور ان سے دین کے مسائل پوچھتا رہے اور ان کی صحبت میں کچھ عرصہ تک مقیم رہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے کہ علم میں مشغول ہونے کے ساتھ بھی اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ فقط کتابیں پڑھ لینے پر کفایت نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ ایک چیز ایسی ہے جو بدون صحبت کے حاصل نہیں ہوتی وہ دین کی مناسبت ہے۔ دین کے ساتھ تعلق اور مناسبت بدون صحبت کے نہیں ہوتی۔ صحبت کا وہ اثر ہے جس کو شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا ہے۔

گلے خوشبو ے درحمام روزے  
بدو گفتم کہ مشکے یا غیرے  
رسید از دست محبوبے بدستم  
کہ از بوئے دلاویز تو مستم  
بگفتا من گل ناچیز بودم  
لیکن مدتے باگل نشستم  
جمال ہم نشیں درمن اثر کرد  
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

دیکھئے گلاب کے پاس رہنے سے مٹی میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اہل محبت کے پاس رہنے سے خدا کی محبت اور دین کے ساتھ مناسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت صحبت ہی کی وجہ سے ہوئی۔ کہ آج کوئی امام اور فقیہ اور کوئی بڑے سے بڑا ولی ادنیٰ صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ حالانکہ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے بلکہ بہت سے علوم تو صحابہ کے بعد پیدا ہوئے۔ ان کے زمانہ میں ان علوم کا پتہ بھی نہ تھا جو آج کل کثرت سے موجود ہیں۔ انکا یہی کمال تھا کہ وہ ان علوم میں مشغول نہ ہوئے تھے کیونکہ

ولفر بیان نبائی ہمہ زیور بستند      ولبر ماست کہ باحسن خداداد آمد  
زیر باراند درختہا کہ ثمر ہا دارند      اے خوشا سر د کہ از بند غم آزار آمد

پس صحابہ کا بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان کو نصیب تھی۔ پس یاد رکھو کہ صحبت بدون علم متعارف کے مفید ہو سکتی ہے۔ مگر علم متعارف بدون صحبت کے بہت کم مفید ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل بہت سے علماء نظر آتے ہیں مگر ان میں کام کے علماء دو چار ہی ہیں۔ جن کو کسی کامل کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔ (تعییم تعلیم ج ۲)

## استغراق غیر مقصود ہے

محویت واستغراق کے غیر مقصود ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نصوص میں اس کی فضیلت کہیں وارد نہیں ہوئی بلکہ حدیث میں تو خشوع کی یہ حقیقت بتلائی گئی ہے۔

من تو ضاء فاحسن الوضوء ثم صلی رکعتین مقبلا علیہما بقلبه

لایحدث فیہما نفسہ غفرلہ ماتقدم من ذنبہ او کما قال۔

(جس نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا پھر دو رکعت اس طرح پڑھے کہ دل سے ان پر متوجہ ہو اور ان میں اپنے نفس سے باتیں نہ کرے، وہ جنت میں داخل ہوگا ۱۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا لاتحدث فیہما نفسہ (کہ اس کا دل بھی باتیں نہ کرے)



بلکہ لایحد ث فیہما نفسہ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیار سے وساوس نہ لائے  
گو خود آجائیں اس کا مضائقہ نہیں۔ اور جب وساوس کا آنا مذموم نہیں تو اس کا نہ آنا مطلوب  
بھی نہیں۔ ہاں وسوسہ کا از خود لانا مطلوب ہے۔ پس جو خود وسوسہ نہ لاتا ہو اس کو مطلوب  
حاصل ہے اب اس کو یہ چاہنا کہ بلا قصد بھی وساوس نہ آیا کریں غیر مقصود کی طلب ہے۔

احادیث میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا وسوسہ کی شکایت کرنا وارد ہے۔ جس کے  
جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی ایسا وظیفہ نہیں بتلایا جس سے وساوس  
کا آنا بند ہو جائے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدم التفات کا امر فرمایا ہے:

بقوله ذالک صریح الایمان وبقوله فلیستعذ باللہ ولینتہ.

جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے کو ذکر کی طرف متوجہ کر دے اور وسوسہ کی طرف التفات  
نہ کرے یعنی از خود اس طرف متوجہ نہ ہو یہی مفہوم ہے لیفتہ کا نہ یہ کہ اس کی نفی کی طرف متوجہ  
ہو۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ وساوس کا نہ آنا مطلوب نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
اس کی مطلوبیت کو ظاہر فرماتے۔

شاید اس پر کوئی یہ شبہ کرے کہ گویا احادیث سے وسوسہ پر مواخذہ نہ ہونا معلوم ہوتا ہو مگر  
قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ پر بھی مواخذہ ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس به نفسه

اس سے ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ وسوسہ پر مواخذہ ہے چنانچہ بہت آیتوں میں يعلم  
ما تفعلون وغیرہ عنوانات کی دلالت اس پر متفق علیہ ہے۔ مگر اس شبہ کا منشاء عدم تدبیر  
ہے۔ اور قرآن میں اکثر اشکالات جو پیش آتے ہیں وہ سیاق و سباق میں غور نہ کرنے ہی  
سے وارد ہوتے ہیں ورنہ قرآن کے مضامین پر کوئی اشکال وارد نہیں ہو سکتا۔ واقعی بینات  
من الہدی والفرقان ہے مگر کس کے لئے، تدبیر کرنے والوں کیلئے۔ کتاب انزلنا  
الیک مبارک لیدبروا آیاتہ اب سنئے کہ نعلم ما توسوس به نفسه سے یہ اشکال کیوں  
پیدا ہوا۔ منشا اشکال کا یہ ہے کہ لوگوں نے اس کو عتاب پر محمول کیا ہے کہ گویا حق تعالیٰ  
یوں فرما رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اس کے وساوس قلبیہ کو خوب  
جانتے ہیں۔ اس لئے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان وساوس کی کسی کو خبر نہیں۔ جیسے نحن اعلم بما

یصفون اور نحن العلم بما یقولون وغیرہ میں عتاب ہے مگر سیاق و سباق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جملہ کو عتاب سے کوئی تعلق نہیں۔ (کوثر العلوم ج ۲)

## خشیت خداوندی

خشیت کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

واسئلک من خشیتک ماتحول بہ بینی و بین معاصیک

اے اللہ! میں آپ کا خوف اتنا چاہتا ہوں جس سے مجھ میں اور معاصی میں رکاوٹ ہو جائے۔ اس سے زیادہ خشیت کو آپ نے طلب نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ اس کا زیادہ غلبہ مقصود نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ غلبہ خشیت بعض دفعہ جسمانی تکالیف کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جسم حزن و غم سے گھلنے لگتا ہے۔ نیز بعض دفعہ حدود سے تجاوز ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی غلام پر آقا کا خوف بہت غالب ہو تو اس کے سامنے جاتے ہی اس کے ہاتھ پیر بھول جاتے ہیں۔ پھر چاہتا کچھ ہے کرتا کچھ ہے۔ زبان سے بھی بے تکلی باتیں نکلتی ہیں۔ کہنا کچھ چاہتا ہے اور زبان سے کچھ نکلتا ہے نیز بعض دفعہ اس غلبہ خشیت سے مایوسی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے ایسا غلبہ کمال نہیں اور اس لئے کاملین پر ایسا غلبہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام غالب علی الکلیفات ہوتے تھے مغلوب نہ ہوتے تھے ہاں گا ہے کاملین پر بھی غلبہ ہوتا ہے مگر وہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا۔ تھوڑی دیر کو ہوتا ہے پھر حق تعالیٰ جلدی ہی خود سنبھال لیتے ہیں اور واقعی ناقص کی سنبھال تو کاملین کے ذریعہ سے ہو جاتی ہے۔ کاملین کی سنبھال کون کرے سوا خدا تعالیٰ کے پس ان کو خود ہی سنبھالتے ہیں۔

اوبدلہا ہم نماید خویش را اوبد وزد خرقہ درویش را

یعنی حق تعالیٰ ہی خود اپنے کو عشاق کے سامنے ظاہر بھی فرماتے ہیں اور خود ہی ان کے نقص کو بھی کمال سے مبدل فرماتے ہیں۔ (کوثر العلوم ج ۲)

## حصول خشیت کا طریقہ

باقی اور اصل مقصود وہ علم ہے جس کے ساتھ قلب میں خشیت بھی پیدا ہو۔ اس کا حاصل کرنا بھی ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے۔ مگر عادتاً یہ بدوں صحبت شیخ کے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لئے قال و قیل کو کچھ دنوں کے لیے ترک کرنا اور کسی شیخ کی جوتیاں سیدھی کرنا شرط ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

از قال وقیل مدرسہ حالے ولم گرفت  
 از قال وقیل مدرسہ حالے ولم گرفت ☆ یک چند نیز خدمت معشوق می کنم  
 (مدرسہ کے قیل و قال سے اب میرادل رنجیدہ ہو گیا۔ اب کچھ دنوں شیخ کامل کی خدمت کرتا ہوں۔)  
 قال را بگذار و مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو  
 (یعنی قال کو چھوڑ و حال پیدا کرو۔ یہ اس وقت پیدا ہو گا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ)  
 مگر اس میں ایک ترتیب بھی ہے اور وہ ترتیب ہر شخص کے لیے جدا ہے اس کو میں اس مجلس میں بیان نہیں  
 کر سکتا۔ اس کو صحبت شیخ پر رکھو جب تم کسی سے رجوع کرو وہ خود ترتیب بتلا دے گا۔ (العلم والخشہ ج ۲)

## سالک کا نفع عام ہے

سالک سے ہر طرح کا نفع ہوتا ہے کیونکہ وہاں تعلیم بھی ہوتی ہے اور دعا بھی بلکہ  
 مجذوب کے فکر میں پڑنے سے ضرر یہ ہوتا ہے کہ لوگ شریعت کو بیکار سمجھنے لگتے ہیں حاصل کہ  
 کہ غیر مومن کو مقبول سمجھنا بالکل قرآن کا معارضہ ہے لہذا جو گیوں اور جاہل فقیروں کے پیچھے  
 پڑنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔ (فضل العلم والعمل ج ۲)

## شیخ کامل کی پہچان

شیخ کامل ہونا چاہیے اور اس کے پہچاننے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے لہذا اس کی پہچان  
 معلوم کرنا ضروری ہے۔ سو پہچان یہ ہے کہ۔

۱: علم دین بقدر ضرورت رکھتا ہو خواہ پڑھ کر یا علماء کی صحبت سے۔

۲: عمل میں مستقیم ہو۔

۳: امر بالمعروف و نہی عن المنکر طالبین کو کرتا ہو۔

۴: کسی مسلم شیخ سے تعلق رکھتا ہو۔

۵: علماء سے نفور نہ ہو ان سے استفادے میں عار نہ کرے۔

۶: اس کی صحبت میں رغبت آخرت و نفرت عن دنیا کی خاصیت ہو۔

پس جس شخص میں یہ علامتیں ہوں وہ کامل ہے اس سے ارتباط پیدا کر لو۔

(فضل العلم والعمل ج ۲)

## حقیقت شجرہ

شجرہ کا حاصل دعا التوسل ہے اور دعا ذکر کی فرد ہے یہ تو وہ شجرہ ہے جس میں بزرگوں کے واسطہ سے دعا مانگی جائے۔ جیسے ہمارے حاجی صاحب کا شجرہ ہے اور ایک شجرہ دوسرا ہے کہ پیر کے نام کا وظیفہ پڑھا جائے۔ (جیسے یا شیخ عبدالقادر شینا اللہ ۱۲) یہ ناجائز ہے۔ (اکبرالاعمال ج ۲)

## ادب کی تعلیم

مقربین کو تو ذرا اسی بات پر گوشمالی کی جاتی ہے ہمارا جہل ہمارے کام آگیا کہ ہم سے ان باتوں پر گرفت نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ کسی چیز کی نسبت ان کی زبان سے یہ نکل گیا تھا کہ بہت لطیف ہے اس پر ان سے مواخذہ ہوا کہ اوبے ادب لطیف ہمارا نام ہے دوسرے پر اس کو کیوں جاری کیا؟ مجھے خوب یاد ہے کہ جب سے یہ حکایت دیکھی تھی۔ برسوں کسی چیز کو میں نے لطیف نہیں کہا۔ (اکبرالاعمال ج ۲)

## کرامات اولیاء

حضرت سلطان نظام الدین اولیاء کے یہاں شاہانہ ساز و سامان تھا۔ مگر اہتمام سے جمع نہ ہوا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ بھیجتے تھے اس لیے جمع ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپ کے یہاں وزراء اور سلاطین بھی بعض دفعہ دسترخواں پر حاضر ہوتے تھے اور سب کو ان کے مذاق کے موافق کھانا ملتا تھا۔

ایک بار وزیر حاضر تھا۔ کھانے کا وقت آ گیا خادم نے اطلاع کی کہ کھانا تیار ہے وزیر صاحب کے دل میں مچھلی کے کباب کا خیال آیا کہ اس وقت مچھلی کے کباب بھی ہوں تو اچھا ہے۔ سلطان جی کو اس خطرہ کا کشف ہو گیا خادم سے فرمایا ذرا ٹھہرو تھوڑی دیر کے بعد پھر آیا کہ کھانا ٹھنڈا ہوا جاتا ہے فرمایا ذرا اور ٹھہرو۔ اتنے میں ایک شخص سر پر خوان لیے ہوئے حاضر ہوا کہ حضور کو فلاں امیر نے سلام عرض کیا ہے اور حضرت کے لیے مچھلی کے کباب بھیجے ہیں حضرت نے ہدیہ قبول فرمایا اور خادم کو حکم دیا کہ کھانا لے آؤ۔ وزیر صاحب کو یہ بھی احتمال ہوا کہ شاید میری فرمائش ہی کی وجہ سے کھانے میں دیر کی گئی اور کباب کا انتظار کیا گیا تھا اور



یہ بھی احتمال ہوا کہ شاید اتفاق ہو۔ خادم نے دسترخواں بچھا کر سب کے سامنے کھانا رکھنا شروع کیا تو سلطان جی نے فرمایا کہ مچھلی کے کباب وزیر صاحب کے سامنے زیادہ رکھنا ان کو اس کا بہت شوق ہے۔ اب وزیر صاحب سمجھے۔ پھر سلطان جی نے فرمایا کہ وزیر صاحب فرمائش کا تو مضائقہ نہیں۔ مگر ذرا گنجائش رکھ کر فرمائش کرنا چاہیے۔

دیکھئے اس وقت دیر ہونے سے سب کو تکلیف ہوئی۔ اب تو وزیر کو یقین ہو گیا ہوگا کہ حضرت کو میرے خطرہ کا کشف ہو گیا تھا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار بھی ایسے ہی بزرگ ہیں جن کے یہاں بہت کچھ ساز و سامان تھا مگر اہل طریق ان کے کمال سے واقف تھے اور اپنے زمانہ میں وہ مشہور بزرگ تھے۔ چنانچہ مولانا جامی بھی شہرت سن کر آپ کے پاس کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ مگر مولانا جامی کے مذاق پر فقر کا غلبہ تھا وہ اہل باطن کے لئے باطنی فقر کے ساتھ ظاہری ظاہری فقر کو بھی ضروری سمجھتے تھے خواجہ صاحب کا ساز و سامان اور شان شوکت دیکھ کر مکدر ہوئے اور جوش میں یہ کہہ ڈالا۔

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

اور خفا ہو کر مسجد میں چلے گئے۔ حق تعالیٰ کو ان کی دست گیری مطلوب تھی۔ اس لیے مسجد میں جو سوئے تو خواب دیکھا کہ میدان قیامت قائم ہے اور ایک شخص مولانا جامی کے سر ہو رہا ہے کہ تمہارے ذمہ میرے چند پیسے ہیں ادا کرو۔ ورنہ نیکیاں دو۔ یہ بڑے پریشان ہوئے۔ پھر دیکھا کہ خواجہ عبید اللہ احرار کی سواری آرہی ہے۔ وہ ان کے پاس پہنچ کر رکے اور اس شخص سے فرمایا کہ فقیر کے کیوں سر ہو رہا ہے یہ میرا مہمان ہے۔ اس نے اپنے حق کا ذکر کیا۔ فرمایا ہم نے جو خزانے یہاں جمع کر رکھے ہیں ان میں سے اپنا حق لے لو۔

مولانا جامی یہ خواب دیکھ کر بیدار ہوئے تو نماز ظہر کا وقت تھا اور خواجہ صاحب مسجد میں داخل ہو رہے تھے اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ یہ شخص دنیا دار نہیں بلکہ مقبول بارگاہ ہے۔ دوڑ کر خواجہ صاحب کے قدموں میں گر پڑے اور خطرہ کی معافی مانگی اور خدمت میں قبول کرنے کی درخواست کی۔

خواجہ صاحب نے تسلی دی کہ اچھا جو چاہو گے ہو جائے گا۔ مگر ذرا اپنا وہ مصرع تو پھر سنا دو۔ مولانا نے عرض کیا کہ وہ تو میری حماقت تھی۔ فرمایا ایک بار تم نے اپنی خوشی سے پڑھا تھا۔ اب ہمارے کہنے سے پڑھ دو۔ انھوں نے حسب ارشاد سنایا۔

نہ مردست آں کہ دنیا دوست دارد  
 خواجہ صاحب نے فرمایا صحیح مضمون ہے مگر محتاج اتمام ہے۔ اس لیے اس میں یہ اور ملا دو کہ ۔  
 اگر دارد برائے دوست دارد (اکبرالاعمال ج ۲)

## ذکر لسانی کے درجات

چنانچہ ہمارے مشائخ چشتیہ تو ذکر لسانی میں بھی تدریج کرتے ہیں کہ بارہ تسبیح میں اول  
 لا الہ الا اللہ کی تعلیم ہے۔ یہ مبتدی کے لئے مناسب ہے کیونکہ اس کے دل میں ابھی اغیار  
 بھرے ہوئے ہیں۔ تو اس کو چاہیے کہ ان کو ذہن میں پیش کر کے تیغ لائے نفی کرے۔ جب  
 ان کی نفی ہو گئی اور دل اغیار سے خالی ہو گیا تو صرف ذکر اثبات الا اللہ مناسب ہے مگر اثبات  
 میں بھی اغیار کو گونہ استحضار ہے اس لیے اس کے بعد اللہ اللہ بتلاتے ہیں۔ جس میں محض ذات  
 حق پر توجہ ہے مگر اس میں بھی توجہ بواسطہ اسم کے ہے اس لیے بعض مشائخ اس کے بعد ذکر ہوہوہ  
 کی تعلیم کرتے ہیں جس میں ذات پر توجہ ہوتی ہے اسم کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ ابن تیمیہ لا الہ الا اللہ کے سوا ان سب اذکار کو بھی بدعت کہتے ہیں کیونکہ سنت سے  
 ان کا ثبوت نہیں۔ اگر میں اس وقت ہوتا۔ تو ادب کے ساتھ ان سے استفسار کرتا کہ علماء دین  
 اس مسئلہ پر کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص قرآن حفظ کرتے ہوئے اذ السماء انفطرت کے  
 کلمات کو الگ الگ یوں یاد کرتا ہے کہ اول اذ السماء ان اذ السماء ان یاد کرتا ہے پھر فطرت یاد کرتا  
 ہے۔ اس کے بعد دونوں کو ملا کر اذ السماء انفطرت کے کلمات کہتا ہے تو اس کو اس طرح یاد کرنا  
 جائز ہے یا نہیں۔ اور شبہ کی وجہ یہ ہے کہ اذ السماء ان لفظ بے معنی ہے اسی طرح فطرت فطرت  
 بے معنی ہیں۔ تو میں حلفاً کہتا ہوں کہ ابن تیمیہ اس کو ضرور جائز کہتے اور وجہ یہ بتلاتے کہ  
 یہ تلاوت نہیں ہے نہ اس وقت اس شخص کو تلاوت مقصود ہے بلکہ مقصود ذہن میں جمانا ہے تو اس  
 پر میں کہتا کہ پھر الا اللہ اور الا اللہ کرنا کیوں بدعت ہے۔ اس میں بھی تو ذکر اللہ کا ذہن میں جمانا  
 ہے اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ بناء بر تجربہ رسوخ ذکر کے لیے یہ ترتیب بے حد نافع ہے اس کا  
 کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ جس کو شک ہو تجربہ کر کے دیکھ لے۔ (اکبرالاعمال ج ۲)

حضرت جنیدؒ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ واصل ہونے کے مدعی ہیں اور نماز روزہ کچھ

نہیں کرتے تو جواب دیا کہ صدقوا فی الوصول ولكن الى السقر۔ یعنی سچ کہتے ہیں کہ ہم واصل ہو گئے مگر جہنم واصل ہو گئے نہ واصل الی الجنة یا واصل الی اللہ۔ (مگر اس مذاق کے لوگ اب بہت ہیں اور ایسے بے ہودوں کے معتقد ہیں اور ان کو خدا رسیدہ سمجھتے ہیں۔ یہ خدا رسیدہ تو کیا ہوتے جہنم رسیدہ البتہ ہوں گے)

اور حضرت جنیدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہزار برس کی عمر بھی مجھ کو مل جاوے تو بلا عذر شرعی ایک وقت کا وظیفہ بھی قضا نہ کروں۔ یہ ان لوگوں کے اقوال ہیں جو بالاتفاق واصل الی اللہ ہیں کہ ایک وظیفہ کو بھی چھوڑنا گوارا نہیں ہے چہ جائیکہ ضروریات دین جیسے نماز روزہ۔ حضرت جنیدؒ کے ہاتھ میں کسی نے تسبیح دیکھی تو عرض کیا کہ اب آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے آپ تو واصل ہو چکے جواب دیا کہ اسی کی بدولت تو واصل ہوئے پھر کی ایسے رفیق کو الگ کر دیا جاوے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک پتھر کو دیکھا کہ رو رہا ہے پوچھا کیوں روتا ہے؟ کہا میں نے سنا ہے کہ پتھر بھی دوزخ میں جھونکے جائیں گے اس خوف سے روتا ہوں حضرت کو اس پر بہت رحم آیا اور دعا کی کہ یا اللہ اس کو تو مستثنیٰ کر دے۔ حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور وعدہ کر لیا کہ اس کو جہنم سے بچا دیں گے۔ آپ نے اس کو خوشخبری سنا دی اور آگے چلے گئے۔ ایک دفعہ پھر ادھر گزر رہا دیکھا کہ وہ اب بھی رو رہا ہے۔ فرمایا اب کیوں روتے ہو۔ اب تو تمہیں نجات کا وعدہ مل چکا ہے کہا اس رونے ہی کی بدولت تو یہ نعمت نصیب ہوئی پھر میں ایسے عمل کو کیوں چھوڑ دوں۔ جس کی یہ برکات ہیں۔

مولانا نے لکھا ہے کہ اگر ایک دن بلی کو کسی سوراخ میں سے چوہا ہاتھ لگ جاوے تو روز اسی پر پہنچتی ہے۔ پھر کیا حال ہے ان طالبین کا کہ بلی کے برابر بھی ان کو حس نہیں۔

اور واقعی کیسے حیف کی بات ہے کہ جس کی بدولت کمال حاصل ہو اسی کو ذبح کیا جاوے اعمال ہی سے توقیر پاویں اور انھیں کو چھوڑ بیٹھیں۔ عقل کے بھی خلاف قرآن کے بھی خلاف، عشق کے بھی خلاف۔ فطرت سلیمہ کے بھی خلاف۔ قرب میں اور زیادہ قرب کی کوشش کرو۔ قرب خداوندی کی کوئی انتہا نہیں ان واصلیین نے خدا جانے کس چیز کو دیکھ لیا۔ جس کو وصول سمجھ لیا۔ اگر مقصود کو پہچانتے تو ہرگز نہ ٹھہرتے وہ بہت دور ہے اس تک سعی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ اصلی چیز کا ان کو پتہ ہی نہیں چلا ہے اور اس کی لذت کا احساس ہی نہیں ہوا ورنہ اس کو

چھوڑ نہ سکتے ان کو صرف مجاہدہ کے مکدر لطف کا احساس ہوا اور مجاہدہ ختم ہو چکا تو ان کی دوڑ بھی ختم ہو گئی۔ حالانکہ لطف خالص آگے تھا۔ (آخراعمال ج ۲)

## اصطلاحات صوفیا

صوفیہ کی اصطلاح میں مجاہدہ کی انتہا کا نام سیرالی اللہ ہے اور مجاہدہ کے لفظ کی سیر کا نام فی اللہ ہے یہ دونوں بہت ہی موٹی باتیں ہیں اور ان کی نظیریں ہمارے عادات و محاورات میں موجود ہیں۔ مثلاً جب تک کہ طالب علم نے درسیات ختم نہیں کی ہیں تو اس کے مطالعہ کو سیرالی الکتاب کہہ سکتے ہیں اور جب ختم کر چکے اور پھر مطالعہ کرے۔ (حفظ اٹھانے کے لیے اور بصیرت بڑھانے کے لیے) کیونکہ علم ایک عجیب لذیذ چیز ہے تو اس مطالعہ کو سیر فی الکتاب کہیں گے۔ یا مثلاً کسی نے دہلی کا ارادہ کیا اور چل دیا تو اس قطع مسافت کو سیرالی دہلی کہیں گے۔ اور جب دہلی پہنچ گیا اور وہاں کا سیر تماشا کرنے لگا تو اس کو سیر فی دہلی کہیں گے۔ یہ کس قدر موٹی باتیں ہیں انہیں لفظوں کو جاہل فقیر عوام کے سامنے بولتے ہیں اور معنوں میں ایچ پیچ دیکر تصوف کو ہاؤ بنا دیتے ہیں مگر دیکھ لیجئے کس قدر کھلے ہوئے اور بے غبار و قائق ہیں واقعی تصوف ایسی سہل اور مانوس چیز ہے کہ ہر مذاق میں فطرۃً موجود ہے۔ (آخراعمال ج ۲)

فن سلوک کے ماہرین اور محققین نے اکثر مقامات یعنی اعمال باطنہ میں ترتیب کا حکم کیا ہے اور ان مقامات کی مثال درسیات کے سبق کی سی ہے کوئی سبق تو ایسا ہے کہ اس میں اور دوسرے اسباق میں ترتیب ضروری ہے جیسے الف بے اور سیپارہ کہ یہ ممکن نہیں کہ الف بے کو سیپارہ پر مقدم نہ کیا جاوے اور بعض سبق ایسے ہیں کہ کئی کئی ہو سکتے ہیں جیسے کافیہ اور قطبی لوگ اس فن سے چونکہ بالکل نا آشنا ہو گئے ہیں اس واسطے قاعدہ اور طریقہ جانتے نہیں جو چال سمجھ میں آ جاتی ہے اختیار کر لیتے ہیں اور مدتوں پریشان رہتے ہیں اور حاصل کچھ بھی نہیں۔ (آخراعمال ج ۲)

## ہمہ اوست کے معنی

ہاں ابتدا میں بعض اوقات کیفیات کے جوش اور غلبہ سے یہ حالت ہوتی ہے کہ گناہ کی طرف اصلاً میلان ہی نہیں ہوتا مگر چونکہ کیفیات دیر پا نہیں ہیں یہ حالت بعد چندے زائل ہو جاتی ہے اور پھر یہ ایک کیفیت راسخہ اعتدال کے ساتھ مانع عن المعصیت نصیب



ہوتی ہے۔ جس کو عدم تقاضائے معصیت سے تعبیر کیا جا رہا ہے مگر سالک ناواقفی سے اس پہلی حالت کو دوسری حالت سے اکمل سمجھ کر یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو تنزل ہوا اور میری حالت خراب ہو گئی اور اس طرح سے اس کو دھوکا ہو جاتا ہے اور شیخ سے شکایت کرتا ہے کہ مجھ میں وہ جوش نہیں رہا جو پہلے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق کم ہو گیا۔ اور یہ سالک کے لیے ایسی بات ہے کہ جان دے دینا بھی اس پر گوارا کر لیتا ہے۔

سو حقیقت اس کی یہ ہے کہ تعلق کم نہیں ہوا۔ ہاں رسوخ کیفیت سے اس سے افعال اعتدال سہولت کے ساتھ ہونے لگتے ہیں اس قلت جوش سے وہ سمجھتا ہے کہ محبت کم ہو گئی اور یہ نہیں جانتا کہ اگر جوش ہمیشہ رہے تو آدمی مر جاوے یہ حالت بری نہیں۔

اس کی شرح ایک بزرگ نے خوب کی تھی۔ یہ بزرگ مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی ہیں کسی نے مولانا سے یہی شکایت کی تھی کہ اب ذکر میں وہ جوش و خروش نہیں رہا۔ فرمایا۔ پرانی جو رواں ہو جاتی ہے۔ دیکھئے لفظ تو بہت عامی ہے۔ مگر حقیقت اس سے پوری ادا ہوتی ہے۔

پس مطلب یہ ہے کہ جو جوش بی بی کی طرف پہلے تھا وہ پرانی ہونے کے بعد نہیں رہتا تو اس سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ محبت نہیں رہی۔ محبت تو ابھی بڑھی ہے مگر جوش نہیں رہا۔ (آخرا اعمال ج ۲)

بعض نے عبدیت کو اخیر مقام کہا ہے اس کو بقاء بھی کہتے ہیں فنا کے بعد ایک حالت اور پیدا ہوتی ہے وہ عبدیت ہے۔ فنا میں حال غالب ہوتا ہے اس حالت میں آکر وہ حال مغلوب ہو جاتا ہے اور سکون ہو جاتا ہے اور حالت بالکل مبتدی کی سی ہو جاتی ہے وہ حال عروج پر تھا اور یہ نزول ہے۔

بعض نے کہا ہے (تصریح تو نہیں ہے مگر تلویحات سے معلوم ہوتا ہے) کہ محبوبیت اخیر مقام ہے اور اس کا ثبوت ان کے پاس یہ حدیث ہے:

ولا يزال عبدی يتقرب الی بالنوا فل حتیٰ احبته فاذا احبته كنت

سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یدہ الذی یبطش به .

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بندہ مجھ سے قرب حاصل کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں اور اس وقت میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

اس حدیث کے الفاظ بہت صریح ہیں اس باب میں۔ کیونکہ حتی کا لفظ موجود ہے جو انتہا پر وال ہے۔ اور انتہا قرب ہی کی بیان فرمائی تو مطلب یہ ہوا کہ انتہائی درجہ قرب کا یہ ہے۔ حاصل یہ کہ ایک قول یہ بھی ہوا جو بعض کے کلام سے نکلتا ہے کہ محبوبیت اخیر مقام ہے۔ (آخرا اعمال ج ۲)

## ذکر اللہ کے ثمرات

حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ** کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ تو ہماری تو نیت ذکر کرنے سے یہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کے دربار میں ہمارا ذکر ہوگا۔ یہ وہ غرض ہے کہ شیطان اس میں کسی قسم کا وسوسہ بھی نہیں ڈال سکتا کہ شاید حق تعالیٰ تم کو یاد نہ کریں۔ کیونکہ اس کا تو قرآن میں صریح وعدہ ہے۔ میں اسی تقریر کو دوسری طرح کہتا ہوں کہ ثمر دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو موعود ہیں جیسے تمہارے ذکر اللہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا تم کو یاد فرمانا۔ اس کا طالب ہونا تو مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ دوسرے وہ جو موعود نہیں جیسے کیفیات و احوال اس کے طلب کرنے میں یہ کوتاہی ہے کہ جو موعود نہیں تو اس کا طالب کیوں ہے اور جب مطلوب نہیں تو مقصود کیوں بنایا جائے۔ حاصل یہ کہ اور غرضوں کا مل جانا یہ بھی اخلاص کے خلاف ہے۔ طالب کا مذہب تو یہ ہونا چاہئے۔

زندہ کنی عطائے تو ورکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو  
(یعنی زندہ رکھیں آپ کی عنایت ہے۔ اگر قتل کریں آپ پر قربان ہیں۔ دل آپ پر فریفتہ ہو گیا۔ جو کچھ ہمارے ساتھ تصرف کریں ہم راضی ہیں) (دین و دنیا ج ۳)

## صحبت کی تاثیر

پرانے لوگوں میں بھی گنہگار تو ہیں فاسق بھی ہیں مگر ان کی حالت یہ ہے کہ اہل علم کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اگر ان کو عذاب آخرت سے ڈرایا جائے تو ڈر جاتے ہیں۔ وہ اپنے کو اہل الرائے نہیں سمجھتے۔ اسی لئے ان کا ایمان سلامت ہے۔ باقی جہاں نئی تعلیم ہے اور نری تعلیم ہی تعلیم ہے وہاں تو ایمان کی خیر صلا ہے۔ نہ ان میں دین کی محبت ہے نہ اہل دین کی عظمت ہے۔ ہر شخص اپنے کو صاحب رائے سمجھتا ہے اور علماء سے مسائل دینیہ میں مزاحمت کرتا ہے باقی جہاں نئی تعلیم کے ساتھ یہ دونوں دولتیں بھی

ہوں یعنی دین کی محبت اور اہل اللہ کی صحبت تو وہاں اس سے دین کا کچھ ضرر نہیں ہوتا بلکہ وہاں دنیا کے ساتھ دین بھی جمع ہو جاتا ہے۔ اسی محبت و علم دین کی نسبت کہتے ہیں۔  
دریں زمانہ رفیقہ کہ خالی از خلل است صراحی مے ناب و سفینہ غزل است  
اس زمانہ میں جو رفیق خلل سے خالی ہے وہ محبت الہی اور دین ہے۔

صریحی مے ناب سے محبت مراد ہے یہ ان کی خاص اصطلاح ہے اور سفینہ غزل سے علم دین مراد ہے۔ جس کا ایک طریق تو تعلم ہے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو صحبت اہل اللہ ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو دین کی کتابوں کا مطالعہ ہے۔ مگر کتاب کے لئے بھی صحبت کی ضرورت ہے۔ نری کتب بینی سے دین کا صحیح علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کسی عالم سے سبقاً سبقاً نہ پڑھا جاوے خواہ وہ کتاب اردو زبان ہی میں کیوں نہ ہو۔ جیسے اردو میں طب کی کتابیں دیکھ کر کوئی شخص طبیب نہیں بن سکتا۔ جب تک کسی طبیب کے پاس رہ کر نہ پڑھے۔ (تفصیل الدین ج ۳)

## نصوف کی حقیقت

پانچواں جزو دین کا تصوف ہے۔ اس کو تو لوگوں نے بالکل چھوڑ رکھا ہے۔ اکثر لوگوں نے تصوف کے متعلق یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ بہت ہی مشکل ہے کیونکہ اس میں بیوی بچوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ صاحبو! تصوف کی حقیقت ہے خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھانا۔ سوا اس میں تعلقات ناجائز تو بے شک چھوڑنا پڑتے ہیں۔ باقی تعلقات جائزہ ضرور یہ تو پہلے سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ صوفیہ کے تعلقات اور معاملات بیوی بچوں کے ساتھ خوشگوار ہوتے ہیں کہ اہل تمدن کے بھی ویسے نہیں ہوتے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تصوف والے سنگ دل ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ ایسے رحم دل ہوتے ہیں کہ انسان تو انسان جانوروں پر تک رحم کرتے ہیں۔ چنانچہ ان حضرات کے پاس رہ کر معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ ہر شخص کی راحت کا کس قدر خیال کرتے ہیں لہذا اس سے متوحش ہونا نادانی ہے جس کی وجہ سے اسلام کا ایک ضروری جزو لوگوں سے فوت ہو رہا ہے۔ یہ جزو ایسا ضروری ہے کہ قرآن شریف میں اس کی تحصیل کا جابجا امر ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ . ”یعنی اے ایمان والو! حق تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے“ اس میں تکمیل تقویٰ کا امر ہے۔ یہی تصوف کا حاصل ہے اور مشاہدہ ہے کہ ایسا ڈرنا سوائے صوفیہ کرام اہل اللہ کے کسی کو بھی نصیب نہیں ہے۔

ان کی بات بات میں خشیت ہوتی ہے بیباکی اور آزادی کہیں نام کو بھی نہیں ہوتی۔ اب حدیث میں اس کی تاکید کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان فی ابن ادم مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب (الصحيح للبخاری ۱: ۲۰: الصحيح لمسلم کتاب المسافات: ۱۰۳)

”یعنی انسان کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے۔ سن لو وہ دل ہے اس میں اصلاح قلب کی کتنی تاکید ہے کہ اسی کو مدار اصلاح قرار دیا گیا ہے اور یہی تصوف کا حاصل ہے اس میں بھی اصلاح قلب کا اہتمام ہوتا ہے۔ (تفصیل الدین ج ۳)

## تقویٰ کہا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سن لو کہ تقویٰ یہاں ہے یعنی تقویٰ کا محل قلب ہے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا اس کے ساتھ دوسری حدیث کو ملائیے۔

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب. (الصحيح للبخاری ۸: ۴: ۱۶۰: الصحيح لمسلم کتاب المسافات)

یعنی جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے۔ سن لو۔۔۔ وہ قلب ہے۔ اس حدیث سے اصلاح قلب کا صلاحیت کاملہ ہونا ثابت ہے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

## رحمت حق

حدیث قدسی میں وارد ہے۔

من تقرب الی شبراً تقرب الیہ ذراعاً و من تقرب الی ذراعاً تقرب الیہ باعاً و من اتانی یمشی اتیتہ هرولة (مجمع الزوائد للہیثمی



”جو شخص میری طرف ایک بالشت چل کر آتا ہے میں اسکی طرف ایک ہاتھ جاتا ہوں اور جو میری طرف ایک ہاتھ چلتا ہے میں اسکی طرف کھلے ہوئے دو ہاتھ آتا ہوں اور جو میری طرف آہستہ چل کر آتا ہے میں اسکی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔“

اس حدیث میں بالشت اور گز وغیرہ اور دوڑ کر آنا سمجھانے کیلئے ایک مثال ہے مقصود یہ کہ جو میری طرف ذرا بھی توجہ کرتا ہے میں اس کی طرف دو چند اور سہ چند توجہ کرتا ہوں۔

واقعی سچ ہے اگر حق تعالیٰ اتنی توجہ اور رحمت نہ فرمائیں تو انسان کی کیا مجال تھی جو ان تک پہنچ سکے۔ آخر انسان کو خدا سے نسبت ہی کیا ہے وہ وراء الوراۃ ثم وراء الوراۃ ہیں اس کا وہم و گمان بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تو جو ذات اس قدر بالاتر ہو اس کی معرفت اور محبت اور مشاہدہ انسان خود کیوں کر سکتا ہے پس یہ انہی کی عنایت ہے جو کچھ حصہ معرفت وغیرہ کا انسان کو عطا ہو جاتا ہے ورنہ واقعی وہ مسافت تو ایسی ہے۔

نہ گردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا کہ می بالدد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا  
عشق کا راستہ دوڑنے سے طے نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ راستہ مثل انگور کے درخت کے قطع کرنے سے اور بڑھ جاتا ہے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

## شہوت کے اقسام

صبر عن الشهوت گوئی نفسہ دشوار ہے مگر جب آدمی اس کا ارادہ کرتا ہے تو آسانی شروع ہو جاتی ہے حتیٰ کہ پھر کبھی دشواری نہیں رہتی ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شہوت عورتوں اور لڑکوں ہی کے تعلق میں منحصر نہیں بلکہ لذیذ غذاؤں کے فکر میں رہنا بھی شہوت ہے عمدہ لباس کی دھن میں رہنا بھی شہوت ہے ہر وقت باتیں بگھارنے کی عادت بھی شہوت ہے اور ان سب شہوتوں سے نفس کو روکنا بھی یہ صبر عن الشهوت میں داخل ہے۔

آج کل لوگوں کو باتیں بنانے کا مرض ہے بس جہاں کام سے فارغ ہوئے مجلس آرائی کر کے فضول باتیں کرنے لگے میں صرف عوام کی شکایت نہیں کرتا بلکہ میں علماء مشائخ کو بھی مجلس آرائی سے منع کرتا ہوں کیونکہ یہ مرض ان میں بھی بہت ہے۔

(الکمال فی الدین ج ۳)

## نیک صحبت کی ضرورت

تعلیم بقدر ضرورت عام ہونی ضروری ہے اور تعلیم کامل کا بدل ایک دوسری چیز ہے یعنی اہل اللہ کی صحبت کہ اس سے بھی وہی فائدہ ہوتا ہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے کہ تعلیم کامل کے بعد بھی اس کی ضرورت ہے۔ دیکھئے! بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے کہ وہ بالکل بھی پڑھے نہ تھے اور اسی حالت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فخر فرماتے ہیں۔

نحن امة امیة لا نكتب ولا نحسب (المسند للإمام احمد بن حنبل ۲: ۱۲۲)  
لیکن چونکہ حضور کی صحبت اور معیت حاصل تھی وہی بالکل کافی ہو گئی۔ یہ تو دینی پہلو سے گفتگو تھی۔  
اب میں تمدنی پہلو سے صحبت کی ضرورت اور بدون صحبت کے تعلیم کامل کے مفاسد بتلاتا ہوں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اجتماع اور تمدن کے تمام مصالح علی وجہ الکمال امن و امان سے اس وقت پورے ہو سکتے ہیں کہ جب تمام لوگوں کی زندگی میں نہایت سادگی اور معاشرت میں بالکل بے تکلفی ہو۔ بناوٹ اور چالاکی کے ساتھ تمام مصالح کا پورا ہونا ممکن نہیں۔ نیز یہ بھی مشاہد ہے کہ اگر علم کامل ہو اور تربیت نہ ہو تو چالاکی اور دھوکہ دہی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح اگر جاہل ہو اور تربیت نہ ہو تب بھی یہی حالت ہوتی ہے اور مصالح تمدن کا پورا ہونا ضروری ہے۔ (طریق النجاة ج ۳)

## ثمرات صحبت

صحبت سے وہ بات حاصل ہوگی جس کی بدولت اسلام دل میں رچ جائے گا اور یہی مذہب کی روح ہے کہ دین کی عظمت دل میں رچ جائے اگرچہ کسی وقت نماز روزے میں کوتاہی ہو جائے اگرچہ یہ بات میرے کہنے کی نہیں ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ کوئی شخص نماز و روزے کو خفیف سمجھ جائے مگر مقصود میرا جو کچھ ہے ظاہر ہے غرض ضرورت اس کی ہے کہ مذہب دل میں رچا ہو اور اگر دل میں یہ حالت نہیں ہے تو نہ ظاہری نماز کام کی اور نہ روزہ وہ حالت ہے جیسے طوطے کو سورتیں رٹا دیں کہ وہ محض اس کی زبان پر ہیں۔ ایک شاعر نے طوطے کی وفات کی تاریخ لکھی ہے لکھتا ہے۔

میاں مٹھو جو ذا کر حق تھے رات دن ذکر حق رٹا کرتے

گر بہ موت نے جو آداب کچھ نہ بولے سوائے ٹٹے ٹٹے  
اس میں ۱۲۳ھ تاریخ موت نکلتی ہے یہ تاریخ اگرچہ ہے تو مسخرہ پن لیکن غور کیا  
جائے تو اس نے ایک بڑی حکمت کی بات کہی ہے یعنی یہ بتلادیا کہ جس تعلیم کا اثر دل پر  
نہیں ہوتا مصیبت کے وقت وہ کچھ کام نہیں دیتی تو اگر دین کی محبت دل میں رچی ہوئی نہ  
ہو تو حافظ قرآن بھی ہوگا تب بھی آٹے دال کا بھاؤ ہی دل میں لے کر مرے گا۔ جیسا کہ  
اس وقت غالب حالت رہتی ہے کہ دل میں سے اسلام کا اثر کم ہوتا جاتا ہے اور صاحبو!  
اسی کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اسلام نکلا جاتا ہے خدا کے لئے اپنی اولاد پر  
رحم کرو اور ان کو اسلام کے سیدھے ڈگر پر چلاؤ۔ (طریق النجاة ج ۳)

## نیک صحبت کے آداب

صحبت کے کچھ آداب ہیں بدون ان کے صحبت نافع نہیں۔ منجملہ ان آداب صحبت کے ایک  
یہ بھی ہے کہ اس کے پاس جا کر دنیا کی باتیں نہ بنائیے جیسے کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بزرگوں  
کے پاس جا کر بھی دنیا بھر کے قصے جھگڑے اخبار کے واقعات ذکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔  
نیز حتی الوسع بزرگوں کو تعویذ گنڈوں کی تکلیف بھی نہ دینی چاہئے ان حضرات سے  
تعویذ گنڈے لینا ایسا ہے جیسا کہ سنار کے پاس کھر پایا کلہاڑی بنوانا بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں  
کہ جو شخص ہاتھ میں ہاتھ لیتا ہے وہ اللہ میاں کا نعوذ باللہ رشتہ دار ہو جاتا ہے کہ جو کام بھی اس  
سے کہا جائے وہ اللہ میاں سے ضرور پورا کر دیتا ہے حالانکہ ایسا مختار سمجھنا خلاف توحید ہے  
کسی کی کیا مجال ہے کہ بجز عرض کے ذرا کچھ دخل دے سکے۔

مولانا فضل الرحمان صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میرا مقدمہ مولانا نے  
فرمایا کہ دعا کروں گا۔ اس نے کہا کہ دعا کرانے نہیں آیا۔ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں یوں کہہ  
دیجئے کہ میں نے یہ کام پورا کر دیا۔ مولانا خوش ہوئے۔

پہلی بھیت میں ایک بزرگ کے پاس ایک بڑھیا آئی اور کچھ عرض کیا۔ انہوں نے  
فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ اس نے سنا نہیں ایک شخص اور بیٹھے تھے انہوں نے حکایت  
کے طور پر اس سے کہا کہ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ وہ بزرگ سخت برہم  
ہوئے اور کہا کہ مجھ کو کیا خبر کہ فضل کرے گا یا نہ کرے گا۔ تم نے اپنی طرف سے گائیے

بڑھایا۔ اسی طرح تعویذوں کی فرمائش بھی ان حضرات کے مذاق کے بالکل خلاف ہے بھلا جس نے عمر بھر طالب علمی اور اللہ اللہ کیا ہو وہ کیا جانے کہ تعویذ کیا ہوتے ہیں اور ان کو کس طرح لکھا جاتا ہے اور پھر لطف یہ کہ تعویذ بھی دنیا سے نرالے کاموں کے لئے۔

بہیمی سے ایک پہلوان کا خط آیا کہ میری کشتی ہونے والی ہے۔ مجھے ایک تعویذ لکھ دو کہ میں جیت جاؤں۔ میں نے لکھا کہ اگر تمہارا مقابل بھی کسی سے تعویذ لکھالے تو کیا ہوگا۔ پھر تعویذ تعویذ میں کشتی ہوگی۔ عجب نہیں کہ لوگ چند روز میں مردوں کے بچہ پیدا ہونے کے لئے بھی تعویذ ہی لکھوا لیا کریں جس میں نکاح ہی کی ضرورت نہ رہے کیونکہ جب تعویذ میں ایسا اثر ہے کہ وہ ہر ایک کام میں کام آ سکتا ہے تو مردوں کے بچہ پیدا ہونے میں بھی ضرور کام آنا چاہئے۔ صاحبو! اہل اللہ کے پاس اللہ کا نام دریافت کرنے کے لئے جاؤ۔

خلاصہ اس سب تقریر کا یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لئے اہل اللہ کی صحبت طویلہ کو تجویز کرو۔ یہ تو مردوں اور تندرستوں کے لئے ہے۔

## صحبت نیک کا بدل

جو اپنا بیچ یا عورتیں ہوں تو ان کے لئے صحبت کا بدل یہ ہے کہ ایسے بزرگوں کے ملفوظات دیکھا کریں یا سنا کریں۔ ان کے توکل صبر و شکر تقویٰ طہارت کی حکایتیں دیکھنا سننا یہی صحبت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے۔ صحبت کے متعلق تو کسی کا قول ہے۔

مقام امن و مے بیغش و رفیق شفیق گرت مدام میسر شود زہے توفیق  
امن کا تو مقام ہو اور شراب بغیر کسی دھوکے کے ہو اور سچا دوست موجود ہو تو اگر یہ چیز ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائے تو بڑی خوش قسمتی ہے۔

اور ان کے حکایات و ارشادات کے متعلق کسی کا شعر ہے۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی خلل ست صراحی مئی ناب و سفینہ غزل ست  
اس زمانہ میں وہ دوست جو برائی سے خالی ہو عمدہ شراب کی بھری صراحی اور غزل کی کشتی  
مگر وصیت کرتا ہوں کہ مثنوی اور دیوان حافظ یعنی علوم مکاشفہ اور اہل حال کا کلام نہ  
دیکھیں کیونکہ اکثر اوقات ان کی بدولت ہلاک ہوتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

نکھتا چوں تیغ فولادست تیز چوں نداری تو سپر واپس گریز



پیش اس الماس بے اسپرمیا کز بریدین تیغ را نبود حیا!  
تصوف کے نکتے فولاد کی تلوار کی طرح تیز ہیں اگر تیرے پاس ڈھال حفاظت کا  
سامان نہ ہو تو واپس جا اس الماس کے سامنے بغیر ڈھال کے مت جا کیونکہ تلوار کو کاٹنے  
وقت کسی کا شرم و لحاظ نہیں ہوتا۔

اور جب اہل حال صادق کے کلام میں اس قدر احتمال مضرت ہے تو جاہل بے شرع  
بدلگام ہیں ان کا کلام تو کس درجہ مضر ہوگا۔ ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں۔  
ظالم آں قوے کہ چشماں دوختند از سخبا عالمے را سوختند  
وہ لوگ کیسے ظالم ہیں جو آنکھیں بند کر کے اپنی باتوں سے دنیا کو جلانے دیتے ہیں۔  
اسی طرح جو لوگ محض بزرگوں کے کلام کی نقل بے سمجھے کیا کرتے ہیں ان کی تحریر و  
تقریر سے بھی بوجہ اس کے اصل سے بدلی ہوئی ہوتی ہے کچھ نفع نہیں ہوتا ایسوں کی نسبت  
فرماتے ہیں۔

حرف درویشاں بدزد مردووں تابہ پیش جاہلاں خواند فسوں  
نا سمجھ کمینے لوگ درویشوں کے الفاظ کو چر کر ناواقف لوگوں کے سامنے منتر کی طرح پڑھتے  
ہیں۔ ہاں احیاء العلوم کا ترجمہ دیکھو اربعین کا ترجمہ دیکھو ان شاء اللہ تعالیٰ ہر طرح کا فائدہ ہوگا۔ یہ  
بیان ختم ہو چکا۔ اس بیان میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے وہ نسخہ بتلایا ہے کہ اس میں نہ  
معاش کا حرج ہے نہ کوئی نقصان ہے اور مسلمانوں کو اس کی بڑی ضرورت ہے۔ (طریق النجاة ج ۳)

## ضرورت مرشد

محقق وہی شخص ہوگا جو شریعت و طریقت دونوں کا جامع ہو۔ بدوں کسی محقق کے اتباع کے اصلاح  
نفس نہیں ہو سکتی بعض لوگ اس خبط میں ہیں، کہ کتاب میں نسخے دیکھ کر اپنا علاج خود کر لیں گے  
مگر یہ خیال ایسا ہی ہے جیسے کوئی مریض کتاب میں نسخے دیکھ کر اپنا علاج خود کرنا چاہے کہ اس کا  
انجام بجز ہلاکت کے کچھ نہیں حضرت اگر کبھی طبیب بھی بیمار ہوتا ہے تو وہ اپنا علاج خود نہیں کر سکتا  
بلکہ دوسرے طبیب کا محتاج ہوتا ہے پھر جو بیمار طبیب بھی نہ ہو اس کو اپنے علاج سے صحت کیونکر ہو  
سکتی ہے، باقی اس کے لئے بیعت ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی کو متبوع بنانے کی ضرورت  
ہے اور جو پیر بدوں بیعت کے تعلیم نہ کرے اس کو چھوڑ دو وہ محقق نہیں ہے۔ (العبد الربانی ج ۴)

## استغراق اور اس کے آداب :-

سالکین کو ذکر میں یکسوئی ہوتی ہے اور بعض مرتبہ وہ یکسوئی اس قدر بڑھتی ہے کہ وہ نیند تو نہیں ہوتی مگر مشابہ نیند کے اس بات میں ہوتی ہے کہ جیسے نائم کو اس عالم سے غیبت ہو جاتی ہے ایسے ہی اس ذاکر کو بھی ہو جاتی ہے اس حالت کا نام استغراق ہے چنانچہ اس کے نیند کے مشابہ ہونے پر مجھے حکایت یاد آئی کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون میں رہ کر ذکر و شغل فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت اپنے حجرہ میں مراقب بیٹھے تھے حضرت حاجی صاحب نے ایک سوار فوجی کو جو مہمان آئے تھے ارشاد فرمایا کہ جاؤ مولانا کو بلاؤ انہوں نے آ کر دیکھا تو حضرت کی گردن جھکی ہوئی تھی اور آنکھیں بند بے چارہ فوج کا آدمی اس کو کیا خبر یہ کیا کر رہے ہیں جا کر عرض کیا کہ حضرت وہ تو ٹول رہے ہیں حضرت حاجی صاحب سمجھ گئے کہ مشغول ہیں پھر نہ بلایا اور حضرت کا مولانا کو نہ بلانے کا راز ایک بزرگ کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص مشغول مع اللہ کو اپنی طرف مشغول کرے اور کہ المقت فی الوقت یعنی اس کو اسی وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لاحق ہوتی ہے بڑی زیادتی اور بے احتیاطی کرتے ہیں وہ لوگ جو کہ مشغول باللہ کو اپنی طرف متوجہ کریں اکثر لوگ بزرگوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کو مشغول پاتے ہیں تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کو اپنی طرف متوجہ کریں تو ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے دل بٹ جائے بعض تو السلام علیکم پکار کر کرتے ہیں یا درکھو جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہو یا ذکر و شغل میں مشغول ہو اس کو سلام مت کرو جا کر دیکھو کہ وہ کس حالت میں ہے اگر سلام کا موقع ہو تو سلام کرو ورنہ چپکے سے ایسے طور سے بیٹھ جاؤ کہ ان کو تمہارے آنے کی بھی خبر نہ ہو۔ (المہذب ج ۴)

## ایثار کی حقیقت

فقہاء نے صرف معاملات میں اس کا اہتمام کیا ہے اور صوفیاء نے ہر امر میں اس کی سعی کی ہے۔ حتیٰ کہ عبادات میں بھی فرائض و واجبات کے اندر تو نہیں مگر مستحبات و فضائل میں وہ ایثار کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر کبھی کوئی صوفی صف اول میں کھڑا ہو جائے اس کے بعد کوئی بزرگ آ جائے استاد یا شیخ تو وہ پیچھے ہٹ کر اپنے بزرگ کو صف اول میں جگہ دے دیتے

ہیں۔ اسی طرح یہ حضرات خاص حالات میں صف اول میں دائیں جانب کھڑا ہونے کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے بلکہ بائیں جانب کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور عام عادت یہ ہے کہ لوگ صف میں دائیں طرف کا بہت اہتمام کرتے ہیں حتیٰ کہ بائیں طرف بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں اور اس کو افضل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے پس سب سے افضل تو وہ شخص ہے جو امام کے پیچھے ہے اس کے بعد وہ افضل ہے جو اس کے دائیں طرف ہو پھر وہ جو اس کے بائیں طرف ہو اسی طرح جب اس کے بعد ایک آدمی دائیں طرف اور آجائے تو اب دوسرے کو بائیں طرف کھڑا ہونا چاہیے اس وقت اس کا بائیں طرف کھڑے ہونا دائیں طرف کھڑے ہونے سے افضل ہے کیونکہ اس صورت میں بائیں طرف ہو کر یہ امام کے زیادہ قریب ہوگا اور دائیں طرف کھڑے ہونے سے بعد ہو جائے گا۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## درجات ذکر

اس اعتبار سے ذکر کے تین درجے ہوئے، ایک تو وہ جس میں صرف زبان کو حرکت دی جائے اور قلب متوجہ نہ ہو، یہ درجہ سب سے کم ہے۔ دوسرا درجہ وہ جس میں زبان کو حرکت نہ دی جائے صرف قلب سے ذکر کیا جائے۔ یہ پچھلے درجہ سے بڑھ کر ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ زبان کو بھی حرکت دی جائے اور قلب کو بھی متوجہ کیا جائے یہ سب سے بڑھ کر اور افضل ہے۔ کیونکہ جب ذکر لسانی سے ممانعت ہوگئی تو اب یا تو بالکل ہی ذکر سے محروم رہو یا محض دل سے یاد کرتے رہو۔ ظاہر ہے کہ دوسری صورت یقیناً بہتر ہے کیونکہ صورت اولیٰ میں پوری محرومی ہے ذکر سے اور اس صورت میں کچھ تو ذکر ہوتا رہے گا اور قطعاً محرومی سے یقیناً وہ صورت بہتر ہے جس میں فی الجملہ ذکر باقی ہے اور ایسے وقت میں یہ بقاء ذکر قلبی محض سے ممکن ہے۔ اب اس ذکر کو ذکر نہ کہنا ”حرمان عن البرکۃ“ (برکت سے محروم ہونے کا) مشورہ دینا ہے تو بہر حال جہاں ذکر لسانی نہ ہو سکے وہاں ذکر قلبی جاری رکھے یعنی تصور رکھے، توجہ رکھے اور یاد رکھے، دھیان رکھے، پس ذکر ہر حالت میں مطلوب ہے تو جس حالت میں جو بھی ممکن ہے کرتا رہے۔

اب وہ شبہ جاتا رہا کہ وہ کونسا کام ہے جس سے وساوس بند ہو جاویں اور نفس ہر دم کسی شغل میں لگا رہے کیونکہ نفس کو بے کار چھوڑیں گے تو یہ خود اپنے لیے کوئی مضر مشغلہ تجویز کرے گا۔ اب معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کام ذکر قلب ہے جو ہر وقت ممکن ہے۔ بس نفس کو اس شغل میں لگا دو تو پھر وہ کوئی مضر شغل خود بخود تجویز نہ کرے گا نہ غفلت میں مبتلا ہوگا۔

## ضرورت مرشد

بخائے بصاحب نظرے گوہر را عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند  
(کسی صاحب نظر کو اپنا جو ہر دکھاؤ، چند احمقوں کی تصدیق سے عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہوئے)  
یعنی کسی کامل سے تشخیص کراؤ کہ یہ حالت کمال کی ہے یا نہیں ورنہ حالت ہوگی جیسے  
دق والے کو ایک دن بخار نہیں آیا تو وہ سمجھے کہ میں اچھا ہو گیا اور علاج چھوڑ بیٹھے۔ یاد رکھو!  
مرض کا نکس (یعنی ٹوٹنا) بداء سے (یعنی شروع ہونے سے) بھی اشد ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ  
تمہاری بے احتیاطی سے مرض پھر لوٹے اور علاج مشکل ہو جائے تو جس طرح بعض مریض  
ظاہری ذرا بخار نہ آنے کو صحت سمجھ لیتا ہے اسی طرح بعض اہل طریق بھی جہاں تھوڑی سی  
سنناہٹ بدن میں پیدا ہوئی اور سمجھ گئے کہ بس ہم کامل ہو گئے پھر تسبیح بھی چھوٹ گئی اور  
مجاہدہ بھی گیا اور یہ گمان ہو گیا کہ بس اب تو ہم منتہی ہو گئے اب کسی ریاضت کی حاجت نہیں  
رہی اور اس کے مصداق ہو گئے۔ ”خلوت و چلہ برو لازم نماںد“ (خلوت اور چلہ اس پر لازم  
نہ رہے) حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اجماعی تم تو جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے بلکہ اس سے بھی  
بدتر ہو گئے کیونکہ ابتدائے مرض سے جیسے عود مرض سخت ہوتا ہے اسی طرح تمہاری یہ حالت  
اشد ہے۔ پہلی مجبوری کی حالت سے جس پر یہ حالت پیش آئے وہ خود غور کر کے دیکھ لے کہ  
اس وقت بہ نسبت پہلے کے طبیعت کی کیا کیفیت ہے۔ (الصلاح والا صلاح ج ۴)

## ترک لذات

تارکین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کو بوجہ افلاس کے یہ لڈائڈ ملے ہی نہیں اور  
ایک وہ جن کو لڈائڈ ملے اور پھر ترک کیا۔ پہلی قسم پر کوئی اشکال نہیں۔ لیکن پھر اس دوسری  
قسم میں دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ترک لذات کو عبادت سمجھ کر ترک کیا یہ البتہ قابل  
اعتراض ہے اور بدعت ہے کیونکہ ترک لذات کو عبادت سمجھنا نصوص کے خلاف ہے۔  
دوسرے یہ کہ عبادت سمجھ کر ترک نہیں کیا بلکہ بطور معالجہ و اصلاح نفس کے ترک کیا۔ جیسا  
کہ بیماری میں حکیم کے کہنے سے بہت سی لذات سے پرہیز کرتا ہے وہ اس کو عبادت نہیں  
سمجھتا بلکہ محض علاج و تدبیر سمجھتا ہے۔ سو جن محققین صوفیہ سے ترک لذات منقول ہے وہ  
صرف علاج و تدبیر کے طور پر ترک کرتے تھے اس لئے ان پر اعتراض کا حق نہیں۔



یہاں ایک بات طالب علموں کے کام کی ہے وہ یہ کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ جو دنیا میں شراب پئے اور حریر پہنے گا وہ آخرت میں ان سے محروم رہے گا۔ اس میں بعض علماء نے تو یہ کہا ہے کہ ایک خاص زمانہ تک محروم رہیں گے۔ دخول اولیٰ میں یہ نعمتیں ان کو نہ ملیں گی اور بعض نے کہا ہے کہ دو امان محروم رہیں گے۔ اس معصیت کا یہ اثر ہے کہ اس کے ارتکاب سے آخرت میں اس کی نظیر سے محرومی ہوگی۔ جیسے معتزلہ کے بارہ میں بعض علماء نے کہا ہے کہ بوجہ انکار رویت کے آخرت میں یہ لوگ رویت حق سے محروم رہیں گے گو جنت میں جائیں گے کیونکہ معتزلہ کافر نہیں مسلمان ہیں۔ مگر اس معصیت سے اعتقاد کی یہ نحوست ہوگی کہ جنت میں جا کر بھی رویت سے محروم رہیں گے اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ تم تو رویت حق کو جنت میں بھی محال سمجھتے تھے تو بس اب تم محال کی تمنا نہ کرو رویت نہ ہوگی۔ (نور النور ج ۵)

## مقام علماء و صوفیاء

صوفیاء اور علماء میں جب بعض اوقات نزاع ہوا ہے تو بعض اہل کشف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشہ خاطر علماء کی حمایت و رعایت کی طرف معلوم ہوا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب میں مدینہ منورہ میں تھا تو وہاں ایک صوفی نے وحدۃ الوجود پر رسالہ لکھا۔ ایک عالم نے اس کا رد لکھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب چونکہ بڑے محقق ہیں وہ صوفی کا مطلب صحیح سمجھے ہوئے تھے۔ عالم کا رد دیکھ کر جو کہ حقیقت ناشناسی سے لکھا گیا تھا۔ ان کو جوش ہوا اور صوفی کی حمایت میں عالم کے رد کا جواب لکھنا چاہا۔ یہ ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مفصل واقعہ مجھے یاد نہیں رہا۔ اتنا محفوظ ہے کہ شاہ صاحب کو اس وقت یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاہ صاحب کے جواب لکھنے کو پسند نہیں فرماتے۔ یہ دیکھ کر شاہ صاحب خاموش ہو گئے اور اس ارادہ سے رک گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں علماء کی رعایت زیادہ ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ غیر محقق صوفیاء کی نظر صرف ایک پہلو پر ہے کہ اپنے جذبات پر عمل کر کے جی خوش کر لیا۔ جو بات معلوم ہوئی کہہ ڈالی اور علماء کی نظر صوفیاء کے جذبات کے ساتھ دوسروں کے جذبات پر بھی ہے کہ نظام اسلام میں فرق نہ آئے۔ اور نظام اسلام سے مراد تمدن اور دنیوی

مصلحت نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل اسی کو مقصود شریعت سمجھتے ہیں بلکہ خوب سمجھ لو کہ نظام شریعت کی غایت یہ ہے کہ رضائے حق کے اسباب میں خلل نہ پڑے۔ (المورد الفرخی فی المولد الرزخی ج ۵)

## صبر و رضا

حدیث میں حضور کے یہ الفاظ وارد ہیں۔

العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا ما يرضى ربنا وانا بفراقك

يا ابراهيم لمحزونون (کنز العمال: ۳۲۳۸۳، ۳۲۸۹۸ تلخیص الحبیر لابن

حجر ۲: ۱۳۹، الطبقات الكبرى لابن سعد ۱: ۱: ۸۹)

یعنی گودل غمگین ہے اور آنکھ بہ رہی ہے مگر ہم کہیں گے وہی بات جو حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ اب بھی بعض اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں جو دونوں کا حق ادا کرتے ہیں۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کا مکان گر پڑا۔ رنج بھی ہوا۔ پھر قہقہہ مار کر ہنسے کہ اب ہم کہاں رہیں گے۔ اس میں خدا تعالیٰ کے فعل پر رضا کا اظہار تھا کہ وہ پریشان کر کے تھوڑی دیر نچانا چاہتے ہیں تو ہم کو اس پر بھی راضی رہنا چاہئے۔ یہ تو اہل مقام حضرات ہیں اور بعضے اہل حال ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے کسی عزیز کی موت پر مطلق نہیں روئے بلکہ ہنس دیئے مگر وہ ہمارے مدرسہ سلوک کے مدل پاس ہیں۔ بی اے نہیں۔

گو آپ تو شاید یہی کہیں گے کہ بڑا کامل ہے مگر حقیقت میں وہ بڑا کامل ہے کہ روایا بھی نہیں۔ ارے جب حق تعالیٰ رلانا چاہتے ہیں تو دو آنسو بہانا چاہئیں تھے وہ حال کے زوال کے بعد بھی اپنی رائے سے یہ سمجھتے ہیں کہ ایک کا تو حق ادا کریں یعنی محبت حق کا کہ خدا کے فعل پر راضی رہے۔ اب اگر طبیعت کا حق بھی ادا کریں اور رونے لگیں تو اس سے دوسرا حق فوت ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ غلطی ہے دونوں کا حق ساتھ ساتھ ادا ہو سکتا ہے۔ اس طرح کہ طبعاً رنج کرو اور عقلاً راضی رہو۔ اس میں خدا تعالیٰ کی محبت اور مخلوق کی محبت کہ اس محبت کا حق خدا تعالیٰ ہی نے بنایا بھی ہے۔ دونوں کا حق ادا ہو گیا یہ حالت کامل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے واقعہ میں روئے ہیں اور حضرات صحابہ بھی روئے ہیں جو انبیاء کے بعد اکمل الناس ہیں۔ (المورد الفرخی فی المولد الرزخی ج ۵)

## اصلاح قلب کی اہمیت

الا ان في الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب. (إتحاف السادة المتقين ۳: ۱۵۳، مسند الإمام أحمد ۴: ۲۷۰).

(یادرکھو کہ جسم کے اندر ایک لوتھڑا ہے گوشت کا۔ اگر وہ سنوارا ہوا ہوتا ہے تو سارا بدن سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ وہ قلب ہے۔) واقعی قلب ہی کے اوپر دار و مدار ہے اصلاح و فساد کا۔ صوفی تو اس کے قائل ہیں۔ سارے فقہاء بھی اس کے قائل ہیں۔ دیکھئے آخر بدوں نیت کے نماز ہی صحیح نہیں ہوتی اور نیت ہی سے ایک نماز سنت ہوتی ہے اور دوسری فرض مثلاً چار ہی رکعت سنت میں ہیں اور چار ہی فرض میں تو اگر سنت کی نیت کر لی سنت ہو گئی فرض کی نیت کر لی فرض ہو گئے برخلاف اس کے یہ ہر گز نہیں ہو سکتا کہ نیت تو کی جائے سنت کی اور ہو جائے فرض اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ اگر محض قلب میں نیت کر کے نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی زبان سے چاہے کچھ بھی نہ کہے۔ لیکن چونکہ ہمارا قلب پریشان رہتا ہے اور ہم کو قلب سے نیت کرنا دشوار ہے۔ اس لئے فقہاء نے احتیاطاً زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہہ لینا تجویز کر دیا ہے ورنہ اگر زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہے مگر دل میں سمجھے کہ میں ظہر کی نماز ادا کرتا ہوں تو نیت محقق ہو جاوے گی اور نیت وہ چیز ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انما الاعمال بالنیات (الصحيح للبخاری ۲: ۱، ۸: ۱۷۵، ۹: ۲۹، سنن ابی داود: ۲۲۰۱، سنن الترمذی: ۱۶۴۷، سنن النسائی کتاب الطهارة باب: ۵۹، کتاب الايمان والنذور باب: ۱۹، سنن ابن ماجه: ۳۲۲۷، السنن الكبرى للبيهقي ۱: ۳۱، ۲۱۵، الترغيب والترهيب ۱: ۵۶).

(سارے اعمال کا دار و مدار نیت ہی پر ہے۔)

اب بتلائے فقہاء کے نزدیک بھی قلب ہی کے اوپر سارا دار و مدار ہوا یا نہیں۔ نیت وہ چیز ہے کہ اگر ظہر کے وقت میں نیت فرض کر لی تب تو فرض ادا ہوں گے ورنہ اگر کسی نے ہزار نفلیں بھی ظہر کے وقت میں پڑھ ڈالیں مگر اس کے ساتھ نیت فرض نہ کی تو اس کے ذمہ فرض موجود اور

عذاب تیار۔ اور حضرت قلب تو وہ چیز ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ جل و علا شانہ کے ساتھ معاملہ کا سارا مدار اسی پر ہے۔ تو اب یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ قلب کے متعلق کوئی عمل نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ گناہ صرف اعضاء ظاہری ہی کے متعلق نہیں ہیں بلکہ قلب کے متعلق بھی ہیں جیسا کہ بالتفصیل ثابت کر دیا گیا ہے۔ لیجئے اس جماعت کا تو فیصلہ ہوا۔ (نقد الملیب فی عقد الحبیب ج ۵)  
عاشق اور معشوق میں کوئی پردہ نہیں۔ تو خودی حجاب ہے اے حافظ درمیان سے علیحدہ ہو۔

## اہل جذب کی باتیں

حضرت بہلول نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہو اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہو پھر اسے کا ہے کی تکلیف۔ حضرت بہلول نے کہا کہ حضرت یہ تو سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ ہنسنے لگے اور کہا کہ اس پر تو تمہارا بھی ایمان ہے کہ بدوں خدا کے ارادہ کے کچھ نہیں ہوتا جب یہ سمجھ گئے تو اب یہ سمجھ لو کہ جس نے اپنی خواہش ہی نہ رکھی ہو اور اپنی مرضی کو بالکل خدا کی مرضی میں فنا کر دیا ہو تو جو کچھ ہوگا وہ خدا کی مرضی کے موافق ہی تو ہوگا۔ اور اس کی مرضی بھی وہی ہے جو خدا کی مرضی ہے بس وہ اس کی خواہش کے موافق بھی ہوگا۔ اس کا کوئی خاص ارادہ ہی نہیں نہ یہ کہ ابھی مرجائیں نہ یہ کہ دس برس زندہ رہیں کہ ذرا بیمار ہوئے اور دھڑکا پیدا ہوا کہ ہائے ابھی تو ایک ہی برس گزرا ہے ابھی نو برس اور باقی ہیں۔ نہ یہ خواہش کہ غریب ہو کر رہیں نہ یہ خواہش کہ امیر ہو کر رہیں۔ جیسے زاہدوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مکمل ہی ملے دو شالہ نہ ملے۔ اگر دو شالہ ملا تو ناک منہ چڑھ گیا اور دنیا دار کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دو شالہ ملے اگر مکمل ملے گا تو اس کا ناک منہ چڑھ گیا۔ سو غور کرو تو تم کیا اور تمہاری مرضی ہی کیا۔ اگر مکمل دیں مکمل اوڑھو اگر دو شالہ دیں دو شالہ اوڑھو۔ اگر غریب بنائیں خوشی سے اسے گوارا کرو اور اگر بادشاہ بنائیں بادشاہ بن جاؤ ایک جوڑا روز بدلنے کو دیں ایک جوڑا روز پہنو اور اگر ایک جوڑا ایک برس میں دیں تو ایک برس میں پہنو۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کو ان کے شیخ نے کرتہ دیا تھا۔ وہ اسے ساری عمر پہنے رہے۔ جب پھٹ جاتا گھوڑے پر سے گدڑے چیتھڑے جوڑ بٹو کر دھوتے اور دھو کر پیوند لگا لیتے تھے۔ وہ کرتہ اب بھی موجود ہے اور زائرین نہایت عقیدت سے اسے آنکھوں سے لگاتے ہیں اور بادشاہوں کے تخت و تاج کا پتہ بھی نہیں اور نہ کوئی انہیں پوچھتا ہے وجہ یہ کہ وہ



عطیہ تھا سرکاری۔ اور گویہ بھی عطیہ سرکاری ہے مگر بادشاہ اسے عطیہ سرکاری نہیں سمجھتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہے ہم نے حاصل کیا ہے ہمیں اس کا استحقاق ہے اس خودی کی وجہ سے وہ مٹا دیا گیا اور اس میں یہ برکت عطا کی گئی کہ وہ اب تک باقی ہے۔ (الشریعت ج ۶)

## اصلاح باطن

اعمال دو قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ ان کی اصلاح کرنے سے معاش کی گاڑی کچھ نکلتی ہے اور دوسرا وہ کہ ان کی اصلاح سے معاش کا کچھ بھی نقصان نہیں۔ مثلاً وضع شریعت کے موافق بنائے نماز روزہ کرے حج کرے تکبر نہ کرے باجا گا جا چھوڑ دے۔ تو بتلائیے اس میں معاش کا کیا نقصان ہے۔ تو اس میں تو آج ہی سے اصلاح کر لیجئے پس زیادہ اعمال تو آپ کے آج ہی سے درست ہو جائیں گے کیونکہ پچاس عمل میں چالیس ایسے نکلیں گے کہ محض گناہ بے لذت ہیں کہ خواہ مخواہ آپ نے ان کو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے۔ آگے دس ہی رہ جائیں گے اس میں اگر آپ کی اصلاح نہ بھی ہوئی تو چونکہ غالب درجہ اعمال صالح کا موجود ہوگا اس لئے حق تعالیٰ سے امید ہے کہ بقیہ اعمال کو جو کہ مغلوب و قلیل ہیں درست فرمائیں گے۔ (نفی المخرج ج ۶)

## توبہ اور دُعا

ایک دستور العمل ایسا بتلاتا ہوں کہ اس سے ایسے جرائم خفیف ہو جائیں گے وہ یہ کہ اس میں دو برتاؤ کرنا چاہئیں ایک توبہ کہ ہر روز توبہ کیا کرے۔ اب توبہ غضب ہے کہ لوگ توبہ کی حقیقت نہیں سمجھتے۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ کیا اس پر پچھتائے اور دعا کیجئے کہ اے اللہ! مجھے معاف فرمائیے مواخذہ نہ کیجئے توبہ کیوں نہیں کرتے۔ کیا ایسا کرنے سے نوکری سے موقوف ہو جاؤ گے؟ ہرگز نہیں بلکہ تم نوکری رہو گے۔ دوسرے یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ کوئی دوسری سبیل میرے لئے نکال دیجئے۔ تو اس میں یا تو کوئی سبیل نکلے گی اور جو کوئی دوسری سبیل نہ نکلے تو یہ شخص شرمندہ گنہگاروں کی فہرست میں تو لکھا جاوے گا۔ جری گنہگاروں کی فہرست میں نہیں لکھا جاوے گا اور یہ توسع آپ میری ہی زبان سے سنیں گے اور اس توسع میں راز شرعی یہ ہے کہ اگر چھوڑنے پر مجبور کیا جاوے تو شاید اس کو چھوڑ کر اس سے بھی زیادہ کسی گناہ شدید میں مبتلا ہو جائے مثلاً یہی کہ چلو آریہ بنیں۔ تو یہ توسع این بلا دفع بلا ہائے بزرگ کا مصداق ہے۔ اور میں کفر سے بچا رہا ہوں۔ کیونکہ جب آدمی نادار ہوتا ہے تو خدا جانے کیا کیا اس کو سوجھتا ہے۔ (نفی المخرج ج ۶)

## جمال محبوب

کسی نے حضرت جنید رحمہ اللہ کو دیکھا ہاتھ میں شیخ لئے ہوئے پوچھا کیا آپ مبتدی ہیں۔ آپ نے فرمایا اسی نے تو منتہی اور واصل الی اللہ بنایا تو کیا ایسا رفیق چھوڑ دیں۔ ایک بزرگ اسی معنی میں فرماتے ہیں۔

نازم پچشم خود کہ جمال تو دیدہ است اتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است  
یعنی مجھ کو اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے محبوب کے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے قدموں پر فدا ہوتا ہوں کہ ان کا گزر محبوب کے کوچہ میں ہوا ہے۔

ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را کو دامت گرفته بسویم کشیدہ است  
یعنی اپنے ہاتھ کو ہزاروں بوسے دیتا ہوں کہ انہوں نے محبوب کا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔  
اپنے ہاتھ پیر پر ناز کرتے ہیں اور جان فدا کرتے ہیں۔ حقیقت میں ان حضرات کا فہم بہت عالی ہوتا ہے اپنے ہاتھوں کو اپنا سمجھ کر نہیں چومتے بلکہ یہ سمجھ کر کہ اس سے طاعت و عبادت ہوتی ہے آنکھ پر اپنی آنکھ سمجھ کر ناز نہیں کرتے بلکہ اس لئے کہ اس نے انوار محبوب کا معائنہ کیا ہے اور یہی عالی فہمی تو ہے جس کی وجہ سے افلاطون نے صوفیا کو حکماء سے اکمل بتلایا ہے۔ (حق الطاعت ج ۶)

## کشف و کرامات کی حقیقت

کشف و کرامت وغیرہ جس کو آج کل لوگ مقصود سمجھتے ہیں یہ چیزیں انابت کے اندر کچھ دخل رکھتی ہیں یا نہیں۔ اس میں حقیقت بتلاتا ہوں سنئے! انابت کے لئے قرب ضروری ہے پس جس بات سے قرب ہو وہ انابت میں دخل رکھتی ہے اور جس بات سے کچھ قرب نہ ہو اس کو انابت میں کچھ دخل نہیں کیونکہ ان سے کچھ قرب نہیں ہوتا اور اگر تین مرتبہ سبحان اللہ کہئے تو اس سے قرب ہوتا ہے پس ہزار کشف و کرامت سے تین مرتبہ سبحان اللہ کہنا افضل ہے حضرت جن اعمال کو آپ حقیر سمجھتے ہیں وہی اصل مقصود ہیں۔ (اتباع المہیب ج ۶)

## ضرورت شیخ کامل

بعضے اتباع تو اہل انابت ہی کا کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ یہ خود رائی کرتے ہیں کہ ان منہجین میں سے کسی ایک کو اتباع کے لئے متعین نہیں کرتے جس مسئلہ میں ان میں سے

جس کا چاہا اتباع کر لیا۔ یہ خود رائی بھی بہت مضر ہے۔ مناسب یہ ہے کہ زندہ لوگوں میں سے ایک شخص کو اپنی متبوعیت کے لئے پسند کر لیجئے اور میں یہ بہت فائدہ کی بات بتلاتا ہوں۔ تجربہ سے معلوم ہے کہ سلامتی اسی کے اندر ہے گواہل انا بت متعدد ہوں مگر متبوع ان میں سے ایک کو بنالیا جائے اور اسی کے سبیل کا اتباع کیا جائے۔

پس اب ان میں سے ایک کو ترجیح دینے کا طریقہ معلوم ہونا چاہئے۔ سو وہ یہ ہے کہ جس کا انا بت زیادہ ہو یعنی یہ دیکھ لیجئے کہ اس کا علم کیسا ہے تقویٰ کی کیا حالت ہے۔ پھر دیکھئے کہ نسبت مع اللہ کیسی ہے اور یہ معلوم ہوگا کہ اس کی صحبت میں رہنے سے یعنی اگر اس کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہو تو سمجھو کہ اس کی نسبت کامل ہے اور وہ متبوع بنانے کے قابل ہے اور اگر اپنی استعداد ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کی صحبت کا اپنے اندر یہ اثر محسوس نہ ہو کہ دنیا کی محبت کھودو تو صرف اتنی بات سے بدگمان نہ ہو جائے کیونکہ استعداد ضعیف ہونے کی وجہ سے اثر بھی بہت ضعیف ہوتا ہے جس کا ابھی احساس نہیں ہوتا۔ سالہا سال کے تجربہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کیا اثر ہوا۔ پس جب اپنے اندر اثر محسوس نہ ہو تو اس کے پاس کے رہنے والوں کو دیکھئے کہ ان لوگوں کی حالت کیسی ہے۔ اگر ان میں سے اکثر کی حالت اچھی دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ شخص کامل ہے۔

حضرت یہ تجربہ ہوا ہے کہ جو اہل باطل ہوتا ہے اس کے مخصوصین اور مقربین نہایت بدتر حالت میں ہوتے ہیں ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ لوگ ان کو بزرگ سمجھتے تھے اور ان سے پانی پڑھوا کر لے جاتے تھے ان کے مخصوصین کی یہ حالت تھی کہ موٹے موٹے دانوں کی تسبیح لوگوں کو دکھلانے کے لئے پاس رکھتے تھے اور نماز روزہ کچھ نہ کرتے تھے۔

اہل باطن کے پاس رہنے والوں میں اکثر کی حالت اچھی ہو تو سمجھ لو کہ ضرور وہ شخص کامل ہے۔ اس کو متبوع بنا لو اور ہرگز نہ چھوڑو اور اگر اس کے مخصوصین میں اکثر کی حالت خراب دیکھو تو سمجھو کہ اسی کی حالت خراب ہے۔ خود اسی کے پاس کے رہنے والوں میں کہاں سے آئے۔

بقول رامپور کے ایک شخص کے کہ وہ اہل باطن میں سے ایک شخص کے ہاتھ میں جا پھنسا تھا اور بات کی پیچ کی وجہ سے اس کو نہیں چھوڑتا تھا کسی نے اس سے کہا کہ میاں تم کو پیر سے کچھ حاصل بھی ہوا؟ اس نے کہا کہ جب سقاوہ ہی میں نہ ہو تو بدھنے میں کہاں سے آئے۔

ایسے شخص کو چھوڑو۔ وہاں اتنی بات ہے کہ اس کو برا مت کہو برا کہنے سے کیا فائدہ۔

اگر کسی طبیب کا علاج پسند نہ آئے تو اس کا علاج نہ کرو مگر اس کو برا بھلا کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ پس منہیں کے تعدد کی حالت میں جس میں انابت اقویٰ معلوم ہو اس کو اختیار کر لو اور اس کے ہوتے ہوئے صرف اسی کا اتباع کرو۔ اسی میں راحت ہے۔ فی نفسہ یہ بھی جائز ہے مختلف لوگوں کا اتباع ہو۔ مثلاً کسی شیخ سے کوئی شغل پوچھ لیا اور کسی دوسرے سے اور کوئی شغل پوچھ لیا تو اسی طرح متعدد کا اتباع بھی فی نفسہ جائز ہے۔ (اتباع المذہب ج ۶)

## بیعت کے معنی

ایک درویش تھے ان کا لقب تھا رسول نما۔ اور وجہ لقب کی یہ تھی کہ ان کو ایسی قوت تصرف تھی کہ جو شخص طالب ہوتا تھا کہ مجھ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادو وہ اس پر متوجہ ہوتے تھے اس کی نظروں سے درمیانی حجاب مرتفع ہو جاتے تھے اور وہ زیارت جمال باکمال نبوی سے مشرف ہو جاتا تھا۔ وہ بزرگ جس وقت اپنے شیخ سے بیعت ہونے گئے تو شیخ نے فرمایا کہ استخارہ کر لو کہ سنت ہے وہ ایک گوشہ میں بیٹھ کر ۵ منٹ سے بھی کم میں واپس آ گئے۔ شیخ نے پوچھا کہ استخارہ کر لیا۔ کہا کہ حضور کر لیا شیخ نے فرمایا کہ اتنی دیر میں آپ نے کیسے استخارہ کر لیا۔ وضو نہیں کیا، نماز نہیں پڑھی، دعا استخارہ نہیں پڑھی کہنے لگے کہ میں نے اس طرح استخارہ کیا ہے کہ میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اے نفس! تو جو بیعت کرتا ہے تو بیعت کے معنی دوسرے کے ہاتھ بک جانا ہیں تو تجھ کو اپنے تمام اختیارات سلب کر دینے اور بدست غیر ہو جانے سے کیا نفع ہے۔ نفس نے جواب دیا کہ بلا سے خدا تو ملے گا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ خدا ملے ہی۔ خدا کے ذمے کسی کا قرض تو نہیں ہے۔ نفس نے کہا کہ خیر کچھ حرج نہیں خدا کو خبر تو ہوگی کہ فلاں شخص نے ہم کو طلب کیا تھا اس پر میں کچھ حرج نہیں کر سکا۔ شیخ نے فرمایا کہ تمہارا استخارہ سب سے اچھا ہے۔ پس غلامی واقعی طبعاً گراں ہے جس کو کچھ ملا ہے اسی کی بدولت ملا ہے۔ (شرط الایمان ج ۶)

## حسن تربیت

حضرت شیخ فرید کے ایک مرید کو ان کی ایک کنیز کے ساتھ تعلق ہو گیا اور حضرت شیخ کو اس کی خبر ہو گئی بجائے اس کے کہ اس کو ملامت کریں کیونکہ بعض اوقات عشق ملامت سے



بڑھ جاتا ہے۔ آپ نے ایک لطیف تدبیر کی۔ وہ یہ کہ اس لونڈی کو دو اے مسہل پلا دی۔ چنانچہ مادے کا اخراج شروع ہوا اور بہت سے دست اس کو آئے اور سب مادے کو ایک طشت میں جمع رکھنے کا حکم دیا۔ دست آنے سے اس لونڈی کا رنگ و روغن جاتا رہا اس کے بعد اس لونڈی کے ہاتھ کھانا اس مرید کے پاس بھیجا۔ بجائے اس کے کہ اس لونڈی کی طرف ملتفت ہو اس کو ایک نفرت ہوئی۔ اور اس کی طرف التفات بھی نہ کیا اس لئے کہ اس کا عشق تو اس کے رنگ و روغن ہی کی وجہ سے تھا۔ اس کے رنگ ہی کے ساتھ عشق بھی رخصت ہو گیا۔

عشقہائے کز پئے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے بود  
جو عشق محض رنگ و روپ پر ہوتا ہے وہ واقع میں عشق نہیں بلکہ محض ننگ ہوتا ہے یعنی اس کا انجام حسرت و ندامت ہے۔

عشق بامردہ نباشد پائیدار عشق را با حی و با قیوم دار  
مردہ کے ساتھ عشق کو پائیداری نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ حی و قیوم کا عشق اختیار کرو جو ہمیشہ باقی ہے۔

حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ وہ نجاست لے آؤ وہ لائی گئی اس مرید سے فرمایا کہ یہ کنیزک تو وہی ہے۔ اس میں سے صرف یہ نجاست کم ہو گئی ہے اس سے تمہارا میلان جاتا رہا۔ معلوم ہوا کہ تمہارا محبوب یہ تھا محبوب حقیقی کو چھوڑ کر تم اس گندگی پر گرے تھے۔ طبع اس کی سلیم تھی فوراً تائب ہو گیا اور اس سے نفرت ہو گئی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بدکاری کی اجازت دے دیجئے۔ اگر آج کل کے علماء خشک سے کوئی یہ کہے تو بے حد برہم ہوں۔ لیکن کیا ٹھکانہ ہے تحمل کا۔ بجائے اس کے کہ زجر و توبیخ فرمائیں فرماتے ہیں کیا تو راضی ہے کہ تیری ماں کے ساتھ ایسا فعل ہو اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ تیری بہن کے ساتھ ایسا ہو کہا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر کسی کی ماں بہن کے ساتھ تم کیسے اس کو پسند کرتے ہو۔ اس کی سمجھ میں آ گیا اور توبہ کی۔

لیکن اس طرز سے کام لینا ہر ایک کا کام نہیں۔ اس لئے کہ اہل مدہنت بھی اپنی مدہنت پر اس سے استدلال کر سکتے ہیں۔ نرمی اور سختی دونوں کے حدود ہیں۔ یہ کام شیوخ کا ملین اور اکابر امت کا ہے۔ ہر شخص اپنے کو اس پر قیاس نہ کرے۔ یہ حکیم کا کام ہے جو حکمت موہو بہ من

اللہ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکمت موہوبہ) کے ساتھ لوگوں کو راہ پر لاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرز کی ہدایت فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلہم بالتي هي احسن  
یعنی آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے  
بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ (شرط الایمان ج ۶)

## اہل جذب و جنون

مجازیب اکثر امور تکوینیہ کو ظاہر کر دیا کرتے ہیں۔ مگر بعض مجذوب و مودب بھی ہوتے ہیں۔ جیسے حافظ غلام مرتضیٰ صاحب کی تعریف میں نے حضرت حاجی صاحب سے سنی ہے سالکین کی زبان سے مجذوبوں کی تعریف کم سنی جاتی ہے۔ ہمارے حافظ غلام مرتضیٰ صاحب کی تعریف حضرت نے بہت کی ہے اور یہ حافظ صاحب صرف ایک کمال میں رہتے تھے مگر کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک بار جلال آباد شریف لے گئے وہاں کے پٹھانوں نے کہا، حضور نے قدم رنجہ فرمایا۔ تو ان کو ادب سکھلایا کہ بزرگوں سے یوں نہیں کہا کرتے کہ قدم رنجہ فرمایا۔ کیا ہم کسی کے نوکر ہیں کہ قدم رنجہ فرماتے بلکہ یوں کہا کرتے ہیں کہ حضور نے کرم فرمایا۔ (الغالب للطالب ج ۶)

## بری صحبت کے نقصانات

صوفیہ کو صحبت کا اہتمام سب سے زیادہ ہوتا ہے چنانچہ صحبت بد کے بارہ میں ان کا ارشاد ہے۔

تا توانی دور شواز یار بد یار بد بدتر بود از مار بد  
(جہاں تک ممکن ہو برے دوستوں سے بچو برادر دوست سانپ سے زیادہ برا ہے۔ ایک لمحہ اولیاء اللہ کی صحبت سو سولہ بے ریا عبادت سے افضل ہے)

اور صحبت نیک کے بارے میں فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا  
صحبت صالح کا اثر تو یہ ہے کہ مسارقت کے بعد مشارفت ہوئی ہے دونوں انوار سے منور ہو جاتے ہیں اور صحبت بد کے اثر کا کچھ نام صوفیہ نے لکھا مگر میں کہتا ہوں کہ

وہاں مسارت کے بعد مبارقت ہوتی ہے کہ دونوں طرف سے بجلی چمکتی ہے۔ اور سوختن و  
افروختن کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ دونوں کا دین جل کر خاک سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے  
ایک عارف صحبت صالح کی تاکید میں فرماتے ہیں۔

جہد کن و با مردم دانا بنشین با صدق و صفا یا با صنم لطیف رعنا بنشین با شرم و حیاء  
زیں ہر دو گرت یکے میسر نشود از طالع خویش اوقات مکن ضائع و تنہا بنشین در یاد خدا  
(کوشش کر اور صدق و صفا کے ساتھ عقلمند انسان کی صحبت اختیار کر یا شرم و حیاء ملحوظ رکھتے  
ہوئے خوبصورت اور لطیف محبوب کی صحبت میں بیٹھ اگر شوخی قسمت سے یہ دونوں میسر نہ ہو سکیں  
تو اپنا وقت ضائع نہ کرے بلکہ یاد خدا میں یہ دونوں میسر بلکہ (یاد خدا میں تنہائی اختیار کر)

مطلب یہ ہے کہ یا تو کسی عارف کے پاس صدق و خلوص سے رہو اگر یہ نہ ہو سکے تو  
اپنی بیوی کے پاس رہو۔ مگر آج کل نو جوان کو بیوی سے تو جاڑہ چڑھتا ہے اگر ماں باپ کی  
لائی ہوئی دلہن ہے تو وہاں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ صاحب پنچوں کی بلا سر دھری گئی۔ کیا کریں  
دولہا کو پسند نہیں۔ گو شرافت تو یہ ہے کہ ماں باپ کی لائی ہوئی کی قدر اپنی لائی ہوئی سے  
زیادہ کی جائے تاکہ ماں باپ کو شرمندگی نہ ہو) مگر زیادہ شکایت تو ان لوگوں کی ہے جو خود  
طلب و رغبت سے نکاح کرتے ہیں۔ اور پھر بھی بیوی کے حقوق ضائع کرتے ہیں۔ ان کی  
قدر نہیں کرتے۔ رات دن دوست احباب کی صحبت میں رہتے ہیں ان سے دل لگی مذاق اور  
فحش مذاق کیا جاتا ہے اور بیوی سے جس کے ساتھ ایسی باتیں کرنا جائز بھی ہے اور ثواب بھی  
سیدھے منہ بات بھی نہیں ہوتی وہاں منہ کو گوند لگ جاتا ہے اور کہنے کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم کو شرم  
آتی ہے ارے تم کو مردوں کو فحش مذاق کرتے ہوئے غیرت نہ آئی ڈوب مرو۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو نہ شیخ میسر ہو نہ دلبر رعنا یعنی بیوی بھی میسر نہ ہو  
خواہ اس واسطے کہ نکاح کا سامان نہیں یا اس واسطے کہ بیوی مر گئی ہے تو اس کو چاہیے کہ یاد خدا  
میں تنہا بیٹھے اور صحبت بد میں ہرگز نہ بیٹھے ورنہ دین کی خیر نہیں تو صوفیہ کے کلام سے معلوم ہوا  
کہ اخلاق باطنہ میں تعدیہ ہوتا ہے۔ (الغالب للطالب ج ۶)

## اصلاح کیلئے مناسبت کی شرط

حضرت مرزا صاحب کا ایک اور واقعہ یاد آیا کہ آپ کی خدمت میں مولانا غلام یحییٰ

بہاری جن کا حاشیہ رسالہ قطبیہ پر مشہور ہے حاضر ہوئے ان کی ڈاڑھی بہت بڑی تھی کہ ایک مشت سے بھی بہت زیادہ تھی۔ بعض لوگوں کو ڈاڑھی بڑھانے کا شوق ہوا کرتا ہے بس مرزا صاحب کے سامنے پہنچے اور آپ کی نظر ان کی ڈاڑھی پر پڑی فوراً آنکھوں پر ہاتھ دھر لیا اور فرمایا جلدی کہو جو کچھ کہنا ہے۔ کیسے آئے ہو۔ عرض کیا بیعت ہونے آیا ہوں۔ فرمایا پیرو مرید میں مناسبت شرط ہے آدمی اور ریچھ میں کوئی مناسبت نہیں۔ مجھ سے آپ کو فیض نہ ہوگا مولانا غلام یحییٰ نے ایسی بات کب سنی تھی وہ تو مولانا اور مقتدا بنے ہوئے تھے۔ اس جواب پر خفا ہو کر چلے گئے کہ ہم کسی اور سے بیعت ہو جائیں گے کوئی آپ ہی ایک شیخ نہیں رہ گئے۔ کہنے کو تو کہہ گئے مگر سارے جہان میں مرزا صاحب جیسا کوئی نہ ملا۔ یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں کوئی اور شیخ ہی نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی سے مناسبت نہ ہوئی بس وہ حال تھا۔

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ما ہے      چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند بکس نگاہے  
اور مناسبت کا ہونا نہ ہونا یہ کسی کے اختیار میں نہیں یہ تو عالم ارواح میں ہو چکی ہے۔  
چنانچہ حدیث میں ہے۔

الارواح جنود مجنودة ما تعارف منها ائتلف و ما تناكر منها اختلف

(الصحيح للبخاری ۴: ۱۶۲)

ارواح لشکر جمع کردہ ہیں جن میں وہاں آشنائی ہو چکی ہے وہ مالوف و مانوس ہیں اور جن میں وہاں تناکر و تنافر ہو چکا ہے وہ یہاں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔

عورتیں اس مسئلہ کو خوب سمجھتی ہیں جب کسی لڑکی کا نکاح بری جگہ ہو جاتا ہے تو ان کو زیادہ رنج نہیں ہوتا بلکہ یوں کہتی ہیں کہ بچوک یوں ہی ملا ہوا تھا اور کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جوڑیاں ملا دی ہیں جس کا جوڑ جس کو بنایا ہے اسی سے نکاح ہوتا ہے۔ اسی طرح مریدین و مشائخ میں بھی جوڑیاں ملی ہوئی ہیں جس کو جس سے مناسبت ہوتی ہے اسی سے تعلق حاصل کرتا ہے۔

شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ترکستان سے شیخ کی تلاش میں چلے مگر کوئی ایسا بزرگ نہ ملا جس سے مناسبت ہو آخر ہندوستان پہنچ کر شیخ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ سے مناسبت ہوئی اور ان ہی سے فیض ہوا آخر کار مولانا غلام یحییٰ بعد میں پھر آئے اور اس وقت ڈاڑھی ٹھیک کر کے آئے یعنی ایک مشت سے جو زائد تھی اس کو ترشوا دیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہاں اب آدمیوں کی صورت سے آئے ہو اب مجھ سے مناسبت ہو جائے گی۔ چنانچہ بیعت فرمایا اور خانقاہ میں رکھا۔



## زیادتی عمر نعمت ہے

شاہ فضل الرحمن صاحب ایک دفعہ بیمار ہوئے پھر اچھے ہو گئے تو فرمایا کہ ہم ایک بار بیمار ہو گئے ہم کو مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے ایک رات حضرت سیدہ فاطمہ زہرہؓ کو خواب میں دیکھا انہوں نے ہم کو چھاتی سے لگا لیا بس صبح ہی کو اچھے ہو گئے مولانا بڑے صاف تھے تصنع بالکل نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تو حدیث میں آیا ہے کہ جب ملک الموت ان کے پاس قبض روح کے واسطے آئے تو آپ نے ان کے ایک طمانچہ مارا وہ بے چارے حق تعالیٰ کے پاس واپس گئے اور عرض کیا۔

انک ارسلتنی الی رجل لا یرید الموت

آپ نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔

سو طمانچہ مارنے کی خواہ کچھ ہی توجیہ ہو لیکن ملک الموت کے قول سے موسیٰ علیہ السلام کی شان لا یرید الموت کی تو معلوم ہوئی جس پر کوئی نکیر نہیں کیا گیا معلوم ہوا کہ طول حیات کی خواہش بھی منافی کمال دلالت نہیں وہ دنیا کی عمر کو موجب زیادت سمجھ کر یہ چاہتے تھے کہ اور زندہ رہیں تاکہ قرب میں اور ترقی ہو۔ (العیذ والوعید ج ۶)

حدیث میں صرف اتنا ہے کہ دو رکعت نماز پڑھے اور یک سوئی کا منتظر رہے۔ بعض جو جانب قلب میں رائج ہو جاوے اس پر عمل کرے۔

چنانچہ انہوں نے وہاں سے ذرا ہٹ کر پھر واپس آ کر عرض کیا کہ میں نے استخارہ کر لیا۔ ان بزرگ نے کہا ایسا مختصر استخارہ کیسے کر لیا، وہ کہنے لگا کہ اس استخارہ کو سمجھ لیجئے میں نے الگ بیٹھ کر نفس سے پوچھا کہ بیعت کے معنی فروخت شدن کے ہیں (یعنی بکنا) اور بکنے سے تو غلام ہو جاوے گا پھر غلام ہو جانے کے بعد اگر پیر بتاوے گا کہ جاگو جاگنا پڑے گا، اگر کہے گا کہ بھوکے رہو تو بھوکا مرنا ہوگا، اگر ٹھنڈا پانی پینے کو منع کرے گا یا سارہنا ہوگا، مثلاً تو کیوں بیوقوف ہوا ہے کہ اچھی خاصی آزادی کو چھوڑ کر دوسرے کے قبضے میں اپنے کو دیئے دیتا ہے۔ نفس نے یہ جواب دیا کہ یہ سب کچھ سچ ہے مگر خدا تو ملے گا، میں نے کہا اگر خدا بھی نہ ملے تو کیونکہ وہ تیرا قرض دار تو نہیں تو اس نے جواب دیا:

ملنے کا اور نہ ملنے کا مختار آپ ہے      پر تجھ کو چاہیے کہ تگ و دو لگی رہے  
(وہ نہ ملیں ان کو اختیار ہے مگر ان کو یہ تو خبر ہو جاوے گی کہ یہ کم بخت بھی ہمارا طالب  
ہے بس اتنا ہی کافی ہے۔)

ہمینم بس کہ داند ماہر ویم      کہ من نیزاز خریداران اویم  
ہمینم بس اگر کاسد قماشم      کہ من نیزاز خریدارانش باشم  
(یہی بہت ہے کہ محبوب کو معلوم ہو جائے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں ہوں۔ یہی بہت ہے  
اگر میں کھوٹی پونجی یعنی غریب ہوں کہ اس کی خریداروں کی لڑی میں بھی ہو جاؤں۔) (العبادات ج ۷)

## دینی رہبر کی ضرورت

دین میں ہر جگہ حکیم کی ضرورت ہے۔ ہر کام میں کسی محقق کو رہبر بناؤ اور اس سے ایک ایک  
جزئی پوچھو۔ البتہ اس کے انتخاب میں بڑے غور و خوض کی ضرورت ہوگی۔ اب اول تو انتخاب ہی  
میں غلطی ہوتی ہے اور اگر انتخاب بھی صحیح ہو تو اتنا ذی شیخ اس واسطے کرتے ہیں کہ ان سے مقدمات  
میں دعا کرایا کریں گے، تعویذ گنڈے کرایا کریں گے۔ گویا شیخ ان کے نوکر ہیں، ششما ہی نذرانہ  
تنخواہ میں پاتے ہیں اور اگر زیادہ خوش اعتقاد ہوئے تو اس خیال سے پیر بناتے ہیں کہ بس وہ خدا  
کے ہاں بخشالیں گے، چاہے وہ خود بھی نہ بخشے جائیں۔ حضرت شیخ ان کاموں کے لیے نہیں ہے  
وہ تو طبیب ہے ان کے سامنے اپنے امراض ظاہر کرو اور ان سے اپنی حالت کا فیصلہ کراؤ اور جو وہ  
علاج بتائیں اس پر عمل کرو، جب ایسا انتظام ہوگا تو حضرت اس بارے میں شیخ ہی کے مشورہ پر  
عمل ہوگا کہ کہاں سلام نہ کریں اور کہاں کریں کہاں مصلحت ہے اور کہاں مفسدہ۔

یار باید را تنہا مرو      بے قلاوز اندریں صحرا مرو  
(ساتھی ضرور چاہیے، تنہا راستہ مت چل خصوصاً اس طریق میں بلارہبر کے قدم مت رکھ)  
اور اگر کسی کے پاس رہبر محقق نہیں ہے تو وہ اگر دین پر عمل کرنا چاہے گا تو ہر صورت  
میں بہت چیزیں متشابہ ہیں جو واقع میں تضاد ہیں۔

کہ چنین بنماید و کہ ضداں      جز کہ حیرانی نباشد کار دیں  
(کبھی یہ دکھلاتے ہیں کبھی اس کی ضد دین کے کاموں میں سوائے حیرانی کے اور کچھ نہیں)

## عشق مجازی کی تباہ کاریاں

کانپور میں ایک بوڑھے آدمی تھے۔ وہ ایک یہودن پر عاشق ہوئے، میں ان کے بڑھاپے کی وجہ سے ان کا ادب باپ کا سا کرتا تھا اور وہ طالب علم سمجھ کر میرا ادب کرتے تھے مگر اس حیا سوز عشق میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ سب ادب و حیا کو بالائے طاق رکھ کر ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ اگر وہ یہودن ہے تو میں یہودی ہوں، اگر وہ عیسائین ہے تو میں عیسائی ہوں، نعوذ باللہ! وہ تھے تہجد گزار مگر دیکھئے ایک بدنگاہی سے سب ختم ہو گیا، اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اس سے بہت بچنا چاہیے۔

ابن القیم نے دواء الکافی میں ایک حکایت لکھی ہے۔ ایک نہایت حسین عورت نے ایک آدمی سے حمام منجاب کا راستہ پوچھا، کچھ نظر اور کچھ اس کی باتوں سے اور کچھ اس کی صورت سے یہ گرویدہ ہو گیا اور اسے دھوکہ دیا کہ اپنے ہی مکان کو حمام منجاب بتا دیا۔ جب وہ مکان میں گئی یہ بھی اندر گھس گیا، وہ تھی عقیقہ اس کی بدنیتی کو سمجھ گئی۔ اس نے کہا کہ میں تو خود تجھ پر فریفتہ ہوں مگر اس وقت میں بہت بھوکی ہوں، پہلے میرے لیے کچھ کھانے کو لاؤ، آپ بازار میں گئے جب اس نے گھرا کیلا پایا تو چپکے نکل کے چل دی، اب جو کھانا لے کر آیا اور اسے نہ پایا تو مارے غم کے بیمار پڑ گیا اور یہاں تک کہ وقت اخیر ہو گیا۔ لوگوں نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہو، تو یہ بجائے اس کے یہ کہتا ہے:

یارب سائلک یوما وقد تعبت این الطريق الی حمام منجاب  
(اے رب حمام منجاب کو پوچھنے والی کہاں ہے)

اور اسی پر خاتمہ ہو گیا۔ (آثار العبادت ج ۷)

## بڑھاپے میں حفاظت نظر

عشق نفسانی میں ایک بڑی آفت ہے وہ یہ کہ اگر کسی نے جوانی میں احتیاط اور توبہ نہ کی ہو تو یہ مرض بڑھاپے میں اور بڑھ جاتا ہے۔ اس پر ایک تفریع فقہی کرتا ہوں وہ یہ کہ بوڑھے آدمی سے اپنے سیانے لڑکے اور سیانی لڑکی کو زیادہ بچانا چاہیے۔ وجہ یہ کہ جوانی میں اگر شہوت زیادہ ہوتی ہے تو قوت ضبط بھی ہوتی ہے اور اس قوت ضبط ہی سے قوت شہوت میں لذت

ہوتی ہے تو اگر کوئی خوف حق سے ابھی ضبط نہ کرے گا تو لذت ہی کے لیے ضبط کرے گا اور یہ لذت معین ہو جاوے گی، ادامت ضبط پر اور اس سے رفتہ رفتہ وہ اس ضبط میں خوف حق کی نیت کر کے متقی بن جائے گا اور بوڑھے میں گو قوت شہوت کم ہے مگر قوت ضبط بھی کم ہے کیونکہ شہوت اور ضبط کا دار و مدار حرارت غریزیہ پر ہے اور وہ بڑھاپے میں کم ہو جاتی ہے اس لیے اس میں ضبط کم ہوگا پس وہ زیادہ احتیاط کے قابل ہے۔ گو وہ بزرگ ہی کیوں نہ ہو۔

## مشائخ کے فرائض

مشائخ کو چاہیے کہ وظیفہ وغیرہ بتلانے سے پہلے دو کام بتلائیں، ایک اخلاق کی درستی، دوسرے بقدر ضرورت علم کی تحصیل۔ پہلے زمانہ میں اسی پر عمل تھا، مریدوں کی برسوں تک اصلاح اخلاق کرتے تھے اس کے بعد وظیفے تعلیم فرماتے تھے اور جو طالب علم دین سے کورا ہوتا اس کو تحصیل علم کی تاکید فرماتے تھے۔

چنانچہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوئے تو شیخ نے پوچھا کہ علم دین کہاں تک حاصل کیا ہے، کہا کچھ نہیں۔ فرمایا جاہل ولی نہیں ہو سکتا، جاؤ پہلے علم دین بقدر ضرورت حاصل کر کے آؤ۔ چنانچہ شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ واپس ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد پھر حاضر ہوئے تو حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا تھا تو آپ نے شیخ کے پوتے سے بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے بھی وہی سوال کیا کہ کیا پڑھا ہے؟ عرض کیا کافیہ تک پڑھا ہے، فرمایا: کافیہ کافی است باقی در دسر (کافیہ کافی ہے باقی در دسر ہے) اور بیعت فرمالیا۔ پھر گونا گوار میں پوتے سے بیعت ہوئے تھے مگر روحانی فیض آپ کو شیخ عبدالحق رودلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ ہوا تو محققین مشائخ کی یہ عادت تھی کہ ہر شخص کو فوراً بیعت نہ کرتے تھے بلکہ اول اس کو مبادی کی تحصیل کا امر کرتے تھے اور اگر کوئی شخص مبادی کو حاصل کر کے آیا ہو اس کو بھی جلدی بیعت نہ کرتے تھے بلکہ امتحان طلب کے بعد بیعت فرماتے تھے۔ (اصل العبادت ج ۷)

## کراہت کی قسمیں

کراہت دو قسم کی ہے۔ ایک کراہت طبعی ایک کراہت عقلی۔ تو اطاعت کے



خلاف مطلق کراہت نہیں ہے بلکہ صرف کراہت عقلی ہے اور وضو میں جو ناگواری ہے وہ طبعی ہے اور وہ مضر نہیں کیونکہ شریعت کو رغبت و طوع مطلوب ہے جو وسع میں ہو اور وہ عقلی ہے اور کراہت طبعیہ بوجہ غیر مقدور ہونے کے شریعت کو مطلوب ہی نہیں تو اس کا فقدان یعنی کراہت طبعی مضر بھی نہیں۔ (اسرار العبادت ج ۷)

## فرقہ ملد متیہ

صوفیاء کرام کی ایک جماعت کا لقب ملا متی بھی ہے لوگوں نے اس کے معنی بھی بدل دیئے ہیں کہ جو خلاف شرع کام کرے اس کو ملا متی کہتے ہیں۔ حالانکہ فرقہ ملد متیہ صوفیاء کے نزدیک وہ ہیں جو اعمال کے اخفاء کا اہتمام کرتے ہیں اور ان فرق صوفیاء کی اصل احادیث سے ملتی ہے۔

چنانچہ قلندر کی اصل اس حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کا گزر ایک مجمع پر ہوا، مجمع میں سے ایک صحابی نے ان کو دیکھ کر کہا ”انی لا بغض هذا“ میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔ کسی نے ان کو خبر کر دی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر شکایت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم ان سے بغض کیوں رکھتے ہو، کہا یا رسول اللہ! یہ ضابطہ سے زیادہ نہ ایک نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ خیرات کرتے ہیں تو یہ کیسا مسلمان ہے جو ضابطہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرتا۔ پہلے صحابی نے کہا یا رسول اللہ! ان سے پوچھئے کہ میں جو کام کرتا ہوں کیا اس میں کچھ نقص رہ جاتا ہے یا میں اسے کامل طور پر ادا کرتا ہوں۔ دوسرے صحابی نے کہا کہ نقص تو کچھ نہیں رہتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو ان سے بغض نہ کرو ان سے محبت کرو، یہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں او کما قال۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔

ملا متی کی اصل ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں ہے کہ مہمان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے، کھانا تھوڑا تھا، چراغ گل کر دیا، مہمان سمجھا کہ یہ بھی کھا رہے ہیں مگر انہوں نے سب مہمان کو کھلا دیا۔ (دواء الغفلت ج ۷)

## اہل اللہ کا طریق

حضرات اولیاء اللہ کی یہ حالت تھی کہ اپنے نفس سے محاسبہ کرتے تھے اور حدیث میں

بھی ارشاد آیا ہے ”حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا“ (اپنے نفس کا خود محاسبہ کرلو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے) دیکھو اگر کوئی پٹواری اپنے کاغذات کو حاکم کے معائنہ سے پہلے درست کر لے تو معائنہ کے وقت اس کو ندامت نہ ہوگی اور معائنہ سے پہلے ہر وقت اس کو فکر بھی رہے گی کہ دیکھئے کیا پیش آتا ہے۔ (الخضوع ج ۷)

## خشوع کی حقیقت

خشوع کے معنی ہیں دب جانا پست ہو جانا یعنی سکون، جیسا کہ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔  
وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْتَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ  
(یعنی منجملہ اس کی (قدرت اور توحید کی) نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو دیکھ رہا ہے کہ دبی دبائی پڑی ہے پھر جب اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے)  
چونکہ اهترت و ربّت سے خاشعہ کا مقابلہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اهتر از اور بڑھنے اور ابھرنے میں حرکت ہے تو خاشعہ کے معنی سکون اور پستی والے کے ہوں گے اور اس مقابلہ سے ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ خود لغت شاہد ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شے کی حرکت و سکون جدا گانہ ہوتا ہے مثلاً اگر کہا جاوے کہ ہاتھ چل رہا ہے تو اس کے معنی ہلنے اور نقل مکانی کے ہوں گے اور اگر کہا جاوے کہ فلانے کی طبیعت خوب چلتی ہے تو یہاں یہ معنی نہیں مراد ہوں گے بلکہ یہاں اور معنی ہوں گے یعنی ذکر کرنا اور سوچنا جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سنئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی چیزیں عنایت فرمائی ہیں ظاہر اور باطن یا یوں کہو کہ جوارح اور قلب پس کمال خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ جوارح بھی ساکن رہیں اور قلب بھی لیکن دونوں کا سکون جدا جدا ہے۔

جوارح کا سکون تو یہ ہے کہ ادھر ادھر دیکھے نہیں، ہاتھ پیر نہ ہلائے اور اس کے مقابلات کا نام حرکت ہوگا اور قلب کا سکون اس کی حرکت کے مقابل ہے۔ حرکت تو یہ ہے کہ خیال کرنا، تصور کرنا، فکر کرنا یعنی سوچنا فعل اختیاری ہے اور قدرت و اختیار ضدین سے متعلق ہوتا ہے پس جب یہ حرکت اختیاری ہے تو اس کے مقابل سکون بھی یعنی نہ سوچنا اختیاری ہوگا۔ اور آدمی اختیاری ہی چیزوں میں مکلف ہوتا ہے لہذا خشوع کے معنی یہ ہوں کہ اپنے اختیار سے دوسرا خیال نہ لانا۔ یہ نہیں کہ دوسرے خیال کا دل میں نہ آنا یہ

دونوں چیزیں الگ الگ ہیں خیال کا آنا تو اختیاری نہیں ہے اور خیال کا لانا اختیاری ہے پس خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ اپنے اختیار سے دوسرے خیالات دل میں نہ لاوے رہا اگر کوئی خیال بلا اختیار آوے تو وہ خشوع کے منافی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہؓ نے پوچھا کہ ہمارے دل میں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا ان سے آسان معلوم ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا اوجد تم وہ قالوا نعم قال ذلک صریح الایمان یعنی آپؐ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اس کو پایا ہے یعنی کیا ایسے خیالات آتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں آپؐ نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے اور کیوں نہ ہو چور تو وہیں آتا ہے جہاں مال ہو متاع ہو۔ اسی طرح شیطان وہیں آتا ہے جہاں متاع ایمان ہو۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

دیو آید سوئے انساں بہر شر پیش تو ناید کہ از دیو بتر

(شیطان تو انسان کی طرف شر کے لئے آتا ہے تیرے پاس نہ آئے گا کہ تو شیطان سے بدتر ہے)  
(الخشوع موعظ اشرفیہ ج ۷)

## حصول خشوع کا طریقہ

ایک حدیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اس طرح کہ مقبلاً علیہا بقلبہ یعنی حال یہ ہو کہ اپنے دل سے نماز پر متوجہ رہے۔ اب نماز دیکھنا چاہئے کہ نام کس کا ہے سو اس میں بعضی چیزیں تو مختلف ہیں ان کی طرف توجہ کرنے میں مبتدی کو یکسوئی حاصل ہونا ذرا تکلف ہے اس لئے دیکھنا چاہئے کہ اس میں کونسی چیز ہے جو نماز میں برابر ہوتی رہتی ہے سو وہ ذکر اللہ ہے کہ ابتدا سے انتہا تک پایا جاتا ہے تو اب نماز میں متوجہ ہونے کی صورت میں اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ ذکر اللہ کی طرف برابر توجہ رہے یعنی جو کچھ پڑھا جائے سوچ سوچ کر پڑھا جائے پہلے سوچ لو پھر زبان سے نکالو یہ نہیں کہ ریل گاڑی ہے جہاں ڈرائیور نے کل چلا دی اور گاڑی اڑی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اسٹیشن آ گیا اور ڈرائیور نے روکی تو تھمی اس طرح سے اپنے اندر کی ریل گاڑی کو اگر ہم چلائیں گے تو لڑے گی اس کا کیا نتیجہ ہوگا کہ سارے قوائے محمودہ کے مسافر پاش پاش ہو جائیں گے اور زمین باطن میں ہلچل پڑ جائے گی۔ دنیاوی ریل کے لڑنے کا حال تو اسی وقت آنکھوں سے نظر آ جاتا ہے ہماری اندرونی ریل کے لڑنے کا حال قیامت میں کھلے

گا بہر حال چاہئے یہ کہ ہر ہر لفظ کو سوچ سوچ کر پڑھو اگرچہ اس میں دو چار دن مشقت معلوم ہوگی جی گھبرائے گا کیونکہ جی روکنا پڑے گا لیکن جہاں ہم اپنے دنیاوی ذرا ذرا سے کاموں میں مشقت اٹھاتے ہیں خدا کیلئے بھی ذرا سی مشقت اٹھانا گوارا کر لیں۔ جب دنیا بے مشقت نہیں ملتی تو خدا کو چاہتے ہو کہ بے مشقت ہی مل جائے۔

## اہتمام خشوع کا طریق

اگر کوئی شخص کام کر رہا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس وقت ہمارا مالک اور حاکم دیکھ رہا ہے تو وہ شخص کام بالکل ٹھیک کرنے لگے گا اور احتیاط رکھے گا کہ کوئی خرابی نہ ہونے پائے اور اگر کہیں خود حاکم کو دیکھ لیا تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے کام کو خوب اچھی طرح سے انجام دے گا۔

چنانچہ طالب علموں ہی کو دیکھئے کہ استاد کی عدم موجودگی میں آپس میں بیٹھتے ہیں تو ظرافت اور ہنسی کی باتوں میں بھی باک نہیں ہوتا۔ دل کھول کر ایک دوسرے سے بولتے ہیں کہیں پیر پھیلائے ہیں کہیں کوئی شعر پڑھ رہے ہیں اور جہاں کسی نے دیکھ لیا کہ مولوی صاحب دیکھ رہے ہیں فوراً مودب ہو کر بیٹھ گئے اور خاموشی اختیار کر لی اور اگر کہیں اپنی نظر استاد پر پڑ گئی تب تو ادب کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہوتا خلاصہ یہ کہ حاکم کی نظر کے سامنے ہونے کے وقت کام خوب عمدگی سے ہوتا ہے تو مطلب اس حدیث کا یہ ہوا کہ خدا کی ایسے حسن و خوبی سے عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو (یعنی اگر فرضاً تم خدا کو دیکھتے تو سوچو کہ اس وقت تمہاری عبادت کس طرح کی ہوتی اب بھی اسی حالت کے مطابق تمہاری عبادت ہونا چاہئے) اس لئے کہ اگر تم اسے نہ بھی دیکھتے ہو تو کیا ہوا وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے (یہ اس لئے بڑھایا کہ پہلے جملہ سے یہ سوال ہو سکتا تھا کہ جب واقع میں ہم نہیں دیکھتے تو اس طرح کی تحسین عبادت کس طرح ممکن ہے اس کا جواب اس سے مفہوم ہو گیا کہ دیکھنے والے کی سی تحسین کے لئے حق تعالیٰ کی رویت کا تعلق بھی کافی ہے) غرض فان لم تکن تراہ میں فائے تعقیب نہ لی جائے بلکہ فائے علت قرار دی جائے۔ (الخشوع مواعظ اشرفیہ ج ۷)

## مسئلہ فناء الفناء

مسئلہ فناء الفناء کی توضیح اس مثال سے اچھی طرح ہو سکتی ہے کہ اگر کسی کا کوئی دلربا



معشوق ہو اور عاشق اس کے خیال میں مستغرق ہو اس حالت میں اس عاشق کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ میں خیال کر رہا ہوں۔ کسی کو یاد کیجئے اس یاد کی طرف ذرا بھی ذہن نہیں جاتا۔ آدمی سوتا ہے مگر اس وقت یہ خبر نہیں ہوتی کہ میں سوتا ہوں اور اگر یہ خبر ہو جائے تو وہ سوتا ہوا نہیں ہے۔ اور ان احوال حالیہ کو سن کر یہ ناامیدی نہ چاہیے کہ بھلا ہم کو یہ دولت کب میسر ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا واسع ہے۔ اس کو کچھ دشوار نہیں۔

تو لگو مارا بداں شہ بار نیست      با کریمیاں کار ہا دشوار نیست  
(تو یہ خیال مت کر کہ بھلا ہماری پہنچ اس دربار تک کہاں ہے، کریموں کو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا) (مہمات الدعاء ج ۷)

## ہر قدم پر راہبر ضروری ہے

ایک وکیل سے ریل میں ملاقات ہوئی۔ ان کا سہارنپور میں مقدمہ تھا وہاں جا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ کو تو وکیل کرنے کی حاجت نہ ہوتی ہوگی کہا کہ ہوتی ہے کیونکہ اپنا معاملہ ہونے کی وجہ سے طبیعت پر تشویش کا اثر ہوتا ہے جس سے عقل کام نہیں دیتی۔ اسی طرح عارف کو بھی اپنے معاملہ میں پریشانی ہوتی ہے اور دوسروں کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ کبھی اپنے سے چھوٹوں سے بھی نفع ہوتا ہے تو بڑوں سے تو کیسے استغناء ہو سکتا ہے۔ مولانا فرید الدین عطار ایسی رہبری کی حاجت کے متعلق فرماتے ہیں۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق      عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق  
(بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا)  
مولانا فرماتے ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرو      بے قلاؤ ز اندریں صحرا مرو  
(راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہئے اس میں تنہا قدم مت رکھو بلا مرشد کے اس عشق کی وادی میں مدت چلو)

ہر کہ تنہا نادر ایں راہ را برید      ہم بعون ہمت مرداں رسید  
(اگر شاذ و نادر کسی نے اس راستہ کو اکیلے طے کیا تو وہ بھی ہمت مرداں کی مدد) (غالباً بزرگوں کی دعاؤں سے) (طے کیا ہے) (شکر العطاء ج ۷)

## علامات صحبت صالح

چند بار روایت میں دیکھا ہے کتاب کا نام یاد نہیں۔

ان ابا بکر لم بفضلکم بکثرة الصیام والصلوة لکن بها وقر فی قلبہ او کما قال یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بزرگی صحابہؓ پر اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہ اوروں سے زیادہ نماز روزہ کرتے تھے لیکن اس چیز کی وجہ سے جو ان کے قلب میں القاء کی گئی تھی۔ بزرگی زیادہ نفلوں کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ ایک خاص مناسبت ہے جس کو حقیقت شناس اور اہل نظر پہنچاتے ہیں اور طالب علامات سے معلوم کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بزرگ کی صحبت میں یہ اثر ہوتا ہے کہ دین کی رغبت معاصی سے نفرت، دنیا سے زہد آخرت کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور دین کی سمجھ دینی علم اور اس میں ایک خاص اثر پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح اجتہاد ایک کیفیت ہے جس کا ادراک ذوق سے ہوتا ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی حرص کرنا کہ ہم مجتہد ہیں محض دعویٰ ہے۔

آنچه مردم میکنند بوزینہ ہم

(جو انسان کرتے ہیں وہی بندر بھی کرتا ہے)

ایک نائی نے کسبت رکھی بندر استرہ لے گیا اور درخت پر جا بیٹھا اور استرہ باوجود مختلف تدبیروں کے نہیں دیا نائی نے ایک دوسرا استرا اپنی ناک پر رکھ کر آہستہ آہستہ پھیرا اس نے بھی ناک پر رکھ کر خوب پھیرا ناک کٹ گئی۔ بڑا فرق ہے۔ (شعبان ج ۷)

## اللہ تعالیٰ سے کمال محبت

کامل محبت کے دو اثر ہیں ایک دوام ذکر اور دوسرے سہولت اطاعت اور یہی علامت کامل ایمان کی ہے۔ اگر ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں تو ہم کو اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہیے۔ صاحبو! یہ تو بفضلہ تعالیٰ بلاغبار ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی محبت کاملہ کا دعویٰ بدون ذکر دائم و سہولت اطاعت کے غلط ہے۔

اب یہ بات باقی رہی کہ آیا خدا تعالیٰ اس محبت کاملہ کے مستحق بھی ہیں یا نہیں، سو اس کو بھی سمجھ لو کہ درحقیقت خدا تعالیٰ ہی مستحق محبت ہیں اور یہ ایسی ظاہر بات ہے کہ شریعت کے علاوہ عقل بھی اس کا فتویٰ دیتی ہے اس لیے کہ محبت کے تین اسباب ہوا کرتے ہیں۔

یابہ کہ کوئی شخص ہم پر احسان کرتا ہو اور اس کے احسان کی وجہ سے ہم کو اس سے محبت ہے۔  
 یابہ کہ وہ خود نہایت حسین و جمیل ہو اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کی طرف  
 میلان خاطر ہو۔ یابہ کہ اس میں کوئی کمال پایا جاتا ہو اور وہ کمال باعث محبت ہو، جیسے حاتم  
 طائی سے اس کی سخاوت کے سبب اور رستم سے اس کی قوت کے سبب اور کسی عالم فاضل سے  
 اس کے علم و فضل کے سبب سے محبت ہے۔

اب غور کیجئے کہ ان تینوں وجوہ محبت میں سے کوئی وجہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ میں نہ پائی  
 جاتی ہو، منعم وہ اتنے بڑے ہیں کہ کوئی ان کے برابر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ سب ان کی مخلوق و  
 مملوک و محتاج ہیں۔ جمال ان کا اس حد تک ہے کہ کسی کو حاصل ہونا ممکن ہی نہیں۔ بڑے  
 بڑے حسین و جمیل ان ہی کے حسن و جمال کے فیض سے حسین و جمیل بنے بیٹھے ہیں۔

چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگار بھا

(جس نے ایسے خوب صورت نقش و نگار بنائے ہیں وہ خود کتنا حسین و جمیل ہوگا)

علیٰ ہذا صاحب کمال اتنے بڑے ہیں کہ علم کامل انہیں کو ہے۔ نیز ہر صفت کمال علیٰ وجہ  
 الکمال ان ہی میں پائی جاتی ہے تو انعام و نوال اور حسن و جمال اور فضل و کمال ہر طرح سے  
 عقلاً و نقلاً ان ہی میں ہے۔ پس وہی مستحق محبت ہیں، بس اب اپنے قلب کو ٹٹولو کہ خدا تعالیٰ  
 سے محبت کاملہ ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے۔ سو وہ تدبیر یہ ہے کہ تم چند باتوں کا التزام کر لو، ایک  
 تو یہ کہ تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کر لیا کرو۔ اگرچہ پندرہ بیس منٹ ہی ہو لیکن اس  
 نیت سے ہو کہ اس کے ذریعے سے خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو۔

دوسرے یہ کیا کرو کہ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور پھر  
 اپنے برتاؤ کو غور کیا کرو کہ ان انعامات پر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کیا معاملہ کر رہے ہیں اور  
 ہمارے اس معاملے کے باوجود بھی خدا تعالیٰ ہم سے کس طرح پیش آرہے ہیں۔

تیسرے یہ کرو کہ جو لوگ محبان خدا ہیں ان سے علاقہ پیدا کر لو، اگر ان کے پاس آنا  
 جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی جاری رکھو لیکن اس خیال کا رکھنا ضروری ہے کہ اہل اللہ کے  
 پاس اپنے دنیا کے جھگڑے نہ لے جاؤ نہ دنیا پوری ہونے کی نیت سے ان سے ملو بلکہ خدا کا  
 راستہ ان سے دریافت کرو، اپنے باطنی امراض کا علاج کراؤ اور ان سے دعا کراؤ۔

چوتھے یہ کرو کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری اطاعت کیا کرو کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے اس سے محبت بڑھ جاتی ہے، وقت میں گنجائش نہیں ہے ورنہ میں اس کو مفصل طور پر بتلاتا۔

پانچویں یہ کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ اپنی محبت عطا فرمادیں۔ یہ پانچ جز کا نسخہ اس کو استعمال کر کے دیکھئے، ان شاء اللہ تعالیٰ بہت تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو جائے گی اور تمام امراض باطنی سے نجات حاصل ہو جائے گی اور آپ ”وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ“ (اور ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت رکھتے ہیں) کے پورے مصداق ہو جائیں گے مگر ان پانچ اجزاء میں جو ایک جزو ہے اطاعت وہ اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب احکام کا علم ہو اور احکام کا علم اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب ان کو سیکھا جائے۔ لہذا ایک چھٹے جزو کی اور ضرورت ہوگی۔ (آثار المحبت ج ۷)

## حصول علم کا آسان طریقہ

وہ یہ ہے کہ علم دین سیکھا جائے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص مولوی عالم بنے۔ عالم بننے کے لیے تو صرف وہ لوگ مناسب ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے فراغ اور وقت دیا ہے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ اردو کے چھوٹے چھوٹے رسائل دینیہ جو اسی غرض سے لکھے گئے ہیں کسی سے پڑھ لیں اور اگر پڑھنے کیلئے وقت نہ ہو یا عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے یہ دشوار معلوم ہو تو کسی سے سن لیں۔ سو اس کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ ہر شہر میں ایک دو عالم ایسے رہیں کہ جن سے یہ دو کام یعنی ان سے پڑھنے اور سننے کے لیے جائیں۔ (آثار المحبت ج ۷)

## شیخ کامل کا معیار

شیخ کامل کے معیار کی چند صفات ہیں ان صفات کو سب سے پہلے دیکھنا چاہئے۔ ایک یہ کہ بقدر ضرورت اس کو علم دین حاصل ہو۔ جاہل محض نہ ہو۔ دوسرے اس کو علماء سے موانست ہو نفرت نہ ہو۔ اگر پیر جاہل ہے اور اس کو علماء سے نفرت ہے تو جب اسے مسائل کی ضرورت ہوگی تو اپنی رائے پر عمل کرے گا اور گمراہ ہوگا۔



تیسری بات یہ ہے کہ وہ عامل ہو شریعت پر قبیح سنت ہو شریعت کے خلاف عداوت نہ کرتا ہو کیونکہ جو شخص گویا تعلیم پر قادر ہو خود عمل نہ کرتا ہو تو اس کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔  
چوتھے یہ کہ کسی شیخ مسلم عند العلماء سے مجاز بھی ہو۔

پانچویں یہ کہ اس کی صحبت میں یہ اثر ہو کہ روز بروز دنیا سے دل افسردہ ہوتا جاتا ہو اور آخرت کی رغبت بڑھتی جاتی ہو۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

کار مردان روشنی و گرمی ست      کار دونوں حیلہ و بے شرمی ست  
اور مکار پیروں کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست      پس بہر دستے نباید داد دست  
تو یہ منصب بھی بہت بڑا ہے اس میں بھی وہی تفصیل ہے کہ کسی شیخ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اب تو پیری بھی ایک رسم ہو گئی ہے وہ یہ کہ کسی خاندان میں کوئی ان کے بڑے پیر ہو گئے۔ بس ان کی نسل میں پیری چل پڑی۔ جب ان میں کسی کو صاحب سجادہ بناتے ہیں تو سب لوگ جمع ہو کر ان کے سر پر پگڑی باندھتے ہیں۔ گویا یہ مرید لوگ پیر کو پیر بناتے ہیں۔ (کیونکہ پیر کی نسل تو خود پیر ہوتی ہے پھر ان کے سر پر پیری کی پگڑی باندھی تو اور زیادہ پیر ہو گئے) پھر ان میں جواہل ہوتے ہیں وہ تو کسی شیخ کامل کی طرف بغرض اصلاح رجوع کر لیتے ہیں ورنہ دوکاندار تو ہیں ہی۔ (احکام الجاہ ج ۸)

## حجاب نورانی و ظلمانی

حضرت حاجی صاحب ان تجلیات کے متعلق فرماتے تھے کہ حجاب نورانی اشد ہیں حجاب ظلمانی سے کیونکہ سالکین کو جو انوار نظر آتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ خدا تو نہیں غیر خدا ہیں مگر یہ عجیب ہونے کے سبب ان کی طرف متوجہ کرتا ہے ان سے مزے لیتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات ان کو مقصود سمجھنے لگتا ہے بخلاف حجاب ظلمانی کے کہ ان کی طرف ایسا التفات نہیں ہوتا اس لئے وہ اشد نہیں مگر لوگ ان ثمرات مانع ہی کو چاہتے ہیں اور انہی کو مقصود سمجھتے ہیں سو ان کے آنے کا ہرگز قصد نہ کرے اور اگر بلا قصد آویں تو ان کی طرف التفات نہ کرے۔

ان کی مثال ایسی ہے جیسے بچہ کولڈ و دے کر یا پیسہ دے کر بہلاتے ہیں اسی طرح مبتدی سلوک کو اس رنگ آمیزی سے بہلایا کرتے ہیں کہ نشاط سے کام میں لگا رہے سو مقصود کام ہی

ہے اسی لئے اکثر یہ انوار عقلاء کو نہیں دکھائے جاتے بلکہ کم عقلوں کو دکھاتے ہیں تاکہ ذکر اللہ کا چمکہ لگ جاوے اور آگے کو قدم بڑھاوے اور میں جو ان انوار کی نفی کر رہا ہوں وہ بدرجہ مقصودیت ہے ورنہ فی نفسہ وہ محمود ہیں گو مقصود نہیں۔ ان کو مذموم نہ سمجھنا چاہیے۔ اگر خود آئیں آنے دوان کے دور کرنے میں بھی پریشانی مت اٹھاؤ۔ اگر نہ آئیں تو مغنوم مت ہو کیونکہ مقصودیت کے درجہ میں تو ہیں نہیں۔ نہیں آتے بلا سے مت آئیں۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

اہل طریق کا جو قول ہے کہ غیر اللہ سے مستغنی ہو جاؤ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے سوا دوسری چیزوں کو کوئی مقصود سمجھنے لگے۔ اس سے استغناء ہونا چاہیے۔ باقی اس حیثیت سے کہ ان چیزوں کو تعلق ہے اللہ تعالیٰ سے اس حیثیت سے ان کے ساتھ تعلق رکھے تو اس سے استغناء نہ ہونا چاہئے بلکہ ان چیزوں کی طرف اپنے کو محتاج سمجھے یہ عین عبدیت ہے۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

اکثر لوگوں میں دو مرض بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ایک حب مال دوسرے حب جاہ گودونوں کا رنگ مردوں اور عورتوں میں مختلف ہے یعنی مردوں میں حب مال اور حب جاہ کا اور رنگ ہے اور عورتوں میں دوسرا رنگ ہے مگر دونوں میں یہی دو مرض زیادہ ہیں۔ مردوں میں حب جاہ اس رنگ سے ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ عورتیں اپنے کو بڑا تو نہیں سمجھتیں مگر اپنے کو بڑا ظاہر کرنا چاہتی ہیں۔ ایسی باتیں اور ایسے طریقے اختیار کرتی ہیں کہ جن سے ان کا بڑا ہونا دوسرے پر ظاہر ہو۔

اسی طرح حب مال کے رنگ بھی دونوں میں مختلف ہیں۔ مردوں کو زیادہ روپے سے محبت ہوتی ہے اور کسی چیز سے اتنی نہیں۔ اسی واسطے اس کے جوڑنے اور جمع کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ اور عورتوں کو زیور اور کپڑے اور برتن وغیرہ خانگی سامان سے زیادہ محبت ہوتی ہے کہ رنگ برنگ کے کپڑے ہوں، قسم قسم کے برتن ہوں، مختلف قسم کے زیور ہوں علیٰ ہذا مگر اس بارہ میں مردوں کی سمجھ عورتوں سے اچھی ہے۔ کیونکہ روپیہ تو ایسی چیز ہے جس سے ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے جس کے پاس روپیہ ہے اس کے پاس سب کچھ ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا بدل ہو سکتا ہے اور ہر چیز اس سے حاصل ہو سکتی ہے بخلاف کپڑے اور برتن وغیرہ کے کہ وہ ہر چیز کا بدل نہیں ہو سکتے اور ہر چیز اس سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ (خیر الاماثل للامثال ج ۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازالہ حرص کا صحیح علاج بتاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے ویتوب

اللہ علیٰ من تاب اس میں توبہ کو علاج حرص بتلایا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں توجہ الی اللہ۔ اور اس کا حرص کے لئے علاج ہونا ایک قاعدہ فلسفہ سے سمجھ میں آ جائے گا۔ وہ قاعدہ یہ ہے۔

النفس لاتتوجه الی شیئین فی آن واحد

کہ نفس ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔

اور ظاہر ہے کہ حرص کی حقیقت توجہ اور میلان الی الدنیا ہے اب اس توجہ کو کسی دوسری شے کی طرف پھیر دیا جائے تو توجہ الی الدنیا باقی نہ رہے گی پھر جس چیز کی طرف توجہ کو پھیرا جائے اگر وہ طبعاً بھی محبوب ہو تو اس کی طرف توجہ اشد ہوگی اور اس سے توجہ الی الدنیا کا ازالہ بھی قوی ہوگا اور اگر ایسی شے کی طرف توجہ کی جائے جو طبعاً محبوب نہ ہو تو اس صورت میں توجہ کمزور ہوگی۔ (علاج الحرص ج ۸)

## توجہ الی اللہ کی حقیقت

توجہ الی اللہ کی حقیقت یہی ہے کہ خدا کی طرف دل سے متوجہ ہو مگر ہر حقیقت کی ایک صورت بھی ہوتی ہے اور توجہ الی اللہ کی صورت وہی ہے جو شریعت نے بتلائی ہے پس دونوں کو جمع کرنا چاہئے کہ دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو اور ظاہر سے اعمال شرعیہ کے پابند رہو طاعات کو بجالاؤ اور معاصی سے بچنے کا اہتمام کرو۔ نگاہ کو روکو اور نامحرموں کی باتیں بھی نہ سنو۔ اس کے بعد بھی اگر نورانیت حاصل نہ ہو تو ہم پر ہنسنا اس وقت میں وہی کہتا ہوں جو ایک صاحب طریق نے کہا ہے۔

چشم بند لب بہ بند و گوش بند      گر نہ بینی نور حق بر ما بخند

”اگر آنکھوں، لبوں اور کانوں کو گناہوں سے بند کر لو اسکے بعد بھی اگر دل میں نور حق

محسوس نہ کرو تو ہم پر ہنسنا“ (علاج الحرص ج ۸)

## حال و کمال

اولیاء اللہ میں بعض ایسے گزرے ہیں جن کے کلام میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نہ ہم کو جنت کی طلب ہے نہ دوزخ کا خوف ہے تو یا تو جنت مطلوب نہیں یا وہ لوگ مخالف قرآن ہیں۔ جیسے ایک صاحب حال کی نقل ہے (یہ قصہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا ہے) کہ ایک روز غلبہ حال میں ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لے کر

نکلیں۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ کیا۔ کہا تمام عالم کو جنت اور دوزخ ہی کے خیال نے تباہ کر دیا میرے مالک کا نام کوئی نہیں لیتا آج میں فیصلہ کئے دیتی ہوں پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کروں گی اور آگ بہشت میں لگاؤں گی۔

سو بات یہ ہے کہ یہ اقوال و حکایات اہل حال کے ہیں اور غلبہ حال سے ان کو معذور سمجھا جاوے گا۔ ہم سوالوں کو تو ان لوگوں کے اقوال کو نقل کرتے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی بات جذب میں کوئی کہہ جائے باقی قصداً کہنا یا اس کو کمال سمجھنا بڑی غلطی ہے خوب یاد رکھئے کہ جذب کوئی کمال نہیں اور نہ وہ اختیاری چیز ہے جو لوگ اختیار سے ایسے لفظ کہتے ہیں۔ حاشا وکلا جو اعلیٰ و ادنیٰ کسی درجہ میں بھی وہ شمار ہوں غلبہ کے تو معنی ہی بے اختیاری کے ہیں پھر بے اختیاری کا اختیار سے ہونا کیا معنی۔ آج کل لوگوں نے اسی کو کمال سمجھ رکھا ہے۔ جو کوئی واہی تباہی کلمات پیدا کا نہ بکتا ہو اس کو بڑا پہنچا ہوا سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ مست ہیں۔ سو خوب سمجھ لیجئے کہ جن بزرگوں سے ایسے کلمات منقول ہیں ان کے لئے بھی یہ حالت کچھ کمال کی نہ تھی۔ ہاں غلبہ حال کی وجہ سے معذور تھے کوئی الزام ان پر عائد نہیں ہوتا اور رہے نقال سو وہ تو کسی طرح معذور ہی نہیں ہو سکتے۔ ان کے اقوال کے دعوے کے ساتھ نقل سخت بے ہودگی ہے۔ غرض ان لوگوں کی ایک حالت معذوری کی تھی ورنہ جس چیز کا مطلوب ہونا قرآن سے ثابت ہو اور جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب فرماویں۔ اللہم انی اسالک الجنة و ما قرب الیہا من فعل او عمل (اے اللہ میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور وہ چیز جو اس جنت کے قریب کر دے قول ہو یا عمل) اس کی نسبت دوسرے کا کیا منصب ہے کہ ایسا کہے۔ (وعظ میرٹھ ج ۸)

## جنت کے راستے

طرق طلب جنت کا حاصل دو امر ہیں۔ اب یا تو ایک دونوں میں سے اصل ہے اور دوسرا معین یا دونوں اصل ہیں۔ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے اپنے مذاق سے کہ اصل نہیں النفس ہے اور خوف اس کے لئے معین ہے میں یہ اپنے دل سے نہیں کہتا ہوں بلکہ اس حدیث سے کہ نسالک من خشیتک ماتحول بہ بیننا و بین معاصیک دعا مانگتے ہیں رسول اللہ کہ اے اللہ ہم مانگتے ہیں خوف میں سے اس قدر کہ حائل ہو جاویں آپ اس سے ہم میں اور معصیت میں۔



تعلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب ہے۔ بالذات مقصود نہیں ورنہ نسالک خشیتک (ہم تیرا خوف مانگتے ہیں) مطلقاً فرماتے کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں۔ خوف کی حد فرمادی کہ اس قدر چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو۔ معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے تو محمود نہیں۔ خوف مع الرجاء یہی ہے اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ رجا نہ رہے اور ناامیدی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے اس سے معصیت چھوٹی نہیں بلکہ آدمی یہ سمجھ کر طاعت سے کیا ہوگا زیادہ معصیت میں پڑ جاتا ہے میں نے خود دیکھا ایک مغلوب کو تب معلوم ہوا کہ شریعت میں جو توسط ہے اس میں یہ مصلحت ہے۔ (وعظ میرٹھ ج ۸)

## امید و خوف

بڑھاپے میں امید غالب رکھے اور جوانی میں خوف بوڑھے آدمی سے ویسے ہی کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر اور خوف غالب ہو جائے گا تو رہے سہے بھی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور امید میں کچھ نہ کچھ کئے ہی جائے گا اور جوانی میں قوت ہوتی ہے خوف کا تحمل ہو سکتا ہے جتنا خوف زیادہ ہوگا نفس کو تنبیہ ہوگی۔ معصیت سے اجتناب ہوگا اور اعمال حسنہ کی کوشش کرے گا۔ ہر وقت کے واسطے تدبیر جدا گانہ ہے۔ باطن طب بھی ظاہری طب کی طرح ہے۔ کبھی دوا سرد دیتے ہیں کبھی گرم۔ کبھی تنقید کرنا پڑتا ہے کبھی تقویت۔ اسی طرح باطنی امراض کی تدبیریں بھی مختلف ہیں۔ (وعظ میرٹھ ج ۸)

## ایثار کی نادر مثال

صحابہ کا ایک قصہ کتاب میں آتا ہے کہ ایک غزوے میں بہت سے آدمی شہید ہوئے چند آدمی نزاع کی حالت میں تھے موت کے وقت تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے۔ ایک شخص نے آواز دی کہ کوئی میرے حلق میں ذرا سا پانی ڈال دے تو بڑا کام کرے ایک بندہ خدا کا سہ میں پانی لے کر پہنچے اور چاہتے تھے کہ ان کے منہ میں ڈالیں کہ اتنے میں ایک طرف سے اور آواز آئی کہ ذرا سا پانی کوئی پلاتا۔ انہوں نے پڑے پڑے کہا کہ پہلے ان کو پلاؤ پھر مجھے پلانا یہ شخص پیالہ لے کر ان کے پاس پہنچے پلانا ہی چاہتے تھے کہ اسی طرح اور ایک آواز آئی غرض

مقتل میں چھ سات جگہ اسی طرح پانی لئے پھرے اور سب یہی کہتے رہے کہ پہلے میرے بھائی کو پلاؤ۔ اخیر میں جن کے پاس پہنچے ان کو پلانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ دم آخر ہو گیا۔ یہ شخص واپس ہوئے اور پہلوں کے پاس پانی لائے جس کو دیکھا دم آخر ہو چکا ہے۔ ایک نے بھی پانی نہ پیا اور پیالہ بھرا ہوا لے کر چلے آئے۔ ایسا اس کو کہتے ہیں۔ (وعظ میرٹھ ج ۸)

## گناہ سے بچنے کا راستہ

اب صرف اس کا طریق سہل بتائے دیتا ہوں اس کو سوچنا شروع کیجئے اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کیجئے مثلاً سونے کا وقت اس وقت آپ کے کسی دنیا کے کام میں بھی حرج نہ ہوگا دنیا کے لئے تو سارا وقت دیا ہے اللہ میاں کے لئے نکما ہی وقت دو۔ اتنا تو کرو۔ اللہ میاں اس میں تمہارا کام بنا دیں گے۔ وہاں تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ بندہ ذرا ادھر کو منہ کرے اور رحمت کے انبار اس پر بکھیر دیں۔ پندرہ بیس منٹ دیر میں سوئے لیٹ کر یا بیٹھ کر یاد کیا کیجئے کہ آج کیا کیا گناہ کئے۔ فہرست گناہ تیار کیجئے پھر دل میں خیال جمائیے۔ گویا میدان قیامت موجود ہے اور میزان کھڑی ہے اپنا مددگار کوئی بھی نہیں دشمن بہتیرے ہیں حیلہ کوئی چل نہیں سکتا۔ زمین گرم تانبے کی طرح کھول رہی ہے آفتاب سر پر دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے کوئی جواب معقول بن نہیں پڑتا۔ یہ سب حالات پیش نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو معذرت کرے گا کہ بے شک خطاوار ہوں کہیں ٹھکانا نہیں اگر کچھ سہارا ہے تو صرف حضور کے رحم کا۔ اسی کو استغفار کہتے ہیں رات کو یہ کیجئے پھر صبح اٹھ کر یاد رکھئے کہ کل فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان سے استغفار اور عہد کیا ہے۔ سو آج وہ گناہ نہ ہونے پائے۔ اس سے اگر اسی دن تمام گناہ یک لخت نہ چھوٹ جائیں گے تو کمی تو ہو ہی جائے گی۔ اور چند روز میں تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ گناہ رہ سکیں یہ ایسی تدبیر ہے کہ چند ہی روز کرنے سے آدمی معاصی سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے اور دل میں گناہ کے وقت خود ایک ہر اس پیدا ہو جاتا ہے۔ (وعظ میرٹھ ج ۸)

## رجال اور احوال

تین قسم کے لوگ ہوئے۔ مبتدی، متوسط، منتهی۔ منتهی کی حالت ظاہر میں مبتدی کے مشابہ

ہوتی ہے۔ اس لئے عوام کو دونوں میں امتیاز نہیں ہوتا اور اہل حال کی حالت ہے ممتار اس لئے عوام ان کو بہت بڑا سمجھتے ہیں حالانکہ وہ ابھی درمیان میں ہیں چونکہ منتہی کی حالت مشابہ ہوتی ہے مبتدی کے اس لئے جیسے مبتدی کو بیٹے کے مرنے سے رونا آتا ہے منتہی کو بھی آتا ہے گوکہ اس کے رونے اور اس کے رونے میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر ظاہری صورت دونوں کی یکساں ہوتی ہے۔

دیکھئے رسول اللہ اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کے انتقال پر روئے اور جب بعض صحابہ نے اس پر تعجب کیا تو فرمایا کہ یہ رونا تو رحمت ہے۔ ترحم اور شفقت سے رونا آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل ہوگا اور آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ کو صاحبزادہ کے انتقال پر رونا آیا۔ پس معلوم ہوا کہ رونا کمال کے منافی نہیں۔ جو کامل ہوتا ہے اس کو ایسے واقعات میں ضرور رونا آتا ہے اور یہ شخص صاحب مقام ہوتا ہے۔

البتہ صاحب حال نہیں روتا۔ عوام اہل حال کو کامل سمجھتے ہیں مگر واقع میں کامل وہی شخص ہے جو بیٹے کے مرنے پر روتا ہے۔ بظاہر تو اس کا رونا مبتدی کے مشابہ ہے مگر واقع میں مشابہ نہیں۔ مبتدی کا رونا تو محض داعیہ نفس کی وجہ سے ہوتا ہے منتہی کا رونا ترحم کی وجہ سے ہوتا ہے اس کے اور اس کے رونے میں بہت فرق ہے اور صرف رونے ہی میں نہیں بلکہ اس کے اور اس کے کھانے پینے اور ہر بات میں بہت فرق ہے۔ گو ظاہری صورت دونوں کی یکساں ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے عوام نے انبیاء کو نہیں پہچانا اور ان کو ظاہری نظر سے اپنے ہی مثل سمجھے۔ کیونکہ ان کی ظاہری حالت کوئی ممتاز نہ تھی اسی واسطے تو حضرت ہود کے بارہ میں ان کی قوم نے کہا تھا۔

ما هذا الا بشر مثلكم یا كل مما تاكلون منه و يشرب مما تشربون  
نہیں ہیں یہ مگر ایک بشر تمہاری مثل۔ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو۔  
غرض کہ اہل حال کو اہل مقام سے افضل سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ پس اہل حال کی رضا طبعی ہوتی ہے اور اہل مقام کی رضا عقلی۔ رضا ان میں بھی ہوتی ہے مگر وہ طبعی رضا سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ پس یہ درجہ میں اہل حال سے زیادہ ہیں۔ (وعظ الحیوة ج ۸)

## رزق کیا غیبی نظام

ایک بار حضرت رابعہ کے یہاں مہمان آئے۔ آپ کے گھر میں کل دو روٹیاں تھیں۔ تھوڑی دیر میں ایک فقیر سائل آ گیا آپ نے وہ روٹیاں سائل کو دے دیں۔ مہمانوں کو

حیرت ہوئی کہ اتنے تو مہمان گھر میں ہیں اور سوائے دو روٹیوں کے کچھ اور ہے ہی نہیں وہ بھی گھر میں نہ رکھیں۔ مگر کسی کو کیا معلوم کہ خدا کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص خوان لایا کہ فلاں رئیس نے حضرت کے واسطے کھانا بھیجا ہے۔ فرمایا لاؤ دسترخوان کھول کر۔ آپ نے روٹیاں شمار کیں تو اٹھارہ تھیں۔ فرمایا واپس لے جاؤ۔ یہ میرے واسطے نہیں دی ہیں کسی اور کو دی ہوں گی کیونکہ میرے لئے بیس سے کم نہیں ہو سکتیں۔ میں نے ابھی فقیر کو دو روٹیاں دی ہیں اور میرے محبوب کا وعدہ ہے۔ الحسنۃ بعشرۃ امثالہا تو اس حساب سے پوری بیس روٹیاں ہونا چاہئیں۔ قاصد نے کہا حضور آپ کا حساب درست ہے۔ دو روٹیاں میں نے چرائی تھیں وہ یہ ہیں۔ اب آپ نے وہ کھانا قبول کیا اور مہمان سمجھ گئے کہ حضرت رابعہ نے دو روٹیاں سائل کو کس لئے دی تھیں۔ حضرت جب نسبت راسخ ہو جائے گی تو اس وقت آپ بھوکے بھی رہیں گے تو مزے میں رہیں گے اور یوں کہیں گے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی دشمن کا مقدر یہ نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہو جائے۔ آپ کے خنجر آزمانے کیلئے دوستوں کا سر سلامت رہے۔ اور یوں کہیں گے۔

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من  
محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو اس پر قربان کرتا ہوں۔  
(مطاہر الاموال ج ۸)

## معاملات کی درستگی

ایک مرتبہ ایک شخص نے یہاں پانچ روپے بھیجے۔ اور یہ لکھا کہ طلباء سے دعا کر دینا۔ میں نے روپے واپس کر دیئے۔ اور یہ لکھ دیا کہ یہاں دعا کی دوکان نہیں ہے اور دعا بکتی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کا اور واقعہ ہے کہ ایک شخص پانی پت کے قریب کے رہنے والے تھے اور مجھ سے بیعت تھے انہوں نے مدرسہ کے لئے پندرہ روپیہ مجھے دیئے۔ میں نے کہا کہ باوجود پانی پت میں مدرسہ ہونے کے جو آپ سے قریب ہے آپ یہاں کے مدرسہ میں کیوں دیتے ہیں۔ اس میں مجھے یہ شبہ ہے کہ تم یہاں اس نیت سے دیتے ہو کہ مدرسہ میں بھی یہ روپیہ صرف ہوگا۔ اور پیر صاحب بھی خوش ہوں گے۔ دونوں باتیں حاصل ہو جاویں گی اور



میں نے یہ بھی کہا دیکھو سچ بتانا اخفاء نہ کرنا۔ انہوں نے کہا جی ہاں مقصود تو یہی تھا میں نے کہا ایسے روپیہ کو میں پسند نہیں کرتا جس سے خوشنودی خدا تعالیٰ اور میری خوشی دونوں مقصود ہوں میں اسے شرک سمجھتا ہوں آپ نے تقرب خدا تعالیٰ میں مجھے بھی شریک کیا۔ ان کی سمجھ میں آ گیا اور واپس لینے پر رضامند ہو گئے پھر صبح کو انہوں نے کہا کہ بے شک اس وقت تو میرا یہی مقصود تھا لیکن اب رات کو میں نے سوچا تو اب میرا جی یہی چاہتا ہے کہ اسی مدرسہ میں دوں اور دوسری نیت سے توبہ کر لی۔ اس وقت وہ روپے میں نے لے لئے۔ میری اس غیرت سے اخروی فائدہ تو ظاہر تھا مگر ظاہری اور دنیاوی فائدہ بھی نہ ہوا۔ (تائیس البیان ج ۸)

## خواص کی حالت

ستم یہ ہے کہ صوفیوں نے بھی جن کا مشرف اپنے کو مٹانا اور گناہ کرنا ہے نام و نمود کی بعض صورتیں نکالی ہیں۔ چنانچہ ہر سال جا بجا عرس ہوتے ہیں جن میں چار طرف سے مدعیان تصوف کا ہجوم ہوتا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ عرس میں جتنے حضرات تشریف لائے ہیں یہ سب صوفی ہیں پھر قوالی میں حال اور وجد سے تو اچھی طرح اپنے تصوف کو ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ ہاں ہمارے اندر بھی کچھ ہے۔

صاحبو! حقیقی صوفی کبھی ان صورتوں کو پسند نہیں کر سکتا۔ علماء کے فتوے سے بھی قطع نظر کر لی جائے وہ یہ عرس وغیرہ اسباب شہرت ہونے کی وجہ سے خود طریق کے بھی خلاف ہیں۔ آہ! اب مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب جیسے بے نفس کہاں ہیں جو شہرت و نام سے بھاگتے تھے اور اپنے کو مٹانا چاہتے تھے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ کا لباس ایسا موٹا جھوٹا ہوتا تھا کہ صورت سے کوئی نہ سمجھے کہ یہ بھی کوئی بڑے عالم یا شیخ ہیں مگر نور حق ظاہر بود اندر ولی نیک بین باشی اگر اہل ولی

ولی کے اندر اللہ کا نور ہوتا ہے۔ اگر تم ٹھیک دیکھنے والے ہو تو دیکھ لو گے وہ کتنا ہی اپنے کو چھپاتے بھلا کیوں چھپ سکتے تھے پہچاننے والے پہچان ہی لیتے تھے تو پھر آپ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ جب کہیں سفر میں جاتے ساتھیوں کو نام ظاہر کرنے سے منع فرما دیتے کہ میرا نام کسی کو نہ بتلانا۔ اگر کوئی مولانا ہی سے پوچھتا کہ جناب کا نام کیا ہے تو فرماتے حافظ خورشید حسن۔ یہ مولانا کا تاریخی نام تھا اس لئے کذب بھی نہ ہوتا اور سائل کو پتہ بھی نہ

چلتا۔ کیونکہ یہ نام مشہور نہ تھا۔ لوگوں میں مشہور نام مولانا محمد قاسم ہی تھا۔ خورشید حسن سن کر سائل یہ سمجھتا کہ یہ کوئی اور شخص ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نہیں ہیں۔ اگر کوئی پوچھتا کہ آپ کا وطن کہاں ہے فرماتے ہیں الہ آباد۔ بعض مخلصین کو شبہ ہوا کہ اس میں تو کذب ہو گیا تو مولانا سے عرض کیا کہ حضرت آپ کا وطن الہ آباد کدھر سے ہو گیا۔ فرمایا کہ نانوتہ بھی تو خدا تعالیٰ ہی کا آباد کیا ہوا ہے تو لغت وہ بھی الہ آباد ہی ہے۔ مولانا تھے بڑے ذہین۔ بات بات سے ذہانت ٹپکتی تھی۔ (حقیقت العصر ج ۹)

## حسن معاشرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم گا ہے صحابہؓ سے مزاح فرمایا کرتے تھے اور حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ کی ہے تو کیا تمہارے نزدیک معاذ اللہ حضورؐ نے بھی یہ کام فضول کئے ہیں معلوم ہوا کہ کوئی مباح اپنی ذات سے فضول نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ جن کاموں کو تم فضول سمجھتے ہو ان میں ابھی کوئی دینی حکمت ہو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں ایک حکمت مناسب نبوت تھی وہ یہ کہ آپ کا جلال خداداد بہت بڑھا ہوا تھا جو صحابہؓ کو آپ کے سامنے دل کھول کر بات کرنے سے مانع تھا اس لئے آپ نے ان کو اپنے سے بے تکلف کرنے کے لئے مزاح شروع فرمایا کیونکہ افادہ و استفادہ کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ طرفین کے دل کھلے ہوئے ہوں کسی کو انقباض نہ ہو۔ انقباض مانع فیض ہوتا ہے خواہ طالب کی طرف سے ہو یا مربی کی طرف سے ہو اسی طرح ہر کامل کے ہنسی اور مزاح میں اس کے مناسب حال کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے جس پر ناقص کی نظر نہیں پہنچتی اسلئے وہ اعتراض کرتا ہے۔

حضورؐ نے جو حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ کی ہے اس میں یہ حکمت تھی کہ آپ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اگر زیادہ عمر والا کمسن لڑکی سے، شادی کرے تو اس کو یہ نہ چاہئے کہ اپنی طرح اس بچی کو بھی دانا بنا کر رکھے بلکہ اس کے جذبات کی بھی رعایت کرے بچیوں کی طبیعت کھیل کو چاہا کرتی ہے تو اس کو اس کا موقع دینا چاہئے اور اگر وہ شوہر کے لحاظ و ادب سے کھیل کو دینا میں شرم کرتی ہو تو اس کو صرف قولا ہی نہیں بلکہ عملاً اجازت دینی چاہئے اسی لئے آپؐ خود حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑے اور بعض دفعہ آپؐ نے ان کو حبشی بچوں کا کھیل بھی دکھلایا جو مسجد کے فناء میں نیزوں سے کھیل رہے تھے ان کو گڑیوں سے کھیلنے کی بھی اجازت

دی اور کبھی ایسا ہوتا کہ محلہ کی لڑکیاں حضور گوگھر میں تشریف لاتے دیکھ کر گڑیوں کے کھیل سے متفرق ہو جاتیں تو آپ ان کو جمع کر کے لاتے کہ میں کچھ نہیں کہتا تم، اطمینان سے کھیلو۔ ان امور میں امت کو تعلیم دی گئی ہے کہ بوڑھا مرد کسن لڑکی سے شادی کر کے اس کے ساتھ کیونکر معاشرت کرے پس چونکہ حضور کے ان افعال کو حسن معاشرت میں دخل ہے جو شرعاً مطلوب ہے نیز امت کو بھی حسن معاشرت کی تعلیم ہے اس لئے یہ فضول نہیں ہیں، مگر ناقصین کی نظر چونکہ صورت ہی پر پہنچتی ہے حکمت تک نہیں پہنچتی اس لئے وہ کامل پر اعتراض کر دیتے ہیں اسی لئے کفار کہتے تھے۔

مالہذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق  
یہ کیسے رسول ہیں جو ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔  
انبیاء نے ایسے اعتراضوں کا جواب دیا۔

ان نحن الا بشر مثلكم ولكن الله يمن علی من یشاء  
بے شک ہم تم جیسے ہی بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس پر چاہتے ہیں احسان فرما دیتے ہیں۔  
بس ہم میں اور تم میں اتنا فرق ہے کہ ہم پر خدا تعالیٰ کا خاص احسان ہے اور تم پر وہ احسان نہیں غرض صورت میں کامل اور غیر کامل یکساں معلوم ہوتا ہے کامل کو من الہی سے امتیاز ہوتا ہے اور من خداوندی کی اطلاع کسی کو نہیں ہو سکتی بجز اس کے جس کی آنکھیں ہوں اس لئے کامل کا پہچانا بڑا مشکل ہے مولانا فرماتے ہیں:

درینابد حال پختہ پیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام  
(ماعلیہ العصر ج ۹)

## علاج بالاضداد

صوفیاء فرماتے ہیں کہ خلوت طویلہ سے طبیعت گھبرا جائے تو چند روز کے لئے خلوت کو چھوڑ کر لوگوں سے ملنا ملنا دوستوں سے باتیں کرنا اور ہنسی مزاح کرنا چاہئے یا کچھ دنوں کے لئے سفر کر کے کسی شہر میں سیر و تفریح کے لئے چلا جانا چاہئے بلکہ امام غزالی نے تو اس حالت میں ان امور کے اختیار کرنے کو واجب لکھا ہے جس کی وجہ سے ان پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا گیا کہ انہوں نے مباحات بلکہ بظاہر فضولیات کو واجب کہہ دیا مگر امام کی رائے صحیح ہے کیونکہ قاعدہ فقیہہ ہے

مقدمۃ الواجب واجب کہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے اور جب طبیعت اعمال طاعات سے گھبرانے لگے تو اس کو طاعات کی طرف مائل کرنا واجب ہے ورنہ یہ حالت بڑھتے بڑھتے تعطل کی طرف مفضی ہو جائے گی اور جب کثرت اعمال سے طبیعت اکتا جائے تو اس صورت میں انشراح و انبساط کے لئے اختلاط و سیر و تفریح و مزاج بھی مفید ہوتا ہے اس راز کو محقق ہی سمجھ سکتا ہے غیر محقق تو ایسے موقع میں یہ بتلائے گا کہ ۔ یا باسط کا وظیفہ پڑھو یا فتاح کا ورد کرو مگر محقق اس کی رائے پر ہنستا ہے اور کہتا ہے

بے خبر بووند از حال دروں استعید اللہ مما یفترون  
اندر کے حال سے بے خبر تھے میں ان کے افترا سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ (ماعلیہ الصبر ج ۹)

## اعمال پر دواومت

ناگوار واقعات کے وقت دو چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں ایک یہ کہ جو طریق حق تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے اس میں تو خلل نہیں آیا خواہ وہ واجبات ہوں یا مستحبات کیونکہ مستحبات کی پابندی بھی خواص کے لئے ایک درجہ میں ضروری ہے حدیث میں ہے:

احب الاعمال الی اللہ اداومہا

کہ حق تعالیٰ کی طرف سے سب اعمال میں زیادہ محبوب وہ ہیں جن پر دوام کامل ہو۔ اس میں لفظ احب عاشق کی نظر میں دوام کی ضرورت کو بتلا رہا ہے کیونکہ جب ایک چیز حق تعالیٰ کو محبوب ہے تو عاشق کو ان کے سامنے محبوب ہی چیزیں پیش کرنا لفظ احب سے دوام کی عدم ضرورت پر ہی استدلال کرے گا جس میں محبت و عشق نہ ہو ورنہ عاشق تو یہ سن کر کہ محبوب فلاں چیز سے خوش ہوتا ہے اس پر جان نثار کر دے گا اور جب تک محبوب ہی منع نہ کرے اس وقت تک اس کو اپنے ذمہ لازم کر لے گا۔

میں پوچھتا ہوں کہ آخر عبادت اور عمل سے مقصود کیا ہے ظاہر ہے رضائے حق مطلوب ہے تو عامل کو ضروری ہے کہ عمل اس طرح کرے اور اس میں وہ طریق اختیار کر لے جس سے محبوب خوش ہوتا ہے اور حدیث سے معلوم ہو چکا کہ حق تعالیٰ دوام سے خوش ہوتے ہیں تو دوام کا اہتمام ضروری ہے اور دوسری حدیث میں تو اس کی تصریح ہے حضور فرماتے ہیں۔



یا عبد اللہ لا تکن مثل فلان کان یقوم من اللیل ثم ترک  
 اے عبد اللہ بن عمر تم فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا جو رات کو اٹھا کرتا تھا پھر قیام لیل ترک کر دیا۔  
 اس میں حضورؐ نے ایک معمول مستحب کے ترک پر صراحتہ کراہت کا اظہار فرمایا ہے پس  
 ثابت ہوا کہ مستحب کو معمول بنا کر بلا عذر ترک کر دینا ایک گونہ مکروہ ہے تو دوام ضروری ہے۔  
 اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ عمل تھوڑا سا اختیار کرو جس پر نباہ ہو سکے اور اگر کسی وقت  
 زیادہ کا شوق ہو تو میں کہتا ہوں کہ اس وقت زیادہ کر لو مگر اپنے ذمے زائد کو لازم نہ سمجھو کبھی نشاط و  
 سرور ہو تو زیادہ بھی کر لو مگر اس کی پابندی کو لازم نہ سمجھو اس کی صورت میں اگر کبھی زیادہ نہ ہو سکا تو  
 قلیل کو ادا کر کے تسلی ہو جائے گی کہ ہاں معمول پورا ہو گیا کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ بغیر معمول پورا  
 کیے تسلی نہیں ہوتی اور یہی حکمت ہے صوفیاء کے اس فعل کی کہ وہ طالبین کے لئے ذکر کی کوئی  
 مقدار معین کر دیتے ہیں حالانکہ ذکر ایسی چیز ہے کہ اس کے لئے کوئی مقدار معین نہ ہونا چاہئے  
 جتنا بھی زیادہ ہوا چھاپے مگر بغیر تعین مقدار کے ذکر کی تسلی نہیں ہو سکی وہ ہر دن اسی فکر میں رہے  
 گا کہ نہ معلوم جتنا ذکر میں کر رہا ہوں یہ وصول الی المطلوب کے لئے کافی بھی ہے یا نہیں اور  
 جب شیخ نے ایک مقدار معین کر دی اب اس کو پورا کر کے تسلی ہو جاتی ہے۔ (ماعلیہ الصبر ج ۹)

## شیطانی وساوس کا علاج

بعض لوگ اعمال و معمولات پر پابندی کرنا چاہتے ہیں مگر جب کام کرنے بیٹھتے  
 ہیں فوراً شیطانی وساوس اور نفسانی خطرات آ کر گھیر لیتے ہیں اور بعض دفعہ ایسے واہیات  
 کفریہ و سو سے آتے ہیں جن سے مالک پریشان ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں  
 طریق سے ہٹ گیا اور خدا تعالیٰ کے یہاں سے مردود ہو گیا ہوں اس حالت میں بہت  
 سے لوگ کام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں کیونکہ یہ وسوسے کام ہی کے وقت آتے ہیں مگر یہ بڑی غلطی  
 ہے اس طرح تو تم نے شیطان کی مراد پوری کر دی وہ یہی تو چاہتا تھا۔

چنانچہ ایک صاحب نے اس حالت کی وجہ سے تلاوت قرآن مجید بالکل چھوڑ دی تھی کیونکہ  
 جب وہ قرآن پاک پڑھنے بیٹھتے ساتھ ہی ساتھ دل میں خدا اور رسولؐ کی شان میں گالیوں کے  
 خطرات آتے تھے۔ ایک تفسیر تو جلالین کی تھی ایک تفسیر و بالین کی خود بخود ان کے ذہن میں آتی

تھی۔ آخر وہ گھبرا گئے۔ اور تلاوت چھوڑ بیٹھے مجھ سے یہ حال بیان کیا میں نے کہا کہ اس کا یہ علاج نہیں اس کا علاج یہ ہے کہ خوب تلاوت کرو اور گالیاں ذہن میں آویں تو آنے دو یہ تو ویسا حال ہو گیا بحر تلخ و بحر شیریں ہم عنان درمیاں برزخ لا یبغیان

کڑوا اور شیریں سمندر اکٹھے ہیں درمیان میں ایک برزخ ہے کام کے ساتھ ان وساوس و خطرات سے کچھ بھی تنزل یا بعد نہیں ہوتا ہاں جب کام چھوڑ دو گے تو بعد کا اندیشہ ہے کہ گو وساوس بھی نہ ہوں اسلئے سالک کو طریق پر قائم ہو کر بے فکر رہنا چاہیئے عارف فرماتے ہیں

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست طریقت پہ جو کچھ پیش آتا ہے وہی خیر ہے صراط مستقیم پر جو چل رہا ہے وہ گمراہ نہیں۔ یعنی جب تک مستقیم پر جمار ہے یعنی اعمال اختیار یہ میں خلل نہ ڈالے تو بے فکر رہے اب اس کے بعد چاہے بلا اختیار کچھ ہی ہوتا رہے کفر کے وسوسے آویں یا معصیت کے سبب بے ضرر ہیں بلکہ بخدا صراط مستقیم پر رہ کر تمام ظلمتیں انوار ہیں جیسے نور عین کے وہ منبع انوار ہے مگر خود سیاہ ہے اور صوفیاء نے فرمایا ہے کہ لطیفہ اخفی کالون بھی سیاہ ہے۔ اور تجلی ذاتی اصطلاحی سیاہ رنگ میں بھی ظاہر ہوتی ہے پس اگر اعمال اختیار یہ میں خلل نہیں تو قلب میں کیسی ہی ظلمات ہوں وہ سب خیر و نور ہی ہیں چاہے وساوس کفریہ ہی کیوں نہ ہوں لہذا ان سے گھبرا کر کام میں ہرگز خلل نہ ڈالنا چاہئے اس طرح تو یہ قیامت تک بھی پیچھا نہ چھوڑیں گے اس کا علاج یہی ہے کہ کام میں لگا رہے اور ان پر التفات بھی نہ کرے جب شیطان دیکھے گا کہ یہ تو خطرات سے گھبراتا ہی نہیں نہ کام میں کمی کرتا ہے تو وہ جھک مار کر خود پیچھا چھوڑ دیگا۔ (ماعلیہ المصروع ۹)

## فتویٰ اور معالجہ

### مشائخ کا طرق علاج

چنانچہ بعض دفعہ وہ سالک کو عشق مجازی میں مبتلا کرتے ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ اس کا دل علائق مختلفہ میں پھنسا ہوا ہے تو عشق مجازی میں مبتلا کر کے وہ ان سب تعلقات کو قطع کرنا چاہتے ہیں۔ پھر صرف ایک تعلق کا قطع کرنا باقی رہ جاتا ہے اس کا قطع کرنا سہل ہے پس یہ جو مشہور ہے کہ

## متاب از عشق روگر چہ مجازی ست

اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عشق مجازی کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اس سے ایک کام لیتے ہیں۔ یعنی عارض قوی کا ازالہ اور علائق مختلفہ کا استیصال کرنا چاہتے ہیں اور عشق مجازی بھی وہ ایسا تجویز کرتے ہیں جو حرام نہ ہو یعنی امر دیا عورت اجنبیہ کا عشق تجویز نہیں کرتے بلکہ حلال محبت تجویز کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید سے پوچھا کہ تجھے کسی چیز سے محبت تھی ہے کہاں۔ ہاں۔ میرے ایک بھینس ہے مجھے اس سے بہت محبت ہے فرمایا۔ اچھا تم بھینس کا مراقبہ کیا کرو۔ چالیس دن تک ایک خاص وقت میں اس کا مراقبہ کیا کرو۔ اب اس کی یہ حالت ہوئی کہ فنا فی الجاموس ہو گیا چالیس دن کے بعد شیخ نے اس کو حجرہ سے باہر آنے کا حکم دیا۔ تو وہ کہتا ہے۔ کیسے آؤں۔ سینگ دروازہ سے اٹکتے ہیں۔ اب اس کا یہ حال تھا کہ

ہر چہ پیدا میشود از دور پندارم توئی

”جو کچھ بھی سامنے پڑتا ہے سمجھتا تھا کہ تو ہی ہے۔“

اور یہ حال تھا کہ

من تو شدم تو من شدم من تن شدم تو جاں شدم

تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

مجھ میں اور تجھ میں اتنا اتصال ہو گیا کہ دونوں کو الگ الگ کہنا بے جا ہے گویا کہ میں تو ہو گیا اور تو میں ہو گیا۔ میں بدن ہو گیا اور تو جان بن گیا۔ اب اس کے بعد کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ میں اور تو جدا جدا ہیں۔ شیخ اس حالت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ہاتھ پکڑ کر اسے باہر نکالا اور کہا اب نہیں اٹکتے تو باہر آ۔ تیرا مراقبہ کامیاب ہو گیا۔ سب علائق قطع ہو گئے۔ اب صرف بھینس کا تعلق قطع کرنا باقی رہا۔ تو یہ کچھ مشکل نہیں۔ (المصر والصلوة ج ۹)

## تفویض میں راحت ہے

خود اپنی رائے سے کوئی درجہ تقویٰ کا اپنے واسطے اختیار نہ کرو کیونکہ تم علیل ہو۔ رائے العلیل علیل۔ بلکہ شیخ سے تجویز کراؤ۔ مریض کو خود حلوانہ کھانا چاہئے۔ بلکہ طبیب سے پوچھ کر کھانا چاہئے۔ ممکن ہے وہ بھی حلوا کھلا دے۔ مگر قیود کے ساتھ کھلائے گا۔ مثلاً مقدار کم بتلائے

گایا بہت ہی کھلا دے۔ مگر نسخہ میں اس کی رعایت کر لے گا۔ اور یہ قاعدہ کچھ دین ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دنیا کے کاموں میں بھی جاننے والے کا اتباع کرنا چاہئے اسی میں سلامتی ہے۔ پس سالک کو جائز نہیں کہ خود تجویز کرے کہ اس گناہ کے ذریعہ میں کفر سے بچ جاؤں گا۔ لاؤ کرلوں بلکہ شیخ سے دریافت کرے کہیں وہ بھی خود ایسا کرتے ہیں کہ مرید کو معصیت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور نہیں روکتے بلکہ موقع کے منتظر رہتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص حرام نوکری پر ملازم ہے مگر پریشان ہے اس ملازمت سے کڑھتا ہے۔ بار بار چھوڑنے کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر توکل کی قوت نہیں نہ اس میں نہ بال بچوں میں۔ اس وقت شیخ سوچتا ہے کہ ملازمت چھڑانے میں اس کے دین پر اندیشہ ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ مفسدہ میں مبتلا ہو جائے مثلاً چوری کرنے لگے۔ قرض کر کے مارنے لگے یا عیسائی ہو جائے یا کوئی اور مذہب اختیار کر لے۔

غرض نوکری چھڑانے میں ہزاروں مصائب کا سامنا ہے۔ اس وقت شیخ بھی یہی تجویز کریگا جو تم تجویز کرتے ہو کہ ملازمت نہ چھوڑو۔ مگر اتنا فرق ہے کہ جب شیخ سے استفتاء کرو گے تو اس کے فتویٰ میں کچھ قیود ہوں گی اور تمہارے فتویٰ میں آزادی ہوگی۔

مثلاً شیخ ایک یہ قید لگائے گا کہ اس نوکری کو حرام سمجھتے رہو۔ دوسرے سونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرتے رہو۔ تیسرے یہ کہ اپنے احباب سے کہہ دو کہ میرے واسطے حلال ملازمت کی تلاش رکھنا اسی طرح انشاء اللہ بہت جلد حلال ملازمت مل جائے گی۔ مگر حلال نوکری ملنے کے بعد بھی شیخ فوراً پہلی ملازمت کے چھوڑنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ بلکہ وہ رائے دیتا ہے کہ رخصت لے لو۔ دوسری نوکری کی حالت دیکھ کر پہلے سے استعفیٰ نہ دینا۔ اس لئے ضرورت ہے تجویز شیخ کی۔ کیونکہ تمام پہلوؤں کی رعایت تم خود نہیں کر سکتے۔ (الصبر والصلوٰۃ ج ۹)

## شیخ محقق کا قاعدہ

شیخ محقق کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ صفات نفسیہ کے ازالہ کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے ازالہ کی تدبیر کرتا ہے کیونکہ صفات نفسیہ سب محمود ہیں۔ ان میں برائی اس سے آتی ہے کہ بے موقعہ استعمال کیا جاتا ہے ورنہ حب و بغض و کبر و بخل و غضب فی نفسہ سب محمود ہیں اگر ان کا مصرف صحیح ہو۔ (الصبر والصلوٰۃ ج ۹)



## وساوس کا علاج

صوفیاء نے لکھا ہے کہ وساوس کی مثال ہوا کی طرح ہے کہ جو شخص برتن میں سے تنہا ہوا نکالنا چاہے وہ عاجز ہو جائے گا کیونکہ خلا محال ہے ہاں! برتن میں پانی بھر دو۔ جب بھر جائے گا پھر ہوا کا نام بھی نہ رہے گا۔ پس تم اپنے قلب میں لقاء رب و رجوع الی اللہ کا خیال اچھی طرح بھراؤ پھر وساوس کا نام بھی نہ رہے گا۔ (الصبر والصلوٰۃ ج ۹)

## صحیح استغراق

ایک قصہ استغراق کا حضرت شبلیؒ کا ہے کہ ایک دن وہ حضرت جنیدؒ کے گھر میں بلا اطلاع گھس گئے۔ حضرت جنیدؒ کی بیوی پردہ کے خیال سے اٹھنے لگیں۔ حضرت جنیدؒ نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا ان سے پردہ کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اس وقت اپنے حواس میں نہیں چنانچہ وہ دیر تک بیٹھے ہوئے ہنس ہنس کر مقامات میں گفتگو کرتے رہے اور حضرت جنیدؒ اپنی بیوی کو اٹھنے سے روکتے رہے یہاں تک کہ کسی بات پر حضرت شبلیؒ پھوٹ کر روئے تو حضرت جنیدؒ نے بیوی کو اشارہ کیا کہ اب چلی جاؤ۔ اب ان کو ہوش آ گیا ہے۔

تو بعض دفعہ استغراق ایسا قوی ہوتا ہے جس میں صاحب استغراق کو مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہاں کوئی عورت بھی ہے یا نہیں۔ مگر اس کا پہچانا حضرت جنیدؒ جیسوں کا کام ہے۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

اختیاری مجاہدہ تو یہ ہے کہ تقلیل الکلام (کم بولنا) تقلیل الاختلاط مع الانام (لوگوں سے کم ملنا جلنا) تقلیل المنام (کم سونا) تقلیل الطعام (کم کھانا) جس سے اس زمانہ کے لئے صرف اول کے دو جز کافی ہیں مگر یہ مجاہدہ بعض امراض کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے مجاہدہ اضطراری کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بدوں امداد غیبی کے قصد و اختیار سے نہیں شرعی کے سبب ناممکن ہے مثلاً اگر کوئی سنکھیا کھائے اور کسی طرح اپنے کو بیمار کر ڈالے یا ہلاک کرے تو ناجائز ہے اس لئے وہ خدا کی طرف سے بیمار کیا جاتا ہے اس کی بیوی بچوں کو موت دیدی جاتی ہے اگر یہ خود مارے تو ناجائز ہے پس یہ رحمت ہے کہ تمہارا کام ادھر ہی کر دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہی سے نشتر دلوایا جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے کوئی نہیں دیتا۔ اور اگر ڈاکٹر مشورہ دے کہ نشتر نہ دو تو بس علاج ہو چکا۔ خیر خواہ ڈاکٹر مریض کی رائے پر کبھی عمل نہیں کرتا۔ (الامتحان ج ۹)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ باوجود یکہ جلیل القدر مجتہدین میں سے ہیں حضرت حاتیؒ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت بشر حاتیؒ علوم ظاہری میں کوئی معتد بہ درجہ نہ رکھتے تھے۔ مگر خدا کی محبت میں سرشار تھے۔ ایک طالب علم نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ انکو علوم میں کچھ بھی دسترس نہیں پھر آپ ان کی اس قدر تعظیم کیوں کرتے ہیں۔؟

فرمایا میں ان کی تعظیم اس لئے کرتا ہوں کہ میں کتاب کا علم رکھتا ہوں اور یہ کتاب والے کا علم رکھتے ہیں۔ طالب علم نے کہا میں ان سے کوئی مسئلہ پوچھوں؟ فرمایا ان سے مسئلہ نہ پوچھنا۔ طالب علم نے نہ مانا اور جا کے پوچھا کہ حضرت نماز میں سہو ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے۔ فرمایا ایسے غافل قلب کو سزا دینی چاہئے جو خدا کے سامنے سہو کرے۔ پوچھا کسی کے پاس مال ہو تو زکوٰۃ کس حساب سے دے؟ فرمایا تمہاری زکوٰۃ تو یہ ہے کہ جب بقدر نصاب مال جمع ہو جائے اور سال گزر جائے تو چالیسواں حصہ مساکین کو دیدو اور ہماری زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ سب بھی دیں اور اوپر سے نفس کو اس کی سزادیں کہ اتنا جمع ہی کیوں کیا وہ طالب علم گھبرائے کہ ان سے سوال کرنے سے تو دل پر کچھ اور ہی اثر پڑتا ہے۔ یہ تو اپنی طرف کھینچتے ہیں پھر فرقہ کون حاصل کرے گا۔ (الامتحان ج ۹)

## مشائخ کی طبائع

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جس وقت جامع مسجد میں نماز پڑھ کر واپس ہوتے وہاں ایک بزرگ برآمدہ میں بیٹھے ملتے۔ مرزا صاحب ان کے پاس جا کر ان کی جانمازا لگ پھینک دیتے، تسبیح کو ادھر ادھر کر دیتے، عمامہ سر سے اتار دیتے، ایک دھول لگا دیتے اور وہ بے چارے سب چیزوں کو سمیٹ سماٹ کر پھر بیٹھ جاتے۔ لوگوں کو یہ قصہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی کہ حضرت مرزا صاحب کی بزرگی اور ایک بزرگ کے ساتھ یہ حرکت۔

بالآخر بعض لوگوں نے جرأت کر کے اس کا سبب دریافت کیا تو مرزا صاحب نے فرمایا کہ جب ہم جوان تھے اور ہماری صورت شکل بھی اچھی تھی تو ہمارے چاہنے والے بہت تھے ان ہی میں یہ بزرگ بھی تھے اور اس زمانہ میں ہمارا ان کے ساتھ یہی معمول تھا جس سے یہ خوش ہوتے تھے جب ہمارے داڑھی آگئی تو سب عشاق ایک ایک کر کے رخصت ہوتے گئے کیونکہ

عشق ہائے کز پئے رنگے بود      عشق نبود عاقبت ننگے بود

جو عشق کہ رنگ کی خاطر ہوگا۔ وہ عشق نہیں تنگ ثابت ہوگا۔

مگر یہ شخص محبت میں ثابت قدم رہے۔ ہمارے پاس اسی طرح آتے جاتے رہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو نسبت باطنیہ سے نوازا تو ہمارے دل میں یہ آیا کہ یہ شخص وفادار ہے۔ لاؤ! ہم بھی اس کے ساتھ کچھ احسان کریں کہ جو دولت باطنیہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا فرمائی اس میں سے اس کو بھی حصہ دیں۔ چنانچہ یہ ارادہ کر کے میں ایک دن ان کی طرف متوجہ ہوا تا کہ ان کے دل میں القائے نسبت کروں تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کا تو بڑا بلند مقام ہے۔

نقشبندیہ کے یہاں تصرفات بہت ہیں۔ القائے نسبت بھی ان ہی میں سے ایک تصرف ہے جس کی حقیقت استعداد نسبت کا القاء ہے جس سے دوسرے کے دل میں ایک قسم کا نشاط اور یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد عمل کی ضرورت ہوتی ہے مگر عمل میں سہولت ہو جاتی ہے اور کسی وقت نسبت حقیقہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس تصرف کے بعد کسی نے عمل نہ کیا تو القاء سے خاک بھی نہ ہوگا۔ اور یہی حقیقت ہے سلب نسبت کی کہ وہ بھی دراصل نشاط عمل کا سلب ہے اور جب عمل میں نشاط نہیں رہتا تو عادت عمل میں کمی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ کبھی فرائض و واجبات میں کمی آ کر نسبت باطنیہ سلب ہو جاتی لیکن اگر کوئی شخص سلب نشاط کے بعد عمل میں کوتاہی نہ کرے تو اس سلب سے کچھ ضرر نہ ہوگا۔ اس لئے یہ تصرف اسی مقام پر جائز ہے جہاں سلب نشاط سے ترک عمل کا اندیشہ نہ ہو بلکہ کسی کو غلبہ میں حقوق واجبہ کا بھی اہتمام نہ رہا تھا۔ اس غلبہ کو سلب کر لیا گیا یہ جائز ہے اور جہاں اس کا اندیشہ ہو وہاں حرام ہے۔

غرض مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہم اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ تو بڑے عالی مقام بزرگ ہیں اسی وقت ہم ان کا ادب کرنے لگے اور بے تکلفی برتاؤ بدل دیا جو پہلے سے معمول تھا۔ اس پر یہ کہنے لگے کہ مرزا اپنی خیر چاہتا ہے تو اسی طرح رہو جس طرح اب تک رہے تھے۔ اور اگر تم نے اپنا طرز بدلاتا تو یاد رکھنا سب دولت سلب کر لوں گا۔ جو پوئلہ کی طرح بغل میں دبائے پھرتا ہے تو اب اپنی دولت کا سلب کون چاہتا ہے۔ (ادب المصاب ج ۹)

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ من حسن اسلام المرء ترک ما لا یعنیه کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے گو وہ معصیت نہ ہوں کیونکہ یہ مفطی الی المعصیت ہو جاتی ہیں۔ مگر ان کو اس کا شبہ بھی نہیں۔ غرض خوبی اسلام کی یہ ہے کہ لغو کلام سے بچو۔

ایک بزرگ دیوبند میں تھے جن کی نگاہ اور آواز بھی بلا ضرورت نہ اٹھتی تھی اور نہ نکلتی تھی تو

وہ ہر فضول سے بچتے خواہ وہ کلام ہو یا نظر۔ حضورؐ نے اوپر کی حدیث میں ہر لغویات سے ممانعت فرمادی ہے۔ عام ہے کہ نظر ہو یا کلام ہو سب کو ممنوع فرمایا ہے اور نظر بھی بڑی بری بلا ہے۔ بعض نظر کی نسبت بزرگوں نے فرمایا ہے النظر سهم من سهام ابلیس۔ حقیقت میں نظر ایک ایسا تیر ہے جو نظر ہی نہیں آتا کہ کہاں اور کیسے لگا اور دل شکار ہو جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے

درون سینہ من زخم بے نشان زدہ      بخیر تم کہ عجب تیر بے گماں زدہ

”میرے سینے میں تو نے بے نشان تیر مارا۔ میں حیران ہوں کہ عجیب بے گماں تیر مارا۔“

تو ایسا کرے ہی کیوں کہ زدہ کہنا پڑے۔ بس نظر ہی ذرا نیچے رکھے اسی نظر کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں يعلم خائنة الاعین (پ ۲۴) اور ان پر زردیدہ نظر تو کیا متفی ہوتی۔ اس کی تو یہ شان ہے کہ آگے فرماتے ہیں وما تخفی الصدور کہ وہ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے اور اس میں باری تعالیٰ کو غیرت بھی آتی ہے کہ ہمارے غیر کو نظر محبت سے کوئی کیوں دیکھے الا باذن۔ واقعی اس دل میں گنجائش غیر کی ہونا نہ چاہئے جیسے معبودیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ایسا ہی مقصودیت میں بھی نہ ہونا چاہئے اور تو حید حقیقی یہی ہے۔

تو وہ بزرگ اتنا بچتے کہ نگاہ فضول نہ اٹھاتے اور کلام تو بہت بڑی چیز ہے غرض اسکو بھی چھوڑنا چاہئے۔ (دواء الصیق ج ۹)

## دفع وساوس کا طریقہ

ذاکر مبتدی کو جو کہ مذکور کا احتضار نہیں کر سکتا۔ جب وساوس ستانے لگیں تو شیخ کا تصور کر لے کہ اس طرف متوجہ ہو جانے سے دوسرے تصورات دفع ہو جاویں گے۔ مگر یہ تصور جو ہو تو اس طرح نہ کہا یہاں موجود ہے بلکہ اس طرح کہ فلاں جگہ میں شیخ کو ملتا تھا کیونکہ یہ تصور کرنا کہ یہاں موجود ہے ایک گونہ بے ادبی ہے کہ گویا شیخ اس کے پاس آکر حاضر ہو۔ دوسرے جو اس سے مقصود ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ خلاف واقع ہے اور خلاف واقع پر دھیان نہیں جمتا اور بے دھیان جسے وساوس دفع نہ ہوں گے پھر اس میں عقیدہ حاضر و ناظرہ کا بھی ہوگا اور اس میں احتمال شرک کا ہے۔

غرض! اس طرح سے تصور کرے چونکہ شیخ بہ نسبت اوروں کے زیادہ محبوب ہوتا ہے اسلئے حضرات صوفیاء دفع وساوس کے لئے اس کو تجویز فرماتے ہیں۔ پھر جب خطرات دفع ہو جاویں تو اس تصور کو ترک کر دینا چاہئے خلاصہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے تصور کر لے کیونکہ مشغولی شیخ عارضی ہے اصل مقصود تو حق تعالیٰ کی مشغولی ہے۔



یہاں بعضے قلوب میں یہ وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شیخ کی طرف جتنا ہمارا دل کھینچتا ہے خدا کی طرف نہیں کھینچتا تو اس میں مجھ کو گناہ ہوتا ہوگا تو سمجھ لو کہ یہ محبت طبعیہ ہے اور خدا کے ساتھ محبت عقلیہ زیادہ ہونی چاہئے سو وہ حاصل ہے۔ چنانچہ اس شخص سے اگر کوئی اس کا بڑا محبوب یہ کہے کہ اگر خدا سے تعلق رکھو تو ہم سے نہیں رکھ سکتے اور اگر ہم سے رکھنا چاہو تو خدا کو چھوڑو اسی وقت یہ شخص یہی جواب دے گا کہ ہمیں تم سے تعلق رکھنا منظور نہیں۔

روز ہاگر رفت گورو پاک نیست تو بیا اے آنکہ جز تو پاک نیست  
دن چلے گئے تو کیا غم البتہ تم نہ جاؤ کہ تمہارے سوا اور کوئی پاک نہیں۔“ (دواء الفسق ج ۹)

## تصوف کا ایک مسئلہ

اخلاق رذیلہ کا جو مجاہدہ سے علاج کیا جاتا ہے اس سے بھی تخفیف ہی مقصود ہے یعنی انسان کا ایسا تقاضا نہیں رہتا جو مفضی الی المعصیت ہو جائے زوال مقصود نہیں کہ مطلق داعیہ و اثر ہی نہ رہے۔ پس مجاہدہ کے بعد اگر رذیلہ کا اثر تخفیف باقی رہے تو اس سے بد دل نہ ہوں اور اس کو مجاہدہ کی ناکامی نہ سمجھیں کیونکہ تمام رذائل طبعی ہیں اور ان میں فی نفسہ مذموم کوئی نہیں بلکہ بوجہ افضاء الی المعصیت کے مذموم لغیرہ ہو جاتے ہیں۔

اور اگر کسی میں خلق رذیل موجود ہو مگر اس سے معصیت صادر نہ ہو تو وہ خلق رذیل ہی نہیں۔ نہ اس کے بقاء سے غم ہونا چاہئے۔ (الاجرا نبیل ج ۹)

## سالم کیلئے دنیاوی واقعات کی مثال

صاحبو! واللہ اگر حق تعالیٰ سے تعلق ہو جائے تو سب کا فنا ہو جانا بھی سہل ہو جائے اور جس کو تعلق مع اللہ نصیب ہو گیا۔ اور تفویض محض اختیار کر لی اس کے سامنے دنیا کے واقعات کیا چیز ہیں ان کو تو وہ چٹکیوں میں اڑا دیتا ہے۔ صاحبو! تم اسی غرض سے سلوک اختیار کر لو کہ اس کے ذریعے سے حوادث و مصائب سہل ہو جائیں گے۔

سالم کے سامنے واقعات دنیویہ کی ایسی مثال ہے جیسے سلطان محمود سبکتگین کے لشکر میں نقارہ جنگ اٹھانے والے اونٹ تھے یہ نقارے بہت بڑے بڑے اور بھاری تھے۔ ایک دفعہ لشکر جا رہا تھا اور نقارہ جنگ کا اونٹ ایک کھیت میں سے گزرا۔ کاشتکار کے لڑکے نے

ڈھیر یا بجائی تاکہ اس کی آواز سے اونٹ بدک کر کھیت میں سے نکل جائے۔ ڈھیر یا کودیکھ کر اونٹ بہت ہنسا کہ میری کمر پر تو اتنا بڑا انقارہ بجتا ہے جس کی صدا سے زمین و آسمان گونج اٹھتے ہیں۔ اس سے تو میں ڈرتا ہی نہیں تیری ڈھیر یا سے ضرور ڈروں گا۔ (۱۱ جبرائیل ج ۹)

## اضطراری اور اختیاری غم

شریعت نے مطلق غم سے جس کا ایک درجہ اضطراری ہے ممانعت نہیں کی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو غم خود ہو جاوے اسے ہونے دو۔ اپنے اختیار سے نہ بڑھاؤ۔ پس ممانعت اختیاری غم ہے اس کا پتہ خود قرآن سے چلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ امر و نہی اعمال اختیار یہ پر ہوتی ہے اگر غم بالکل غیر اختیاری شے ہے تو لا تخافی ولا تحزنی میں یہ لانی کا کیا۔

پس حاصل یہ ہے کہ کچھ غم تو اضطراری ہے اس میں تو حکمت ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اور کچھ ہم لوگ تدبیریں پیدا کر لیتے ہیں۔ بس اس کی ممانعت ہے کیونکہ یہ ضرر رساں۔ وہ تدبیریں غم بڑھانے کی یہ ہیں کہ واقعہ کو قصداً سوچتے رہو۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اس سے غم بڑھتا ہے اور سوچنا اور بلا ضرورت تذکرہ کرنا جو کہ سبب ہے غم کا وہ اختیار میں ہے تو جب ان اسباب کو بند کر دو گے اور اس طرف سے توجہ اٹھا لو گے تو اتنا غم نہ ہوگا۔ یہی راز ہے اس کا کہ شریعت نے مواقع غم میں ذکر اللہ کی تعلیم کی ہے جس سے توجہ دوسری چیز کی طرف منعطف ہو جاتی ہے اور دوسری چیز بھی ایسی جس کی شان یہ ہے

الابد کر اللہ تطمئن القلوب (پ ۱۳) (سلوة الحزین ج ۹)

## اہل علم میں ایک کمی

اہل علم میں ایک وہ ہیں جو الفاظ قرآن کو تو پڑھتے ہی ہیں اس کے ساتھ معانی کو بھی پڑھتے ہیں۔ ترجمہ بھی جانتے ہیں اور اہل علم بھی ہیں مگر ان میں ایک اور بات کی کمی ہے۔ وہ یہ کہ تدبر نہیں کرتے۔ لفظی تحقیق تو بڑی لمبی چوڑی کریں گے۔ مثلاً قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (یا مراد ہوا جو شخص) (خباثت عقائد و اخلاق سے) پاک ہو گیا) میں قد حرف تحقیق ہے اور اَفْلَحَ ماضی کا صیغہ ہے اور مَنْ اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر فاعل ہے۔ یہ ساری لمبی چوڑی

تحقیق کر لیں گے مگر حق تعالیٰ کا مقصود اس سے کیا ہے اس کی طرف التفات بھی نہیں۔ قرآن شریف کو اس نظر سے دیکھتے ہی نہیں کہ یہ ہماری اصلاح کا کفیل ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے حکیم محمود خاں سے نسخہ لکھوایا اور اس کو اس نظر سے دیکھنے لگا کہ اس نسخہ کا خط کیسا ہے، دائرے کیسے ہیں۔ اس نظر سے نہیں دیکھا کہ اجزاء کیسے ہیں۔ مزاج کی کیسی رعایت کا ہے۔ صرف یہ دیکھا کہ خوشخط ہے، دائرے خوب بنائے ہیں۔ اور اس پر کہنے لگا کہ محمود خاں بڑے طبیب ہیں، ان کے دائرے کیسے عمدہ ہیں اس سے معلوم ہوگا کہ یہ شخص نسخہ کی حقیقت ہی نہیں سمجھا۔ نسخہ کی حقیقت تو یہ ہے کہ مرض کے موافق ہو۔ اس سے اصلاح ہوتی ہو۔ نسخہ کو اس نظر سے دیکھنا چاہیے۔ (الصلوٰۃ ج ۱۰)

## توکل کی حقیقت

جو لوگ توکل توکل کا سبق ورد زبان رکھتے ہیں ان صاحبوں نے آخرت ہی کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ دنیوی اسباب جمع کرنے میں توکل نہیں کرتے۔ اس میں تو بڑے چست و چالاک ہیں۔ ان کے جمع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ باوجودیکہ حق تعالیٰ نے روزی کی ذمہ داری بھی کر لی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها۔ (کہ زمین پر کوئی چلنے والا نہیں مگر اللہ پر اس کا رزق ہے) اور اس میں کوئی قید طلب وغیرہ کی نہیں لگائی اور جہاں آخرت کا ذکر کیا ہے وہاں مقید کیا ہے سعی کے ساتھ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

ومن اراد الآخرة وسعی لها سعيها

کہ جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لئے سعی کی۔ یعنی ہم ذمہ داری نہیں کرتے۔ سن لو جو نیک عمل کرے گا جنت میں جائے گا۔

تعجب ہے کہ جس میں ذمہ داری کی ہے اس میں توکل کو عیب سمجھتے ہیں اور جس کی ذمہ داری نہیں کی اس میں توکل اختیار کرتے ہیں۔

بس جی جو بات جس طرح اپنی سمجھ میں آئی اس طرح کر لی۔ انبیاء علیہم السلام بھی صرف امور دنیوی میں سے اسباب ظنیہ کو ترک کر دیتے ہیں۔ اسباب قطعیہ کو وہ بھی ترک نہیں کرتے۔ کھانے کو ترک نہیں کرتے کیونکہ وہ تو اسباب قطعیہ سے ہے ہاں انہوں نے تدابیر معاش کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ اسباب ظنیہ سے ہے مولانا فرماتے ہیں۔

انبیاء در کار دنیا جبری اند      کافراں در کار عقبی جبری اند  
 انبیاء را کار عقبی اختیار      کافراں را کار دنیا اختیار  
 انبیاء تو جبری اس معنی کو ہیں کہ امور دنیویہ کے بارے میں حس و حرکت نہیں کرتے ان  
 کو چھوڑ دیتے ہیں اور کافر کا عقبی میں جبری ہیں کہ اس کے اندر حس و حرکت نہیں کرتے ان  
 کو ترک کئے ہوئے ہیں۔ انبیاء کا عقبی کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان کو نہیں چھوڑتے اور کافر  
 کا دنیا کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ سو انبیاء کے جبری ہونے کے یہ معنی ہیں۔ جب انبیاء کی یہ  
 حالت ہے کہ وہ اسباب قطعہ کو ترک نہیں کرتے گو دنیوی ہی ہوں اور اخروی گو بدرجہ اولیٰ، تو  
 اور لوگوں سے بڑی حیرت ہے کہ انہوں نے آخرت کے بارہ میں توکل کیسے اختیار کر رکھا  
 ہے کہ اس کی تحصیل میں حرکت ہی نہیں کرتے۔ مانا کہ اہل توکل تو یہ بھی ہیں مگر ایسی چیز میں  
 توکل اختیار کیا ہے کہ اس میں توکل درست نہیں۔ (الصلوٰۃ ج ۱۰)

## تزکیہ باطن

قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی۔ یہاں تین اعمال بیان کئے ہیں۔  
 ایک تزکی ایک ذکر اسم ربہ ایک صلی۔ یہاں پر تزکیہ سے عام بھی مراد لے سکتے  
 ہیں۔ ذمائم باطنی سے بھی تزکیہ ہو اور معاصی جوارح سے بھی مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا  
 ہے کہ ذمائم باطنی سے پاکی مراد ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

ونفس وما سواها فالهٰمہا فجورہا وتقواہا قد افلح من زکھا  
 (اور قسم ہے انسان (جان) کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا پھر  
 اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں کا) اس کو القاء کیا یقیناً وہ مراد کو پہنچا جن  
 نے اس (جان) کو پاک کر لیا)

ذکھا میں مفعول کی ضمیر نفس کی طرف ہے کہ نفس کا تزکیہ کر لیا۔ اس آیت میں تصریح  
 ہے اس بات کی کہ مدار فلاح کا تزکیہ نفس پر ہے اور ظاہر ہے کہ نفس کا تزکیہ اور اس کی پاکی  
 ذمائم باطنی کے ازالہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ نفس بلا واسطہ انہیں کے ساتھ متصف ہے نہ کہ  
 اعمال جوارح کے ساتھ۔ پس اس کا تزکیہ بھی انہی ذمائم سے ہوگا۔ لہذا اولیٰ یہ ہے کہ یہاں  
 بھی ذمائم باطنی ہی سے تزکیہ مراد ہو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ظاہری اعمال کی ضرورت



نہیں جیسا کہ بعض لوگ آج کل کہتے ہیں۔ سوترکیہ باطن کا حکم دینے سے حق تعالیٰ کا یہ مقصود نہیں کہ تزکیہ ظاہر ضروری ہیں۔ اگر یہ مقصود ہوتا تو آگے وڈ کر اسم ربہ فصلی کیوں فرماتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ نفس کا پاک کرنا اصل ہے اور ظاہر اس کی فرع ہے۔

اسی طرح ایک موقع پر یز کیہم فرمایا ہے تو اس سے بھی اسی قرینہ سے تزکیہ نفس مراد ہے کیونکہ اصل چیز تو تزکیہ باطن ہی ہے۔ اگر تزکیہ باطن اصل چیز نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں یہ کیوں فرماتے۔

التقویٰ ہہنا و اشار الی صدرہ۔ کہ تقویٰ یہاں پر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الغنی غنی النفس۔ کہ غنی نفس کا غنا ہے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ غنا ظاہری کوئی چیز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصل غنا تو نفس ہی کا ہے اور جب نفس میں غنا ہوتا ہے تو پھر ویسے ہی افعال صادر ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ مطلب نہیں کہ تقویٰ ظاہری کوئی چیز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کی جڑ تو قلب میں ہے اور جب تقویٰ قلب میں ہوتا ہے تو افعال بھی اچھے ہی صادر ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے کہ اگر تقویٰ قلب میں نہ ہوگا تو اچھے افعال کے صادر ہونے کا تقاضا نہ ہوگا۔

غرض خوب سمجھ لیجئے کہ جب قلب کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اعمال بھی درست ہو جاتے ہیں۔ سواصل قلب ہی کی اصلاح ہوگی مگر اصلاح قلب سے درستی اعمال ہو جانے کا یہ مطلب نہیں کہ بعد اصلاح ہو جانے کے اعمال کے قصد کی بھی ضرورت نہ ہوگی بلکہ معنی یہ ہیں کہ قلب کی اصلاح ہونے پر اعمال کا کرنا سہل ہو جائے گا یعنی قبل اصلاح کے جو اعمال مشکل تھے وہ بعد اصلاح کے آسان ہو جائیں گے۔ مگر قصد کی پھر بھی ضرورت رہے گی۔ اصلاح کا تو بس اتنا ہی اثر ہوتا ہے کہ اصلاح کے قبل بری باتوں کا چھوڑنا باوجود قصد کے بھی نہایت دشوار تھا۔ اصلاح کے بعد آسان ہو گیا۔ جو لوگ اصلاح شدہ ہوتے ہیں ان میں اور جو اصلاح شدہ نہیں ہوتے ان میں بس یہی فرق ہے کہ قصد تو سب کو کرنا پڑتا ہے۔

مگر جن لوگوں کی اصلاح ہو چکی ہے ان کا کام تو معمولی قصد اور اشارہ ہی سے چلتا ہے اور جنہوں نے اپنی اصلاح نہیں کی ہوتی ان کو برے کاموں کے چھوڑنے میں سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور بڑی دشواری پیش آتی ہے۔

رہا میلان معاصی کی طرف سو وہ دونوں کو ہوتا ہے۔ ایسا کوئی شخص بھی نہیں کہ اس کو میلان نہ ہو ہاں قبل ریاضت داعیہ قوی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا روکنا مشکل ہے اگر طاقت سے باہر نہیں صرف دشواری ہے اور نفس اس دشواری کو گوارا نہیں کرتا مثلاً نگاہ کانچا کرنا کہ یہ طبیعت کو بہت گراں ہوتا ہے۔ نفس اس گرانی کا تحمل نہیں کرتا پس وہ اس کی طرف نگاہ کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ پھر توبہ کر لیں گے۔ بخلاف ریاضت کے کہ داعیہ تو ہوتا ہے مگر ہوتا ہے ضعیف۔ اور پھر ریاضت سے مدافعت کی قوت پیدا ہو جاتی ہے بہت زیادہ۔ اس لئے وہ بہت آسانی سے اس کی مدافعت کر سکتا ہے کہ داعیہ ضعیف ہے اور قوت دافعہ زبردست ہے۔ بس اس واسطے ریاضت مجاہدہ کرتے ہیں۔

سوترکیہ نفس کا جو حکم کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اثر ہے کہ اس کی اعانت سے ظاہر اعمال بھی درست ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے نفس کے متعلق فرمایا۔ قد افلح من تزکی۔ (بامراد ہوا جو شخص (خباثت عقائد و اخلاق سے) پاک ہو گیا)

باقی اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ صرف یہی کافی ہے ظاہری اعمال کی ضرورت نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ فقط قلب کا درست کر لینا کافی ہے۔ یہ لوگ شریعت کو منہدم بلکہ منعدم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ تمام شریعت بھری ہوئی ہے اصلاح ظاہر و باطن سے اور تصوف کی حقیقت یہی یہی ہے کہ تعمیر الظاہر و الباطن (ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح ہو)

اور دونوں ہی کی ضرورت بھی ہے۔ بعض وجوہ سے اصلاح باطن کی اور بعض وجوہ سے اصلاح ظاہر کی۔ بہر حال صرف اصلاح باطن کافی نہیں کہ ظاہر ترک کر دیا جائے۔ اور باطن ہی پر اکتفا کیا جائے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ محض باطن مقصود ہے مگر یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ الشنی اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔ جب کوئی چیز پائی جائے گی تو اپنے لوازم کیساتھ پائی جائیگی

یہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ مثلاً آفتاب کے لئے دھوپ لازم ہے جب آفتاب نکلے گا تو دھوپ ضرور ہوگی (الصلوٰۃ ج ۱۰)

## ریا کی حقیقت

بعض لوگ ریا کے خوف سے ذکر نہیں کرتے کہ جب ذکر کرتے ہیں تو ریا کا خیال ہوتا ہے۔ یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اول ریا ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت چنانچہ مشاہدہ کر لیجئے کہ اول اول جب کسی کو نماز میں امام بناتے ہیں تو وہ

خوب بنانا کر پڑھتا ہے کہ مقتدیوں کو اچھا معلوم ہو۔ مگر دو چار دن کے بعد اس طرف التفات بھی نہیں رہتا۔ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی۔

دوسرے یہ کہ جو ریا بلا قصد کے ہو تو یہ اس کے دور کرنے کا مکلف ہی نہیں پس ریا کے دو درجے ہیں۔ ایک صورت ریا دوسری حقیقت ریا۔ یہ صورت ریا کو حقیقت ریا سمجھ لیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب وہ تمہارے اختیار سے پیدا نہیں ہوئی ہے تو اس میں حرج کیا ہے۔ مجھ سے ایک شخص نے شکایت کی ریا کی۔ تو میں نے کہا کہ بلا قصد ہے یا بالقصد، اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ انہوں نے کہا کہ غیر اختیاری ہے اس پر میں نے کہا کہ بس یہ وسوسہ ریا۔ ہے ریا نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حتیٰ کہ اگر کفر کا بھی وسوسہ آئے اس میں بھی حرج نہیں۔ چنانچہ دیکھئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی تھی کہ ہمارے قلب میں ایسی باتیں آتی ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا گوارا ہے مگر ان کا زبان پر لانا گوارا نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کے وسوسے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: الحمد للہ الذی رد امرہ الی الوسوسۃ (کہ خدا کا شکر ہے کہ اس کی کوشش وسوسہ ہی کے اندر محدود کر دی) پس جب کہ وسوسہ کفر بھی مضر نہیں تو وسوسہ ریا تو کسی درجہ میں بھی مضر نہیں ہو سکتا پس اس کا علاج یہ ہے کہ کام کئے جائے کچھ پرواہ نہ کرے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی طرف کچھ خیال نہ کرے۔ کار خود کن کار بے گانہ مکن (اپنا کام کرو دوسرے کا کام مت کرو)

ذکر میں لگنا اپنا کام ہے۔ وسوسہ آنا نہ آنا اپنا کام نہیں۔ اپنے کام میں لگنا چاہیے۔ اور جو اپنا فعل نہیں ہے۔ اس میں کیوں مشغول ہوئے کہ وہ مغل مقصود ہے۔ (اصلوٰۃ ج ۱۰)

## فاروقی معرفت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیماری میں کراہ رہے تھے جو بزرگ عیادت کو گئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپس کا مزاج کیسا ہے۔ آپس نے فرمایا اچھا نہیں۔ وہ بولے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے استقلال کی بات فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا میں خدا کے روبرو پہلوان بنوں۔ وہ ضعیف بنائیں اور میں قوی بنوں۔ جب خدا نے عجز کے لئے بیمار کیا ہے تو میں کس لئے قوی بنوں۔ یہ ہیں عارفین۔

یہ حضرات گویا مزاج شناس ہوتے ہیں جس میں حق تعالیٰ کی رضا دیکھتے ہیں اس کے موافق عمل کرتے ہیں کہ اس وقت یہ مناسب ہے اور اس وقت یہ مناسب ہے یہ حکایت اس مناسبت سے بیان ہوئی تھی کہ حزن و غم بڑی ریاضت ہے۔

## کمال انسانی کی طرق

تکمیل کے دو درجے ہیں۔ (اصلوٰۃ ج ۱۰)

ایک تخلیہ (اخلاق رذیلہ کو دور کرنا) ایک تحلیہ (اخلاق حمیدہ پیدا کرنا) یا ایک تجلیہ اور ایک تحلیہ میں بھی تخلیہ ہی ہوتا ہے۔ جیسے برتن کی جب تکمیل کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کو میل کچیل سے صاف کرتے ہیں جس کا نام تجلیہ ہے۔ پھر اس پر قلعی یا اور دوسرا کام کرتے ہیں۔ یا مریض کی مثال سمجھئے کہ جب کسی کا علاج طبیب کرتا ہے تو پہلے مادہ فاسد کو نکالتا ہے۔ اس کے بعد ایسی دوائیں استعمال کراتا ہے جس سے طاقت پیدا ہو۔ جسم میں رونق و تازگی آجائے یا کسی مکان میں فرش اور جھاڑ فانوس وغیرہ سے زیبائش کرتے ہیں تو پہلے اس کو خس و خاشاک سے پاک کر لیا جاتا ہے یا کسی کو عمدہ لباس اس وقت پہناتے ہیں جب کہ اس کے جسم سے غسل کرا کر میل کچیل دور کر دیا جائے۔

غرض یہ کہ سب چیزوں میں تکمیل دو ہی طریقہ سے ہوتی ہے تجلیہ اور تحلیہ سے اور عادت تجلیہ مقدم ہوتا ہے تحلیہ سے کیونکہ بدون تجلیہ کئے ہوئے تحلیہ ناقص رہتا ہے جیسے کوئی بدون برتن کا میل صاف کئے ہوئے اس پر قلعی کر دے۔ ظاہر ہے کہ پوری صفائی اس میں نہ آئے گی۔ ہاں بعض اوقات بوجہ بعض مصالح کے تحلیہ مقدم ہوتا ہے تجلیہ پر۔ جیسے کسی مکان کی آرائش مد نظر ہو اور مہارت اس قدر نہ ہو کہ پہلے پوری صفائی کر کے پھر آرائش کریں۔ تو یہ کرتے ہیں کہ پہلے سامان آرائش کر کے تدریجاً صفائی کرتے رہتے ہیں۔ سو یہ تو عارض کی وجہ سے ہوتا ہے اور عام قاعدہ پہلا ہی ہے۔

اسی طرح صوفیا کرام تجلیہ اور تحلیہ مریدین کا کرتے ہیں کہ پہلے ان سے اخلاق رذیلہ دور کر کے پھر اخلاق حسنہ کا رنگ ان پر چڑھاتے ہیں۔ بالکل طبیب جیسی حالت ہے کہ پہلے مسہلات سے تجلیہ کرے اور پھر قوت وغیرہ کی دوائیں استعمال کرائے۔ متقدمین شیوخ کا یہی طریقہ تھا کہ پہلے تجلیہ کر کے پھر تحلیہ کرتے تھے۔ (ندارمضان ج ۱۰)



## ریاضت کی مثال سے وضاحت

ریاضت مجاہدہ کی مثال وضو کی سی ہے کہ نہ نرا وضو کافی ہے بلکہ نماز مستقل علیحدہ فعل ہے جو مستقل اہتمام سے ادا کرنا ہوگی۔ اور نہ نماز کا تحقق بغیر وضو کے ہوتا ہے اس لئے کہ وہ شرط ہے ہاں اگر کسی کو پہلے ہی سے وضو ہوگا مثلاً غسل کیا ہوتا لاب میں غوطہ لگایا ہو تو پھر مستقل افعال وضو کی ضرورت نہ ہوگی۔

اسی طرح نہ نرا مجاہدہ کافی ہے اور نہ مجاہدہ سے استغنا ہے بہر حال مجاہدہ شرط ہے۔ آگے مقصود کا ترتیب وہ حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے طالب کی تو یہ شان ہونا چاہیے۔  
ملنے کا اور نہ ملنے کا مختار آپ ہے پر تجھ کو چاہیے کہ تک لو لگی رہے  
ہمارے حضرت ایسے موقع پر یہ پڑھا کرتے تھے۔

یا بزم اور یا نیا بزم جستجوئے می کنم حاصل آید یا نیا آرزوئے می کنم  
محبوب کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی جستجو میں لگا ہوا ہوں ملے یا نہ ملے اس کی آرزو کرتا ہوں۔  
اس شعر میں یا بزم یا نیا بزم (پاؤں یا نہ پاؤں) اور حاصل آید یا نہ آید (ملے یا نہ ملے) جو  
تعمیم ہے مبالغہ کے لئے ہے ورنہ وعدہ تو یہ ہے۔ ”والذین جاہدوا، الخ“

یعنی جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں تو ہم ان کو ضرور ہدایت کرتے ہیں۔  
مجاہدہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے گھونے مارا کرے بلکہ مجاہدہ نفس کے خلاف  
کرنے کا نام ہے اور مجاہدہ محض سبب عادی کے درجہ میں ہے ورنہ کار بفضل است باقی بہانہ  
(کام بفضل سے بنتا ہے باقی سبب بہانہ ہے) ملتا تو ہے نخی کے دینے سے لیکن مانگنا اور جھولی  
کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مالدار تو جب ہی ہوگا جب سرکار گنیاں جھولی میں اپنے ہاتھ سے  
بھر دیں گے لیکن جھولی ہونا بھی ضروری ہے۔ پس یہ استعداد مثل جھولی کے ہے۔ حافظ  
شیرازی کے اندر استعداد پہلے سے تھی۔ چنانچہ طلب کے اندر تمام جنگلوں میں پھٹکتے پھرتے  
تھے۔ دفعۃً اللہ تعالیٰ نے فضل فرما دیا۔ پس تم بھی اگر ایسی استعداد حاصل کر لو تو بے شک  
ایک نظر ہی کافی ہوگی۔ پیاس لگا لو، پانی بہت ہے۔ (الصیام ج ۱۰)

## صحبت کے ثمرات

آب کم جو تشنگی آور بدست۔ پانی مت ڈھونڈو، پیاس پیدا کرو۔ پانی بہت ہے۔

جمال ہمنشین درمن اثر کرد

گلے خوشبوئے درحمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم  
بدو گفتم کہ مشکى یا غیرے کہ از بوئے دلاویز تو مستم  
بگفتا من گل ناچیز بودم لیکن مدتے با گل نشستم  
جمال ہم نشین درمن اثر کرد

وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(میرے ہمنشین پھول نے میرے اندر اثر ڈال دیا حمام خانہ کی خوشبودار مٹی ایک دن میرے محبوب کے ہاتھ سے مجھے ملی میں نے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری خوشبو سے میں مست ہو رہا ہوں کہا کہ میں ایک ناچیز مٹی ہوں لیکن کچھ مدت تک پھول کی صحبت میں رہی ہوں، میرے ہمنشین پھول نے میرے اندر اپنا اثر ڈال دیا ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جو پہلے تھی) بس یہ تھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس دولت۔ کسی کی طویل صحبت تھی کسی کی کم۔ مگر کمال سے کوئی بھی خالی نہیں رہا۔ البتہ اکملیت کے مراتب میں تفاوت تھا۔ چاہے زبان حاصل کی ہو یا نہ کی ہو۔ کمال تو ہر شخص نے حاصل کر لیا تھا۔ زبان اور چیز ہے کمال اور چیز ہے۔ اب کتابیں تو بہت سی پڑھ لیتے ہیں لیکن اہل مہارت کی صحبت میں رہنے کا بالکل اہتمام نہیں جہاں تم نے کتابیں پڑھی تھیں اگر کسی مربی کی صحبت میں اٹھائے ہوتے تو اپنے کو کبھی اہل مہارت میں سے نہ سمجھتے بھائی تم تو پہلے مربی بننا چند روز کے لئے اپنے آپ کو کسی مربی کی سپردگی میں دیدو۔ وہ تمہیں تاؤ دے دیکر مربی بنائے گا۔ جب خوب گھل جاؤ گے اور مربی بنانے والے بھی تصدیق کر دیں گے کہ ہاں اب مربی بن گئے تب مربی بنو گے۔ تمہارا خود ہی یہ سمجھ لینا کہ ہم اب مربی ہو گئے ہرگز کافی نہیں کیونکہ اے مربی! تیرے پاس کوئی ایسی مہک اور کوئی ایسا معیار نہیں جس سے تو یہ جانچ لے کہ میں مربی ہو گیا۔ جب تیرے پاس کوئی مہک اور معیار نہیں تو تو اپنی ذات کو بلا آلہ کے دیکھے گا تو تو اپنے نفس کو دیکھے گا اپنے نفس ہی سے، جو ناقص ہے اور مربی تیرے نفس کو دیکھے گا اپنے نفس سے اور وہ ہے کامل۔ لہذا اس کی جانچ معتبر ہوگی اور تیری جانچ ہرگز معتبر نہ ہوگی کیونکہ اس کے پاس تو آلہ شناخت ہے اور تیرے پاس کوئی آلہ شناخت ہے نہیں۔ (رمضان فی رمضان ج ۱۰)

## کشف سے متعلق وضاحت

کشف دلیل بزرگی اور مقبولیت کی نہیں۔ اس کی بناء محض مجاہدہ اور کثرت ریاضت پر ہے اکثر ہنود کو بھی ہونے لگتا ہے اور مرنے کے بعد تو سب ہی کو ہوگا۔ البتہ اہل کشف کو اس اعتبار سے ضرور فضیلت ہے کہ دنیا میں رہ کر جو ذوق ان کو حاصل ہے دوسروں کو نہیں اور کشف کی حقیقت معلوم ہو جانے سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بعض ناواقف لوگ جو کشف کے درپے ہوتے ہیں اور اس کو بڑی چیز سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کشف نہ ہونے کی صورت میں اگر عمل ہو تو وہ زیادہ کمال کی بات ہے۔ چنانچہ خداوند جل و علا جائے مدح فرماتے ہیں۔ الذین یؤمنون بالغیب (جو لوگ غیبت پر ایمان لاتے ہیں)

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ای الخلق اعجبہم ایماناً۔ یعنی تمام خلق میں سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا الملائکۃ یا رسول اللہ! الخ، یعنی فرشتوں کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ایمان نہ لانے کی کیا وجہ ہوتی جب کہ ہر وقت کلام و احکام سے مشرف ہوتے ہیں۔ صحابہؓ نے کہا کہ پھر انبیاء علیہم السلام کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا وہ کیوں ایمان نہ لاتے۔ ہر وقت تو ان پر وحی نازل ہوتی ہے صحابہؓ نے کہا کہ پھر ہمارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیوں ایمان نہ لاتے۔ ہر وقت مجھے دیکھتے ہو۔ مجھ سے سنتے ہو آخر صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے جنہوں نے نہ مجھ کو دیکھا ہوگا نہ نزول قرآن کی کیفیت دیکھی ہوگی۔ محض چند لکھے ہوئے کا غد دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔

مقصود اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ مکاشفہ کی نسبت عدم مکاشفہ کی حالت زیادہ افضل اور اسلم ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مطلقاً غیر مکاشفین مکاشفین سے افضل ہیں۔ اگر اہل کشف میں اور فضائل بھی ہوں جیسے انبیاء علیہم السلام تو وہ افضل ہوں گے اور اعجب

ہونا دوسری بات ہے۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

## تصرفات مشائخ

اکثر محققین صوفیاء نے مریدوں پر متعارف توجہ دینے کے طریق کو بالکل ترک فرما دیا۔ وجہ یہی ہے کہ اس طریق توجہ میں مریدوں کے اندر کسی کیفیت کے القاء کے لئے اس قدر استغراق کرنا شرط تصرف ہے کہ بجز اس مقید القاء کے کسی طرف التفات نہ ہو اور تمام تر خیالات سے بالکل خالی ہو جائے۔ حتیٰ کہ واقعی اس وقت حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ کم ہو جاتی ہے۔ سو اس قدر توجہ مستغرق خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ان کو غیرت آتی ہے اور ان پر سخت گراں گزرتا ہے کہ یہ شخص خدا سے بالکل غائب ہو جائے۔

فرمایا کہ ایک ضرر شیخ کو توجہ متعارف میں یہ ہوتا ہے کہ اپنے تصرفات دیکھ کر چند روز میں عجب پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ ضرر ہوتا ہے کہ اس متعارف طریق توجہ سے شہرت ہو جاتی ہے۔ اور جس شہرت کے اسباب مقدور التکر ہوں وہ اکثر مضر ہوتی ہے۔ تیسرا یہ ضرر ہوتا ہے کہ شیخ اگر ضعیف القوی ہو تو بیمار پڑ جاتا ہے۔

یہ تین ضرر شیخ کو ہوتے ہیں اور مرید کو یہ ضرر ہوتا ہے کہ وہ شیخ پر اتکا کر لیتا ہے اور خود کچھ نہیں کرتا۔ اس لئے اس کی نسبت محض انعکاسی ہوتی ہے اکتسابی نہیں ہوتی اور نسبت انعکاسی کو قیام نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ توجہ تو خود حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ غطنی فبلغ منی الجهد سو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس غط کو توجہ کہنا محض بے دلیل ہے اس کا حاصل صرف الصاق بالصدر مع شدت ہے نہ کہ توجہ متعارف اور اگر تسلیم بھی کیا جائے تو ممکن ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو بوجہ قوت ملکی توجہ میں اس قدر استغراق کی ضرورت نہ ہوئی ہو جو توجہ الی الحق کو مانع ہو۔ وذاک لا یضر (اور یہ مضر نہیں)

اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ منفعل کی تفاوت استعداد سے کسی وقت کمال استغراق کی ضرورت نہ ہو۔ تو جواب یہ ہے کہ فاعل کو ہر صورت میں کمال استغراق کی ضرورت ہوگی البتہ تفاوت استعداد سے منفعل میں فرق ہوگا کہ تام الاستعداد، سہولت اور جلد متاثر ہوگا اور ناقص الاستعداد بدیر متاثر ہوگا۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)



## توجہ الی اللہ

نفس توجہ اگرچہ زیبا ہو لیکن جب کہ اس نے خدا سے ہٹا دیا تو یقیناً زشت ہے۔ اسی طرح تصور شیخ کا شغل بھی محققین نے اکثر و کثرت کو بتلانا بالکل ترک کر دیا ہے۔ سبب یہی ہے کہ تصور شیخ میں مرید کی پوری توجہ شیخ کی طرف ہوتی ہے۔ ذات باری کی طرف بالکل التفات نہیں ہوتا اور یہ غیبت کا ملین کے ہاں جرم ہے خوب کہا ہے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہ کند و آگاہ نباشی  
(اس بادشاہ سے ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی غافل نہ رہنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ وہ متوجہ ہو اور تجھے خبر نہ ہو)

ممکن ہو کہ جس وقت یہ شخص پیر کے تصور میں مصروف ہے وہی وقت ادھر کی طرف کی توجہ کے نافع ہونے کا ہو۔ اسی کے جرم ہونے کو کہا گیا ہے۔

ہر آں کہ غافل از حق یک زماں ست در آں دم کافر است امانہاں ست  
(جو تھوڑی دیر کے لئے ہی حق تعالیٰ سے غافل ہے اتنی دیر کے لئے کافر ہے اگرچہ ظاہر نہیں ہے)  
کفر سے مراد فقہی کفر نہیں اصطلاحی کفر ہے اسی لئے اس سے کا ملین کی طبیعت اچھلتی ہے اور ان کو سخت وحشت ہوتی ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے اوجھڑی کہ اس کو حلال تو ضرور کہیں گے اگر غلاظت سے صاف ہو لیکن ایک لطیف المزاج آدمی سے پوچھو کہ اس کے خیال سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ اور صاحبو! اصل تو یہ ہے کہ جب ایک دل میں دو خیال نہیں آسکتے۔ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں پھر کیوں کر کہا جائے کہ جو توجہ کہ اس میں خدا تعالیٰ کا خیال ضعیف اور مخلوق کا خیال غالب ہو۔ پھر اس کو قصد پیدا کیا جائے، وہ مطلوب ہوگی۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

## ترغیب ذکر اللہ

اہل سلوک ابتداء میں یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو ذکر میں لذت آنے لگے اور جب لذت حاصل نہیں ہوتی تو پریشان ہوتے ہیں اور بعض اوقات ذکر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سخت غلطی ہے کیونکہ ذکر میں لذت آنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں کہ ذکر کی زیادتی

کرے جس قدر ذکر زیادہ ہوگا قلب زیادہ منقاد ہوگا۔ دوسرے خیالات کمزور پڑیں گے۔ ذکر میں خود بخود لذت حاصل ہوگی۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

## منازل سلوک کی ترتیب

سلوک کی ترتیب یہ ہے کہ اول کسی صاحب محبت کو ڈھونڈ کر اس کے پاس جا پڑو اور اس کی حسب ہدایت کام میں لگ جاؤ۔ ثمرات کے طالب نہ ہو خود بخود ہوں تو خدا کا فضل سمجھو۔ طاعت میں لذت نہ ہو تو اس کو چھوڑومت۔ کثرت سے ذکر کرو۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

اس میں قرآن بھی داخل ہے۔ اگر پڑھتے ہوئے طبیعت اکتانے لگے، تو اسی کی کثرت کرو۔ اگر الفاظ بھی صحیح نہ ہوں تو اپنے امکان بھر کوشش تصحیح کی کرو۔ اگر پوری کامیابی نہ ہو تو دلگیر مت ہو اسی طرح قبول ہے۔ الفاظ پر تو انہیں سے گرفت ہوگی جو الفاظ درست کر سکتے ہیں اور پھر نہیں کرتے۔ ورنہ زیادہ تر دیکھ بھال، اور چھان بین دلوں کی ہوگی۔ اگر موٹی زبان کا آدمی غلط پڑھتا ہے لیکن دل سے پڑھتا ہے تو خدا کے نزدیک یہ غلط اس صحیح سے ہزار درجہ بہتر ہے جس کی غرض ریایا اظہار کمال ہو۔

## خوف و حزن اور وساوس کا دفعیہ

خوف و حزن کے رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک تو اس کا تذکرہ نہ کرے اس کا سبق روزہ مرہ نہ پڑھا کرے۔ دوسرے یہ کہ اپنے ذہن کو اس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کرے اور کسی اور بات کی طرف لگائے۔ اسی سے صوفیائے کام لیا ہے۔ وساوس کے بارے میں کہ سالکین کو جو خطرات و وساوس پیش آیا کرتے ہیں اس کے علاج میں وہ عدم التفات ہی کی تعلیم دیا کرتے ہیں کہ ان کی طرف توجہ و التفات نہ کرو چاہے کفر ہی کے وسوسے کیوں نہ ہوں اور یہی علاج حدیث میں بھی آیا ہے مگر اہل ظاہر اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ عارفین ہی نے سمجھا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں حدیث متفق علیہ ہے۔

یاتی الشیطن احدکم فیقول من خلق کذا من خلق کذا حتی یقول من خلق ربک فاذا بلغه فلیستعذ باللہ ولینتہ۔ (تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آئے گا پس کہے گا کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا

اور فلاں چیز کو کس نے بنایا یہاں تک کہ کہے گا تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہئے اور چاہئے کہ وہ اس وسوسہ سے دور ہو جائے۔  
یہاں ولینۃ صیغہ امر ہے جس میں انتہا کا امر ہے اگر اس سے مراد انتہا عن الوسوسہ ہے کہ اس وسوسہ سے رک جائے تو لازم آئے گا۔ کہ وسوسہ امر اختیاری ہو حالانکہ وسوسہ امر غیر اختیاری ہے اور اگر یہ مراد نہیں تو پھر کیا مراد ہے۔

عارفین کہتے ہیں کہ ولینۃ سے مراد انتہا عن الالتفات ہے کہ اس کی طرف التفات نہ کرے اور التفات امر غیر اختیاری ہے اس سے معلوم ہوا کہ عدم التفات کو دفع وساوس میں خاص دخل ہے۔ یہ تو حدیث سے استدلال تھا۔ آگے تجربہ شاہد ہے کہ عدم التفات سے بڑھ کر اس کا کوئی علاج نہیں اور جتنی تدابیر کی جاتی ہیں سب سے وسوسہ کو اضافہ ہی ہوتا ہے کیونکہ ان تدابیر میں اس طرف التفات ہوتا ہے کہ ہم وسوسہ کو دفع کرنا چاہتے ہیں اور اتنا التفات بھی غضب ہے۔ بس التفات کے وقت یہ حال ہوتا ہے کہ

ترپوگے جتنا جال کے اندر جال گھسے گا کھال کے اندر  
وسوسہ کی مثال تار برقی جیسی ہے کہ اس کو نہ تو پکڑنے کے واسطے ہاتھ لگاؤ نہ ہٹانے کے واسطے ہاتھ لگاؤ۔ بلکہ اس سے دور ہی رہو۔ جو لوگ وسوسہ کی طرف التفات کرتے ہیں ان کو غلطی یہ پیش آتی ہے کہ وہ وسوسہ کو مضرب سمجھتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ ہم سے وساوس پر مواخذہ ہوگا۔ اس لئے ان پر غم سوار ہو جاتا ہے اور وہ اس سے عدم التفات پر قادر نہیں رہتے۔ حالانکہ نص صریح موجود ہے لا یكلف اللہ نفسا الا وسعہا (کسی شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) اور ظاہر ہے کہ وسوسہ کا نہ آنا قدرت سے خارج ہے۔  
دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذاک صریح الایمان۔ (یہ صریح ایمان ہے) اس سے زیادہ اور کیا اطمینان چاہتے ہو۔ (عصم الصوف ج ۱۰)

## تزکیہ اور باطن

تزکیہ لغت میں کہتے ہیں میل کچیل سے کسی شے کو صاف کر لینے کو اور یہ ظاہر ہے کہ جیسی شے ہوگی اسی طرح کا اس کا تزکیہ ہوگا۔ مثلاً کپڑا یا برتن یا بدن اگر آلودہ نجاست و میل

کچیل ہے تو اس کا تزکیہ یہی ہے کہ پانی سے اس کی تطہیر و تنظیف کر لی جائے اور مکان میں اگر کوڑا کرکٹ جمع ہے تو اس کا تزکیہ یہ ہے کہ اس میں جھاڑو دی جائے۔ غرض! جس قسم کی شے ہے ویسا ہی اس کا تزکیہ ہوگا اور ظاہری گندگی سے پاک کرنا تزکیہ ظاہری ہوگا۔  
باطنی نجاست سے صفائی کرنا تزکیہ باطنی ہوگا۔

تزکیہ ظاہری کی طرف سے اس قدر بے اتفاقی نہیں ہے جس قدر کہ لوگوں کو تزکیہ باطنی سے ہے۔ اس لئے کہ جن چیزوں سے تزکیہ ظاہری کا تعلق ہے ان میں سے بعض سے بچنا طبعی امر ہے اور بعض سے شرعی مثلاً قارورات سے اپنے بدن یا کپڑے کو بچانا امر طبعی ہے۔ یہاں طبع کا اقتضا ہے کہ ان چیزوں سے بچو اور بعض نجاست وہ ہیں کہ ان کو شریعت نے نجاست قرار دیا ہے۔ جیسے منی نکلنے سے تمام بدن کا تزکیہ کرایا ہے اور حیض و نفاس سے بھی تمام بدن دھلوا یا ہے۔ بہر حال تزکیہ ظاہری خواہ طبیعت کی وجہ سے یا شریعت کے اتباع سے ہو اس کا اہتمام اور اس کی ضرورت کو سب مسلمان تسلیم کرتے ہیں اور جانتے ہیں اور ان سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

بخلاف تزکیہ باطنی کے کہ بعض تو اس کی ضرورت ہی کو تسلیم نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں وہ اس کی طرف سے بے اتفاقی کرتے ہیں۔ ایسے افراد تو بہت پائے جائیں گے جو شراب سے بچیں گے پیشاب سے محترز ہوں گے۔ اگر کہیں چھینٹ لگنے کا احتمال بھی ہوگا تو تمام کپڑا ہی دھو ڈالیں گے لیکن ایسے بہت کم ہیں کہ ان کا تقویٰ اکل و شرب میں بھی پایا جاتا ہو۔ چنانچہ رشوت کا مال کھا جائیں گے۔ سود کی کچھ پرواہ نہیں کریں گے۔ قرض لے کر نہ دینے کو ریاست کا جزو سمجھیں گے۔ (العہد یب ج ۱۰)

## معرفت خداوندی

جس قدر معرفت بڑھتی ہے نظر صحیح ہوتی جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے حقوق اور عظمت کا مشاہدہ زیادہ ہوتا ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ اپنا عجز اور کوتاہی بھی ساتھ ساتھ بڑھے۔ پس سالک کی جس قدر معرفت بڑھے گی اس کو یہ معلوم ہوگا کہ میں ہیچ در ہیچ ہوں۔ اور میں نے راستہ کا ایک قدم بھی طے نہیں کیا اور خدا تعالیٰ کا ایک حق بھی ادا نہیں کیا۔ اگر خدا تعالیٰ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگیں تو کہیں ٹھکانہ نہیں۔ اس لئے کہ حقوق تو ہم ادا



کر ہی نہیں سکتے اسی واسطے اس کا مواخذہ نہ ہوگا کہ ہمارے حقوق پورے کیوں نہیں ادا کئے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ادائے حقوق میں کیوں نہیں لگے۔ (المحبیب ج ۱۰)

## دشنام محبت

بعض دفعہ قبض میں سالک یوں سمجھتا ہے کہ فرعون مجھ سے افضل ہے گو وہ کافر تھا مگر اس کو تو ایک دفعہ لا الہ الا اللہ کہنے سے نجات ہو جاتی ہے اور مجھے ہزار دفعہ بھی لا الہ الا اللہ کہنے سے اس مصیبت سے نجات نہیں ہوتی چنانچہ بعض نے اس حالت میں خودکشی بھی کر لی ہے ان کو مستہلکین کہا جاتا ہے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا ان کو عذاب ہوگا۔ فرمایا جاننا لم! وہ تو خدا کی محبت میں شمشیر عشق سے جان دے رہا ہے اور تجھے فتوے کی سوچھی ہے اس شعر میں اسی کا فیصلہ ہے۔

گر خطا گوید ورا خا طمی مگر در شود پر خود شہیدا ورامشو  
خود شہیدان راز آب ولی ترست اس خطا از صد ثواب اولی ترست  
”اگر کوئی غلطی کرے تو اس کو خطا وار نہ کہو اور شہید اگر خون میں نہا جائے تو اس کو غسل مت دو۔ شہداء کا خون آب حیات سے بہتر ہے اور یہ خطا سو ثوابوں سے بہتر ہے“

اس حالت میں جو شخص خودکشی سے مر جائے معذور ہے گو ماجور نہیں مگر مازور بھی نہیں یہ تین لفظ بھی میں نے مفہمی اختیار کئے ہیں تین حالات کے اعتبار سے یعنی اگر کوئی شخص حدود شرعیہ سے باختیار خود نکلے وہ تو مازور ہے (گنہگار ہے) اگر بلا اختیار نکلے معذور اگر حدود کے اندر ہے ماجور ہے (اس کو ثواب ملے گا ترقی ہوگی) باطن کے مصائب میں سے ایک یہ صورت بھی ہے کہ ایک سالک کو اثناء ذکر میں آواز آئی۔ جو چاہے کہ تو تو کافر ہو کر مرے گا، اس آواز سے وہ سہم گیا شیخ کے پاس گیا اور سارا حال عرض کیا سبحان اللہ شیخ بھی کیسی دولت ہے جس کو میسر ہو فرمایا گھبراؤ نہیں یہ دشنام محبت ہے محبوبوں کی عادت ہے کہ عشاق کو یوں ہی تنگ کیا کرتے ہیں اس پر سوال ہوتا ہے کہ یہ بات جھوٹ تھی اگر ایسا ہے تو معاذ اللہ حضرت حق کی طرف کذب کی نسبت لازم آتی ہے علماء ظاہر تو امکان کذب ہی میں آج تک لڑ رہے ہیں اس میں تو وقوع کذب لازم آ گیا اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کذب نہیں کیونکہ کافر باصطلاح صوفیہ بمعنی فانی ہے خسرو فرماتے ہیں۔

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ہر رگ من تار گشتہ حاجت ز نار نیست  
 ”میں عشق میں فانی ہوں بقا مجھے درکار نہیں ہے میری ہر رگ تار بن چکی ہے  
 مجھے زنا کی ضرورت نہیں ہے“

اے فانی عشقم تو اس غیبی آواز کا مطلب یہ ہوا کہ جو چاہے عمل کر تو فانی ہو کر مرے گا  
 اب یہ کلام ایسا ہو گیا جیسا حدیث میں آیا ہے لعل اللہ اطلع الی اہل بدر فقال  
 اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم اور صوفیہ نے یہ اصطلاح لغت سے لی ہے کیونکہ  
 لغت میں کفر بمعنی متہ ہے اور فانی بھی اپنی ہستی کا ستر ہے صوفیہ کی اصطلاحات کہیں لغت  
 سے ماخوذ ہیں کہیں عرف عام سے کہیں فلسفہ سے کہیں علم کلام سے کہیں کسی اور فن سے اور یہ  
 خلط بحث انہوں نے اس لئے کیا تا کہ اسرار پر پردہ پڑا رہے نا اہل تک نہ پہنچ جائیں کیونکہ  
 بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیر دور رنج خود پرستی  
 ”ظاہر پرستوں کے سامنے اسرار عشق و مستی مت بیان کرو بلکہ ان کو اپنے رنج و مزرے دو۔“  
 اسی لئے ان علوم و اسرار کو برسر منبر بیان کرنے کی ممانعت ہے یعنی بلا ضرورت  
 بیان نہ کرے اور میں اس وقت ضرورت سے بیان کر رہا ہوں۔ غرض یہ غیبی صدا  
 صوفیہ کی اصطلاح میں تھی عام اصطلاح میں نہ تھی اور یہ عنوان مزاح کیلئے اختیار کیا  
 گیا تا کہ ذرا تھوڑی دیر کو عاشق پریشان ہو جائے۔ (الرابطہ ج ۱۱)

### وحدة الوجود

تصوف کی یہی حقیقت ہے کہ طلب پیدا کرے اور عمل کا اہتمام کرے تصوف کوئی  
 دشوار چیز نہیں متقدمین نے صوفی کی تفسیر عالم باعمل سے کی ہے۔ مگر آجکل لوگوں نے اس کو  
 ہوا بلکہ بدنام بنا دیا ہے یہاں تک کہ ایک عیسائی انگریز بھی کہنے لگا کہ ہم تو تین ہی خدا کے  
 قائل ہیں اور تمہارا ٹوپی (صوفی) تو ہر چیز کو خدا کہتا ہے۔ یہ وحدة الوجود کے مسئلہ کو بگاڑا ہے  
 اور غضب ہے کہ بہت سے جہلاء وحدة الوجود کے معنی یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ ہر چیز خدا ہے  
 حتیٰ کہ میں نے فرنگی محل میں ایک مولوی صاحب کو درس میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ نعوذ باللہ  
 واجب الوجود کلی طبعی ہے جزئی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ کلی طبعی کا وجود جداگانہ نہیں ہوتا بلکہ  
 افراد کے ضمن میں ہوتا ہے تو نعوذ باللہ خدا کا وجود مستقل کوئی نہیں بلکہ موجودات کے ضمن ہی

میں ہے یہ وحدۃ الوجود نہیں بلکہ کفر صریح ہے وحدۃ الوجود تو یہ ہے کہ اپنی ہستی کو مٹا کر خدا کی ہستی کا مشاہدہ کرے نہ یہ کہ خدا کی ہستی کو مٹا کر اپنی ہستی کا مشاہدہ کرے۔ ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ منصور نے بھی انا الحق میں خدا ہوں کہا اور فرعون نے بھی انا ربکم الاعلیٰ میں تمہارا بلند مرتبہ والا رب ہوں کہا جس کا حاصل انا الحق ہی ہے پھر وہ مقبول ہوئے یہ مردود ہوا اس کی کیا وجہ الہام ہوا کہ منصور نے اپنے کو مٹانے کیلئے انا الحق کہا تھا اور فرعون نے ہم کو مٹانے کیلئے انا الحق کہا تھا اس لئے وہ مقبول ہوا یہ مردود ہوا مولانا اسی کو فرماتے ہیں

گفت منصورے انا الحق گشت مست      گفت فرعونے انا الحق گشت پست  
رحمۃ اللہ آں انا را در وفا      لعنت اللہ ایں انا را در فقا

”منصور نے انا الحق (میں خدا ہوں) کہا مقبول ہوا فرعون نے انا الحق کہا مردود ہوا۔  
راہ وفا میں انا (میں) کہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور راہ جفا میں انا کہنا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے“

## اصلاح نفس

ہمیشہ نفس کو بد پرہیزی سے بچانا چاہیے کہ احکام الہیہ کی مخالفت نہ کرے اور صوفیہ نے یہ سب طریقے حدیثوں سے معلوم کر کے مقرر کئے ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے حاسبوا قبل ان تحاسبوا اس میں محاسبہ کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں ہے من استطاع منکم البائة فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء جو تم میں سے نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ شادی کر لے اور جو استطاعت نہیں رکھتا اسے چاہئے کہ روزہ رکھے کیونکہ وہ اس کی رگ شہوت کو مل دے گا۔ (المرابطہ ج ۱۱)

## اصلاح نفس بہ واسطہ روزہ

جو شادی کر سکے وہ نکاح کرے اور جس کو اس کی وسعت نہ ہو وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کی رگ شہوت کو مل دیگا یہ مجاہدہ ہے اور ترک جمعہ پر تصدیق دینا رکامر ہے یہ معاقبہ ہے اسی طرح نصوص میں غور کرنے سے سب کی اصل مل سکتی ہے۔ (المرابطہ ج ۱۱)

## علاج الغضب

بعض لوگ غلبہ غضب کی شکایت لے رہے ہیں تو ان سے یہ سوال کرتا ہوں کہ غضب

اختیاری ہے یا غیر اختیاری وہ کہتے ہیں کہ غیر اختیاری ہے پھر سوال کرتا ہوں کہ اس کے مقتضا پر عمل کرنا اختیاری یا غیر اختیاری وہ کہتے ہیں کہ اختیاری ہے اس پر میں کہتا ہوں کہ جب یہ اختیاری ہے تو بس غضب کے مقتضا پر عمل نہ کرو یہاں تک تو تبلیغ ہے اور یہی شیخ کے ذمہ ہے آگے طالب کا کام ہے کہ ہمت کر کے غضب کے مقتضا پر عمل نہ کرے مگر شفقت کے طور پر بعض کو سہولت کا طریقہ بھی بتلا دیتا ہوں مثلاً یہ کہ اس جگہ سے خود ہٹ جائے یا مخاطب کو الگ کر دے اگر قدرت ہو۔ اگر قدرت نہ ہو تو خود ہی الگ ہو جائے۔ اور بعض طریقے غصہ کم کرنے کے حدیث میں بھی آئے ہیں مثلاً یہ کہ پانی پی لے وضو کر لے یا اعوذ باللہ پڑھ لے مگر یہ طریق لطیف ہیں جو لطیف طبائع کے مناسب ہیں آج کل طبائع کثیف ہیں اس لئے سخت تدابیر کی ضرورت ہے جن میں سے ایک تدبیر وہ ہے جو میں نے بیان کی کہ وہاں سے ہٹ جائے یا مخاطب کو الگ کر دے اور یہ زیادت علی الحدیث نہیں ہے بلکہ اسی سے مستنبط ہے کیونکہ ان سب تدابیر کا راز یہ ہے کہ غصہ کے وقت توجہ کو ہٹانا اور دوسری طرف متوجہ کر دینا غصہ کم کر دیتا ہے پس توجہ کے ہٹانے کی جو صورت بھی ہوگی وہ حدیث ہی کے تحت میں ہوگی۔ رہا صورتوں کا بدلنا یہ تبدیل علاج بہ تبدیل مزاج میں داخل ہے آج کل کی طبائع ایسی کثیف ہیں کہ اعوذ باللہ تو کیا سارا قرآن بھی پڑھ دو جب بھی اثر نہ ہو کیونکہ لوگ آج کل محض زبان سے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں دل سے نہیں پڑھتے ہماری تو حالت یہ ہے۔

اللہ اللہ می کنی بہر زبان بے طمع پیش آو اللہ رانجواں

(المرابطہ ج ۱۱)

## غم کا علاج

یہی صرف توجہ بڑا علاج ہے۔ غم کا جس وقت کسی کے یہاں موت ہو جاتی ہے تو میں یہی علاج بتلاتا ہوں کہ اس واقعہ کا تذکرہ نہ کرو غم کو تازہ نہ کرو واقعہ کو سوچو نہیں اس سے بہت جلد غم زائل ہو جاتا ہے۔ (المرابطہ ج ۱۱)

## مجاہدہ نفس کی ضرورت

مجاہدہ نفس اور مخالفت نفس یہ بات بہت قابل قدر ہے اس کو معمولی نہ سمجھئے۔ اب تجربہ سے



اس کی ضرورت کو معلوم کیجئے کہ یہ تو سب مسلمان جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے اور نماز پڑھنے کو بہت لوگوں کا جی بھی چاہتا ہے ترک صلوٰۃ سے ان کا دل بھی برا ہوتا ہے مگر پھر بھی بہت لوگ نماز نہیں پڑھتے باوجودیکہ سب کو عقیدہ فرضیت صلوٰۃ کا حاصل ہے۔ اسی طرح بعض ارادہ کر کے پڑھتے بھی ہیں مگر وہ ارادہ بعض عوائق سے مضحمل ہو کر موثر نہیں رہتا اور اس وجہ سے نماز پر دوام نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدور و دوام اعمال کے لئے صرف اصلاح عقائد یا ارادہ ضعیفہ کافی نہیں ہے بلکہ کسی اور شے کی ضرورت ہے جس کے بعد صدور و دوام و رسوخ اعمال ضروری ہے اور وہ تکمیل اعمال کا موقوف علیہ ہے اور وہ شے مجاہدہ نفس اور مخالفت نفس ہے۔ (المجاہدہ ج ۱۱)

## نظر بد

مثلاً بعض لوگ نظر بد کے گناہ میں مبتلا ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نگاہ نیچی رکھو اور مت دیکھو کیوں کہ دیکھنا اختیاری امر ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نظر کے روکنے پر قادر نہیں مگر واللہ یہ جواب بالکل غلط ہے یہ شخص قادر ضرور ہے مگر وہ مشقت سے گھبراتا ہے اور یوں چاہتا ہے کہ بدون مشقت کے قادر ہو جاؤں اس کے نزدیک قدرت کے معنی یہی ہیں کہ بدون مشقت کے آسانی سے کام ہو جائے سو اس معنی کو واقعی قادر نہیں مگر ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی یوں چاہے کہ بدون منہ میں لقمہ دیئے کھانا کھالوں اور جب اس طرح پیٹ نہ بھرے تو کہنے لگے کہ کھانا بہت مشکل ہے ہاتھ ہلاؤ روٹی تک لے جاؤ اس کو توڑو پھر لقمہ بناؤ منہ میں دو پھر چباؤ پھر نگلو۔ اگر اسی کا نام دشواری ہے کہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے تو واقعی نظر بد سے بچنا دشوار ہے اور تم اس کے روکنے پر قادر نہیں مگر اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ قدرت علی العمل کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اصلاً مشقت نہ ہو اور بجز عن العمل کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کسی قدر مشقت ہو جب یہ معنی مسلم نہیں تو وہ لوگ جو اپنے کو غص بصر سے عاجز کہتے ہیں غور کریں کہ ایسی حماقت میں مبتلا ہیں انہوں نے قدرت و بجز کی حقیقت ہی غلط سمجھ رکھی ہے ورنہ یہ لفظ کبھی زبان پر نہ لاتے کہ ہم غص بصر پر قادر نہیں۔ غرض لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بغیر مشقت کے نظر بد کو روک لیں سو قرآن میں اس کا ذمہ کہاں ہے وہاں تو مطلق حکم ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغْضُوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (مسلمانوں کو حکم دیدیجئے کہ

اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) یعنی خواہ تکلیف ہو یا نہ ہو مشقت ہو یا نہ ہو کچھ پرواہ نہیں ان کو ہر حال میں غصہ بصر کرنا چاہیے بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ باوجود مشقت کے غصہ بصر کرنا چاہیے۔ اور اس مشقت کو برداشت کرنا چاہیے۔

## علاج امراض باطنہ

بس امراض باطنہ کے بھی علاج کا وہی طریقہ ہے جو امراض جسمانیہ کا ہے کہ جب مرض لاحق ہو اسی وقت اس سے دور رہنے اور بچنے کی تدبیر کرو اور اس کو لپٹانے کا بھی نام نہ لو اور گناہ سے بچنے میں کسی قدر مشقت ہوتی ہے مگر وہ تھوڑی دیر کی مشقت ہے پھر راحت ہی راحت ہوگی مثلاً کسی کو حسن پرستی کا مرض ہو تو اس کو چاہیے کہ حسین سے باتیں کرنا ملنا بلانا اس کو گھورنا بالکل چھوڑ دے کہ یہ سخت مضر ہے گو اس وقت ٹھنڈک پہنچتی ہے مگر اس کے بعد جڑ مضبوط ہو جاتی ہے اور عمر بھر کی مصیبت جان کو لگ جاتی ہے چونکہ اس وقت مجھے زیادہ تر فروع ہی کا بیان مد نظر ہے اس لئے چند فروع مجاہدہ کی اور بھی بیان کرتا ہوں مثلاً غضب کے روکنے میں بعض وقت تکلیف ہوتی ہے اور یہ مجاہدہ ہے مگر اس کے بعد ایک خاص فرحت و راحت ہوتی ہے اور اگر غصہ کو نہ روکا گیا بلکہ جو زبان پر آیا کہتا گیا تو اس وقت تو نفس خوش ہوتا ہے مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد دل میں کدورت ہوتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہی نفس جو پہلے بہکا رہا تھا بعد میں ملامت کرتا ہے اور اس کے بعد غصہ کے نتائج بد دیکھ کر تو بہت ہی قلق ہوتی ہے گو نفس ان کی تاویلات بھی کرے مگر پھر بھی اس کو کدورت ضرور ہوتی ہے تجربہ کر کے دیکھا گیا کہ غصہ روکنا ہمیشہ اچھا ہوا اور جب اس کو جاری کیا گیا تو اس کا انجام ہمیشہ برا ہوا اور دل کو قلق بھی ہمیشہ ہوا جیسے مریض کو طبیب کہتا ہے کہ پرہیز کرو و واپس تو اس کو بد پرہیزی سے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے کیونکہ بد پرہیزی کا برا انجام بہت دنوں تک رہتا ہے اسی طرح گناہ کر کے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ گناہ کے بعد نفس خود اپنے کو ملامت نہ کرے پھر بعضے اس ندامت کے بعد ہمیشہ کے لئے گناہ سے توبہ کر لیتے ہیں اور بعضے ایک بار توبہ کر کے پھر گناہ کرتے ہیں توبہ کرتے ہیں تو یہ تو دل لگی ہوئی اگرچہ یہ ثابت ہے کہ توبہ اگر سو بار بھی ٹوٹ جائے تب بھی قبول ہو جاتی ہے مگر یہ شرط تو ضروری ہے کہ توبہ کی حقیقت تو پائی جائے مگر اکثر حالت تو یہ ہے کہ جو لوگ ایک گناہ سے بار

بارتوبہ کرتے ہیں ان کی توبہ صرف زبانی ہوتی ہے ورنہ عین توبہ کے وقت بھی ان کا یہ عزم ہوتا ہے کہ یہ گناہ پھر بھی کریں گے میں اسی کو دل لگی کہہ رہا ہوں۔ اس لئے جب کوئی شخص اعمال صالحہ کا قصد کرے یا اصلاح نفس کا ارادہ کرے تو وہ اپنے کو اس کام کے لئے پہلے تیار کر لے کہ اول اول مشقت برداشت کرنا اور نفس کی مخالفت کرنا پڑے گی پھر مجاہدہ و مخالفت نفس کے مراتب مختلف ہیں ایک مرتبہ مبتدی کے مجاہدہ کا ہے ایک منتہی کے مجاہدہ کا ہے۔ مبتدی کو تو مجاہدہ میں اول اول دشواری زیادہ ہوتی ہے اور منتہی چونکہ اپنے نفس کو مہذب کر چکا ہے اس سے اعمال صالحہ بلا تکلف صادر ہونے لگتے ہیں۔ (المجاہدہ ج ۱۱)

## اخلاق طبعیہ مجاہدہ سے زائل نہیں ہوتے

اب یہاں سے میں سالکین کی ایک غلطی پر تنبیہ کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ بعض دفعہ مہذب نفس بھی شوخی شرارت کرنے لگتا ہے سو بعض لوگوں کو یہ حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نفس میں کوئی برا میلان دیکھ کر بڑے گھبراتے ہیں کیونکہ ان کے ذہن میں یہ جم گیا ہے کہ مجاہدہ سے اخلاق رذیلہ بالکل زائل ہو جاتے ہیں اور منشا اس خیال کا یہ ہے کہ اکثر وسط طریق میں وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ تقاضائے معاصی گویا بالکل نہیں رہا حالانکہ اخلاق طبعیہ مجاہدہ سے زائل نہیں ہوتے بلکہ مغلوب و مضحمل ہو جاتے ہیں اور اکثر سلوک کے وسط میں غلبہ حالات و کیفیات کی وجہ سے بہت زیادہ مغلوب و مضحمل ہو جاتے ہیں اس طرح کو زائل معلوم ہونے لگتے ہیں پھر انتہا میں جب غلبہ حالات کم ہو جاتا ہے اور تمکین حاصل ہوتی ہے تو اخلاق طبعیہ پھر ابھرتے ہیں اس وقت سالک گھبراتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ افسوس ہنوز روز اول ہی ہے میرا تو سارا مجاہدہ ہی بیکار گیا نفس تو اسی حالت میں ہے جس حالت میں پہلے تھا اور یہ رنج اس لئے مضر ہے کہ اس کے اس رنج و غم سے شیطان کو راہ ملتا ہے کہ وہ اس کو تعطل کی طرف لے جاتا ہے اور اس حالت میں اس شخص میں شکستگی بھی بے حد ہو جاتی ہے کہ بات بات میں کہتا ہے کہ میں کسی قابل نہیں ہوں اور ظاہر میں تو یہ تو اضع ہے مگر اس میں رنگ شکایت کا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو بھلا کر یہ سمجھتا ہے کہ جب میرے اندر گناہ کا تقاضا موجود ہے تو اب میرے پاس کوئی نعمت نہیں حالانکہ یہ سخت ناشکری ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ شخص اپنی تمام ریاضات گذشتہ کو یاد کر کے اپنے دل میں یوں کہتا ہے کہ میں بڑا بد قسمت ہوں کہ اتنی محنت کے

بعد بھی مجھے ناکامی ہی رہی بس اب میرے واسطے کیا رہا کچھ نہیں۔ اور بعض اوقات یہ شخص اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر نفس کو بالکل آزادی دے دیتا ہے کہ جب مجاہدات کے بعد یہی ناکامی ہی ہے تو نفس کو مصیبت میں کیوں ڈالا یہ شخص اس غلطی میں اس لئے مبتلا ہوا کہ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میں مجاہدہ کر کے تقاضائے گناہ سے بھی معصوم ہو گیا اور اب میرے اندر سے اخلاقِ رذیلہ بالکل نکل گئے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کشاکش ہمیشہ رہتی ہے ہاں مبتدی جیسی نہیں رہتی اس لئے میں کہتا ہوں کہ اعمالِ صالحہ کا جب قصد کرے تو اول ہی سے نفس کو یہ سمجھالے کہ ان اعمال میں مشقت ہمیشہ رہے گی اور عمر بھر مجاہدہ کرنا ہوگا اور یہاں سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ شیخ کتنی بڑی نعمت ہے کہ وہ کیسے کیسے عقبات سے سالک کو نکالتا ہے اور اس کا عقبات سے نکالنا یہی ہے کہ وہ حقائقِ صحیحہ پر مطلع کرتا اور غلط اعتقادات سے بچاتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

گر ہوئے اس سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس برآ  
بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق  
”اگر اس سفرِ عشق پر روانہ ہونے کی خواہش رکھتا ہے تو مرشد کا دامن پکڑ لے اور آ جا بلا  
مرشد کے جس نے طریقِ عشق میں قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی ہے اور عشق سے آگاہ نہ ہوا“  
اور فرماتے ہیں۔

صد ہزاران دام و دانہ ست اے خدا ماچو مرغان حریص بے نوا  
بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد یہ ہمش ورق  
”اے خدا لاکھوں دام اور دانے والے موجود ہیں اور ہماری حالت مرغانِ حریص کی ہے  
بغیر حق سبحانہ تعالیٰ اور خاصانِ حق کی مہربانی کے اگر فرشتہ بھی ہوگا تو اس کا نامہ اعمال سیاہ رہے گا“  
خدا کے خاص بندوں کی کسی پر عنایت ہو جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔  
بہر حال خوب سمجھ لو کہ اعمالِ صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اعمالِ نفس کی  
خواہش کے خلاف ہیں نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر اس لئے  
مخالفتِ نفس کی عمر بھر ضرورت ہے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔ (المجاہدہ ج ۱۱)

## اصلاحِ نفس

ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے ایسا وظیفہ بتلا دو جس سے نمازِ قضا نہ ہو میں نے کہا



کہ اگر وظیفہ قضا ہونے لگا تو اس کے واسطے دوسرا وظیفہ پڑھو گے پھر اس کے واسطے تیسرا یہ تو سلسلہ غیر متناہی چلے گا اس کا علاج تو یہ ہے کہ جس دن نماز قضا ہو اس دن بھوکے رہو یا ۸، ۴ صدقہ کرو اور یہ صدقہ نہ تو اتنا زیادہ ہو جس کا تحمل نہ ہو نہ اتنا کم ہو جس کی نفس کو خبر بھی نہ ہو بلکہ درمیانی درجہ کا ہو جس سے نفس پر کسی قدر گرانی ہو اور اس سے کہہ دو کہ جب تو نماز قضا کرے گا میں تجھ کو یہی سزا دوں گا۔ اور یہ علاج میں نے یا صوفیہ نے اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا بلکہ نصوص سنت میں اس کی اصل موجود ہے حدیث میں ہے من قال تعال اقامرک فلیصدق یعنی جس کی زبان سے یہ کلمہ نکل جائے کہ آؤ جو اکھیلیں وہ صدقہ کرے اسی طرح حیض کے زمانہ میں غلطی سے جماع ہو جائے تو وہاں بھی صدقہ کا حکم ہے ابتدائے حیض میں ایک دینار اور آخر میں نصف دینار۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے نفس پر زیادہ مشقت پڑتی ہے وہ اس سے بچنے کے لئے تھوڑی مشقت کو برداشت کر لیتا ہے اور یہ کام اس سے چھوٹ جاتے ہیں تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مواقع کے لئے کوئی وظیفہ نہیں بتلایا بلکہ ایسا علاج بتلایا جس میں نفس کو مشقت ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصلاح نفس کا طریقہ مجاہدہ ہی ہے وظیفوں سے اصلاح نہیں ہوا کرتی۔

### اعتدال مجاہدہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا یعنی خدا کے خاص بندے وہ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ وہ خرچ کے درمیان میں معتدل ہوتا ہے پس مجاہدہ میں بھی اعتدال کی رعایت کرنا چاہیے۔ مگر اس اعتدال کو بھی آپ اپنی رائے سے تجویز نہ کیجئے کیونکہ بیمار کی رائے بیمار ہوتی ہے اس طریق میں اپنی رائے سے کامیابی نہیں ہوتی۔

فکر خود دورائے خود رز عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی و خود رائی  
 ”اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں اس راہ میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے“  
 اب یہاں ایک بات اور سمجھئے کہ مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک مجاہدہ جسمانی کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے مثلاً نوافل کی تکثیر سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے حرص طعام وغیرہ کم کرنا اور ایک مجاہدہ بمعنی مخالفت نفس ہے کہ جس وقت نفس معصیت پر

داعی ہو اس وقت اس کے تقاضے کی مخالفت کرنا اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے اور پہلا مجاہدہ بھی اسی کی تحصیل کے واسطے کیا جاتا ہے کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا تو اس کو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی۔ لیکن اگر کسی کو بدون مجاہدہ جسمانیہ کی مخالفت نفس پر قدرت ہو جائے تو اس کو مجاہدہ جسمانیہ کی ضرورت نہیں مگر ایسے لوگ شاذ و نادر ہیں اسی واسطے صوفیہ نے مجاہدہ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے اور ان کے نزدیک اسی کے چار ارکان ہیں ترک طعام، ترک کلام، ترک منام، و ترک اختلاط مع الانام اور ترک سے مراد تقلیل ہے ترک کلی مراد نہیں۔ جو شخص ان ارکان اربعہ کا عادی ہو جائے گا واقعی وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو جائے گا کہ تقاضائے معصیت کو ضبط کر سکے گا

## راحت کی جگہ عالم آخرت ہے

آج کل بعض سالکین کو سہولت کی بہت تلاش ہے جس کی وجہ صرف راحت طلبی ہے جیسے ایک طبیب ماہر کہتا ہے کہ کوئی صورت ایسی ہوتی کہ سارا کھانا ایک دم سے پیٹ میں اتر جایا کرے لقمہ لقمہ نہ کھانا پڑے تاکہ داخل طعام نہ ہو، خیر اس شخص کی اس رائے کی بنا تو ایک مصلحت بھی ہے لیکن آج کل تو ایسا ممکن بھی ہوتا تو اس کی بنا راحت طلبی ہی ہوتی۔ افسوس آج کل سالکین بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے خود بخود سارا کام ایک دن میں ہو جائے یہ سخت غلطی ہے! غلطی کی جگہ تو عالم آخرت ہے اور وہاں بھی جو راحت حاصل ہوگی وہ بھی دنیا کی جہد کا ثمرہ ہے۔ (التحصیل والتسہیل مع التعمیل والتعدیل ج ۱۱)

## درجات اعمال

ہمارے احوال کے تین درجے ہیں جن کی ترتیب سمجھ لینی چاہیے اول درجہ تو یہ ہے کہ ابھی پہلی تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔ عوام الناس کی تو یہ حالت ہے اور یہ ہے قابل تبدیلی لیکن تبدیلی اول۔ باقی اول ہی سے دوسری تبدیلی کی کوشش نہ کرے اس واسطے کہ دوسری تبدیلی جب ہی معتبر ہے کہ جب بعد تبدیلی اول ہو اور اگر کہا جائے کہ اس کے عکس میں کیا حرج ہے کیونکہ کمال کی بات تو یہ ہے کہ مثلاً غصہ ہو اور اس غصہ کو نہ چلاوے تو یہ تو اب بھی ممکن ہے پھر تبدیلی اول کی تقدیم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سو حضرت قبل تبدیلی اول کے دوسری تبدیلی پر

قدرت حاصل کر لینا کارے دارد۔ یہ ایسا ہے جیسے بے قاعدہ بغدادی پڑھے کوئی سپارہ پڑھنے لگے تو کیا وہ سپارے پڑھنے پر قادر ہو جائے گا اور اگر کچھ شد بد پڑھ بھی لیا تو کیا اس سے مہارت کاملہ پیدا ہو سکتی ہے اسی طرح یہاں بھی گوشاذ و نادر کبھی ایسا بھی ہو گیا ہے کہ قبل تبدیل اول دوسری تبدیل پر ابتداء ہی قدرت حاصل ہو گئی ہے مگر یہ کرامت ہے خواہ سالک کی خواہ کسی شیخ کی اور کرامت دائم نہیں ہوا کرتی۔ (تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال)

## تصوف کا حاصل

تصوف کا حاصل یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کر لے اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضا کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچ جاوے دیکھئے یہ ہے تو چھوٹی سی بات کہنے میں مگر وقوع میں کتنی عظیم الشان ہے شیخ کا بس یہی کام ہے کہ وہ اس بات کے حاصل کرنے کی تدبیریں بتلاتا ہے اور کچھ نہیں کرتا۔ (تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال)

## اصطلاح قلندر

متقدمین کی اصطلاح میں تو قلندر وہ ہے جس میں اعمال غیر واجبیہ کی تقلیل ہو اور متاخرین نے اس کے معنی میں وسعت کی ہے یعنی قطع نظر اس سے کہ اعمال میں تقلیل ہو یا تکثیر ہو لیکن خلق سے آزاد ہو اور یہ دونوں اصطلاحیں جدا جدا ہیں لیکن ایک نکتہ کی بنا پر یہ دونوں اصطلاحیں متوافق بھی ہو جاتی ہیں یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ قلندر کے اعمال میں تقلیل ہوتی ہے تو قلت اور کثرت امور اضافیہ میں سے ہیں یعنی بمقابلہ دوسرے اہل اعمال کے تو وہ عمل میں بھی بڑھا ہوا ہے یعنی اوروں سے تو اس کا عمل بھی غالب ہے لیکن خود اس میں جو محبت اور عمل دو چیزیں جمع ہیں ان میں محبت کا حصہ عمل سے بڑھا ہوا ہے۔ پس اس کی کا یہ مطلب نہیں کہ عمل میں فی نفسہ کوئی کمی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گو عمل بھی بہت بڑھا ہوا ہے لیکن محبت میں اس سے زیادہ بیشی ہے۔ عمل تو کامل ہے ہی مگر محبت کامل سے بھی آگے یعنی اکمل ہے۔ (طریق القلندر ج ۱۱)

## فنا کا کام

فنا کا درجہ جس کو کہتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ ہے محبت کا یعنی تمام تعلقات غیر اللہ اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ کوئی نہ معبود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے۔ لا الہ الا اللہ کا اور نہ

مقصود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے ”فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا“ (پس نیک عمل کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) کا اور نہ سالک کی نظر میں موجود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے۔ ”کل شیء ہالک الا وجهہ“ (سوائے حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے سب فانی ہیں) (طریق القلندر ج ۱۱)

## شیخ کامل کی علامات

شیخ کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا منبع ہو، بدعت اور شرک سے محفوظ ہو، کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو، اس کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ اثر ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے اور جو مرض باطنی بیان کرو اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے اور جو علاج تجویز کرے اس علاج سے دمبدم نفع ہوتا چلا جائے اور اس کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی چلی جائے۔ یہ علامت ہے شیخ کامل کی، ایسا شخص اگر مل جائے تو وہ اکسیر اعظم ہے تو یہ ہے طریقہ محبت پیدا کرنے کا، اس سے تو ہوگی محبت آگے رہا عمل تو اسکے لیے ضرورت ہوگی۔ (طریق القلندر ج ۱۱)

## مرشد کامل کی رہبری

یہ امر بھی قابل توجہ و ضروری عمل ہے کہ تعلیم کے بعد کسی شیخ و بزرگ کی صحبت بھی اختیار کرنا چاہیے باوجود اس کے کہ یہ امر بہت مہتم بالشان ہے لیکن لوگ اس سے اس درجہ غافل ہیں کہ اس کو امر فضول سمجھتے ہیں اور بعض لوگ جو کسی درجہ میں ضروری سمجھتے ہیں وہ بھی محض برائے نام یعنی چارہی دن کے لیے آتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھئے کہ کس واسطے تشریف لائے ہو فرمائیں گے اصلاح نفس کے لیے کتنی مدت قیام ہوگا جواب میں ارشاد ہوتا ہے چار دن یعنی اصلاح نفس کے حرفوں کی برابر بھی تو دن تجویز نہیں کرتے بلکہ دو دو حرفوں کے مقابلہ میں ایک ایک دن مقرر کرتے ہیں نہ معلوم اصلاح نفس کو کچھ کھیل سمجھ رکھا ہے یا محض آمدورفت ہی کا نام اصلاح نفس رکھ لیا ہے بعض آٹھ دن کے لیے آتے ہیں بعض نے بہت ہمت کی تو مہینہ دو مہینہ کو آگئے بھلا تمام عمر کے کہنہ اور جہلی امراض اور ان کے معالجہ کے لیے چار دن یا ایک ہفتہ یا ایک دو مہینہ تجویز ہوتے ہیں نہ معلوم یہ کس امر کا مقتضاء ہے دیکھئے کوئی شخص اگر چار سال میں تپ دق میں مبتلا ہو اور طبیب



کے پاس علاج کرانے جائے اور کہے کہ چار دن میں چار سال کے مرض کا علاج ہو جائے تو طبیب کیا اس بات کی سماعت کرے گا یا اس کی جانب التفات و توجہ کرے گا ہرگز نہیں بلکہ بات بھی نہ کرے گا کہے گا اس کو خلل دماغ ہے کہ چار برس کے مرض کا چار دن میں علاج کرانا چاہتا ہے جب اطباء ظاہری سے ان امراض ظاہری میں جو قلیل عرصے سے صحت کو خراب کر رہے ہیں ایسے شخص کے علاج کرنے کی توقع نہیں تو اطباء روحانی تمہارے ان امراض باطنی کا جو عمر بھر سے تمہاری صحت روحانی خراب کر رہے ہیں کس طرح چار دن میں علاج کر دیں گے۔ حیرت ہے کہ تعلیم الفاظ میں تو آٹھ آٹھ دس دس سال خرچ کر دیتے ہیں اور اصلاح نفس معالجہ روحانی کے واسطے ایک سال رہنا بھی دشوار اور مشکل معلوم ہوتا ہے حالانکہ علم الفاظ آلہ اور مقدمہ ہے اور اصلاح نفس مطلوب بذاتہ و مقصود ہے کہ مقصود ہمیشہ مقدمات و مبادی سے اولیٰ و افضل ہوا کرتا ہے۔ قیاس کا تو مقتضی یہ تھا کہ اگر تعلیم رسمی میں ایک سال صرف ہوا ہے تو تعلیم مقصود میں چار سال تو خرچ ہوں گے لیکن یہاں اس کے عکس کی بھی نوبت نہیں آتی کہ آٹھ سال میں اگر تعلیم سے فارغ ہوں تو دو ہی سال اصلاح نفس و مجاہدہ و ریاضت میں صرف کریں بلکہ بعض حضرات تو اصلاح نفس کے لفظوں کی برابر آٹھ روز مقرر کرتے ہیں کہ بس ایک ہفتہ میں مشیخت کی گٹھڑی ہاتھ آ جائے گی اور بعض افراد ۴۰ دن متعین فرماتے ہیں کہ ایک چلہ میں تکمیل ہو جائے گی نہ معلوم یہ زچہ عورت ہیں کہ چالیس روز میں چلہ نہا کر پاک صاف بن جائیں گے تمام امراض سے صحت بھی ہو جائے گی اور بچہ بھی مل جائے گا وہ بچہ کیا ہے مجاہدہ و ریاضت کا اثر اور نتیجہ یعنی نسبت مع اللہ افسوس اس گوہر نایاب کی کیسی بے قدری کی جا رہی ہے اے صاحبو اس کے حاصل کرنے کے لیے کم از کم اتنی مدت تو تجویز کی ہوتی جس میں رضاعت و فطام وغیرہ کا طریقہ تو معلوم ہو جاتا لیکن اتنی فرصت کہاں بس چالیس روز میں شیخ کامل ہونا چاہتے ہیں بعض صاحب چھ ماہ اصلاح نفس کے لیے وقف کر دیتے ہیں جو کہ اولیٰ مدت حمل ہے یعنی چھ ماہ میں بچہ یعنی وہی نسبت مع اللہ ضرور ہو جانا چاہیے۔ کیا مطلب چھ ماہ میں پیری و راہ گیری کی سند مل جانی چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ اچھا چھ ماہ میں حمل ٹھہر بھی گیا لیکن اگر وہ پیٹ کے اندر مر گیا تو اب بتلاؤ اسے کون جنا دے تم تو حمل ٹھہرنے کے بعد چھ ماہ میں چل دیئے اب وہ مردہ بچہ اندر سے کیونکر نکلے گا پس وہ تو اپنے سمیت تم کو ہلاک ہی کرے گا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح نفس کا نام بدنام

ہی کرنے کے واسطے لیا جاتا ہے اصل مقصود و محض ریاء و سمعاً نمود و شہرت ہوتی ہے کہ وطن جا کر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جناب عالی مولوی مولانا بھی ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ درویش و شیخ بھی بن گئے ورنہ حقیقت میں آج کل جو اصلاح نفس یا تربیت باطن زبان سے کہا جاتا ہے ان لفظوں کا کچھ بھی ملول نہیں محض بے معنی الفاظ ہوتے ہیں۔ ایک شخص میرے پاس پانی پت سے آئے فرمایا میں قاری صاحب سے تجوید پڑھتا ہوں آج کل قاری صاحب دو مہینے کے واسطے باہر گئے ہیں میں بے کار تھا لہذا اصلاح نفس کے لیے آیا ہوں دیکھئے ایسا فضول اور زائد کام سمجھا کہ آؤ آج کل بے کار ہیں اسے ہی کرلو تفریح بھی ہو جائے گی افسوس میں نے کہا کہ مجھے معاف فرمائیے میں اس کام کو انجام نہیں دے سکتا جناب کو یکسوئی نہ ہوگی کبھی یہاں کا خیال ہوگا کبھی وہاں کی فکر ہوگی کشمکش میں اصلاح نفس نہیں ہوا کرتی دوسری اتنی مدت میں ہو بھی کیا سکتا ہے۔

صوفی نشود صافی تادر نکشد جاے      بسیار سفر باید تا پختہ شود خاے  
(یعنی صوفی جب تک بہت سے مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے پختگی مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے)

بھائی تم تو اپنی طرف سے اس مہتمم بالشان امر کے لیے ایک وسیع وقت نکالو گو شیخ کی توجہ اور اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم سے تھوڑے ہی دنوں میں کام ہو جائے (دستور سہارنپور ج ۱۱)

## وساوس کا اثر

جناب فخر دارین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی مطلوب ہے کہ آپ کا کوئی امتی حیران و پریشان نہ ہو لیکن اگر کوئی شخص خواہ مخواہ پریشانی میں گھسے مصیبت میں پھنسے تو اس کا کیا علاج، مثل مشہور ہے خود کردہ راعلاج نیست اسی طرح باطنی معاملات میں بعض دفعہ سالک کو وساوس اور توہمات سے پریشانی ہوتی ہے۔ مثلاً کفر کے خیالات آنے لگتے ہیں جس سے یہ اپنے آپ کو کافر سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا ہے: ”ان الله تجاوز عن امتی ما وسوست به صدورھا“ (یقیناً اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمادیا میری امت کو ان وسوسوں سے جو ان کے دلوں میں صادر ہوتے ہیں) پس کفر کے وسوسہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا بلکہ مومن کامل رہتا ہے اس میں مبتلا ہونے والوں کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کا دھوپ میں چولہے کے پاس بیٹھنے سے ہاتھ گرم

ہو جائے بس اس کی روح نکلنے لگے کہ اب جان گئی مصیبت آئی، اب بچنا دشوار ہے، جھٹ پٹ حکیم صاحب کے پاس جائے کہ میں سخت مرض میں مبتلا ہوں علاج کر دیجئے، حکیم صاحب نے نبض دیکھی کہا ارے میاں تم تو اچھے خاصے تندرست ہو تم کو بیمار کس نے کہا ہے یہ تو محض تمہارا وہم ہے کہا واہ صاحب میں تو سخت مریض ہوں بخار چڑھا ہوا ہے مجھے تو خدا کے واسطے جلاب و مسہل دوتا کہ مادہ کا خروج ہو جائے۔ حکیم صاحب نے کہا تم کو تو یہ حرارت عارضی ہے خود جاتی رہے گی، کچھ فکر کی بات نہیں لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو گو مرض نہیں لیکن خود وہم کیا تھوڑا مرض ہے اور اس وہم کا منشاء محض ناواقفیت ہے اس طرح سالک ناواقف کو وساوس سے وہم اور وہم سے غم پیدا ہو جاتا ہے جو کہ گور میں جاسلاتا ہے۔ صاحبو! وسوسہ کا علاج تو صرف بے فکر اور بے التفات ہو کر مسرور و خوش ہونا ہے نہ کہ غم کو لے کر بیٹھ جانا ہے، جتنا فکر کرو گے اتنا ہی غم بڑھتا جائے گا، مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس و خطرات کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: ”وجدتموه قالو انعم قال ذا الصریح الایمان“ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ان وساوس و خطرات کو پاتے ہو، صحابہؓ نے عرض کیا ہاں آپؐ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے) سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ کے غم کا کیا عجیب علاج فرمایا کہ وہ تو پریشان آئے تھے آپؐ نے بشارت کمال ایمان کی سنا کر مسرور واپس کر دیا۔ عارفین و صوفیاء کرام نے اس سے مستبط کیا ہے کہ وسوسہ کا علاج مسرور ہونا ہے جس کو یہ مرض لاحق ہو اس کے لیے لازم ہے محزون نہ ہو، ہمیشہ مسرور و خوش رہے تا کہ حدیث پر عمل ہو اور اس کی حالت سنت کے موافق ہو اور اس مسرور رہنے سے وسوسہ دفع ہونے کا راز یہ ہے کہ شیطان انسان کو محزون و غمگین رکھنا چاہتا ہے۔ جب تم اس کے خلاف کرو گے اور اس کو اس کی سعی و کوشش میں کامیاب نہ ہونے دو گے یعنی اپنے کو خوش و خرم رکھو گے رنج و غم نہ کرو گے تو وہ مایوس ہو جائے گا اور تم کو نہیں ستائے گا، سمجھے گا کہ وساوس ڈالنے سے یہ تو الٹا خوش ہو اور اس کو خوش ہونا گوارا نہیں اس لیے وسوسے ڈالنا چھوڑ دے گا۔ یاد رکھو یہ شیطانی وسوسے اس وجہ سے نہیں کہ اپنے نفس سے سوء ظن پیدا ہو اور تم معاصی سے بچنے لگو بلکہ یہ کم بخت پرانی دشمنی کی وجہ سے دل میں اس لیے وسوسے پیدا کرتا ہے تا کہ تم کو یاس ہو جائے، پس کافر بن جاؤ۔ اس سے بھلائی کبھی متصور نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اگر یہ کوئی اچھا کام بھی کرتا ہے تو اس میں بھی برائی کا پہلو ضرور مضمحل ہوتا ہے (دستور سہارنپور ج ۱۱)



علماء طلباء کو انقیاد اور تسلیم کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ انہیں یہ مرض است تکاف اور تاویل کا زیادہ ہے چاہیے تو یہ تھا کہ علم کے بدولت ان میں یہ رذائل کم ہوتے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں ”هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ“ (کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے) لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ آج کل ان امراض میں زیادہ تر مولوی صاحبان ہی مبتلا ہو رہے ہیں، خصوصاً کبر میں کہ اپنی خطا اور غلطی ماننے سے ان کو عار آتی ہے، طالب علمی کی ابتداء سے تاویل و توجیہ کی عادت ہوتی ہے ہر غلطی میں توجیہ کی پھر لگا دیتے ہیں کبھی غلطی و خطا کا اقرار نہیں کرتے، میرے پاس جو لوگ طالب حق آتے ہیں ان میں مولوی صاحبان بکثرت غلطیوں کی تاویلیں کیا کرتے ہیں، خطا کا اقرار کرتے ہوئے موت آتی ہے جہاں کسی امر خلاف شان پر متنبہ کیا فوراً تاویل گھڑدی، میں تو کہہ دیتا ہوں جب تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو کہ میں تو ایک بات کو مرض کہوں تم اس کو صحت بتلاتے ہو تو یہاں آنے کی کیا حاجت تھی، گھر بیٹھے تاویلوں تو جیہوں سے اصلاح نفس کر لی ہوتی، غرض میرا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ عیب پر تنبیہ کرنے کے وقت مولوی صاحبان خطا پر زیادہ اصرار کرتے ہیں یہ کبھی توجیہ سے نہیں چوکتے۔ گویا ان کے اندر کوئی عیب ہی نہیں پایا جاسکتا بالکل بے عیب ہیں۔ (دستور سہارنپور ج ۱۱)

## خودی و کبر کا ازالہ

حضرت بایزیدؒ نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، موقع اچھا تھا انہوں نے موقع کا سوال بھی کیا، عرض کیا ”یا رب دلنی علی اقرب الطريق الیک“ یعنی مجھ کو ایسا راستہ بتلا دیجئے جو آپ کی طرف پہنچنے کے لیے سب سے زیادہ نزدیک ہو، وہاں سے ارشاد ہوا ”یا بایزید دع نفسک و تعال“ اے بایزید بس اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ، مطلب وہی ہے کہ خودی اور کبر کو زائل کر دو پھر کوئی حجاب نہیں۔ واقعی بہت ہی مختصر اور قریب راستہ بیان فرمایا اور حق تعالیٰ سے زیادہ اس بات کو کون بتلا سکتا ہے تو یہ کبر وہ بلا ہے جس کی وجہ سے سارا ذکر و شغل بے کار ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کے مرید کو ذکر و شغل سے نفع نہ ہوتا تھا، شیخ نے بہت سی تدابیر کیں مگر سب بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر ایک دن انہوں نے اس کو بلا کر پوچھا کہ بھائی تم جو ذکر و شغل کرتے



ہو اس میں تمہاری نیت کیا ہے۔ کہنے لگا میری نیت یہ ہے کہ حق تعالیٰ میری اصلاح کر دیں تو میں دوسروں کی اصلاح کروں، مخلوق کو نفع پہنچاؤں، فرمایا کہ اب چور معلوم ہوا، تم پہلے ہی بڑے بننے کی فکر میں ہو اس لیے نفع نہیں ہوتا، اس خیال کو دل سے نکالو اور مخلوق کے نفع کو چولہے میں ڈالو۔ محض رضا حق کی نیت رکھو اور تمام خیالات دل سے دور کرو۔ چنانچہ وہ شخص طالب تھا، نیت درست کر لی۔ اگلے ہی دن سے نفع شروع ہو گیا، خوب سمجھ لو۔ یہ حب ریاست بھی بڑا سدراہ ہے، لوگ ذکر شروع کر کے اگلے ہی دن سے پیر بننے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں ایسی مثال ہے جیسے لڑکا بلوغ سے پہلے ہی باپ بننا چاہے تو بجز اس کے کہ اپنی صحت کو خراب کر لے گا اور کچھ نفع نہ ہوگا۔ (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

## اتباع شیخ

بعض اوقات مشائخ طریق مریدین کو ایسے امور کا حکم دیتے ہیں جو بظاہر لایعنی معلوم ہوتے ہیں جس سے ظاہر بین کو شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے خلاف کر رہے ہیں تو اس کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے پھر اس کے ساتھ جبکہ یہ بھی تاکید کی جاتی ہے کہ شیخ کی اطاعت کامل طور پر بجالائیں تو یہ اشکال اور قوی ہو جاتا ہے۔ سوا ول سمجھنا چاہیے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خلاف شریعت بھی اگر وہ امر کرے تو اطاعت کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب وہ خلاف شرع نہ کرے بلکہ شریعت کے موافق حکم کرے اس میں اس کی اطاعت بجالاویں لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شیخ شریعت کے موافق امر کرتا ہے مگر مرید اس کو کم فہمی سے خلاف شرع سمجھ جاتا ہے اس لیے اس کا معیار یہ ہے کہ بیعت ہونے سے پہلے ہی اس کی حالت کا تجربہ کر لیا جائے جب تجربہ سے اس کا متقی اور کامل دیندار ہونا ثابت ہو جائے اور جتنی شرائط شیخ کامل کی ہیں وہ سب اس کے اندر معلوم ہو جائیں اس کے بعد بیعت ہوں پھر اس کے حکام میں پس و پیش نہ کریں کیونکہ شیخ کامل ہرگز شریعت کے خلاف امر نہیں کر سکتا اور خلاف شرع امر کے وہ شیخ کامل نہ ہوگا البتہ اگر اس کا موافق شرع ہونا سمجھ میں نہ آوے تو ادب کے ساتھ شیخ سے تحقیق کر لینا ضروری ہے اگر وہ نہ سمجھاسکا تو ادب کے ساتھ عذر کر دے مگر گستاخی و سرتابی نہ کرے لیکن اگر بکثرت ایسا ہونے لگے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ کامل نہیں ہے لطف کے ساتھ اس کو چھوڑ دینا چاہیے اس تمہید کے بعد اب سمجھئے کہ بعض دفعہ

شیخ کامل بعض مریدوں کو کسی اطاعت غیر واجبہ سے روک دیتا ہے مثلاً حکم دے دیا کہ تمام نوافل اور ذکر و اذکار یک لخت موقوف کر دو حالانکہ ان کا ترک لایعنی ہے اور بعض دفعہ بعض مباحات میں مشغول ہونے کا حکم دیتا ہے کہ خوب کھاؤ پیو ہنسو بولو جنگل کی سیر کرو تفریح طبائع کے لیے سفر کرو حالانکہ بظاہر یہ امور لایعنی ہوتے ہیں تو اس سے کم فہموں کو غلطی پیش آ سکتی ہے کہ یہ عجیب شیخ ہے جو لایعنی امور کا حکم دیتا ہے اور مایعنی سے یعنی مفید کاموں سے منع کرتا ہے سو خوب سمجھ لو اس میں شیخ کی غلطی نہیں بلکہ تمہارے فہم کا قصور ہے اس کا راز یہ ہے کہ وہ اطاعت جو فی نفسہ مایعنی ہے اس مریض کے حق میں مایعنی نہیں ہے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے مضر ہو رہی ہے اس لیے وہ اس کو ان خاص طاعات سے منع کر رہا ہے۔ مثلاً شیخ دیکھتا ہے کہ اس مریض کو زیادہ نوافل اور ذکر و شغل کرنے سے عجب پیدا ہو گیا ہے یہ اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگا ہے اس لیے وہ اس کو اذکار و اشغال سے منع کر دیتا ہے جیسے طبیب مریض کو کسی حلوے سے روک دیتا ہے حالانکہ اس میں میوہ جات پڑے ہوئے ہوتے ہیں مفرحات بھی اس میں موجود ہیں لیکن مریض کا معدہ کمزور ہے وہ اس کو ہضم نہیں کر سکتا پس طبیب اس کو حلوے سے روک دیتا ہے اور کڑوی دوا پلاتا ہے کہ اس کے لیے کڑوی دوا ہی مفید ہے اسی طرح طاعات و اذکار اگرچہ شیریں ہیں مگر بعض دفعہ ذاکر کا مزاج اس متحمل نہیں ہونا بلکہ امراض کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے اس کو اذکار سے منع کر کے بعض مباحات میں مشغول کیا جاتا ہے اس وقت طالب کو شیخ کا اتباع کرنا چاہیے اور ہمہ تن اپنے کو اس کے سپرد کر دینا چاہیے کہ وہ اس میں جو چاہے تصرف کرے اس کو مولانا فرماتے ہیں:

قال را بگذار مرد حال شو	پیش مرد کاملے پامال شو
(قال کو چھوڑو حال پیدا کرو حال پیدا کرنے کے لیے فرد کامل کے قدموں میں پڑ جاؤ)	
چون گزیدی پیر میں تسلیم شو	ہچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
صبر کن در کار خضر اے بے نفاق	تا گوید خضر رو ہذا فراق
گر خضر در بحر کشتی را شکست	صد درستی در شکست خضر ہست
آں پسر را کش خضر برید حلق	سر آں را در نیابد عام خلق

(جب تم پیر بنا لو تو یاد رکھو کہ ہمہ تن تسلیم بن جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح زیر حکم حضرت خضر علیہ السلام چلنا یعنی مرشد کے افعال پر صبر و سکوت کرنا تاکہ خضر علیہ السلام یوں

نہ کہہ دیں کہ جاؤ ہماری تمہاری جدائی ہے اگر حضرت خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی کو توڑا تھا مگر واقع میں خضر علیہ السلام کے توڑنے میں سودرستی یعنی حفاظت تھی حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو قتل کر ڈالا تھا اس کا راز عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

## طریق تسلیم و تفویض

طریقت میں تسلیم و تفویض بہت ضروری ہے بدون اس کے کام نہیں چل سکتا بشرطیکہ شیخ کوئی گناہ نہ کروائے ہاں مباحات و مستحبات اس کی قلمرو ہیں ان میں وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اسے اختیار ہے اگر وہ کسی مستحب کام سے روک دے تو اس میں اس کی اطاعت لازم ہے کیونکہ وہ تم کو ایک مستحب سے روک کر اس سے افضل اور ضروری کام میں لگائے گا۔ اس راستہ میں نفس و شیطان کے مکائد بہت دقیق ہوتے ہیں بعض دفعہ شیطان ایک مستحب کام کی رغبت دلاتا ہے مگر اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس میں مشغول ہو کر دوسرے اہم اور ضروری کام سے یہ رہ جائے گناہ کی رغبت تو سالک کو وہ اس لیے نہیں دلاتا کہ جانتا ہے کہ گناہ کا وسوسہ ڈالنے سے یہ فوراً سمجھ جائے گا کہ وسوسہ شیطانی ہے اور مستحب کام کی رغبت کو شیطانی وسوسہ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ ناواقف تو اس کو الہامِ رحمانی سمجھنے لگتا ہے مگر شیخ کامل سمجھ لیتا ہے کہ بعض دفعہ شیطان بھی مستحب کام کی رغبت دلایا کرتا ہے نہ اس لیے کہ وہ مستحبات سے خوش ہے یا سالک کا مستحبات میں مشغول ہونا اس کو پسند ہے بلکہ محض اس لیے کہ ایک ادنیٰ مستحب ہے اس کو مشغول کر کے اعلیٰ اور اہم کام سے روک دے چنانچہ ایک بار ایک طالب کے قلب پر تقاضا ہوا کہ فلاں جگہ چلو وہاں قتال ہو رہا ہے وہاں چل کر خدا کے راستہ میں جان دینا چاہیے وہ بے چارہ اس وقت تک خلوت نشین تھا ذکر و شغل و مجاہدات میں مشغول تھا کہ دفعۃً ایک دن جہاد کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا اب اس خطرہ کو شیطانی وسوسہ کوئی کہہ سکتا تھا ظاہر میں تو بہت اچھا خیال تھا مگر وہ شخص چونکہ سچا طالب تھا اس لیے حق تعالیٰ نے دستگیری کی کہ اس نے اس خطرہ پر عمل نہیں کیا بلکہ حق تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھ کو اس خطرہ کی حقیقت سے مطلع کر دیا جائے۔ آخر الحاج وزاری کے بعد حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ خطرہ نفسانی ہے تمہارا نفس مجاہدات سے پریشان ہو گیا۔ ہے اس لیے وہ تم کو جہاد کی



رغبت دلاتا ہے کہ اس میں ایک دم سے خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ روز کی مصیبت تو نہ رہے گی تو آپ نے نفس کی چال دیکھی وہ ان کو فرض سے فرض کفایہ میں مشغول کرنا چاہتا تھا کیونکہ جہاد کرنے والے اور بہت مسلمان موجود تھے ان کے ذمے فرض عین نہ تھا اور اصلاح نفس فرض عین ہے اور اس کی منشاء راحت طلبی تھی وہ چاہتا تھا کہ بس جہاد میں جا کر ایک دم سے فیصلہ ہو جائے یہ روز روز کی مشقت اور چکی پینا ختم ہو جائے۔ پس نفس و شیطان کے ان مکائد کو شیخ پہچان لیتا ہے اس لیے بعض دفعہ وہ مستحبات سے روک دیتا ہے جس سے اہل ظاہر متوحش ہوتے ہیں کیونکہ وہ حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ میرے ایک دوست نے ذکر و شغل بہت زیادہ کیا، دفعہ ان کو شدید قبض طاری ہوا انہوں نے مجھے اطلاع کی میں نے کہا کہ سب کام چھوڑ دو اور خوب کھاؤ پیو، ہنسو، بولو، سیر و تفریح میں مشغول ہو اور لکھنؤ جا کر سیر کرو یا کسی دوسری جگہ کا سفر کرو اس علاج سے ان کو بہت وحشت ہوئی کہ ذکر و شغل چھڑا کر اچھا کام بتلایا مگر باوجود حقیقت سمجھ میں نہ آنے کے انہوں نے اس پر عمل کیا، تین چار دن میں بسط قوی حاصل ہو گیا اور سارا قبض جاتا رہا، بڑے خوش ہوئے تو یہ بات تھی کہ کثرت مجاہدات سے نفس تھک گیا تھا جیسے بعض دفعہ روز روز مٹھائی کھانے سے جی اکتا جاتا ہے اس لیے تبدیل ذائقہ کی ضرورت تھی جیسے جب غذا ہضم نہ ہو تو کھانے کے ساتھ چٹنی کھالیا کرتے ہیں چنانچہ جب نفس کو مجاہدات سے چھڑا کر سیر و تفریح میں مشغول کیا گیا ذائقہ بدل گیا تو وہ انقباض بھی جاتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز کو خوب سمجھا ہے اسی لیے حدیث میں ہے جب رات کو نماز پڑھتے پڑھتے نیند آنے لگے تو سو جاؤ پھر اٹھ کر کام کرنے لگو۔ ”وَلَن يَمِلَ اللَّهُ حَتَّى تَمْلُوا“ ہمارے حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سبق کا تکرار ایسے وقت ختم کرنا چاہیے جبکہ کچھ شوق ختم ہو جائے مثلاً بارہ دفعہ کہنے کا شوق ہو تو دس باری کہہ کر ختم کر دو تا کہ آئندہ کے لیے شوق باقی رہے اس سے اکتا کر ختم نہ کرنا چاہیے۔ اس سے آئندہ کو ہمت ہار جاتی ہے اور اس کی ایک عجیب مثال بیان فرمائی۔ گویا معقول کو محسوس کر دیا فرمایا دیکھو چلتی پھراتے ہوئے کچھ ڈور اس کے اوپر لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں تا کہ اس ڈور سے پر آسانی سے پھر لوٹ آوے اور اگر کبھی غلطی سے سارا ڈور اتر جاتا ہے پھر دقت سے لوٹتی ہے۔ غرض اسی طرح اور بہت نظیریں ہیں جن میں شیخ مستحبات سے روک کر مباحات میں مشغول کرتا ہے



مگر وہ مباحات ہی مایعنی ہیں اور مستحبات اس شخص کے لیے لایعنی ہوتے ہیں باقی اس کے لیے قواعد ہیں یہ نہیں کہ جب چاہا جو چاہا حکم دے دیا قواعد ضرور ہیں مگر وہ پاس رہنے والے کو ہٹلائے جائیں اور وہ ان سے کام لینے لگے۔ (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

## عمل کی مثال

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے جس شخص کو علوم بہت سے حاصل ہوں اور عمل نہ کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سپاہی ہو اس کے پاس بہت سے ہتھیار ہوں اس کو راہ میں دشمن ملے اور مقابل ہوا لیکن وہ ان اسلحہ کا استعمال نہیں کرتا تو کیا دشمن پر غالب ہوگا۔ یہ علوم بمنزلہ ہتھیاروں کے ہیں شیطان کے دفع کرنے کے لیے ہتھیار بھی کیسے بلا لائنس کے مگر صرف ہتھیاروں کے لگانے سے خوش نہ ہونا چاہیے اکثر لوگ بزرگوں سے سن کر یا کتابیں دیکھ کر کچھ طریقے وصول الی اللہ یاد کر لیتے ہیں اور ان پر ان کو ناز ہے لیکن جب ان پر عمل ہی نہ کیا تو کیا فائدہ ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد ہے: ”فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ“ (جو علم ان کو حاصل ہے اس سے بہت خوش ہیں) اگر کوئی خارش والا خارش کے بہت سے نسخے یاد کر لے تو اس سے کیا نفع جب تک کہ ان کو کوٹ پیس کر کام میں نہ لایا جائے۔ پس جب آپ کو یہ طریقہ نماز میں دل لگانے کا معلوم ہو گیا تو آج عصر ہی کے وقت سے اس پر عمل شروع کر دو۔ الحاصل یہ ایک تفریع مفید تھی اس پر کہ ”النفس لا توجہ الی شئین فی آن واحد“ (نفس ایک آن میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا) اور مقصود مقام یہ ہے کہ شغل مع غیر اللہ مانع طریق ہے پس اس رکوع میں ان موانع کی فہرست ہے اور وہ دو کلیوں میں منحصر ہے ایک وہ حالت جو بہت ناگوار ہو دوسری وہ کیفیت جو زیادہ گوارا ہو اس لیے جو شے کم گوارا ہو وہ قلب کو مشغول نہیں کرتی۔ مثلاً آپ کچھ کام کر رہے ہیں عین مشغول حالت میں کسی مجھرنے کاٹ لیا یا عین کام کے وقت آپ نے ایک چنے کا دانہ اٹھا کر کھا لیا۔ تو یہ دونوں حالتیں کام کی مانع نہ ہوگی۔ مانع وہ حالت ہے جو زیادہ ناگوار ہو یا وہ حالت جو زیادہ گوارا ہو جو زیادہ نہ گوارا ہو۔ وہ مصیبت کہلاتی ہے اور جو زیادہ گوارا ہو وہ نعمت ہے پس قلب کو مشغول کرنے والی دو چیزیں ہوئیں مصیبت اور نعمت لیکن ان کی ذات مانع نہیں ہے بلکہ مانع اس وقت ہے جب کہ قلب ان سے متاثر ہو۔

پس مصیبت اور نعمت کا ہر درجہ مانع نہیں ہے یہاں سے ایک اشکال دفع ہو گیا، تقریر اشکال کی یہ ہے کہ جب نعمت اور مصیبت مانع ہیں تو مصائب تو صلحاء اور اولیاء و انبیاء پر بہت آئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءَ الْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَلَا مِثْلَ“ (بلاؤں میں سب سے زیادہ حضرات انبیاء مبتلا ہوئے اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر دنیوی نعمتیں بھی بہت فائز ہوتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَاهُمْ اَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً“ (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہم نے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور اولاد بھی دی) تو اگر مصیبت اور نعمت شاغل ہیں تو انبیاء کے لیے بھی شاغل ہوں گی۔ جواب یہ ہے کہ نعمت اور مصیبت کی ذات شاغل نہیں ہے بلکہ ان سے متاثر ہونا مانع ہے۔ (رفع الموانع ج ۱۱)

## معمول اہل تصوف

اہل سلوک کے لیے چند ضروری معمول بیان کیے گئے ہیں قیام لیل یعنی تہجد۔ تلاوت قرآن تبلیغ دین ذکر و تہجد توکل اور چونکہ تعلق خلق کی دو قسم ہیں ایک موافقین کے ساتھ اس کا بیان اشارتاً ”اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْعًا طَوِيلًا“ (بے شک آپ کو دن میں بہت کام رہتا ہے) میں ہوا ہے جس کا حاصل تبلیغ دین اور ارشاد و تربیت ہے چونکہ موافقین سے تعلق محبت ہے اس کے حقوق بوجہ اس کے کہ وہ حالت طبعی ہے تقاضائے حب کی وجہ سے خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس میں زیادہ اہتمام کی ضرورت نہ ہوئی۔ البتہ مخالف کے معاملہ میں ممکن تھا کہ کچھ افراط تفریط ہو جاتی اس لیے اس کا بیان اہتمام سے فرماتے ہیں: ”وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا“ (اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ رہیں) مطلب یہ کہ مخالف کی ایذا پر صبر کیجئے اور ان سے علیحدہ رہیے اچھے طور پر کہیں ایسا نہ ہو کہ سختی سے ان کی آتش عناد اور بھڑک اٹھے اور زیادہ تکلیف پہنچائیں ہجر جمیل سے مراد قطع تعلق ہے اس طرح پر کہ قلب میں تنگی نہ ہو پھر جب صبر کی تعلیم دی گئی تو اس تسہیل کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی اپنے انتقام لینے کی خبر سنا کر آپ کو تسلی بھی فرمائی جاتی ہے: ”وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ اُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا“ (ان جھٹلانے والوں، ناز و نعمت میں رہنے والوں کو موجودہ

حالت میں چھوڑا اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دو) یعنی مخالفین کے معاملہ کو ہم پر چھوڑ دیجئے ہم ان سے پورا بدلہ لے لیں گے یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہل حق کے مخالفین سے پورا انتقام لیتے ہیں اس لیے بھی مناسب یہی ہے صبر اختیار کیا جائے کیونکہ جب اپنے سے بالا دست بدلہ لینے والا موجود ہے تو کیوں فکر کیجئے خدا تعالیٰ کی اس سنت کے موافق مخالف کو آخرت اور دنیا دونوں میں رسوائی ہو جاتی ہے۔

بس تجربہ کر دیم دریں دیر مکافات      با در و کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد  
ہیچ قوے را خدا رسوا نہ کرد      تاد لے صاحب دلے نامد بدرد

(اس دیر مکافات میں بہت تجربہ ہم نے کیا ہے کہ جو شخص اہل اللہ سے الجھا ہلاک ہو گیا، خدا تعالیٰ نے کسی قوم کو رسوا نہیں کیا جب تک اس نے کسی صاحب دل کو رنجیدہ نہیں کیا) الغرض اہل تصوف کی معمول بہ چند چیزیں ہوئیں جن کا بیان اس مقام پر ہوا قیام لیل یعنی تہجد۔ تلاوت قرآن تبلیغ دین ذکر و تہجد توکل صبر اس لیے اس مجموعہ بیان کو جو کہ اہل تصوف کے معمولات کو بفضلہ حاوی اور شامل ہے سیرۃ الصوفی کے لقب سے بلقب کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور ”یابھا المزمل“ (اے چادر لپیٹنے والے) میں دو لطیفے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جس طرح آپ بوجہ غایت حزن و الم اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھے اسی بعض اہل طریق کا معمول ہوتا ہے کہ چادر ایسے طور پر لپیٹ لیتے ہیں کہ نظر منتشر نہ ہو اور اس کا قلب منتشر نہ ہو اور جمعیت کے ساتھ ذکر میں لگا رہے دوسرا طیفہ یہ کہ المزمل کے معنی عام میں کمبل اوڑھنا بھی ہوتا ہے تو ”یابھا المزمل“ (اے چادر لپیٹنے والے) میں اشارہ ہوگا لقب ”یابھا الصوفی“ کی طرف کیوں کہ لفظ صوفی میں گواختلاف ہے مگر ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد موٹا کپڑا کمبل وغیرہ مراد لیا جائے پس صوفی اور مزمل متقارب المعنی ہوئے اور اہل تصوف نے یہ لباس اس لیے اختیار کیا تھا کہ جلدی پھٹے نہیں جلدی میلانہ ہو اور بار بار دھونا نہ پڑے اور بعض اہل شفقت اس خاص وجہ سے بھی یہ شعار رکھتے تھے مستور ہونے کی حالت میں بعض لوگ ان کو ایذا پہنچا کر بتلائے ہمال ہو جاتے تھے اس لیے انہوں نے ایک علامت مقرر کی جیسے آیت ”ذَٰلِكَ اَدْنٰی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُوْذَنْنَ“ اس کی نظیر ہے بس یہ حکمتیں تھیں اس لباس میں اور اب تو محض ریاء و سمعہ کی غرض سے پہنچتے ہیں جو بالکل اس شعر کا مصداق ہے۔

نقش صوفی نہ ہمہ صافی بیغش باشد      اے بسا خرقة کہ مستوجب آتش باشد



(صوفی کی موجودہ حالت اگر بالکل درست اور بیغش نہ ہو وہ صوفی نہیں اگرچہ خرقة پہن لئے اے شخص بہت سے خرقة آگ میں جلانے کے قابل ہیں) (سیرت صوفی ج ۱۱)

## بزرگی کے معنی

اگر کوئی کہے ہمیں تمام رات جاگنے کی ہمت تو ہے نہیں۔ یہ تو مشکل کام ہے۔ سو اس کا شرط لازم ہونا ہی غلط بات ہے۔ رات بھر جاگنے کو کون کہتا ہے۔ خر بوزے اور تر بوز چھوڑنے کو کس نے کہا، اناج غلہ چھوڑ دینے کو بزرگی کس نے کہا، اس کو بزرگی نہیں کہتے۔ بزرگی کے معنی ہیں خدا کے اوامر کا امتثال کرنا، اور منہیات کو چھوڑنا۔ کھانا پینا چھوڑنے کو کون کہتا ہے خوب کھاؤ پیو۔ بایزید کو نوافل پڑھنے کی ہمت تھی، ان کے قوی قوی تھے وہ زیادہ مجاہدے کر سکتے تھے اسلئے کئے۔ اور ہم کو صرف فرائض واجبات و سنن ادا کرنے کی ہمت ہے کیونکہ ہمارے قوی کمزور ہیں۔ تو ہمارے لئے یہی کافی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ صاحب ہم کو تو سب فرائض کی بھی قدرت نہیں چار وقت کی تو قدرت ہے۔ فجر۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب، باقی عشاء کی طاقت نہیں ہے نیند سے مغلوب ہو جاتے ہیں تو وہ غلط کہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماوے کہ تم کو قدرت ہے اور تم خدا کی بات کو غلط کرنا چاہتے ہو۔ رہا یہ کہ حق تعالیٰ نے کہاں فرمایا ہے۔ سنئے ارشاد فرماتے ہیں۔ لا یكلف اللہ نفسا الا وسعہا کہ اللہ تعالیٰ نے وسعت و طاقت سے زیادہ کسی کو کسی حکم کا مکلف نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جملہ اوامر شرعیہ داخل قدرت بشریہ ہیں اور انہی میں سے عشاء کی نماز بھی ہے۔ تو قرآن سے معلوم ہوا کہ یہ سب داخل قدرت ہے اور یہ شخص کہتا ہے کہ مجھے قدرت نہیں جھوٹا ہے۔ یا کسی نے کہا تھا کہ صبح کو تو آنکھ نہیں کھلتی اور آنکھ کھلنا اختیار میں نہیں، اول تو ہم اس عذر کو مانتے نہیں کیونکہ تجربہ ہے اگر اس شخص کو جو کہ یہ کہتا ہے کہ صبح کو آنکھ نہیں کھلتی۔ ریل پر جانا ہو تو کیسا جلدی سے چار بجے اٹھ کر اسٹیشن پر پہنچتا ہے۔ اگر سویرے اٹھنا اختیار اور قدرت میں نہیں تو آج کیسے اٹھ بیٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات دل کو لگی ہوئی تھی۔ اس لئے آنکھ کھل گئی۔ اور نماز دل کو لگی ہوئی نہیں اس لئے آنکھ نہیں کھلتی۔ ورنہ ممکن نہیں کہ صبح ہو اور آنکھ نہ کھلے۔ مگر خیر ہم نے آپ کے اس عذر کو بھی مانا۔ مگر کیا یہ بھی قدرت سے خارج ہے کہ سورج نکلنے کے بعد ہی فوراً پڑھ لو قضا ہی سہی۔ تو پھر صبح کی نماز وسعت سے کہاں خارج ہوئی۔



بہر حال اپنی وسعت کے موافق کرتے رہو جو تم سے بن پڑے کئے جاؤ۔ یہ کون کہتا ہے کہ وسعت سے زائد کرو۔ بلکہ شیوخ محققین کی اس بارہ میں وصیت ہے کہ طالب کو اس کی ہمت سے زیادہ بتلانا ہی نہ چاہیے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

حسنگان را چو طلب باشد و ہمت نبود

گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

کمزوروں کو جب طلب ہو اور قوت نہ ہو تو انکی قوت سے زیادہ کام لینا ظلم ہے جو شرط مروت کے خلاف ہے۔ اور مولانا فرماتے ہیں۔

چار پارا قدر طاقت بار نہ برضعیفاں قدر ہمت کار نہ

چوپایوں پر انکی طاقت کے موافق بوجھ رکھ۔ کمزوروں سے طاقت کے موافق کام لو۔

طفل را گرنان دہی بر جائے شیر طفل مسکین را ازاں نان مردہ گیر

شیر خوار بچہ کو اگر دودھ کی جگہ روٹی دینے لگے تو وہ غریب اس روٹی سے مرہی جائے گا۔

اور فرماتے ہیں۔ غرض اس طریق میں ہر شخص کو اس کی طاقت کے موافق کام دیا

جاتا ہے۔ تو اب اگر یہ طریق اختیار کرو گے تو بایزید سے بھی افضل ہو سکتے ہو۔ باوجود

کم محنت کرنے کے۔ (لعمۃ الاسلام الا تمام ج ۱۲)

## رہبر کی ضرورت

اگر کوئی اندھا دہلی جانا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ لوگوں سے راستہ پوچھتا

پھرے اور کوئی اس کو دہلی کا راستہ بتا دے کہ فلاں راستہ پر جانا پھر فلاں مقام آوے گا اس سے دہلی

طرف کو جانا مگر کوئی سوانکھا اس کے ساتھ نہیں ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ کہیں گڑھے میں گر کر مر جائے گا

اور اگر جس سے راستہ پوچھا ہے وہ شفیق ہے تو وہ یہ کرے گا کہ کوئی سوانکھا جا رہا ہے اس کے ساتھ

اندھے کو کر دے گا اب وہ بے کھٹکے پہنچ جائے گا تو دیکھئے اندھے کو خود تو پہنچنا بہت مشکل تھا مگر چونکہ

سوانکھا ساتھ ہے اس لئے اب وصول آسان ہو گیا اسی طرح اصلاح باطنی کی حالت ہے بطور خود

اصلاح بہت مشکل ہے مگر کسی واصل کا ہاتھ پکڑ لیا جاوے تو اب آسان ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کا ملے پامال شو

قال کو چھوڑو حال پیدا کرو اس کے لئے کسی شیخ کامل کے سامنے پامال ہو جاؤ۔

اور فرماتے ہیں

یار باید راہ راتہا مرو ہر کہ تنہا نادرایں راہ را برید  
بے قلاؤز اندریں صحرا مرو ہم بعون ہمت مردان رسید  
راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہیے اس میں تنہا قدم مت رکھو بلا (مرشد) کے  
اس عشق کی وادی میں مت چلو۔ اتفاقاً اس سلوک کو جس شخص نے اکیلے خود طے کیا  
ہے وہ مردان خدا (اللہ والوں) کی توجہ سے طے کیا ہے۔  
اور شیخ فرید فرماتے ہیں۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق گر ہوائے ایں سفر داری دلا  
درا رادت باش صادق اے فرید عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق  
دامن رہبر بگیرد پس در آ تابیا بی گنج عرفاں را کلید  
بغیر مرشد عمر کے جس نے طریق عشق میں قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق سے  
آگاہ نہ ہوا۔ اے دل اگر محبت کے سفر کو طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو کسی رہبر کامل کا  
دامن مضبوط پکڑے چلا آ۔ اے فرید حسن عقیدت اور ارادت کا دامن کبھی نہ چھوڑنا تاکہ تجھ  
کو گنج معرفت کی کنجی حاصل ہو جائے۔ (الاتمام لعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## طالب اور درویش

مولانا یعقوب صاحب فرماتے تھے ہر طالب علم کہ چون و چرا کند و ہر درویش کہ چون  
و چرا کند ہر دو را بہ چراگاہ باید فرستاد یعنی طالب علموں کو احکام کے علل و نکات پوچھنے کی  
اجازت ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر بناء احکام رکھے یہ تو مصلحت اور حکمت ہے اس  
پر احکام کا مدار ہر گز نہیں ہاں فن دانی کی حیثیت سے اگر پوچھ لے تو مضائقہ نہیں کیونکہ  
طالب علم سمجھ سکتا ہے کہ کونسا موقع سوال کرنے کا ہے اور کونسا نہیں۔ وہ یہ تمیز کر سکتا ہے۔  
چنانچہ طالب علم یہ سوال کبھی نہ کریگا کہ نماز پانچ وقت کی کیوں ہے ہاں یہ پوچھے گا کہ قعدہ  
اخیرہ فرض کیوں ہے؟ کیونکہ یہ بحث علمی ہے اجتہادی مسئلہ ہے۔ عوام کو اس کی بھی اجازت  
نہیں۔ عوام کیلئے تو بس یہ ہی ہے کہ جب معلوم ہو گیا کہ حکم شریعت کا ہے بلا چون و چرا عمل  
کریں۔ یہی مطلب ہے اس فقرہ کا کہ ہر درویش کہ چون و چرا کند۔ درویش سے مراد فقط

ساک ہی نہیں ہے بلکہ درویش سے مراد طالب عمل ہے۔ پھر وہ طالب عمل خواہ عامی ہو یا ساک۔ یہاں درویش سے ساک ہی مراد لینا غلط ہے کیونکہ اس جگہ درویش طالب علم کے مقابلہ میں ہے۔ اگر طالب عمل مراد نہ لیا جاوے تو کلام حاصر نہ ہوگا بلکہ ایک قسم جو کہ نہ طالب علم ہے نہ ساک بلکہ عامی ہے خارج ہو جائے گی پس ثابت ہو گیا کہ درویش سے طالب عمل مراد ہے خواہ عامی ہو خواہ عالم ہو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ درویش سے مراد ساک ہی ہو مگر ہر مسلمان درویش ہے اور ساک بھی۔ (الانتمام لنعمة الاسلام ج ۱۲)

## عشق کا طوق

حضرت علیؑ سے کسی نے شادی کے متعلق دریافت کیا تھا فرمایا سرور شہر ایک ماہ تک تو خوشی ہی خوشی ہے۔ دعوت ہوتی ہے۔ چاروں طرف سے سلام کلام ہوتے ہیں۔ سائل نے کہا تم ماذا پھر کیا ہوگا فرمایا لزوم مہر یعنی اس کے بعد مہر لازم ہوگا وہ بھی عرب میں ہندوستان میں نہیں ہندوستان میں تو اس کو دین ہی نہیں سمجھتے سائل نے کہا تم ماذا پھر کیا ہوگا فرمایا غنوم دہر کہ پھر ساری عمر کا غم ہے آج آٹا نہیں ہے آج دال نہیں پوچھا تم ماذا پھر کیا ہوگا فرمایا کسور ظہر یعنی پھر ہڈیاں ٹوٹنے لگیں گی کمر جھک جائیگی غرض ایک مہینہ تک تو بادشاہ تھے اب ابا جان نے گھر سے الگ کر دیا۔ اب بڑی مشکل اس کی خبر نہ تھی نواب صاحب کو اب بی بی کہتی ہے اناج لاؤ لکڑی لاؤ۔ گھی لاؤ اب میاں کہتے ہیں کہ تم نے یہ کیا پنج لگائی ہے۔ میں نے تجھے قبول کیا تھا۔ اناج لکڑی گھی کو تو نہیں قبول کیا تھا؟ بیوی نے کہا نادان مجھے قبول کرنا ان سب کو سر دھرنا ہے۔ لگی دونوں میں لڑائی ہونے۔ تو اب محلہ کے لوگ جمع ہو گئے اور اس وقت آپ بھی جو آ منا کیلئے عشقنا کو لازم نہیں مانتے تھے وہاں قاضی بن کر پہنچے۔ سو آپ بھی اور سب لوگ یہی کہیں گے کہ تو نے بیوی کو قبول کیا تھا وہ کہتا ہے ہاں مگر اناج لکڑی کو قبول نہ کیا تھا اس پر آپ کہیں گے کہ بھائی یہی تو غضب کی پوڑیہ ستم کی پوڑیہ تھی جب تو نے ایجاب قبول کیا تو اناج بھی دینا ہوگا لکڑی اور گھی بھی۔ غرض پورا نان نفقہ دینا ہوگا فرمائیے یہ فیصلہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے اور ضرور صحیح ہے؟ تو یہی فیصلہ آپ پر بھی جاری ہوگا کہ جب آپ نے اتنا کہا تو انقیاد و اطاعت عشق و محبت سب کو قبول کیا اب جاتے کہاں ہو؟ تم تو عاشق ہو گئے اور اس کے مذہب میں لم اور کیف نہیں ہوتا ہے اگر عشق سے گھبراتے ہو تو آ منا سوچ کے کہا ہوتا اس وقت خیال کرنا تھا۔ خوب کہا ہے۔ عارف شیرازیؒ نے۔ (الانتمام لنعمة الاسلام ج ۱۲)

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم  
 کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخارا  
 محقق نے تو اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ آ منا کہا اور عشق کا طوق گردن میں ڈال لیا۔

## فرائض کی اہمیت

صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ بہ نسبت نوافل کے فرائض سے قرب زیادہ ہوتا ہے اس سے ہماری غلطی معلوم ہوگئی کہ آج کل ان لوگوں کی زیادہ قدر ہے جو مستحبات میں مشغول ہوں، گو فرائض میں کوتاہی کرتے ہوں اور تعجب یہ ہے کہ فرض ادا کرنے والا بھی اپنے کو کچھ نہیں سمجھتا، یہ خیال کرتا ہے کہ میں کرتا ہی کیا ہوں صرف فرائض ادا کرتا ہوں اس میں درپردہ فرائض کا استخفاف ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نعمت پر شکر ادا کر نیکی تو فقیہ کم ہوتی ہے اور جو مستحب میں مشغول ہو گو فرائض ولایتی طریقہ سے ادا کرتا ہو۔ لوگ بھی اس کے معتقد ہیں۔ اور وہ خود بھی اپنا معتقد ہوتا ہے، سمجھتا ہے کہ میں رات کو جاگتا ہوں گو فرائض میں بھاگتا ہی ہو، بھاگنا یہ کہ صرف اٹھک بیٹھک کرتا ہے ارکان کو تعدیل سے ادا نہیں کرتا۔ اسی غلطی کا اثر یہ ہے کہ لوگوں کو نعمت اسلام کی قدر زیادہ نہیں اگر کوئی شخص دولت اسلام سے مشرف ہو اور دیگر فرائض و واجبات میں کوتاہی کرتا ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس کیا ہے کچھ نہیں۔ حالانکہ اس کے پاس ایک بہت بڑی دولت ہے۔ یعنی اسلام، گو دوسرے فرائض میں کوتاہی کرنے سے اس کو گناہ ہو لیکن پھر بھی اس کے پاس ایک ایسی دولت ہے، کہ اگر اس کو صحیح سلامت اپنے ساتھ لے گیا تو انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

## ضرورت صحبت

صاحبو! بدوں صحبت اہل اللہ کے توحید بھی کامل نہیں ہوتی کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی سے خوف و طمع نہ ہو۔

موجد چہ برپائے ریزی زرش امید و ہر اش نباشد زکس  
 چہ فولاد ہندی نہی برسرش ہمیں است بنیاد توحید و بس



مؤحد اور عارف کے قدموں میں چاہے سونا ڈال دو یا س کے سر پر تلوار رکھ دو۔ امید اور خوف اس کو بغیر خدا کے کسی سے نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔ مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اسلام کے درجہ ناقص پر کفایت کرتے ہیں۔ بس پھر تو وہی حالت ہوتی ہے کہ جیسا موقعہ دیکھا ویسا کر لیا۔ اپنی اغراض کے موافق فتویٰ نکال لیا (محاسن اسلام ج ۱۲)

## ایمان کی برکات

جس کو حق تعالیٰ سے تعلق ہے اس کو دنیا میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی اور آخرت میں وعدہ صادق ہے جنت کا اور اگر جنت بھی چند روز گناہوں کے سبب نہ ملے تب بھی آخرت کی تکلیف مومن کے لئے دنیا کی راحت سے افضل ہے کیونکہ اس تکلیف کے انقطاع کی ہر وقت یقینی امید وار یہاں کی راحت کے زوال کا ہر وقت یقینی خوف۔ اور ان مضامین کا اکثر حصہ حال سے سمجھ میں آ سکتا ہے نرے قال سے نہیں (احسان الاسلام ج ۱۲)

## کشف کی حقیقت

یاد رکھو کہ علوم کشفیہ کو تصوف سے کچھ تعلق نہیں مگر چونکہ بعض صوفیہ اہل کشف تھے اور انہوں نے اپنی کشفیات کو تقریراً (تحریراً ظاہر کیا جس سے ناقص الفہم گمراہ ہونے لگے۔ اس لئے محققین صوفیہ نے ان کی حقیقت ظاہر کر کے اشکالات کو رفع کرنا چاہا۔ اس لئے علوم کشفیہ تصوف سمجھے جانے لگے۔ اگر حضرات اہل کشف اپنے علوم کو ظاہر نہ کرتے تو محققین کو ان سے بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ وہ اصل مقصود ہی کی تحقیق میں رہتے۔ یعنی علوم معاملہ کی تفصیل میں کیونکہ قرب حق کا مدار معاملہ پر ہے نہ کہ علوم کشفیہ پر خوب سمجھ لو۔ اب یہاں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ متکلمین پر جو بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے علوم قرآن کو چھوڑ کر خواہ مخواہ تدقیق سے کام لیا۔ یہ ان کی کوتاہ نظری ہے۔ کیونکہ متکلمین نے ضرورت سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہے جب کہ لوگ خود تدقیق کرنے لگے اور شبہات میں پڑ گئے تھے۔ اگر لوگ شبہات میں نہ پڑتے تو ان کو ضرورت نہ تھی۔ پس تم بھی شبہات میں نہ پڑو اور سنداجت اصلیہ پر رہو تو واقعی اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔ (الدوام علی الاسلام والاعتصام بالانعام ج ۱۲)

## درجات وحدۃ الوجود

اس مسئلہ کے دو درجے ہیں ایک علم کا اور ایک حال کا۔ تو یہ مسئلہ درجہ علم میں تو عقلی اور بدیہی ہے کوئی شخص بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا اور اس درجہ میں یہ مسئلہ تصوف کا نہیں اور نہ معرکتہ الراء ہے مگر صوفیہ یوں کہتے ہیں کہ اس درجہ میں یہ مسئلہ مقصود نہیں اور نہ کوئی کمال ہے اس درجہ میں تو اس مسئلہ کا علم ایسا ہے جیسے کھانے کا علم پینے کا علم اور سونے جاگنے کا علم کہ یہ سب باتیں ضروری ہیں اور سب کو معلوم ہیں اور ان کا معلوم ہونا کچھ بھی کمال نہیں۔ اور ایک درجہ حال کا ہے صوفیہ کو وہی مقصود ہے وہ کہتے ہیں کہ اے سالک وہ حال حاصل کرے کہ اگر تمام دنیا کو اور تمام کمالات کو حضرت حق کے سامنے دیکھے تو سوائے حضرت حق کے کچھ بھی نظر نہ آوے اور وہ حال ایسا راسخ ہو کہ سوچنے کی ضرورت نہ ہو یہ نہ ہو کہ ایک ایک چیز کو سوچ کر اس کے وجود کی حقارت ذہن میں حاضر کرے بلکہ یہ حالت ہو کہ کسی چیز پر سوائے حضرت حق کے نظر ہی نہ پڑے بس ایک حال طاری ہو جائے پہلا درجہ علم کا تھا یہ درجہ عمل کا ہے وہ درجہ عقلی تھا اور یہ درجہ ذوقی ہے۔ پہلے درجہ میں یہ کچھ کمال نہ تھا اس درجہ میں کمال ہے اور پہلے درجہ میں یہ مسئلہ کچھ مشکل بھی نہ تھا اس درجہ میں بہت مشکل ہے یعنی باعتبار حصول کے اس کے لئے جس قدر مجاہدات چاہئیں ان کے لئے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے یہ کھانے پینے اور سونے جاگنے کی طرح نہیں ہے کہ ہر شخص کو بآسانی اس کا علم حاصل ہے اس کا نام لینے کے لئے منہ چاہیے غرض اس درجہ میں یہ مسئلہ عقلی نہیں اس واسطے اس کو اہل حق نے تصوف میں داخل کیا ہے۔ (اسلام الحق ج ۱۲)

## تکوینی و تشریعی امور ان کی علل

بس سمجھ لو کہ جیسے حق تعالیٰ کو تکوینیات میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے کوئی کام تکوینیات کے متعلق تم سے پوچھ کر نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں وہی ٹھیک ہو جاتا ہے ایسے ہی تشریعیات میں بھی ہر قسم کے تصرف کا حق ہے کسی حکم میں تم سے پوچھنے اور رائے لینے کی ضرورت نہیں جو چاہیں حکم دیں اور جو حکم دیں وہی ٹھیک ہے۔ حضرت کچھ خدا ہی کو سستا پالیا ہے کہ اس کے متعلق سوالات کی ہمت کرتے ہو ذرا غور تو کیجئے کہ آپ کا ایک باورچی ہو اور آپ اس کو حکم دیں کہ پچاس آدمی کا کھانا پکاؤ اور اس وقت پانچ آدمی موجود بھی نہ ہوں تو اس

کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آدمی تو پانچ بھی نہیں پچاس کا کھانا کیوں پکوا یا جاتا ہے لیکن اس کی یہ مجال نہ ہوگی کہ آپ سے اس حکم کی علت دریافت کرے کہ اس میں کیا مصلحت ہے کھانے والے تو موجود ہیں نہیں پھر پچاس آدمیوں کا کھانا کیوں پکوا یا جاتا ہے اگر وہ ایسا کرے گا تو آپ اس کو علت اور حکمت سمجھانے نہیں بیٹھیں گے بلکہ ایک دھول اس کے سر پر لگائیں گے کہ نالائق تیرا کیا منہ ہے وجہ پوچھنے کا ہم کسی کو کھلائیں یا کہیں بھیجیں یا فرض کر لو کہ ہم پھینک ہی دیں گے تو تیرے باوا کا کیا آتا ہے تو جس کام کا نوکر ہے وہ کر جب آپ کو اپنے ایک ہم جنس پر یہ اختیار ہے کہ بلا بیان علت کے آپ اس کو حکم دے سکتے ہیں اور اس پر آپ کی حکومت کا یہ اثر ہے کہ وہ علت نہیں پوچھ سکتا تو خداوند جل جلالہ کو کیوں بندوں پر ایسا اختیار نہیں حالانکہ ان کے اختیار میں اور آپ کے اختیار میں بڑا فرق ہے آپ اپنے باورچی کے مالک نہیں خالق نہیں آپ کو جو کچھ اس پر اختیار ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ آپ اس کو کچھ پیسے دے دیتے ہیں اور وہ بھی جب ہے، جب اس نے ان پیسوں کو لینا اپنی خوشی سے منظور ہی کر لیا ہو گویا اپنی زبان کی وجہ سے وہ خود مجبوری میں پڑ گیا ہے ورنہ اس سے پہلے آپ کو یہ بھی حق نہ تھا کہ اس کو نوکری پر مجبور کرتے اور حق تعالیٰ کو تم پر پورا اختیار حاصل ہے کیوں کہ وہ مالک ہیں اور خالق ہیں وہاں آپ کو خوشی کا سودا نہیں کہ اگر چاہیں ان کے پابند رہیں اور چاہیں نہ رہیں جیسے باورچی کو تھا کہ چاہے نوکری کرے اور چاہے نہ کرے اور چاہے کرنے کے بعد چھوڑ دے آپ ان کی پابندی اور طاعت سے کسی وقت باہر نہیں ہو سکتے نہ ابتداء نہ انتہاء کیونکہ ان کی پابندی اور طاعت آپ کی زبان دینے سے آپ کے ذمہ نہیں ہوئی بلکہ یہ جبر ہوئی ہے آپ ان کی مٹھی میں ہیں جس طرح چاہیں آپ کو رکھیں جب آپ کو باورچی کا علت دریافت کرنا اتنے سے اختیار کی بدولت جو آپ کو چار پیسے کی بدولت اس پر حاصل ہے ناگوار ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کو آپ کا ان کے احکام میں لم پوچھنا باوجود ان اختیارات کاملہ کے جو ان کو بوجہ خالق اور مالک ہونے کے حاصل ہیں کیوں ناگوار نہ ہوگا ذرا تو غور کیجئے اور ہوش سے کام لیجئے۔ صاحب مسلمان کا مذہب تو یہ ہونا چاہیے۔

زبان تازہ کردن باقرار تو نہ انکشتن علت ازکار تو،

آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں علتیں نکالنے کو مانع ہے۔

اور یہ مذہب ہے مومن کا۔

زندہ کئی عطاءے تو ورکشی فداے تو جاں شدہ بتلاے تو ہرچہ کئی رضاے تو  
زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر فدا۔ دل آپ پر فریفتہ ہے جو کچھ  
کریں میں آپ سے راضی ہوں۔

ہر حال میں منقاد اور فرمانبردار رہے ان کے حکم کے سامنے آنکھ نہ اٹھاوے سر جھکا کر  
مان لے وجہ اور علت کیا چیز ہوتی ہے اور حکمت کس کو کہتے ہیں ان کا حکم ہی ہر چیز کی علت  
ہے اور وہی حکمت ہے اصل مذہب یہی ہے۔ (الاسلام الحقیقی ج ۱۲)

## اسلام کے بغیر قرب خداوندی نہیں مل سکتی

گنگوہ میں حضرت مولانا قدس سرہ کے پاس ایک ہندو مرید ہونے آیا اور تعجب یہ کہ وہ  
ایک بہت بڑے بزرگ زمانہ سے مرید تھا۔ ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے مولانا کے پاس  
تجدید بیعت کے لئے آیا اور ان مرحوم بزرگ کے ایک معتقد کا خط لایا۔ حضرت مولانا نے  
صاف فرما دیا۔ کہ بیعت کرنے سے انکار نہیں۔ مگر ہمارے یہاں بیعت کی سب سے اول  
شرط اسلام ہے۔ مسلمان ہو جاؤ۔ ہم مرید کر لیں گے۔ اس نے یہ شرط قبول نہ کی۔ حضرت  
نے مرید نہ کیا، بعد میں بعضوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اس کو اسی حالت میں مرید کر لیا  
جاتا۔ تو اسلام سے قریب ہو جاتا۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ بلکہ اور بعید ہو جاتا۔ کیونکہ ذکر و شغل میں  
خاصیت ہے کہ اس سے کیفیات طاری ہوتی ہیں اور کیفیات میں خاص لذت بھی ہوتی ہے۔  
جس کو یہ شخص قرب حق کی لذت سمجھتا اور اس کو کافر رہ کر بھی یہ کیفیات حاصل ہو جاتیں۔ تو  
اس کا یہ خیال پختہ ہو جاتا کہ قرب الہی میں اسلام کو کچھ دخل نہیں۔ نہ اسلام کی ضرورت ہے۔  
بلکہ کافر رہ کر بھی قرب حق حاصل ہو سکتا ہے۔ تو پھر کسی وقت بھی اس کے اسلام لانے کی امید  
نہ رہتی اور اب جو کورا جواب دیا گیا ہے۔ کہ بدوں اسلام کے خدا کا راستہ نہیں مل سکتا۔ اب  
امید تو ہے کہ شاید کسی وقت اسلام کی ضرورت کا خیال اس کے دل پر غالب ہو۔

اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کفار کو مرید کرنا اسلام سے ان کو قریب کرنا نہیں

ہے۔ بلکہ بعید کرنا ہے۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)



## علامت قبول

حاجی صاحبؒ نے اس سے ایک مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ جس طاعت کے ایک دفعہ کرنے کے بعد دوبارہ اس کی توفیق ہو جائے تو سمجھو کہ پہلی طاعت قبول ہو چکی۔ یہ علامت قبول کی ہے اور گویہ استنباط قطعی نہیں۔ مگر ظاہر عادیۃ اللہ اور وسعت رحمت اسی کو مقتضی ہے۔ پس تغلیب رجائیں یہ بہت نافع ہے۔ جو کہ شرعاً مامور بہ ہے۔

لا یموت احدکم الا وهو یحسن الظن بربہ۔ (تم میں سے کسی کی موت اس حالت میں نہ آئے کہ وہ اپنے رب سے حسن ظن نہ رکھتا ہو)  
(سنن ابی داؤد: ۳۱۱۳، حلیۃ الاولیاء: ۸: ۱۲۱) (التواصی بالصبر ج ۱۳)

## محقق وغیر محقق کا فرق

کہ محقق دھتکارتا بھی ہے۔ تو کچھ دے کر اور غیر محقق عمر بھر پچکارتا ہے۔ مگر محروم کا محروم رکھتا ہے۔ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا ہے اور ان کا واقعہ سنا ہے کہ ان کے پاس ایک بڑھیا آئی اور آ کر فقر وغیرہ کی شکایت کی۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ اس سے کہہ دو خدا فضل کرے۔ مرید نے یوں کہا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ بس یہ بزرگ اس خادم کے سر ہو گئے۔ کہ میں نے گا کب کہا تھا۔ تم نے یہ گا اپنی طرف سے کیوں لگایا۔ حضرت غور کیا جائے تو یہ بات ٹوکنے کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ اس تغیر سے کلام کے معنی بدل گئے۔ صورت اولیٰ میں دعا تھی کہ اللہ فضل کرے اور اس صورت میں پیشین گوئی ہوگی۔ کہ بے فکر رہو خدا فضل کر دے گا۔ اسی لئے ان بزرگ نے سخت تنبیہ کی۔ کہ تم نے میری بات کو کیوں بدلا۔ مجھے غیب کی کیا خبر۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ذرا اسی بات پر بگڑنا ظلم ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ یہ ظلم نہیں بلکہ عدل ہے۔ اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے ڈاکٹر و طبیب بیمار کی بد پرہیزی پر روک ٹوک کرتا ہے۔ یقیناً اس کو کوئی ظلم نہیں کہہ سکتا۔ ایسے ہی یہ بھی ظلم نہیں۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

## نفس کا دھوکہ

یہ سمجھنا کہ مجھے کمال حاصل ہو گیا ہے۔ یہ تو صاف اعجاب اور کبر کا شعبہ ہے۔

صاحب تھوڑی سی سنسناہٹ پیدا ہو جانے سے کمال حاصل نہیں ہو جاتا۔ اسے کسی شیخ کی تشخیص پر چھوڑ دو۔ اپنی رائے سے کچھ مت سمجھو۔

صوفی نشو و نما تادرنکشد جائے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

## منتہی کی طاعت

اسی طرح مبتدی و منتہی کی طاعت میں بڑا فرق ہے۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ جتنے مجاہدے ریاضات مبتدی کرتا تھا۔ اتنے ہی منتہی بھی کرے۔ مگر یہ تو ضرور ہے کہ منتہی بھی کچھ کرے۔ اس کے تھوڑے مجاہدے بھی مبتدی کے بیسوں مجاہدوں سے افضل ہیں اور صورت بھی دونوں مجاہدوں کی جدا جدا ہو جاتی ہے۔ اور مولانا نے جو منتہی کی نسبت فرمایا ہے:

خلوت و چلہ برولازم نہماند (خلوت اور چلہ اس پر ضروری نہیں) (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

## رہبر کامل چاہیے

ایک شخص صاحب قبض ایک صاحب ارشاد کے پاس گیا۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔ کہا میں شیطان ہوں۔ فرمایا اگر شیطان ہو تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ جواب سن کر اس کو مردودیت کا یقین ہو گیا۔ کہ جب ایک شیخ صاحب ارشاد نے بھی مجھ پر لا حول پڑھ دی۔ تو میرے مردود ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ تو اس نے اپنے خادم سے کہا۔ کہ اب اس زندگی سے موت بہتر ہے۔ اس لئے اب میں خودکشی کروں گا۔ اگر کچھ رہے تو تم پوری کر دینا۔ چنانچہ اس نے خودکشی کی اور جان نکلنے کے بعد مرید نے ابھی ہوئی کھال کو الگ کر دیا۔ اسی حالت میں وہ گرفتار کیا گیا۔ اس نے کہا تم مجھے کیا گرفتار کرتے ہو۔ میں تو خود زندگی سے بیزار ہوں۔ جب میرا پیر نہ رہا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ تم شوق سے مجھے پھانسی دے دو۔ اس بیان سے حاکم کو اس کے قاتل ہونے میں شبہ پیدا ہوا۔ تو اس نے واقعہ دریافت کیا۔ اس نے سب واقعہ بتلا دیا۔ یہ خبر ان صاحب ارشاد شیخ کو بھی پہنچی۔ انہوں نے بھی تصدیق کی۔ کہ ہاں وہ قبض میں مبتلا تھا اور میرے پاس آیا تھا۔ کہ کچھ تعجب نہیں۔ کہ اس نے خودکشی کر لی ہو۔

یہ حکایت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنی۔ تو فرمایا۔ کہ ہم تو ان صاحب ارشاد کو شیخ سمجھتے تھے۔ مگر معلوم ہوا۔ کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ ان کو چاہیے تھا۔ کہ جب اس نے کہا تھا کہ

میں شیطان ہوں۔ تو جواب میں یوں کہتے کہ پھر کیا حرج ہے۔ شیطان بھی تو اسی کا ہے۔ نسبت اب بھی قطع نہیں ہوئی اس سے تسلی ہو جاتی۔ شاید تم یہ کہو۔ کہ ان الفاظ سے کیا ہوتا۔ تو تم اس کو کیا جانو؟ مجھ پر خود ایک حالت گزاری ہے۔ جس میں الفاظ کے اثر کا مجھے پورا مشاہدہ ہوا ہے۔ ایک بار مجھے سخت مرض ہوا اور ایک حکیم صاحب کے پاس قارورہ بھیجا۔ انہوں نے قارورہ دیکھ کر یہ کہا۔ کہ اس شخص میں تو حرارت عزیز یہ نام کو بھی باقی نہیں۔ یہ زندہ کیسے ہے۔ قارورہ لے جانے والے نے یہ عقل مندی کی۔ کہ حکیم کا مقولہ مجھ سے آ کر بیان کر دیا۔ جس کا مجھ پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ میں نے ان کو دھمکایا۔ کہ یہ بات کیا میرے سامنے کہنے کی تھی۔ تم نے بڑی حماقت کی۔ جاؤ اس کا تدارک کرو۔ انہوں نے تدارک پوچھا۔ میں نے کہا کہ مکان کے باہر جاؤ اور کچھ دیر میں آ کر مجھ سے یوں کہو۔ کہ میں پھر حکیم صاحب کے پاس گیا تھا۔ انہوں نے مکرر دیکھ کر یہ کہا۔ کہ پہلے جو بات میں نے کہی تھی وہ غلط تھی۔ حالت اچھی ہے۔ کچھ خطرے کی بات نہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جب آپ کو معلوم ہے۔ کہ میں آپ کی سکھلائی ہوئی بات کہوں گا۔ تو اس کا کیا اثر ہوگا۔ میں نے کہا تم خواص اشیاء کو کیا جانو۔ جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان لفظوں کے سننے سے میری پہلی سی حالت نہ رہی۔ بلکہ ایک گونہ قوت بدن میں پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ علاج سے قوت بڑھتی گئی اور حق تعالیٰ نے پوری شفاء عطا فرمادی۔ تو الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے۔ گو ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ اطباء سے پوچھو۔ کہ خفقان میں کہرباء کی تعلیق کیوں مفید ہے؟ وہ اس کی وجہ بجز تجزیہ کے کچھ نہیں بتلا سکتے۔ اسی طرح اہل طریق کو کلمات و الفاظ کے اثر کا تجربہ ہو چکا ہے۔ مگر ان کے تجربہ کو اہل ظاہر نہیں جانتے۔ (اتباع علماء ج ۱۳)

## اتباع شیخ

مرید کو شیخ کی رائے سے مخالفت کا حق نہیں۔ اگرچہ دوسری شق بھی مباح ہو۔ کیونکہ مرید کا تعلق شیخ سے استاد شاگرد جیسا نہیں ہے۔ بلکہ اس طریق میں مرید شیخ کا معاملہ ایسا ہے۔ جیسے مریض اور طبیب کا معاملہ ہے کہ مریض کو فتویٰ طبیب کی مخالفت جائز نہیں۔ ایسے ہی یہاں مرید مریض ہے اور شیخ طبیب ہے۔ اس لئے مرید کو شیخ کی مخالفت جائز نہیں۔ ہاں

دوسرا شیخ اس شیخ کے اجتہاد سے مزاحمت کر سکتا ہے۔ جیسے ایک طبیب دوسرے طبیب سے مزاحمت کر سکتا ہے۔ مگر مرید تو تربیت میں طبیب نہیں اور جب تک طبیب نہیں۔ اس وقت تک مریض ہے۔ پس اس کے ذمہ اتباع قول طبیب لازم ہے۔ ہاں یہ شرط ہے کہ اس کا قول خلاف شریعت نہ ہو۔ اگر مرید کے نزدیک شیخ کا قول خلاف شرع ہو تو مخالفت جائز بلکہ لازم ہے۔ مگر ادب کے ساتھ (گو واقع میں خلاف شریعت نہ ہو۔ مگر یہ تو اپنے علم کا مکلف ہے) جیسے حضرت سید صاحب بریلوی کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تصور شیخ تعلیم فرمایا۔ تو سید صاحب نے اس سے عذر کیا۔ کہ مجھے اس سے معاف فرمایا جائے۔ شاہ صاحب نے فرمایا بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبودز راہ و رسم منزلہا (وہ امر مباح جو بظاہر طریقت کے خلاف ہو، اگر تجھ کو مرشد بتلائے تو اس پر عمل کرو کیونکہ جو شخص راہ چلا ہو اور راہ دیکھا ہو وہ منازل کے طریق اور آثار سے بے خبر نہیں ہوتا) سید صاحب نے عرض کیا۔ کہ مے خواری تو ایک گناہ ہے۔ آپ کے حکم سے میں اس کا ارتکاب کر لوں گا۔ پھر توبہ کر لوں گا۔ مگر تصور شیخ تو میرے نزدیک شرک ہے۔ اس کی کسی حال میں اجازت نہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے یہ جواب سن کر سید صاحب کو سینہ سے لگالیا کہ شاباش، جزاک اللہ، تم پر مذاق تو حید و اتباع سنت غالب ہے۔ اب ہم تم کو دوسرے راستہ سے لے چلیں گے۔ تصور شیخ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں۔ (اتباع علماء ج ۱۳)

## درجات استقامت

استقامت کے چند درجے ہیں۔ ایک اعلیٰ۔ ایک ادنیٰ۔ ایک متوسط۔ اور یہ قاعدہ عقلیہ مسلم ہے۔

### لا تشکیک فی الماہیات

حقائق و ماہیات میں تشکیک نہیں ہوتی۔ بلکہ تشکیک محض افراد میں ہوتی ہے۔ پس ہر درجہ میں حقیقت استقامت کا موجود ہونا ضروری ہے اور جب استقامت ہر درجہ میں حاصل ہے تو اس کی فضیلت بھی ہر درجہ میں حاصل ہے۔ جو لوگ استقامت میں غلو کرتے ہیں وہ اس کو اعلیٰ درجہ میں منحصر کرتے ہیں۔ مگر یہ رحمت الہی کو تنگ کرنا ہے۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ ایک اعرابی نے نماز کے بعد دعا کی۔



اللهم ارحمني ومحمدا ولا تشرك في رحمتنا احدا  
یعنی اے اللہ! مجھ پر رحم کیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہمارے ساتھ رحمت میں  
کسی اور کو شریک نہ کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا۔

لقد تحجرت واسعا (جامع المسانید ۲: ۶۹۷)

تو نے وسیع شے کو تنگ کر دیا۔ وہ بے چارہ یہ سمجھا ہوگا۔ کہ سب پر رحمت ہوئی۔ تو بٹتے  
بٹتے کم رہ جاوے گی۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس نے خاطر کی وجہ سے شریک کر لیا  
ہوگا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تو ایمان ہی نصیب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو  
شریک کر لینا چاہیے۔ باقی اور سب کی صاف نفی کر دی۔

مگر ان گاؤں والوں کی بے ادبی معاف ہے۔ کیوں کہ وہ جاہل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک  
بدوی نے سورہ واتمین والزیون سنی تھی۔ اس کو خیال ہوا۔ کہ حق تعالیٰ نے انجیر و زیتون کی قسم  
کھائی ہے۔ تو یہ ضرور مزے دار ہوں گے۔ کھانا چاہیے۔ چنانچہ اول انجیر خرید تو مزے دار تھا۔  
کہنے لگا۔ صدقت رہنا۔ اے اللہ آپ نے سچ کہا۔ پھر زیتون خرید اور اسے بھی کھالیا۔ وہ بڑا  
بکٹا تھا۔ تو کہنے لگا واہ اللہ میاں (نعوذ باللہ) چکھنے سے پہلے ہی قسم کھالی۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے  
ساتھ برتاؤ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ تھا۔ کہ ایک دفعہ بہت سے اعرابی آپ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہو گئے۔ کہ ہم کو کچھ مال دلوائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا  
کہا نہیں ابھی دلوائیے اور یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر زور سے کھینچ لی۔ جس سے گردن  
مبارک پر نشان ہو گیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کچھ نہیں دھمکایا۔ بس ہنس کر یہ فرمایا۔

ردانی ردانی ارے بھائی میری چادر تو دے دو۔ (الاستقامت ج ۱۳)

## طلب صادق

ایک شیخ کی حکایت یاد آگئی کہ ان سے ان کے کسی مرید نے شکایت کی مجھے ترقی نہیں  
ہوتی، شیخ نے اول تو اس کی تدابیر بتلائیں جب ان تدابیر سے بھی نفع نہ ہوا اور بار بار اس  
نے شکایت کی تو شیخ کو غصہ آ گیا اور کہا میں کیا کروں تیری قسمت میں ہی نہیں جا کر دیوار میں  
سر مار لے، مرید طالب صادق تھا اس نے سچ مچ دیوار میں جا کر سر پھوڑ لیا مرید کو تو فوراً بے  
ہو گیا اور راستہ کھل گیا، اطاعت شیخ کی وجہ سے مگر شیخ پر معاف عتاب ہوا اللہام ہوا اونا معقول

ہمارے طالبوں کا سر پھوڑا داتا ہے تجھ کو شرم نہیں آتی..... یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ سے طریق تربیت میں غلطی بھی ہو جائے جس پر خواہ اس کو محبوبانہ عتاب بھی ہو جائے لیکن پھر بھی مرید کو اس پر عمل کرنے سے نفع ہی ہوگا کیونکہ نفع دینے والے تو حق تعالیٰ ہیں جب وہ طالب کی طلب صادق کو دیکھتے ہیں اور اس کو اپنے ولی کی اطاعت میں پختہ دیکھتے ہیں تو اس کے حال پر کرم فرما دیتے ہیں، چاہے شیخ سے غلطی ہی ہوئی ہو اس راستہ میں اطاعت و انقیاد بڑی چیز ہے، اطاعت شیخ کے ساتھ کسی کو محروم ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور خود رائی کے ساتھ کسی کو کامیاب ہوتا ہوا نہیں دیکھا مولانا فرماتے ہیں ۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ  
(فہم و خاطر تیز کرنا یہ حق پہنچنے کی راہ نہیں ہے فضل خداوندی سوائے شکستہ لوگوں کے اور کسی کو قبول نہیں کرتا) اور فرماتے ہیں ۔

ہر کجا دردے ست دوا آنجا رود، ہر کجا پستی ست آب آں جارود  
(جس جگہ بیماری ہوتی ہے وہاں دوا کی ضرورت ہوتی ہے جہاں پستی ہوتی ہے وہاں پانی پہنچتا ہے)  
اور اگر کسی کو کسی شیخ سے نفع ہی نہ ہوتا ہو تو اس کو دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرنے کی اجازت ہے مگر یہ لازم ہے کہ پہلے شیخ کی شان میں گستاخی نہ کرے کیونکہ مربی اول وہی ہے اور مربی کے ساتھ بے ادبی و گستاخی سخت چیز ہے مولانا فرماتے ہیں ۔

بے ادب را اندریں رہ بار نیست جائے او بردار شد درد دار نیست  
(جمال الجلیل ج ۱۳)

## غالب علی الاحوال

بعض اہل مقام ایسے بھی ہیں جو غالب علی الاحوال ہوتے ہیں کہ جس حالت پر چاہیں غلبہ حاصل کر لیں اور جس وقت جو حالت چاہیں اپنے اوپر وارد کر لیں ان کو ابوالوقت کہتے ہیں اور ایسے حضرات جو کبھی ایسا کرتے ہیں کہ اپنی اصلی حالت کے خلاف دوسری حالت اپنے اوپر وارد کر لیتے ہیں تو اس کا منشا کبھی تو اپنی ضرورت ہوتی ہے، کہ اس وقت اصلی حالت کا غلبہ کسی ضروری کام میں نخل ہے اس لئے وہ دوسری حالت کو اپنے اوپر غالب کر لیتے ہیں اور اس کی نظیر دنیوی معاملات میں بھی موجود ہے مثلاً ایک شخص کا بیٹا مر گیا جس سے طبیعت پر خون و ملال کا

غلبہ ہے مگر اتفاق سے اُسی دن اس کو مقدمہ کی پیروی کے لئے عدالت میں جانا پڑ گیا تو گو اس کی اصلی حالت رنج و ملال کی ہے جس کا مقتضایہ ہے کہ جواب دہی نہ کر سکے مگر اس وقت یہ شخص قصد اپنے اوپر عقل کو غالب کرتا ہے اور رنج و ملال کو مغلوب کر کے جواب دیتا ہے اسی طرح عارف بھی کبھی اپنی کی ضرورت کے وقت حالت اصلیہ کے خلاف دوسری حالت کو غالب کر لیتا ہے اور کبھی رید کی مصلحت سے ایسا کرتا ہے کہ شیخ پر تو خوف کی تجلی غالب ہے مگر مرید کے لئے تجلی رجاء مفید ہے اس وقت شیخ اس مرید کی مصلحت سے اپنے اوپر تجلی رجاء کو غالب کر لیتا ہے۔ تاکہ اس کی طرف منتقل ہو اور دوسرے مرید کے لئے تجلی شوق مفید ہے اس کی مصلحت سے تجلی شوق کو اپنے اوپر غالب کرتا ہے و علیٰ ہذا جس شخص کے لئے جس حالت کی تجلی نافع ہے شیخ اس کے سامنے اسی حالت کی تجلی اپنے اوپر وارد کرتا ہے یہ بے چارہ عجب کشمکش میں رہتا ہے جیسے کسی کی دو بیویاں ہوں اور ہر ایک اپنی طرف کھینچے مگر وہاں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں کو دو گھروں میں رکھ دیا جائے مگر یہاں تو ایک ہی گھر ہے اور اسی میں یہ سب انقلابات ہوتے رہتے ہیں جن پر گزرتی ہے وہ جانتے ہیں کہ قلب کے اندر کتنا بڑا محکمہ ہے کہیں پھول پھلوا رہی ہے کہیں خار ہے کہیں خزاں ہے کہیں بہار ہے اسی کو اہل حال ظاہر کرتے ہیں۔

ستم است اگر ہو ست کشد کہ بسیر سرو سمن در آ تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا نکمن در آ  
اے برادر عقل یک دم با خود آر دم بدم در تو خزان ست و بہار  
(تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھانک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کر لو۔ اے بھائی تھوڑی دیر کے لئے ذرا عقل کو درست کر کے دیکھو کہ خود بخود تمہارے اندر دم بدم خزاں و بہار موجود ہے)

اور بعض کی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اندر اندر کیا ہو رہا ہے وہ حیران و پریشان منہ تکتے رہ جاتے ہیں اُن کی حالت اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

کہ چنیں جاید و گہ ضد ایں جز کہ حیرانی نہ باشد کار دیں

(جمال الجلیل ج ۱۳)

## عالم برزخ

قبر سے مراد احادیث میں یہ گڑھا نہیں بلکہ مراد قبر سے عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اُس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ برزخ اس حالت کا نام ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان کی

حالت ہے اگر قبر میں دفن کر دیا وہی اس کا برزخ ہے اس سے وہاں ہی سوال جواب و عذاب ثواب ہوگا اور اگر بھیڑیے و شیر نے کھالیا اس کے لئے وہی برزخ ہے اور اگر جلا دیا تو جہاں جہاں اس کے اجزاء ہیں اس سے وہاں ہی یہ سب واقعات پیش آئیں گے چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے اس لئے عالم برزخ کو قبر سے تعبیر فرمایا ہے اور دفن کرنے میں بہت سی حکمتیں ہیں..... اول تو یہ کہ روح کو بعد مرنے کے اس جسدِ خاکی سے ایک تعلق رہتا ہے جیسا کہ مثلاً آپ یہاں موجود ہیں اور آپ کا گھر مثلاً جلال آباد ہے تو آپ کو گھر سے تعلق ہے تو اگر مردہ کو جلا دیا جاوے گا اور قبر میں دفن نہ کیا جاوے گا تو روح کو چین نہ ہوگی اور اس کو اس جسدِ عنصری کے جلنے کا خون ہوگا جیسے کسی کے گھر میں آگ لگا دی جاوے اس کو رنج ہوتا ہے یا جیسے مثلاً کسی شخص کا کچھ اسباب ایک جگہ رکھا ہے اور کچھ دوسری جگہ اس کی طبیعت پریشان رہتی ہے اسی طرح اگر اس جسم کے اعضاء منتشر ہوتے ہیں تو روح کو ایک پریشانی ہوتی ہے ایک حکمت یہ ہے کہ دفن کرنے میں ابقائے نفع باطنی ہے یعنی اگر کسی صاحب کمال کی وفات ہو جائے اور ان کو دفن کر دیا جائے تو بعد وفات باطنی نفع ان سے زیادہ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ جلا دیا جائے یا اجزاء اس کے کسی وجہ سے منتشر ہو جاویں اور ایک حکمت دفن کرنے میں یہ بھی ہے کہ عنصر غالب خاک ہے تو مقتضاء عقل کا بھی یہی ہے کہ اس کے ہی جنس میں ملا دیا جاوے۔

اسی بناء پر ایک بزرگ کہتے تھے کہ ہندو جو جلاتے ہیں اس کی غالباً ایک وجہ یہ ہے وہ یہ کہ آدمیوں سے پہلے زمین پر جن تھے ان کی شریعت میں عجب نہیں کہ جلانے کا حکم ہو اس لئے کہ ان میں عنصر غالب نار ہے تو جلانے سے نار نار میں مل جائے گی، ہندوؤں نے اس مسئلہ میں ان کی تقلید کی اور یہ نہ سمجھے کہ ان میں تو جزو غالب نار تھا اس لئے جلانے کا حکم ہوا اور ہم میں جزو غالب خاک ہے اس لئے ہم کو دفن کا حکم ہوا حاصل یہ کہ قبر کے متعلق جس قدر شبہات ہیں وہ سب اس پر مبنی ہیں کہ قبر کی حقیقت نہیں سمجھتے اسی استنباط کی وجہ سے چونکہ اس کا بکثرت انکار کیا جاتا ہے۔ (حبوۃ طیبہ ج ۱۴)

## عالم قبر کی دنیاوی مثال

اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی حکمت سے اُس کا ایک نمونہ دنیا میں پیدا فرمایا ہے وہ کیا ہے خواب یعنی سونا..... سوتے ہوئے دیکھتا ہے کہ سانپ نے کاٹ لیا ہے دریا میں



ڈوب گیا ہے کسی نے لٹھ مارا ہے اور اس کو الم محسوس ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہ نرم نرم بستر پر لیٹا ہوا ہے اگر گرمی ہے تو نچکھے چل رہے ہیں، خس کی ٹٹیاں لگ رہی ہیں، یاد دیکھتا ہے کہ وہ مسند پر سریر آرائے سلطنت ہو رہا ہے اور باندیاں اور غلام صف بہ صف دست بستہ کھڑے ہیں اور طرح طرح کے آرام و راحت کے سامان ہیں حالانکہ وہ زمین پر لیٹا ہوا ہے نہ تکیہ ہے نہ بستر ہے نہ کوئی پرسان حال ہے بیمار ہیں سخت درد میں مبتلا ہیں یہ سونے والے اگر ان حکایات کو بیان کرتے ہیں تو ان سے کوئی دلیل عقلی کا ان واقعات پر مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ اگر کوئی دلیل عقلی پوچھے بھی تو اس کو احمق بنایا جاتا ہے اور اس کو وہ سونے والا کہے گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کبھی سوئے نہیں، اللہ کرے تم سوؤ تو تم کو یہ سب باتیں واضح ہو جائیں گی، پس ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ جب مرو گے معلوم ہو جائے گا بقول شخصے۔

پرسید یکے کہ عاشقی چیست کہ چو ماشوی بدانی

(کسی نے پوچھا کہ عاشقی کیا چیز ہے میں نے کہا جب مجھ جیسا ہو جائے گا معلوم ہو جائیگا) غرضیکہ خواب برزخ کا پورا نمونہ ہے کہ جیسے ہم سونے والے کو دیکھتے ہیں کہ وہ آرام سے لیٹا ہے حالانکہ وہ سخت تکلیف کا مشاہدہ کر رہا ہے یا یہ کہ وہ تکلیف میں ہے اور خواب میں مزے لوٹ رہا ہے، اسی طرح مردے کا حال ہے کہ اگر قبر کو کھود کر دیکھا جاوے تو جس طرح دفن کر آئے تھے اسی طرح ہے لیکن وہاں کے واقعات اس پر سب گزر رہے ہیں لیکن اس تقریر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس معلوم ہو گیا کہ برزخ کے واقعات خواب جیسے ہیں، جس طرح خواب کی کوئی اصل نہیں اسی طرح فی الواقع یہ بھی کوئی شے نہیں، مردے کو یہ واقعات محض متخیل ہوتے ہیں اس لئے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ خواب نمونہ ہے یعنی خواب مشابہ برزخ کے ہے مماثل نہیں کہا۔

عالم برزخ کے واقعات حقیقت رکھتے ہیں، تحقیق اس کی یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ روح اس جسم سے تو مفارق ہو جاتی ہے اس لئے اس جسم کو تو ثواب عذاب تکلیف آرام کچھ نہیں ہوتا ہاں اس جسم سے روح کو تعلق قدیم کی وجہ سے ایک تعلق خاص ہوتا ہے جیسا کہ آدمی کو اپنے گھر سے یا کپڑے سے کہ وہ گھر اور کپڑا اس سے مفارق ہے لیکن اس سے تعلق ہے اور اسی تعلق کی بناء پر اگر مردے کے جسم کو کوئی مارے تو روح کو ایک قسم کی کوفت ہوتی ہے پس اس جسم عنصری کے ساتھ اس سے زیادہ کوئی تعلق نہیں رہتا مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عذاب و

ثواب کا مورد جسم ہی ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ برزخی ثواب و عقاب اور تمام برزخی واقعات اور سوال و جواب کے لئے روح کو ایک اور جسم عطا ہوتا ہے کہ اُس کو جسم مثالی کہتے ہیں اور یہ تکلیف و راحت سب اس کے ساتھ پیش آتے ہیں اور جسم مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ سوائے اس عالم ظاہر کے ایک اور عالم ہے کہ صوفیہ کو اس کا انکشاف ہوا ہے اور نیز اشارات کتاب و سنت سے بھی اس کا وجود معلوم ہوتا ہے اس عالم میں تمام اشیاء اور تمام اعمال و افعال کی صورتیں ہیں خواب میں جو کچھ آدمی دیکھتا ہے وہ بھی اُسی عالم کی صورتیں دیکھتا ہے۔

مثلاً خواب میں دیکھتا ہے کہ میں کلکتے گیا ہوں اور وہاں کوٹھیاں بنگلے اور بازاروں کی سیر کر رہا ہوں تو یہ سب صورتیں چونکہ عالم مثال میں موجود ہیں، اس لئے وہ خواب میں نظر آتی ہیں، میں نے ایک رسالہ مستی الفتوح فی احکام الروح لکھا ہے اس میں روح کے متعلق مفصل بحث لکھی ہے اُس کے دیکھنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ سب شبہات جاتے رہیں گے۔ (حیوة طیہ ج ۱۴)

## کمال دین

دین دار کامل تو وہ ہے کہ ظاہر اُ بھی دین دار ہو اور باطناً بھی کیونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں، ظاہری، باطنی، ظاہری تو روزہ نماز، حج زکوٰۃ وغیرہا اور باطنی اُنس، رضا، شوق صبر، قناعت وغیرہ ہیں اور ان کے مقابلہ میں بد اخلاقیات، غضب، حسد، تکبر، بے صبری، حرص ہیں، یہی دو چیزیں ہیں کہ جو مشائخ کے یہاں ملتی ہیں، اساتذہ کے یہاں تو ظاہر درست ہوتا ہے اور مشائخ کے یہاں یہ اخلاق درست ہوتے ہیں اور اسی کا نام بزرگی ہے آج کل تو درویشی اور بزرگی کشف و کرامت کو جانتے ہیں۔ (حیوة طیہ ج ۱۴)

## حکیمانہ برتاؤ کی تاثیر

شاہ اسحاق صاحب کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ حضرت فلاں شخص کے نام ایک رقعہ لکھ دیجئے اس سے میرا ایک کام ہے آپ کا رقعہ دیکھنے سے وہ کر دے گا وہ شخص حضرت کا سخت مخالف تھا، حضرت نے رقعہ لکھ دیا اس نے جا کر اس شخص کو دیا اس نے رقعہ کی بتی بنا کر دی اور یہ کہا کہ شاہ صاحب سے کہو اس کی بتی بنا کر فلاں جگہ رکھ لو، اس شخص نے اسی طرح آکر یہ مقولہ شاہ صاحب کی خدمت میں نقل کیا، شاہ صاحب

نے فرمایا کہ بھائی اگر اس فعل سے تیرا کام چلتا تو مجھے اس سے بھی دریغ نہ ہوتا یہ جواب اس کو پہنچا وہ شخص یہ بات سن کر تڑپ گیا اور اس قدر متاثر ہوا کہ شاہ صاحب کی خدمت میں آکر اس نے معذرت کی اور اس کو ہدایت ہو گئی۔ دس برس کے مجاہدہ میں بھی وہ بات نہ ہوتی جو شاہ صاحب کے ایک کلمہ میں ہو گئی، اب بتلائیے کہ ایسی نفع رسانی آج کس میں ہے آج ترقی کا دم بھرنے والے اس کو پست ہمتی کہتے ہیں۔ (حیوة طیبہ ج ۱۴)

## ذکر اللہ سے وقت

میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا جو اہل علم ہی میں سے ہیں گو مشاہیر و ممتازین سے نہیں وہ لکھتے ہیں کہ..... اوراد سے میرا جی بڑا گھبراتا ہے کہ یہ کہاں کا جنم روگ لگا کہ روز صبح کو سورۃ یسین پڑھو، ظہر کے بعد ہر روز انا فتنا پڑھو، بعد عشا کے سورۃ ملک پڑھو اور روزانہ چکی کی طرح کئی ہزار دفعہ ذکر اسم ذات کرو۔ ہاں مطالعہ کتب میں بہت جی لگتا ہے مگر انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں اس وسوسہ کو دفعہ کرتا ہوں اور ہمت کر کے سب اوراد پورے کرتا ہوں یہ علم کا اثر تھا کہ وسوسہ کی غلطی پر متنبہ ہو گئے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ وسوسہ ہی کیوں آیا کبھی روٹی کھانے کے متعلق وسوسہ نہ آیا کہ یہ روز گیہوں کی روٹی کھانا کہاں کا جنم روگ لگا، کبھی بیوی کے پاس لیٹنے میں یہ خیال نہ ہوا کہ یہ کہاں کا جنم روگ پیچھے لگ گئی اور اگر کوئی کسی پر عاشق ہو جائے اور معشوق اس کے پاس روزانہ آیا کرے تو کیا اس کو کبھی یہ خیال ہوگا کہ یہ کہاں کا جنم روگ پیچھے لگا، کمبخت روز ہی آتا ہے، ہر گز نہیں بلکہ وہ تو یہ بہانہ ڈھونڈے گا کہ اور تھوڑی دیر بیٹھے عاشق محبوب کے ساتھ مجالست اور محادثہ میں کبھی اختصار کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اللہ سے یہ چاہتا ہے کہ وصل کی رات کبھی تمام ہی نہ ہو پھر وہ اس کی روزانہ آمد و رفت سے کیونکر گھبرا سکتا ہے۔ (المعرق والرحیق للمحرق والغریق ج ۱۴)

## نفس کے مکائد

بعض جہلا کی عادت ہے بزرگوں کے سامنے کچھ ہدیہ پیش کرتے ہیں تو یوں کہا کرتے ہیں کہ ہے تو یہ حقیر ہدیہ اس قابل نہیں کہ پیش کیا جائے آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے نہ آپ کو اس کی پرواہ ہے مگر ہماری خاطر سے قبول کر لیجئے، یہ نہایت سخت کلمہ ہے نعم الہیہ

سے کسی کو استغناء نہیں مشائخ کی بزرگی بھی اسی وقت تک ہے جب تک اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں وقت کھانے کو دے رہے ہیں اور جو یہ نہ ہو تو نہ معلوم کیا حالت ہو۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا قصہ بیان فرماتے تھے یہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھائی ہیں مگر تقویٰ میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، گو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح زیادہ مشہور نہیں ہوئے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے دھیلہ کی کوڑیاں ہدیہ میں پیش کیں آپ کو اس کی غربت پر رحم آیا اور غریب ہونا تو اسی سے ظاہر تھا کہ بیچارے نے دھیلے کی کوڑیاں پیش کیں تو آپ نے فرمایا کہ بھائی ان کو تم ہی اپنے کام میں لے آؤ، اس نے اصرار کیا کہ حضرت میرا تو جی چاہتا ہے کہ آپ ہی ان کو قبول کر لیں میں نے آپ ہی کی نیت سے جمع کی ہیں مگر آپ نے عذر کر دیا اور وہ بے چارہ واپس لے گیا، اس پر مبتلاء عتاب ہو گئے یا تو اس لئے کہ ایک مسلمان کی دل شکنی ہوئی تھی یا اس لئے کہ آپ کے نفس میں کوئی بات مخفی ہوگی ممکن ہے کچھ وسوسہ استغناء کا تحقیر ہدیہ کی بناء پر آگیا ہو کہ میں یہ کوڑیاں لے کر کیا کروں بعض دفعہ نفس میں کچھ دقیقہ مخفی ہوتا ہے اور کسی عمل میں نفس کا کچھ شائبہ ہوتا ہے جس کی مبتلا کو خبر نہیں ہوتی، اسی لئے بعض دفعہ شیخ مرید کی کسی ادنیٰ بات پر تشدد کرتا ہے جس سے مرید کو شبہ ہو جاتا ہے کہ شیخ بڑے متشدد ہیں کہ ذرا اسی بات پر مواخذہ کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بات مرید کی نظر میں خفیف ہوتی ہے اور شیخ کی نظر میں شدید ہوتی ہے کیونکہ اس میں نفس کا جو کید ہے وہ مرید کی نظر سے خفی ہے اور شیخ کی نظر میں جلی ہے، حدیث میں آیا ہے ”الشک اکفی فی امتی من دبیب النمل علی الصفا“ کہ شرک میری امت میں چکنے پھرنے پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے بھلا اول تو چیونٹی کی چال ہی کیا ہوتی ہے پھر وہ بھی چکنے پھرنے پر اس میں تو کچھ بھی اس کا احساس نہیں ہو سکتا تو جو مرض ایسا خفی ہو دوسرے تو اس کو کالعدم سمجھیں گے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی شرک فرما رہے ہیں، تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی متشدد تھے کہ اتنی ذرا سی بات کو شرک سے تعبیر فرماتے ہیں ہر گز نہیں پھر حق تعالیٰ کی نظر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ ہے وہ تو اس سے بھی خفی تر کو جانتے ہیں اس لئے بعض دفعہ حق تعالیٰ کسی ایسی بات پر مواخذہ فرماتے ہیں جس کا قابل مواخذہ ہونا مبتلا کو معلوم نہیں ہوتا گو وہ



کتنا ہی بڑا عارف ہو مبتلا کہ بعض دفعہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کام میں نفس کا کچھ شائبہ تھا مگر حق تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے اس لئے مواخذہ فرماتے ہیں۔ (المعرق والرحیق للمحرق والغریق ج ۱۴)

## اہل عرفان کی باتیں

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا ارشاد ہے کہ مجھے بہت زمانہ کے بعد معلوم ہوا کہ عالم میں اہل غفلت بھی ہیں ورنہ ابتداء سے میں یہ سمجھتا تھا کہ سب لوگ ذاکر ہیں، اللہ سے غافل کوئی نہیں، خواجہ صاحب بچپن ہی سے صاحب نسبت تھے مادر زاد ولی تھے ان پر کبھی غفلت گزری ہی نہیں اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ سب ایسے ہی ہوتے ہوں گے بعد میں معلوم ہوا دنیا میں اہل غفلت بھی ہیں اس نمونہ کے ایک بزرگ اس زمانہ میں بھی ہوئے ہیں مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند کے والد صاحب مادر زاد ولی تھے، ایک دفعہ کوئی گوجر ان کی بھینس چرا لے گیا، حضرت نے تلاش کیا تو لوگوں نے اسی پر شبہ ظاہر کیا کہ حضرت فلاں شخص لے گیا ہے آپ نے اس سے فرمایا کہ بھائی ہماری اگر لی ہو تو دے دو اس نے قسم کھالی کہ حضرت میں نے آپ کی بھینس نہیں لی کسی نے جھوٹ موٹ میرا نام لے دیا ہے۔ آپ کو یقین آ گیا اور لوگوں سے کہا کہ اس نے نہیں لی وہ تو قسم کھا کر بڑی ہو گیا، مگر اللہ تعالیٰ سے کیونکر چھوٹا، غیب سے اس پر افتاد پڑی اور نقصان پر نقصان اموات پر اموات ہونے لگیں سمجھ گیا کہ یہ حضرت کے سامنے جھوٹی قسم کھانے اور ان کو تکلیف پہنچانے کا وبال ہے آخر جھک مار کر آیا اور اقرار کیا کہ حضرت میں نے آپ کی بھینس چرائی تھی میری خطا معاف کر دیجئے، فرمایا کہ تو نے قسم کھا کر کہا تھا میں نے نہیں لی، کہا میں نے جھوٹی قسم کھالی تھی، یہ سن کر حضرت گھبرا گئے اور فرمایا اللہ کسوں (یعنی اللہ کی قسم یہ پرانا محاورہ تھا) مجھے تو آج خبر ہوئی کہ مسلمان جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے، پہلے بزرگوں کے محاورات سیدھے سادے ہوتے تھے، اللہ کی قسم کی جگہ اللہ کسوں کہتے تھے تو بعض مادر زاد ولی اور صاحب استغراق

## اختلاف طبائع

حقیقت یہی ہے کہ ہر شخص کی طبیعت جدا ہے اور اس کے لئے طریقہ تربیت بھی الگ ہے سب کو ایک لاشی نہ ہانکنا چاہئے یہ میں نے اس واسطے کہہ دیا کہ شاید کوئی شخص چشتیہ سے

مرید ہو اور صاحب حرارت نہ ہو بلکہ صاحب سکون ہو تو وہ یہ سمجھنے لگے کہ میں نہ تو نقشبندی ہو سکتا ہوں کیونکہ چشتیہ سے مرید ہوں اور نہ چشتی ہوں کیونکہ صاحب سکون ہوں تو بس میں کورا ہی ہوں صاحب کورا تو نہیں ہے ہاں کور بے شک ہے کہ اس کے پاس دولت موجود ہے مگر اندھا ہے خواہ مخواہ اپنے کو محروم سمجھتا ہے تو یہ غلطی ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ چشتیہ سے چشتی ہی پیدا ہوں، نقشبندی پیدا نہ ہوں بلکہ یہاں ہر ایک سے دونوں طرح کے رنگ حاصل ہوتے ہیں یہاں اب و ولد میں مناسبت ضروری نہیں جیسا کہ ابوت و نبوت ظاہر یہ میں بھی مناسبت تامہ ضروری نہیں چنانچہ کالے سے گورے اور گورے سے کالے پیدا ہوتے کبھی باپ احمق ہوتا ہے اور بیٹا ذہین کبھی برعکس مگر بعض ایسے جامد ہوتے ہیں کہ نقشبندی خاندان میں بیعت ہو کر چشتی بننا گوارا نہیں کرتے بعض چشتی سلسلہ میں مرید ہو کر نقشبندی بننا گوارا نہیں کرتے، حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نقشبندی کے مرید نے قبض کی شکایت کی حضرت نے اس کو ذکر جہر بتلایا کہنے لگا کہ میں تو نقشبندی ہوں میں ذکر جہر کیوں کروں، فرمایا پھر مت کرو سو یہ محض جہالت ہے۔ (المعرق والرحیق للمعرق والغریق ج ۱۴)

طالب کو شیخ کے سامنے نہایت ادب سے رہنا چاہئے اور کسی کو اس کے سامنے بولتا ہوا دیکھ کر اپنے کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ایک خاص حالت انشراح پر پہنچ چکا ہے، اس کا بولنا اور بحث کرنا سب ادب میں داخل ہے اور تمہارا بولنا بے ادبی میں داخل ہوگا اور بے ادب کا اس طریق میں کچھ کام نہیں ہے۔

بے ادب را اندریں رہ باریست جائے او بر دارشد در دار نیست  
(بے ادب کے لئے اس راہ میں کچھ حصہ نہیں ہے، اس کا مقام دار پر ہے نہ کہ دربار میں ہے)  
یعنی بے ادب کی جگہ دار پر ہے (یعنی سولی پر) اور دار کے اندر (یعنی گھر میں) اس کے لئے جگہ نہیں، صاحبو! بزرگوں نے جو شیوخ کے آداب لکھے ہیں وہ لغو نہیں ہیں اور ان تمام آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ کا جی برانہ کرو، اس کے قلب کو مکدر نہ کرو ورنہ تم کو فیض بھی گدلا ہی پہنچے گا حضرت حاجی صاحب قدس اللہ فرماتے تھے کہ شیخ میزاب رحمت ہے جس کے واسطے سے تم کو فیض پہنچتا ہے پس میزاب رحمت کو میلا مت کرو ورنہ فیض بھی گدلا ہو کر آئے گا یہ خلاصہ ہے ان آداب کا مشائخ نے اپنی پرستش نہیں کرائی بلکہ تم کو خالص و مصفا

زالال رحمت پلانا چاہتے ہیں اور اس کا یہی طریقہ ہے کہ اس کا دل میلانہ کر واپس ایک حق شیخ کا یہ بھی ہے کہ طالب اپنی رائے اور تجویز کو دخل نہ دے تم یہ مت سوچو کہ میرے واسطے غلبہ شوق مناسب تھا اور اب تک حاصل نہیں ہوا۔ (المعرق والرحیق للمحرق والغریق ج ۱۴)

## شیخ سعدی اور عشق مجازی

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے جو گلستان و بوستان میں عشق مجازی کی کچھ حکایتیں لکھ دی ہیں اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نخواستہ شیخ بھی آج کل کے لوگوں کی طرح عشق باز اور امدروں کو گھورنے والے تھے اور وہ عشق مجازی کو مطلقاً اچھا کہتے تھے، یہ بالکل غلط ہے شیخ نے جہاں کہیں عشق مجازی کی مدح کی ہے یا ایسے عشاق کی حکایتیں لکھی ہیں اس سے مراد وہی عشق ہے جو از خود بلا اختیار لپٹ جائے چنانچہ باب عشق کے شروع ہی میں فرماتے ہیں:

ع نہ عشقے کہ بندند بر خود بزور

(وہ عشق جو بلا اختیار خود لپٹ گیا نہ کہ از خود کیا گیا)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ۔

ندادند صاحبداں دل بہ پوست و گراہیے داد بے مغز اوست

(اہل دل ہرگز کسی غیر اللہ کو دل نہیں دیتے اور بے مغز لوگ ہی عشق مجازی میں مبتلا ہوتے ہیں) وہ تو ایسے شخص جو از خود مخلوق کو دل دے ابلہ اور بے مغز فرما رہے ہیں، پھر وہ اس کی مدح یا تعلیم کیونکر کر سکتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں ۔

مکن بد بہ فرزند مردم نگاہ کہ ناگاہ فرزندت آید تباہ

(کسی کے لڑکے کو بری نظر سے مت دیکھو ورنہ تمہارے لڑکے کو لوگ بری نظر سے دیکھیں گے) کہ دوسروں کے لڑکوں کو بری نگاہ سے نہ دیکھو پھر وہ بھی تمہارے لڑکوں کو اس نگاہ سے دیکھیں گے واقعی جو شخص دوسروں کی اولاد سے بُرا تعلق رکھتا ہے دوسرے بھی اس کی اولاد سے ویسا ہی تعلق کرتے ہیں اگر کوئی یہ چاہے کہ میرا لڑکا لوگوں سے محفوظ رہے تو اس کو چاہئے کہ دوسروں کی اولاد سے بُرا تعلق نہ رکھے۔

بہر حال شیخ امد پرست نہ تھے جیسا کہ جاہلوں کا خیال ہے انہوں نے تو ایک جگہ ایک امد پرست کی حکایت بطور ذم کے لکھی ہے کہ بقراط کا ایک زاہد پر گزر رہا جو بے ہوش پڑا تھا

، بقراط نے پوچھا کہ اسے کیا ہوا یہ کیوں پڑا ہے لوگوں نے کہا کہ ایک حسین لڑکے کو دیکھ کر اسے نور خداوندی کا مشاہدہ ہوا تو وجد سے بے ہوش ہو گیا۔ بقراط نے کہا کہ اس کو امر و نہی میں خدا کا نور نظر آیا میرے اندر نہ نظر آیا یہ جھوٹا ہے، محض نفس کی شرارت سے یہ اس پر عاشق ہوا ہے۔ اگر قدرت خدا کے مشاہدہ سے عاشق ہوا ہوتا تو اس کی نظر میں امر و اور داڑھی والا دونوں برابر ہوتے اور گو بقراط کا قول کوئی حجت نہیں۔ مگر فلسفی کے قول کی تائید محقق کوئی کر دے تو اس کو صحیح کہا جائے گا، چنانچہ اس حکایت کو نقل کر کے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

محقق ہماں بیند اندر اہل کہ درخو برویاں چین و چگل

(محقق جو صنائی قدرت اونٹ میں دیکھتا ہے وہ دوسرا چین و چگل کے خو بروؤں اور حسینوں میں نہیں دیکھتا) (محقق تو اونٹ میں بھی وہی جمال حق دیکھتا ہے جس طرح اور مخلوق کے حسن کو آئینہ جمال جمال حقیقی سمجھتے ہیں)

بہر حال مشائخ نے جس عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ کہا ہے وہ وہ ہے جس کا نہ حدوث اختیاری ہے نہ بقا اختیاری ہے یعنی نہ اس کو اختیار سے پیدا کیا گیا نہ اختیار سے باقی رکھا گیا ہے کہ نہ تو محبوب کے دیکھنے کو جانا ہے نہ اس کی آواز سننے کا قصد کرتا ہے نہ سامنے آنے جانے پر قصد نظر کرتا ہے نہ ارادہ سے اس کا خیال لاتا ہے۔ اگر ایسا کرے تو ان شاء اللہ بہت جلد حق تعالیٰ کا عشق اس کے قلب میں جوش زن و موج زن ہوگا اور یہ بھی نہ ہوا تو یہ شخص بڑا مجاہد ہوگا مجاہد بھی واصل ہے اور ایک حدیث اس کے متعلق مشہور ہے گو صحت کا حال معلوم نہیں جس میں اس کو شہید کیا گیا ہے۔ من عشق فکتہم و عف فمات فہو شہید (اتحاف السادة المتقين ۷: ۴۴۰، کنز العمال: ۱۱۲۰۳ و کشف الخفاء للعجلونی ۲: ۳۶۳)۔ (قلت قال فی الدر المنثور لہ طرق من حدیث ابن عباس قلت اخرجه الحاکم فی تاریخ نيسا پور و الخطیب فی تاریخ بغداد و ابن عساکر فی تاریخ دمشق و اخرجه الخطیب ایضاً من حدیث عائشة بلفظ من عشق نعت ثم مات مات شہید او لورد الدیلمی بلا اسناد عن ابی سعید العشق من غیر ریتہ کفارة للذنوب اھر ص 208-12 جامع) اس میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں ایک عفت جس کے معنی ہیں معاصی سے بچنا اور معاصی کی چند مثالیں میں نے بیان کر دی ہیں جن سے عشق میں بچنا ضروری ہے، دوسری کتمان یعنی عشق کو چھپانا یہ اس واسطے ضروری ہے تاکہ دوسرے کی



(یعنی محبوب کی) بدنای نہ ہو خصوصاً اگر عورت سے عشق ہو جائے تو وہاں کتمان بہت ضروری ہے کیونکہ اس صورت میں لوگوں کے گمان بہت دُور دُور پہنچتے ہیں کہ شاید دونوں میں ملاقات ہوئی ہوگی پھر اس سے عورت کی بہت بدنای ہوتی ہے اور کسی کو بلا وجہ بدنام کرنا یا بدنای کا سبب بننا گناہ ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جب عشق مجازی میں گھٹ گھٹ کر مر جانا شہادت ہے بوجہ تحمل مشقت شدیدہ کے تو عشق حقیقی میں گھٹ گھٹ کر مرنا شہادت کیوں نہ ہوگا کیونکہ اس میں بھی عشق مجازی سے مشقت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔

ایک شخص نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے اوپر بجلی گری، فرمایا مبارک ہو نسبت چشتیہ حاصل ہوگی تو جو اس میں مر جائے وہ حریق نار کے مشابہ ہے اور نسبت سکون پانی جیسی ہے جو نہایت ٹھنڈی ہوتی ہے چنانچہ کبھی اس کا انکشاف بارش کی شکل میں ہوتا ہے کبھی دریا کی شکل میں اسی واسطے نقشبندیہ پانی کا مراقبہ بتلایا کرتے ہیں کہ یوں تصور کرے کہ گویا قلب پر عرش سے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے ہم بحمد اللہ دونوں کے یہاں گئے ہیں چشتیہ کے پاس بیٹھ کر تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا آگ برس رہی ہے ان کی باتوں سے اور توجہ سے حرارت بڑھتی تھی اور بچپن میں مولانا نارفع الدین صاحب کے حلقہ میں بھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ نقشبندی تھے بعض دفعہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے قلب پر برف رکھ دیا ہو اور یوں خیال ہوتا تھا کہ شاید فرشتوں میں بھی ایسی ہی برودت و سکون کی کیفیت ہوگی جیسی اس وقت ہمارے اندر ہے اور جس طرح آگ سے کبھی موت کی نوبت آ جاتی ہے اسی طرح پانی بھی کبھی ڈبو دیتا ہے چنانچہ سکون و انس کے غلبہ سے بعض دفعہ استغراق پیدا ہو جاتا ہے جس میں انسان تدبیر بدن نہیں کر سکتا، نہ کھانے کے ہوش رہتے ہیں نہ پینے کے اس کا وہی حال ہوتا ہے جو پانی میں ڈوبنے والے کا ہوتا ہے کہ گھٹ گھٹ کر جان دیتا ہے غرض غلبہ ہر کیفیت کا قاتل ہے پھر یہ لوگ شہید کیوں نہ ہوں گے ضرور ہوں گے تو اب سالک کو کسی حال میں پریشان نہ ہونا چاہئے، خواہ غلبہ شوق ہو یا غلبہ انس ہو ہر حال میں راضی رہے ایک دن وصول ضرور میسر ہوگا اور نہ بھی ہو اور یوں ہی طلب میں گھٹ گھٹ کر مر گیا، اللہ کے راستہ میں اگر جان بھی جائے تو کیا ہوا پھر اس وقت یہ شہید ہوگا اور شہید بھی واصل ہوتا ہے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ نسبت چشتیہ آگ کے مشابہ ہے اس کا مطلب یہ نہیں۔ (المعرق والرحیق للمعرق والغریق ج ۱۴)

## شیخ کا مقام:

اگر شیخ کے ارشاد سے مجاہدہ ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے باذن حق کہتا ہے اور حق تعالیٰ کو اپنی چیز میں تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

آں کہ جاں بخشد اگر بکشد رواست      نائب است اودست اودست خداست

(جو جان عطا کرے اگر وہ قتل کرے تو جائز ہے وہ جو نائب ہے اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے)

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مشائخ سے دنیوی قصوں میں بھی مشورہ کر لیا کرو کیونکہ کسی سے سن لیا تھا کہ شیخ نائب حق ہوتا ہے سو خوب سمجھ لو کہ وہ نائب حق تعلیم طریق اور ایصال ہی میں ہے ہر کام میں نہیں۔ (المودالرحمانیہ ج ۱۳)

## ادب

اور اس تعلیم کی برکت سے حضرات صحابہؓ بڑے مؤدب تھے۔ چنانچہ ایک صحابی سے کسی نے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی عمر کس کی زیادہ ہے تو وہ صحابی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکبر منی و انا اسنّ منه (الصحيح للبخاری 128:4) کہ بڑے تو حضور ہی ہیں ہاں عمر میری زیادہ ہے۔ سبحان اللہ! کیسا ادب ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے۔ مسجد میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب کر کے فرمایا اجلسوا بیٹھ جاؤ اسی وقت ایک صحابی دروازہ مسجد پر پہنچے تھے اور اندر آنا چاہتے تھے مگر حضورؐ کا امر اجلسوا سن کر وہ دروازہ ہی پر بیٹھ گئے۔ حالانکہ حضورؐ کا مقصود ان لوگوں کو خطاب کرنا تھا جو مسجد میں کھڑے تھے۔ یہ مطلب نہ تھا کہ دروازہ سے بھی اندر نہ آؤ۔ اور دروازہ ہی پر بیٹھ جاؤ۔ مگر صحابی کا ادب دیکھئے کہ حکم کے سنتے ہی فوراً بیٹھ گئے۔ سننے کے بعد آگے قدم نہیں بڑھایا۔ اور یہ ادب ہی بڑی چیز ہے اسی سے ساری دولت حاصل ہوتی ہے۔

## اہل اللہ کا ادب

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کو جو علوم عالیہ عطاء ہوئے تھے اس کی کیا وجہ ہے ان میں کیا بات تھی کہ جس کی وجہ سے یہ علوم ان سے

ظاہر ہوئے مولانا نے اس کے چند اسباب بیان فرمائے منجملہ ان کے ایک سبب یہ بھی بیان فرمایا کہ مولانا میں ادب بہت تھا۔ واقعی مولانا بڑے مؤدب تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک مرتبہ ایک مضمون نقل کے واسطے مولانا کو دیا۔ اس میں ایک جگہ املا کی غلطی تھی۔ (جو حضرت سے غالباً سہواً لکھی گئی) تو مولانا کا ادب دیکھئے کہ نہ تو اس لفظ کو غلط نقل کیا کہ یہ تو علم کے خلاف اور عمدہ اخطا تھی اور نہ اس کو صحیح نقل کیا کیونکہ اس میں حاجی صاحب کے کلام میں اصلاح تھی بلکہ اس لفظ کی جگہ خالی چھوڑ دی اور حضرتؒ سے عرض کیا کہ یہ لفظ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے جگہ خالی چھوڑ دی۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا یہ تو غلط لکھا گیا پھر حضرت نے اس کو خود ہی درست کر دیا اسی طرح حضرات اہل اللہ بات چیت میں بھی ادب کا بہت لحاظ فرماتے ہیں۔

### نعمت بلاء

ہمارے حضرت حاجی صاحب ایک مرتبہ بلاء کے نعمت ہونے پر تقریر فرما رہے تھے اس وقت یہ مسئلہ ہم لوگوں پر منکشف ہو رہا تھا۔ اور سب بلاء میں نعمت معلوم ہوتی تھیں۔ اسی وقت دفعتاً ایک شخص آیا جس کا ایک ہاتھ زخم کی وجہ سے گلا ہوا تھا۔ اور اُس نے آکر دعا کی درخواست کی کہ مجھے اس بیماری سے بہت تکلیف ہے۔ اللہ تعالیٰ سے شفاء کی دعا فرمائیے۔ اس وقت ہم لوگوں کو فکر ہوئی کہ حضرتؒ نے ابھی بلاء کا نعمت ہونا بیان فرمایا ہے۔ اب دیکھیں اس کے لئے رفع بلاء کی کیونکر دعا فرمائیں گے کیونکہ رفع بلاء کی دعا کرنا تو اس تقریر کی بناء پر زوال نعمت کی دعا کرنا ہے۔ مگر عارفین کسی موقع پر نہیں رکتے کیونکہ ان کے سامنے حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ حضرت نے فوراً فرمایا کہ سب صاحب دعا کریں اور پکار کر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بلاء بھی نعمت ہے مگر یہ لوگ اپنے ضعف کے سبب اس نعمت کا تحمل نہیں کر سکتے، اس لئے درخواست کرتے ہیں کہ اس نعمت کو نعمت عافیت سے مبدل فرما دیجئے یہ طرز دعا سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں کہ سبحان اللہ! کس طرح ضدین کو جمع کیا ہے کہ بلاء کا نعمت ہونا بھی باقی رکھا اور اس کے رفع کی دعا بھی فرمادی اور کس خوبی سے اس وقت کا ادب ملحوظ رکھا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

مشائخ کی تعظیم و اطاعت میں ایسا غلو کرنا کہ وہ خلاف شرع بات کا حکم کریں۔ جب بھی ان کی اطاعت کی جائے یہ بھی ارضائے خلق میں داخل ہے جس کی مذمت حق تعالیٰ نے اس

آیت میں فرمائی ہے اور خوب سمجھ لو میں جو ارضاءِ خلق سے منع کر رہا ہوں اس سے مراد وہی ہے جو ارضاءِ حق کے معارض ہو اور جو معارض نہ ہو بلکہ ارضاءِ حق میں معین ہو وہ مراد نہیں پس اگر ارضاءِ حق کیلئے شیخ کو راضی کیا جائے تو یہ عینِ توحید ہے اور مذموم نہیں بلکہ ایک درجہ میں مطلوب ہے کیونکہ طریق باطن بغیر رفیق کے طے نہیں ہو سکتا اور اس کا رفیق شیخ ہی ہے فرید عطار فرماتے ہیں۔

## حکمتِ قبض

سالکین کو جو اہل محبت ہیں بعض دفعہ آثار سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت حق کا ہمارے ساتھ پہلا سادھن نہیں تو اُن کے اوپر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود      گر نہ باغِ دل خالے کم بود  
(سالک کے دل پر ہزاروں غم وارد ہوتے ہیں اگر قلبی حالت میں کچھ بھی کمی پاتا ہے)  
حالانکہ وہ آثار عدمِ رضا عدمِ لطف کی علامت خاصہ نہیں ہیں کیونکہ سالکین کو محض قبض سے اس کا شبہ ہوتا ہے اور قبض کا سبب صرف عدمِ رضا ہے حق نہیں بلکہ بعض دفعہ حکمتوں کی وجہ سے قبض طاری کیا جاتا ہے سالک کی اصلاح کے لئے یا سنبھالنے کے لئے بسط کو سلب کر لیا جاتا ہے۔ مگر اس کی یہ حالت ہے کہ مرا جاتا ہے کیونکہ بچہ یہ سمجھتا ہے کہ ماں دودھ پلانے کے وقت تو مجھ پر مہربان ہے اور حجامت کے وقت دشمن ہے۔

خصوصاً حجامت عربیہ کے وقت یعنی پچھنے لگوانے میں، کیونکہ عربی میں پچھنے لگانے کو بھی حجامت کہتے ہیں، سر مونڈنے کو نہیں کہتے تو پچھنے لگوانے میں یا ختنہ کرانے کے وقت تو بچہ یہ سمجھتا ہے کہ ماں باپ سے زیادہ میرا کوئی دشمن نہیں کہ زندہ کھال پر چھریاں لگوار ہے ہیں، مگر حقیقت میں وہ عین لطف ہے۔

طفل می لرزد ز نیشِ احتجام      مادر مشفق از آں غم شاد کام  
(بچہ جراح کے نشتر لگانے سے ڈرتا ہے شفیق ماں اس سے خوش ہوتی ہے کہ اب اس کو آرام ہو جائیگا)  
سب جانتے ہیں کہ یہ علامت عدمِ رضا ہرگز نہیں کیونکہ ایک حکمت کے لئے ماں باپ نے ایسا کیا ہے جس کا نفع بچہ ہی کو پہنچے گا مگر وہ نفع سے بے خبر ہے حکمت سے ناواقف ہے۔ اس لئے ناخوش ورنجیدہ ہوتا ہے۔

اسی طرح حق تعالیٰ بعض دفعہ آئندہ کے انتظام و اصلاح کے لئے سالک پر قبض وارد



کرتے ہیں تاکہ عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو۔ پس قبض ایسا اثر نہیں جس سے ناراضی یا عدم لطف کا یقین حاصل ہو جائے بلکہ ایسا اثر ہے جو لطف کے ساتھ بھی جمع ہوتا ہے۔ مگر جن کو پیش آتا ہے ان سے پوچھئے کہ اس وقت ان کی جان پر کیسی بنتی ہے اور کیسی گھٹن ہوتی ہے۔ بعض نے تو اس حالت میں خودکشی کر لی ہے محض اس لئے کہ پہلا سا برتاؤ پہلا سا لطف ان کے خیال میں نہ رہا تھا تو جب محبت کا مقتضاء یہ ہے کہ قلت لطف کا بھی تحمل نہیں ہو سکتا تو ناراضی کا تحمل محبت سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ چاہے ناراضی قلیل ہی ہو۔

بعض صوفیہ نے معتزلہ کے استبعاد کا ایک جواب دیا ہے کہ تجلی ذات حق تو فی نفسہ کیف اور جہت سے مقید نہ ہوگی۔ مگر رائی کو مکیف اور ذوجہت ہو کر مرئی ہوگی اور یہ کیف وجہت کا وجود مرئی میں نہ ہوگا، بلکہ رائی میں ہوگا جیسے پانی کافی نفسہ کوئی رنگ نہیں لیکن ظرف کے اعتبار سے وہ ملون معلوم ہوتا ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## فرشتہ غیبی

تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حضرت یوشع علیہ السلام عمالقمہ پر جہاد کرنے تشریف لے گئے تو عمالقمہ میں بلعم باعور ایک عابد زاهد مستجاب الدعوات تھا وہ لوگ اس کے پاس گئے کہ یوشع علیہ السلام اور ان کی قوم پر بددعا کرو اس نے انکار کیا کہ وہ نبی ہیں اور نبی پر بددعا کرنا کفر ہے لوگوں نے اس کی بیوی کو مال و زر کا لالچ دیا کہ کسی طرح بلعم باعور کو بددعا پر آمادہ کرے بیوی نے اس پر زور دیا تو اس نے اس کو وہی جواب دیا کہ نبی کے مقابلہ میں بددعا کرنا کفر ہے ہرگز بددعا نہ کروں گا، بیوی نے کہا کہ اچھا تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرو وہ احمق استخارہ پر راضی ہو گیا حالانکہ یہ بات محل استخارہ نہ تھی کیونکہ استخارہ اُن امور میں مشروع ہے جس کی دونوں جانبیں اباحت میں مساوی ہوں اور جس فعل کا حسن یا قبیح دلائل شرعیہ سے متعین ہو ان میں استخارہ مشروع نہیں۔

درکارِ خیر حاجت یحج استخارہ نیست ہم در شرور حاجت یحج استخارہ نیست

(نیک کام میں استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے برائیوں کے چھوڑنے میں)

(استخارہ کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہے)

پہلی حماقت تو اس نے یہ کی کہ اس امر میں استخارہ کو حجت سمجھا پھر جب استخارہ کیا تو اس کو بذریعہ کسی فرشتہ کے غیب سے سخت تنبیہ کی گئی کہ اگر تو نے بددعا کی تو سب عبادت و مجاہدہ

وغیرہ غارت ہو جائے گا اور تو مردود ہو جائے گا۔ اس نے بیوی سے بیان کیا کہ مجھے سخت تنبیہ کی گئی ہے اور میں بددعا نہ کروں گا۔ اس نے کہا کہ ایک دفعہ کا استخارہ حجت نہیں ممکن ہے کہ تمہارے خیال میں جو بات جمی ہوئی ہے وہی استخارہ میں مختلط ہو گئی ہو چند بار اور استخارہ کرو چنانچہ دوسری دفعہ پھر کیا اور اب بھی سخت تنبیہ کی گئی تیسری بار پھر کیا اس دفعہ بھی سخت ملامت و زجر ہوا چوتھی بار استخارہ کیا تو اب کچھ تنبیہ نہ ہوئی بیوی نے کہا کہ بس معلوم ہو گیا کہ یہ فعل جائز ہے اور تین مرتبہ جو تم کو تنبیہ و زجر کا انکشاف ہوا ہے یہ وہی خیال منکشف ہوا ہے جو پہلے سے دل میں جما ہوا تھا۔ اگر یہ فعل ناجائز ہوتا تو چوتھی بار میں تنبیہ کیوں نہ ہوئی۔

اس کمبخت نے دوسری حماقت یہ کی کہ وہ بھی یہی سمجھ گیا کہ چوتھی دفعہ میں تنبیہ نہ ہونا اس کے جواز کی علامت ہے اور بددعا کے لئے آمادہ ہو گیا۔ یہ نہ سمجھا کہ تنبیہ و زجر بقدر ضرورت ہوا کرتا ہے اور تین بار تنبیہ ہونا تو قدر ضرورت سے بھی زیادہ تھا جب تو نے تین بار اس کو دفع کیا اور اس سے متاثر نہ ہوا تو اب حق تعالیٰ کو بار بار تنبیہ کی کیا ضرورت تھی یہ ان کا تھوڑا فضل و احسان تھا کہ جس کام کے لئے استخارہ شروع بھی نہ تھا اس میں تجھ کو تین دفعہ استخارہ ہی میں متنبہ کیا جب تو نے بار بار اعراض کیا تو ادھر سے بھی اعراض ہو گیا، چنانچہ کمبخت نے نبی کے مقابلہ میں بددعا کی۔ اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ بددعا کرتے ہی ایمان سلب ہو گیا۔ اور دنیا میں ہی یہ عذاب نازل ہوا کہ بددعا کے ساتھ ہی زبان کتے کی طرح باہر لٹک گئی۔

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ

(جس سے دنیا و آخرت دونوں کھو بیٹھا یہی کھلا نقصان ہے)

تو حضرت یہ کھٹک بھی ایک فرشتہ غیبی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو متنبہ کرتا ہے جب بار بار تم اس کو دباؤ گے تو وہ خاموش ہو جائے گا اور یہ سخت بات ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## حق و محقق و پیر

پیر کے واسطے ضرورت ہے حق ہونے کی اور محقق ہونے کی حق ہونے کے تو معنی یہ ہیں کہ اس کے عقائد صحیح ہوں متبع سنت ہو اور محقق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وسائے نفس پر اس کی نظر گہری ہو بدوں ان دونوں کے پیر کامل نہ ہوگا پیر اگر حق ہو اور محقق نہ ہو تو اس کی نیت تو درست ہوگی مگر نگاہ دور تک نہیں پہنچے گی۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## جاہلانہ سوال

قاضی ابو یوسف کے مجلس املاء میں ایک شاگرد بالکل خاموش تھا امام نے فرمایا تم بھی کچھ پوچھا کرو اس کے بعد امام نے مسئلہ بیان کیا کہ یقینی غروب کے بعد پھر افطار میں تاخیر کرنا مکروہ ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ کیوں حضرت! اگر کسی دن آفتاب غروب ہی نہ ہو تو روزہ کب افطار کرے۔ امام نے فرمایا بس تم خاموش رہو۔ تمہارا سکوت ہی اچھا تھا۔ میں نے خواہ مخواہ تم سے کہا کہ تم بھی سوال کیا کرو۔

واقعی بعض لوگوں کا نہ بولنا ہی بہتر ہوتا ہے جیسے ایک بہوتھی جس کی ماں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ساس کے گھر جا کر زبان سے ایک حرف نہ نکالنا، خاموش ہی رہنا۔ چنانچہ وہ ہر وقت چپ رہتی، ساس نے ہر چند چاہا کہ یہ بھی کچھ بولے بات کرے مگر وہ کچھ نہ بولتی تھی۔ ایک دن ساس حسرت سے کہنے لگی کہ میری بہوتو بہت اچھی ہے صورت و سیرت سب بہتر ہے مگر بس اتنی کسر ہے کہ بولتی نہیں ہے، بہوتے نے کہا مجھے میری اماں نے بولنے سے منع کر دیا ہے۔ اس لئے میں نہیں بول سکتی۔ ساس نے کہا کہ تمہاری اماں پاگل ہے، بیٹی بہوتے کے بولنے بات کرنے ہی سے گھر میں رونق ہوتی ہے۔ تم ضرور بات چیت کیا کرو۔ بہوتے نے کہا اچھا بولوں تو تم بڑا تو نہیں مانو گی۔ ساس نے کہا میں کیوں بڑا مانتی میں تو اللہ سے چاہتی ہوں کہ تو بولے، کہاں میں یہ پوچھتی ہوں کہ اگر تمہارا لڑکا مر جائے تو تم میرا دوسرا بیاہ بھی کر دو گی یا یوں ہی بٹھائے رکھو گی۔ ساس نے کہا بیٹی! واقعی تیری ماں کی رائے درست تھی اور میری رائے غلط تھی تیرا خاموش ہی رہنا بہتر ہے، تو بولنے کے لائق نہیں۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

اہل طریق کا اجماع ہے کہ جو شخص دوسروں کی تربیت کرتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ ایک وقت اپنے لئے یکسوئی اور خلوت کا ضرور مقرر کرے ورنہ نسبت مع اللہ ضعیف ہو جائے گی معلوم ہوا کہ اصل مقصود نفع لازم ہے اور نفع متعدی مقصود نہیں بلکہ مقصود کا ذریعہ ہے خوب سمجھ لو اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں۔ بعض سالکین اس نیت سے ذکر و شغل کرتے ہیں تاکہ اپنی تکمیل کے بعد مخلوق کی اصلاح کریں گے۔ یاد رکھو یہ خیال طریق میں راہزن ہے اور اس نیت کے ساتھ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## مشورہ کی اہمیت

جس شیخ کو کوئی دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے۔ اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہے گا۔

جب میں مشائخ کے لئے بھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنائیں اور اپنے معاملات خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کیا کریں تو غیر مشائخ کے لئے تو اس کی ضرورت بہت زیادہ ہے پس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے اور اسی پر کفایت کر لے اور مبتدیان سلوک اور متوسطین کے لئے تو یہ بہت ہی مضر اور سدِ راہ ہے ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہئے۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

(ارضاء الحق ج ۱۵)

## عجیب واقعہ

اسی طرح جب حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اپنے شیخ علی احمد صابر کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ بوعلی قلندر پہلے سے موجود تھے انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدین کے پاس بھیجا، شیخ شمس الدین نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔ لوگ اس رمز کو نہ سمجھے تو انہوں نے قلندر صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی فرمایا کہ میں نے شیخ شمس الدین سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورہ پانی سے بھرا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں آپ یہاں فضول تشریف لائے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں یہاں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے کہ پانی کی جگہ کو نہیں گھیرتا یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہ کروں گا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

اس کے بعد شاہ بوعلی قلندر خود ہی بستی چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے گویا حضرت شیخ شمس الدین کو اجازت دیدی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو۔ اب ہماری ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسرا صاحب کمال آگیا ہے۔



اور یہ جو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کی نسبت سلب کر لی تو وہ محض کیفیت سلب ہوتی ہے ورنہ نسبت مع اللہ بھی کہیں کسی کے سلب کرنے سے سلب ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔

## تصوف کا راہ اعتدال

صاحبو! میں اس وقت تصوف کو پانی کر رہا ہوں نہ تو میں آپ کو لا موجود الا اللہ کا مکلف کرتا ہوں کیونکہ یہ تو شیخ ابن عربی ہی کا کام تھا۔ ہمارا آپ کا کام نہیں۔ اور نہ ایسا آزاد چھوڑتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کرو۔ بلکہ میں آپ کو بین بین حالت کی وصیت کرتا ہوں کہ نہ تو بالکل بے فکر رہو کہ چھو منتر ہی کا انتظار کرتے رہو اور نہ لا موجود الا اللہ کے درپے رہو بلکہ بحمد اللہ لا معبود الا اللہ کا درجہ تو آپ کو حاصل ہے ہی اعتقلاً ابھی اور عملاً بھی بس اتنی کسر ہے کہ لا مقصود الا اللہ کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اعتقلاً تو یہ درجہ بھی آپ کو حاصل ہے صرف عمل میں کسر ہے سو ضرورت اس کی ہے کہ عملاً لا مقصود الا اللہ پر عامل ہو جاؤ کہ ہر کام میں رضائے حق کا قصد کرو۔

بعض لوگوں کی نیت تو اس میں یہ ہوتی ہے کہ شیخ خوش ہوگا تو ہمارے حال پر زیادہ توجہ کرے گا اس میں تو اپنی غرض کا شائبہ بھی ہے گو یہ غرض محمود ہے کیونکہ توجہ سے مقصود اپنی اصلاح و تکمیل ہے اور اس سے مقصود رضائے حق ہی ہے۔ اور بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا مقرب و مقبول ہے اس کے خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے۔ اس نیت میں اپنی غرض بھی نہیں ہے بلکہ خالص ارضائے حق ہی مطلوب ہے۔ بہر حال ارضائے خلق اگر بہ نیت ارضائے حق ہو۔ تو وہ ارضائے حق ہی میں داخل ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## حقیقت ریا

اس کا معیار کیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ وسوسہ ریا تھا نہ کہ حقیقت ریا۔ تو ائمہ طریق نے اس کو بھی بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ریا یہ ہے کہ اس کے دیکھنے والے چلے جائیں تو یہ ذکر وغیرہ کو قطع کر دے اور اگر ان کے جانے کے بعد ذکر کو قطع نہ کرے تو دیکھنے والوں کے ہوتے ہوئے جو ان کی طرف خیال گیا تھا یہ وسوسہ ریا تھا ریا نہ تھا۔ خوب سمجھ لو بعض لوگ اس حقیقت کے نہ جاننے سے ذکر جہر میں پس و پیش کرتے ہیں کہ اس میں تو ریا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک شخص کو ذکرِ جہر تعلیم فرمایا تو اس نے یہی کہا کہ اس میں تو ریاء ہوگی خفی کر لیا کروں۔ مولانا نے فرمایا کہ جی ہاں! اس میں تو ریاء ہوگی خفی میں نہ ہوگی۔ ارے بیٹھو! ذکرِ خفی میں تو اس سے زیادہ ریاء ہوگی۔ کیونکہ ذکرِ جہر میں تو لوگ یہی جانیں گے بس لا الہ الا اللہ کر رہے ہیں۔ اور جب گردن جھکا کر بیٹھو گے تو لوگ سمجھیں گے کہ نہ معلوم کہاں کہاں کی سیر کر رہا ہے۔ عرش کی یا گرسی کی چاہے میاں سوتے ہی رہیں۔ چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ہم تھانہ بھون حاجی صاحبؒ کی خدمت میں تھے اس وقت ایک نقشبندی بزرگ بھی آئے ہوئے تھے۔ رات کو ہم ذکرِ جہر کرتے تھے اور وہ ذکرِ خفی مگر صبح کو وہ روز شکایت کرتے تھے کہ آدھا ذکر ہوا تھوڑی دیر کے بعد نیند آگئی تھی اور میں سر جھکائے سو رہا اور ہم سب اپنا معمول پورا کر لیتے تھے تو حضرت ذکرِ خفی میں بعض دفعہ آپ سوتے ہی رہیں گے اور لوگ سمجھیں گے کہ شیخ صاحب مراقبہ میں ہیں تو یہ اچھا انسداد ریاء ہوا کہ ذکر ہی سے رہ گئے پس یہ وسوسہ لغو ہے ریاء کوئی خود نہیں لپٹتی پھرتی۔ جب قصد کرو گے تب ہی ریاء ہوگی ورنہ محض وسوسہ ہوگا جو مضرب نہیں۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## تصوف کی حقیقت

حواشی قشریہ میں ہے۔

التصوف تعمیر الظاہر والباطن: (تصوف ظاہر و باطن کی صفائی کا نام ہے) اور باطن کے متعلق دو چیزیں ہیں ایک عقیدہ اور دوسرے اخلاق، ان سب کی اصلاح بھی قرآن میں ہے۔ مگر صوفیہ نے اس کو تصوف سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن نے ایمان اور عمل صالح سے تعبیر کیا ہے تو تصوف کی حقیقت یہ ہے ثمرہ اس کا یہ ہے۔

تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَى: (تم میں سے ہمارے قریب وہ ہے جو ایمان لایا اور نیک کام کئے) الحمد للہ اس وقت دو غلطیاں رفع ہوئیں ایک تو یہ کہ لوگ تصوف کی حقیقت کو غلط سمجھے ہوئے تھے یعنی تصوف میں تین چیزیں ہیں ایک تو ایمان اور عمل صالح کہ یہ عین تصوف ہیں۔ ایک وہ کہ اُن کو تصوف سے کچھ بھی علاقہ نہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک مباحات دوسرے ممنوعات۔ جیسے یہ عقیدہ کہ طریقت میں سب کچھ مباح ہو جاتا ہے یا کہ میرے پیر کو سب کچھ خبر ہے۔ جیسے چند روز ہوئے ایک پیر صاحب نے کہا کہ میرے سپرد پولیس کا کام

ہے اور ہر جمعرات کو سب اولیاء پیران کلیر میں جمع ہوتے ہیں اور اشرف علی بھی وہاں آتا ہے۔ وہ سمجھے تھے کہ یہ سن کر میں بہت خوش ہوں گا، اور ان کی تعریف کروں گا مگر مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں ان کو یقینی کاذب سمجھنے لگا تو گویا خدائی کو اپنا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح مُردوں کے اختیار میں کچھ سمجھنا بھی ایسا ہی ہے یہ تو وہ چیزیں ہیں کہ معاصی لعینہ ہیں۔ دوسری وہ چیزیں کہ وہ معصیت لغیرہ ہیں۔ جیسے سماع کا سننا کہ اگر کسی سے مجبوری کی وجہ سے سُن لینا منقول ہے تو وہ رحمت نہیں اور بلا عذر ناجائز ہے اور اب تو اس کی حالت نہایت گند درگند ہو گئی ہے اور واقع میں یہ سب اعمال فقیہ ہیں، ان کو تصوف سے کچھ علاقہ نہیں۔ (طریق القرب ج ۱۵)

## غلو بیعت

اب میں اس پر ایک دوسرے مسئلہ کی تفریع کرتا ہوں جو چند روز سے میں نے تجویز کیا ہے جس میں مجبور ہوں۔ مگر لوگ میری معذوری کو اب تک نہیں سمجھے۔ اس بیان سے لوگوں کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ افراط فی الشفقت (شفقت میں زیادتی کرنا ۱۲ ص) مضر ہے اور یہ مقدمہ پہلے سے معلوم ہے۔ مقدمہ المکر وہ مکروہ و مقدمہ الواجب واجب کہ جو چیز کسی بُری شے کا سبب ہے وہ بھی بُری ہے اور جو ضروری شے کا ذریعہ ہو وہ ضروری ہے تو چونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ افراط فی الشفقت مضر ہے اور مکروہ ہے اس لئے جو چیز افراط فی الشفقت کا سبب بنے وہ بھی واجب ترک ہوگی تو مجھے بیعت کرنے سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں نے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے گو اس میں ایک فتویٰ کی بات بھی ہے کہ بیعت کی جو اصل تھی آج کل اُس سے تجاوز ہو گیا ہے۔ بیعت کا خلاصہ ہے معاہدہ مرید براتباع (مرید کا معاہدہ اتباع پر ہوتا ہے۔ ۱۲ ص) و معاہدہ شیخ برشفقت و اصلاح (شیخ کا معاہدہ اصلاح و شفقت پر ہوتا ہے۔ ۱۲ ص) اب لوگوں نے اپنی حد سے ایسا بڑھایا ہے کہ جس سے عقیدہ اور عمل میں تغیر پیدا ہو گیا ہے۔

عقیدہ میں تو یہ کہ جب تک ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہ کیا جائے صرف زبانی معاہدہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے اور ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے مگر وہ کبھی راضی نہیں ہوتا۔ گویا بزرگی کوئی برق ہے کہ جب تک پیر کے ہاتھ سے ہاتھ نہ ملایا جائے وہ برق نہیں دوڑتی۔

اگر یہی بات ہے تو لازم آتا ہے کہ ہمارا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے کیونکہ ایک زمانہ میں بزرگوں نے اس طریقہ سے بیعت کرنے کو ترک کر دیا تھا اس لئے کہ اس زمانہ میں بادشاہ رعایا سے اطاعت کی بیعت لیا کرتے تھے۔ تو اگر کسی دوسرے کو بیعت کرتے ہوئے دیکھا جاتا اس پر بغاوت کا گمان کیا جاتا تھا کہ یہ بھی طالب سلطنت ہے تو بزرگوں نے اس خوف سے کہ کوئی بادشاہ سے چغلی نہ کھا دیوے اس طریقہ بیعت کو ترک کر دیا تھا صرف زبانی معاہدہ پر اکتفا کرتے تھے۔ اور تعلیم فرمایا کرتے تھے تو بتلائے اگر بدوں اس خاص طریقہ کے بیعت نہیں ہو سکتی تو آپ کا سارا سلسلہ نسبت ہی منقطع ہوا جاتا ہے اور اگر ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اُس سے انکار کیا جاتا ہے اور زبانی معاہدہ اور تعلیم کو نا کافی خیال کیا جاتا ہے جو چیز موقوف علیہ نہ ہو اس کو موقوف علیہ سمجھنا یہ غلو فی العقیدہ (عقیدہ میں غلو ۱۲ ص) ہے یا نہیں ضرور ہے اور اس کی اصلاح ہونی چاہئے اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ اُس طریقہ کو اسی ہیئت سے جاری رکھا جائے اور زبان سے سمجھا دیا جائے کہ یہ ہاتھ میں ہاتھ دینا صرف ظاہری بیعت ہے۔ اصل بیعت کام کرنا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس ہیئت کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے حضرات پہلے طریق پر عمل کریں اور مجھے چونکہ اس ہیئت خاصہ سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں دوسرا طریق اختیار کرتا ہوں۔ اس طرح غلو فی العقیدہ کی بھی اصلاح ہو گئی اور ضرر کی بھی۔

دوسرا غلو بیعت سے آج کل عمل میں ہو گیا ہے وہ یہ کہ جتنا بڑا پیر کو سمجھنا چاہئے مُرید اس سے زیادہ بڑا سمجھتا ہے۔ ایسے ہی پیر مُرید کو اپنے سے بہت چھوٹا سمجھتا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہ سمجھنا چاہئے۔ تواضع کے بالکل خلاف ہے اور خاصہ تکبر ہے پیروں سمجھتا ہے کہ میں اس کا حاکم ہوں اس کو میرے خلاف مرضی کوئی کام نہ کرنا چاہئے۔ اگر کبھی مُرید پیر کو کسی بات پر ٹو کے تو وہ سخت رنجیدہ ہوتا ہے کہ اس کو یہ منصب حاصل نہیں پھر ہمیں کیوں نصیحت کرتا ہے۔ معاذ اللہ پیر کے ساتھ بالکل خدا کا سا معاملہ طے کرتے ہیں۔ پیر کے سامنے اُلٹے پاؤں لوٹیں گے یا جب تک وہ بیٹھنے کا حکم خود نہ کرے کھڑے رہیں گے۔ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کھڑے ہو گئے۔ بڑی دیر ہو گئی میں بڑا پریشان ہوا آخر میں نے بھی اُسے بیٹھنے کو نہ کہا جب دیر ہو گئی تو میں نے کہا بیٹھتے کیوں نہیں کہنے لگے۔ بلا اجازت کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔ میں نے کہا تو پھر آٹھ دن تک بیٹھنے کی اجازت نہیں یہ سنتے ہی فوراً بیٹھ گئے۔ یہ تو ظاہر میں معاملہ ہے اور دل سے یوں



سمجھتے ہیں کہ خدا کا نائب مطلق ہے اگر پیر کسی کام کرنے کا حکم کرے تو مرید سمجھتا ہے کہ اگر یہ کام نہ کروں گا تو نہ معلوم کیا ہو جائے گا۔ اگر وہ کسی کو نوکر رکھنے کا حکم کرے تو چاہے اپنے آپ کو کلفت ہی ہو اور دل نہ چاہتا ہو مگر کیا مجال جو اس کو نوکر نہ رکھے۔ (وحدۃ الحب ج ۱۵)

## مبتدی کو ہدایات

مبتدی کو ابتداء میں وساوس و خطرات زیادہ آتے ہیں کیونکہ ایسی ذات کی طرف توجہ کا مربوط ہو جانا اول بہت دشوار ہوتا ہے جو نہ مشاہدہ میں آسکے نہ تصور میں پوری طرح آسکے اس لئے توجہ الی اللہ کا طریقہ بتلانے کی بہت ضرورت تھی۔ چنانچہ واذکر اسم ربک (اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کر) میں بھی یہی طریقہ بتلایا گیا ہے اس لئے یہ جملہ زیادہ نہیں۔ حاصل طریقہ کا یہ ہے کہ گو ذات حق کی طرف توجہ تام نہیں ہو سکتی۔ مگر تم اس کو یاد ہی کرتے رہو۔ بس یہی توجہ ذکر کی کافی ہے اور اسی سے مطلوب حاصل ہو جائے گا۔ (الوصل والفصل ج ۱۵)

## کمال اخلاص

حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دن ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لئے ہوئے دوڑی جا رہی تھیں کسی نے پوچھا حضرت یہ کیا ہے فرمایا لوگ کہیں جنت کے طالب ہیں کوئی دوزخ سے ڈرتا ہے میرے محبوب کا نام کوئی نہیں لیتا۔ (فتاۃ النفوس ج ۱۵)

## منتہی کی حالت

مگر کالمین کو لوگ اس واسطے اپنے اوپر قیاس کر لیتے ہیں کہ وہ متوسطین کی طرح شان امتیاز کے ساتھ نہیں رہتے۔

چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ حج کو گئے اور طواف کیا تو کعبہ کو نثار پایا یعنی روح کعبہ کو موجود نہ پایا۔ جو ایک خاص تجلی ہے۔ حق تعالیٰ سے دریافت کیا کہ کعبہ کہاں چلا گیا الہام ہوا کہ فلاں بزرگ کی زیارت کو گیا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن بھی اس پر اکتفاء نہ کیا۔ بلکہ خود جہاد کر کے خود زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جملہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اختیار سے کبھی فاقہ نہیں کیا اور روزہ بھی رکھا تو سحری میں پیشگی کچھ ضرور کھا

لیا۔ چاہے ایک چھوہارہ ہی ہو۔ کھانے کا نام تو ہو گیا اب اس حالت کو دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ یہ کھانے کے کیسے پابند ہیں۔ روزہ بھی رکھا تو وہ وقت کھانے کا معمول نہ چھوڑا۔ اس حالت میں کامل کو کون پہچانے، اور اُس سے کون ڈرے۔ غرض منتہی کی حالت مبتدی کے مشابہ ہوتی ہے۔ اور یہ مبتدی کے لئے بھی فضیلت ہے کہ اس کو کالمین سے مشابہت ہے اس طرح مبتدی

مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ: (الصحيح للبخاری 8: 110، سنن الترمذی: 2333،

سنن ابن ماجہ: 4114 مشکوٰۃ المصابیح 5274)

(جو شخص جن لوگوں کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے)

کے قاعدے سے صورت منتہیین میں داخل ہو گیا۔ سُبحان اللہ! شریعت بھی کیا عجیب ہے کہ مبتدی کو بھی فضیلت سے محروم نہ رکھا۔

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت رابواریاب معنی را  
(اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جان کو بوسے تازہ رکھتی ہے)

صوفیہ نے لکھا ہے کہ سالک کی دو قسمیں ہیں ایک تو صوفی ہے ایک متصوف ہے۔ یعنی صوفیوں کی صورت بنانے والا اس طریق میں متصوف کی بھی فضیلت ہے یہ بھی محروم نہ رہے گا۔ (فناء النفوس ج ۱۵)

محققین نے ایک بے التفاتی وعدم توجہ کے متعلق ایک اور بات بتلائی ہے وہ یہ کہ وسوسہ سے پوری بے توجہی اُس وقت تک نہیں ہو سکتی۔ جب تک نفس کو کسی اور شے کی طرف متوجہ نہ کیا جائے۔ اس لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ وسوسہ سے توجہ ہٹا کر کسی اور شے کی طرف متوجہ ہو جائے چاہے کعبہ کا تصور کر لے یا مدینہ کا یا کسی علمی مضمون کا یا اخیر میں بچا کچھ ایہ شیخ رہ گیا ہے۔ اس کا تصور کر لے اس سے بھی وسوسہ کی طرف بے توجہی ہو جاتی ہے۔

## تصور شیخ

کار خود کن میں نے بچپن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے ایک جملہ سنا تھا۔ اس وقت تو اُس کی حقیقت منکشف نہ ہوئی تھی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ واقعی علم عظیم ہے۔ بچپن میں میرا حافظہ بہت اچھا تھا۔ اُس وقت کی باتیں بہت محفوظ ہیں۔ اب خراب

ہو گیا ہے۔ اب تو چار دن کی بات بھی یاد نہیں رہتی۔ مگر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر بچپن کی باتیں اس وقت کیونکر یاد ہیں، بات یہ ہے کہ اس وقت میں کاغلبہ ہے اور پتھر کی خاصیت ہے کہ اُس میں نئی لکیر تو مشکل سے پڑتی ہے لیکن جو لکیریں پہلے سے پڑی ہوئی ہوتی ہیں وہ نہیں مٹتیں۔ تو مولانا نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ طلب مطلوب ہے وصول مطلوب نہیں۔ کیونکہ طلب تو اختیاری ہے اور وصول غیر اختیاری ہے اور بندہ اختیاریات کا مکلف ہے نہ کہ غیر اختیاری امور کا۔ اس سے بڑی مشکلات حل ہو گئیں۔ کیونکہ طالب اگر کسی وقت شاکی ہو تو اُس سے کہنا چاہئے کہ تم کو طلب بھی ہے یا نہیں ہے تو پھر شمرہ کا انتظار کیسا۔ اول طلب تو پیدا کرو۔ اور اگر کہے مجھے طلب تو ہے تو اُس سے کہنا چاہئے کہ بس مدعا حاصل ہے تم طلب ہی کے مکلف ہو۔ تمہارا اتنا ہی کام ہے۔ وصول کے تم مکلف نہیں ہو۔ نہ وہ تمہارا کام ہے بلکہ وہ خدا کا کام ہے۔ اُن کو اختیار ہے تم اپنے کام میں لگو۔ خدا تعالیٰ کے کام میں دخل نہ دو۔ کار خود کن کار بے گانہ ممکن (اپنا کام کرو دوسرے کا کام نہ کرو) (فناء النفوس ج ۱۵)

## لطافت شریعت

رنج خلاف توقع سے ہوتا ہے اگر آپ کو کسی سے یہ توقع ہو کہ میری تعظیم کرے گا۔ اس کے خلاف سے رنج ہوگا اور اگر توقع کچھ نہ ہو تو کچھ رنج نہ ہوگا۔ یہی تفویض کا حاصل ہے کہ تجویز و توقع کو قطع کر دیا جائے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمام فلاسفہ کی کتابیں چھان مارو۔ راحت کا جو طریق شریعت نے بتلایا ہے وہ کہیں نہ ملے گا۔ مگر شریعت سے تو لوگوں کو جاڑا چڑھتا ہے۔ حالانکہ اس کے خُسن کی یہ شان ہے۔

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم گر شمع دامن دل من می کشد جا اینجا است  
(سر سے پاؤں تک) (اول سے آخر تک) جس جگہ نظر کرتا ہوں میرے دل کا شوق  
دامن کھینچتا ہے کہ جگہ یہی ہے۔ (العرف بالتصرف ج ۱۵)

## اصول مشائخ

مصلح پر بار نہ رکھنا چاہئے۔ اُس کی سہولت کے صورتیں نکالنی چاہئیں۔ جن میں سے ایک جزویہ بھی ہے کہ جس قدر تحقیقات شیخ سے سُنو سب کو اپنے احوال پر منطبق کرتے رہو۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

بشنوید اے دوستاں ایں داستاں خود حقیقت نقد حال ماست آں  
نقد حال خویش را گر پے بریم ہم زد دنیا ہم ز عجبی برخورداریم  
(دوستو اس داستان کو سنو جو ہماری موجودہ حالت کے موافق ہے اگر اپنی موجودہ  
حالت میں غور و فکر کرتے رہا کرو تو دونوں جہان کا ہم کو فکر حاصل کرو)  
پس ہر مضمون کو ہمیں اپنا نقد حال سمجھنا چاہئے۔ مولانا نے بھی یہ حکایت جس کے یہ  
ابتدائی اشعار ہیں۔ ہماری ہی حالت کے موافق لکھی ہے۔

چنانچہ شیخ شبلیؒ کی حکایت ہے کہ ایک سبزی فروش سبزی فروخت کرتا پھر رہا تھا اور یہ صدا  
اور آواز لگا رہا تھا۔ کہ الخیار العشرة بدائق جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دس لکڑی ایک دانگ  
میں۔ اور ایک لغت پر یہ ترجمہ بعید جو کہ مراد نہ تھا۔ نہ اس کا کوئی قرینہ تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ  
دس نیک لوگ ایک دانگ میں۔ شیخ کے کان میں یہ آواز پڑی۔ شیخ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے  
کہ جب خیار (یعنی نیکوں) کی یہ حالت ہے تو ہم اشرا کو کون پوچھے گا۔ کیا اچھے لوگ تھے۔  
نگو ینداز سر باز یچہ حرفے کزاں پندے نگیرد صاحب ہوش  
(کھیل سے بھی لوگ جو بات کہتے ہیں اس سے بھی عقل مند نصیحت حاصل کرتے ہیں)

ظاہر میں تو کھیل کی بات تھی مگر واللہ ثم واللہ ہر شے میں اپنا سبق ہے۔ ہر چیز میں اپنا  
نفع ہے۔ چنانچہ حضرت جنیدؒ مریدوں کی معیت میں تشریف لے جا رہے تھے ایک چور نے  
چوری کی تھی۔ خلیفہ نے ہاتھ کاٹا۔ اس کے بعد چوری کی۔ خلیفہ نے پیر کٹوایا اس کے بعد پھر  
چوری کی۔ خلیفہ نے سولی پر چڑھوا دیا۔ تو شیخ جنیدؒ کا اس طرف گزر ہوا تو لوگوں نے اس کی  
سولی کا سبب پوچھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ بار بار چوری کرنے سے سولی دیا گیا ہے تو دوڑ کر  
اُس کے پاؤں چوم لئے مریدوں کو حیرت ہوئی۔ شیخ سے سبب پابوسی کا دریافت کیا۔ شیخ نے  
جواب دیا کہ میں نے اس کے استقلال سے پاؤں چومے ہیں کہ کس درجہ مستقل ہے اور  
استقلال فی نفسہ ایک صفت حمیدہ ہے۔ گو اس نے بے موقع اس کو صرف کیا۔ ہر ذلیلہ میں  
ایک جزو کمال کا بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس میں استقلال کی ایک کمال ہے۔ (اعلیٰ النافع ج ۱۵)

## مال کی محبت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عجیب ارشاد ہے آپ کے زمانہ میں کسی غزوہ میں بے شمار  
مال و دولت آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کا ارشاد ہے۔



زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ  
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ .

خوش نما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے  
سونے اور چاندی کے۔ (پارہ ۳۔ رکوع ۱۰)

کہ لوگوں کے لئے شہوتوں کی محبت مستحسن کر دی گئی۔ یعنی عورتوں اور اولاد اور سونے چاندی کے  
ڈھیروں کی محبت لوگوں کے قلوب میں آراستہ کر دی گئی ہے اور اے پروردگار جب آپ نے کسی  
مصلحت سے اس کی محبت کو مزین کیا ہے تو یہ درخواست کرنا کہ ہمارے دل میں اس کی محبت نہ  
رہے۔ خلاف ادب ہے۔ اس لئے ہم یہ درخواست نہیں کرتے بلکہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ  
اس محبت کو اپنی مرضیات کا ذریعہ بنادیتے تو دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر آج کون  
عارف ہوگا۔ آپ نے زوالِ حُب مال کی دُعا نہیں کی۔ کیونکہ حُب مال میں بھی حکمتیں ہیں۔ ایک  
حکمت تو یہی ہے کہ اس سے بقدر ضرورت مال جمع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان کا تقویٰ مال ہی  
تک رہتا ہے۔ اگر مال ہے تو نماز روزہ بھی ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ (الفاء المحبوب ج ۱۵)

## غم کا علاج

طبعی حزن کی ممانعت نہیں جو غیر اختیاری ہے بلکہ عقلی حزن کی ممانعت ہے جو  
اختیار سے پیدا ہوتا ہے اور گو حزن طبعی کا حدوث غیر اختیاری ہے مگر تدبیر و علاج سے  
اس میں تقلیل ہو سکتی ہے اور علاج یہ ہے کہ طبیعت کو دوسری چیز کی طرف متوجہ کرے یہ  
عام قاعدہ ہے کہ دوسری چیز کی طرف متوجہ ہونے سے پہلی چیز کمزور ہو جاتی ہے اور بعض  
امور کو تو بعض کے ازالہ یا تضعیف میں خاص دخل ہوتا ہے مثلاً غم کی حالت میں بشارت  
کو یاد کرنا ازالہ غم میں بہت مفید ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اول تو عقلی حزن و خوف سے  
منع فرمایا پھر طبعی حزن و خوف کے ازالہ کی یہ تدبیر فرمائی۔ (النفحات فی الاوقات ج ۱۵)

## حصولِ توجہ

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ بعض اوقات ہماری طرف ایک خاص طور سے  
متوجہ ہوتے ہیں جس کو نفحات سے تعبیر فرمایا ہے۔ تو ضرورت اس کی ہے کہ ہم بھی ان کی طرف

متوجہ ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ تنہا ادھر کی اس طرز کی توجہ پر کفایت مت کرو بلکہ کامیابی کے لئے تم بھی توجہ کرو۔ وہ توجہ اس طرز کی ہے جیسے ایک کریم سائل کی طرف دیکھ رہا ہو کہ یہ میری طرف نظر کرے تو میں اس کو روپیہ دیدوں۔ اب اگر کوئی سائل ایسا بد دماغ ہو کہ باوجود کریم کی نظر کے بھی اُس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے تو بتلائیے اس کو روپیہ کیونکر مل جاوے گا۔ بلکہ اس کی نظر کے بعد اس کا نگاہ نہ اٹھانا اور دوسری طرف متوجہ رہنا قاعدہ سے موجب عتاب و طرد ہوگا۔

ہاں ایک دوسری قسم کی توجہ یہ بھی ہے کہ کریم سائل کی نظر کا انتظار نہ کرے۔ بلکہ اس کی بے خبری میں روپیہ جیب میں ڈال دے۔ مگر اس توجہ کا کچھ قانون نہیں۔ بلکہ یہ وہب محض ہے۔ قانون وہی ہے جو صورت اول میں مذکور ہوا کہ ان کی توجہ کے وقت تم بھی ادھر متوجہ ہو تو دولت مل جائے گی۔ (النفحات فی الاوقات ج ۱۵)

## درجاتِ توجہ

توجہ کے چند درجے ہیں۔ ایک توجہ الی الصفات اور ایک توجہ الی الذات۔ توجہ الی الصفات کہ سمیع علیم، بصیر کا تصور کیا جائے جیسا کہ مشائخ بعض کو اَلَمْ یَعْلَمْ بَانَ اللّٰہَ یَرٰی (کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے) کا مراقبہ بتلایا کرتے ہیں اور توجہ الی الذات یہ ہے کہ محض ذات کا تصور ہو کہ اس وقت صفات پر بھی نظر نہ ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کو تصور بالکنہ ہوتا ہے یہ تو محال ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را (جال اٹھائے عنقا کسی کے جال میں نہیں پھنستا کہ اس جگہ ہمیشہ جال میں ہوا کے سوا کچھ نہیں آتا) بلکہ جس کو بھی ہوتا ہے۔ تصور وجہ کا ہوتا ہے۔ مگر وہ وجہ کو مرآۃ ذات کا بناتا ہے۔ اور ملتفت الیہ خود ذات ہوتی ہے پس یہی توجہ الی الذات ہے اور ایسے تصور کے لئے کنہ کا علم شرط نہیں۔

(النفحات فی الاوقات ج ۱۵)

## نفع مراقبہ

مراقبات کا نفع یہ نہیں ہے کہ ان سے تصور کامل ہوتا ہے۔ بلکہ یہ نفع ہے کہ ان سے تصور ناقص راسخ ہو جاتا ہے۔ اور اسی رسوخ میں مشائخ عوام سے ممتاز ہیں۔ سو عوام سے ہم کو یہ شکایت نہیں کہ اُن کو تصور حق کامل طور پر کیوں نہیں ہے۔ بلکہ شکایت اس کی ہے کہ یہ

تصور ناقص راسخ کیوں نہیں ہے۔ کہ کسی وقت تو خدا تعالیٰ کی یاد ہے اور کسی وقت غفلت ہے اور رسوخ ذکر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ذات بحت کا تصور راسخ ہو جائے اور یہ پیدا ہوتا ہے کثرت ذکر سے مع تصور ذات بحت کے۔ (النفحات فی الاوقات ج ۱۵)

## ذکر اسم ذات

علامہ ابن تیمیہ نے بھی ایک رسالہ میں ذکر اسم ذات کو بدعت لکھا ہے اور اُن کے مقابلہ میں بعض بے علم صوفیہ نے اس کو ثابت بالقرآن اور ثابت بالسنتہ کہہ دیا ہے۔ چنانچہ بعض نے قرآن سے اس ذکر کو ثابت کیا ہے۔ اور وہ دلائل ایسے کمزور ہیں کہ اُن کو ہم خود بھی رد کر دیتے ہیں۔ ابن تیمیہ تو کیوں رد نہ کرتے وہ تو بڑے محتاط ہیں۔ متشدد کا لفظ نہ کہوں گا۔ کیونکہ خلاف ادب ہے چنانچہ بعض صوفیہ نے اس کو

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر انکو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے)

سے ثابت کیا ہے کہ دیکھو اس میں حکم ہے کہ اللہ کہو نہ مبتداء ہے نہ خبر ہے بس صرف اللہ۔ کہنے کا امر ہے اُن سے کوئی پوچھے کہ پھر اللہ کون نصب کیوں نہ ہو ارفع کیوں ہے۔

اول اس کے سبق کو دیکھو پھر سبق پورا ہوگا۔ اوپر ایک آیت میں ذکر ہے مقولہ کفار کا وہ آیت یہ ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ

(ان لوگوں نے جیسا اللہ کی قدر پہچانا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی جبکہ یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی)

وہ کہتے تھے کہ خدا نے بشر پر وحی کبھی نازل نہیں کی۔ حق تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں۔ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُّوْسٰی نُوْرًا وَّ هُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ یُبْدُوْنَہَا وَ تَخْفُوْنَ کَثِیْرًا وَّ عَلِمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا اَنْتُمْ وَّلَا اٰبَاؤُكُمْ۔

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے تھے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کیلئے ہدایت ہے جس کو تم نے متفرق اوراق میں چھوڑا ہے جن کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی باتیں تعلیم کی گئی ہیں نہ جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا)

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر انسان پر خدا نے کچھ نازل نہیں کیا تو بتلاؤ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ جس میں لوگوں کے لئے نور و ہدایت ہے۔ یہ جواب اس لئے دیا گیا کہ

مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ (اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی)  
(النفحات فی الاوقات ج ۱۵)

## حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ذکر

صحابہ سے فَطَرْتُ فَطَرْتُ (پھٹ جائیگا پھٹ جائیگا) کہنا بھی کہاں ثابت ہے۔ تو کیا عدم ثبوت کی وجہ سے تم اس کو حرام کہہ دو گے اور جب یہ حرام نہیں تو عدم ثبوت کی بناء پر اللہ اللہ کو بدعت کیوں کہا جاتا ہے۔ بات یہ کہ صحابی کی استعداد کامل تھی۔ ان کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہی میں توجہ کامل ہو جاتی تھی۔ اس لئے وہ اختصار کے محتاج نہ تھے۔ اور ہماری توجہ بدوں ایک ایک کلمہ کے تکرار کے کامل نہیں ہوتی۔ جیسے بعض لوگ تو پوری آیت کا اعادہ کر کے اُس کو یاد کر لیتے ہیں۔ اُن کو ایک ایک کلمہ کے تکرار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور بعض لوگ پوری آیت کے تکرار سے حفظ نہیں کر سکتے۔ اُن کو ایک ایک بلکہ بعض دفعہ جزو کلمہ کے اعادہ کی حاجت ہوتی ہے۔ اور یہ بالاتفاق جائز ہے چنانچہ حفاظ کو عموماً اسی پر عمل ہے اور کسی نے آج تک اس کو حرام یا گناہ یا بدعت نہیں کہا۔ حالانکہ صحابہ سے یہ صورت بھی کہیں ثابت نہیں۔ پھر اگر ذکر اللہ اللہ کو اسی غرض سے اختیار کیا جائے تو وہ بدعت و حرام کیوں ہو جائے گا۔ ہاں ایک بات البتہ لازم آئی وہ یہ کہ اس صورت میں اللہ اللہ کہنا ذکر نہ ہوا۔ جیسے فَطَرْتُ فَطَرْتُ کہنا تلاوت نہیں۔ سو یہ ہم کو مسلم ہے۔ بے شک یہ ذکر نہیں مگر بحکم ذکر ضرور ہے کیونکہ یہ تہیؤ للذکر ہے۔ اور جو شخص مقدمات ذکر میں مشغول ہے۔ وہ گو حقیقتہً ذکر نہ ہو مگر حکماً ذکر ضرور ذکر ہے جیسے حدیث میں ہے کہ انتظارِ صلوٰۃ بحکم صلوٰۃ ہے۔ اور جو شخص سفر حج میں ہوا۔ اُس کے سب افعال بحکم حج ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ مَّيْتَةٍ مُّهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ .



(اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے پھر اس پر موت واقع ہو جائے تو اس کا اجر و ثواب اللہ کے ہاں ہے) جس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مقدمات ہجرت میں مشغول ہے وہ حکماً مہاجر ہی ہے۔ علیٰ ہذا۔ (الطہات فی الاوقات ج ۱۵)

### مشاہدہ و معائنہ

جس طرح ایک قسم توجہ کی یہ تھی کہ صفات کا تصور کیا جائے اور اس کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک قسم اُس کی یہ ہے کہ ذاتِ بکت کا تصور کیا جائے اور اس کو معائنہ کہتے ہیں جس کے ذکر اسم ذات ایک سہل طریقہ ہے۔ اور یہ مشاہدہ و معائنہ اصطلاحی الفاظ ہیں اس سے یہ مت سمجھنا کہ یہ فقیر لوگ خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔ کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث موجود ہے۔  
 اِنْكُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتَّى تَمُوتُوا (مرنے سے پہلے تم حق تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے) کہ مرنے سے پہلے حق تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے اور یہ جو بعض جہلاء نے اس کے جواب میں کہا ہے۔  
 قَدْ مِتْنَا فَرَأَيْنَا رَبَّنَا کہ ہم تو مر چکے۔ اس لئے ہم خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ لیتے ہیں اور موت سے مراد وہ موت لی ہے جو مَمُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا میں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معنی موت کے صوفیوں کی خاص اصطلاح ہے اور قرآن و حدیث صوفیوں کی اصطلاح میں وارد نہیں ہوئے۔ مگر آج کل یہ الٹا دستور نکلا ہے کہ قرآن و حدیث کو اپنی اصطلاح کے تابع کریتے ہیں۔ (الطہات فی الاوقات ج ۱۵)

### تعمین طرق

مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے لو لگ جائے۔ جس کے مختلف طریقے ہیں۔ کہیں محبت قائم ہوتی ہے کہیں خوف سائق ہوتا ہے اور دونوں طریقے مقبول ہیں۔ (الطہات فی الاوقات ج ۱۵)

### تراویح میں مجاہدہ

جس طرح صوم کو تقلیل طعام میں دخل ہے۔ اسی طرح تراویح کو تقلیل منام میں دخل ہے اور جیسا روزہ میں تبدیل عادت کی وجہ سے مجاہدہ کی شان آئی تھی اسی طرح یہاں بھی شریعت نے محض تبدیل عادت سے مجاہدہ کا کام لیا ہے کیونکہ عام عادت یہی ہے کہ اکثر لوگ عشاء کے بعد فوراً سو رہتے ہیں تو نیند کے وقت میں تراویح کا امر کر کے عادت کو بدل دیا جس

سے نفس پر گرانی ہوتی ہے جو کہ مجاہدہ ہے۔ پھر قاعدہ ہے کہ نیند کا وقت نکل جانے کے بعد پھر دیر میں نیند آتی ہے۔ اس طرح بھی تقلیل منام ہو جاتی ہے۔ (تقلیل المنام بصورة القيام ج ۱۶)

## صحبت اہل اللہ

مشہور ہے کہ ایک بہت بڑے عالم فلسفی حضرت نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت کچھ تعلیم ذکر و شغل فرمائیے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ نے تعلیم دی اور قاعدہ کے موافق فرما دیا کہ کیفیت سے اطلاع دیتے رہنا۔ جب یہ ذکر میں مشغول ہوئے خلوت میں تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ کوئی چیز قلب سے نکلی جاتی ہے عرض کیا حضرت ذکر سے یہ کیفیت ہوئی آپ نے فرمایا کہ جو چیز نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ علوم فلسفہ ہیں عرض کیا حضور یہ تو بڑی محنت سے حاصل کئے ہیں ان کا نکلنا تو گوارا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جاتے رہیں گے تو کیا ہے ان سے بہتر علوم حاصل ہوں گے۔

۱۔ نبی اندر خود علوم انبیاء بے معید و بے کتاب و اوستا

(تم کو بے معین اور بغیر استاد و کتاب کے انبیاء جیسے علوم حاصل ہوں گے ۱۲)

ان کے بعد تم کو وہ علوم حاصل ہوں گے کہ نہ کتاب کا واسطہ ہو گا نہ استاد کی ضرورت ہو گی کسی طرح ان کی سمجھ میں نہ آیا اور یہ کہہ کر حضرت یہ ادھار ہے چلے گئے مگر ایک دن کی صحبت کام کر چکی تھی ایک دن تو بہت سے واقعی ایک ساعت بھی کام کر جاتی ہے۔

۲۔ صحبت نیکان اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

(نیک لوگوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی ہے تو وہ سو برس کے زہد و طاعت سے بہتر ہے ۱۲)

۳۔ یک زمانے صحبت با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی سو سال کی بے ریا عبادت و طاعت سے بہتر ہے ۱۲)

اس صحبت کا یہ اثر ہوا کہ جو اس علوم فلسفہ کے ذہول (فرا موٹی) کو گوارا نہ کرتے تھے

وہ بھی اس کی نسبت فرماتے ہیں۔

۴۔ نہایۃ اقدام العقول عقل وغایۃ سعی العالمین ضلال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا سوی ان جمعنا فیہ قیل یقال

یعنی آخر یہ کہنا پڑا کہ ساری عمر بجز بک بک اور قیل و قال کے کچھ حاصل نہ ہوا اور عمر بھر یونہی ضائع کی۔

(روح القیام ج ۱۶)

## اہل کشف

اہل کشف کو صورتیں اعمال کی نظر آ جاتی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی مجلس میں ایک شخص کسی نامحرم عورت کو دیکھ کر آیا تھا آپ نے فرمایا کہ کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہماری مجلس میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے اسی طرح جب کوئی طاعت کرتا ہے تو اس کا ایک اثر اس میں پیدا ہوتا ہے جس کا اہل کشف کو علم ہوتا ہے فرشتوں کو تو اعمال ماضیہ کا نامہ اعمال دیکھنے سے علم ہوتا ہے اور اہل کشف کے لئے یہ شخص اپنا آپ نامہ اعمال ہے اسی کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

غذائک فیک و ما تبصر      دوائک منک و ما تشعر  
تمہاری غذا خود تمہارے اندر ہے اور تم دیکھتے نہیں تمہاری دوا تم ہی سے ہے اور تم نہیں شعور کرتے (۱۲)  
وانت الکتاب المبین الذی      با حرفہ یظهر المضمّر  
(تم وہ کتاب ہو کہ اس کے حروف سے پوشیدگیوں کا ظہور ہوتا ہے (۱۲))

وتزعم انک جرم صغیر      و فیک انطوی العالم الاکبر  
(تم اپنے آپ کو جرم صغیر سمجھتے ہو حالانکہ تمہارے اندر ایک عالم اکبر لپٹا ہوا ہے (۱۲))  
خدا کی یاد بھی ایسی ہی ہے کہ سوائے خدا کے کسی اور کا دل میں خیال نہ ہو۔ حتیٰ کہ اس کا بھی کہ میں اس وقت خدا کو یاد کر رہا ہوں۔ (روح القیام ج ۱۶)

یہ اول درجہ ہے ذکر کا اس کا حاصل یہ ہے کہ قلب میں مذکور کا خیال ہو ذکر کا خیال نہ ہو۔ دوسرا مرتبہ ذکر کا یہ ہے کہ مذکور کی یاد نہ سہی تو ذکر ہی کی یاد سہی یعنی یہی سہی کہ میں اس وقت یاد کر رہا ہوں۔ یہ ذکر کی یاد ہے مذکور کی بلا واسطہ یاد نہیں۔ مگر یہ بھی کافی ہے حالانکہ یہ حق ذکر سے منزل ہے چاہیے تو یہ تھا کہ کافی نہ ہوتا کیونکہ یہ ان کی یاد نہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم یاد کی بھی یاد نہیں کرتے اور مذکور کی تو کیا یاد کریں گے۔ نماز پڑھتے ہیں تو اس وقت یہ بھی خیال نہیں ہوتا کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں بلکہ دنیا بھر کے بیہودہ خیالات جمع ہو جاتے ہیں۔ نماز پڑھنے میں کہیں بیوی کا خیال ہے کہیں بچوں کا خیال ہے۔ مولویوں کو درس کا خیال ہے۔

شب چو عقد نماز بر بندم      چہ خورد بامداد فرزندم

رات کو جب نماز کی نیت کرتا ہوں تو بجائے تکبیر تحریمہ کے یہ کہتا ہوں کہ صبح کو میرے بال بچے کیا کھائیں گے (۱۲) (روح القیام ج ۱۶)

## تفصیل مجاہدہ

نفس کی مخالفت کے تین درجے ہیں مخالفت فی المعاصی (گناہوں میں مخالفت کرنا) مخالفت فی المحظوظ (حظوظ میں مخالفت کرنا) مخالفت فی الحقوق (حقوق میں مخالفت کرنا) (۱۲) معاصی میں مخالفت تو فرض و واجب ہے اور مخالفت فی الحقوق معصیت ہے جیسا کہ عنقریب آتا ہے البتہ مخالفت فی المحظوظ میں تفصیل ہے۔ بالکل چھوڑ دینا مذموم ہے البتہ تقلیل اولیٰ ہے۔ کیونکہ بالکل چھوڑ دینے میں تنگ اور دق ہو کر تمام کام چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے بس نہ اسے بہت دق کرو نہ بالکل توسع کرو اوسط کی چال رکھو۔

اور بالکل محظوظ کے نہ چھوڑنے میں ایک دوسرا راز بھی ہے کہ اس سے خدا سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ دیکھو اگر گرم پانی پیو گے تو مری ہوئی زبان سے الحمد للہ نکلے گا اور اگر ٹھنڈا پانی پیو گے تو نفس کو راحت ہوگی تو روئیں روئیں سے الحمد للہ نکلے گا ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہی راز ہے کہ سفر حج میں زاد راہ لے جانے کی ضرورت ہے تاکہ نفس تنگ نہ ہو۔ حضرت مولانا گنگوہی کو اسی وجہ سے ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام تھا۔ ایک شخص نے مرزا مظہر جان جاناں سے عرض کیا کہ ایک شخص خالص شور بانہیں کھاتا پانی ملا کر کھاتا ہے۔ فرمایا کہ وہ ناقص ہے جو خدا کی خاص تجلی خالص میں ہے وہ اس پانی ملے میں کہاں ہے۔ (روح القیام ج ۱۶)

## ارکان مجاہدہ

مجاہدہ اصل میں چار چیزوں کا نام تھا۔ قلت الطعام (کم کھانا) قلت المنام (کم سونا) قلت الکلام (کم بولنا) قلت الاختلاط مع الانام (لوگوں سے کم میل جول رکھنا) مگر اب دو اول حذف ہو گئیں اور دو اخیر کی رہ گئیں۔ ایک قلت الکلام دوسرے قلت الاختلاط مع الانام یعنی لوگوں سے کم ملنا۔ آج کل لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بیٹھکوں اور چوپالوں میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی گپیں لگایا کرتے ہیں کہیں اخبار پڑھتے ہیں کہیں شطرنج کھیلتے ہیں افسوس یہ لوگ اپنے فراغ کی قدر نہیں کرتے حالانکہ ان کو یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ۔



خوشا روز گارے کہ دارد کسے کہ بازار حرص نباشد بے  
ترجمہ: (فراغت عجب چیز ہے اگر کسی کو حاصل ہو۔ زیادہ کی اس کو طمع نہ ہو)  
بقدر ضرورت یسارے بود کند کارے از مرد کارے بود  
ترجمہ:۔ ضرورت کے موافق اس کے پاس مال بھی ہو تو اس کو کچھ کرنا چاہیے اپنے  
اوقات کو ضائع نہ کرنا چاہیے۔

غرض اس طرح سے لوگ اپنے (اوقات) ضائع کرتے پھرتے ہیں۔ اور جو دو  
متروک ہو گئیں وہ یہ ہیں۔ قلت الطعام۔ قلت المنام یعنی کم کھانا اور کم سونا۔ یعنی اس کی  
بالکل اجازت ہے کہ پیٹ بھر کھاؤ کم نہ کھاؤ لیکن جی بھر کے یعنی نیت بھر کر نہ کھاؤ۔ کیونکہ اس  
کا مرتبہ پیٹ بھرنے کے بعد بہت بعد ہے۔ ایک ہے پیٹ بھرنا ایک ہے نیت بھرنا تو نیت تو  
بھرو نہیں کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ دوسرے وقت بھوک نہیں لگتی طبیعت  
پر ثقل (گرانی) رہتا ہے۔ غذا جزو بدن نہیں بنتی۔ (روح القیام ج ۱۶)

## اہل اللہ کا حال

حضرت احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے عالم ارواح میں سب  
سے فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ جو جس کو مانگنا تھا اس نے مانگا جب میری باری آئی اور مجھ  
سے ارشاد ہوا کہ مانگ کیا مانگتا ہے تو میں نے عرض کیا اریدان لا ارید و اختاران لا اختار  
میں یہی مانگتا ہوں کہ کچھ نہ مانگوں۔ پھر فرماتے ہیں فاعطانی مالا عین رأت ولا اذن  
سمعت ولا خطر علی قلب بشر من اهل هذا العصر پھر تو مجھے وہ کچھ دیا جو نہ  
آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ نہ کسی بشر کے قلب میں گزرا اس عصر والوں میں سے سو  
حاصل یہ ہے کہ جن کا یہ مذاق ہوا نہیں پریشانی کیوں ہو۔ (روح القیام ج ۱۶)

## جلاء قلب کے آثار

مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ رومیوں اور چینیوں میں گفتگو ہوئی کہ صنعت میں کون  
بڑھا ہوا ہے بادشاہ کے پاس فیصلہ کے لئے گئے بادشاہ نے کہا دونوں اپنی اپنی صنعتیں دکھلاؤ  
ایک ایک برآمدہ آمنے سامنے دونوں کو دیدیا گیا اور درمیان میں پردہ حائل کر دیا کہ ایک

دوسرے کو نہ دیکھے۔ چینیوں نے دیوار پر تمام نقش و نگار بنانا شروع کئے رومیوں نے تمام پلستر رگڑنا شروع کیا۔ عین وقت تک رومیوں کے یہاں کچھ نہ تھا اور چینیوں نے بہت کچھ صنایع کر لی تھی۔ رومیوں نے اتنا کیا تھا کہ پلستر پر صیقل کر کے مثل آئینہ کے چمکدار کر دیا تھا۔ جب امتحان و مقابلہ کی تاریخ آئی تو درمیانی پردہ اٹھا دیا گیا۔ چینیوں کے تمام نقش و نگار رومیوں کی دیوار پر ان کی دیوار سے اچھا نظر آتا تھا۔ بس رومی جیت گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تم بھی نفس پر صیقل کر لو تو سب کچھ تمہارے نفس میں بھی نظر آنے لگے گا۔ بلکہ وہاں تو باہر سے انعکاس ہوا تھا اور یہاں تو علوم خود پہلے سے تمہارے اندر ہیں صحبت و تجلیہ سے ان کا ظہور ہو جاوے گا۔

اور دلیل اس کی کہ تمہارے اندر خود علوم پہلے سے موجود ہیں یہ ہے کہ دیکھو جب کبھی استاد کے سامنے بیٹھتے ہو اور وہ تقریر کرتا ہے تو کہتے ہو ٹھیک ہے اور طبیعت میں نشاط ہوتا ہے اور تصدیق ہوتی ہے پہلے علم سے چنانچہ ظاہر بھی ہے اور اس کا تائیدی مضمون ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ سے کچھ سوالات کئے آپ نے جواب دیئے تو وہ تصدیق کرتا تھا صحابہ رضی اللہ عنہ کو اس کی تصدیق سے نہایت تعجب ہوا کیونکہ عجب اشکال ہے کہ اس کے سوال سے تو معلوم ہوتا تھا کہ جانتا نہیں ورنہ سوال کے کیا معنی۔ محض تحصیل حاصل ہے اور تصدیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جانتا ہے ورنہ تصدیق کیسے کرتا کیونکہ تصدیق کے لئے پہلے سے جانا ضروری ہے۔ خیر وہ تو جبریل علیہ السلام تھے کہ جانتے مگر ان کی تخصیص نہیں بلکہ اسی طرح جب استاد کی تقریر کسی مضمون کے متعلق ہوتی ہے تو اگر تقریر صحیح و عمدہ ہے تو کہتے ہو ٹھیک ہے اور اگر کہیں غلط ہے تو فوراً طبیعت کھٹک جاتی ہے تو اگر آپ پہلے سے نہیں جانتے تو اس انقباض و انبساط کے کیا معنی معلوم ہوا علوم آپ کے اندر بھی فطری ہیں صرف استاد کی صحبت سے جلا ہوتا چلا گیا۔ جب پورا جلا ہو چکا تو ظاہر ہو گیا۔ تو اس بناء پر ہر شخص اپنی ماں کے پیٹ سے عالم ہی پیدا ہوتا ہے مگر وہ نقوش چھپے ہوئے ہیں جیسے ایک صفحہ کتاب کا ہے اس پر مہرہ رکھا ہوا ہے جو نہی وہ مہرہ اٹھے گا تمام نقوش نظر آنے لگیں گے۔ اسی طرح آپ کا نفس بھی ایک صفحہ ہے آپ اس پر مہرہ رکھے ہوئے ہیں تو علوم آپ میں خارج نہیں آگئے۔ بلکہ نظر آگئے خدا نے لکھی لکھائی تختی دی ہے اگر لکھنا نہ ہوتا تو کیا لکھتے اور تم کہاں لکھنے جاتے۔ تمہیں تو آج تک یہ بھی

معلوم نہیں ہوا کہ علم کس مقولہ سے ہے۔ اگر تم علم حاصل کرتے تو کم از کم اس کا مقولہ تو معلوم ہوتا کوئی کہتا ہے مقولہ کیف سے ہے۔ کوئی کہتا ہے مقولہ افعال سے ہے۔ کوئی کہتا ہے مقولہ اضافت سے ہے۔ کوئی کہتا ہے مختلف اعتبارات سے سب سے ہے بتاؤ اگر تمہارا حاصل کیا ہوا ہوتا تو تم واقف نہ ہوتے کہ کس مقولہ سے ہے۔ ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ روند (جب حقیقت نہ دیکھی افسانہ کی راہ تلاش کی)

ارے میاں تمہارا حاصل کیا ہوا ہی نہیں جو تم مقولہ ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ بہت سی کتابیں اسی تحقیق میں ہیں کہ علم کون سے مقولہ سے ہے۔ تمہیں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ اس سے کیا نفع کہ کون سے توے کی پکی ہوئی ہے۔ کس خط میں پڑے چھوڑا اگر یہ معلوم ہی ہو گیا تو کیا ہوا اسی کو کہتے ہیں۔

در مصحف روئے او نظر کن خسرو غزل و کتاب تاکے  
(محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو کر کتابوں اور غزلوں سے کب تک شغل رکھو گے ۱۲)

اور عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

حدیث و مطرب و می گور و از دہر کمتر جو کہ کس نکشود نکشاید حکمت ایں معمارا  
(محبوب حقیقی اور ان کی محبت و معرفت کی طرف التفات کرو مسائل حکمیہ و اسرار دہر کی تحقیق کو چھوڑا اس لئے یہ معمہ حکمت سے کسی سے حل ہوا نہ حل ہو سکے ۱۲) تو غرض یہ ہیں نقوش جو لوح نفس کے صیقل کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ (روح البورج ۱۶)

## وحدة و عزلت

شریعت نے جو خلوت تعلیم کی ہے اس میں عجیب اعتدال کی رعایت کی ہے اور شریعت نے اس کو خلوت سے تعبیر نہیں کیا اور لفظ خلوت اصطلاح صوفیہ کی ہے بہر حال چاہے خلوت سمجھو یا وحدت کہو ایک ہی چیز ہے۔

عباراتنا شتے و سنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

(عنوانات مختلف ہیں معنوں ایک ہی جمال محبوب ہے ہر ایک عنوان اسی

جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے ۱۲)

اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے لفظی آداب کی بھی بڑی رعایت کی ہے حدیث

میں آیا ہے اگر کسی کا جی متلائے تو قلست نفسی (میراجی متلارہا ہے ۱۲) کہے خبیث نفسی (میراجی برا ہے ۱۲) نہ کہے کیونکہ خبیث ذرا ادب کے خلاف ہے اسی واسطے شریعت نے خلوت نہیں کہا کیونکہ اس وقت وہ خالی نہیں ہوتا۔ اس میں تو نور بھرا جاتا ہے اور صوفیہ نے صرف یہ عنوان اصطلاح کے طور پر مقرر کیا ہے ورنہ معنی خلوت کے وہ بھی قائل نہیں۔ چنانچہ عنوان میں تو یہ کہا ہے۔

خلوت گزیدہ را تماشا چہ حاجت است چوں کوئے دوست ہست بھرا چہ حاجت است  
(خلوت نشین کو تماشا کی کیا حاجت ہے جب محبوب کے دربار ہیں تو جنگل کی کیا ضرورت ہے یعنی تارکان تعلق ماسوائے اللہ کو کثرت کی طرف التفات نہ چاہئے اور اس بے التفاتی کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ بستی چھوڑ کر جنگل میں جا رہے بلکہ توجہ الی الحق کافی ہے ۱۲)

اور معنوں کے درجہ میں پرہونے کو اس طرح کہا ہے۔  
ستم است گر ہوسست کشد کہ بسیر سر دمن و رآ تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشاہ چمن و رآ  
تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کر لو۔  
مولانا فرماتے ہیں۔

اے برادر عقل یک دم با خود آر دمبدم در تو خزاں است و بہار  
(اے بھائی تھوڑی دیر کے لئے ذرا عقل کو درست کر کے دیکھو خود تمہارے اندر دمبدم خزاں و بہار موجود ہے ۱۲) تم کیا اس ظاہری خزاں و بہار کو لئے بیٹھے ہو تمہارے اندر خود خزاں بھی ہے۔ بہار بھی ہے۔ تو واقعی تم کیا اس ظاہری خزاں و بہار کو لئے بیٹھے ہوئے تمہاری شریعت نے وحدت و عزلت نام رکھا ہے۔ عزلت کا لفظ بھی خلوت پر دال نہیں۔ بہر حال کتاب و سنت میں یہ دونوں لقب یعنی وحدت و عزلت مذکور ہیں اور وہ صوفیہ کی اصطلاح میں ہے۔ یعنی لفظ خلوت تو یہ روح ہے اعتکاف کی۔ اور روح اس معنی کو نہیں کہ مجرد عن الجسد (جسم سے مجرد ہو ۱۲) ہو بلکہ اس کا نفخ (پھونکنا ۱۲) مشروط ہے اس جسد خاص یعنی اعتکاف کے ساتھ جو خلوت معتدلہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلوت بھی ہے جلوت بھی ہے۔ سبحان اللہ کیسی اچھی طرح اعتدال کو ظاہر کر دیا۔ (روح الجورج ۱۶)

## صحبت کی برکت

ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہارے پاس امراء آویں تو ان سے



دنیا دار سمجھ کر بد خلقی نہ کرو کیونکہ اب وہ دنیا دار نہیں ہیں۔ تمہارے پاس جو آئے ہیں تو دیندار ہو کر آئے ہیں۔ اب ان کی تعظیم کرنا دنیا دار کی تعظیم کرنا نہیں ہے۔ نعم الامیر علی باب الفقیر اب جب کہ وہ فقیر کے دروازہ پر آ گیا تو اچھا امیر ہے۔ صرف امیر نہیں ہے اس کی تعظیم امیر کی تعظیم نہیں ہے۔ نعم کی تعظیم ہے اب وہ اللہ والا ہو گیا یہ برکت صحبت کی ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ اس کے قصد ہی سے یہ برکت ہو گئی کہ نعم کا مصداق ہو گیا گو پہلے کچھ بھی نہ تھا۔ شیخ نے خوب کہا ہے

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ہمنشیں کی صحبت نے مجھ میں اثر کر دیا ورنہ میں وہی مٹی ہوں جو تھی (۱۲)

صحبت وہ چیز ہے کہ جب ہوا چلتی ہے تو کنکر پتھر گیہوں میں پڑ جاتے ہیں اور اس کی صحبت کی وجہ سے گیہوں کے نرخ فروخت ہوتے ہیں۔ بھلا الگ ہو کر تو بکیں اس قیمت پر کوئی دمڑی کو بھی نہیں پوچھے گا۔ پھر وہ کنکر کے کنکر اور پتھر کے پتھر ہو جائیں گے۔

اسی واسطے ناقص کو اپنے شیخ سے جدا ہونا مضر ہے البتہ کامل کو مضر نہیں۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ بالکل جدا ہو جانا مضر ہے اور یہ معنی نہیں کہ ہر وقت بھوت کی طرح اس کے سر ہو جاؤ۔ جیسا کسی ساس نے اپنی آرام طلب بہو سے کہا تھا کہ بیٹی گھر کو لگا کرتے ہیں اس نے کیا کیا کہ بہت ساماش کا آٹا سانا اور دیوار میں لگا کر اس سے چپک گئی تو کہیں تم بھی ایسا نہ کرنا کہ بھوت کی طرح پیر کو چمٹ جاؤ بلکہ مطلب یہ ہے کہ قطع تعلق مضر ہے۔ تو جس وقت وہ امیر یہاں آیا تو تھوڑی دیر کی صحبت بلکہ عدم صحبت کی برکت سے وہ اللہ والا ہو گیا۔ (روح الجوارح ۱۶)

## اشتقاق عارف

اور موحد عارف کو تو عین مصیبت کے وقت اس کی حکمتیں اور اپنی ترقی محسوس ہو جاتی ہے اس لئے وہ تکلیف بھی لذیذ ہو جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر مصیبت لوگوں کی نظر میں موت ہے۔ یہ منتہی المصائب ہے کہ وہ تمام مصائب کا انتہائی درجہ ہے اور اسی کے اندیشہ سے آدمی تمام مصائب سے گھبراتا ہے مگر عارف موحد کے نزدیک یہ زہر کا پیالہ بھی شیریں ہے۔ وہ کہتا ہے

خرم آں روز کزیں منزل ویران بروم راحت جاں طلسم وز پئے جانان بروم  
نذر کردم کہ گرا ید برائیں غم روزے تادرمکیدہ شاداں وغزل خواں بروم

ترجمہ: وہ دن اچھا ہو گا جب میں اس جگہ سے جاؤں گا جہاں سے راحت پا کر جانان

کی تلاش میں جاؤں گا میں نے نذر مانی ہے کہ اگر یہ غم ختم ہو گیا تو میں میکدے کے دروازے تک ناچتا ہوا جاؤں گا۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام فی صورة الاعتکاف فی خیر مقدم ج ۱۶)

## ضرورت خلوت

ہر سالک کے لئے ایک وقت خلوت کا ہونا ضروری ہے جس میں وہ یکسوئی کے ساتھ ذکر و فکر میں مشغول ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کون ہوگا۔ آپ نے بھی اپنے لئے ایک وقت خلوت کا مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ رات کو جب سب لوگ سو جاتے تھے اٹھ کر نماز وغیرہ میں مشغول ہوتے تھے حق تعالیٰ نے قیام لیل کی حکمت یہی بتلائی ہے کہ دن میں مشاغل کثیرہ کی وجہ سے یکسوئی کا وقت نہیں مل سکتا۔ اس لئے رات کو اٹھنا چاہیے۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْعًا وَثَلَاثًا وَادْكُرْ لَاسْمَ رَبِّكَ وَتَبَكَّلْ إِلَيْهِ تَبْتَلًا یعنی رات کے اٹھنے میں نفس پر مشقت بھی زیادہ ہے اور بات بھی اچھی طرح زبان سے نکلتی ہے تجربہ ہے کہ رات کو اٹھنے کے بعد نماز وغیرہ میں زبان سے ذکر و قرآن میں جو بات نکلتی ہے گویا دل سے نکلتی ہے آگے ارشاد ہے کہ دن میں آپ کو بہت شغل ہے اس لئے رات کو اٹھنا چاہیے اور اس وقت خدا کا ذکر کیجئے اور اسی کی طرف یکسو ہو جائیے۔ یہ خلوت شب تو حضورؐ نے عمر بھر اختیار کیا اور نبوت سے پہلے چھ مہینہ تک رات دن آپ خلوت میں رہتے تھے اور غار حرا میں جا کر جو مکہ سے فاصلہ پر ہے تنہا رہتے تھے۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام فی صورة الاعتکاف فی خیر مقدم ج ۱۶)

## حکمت خلوت

حکمت اس میں یہ ہے کہ خلوت میں جمعیت اور یکسوئی ہوتی ہے اور اسی پر مدار ہے تمام مجاہدات کے ثمرات کا اور خلوت میں یکسوئی اس لئے ہوتی ہے کہ پریشانی قلب کے اسباب مختلف ہیں۔ بعض آفاقی ہیں بعض انفسی ہیں یا یوں کہو کہ بعض خارجی ہیں بعض داخلی۔ یعنی بعض اسباب تو ایسے ہیں کہ اس شخص کے اندر وہ نہیں ہیں بلکہ خارج سے اس کو لاحق ہوتے ہیں اور بعض اسباب ایسے ہیں کہ خود اس کے نفس کے اندر ہیں لیکن نشان ان کا بھی کوئی امر خارجی ہی ہے اور خلوت میں سب قطع ہو جاتے ہیں اور جو نفس میں باقی بھی

رہتے ہیں وہ بھی خارج ہی سے حاصل شدہ ہوتے ہیں۔ دیکھئے مجمع میں جب آدمی ہے تو ہر قسم کی صورتیں اس کو نظر آتی ہیں اور ہر قسم کی باتیں سننے میں آتی ہیں کوئی ناگوار بات معلوم ہوتی ہے کوئی گوارا ہوتی ہے بعض اوقات سخت سخت پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں اور خلوت میں یہ سب کم ہو جاتے ہیں۔ اسی واسطے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بزرگے دیدم اندر کہسارے قناعت کرد از دنیا بغارے  
چرا گفتم بشہر اندر نیائی کہ بارے بندے از دل برکشائی  
بگفت آنجا پریر و یاں نغز زند چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

ترجمہ: ایک بزرگ کو میں نے پہاڑ میں دیکھا جو دنیا سے ایک غار پر قناعت کئے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے کہا شہر میں کیوں نہیں آتے تاکہ بند دل کھول سکو۔ کہا وہاں خوبصورت پری چہرہ لوگ ہیں۔ کیچڑ بہت ہو تو ہاتھی بھی پھسل پڑتے ہیں۔  
بڑی بڑی آفتیں اور بڑے بڑے واقعات مجمع میں بیٹھنے سے پیش آ جاتے ہیں تو پریشانی کے تمام اسباب خارج ہی سے آتے ہیں۔ (المہذب ج ۱۶)

## علوم نبوت کا ثقل

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ذکر و شغل کے لئے مقیم تھے اس وقت اور سب حضرات اپنا اپنا حال حضرت حاجی صاحب سے عرض کرتے تھے مگر مولانا کچھ عرض نہ کرتے تھے تو ایک دن حاجی صاحب نے خود فرمایا کہ مولانا سب لوگ اپنی اپنی حالت بیان کرتے ہیں آپ کچھ نہیں کہتے۔ اس پر مولانا نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت میں کیا حال عرض کروں مجھ سے تو وہ کام بھی پورا نہیں ہوتا جو حضرت نے بتلا رکھا ہے۔ بس ذکر کرنے بیٹھتا ہوں ایسا بوجھ طاری ہوتا ہے کہ زبان و قلب دونوں بند ہو جاتے ہیں حضرت کے فیض میں تو کمی نہیں مگر میری کم نصیبی ہے۔

تہیدستان قسمت راچہ سوداز رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را  
ترجمہ: قسمت کے بروں کو کامل رہنما سے بھی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ خضر سکندر کو آب حیات کے چشمہ سے بھی خالی واپس لایا تھا۔

حاجی صاحب نے اس حال کو سنتے ہی فرمایا کہ مولانا مبارک ہو یہ علوم نبوت کا ثقل ہے جو آپ کو

عطا ہونے والے ہیں اور یہ اسی ثقل کا نمونہ ہے جو نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا تھا اس وقت زبان کا ذکر سے بند ہو جانا غایت قرب کی وجہ سے ہے جس کو شاعر کہتا ہے ۔  
 سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آ جائے ہے    تھا متا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہے  
 اور جب دل کی یہ حالت ہوتی ہے تو زبان بھی نہیں اٹھتی۔ اس واقعہ سے حضرت حاجی صاحب کا شیخ و مجتہد اور مجدد فن ہونا ظاہر ہوتا ہے حضرت حاجی صاحب نے یہ تشخیص ایسے وقت فرمائی جبکہ مولانا محمد قاسم صاحب کے علوم کا ظہور بھی نہ ہوا تھا بعد میں حاجی صاحب کے ارشاد کی تصدیق ظاہر ہوئی اور اگر حاجی صاحب یہ تشخیص نہ فرماتے تو مولانا تو اس حالت کو بعد ہی سے ناشی سمجھتے رہتے حاجی صاحب ہی کا کام تھا کہ ایسا ایسے جلیل القدر علماء کو سنبھالتے تھے۔ (اکمال العدة ج ۱۶)

## اولیاء کی ایک جماعت

بعض آیات کو سن کر بعض عشاق کی جان نکل گئی اور اگر کسی نے خود جان دی ہے تو وہ پاگل یا مغلوب الحواس تھے ان کا فعل حجت نہیں گو وہ خود معذور ہوں ان کو اولیاء مستہلکین کہتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کسی وجہ سے اپنے درجہ سے گر گئے اس لئے غم میں جان دے دی اور بعض وہ ہیں جو ترقی سے رہ گئے۔ ایک ہی مقام پر ایک ہی مقام پر اٹک گئے اور سختیات ان سے صادر ہونے لگیں جن کی وجہ سے لوگوں نے قتل کر دیا۔ منصور بھی اولیاء مستہلکین میں سے تھے۔ حضرت غوث اعظم قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ منصور کی کسی نے مدد نہ کی اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو میں ان کو اس ورطہ سے نکال دیتا ہمارے حاجی صاحب نے بھی اپنے بعض معاصرین کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ ایک مقام پر اٹک گئے اگر میرے پاس آ جائیں تو میں ان کو اس سے نکال دوں۔ واللہ حاجی صاحب بھی اپنے زمانہ میں عجیب چیز تھے آخر کوئی تو بات تھی جو تمام عالم ان کے کمال کو تسلیم کئے ہوئے ہے۔ بہر حال جان دینا تو ممنوع ہے البتہ حق تعالیٰ نے تمہاری جان کے بدلہ میں تم سے جانور کی جان مانگی ہے اور جب یہ اس کا بدلہ ہے تو ان شاء اللہ اس میں بھی وہی ثواب ہوگا جو اپنی جان پیش کرنے میں ہوتا۔ (تخیل الانعام فی سورة ذنح الانعام ج ۱۷)

## حج رب البیت

حج رب البیت ہر شخص پر فرض ہے گو حج البیت بھی اس شخص پر فرض نہ ہو کیونکہ حج رب



البیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف چلنا اس کی طلب اور دھن میں لگنا سو اس کے لئے کعبہ اور مکہ بھی شرط نہیں اسی کو عارف مسعود بک فرماتے ہیں

۔ اے قوم حج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید  
(اے قوم جو نفلی حج کے لئے کعبہ شریف گئے ہو تم کسی اللہ والے سے اپنے نفس کی اصلاح جو فرض عین ہے کرو تو یہاں سے واصل باللہ ہو جاؤ)

مگر قوم حج رفتہ سے مراد سب حجاج نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر حج فرض نہیں اور ابھی تک انہوں نے نفس کی اصلاح بھی نہیں کی۔ اور حج کو جانے سے ان کو بعضی دینی مضرتیں پہنچنا بھی محتمل ہے ان کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم پر حج تو فرض ہے نہیں اور نفس کی اصلاح فرض ہے تم حج کرنے کہاں چلے تم کو پہلے شیخ کی صحبت میں رہنا چاہیے۔ تمہارا مطلوب یہاں ہے اور جن پر حج فرض ہے ان کو یہ خطاب نہیں ہو سکتا کہ تم حج کرنے مت جاؤ۔ شیخ کے پاس رہو۔ کیونکہ جس پر حج فرض ہے اس کو خدا کا حکم ہے کہ پہلے حج سے فارغ ہو۔ اس کے لئے بدوں حج کے مطلوب حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ ترک حج کے گناہ کی وجہ سے کمال سے رہ جائے گا۔ کمال یہی ہے کہ جس وقت جو حکم ہو اس کو پورا کیا جائے تو جس پر حج فرض ہے اس کو حج ضرور کرنا چاہیے پھر کسی شیخ کی صحبت میں وہاں سے آ کر رہے۔ لیکن حج کے ساتھ جن احکام کا شریعت نے حکم کیا ہے ان کو بجالانا بھی ہر حاجی کے ذمہ فرض ہے۔ پس وہ اگر حج سے پہلے کامل نہیں بن سکتے تو کم از کم فکر اور سعی تو ابھی سے شروع کر دیں۔ اس طریقہ سے امید ہے کہ ان شاء اللہ اجر میں کاملین کی برابر ہو جاویں گے۔ (الحج البرور ج ۱ ص ۱۷)

## عظمت حق سبحانہ و تعالیٰ

مشاہدہ مطلق علم باللہ کا نام نہیں کیونکہ فی الجملہ علم تو خدا تعالیٰ کا سب کو حاصل ہے تو پھر سب کو صاحب مشاہدہ کہنا چاہیے بلکہ مشاہدہ اس تعلق علم کا نام ہے جو حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کے واسطے سے ہو پھر یہ نہیں کہ ایک بار تعلق ہو گیا پھر نہ رہا بلکہ اس سے علم کا استحضار بھی مشاہدہ میں شرط ہے اسی کو معرفت کہا جاتا ہے (اور اس کے مقابل عدم معرفت سے بھی یہ مراد نہیں کہ حق تعالیٰ کا بالکل علم نہ ہو کیونکہ اس کا وقوع عالم میں نہیں اور کم از کم مسلمانوں میں تو ہے ہی نہیں بلکہ عدم معرفت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا علم بواسطہ صفات کاملہ کے استحضار کے ساتھ نہ ہو (اجامع)

یہاں سے یہ شبہ زائل ہو گیا کہ جب مشاہدہ قرب علمی کا نام ہے تو جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا علم حاصل ہے اور ایسے سب ہی مسلمان ہیں ان کو صاحب مشاہدہ کیوں نہیں کہا جاتا جواب یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا ویسا علم حاصل نہیں جیسا ہونا چاہیے۔ اول تو بہت سوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا علم نہیں اگر ہے تو اجمالاً ہے تفصیلاً نہیں پس ان کے علم کی وہی شان ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ میں نے بادشاہ کو دیکھا تھا اس کے ایک سو ٹٹھی اور آنکھیں نہیں تھیں ظاہر ہے کہ جاننے والا یہی کہے گا کہ تو نے بادشاہ کو نہیں دیکھا اور جن لوگوں کو حق تعالیٰ کے صفات کاملہ کا تفصیلی علم بھی ہے جیسے بہت سے علماء ظاہر کی یہ شان ہے تو ان کو اس علم کا استحضار نصیب نہیں اس لئے وہ بھی صاحب مشاہدہ نہیں ہیں۔ پس مشاہدہ کے یہ معنی ہوئے کہ توجہ کرنا حق تعالیٰ کی طرف مرتبہ صفات میں یعنی بواسطہ صفات کے مع استحضار توجہ کے دائماً

اور ایک درجہ حضور کا اس سے آگے ہے اس کو معائنہ کہا جاتا ہے وہ توجہ کرنا ہے ذات حق کی طرف بلا واسطہ صفات کے یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کو صفات کا علم نہیں ہوتا۔ صفات کا علم تو ہوتا ہے اور پہلے وہ بھی صفات کے واسطہ سے متوجہ بحق ہوتا ہے لیکن اب اس کی توجہ کے لئے واسطہ صفات کی ضرورت نہیں رہی بلکہ بلا واسطہ ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے گو یہ توجہ اجمالی ہی ہو مبہم ہی ہو من وجہ ہی ہو لیکن ملتفت الیہ بالذات اس وقت عین ذات ہوتی ہے صفات ملتفت الیہ نہیں ہوتیں اور درجہ مشاہدہ میں ملتفت الیہ بالذات صفات تھیں اور ذات ملتفت الیہ بواسطہ تھی گو مقصود اس وقت بھی توجہ الی الذات ہی ہوتی ہے مگر چونکہ اس شخص کو بلا واسطہ صفات کے ذات کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس لئے التفات اولیٰ صفات ہی کی طرف ہوتا ہے پس قصد کے لحاظ سے تو مشاہدہ میں بھی ذات مقصود بالذات ہے اور صفات مقصود بالعرض مگر التفات کے لحاظ سے صفات ملتفت الیہ بالذات ہیں اور ذات ملتفت الیہ بالعرض۔

توضیح کے لئے ایک مثال میں اس فرق کو سمجھئے مثلاً ایک شخص محبوب کے پاس حاضر ہے لیکن محبوب کے اور اس کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے اس وقت مقصود تو اس کو بھی ذات محبوب کی طرف توجہ ہے لیکن حجاب کی وجہ سے یہ عین ذات کی طرف بلا واسطہ توجہ نہیں کر سکتا بلکہ محبوب کی صفات حسن و جمال کو ذہن میں حاضر کر کے لذت لیتا اور ان کو توجہ الی المحبوب کا واسطہ بناتا ہے اور ایک شخص محبوب کے پاس اس طرح حاضر ہے کہ

درمیان میں کوئی حجاب نہیں اس کی توجہ اولاً ذات کی طرف ہوگی گو طبعاً صفات کی طرف بھی التفات ہوگا تو پہلے شخص کا ملتفت الیہ بالذات صفات تھیں اور ذات ملتفت الیہ بالعرض۔ وہ تو صاحب مشاہدہ ہے اور دوسرے شخص کا ملتفت الیہ بالذات عین ذات ہے اور صفات ملتفت الیہ بالعرض یہ صاحب معائنہ ہے باقی قرب دونوں کو حاصل ہے صاحب معائنہ کو بھی اور صاحب مشاہدہ کو بھی گو کیفیت قرب میں تفاوت ہو۔

اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ صاحب معائنہ کے لئے کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ سب حجابات مرفوع ہو جاتے ہیں نہیں حجاب اس کے لئے بھی باقی ہے۔ لیکن یہ حجاب التفات اولیٰ الی الذات سے مانع نہیں گو یہ التفات اجمالی ہی ہو مبہم ہی ہو مگر اولاً بالذات ذات ہی کی طرف ہے اور صاحب مشاہدہ کے درمیان جو حجابات ہیں وہ ذات کی طرف التفات اولیٰ ہی ہے مانع ہیں یہ فرق ہے دونوں میں۔ خوب سمجھ لو۔

اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ معائنہ میں صفات کی نفی نہیں ان کی طرف التفات کی نفی ہے میں یہ مضامین دقیقہ مجمع میں بیان نہ کرتا مگر چونکہ آج کل تصوف کی کتابیں اردو میں بھی ترجمہ ہو گئی ہیں جن کو عوام دیکھتے ہیں اور سمجھتے نہیں جس سے بہت لوگوں کا ایمان غارت ہوتا ہے اس لئے میں نے یہ مضامین بیان کر دیئے کہ اگر کسی کی نظروں سے کتابوں میں یہ مضامین گزرے ہوں اور حقیقت سمجھ میں نہ آئی ہو وہ اس بیان سے حقیقت کو سمجھ لے اور جس کی نظر سے یہ مضامین نہ گزرے ہوں اس کو ان کے سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ (تحصیل المرام فی صورتہ حج بیت المرام ج ۱)

## طریق خشوع نماز

انسان کی خاصیت یہ ہے کہ غائب سے دفعۃً اس کا تعلق قوی نہیں ہوتا اب اس تعلق کے قوی کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو حق تعالیٰ خود سامنے ہوں یہ تو دنیا میں دشوار ہے دوسری صورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق رکھنے والی کوئی چیز اس کے سامنے ہو جس سے حق تعالیٰ کا خاص تعلق ہو کیونکہ تعلق عام توجہ خاص کیلئے کافی نہیں عاشق محبوب کے شہر میں جاتا ہے تو گوشہ شہر سے بھی محبوب کو تعلق ہے مگر اتنا نہیں جتنا خاص اپنے گھر سے ہے۔ اسی لئے شہر میں جا کر عاشق کی وہ حالت نہیں ہوتی جو خاص گھر کو

دیکھ کر ہوتی ہے۔ غرض دلائل سے اس کی ضرورت ثابت ہو گئی کہ کوئی چیز ایسی ہونی چاہیے جس کے ذریعے سے حق تعالیٰ کی یادداشت بڑھ جائے اور اس کی طرف توجہ جم جائے۔ شریعت نے اس کا بہت اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ

یا انس افعل بصرک حیث تسجد (کنز العمال ۹/۲۰۰۰)

یعنی نماز میں نظر ادھر ادھر نہ لے جاؤ بلکہ سجدہ کی جگہ پر نظر رکھو کہ سجدہ کی جگہ پر رحمت کا نزول ہوتا ہے جیسا ابھی آتا ہے اگر صاحب قرب کا مشاہدہ نہیں ہے تو کم از کم مقام قرار ہی کا مشاہدہ کرتے رہو۔ اس سے توجہ الی اللہ میں اعانت ہوگی۔

اسی طرح نماز میں فعل عبث سے ممانعت ہے سکون کا امر ہے۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام احدکم الى الصلوة ولا یمسح

الحصافان الرحمة تواجهه (سنن ترمذی ۹/۳۷۹)

یعنی کنکریوں کو نماز میں نہ چھوؤ کیونکہ حق تعالیٰ کی رحمت سامنے ہوتی ہے۔ اسی طرح نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی ممانعت فرمائی اور علت اس کی یہ ارشاد فرمائی ہے:

لا یزال اللہ عزو جل مقبلاً علی العبد وهو فی صلاته مالم یلتفت

فاذا التفت انصرف عنه (شرح السنة للبغوی ۳/۲۵۳)

جب بندہ (خدا سے اعراض کر کے) ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے وہ بھی بندہ سے اعراض کرتے ہیں ان روایات میں مقام سجدہ اور جہت قبلہ کی طرف متوجہ رہنے کی کتنی تاکید ہے اب خدا تعالیٰ تو نظر نہیں آتے مگر وہی موقع جو مقام عبادت ہے اس کو خدا تعالیٰ سے خاص تعلق ہے ادھر متوجہ ہونا گویا خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ بواسطہ ہی ہو سکتی ہے غائب کی طرف توجہ بلا واسطہ دائم نہیں رہ سکتی ذرا توجہ کی اور اچٹ گئی اس لئے وسائط کی ضرورت ہے اور ان وسائط کو جس طرح بقاء توجہ میں دخل ہے حدوث توجہ میں بھی دخل ہے کیونکہ ان کو حق تعالیٰ سے تعلق ہے تو ان کی طرف متوجہ ہونے سے حق تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا بھی ہوگی اور متوجہ رہنے سے توجہ الی اللہ دائم بھی رہے گی اور چونکہ اس واسطہ کی تجویز اور طریق استعمال اور اس کے حدود و اصول اور حکمت تو سب مشروط ہیں اور ورنہ نص کے ساتھ اس لئے ان وسائط پر دوسرے وسائط مبتدعہ و مخترعہ کو قیاس کرنا جائز نہیں جیسا رسالہ الوسط بین الخلق والحق میں اس کی خوب تحقیق کی گئی ہے منجملہ ان ہی وسائط



کے ایک واسطہ بیت اللہ ہے۔ حق تعالیٰ نے انسان کی اس خاصیت کی رعایت کے لئے کہ اس کی توجہ غائب کی طرف بلا واسطہ دائم نہیں رہ سکتی دنیا میں ایک مقام کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا اور اس کو اپنا گھر کہا اور اس میں وہ انوار و برکات رکھے جن کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت صحیح ہو گئی ورنہ خدا تعالیٰ مکان سے منزہ ہے۔

پھر بندوں کو اس کے حج کا حکم دیا اب وہاں جا کر عشاق کی وہی حالت ہوتی ہے جو عاشق مجازی کی محبوب کے گھر کو دیکھ کر ہوتی ہے کیونکہ اس بیت کو بھی حق تعالیٰ سے ایک خاص تعلق ہے لیکن یہ وسائل نفع و ضرر کے اعتبار سے کسی درجہ میں مقصود نہیں ہیں۔ (تحصیل الہرام فی صورتہ حج بیت الحرام ج ۱۷)

## حقیقت محمدیہ

ایک بات سمجھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ بعضوں کو صوفیہ کی ایک اصلاح سے دھوکہ ہو گیا ہے کہ حضور کے اندر شان قدم کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حقیقت محمدیہ قدیم ہے اس سے دھوکا ہوتا ہے کہ حضور کے اندر شان قدم کی ہے حالانکہ یہ ان کی ایک اصطلاح ہے حقیقت محمدیہ سے مراد وہ علم الہی کا ایک مرتبہ لیتے ہیں اور اس کو حضور کی طرف اس لئے نسبت کرتے ہیں کہ یہ شان الہی حضور کی مربی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شان الہی کے مظہر ہیں۔ حقیقت تو اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک امر باطن ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اس شان سے فیضیاب ہوتے ہیں اس لئے اس کو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

منشا دھوکہ کا یہ ہوا کہ حقیقت کے معنی وہ لے لئے جو منطقیوں نے لئے ہیں حالانکہ ان کی مراد یہ معنی نہیں معقول کی جدا اصطلاح ہے اور تصوف کی علیحدہ اس التباس کی وجہ سے یہ سمجھ گئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیم ہیں۔ یاد رکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکمجمع اجزاء شریفہ حادث ہیں۔ پس عرفی کا یہ شعر قرآن شریف کے بارہ میں تو بہت مناسب ہے۔ (العہد یب اسرار حج ج ۱۷)

## شان اولیاء

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر فرس کر حضرت مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ہو گئی تھی۔ ایک جولاہہ شیخ کا مرید تھا۔ مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے

پاس بھی جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شیخ تھامیر تشریف لے گئے وہ جولاہہ مولانا کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا تمہارے پیر آئے ہیں جو ناچا کرتے ہیں اسے یہ فقرہ بہت ناگوار ہوا۔ شیخ سے جا کر کہا کہ فلاں شخص ایسا کہتے تھے۔ شیخ کو جلال آ گیا۔ فرمایا کہ اب جانا تو کہہ دینا کہ وہ ناچا بھی کرتے ہیں اور نچایا بھی کرتے ہیں۔ یہ سنکر بڑا خوش ہوا اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصد اچھیڑا۔ حضرت کیا فرمایا تھا انہوں نے پھر فرما دیا اس نے عرض کیا،

”حضرت! وہ ناچا بھی کرتے ہیں اور نچایا بھی کرتے ہیں۔“

اس فقرہ کا سننا تھا کہ بس کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ اب کسی طرح سکون نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ خادم کو بھی بیعت کر لیجئے۔ چنانچہ مرید ہوئے اور اس مرتبہ کو پہنچے کہ شیخ کے ارشاد الخلفاء میں سے ہوئے۔ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں میں ہیں۔ تو شیخ نے تو ذرا سی دیر کے لئے ان کی یہ حالت بنائی تھی اور یہاں پر مدتوں کے لئے یہ حالت بنائی گئی ہے۔ یہ تو مکہ تک تھا۔ (روح المعجج والشیخ ج ۱)

## شان تربیت

ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ قبض شدید میں مبتلا ہوں جی نہیں لگتا وظیفے بھی بڑھائے نفلیں بھی بڑھائیں لیکن کچھ نفع نہیں ہوا۔ انہوں نے مرض کا مرض سے علاج کیا۔ جیسے کسی کو شربت نیلو فرپینے سے تو زکام ہوا اس نے اس کے علاج میں پھر شربت نیلو فر ہی پی لیا۔ میں بفضلہ سمجھ گیا میں نے کہا وظیفے نفلیں سب یک لخت چھوڑ دو خلوت بھی چھوڑ دو۔ دوستوں سے ملو جلو ہنسو بولو لکھو کے قریب رہتے تھے میں نے کہا لکھو آؤ عیش باغ کی سیر کرو چوک میں پھر خوب میوے کھاؤ گناہ تو کیجیو مت اور سب طرح کی تفریح کرو۔ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ جس نے یہ باتیں بتلائی ہیں وہ بڑا اتاڑی ہے لیکن اس پر عمل کرنے کے ساتھ ہی ان کا سب قبض رفع ہو گیا اور پھر خوب جوش و خروش اور ذوق و شوق پیدا ہوا۔ پھر میں نے کہا کہ بس اب پھر حجرے میں بیٹھئے۔ شگفتہ ہو گئے کھل گئے۔ باغ و بہار لے کر اندر بیٹھ گئے۔ اہل ظاہر نے ہر چیز کا الگ الگ علاج کیا۔ توحید میں کسی نے وسوسہ کیا اس کی دلیل بیان کر دی۔ قربانی میں وسوسہ کیا اس کی بھی دلیل بیان کر دی۔ داڑھی میں

وسوسہ پانچ وقت کی نماز کے تعین میں وسوسہ۔ ہر حکم میں وسوسہ۔ سب کی دلیل بیان کر دی۔ مولانا سمجھے شفا ہوگئی۔ لیکن جب وہ پھر یاران طریقت کے جلسے میں پہنچا وہاں پھر ایک شبہ پیدا ہو گیا مولانا کا ذخیرہ سب ایک دم سے ختم ہو گیا سب مقدمات میں شبہ پڑ گیا۔

حضرت محی الدین بن عربی نے امام رازیؒ کو ایک خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم ایک روز بیٹھے رو رہے تھے۔ کسی نے سبب پوچھا تو تم نے کہا کہ ایک مسئلہ فلسفہ کا میں تیس برس سے محقق سمجھے ہوئے تھا۔ آج اس کے ایک مقدمہ میں شبہ پڑ گیا۔ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ تیس برس تک جہل میں مبتلا رہا اور اب بھی جو کچھ علم ہے اس کی بابت یقین نہیں کہ یہ صحیح ہے سو تم نے دیکھا اپنے علم کو ہمارے علم میں قیامت تک بھی کوئی شبہ نہیں پڑ سکتا۔ اس کو حاصل کرو امام نے پھر تصوف کی طرف توجہ کی۔ حضرت نجم الدینؒ سے بیعت ہوئے شغل شروع کیا۔ اس میں کوئی چیز اپنے اندر سے انہیں سرسری نکلتی ہوئی معلوم ہوئی شیخ سے عرض کیا انہوں نے کہا فلسفہ نکل رہا ہے۔ انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ اتنے دن کی حاصل کی ہوئی چیز ہاتھ سے جاتی رہے بولے ناصاحب میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا فلسفہ نکل جاوے۔ یہ کہہ کر وہاں سے چلے آئے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کی صحبت نے یہ اثر کیا کہ وہ حقیقت کو اجمالاً سمجھ کر کہتے ہیں

نہایۃ اقدام العقول عقل وغایۃ سعی العالمین ضلال  
(تمام عقلوں کے قدموں کی انتہا عقل کی طرف ہوئی تمام دنیا والوں کی کوشش کا خلاصہ ضلال ثابت ہوا)

ولم نستقدمن بحثنا طول عمرنا ای ان جمعنا فیہ قیل بقال  
(ساری عمر بجز بک اور قیل وقال کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ عمر یونہی ضائع کی۔  
حضرت مرتے وقت آپ کو علوم حقیقہ اور لفظیہ کی حقیقت معلوم ہوئی ہوگی مرتے وقت تو یہ معلوم ہی ہوگی یہیں معلوم ہو جاتی ہے۔ اہل اللہ کو کوئی شبہ ہی نہیں ہوتا یا نہیں رہتا بخلاف اہل قال کے۔  
وجہ فرق یہ ہے کہ وہ ہر شبہ کا الگ الگ جواب نہیں دیتے۔ (روح الارواح ج ۱۷)

## حسب موقع علاج

ایک ایسے ہی شاہ صاحب ہمارے دروازے پر پہنچے اور صد الگائی اندر سے کچھ آٹا بھیجا گیا لیکن آٹا بھلا وہاں کیا قبول ہوتا لمبی چوڑی فرمائشیں شروع کیں۔ میں اوپر تفسیر

لکھ رہا تھا۔ دیر تک جھک جھک چق چق ہوتی رہی۔ میراجی گھبرایا بالآخر خود مجھے نیچے آنا پڑا دیکھا تو ایک نہایت وجیہ شخص ہیں۔ بڑا چوندر زیب تن کئے ہوئے لنگی باندھے ہوئے۔ بڑا ساعمامہ باندھے تسبیحیں بہت سی گلے میں ڈالے ہوئے عصا ہاتھ میں لئے جیسے کوئی شیخ المشائخ۔ میں نے کہا شاہ صاحب کیا تکرار ہے کہا ہم نقد لیں گے ہم آٹا نہیں لیتے۔ میں نے کہا شاہ صاحب جس کو جو توفیق ہو۔ وہی لے لینا چاہیے ہمیں آٹے کی توفیق ہوئی اسی کو قبول فرمالیا جاوے۔ میرے پاس کوئی عبا نہیں ہوتی۔ قبا نہیں ہوتی۔ سادہ کرتہ پاجامہ پہنتا ہوں۔ مجھے انہوں نے دھمکانا شروع کیا اور بڑے زور میں آکر پڑھا۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست شاید کہ پلنگ خفتہ باشد  
(ہر شخص کو خالی تصور نہ کرو شاید کہ کشف و کرامت اور محبت الہی سے لبریز خدا رسیدہ اور قطب و ابدال ہو)

میں نے کہا کہ جناب آپ کو بھی تو یہی خیال کرنا چاہیے کہ

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست شاید کہ پلنگ خفتہ باشد  
(ہر شخص کو خالی گماں نہ کرو شاید کشف و کرامت اور محبت الہی سے لبریز خدا رسیدہ اور قطب و ابدال ہو)

پھر تو شاہ صاحب بڑے چکرائے اور سمجھے کہ یہ تو طالب علم نکلا۔ اس سے بے ڈھب پالا پڑا۔ پھر میں نے سختی کے ساتھ کہا کہ آپ کی عقل ماری گئی ہے آپ نے میری نرمی کی قدر نہ کی اب یا تو سیدھی طرح سے اپنا راستہ لیجئے ورنہ میں کان پکڑ کر باہر کر دوں گا بس پھر دم بھی نہیں مارا چپکے چلے گئے۔ ایسوں کا یہی علاج ہے۔

شاہجہاں پور میں ایک بنا ہوا فقیر آ پہنچا پٹھانوں کے پاس آکر کہا کہ میں یہاں قطب ہو کر آیا ہوں۔ مجھ پر ایمان لاؤ۔ پٹھان بیچارے سیدھے سادھے ہوتے ہیں انہوں نے کہا اچھا بھائی تم قطب سہی ایک پٹھان بڑے چلتے ہوئے تھے ان کے پاس بھی جا کر یہی کہا کہ میں یہاں قطب ہو کر آیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں آپ قطب ہوں گے لیکن میں تصدیق نہیں کر سکتا کیونکہ آپ سے پہلے میں یہاں کا قطب تھا۔ میرے پاس آپ کے قطب ہونے کی اطلاع نہیں پہنچی بلا اطلاع میں آپ کو چارج نہیں دے سکتا۔ یا تو آپ اپنی تقرری کی چٹھی میرے پاس بھجوائیے ورنہ میں سمجھوں گا کہ آپ باغی ہیں اور شہر سے پٹوا کر نکلوا دوں گا۔



غرض انہوں نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ اس کو پیچھا چھڑانا مشکل پڑ گیا۔ اور سوچا کہ بھائی یہاں دال نہیں گلے گی۔ اور دوسرے ہی دن غائب ہو گئے۔ اس خوف سے کہ کہیں پیاناہ جاؤں ساری قطبیت ختم ہو گئی۔ (روح الارواح ج ۱۷)

## اولیاء کی شان

حضرت غوث پاک فرماتے ہیں کہ اگر منصور میرے زمانہ میں ہوتا تو میں اس کو بچا لیتا۔ شیخ عبدالحق ہمارے سلسلہ کے بزرگ فرماتے ہیں کہ۔ ”منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد ایں جامردانند کہ دریا ہا فرو برد و آروغ نہ زند“ (یعنی منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے جوش و خروش میں آ گیا۔ یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکارتک نہیں لیتے) حالانکہ شیخ اس قدر مغلوب تھے کہ چالیس برس یا کم و بیش ردولی کی مسجد میں پانچ وقت نماز پڑھی لیکن راستہ نہیں یاد ہوا۔ بختیار خادم آگے آگے حق حق کہتے جاتے تھے اس آواز پر چلتے تھے۔ رستہ کی خبر نہیں مگر باوجود اس کے اس قدر سنبھلے ہوئے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد ایں جامردانند کہ دریا ہا فرو برد و آروغ نہ زند (منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے جوش و خروش میں آ گیا یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکارتک نہیں لیتے) کبھی شریعت کے خلاف نہیں کیا۔

بارہ برس حضرت مخدوم صابر مراقبہ ہو میں مدہوش رہے۔ لیکن ایک وقت کی نماز قضا نہیں ہوئی جہاں کان میں اذان دی گئی بس آنکھیں کھول دیں۔ پانی تیار رہتا تھا۔ وضو کر کے نماز پڑھ کر پھر بے ہوش۔ بارہ برس تک یہی حال رہا۔

ان کے پیر یعنی شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ڈوم کو خیریت دریافت کرنے کے لئے بھیجا جس وقت پہنچا افاقہ کا وقت تھا۔ بس اتنا دریافت فرمایا کہ پیر اچھے ہیں اور پھر چپ آپ کی یہ حالت تھی کہ بارہ برس تک گولر کھائے اس روز فرمایا کہ پیر کا بھیجا ہوا ڈوم ہے آج نمک ڈال دینا پیر کا مہمان ہے۔ یہاں سے وہ ڈوم دہلی پہنچا۔

حضرت سلطان جی بھی حضرت شیخ کے مرید تھے۔ یہاں شاہی دربار تھا چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ وزیر شاہی حاضر خدمت تھا کھانے کا وقت آ گیا۔ وزیر نے خیال کیا کہ مچھلی کے کباب ہوں تو اچھا ہے جب خادموں نے کھانا لانے کے لئے اجازت چاہی

تو فرمایا ذرا ٹھہرو جب کچھ دیر ہوگئی تو پھر آ کر عرض کیا کہ حضرت کھانا بے لطف ہوا جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو تھوڑی دیر بعد ایک شخص سر پر خوان رکھے ہوئے آیا اور عرض کیا کہ فلاں صاحب نے مچھلی کے کباب بھیجے ہیں۔ سلطان جی نے حکم دیا کہ اب کھانا لایا جاوے۔ اب وزیر صاحب چونکے دسترخوان لگایا گیا وزیر کو خیال ہوا کہ مچھلی کے کباب اتفاقاً آگئے ہیں سلطان جی نے خادم سے کہا کہ مچھلی کے کباب آپ کے سامنے زیادہ رکھنا۔ آپ کو زیادہ شوق ہے وزیر کو پھر بھی خیال ہوا کہ اتفاقی بات ہے۔ تب حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ جناب وزیر صاحب فرمائش کا تو مضائقہ نہیں لیکن ذرا وقت گنجائش دیکھ کر ہونا چاہیے۔ عین وقت پر فرمائش کرنا تکلیف دینا ہے۔ ویسے مہمان کو حق ہے فرمائش کرنے کا۔ وزیر اب سمجھے کہ یہ میرے خطرہ کا جواب تھا۔

حضرت سلطان جی کو وزیر کی خواہش کا کشف ہوا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ بادشاہ یہ لوگ ہیں۔ اور یہ حضرت اللہ میاں ہی سے کہتے ہیں جب کہتے ہیں جیسے کسی رئیسہ کا بچہ ہو کہ سارا حشم خدم اس کا فرمانبردار ہے لیکن جب اسے کسی چیز کی خواہش ہوگی تو اپنی ماں ہی سے مانگے گا کہ اماں یہ لوں گا۔ اماں چاہے جس کو حکم دے کر اسے دلوادے۔ حضرت سلطان جی نے بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی سے عرض کیا کہ کباب دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ادنیٰ پیادہ کو حکم دیا کہ لیجاؤ ہمارے محبوب کے سامنے۔

غرض یہاں یہ سامان تھا۔ جب پیر کا ڈوم قریب پہنچا تو حشم و خدم سے اس کا استقبال کرایا اور خوب خوب کھانے کھلائے۔ چلتے وقت انعام و اکرام بھی دیا۔ ڈوم نے واپس ہو کر حضرت شیخؒ سے سلطان جی کی بڑی تعریف کی اور حضرت مخدوم کے بارہ میں کہا کہ وہ بڑے روکھے ہیں۔ مجھے تو کیا تمہیں بھی نہیں پوچھا۔ بس اتنا دریافت کیا کہ پیر اچھے ہیں۔ یہ سن کر حضرت فریدؒ قص کرنے لگے کہ الحمد للہ میں ابھی تک انہیں یاد ہوں۔ ورنہ مجھے کچھ بھی نسبت نہیں رہی ہے ان کے مقام سے مگر مجھے اب تک یاد رکھتے ہیں۔

اگر ایسی جامعیت و ضبط مطلوب ہے تو کسی متبع سنت شیخ کامل کا دامن پکڑنا چاہیے اور بہت ہی سنبھال کر قدم رکھنا چاہیے نیز شیخ کے تجویز کرنے میں بھی غلٹ نہیں چاہیے۔ پہچان میں نہایت جانچ کی ضرورت ہے پس شیخ بنانے کے قابل وہ شخص ہے جو غلطیوں کا پکڑنے والا ہو یہ نہیں کہ ناتمام سا قال و حال دیکھ لیا اور پھنس گئے۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند  
(جو شخص بھی چہرہ کو برافروختہ کرے لازم نہیں کہ دلبری جانتا ہو جیسے جو شخص بھی آئینہ بناتا ہو لازم نہیں کہ سکندری بھی  
جانتا ہو یعنی جس نے کالمین کی وضع اختیار کی ضرور نہیں کہ کامل بھی ہو۔ خوب کہا ہے  
شہاد آں نیست کہ موئے درمیانے دارد بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد  
محبوب وہ نہیں کہ جس کے بال عمدہ کمر پتلی ہو بلکہ محبوبیت اس کی آن اور ادا میں ہوتی  
ہے جو محبوب اور دل کش ہوتی ہے) (روح الارواح ج ۱۷)

## اہل سلوک کی اصلاح

بعض اہل سلوک کو ایک دقیق غلطی ہو گئی۔ وہ غلطی اگر واقع نہ ہوتی تو ضرورت بیان کی  
بھی نہ تھی وہ یہ ہے کہ گناہ کے ترک کرنے کی تدابیر میں سے ایک یہ تدبیر انہوں نے تجویز کی  
ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شیطان نے ان کو سکھلائی ہے اس لیے کہ یہ شیطان بہت پڑھا ہوا  
ہے ہر شخص کو اس کے طریق کے موافق بہکا تا ہے اور ایسی غامض اور گہری چالوں سے بری  
بات کو دل میں ڈالتا ہے کہ بظاہر وہ مصلحت جو معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی  
سالک گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اور وہ اس سے دل تنگ ہوتا ہے اور اگر نفس کو روکتا ہے تو اور  
زیادہ ہیجان بڑھتا ہے تو اس وقت شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تمام پریشانی تم کو اس لیے  
ہے کہ اس گناہ میں جو لذت ہے اس کو تم نے نہیں چکھا اس لیے بار بار اس کا اشتیاق ہوتا ہے  
اور اگر خوب سیر ہو کر اس گناہ کو کر لو تو پھر اس کی سب خواہش نکل جائے گی اور دل ہلکا  
ہو جائے گا پھر اس گناہ کی طرف رغبت نہ رہے گی۔ مثلاً زنا کرنے یا شراب پینے کو جی چاہا تو  
شیطان بہکا تا ہے کہ ایک دفعہ خوب پیٹ بھر کر کر لو تو ارمان نکل جائے گا اور ہوس ختم  
ہو جائے گی پھر خواہش گناہ کی نہ ہوگی اور توبہ خالص ہو جائے گی۔ پس دیکھئے کہ یہ کتنا بڑا  
دھوکہ ہے کہ گناہ کراتا ہے گناہ کے ترک کے لیے تو چونکہ اکثر مقدمہ امر محمود کا محمود ہوتا ہے  
اس لیے وہ گناہ اس کی نظر میں بہت خفیف ہو جاتا ہے کہ گویا وہ اچھی نیت سے ہوتا ہے اول  
تو انسان ہے ہی ضعیف العقل کہ مصلحت غیر واقعیہ کو بھی واقعیہ سمجھتا ہے۔ چہ جائیکہ کوئی امر  
مصلحت واقعیہ کا رنگ لیے ہوئے بھی ہو ایسے مقام پر تو ضرور اس کو لغزش ہو جائے گی۔ پس  
معلوم ہوا کہ جو عام لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں وہ تو ہیں ہی بعض اچھے لوگوں پر بھی شیطان کا

داؤ چل جاتا ہے کہ شیطان ان کو اس طور سے قابو میں کرتا ہے کہ اگر یہ گناہ نہ کرو گے تو تمام عمر نزلہ سا بہتا رہے گا۔ ایک دفعہ جی بھر کر کر لو پھر توبہ کر کے بے فکر ہو جائیں گے۔ ایک مولوی صاحب مجھ کو ملے کہ وہ گناہ میں مبتلا تھے خیر گناہ تو انسان سے ہوتا ہی ہے لیکن زیادہ افسوسناک امر یہ تھا کہ انہوں نے مجھ سے بھی پوچھا کہ اگر اس نیت سے گناہ کر لیں تو کیا حرج ہے میں نے کہا کہ توبہ کرو توبہ کرو اور میں نے ان کو سمجھایا کہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے گناہ کیا جاتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ حرام چیزوں پر بسم اللہ کہے تو کافر ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس نے شریعت کا مقابلہ کیا، مسئلہ مجوشہ میں یہ تو نہ کہوں گا کہ کفر ہے لیکن ہاں اشد درجہ کا گناہ قریب بہ کفر اور بڑی شدید غلطی ہے جب ان کی سمجھ میں آیا اور توبہ کی اس روز سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اور کاوش کی جائے گی تو ممکن ہے کہ اس غلطی میں ابتلاء اکثر لوگوں کو ہو۔ یہ ہے وہ مضمون اور غلطی جس کا رفع میں اس آیت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ (ترجیح المفسدہ علی المصلحہ ج ۱۸)

## کشف سے دھوکہ

بعض اہل کشف کو ایک سخت دھوکہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی گناہ کی نسبت یہ منکشف ہو جائے کہ یہ میری قسمت میں لکھا ہے تو اس کو جلدی سے کر لینا چاہیے اس کا غلط ہونا بھی اسی تقریر سے واضح ہو گیا اس لیے پہلی صورت میں تو ایک مصلحت بھی تھی اور یہاں تو کوئی مصلحت بھی نہیں۔ رہا کشف تو اول کشف ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا اور اگر صحیح بھی ہو تو جب یہ مکشوف ہوا تھا کہ میری تقدیر میں یہ گناہ ہے آخر یہ بھی قطعی وحی کے ذریعے سے مکشوف ہو چکا ہے کہ اس سے گناہ ہوگا اور ندامت اور توبہ واجب ہوگی۔ پھر اس کے کیا معنی کہ جلدی کرنی چاہیے نیز یہ بھی وحی کے ذریعے سے پہلے سے مکشوف کر دیا گیا ہے کہ باوجود اس کشف صدور کے رکنے کی کوشش کرنا فرض ہے گونا گویا ہی ہو۔

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید  
(ہاتھ طلب سے کوتاہ نہ کروں گا جب تک کہ میرا مقصد حاصل نہ ہو جائے وہ مقصد یہ ہے کہ یا تو تن محبوب کے پاس پہنچ جائے یا جان تن سے نکل جائے)

(ترجیح المفسدہ علی المصلحہ ج ۱۸)



حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہ کی بدولت حل ہوا۔ وہ یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جیسے جاہ عند الخلق مذموم ہے محققین کے نزدیک جاہ عند الحق بھی اسی درجے میں ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جیسے نیک کام اس لیے کرنا کہ میں خلق کے نزدیک بزرگ اور بڑا بن جاؤں یہ برا ہے۔ اسی طرح اطاعت اس لیے اختیار کرنا کہ میں خالق کی نظر میں صاحب جاہ بنوں یہ بھی اہل بصیرت کے نزدیک امر منکر ہے برا ہے اس لیے کہ کبریائی تو خاصہ خاص باری تعالیٰ کا ہے حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے جاہ کے کسی مرتبے کی بھی ہوس زیبا نہیں۔

## وساوس کا علاج

ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ میں من جملہ دیگر کمالات کے یہ بھی ایک خاص بات دیکھی کہ جیسی حسن تربیت خاص حضرت اور حضرت کے لوگوں میں تھی ساری دنیا میں نہیں دیکھی، مشائخ اطراف کی جانب بھی میں نے رجوع کر کے دیکھا ہے لیکن سوائے وظیفوں اور تسبیح گھوٹنے کے کچھ نہ پایا اور ان حضرات کے یہاں ظاہر میں چند باتیں اور مختصر جملے ہیں مگر ان باتوں کی قدر وہ جانتا ہے جو کسی بلا میں مبتلا ہو۔ میں خود اپنا قصہ بیان کرتا ہوں: کہ مجھ کو وساوس کا غلبہ ہوا اور ایک سخت حالت واقع ہوئی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا، فرمایا: کہ اس کا علاج یہ ہے کہ التفات نہ کرو ظاہر میں تو ایک مختصر سی بات ہے لیکن اس کا نفع اس سے پوچھئے جو اس مصیبت میں مبتلا ہو چکا ہو۔ اگر کسی اور بزرگ سے رجوع کیا جاتا تو کوئی وظیفہ بتلا دیتے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث میں وساوس کے لیے تعوذ آیا ہے اور یہ وظیفہ ہے۔ بات یہ ہے کہ اعوذ بھی دافع وساوس اسی واسطے ہے کہ نفس کو ذکر کی طرف التفات ہوگا اور اس طرف سے توجہ ہٹ جاوے گی۔ چنانچہ اس حدیث میں بھی ”فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ“ (پس اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ) کے بعد ”وَلْيَنْتَبِهْ“ آیا ہے اور حضرت کے فرمانے کا حاصل بھی یہی ہے۔ خطرات و وساوس کی مثال تاریکی کی سی ہے کہ اس کو ذرا ہاتھ لگاؤ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ایسے ہی وساوس ہیں کہ مستقلاً دفع کرنے سے یہ دفع نہیں ہوتے اور نہ وظیفہ پڑھنے سے دفع ہوں گے۔ ان کا علاج بس یہی ہے کہ ان کی کچھ پروا نہ کرے۔ اس طرح خود ہی چھوٹ جائیں گے۔ چنانچہ میں نے اس تدبیر پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمائی۔ (البنات ج ۱۸)

## ایک تائب چور کی حکایت

ایک چور کسی بزرگ سے بیعت ہو گیا اور چوری سے توبہ کی اور خانقاہ میں رہنا شروع کیا۔ جب رات ہوتی تو چوری کا جوش ہوتا مگر عہد یاد آتا تو طبیعت کو روکتا، آخر جب طبیعت جہت بے چین ہوتی تو اٹھتا اور تمام لوگوں کے جوتے ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر کر دیتا اور پھر سو جاتا، تمام لوگ سخت پریشان ہوتے، آخر ایک دن لوگوں نے ان کو دیکھ لیا اور پکڑ کر پیر صاحب کے پاس لے گئے۔ پیر صاحب نے پوچھا کہ بھائی یہ کیا حرکت ہے تو نے تو توبہ کر لی تھی کہنے لگا جناب میں نے چوری سے توبہ کر لی ہے ہیرا پھیری سے نہیں کی۔ بات یہ ہے کہ میں رئیس السارقین ہوں پچاس برس کی بری عادت ہے ہر روز رات کو قلب میں تقاضا پیدا ہوتا ہے مگر چونکہ آپ سے عہد کیا ہے اس لیے روکتا ہوں، جب تقاضے سے مجبور ہوتا ہوں تو نفس کو اس پر راضی کرتا ہوں کہ لوگوں کے جوتے ادھر سے ادھر کر دوں گا یہ بھی ایک قسم کی چوری ہے اب آپ کو اختیار ہے اگر آپ اس کو چھڑائیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ میں پھر چوری کرنے لگوں گا، پیر صاحب نے کہا کہ اچھا تم کو ہیرا پھیری کی اجازت ہے۔ تو جس چیز کا ملکہ ہوتا ہے وہ ضرور بار بار عود کرتا ہے۔ (تیسرا اصلاح ج ۱۸)

## اخلاق حسنہ و ذمیمہ

ایں خورد گردد پلیدی زوجدا      واں خورد گردد ہمہ نور خدا  
(یہ جو کچھ کھاتا ہے سب پلیدی اور گندگی ہو جاتا ہے اور اللہ سے جدا ہو جاتا ہے اور وہ جو کچھ کھاتے ہیں سب خدا کا نور بنتا ہے)

کہ ایک کھاتا ہے تو اس سے پلیدی نکلتی ہے دوسرا کھاتا ہے تو اس سے نور خدا نکلتا ہے  
میں جب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مثنوی پڑھا کرتا تھا تو اس شعر میں مجھے خیال ہوا کہ یہ فرق محض شاعرانہ طور پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرما دیا ہے کیونکہ واقعی فرق تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب اہل اللہ کے پیٹ سے فضلہ نہ نکلتا جب سبق شروع ہوا تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا کہ پلیدی سے مراد اخلاق ذمیمہ ہیں اور نور خدا سے مراد اخلاق حسنہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق حمیدہ

میں مدد ملتی ہے اور دوسرے لوگ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق ذمہ میں مدد ملتی ہے تو باوجود اس فرق عظیم کے کفار نے نہ سمجھا اور انبیاء علیہم السلام کو اپنی مثل کہا کیونکہ ان میں کوئی انوکھی بات نہ تھی، کھانا بھی کھاتے تھے پانی بھی پیتے تھے۔ (تفاضل الاعمال ج ۱۸)

## مراقبہ کا طریقہ اور نفع

مراقبہ کا سہل طریقہ یہ ہے کہ زمین پر چلتے ہوئے یہ سوچو کہ اس وقت ہم اوپر چل رہے ہیں اور عنقریب زمین کے نیچے اتریں گے۔ موت کا خیال بھی نہ ہو تو صرف اتنا ہی سوچ لینا بھی کافی ہے۔ پھر اس سے یہ سوچ پیدا ہوگی کہ جب ہم کو زیر زمین جانا ہے تو اس وقت کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ اس وقت اعمال ہی کام دیں گے اور کوئی چیز ساتھ نہ جائے گی۔

صاحبو! یہ بات تو ذرا سی ہے مگر اس پر عمل کر کے دیکھو چند دن میں حالت بدل جائے گی دوا کا نفع نام بتانے سے نہیں ہوا کرتا استعمال کرنے سے ہوتا ہے آپ اس پر عمل کیجئے نفع خود معلوم ہوگا کہ کام تین قسم کے ہیں ایک وہ جو زیر زمین نافع ہیں دوسرے وہ جو مضر ہیں تیسرے وہ جو نہ نافع ہیں نہ مضر ہیں ان کو تو فوراً چھوڑ دو گے۔ رہے وہ جو نہ نافع ہیں نہ مضر ہیں وہ بھی قابل ترک ہیں کیونکہ آدمی جب اپنے گھر میں آتا ہے تو ترکاری دال گوشت آٹا اناج وغیرہ لے کر داخل ہوتا ہے جو معاش کے لیے ضروری اور مفید ہیں سانپ بچھو لے کر گھر میں کوئی نہیں گھستا جو کہ مضر ہیں اور جیسے سانپ بچھو لے کر گھر میں نہیں آتے اسی طرح ڈلے پتھر لے کر بھی نہیں گھستے۔ آخر کیوں محض اس واسطے کہ فضول ہیں ان میں نفع کیا اور جو کوئی ڈلے پتھر لائے بھی تو بیوی سے بحث ہوگی وہ کہے گی کہ ان چیزوں کا گھر میں کیا کام تھا؟ آپ کہیں گے کہ ضرر بھی تو کچھ نہیں اس پر وہ آپ کو بیوقوف بنائے گی کہ میاں پھر ساری بستی کا کوڑا گھر ہی لا کر جمع کر دو کیونکہ اس میں فائدہ نہیں تو ضرر بھی کچھ نہیں غرض بیوی سے خوب بحث ہوگی اور انشاء اللہ وہی جیتے گی تو جب دنیا کے گھر میں تم فضولیات جمع نہیں کرتے گو مضر بھی نہ ہو تو آخرت میں فضول اعمال کیوں لے جاتے ہو بس وہی کام کرو جو آخرت کے لیے ضروری اور مفید ہوں اور جو مضر یا فضول ہوں ان سب کو چھوڑ دو۔ صاحبو! اس مراقبہ کا نفع ہونا تجربہ میں آ گیا ہے۔ اول یہ مضمون بے ساختہ میرے قلب میں آیا تھا اس وقت کسی آیت سے استنباط کر کے میں نے اس کو نہ سوچا تھا بلکہ ویسے ہی گھر جا رہا تھا کہ دفعۃً چلتے

ہوئے خیال آیا کہ اس وقت تو ہم زمین کے اوپر چل رہے ہیں اور ایک دن اس کے اندر ہوں گے اس خیال کے آتے ہی حالت بدل گئی اور قلب پر خاص اثر ہوا اور کئی دن تک اس کا غلبہ رہا پھر آیات قرآنیہ میں بھی اس کی تعلیم نظر آئی اور میری عادت ہے کہ جو مضمون مجھے نافع معلوم ہوتا ہے جی چاہا کرتا ہے کہ اپنے بھائیوں کو اس سے مطلع کر دوں کیونکہ مثل مشہور ہے:

کہ حلوی بہ تہانہ بایست خورد (حلوہ اکیلانہ کھانا چاہیے)

اس لیے میں نے یہ مضمون بیان کیا (مراقبۃ الارض ج ۱۸)

## نگاہ کی خرابی

گناہوں میں سے بڑا بھاری گناہ جس کو لوگ ہلکا سمجھتے ہیں نظر کا گناہ ہے اور بھاری میں نے اس کو باعتبار آثار کے کہا اس کی ایسی مثال ہے جیسے گھڑی کے اندر بال کمافی ہوتی ہے کہ دیکھنے میں تو چھوٹی سی شے ہے لیکن سارا چرخہ گھڑی کا اسی پر چلتا ہے۔ اسی طرح آنکھوں سے جوشعاعیں نکلتی ہیں وہ بال کمافی سے بھی زیادہ باریک ہیں لیکن قلب جو سلطان جسم ہے اسی پر چلتا ہے پھر قلب پر تمام چرخہ جسم کا حرکت کرتا ہے۔ یہ آنکھیں تمام امراض کی جڑ ہیں اور اسی کو لوگ ہلکا سمجھتے ہیں عام عادت ہو گئی ہے مطلقاً اس سے پرہیز نہیں جس کو چاہا گھور لیا جس کو چاہا تاک لیا اصل گناہ زنا اور لواطت بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے اگر کوئی کہے کہ نگاہ پر مدار ہوتا ہے تو اندھے زنانہ کیا کرتے۔ صاحبو! اندھے بھی اسی کی بدولت مبتلا ہوتے ہیں آواز سن کر تصور کرتے ہیں کہ یہ لڑکایا عورت خوبصورت ہوگا تو ان کے دل میں بھی یہی تصور اول ہوتا ہے۔ (اتحدیب ج ۱۸)

## مردوں کی فضیلت

سنت الہیہ یہی رہی کہ عورت نبی نہیں ہوئی۔ یوں قدرت ظاہر کرنے کے لیے کسی عورت کو نبی بنا دیا ہو وہ دوسری بات ہے لیکن نبوت کے متعلق جو کام ہیں وہ کسی عورت سے نہیں لیے گئے اور نہ عورت سے ہو سکتے ہیں ان کو مرد ہی کر سکتے ہیں۔

اسی سنت پر حضرات مشائخ نے عمل کیا ہے کہ مردوں ہی کو خلیفہ بنایا ہے عورت اگرچہ صاحب نسبت اور قابلیت اس کی رکھتی ہو لیکن اس کو خلافت کسی نے نہیں دی اور اسی میں مصلحت ہے گو اس زمانہ میں لوگ اس فکر میں ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے برابر سمجھا جائے



اور جہاں اس پر عمل شروع ہو گیا ہے وہ خود اس سے پریشان ہیں اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ عورتیں جن مصالحوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں وہ مصالحوں پر وہ بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ اکتساب کمالات کا زمانہ بچپن کا ہے۔ پس اگر لڑکوں کو پردہ میں رکھا جائے تو کمالات مختصہ بالرجال سے وہ محروم رہیں گے اور یہ سبب ہوگا اخلاص تمدن و مصالحوں ضروریہ کا اس لیے ان کو تواجارت آزاد پھرنے کی دی گئی اور عورتیں جن مصالحوں کے لیے موضوع ہوئی ہیں وہ پردہ میں رہ کر بھی حاصل ہو سکتے تھے بلکہ پردہ میں رہ کر خوبی کے ساتھ ان کی تحصیل ہو سکتی تھی اس لیے ان کو یہ آزادی نہیں دی گئی۔ (التہذیب ج ۱۸)

## نصیحت پر عمل نہ کرنے کا وبال

ایک بزرگ کی خدمت میں چند آدمی جو سفر کرنے والے تھے ملنے اور رخصت ہونے آئے جب وہ جانے لگے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم کو کچھ وصیت کیجئے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ ہاتھی کا گوشت مت کھانا انہوں نے عرض کیا حضرت ہم کو تو ہاتھی کے گوشت کھانے کا خطرہ بھی نہیں گزرتا یہ آپ نے کیوں فرمایا فرمایا کہ میرے منہ سے اس وقت ایسا ہی نکلا واللہ اعلم۔ کیا وجہ ہے وہ لوگ رخصت ہو گئے اتفاقاً راستہ بھول گئے اور ایک بیابان میں پہنچ گئے اور بھوک اور پیاس سے بے تاب ہوئے۔ اتفاق سے ایک ہاتھی کا بچہ سامنے سے دکھائی دیا سب نے اتفاق کیا کہ اس کو کاٹ کر کھانا چاہیے ایک نے ان میں سے منع کیا کہ تم کو کیا حضرت کی وصیت یاد نہیں ہے انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی اور سب نے خوب اس کا گوشت کھایا لیکن اس ایک نے نہیں کھایا۔ اور گوشت کھا کر سو رہے کیونکہ تھکے ماندے ہو رہے تھے۔ مگر جس نے نہیں کھایا تھا اس کو نیند نہیں آئی جاگتا رہا۔ تھوڑی دیر میں ایک جماعت ہاتھیوں کی آئی اور ان میں ایک ہتھنی بھی تھی۔ اس ہتھنی نے اپنے بچہ کو تلاش کرنا شروع کیا تلاش کرتے کرتے وہاں بھی آئی جہاں یہ لوگ سوتے تھے اور ان سونے والوں میں سے ہر ایک کا منہ سونگھا تو اس کو گوشت کی بو آئی اس نے ایک ٹانگ پر پاؤں رکھا اور دوسری سونڈ سے پکڑ کر اس کو چیر ڈالا اسی طرح سب کا کام تمام کر دیا۔ پھر آخر میں اس کے پاس آئی چونکہ اس کے منہ سے بونہ آئی اس کو سونڈ سے اٹھا کر اپنی کمر پر بٹھالیا اور ایک

جانب کو لے چلی اور ایک میوہ دار درخت کے نیچے لے گئی اور ٹھہر گئی اس نے خوب سیر ہو کر میوے کھائے اس کے بعد اس کو راستہ پر چھوڑ آئی ان حضرات کی یہ شان ہو جاتی ہے۔  
گفتہ اوگفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود  
(اس کا کہا ہوا اللہ تعالیٰ کا کہا ہوا ہے اگرچہ بندے کے منہ سے نکلا ہو) (ذم ہوئی ج ۱۹)

## ایک غلط قیاس

ناقصین کا اپنے کالمین پر قیاس کرنا اور اپنی نفسانی خواہش کو ان حضرات کی فراست و وجدان پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے تم کو چاہیے کہ اپنے نفس پر ہر وقت بدگمانی رکھو اگر کسی وقت اس میں خواہش کو مفقود بھی پاؤ تب بھی اس کو نفس مردہ ہرگز نہ جانو۔ اس کی مثال اژدھے کی سی ہے۔ کوئی شخص پہاڑ پر چلا گیا کہ دیکھا کہ اژدھا مردہ پڑا ہے اور وہ جاڑے کی وجہ سے ٹھڑ رہا تھا مردہ نہیں تھا۔ اس نے اس کو پکڑ لیا اور شہر میں لایا اور سر جمع اس کو لے کر بیٹھا تھوڑی دیر میں جو آفتاب نکلا اور اس کو گرمی پہنچی اور افسردگی اس کی جاتی رہی تو اس نے حرکت شروع کی اور لوگوں نے بھاگنا شروع کیا اور سینکڑوں اوپر تلے گر کر ہلاک ہو گئے۔ یہی حال نفس کا ہے اس کے پاس سامان نہیں ہے اس لئے یہ پڑ مردہ ہے سامان ہونے پر یہ دیکھنے کے قابل ہے مولانا فرماتے ہیں۔

نفس اژدہا ست او کے مردہ ست از غم بے آلتے افسردہ ست  
(نفس اژدہا ہے، وہ نہیں مرا۔ غم بے آلتی سے افسردہ ہو رہا ہے)۔

ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دو چار روز ذکر و شغل کیا تہجد پڑھنے لگنے سمجھنے لگے کہ ہم ولی کامل ہو گئے اور نفس پر اعتماد ہو جاتا ہے حالانکہ نفس خواہ کیسا ہی ہو جائے مگر اس سے بدگمان ہی رہنا چاہیے جو خیال آئے اور جو عمل کرو پہلے سوچ لو اور غور کر لو کہ اس میں کوئی آمیزش نفس کی تو نہیں ہے۔ بعض اوقات خلوص کے رنگ میں نفس اپنی خواہش پوری کرتا ہے۔ (ذم ہوئی ج ۱۹)

## امام غزالی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

امام غزالی جب مدرسہ نظامیہ سے فارغ ہو کر نکلے تو بہت بڑے عالم ہوئے تین سو علماء ان کے ساتھ چلتے تھے۔ ایک مدت تک اسی حالت میں رہے اس کے بعد خدا طلبی

کا جوش ہو اور دل میں آیا کہ سب چھوڑ کر خلوت اختیار کریں ایک مدت امروز و فردا میں رہے۔ آخر ایک بار سب ترک کر کے صحرا قدس میں جا کے معتکف ہو گئے اور مدت تک سخت مجاہدہ و ریاضت کی۔ اور دس برس تک ان پر قبض واقع رہا اور بجز پوست اور استخوان کے کچھ باقی نہ رہا۔ قریب المرگ ہو گئے بعض آس پاس کے رہنے والے ان کی حالت دیکھ کر کسی نصرانی ڈاکٹر کو لائے اور ان کی نبض دکھائی اس نے نبض دیکھ کر کہا کہ ان کو محبت کا مرض ہے اور محبت بھی مخلوق کی نہیں بلکہ خالق کی ہے جب تک ان کو وصل میسر نہ ہوگا شفا نہ ہوگی۔

قَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوَى كَبْدِي      فَلَا طَبِيبَ لَهَا وَلَا رَاقِي

إِلَّا الْحَبِيبُ الَّذِي شَغَفْتُ بِهِ      فَعِنْدَهُ رُقِيَّتِي وَتَرْيَاقِي

(میرے جگر کو عشق کے سانپ نے کاٹ لیا ہے نہ اس کیلئے کوئی طبیب ہے نہ جھاڑ پھونکنے والا بجز اس محبوب کے جس کی محبت نے میرے دل میں جگہ کر لی ہے اسی کے پاس میری جھاڑ پھونک اور میرے لیے تریاق ہے)۔

امام غزالیؒ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے غرض مدتوں کے مجاہدہ و ریاضت کے بعد کامل ہوئے اور پھر بغداد میں آئے اور ہی شان سے آئے کہ علماء و طلباء و صوفیہ سب کے امراض روحانی بیان فرماتے تھے۔ اس پر بعض علماء دشمن ہو گئے اور کفر کا فتویٰ ان پر لگایا گیا۔ احیاء العلوم جلا گئی۔

الحمد للہ! یہ سنت امام غزالیؒ کی ہم کو بھی نصیب ہوئی کہ مجھ پر کفر کا فتویٰ بھی دیا گیا اور میری کتاب ”بہشتی زیور“ جلائی گئی۔ حاصل یہ کہ کسی کیلئے ذوق و شوق مصلحت ہے کسی کیلئے گھلنا اور پگھلنا ہی حکمت ہے۔ اس لئے ان خیالات کو چھوڑ کر کام میں لگنا چاہیے۔ (ذم ہوئی ج ۱۹)

## ارکان تربیت

شیخ کے تودو کام ہیں ایک اصلاح۔ ایک ذکر کی تعلیم اور ان میں بھی اصل کام اصلاح ہی ہے ذکر اس کی اعانت و برکت کیلئے ہے باقی اصلاح کیا چیز ہے سو وہ نفس کو پاک کرنا ہے ذمائم سے یعنی تربیت باطنی کرنا مگر اس کی اعانت کیلئے شیخ ذکر اللہ کی تعلیم کرتا ہے۔ یوں آدمی اصلاح کی خود بھی تدبیر کر سکتا ہے مگر شیخ کی تعلیم میں غیبی برکت ہوتی ہے۔ باقی نرا وظیفہ بدوں اصلاح کے مطلق کافی نہیں ہے۔ اس خیال کی بھی اصلاح ضروری ہے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ نرا وظیفہ ہی اصلاح کیلئے کافی ہے۔ حالانکہ اصلاح کی حقیقت ہے ہوا

کا نفس سے نکالنا اگر ہوا نفس کیلئے اندر رہی تو فرمائیے نرا وظیفہ کیسے کافی ہوگا یہ کام تو شیخ کا تھا اور مرید کا اصل کام ہے اتباع۔ اور اتباع کی تکمیل کیلئے دوسرا کام ہے شیخ کو حالات کی اطلاع۔ پس میں خلاصہ اور عطر تصوف کا بتلائے دیتا ہوں۔ کہ اصل مقصود ہوی کو ہدی کے تابع کرنا ہے اور یہ جب ہوگا کہ نفس سے ہوا نکل جائے یعنی ہوائے نفس مغلوب ہو جائے اور یہ بات شیخ کے واسطے سے حاصل ہو جاتی ہے پس یہ ہے خلاصہ۔

دوسرا جملہ یہ کہ اگر کسی کو شیخ کامل نہ ملے تو وہ یہ تدبیر کرے کہ مشائخ کے ملفوظات و احوال کا مطالعہ کرے اور کتابوں سے فنائے نفس کا طریقہ معلوم کر کے عمل کرے مگر شیخ کی تلاش میں برابر رہے کیونکہ کتابوں کے مطالعہ سے شیخ کے برابر نفع نہیں ہو سکتا پس جس کو شیخ میسر ہو وہ تو ایسا ہے جیسے طبیب سے علاج کرا لیا۔ اور جس کو طبیب نہ ملے وہ خود کتابوں میں تدابیر دیکھ کر ایسا علاج شروع کر دے جس میں خطرہ نہ ہو لیکن ایسا نفع تھوڑا ہی ہوگا جیسا طبیب سے رجوع کرنے والے کو ہوتا ہے۔ (الہوی والحدی ج ۱۹)

## علامات شیخ کامل

شیخ کامل کی سات علامتیں ہیں ایک علامت ہے کہ اس کو علم دین بقدر ضرورت حاصل ہو۔ ایک یہ کہ علمائے حق سے اس کو مناسبت ہو ایک یہ کہ جتنا علم رکھتا ہو اس پر عمل کا اہتمام ہو۔ چوتھے اس کی صحبت میں یہ برکت ہو کہ روز بروز دنیا سے دل سرد ہونے لگے اور حق تعالیٰ سے محبت بڑھنے لگے۔ پانچویں دقیق علامت ہے وہ یہ کہ اہل علم و اہل فہم کی توجہ اس کی طرف زیادہ ہو یعنی علماء اور صلحاء کا میلان اس کی طرف زیادہ ہو۔ امراء اور عوام الناس کا میلان زیادہ نہ ہو۔ چھٹے یہ کہ وہ کسی شیخ کامل کا مجاز ہو یعنی کسی مشہور بزرگ نے اس کو بیعت و تلقین وغیرہ کی اجازت دی ہو۔ ساتویں یہ کہ اس کے اصحاب میں زیادہ کی حالت اچھی ہو۔ یعنی اس کے ہاتھ سے لوگوں کو شفا حاصل ہوتی ہو اور طریق باطن میں شفا اسی کا نام ہے کہ اپنی حالت شریعت کے موافق ہو جائے مولانا ان ہی شرائط کا خلاصہ فرماتے ہیں۔

کار مرداں روشنی و گرمی ست کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست  
روشنی سے مراد معرفت ہے اور گرمی سے مراد محبت ہے یعنی شیخ کامل وہ ہے جسے معرفت بھی حاصل ہو اور محبت بھی۔ ایک مقام پر مصنوعی پیروں کے بارہ میں فرماتے ہیں۔  
اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہرہ ستے نباید دادوست



## حقوق شیخ

جب شیخ کامل مل جائے تو اس کے حقوق کے متعلق فرماتے ہیں۔  
 نفس نتواں کشت الاطل پیر دامن آں نفس کش راحت گیر  
 اسی کو شیخ فرید عطار فرماتے ہیں۔  
 در ارادت باش صادق اے فرید تابیا بی گنج عرفاں راکلید  
 بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق  
 اور شیخ کے اور بھی حقوق ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اس کا جی برانہ کرے اس کی کوشش  
 کرے کہ اس کا دل میلانہ ہو یہاں تک کہ اگر وہ ادب و تعظیم سے خوش ہو تو اس کی تعظیم  
 کرے اور جو تعظیم نہ کرنے سے خوش ہو تو تعظیم نہ کرے یہ نہ ہو کہ اپنی مرضی کے موافق عمل  
 کرے اور شیخ کی مرضی کا اتباع نہ کرے۔ یہ حاصل ہے اتباع شیخ کا۔ (الھوی والھدی ج ۱۹)

## مسلک ابوذر غفاریؓ

اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث میں تو البسوہم مما تلبسون و اطعموہم مما  
 تطعمون۔ آیا ہے پھر عدم مساوات کی اجازت کہاں ہوئی جواب اس کا یہ ہے کہ یہ امر  
 وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کیلئے ہے۔ اور بصورت وجوب اس لئے فرمایا کہ مخاطب اس  
 کے ایک خاص شخص تھے اور ان کی خصوصیت وقتیہ کا مقتضایہ ہوگا کہ اس میں تاکید ہو۔ واقعہ  
 اس کا یہ ہوا تھا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ جو کہ نہایت جلیل القدر صوفی مشرب صحابی ہیں۔  
 اور ان کی شان دوسرے صحابہ کرام سے بالکل جدا ہے۔ ایک مرتبہ یہ ایک غلام سے لڑ رہے  
 تھے۔ اسی اثناء میں انہوں نے اس کے نسب پر طعن کیا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 جا کر شکایت کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور یہ فرمایا کہ ایک امرء و فیک  
 جاہلیہ اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو تمہارے قبضے میں کر دیا ہے ان کو حقیر نہ سمجھو بلکہ جو  
 خود کھاؤ وہ کھلاؤ جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ تو اس واقعہ میں اگر تعلیم مجاہدہ حضور صلی اللہ علیہ  
 وسلم کا مقصود کہا جائے تو اس کی خصوصیت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ضیعے  
 کو تاکید کیلئے بھی کہا جاسکتا ہے۔ اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے بھی اس پر یہاں تک عمل کیا

کہ ایک مرتبہ ان کے پاس دو چادرے تھے جن کے مجموعے کو عربی میں حله کہتے ہیں انہوں نے ایک تو خود پہنا اور ایک اپنے غلام کو دیدیا ایک شخص نے ان کو ایک چادرے میں دیکھا تو کہا اے ابو ذر! یہ چادرے دونوں اگر تم رکھتے تو پورا حله ہو جاتا اور اچھا معلوم ہوتا۔ حضرت ابو ذر نے فرمایا کہ یہ تو تم سچ کہتے ہو لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ۔ اس روز سے میں اپنے اور غلام کے کھانے کپڑے میں کچھ فرق نہیں کرتا۔ یہ تو آپ کی خصوصیت کے اعتبار سے کلام تھا اور اگر عام لیا جائے اور ظاہر یہی ہے بھی تو پھر یہ امر استحباب کیلئے ہے اور دلیل استحباب کی وہی سابق حدیث ہے کہ کم سے کم ایک لقمہ ہی دیدیا کرو۔ تو تفاوت رکھنا تو جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ بالکل ہی رحم نہ کیا جائے اور خبر ہی نہ لی جائے۔ (احسان اللہ بیروت ۱۹ ج)

## کشف غیر ضروری ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہیں اور بڑے صاحب کشف ہیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر سے بھائیوں کو میض دیا ہے کہ اس کو باپ کی آنکھوں پر ڈال دو اور ادھر وہ کرتے لے کر چلے اور درمیان میں سینکڑوں مراحل۔ اس لئے کہ کہاں شہر کنعاں یعقوب علیہ السلام کا مسکن اور کہاں مصر۔ بہت دور دراز کی مسافت درمیان میں ہے لیکن آپ فرماتے ہیں اِنِّیْ لَا جُدْرِیْحَ یُّوسُفَ لَوْ لَا اَنْ تُفْنِدُوْنَ . یعنی بے شک میں یوسف کی بو پاتا ہوں اگر تم مجھ کو بہکا ہوا نہ کہو۔ قَالُوا تَاللّٰهِ اِنْکَ لَفِیْ ضَلٰلٍکَ الْقَدِیْمِ . بیٹوں نے کہا قسم ہے خدا کی کہ آپ بے شک اپنی پرانی غلطی میں ہیں۔ فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِیْرُ اَلْقَهُ عَلٰی وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ . یعنی جب خوش خبری دینے والا آیا کرتے کو یعقوب علیہ السلام کے چہرہ پر ڈال دیا تو وہ بینا ہو گئے اور فرمایا۔ میں نے تم کو کہا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اللہ اکبر! اتنا بڑا کشف۔ اور باوجود اس کے یوسف علیہ السلام نے مصر میں سالہا سال سلطنت کی اور صاحب سلطنت کے واقعات اور اس کے حالات سے دور دور تک واقفیت ہوتی ہے اور یوسف علیہ السلام یوسف ہی کے نام سے مصر میں مشہور تھے۔ یہ بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ نام بدل لیا ہوگا۔ چنانچہ عزیز مصر نے زلیخا کے قصہ میں یوسف علیہ السلام کو

اس طرح خطاب کیا یوسفُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا اور دوسری جگہ ارشاد ہے یوسفُ اِيْهَا الصِّدِّیْقُ افْتِنَا۔ ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوسف کے ہی نام سے مشہور تھے اور یہ بھی نہ تھا کہ آمدورفت ایک ملک سے دوسرے ملک میں نہ ہوتی ہو برابر قافلے آتے جاتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے جَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمُ الْخِصْصَ قِطْعَ کے زمانہ میں تو قوافل کی آمدورفت بہت ہی تھی۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص کنعان سے مصر میں قحط کے زمانہ میں قافلے آتے جاتے تھے۔ چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر غلہ لینے کے لئے پہنچے اور چوری کے قصہ میں وہاں ایک بھائی روک لئے گئے تو بقیہ بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام سے آکر عرض کیا۔ واسئل القرية التي كنا فيها والعير التي اقبلنا فيها وانا لصدقون۔ یعنی آپ پوچھ لیجئے ان بستی والوں سے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کنعان سے مصر کو برابر آمدورفت تھی۔ بس جس حالت میں کہ اس قدر ذرائع علم کے یعقوب علیہ السلام کے پاس موجود تھے اس پر بھی یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ لگا اور یہی فرمایا۔ یٰنِیْ اَذْهَبُوا فَتَحَسُّسُوا مِنْ یُّوسُفَ وَآخِیْهِ وَلَا تَآیَسُوا مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ بَلَّآیْ وہ کشف کہاں گیا۔ اس قدرت کا نام خدائی ہے۔ (الغضب ج ۱۹)

## حضرت مرزا رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا قصہ ہے کہ ان کا بچپن تھا اور ان کی مسجد میں ایک موزن تھے جو ظاہر میں خستہ اور شکستہ حال تھے لیکن باطنی دولت سے مالا مال تھے۔ مرزا صاحب جب مسجد میں آتے تو ازراہ بچپن ان موزن صاحب کے ہمیشہ ایک دھول رسید کیا کرتے وہ بزرگ اپنی نظر بصیرت سے سمجھتے تھے کہ یہ بچہ ہونہار ہے کسی وقت کچھ ہوگا اس لئے کچھ نہ بولتے بلکہ خوش ہوا کرتے۔ جب مرزا صاحب کی آنکھیں کھلیں اور ان کو دیکھا کہ یہ بزرگ ہیں تو یہ عمل چھوڑ دیا اور معذرت کرنے لگے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ مرزا اگر اپنی پونجی کی خیر منانی ہے تو وہ ہی دھول دھپے کا شغل رہے ورنہ سب چھین لوں گا۔ مجبوراً مرزا صاحب ہمیشہ ایک دھول لگاتے۔

پس بڑی شے راحت قلب ہے ادب وہ ہے جس میں دل کو راحت ہو بعض مرتبہ تعظیم سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔

## سید حسن رسول نما کی کرامت

مجھے ایک حکایت یاد آئی وہی میں ایک بزرگ تھے سید حسن رسول نما ان کی یہ کرامت تھی کہ بیداری میں جس کو چاہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر دیا کرتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ قید بھی تھی کہ دو ہزار روپے لیا کرتے تھے مجھے اول اس سے دنیا طلبی کا شبہ ہوا تھا کہ یہ تو دنیا دار معلوم ہوتے ہیں۔ پھر یہ خیال ہوتا کہ اگر دنیا دار ہیں تو ان کو اتنی بڑی کرامت کیونکر حاصل ہو گئی مگر۔

درنیابد حال پختہ چچ خام بس سخن کوتاہ باید والسلام  
کامل کا حال ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یہ شبہ ایک حکایت سے رفع ہوا وہ یہ کہ میں نے حاجی صاحب سے سنا کہ ایک دفعہ ان بزرگ کی بیوی نے درخواست کی کہ تم غیروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہو مجھے بھی کرادو۔ میرا تم پر زیادہ حق ہے فرمایا لاؤ دو ہزار روپے۔ کہا میرے پاس دو ہزار روپے کہاں۔ ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تم مجھ کو دیدو پھر میں تم کو دیدوں گی۔ فرمایا اس سے کیا ہوتا ہے وہ بے چاری مایوس ہونے لگیں تو فرمایا اچھا تمہارے لئے ہم ایک اور صورت نکالتے ہیں وہ یہ کہ تم دولہن بنو۔ کہا بھلا بڑھاپے میں دولہن بنا کر کیا میرا مذاق کرو گے فرمایا پھر نہ بنو تم نے ہی درخواست کی تھی ہم نے اس کی آسان ترکیب بتادی اگر تم سے نہیں ہو سکتا نہ کرو جب وہ سمجھ گئیں کہ یہ بدوں اس کے زیارت نہ کرائیں گے تو وہ دولہن بننے پر راضی ہو گئیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر مسلمان کو عشق ہے اور یہ عشق سب کچھ کر دیتا ہے۔

عشق رانا زم کہ یوسف را ببا ز آورد ہچو صنعا زا ہدے رازیر زنا ز آورد

وہ بے چاری بڑھاپے میں دولہن بنیں اور لال جوڑا پہن کر سر سے پیر تک زیور سے آراستہ ہوئیں۔ ہاتھوں کو مہندی لگائی۔ اور دولہن کی طرح سر جھکا کر بیٹھ گئیں جب سب کچھ کر چکیں تو سید صاحب وہاں سے اٹھ کر اپنے سالے کے پاس آئے کہ ذرا یہاں آنا تم کو ایک تماشا دکھاؤں اور گھر میں بلا کر کہا کہ دیکھئے آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کو کیا دن لگے ہیں۔ بڑھاپے میں آپ کو دولہن بننے کا شوق ہوا ہے بھائی تو لا حول پڑھ کر چلے گئے بھائی کے دیکھ لینے سے ان بی بی پر اتارنج و غم طاری ہوا کہ بے چاری روتے روتے بے ہوش ہونے کے قریب



ہو گئیں کہ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میرا فضاہتا ہوگا جب روتے روتے ان کا برا حال ہو گیا تب ان بزرگ نے توجہ کی اور اسی رنج و غم کی حالت میں بی بی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو گئی۔ حضور کی زیارت سے ان کا رنج و غم سب جاتا رہا۔ اور دل پر سرور کا غلبہ ہو گیا۔ تب بزرگ نے فرمایا کہ بی بی میں تم سے معافی چاہتا ہوں کہ تم کو مجھ سے تکلیف پہنچی مگر حقیقت یہ ہے کہ میں نے جو کچھ کیا یہ سب تمہاری درخواست پوری کرنے کی تدبیر تھی۔ بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں ہو جانا ایک قسم کا کشف ہے اور کشف کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے اور باقاعدہ مجاہدہ کے لئے تو زمانہ دراز چاہیے۔ میں نے سوچا کہ کوئی فوری مجاہدہ ایسا ہونا چاہیے جس سے دل پر گرانی سخت ہو تو میں نے دیکھا کہ مال خرچ کرنے سے دل بہت دکھتا ہے اس لئے میں نے مالی مجاہدہ تجویز کیا اور اس کی مقدار بھی اتنی رکھی ہے جس کا خرچ کرنا ہر شخص کو دکھتا ہے یعنی دو ہزار روپے جو شخص اتنی بڑی رقم اپنے ہاتھ سے نکالتا ہے اس کا دل ویسا ہی شکستہ ہو جاتا ہے جیسا کہ باقاعدہ مجاہدہ سے ہوتا ہے اس لئے میں نے دو ہزار روپے لے کر زیارت کراتا ہوں پھر جب تم نے درخواست کی تو میں نے دیکھا کہ مالی مجاہدہ تم کو نافع نہ ہوگا کیونکہ تم جو کچھ دو گے وہ میرا ہی دیا ہوگا پھر میرے پاس آ کر بھی وہ تمہاری ہی چیز ہوگی۔ میاں بی بی میں کس نے بانٹ کی ہے اس لئے میں نے تمہارے لئے مجاہدہ کی یہ صورت تجویز کی کہ تم دو لہن بنو اور دو چار میں تمہاری ہنسائی ہو جس سے تمہارے دل پر چوٹ لگے تب تم زیارت کشفیہ کے قابل ہوگی۔ واقعی۔

درنیا بد حال پختہ ہیچ خام بس سخن کوتاہ باید والسلام  
اب معلوم ہوا کہ ان کے دو ہزار روپے لینے میں کیا حکمت تھی سو چونکہ بڑھاپے میں کسی عورت کے دو لہن بننے سے اس کی ہنسائی ہوتی ہے اس لئے میں نے نکاح کے اعلان کو ضروری امر نہیں دیا۔ ہاں اول دفعہ جب کسی عورت کا نکاح مرد سے ہو اس میں تو اعلان ہونا چاہیے اور خفیہ نکاح کرنا بہت سے مفاسد پیدا کرتا ہے مگر پھر کسی ضرورت سے اگر ان دونوں میں تجدید نکاح کی ضرورت ہو تو اب اعلان کرنا لازم نہیں (بلکہ عجب نہیں کہ اس وقت تو انشاء ہی لازم ہو کیونکہ اس وقت اعلان نکاح سے فی الجملہ معصیت کا اظہار ہوگا لوگ سمجھیں گے کہ ان میاں بی بی میں سے کسی نے کوئی کلمہ کفر کا کہہ دیا ہوگا یا طلاق دی گئی ہوگی کہ وہ بھی منکر ہے وغیرہ

وغیرہ اور اظہار منکر جائز نہیں (۱۲) بہر حال فساد ذات البین کے یہ مفاسد ہیں جن سے دین بھی برباد ہوتا ہے اور دنیا کا لطف بھی خاک میں مل جاتا ہے۔ (اصلاح ذات البین ج ۱۹)

## اختیاری و غیر اختیاری

حدیث میں ہے: **الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ** (پاکی ایمان کا جزو ہے) وارد ہے اسی طرح میں اس مسئلہ کو نصف السلوک سمجھتا ہوں کہ اختیاری میں کوتاہی نہ کرے اور غیر اختیاری امور کے درپے نہ ہو لوگوں نے آج کل صرف نماز روزہ کا نام دین رکھ لیا ہے حالانکہ یہ عمل دین کا جزو ہیں کہ اختیاری امور کے درپے ہو، غیر اختیاری کے درپے نہ ہو اور یاد رکھو کہ یہ امور غیر اختیاریہ یعنی حالات و کیفیات وغیرہ اگر کبھی حاصل ہوتے ہیں اعمال اختیاریہ ہی میں مشغول ہونے سے حاصل ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ عمل اختیاری سے غیر اختیاری کی نیت بھی نہ کرے کیونکہ حصول میں تعجیل و تاخیل اختیار سے باہر ہے کبھی تو نقصان عمل کی وجہ سے تاخیل ہوتی ہے کبھی قلت استعداد و ضعف استعداد کی وجہ سے دیر ہوتی ہے پس تم اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو خود ان کے درپے نہ ہو بلکہ ان اعمال کے درپے ہو جو تمہارے اختیار میں ہیں۔  
تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روشن بندہ پروری داند  
(تو فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط پر عبادت مت کر کیونکہ آقائے حقیقی بندہ پروری کا طریقہ خود چاہتے ہیں) (رفع الالتباس عن نفع الالتباس ج ۲۰)

## اپنے مرض کو محقق پر ظاہر کر دینا چاہئے

بعض لوگ اپنے امراض کو بلی کے گوہ کی طرح چھپائے رہتے ہیں کسی محقق پر ظاہر نہیں کرتے۔ یاد رکھو! اس طرح شفا حاصل نہیں ہو سکتی۔

ما حال دل را بایاد گفتم نتوان نہفتن درد از چہیاں  
(ہم نے اپنے دل کا حال اپنے محبوب کے سامنے بیان کیا کیونکہ محبوبوں کے سامنے اپنا درد نہیں چھپانا چاہئے) اور اس سے پہلے جو فرمایا ہے:

چنداں کہ گفتم غم با طبہیاں در مان نکردند مسکین غریباں  
(ہر چند کہ ہم نے طبیبوں کے سامنے اپنا غم بیان کیا لیکن انہوں نے ہم غریبوں اور مسکینوں کا علاج نہ کیا)

وہاں طبیب سے مراد ظاہری طبیب ہے کہ ان حکیموں سے دردِ دل کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اور نتواں نہفتن دراز حیاں (طبیب باطن سے درد نہ چھپانا چاہئے) میں طبیب باطن مراد ہے کہ دردِ دل کو ان سے نہ چھپانا چاہئے بعض اس خیال سے اپنے امراض کو ظاہر نہیں کرتے کہ وہ بزرگ ہم کو ذلیل سمجھیں گے یا کسی اور سے کہہ دیں گے مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ تم کو تو کیا ذلیل سمجھتے جب وہ کتے کو بھی اپنے سے افضل سمجھتے ہیں دوسرے وہ امین ہوتے ہیں کسی کاراز دوسروں پر کبھی ظاہر نہیں کرتے بعض لوگ اس خیال سے اپنا حامی ظاہر نہیں کرتے کہ اس میں اظہارِ معصیت ہے سو میں کہتا ہوں کہ معصیت تو فعل ہے افعال کے اظہار کی ضرورت نہیں بلکہ مواد کو بیان کرو اور مواد کا بیان کرنا معصیت نہیں۔ (رفع الالتباس عن نفع الالتباس ج ۲۰)

## غیر اختیاری امور

امور غیر اختیاریہ کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے اس سے سوائے پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور وہ حاصل نہ ہوں تو شکایت مت کرو۔ اور جو امور اختیاریہ ہیں ان کو اپنے ارادہ اور اختیار سے کرو جہاں تک اختیار کو دخل ہے۔ اور جس درجہ میں وہ بھی اختیار سے خارج ہوں اس کے بھی پیچھے مت پڑو یہ اصول سالکین کے لئے بہت ہی کارآمد ہیں اور بالکل صحیح ہیں ان کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب کوئی پریشان ہو چکا ہو اس کے بعد اس کے کان میں یہ علوم پڑیں تو اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ پہلے مردہ تھا اب زندہ ہو گیا۔ ایک اور مثال سنئے مثلاً کوئی تہجد کا شوقین ہے تو ظاہر ہے کہ تہجد کا قصد کرنا تو فعل اختیاری ہے لہذا اس کو چاہیے کہ ہمت کرے اور آنکھ کھلنے کا اہتمام کرے اس کی تدبیر بھی پوری طرح کرے۔ مثلاً کھانا ذرا سویرے کھاوے اور عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً سو رہے اور کھانے میں دو چار لقمے کم کھاوے پانی کم پئے، یہاں تک تو اس کے اختیار میں ہے اب فرض کرو کہ کوئی شخص یہ سب تدبیریں کر کے سویا اور ارادہ تھا کہ تہجد پڑھیں گے مگر اس پر بھی آنکھ نہ کھلی آنکھ اس وقت کھلی جبکہ تہجد کا وقت ختم ہو چکا تھا تو اب یہ روتا اور پریشان ہوتا ہے اور کہتا ہے میں بڑا بد نصیب ہوں شاید مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے جو تہجد سے محروم رہا لیکن اگر یہ بات اس کے کان میں پڑی ہوئی ہے تو بہت کام دے گی کہ امر غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے اس کے فوت ہونے سے کچھ ضرر نہیں ہوتا اس بات کے بتلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر قضا کرادی تا کہ سالکین کو اس واقعہ سے تسلی ہو جائے حدیث میں لیلۃ القریس کا قصہ مشہور ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک



دفعہ معہ لشکر کے سفر میں تھے رات کے آخری حصہ میں ایک میدان میں قیام کیا فجر کی نماز کے لئے جاگنے کا پورا اہتمام کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو اس وقت بیدار رہ کر پہرہ دے تا کہ صبح کے وقت ہم کو اٹھاوے حضرت بلالؓ اس کے لئے تیار ہوئے اور کجاوہ سے پشت لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے کہ فجر ہو تو اذان دوں اور سب کو اٹھاؤں خدا کی قدرت کہ سب تو سو ہی رہے تھے انکی بھی آنکھ لگ گئی اور ایسے بے خبر سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی لوگ گھبرا گئے اور پریشان ہوئے اور ڈر گئے کہ آج نماز قضاء ہوگئی۔ خدا جانے کیا وبال آوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا گھبراؤ نہیں (سبحان اللہ کیسی عجیب تعلیم اور کیسا استقلال اور کیسا عرفان ہے) پھر فرمایا لَا تَفْرِيطُ فِي النُّومِ سونے میں کچھ تقصیر نہیں کیونکہ غیر اختیاری بات ہے اِنَّمَا التَّفْرِيطُ فِي الْيَقَظَةِ تقصیر تو بیداری کی حالت میں ہوتی ہے اس کے بعد وہاں سے تھوڑی دور چل کر قضا نماز پڑھی۔ کیا ٹھکانا ہے اس شفقت کا خدا کی حکمت و رحمت ہے کہ عمر بھر میں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی قضا ہوگئی اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل سلوک تو ایسا واقعہ پیش آنے سے مرہی جاتے حق تعالیٰ نے ایک نظیر قائم کر دی جس سے اہل سلوک کو تسلی ہو سکتی ہے کہ امام العارفین اور سلطان العابدین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ بات پیش آئی تو ہم کیا چیز ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو فرض نماز قضا ہوگئی تھی تاہنفل چہ رسد۔ (کساء النساء ج ۲۰)

## عشق علاج و سواوس ہے

محبت و عشق وہ چیز ہے کہ جب یہ دل میں گھس جاتی ہے تو پھر محبوب کے کسی حکم اور کسی قول و فعل میں کوئی شبہ اور وسوسہ پیدا نہیں ہوتا اگر ایک پروفیسر فلسفی کسی طوائف پر عاشق ہو جائے اور وہ اس سے یوں کہے کہ سر بازار کپڑے نکال کر ننگے آؤ تو میں تم سے بات کروں گی ورنہ نہیں تو فلسفی صاحب اس کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے اور یہ بھی نہ پوچھیں گے کہ بی؟ اس میں تیری کیا مصلحت ہے اب کوئی اس سے پوچھے کہ آپ کی وہ عقل و فلسفیت اس طوائف کے سامنے کہاں چلی گئی افسوس قرآن و حدیث کے مقابلہ میں تو ساری فلسفیت ختم کی جاتی ہے اور ایک ادنیٰ مردار کے احکام میں چون و چرا اور لم و کیف سب رخصت ہو گیا۔ آخر اسکی کیا وجہ؟ یقیناً آپ یہی کہیں گے کہ اسکی وجہ محبت و عشق ہے بس معلوم ہو گیا کہ خدا و رسول کے احکام میں



شبہات پیدا ہونے کی وجہ عدمِ محبت یا قلتِ محبت ہے اگر آپ کے دل میں نورِ محبت روشن ہوتا تو یہ سارے چوہے اور چھوچھو خود بھاگ جاتے۔ شیخ سعدی اسی کے متعلق فرماتے ہیں ۔  
 ترا عشق بہجو خودے ز آب و گل      رباید ہمہ صبر و آرام دل  
 (تیرا عشق مٹی اور پانی کی طرح ہے جو میرے دل کے صبر و چین کو لے گیا ہے)  
 اور جب ایک مخلوق کے عشق کا یہ اثر ہے تو خالق کے عشق کا اثر کیا کچھ ہونا چاہئے ۔  
 عجب داری از سالکانِ طریق      کہ باشد در بحر معنی غریق  
 زمام شرابِ الم درکشند      دگر تلخ بیند دم درکشند  
 (تو سالکانِ طریق جو کہ حقیقت کے دریا میں غریق ہیں تعجب کرتا ہے۔ وہ ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)  
 مولانا فرماتے ہیں ۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود      گوئے گشتن بہرا و اولیٰ بود

(محبوبِ حقیقی کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہو اس کی گلیوں میں پھرنا اولیٰ اور بہتر ہے)

(غایۃ الحاج فی آیۃ النکاح ج ۲۰)

## صوفیا پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حضراتِ صوفیہ پر جو بعض تفاسیر کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کی نئی نئی تفسیریں کرتے ہیں یہ معترضین کی غلطی ہے صوفیہ نے ان باتوں کو تفسیر کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ محض تنظیر و تشبیہ کے طور پر بیان کیا ہے اور صوفیہ کے معتقدین جو اس کو تفسیر سمجھتے ہیں وہ بھی غلطی کرتے ہیں مثلاً اذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی (فرعون کی طرف بے شک اس نے سرکشی اختیار کی) کے تحت میں صوفیہ نے لکھا ہے اذْهَبْ یَا رُوْحُ اِلِی النَّفْسِ جَاهِلْهَا اِنَّهَا قَدْ طَغَتْ۔

کہ اے روحِ نفس کی طرف جا اور اس سے جہاد کر کے اس کو مغلوب کر کہ وہ حد سے نکلا جا رہا ہے بعض ناواقفوں نے اس کو تفسیر سمجھ لیا پھر ان میں جو معتقد تھے۔ وہ یہ کہنے لگے کہ قرآن میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنة کا قصہ مذکور ہی نہیں ہے بلکہ موسیٰ سے مراد روح ہے اور فرعون سے مراد نفس۔ مگر یہ سراسر جہل ہے واللہ صوفیہ کی یہ مراد ہرگز نہیں اور جو ان کی طرف یہ بات منسوب کرے وہ جھوٹا ہے اور بخدا قرآن میں موسیٰ و فرعون سے روح و نفس ہرگز مراد نہیں بلکہ اس میں موسیٰ علیہ السلام ہی کا قصہ فرعون کے

ساتھ مراد ہے جو کہ ظاہری مدلول ہے ورنہ اگر ظاہری مدلول مراد نہ ہو تو پھر قرآن سے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کچھ ثابت نہ ہو سکے گا۔ (غایۃ النجاح فی آیۃ النکاح ج ۲۰)

## اعمال کے ظاہر و باطن کی تحقیق

اعمال کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ علماء نے قرآن کو ظاہر پر محمول کیا ہے ہم اس کو باطن پر محمول کرتے ہیں اور ان لوگوں نے مولانا رومی کا ایک قول اپنی دلیل میں بیان کیا ہے پنج وقت آمد نماز اے رہنموی عاشقان ہم فی صلوٰۃ دائموں (نماز تو پانچ ہی وقت کی فرض ہوئی لیکن عاشق ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں)

کہ دیکھو مولانا فرماتے کہ عوام تو پانچ ہی وقت نماز پڑھتے ہیں اور عشاق ہمیشہ نماز ہی میں رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ صلوٰۃ شرعیہ کا تحقق دائماً نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اکل و شرب و بول و براز اور سونے کی حالت میں نماز ظاہری نہیں ہو سکتی تو وہ کون سی نماز ہے جس میں عشاق دائماً مشغول رہتے ہیں وہ روح نماز ہی تو ہے یعنی تعلق و حضور مع اللہ جو کسی وقت ان کے دل سے جدا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ مولانا کے کلام سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عشاق ظاہری نماز ادا نہیں کرتے بلکہ مولانا کے کلام کے معنی عشاق کے لئے دو نمازوں کا ثابت کرنا ہے پس انہوں نے اول یہ فرمایا ہے کہ عوام تو پانچ ہی وقت نماز پڑھتے ہیں اس کے بعد عشاق کی فضیلت بیان فرمائی ہے، کہ وہ ہر وقت نماز میں رہتے ہیں اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان پانچوں کو یہی ادا کرتے ہیں اور ان ہی پانچ پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر دم نماز میں رہتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا کہ مولانا نے عشاق سے نماز ظاہری کی نفی کی ہے ان کے کلام کی تحریف ہے۔ بلکہ مولانا نے اس کے ساتھ عشاق کے لئے ایک زائد بات بیان فرمائی ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے دائماً مشغولی صلوٰۃ ثابت ہو رہی ہے۔ اور وہ زائد بات کیا ہے وہ نماز کا شوق اور انتظار ہے مطلب یہ ہے کہ عوام تو نماز پڑھ کر اس سے غافل ہو جاتے ہیں اور عشاق نماز کے بعد دوسری نماز کی فکر و انتظار میں بیٹا رہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ نماز کے انتظار میں لگا رہنے والا نماز ہی میں ہے اس لئے عشاق ہر وقت نماز میں ہیں یعنی ان کو ہر وقت نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ عشاق کی نماز دوسری ہے اور وہ پانچ وقت کی نمازیں نہیں پڑھتے۔ یہ تو مولانا کے کلام سے استدلال کا جواب تھا۔

رہا ان کا یہ کہنا کہ اعمال کے لئے ایک ظاہر ہے ایک باطن، یہ مسلم۔ لیکن اس سے یہ کیوں کر لازم آیا کہ اعمال کی صورت اب ظاہر مطلوب نہیں دیکھو اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے آپ کے بیٹے کا ایک ظاہر ہے یعنی قالب اور ایک باطن ہے یعنی روح کیونکہ انسان صرف ظاہر سے انسان نہیں بلکہ اپنی روح کے ساتھ انسان ہے اگر روح نہ ہو تو یہ قالب مٹی میں دفن کرنے کے قابل ہے لیکن کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف روح ہی مطلوب ہے اور قالب بالکل مطلوب نہیں اگر یہ ہے تو پھر اپنے بیوی بچوں کا گلا گھونٹ کے مار دو، کیونکہ روح تو پھر بھی رہے گی اس کو تو گلا گھونٹنے سے موت نہ آئے گی صرف قالب کو موت آئے گی تو کیا حرج ہے یہ تو مطلوب ہی نہیں۔ اس پر شاید آپ یہ کہیں کہ مطلوب تو روح ہی ہے اور قالب مطلوب نہیں مگر چونکہ یہ روح ہمارے پاس بدوں اس قالب کے نہیں رہ سکتی اس لئے بدن یہی مطلوب ہے۔ جزاک اللہ بس یہی ہم کہتے ہیں کہ جس چیز کو آپ روح صلوٰۃ کہتے ہیں وہ روح آپ کو بدوں نماز کی اس صورت و قالب کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی وہ روح اسی صورت کے ساتھ لگی ہوئی ہے اگر اس کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس صورت کو لازم پکڑو ورنہ بدوں اس کے جو شخص روح صلوٰۃ کے حصوں کا مدعی ہو وہ یقیناً جھوٹا ہے یہ تو معتقدوں کی حالت تھی کہ انہوں نے صوفیہ کے ان اقوال کو تفسیر سمجھ لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ مقصود صرف باطن ہی ہے ظاہر مراد ہی نہیں۔ اور جو لوگ ان کے معتقد نہ تھے وہ ان پر فتویٰ لگانے لگے کہ صوفیہ ملحد ہیں کہ قرآن کے اندر تحریف کرتے ہیں آیات کی تفسیر بالرائے کرتے ہیں یہ بھی غلطی پر ہیں۔ (غایۃ الحاج فی آیۃ النکاح ج ۲۰)

## شبہات کا علاج صرف تعلق مع اللہ ہے

حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو یہ وساوس و شبہات جہی تک ہیں جب تک خدا سے تعلق نہیں اور تم عقل کے تابع ہو اس عقل کو فنا کرو خدا کی محبت اور ان کا قرب حاصل کرو۔  
 آرزو دم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را  
 (میں نے عقل دور اندیش کو آزمایا اس کے بعد اپنے آپ کو دیوانہ بنا لیا)  
 اور خدا تعالیٰ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ خود رائی چھوڑ کر اپنے کو کسی صاحب محبت کے حوالہ کر دو۔

قال را بگذارد مرد حال شو      پیش مرد کاٹے پامال شو  
سال باتو سنگ بودی دلخراش      آزمونوں را یک زمانے خاک باش  
در بہاراں کے شو سرسبز سنگ      خاک شوتا گل برو بد رنگ رنگ

(قال چھوڑو، صاحب حال بن جاؤ، کسی شیخ کامل کے سامنے پامال ہو جاؤ، سالہا سال تم دلخراش پتھر بنے رہے کچھ عرصہ کے لئے خاک بن کر (متواضع ہو کر) دیکھ لو، موسم بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتے ہیں مٹی بن جاؤ تاکہ ان پر رنگ برنگ کے پھول اُگیں)

تم اپنی عقل پر ناز نہ کرو کیونکہ اہل اللہ کے سامنے تمہاری عقل ایک طفل مکتب سے بھی کم ہے بس اب تو عقل اس کو سمجھتے ہیں کہ چار پیسے کمانے کے قابل ہو گئے۔ بی اے، ایم اے ہو گئے۔ حالانکہ عقل وہ ہے جو خدا کو پہچانے جو اہل اللہ کو عطا ہوئی ہے پس ان کے سامنے اپنی عقل پر ناز کرنا ایسا ہے۔ جیسے مولانا فرماتے ہیں ۔

ناز را روے بیاید ہنچو درد      چوں نداری گرد بد خوئی مگرد  
(ناز کے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے بد خوئی کے پاس بھی نہ جاؤ)  
جب تم کو یہ عقل حاصل نہیں تو اہل اللہ کے سامنے اپنی دنیوی عقل پر ناز نہ کرو ۔

چونتو یوسف نیستی یعقوب پاش      ہنچو اوبا گریہ و آشوب باش  
عیب باشد چشم نابیناؤ باز      زشت باشد روی نازیبا و ناز  
(جب تم یوسف (علیہ السلام) جیسے نہیں تو یعقوب (علیہ السلام) بن جاؤ اور ان کی مانند گریہ و آشوب اختیار کرو (درد و طلب میں رہو))

تم اپنے کو جاہل مطلب سمجھ کر کسی محقق کے سپرد کر دو اس وقت تعلق مع اللہ کی دولت حاصل ہوگی پھر تعلق مع اللہ اور محبت باللہ کے بعد ان شبہات و اعتراضات کا یہ حال ہوگا کہ ۔

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت      ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت  
تیغ لا در قتل غیر حق براند      در نگر آخر کہ بعد لاچہ ماند  
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت      مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیتا ہے، لا الہ کی تلوار غیر اللہ کی ہلاکت کے لئے چلاؤ پھر لا الہ کے بعد دیکھو کیا رہ گیا، سوائے الا اللہ



کے باقی سب فنا ہو گیا، اے عشق شرکت سوز تجھ پر مرجبا کہ سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیا)  
تعلق مع اللہ کے بعد سب وساوس خود ہی چلے جائیں گے اسی لئے مولانا جوش میں آ  
کر ایک مقام پر عشق کی زور شور سے مدح فرماتے ہیں ۔

مرجبا اے عشق خوش سودائے ما اے طبیب جملہ علجنائے ما  
اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما  
(اے عشق مرجبا تو ہمارے لئے بہترین جنون اور ہماری سب بیماریوں کا طبیب ہے  
اے ہمارے نخوت و ناموس کی دوا اور اے تو ہمارے لئے افلاطون و جالینوس ہے)  
اور اگر یہ حاصل نہیں تو یاد رکھو کہ ان باتوں سے اور دلیلوں سے کچھ کام نہ چلے گا۔

(غایۃ النجاح فی آیۃ النکاح ج ۲۰)

## نکاح تعلق مع اللہ کی نظیر ہے

نکاح کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں غور کرنے سے آنکھیں کھلتی ہیں اور سالک کو سبق ملتا ہے کہ یہ  
تعلق نکاح کے معاملات تعلق مع اللہ کی بعض معاملات کے نظائر ہیں۔ تو گویا معاملات نکاح  
میں ان معاملات پر بھی ایک طرح کی آیات ہیں کیونکہ نکاح کے اندر تین درجے ہوتے ہیں۔  
ایک درجہ عدم تعلق کا ہے کہ ابھی تک نکاح کا پیغام بھی نہیں دیا گیا بلکہ ذہن خالی ہے  
ایک (دوسرا) درجہ خطبہ کا ہے کہ پیغام دیا گیا اس درجہ میں قدرے تعلق ہو جاتا ہے (اس کے  
بعد ایک تیسرا درجہ ہے کہ پیغام دینے کے بعد پیغام منظور ہو گیا اور رشتہ قرار پا گیا اس درجہ  
میں پہلے سے زیادہ تعلق ہو جاتا ہے اور آپس میں لین دین آمد و رفت ہدایا تحائف کا سلسلہ  
شروع ہو جاتا ہے ۱۲) ایک (چوتھا) درجہ اس کے بعد ہے جس کا نام نکاح ہو جانا اور وصول  
ہو جانا ہے یہ تو ظاہر ہے۔ اب سمجھئے کہ یہی حال سلوک اور تعلق مع اللہ کا ہے وہاں بھی تین  
درجات ہیں ایک درجہ بے تکلفی کا ہے بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کی طلب نہیں گو علم ہے تو یہ تو ایسا  
ہے جیسا ہم کو یہ علم ہے کہ فلاں گھر میں ایک لڑکی ہے سو ظاہر ہے کہ اس علم کا نام تعلق نہیں بلکہ  
تعلق طلب اور خطبہ سے شروع ہوتا ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ علم و معرفت قبل از طلب کو  
تعلق مع اللہ نہیں کہا جاسکتا اس کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ طلب پیدا ہو گئی اور کسی بزرگ  
سے (درخواست کی گئی کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے ملنے کا راستہ بتلاؤ اور اس نے راستہ بتلانا شروع

کر دیا اور یہ راستہ پر چلنے لگا پھر کوئی ابتداء میں ہے کوئی وسط میں ہے یہ مشابہ خطبہ کے ہے (مگر ابھی تک اس کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی مجھ سے تعلق ہے یا نہیں اس کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ ادھر سے بھی اس کے ساتھ تعلق کا اظہار ہونے لگا اور رضا کے آثار و معاملات اس کے ساتھ ظاہر ہونے لگے یہ وہ درجہ ہے جو منظوری خطبہ کے بعد ہوتا ہے (۱۲)

## وصول کے دو معنی

تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے۔ ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امراض سے شفا ہو گئی اور ذکر و شغل سے قلب کی تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے موانع مرتفع کر دیئے معالجا امراض سے واقف ہو گئے نفس کی اصلاح ہو گئی اخلاف رذیلہ زائل ہو گئے اور اخلاق حمیدہ سے انوار ذکر سے قلب آراستہ ہو گیا اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی اعمال و عبادات میں سہولت ہو گئی نسبت اور تعلق مع اللہ حاصل ہو گیا تو سیر الی اللہ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا تعلق سابق میں ترقی ہوئی اسرار و حالت کا ورود ہونے لگا یہ غیر محدود ہے یہی ہو تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے ۔

بحریت بحر عشق کہ پچش کنارہ نیست آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

(بحر عشق ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں یہاں سوائے جان قربان کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں)

اور اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص سائنس کا امتحان دیتا ہے یہاں تک کہ پاس ہو گیا اور سند مل گئی تو اس وقت سیر الی سائنس ختم ہوئی۔ اس کے بعد سیر فی سائنس ہے کہ تحقیقات میں اضافہ ہونئی نئی باتیں منکشف ہوں اس کی کوئی حد نہیں چنانچہ اہل سائنس خود اس پر متفق ہیں کہ تحقیقات سائنس کا سلسلہ غیر محدود ہے۔ جب ایک دنیوی تعلق کا یہ حال ہے تو تعلق مع اللہ کا کیا حال ہوگا۔ (غایۃ النجاح فی آیۃ النکاح ج ۲۰)

## نکاح کا تکوینی راز

بندہ کا کمال یہ ہے کہ وہ مظہر اتم حق تعالیٰ کا بن جاوے سو بدوں نکاح کے یہ

مظہریت اتم نہیں ہوتی کیونکہ حق تعالیٰ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اِذَا ارَادَ شَيْئًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ کہ وہ جب کسی چیز کو بنانا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیتے ہیں ہو جاتو وہ فوراً پیدا ہو جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ بدوں احتیاج اسباب کے محض ارادہ ہی سے جس چیز کو چاہتے ہیں پیدا کر دیتے ہیں اور اس شان کا ظہور بندہ میں نکاح ہی سے ہوتا ہے کہ بچہ کے پیدا ہونے میں بھی بندہ بھی زیادہ اسباب کے اہتمام کا محتاج نہیں بے مشقت ایک فعل کیا اور اگر کوئی عارض نہ ہوا حمل رہ گیا اور بچہ بن گیا۔ گو واقع میں یہاں بھی اسباب ہوتے ہیں مگر وہ اسباب ایسے نہیں ہیں جن کی تلاش اور فکر کی ضرورت ہو۔ (غلیۃ النجاح فی آیۃ النکاح ج ۲۰)

## سلوک جذب سے مقدس ہے

اعمال احوال سے مقدم ہیں۔ حصول احوال کا طریق یہ ہے کہ اعمال میں لگ جاؤ بدوں اس کے احوال حاصل نہیں ہو سکتے۔ قاعدہ کی رو سے سلوک ہی جذب سے مقدم ہے اور وہب کا ذکر نہیں مگر لوگ جذب کو مقدم کرنا چاہتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے۔ نصوص سے قاعدہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلوک جذب سے مقدم اور جذب سلوک پر مرتب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ رحمت جذب ہے اور احسان سلوک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ رحمت الہیہ نیک کام کرنے والوں کے قریب ہے اور دوسری آیت میں یعنی اللّٰهُ یَجْتَبِیْ اِلَیْهِ مَنۡ یَّشَآءُ میں جو اجتہاد یعنی جذب کا مدار محض مشیت پر رکھا ہے وہ جذب موہوب ہے۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

## حضرت خواجہ باقی باللہ اور ایک بھٹیاریہ کی حکایت

حضرت خواجہ باقی باللہ کی توجہ سے ایک شخص مر گیا تھا۔ حضرت خاتم مثنوی نے یہ قصہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب متوکل تھے بعض دفعہ فاقہ بھی ہوتا۔ چنانچہ ایک دن حضرت کے یہاں فاقہ تھا اتفاق سے اسی دن مہمان آ گئے۔ حضرت کو مہمانوں کی وجہ سے فکر ہوا۔ ایک بھٹیاریہ حضرت کا معتقد تھا اس کو حضرت کی فکر کا احساس ہوا تو وہ فوراً کھانا سب مہمانوں کے لئے تیار کر کے لایا۔ حضرت کو اس سے بے حد خوشی ہوئی اور جوش مسرت میں فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ بھٹیاریہ نے کہا کہ حضرت وعدہ کر لیجئے کہ جو میں مانگوں گا آپ دیں گے

فرمایا ہاں میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے مانگو گے دوں گا۔ کہا میں ایسی چیز مانگوں گا جو آپ کے پاس ہے۔ فرمایا ہاں ہاں مانگو۔ کہا مجھے اپنا جیسا کر لیجئے۔ حضرت نے فرمایا۔

آرزوی خواہ لیک اندازہ خواہ برتا بد کوہ رایک برگ گاہ  
جو کچھ مانگو اندازہ سے مانگو گھاس کا ایک پتہ پہاڑ نہیں اکھاڑ سکتا

بہت سمجھایا کہ یہ بات تمہارے تحمل سے زیادہ ہے۔ اس ہوس سے باز آؤ مگر اس نے نہ مانا۔ جب اس کا اصرار بڑھتا ہی گیا تو اپنے حجرہ میں لے جا کر توجہ اتحادی ڈالی جس کا یہ اثر ہوا کہ توجہ کے بعد جو دونوں حجرہ کے باہر آئے تو صورت میں بھی اتحاد ہو گیا تھا۔ کسی کو یہ امتیاز نہ ہوتا تھا کہ خواجہ صاحب کون سے ہیں اور بھٹیاریہ کونسا ہے صرف یہ فرق تھا کہ بھٹیاریہ پر اضطراب غالب تھا اور حضرت پر سکون مگر نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی دیر کے بعد بھٹیاریہ مر گیا اس سے تحمل نہ ہو سکا کیونکہ سلوک سے جذب قوی وارد ہو گیا تھا۔ رہا یہ کہ پھر خواجہ صاحب نے اس کی درخواست کو کیوں منظور کیا اور ایسی توجہ کیوں دی جس سے ہلاکت واقع ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کو یہ معلوم نہ تھا کہ مر ہی جائے گا۔ یہ خیال ہو گا کہ بہت مجذوب ہو جائے گا۔ لیکن اس درجہ ضعف کا علم نہ تھا کہ زندہ بھی نہ رہے گا کیونکہ دوسرے کا ضعف پوری طرح معلوم نہیں ہو سکتا۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

## حضرات نقشبندیہ سلاطین اور حضرات چشتیہ مساکین ہیں:

نقشبندیہ کے یہاں توجہ اور تصرف بہت زیادہ ہے۔ یہ حضرات سلاطین ہیں یہ دوسروں پر بھی تصرف کرتے ہیں اور چشتیہ مساکین ہیں ان کا سارا تصرف اپنی ہی ذات پر ہوتا ہے ضرب بھی اپنی ہی ذات پر ہے اور سوزش و شورش بھی ان کا تو وہ حال ہے۔

افروختن و سوختن جامہ دریدن پروانہ زمن شمع گل زمن آموخت  
روشن ہونا اور چلنا اور کپڑے پھاڑنا پروانہ اور شمع اور گل نے مجھ سے سیکھا ہے

(الفصل والانفصال ج ۲۱)

## ساک کو نہ ملنے پر بھی شکر کرنا چاہئے

ایک عارف نے ایک سالک سے پوچھا تھا کہ کس حال میں ہو کہا مقام تو کل میں ہوں اگر ملتا ہے شکر کرتا ہوں نہیں ملتا تو صبر کرتا ہوں عارف نے کہا کہ اتنا تو بغداد کے



کتے بھی کرتے ہیں۔ سالک کو تو یہ چاہئے کہ نہ ملنے پر بھی شکر کرے کہ یہ بھی نعمت ہے اس میں بھی حکمت عظیمہ ہوگی اسی کو عارف فرماتے ہیں۔

تو بندگی چوگدایان بشرط مزدکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند  
فقیروں کی طرح عبادت مزدوری پر مت کر۔ مالک تو خود ہی بندہ پروری کا طریقہ جانتا ہے۔ کیونکہ  
کیا معلوم تم کو زیادہ روٹی ملتی تو کیا حال ہوتا اس لئے نہ ملنے پر بھی شکر چاہئے۔ حضرت حاجی  
صاحب سے جب کوئی شخص ذکر میں حال وغیرہ نہ حاصل ہونے کی شکایت کرتا اور یہ کہتا کہ کچھ نفع  
نہیں معلوم ہوتا تو فرماتے کہ یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ تم خدا کا نام لے رہے ہو پھر یہ شعر پڑھتے۔  
یا بم اور ایا نیام جستوائے می کنم حاصل آید یا نیا ید آرزوئے می کنم  
وہ ملے یا نہ ملے ہمیں تلاش کرنا چاہئے نتیجہ نکلے یا نہ نکلے آرزو رکھنا چاہئے  
واقعی ذکر اللہ کی توفیق ہو جانا ہی بڑی نعمت ہے اس کے بعد اور کیا چاہتے ہو۔

## شیطان سالک کے ہمیشہ درپے رہتا ہے

مولانا رومی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک صوفی کو شیطان نے دھوکا دیا تم کو ذکر  
اللہ کرتے ہوئے بہت سال ہو گئے مگر اللہ کی طرف سے نہ کچھ پیام نہ جواب۔ جب وہاں  
شنوائی نہیں ہوتی تو خواجہ سرا مارنے سے کیا فائدہ۔ سالک اس دھوکہ سے متاثر ہو گیا۔ آہ  
اس طریق میں بہت دھوکے ہیں کیونکہ شیطان سالک طریق کا درپے ہو جاتا ہے وہ اس کو  
طرح طرح سے بہکاتا ہے۔ اس لئے بہت احتیاط و اہتمام کے ساتھ چلنا چاہئے۔

درہ عشق و سوسہ اہرمن بے است ہشیار و گوش را بہ پیام سرش دار  
عشق کے راستہ میں اہرمن کا خیال ہی کافی ہے۔ ہوش رکھ اور کان کو اس کے احکام  
کی طرف لگا۔ پیام سرش سے مراد وحی ہے کہ شریعت کو پیش نظر رکھو اور شیطان کے  
ہر دھوکہ کا جواب شارع علیہ السلام کے ارشادات سے حاصل کرو۔ اور شریعت کی خلاف ورزی  
گز کسی بات کو دل میں جمنے نہ دو۔ مگر بعض سالک محبوب مراد ہوتے ہیں۔ ان کی دستگیری  
ایسے وقت میں غیب سے ہوتی ہے ان کو احتیاط و اہتمام کی بھی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ یہ  
سالک مرد تھا اس کو شیطان نے دھوکہ دیا اور دھوکہ میں آ گیا کہ رات کو سب معمولات  
ترک کر کے سو رہا۔ مگر غیب سے اس کی دستگیری ہوئی رات کو خواب میں کوئی لطیفہ نبی آیا اور

اس نے حق تعالیٰ کی طرف سے دریافت کیا کہ کیوں میاں صاحب آج تم کو ہم بھول ہی گئے کیا بات ہے۔ کیوں خفا ہو گئے کہا میں نے برسوں سے حق تعالیٰ کو یاد کیا جب اس طرف سے کوئی پیام و جواب تک نہ آیا تو میں نے سوچا وہ تو پوچھتے بھی نہیں پھر میں ہی کیوں سر ماروں لطیفہ غیبی نے اللہ کی طرف سے اس کو جواب دیا۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست ویں نیاز و سوز و دردت پیک ماست  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا اللہ اللہ کرنا ہماری حاضری ہے۔ اور یہ عاجزی اور سوز اور درد تیرے واسطے ہمارا پیغام ہے۔

کہ تمہارا یہ اللہ اللہ کرنا ہی تو ہمارا جواب ہے۔ یہی علامت قبول ہے اگر تم مردود ہوتے تو ہم زبان کو اپنے ذکر سے روک دیتے۔ جیسا کہ بہت سی مخلوق کو اپنے ذکر سے محروم کر رکھا ہے۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

## نسیان و خطا امر غیر اختیاری ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رفع عن امتی الخطاء والنسیان .  
اب سوال یہ ہوتا ہے کہ نسیان و خطا امر اختیاری ہے یا غیر اختیاری ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ غیر اختیاری ہے اور لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا الخ سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر اختیاری پر مواخذہ نہیں پھر بعد رفع مواخذہ آئندہ کیلئے دعائے عدم مواخذہ کی تعلیم کے کیا معنی جبکہ مواخذہ کا احتمال ہی نہیں دوسرا اشکال یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے رفع خطا و نسیان اس امت کے ساتھ مخصوص ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ دوسری امتوں پر مواخذہ تھا اور یہ عقل کے خلاف ہے کہ دوسری امتوں کو تکلیف مالا یطاق دی گئی ہو۔ نیز نص لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا مِّنْ نَّفْسٍ مَّا هِيَ بِأَعْيُنِنَا خیر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشریعیات میں تکلف مالا یطاق کسی کو نہیں دی گئی اور عقل بھی عموم کو چاہتی ہے اس کے جوابات علماء نے مختلف دیئے ہیں مگر میرے ذہن میں جواب آیا ہے میں اس کو عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ خطرات و وسوس میں دو درجے ہیں ایک درجہ حدوث کا ہے۔ وہ تو غیر اختیاری ہے اور ایک درجہ بقا کا ہے۔ یہ بعض اوقات اختیاری ہوتا ہے مثلاً کسی لاجنبیہ کا دل میں بلا قصد خیال آ گیا یہ تو غیر اختیاری ہوا۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

## نامرادی کا مفہوم:

حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مسئلوں کی دکان تو مولویوں کے پاس رکھا دی ہے۔ اور تعویذوں کی حاجی محمد عابد صاحب کے پاس غرض مرادیں اس طرح تقسیم ہو گئیں اب میرے پاس تو صرف نامرادی ہے جس کو مرادیں لینا ہوں ان بزرگوں کے پاس جائے جس کو نامرادی لینا ہو میرے پاس آئے۔ پہلے پہلے میری سمجھ میں یہ جملہ نہیں آیا مگر خود حضرت کے بتلانے سے اب کہہ رہا ہوں فرمایا کہ نامرادی سے مراد عشق ہے کیونکہ عاشق ہمیشہ نامراد ہوتا ہے اس کو کسی مراد پر بھی قرار نہیں ہوتا ترقی ہی کا طالب ہوتا ہے اسلئے ہر دم ناکام اور نامراد ہی رہتا ہے بس اس کا یہ ہوتا ہے

دلا رام دربر دلارام جوئے لب از تشنگی خشک و برطرف جوئے  
گلویم کر بر آب قادریند کہ بر ساحل نیل مستقی اند  
محبوب بغل میں ہے اور محبوب کو ڈھونڈ رہے ہیں نہر کے کنارے پر ہیں اور  
ہونٹ پیاس سے خشک ہیں یہ ہم نہیں کہتے کہ پانی پر قادر نہیں مگر نیل کے کنارے  
جلندھر کے بیمار کی طرح ہیں۔ (شفاء الی ج ۲۱)

## منازعات نفس مجاہدہ سے باطل نہیں ہوتے:

منازعات نفس بھی موانع ہیں کہ آپ سردی میں اٹھ کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں لیکن نفس آپ کو روکتا ہے تو اس کے لیے ضرورت ہے تربیت کی اس سے منازعات ضعیف الاثر ہو جاتے ہیں گو بالکل ان کے مواد کا استیصال نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کو اس میں یہ دھوکہ ہو جاتا ہے کہ مجاہدات سے منازعات بالکل باطل ہو جاتے ہیں لیکن یہ غلط ہے ہاں ضعیف ہو جاتے ہیں نفس اژدہا ست او کے مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است  
(نفس اژدہا ہے وہ نہیں مراہاں غم بے آلتی سے افسردہ ہے)

مولانا نے یہ حکایت لکھی ہے کہ ایک اژدہا سردی میں ٹھٹھا پڑا تھا اس کو ایک مار گرنے مردہ سمجھ کر رسوں میں چکڑ لیا اور گھسیٹ کر شہر میں لایا لوگ جمع ہو گئے اور شنی بگھار رہا تھا میں نے اس طرح اس کو گرفتار کیا ہے اور اس طرح اس کو مارا ہے لوگ بھی تعجب کر رہے تھے

اتنے میں دھوپ جونکی وہ اس کی حرارت سے جنبش کرنے لگا معلوم ہوا کہ زندہ ہے مخلوق بھاگی اور ساری شیخی اس کی کرکری ہوگئی اسی کو ذکر کر کے مولانا فرماتے ہیں

نفس اژدہا ست او کے مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است  
یعنی نفس تو ایک اژدہا ہے وہ مرا نہیں ہاں غم بے آلتی سے افسردہ ہو رہا ہے تو افسردگی کے اسباب کو نہ چھوڑنا چاہیے اور وہ مجاہدت و اشغال اور تدبیر خاصہ ہیں اس لئے تعلیم اصلاح کے ساتھ تدابیر کی تعلیم بھی ضروری کرنا چاہئے۔ اکثر ہمارے مصلحین ادا مروا ہی اور وعدہ وعیدہ کو ہمیشہ ذکر کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ تدابیر نہیں بتلاتے حالانکہ اس کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اس میں سخت دشواری پیش آتی ہے ہم چاہتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولیں مگر نفس کہتا ہے کہ اب فلاں مصلحت ہے بول ہی لینا چاہئے اور ہم نفس سے مجبور ہو جاتے ہیں دیکھو اگر بدن میں صفرا بہت بڑھ جاوے تو نرے مسکنا ت (تسکین دینے والی دوائیں) سے تسکین نہیں ہوتی بلکہ مزیل (زائل کرنے والی ادویہ) کی ضرورت ہوگی تو محض نصیحت بمنزلہ مسکن ہے اور تدبیر بمنزلہ مزیل۔ غرض ان منازعات کے لئے تربیت کی حاجت ہوئی۔

### تربیت بھی صحبت پر موقوف ہے:

تربیت جس کی ضرورت تعلیم سے بھی زیادہ ہے سو وہ بدون صحبت کے کسی درجہ میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ غیر اہل ملت نے بھی اس کی ضرورت سمجھی چنانچہ کالجوں میں جو بورڈنگ بنائے جاتے ہیں اور شہر کے بچوں کو بھی ان میں رکھا جاتا ہے محض اس لئے اساتذہ کے خواص طبعیت ان میں پیدا ہو جاویں اور یہ میں نے اس لئے نقل کیا کہ آج کل کے مذاق والے لوگ بھی مطمئن ہو جاویں ورنہ ہم کو غیر ملی لوگوں کے طرز عمل کے نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو اس کو ایسا یقینی سمجھتے ہیں کہ جس میں ذرا بھی شک نہیں کیونکہ ہم کو تو روز مشاہدہ ہوتا ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ذی علم لوگ میرے پاس اصلاح کے لئے آتے ہیں اور ان کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور وہ چاہتے ہیں کہ کچھ ذکر و مشاغل پوچھ کر چلے جاویں لیکن میں بجائے ذکر و شغل سکھانے کے ان کو وہاں رہنے کا مشورہ دیتا ہوں اور وہ رہتے ہیں۔ چند روز تک اس مجمع میں رہنے سے کسی نہ کسی کی برکت سے ان کی حالت درست ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ برکت کسی چھوٹے ہی کی ہو۔ اور اسی لئے بڑوں کو



بھی ضرورت ہے۔ چھوٹوں کی کیونکہ ان کی برکت سے بڑوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم چھ ماہ یا سال بھرتک ہمارے پاس رہو اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی مگر پھر جب رہتے ہیں اور پہلی حالت میں تغیر شروع ہوتا ہے اور بات بات پر ان کو روکا ٹوکا جاتا ہے تو ان کی سمجھ میں آتا ہے کہ واقعی اس کی ضرورت تھی تو چونکہ ہم کو ایسے واقعے ہمیشہ پیش آتے ہیں اس لئے ہم کو تو اہل تمدن کے قول کے نقل کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ آج کل لوگوں کو بدون اس کے تسلی نہیں ہوتی اس لئے ان کی حکایت بھی نقل کر دی پس ہم کو دونوں جماعتوں کی ضرورت ہے ایک تو وہ جماعت جس سے تعلیم حاصل کریں دوسری وہ جماعت جس سے تربیت ہو۔ (فوائد الصبحہ ج ۲۱)

## شیخ کامل کی علامات:

تربیت میں خواندہ ناخواندہ سب کا ایک ہی دستور العمل ہے وہ یہ کہ اس شخص کے لئے ایسے شخص کو انتخاب کریں جس نے اپنے اخلاق درست کر لئے ہوں۔ اور اس کا اندازہ مشاہدہ علامات سے ہو سکتا ہے کہ متعدد مشائخ کو جا کر دیکھیں اور یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ دیکھئے دنیا کے ایک سودے کے لئے شہروں میں مارے مارے پھرتے ہیں تو اگر بزرگوں کی تلاش میں بھی دو چار جگہ ہو آویں تو کیا مشکل ہے اور وہ علامات یہ ہیں کہ دیکھیں کون بزرگ ایسا ہے جو علم دین بقدر ضرورت رکھتا ہو اور علم پر عمل کرتا ہو اپنے متعلقین پر شفقت کے ساتھ احتساب کرتا ہو اور اس کی صحبت میں لوگوں کو دنیا سے دل بستگی نہ رہتی ہو اسکے پاس رہنے والے غالب دیندار ہوں جو شخص ایسا ملے کہ اس کے پاس آمد و رفت رکھے اور جب موقع ملے چند روز تک اس کے پاس رہے اس کے اخلاق درست ہو جائیں گے کیونکہ جب پاس رہے گا تو دیکھے گا کہ اس نے چار موقع پر غصہ کو ضبط کیا ہے تو ایک جگہ خود بھی ضرور ضبط کرے گا۔ اور اسی طرح عادت ہو جاوے گی۔ اور اگر پاس رہنا ممکن نہ ہو تو ایسے شخص سے مراسلت ہی رکھو اپنے امراض لکھ کر بھیجو کہ مجھے حرص ہے طمع ہے بے استقلال ہے پھر وہاں سے جو کچھ لکھ کر آوے اس پر عمل کرو۔ وہ حضرات تہذیب اخلاق کے لیے وظیفہ نہ بتلاویں گے بلکہ تدابیر بتلاویں گے اور گو وہ کتابوں میں بھی ہیں لیکن وہ مبتدی کو مفید نہیں ہوتیں اس لئے کہ کتابوں میں کلیات ہیں باقی اپنے حالات جزئیہ کا منطبق کرنا ان کلیات پر

اس کے لئے فہم کافی نہیں تو یہ تو تربیت کا طریق ہے خواہ مجالست سے ہو یا مراسلت سے ہو اور یہ طریقہ جیسا کہ آپ کے لئے ہے آپ کے بچوں کے بھی ہے اگرچہ وہ انگریزی وغیرہ ہی میں مشغول ہوں اس حالت میں ایسا ہونا چاہئے کہ چھٹی میں کم سے کم ایک چوتھائی چھٹی کا ان بزرگوں کے پاس گزاریں۔ خر بوزہ کو دیکھ کر خر بوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اگر سال بھر میں ایک ماہ بھی آپ کسی ایسے شیخ کی صحبت میں رہ لیں گے تو ان کو نہ سائنس مضر ہو سکتا ہے نہ انگریزی۔ یہاں تک مردوں اور بچوں کی تربیت کا دستور العمل مذکور ہوا۔ (نوائد الصبحہ ج ۲۱)

## غفلت خروج عن الاسلام کے خطرے سے خالی نہیں

بحمد اللہ مسلمانوں میں سے کوئی اسلام کی کسی چھوٹی یا بڑی بات کا منکر تو نہیں ہے نہ اصول کا نہ فروع کا، ہاں غفلت ان سب سے ہو گئی ہے کیا اصول اور کیا فروع اور وہ غفلت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ عجب نہیں کہ انکار تک نوبت آجائے۔ انکار تو صریح کفر اور خروج عن الاسلام (اسلام سے خارج ہونا) ہے ہی یہ غفلت چونکہ اسی کا ذریعہ ہے اسی واسطے خطرہ سے خالی نہیں اور بہت توجہ کے ساتھ علاج کی محتاج ہے۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

## کیفیات و آثار پیدا ہونے کا سبب

اکثر کیفیات و آثار پیدا ہونے میں اعمال ہی مؤثر ہوتے ہیں۔ ان کا وہی اثر ہوتا ہے جو جانور میں خورد و نوش کا اثر ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اکثر کیفیات دو کیفیتوں کی طرف راجع ہوتی ہیں جن کا نام رضا و سخط ہے اور رضا و سخط کا منشا اعمال ہی ہیں انسان راضی ہوتا ہے تو کسی کام سے ہی ہوتا ہے اور ناراض ہوتا ہے تو کسی کام ہی سے ہوتا ہے۔ اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ کیفیات کے پیدا ہونے میں مؤثر اعمال ہی ہیں اور یہ ایسی چیز ہے کہ سخت سے سخت اور قوی سے قوی شخص بھی اس سے نہیں بچ سکتا، کیسا ہی کوئی متین اور مستقل آدمی ہو مگر اس پر بھی ان چیزوں کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ (القاف ج ۲۲)

## وسوسہ کس صورت میں مضر ہو جاتا ہے؟

حدیث النفس سے عزم اور فعل کی نوبت آتی ہے وہ وسوسہ کے مرتبہ میں تو مضر نہ تھا مگر اس پر اتنے مرتبے اور متفرع ہو گئے اب وہ وسوسہ مضر ہو گیا یعنی بواسطہ عزم اور فعل کے

اور بواسطہ کی قید میں نے اس لیے بڑھادی کہ کوئی یہ نہ کہے کہ وسوسہ کو تو ابھی غیر مضمر کہا تھا اور اب مضمر کہہ دیا اور یہ تعارض ہے اس قید سے جواب نکل آیا کہ وسوسہ فی نفسہ خود تو مضمر نہیں ہاں بواسطہ مضمر ہو گیا۔ یعنی وسوسہ غیر مضمر اسی وقت تک ہے جب تک کہ وسوسہ رہے اور جب عزم و فعل کے مرتبہ میں آ گیا اب مضمر ہے تو وسوسہ کی دو حالتیں ہیں کبھی تو یہ نوبت ہوتی ہے کہ دل میں جم گیا اور عزم و فعل تک پہنچ گیا۔ یہ درجہ مضمر ہے اور کبھی اس کا مصداق ہوتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ۝

حق تعالیٰ متقین کی شان میں اور ان کی مدح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ان کو شیطان کی طرف سے کسی وسوسہ کا اثر ہوتا ہے تو وہ فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اس سے وہ صاحب بصیرت بن جاتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وسوسہ بعض حالتوں میں مضمر نہیں ہوتا یہ وہ صورت ہے کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا مگر تم نے اس کو قلب سے معاذ دفع کر دیا اور اس دفع سے میری یہ مراد نہیں کہ وسوسہ کے پیچھے پڑ گئے اس کا بالکلہ استیصال ہو جائے کیونکہ یہ تو وسوسہ والے کو بہت مضمر ہوتا ہے اور جوں جوں وہ دفع کرتا ہے اتنی ہی اس میں زیادتی ہوتی ہے۔ (القاف ج ۲۲)

## وسوسہ غفلت کا ابتدائی اثر ہے

پس خوب سمجھ لیجئے کہ وسوسہ غفلت کا ابتدائی اثر ہے اور یہ ضرور نہیں کہ اس سے آگے اور کچھ نتیجہ پیدا نہ ہو ممکن ہے کہ اور نتائج برے سے برے پیدا ہو جائیں۔ بنا بریں غفلت جو موجب وسوسہ ہے یہ بھی گناہ ہی کی طرح بواسطہ مضمر ہو جائے گی کیونکہ وہ مقدمہ ہے ضرر کا اور اندیشہ ہے اس کے نتائج بڑھنے کا (مقدمۃ الشیء فی حکمہ) اس کو معمولی بات نہ سمجھا جائے۔

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل چو پر شد نشاید گذشتن بہ پیل  
(چشمہ کے سوت کو ابتدا ہی میں سوت سے بند کر سکتے ہیں لیکن بڑھ جانے پر اگر ہاتھی بھی رکھو گے تو پر نہ ہوگا) (القاف ج ۲۲)

## وسوسہ گناہ نہیں

قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے: "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ" (ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو اس کے جی میں خیال آتے ہیں)

اس سے ظاہر اُمّابدر ہو سکتا ہے کہ وسوسہ بھی گناہ ہے حالانکہ حدیث میں صراحتہً موجود ہے ”تَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْ أُمَّتِي مَا وَسَّوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا“ یعنی حق تعالیٰ نے میری اُمت کے قلبی وسوسوں کو معاف فرمادیا ہے سودوںوں نصوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن اس تقریر سے یہ تعارض رفع ہو گیا کیونکہ میں نے بیان کیا ہے کہ وسوسہ گناہ نہیں مگر منع اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ کبھی ذریعہ گناہ کا بن جانا ہے اور یہ شریعت کا انتظام ہے کہ منہیات کے ذرائع سے بھی نہی فرمائی ہے۔ سو حدیث ظاہر حقیقت پر محمول ہے اور آیت میں جو کچھ وسوسہ کی برائی ظاہر معلوم ہوتی ہے وہ بطور پیش بندی کے ہے اور میں نے ظاہر اس لیے کہا کہ اگر غور کیا جائے تو واقع میں آیت میں وسوسہ پر وعید ہی نہیں ہے بلکہ صرف اپنے احاطہ علمی کا بیان فرمایا ہے جیسے دوسری آیت میں ہے: ”إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ إِلَّا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ“ (بے شک وہ دلوں کے حال کو جانتا ہے کہ وہ نہیں جانے گا کہ اس نے کسے پیدا کیا) یہاں وسوسہ کی بھی تخصیص نہیں بلکہ مطلق دل کی باتوں کے جاننے کو اس میں بیان فرماتے ہیں: ”إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ“ (بے شک وہ دلوں کے حال کو جانتا ہے) آگے اس کی دلیل ہے: ”إِلَّا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ“ (کیا وہ نہیں جانتا کہ اس نے کس کو پیدا کیا) سبحان اللہ قرآن کی کیا بلاغت ہے یعنی یہ بات تو پہلے سے معلوم ہے کہ سب چیزیں پیدا کی ہوئی خدا تعالیٰ کی ہیں اور خلق مسبوق بالعلم ہوتا ہے تو اپنی پیدا کردہ چیز کا علم دلیل عقلی سے ثابت ہوا اس واسطے بطور انکار اور تعجب کے فرمایا: ”إِلَّا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ“ (کیا وہ نہیں جانتا کہ اس نے کس کو پیدا کیا) کیا خدا تعالیٰ اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو نہ جانے کا ضرور جانے گا اور دل کی باتیں بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں تو ان کو بھی ضرور جانے گا اس سے ظاہری محسوسات کا علم بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا

## غیر اختیاری وسوسوں سے ڈرنا نہ چاہیے

آج کل ایک جماعت ذاکرین کی اس غلطی میں مبتلا ہو گئی ہے کہ غیر اختیاری وسوسوں سے بہت ڈرتے ہیں حتیٰ کہ بعض کو جان دینے تک کی نوبت آ گئی ہے اور اس کی وجہ ان کا ذکاؤ حس اور خوف خدا ہے اور یہ حالت بھی فی نفسہ کوئی بری نہیں ان کو احساس تو ہے باقی عوام تو ہاتھی کے ہاتھی نگل جائیں اور ان کو احساس نہ ہو اور ذاکرین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مکھی بھی آ بیٹھے تو ناگوار ہوتی ہے اس ہاتھی اور مکھی پر لطیفہ یاد آیا۔



دہلی میں ایک دیہاتی شخص نان بابائی کی دکان پر گوشت کا سالن خریدنے گیا، دکاندار نے پیالہ میں گوشت دیا، دیکھا تو اس میں ایک مکھی بھی تھی، دکاندار سے کہا میاں اس میں تو مکھی ہے تو..... بیباک دکاندار کیا کہتا ہے کہ کیا چار پیسہ میں ہاتھی نکلتا، خیر یہ تو لطیفہ تھا۔ مقصود یہ ہے کہ جیسا فرق ہاتھی اور مکھی میں ہے یہی فرق ذاکرین اور عوام کی حالت میں ہے کہ عوام تو ہاتھی کے برابر بھی گناہ کر گزریں تو دل میلانہ ہو اور ذاکر کے قلب پر مکھی کے برابر گناہ کا وسوسہ بھی آجائے تو جان کھونے کو تیار ہوتا ہے مگر واقعہ وسوسہ پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ گوذا کر کو اس سے نفرت ایسی ہوتی ہے جیسے گوہ سے مگر جان لینا چاہیے کہ وسوسہ میں صرف گوہ کا سونگھنا ہے گوہ کھانا نہیں ہے گوہ کھانا عمل میں ہوتا ہے۔ وسوسہ میں صرف گناہ کی بو آتی ہے اور گوہ کی بو آنے سے وہ پیٹ میں نہیں پہنچ جاتا ہاں نفرت کی چیز بدبو بھی ہے۔ راحت کے لیے خواہ اس کا بھی انسداد کر لو مگر انسداد کے اہتمام میں پریشان نہ ہو۔ اگر تمام عمر بھی وسوسہ رہے تب بھی پیٹ میں نہیں جائے گا اور مطلق گناہ نہ ہوگا۔ تا وقتیکہ فعل کے مرتبہ میں نہ آجائے یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث سے تو معلوم ہوا کہ ذکر کرنے سے شیطان قلب پر سے ہٹ جاتا ہے اور وسوسہ نہیں ڈالتا اور مشاہدہ اس کے خلاف ہے کہ ہم ذکر کرتے ہیں اور پھر یہی وسوسہ رہتا ہے تو سمجھ لو کہ حدیث کا مضمون بالکل صحیح ہے اور ذکر سے بیشک وسوسہ جاتا رہتا ہے مگر کس ذکر سے زبان کے ذکر سے یا قلب کے ذکر سے۔ حدیث ”فَإِذَا ذَكَرَ اللَّهُ“ کا مرجع حقیقتاً قلب ابن آدم ہے کیونکہ انسان قلب ہی سے انسان ہے۔ بس قلب سے ذکر کر کے دیکھو جو وسوسہ پاس بھی رہے اور ہم جو ذکر کر کے ساتھ وسوسہ پاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا ذکر ضعیف ہوتا ہے اس میں قلب اچھی طرح ذاکر نہیں ہوتا کیونکہ یکسوئی نہیں ہوتی بس زبان ہی ذاکر ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے ذکر کا اثر بھی ضعیف ہی ہوگا ورنہ اگر قلب بھی ذاکر ہو تو پھر وسوسہ کی کیا مجال ہے کہ پاس بھی آئے۔ فلسفی مسئلہ ہے کہ ایک وقت میں دو طرف توجہ نہیں ہو سکتی جب ذکر کی طرف پوری توجہ ہوگی تو وسوسہ کیسے آئے گا۔ (القاف ج ۲۲)

## رسوخ ذکر کی تدبیر

تقویت ذکر کی تدبیر یہی ہے کہ کئے جاؤ اور اس کیلئے کوئی میعاد نہیں یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے۔

تادم آخر دے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود

(آخری وقت تو کوئی گھڑی ایسی ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری رفیق بن جائے گی) اور اگر فرضاً کامیابی نہ بھی معلوم ہو تو اس آیت پر نظر رکھو ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“ (اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی قوت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) اور سمجھ لو کہ وساوس کا دفع ہو جانا تمہارے ذمہ سعی کرنا تمہارے ذمہ یہی ہے اگر وساوس دفع بھی نہ ہوں تو تمہارے کرنے کا جو کام تھا وہ تم نے کر لیا کہ اپنی قوت صرف کی بس اب گناہ نہیں رہا آپ کا کام ارادہ تھا وہ کر چکے یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ان کے یہاں ارادہ دوا بھی نفع مقصود میں مؤثر ہے اور وہ نفع مقصود اجر و قرب ہے۔ دنیا میں تو یہ ہے کہ مریض کو بلا استعمال دوا نفع نہیں ہوتا اگر کوئی شخص دوا کے استعمال کا ارادہ ساری عمر بھی رکھے اور اس کی استعمال کی نوبت نہ آئے تو محض بے سود ہے اور وہاں صرف ارادہ پر بھی اثر مرتب فرما دیتے ہیں۔ (القامع ج ۲۲)

## استغراق کی حقیقت

استغراق یہ ہے کہ خلق سے غفلت ہو اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہو اور اس حالت میں دونوں طرف سے بے خبر ہو جاتا ہے اور گو یہ مضمر نہیں اور نہ غفلت میں داخل ہے کیونکہ اہتمام ذکر کے بعد ہوا ہے مگر اس میں اجر بھی نہیں ہے کیونکہ اجر قصد پر ہوتا ہے اور بیہوشی میں قصد باقی نہیں رہتا جیسے سونے میں اجر نہیں اور یہ بیہوشی نوم تو نہیں ہے مگر مشابہ نوم ضرور ہے اور بوجہ اشتراک علت کے حکم دونوں کا ایک ہی ہے جس کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ اس بیہوشی سے بھی ان حالات میں وضو جاتا رہتا ہے جن حالات میں نوم سے جاتا رہتا ہے بعض ذاکرین اس سے بے خبر ہیں غرض بیہوشی میں ذکر باقی نہیں رہتا بس یہ دھوکہ ہو جاتا ہے ذکر قلبی میں۔ (القامع ج ۲۲)

## شیخ کامل کی ایک حالت

شیخ کامل کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ میں نے حضرت حاجی صاحب سے سنا ہے کہ یہ لوگ کبھی خفا بھی ہوتے ہیں اور کسی کو اپنے یہاں سے نکالتے بھی ہیں تو محض زبان سے نکالتے ہیں اور قلب سے کھینچتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طالب ان کے یہاں سے جاتا نہیں ورنہ اگر قلب سے نکال دیں تو پھر طالب ٹھہر نہیں سکتا۔ حقیقت میں شیخ کامل عجب چیز ہے وہ رحمت الہیہ کا نمونہ ہوتا ہے۔ دیکھئے خدا تعالیٰ کے ساتھ بندوں کا برتاؤ کیا ہے اور ان کا برتاؤ

بندوں کے ساتھ کیسا ہے کہ کوئی گناہ نہیں جو بندوں سے نہ ہوتا اور پھر بھی کسی پر رزق کا دروازہ بند نہیں کرتے یہی شان شیخ کامل کی ہوتی ہے۔ بقول عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ بندہ پیر خرابا تم کہ لطفش دائم است زانکہ لطف شیخ زاہد گاہ ہست و گاہ نیست (میں میکدہ کے مالک کا غلام ہوں کہ اس کی ہمیشہ مہربانی رہتی ہے جبکہ ناقص عقل شیخ اور پاکباز شریعت زاہد خشک کی مہربانی کبھی بھی نہیں رہتی ہے)

شیخ کامل تو عاشق ہوتا ہے مرید پر گواہ کے عشق کا ظہور نہیں ہوتا کیونکہ عشق معشوقاں نہاں است و سیر عشق عاشق باد و صد طبل و نفیر (معشوقوں کا عشق پوشیدہ اور نہاں ہے اور عاشق کا عشق دو سو طبل اور چیخ و پکار کے ساتھ آشکار ہے) (القاف ج ۲۲)

## قلب کو فارغ رکھنے کی ضرورت

قلب میں ضروری اور مفید خیالات رہنے دو اور فضول اور مضر خیالات کو نکال دو وہ ضروری اور مفید خیالات وہ ہیں جن کی نسبت حدیث میں ہے ”اللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسْوَاسَ قَلْبِيْ خَشِيَّتِكَ“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا تعلیم فرمائی ہے کہ یا اللہ میرے دل کے خیالات کو اپنے خوف کے خیالات کر دیجئے بس تم بجائے فضول خیالات اور وساوس کے حق تعالیٰ کی نعمتوں اور وعیدوں کو سوچا کرو اور وعیدوں کو سوچنا یہ سب ذکر اللہ ہی ہے۔ لیجئے آپ کے لیے بہت سے میدان ہیں دوڑنے میں تنگی کون کرتا ہے۔ بس یہ ہے یاد اور یہ ہے ذکر اللہ اسی کی ترغیب ہے اور اس کے مقابل یعنی غفلت سے منع کیا جاتا ہے۔ یہ ہے مضمون حدیث ”اِذَا ذَكَرَ اللّٰهُ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسَّوَسَ“ (جب وہ دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے) کا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ فہم اور ہمت اور توفیق عمل عطا فرمائیں۔ (القاف ج ۲۲)

## اصلاح کا زیادہ مدار قلب پر ہے

کسی شخص کو صرف اپنے اعمال ظاہرہ پر نظر کر کے اس کی بناء پر اپنی حالت کو دوسرے سے اچھی نہ سمجھنا چاہیے اس لیے کہ زیادہ مدار قلب پر ہے اور قلب کا حال اکثر خود کو بھی معلوم

نہیں ہوتا تو اپنے کو کیسے اچھا سمجھ لے اسی طرح دوسرے کے قلب کا حال معلوم نہیں تو اس کو کیسے برا سمجھ لے۔ مثنوی شریف میں شبان موسیٰ کی حکایت اس کی شاہد ہے کہ بظاہر وہ کلمات بے ادبی کہہ رہا تھا لیکن چونکہ دل سے اور محبت سے کہتا تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے بوجہ ان کو روک دینے کے پرش ہوئی اور ارشاد ہوا کہ

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح      سندیاں را اصطلاح سند مدح  
(ہندیوں کے لیے ہند کی اصطلاح مدح ہے اور سندیوں کے لیے سند کی اصطلاح مدح ہے)  
(القاف ج ۲۲)

## سلک کی دو قسمیں

سالک کی دو قسمیں ہیں ابن الحال و ابوالحال۔ ابن الحال تو وہ ہے جس پر حال غالب ہو اور ابوالحال وہ ہے جو حال پر غالب ہو یعنی جو حال چاہے پیدا کرے۔ مثل انس شوق وغیرہ تو یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب انبیاء پر کلام الہی کا بار ہوا تو وہ ابن الحال ہوئے حالانکہ انبیاء علیہم السلام بلکہ صدیقین ابوالحال ہوتے ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ وحی کی حقیقت حال نہیں ہے اس لیے حال تو ثمرہ مجاہدہ اور ریاضت کا ہے اور نبوة موہبہ محضہ ہے چنانچہ ارشاد ہے: ”اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ“ (اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے) اور جس حالت کے اعتبار سے ابوالحال اور ابن الحال کہا جاتا ہے اس کے اعتبار سے وہ ابوالحال ہوتے ہیں۔ وحی اس بحث سے خارج ہے۔ (شرف الکاملہ ج ۲۲)

## حکایت حضرت سلیم چشتی اور شاہ جہان

حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شاہ جہان بادشاہ ایک مرتبہ حاضر ہوا اور ایک بہت بڑی رقم نذر کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں اس کا کیا کروں گا۔ اول تو میرا خرچ ہی کچھ نہیں پھر جو کچھ تھوڑی بہت حاجت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھجوادیتے ہیں میں اسے لے کر کیا کروں گا۔ شاہ جہان کے دل میں اس انکار سے شاہ صاحب کی بڑی وقعت ہوئی۔ ایک مولوی صاحب ہمراہ تھے۔ ایسے حضرات پر خشک ذی علم کو حسد ہوتا ہے انہوں نے سوچا کہ ان کی تو بادشاہ کی نظر میں بڑی وقعت ہوگئی لاؤ کوئی عیب نکالو۔ عیب نکالنے میں ایسے لوگ بڑے ماہر ہوتے ہیں جس وقت شاہ صاحب نے انکار کیا آپ کہتے ہیں:



قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشِيبُ الْمَرْءُ وَيَشِيبُ فِيهِ  
خَصْلَتَانِ الْحِرْصُ وَطُولُ الْأَمَلِ o

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی بوڑھا ہوتا ہے اور اس کے اندر دو  
خصالتیں جوان ہوتی ہیں۔ حرص اور طول اہل آپ بوڑھے ہیں۔ لہذا آپ میں یہ دونوں  
خصالتیں ہونا لازمی ہیں کیونکہ حدیث کا غلط ہونا محال ہے۔ لہذا یہ آپ کا تصنع ہے کہ باوجود  
حرص کے روپیہ لینے سے انکار کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب حرف شناس بھی نہ تھے لیکن سبحان اللہ  
کیا دندان شکن جواب دیا فی البدیہہ یہ فرمایا کہ مولانا آپ حدیث کا مطلب ہی نہیں سمجھے  
نرے پڑھنے سے کیا کام چلتا ہے۔ ”مولوی گشتی و آ کہ نیستی“ حضور نے فرمایا ہے تو جوان وہی  
ہوگا جو پہلے سے پیدا ہوا ہو۔ الحمد للہ میرے اندر حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی جو آج جوان ہوتی تم  
اپنی خبر لو کہ شروع ہی سے حرص تمہارے اندر پیدا ہوئی اور پرورش ہوتے ہوتے اب اس پر جوانی  
کا عالم ہے دیکھو آج تمہارے بڑھاپے میں اس پر کیا جو بن چڑھ رہا ہے۔ میرے اندر تو بفضلہ  
حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی جو آج بڑھاپے میں اس کے جوان ہونے کی نوبت آتی۔ اللہ اکبر کیا  
گہری بات فرمائی ہے۔ علم حقیقی انہیں حضرات کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا مولوی صاحب سے  
کچھ جواب نہ بن پڑا۔ شاہ صاحب کا بس منہ دیکھ کر رہ گئے۔ (راحت القلوب ج ۲۲)

## حکایت حضرت فرید الدین عطار

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ پہلے عطاری کی دکان کیا کرتے تھے ایک دن اپنی  
دوکان پر بیٹھے نسخے باندھ رہے تھے۔ ایک درویش کمرل پوش دوکان کے آگے کھڑے ہو کر انہیں  
تکنے لگے دیر تک اسی حالت میں دیکھ کر حضرت عطار نے فرمایا کہ بھائی جو کچھ لینا ہو لو کھڑے  
کیا دیکھ رہے ہو درویش نے کہا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری دوکان میں خمیرے شربت  
مجنون بہت سی چپکتی ہوئی چیزیں بھری پڑی ہیں میں سوچ رہا ہوں کہ مرتے وقت تمہاری  
روح کیسے نکلے گی جو اتنی چپکتی ہوئی چیزوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت عطار کو باطن  
کا تو چسکا تھا ہی نہیں بے دھڑک کہہ بیٹھے کہ جیسے تمہاری نکلے گی ویسے ہی ہماری بھی نکل جائے  
گی درویش نے کہا کہ میاں ہمارا کیا ہے اور کمرل اوڑھ کر وہیں دوکان کے سامنے لیٹ گیا۔ اول  
تو حضرت عطار یہ سمجھے کہ مذاق کر رہا ہے لیکن جب بہت دیر ہو گئی تو شبہ ہوا پاس جا کر کمرل اٹھایا

تو وہ درویش واقعی مردہ تھا۔ بس ایک چوٹ دل پر لگی اور وہیں ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے افاقہ ہوا تو دیکھا کہ دل دنیا سے بالکل سرد ہو چکا تھا اسی وقت دوکان لٹا کر کسی پیر کی تلاش میں نکلے پھر وہ طریق کے اندر کتنے بڑے عارف ہوئے ہیں کہ مولانا فرماتے ہیں:

ہفت شہر عشق را عطار گشت ماہنوز اندر خشم یک کوچہ ایم  
(حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ نے عشق کے ساتوں ملکوں کی سیر کروائی اور ہم ابھی تک ایک ہی گلی میں پڑے ہوئے ہیں) (راحت القلوب ج ۲۲)

## سلاطین کو اولیاء اللہ کی روحانی دولت کا علم نہیں

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین کو اس دولت کی خبر ہو جائے جو ہمارے پاس ہے تو تلواریں لے کر ہم پر چڑھ آئیں کہ لاؤ ہمیں دو۔ واللہ یہی بات ہے اس دولت کے سامنے کچھ حقیقت نہیں سلطنت کی۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں اور مجھ سے سوائے اس کے کہ جن کا یہ حال تھا ان کے اقوال نقل کروں اور کیا ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے  
(دل کے اطمینان کے ساتھ تھوڑی دیر نظر ایک معشوق پر کرنا اس سے بہتر ہے کہ بادشاہت کی چھتری سر پر ہو اور دن رات شور و غل مچا ہو)

اسی کو خاقانی کہتے ہیں:

پس از سی سل اس معنی محقق شد بہ خاقانی کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی  
(خاقانی کو تیس سال کے بعد اس بات کی تحقیق ہوئی کہ خدا کے ساتھ ایک گھڑی مشغول ہونا حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت سے بہتر ہے) (راحت القلوب ج ۲۲)

## مشائخ کی نظر میں ہر وقت دو باتیں رہتی ہیں

میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ جو اہل تحقیق میں سے ہیں وہ اللہ جانے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے غصہ کرنا اور بات ہے اس کے راز ہیں۔ دو چیزیں ان کی نگاہ میں ہر وقت رہتی ہیں ایک تو اپنے عیوب جس کی دونوں آنکھیں پٹ ہوں وہ کانے پر کیا ہنسے۔ دوسرے وہ عالم ہیں حق تعالیٰ کے تصرفات کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ سب کی

ڈوریاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں جن کو ادھر کھینچا وہ ادھر کھینچ گئے۔ جن کو ادھر کھینچ لیا وہ ادھر کھینچ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کو حقیر کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ (راحت القلوب ج ۲۲)

## پریشانی کا اصلی علاج

اگر پریشانیوں سے بچنا چاہتے ہو مثلاً بے اولاد ہو یا کوئی بیماری ہے جس سے تنگ آ گئے ہو تو اصلی علاج یہ ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کرو پھر دیکھنا کہاں ہے پریشانی امراء کو ناز ہے اپنے پلاؤ تو رمہ پر۔ اہل اللہ کو اپنے روکھے سوکھے ٹکڑوں میں وہ مزا ہے جو ان کو پلاؤ تو رموں میں بھی نہیں۔ میں ان چیزوں کے کھانے کو منع نہیں کرتا۔ مطلب میرا اس کہنے سے یہ ہے کہ آپ کو ایک مزہ گھی کا ہے اور ایک مزہ گوشت کا ان کو تیسرا مزہ اس تصور کا ہے کہ یہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے۔ محبوب کے ہاتھ کی ملی ہوئی مٹھاس ہے جب یہ تصور جم گیا پھر اللہ ان کو اس تصور میں وہ مزہ آتا ہے جو امراء کو پلاؤ تو رمہ میں بھی میسر نہیں۔ اصلی پڑیا جولذت کی ان کے پاس ہے وہ تو یہ ہے چوتھے بھوک کا مزہ ہے۔ ان کا معمول ہے کہ جس روز بھوک نہیں لگتی اس روز کھانا بالکل ناغہ کر دیتے ہیں پھر اگلے وقت کس مزہ سے کھاتے ہیں۔ (راحت القلوب ج ۲۲)

## ملامت سے ہمت قوی ہو جاتی ہے

ملامت کی ایک نئی حکمت قلب میں اسی وقت وارد ہوئی وہ یہ کہ جس کام پر ملامت ہوتی ہے اس پر آدمی زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے کیونکہ طبعاً اپنی بات کی سچ ہو جاتی ہے اور ضد میں آ کر اس کام کو جس پر ملامت کی گئی ہے اور بھی زیادہ کرنے لگتا ہے اور ایک جڑی پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کوٹھے پر چڑھتا ہو اور کمزوری کے باعث اس کو چڑھنا مشکل ہو تو اگر کوئی اس کو چڑھادے کہ جی ہاں آپ چڑھ ہی جائیں گے تو اس کو اس طعن سے ایک جوش سا پیدا ہو جائے گا اور جس طرح بھی بن پڑے گا چڑھ ہی کر دم لے گا۔ غرض ملامت سے ہمت قوی ہو جاتی ہے اور یہ ہمت وہ چیز ہے جس کو طالب میں پیدا کرنے کے لیے شیخ وقت بہت تدابیر کرتا ہے اور یہاں اس کی وہ بات بلا ان تدابیر کے ملامت ہی سے حاصل ہو گئی تو بجائے برا ماننے کے اور خوش ہونا چاہیے اور ملامت کرنے والے کا احساس ماننا چاہیے کہ جو کام شیخ بھی مشکل سے کر سکتا وہ اس نے ذرا سی بات کہہ کر کر دیا تو وہ ہمارا محسن ہو یا دشمن۔ غرض آپ کسی کی

عیب چینی سے نہ گھبرائیے اس سے گھی چینی ملے گی اور عمل کی ہمت پیدا ہو جائے گی اور ہمت وہ چیز ہے کہ حکماء دین کہتے ہیں کہ علم سے زیادہ ہمت کی ضرورت ہے مگر آج کل تو ہمت کی بہت ہی کمی ہو گئی ہے۔ گو علم کی چنداں کمی نہیں پہلے لوگوں میں اتنا علم نہ تھا جتنا اب ہے مگر ہمت آج کل سے زیادہ گھٹی اسی سے سارے کام درست ہو جاتے تھے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## ہمت اور اس کے حصول کی آسان تدبیر

یہاں تک تو علم کے حصول کی تدبیریں بیان کی گئیں دوسری چیز تھی ہمت سو وہ فعل اختیاری ہے اس میں اختیار کے صرف کرنے کی ضرورت ہے کسی خاص تدبیر کی ضرورت نہیں جیسے کھانا کھانا کہ سامنے کھانا رکھو ارادہ کرو ہاتھ سے لقمہ اٹھاؤ منہ میں رکھو دانتوں سے چباؤ اور نگل جاؤ پیٹ بھر جائے گا۔ اس میں کسی مستقل تدبیر کی کیا ضرورت۔ البتہ اگر قوت اختیار یہ ہی کو صرف نہ کرو کھانا اگرچہ سامنے رکھا رہے مگر پیٹ میں ہرگز نہ جائے گا اور نہ پیٹ بھرے گا۔ غرض ہمت کی روح صرف قصد ہی جو تدبیر سے مستغنی ہے مگر میں تبرعاً اس میں بھی سہولت کے طریقہ بتائے دیتا ہوں جس سے وہ سہولت اور مزید سہولت ہو جائے۔

سوائیک طریقہ تو ہمت کے حاصل ہونے کا صحبت ہے یعنی کسی کے پاس رہنا یہ عجیب چیز ہے کیسا ہی کم ہمت آدمی ہو لیکن جس فن کے آدمی کے پاس بیٹھے اس سے اس فن کی رغبت اور اس سے مناسبت اور ہمت عادت پیدا ہو ہی جاتی ہے اچھے آدمی کے پاس بیٹھے تو اچھی باتوں کی رغبت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے اور برے آدمی کے پاس بیٹھے تو برائیوں کی رغبت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر آدمی عقل مندوں میں رہے تو عقلمندی آ جاتی ہے بیوقوفوں میں رہے تو بیوقوف ہو جاتا ہے عورتوں میں رہے تو زنانہ پن آ جاتا ہے سپاہیوں میں رہے تو مردانگی اور جرأت پیدا ہوتی ہے۔ اپاہجوں میں رہے تو احمادی پن پیدا ہوتا ہے۔ غرض صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے بس جس میں ہمت نہ ہو دین کے حاصل کرنے کی اس کو چاہیے کہ دینداروں کی صحبت اختیار کرے اور کچھ دیر کو ان کے پاس جا بیٹھا کرے ہمت پیدا ہو جائے گی۔ یہ تدبیر ہے ہمت پیدا ہونے کی۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

اسی طرح اصلاح کے لیے اصل چیز ہمت اور قصد ہے اور ہمت پیدا ہونے کے لیے ذریعہ سہولت کا صحبت ہے اور اس کے ساتھ تھوڑا ذکر بھی بطور مدد ہو تو مفید ہے لیکن محض ذکر کافی نہیں



## توجہ کی حقیقت

لفظ توجہ اہل طریق میں بہت مستعمل ہے اور اس کو آج کل بڑا کمال سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں فلاں ایسے بزرگ ہیں کہ ایک نظر جس پر ڈال دی وہ مسخر ہو گیا بلکہ ولی کامل ہو گیا اور اکثر طالبین اسی توجہ کی درخواست کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے مجھ سے نماز نہیں پڑھی جاتی ایسی توجہ ڈالئے کہ میں پکا نمازی ہو جاؤں۔ کوئی کہتا ہے مجھ سے بدنظری کا مرض نہیں چھوٹتا۔ ایسی توجہ کیجئے کہ میری نظر بے موقع اٹھ ہی نہ سکے اور معلوم نہیں کیا کیا اسی قسم کی درخواستیں ہوتی ہیں۔ حاصل ان سب کا یہ ہے کہ خود کچھ کرنا نہ پڑے سب کرنا کرانا پیر صاحب ہی کے ذمہ ہے۔ صاحبو! کوئی یہ درخواست نہیں کرتا کہ ایسی توجہ کیجئے کہ بلا کھائے پیٹ بھر جایا کرے یا بلا نکاح اولاد ہو جایا کرے۔ جب پیر صاحب کی توجہ سے سب کچھ ہو سکتا ہے تو بلا کھائے پیٹ بھی بھر سکتا ہے اور بلا نکاح اولاد بھی ہو سکتی ہے پھر یہ درخواست کیوں نہیں کی جاتی۔ بات یہ ہے کہ پیٹ بھرنے کی اور اولاد کے ہونے کی ضرورت اور وقعت تو قلب میں ہے لہذا ان کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے اور کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جاتا اور اصلاح قلب اور نماز روزہ وغیرہ اور اجتناب عن المعاصی کی ضرورت اور وقعت ہی قلب میں نہیں ہے لہذا یہ حیلے بہانے تراشے جاتے ہیں اور اگر کسی نے ذرا سا سہارا دے دیا کہ ہاں دعا کریں گے یا توجہ کریں گے تو بس خوئے بدرابہانہ بسیار اس امید دلانے پر اطمینان ہو گیا اور فراغت ہو گئی کہ بس سب کچھ آپ سے آپ ہو رہے گا۔ صاحبو! اگر توجہ متعارف سے اصلاح ہو جایا کرتی تو انبیاء علیہم السلام سے زیادہ کون اس کام کو کر سکتا تھا اور ان سے زیادہ کون شفیق ہو سکتا تھا مگر ان حضرات نے کبھی اس سے کام نہیں لیا، مصیبتیں اٹھائیں جہاد کیے برے برے الفاظ سنے مگر یہ نہیں کیا کہ توجہ ڈال کر سب کے قلوب مسخر کر لیتے اور سب کا تزکیہ ہو جاتا۔

حالانکہ اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ ان حضرات کو بھی سہولت ہوتی مصیبتیں نہ اٹھانا پڑتیں اور طالبین کو تو بہت ہی آسانی ہوتی کہ کچھ کرنا ہی نہ پڑتا۔ آپ غور کر سکتے ہیں کہ کوئی بات تو ہے جو ایسا نہیں کیا اور وہ حضرات کیا کرتے حق تعالیٰ ہی نے ان کے واسطے اس کو تجویز نہیں کیا کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کرتے تھے بس وہی کرتے تھے جو وحی کے ذریعے سے ان کو امر کیا جاتا تھا۔ اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ توجہ بالمعنی المتعارف غیر سنت ہے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## نفس شیطان سے زیادہ چالاک ہے

نفس وہ چیز ہے جس نے شیطان کو بھی غارت کیا۔ نفس شیطان سے بھی زیادہ چالاک ہے، شیطان کو بھی دھوکہ دیتا ہے نفس کو وہ چالاکیاں آتی ہیں جن کا پتہ بھی نہیں چلتا، بڑے بڑوں کو اس نے ہلاک کیا ہے پھر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا دشمن جو چالاک بھی ہو کیسا خطرناک ہوگا اسی لیے محققین نے نفس کو زیادہ دشمن سمجھا ہے اور اسی سے ہوشیار رہنے کی زیادہ تاکید کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں      ماند خصمے زو بر در اندروں  
کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست      شیر باطن سحرہ خرگوش نیست

(یعنی اے بزرگو! تم نے ظاہر دشمن کو تو ہلاک کر دیا مگر ایک دشمن جو اس سے بدتر اور ضرر رساں ہے باطن میں رہ گیا یعنی نفس اس دشمن باطنی کا ہلاک کرنا محض عقل و ہوشیاری کا کام نہیں ہے کیونکہ شیر باطن خرگوش کے قابو کا نہیں ہے جب وہ شیر خرگوش کے داؤ میں آ گیا تھا یہ شیر باطن ایسا نہیں ہے) نفس کے بڑے بڑے گھات ہیں جن سے وہ انسان کو ہلاک کرتا ہے بسا اوقات یہ معصیت پر ایسا رنگ چڑھاتا ہے کہ وہ طاعت معلوم ہونے لگتی ہے پھر کیسے کوئی اس کی مکر سے بچے نفس کے مکروں پر متنبہ بھی ہو سکتا ہے کہ قلب میں نورانیت ہو اور ایسا صحیح حس حق و باطل کے پہچاننے کا پیدا ہو گیا ہو جیسے زبان میں ہے کڑوا اور میٹھا پہچاننے کا۔ جب قلب ایسا ہو جائے گا تو اس کو قرآن میں وہ چیزیں ملیں گی جو بیان میں نہیں آ سکتیں۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## ضعف تعلق پر قناعت کرنا ظلم ہے

بچپن میں بہت سے نوافل کا پابند تھا مگر منیۃ المصلیٰ پڑھتے ہی جب معلوم ہوا کہ یہ تو مستحبات ہیں جن کے نہ کرنے میں کچھ گناہ نہیں اسی وقت سے نوافل کو چھوڑ دیا۔ اس وقت تو متنبہ نہ ہوا کہ میں کیا کر رہا ہوں مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالت بری تھی۔ اس کا تو یہی حاصل ہوا کہ ہم حق تعالیٰ کے ساتھ ضابطہ کا تعلق رکھنا چاہتے ہیں کہ ضروریات کو بجالائیں اور ان کے علاوہ جو باتیں خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی ہیں ان کو نہ بجالائیں تو کیا ہم دنیا میں اپنے مربیوں کے ساتھ بھی یہ برتاؤ کر سکتے ہیں کہ خدمت واجبہ کے سوا کچھ نہ کریں ہرگز نہیں۔ دیکھئے بعض اوقات کسی طمع کی وجہ سے یا محبت کی وجہ سے ہم اپنے مربیوں کی خدمت

غیر واجبہ بھی کچھ کرتے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کا اتنا بھی حق نہیں جتنا مربیوں اور بزرگوں کا حق ہوا کرتا ہے۔ ذرا کچھ تو انصاف سے کام لینا چاہیے۔ (ذم النبیان ج ۲۲)

## لفظ اللہ اعراف المعارف ہے

چنانچہ یہ ایک نحوی ہے جو عقیدے کے لحاظ سے معتزلی ہے اور عقائد فاسدہ پر سخت عذاب نار کا استحقاق ہوتا ہے مگر مرنے کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، کہا مجھے بخش دیا، پوچھا کس بات پر بخش دیا، کہا ایک نحو کے مسئلہ پر میری نجات ہو گئی وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں نحاۃ نے اختلاف کیا ہے کہ اعراف المعارف کون ہے۔ کسی نے ضمیر متکلم کو اعراف المعارف کہا کسی نے ضمیر مخاطب کو میں نے یہ کہا کہ لفظ اللہ اعراف المعارف ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ متعین نہیں کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذات حق کے کسی کا احتمال ہی نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس بات پر فرمایا کہ تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی جاؤ تم کو بخشا گیا۔ دیکھئے اس نحوی کی مغفرت ایسے عمل مستحب پر کی گئی جو اس نے بہ نیت ثواب بھی نہ کیا تھا بلکہ مسئلہ نحو کے طور پر ایک بات کہی تھی مگر اسی پر فضل ہو گیا اور باوجود فساد عقیدہ اور استحقاق نار کی بخش دیا گیا۔ (ذم النبیان ج ۲۲)

## سالک کا حال

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف اس وقت تک عارف نہیں ہوتا جب تک اپنے کو کافر فرنگ سے بدتر نہ سمجھے۔ صاحب سالک پر واقعی ایسی حالت گزرتی ہے کہ وہ سچ مچ تمام مخلوق سے اپنے کو بدتر سمجھتا ہے۔ خیر اگر کسی پر یہ حالت نہ گزری ہو تو وہ اس کلام کو انجام ہی کے اعتبار سے سمجھ لے کہ نہ معلوم میرا انجام کیسا ممکن ہے کہ کافر فرنگ کا انجام مجھ سے اچھا ہو جائے کیونکہ حالت یہ ہے کہ

گہ رشک برد فرشتہ برپا کی ما      گہ خندہ زند دیوز ناپا کی ما  
ایماں چو سلامت بہ گو بریم      تحقیق شود پاکی و ناپاکی ما  
(کبھی فرشتہ ہماری پاکی پر رشک کرتا ہے اور کبھی ہماری ناپاکی پر شیطان بھی ہنستا ہے)  
ایمان اگر قبر تک سالم لے جائیں تو ہماری پاکی اور ناپاکی کی تحقیق ہو) (ذم النبیان ج ۲۲)

## حجاب کی دو قسمیں

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حجاب دو قسم کے ہیں ایک حجاب ظلمانی، ایک حجاب نورانی، حجاب ظلمانی تو یہی وساوس و خطرات ہیں جو ذکر کے وقت دنیوی امور کے متعلق قلب میں آیا کرتے ہیں۔ ان پر توجہ کرنا تو ظاہر ہے کہ مضر ہے اور حجاب نورانی یہ ہے کہ عالم ملکوت کے انوار تجلیات مکشوف ہوں وہ بھی ایک عالم ہے جو کہ غیر خدا ہے اس لیے اس کی کیفیات پر بھی توجہ نہ کرنا چاہیے۔ حضرت حاجی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ حجاب نورانی ظلمانی سے اشد ہے کیونکہ اس میں بوجہ نورانی ہیئت کے زیادہ مشغولیت ہوتی ہے۔ دوسرے وہ ایک نئی سی چیز ہے اس کو دیکھ کر سالک سمجھتا ہے کہ میں کامل ہو گیا حالانکہ وہ ہنوز غیر حق کے ساتھ الجھا ہوا ہے کیونکہ وہ انوار و تجلیات بھی اس کے شاغل عن الحق (حق سے پھرنے والے) ہیں اور اس کو ان میں ایک لذت بھی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ کسی وقت محبوب ہو جاتے ہیں تو بڑا رنج ہوتا ہے تو میاں اب تک اپنی لذت ہی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ مقصود تک رسائی کہاں اس وقت حق تعالیٰ قبض طاری کر کے ان انوار و تجلیات کو سلب کر لیتے ہیں تاکہ سالک غیر حق سے ہٹ کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس میں بندہ کی بڑی مصلحت ہوتی ہے ورنہ مقصود سے رہ جاتا۔ پس اگر کسی وقت تمام انوار کو چھپا دیا جائے تو یہ حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے ایسے وقت گھبرانا نہ چاہیے۔ (ذم النیان ج ۲۲)

## اصل مقصد دل کا رونا ہے

ایک دوست مجھ سے کہنے لگے کہ حج سے آ کر مجھے رونا ہی نہیں آتا گویا وہ اپنی اس حالت پر افسوس کر رہے تھے میں نے کہا کہ رونا نہ آنے پر رنج کرنا یہ بھی رونا ہی ہے۔ پہلے آپ کی آنکھ روتی تھی اس وقت ایک مصرعہ مصداق تھے۔

اے خوشا چشمیکہ آں گریان اوست

(وہ آنکھیں بہت اچھی ہیں جو اس کی محبت میں رونے والی ہیں)



اور اب دل روتا ہے اس وقت آپ دوسرے مصرعہ کے مصداق ہیں۔

اے خوشا آں دل کہ آن بریان اوست

(وہ دل بہت اچھا ہے جو اس کی محبت میں سوختہ ہے)

اور اصل مقصود دل کا رونا ہے آنکھ کا رونا مقصود نہیں۔ (ذم النسیان ج ۲۲)

## کیفیات و مقامات کی تمنا خلاف عبدیت ہے

بعض ذاکرین ذکر کر کے یہ شکایت کرتے ہیں کہ مزہ نہیں آتا ہائے یہ ساری عمر نفس کے مزے ہی میں پڑے رہیں گے، محبوب کی طرف کب متوجہ ہوں گے۔ حضرت منصور نے ایک سالک سے پوچھا کہ آج کل کس کام میں ہو، انہوں نے کہا کہ مقام تو کل طے کر رہا ہوں، منصور نے کہا افسوس تم ساری عمر پیٹ ہی کے دھندے میں رہو گے، محبوب کے ساتھ کب مشغول ہو گے کیونکہ واقعی تو کل تو اکثر کھانے پینے اور پہننے ہی کے فکر سے چھوٹ جانے کے لیے کیا جاتا ہے تو یہ بھی پیٹ ہی کا دھندا ہوا (۱۲) یاد رکھو عاشق کا مذہب یہ ہونا چاہیے۔

عشق آن شعلہ است کوچوں برفروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت  
تیغ لادر قتل غیر حق براند درنگر آخر کہ بعد لاچہ ماند  
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیتا ہے لا الہ الا اللہ کی تیغ غیر اللہ کو ہلاک کرنے میں چلاؤ لا الہ الا اللہ کے بعد دیکھو کیا رہ گیا یعنی الا اللہ باقی رہ گیا باقی تمام فنا ہو گئی، اے عشق شرکت سوز تجھ پہ آفریں کہ سوائے محبوب حقیقی کے تو نے سب کو فنا کر دیا)

جب لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اللہ تعالیٰ کے سوا، اب سب منفی ہو گئے۔ پس اب نہ کسی خاص کیفیت کے طالب بنو نہ کسی خاص مقام کے بلکہ خدا کے طالب بنو اور اگر کچھ بھی نہ ملے تب بھی راضی رہو۔

گر مرادت را مذاق شکر است بے مرادی نے مراد دلبر است

یعنی ہم نے مانا کہ تمہاری مراد بہت عمدہ ہے۔ (ذم النسیان ج ۲۲)

## سماع موتی

حدیث میں ہے کہ میت کو قرع نعال کی آواز آتی ہے اور جو کوئی عزیز و قریب اس کی قبر پر آتا ہے اسے پہچانتا بھی ہے گو معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے مگر احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے بعض لوگوں نے عدم سماع موتی کا مسئلہ امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے مگر امام صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ امام صاحب سے صراحت یہ امر منقول نہیں اور جس مسئلہ سے لوگوں نے اس کو مستنبط کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کا جواب عدم سماع موتی کو مستلزم ہے وہ یحییٰ کا مسئلہ ہے جس کا مبنی عرف پر ہے اس لیے امام صاحب کا کلام اس بارے میں صریح نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ فقہاء متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ عوام کے عقائد سماع موتی کے مسئلہ سے خراب ہوتے ہیں اس لیے انتظام عوام کی غرض سے اس کا انکار کر دیا ہو تو ممکن ہے کہ ان فقہاء کو بھی صحت سماع موتی کا علم ہو مگر عوام کی اصلاح کیلئے مصلحتاً انکار کیا ہو (فیكون مما يعلم ولا يفتى به وله نظائر في الفقه ۱۲) واقعی اس مسئلہ کی وجہ سے عوام کے عقائد یہاں تک بگڑ گئے ہیں کہ اب لوگ مردوں سے حاجات مانگتے ہیں کوئی ان سے اولاد مانگتا ہے بھلا ان کے پاس اولاد کہاں کیا وہ پلا پلایا بچہ تمہاری گود میں دے دیں گے۔ جیسا بچپن میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ بچے دائی کے گھر میں جمع رہتے ہوں گے وہ لا کر عورتوں کو دے دیتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ مردوں سے اولاد مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے لیے دعا کر دیں گے تو پہلے اس کا ثبوت دو کہ وہ اس وقت خاص تمہارے مطلوب کے لیے دعا کرنے کے ماذون بھی ہیں۔ غرض موت کو تفصیل کے ساتھ یاد کرنا چاہیے اور حدیث میں آتا ہے کہ اے عمر اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ قبر میں دو فرشتے گرجتے اور برستے آئیں گے مگر مومن اس سے گھبرائے نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کر کے اطمینان کر لیا ہے وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہماری عقل بھی درست ہوگی یا نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”مسک نعم کہتکم اليوم“ یعنی تم جیسے اس وقت ہو ایسے ہی اس وقت عاقل ہو گے اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر کچھ خطرہ نہیں ان شاء اللہ سمجھ کر صحیح جواب دے دیں گے۔ شرح الصدور دوسرے مومن کے ساتھ عنایت حق ہوگی۔ چنانچہ اسی آیت میں ارشاد ہے:

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ

”اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس کی بات سے دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔“  
(الثبیت بمراقبة المبيت ج ۲۲)

## سالمین کی غلطی

بعض لوگ یہ سن کر چاہے ثمرہ حاصل ہو یا نہ ہو کام میں لگا رہنا چاہیے۔ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ بس کام کرو چاہے تکمیل ہو یا نہ ہو اور یہ سمجھ کر ادنیٰ درجہ کا عمل کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً نماز و ذکر میں از خود وساوس لانے لگے حالانکہ ناقص عمل حصول مقصود کے لیے کافی نہیں تکمیل جب ہوتی ہے اعلیٰ درجہ کے عمل سے ہوتی ہے جو عمل غفلت کے ساتھ کیا جائے اس سے باطنی نفع نہیں ہوتا۔ (پس خوب سمجھ لو کہ جب تک کامل عمل پر قدرت نہ ہو اس وقت سے تو ناقص عمل ہی کو غنیمت سمجھ کر کرتے رہو اور تکمیل کی کوشش میں لگے رہو، ہمت نہ ہارو اور جب ناقص عمل پر کچھ دنوں دوام کر کے عمل کامل پر قدرت حاصل ہو جائے اس وقت عمل ناقص کو کافی نہ سمجھو بلکہ عمل کامل کا اہتمام اب بھی کرو، ناقص میں لگے رہے تو تکمیل نہ ہو سکے گی۔ (زکوٰۃ انفس ج ۲۲)

## خطرہ کا ابقاء فعل اختیاری ہے

بعض لوگ وساوس کو خود تو نہیں لاتے مگر اس مقام پر شیطان ایک اور دھوکہ دیتا ہے وہ یہ کہ خطرہ اولاً تو بے اختیار ہی آیا مگر پھر یہ شخص اپنے اختیار سے اس میں مشغول ہو گیا اور یہ سمجھتا رہا کہ یہ تو بے اختیاری خطرہ تھا حالانکہ اس کا حدوث صرف غیر اختیاری تھا باقی اس میں مشغول اور اس کا بقاء تو غیر اختیاری نہ تھا بلکہ یہ فعل اختیاری ہے پس ورود تو مضر نہ ہوگا۔ مگر اس میں مشغول ہونا مضر ہوگا۔ چنانچہ احادیث میں نامحرم پر پہلی نظر (جو فحشاء اچانک پڑ جائے ۱۲) معاف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ”وعلیک الاخرة“ (مضر تمہارے لیے دوسری نظر ہے) کیونکہ دفعۃً نظر پڑ جانا تو بے اختیاری بات ہے کہ پہلے سے خبر ہی نہ تھی کہ سامنے سے کون آ رہا ہے۔ اچانک سامنا ہو گیا لیکن نظر پڑنے کے بعد نگاہ کو نہ ہٹانا اور برابر گھورتے رہنا اور نظر جمانا یہ تو اختیاری ہے یہاں بھی بعض لوگوں کو وہی دھوکہ ہوا ہے جو وسوسہ میں بعضوں کو ہوتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دوسری نظر یہ ہے کہ ایک بار نظر ہٹا کر پھر دوبارہ نظر کی جائے اور اگر نظر نہ ہٹا دے بلکہ برابر دیکھتا رہے تو گناہ نہیں کیونکہ یہ سب تو اول ہی نظر میں داخل ہے۔ اس کا حل آیت ”لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا“ (اللہ تعالیٰ

کسی شخص کو وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) نے کر دیا ہے اس میں فیصلہ کہ غیر اختیاری بات پر مواخذہ نہیں اور اختیاری پر مواخذہ اب خود دیکھ لو کہ نظر جمانا اختیاری ہے یا غیر اختیار ہے۔ یقیناً اس میں اختیار کو دخل ہے تو اس پر ضرور مواخذہ ہوگا۔ (زکوٰۃ النفس ج ۲۲)

## قبض کی حقیقت

بعض اوقات حالت ایسی پیش آتی ہے جس کو سالک فراق و ہجر سمجھتا ہے اور اس میں آثار بھی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے محبوب سے جدا ہونے والے پر حالات طاری ہوا کرتے ہیں مثلاً انوار و تجلیات سے قلب کا خالی ہونا دل میں بے چینی اور ظلمت کا محسوس ہونا وغیرہ اس کو قبض کہتے ہیں۔ (زکوٰۃ النفس ج ۲۲)

## شیخ کامل کی تجویز پر بلا چوں و چرا عمل کی ضرورت

ایک شخص حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ حضرت مجھے قبض رہتا ہے کسی طرح بسط نہیں ہوتا آپ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر جہر سے کیا کرو۔ تو وہ کیا کہتا ہے کہ حضرت میں تو نقشبندی ہوں جہر کیسے کروں آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر نقشبندی ہو تو جاؤ پھر اس نے ذکر بالجہر شروع کیا بس جہر کرتے ہی بسط ہو گیا۔ اب بتلائیے اس شخص کی طبیعت کو ذکر جہر سے مناسبت تھی مگر اس کے شیخ نے ذکر خفی ہی تجویز کیا جس سے نفع نہ ہوا۔ حضرت حاجی صاحب نے پہچان لیا کہ اس کو جہر سے مناسبت ہے وہی تجویز فرمایا۔ مگر وہ حضرت نقشبندی ہونے کا عذر کرنے لگے یہ نہایت واہیات ہے۔ شیخ کامل جو کچھ تجویز کرے طالب کو اس پر بلا تردد و شک عمل کرنا چاہیے کیونکہ وہ صاحب بصیرت ہوتا ہے طالب کی استعداد کو پہچانتا ہے اور پہچان کر نسخہ تجویز کرتا ہے تو خوب سمجھ لو کہ ذکر جہر نقشبندی کے منافی نہیں اور نہ ذکر خفی چشتیت کے منافی ہے۔ مقصود دونوں کا ایک ہے اور دونوں کو طالب کی استعداد کے موافق جو طریقہ مفید معلوم ہو وہی بتلانا چاہیے دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ چشتیہ کے مذاق پر تخلیہ کا اہتمام غالب ہے اور نقشبندیہ کے مذاق پر تخلیہ کا اہتمام غالب ہے۔ (زکوٰۃ النفس ج ۲۲)

## سلسلہ چشتیہ اور نقشبندی کی حقیقت

ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحب سے مشورہ لیا کہ میں سلسلہ چشتیہ میں مرید



ہوں یا نقشبندیہ میں حضرت نے فرمایا کہ اگر ایک جنگل ہو جس میں جھاڑیاں اور خاردار درخت کھڑے ہوں ایک شخص اس میں زراعت کرنا چاہتا ہے تو وہ کیا کرے آیا پہلے جنگل کو جھاڑ وغیرہ سے صاف پاک کر کے پھر تخم پاشی کرے یا پہلے تخم پاشی کر دے اور بعد کو صاف کرتا رہے۔ ان صاحب نے کہا پہلے تخم پاشی کرنا چاہیے کیونکہ پہلے صفائی میں لگا تو ممکن ہے اسی میں موت آجائے اور تخم پاشی کی نوبت بھی نہ آئے اور پہلے بیج ڈال کر صفائی میں لگے گا تو کچھ تو غلہ پیدا ہو ہی جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ نقشبندیہ کے یہاں جا کر مرید ہو جاؤ تمہاری طبیعت کو ان کے مذاق سے زیادہ مناسبت ہے۔ دیکھئے حضرت نے دونوں طریقوں کی حقیقت بتلا دی کہ مقصود دونوں کا ایک ہے صرف تخلیہ اور تحلیہ کی تقدیم و اہتمام کا فرق ہے اور جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ طالب کو نقشبندیہ کے مذاق سے زیادہ مناسبت ہے تو خود ہی فرما دیا کہ تم نقشبندی سلسلہ میں بیعت ہو جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حصول مقصود کے لیے دونوں کو کافی سمجھتے تھے۔ (اور اگر یہ صاحب حضرت سے مشورہ نہ کرتے بلکہ بیعت کی درخواست کرتے اور حضرت بیعت بھی کر لیتے تب بھی ان کو تربیت نقشبندی ہی طریقے سے کرتے۔ پس مشائخ کو بھی طرز اختیار کرنا چاہیے اور جو محقق ہو گا وہ ایسا ہی کرے گا۔ (زکوۃ انفس ج ۲۲)

## خواب بزرگی کے ثمرات میں سے نہیں

بزرگی کے ثمرات اپنے ذہن میں کیا سمجھ رکھے ہیں مثلاً اگر کوئی اچھا خواب نظر آ گیا بس یہ بزرگی ہے اور اگر خواب بند ہو گئے سمجھ گئے کہ بزرگی ہماری جاتی رہی۔ میرے پاس بہت خطوط خوابوں کے متعلق آتے ہیں میں تو خواب میں یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔  
 نہ شمع نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم      چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم  
 (نہ شب ہوں نہ شب پرست جو خواب کی تعبیر بیان کروں محبوب حقیقی کا غلام ہوں اسی کی باتیں بیان کرتا ہوں)۔

جو دریافت کرو بیداری کی حالت پوچھو۔ خواب تو اگر یہ بھی دیکھ لو کہ سوار کا گوشت کھایا ہے واللہ ذرہ برابر تم کو بُعد نہیں ہوا اور اگر خواب میں یہ دیکھو کہ ہم جنت میں ہیں واللہ اس سے کچھ قرب نہیں ہوا۔ بہر حال کام کرو۔ کام کرنے سے کچھ ملتا ہے اور سینہ میں کیا دھرا ہے ہاں سینہ میں تو بلغم ہے وہ تم کو دے دیں گے۔

## بزرگوں کی مجلس میں دنیا بھر کی خبریں سنانا لغو حرکت ہے

بعض لوگ اس طرح دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ دنیا لے کر بزرگوں کے پاس جاتے ہیں۔ کیا معنی کہ بزرگوں کے پاس جائیں گے اور ان کا وقت بھی ضائع کریں گے اور دنیا بھر کے قصے وہاں بیان کریں گے۔ حضرت بمبئی میں یہ ہو رہا ہے۔ روم میں یہ قصہ ہوا۔ روس میں واقعہ ہوا۔ صاحبو! تم کو روم روس کے قصوں سے کیا لینا ہے۔ خود تمہارے اندر ایک روم، روس ہے کہ ان میں روزانہ جنگ رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے برا در عقل یک دم با خود آر دمدم در تو خزاں است و بہار  
(ارے بھائی تھوڑی دیر کے لئے ذرا عقل درست کر کے دیکھ خود تیرے اندر دمدم خزاں و بہار موجود ہے)۔  
ستم ست اگر ہوسست کشد کہ بسیر سر و سخن در آ تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا کچمن در آ  
(تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کر لو)۔  
حکیم سنائی کہتے ہیں۔

آسماں ہاست در ولایت جاں کار فرمائے آسماں جہاں  
در رہ روح پست و بالا ہاست کوہ ہائے بلند و صحرا ہاست  
(ولایت جان میں بہت سے آسمان ہیں جو ظاہری آسمان میں کار فرما ہیں روح باطن) کے راستہ میں پست و بالا (نشیب و فراز) کوہ و صحرا موجود ہیں)۔  
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

وانت الكتاب المبين الذي با حرفه يظهر المضممر  
وتزعم انك جرم صغير وفيك الظوى العالم الاكبر  
(اور تو مثل ایسی روشن کتاب کے ہے جس کے حرفوں سے مضممر باتیں ظاہر ہوتی ہیں تو اپنے آپ کو جسم صغیر سمجھتا ہے حالانکہ تیرے اندر بڑا جہان لپٹا ہوا ہے)۔

صاحبو! تمہارے اندر سب کچھ ہے روم بھی ہے روس بھی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں مکان بنے ہوئے ہیں مقصود یہ ہے کہ جب تم روم روس کی لڑائی دیکھو یا سنو تو اپنے اندر روح و نفس کی لڑائی کے متعلق بھی غور کیا کرو کہ تم پر تمہارا نفس غالب ہے یا روح غالب ہے یہ کیا ظلم و ستم ہے کہ بیرونی لڑائیوں کے تو تذکرے کرو اور اپنے اندر جو لڑائی ہے اس سے غفلت ہو۔

ماقصہ سکندرو دارا نخواندہ ایم ازما بجز حکایت مہر و وفا پیرس  
(ہم نے سکندرو دارا کے قصے نہیں پڑھے ہیں ہم سے محبت اور عشق کی باتوں کے سوا کچھ نہ پوچھو)۔  
یاد رکھو اگر اس سے غفلت میں رہے تو بہت پچھتاؤ گے۔ یہاں تو ناکامی ہو ہی رہی  
ہے وہاں بھی ناکام رہو گے۔ بہت جلدی اصلاح کر لو۔ (الاستغفار ج ۲۳)

## اہل طریق کے مدارج

ایک قصہ ہے کہ کسی مرید نے اپنے شیخ سے اہل طریق کے مدارج معلوم کرنے کی  
درخواست کی تو شیخ نے جواب دیا کہ فلاں مسجد میں تین شخص مراقب بیٹھے ہیں۔ ان تینوں  
کے پاس جا کر تم ہر شخص کے ایک ایک دھول مارو۔ وہ شخص مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ تین  
صاحب بزرگ صورت بیٹھے ذکر و شغل میں مصروف ہیں یہ دیکھ کر بہت شش و پنج میں پڑا  
کہ ان کے ساتھ یہ خلاف تہذیب حرکت کیسے کروں مگر چونکہ ضرورت تھی اس لئے مجبور  
ہوا اور آگے بڑھ کر ایک شخص کے ایک تھپڑ مارا۔ اس پر وہ صاحب اٹھے اور اس کے بھی  
ایک تھپڑ مارا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے اور اس سے پوچھا تک نہیں کہ تو کون ہے  
اور کیوں ایسی حرکت کی انہوں نے اس طرح پر عمل کیا۔ اس ممتحن نے اپنے دل میں کہا  
کہ یہ تو اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے کہ ایک کا بدلہ ایک ہی سے لیا۔ اس کے بعد یہ شخص  
دوسرے کی طرف بڑھا اور ان کے بھی ایک تھپڑ مارا۔ مگر وہ بیٹھے ہوئے برابر اپنے شغل  
میں مصروف رہے۔ اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ ان پہلے سے بھی  
اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اس شخص نے ان تیسرے بزرگ کے بھی جا کر ایک تھپڑ مارا تو  
وہ اٹھے مگر بجائے اس کے کہ بدلہ لیں اناس شخص کا ہاتھ پکڑ کر سہلانے لگے کہ تمہاری  
بڑی چوٹ لگی معاف کرنا۔ خیر یہ سارا واقعہ شیخ سے جا کر عرض کیا تو شیخ نے جواب دیا کہ  
پہلا شخص تو مبتدی تھا۔ دوسرا متوسط تھا جو بزبان حال کہہ رہا تھا کہ

ہرچہ از دوست میرسد نیکوست

(دوست (محبوب حقیقی) کی طرف سے جو پہنچتا ہے اس میں خیر ہے)

اس پر مراقبات کے اثر کا غلبہ تھا اور تیسرا شخص منتہی تھا اس نے عروج کے بعد نزول

کیا تھا اور محقق تھا شفیق تھا۔ توسط کی حالت میں غلبہ احوال و کیفیات کی وجہ سے شفقت کا غلبہ نہیں ہوتا اسی لئے مبتدی و متوسط سے اہل حقوق کے حقوق میں کوتاہی ہو جاتی ہے اگر پورا اہتمام نہ ہو۔ (آثار الحوبہ فی اسرار التوبہ ج ۲۳)

## مشائخ کا ملین کی علامت

ہم سے بہت لوگوں نے اپنے مشائخ کے اس فعل پر فخر کا اظہار کیا ہے کہ ہمارے شیخ چالیس برس تک خانقاہ سے باہر نہیں نکلے۔ صاحبو! اگر یہ کوئی کمال کی بات ہوتی تو انبیاء علیہ السلام نے یہ طرز کیوں نہ اختیار کیا۔ انبیاء کا تو وہ حال تھا جو قرآن شریف میں مذکور ہے خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کفار کا یہ طعن قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ ہماری طرح کھانا بھی کھاتا ہے اور ضروریات معاش کے واسطے ہماری طرح بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے) تو انبیاء علیہم السلام تو بازاروں تک میں چلے پھریں اور یہ شیخ ۴۰ برس تک خانقاہ سے بھی باہر نہ نکلیں گو بظاہر عوام کے نزدیک یہ شیخ ہی زیادہ کامل معلوم ہوں گے اگر کسی غیر محقق عامی کے سامنے یہ دونوں فعل پیش کئے جائیں۔ اور یہ نہ بتلایا جائے کہ کون سا فعل کس کا ہے تو وہ یہی کہے گا کہ وہ زیادہ کامل ہیں جو چالیس برس تک خانقاہ سے باہر نہیں نکلا۔ مگر جو مبصر ہوگا وہ دوسرے کو زیادہ کامل کہے گا اور اس کا راز یہ ہے کہ ایک تو وہ شخص ہے جس کے پاس ایک آئینہ ہے جس میں سے اس کو اپنے محبوب کا چہرہ نظر آ رہا ہے اور وہ اس کے اندر اپنے محبوب کے جمال جہاں آراء کا مشاہدہ کر رہا ہے گویا کس

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی وہ شخص کیسے یہ گوارا کر سکتا ہے کہ کسی اور چیز کی طرف دیکھے اور آئینہ کی طرف نہ دیکھے کیونکہ اگر وہ آئینہ کی طرف نہ دیکھے گا تو اپنے محبوب کے مشاہدہ سے محروم رہے گا۔ اور ایک دوسرا شخص ہے جس کا یہ حال ہے کہ سارا عالم کا جز جز اس کے لئے آئینہ جمال خداوندی بن رہا ہے تو پہلے شخص کو صرف آئینہ کے اندر مشاہدہ محبوب ہو رہا تھا۔ (آثار الحوبہ فی اسرار التوبہ ج ۲۳)

## حجاب کے درجات

چنانچہ صوفیہ نے حجاب کے سات درجہ بیان کئے ہیں۔ اول اعراض، دوسرے حجاب،



تیسرے تفاصل، چوتھے سلب مزید، پانچویں سلب قدیم، چھٹے تسلی، ساتویں عداوت یعنی اول اعراض ہوتا ہے اگر معذرت اور توبہ نہ کی حجاب ہو گیا اگر اس کے بعد بھی اصرار رہا تفاصل ہو گیا۔ اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں جو ایک زائد کیفیت ذوق و شوق کی تھی وہ سلب ہو گئی یہ سلب مزید سے اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت و حلاوت کیفیات زائدہ سے پہلے اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہو گئی اس کو سلب قدیم کہتے ہیں اگر پھر بھی توبہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دل گوارا کرنے لگا یہ تسلی ہے۔ اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بہ بغض و عداوت ہو گئی یہ آخری حجاب ہے جو سب سے اشد ہے وہاں پہنچ کر بندہ کو حق جل شانہ سے بغض پیدا ہو جاتا ہے اور کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ دنیا میں بھی یہی ہوتا ہے کہ جب دو طرف سے آپس میں تکدر ہو جاتا ہے تو یہی سات حالتیں یکے بعد دیگرے وہاں بھی پیش آتی ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

احب مناجات الحبيب باوجه ولكن لسان المذنبين كليل  
کہ ہم گنہگاروں کی زبان جو ہے وہ در ماندہ ہے کہ اٹھانے سے اٹھتی ہی نہیں چنانچہ مشاہدہ ہے کہ انسان جس سے شرمندہ ہوتا ہے اس کے سامنے اتنے کہنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی کہ میرا قصور معاف کر دو۔ یہ ہے تو ایک حال لیکن اگر اس کے مقتضی پر عمل کر لیا گیا تو سخت مضر ہے ایک عذاب ہے وبال ہے۔ خیر یہ بزرگ تو صاحب حال تھے اور اس کے مقتضی پر عمل سے بچے ہوئے تھے۔ مگر بعض لوگ تو اس حال کے مقتضی پر عمل بھی کرتے ہیں۔ (آثار الخو بہ فی اسرار التوبہ ج ۲۳)

## کشف و تجلی

شیخ یحییٰ منیریؒ ایک بڑے صاحب کشف و اسرار کا قول نقل فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک مرتبہ حقیقت روح کا انکشاف ہوا (تجلی ہوئی) تو میں نے اس کو غلطی سے تجلی حق سمجھ لیا پھر تیس برس تک روح ہی کی عبادت کرتا رہا اور دھوکہ اس لئے ہوا کہ روح کی تجلی کو تجلی حق سے مشابہت بہت زیادہ ہے کیونکہ صوفیہ کے نزدیک روح مجرد ہے گو متکلمین اس کے منکر ہیں مگر صوفیہ نے اس مسئلہ میں اپنے کشف سے فلاسفہ کے قول کو صرف تجرد کے دعویٰ میں صحیح سمجھا ہے مگر مع اعتقاد الحُدُوثِ الزَّمَانِی (حدوث زمانی کا اعتقاد کرنے کے باوجود) تو وہ بھی تجرد کے قائل ہو گئے اسی لئے شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ فلاسفہ کے تمام اقوال کو رد نہ کرو کیونکہ ان کے بعض

اقوال صحیح بھی ہیں یہ فلاسفہ کی حمایت نہیں بلکہ ہم کو تنبیہ ہے کہ پارٹی نہ بناؤ کہ مخالف جو بات بھی کہے اس کی تردید ہی کرو بلکہ اس پر غور کرو کیونکہ **الْكَذُوبُ قَدْ يَصْدُقُ** کبھی جھوٹا آدمی بھی سچ بات کہہ دیتا ہے اسی طرح **الْمُبْطِلُ قَدْ يَقُولُ الْحَقُّ** کہ مبطل بھی کبھی حق بات کہہ دیتا ہے پس مخالف کی بات کو یہ سمجھ کر فوراً رد نہ کرو کہ یہ تو ہمارا مخالف ہے بلکہ غور کر کے سمجھ سے کام لو اگر اس کی بات رد کے قابل ہو رد کرو اگر قابل تسلیم ہو مان لو۔ (استمرار التوبہ علی تکرار الخوبہ ج ۲۳)

## انوار و تجلیات سے متعلق حضرت حاجی صاحب کا مذاق

ہمارے حاجی صاحب کی تحقیقات کو ان سب کے بعد دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعی وہ امام وقت تھے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ ان تجلیات و انوار میں سے کسی پر بھی التفات نہ کرو۔ حضرت کا مذاق بالکل سلف کے مطابق تھا۔ سلف کا فیصلہ اس باب میں یہ ہے **كُلُّ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَهُوَ هَالِكٌ وَاللَّهُ أَجَلُ مِنْ ذَلِكَ** کہ تمہارے دل میں جو کچھ بھی خطرہ آئے (جس میں تجلیات و انوارات داخل ہیں) وہ سب فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے اجل و منزہ (پاک و صاف) ہیں جس شخص کا یہ مذاق ہو گا وہ کبھی دھوکہ میں نہ پڑے گا وہ کسی تجلی کی عبادت میں مشغول نہ ہو گا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جب قلب کو بھی حق تعالیٰ کا ادراک نہیں ہو سکتا جو **الطف من البصر** (بینائی سے زیادہ لطیف) ہے تو بصر کو تو اور ادراک کہاں ہو گا۔ (استمرار التوبہ علی تکرار الخوبہ ج ۲۳)

## اسرار و رموز

ہمارے حضرت حاجی صاحب میں اتباع سنت نقشبندیہ سے بھی زیادہ تھا نقشبندیہ شغل لطائف کی تعلیم بہت اہتمام سے کرتے ہیں مگر حاجی صاحب فرماتے تھے کہ لطائف بھی حجب ہیں اور یہ حجب نورانیہ ہیں جو حجب ظلمانیہ سے اشد ہیں پھر فرمایا **البته لطیفہ قلب کی طرف توجہ رکھنا چاہئے کیونکہ حدیث میں قلب کا ذکر ہے اور اس کی طرف توجہ کا امر بھی ہے مَنْ صَلَّى وَرَكَعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ الرَّحْمٰنُ** (جس شخص نے حضور قلب سے دو رکعت نماز پڑھی) سبحان اللہ حدیث کا کتنا ادب ہے کیا آج کوئی شیخ نقشبندی بھی ایسا ہے؟ غرض سالک کو حضرت عارف کے قول پر عمل کرنا چاہئے۔

حدیث مطرب و مئے گو درازِ دہر کمتر و کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمر را

(مطرب اور مئے کی باتیں کرو اسرار دہر کی جستجو میں مت پڑو اس لئے کہ اس معممہ کو کسی نے حکمت سے حل نہ کیا اور نہ کر سکے)

یہی بعینہ حاجی صاحب کا مذاق ہے اور جب اسرار دہر کی طرف بھی التفات سے ممانعت ہے تو اسرار احکام و صفات تو اور بھی صعب ہیں۔ (استمرار التوبہ علی تکرار الخوبہ ج ۲۳)

## ایک واقعہ

مولانا شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کے شیخ کی مجلس میں ایک منکر آیا دیکھا کہ سب اہل مجلس رو رہے ہیں کہنے لگا یہ سب محروم ہیں جہمی تو رو رہے ہیں۔ اس پر شاہ صاحب کو جوش آیا اور ایک رسالہ بنام ہفت گریہ لکھا جس میں ثابت کیا ہے کہ رونے کی سات قسمیں ہیں منکر کے تو باپ کو بھی یہ اقسام کبھی معلوم نہ ہوئی ہوں گی اور ایک رونا خوشی کا ہے۔ کیونکہ کبھی غایت فرح سے بھی آنسو بہنے لگتے ہیں اور ایک بکا دونوں سے عالی ہے جس کا نام گرم بازاری عشق ہے پھر اس پر حضرت عارف کا یہ قطعہ لکھا عارف کے کلام میں مسائل سلوک بہت کثرت سے ہیں۔

بلبلے برگ گلے خوش رنگ درمنقار داشت و اندراں برگ و نوا صد نالہ ہائے زار داشت  
گفتش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست گفت مارا جلوہ معشوق در ایں کار داشت  
(ایک بلبل ایک خوش رنگ پھول کی پتی چونچ میں رکھے ہوئے زار و قطار نالہ و فریاد کر رہی تھی میں نے اُس سے کہا کہ عین وصل میں نالہ و فریاد کیوں کر رہی ہے جواب دیا کہ جلوہ معشوق نے ہم کو اس کام میں مشغول کیا ہے)۔ (استمرار التوبہ علی تکرار الخوبہ ج ۲۳)

## عورتوں کے لئے صحبت اہل اللہ کا نعم البدل

عورتیں چونکہ پردہ نشین ہیں اس لئے وہ اس کے بجائے اہل اللہ کی حکایات دیکھا کریں خاص کر بزرگ عورتوں کی حکایتیں کہ ان سے بہت کچھ اثر ہوگا اور ہمت قوی ہوگی اس سے تمام گناہ چھوٹ جائیں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف کامل توجہ ہو جائے اور اس کے بعد تم اس کے مخاطب ہو سکو گے۔

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

(قریب ہے کہ آپ کا رب ان کے گناہوں کو بدل دے اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں)۔

اب خدا سے دُعا کرو کہ وہ توفیق دے آمین۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## مسئلہ وحدت الوجود و حقیقت حالی ہے

وحدت الوجود کے جو معنی عوام میں مشہور ہیں کہ میں بھی خدا اور تو بھی خدا اور درود یوار بھی خدا یہ معنی بالکل غلط ہیں اور بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی بالکل ہی موجود نہیں یہ بھی بالکل غلط ہے اور قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے ارشاد خداوندی ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں اور وہی ہر چیز کے ذمہ دار ہیں) حقیقت میں یہ حالی مسئلہ ہے قالی نہیں وہ حال یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات پیش نظر آتی ہے اس وقت دوسروں کا اور اپنا وجود کالعدم معلوم ہوتا ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص اگر کسی خیال میں منہمک ہو تو اس کو دوسری تمام چیزوں کی طرف مطلق التفات نہیں ہوتا اگر کوئی اس کو آواز دیتا ہے تو وہ نہیں سنتا بلکہ بعض اوقات خاص خیالوں میں اس قدر انہماک ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی سر کے پاس آ کر آواز دے تو مطلق خبر نہیں ہوتی اس کیفیت میں وہ شخص محاورے میں مجازاً کہہ سکتا ہے کہ لا موجود الا امر الفلانی لیکن ظاہر ہے کہ یہ کہنا واقع کے اعتبار سے نہیں بلکہ اپنی کیفیت کے اعتبار سے ہے اسی طرح وحدۃ الوجود بھی ایک اصطلاح ہے صوفیہ کی کہ وہ اپنی اس قسم کی کیفیت کو وحدۃ الوجود کے عنوان سے مجازاً تعبیر کرتے ہیں جس طرح قرآن و حدیث کے محاورات میں مجاز کا استعمال ہوتا ہے اسی طرح اصطلاح تصوف میں بھی کیونکہ وہ بھی قرآن و حدیث ہی سے مستنبط ہے تو خلاصہ وحدۃ الوجود کا یہ نکلا کہ یہ وجودات متکثرہ گویا کہ نہیں ہیں پس حکم وحدۃ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

## شیخ کامل سے اصلاحی تعلق کی ضرورت

کسی صاحب باطن سے تعلق پیدا کیا جائے اگر صحبت ممکن ہو تو بہت ہی خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم مراسلت تو ضرور رکھنی چاہیے اور ان پر اپنا پورا حال ظاہر کر کے علاج کی تدبیر دریافت کیجئے۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)



## شیخ کی رائے پر عمل کی ضرورت

صاحبو! اگر اپنی رائے سے کوئی شخص اپنی اصلاح کی تدبیر سوچ کر چار گھنٹے اس میں مشغول رہنے کے لئے مقرر کرے تو اس میں وہ بات حاصل نہ ہوگی جو کسی ماہر کی تجویز پر نصف گھنٹہ عمل کرنے میں حاصل ہو جائے گی مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں بخار میں مبتلا ہوا ایک طبیب سے رجوع کیا انہوں نے نسخہ تجویز کر دیا جس کے استعمال سے چند روز میں فائدہ ہو گیا۔ میں نے نسخے کو مفید دیکھ کر اپنے پاس محفوظ رکھا اتفاق سے دوسرے برس پھر کچھ شکایت ہوئی تو میں نے اسی نسخے کو منگا کر استعمال کی لیکن کچھ بھی فائدہ نہ ہوا اس کے آخر پھر اسی طبیب سے رجوع کیا اور ان کے تجویز کردہ نسخے سے صحت ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اول حکیم صاحب کی زبان میں یا قلم میں کوئی خاص اثر رکھا ہوا تھا کہ صحت اس پر موقوف تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ نسخے کی تجویز میں جس طرح مریض کے مزاج کی رعایت کی جاتی ہے زمان اور مکان کی رعایت بھی کی جاتی ہے یعنی ایام ربیع میں ایک نسخہ تجویز کیا جاتا ہے تو ایام خریف میں دوسرا کیونکہ دونوں موسموں کے مزاج بالکل الگ الگ ہیں اسی طرح سرد ملک میں جو دوا مفید ہوگی گرم ملک میں اس کا مفید ہونا ضروری نہیں تو جیسے بدن کے امراض میں محض اپنی تدبیر اور رائے میں مرض کے زوال کے لئے کافی نہیں ہے یوں ہی نفسانی امراض میں بھی ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ اہل اللہ کی زبان میں بھی اثر ہے۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

## اہل اللہ سے محض وابستگی کافی ہے

اہل اللہ سے تعلق رکھنے کو جو کہتا ہوں کوئی شخص میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھے کہ میں نوکری کرنے یا تجارت میں لگنے کو منع کرتا ہوں اور ترک تعلقات کی رائے دیتا ہوں ہرگز نہیں بلکہ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ کسی اہل دل سے وابستگی پیدا کیجئے۔

ایک صاحب کہنے لگے کہ بیعت بالکل بیکار ہے اس کی کیا ضرورت ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہی کام کرے میں نے کہا کہ صاحب آپ نے کبھی علاج بھی کرایا ہے۔ کہ نہیں کہنے لگے کہ بے شک ضرورت کے وقت علاج کرایا ہے میں نے پوچھا کہ کسی ایک طبیب سے رجوع کیا ہے یا اس طرح کہ آج ایک سے کل دوسرے سے پرسوں،

تیسرے سے کہنے لگے کہ کسی ایک ہی کی طرف جس پر اطمینان ہو اور جوع کیا ہے پھر میں نے پوچھا کہ اس میں آپ نے کیا مصلحت سوچی کہنے لگے کہ روز روز طبیب بدلنے سے کسی ایک کو بھی توجہ اور شفقت مریض پر نہیں ہوتی کیونکہ کوئی ایک بھی اس کو اپنا مریض نہیں سمجھتا میں نے کہا کہ بس یہی حکمت اور نفع ہے بیعت ہونے کا کیونکہ بیعت ہونے کے بعد مرشد کو اپنا سمجھنے لگتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ یوں کہتا ہے۔

من غم تو میخورم تو غم مخور

(میں تمہارا غم پیتا ہوں) (غمخوار ہوں) (تم غم مت کرو)

مرید کو ہر وقت یہ تسلی رہتی ہے کہ میرا ایک شفیق میرے ساتھ موجود ہے اور مرشد کو یہ لاج ہوتی ہے۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

## ذکر ریائی عدم ذکر سے بہتر ہے

ایک بزرگ سے کسی نے کسی کی نسبت کہا کہ فلاں شخص ذکر ریائی کرتا ہے جواب دیا کہ تو تو ذکر ریائی بھی نہیں کرتا تو کیا منہ لے کر کہتا ہے وہ ٹٹماتا ہوا چراغ لے کر تو پل صراط سے پار ہو جائے گا اور تو تو اس سے بھی محروم ہے اسی کی نسبت کہا ہے۔

سودا قمار عشق میں شیریں کے کوہ کن بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشقباز اے روسیہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ریائی ہی سہی اس سے یہ تو امید ہو سکتی ہے کہ کبھی ذکر غالب آجائے اور ریاء نثار ہو جائے چنانچہ بکثرت ایسا ہوا ہے کہ کسی نے اعمال شروع کئے تھے کسی غرض سے لیکن اعمال غالب آگئے اور وہ غرض اڑ گئی اور عمل محض رہ گیا۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

## حقیقت تصوف

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اگر کوئی طالب علم زیادہ تقریر کرتا تو فرمادیتے کہ یہ کام کرنے کے ہیں تقریر سے یہ شبہات حل نہ ہوں گے اسی طرح مشائخ نے جب دیکھا کہ گناہ سے بچنا ضروری ہے، پس اس کے طریقے قرآن و حدیث سے سمجھ کر انہوں نے لکھ دیئے جن پر عمل کرنے سے مقصود حاصل ہوتا ہے اور تصوف اسی کا نام ہے۔ نرے عملی

مسائل مثلاً وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، تنزلات ستہ کے جاننے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی ان مسائل کو یاد کر کے مجلس کو گرم کرے تو اس سے وہ صوفی نہ بنے گا۔ شیخ فرماتے ہیں۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم کہ اصلے ندارد دے بے قدم

کارکن کار بگذار از گفتار کاند ریں راہ کار دار دکار

(طریقت میں قدم رکھنا یعنی عمل کرنا چاہیے اس لئے کہ بغیر قدم رکھے (عمل کئے) دعویٰ کی کچھ اصل نہیں۔ عمل کرو دعویٰ کو ترک کرو اس طریق میں عمل اور کام ہی کی ضرورت ہے)۔

کام کرنا چاہیے نری باتوں سے کیا ہوتا ہے لیکن لوگوں کو ان باتوں کے کرنے اور سننے کا شوق ہے اس لئے کہ اس میں مزہ ہے۔ میں نے ہندوؤں تک کو کہتے سنا ہے کہ مثنوی شریف میں بڑا لطف آتا ہے۔ پس اگر مدار باتوں ہی پر ہے تو ہندو بھی صوفی بن جائیں گے۔ یاد رکھو تصوف یہ نہیں تصوف کی تعریف ہے تعمیر الظاہر والباطن اور یہ تعمیر ہوتی ہے کام کرنے سے اور وہ نفس پر نہایت گراں ہے لیکن نفع ہمیشہ اسی شے سے ہوتا ہے جس میں نفس پر گرانی ہو، دیکھو غالب اور ذوق کے کلام میں گو مزہ آتا ہے لیکن اس سے کوئی نفع نہیں۔ اور حکیم محمود خاں صاحب نے جو نسخہ لکھ کر دیا ہے اس میں کچھ بھی مزہ نہیں لیکن دونوں میں فرق جب معلوم ہوگا کہ کوئی مریض ہو اور اس کو اشعار بھی سنائے جائیں اور وہ نسخہ پلایا جائے اشعار سنانے سے دل تو اس کا کچھ بہل جائے گا لیکن اصل مرض کو کچھ بھی نافع نہ ہوگا اور نسخہ پلانے سے تمام رطوبات فصلیہ اعماق بدن سے نکلیں گے اور اس میں اس کو تکلیف سخت ہوگی لیکن نتیجہ کیا ہوگا کہ دولت صحت سے مالا مال ہو جائے گا۔ (الاختصاح ج ۲۳)

## کشف کوئی مطلوب شئی نہیں

اور حدیث میں آیا ہے کہ قبر میں جو مردوں کو عذاب ہوتا ہے سواء جن وانس کے اس کا سب کو ادراک ہوتا ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے۔ قبرستان میں گزر رہا گھوڑا اپد کا آپ نے فرمایا کہ مردوں کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ گھوڑے کو اس کا انکشاف ہوا ہے۔ یہاں سے ایک اور بات بھی سمجھنا چاہیے کہ بہت لوگ کشف کے طالب ہوتے ہیں۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ کشف کوئی شے مطلوب نہیں ہے اس لئے کہ اس میں جانور بھی شریک ہیں اور جانور تو جانور شیطان کو بھی کشف ہوتا ہے

چنانچہ قرآن شریف میں غزوہ بدر کے قصہ میں آیا ہے کہ شیطان کفار کے ساتھ آیا جب مسلمانوں کا لشکر نظر آیا تو پیچھے ہٹ گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فَلَمَّا تَرَاءَتْ الْفِئْتَنَ نِكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ یعنی جس وقت کافروں اور مسلمانوں کی دونوں جماعتوں نے ایک دوسری کو دیکھا تو شیطان اٹنے پاؤں ہٹا اور کہا کہ وہ شے دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اس کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے واسطے پانچ ہزار فرشتے آئے تھے اور شیطان کو نظر آئے اس لئے وہ بھاگ گیا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بڑے بڑے صحابہ تھے ان میں اکثر کو فرشتے نظر نہیں آئے۔ معلوم ہوا کہ کشف کوئی کمال مقصود نہیں، عبادت اور مجاہدہ ریاضت سے اگر کسی کو یہ کشف ہی مطلوب ہو تو وہ بڑی غلطی میں ہے۔ (الاختصاص ج ۲۳)

## تصوف کی اصطلاحات کی دو قسمیں

تصوف کی اصطلاحات دو قسم پر ہیں ایک وہ جو مقاصد کے متعلق ہیں وہ تو شریعت سے الگ نہیں ہیں بلکہ مقاصد میں اصطلاحات تصوف کی حقیقت وہی ہے جو شریعت میں مذکور ہے اور دوسرے وہ اصطلاحات ہیں جو امور زوائد کے متعلق ہیں وہ شریعت سے جدا ہو سکتی ہیں جیسے تجدد امثال توحید و جود۔ شغل رابطہ وغیرہ مگر مجاہدہ نفس کشی امور زوائد میں سے نہیں ہے بلکہ مقاصد میں سے ہے کیونکہ یہ مامور بہ فی الشرع (شرع میں ان کا حکم کیا گیا ہے) ہے نصوص میں جا بجا مجاہدہ کا ذکر ہے کہیں بصورت خبر کہیں بصیغہ امر چنانچہ ارشاد ہے وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ (جو شخص مجاہدہ کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے مجاہدہ کرتا ہے) وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ (جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب ثواب یعنی جنت کے راستے دکھا دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں پوری مشقتیں برداشت کرو) وغیرہ وغیرہ پس اس کی تفسیر وہی ہونی چاہئے جو شریعت نے بتلائی ہے کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ مقاصد میں تصوف کی اصطلاحات شریعت کی اصطلاحات سے جدا نہیں ہیں پس اب اس غلطی کا منشا جہل کے سوا کچھ نہیں لوگوں نے کتابوں میں خاص خاص لوگوں کے مجاہدات کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ بس یہی اس کی حقیقت ہے حالاں کہ حقیقت شے اور چیز ہے اور اس کا طریق



تحصیل دوسری شے ہے۔ حقیقت ایک ہوا کرتی ہے اور طریق تحصیل مختلف بھی ہو سکتے ہیں (مثلاً بیماری میں پرہیز کرنا مضرات سے ضروری ہے لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ پرہیز کی حقیقت وہی ہے جو فلاں طبیب نے فلاں مریض کو بتلائی تھی کہ ۶ ماہ تک پانی نہ پئے کسی سے میل جول اختلاط نہ کرے اور سوائے دو چپاتیوں کے کچھ نہ کھائے سخت غلطی ہے کیونکہ وہ طریقہ اسی مریض کے ساتھ مخصوص تھا سب کے لئے وہی طریقہ نہیں اور نہ پرہیز کی حقیقت اس طریقہ میں منحصر ہے خوب سمجھ لو ۱۲ جامع)۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

## تفاضل بین الاولیاء کی ممانعت

صوفیہ نے تفاضل بین الاولیاء (اولیاء کرام کے درمیان فضیلت دینے) سے بھی منع کیا ہے کیونکہ اولیاء اللہ بھی سب مقبول اور جس کا جو مذاق ہے وہ خدا تعالیٰ کو پسند ہے، ان میں بھی باہم تفصیل کا کسی کو حق نہیں کمالات سے خالی کوئی ولی نہیں یہ اور بات ہے کہ کسی کمال سے حق تعالیٰ نے کام لے لیا اور کسی کمال کو مخفی رکھا اس سے کام نہیں لیا کسی کو صاحب ارشاد بنا دیا اس سے ہدایت خلق کا کام لیا کسی کو صاحب ارشاد نہیں بنایا اسے گم نام رکھا مگر قابلیت ارشاد سے وہ بھی خالی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات شیخین کے لئے تو سلطنت تجویز کرتے ہیں اور اپنی زندگی میں بعض لوگوں سے یہ فرماتے ہیں کہ اگر میں نہ ملوں تو اس معاملہ کو ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس لانا وہ فیصلہ کر دیں گے (وغیرہ وغیرہ)۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

## حضرت ابوذر غفاریؓ ہرگز ناقص نہ تھے

اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یَا أَبَا ذَرٍّ اِنِّیْ اُرِیْكَ ضَعِیْفًا وَاِنِّیْ اُحِبُّكَ وَاِنِّیْ اُحِبُّ لِنَفْسِکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ لَا تَفِیْضُیْنَ بَیْنَ اِثْنِیْنِ وَلَا تَلِیْنِ مَالَ یَتِیْمٍ (او کما قال) (صحیح مسلم، الامارۃ: ۷، سنن ابی داؤد: ۲۸۶۸)

اے ابوذر میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں اور تمہارے لئے اور تمہارے نفس کے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہوں نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنا نہ مال یتیم کا ولی بننا)۔

ان کو دو آدمیوں کے درمیان بھی فیصلہ کرنے سے منع فرماتے ہیں اور مال یتیم کی حفاظت سے روکتے ہیں اور حضرات شیخین کے تمام دنیا کے قضایا کا فیصلہ سپرد فرماتے ہیں تو

کیا حضرت ابوذر ناقص تھے، کیا ان میں قوت فیصلہ نہ تھی یا وہ مال یتیم کی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔ کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے دیکھ لیا ہو اور آپ کی صحبت میں رہا ہو وہ ناقص نہیں رہ سکتا خصوصاً جس شخص سے آپ کو محبت ہو وہ ناقص رہے ایسا نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی آپ حضرات شیخین سے جو کام لیتے ہیں حضرت ابوذر سے وہ کام نہیں لیتے۔ شاید کوئی یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف فرما دیا ہے اِنِّیْ اَرِیْکَ ضَعِیْفًا کہ میں تم کو ضعیف پاتا ہوں اس لئے آپ نے ان کو قضا اور تولیت مال یتیم سے منع فرمایا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ میں نقص تھا اور ان میں قضا یا تولیت مال یتیم کا مادہ ہی نہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ ضعف سے نقص لازم نہیں آتا، دیکھو بچہ ضعیف تو ہوتا ہے کہ بالغ کے برابر اس کے اعضاء میں قوت نہیں ہوتی لیکن اگر وہ تام الاعضاء ہے تو اسے ناقص نہیں کہا جاسکتا۔ ناقص وہ ہے جس کے آنکھ نہ ہو یا ہاتھ کٹا ہو یا پیر سے لنگڑا ہو۔ لیکن جو بچہ تندرست ہو اور اس کے سب اعضاء سالم ہوں اسے ناقص نہیں کہہ سکتے بلکہ اپنی ذات کے لحاظ سے وہ کامل ہی کہلائے گا۔ گو ضعیف ضرور ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ضعیف فرمانے سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناقص ہونا لازم نہیں آتا اگر وہ ناقص ہوتے تو آپ ان کو فقید (نایاب بے نظیر) فرماتے (یعنی فقید القوی) یا فقیر فرماتے مگر آپ تو ضعیف فرما رہے ہیں پھر اس سے یہ کہا معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں استعداد قضاء و قابلیت تولیت یتیم نہ تھی۔ (الحرمہ بذی القعدہ ج ۲۳)

## حضرات صحابہؓ سب کامل تھے

محققین کا مذہب ہے کہ ایمان، زیادت و نقص کو قبول نہیں کرتا اور شدت و ضعف کو قبول کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضعف کا مقابل شدت ہے نہ کہ زیادت نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ضعف اور نقص ایک نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے۔ پس حضرات صحابہؓ میں زائد و ناقص کوئی نہیں بلکہ سب کامل ہیں اور جو کمالات حضرات شیخین میں تھے وہ ہر صحابی کے اندر مجتمع تھے۔ البتہ شدید و ضعیف کا فرق ضرور ہے۔ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ میں ان امور کی قابلیت ہی نہ ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے منع فرمانے کی ضرورت نہیں تھی

کیونکہ حضرت ابوذرؓ نہ رسم پرست تھے نہ جاہل تھے۔ اگر ان میں ان کاموں کی قابلیت نہ ہوتی تو وہ خود ہی یہ کام نہ کرتے کیونکہ عدم قابلیت کے ساتھ کسی کام میں ہاتھ ڈالنا یا تو جہالت سے ہوتا ہے کہ اپنی ناقابلیت کی خبر ہی نہ ہو یا رسم پرستی سے ہوتا ہے کہ اپنی ناقابلیت کا علم ہے مگر انکار کرنے میں ہیٹی سمجھتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ ان دونوں سے منزہ تھے۔ اگر کسی کام کی قابلیت ان میں نہ ہوتی تو وہ ہرگز اس کام کو ہاتھ نہ لگاتے۔ پس حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو منع کرنا اس کی دلیل ہے کہ ان میں قابلیت ضرور تھی مگر آپ نے اس قابلیت سے کام لینا نہیں چاہا بلکہ اِنِّیْ اِرِّیْکَ ضَعِیْفًا (میں تم کو ضعیف پاتا ہوں) فرما کر اس قوت کو ممنوع الاستعمال کر دیا اور ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت ابوذرؓ میں قابلیت بھی نہ ہوتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قضاء و تولیت کا کام لینا چاہتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے بعد ان میں معاً قابلیت پیدا ہو جاتی کیونکہ آپ کی شان یہ ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

(اس کا کہنا خدا کا کہنا ہووے اگرچہ بندہ کی زبان سے نکلا ہو)۔

اور حق تعالیٰ کی شان یہ ہے۔

داد اورا قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

(اس کے دین کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے۔ بلکہ قابلیت کی شرط اس کی داد و دہش ہے)۔

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ کام لینا چاہا ہی نہیں ۱۲۔ (العمہ بذخ البقرہ ج ۲۳)

## سالم کو شیخ کے سامنے مردہ بدست زندہ ہونا چاہیے

سالمین کو اپنے لئے کچھ تجویز نہ کرنا چاہیے حق تعالیٰ جو چاہیں گے تمہارے لئے خود تجویز فرمادیں گے بعض سالمین اپنے لئے مشیخت تجویز کرتے ہیں اور ذکر و شغل سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہم کسی وقت شیخ و مقتدا بن کر مخلوق کی اصلاح کریں گے۔ یاد رکھو جس کے لئے ابھی تک شیخ نے مشیخت تجویز نہیں کی اس کے لئے اس کا خیال کرنا بھی گناہ ہے جیسا کہ حضرت ابوذرؓ کے لئے قضاء بین الاثنین اور تولیت مال یتیم گناہ تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے تجویز نہیں فرمایا تھا اس لئے سالم کو شیخ کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہونا چاہیے (العمہ بذخ البقرہ ج ۲۳)

## نفس کشی کا امر

اور اہل لطائف علم اعتبار کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ گویا نفس کشی کا امر ہوا تھا۔ گویا بقرہ سے نفس کو تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ بہت مناسب ہے کیونکہ گائے بیل بھی بہت حریص ہوتے ہیں کھانے پینے کے اور نفس بھی بہت حریص ہوتا ہے اس لئے نفس کو بقرہ کہنا تو مناسب ہے لیکن آج کل نفس کو کتا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شعراء کے کلام میں سب نفس بکثرت مستعمل ہے مگر یہ واہیات ہے۔ اسی طرح بعض لوگ نفس کو کافر کہتے ہیں یہ اس سے بھی واہیات ہے۔ ہمارا نفس تو الحمد للہ نہ کتا ہے نہ کافر ہے۔ ہاں بقرہ تو ہوگا۔ نہ معلوم لوگ نفس کو کیا سمجھتے ہیں لغت میں تو نفس حقیقت شے کو کہتے ہیں۔ پس نفس زید حقیقت زید ہوئی تو حقیقت میں نفس ہمارا ہی نام ہے ہم سے الگ کوئی چیز تھوڑا ہی ہے تو اپنے کو کتایا کافر کہنا کیا زیبا ہے اور اگر نفس کوئی مستقل چیز بھی ہو تب بھی اول تو وہ ہمیشہ شر نہیں ہوتا کہ اس کو کتے سے تشبیہ دی جائے۔ (العمرہ بذخ البقرہ ج ۳)

## نفس کے تین اقسام

کبھی نفس مطمئنہ ہوتا ہے کبھی لواۓ بھی ہوتا ہے کبھی امارہ ہوتا ہے، چنانچہ نصوص میں یہ تینوں صفات مذکور ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے وَمَا أَبْزَمِیْ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَامَّارَةٌ بِالسُّوءِ (اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَمَةِ ۚ وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے)۔

تیسری جگہ ارشاد ہے یَاٰیَّتُهَا النَّفْسُ الْمَطْمَیْنَةُ ۙ اِذْ جِئِیْ اِلٰی رَبِّکَ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش ہوا اور وہ تجھ سے خوش ہو)۔

پھر اگر شریر بھی ہو تب بھی مسلمان تو ہے تو مسلمان کو کافر کہنا یا کتے سے تشبیہ دینا کیا مناسب ہے ہاں بقرہ کے ساتھ تشبیہ دینے کا مضافہ نہیں غرض جس طرح بقرہ کے ذبح کا امر ہوا تھا اسی طرح نفس کو بھی مجاہدہ سے ذبح کرنا چاہیئے بدون مجاہدہ کے کامیابی نہیں ہوتی۔ بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے بس ویسے ہی کامیاب ہو جائیں۔



## عارفین پر فنا کا غلبہ ہوتا ہے

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت اپنے فلاں مرید کو سمجھا دیجئے کہ وہ بے جا حرکتیں نہ کیا کرے ورنہ لوگ آپ سے بھی بداعتقاد ہو جائیں گے حضرت نے فرمایا کہ میاں تمہارا جی چاہتا ہو بداعتقاد ہونے کو تو تم ہو جاؤ دوسروں پر بات کیوں رکھتے ہو، پھر فرمایا کہ تم نے تو اپنے نزدیک یہ بڑی دھمکی دی کہ لوگ بدگمان ہو جائیں گے اور اگر کسی کو یہی مطلوب ہو کہ سب بداعتقاد ہو جائیں تو؟ پھر فرمایا کہ واللہ مجھے تو تمہارے اعتقاد ہی نے پریشان کر رکھا ہے بخدا میں چاہتا ہوں کہ سارا عالم مجھے زندیق ملحد سمجھ کر چھوڑ دے اور میں اکیلا کسی پہاڑ میں بیٹھا ہوا اپنے محبوب میں مشغول ہوں اور یہ حال ہو۔

ولّا رائے کہ داری دل درو بند      دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند  
(جس محبوب سے دل باندھ لیا ہے تو پھر تمام جہاں سے آنکھ بند کر لو)۔

اور اس کا راز یہ ہے کہ ان حضرات پر فنا کا غلبہ ہوتا ہے پھر جو اپنے کو فنا کر چکا وہ معتقدوں کی فوج جمع کرنا کیونکر چاہے گا اس کو تو واقعی مخلوق کے اعتقاد سے پریشانی ہوگی ان کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

تو درو گم شود صال ابن ست و بس      گم شدن گم کن کمال این ست و بس  
(تم محبوب میں فنا ہو جاؤ بس یہی وصال ہے اور اس فنا ہونے کو بھی بھول جاؤ بس یہی کمال ہے)۔

## قرب امور مامور بہ میں امور اختیار کو دخل نہیں

صوفیہ کا قول ہے کہ قرب میں امور غیر اختیار یہ کو دخل نہیں یہ اشکال اس کی ایک نظیر میں کہ وہاں یہ حکم یقینی ہے مجھے برسوں رہا اور وہ نظیر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اولیاء سے مطلقاً افضل ہیں خواہ انبیاء کے اعمال اولیاء سے زیادہ ہوں یا برابر ہوں یا کم ہوں تو یقیناً وجہ افضلیت محض نبوت ہے اور ظاہر ہے کہ نبوت امر غیر اختیاری ہے یہاں بھی وہی اشکال ہے کہ امر غیر اختیاری کو زیادہ قرب میں دخل ہوا حالانکہ صوفیہ کی تصریح ہے کہ امور غیر اختیاری کو قرب میں دخل نہیں یہ اشکال کئی سال تک حل نہ ہوا اور نہ میں نے کسی سے پوچھا چاہے کوئی اس کو میرا تکبر ہی سمجھے مگر میں نے کسی کی طرف اس لئے رجوع نہیں کیا کہ مجھے حل کی امید نہ تھی اور وجہ امید نہ ہونے کی یہ تھی کہ لوگ آج کل علوم تصوف کو فضول سمجھتے ہیں گو اعمال و اشغال کا اہتمام

تو کسی قدر ہے مگر علوم سے بہت ہی بے التفاتی ہے جس درجہ میں دیگر فنون کو حاصل کرنے اور پڑھتے پڑھاتے ہیں اس طرح اس کی طرف توجہ نہیں ہے اس لئے اشکالات تصوف کی وقعت اور ان کے حل کی طرف التفات بھی کچھ زیادہ نہیں ہوتا اس لئے میں نے کسی سے رجوع نہ کیا ہاں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا رہا چنانچہ بحمد اللہ کئی سال کے بعد یہ اشکال رفع ہوا۔ حل اس کا یہ ہوا کہ قول اکابر میں ایک ذرا سی قید مخدوف ہے وہ جو یہ فرماتے ہیں کہ قرب میں امور غیر اختیاریہ کو دخل نہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ قرب مامور بہ میں ان امور کو دخل نہیں پس ان کے کلام میں مامور بہ کی قید گونڈ کو نہیں مگر مراد ہے۔ (العمرہ بذخ البقرہ ج ۲۳)

## قرب کی دو قسمیں

قرب کی دو قسمیں ہیں ایک قرب مامور بہ جس کی تفصیل کا انسان مکلف ہے اس میں تو صرف امور اختیاریہ ہی کو دخل ہے غیر اختیاری امور کو کچھ دخل نہیں ورنہ مامور بہ کا غیر اختیاری شے پر موقوف ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ نص کے خلاف ہے یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) دوسرے قرب موہوب جس کی تحصیل کا بندہ کو مکلف نہیں کیا گیا بلکہ وہ وہب حق سے حاصل ہوتا ہے اور امور غیر اختیاری ہے وغیر اختیاری میں کسی غیر اختیاری کا دخل ہونا مستبعد نہیں پس اب اشکال جاتا رہا کیونکہ نبوت سے جو قرب ہوتا ہے وہ قرب غیر مامور یعنی وہی ہے تو اس میں نبوت کو دخل ہو سکتا ہے جو کہ امر غیر اختیاری ہے۔ اسی طرح جوانی کا مجاہدہ بچپن اور بڑھاپے کے مجاہدہ سے مطلقاً افضل ہونے میں بھی کچھ اشکال نہیں بلکہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ گو جوانی کے مجاہدہ میں مشقت و عمل زیادہ بھی نہ ہو جب بھی وہ زمانہ صبا و کھولت (لڑکپن و بڑھاپا) کے مجاہدہ سے افضل ہے جیسا کہ اس مقام پر اعتبار نص کا بھی مقتضا ہے دوسرے ایک حدیث سے بھی جس میں چند شخصوں کے لئے قیامت میں ظل عرش کی بشارت وارد ہے یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس کا ایک جملہ یہ ہے۔ وَشَابُ نِشَاءٍ فِی عِبَادَةِ رَبِّہِ (اور جوان جو شروع جوانی سے اپنے پروردگار کی عبادت میں ہے) اس کے اطلاق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود شاب ہی کو فضیلت میں دخل ضرور ہے مگر یہ فضیلت موہوب اور غیر مامور بہ ہے مامور بہ اور مکتسب نہیں اس میں صرف اعمال اختیاریہ کو دخل ہوتا ہے۔ (العمرہ بذخ البقرہ ج ۲۳)

## مجاہدہ کی حقیقت

مجاہدہ کہتے ہیں نفس کی مخالفت کرنے کو یعنی اس کے اقتضاء کو روکنا مثلاً باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے تو مجاہدہ یہ ہے کہ خاموش رہو کسی وقت خاموشی کو جی چاہتا ہے اس وقت مجاہدہ یہ ہے کہ باتیں کرو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نفس کے ہر تقاضے کی مخالفت کیا کرو یہاں تک کسی وقت کھانے پینے کو جی چاہے تو بھوکے پیاسے مرنے لگو نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اقتضاء ات نفس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو یقیناً مذموم ہیں یعنی خلاف شرع ہیں ان کی مخالفت تو ضروری ہے اور بعض وہ ہیں جو یقیناً محمود ہیں جیسے فرض نماز، روزہ اور بقدر ضرورت کھانا پینا، کپڑا پہننا ان کی مخالفت ضروری کیا ہوتی بلکہ موافقت ضروری ہے اور بعض وہ ہیں جو نہ یقیناً مذموم ہیں نہ یقیناً محمود ہیں بلکہ دونوں کو محتمل ہیں جیسے مباحات بلکہ بعض دفعہ بعض مستحبات بھی ان میں شیخ محقق سے رجوع کیا جائے اگر وہ کہہ دے کہ تقاضا محمود ہے تب تو مخالفت کی ضرورت نہیں اور اگر وہ کہے کہ یہ تقاضا مذموم ہے تو اس کی مخالفت کی جائے شاید یہاں کسی ذہین کو شبہ ہو کہ تم نے مستحبات کو بھی غیر مذموم محمود کی فہرست میں شمار کر دیا حالانکہ جو چیز شرعاً مستحب ہے وہ تو یقیناً محمود ہے اس میں مذموم ہونے کا احتمال کیوں ہو سکتا ہے سو خوب سمجھ لو کہ مستحبات گوئی نفسہ محمود ہی ہیں مگر جب نفس کسی مستحب کا تقاضا کرے اس وقت وہ کسی عارض کے سبب مذموم ہو سکتا ہے کیونکہ نفس تو امارہ بالسوء ہے یہ تو ہمیشہ برائی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ (العمرہ بذب البقرہ ج ۲۳)

## نفس کی چال

جب نفس میں کسی مستحب کا تقاضا ہوگا تو اندیشہ ہے کہ اس میں نفس کی کوئی چال ہے اس چال پر نظر کر کے وہ تقاضائے مستحب مذموم ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بعض تقاضے ظاہر ہیں محمود ہوتے ہیں۔ مگر دوسرے پہلو پر نظر کر کے مذموم ہو جاتے ہیں جیسے ایک شخص حج نفل کا قصد کرے اور وہ نماز میں سست ہو تو شیخ اس کو حج سے منع کرے گا اور یوں کہے گا۔

اے قوم حج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید

(اے لوگو حج کو کہاں جاتے ہو محبوب یہاں ہے ادھر آؤ)۔

کیونکہ اس شخص کے نفس میں تقاضائے حج پیدا ہونا یہ نفس کی چال ہے وہ چاہتا ہے کہ

میں کئی حج کر کے لوگوں کی نظروں میں معزز ہو جاؤں گا یا سیر و سیاحت میں جی بہلاؤں گا اس لئے شیخ اس کو حج سے منع کرتا ہے کہ تمہارے لئے میرے ہی پاس رہنا مفید ہے حج مفید نہیں کیونکہ تمہاری نیت خالص نہیں پھر نماز میں سُست ہو ایک نفل کے لئے نہ معلوم کتنے فرض برباد کرو گے لوگ مشائخ کے ایسے احکام سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ حج سے روک دیا میں کہتا ہوں غلط ہے وہ حج سے نہیں روکتے بلکہ معاصی سے روکتے ہیں اس شخص کے حق میں فقیہ کے فتوے سے حج ناجائز ہے صوفی بھی فقیہ ہوتا ہے۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

## تقاضائے نفس کی تین اقسام

الغرض نفس کے تقاضے تین قسم پر ہیں ایک محمودہ ان کی مخالفت کسی حال میں بھی ضروری کیا جائز بھی نہیں بشرطیکہ شیخ محقق کہہ دے کہ تقاضا محمود ہے۔ دوسرے تقاضائے مذموم اس کے ترک کی ضرورت ہے تیسرے وہ جو ظاہر میں نہ مذموم ہیں نہ محمود ہیں یعنی مباحات بشرطیکہ ان میں انہماک نہ ہو۔ ورنہ پھر وہ بھی مذموم ہیں ان میں اکثر تو نفس کی مخالفت چاہیے گا ہے موافقت کا مضائقہ نہیں پس خلاصہ مجاہدہ کا یہ ہوا کہ مباحات میں نفس کی مخالفت کی جائے اور محرمات میں اس کی مخالفت اس طرح کہ ترک کیا جائے اور مجاہدہ کا یہ درجہ تو سب کے نزدیک واجب ہے اس طرح کہ ان کی تقیل اور اس کی ضرورت ہر مسلمان کے نزدیک مسلم ہے بلکہ اصل حالت کے اعتبار سے تو اس کو مجاہدہ میں داخل کرنا بھی ٹھیک نہیں بھلا زہر سے بچنا بھی کچھ مجاہدہ ہے مجاہدہ تو اسے کہتے ہیں جس میں نفس پر مشقت و گرائی ہو اور ظاہر ہے کہ اصل مشقت فطرت میں انہی کاموں کے ترک میں ہوتی ہے جن کی فی الجملہ اجازت ہے اور جن کا حرام ہونا معلوم ہے ان کے ترک میں مجاہدہ ہی کیا ہوتا مگر چونکہ قریب قریب ہر شخص محرمات میں بھی مبتلا ہے اس لئے ترک محرمات بھی مجاہدہ ہوگا۔ ورنہ اصل فطرت کے اعتبار سے تو اصل مجاہدہ یہی ہے کہ مباحات میں بھی نفس کی مخالفت کی جائے کہیں انہماک میں کہیں نفس فعل میں بھی کیونکہ بعض موقع میں جب نفس کی مباحات سے روکا جائے گا اس وقت وہ محرمات سے بچ سکے گا کیونکہ مباحات کی سرحد محرمات سے ملی ہوئی ہے اور قاعدہ ہے کہ جس جنگل میں شیر رہتا ہو اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس کی سرحد کے بھی پاس نہ



جاؤ اگر کوئی شخص اس جنگل کی حدود میں رہ کر شیر سے بچنا چاہے یہ اس کی حماقت ہے ممکن ہے کبھی غلطی سے حد کے اندر داخل ہو جائے اور شیر کا سامنا ہو جائے۔

اس لئے سالکین کو مباحات میں انہماک سے بہت ہی احتراز چاہئے اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ بیوی بچوں کو چھوڑنا اور گھر کو تالا لگانا یہ مجاہدہ نہیں ہے۔ کیونکہ بیوی بچوں کی خبر گیری شرعاً فرض ہے اور مجاہدہ ترک فرائض کا نام نہیں بلکہ ترک محرمات اور کہیں ترک مباحات کا نام ہے اگر کسی شخص کو بیوی سے محبت ہو جائے تو اس کے ازالہ کا حکم نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ محبت خلاف شرع نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی) مجاہدہ کی حقیقت تو معلوم ہو گئی اب کبھی سمجھ لیجئے کہ مجاہدہ کا اثر کیا ہوگا کیونکہ اس میں بھی بہت لوگ غلطی کرتے ہیں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مجاہدہ سے نفس کے رذائل اور تقاضائے معصیت بالکل زائل ہو جاتے ہیں سو خوب سمجھ لو یہ خیال غلط ہے مجاہدہ کا یہ اثر نہیں ہے بلکہ مجاہدہ کا اثر یہ ہے کہ اس سے تقاضائے معصیت مضاعف اور کمزور ہو جاتا ہے۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

## اطاعت کا سہل طریق اہل اللہ کی صحبت ہے

مختصراً اس کا طریقہ بھی جو کہ بہت سہل ہے عرض کئے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ اہل محبت کے پاس جا کر بیٹھا کریں۔ میں آپ کو یہ نہیں کہتا کہ تم تہجد پڑھو نفلیں پڑھو ذکر مشغل کرو بلکہ صرف یہ نیت استفادہ ایک وقت مقرر کر کے التزام سے اہل اللہ کی خدمت میں جا بیٹھا کرو ان شاء اللہ سب کام اس سے بن جائیں گے۔ (اطاعت الاحکام ج ۲۳)

## حضرت فرید الدین عطار کا اپنے مرید کے عشق مجازی کا علاج

حضرت فرید عطار کے ایک مرید تھے۔ حضرت کے گھر ایک باندی تھی۔ یہ مرید صاحب اس پر فریفتہ ہو گئے۔ حضرت کو اطلاع ہوئی۔ زبان سے کچھ نہیں فرمایا اس باندی کو دستوں کی دوا کھلا دی اور اس کو دست آنے شروع ہوئے اور حکم دیا کہ ان دستوں کو ایک جگہ

جمع رکھو اور اس باندی کی حالت یہ ہوئی کہ اس کے چہرے کا رنگ ارغوانی بالکل پیلا ہو گیا اور چہرے پر بے روتی ہو گئی۔ اس کے بعد اس باندی کے ہاتھ اس مرید کے پاس کھانا بھیجا اور چھپ کر دیکھا کہ اس کو دیکھتا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ اس طرف رخ بھی نہیں کرتا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم کو تمہارے تعلق کی اطلاع ہے۔ اب اس کو کیوں نہیں دیکھتے۔ یہ تو وہی ہے، اب ہم بتلاتے ہیں کہ اس میں کون سی شے کم ہوئی ہے اور حکم دیا کہ وہ کوٹھالاؤ جس میں دست جمع ہیں۔ وہ کوٹھا آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارا محبوب یہ ہے۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

## حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کا غیبت کر نیوالے پر عتاب

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے عرض کیا کہ آپ کا فلاں مرید شراب خانہ میں مست پڑا ہے۔ حضرت کو غیبت کرنا اس کا برا معلوم ہوا اور اس کو سزا دینا چاہا، زبان سے تو کچھ نہ فرمایا، فرمایا کہ جاؤ اس کو کندھے پر اٹھا لاؤ۔ یہ بہت چکرائے اور پچھتائے لیکن کرتے کیا پیر کا حکم تھا۔ شراب خانے میں گئے اور اس کو کندھے پر لا رہے تھے اور لوگ کہتے تھے کہ بھائی ان صوفیوں کا بھی کچھ اعتبار نہیں، دیکھو دونوں نے شراب پی ہے۔ ایک کو تو نشہ ہو گیا اور دوسرے کو اب ہوگا۔ دونوں اپنا عیب چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

## استقامت کا مقام

صوفیہ فرماتے ہیں الاستقامۃ فوق الکرامۃ کہ احوال کا مستقیم ہو جانا کرامت حسی سے بڑھ کر ہے اور استقامت حاصل ہوتی ہے نفس کی مخالفت سے جب بار بار نفس کو اتباع شریعت پر مجبور کیا جائے گا تو استقامت عطا ہو جائے گی۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## توجہ کی قسمیں

توجہ کی دو قسمیں ہیں ایک توجہ اختیاری، وہ تو ہمت اور تصرف کا نام ہے کہ شیخ مرید کے قلب کی طرف متوجہ ہو کر اس میں کوئی تصرف کر دے۔ اس کا اثر دیر پا نہیں ہوتا، فوری اثر ہوتا ہے اس وقت تو قلب میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کچھ دیر کے بعد زائل ہو جاتی ہے۔ دوسری توجہ غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ تم شیخ کی اطاعت کرو اس کو راضی رکھو اس سے خود

بخود شیخ کے دل میں تمہاری محبت پیدا ہو جائے گی۔ بڑا فائدہ اس سے ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں تمہارا خیال شیخ کے دل میں رہے گا اور حق کی نظر شیخ کی طرف رہتی ہے تو جب تم اس کے دل میں بیٹھے رہو گے تو تم کو بھی اس نظر حق سے حصہ عطا ہو جائے گا۔ پھر وہ نظر تمہارا کام بنادے گی۔ پس یہ توجہ اس قابل ہے کہ اس کے لئے کوشش کی جائے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## دوستی کے بارے میں ضرورت احتیاط

یہی راز ہے اس حدیث کا المرء علی دین خلیلہ فلینظر من یخللہ (سنن الترمذی: ۲۳۷۸) یعنی آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو چاہئے کہ ہر شخص غور کر لیا کرے کہ میں کسی سے دوستی کر رہا ہوں، اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوست کا اثر دوست کے دین پر ضرور پڑتا ہے اور یہ بات واقعات سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ کفار میں بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں جو اسلام کو حق جانتے ہیں لیکن اپنے ملنے والوں اور دوستوں کے شرم و لحاظ سے مسلمان نہیں ہوتے۔ دیکھئے ان کی دوستی نے ان کو دین سے باز رکھا تو یہ سچ ہوا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، ایسے واقعات بہت ہیں اور بہت جگہ ایسا ہوا ہے کہ ایک مسلمان کسی بد دین کے پاس اٹھتا بیٹھتا رہا اور اس پر یہ اثر ہو گیا کہ نعوذ باللہ مرتد ہو گیا۔ غرض یہ بالکل سچا مضمون ہے صحبت کے بارے میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے۔ آدمی کبھی یہ نہ سمجھے کہ میرے اوپر کیا اثر ہو سکتا ہے، ضرور اثر ہوتا ہے اور اس طرح سے ہوتا ہے کہ خبر بھی نہیں ہوتی۔ (السوق لاهل الشوق ج ۲۳)

## امراء کی صحبت کی خاصیت

یہ بات اہل علم کو خصوصاً خوب یاد رکھنی چاہئے۔ بعض وقت امراء اہل علم کو اس طرح بلاتے ہیں کہ علماء کو تابع بنانا نہیں چاہتے بلکہ متبوع بنا کر بلاتے ہیں مثلاً وعظ کہنے کے لئے بلاتے ہیں یا دعوت کرتے ہیں اور ادب و اکرام کے ساتھ بلاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں آدمی تابع نہیں بنتا اور ظاہراً کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا لیکن میں اہل علم کو مشورہ دیتا ہوں کہ اس معیار کو پیش نظر رکھیں اور خوب غور سے کام لیں کہ وہاں جا کر ہمیں کسی بات میں دہنا تو نہ پڑے گا اور کسی بات میں ہاں میں ہاں تو ملنا نہ پڑے گی اور کسی بات میں مدہنت اور سکوت عن الحق تو کرنا نہ پڑے گا، اگر ذرا

بھی اس بات کا اندیشہ ہو خواہ اس امیر کے جبروت اور سطوت کی وجہ سے یا اپنے ضعیف قلب کی وجہ سے تو ہرگز نہ جائیں اور اگر باطل اطمینان ہو کہ اس میں کوئی بات پیش نہ آئے گی تو مضائقہ نہیں مگر اس کے ساتھ اتنا میں پھر بھی کہہ دیتا ہوں کہ گو ہر طرح کا اطمینان ہو لیکن پھر بھی امیر کی صحبت ان مفاسد سے خالی نہیں ہوتی۔ (الامام شاء اللہ، (السوق لاصل الشوق ج ۳۳)

## صحبت اہل اللہ کی قوت جاذبہ

جب تم اہل اللہ کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھا لو گے تو ان کو تم سے محبت ہو جائے گی تو ان سے دو طرح اصلاح ہوگی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرماویں گے اور اکثر یہ کہ ان کی دعا باذن حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت ہی آ گیا۔ دوسری وجہ بڑی خفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی جو کام چار دن میں ہو ایک دن میں ہوگا اور بہت جلد اصلاح ہو جائے گی۔

نفس نتواں کشت الا ظل پیر

(نفس اس وقت تک فنا نہیں ہوتا جب تک پیر کا دامن نہ پکڑ لے)

مولانا نے حصر کر دیا ہے اصلاح کو صحبت شیخ میں اور بالکل سچی اور واقعی بات ہے کہ اصلاح بدون کسی کو بڑا بنائے ہوئے نہیں ہو سکتی، بہت سے پڑھے لکھے اور دیندار لوگ بھی اس بات میں غلطی پر ہیں۔ یوں سمجھتے ہیں کہ بس کتابوں کا پڑھ لینا اور مطالعہ میں رکھنا اصلاح کے لئے کافی ہے۔ یاد رکھو کہ اور کتابیں تو کیا وہ کتابیں بھی جو اسی فن اصلاح اخلاق کی ہیں جیسے احیاء العلوم وغیرہ ان سے بھی اصلاح نہیں ہوگی جب تک کسی کے ماتحت نہیں بنو گے اور جب تک کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہوگا اور جب تک کوئی یہ کہنے والا نہ ہوگا کہ تم بڑے نالائق ہو یہ حرکت کیوں کی۔ یاد رکھو محض ایک بات کی برائی معلوم ہو جانے سے وہ بات چھوٹ نہیں جاتی۔ دیکھو شرابی شراب پیتا ہے حالانکہ جانتا ہے شراب بری چیز ہے مگر اس جاننے سے شراب چھوٹی نہیں۔ ہاں اس سے چھوٹی ہے کہ کوئی اس سے بڑا اس پر مسلط ہو اور جب یہ شراب پئے تو تھوڑی گوشمالی کر دیا کرے اس میں اثر ہے اور اس میں نہیں دیکھئے شراب جس کو پینے والا خود بھی برا جانتا ہے بدون کسی بڑے کے دباؤ



کے نہیں چھوٹی تو وہ برائیاں جن کی برائی خود فاعل کو بھی معلوم نہیں ہے وہ بغیر دوسرے کی روک ٹوک کے کیسے چھوٹ سکتی ہیں اور وہ صفحات جن کا اختیار کرنا نفس پر بہت شاق ہے نفس ان کا خوگر بدون دباؤ کے کیسے ہو سکتا ہے جیسے تو واضح جس کا ذکر ہو رہا تھا کیونکہ تواضع کے معنی چھوٹا بننے کے ہیں۔ آدمی چھوٹا بننا کبھی گوارا نہیں کرتا تو جب تک کوئی بڑا اس پر مسلط نہ ہو یعنی معنی ہیں ماتحت ہونے کے اس وقت تک تواضع پیدا نہیں ہو سکتی۔ غرض نرے علم سے اصلاح نہیں ہو سکتی۔ بار بار نگرانی کرنے اور عادت ڈالنے سے ہوتی ہے اور عادت بدون دوسرے کو بڑا بنائے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ (السوق لاهل الشوق ج ۲۴)

## ابو جہل بڑا معبر تھا:

ابو جہل بڑا صاحب فراست تھا اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ معبر بھی بہت بڑا تھا اور اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر خواص لازمہ بزرگی سے نہیں، ورنہ پھر ابو جہل کو بھی بزرگ مانو، بلکہ اس کا مدار عقل و فراست پر ہے۔ اگر کافر صاحب فراست ہو تو وہ بھی اچھی تعبیر دے سکتا ہے۔ مگر آج تعویذ گندوں کی طرح تعبیر کو بھی لوازم بزرگی سے سمجھ لیا ہے۔ (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

## راحت باطنی کی تحصیل کا طریق:

اس کی تحصیل کے لئے دو طریقے ہیں: یا تو اول طاعات میں مشغول ہو اس سے محبت پیدا ہو جائے گی یا اول محبت حاصل کرے اس سے معاصی چھوٹ کر طاعات کی توفیق ہو جائے گی یہ بات حق تعالیٰ ہی کے دربار میں ہے کہ چاہے کہ پہلے بی اے پاس بھی ہوتا رہے گا سلاطین کے یہاں تو یہ قاعدہ ہے کہ پہلے امتحان پاس کرو پھر ملازمت ملے گی اور جو شخص پہلے ملازمت لینا چاہے تو اول تو ایسے جاہل کو جس نے کوئی امتحان پاس نہ کیا ہو ملازمت ہی نہیں ملتی اور جو محنت و مزدوری کی قسم سے کچھ ملتی بھی ہو تو اس کے ساتھ تکمیل علم نہیں ہو سکتی ایسا دربار کہاں ہے کہ چاہے اول علم و عمل حاصل کر لو تب ملازمت مل جاتی ہے یا پہلے ملازمت کر لو تو تعلیم بھی کامل ہو جاتی ہے واقعی عجیب دربار ہے اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں تعلمنا العلم لغیر اللہ فابی ان یکون الا اللہ کہ ہم نے علم دین پڑھا تو تھا غیر خدا کے لئے (مگر علم غیر اللہ سے مانع ہو کر اللہ ہی کے لئے ہوا) مثلاً منصب وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کیونکہ پہلے تو علماء بڑے

بڑے منصب والے تھے قاضی، مفتی، منصف، صدر اعلیٰ اور وزیر اور متولی اوقاف وغیرہ) ان عہدوں پر یہی ہوتے تھے اور اسی کا یہ اثر ہے کہ اب بھی وکیل صاحب اور ڈپٹی کلکٹر صاحب مولوی کہلاتے ہیں کیونکہ اس منصب پر قدیم زمانہ میں علماء ہی ہوتے تھے اب ذات کی نوعیت تو تبدیل ہو گئی مگر عہدہ کے لئے مولوی صاحب کا لقب باقی رہ گیا کانپور میں ایک وکیل صاحب کے یہاں ناچ تھا تو لوگ بازار میں ایک دوسرے سے یوں کہتے تھے کہ میاں چلوں آج فلاں مولوی صاحب کے یہاں ناچ ہے کیونکہ وہ وکیل صاحب مولوی مشہور تھے مگر بس ایسے ہی مولوی تھے (یعنی خدائی مولوی نہ تھے سرکاری مولوی تھے) اور غدر سے پہلے تو عموماً انگریزی حکومت کے بھی بڑے بڑے عہدوں پر علماء ہی مقرر ہوا کرتے تھے مگر اب کچھ دنوں سے جبکہ انگریزی دانی کی شرط لگ گئی علماء ان سے علیحدہ ہو گئے۔ (خیر الحیات والہیات ج ۲۴)

## حرکت میں برکت:

ہمارے حاجی صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے میں بیعت کے متعلق اختلاف تھا۔ حافظ صاحب کی رائے یہ تھی کہ طالب طریق کو اصلاح اخلاق کا طریقہ اول بتلا دیا جاوے، جب اخلاق درست ہو جائیں تب داخل سلسلہ کیا جائے اور حاجی صاحب کی رائے یہ تھی کہ اول سلسلہ میں داخل کر لیتے پھر اصلاح فرماتے پھر اصلاح یا توشیح کی برکت سے ہو جائے یا کسی حرکت سے ہو جائے یعنی وہ حرکت یا مرید کی طرف سے ہو یا شیخ کو اجازت دو کہ وہ حرکت کر کے تمہاری مرمت کیا کرے تو صاحب حاجی صاحب میں تو برکت بہت زیادہ تھی اس لئے وہاں داخل سلسلہ کرتے ہی مرید کی اصلاح ہو جاتی تھی اور ہم لوگوں میں یہ برکت کہاں، یہاں تو حرکت سے کام چلے گا۔ (خیر الحیات والہیات ج ۲۴)

## سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت:

حضرت حاجی صاحب کی تو برکت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک رند صاحب مجھ سے خود اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ وہ حضرت کی خدمت میں بیعت ہونے آئے اور بیعت کے وقت کہنے لگے حضرت میں اس شرط سے بیعت ہوتا ہوں کہ ناچ دیکھنا نہ چھوڑوں گا اور نماز نہیں پڑھوں گا حضرت نے یہ شرط منظور فرمائی اور فرمایا بھائی! ایک شرط ہماری بھی ہے وہ یہ کہ ہم

کچھ مختصر سا ذکر بتلاویں گے تھوڑی دیر کا ہے تم روزانہ بلا ناغہ اسے کر لیا کرنا۔ اس نے یہ شرط منظور کر لی اور حضرت نے بیعت فرما لیا یہاں اہل ظاہر کو شبہ ہوگا کہ حضرت نے اس شخص کو ناجائز دیکھنے اور نماز نہ پڑھنے کی اجازت دے دی۔ یہ غلط ہے بلکہ یہ محض ظاہر میں اجازت تھی اور باطن اس کو اچھی طرح جکڑ دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ اس واقعہ کی نظیر ہے جو حدیث میں آتا ہے کہ وفد بنی ثقیف نے اسلام لانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط کی تھی کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے اور جہاد نہ کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو منظور فرما لیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اشکال پیش آیا اور انہوں نے آپ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ان کو اسلام تو لانے دو۔ اسلام کے بعد وہ سب کچھ کریں گے۔ چنانچہ واقعی اسلام لانے کے بعد ان لوگوں نے سب کچھ کیا۔ اسی طرح حاجی صاحب کو حق تعالیٰ کے بھروسہ پر یہ اعتماد تھا کہ خدا تعالیٰ کا نام لینا جب یہ شروع کرے گا تو نماز بھی پڑھے گا اور ناجائز بھی چھوڑ دے گا۔ چنانچہ حضرت کا خیال درست ہوا۔ حضرت کی برکت دعاء و توجہ کا اس طرح حق تعالیٰ نے ظہور فرمایا کہ جب بیعت ہونے کے بعد پہلی ہی نماز کا وقت آیا تو اس شخص کے بدن میں خارج پیدا ہوئی، گویا ایک غیبی سپاہی مسلط ہو گیا، خارش اس قدر بڑھی کہ ذرا سی دیر میں بے چین کر دیا اور جو جود بیریں کرتے ہیں زیادتی ہی ہوتی چلی جاتی ہے، پھر خیال آیا کہ لاؤ ذرا ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھولیں شاید اس سے کچھ گرمی کو سکون ہو ہاتھ پاؤں پر پانی ڈال کر یہ خیال ہوا کہ لاؤ وضو ہی کر لیں۔ وضو کا پورا ہونا تھا کہ آدھی خارش کم ہو گئی پھر خیال ہوا کہ لاؤ نماز بھی پڑھ لیں کوئی نماز پڑھنے سے قسم تو کھائی نہیں ہاں پیر سے یہ شرط کر لی ہے کہ نماز کی پابندی نہ کرنے پر مجھ کو ٹوکا نہ جائے چنانچہ نماز کو کھڑے ہو گئے۔ نماز کا شروع کرنا تھا کہ خارش کو بالکل سکون ہو گیا ایک وقت تو اس کو اتفاقی امر سمجھا گیا مگر جب دوسرے اور تیسرے وقت بھی یہی کیفیت ہوئی کہ نماز سے بالکل سکون ہو جاتا تو وہ شخص سمجھ گیا کہ یہ پیر کی کرامت ہے مجھ سے تو کہہ دیا کہ شرط منظور ہے اور اندر ہی اندر ایک سپاہی مسلط کر دیا پھر وہ نماز کے پابند ہو گئے پھر یہ خیال ہوا کہ پانچ وقت دربار الہی میں حاضری دے کر پھر ناجائز کیا دیکھیں سو ناجائز سے بھی ان کو نفرت ہو گئی تو حضرت کی تو ایسی برکت تھی کہ دوسرا کچھ کرنا بھی نہ چاہے جب بھی وہ دوسرے طریقہ سے کام لے لیا کرتے تھے لیکن اب ایسی برکت کہاں۔ اب تو اس کی ضرورت

ہے کہ طالب خود بھی کچھ کرے اور جو طریقہ بتلایا جائے اس پر عمل کرے خواہ کامل مجاہدہ نہ کرے اس سے تو ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں محبت پیدا ہو جائے گی۔ (خیر الحیات والہمات ج ۲۳)

## محبت قائد ہے

میرے شیخ کا یہی طرز تھا کہ وہ اول طالب کے اندر محبت پیدا کرتے تھے پھر اعمال وغیرہ اصلاح کرتے تھے یہی طرز مجھے بھی پسند ہے تو محبت قائد ہے اس سے انسان خود بخود بہت جلد حق تعالیٰ تک کھنچا چلا جاتا ہے اور خوف سائق ہے، وہ پیچھے سے ہانکتا ہے کہ گوجی نہ چاہے مگر زبردستی چلنا پڑتا ہے۔ (خیر الحیات والہمات ج ۲۳)

## دودن میں حصول محبت الہی کا طریق:

خدا تعالیٰ کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ آپ میرے بتلائے ہو طریقہ پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ دو ہی دن میں خدا تعالیٰ کے عاشق تو ضرور ہو جائیں گے پھر طاعات اور ترک معاصی کا کام آپ خود کریں گے میں تو اس وقت جڑ لگاتا ہوں پھول اس پر خود بخود پیدا ہو جائیں گے اور وہ جڑ محبت ہے اس کو حاصل کر لو پھر طاعات خود بخود ہونے لگیں گی اور اس وقت آپ کو طاعات سے وحشت نہ ہوگی بلکہ ان کا خود شوق ہوگا اور ایسی لذت آئے گی کہ بعض دفعہ اس لذت کے آثار سے استغفار کرنا پڑے گا شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ کیسے ہوگا کہ لذت طاعات سے استغفار کرنا پڑے گا تو بات یہ ہے کہ بعض دفعہ طاعات میں لذت آ کر عجب ہونے لگتا ہے اور دوسروں کی جو طاعات سے محروم ہیں تحقیر قلب میں آنے لگتی ہے اس سے اہل اللہ استغفار کرتے ہیں گو اس پر یہ آثار مرتب بھی نہ ہوں کیونکہ لذت طاعات بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالغیر ہے۔ (خیر الحیات والہمات ج ۲۳)

## حضرت غوث اعظم کی ایک حکایت:

اور سنیے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے جو غالباً شیخ عبدالحق دہلوی نے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ ایک بار آپ رات کو اٹھے اور خانقاہ کے دروازہ کی طرف چلے۔ خادم نے دیکھا کہ حضرت خانقاہ کے دروازہ کی طرف جا رہے ہیں تو وہ بھی ساتھ



ساتھ ہولیا، مگر اس طرح کہ حضرت کو خبر نہ ہو۔ یہ ادب ہے مشائخ کا کہ ان کے خاص اوقات میں مثلاً تہجد کے وقت ان کے پاس جا کر نہ بیٹھے نہ سامنے جا کر کھڑا ہو، بلکہ دور رہ کر دیکھتا رہے۔ اگر ان کو کسی کام کی ضرورت قرینہ سے معلوم ہو تو وہ کام کر دے ورنہ الگ رہے اور ان کے اوقات میں خلل نہ ڈالے، کیونکہ بزرگوں کو تہجد یا خلوت کے وقت کسی کا پاس ہونا گوارا نہیں ہوتا اور مجھے بھی گو میں کچھ نہیں ہوں صبح کی نماز کے بعد باتیں کرنے والے پر غصہ آتا ہے کہ یہ کیسا بے قدر ہے کہ ایسے نورانی وقت کو ضائع کرتا ہے۔ صبح کی نماز کے بعد سے طلوع شمس تک یہ وقت ذکر اللہ کے لئے عجیب ہے، اس کو ضائع نہ کرنا چاہئے۔ غرض حضرت غوث اعظم خانقاہ سے باہر تشریف لے چلے اور خادم ساتھ ساتھ رہا اور اس کی کوشش کرتا رہا کہ حضرت کو اطلاع نہ ہو، یہاں تک کہ دروازہ شہر پناہ پر پہنچے جو مقفل تھا مگر حضرت کی برکت سے قفل کھل گیا اور دونوں صاحب یکے بعد دیگرے شہر سے باہر نکلے۔ تھوڑی دیر میں ایک نیا شہر نظر پڑا۔ خادم کو بڑی حیرت ہوئی کہ بغداد کے متصل تو کوئی بھی شہر نہیں۔ یہ شہر کہاں سے آ گیا مگر وہ اصل میں متصل نہ تھا، بہت دور تھا۔ حق تعالیٰ نے غوث اعظم کی کرامت کے لئے زمین کی طنائیں کھینچ دیں، اس سے قریب ہو گیا، چنانچہ دونوں صاحب ایک مکان میں پہنچے جہاں اولیاء اللہ کا ایک مجمع تھا اور اس مکان کے ایک سمت میں ایک درجہ تھا جہاں سے کسی بیمار کے کراہنے کی آواز آ رہی تھی، پھر وہ آواز منقطع ہو گئی اور پانی کے گرانے کی آواز آنے لگی۔ تھوڑی دیر میں وہاں سے ایک جنازہ برآمد ہوا اور چند آدمی ساتھ تھے جن میں ایک بوڑھے بزرگ گویا اس مجمع کے سردار معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کہا جنازہ تیار ہے۔ سب حضرات نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ حضرت غوث اعظم امام بنے۔ نماز کے بعد جنازہ کو لے گئے اور جو پہلے سے حضرت کے پاس جمع تھے وہ بدستور حاضر رہے اور انہوں نے حضرت غوث اعظم سے کچھ عرض کیا اور تھوڑی دیر میں ایک شخص عیسائی حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو زنا توڑ کر الگ کیا اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی اس کو تلقین کی۔ مسلمان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ شخص اس کے قائم مقام ہے، اس کے بعد آپ وہاں سے رخصت ہوئے اور تھوڑی دیر میں بغداد میں داخل ہو گئے۔ خادم بھی الگ الگ ساتھ رہا۔ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو اس وقت کسی کتاب کا درس ہوا کرتا تھا۔

آپ نے خادم سے فرمایا کہ آؤ سبق پڑھ لو۔ وہ کتاب لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت! رات کے واقعہ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لئے طبیعت کو بہت تشویش ہے، پڑھنے کو بھی دل حاضر نہیں۔ پہلے اس کی حقیقت بتلا دیجئے، تب کچھ پڑھوں گا۔ فرمایا کیا تم رات ہمارے ساتھ تھے؟ کہاں ہاں۔ فرمایا یہ مجمع ابدال کا تھا اور وہ شہر موصل تھا۔ ان میں سے ایک شخص قریب مرگ تھے۔ حق تعالیٰ نے مجھے مطلع فرمایا۔ میں گیا، وہ جنازہ ان ہی بزرگ کا تھا، ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ بوڑھا حضرت خضر تھے جو ان کے جنازہ کے مامور تھے اور چونکہ ابدال کا محکمہ میرے تحت میں ہے اس لئے مجھ سے پوچھا گیا کہ اس کے قائم مقام اب کون ہوگا۔ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی۔ وہاں سے الہام ہوا کہ قسطنطنیہ کے فلاں عیسائی کو ان کی جگہ دے دی جائے۔ چنانچہ وہ خرق عادت کے طور پر حاضر ہوا۔ میں نے اس کو مسلمان کیا اور مسلمان ہوتے ہی وہ مقام ابدال پر پہنچ گیا۔ نہ معلوم حق تعالیٰ شانہ کو اس شخص کا کونسا عمل پسند آ گیا ہوگا جو اس کو اسلام کی توفیق دی اور بہت جلد اس مقام عالی پر پہنچ گیا۔ (خیر الحیات والہمات ج ۲۴)

## اہل اللہ کا فیض عام

بعض اہل اللہ سب مسلمانوں کے واسطے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا سے بہت لوگ کامیاب ہو جاتے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کس کی دعا سے کامیاب ہوئے۔ اس کا امتحان یہ ہے کہ بعض اہل اللہ کے مرنے پر غیر مریدوں کو بھی اپنے قلب میں تغیر معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ وہ منکر و معاند نہ ہوں، کیونکہ اب تک اس شخص کی غائبانہ دعا و توجہ سے فیض ہو رہا تھا جو اس کی موت سے بند ہو گئی۔ اس لئے مریدین کے علاوہ دوسروں کو بھی اپنی حالت میں وہ تغیر محسوس ہوتا ہے جس کے باب میں حدیث شریف میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارشاد وارد ہے: ما نقصنا الا یدی عن دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی انکرنا قلوبنا (نہیں جھاڑا ہم نے ہاتھوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے اور ہم نے اپنے دلوں سے انکار کیا) وہاں تو وجہ ظاہر تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب مسلمانوں سے تعلق تھا مگر آپ کے خلفاء میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں جس کا احساس ان کے مرنے پر سب کو ہوتا ہے۔ (خیر الحیات والہمات ج ۲۴)

## شیطان سے بچنے کی صورت

بس شیطان سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ اس سے دشمنی رکھے اور اس سے نہ ڈرے (اسی سلسلہ میں ابن عطا سکندری کا نقل کیا ہوا ایک واقعہ ذکر فرمایا) کوئی بزرگ ایک پاڑی میں رہتے تھے۔ ایک شخص ان کی زیارت کو گیا۔ اس نے غار کے باہر سے سنا کہ انہوں نے اعوذ پڑھی اور پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد فرمانے لگے کہ اے شیطان تو خوش ہوا ہوگا اور یہ سمجھتا ہوگا کہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور تجھ سے ڈر کر ایسی بڑی ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں، ہرگز نہیں۔ تو میرا کیا کر سکتا ہے اور تو ہے ہی کیا۔ میں نے اعوذ صرف اس واسطے پڑھی ہے کہ میرے مالک کا حکم ہے۔ (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

### وساوس کا علاج:

فرمایا وساوس کا علاج یہی ہے کہ شیطان کو کہہ دے کہ جا تو جو چاہے کر۔ جب وسوسہ میں گناہ نہیں تو میں ان کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

آں خدا ونداں کہ رہ طے کردہ اند  
گوش بابا نگ سگاں کے کردہ اند  
(وہ لوگ جو راستہ طے کر رہے ہیں کتوں کی آواز پر کان نہیں لگاتے) (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

### نفس کو عمل پر آمادہ کرنے کا ایک حیلہ:

صوفیہ نے ایک مراقبہ ایجاد کیا اور وہ درحقیقت سنت مذکورہ سے ثابت ہے جیسے احکام اجتہادیہ کے استنباط کی نسبت مجتہدین کی طرف کی جاتی ہے مگر واقع میں وہ نصوص ہی کے مدلول ہیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ القیاس مظہر لا مثبت وہ مراقبہ یہ ہے کہ صوفیہ نے نفس سے کام لینے کے لئے ایک حیلہ تجویز کیا ہے کہ نفس سے اولاً ہی یہ نہ کہو کہ دو گھنٹہ کام کرنا ہوگا بلکہ اول سے یہ کہو کہ پاؤ گھنٹہ ذکر کر لے جب پاؤ گھنٹہ ہو گیا پھر کہو کہ پاؤ گھنٹہ اور کر لے۔ اسی طرح جتنا وقت درکار ہوتا ہے اتنے وقت تک نفس کو کام میں لگا لیتے ہیں اور نفس پر گران نہیں ہوتا اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک آدمی کے سامنے پچاس روٹیاں رکھ دی جائیں تو وہ دو چار سے زیادہ نہ کھا سکے گا اور اگر آدمی آدمی روٹی لائی جائے تو وہ سیروں آٹا کھا جائے گا۔ تجربہ کر لیا جائے اسی طرح ذکر میں بھی سارا وقت نفس کے سامنے ایک دم سے پیش نہ کرو بلکہ پاؤ پاؤ



گھنٹہ پیش کرتے رہو اس طرح وہ گھنٹوں میں بھی نہ تھکے گا۔ اسی طرح سفر میں جاؤ تو نفس سے کہو کہ اس گاؤں تک ذکر کر لے جب وہاں پہنچے تو پھر کہو کہ اس اگلے گاؤں تک اور کر لے، اسی طرح سارا سفر ختم کر دیا ویسے تو نفس کام نہ کرتا اگر تم یہ کہتے کہ سارے سفر میں ذکر کرنا ہوگا مگر اس حیلہ سے کام کر لیا اور کچھ بار بھی نہ ہوا، سب اجزاء کو ملا کر دیکھا جائے تو گھنٹے تو بہت سے ہو گئے مگر نفس آمادہ اس واسطے ہو گیا کہ تم نے ہر جزو میں اس کو تھوڑا کام دیا اور جزو کو اس نے کام کا اخیر سمجھا تو اگر نماز بموجب تعلیم حدیث کے پڑھو گے تو نماز کامل بھی ہوگی اور نفس پر بار بھی نہ ہوگا معلوم ہوا کہ ہر جزو کو اخیر سمجھنا موجب سہولت بھی ہے۔ یہی اصل ہے اس مراقبہ کی اور یہ فصل صلوٰۃ مودع (رخصت ہونے والی کی نماز) سے ثابت ہو گیا۔ (دواء العیوب ج ۲۳)

## افعال کی دو قسمیں:

اپنے تمام افعال میں غور کرے کہ کون سے اچھے ہیں اور کون سے برے، پھر ان بروں کی فہرست بنائے تو یہ افعال دو ہی قسم کے نکلیں گے ایک وہ ہوں گے جن کے چھوڑنے میں تکلیف ہے اور دوسرے وہ جن کے چھوڑنے میں تکلیف نہیں۔ سو اس دوسری قسم کو ایک دم الگ کرے کیونکہ ان کے واسطے کسی قسم کا عذر ہی نہیں اور یہ بھی نہیں ہو سکتا تو پھر کوئی دوسرا تو منہ میں لقمہ دینے کے لئے آنے سے رہا۔ آخر مکلف ہونا کیا معنی مثلاً میں کہتا ہوں کہ غیبت اور شیخی کے چھوڑنے میں کون سی تکلیف ہے مگر یہ بھی نہیں چھوڑا جاتا یا مخصوص یہ شیخی کا مرض عورتوں میں تو بہت ہی ہے اور یہ عجیب فرقہ ہے جہاں مصالح کے سبب ضرورت ہے شیخی کی (یعنی شیخی کی صورت کی) وہاں تو بے حس پنجابی ہیں ایک بی بی تھیں جو خود پاکتی پر بیٹھی رہتیں اور ماما سرھانے بیٹھی رہتی حالانکہ عام طور پر نوکروں کے ساتھ ایسا برتاؤ ان کے دماغ کو تباہ کر دیتا ہے۔ ایک دفعہ ایک مجمع میں میری مجلس میں ایک معمولی شخص صدر مقام پر بیٹھ گیا، میں نے اس کو اٹھا دیا، جس میں دو مصلحتیں تھیں۔ ایک یہ دوسرے اس جگہ مستحقین موجود تھے جو بمصلحت وہاں بٹھائے جاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ شخص اس کا عادی ہوگا تو کہیں مار کھائے گا یہ اس شخص کی آبرو بچانے کی تدبیر ہے ممکن ہے کہ میری یہ توجیہات بہانہ نفس ہوں، میں تنزیہہ نفس نہیں کرتا اور اپنے فعل کو خواہ مخواہ مستحسن نہیں کہتا۔ نفس کی شرارتیں ایسی پوشیدہ ہوئی ہیں کہ ہم جیسوں کو تو کیا بڑے بڑے مبصروں کو یہی بعض وقت



دھوکہ ہو جاتا ہے اسی واسطے اکابر ہمیشہ اس سے ڈرتے رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی عصمت بیان کرنے کے بعد حالانکہ بالکل واقعی تھی یہ بھی فرمایا وما ابری نفسی خیر نیت میری کچھ بھی ہو مگر ہر حال میں مصلحت اس میں ضرور ہے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

## رسم و رواج ظاہری اور باطنی مفاسد:

میں نے ان تقریبات میں ظاہر مفاسد بھی دیکھے اور باطنی بھی۔ ظاہری تو یہ بے تمیزیاں اور باطنی تفاخر ریامعہ تصنع وغیرہ وغیرہ اور ان باطنی مفاسد میں سے تو شاید کوئی مستثنیٰ رہ جاتا ہو لہذا میں نے اپنے وطن میں حتی الامکان کل تقریبات کی رسوم اڑا دیں اور چونکہ بات صحیح اور عقل و نقل سب کے موافق ہے اس واسطے بحمد اللہ تعالیٰ کامیابی ہوئی ایک شخص نے مجھ سے بطور اشکال کے کہا کہ ہم خوشی میں ایک کافی رقم خرچ کرنا چاہتے ہیں اور جبکہ خدا نے مال دیا ہے تو کیوں نہ خرچ کریں۔ سوان طریقوں کو تو آپ منع کرتے ہیں۔ آخر کوئی طریقہ خرچ کا بھی تو بتائیے۔ میں نے کہا جناب یہ طریقے تو مجموعہ معاصی ہیں اور خلاف عقل بھی ہیں اگر آپ کو خرچ کرنا ہی مقصود ہے تو اس کا طریقہ عقل کے موافق یہ ہے کہ ایک فہرست بنائے غرباء کی اور جتنی رقم آپ کو خرچ کرنی ہو ان کو بانٹ دیجئے اور دیکھئے کتنی شہرت بھی ہو جائے گی گو اس کی نیت نہ ہونا چاہئے اور نفع بھی کس قدر پہنچے گا اور موجودہ رسمیں اور طریقے تو ایسے لغو ہیں کہ جن سے نہ کسی کا فائدہ اور نہ شہرت، فائدہ نہ ہونے کا ثبوت تو یہ دیکھ لیجئے کہ ریاستوں کی ریاستیں ایک ایک تقریب میں غارت ہو گئیں اور شہرت کی حالت یہ ہے کہ آج کسی نے ہزار روپیہ تقریب میں لگائے کل دوسرے نے ایک ذرا سی بات اور ایجاد کر لی تو کہتے ہیں فلاں نے کیا کیا تھا صاحبو! نفی شہرت کی یہ رائے بھی علی سبیل التذلل تھی۔ رسوم کے خلاف عقل بتلانے کے لئے ورنہ خود شہرت ہی کیا چیز ہے۔ شہرت خود ایک مذموم چیز ہے اور یہ بھی منجملہ ان ہی مفاسد کے لئے جو تقریبات میں ہوتے ہیں پھر قطع نظر عدم جواز کے خود اپنی ذات میں تو سب کی سب ایسی ہیں۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

## طریق اصلاح

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طریقہ سے (یعنی طریق اصلاح اختیار کرنے سے) معتقد کم ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ اول تو یہ خیال غلط ہے گو ظاہر میں تمہارے پاس آدمی کم

آئیں مگر دل میں معتقد زیادہ ہوں گے اور مان لو معتقد کم بھی ہوئے تو کیا فوج بھرتی کر کے کہیں کام پر بھیجو گے اگر زیادہ معتقد بھی ہوئے اور کام کے نہ ہوئے تو ان کو لے کر کیا کرو گے۔ اس سے تو یہ اچھا ہے کہ معتقد تھوڑے ہوں اور کام کے ہوں اس میں تو زیادہ راحت ہے کہ ہجوم خلق زیادہ نہ ہوگا کیونکہ ہجوم سے اوقات میں خلل پڑتا ہے یہ جواب تو بطور ارحاء عنان کے ہے ورنہ میرا اصلی مذاق یہ ہے کہ مجھے تو گونگے اعتقاد سے وحشت ہوتی ہے مگر جیسے ہجوم خلّاق سے محبت ہو جو ہر وقت اپنے گرد جمع چاہتا ہے وہ تو بے شک معتقدین کی قلت سے گھبرائے گا اور طریق اصلاح کو اختیار نہ کرے گا۔ میں تو حق تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ الحمد للہ میری پیدائش میں ایک مجذوب کی نظر و توجہ کو دخل ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مجھے بچپن ہی سے ہجوم سے نفرت ہے۔ زمانہ قیام کانپور میں یہ حالت تھی کہ میں تنہا گلی کو چوں میں پھرتا تھا اور ہجوم سے گھبراتا تھا گو اس تنہا گردی سے بعض اوقات کچھ پریشانی بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک بار مدرسہ جامع العلوم کا جلسہ ہوا تو جلسہ کے لئے ایک بڑا مکان تجویز کیا گیا جو طلاق محل کے نام سے مشہور تھا وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس محل میں ایک نواب کی بیگم طلاق لے کر رہتی تھی۔ جب میں نے جلسہ کا اشتہار شائع کیا اور جلسہ کا اس مکان میں ہونا ظاہر کیا تو اس کا نام طلاق محل کے تلاق محل تاء سے شائع کیا لفظ طلاق کو میں نے جلسے کے لئے مناسب نہ سمجھا۔ لوگ اس تصرف سے بہت خوش ہوئے کہ مکان کا نام بھی نہ بدلا اور فال بد سے بھی حفاظت ہو گئی۔ (المصنّین بین المصنّین ج ۲۳)

از در دوست چہ گویم بچہ عنوان رنم      ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رنم  
”دوست کے دروازے سے کیا عرض کروں کہ کس عنوان سے گیا۔ سراپا اشتیاق و شوق سے گیا لیکن ناامید واپس لوٹا“

اور اس سے بڑھ کر کیا مصیبت ہوگی اور آپ کا وعدہ ہے کہ مصیبت پر بھی اجر ملتا ہے تو اس صورت میں مصیبت کا اجر دینا ہوگا۔ سبحان اللہ! دعا کیا ہے پوری وکالت ہے کہ ہر صورت میں اپنا استحقاق ثابت کر دیا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے لندن میں ایک استاد نے اپنے شاگرد پر دعویٰ کیا تھا کہ اس سے میں نے یہ شرط کی تھی کہ تم وکالت سے پہلا مقدمہ جیتو تو اپنی رقم مجھ کو دینا پڑے گی اور اس نے فلاں مقدمہ جیتا ہے، اس لئے مجھے یہ رقم ملنی چاہئے۔ شاگرد نے جواب دہی کی اور مقدمہ جیتنے سے انکار کیا۔ استاد کے پاس ثبوت کافی نہ تھے اس لئے ہار

گیا۔ جب یہ ہار گیا تو اُستاد نے دوبارہ دعویٰ دائر کیا کہ اب تو شرط پائی گئی، کیونکہ یہ میرے مقابلہ میں اس مقدمہ میں توجیت گیا، لہذا اب وہ رقم دلوائی جائے۔ اس پر شاگرد کو رقم دینا پڑی۔ تو جیسے اس وکیل نے ہر حال میں اپنا استحقاق ثابت کر دیا اسی طرح حضرت رابعہؒ نے ہر صورت میں استحقاق ثابت کیا، مگر یہ سب کلام ان کا بطور ادلال کے تھا ورنہ استحقاق کس کا اور کیسا جو عطا ہو جائے محض فضل ہے مگر انہوں نے قواعد سے یہی سمجھا کہ مطلق مصیبت پر بھی اجر ہے۔ چاہے صبر ہو یا نہ ہو۔ گو صبر نہ کرنے پر مستقل گناہ ہو، مگر اس سے نفس مصیبت پر اجر ملنے کی نفی نہیں ہوتی۔ غرض یہ دلائل سے صحیح ہے۔ (المجمعین بین الفعین ج ۲۴)

## مجاہدہ اختیاریہ اور مجاہدہ اضطراریہ کے ثمرات:

ان دونوں مجاہدوں میں ایک اور فرق ہے۔ وہ یہ کہ مجاہدہ اختیاریہ میں تو فعل کا غلبہ ہے۔ اسی لئے اس میں انوار زیادہ ہوتے ہیں، کیونکہ انوار کا ترتب عمل پر ہوتا ہے اور مجاہدہ اضطراریہ میں فعل کم ہوتا ہے، اس لئے اس میں نورانیت کم ہوتی ہے لیکن اس میں انفعال کا غلبہ ہوتا ہے، اس سے قابلیت میں قوت بڑھتی ہے اور اس انفعال و قابلیت کی خود اعمال اختیاریہ کا اثر راسخ ہونے کے لئے سخت ضرورت ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے ایسے مجاہدات بھی بہت زیادہ کرائے ہیں۔ یہ خاصیتیں ہیں دونوں مجاہدوں کی۔ (المجمعین بین الفعین ج ۲۴)

## ایک بزرگ کا عجیب واقعہ

ایک بزرگ نجم الدین صاحب تھے، ان کو اس کی نہایت تمنا و التجا تھی کہ کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرا کیا مقام ہے۔ ایک مرتبہ ان کے ایک مرید ان کی اجازت سے کسی دوسرے بزرگ کی زیارت کو گئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہو بھائی تمہارے یہودی پیر اچھے ہیں۔ انہوں نے اس وقت بہت ضبط کیا، جب واپس آئے تو پیر نے پوچھا کہ وہاں گئے تھے؟ کہا حضرت گیا تو تھا مگر وہ تو بڑے ہی گستاخ و بے ہودہ معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کیا معاملہ ہوا؟ کہنے لگے حضرت! آپ کی شان میں ایسی گستاخی کی جس سے مجھ کو نہایت رنج ہوا۔ پیر نے کہا کیا کہا؟ اصرار کے بعد بتایا حضرت! انہوں نے آپ کو اس طرح پوچھا تھا کہ تمہارے یہودی پیر اچھے ہیں۔ پیر کو یہ سنتے ہی حالت وجد طاری ہو گئی۔ یہ ایک رمز تھا دونوں بزرگوں کے

درمیان۔ انہوں نے یہ خبر کی تھی کہ تم کو نسبت موسوی حاصل ہے۔ لیکن یہ نسبتیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں۔ آپ ہی کی ذات مبارک سے فیض آیا ہے۔ بعض اوقات جن کی یہ نسبت ہوتی ہے موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر مرتے ہیں۔

در نیاید حال پختہ پیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام  
”جب خام پختہ کے حال کو نہیں سمجھ سکتا تو تطویل کلام سے کیا فائدہ سلامتی اس میں ہے کہ اس فضا میں سکوت کیا جائے“

ایک اس بات کا خیال چاہئے کہ بعد مرنے کے اس کی تعریف کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک جنازہ گزرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا وجبت۔ دوسرا ایک اور جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی برائی کی۔ آپؐ نے فرمایا وجبت۔ صحابہ نے عرض کیا حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے آپؐ کی کیا مراد تھی۔ آپؐ نے فرمایا جس کی تم نے تعریف کی اس کے واسطے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے برائی کی اس پر دوزخ واجب ہوگئی۔ انتم شهداء اللہ فی الارض (تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو) (احکام و مسائل متعلق صوت ج ۲۳)

## اہل اللہ کی صحبت کا اثر:

اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنی چاہئے مگر ناقص صحبت سے احتراز کرنا چاہئے۔ خیر ضرورت کے واسطے مضائقہ نہیں اختلاط نہ چاہئے۔ اہل اللہ کی صحبت سے ضرور نفع ہوتا ہے۔ خیال یوں ہوا کرتا ہے کہ صاحب ہم فلانے بزرگ کے پاس بیٹھے تو کیا کمال ہوا، دل میں جوش تک بھی نہ ہوا۔ یہ غلطی ہے، صحبت کا اصلی اثر یہ ہے کہ دنیا کی محبت گھٹ جائے اور حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت بڑھ جائے۔ بس پھر کبھی کیفیات نفسانی کا غلبہ بھی اس کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا حال سنا ہوگا کہ شیخ کا کلام سن کر بچھاڑ کھا کر گر پڑے۔ لوگوں کے نزدیک یہی بڑا اثر ہے جہاں یہ پایا جاوے وہی مجلس اچھی سمجھی جاتی ہے۔ (اشرف المواعظ ج ۲۳)

## اہل اللہ کی حالت

اہل اللہ کو یہ مسئلہ پوری طرح منکشف ہو گیا ہے کہ یہ جان ہماری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی چیز ہے اس لئے وہ اپنی جان کی بہت حفاظت کرتے ہیں۔ اور کوئی کام بدون رضائے خدا



کی نیت کے نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں اللہ تعالیٰ جان دینا پسند کرتے ہیں تو وہ سب سے زیادہ جان دینے میں دلیر ہوتے ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ یہاں جان دینا خدا کو پسند نہیں تو وہ سب سے زیادہ اپنی جان کی حفاظت کرتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے جسم و روح سے بہت محبت ہے حالانکہ حقیقت میں ان کو خدا سے محبت ہے اور اس وجہ سے خدا کی ہر چیز سے محبت ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است اتم پائے خود کہ بکویت رسیدہ است  
مجھ کو اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر رشک کرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچے میں پہنچے ہیں۔

ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را کو دامت گرفتہ بسویم کشیدہ است  
ہر گھڑی اپنے ہاتھوں کو ہزار بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔  
ان کو اپنے اعضاء سے محض اس لئے محبت ہے کہ یہ خدا کی امانتیں ہیں اور ان کے ذریعہ سے مرضیاتِ الہیہ کی تعمیل ہوتی ہے اور کوئی وجہ نہیں۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

## فیض شیخ کا طریقہ کار

طالب کو چاہیے کہ جس شیخ سے بیعت ہونا چاہے اس کے پاس کچھ مدت تک قیام کرے جب باہم دونوں میں مناسبت ہو جائے اس وقت بیعت کی درخواست کرے۔ مگر آجکل لوگوں کی حالت یہ ہے کہ آج ایک بزرگ کے پاس گئے اور انکی کوئی بات آگئی بس لگے ان سے بیعت ہونے پھر کل کو کسی دوسرے بزرگ کی کوئی ادا پسند آگئی بس ان سے بیعت ہو گئے۔ ان کی بعنیہ یہ مثال ہے گنگا گئے گنگا داس جمنا گئے جمنا داس۔ یہ لوگ طریق کو کھیل بنانا چاہتے ہیں یا درکھو اس طرح مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایک نہ ایک دن ان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ پھر کسی شیخ کو اس پر اعتماد نہیں ہوتا، ہر جانی مشہور ہو جاتا ہے۔

وفاداری مدار از بلبلاں چشم کہ ہر دم برگلے دیگر سر ایند  
(بلبلان چشم سے وفا کی امید نہ رکھو کہ ہر دم ایک پھول کو چھوڑ کر دوسرے پر چہچہاتی ہیں)۔  
بیعت کا اتنی جلدی فیصلہ کرنا نہ چاہیے کیونکہ یہ حالت جلدی ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر غور و فکر کے بعد مناسبت تامہ دیکھ کر بیعت ہوں تو ایک ہی کو لگے لپٹے رہیں گے۔

(حرمت الحدود ج ۲۵)

## شیخ و مرید میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے

اسی طرح اگر تم کو ایک شیخ سے نفع نہ ہوا لیکن پھر بھی تم اس کو لگے لپٹے رہے۔ اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کیا جب بھی تم نے طریق کا حق ضائع کیا۔ غرض ایسا شخص مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے نہ اس کو چھوڑے بن پڑی ہے نہ الگ ہوتے۔ اس لئے مناسبت کا دیکھنا ضروری جس کیلئے پاس رہنے کی ضرورت ہے۔ اور گو عدم اعتقاد کے لئے تفتیش کی ضرورت نہیں کیونکہ مشائخ کا معتقد ہونا کچھ فرض و واجب نہیں لیکن دست بدست ہونے کیلئے اس کی بہت ضرورت ہے جیسا کہ اگر تم کسی عورت سے نکاح نہ کرنا چاہو تو اس کیلئے تفتیش کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں نکاح کے لئے جہان پچھوڑ کی ضرورت ہے کیونکہ نکاح نہ کرنا معیوب نہیں لیکن نکاح کے بعد طلاق دینا برا ہے۔ اس لئے نکاح سے پہلے عورت کے اخلاق و عادات، صورت و سیرت کی خوب تحقیق کر لینی چاہیے۔ لیکن مشائخ کی تفتیش خود بلا واسطہ کرے اور نکاح میں اولیاء و اقربا کے واسطہ سے تحقیق کرے (حرمت الحدود ج ۲۵)

## باطنی احوال و مقامات کی حدود

اب میں ترقی کر کے یہ کہتا ہوں کہ معاملات خلق سے متجاوز ہو کر باطنی احوال و مقامات تک کیلئے بھی حدود ہیں یعنی خوف الہی اور شوق خداوندی اور تواضع وغیرہ جو کہ اخلاق باطنی ہیں جن کو صوفیہ کی اصطلاح میں مقامات کہا جاتا ہے جو بظاہر علی الاطلاق ہر درجہ میں مطلوب معلوم ہوتے ہیں، ان کے لئے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ ان کا ہر درجہ مطلوب ہو یہ مضمون شاید آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کیونکہ اخلاق حمیدہ باطنیہ کے بارے میں لوگوں کا عام خیال ہے کہ ان میں جتنی ترقی ہو اچھی بات ہے ان کا کوئی درجہ مذموم نہیں اور قیاس ظاہری بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ یہ امور مطلوبہ ہیں اور مطلوب کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے مگر اس قیاس میں اتنی غلطی ہے کہ امور مطلوبہ کو عام رکھا گیا ہے حالانکہ یہ قاعدہ مطلوب بالذات کیلئے ہے کہ اس کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے اور یہ امور مطلوب بالعرض ہیں اصل مطلوب رضائے الہی ہے جس کا ہر درجہ مطلوب ہے اس تمہید کے بعد اب میں اخلاق و معاملات باطنیہ میں نمونہ کے طور پر بتلانا چاہتا ہوں کہ حدود سے وہ بھی خالی نہیں اور نمونہ اس واسطے کہا کہ سب احکام کا بیان کرنا دشوار ہے۔

قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش کہ حسن ایں قصہ عشق درد فتر نمی گنجد  
 قلم توڑ و روشنائی بکھیر کاغذ پھاڑ اور خاموش رہ اس لئے حسن یہ قصہ عشق کا ہے، دفتر میں نہیں ساسکتا۔  
 حق تعالیٰ فرماتے ہیں قل لو کان البحر مداد الکلمات ربی لنفد البحر  
 قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مداداً۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب کی  
 باتیں لکھنے کیلئے سمندر روشنائی ہو تو سمندر ختم ہو جائے اگرچہ اس کی مدد کیلئے ہم ایک  
 دوسرا سمندر لے آئیں احکام الہی کی انتہا نہیں۔ (حرمت اللہ و وجہ ۲۵)

## اسم اعظم کی نگہداشت اور اس کے حقوق

ایک بزرگ سے ایک شخص نے اسم اعظم کی درخواست کی تھی، انہوں نے کہا کہ تمہارے  
 اندر چھپھورا پن ہے تم سے ضبط نہ ہوگا ظاہر کر دو گے اس لئے تم اس کے قابل نہیں وہ کہنے لگا کہ  
 حضور اب سے میں ضبط سے کام لیا کروں گا اور چھپھورا پن چھوڑ دوں گا۔ خاموش ہو گئے ایک  
 دن انہوں نے ایک پیالہ سرپوش سے دھک کر دیا کہ فلاں بزرگ کو دے آؤ مگر کھول کر مت  
 دیکھنا وہ لے کر چلا تھوڑی دیر تو اپنے نفس کو دبایا بہت ضبط کیا مگر پھر یہ خیال غالب ہوا کہ ایک  
 نظر سے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے معلوم تو کرنا چاہیے اس میں کیا ہے آخر نہ رہا گیا اور سرپوش  
 کھول کر دیکھا پیالہ میں سے ایک چوہا پھدک کر نکلا اور بھاگ گیا۔ اب یہ بڑے پریشان کہ  
 اب کیا جواب دوں گا مگر ساتھ ہی یہ حیرت کہ یہ معاملہ کیا ہے کیا شیخ نے میری ساتھ ہنسی کی  
 ہے یا ان بزرگ کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ آخر کار خالی پیالہ لیکر بزرگ صاحب کے پاس پہنچے  
 کہ مجھے فلاں صاحب نے یہ پیالہ دیکر بھیجا تھا اور سارا واقعہ بیان کیا کہ مجھے حضرت نے منع  
 کر دیا تھا کہ پیالہ کو کھولنا مت۔ میں نے اسے راستہ میں کھول کر دیکھ لیا مجھ سے رہا نہ گیا تو  
 اس میں سے ایک چوہا نکل کر بھاگ گیا، اب میں شرمندہ بھی ہوں اور متحیر بھی۔ ان بزرگ  
 نے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے شیخ سے کوئی درخواست کی تھی، کہا ہاں میں نے اسم اعظم کی  
 درخواست کی تھی، مگر انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارے اندر چھپھورا پن ہے میں نے وعدہ  
 کیا تھا کہ اب ضبط سے کام لیا کروں گا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ واقعہ تمہارے اسی دعویٰ  
 کا جواب ہے کہ تم سے ایک چوہے کی نگہبانی تو ہونہ سکی تم اسم اعظم کی نگہداشت اور اس کے  
 حقوق کی رعایت کیسے کرو گے۔ وہ بیچارہ اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔ (الباب الاولیٰ الباب ج ۲۵)

## توجہ الی اللہ اصل مطلوب ہے

توجہ الی اللہ اصل مطلوب ہے اور توجہ الی الخلق گو وہ دین ہی ہو اصل مطلوب نہیں بلکہ مطلوب بالغیر ہے کیونکہ یہاں جس توجہ الی الخلق سے فارغ حاصل کرنے اور اس سے فارغ ہو کر رغبت الی اللہ میں مشغول ہونے کا امر ہے وہ توجہ الی الخلق بھی دین ہی تھی اس لئے کہ نبی کی توجہ الی الخلق افادہ خلق کے لئے ہوتی ہے اور افادہ خلق دین ہے اور یہاں سے بعض صوفیہ کے اس قول کی اصل معلوم ہو گئی کہ ولایت نبوت سے افضل ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ بعض حکمائے سمجھا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبی میں جو دو شانیں ہوتی ہیں ایک ولایت کی اور ایک نبوت کی تو نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہوتی ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ نبی کی توجہ الی افادہ الخلق من حیث النبوت تھی اور توجہ الی اللہ من حیث الولاۃ مگر یہاں حق تعالیٰ توجہ الی الافادہ کو بمقابلہ توجہ الی اللہ غیر مقصود بالذات بتلوار ہے ہیں پس ثابت ہوا کہ اصل مطلوب نبی کیلئے بھی توجہ الی اللہ ہے اور توجہ الی الافادہ مطلوب بالغیر ہے۔ (الرغبة الرغوبة والطلب المطلبية)

## وصول مطلوب نہیں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے مقصود طلب ہے، وصول مطلوب نہیں اس لئے کہ وصول تو مقدر نہیں اور طلب مقدر ہے بالکل سچی بات ہے اور اگر وصول ہی مقصود ہو تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ طلب اپنا شغل بنائے اور طلب کے وقت ثمر کی طرف التفات نہ کرے ورنہ ہرگز سعی نہ کرے گا مثلاً حساب کا نو کر عین حساب کتاب کے وقت اگر اپنے مقصود (یعنی تنخواہ) کا مراقبہ کرے کہ تنخواہ ملے گی تو فلاں شے خریدوں گا اور ایک روپیہ فلاں کو دوں گا تو اسے وہ کام ہرگز نہ ہو سکے گا اور تنخواہ ملنا موقوف ہے۔ کہ پورے مہینہ کا کام کرے اس لئے بالکل معطل ہو جائے گا اور اگر اپنے کام میں لگا رہے اور مقصود کی طرف ملتفت نہ ہو تو کام کرتے کرتے مقصود اس پر مرتب ہو جائیگا عالی ہمتی یہ ہے کہ طلب کو من حیث ہو مقصود سمجھے اسی واسطے بزرگان دین مریدین سے کہتے ہیں کہ کام کئے جاؤ پس ثمرات کی طرف ملتفت رہنا اور اس سے بڑھ کر بڑے بننے کی فکر ابتداء ہی سے سدراہ ہے اور یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ دوسروں کے دین کی فکر جب بعض وقت مانع ہو جاتی ہے تو دوسروں کی دنیا یا عیوب کی فکر بطریق اولیٰ سنگ راہ ہوگی (التصدی للغیر ج ۲۵)



## گناہ کی حقیقت

حضرت سفیان ثوریؒ اور ایک دوسرے محدثؒ نے ایک مرتبہ ایک پوری رات حدیث کے مذاکرے میں ختم کر دی جب صبح ہوئی تو ان محدث صاحب نے فرمایا آج کی رات بھی کیسی مبارک رات تھی کیسے اچھے کام میں گزری حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ میاں اگر برابر برابر چھوٹ جائیں تو غنیمت ہے اس لئے کہ میری تمام تر سعی اس میں تھی کہ کوئی ایسی حدیث سناؤں جو آپ نے نہ سنی ہو اور آپ کی کوشش یہ تھی کہ ایسی حدیث بیان کریں کہ جو مجھ کو معلوم نہ ہو ہر شخص درپردہ اپنے علوم کا دعویٰ کر رہا تھا اللہ اکبر ایک آج کل کے حضرات ہیں کہ ان کو اپنا کوئی گناہ بھی یاد نہیں آتا اس لئے اگر کسی کو عیب یاد نہ آئے تو اسی پر رو دے کہ مجھ کو کوئی عیب یاد نہیں آتا یہ سب سے بڑا عیب ہے کہ آدمی اپنے کو بے عیب سمجھے فلا تنز کو انفسکم هو اعلم بمن اتقى تم اپنے آپ کو مقدس مت سمجھو تقویٰ والے کو وہی خوب جانتے ہیں۔ (التقدی للغير ج ۲۵)

## مجاہدہ اضطرابیہ سے اصلاح نفس

ان بلاؤں سے مقبولین کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ نیز اس میں مجاہدہ اضطرابیہ بھی ہے کہ مصائب سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ نفس کی اصلاح بہت کچھ ہو جاتی ہے۔ جب ہم لوگوں کو اپنے نفس کی اصلاح اور درستی اخلاق کی فکر نہیں ہوتی تو حق تعالیٰ مجاہدہ اضطرابیہ سے ہماری اصلاح فرما دیتے ہیں۔ (التقدی للغير ج ۲۵)

## قبض کی حکمتیں

حالت قبض کی کچھ بری حالت نہیں بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں اور یہ حالت سبھی کو پیش آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہوگا جب اول اول وحی نازل ہوئی ہے تو اس کے بعد تین برس کا وقفہ ہوا آپ کا جو علاقہ حق تعالیٰ سے تھا ظاہر ہے کہ کیسا علاقہ تھا کہ وہاں تو ہر دم بالکل حضور کامل تھا۔ پھر روزانہ فرشتے کے واسطے سے بات چیت ہوتی تھی۔ جس کی لذت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی جان سکتے ہیں کوئی دوسرا کیا سمجھ سکتا ہے۔ پھر اس پر جب تین برس تک سلسلہ خطاب بند رہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت

ہوئی ہوگی۔ آپ کو کیسی سخت کلفت ہوئی ہوگی۔ اس پر دوسری مصیبت یہ کہ کفار کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (سیدی و روحی) کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی کلفت تھی کہ آپ نے بہت مرتبہ قصد کیا کہ اپنے کو پہاڑ کے اوپر سے گرا دیں۔ جب آپ اپنے کو گرانے کا قصد کرتے اسی وقت جبرائیل تشریف لاتے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔ آپ اپنے کو ہلاک نہ کیجئے۔ جبرائیل علیہ السلام کی اس بات سے آپ کو تسلی ہو جاتی۔ ایسی حالت میں تین سال گزر گئے اگر کسی اور شخص کو اتنا شدید قبض رہتا تو نہ معلوم اس کا کیا حال ہو جاتا۔ تین سال کے بعد وحی نازل ہوئی۔ اور قبض کے بعد وسط ہوا۔ سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں اسی طرح ایک بار اور قبض واقع ہوا کہ کفار طعن کرنے لگے۔ سورہ الضحیٰ اور قریب وقت میں الم نشرح نازل ہوئیں۔ سورہ الم نشرح میں اس قبض وسط کا تذکرہ کیا گیا۔ شرح صدر سے مراد وہی حالت وسط ہے جو قبض کے بعد حاصل ہوئی۔ ووضعتنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک۔ یعنی ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ وہ بوجھ جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی یہی قبض کی حالت تو تھی۔ یہ کوئی فقر و فاقہ کی کلفت نہ تھی۔ فقر و فاقہ سے آپ کو کبھی پریشانی نہیں ہوئی۔ غرض چاہے وہ کلفت ظاہری ہو یا باطنی ہر ایک پر صبر کرنا چاہیے۔ عام لوگ تو باطنی کلفت کو کلفت ہی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اس مزہ ہی سے ناواقف ہیں اور جو لوگ اس کو کلفت سمجھتے ہیں وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ باطنی کلفت پر صبر نہیں کرتے حالانکہ اس پر بھی صبر کرنا چاہیے۔ اسی کو شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

خوشا وقت شوریدگان غمش اگریش بیند و گر مرہمش  
محبوب حقیقی کے غم میں پریشان لوگوں کا بہت اچھا وقت ہے اگر زخم دیکھتے ہیں  
اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں۔

دما دم شراب الم درکشند و گر تلخ بنیند دم درکشند  
ہر دم رنج و الم برداشت کرتے ہیں۔ اور اگر تلخی پاتے ہیں تو خاموش رہتے ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

## حضرت سلطان الاولیاء کے جنازہ کا حال

حضرت سلطان الاولیاء کی حکایت ہے کہ جب ان کا جنازہ چلا تو ان کے ایک مرید

پر حالت طاری تھی کیونکہ شیخ کے انتقال کا صدمہ مریدوں سے زیادہ کس کو ہو سکتا ہے غرض جنازہ جارہا تھا کہ اس مرید نے جنازہ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔

سرویمنا بصرامی روی سخت بے مہری کہ بے مامیروی  
اے محبوب آپ صحران کو جارہے ہیں ہم کو چھوڑ کر جانا سخت بے مہری کی بات ہے۔  
اے تماشہ گاہ عالم روئے تو تو کجا بہر کے تماشائے روی  
آپ کا چہرہ انور تو خود تماشا عالم ہے۔ آپ کہاں تماشہ کیلئے تشریف لیجا رہے ہیں۔  
تاریخ میں لکھا ہے کفن میں سے آپ کا ہاتھ اونچا ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ کیا غضب کرتے ہو چپ رہو۔ اور اس واقعہ سے کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے کیونکہ مرنے کے بعد انسان کو دوسری حیات عطا ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ سب کچھ احساس کر سکتا ہے۔ اور یہ حیات اولیاء میں عوام سے زیادہ ہوتی ہے۔ تو کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اس حیات کا اثر بطور کرامت کے جسم پر بھی ظاہر ہو جائے مگر یہ کبھی کبھی ہوتا ہے۔ غرض خدا نے ظاہر کر دیا کہ اب یہ لوگ اس قدر مطمئن ہیں کہ ان کو مرنے کے بعد بھی وجد آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے  
الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا هم یحزنون۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

## اشراف نفس اور ادب شیخ

حدیث میں آیا ہے کہ ما اتاک من غیر اشراف فخذہ (جمہرۃ انساب العرب ۱۶۷) کہ جو چیز بغیر اشرف نفس کے آئے اس کو قبول کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو انتظار کے بعد آئے اس کو نہ لینا چاہیے۔ تو آپ ہمیشہ دے دے کر پیروں کے دلوں میں دنیا کا انتظار پیدا کرنا چاہتے ہیں جس کا انجام یہ ہوگا کہ اگر وہ ہمیشہ لے لیا کریں تو ناپسندیدہ چیز کھایا کریں گے۔ اور نہ لیں گے تو آپ کا دل برا ہوگا۔ پس بہتر یہی ہے کہ التزام ہرگز نہ کیا جائے۔ جب بہت شوق کا غلبہ ہو تو لے گئے ورنہ حذف کر دیا بزرگوں کے انتظار سے اپنے کو یہاں تک بچایا ہے کہ بلب گرام میں ایک بزرگ تھے ایک مرتبہ ان کے یہاں فاقہ تھا ان کے ایک شاگرد اس روز سبق پڑھنے آئے تو شیخ کو بہت مضحک دیکھا قرآن سے سمجھ گئے کہ آج ان پر فاقہ ہے۔ اس حالت میں انہوں نے سبق پڑھنا نہ چاہا اور کسی بہانہ سے سبق ٹالا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ

اپنے گھر آئے اور ایک سینی میں کھانا لگا کر شیخ کی خدمت میں لائے۔ شیخ نے فرمایا کہ واقعی تم کھانا ایسے وقت پر لائے کہ مجھ کو حاجت ہے مگر اس کے قبول کرنے سے ایک امر مانع ہے وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو چیز اشرف نفس (انتظار نفس) کے بعد آئے اسے قبول نہ کرنا چاہیے۔ اور جب تم میرے پاس سے اٹھ کر گئے تو مجھے خطرہ ہوا کہ تم میرے واسطے کھانا لاؤ گے۔ تو یہ کھانا انتظار کے بعد آیا ہے اسلئے میں قبول نہیں کر سکتا۔ اللہ اکبر تقویٰ اس کا نام ہے واقعی ایسی حالت میں حدود شریعت پر مستقیم رہنا بڑی جوانمردی ہے اور یہاں سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کشف کیا چیز ہے کیونکہ صاحب کشف کو مرید سے کچھ دینے سے پہلے ہی کشف کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ مجھے کچھ دے گا۔ اور اس علم کا خاصہ ہے کہ انتظار پیدا ہوگا۔ اور انتظار کے بعد قبول کرنا خلاف سنت ہوگا۔ تو بعض دفعہ یہ کشف بھی پریشان کر دیتا ہے۔ غرض سنت پر عمل یہ ہے کہ جوان بزرگ نے کر کے دکھلایا نہ یہ کہ۔

زنت نہ بنی درایشاں اثر      بجز خواب پیشیں فرماں سحر  
یعنی بجز رات کے اگلے حصے میں سونے کے سویرے اٹھنے کے حکم کی وجہ سے  
ان میں سنت کا کوئی اثر نہ پاؤ گے۔

یہ تو شیخ کا ادب تھا کہ انہوں نے خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کھانا قبول نہ کیا اور اب مرید کا ادب دیکھئے کہ اس نے شیخ پر اصرار نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہہ کر کھانا اٹھالیا کہ بہت بہتر ہے میں کھانا واپس لئے جاتا ہوں۔ اب آجکل مرید دونوں طرف سے تکلیف دیتے ہیں۔ مثلاً پیر کے سامنے کھانا لایا گیا اور انہوں نے کھانے سے انکار کیا۔ مگر پھر بھی اصرار کئے جاتے ہیں کہ نہیں جناب کھائے۔ ارے بھائی تمہارا کیا بگڑے گا بے بھوک کھانے سے بھگتنا تو انہیں پڑے گا۔ پس بزرگوں پر اصرار نہ کرنا چاہیے۔ خاص کر ان سے جن سے عقیدت ہو۔ مگر آج کل تو لوگ مرید نہیں بنتے گرو بنتے ہیں جیسے مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک شخص ایک گرو کے پاس گیا کہ مجھے اپنا چیلہ بنالو۔ اس نے کہا چیلہ بننا بڑا مشکل ہے۔ تو وہ کیا کہتا ہے کہ چیلہ بننا مشکل ہے تو پھر گرو ہی بنالو۔ بہر حال اس مرید نے اصرار نہیں کیا اور کھانا لے کر چل دیئے۔ شاید آپ کہیں کہ اچھی خشکی تھی۔ بندہ خدا نے کچھ تو کہا ہوتا۔ صاحبو! جو خشکی نہ تھی اس نے تدبیر کی اور ایسی تدبیر کی کہ بڑے بڑے فلسفی کو نہ سوچھے۔ واللہ یہ عقل سلیم بدون صحبت اہل اللہ کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ نہ کسی عالم کو نہ کسی بی اے کو نہ کسی ایل۔



اہل۔ بی کو یہ دوسری بات ہے کہ دنیا والوں کو دنیا کا تجربہ زیادہ ہو سو تجربہ دوسری چیز ہے۔ عقل دوسری چیز ہے یہ عقل سلیم اہل اللہ ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ (الاسراف ج ۲۵)

## حضرت مولانا گنگوہیؒ کی شیخ سے محبت

حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں جنید بغدادیؒ اور ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ مجتمع ہوں تو ہم تو جنیدؒ بغدادیؒ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں بس ہم تو حاجی صاحب ہی کو دکھتے رہیں گے۔ ہاں حاجی صاحب اگر چاہیں تو حضرت جنیدؒ کی طرف دیکھیں وہ ان کے لئے جنید ہو سکتے ہیں۔ ہمارے جنید تو حاجی صاحب ہی ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

## ایک بزرگ مولانا احمدؒ کی حکایت

ایک بزرگ مولانا احمدؒ ایسے بزرگ تھے کہ وہ قرض لے لیکر لوگوں کو کھلایا کرتے تھے۔ ان کے ذمہ بہت قرض ہو گیا۔ آخر مرنے لگے تو لوگ آکر جمع ہوئے اور تقاضہ کر رہے تھے کہ آپ تو مر رہے ہیں اس وقت ہمارا روپیہ کہاں جائے گا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک حلوائی کا لڑکا حلوے کی سینی لئے ہوئے پکارتا ہوا گزرا آپ نے اس کو بلوایا۔ اور سب حلوہ اس سے خرید لیا اور لوگوں کو کھلا دیا۔ لڑکے نے حلوے کے دام مانگے تو آپ نے فرمایا کہ جہاں یہ لوگ بیٹھے ہیں تو بھی بیٹھ جا۔ اس نے رونا شروع کیا کہ میرا باپ مار ڈالے گا لوگوں کو بہت ناگوار ہوا کہ ناحق اس کا دل دکھایا۔ آپ خاموش پڑے تھے کہ ایک رئیس کا فرستادہ بہت سا روپیہ لیکر حاضر خدمت ہوا۔ جس سے سب قرض داروں کا قرض ادا ہو گیا۔ ایک خادم نے عرض کیا کہ حضرت اس میں کیا حکمت تھی کہ آپ نے اس قدر قرض کی حالت میں مرتے ہوئے بھی حلوائی کے لڑکے کا قرض اپنے ذمے اور بڑھایا فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ میرا قرض ادا کر دیں ارشاد ہوا کہ ادا کرنا کیا مشکل ہے کوئی روئے تو دریا ئے رحمت جوش زن ہو۔ مگر تمہارے ان قرض خواہوں میں کوئی رونے والا نہیں سب خاموش ہی بیٹھے ہیں۔ اس لئے میں نے اس لڑکے سے حلوا خریدا جب اس نے رونا شروع کیا تو رحمت حق کو جوش آیا بھائی اس واسطے یہ ترکیب کی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں

تاناہ گرید کود کے حلوا فروش بحر بخشا لیش نے آید بجوش

یعنی رونا ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے دیکھو جب تک ابر نہ روئے گا چمن کیوں کر ہنس سکتا ہے یعنی جب تک بارش نہ ہو۔ باغ سرسبز و شاداب نہیں ہو سکتا اور جب تک بچہ نہ روئے دودھ کیسے جوش مار سکتا ہے اور تعلیم یافتہ فرماتے ہیں

ایکے خواہی کز بلا جان و آخری جان خود را در تضرع آوری  
یعنی اگر بلا و مصیبت سے چھٹکارا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ و زاری کیا کرو۔  
در تضرع باش تا شاداں شوی گریہ کن نالے وہاں خنداں شوی  
اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑانے میں مصروف ہو جاؤ تا کہ شاداں ہو اور ان کے سامنے گریہ و زاری کرو بے حد خنداں ہو گے۔

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست مرد آخر میں مبارک بندہ ایست  
ہر گریہ کا انجام خندہ ہوتا ہے اور جو شخص انجام میں ہو وہ نہایت مبارک شخص ہے۔  
اے خوشا آں دل کہ آں گریان اوست اے خوشا چشمی کہ آں گریان اوست  
وہ دل نہایت اچھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں گریاں ہو اور وہ آنکھ بہت اچھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں گریاں ہے۔

یہ تو مولانا کے ارشاد تھے۔ مگر اصل مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ حضرت شیخ احمد اس شان کے تھے کہ وہ اپنے پاس کچھ جمع نہ کرتے تھے۔ وہ متوکل اور مستغنی المزاج تھے تو ایسے شخص کو اچھا کپڑا اچھا کھانا بھی کوئی مضر نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی عیال دار ہے تو اس کے لئے وسعت سے زیادہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے ذمہ اہل و عیال کا بھی حق ہے تو یہ بڑی بے ہمتی ہے کہ اپنے کپڑے کھانے کا تو فکر ہو اور اہل و عیال کا فکر نہ ہو۔

نہیں آں بے حمیت را کہ ہرگز نخواہد دید روئے نیک بختی  
اس بے حیا کو دیکھو ہرگز اس کو نیک بختی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔  
تن آسانی گزیند خویشتن را زن و فرزند بگزارد بہ بختی  
جو اپنے لئے آرام و آسائش تلاش کرتا ہے اور اہل و عیال کو بختی میں چھوڑتا ہے۔ (الاسراف ج ۲۵)

**صحبت اہل اللہ کس صورت میں مفید ہو سکتی ہے**  
صحبت مفید جب ہو سکتی ہے کہ ان سے اپنے امراض کا بیان کریں اور ان کا

علاج پوچھیں۔ اس نیک صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے عطر فروش کی دوکان کہ یا تو وہاں سے عطر خریدو گے ورنہ کم سے کم خوشبو سے تو دماغ کو راحت ہوگی اسی طرح نیک صحبت سے کوئی نہ کوئی بات کام کی حاصل ہو جاتی ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا  
تھوڑی دیر کے لئے اولیاء اللہ کے پاس بیٹھ جانا سو سالہ طاعت پیریا سے بہتر ہوتا ہے۔  
صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالع ترا طالع کند  
صالح کی صحبت تم کو صالح کر دے گی اور بد بخت کی صحبت تم کو بھی بد بخت بنادے گی۔  
صحبت نیکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است  
نیکیوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی حاصل ہو جائے تو وہ سو سالہ زہد و طاعت سے بہتر ہے۔  
(الغاء المجارفتہ ج ۲۵)

## ایک مراقبہ کا القاء

وہ مراقبہ یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ سوچ لیا جائے کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں (یا کرنے والے ہیں) یہ آخرت میں مضر ہے یا مفید ہے۔ اس مراقبہ کے لئے کوئی وقت معین نہیں بلکہ یہ ایسا مراقبہ ہے کہ ہر وقت اس کا وقت ہے، چلتے پھرتے بھی اس کو سوچتے رہو اور کھاتے پیتے بھی اور باتیں کرتے ہوئے بھی اور رنج و غصہ میں بھی کوئی حرکت اور کوئی سکون اس مراقبہ سے خالی نہ ہونا چاہئے۔ اس کے بعد آپ سے ان شاء اللہ تعالیٰ اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوگا اور اگر بالفرض صادر ہوا بھی تو آپ اس وقت بیدار گناہ گار ہوں گے سرکش و غافل گناہ گار نہ ہوں گے اور یہ بھی ایک بڑی دولت ہے کہ انسان کو گناہ کے وقت تنبیہ ہو جائے کہ میں نے یہ کام گناہ کا کیا اس سے دل پر ایک ایسا چہرہ لگتا ہے جس کے بعد معاف تو بہ و استغفار کو دل چاہتا ہے۔ شاید یہاں کوئی ذہین بیٹھے ہوں اور وہ اپنے دل میں یوں کہتے ہوں کہ یہ تو اور بھی برا ہوا کہ جان کر گناہ کیا تو اس وقت یہ شخص ویل للجاہل مرة وللعالم سبعین مرة (جاہل کے لئے ایک خرابی جاننے والے کیلئے ستر خرابیاں) کا مصداق ہو جائے گا تو بات یہ ہے کہ جان کر گناہ کرنا یہ کس نے کہا ہے کہ مطلقاً اشد ہے بلکہ علم کے ساتھ وہ گناہ اشد ہے جس کے ساتھ جرات بھی ہو ورنہ اگر جرات نہ ہو تو جان کر گناہ کرنا غفلت کے گناہ سے اشد نہیں اور اس مراقبہ کے ساتھ جرات تو کبھی ہو سکتی

ہی نہیں تو اب یہ شخص بیدار گناہ گار ہوگا کہ معصیت کو معصیت جانے کا غافل نہ ہوگا کہ یہ بھی خبر نہ ہو کہ میں نے کوئی گناہ کا بھی کام کیا ہے یا نہیں اور اس بیداری کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معصیت کے ساتھ خشیت بھی ملی ہوئی ہوگی اور حضرت خشیت اور معصیت اگر دونوں ساتھ ساتھ ہوں تو گو وہ خشیت کامل نہ ہوگی مگر اس کے ساتھ معصیت بھی کامل نہ رہے گی یہ خشیت ایسی چیز ہے کہ معصیت اس کے ساتھ کامل نہیں ہو سکتی اگر کامل خشیت ہے جب تو گناہ کا صدور ہی نہیں ہوتا اور اگر ناقص خشیت ہے تو اس کی وجہ سے معصیت بھی ناقص ہو جاتی ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے گرم پانی میں تھوڑا سا ٹھنڈا پانی ملا دو تو گو اس سے ٹھنڈا نہ ہو جائے گا مگر ویسا گرم بھی نہ رہے گا تو خشیت کے ساتھ معصیت کی یہ کیفیت ہوگی کہ اس وقت آپ اگر غیبت کریں گے تو دل کو حظ حاصل نہ ہوگا زبان سے غیبت کریں گے اور دل میں جوتے پڑتے ہوں گے کہ ہائے یہ میں نے کیا کیا تو یہ تھوڑا نفع ہے اس مراقبہ کا اس لئے میں یہ نہیں کہتا کہ اس مراقبہ کے بعد آپ سے گناہ کا صدور ہی نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر صدور ہوگا تو خشیت کے ساتھ ہوگا اور اس مضمون کے اظہار میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر کسی کو تجربہ ہوا ہو کہ خشیت کے ساتھ بھی گناہ ہو جاتا ہے اور وہ اس وقت مولویوں کو جھوٹا کہتا ہو کہ یہ مولوی بھی بے پرکی باتیں اڑایا کرتے ہیں کہ خشیت و خوف دل میں پیدا ہو جانے سے گناہ نہیں ہوتے حالانکہ ہم نے تو آیات و عید و احادیث عقاب کا بہت مطالعہ کیا اور ان سے خوف بھی پیدا ہوا مگر پھر بھی گناہ موقوف نہیں ہوتے تو وہ اس مضمون کو سن کر مولویوں کو جھوٹا نہ کہیں گے کیونکہ جیسا ان کو خشیت کے ساتھ گناہ صادر ہونے کا تجربہ ہوا ہوگا اس کے ساتھ یہ بھی تجربہ ہوا ہوگا کہ گناہ کے وقت دل میں ایک خلش بھی ساتھ ساتھ موجود تھی جس نے معصیت کو بھی ضعیف بنا کر گناہ بے لذت میں داخل کر دیا تھا تو صاحب جیسی خشیت آپ کو حاصل ہوئی تھی ویسا ہی اس نے اثر بھی کیا وہ بیکار تو نہ ہوئی پھر اب مولویوں کو جھوٹا کیوں کہتے ہیں بات یہ ہے۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

## مشائخ کا دامن صراط الرسولؐ پر چلنے کا وسیلہ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی وصول نہ رکھتے ہوں ان کو اس کی ضرورت ہے کہ ان مشائخ کا دامن پکڑیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی حاصل کر چکے ہیں (جیسے بادشاہ



تک پہنچنے کے لئے وزیر کا واسطہ ضروری ہے مگر جو وزیر تک بھی نہ پہنچا ہو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کی خوشامد کرے جو وزیر تک رسائی رکھتے ہیں (جامع) شیخ فرید فرماتے ہیں۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق      عمر بگذشت نشد آگاہ عشق  
(بے پیر اور رہبر کامل کے جو شخص اس عشق کے راستہ میں چلا عمر گزر گئی مگر عشق سے باخبر نہ ہوا)  
گر ہوئے ایں سفر داری ولا      دامن رہبر بگیر و پس برآ  
(اے دل اگر اس سفر محبت کے طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو رہبر کامل کا دامن پکڑ اور پیچھے آ)  
اور مولانا فرماتے ہیں۔

بار باید راہ را تنہا مرو      بے قلاؤ زاندریں صحر امرو  
قلاؤ ز سے مراد قل اعوذ یا مولوی نہیں بلکہ قلاؤ ز کہتے ہیں رہنما کو یہ ترکی لغت ہے گو وہ قلاؤ ز ہو گا قل اعوذ یا ہی۔ مطلب یہ ہے کہ اس راستہ کو رہنما کے بغیر طے نہ کرو ورنہ بہت پریشان ہو گے اور راستہ طے نہ ہو سکے گا۔ آگے فرماتے ہیں۔

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید      ہم بعون ہمت مرداں رسید  
(اگر کسی نے شاذ و نادر اس راہ سلوک کو تنہا بے صحبت پر قطع کر بھی لیا تو وہ بھی غائبانہ پیروں کی توجہ سے پہنچا ہے۔)

اس میں جواب ہے اس سوال کا کہ ہم تو بعض اولیاء کو دیکھتے ہیں کہ وہ بدوں رہنما کے واصل ہو گئے ظاہر میں ان کا کوئی شیخ نہ تھا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اول تو یہ نادر ہے والنادر کالمعدوم (نادر مثل معدوم کے ہوتا ہے) اس لئے تو ارد سے نقص وارد نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ جس کو ظاہر میں بدوں کسی رہنما کے واصل دیکھتے ہو وہ حقیقت میں ایسا نہیں واقع میں وہ بھی کسی رہنما کے واسطہ سے واصل ہوا ہے گو ظاہر میں اس کا کوئی شیخ نہیں مگر وصول اس کو بھی عون ہمت مردان طریق سے ہوا ہے یعنی اہل اللہ میں سے کسی نے اس پر نظر کی ہے جس کی برکت سے وہ واصل ہو گیا ہے گو اس شخص کو اس کی خبر بھی نہ ہو کہ مجھ پر کس نے نظر کی ہے۔ حضرات اہل اللہ کے احسان کی یہ شان ہوتی ہے کہ بہت لوگوں کو ان کے احسان کی خبر بھی نہیں ہوتی اور وہ ان کے لئے دعائیں کرتے تھک گئے ہیں۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

## حکایت حضرت شیخ عبدالحق ردولوی

حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے تھے اور ذکر اللہ کیا کرتے تھے۔ ماں دیکھ کر کڑھتی تھی اور مزاحمت کرتی تھی۔ اگرچہ وہ براہ شفقت ہی کرتی تھی لیکن حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ ماں کدھر سے ہے یہ تو راہزن اور ڈاکو ہے۔ اس جگہ کا رہنا چھوڑ دیا اور دہلی تشریف لے آئے۔ وہاں طالب علمی شروع کی۔ نحو میر یا ایسی ہی کسی کتاب میں مثال آئی ضرب زید عمرواً۔ مارا زید نے عمرو کو پوچھا عمرو نے کیا قصور کیا تھا کیوں مارا استاد نے کہا کہ صاحبزادہ یہ تو فرضی مثال ہے۔ فرمایا تو جھوٹ ہے۔ فرمایا میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا جس میں جھوٹ یا ظلم کی تعلیم ہو اس زمانہ کے ایک شاہزادہ تھے انہوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ان کو چھوڑ دو یہ اور کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ شاید اس قصہ کو سن کر بعض لوگ خود رائی کر کے ماں باپ کو اس بناء پر چھوڑ دیں کہ اپنے آپ کو بھی ان پر قیاس کرنے لگیں تو یاد رکھنا چاہئے کہ نہ تو نیک کام ماں باپ یا کسی کے کہنے سے چھوڑنا چاہئے اور نہ ماں باپ سے مہاجرت اور قطع تعلق چاہئے۔ وہ تو مغلوب الحال تھے اس لئے معذور تھے۔ کوئی اور اگر ایسا کرے گا تو چونکہ خود رائی سے ہوگا اس لئے وہ مذموم اور منہی عنہ اور رائے کا اتباع ہوگا۔ اور منشا اس کا خود بینی و خود رائی ہوگا اور خود رائی کی نسبت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر است دریں مذہب خود رائی و خود بینی (اپنی فکر اور اپنی رائے عالم رندی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی خود رائی اور خود بینی اس مذہب میں مضر ہے) (اشرف الموعظ ج ۲۶)

## بزرگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ضرورت

بزرگوں کی صحبت اور ان کی توجہ وہ شے ہے کہ تھوڑے دنوں میں حالت درست ہو جاتی ہے۔ جب ان سے محبت ہوگی تو عقائد میں خیالات میں اعمال میں ہر شے میں ان کا اتباع کرنے کو دل چاہے گا۔ غرض ایسے اسباب جمع ہو جائیں گے کہ جس سے حالت خود بخود روز بروز درست ہوتی جائے گی۔ (اشرف الموعظ ج ۲۶)

## حضرت حاجی صاحب کے ایک خادم کی حکایت

ایک بزرگ تھے انہی میں ان کی حکایت مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم گنگوہی بیان کرتے تھے کہ وہ دو بھائی تھے ایک بھائی تو نقشبندیہ سلسلہ میں کسی سے بیعت تھے اور دوسرے جن کی یہ حکایت ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے بھائی ان کو ہمیشہ ترغیب دیا کرتے تھے کہ تم مجھ سے بھی فیض حاصل کرو ورنہ محروم رہو گے پچھتاؤ گے یہ ٹال دیتے تھے اتفاق سے ان کا انتقال ہونے لگا مگر اس وقت وہ چپ تھے کلمہ وغیرہ نہ پڑھتے تھے جب بھائی نے یہ حالت دیکھی تو کہا دیکھو میں کہا کرتا تھا کہ محروم رہو گے اب کہاں گئی وہ نسبت حاجی صاحب کی کہاں گیا وہ فیض یا تو وہ بے ہوش تھے یا بیساختہ جوش میں ان کی زبان پر جاری ہو گیا یَلَيْتُ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا۔ اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔ حالانکہ وہ عربی بھی نہ جانتے تھے اور اس کے بعد ذکر جاری ہوا اور اسی میں انتقال ہو گیا۔ مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم کہتے ہیں کہ میں اس وقت موجود تھا جب یہ ہوا تو میں نے ان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا کہ دیکھو یہ ہے نسبت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اور افسوس ہے تمہارے حال پر شیخ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور ان کی حالت کو نہ سمجھ سکے غرض انتقال کے وقت اس قسم کی حالتیں پیش آتی ہیں کہ ہر شخص ان کو نہیں سمجھ سکتا کسی حالت کو دیکھ کر کوئی حکم اس پر نہیں لگا سکتے پس اسی طرح اس تاجر کے اس حال سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ بری حالت میں مرا لیکن یہ ضرور کہا جاوے گا کہ اس کے دل میں کچھ اور شے بسی ہوئی ہے کہ وہ زبان پر آگئی۔ اسی طرح سوتے ہوئے جو آدمی بڑاتا ہے وہ بھی قابل افسوس نہیں ہے اور اسی طرح برے خواب سے بھی غمگین نہ ہونا چاہئے خواب کے اندر یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ کسی بیداری کی حالت کی تو دلیل نہیں اگر بیداری کی دلیل ہو تو واقعی قابل تاسف ہے ورنہ خواب ایسی کوئی شے نہیں۔ مجھ سے تو اگر کوئی خواب کی تعبیر پوچھتا ہے تو میں صاف کہہ دیتا ہوں کہ مجھے خواب سے مناسبت نہیں اور یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

نہ شمم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم      چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

نہ میں رات ہوں نہ شب پرست ہوں کہ خواب کی باتیں کروں  
چونکہ میں آفتاب کا غلام ہوں اس لئے آفتاب کی باتیں کرتا ہوں (اشرف الموعظ ج ۲۶)

## مجالس میں ذکر اللہ

ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں تم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر الرسول بھی کر لیا کرو اس کی ضرورت حدیث سے ثابت ہے۔ حدیث میں ہے

وما جلس قوم مجلسا لم يذكروا الله فيه ولم يصلوا على نبيه

صلی اللہ علیہ وسلم الا كانت علیہم ترة (مسند احمد ۲: ۵۱۵)

یعنی مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور اس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی اور بھی کچھ نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہی کہہ لیا کریں سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے) یہ لفظ جامع ہے ذکر اللہ اور ذکر الرسول دونوں کو علماء نے لکھا بھی ہے کہ یہ کفارہ مجلس ہے اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ جو لا یعنی باتیں زبان سے نکل جاتی ہیں ان کا اس سے کفارہ ہو جاتا ہے (کفارہ مجلس حدیث میں اور بھی آیا ہے جو کتاب الادعیہ میں مذکور ہے۔

سبحانک اللہم وبحمدک اشهد ان لا اله الا انت

استغفرک واتوب الیک (سنن الترمذی : ۳۴۳۳)

(اے اللہ آپ پاک ہیں مع اپنی حمد کے گواہی دیتا ہوں سوائے آپ کے کوئی معبود نہیں مغفرت چاہتا ہوں آپ سے اور آپ کی طرف رجوع ہوتا ہوں) اور ایک فائدہ یہ ہے کہ جب آدمی اس کا التزام کر لے کہ ہر مجلس میں کفارہ مجلس ضرور پڑھ لیا کرے گا یا کوئی ذکر ضرور کیا کرے گا تو نفس کے اوپر اس پابندی کا بار ہوگا پھر گناہ کی بات تو کرے ہی گا نہیں بلکہ بولنا ہی کم کر دے گا کیونکہ جس کام پر کچھ تدارک کرنا پڑتا ہے (ذم المکتوبات ج ۲۶)



## ارادہ کے ساتھ بزرگوں کی توجہ کی ضرورت ہے

اول ارادہ کرو۔ ہاں نرا ارادہ بھی کافی نہیں جب تک کہ توجہ بزرگان نہ ہو کیونکہ۔  
 بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد یہ ہستش ورق  
 (بغیر خدائے تعالیٰ اور ان کے مخصوص بندوں کی عنایت اور مہربانیوں کے اگر بادشاہ  
 ہو تو اس کی ہستی کا ورق بھی سیاہ ہو جاتا ہے)  
 اصل میں ارادہ کے پورا ہونے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ عنایت خداوندی  
 متوجہ ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ بزرگان خود متوجہ ہوں اکیلے کوئی کسی کا کام نہیں ہوا۔  
 یار باید راہ را تنہا مرو بے قلاؤز اندریں صحرا مرو  
 کہ اس جنگل میں تنہا نہ چلو کسی رہبر کو ضرور ساتھ لے لو کہ وہ تم کو رستے کے خطرات  
 سے محفوظ رکھے آگے کہتے ہیں۔

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بہ عون ہمت مرداں رسید  
 (اول تو یہ سفر بہت ہی کم لوگ طے کر پاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی کسی واسطہ  
 سے بزرگوں کی توجہ سے ہی کامیاب ہو گئے)

کہ اگر تم نے کسی کی حکایت سن لی ہو کہ وہ بغیر کسی رہبر کے اس راستے کو طے کر گئے تو اول تو یہ نادر  
 ہے دوسرے واقع میں وہ بھی کسی کی ہمت کی بدولت منزل تک پہنچے ہیں اگرچہ ظاہر نظر میں معلوم  
 نہ ہو۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی بہت سی مخلوق بلا کسی تعلق کے ہمارے لئے دعا کرتی ہے  
 گو ہم کو خبر بھی نہ ہو تو کوئی شخص اپنے کو مستغنی نہ سمجھے اسی لئے فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

بے رفیقی ہر کہ باشد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق  
 گر ہوئے ایں سفر داری دلا دامن رہبر بگیر و پس بیا  
 در ارادت باش صادق ای فرید تابیا بی گنج عرفاں را کلید  
 (بغیر ساتھی کے جو بھی عشق کے راستے میں چلا تو اس کی عمر تمام ہو گئی اور وہ عشق  
 سے آگاہ نہ ہو سکا اے دل اگر اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو کسی راستہ بتانے والے کا  
 دامن پکڑ پھر چل اپنے ارادے میں مخلص ہو جا اے فرید تا کہ معرفت کے خزانہ کی کنجی  
 تیرے ہاتھ آئے) (اصلاح النفس ج ۲۶)

## حکایت حضرت حافظ شیرازیؒ

چنانچہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ بڑے امیر زادہ ہیں اور نظر کردہ ہیں ان کی حالت یہ تھی کہ متوحشانہ جنگلوں میں پھرا کرتے تھے ان کے والد ان کو نکمے کار سمجھا کرتے تھے حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کو مکشوف ہوا کہ فلاں مقام پر فلاں رئیس کا ایک لڑکا ہے اس کی تربیت کرو حضرت نجم الدین تشریف لائے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے نہایت تعظیم و تکریم سے مہمان کیا اور عرض کیا کہ کیسے تکلیف کی انہوں نے فرمایا کہ اپنے بیٹوں کو جمع کرو چنانچہ انہوں نے حافظ رحمہ اللہ کے سوائے سب بیٹوں کو بلا کر پیش کیا آپ نے سب کو دیکھا اور فرمایا کہ ان کے سوا کوئی اور لڑکا نہیں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے والد حافظ رحمۃ اللہ علیہ کو کالعدم کہتے تھے اس لئے جواب دیا کہ اور کوئی نہیں انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے اور وہ ان میں معلوم نہیں ہوتا تب انہوں نے کہا کہ ایک اور ہے مگر نہایت آوارہ دار جنگلوں میں پھرتا ہے حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں اسی کی ضرورت ہے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کو بڑا تعجب ہوا کہ اس دیوانے سے حضرت کو کون سا کام ہوگا اور یہ خبر نہ تھی کہ۔

آب چشمہ حیواں درون تاریکی ست

(آب حیات کا چشمہ تو تاریکی میں ہے)

چنانچہ تلاش کے بعد حافظ ملے وحشی خاک آلودہ اور ان کو حضرت نجم الدین کبریٰ کے سامنے پیش کیا گیا حافظ رحمہ اللہ نے جب حضرت کی صورت دیکھی تو بے اختیار زبان سے نکلا۔  
آنانکہ خاک را بہ نظر کیما کنند آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند  
دردم نہفتہ بہ ز طیبیان مدعی باشد کہ از خزانہ غیث دوا کنند  
(کیا وہ ہماری جانب بھی التفات فرمائیں گے ان بڑے بڑے دعوے کرنے والے طبیبوں سے میرا درد چھپائے رکھنا ہی اچھا ہے۔ انہیں چاہئے کہ خزانہ غیب سے میری دوا کریں)  
آپ نے سینے سے لگا کر فرمایا کہ بہ تو نظر کردم۔ (میں نے تجھ پر نظر کی) حضرت نجم الدین کبریٰ بہت بڑے شخص ہیں۔ (اصلاح النفس ج ۲۶)

## حکایت حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ

حضرت سلطان الدین اولیاء قدس اللہ سرہ کے پاس ایک شخص آیا اور ایک ہفتہ میں خلافت

لے کر چلا گیا آپ کے دوسرے مرید اس کو دیکھ کر دل میں بہت خفا ہوئے اور یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ شیخ ہماری طرف پوری توجہ نہیں فرماتے آپ نے ان لوگوں کے انداز سے اس وسوسہ کو تاڑ لیا اور ان کے علاج کے لئے فرمایا کہ کچھ تر اور کچھ سوکھی لکڑیاں جمع کرو جب جمع ہو گئیں تو فرمایا کہ گیلی لکڑیوں میں آگ لگاؤ سب نے بہت کوشش کی لیکن ان میں آگ نہ لگی اس کے بعد فرمایا کہ ان سوکھی لکڑیوں میں آگ لگا دو چنانچہ ان میں فوراً آگ سلگ اٹھی آپ نے فرمایا کہ کیا وجہ یہ لکڑیاں اس قدر جلد کیوں سلگ اٹھیں اور پہلی لکڑیوں میں کیوں آگ نہیں لگی۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضور پہلی لکڑیاں گیلی تھیں اور یہ سوکھی ہیں گیلی لکڑیوں میں آگ نہیں لگا کرتی آپ نے فرمایا کہ ظالمو تم گیلی لکڑیاں ہو کر میری شکایت کرتے ہو اور اس سوکھی لکڑی کے جل اٹھنے پر تعجب کرتے ہو وہ سوختہ ہو کر آیا تھا صرف ایک پھونک کی ضرورت تھی چنانچہ ایک ہی پھونک میں بھڑک اٹھا اور تم گیلی لکڑی ہو کر رات دن دھونکاتا ہوں مگر تم آگ ہی نہیں پکڑتے ہو اس میں میری جانب سے کمی ہے یا تمہارا قصور ہے غرض بعض سوختہ دل ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کو تھوڑے ہی کام میں سب کچھ حاصل ہو جائے لیکن آگے یا پیچھے کچھ نہ کچھ مجاہدہ ضرور کرنا پڑتا ہے اور کرنے پر بھی جو کچھ ملتا ہے وہ محض فضل خدا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ پر کسی کا زور نہیں ہے مگر عادة اللہ یوں جاری ہے کہ جو اہر توجہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کو بہت کچھ دیتے ہیں۔ من تقرب الی شبرا تقربت الیہ باعا (جو شخص میری طرف ایک بالشت ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں کے یہی معنی ہیں تو صاحبو کیا یہ بات کچھ کم ہے کہ کام پیسے کا کیا جائے اور ملے ایک اشرفی۔ خود کہ باید ایں چنیں بازار را کہ بیک گل مے خری گلزار را (اپنے لئے اتنا بڑا بازار حاصل کرتا ہے جو کہ ایک پھول دے کر باغچہ خریدتا ہے) کہ دیا تو ایک پھول اور اس کے عوض مل گیا ایک باغ خوب کہا ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد ایں چہ در ہمت نیاید آں دہد  
(آدھی جان لیتے ہیں اور سو جانیں دیتے ہیں اور جو خیر تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی وہ عطا کرتے ہیں) (اصلاح النفس ج ۲۶)

## اہل اللہ سے تعلق کا منشاء

کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کر لو مگر تعلق دین کے لئے پیدا کرو دنیا طلبی کے لئے اہل

اللہ سے تعلق نہ پیدا کرنا چاہئے ہاں شاذ و نادر اگر کوئی دنیا کا کام بھی ان سے نکل جائے تو مضائقہ نہیں لیکن محض دنیا ہی کو نصب العین بنا کر ان سے راہ اور رسم پیدا کرنا نہ چاہئے مثلاً بعضے لوگ اہل اللہ سے اس لئے ملتے ہیں کہ ان کی ملاقات بڑے لوگوں سے ہے ان کے ذریعہ سے ہمارے کام نکلیں گے یا بعضے لوگ تعویذ گندوں کے لئے ملتے ہیں حالانکہ اہل اللہ سے اس قسم کے کام لینے کی ایسی مثال ہے کہ کسی سنار سے کھرپا بنانے یا لوہار سے زیور بنانے کی فرمائش کی جائے۔ بعض لوگ مشورہ کیا کرتے ہیں کہ ہم کس قسم کی تجارت کریں اناج کی تجارت کریں یا کپڑے کی خدا جانے یہ لوگ اہل اللہ کو خدا تعالیٰ کا رشتہ دار سمجھتے ہیں کہ ان کا بتلانا خدا کا بتلانا ہوگا اور جب خدا تعالیٰ بتلا دے گا تو اس کام میں ضرور نفع ہوگا یا خدا تعالیٰ کا راز دار سمجھتے ہیں کہ یہ خدا سے مشورہ کر کے بتلا دیں گے ابھی کل کی بات ہے کہ ایک صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپ کو تو سب خبر ہو گئی ہوگی۔ صاحبو! اس دربار میں انبیاء علیہم السلام کا پتہ بھی پانی ہوتا ہے دوسروں کی تو کیا مجال ہے۔ (اصلاح النفس ج ۲۶)

## جائے بزرگاں بجائے بزرگاں

حاجی صاحب کا ارشاد ہے جائے بزرگان بجائے بزرگان یعنی بزرگوں کی جگہ میں بھی برکت و انوار ہوتے ہیں چنانچہ مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب حاجی صاحب حج کو تشریف لے گئے تو میں ان کی جگہ بیٹھ کر ذکر کرتا تھا تو انوار معلوم ہوتے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ذکر فرماتے تھے کہ ایک بار ریل کے پلیٹ فارم پر بیٹھنے کا اتفاق ہوا بیٹھتے ہی انوار ہونے لگے مولانا نے تحقیق فرمایا معلوم ہوا کہ ایک بزرگ وہاں سے اٹھ کر ابھی تشریف لے گئے تھے۔ غرض اجازت کے بعد تو شیخ کی جگہ یا مصلے پر نماز پڑھنے اور ذکر کرنے کا مضائقہ نہیں بغیر اجازت کے ایسا نہ کرنا چاہئے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ پر نماز پڑھا کرتے تھے اس کا منشا اتباع تھا دعویٰ مساوات نہ تھا ان کی یہ حالت تھی۔

در منزلکہ جاناں روز نے رسیدہ باشد      با خاک آستانش داریم مرحبائے  
(جس منزل میں محبوب کسی روز پہنچے ہوں ہم اس کی چوکھٹ کی خاک کو مرحبا کہتے ہیں)



نیز ایک بات اور ہے وہ یہ کہ مبنی ادب کا عرف پر ہے اور تبدل عرف سے عرفیات کا حکم بدل جاتا ہے تو صحابہ کے زمانہ میں کسی کی جائے نماز پر نماز پڑھنا خلاف ادب نہ تھا اور ادب عرف بدل گیا ہے تو اب یہ ادب نہ ہوگا کیونکہ جو امور مقصود شرعی نہ ہوں ان کے احکام زمانہ کے تبدل سے بدل جاتے ہیں۔ ہاں مقاصد شرعیہ نہیں بدل سکتے پس اب سمجھئے کہ ایذا سے بچنا تو مقصود شرعی ہے یہ تو کسی حال میں نہیں بدل سکتا رہا یہ کہ کون سی بات موجب ایذا ہے اور کون سی نہیں یہ تبدل زمان و تبدل مکان سے بدل سکتی ہے کہ ایک فعل زمانہ سابق میں موجب ایذا نہ ہو آج کل موجب ایذا ہو یا ایک فعل بلاد عرب میں موجب ایذا نہ ہو بلاد عجم میں موجب ایذا ہو شیخ کے مصلے پر نماز پڑھنے کے متعلق ایک اور بات قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ بعض لوگ جائے قدم پر سجدہ کرتے ہیں اس میں شرک کا قوی اندیشہ ہے اس کا ہرگز قصد نہ کیا جائے اسی لئے میں اب اس شعر کو پسند نہیں کرتا۔

مقامیکہ نشان کف پامے تو بود سالہا سجدہ صاحب نظر اں خواہد بود

(جس مقام پر آپ کے کف پا کے نشان پڑے اہل نظر وہاں سالہا سجدہ کریں گے)

(الاریاب والاغیاب ج ۲۶)

## وسوسہ کا علاج

وسوسہ کا علاج یہی ہے کہ اس سے اصلاً پریشان نہ ہو ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو وساوس بکثرت آتے ہوں اور دفع نہ ہوتے ہوں اسے چاہئے کہ ان وساوس ہی کو جمال حق کا مرآۃ بنالے کیونکر؟ اس طرح کہ یوں مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی عجیب قدرت ہے کہ دل میں ایک دریا خیالات کا پیدا کر دیا ہے جس کی کہیں انتہا نہیں اور جو رکتا ہی نہیں اب وساوس کو قدرت حق کی معرفت کا وسیلہ بناؤ ان شاء اللہ خود ہی بند ہو جائیں گے (کیونکہ شیطان کا مقصود تو وساوس سے خدا سے بعید کرنا تھا جب اس نے ان کو بھی قرب کا وسیلہ بنا لیا تو اب شیطان وسوسے ڈالنا بند کر دے گا غالباً شیخ ابو سلیمان دارانی کا ارشاد ہے کہ وساوس سے خوش ہوا کرو یعنی خوشی ظاہر کیا کرو کیونکہ شیطان کو علم غیب نہیں ہے جب تم خوشی ظاہر کرو گے تو وہ بھی سمجھے گا کہ دل سے خوش ہو رہا ہے۔ (پس تم غلبہ وساوس کے وقت زبان سے اتنا کہہ دیا کرو کہ میں اس سے نہیں گھبراتا تو اور وسوسے ڈال دے میں نہایت خوش ہوں گا) اور شیطان مسلمان کو خوش نہیں کرنا چاہتا اس لئے وسوسے

ڈالنا بند کر دے گا یہ معالجات ہیں جو محققین نے وساوس کے بارے میں بیان فرمائے ہیں ان میں سے ہی نفع ہوتا ہے باقی وساوس کا دفعہ کرنا اس سے فکر و رنج میں مبتلا ہونا ہرگز نافع نہیں اور یہ معالجات تدبیرات طبعیہ کی قبیل سے ہیں اس لئے ان کے بارہ میں یہ کوشش نہ کرو کہ حدیث میں یہ معالجات کہاں ہیں کیونکہ ایسے امور انتظامیہ کے لئے جزئی تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ حدیث میں ان سے ممانعت نہ ہونا ہی ان سے ورود فی الشرع کے لئے کافی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود نے متفلیحات و متممات پر لعنت فرمائی تھی (یعنی ان عورتوں پر جو دانتوں کو ریتی سے باریک بناتی ہیں اور مناقش سے چہرہ کارواں صاف کرتی ہیں) تو ایک عورت نے سوال کیا کہ آپ ان پر کیسے لعنت کرتے ہیں فرمایا میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر قرآن میں جب کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے عورت نے کہا میں نے تو سارا قرآن پڑھا ہے کہیں بھی ان پر لعنت نہیں دیکھی فرمایا اگر تو نے قرآن (سمجھ کر) پڑھا ہوتا تو ضرور دیکھتی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَمَا اَتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوْا رسول تم کو جو حکم وغیرہ دیں اس کو اختیار کرو۔ اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں سے روکا ہے اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ قرآن میں بھی ان کا بدرجہ لعنت منہی عنہ ہونا کلیا وارد ہوا۔ (الاریاب والاعیاب ج ۲ ص ۲۶)

## علم حقیقی حاصل کرنے کا طریق

اگر دولت حاصل کرنا چاہتے ہو تو کسی کی جوتیوں میں جا کر پامال ہو جاؤ اگر وہ سر پر جوتے بھی مارے تو خوش رہو پھر چند روز کے بعد دیکھنا کہ تمہارے دل میں کیسا استغناء پیدا ہوتا ہے جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہ ہوا ہوگا لیکن آج کل یہی بات تو نہیں رہی مولوی اول تو اہل اللہ کے سامنے جاتے نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بس ہم عالم ہو گئے اب ہم کو کسی کی کیا ضرورت ہے اور اگر کبھی پیر کی تلاش کا خیال ہوگا اور کسی کے پاس جاویں گے تو ایسی جگہ تلاش کریں گے جہاں ان کی قدر ہو اور مشائخ بھی علم کا ادب کر کے علماء کی قدر زیادہ کرتے ہیں۔ (تعظیم العلم ج ۲ ص ۲۷)

## عارفین کی نظر موجودہ کمالات پر نہیں ہوتی

ایک شخص کی حالت پر جس نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خط میں دیکھا

تھا کہ مولانا قسم کھا کر لکھتے ہیں کہ واللہ میں کچھ نہیں تو اس سے وہ کہنے لگا کہ ہم مولانا کو سچا سمجھتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ میں کچھ نہیں تو ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں اور حیرت یہ کہ مولانا کے ایک معتقد بھی شبہ میں پڑے ہوئے تھے کہ حضرت نے یہ جھوٹی قسم کیوں کھائی اس میں کیا تاویل کی جائے۔ میں نے کہا بندہ خدا ترقی تو انبیاء علیہ السلام کو بھی ہوتی رہتی ہے اور وہ بھی ترقی کے محتاج ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرماتے ہیں: ”وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ (اور کہئے میرے پروردگار زیادہ دیجئے مجھ کو علم) اسی طرح اولیاء کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور وہ انبیاء سے زیادہ ترقی کے محتاج ہیں۔ پس مولانا کی یہ قسم کمالات حقیقیہ انتہائیہ کے اعتبار سے کیونکہ مولانا کی نظر طلب ترقی کی وجہ سے کمالات مستقبلہ پر ہے ان پر نظر کر کے مولانا فرماتے ہیں کہ واللہ میں کچھ نہیں اور ہمارا اعتقاد مولانا کے ساتھ کمالات موجودہ کے اعتبار سے ہے ان پر نظر کر کے مولانا سب کچھ ہیں اور عارفین کی نظر کبھی اپنے کمالات موجودہ پر نہیں ہوا کرتی بلکہ ہر دم اس سے آگے پر نظر رہتی ہے۔ اس لیے وہ قسم کھا کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہیں۔ پس ان کی قسم بھی سچی اور ہمارا اعتقاد بھی سچا (دونوں میں تعارض کچھ نہیں کیونکہ تناقص کے لیے وحدت موضوع بھی شرط ہے اور یہاں موضوع مختلف ہے ۱۲)

بلکہ اگر ان کو تمام کمالات ممکنہ الحصول حالیہ و استقبالیہ بھی حاصل ہو جائیں جس سے ترقی بھی ممکن نہ ہو تب بھی چونکہ ان کی نظر کمالات حق پر ہوتی ہے ان کے اعتبار سے پھر بھی وہ قسم کھا کر یہی کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں۔

اس تقریر سے ان کا شبہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوئے۔ معتقد کا شبہ تو ذرا سے اشارے میں رفع ہو جاتا ہے مگر افسوس اس مخالف کی بد حالی پر ہے جو سمجھانے سے بھی نہ سمجھا اور یہی کہتا رہا کہ آپ کی معتقدانہ تاویلات ہیں، ہم تو مولانا کو سچا سمجھتے ہیں۔

(الہدی والمغفرہ ج ۲ ص ۲۷)

## بزرگوں کے نقص کی مثال

بھلا اہمت بھی بادشاہت کے اعتبار سے کم درجہ پر ہے مگر کانسٹیبل سے تو افضل ہے۔

مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود      لیک بس عالی ست پیش خاک تود  
(اس کا تیل اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود  
بخود جل اٹھے گا نور علی نور)

بزرگوں کا نقص ایسا ہے جیسے آسمان عرش کے سامنے کم ہے مگر یقیناً آسمان زمین  
وغیرہ سے تو بڑا ہی ہے۔ ہمارے کمالات کمالات ارضیہ ہیں اور ان کے کمالات سماویہ  
ہیں جو کمالات الہیہ عالیہ متعالیہ سے ضرور کم ہیں مگر ہمارے کمالات سے بدرجہا افضل و  
اکمل ہیں اس لیے ہم کو ان سے استغناء نہیں ہو سکتا کیونکہ جس کو زمین سے عرش پر جانا  
مقصود ہوا اسے آسمان کو ضرور طے کرنا پڑے گا۔ صاحب اہل اللہ اپنے کو ناقص کیوں نہ  
کہیں وہ تو خدا کے راستہ کو طے کر رہے ہیں جس کی حالت یہ ہے:

اے برادر بے نہایت در گہیست      ہرچہ بروئے مے رسی بروئے مالیت  
(بھائی بے نہایت دربار ہے جس مقام پر پہنچو اس مقام پر نہ ٹھہرو باطنی حالت میں ترقی کرو)  
ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ علوم دنیا میں بھی جو لوگ صاحب کمال ہیں وہ بھی اپنے کو ناقص ہی  
کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک محدود کمال ہے جو ممکن الحصول ہے مگر اس کا بھی حقیقی درجہ بہت عالی  
ہے۔ اس پر نظر کر کے ہر کام اپنے کو ناقص ہی کہتا ہے۔ دیکھئے حکیم عبدالجید خان اور حکیم محمود  
خان اپنے فن میں کیسے کامل تھے کہ واقعی ان کو طب کا امام کہنا چاہیے مگر کوئی ان سے پوچھتا تو وہ  
یہی کہ ہم کو کیا کمال حاصل ہے کچھ بھی نہیں۔ تو کیا ان کے اس کہنے سے آپ یہ سمجھ لیں گے  
کہ وہ بھی ایسے ہی ناقص ہیں جیسے ہم ناقص ہیں اور دونوں برابر ہو گئے اور کیا یہ سمجھ کر آپ ان  
سے علاج کرانا چھوڑ دیں گے ہرگز نہیں بلکہ آپ ان کی اس بات کا یہی مطلب سمجھیں گے یہ  
اپنے کو طب کے حقیقی کمال پر نظر کر کے جو ان کے نزدیک جاس و بقراط وغیرہ کو حاصل تھا  
(گویہ لوگ بھی اپنے کو حقیقی کمال سے قاصر ہی سمجھتے تھے ۱۲) ناقص کہہ رہے ہیں مگر اس زمانہ  
میں تو یہ اس فن کے امام اور سب سے زیادہ ہی کامل ہیں۔ افسوس دنیا کے کاموں میں تو لوگوں  
کو بہت جلدی عقل آ جاتی ہے اور کاملین دنیا اپنے کو ناقص کہیں تو اس سے کسی کو دھوکہ نہیں ہوتا  
نہ ان سے کوئی اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے مگر دین کے باب میں نہ معلوم لوگوں کی عقل کہاں جاتی  
رہتی ہے اور یہاں ان کو یہ دھوکہ کیوں پیش آتا ہے۔ (الہدی والمغفرہ ج ۲)



## کشف قبور

کشف قبور کے لیے صاحب نسبت فنا ہونا ضروری ہے تو جب صاحب نسبت بھی ہو گئے پھر کیا کسر رہی حالانکہ کشف قبور کوئی کمال نہیں ہے نہ مطلق نسبت کا حصول دلیل کمال ہے۔ کشف قبور کے نسبت فنا پر موقوف ہونے پر مجھے ایک محقق کی حکایت یاد آئی کہ ان سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ قبور سے فیض ہوتا ہے یا نہیں فرمایا کہ فیض لینے والا کون ہے اس شخص نے کہا کہ مثلاً میں ہوں فرمایا کہ نہیں ہوتا۔ (ضرورۃ العمل فی الدین ج ۲۷)

## فیض کی دو قسمیں

فیض کی دو قسمیں ہیں ایک بہ دلالت لفظیہ یعنی تعلیم و تلقین ایک غیر لفظیہ یعنی تقویت نسبتاً افادہ اور استفادہ میں لفظیہ بہت مفید اور عمدہ ہے پس صرف قبور سے استفادہ پر بس کرنا غلطی ہے کیونکہ قبور سے اتنا فیض ہوتا ہے کہ حالت موجودہ میں ترقی ہوتی ہے و بس بخلاف زندہ کے کہ اگر کوئی شبہ ہو تو اس کو پیش کر کے حل کر سکتا ہے۔ خوب مشیع طور سے تو اسکی برابر ہرگز فیض قبور نہیں ہو سکتا۔ (ضرورۃ العمل فی الدین ج ۲۷)

## تصوف کی حقیقت

غرض تصوف اصلاح ظاہر و باطن کا نام ہے نہ کہ رسوم کا بلکہ احوال متعارفہ کا نام بھی نہیں۔ یہ احوال اگر نہ بھی ہوں تو نسبت مع اللہ پیدا ہو سکتی ہے جس کا اثر یہ ہے کہ طاعت میں سہولت ہو اور دوام ذکر پر توفیق ہو رہی رسوم کہ قبر پر کپڑے چڑھانا، عرس کرنا، کپڑے رنگین پہننا سماع سننا۔ سوا اس کو کوئی تعلق تصوف سے نہیں ہے اور احوال اگرچہ کبھی مقامات پر مرتب ہو جاتے ہیں لیکن وہ تصوف کے اجزاء یا اس کے لوازم نہیں (ضرورۃ العمل فی الدین ج ۲۷)

## حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی حکایت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کثیر البکات تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ کیا تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو گئے ہو کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عیسیٰ علیہ

السلام کیا تم خدا تعالیٰ کے قہر سے بالکل مامون ہو کہ تم کو ہر وقت ہنسی ہی آتی رہتی ہے آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ علیہ السلام جلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب رہتے ہو لیکن خلوت میں یحییٰ کی طرح گریہ و زاری کیا کرو اور اے یحییٰ خلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب ہو لیکن لوگوں کے سامنے کچھ تبسم بھی کر لیا کرو کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ ہو جائے کہ جب نبی کا یہ حال ہے تو ہم کو نجات کی کیا امید ہے۔ (تفصیل الاعمال ج ۲۷)

## بزرگی کی تعریف

بزرگی نسبت مع اللہ کا نام ہے جس کی پوری حقیقت کا بعض دفعہ فرشتوں کو بھی پتہ نہیں لگتا۔ البتہ اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال اقوال حرکات میں زیادہ تشبہ ہو یعنی جس طرح نماز ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری متابعت کی کوشش کی جائے اسی طرح آپس کے برتاؤ و روزمرہ کی باتوں میں سونے میں جاگنے میں غرض ہر ہر بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کوشش کی جائے اور یہ اتباع عادت ہو جائے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں اور عادات کو اس عموم میں اس لیے داخل کیا گیا کہ حدیث میں ما اتانا علیہ واصحابی (جس راستے پر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے صحابہ ہیں) آیا ہے اور ماعام ہے عبادت اور عادت دونوں کو تو بزرگی اور نسبت کی علامت یہ ہے اور کم کھانے یا کم پینے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ (تفصیل الاعمال ج ۲۷)

## مراتب کو سمجھنے کے لیے بصیرت کی ضرورت

ایک چور کسی بزرگ سے بیعت ہوا اور چوری کرنے سے توبہ کی لیکن چونکہ مدت کی عادت پڑی ہوئی تھی اس لیے ہر شب چوری کرنے کا سخت تقاضا طبیعت میں پیدا ہوتا اور اس کو دبانے کے لیے وہ یہ کرتا کہ تمام ذاکرین کے جوتے اٹھا کر گڑ بڑ کر دیتا اس کے جوتے کے ساتھ اس کا اور اس کے جوتے کے ساتھ اس کا غرض کسی ایک کا جوتا بھی اپنے ٹھکانے نہ ملتا۔ آخر لوگوں نے دق ہو کر ایک شب بیدار رہ کر دیکھا معلوم ہوا کہ یہ نو گرفتار ہیں صبح ہوئی تو شیخ سے شکایت کی انہوں نے بلا کر اس سے دریافت کیا اس نے کہا کہ حضور میں بیشک ایسا کرتا

ہوں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ مدت سے مجھے چوری کرنے کی عادت تھی اب میں نے توبہ کر لی ہے لیکن رہ رہ کر طبیعت میں تقاضا پیدا ہوتا ہے جس کو میں یوں پورا کرتا ہوں اب اگر آپ مجھے اس سے منع فرمائیں گے تو میں اضطراب اور پھر چوری کروں گا۔ غرض میں نے چوری سے توبہ کی ہے ہیرا پھیری سے توبہ نہیں کی۔ شیخ نے کہا کہ بھائی تجھ کو اس کی اجازت ہے تم ہیرا پھیری کر لیا کرو۔ ان مراتب کو سمجھنا بڑی بصیرت پر موقوف ہے۔ (تفصل الاعمال ج ۲)

## اہل کی دو قسمیں

اہل بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک اہل تو وہ کہ ان کے قلب پر ایسے واردات طاری ہوتے ہیں ایک وہ ہیں کہ ان کے قلب پر ایسے واردات طاری نہیں ہوتے جس پر ایسے واردات طاری ہوتے ہیں اس پر اظہار جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہے تاکہ وہ اپنے واردات کو اکابر کے واردات پر منطبق کر کے دیکھے اور غلطی سے بچے بس خاص ایسے شخص پر ان کا کشف جائز ہے اور یہی مصلحت ہے اکابر کی۔ ان علوم ذوقیہ کی تدوین میں تاکہ اہل کشف کے پاس اپنے کشف کے قبول و رد کا ایک معیار موجود ہو ورنہ درجہ مقصودیت میں نہ ان کی تدوین جائز تھی نہ ان کا نشر جائز ہے اگرچہ وہ اہل ہی ہو اسی طرح متکلم میں بھی اہلیت شرط ہے اسی کے بارے میں مولانا وصیت فرماتے ہیں:

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال تو نہ کامل مخور میباش لال  
(لقمہ اور نکتہ کا ظاہر کرنا کامل کو جائز ہے جب تم کامل نہیں ہو مت کھاؤ اور گونگے بنے رہو)  
کہ نکتہ کا ظاہر کرنا کامل کو جائز ہے کہ وہ احاطہ تمام رعایتوں کا کر سکتا ہو تم اگر کامل نہیں ہو تو تمہارے نام تمام نکات بیان کرنے سے لوگوں کے غلطی میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:  
نکتہ ہاچوں تیغ پولادست تیز چوں نداری تو سپر واپس  
(بہت سے نکتے تلوار کی طرح تیز ہیں اور سپر سے مراد فہم ہے اپنی اگر فہم نہ ہو تو دور نہ ہو)  
پیش این الماس بے اسپرمیا کز بریدن تیغ رانبود حیا  
(اس کے سامنے بغیر سپر کے نہ آؤ کیونکہ ایمان اگر سامنے پڑے گا تو وہ اس کو قطع کر دے گا)  
اس پر سے مراد فہم سلیم ہے مطلب یہ ہے کہ ان رموز کو ذہن ہی میں مت لاؤ۔  
جب تک کہ فہم کامل نہ ہو کیونکہ تلوار کاٹنے سے نہیں شرماتی اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ

واردات بدفہم کے ایمان کو قطع کر دیتے ہیں اور ایک مقام پر مولانا ان لوگوں کو لتاڑتے ہیں جنہوں نے ان واردات کو نا اہل پر ظاہر کر دیا۔ فرماتے ہیں:

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند از بخن ہاعالیہ راسوختند  
(بڑے ظالم تھے وہ لوگ جنہوں نے آنکھیں بند کر کے ایسی باتوں سے ایک عالم کو  
ویران کر دیا، یعنی ظالم ہیں وہ لوگ جنہوں نے ایسی باتیں کیں جن سے عالم میں ایک آگ  
لگ گئی) ایک جگہ ان کی نسبت فرماتے ہیں:

حرف درویشاں بدزدو مرددوں تابہ پیش جاہلاں خواندفسوں  
(درویشوں کی باتیں چوروں اور کمینہ ٹولیوں کے سامنے ایسی ہیں جیسے جاہلوں  
کے سامنے عملیات کا پڑھنا)

یعنی جاہلوں کے پھنسانے کے لیے درویشوں کی باتیں چوراتے ہیں جس سے مقصد  
محض نقل کرنا اور مجلس گرم کرنا ہوتا ہے غرض ان اسرار کو عام طور پر نقل کرنا جائز نہیں جب نقل کرنا  
جائز نہیں تو یہ علوم مقصودہ بھی نہیں کیونکہ علوم مقصودہ کا تو نشر واجب ہے۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

## قہر کی دو قسمیں

حق سبحانہ کا قہر دو طرح کا ہوتا ہے کبھی تو صورتاً بھی قہر ہوتا ہے اور کبھی قہر بصورت  
لطف ہوتا ہے یہ قہر قہر اول سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے (اعاذنا اللہ منہ) کیونکہ اس میں  
توبہ اور انابت الی الحق کی طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے اس لیے کہ انابت الی الحق اور توبہ تو  
اس وقت ہو جبکہ آدمی اس کو قہر سمجھے اور جبکہ لطف سمجھتا ہے تو وہ توبہ کیسے کرے گا اور حق سبحانہ  
کی طرف کیسے رجوع ہوگا، بعض مرتبہ بعض سالکین کو یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ وہ معاصی کا  
ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے ذوق و شوق و احوال و مواجید میں کچھ فرق نہیں آتا وہ سمجھتے  
ہیں کہ ہماری نسبت مع اللہ بہت قوی ہے کہ معصیت سے اس کو صدمہ نہیں پہنچتا اس سے  
وہ معاصی پر اور دلیر ہو جاتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ قہر بصورت لطف ہے اور قہر بصورت قہر  
سے زیادہ خطرناک ہے سالکین کو اس سے نہایت ہوشیار رہنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ  
نسبت احوال مواجید کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص تعلق ہے جو کہ عبد طائع کو حق سبحانہ  
سے اور حق سبحانہ کو اپنے مطیع بندہ سے ہوتا ہے۔ (شکر المشوی ج ۲۷)



## اصرار معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہتی

اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہ سکتی اور ذوق و شوق کسی معصیت سے پیدا ہو یا معاصی کی حالت میں باقی رہے وہ قہر بصورت لطف ہوتا ہے جو قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے خوب سمجھ لینا چاہیے اور کبھی یہ قہر بصورت قہر ہوتا ہے۔ (شکر المثنوی ج ۲۷)

## حال کا مفہوم

تو حال وہ شے ہے کہ آپ کو اکسیر یعنی ایسا کامل کر دے گا کہ آپ سے دوسروں کی تکمیل ہو سکے گی کیفیت غیر راسخہ کو حال اور راسخہ کو مقام کہتے ہیں میری مراد حال سے متعلق وہ کیفیت ہے جو بالمعنی الاعم حال اور مقام دونوں کو شامل ہے۔ حقیقت اس کی صرف اس قدر ہے کہ قلب میں کوئی بات غلبہ کے ساتھ پیدا ہو جاوے اس تقریر سے آپ کو روشناسی کے مرتبہ میں اجمالاً اس تیسری شے کا علم ہو گیا ہوگا لیکن بصیرت کے ساتھ اس کا ادراک نہیں ہوا اور ضرورت اس کی ہے کہ کما حقہ اس کا علم آپ کو ہوا (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

## حق تعالیٰ جھوٹ موٹ نام لینے سے بھی عنایت فرماتے ہیں

حق تعالیٰ کی وہ عنایت و رحمت ہے کہ اگر کوئی جھوٹ موٹ بھی اس کا نام لیتا ہے تو وہ اس کے حال پر بھی عنایت فرماتے ہیں۔

## رہبر کامل کے دامن پکڑنے سے دولت ملتی ہے

طلب میں لگ جاؤ اور کسی رہبر کامل کا دامن پکڑ لو پس انشاء اللہ دولت ملی ہوئی ہے کچھ دیر نہیں دیکھو جن کو دو تیس ملی ہیں وہ کیا کہتے ہیں ان کے اقوال دیکھئے۔ اقوال عارف شیرازی فرماتے ہیں:

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند و اندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند  
(صبح کے وقت غصہ سے مجھے نجات عطا ہوئی رات کی تاریکی میں مجھے آب حیات عطا کی گئی)

کیمیایست عجب بندگی پیر مغاں خاک او گشتم و چند درجاتم دادند  
(مرشد کی تابعداری عجیب بندگی پیر مغاں خاک بننے سے بڑے درجے ملے)

یعنی رہبر و مرشد موصل کی غلامی عجیب چیز ہے کہ جن کی وجہ سے مجھ کو یہ درجات ملے

ہیں۔ پس موصل کی ضرورت ہے موسلوں کی ضرورت نہیں اتنی سہولتوں پر بھی اگر کوئی محروم رہے تو واجد علی شاہ کے یہاں کے احادیثوں سے کم نہیں ہے۔ (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

## دینی مقاصد کے مجاہدے کبھی بے ثمرہ نہیں ہوتے

اے صاحبو بغیر کئے کچھ نہیں ہوتا، کرنا پڑتا ہے مگر بہت نہیں جس درجہ کا مطلوب ہے اس درجہ کی محنت نہیں کرنا پڑتی اس سے بہت کم کرنا پڑتی ہے۔ تھوڑی سی توجہ اور طلب سے اللہ کا فضل ہو جاتا ہے۔ (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

## دوام ترک معاصی عادتہ حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے

دوام ترک معاصی عادتہ حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے اور ترک معاصی علی الدوام واجب ہے اور مقدمۃ الواجب واجب تو حال کی تحصیل ہر مسلمان پر ضروری ہے۔

## عارف سے نہ گناہ ہوتا ہے نہ بعد ہوتا ہے

عارف سے نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ اس کو بعد ہوتا ہے۔ مولانا رومی رحمہ اللہ نے اس کی عجیب مثال لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ جیسے کوئی بالغ بعد بلوغ کے نابالغ نہیں ہوتا اسی طرح عارف بعد معرفت کے راجع نہیں ہوتا اور یہ مثال نہایت چسپاں اور مطابق ہے اس لیے کہ حقیقی بالغ عارف ہی ہے۔ عارف کے سوا سب نابالغ ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

خلق اطفالہ جز مست خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا  
(سوائے مست خدا کے ساری مخلوق بچوں کی طرح ہے جس نے خواہشات نفسانی کو ترک نہیں کیا وہ بالغ ہے نہیں ہے) (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

## موانع کا مقابلہ

موانع کا حاصل یہ ہے کہ دو کام کرو ایک تو معاصی خواہ صغائر ہوں یا کبائر سب کو چھوڑ دو اور اگر حقوق کچھ ذمہ پر ہوں تو ان کو ادا کر دو اور دوسرے یہ کہ بلا ضرورت مخلوق سے نہ ملو ضرورت ہو تو ملو اور جب ضرورت ختم ہو جائے تو فوراً الگ ہو جاؤ اور فضول کام چھوڑ دو اور تیسرا کام جو بہت ضروری ہے یہ کرو کہ شب و روز میں کم از کم ایک گھنٹہ الگ خلوت میں بیٹھ

جایا کرو اس کے لیے عشاء کے بعد کا وقت بہتر ہے۔ اس وقت اپنے نفس سے اپنے شب و روز کے کام کا محاسبہ کیا کرو اگر کوئی گناہ ہو تو اس سے توبہ کیا کرو اور آئندہ سے عزم رکھو کہ پھر نہ کریں گے۔ یہ طریقہ ہے حال کی تحصیل کا۔ خلاصہ طریقہ کا یہ ہوا کہ علم دین بقدر ضرورت خواہ مولوی بن کر خواہ اردو کے رسائل سے خواہ صحبت علماء سے حاصل کرو۔ دوسرا اس علم پر عمل شروع کر دو۔ تیسرے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو۔ چوتھے یہ کہ معاصی چھوڑ دو۔ پانچویں قلت اختلاط اور قلت کلام۔ چھٹے تھوڑی دیر خلوت اگر اس طریقہ پر آپ عمل شروع کر دیں تو آپ رجسری شدہ واصل الی اللہ ہو جاویں اور یہ نہ کہو کہ ولی ہونا بہت مشکل ہے ہم کیسے ہو جائیں گے۔ صاحبونبوت ختم ہوئی ہے ولایت ختم نہیں ہوئی۔ اس کے بعد آپ کو انشاء اللہ حیات طیبہ نصیب ہوگی اور تمام صعوبتیں دینی و دنیوی آسان ہو جائیں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حال کی تحصیل بہت ضروری ہے خصوصاً اہل علم کو بہت ہی ضروری ہے اب مجھ کو جو کچھ بیان کرنا تھا میں ختم کر چکا ہوں۔ (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

## کیفیات نہیں اعمال مطلوب ہیں

کیفیات مقصود طریق نہیں بلکہ مقصود طریق اعمال ہی نہیں اور یہ کیفیات خود ان اعمال کے تابع ہیں اگر عمل نہ ہو تو یہ کیفیات کبھی باقی نہیں رہ سکتیں تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے مگر جو اعمال مقصود طریق ہیں ان میں یہ شرط ہے کہ ان میں خلوص ہو رہا یہ کہ پھر مقصود طریق کیا ہے تو سنئے کہ مقصود طریق اور خلوص فی الاعمال یہی باطن عمل ہے جس کے متعلق ارشاد ہے: ”وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ“ (حالانکہ ان لوگوں کو حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لیے خاص رکھیں) اور حدیث میں ارشاد ہے: ”ان تعبد الله كانك تراه“ (تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے) تو آپ نے میرے اس قول سے کہ اعمال کافی ہیں یہ مطلب سمجھا کہ محض ظاہری اعمال کافی ہیں اسی لیے طریق باطن کے بیکار ہونے کا شبہ ہوا حالانکہ میرا مطلب یہ تھا کہ اعمال مع اپنی صورت ظاہرہ اور مع اپنی روح کے موجود ہوں تو کافی ہیں اور روح اعمال خلوص ہے اور تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس خلوص کے حصول میں طرق صوفیاء سے سہولت ہو جاتی ہے علم باطن میں ان ہی طرق کا بیان ہوتا ہے اور اسی کے لیے مشائخ کی صحبت اختیار

کی جاتی ہے اور اسی کے لیے اذکار و اشغال بتلائے جاتے ہیں۔ اسی خلوص میں کیفیات ذوق و شوق و یکسوئی سے بھی سہولت ہو جاتی ہے لیکن خلوص ان پر موقوف نہیں خلوص اس کے بغیر بھی حاصل ہو سکتا ہے گو دقت اور مشقت سے ہی ہو مگر ہو سکتا ہے اور طریق باطن سے یہ سہولت ہو جاتا ہے اور حقیقت اس خلوص کی یہ ہے کہ مثلاً نماز پڑھے تو اس میں ریاء نہ ہو، عجب نہ ہو، قصداً حضار و ساوس نہ ہو، تو اب اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوا اور سوائے رضائے حق کے اس کی کوئی غرض نہیں اور جو غرض بھی آتی ہے اس کو دفع کرتا ہے اور وساوس بھی دل میں خود نہیں لاتا تو یہ نماز خلوص کے ساتھ تمام ہوئی ہاں اگر یہ شخص کیفیات سے خالی ہے تو اس کے اہتمام اس کو مشقت بہت ہوگی لیکن اگر وہ اس مشقت کو برداشت کرتا رہے اور ہمت کر کے از خود نماز میں کوئی وسوسہ نہ لاوے نہ ریاء و عجب کو پاس آنے دے تو مقصود میں یہ شخص کامیاب ہے اور اس کو مشقت کی وجہ سے اجر بھی زیادہ ہوگا۔ (تفہیم الکلام ج ۲)

## وسوسہ کے ساتھ بھی ذکر نافع ہے

رات دن کا تجربہ ہے کہ ابتداء میں وساوس کی کثرت ہوتی ہی ہے بہت کم ذاکر ایسے ہوں گے جن کی ابتداء میں وسوسے نہ آتے ہوں مگر میں ذاکرین سے کہہ دیتا ہوں کہ اس طرف التفات نہ کرو وساوس کے ساتھ ہی ذکر کرتے رہو رفتہ رفتہ حضور حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ ذکر مع الوساوس ہی ایک نہ ایک دن اپنا اثر دکھاتا ہے اور زبانی تسبیح اپنا رنگ لاتی ہے اور حضور میسر ہو جاتا ہے۔

## رضا کی طلب ہی طلب الہی ہے

عراقی اور غزالی نے ایک روایت نقل کی ہے جس کی تخریج عراقی نے ابو نعیم و اصہبانی سے کی ہے۔ ”لا تفکرو فی اللہ فانکم لن تقدروا قدرہ“ یعنی خدا کی ذات میں تفکر نہ کرو تم اس کا احاطہ نہیں کر سکو گے تو جس ذات میں تصور بالکنہ محال ہے اس کی طلب بلا واسطہ کیونکر ہو سکتی ہے پس رضا کی طلب یہی طلب خدا ہے اور اسی کی طلب کا امر بھی ہے اگر یہ کہو کہ جنت کی طلب کا بھی تو امر ہے اور وہ یقیناً غیر خدا ہے تو طلب غیر خدا جائز ہوئی تو پھر کیفیات کی طلب میں کیا حرج ہے اگر وہ طلب رضا کے برابر نہیں تو طلب جنت ہی کے مثل سہی اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو جنت کی طلب کا امر درجہ مقصودیت میں نہیں بلکہ اس کا امر بھی



طلب رضا ہی کے لیے ہے کہ جنت چونکہ محل رضا ہے اور رضا مقصود ہے اس لیے محل کو بھی طلب کرنا چاہیے۔ پس محل رضا کی طلب حقیقت میں رضا ہی کی طلب ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے: ”اللهم انی اسئلك رضاك والجنة واعوذ بک من سخطک والنار“ (اے اللہ میں آپ سے آپ کی رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں اور میں آپ سے آپ کی ناراضگی اور دوزخ کی پناہ مانگتا ہوں) اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول رضا کو طلب کیا پھر جنت کو کیونکہ وہ محل رضا ہے اور اول غضب الہی سے پناہ مانگی ہے پھر جہنم سے کیونکہ وہ محل غضب ہے اس حدیث نے مطلع صاف کر دیا کہ اصل مقصود رضا ہے اور جنت مقصود بالذات نہیں بلکہ محل رضا ہونے کی وجہ سے مطلوب ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا      باتو دوزخ جنت است اے جانفزا  
(اے محبوب تیرے بغیر جنت بھی مجھ کو دوزخ ہے اور اگر تو ساتھ رہے تو دوزخ بھی مجھے جنت ہے) (تقلیل الکلام ج ۲)

## کیفیات کے مزے میں پڑنے کی نشانی

حدیث قدسی میں ارشاد ہے: ”انا عند المنکسرة قلوبہم“ میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کیفیات کا ہونا نعمت ہے اسی طرح کسی وقت ان کا بند ہو جانا بھی رحمت ہے کیونکہ سلب کیفیات سے شکستگی قلب حاصل ہوتی ہے اور یہ شکستگی ترقی کا سبب ہے پس سالک کو کیفیات کے ہونے یا نہ ہونے کی پرواہ نہ کرنا چاہیے جو شخص کیفیات ہی کے مزے میں پڑ جاتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص سفر کر رہا ہو اور کسی خاص منزل پر پہنچنا چاہتا ہو راستہ میں گرمی دو پہر کے وقت اسے ایک دریا ملا یہ اس میں گھسا تو وہاں ٹھنڈک پہنچی اب یہ اس میں سے نکلنا نہیں چاہتا ٹھنڈکی وجہ سے اسی میں رہنا چاہتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں راستہ طے نہیں ہو سکتا اور نہ یہ شخص منزل پر پہنچ سکتا ہے اس کے ساتھ ایک رفیق بھی تھا وہ دریا سے پار ہو گیا اور اس کو پکار رہا ہے کہ جلدی آ یہ کہتا ہے کہ میں تو دریا ہی میں رہوں گا اس نے آ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر نکال دیا اب خشکی میں آ کر اسے پھر پیاس اور گرمی معلوم ہوئی تو دریا کو یاد کر کے روتا ہے کہ ہائے میں وہاں سے کیوں نکال دیا گیا۔ رفیق کہتا ہے کہ کمبخت تو دریا میں سے نکل کر مقصود کے قریب ہو گیا اگر وہیں رہتا تو منزل

پر کبھی نہ پہنچتا۔ اسی طرح سالک کے لیے گاہے گاہے کیفیات کا پیش آنا اس لیے ہے تاکہ کسی قدر کلفت سفر کم ہو جائے اور شدت کے بعد راحت مل جائے تاکہ آئندہ کے لیے ہمت تازہ ہو جائے لیکن اگر وہ اسی راحت میں رہنا چاہے تو یقیناً راستہ ہی میں رہ جائے گا اور مقصود تک نہ پہنچے گا تو تم کو کیفیات دے کر پھر سلب اس واسطے کر لیں تاکہ تم کو آگے بڑھا دیں نہ اس لیے کہ نیچے گرا دیں مگر تم رو رہے ہو کہ ہائے میری کیفیات کیا ہوئیں میں تو انہیں میں رہتا اس شخص کا وہ حال ہے جیسے کسی نے گدھے کو دیا تھا نمک اس نے کہا میری آنکھیں ہی پھوڑ دیں حق تعالیٰ تو تم کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں مگر تم کیفیات میں پڑ کر راستہ ہی میں رہنا چاہتے ہو۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مجتہد فن اور مجدد وقت تھے فرمایا کرتے تھے کہ یہ انوار و کیفیات حجاب نورانی ہیں اور حجاب نورانی حجاب ظلمانی سے اشد ہے۔ سالک کو یہ سب حجابات پس پشت ڈالنا چاہیں ان کی طرف ہرگز التفات نہ کرے کیونکہ جس شخص کو بادشاہ سے ملنا ہے وہ نہ بھنگیوں کے مکان پر ٹھہرتا ہے نہ عطاروں کی دکان پر ٹھہرتا ہے بلکہ سیدھا تخت شاہی پر پہنچنا چاہتا ہے تو حجاب ظلمانی تو بھنگیوں کے مکانات ہیں اور حجاب نورانی عطاروں کی دوکانات ہیں۔ سالک کو کسی پر توقف نہ کرنا چاہیے اس کو آگے چلتا رہنا چاہیے۔ مقصود وراء الوراق ہے۔

اے برادر بے نہایت درگہیست      انچہ بروے میری بروے مایست  
(اے بھائی اللہ تعالیٰ کا راستہ غیر متناہی ہے پس اس راستے میں جس مقام پر پہنچ جاؤ  
اس پر ٹھہرنا مت آگے بڑھ جانا تاکہ ترقی جاری رہے) (تقلیل الکلام ج ۲)

## توفیق دُعا

صاحبو! جب اہل اللہ کے خدلان سے توفیق سلب ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کے خدلان کے بعد تو ہم کیا کر سکتے ہیں کچھ بھی نہیں حضرت نے سچ فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ نہ چاہیں تو ایک مرتبہ بھی زبان سے اللہ نکل سکتا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو      ایمنی از تو مہابت ہم ز تو  
(دعا کی توفیق بھی اے خدا آپ ہی کی طرف سے ہے اور قبولیت بھی آپ ہی کی طرف سے ہے امن اور سکون کا احساس بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور خوف و ہیبت بھی آپ کی طرف سے ہے) (تقلیل الکلام ج ۲)

## اہل اللہ کو نعیم دنیا بلا مشقت ملتی ہیں

تقدیر کے باب میں نہ گفتگو کرنا چاہیے اور نہ اس کی لم دریافت کرنا چاہیے کہ ہر شخص میں استعداد مختلف کیوں رکھی ہے یہ حق تعالیٰ کے اسرار ہیں خدا نے استعداد و مقادیر مختلف بنا کر اپنے بعض بندوں کو یہ دولت عطا کی ہے کہ جہاں انہوں نے نماز شروع کی اور خدا تعالیٰ کی طرف فوراً دل کا رخ ہو گیا، حضور میں غرق ہو گئے پھر اس کے ساتھ روٹی بھی بے مشقت دی ہے ان کا مرغ اور گھی اور حلوے بھی بے تکلف دے رکھے ہیں اور یہ باطنی مٹھائی بھی ہے بے تکلف دیدی اور تم کو دنیا کی نعمتیں بھی مشقت سے ملتی ہیں اور دین کی نعمت بھی مشقت سے ملے گی۔ چنانچہ بعضوں کی حالت یہ ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کا دل خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس ادھیڑ بن میں رہتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھاؤں گا آج تو گھر میں آنا بھی نہیں کل کو قرض خواہ تقاضا کرنے آئے گا اسے کہاں سے دوں گا آج تو جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں یہاں تک کہ انہیں خرافات میں نماز ختم ہو جاتی ہے۔ شیخ سعدی ایسے ہی لوگوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ:

شب چو عقد نماز بر بندم      چہ خورد با مداد فرزندم  
(رات کو جب نماز کی نیت باندھتا ہوں تو فوراً یہ خیال ستاتا ہے کہ کل میرے بچے کیا کھائیں گے)  
کہ رات کو جب یہ لوگ نماز کی نیت باندھتے ہیں تو یہ سوچتے ہیں کہ کل کو بچے کیا کھاویں گے۔ ایک اہل زبان نے اس شعر کی عجیب تفسیر کی  
”شب چو عقید نماز بر بندم چنان در فکر عیال مستغرق باشم کہ بجائے تکبیر تحریمہ میگویم  
چہ خورد بولد و فرزندم“

واقعی اہل زبان اپنی زبان کو خوب سمجھتے ہیں ہمارا ذہن تو اس طرف نہ جاتا مگر وہ صاحب زبان تھا خوب سمجھا اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ (تقلیل الکلام ج ۲)

## زہد کے لیے ترک لذات کافی نہیں

ترک لذات زہد میں ضروری نہیں کیونکہ سب سے بڑھ کر الذالاشیاء وقاع ہے اگر ترک لذات لازم ہوتا تو کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے رکتے جیسا کہ عیسیٰ علیہ

السلام نے نکاح نہیں کیا جس کی وجہ سے آج عیسائی فخر کرتے ہیں کہ ہمارے نبی تارک لذات تھے اور مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے نبی تارک لذات نہ تھے متبع شہوت تھے کہ نو نکاح کئے جس سے ناواقف مسلمان ان کے سامنے چھپتے ہیں سوا اگر ترک لذات لازم زہد ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کو ضرور ترک کرتے تاکہ مخالفین کو مسلمانوں پر اعتراض کا موقع نہ ہوتا جس اعتراض کا یہ نتیجہ ہوا۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

## سلوک طریق کے اجزاء

سلوک طریق کے دو جز ہیں ایک تخلیہ (بالجاء الہملمہ) دوسرے تخلیہ (بالجاء الہمجمہ) تخلیہ کے معنی لغت میں آراستہ کرنا اور اصطلاح صوفیاء میں تخلیہ یہ ہے کہ سالک اپنے کو اخلاق حمیدہ و تعلق مع اللہ سے آراستہ کرے جس کا طریقہ طاعات و ذکر میں مشغول ہونا ہے اور تخلیہ کے معنی لغت میں خالی کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں سالک کا اپنے کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا اور غیرے تعلق منقطع کرنا ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سلوک کے تخلیہ اور تخلیہ دونوں کی ضرورت ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ تخلیہ کو مقدم کیا جاوے یا تخلیہ کو مشائخ میں دونوں طریقے مستعمل ہیں۔ بعض تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تخلیہ کرتے ہیں بعض تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تخلیہ کرتے ہیں اور ہر دونوں طریق سے کامیابی ہوتی ہے جیسے معالجات امراض جسمانیہ میں بھی یہ دونوں طریقے مستعمل ہیں حکماء یونان تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں یعنی پہلے مادہ فاسد کو نکالتے ہیں بعد میں تقویت طبع کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جب تک مادہ فاسد کا اخراج نہ ہو اور مرض زائل نہ ہو اس وقت تک تقویت کی تمام تدبیریں بے کار ہیں۔ اس صورت میں اگر تم طبیعت کو قوت پہنچاؤ گے تو اس سے ممکن ہے کہ مرض کو قوت پہنچے اس لیے طب یونانی میں بحالت مرض تقویت کی تدبیریں نہیں کی جاتی۔ ہاں صحت کے بعد کوئی خمیرہ یا معجون وغیرہ قوت کے لیے کھلاتے ہیں یعنی تخلیہ کے بعد تخلیہ کرتے ہیں۔

مگر اس میں قول فیصل یہ ہے کہ نہ تخلیہ کو مطلقاً مقدم کیا جائے نہ تخلیہ کو بلکہ دونوں کو دوش بدوش لے چلنا چاہیے کہ ساتھ ساتھ تخلیہ و تخلیہ دونوں ہوتے رہیں (تقلیل الکلام ج ۲۷)

## نفس کی قید

جب حضرت شاہ غلام رسول صاحب کانپوریؒ اپنے شیخ کی خدمت میں بیعت کے لئے



حاضر ہوئے تو انہوں نے استخارہ کے لئے فرمایا تھوڑی دیر مسجد میں بیٹھ کر پھر حاضر ہو گئے پوچھا استخارہ کر لیا کہا جی ہاں کر لیا فرمایا تم تو بہت جلدی آگئے تم نے کیونکر استخارہ کیا تھا۔ عرض کیا حضرت میں نے اپنے نفس سے کہا تھا کہ تو جو بیعت ہوتا ہے یہ غلامی ہے تو خواہ مخواہ آزادی کو چھوڑ کر غلامی کی قید میں کیوں پھنستا ہے میرے نفس نے جواب دیا کہ اس قید سے مجھے خدا مل جائے گا۔ میں نے کہا تیرا کیا اجارہ کہ تجھے خدا مل ہی جائے گا۔ اگر نہ ملا تو اس نے جواب دیا کہ اگر خدا نہ بھی ملا تو ان کو یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے مجھ کو طلب کیا تھا بس مجھے یہی کافی ہے۔

ہمینم بس اگر کاسد قماشم کہ من نیز از خریدارانش یاشم  
ہمینم بس کہ داند ماہر دیم کہ من نیز از خریداران اویم

(مجھ کو یہی کافی ہے اگرچہ میرے پاس کھوٹی پونجی ہے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں ہوں یہی مجھ کو کافی ہے کہ میرے محبوب کو علم ہو جائے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں سے ہوں) (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## اصلاح دل کا دستور العمل

وہ دستور العمل جو دل سے پردے اٹھاتا ہے جس کے چند اجزاء ہیں۔ ایک تو کتابیں دیکھنا یا سننا۔ دوسرے مسائل دریافت کرتے رہنا۔ تیسرے اہل اللہ کے پاس آنا جانا اور اگر ان کی خدمت میں آمد و رفت نہ ہو سکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات و ملفوظات ہی کا مطالعہ کرو یا سن لیا کرو اور اگر کچھ تھوڑی دیر ذکر اللہ بھی کر لیا کرو تو یہ تو اصلاح قلب میں بہت ہی معین ہے اور اسی ذکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ کے لئے نکال لو جس میں اپنے نفس سے اس طرح باتیں کرو کہ اے نفس ایک دن دنیا سے جانا ہے موت بھی آنے والی ہے اس وقت یہ سب مال و دولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے اور خدا تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا اور گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت کے قابل نہیں ہے اس لئے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کیلئے کچھ سامان کر یہ عمر بڑی قیمتی دولت ہے اس کو فضول رائیگاں مت برباد کر مرنے کے بعد تو اس کی تمنا کرے گا کہ کاش میں کچھ نیک عمل کر لوں جس سے مغفرت ہو جائے مگر اس وقت تجھے یہ حسرت مفید نہ ہوگی پس زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس وقت اپنی مغفرت کا سامان کر لے۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## کامل کی علامت

کامل وہ ہے جو اپنے اعمال صالحہ کو ظاہر کرے اخفاء کا اہتمام نہ کرے تاکہ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّث پر عمل ہو جائے ہاں متوسط کو اظہار مضر ہوتا ہے مگر وہ اس لئے کہ اس کی نظر میں اغیار ہیں اور کامل کی نظر سے اغیار مفقود ہو چکے ہیں وہ نہ کسی کے واسطے کوئی عمل کرتا ہے نہ کسی کی وجہ سے کسی عمل کو ترک کرتا ہے اس کی نظر صرف ایک ذات پر ہے باقی سب مخلوق اس کی نظر سے غایت ہیں اس کے نزدیک آدمی میں اور مسجد کی دیوار اور بورے میں کچھ فرق نہیں پھر وہ کسی سے چھپ کر عمل کیوں کرے کسی نے مسجد کی دیوار سے بھی اخفاء کا اہتمام ہے دوسرے عارف کبر جز مظہر حق اور اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّث کی نظر آتی ہے اور اخفاء ہوتا ہے غیر سے اس لئے اس کو کسی سے اخفاء کا اہتمام نہیں اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں۔

ہرچہ بینم در جہاں غیر تو نیست      یا توئی یا خوئی تو یا بوئی تو  
(تمام عالم آپ کی صفات کا مظہر ہے ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے غیر وجود ہی نہیں، بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے) (الحج ج ۲۸)

## نفس سے کام لینے کا طریقہ

نفس سے جو کام بھی لو تو وہ بہانہ ڈھونڈھتا ہے جیسے ہندوستان کے سود خوار کہ اگر ان سے یہ کہو کہ سود حرام ہے اس سے توبہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ دارالحرب میں سود لینا جائز ہے بعض علماء کا اس پر فتویٰ ہے اس لئے ہم لیتے ہیں اور اگر کہو کہ اس کی زکوٰۃ کیوں نہیں دیتے تو کہتے ہیں کہ مال حرام میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ اب دینے کے وقت وہ سود ہو گیا اور حرام۔ اور لینے کے وقت حلال تھا۔ بہر حال شتر مرغ تو کمزور جانور ہے گو نام میں شتر ہے مگر وہ بار برداری کے قابل نہیں۔ (النعم المرغوبۃ فی النعم المرکوبۃ ج ۲۸)

## حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم

قرآن میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر کا قصہ مذکور ہے اس کی بنا بھی اسی مسئلہ کی تعلیم پر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام میں ایک بے احتیاطی ہو گئی تھی کہ وعظ میں

کسی نے آپ سے سوال کیا ای الناس اعلم کہ اس وقت آدمیوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اطلاق کے ساتھ جواب دیا انا کہ میں سب سے زیادہ عالم ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ علوم شرائع اور علوم نبوت میں سے سب سے بڑا عالم میں ہوں اور اسی مراد کے اعتبار سے کلام صحیح تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انبیاء اولوالعزم سے ہیں ہزاروں انبیاء ان کی شریعت کے متبع ہوئے ہیں اور خود ان کے زمانہ میں بھی حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے مگر وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اور موسیٰ علیہ السلام کسی نبی کے تابع نہیں بلکہ مستقل صاحب شریعت تھے۔ پس علوم شرائع و نبوت میں اس وقت ان سے زیادہ عالم کوئی نہ تھا مگر آپ نے جواب میں لفظاً یہ قید بیان نہ فرمائی تھی بلکہ اطلاق کے ساتھ جواب دیا اس پر عتاب ہوا اور وحی نازل ہوئی بلی عبدنا خضر اھو علم منک کہ کوئی آپ سے زیادہ عالم کیوں نہیں۔ ہمارا بندہ خضر آپ سے زیادہ عالم ہے یعنی بعض علوم میں وہ زیادہ عالم ہیں گو وہ علوم شرائع اور علوم نبوت سے افضل نہ ہوں مگر آپ کے اطلاق کلام پر تو علم خضر سے نقص وارد ہو سکتا ہے کیونکہ علم میں تو وہ بھی داخل ہے۔ (النعم المرغوبۃ فی النعم المرکوبۃ ج ۲۸)

### حضرت خضر علیہ السلام کا علم لدنی تھا

خضر علیہ السلام کا علم کشف کوئی تھا اور اس علم کو علم نبوت اور کشف الہی سے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کا علم تھا کوئی نسبت نہیں مگر فی نفسہ وہ بھی ایک علم ہے اور علم لدنی ہے جس میں وہ موسیٰ علیہ السلام سے بڑھے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے محض تنبیہ قویٰ پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملی اصلاح فرمائی کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جاؤ خضر سے ملو اور اس کے علوم کو دیکھو۔ اس کو مشائخ صوفیا سمجھتے ہیں علماء ظاہر عملی اصلاح کو کچھ نہیں جانتے۔ (الا الاسم والرسوم ۱۲) علماء تو کسی کے اندر تکبر دیکھیں گے تو اس کی اصلاح میں صرف تکبر کی مذمت اور وعیدیں بیان کر دیں گے اور بس اور شیخ اس طرح اصلاح کرتا ہے کہ جاؤ فلاں مسافر کے پیر دباؤ جو خراب خستہ حالت میں پڑا ہے جس کی رال بھی چل رہی ہے۔ اب مرید چونکہ شیخ کے سامنے چوں نہیں کر سکتا اس لئے جھک مار کر جاتا ہے اور پیر دباتا ہے گو دل دل میں شیخ کو کوستا بھی ہے کہ بڑے متشدد ہیں مگر ایسا کو سنا ہزار کوس بھاگ جاتا ہے وہ شیخ کو نہیں لگتا پھر اس غریب مسافر پر غصہ آتا ہے کہ یہ کم بخت کہاں سے آ مرا تھا وہ میرے سپرد اس کی

خدمت ہوئی۔ مگر یہ غصہ فضول ہے اگر وہ نہ آتا تو شیخ کسی اور تدبیر سے علاج کرتا مثلاً نمازیوں کے جوتے سیدھے کراتا۔ شروع میں تو یہ علاج پہاڑ کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ گراں معلوم ہوتا ہے مگر چند روز میں نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے کیونکہ ایسے ایسے کام کرتے کرتے نفس کو تواضع کی عادت ہو جاتی ہے پھر نفس درست ہو جاتا ہے۔

اور میں نے جو خضر علیہ السلام کے اقوال سے مسائل سلوک مثلاً سکوت سالک وغیرہ کا استنباط کیا ہے سو نہ اس وجہ سے کہ یہاں سلوک کی تعلیم تھی بلکہ اس وجہ سے کہ خضر فی نفسہ شیخ طریقت تھے ان کا مذاق یہی تھا۔ تو دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم عملاً کس طرح دی کہ ان کو خضر کا شاگرد بنایا گیا جو ان سے کسی طرح بھی درجہ قرب میں زیادہ نہ تھے۔ نہ علوم شرائع و نبوت میں افضل تھے۔

(النعم المرغوبة فی النعم المکروبة ج ۲۸)

## حکایت حضرت شبلیؒ

حضرت شبلیؒ چلے جا رہے تھے نہ آئی کہ شبلیؒ کیا یہ قدم اس قابل ہے کہ ہمارا راستہ اس سے طے کرو کھڑے ہو گئے پھر نہ آئی کہ کیا ہم سے صبر آ گیا چیخ مار کے بے ہوش ہو گئے ان حضرات کی تو یہ حالت تھی جناب! خالہ جی کا گھر نہیں بڑی کشاکشی ہوتی ہے لیکن اس میں ان کو ایسا لطف ہوتا ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت میں وہ حلاوت نہیں ہے۔

گدایا نے از پادشاہی نفور بامیدش اندر گدائی صبور  
(ایسے فقیر کہ بادشاہی سے متنفر ہیں اور محبوب کی اُمید پر فقری میں قناعت کرنے والے ہیں)  
دما دم شراب الم درکشند وگر تلخ بیند دم درکشند  
(ہر دم رنج و الم کی شراب پیتے ہیں اور جب اس میں کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو خاموش رہتے ہیں)  
اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم سلطنت زیادہ پسند کرتے ہو یا اس طریق کے اندر جو تم کو مشقت اور تعب لاحق ہے وہ پسند کرتے ہو تو وہ زبان سے یہ کہیں گے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سردوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی  
(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تیغ کا کشتہ ہو عاشقوں کا سلامت رہے کہ اسی پر آپ خنجر آزمائی فرمائیں) (ترجیح المفسدہ علی المصلح ج ۲۸)



## بدنگاہی اور اس کا علاج

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور وہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھ کر آیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطاب خاص سے تو اس کو کچھ نہ فرمایا لیکن یہ فرمایا مابان اقوام یترشح الزنا من اعینہم۔ یعنی لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے تو یہ عنوان ایسا ہے کہ اس میں رسوائی کچھ نہیں لیکن جو کرنے والا ہے وہ سمجھ جائے گا کہ مجھے فرما رہے ہیں اہل کشف نے لکھا ہے کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایک ایسی ظلمت ہو جاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سی بصیرت ہو وہ پہچان لے گا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے اگر دو شخص ایسے لئے جاویں کہ عمر میں حسن و جمال میں اور ہر امر میں وہ برابر ہوں فرق ان میں صرف اس قدر ہو کہ ایک فاجر ہو دوسرا متقی ہو جب چاہے دیکھ لو متقی کی آنکھ میں رونق اور دل فریبی ہوگی اور فاسق کی آنکھ میں ایک قسم کی ظلمت اور بے رونقی ہوگی لیکن اہل کشف خصوصیت سے کسی کو کہتے نہیں بلکہ عیب پوشی کرتے ہیں۔

اس کا علاج سہل ہے یہ ہے کہ راہ میں چلنے کے وقت نیچی نگاہ کر کے چلنا چاہیے ادھر ادھر نہ دیکھے ان شاء اللہ تعالیٰ محفوظ رہے گا۔ شیطان جب مردود ہو تو اس نے کہا تھا لَا فَعْدَنَ لَهُمْ صِرَاطُكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَا يَنْبَهُمْ مِنْ مَّ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ أَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَائِلِهِمْ یعنی میں ان کے (گمراہ کرنے کے) لئے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا پھر ان کے پاس آؤں گا ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور داہنے اور بائیں سے چار سمتیں تو اس نے بتلائیں اور دو سمتیں باقی رہیں اوپر اور نیچے بزرگان دین نے اس میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ اوپر نیچے کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اکثر گناہ چار سمتوں سے ہوتے ہیں پس بچنے کی دو صورتیں رہیں یا تو اوپر دیکھ کر چلو یا نیچے دیکھ کر مگر اوپر دیکھنے میں تو گر جانے اور آنکھ میں کچھ پڑ جانے کا اندیشہ ہے اس لئے نجات کے لئے یہی شق متعین ہوئی کہ نیچے دیکھ کر چلیں قال اللہ تعالیٰ وَ عِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا (ترجمہ) اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع سے چلتے ہیں۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی فرمایا کہ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جن کو میں پہچانتا ہوں اور دوسرے

وہ جن کو میں نہیں پہچانتا جن کو پہچانتا ہوں ان کو بلا دیکھے بھی آواز سے پہچان لیتا ہوں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے اور جن کو نہیں پہچانتا ان کے دیکھنے سے کیا فائدہ ہے سبحان اللہ من حسن اسلام المرأتہ کہ مالا یعنیہ (انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی کو چھوڑ دے) پر عمل اس کو کہتے ہیں بعض بزرگوں نے اس نظر کے گناہ سے بچنے کے واسطے جنگل میں رہنا اختیار کر لیا ہے۔ شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

بزرگے دیدم اندر کو ہمارے قناعت کرد از دنیا بغارے  
چرا گفتم بشہر اندر نیائی کہ بارے بندے از دل برکشائی  
بگفت آنجا پر یرویان نغزند چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند  
(میں نے ایک بزرگ کو پہاڑ کے ایک غار کے کونے میں بیٹھے دیکھا، میں نے اس سے کہا کہ آپ شہر کے اندر کیوں نہیں آتے وہاں بندہ کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہاں کے حسین نفرت کرتے ہیں جب پھول زیادہ ہو جاتے ہیں تو ریشم کے کیڑے گرتے ہیں)  
(غض البصر ج ۲۸)

### بد نظری کی دنیا میں سزا

ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور ایک چشم تھے اور کہتے جاتے تھے اللہم انی اعوذ بک من غضبک کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو کیا بات ہے کہا میں نے ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھ لیا تھا غیب سے چپت لگا اور آنکھ پھوٹ گئی اس لئے ڈرتا ہوں کہ پھر عود نہ ہو جاوے حضرت جنیدؒ چلے جا رہے تھے ایک حسین لڑکا نصرانی کا سامنے آ رہا تھا ایک مرید نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی دوزخ میں ڈالیں گے حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تو نے اس کو نظر استحسان سے دیکھا ہے عنقریب اس کا مزہ تم کو معلوم ہوگا چنانچہ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ وہ شخص قرآن بھول گیا نعوذ باللہ بعضے سچے بزرگ حسن پسند ہوتے ہیں بعض کو اس سے دھوکہ ہو گیا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں حسن پرست تھے تو ہم اگر ایسا کریں تو کیا مضائقہ ہے سبحان اللہ کیا استدلال ہے بات یہ ہے۔

کارپاں کاں را قیاس از خود مکیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر  
(نیک لوگوں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ دیکھنے میں تمہارا اور ان کا کام یکساں ہو جیسے لکھنے میں شیر اور شیر (دودھ) یکساں ہے)

میں ان کی حسن پرستی کی حقیقت بتلاتا ہوں کہ وہ اس معنی کے حسن پرست نہ تھے جیسے کہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ ان کو ہر حسین شے اچھی معلوم ہوتی تھی اور ہر بری بے قاعدہ شے سے اس قدر نفرت تھی کہ ان کو بد صورت اور بے ڈھنگی شے دیکھنے سے تکلیف ہوتی تھی۔ (غض البصر ج ۲۸)

## قلب کو گناہ سے روکنے کے تین درجات

اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ اس مرض کے ازالہ میں تین درجہ ہیں قلب کو باوجود تقاضے کے روکنا تقاضے کو ضعیف کر دینا اور قلع المقتضیٰ یعنی مادہ ہی کا قلع قمع کر دینا ان میں سے قلب کو روکنا یعنی دل کو خود اس طرح متوجہ نہ ہونے دینا یہ امر تو اختیاری ہے کہ اگر آپ سے آپ جائے تو تم اس کو روکو اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ جب قلب کسی حسین کی طرف مائل ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً کسی کریمہ المنظر بد شکل بد صورت بد ہیئت کی طرف دیکھو اگر کوئی موجود نہ ہو کسی ایسے بد صورت کا خیال باندھو کہ ایک شخص ہے کالا رنگ ہے چیچک کے داغ ہیں۔ آنکھوں سے اندھا ہے سر سے گنجا ہے رال بہہ رہی ہے دانت آگے کو نکلے ہوئے ہیں ناک سے نکلا ہے ہونٹ بڑے بڑے ہیں سنک بہہ رہا ہے اور کھیاں اس پر بیٹھی ہیں گو ایسا شخص دیکھنا نہ ہو مگر قوت مخیلہ سے تراش لو کیونکہ تمہارے دماغ میں ایک قوت مخیلہ ہے آخر اس سے کسی روز کام تو لوگے مخیلہ کا کام تو جوڑ کا ہے جب ایسا شخص فرض کیا جاسکتا ہے اس کا مراقبہ کرو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ فساد جو حسین کے دیکھنے سے قلب میں ہوا ہے وہ جاتا رہے گا اور اگر پھر خیال آوے پھر بھی تصور کرو اور اگر یہ مراقبہ کفایت کے درجہ میں نافع نہ ہو اور بار بار پھر اسی حسین کا تصور ستاوے تو یوں خیال کرو کہ یہ محبوب ایک روز مرے گا اور قبر میں جاوے گا وہاں اس کا نازک بدن سڑگل جاوے گا کیڑے اس کو کھالیں گے۔ یہ خیال تو فوری علاج ہے اور آئندہ کے لئے تقاضا پیدا ہونے کا علاج یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرو دوسرے یہ کہ عذاب الہی کا تصور کرو تیسرے یہ کہ یہ تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کو مجھ پر پوری قدرت ہے طول مراقبات اور کثرت مجاہدات سے یہ چور دل میں سے نکلے گا۔ جلدی نہ جاوے گا۔ جلدی نہ کرے اس لئے کہ ایسا پرانا مرض ایک دن یا ایک ہفتہ میں نہیں جاتا۔

تیسرا درجہ یہ کہ مادہ ہی منقطع ہو جاوے یعنی بالکل میلان ہی کبھی پیدا نہ ہو یہ وہ مرتبہ ہے کہ جس کو نادان سالک مطلوب سمجھتے ہیں اور اس کے حاصل نہ ہونے پر پریشان ہوتے ہیں یعنی جب

اپنے اندر کسی وقت ایسا میلان پاتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہمارا سب مشغل و مجاہدہ ضائع گیا حتیٰ کہ ایسے کلمات پریشانی میں ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں کہ بے ادبی اور گستاخی ہو جاتی ہے مثلاً ہم اتنے زور سے طلب حق میں رہے مگر ہم پر حرم نہیں آتا کہ ویسے ہی محروم ہیں۔ (غض البصر ج ۲۸)

## بد نظری کا علاج

صاحبو اگر حق تعالیٰ سامنے کھڑا کر کے اتنا دریافت فرمائیں کہ تو نے ہم کو چھوڑ کر غیر پر کیوں نظری تو بتلائیے کیا جواب ہے یہ ہلکی بات نہیں اس کا بہت بڑا اہتمام کرنا چاہیے ایک اور تدبیر ہے جو مقوی ہے ان تدابیر کی وہ یہ کہ جب قلب میں ایسا خیال پیدا ہو تو ایسا کرو کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھو اور توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو جب نگاہ پڑے یا دل میں تقاضہ پیدا ہو فوراً ایسا ہی کرو ایک دن تو بہت سی رکعتیں پڑھنا پڑیں گی۔ دوسرے دن بہت کم ایسا خیال آوے گا۔ اسی طرح بتدریج نکل جاوے گا۔ اس لئے کہ نفس کو نماز بڑی گراں ہے۔ جب دیکھے گا کہ ذرا سا مزہ لینے پر یہ مصیبت ہوتی ہے یہ ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے پھر ایسے وسوسہ نہ آویں گے۔

## مہمان کو کھانا کھلانے کا ایک ادب

کھانے کے متعلق ایک ادب میں نے امام مالکؒ کے معمول سے معلوم کیا ہے یہ لوگ واقعی دین میں تو امام تھے ہی دنیا کے بھی امام تھے اور بلا خوف مخالفت کہتا ہوں کہ دنیا کا سلیقہ بھی سیکھنا ہو تو اہل اللہ سے سیکھو اہل دنیا کو سلیقہ کی ہوا بھی نہیں لگی گو دعویٰ کتنا ہی کریں میں نے امام شافعیؒ کا سفر نامہ دیکھا ہے اس میں مذکور ہے کہ جب وہ امام مالکؒ کے یہاں مہمان ہوئے تو خادم نے اول ان کے ہاتھ دھلوانا چاہا امام مالکؒ نے فرمایا اول ہمارے ہاتھ دھلواؤ۔ اسی طرح کھانا خادم نے پہلے امام شافعیؒ کے سامنے رکھنا چاہا امام مالکؒ نے پہلے اپنے سامنے رکھوایا اور خود کھانا شروع کر کے کہا آپ بھی کھائیے کتاب میں تو فقط یہ قصہ لکھا ہے اور وجہ نہیں لکھی کہ امام صاحب نے ایسا کیوں کیا جو بظاہر اکرام ضیف کے خلاف معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان بزرگوں کے فیض سے اور ان کی صحبت کی برکت سے میری سمجھ میں اس کی وجہ آگئی اور بزرگوں کا فیض وفات کے بعد بھی ہوتا ہے۔ (ازالۃ الغین عن آلۃ العین ج ۲۸)



## اہل اللہ کے الفاظ میں بھی تاثیر ہوتی ہے

برکت بڑی وسیع چیز ہے تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ اہل ظلمت کی تصنیف میں ظلمت ہوتی ہے گو اس میں نوری ہی باتیں ہوں اور اہل اللہ کی تصنیفات سے ایک نور پیدا ہوتا ہے گو معمولی مضامین ہوں اور ذوق صحیح سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے اہل اللہ کے الفاظ میں ایک خاص اثر ہوتا ہے حضرت غوث اعظمؒ کے صاحب زادے نے وعظ کہا وہ علوم سے فراغت کے بعد تشریف لائے تھے بہت حقائق و معارف بیان کئے مگر مجمع میں کوئی اثر نہ دیکھا خیال ہوا کہ یہ لوگ رقیق القلب نہیں اور ان کو حیرت ہوئی کہ ایسے مضامین نے اثر نہ کیا حضرت غوث اعظمؒ کو یہ خیال مکشوف ہوا اور حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے رات سحری کے لئے دودھ رکھا تھا وہ بلی نے پی لیا بس ہم نے بے سحری روزہ رکھا یہ سنتے ہی لوگ زار زار رونے لگے صاحبزادے دیکھنے لگے کہ یہ بھی کوئی رونے کی بات تھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ رونے کی بات نہ تھی مگر ان کے الفاظ میں تاثیر ہوتی ہے از دل خیزد بردل ریزد (دل سے نکلے دل پر اثر کرے) بس جب یہ معلوم ہو گیا کہ اہل اللہ کے الفاظ میں بھی تاثیر ہوتی ہے اور ان کا یہ فیض باقی رہتا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ ان کی برکت سے میں نے یہ سمجھا کہ اصل مقصود امام مالکؒ کا یہ تھا کہ امام شافعیؒ کو بے تکلف کر دیں کہ جتنا انبساط ہوگا اتنا سیر ہو کر کھاویں گے اور ذوق سلیم ہو تو بے تکلف کرنے کا طریقہ سب سے اچھا یہ ہے کہ پہلے خود شروع کر دے کیونکہ مہمان کو ابتداء کرتے ہوئے تکلف ہوتا ہے اور حجاب ہوتا ہے اور اصل مقصود تو امام مالکؒ کا اکل من تقدیم تھی مگر مقدمات تابع ہوتے ہیں اس لئے ان میں بھی تبعاً تقدیم کی۔ (ازالۃ الغین عن آلۃ العین ج ۲۸)

## میزبانی کا ایک اور ادب

مہمان کو تکلیف نہ دے اور اپنے طور پر کھانے وغیرہ کا خیال رکھے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں لیکن اس پر ظاہر نہ ہو کہ یہ مجھ پر مسلط ہے اور مجھ کو تک رہا ہے بس سرسری طور پر دیکھنا کافی ہے ٹمکنکی باندھ کر نہ بیٹھ جائے خیر یہ قصہ درمیان میں آ گیا تھا۔ میں اصل میں یہ کہہ رہا تھا کہ اطعمہ میں کسی ترتیب خاص کی ضرورت نہیں ہاں اگر طبی ضرورت کسی کھانے کو مقدم مؤخر کرنے کی ہو تو طبیب کا منصب ہے کہ اس کو بتلا دے اور مریض یا حفظ

ما تقدم کرنے والے کو اس کا اتباع کرنا چاہئے ورنہ اپنی رغبت کے موافق کھاوے کیونکہ کھانے کے بارے میں مذاق مختلف ہوتے ہیں۔ (ازالة الغبن عن آلة العين ج ۲۸)

## لا علمی کے کرشمے

بعض لوگ میرے پاس خط لکھتے ہیں کہ قلب میں قساوت ہے اور جب میں ان سے قساوت کی تفسیر پوچھتا ہوں تو جواب میں لکھتے ہیں کہ عبادت میں مزا نہیں آتا پس مزانہ آنے کو وہ قساوت سمجھ بیٹھے ہیں اور خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں اور اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ مدارس میں کوئی ایسی کتاب داخل درس نہیں جس میں فن کے اصطلاحی کلمات کی تفسیر اور تعریف ہو کسی درسی کتاب میں عجب کی تعریف نہیں ریا کی تعریف نہیں اور تفسیر معلوم نہ ہونے سے دو غلطیاں ہوتی ہیں ایک یہ کہ مرض موجود ہوتا ہے اور اپنے آپ کو مریض نہیں سمجھتے دوسرے اس کا عکس یعنی باوجود تندرست ہونے کے اپنے کو مریض خیال کرتے رہتے ہیں جیسا کہ امراض جسمانی میں ہوتا ہے کہ ناواقف آدمی بعض دفعہ تو بدوں بخار کہہ دیتا ہے کہ بخار ہے اور بعض دفعہ بخار ہوتا ہے مگر یہی سمجھ جاتا ہے کہ بخار نہیں ہے یہاں تک کہ دق ہو جاتی ہے اور دق کرتی ہے اس لاعلمی کی وجہ سے بہت لوگ ایسے ہیں کہ ان کے مرض کی تشخیص کی جاتی ہے تو وہ مخالفت کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے ایک شخص کے متعلق تشخیص کیا کہ تم میں کبر ہے ان کو برا معلوم ہوا پھر پانچ برس کے بعد اقرار کیا اور اصل وجہ اس کوتاہی کی یہ ہے کہ واقع میں تو طریقت نام ہے مجموعہ اعمال ظاہر و باطن کی اصلاح و تکمیل کا مگر اب طریقت نام رہ گیا ہے فقط وظائف و کیفیات کا حالانکہ کیفیات کا تو مقصود میں دخل ہی نہیں وہ خود مقصود ہو بہ ترتیب غیر لازمی مرتب ہیں اور وظائف کا درجہ عرق بادیان جیسا ہے اور اعمال کا درجہ مسہل جیسا ہے یعنی جس طرح اخراج مادہ کے لئے مسہل کی ضرورت ہے اور عرق بادیان اس کی اعانت کرتا ہے۔ (ازالة الغبن عن آلة العين ج ۲۸)

## قساوت کیا ہے؟

قساوت اصطلاحی لفظ ہے اور اصطلاح ہر وقت مستحضر نہیں رہتی ایسے نکتے صحبت سے حل ہوتے ہیں اس عدم استحضار سے خود اس کی یہ تفسیر کر لیتے ہیں کہ مزا نہیں آتا حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ مزا غیر اختیاری ہے اور قساوت پر وعید آئی ہے اور غیر اختیاری سے وعید متعلق نہیں ہو سکتی

کہ اس میں تکلیف مالا یطاق (جس کی طاقت نہ ہو) ہے جو خلاف ہے لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتے کہ پس ثابت ہوا کہ قساوت اور شئے ہے اور مزانہ آنا اور شئے ہے دراصل قساوت عدم تاثر قلب کا نام ہے اور اثر بھی وہ جس کا پیدا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور اس قساوت پر وعید آئی ہے اس لئے اس کو دور کرنا ضروری ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ابعث الشی من اللہ القلب القاسی یعنی سب چیزوں میں خدا سے زیادہ دور قلب قاسی ہے قرآن شریف میں ہے فویل للقاسیہ قلوبہم من ذکر اللہ یعنی ہلا کی ہے ان کے لئے جن کے دل خدا تعالیٰ کی یاد سے سخت ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ قساوت مقابل ہے لین کے اور لین کے دو درجے ہیں ایک عقلی یہ اختیاری ہے اور یہی مامور بہ ہے اس میں خلل بھی اختیار سے آتا ہے اسی واسطے اس پر مواخذہ ہے اور دوسرا درجہ طبعی ہے اور اس میں کبھی اختلاف فطرت سے کبھی قلت و کثرت مزاولت سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور درجہ عقلی کی تدبیر تفکر ہے اور گو تفکر کے بعد اثر ہونا اور لین پیدا ہونا اختیاری نہیں ہے مگر حق تعالیٰ شانہ کی عادت ہے کہ اس کے بعد پیدا کر ہی دیتے ہیں پس یہ درجہ لین کا اختیاری اس معنی کے ہوا کہ اس کا سبب اختیاری ہے جیسا کہ بصر کو اختیاری کہتے ہیں حالانکہ براہ راست اختیاری نہیں کیونکہ آنکھ کھولنے کے بعد نہ دیکھنا اختیار میں کہاں ہے اور اختیار وہی ہے کہ جس کا کرنا نہ کرنا دونوں قدرت میں ہوں اس سے معلوم ہوا کہ آنکھ کھولنا تو اختیاری ہے اور دیکھنا غیر اختیاری مگر چونکہ آنکھ کھولنے کے بعد دیکھنا لازم ہے اس لئے دیکھنے کو اختیاری کہا جاتا ہے بس اسی طرح لین بھی اپنی ذات میں غیر اختیاری ہے مگر اس کا سبب یعنی تفکر اختیاری ہے اور اس تفکر پر وہ ہمیشہ مرتب ہو جاتی ہے اس واسطے لین کو اختیاری کہا جاوے گا خوب سمجھ لو اور اس پر ایک تفریع بھی کرتا ہوں وہ یہ کہ کوئی مسلمان اپنے متعلق قساوت کا گمان نہ کرے کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو وعید سن کر فکر نہ کرے اور اس کے قلب میں مواخذہ اخروی کھٹکانہ پیدا ہو جاوے گو ضعیف ہی ہو مگر ہوتا ہے ہر مسلمان کو ضرور اور اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کے دل میں مصیبت کر کے اور وعید سن کر اندیشہ بھی پیدا نہیں ہوتا تو وہ اپنا علاج کرے اول تو اس کا مسلمان ہونا ہی مشکل ہے مگر میں اس سے بحث نہیں کرتا فقط علاج کے لئے کہتا ہوں اگر خدا نخواستہ اس درجہ کو مرض پہنچ گیا

ہے کہ ایمان بھی باقی نہیں رہا تو اس کے علاج کا ایک جزو تجدید ایمان بھی ہے اس لئے میں عام لفظ کے ساتھ کہتا ہوں کہ علاج کرے (ازالۃ الغبن عن آلۃ العین ج ۲۸)

## شیخ کا ایک ادب

شیخ کو تعلیم کا طریقہ مت سکھلاؤ اس کو حق تعالیٰ نے سکھلا دیا ہے جب طبیب کے سامنے بولنے کی اجازت نہیں ہے تو شیخ کے سامنے کیسے ہو سکتی ہے اور اگر تم ایسے ہی طبیب کے بچے ہو تو خود ہی علاج کر لیا کرو لوگ آتے ہیں اور فرمائش کرتے ہیں کہ فلاں مراقبہ بتا دو تم ہو کون اس مراقبہ کو تجویز کرنے والے یہ وہی غلطی ہے کہ اپنا علاج خود کرنا چاہتے ہیں مریض کو چاہئے کہ حالات طبیب سے کہہ کر بس کہہ دے۔

سپردم بتو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را  
(اپنی پونجی تجھ کو سپرد کر دی کم و بیش کا حساب تو جانے)

جیسے دن رات طبیعوں کے سامنے یہی کرنا پڑتا ہے اگرچہ بعض طبیب بھی نرم ہوتے ہیں کہ مریضوں کی فرمائش پر علاج کرتے ہیں مگر یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہر وقت چل سکتا ہے حکیم محمود خان صاحب آن بان کے آدمی تھے بعضے اطباء امراء کی عادت بگاڑ دیتے ہیں اور خوشامد میں جس طرح وہ چاہتے ہیں علاج کرتے ہیں مگر محمود خاں صاحب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی نے کہا کہ یہ دوا سرد ہے یا گرم کہہ دیتے گدھے ہو تم کیا جانو بات یہ ہے کہ وہ اہل کمال تھے اور کمال میں خاصہ ہے استغناء کا اسی واسطے کیمیا گر کسی کو منہ نہیں لگاتا گو فقیر ہو اور پھٹے حال میں ہو مگر کمال کا خاصہ یہی ہے۔ (الظاہر ج ۲۸)

## اصلاح باطن کیلئے اہل علم کو توجہ کی ضرورت

شیخ کے سامنے تو اتباع کامل اور انقیاد محض کی ضرورت ہے جو بھی معاملہ وہ تجویز کرے اپنے علم اور تحقیق کو بالائے طاق رکھنا چاہئے بعض اہل علم کو یہی خیال ہوتا ہے کہ وہاں ہماری خاطر ہوگی مگر وہاں جا کر اس کا عکس ہوا کہ وہاں تو مولانا تھے اور اس نے پلہ داری اور کفش برداری وغیرہ کرائی بس ان کا دل ٹوٹ گیا اور بھاگ کھڑے ہوئے اب اس طرف جاتے بھی نہیں نتیجہ یہ کہ تمام عمر ویسے ہی رہتے ہیں حتیٰ کہ اکثر کی حالت تو یہ ہوتی ہے۔



از بروں چوں گور کافر پر حلال      واندروں قہر خدائے عزوجل  
 از بروں طعنہ زنی بر با یزید      وز درونت ننگ میدارد یزید  
 (ظاہری حالت تمہاری تو گور کافر کی طرح آراستہ و پیراستہ ہے اور اس کے اندر خدا  
 بزرگ و برتر کا قہر و غضب نازل ہے ظاہر سے تو با یزید بسطامی جیسے بزرگ پر طعنہ زنی کرتے  
 ہو اور تمہاری اندرونی حالت سے شیطان بھی شرماتا ہے) (الظاہر ج ۲۸)

## رسومات زمانہ

ایک مقام پر ایک شاہ صاحب کا یہ طرز عمل تھا کہ مرید اور مرید نیاں سب جمع ہیں جس  
 مریدنی کو جی چاہا پیار کر لیا اور اس پر ان کے مرد کہتے ہیں اب تو پیر کا منہ تمہارے منہ کو لگ گیا  
 اب ہم منہ لگانے کے قابل نہیں ہیں۔ گردن زدنی ہیں یہ مشائخ اور یہ لوگ دیوث ہیں  
 میرے ماموں صاحب ایک ایسی ہی جگہ کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ وہاں کے فقراء تو  
 دوزخی ہیں اور امراء جنتی ہیں کیونکہ فقراء تو یہ حرکات نفس پرستی کے لئے کرتے ہیں اور امراء  
 خدا پرستی کے لئے ایسوں کے بھی معتقد ہیں۔ (الظاہر ج ۲۸)

## اصل کار آمد عمل ہے

صاحبزے باطن کی یہ حقیقت ہے اسی کو کہا ہے۔  
 عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال      صد سال می تو اں بہ تمنا گریستن  
 یعنی صرف رونے سے اگر وصال محبوب ہو جایا کرتا تو یہ تو بہت سہل تھا سو سو برس  
 رو لیا کرتے مطلب یہ ہے کہ کوشش سے کام ہوتا ہے رونے سے کچھ نہیں ہوتا رونا  
 خیال کے مرتبہ میں ہوتا اور کوشش عمل ہے۔  
 حاصل یہ کہ کار آمد عمل ہے نہ کہ خیال اور کہا گیا ہے (یہ حضرت علیؑ کی طرف منسوب  
 ہے خدا جانے کہاں تک سچ ہے)۔

لو کان هذا العلم یدرک بالمنیٰ      ما کان یبقی فی البریۃ جاہل  
 فاجہد ولا تکسل ولا تک غافلًا      فندامۃ العقبیٰ لمن یتکاسل  
 یعنی علم وہ معرفت اگر صرف تمنا اور خیال سے حاصل ہو جایا کرتا تو دنیا میں کوئی

بھی اس سے محروم نہ رہتا مگر ایسا نہیں ہے اس دھوکہ میں مت رہو اور کوشش کرو اور عمل کرو اور جو کوئی سستی کرتا ہے اس کو انجام کار پچھتا نا پڑے گا صاحبو خوب سمجھ لیجئے کہ کوئی مقصود بلا مشقت اور بلا ہاتھ پیر ہلائے۔ (الظاهر ج ۲۸)

## بیعت مروجہ کی مصلحت

بیعت مروجہ میں یہی مصلحت ہے کہ جانبین کو خیال ہو جاتا ہے دونوں کو ایک دوسرے سے اعانت کی امید ہوتی ہے۔ ایک دیہاتی آدمی مجھ سے بیعت ہوا میں نے پوچھا بیعت کی تمہارے نزدیک کیا ضرورت ثابت ہوئی نماز روزہ تو بلا اس کے بھی کیا جاسکتا ہے۔ کہا میں بیعت اس واسطے ہوا ہوں کہ ویسے تو ذرا سستی بھی نماز روزہ میں ہو جاتی ہے بیعت سے ذرا خیال ہو جاتا ہے کیا کام کی بات ہے۔ (ادب الاعلام ج ۲۸)

## آداب طریقت

الہ آباد میں مجھ سے ایک شخص بیعت ہوا اور بعد میں ایک روپیہ نذر دیا میں نے لینے سے انکار کیا اس نے کہا میں خلوص سے دیتا ہوں، میں نے کہا مانا تم خلوص سے دیتے ہو اور اس وجہ سے مجھ کو واپس بھی نہ کرنا چاہئے لیکن اس میں ایک بڑا مفسدہ ہے وہ یہ کہ جن کے پاس روپیہ دینے کو نہیں ہے وہ بیعت نہ ہو سکیں گے تو غریب آدمیوں کے لئے بیعت کا سلسلہ مسدود ہی ہو جائے گا تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ خدائے تعالیٰ کا راستہ بھی روپے ہی سے مل سکتا ہے۔ (ادب العشیر ج ۲۸)

## ولایت کی دو قسمیں

ولایت کی دو قسمیں ہیں ایک ولایت عامہ دوسرے ولایت خاصہ۔ سوطلباء میں ولایت عامہ کا تحقق ہے اور ولایت عامہ کا اجتماع مذمت کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ولایت عامہ تو ہر مسلمان میں ہے۔ گو وہ کیسا ہی فاسق ہو اور ظاہر ہے کہ مسلم فاسق باوجود اس ولایت کے محل مذمت و زجر بھی ہے۔ غرض آج کل طلباء اس طبقہ سے یعنی مولویوں کے زمرہ سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ پھر دوسرا راستہ موجود ہے۔ وَهْدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ۔ (اور

ہم نے ان کو دونوں راستے بتلا دیئے (تم کو اگر مولویت سے عار ہے تو دوسرے طبقہ میں چلے جاؤ اور پوری طرح جنٹلمین ہی بن جاؤ) مولویت کے ساتھ جنٹلمین کو کیوں جمع کرتے ہو۔ اس سے تو دونوں فرقوں میں قدر نہیں ہوتی۔ ایسا شخص دونوں جگہ ذلیل ہوتا ہے اور اگر کوئی ایک طبقہ میں کامل طور سے داخل ہو تو کم از کم اس طبقہ میں تو اس کی تعظیم ہوگی اور عالم کی تو اہل دنیا میں بھی تعظیم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس میں طمع نہ ہو جو مانع عظمت ہے جو عالم طمع سے خالی ہو اس کی علماء بھی تعظیم کرتے ہیں اور دنیا دار بھی چاہے اس کا کیسا ہی خستہ حال ہو اور اہل دنیا نہ بھی تعظیم کریں تو علماء تو ضرور اس کی وقعت کریں گے۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## سلوک عمل بالشریعت کا نام ہے

حضرات صوفیہ کے کلام کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو ان سے زیادہ کوئی نہیں سمجھتا۔ ان کے کلام میں یہ حقیقت نمایاں طور پر مذکور ہے۔ چنانچہ انہوں نے عمل بالشریعت کا نام سلوک رکھا ہے جو سفر کے معنی میں ہے اور شریعت پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں اور اعمال کا نام مقامات رکھا جو منازل کے معنی میں ہے۔ شاید کوئی کہے کہ تم کو صوفیہ سے محبت ہے اس لیے خوش اعتقادی کی وجہ سے یوں سمجھ لیا کہ صوفیہ نے قرآن سے اس مضمون کو سمجھ کر یہ نام رکھے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں بہت اچھا اگر انہوں نے قصداً قرآن سے سمجھ کر یہ نام نہیں رکھے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی طبیعت میں سلامتی ایسی تھی کہ ان کی زبان سے وہی بات نکلی جو خدا تعالیٰ نے قرآن میں بتلائی ہے مگر جب صوفیاء کے کلام میں مضمون جا بجا پوری صراحت سے مذکور ہے تو ہم کیوں نہ کہیں کہ انہوں نے حقیقت کو قرآن سے سمجھ کر یہ نام رکھے ہیں۔ چنانچہ عارف فرماتے ہیں:

مراد منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم جس فریاد می دارد کہ بر بندید مجملھا  
(منزل محبوب میں امن و سکون کہاں ہے جبکہ ہر وقت کوچ کی گھنٹی بجتی ہے کہ سامان سفر باندھو)

(الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## غلطی کا منشاء

طریق باطن میں سالک کو کبھی توقف کا وہم ہوتا ہے مگر وہ توقف نہیں ہوتا واقع میں یہ چل رہا ہے لیکن اس کو اپنی سیر کا احساس نہیں ہے اور غلطی کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ ترقی کے

کچھ آثار غیر لازمہ ہیں، سالک ناواقفی سے ان کو آثار لازمہ سمجھ کر ان کے انتفاء سے ترقی کے انتفاء پر استدلال کرتا ہے۔ پس حقیقی توقف اس سفر میں کبھی نہیں ہوتا اور کسی کو نہیں ہوتا سب برابر مشغول سیر ہیں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ:

سیر زاہد ہر دے یکسالہ راہ سیر عارف ہر دے تا تحت شاہ  
(زاہد ایک مہینہ میں ایک سال کی راہ طے کرتا ہے اور عارف ذرا سی دیر میں تحت شاہ تک پہنچ جاتا ہے اور تحت شاہ پر پہنچ کر بھی سیر ختم نہیں ہوتی) اور حصول نسبت جس کو اصطلاح میں تکمیل کہتے ہیں اس کو تکمیل کہنا ایسا ہے جیسے طلباء کی دستار بندی کو تکمیل کہتے ہیں، کیا دستار بندی کے بعد سیر علمی ختم ہو جاتی ہے ہر گز نہیں بلکہ اب تو پہلے سے زیادہ سیر شروع ہوتی ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ راستہ تو ابھی کھلا ہے اور صحیح سیر تو اب ہوگی۔ اے نوآموز طالب علمو یہ مت سمجھنا کہ دستار بندی اور سند ملنے کے بعد بس کام ختم ہو گیا بلکہ اصلی کام کا وقت تو اس کے بعد آئے گا۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## جذب کی حقیقت

صوفیاء نے لکھا ہے کہ سلوک ایک خاص مقام تک ہوتا ہے اس کے بعد جذب ہوتا ہے (جذب کی حقیقت میں آگے بتلاؤں گا) اس کے بغیر کام نہیں چلتا جو لوگ گمراہ ہوئے ہیں وہ وہی تھے جو سالک محض تھے مجذوب نہ تھے جیسے ابلیس و بلعم باعور وغیرہ جذب کے بعد کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔ الفانی لا یرد کے یہی معنی ہیں۔ اب جذب کی حقیقت سنئے جذب کے معنی ہیں لغت میں کشش کرنا، کھینچنا اور اصطلاح میں جذب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اس سے محبت ہو جائے جس کی علامت یہ ہے کہ سالک پر داعیہ اضطرابیہ غالب ہو جائے اور اس سے کوئی واصل خالی نہیں ہوتا خواہ نقشبندی ہو یا چشتی۔ البتہ اکثر نقشبندیہ پر جذب کے آثار بادی النظر میں کم ظاہر ہوتے ہیں مگر اس دولت سے وہ بھی مشرف ہوتے ہیں۔ اسی کو عارف جامی فرماتے ہیں:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کمر برنداز رہ پنہاں بحر قافلہ را  
(نقشبندیہ عجب سالار قافلہ ہیں کہ مخفی راہ سے سالکین کو خدا رسیدہ بنا دیتے ہیں) اور  
حضرت شیفتہ ذکر خفی کی نسبت فرماتے ہیں:

چہ خوش ست باتو بز مہفتہ ساز کردن درخانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن  
(یعنی وہ اس طرح سالک کو لیجاتے ہیں کہ دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوتی مگر جذب سے



وہ بھی خالی نہیں ہوتے مگر یہ مت سمجھنا کہ راہ مخفی سے لیجانا نقشبندیہ ہی کے ساتھ مختص ہے بلکہ چشتیہ بھی بعضوں کو اسی طرح پہنچاتے ہیں۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## چشتیہ اور نقشبندیہ کا فرق

یہ چشتیت اور نقشبندیہ محض الوان طریق کا نام ہے کہ چشتیہ کالون یہ ہے کہ وہ اول تخلیہ کرتے ہیں پھر تجلیہ اور نقشبندیہ کالون یہ ہے کہ وہ اول تخلیہ کرتے ہیں پھر تجلیہ اور یہ بھی متقدمین کا مذاق تھا اب تو دونوں طریق کے محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ تخلیہ اور تجلیہ ساتھ ساتھ کرنا چاہیے۔ اب ہر محقق چشتی بھی ہے اور نقشبندی بھی لیکن یہ فرق ضرور ہے کہ باوجود دونوں کو جمع کرنے کے چشتیہ تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور نقشبندیہ تخلیہ کا اور اس فرق مذاق کی وجہ سے پہلے یہ قاعدہ تھا کہ جس طالب کو جس لون سے مناسبت ہوتی تھی مشائخ اس کو ایک دوسرے کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ نقشبندیہ اپنے بعض مریدوں کو چشتیہ کے یہاں بھیج دیتے اور چشتیہ بعض طالبوں کو نقشبندیہ کے یہاں بھیج دیتے لیکن آج کل تو ہڑبونگ ہو رہا ہے کہ اکثر مشائخ سب کو ایک ہی کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں باقی جو محقق ہیں وہ اب بھی طالب کو اس کی مناسبت کے موافق مشورہ دیتے ہیں۔ مولوی محمد منیر صاحب نانوتوی نے ہمارے حضرت حاجی صاحب سے پوچھا کہ حضرت میرے لیے خاندان چشتیہ میں بیعت ہونا مناسب ہے یا نقشبندیہ میں حضرت نے فرمایا کہ پہلے تم ہمارے ایک سوال کا جواب دیدو پھر بتلائیں گے۔ ایک شخص ایسی زمین میں جس کے اندر جھاڑ جھنکار کثرت سے ہیں تخم پاشی کرنا چاہتا ہے تو بتلاؤ تمہاری رائے میں اس کو پہلے جھاڑ جھنکار صاف کر کے بعد میں تخم پاشی کرنا چاہیے یا اول تخم پاشی کر دے پھر رفتہ رفتہ جھاڑوں کو بھی صاف کرتا رہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میرے نزدیک تو اسے اول تخم پاشی کر دینا چاہیے تاکہ کچھ تو ثمرہ حاصل ہو جائے ایسا نہ ہو کہ جھاڑوں کے صاف کرنے ہی میں عمر ختم ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ بس تم نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت ہو جاؤ تم کو انہی کے مذاق سے مناسبت ہے۔ سبحان اللہ حضرت نے دقیق مذاق کو کتنی سہل مثال سے حل فرمایا پھر طالب کے مذاق کی کیسی رعایت فرمائی کہ صاف کہہ دیا کہ تم نقشبندیہ سے بیعت ہو جاؤ یہ نہیں کہ سب کو اپنے ہی یہاں بھرتی کرنے کی فکر کریں جیسا آج کل اکثر ہو رہا ہے۔ غرض چشتیت اور نقشبندیہ کی

حقیقت یہ ہے کہ تخلیہ اور تحلیہ کے بارے میں ان کا مذاق مختلف ہے یہ فرق نہیں جیسا کہ آج کل بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ چشتیہ کے یہاں ذکر جبر ہے اور نقشبندیہ کے یہاں ذکر خفی۔ یہ تو ہر شیخ طالب کی طبیعت کے مناسب تجویز کرتا ہے خواہ چشتی ہو یا نقشبندی ہو۔ بہر حال جذب سے نقشبندیہ بھی خالی نہیں ہیں اور چشتیہ کا جذب تو مشہور ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بدون جذب کے وصول نہیں ہو سکتا اور بدون وصول کے رجعت سے اطمینان نہیں ہو سکتا (الرحیل الی التحلیل ج ۲۹)

## قرآن سے جذب کا استدلال

قرآن سے اس جذب کا ثبوت موجود ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ.

(اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کشش کر لیتے ہیں اور اپنی طری سے ہدایت کرتے ان لوگوں کو جو ان کی طرف رجوع کرتے ہیں)۔ اس آیت میں جذب و سلوک دونوں کا ذکر ہے مگر نہ اس طرح جیسے ایک جاہل نے کہا ہے کہ قرآن سے صوفیاء کے اشغال ثابت ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ”سلطاناً نصیراً و مقاماً محموداً“ (ایک قوت مدد دینے والی محمود) اور یہی اشغال کے بھی نام ہیں گویا اس جاہل کے نزدیک قرآن میں اس جگہ ”سلطاناً نصیراً و مقاماً محموداً“ (ایک قوت مدد دینے والی) سے صوفیاء کی اصطلاح مراد ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ یہاں ان الفاظ کے معنی لغوی مراد ہیں اور صوفیاء نے اپنی اصطلاح کو قرآن کے ان الفاظ سے لیا ہے۔ قرآن میں ان کی اصطلاح مراد نہیں ایسے ہی ایک جاہل نے کہا تھا کہ مولوی خواہ مخواہ کھانے پر فاتحہ دینے کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ قرآن سے اس کا ثبوت ہے کہ قرآن میں ایک سورت ہی فاتحہ کے واسطے نازل ہوئی ہے اور اسی واسطے اس کا نام قرآن سے لے لیا ہے کہ اس عمل میں سورہ فاتحہ کو پڑھنے لگے اور اس کا نام فاتحہ رکھ دیا یہ الٹی منطق ہے کہ قرآن میں سورہ فاتحہ کا نزول اور اس کا نام اس عمل کے لیے ہے تو میں قرآن سے جذب کا ثبوت اس طرح نہیں دیتا بلکہ الفاظ قرآنیہ کو لغوی معنی پر رکھ کر اور تفسیر سلف کو بحال خود رکھ کر ثبوت دیتا ہوں۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کشش کر لیتے ہیں اور اجتناء اور جہی کے معنی لغت میں کشش ہی کے ہیں اور جذب کے معنی بھی یہی ہیں تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو اپنی طرف ہدایت جذب فرماتے ہیں۔ آگے

ارشاد ہے: ”وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ“ (اور اپنی طرف ہدایت کرتے ہیں ان لوگوں کو جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں) اس میں سلوک کا بیان ہے کیونکہ سلوک کے معنی یہی ہیں انابت الی اللہ خدا کی طرف رجوع کرنا اور طلب میں مشغول ہونا سلوک پر فتح باب کا ترتیب ہوتا ہے جس کو ہدایت فرمایا گیا ہے۔ وصول اس پر مرتب نہیں ہوتا وصول اجتباء اور جذب سے ہوتا ہے جب تک ادھر سے جذب نہ ہو وصول نہیں ہو سکتا جس درجہ کا بھی جذب ہوگا اسی درجہ کا وصول ہوگا۔ اگر جذب کامل ہے وصول کامل ہوگا اگر جذب قلیل ہے تو وصول بھی قلیل ہوگا۔ ایک بزرگ نے جذب کی حقیقت کو حسی مثال میں خوب بیان فرمایا وہ ایک بادشاہ کے بالا خانہ کے نیچے سے جا رہے تھے بادشاہ نے آواز دی کہ ذرا یہاں تشریف لائیے مجھے ایک سوال کرنا ہے۔ کہا کیوں کر آؤں تم اوپر میں نیچے بادشاہ نے فوراً کمند لٹکا دی کہ اسے پکڑ لیجئے پھر بادشاہ نے کھینچ لیا فوراً اوپر پہنچ گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم خدا تک کس طرح پہنچے بزرگ نے بے ساختہ جواب دیا کہ جس طرح تم تک پہنچا اگر میں ملنا چاہتا اور تم نہ ملنا چاہتے تو قیامت تک بھی میں آپ تک نہ پہنچ سکتا۔ تم نے خود ملنا چاہا تو خود ہی کھینچ لیا اس طرح اللہ تعالیٰ تک پہنچنا دشوار تھا کیونکہ طویل راستہ کا قطع کرنا بندہ سے کہاں ممکن ہے اگر وہ ملنا نہ چاہتے تو قیامت تک وصول نہ ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے خود ہی ملنا چاہا اور کھینچ لیا جیسا تم نے کمند سے کھینچ لیا۔ سبحان اللہ اہل اللہ کو ذہانت بھی کیسی عطا ہوتی ہے مگر یہ جب عطا ہوتی ہے کہ پڑھا لکھا سب بھلا دو پھر وہ خود علوم کو تمہارے دل میں نقش کرتے ہیں اور جب تک تم اپنے نقش کو نہ مٹاؤ گے اس وقت تک دوسرا نقش اس پر کیسے ہوگا مگر مٹانے کی توفیق بھی اسے ہی ہوتی ہے جس کو وہ کچھ دینا چاہتے ہیں۔ بس یوں کہو کہ جب وہ کچھ دینا چاہتے ہیں تو خود ہی پہلے نقش کو مٹا دیتے ہیں اور خود ہی دوسرا نقش قائم کر دیتے ہیں مگر خود بھی لگا رہنا ضرور ہے۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## ذکر و اطاعت

خلاصہ دو چیزیں ہیں انہی میں لگنے سے کام بنتا ہے اور جو بھی پہنچا ہے انہی سے پہنچا ہے۔ میں اس وقت طریقت کا بھانڈا پھوڑ رہا ہوں لوگوں نے خواہ مخواہ اندھیری کوٹھڑی میں ان کو ڈال کر مقفل کر رکھا ہے اس کو تو برسر ممبر کہنا چاہیے وہ دو باتیں یہ ہیں ذکر اور اطاعت مگر ان کا طریقہ کسی محقق سے دریافت کرو اپنی رائے سے تجویز نہ کرو۔ حضرت فرید عطار فرماتے ہیں:

گر ہوائے اس سفر داری دلا دامن رہبر بگیرد پس برآ  
(اے دل اگر اس سفر محبت کے طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو دامن رہبر کامل کو  
مضبوط تھام اور پیچھے آ) اور مولانا فرماتے ہیں:

یار باید راہ را تنها مرو بے قلاؤز اندری صحرا مرو  
(ساتھی ضرور چاہیے تنہا راستہ مت چل خصوصاً اس طریق میں بلا رہبر کے ہرگز  
قدم مت رکھے) (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## کتاب علوم مکاشفہ و اسرار کے مطالعہ کا حکم

جن کتابوں میں علوم مکاشفہ اور اسرار مذکور ہیں ان کو ہرگز نہ دیکھا جائے ان کے متعلق تو  
صوفیاء خود فرماتے ہیں: ”یحرم النظر فی کتبنا“ ہماری کتابوں کو دیکھنا حرام ہے ان کو صرف  
محقق ہی دیکھ سکتا ہے اور وہی ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اوپر جو میں نے کہا ہے کہ یہ باتیں تو  
برسر ممبر کہنا چاہئیں ان سے بھی میری مراد علوم معاملہ و طرق اصلاح نفس ہی ہیں علوم مکاشفہ و  
اسرار مراد نہیں ان کو برسر ممبر نہ کہنا چاہیے ورنہ مخلوق گمراہ ہو جائے گی۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## تارک دنیا ہونا بڑا مشکل ہے

ہمارے ماموں صاحب فرماتے تھے کہ میاں تارک الدنیا ہونا تو بڑا مشکل ہے مگر جب  
توفیق حق شامل ہوتی ہے تو بندہ متروک الدنیا ہو جاتا ہے کہ دنیا خود اسے چھوڑ کر الگ  
ہو جاتی ہے اس نے بیوی کو طلاق دیدی اور بیوی نے خلع کر لیا اور اگر دنیا خود اسے نہ چھوڑے تو  
یہ لاکھ طلاقیں دے وہ لپٹتی ہے اور جہل سے یہی کہتی رہتی ہے کہ تیرے طلاق دینے سے کیا ہوتا  
ہے میں نے تو طلاق قبول ہی نہیں کی۔ جیسے ایک جاہل عورت نے اپنے مرد کو یہی جواب دیا تھا  
اور دوسرا جز و دعویٰ اس حدیث میں مصرح ہے۔ ”من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعاً“  
الحديث (جو شخص میری طرف ایک بالشت چل کر آتا ہے میں اس کی طرف ایک گز آتا  
ہوں) اور مبداء و منہا کے پیچھے ہٹنے اور آگے بڑھنے کا ایک واقعہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ بنی  
اسرائیل میں ایک شخص نے ۹۹ خون کیے تھے پھر اس کو توبہ کا خیال ہوا تو ایک عالم کے پاس گیا  
اور اپنا قصہ بیان کر کے مسئلہ دریافت کیا کہ اسی حالت میں میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں وہ



کوئی جلالی مولوی تھے کہا تیرے واسطے توبہ کہاں یعنی کیا ۹۹ خون ایک ساعت میں معاف ہو سکتے ہیں جاتیرے واسطے تو جہنم کا عذاب ہے سائل کو غصہ آیا اس تلوار سے ان کا بھی خاتمہ کر دیا کہ چلو سو میں ایک ہی کی کسر کیوں رہے۔ اس مولوی نے بھی تو اس کو قتل ہی کر دیا تھا کہ غریب کو رحمت حق سے مایوس کر دیا جس سے کفر کا اندیشہ تھا شیخ کو ایسا نہ ہونا چاہیے کہ طالبوں کو مایوس کرے۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ محض نجدی ہونا کافی نہیں وجدی ہونے کی بھی ضرورت ہے۔ وہ مولوی محض نجدی تھا یعنی زاہد خشک اس لیے اس نے طالب کو مایوس کر دیا۔ اگر وجدی بھی ہوتا تو اس کی طلب کو دیکھ کر پکھل جاتا۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## الفاظ میں بڑا اثر ہے

صاحبو! الفاظ میں بڑا اثر ہے اس کو ایک مثال سمجھئے۔ مولوی غوث علی صاحب پانی پتی سے کسی نے شیخ اکبر و فرید عطار و مولانا رومی کے متعلق دریافت کیا کہ وحدۃ الوجود میں گفتگو کرنے والے یہی تین حضرات بڑے ہیں ان میں کیا فرق ہے فرمایا تینوں ایک ہی بات کہتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ تین مسافر کسی گاؤں میں ایک کنویں پر پہنچے ایک عورت پانی بھر رہی تھی اس سے پانی مانگا مگر ایک نے تو یوں کہا کہ اماں مجھے پانی پلا دے یہ تو مولانا رومی ہیں دوسرے نے یوں کہا کہ میرے باوا کی جو رو مجھے پانی دیدے یہ شیخ اکبر ہیں تیسرے نے یوں کہا کہ میرے باوا سے یوں تو کرانے والی مجھے پانی دیدے یہ شیخ فرید ہیں۔ اب غور کر لیجئے کہ ان الفاظ کے اثر میں فرق ہے یا نہیں۔ اگر کوئی ماں کو اماں کہے تو وہ خوش ہوگی اور اگر باوا کی جو رو یا باوا سے یوں توں کرانے والی کہے تو اس کا منہ نوچنے کو تیار ہو جائے گی۔ حالانکہ معنی سب کے متحد ہیں مجھ پر خود ایک حالت گزری ہے جس میں الفاظ کے اثر کا مجھے پورا مشاہدہ ہوا ہے ایک بار مجھے سخت مرض ہوا اور ایک حکیم صاحب کے پاس قارورہ بھیجا انہوں نے قارورہ دیکھ کر یہ کہا کہ اس شخص میں تو حرارت غریزہ نام کو بھی باقی نہیں یہ زندہ کیسے ہے قارورہ لے جانے والے نے یہ عقل مندی کی کہ حکیم کا مقولہ مجھ سے آکر بیان کر دیا جس کا مجھ پر بہت زیادہ اثر ہوا میں نے ان کو دھمکایا کہ یہ بات کیا میرے سامنے کہنے کی تھی تم نے بڑی حماقت کی جاؤ اس کا تذکرہ کرو۔ انہوں نے تذکرہ پوچھا میں نے کہا کہ مکان سے باہر جاؤ اور کچھ دیر میں آکر مجھ سے یوں کہو کہ میں پھر حکیم صاحب کے

پاس گیا تھا، انہوں نے مکرر دیکھ کر یہ کہا کہ پہلے جو بات میں نے کہی تھی وہ غلط تھی، حالت اچھی ہے کچھ خطرے کی بات نہیں، وہ کہنے لگے کہ جب آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کی سکھلائی ہوئی بات کہوں گا تو اس کا کیا اثر ہوگا۔ میں نے کہا تم خواص اشیاء کو کیا جانو جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان لفظوں کے سننے سے میری پہلی سی حالت نہ رہی بلکہ ایک گونہ قوت طبیعت میں پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ علاج سے قوت بڑھتی گئی اور حق تعالیٰ نے پوری شفاء عطا فرمادی تو الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے گو ہماری سمجھ میں نہ آئے اطباء سے پوچھو کہ خفقان میں کہربا کی تعلیق کیوں مفید ہے؟ وہ اس کی وجہ بجز تجربہ کے کچھ نہیں بتلا سکتے۔ (سبیل السعدین ج ۲۹)

## طریق اصلاح

حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت بارہ تبلیغ بتلا دیجئے، حضرت خفا ہو کر فرمانے لگے کہ واہ ساری عمر میں ایک یہی شے تو حاصل ہوئی، یہی تجھے بتلا دوں، میاں جس طرح ہم کو ناک رگڑ کر ملی ہے اسی طرح تم ناک رگڑو، جی چاہے گا بتلا دیں گے، تم چاہتے ہو کہ مفت سفت میں دولت حاصل ہو جائے، دیکھو اگر کسی تاجر کے پاس جاؤ اور یہ کہو کہ ایسا طریقہ بتلا دو کہ دس روپیہ روز آجایا کریں، دیکھو وہ کیا جواب دے گا، وہ یہ کہے گا کہ میاں تم احمق ہو، کام کرو، ہمارے پاس اصول تجارت سیکھو، ہماری خدمت کرو اور خدا تعالیٰ پر نظر رکھو، اس کے بعد تجارت کرو، دیکھو اللہ تعالیٰ برکت کرنے والے ہیں، بتدریج ہماری طرح مالدار ہو جاؤ گے تو صاحبو! یہی حال فضائل دینیہ کا ہے اس کے لیے بھی طریقہ ہے کام کرو اور اس کے ساتھ دعا بھی بزرگوں سے کراؤ، باقی نری دعا پر رہنا تو ہوس خام ہے، نری دعا پر رہنے والے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی بزرگ سے یہ کہے کہ حضرت ایسی دعا کرو کہ میرے بچہ پیدا ہو جاوے، ان بزرگ نے پوچھا کہ بھائی نکاح بھی کیا ہے کہا کہ حضرت جی نکاح کا تو ارادہ نہیں ہے اب اگر ان بزرگ نے دعا کا وعدہ کر لیا تو یہ ان کی بزرگی ہے ورنہ قاعدہ کے موافق تو جواب اس کا ظاہر ہے کہ میاں نکاح کرو، اس کے بعد دعا کراؤ، پس جس طرح بغیر نکاح کے لڑکا پیدا ہونے کی دعا کرانا ہے اسی طرح بغیر کام کیے میلان الی المعاصی کے چھوٹنے اور فضائل کے حصول کی دعا کرانا ہے

اور اگر خرق عادت کے طور پر کسی مرد کے پیٹ میں بچہ رہ بھی گیا تو جننے کے وقت مصیبت پڑے گی وہ نکلے گا کدھر سے بلا طریقہ پر چلے خرق عادت کے طور پر کسی بزرگ کی توجہ سے اگر کسی کو کچھ حاصل ہوا بھی ہے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے مرد کے پیٹ میں بچہ رہ جانا جن کو اس طرح کچھ ملا ہے ان کا انجام ہلاکت ہوا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قصہ ہے کہ ان کے یہاں ایک مرتبہ کچھ مہمان آئے اور حضرت کے گھر میں کچھ نہ تھا پڑوس میں ایک باورچی رہتا تھا اس کو خبر ہوئی اس نے بہت عمدہ کھانا کافی مقدار میں تیار کر کے حضرت کے مہمانوں کو کھلا دیا حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ کچھ ہم سے مانگو اس نے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ مانگوں گا وہ آپ دیں گے فرمایا کہ ہاں اگر امکان میں ہوا تو دوں گا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ تو آپ آپ کے غلام دے سکتے ہیں عرض کیا کہ مجھے اپنے جیسا بنا لیجئے حضرت سن کر خاموش ہو گئے اور دل میں بہت پیچ و تاب کھایا اس لیے کہ اس نے درخواست ایسی شے کی کی کہ جس کا یہ اہل نہیں تھا۔ اسی واسطے مولانا فرماتے ہیں:

آرزو میخواد لیک اندازہ خواہ برتاہد کوہ رایک برگ کاہ

(جو کچھ مانگو اندازہ سے مانگو گھاس کا ایک پتہ پہاڑ کو نہیں اکھاڑ سکتا) اور فرماتے ہیں:

چار پا راقدر طاقت بار نہ برضعفاں قدر ہمت کار نہ

طفل را گرناں دہی بر جائے شیر طفل مسکیں را ازاں ناس مردہ گیر

(چوپایوں پر ان کی طاقت کے موافق بوجھ رکھ کر کمزوروں سے طاقت کے موافق کام

لو شیر خوار بچہ کو اگر دودھ کی جگہ روٹی دینے لگے تو وہ غریب تو اس روٹی سے مرہی جائے گا)

اگر کوئی شیر خوار بچہ کو بجائے دودھ کے روٹی دے دے تا کہ جلدی جلدی بڑھے تو وہ

بجائے بڑھنے کے جلدی ختم ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر کسی کی توجہ سے دفعۃً کوئی شے حاصل

ہو جائے اور ظاہر ہے کہ پہلے سے اس کی استعداد اور قابلیت نہ تھی تو انجام اس توجہ کا ہلاکت

ہوگا ایسی توجہ کو خونی توجہ کہتے ہیں۔ (اسباب الفصائل ج ۲۹)

## شیخ محقق کا طریقہ علاج

محقق جو علاج کرتا ہے وہ بہت معمولی ہوتا ہے بہت لمبا چوڑا نسخہ نہیں لکھتا۔ مثلاً وساوس کا خلعان ہوا غیر محقق تو کوئی وظیفہ بتلا دے گا اور اس سے یہ مرض اور بڑھے گا۔ محقق

صرف یہ کہے گا کہ وساوس کا آنا مضر نہیں ہے اس لیے کچھ خیال نہ کرو۔ اگر آتے ہیں تو آنے دو دیکھئے دو کلموں میں علاج ہو گیا اس لیے یہ شخص علت سمجھ گیا وہ یہ ہے کہ یہ اپنے نزدیک وساوس اور خطرات کو منافی اس طریق کے سمجھ رہا ہے اس لیے اس کے غم میں گھلا جاتا ہے اس نے اس کی بنیاد ہی کو قطع کر دیا کہ کچھ پروا نہیں یہ کسی حالت میں مرض نہیں فوراً سکون ہو جائے گا اور خطرات قطع ہو جائیں گے۔ حقیقت میں محقق کا وجود حق تعالیٰ کی بڑی بھاری نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ (آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور جاہل برابر ہیں) محقق حجۃ اللہ علی الارض ہوتا ہے وہ قرونوں میں پیدا ہوتا ہے اسی طرح میلان الی المعاصی کے مرض کو سمجھو غیر محقق تو اس کے لیے کوئی وظیفہ یا ذکر بتائے گا اور محقق کہے گا کہ اس کا یہ طریق نہیں ہے اس کا طریق یہ ہے کہ عمل میں سعی کرو اس کی برکت سے ملکات رذیلہ خود بخود زائل ہو جائیں گے اس کا قصد ہی نہ کرو کہ میلان الی المعاصی دفع ہو جائے اس کے قصد کرنے سے مشقت بڑھتی ہے ہاں جو عمل تمہارے اختیار میں ہے وہ کرو یعنی اعمال صالحہ ان کی شرائط کے ساتھ کرو اسی طرح مثلاً کسی نے شکایت کی کہ نماز میں مزہ نہیں آتا تو غیر محقق تو اس کے لیے کوئی وظیفہ بتائے گا اور محقق کہے گا کہ نماز مزہ کے لیے موضوع نہیں ہے اس کی غرض اصلی رضائے حق تعالیٰ ہے اور ثمرہ وہاں ملے گا اس پر اگر وہ سائل کہے کہ بے شک مزہ مقصود نہیں ہے لیکن مزہ سے نفس کو سہولت ہو جائے گی، محقق جواب دے گا کہ سہولت ہو یا مشقت ہو تم پڑھو جاؤ دنیا دار راحت ہے دارالراحت نہیں ہے۔ دیکھو اگر تمہاری ساری عمر مصیبت میں گزر جائے تو آخر اس کو جھیلے ہی ہو نماز کی تکلیف بھی برداشت کرو اور دیکھو اگر ڈاکٹریہ کہہ دے کہ فلاں شے نہ کھانا ورنہ اندھے ہو جاؤ گے تم تمام عمر اس شے کو چھوڑ دو گے۔ افسوس ہے کہ ایک سول سرجن کے کہنے سے تم نے ساری عمر کو ایک لذیذ شے کو چھوڑ دیا اور پرہیز کی مصیبت برداشت کر لی اور محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہ عالم علم اولین و آخرین ہیں آپ کے فرمانے سے تم سے تھوڑی سے مشقت برداشت نہیں کی جاتی۔ صاحبو! یہ علوم جو درس کتب میں مفقود ہیں اور انہی کی وجہ سے ضرورت ہے کسی محقق کے پاس رہنے کی۔ (اسباب الفحائل ج ۲۹)

## ایک مبتلائے عشق مجازی کا علاج

ایک شخص کا خط آیا ہے وہ بیچارے ایک عورت کے عشق میں مبتلا ہیں وہ مختلف لوگوں کی



طرف رجوع کر چکے تھے کسی نے ان کو وظیفہ بتا دیا کسی نے کوئی عمل بتا دیا اور زیادہ مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور سخت پریشان ہو کر انہوں نے میرے پاس لکھا تو گو میں محقق نہیں ہوں لیکن الحمد للہ محققین کی زیارت کی ہے ان کے طفیل سے میری سمجھ میں آ گیا میں نے ان کو لکھا کہ تمہاری یہی ہوس بیجا ہے کہ یہ مرض زائل ہوا اگر نہیں زائل ہوتا نہ ہو محبوب حقیقی کو جبکہ یہی منظور ہے کہ تم اسی میں رہو تو تم کون ہوتے ہو کہ اس کو زائل کرو ہاں جو عمل تمہارے اختیار میں ہے وہ کرو یعنی معصیت مت کرو عفت اختیار کرو اپنے قصد سے اس سے بات مت کرو اس کو مت دیکھو اس کی باتیں کسی دوسرے سے نہ سناؤ اور اس کا خیال اور ارادہ بھی مت کرو یہ خیال دل سے نکلے۔ دیکھو اگر خدا تعالیٰ تمہاری آنکھیں پھوڑ دے تو آخر اندھے ہی رہو گے بس اس کو بھی ایسا ہی سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کو بہت سے مصالح اور حکم کی وجہ سے تم کو اسی مرض میں رکھنا منظور ہے۔

چونکہ بریخت بہ بندو بستہ باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش  
دوست دارد دوست ایں آشفنگی کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی  
جان صدیقان ازیں حسرت بریخت کاسماں برفرق ایشان خاک بریخت  
(جب وہ باندھ دیں بندھے رہو اور جب وہ کھول دیں تو کھل جاؤ اور خوشی سے  
کو دے لگو دوست ایسی پشیمانی کو پسند کرتے ہیں لا حاصل کوشش بھی کچھ نہ ہونے سے بہتر  
ہے صدیقین نے اسی حسرت میں جانیں دیں کہ آسمان نے ان کے سروں پر خاک چھانی)  
اور اگر اسی مرض میں تم مر جاؤ گے تو شہید مرو گے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے: ”من  
عشق فکتہم وعف کان لہ اجر شہید“ یعنی جو شخص عاشق ہو پس عفت اختیار کرے  
اور عشق کو چھپا دے اور مر جاوے تو شہید ہے۔ اگرچہ محدثین نے اس حدیث میں کلام کیا  
ہے لیکن ”الدواء الکافی“ میں اس کو ثابت لکھا ہے اور اگر یہ حدیث ثابت بھی نہ ہو تو  
قواعد شرعیہ کلیہ سے ثبوت اس کا ہو سکتا ہے اس لیے کہ سیف حدید سے سیف عشق اشد ہے  
اس لیے کہ سیف حدید سے تو ایک ہی مرتبہ کام تمام ہو جاتا ہے اور نشتر عشق ہر وقت قلب پر  
لگتا ہے پھر اخف کے تحمل سے شہادت ہوتی ہے جیسے بہت امراض سے شہادت وارد ہے کہ  
اس میں تحمل کلفت کا تو اشد کے تحمل سے شہادت کیوں نہ ہوگی اس کے بعد جوان صاحب کا  
خط آیا تو انہوں نے لکھا کہ مجھے اب بالکل سکون ہو گیا اور ٹھنڈک پڑ گئی دیکھئے اس کے ازالہ  
کے علاج اور فکر سے تو سکون نہ ہوا اور اعتقاد عدم سکون سے سکون ہو گیا۔

پس علاج یہ ہیں اور ذکر کی ضربیں لگانا علاج نہیں ہیں، یعنی مؤثر مستقل نہیں ہاں معین ہیں، اصل مؤثر طاقت حق ہے، باقی ذکر و شغل ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب کے جس کے ساتھ یا بلا جس کے اور ان کے ثمرات یہ سب معین ہیں اصل شے ان میں طاعت ہے باقی یہ قیود ضرب جس وغیرہ قربات مقصود نہیں ہیں ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی استاد شفیق کسی شاگرد کو مطالعہ کی تاکید کرے اور اس کا طریقہ بتلائے اور کہے کہ تکرار کیا کرو اور یہ دیکھ کر دماغ میں خشکی نہ ہو جائے یہ بھی کہہ دیا کہ گاجریں ابال کر کھالیا کرو اس شاگرد نے یہ کیا کہ مطالعہ وغیرہ تو چھوڑ دیا بس گاجریں ہی کھانا شروع کر دیں حالانکہ وہ مقصود نہ تھیں بلکہ معین مقصود تھیں۔ اسی طرح ضرب اور جس قربات مقصود نہیں مگر بعض عوارض اور موانع ہیں کہ ان کی وجہ سے ان کو کیا جاتا ہے ان کو ثواب نہ سمجھنا چاہیے اور دوسری مثال لیجئے کہ جیسے کوئی شیخ اپنے مرید کو قوت اور شب کو بیدار رہنے کے واسطے یہ بتائے کہ سنکھیا کے تیل کی ایک سینک پان میں کھالیا کرو تو ان بزرگ نے حرارت غریزہ کے مشتعل کرنے اور ہمت بڑھانے کے لیے بتلایا ہے اگر وہ مرید نری سینکس ہی کھایا کرے تو اور اسی کو مقصود سمجھ لے اور کام کچھ نہ کرے تو یہ اس کی حماقت ہے۔ بس یہی درجہ ہے ضرب اور جس کا کہ شیخ کامل اگر کسی کے لیے تجویز کرے تو یہ نافع اور معین ہے۔

اصل شے طاعت ہے اور یہ اس کی تدابیر ہیں باقی رہے ثمرات سو وہ آخرت میں موعود ہیں دنیا میں بھی اگر بعضے حاصل ہو جاویں تو زائد ہیں اور نہ ہوں تو کچھ ضروری نہیں ہیں بہت سے ذاکر شکایت کیا کرتے ہیں اور بعضے عوام بھی کہ ہم اتنے دنوں سے نماز پڑھتے ہیں یا ذکر کرتے ہیں اور حلاوت نہیں آتی یا جی نہیں لگتا۔ (اسباب الفحائل ج ۲۹)

## قطبیت کے طالب

ایک شخص ہم کو ملے جو قطبیت کے طالب تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں وہ گئے وہ بھی پسند نہ آئے جب میں گنگوہ گیا، حضرت نے فرمایا کہ بھائی وہ فلاں شخص آئے تھے، قطبیت کے طالب تھے، یہاں قطبیت کہاں تھی اس لیے چلے گئے۔ یاد رکھو قطبیت اور غوثیت مکتب نہیں ہے بعض لوگ اس دھن میں ہوتے ہیں کہ ہم کو خضر علیہ السلام مل جاویں، خضر علیہ السلام کا ملنا بھی کوئی امر مکتب نہیں ہے اور اگر مل بھی گئے تو تم کو کیا ملے گا۔ ایک شخص تھے ان کو خضر علیہ السلام ملے، کہا السلام علیکم انہوں نے کہا وعلیکم السلام، خضر

علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے مجھ کو پہچانا بھی انہوں نے کہا نہیں، فرمایا میں خضر ہوں وہ شخص بولے بہتر ہے اللہ تعالیٰ بھلا کرے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے کچھ دعا نہ کرائی کہا کہ بس حضرت خود ہی دعا کر لیں گے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میاں تم بھی عجیب آدمی ہو بہت لوگ تو میرے ملنے کی تمنائیں کرتے ہیں اور تم نے کچھ بھی قدر نہ کی کہا کہ بس آپ کی زیارت ہو گئی یہی کافی ہے۔ خضر علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ نہیں مجھ سے ضرور دعا کرو ان سے کہا کہ اچھا یہ دعا کرو کہ میں نبی ہو جاؤں خضر علیہ السلام نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا کہنے لگے کہ پھر جو ہو سکتا ہے وہ تو خود ہی ہوگا آپ کی دعا کی کیا ضرورت ہے لیکن اس حکایت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ دعا بے کار ہے۔ بات یہ ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کی شان حق تعالیٰ کے دربار میں بلاشبہ ایسی ہو جاتی ہے جیسے کوئی کسی بادشاہ کا مزاج شناس ہوتا ہے اور ان پر ایک حال ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس واقعہ سے ہمارا امتحان مقصود ہے اس لیے وہ لب کشائی نہیں کرتے بعض لوگ کشف و کرامت کے طالب ہوتے ہیں یہ بھی مکتسب نہیں ہیں۔ ساتواں طبقہ وہ ہے کہ انہوں نے عمل بھی کیا اور فضائل میں سے انہی فضائل کے طالب ہوئے جو عادیۃً مکتسب ہیں اور تمام شرائط عمل کے بجالائے اور بالکل اعتدال پر رہے لیکن ان کے اندر ایک اور باریک خرابی پیدا ہو گئی وہ یہ ہے کہ ان میں عجب پیدا ہو گیا اور اس کی وجہ سے ان کو دعویٰ ہو گیا استحقاق کا بہر حال اس قدر غلطیاں ہیں گو طالبین فضائل کو پیش آتی ہیں۔ (اسباب الفحائل ج ۲۹)

## صرف اصلاح ظاہر کافی نہیں

میں ظاہر کی درستی کی مذمت نہیں کرتا بلکہ اس پر اکتفا کرنے کی مذمت کرتا ہوں تاکہ اصلاح باطن کی فکر کریں۔ محض اصلاح ظاہر پر قناعت نہ کر لیں باقی ظاہر کی درستی بھی فرض ہے اس لیے کسی کو یہ گنجائش نہیں کہ اصلاح ظاہر کو ترک کر دے گو بالفرض باطن بھی درست ہو اور ان بد دینوں کا تو باطن بھی درست نہیں بلکہ انہوں نے ظاہر اور باطن دونوں کو بگاڑ رکھا ہے ظاہر کو بگاڑا ہی ہے باطن بھی بگڑا ہوا ہے اور یہ اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہمارا باطن درست ہے اس سے تو یہی بہتر تھا کہ ظاہر تو درست ہوتا ایک ہی فرض ادا ہوتا اگر ان لوگوں کی طرف سے کہا جائے کہ ہم اس کو نہیں مانتے کہ ہمارا باطن بگڑا ہوا ہے باطن ہمارا بالکل اچھا ہے ہم نے ظاہر کو باطن ہی کے درست کرنے کے لیے بگاڑا ہے کیونکہ باطن کے

بگاڑنے والی ایک چیز عجب بھی ہے اس سے بچنے کے لیے ہم نے ظاہر کو بگاڑا ہے اس سے باطن ہمارا بالکل اچھا ہو گیا۔ پھر یہ کہنا کہاں صحیح ہوا کہ انہوں نے ظاہر اور باطن دونوں کو بگاڑ رکھا ہے میں بطور جواب الزامی کے کہتا ہوں کہ ایک شخص بادشاہ سے باغی ہے اور ہر حکم کی مخالفت کرتا ہے اور کسی بات میں اطاعت نہیں کرتا لیکن جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے تو کہتا ہے واللہ میں دل سے بادشاہ کا بڑا خیر خواہ ہوں یہ جو کچھ مخالفت میں نے کر رکھی ہے صرف عجب سے بچنے کے لیے کر رکھی ہے تاکہ میرے خلوص میں فرق نہ آوے۔ بتائیے آپ اس کو کیا کہیں گے یہی کہیں گے کہ جھوٹا بد معاش غلط کہتا ہے فرمائیے اس کی وجہ کیا ہے جب ایک شخص اپنے منہ سے کہہ رہا ہے کہ میں دل سے مطیع ہوں خیر خواہ ہوں تو آپ اس کو جھوٹا کیوں کہتے ہیں اور اس کو باغی کیوں سمجھتے ہیں۔ (اسباب الفحائل ج ۲۹)

## غفلت کے درجات

غفلت کا بڑا درجہ یہ ہے کہ طاعت کی حالت میں بھی غفلت ہو جس کو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ حضوری کا وقت ہے حقیقت میں تو خدا تعالیٰ سے ہر وقت ہی حضوری ہے مگر خیر اور وقتوں کو چھوڑ کر طاعت کے وقت تو غفلت نہ ہو۔

دوسرا درجہ غفلت کا یہ ہے کہ طاعت میں تو کچھ یاد ہو جاتی ہے مگر اور وقت میں نہیں ہوتی اس میں وہ لوگ بھی مبتلا ہیں جو ذاکرین کہلاتے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح زبان کا ایک شغل ہے ایسے ہی قلب کا بھی ایک شغل ہے یعنی زبان کا شغل ذکر لسانی ہے اور قلب کا شغل ذکر قلبی اور توجہ الی اللہ اور خدا کی یاد اور خدا کا خیال۔ سوا کثر ذاکرین زبان کو مشغول ذکر رکھتے ہیں لیکن دل کو مشغول نہیں رکھتے، قلب کی غفلت میں یہ ذاکرین بھی مبتلا ہیں اس لیے ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جیسے ذکر لسانی ضروری چیز ہے ایسے ہی ذکر قلبی بھی ضروری چیز ہے یعنی ہر وقت قلب کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا چاہیے۔ ضرورت کے وقت دوسری طرف خیال کر لینا جائز ہے لیکن بلا ضرورت غیر کا خیال نہ لاویں یہ مشغلہ تو نہ رکھیں کہ ہر وقت دل غیر اللہ ہی کے خیال میں لگا رہتا ہے اس سے دل کو فارغ رکھنا چاہیے ضرورت کے وقت اگر خیال کسی طرف ہٹ جاوے خیر مگر اس کے رفع ہونے کے بعد تو فوراً پھر اسی طرف آجائیں اس ضرورت کے وقت دوسری طرف خیال کی اجازت دے دینے سے میں نے ساری دنیا کو سنبھال لیا اب



کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے ضروریات کا علم نہیں ہے۔ صاحبو! مجھے بھی آپ کی طرح ضروریات کا علم ہے چنانچہ دیکھئے اس کی کس قدر رعایت کر دی گئی ہے۔ (اسباب الفعائل ج ۲۹)

## حق سبحانہ تعالیٰ کا غایت کرم

ادھر سے فضل پہلے ہوتا ہے تب کچھ ادھر سے ہوتا ہے۔

خود بخود آں شہ ابرار برمی آید نہ بزور نہ بزاری نہ بزمی آید  
یہ جو کچھ اپنے عمل آپ دیکھتے ہیں پہلے ادھر سے ارادہ دل میں پیدا کیا جاتا ہے اور  
توفیق ہوتی ہے پھر آپ کے ہاتھ سے ان کا ظہور ہو جاتا ہے اس ظہور سے آپ کا نام ان  
میں لگ جاتا ہے اور آپ مستحق ثمرات کے ہو جاتے ہیں اس کی حقیقت سوائے اس کے نہیں  
کہ ان کو خود ہی کرم فرمانا اور کچھ دینا مقصود ہوتا ہے۔ یہ غایت کرم ہے کہ آپ کی سعی کی نفی  
کر کے احسان بھی رکھنا نہیں چاہتے اور جو کچھ دیتے ہیں آپ کے کسب کا نام لگا کر دیتے  
ہیں پس عمل کے اسی درجہ کے اعتبار سے یہ حکم کیا گیا ہے کہ آخرت کے تصور سے اعمال کی  
ہمت ہوگی پھر حق تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوگا اور وہ اپنا مقرب بنالیں گے یہ فلاسفی ہوئی ذکر  
آخرت کے نفع کی اور اس کی ضرورت تھی جس کی میں نے ہندی کی چندی کر دی۔

جو اس پر بھی وہ نہ سمجھے تو اس بت کو خدا سمجھے

(اسباب الفعائل ج ۲۹)

## عقلی و طبعی بشاشت

بشاشت ایک طبعی ہے ایک عقلی تو اظہارِ عمل سے طبعی بشاشت کا ہونا کہ غیر اختیاری  
ہے ریاء نہیں بلکہ عقلی بشاشت کہ اختیاری ہے ریاء ہے اب سمجھو کہ ذکر جہر میں ایک  
خاصیت ذاتی ہے کہ اس میں بہ نسبت ذکر خفی کے زیادہ لذت ہے جیسے قلاقند میں گڑ سے  
زیادہ لذت ہے اور اس کا طبعی احساس ہونا کچھ مضر نہیں ہاں اس سے عقلی بشاشت اس لیے  
کہ دوسروں کو ہمارے عمل کی خبر ہو رہی ہے اور وہ ہم کو بزرگ سمجھیں گے یہ مضر ہے اور  
دلیل اس کی یہ ہے کہ ریاء بیشک گناہ ہے مگر گناہ ہمیشہ فعل اختیاری سے ہوتا ہے ورنہ اس  
کے قائل ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہے جو اختیاری نہیں یعنی اس سے بچنا اختیار اور قدرت

سے خارج ہے تو تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی جس کی نفی آیت میں صراحت موجود ہے۔ ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“ (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) غرض یہ مسئلہ عقائد کا ہے کہ تکلیف مالا یطاق شریعت میں نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریاء سے بچنا خارج عن الوسع نہیں ہے۔ (اسباب الفعائل ج ۲۹)

## شیخ کامل کی ضرورت

بعض اوقات عمل میں کچھ ریاء کا بھی حصہ ہوتا ہے سو اس امتیاز کے لیے بھی اور اگر وہ وسوسہ ہے تو اس میں تسلی کرنے کے لیے بھی دوسرے کی دستگیری کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت کوئی دستگیر موجود ہو تو بڑا کام نکلتا ہے کیونکہ خود اپنی حالت کو سمجھنا آسان نہیں ہے اور شیخ کو بصیرت ہوتی ہے کیونکہ وہ بہت سے مغالطے دیکھ چکا ہے اور بہت سے گرم و سرد چکھ چکا ہے جو پریشانی تم کو پیش آتی ہے وہ بار بار پیش آ چکی ہے اس کو بھی کسی صاحب بصیرت نے سنبھالا تھا بار بار تجربہ ہونے سے اس کو پوری بصیرت حاصل ہو گئی ہے تو وہ ہر حالت کو پہچانتا ہے کہ اس میں کتنا حق اور کتنا باطل شامل ہے اور کتنی واقعیت اور کتنا دھوکہ ہے اور اپنے آپ اپنی حالت کو اگر کوئی شخص کسی وقت پہچان بھی لے لیکن اپنی تشخیص پر اطمینان نہیں ہو سکتا پوری پہچان اسی کو ہے جو بار بار تجربہ کر چکا ہے پھر اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے اس کا بتایا ہوا علاج سہل اور کامل ہوتا ہے۔ پس مغالطہ کے وقت اپنی تجویز پر اطمینان نہ کرو اپنے مربی اور دستگیر سے مشورہ کرو اور سہل اور بے خطر طریقہ تو یہی ہے تاہم اس وقت کا بیان بھی بیکار نہیں کیونکہ کام کی بات کان میں پڑی رہے تو اچھا ہے اس واسطے اس مغالطہ کو حل کر دیا گیا اور طریقہ علاج کا بتا دیا گیا اور اس کی پہچان بھی بتا دی کہ دھوکہ کس صورت میں ہے اور واقعی گناہ کس صورت میں ہوتا ہے اس کا حاصل بعنوان دیگر یہ ہے کہ غور کر کے دیکھو کہ اصل بناء کار کیا ہے اگر عمل شروع اس واسطے کیا گیا ہے کہ مخلوق دیکھے اور ہماری طرف نظریں اٹھیں تو یہ بیشک ریاء ہے اس سے ڈرو اور خدائے تعالیٰ کی غیرت کا خیال کرو دنیا میں کوئی بھی اپنے حق میں غیر کو شریک کرنا پسند نہیں کرتا تو خدائے تعالیٰ عبادت میں کسی کو شریک کرنا کیسے پسند کریں گے حضور قلب اور دوام توجہ فی الصلوٰۃ کچھ بھی مشکل نہیں اس میں کچھ بھی نہیں کرنا

پڑتا، اسی طرح دوام توجہ الی اللہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ غیر خدا کا خیال ہی نہ آوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مستقلاً خود نہ لاوے اور اگر تبعاً لاوے تو اس کے منافی نہیں اور یہ ممکن الدوام بلکہ بعد محبت کے تو لازم الدوام ہے۔

## حضور قلب کی عجیب مثال

میں حضور قلب کی حقیقت کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً کسی عورت پر عاشق ہو گیا، کوئی ساعت اس کو اس کی یاد سے خالی نہیں جاتی حالانکہ سوتا بھی ہے، کھاتا بھی ہے، دنیا کے سب کام کرتا ہے لیکن دل ہر وقت اسی طرف ہے یہ اس کا طبعی امر ہو گیا ہے اور اس کی مخالفت سے سخت نفرت ہو گئی ہے جو کام کرتا ہے اول یہ سوچ لیتا ہے کہ اس کے خلاف مزاج نہ ہو، خصوصاً اگر وہ بلا بھیجے ہیں کہ آج تم ہمارے یہاں آنا اس وقت تو اس کی عجیب حالت ہوتی ہے اور محبوبہ کے یہاں جانے کے واسطے بڑے اہتمام کرتا ہے۔ چنانچہ دیکھتا ہے کہ میری صورت جنون کی سی ہو رہی ہے تو اول نائی کو بلا کر خط بنواتا ہے اور غسل کے لیے کھلی منگواتا ہے اور کپڑے سفید دھو بی سے دھلواتا ہے اور یاد رزی سے نئے سلواتا ہے، عطر اگر نہ ہو تو وہ بھی اہتمام سے منگواتا ہے، غرض اسی بننے سنورنے میں کئی گھنٹے خرچ ہو گئے، کوئی ظاہر بین دیکھے تو کہے کہ دیکھئے محبوبہ نے تو اپنے گھر بلایا اور یہ ان دھندوں میں لگ رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اس نے اسی کی رضا کے لیے کیے ہیں، نہارہا ہے تو اس لیے کہ محبوبہ پسند کرے، کپڑے پہنتا ہے تو اس لیے کہ محبوبہ راضی ہو، عطر لگاتا ہے تو وہ بھی اسی واسطے کہ محبوبہ خوش ہو، غرض کام سب کچھ کرتا ہے لیکن اس کی رضا و یاد سے قلب کسی وقت خالی نہیں ہے جو کام کرتا ہے یا تو اس لیے کرتا ہے کہ وہ ناراض نہ ہو اور یا اس لیے کہ وہ راضی ہو جائے اسی کو توجہ دائم کہا جاتا ہے اور عرف عام میں اسی کو کہا جاتا ہے کہ کسی گھڑی بھولتا نہیں، خواہ اس کو مجاز لغوی کہو یا حقیقت کہو، گفتگو یہ ہے کہ عرف عام میں جس کو یوں کہا جاتا ہے کہ ہر گھڑی یاد کرتا ہے ایسا معاملہ بندہ پر حق تعالیٰ کے ساتھ ایک مرتبہ میں ضروری ہے حاصل یہ ہے کہ نوکری زراعت تجارت دنیا کے سب کام کرو مگر جو کچھ کرو وہ حق تعالیٰ کی رضا کے لیے کرو، یہ تو اعلیٰ درجہ ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے اس لیے کہ یہ ہر شخص کا کام نہیں اتنا تو ضروری ہے کہ جو کام کرے اس میں یہ دیکھ لے کہ یہ کام حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو

نہیں جو کام بھی کرے سب میں اس کا لحاظ رکھے کہ حق تعالیٰ کی رضا کے خلاف نہ ہو یہ مرتبہ واجب ہے اور طاعت واجبہ کا موقوف علیہ ہے اور یہ کہ جو کام کرے وہ رضا کے واسطے کرے یہ اس سے اعلیٰ درجہ ہے۔ موقوف علیہ طاعت واجبہ کا نہیں یہ شان اولیاء کا ملین کی ہے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے نفس کے لیے نہیں کرتے بلکہ رضا کے لیے کرتے ہیں۔ (التوبہ ج ۲۹)

## انابت کے درجات

انابت کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ کفر و شرک چھوڑ دو دوسرا یہ کہ جو کام کرو خدا تعالیٰ کی رضا کے واسطے یا ناراضی سے بچنے کے لیے کرو تیسرا درجہ یہ کہ اشتغال باللہ ہر وقت ہو پہلا درجہ موقوف علیہ ایمان کا ہے دوسرا درجہ موقوف علیہ طاعت واجبہ کا ہے۔ تیسرا درجہ موقوف علیہ درجات قرب ہے اور بعض کو دوسرے ہی درجہ سے درجات قرب نصیب ہو جاتے ہیں جبکہ درجہ ثالثہ کی تحصیل کا سامان نہ ہو سبحان اللہ حق تعالیٰ کا کلام بھی کیا جامع ہے کہ دو لفظوں میں اس قدر مضامین آ گئے۔ (التوبہ ج ۲۹)

## سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ادب اور حیا

حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خاص خادم بیان کرتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب لیٹتے تھے پاؤں نہ پھیلاتے تھے اول اول تو میں سمجھا کہ شاید کوئی اتفاقی بات ہوگی مگر جب مدتوں تک اسی طرح دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسا قصد کرتے ہیں میں نے پوچھا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ پاؤں نہیں پھیلاتے فرمایا ارے باؤ لے اپنے محبوب کے سامنے کوئی پاؤں بھی پھیلا یا کرتا ہے۔ (خواص الخشبة ج ۲۹)

## سالمین مستہلکین

جب خوف فوق الحد ہوتا ہے تو وہ مانع طاعات بن جاتا ہے چنانچہ بہت سے سالمین پر جب خوف کا غلبہ ہو گیا ہے تو طاعات چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض نے نماز چھوڑ دی ہے کسی نے ذکر چھوڑ دیا ہے اصطلاح صوفیاء میں ان کو سالمین مستہلکین کہتے ہیں۔ ایسے لوگ مقبول مقرب نہیں ہوتے اور یہ لوگ اپنی خود رانی کی وجہ سے ایسے گڑھے میں گرتے ہیں کہ تمام عمر



اس سے خلاصی نہیں ہوتی ایسے وقت رہبر کامل کی ضرورت ہے وہ بہ تدابیر اس مہلکے سے نکال لیتا ہے اور تدابیر متعلقہ تدبیر باطن بعض مرتبہ ایسی لطیف ہوتی ہیں کہ عوام کا فہم ان کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے بلکہ ان کو بادی النظر میں نامناسب سمجھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک دوست کو ایسا قبض واقع ہوا کہ ذکر و طاعت و روزہ و نماز میں جی نہ لگتا تھا۔ انہوں نے اپنا حال مجھ کو لکھا میں نے جواب میں لکھا تم خلوت چھوڑ دو ادھر ادھر سیر کرو دوستوں سے ہنسو بولو نفس کو خوب آرام دو چنانچہ دو تین روز کے بعد وہ حالت جاتی رہی انبساط ہو گیا بات کیا تھی کہ میری سمجھ میں اس کی وجہ یہ آئی کہ خلوت میں رہتے رہتے طبیعت میں ایک جمود اور خمود ایسا پیدا ہو گیا ہے کہ اس کی وجہ سے احساس نہیں رہا اور اندیشہ اس کا ہوا کہ زیادہ انقباض اگر ہوا تو مبادا روزہ نماز بھی چھوڑ بیٹھیں اس لیے میں نے ان کے لیے بجائے خلوت کے جلوت اور بجائے اعتکاف کے طواف پر تجویز کیا غرض اس راہ میں بڑے بڑے قصے پیش آتے ہیں کہ ان میں کسی شیخ کامل کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ (خواص الخشیہ ج ۲۹)

## طالب اور مطلوب کی باہم احتیاج

مولوی صاحب نے عرض کیا حضور کی دعا سے اس وقت میرے قلب کو بہت طمانیت حاصل ہوئی مگر مشکل یہ ہے کہ سامنے آپ کے اور حالت ہوتی ہے اور پیچھے اور فرمایا یہ ضرور ہے مگر یہ تقلب مضر نہیں پریشانی کبھی نہ ہوگی اس قسم کا تغیر ہر شخص کو پیش آتا ہے۔ مرید تو کیا شیخ کی حالت میں بھی وقت افادہ اور غیر افادہ میں فرق ہوتا ہے مرید کو شیخ کے پاس بیٹھنے سے نفع ہوتا ہی ہے شیخ کو بھی مرید کی بدولت بہت سی باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

بانگ مے آید کہ اے طالب بیا      جود محتاج گدایان چون گدا

(آواز آتی ہے کہ اے طالب آؤ سخاوت بھی گدا گروں کی طرح گدائی کی خود محتاج ہے)

دیکھئے مدرسہ میں مدرس طالب علموں کے افادہ کے لیے مقرر ہوتا ہے اور طالب علموں کو اس سے نفع پہنچتا ہے اور طالب علموں کا نفع اس پر موقوف ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرس کو طالب علموں سے کچھ نفع نہیں پہنچتا آپ خود عالم ہیں اس بات کو بخوبی جانتے ہیں بارہا کا تجربہ ہے کہ کوئی مضمون کتاب میں پڑھتے وقت باوجود کوشش اور مطالعہ کے اور باوجود استاد کے سمجھانے کے سمجھ میں نہ آیا اور ہمیشہ اس میں الجھن رہی اور جس وقت طالب علم پڑھنے بیٹھا

قلب میں دفعتاً آگیا یہ طالب علم ہی کی برکت ہے یا کچھ اور فائدہ کے وقت حق تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے طالب اور مطلوب کی باہم احتیاج کے لیے یہ شعر حافظ کا خوب ہے۔ شعر سایہ معشوق گر افتاد بر عاشق چہ شد مابا او محتاج بودیم او بما مشتاق بود (معشوق کا سایہ اگر عاشق پر پڑ گیا تو کیا ہو گیا ہم اس کے محتاج ہیں وہ ہمارا مشتاق ہے) اسی شعر میں مولانا کے شعر مذکور سے ادب ازید ہے اس میں طالب و مطلوب میں مساوات سی پائی جاتی ہے اور اس میں لفظ بدل دیا طالب کے لیے احتیاج اور مطلوب کے لیے اشتیاق اطلاق کیا۔ (ادب الطریق ج ۲۹)

## ترک تعلقات کی حقیقت

ترک ضروری بے شک ہے مگر ترک کی حقیقت تقلیل تعلقات ہے یعنی فضول تعلقات کو اور مضر تعلقات کو چھوڑ دینا نہ مطلقاً تارک بن جانا اس کے مبصر تو حضرت حاجی صاحب تھے۔ تصوف بالکل مردہ ہو گیا تھا، حضرت حاجی صاحب نے اس کو زندہ کیا اور حقائق بالکل محو ہو چکی تھیں ان کو تازہ کر دیا، تصوف رسم کا نام رہ گیا تھا اول تو جلسا زیاں بہت اور سچے لوگوں میں بھی صرف ڈھچرہ رہ گیا تھا۔ حضرت نے اس کو بالکل زندہ کر دیا۔ حضرت کا الہامی طریقہ سب کے کام کا ہے۔ حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر ہر شخص کو حظ آتا اور امیدیں بڑھتی تھیں اور امنگیں پیدا ہوتی تھیں کہ ہم بھی کر سکتے ہیں۔

خواجه صاحب نے کہا کہ عمدہ ترکیب یہ سمجھ میں آتی ہے کہ تھوڑی جائیداد خرید لے جو خرچ کے لیے کافی ہو بس پھر اللہ اللہ کیا کرے اس طرح ذکر بڑے اطمینان سے ہو سکتا ہے۔ فرمایا جائیداد سے بھی اطمینان نہیں ہو سکتا اس میں بھی بکھیڑے ہیں۔ (ادب الترقی ج ۲۹)

## غیر اللہ کی محبت انتہائی مذموم ہے

افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ اور اس کے سامنے ہر وقت موجود اور پھر غیر پر نظریوں تو ہر نافرمانی بری ہے لیکن غیر اللہ سے محبت کرنا تو سب سے بڑھ کر ناپسند ہے اور حق تعالیٰ کو بہت غیرت آتی ہے کہ میرے چاہنے والے اور میرے محبت غیر پر نظر رکھیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

”ان سعدا لغيرو انا غير منه والله اغیر منی ومن غیرته حرم  
الفواحش ماظهر منها وما بطن“

شریعت کے خلاف جو امر ہے اس پر عموماً اور غیر اللہ سے تعلق ناجائز رکھنے پر خصوصاً  
حق تعالیٰ کی غیرت کو جوش آتا ہے جیسے کسی مرد کو اپنی بی بی کے پاس اجنبی مرد کو دیکھ کر جوش  
آتا ہے وہ کیا مسلمان ہے جو خدا کی محبت کا دعویٰ کرے اور دوسری طرف نگاہ ڈالے مگر  
الحمد للہ اس بدنگاہی اور تعلقات کے امراض سے عورتیں بیشتر پاک ہیں اور یہ سب پردہ کی  
بدولت ہے جس کی آج کل نیخ کنی کی جارہی ہے (العفة ج ۲۹)

## حقیقت احسان

احسان کے متعارف معنی جو اردو میں مشہور ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ یہ عربی لفظ ہے  
اس کے معنی ہیں اچھا کرنا اور یہاں مراد ہے عبادت کو اچھا کرنا۔ (حقیقت حسان ج ۲۹)

## ضرورت احسان

احسان کے متعلق تین چیزیں ہیں اول احسان کا ضروری ہونا دوسرے احسان کی  
حقیقت تیسرے تحصیل طریق احسان اجمالاً اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ احسان خشوع سے  
حاصل ہوتا ہے اور خشوع کا مطلوب ہونا قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (تحقیق مسلمانوں نے فلاح  
پائی) سے معلوم ہو چکا ہے اب اس کا ضروری ہونا سنئے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا  
يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ.

ترجمہ: (کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی  
نصیحت کے اور جو دین حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں اور ان  
لوگوں کی طرح نہ ہو جاویں جن کو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ)  
پھر (اسی حالت میں) ان پر زمانہ گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پس ان کے دل سخت ہو گئے)

یہاں ذکر اللہ میں خشوع کی ضرورت کا بیان ہے اور ذکر اللہ میں ساری عبادتیں آگئیں۔  
دیکھو عبادت میں خشوع نہ ہونے پر کیسی وعید ہے۔ شکایت کی ہے اور یہود و نصاریٰ سے تشبیہ

دے کر ذکر کیا ہے کہ ایسے نہ بنو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترک خشوع کیسی بری چیز ہے جس کے باعث سے کفار کے ساتھ آدمی مشابہ ہو جاتا ہے اور اس کا ثمرہ بیان فرمایا ہے۔ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ (پس ان کے دل سخت ہو گئے) قساوت قلب نہایت بری چیز ہے۔ قساوت کی نسبت قرآن شریف میں ہے: ”فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ“ (یعنی تباہی اور ہلاکت ہے ان کو جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں وہ لوگ کھلی کھلی گمراہی میں پڑے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں قلب قاسی خدا سے بہت دور ہے ان سب نصوص سے ثابت ہوا کہ قساوت بری چیز ہے اور خشوع ضروری ہے لیکن خرابی یہ ہو رہی ہے کہ لوگ خشوع کی حقیقت نہیں سمجھتے اسی وجہ سے اس کی فکر بھی نہیں کرتے جو شخص کسی چیز سے واقف نہ ہو گا وہ اس کو حاصل کیا کرے گا۔ عموماً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خشوع کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا کسی کا خیال نہ آوے ایسی مدہوشی ہو جاوے کہ تیر بر چھا کچھ ہی لگے اس کی خبر نہ ہو پس انسان جماد کی طرح بن جاوے آدمیت سے گزر جاوے کوئی پوچھے یہ معنی کہاں لکھے ہیں اور کسی نے لکھے ہیں اس کا کچھ جواب نہیں اور واقعی کہیں بھی یہ معنی نہیں لکھے ہیں۔ یہ شبہ کم فہم اور غیر شفیق واعظوں کی بدولت پڑا ہے۔ (حقیقت احسان ج ۲۹)

## حقیقت خشوع

خشوع کے معنی ہیں دب جانا پست ہو جانا، یعنی سکون جیسا کہ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْكَبَتْ الْأَرْضُ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ. (یعنی من جملہ اس کی (قدرت اور توحید کی) نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ (اے مخاطب) تو زمین کو دیکھ رہا ہے کہ دبی دبائی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے) چونکہ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ (دبی اور ابھری) کا مقابلہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اهتزاز اور ابھرنے میں حرکت ہے تو خاشعہ کے معنی سکون اور پستی والی کے ہوں گے اور مقابلہ سے ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں خود لغت شاہد ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شے کا حرکت و سکون جدا گانہ ہوتا ہے اگر کہا جائے کہ ہاتھ چل رہا ہے تو اس کے معنی ہلنے چلنے اور نقل مکانی کے ہوں گے اور اگر کہا جائے کہ فلانے کی طبیعت خوب چلتی ہے تو یہاں یہ معنی نہیں مراد ہوں گے بلکہ یہاں اور معنی ہوں گے یعنی فکر کرنا اور سوچنا۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو



اب سنئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی چیزیں عنایت فرمائی ہیں ظاہر اور باطن یا یوں کہو کہ جوارح اور قلب۔ پس کمال خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ جوارح بھی ساکن رہیں اور قلب بھی لیکن دونوں کا سکون جدا جدا ہے۔ جوارح کا سکون تو یہ ہے کہ ادھر ادھر دیکھے نہیں ہاتھ پیر نہ ہلائے اور اس کے مقابلات کا نام حرکت ہوگا، تصور کرنا، یعنی سوچنا اور سکون اس کا عدم ہے اور ظاہر ہے کہ فکر کرنا اور سوچنا فعل اختیاری ہے اور قدرت اور اختیار ضدین سے متعلق ہوتا ہے۔ پس جب یہ حرکت اختیاری ہے تو اس کے مقابل سکون بھی یعنی سوچنا اختیار ہوگا اور آدمی اختیاری ہی چیزوں میں مکلف ہوتا ہے لہذا خشوع کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے اختیار سے دوسرا خیال نہ لانا یہ نہیں کہ دوسرے خیال کا دل میں نہ آنا، یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ خیال کا آنا تو اختیار نہیں ہے اور خیال کا لانا اختیاری ہے۔

پس خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ اپنے اختیار سے دوسرے خیالات دل میں نہ لاوے۔ رہا اگر کوئی خیال بلا اختیار آوے تو وہ خشوع کے منافی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ میرے دل میں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا ان سے آسان معلوم ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اوجدتموه قالو انعم قال ذالک صریح الایمان“ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کو پایا ہے، یعنی کیا ایسے خیالات تمہیں آتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے اور کیوں نہ ہو چور تو وہیں آتا ہے جہاں مال و متاع ہو۔ اسی طرح شیطان وہیں آتا ہے جہاں متاع ایمان ہو۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دیو آید سوئے انسان بہر شر پیش تو ناید کہ از دیوے بتر

(شیطان تو انسان کی طرف شر کے لیے آتا ہے تیرے پاس نہ آئے گا کہ شیطان سے بدتر ہے) شیطان بڑا استاد ہے اپنا وقت فضول ضائع نہیں کرتا جو خود شیطان بن گیا ہے اس کو بہکانے کی کوشش نہیں کرتا ہاں جس میں کچھ ایمان باقی ہے اسی کی فکر میں رہتا ہے اپنی دھن کا پکا ہے ایمان داروں ہی کے پیچھے پڑا رہتا ہے، ہم لوگوں کو تو اس سے خاص صفت میں سبق حاصل کرنا چاہیے تھا۔ ایک چور نہایت نامی تھا، ہمیشہ چوری کیا کرتا تھا، آخر ایک مرتبہ سولی دے دی گئی، حضرت جنید نے دوڑ کر اس کے پیر چوم لیے، لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس کی استقامت قابل تعریف ہے۔ اگر ہم خدا کی اطاعت میں ایسی استقامت کریں تو ہمارے

مدارج کا کہیں ٹھکانا ہی نہ رہے۔ اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے اور وسوسہ اور خیالات کی کچھ پروانہ کرنا چاہیے بڑے بڑے خیالات جن پر عمل نہ ہو مگر طبیعت منقبض ہو الجھے بزرگوں ہی کو آتے ہیں فاسقوں کو ایسے خیالات نہیں آتے اور ان وساوس سے پریشانی کا باعث یہی ہے کہ کسی طبیب قلب کی صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ اگر کوئی جاننے والا مل جاتا تو کہہ دیتا کہ اگر وسوسے آتے ہیں تو آنے دو کچھ پروانہ کرو قلب کی حالت تو شاہی سرک کی سی ہے کہ اس پر حاکم رئیس اور ادنیٰ چہار دونوں گزرتے چلے جاتے ہیں۔

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں درمیاں شاں برزخ لایبغیاں  
(بحر تلخ اور بحر شیریں دونوں برابر جاری ہیں مگر ان کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے باہم غلط اور مشتبہ نہیں ہونے پاتے) (حقیقت احسان ج ۲۹)

## وساوس شیطان کا علاج

شیطان کی حالت کتے کی سی ہے کتا بھونکا کرے اور التفات نہ کیا جائے تو آپ چپ ہو جاتا ہے اور اگر اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کو دفع کرنا چاہے تو اور زیادہ غصہ کر کر کے بھونکتا ہے۔ اسی طرح وساوس شیطانی کی طرف التفات ہی نہ کرے کیونکہ شیطان سے جو دبتا ہے اور اس کا خیال رکھتا ہے اس کے سامنے آ موجود ہوتا ہے وسوسے پر جو غمگین ہوگا وہ سخت پریشان ہوگا بلکہ جب وسوسہ آئے تو اور خوش ہونا چاہیے کہ الحمد للہ دولت ایمان موجود ہے اگر آدمی میں قوت توکل اور اعتماد علی اللہ (اللہ پر بھروسہ) کی صفت ہو تو ایک شیطان کیا اگر لاکھ شیطان ہوں تو کچھ نہیں بنا سکتے۔ ہاں قصد خیال کا لانا بے شک منافی خشوع اور حضور قلب کے ہے۔ (حقیقت احسان ج ۲۹)

مجاہدہ میں دو قسم کے کام ہوتے ہیں بعض تروک ہیں جو چھوڑنے کے قابل ہیں اور بعض اعمال ہیں جو کرنے کے قابل ہیں۔ معاصی تو سب کے سب تروک ہیں۔ مثلاً زبان کا گناہ نگاہ کا گناہ معدہ کا گناہ دل کا گناہ یہ تو چھڑائے جاتے ہیں اور طاعات اعمال ہیں جن کو کرنا پڑتا ہے۔ جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ حقوق معاشرت حقوق زوجیت وغیرہ اور چونکہ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مجاہدہ سارے دین کا خلاصہ ہے تو متعلق دین کے بھی دو جز ہوئے ایک طاعات جن کو کرنا پڑتا ہے دوسرے معاصی جن کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ پھر طاعات

کی دو قسمیں ہیں ایک واجبہ دوسری مستحبہ یہ دونوں کرنے کے قابل ہیں اور دونوں کا بجالانا مجاہدہ میں داخل ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحب کے کرنے میں بہ نسبت واجب کے زیادہ مجاہدہ ہے۔ کیونکہ قاعدہ طبعیہ ہے کہ جس کام کو انسان اپنے اوپر لازم سمجھ لیتا ہے کہ اس کو ضرور ہی کرنا ہے اس کے کرنے میں زیادہ مشقت نہیں ہوتی اور جس کام کو اپنے اوپر لازم نہ سمجھے بلکہ اپنے کو اس میں مخیر سمجھے اس کا کرنا گراں ہوتا ہے خصوصاً اس میں پابندی تو بہت ہی گراں ہوتی ہے۔ اس لئے مجھ سے بعض سالکین نے بیان کیا اور میں خود بھی اپنا حال دیکھتا ہوں کہ فرائض کا ادا کرنا اتنا گراں نہیں ہوتا جتنا رات کا اٹھنا گراں ہوتا ہے۔ کیونکہ رات کو جاگنا اور تہجد پڑھنا ہمارے ذمہ لازم نہیں صرف سنت یا مستحب ہے اس لئے مستحبات کا بجالانا بھی مجاہدہ میں داخل ہے اور اسی لئے صوفیہ نے لکھا ہے کہ سالک کو علاوہ فرائض و واجبات کے کچھ سنن و مستحبات کا بھی التزام کرنا چاہئے کیونکہ مجاہدہ بدون اس کے کامل نہیں ہوتا ہمارے حاجی صاحب نے بھی اس کی وصیت فرمائی ہے۔

جس طرح اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک واجب دوسری مستحب اسی طرح محل ترک کی بھی دو قسمیں ہونی چاہئیں۔ ایک وہ جن کا ترک واجب ہے دوسری وہ جن کا ترک مستحب ہے۔ جس کا ترک واجب ہے وہ تو حرام اور مکروہ تحریمی ہے اور جس کا ترک مستحب ہے وہ مکروہ تنزیہی ہے تو اس طرح اجزائے دین چار ہو گئے تین نہ ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب محل ترک کی تفسیر معاصی سے کر دی گئی تو اب اس کی دو قسمیں نہیں ہو سکتیں کہ ایک معاصی تو وہ ہوں جن کا ترک واجب ہے اور ایک معاصی وہ ہوں جن کا ترک مستحب ہے کیونکہ جس کا ترک مستحب ہو وہ معصیت ہی نہیں معصیت وہی ہے جس کا ترک واجب ہو بخلاف اعمال کے جس کی تفسیر طاعات سے کی گئی ہے کہ اس میں دو قسمیں موجود ہیں بعض وہ طاعات ہیں جن کا فعل واجب ہے اور بعض وہ ہیں جن کا فعل مستحب ہے۔ (تقلیل الطعام بصورة الصیام ج ۳۰)

## نا جائز کی دو اقسام

رہا یہ اشکال کہ ناجائز کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حرام ہے ایک مکروہ اس کا جواب یہ ہے کہ ناجائز بالمعنی الاعم کی تو دو قسمیں ہو سکتی ہیں مگر معصیت کی کہ وہ مفہوم میں ناجائز سے اخص ہے دو قسمیں نہیں ہو سکتیں جس کو معصیت کہا جائے گا۔ اس کی دو قسمیں نہیں

ہوں گی بلکہ اس کا ترک واجب ہی ہوگا تو اس صورت میں بہت سے بہت مکروہ تنزیہی معاصی میں داخل نہ ہوگا یہ تو مشہور کی بناء پر ہے اور اگر اس کو بھی معصیت مانا جائے تو اس کا ترک بھی ضروری ہوگا گو ضرورت میں تفاوت ہو اور یہی صحیح ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی بھی ضروری ترک ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ اس پر بھی مواخذہ فرما سکتے ہیں اور جس چیز میں مواخذہ کا اندیشہ ہو وہ معمولی بات نہیں۔ (تقلیل الطعام بصورة الصیام ج ۳۰)

## محقق کی دوراندیشی

یہی راز ہے اس میں کہ ہمارے حضرات نے ہندوؤں کو ذکر شغل کی تعلیم کرنے سے منع فرمایا ہے گو ناواقف لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ان کو خدا کا نام بتلا دینا چاہئے۔ اس میں حرج کیا ہے شاید کسی وقت رفتہ رفتہ اسلام کی طرف آجائے۔ مگر محقق جانتا ہے کہ حالت کفر میں ذکر شغل کرنے سے وہ اسلام سے قریب نہ ہوگا بلکہ پہلے سے زیادہ دور ہوگا، کیونکہ ذکر شغل سے اس پر کیفیات نفسانیہ کا ورود ہوگا جن کو وہ مقصود سمجھے گا، اسکے بعد یہ خیال جم جائے گا کہ میں اپنے کفر پر رہ کر بھی مقصود کو حاصل کر سکتا ہوں تو اب اس کے اسلام کی کوئی امید نہیں۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ان جو گیوں کو عام کفار سے اچھا سمجھتے ہیں۔

## کیفیات کی کیفیت

یہاں سے ان سالکین کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو ان کیفیات و تصرفات اور کشف وغیرہ کو مقصود سمجھتے ہیں یا درکھو کہ ان کیفیات اور کشف کو مقصود سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ یہ نفسانی کیفیات تو یکسوئی سے ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہیں (جن کیفیات کو قرب میں کچھ دخل ہے اور وہ ان نفسانی کیفیات سے بالکل جدا ہیں اور یہ وہ کیفیات ہیں جو تجلی صفات الہیہ سے سالک پر وارد ہوتی ہیں باقی ذوق و شوق کا غلبہ یا یکسوئی کا بڑھ جانا یہ سب نفسانی کیفیات ہیں ان کو مقصود سے کچھ نسبت نہیں ہاں اگر یہ شخص صحیح راستہ پر چل رہا ہے تو ان نفسانی کیفیات سے طریق میں سہولت ہو جاتی ہے باقی انہیں کو مقصود سمجھ لینا یہ مقصود سے بے خبری کی دلیل ہے۔ اس طریق میں اصل مدار احسان پر ہے جس کے لغوی معنی نیکو کردن عبادت ہے اور جس کی تفسیر اخلاص سے کی گئی ہے اور حقیقت اس کی ایک حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔



الاحسان ان تعبد الله كانك تراہ فان لم تكن تراہ فانه يراك یعنی تعبد الله مشابها بانك تراہ (الصحيح للبخاری ۶: ۱۳۴، كنز العمال ۵۲۴۹)

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو جیسی اس حالت میں کرتے جبکہ اس کو دیکھتے ہوتے کیونکہ تم اگر اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے اور اس کا بھی مقتضا وہی ہے جو تمہارے دیکھنے کی حالت کا مقتضا ہے اور خدا کا تم کو دیکھنا یقینی ہے پس اس لئے ایسی عبادت کرو جیسی اس کو دیکھ کر کرتے چنانچہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے عبادت نہایت کامل ہوگی جیسے سڑک کوٹنے والا مزدور اگر حاکم کو سامنے سے آتا ہو ادیکھ لے تو اس وقت خوب کام کرتا ہے لیکن اگر مزدور کو حاکم خود بھی نظر نہ آئے گا مگر کسی معتبر ذریعہ سے اسے معلوم ہو جائے کہ حاکم میرے کام کو دیکھ رہا ہے تو اس وقت بھی اس کی وہی حالت ہوگی جو آنکھوں کے سامنے حاکم کو دیکھنے کے بعد ہوتی اور مسلمان کے لئے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ جب قرآن و حدیث میں اس کی تصریح ہو چکی کہ حق تعالیٰ بندوں کے افعال کو دیکھ رہے ہیں تو ان کی حالت عبادت میں وہی ہونی چاہئے جو حق تعالیٰ کو دیکھ کر ہوتی اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد بہت ہی اچھے طریق سے عبادت ہوتی اور وہ اچھا ہوتا یہ ہے کہ ظاہر ارکان اس کے مکمل ہوں اور باطمینان اس میں ریا وغیرہ کا خیال پاس بھی نہیں آ سکتا اس وقت تو اپنی بھی خبر نہ رہے گی دوسروں کی تو کیا خبر ہوگی جن کو عمل دکھلانے کا خیال ہو۔ (تقلیل الطعام بصورة الصیام ج ۳۰)

## کیفیت احسان

مولوی محمد سعید صاحب کیرانوی مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ جب میں قسطنطنیہ گیا اور سلطان عبدالحمید خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ایوان کی طرف چلا تو اول تو میں بے فکری کے ساتھ چلا جب قصر شاہی میں قدم رکھا اس وقت یہ تحقیق ہوا کہ سلطان کا جو خاص کمرہ ہے سلطان اس کمرہ میں کبھی سیر و تفریح کے لئے آ بیٹھتے ہیں اس وقت اس میدان میں چلنے والے سب ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ مولوی محمد سعید صاحب کہتے تھے کہ بس یہ تصور کر کے کہ شاید اس وقت سلطان مجھے دیکھ رہے ہوں میری یہ حالت تھی کہ قدم نہ اٹھتا تھا اور میں گردن جھکائے نہایت ادب سے چل رہا تھا اس میدان میں چاروں طرف پھول پھلوا رہی

اور عمدہ عمدہ درخت لگے ہوئے تھے مگر میں نے ایسی نگاہیں نیچی کیں کہ کسی چیز کو بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔ حالانکہ اس وقت تک نہ میں نے سلطان کو دیکھا تھا نہ یہ یقین تھا کہ وہ مجھ کو اس وقت دیکھ رہے ہیں، محض احتمال تھا کہ شاید دیکھ رہے ہوں مگر اس احتمال ہی سے میری وہ حالت تھی جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ (تقلیل الطعام بصورة الصيام ج ۳۰)

## ارکان مجاہدہ

مجاہدہ کے چار رکن ہیں (۱) تقلیل طعام (۲) تقلیل منام (۳) تقلیل کلام (۴) تقلیل اختلاط مع الانام اور تقلیل کالفظ تو میں کہہ رہا ہوں وہ تو ترک ہی سے تعبیر کرتے ہیں مگر مراد ان کی بھی تقلیل ہی ہے جس کو ترک سے اس لئے تعبیر کیا کہ بمرکش گیرتابہ تب راضی شود اگر وہ تقلیل کالفظ استعمال کرتے تو ہم لوگوں کو گنجائش ملتی کہ ذرا سی قلت کر کے اپنے کو مجاہد سمجھ لیا کرتے اور جب ترک کالفظ اختیار کیا تو ہم ان کے چھوڑنے کا قصد کریں گے اور ترک کلی ہو نہیں سکے گا اس لئے لامحالہ تقلیل کے اس درجہ پر جاٹھریں گے جو ان کا مقصود ہے۔ (تقلیل الطعام بصورة الصيام ج ۳۰)

## ضرورت مجاہدہ

مجاہدہ کا ضروری ہونا مسلم ہے تو گویا ان کی ضرورت پر اتفاق ہے اور جس طرح اہل ظاہر کا اجماع حجت ہے اسی طرح اہل باطن کا اجماع بھی حجت ہے کیونکہ تصوف بھی فقہ کی ایک فرد ہے جیسا کہ اہل اصول نے امام ابوحنیفہؒ سے اس کی تصریح کی ہے کہ الفقه معرفة النفس مالها وما علیها (فقہ نام ہے نفس کی معرفت کا جو اس کے لئے مفید اور جو مضر ہیں) تو صوفیہ بھی فقہاء امت میں داخل ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسائل ظاہرہ میں فقہاء ظاہر کا اجماع تو حجت ہو اور مسائل سلوک میں فقہاء باطن کا اجماع حجت نہ ہو (تقلیل الطعام بصورة الصيام ج ۳۰)

## تین مبغوض لوگ

حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ کو تین شخصوں سے زیادہ بغض ہے ملک کذاب و شیخ زان و عائل مستکبر (مجمع الزوائد ۶: ۲۵۵)۔ یعنی (۱) بادشاہ جھوٹ بولنے والا کیونکہ عام لوگ اگر جھوٹ بولیں تو وہ حاجت کا بہانہ کر سکتے ہیں کہ صاحب کیا کریں بدون جھوٹ کے کام نہیں

چل سکتا۔ مگر بادشاہ کو کس بلا نے گھیرا وہ کیوں جھوٹ بولتا ہے اس کے اوپر کس کا دباؤ ہے یا اس کو کس کے پاس مقدمہ لے جانا پڑتا ہے۔ پس بادشاہ کا جھوٹ بولنا محض خیانت نفس ہے۔ اسی طرح (۲) بڈھا زنا کرنے والا اس پر بھی خدا کا غضب زیادہ ہے کیونکہ جوان تو کچھ عذر کر سکتا ہے کہ فرط شوق سے میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا مگر بڈھے پر کیا آفت آئی اسے کونسا شوق تھا وہ تو پہلا شوق سب بھول بھال گیا اب تو وہ نہ معلوم کتنی دیر میں نفس کو آمادہ کرے گا کیونکہ غریب مردہ ہو چکا ہے۔ جیسے ایک بڈھے قاضی نے کسی کم عمر لڑکی سے نکاح کیا تھا جو ابھی ان باتوں کو نہ جانتی تھی انہوں نے یہ کہہ کر راضی کیا کہ ایسا کام ایک بار کرنے سے سو کافروں کے مارنے کا ثواب ہوتا ہے وہ بے چاری راضی ہو گئی دو تین روز کے بعد پھر یہ مسئلہ بیان کیا وہ پھر راضی ہو گئی۔ اس کے بعد جب یہ جوان ہو گئی اور وہ زیادہ بوڑھے ہو گئے تو اب اس نے خود کہنا شروع کیا کہ قاضی جی کافروں کو ماریں خیر قاضی جی جہاد کو تیار ہو گئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس نے پھر کہا قاضی جی نے پھر بھی ہمت کی جب کئی دفعہ یہ قصہ ہوا تو قاضی جی گھبرا کر باہر چلے گئے بیوی نے لڑکے کے ہاتھ کہلا کر بھیجا کہ قاضی جی کافروں نے بہت زور کر رکھا ہے تو قاضی جی صاحب نے جواب میں کہلا کر بھیجا کہ ہم نے ان کافروں سے صلح کر لی ہے بس یہی حال بڈھے کے نفس کا ہوتا ہے کہ وہ بھی ان کافروں سے صلح کر چکا ہے اب اس کا زنا پر اقدام کرنا سوائے شرارت نفس کے اور کچھ نہیں۔ (تقلیل الطعام بصورة الصيام ج ۳۰)

## بسیار خوری کے نقصانات

زیادہ کھانے میں علاوہ اس نقصان کے کہ وہ گناہوں کا سبب ہوتا ہے اور بھی بہت نقصان ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص ہمت کر کے گناہوں سے بچا بھی رہے تو یہ نقصان تو اسے بھی ہوگا کہ نیند زیادہ آئے گی کم کھانے میں نیند کم آتی ہے۔ پیٹ تن کر جب سوؤ گے تو نیند بھی تن کر آئے گی اور کچھ بھوک رکھ کر کھاؤ گے تو رات میں دو تین دفعہ خود بخود آنکھ کھل جائے گی کیونکہ نیند سے وہ تھوڑے بہت کھانا بھی جو کھایا تھا جلدی ہضم ہو جائے گا پھر جب پیٹ کمر سے لگ جائے گا تو ایک کروٹ پر لیٹا نہ جائے گا بار بار کروٹیں بدلو گے اور کئی بار آنکھ کھل جائے گی پھر چونکہ یہ مسلمان ہے اس لئے ذکر اللہ میں لگ جائے گا اور سوچے گا کہ یہ وقت اور کسی کام کا تو ہے نہیں اور صبح ہونے میں دیر ہے تو بے کار کیوں جاگے لاؤ کچھ اللہ اللہ ہی کر لو تو

کم کھانے والے کو طاعات کی توفیق زیادہ ہوتی ہے اور زیادہ کھانے والا تو صبح کو بھی مشکل سے اٹھے گا اس لئے اس شخص کی طاعات بہت کم ہوں گی اور اگر بہت کھانے والا اتفاق سے کسی رات کو جاگ بھی گیا تو کھانے کا کسل ایسا ہوتا ہے کہ اس کو چار پائی سے اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر اٹھ بھی گیا اور وضو کر کے نماز یا ذکر میں لگ گیا تو تھوڑی دیر میں نیند کے جھونکے ایسے آئیں گے کہ سجدہ میں پڑ کر خبر بھی نہ رہے گی یا گردن جھکا کر سوتا رہے گا۔ زیادہ کھانے میں دین کا نقصان تو ہے ہی دنیا کا بھی نقصان ہے کیونکہ کھانے میں اس شخص کی رقم زیادہ خرچ ہوتی ہے ایک شخص فی وقت دس روٹی کھاتا ہے اور ایک چار روٹی کھاتا ہے دونوں کے خرچ میں آدھوں آدھ کا تفاوت ہوگا۔ پھر بہت کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتی آئے دن بد ہضمی کی شکایت رہتی ہے جس سے طرح طرح کی بیماریوں کا شکار رہتا ہے تو دواؤں میں بہت رقم خرچ ہوتی ہے اور کم کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم ہوتی ہے اس کی تندرستی بنی رہتی ہے تو دواؤں میں اس کے روپے نہیں اٹھتے۔ (تقلیل الطعام بصورة الصيام ج ۳۰)

## ضرورت اہتمام جمعیت قلب

ہمارے حاجی صاحب کو جمعیت قلب کا بہت اہتمام تھا اسی لئے حضرت نے سالکین کو وصیت کی ہے کہ کسی سے نہ دوستی بڑھائیں نہ دشمنی پیدا کریں بس سب سے معمولی صاحب سلامت رکھیں کیونکہ دشمنی تو پریشانی قلب کا سبب ہے اور آج کل دوستی بھی اس کا سبب ہو جاتی ہے

## نفسانی لذت

مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ذکر نے شکایت کی کہ حضرت اب ذکر میں پہلے جیسی لذت نہیں آتی فرمایا تم نے سنا نہیں کہ پرانی جو روا ماں ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ کیا عجیب مثال دی۔ حاصل جواب کا وہی ہے کہ یہ لذت نفسانی ہے جس کا جوش کچھ دنوں رہا کرتا ہے جیسے بیوی کے ساتھ جوش محبت چند روز رہتا ہے اور سال دو سال گزرنے کے بعد وہ پہلا سا جوش نہیں رہتا البتہ انس پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے چنانچہ جس بیوی کے ساتھ صحبت طویل رہی ہو اس کی محبت رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے۔ یہی حال ذکر کا ہے کہ زمان طویل کے بعد جوش تو کم ہو جاتا ہے مگر انس بڑھ جاتا ہے اور پرانی جو رو کے اماں ہو جانے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ ہندوستان میں ایک کابلی رئیس تھے جن کے



لئے حکومت کی طرف سے کچھ جاگیر و معافی تھی اور حکام میں ان کی بہت وقعت تھی۔ بڑھاپے میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو حاکم ضلع تعزیت کے لئے آیا اور کہا آغا صاحب ہم کو آپ کی بی بی کے انتقال کا بہت صدمہ ہے تو وہ رونے لگے اور کہا کلکٹر صاحب وہ ہمارا بی بی نہ تھا اماں تھا ہم کو روٹی کھلاتا تھا بدن دباتا تھا۔ واقعی بوڑھے کی بیوی تو اماں ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ کام کے دنوں نہیں رہتے بس وہ حال ہوتا ہے کہ لینے دینے کے منہ میں خاک محبت رکھیں پاک اب ان کا تعلق نفسانی غرض کے لئے نہیں ہوتا محض پاک محبت ہوتی ہے۔ تو سالک کو چاہئے کہ ان نفسانی کیفیات کو مقصود نہ سمجھے بلکہ ذکر اور طاعات کو مقصود سمجھے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد از غیر او تمنائے  
(فراق اور وصل کیا چیز ہے رضائے دوست طلب کیجئے کہ اس محبوب حقیقی سے اس کے غیر کی طلب باعث حیف و افسوس ہے) (تقلیل الطعام بصورة الصیام ج ۳۰)

## شہوت کا علاج

بڑی بلا ہمارے اندر یہ ہے کہ ہم شہوات کے پابند ہیں اور اس کا علاج ترک شہوات کے سوا کچھ نہیں اس لئے ہم سب کو ترک شہوات کی ضرورت ہے۔ خصوصاً سالکین کو کیونکہ سلوک کا تو مدار اسی پر ہے کہ نفس کو شہوات سے روکا جاوے جس میں معاصی سے تو بالکل ہی روکنا ضروری ہے اور مباحات کی بھی تقلیل ضروری ہے یہی مجاہدہ ہے مثلاً راستہ میں کسی عورت یا مرد کو آتا ہوا دیکھا اور جی میں آیا کہ اس کو گھور اس وقت اکثر لوگ نفس کو شہوت سے نہیں روکتے بس جی میں دیکھنے کا خیال آیا اور فوراً دیکھ لیا خواہ دیکھنے کے بعد نفرت ہی ہو جائے کیونکہ سب حسین ہی نہیں ہوتے مگر اس سے بدون دیکھے نہیں رہا جاتا۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

## احتمال خطرہ عظیم

میرے ایک دوست کو یہ شبہ ہوا کہ چونکہ بعض دفعہ سامنے سے آئی ہوئی عورت قریب آ کر بری معلوم ہوتی ہے اور اس کو اچھی طرح دیکھ لینے سے دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس صورت میں تو نفرت پیدا کرنے کے لئے اس کو اچھی طرح دیکھ لینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اجمالی نظر پر اکتفا کر لینے سے قلب میں یہ خیال رہتا ہے کہ

شاید حسین ہو اور دیر تک قلب مشوش رہتا ہے اگر تفصیلی نظر سے دیکھ لیا جاتا تو تشویش نہ رہتی بلکہ نفرت پیدا ہو جاتی میں نے کہا کہ یہ بات تو تفصیلی نظر کے بعد معلوم ہوگی کہ یہ قابل نفرت ہے پہلے سے اس کا یقین کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ نفرت ہی کے قابل ہے بلکہ پہلے تو دونوں احتمال ہیں کہ شاید قابل نفرت ہو یا قابل رغبت ہو پھر اس خطرہ کی حالت میں نظر تفصیلی کی کیوں کر اجازت ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ بعد میں وہ ایسی ظاہر نہ ہو اور اگر بعد میں وہ قابل نفرت نہ نکلی بلکہ قابل محبت نکلی تو اب تشویش اس سے زیادہ ہوگی۔ جو اجمالی نظر پر اکتفا کر لینے سے ہوتی ہے اگرچہ اس وقت ممکن ہے کچھ لذت حاصل ہو مگر وہ بلا ہوگی کیونکہ ہر لذیذ چیز حاصل تو نہیں ہو جاتی اور اگر حاصل بھی ہو جائے تو کیا ہوگا پھر بھی مصیبت کا سامنا ہے۔ عذاب آخرت تو ہے ہی جو ناقابل برداشت ہے دنیا میں بھی اس سے کلفت ہوتی ہے کیونکہ ایسی لذتیں جن میں صرف نفس کا شائبہ ہو اور دین بالکل نہ ہو دوام نہیں رکھتیں الا شاذ و نادر اور جب دوام نہ ہو تو سخت کوفت و قلق ہوگا کیونکہ ایک بار حصول لذت سے محبت قلب میں جاگزیں ہو چکی ہے جس سے بعد اشتراق کے سخت تکلیف ہوتی ہے جو بعض دفعہ موت تک مفحی ہو جاتی ہے اس اعتبار سے یہ کلفت عذاب جہنم کے مشابہ بلکہ ایک اعتبار سے اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ وہاں کے عذاب سے موت تو نہ آئے گی اور اس عذاب سے تو موت آ جاتی ہے اور جو عذاب موت تک پہنچا دے وہ اس سے اشد ہے جس سے موت نہ آئے (انفاق المحبوب ج ۳۰)

## وساوس کا علاج

اہل سلوک کو بھی بعض مرتبہ ایسے وساوس آتے ہیں کہ خود کشی کرنی آسان معلوم ہوتی ہے چنانچہ جوان میں جاہل ہیں وہ خود کشی کر بھی لیتے ہیں اور جو واقف ہیں وہ صبر کرتے ہیں اور راز اور علت و سوسہ کی یہ ہے کہ جب سالک اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو شیطان کو بڑا رنج ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو ضرر پہنچاؤں اول نماز روزہ فرائض واجبات کے ترک کی کوشش میں لگتا ہے کہ دینی ضرر ہے جب جانتا ہے کہ اس میں مجھ کو کامیابی نہ ہوگی اس وقت جسمانی ضرر اور پریشانیوں کو غنیمت سمجھ کر اس کے گوش قلب میں برے برے و سوسہ پھونکتا ہے سالک اس سے پریشان ہوتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ اللہ اکبر میرے تو ایمان ہی میں نقص ہے کہ مجھ کو ایسے خطرات گزرتے ہیں حالانکہ ان و سوسوں کا آنا اس کو مطلق مضر نہیں ہاں

موجب پریشانی کا ہے اور پریشانی کا موجب بھی اس سبب سے کہ اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ سالک سمجھتا ہے کہ یہ وسوسے میرے قلب سے پیدا ہوتے ہیں منشاء ان کا میرا قلب ہے حالانکہ یہ غلط ہے منشاء اس کا شیطان ہے کیونکہ وہی قلب میں پھونکتا ہے قلب محض محل اور گزرگاہ وسوسہ ہے اس راز کے سمجھنے اور ذہن نشین ہونے کے بعد ان شاء اللہ مطلق پریشانی نہ ہوگی بلکہ وسوسہ ہی کی جڑ کٹ جاوے گی کیونکہ شیطان وسوسہ اس کے پریشان کرنے کے لئے ڈالتا ہے جب وہ پریشان ہی نہ ہوگا وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا تو یہ علمی علاج ہے کہ جب وسوسہ آوے اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ فعل شیطان ہے اور نعوذ سے بلکہ مطلق ذکر سے شیطان دفع ہوتا ہے و نیز جب ذکر کی طرف خوب متوجہ ہو گیا اور کامل توجہ دو طرف ہوتی ہیں تو وسوسہ کی طرف التفات نہ رہے گا اور بالفرض اگر اس پر بھی وسوسہ آویں اور دفع نہ ہوں اور بالاضطرار پریشانی ہو تو یہ بھی ایک مجاہدہ ہے تب بھی نفع ہی ہو اس لئے رنج نہ کرے اور جو شخص اسی فکر میں لگا ہے کہ وسوسہ دفع ہوں اور عبادت و ذکر اللہ میں مزا آوے جیسا کہ آج کل اکثر اہل سلوک کا حال ہے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ شخص اپنے مزے کے لئے ذکر کرتا ہے رضائے حق کے لئے نہیں کرتا۔

بس زبون وسوسہ باشی ولا      گر طرب ربابز دانی از بلا  
(تم بالکل مغلوب وساوس سمجھے جاؤ گے اگر محبوب کے طرب و بلا میں فرق سمجھو گے)  
گر مرادت را مذاق شکر است      بے مرادی نے مراد دلبر است  
(مراد کا مزہ شیریں ہے تو کیا بے مرادی دلبر کی مراد نہیں ہے)

دوسرا علاج وسوسہ کا مطلق ذکر اللہ ہے جیسا اوپر بھی اشارہ ہوا موجب وسوسہ آوے ذکر اللہ شروع کر دے۔ حدیث میں ہے اذا ذکر اللہ خنس یعنی جب مومن ذکر اللہ کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے۔ واذا غفل وسوس (جب غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے) اوپر اس کے عقلی لم بھی مذکور ہوئی ہے اور وسوسہ آنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے سالک کا امتحان ہے اس کی عبادت حفظ نفس کے لئے تھی یا یہ کہ اس کشاکشی اور بے لطفی میں بھی عبادت کرتا ہے اور یہ کہ یہ وسوسہ کے وقت کس طرف متوجہ ہوتا ہے بعض توجہ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اس سے مناظرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں سو ایسا شخص عارف نہیں ہے اگر عارف ہوتا تو اس طرف ہرگز متوجہ نہ ہوتا جیسا کہ شیخ علیہ الرحمہ نے حکایت نقل فرمائی۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو      چو بگذشت بر عارف جنگجو  
 گرایں مدعی دوست بشناختے      بہ پیکار دشمن نہ پر دانختے  
 (بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جب کہ وہ ایک عارف جنگ جو پر  
 گذرے اگر اس مدعی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا)  
 لہذا ان وسوسوں سے ہرگز پریشان نہ ہو اور کام میں لگا رہے آج کل یہ بھی اہل سلوک  
 کو خبط ہو گیا ہے کہ مزہ کے طالب ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ذکر میں کوئی وسوسہ نہ آوے اور مزہ  
 آوے طالب صادق کی ہرگز یہ شان نہیں صادق وہی ہے مزہ آوے یا نہ آوے کلفت ہو یا  
 راحت ہو ہر حالت میں طالب رضا کا ہو مولانا فرماتے ہیں۔

روز ہاگر رفت گو پاک نیست      تو بیاں اے آنکہ چون تو پاک نیست  
 (یعنی ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہئے اگر گئے بلا سے گئے عشق جو اصلی دولت  
 ہے اور سب خرابیوں سے پاک ہے اس کا رہنا کافی ہے) (الاخلاص ج ۳۰)

## مقصود سلوک

مقصود سلوک کا یہ ہے کہ حق تقویٰ حاصل ہو اور اتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ میں ابتداء  
 سلوک کو بیان فرمایا ہے کہ اس میں شہینا فشیئا کوشش کی جاتی ہے ان دونوں امروں کی مثال ایسی  
 ہے جیسے کوئی امر کرے کہ چھت پر چڑھو اور وہ گھبرا جاوے کہ میں کیسے جاؤں تو اس کو کہا جاوے گا  
 کہ زینہ پر بقدر استطاعت ایک ایک درجہ طے کر کے پہنچ جاؤ دوسری مثال یہ ہے کہ کوئی امر  
 کرے کہ علاج کر کے اپنا بخار دور کرو اور وہ گھبرا جاوے کہ کیا کوئی دوا ایسی ہے کہ آج ہی بخار  
 جاتا رہے تو اس کو کہا جاوے گا کہ تھوڑی تھوڑی دوا پیا کرو بخار جاتا رہے گا اسی طرح مطلب حق  
 تعالیٰ کا یہ ہے کہ بقدر استطاعت تقویٰ کرتے رہو یہاں تک کہ حق تقویٰ حاصل ہو جائے  
 اور سلف نے جو اس میں نسخ کہا ہے تو وہ نسخ اصطلاحی نہیں ان کے عرف میں نسخ مطلق اختلاف  
 کو کہتے ہیں ولو بالاجمال والنقصان (اگرچہ اجمال اور تفصیل کے ساتھ ہو) جیسا یہاں ہے  
 غرض دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہو گیا کہ کام میں لگنے والے اور معالجہ کرنے والے ہر  
 گز نہ گھبرائیں ان پر کوئی ملامت نہیں وہ فاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس  
 قدر ہو سکے) پر عمل کر رہے ہیں ان شاء اللہ ایک روز ان کو حق تقویٰ بھی حاصل ہو جاوے گا ہاں



جو معالجہ سے غافل ہیں اور مرض کو بڑھا رہے ہیں ان پر البتہ ملامت ہے بہر حال ہم کو اپنی نیت کا خالص کرنا ضروری ہے تاکہ دین کی حقیقت ہم کو حاصل ہو۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## انسان کی صورت اور حقیقت

آدمی کی صورت اور شے ہے اور حقیقت اور ہے

گر بصورت آدمی انسان بدے احمد و بو جہل ہم یکساں بدے  
اینکہ می بنی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند  
(اگر آدمی کی صورت کی وجہ سے انسان ہوتا تو احمد اور ابو جہل یکساں ہوتے یہ کہ  
خلاف آدم کے تجھ کو نظر آتا ہے آدم نہیں ہیں آدم کے غلاف میں ہیں)

ایسی ہی ہمارے اعمال کی حالت ہے کہ اعمال کی صورت ہے حقیقت نہیں ہے  
خواجہ پندارد کہ دارد حاصل حاصل خواجہ بجز پندارد نیست  
(خواجہ کو گمان ہے کہ اس کو کچھ حاصل ہے خواجہ کو بجز غرور کے کچھ حاصل نہیں)  
ان ہی صورت اعمال پر نظر مقتصر کر کے ہر شخص بجائے خود سمجھ رہا ہے کہ مجھ میں کچھ ہے میں متقی ہوں  
ذاکر ہوں کوئی سمجھتا ہے کہ عالم ہوں حافظ ہوں اور اگر باطن کو دیکھا جاوے تو یہ حالت ہے۔  
از بروں چوں گور کافر پر حلل و اندروں قہر خدائے عزوجل  
از بروں طعنہ زنی بر با یزید و از درونت ننگ میدارد یزید  
(باہر سے) (ظاہر میں) کافر کی قبر کی طرح آراستہ اور مزین ہیں اور اندر (باطن میں)  
خدائے عزوجل کا عذاب ہو رہا ہے ظاہر سے تو با یزید بسطامی جیسے پر تو طعنہ زنی کرتا ہے اور  
تیری اندرونی حالت سے شیطان بھی شرماتا ہے) (الاخلاص ج ۳۰)

## فکر کا اعتدال

حاصل یہ ہے کہ اتنی بے فکری بھی بری ہے کہ علان ہی نہ کرے اور اس قدر فکر بھی مضر ہے کہ باوجود  
طیب کے سپرد کر دینے کے بھی کسی وقت فکر سے خالی نہ ہو جب طیب کے سپرد کر دیا اب بے فکر  
ہو جانا چاہئے۔ بس صرف اس کی اتباع کی فکر رکھے اور منتظر رہے ان شاء اللہ ایک وہ دن ہوگا کہ  
یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور کلبہ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور  
(یوسف گم گشتہ کنعاں میں واپس آتا ہے غم مت کرو کہہ کسی دن گلستاں بن جائے گا غم مت کرو)

الحمد للہ حدیث شریف کے تمام اجزاء کی بقدر ضرورت تفصیل ہو گئی ہے حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط۔ ختم شد (الاخلاص ج ۲۰)

## مخلوق کا وجود سراپا احتیاج ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَإِنْ يُمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِذْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَ لِفَضْلِهِ (اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں)۔ تو بتلائے یہ وحدۃ الوجود قرآن و حدیث کے مطابق ہے یا خلاف یقیناً بالکل مطابق ہے جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ مخلوق کا وجود وجود مستقل نہیں غیر مستقل اور سراپا احتیاج ہے اس لئے وجود الہی کے سامنے وہ بیچ در بیچ اور کالعدم و لاشی محض ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام میں نفی وجود کی ہو اگر وہ مغلوب الحال نہیں تو اس کو مبالغہ پر محمول کرنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ مطلب اس کا بھی یہی ہے جس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کر رہا ہے تم اس کو کافر کیوں بتاتے ہو ہاں اگر کسی بھنگڑ کو کہو تو ہم بھی اس کی حمایت نہ کریں گے کیونکہ یہ نالائق وحدۃ الوجود کو نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں یہ تو محض الفاظ یاد کر کے مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں مگر اہل مشاہدہ کو تم کیوں کافر کہتے ہو جیسے شیخ اکبر ہیں یا ملا جامی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ان بزرگوں کے کلام میں بھی تو ہمہ اوست وغیرہ وغیرہ ایسے الفاظ موجود ہیں جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے جن سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر چیز کے وجود کو وجود حق ہی سمجھتے ہیں اور یہی باتیں بھنگڑوں کے کلام میں پائی جاتی ہیں پھر فرق کی کیا وجہ کہ ان کو کافر کہنا جائز اور ان کو کافر کہنا جائز میں کہوں گا کہ تم ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرو جو حق تعالیٰ کریں گے وہ یہ کہ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کہ جس شخص کے حسنات سینات پر غالب ہوں وہ خدا کے نزدیک اہل فلاح ہے پس تم بھی اس کو صالح سمجھو اب یہ دیکھو کہ ہمہ اوست کہنے والے کی حالت کیا ہے اگر اس کے حسنات سینات پر غالب ہوں تب تو اس کے قول میں تاویل کرو کسی محل حسن پر محمول کرو اور اگر سینات حسنات پر غالب ہیں تو وہ مقبول نہیں اس کے کلام میں تاویل کی ضرورت نہیں۔ (ایواء الیتامی ج ۲۰)

## ذکر کا لطف

مگر آج کل لوگوں نے اسی کو مقصود بنا لیا ہے چنانچہ ذکر میں مستی اور لذت کے طالب رہتے ہیں بعض لوگوں نے مجھ سے شکایت کی کہ ذکر میں مزہ نہیں آتا میں نے کہا مزا تو مندی میں ہے یادِ غ اور ذوق کی غزلوں میں ہے حکیم محمود خاں کے نسخہ میں کیا مزہ اگر کوئی حکیم کا نسخہ پڑھ کر اس سے وہ مزا لینا چاہے جو غزل کے گانے میں آتا ہے تو یہ حماقت ہے نسخہ کے پڑھنے میں کیا مزا اور اس کے استعمال کرنے میں بھی مزہ آنا ضروری نہیں ممکن ہے کو دو ا تلخ ہو لیکن کچھ دنوں استعمال کے بعد مزہ آئیگا اور دیر پا مزہ ہوگا۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

## حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا واقعہ ہے کسی نے شریف مکہ سے آپ کی چغلی کھا دی تھی جس کی وجہ سے شریف کچھ ناراض تھا ایک دفعہ شریف کے کوئی مصاحب حاجی صاحب سے ملنے آئے لوگوں نے دل میں خیال کیا کہ حاجی صاحب ان سے نرمی کا برتاؤ کریں اور اس کی خاطر کریں تو اچھا ہے تاکہ یہ شریف کے دل پر سے اس شکایت کے اثر کو دھو ڈالیں مگر حاجی صاحب کے یہاں یہ پالیسیاں کہاں تھیں کسی بات پر شریف صاحب کا تذکرہ آ گیا تو حاجی صاحب نے مصاحب کے ساتھ تیز گفتگو فرمائی اور فرمایا کہ شریف صاحب میرا کر کیا لیں گے بیش بریں نیست کہ مجھ کو مکہ سے نکال دیں گے تو میں جہاں بیٹھوں گا وہیں میرا مکہ مدینہ ہے کیونکہ کعبہ کی حقیقت شان الوہیت ہے اور مدینہ کی حقیقت شان عبدیت ہے اور یہ شانیں عارف کی ساتھ ساتھ ہیں چاہے وہ کہیں رہے پھر مکہ سے نکال کر وہ میرا کیا بگاڑ دیں گے اس کے بعد شان محققیت کا ظہور ہوا تو فرمایا لیکن محقق صورت و معنی دونوں کو جمع کرنا چاہتا ہے اور جب تک ہو سکتا ہے وہ صورت کو بھی ترک نہیں کرتا اس میں اس سوال کا جواب تھا کہ جب عارف کے پاس حقیقت کعبہ و حقیقت مدینہ ہر دم موجود ہے تو پھر مکہ اور مدینہ جانے کی اور وہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے بتلا دیا کہ محقق صورت کی بھی قدر کرتا ہے۔

اسی طرح جو جامع ہیں وہ زباں سے بھی شکر کرتے ہیں اور عمل سے بھی ان کا یہ حال ہوتا ہے۔

افادتکم النعماء منی ثلثة یدی و لسانی والضمیر المحجبا  
(تمہیں میری تین نعمتوں سے زیادہ نفع پہنچتا ہے ہاتھ زبان اور پوشیدہ ضمیر) (عمل الشکر ج ۳۰)

## اہل وجد کا حال

آج کل اہل وجد کا یہی حال ہے کہ ان کا زیادہ تر حال و وجد تکلف اور تصنع سے ہوتا ہے ایک صوفی کو قوالی کی مجلس میں حال ہوا خوب کودے اچھلے تو لوگوں نے اس کی چادر قوالوں کو دیدی کیونکہ قاعدہ ہے کہ صاحب حال قوالوں کو کچھ دیا کرتا ہے بس چادر کا قوالوں کے ہاتھ میں جانا تھا کہ فوراً آپ کا حال ختم ہو گیا اور لگے گڑ گڑانے کہ یہ چادر میرا نہیں دوسرے سے مانگ کر لایا تھا قوالوں نے کہا کہ حضور آپ نے ہم کو دیا ہے کہنے لگے میں نے نہیں دیا وہ بولے حضور وجد میں آپ کو یاد نہیں رہا کہنے لگے مجھ کو خوب یاد ہے میں نے نہیں دیا بڑی دقت سے آٹھ آنہ میں واپس ملا مگر پھر اخیر تک وجد نہ ہوا آج کل لوگوں نے حال و وجد کو بھی رسم بنالیا ہے ورنہ واقعی حال تو کسی کسی پر طاری ہوتا ہوگا زیادہ تر تو بناوٹ ہوتی ہے اور کسی پر واقعی حال بھی طاری ہو تو بدون عمل کے سب ہیچ ہے اور آج کل حال و قال و وجد والے عمل سے اکثر کورے ہیں۔ ہاں یہ اعمال رہ گئے ہیں کہ عرسوں میں شریک ہو گئے فاتحہ اور ختم میں جا پہنچے قوالی میں اچھل کود لئے اسی لئے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں نسبت صوفیہ غنیمتے ست کہری اما رسوم شان بہ ہیچ نیر زد۔ لوگ ہمارے مجمع کو خشک بتلاتے ہیں کہ یہ تو نرے مولوی ہیں میں کہتا ہوں کہ اور کیا چاہتے ہو مولوی کہتے ہیں مولوی والے یعنی اللہ والے کو کیا یہ تھوڑی بات ہے دوسرے میں کہتا ہوں کہ جس ہنڈیا کی بھاپ نکلتی رہے وہ خالی ہو جائے گی یا وہ جس کا منہ اوپر سے نہایت مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کی بھاپ نکل رہی ہے وہی خالی ہو جائے گی تو اب بتلاؤ کہ تم خشک ہوئے یا ہم تمہاری تو یہ حالت ہے کہ جہاں کچھ ولولہ دل میں پیدا ہوا اور تم نے قوالی سن کر دل کا بھڑاس نکال لیا اور یہاں یہ حالت ہے کہ اندر ہی اندر گھٹتے ہیں دل کا بھڑاس کبھی نہیں نکلتا جتنی بھاپ پیدا ہوتی ہے سب اندر ہی بند رہتی ہے پھر ہم خشک کیونکر ہو گئے۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

## اعمال میں خلوص کی ضرورت

صاحبو! عمل کا اہتمام چاہئے ان احوال و مواجید میں کیا رکھا ہے بدون عمل کے یہ



سب بے کار ہیں مگر عمل ہی آج کل بہت کم ہو گیا ہے بلکہ جو لوگ عمل کرتے بھی ہیں ان میں بھی اللہ کے لئے عمل بہت کم ہے (عمل الشکر ج ۲۰)

## عالمگیر کے بہروپے کا واقعہ

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ جب تخت نشین ہوئے امیدوار انعام کے لئے جمع ہو گئے ایک بہروپیہ بھی آیا اس کو دینا مناسب نہ سمجھا مگر سادہ انکار خلاف ادب شاہی سمجھا عذر یہ کیا کہ تمہارا کمال یہ ہے کہ ایسی صورت سے آؤ کہ پہچان نہ ہو اس وقت مستحق انعام کے ہو گے وہ طرح طرح کی شکلیں بدل کر آتا مگر یہ ایسے عاقل تھے کہ کبھی اس بہروپیہ کے دھوکے میں نہ آتے تھے جس روپ میں آتا تھا فوراً پہچان لیتے تھے آخر کار ایک دفعہ عالمگیر نے دکن کا ارادہ کیا اور راستہ میں جتنے بزرگ اولیاء اللہ تھے سب سے مل کر دعاء کی جانے کا قصد کیا بہروپیہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا وہ بھی راستہ میں ایک پہاڑ پر صوفی بن کر بیٹھ گیا ایک دو اس کے چیلے تھے انہوں نے بستی میں شہرت دیدی کہ فلاں پہاڑ پر ایک بڑے بزرگ اللہ والے رہتے ہیں لوگ جوق جوق اس کے پاس آنے لگے کسی نے عالمگیر کو بھی اطلاع کر دی کہ حضرت کے راستہ میں ایک بزرگ اور بھی ہیں چنانچہ عالمگیر جب یہاں پہنچے تو اس سے بھی ملے اس زمانہ کے بہروپے ذی علم ہوتے تھے اس لئے اس نے عالمگیر کے سامنے مسائل تصوف خوب بیان کئے اور ایسی ایسی نصیحتیں کی کہ عالمگیر رونے لگے چلتے ہوئے انہوں نے ہزار روپے نذر پیش کئے بہروپیہ نے لینے سے انکار کر دیا کہ اسی دنیا کو چھوڑ کر تو میں یہاں پہاڑ پر بیٹھا ہوں تم مجھے اس سے ملوث کرنا چاہتے ہو اپنی دنیا کو اپنے ساتھ لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں عالمگیر نے روپے اٹھائے اور اس سے دعائیں لے کر روتے ہوئے رخصت ہوئے راستہ میں وزیر اور بادشاہ دونوں تعریف کر رہے تھے کہ ایسا بزرگ کوئی نہیں دیکھا اس وقت بہروپیہ بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا عالمگیر نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے فوراً جھک کر سلام کیا عالمگیر نے غور کیا پہچان لیا اور کہا بھائی واقعی آج تو نے مجھے دھوکہ دے دیا۔ اس کے بعد خیمہ پر پہنچے تو خزانچی کو حکم دیا کہ پچاس روپے اس کو دید و چنانچہ دیدیے گئے اور اس نے قبول کر لئے اب عالمگیر نے پوچھا کہ میاں اس کی کیا وجہ تھی کہ تم نے اس وقت تو تھوڑے سے روپے بھی لے لئے اور پہاڑ پر ہزار روپے نہ لئے اگر تم لے لیتے تو میں واپس تھوڑا ہی لیتا بہروپیہ نے کیا

عجیب جواب دیا کہا اس وقت میں نے تارکین دنیا کی نقل بنا رکھی تھی اگر اس وقت لے لیتا تو نقل پوری نہ ہوتی ناقص رہ جاتی جو میرے کمال پر ایک دھبہ ہوتا اور اب تو میں نے اپنے پیشہ سے کمایا ہے سو میرا کام ہی یہ ہے اس لئے اس وقت جو کچھ دیا گیا میں نے لے لیا۔ اس حکایت سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ واقعی ہم لوگ نقل بھی ٹھیک نہیں کرتے۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

برزباں تسبیح و دردل گاؤں خیر  
ایں چنین تسبیح کے دارد اثر  
(زبان پر تسبیح اور دل میں گاؤں خیر ایسی تسبیح کب اثر رکھتی ہے)

## ہمت بڑھانے کا گر

ہمت بڑھانے کے لئے اہل اللہ کی خدمت میں بیٹھا کروان کی صحبت سے ہمت بڑھے گی اور ذکر کی توفیق ہوگی ایک لطیفہ یاد آ یا وہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے انا جلیس من ذکرنی (الحاف السادة المتقين ۲۸۷۶) دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ یہ ملاؤ۔

یک زمانے صحبت با اولیائے بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا  
(اولیاء کی تھوڑی صحبت سو سال کی پر خلوص عبادت سے بہتر ہے) (عمل الشکر ج ۳۰)

## ذکر لسانی اور ذکر قلبی

صوفیہ کے نزدیک تو اصل ذکر قلبی ہی ہے یعنی اگر ذکر لسانی ذکر قلبی سے خالی ہو تو وہ اس کو معتبر نہیں سمجھتے (مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر لسانی میں اگر حضور قلب نہ ہو تو ذکر نہ کرے چھوڑ بیٹھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محض لسانی کو کافی سمجھ کر اس پر قناعت نہ کرے بلکہ ذکر قلبی کے لئے کوشش کرتا رہے اور وہ کوشش یہی ہے کہ لسانی پر دوام کرے اور اس کے ساتھ دل کو متوجہ کرنے کی بھی عادت ڈالے۔ اسی طرح ذکر قلبی حاصل ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از صفت و از نام چہ زاید خیال و اں خیال ہست دلال وصال  
(صفت اور اسم سے تصور اور خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ تصور رہبر وصال بن جاتا ہے)  
ایک جگہ فرماتے ہیں

مست ولا یعقل نہ از جام ہو اے زہو قانع شدہ برنام ہو  
(تم جام محبت سے مست ولا یعقل نہیں ہو تم صرف نام حق پر بجائے محبت کے قناعت کئے ہوئے ہو)

اس میں نام پر قناعت کرنے سے منع فرماتے ہیں ذکر اکی سے مطلقاً منع نہیں فرماتے کیونکہ یہی تو زینہ ہے ذکر قلبی کا اور وصول الی الذات (ذات تک پہنچانے) کا اور اس حدیث سے زیادہ صریح دوسری حدیث ہے من ذکر نی فی نفسہ ذکر تہ فی نفسی ومن ذکر نی ملاء ذکر تہ ملاء خیر منه الحدیث (مسند احمد ۳۵۳۲) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے میں بھی اس کو اپنی ذات سے یاد کرتا ہوں اور جو کوئی مجھ کو جماعت میں یاد کرے میں اس کو اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اس میں تو ذکر نفسی کو ذکر جماعت کے مقابلہ میں بیان فرمایا ہے جس میں ذکر قلبی کے سوا بظاہر اور کچھ مراد نہیں گویہ احتمال ہے کہ مقابلہ جماعت میں ذکر ہونے سے ذکر خلوت مراد ہو باللسان مگر ایک اور حدیث حاشیہ حصین میں نقل کی ہے۔ یفضل الذکر الخفی الذی لا یسمعه الحفظۃ سبعون ضعفاً (کنز العمال ۱۹۲۹) (ذکر خفی جس کو نگہبان فرشتے بھی نہ سنتے ہوں ذکر جلی سے ستر گناہ فضیلت رکھتا ہے) اس سے ذکر خفی کا ذکر جلی سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

قلت ولكنی لم اعرف سندہ نعم له شاهد قوی من حدیث سعد بن ابی وقاص عنه مرفوعاً قال خیر الذکر الخفی وخیر الرزق او العیش ما یکفر رواہ ابو عوانہ وابن حبان فی صحیحہما کذا فی الترغیب (درجات الاسلام ج ۳۰)

## محققین کی عجیب شان

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت ذکر میں نیند بہت آتی ہے اس کا کیا علاج آپ نے فرمایا اس کا علاج بھی ہے کہ پس تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہو۔ واقعی مشائخ محققین کی عجیب شان ہوتی ہے مگر محققین سے میری مراد وہ علماء نہیں ہیں جن کے صرف عقائد صحیح ہوں ان کو تو اہل حق اور محقق کہنا چاہئے تو جب مشائخ اہل حق بولا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دکاندار نہیں بدعتی نہیں ہیں پیری مریدی کو پیشہ نہیں بناتے پس اہل حق اور محقق تو دکانداروں اور بدعتیوں کے مقابلہ میں ہوتے ہیں مگر حق ہونے کے لئے صرف حق ہونا کافی نہیں اور یہ ضرور نہیں کہ ہر حق محقق ہو اس کی تفصیل یوں سمجھئے کہ حق ہونا تو ایسا ہے جیسے تندرست ہونا اور محقق ہونا ایسا ہے جیسے طبیب ہونا تو ظاہر ہے کہ تندرست

طیب نہیں ہوتا اور نہ طیب بننے کے لئے صرف تندرست ہونا کافی ہے مشائخ محققین وہ ہیں جو عقائد صحیحہ کیساتھ امراض نفس و معالجات نفس سے بھی ماہر ہوں (درجات الاسلام ج ۳۰)

## فن تعبیر کا بزرگی سے کوئی تعلق نہیں

بعض لوگ خطوط میں خواب بہت لکھتے ہیں مجھے اس سے بھی الجھن ہوتی ہے کوئی بہت ہی عجیب و غریب خواب ہو تو اس کی اطلاع کا مضائقہ نہیں مگر یہ تو نہ ہونا چاہئے کہ ہر خط میں خواب ہی لکھے ہوئے آیا کریں۔ اگر دس خطوط میں امراض نفس کا معالجہ دریافت کیا جائے اپنے عیوب کی اصلاح کا طریق دریافت کیا جائے تو اس کے بعد ایک خط میں خواب لکھ دینے کا بھی مضائقہ نہیں مگر اب تو حالت یہ ہے کہ دس خطوں میں تو خواب کی کیفیات ہوتی ہیں اور ایک خط میں بیداری کی۔ یہ تو یقیناً لایعنی میں داخل ہے پھر طرہ یہ کہ خواب لکھ کر اس کی تعبیر دریافت کرنا چاہتے ہیں اور مجھے اول تو تعبیر سے بہت کم مناسبت ہے دوسرے اس کو طریق سے کچھ تعلق نہیں نہ شان اصلاح کے لئے سمجھتا ہونا ضروری بلکہ تعبیر کے فن کو تو اسلام کی بھی ضرورت نہیں زمانہ جاہلیت میں بعض کفار ایسے معتبر ہوئے ہیں کہ علماء اسلام میں بھی ایسے معتبر نہ ہوئے ہوں گے تو جو فن مسلم و کافر دونوں میں مشترک ہو اس کو طریق یا بزرگی سے کیا تعلق اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ جس خط میں خواب لکھا جائے اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا جائے کہ اگر تعبیر ضروری ہو تو لکھی جائے ورنہ کچھ ضرورت نہیں اس سے مکتوب الیہ پر بار نہیں ہوتا اسی لئے میں خوابوں کا جواب کم دیتا ہوں اکثر تو یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

نہ شتم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم      چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم  
(نہ میں شب ہوں نہ شب پرست جو خواب کی تعبیر بیان کروں محبوب حقیقی کا بندہ ہوں ان کی باتیں بیان کرتا ہوں) (درجات الاسلام ج ۳۰)

## طریق عنایت خاصان حق

خاصان حق کی عنایت حاصل کرنے کا بھی طریقہ یہی ہے کہ تم اپنی تکمیل کی کوشش کرو ان کے عنایت و کرم کے لئے روپیہ پیسہ نہیں چاہئے بلکہ وہ تو اسی سے خوش ہوتے ہیں جس کو کام میں لگا ہوا دیکھتے ہیں گو خدمت کچھ بھی نہ کرتا ہو بچہ جتنا شوقین ہوتا ہے استاد کی عنایت اتنی ہی بڑھتی ہے یہی قاعدہ یہاں بھی ہے اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ توفیق زیادہ دے۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)



## اصل زندگی تو اہل اللہ کی ہے

حضرات! یہ لوگ جن کو دیوانہ کہا جاتا ہے ایسے عاقل ہیں کہ ان کے ملفوظات اور حکیمانہ اقوال کے سامنے ارسطو بھی طفل مکتب ہے تو کیا ایسے عاقلانہ اقوال دیوانوں سے صادر ہوا کرتے ہیں مگر چونکہ اس محبت نے ان سے سلطنتیں چھڑا دیں جب انہوں نے سلطنت کو نخل تعلق حق دیکھا تو لات مار کر الگ ہو گئے ان کا مذاق یہ ہے کہ

عشق بامردہ نباشد پائدار      عشق راباجی و باقیوم دار

اور

عاشقی بامردگان پائندہ نیست      زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست  
وہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں کرنا چاہتے دنیا اور اسکے لذائذ ان کی نظر میں خاک کے برابر بھی نہیں رہے اس لئے اہل دنیا کی نظر میں وہ دیوانے شمار ہونے لگے مگر وہ ایسے دیوانے ہیں کہ

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد

مگر میں سچ کہتا ہوں کہ زندگی انہی کی زندگی ہے واللہ ان کو کھانے پینے میں بھی وہ مزہ آتا ہے کہ آپ کو اور ہم کو نہیں آتا کیونکہ ان کو کھانے پینے کے وقت میں یہ مستحضر ہوتا ہے کہ بہ سب نعمتیں محبوب کی طرف سے ہیں اور محبوب کے ہاتھ سے اگر گلا ہوا امرود بھی ملے تو وہ آلہ آباد کے شاداب امرود سے افضل ہوتا ہے بلکہ محبت کی تو اس سے بھی بڑھ کر عجیب حالت ہے کہ عاشق کو محبوب کی ایذا میں بھی مزا آتا ہے اسی لئے اہل اللہ کو جان دینے میں بھی مزا آتا ہے کیونکہ عاشق کو محبوب کے ہاتھ سے دھول کھانے میں بھی لطف محسوس ہوتا ہے حضرت عراقی فرماتے ہیں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت      سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(الاکرامیہ بالاعملیۃ والاعملیۃ ج ۳۰)

## حکایت حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے عرض کیا ”السلام علیک یا جدی“ (دادا صاحب السلام علیک) جواب ہوا ”وعلیک السلام یا ولدی“ (بیٹا! وعلیک السلام) اس پر ان کو وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے:

فی حالة البعد روحی كنت ارسلها تقبل الارض عنی وهی نائبتی  
فهذه دولة الاشباح قد حضرت فامد دیمینک کی تحظی بهاشفتی  
(یعنی دوری میں تو روح کو قدم بوسی کے لیے اپنا نائب بنا کر بھیجا کرتا تھا اب جسم کی  
باری آئی ہے اب تو ذرا ہاتھ بڑھا دیجئے تاکہ میں اس کو بوسہ دوں)  
بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا انہوں  
نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے۔

ایک بزرگ سے جو کہ اس واقعہ میں حاضر تھے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اس وقت کچھ  
رشتہ ہوا تھا۔ فرمایا ہم تو کیا تھے اس وقت ملائکہ کو رشتہ تھا۔ تتمہ قصہ کا یہ ہے کہ جب آپ  
نے دیکھا کہ لوگ مجھ کو نظر قبول سے دیکھ رہے ہیں آپ اٹھ کر ایک دروازہ میں جا پڑے اور  
حاضرین کو قسم دے کر کہا کہ سب میرے اوپر سے گزریں۔ چنانچہ عوام تو گزرنے لگے اور اہل  
بصیرت دوسرے راستہ سے نکلے سبحان اللہ کیا نوازش ہے۔ (شکر العیون بذکر رحمۃ الرحمن ج ۳۱)

## حکایت حضرت جنیدؒ و حضرت شبلیؒ

حضرت جنیدؒ کو ایک مرتبہ خلیفہ وقت نے کسی بات پر برہم ہو کر بلا بھیجا۔ حضرت شبلیؒ  
رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے جب روبرو ہوئے تو خلیفہ نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضرت شبلیؒ  
چونکہ نوجوان تھے نیز ان کے پیر کو برا بھلا کہا جا رہا تھا آپ کو جوش آیا قالین پر ایک شیر کی  
تصویر بنی ہوئی تھی آپ نے اس پر نظر ڈالی تو وہ شیر مجسم ہو کر خلیفہ کی طرف خشم آگیاں نظر  
سے دیکھنے لگا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی جو اس پر نظر پڑی تو آپ نے حضرت شبلیؒ کو گھور  
کر دیکھا اور اس شیر کو تھپک دیا وہ مثل سابق شیر قالین ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں حضرت شبلیؒ نے  
پھر اسے اشارہ کیا اور وہ پھر مجسم ہو کر سامنے ہوا اس مرتبہ خلیفہ وقت کی نگاہ بھی اس پر پڑی  
خوف کے مارے تھرا گیا اور دست بستہ اپنی جرات کی معافی چاہی۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ  
علیہ نے اس شیر کو تو فوراً مثل سابق کر دیا اور خلیفہ وقت سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ کچھ  
اندیشہ نہ کیجئے آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا، آپ خلیفہ وقت ہیں آپ کی اطاعت اور ادب  
ہم پر واجب ہے یہ لڑکا ہے آداب شاہی سے واقف نہیں ہے آپ کا جودل چاہے کہئے۔

(فضائل العلم والخیر ج ۳۱)

## حکایت حضرت صاحبِ جی

ہمارے حضرت مرشدؒ نے مرض الموت میں ایک بزرگ سے یہ وصیت فرمائی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے جنازے کے ساتھ ذکر ہو۔ دیکھئے ان کو پورا یقین تھا کہ میں اس حیات کی وجہ سے استماع ذکر سے متلذذ ہوں گا مگر اتفاق سے ان بزرگ نے کہا کہ مناسب نہیں حضرت اسی پر راضی ہوئے اور کسی کو اس وصیت کی اطلاع نہیں ہوئی اتفاق سے جس وقت جنازہ چلا اسی کے ساتھ ایک عرب تھے انہوں نے لکار کر کہا ”ایہا الناس اذکروا اللہ“ (اے لوگو! خدا تعالیٰ کو یاد کرو) چنانچہ ذکر ہونے لگا یہ کرامت ہے کہ ان حضرات کی تمنا پوری ہو کر رہتی ہے خوب کہا ہے: ع..... تو چنین خواہی خدا خواهد چنین۔ (فضائل العلم والعبادۃ ج ۳۱)

## ایک مقبول الدعوات بزرگ کی حکایت

ایک قصہ میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے کہ ایک بزرگ تھے ان کے پاس ایک مرد اور ایک عورت اپنے بچہ کو لائے جو مادرِ زاد اندھا تھا یعنی وہ ماں کے پیٹ ہی سے اندھا پیدا ہوا تھا اور دونوں رونے لگے کہ حضرت اول تو ہمارے اولاد ہی نہ ہوتی تھی بہت دعائیں کیں، منتیں مانیں تب تو کہیں یہ بچہ عنایت ہوا۔ مگر افسوس ہم لوگ پھر بھی محظوظ و مسرور نہ ہو سکے کیونکہ یہ اندھا پیدا ہوا۔ اب اس کو دیکھ دیکھ کر ہر وقت جی کڑھتا ہے ہم نے سنا ہے کہ آپ بہت بڑے مقبول الدعوات بزرگ ہیں اللہ ہمارے حال زار پر رحم فرمائے اور دعا کر دیجئے کہ اس کی آنکھیں اچھی ہو جائیں اس زمانہ کے لوگ آج کل کی طرح بد عقیدہ نہ تھے یہ نہیں کہا کہ آپ اچھا کر دیں بلکہ یہ کہا کہ آپ دعا کر دیں مگر یہ درخواست سن کر بھی کمال انکسار کے غلبہ سے آپ کو جوش آ گیا اور فرمانے لگے بگڑ کر کہ کیا میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں جن کی دعا سے اندھے مادرِ زاد اچھے ہو جاتے تھے وہ بیچارے مایوس اور شکستہ دل ہو کر چلے گئے۔ بس اس کا جانا تھا کہ ان بزرگ کی زبان پر بے اختیار یہ جاری ہو گیا ”ما کنیم ما کنیم“ ہم اچھا کریں گے، ہم اچھا کریں گے لاؤ اس کو بلا کر خدام کو بڑی حیرت ہوئی کہ یا تو عیسیٰ بھی نہ بنے تھے یا اب خدا ہی بنے لگے مگر اس وقت کچھ کہنا بے ادبی تھا، دوڑ کر اس کو بلالائے آپ نے اپنا ہاتھ اس بچہ کی آنکھوں پر پھیر دیا، بس ہاتھ پھیرتے ہی آنکھیں اچھی خاصی ہو گئیں اور وہ

لوگ دعائیں دیتے ہوئے خوش بخوش اپنے بچہ کو گھر لے گئے اس کے چلے جانے کے بعد موقع پا کر بعض خاص خادموں نے عرض کیا کہ حضرت یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یا تو دعا کرنا بھی گوارا نہ تھا یا ایک ساتھ ایسے دعوے کے الفاظ فرمانے لگے ”ما کنیم ما کنیم“ آپ نے فرمایا بھائی یہ میں نہیں کہتا تھا بات یہ ہے کہ جس وقت وہ لوگ چلے گئے تو مجھ پر عتاب ہوا کہ تم نے جو عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا تو کیا وہ اچھا کرتے تھے کیا وہ تھے قادر مطلق اور فاعل حقیقی یا ہم تھے۔ ہم تو اب بھی قادر مطلق ہیں پھر کیوں نہیں ہم سے عرض کیا اگر اچھا کرتے تو ہم کرتے تم کون تھے اس کو مایوس کرنے والے اور اگر اب بھی اچھا کریں گے تو ہم کریں گے غرض ادھر تو وہ مایوس ہو کر چلے ادھر مجھ پر یہ عتاب ہوا اور بے اختیار میرے منہ سے وہی الفاظ خدا تعالیٰ کے نکلنے لگے ”ما کنیم ما کنیم“۔ میں تو بہ تو بہ یہ الفاظ کیسے کہہ سکتا تھا میری بھلا کیا مجال ہے وہ تو حق تعالیٰ فرما رہے تھے میں تھوڑا ہی کہہ رہا تھا تو اولیاء اللہ کی بعض بعض کی یہ حالت ہوئی ہے:

در پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند      آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

(پس پردہ مجھے طوطے کی طرح بٹھا دیا ہے مجھے تو حکم استاد ازل سے ملا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں)

(ملت ابراہیم ج ۳۱)

میں ایک ایسی بات عرض کرتا ہوں کہ جس سے نہ آپ کی تجارت کا کچھ نقصان ہونہ آپ کی آمدنی کچھ گھٹے نہ آپ کی شان و شوکت میں کچھ فرق آوے اور گو اس سے صحت نہ ہوگی مگر مرض بھی نہ بڑھے گا پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی وقت آپ کا کام بھی بن جاوے گا اور صحت بھی ہو جاوے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میں ایک ایسا نمک دست آور بتائے دیتا ہوں کہ جس میں دنیا کا حرج تو مطلق نہیں اور دین کا نفع انشاء اللہ یقینی گو کامل نہ سہی مگر عدم سے وجود غنیمت ہے وہ نمک یہ ہے کہ دن بھر تو گو کھاتے رہو جیسا کھا رہے ہو لیکن سوتے وقت یہ کرو کہ مسجد میں نہیں بلکہ لیٹنے کی جگہ جہاں خلوت ہو بلکہ چراغ بھی گل کر دو تا کہ کوئی دیکھے نہیں اور کر کری نہ ہو دو رکعت نفل نماز تو بہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو کہ اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں میں فرمانبرداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادہ سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادہ سے سب کچھ ہو سکتا ہے میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں سے میری اصلاح اے اللہ میں سخت نالائق ہوں



سخت خبیث ہوں سخت گنہگار ہوں میں تو عاجز ہو رہا ہوں آپ ہی میری مدد فرمائیے۔ میرا قلب ضعیف ہے، گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں آپ ہی قوت دیجئے، میرے پاس کوئی سامان نجات نہیں، آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے۔ ایک دس بارہ منٹ تک خوب استغفار کرو اور یہ بھی کہو کہ اے اللہ! جو گناہ میں نے اب تک کیے ہوں انہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرما دے۔ گو میں یہ نہیں کہتا کہ آئندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا میں جانتا ہوں کہ آئندہ پھر کروں گا لیکن پھر معاف کرالوں گا۔ غرض اس طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار اور اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو کہ میں ایسا نالائق ہوں میں ایسا خبیث ہوں میں ایسا برا ہوں غرض خوب برا بھلا اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سامنے کہا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو بد پرہیزی بھی مت چھوڑو صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کر لیا کرو۔ حضرت آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا سامان ہوگا کہ ہمت بھی قوی ہو جائے گی شان میں بھی بڑے لگے گا دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جاوے گی کہ آج آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔ اچھا اب یہ بھی کوئی مشکل طریقہ اصلاح کا ہے اس طریقہ پر کس کا اعتراض ہو سکتا ہے اس پر عمل کرنے کے بعد کوئی دکھلائے کہ اس میں یہ خرابی ہے یہ دشواری ہے میں تب جانوں۔ غرض کچھ تو کرو اس پر تو صبر نہیں ہوتا کہ اسلام کے سامنے نہ فانی ہیں نہ آرزو ہے فنا کی۔ بھائی اگر فنا نہیں ہو تو ہو فنا کی یہ ہو س بھی ان شاء اللہ خالی نہ جائے گی۔

## اصلاح کا آسان دستور العمل

حضرات اور کچھ نہیں اتنا تو فائدہ ضرور ہوگا اگر روز کے روز معافی نہ چاہتے رہے تو جرائم بڑھتے چلے جائیں گے اور سزا قوی ہوتی چلی جائے گی اور اگر روز کے روز معافی چاہتے رہے تو گناہوں کا بوجھ تو ہلکا ہوتا رہے گا پھر جتنا رہ جائے گا وہ شاید مرتے وقت توبہ سے جاتا رہے۔ ایک عزیز خدا نہ کرے دس جرموں کا مجرم ہو اور پیروی کرنے سے وہ نو جرموں سے بری ہو سکتا ہے گو ایک میں پھنس جانے کا خوف غالب ہو تو کیا کوئی عاقل یہ کہے گا کہ جب سزا ہی سے نہ

بچا تو پھر ضرورت ہی کیا ہے پیروی کی یا جتنی تخفیف سزا میں ہو سکے گی اسی کو غنیمت سمجھے گا۔ اسی طرح اے صاحب جو تدبیر تعزیرات الہیہ سے بچنے کی آسانی کے ساتھ ہو سکے اس کو تو اختیار کیجئے اگر رہائی کی تدبیر نہیں کر سکتے تخفیف کی تو تدبیر آسان ہے اسی کو کیجئے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے میرا کہ اگر حق تعالیٰ سے اطاعت کا تعلق نہیں ہے تو معذرت ہی کا تعلق سہی کچھ تو تعلق ہو۔ ایسی بھی غفلت کیا کہ فکر ہی نہیں کرتے سوچتے ہی نہیں کروٹ ہی نہیں لیتے صاحب یہ حالت تو ہم سے نہیں دیکھتی جاتی اسے تو بدلو کچھ تو تغیر اپنی حالت میں کرو۔ (ملت ابراہیم ج ۳۱)

## خلاصہ دستور العمل

دستور العمل کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کام جی میں آوے اول سوچو۔ فوراً مت کر لیا کرو بلکہ سوچا کرو کہ یہ جائز ہے یا ناجائز اگر جائز ہو کرو اگر ناجائز ہو اول چھوڑنے کا قصد کرو اگر نفس کہے کہ اس کے چھوڑنے میں تکلیف ہے تو دیکھو کہ وہ تکلیف قابل برداشت ہے یا نہیں اگر قابل برداشت ہے سہہ لو اگر نہیں ہے تو خیر جہاں مبتلا ہو رہے ہو وہاں اتنا تو کرو کہ رات کو استغفار اور دعاء نجات کی کرو یہ ہوا خلاصہ دستور العمل کا اور یہ ہے اسلام کا پہلا سبق اس سے عمل کی توفیق ہوگی پھر عمل کی برکت سے معلوم حاصل ہوں گے پھر ان علوم سے اسلام کی تکمیل ہو جائے گی (ملت ابراہیم ج ۳۱)

## اطلاع و اتباع

غرض دو چیزوں کا سلسلہ عمر بھر جاری رکھو اطلاع اور اتباع یعنی احوال کی اطلاع اور اوامر کا اتباع۔ اسی طرح اتباع کے بعد پھر اطلاع پھر اس اطلاع کے بعد اتباع پھر اطلاع پھر اتباع۔ غرض اندریں رہ می تراش و می خراش تا دم آخر دے فارغ مباش (اس راستہ میں خوب کوشش کر آخردم تک بے کار مت رہ)

یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے۔ جب بیماری ساری عمر کی ہے تو علاج ساری عمر کا کیوں نہ ہوگا۔ گوشم پشتم ہی سہی حتیٰ کہ دو مہینے ہی میں ایک خط لکھو مگر لکھو ضرور اور یہ لکھتے ہوئے شرماؤ نہیں کہ وظیفہ جو بتایا تھا وہ چھوٹ گیا تھا یا مطالعہ کتب جو تجویز کیا تھا اسے نباہا نہیں۔ یہاں تک کہ فرض نماز بھی فرض کرو قضا ہونے لگی ہو تب بھی شرماؤ نہیں بلکہ اب پھر پڑھنا شروع کر دو اور اطلاع کر دو شرمانا اس رستہ میں ہرگز نہیں چاہیے۔ خواہ کیسی ہی گندی حالت کیوں

نہ ہو جائے اس کی بھی اطلاع کر دو۔ ایک دریا تھا اس کے کنارے کے پاس سے ایک ناپاک آدمی گزرا، دریا نے اس سے کہا کہ آ میں تجھے پاک کر دوں، اس نے کہا تو صاف و شفاف اور میں پلید و ناپاک میرا منہ کیا کہ میں تیرے پاس آؤں، پاک ہو کر تیرے پاس آؤں گا، دریا نے کہا بچہ جی پاک کروں گا بھی میں ہی اگر تم مجھ سے شرمائو گے تو ساری عمر ناپاک ہی رہو گے۔ بس ایک دفعہ بے حیا ہو کر آنکھیں بند کر کے میرے اندر کود پڑو مجھ میں ایک موج اٹھے گی اور تمہارے سر پر کو ہو کر اتر جائے گی اور تمہیں ایک دم میں پاک صاف کر دے گی تو اہل اللہ سے اپنا کچا چٹھا کہہ دو، بہت سے لوگ اس لیے نہیں کہتے کہ ہماری شان گھٹ جاوے گی۔ ارے ان کے نزدیک تیری شان ہی کیا ہے جو گھٹ جاوے گی بعضے ڈرتے ہیں کہ خفا ہوں گے ارے ان کی خفگی بھی رحمت ہے یہ ساری تکبر کی باتیں ہیں ارے وہ پھانسی بھی دیدیں گے تو اس میں بھی تیری بہتری ہی ہوگی۔ (ملت ابراہیم ج ۳۱)

## مراقبہ خشیت

حق تعالیٰ نے اسی جگہ یعنی غصہ بصر کی آیت میں قلب کی اصلاح کیلئے بھی ایک طریقہ ارشاد فرمایا ہے یعنی ہم کو ایک مراقبہ سکھلایا ہے اس مراقبہ کو پختہ کرو تو اس مراقبہ سے خشیت پیدا ہوگی اور وہ خشیت ہی امراض قلب کا علاج ہے۔ خشیت کا ملکہ راسخ ہو جائے تو تقاضا معصیت کا نہیں رہتا اس مراقبہ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنْ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ.

یہ ان اللہ خبیر بما یصنعون وہ مراقبہ ہے بس معصیت کے وقت اس کا مراقبہ کر لیا کرو کہ اللہ کو سب خبر ہے ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ سب سے خبردار ہیں اس سے خدا تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہوگا پھر معصیت کی ہمت نہ ہوگی کس قدر جامع تعلیم ہے سبحان اللہ! مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض یہ اعتقاد کر لو اللہ میاں کو سب خبر ہے بلکہ اس کا استحضار و استمرار کرنا چاہیے یعنی دل میں ہر وقت یہ خیال حاضر رکھو کہ خدا تعالیٰ کو سب خبر ہے اس سے خوف پیدا ہوگا ہیبت ہوگی یہ ہے اصلاح قلب جو علم باطن کے متعلق ہے پس علم ظاہری تو محض افعال کا انتظام کرتا ہے۔

اور علم باطن اسباب کا علاج کرتا ہے اور جب تک یہ مضمون حال کے درجہ میں نہ ہو اس وقت تک قابل اعتبار نہ سمجھا جاوے۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے اپنے بعض خدام کو الم يعلم بان اللہ یروی کا مراقبہ تعلیم فرمایا تھا کہ اس کا مراقبہ کیا کرو انہوں نے دو چار دن ہی کے بعد آ کر عرض کیا کہ وہ تو پورا ہو گیا۔ اب اور کچھ بتلائیے وہ بزرگ ٹال گئے اور فرمایا کہ اچھا بتلائیں گے۔ ان بزرگ نے چاہا کہ اس کا امتحان اس طور پر لیں کہ ان کو خبر بھی نہ ہو۔ چنانچہ ایک دن ان کو خالی الذہن دیکھ کر بلایا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک کبوتر اور ایک ایک چھری دے کر فرمایا کہ ان کو ایسی جگہ ذبح کرو جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو۔ چنانچہ سب لے کر چل دیئے اور ذبح کر کے آئے۔ بجز ایک شخص کے کہ اس نے زندہ کبوتر حاضر کیا۔ شیخ نے امتحان کے طور پر اس شخص سے کہا کہ ایک تو یہ لوگ ہیں کہ جیسا میں نے کہا تھا ویسا ہی کر لائے ایک تم مہمل ہو کہ ذرا سا کام بھی تم سے نہ ہو سکا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو۔ میں کبوتر لیے ہوئے ہر طرف پھرا مگر کوئی جگہ ایسی نہ ملی جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو کیونکہ حق تعالیٰ تو ہر جگہ دیکھتے تھے۔ پھر میں کیسے ذبح کرتا۔ شیخ نے فرمایا کہ بس مراقبہ اس کا درست ہوا ہے باقی سب ناکامیاب ہیں۔

غرض یہ کہ جس مضمون کا مراقبہ کیا جائے وہ اس شخص کا حال ہو جانا چاہیے صرف یہ اعتقاد کر لینا کہ اللہ میاں دیکھ رہے ہیں کافی نہیں پس اہل اللہ اس کا اہتمام کرتے ہیں اس کی مشق کرتے ہیں اس پر ذہن کو جماتے ہیں اس واسطے کہ قلب کی اصلاح بدوں اس کے نہیں ہو سکتی۔ جب یہ چیز دل میں جم جاتی ہے تو پھر معصیت نہیں ہوتی یعنی یہ مرتبہ ہے جو معصیت سے مانع ہوتا ہے نہ یہ کہ صرف اعتقاد کر لیا جاوے یہ مرتبہ معاصی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔



# اخلاق

- ☆ شریعت میں اخلاق کا مقام
- ☆ اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے
- ☆ اور اخلاق رذیلہ سے بچاؤ کا مکمل دستور العمل
- ☆ اخلاق کے شعبہ جات
- ☆ باطنی اصلاح میں اخلاق کی درستی کی اہمیت
- ☆ اخلاق رذیلہ جو کہ روحانی زندگی کیلئے مہلک ہیں
- ☆ ان کا علاج جیسے عنوانات پر مشتمل جواہرات

## کم گوئی کے فوائد

حدیث شریف میں ہے: ”من سکت سلم“ جو چپ رہا اس نے نجات پائی۔ ایک شہزادہ حدیث کی کتاب پڑھا کرتا تھا۔ جب یہ حدیث پڑھی استاد سے کہا جناب بس میں آگے نہیں پڑھتا۔ جب اس پر عمل کر لوں گا اس وقت آگے چلوں گا اور اسی وقت سے بولنا چھوڑ دیا۔ بادشاہ کو بڑی فکر ہوئی، سمجھے کہ لڑکے کو آسیب ہو گیا ہے، عامل اور تعویذ گنڈا کرنے والے جمع ہوئے، سب نے تدبیریں کیں، اطباء بھی جمع ہوئے۔ یہ رائے ہوئی کہ ان کو شکار میں لے چلنا چاہیے وہاں تفریح ہوگی، طبیعت درست ہو جائے گی۔ چنانچہ گئے اور شکاری تیر اور بندوق لے کر چلے کہ اس سے شاید تفریح ہو۔ شکاری جانوروں پر تیر چلانے لگے، اتفاق سے ایک جھاڑی کے پیچھے ایک تیر چھپ رہا تھا، وہ بولا بولتے ہی اس کے تیر لگا، شہزادہ یہ دیکھ کر بولا کہ کم بخت نہ بولتا نہ مارا جاتا۔ شہزادہ کی اتنی بات سن کر مبارک بادی کا غل پڑ گیا، بادشاہ کو خبر ہوئی۔ بادشاہ نے پھر چاہا کہ شہزادہ کچھ بولے مگر نہ بولا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ باندھ کر اس کو مارو، معلوم ہوتا ہے کہ قصد انہیں بولتا ہے۔ غرض مار پڑنا شروع ہوئی، شہزادہ دل میں کہتا تھا کہ ایک دفعہ بولنے سے تو مجھ پر یہ آفت آئی ہے اگر پھر بولوں گا تو جانے کیا ہوگا۔ اس کے بعد تمام عمر کسی سے نہیں بولا۔

واقعی زیادہ گناہ ہم لوگوں سے اس زبان ہی کی بدولت ہوتے ہیں۔ خصوصاً عورتوں کو تو اس قدر شوق بولنے کا ہے کہ جب بیٹھیں گی وہ چرخہ چلائیں گی کہ ختم ہی نہیں ہوگا۔ خدا جانے ان کی باتیں اتنی لمبی کیوں ہوتی ہیں اور جب یہ باتوں میں مشغول ہو جاتی ہیں تو ان کی حالت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بس یہ باتوں ہی کو مقصود اصلی سمجھتی ہیں۔ وہ مزے لے لے کر باتیں کرتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ترس ترس کر ان کو یہ دولت ملی ہے۔ بخلاف مردوں کے کہ ان کی باتوں اور تمام اشغال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ختم کر کے وہ دوسرے کام میں لگنا چاہتے ہیں۔ خدا کے واسطے اپنی عقل درست کرو۔ (الدنیاج ۱)

## تعلیم رجاء

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رجاء مجرم کو ہو ہی نہیں سکتی اس لیے جن احادیث میں رجاء اور حسن ظن باللہ کی تعلیم ہے۔ درحقیقت ان میں عبادت و عمل کی تعلیم ہے کیونکہ رجاء اسی سے پیدا ہوتی ہے ورنہ وہ تو غرور ہے جس کی نسبت ارشاد ہے: ”وَعَزَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ“ (اور تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دیا) غرض حق تعالیٰ بڑے رحیم و کریم ہیں کہ ہاتھ بڑھا کر خود نہیں کھینچتے مگر اس کے ساتھ ان میں استغناء بھی بہت ہے۔

ہر کہ خواہد گویا و ہر کہ خواہد گو برو دارو گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست (جس کا جی چاہے آئے اور جس کا جی چاہے چلا جائے اس درگاہ پر روک ٹوک کرنی والا کوئی نہیں) اگر تم خود ہاتھ کھینچ لو گے تو پھر وہ بھی کھینچ لیں گے کیونکہ وہ زبردستی اپنی نعمتوں کو کسی کے سر نہیں چپکاتے کہ تم چاہو یا نہ چاہو پھر بھی دیتے ہی رہیں۔ فرماتے ہیں:

”اَنْزَلِمْكُمْوَهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كَارِهُوْنَ“ (سورہ ہود: ۲۸)

(کیا ہم زبردستی رحمت چپکا دیں گے اور تم اس کو ناپسند کرتے ہو) اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے (غریب الدنیاء ۱)

## دعا کا ادب

حدیث میں آیا ہے کہ ایک اعرابی نے نماز کے بعد دعا کی تھی:

اللهم ارحمني و محمدًا ولا تشرك في رحمتنا احداً.

”اے اللہ! مجھ پر رحمت فرمائیے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہماری اس رحمت میں کسی کو شریک نہ کیجئے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لقد تجرت واسعاً ”کہ تو نے ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔“

اس کے بعد وہ نماز کی جگہ سے اٹھے اور مسجد کے صحن میں پیشاب کرنے لگے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روکا اور مہ مہ کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اس کا پیشاب نہ روکو اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔ سبحان اللہ! کیسی حکمت کی بات ہے کہ اب اس کو پریشان کرنے میں ایک تو اس کے جسمانی ضرر کا اندیشہ ہے دوسرے اگر وہ بھاگا تو نہ معلوم

کہاں کہاں تک مسجد کو ناپاک کرے گا۔ ایسے وقت پر سب پہلوؤں کا پیش نظر رہنا بڑا ضروری ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پیشاب کی جگہ ایک ڈول پانی کا بہادو۔ اس کے بعد اعرابی کو بلا کر بہت نرمی اور شفقت سے سمجھا دیا کہ مسجد نماز اور ذکر اللہ کے لیے موضوع ہے اس میں پیشاب وغیرہ نہ کرنا چاہیے۔

یہ اعرابی کے ساتھ معاملہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور تعلیم یافتہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ یہ معاملہ تھا کہ ایک بار دیوار مسجد پر کھنگاردیکھ کر غصہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ (الفانی ج ۱)

## عبادت اور ریا

ہمارے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عبادت میں ریا بھی ہو تو اس کو کئے جاؤ کیونکہ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتا۔ چند روز میں عادت ہو جاتی ہے پھر عادت سے عبادت ہو جاتی ہے پھر وہ ذریعہ قرب بن جاتی ہے اس کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از صفت و از نام چہ زاید خیال      واں خیالت ہست دلال وصال  
یعنی اسم سے خیال پیدا ہوتا ہے پھر وہ خیال ہی رہبر ہو جاتا ہے وصال کی طرف۔ مگر یہ اسی وقت ہے جب کہ صورت شریعت پر منطبق ہو ورنہ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر اصلاح کی کوئی سبیل نہیں اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر رسم ہوتی اور منطبق ہوتی تو اس کے مبدل حقیقت ہو جانے کی امید تھی۔ مگر انطباق ہوتا کیونکہ اس لیے کہ انطباق کے لیے ضرورت اس کی ہے کہ شریعت کی وقعت دل میں ہو اور یہاں وہی ندارد ہے۔ (تجارت آخرت ج ۱)

## حب جاہ کا نقصان

حدیث میں ہے: ماذبان جائعان ارسلنا فی مطیعة غنم افسد لها من حب المال والشرف للدين. (او کما قال)  
”یعنی دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلہ کو اتنا تباہ و برباد نہیں کرتے جتنا حب مال و حب جاہ دین کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔“

اس سے سمجھ لیجئے کہ حب جاہ دین کو کس قدر تباہ کر دیتا ہے۔ حقیقت میں جاہ حاصل کرنے کے لیے انسان وہ وہ کام کر گزرتا ہے جو تحصیل مال کے لیے بھی نہیں کرتا۔ تحصیل جاہ



میں دین کو اچھی طرح برباد کیا جاتا ہے۔ رسوم و تقریبات میں ہزاروں روپیہ محض نام کے واسطے خرچ کیے جاتے ہیں، شادی اور غمی میں ایک شخص اپنی زمین و جائیداد تک بیچ ڈالتا ہے۔ کوئی اس سے پوچھے کہ تو نے کیا حاصل کیا، کچھ بھی نہیں، صرف ایک نام خریدا جو اگر بیچا جائے تو دو کوڑی کو بھی نہیں بک سکتا۔ (ترجیع لا خروہ)

## شہید عالم سنی کا معاملہ

یجاء بالشہید یوم القيامة فاتی به فعرفه نعمه فعرفها قال ما علمت فیها قال قاتلت فیک حتی استشهدت قال کذبت ولكنک قاتلت لان یقال فلان جرى فقد قیل ثم امر به فسحب علی وجهه حتی القی فی النار۔  
یعنی شہید کو قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا پھر حق تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں بتلائیں گے جن کا وہ اقرار کرے گا۔ پھر سوال ہوگا کہ ان نعمتوں کے شکریہ میں تو نے کیا عمل کیا، وہ کہے گا، اے پروردگار! میں نے آپ کے راستہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے، تو نے محض اس واسطے قتال کیا تھا تا کہ لوگ یوں کہیں کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے، دل کا مضبوط ہے، حاکم کے سامنے بڑی جرأت سے بیان دیئے کسی سے نہیں ڈرا اور جیل خانہ میں خوشی کے ساتھ چلا گیا۔ سو دنیا میں تمہاری تعریف ہو چکی، پھر حکم ہوگا کہ اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دو۔

ثم یجاء بالقاری قد تعلم العلم وعلمه وقرأ القرآن فاتی به فعرفه نعمه فعرفها قال فما علمت فیها قال تعلمت العلم وعلمته وقرأت فیک القرآن قال کذبت ولكنک قرأت لیقال انک قاری فقد قیل ثم امر به فسحب علی وجهه حتی التقی فی النار۔

پھر عالم کو لایا جائے گا جس نے علم حاصل کر کے دوسروں کو بھی پڑھایا تھا اور قرآن کو اچھی طرح پڑھا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتائیں گے جن کا وہ اقرار کرے گا، پھر ارشاد ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کے شکریہ میں کیا کیا، وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو سکھایا اور آپ کی رضا کے لیے قرآن سیکھا۔ ارشاد ہوگا کہ تو جھوٹا ہے بلکہ تو نے محض اس لیے علم حاصل کیا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے، سو یہ سب کچھ ہو چکا، پھر اس کے لیے بھی

وہی حکم ہوگا۔ چنانچہ منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ مولانا صاحب کی گت بنی جو بڑے نکتہ داں اور بڑے مدرس و مفتی تھے جن کے ہزاروں آدمی مرید و معتقد تھے اور مصافحہ کے وقت ان کے ہاتھ پیر چومے جاتے تھے۔ ثم جاء بالجواد پھر سخی کو بلایا جائے گا جس کو خدا تعالیٰ نے قسم قسم کی نعمتیں اور مختلف انواع کا مال عطا فرمایا تھا۔ حق تعالیٰ اس کے سامنے بھی اپنی نعمتیں گنائیں گے جن کا وہ اقرار کرے گا۔ پھر سوال ہوگا کہ ان نعمتوں کے شکر یہ میں تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے کوئی موقع ایسا نہیں چھوڑا جہاں روپیہ کا خرچ کرنا آپ کو محبوب تھا مگر وہاں آپ کے لیے ضرور مال خرچ کیا۔ ارشاد ہوگا تو جھوٹا ہے بلکہ تو نے یہ سب کچھ محض اس لیے کیا تا کہ لوگ یوں کہیں فلاں شخص بڑا سخی ہے۔ پس تمہاری تعریف ہو چکی پھر اس کے لیے بھی وہی حکم ہوگا۔ چنانچہ اس کو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

تو دیکھئے! شہید اور عالم اور سخی کی یہ گت کیوں بنی۔ محض اس لیے کہ انہوں نے خدا کے واسطے یہ کام نہ کئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض صورت دین کا نام نہیں بلکہ صورت کے ساتھ حقیقت بھی ہونی چاہیے۔ جیسا مولانا فرماتے ہیں:

گر بصورت آدمی انسان بدے احمد و بوجہل ہم یکساں بدے  
”اگر آدمی کی صورت کی وجہ سے انسان ہو تو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بوجہل یکساں ہوتے۔“ (ترجیح لا خیرۃ ج۱)

## اخلاص اور اس کی علامت

دین کا کام خاص وہ علم ہے جس میں اخلاص ہو جس کی آج کل بہت ہی کمی ہے۔ علامہ شعرانی نے اخلاص کی ایک علامت لکھی ہے وہ یہ کہ جو کام تم کر رہے ہو اور اگر کوئی دوسرا اس کام کا کرنے والا تم سے اچھا اس بستی میں آجائے اور وہ کام ایسا ہو جو علی العین واجب نہ ہو جیسے مسجد و مدرسہ کا اہتمام یا وعظ کہنا پیری و مریدی کرنا کسی نیک کام کے لیے چندہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو تم کو اس کے آنے کی خوشی ہو رنج نہ ہو۔ بلکہ تم خود لوگوں کو اس کے پاس بھیجو کہ وہاں جاؤ وہ مجھ سے بہتر ہیں اور سارا کام خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر کے خود ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ اور دل میں خدا کا شکر کرو کہ اس نے ایسے آدمی کو بھیج دیا جس نے تمہارا کام بنوایا۔ اگر یہ حالت ہو تب تو واقعی تم مخلص ہو۔ (ترجیح لا خیرۃ ج۱)

## رضا بر قضا

ایک بزرگ شاہ دولہ تھے ان کی بستی کے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا، حضور! دریا بستی کی طرف آرہا ہے۔ بستی کے غرق ہونے کا اندیشہ ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی دھار کو دوسری طرف پھیر دیں۔ فرمایا، کل صبح کو سب آدمی پھاو لے لے کر حاضر ہونا، ہم اس کا انتظام کر دیں گے۔ چنانچہ لوگ حاضر ہوئے تو آپ سب کو دریا کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ بستی کی طرف کو پانی کا راستہ کھودنا شروع کرو۔ لوگوں نے کہا، حضور! اس طرح تو دو دن کا پہنچتا ایک دن میں دریا بستی کے اندر پہنچ جائے گا۔ فرمایا کہ دریا کا رخ بستی ہی کی طرف ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہی منظور ہے۔ پس جدھر مولیٰ ادھر ہی شاہ دولہ! تم کھودنا شروع کرو۔ لوگ بزرگوں کے اس زمانہ میں مطیع تھے۔ بستی ہی کی طرف کھودنا شروع کیا۔ تھوڑی سی دیر میں پانی کا رخ بدل گیا اور دریا کی دھار دوسری طرف کو جاری ہو گیا۔ بستی سے خطرہ ٹل گیا۔ یہ تو اہل اللہ کی حالت تھی کہ وہ مرضی حق کی کس قدر رعایت کرتے ہیں۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

## جھگڑوں کا سبب

افسوس! آج کل کے علماء کے اندر یہ بات نہیں دیکھی جاتی بلکہ جگہ جگہ یہ سننے میں آیا ہے کہ وہاں امامت پر جھگڑا ہے وہاں وعظ پر فساد ہے۔ بات یہ ہے کہ مقصود جاہ ہے اس میں دوسرا شریک ہو جاتا ہے تو ناگواری ہوتی ہے۔ خدا مقصود نہیں۔ اگر خدا مقصود ہوتا تو یہ امامت و منصب و بال جان معلوم ہوتا۔

جس شخص کو خود اللہ تعالیٰ مشہور فرمادیں اور وہ شہرت کا طالب نہ ہو تو وہ مجبور ہے اور اس مجبوری کی وجہ سے یہ شہرت اس کو مضرب بھی نہیں ہوتی کیونکہ غیب سے اس شخص کی امداد ہوتی ہے اور جو طالب شہرت کا ہوگا۔ اس کو ضرور نقصان پہنچے گا۔ جس کی دلیل حدیث صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن سمرہ صحابی کو فرمایا تھا۔

لاتسئل الامارة فانك ان اعطيتها عن مسئلة وکلت اليها وان

اعطيتها عن غير مسئلة اعنت عليها (متفق علیہ)

یہ مضمون میں نے اس لئے بیان کر دیا کہ میں نے سنا تھا کہ اس شہر میں امامت وغیرہ

پر بہت جھگڑے رہتے ہیں۔ تو علماء کیلئے لازم یہ ہے کہ ان کی امامت سے اگر ایک شخص کو بھی کراہت ہو، تو فوراً اس سے علیحدہ ہو جائیں۔ پھر ان شاء اللہ بہت جلد وہ الگ کرنے والے ہی آگے ہاتھ جوڑیں گے۔ اور یاد رکھئے جب تک علماء حب مال و حب جاہ کو زائل نہ کریں گے، اس وقت تک عوام کی اصلاح نہیں ہو سکتی نہ عوام کی نظر میں دین کی وقعت ہو سکتی ہے۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

## بدگمانی سے پرہیز

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب کے ایک خادم تھے۔ مولانا ان کے لئے کوئی کھانا بھیج دیتے۔ تو انہوں نے ایک بار عرض کیا کہ حضرت آپ تحقیق بھی کر لیتے ہیں کہ حلال ہے یا حرام۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ارے بھوکوں مر جائے گا، بڑا حلال کھانے والا آیا۔ جا کھا لیا کر۔ جب ہمیں ایک مسلمان نے ہدیہ دیا اور ہم کو اس کی آمدنی کا حال معلوم نہیں تو مسلمان پر ہم کو بدگمانی کی کیا ضرورت ہے کہ اس کی آمدنی حرام ہوگی۔ (تعمیم تعلیم ج ۲)

زہد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ تعلقات سے یک سو ہو کر زاہد بنے۔ دوسرے یہ کہ تعلقات میں مشغول ہو کر زاہد رہے کہ بی بی اور بچے اور گھر بار سب کچھ ہو مگر دل کسی چیز میں نہ لگا ہوا ہو۔ بلکہ دل میں خدا ہی کے ساتھ لگاؤ ہو۔ دوسروں سے محض حقوق ادا کرنے کے واسطے تعلق ہو۔ سو عیسیٰ علیہ السلام کا زاہد پہلی قسم کا تھا اور دوسرے انبیاء میں دوسرے قسم کا زاہد تھا۔ (تعمیم تعلیم ج ۲)

## علم میں اخلاص کی ضرورت

دین کے دو شعبے ہیں ایک علم دوسرا عمل تو جیسے عمل میں اخلاص ضروری ہے ایسے ہی علم میں بھی ضروری ہے۔ اب دیکھئے کہ تحصیل علم میں تمہاری کیا نیت ہوتی ہے۔ ایسے بہت کم ہیں کہ جن کی یہ نیت ہو کہ غیر مرضیات حق سے بچیں اور خدا تعالیٰ اس سے خوش ہوگا۔ جب علم میں اخلاص نہیں تو عمل میں کہاں سے آئے۔ (الدین الخالص ج ۳)

## حقیقت اخلاص

حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو لڑائی میں زیر کر دیا اور سینہ پر بیٹھ کر قصد کیا کہ خنجر سے ذبح کر دیں۔ یہودی نے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ آپ نے فوراً چھوڑ دیا۔ یہودی نے



حیران ہو کر پوچھا کہ آپ نے چھوڑ کیوں دیا۔ اب تو میں اور زیادہ قابل قتل تھا۔ فرمایا میں پہلے خالص اللہ قتل کرتا اور اب نفس کی بھی آمیزش ہو جاتی اس لئے میں نے چھوڑ دیا۔ یہودی فوراً مسلمان ہو گیا۔ حقیقت میں یہ ہے اخلاص (الدین الخالص ج ۳)

## علم و عمل

شریعت مقدسہ مرکب ہے علم و عمل سے تو اس پر چلنے کے لئے دو قوتوں کی ضرورت ہے۔ ایک قوت علمیہ کی دوسرے قوت عملیہ کی۔ قوت علمیہ کا تعلق عقل سے ہے اور قوت عملیہ کا تعلق ارادہ سے۔ پھر عمل بعض مفسد ہیں اور بعض مضرتوں میں کہیں تو جلب منفعت کی ضرورت ہے اور کہیں دفع مضرت کی اور جو ارادہ جلب منفعت سے متعلق ہو اس کو قوت شہویہ کہتے ہیں اور جو دفع مضرت کے متعلق ہو اس کو قوت غصبیہ کہتے ہیں۔ تو شریعت پر چلنے کے لئے تین قوتوں کی ضرورت ہوئی۔

## اصول اخلاق

۱۔ قوت عقلیہ ۲۔ قوت شہویہ ۳۔ قوت غصبیہ

یہی اصول اخلاق کہلاتے ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے تین درجے ہیں۔ افراط، تفریط، توسط اور شریعت نام ہے توسط کا شریعت میں افراط عقل سے بھی کام نہیں چلتا نہ تفریط سے کام چلتا ہے بلکہ توسط کی ضرورت ہے جس کا نام حکمت ہے۔ اور قوت عقلیہ کے افراط کا نام جزیرہ ہے۔ یہ نہایت مضر ہے۔ جب عقل بہت بڑھ جاتی ہے تو ہر چیز میں احتمالات عقلیہ پیدا ہونے لگتے ہیں جس سے آدمی وہمی ہو جاتا ہے۔

اخلاق پسندیدہ کے اصول تین ہیں۔ ۱۔ حکمت ۲۔ عفت ۳۔ شجاعت

اور ان کے مجموعہ کا نام عدل ہے اور یہی شریعت کا حاصل ہے اور قرآن میں جو فرمایا ہے۔  
وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا۔ اس سے بھی عدل مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے (ایک ایسی شریعت دے کر جو کہ سراپا عدل ہے) امت وسط یعنی امت عادلہ بنایا۔  
ایک مقدمہ اور لیجئے کہ وسط دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وسط حقیقی ایک وسط عرفی۔ وسط حقیقی وہ خط ہے جو بالکل بیچوں بیچ ہو۔ وہ قابل تقسیم نہیں ہوتا اور ایک وسط عرفی ہے۔ جیسے کہا کرتے ہیں کہ یہ ستون مکان کا وسط ہے تو وہ وسط حقیقی نہیں کیونکہ وہ تو منقسم ہے اس کے

اندر بھی ایک جزو دائیں اور ایک جزو بائیں اور ایک بیچ میں نکل سکتا ہے پھر وہ وسط حقیقی کہاں سے ہوا۔ حقیقی وسط تو وہ ہے جس میں دایاں بائیں کچھ نہ نکل سکے۔ سو ایسا وسط ہمیشہ غیر منقسم ہوگا۔ پس سمجھ لو کہ شریعت اس وسط کا نام ہے جس میں افراط و تفریط کا ذرا بھی نام نہ ہو بلکہ عین تو وسط ہو یہی وسط حقیقی روح شریعت ہے اور یہی کمال ہے اور اوپر معلوم ہو چکا کہ وسط حقیقی ہمیشہ غیر منقسم ہوتا ہے تو شریعت کی روح بھی غیر منقسم ہے چنانچہ جن اصول اخلاق کو میں نے بیان کیا ہے ان میں افراط و تفریط کو چھوڑ کر جو ایک وسط نکلے گا جس کو نہ افراط کی طرف میلان ہو گا نہ تفریط کی طرف وہ ہمیشہ غیر منقسم ہوگا اور ایسے وسط پر رہنا ضرور دشوار ہے۔

پس شریعت ان دونوں جانبوں پر نظر کر کے اپنی دشواری کی وجہ سے تلوار سے تیز اور بوجہ غیر منقسم ہونے کے بال سے باریک ہوگی۔ کیونکہ بال بھی منقسم ہے اور وسط حقیقی غیر منقسم ہے پس قیامت میں یہی روح شریعت یعنی وسط حقیقی جو ہر بن کر پل صراط کی شکل میں ظاہر ہوگا جس پر سے مسلمانوں کو چلایا جائے گا پس جو شخص دنیا میں شریعت پر تیزی و سہولت کے ساتھ چلا ہو گا وہ وہاں بھی تیزی کے ساتھ چلے گا کیونکہ وہ یہی شریعت تو ہوگی جس پر دنیا میں چل چکا ہے اور جو یہاں نہیں چلایا کم چلا ہے وہ پل صراط پر بھی نہ چل سکے گا یا سستی کے ساتھ چلے گا۔ لیجئے میں نے آپ کو پل صراط کی نظیر بھی دکھلا دی۔ اب تو کوئی اشکال نہیں رہا۔

(تفصیل الدین ج ۳)

## صبر کی تین قسمیں

۱۔ صبر علی العمل ۲۔ صبر عن العمل ۳۔ صبر فی العمل

صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا یعنی اس پر جم جانا اور قائم رہنا۔ مثلاً نماز زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کرنا اور بلا ناغہ ان کو ادا کرتے رہنا۔

صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر کام کو بجالانا مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ بچہ جی اتنی دیر تک تم سوائے نماز یا ذکر کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے پھر دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا فضول ہے۔ اتنی دیر تک تجھ کو نماز یا ذکر ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے جب یہ ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو سب اعمال ٹھیک ٹھیک ادا ہوتے ہیں بعض لوگوں کو

فرائض شرعیہ کی پابندی تو نصیب ہے اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کو صبر علی العمل کا درجہ حاصل ہے لیکن اعمال کو بجالاتے وقت وہ ان کے آداب و حقوق کی رعایت نہیں کرتے گڑبڑ کر دیتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو صبر فی العمل حاصل نہیں ہوا۔

تیسری قسم ہے صبر عن العمل یعنی نفس کو ممانہی اللہ عنہ سے روکنا شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رکنا جن میں سب سے اہم صبر عن الشہوت ہے کہ نفس کے تقاضائے شہوت کو روکا جائے اور یہ سب سے اہم اس لئے ہے کہ نفس کے دوسرے تقاضے تو ایسے ہیں کہ ان سے اگر نہ روکا جاوے تو بعد میں اس کو خود ہی بہت کلفت ہوتی اور اس کلفت کا خیال کر کے نفس ان تقاضوں سے خود ہی رک جاتا ہے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

## نظر کا مرض

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو شہوت بالرجال سے پاک و صاف ہیں مگر ان میں بھی نظر کے مرض میں اکثر مبتلا ہیں حالانکہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ زنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے۔ پس مردوں کو نظر شہوت سے دیکھنا بھی حرام ہے اس میں بہت کم لوگ احتیاط کرتے ہیں حالانکہ نظر مقدمہ ہے فعل کا اور مقدمۃ الحرام حرام قاعدہ فقہیہ ہے یعنی حرام کے مقدمات بھی حرام ہوتے ہیں اس لئے نگاہ کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ اپنے دربار سے نکالنا چاہتے ہیں اس کو محبت امارد میں مبتلا کر دیتے ہیں محبت گو فعل اختیاری نہیں مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں یعنی ان کو دیکھنا ان سے اختلاط کرنا وغیرہ پس مطلب یہ ہوا کہ جس کو حق تعالیٰ اپنے دربار سے مطرود کرنا چاہتے ہیں اسی کو نظر الی الامر اور اختلاط الی الامر میں مبتلا کر دیتے ہیں اور یہ افعال اختیاریہ ہیں جو مقتضی ہو جاتے ہیں محبت وغیرہ کی طرف جس کا انجام طرد عن الحق ہے۔ (اعاذنا اللہ) دوسرے میری سمجھ میں یہ ہرگز نہیں آتا کہ لڑکوں سے کسی کو عشق ہوتا ہو آج کل لوگوں نے فسق کا نام عشق رکھ لیا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عشق ہائے کز پئے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے بود

جو عشق رنگ و روپ ظاہری پر ہوتا ہے اس کا انجام ذلت بدنامی اور رسوائی ہے۔ کسی اور کا قول ہے۔

ایں نہ عشق ست آنکہ در مردم بود ایں فساد از خوردن گندم بود

آدمیوں کے اندر ایک دوسرے سے نفسانی خواہش ہرگز عشق نہیں بلکہ گندم کھانے کا فساد ہے اگر نہ ملے تو سب عاشقی بھول جائے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

## اخلاق حمیدہ و رذیلہ

جھوٹ نہ بولنا ہمدردی کرنا، خود غرضی نہ کرنا سب داخل ہے اور یہ اصول تمدن میں سے بہت بڑی چیزیں ہیں جن پر تمام دنیا کا مدار ہے لیکن واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ اخلاق دو شخصوں میں پائے جائیں جن میں ایک تو حید و رسالت کا قائل ہو اور دوسرا اس کا قائل نہ ہو تو یقیناً دونوں میں بہت بڑا فرق ہوگا یعنی منکر تو حید میں تو یہ اخلاق محدود العمر ہوں گے۔ اس طرح سے کہ جب تک ان اخلاق پر عمل کرنے میں اس کے دنیاوی منافع فوت نہ ہوں یا ان کے خلاف عمل کرنے سے دوسروں کو خبر ہو کر رسوائی کا اندیشہ ہو اس وقت تک تو ان اخلاق پر عمل کیا جائے گا اور اگر کوئی ایسا موقعہ آ پڑے گا کہ ان اخلاق پر عمل کرنے سے دنیوی ضرر ہوتا ہو اور ان کے خلاف کرنے میں کسی کو خبر بھی نہ ہو جس میں اندیشہ بدنامی نہ ہو تو اس منکر تو حید و رسالت کو کبھی ان اخلاق کے ترک کی پروا نہ ہوگی۔

ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ کبھی بے دین سلطنتوں میں آپس میں معاہدہ ہوتا ہے تو اس کی پابندی اسی وقت تک کی جاتی ہے جب تک اپنے منافع حاصل ہوتے ہیں یا خلاف کرنے میں اپنا ضرر ہوتا ہے اگر خلاف کرنے میں اپنا ضرر نہ ہوتا ہو تو عہد شکنی میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہوتا۔

یا فرض کرو کہ دو شخص ہم سفر ہوں جن میں ایک کے پاس ایک لاکھ روپے کے نوٹ ہوں اور دوسرا ایسا ہو کہ اس پر فاقے گزرتے ہوں۔ اتفاق سے وہ متمول انتقال کر جائے اور دوسرے رفیق سفر کو ان نوٹوں کے لیے لینے کا موقع ملے اور عاقل بھی یہ اتنا بڑا ہو کہ بلا تکلف ان کو فروخت کر سکے اور اس مرحوم کے ورثہ میں بھی صرف ایک نابالغ بچہ ہو اور ان نوٹوں کی اور کو خبر بھی نہ ہو کہ اس شخص کے پاس یہ ذخیرہ ہے اس صورت میں اخلاق اور نفس میں سخت کشاکشی ہوگی۔ اخلاق کا فتویٰ تو یہ ہوگا کہ یہ روپیہ اس وارث کو دینا چاہئے اور نفس کا فتویٰ یہ ہے کہ جب اس روپے کے رکھ لینے میں کوئی بدنامی نہیں کسی قسم کا اندیشہ نہیں تو پھر ان کو کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ اس کشاکشی میں میں نہیں سمجھتا کہ نری اخلاقی قوت انسان کو اس عظیم مہلکہ سے بچالے۔

پس جس شخص کو نری اخلاقی تعلیم ہوئی ہے وہ ہرگز اس خیانت سے نہیں بچ سکتا۔ البتہ جو



اخلاقی تعلیم کے ساتھ خدا اور قیامت کا بھی قائل ہے وہ اس سے بچ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں یہاں بچ گیا اور مجھے دنیا میں خمیازہ بھگتنا نہ پڑا تو قیامت میں تو ضرور ہی بھگتنا پڑے گا۔

## متکبرانہ معاشرت

معاشرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جتنے طریقے ناجائز ہیں وہ سب کے سب وہی ہیں جن سے تکبر ٹپکتا ہے مثلاً ناجائز وضع سے شریعت نے منع کیا ہے۔ سو جتنی ناجائز اوضاع ہیں ان سب میں تکبر ہے جو لوگ خلاف شریعت وضع رکھتے ہیں وہ غور کر لیں کہ اس وقت ان کے دل کی کیا حالت ہے اور اس حالت کو یاد رکھیں اور پھر ایک ہفتے شریعت کے موافق وضع اور لباس اختیار کر کے اس کا اثر دیکھیں۔ ان کو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔ یہ تو سمجھ میں آنے والی تقریر ہے۔

ایک دوسری تقریر یہ ہے کہ جو ان تینوں میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہر چیز میں ایک خاصیت ہوتی ہے پس اسی طرح اعمال میں بھی ایک خاصیت ہے اور عقائد میں بھی اور معاشرت میں بھی اور وہ یہ ہے کہ ان سب سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے اس کی وہ حالت ہو جاتی ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (الصحيح للبخاری ۱: ۹)

۸: ۱۲۷ الصحيح لمسلم كتاب الايمان: ۶۵)

(مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں یعنی انکو کچھ ایذا نہ دے) اب میں ایک اور بات کہتا ہوں جو تمام اجزائے دین کو عام ہے وہ یہ کہ دین کی یہ غرض ہی نہیں کہ دنیاوی نفع ہو بلکہ اس سے مقصود رضائے حق ہے اور جب خدا تعالیٰ راضی ہو جائیں تو وہ خود ہی اس کی تمام مصالح دنیویہ کی رعایت فرمائیں گے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس ڈرنے والے کے لئے رہائی (آفات دارین) کرتا ہے

اور ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ (ضرورة العلماء ج ۳)

## ہوس جاہ

آج کل یہ بھی ایک خبط ذہنوں میں سما گیا ہے کام چاہے کتنا ہی ذرا سا شروع کریں، مگر

عہدے اور خطابات بڑے بڑے اختراع کر لیتے ہیں۔ کوئی سیکرٹری بنتا ہے کوئی جنٹ ہوتا ہے ایک صاحب کا خط میرے پاس آیا، جس پر کاتب صاحب ہی کے قلم کا لکھا ہوا تھا، راقم فلاں، گورنر یتیم خانہ مقام فلاں، میں نے کہا کہ بہتر تھا کہ ”خادم یتیم خانہ“ لکھتے، بہت جگہ یہ تجزیہ ہوا کہ جہاں یہ خطابات لمبے چوڑے ہوتے ہیں وہاں کارروائی صرف رجسٹر ہی تک محدود رہتی ہے۔ خارجی وجود کی نوبت نہیں آتی، چند روز کے لئے عہدے البتہ مل جاتے ہیں۔ سو یہ بچوں کا کھیل ہوا یا کچھ اور، ان الفاظ کو اختیار مت کرو۔ اس سے برکت نہیں رہتی۔ یہ غیر قوموں کی تقلید ہے۔

من تشبه بقوم فهو منهم . (سنن ابی داؤد: ۴۰۳۱. مسند الامام احمد، ۲: ۵۰، ۹۲)  
(ترجمہ: جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی پس وہ انہی میں سے ہے۔)

یہ حدیث لباس اور وضع کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، جس بات میں مشابہت پائی جائے سب اسی کے اندر داخل ہیں، یہ اچھا ہے کہ تم اپنے آپ کو خادم کہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماتمہارا نام سردار رکھیں۔

سید القوم خادمہم . (الحاوی للفتاویٰ، ۲: ۱۰۱. مشکوٰۃ المصابیح: ۳۹۲۵)  
(ترجمہ: قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔)

یہ کتنی برکت کا سبب ہے، آج کل لوگوں نے اس کے برعکس کر رکھا ہے کہ بڑے بڑے خطابات لے لیتے ہیں۔ خواہ ان کی اہلیت ہو یا نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے  
اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واهتزله العرش .

(مشکوٰۃ المصابیح: ۳۸۵۹)

(ترجمہ: یعنی جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو عرش کانپ اٹھتا ہے)  
اور آج کل اکثر مدرسے فساق کے ہاتھوں میں ہیں اور ان کی مدح ہوتی ہے۔ پھر زمین کانپ اٹھتی ہے تو کیوں تعجب کیا جاتا ہے زلزلہ کو بہت لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور کیوں آتا ہے زلزلہ کے متعلق لوگوں کے خیالات عجیب طرح مختلف ہیں۔ (حقوق القرآن ج ۴)

## تکبر کا اثر

تکبر کا یہ اثر ہے کہ اس کے مرتکب سے نفرت ہوتی ہے تو جس کے یہ آثار ہوں۔ آپ ہی انصاف کیجئے کہ وہ چھوٹی چیز کیسے ہو سکتی ہے اور اخروی اثر یہ ہے کہ

حدیث میں ہے کہ متکبر جنت میں نہ جائے گا۔ اب اس حدیث کے جو بھی معنی ہوں مگر ہر اعتبار سے یہ تھوڑی وعید ہے۔ (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

## تکبر کی نشانیاں:-

بعض اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ فرعون نے مسلمان ہونا چاہا تھا مگر کچھ تو اس کا تکبر اور کچھ ہامان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے روکا۔ کیونکہ ہامان بھی متکبر تھا۔ غرض یہ تکبر بڑا ہے نہ معلوم کہاں جا کر دھکا دے گا، چنانچہ مجلس میں کسی کو جگہ نہ دینا اور کسی کے کہنے سے نہ اٹھنا اسی طرح گرا ہوا کھانا نہ اٹھانا اور جھکنے سے عار کرنا اور کھانا جھک کر نہ کھانا جیسا کہ آجکل میز کرسیوں پر کھانا کھایا جاتا ہے کہ جھکنے سے عار آتی ہے مسجد میں نہ جانا۔ ان سب کا سبب بھی تکبر ہے ایک صاحب میرے پاس مسجد میں تشریف لائے مگر کوٹ پتلون بوٹ جوتہ زیب تن تھا آ کر فرش سے باہر کھڑے ہو گئے وہ اس کے منتظر رہے کہ میں اٹھ کر ان کے پاس آ کر ان سے گفتگو کروں۔ دیکھئے یہ کونسی تہذیب ہے کہ جاویں تو خود ملنے کے لئے اور اس کے منتظر رہیں کہ یہ خود اٹھ کر ہمارے پاس آئے یہ بھی اسی تکبر کی فرع تھی، پھر لطف یہ کہ اگر کوئی شخص اس قسم کے مواقع میں ان کے لئے نہ اٹھے تو بد دماغ کہلائے۔ اور ان خرد ماغوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔

ایک اور صاحب میرے پاس مدرسہ میں تشریف لائے جن کا تمام جسم متصل واحد تھا لکڑی کی طرح بندشوں میں کھینچا ہوا تھا وہ بھی تھوڑی دیر تک کھڑے رہے شاید کرسی کے منتظر ہوں گے مگر وہاں کرسی کہاں آخر مجبور ہو کر بیٹھنا چاہا تو دھم سے زمین پر گر پڑے اور اٹھنا اور بھی دشوار ہوا اس فرعونی وضع کا جس میں کوئی راحت بھی نہیں سبب یہی تکبر ہی ہے کہ جہاں جائیں وہاں ان کے لئے کرسی منگائی جائے اور تا کہ ہر وقت بالکل فرعون کہلاتے رہیں۔ جھکنے کی بھی توفیق نہ ہوتی کہ کھانے کے وقت بھی جھکنا نہ پڑے اسی واسطے میز کرسی پر کھانا کھاتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مقدس کے باب میں فرماتے ہیں کہ میں تو غلاموں کی طرح کھانا کھاتا ہوں میں اس کے متعلق آپ لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ اگر جارج پنجم آپ کو ایک امرود دے کر اپنے سامنے کھانے کا حکم دیں تو میں دریافت کرتا ہوں کہ اس کے تناول کے لئے آپ میز کرسی اور کانٹے چھری کے منتظر ہوں گے؟ ہرگز نہیں اور اگر جارج کے اس دیئے ہوئے امرود کی ایک قاش آپ کے ہاتھ سے گر جاوے تو

کیا اس کو زمین ہی پر پڑا رہنے دیں گے اور بوٹ جوتہ سے آگے سرکا دیں گے یا فوراً اٹھا کر کھالیں گے شاید صاف بھی نہ کریں بتلائیے اس وقت کس طرح عملدرآمد کریں گے یقینی امر ہے کہ آپ فوراً اٹھا کر کھالیں گے تو یہاں بھی اس طریق سے عمل کیوں نہیں کیا جاتا کیا نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی عظمت جارج پنجم سے کم ہے کہ ان کی دی ہوئی نعمت کے ساتھ اتنا بھی معاملہ نہیں کرتے اور ایک سوال اس کے متعلق یہ ہے کہ اگر آپ کو جارج پنجم اپنے سامنے اس امرود کے کھانے کا امر کریں جیسا اوپر مذکور ہوا تو بتلائیں آپ اس کو رغبت کی صورت سے کھادیں گے یا بلا رغبت کھادیں گے بالکل ظاہر ہے کہ غایت درجہ کی رغبت کا اظہار کر کے کھائیں گے اور رغبت اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے اس کو اور جلدی جلدی اور غلٹ کے ساتھ کھائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کل اکل ذریعاً . (جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی کھانا تناول فرماتے تھے۔) (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

## اثراخلاص

حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک فاحشہ عورت چلی جا رہی تھی کہ راستہ میں اس نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہو رہا ہے۔ اس کو ترس آ گیا اپنا چمڑے کا موزہ پیر سے نکال کر اس کا ڈول بنایا اور اوڑھنی اتار کر رسی بنائی اور کنویں سے پانی نکال کر اس کتے کو پلا دیا۔ جب وہ مری ہے تو اس فاحشہ کو اس عمل کی وجہ سے بخش دیا گیا۔

اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی قبول ہو جاتا ہے اور اخلاص بھی نہ ہو تو خالی الذہن ہو کر بھی عمل مقبول ہو جاتا ہے چنانچہ اس عورت کے ذہن میں بھی نہ تھا کہ یہ عمل اتنا بڑا ہے نہ اس نے اخلاص کا قصد کیا نہ ریا سے کیا بلکہ خالی الذہن تھی۔ اس لیے خدا تعالیٰ کو وہ کام پسند آ گیا اور جب عمل میں ریا شریک ہو جاتا ہے تو کام غارت ہو جاتا ہے، ہاں صورت ریا جائز ہے۔ یہ میں نے اس لیے کہہ دیا ہے کہ شاید کوئی جلسہ میں چندہ بھی نہ دے اس خیال سے کہ ریا ہو جائے گا کیونکہ یہ صورت ریا ہوگی اس کا مضائقہ نہیں، اصل ریا دل میں ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو جگہ خیلہاء (تفاخر) جائز ہے۔ ایک صدقہ میں دوسرے عدو دین کے مقابلہ میں۔ تو دکھلا کر دینا ریا نہیں ہے۔ اس میں



بعض لوگوں کو غلطی ہو جاتی ہے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جس کام کو لوگ دیکھ لیں وہ ریا ہے مگر یہ صحیح خیال نہیں ریا کا مدار نیت پر ہے۔ اگر کوئی شخص سب کو دکھا کر اس لیے دیتا ہے کہ دوسروں کو بھی رغبت ہو تو یہ ریا میں داخل نہ ہوگا۔ ہاں حقیقی ریا اگر دل میں ہوگا تو پھر صدقہ مقبول نہ ہوگا اور اگر خالی الذہن ہو کر نہ دکھاوے کی نیت ہے نہ خدا کے لئے نیت ہے، تب بھی قبول ہے۔ جیسا اوپر مذکور ہوا کہ وہ فاحشہ عورت محض اس ذرا سے عمل پر کہ اس نے ایک کتے کو پانی پلا دیا تھا، بخش دی گئی اور اس کا عمل قبول ہو گیا حالانکہ اس نے خالی الذہن ہو کر یہ عمل کیا تھا۔ (حقوق السراء والضراء ج ۳)

## تواضع کی شناخت

تواضع بزرگوں کی صحبت سے ہے۔

قال راغبزار مرد حال شو پیش مردے کا ملے پامال شو  
(قال کو چھوڑو حال پیدا کرو، یہ حال جب پیدا ہوگا کہ کسی مرد کامل کے قدموں میں جا کر پڑو)  
کسی کی جوتیاں اٹھا کر سر پر رکھو تواضع ہو، پس حتی الامکان کوشش کرو، تواضع کے پیدا ہونے کی کیونکہ یہ شخص بظاہر متواضع ہو بھی گیا تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ جب کبھی کوئی بات پیش آ جاتی ہے اس وقت ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تواضع عارضی تھی تو بات یہ ہے کہ اچھی طرح نفس کی صفائی نہیں ہوئی تھی اور مقتضی تواضع نہیں پیدا ہوا تھا یہ بزرگوں کی صحبت سے ہوتا ہے کیونکہ وہ ان امراض روحانی کے طبیب ہوتے ہیں۔ اچھی طرح اس کے سبب کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں۔ خود اختیار کی ہوئی تواضع تو ایسی ہے جیسا کہ ایک بلی کو بادشاہ نے سکھلوا یا تھا کہ اگر اس کے سر پر شمع دان رکھ دیا جاتا تھا وہ خاموش بیٹھی رہتی تھی۔ بادشاہ بہت خوش تھے کہ بلی نے بالکل اپنی خصلت چھوڑ دی۔ وزیر نے کہا حضور اس سے اس کی خصلت نہیں چھوٹی بلکہ کوئی بات ایسی نہیں پیش آئی جس سے اس کی خصلت کا چھوٹنا یا نہ چھوٹنا ظاہر ہوتا۔ اس کے سامنے چوہا چھڑوا کر دیکھے پھر دیکھیں یہ کیسے اسی طرح بیٹھی رہتی ہے۔ چنانچہ اس کے سامنے چوہا چھوڑا گیا، وہ شمع دان پھینک کر دوڑی چوہے کے پکڑنے کو۔

اس تواضع کی بھی ایسی مثال ہے جو کسی بزرگ کی تربیت اور صحبت سے حاصل نہ کی جائے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ تمہاری تواضع کی ایسی مثال ہے کہ گوبر ہے کہ پانی کی تہہ میں بیٹھ گیا ہے۔ بظاہر نظر پانی نہایت صاف شفاف نظر آتا ہے لیکن اگر ذرا بھی ہل جائے تو تمام گوبر ظاہر ہو جائے۔

دریائے فراواں نشود تیرہ بنگ عارف کہ برنجہ تنگ آب ست ہنوز  
(یعنی بڑا دریا پتھر سے گدلا نہیں ہوتا جو عارف کہ رنجیدہ ہو وہ ہنوز تھوڑے پانی کے  
مشابہ ہے کہ ذرا سی چیز پڑنے سے گدلا ہو جاتا ہے)  
تو آپ کی تواضع مصنوعی تواضع ہے کہ ابھی اگر کوئی ذرا خلاف مرضی بات کہہ دے پھر  
دیکھئے آپ کیسا بھڑکتے ہیں۔

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شخص نے امتحان کیا۔ اس نے سنا تھا کہ بڑے تیز  
ہیں۔ دہلی کی جامع مسجد میں مولانا تشریف رکھتے تھے۔ وہ آیا اور مجمع میں آواز بلند پوچھا  
کہ میں نے سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ تم سے کس نے کہا یہ غلط ہے۔  
میری ماں کے نکاح کے گواہ اب تک زندہ ہیں، اگر یقین نہ ہو تو پوچھو ادوں۔ وہ شخص  
قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں تو امتحان کرتا تھا کہ آپ کی تیزی تکبر سے تو نہیں ہے۔  
معلوم ہو گیا کہ سارا غصہ اور تیزی اللہ ہی کے لیے ہے، اپنے نفس کے لیے نہیں۔

مولانا شہید سے کسی نے پوچھا کہ شاہ صاحب کے ہوتے ہوئے سید صاحب سے  
آپ کیوں بیعت ہوئے۔ فرمایا کہ جس کو جس سے مناسبت ہوتی ہے اسی سے فیض ہوتا  
ہے۔ سید صاحب جب کافیہ پڑھتے تھے تو ایک دن اتفاق سے اس کے حرف نظر نہ  
آئے۔ کاغذ بالکل صاف نظر آتے تھے اور دوسرے طالب علموں کو دکھایا تو ان کو نظر  
آتے تھے۔ بہت حیران ہوئے، صبح کو شاہ صاحب کے پاس آئے اور تمام ماجرا بیان  
کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا تم کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ تم ذکر و شغل کرو۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

مولانا شہید بہت بڑے عالم تھے اور بہت مشہور تھے۔ بڑے بڑے امراء قدموں پر  
سر رکھتے تھے اور سید صاحب ایسے مشہور آدمی نہ تھے مگر مولانا شہید کی حالت یہ تھی کہ سید  
صاحب کی سواری کے ساتھ ان کی جوتیاں لیے دوڑے جارہے ہیں۔ لوگ ہر طرف سے  
سلام کر رہے ہیں، ان کے جواب بھی دیتے جارہے ہیں۔ حضرت! یوں نفس مرتا ہے اور  
اسی کو تواضع کہتے ہیں۔ اسی لیے مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کا ملے پامال شو

(قال کو چھوڑوا اپنے اندر حال پیدا کرو، یہ حال اس وقت پیدا ہوگا کہ کسی مرد کامل کے قدموں میں جا کر پڑو) یہ نہیں کہ چند روز ذکر و شغل کر لیا۔ ذرا نفس دب گیا، اس کے بعد جب گئے پھر وہ شرارتیں کرنے لگا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

صوفی نشود صافی تادر نکشد جامی      بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی  
(جب تک بہت سے مجاہدات و ریاضت نہ کیے جائیں اس وقت تک نفس کا تصفیہ نہیں ہو سکتا ہے۔ پختگی کے لیے بہت سے مقامات و سفر طے کرنے کی ضرورت ہے) مولانا فرماتے ہیں۔ ان سفروں کے بعد بھی نفس پر اعتماد نہ کرو۔ (الوقت ج ۴)

## اسراف کی تفصیل

اسراف کے معنی یہ ہیں کہ منہی عنہ کا ارتکاب نہ ہو اور جو خرچ بھی ہو وہ معصیت میں خرچ نہ ہو۔ اس میں بھی تھوڑی سی تفصیل ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی شے ایک شخص کے اعتبار سے اسراف ہو سکتی ہے اور دوسرے شخص کے اعتبار سے اسراف نہیں ہوتی۔  
مثلاً ایک شخص کو دس روپے گز کا کپڑا پہننے کی وسعت ہے اور ایک شخص کو ایک روپیہ گز کے کپڑے کی بھی وسعت نہیں۔ یہ اگر دس روپیہ گز کا کپڑا خریدے گا تو ضرور قرض دار ہوگا۔ اب دونوں نے کپڑا خریدا تو جس کو وسعت ہے اس کے لیے تو کچھ خرچ نہیں نہ اس پر اسراف کا الزام اور جس نے قرض لیا وہ بے ضرورت گردن پھنسانے سے گنہگار ہوگا۔ مسرف شمار ہوگا کیونکہ بلا ضرورت مقروض ہونا گناہ ہے۔ (الصلاح والا صلاح ج ۴)

## تواضع

ہمارے والد باوجود ثروت و دولت کے منکسر المزاج بہت تھے۔ ایک مرتبہ برسات میں کھرپالے کر خود ہی چھت پر گھاس کو چھیلنے کو جانے لگے، اور مجھ سے فرمایا تم بھی چلو، تائی صاحبہ نے فرمایا، جوان بیٹے سے ایسا کام نہیں لیا کرتے۔ انہوں نے مان لیا اور تنہا خود چھت پر چڑھ گئے۔ اس وقت تائی صاحبہ نے کہا کہ جب تمہارے باپ گھاس چھیلنے گئے ہیں تو اب تمہیں بھی جانا چاہیے۔ (الصلاح والا صلاح ج ۴)

## ‘اسراف کی حقیقت

اسراف کہتے ہیں معصیت میں خرچ کرنے کو آپ کا خیال ہوگا کہ ہم کون سی معصیت میں خرچ کر رہے ہیں۔ ہمارے یہاں ناچ نہیں رنگ نہیں۔ اے صاحبو! تفاخر اور ریا بھی تو معصیت ہے۔ پس تفاخر کے لئے خرچ کرنا معصیت ہی میں خرچ کرنا ہے۔ اس لئے اسراف میں یقیناً داخل ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معصیت منحصر نہیں ہے ناچ رنگ اور دیگر افعال جو ارجح میں بلکہ بہت سے معاصی قلب کے متعلق بھی ہیں۔ چنانچہ تفاخر اور ریا ان ہی معاصی قلب میں سے ہے لہذا اس میں خرچ کرنا بھی معصیت ہی میں خرچ کرنا ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے۔ پس یہ بھی اسراف ہوا۔ اور ایک معصیت ہی میں خرچ کرنا کیا نماز روزہ میں بھی حد سے متجاوز ہونا اسراف ہے اور مطلق اسراف کے متعلق حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان الله لا يحب المفسرفین۔ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پس اسراف مطلقاً مذموم ہوگا۔ (نقد الملیب فی عقد الجیب ج ۵)

## تفاخر کی ممانعت

تفاخر کے متعلق ایک حدیث یاد آئی ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دعوة المتبارئین۔ ممانعت فرمائی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کی دعوت قبول کرنے سے جو ایک دوسرے سے بڑھنا چاہیں اور بحثاً بحثی میں کھانا کھلاویں۔ (نقد الملیب فی عقد الجیب ج ۵)

## غیبت کی صورت

آپ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ گناہ فقط دو تین ہی ہیں۔ خصوص دل کے گناہ کو تو گناہ ہی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بات نہیں۔ گناہ بہت ہیں اور ان میں دل کے بھی بہت سے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ نماز پڑھنے مسجد میں آئے دیکھا کہ ایک سائل سوال کر رہا ہے دیکھنے میں بالکل تندرست خوب ہٹا کٹا موٹا تازہ بظاہر نہ کوئی معذوری نہ مجبوری انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسے شخص کو تو سوال کرنا بالکل حرام ہے اور



یہ ناجائز کام کر رہا ہے حالانکہ ممکن تھا کہ اس کو کوئی خاص عذر ہو جس کی وجہ سے وہ اکتساب کے قابل نہ ہو یا اکتساب کے قابل ہو لیکن اکتساب سے اس کی ضرورت پوری نہ ہو سکتی ہو۔ مثلاً فرض کیجئے کسی ظالم نے اس پر ایک ہزار کی ڈگری ناحق کر دی اور وہ مظلوم ہے۔ اس صورت میں گو وہ ہاتھ پاؤں سے درست ہے مگر ہزار روپیہ ایک دم وہ کہاں سے دے بلکہ اس صورت میں دو سو چار سو روپیہ اس کے پاس جمع بھی ہوں تب بھی وہ باقی روپیہ کا اکتساب ایک دو دن میں تو نہیں کر سکتا۔ لہذا ایسے شخص کو اجازت ہے شریعت سے کہ بھیک مانگ کر ڈگری کا روپیہ ادا کر دے اور اپنی جان چھڑالے۔

مگر ان کو اس کی ظاہری حالت سے شبہ پڑا اور اس کو دل میں برا کہا۔ رات کو جو سوئے تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مردہ ہے اور اس کو کاٹ کاٹ کر کھانے کے لئے کوئی ان سے کہتا ہے یہ انکار کرتے ہیں تو ان کو جواب ملتا ہے کہ دن میں تو اس فقیر کی غیبت کر کے مردہ کا گوشت کھایا اور اب انکار ہے۔ انہوں نے کہا میں نے اس کو کچھ کہا نہیں۔ جواب ملا غیبت زبان ہی سے کہنے سے ہوتی ہے دل سے بھی تو ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ قلب کو دیکھتے ہیں بلکہ اصل غیبت دل ہی سے ہے۔

ان الکلام لفی الفوا دوا نما جعل اللسان علی الفواد دلیلاً  
کلام تو دراصل قلب ہی میں ہوتا ہے زبان تو محض اس کی مترجم ہے جو کچھ دل میں ہوتا ہے وہ صرف اس کو ظاہر کر دیتی ہے۔ باقی بات تو وہی ہوتی ہے جو دل میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اٹھے اور پہنچے اسی فقیر کے پاس دور سے دیکھ کر اس نے فوراً یہ آیت پڑھی۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ

جس کا مطلب یہ تھا کہ گھبراؤ نہیں توبہ کرنے سے خدا سب گناہ معاف کر دیتا ہے چونکہ اب توبہ کر چکے ہو لہذا سب معاف۔ تو دیکھئے غیبت دل سے بھی ہوتی ہے۔ (نقد الملیب فی عقد الحبیب ج ۵)

## رضا بہ قضا

اور ایک حضرت سیدنا غوث اعظم رحمہ اللہ کی حالت یہ تھی کہ آپ ایسا کپڑا پہنتے تھے کہ اتنا قیمتی کپڑا خلیفہ وقت بھی نہیں پہن سکتا تھا حشم و خدم اور عمدہ و لطیف غذائیں اور مرغ پلاؤ وغیرہ سے سابقہ رہتا اور جہاں یہ تھا وہاں یہ بھی یقینی تھا کہ اگر دونوں کی حالتوں کو ایک

دوسرے سے بدل دیا جاتا تو دونوں خوشی سے قبول کر لیتے۔ غرض عارف کی شان ہونی چاہئے کہ وہ جس حال میں رکھیں زندہ رکھیں تو زندہ رہے ماریں تو مر جائے۔  
 زندہ کئی عطاے تو ورکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کئی رضائے تو  
 یعنی زندگی عطا فرمائیں تو آپ کی مہربانی ہے اور اگر آپ قتل کریں تو آپ پر قربان ہوں۔  
 دل آپ پر آ گیا ہے جو کچھ آپ تصرف کریں میں آپ سے راضی ہوں۔ (الشریعت ج ۶)

## اخلاق ندارد

حضرت شیخ ابوالبرکات کے پاس ابوعلی بن سینا گیا۔ کسی نے اس کی نسبت پوچھا کہ حضرت یہ کیسا شخص ہے۔ فرمایا کہ ابوعلی اخلاق ندارد۔ (اخلاق نہیں رکھتا) ابوعلی نے سن کر ایک کتاب تصنیف کی جس میں علم اخلاق کو خوب بیان کیا اور ان کے پاس بطور جواب کے بھیجی۔ انہوں نے ایک جملہ میں ساری کتاب اڑا دی کہ من کے گفتہ بودم کہ اخلاق نداند۔ گفتہ بودم کہ اخلاق ندارد۔ (یعنی میں نے کب کہا تھا کہ اخلاق نہیں جانتا بلکہ میں نے یہ کہا تھا کہ اخلاق نہیں رکھتا) بلکہ یہ بھی تو اخلاق نہ ہونے کی بات ہے کہ خواہ مخواہ اعتراض کے جواب دینے کی کوشش کی۔ ابوعلی لا جواب رہ گیا۔ (حق الاطاعت ج ۶)

## حسن اخلاق کے ثمرات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زرہ ایک یہودی نے چرائی تھی۔ آپ نے اپنے قاضی شریح کے یہاں اس پر دعویٰ کیا قاضی نے گواہ طلب کئے تو حضرت علی نے اپنے آزاد کردہ غلام اور امام حسن رضی اللہ عنہ کو پیش کیا شریح نے حضرت حسنؑ کی گواہی قبول نہ کی کیونکہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں ہوتی اور مقدمہ یہودی کے موافق فیصل ہوا۔  
 اس پر یہودی فوراً اسلام لے آیا کہ واقعی یہ دین برحق ہے جس میں خلیفہ کے مقابلہ میں ایک رعیت کا یہودی مقدمہ جیت سکتا ہے۔ اس پر میں کہتا ہوں کہ ہمارے اسلاف تو ایسے تھے کہ ان کو دیکھ کر لوگوں کو اسلام کی طرف رغبت ہوتی تھی۔ (شعب الایمان ج ۶)

## قوت استغفار

امام غزالی نے لکھا ہے۔

اری الملوک بادننی الدین قد قنعوا وما ارا الم رضوانی العیش بالدون  
فاستغن بالدين عن دنیا الملوک کما استغنی الملوک بدنیا هم عن الدين  
وہ دنیا کو لے کر تم سے مستغنی ہو گئے۔ تم دین لے کر ان کی دنیا سے مستغنی ہو جاؤ میں  
خدا کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ اگر اہل علم اہل دنیا سے مستغنی ہو جائیں۔

تو خدا تعالیٰ ان کی غیب سے مدد کریں۔ بلکہ خود یہی اہل دنیا جو آج ان کو ذلیل سمجھتے ہیں  
اس وقت ان کو معزز سمجھنے لگیں گے اور ان کے محتاج ہوں گے۔ کیونکہ ہر مسلمان کو بحیثیت مسلمان  
ہونے کے جس طرح اپنی ضروریات کے لئے کم و بیش دنیا کی ضرورت ہے دین کی اس سے زیادہ  
ضرورت ہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل رئیس ہو یا غریب۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علماء کے پاس بقدر  
ضرورت دنیا موجود ہے اور اہل دنیا کے پاس دین کچھ بھی نہیں۔ تو ان کو ہر امر میں موت میں  
حیات میں نماز میں روزے میں سب میں علماء کی احتیاج ہوگی۔ اور اگر کوئی کہے کہ مجھے دین کی  
ضرورت ہی نہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں۔ غرض ایک وقت ایسا آئے گا کہ اہل دنیا خود علماء کے پاس  
آئیں گے۔ پس علماء کو بالکل استغناء چاہئے اور خدا تعالیٰ کے دین میں مشغول ہونا چاہئے۔

ہم لوگوں میں ایک بڑی کمی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا نہیں کرتے اگر خدا تعالیٰ  
سے ہم کو تعلق ہو تو کسی کی بھی پروا نہ رہے۔ البتہ میں علماء کو بد اخلاقی کی اجازت نہیں دیتا۔  
کیونکہ بعضے استغناء بد اخلاقی کو سمجھتے ہیں۔ (تقویم الزلیج ج ۶)

## لعنت اور غیبت

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے، میں نے کہا اس  
شخص کو جائز ہے جسے یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا خاتمہ یزید سے اچھا ہوگا، ارے اپنا  
کام میں لگو، لعنت کا وظیفہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت رابعہ سے کسی نے پوچھا تو ابلیس پر لعنت نہیں کرتیں، کہنے لگیں جتنی دیر میں اس پر  
لعنت کروں میں اپنے محبوب کی یاد ہی نہ کروں، لعنت کے باب میں بعضوں کا دوسرا مذاق بھی ہے۔  
ایک شخص تھا وہ روز ایک ہزار مرتبہ شیطان پر لعنت کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس دشمن نے  
بھی کیسا بد لالیا کہ دیوار کے نیچے سو رہا تھا، اس نے آ کر جگا دیا کہ اٹھو اٹھو بھاگو، یہ جیسے ہی  
وہاں سے ہٹا دیوار گر پڑی، یہ بہت خوش ہوا کہ یہ تو کوئی بڑا خیر خواہ ہے، پوچھا کون ہو؟ کہا

نام نہ پوچھو، نام سن کر تم خوش نہ ہو گے، کہا صاحب بتلاؤ بھی، کہا میں وہی شیطان ہوں جس پر تم ہزار مرتبہ روزانہ لعنت بھیجا کرتے ہو، کہا تم تو میرے بڑے خیر خواہ نکلے۔ اس نے کہا میں نے خیر خواہی سے نہیں بچایا بلکہ اس خیال سے بچایا کہ دیوار کے نیچے دب کر مرو گے تو شہید ہو جاؤ گے اور بے حساب بخشے جاؤ گے، تو مجھے فکر ہوئی کہ کسی طرح اتنے بڑے ثواب سے محروم کر دوں، دوسرے اگر جیتا رہے گا تو تجھ پر خوب مشق کیا کروں گا، ابھی بہت دن نچاؤں گا جیسے بندر ریچھ کہ اگر مر جاؤ تو بندر والا پھر کہاں سے کمائے گا۔

بہر حال کسی پر لعنت کرنا فضول حرکت ہے جبکہ اپنے ہی حال کی خبر نہیں کسی نے خوب کہا ہے:

کہ رشک برد فرشتہ برپا کنی ما      کہ خندہ زند دیوز ناپا کنی ما  
ایماں چو سلامت بہ لب گور بریم      احسنت بریں چستی و چالا کنی ما

(کبھی ہماری پاکی پر فرشتہ رشک کرتا ہے اور کبھی ہماری ناپاکی پر شیطان ہنستا ہے، ایمان اگر قبر میں سالم لے جائیں تو اس وقت ہماری چستی اجالا پر آفریت ہے) (آثار العبادۃ ج ۷)

## اخلاق کیا ہے؟

اخلاق کیا چیز ہیں۔ اس کی حقیقت ہے اپنے نفس کی اصلاح کرنا۔ اس کا تو کہیں نام و نشان بھی نہیں رہا بس مرید ہو گئے اور عقیدہ پکا لیا کہ پیر اللہ میاں کے یہاں بخشوائیں گے۔ ادھر پیر روٹیوں سے مطمئن ہو گئے کہ اب سلسلہ میں تو آ ہی گئے پھر کیا غم۔ گویا ایک خاندانی رسم و رواج بن گیا ہے چنانچہ بعض اطراف میں یہ قاعدہ ہو گیا ہے کہ اگر ایک خاندان کا ایک شخص کسی کامرید ہو گیا تو اب سارے خاندان کو اسی کامرید ہونا ضروری ہے پھر ان کی اولاد کو اس پیر کی اولاد کا مرید ہونا ضروری ہے۔ گو اہلیت کا نام و نشان بھی نہ ہو تو بجز گمراہ کرنے کے اس مشیخت کا کیا نتیجہ ہے۔ (آثار العبادۃ ج ۷)

## حب جاہ

بڑے طبقہ کے لوگ اکثر دین کے کام دین کی نیت سے نہیں کرتے بلکہ دنیا کی نیت سے کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک انجمن کے سیکرٹری شراب پیتے تھے مگر اس کے ساتھ بھی وہ اسلامی انجمن کے سیکرٹری تھے کیا ایسے لوگوں سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ دین کے واسطے انجمن کی خدمت کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ محض جاہ کے واسطے مجھے اس انجمن میں بلایا گیا



تھا، میں نے انکار کر دیا کیونکہ جس انجمن کا سیکرٹری نا اہل ہو اس میں شرکت کرنا سیکرٹری کی جاہ بڑھانا ہے اور نا اہل کی جاہ بڑھانا اور اس کے عہدہ کو تسلیم کرنا خود نا جائز ہے۔ ہاں کوئی اس واسطے شرکت کرے کہ ایسے نا اہلوں کے معزول کرنے میں سعی کرے تو جائز ہے اور ایسے لوگوں کو سیکرٹری وغیرہ صرف اس واسطے بنایا جاتا ہے کہ وہ چندہ خوب وصول کرتے ہیں، غرباء کے اوپر ٹیکس کی طرح چندہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے دباؤ اور اثر سے جبراً وصول کرتے ہیں۔ اس کام میں ان کی مدح کی جاتی ہے کہ فلاں صاحب دین کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ بڑا دین کا کام کیا کہ غرباء کے گلے پر چھری رکھ کر چندہ وصول کر لیا، ان سے اچھے تو وہ لوگ ہیں جو کھلم کھلا ڈاکو ہیں کیونکہ وہ لوگوں سے مال چھین کر اپنے بال بچوں کو تو کھلاتے ہیں جن کا نفقہ ان کے ذمہ واجب ہے تو گوان کا ذریعہ معاش تو حرام ہے مگر مصرف ایسا ہے جس میں خرچ کرنا ان کے ذمہ واجب تھا تو وہ حرام کا ارتکاب کر کے ایک واجب سے تو سبکدوش ہوئے اور یہ سیکرٹری صاحب حرام طریقہ سے چندہ وصول کر کے ایسی جگہ صرف کرتے ہیں جس کی خدمت ان کے ذمہ واجب نہیں اور ڈاکو کی سزا معلوم ہے۔ تو یہ لوگ اس کے واسطے تیار رہیں۔ افسوس آج کل چندہ میں اس کا اصلاً لحاظ نہیں کیا جاتا کہ یہ مال خوشی سے دیا گیا ہے یا جبر سے۔ (اصل العبادۃ ج ۷)

## حضرت عمرؓ اور پابندی شریعت

ایک واقعہ مجھے اسی قسم کا یاد آ گیا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا کہ ہرمزان فارسی سے جو شاہان فارس میں سے ایک بادشاہ تھا، مسلمانوں کی صلح ہو گئی تھی مگر اس نے صلح کے بعد عذر کیا پھر مسلمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کیا اور صلح کے لیے خوشامد کرنے لگا، پھر عذر کیا، صحابہ نے پھر اس کے ملک پر حملہ کیا تو پھر صلح کی درخواست کرنے لگا، حضرات صحابہ نے اس مرتبہ صلح منظور نہ کی کیونکہ تجربہ ہو چکا تھا تو اس نے درخواست کی کہ اچھا مجھ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا جائے وہ جو فیصلہ میرے حق میں کر دیں گے مجھے منظور ہے۔ چنانچہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس کی صورت دیکھ کر حضرت عمرؓ کو غصہ سے تاب نہ رہی کیونکہ اس نے صلح کر کے مسلمانوں کے

بڑے بڑے بہادر اور جلیل القدر صحابہ کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے غصہ کے ساتھ اس کو ڈانٹ کر فرمایا کہ تیرے پاس اس عذر کا کیا جواب ہے بولو؟ ہرمزان نے کہا زندوں کی طرح بولوں یا مردوں کی طرح کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہیں بات پورا کرنے سے پہلے ہی آپ مجھ کو قتل کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تکلم لا باس بولو ڈرو نہیں؟ اس نے کہا اچھا مجھے پانی پلوادجئے کہ پیاس سے بے تاب ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اس کے لیے پانی منگوایا جو ایک بھدے سے پیالے میں لایا گیا۔ ہرمزان نے کہا کہ میں مر بھی جاؤں گا تو ایسے پیالے میں پانی نہ پیوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کے حق میں پیاس اور قتل کو جمع نہ کرو، اچھے گلاس میں پانی لے آؤ۔ چنانچہ لایا گیا تو ہرمزان نے گلاس منہ سے لگا کر ہٹالیا کہ پینے کی ہمت نہیں ہوتی۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں گلاس منہ کو لگاتے ہی میرا سر گردن سے جدا کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: لاتخف حتی تشربہ کہ پانی پینے تک کچھ اندیشہ نہ کرو۔ یہ سنتے ہی ہرمزان نے پانی پھینک دیا اور کہا مجھے پیاس نہیں ہے، مجھے تو صرف امن لینا مقصود تھا، سو وہ مقصود حاصل ہو گیا۔ اب آپ مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بھلا میں ایسے شخص کو زندہ چھوڑ سکتا ہوں جس نے براء بن مالکؓ اور فلاں فلاں جلیل القدر صحابہ کو قتل کیا ہے۔ ہرمزان نے کہا کہ میں نے کچھ ہی کیا ہو مگر آپ مجھ کو امن دے چکے ہیں اب قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو امن نہیں دیا۔ ہرمزان نے کہا، آپ واقعی مجھ کو امن دے چکے ہیں اس پر دوسرے صحابہؓ نے بھی ہرمزان کی تائید کی۔ واقعی آپ اس کو امن دے چکے ہیں کیونکہ آپ نے اس کو تکلم لا باس اور لاتخف حتی تشربہ فرمایا ہے اور یہ الفاظ موجب امان ہیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے کلام میں غور فرمایا تو سمجھ گئے واقعی میری زبان سے الفاظ امان نکل چکے ہیں۔ تو ہرمزان کو رہا کر دیا اور فرمایا: ”خذ عنتی ولا انخدع الالمسلم“ کہ تم نے مجھ کو دھوکہ دیا مگر میں مسلمان کے دھوکہ میں آ سکتا ہوں کافر کے دھوکہ میں نہیں آ سکتا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہرمزان مسلمان ہو گیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تو نے جان بچانے کے لیے تدبیریں کیوں کیں۔ اول ہی میں اسلام لے آتا تو تیری جان بچ جاتی، کہا اس صورت میں آپ کو میرے اسلام کی قدر نہ ہوتی۔ یہ خیال ہوتا کہ جان بچانے کے لیے مسلمان ہوا ہے اس لیے میں نے دوسرے

طریقے سے جان بچالی اور آپ کو اپنے قتل سے روک دیا، اس کے بعد مطمئن ہو کر اسلام لایا۔ اب کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ جان بچانے کو اسلام لایا ہے۔  
تو اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ قد ر شریعت کے پابند اور وقاف عند الحدود تھے۔  
عبدیت اسی کا نام ہے، بندہ کی شان تو یہ ہے کہ احکام کا اتباع کرے مصالح کی پروا نہ کرے۔  
رند عالم سوز را با مصلحت بنی چہ کار کار ملک ست انکہ تدبیر و تحمل بایدش  
(دنیا کو سوختہ کرنے، رند کو مصلحت دیکھنے سے کیا غرض سلطنت کے امور میں تدبیر و تحمل کی ضرورت ہے) (اصل العبادۃ ج ۷)

## رضائے حق

اعمال سے مقصود حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے تو عمل فی نفسہ کوئی بھی مقصود بالذات نہیں تو رضائے حق مقصود بالذات ہے۔ اس کے طرق اور اسباب مقصود بالغیر، لیکن طرق اور اسباب اگر متعدد اور مختلف ہوں تو ان کی تعیین آپ کی رائے پر نہیں بلکہ شریعت نے جیسے مقصود کو متعین کیا ہے ایسے ہی طرق اور اسباب کو بھی متعین کر دیا ہے کہ رضا کی یہ سبیل ہے اور یہ طریق ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ فَاتَّبِعُوْهُ۔  
”یہی مجھ تک وصول کا سیدھا راستہ ہے، پس اس پر چلتے رہو۔“ (شرائط الطاعت ج ۷)

## ضرورت رضائے حق

خلاصہ اس بیان کا یہ ہے کہ جب کوئی کام کرو تو جی میں یہ نہ ٹھان لو کہ فلاں مطلب جس طرح بن پڑے حاصل ہو ہی جاوے بلکہ اپنا اصل رخ نظر رضائے حق کو رکھو اور یہ قصد رکھو کہ رضائے حق حاصل ہو جائے، چاہے کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔

سلطان صلاح الدین نے جب ملک شام فتح کیا تو وزراء نے عرض کیا کہ حضور نے یہاں کے لیے کوئی قانون بھی تجویز فرمایا، اس نے کہا کہ قانون شرع موجود تو ہے، قانون جدید کی ضرورت کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضور شریعت میں نرم سزائیں ہیں، یہ عیسائیوں کا نہایت سرکش اور فساد فرقه ہے، ان کے لیے سخت سزاؤں کی ضرورت ہے، ان پر اثر نہ ہوگا، اس نرم

قانون کا اس واسطے حضور اپنی رائے سے کوئی نیا قانون ان کے لیے مقرر کر دیں ورنہ یہ آیا ہوا ملک ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ سلطان یہ سن کر بہت برہم ہوا اور کہا کہ خلاف خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی قانون ہرگز نافذ نہیں کیا جائے گا اور تم مجھے ڈراتے ہو کہ سلطنت جاتی رہے گی تو کیا مجھے کچھ سلطنت کرنی مقصود ہے؟ سو واللہ! میں نے جو کچھ کیا ہے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہے، سلطنت کرنے کے شوق میں نہیں کیا، اگر خدا تعالیٰ مجھے فقرو فاقہ اور ذلت و گدائی کی حالت میں بھی رکھیں میں اس پر بھی ویسا ہی خوش ہوں جیسا کہ سلطنت کی حالت میں کسی حالت کو ترجیح نہیں دیتا، بس خدا تعالیٰ راضی رہیں، نہ مجھے پروا سلطنت کی ہے نہ گدائی سے عار ہے اور واقعی عاشق کا تو یہی مذہب ہوتا ہے۔ مولانا جامی فرماتے ہیں:

دلارامے کہ داری دل در و بند      دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند  
(عاشق کا کام یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ دل کو وابستہ رکھے اور باقی سارے عالم سے نظریں ہٹالے)

حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و خم طرہ یارے گیرند  
(میں تو اسی میں مصلحت سمجھتا ہوں کہ سب کے کاموں سے نظر ہٹا کر صرف محبوب کے کام میں لگ جاؤں)

بس مصلحت یہی ہے کہ ایک خدا کی خوشنودی کو لے کر باقی سب مصلحتوں پر خاک ڈال دو۔  
تو طریقہ یہی ہے کہ جو کام بھی دین کا یا دنیا کا کرنا چاہو اسی طرح کرو۔ (شرائط الطاعت ج ۷)

## تکبر کی ممانعت

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں تکبر کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”ان الله لا يحب كل مختال فخور“ (کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی اکرڑنے والے اور فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتے)

حدیث شریف میں ہے کہ:

لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر ۲  
”جس کے قلب میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔“



دوسری حدیث ہے: من لبس ثوب شهرة البسه الله ثوب الذل يوم القيمة  
 ”اگر کوئی شہرت کے لیے کپڑا پہنے گا تو قیامت میں خدا تعالیٰ اس کو ذلت کا لباس  
 پہنائیں گے۔“ اس آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ فخر کے لیے کوئی کام کرنا حرام  
 ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: من سمع سمع الله به ومن راى راى الله به  
 ”اس سے معلوم ہوا کہ دکھلاوے اور شہرت کا کام کرنا حرام ہے۔“ (آثار المحبة ج ۷)

## ناشکری کا مرض

مولوی عبدالرب صاحب واعظ ایک مضمون اپنے وعظ میں فرمایا کرتے تھے۔ گو  
 مضمون تو ہے شاعرانہ مگر ہے واقعی۔

چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں کے پاس اگر کپڑوں کے صندوق بھی بھرے ہوں  
 مگر ان سے جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں چار چیتھڑے سارا گھر برتنوں سے بھرا ہوا ہو مگر  
 جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں چار ٹھیکرے جوتیوں کے کتنے ہی جوڑے ہوں مگر ہمیشہ یوں ہی  
 کہیں گی کیا ہیں دو لیترے یہ مضمون ممکن ہے قافیہ کی ضرورت سے بنا ہو مگر واقعہ سچا ہے۔

حاصل یہ کہ ان کو سامان سے کبھی صبر ہوتا ہی نہیں۔ مرد تو کپڑوں میں پیوند تک لگا لیتے ہیں  
 مگر عورتیں ہیں کہ ان کو نئے کپڑوں کے صندوق بھر کر بھی کفایت نہیں ہوتی۔ چاہتی ہیں کہ  
 کپڑوں سے گھر بھر لیں۔ اگر سخت مجبوری ہو تو پیوند بھی لگا لیں گی۔ مگر وسعت میں تو لگاتی ہی  
 نہیں۔ بعض مرد بیچارے ہیں تو مزدور چار آنے آٹھ آنے کے مگر بیسیوں کو دیکھو تو بیگم بنی ہوئی  
 ہیں مرد اپنے لئے پیوند لگے کپڑوں کو عیب نہیں سمجھتا مگر عورت غریب کی بھی ہوگی اپنے کو ایسا  
 بنائے گی کہ گویا بنت الامیر و زوجة الکبیر (امیر کی صاحبزادی بڑے آدمی کی بیوی) ہے  
 اور یہ سب ساز و سامان سجاوٹ شوہر کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کو دکھانے کی غرض سے ہوتا ہے۔  
 حالانکہ یہ محض کم فہمی کی بات ہے۔ دکھانے سے ہوتا کیا ہے کیونکہ آپس میں خاندان والوں کو ایک  
 دوسرے کا حال تو معلوم ہی ہوتا ہے اس کی حیثیت اتنی ہے اور اس کی اتنی پھر دکھانے سے نتیجہ کیا  
 یہ مانا کہ عورتوں کے مناسب زینت ہے مگر اس میں اعتدال تو ہو حد سے بڑھی ہوئی تو نہ ہو۔ ان  
 میں حب مال کا یہ رنگ ہے اور مردوں میں بھی یہ مرض حب مال کا موجود ہے مگر رنگ مختلف ہے۔  
 دوسرا مرض عورتوں میں حب جاہ ہے اور یہ مرض مردوں میں بھی ہے مگر دوسرے رنگ

میں۔ وہ بھی اپنے کو بڑا بناتے ہیں مگر رنگ اور ہوتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اکثر مردوں میں اور کمالات بھی ہیں جیسے علم وغیرہ۔ اس لئے ان کا حب جاہ اس قدر نازیبا نہیں اور عورتوں میں تو یہ بھی نہیں مگر پھر بھی ان میں حب جاہ ہے گویا اپنے کو بڑا نہیں سمجھتیں مگر یہ چاہتی ہیں کہ دوسرے ان کو بڑا سمجھیں ان میں اس کے ساتھ تذلل اور تواضع کی بھی ایک شان ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض بیبیاں پانکتی بیٹھتی ہیں اور خادمہ سرہانے۔ اور خود پان لگا کر بھنگن وغیرہ کو دے دیتی ہیں۔ ان بیچاریوں میں اس قسم کی تواضع بھی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کی کوشش بھی کرتی ہیں کہ ہم سب سے بڑھی رہیں۔ بیچاریوں میں کمالات تو ہیں نہیں مگر چاہتی ہیں کہ زیور اور سامان بہت سا ہو دوسروں سے بڑھی چڑھی رہیں۔ جب کہیں جائیں گی تو خوب زیور لاد پھاند کر جائیں گی۔ خواہ مانگا ہوا ہی زیور ہو اور گود دوسروں کو معلوم بھی ہو کہ مانگ کر پہنا ہے۔ یہ اس لئے کہ ہم کو کوئی ہلکا نہ سمجھے رات دن اسی کا اہتمام ہے۔ یہی سبق ہے کہ ہمیک ہو گوٹہ ہو ٹھپہ ہو لچک ہو کپڑے کی تراش ایسی ہو جہاں بھی لگا ہوا ہو جہاں تک ان کے امکان میں ہے بناوٹ کا اہتمام کرتی ہیں۔ (خیر الاناث للاناث ج ۸)

## صاحب جاہ

صوفیاء نے صاحب جاہ کے آداب میں لکھا ہے کہ ایسا شخص اپنی حوائج کو ظاہر نہ کرے کیونکہ اس سے لوگ فکر میں پڑ جائیں گے اور ہر شخص اس کی حاجت کو پورا کرنا چاہے گا۔ اس لئے صاحب جاہ کو اظہار حاجت مناسب نہیں۔ (علاج الحرص ج ۸)

## خدمت خلق

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ایک واقعہ یاد آیا۔ مقصود تو یہی واقعہ ہے مگر اس سے پہلے ایک اور واقعہ ان ہی کا بیان کرتا ہوں کیونکہ اس کا واقعہ مقصود سے تعلق ہے۔ وہ تمہیدی واقعہ یہ ہے کہ ایک بار بادشاہ دہلی نے آپ کو بلایا اور یہ حضرات سلاطین کی توہین نہ کرتے تھے بلکہ ان کے حقوق حاکمانہ کی رعایت فرماتے تھے چنانچہ بادشاہ کے بلانے پر آپ چلے اور قیمتی لباس پہن کر چلے۔ راستہ میں ایک کتے کا بچہ ایک گندی نالی میں سردی سے سکڑا ہوا پڑا دیکھا اول خادم سے فرمایا اس کو باہر نکالے وہ ذرا منقبض سا ہوا آپ

سے نہ رہا گیا۔ فوراً اپنے ہاتھ سے نکالا اور حمام وہاں قریب تھا وہاں لے جا کر اس کو گرم پانی سے غسل دیا اس کو گرمی پہنچی تو وہ حرکت کرنے لگا پھر اس محلہ کے آدمیوں سے فرمایا کہ اگر تم اس کی خبر گیری کا وعدہ کر لو تو میں اس کو یہاں چھوڑ دوں ورنہ اپنے ساتھ لے جاؤں۔ کسی نے ذمہ لے لیا تب آپ اس کے حوالے کر کے دربار شاہی میں تشریف لے گئے۔

اس واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ مقصودہ یہ ہوا کہ ایک دن آپ جنگل میں بٹیا کے راستہ سے جا رہے تھے ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بٹیا کے دونوں طرف پانی اور کیچڑ تھا۔ صرف بٹیا کا راستہ خشک تھا کہ سامنے سے ایک کتا اسی بٹیا پر آ گیا۔ بٹیا اتنی پتلی تھی کہ شاہ صاحب کتے سے بچ کر نہ نکل سکتے تھے بلکہ دونوں میں سے ایک کو پانی کیچڑ میں اترنا پڑتا تھا۔ اب شاہ صاحب ٹھہر گئے اور کتا بھی سامنے کھڑا ہو گیا۔ شاہ صاحب نے اس سے فرمایا کہ بھائی تم کیچڑ میں اترو۔ کہا کیوں میں ہی کیوں اتروں؟ کیا تم اپنے کو مجھ سے افضل سمجھتے ہو۔ فرمایا نہیں! صرف اس لئے تم سے اترنے کو کہہ رہا ہوں کہ میں مکلف ہوں نماز وغیرہ پڑھتا ہوں کیچڑ میں میرے کپڑے خراب ہو جائیں گے۔ تو غیر مکلف ہے پانی سے نکل کر سوکھ جائے گا تیرا کچھ خرچ نہ ہوگا کتے نے جواب دیا کہ ہاں میرا اترنے سے کوئی حرج نہیں لیکن یہ سمجھ لو کہ اگر تم اترے تو صرف کپڑے ناپاک ہوں گے جو ایک لوٹا پانی سے پاک ہو جاویں گے لیکن میں اتر گیا اور تمہارے دل میں وسوسہ آ گیا کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو تمہارا دل اتنا ناپاک ہو جائے گا کہ سات سمندروں سے بھی اس کی نجاست زائل نہ ہوگی۔ اب تم کو اختیار ہے جس شق کو چاہو اختیار کرو۔ بس یہ سن کر شاہ صاحب نے کپڑے سنبھالے اور بسم اللہ کر کے خود ہی کیچڑ میں اتر گئے اور کتا بٹیا کے راستے سے چلا گیا۔

اس کے بعد شاہ صاحب کو الہام ہوا کہ عبدالرحیم خبر بھی ہے کہ یہ علم عظیم تم پر کتے کی زبان سے کیوں ظاہر کیا گیا تم نے جو فلاں دن ایک کتے کے بچہ کی خدمت کی تھی۔ یہ اس کی برکت سے عطا ہوا اور ہم نے کتے ہی کے واسطے سے تم کو یہ علم دیا تا کہ تمہارا اس کتے کے بچہ پر احسان نہ رہے کیونکہ اسی کی برادری کے ایک فرد نے اس کی مکافات کر دی حضرات اہل اللہ کی یوں اصلاح ہوتی ہے کسی کو کیا خبر ہے کہ ان حضرات کے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آتے ہیں۔

اے تراخارے بپانہ شکستہ کے دانی کہ چیت حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند

تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کا حال کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا و مصیبت کی تلوار چل رہی ہے۔ (مطاہر الاموال ج ۸)

## فہم و فراست

پچھلے دنوں دیوبند میں کچھ مخالفت تھی کچھ آدمی شہر کے مدرسہ کا ممبر ہونا چاہتے تھے اور مدرسہ والوں کی طرف سے انکار تھا۔ حضرت مولانا گنگوہی سرپرست تھے میں نے مولانا کی خدمت میں گنگوہ خط لکھا کہ اگر یہ لوگ ممبر بنادیئے جاویں تو کسی سے اندیشہ تو کچھ ہے نہیں کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ فیصلہ تو کثرت رائے پر ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مدرسہ کے لوگ کثیر ہیں۔ اس وقت مصلحت اسی کو مقتضی ہے کہ ان لوگوں کو ممبر بنادیا جاوے ورنہ یہ لوگ مخالف رہیں گے جس میں مدرسہ کی قوی مضرت کا اندیشہ ہے۔

مگر ان حضرات کی عقل تو قدسی ہوتی ہے وہ دوسری ہی عقل ہے کہ اس کے برابر کسی عقل کا ہونا مشکل ہے۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر ہم ان کو مدرسہ میں داخل نہ کریں گے تو غایت مافی الباب وہ لوگ مخالفت کریں گے۔ اور ان کی مخالفت مدرسہ کو مضر ہوگی۔ اور مدرسہ ٹوٹ جاوے گا تو بلا سے ٹوٹ جاوے ہم تو نہیں توڑتے جو ہم سے سوال ہو اور اگر ہم نے ان کو داخل کر لیا تو آخرت میں یہ سوال ہوگا کہ تم نے نااہل کو کیوں داخل کیا اور تحریر فرمایا کہ ہم کو حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہے مدرسہ مقصود نہیں۔ (مطاہر الاموال ج ۸)

## حقیقت توکل

ایک شخص حضور کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں اونٹ کو باندھ دوں یا خدا پر بھروسہ کروں حضور نے فرمایا۔ اعقلھا ثم توکل۔ یعنی باندھ دے اور پھر بھروسہ کر اس کو مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر باواز بلند      بر توکل زانوائے اشتر بہ بند  
گر توکل مے کنی درکار کن      کسب کن پس تکیہ بر جبار کن  
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا۔ توکل پر اونٹ کا گھٹنہ باندھ دو اگر توکل کرتا ہے تو کام میں توکل کر یعنی پہلے کوشش کر پھر خدا پر بھروسہ کر۔ (الصبر ج ۹)



## بے صبری کی علامت

بعض لوگ بعض مصائب سے تنگ آ کر حکام وقت کو برا بھلا کہتے ہیں یہ بھی علامت ہے بے صبری کی پسندیدہ تدبیر نہیں ہے اور حدیث شریف میں اس سے ممانعت بھی آئی ہے فرماتے ہیں۔ لا تسبوا الملوک۔

یعنی بادشاہوں کو برا مت کہو ان کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں میری اطاعت کرو میں ان کے دلوں کو تم پر نرم کر دیاں گا یاد رکھو جو مصیبت آتی ہے سب منجانب اللہ ہوتی ہے فرماتے ہیں۔ ما اصاب من مصیبة الا باذن الله یعنی کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

اور جب کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کا علاج یہی ہے کہ ادھر رجوع کرے اور پھر جو پیش آوے خیر سمجھے اس لئے کہ ہرچہ آں خسر کند شیریں بود

اور اس لئے ہرچہ از دوست پرسونیکوست (الصبر ج ۹)

## صبر کے معنی

صبر کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ مصائب میں جزع فزع کو ترک کر دے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ناگوار واقعات میں بھی اپنے معمولات پر مستقل رہے اور منہیات سے بچا رہے پس یہ کتنی بڑی غلطی تھی کہ لوگوں نے صبر کے مفہوم اصلی کو تو اس کی حقیقت سے خارج کر دیا اور اس کی ایک فرو یعنی جزع و فزع نہ کرنے میں اس کو منحصر کر دیا۔ حالانکہ جس طرح مصیبت کا یہ حق ہے کہ اس وقت جزع و فزع نہ کرے یہ بھی ایک بڑا حق ہے کہ اعمال میں تقلیل اور اختلاط نہ ہونے پائے۔ بدوں اس کے حقیقت صبر کا وجود نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص ایسے وقت میں اعمال میں کوتاہی کرنے لگے وہ صابر کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں ہو سکتا۔ (حقیقت الصبر ج ۹)

## تدبیر کی دو صورتیں

اگر تدبیر کرنی ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک باطنی ایک ظاہری۔ باطنی تدبیر تو یہ ہے کہ اس وقت مصیبت کے حقوق شرعی کو ادا کرنا چاہئے۔ شریعت نے مصیبت کے وقت صبر کی تعلیم کی ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اعمال طاعات پر استقلال و پابندی ہو

اور جزع و فزع و اظہار غم سے احتراز ہو۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے اور میں بتلا چکا ہوں۔ کہ غم زائل ہونے میں ذکر اللہ و اعمال طاعات کو بڑا دخل ہے۔

دوسری صورت تدبیر ظاہری کی ہے اس کی آسان اور سہل صورت یہ ہے کہ کسی کو اپنا بڑا اپنا لو اور بڑا ایسے شخص کو بناؤ جس کی ذہانت اور تقویٰ پر پورا اعتماد ہو کہ یہ کسی مصیبت یا پریشانی میں شریعت سے تجاوز نہ کرے گا۔ نیز اس کی عقل و تدبیر پر بھی اعتماد ہو۔ ایسے شخص کو بڑا اپنا کر اس سے پریشانی ظاہر کر دو اور بے فکر ہو جاؤ پھر وہ جو کچھ بتلاوے اس کے موافق عمل کرو تم تدبیریں نہ کرو وہ خود تدبیر کرے گا۔ تم اپنے دینی اور دنیوی کام میں بے فکری سے لگے رہو اور سارا بوجھ اس کے اوپر ڈال دو اور چونکہ وہ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اسکو عقل و تدبیر بھی کامل دی ہے۔ وہ اس بوجھ سے گھبرائے گا نہیں بلکہ اپنے تابعین سے یوں کہے گا

من غم تو می خورم تو غم مخور بر تو من مشفق ترم از صد پدر  
”میں تمہارا غم کھاتا ہوں تم غم مت کھاؤ اور میں تم پر باپ سے زیادہ مشفق ہوں۔“ (حقیقت الصبر ج ۹)

## صبر کا مفہوم

صبر کے معنی ہیں کہ نفس کو ناگوار باتوں کا عادی بنایا جائے یعنی خواہش نفس کی مخالفت کی جائے چونکہ تروک میں دشواری اسی لئے ہے کہ حظ نفس فوت ہوتا ہے اس لئے جو شخص مخالفت نفس کا عادی ہو جائے گا اس کو تمام تروک آسان ہو جائیں گے کیونکہ ترک غیبت نفس کو اسی لئے شاق ہے کہ اس میں حظ ہے۔ نظر بد کا ترک اسی لئے شاق ہے کہ نظر بد میں لذت ہے۔ اور تمام محرمات کا ترک اسی لئے دشوار ہے کہ حرام میں لذت ہے۔ ان سب کی دشواری رفع کرنے کے لئے صبر کی تعلیم کی گئی کہ نفس کو ناگوار امور کا عادی بناؤ نفس کی مخالفت کرو۔ اس کی خواہش کو پورا نہ کرو۔

اعمال و جو دیہ نماز و زکوٰۃ و حج وغیرہ اس لئے شاق ہیں کہ ان میں قیود ہیں ان کی مشقت کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ نماز کے عادی بن تاکہ اس کی عادت سے قیود کی پابندی کی عادت ہو۔ (الصبر والصلوٰۃ ج ۹)

## دنیا کی حقیقت

قیامت کے دن جب اہل نعم اہل مصائب کے اجر کا مشاہدہ کریں گے تو وہ تمنا کریں

گے کاش! دنیا میں ہماری کھالیں مقراض سے قطع کی جاتیں تاکہ آج ہم کو بھی یہ ثواب حاصل ہوتا۔ پس اس ثواب کے استحضار سے آپ کو غم ہلکا کرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب مصائب درحقیقت تجارت میں داخل ہیں۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

## حق تفویض

ایک علاج خاص ہے جس کو خواص استعمال کرتے ہیں اس کا نام تفویض ہے جس کی حقیقت قطع تجویز ہے یعنی وہ اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ وہ جو چاہیں ان میں نصرت کریں۔ اپنی طرف سے وہ کوئی حالت یا نظام تجویز نہیں کرتے اور تمام تر پریشانی کا سبب تجویز ہی ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہئے۔ اولاد کو اس طرح پڑھنا چاہئے پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حصہ اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے غیر اختیاری ہے تو غیر اختیاری امور کے لئے نظام تجویز کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے۔ اسی طرح تجویز کے لئے حدیث میں ہے۔

اذا أصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء واذا امسیت

فلا تحدث نفسك بالصباح

کہ جب صبح ہو تو شام کے متعلق اپنے دل میں خیال نہ لاؤ اور شام ہو تو صبح کے متعلق خیال نہ لاؤ۔ راحت اسی میں ہے اسی لئے اہل اللہ نے تجویز کو قطع کر کے یہ مذہب اختیار کر لیا ہے زندہ کنی عطائے تو ورنہ فداۓ تو دل شدہ مبتلاۓ تو ہر چہ کنی رضائے تو اگر تو زندہ رکھے تو یہ تیرا عطیہ ہے اگر مارے تو ہماری جان تم پر فدا ہو۔ دل تمہارا عاشق ہے جو آپ کی رضا ہم اس پر راضی ہیں۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

## تفاخر و تکبر

آج کل تفاخر و تکبر کا مرض ایسا عام ہوا ہے کہ علماء میں بھی یہ مرض سرایت کر گیا ہے چنانچہ بعض نوجوان اہل علم اپنے ناموں کے ساتھ فاضل دیوبند لکھنے لگے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں تم فاضل ہو مگر فضیلت سے نہیں بلکہ فضول سے کیونکہ جو لوگ واقعی صاحب فضیلت تھے ان کی تو یہ حالت تھی کہ اپنا نام بھی پورا نہ لکھتے تھے۔

حضرت شیخ العلماء مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ نے ہمیشہ اپنے دستخط میں بندہ محمود ہی لکھا۔ نام بھی پورا نہ لکھتا۔ فاضل یا عالم تو وہ اپنے کو کب لکھتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے کو عالم ہی نہیں سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ خود فرمایا کہ ساری عمر کے علمی مشغلہ سے ہم کو تو یہ حاصل ہوا کہ جہل مرکب سے جہل بسیط میں آگئے یعنی اپنے جہل کا علم ہو گیا۔ (الجبر باصبر ج ۹)

## دنیا کی ہوس

ایک سب بچ تھے ان کے پاس دو تعلق داروں کا مقدمہ آیا۔ ان میں ایک نے ایک لاکھ روپے رشوت میں پیش کئے۔ سب بچ صاحب نے اپنے نوکر کو حکم دیا اس نالائق کو باہر نکال دو۔ ہر چند کہ تعلق دار کے سامنے ایک سب بچ کی کوئی حیثیت نہیں مگر ایسے وقت وہ بھی کچھ نہیں بول سکتا جو خوشامد میں رشوت دیتا ہو۔ اور دوسرا اس سے استغنا برتا ہو۔ دوسرے فریق کو خبر ہوئی کہ ایک لاکھ روپیہ واپس کر دیا گیا وہ سوا لاکھ روپیہ لے کر آیا۔ سب بچ نے اس کو بھی نوکروں سے نکلوا دیا۔ بتلائیے وہ کیا بات تھی کہ ایک شخص نے سوا دو لاکھ روپے پر لات ماردی۔ یقیناً اس کو رشوت لینے میں تکلیف تھی اور اس پر لات مارنے میں راحت تھی۔ مگر چونکہ وہ عالم نہ تھے اس لئے ایک حرکت انہوں نے خلاف بھی کی۔ وہ یہ کہ غصہ میں فرمایا کہ پہلے میرا خیال اس مقدمہ میں انصاف کرنے کا تھا۔ مگر چونکہ ان دونوں نے میرا دل بہت دکھایا ہے اس لئے اب ایسا فیصلہ کروں گا کہ دونوں سر پکڑ کر روئیں گے چنانچہ ایسا ہی فیصلہ کیا اور لطیفہ یہ ہوا کہ فیصلہ سنانے سے پہلے ان کی بدلی بھی ہو گئی۔ مگر انہوں نے دو چار دن خوب محنت کر کے رات اور دن کا سارا وقت فیصلہ لکھنے میں صرف کیا اور جانے سے ایک دن پہلے فیصلہ سنا کر مقدمہ ختم کر کے چلے گئے۔ پھر دونوں نے ہر چند ہائی کورٹ وغیرہ میں اپیل کی مگر ظالم نے ایسا مدلل فیصلہ لکھا تھا کہ کہیں نہ ٹوٹ سکا۔

صاحبو! اب ایسے شخص کو دنیا کی ہوس کیونکر ہو سکتی ہے۔ بلکہ اب اسکو تھوڑی آمدنی کافی ہوگی اور تھوڑی سی عزت کافی ہوگی۔ اور تمام افکار سے آزاد ہو کر صرف ایک کی فکر میں گرفتار رہے گا۔ اور اس آزادی پر خوش ہو کر یوں کہے گا۔



نہ براشتر سوارم نہ چوں اشتر زیر بارم      نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم  
 ”نہ اونٹ پر سوار ہوں اور نہ اونٹ کی طرح زیر بار ہوں۔ نہ رعیت کا مالک  
 ہوں اور نہ بادشاہ کا غلام“ (الجبر بالصبر ج ۹)

## تکبر کا عملی علاج

تکبر کا علمی علاج یہ ہے کہ غرباء کی تعظیم و تواضع کریں خوشی سے نہ ہو سکے تو بہ تکلف ہی  
 کریں۔ انے خوش خلقی اور نرمی اور شیریں کلامی سے پیش آئیں وہ جب ملنے آئیں تو  
 کھڑے ہو جایا کریں ان کی دل جوئی کریں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ (الامتحان ج ۹)

## کمال استغفار

ایک واقعہ مجھے اس وقت بھی یاد آ گیا کہ جہانگیر بادشاہ ایک مرتبہ حضرت سلیم چشتیؒ کی  
 زیارت کو آئے۔ حضرت سلیم چشتیؒ اپنی گدڑی جوئیں دیکھنے کے لئے خادم کے سپرد کر کے اسی وقت  
 حجرے میں تشریف لے گئے تھے۔ خادم نے جوشاہی تزک و احتشام دیکھا گھبرا گیا۔ اور گھبرا کر شیخ  
 کو پکارا کہ حضرت ذرا باہر آئیے۔ شیخ باہر تشریف لائے پوچھا کیوں کیا ہے؟ کہا بادشاہ سلامت  
 آرہے ہیں۔ فرمایا کیا کروں اگر آرہے ہیں کوئی میں نے ان کی دعوت کی تھی۔ وہ تو اپنی خوشی سے  
 آرہے ہیں آنے دے۔ میں تو تیری اس گھبراہٹ کی آواز سے یہ سمجھا کہ کوئی بڑی سی جوں نکل آئی  
 ہے۔ اس کے دکھانے کو بلارہا ہے۔ اسلئے باہر آ گیا بادشاہ کے لئے تو نے خواہ مخواہ مجھے پکارا۔

اللہ اکبر! ان حضرت کی نگاہ میں جہانگیر کی اتنی بھی قدر نہیں جتنی ایک جوں کی  
 ہے۔ صاحبو! کیا یہ استغناء اور یہ آزادی یوں ہی خالی خالی تھی یہ تو ناممکن ہے اور اگر  
 خالی ہی تھی تو کوئی اور تو کر کے دکھلا دے۔

ان کے پاس کون سی دولت تھی جس نے بادشاہوں سے بھی ان کو بے پرواہ کر دیا تھا۔ تو سن لیجے  
 کہ ان کے پاس تعلق مع اللہ اور توحید کامل کی دولت تھی جس کی بابت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں

موحد چہ برپائے ریزی زرش      چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش  
 امید ہر اشک نباشد ز کس      بریں است بنیاد توحید و بس

”موحد کے سر پر تلوار چلاؤ یا اس کے پاؤں میں سونا ڈال دو برابر ہے۔ اس کو کسی سے نہ امید ہوگی نہ خوف ہوگا۔ بس یہی توحید کی بنیاد ہے۔“  
ان کے دل میں سوائے حق تعالیٰ کے نہ کسی کی عظمت تھی نہ خوف نہ منفعت کی امید تھی نہ مفرت کا اندیشہ ان کی تو حالت ہوتی ہے کہ

نہ براشتر بر سوارم نہ چواشتر ز ریر بارم      نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم  
”نہ اونٹ پر سوار ہوں نہ اونٹ کی طرح زیر بار ہوں۔ نہ رعیت کا حاکم ہوں اور نہ حاکم کا غلام ہوں۔“

## حب و بغض

مجھے ایک قصہ یاد آ گیا اور میرا جی چاہتا ہے کہ سب احباب کے کانوں تک یہ واقعہ پہنچ جائے تاکہ افراط و تفریط میں مبتلا نہ ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین کو ایک عالم سے اس لئے بغض تھا کہ ان عالم کو ان کے شیخ ابو مدین سے بغض تھا جس کی وجہ کچھ روایات تھیں۔ شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے اس کی وجہ دریافت فرماتے ہیں کہ تم فلاں عالم سے کیوں بغض رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو میرے شیخ سے بغض ہے حضور نے فرمایا لیکن اس کو میرے ساتھ تو محبت ہے۔ بس تم نے اس کے ساتھ اس لئے تو بغض کیا کہ اس کو ابو مدین سے بغض ہے مگر اس لئے محبت نہ کی کہ اس کو میرے ساتھ محبت ہے۔

اس واقعہ میں بتلادیا گیا کہ کسی کے ساتھ حب و بغض کے لئے محض اتنا کافی نہیں کہ اس کو ہمارے معتقد فیہ کے ساتھ محبت یا بغض ہے بلکہ دوسرے پہلوؤں پر بھی نظر کرنا چاہئے۔ اگر کسی کو ہمارے محبوب یا ہمارے معتقد فیہ سے محبت ہے تو طبعاً ہم کو اس کے ساتھ محبت ہونا لازمی ہے۔

مگر اس محبت کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ دوسرے نظر سے غائب ہو جائیں۔ مثلاً اگر وہ اس حالت محبت میں حقوق اللہ یا حقوق الرسول میں کوتاہی کرتا ہو تو اس پہلو کا حق ادا کرنے کے لئے اس سے کچھ بغض بھی کرنا چاہئے جب تک وہ اپنی اصلاح نہ کر لے اسی طرح اگر کسی کو ہمارے استاد یا شیخ سے بغض ہو تو اس کے ساتھ طبعی بغض کسی قدر ضرور ہوگا۔ مگر اس کے ساتھ دوسرے پہلوؤں سے قطع نظر نہ کرنا چاہئے۔ یعنی اگر اسکے اندر دوسری خوبیاں اور بھلائیاں بھی ہوں تو ان کا حق بھی ادا کرنا چاہئے۔

آگے حکایت کا تتمہ ہے کہ شیخ محی الدین کی ان عالم سے اور ان عالم کی ابو مدین سے صفائی ہو گئی۔ (آداب المصاب ج ۹)

## راضی برضا رہنے کی ضرورت

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بار اپنے خدام کو اسی بات کی وصیت کی کہ اگر راحت چاہتے ہو تو مخلوق سے توقع کو قطع کر دو۔ پھر فرمایا کہ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو۔ خدا م نے عرض کیا کہ ہم آپ کو اپنی ذات سے زیادہ اپنے حال پر مہربان سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی امید نہ رکھو۔ تاکہ تم کو کلفت نہ ہو اگر نفع یا ارشاد میں کچھ کوتاہی اور کمی ہو تو تم کو رنج نہ ہو۔ غالب نے اسی مضمون کو خوب بیان کیا ہے۔ جب توقع ہی اٹھ گئی غالب پھر کسی سے کوئی گلہ نہ رہا (الاجرا سبیل ج ۹)

## خشوع کا طریقہ

الذین یظنون انہم ملقوا ربہم وانہم الیہ راجعون۔ (پ ۱)  
جس میں خشوع کا طریقہ یہ بتلایا کہ لقاء رب اور یوم آخرت کا دھیان رکھے اسی طرح یہاں انا للہ الخ۔ کے مضمون کو تحصیل صبر میں بڑا دخل ہے اور یہی وہ مضمون ہے جس کی وجہ سے حضرت ام سلیم صحابیہ نے کامل صبر فرمایا اور اپنے خاوند کو بھی صابر بنایا۔  
ان کا قصہ حدیث میں اس طرح ہے کہ ان کا ایک بچہ بیمار تھا۔ حضرت طلحہ باہر سے آکر اس کا حال دریافت کیا کرتے۔ ایک دن اس کا انتقال ہو گیا اور شام کو حضرت طلحہ آئے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہ نے ان پر ظاہر نہیں کیا کہ بچہ کا انتقال ہو گیا تاکہ سن کر پریشان نہ ہوں اور پریشانی میں کھانا نہ کھا سکیں۔ بلکہ جب انہوں نے دریافت کیا کہ بچہ کیسا ہے تو یہ جواب دیا کہ اب سکون ہے۔ (یہ جھوٹ نہ تھا کیونکہ موت سے بڑھ کر کیا سکون ہوگا جس کے بعد حرکت کی امید ہی نہیں) یہ سن کر انہوں نے کھانا کھایا اور رات کو بیوی کی طرف میلان بھی ہوا۔ بیوی نے بے انتہا صبر کیا کہ اس سے بھی انکار نہ کیا جب صبح ہوئی تو کہا کہ میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتی ہوں۔  
بھلا اگر کسی نے ہم کو کوئی چیز بطور امانت کے دی ہو پھر بعد میں وہ اپنی امانت کو واپس لینا چاہے تو کیا کرنا چاہئے۔ حضرت طلحہ نے جواب دیا کہ یہی چاہئے کہ جب مالک اس کو واپس

لینا چاہے تو بڑی خوشی کے ساتھ واپس کر دیا جائے۔ حضرت ام سلیم نے کہا تو اپنے بچہ کو صبر کرو اور خوشی کے ساتھ اس کے دفن کا سامان کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنی امانت لے لی ہے۔

حضرت طلحہؓ بڑے جھلائے کہ تم نے رات ہی کو کیوں نہ خبر کی۔ کہا کیا ہوتا رات کو دفن کرنے میں مصیبت ہوتی اور رات بھر پریشان رہتے۔ کھانا بھی نہ کھاتے اس لئے رات خبر نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ام سلیم کا فعل بہت پسند آیا اور میں امید کرتا ہوں کہ آج رات تم دونوں کو خدا نے مبارک اولاد عطا فرمائی ہے۔ (چنانچہ عبداللہ بن طلحہؓ پیدا ہوئے جو بڑے عالم بڑے سخی اور صاحب اموال و اولاد تھے)

تو حضرت ام سلیم نے سچ فرمایا کہ یہ اولاد اللہ کی امانت ہے اس کو جب وہ لینا چاہیں خوش ہو کر خدا کے حوالے کر دینا چاہئے۔ (الاجر النبیل ج ۹)

## تکبر کی قباحت

صاحبو! تکبر خدا کو پسند نہیں بالخصوص غریب آدمی سے تو بہت ہی زیادہ ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ تین شخصوں کو بہت مبغوض رکھتے ہیں۔

ایک وہ! جو بوڑھا ہو کر زنا کرے۔ دوسرے وہ جو بادشاہ ہو کر جھوٹ بولے۔ تیسرے وہ جو غریب ہو کر تکبر کرے۔ فرعون بے سامان ہو جاوے۔ ایک فرعون با سامان بھی تھا۔ لیکن اگر ان کے پاس سامان ہوتا تو ابلیس سے کم نہ ہوتے۔ (سلوة الحزین ج ۹)

## ترک عجب

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مومن مومن نہیں ہو سکتا جب تک کافر فرنگ سے اپنے کو بدتر نہ سمجھے۔

شاہ جی تو کل شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھنا چاہئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کی توجیہ میں فرمایا کہ کتے میں اندیشہ بے ایمانی کا نہیں اور مسلمان کو بے ایمانی کا اندیشہ ہے اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھے۔ حقیقت میں زندگی ختم ہونے تک انسان کو کچھ حق نہیں اپنے کو اچھا سمجھنے کا۔ رات دن تبدیل و تغیر ہوتی رہتی ہے۔ کوئی آج عابد و زاہد ہے اور کل کو شیطان ہو جاتا ہے۔ کوئی آج کافر ہے اور کل کو



مسلمان ہو جاتا ہے اس لئے زندگی میں اپنے کو کسی سے اچھا سمجھنے کا کچھ حق نہیں۔ ہاں مرنے کے بعد اگر اسلام پر خاتمہ ہو گیا تو جو کچھ چاہے سمجھ لینا۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

گہہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما      گہہ خندہ زند دیو ز نا پاکی ما  
ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم      احسنت بریں چستی و چالاکی ما  
”کبھی فرشتہ ہماری پاک دامانی پر رشک کرتا ہے۔ اور کبھی شیطان ہماری نا پاکی پر ہنستا ہے۔ اگر سلامتی کے ساتھ ایمان قبر تک لے گئے تو ہماری اس چستی و چالاکی پر آفریں ہوگی۔“ (سلوة العزیز ج ۹)

## حضرت یوسفؑ کا توکل

یہ سخت مشکل ہے کہ ایسی حالت میں تدبیر اور کوشش بھی کرے جب کہ تدبیر کی بظاہر کافی صورت نہ ہو ورنہ ایسی حالت میں طبعی اقتضاء مطلقاً ترک تدبیر ہے تو حق تعالیٰ کی قدرت پر نظر کر کے طبیعت کو مغلوب کرنا بڑا مجاہدہ ہے۔ اسی کی نظیر حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ہے کہ جب وہ زلیخا کے ہاتھ میں آ گئے اور مکانات میں مقفل ہو گئے اور مکان بھی سات درجوں کا تھا تو اس وقت توکل ظاہری تو یہ تھا کہ وہاں سے نہ اٹھتے اور تدبیر کامل یہ تھی کہ کنجی پاس ہوتی تو بھاگ کر کھول لیتے۔ کیونکہ وہ قفل کوئی معمولی قسم کے نہ تھے کہ ہاتھ کے زور سے ٹوٹ جانے کی توقع ہوتی غایت درجہ کے مضبوط قفل تھے۔ اس صورت میں ظاہر میں کو خواب میں بھی تدبیر کا خیال نہیں آ سکتا۔ کیونکہ کنجیاں پاس نہیں اور قفل معمولی کمزور نہیں۔ اب تدبیر کرے تو کس بھروسہ پر کرے۔

مگر یوسف علیہ السلام کو ہم سوالوں کی طرح وساوس نہ آتے تھے کہ قفل کس طرح کھلے گا۔ بس انہوں نے یہ سوچا کہ مجھ کو یہاں سے بھاگنا چاہیے۔ میرا اتنا ہی کام ہے آئندہ قفل کھولنا حق تعالیٰ کا کام ہے۔ مگر یہ ظرف یوسف علیہ السلام کا تھا اور یہ نبوت کی قوت تھی جو ان کو یہ خیال آیا کہ میں تو یہاں سے بھاگوں میرا کام اتنا ہی ہے آئندہ حق تعالیٰ شانہ کا کام ہے قفل کا کھولنا نہ کھولنا غیر نبی کو اس حالت میں بھاگنے کا کبھی خیال نہ آ سکتا تھا۔ یہ کام نبی ہی کا تھا۔ چنانچہ اس خیال کے ذہن میں آنے ہی پر دروازے کی طرف دوڑ پڑے اور قفل ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ زلیخا دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ مولانا مثنوی میں اسی مضمون کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف داری باید دوید  
 ”اگرچہ دنیا میں کسی قسم کا راستہ نہیں مگر یوسف علیہ السلام کی طرح بھاگ دوڑ کرنا تو فرض ہے۔“  
 مقصود مولانا کا یہ ہے کہ قیود نفسانیہ سے نکلنے کی اپنی قدرت بھر کوشش کرو آئندہ  
 حق تعالیٰ مالک ہیں ان کے سپرد کرو۔ (سلوة الحزین ج ۹)

## طریقہ دعا

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخسرين. (پ ۸)  
 اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے  
 اور ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جاویگا۔  
 تو حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی نسبت اپنی طرف کی اور اپنے نفس کو خطا وار بنا کر  
 معافی کی درخواست کی برخلاف شیطان کے کہ اس نے خطا کی نسبت اپنی طرف نہیں کی بلکہ رب  
 بماغویٹی (پ ۸) کہہ کر خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کی اور ادب کو ملحوظ نہ رکھا۔ اگر ادب کو ملحوظ رکھ کر  
 اپنی طرف نسبت کرتا تو اس کی بھی معافی ہو جاتی۔ اسی مضمون کا عارف شیرازی فرماتے ہیں۔  
 گناہ گرچہ نبود اختیار ما حافظ تو در طریق ادب کوش کیس گناہ من ست  
 اگر گناہ ہمارے اختیار میں نہیں مگر ادب میں کوشش کرنا تو ہمارا فرض ہے جو ادب  
 کو ملحوظ نہیں رکھتا یہ اس کا گناہ ہے۔

غرض حضرت آدم علیہ السلام نے ادب کو ملحوظ رکھ کر معصیت کی نسبت اپنی طرف کی اور  
 شیطان نے ادب کو پس پشت ڈال کر خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کی ادب کی یہ برکت ہوئی کہ  
 حضرت آدم علیہ السلام مقبول ہوئے اور شیطان مردود ہوا شیطان نے تو یہ قول شرارت سے کہا  
 تھا۔ اگر غلبہ حال میں کہتا تب بھی معافی ہو جاتی۔ مگر اس نے جیسا بعض اہل سیر نے لکھا ہے  
 یہی سبب بیان کیا کہ میں نے جو کچھ کیا آپ کے لکھے ہوئے کے موافق کیا۔ مخالفت کا دعویٰ  
 کرتا ہے۔ تو نے تو معصیت اور سرکشی ہی کی وجہ سے سجدہ سے انکار کیا۔ (سلوة الحزین ج ۹)

## اقسام فکر

فکر دو ہیں۔ ایک تو اصلاح کی فکر سو یہ تو ہونا چاہیے اور ایک ہے یکسوئی اور کیفیات  
 جس سے اصل کام ہی جاتا رہا مثلاً اس کا اہتمام کیا کہ قلب میں کوئی چیز نہ ہو اور اس میں

کامیابی نہ ہونے سے یہ خیال کیا کہ میرا ذکر بیکار جا رہا ہے۔ بس ذکر ہی کو چھوڑ بیٹھے۔ اور غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ منشا اس کا کبر ہے۔ یعنی اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ میں اپنے عمل و ذکر میں موجودہ حالت سے زیادہ کا مستحق تھا مگر مجھ کو ملا نہیں۔ اتنے دنوں ذکر کیا مگر ہنوز روز اول ہے۔ پس یہ کبر ہے ورنہ اگر سچا عاشق ہو تو اس کو بھی غنیمت سمجھتا کہ اس کا نام لینا تو میسر ہو گیا اسی واسطے تو کہتے ہیں۔

ادائے حق محبت عنایت ست زود دست و گرنہ عاشق مسکین پہنچ خورسند است  
(حق محبت کی ادائیگی سراسر دوست کی عنایت کے سبب ہے ورنہ عاشق بیچارہ یونہی خوش و خرم ہے)  
اگر تمام عمر ذکر لفظی ہی کی پابندی ہو جائے تو یہ بھی غنیمت ہے ہم تو اس کے بھی مستحق نہ تھے۔ غلو کرنا تواضع میں بعض اوقات کبر تک پہنچا دیتا ہے۔ دیکھو اس نے تواضع کی تھی کہ اپنی حالت کو حقیر سمجھا تھا مگر پھر رفتہ رفتہ یہ خیال جمایا کہ میں کام تو اتنا کرتا ہوں مگر میری حالت ایسی بری ہے۔ بس کبر تک پہنچ گیا (الصلوة ج ۹)

## تواضع کی اصل

تواضع کی اصل مجاہدہ نفس ہے کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے اپنے کو خاکسار نیاز مند ذرہ بے مقدار کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو واقعی ذرہ بے مقدار اور خاکسار سمجھ کر برا بھلا کہے اور حقیر و ذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ واقعی تو تو ایسا ہی ہے پھر برا کیوں مانتا ہے اور اگر کسی کی برائی سے کچھ رنج و اثر بھی نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح و ذم برابر ہو جائے مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے کیونکہ طبعاً تو مساوات نہیں ہو سکتی ہاں کوئی مغلوب الحال ہو تو اور بات ہے اسی طرح طلبہ اور مدرسین میں ایک مرض ہے کہ اپنی غلطی کا کبھی اقرار نہیں کرتے اگر کوئی بات زبان سے غلط نکل جائے یا کتاب کے کسی مقام کی غلط تقریر ہو جائے اور کوئی طالب علم اس کی صحیح تقریر کرے تو مدرس اس کو ہرگز تسلیم نہ کرے گا جہاں تک ممکن ہوگا اپنی بات کو بنانے کی کوشش کرے گا اس کا منشا بھی یہی ہے کہ یہ شخص نفس کو مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا مشقت سے بچانا چاہتا ہے کیونکہ غلطی کا اقرار کر لینا نفس پر بہت گراں ہے اور گرانی کی وجہ یہ ہے کہ نفس اس کو سبب ذلت سمجھتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے بخدا اقرار خطا سے اور عزت بڑھ جاتی ہے ہم نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو

بارہا دیکھا ہے کہ جب درس کے وقت کتاب کے کسی مقام شبہ ہو جاتا تو کتاب ہاتھ میں لے کر اپنے ماتحت مدرس کے پاس چلے جاتے اور فرماتے کہ مجھے اس مقام پر شرح صدر نہیں ہو ذرا آپ اس کی تقریر فرمادیں بھلا مدرس اول ہو کہ ماتحت مدرس سے ایسی درخواست کرنا کوئی معمولی بات تھی بہت بڑی بات تھی مگر کیا اس سے نعوذ باللہ مولانا کی عزت و وقعت کم ہو گئی بخدا ہرگز نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ ہو گئی چنانچہ آج یہ بات مولانا کے محاسن میں بیان ہو رہی ہے اور ان کے دیکھنے والے آج ان صورتوں کو ترستے ہیں کہ ہائے وہ لوگ کہاں گئے جن کو باوجود کمال کے اپنے نقص کے اقرار میں ذرا بھی پس و پیش نہ تھا اور اب ایسا زمانہ آ گیا کہ ناقصوں کو بھی اپنے نقص کے اقرار سے عار ہے۔ بلکہ وہ اپنے لئے کمال کے مدعی ہیں (الجمادہ ج ۱۱)

## غصہ اور اس کے مضرات

کبر سے غصہ پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ آدمی کو ہوش نہیں رہتا اور وہ مرض جو دل میں تھا زبان پر آ جاتا ہے جیسا کہ اس شخص نے کہا تھا کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں دیکھئے بعض وقت وہ مرض اتنا بڑھ جاتا ہے کہ دل میں سما نہیں سکتا اور ابل کر زبان تک نوبت آ جاتی ہے یہ بات اس شخص نے ضرور کبر سے کہی ہوگی کیونکہ ایسے شخص سے کہی جس کو اپنے آپ سے چھوٹا سمجھا کوئی یہ نہ سمجھے کہ غصہ میں ہوش نہیں رہا تھا اور یہ بات بیہوشی کے اندر منہ سے نکل گئی کیونکہ اگر وہ مخاطب کو بڑا سمجھتا تو کبھی یہ بات منہ سے نہ نکلتی۔ مشہور ہے کہ غصہ عقلمند ہے چھوٹے پر ہی آتا ہے اور یہ واقعی بات ہے حضرت بڑے کی بات پر ناگواری تو ہو سکتی ہے جبکہ اس سے کوئی بات اپنے خلاف مزاج دیکھیں مگر جوش انتقام جو غضب کی تعریف میں داخل ہے وہ چھوٹے ہی پر آتا ہے بڑے کے مقابلے میں جو ناگواری ہوتی ہے اس کا نام حزن اور صدمہ ہے باقی غصہ جب آتا ہے اسی پر آتا ہے جس کو اپنے سے چھوٹا سمجھے اور جب کسی کو اپنے سے کم سمجھا تو اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھا اسی کا نام کبر ہے غرض غصہ کبر ہی سے ہوتا ہے نتائج اس کے یہ ہیں اگر ہم میں قدرت انتقام ہے تو بلا انتقام لیے دل ٹھنڈا نہیں ہوتا اور اکثر حالتوں میں ظلم ہو جاتا ہے سزا بمقدار عمل پر بس نہیں ہوتی اور اس وقت نفس یہ توجیہ کرتا ہے کہ قصور تو اسی کا ہے ہم تو برائی کے مقابلہ میں برائی کرتے ہیں اس میں کیا حرج ہے خود قرآن میں موجود ہے: ”جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ“ (برائی کا بدلہ برائی ہے)



حالانکہ یہ محض نفس کی تسویل ہے۔ قرآن میں ”جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ“ کے ساتھ مثلاً (اس کی مثل) کی قید بھی ہے کہ اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے جتنی زیادتی اس نے کی ہو اب بتلائیے کہ کیا کوئی ایسا مستقل مزاج ہے جو غصہ میں اتنا ہوش رکھے کہ اس نے اتنی برائی کی ہے اور میں اتنا بدلہ لوں اول تو اسے سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے کہ دوسرے کی طرف سے زیادتی ہے یا نہیں غصہ کے وقت دوسرے کی بھلائی بھی برائی معلوم ہونے لگتی ہے پھر اس کی مقدار کا اندازہ رکھنا گواہان عقلی کے درجہ میں تو ہے لیکن امکان عادی سے یقیناً خارج ہے غصہ میں یہ کسی کو ہوش نہیں رہتا کہ کتنی زیادتی ہم پر کی گئی ہے اور ہم جو سزا دیتے ہیں وہ اس کی برابر ہی ہوگی اور اگر واقعی اس میں غلطی نہ کی گئی ہو اور دوسرے نے واقعی زیادتی کی ہو اور صاحب غضب کو اتنی قدرت بھی ہو کہ غصہ سے مغلوب نہ ہو جائے اور سزا بقدر عمل پر بس کرنے کی پوری طاقت ہو تب قرآن شریف کا حکم یہ ہے کہ برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی کے ساتھ لینا جائز ہے اور یہ فتویٰ بھی ہمارے ضعف کی وجہ سے ہے۔ (ادج قنوج ج ۱۱)

## تکبر کی صورتیں

حق تعالیٰ نے تکبر کی برائی جا بجا بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ“ (اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے) اور ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ“ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں) یہ تین صیغے ہیں مختال اور فخر اور مستکبرین اور تینوں کی نسبت لاسحب (نہیں پسند کرتے) کا لفظ ہے کیا یہ جامع کلام ہے ان تین لفظوں کی شرح یہ ہے کہ کبر کے آثار کبھی تو ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی تہذیب کی وجہ سے دل میں رہتے ہیں تو یہ مستکبر ہیں کیونکہ استکبار کے معنی ہیں بڑا سمجھنا اور یہ دل سے ہوتا ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ“ (بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) یعنی جن لوگوں کے دل میں تکبر ہے خواہ وہ ظاہر بھی ہو جاتا ہے مثلاً کوئی آدمی فیشن بناتا اور طرح طرح کی وضع اختیار کرتا ہے جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ“ (ہر غرور کرنے والے کو دوست نہیں رکھتے) ایسا آدمی بعض دفعہ اس دھوکے میں رہتا ہے کہ مجھ میں تکبر نہیں ہے

کیونکہ ان لوگوں نے اسی کا نام تکبر رکھا ہے کہ زبان سے برائی کا کلمہ کہا جائے حالانکہ یہ فیشن اور وضع بنانا سب تکبر ہی ہے زبان سے نہ سہی مگر انکی ہر رہ ادا سے تکبر ٹپکتا ہے بعضوں کی چال تو فیشن میں آ کر بالکل ایسی ہو جاتی ہے جیسے لقا کبوتر اپنی دم کو سنبھال سنبھال کر حرکت کرتا ہے ایسی ہی چال یہ لوگ چلتے ہیں کہ قدم قدم پر دیکھتے جاتے ہیں کہ کہیں سے فیشن تو نہیں بگڑ گیا غرضیکہ ان افعال کا کرنے والا گو خود ان کو تکبر نہ سمجھے واقع میں ہیں سب تکبر ہی اور ان کے تکبر ہونے کو کیسا ہی چھپا دے مگر اہل فہم کو معلوم ہو جاتا ہے یہ سب مختال کے اندر داخل ہیں اور بعضوں کی زبان سے بھی تکبر کے کلمات نکلتے لگتے ہیں ان کو کچھ فرمایا، پس مختال تو وہ ہے جس کے دل میں تکبر ہو اور افعال سے بھی ظاہر ہو مگر اقوال سے ظاہر نہ ہو اور کچھ روہ ہے جس کی زبان سے بھی ظاہر ہونے لگے تو تین مرتبہ ہوئے ایک مستکبرین ایک مختال اور ایک کچھ رتینوں کے واسطے لفظ لاسحب فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ تکبر کا ظہور ہو یا نہ ہو یعنی زبان سے تکبر ہو یا قلب سے افعال سے سب کو ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ“ (اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے) اور ”إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ“ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) سے منع فرمادیا ان میں سے ایک درجہ کی بھی اجازت نہیں دی اب یہ سمجھئے کہ اس مقام پر اس پر کسی عذاب کی وعید نہیں فرمائی۔ صرف لاسحب (نہیں پسند کرتے ہیں) فرمادیا ہے سو اس کا جواب اول تو ہے کہ اس آیت میں نہ سہی دوسری آیتوں میں تکبر پر عذاب کی وعید بھی موجود ہے مثلاً ”الَّذِينَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ“ (کیا غرور کرنے والوں کا دوزخ میں ٹھکانہ نہیں ہے) دوسرے یہ کہ یہ وعید کیا تھوڑی وعید ہے کہ لایحب فرمایا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ غور سے دیکھئے تو وعید کی اصل یہی ہے کیونکہ وعید اسی پر ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو مرضی کے خلاف ہونا کسی کام کا اور ناپسند ہونا ایک ہی بات تو ہے پس لاسحب اصل ہو گئی وعید کی بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو دشمنی ہے اس شخص سے جو متکبر ہے یا مختال ہے یا کچھ روہ ہے کیونکہ محبت گولعنت کے اعتبار سے عداوت کی ضد ہے نفیض نہیں لیکن محاورات میں جس پر اطلاقات قرآنیہ مبنی ہیں وہ عداوت کی نفیض ہے لاسحب میں محبت کی نفی کر کے اس کی نفیض کا اثبات ہے تو یہ کہنا کہاں صحیح رہا کہ اس پر کوئی وعید نہیں آئی کیا عداوت کا اثبات وعید نہیں بلکہ یہ تو وعیدوں کا

اصل الاصول ہے اگر کسی ایک معین عذاب کی وعید ہوتی وہ وعید کا ایک فرد خاص ہوتا اور اس میں تو کسی فرد کو عذاب کی خصوصیت نہیں رہی بلکہ وہ وعید فرمائی جو جڑ ہے تمام وعیدوں کی یعنی عداوت تو اس سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ اس کی جزاء میں کسی فرد عذاب کی خصوصیت نہیں ہر قسم کا عذاب بلکہ بڑے سے بڑا عذاب اس جرم پر ہو سکتا ہے۔ (اوج قنوج ج ۱۱)

## اللہ کی محبت

میں کہتا ہوں کہ بندہ کی غذا خواہ کسی قسم کا بندہ ہو خدا تعالیٰ کی محبت ہے خواہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف لے جاوے یعنی حق تعالیٰ کا بندہ کے ساتھ محبت کرنا، خواہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف لے جاوے یعنی بندہ کا حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنا دونوں بندہ کی غذائیں ہیں اور ان میں بھی اصل اول ہی ہے اور ثانی اس پر مرتب کیوں کہ غور سے معلوم ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا محبت کرنا بعد میں ہے اس کے پہلے یہی درجہ ہے کہ اس کے ساتھ محبت ہوئی دیکھ لیجئے۔ صاف موجود ہے: ”وَمَا تَشَاءُ وُنَّ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ“ (اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں) یہ ثبوت تو آیت سے ہے کہ مشیت حق مقدم ہے مشیت عبد پر اور مشیت عبد میں مشیت محبت بھی داخل ہے وہ بھی موقوف ہوگی۔ مشیت حق پر پس اول حق تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ عبد مجھ سے محبت کرے اور حق تعالیٰ کا عبد کے ساتھ اس کی خیر کا ارادہ کرنا یہی محبت ہے حق تعالیٰ کی عبد کے ساتھ میں ایک ثبوت اور دیتا ہوں اس بات کا کہ بندہ کو خدا تعالیٰ سے محبت ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اول حق تعالیٰ کو اس کے ساتھ محبت ہو۔ وہ ثبوت یہ ہے کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور معرفت تامہ خدا تعالیٰ کی ہو نہیں سکتی کیونکہ نہ خدا کو کسی نے دیکھا نہ خدا کے نمونہ کو کیوں کہ نمونہ ہے ہی نہیں۔ ”ولیس کمثلہ شئیء“ (کوئی شے اس کی مثل نہیں ہے) مگر بایں ہمہ بہت آثار سے پتہ چلتا ہے کہ محبت عبد بالحق کا وجود ضرور ہے ایک ادنیٰ سا نمازی مسلمان لیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ تجھے ایک لاکھ روپیہ دیں گے ذرا ایک وقت کی نماز چھوڑ دے تو ہرگز منظور نہ کرے گا اس سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں لاکھ روپے سے زیادہ ہے ورنہ لاکھ روپیہ کیوں چھوڑتا۔ (اوج قنوج ج ۱۱)

## ۴۵۳ تواضع

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) میں اسی کو بیان فرمایا گیا ہے ”لا یتکبر بمعنی یتعزز“ ہے اور نکتہ اس میں وہ ہے جو بیان ہوا کہ اپنی محبوبیت اور بندہ کی محبت پر نظر کر کے یہ یتعزز کی ضرورت ہی نہیں لا یتکبر ہی کو کافی قرار دیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ کبر مبغوض ہے اور بدترین چیز ہے جب یہ ایسا ہے تو اس کا مقابل بہترین اشیاء اور حق تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوگا اور وہ تواضع ہے تواضع فی نفسہ بھی محبوب ہے اور اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ تواضع کبر کا علاج ہے اور کبر کا علاج ضروری ہے کیونکہ یہ بدترین مرض اور ام الامراض ہے اور یہ مرض عام ہے تو بیان تواضع کا اختیار کرنا مفید عام مضمون ہوا۔ اس واسطے اس حدیث کو اختیار کیا گیا ہے حاصل یہ کہ کبر کا علاج تواضع ہے اب ضروری ہے کہ تواضع کے معنی بیان کیے جائیں۔ (ادج قنوج ج ۱۱)

## عوامی تواضع

تواضع کی حقیقت عوام جہلاء میں تو یہ ہے کہ مہمان کی خاطر کی جاوے پان پتہ اس کے سامنے رکھا جاوے کھانا کھلایا جاوے نرم زبان سے بولا جاوے اس کے لیے دوسرا لفظ خاطر کرنا ہے کہتے ہیں فلاں آدمی بڑی خاطر کا آدمی ہے اسی کو ذرا پڑھے لکھے مگر جاہل ہی یوں کہہ دیتے ہیں کہ فلان کے یہاں مہمان کی بڑی تواضع ہوتی ہے۔ بہر حال یہ معنی تو عرفی ہیں اور حقیقی معنی سے یہ معمولی لیاقت کے لوگ بھی واقف نہیں حتیٰ کہ نئے لوگوں میں جو اعلیٰ درجہ کے نئے تعلیم یافتہ ہیں بی اے اور ایم اے والے وہ بھی اس حقیقی معنی سے بے خبر ہیں بلکہ وہ تو لفظ بھی صحیح نہیں بولتے کیونکہ اردو زبان کی شائستگی فارسی سے پیدا ہوتی ہے جس سے یہ لوگ بے بہرہ ہیں بلکہ اردو کا املا تک ان کا غلط ہوتا ہے چنانچہ ایک تعلیم یافتہ سب جج نے ایک فریق کے اظہار قلمبند کرنے میں اعتراض ز سے لکھا تھا اس فریق نے دیکھ کر اعتراض کیا کہ اعتراض ز سے نہیں ہے کہا غلطی ہوئی ظ سے ہے تو یہ لوگ الفاظ تک غلط بولتے ہیں تواضع کو توازے بولتے ہیں۔ غرض اس کے صحیح معنی سے یہ لوگ سب کے سب نا آشنا ہیں جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ لفظ سے بھی نا آشنا اور بعضے لفظ جانتے ہیں مگر معنی سے



نا آشنا ہیں اچھی طرح جان لیجئے کہ تواضع لفظ عربی ہے اور جن معنوں میں عوام نے استعمال کیا ان معنوں میں تو عربی زبان میں یہ لفظ کہیں آیا ہی نہیں اس پر ایک قصہ یاد آ گیا۔ ایک دیہاتی لڑکا تھا اس نے ایک استاد سے کریم شروع کیا جب یہ شعر آیا

دلاگر تواضع کنی اختیار شود خلق دنیا ترا دوستدار

(یعنی اے دل اگر تواضع اختیار کرے تو تمام مخلوق تیری دوست بن جائے) (اوج قنوج ج ۱۱)

## تدابیر اصلاح

میں ہر شخص کے لیے تواضع کی تدابیر کہاں تک بتاؤں علاج مشترک یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی محقق مبصر کے سپرد کر دو اور اس کو تمام حالات کی اطلاع کیا کرو اور وہ جس موقع محل میں جو تدبیر کرے اس کو اختیار کرو اس طرح تواضع حاصل کرو یہ کبر ایسی چیز نہیں ہے جس سے غفلت کی جائے اللہ والوں نے اس کے علاج کے لیے بڑے بڑے مجاہدے کیے ہیں۔ مولانا اسماعیل صاحب مسجد میں سو جاتے مسافروں کے پیر دبایا کرتے تھے صرف اسی واسطے کہ تواضع اور تذلل پیدا ہو ایک دفعہ مولانا سفر میں لشکر سے نکل کر شہر کی کسی مسجد میں جا ٹھہرے مؤذن عام طور سے مسافروں سے جلا کرتے ہی ہیں ان کو بھی منع کیا مولانا نے اس کا کہنا نہ مانا اس نے دھکے دے کر ان کو نکال دیا۔ مولانا تھوڑی دیر میں پھر اسی مسجد میں آ گئے اس نے پھر نکال دیا کئی دفعہ ایسا ہی ہوا آخر اس نے تنگ ہو کر کہا اچھا بھائی بیٹھ تھوڑی دیر میں لشکر سے دو سوار مولانا کو ڈھونڈتے ہوئے آئے اب تو مؤذن کے ہوش خطا ہوئے اور سمجھا کہ اب پٹوں گا یہ کوئی بڑے آدمی ہیں۔ مولانا نے کہا کہ ڈر مت تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا میں جاتا ہوں تجھے کھانا بھی بھجوا دوں گا وہ پیروں میں گر گیا اور معافی چاہی پھر پوچھا آپ نے ایسا کیوں فرمایا یہ میں نے اپنا علاج کیا مجھے کسی وجہ سے خیال ہو گیا تھا کہ لوگ مجھ کو بڑا سمجھتے ہیں اس کبر کا یہ علاج کیا کہ دھکے کھائے یہ اس مادہ فاسدہ کا مسہل ہو گیا اہل اللہ اس طرح اس کا علاج کرتے ہیں وہ اس کو امراض جسمانی کی طرح بلکہ اس سے بھی اشد سمجھتے ہیں (اوج قنوج ج ۱۱)

## خلاصہ وعظ

”من تواضع لله رفعه الله“ (جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے تواضع اختیار کرتا

ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی و رفعت عطا فرماتے ہیں امراض بہت ہیں جن کی تفصیل دشوار ہے مگر ام الامراض کبر ہے اس کا علاج اس حدیث میں ہے۔ یہ حدیث اس واسطے اختیار کی گئی ہے کہ یہ مرض عام ہے ہر قسم کے لوگوں میں حتیٰ کہ اہل علم میں بھی یہاں تک کہ بعض اپنے جہل پر قرآن و حدیث سے شہادت لاتے ہیں۔ مثلاً: ”قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ“ (آپ کہئے کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں) ان کو وہ آیات و احادیث بھی یاد کرنی چاہیے جو عالم بے عمل کی مذمت میں وارد ہیں علاوہ برائیں کسی عامی کو بھی حقیر سمجھنا چہ معنی تیار کرنا خواہد و میلش بکہ باشد (یار کس کو چاہتا ہے اور اسکا میل کس کی طرف ہو جاتا ہے) شبہ کیا خدائے تعالیٰ کے یہاں بھی کوئی قاعدہ اور قانون مقرر نہیں اس طرح تو نیکوکار اور بدکار سب برابر ہو جاتے ہیں اور وعدہ و وعید کوئی چیز نہ رہا حالانکہ نصوص اس کے خلاف ہے جواب وعدہ اور وعید صحیح ہیں لیکن اعمال اگر چہ آپکے ارادہ پر ہیں تاہم ارادہ کا پلٹ دینا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور یہی خوف کی وجہ ہے وعدہ اور وعید پر یقین چاہتے اور قدرت ارادہ سے خود (جیسا کہ ایک پابند قانون حاکم کے سامنے جانے سے خوف ہوتا ہے) ناز و انداز انکشاف و عظمت خداوندی نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ہمارے اعمال حق تعالیٰ کے سامنے کیا ہیں علاوہ ازیں ناز و مکتب چیز پر ہوتا ہے اور ہمارے اعمال کسی درجہ میں مکتب سہی مگر درحقیقت علت ان کی مشیت حق ہے۔ ایک بزرگ نے ذکر اللہ کرنا چاہا مگر نہ کر سکے یاد آیا کہ جوانی میں ایک کلمہ یہودہ زبان سے نکلا تھا یہ اس کی سزا ہے۔ (اوج قنوج ج ۱۱)

## بد نظری کا نقصان

حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید ایک امرد پر نظر کرنے سے قرآن مجید بھول گیا جس کو علم پر ناز ہو وہ اس آیت کو یاد کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہے:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا.

(یعنی اگر ہم چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپ کو دیئے ہیں دفعۃً سلب کر لیں پھر آپ کا کوئی کارساز نہیں ہو سکتا، بس رحمت خدا ہی ساتھ دے سکتی ہے اللہ کا فضل آپ پر بڑا ہے) غرض مختلف طریقوں سے کبر قلوب میں موجود ہے اور یہ مرض ام الامراض ہے تمام عیوب

اسی سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً غصہ حتیٰ کہ بعض وقت زبان سے ظاہر ہونے لگ جاتا ہے چنانچہ بعض آدمی کہنے لگ جاتے ہیں تو جانتا نہیں کہ میں کون ہوں ایک ایسے ہی شخص کے جواب میں ایک بزرگ نے کہا کہ جانتا ہوں ”اولک نطفۃ مذرہ و آخرک جیفۃ قدرہ وانت بین ذلک تحمل العذرہ“ (تو تو ایک پلید نطفہ تھا اور انجام کار ایک گندہ مردار ہو جائے گا اس کے درمیان یہ حالت ہے کہ نجاست کو پیٹ میں لیے پھرتا ہے) اور یہ واقعی بات ہے غلاظت سے کسی کا پیٹ بھی خالی نہیں حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ اس کو مستور کر دیا ہے مرض گندہ و منی میں اس مستوری کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ (اوج قنوج ج ۱۱)

## بدگمانی سے احتراز

فال بد کی ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ اس میں کچھ اثر ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کے ساتھ سوطن و بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کوئی بلا ضرور بھیجیں گے۔ ”وانا عندظن عبدی بی“ اس نے خدا تعالیٰ سے بدگمانی کی وہ بھی بعض دفعہ اس کی سزائیں ویسا ہی کر دیتے ہیں جیسا اس نے گمان کیا تھا۔ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دہلی میں مومن خان شاعر تراویح میں قرآن شریف سننے آیا کرتے تھے ایک ڈوم بھی قرآن شریف سننے آیا کرتا تھا۔ اس نے کہا کہ خان صاحب جس روز وہ سورت آئے جس کا نام نہیں لیا کرتے جو مردوں پر پڑھی جاتی ہے تو مجھے بتا دینا میں اسے نہیں سنوں گا۔ یعنی سورۃ یسین، عوام جہل سورۃ یسین کا نام سننے سے بھی ڈرتے ہیں۔ اس کو موت کی علامت سمجھتے ہیں خان صاحب شاعر آدمی تھے آپ کو مذاق سوچھا اپنی چلبلی اور شوخ طبیعت سے نہ رہ سکے گو وہ بڑے متقی اور متورع شخص تھے۔ خدا معلوم سچ یا جھوٹ کہہ دیا کہ وہ تو رات پڑھی بھی گئی اس کو تو تو نے سن لیا۔ اس کو ہنسی ہو گئی اور اس کا طائر روح قفس غصری سے پرواز کرنے لگا ہوش اڑ گئے حواس باختہ ہو گیا روح تحلیل ہونے لگی۔

لکھ کر ہمارا نام زمین پر مٹا دیا      ان کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا  
غرض وہ دوسرے یا تیسرے روز مر گیا۔ (دستور سہارنپور ج ۱۱)

## لا یعنی امور سے احتیاط

بعض منکر ذائل کے ازالہ کی طرف التفات بھی نہیں کرتے من جملہ ان ہی

رذائل کے اشتغال بما لا یعنی ہی ہے جس کے نسبت یہ ارشاد ہے۔ ”من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ“ کہ غیر ضروری اور لا یعنی امور کو ترک کر دیں اس پر نہ مشائخ کو التفات ہے نہ غیر مشائخ کو سب غور کر کے دیکھ لیں کہ دن بھر میں کتنی بار فضول باتیں کرتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لا یعنی امور کو ترک کر دے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا حسن اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو کیا اسلام کے حسن کی آپ کو ضرورت نہیں۔ (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

### فضول باتوں سے پرہیز

سید المحققین سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”کثرة الکلام تقسو القلب“ زیادہ باتیں بنانا دل کو سخت کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے: ”کثرة الضحك تمیت القلب“ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ کیا اب بھی کسی کو اس میں شک ہے کہ فضول (اور لا یعنی) باتوں سے دل کی صفائی اور نور زائل ہو جاتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم تو رات دن ہنستے رہتے ہیں ہمارا دل تو مردہ نہیں ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ تجھ کو حیات قلب نصیب ہی نہیں ہوئی جس سے کہ موت قلب کا احساس ہو ”الاشیاء تعرف باضدادھا“ (اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) غضب یہ ہے کہ جس طرح دنیا والے شطرنج و گنجد سے دل بہلاتے ہیں اسی طرح آج کل اتقیاء کے یہاں لغو اور فضول باتیں دل بہلانے کا مشغلہ ہو گئی ہیں۔ بس تسبیح ہاتھ میں لے لی اور دنیا بھر کی باتیں بنا رہے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ذکر سے جو نور قلب حاصل ہوا تھا وہ زائل ہو جاتا ہے اور نور قلب کے زائل ہونے سے طاعت کا شوق کم اور ہمت میں پستی آ جاتی ہے اور جہاں شوق و ہمت میں کمی آئی پھر گناہوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کیونکہ گناہ سے بچنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک شوق و محبت دوسرے ہمت اور یہ دونوں باتیں نور ذکر سے پیدا ہوتی ہیں جب ان لغویات سے وہ نور ہی زائل ہو گیا تو شوق و ہمت میں کمی آنا لازمی ہے پھر اس شخص کا گناہوں میں مبتلا ہو جانا کچھ بھی عجیب نہیں کیونکہ اب وہ روک ہی نہیں رہی جس کے ذریعے گناہوں کی نفرت دل میں جم جاتی ہے بس لا یعنی امور کا ارتکاب گو خود معصیت نہ ہو مگر معصیت کا ذریعہ ضرور ہے اب تو آپ کو اس کے ترک کا ضروری ہونا معلوم ہو گیا ہوگا۔ شیخ فرید عطار پندنامہ میں فرماتے ہیں:



دل زپر گفتن بمیرودر بدن گرچه گفتارش بود در عدن  
(دل زیادہ بک بک کرنے سے بدن میں مرجاتا ہے، مگر اس کی گفتگو نہایت  
پاکیزہ اور بھڑک دار ہے) (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

## لوگوں کی عادت

ایک شخص نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آپ کے نزدیک کون حق پر تھا؟ فرمایا تم کو اس سے کیا مطلب میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ قیامت میں تم سے اس کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا نہ ان کا مقدمہ فیصلہ کیلئے تمہارے پاس آئے گا اور اگر تم سے سوال ہوا تو تم اللہ تعالیٰ کے سامنے میرا نام لے دینا کہ میں نے اس سے سوال کیا تھا اس نے مجھ کو جواب نہیں دیا۔ واقعی خوب جواب دیا۔ (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

## حرص کی قسمیں

مطلق حرص مذموم نہیں بلکہ حرص کی دو قسمیں ہیں غیر اللہ کی حرص تو مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کی حرص محمود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ”إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَاعِفْهُ لَكُمْ“ یعنی ہم جو تم سے تمہارے اموال اور اولاد اور ازواج اور تمہارے جان چھڑانے (یعنی قلب سے نکالنے) کے لیے آیات سابقہ میں ارشاد کرتے ہیں اس سے ڈرو مت کہ ہم تو بالکل ہی مفلس ہو جائیں گے تم یہ سب چیزیں ہم کو قرض دے رہے ہو۔ سو اگر تم اچھا قرض دو گے یعنی خالص بلا ریا کے یعنی ان کی جب مفرط کو چھوڑ دو گے اور جس کے لیے انفاق بھی لازم ہے جان بھی مال کا بھی تو ہم اس کو بڑھاویں گے۔ مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں:

خود کہ باید ایں چنین بازار را کہ بیک گل می خری گلزار را  
نیم جان بستاند و صد جان دہد آنچه درد ہمت نیاید آن دہد  
(تم ایسا بازار کہاں پاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلے چمن ہی کو خرید لو حقیر اور فانی جان لیتے ہیں اور  
جان باقی عطا کرتے ہیں جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں وہ عطا کرتے ہیں) (رفع الموانع ج ۱۱)

## طالب جاہ

محققین نے کہا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو طالب جاہ ہو۔ کیونکہ یہ کمال

محض وہی انتزاعی ہے اور انتزاعی بھی ایسا جو اس شخص کے ساتھ خود قائم نہیں۔ بلکہ دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے۔ کیونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظروں میں معزز ہونے کا جس کا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے جو کہ اپنے وجود میں خود اس دوسرے کے تابع ہے۔ وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے۔ مگر طالب جاہ خوش ہے کہ آہا لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں۔ جیسے چوہا خوش ہوتا ہے کہ پیئے کی دوکان میں میرے واسطے غلہ آیا ہے؟ جی ہاں ذرا منہ تو ڈالو ابھی چوہے دان آتا ہے جس سے ساری خوشی کرکری ہو جائے گی۔ (محسن الاسلام ج ۱۲)

## جامعیت اخلاق

اخلاق کی خوبی یہ ہے کہ اصلاح نفس کا جس قدر اہتمام اسلام میں ہے کسی مذہب میں بھی نہیں۔ جاہ طلبی نام آوری ریاکاری سے سخت ممانعت ہے۔ حسد، بغض وغیرہ پر سخت سخت وعیدیں دار ہیں۔ (محسن الاسلام ج ۱۲)

## اخلاق ذمہ کے دنیوی نتائج:

صاحبو! ذرا ہوش سے کام لو حسد اور کبر تو وہ چیزیں ہیں جو تمام برائیوں کی جڑ ہے ان سے نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا شرعاً تو یہ گناہ ہیں ہی، دنیا کے نتائج بھی جو ان سے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ایسے ہیں جس سے ایک مخلوق کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے سب جانتے ہیں کہ انسان کی طبیعت میں تمدن ہے یعنی مل جل کر رہنا اور انسان دوسرے حیوانات کی طرح نہیں ہے جن کو مل جل کر رہنے کی ضرورت نہیں ان کے کھانے پینے کی چیز ہر جگہ موجود ہے صبح کو اٹھے اور جنگل میں چڑھ کر پیٹ بھر لیا اور شام کو اپنے ٹھکانے میں آ کر آرام کرنے لگے انسان میں یہ بات کہاں اس کی تمام ضروریات ایک دوسرے کی اعانت سے مہیا ہوتی ہیں اسی کا نام تمدن ہے بدون اس کے انسان کی زندگی نہیں ہو سکتی جب اس کو ضرورت ہے تمدن کی تو دوسرے سے بھی ملنے کی ضرورت ہے دو باتوں کے لئے ایک اپنا کام نکالنے کے لئے کیونکہ اس کا کام دوسرے پر موقوف ہے۔ دوسرے اس دوسرے شخص کو مدد دینے کے لئے کیونکہ وہ بھی اس کا محتاج ہے یہ حقیقت ہے تمدن کی اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ دوسرے کو نفع پہنچانے کا خیال بھی ہو اور یہ خیال حسد کی ضد ہے اور حسد اس کی ضد ہے کیونکہ حسد کے معنی ہیں

دوسرے کی نعمت کی زوال کی تمنا کرنا اور تمدن میں ضرورت تھی کہ دوسرے کو فائدہ پہنچانے اور اس کے حصول کے لئے نعمت کی کوشش کرنے کی تو ثابت ہو گیا کہ حسد ضد ہے تمدن کی۔ اسی طرح اس کا کام بھی جب ہی نکل سکتا ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنی احتیاج لے جائے اور یہ مقتضی ہے اس بات کو کہ اس کے سامنے بڑا بن کر نہ جایا جائے ورنہ وہ التفات کیوں کرے گا یہ حقیقت ہے تواضع کی جو ضد ہے کبر کی اور کبر اس کی ضد ہے تو ثابت ہوا کہ کبر اس کی ضد ہے۔ لیجئے عقلا ثابت ہو گیا کہ حسد اور کبر تمدن کے منافی ہیں سو یہ ان میں عقلی خرابیاں ہیں قطع نظر اس سے کہ یہ شرعی گناہ بھی ہیں۔ شریعت مطہرہ کی خوبی دیکھئے کہ ہر کام میں وہ بات سکھائی جو تمام خوبیوں کی جڑ ہے اور ان باتوں سے منع کیا ہے جو برائیوں کی جڑ ہیں۔ شریعت ایک ایسی چیز ہمارے ہاتھ میں دی گئی ہے کہ آنکھیں بند کر کے اس کے ساتھ چلے جائے۔ کہیں کوئی خرابی پیش نہ آئے گی دنیا کی بھلائی بھی اس میں ہے اور آخرت کی بھلائی بھی۔ مگر ہم لوگوں نے اس کو ایسا چھوڑا ہے کہ ہمارے کسی کام میں بھی اس کا دخل نہیں رہا ہمارا ظاہر شریعت کے موافق نہیں ہمارا باطن نہیں ہمارے اخلاق نہیں ہمارے اعمال نہیں ہماری معاشرت نہیں پھر اس کے نتائج سامنے آتے ہیں جس کو فرماتے ہیں ظہور الفساد فی البر والبحر تمام عالم فساد سے پر ہو رہا ہے اسی فساد عام کو حکیم سنائی کہتے ہیں۔

اے بہ سرا پردہ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب  
اے وہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو مدینہ منورہ میں آرام فرما ہے اٹھئے کہ مشرق و مغرب خرابی سے معمور ہو گئے۔ ہماری حالت یہ ہے۔

چوں گرسنہ میشوی سگ میشوی چونکہ خوردی تند و بدرگ میشوی  
جب بھوکا ہوتا ہے کتا بن جاتا ہے اور جب شکم سیر ہوتا ہے تو تند و در اور ظالم بن جاتا ہے۔ نہ ہمارے عیش کی حالت درست اور نہ مصیبت کی درست۔ دو ہی حالتیں انسان پر آتی ہیں عیش یا مصیبت اور دونوں درست نہیں تو مطلب یہ ہے کہ کوئی حالت بھی درست نہیں اور یہ حالت صرف عوام کی نہیں بلکہ اکثر خواص کی بھی قریب قریب یہی حالت ہے۔ (الاسلام الحق ج ۱۲)

## عبدیت کا تقاضا

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ ہماری حالت ایسی ہو، ایسی ہو، یہ شخص اپنے لئے خود تجویز

کرتا ہے جو کہ خلاف عبدیت اور بے ادبی اور گستاخی ہے تمہیں کیا حق ہے تجویز کرنے کا۔ تمہاری تو یہ حالت ہونا چاہیے:

چوں کہ برمیخت بہ بند و بستہ باش چوں کشاید چابک و برجستہ باش  
(جب وہ باندھ دیں تو بندھے رہو اور جب کھول دے تو کھل جاؤ اور خوشی سے کودنے لگو)  
چنانچہ ایک حکایت ہے حاجی صاحبؒ کی اس سے آپ کو اس کی حقیقت معلوم ہوگی۔ کہ ایک طالب علم آپ کے پاس آیا اور مرض کی شکایت کی کہ اتنے دنوں بیمار رہا۔ اس مدت میں حرم شریف میں نماز پڑھنا بھی نصیب نہ ہوئی۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ صحت و قوت بخشے۔ اس وقت حضرت نے اس کے لئے دعا کی۔ جب وہ چلا گیا تو فرمایا یہ شخص عارف نہیں ہے۔ اگر عارف ہوتا تو نماز حرم کی غیر حاضری سے مفہوم نہ ہوتا کیونکہ مقصود اصلی تو قرب ہے جس طرح بھی حاصل ہو اس کا طریقہ مختلف ہے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بیمار ہو جائے اور اس پر صبر کرے۔ شکوہ شکایت نہ کرے اور اس سے قرب ہو تو مقصود جس طریقہ سے بھی حاصل ہو اس پر راضی رہنا چاہیے۔ حصول مقصود کے بعد کسی طریقہ کے فوت پر حسرت کرنا مقصود کی بے قدری ہے۔ اور اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ دیکھو لوگ جو حج کرنے آتے ہیں تو مقصود کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقصود حضوری بیت اللہ ہے۔ کوئی خاص راستہ مقصود نہیں۔ کہ مثلاً بمبئی ہی ہو کر آوے۔ اب ایک شخص تو بمبئی ہو کر آیا۔ اس کو بہت سے حالات راستہ کے معلوم ہوئے اور ایک کراچی ہو کر آیا۔ جس کو وہ خاص حالات معلوم نہ ہوئے اب کوئی بے وقوف ہی ایسا ہوگا جو حج کو چھوڑ کر کراچی سے بمبئی آوے۔ تاکہ یہ حالات معلوم ہوں۔ صوفیاء نے لکھا ہے طرق الوصول الی اللہ بعد انفس الخلاق۔ کسی کے لئے کوئی طریقہ ہے۔ کسی کے لئے کوئی طریقہ ہے۔ کوئی طریقہ مقصود نہیں۔ مقصود رضا ہے۔ جب رضا حاصل ہے تو اب تمنا کرنا کہ یہ ہو وہ ہو یہ تجویز ہے جو ادب طریقہ کے خلاف ہے۔ صوفیاء تو اپنے ارادہ کو ایسا مٹاتے ہیں کہ یہاں تک کہتے ہیں

ارید وصالہ و یرید ہجری فاترک ما ارید لما یرید

(میں اس سے ملاقات کا متمنی ہوں وہ مجھ سے جدائی کا خواہاں ہے میں نے

اس کے ارادہ پر اپنا ارادہ مٹا دیا)

اور حافظ شیرازی نے اسی کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:



میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق ترک کام خود گرفتہ تا بر آید کام دوست  
(میں اس سے ملنا چاہتا ہوں اور اس کی خواہش میری جدائی ہے میں نے اپنی تمنا  
چھوڑ دی تاکہ میرے دوست کی تمنا پوری ہو جائے)

پس عبدیت یہ ہے۔ کہ اپنی خواہش کو فنا کر دے جو ان کا ارادہ ہے اسی پر راضی رہے۔  
(آداب التبلیغ ج ۱۳)

## مبلغ کو صبر و استقلال کی تعلیم

تو اسی بالصبر کے عنوان سے مبلغ کو بھی صبر و استقلال کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ تعلیم تبلیغ  
عقائد میں کیوں نہیں دی گئی۔ اس کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ تبلیغ عقائد بھی عمل ہے۔ تو وہ بھی  
تو اسی بالصبر میں داخل ہے۔ پس یہ کہنا ہی صحیح نہیں۔ کہ تبلیغ عقائد میں مبلغ کو صبر کی تعلیم  
نہیں۔ دوسرے بعد تسلیم کے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ تبلیغ عقائد میں مخاطب کو ناگواری زیادہ ہوتی  
ہے۔ مگر جب وہ اپنے عقائد سابقہ کی غلطی سمجھ کر عقائد حق اختیار کر لیتا ہے تو اب اس کے لئے بار  
بار تبلیغ کی ضرورت نہیں رہتی۔ بخلاف اعمال کے۔ کہ ان کی تبلیغ ابتداء میں تو دشوار نہیں۔ نہ  
مخاطب کو اس میں زیادہ ناگواری ہوتی ہے۔ مگر اس میں تبلیغ کی بار بار حاجت ہوتی ہے۔ کیوں کہ  
انسان اپنے اعمال فاسدہ کو ایک بار چھوڑ کر بوجہ لذت نفسانی کے پھر اختیار کر لیتا ہے۔ تو اس میں  
ابتدائی تبلیغ کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ بقاء تبلیغ کی بھی حاجت رہتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تبلیغ عقائد کی ابتداء  
شوار ہے۔ مگر بقاء سہل ہے اور تبلیغ اعمال میں ابتداء آسان ہے۔ مگر بقاء دشوار ہے۔ اس لئے یہاں  
ایسا عنوان اختیار کیا گیا۔ جس میں مبلغ کو بھی استقلال و صبر کی تعلیم ہے۔ (التواصی بالحق ج ۱۳)

## تبلیغ ہر مسلمان پر ہے

تبلیغ صرف مولویوں کے ذمہ نہیں۔ بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔ البتہ تبلیغ عام  
بطریق وعظ کے علماء کے ساتھ خاص ہے۔ باقی تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ  
ہے اور تبلیغ عام جو علماء کے ساتھ خاص ہے تو اس میں بھی عام مسلمانوں کے ذمہ یہ کام  
ہے۔ کہ وہ علماء کے ساتھ خاص ہے تو اس میں بھی عام مسلمانوں کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ  
علماء کے لئے اس کے اسباب مہیا کریں مثلاً چندہ کر کے سفر خرچ ان کو دیا جائے۔ تاکہ  
جہاں تبلیغ کی ضرورت ہو وہاں جائیں اور سفر خرچ لے کر کرایہ ریل وغیرہ سے بے فکر ہو

جائیں۔ کیوں کہ علماء کے پاس تبلیغ کے لئے زبان تو ہے۔ مگر کرایہ وغیرہ کے لئے روپیہ تو نہیں ہے اور ان کے ذمہ یہ کام بھی نہیں ہے۔ کہ وہ آپ سے بھیک مانگتے پھریں۔ کہ ہم کو روپیہ دوتا کہ تبلیغ کے لئے سفر کریں، یہ کام عام مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے کہ وہ خود چندہ جمع کر کے علماء کو آگے کریں اور ان سے عرض کریں کہ یہ روپیہ ہے اور یہ کام ہے۔ جس طرح آپ کہیں۔ اس کام کو شروع کیا جائے۔ (التواصی بالحق ج ۱۳)

## اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اب میں ایک واقعہ آپ کو سنا تا ہوں۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا کس درجہ اہتمام تھا۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے۔ کیونکہ ان کی باری تھی اور وہ رات شب براءت کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصف شب کے وقت حکم ہوا کہ جئہ البقیع کے مسلمانوں کے لئے جا کر دعا کریں۔ تو آدھی رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے۔ جس کی کیفیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں:-

تام رویدا او فتح الباب رویدا ثم خرج رویدا ثم اغلقه رویدا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ سے اٹھے۔ آہستہ آہستہ چلے۔ آہستہ ہی دروازہ کھولا۔ آہستہ ہی باہر تشریف لے گئے۔ آہستہ ہی اس کو بند کیا۔ ہر کام آہستہ کیا۔ تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے۔ ان کو تکلیف نہ ہو۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کون تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشق تھیں۔ جن کا محبوب کے لئے بزبان حال یہ قول تھا۔

گر برسر چشم من نشینی نازت بکشم کہ ناز بینی

(اگر تو میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھے تو تیرا ناز اٹھاؤں اس لئے کہ تو نازین ہے)

اول تو عموماً بیوی کو شوہر سے ایسا تعلق ہوتا ہے۔ کہ اگر خاوند سوتی ہوئی کو جھنجھوڑ بھی دے۔ تب بھی اس کو ایذا نہ ہو۔ بلکہ راحت ہو۔ اور خصوصاً حضرات ازواج مطہرات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ عاشق تھیں اور بالخصوص ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ مگر اس تعلق پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نیند کا اس قدر خیال فرمایا۔ کہ سب کام آہستہ کئے۔ مگر یہ تو عاشق تھیں۔ ان کو خبر کیسے نہ ہوتی۔ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان ایسا

کیا تھا۔ کہ ان کو خبر نہ ہو۔ مگر جب مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہوا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قلب نے حال نوم ہی میں اس کا احساس کیا اور ان کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلنے کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو بڑی پریشانی ہوئی۔ کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید آپ کسی بیوی یا باندی کے پاس چلے گئے۔ بالآخر پریشانی میں گھر سے نکلیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاتے ہوئے دیکھ کر بقیع کی طرف چلیں۔ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے دعا فرما رہے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر اطمینان ہوا اور واپس ہوئیں اور پیچھے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی واپس ہوئے اور راستہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خیال سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہو۔ تیز تیز چلنا شروع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ یہ آگے آگے کون ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تیز چلنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھاگنے لگیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اپنے گھر میں داخل ہو کر بستر پر لیٹ گئیں۔ مگر سانس پھولا ہوا تھا۔ اس کو کیوں کر دباتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو گھر میں تشریف لائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سانس پھولا ہوا معلوم ہوا۔ فرمایا:-

یا عائشة مالک حشیا رابیة

یہ لمبا لمبا پھولا ہوا سانس کیوں آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے آگے آگے تم ہی بھاگی ہوئی آرہی تھیں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتخافین ان یحیف اللہ علیک ورسولہ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

## غیر ضروری کے ترک کی دو صورتیں

انسان غیر ضروری امور میں مشغول ہے اور غیر ضروری امور کی سب سے بڑی فردیہ ہے کہ دنیا میں اس کو انہماک ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس کی مذمت بیان فرمادی اور اس کے بعد امر ضروری یعنی آخرۃ کا ذکر کر دیا۔ کہ ذکر آخرت میں مشغول ہونا چاہیے۔ تاکہ اس انہماک کا ازالہ ہو۔ سو غیر ضروری کے ترک کرانے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اسکی مذمت کر دی جاوے اور اس سے ہٹایا جاوے۔ مگر ابھی معلوم ہو چکا ہے۔ کہ اس سے نفع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مشغلہ ضروری بتانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ یہ شخص اس غیر ضروری کو چھوڑ کے دوسرے غیر ضروری

میں مبتلا ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر ضروری سے ہٹایا جاوے اور ضروری کی طرف متوجہ کیا جاوے۔ یہی دوسرا طریقہ جو اسلم و احسن ہے۔ یہاں اختیار کیا گیا ہے۔ (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

## اخلاق سے اشاعت اسلام

دراصل اسلام پھیلا ہے اخلاق سے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اخلاق سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے۔ چنانچہ سیر و تاریخ اس پر شاہد ہیں۔ اگر ہم بھی ویسے ہی پکے مسلمان ہو جاویں۔ تو سچ جائیے کفار ہمیں بھی دیکھ دیکھ کر مسلمان ہونے لگیں۔ مگر اب تو ہمارے اخلاق اس درجہ گر گئے ہیں۔ کہ انہیں مثال میں پیش کر کے کفار کو نفرت دلانی جاتی ہے۔

ایک شخص نے کسی کافر سے کہا تھا۔ کہ مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا کہ میں ایسا مسلمان تو ہونہیں سکتا۔ جیسے بایزید ہیں۔ کیوں کہ اس پر قدرت نہیں اور ایسا مسلمان ہونا جیسے تم ہو۔ میں پسند نہیں کرتا۔ اس سے تو میں کافر ہی اچھا۔ (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

دراصل ہم کو غیر مقلدوں سے اسی کی زیادہ شکایت ہے۔ کہ وہ ہمارے آئمہ کو برا کہتے ہیں۔ اگر وہ آئمہ کو برا نہ کہیں۔ تو تقلید یا ترک تقلید سے ہم کو زیادہ بحث نہیں۔ تو ہر شخص کا خدا کے ساتھ اجتہادی معاملہ ہے۔ خواہ تقلید سے خدا کو راضی کرے۔ یا ترک تقلید سے ہمارا اجتہادی خیال یہ ہے۔ کہ ہم بدوں تقلید کے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔ اگر کسی کا اجتہادی خیال یہ ہے کہ ترک تقلید سے بھی دین پر عمل ہو سکتا اور خدا راضی ہو سکتا ہے۔ تو اس کو اختیار ہے۔ ہم اس کے ساتھ نہ الجھیں گے۔ مگر اس کی کیا وجہ کہ وہ مقلدوں سے الجھتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے آئمہ کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کے آئمہ کو برا نہیں کہتے۔ بلکہ ہم تمام محدثین کو اپنا امام سمجھتے اور ان کی عظمت کرتے ہیں اور کسی کی تحقیر کو جائز نہیں سمجھتے۔ (اجماع علماء ج ۱۳)

## خوف ورجاء

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حکم ہو جائے کہ سوائے ایک شخص کے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔ تو میرا گمان نہ فرعون پر ہو۔ نہ ہامان پر۔ نہ قارون پر، نہ نمرود پر۔ بلکہ مجھے یہی خوف ہوگا کہ کہیں وہ ایک میں ہی نہ ہوں۔ اسی طرح اگر یہ حکم ہو جائے۔ کہ سوائے ایک کے کوئی جنت میں نہ جائے گا۔ تو مجھے یہ احتمال ہوگا کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں:



او خواست تا فسانہ لعنت کند مرا کرد آنچه خواست آدم خاکی بہانہ بود  
گویند جاہلان کہ نہ کردے تو سجدہ نزدیک اہل معرفت ایں چہ بہانہ بود  
(اس نے چاہا کہ اس فسانہ سے مجھ پر لعنت کرے، جو چاہا خود کیا آدم خاکی تو بہانہ تھا جہلاء  
کہتے ہیں کہ تو نے سجدہ نہیں کیا لیکن اہل معرفت کے نزدیک یہ بہانہ تھا) (آداب اصلاح ج ۱۳)

## رحمت خداوندی

علتی لوگوں نے غفور رحیم کو بھی علت بنالیا اور اس کو ترقی گناہ کا سبب بنا دیا کہ اللہ تبارک  
و تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کو یاد کر کے گناہوں پر دلیر ہو گئے اور جہاں کسی نے روکایا نصیحت کی تو  
صاف کہہ دیا کہ میاں تم کو کیا اللہ تبارک و تعالیٰ غفور الرحیم ہے وہ ہم کو اس حال میں بھی بخش دیں  
گے، سبحان اللہ! خوب سمجھے اے مانا کہ حق تعالیٰ غفور الرحیم ہیں مگر بدرجہ اطلاق کس کے لئے جو  
گناہوں سے توبہ اور معذرت کرے اور اپنی حرکتوں پر نادم و پشیمان ہو کر حق تعالیٰ کے سامنے  
التجا اور گریہ و زاری کرے چنانچہ نص ہے **ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ  
تَابُوا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ مَّ بَعْلِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ** (بے شک آپ  
کا پروردگار جن لوگوں نے نادانی سے گناہ کئے پھر اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کی بے  
شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار اس کے بعد (ان لوگوں پر) بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان  
ہے) نہ اس کے لئے جو برابر گناہوں میں ترقی کر رہا ہو اور ایک دن بھی اپنی حرکتوں پر نادم نہ ہوا  
اور دن بدن سرکشی پر پہلے سے زیادہ کمر بستہ ہو کہ یہ تو پورا مقابلہ اور گستاخی ہے جس کی نسبت  
ارشاد ہے۔ **كَلَّا بَلْ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ** (بلکہ ان کے دلوں پر  
زنگ لگ گیا جو کچھ انہوں نے کیا) مولانا اس گستاخی کی نسبت فرماتے ہیں۔

از خدا جو نیم توفیق ادب	بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد	بلکہ آتش درہمہ آفاق زد
از ادب پُر نور گشت است ایں فلک	از ادب معصوم و پاک آمد ملک
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق	باشد او درجہ حیرت غریق

اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہم ادب کی توفیق طلب کرتے ہیں، بے ادب اللہ تعالیٰ  
کے فضل سے محروم رہتا ہے، بے ادب صرف اپنا ہی برا نہیں کرتا بلکہ تمام اطراف میں

آگ لگا دیتا ہے، ادب کا پر نور ہونا کہ ان میں سورج، چاند اور تمام ستارے نورانی موجود ہیں فرشتوں کا معصوم اور پاک ہونا ادب ہی کی وجہ سے ہے، جو شخص راہ سلوک میں گستاخی کرتا ہے حیرت کے گڑھے میں غریق رہتا ہے۔

تم نے غفور رحیم کو یاد کر کے ایسا سبق لیا جس سے تمام عالم میں آگ لگا دی یہ تو تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو مغفرت و رحمت کے بھروسے گستاخیوں پر دلیر ہوتے ہیں آگے مولانا طریقہ بتلاتے ہیں اس کی مکافات کا کیونکہ دین میں ہر مرض کی دوا ہے اس گستاخی کی بھی دوا ہے وہ کیا ہے

ہرچہ بر تو آید از ظلمات و غم      آں زبیا کی و گستاخی ست ہم  
غم چو بنی زود استغفار کن      غم بامر خالق آمد کار کن  
جو کچھ ظلمات و غم و مصائب تجھ کو پیش آتے ہیں وہ بھی گستاخی اور بے باکی سے وارد ہوتے ہیں۔ اگر تم کو غم پیش آئے تو فوراً استغفار کرو، اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے غم کار کن ہو کر آیا ہے۔

اسکا علاج بھی وہی غفور رحیم ہے جس کو تم نے علت بنایا تھا اب اس کو حکمت بناؤ اور گناہوں سے رکنے کا ذریعہ بناؤ، اس گستاخی سے توبہ استغفار کرو اس حالت کے متعلق ارشاد ہے نَبِیُّ عِبَادِیْ اَنتِیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ کہ میرے بندوں کو خبر کر دو کہ میں غفور الرحیم ہوں یعنی اگر وہ اپنے گناہوں اور گستاخیوں سے ترساں ولرزیاں ہو کر مجھ سے معافی چاہیں گے تو میں سب جرم و گناہ معاف کر دوں گا۔

صرف معافی ہی پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد رحمت و عنایت بھی ہوگی کیونکہ میں غفور ہونے کے ساتھ رحیم بھی ہوں چنانچہ بعض بندوں پر تو ایسا انعام ہوگا کہ حدیث میں آتا ہے محشر میں حق تعالیٰ ایک بندے کو بلائیں گے اور پوچھیں گے بتلاؤ تم نے فلاں گناہ کیوں کیا تھا اور یہ خطا کیوں کی تھی وہ بندہ ڈرے گا کہ اب میں جہنم میں گیا کیونکہ حق تعالیٰ اس کے سامنے اول صغائر کو پیش فرمائیں گے وہ ڈرے گا کہ کبائر کا تو ابھی نام بھی نہیں آیا اگر کبائر کا ذکر آیا تو بس جہنم سے ورے میرا ٹھکانا نہیں وہ اسی شش و پنج میں ہوگا کہ حق تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ ہم نے اس کو بخشا اور ہر گناہ کے عوض اس کو نیکیاں دے دو اب یہ شخص خود اپنے گناہوں کو گنا شروع کرے گا کہ اے پروردگار میں نے اور بھی بہت سے گناہ کئے ہیں جن کا یہاں تذکرہ بھی نہیں آیا مجھے ان کے عوض بھی نیکیاں ملنا چاہئیں

چنانچہ اب گناہ گن گن کر اُن کے برابر اس کو حسنت ملیں گے مگر یہ تو خبر نہیں یہ کون شخص ہوگا اس لئے ناز نہ کرنا کہ ہم بھی اسی طرح چھوٹ جائیں گے۔

پیش یوسف نازش و خوبی مکن      جز نیاز و آہ یعقوبی مکن  
ناز را روئے نباید ہنجوورد      چوں نہ داری گرد بدخوی مگر دیوسف

یعنی کامل کے سامنے ناز و خوبی یعنی دعویٰ اظہار کمال مت کرو بجز آہ و نیاز یعقوبی کے مت کرو ناز کرنے کیلئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے بدخوبی کے پاس مت جاؤ بے جانا ز سے ایک دیہاتی جل کر خاک سیاہ ہو چکا ہے اس نے ایک کابلی کو دیکھا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو بڑے پیار و محبت سے بیٹا بیٹا کہہ کر دانہ کھلا رہا ہے اور گھوڑا کبھی ادھر منہ مارتا ہے کبھی ادھر اور وہ کابلی کہہ رہا ہے کہ بیٹا کھاؤ بیٹا کھاؤ اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ افسوس ہماری بیوی ہم کو ذرا نہیں چاہتی وہ تو بڑی بے پروائی سے میرے سامنے کھانا رکھ کر چل دیتی ہے مجھ سے تو یہ گھوڑا ہی اچھا ہے تو اب ہم بھی گھر جا کر گھوڑا بنیں گے چنانچہ گھر آ کر بیوی سے کہا کہ ہم تو آج گھوڑا بنیں گے اُس نے کہا میری طرف سے چاہے تم گدھے بن جاؤ۔ غرض آپ گھوڑا بنے گاڑی پچھاڑی باندھی گئی اور دم کی جگہ ایک جھاڑو باندھی اور تو برے میں کھانا بھروایا اور بیوی سے کہا تم ہمارے پاس بیٹھو جب ہم ادھر ادھر منہ ماریں تو تم کہنا بیٹا کھاؤ بیٹا کھاؤ اس نے سب احکام کی تعمیل کی رات کا وقت تھا اور چراغ پیچھے رکھا ہوا تھا یہ گھوڑے صاحب جو اُچھلے کودے چراغ گر پڑا اور جھاڑو میں آگ لگ گئی اور رفتہ رفتہ اس کے کپڑوں میں لگی اور اس نے زیادہ کودنا شروع کیا مگر گاڑی پچھاڑی باندھی ہونے سے یہ خود کچھ نہ کر سکا اور بیوی نے بھی نہ کھولا کیونکہ بے وقوف کی بیوی بھی بے وقوف تھی وہ دوڑی ہوئی دروازہ پر گئی اور محلہ والوں کو پکارا ارے دوڑو میرا گھوڑا جل گیا محلہ والوں کو اس کی حالت غربت و افلاس کی معلوم تھی سب جانتے تھے کہ اس کے یہاں گھوڑا کہاں اس لئے کسی نے بھی اس کی بات پر التفات نہ کیا سمجھے کہ مسخرا پن ہے اس عرصہ میں وہ گھوڑا جل کر مر نڈا ہو گیا تو بے جانا ز کا یہ انجام ہے۔ پس ناز نہ کرو بلکہ گناہوں سے توبہ کرو تا سبین پر اللہ کی بڑی رحمت ہے۔ (جمال الکلیل ج ۱۴)

## رحمت کی صورت

اس رحمت کی یہ حالت ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے

رحمت کے 100 حصے کر کے ایک حصہ تو دنیا میں رکھا جس کا اثر یہ ہے کہ کافروں گناہگاروں کو بھی رزق پہنچتا ہے اور اُسی کا یہ اثر ہے کہ لوگ باہم ایک دوسرے سے محبت کرتے اور ماں بچوں پر اور جانور اپنی اولاد پر جان دیتے ہیں اور حشر میں اللہ تبارک و تعالیٰ اس ایک حصہ کو ننانوے حصوں کے ساتھ ملا کر پورے 100 حصوں سے مومنین پر رحمت فرمائیں گے نیز حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا قصہ آیا ہے کہ اس نے ننانوے خون کئے تھے اس کے بعد اُس کو تنبہ ہوا اور توبہ کی فکر ہوئی وہ ایک عالم کے پاس گیا اور استفتاء کیا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ وہ زاہد خشک تھا ننانوے خون کا نام سنتے ہی بگڑ گیا اور کہا کہ تیرے لئے توبہ نہیں ہے، سائل کو اس کے جواب پر غصہ آ گیا اور تلوار سے اس کا بھی فیصلہ کیا کہ 100 میں کسریوں رکھی ننانوے کا پھیرا چھانہیں، لاؤ پورے سو ہی کر دوں اس کے بعد کسی دوسرے عالم کے پاس گیا اور اُس سے جا کر کہا کہ میں نے 100 خون کئے ہیں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں میرے لئے توبہ ہے یا نہیں؟ اس عالم نے جواب دیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا تمہاری توبہ قبول ہو سکتی ہے مگر ایک شرط ہے کہ تم اپنی بستی سے فلاں بستی کی طرف ہجرت کر جاؤ شاید اس کی بستی کے لوگ اچھے نہ ہوں گے اس لئے عالم نے صحبت اشرار کے ترک اور صحبت اختیار کے اختیار کرنے کا مشورہ دیا تا کہ توبہ قائم رہ سکے ورنہ بدوں کی صحبت میں رہ کر توبہ پھر ٹوٹ جاتی چونکہ یہ شخص طالب بن چکا تھا اس لئے اس شرط کو منظور کر لیا اور اپنی بستی سے دوسری بستی کی طرف ہجرت کر کے چلا، تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ موت کا فرشتہ سامنے آ گیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یا رخسار آخر شد      روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

(فسوس چشم زدن ہی میں صحبت یا رخسار ہو گئی، ہم گل کی سیر بھی کرتے نہ پائے تھے سبز موسم بہار ختم ہو گیا) جب موت سر پر آ گئی تو چلنے کی ہمت کہاں بے چارہ لیٹ گیا اور نزع کی حالت شروع ہو گئی مگر اس نے اُس وقت بھی اپنا کام نہ چھوڑا نزع کی حالت میں بھی صلحاء کی بستی کی طرف گھسٹا رہا اور اپنے سینہ کو اُدھر بڑھا دیا اب رحمت حق کو جوش آیا زمین کو حکم ہوا کہ اس شخص کی بستی دور ہو جائے اور صلحاء کی بستی قریب ہو جائے چنانچہ زمین کی طنائیں کھینچ گئیں اور صلحاء کی بستی ایک ہاتھ قریب اور اشرار کی بستی ایک ہاتھ دور ہو گئی۔ جب اس کی روح پرواز ہو گئی تو



ملائکہ رحمت و ملائکہ عذاب دونوں آئے اور باہم جھگڑنے لگے ملائکہ رحمت نے کہا کہ اس کی روح کو ہم لے جائیں گے کیونکہ یہ توبہ کر کے اللہ کے راستہ میں نکل چکا ہے وَمَنْ يُخْرِجْ مِنْهُ بَيْتَهُ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کا اجر اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذمہ ہے) ملائکہ عذاب نے کہا کہ اس کی توبہ کی تکمیل کے لئے صلحاء کی بستی میں پہنچنا شرط تھا اور شرط نہیں پائی گئی اس لئے یہ جہنمی ہے اور اس کی روح کو ہم لیں گے، یہاں سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی اجتہاد کرتے ہیں اور مسائل اجتہاد یہ میں ان کے درمیان بھی اختلاف و نزاع ہوتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجذوبین بھی اجتہاد کرتے ہیں اور ان میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے کیونکہ مجذوبین کی شان مثل ملائکہ کے ہے بہر حال حق تعالیٰ نے اس اختلاف کا یوں فیصلہ کیا کہ ایک فرشتہ کو بھیجا کہ ان دونوں جماعتوں سے کہہ دو کہ دونوں بستیوں کی مسافت کی پیمائش کریں اگر یہ صلحاء کی بستی سے قریب ہو تو جنتی ہے اور ملائکہ رحمت اس کو لے جائیں اور اگر اشرار کی بستی سے قریب ہے تو جہنمی ہے اور ملائکہ عذاب اس کو لے جائیں وہ اس کے مستحق ہیں زمین کی پیمائش کی گئی تو یہ شخص بقدر سینہ بڑھا دینے کے صلحاء کی بستی سے قریب تھا کیونکہ اس کا سامان تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلے ہی کر دیا تھا بس ملائکہ رحمت اس کو لے گئے۔ سچ ہے۔

رحمت حق بہانہ می جوید رحمت حق بہانہ می جوید

(اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے، رحمت حق قیمت طلب نہیں کرتی)

اے مسلمانو! حق تعالیٰ کی رحمت سے تو یہ امید ہے کہ جنت میں تو ان شاء اللہ پہنچ ہی جاؤ گے مگر پھر بھی اعمال سے بیفکری نہ کرو۔ (جمال الخلیل ج ۱۳)

## خوف و رجاء

وان عذابی هو العذاب الالیم کہ یہ خبر بھی دید تجھے کہ میرا عذاب بھی بہت سخت ہے یہ تکمیل ترغیب کے لئے بڑھایا گیا ہے کیونکہ ترغیب کی تکمیل ترہیب سے ہوتی ہے جیسا کہ ترہیب کی تکمیل ترغیب سے ہوتی ہے بدون ایک دوسرے کے ہر ایک ناقص ہے کیونکہ رجاء احتمال نفع ہے اور احتمال کا مفہوم خود مستلزم ہو رہا ہے دوسرے احتمال کو اسی طرح

خوف احتمال ضرر ہے اور اسی طرح یہ بھی مستلزم ہو رہا ہے دوسرے احتمال کو پس کسی کا تحقق بدون دوسرے کے نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ترغیب و ترہیب دوش بدوش چلتے ہیں پس خوف و رجاء ہی سے مل کر ایمان کامل ہوتا ہے اس لئے مومن کو خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کا ملنا ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر حشر میں یہ ندا ہو کہ جنت میں ایک ہی آدمی جائے گا لر جوت انی اکون ہو تو میں یہ سمجھوں گا کہ وہ ایک میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ جہنم میں ایک ہی جائے گا لخنفت انی اکون ہو تو میں ڈروں گا کہ شاید وہ ایک میں ہی نہ ہوں گویا رجاء و خوف دونوں کامل درجہ کے تھے، بس یہی حاصل ہے آیت کا کہ بندوں کو رغبت و رہبت دونوں جمع کرنا چاہئیں یہ تو مقصود تھا جو ختم ہو گیا۔

اب ایک بات زائد از مقصود اور رہ گئی جو تفسیر کے متعلق ہے بلکہ دو ایک طلبہ علم کے لئے ایک طلبہ العمل کے لئے یعنی ذاکرین کے لئے کیونکہ یہ لوگ عمل کے طالب ہیں جو بات طلبہ العمل کے لئے ہے وہ تو یہ ہے کہ اس آیت کے بعد دو قصے مذکور ہیں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جس میں ان کے لئے بڑھاپے کی حالت میں بشارت ولد مذکور ہے دوسرا قصہ قوم لوط کا ہے جس میں ان پر نزول عذاب کا ذکر ہے تو ان قصوں کو اس آیت سے کیا ربط ہے میرے نزدیک ان دونوں قصوں میں نَبِیُّ عِبَادِیْ اَنَا الْغَفُورُ الرَّحِیْمُ وَاَنْ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ کی تائید ہے۔ پہلے جزو سے پہلے قصہ کو تعلق ہے اور دوسرے جزو سے دوسرے قصہ کو جس میں بتلایا گیا ہے کہ جب اعمال صالحہ پر ہماری رحمت اور اعمال سیدہ پر ہمارا عذاب دنیا میں بھی آجاتا ہے جو کہ دارالجزا نہیں بلکہ دارالعمل ہے تو آخرت میں تو ان کا ظہور کیوں نہ ہوگا جو کہ دارالجزا ہے اگر حق تعالیٰ آخرت میں کسی کو عذاب نہ فرماتے تو دنیا میں بدرجہ اولیٰ کسی پر بھی عذاب نہ آتا کیونکہ یہ دارالجزا نہیں جب یہاں بھی بعض دفعہ بوجہ اعمال سیدہ کے عذاب آتا ہے تو سمجھ لو کہ آخرت میں تو اس کا ظہور ضرور ہی ہوگا پس رحمت کی وسعت و سبقت کو سن کر عذاب سے بے فکر ہرگز نہ ہونا اور عذاب کی شدت سن کر رحمت سے بھی مایوس نہ ہونا کیونکہ حق تعالیٰ دنیا میں بھی بعض دفعہ ایسی حالت میں رحمت فرماتے ہیں جب کہ اسباب ظاہرہ سے اس کی اُمید کچھ نہیں رہتی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت اُمید اولاد سے بعید ہو گئی تھی اسی طرح قوم لوط کی ظاہری حالت عیش و عشرت نے ان کو احتمال عذاب سے بے فکر کر دیا تھا (سبحان اللہ کیا خوب ربط ہے قللہ درہ ۱۲ ظ)

دوسرا نکتہ طلبہ العلم کے لئے یہ ہے کہ اَنْ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ میں حق تعالیٰ نے طرز عنوان کو بدل دیا ہے کہ انی انا المعذب العظیم نہیں فرمایا یعنی صفت تعذیب کو اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا جیسا کہ اَنْتَ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ میں مغفرت و رحمت کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، میرے نزدیک اس میں سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت میرے غصہ پر غالب آگئی) کا مضمون مخفی ہے جو حدیث میں تو ظاہر ہے مگر قرآن میں مخفی ہے جیسا عنقریب اُس کی تقریر آتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ باطن بھی ہیں ان کے کلام میں صفت باطن کی بھی رعایت ہے جیسا کہ پہلی آیت میں اسی صفت رحمت پر دلالت کرنے میں ظاہر کی رعایت ہے۔ اسی لئے قرآن مجید سے اہل ظاہر و باطن سب کو حظ آتا ہے گواہل باطن کو زیادہ حظ آتا ہے اسی کو کسی نے یوں کہا ہے۔  
بہار عالم خشنش دل و جاں تازہ می دارد برنگ اصحاب صورت را بوارباب معنی را  
(جمال التخلیل ج ۱۴)

## جھوٹ کی عادت

اکثر باتیں جو زبان سے نکلتی ہیں بری ہیں، صبح سے شام تک اس میں بڑا مشغلہ ہے، ایک بڑی مہلک چیز جھوٹ ہے بعض جھوٹ بولنے پر اپنے آپ کو مضطر و مجبور سمجھتے ہیں لیکن جب انہیں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا حاکم جھوٹ سے بہت ناخوش ہوتا ہے اور یہ امر اس سے چھپا نہیں رہے گا تو اس کی رضا مندی کے واسطے چار پیسے کا نقصان کرتے ہیں اور باز رہتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا مندی کا اتنا بھی خیال نہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت ہمارے دل میں سچی نہیں ہے، جب دیکھا کہ دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوتا تو دین کا کام کر لیا، جہاں چار پیسے کا نقصان ہو فوراً چھوڑ بیٹھے کیا یہ دینداری ہے حالانکہ اصلی ضرورت کا شریعت نے خود لحاظ فرمایا ہے اور بعض موقعوں پر جھوٹ بولنے کی اجازت دیدی ہے۔ مثلاً دو شخصوں میں رنجش ہے ان کی صلح کرانے کی غرض سے اگر کوئی جھوٹی باتیں کرے تو جائز بلکہ ثواب ہے۔ ایک سے کہہ دے کہ وہ تمہارے ملنے کے بہت مشتاق ہیں، ہر وقت آپ کی تعریف کرتے رہتے ہیں، اسی طرح دوسرے سے کہے کہ جب سے آپ سے مفارقت ہوئی ہے ان کو نہایت ہی بے چینی ہے اسی طرح بی بی کی رضا مندی کے لئے شارع نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے، سچی اشتہا میں طبیب کھانے کی اجازت دیتے

ہیں اور کاذب میں منع کرتے ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے کہ طبیب کے منع کرنے سے خوش ہوں اور طبیب مطلق نے جہاں ممانعت فرمائی ہے اس سے ناراضی ہو جب ماں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہارے نفع کی چیز ضرورت کے وقت تم کو نہ دے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ تو ماں سے بدرجہا زیادہ شفیق ہیں تمہارے نفع کی چیزوں سے تم کو کیوں روکتے، اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقعوں پر شریعت نے اجازت فرمائی ہے مگر ضرورت وہی ہے جس کو شریعت نے ضرورت سمجھا اس میں تمہارے خیال کا اعتبار نہیں ہے جہاں ممانعت فرمائی ہے وہ موقع نفع کا نہیں ہے، اپنے آپ کو مضطر و مجبور سمجھنا عین حماقت ہے، افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں میں علماء سے پوچھنے کی عادت جاتی رہی، ورنہ یہ نوبت نہ آتی۔ (اشرف المواعظ ج ۱۴)

## جھوٹ کی اقسام

انسان جب کثرت سے جھوٹ بولتا ہے تو ایک روز اللہ کے یہاں جھوٹوں کے دفتر میں اس کا نام درج کر لیا جاتا ہے، جیسے اقوال میں جھوٹ ہوتا ہے اسی طرح افعال میں بھی ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص لوگوں کے دکھلانے کو خیرات کرے اور ثواب کی نیت نہ ہو تو وہ فعلاً جھوٹا ہے جھوٹ میں جس قدر خداع و فریب زیادہ ہوگا اس کا گناہ بھی زیادہ ہوگا۔ جھوٹ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو بلکہ اصلاح ہو یہ جائز ہے دوسری وہ کہ دوسروں کو ضرر پہنچے یہ حرام ہے، تیسری وہ جس میں نہ کوئی ضرر ہو نہ نفع یہ لغو ہے، اس کو بھی چھوڑنا چاہئے کیونکہ اس سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ (اشرف المواعظ ج ۱۴)

## غیبت کی کدورت:

زبان کا ایک گناہ غیبت ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے ایسی بات کہی جائے جس سے اس کی توہین ہو، خواہ وہ برائی اس کی ذات کے متعلق ہو یا اس کی کسی چیز کا عیب ہو، مکان یا گھوڑے یا کپڑے کی مذمت بھی غیبت میں داخل ہے لیکن افسوس ہے کہ اس میں ہم کو ذرا بھی احتیاط نہیں، کوئی وقت ایسا نہیں جس میں دو چار لوگوں کی غیبتیں نہ کرتے یا نہ سنتے ہوں، ہم لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہو، اور ایک اس کے پڑوسی کا مقدمہ دیوانی میں پیش ہو تو اس کے اوپر افسوس کرے اور اپنی مصیبت کو بھول جائے یہ نہ



خیال کرے کہ میں تو کل کو ٹکلتا ہوں گا اس کی کیا فکر کروں، دوسروں کے ذرا ذرا سے عیبوں پر نظر ہے اور مجموعوں میں بیان کئے جاتے ہیں اور اس سے بڑے بڑے عیبوں میں خود مبتلا ہیں ان کا کچھ ذکر نہیں اگر اپنے عیبوں کا ذکر تو کیا خیال بھی ہوتا تو کبھی اصلاح کی بھی فکر ہو جاتی مگر اپنے آپ کو تو ہر شخص نے بالکل بے گناہ سمجھ لیا ہے، غیبت سننے سے جب منع کیا جاتا ہے تو بعض شخص یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ صاحب اگر ہم کسی کی بات نہ سنیں تو اپنے دل میں وہ برامانے، لیکن اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اوپر سے کسی پر پیشاب کر دے اور وہ اس خیال سے کہ اگر میں ہٹوں گا تو یہ بُرا مانیں گے اور پڑا ہوا پیشاب کراتا رہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اس طرح سے کوئی اپنے آپ اوپر پیشاب کرانے سے کبھی راضی نہ ہوگا، پھر غیبت تو اس سے بھی زیادہ ناپاک و نجس ہے، پیشاب سے اگر کپڑا ناپاک ہوتا ہے تو اس سے دل ناپاک و نجس ہو جاتا ہے۔ (اشرف الموعظ ج ۱۳)

بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب کوئی تم سے پوچھے کہ تم کو اللہ سے محبت ہے یا نہیں تو سکوت کرو کچھ جواب نہ دو کیونکہ انکار تو کفر ہے اس لئے کہ اس میں تکذیب ہے حق تعالیٰ کے قول وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کی اور اقرار دعویٰ ہے اور دعوے پر کبھی پکڑ ہو جاتی ہے اور امتحان ہونے لگتا ہے گو تحدث بالنعمة کے طور پر محبت ظاہر کرنا دعویٰ نہیں مگر بعض دفعہ تحدث بالنعمة اور دعویٰ کی صورت ایک ہو جاتی ہے لہجہ کے ذرا سے فرق سے بات بدل جاتی ہے اور تحدث نعمت دعویٰ بن جاتا ہے اور دعویٰ اس طریق میں بہت سخت چیز ہے حضرت سمون محبت رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ غلبہ حال میں ان کے منہ سے یہ نکل گیا

فلیس لی فی سواک حظ فکیف ماشئت فاخترنی  
(میرے لئے آپ کے سوا کسی شے میں لذت نہیں پس آپ ہمارے دعویٰ میں جس طرح چاہیں امتحان کر سکتے ہیں) (المعرق والرجق للمحق والغریق ج ۱۴)

## سلوک کا تقاضا

سالکین کو چاہئے کہ ہر حالت میں راضی رہیں اور زبان کو بند رکھیں نہ اپنے کو صاحب محبت کہیں نہ خالی اور محروم کہیں میں نے بتلادیا کہ طالب محروم نہیں ہوا کرتا دیکھو کہیں خالی کہنے پہ وہ واقعی خالی ہی نہ کر دیں اور بالفرض اگر تم کو محبت ہی نہ ہو جب بھی خاموش ہی رہو جب محبت

تقسیم ہوگی تو تم کو بھی مل جائے گی کیونکہ چپکے کھڑے رہنے والے پر بھی رحم آ جاتا ہے دیکھو جب مٹھائی تقسیم ہوتی ہے تو بعضے بچے اچھلتے کودتے اور چلاتے ہیں کہ ہمیں بھی دو اور بعضے بیچارے چپکے کھڑے رہتے ہیں تو ان پر بھی تقسیم کرنے والوں کو رحم آیا کرتا ہے کہ یہ بچہ بے چارہ کچھ نہیں بولتا خاموش کھڑا ہے اس کو ضرور دینا چاہئے تو اس کو خاموشی کی وجہ سے اوروں سے پہلے حصہ مل جاتا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض تم میں محبت نہ بھی ہو جب بھی دعویٰ یا نفی سے چلاؤ نہیں صورت سوال بن کر چپکے بیٹھے رہو ان شاء اللہ تم پر رحم کر کے ایک دن محبت عطا کر دی جائے گی، صاحبو! یہ الوان محبت ہیں کسی میں التہاب و اضطراب ہے اور یہ بھی انہی کا رنگ ہے اور کسی میں جمود و خمود ہے یہ بھی انہی کا رنگ ہے (المعرق والرحیق للمعرق والغریق ج ۱۳)

## اسوہ نبوی متعلق دنیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار عصر کی نماز کے لئے مصلے پر تشریف رکھتے تھے اچانک مکان تشریف لے گئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعجب ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے اس وقت یاد آیا کہ کہیں سے کچھ دینار آئے تھے اور وہ گھر میں ہی رکھے ہیں اور رات آنے کے قریب ہے اور نبی کے گھر میں رات کو مال رہنا نہایت غیر مناسب ہے اس لئے میں نے خرچ کر دیے، خیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام ایسے ہوئے ہیں کہ انہوں نے سلطنتوں کی بھی پرواہ نہیں کی۔

حضرت شجاع کرمائی کا قصہ ہے کہ یہ سلطنت چھوڑ کر درویش بن گئے تھے آپ کی ایک صاحبزادی تھیں اُن کی لطافت مزاج وغیرہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں بس یہی کافی ہے کہ بادشاہ کی بیٹی تھیں جب سیانی ہوئیں تو آپ کو خیال ہوا کہ ان کا عقد کر دیا جاوے، آپ کے پاس بہت لوگوں کے پیام آتے تھے اور پیام بھی معمولی لوگوں کے نہیں بلکہ بادشاہوں کے پیام آتے تھے، وجہ یہ ہے کہ بادشاہ اگرچہ فقیر ہو جائے مگر اس کا مرتبہ تھوڑا ہی گھٹتا ہے لوگ اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں چنانچہ جو شخص پہلے امیر کبیر ہو اور پھر غریب ہو جاوے تو لوگ کہا کرتے ہیں کہ غریب ہو گیا تو کیا مگر حوصلہ اور دماغ تو وہی ہے بخلاف اس شخص کے جو پہلے غریب ہو اور پھر امیر ہو جاوے تو اس کی وقعت لوگوں کے دلوں میں زیادہ نہیں ہوتی گو بظاہر اس کی دل شکنی کی وجہ سے اس کے منہ پر اس کی حقارت نہ کریں مگر دلوں میں ہرگز وقعت

نہیں ہوتی کیونکہ غریب کو حوصلہ نہیں ہوتا اگرچہ کتنا ہی بڑا امیر ہو جاوے مگر رہے گا دبا ہی ہوا۔  
 غرض کہ جب کسی بادشاہ کی طرف سے پیام آتا تو آپ انکار فرما دیتے اس انکار پر لوگ اپنے دلوں  
 میں جانے کیا خیال کرتے ہوں گے کہ دیکھئے کس بادشاہ پر ان کی نظر ہے حالانکہ بات یہ ہے۔  
 درنیا ید حال پختہ ہیج خام پس سخن کوتاہ باید والسلام  
 (جب خام پختہ حال کو نہیں سمجھ سکتا تو تطویل کلام سے کیا فائدہ سلامتی اسی میں ہے کہ  
 اس فضا میں سکوت کیا جائے)

لوگوں کو کیا خبر کہ کیوں انکار فرما دیتے ہیں ایک مرتبہ آپ نے مسجد میں دیکھا کہ  
 غریب آدمی نماز میں مشغول ہے اور نماز کا حق جیسا کہ اس کا حق ہے ادا کر رہا تھا اس کے  
 چہرہ سے وقار و مسکنت معلوم ہوتی تھی بس اس کی نماز کو دیکھ کر عاشق ہو گئے اور اسی وقت  
 قصد کر لیا کہ لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کروں گا اس سے بڑھ کر کون ہوگا اس کے اور کسی  
 حال کی تفتیش نہیں کی کہ یہ کون ہے کتنا اس کے پاس ساز و سامان ہے جب وہ نماز پڑھ چکے تو  
 ان سے کہا کہ مجھ کو تم سے کچھ کہنا ہے، چنانچہ آپ نے پوچھا کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے یا  
 نہیں اس نے جواب دیا کہ مجھے لڑکی کون دیتا ہے میں کہاں اس قابل ہوں بالکل غریب و  
 مفلس ہوں، ایسوں کو کون پوچھتا ہے اور اس نے شاہ شجاع کو پہچانا نہیں کہ یہ وہ تارک  
 السلطنت بادشاہ ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی راضی ہو جاوے تو منظور بھی کر لو گے اس نے  
 کہا کہ ہم جیسوں کو کون پوچھتا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر شاہ شجاع کرمائی اپنی لڑکی دے  
 دے تو لے لو گے وہ گھبرا کر کہنے لگا کہ خدا کے واسطے میرے جوتیاں نہ لگوانا بھلا کہاں میں  
 اور کہاں شاہ شجاع کرمائی اور ان کی بیٹی، مجھ سے کیوں تمسخر کرتے ہو، قرآن مجید میں ہے لَا  
 يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ اِلٰی (مردوں کو مردوں پر نہ ہنسنا چاہئے) آپ مجھ کو ذلیل کرتے ہیں  
 اور مجھ کو بناتے ہیں جاؤ اپنا کام کرو آپ نے فرمایا واللہ میں بناتا نہیں اس پر کہنے لگا کہ اگر  
 ایسا ہو تو میں اُن کا تبرک سمجھوں گا آپ نے فرمایا کہ میں ہی شاہ شجاع ہوں میں خوشی سے اپنی  
 لڑکی تمہیں دوں گا اتنا توقف کرو کہ میں لڑکی سے پوچھ لوں چنانچہ آپ گئے اور لڑکی سے اس  
 کے زہد و تقویٰ کا حال بیان کیا دلیل یہ بیان کی کہ نماز اچھی پڑھتا ہے یہ کچھ بھی نہیں فرمایا کہ  
 دنیا کا مال و متاع بھی کچھ ہے یا نہیں غور کیجئے کہ دلیل کیا اچھی بیان فرما رہے ہیں کہ نماز اچھی

پڑھتا ہے اور چونکہ یہ تجربہ ہے کہ صحبت کا اثر بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیوں پر زیادہ ہوتا ہے اُن کا قلب اثر صحبت کے لئے لڑکوں سے زیادہ صالح ہوتا ہے اور اسی لئے اس لڑکی پر بھی باپ کی صحبت کا اثر خوب پڑا ہوا تھا وہ بھی کامل ہو گئی تھیں ان پر اس دلیل کا کافی اثر ہوا بولیں کہ مجھ کو منظور ہے مگر ایک شرط سے کہ اس شخص میں حُبِ دنیا نہ ہو اور آگے آپ کو اختیار ہے کہ غرض نکاح کر دیا اور اس کے گھر پہنچا دیا اور نصیحت کر دی کہ خاوند کی اطاعت کرنا۔

اب اُن صاحبزادی کا حال سنئے کہ صاحبزادی نے گھر کے دروازہ میں قدم رکھا تو دیکھا کہ ایک سوکھی ہوئی روٹی گھرے پر ڈھکی ہوئی رکھی ہے یہ دیکھتے ہی فوراً لٹے پاؤں لوٹ پڑیں اور کہا ابا جان نے مجھ کو کہاں دھکا دے دیا اس شخص نے کہا کہ میں تو پہلے ہی سمجھے ہوئے تھا کہ بادشاہ کی بیٹی مجھ کو خاطر میں نہ لائیں گی، صاحبزادی نے کہا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِنَّمَا کہ بعض گمان گناہ ہوتا ہے تم نے یہ خیال کیا ہوگا کہ میں تمہاری غریبی کو دیکھ کر واپس ہوئی ہوں سو یہ بات نہیں میں تو اس لئے لوٹی ہوں کہ والد نے کہا تھا کہ زاہد متوکل شخص ہے سو اگر تم کو خدا پر توکل ہوتا تو اس روٹی کے رکھنے کو کیوں پسند کرتے اُس نے کہا کہ میرا روزہ تھا میں نے اس خیال سے یہ روٹی رکھ لی تھی کہ اس سے روزہ افطار کروں گا، لڑکی نے جواب دیا کہ تو نے جس کا روزہ رکھا ہے تو اس کا مہمان ہے اور مہمان کی خبر گیری میزبان کے ذمہ ہے پھر کیوں اس کو رکھ چھوڑا ہے اس شخص نے فوراً اس روٹی کو خیرات کر دیا تب وہ گھر میں داخل ہوئیں، سو ایسے لوگ بے شک حرص سے بری ہیں (انوار السراج ۴)

## آئینہ چینی شکست

بعض بزرگوں کو تو دنیا کے جاتے رہنے کی خوشی ہوتی ہے۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں بطور ہدیہ کے ایک آئینہ بیش قیمت آیا تھا آپ کبھی کبھی خادم سے منگا کر اس میں منہ دیکھا کرتے تھے، اتفاقاً ایک دفعہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اس کو بڑی فکر ہوئی بزرگوں کے پاس رہنے والے ہوتے ہیں مزاج شناس خادم نے عذر کرنے کا ارادہ کیا اور عذر کا مضمون ایک مصرع میں موزوں کر کے عرض کیا۔

از قضا آئینہ چینی شکست (قضا سے چین کا آئینہ ٹوٹ گیا)



حضرت نے فی البدیہہ فرمایا۔ خوب شد اسباب خود بینی شکست  
(بہت اچھا کہ خود بینی کے اسباب ختم ہو گئے)

خود بینی کیا ہی اچھا موزوں لفظ ہے بزرگوں کا اصل مذاق تو یہ ہے کیونکہ وہ مال کی حقیقت کو پہچانتے ہیں باقی اکثر لوگوں کی وہی حالت ہے کہ اگر ان کے پاس سونے کے دو جنگل ہوں تو تیسرے کے طالب ہوں گے، یہ حال انسان کی حرص کا اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھرے گی اسی کی نسبت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔  
گفت چشم دنیا دار را یا قناعت پر کن دنیا خاک گور  
(کہا کہ دنیا دار حریص کا پیٹ یا تو قناعت سے بھر سکتا ہے یا قبر کی مٹی سے)

اور حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

کوزہ چشم حریصاں پر نشد تا صدف قانع نہ شد پر دُر نہ شد  
(لا لچی کی آنکھ کا کوزہ اس وقت تک نہیں بھر سکتا جب تک کہ سیپ کے اندر کا موتی نہ پڑ گیا ہو)  
(انوار السراج ج ۴)

## تلقین صبر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کا انتقال ہوا تو مجھ کو ایسا صبر کسی بات سے نہیں ہوا جیسا کہ ایک بدوی کے کلام سے ہوا وہ یہ ہے  
فَاصْبِرْ نَكُنْ بِكَ صَابِرِينَ فَإِنَّمَا صَبْرُ الرَّاعِيَةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّاسِ  
خَيْرُ الْعَبَّاسِ أَجْرَكَ بَعْدَهُ وَاللَّهُ خَيْرُ مِنْكَ لِلْعَبَّاسِ  
مطلب اس کا یہ تھا کہ صبر کا ثواب تو جو کہ تم کو ملا عباس رضی اللہ عنہ سے اچھا اور اللہ عباس رضی اللہ عنہ کے لئے تم سے اچھا پھر اس واقعہ میں نقصان کس کا ہوا.....؟ بس یہی تو ہوا کہ اللہ کے پاس پہنچ گئے تو وہ تمہارے مرغوب تھے تو اور زیادہ مرغوب حالت میں ہو گئے کہ وہ باقی رہنے والی ہوگی ان حقائق پر نظر کر کے کسی کے مرنے پر زیادہ غم نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کی بقاء پر نظر کر کے خود اپنے میں وہ قابلیت پیدا کرنی چاہئے کہ جس سے اللہ میاں کے پاس جانے کے اور بقا محمود کے ساتھ باقی رہنے کے قابل ہو جائے، (انوار السراج ج ۴)

غرض کسی نے ترک طاعت کیا یا ارتکاب معصیت تو صرف نفسانی خواہش سے اس

کے اندر بھی کچھ آگیا ہر چیز میں خیال رکھے کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں، جب اس پر کوئی محافظت کرے گا تو ممکن نہیں کہ اس سے معصیت ہو سکے، تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے، ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کیجئے کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے یا نہیں اگر لذت آتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ ضرور ایک فرد معصیت کا ہے پھر اس لذت سے مغلوب نہ ہو جائیے اور اس کی مضرت کو پیش نظر رکھئے اکثر گناہوں میں سب جانتے ہیں کہ مضرتیں ہیں مگر پھر خواہش نفسانی سے مغلوب ہو کر اس کو کرتے ہیں مثلاً غیبت کرنے والا جانتا ہے کہ اگر اس شخص کو خبر پہنچ گئی تو مجھ سے لڑائی ضرور ہوگی اور بہت سے نقصان پہنچیں گے، نفع تو کوئی بھی مرتب نہ ہوگا مگر پھر کرتا ہے اور کرنے سے طبیعت کو سکون ہوتا ہے، جیسے کسی سے بدلہ لے لیا، یہ خواہش نفسانی ہی ہے جس کے سامنے مضرت کا خوف بھی مغلوب ہو جاتا ہے، ایسے بھی پرہیزگار ہیں کہ خود غیبت نہیں کرتے مگر سننے میں مزہ آتا ہے، بہت کیا تو جب کسی نے غیبت کی رفع الزام کے لئے کہہ دیا میاں جانے دو اور پھر غیبت کے ساتھ سن رہے ہیں دل میں سمجھ رہے ہیں کہ میں غیبت سے محفوظ ہوں بہت احتیاط کرتا ہوں دوسرے کو بھی منع کر دیتا ہوں (قانونی برتاؤ اللہ میاں سے) جناب اللہ میاں کو دل کی بھی خبر ہے۔

کاربا اور است باید داشتن      رایت اخلاص و صدق افراشتن  
(اس خدا کے ساتھ معاملہ درست کرنا چاہئے اور اخلاص اور صدق کا علم بلند رکھنا چاہئے)

(طلب الجہنہ ج ۱۳)

## حب دنیا

صاحبو! بزرگوں نے تو مباحات میں بھی ایسے کام کو برا سمجھا ہے جس کی کوئی غرض نہ ہو پھر بلا وجہ غیبت تو کیوں نہ بری ہوگی، حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت میں چند بزرگ حاضر ہوئے اور ان کے پاس بیٹھ کر دنیا کی مذمت کرنے لگے آپ نے فرمایا قوموا عنی فانکم نحبون الدنیا میرے پاس سے اٹھ جاؤ کیونکہ تم کو دنیا سے محبت ہے ان حضرات کو بڑی حیرت ہوئی کہ ہم تو دنیا کی مذمت کر رہے ہیں ہم محبت دنیا کیونکر ہو گئے فرمایا من احب شینا اکثر ذکرہ جس کو کسی شے سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر بہت کرتا ہے اگر تم کو دنیا سے محبت نہ ہوتی تو اتنی دیر تک تم بلا وجہ اس کے ذکر میں مشغول نہ رہتے بلکہ

محبوب حقیقی کو یاد کرتے جس بات پر حضرت رابعہ کی نظر پینچی ہے وہ گہری بات ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ کسی شے کی مذمت سے کبھی تو یہ غرض ہوتی ہے کہ مخاطبین میں سے کسی کو اس سے بچانا منظور ہے۔ مثلاً ایک شخص مریض ہے اس کے سامنے کسی شے کی مضرت کا ذکر کیا جائے یہ مذمت تو بلا وجہ نہیں اور کبھی مذمت اس غرض سے ہوتی ہے کہ اس شخص کی نظر میں اس کی وقعت ہے تو یہ اس کی مذمت کر کے اپنا کمال ظاہر کرنا چاہتا ہے مثلاً کوئی یہ نہ کہے گا کہ مجھے راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا ملا تھا مگر میں نے نہ اٹھایا ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں رئیس نے ہم کو پانچ ہزار روپے دینا چاہے تھے مگر ہم نے توجہ بھی نہ کی تو پیسہ کے متعلق عدم التفات کا ذکر نہ کرنا اور اتنی بڑی رقم کے متعلق ذکر کرنا اس کی دلیل ہے۔ کہ اس شخص کے دل میں پانچ ہزار روپے کی وقعت ہے اس لئے ان سے بے پروائی ظاہر کر کے یہ اپنا کمال ثابت کرنا چاہتا ہے اسی طرح یہ کبھی نہ کہا جائے گا کہ ہم کو ایک چمار راستہ میں ملا تھا ہم نے اس کو سلام نہ کیا اور یہ کہا جاتا ہے کہ ایک حاکم ہم کو ملا تھا ہم نے اس کو سلام بھی نہیں کیا اس میں خود اقرار ہے کہ اس کے دل میں حاکم کی وقعت ہے اب سمجھئے کہ جن بزرگوں نے حضرت رابعہ کے سامنے دنیا کی مذمت کی تھی ان کے اندر طالب دنیا کوئی نہ تھا سب تارک دنیا تھے تو ان کی مذمت قسم اول میں تو داخل تھی نہیں کیونکہ مخاطبین میں مریض کوئی نہ تھا بس قسم دوم میں داخل تھی کہ مذمت دنیا کر کے ان کو اپنا زہد ظاہر کرنا مقصود تھا اور اس سے خود دنیا کی وقعت کرنا ہے اگر دل میں اس کی وقعت نہ ہوتی تو اس سے بے رغبتی ظاہر کرنے کا خیال ہی نہ ہوتا، جیسا کہ ایک پیسہ سے بے رغبتی کو کوئی بھی ظاہر نہیں کرتا اس لئے حضرت رابعہ نے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ کیونکہ تم کو دنیا سے محبت ہے یعنی اس کی وقعت کسی قدر تمہارے دل میں باقی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام نے جو بعض دفعہ دنیا کی مذمت فرمائی ہے وہ بضرورت تھی یعنی وہ قسم اول میں داخل تھی کہ مخاطبین میں بعض مریض تھے ان کی اصلاح مقصود تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب صرف صحابہ رضی اللہ عنہم ہی نہ تھے بلکہ ساری امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب تھی۔

بہر حال بزرگوں نے تو مباحات کو بھی جبکہ ان میں کوئی غرض صحیح نہ ہو برا سمجھا ہے اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنہ

(الکامل لابن عدی ۳: ۹۰۷، مسند احمد ۱: ۲۰، کنز العمال ۳: ۸۲۹۱)۔  
 (انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کو چھوڑ دے) اور حق تعالیٰ نے اس کو لغو سے  
 تعبیر فرمایا ہے وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ اور وہ لوگ فضول (کاموں اور باتوں  
 سے اعراض کرتے ہیں) ظاہر میں اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ مالا یعنی اور لغو جب مباح ہیں تو  
 پھر ان سے اعراض کرنے اور ان کے ترک کرنے کی کیا ضرورت ہے مگر اس میں راز یہ ہے  
 کہ بعض کام فی نفسہ مباح ہوتے ہیں مگر ان میں بلا ضرورت مشغولی مفضی الی الشر ہو جاتی  
 ہے اور بضرورت میں یہ احتمال نہیں کیونکہ وہ بقدر ضرورت ہوگی (۱۲) اسی لئے حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور یہ مضمون دو تین روز ہی سے بالہالم احق میں سمجھ میں آیا  
 ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اپنے فضول کاموں میں غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا  
 کہ لغو اور فضول کاموں سے ضرور بطور انقضاء کے گناہ تک وصول ہو گیا ہے مثلاً مجھے خود یہ  
 واقعہ پیش آتا ہے کہ بعض دفعہ کوئی شخص آ کر بلا ضرورت پوچھتا ہے کہ آپ فلاں جگہ کب  
 جائیں گے اس سوال سے مجھ پر گرانی ہوتی ہے اور مسلمان کے قلب پر گرانی ڈالنا خود  
 معصیت ہے گو وہ خفیف ہی ہو گناہ کبیرہ نہ ہو صغیرہ ہی ہو مگر ضغائر کو ہلکانہ سمجھو کیونکہ چھپر میں  
 جیسے بہت سی آگ نہیں لگائی جاتی چنگاری بھی نہیں ڈالی جاتی، عقلاء تو دیا سلائی کو بھی  
 استعمال کر کے ویسے ہی نہیں ڈالتے بلکہ بجھا کر پھینکتے ہیں گو اس پاس چھپر بھی نہ ہو کیونکہ دیا  
 سلائی پھینکنے سے بعض واقعات سخت ہو گئے ہیں اس لئے گرانی مخاطب کو ہلکانہ سمجھو میں اپنا  
 حال عرض کرتا ہوں کہ واقعی مجھے اس سوال سے گرانی ہوتی ہے اگر سوال کرنے والا مخلص بھی  
 ہو جب بھی مجھے گرانی ہوتی ہے کہ اس کو ہمارے ذاتی افعال کی تفتیش کا کیا حق ہے یہ ہمارا  
 اتالیق ہے یا مصلح ہے کون ہے؟ ہاں اگر اس سوال کے ساتھ سوال کی مصلحت بھی بتلا دی  
 جائے مثلاً یہ بھی کہہ دیا جائے کہ میں بھی ساتھ چلنے کا ارادہ کر رہا ہوں اس لئے پوچھتا ہوں یا  
 اور کچھ مصلحت بیان کر دی جائے تو پھر انشراح ہو جاتا ہے کیونکہ اب یہ سوال لغو نہیں رہا اس  
 کی صحیح غرض نکل آئی، میں پھر بقسم کہتا ہوں کہ کوئی لغو اور فضول کام ایسا نہیں ہے جس کی سرحد  
 معصیت سے نہ ملی ہو مجھے تو اس میں شرح صدر ہے اور تفتیش کر کے دیکھو تو آپ کو بھی علم ہو  
 جائے گا ورنہ بدوں تفتیش کے تو زہر کی بھی مضرت کا علم نہیں ہو سکتا ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ



میں نے تو ہزاروں کو سکھایا ہے اس سے کیا ہوا اس کو یہ بھی تو تفتیش کرنا چاہئے کہ ان لوگوں کا حال کیا ہوا اسی طرح آپ کی لغو اور فضول حرکتوں سے مثلاً اگر ایک دو کو ایذا نہ ہوئی ہو تو اس سے آپ بے فکر کیوں ہو گئے اچھی طرح تفتیش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے قلوب کو اس حرکت سے ایذا پہنچی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لغو اور فضول ابتداء تو مباح ہے مگر انتہاء معصیت ہے، اس میں اباحت و معصیت دونوں ملے ہوئے ہیں، فقہاء حکماء امت ہیں وہ اس کو سمجھتے ہیں کہ ایک فعل میں مختلف حیثیات ہو سکتی ہیں اور ایک شے کی حقیقت امور متضادہ سے مرکب ہو سکتی ہے۔ (المؤدۃ الرحمانیہ ج ۱۴)

## ریاء مع اللہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ریاء کرنے کی کیا صورت ہے۔ سنئے مثلاً ایک شخص مختصر نماز پڑھ رہا تھا پھر اس وقت اس کا کوئی معتقد آ گیا تو اس نے نماز لمبی کر دی۔ یہ تو کھلی ریاء ہے جو ریاء مع الخالق ہے۔ پھر اس نے خلوت میں نماز پڑھی تو اب بھی نماز کو لمبی کرتا ہے اس خیال سے کہ مخلوق کے سامنے تو پھر بھی طویل ہی نماز پڑھنا ضروری ہے۔ سو کبھی حق تعالیٰ یوں نہ کہیں کہ مخلوق کے سامنے تو لمبی نماز پڑھتا ہے اور میرے سامنے مختصر پڑھتا ہے تو یہ لمبی نماز خدا کے لئے نہیں ہے بلکہ مخلوق کے سامنے ریاء باقی رکھنے کے لئے ہے۔ یہ ریاء مع اللہ ہے۔ ایسے ہی تکبر میں جب غلو ہو جاتا ہے اور اس کی جڑ پختہ ہو جاتی ہے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی تکبر کرنے لگتا ہے۔ مثلاً دعا میں عاجزی اور خشوع کر رہا ہے۔ رونے کی سی صورت بنا کر گر گڑا رہا تھا کہ سامنے سے کوئی دوسرا شخص آ گیا تو اب گر گڑا نا چھوڑ دیا کہ دیکھنے والے کی نظر میں سبکی نہ ہو یہ تکبر مع اللہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور ذلت کی صورت بنانے سے بھی دوسروں کی نظر میں ذلت و عار آتی ہے۔

جس شخص کے لئے شیخ نے اخفاء عمل کو تجویز کر دیا ہو اس کے لئے اخفاء عمل ریاء نہیں یا یہ شخص خود مجتہد ہو اور اس کے نزدیک اپنے لئے اخفاء عمل کی ضرورت ہو اس کے لئے بھی اخفاء عمل ریاء نہیں مگر مجتہد وہ ہے جس کا مبصر ہونا کسی مبصر کے قول سے معلوم ہوا ہو ورنہ خود اپنے اعتقاد سے یا عوام کے معتقد ہو جانے سے کوئی مبصر نہیں ہو سکتا۔ صائب نے خوب کہا ہے۔  
بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

یعنی چند جاہلوں کی تعریف سے تم عیسیٰ نہیں ہو سکتے یعنی صاحب کمال اور مبصر نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لئے ضرورت ہے اولاً مجاہدہ کی اور کسی مبصر کی جو تیاں سیدھی کرنے کی۔ پھر وہ جب یہ کہہ دے کہ تم مبصر ہو گئے اس وقت تمہارا اجتہاد قبول ہوگا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## تعلیم اعتدال

حدیث میں آیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مکان پر سے گزرے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو بلند آواز سے قراءت کر رہے ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پست آواز سے۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے ابو بکر تم بالکل آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے۔ قال کنت اسمع من اناجیہ کہایا رسول اللہ میں حق تعالیٰ کو سنا رہا تھا اور اُن کے سننے کو جبر و خفض دونوں برابر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وجہ پوچھی کہ تم بلند آواز سے کیوں پڑھ رہے تھے۔ قال کنت اطرء الشیطان و اوقظ الوسنان۔ کہا میں شیطان کو بھگانا اور اونگھنے والوں کو جگانا چاہتا تھا۔ دونوں حضرات نے اپنے اپنے فعل کی معقول وجہ بیان کر دی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ فیصلہ فرمایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

یا ابا بکر ارفع من صوتک قليلا

کہ تم ذرا اپنی آواز بلند کر دو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا

اخفض من صوتک قليلا (کہ تم ذرا اپنی آواز کو پست کر دو)

اب اس کی توجیہ میں اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو یہ حکم کیوں فرمایا۔ علماء ظاہر نے تو مختلف توجہات پیش کی ہیں۔ لیکن ابن عطاء اسکندری فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو اپنی رائے اور تجویز سے ہٹانا چاہا اور دونوں کے ارادوں کو فنا کرنا مقصود تھا کہ تم اپنی رائے سے کوئی کام نہ کرو۔ بلکہ ہر کام میں ہمارے اتباع کا قصد کرو۔ یہی تفویض ہے اور اسی کا نام فنا ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## فنا کی حقیقت

فنا سے یہ مراد نہیں کہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی چیز حساً بھی نظر نہ آئے اور اپنی ذات

سے بھی نظر اٹھ جائے گو کبھی غلبہ حال میں ایسا بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ جامی فرماتے ہیں،  
بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ہر چہ پیدامی شود از دور پندارم توئی  
میری جان فداء اور چشم بیدار میں تو ہی بسا ہوا ہے جو کچھ دور سے ظاہر ہوتا ہے تجھ کو گمان کرتا ہوں۔  
اور اسی کو ایک شاعر اس طرح ادا کرتا ہے۔

جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی تو یہ غلبہ حال ہے ورنہ فنا کی حقیقت صرف اتنی  
ہے کہ اپنے ارادہ و تجویز کو فنا کر دے۔ یعنی اپنے ارادہ و تجویز کو ارادہ و تجویز حق کے تابع  
کر دے۔ جس کو سید احمد رفاہیؒ نے ایک دفعہ اس طرح بیان فرمایا کہ اپنے ایک مرید سے  
دریافت فرمایا کیف تری شیخک تم اپنے شیخ کو کس درجہ کا سمجھتے ہو۔ اس نے کہا میں آپ کو  
قطب سمجھتا ہوں۔ فرمایا: نزہ شیخک عن القطبۃ کہ اپنے شیخ کو قطبیت سے پاک سمجھو کہا  
تو شاید آپ غوث ہیں فرمایا: نزہ شیخک عن الغوثیۃ اپنے شیخ کو غوثیت سے بھی پاک سمجھو۔  
اور یہ بات تحدت بالنعمة کے لئے فرمائی کہ حق تعالیٰ کا اپنے اوپر جو انجام ہے اس کو ظاہر کریں  
جس سے مرید کا دل خوش کرنا بھی مقصود تھا کہ اس کی تسلی ہو کہ حق تعالیٰ نے مجھے ایسا شیخ دیا۔

اب مرید نے پوچھا کہ حضرت پھر آپ ہی اپنا مقام بتلائیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس  
زمانہ کے تمام اولیاء کی ارواح کو ایک مقام میں جمع فرمایا اور سب سے فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے  
ہو۔ کسی نے قطبیت مانگی اس کو قطب کر دیا گیا۔ کسی نے غوثیت مانگی وہ غوث بنا دیا گیا۔

علیٰ هذا حتی دارت النوبة الی هذا الا شیء احمد فقلت یا رب  
ارید ان لا ارید واختاران لا اختار فاعطانی مالا عین رأت ولا اذن  
سمعت ولا خطر علی قلب بشر من اهل هذا العصر۔

یہاں تک کہ اس ناچیز احمد کی نوبت آئی تو میں نے عرض کیا یا رب میں تو یہ چاہتا ہوں  
کہ کچھ بھی نہ چاہوں اور یہ پسند کرتا ہوں کہ کچھ بھی پسند نہ کروں (بلکہ جو آپ چاہیں میں  
اسی کو چاہتا ہوں) اس پر حق تعالیٰ نے مجھے وہ دولت دی جو کسی آنکھ نے نہ دیکھی اور نہ کسی  
کان نے سنا اور نہ کسی شخص کے دل پر اس کا خطرہ گزرا۔ یعنی اس زمانہ کے لوگوں میں سے  
بس یہ ہے فنا کی حقیقت کہ اپنے ارادہ کو فنا کر دیں۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## شوق تلاوت

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ سے

فرمایا کہ رات ہم نے تمہارا قرآن سنا تو اللہ تعالیٰ نے تم کو صوت داؤدی سے حصہ دیا ہے۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا۔

لو علمت بک یا رسول اللہ لحبرۃ لک تحبیرا

یا رسول اللہ! اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو میں اور زیادہ بنابنا کر پڑھتا۔ اس جواب پر حضورؐ نے انکار نہیں فرمایا جو کہ تقریر سکوتی ہے تو اگر کسی شخص کے لئے بنا سنوار کر قرآن پڑھنا مطلقاً ریاء میں داخل ہوتا تو حضرت ابو موسیٰ کی یہ تحبیر بھی ریاء میں داخل ہوتی اور ریاء حرام ہے۔ گو حضورؐ ہی کے دکھلانے کے واسطے ہو کیونکہ ریاء حضورؐ کے سامنے بھی حرام ہے کسی قاعدہ سے یہ تخصیص نہیں معلوم ہوتی کہ حضورؐ کے دکھلانے کے واسطے کام کرنا جائز ہے اور وہ ریاء نہیں بہر حال یہ تحبیر بھی ناجائز ہوتی حالانکہ حضورؐ کا انکار نہ فرمانا اس کے جواز کو ظاہر کر رہا ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہاں اس تحبیر سے حضورؐ کو دکھلانا بالذات مقصود نہیں بلکہ حضورؐ کے سنانے سے مقصود آپ کی تطیب قلب کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو راضی کرنا تھا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## تعلیم اخلاص

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت رابعہ بصریہ ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لئے ہوئے نہایت جوش و غضب میں بھری ہوئی جارہی تھیں کسی نے پوچھا کہاں جارہی ہو۔ کہاں میں آج جنت و دوزخ کا فیصلہ کرنے جارہی ہوں۔ اس آگ سے جنت کو پھونکوں گی اور پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کروں گی۔ کیونکہ ساری مخلوق جنت و دوزخ کے طمع و خوف سے عبادت کر رہی ہے۔ میرے محبوب کو (خالصاً مخلصاً) کوئی یاد نہیں کرتا۔ اس واقعہ سے ان کے عشق کا حال معلوم ہو گیا ہوگا کہ کس درجہ کا ہے حضرت رابعہ کے کمال عشق میں کچھ شبہ نہیں مگر یہ مسئلہ اُن سے مخفی رہا کہ رسول میں ایک حیثیت ایسی بھی ہے جس کے اعتبار سے وہ غیر حق نہیں ہیں اور اس درجہ میں خدا کی محبت رسول کی محبت ہے اور رسول کی محبت خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔

چنانچہ آپ نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو ندامت سے آنکھیں نیچی کر لیں اور کہا یا رسول اللہ میں آپ سے سخت شرمندہ ہوں کہ خدا کی محبت نے دل میں اتنی جگہ کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی جگہ نہ چھوڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ غم نہ کرو اللہ تعالیٰ کی محبت ہماری ہی محبت ہے الحمد للہ بزرگوں کی برکت سے جس



بات کی طرف حضرت رابعہ کا ذہن نہ گیا وہ ہم جیسوں کو سہولت سے معلوم ہو گئی۔ اور یہ خدا کی عطا ہے جس کو چاہے دے، بات یہ ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک عقلی ایک طبعی اور مطلوب محبت عقلیہ ہے اور حضرت رابعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عقلیہ حاصل تھی کیونکہ وہ احکام شرعیہ کی تابع تھیں اور حضور ہی کے اتباع میں فنا تھیں اور محبت عقلیہ اسی کا نام ہے کہ محبوب کے احکام کی اطاعت کرے اور اپنی خواہش و ارادہ کو اس کے احکام کے سامنے فنا کر دے اور اس کے حکم پر کسی چیز کو ترجیح نہ دے گا مگر طبعی محبت (یعنی میلان و انجذاب و وابستگی) اُن کو حق تعالیٰ سے زیادہ تھی اور قاعدہ ہے کہ محبت طبعیہ خاص درجہ میں ایک ہی سے ہو سکتی ہے دو سے ایک درجہ کی نہیں ہو سکتی اور یہ امر غیر اختیاری ہے کیونکہ اس کا مدار مناسب طبع پر ہے جو بندہ کے اختیار میں نہیں اسی لئے محبت طبعیہ مامور بہا نہیں بلکہ مامور بہا اور مطلوب محبت عقلیہ ہے جو امر اختیاری ہے رہی طبعی محبت تو وہ بعض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہوتے ہیں اور بعض کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہوتی ہے یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ ہوتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی فرماتے ہیں کہ تم کو جب خدا سے محبت ہے تو ہم سے بھی محبت ہے۔ اسی طرح پہلی قسم کے لوگوں کی اللہ تعالیٰ تسلی فرماتے ہیں کہ جب تم کو رسولؐ سے محبت ہے۔ تو ہم سے بھی محبت ہے کیونکہ رسولؐ کے ساتھ جس حیثیت سے محبت ہے اس حیثیت سے وہ غیر حق نہیں۔ پس محبت عقلیہ ان دونوں قسم کے لوگوں کو اللہ و رسولؐ دونوں سے ہے کیونکہ اُس کا مبنی تو اطاعت احکام ہے۔ پھر شرمندگی کی کیا وجہ ہے۔ پس حضرت رابعہؓ کی نظر اس پر نہ پہنچی کہ مطلوب محبت عقلیہ ہے نہ کہ طبعیہ۔ نیز یہ مقدمہ بھی ان کی نظر سے مخفی رہا کہ رسولؐ میں ایک حیثیت ایسی ہے جس میں وہ غیر حق نہیں اس لئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ تھیں۔ اور یہی محبت عقلیہ مراد ہے اس حدیث میں۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ وَمَالِهِ وَأَهْلِهِ وَوَلَدِهِ

أَجْمَعِينَ (او کما قال) (مسند احمد 4: 227)

کہ کوئی تم میں سے اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کو اپنی جان و مال و اہل و عیال سب سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ اَنْتَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا نَفْسِي۔

کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں بجز میری جان کے کہ مجھے اپنی جان زیادہ محبوب معلوم ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں اے عمر! جب تک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں اس وقت تک مومن نہ ہو گے۔ اس کے بعد اسی مجلس میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ! میں اب دیکھتا ہوں کہ آپؐ میرے نفس سے بھی احب ہیں یہاں دو شبے ہوتے ہیں ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کی اتنی جلدی کا یا پلٹ گئی کہ اسی مجلس میں کچھ سے کچھ ہو گیا دوسرے یہ کہ اگر کسی مومن کی وہ حالت ہو جو حضرت عمرؓ کی حالت اولاً تھی تو کیا وہ مومن نہ ہوگا۔

پہلے شبے کا جواب گو یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی مجلس میں حضرت عمرؓ کی کا یا پلٹ ہو جانا ممکن ہے کیونکہ جب فاعل و منفعل دونوں کامل ہوں تو ایسا ہو جانا کچھ بعید نہیں مگر چونکہ اشکال دوسرا بھی ہے اس لئے یہ جواب مجھے پسند نہیں بلکہ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اول یہ سمجھے کہ حضورؐ کی مراد احبیت طبعیہ ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تکرار ارشاد سے وہ سمجھ گئے کہ مراد محبت عقلیہ ہے اور محبت عقلیہ ہر مومن کو اللہ و رسول سے زیادہ ہے حضرت عمرؓ کو تو کیوں نہ ہوتی کیونکہ وہ تو ہر وقت اللہ و رسول کے لئے اپنی جان دینے کو تیار تھے گو طبعاً اپنی جان سے محبت زیادہ ہو مگر وہ اللہ و رسول کے لئے سب سے محبوب چیز کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ تھے۔ پس سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد احبیت عقلیہ ہے اور محبت عقلیہ مجھے سب سے زیادہ اللہ و رسول کے ساتھ ہے۔ اپنی جان سے نہیں۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## رذائل کا امالہ

ہمارے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ رذائل کا ازالہ نہ کرو صرف امالہ کافی ہے۔ غرض ازالہ کی فکر ضرور نہیں اضمحلال بھی کافی ہے مگر اضمحلال کے لئے اس کی مشق ضروری ہے اور مشق ہوتی ہے کثرت تکرار سے یہ نہ ہو۔

الحائک اذا صلی یوما انتظر الوحی۔ (جولایا اگر ایک دن نماز پڑھ لے تو وحی کا منتظر ہوتا ہے) کہ دو دن مخالفت کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے کثرت تکرار کی خاصیت ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دن ان شاء اللہ یہ رذیلہ کمزور ہو جائے گا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## ارضائے خلق للحق ریاء نہیں

ارضائے خلق للحق ریاء نہیں اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث دلیل میں بیان کی تھی اس سے ایک اشکال کا جواب ہو گیا جو زمانہ دراز تک مجھے بھی رہا وہ یہ کہ بعض لوگ قراء سے درخواست کرتے ہیں کہ کچھ قرآن سناؤ اب اگر وہ بنا سنوار کر پڑھتے ہیں تو ریاء کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ وہ تنہائی میں اس طرح بنا سنوار کر نہیں پڑھتے اور اگر معمولی طور سے پڑھ دیں تو درخواست کرنے والوں کا جی خوش نہیں ہوتا یہ اشکال پھر بہت دنوں کے بعد الحمد للہ حضرت ابو موسیٰ کی اس روایت سے رفع ہوا۔ اور معلوم ہوا کہ تطیب قلب مومن کے لئے خوش آوازی سے قرآن پڑھنا ریاء نہیں گو اس میں ارضاء خلق مقصود ہے مگر یہ ارضاء خلق للحق ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے تطیب قلب مومن کا امر فرمایا ہے پس جو قاری خوش آوازی سے لوگوں کو قرآن سناتا ہے اگر اس کو دینا مطلوب نہیں اور وہ قرآن سنا کر روپیہ نہیں لیتا تو یہ بھی اخلاص ہی ہے کیونکہ یہ سب اخلاص ہی کے مراتب ہیں ایک یہ کہ محض خدا تعالیٰ کے لئے کام کرے مخلوق کا اس میں تعلق ہی نہ ہو اور ایک یہ کہ مخلوق کے راضی کرنے کو کام کرے مگر کوئی غرض دنیوی مطلوب نہ ہو صرف اس کا خوش کرنا مقصود ہو جو دینی غرض ہے اور ایک درجہ یہ کہ کچھ نیت نہ ہو نہ دنیا مطلوب ہو نہ دین، یونہی خالی الذہن ہو کر کوئی عمل کر لیا یہ بھی اخلاص عدم الرياء ہے۔ بس ریاء یہ ہے کہ دنیوی غرض کی نیت ہو۔

اب میں طلبہ کو بشارت دیتا ہوں کہ ان میں سے بعض کو طلب علم سے کچھ بھی مطلوب نہیں ہوتا نہ دنیا نہ دین۔ محض والدین کے کہنے سے پڑھ رہے ہیں۔ سو یہ بھی ایک درجہ کے مخلص ہیں۔ خلوعن الغرض الدنیوی بھی اخلاص ہی ہے کیونکہ ریاء اور اخلاص کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور ریاء کی حقیقت ہے۔

اراءة الخلق للغرض الدنیوی: (دنیوی غرض سے مخلوق کو دکھانا) اس مجموعہ میں سے ایک قید کے اٹھ جانے سے بھی اخلاص کا تحقق ہو جائے گا۔ خواہ ارادۃ الخلق ہی نہ ہو یا ارادۃ الخلق ہو۔ مگر غرض دنیوی نہ ہو بلکہ دینی ہو یا غرض ہی کچھ نہ ہو۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## اخلاق اور ریاء کا حال

بیمار پری میں ایک نیت تو یہ ہے کہ مسلمان کی عیادت سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں یہ تو

اعلیٰ درجہ کا اخلاص ہے اور ایک نیت یہ ہے کہ عیادت سے یہ بیمار خوش ہوگا یہ بھی اخلاص ہے کیونکہ تطہیب قلب مومن بھی عبادت ہے ایک نیت یہ ہے کہ بیمار کا حق ہے کہ اس کی عیادت کی جائے یہ بھی اخلاص ہے۔ ایک یہ صورت ہے کہ کچھ نیت نہ ہو بس کسی کی بیماری کا حال سن کر دل گڑھا۔ اور دل میں دیکھنے کا جوش ہوا اور چلے گئے کوئی غرض دینی یا دنیوی ذہن میں حاضر نہیں یہ بھی اخلاص ہے بس ریا یہ ہے کہ اس نیت سے جائے کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو کل کو یہ مجھے پوچھنے نہ آئے گا یہ دنیوی غرض ہے بس جب تک دنیوی غرض نہ ہو ریا نہیں بلکہ اخلاص ہی ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## واقعہ امام صاحب

امام صاحب کا واقعہ ہے کہ آپ چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ یہ امام ابو حنیفہ ہیں۔ یہ پانچ سو رکعتیں روزانہ پڑھتے ہیں آپ اس کو سن کر رونے لگے اور اسی روز سے اتنا ہی عمل شروع کر دیا۔ کیوں کہ جانتے تھے کہ مخلوق تو دھوکہ میں آسکتی ہے لیکن خالق کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں چل سکتا۔ (طریق القرب ج ۱۵)

## خلوص کا معیار

خلوص کا ایک معیار ہے جو شیخ علی خواص کے مقولات میں مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ خلوص کی علامت یہ ہے کہ جس بستی میں دین کا ایک کام تم کر رہے ہو اگر کوئی دوسرا اسی کام کرنے والا وہاں آجائے تو تم کو ناگوار نہ ہو۔ بلکہ خوشی ہو کہ الحمد للہ میرا ایک معین و مددگار آگیا بلکہ اگر وہ کافی ہو تو تم اور کسی ضروری کام میں لگ جاؤ۔ اب دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لو کہ کیا تمہاری یہی حالت ہے۔ ہرگز نہیں۔ اب تو اگر تمہارے مدرسہ کے ہوتے ہوئے بستی میں دوسرا مدرسہ ہو جائے تو دل پر نشتر سا لگتا ہے اور محض دل ہی تک یہ اثر نہیں رہتا۔ بلکہ زبان سے بھی ظاہر ہونے لگتا ہے۔ دوسرے مدرسے کو مدرسہ ضرار اور دوسری مسجد کو مسجد ضرار کہنے لگتے ہیں۔ یہ لفظ آج کل مولویوں کی زبان پر بہت جلدی آجاتا ہے۔ بس جہاں ایک قدیم مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد بنائی گئی اور انہوں اس کو مسجد ضرار کا لقب دیا۔ حالانکہ مسجد ضرار کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مسجد ہی نہ تھی۔ اس میں بناء مسجد کی نیت ہی نہ تھی۔ کیونکہ اس کے بانی منافق تھے۔ جن کی نیت ہی مسجد بنانے کی نہ تھی بلکہ محض ایک درالمشورہ بنانا چاہتے



تھے۔ جس کو بشکل مسجد اس لئے بنایا تا کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو۔ اور یہاں جو مسلمان بھی مسجد بناتا ہے اس کی نیت یقیناً بناء مسجد کی ہوتی ہے وہ کسی اور عمارت کی نیت نہیں کرتا۔ یہ اور بات ہے کہ بناء مسجد میں اس کی نیت تفاخر و ریاء کی بھی ہو۔ مگر اس سے اس کی مسجدیت باطل نہ ہوگی۔ بلکہ اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے کوئی مسلمان نماز پڑھنے میں ریاء کا قصد کرے۔ تو اس قصد سے نماز باطل نہ ہوگی۔ گو ثواب نہ ملے مگر اس پر احکام صلوٰۃ ہی کے جاری ہوں گے، پس مسجد ضرار وہ ہے جس میں بناء مسجد کی بالکل نیت نہ ہو بلکہ محض ضرار مسلمین کی نیت ہو یا اور کسی غرض کی۔ اور یہ نیت ایسی متیقن ہو کہ خدا تعالیٰ اُس کی نسبت فرماویں کہ یہ بہ نیت ضرار بنائی گئی ہے اور اب تو تم بھی قسم کھا کر نہیں کہہ سکتے اور اگر کوئی ہیکڑی کر کے قسم کھا بھی لے تو یہ قسم خلاف شرع ہوگی جو غیر معتبر ہے (کیونکہ نیت کا علم سوائے خدا کے کسی کو قطعی طور پر نہیں ہو سکتا) اور تم جو کسی مسجد کو مسجد ضرار کہتے ہو تو بتلاؤ کیا قدرت کے وقت اس پر تم مسجد ضرار کے احکام جاری کر سکتے ہو۔ ہرگز نہیں مسجد ضرار کے احکام یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منہدم کرا کے وہاں آگ لگوا دی تھی اور پاخانہ ڈلوایا تھا تو کیا تم بھی ان مساجد کے ساتھ یہ معاملہ کر سکتے ہو؟ (الوصل والفصل ج ۱۵)

## حقیقت تفویض

تفویض کی حقیقت ہے اپنے آپ کو سوئپ دینا مگر آج کل تفویض کے معنی تعطل کے سمجھتے ہیں۔ سو خوب سمجھ لو کہ تفویض کے معنی تعطل کے نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عمل خوب کرے۔ مگر دوسرے کی رائے سے کرے اپنی رائے کو دخل نہ دے۔ تو جیسے تمام ضروری کاموں کے واسطے پہلے سے مستعد ہو جاتا ہے اور تفویض بھی ایک ضروری عمل ہے تو اس کے لئے بھی مستعد رہے۔ یعنی اپنے کو کسی کے سپرد کر دے کہ وہ اس پر مشق کرے اور یہ اس کے سامنے حیات اور زندگی میں کَالْمَيِّتِ فِي يَدِ الْغَسَّالِ ہو جاوے تو اس بناء پر تو تفویض مقابل تعطل کے ہے۔ نہ کہ عین تعطل کیونکہ تعطل میں ترک ارادہ ہے اور یہاں اہتمام ارادہ ہے۔ مگر ہم اگر اپنی حالت کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ واقع میں ہم میں نہ تفویض ہے نہ توکل۔ بلکہ ہم نے ان کے بجائے تعطل اختیار کر لیا ہے۔ (اعاءۃ النافع ج ۱۵)

## اقسام تفویض

تفویض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تفویض الی اللہ اور دوسری تفویض الی الشیخ۔ میں تفویض الی اللہ کی حقیقت پہلے بتا دوں پھر تفویض الی الشیخ کی حقیقت بتاؤں گا کیونکہ تفویض الی اللہ کا درجہ بڑا ہے۔ پھر اس کے بعد مرتبہ تفویض الی الشیخ کا اس لئے پہلے تفویض الی اللہ کی حقیقت بیان کرنا ضروری ہے اور نیز تفویض الی اللہ ایسی چیز ہے کہ اُس سے طبیعت کو مناسبت بھی زیادہ ہے۔ اس لئے اُس کی حقیقت جلدی سمجھ میں آ جاوے گی پھر اس کی حقیقت کا سمجھنا معین ہوگا۔ تفویض الی الشیخ کی حقیقت سمجھنے کا نیز یہ کہ ایک کی حقیقت معلوم کرنے سے دوسرے مسئلوں کی حقیقت بھی بالمقائسہ معلوم ہو جائے گی۔ گو یہ دلیل عام ہے کہ شامل ہے تفویض الی اللہ اور تفویض الی الشیخ دونوں کو یعنی ہر ایک سے دوسرے کے بمعنی میں اعانت ہو سکتی ہے مگر ظاہر ہے کہ تفویض الی اللہ طبعاً مانوس ہے اور تفویض الی الشیخ اس باب میں اس سے کم ہے اور معروف بھی کم ہے ان وجوہ سے تفویض الی اللہ کا بیان کرنا پہلے ضروری ہوا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہم لوگوں نے اپنی اصلاح کی سعی قریب قریب ترک کر دی اس کی فکر ہی نہیں کرتے اور کام کرنا بھی ترک کر دیا۔ اور اس کو تفویض اور توکل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ واقع میں یہ توکل و تفویض نہیں۔ آپ نے کسی متوکل کو نہ دیکھا ہوگا کہ اُس نے نماز چھوڑ دی ہو۔ روزہ، زکوٰۃ حج ترک کر دیا ہو۔ کیا توکل کے یہ معنی ہیں۔ ظاہر ہے کہ توکل کے یہ معنی ہر گز نہیں اور نہ یہ معنی ہیں کہ طریق معاش کو چھوڑ دے کیونکہ جن اسباب پر مامور بہ مسببات کا ترتب عادتاً قطعی اور یقینی ہو۔ اُن اسباب کا ترک کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ ترک غذا جائز نہیں۔ ترک کسب جائز ہے کیونکہ آمدنی کسب پر یقینی طور پر موقوف نہیں اور حیات عادتاً غذا پر ضرور موقوف ہے۔ آمدنی کسب پر اس لئے موقوف نہیں کہ بہت لوگ ایسے ہیں کہ ایک پیسہ نہیں کماتے۔ مگر پھر بھی ان کو رزق ملتا ہے۔ مگر ایسا شخص کوئی نہ دیکھا ہوگا۔

جس نے عمر بھر نہ کھایا اور زندہ رہا ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ نہ کھا کر ایک دو دن زندہ رہے مگر عادتاً یہ نہیں ہو سکتا کہ نہ کھانے سے 100 برس، 200 برس زندہ رہے غرض ترک غذا جائز نہیں کیونکہ اُس پر یقیناً اور قطعاً آسودگی کا ترتب ضروری ہے اور ترک اسباب معاش ظنیہ جائز ہے کیونکہ اس پر یقیناً اور قطعاً ترتب مسبب کا نہیں ہوتا بلکہ کبھی ترتب ہوتا ہے اور

بھی نہیں ہوتا۔ غرض جن اسباب پر قطعی اور یقینی طور پر ترتیب مسبب کا ہو اور وہ مسبب ضروری ہو ان کا ترک جائز نہیں اور جن اسباب پر یقینی طور پر ترتیب مسبب کا نہیں ہوتا ان کا ترک جائز ہے بالخصوص وہ اسباب معاش جن پر شخص درجہ و ہم میں ہی ترتیب مسبب کا ہوتا ہے۔ ان کا ترک تو ضرور لوازم توکل سے ہے پس توکل صرف اعمال و اسباب دنیا میں محمود ہے وہ بھی جب کہ مسبب کا ترتیب اس پر عادت ضروری نہ ہو۔ باقی اسباب و اعمال معاد میں ترک اسباب توکل نہیں ہے۔ پس یہ کوئی دین کی بات نہیں ہے کہ اسباب معاد کو ترک کر دے۔

بلکہ یہ جائز بھی نہیں اور نیک کاموں کا ارادہ کرنا بھی اسباب معاد میں سے ہے۔ تو توکل کے واسطے ترک ارادہ ضروری نہ ہوا بلکہ اس میں بھی ارادہ کیا جاتا ہے پس تفویض جو کہ مرادف توکل کا ہے ترک الاسباب و ترک الارادہ نہیں۔ بلکہ بمعنی ترک الرائے ہے اور رائے بھی وہ جو مقابل ہو ارادہ مرضی حق کے۔ مطلب یہ ہے کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ارادہ جو مرضی حق کے موافق اور پسندیدہ ہے اور ایک وہ جو مرضی حق کے خلاف اور ناپسندیدہ ہے۔ اہل سلوک اکثر اول کو ارادہ کہتے ہیں اور دوسری قسم کو رائے سے تعبیر کرتے ہیں گورائے بھی لغۃ ارادہ کے ہم معنی ہے مگر ان کی اصطلاح خاص میں یہ ارادہ کا مقابل ہے پس جو ارادہ مرضی حق کے مطابق ہے اس کا رہنا تو ضروری ہے اور جو ارادہ مرضی حق کے مطابق نہیں بلکہ ناپسندیدہ اور مبغوض ہے اس کا ترک کرنا ضروری ہے یعنی اس کو فنا کر دینا چاہئے۔ یہ حاصل ٹھہرا تفویض اور توکل کا اور اس کے ضمن میں جو درجہ ترک ارادہ مذمومہ کا ہے اسے فنا کہتے ہیں۔

اس تقریر سے ایک سخت اشکال اجتماع نقیضین کا ایک بزرگ کے مقولہ سے بھی رفع ہو گیا۔ مقولہ یہ ہے کہ ارید ان لا ارید و اختاران لا اختار جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفویض یہ ہے کہ ارادہ کوئی چیز نہیں اگر ارادہ بھی کرے تو یہ کرے کہ ارادہ کچھ نہ کروں گا۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ بھی تو ارادہ ہو گیا کہ ارادہ نہ کروں گا کیونکہ عدم ارادہ کا ارادہ بھی تو ارادہ ہی ہے پھر عدم ارادہ کا تحقق کہاں ہوا مگر یہ باتیں عارفین کی تو چٹکیوں میں ہیں گو معقولیوں کے نزدیک سخت ہیں۔ اس لئے کہ عارف کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے۔ اس لئے جو شبہ ہوتا ہے اس کے سامنے کا فور ہو جاتا ہے۔ فحوائے

اے لقاءے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(آپ کی ملاقات پر سوال کا جواب ہے آپ سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے)

بات یہ ہے کہ یہ اشکال حقیقت نہ جاننے سے پیدا ہوا ہے۔  
 چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند (جب حقیقت کا پتہ نہ چلا ڈھکوسلوں کی راہ اختیار کی)  
 حقیقت واضح ہونے کے بعد اشکال کچھ نہیں ہے۔ مگر معقولی تو باوجود دعویٰ معنی شناسی  
 کے محض الفاظ کے چکر میں پڑے رہتے ہیں سو معقولیوں نے محض الفاظ پر نظر کی اس لئے  
 اشکال واقع ہوا اور عارفین نے اس جگہ عدم ارادہ کی حقیقت سمجھی کہ لفظ گو مطلق ہے مگر مراد  
 خاص ہے۔ یعنی مراد وہ ارادہ ہے جو غیر مرضی حق ہو تو ان بزرگ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ  
 میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ غیر مرضی حق کا ارادہ نہ کروں گا۔ یعنی جو ارادہ خدا کے نزدیک  
 پسندیدہ اور مقبول ہے وہ ارادہ تو کروں گا۔ اور جو خدا کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول نہیں وہ  
 ارادہ نہ کروں گا لہذا اب کوئی منافات نہیں اور کوئی اشکال نہیں رہا۔ (اعانة النافع ج ۱۵)

## امالہ رذائل

صاحبو! اخلاق رذیلہ فی نفسہ رذیلہ نہیں مگر باعتبار مصرف کے مذموم ہیں۔ مولانا خوب فرماتے ہیں۔  
 اے بسا امساک کز انفاق بہ مال حق را تجو با مر حق مدہ  
 (اے طالب بہت مرتبہ خرچ نہ کرنا جس خرچ سے حق تعالیٰ کے مال کو بجز امر حق کے خرچ مت کرو)  
 اسی وجہ سے ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ صفات رذیلہ کا امالہ کر دینا  
 چاہئے یعنی مصرف شر سے مصرف خیر کی طرف ازالہ کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ صفات رذیلہ  
 کی بعض وقت ضرورت ہو جاتی ہے۔ جن امور میں ذاتاً قبح ہے بعض اوقات اُن میں بھی عوارض  
 کے اعتبار سے حُسن آجاتا ہے۔ مثلاً بخل ہے کہ جیسے کسی موقع پر سخاوت کی ضرورت ہے۔ ایسے  
 ہی بعض مواقع میں بخل کی بھی ضرورت ہے۔ مثلاً معاصی میں خرچ کرنے سے دل تنگ ہو اور  
 مثلاً غصہ ہے کہ یہ محمودہ نہیں کہ بالکل غصہ نہ رہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں  
 وَالَّذِينَ يَجْتَبُونَ كِبْرَ الْأَثَمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (اعانة النافع ج ۱۵)

## عمل اور جنت

حدیث لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ بِعَمَلِهِ كَانِمْ دَاخِلٌ هُوَ كَانِمْ كَوْنِ جَنَّتِ فِي عَمَلِهِ كَانِمْ  
 استحقاق کی بناء پر۔ کہ اس میں بھی علیت اعمال کی نفی ہے اور مقصود اس سے عجب کا علاج ہے کہ



کوئی شخص عمل کر کے اترائے نہیں کہ میں نے اپنے عمل سے جنت لے لی کیونکہ اوّل تو عمل کے بعد بھی جذب کی ضرورت ہے اور جذب کا مدار مشیت حق پر ہے۔ سلوک کے بعد بھی وہی پہنچتا ہے جس کو حق تعالیٰ پہنچا دیں۔ کیونکہ وصول عبد کے اختیار سے خارج ہے۔ اس کا مدار ایصال حق پر ہے۔ جو حق تعالیٰ کا فعل ہے اور گو سلوک پر ایصال کا ترتب عادت ضرور ہوتا ہے۔ مگر جو شے عادت ضروری ہو اور عقلاً لازم نہ ہو اُس کو عمل کا معلول نہیں کہہ سکتے۔ اگر وہ عمل کا معلول ہوتا تو عقلاً بھی علت کے بعد اُس کا وجود لازم ہوتا۔ اور یہاں ایسا نہیں ورنہ فعل واجب کا معلل ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ دلائل سے باطل ہے دوسرے علت و معلول میں مناسبت بھی شرط ہے۔ جزاء عظیم کا ترتب عمل عظیم ہی پر ہو سکتا ہے۔ تو جس درجہ جزاء عظیم ہے عمل بھی اُسی درجہ عظیم ہونا چاہئے تو اب دیکھ لو کہ جنت کس درجہ عظیم ہے اور تمہارا عمل کیسا ہے۔ جنت تو کماؤ کیسا ہر طرح عظیم ہے کماؤ اس کی عظمت یہ ہے کہ غیر متناہی ہے اور کیفاً اُس کی یہ شان ہے کہ لَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ (کسی انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرا)

اسی طرح تواضع کے باب میں فرماتے ہیں کہ تم یہ سمجھ کر تواضع اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا حق یہی ہے کہ اُن کے ہر شخص پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائے اور اپنے آپ کو لاشی محض سمجھے اس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار کرے گا۔ ہم اُس کو رفعت عطا کریں گے۔ لیکن تم رفعت کی نیت سے تواضع اختیار نہ کرو۔ گو ایک طرح کی رفعت اس طرح بھی حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ تواضع میں خاصیت ہے گو کسی نیت سے ہو کہ وہ قلوب کو کشش کرتی ہے۔ مگر اس صورت میں حقیقی رفعت یعنی قرب و رضاء حق حاصل نہ ہوگی۔

## عظمت اخلاص

اللہ نے آیت میں بہت اہتمام سے اخلاص کا امر فرمایا ہے۔

قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهُ مُخْلِصًا لِّهِ الدِّیْنَ فرمادیتجئے کہ مجھ کو امر کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اسی کے لئے خالص کر کے بجالاؤں۔

یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حکم کو ضروری ظاہر فرماتے تھے آپ رسول تھے اور رسول کا فرض منصبی ہے کہ تمام احکام کو مخلوق کی طرف پہنچائے لہذا اس کی ضرورت نہ تھی

کہ حق تعالیٰ خاص طور پر کسی حکم کے لئے یہ فرمائیں کہ اس کو پہنچا دو مگر پھر بھی جب کسی حکم کے لئے آپ کو یہ ارشاد ہوگا کہ اس حکم کو پہنچا دو تو ضرور اس سے اس حکم کا مہتمم بالشان ہونا سمجھا جائے گا چنانچہ یہاں اخلاص کا امر فرماتے ہوئے حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لفظ قل سے خطاب فرمایا ہے کہ یہ بات امت سے کہہ دیجئے ایک تو یہی قرینہ ہے کہ آئندہ جو حکم آئے گا وہ بہت قابل اہتمام ہے پھر اس کے بعد اخلصوا نہیں فرمایا کہ یوں کہہ دو کہ مجھ کو اخلاص کا حکم کیا گیا ہے اس جملہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مامور بالا اخلاص ہونا ظاہر فرمایا گیا اس سے اخلاص کی عظمت بہت بڑھ گئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب ہیں اور جس امر کا محبوب بھی مامور ہو وہ کیسا امر ہوگا۔ بہت ہی مہتمم بالشان اور ضروری ہوگا۔ کہ رسول اور محبوب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ (اللمح البرور ج ۱۷)

## حقیقت اخلاص

اخلاص کے معنی لغت میں خالص کرنے کے ہیں اور شریعت میں بھی اس کے معنی وہی ہیں جو ورود شرع سے پہلے تھے۔ خالص گئی وہ ہے جس میں کوئی دوسری چیز ملی ہوئی نہ ہو۔ اخلاص عبادت کے معنی بھی یہ ہوئے کہ عبادت کو غیر عبادت سے خالی کیا جائے یعنی کوئی ایسی غرض اس میں ملی ہوئی نہ ہو جس کا حاصل کرنا شرعاً مطلوب نہیں ہے۔ مثلاً نماز سے بزرگ مشہور ہونا زکوٰۃ دینے سے نام آوری اور حج سے حاجی کہلانا مقصود نہ ہو اور یوں کوئی نہ کوئی غرض تو ضرور ہوگی کیونکہ فاعل مختار کا فعل غرض سے خالی نہیں ہو سکتا۔ پس اخلاص کے یہ معنی نہیں کہ رضا حق اور جنت کی بھی غرض نہ ہو کیونکہ یہ غرض تو مطلوب ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ آمِیں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنا چاہئے اھ اس سے پہلے جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے جن کی طرف رغبت کرنے کا امر خود قرآن میں موجود ہے وَفِي الْحَدِيثِ اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَ مَا قَرُبَ الِیْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ (مسند احمد ۱/۱۷۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ اس طرح دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں آپ سے جنت کی درخواست کرتا ہوں اور ان اقوال و اعمال کی جو جنت کی طرف نزدیک کر دیں۔ معلوم ہوا کہ جنت کی درخواست کرنا سنت ہے

اسی لئے میں نے اخلاص کی حقیقت یہ بیان کی تھی کہ عبادت کے ساتھ کوئی ایسی غرض نہ ملائی جائے جس کا حاصل کرنا مطلوب نہیں اور ثواب اور جنت کا اور عذاب سے نجات کا مانگنا مطلوب ہے۔ اس لئے یہ غرض اگر عبادت میں ملی ہوئی ہو تو یہ اخلاص کے منافی نہیں۔

بعض لوگ بے دھڑک کہہ ڈالتے ہیں کہ ہم کو جنت کی پرواہ نہیں دوزخ کی پرواہ نہیں ان لوگوں کو جنت و دوزخ کی حقیقت معلوم نہیں ورنہ ساری شیخی رکھی رہ جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل ہوگا۔ مگر حضورؐ نے بھی جنت کی طلب کی ہے اور جہنم سے پناہ مانگی ہے۔ (المع البرور ج ۱۷)

## نعمت جنت

جنت حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جس کے سامنے دنیا کی نعمتیں ہچ ہیں۔ مگر ہم کو دنیا کی نعمتوں سے بھی استغناء ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ان دنیوی نعمتوں کی قدر اور شکر کا حکم کیا گیا ہے تو خدا کی اتنی بڑی نعمت سے استغناء اور بے پروائی کیونکر جائز ہوگی۔ بس جن بزرگوں سے ایسی باتیں منقول ہیں کہ ہم کو جنت کی پرواہ نہیں وہ ان سے غلبہ حال میں صادر ہوئی ہیں اس وقت ان کو جنت کی طرف التفات نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت تو یہ تھی کہ آپ کھانا تناول فرما کر یوں فرمایا کرتے تھے۔ غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا (الصحيح للبخاری ۱۰۶/۷) یعنی میں اس کھانے کو ہمیشہ کے لئے رخصت نہیں کرتا (دوسرے وقت پھر اس کا محتاج ہوں گا) اور نہ اے خدا میں اس سے مستغنی ہوں پھر جنت کی نعمتوں سے کون مستغنی ہو سکتا ہے۔ (المع البرور ج ۱۷)

## حقیقت توبہ

اور توبہ گو بظاہر اختیاری ہے مگر مرہم کی طرح من کل الوجوه اختیار نہیں کیونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے ”التوبۃ ندم“ (توبہ شرمندگی ہے) جس کو یوں بھی تعبیر کیا ہے۔ ”وہو تحرق الحشاء علی الخطاء وتالم القلب علی الائم“ (وہ خطا پر اندرونی اعضاء کو جلا دیتی ہے اور دل گناہ پر متالم ہوتا ہے) پس توبہ اس سوزش اور جلن کو کہتے ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ تالم مقولہ انفعال سے ہے اور وہ اختیار سے خارج ہے۔ البتہ اس پر ایک

طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے کہ جب توبہ امر اختیاری نہیں اور حسب الارشاد ”لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“ (اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتے) کے غیر اختیاری کی تکلیف دی نہیں گئی تو پھر توبہ کا امر کیوں کیا گیا۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اختیاری کی دو قسم ہیں ایک وہ جو خود اختیار میں ہو۔ ایک وہ جس کے اسباب اختیار میں ہوں۔ سو توبہ باین معنی اختیاری ہے کہ اس کے اسباب اختیاری ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کا مراقبہ سواس کے کرنے سے عادتہ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ ندامت اور تالم قلب جو حقیقت میں توبہ ہے پیدا ہو جاتی ہے لہذا توبہ کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۚ

”وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے یا اپنے نفس پر ظلم ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور عذاب کو یاد کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔“

مطلب یہ کہ اگر ان سے گناہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کو یاد کرتے ہیں۔ یہاں پر ذکر اللہ میں مضاف محذوف ہے یعنی ذکر اللہ عذاب اللہ اور عظمتہ اللہ اور واقعی اللہ تعالیٰ کی عظمت ایسی ہی چیز ہے کہ اس کے یاد رکھنے سے نافرمانی نہیں ہو سکتی اور وہ ہے بھی قابل یاد رکھنے کے پس اس کو دل سے بھلا کر اس کی نافرمانی پر کمر باندھ لینا بڑی بے باکی کی بات ہے۔ (استخفاف المعاصی ج ۱۸)

## رحمت و مغفرت

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے ناز پر توبہ نہیں کرتے حالانکہ رحمت اور مغفرت کی خبریں اس لیے دی گئی ہیں کہ تائب کو یاس نہ ہو۔ کہا گیا ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ      گر کافرو گہر و بت پرستی باز آ  
این درگہ مادر گہ نومیدی نیست      صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(واپس آ واپس آ جو کچھ بھی تو ہے واپس آ جا اگر کافر آتش پرست اور بت پرست ہے تو بھی واپس آ۔ یہ ہمارا دربارنا امید کا دربار نہیں ہے اگر سو بار توبہ توڑی ہے تو واپس آ جا) اور جرأت اور دلیری کے واسطے نہیں کہ اور دلیر ہو کر گناہ کرو بلکہ احسان اور رحمت خداوندی کی اطلاع کا مقتضاء یہ تھا کہ متاثر ہو کر اور بھی طاعت اور فرمانبرداری کرتے نہ کہ اور



جرات اور گستاخی اور نافرمانی کی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ اور زیادہ محبت و اطاعت کرتا ہے نہ کہ مخالفت و سرکشی۔ (استخفاف المعاصی ج ۱۸)

## تفویض کی راحت

اور اہل اللہ کی راحت کا راز یہ ہے کہ ہر کام انہوں نے مفوض بحق کر دیا ہے اپنی کچھ تجویز نہیں کرتے تو جو کچھ ہوتا ہے ان کے لیے ایذا نہیں ہوتا۔ حضرت بہلول نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیسا مزاج ہے؟ کہنے لگے کہ اس شخص کے مزاج کی کیا کیفیت پوچھتے ہو کہ دنیا کا ہر کام اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہو۔ حضرت بہلول نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ کہنے لگے کہ یہ تو عقیدہ ہی ہے کہ کوئی کام خدا کی خواہش کے خلاف نہیں ہوتا تو جس نے اپنی خواہش کو بالکل خدا تعالیٰ کی خواہش میں فنا کر دیا ہو تو جس طرح ہر کام خدا کی خواہش کے موافق ہوگا اس طرح اس شخص کی خواہش کے موافق بھی ہوگا، کوئی بات اس کی خواہش کے خلاف نہ ہوگی اور جب یہ نہیں تو اس کو رنج کیوں ہوگا۔ یہ راز ہے اس کا کہ اہل دنیا کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی اور اہل اللہ کو کبھی رنج نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو اہل اللہ کو مریض ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے ان پر مختلف انواع کے صدمات بھی پڑتے ہیں تو صاحبو! میں نے الم یعنی دکھ کی نفی نہیں کی ان کو الم ہوتا ہے لیکن پریشانی و کوفت نہیں ہوتی اس الم کی ایسی مثال ہے جیسے فرض کرو کہ ایک شخص کسی پر عاشق ہے اور ایک مدت کے بعد محبوب کی زیارت اس کو نصیب ہوئی اور اس کو دیکھ کر بالکل از خود رفته ہو گیا۔ اسی حالت میں محبوب کو سلام کیا اس نے بجائے جواب دینے کے دوڑ کر اس کو گلے سے لگالیا اور خوب زور سے دبایا کہ اس کا ارمان پورا ہو جائے۔ عاشق چونکہ فراق کی تکالیف میں بالکل ہی گھل چکا تھا اس کے دبانے پر لگیں ہڈیاں پسلیاں ٹوٹنے۔ عین اس دبانے کی حالت میں اتفاقاً ایک رقیب آ گیا اس کو دیکھ کر محبوب نے کہا کہ اگر میرے دبانے سے تم کو تکلیف ہوتی ہو تو تم کو چھوڑ کر اس کو دبالوں۔ اب غور کیجئے! کہ وہ عاشق اس کا کیا جواب دے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہی کہے گا: نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت۔ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (دشمن کا نصیب ایسا نہ ہو کہ وہ تیری تلوار کا مقتول ہو خدا کرے یہ سعادت تیرے عشاق کی قسمت میں ہی آئے اور دوستوں کا سر سلامت چاہے کہ اپنے خنجر کو آزماتا رہے)

اور یہ کہے گا کہ؟

اسیرت نہ خواہد رہائی زبند شکارت نجوید خلاص ازکند  
(تیرا قیدی تیری قید سے رہائی کی خواہش نہ کرے گا، تیرا شکار پھندے سے نکلنا پسند نہ کریگا)  
گردو صد زنجیر آری بکسلم غیر زلف آں نگار دلبرم  
(اگر تو دوسو زنجیریں بھی لگائے گا تو میں ان کو توڑ دوں گا، سوائے اس معشوق کے)  
کیا اس قید کو وہ گراں سمجھے گا؟ ہرگز نہیں، ہاں تکلیف جسمانی ضرور ہوگی مگر قلب کی یہ  
کیفیت ہوگی کہ اس میں راحت بھری ہوئی ہوگی بلکہ زبان سے یہ نکلتا ہوگا۔  
نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے  
اسی طرح اہل اللہ کو اگر تکلیف پہنچتی ہے تو جسمی مگر قلب ان کا ہر وقت راحت میں  
ہے۔ اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ گناہ کرنے والے کیسی تکلیف میں ہیں کہ کسی وقت راحت  
نصیب نہیں تو گناہ سے یہ فوری مضرت ہوتی ہے۔ (ترک المعاصی ج ۱۸)

## اقسام گناہ

گناہ دو قسم کے ہیں ظاہری اور باطنی یعنی جوارح کے متعلق بھی اور قلب کے متعلق بھی  
گناہ کی فہرست تو بہت بڑی ہے مگر میں مثال کے طور پر مختصراً کہتا ہوں کہ مثلاً آنکھ کا گناہ  
ہے کسی نامحرم کو دیکھنا، مرد کو دیکھنا یا اجنبی کا ایسا بدن دیکھنا کہ اس کا دیکھنا شرعاً ناجائز ہے جیسے  
عورت کے سر کے بال اور یہ مسئلہ عورتوں کو بھی بتلانا چاہیے کیونکہ وہ اس میں بہت مبتلا ہیں۔  
ایک گناہ آنکھ کا یہ ہے کہ کسی کی چیز دیکھ کر حرص کرے، خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:  
لَا تَمُدَّنْ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
”آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آنکھوں کو اس چیز کی طرف جو ہم نے کفار کو ان کی  
آزمائش کے لیے نفع کے واسطے دی ہیں ہرگز نہ اٹھائیں۔“

اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ مال حاصل نہ کرو بلکہ مطلب یہی ہے کہ مال کو قبلہ و  
کعبہ نہ بناؤ کہ اس کی بدولت دین ہی ہاتھ سے جاتا رہے۔ اسی طرح زبان کا گناہ چغلی خوری  
ہے، غیبت ہے، جھوٹ بولنا ہے۔ آج کل کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں۔ الا ماشاء اللہ اس کا  
علاج یہ ہے کہ جو کچھ بولو سوچ کر بولو کہ میں کیا کہوں گا اور وہ بات خلاف مرضی حق تو نہ ہوگی

پھر انشاء اللہ تعالیٰ زبان کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ کان کا گناہ یہ ہے کہ چھپ چھپ کر کسی کی بات سنے گا ناسنے ہاتھ کا گناہ یہ ہے کہ کسی نامحرم کو چھوئے، کوئی ناجائز مضمون لکھے۔ پیر کا گناہ یہ ہے کہ کسی ناجائز موقع پر چلا جائے اور ایک پیٹ کا گناہ یہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے بچے ہوئے ہوں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روزی حلال مل ہی نہیں سکتی، جب حلال نہیں مل سکتی تو حرام حلال سب برابر پھر کہاں تک بچیں۔ (ترک المعاصی ج ۱۸)

## مفہوم تواضع

تواضع کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو دوسروں سے کم سمجھو۔ نہ یہ کہ اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر بناؤ۔ بعض لوگ خراب خستہ صورت بنا لینے کو تواضع سمجھتے ہیں چاہے دل میں تکبر بھرا ہو تو خوب سمجھ لو! کہ اگر تواضع بھی بناوٹ سے ہو تو وہ بھی درحقیقت تواضع نہیں ہے بلکہ تکبر ہے۔ حقیقی تواضع اختیار کرو! یعنی دل سے اپنے کو سب سے کمتر سمجھو! ان شاء اللہ دیکھ لو گے کہ جاہ اور عزت اور عظمت و محبت اس کے ساتھ ساتھ ہے۔

اگر شہرت ہوں داری اسیر دام عزلت شو کہ در پرداز دارد گوشہ گیری نام عنقارا  
یہ حالت بد مذاقی اور فساد حس کی ہے کہ جس چیز کے طالب ہیں اس کا طریقہ بھی غلط اختیار کر رکھا ہے۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی! کیوں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست  
(میں ڈرتا ہوں اے اعرابی تو کعبہ نہ پہنچے گا اس لیے کہ جو راستہ تو نے چلنا اختیار کیا ہے وہ ترکستان کا ہے)

یعنی جاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے طریقے بھی نہیں جانتے اور جو طریقے اختیار کر رکھے ہیں ان سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ یاد رکھئے! کہ جس چیز میں گناہ کی آمیزش ہو جاوے اس سے کبھی جاہ یا تمدن یا اتفاق حاصل نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً مسلمان کو بلکہ اس کا مفاد پیدا ہوتا ہے کیونکہ ہر گناہ میں کسی نہ کسی درجہ کا کبر ضرور شامل ہوتا ہے اس کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے کہ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ شخص بڑا بننا چاہتا ہے تو وہ بھی اس کے مقابلہ میں بڑا بننا چاہتا ہے۔ اب دو متکبر جمع ہو گئے ہیں اور دو متکبروں میں کبھی میل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر شخص دوسرے سے کھینچنا چاہتا ہے اور میل کی حقیقت دوسرے کی طرف

میلان ہے اجتماعِ ضدین کیسے ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دو بادشاہوں میں بھی اتفاق نہیں ہوتا کیونکہ وہ دونوں بڑائی کے طالب ہیں اور دو فقیروں میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ کوئی ان میں بڑائی کا طالب نہیں (یعنی جو حقیقت میں فقیر ہوں ان میں اختلاف نہیں ہو سکتا نہ یہ کہ فقیر کی صورت میں ہوں) جن کی نسبت کہا ہے:

اینکہ مے بنی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند  
(جو کچھ تم آدمیت کے غلاف میں دیکھتے ہو سوائے انسانیت کے لبادہ کے اس میں حقیقی معنوں میں) انسان نہیں ہے۔ (الکاف ج ۱۸)

## ترک معاصی کا ایک درجہ

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مجاہدہ نہ کر سکے اس کے لیے بھی خدا تعالیٰ نے ترک معاصی کا ایک علاج مقرر فرمایا ہے جو نہایت ہی سہل ہے یعنی جو طالب ہو اور مجاہدہ پر قادر نہ ہو وہ یہ کرے کہ جب گناہ ہو جایا کرے فوراً توبہ کر لیا کرے اور اگر معاودت ہو جائے پھر فوراً توبہ کرے۔ یہ ہے وہ علاج اور اگر اب اس سہولت پر بھی کوئی اس کو اختیار نہ کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی طینت ہی خراب ہے اپنی اصلاح ہی نہیں چاہتا تو اس کے لیے یہ کہا جائے گا: اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا اور آخر میں یہ کہا جائے گا کہ (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔ (تیسیر الاصلاح ج ۱۸)

## تسلیم و رضا

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کے صاحبزادے پر ایک مقدمہ ہو گیا تھا ایک حافظ لکھنؤ کے کہتے تھے کہ مجھ کو تعجب تھا کہ سب کے لیے تو یہ دعا کرتے ہیں اپنے بیٹے کے معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتے۔ بس خواب میں دیکھا کہ مولانا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے یہ عرض کر رہے ہیں کہ یا اللہ میں احمد کے بارے میں تو کچھ کہوں گا نہیں جو آپ کی مرضی ہو اس پر راضی ہوں جس کی یہ شان ہو کہ خدا کی مرضی ہو وہی اس کی مرضی ہو (نادیب المصیۃ ج ۱۸)

## اخلاص کی تعلیم

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ایک بار ایک موقع پر چلے



جار ہے تھے۔ چلتے چلتے دجلہ کے کنارے پہنچے دیکھا کہ شراب کے مٹکے کشتیوں سے اتر رہے ہیں پوچھا کہ ان میں کیا ہے کشتی والے نے کہا کہ شراب ہے۔ خلیفہ وقت معتمد باللہ کے لئے آئی ہے اور وہ دس مٹکے تھے۔ شیخ کو غصہ آیا اور کشتی والے کی لکڑی مانگ کر انہوں نے نو مٹکے یکے بعد دیگرے توڑ ڈالے اور ایک مٹکا چھوڑ دیا۔ چونکہ یہ شراب خلیفہ کیلئے لائی گئی تھی اس لئے ان کا براہ راست خلیفہ کے ہاں چالان کر دیا گیا۔ معتمد نہایت ہیبت ناک صورت میں بیٹھ کر اجلاس کیا کرتا تھا۔ لوہے کی ٹوپی اوڑھتا تھا اور لوہے کی زرہ اور لوہے کی گرز ہاتھ میں ہوتا تھا اور لوہے کی کرسی پر بیٹھتا تھا۔

معتمد نے نہایت کڑک کر ہولناک آواز سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے آپ کو بھی معلوم ہے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ میں یہاں تک نہ لایا جاتا۔ معتمد یہ جواب سن کر برہم ہوا اور پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی کیا تم محتسب ہو۔ شیخ نے فرمایا کہ ہاں محتسب ہوں خلیفہ نے پوچھا کہ تم کو کس نے محتسب بنایا ہے۔ فرمایا کہ جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا ہے خلیفہ نے پوچھا کہ کوئی دلیل ہے فرمایا کہ

يَا بُنَيَّ اَقِمِ الصَّلَاةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ  
(قائم کر نماز کو حکم کر نیک باتوں کا۔ اور روک لوگوں کو بری باتوں سے اور اس سے جو تجھ کو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر)۔

معتمد یہ بے باکی کی باتیں سن کر متاثر ہوا اور کہا کہ ہم نے تم کو آج سے محتسب بنایا۔ مگر ایک بات بتاؤ کہ ایک مٹکے تم نے کیوں چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ جب میں نے نو مٹکے توڑ ڈالے تو نفس میں خیال آیا کہ اے ابوالحسن! تو نے بڑی ہمت کا کام کیا کہ خلیفہ وقت سے بھی نہ ڈرا میں نے اسی وقت ہاتھ روک لیا کیونکہ اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے توڑے تھے۔ اگر اب توڑوں گا تو وہ نفس کیلئے ہوگا اس لئے دسواں مٹکا چھوڑ دیا۔ (ذمہوی ج ۱۹)

## غصہ کا عملی علاج

میں غصہ کے بارہ میں ایک گریٹلاتا ہوں جو عملی علاج ہے جو دستور العمل بنانے کے لائق ہے وہ یہ کہ غصہ آتے ہی فوراً نافذ کرنا شروع نہ کر دے۔ ذرا ٹھہر جائے اور جس پر غصہ آیا ہے اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے یا خود وہاں سے ہٹ جائے جب جوش جاتا رہے

اب فیصلہ کرے کہ اس شخص کو کیا سزا دی جائے۔ مگر اس فیصلہ کے لئے علم دین کی ضرورت ہوگی وہ بتلائے گا کہ یہ موقع غصہ نافذ کرنے کا ہے یا نہیں پھر موقع ہونے پر سزا کتنی ہونا چاہیے اس کے بعد جو کچھ فیصلہ ہوگا وہ بجا ہوگا اور ان سب باتوں کا فیصلہ سکون کی حالت

میں کرے غصہ میں نہ کرے کیونکہ حدیث میں ہے: لَا يَقْضِي الْقَاضِي وَهُوَ غَضَبَانِ کہ قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے بلکہ خوب سوچے اور معاملہ پر نظر ثانی بھی کرے۔ یہاں بھی علم دین کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح میاں جی کو چاہیے کہ فوراً سزا دینا نہ شروع کر دیں۔ یہ بھی سکون کی حالت میں فیصلہ کریں جب جرم ثابت ہو جائے تو سزا بھی حکم شرعی سے تجویز کریں کہ ایک لکڑی مارنی چاہیے یا دو یا تین۔ گو نفس اس پر راضی نہ ہوگا کیونکہ اس کا مزہ تو اس میں ہے کہ دھنیے کی طرح دھنسا چلا جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مزے کیلئے مارتے ہیں سزا کے لئے نہیں ایک بات جو پہلی بات کا تتمہ ہے یہ بھی ہے کہ جب غصہ آئے تو یہ بھی سوچیں کہ آیا سزا دینا واجب ہے یا جائز۔ اگر واجب ہو تو اس آیت پر عمل کرے: وَلَا تَأْخُذْ بَعْمَا رَافَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ۔

زنا کار کیلئے فرماتے ہیں کہ اس پر شفقت غالب نہ آنی چاہیے پس اگر شرعاً سزا واجب ہو تو سزا دینا واجب ہے شیخ شیرازی فرماتے ہیں ۔

بے حکم شرع آب خوردن خطاست و گر خون بختوی بریزی رواست  
اور یہ اس صورت میں ہے جب موجب سزا اپنا حق نہ ہو بلکہ حق اللہ ہو اور اگر اپنا حق ہو کہ کسی نے ہمارا نقصان کیا تھا یا ہماری نافرمانی کی تھی تو اس وقت کامل درجہ اتباع ہدی کا یہ ہے  
فَمَنْ عَفَى وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ

یعنی اپنا حق معاف کر دے گو یہ بھی جائز ہے کہ بدلہ لے لے لیکن اگر معاف کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور معاف کرنا چونکہ نفس پر شاق ہے اس کیلئے بعض مراقبات کی بھی ضرورت ہے مثلاً یہ سوچے کہ اے نفس کیا تو مجرم نہیں ہے پھر یہ کہے کہ جتنی تجھ کو اس پر قدرت ہے خدا تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے۔ پھر یہ سوچے کہ تو اپنے جرم کیلئے کیا چاہتا ہے معافی چاہتا ہے یا سزا۔ یقیناً معافی چاہتا ہے تو جیسے تو اپنی لئے معافی چاہتا ہے۔ اسی طرح تجھ کو دوسروں کیلئے بھی معافی کو پسند کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی سوچے کہ

اگر تو خطا معاف کر دے گا تو حق تعالیٰ تیری خطا معاف کر دیں گے۔ (الھوئی والحدی ج ۱۹)

## فضیلت ضبط

مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید نصیحت کرنے میں تیز مشہور تھے بعض لوگوں کا گمان یہ تھا کہ یہ تیزی نفسانیت کا جوش ہے آپ ایک دفعہ مجمع میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک بے ادب شخص نے عرض کیا کہ حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ حرام کی پیدائش ہیں آپ نے اسی لہجہ میں جو وعظ کا لہجہ تھا نہایت متانت سے جواب دیا کہ بھائی کسی نے تم سے غلط کہا ہے میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ تو اب تک موجود ہیں تمہارا جی چاہے تو میں ان سے گواہی دلوادوں کہ ان کے سامنے نکاح ہوا تھا اور نکاح کے بعد الولد للفراش حکم شرعی ہے۔ کیا انتہا ہے اس تواضع کی۔ اس شخص کی یہ بات تمام سامعین کو سخت گراں گزری خصوصاً جاں نثاروں کو تو نہ معلوم کیسا بیجان ہوا ہوگا۔ مگر مولانا نے استقلال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ تحمل سے کام لیا اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ شخص آپ کے قدموں میں گر پڑا اور کہا کہ میرا گمان یہ تھا کہ آپ کا غصہ نفس کیلئے ہے آج معلوم ہو گیا کہ آپ غصہ نفس کیلئے نہیں کرتے۔ (الہوی والحمد للہ ج ۱۹)

## مظلوم و مغلوب کی رعایت

بعض ظالم، نوکروں کی بری طرح خبر لیتے ہیں ان کے ٹھوکریں مارتے ہیں۔ اس کا نتیجہ عنقریب یہ ہوگا کہ آج وہ مظلوم اور مغلوب ہیں مگر قیامت میں غالب ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ میرے غلام چوری کرتے ہیں، خیانت کرتے ہیں۔ میں ان کو مارتا ہوں میرا ان کا کیا معاملہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت میں ترازو کھڑی کی جاوے گی ایک پلہ میں ان کی خطائیں اور ایک پلہ میں تمہاری سزا رکھی جاوے گی جو پلہ بھاری ہوگا اسی کے موافق عمل ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے سب کو آزاد کیا۔ میں اپنا کام آپ کر لیا کرونگا۔ یہ ان صحابی کا غلبہ حال تھا۔ حضورؐ کا یہ مطلب نہ تھا۔ بلکہ مقصود یہ تھا کہ اعتدال ہونا چاہیے۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے ماتحتوں کی کتنی خطائیں معاف کیا کروں۔ آپ نے فرمایا دن رات میں سو دفعہ۔ مراد یہ ہے کہ کثرت سے معاف کیا کرو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ایسی نہیں کہ اس تعلیم پر عمل کرنے سے کسی کی مصلحت میں کسی قسم کا بھی خلل پڑے اس میں سب کی رعایت ہے اس لئے خاص سو کا عدد مراد نہیں۔ مراد یہ ہے کہ بعض لوگ جو خفیف خفیف باتوں پر تشدد کرتے ہیں اور تسامح جانتے ہی نہیں یہ نہیں چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی امر میں اتباع ہوئی سے کام نہ لے بلکہ اتباع ہدی کا اہتمام رکھے۔ یہ حالت مذکورہ ہماری شہوت اور غضب کی ہے۔ (الہوی والحدی ج ۱۹)

## تواضع

حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے قحط کی شکایت کی فرمایا کہ قحط کے دور ہونے کے سوائے اس کے اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ مجھ کو شہر سے نکال دو۔ کیونکہ میرے گناہوں کی وجہ سے لوگ مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ محض زبان سے کہنے پر بس کیا ہو۔ بلکہ آپ اس شہر کو چھوڑ کر چلے بھی گئے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب ریل میں بیٹھتا ہوں تو خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! میرے گناہوں کے سبب سے یہ لوگ ہلاک نہ ہو جائیں۔ یہی امراض ہیں جن کا علاج بزرگوں نے کیا ہے کہتے ہیں۔

یکے آنکہ بر غیر بد میں مباحش      دوم آنکہ بر خویش خود میں مباحش

یہاں رات دن ہمارا سبق ہے کہ ہم ایسے ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ایسا۔ (نیان انفس ج ۱۹)

## عہد فاروقی کا ایک واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ رات کے وقت گشت لگا رہے تھے کہ ایک گھر میں سے گانے کی آواز آئی۔ آپ نے دروازہ کھلوانا چاہا مگر وہ لوگ اس قدر منہمک تھے کہ آپ کی آواز بھی نہ سن سکے آخر آپ مکان کی پشت پر سے اندر تشریف لے گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھ کر وہ سب لوگ سہم گئے لیکن چونکہ جانتے تھے کہ خلاف حضرت عمرؓ کو ہرگز غصہ نہ آئے گا۔ اس لئے ایک شخص نے جرات کر کے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! ہم لوگوں نے صرف ایک ہی گناہ کیا لیکن آپ نے تین گناہ کئے ایک تو یہ کہ آپ بغیر اجازت ہمارے گھر میں چلے آئے۔ حالانکہ قرآن شریف میں صاف حکم ہے لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا



دوسرا یہ کہ آپ نے تجسس کیا اور قرآن میں تجسس کی ممانعت ہے لَا تَجَسَّسُوا تیسرا یہ کہ آپ مکان کی پشت پر سے تشریف لائے حالانکہ قرآن شریف میں ارشاد ہے لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہوں تم بھی اپنے گناہ سے توبہ کرلو۔

آزادی کا دم بھرنے والوں کو اس حکایت سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ آزادی ان حضرات میں تھی یا آج کے مدعیان آزادی میں کہ بہائم کی طرح۔ نہ نماز کے نہ روزے کے کھالیا اور ہوا پرستی میں عمر گزاری۔

صاحبو! واللہ یہ آزادی نہیں یہ نفس کی شرارت اور اتباع ہوا۔ اور مطلق العنانی ہے اور یہ آزادی سائنڈ کی سی آزادی ہے کہ جس کھیت میں چاہا منہ مار دیا جدھر چاہا چل دیا جو چاہا کر لیا تو کیا کوئی آزاد صاحب سائنڈ صاحب کو پسند کرتے ہیں اگر اس کا جواب نعم ہے تو آج سے آپ بھی ہماری طرف سے یہی لقب لیجئے اور اگر لا میں جواب ہے تو پھر ذرا مہربانی کر کے اپنے اور سائنڈ میں کچھ فرق بتلائیے اسی طرح اگر کوئی شخص اتالیق یا نگران ہو تو اس کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر اصلاح غیر ممکن ہے۔ یا شوہر ہو کر اس کو بھی بیوی کے حالات کی تفتیش کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے متعلق اس کی اصلاح ہے یا کوئی شخص مصلح قوم ہو کہ اس کو بھی مجموعی طور سے قوم کے حالات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ وعظ کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ (نسیان انفس ج ۱۹)

## غیبت میں ابتلاء مشائخ

اور جو لوگ مقتداء ہیں وہ اس کی زیادہ فکر کریں کیونکہ غیر مقتدا کو تو غیبت کرنے کی نوبت کم آتی ہے اور یہ لوگ چونکہ مرجع الخلق ہوتے ہیں اس لئے ان کو غیبت سننے کی بھی بہت نوبت آتی ہے۔ سینکڑوں آدمی ان کے پاس آتے ہیں اور ہر شخص ان کے پاس یہی تحفہ لے کر آتا ہے اور یہ اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں۔ ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا تھا حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت کہا لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔ حضرت میر درد دہلوی کو سماع سننے سے کچھ رغبت تھی ان کی نسبت حضرت مرزا مظہر

جان جاناں سے آکر کسی نے کہا کہ حضرت میر درد سماع سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی! کوئی کانوں کا بیمار ہے کوئی آنکھوں کا بیمار ہے۔ مرزا صاحب کے اس مقولے سے اکثر جاہلوں نے یہ سمجھا کہ مرزا صاحب حسن پرست تھے حالانکہ یہ الزام بالکل غلط اور بہتان ہے۔ اصل یہ ہے کہ مرزا صاحب بوجہ لطافت مزاج کے بد صورت آدمی کو دیکھ نہ سکتے تھے اور مرزا صاحب کے بچپن کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔ یعنی مرزا صاحب کی نسبت یہ مشہور بات ہے کہ شیر خوارگی کے زمانے میں آپ کسی بد صورت عورت کی گود میں نہ جاتے تھے حالانکہ اس وقت آپ کو خوب صورتی بد صورتی کا ادراک بھی نہ تھا لیکن لطافت روح کے باعث آپ کو بد صورت آدمی سے اسی وقت تکلیف ہوتی تھی اور اس کا اثر بڑے ہو کر بھی تھا۔ غرض اس قسم کے حضرات ایسے لوگوں کا منہ اسی وقت تک بند کر دیتے ہیں اور جو لوگ احتیاط نہیں کرتے وہ ان کے آنے والوں کی بدولت اکثر گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیے۔

ہر کہ عیب و گراں پیش تو آورد و شمرد      بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد  
اس لیے میں نے کہا تھا کہ مقتدا لوگ باستثناء محتاطین و متقین کے زیادہ اس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ ہے وہ مرض۔ (نسیان النفس ج ۱۹)

## آئینہ مسلم

میں اس حدیث کے کہ المسلم مرآة المسلم یہی معنی بیان کیا کرتا ہوں۔ یعنی جس طرح آئینہ کا خاصہ ہے کہ وہ تمہارے عیوب چہرہ کو تم سے چھپاتا نہیں اور دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا اسی طرح مسلمان کو بھی ہونا چاہیے کہ کسی مسلمان کے عیوب کو اس سے چھپائے نہیں اور دوسروں پر ظاہر نہ کرے نیز یہ کہ کسی مسلمان کی طرف سے دل میں کینہ نہ رکھنا چاہیے بلکہ آئینہ کی طرح بالکل صاف باطن رہنا چاہیے کسی نے خوب کہا ہے۔

کفرست در طریقت ما کینہ داشتن      آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

یہ شعر اس مقام پر بہت زیادہ چسپاں تو نہیں ہے لیکن لفظ آئینہ کی مناسبت سے پڑھ دیا گیا ہے کہ آئینہ کی شان صفائی ہوتی ہے اور اوپر جو وجہ شبہ بیان کی گئی ہے وہ بھی صفائی کی فرد ہے۔ (نسیان النفس ج ۱۹)

## جانوروں سے ہمدردی

بعض احادیث سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کے ساتھ بھی ہمدردی کرنا ضروری ہے اور ان کو ستانا جائز نہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر سواری کو ٹھہرا کر بات کرنا ہو تو اس پر سے اتر پڑو اس پر چڑھے چڑھے زیادہ باتیں مت کرو۔ حتیٰ کہ جن جانوروں کے ذبح کرنے یا قتل کرنے کی بھی اجازت دی ہے ان کے ذبح اور قتل کے بھی قاعدے بتلا دیئے ہیں اور اس میں ظلم کی اور ترسانے کی ممانعت اور اس پر وعید فرمادی ہے۔ (احسان التلبیر ج ۱۹)

## ذبح کے آداب

ذبیحہ کیلئے فرمایا کہ چھری کو تیز کر لیا کرو اور جلدی ذبح کر دیا کرو۔ جب چار رگیں کٹ جائیں تو پھر آگے تک چھری چلانا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ چاروں رگوں کے کٹنے کے بعد فوراً تو جان نکلتی نہیں اس لئے اگر آگے بھی چھری چلائی جائے گی تو بلا ضرورت اس کو تکلیف ہوگی اور یہ حرام ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل دوسری قومیں مسلمانوں کو بے رحم بتلاتی ہیں۔ وہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھیں کہ مسلمانوں میں کس قدر رحم ہے اور اگر اس کا نام بھی بے رحمی ہے تو دنیا میں کوئی بھی رحیم نہیں کیونکہ تمام قومیں اپنی ضرورت میں آدمی کے قتل تک کو بھی جائز کہتی ہیں۔ چنانچہ ملکی لڑائیوں میں اور مذہبی جنگجوؤں میں ہزاروں آدمی تیغ کے گھاٹ اتر جاتے ہیں جو لوگ ہتیا کرتے ہیں وہ بھی بکری وغیرہ کو سانپ کو بچھو کو مار ڈالتے ہیں اور اگر کوئی کہے کہ ہم تو کسی کو بھی نہیں مارتے تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ کے گھر میں بہت سے چوہے ہو جاتے ہیں اور وہ آپ کو ستاتے ہیں تو آپ ان کا کیا علاج کرتے ہیں۔ بعضے یہ کہیں گے کہ ہم ان کو پکڑ کر دوسرے محلے میں چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ بعضے ایسا کرتے بھی ہیں تو نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ اس محلے کے مسلمان خوب اچھی طرح جو توں سے مار مار کر ان کا خاتمہ کریں۔ تو صاحبو! کیا کوئی عقل مند اس کو رحم کہے گا کہ جن چیزوں کو اپنا دیوتا سمجھا جاتا ہے ان کو ایسے لوگوں کے سپرد کیا جائے جن کو بے رحم سمجھا جاتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اپنی مصلحت سے دوسروں کی جان لینا جائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی اجازت اپنی مصلحت سے بڑھ کر ہے تو خدا تعالیٰ کی اجازت سے دوسروں کی جان لینا کیوں

نہ جائز ہوگا۔ اور جب جائز ہے تو مسلمانوں پر بے رحمی کا اعتراض بالکل غلط ہوا اور اگر اب بھی وہ بے رحم ہیں تو آپ ان سے زیادہ بے رحم ہیں کہ ان کے ہاتھ سے بے رحمی کراتے ہیں۔

غرض جانور کے ذبح کو بھی بے رحمی بتلانا سخت غلطی ہے ہاں ذبح میں اس کو تکلیف دینا ستانا یہ بے رحمی ضرور ہے تو شریعت مطہرہ نے اس کی کہیں اجازت نہیں دی۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل ذبح کرنے والے اکثر اس کی پروا نہیں کرتے۔ بلکہ بعض تو یہاں تک غضب کرتے ہیں کہ ٹھنڈا ہونے سے قبل ہی کھال بھی کھینچنا شروع کر دیتے ہیں۔ خیر قصائیوں کو اختیار ہے وہ جو چاہیں کریں خود بھگتیں گے۔ لیکن جو لوگ ذبح کرتے ہیں وہ تو ذبح میں کہ انکا فعل ہے تکلیف نہ دینے کا انتظام کر سکتے ہیں۔ خدا ہمارے بزرگوں کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے قصائیوں کو ذبح کی اجازت ہی نہیں دی۔ اس میں منجملہ دوسرے مصالحوں کے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اکثر سخت دل ہوتے ہیں۔ پس دوسرے لوگ کچھ تو رحم کریں گے بالخصوص قربانی کے جانوروں میں تو لوگوں کو بہت ہی احتیاط کرنی چاہیے کیونکہ وہ تو خالص اپنی ملک ہیں قصائیوں کا اس میں کوئی اختیار نہیں پس جب تک وہ ٹھنڈی نہ ہو جائیں ہرگز کھال نہ نکالنے دیں۔ (احسان التدبیر ج ۱۹)

## حقیقی رحم کا فقدان

اکثر لوگ جانوروں پر تو رحم کرتے ہیں لیکن اپنے بھائیوں پر رحم نہیں کرتے۔ بعض کی تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ ان کے گھر میں چیزیں رکھی سڑ جائیں گی لیکن کبھی یہ توفیق نہ ہوگی کہ پڑوسیوں کو یا کسی دوسرے حاجت مند کو اس میں سے کچھ دیدیں اور اگر کسی کو دیں گے تو ایسے شخص کو جس کے دینے سے ان کا نام ہو یا ان کا کوئی کام نکلے تو یہ دینا واقع میں اپنے ہی کو دینا ہے باقی تو رحم کیلئے بہت کم لوگ ہیں کہ وہ کسی کو کچھ دیتے ہیں اور یہ لوگ زیادہ تر وہ ہیں جو کہ خود نہایت آرام میں ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ تکلیف کس چیز کا نام ہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سات برس کے متصل قحط میں کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ اور جب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ آج کل قحط کا زمانہ ہے لوگ بے وقت میرے پاس غلہ لینے کیلئے آتے ہیں اگر میں شکم سیر ہو کر کھاؤں گا تو مجھ کو ان کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہو سکے گا تو ممکن ہے میں کسی



وقت غلہ دینے سے انکار کر دوں اور بھوکا رہوں گا تو ہر وقت یہ معلوم رہے گا بھوک کی تکلیف ایسی ہوتی ہے اس کو بھی ایسی ہی تکلیف ہو رہی ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص خود آرام میں ہو اس کو دوسرے کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اور یہی سبب تھا کہ پہلے زمانہ میں تربیت کرتے وقت کچھ تکلیف بھی دیا کرتے تھے۔ (احسان التعلیم ج ۱۹)

## تواضع

حضرت ذوالنون مصریؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مدین میں قحط پڑا لوگ ان کے پاس دعا کرنے کیلئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اساک باراں گناہوں کے سبب ہوتا ہے اور سب سے زیادہ گناہ گناہ شہر میں ہوں۔ لہذا مجھے شہر سے نکال دو تو بارش ہو جائے گی اور یہی نہیں کہ محض زبانی کہہ دیا ہو۔ بلکہ آپ اس شہر سے چلے بھی گئے ہم لوگ شب و روز گناہوں میں مبتلا ہیں لیکن ہم کو کبھی وہم بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے اعمال کی شامت ہے۔

حضرت سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانیؒ جن کی شان یہ تھی کہ قدمی علیٰ رقاب کل اولیاء اللہ (قال العارف السهروردی انه قال فی حالة السكر وقال بعض العلماء انه قاله بالالهام من اللہ عزوجل والاقرب الی سیرتہ ہوالاول واللہ اعلم لکن من ثبت فضله علیہ فهو مستثنیٰ من ذلک والكشف ظنی فانہم ۱۲۰ احمد حسن سنہلی عفی عنہ) ان کا مقولہ ہے ان کی وہ حالت تھی جو شیخ نے گلستان میں نقل کی ہے کہ وہ یہ کہہ رہے تھے

من نگویم کہ طاعت پذیر قلم عفو برگنا ہم کش  
یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت کو قبول فرما لیجئے اس لئے کہ میرے پاس طاعت ہی کہاں ہے۔ صرف یہ التجا ہے کہ میرے گناہوں کو بخش دیجئے اور آپ کے اس قول میں قدمی علیٰ رقاب کل اولیاء اللہ اگرچہ اختلاف ہے کہ تمام اولیاء اللہ مراد ہیں یا اس زمانہ کے اولیاء اللہ۔ لیکن دوسری شق میں بھی کچھ کم فضیلت ثابت نہیں ہوتی تو جب یہ حضرات اپنے کو ایسا کہیں تو ہم کو کیا حق ہے کہ ہم اپنے کو جنید وقت سمجھیں۔ اور اگر جنید ہی سمجھیں تب بھی اپنے کو گناہ گار سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ جنید تو اپنے کو بہت بڑا گناہ گار سمجھتے تھے۔ مگر ہمارا تقویٰ کچھ ایسا لوہے جڑا ہے کہ فسق و فجور سے بھی

نہیں جاتا کچھ بھی کریں مگر پھر بزرگ کے بزرگ ہمارے تقویٰ کی وہ حالت ہے کہ جیسے بی بی تمیزہ کا وضو تھا کہ وہ کسی طرح ٹوٹا ہی نہ تھا۔ (احسان التدبیر ج ۱۹)

## مراتب خلق

غصہ اور اسی طرح ہر خلق کے اندر تین مرتبے ہیں۔ اول تو غصہ کا پیدا ہونا یعنی ہیجان نفس۔ دوسرے یہ ہے کہ اس کے مقتضی پر جوش میں آکر کوئی کاروائی کرنا مثلاً غصہ آیا اور جوش آیا کہ زبان سے فلاں بات سخت اس کو کہوں اور ہاتھ سے ماروں۔ پس جس قدر ہیجان اور جوش کا مقتضی تھا سب افعال اس نے کر لیے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ہیجان تو ہوا لیکن نفس اس شخص کو بے قابو نہیں کرتا اور نہ جوش کو جاری کرتا ہے اور معاً کوئی کاروائی نہیں کی۔ بلکہ جب جوش ختم ہو گیا اس وقت غور کر کے کاروائی کرتا ہے۔ اب تینوں مرتبوں میں غور کرنا چاہیے کہ کس میں مصلحت ہے اس لئے کہ غصہ کے اندر عقلی اور شرعی حکمتیں ضرور ہیں ان کا انکار کسی طرح نہیں کیا جاسکتا اور وہ مصالح واجب التحصیل ہیں اور موقوف علیہ ان کا غصہ ہے اور بحکم مقدمۃ الواجب واجب۔ بعض افراد کے اعتبار سے غصہ واجب ہوا اور بعض کے اعتبار سے منہی عنہ بھی ہے جو لوگ محققین نہیں ہیں وہ ایسے مقامات پر پہنچ کر تنگ ہوتے ہیں اور گھبراتے ہیں حتیٰ کہ بعض نے گھبرا کر یہ کہہ دیا ہے۔

درمیان قعود یا تختہ بندم کردہ باز میگوئی کہ دامن ترکمن ہشیار باش  
اس شعر کا قائل ممکن ہے کہ کوئی درویش صاحب حال ہو لیکن یہ شعر بالکل غلط ہے  
اس لئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا اور ارشاد ہے: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ اور ارشاد ہے: مَا جَعَلَ عَلَيْكُمُ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ پس شریعت میں کوئی تنگی اور گھبراہٹ اور بے چینی نہیں ہے جس کو شریعت تنگ نظر آئے خود اس کے اندر تنگی ہے یرقان کے مریض کو سب چیز زرد معلوم ہوا کرتی ہے اور صفر اوی کو شیریں شے تلخ معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ ابھی معلوم ہوگا کہ شریعت میں کس قدر وسعت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غور کرنا چاہیے کہ تین مرتبے جو غضب کے بیان کئے گئے ہیں ان میں سے وہ مصلحتیں کس درجہ میں حاصل ہوں گی کہ وہ مرتبہ مامور بہ اور ماذون فیہ ہو اور کس مرتبہ میں حاصل نہ ہوں گی کہ وہ

منہی عنہ اور قبیح ہو۔ اول مرتبہ تھا جوش کا آنا یہ تو منہی عنہ نہیں ہے شریعت کا حکم یہ نہیں کہ ہم بالکل ٹھنڈے بن جائیں۔ بعضوں نے اپنے نفس کو اس قدر مارا کہ بالکل ہی اس غریب کو مار ڈالا۔ دیکھو! اگر شریعت میں اس قدر بے حسی مطلوب ہوتی تو کلمہ اللہ جو شرق سے غرب تک بواسطہ اعلیٰ کے پھیل گیا۔ یہ کیسے ہوتا۔ یہ غصہ ہی کی بدولت ہوا۔ اسی طرح شہوۃ کا قطع کرنا اگر مقصود ہوتا تو والد اور تناسل کیسے ہوتا اور نیز مجاہدہ کے اندر جواجر رکھا گیا ہے وہ کیسے حاصل ہوتا۔ تقویٰ کی دولت کہاں سے نصیب ہوتی۔ مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال کلخن است کہ از حمام تقویٰ روشن است

یعنی دنیا کی شہوت کی مثال بھٹی کی سی ہے کہ اس سے تقویٰ کا حمام روشن ہے گو شہوت بمنزلہ اپلوں اور ایندھن کے ہے اور پانی جو اس سے گرم ہو رہا ہے وہ بمنزلہ تقویٰ کے ہے۔ عجیب مثال ہے سخت غلطی ہے اس شخص کی جو غصہ کو بالکل دور کرنا چاہے کہ وہ بالکل ہی ملیا میٹ ہو جائے اگر یہ مطلوب ہوتا تو یوں نہ فرماتے وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ اور یہ ارشاد نہ ہوتا وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ اور لَا تَغْضَبْ صیغہ نہی کا ارشاد نہ ہوتا اس لئے کہ جو ہو جانے کے وقت مادہ ہی غضب کا نہ رہتا تو اس سے نہی کی ضرورت نہ رہتی پس جوش اور غصہ کا آنا منہی عنہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ امور غیر اختیار یہ میں سے ہے اور امر و نہی امور اختیار یہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور امور اختیار یہ نہ محمود ہیں نہ مذموم۔ ہاں اس اعتبار سے ان کو محمود کہا جاسکتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی قضا سے پیش آئے ہیں جیسے حافظ شیرازی اسی مضمون کی نسبت کہتے ہیں۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر است بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

بہر حال یہ درجہ تو منہی عنہ نہیں ہے اب دو درجہ باقی رہ گئے ایک تو جوش کے موافق کاروائی کرنا دوسرے جوش کو دبا کر عقل اور شرح کی اقتضاء کے موافق عمل کرنا۔ سو تجربہ یہ ہوا ہے کہ جوش کے موافق کاروائی کرنے میں مصالح عقلیہ بالکل نہیں ہیں اور مفاسد بہت ہیں طبعی مصلحت یعنی لذت آنا یہ بے شک ہے۔ لیکن وہ ایسی ناک کے رستہ نکلتی ہے کہ آدمی اس پر بے حد نادام ہوتا ہے مثلاً جوش آیا اور اس کو روکا نہیں اور کسی کو برا کہہ دیا وہ مخالف ہو گیا یا کسی کی آنکھ پھوڑ دی یا ہاتھ توڑ دیا تو اس کا انجام دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے برا ہے۔ شرعی مصلحت بھی جوش کے مقتضا پر عمل کرنے میں کچھ نہیں ہے اس لئے ارشاد یہ ہے یَسِّرَا

وَلَا تُعَسِّرَ ابْشِرًا وَلَا تُنْفِرًا۔ یعنی سہولت کرو سختی نہ کرو۔ خوش خبری دو نفرت مت دلاؤ اور اتنے جوش پر عمل کرنے سے یقیناً نفرت ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ ہیبت کی سخت ضرورت ہے یہ عقلی مصلحت ہے ہم کہتے ہیں کہ ہیبت اس طرح سے نہیں ہوتی۔ ہیبت تو محبت سے ہوتی ہے تنفیر سے تو ایسا خوف ہوتا ہے جیسے درندہ سے ہوتا ہے۔ ہیبت نہیں ہوتی ہیبت محبت کے ساتھ ہوتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کس قدر محبت تھی اور ہیبت بھی بہت تھی۔ معشوق کی محبت بھی ہوتی ہے۔ اور ہیبت بھی اس قدر ہوتی ہے کہ اس کی طرف دیکھا نہیں جاتا۔ (الغضب ج ۱۹)

### غصہ کا علاج

عروہ کو غصہ آیا لیکن ابووائل کہتے ہیں کہ انہوں نے فوراً پانی منگا کر وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ میرے باپ نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ الغضب من الشیطان اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان الشیطان خلق من النار یعنی غصہ شیطان کا اثر ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے دیکھئے غصہ کے وقت حرارت ہی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ چہرہ کیسا سرخ ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پیر کاٹنے لگتے ہیں یہ سب نار کے ہی فعل ہیں۔ چنانچہ شیطان سے کسی نے پوچھا کہ انسان کے جسم میں تو کہاں رہتا ہے جس وقت انسان خوش ہوتا ہے تو دل میں ہوتا ہوں اور جب غصہ ہوتا ہے تو سر کے اوپر ہوتا ہوں۔ سبحان اللہ طبیب ماہر جاہل سے ہمیشہ اچھا ہوتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا الغضب من الشیطان والشیطان من النار تو اس کا علاج بھی وہ تعلیم فرمایا جو اس کا پورا مقابل ہے یعنی یہ تعلیم فرمایا کہ غصہ کے وقت وضو کرو صرف اعضاء کا دھونا نہیں بتایا۔ اس واسطے کہ صرف نار نہیں بلکہ شیطان کا اثر ہے جو نار سے مخلوق ہے نار کا مقابل پانی اور شیطان کی شیطنت اور کفر کے مقابل عبادت عبادت تکبر کی ضد ہے اور شیطان کی تمام شیطنت کا خلاصہ کبر ہے تو وہ فعل علاج کیلئے تجویز فرمایا جو نار کا بھی مقابل ہے اور کبر کا بھی مقابل ہے یعنی عبادت ہے اور وہ فعل وضو ہے۔ صرف اعضاء کے دھونے سے حرارت بے شک کم ہو جاتی مگر عبادت شامل ہونے سے جو تاثیر پانی کی بڑھ گئی وہ سوائے اس طریقے کے اور کسی طرح حاصل نہ ہوتی۔



آپ کو معلوم ہوگا کہ وضو عبادت ہے۔ اگر عبادت مقصودہ بھی نہ ہو تو لازم عبادت تو ہے ہی۔ اور لازم شے میں بھی کچھ نہ کچھ اثر ملزوم کا ہوتا ہی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بنفشہ اور نیلوفر اور خطمی اور ملٹھی وغیرہ بھی چند دوائیں ہیں جو طبیبوں کے نسخوں میں اکثر لکھی جاتی ہے۔ مگر انہی دواؤں سے آپ علاج نہیں کر سکتے طبیب کی پھر ضرورت ہے اور طبیب کیا کرتا ہے کہ انہی دواؤں کو ایک خاص ہیئت پر جمع کر دیتا ہے اس ترکیب کو علاج میں بڑا دخل ہے تو آپ کو اگر مرض کا علاج کرانا ہو تو دواؤں کو اسی ترکیب سے استعمال کریں اپنی رائے کو دخل نہ دیجئے ورنہ نقصان ہوگا۔ ہم کو ہمارے طبیب روحانی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقعوں کیلئے وضو سکھایا ہے یہ کام ہاتھ پیر دھونے سے نہیں نکل سکتا جو باقاعدہ مرکب نسخہ سے نکلے تو وضو کو بالخاصہ غصہ کے دور کرنے میں دخل ہے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## وضو سے قرب الہی

وضو عبادت ہے اور عبادت کہتے ہیں تقرب الی اللہ کو جب انسان کو حق تعالیٰ سے قرب ہوگا تو ظاہر ہے کہ شیطان سے بُعد ہوگا بلکہ شیطان خود وہاں ٹھہر نہ سکے گا اور اس کو دور ہونا پڑے گا۔ دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست آدمی جب عبادت کرتا ہے تو جتنا یہ حق تعالیٰ کی طرف چلتا ہے اس سے زیادہ حق تعالیٰ اس کی طرف کرم فرماتے ہیں حدیث قدسی ہے من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذرا عا ومن تقرب الی ذرا عا تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ہرولہ۔ یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص میری طرف ایک بالشت آتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو کوئی میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں۔ اور کوئی میری طرف آہستہ چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ آپ وضو سے ذرا تقرب کریں گے تو حق تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا مینہ برس پڑیگا پھر جہاں حق تعالیٰ وہاں کیسا شیطان اور جہاں رحمت کی بارش وہاں کیسی آگ۔

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست (غوائل الغضب ج ۱۹)

## غصہ کا علاج... اہل عرب کا ایمان

اور بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ وضو کرنے سے بھی غصہ فرو نہیں ہوتا اس کی وجہ

صرف ضعیف ایمان ہے ورنہ ہم نے عرب میں بدویوں کو دیکھا ہے حالانکہ وہ بالکل جاہل لوگ ہیں نہ خود علم ہے نہ علماء کی صحبت ان کو نصیب ہے مگر اللہ اکبر حق تعالیٰ نے کیسا ایمان ان لوگوں کے دلوں میں رکھا ہے کہ دو بدوؤں میں لڑائی ہو جاوے اور تلوار چلنے کی نوبت آجائے اور دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں اس حال میں کوئی تیسرا شخص کہہ دے یا شیخ اصل علی النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بس لڑائی رہے نہ جھگڑا۔ اور ان کا غصہ اور حرارت ایک دم فنا ہو جاتی ہے اس کے مقابلہ میں یہاں دیکھئے کسی کے سامنے غصہ کی حالت میں کہتے ہیں کہ میاں! اللہ میاں کا نام لے مگر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ دونوں بدو اس لفظ کو سن کر ممکن نہیں کہ سوائے درود شریف کے اور کوئی جواب دیں اور جہاں درود شریف انہوں نے پڑھا اور ان کا جوش کا فور ہوا۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

### غصہ کا دوسرا علاج

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا اغضب احدکم فلیجلس یعنی جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر اس سے نہ جائے تو لیٹ جائے۔ یقیناً کامل ہے کہ اس سے آگے کسی تدبیر کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس میں اہل لطائف نے ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ غصہ کے فرو کرنے میں لیٹنے اور بیٹھنے کو کیا دخل ہے وہ یہ ہے کہ جب آدمی کھڑا ہوتا ہے تو زمین سے اس کے جسم کو بُعد ہوتا ہے اور بیٹھنے میں بہ نسبت زمین سے قرب ہو جاتا ہے۔ اور لیٹنے میں اس سے بھی زیادہ زمین سے مل جاتا ہے اور زمین کی طبیعت میں حق تعالیٰ نے انکسار رکھا ہے وہ انکسار آدمی پر بھی اثر کر جاتا ہے اور انکسار تکبر اور غضب کی ضد ہے۔ تو گویا یہ علاج بالقصد ہوا اور یہی اصل الاصول علاج کا ہے اور فطری طور پر بھی یہ علاج واقعی علاج ہے تجربہ سے دیکھا جاتا ہے کہ غصہ میں بے اختیار یہ جی چاہتا ہے کہ ایسی ہیئت بنائے کہ مارنا کوٹنا پکڑنا وغیرہ آسان ہو جائے مثلاً اگر لیٹے ہوئے آدمی کو غصہ آئے تو بے اختیار اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ غصہ ہو تو کھڑا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ لیٹا ہوا آدمی دوسرے کو مارنا پیٹنا ایسا نہیں کر سکتا جیسا کہ بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا کر سکتا ہے تو غصہ کا مقتضائے طبعی یہی ہوا کہ آدمی لیٹا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو کھڑا ہو جائے تو بیٹھنے کو غصہ کی اصلی ہیئت سے کچھ بُعد ہے اور لیٹنے کو بہت زیادہ بُعد ہے تو یہ تعلیم عین فطری تعلیم ہوئی کہ اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## غصہ کا تیسرا علاج

ایک تیسرا علاج اور ہے۔ سبحان اللہ! شارع علیہ السلام نے اخلاق کی کس قدر اصلاح فرمائی ہے ہر ہر مرض کے متعدد علاج بتا دیئے ہیں۔ اور جیسا کہ اس سے شفقت ثابت ہوتی ہے ایسی ہی یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اخلاق کی درستی اعمال ظاہرہ سے بہت زیادہ ضروری ہے کیونکہ متعدد تدبیریں اسی کام کیلئے کی جاتی ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو۔ جس مکان میں معمولی اسباب ہوتا ہے اس میں ایک تالا ڈال دیا کرتے ہیں اور جس میں کچھ قیمتی اسباب ہوتا ہے اس میں خوب مضبوط تالا بلکہ متعدد تالے ڈالتے ہیں اور جس میں خزانہ ہوتا ہے اس میں کئی کئی قسم کے تالے ڈالتے ہیں اور مزید اعتبار کیلئے پہرا بھی رکھتے ہیں وجہ اس کی یہی ہے کہ خزانہ کی حفاظت اور اسباب سے زیادہ ضروری ہے اور خزانہ دوسرے تمام سامان سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ شارع علیہ السلام نے جن امراض کی کئی کئی تدبیریں بتائی ہیں وہ امراض ایسے نہیں ہیں جن کو سرسری نظر سے دیکھا جاوے بلکہ وہ امراض سخت امراض ہیں اور ان سے بچنے کی کچھ زیادہ ہی ضرورت ہے جب تو ایک تدبیر پر اکتفا نہیں کیا گیا۔

مگر افسوس ہے کہ ہم لوگوں کی بڑی توجہ اگر ہوئی تو صرف اعمال ظاہری کی طرف اور یہی بڑی معراج ہے کہ پانچ وقت نماز پڑھ لیا کریں اور رمضان میں روزے رکھ لیا کریں۔ نماز روزہ واقعی رکن ایمان ہیں لیکن یہ بھی بلا شک و شبہ سمجھ لیجئے کہ درستی اخلاق من وجہ ان سے بھی زیادہ ضروری اجزاء ہیں کیونکہ اخلاق اعمال کیلئے بمنزلہ اصول کے ہیں فروع کیلئے درخت میں سے دو چار شاخوں کا بھی کٹ جانا اتنا اثر نہیں رکھتا جتنا کہ جڑ کے ایک ریشہ کا کٹ جانا رکھتا ہے۔

خیر! وہ علاج ثالث یہ ہے جس کو روایت کیا ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا دو شخصوں میں جھگڑا ہوا یہ دونوں صحابی تھے بشریت سے کوئی خالی نہیں۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں کو غصہ آ گیا۔ یہ ظاہر اسود بی ضرور ہے مگر حق تعالیٰ کو ہمارے لیے ایک تعلیم پہنچانی تھی کہ وہ بلا اس غصہ کے نہ ہوتی دونوں کو غصہ آیا۔ اور خوب جھگڑا ہوا۔ دونوں میں سے کوئی خاموش نہ ہوتا تھا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی اعلم کلمۃ لو قالہا لذهب عنہ ما یجد یعنی میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر غصہ والا اس کو پڑھ لے تو ابھی غصہ جاتا رہے اور وہ کلمہ اعوذ باللہ ہے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## غصہ کے دیگر علاج

ایک علاج غصہ کا علماء نے یہ کہا ہے کہ اس جگہ سے علیحدہ ہو جائے ظاہر ہے کہ جب دوسری جگہ چلا جائے گا تو نہ وہ شخص موجود ہوگا جس پر غصہ آیا نہ وہ اسباب وہاں موجود ہوں گے جو باعث غصہ کے ہوئے تھے۔ غصہ آپ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اور ایک علاج یہ ہے کہ جس کو غصہ زیادہ آتا ہو ایک کاغذ پر یہ لفظ لکھ کر کسی ایسے موقع پر لگا دے کہ اس پر ضرور نظر پڑتی ہو وہ لفظ یہ ہے ”خدا تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے کہ جتنی تجھ کو اس پر ہے“۔ غصہ جیسا آتا ہے کہ جب دوسرے کو اپنے سامنے کمزور پاتا ہے اور جب دوسرا زبردست ہوتا ہے تو غصہ نہیں آتا۔ بلکہ اگر تیسرا بھی ایک زبردست موجود ہو اس کے سامنے بھی تو غصہ نہیں آتا۔ کہیں ایک ہاتھی مست ہو گیا تھا اور لوگوں کو مارنا شروع کیا بہت تدبیریں کیں مگر قابو میں نہ آیا۔ یہاں تک کہ مالک نے اجازت دیدی کہ گولی سے مار دیا جائے ایک پرانے فیل بان نے یہ تدبیر بتلائی کہ ایک شیر ببر کا کنگڑا اس کے سامنے لا کر رکھ دو۔ بس شیر کا لانا تھا کہ وہ مستی اور شور سب جاتا رہا اور ہاتھی چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ ہاتھی کی بھی جان بچ گئی اور مالک کا بھی نقصان نہ ہوا۔ اسی طرح جب اس عبارت کو دیکھ کر ایک قادر قوی کا استحضار ہوگا۔ یعنی حق تعالیٰ کی عظمت اور جبروت ذہن میں گزرے گی۔ بس پھر غصہ کا نام کہاں۔ اور ایک علاج یہ ہے کہ گو غصہ اپنے سے کم مرتبہ والے پر آیا ہے مگر انسان سوچے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ میں بڑا ہوں اور یہ چھوٹا ہے۔ اس وقت میں زبردست ہوں لیکن ممکن ہے ابھی ذرا دیر میں یہ شخص زبردست ہو جائے اور میں زبردست ہو جاؤں ایسے واقعات دنیا میں دن رات رہتے ہیں۔ یہ ہماری صرف کوتاہ نظری اور غفلت ہے کہ یاد نہیں رکھتے اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ وہ شخص زبردست نہیں ہو سکتا تو دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ آخرت میں مجھ سے بہتر ہو اور بلکہ دنیا ہی میں خدا تعالیٰ کے نزدیک مقرب ہو اور حق تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہو کسی کی نیکی اور بدی پیشانی پر لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہے تو اس کی نسبت حق تعالیٰ کا یہ اعلان ہے کہ میرے اولیاء کو جو کوئی ستاتا ہے تو میں اس کو اس نظر سے دیکھتا ہوں جس سے شیر اس شخص کو دیکھتا ہے جو اس کے بچوں کو چھیڑتا ہے اور ایک حدیث ہے من عادی لی ولیا فقد اذنتہ



بالحرب فليغرم بحرب من الله (یہ روایت تفسیر مظہری کی ہے) یعنی جو شخص میرے کسی مقرب بندہ سے عداوت رکھے میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ وہ مجھ سے لڑنے کے لئے تیار رہے العظمۃ لله۔ جب کسی دنیا کے حاکم سے بگاڑ ہو جاتا ہے تو کسی کو کچھ نہیں چلتی۔ خدا تعالیٰ کے سامنے کیا کوئی پیش لے جاسکتا ہے۔ تو گو وہ شخص ضعیف ہے مگر اس کی پناہ پر سب سے بڑا زبردست موجود ہے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## غصہ کا محل

جب غصہ ایسی بری چیز ہے تو انسان میں اس کی ترکیب کیوں رکھی گئی ہے اس کا جواب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اصول سے دیتا ہوں۔ حضرت فرماتے تھے ہر چیز میں برائی اور بھلائی دونوں میں موقع استعمال کے فرق سے ایک ہی چیز خیر اور شر ہو جاتی ہے جیسے روپیہ کہ اسی سے آدمی کی بسر معاش ہے اور اسی کو جرائم میں خرچ کیا جائے تو آدمی مجرم بن جاتا ہے تو اسی روپیہ کی بدولت جس سے آرام پاتا تھا۔ اب قسم قسم کی تکالیف اٹھاتا ہے وجہ یہی ہے کہ بے موقع خرچ کیا گیا۔ اسی طرح غصہ کو حق تعالیٰ نے مضرب کیلئے پیدا کیا ہے۔ اس میں دفعہ کا ایسا اثر ہے جیسے تلوار میں کاٹنے کا کسی اپنے عزیز کے گلے پر تلوار رکھ دو جب بھی کاٹے گی اور کسی دشمن کے گلے پر رکھو۔ جب بھی کاٹے گی پس غصہ میں فی ذاتہ کوئی برائی نہیں بلکہ قصور کام لینے والے کا ہے۔ اعداء اللہ کے مقابلہ میں اس سے کتنا کام لے سکتے ہیں اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو حضرت حاجی صاحب اس کے استعمال کا موقع بتاتے ہیں کہ اپنے نفس پر اس سے کام لو کیونکہ سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے چنانچہ فرمایا گیا اعدی عدوک اتی بین جنہیک۔ جب غصہ میں تلوار کی طرح سے دشمن کے دفع کرنے کی خاصیت ہے تو اس موقع پر بڑا اچھا کام دیگا غصہ دوسروں پر چلانے سے پہلے اپنے اس بڑے دشمن پر چلائے یہ نفس آپ کا ایسا چھپا دشمن ہے کہ جس کی دشمنی کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ دوسرے دشمن آپ کے کھلم کھلا مخالف ہوتے ہیں اور یہ جو کام آپ سے کراتا ہے لذات اور شہوات کے پردہ میں کراتا ہے تو اس کی ایسی مثال ہوگئی جیسے آپ کا ایک مخالف آپ کو سنکھیا دے اور کہے کہ یہ کھا لیجئے آپ اس کو ہرگز نہ کھائیں گے اور ایک آپ کا دوست جو درحقیقت دشمن ہو اور آپ کے قتل کی فکر میں ہو لڈو میں ملا کر زہر دیدے تو آپ اس کو بڑے شوق سے کھالیں گے اور جب تک اس زہر کا اثر نہ ہوگا آپ کو ذرا بھی وہم نہ ہوگا۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## مرد و عورت کے غصہ کا فرق

غصہ تو مردوں میں زیادہ ہوتا ہے بات بات پر لڑتے اور چلاتے ہیں عورتیں اتنا کہاں چلاتی ہیں۔ بیسیو یہ سمجھ لو کہ چلانے کا ہی نام غصہ نہیں بلکہ دل میں ناخوش ہونے کا نام غصہ ہے مردوں کے مزاج میں حرارت ہوتی ہے اس واسطے ان کی ناراضی کا اثر مار پیٹنے چلانے وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے اور عورتوں کی فطرت میں حیا و برودت رکھی گئی ہے۔ اس واسطے اس ناراضی کا اثر کم ظاہر ہوتا ہے ورنہ درحقیقت اس ناراضی میں عورتیں مردوں سے کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں اور چونکہ عقل میں ان کے نقصان ہے موجب ناراضی کو صحیح سمجھ بھی نہیں سکتیں ان کو ایسے موقعوں پر بھی غصہ آ سکتا ہے جہاں مردوں کو نہیں آتا۔

تو ان کے غصہ کے مواقع یکتا بھی زیادہ ہیں اس کے علاوہ چیخنے چلانے کی نسبت میٹھا غصہ دیر پا ہوتا ہے چیخنے چلانے والوں کا غصہ ابال کی طرح سے اٹھ کر دب جاتا ہے اور میٹھا غصہ دل کے اندر جمع رہتا ہے۔ اسی کو کینہ کہتے ہیں کینہ کا منشاء غصہ ہے۔ سو ایک عیب تو وہ غصہ تھا اور دوسرا عیب یہ کینہ تو میٹھے غصہ میں دو عیب ہیں اور کینہ میں ایک عیب اور ہے کہ جب غصہ نکلا نہیں تو اس کا خمار دل میں بھرا رہتا ہے اور بات بہانہ اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں تو کینہ صرف ایک گناہ نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے اور کینہ میٹھے غصہ میں ہوتا ہے اور میٹھا غصہ عورتوں میں زیادہ ہے تو عورتوں کا غصہ ہزاروں گناہ کا تخم ہے مردوں کا غصہ ایسا نہیں مردوں کا غصہ جوشیلا ہے اور عورتوں کا غصہ میٹھا ہے۔ (غواہ الغضب ج ۱۹)

## حسد کی قباحت

حسد کی نسبت حدیث شریف میں ہے کہ حسد نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے تو یہ برائی جو تمہارے دل میں اس غیبت کے مقابلہ میں پیدا ہوئی بدرجہا کیفیت میں زیادہ ہے کہ تمہاری اور نیکیوں کو بھی غارت کرے گی یہاں قوت واہمہ سے کام لو اور نفس کے خلاف حاشیے لگاؤ اور یہ سوچو کہ اگر ہم اس ایک غیبت کے بدلے میں ان برائیوں میں پڑ گئے تو کیسے بڑے بڑے نتیجے ہوں گے وہم اس طرح کام لینے سے وہی نتیجہ نکلے گا جو اس خیالی صورت میں وہم کے تصرف سے ہاتھ پیر نمودار ہو جانے سے نکلا تھا جیسا کہ اس

سے ڈر کر دیکھنے والا بھاگتا ہے اسی طرح ان برائیوں سے بھاگے گا کام کی بات یہ ہے مگر ایسی امید کس سے کی جائے یہ تو سنی ہوئی باتوں کی حالت ہے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## بھاوج کا غصہ

بہت جگہ ایسا ہوتا ہے کہ گھر کا کوئی بزرگ مر گیا اور بڑی اولاد کے ساتھ چھوٹے بچے بھی چھوڑے وہ چھوٹے بچے بڑے بھائیوں کی پرورش میں آ جاتے ہیں۔ اور بھاوج کا اختیار ہوتا ہے چونکہ بچے گھر میں رہتے ہیں اس واسطے ان کی نگرانی وغیرہ عورتوں ہی کے ہاتھ میں زیادہ رہتی ہے۔ بڑا بھائی باہر رہتا ہے اور بھاوج صاحب ان سے دل کے کینے نکالتی ہیں ہر بات پر مارتا برا بھلا کہنا ہر چیز کو ترسانا کھانا پیٹ بھر نہ دینا کپڑے کی خبر نہ لینا اور نوکروں سے زیادہ ذلیل کر کے ان کو رکھنا یہ ان کا برتاؤ رہتا ہے اور اس پر بھی چین نہیں بطور حفظ ما تقدم خاوند سے الٹی شکایتیں کرتے رہنا غرض ایسے خلاف انسانیت برتاؤ رکھتی ہیں کہ ان کا بیان کرنا بھی مشکل ہے یہاں پر میں مردوں کو بھی خطاب کرتا ہوں کہ یتیم بچوں کی نگرانی خود بھی رکھو۔ عورت کے کہنے میں اتنے نہ رہو کہ ہر بات کو سچ جان لو۔ جب یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ بھاوج دیوروں کے ساتھ مغائرت کا علاقہ رکھتی ہے تو اس کی شکایتوں کا کیا اعتبار۔ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے موقعہ پر مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کو سنا دیں کہ تم سچ بھی کہو کوئی تو ہم جھوٹ سمجھیں گے۔ سب مردوں کو نہیں کہتا ہوں بہت سے مرد ایسے بھی ہیں کہ واقعی مرد ہیں اور ایسے موقعہ پر پوری عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور اس ساتھ کو بھیڑیے بکری کا ساتھ سمجھتے ہیں جہاں بھیڑیا بکری اکٹھا ہوں گے وہاں بھیڑیے کی طرف سے بکری کے ساتھ ایذا رسانی ہی ہوگی کبھی نہیں کہا جاسکتا کہ بھیڑیا بکری کی طرفداری یا اس پر رحم کرے گا۔ عورت کے کہنے سے بھائیوں کو نہ سناؤ۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ”یتیم بچہ زندوں میں شمار ہی نہیں“ اپنے ماں باپ کے ساتھ وہ بھی مر گیا پھر مرے ہوئے کو مارتا کیا جو ان مردی ہے اس کی۔ اگر حد سے زیادہ دل دہی کرو گے تب بھی اس کا دل زندہ نہیں رہ سکتا۔

یتیم کی صورت پر مردنی چھائی ہوتی ہے۔ دو بچوں کو برابر بٹھاؤ جن میں سے ایک یتیم ہو اور دوسرا یتیم نہ ہو اور ایک چیز دونوں کے سامنے رکھ دو اور کہہ دو کہ جو کوئی پہلے

اٹھائے یہ چیز اسی کی ہے۔ یقین کامل ہے کہ یتیم کا ہاتھ نہیں اٹھے گا۔ وجہ یہی ہے کہ اس کا دل مردہ ہو چکا ہے۔ باقی بفضلہ تعالیٰ ایسے بھی لوگ دیکھے جاتے ہیں جو یتیموں کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## قلم کی غیبت

بعض لوگوں کو یہ سوچتی ہے کہ کوئی خبر معتبر یا غیر معتبر معلوم ہوئی چٹ سے اس پر ایک مضمون لکھا اور کسی اخبار کو روانہ کیا یا کسی سے اپنے خلاف طبع بات دیکھی یا سنی تو خواہ واقع میں وہ ٹھیک ہی ہو۔ مگر اپنے خلاف طبع ہونے کی وجہ سے اس پر ہجو آمیز بلکہ سب و شتم سے بھرا ہوا مضمون لکھ ڈالا۔ اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ کتنا اس میں جھوٹ ہے اور کتنا سچ۔ اور کیا کیا مفاسد شرعی اس میں بھرے ہوئے ہیں۔

خوب یاد رکھو! کہ جو قلم زبان کا ہے وہی قلم کا ہے۔ زبان سے جھوٹ بولنا جس طرح جائز نہیں قلم سے بھی جائز نہیں۔ زبان سے غیبت کرنا جس درجہ کا گناہ ہے اسی درجہ کا گناہ قلم سے بھی۔ کسی کی نسبت ایسی بات لکھنے میں ہے جو اس کو بری معلوم ہو زبان سے جیسے فضول بکنا برا اثر رکھتا ہے اور حسن اسلام کے خلاف ہے۔ حسب ارشاد ان من حسن اسلام المرء ترک ما لا یغنیہ۔ ایسے ہی قلم سے فضول مضامین لکھنے کا اثر ہے۔ بہت موٹی بات ہے کہ جیسے زبان ترجمان قلب ہے ایسے ہی قلم بھی ہے جو بات زبان سے منع ہوگی وہ قلم سے کیوں منع نہ ہوگی۔ بلکہ قلم کے گناہ زبان سے سخت ہونے چاہئیں کیونکہ زبان کی باتوں کو ثبات اور بقا نہیں زبان کی باتوں کا اثر تھوڑی دور تک پہنچتا ہے۔ یعنی صرف وہاں تک کہ جہاں تک وہ آواز پہنچے اگر کسی نے زبان سے کسی کی غیبت کی تو سننے والے دو چار یادس پانچ ہی آدمی ہو سکتے ہیں۔ اس گناہ میں اگر شرکت ہوئے تو اتنے ہی مجمع کی ہوئے غیبت کرنی والا اتنے ہی مجمع کے گنہگار کرنے کا سبب بنا اور اس شخص کی آبروریزی صرف اتنے ہی مجمع کے سامنے ہوئی بخلاف قلم کے کہ اس کی آواز مشرق سے مغرب تک پہنچتی ہے جتنے آدمی اس برائی میں شریک ہوں گے ان سب کا سبب یہی شخص ہوگا نیز اس معصیت کی کیفیت بڑھ جائیگی کیونکہ ہزاروں اشخاص کے سامنے اس شخص کی آبروریزی ہوگی۔ ظاہر بات ہے کہ تنہائی میں کسی کے جوتا مارنا اور اثر رکھتا ہے اور دو چار آدمی کے سامنے مارنا اور اثر رکھتا ہے اور ہزار دو ہزار کے مجمع میں مارنا اور اہل



قلم اپنے آپ کو مرفوع القلم سمجھتے ہیں یہ ایسا خیال ہے جیسے آجکل کے شاعروں نے سمجھ رکھا ہے کہ شعر میں سب روا ہے جو مضمون بھی برے سے برا شعر میں باندھ دیا جائے جائز ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے ایسے ہی یہ خیال بھی غلط ہے کہ قلم اور زبان میں کچھ فرق ہے۔

غور کرنے سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ قلم کے گناہ زبان سے زیادہ شدید ہیں خوب یاد رکھئے کہ یہ مفاسد نظر انداز کرنے کی چیز نہیں اس کے علاج کیلئے اسباب میں غور کرنا چاہیے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## تفریح کے نام پر گناہ

میں تحقیق سے کہتا ہوں کہ ان کا بڑا سبب بیکار بیٹھنا ہے۔ اسی قبیل سے یہ بھی ہے جو ہمارے قصبہ میں رواج ہے کہ چوپایوں اور بیٹھکوں میں جمع ہو کر بیٹھتے ہیں اس کا نام تفریح طبع اور دل بہلانا رکھا ہے۔ وہاں نہ کوئی دنیا کا کام ہوتا ہے اور نہ دین کا کام ہوتا ہے۔ سوائے ہنسی مذاق اور ان مشغلوں کے جن کا میں بیان کر چکا۔ اور مجمع ایسا ہوتا ہے جن میں کوئی درویش نہیں کوئی بڑا نہیں کوئی عالم نہیں۔ سب مٹلی بالطبع جمع ہیں نفسانی خواہشوں کا کوئی مانع موجود نہیں پھر جو کچھ بھی ہوگا وہ افعال نفس کی ہی جنس سے ہوگا اور عادت غیبت وغیرہ کی پہلے سے پڑی ہوئی ہے اور وہاں کوئی اور مشغلہ ہے ہی نہیں تو یہ لذیذ مشغلہ ضرور شروع ہوگا اگر کسی کو ذرا تعلیم کے اثر سے یا کسی وجہ سے ان باتوں کا شوق نہیں تو وہاں بیٹھ کر کم سے کم یہی ہوتا ہے کہ زائد از کار باتیں ہوتی ہیں کہ آم فلاں باغ کے اچھے ہوتے ہیں۔ اب کے بارش اچھی ہوتی ہے باغوں میں لطف آرہا ہے کھیل کود کا موسم ہے وغیرہ وغیرہ۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## عہد رسالت کا ایک واقعہ

حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کی نسبت (جیسا کہ سوکنوں میں ہو جاتا ہے) صرف اتنا کہا کہ یہ کس قدر پست قد ہیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ایسا کلمہ کہا کہ اگر دریا پر ڈال دیا جائے تو اس کو مغلوب کر دے۔ یہ اس ایک کلمہ کی برائی ہے۔ جس کے لوگ دن رات عادی ہیں اور بیٹھکوں اور چوپایوں میں اور مجمعوں میں سوائے اس کے کوئی شغل ہی نہیں اور اسی سے طبعیتیں مالوف ہو گئیں ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی ان باتوں سے

مجمع میں احتراز کرنا چاہے تو یقیناً اس کی زبان اتنی نہیں چلے گی۔ جتنی کہ ان باتوں کے کرنیوالے کی چلے گی تو مجمع والے بطور تمسخر کہتے ہیں آپ تو ولی اللہ ہیں آپ نے ناحق تکلیف کی مجمع میں آنا کیا ضرور تھا مسجد ہی میں بیٹھے رہے ہوتے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## طاعت کے پیرایہ میں معصیت

میں آپ کو ایک پہچان بتلائے دیتا ہوں جس سے اگر آپ کام لیں گے تو ان شاء اللہ ان دھوکوں میں نہ پڑیں گے وہ یہ ہے کہ یاد کر لیجئے کہ طاعت میں لذت نفس نہیں ہوتی اور جس کام میں لذت نفس ہو وہ طاعت نہیں ہوتا اگر آپ کو یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ ہمارا فعل غیبت اور طعن ہو یا نہیں تو انصاف کے ساتھ حالت نفس کو تلاش کیجئے کہ ان بیانات کے وقت آپ کو لذت حاصل ہوتی ہے یا نہیں اگر لذت حاصل ہوتی ہے تو کھٹک جائے کہ اس میں نفس کی چال پوشیدہ ہے اور یہ عمل شیطانی ہے طاعت نہیں ہے اس کی ایک بہت موٹی پہچان یہ ہے کہ ان عیوب کو بار بار کہنے کو جی چاہتا ہے اگر وہ معصیت نہ ہوتا تو وہ آپ کی زبان پر ایسے آتا کہ جیسے آپ کا کوئی بیٹا نالائق ہو اور برے افعال میں مبتلا ہو اور آپ کو تنگ کرتا ہو۔ اس کے عیب آپ کی زبان پر ہر جگہ نہ آئیں گے۔ بلکہ ان کی زبان پر آنے سے آپ کا دل دکھے گا اور خفت بھی ہوگی اور حتی الامکان یہ چاہیں گے کہ یہ عیب کسی پر ظاہر نہ ہوں اور اس کو مناسب طریق سے اور تنہائی میں آپ سمجھائیں گے کہ یہ حرکتیں نازیبا ہیں ان کو چھوڑ دو یہ کبھی نہ ہوگا کہ آپ ان عیوب کو جگہ جگہ گاتے پھریں اصلاح اس کو کہتے ہیں اگر آپ کو اس شخص کی اصلاح کرنی ہے جس کی غیبت میں آپ مبتلا ہیں تو دوسروں کے سامنے اس کے عیب ظاہر کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کو تنہائی میں سمجھائیے اور اسی طرح سمجھائیے جیسے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں۔۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جو اثر آپ کے دس جگہ ان عیوب کے مجمع میں ذکر کرنے سے ہوتا اس سے زیادہ ایک جگہ علیحدگی میں سمجھانے سے ہوگا یہ عمل ممتحن اور ماثور ہے اور اگر اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس کو تنہائی میں سمجھائیں بلکہ مجموعوں میں اس کے عیوب کو ظاہر کرنے میں لطف آتا ہے۔ تو سمجھ لو کہ یہ وہی شیطان کا دھوکہ ہے جو ہر آلود مٹھائی کا کام دیگا کہ حلق سے اترتے تک تو اچھی معلوم ہوتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی حالت یہ ہوگی کہ تو اس مخلوق فرو بردن استخوان درشت و لے شکم بد روچوں بگیر داند رن ناف

اس خبط میں عورتیں بہت پڑی ہوئی ہیں شاید ہی کوئی بھلی مانس اس سے خالی ہو۔ دوسرے کی عیب جوئی ان کی طینت میں داخل ہے ذرا سا بہانہ چاہیے کہ دوسرے کے کاموں میں گھس بیٹھیں۔ اگر کسی میں کچھ دنیا کا عیب ہو تو اس پر ان کی نظر ضرور پڑے گی اور اگر دنیا کا نہ ہو اور دین کا ہو تو چاہے اپنے آپ اس سے سینکڑوں درجہ بدتر گناہوں میں مبتلا ہوں مگر اس پر طعن کر ہی دیں گی اپنے آپ چاہے روزہ نماز قضا ہوتی ہو مگر دوسرے کسی کو ایک دن دیکھ لیں کہ نماز دیر سے پڑھی تو چٹ سے ٹوک دیں گی کہ یہ تو مولوی بنتے ہیں نماز تک وقت پر پڑھتے نہیں اور جوان سے کہو کہ یہ عیب جوئی ہے تو کہتی ہیں کہ کیا نماز کے لئے بھی کہنا برا ہے۔

خوب سمجھ لو کہ یہ کہنا نماز کیلئے نہیں ہے بلکہ طاعت کے پیرایہ میں معصیت ہے اور اس میں وہی گہرا مگر شیطان کا پوشیدہ ہے جس کو میں نے ابھی بیان کیا کہ اپنی نماز قضا کرنے میں مبتلا ہے ہی دوسرے کی عیب جوئی کے گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی کو نماز پر تنبیہ و تاکید نہ کرو۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ دوسرے کو جتنی تاکید کرو اتنی اپنے آپ کو بھی تو کرو۔ یہ کیسا امر بالمعروف ہے کہ دوسرے کو تو نماز دیر سے پڑھنے پر ملامت کی جاتی ہے اور اپنے آپ کو برابر نماز قضا ہونے پر بھی کچھ خیال نہیں ہوتا بس سمجھ لو کہ امر و نہی کچھ بھی نہیں ہے صرف شیطان نیکی کے پیرایہ میں برائی کراتا ہے۔ بے نماز تو پہلے ہی سے بنا رکھا ہے جو حق اللہ تھا۔ اب حق العبد میں بھی مبتلا کرتا ہے اور اس پیرایہ سے کہ پتہ بھی نہ چلے۔ بعض بد طینت ایسے ہوتے ہیں کہ ہر شخص کے کاموں میں گھستے ہیں۔ اور اس سے بھی بحث نہیں کہ کوئی کام اچھا ہے یا برا۔ ایک نہ ایک عیب نکال دیتے غرض! حتیٰ کہ اگر کوئی عیب نہ ملے تو یہ ہی سہی کہ اگر نیک ہیں تو اپنے لئے ہمیں کیا اور آپ نیک بن گئے تو کیا فلاں رشتہ داران ہی کے کیسے ہی خراب لوگ ہیں ان کو نہیں درست کیا جاتا۔ اپنے آپ ولی بنتے ہیں۔ میں کہتا ہوں تمہیں کیا اگر ان کے رشتہ دار برے ہیں تو کیا انہوں نے برا کر دیا ہے اور اگر ان میں یہ تاثیر ہے کہ دوسروں کو برا کر دیتے ہیں تو تم ان سے بچتے رہو کہیں تمہیں بھی برا نہ کر دیں یہ بہت بری حالت ہے جتنا وقت اور خیال آدمی دوسروں کے بحس میں صرف کرتا ہے اگر اتنا اپنے بحس میں صرف کرے تو نہ معلوم کہاں پر پہنچے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## چغل خوری

چغل خوری کے بارہ میں فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل

الجنة قتات یعنی نہ داخل ہوگا جنت میں چغل خور۔ یہ کیسی سخت وعید ہے مسلمان کی تو ساری تمنائیں اور آرزوئیں اس پر ختم ہیں کہ جنت ملنے والی ہے اور یہاں خبر میں صاف انکار ہے کہ جنت نہ ملے گی۔ گویا تمام حوصلوں کی پست کر دینے والی وعید ہے اس میں جس قدر مبتلا ہیں اس کو کہاں تک بیان کروں زیادہ توجہ عورتوں میں آپس کے بگاڑ کی یہی چغل خوری ہے۔ اس میں ذاتی خاصیت ہے کہ کچھ نہ کچھ اثر لاتی ہے۔ جب کسی سے چند بار شکایت کی جائیگی تو کچھ تو اثر ہو ہی گا اس واسطے اہل اللہ نے ایسے شخص کی بات سننے سے بہت احتراز کیا ہے۔

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے جب کوئی کسی کی شکایت کرتا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا تھا تو فرماتے کہ خیر! اس شخص نے تو پیچھے ہی برا کہا۔ اور تو نے تو میرے سامنے، اس جواب سے پھر اس کا حوصلہ آئندہ چغلی کھانے کا نہ پڑتا۔ یہ عمدہ طریقہ ہے ورنہ اس کا آئندہ حوصلہ بڑھے گا

اور بعضے یہ سمجھ کر سن لیتے ہیں کہ ہم پر اثر نہیں ہوتا یہ ہرگز ماننے کے قابل بات نہیں۔ چغل خوری کی مثال تیر کی سی ہے کہ جب وہ کمان سے چھوڑا گیا تو کسی نہ کسی کے ضرور لگے گا۔ دیکھئے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے فرماتے ہیں کسی کی شکایت نہ کیا کرو فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدور۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ تمہاری جانب سے صاف دل رہوں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ سے بڑھ کر کون سلیم الصدور اور قوی القلب ہو سکتا ہے اور آپ منع فرماتے ہیں کہ شکایت نہ کیا کرو تا کہ میرے دل میں کسی کی جانب سے میل نہ ہو تو دوسرا کون اس کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ چغلی سے متاثر نہ ہوگا۔ بعض لوگ شکایت سنتے ہیں اور کہہ دیا کرتے ہیں میاں ہم نے سن تو لی مگر اثر کچھ نہیں ہوا۔ میں کہتا ہوں ضرور ہوا اور یہ کہنا اس کی غلطی ہے کیا یہ اثر نہیں ہے کہ ایک منکر میں آپ کو لطف آنے لگا۔ یہ تو سب برائیوں کی جڑ ہے۔ جب ایک بری بات میں آپ کو لطف آنے لگا ہے تو دوسری میں بھی آنے لگے گا۔ اسی طرح رفتہ رفتہ حس قلب باطل ہو جائے گا۔ اور کہیں وہ حالت نہ پیدا ہو جائے جس کی نسبت فرمایا گیا ہے۔ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ۔ عقل کی بات یہ ہے کہ نفس جیسے اپنے دشمن پر اعتماد نہ کیجئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مشفق اور دل سوز مربی پر اعتماد کیجئے۔ جب حضورؐ یہ کھڑا بیان



فرماتے ہیں کہ چغل خوری سے دل پر میل آ جاتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس میں ضرور یہ اثر ہے اور اس کو نفس کا دھوکہ سمجھئے کہ ہم پر اثر نہیں ہوتا ایسے ہی ہر گناہ کی حالت سمجھئے کہ ان میں نفس کے کہنے سے کوئی بھلائی نہ سمجھئے اللہ و رسول کے فرمانے کو اپنا معتمد علیہ قرار دیجئے اور ہر گناہ کو اپنے لئے مضر سمجھئے اور ظاہر و باطن سب کو درست کیجئے۔ طاعت صرف اسی کا نام نہ سمجھئے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لی جیسے خدا تعالیٰ نے نماز کا حکم کیا ہے ایسے ہی باطنی امراض کے ازالہ کا بھی حکم کیا ہے جن کو آپ نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ سن لیا۔ (غواہل المغضب ج ۱۹)

### مجلس شیعہ میں حضرت شہید کا وعظ

مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی جب لکھنؤ تشریف لے گئے ہیں اس وقت وہاں شیعہ کی حکومت تھی مولانا ایک سنی کے مہمان ہوئے جو دربار شاہی میں کسی عہدہ پر ممتاز تھے اس زمانہ کے اکثر سلاطین میں تعصب نہ تھا اس لئے سنی بھی ان کے دربار میں عزت سے رہتے تھے۔ جب بادشاہ کو مولانا کا تشریف لانا معلوم ہوا تو زیارت کا اشتیاق ہوا۔ کیونکہ مولانا اسماعیل صاحب کی شہرت اور عزت اس زمانہ میں بہت زیادہ تھی آپ کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا جو علماء میں کسی کو بھی اس زمانہ میں حاصل نہ تھا۔ حالانکہ مولانا اپنے کو مٹائے ہوئے تھے مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو خاص عزت دی تھی اس کی نظیر اسی قریب زمانہ میں بھی گزر چکی ہے۔ یعنی مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا نہ مدرس تھے نہ مصنف۔ چنانچہ دیوبند کے مدرسہ میں مدرس اول مولانا محمد یعقوب صاحب تھے مولانا محمد قاسم صاحب خود مدرس نہ تھے اور نہ مولانا نے کوئی کتاب تصنیف کی اور جو رسائل آپ کے نام سے طبع ہوئے ہیں وہ اکثر خطوط کے جوابات ہیں جن کو لوگوں نے طبع کرادیا۔ مگر بایں ہمہ آپ کی عزت و شہرت ایسی تھی کہ مخالفین بھی مولانا کے کمال کے معتقد تھے۔

یہی حال مولانا اسماعیل صاحب کا تھا کہ مخالفین بھی ان کے کمال کو مانے ہوئے تھے۔ چنانچہ بادشاہ لکھنؤ گو مذہباً شیعہ تھے مگر مولانا کا نام سن کر زیارت کے مشتاق ہوئے اور آپ کا وعظ سننا چاہا تو انہوں نے مولانا کے میزبان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے یہاں مولانا اسماعیل صاحب تشریف لائے ہیں ہم ان کی زیارت کرنا اور وعظ سننا چاہتے ہیں۔ میزبان کو بڑی فکر ہوئی کہ یہ بلا سر لگی کیونکہ مولانا صاف گو بہت ہیں وہ وعظ میں کسی کی

رعایت نہ کریں گے شیعہ کی بھی ضرور خبر لیں گے جو بادشاہ کو ناگوار گزرے گی۔ اس لئے چاہا کہ کسی طرح اس بلا کو ٹالیں مگر ادھر سے اصرار بڑھتا گیا۔ آخر سنی میزبان نے مولانا سے آکر عرض کیا کہ بادشاہ آپ کی زیارت اور واعظ کے مشتاق ہیں۔ میں کئی روز تک ان کو ٹالتا رہا۔ مگر وہ اصرار پر اصرار کئے جاتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ ان کی درخواست کو آپ منظور فرمائیں۔ مگر خدا کیلئے وعظ میں شیعہ و سنی کے اختلاف کا ذکر نہ فرمائیے گا کیونکہ بادشاہ شیعہ ہی ہے اس کو یہ امر ناگوار ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ اس سے بے فکر رہیں۔ میں ایسا بے وقوف نہیں ہوں جو کچھ کہوں گا موقعہ کے مناسب کہوں گا۔ واقعی سچ فرمایا کیونکہ آپ نے تو جو کچھ بھی فرمایا وہ موقعہ کے مناسب ہی تھا۔ گو بعض کی سمجھ میں نہ آوے اس کے بعد مولانا محل شاہی میں تشریف لے گئے اور بادشاہ نے بڑی تعظیم کے ساتھ آپ کا استقبال کیا پھر وعظ شروع ہوا۔ جس میں تمام درباری مع بادشاہ کے اور لکھنؤ کے سب علماء اور شیعوں کے مجتہد وغیرہ بھی جمع تھے۔ مولانا نے تمہید میں فرمایا کہ صاحبو! اول وعظ کی حقیقت سن لیجئے وہ ایک روحانی علاج ہے اور علاج ہوتا ہے امراض کا تو اب اگر میں وعظ کی حقیقت پر نظر کرتا ہوں تو اس کا مقتضایہ ہے کہ جس مرض میں مخاطب مبتلا ہیں۔ اس کا علاج کروں ورنہ پھر وعظ ہی کیا ہوگا۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ میں مرض ہے رفض کا مگر ہمارے فلاں میزبان صاحب کہتے ہیں کہ مذہبی نزاعات و خلافت کا بیان نہ ہو۔ مگر میں وعظ میں اسی بدعت کا علاج کروں گا۔ اس تمہید میں آپ نے میزبان کو بھی آفت سے بچالیا۔ اور بتلادیا کہ وہ تو نزاعی مسائل کے بیان سے منع کرتے تھے۔ مگر میں نے ہی ان کی رائے قبول نہ کی تو ان پر کچھ الزام نہیں اس کے بعد مولانا نے ایک آیت پڑھ کر صحابہ کے مناقب بیان کرنا شروع کئے اور ساتھ ہی اہل بیت کے مناقب بھی بیان فرمائے اور درمیان درمیان میں شیعہ و سنی کے اختلافی مسائل کا بھی بیان فرمایا اور مذہب شیعہ کا خوب ابطال کیا۔ بادشاہ کی تو یہ حالت تھی کہ اول سے آخر تک سکتہ کی سی حالت میں بیٹھے رہے اور وعظ ختم ہوتے ہی بادشاہ اٹھے اور بہت تعظیم و تکریم کے ساتھ مولانا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعض علماء شیعہ کو نواب صاحب کی اس تعظیم و تکریم سے مولانا کے ساتھ حسد پیدا ہوا اور انہوں نے بعد وعظ کے مولانا پر کچھ اعتراضات شروع کئے جن پر سے ایک اعتراض منقول بھی ہے وہ یہ کہ مجتہد

شیعہ نے کہا کہ مولانا تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت معاویہؓ کو کبھی برا نہیں کہا (اس دعویٰ میں بھی مجتہد نے تقیہ سے کام لیا۔ اور مولانا نے علیؑ سبیل التسلیم جواب دیا ورنہ نہج البلاغہ شریف رضی کی موجود ہے۔ جس کو یہ لوگ حضرت علیؑ کے اقوال و خطبات و مکاتیب کا مجموعہ صحیحہ کہتے ہیں اس کو مطالعہ کر لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت علیؑ نے حضرت معاویہؓ کو کیسا برا بھلا اور سخت ست کہا ہے کلب و ابن الکلب اور منافق تک کہا ہے اسی لیے ہم اس کو موضوع و مفتری سمجھتے ہیں۔ ۱۲ جامع) اور حضرت معاویہؓ نے ہمیشہ آپ کی شان میں گستاخی کی ہے اس سے دونوں کی حالت کا فیصلہ ہوتا ہے مولانا نے جواب دیا کہ اس سے ان دونوں حضرات کا تو فیصلہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ مگر ہمارا اور آپ کا فیصلہ تو ہو ہی گیا۔ کیونکہ اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ حضرت معاویہؓ کے طریقہ پر ہم کسی کو برا بھلا نہیں کہتے اور تم رات دن دن تبرا کرتے ہو۔ اس جواب سے مجتہد دم بخود رہ گیا۔

بادشاہ نے کہا قبلہ کچھ اور سننا ہو تو اور اعتراض کر لیجئے۔ (اصلاح ذات البین ج ۱۹)

### غیبت کا نسب نامہ

غیبت سے دوسرے تک بات پہنچی اور اس کے دل میں اول کبیدگی پیدا ہوئی پھر وہ بھی اس کی غیبت کرتا ہے اور وہ بھی بیچ والوں کی بدولت پہلے شخص تک پہنچ جاتی ہے اس عداوت میں اور ترقی ہو جاتی ہے۔ تو غیبت عداوت کا باپ بھی ہے اور بیٹا بھی۔ یعنی کبھی عداوت سے غیبت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی غیبت سے عداوت پیدا ہو جاتی ہے جس کا نسب ایسا یہودہ ہو اس کی یہودگی کیلئے یہی بات کافی ہے۔ پھر جب کوئی کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو مشاہدہ ہے کہ دین کا خیال بالکل نہیں رہتا۔ اب نہ ایذاء سے دریغ ہے نہ جھوٹ اور فریب سے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دشمن کو ضرر پہنچ جائے چاہے اس کے ساتھ ہمارا بھی خاتمہ کیوں نہ ہو جائے۔ پھر اس کیلئے ہر ممکن تدبیر سوچی جاتی ہے۔ خواہ دین اور حیا اس کی اجازت دے یا نہ دے کیونکہ آجکل شرافت تو رہی نہیں۔ ہمارے ماموں صاحب کا اس کے متعلق خوب شعر ہے۔

ہے شرافت تو کہاں بس شروافت ہے ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے  
اگر انسان میں دین بھی نہ ہو مگر شرافت ہو تو جب بھی بہت سے یہودہ کاموں  
سے بچار ہوتا ہے اور جب نہ دین ہو نہ شرافت تو اب اس سے کسی کام سے رکنے کی

امید نہیں آجکل شرافت نسب گوباتی ہے مگر شرافت اخلاق نہیں رہی اسی لئے دشمنی میں انسان کسی قسم کی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔ (الانہاد للفساد ج ۱۹)

## وسوسہ ریا

شیخ نے مثلاً کسی کو بتلادیا کہ ذکر جہر کرو اس نے ذکر جہر شروع کیا۔ اگلے وقت وسوسہ ہوا کہ کسی نے مجھے دیکھ لیا ہے ریا ہوگئی۔ شیخ سے جا کر عرض کیا کہ حضرت جی اگر ارشاد ہو تو آہستہ آہستہ کر لیا کروں۔ جہر سے کرنے میں تو ریا ہوتی ہے وہ ریا کس چیز کو سمجھا ہے وسوسہ ریا کو ریا سمجھ گیا اس لئے کہ ریا تو وہ ہے جو قصداً ہو اور ریا کا تو اہتمام کیا کرتا ہے دکھانے کا۔ ہاں یہ صورت ریا ہے مگر حقیقت میں ریا نہیں۔ یا یوں کہو کہ اصلی ریا نہیں ریا کی جھلک ہے ایسی مثال ہے جیسے کسی آئینہ کے اوپر مکھی بیٹھ جائے تو وہ حقیقت میں تو اوپر بیٹھی ہے لیکن اس کا عکس آئینہ کے اندر بھی ہے۔ پس اسی طرح ریا قلب کے اندر نہیں ہے قلب سے باہر ہے اس کی جھلک اندر پڑتی ہے جس سے یہ جانتا ہے کہ ریا میرے دل کے اندر ہے حالانکہ وہ باہر ہے یہ وہ مضمون ہے جس کو متنبی نے کہا ہے

عذل العواذل حول قلبی التائه وھوی الاحبة منه فی سودائه  
یعنی ملامت کرنیوالیوں کی ملامت تو میرے قلب کے گردا گرد ہے اور محبت دوستوں کی سودا قلب میں ہے اس میں ملامت کا اثر نہیں ہے۔ خیر! یہ ایک فائدہ زائدہ تھا۔ مقصود یہ تھا کہ ایک تفسیر پر وسوسہ گناہ ہوا گناہ نہیں ہوا۔ یوسف علیہ السلام گناہ سے بالکل بری تھے۔ (عمل الذرہ ج ۱۹)

## کمال تواضع

حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہید بہت تیز مشہور ہیں لیکن اپنے نفس کیلئے کسی پر تیز ی نہ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے مجمع عام میں آکر مولانا سے پوچھا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادہ ہیں بہت متانت اور نرمی سے فرمایا کہ کسی نے تم سے غلط کہا ہے شریعت کا قاعدہ ہے **الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ**۔ سو میرے والدین کے نکاح کے گواہ بڑے بوڑھے لوگ اب تک موجود ہیں۔ ایسی باتوں کا یقین نہیں کیا کرتے وہ شخص پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہا کہ مولانا میں نے امتحاناً ایسا کہا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کی تیزی سب اللہ کے واسطے ہے اہل اللہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کی ذات کو جس قدر کوئی کہے وہ اپنے کو اس سے بدتر



جانتے ہیں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی نے تکفیر کی حضرت نے سن کر برا نہیں مانا اور یہ فرمایا کہ میں عند اللہ اگر مومن ہوں تو مجھ کو کسی کی تکفیر مضر نہیں اور اگر (خدا نخواستہ کافر ہوں) تو برامانے کی کیا بات ہے۔ ذوق کے اشعار اسی مضمون میں ہیں۔  
 تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق ہے برا وہ ہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے  
 اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے پھر برا کہنے سے کیوں اس کے برامانتا ہے  
 دیکھئے! یہ اشعار بالکل نثر سے معلوم ہوتے ہیں کمال شاعری اسی کا نام ہے کہ  
 پتہ بھی نہ لگے کہ نظم ہے یا نثر۔ اور بالکل سچا مضمون ہے۔ ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے  
 کہ ذرا کوئی کچھ کہہ دے تو پھر دیکھئے چہرہ سرخ ہو جائیگا رگیں پھول جائیں گی اور  
 تاویل یہ کریں گے کہ یہ غضب فی اللہ ہے۔ (عمل الذرہ ج ۱۹)

## تکبر کا منشاء اور بنیاد جہالت ہوتی ہے

منشاء اس عجب و کبر کا ہمیشہ جہل ہوتا ہے۔ بڑا عالم اپنے کو وہی سمجھتا ہے جو کچھ نہ ہو۔  
 کیونکہ جو واقع میں بڑا ہوگا اس کی نظر کمال کی حد آخر تک ہوگی اور اپنے کو اس سے عاری  
 دیکھے گا۔ اس لئے ممکن نہیں کہ اپنے کو بڑا سمجھے البتہ ایسے شخص کو اپنا بڑا سمجھنا شایان جو تمام  
 مراتب کمال کو جامع ہو اور وہ صرف ایک ذات وحدۃ لا شریک ہے اس لئے متکبر اس کا کمالی  
 نام ہے۔ اس کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنے والا۔ سوچو کہ واقع میں حق تعالیٰ بڑا ہے اس لئے اگر  
 وہ اپنے کو بڑا نہ جانتا تو یہ جہل ہوتا اور جہل نقص ہے اور حق تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہیں۔  
 بس خدا کا تو یہی کمال ہے کہ وہ اپنے کو بڑا جانے اور بندہ کا یہ کمال ہے کہ اپنے کو چھوٹا  
 سمجھے۔ اگر وہ اپنے کو بڑا سمجھے تو یہ نقص ہوگا۔ حدیث قدسی میں ہے: الْکِبْرِیَاءُ رِذَاۃُ  
 وَالْعِظْمَةُ اِزَارِی فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْہِمَا قَصَمْتُہُ : یعنی عظمت و کبریا میرا خاص ہے جیسے  
 ازار اور رداء انسان کا ملبوس حاصل ہوتا ہے۔ پس جو شخص مجھ سے (ان صفات میں) کھینچا  
 تانی کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عظمت اور بڑائی حق تعالیٰ کی  
 صفات خاصہ میں سے ہیں اس لئے بندہ کا کمال اپنے کو عاجز سمجھنا ہے۔ چنانچہ جن حضرات  
 کے قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریا آگئی ہے وہ اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں۔ جس شخص

کی رستم کی قوت پر حاتم کی سخاوت پر نظر ہوگی وہ اپنے کو قوی اور مخی نہ سمجھے گا جس کے پیش نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہوگا وہ اپنے کو تو کیا عالم سمجھے گا۔ (عمل الذرہ ج ۱۹)

## وقت تواضع

واعظوں نے ایک حیثیت کو تو غائب کر دیا اور ایک پر نظر کر رکھی ہے لہذا جب بیان کریں گے تو یہی کہ تمہاری نماز کیا اور تمہارا روزہ کیا۔ واعظ صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ کی نماز میں بھی تو دو حیثیتیں ہیں اس میں بھی اسی ایک حیثیت پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔ عورتوں کو ہی خطاب کیوں کرتے ہو کہ تمہاری نماز کیا اور روزہ کیا۔ مجھے اس لفظ پر کہ اپنی چیز کو گھٹیا سمجھنا چاہئے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک مرتبہ میں انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا میری اکثر عادت تو تیسرے درجے میں سفر کرنے کی ہے مگر بعض دفعہ اس میں تکلیف ہوتی ہے تو ایسے موقع پر میں اس کو بھی تکلف سمجھتا ہوں کہ تھرڈ میں سفر کرنے کو اپنی وضع بنا لیا جاوے ہجوم وغیرہ کے موقع پر میں بے تکلف انٹر میں سفر کر لیتا ہوں۔ چنانچہ آرام کے خیال سے اس وقت انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا جس میں تین چار جنٹلمین بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے عمر بھر کبھی ایسی غیر مہذب صحبت کا اتفاق نہیں ہوا جیسی غیر مہذب جماعت سے اس دن سابقہ پڑا۔ حالانکہ وہ معمولی درجہ کے لوگ نہ تھے بلکہ بڑے بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ ایک جنٹ تھے اور ایک وکیل تھے اور خدا جانے کیا تھے غرض ممتاز لوگ تھے۔ انہوں نے وہ خرافات آپس میں بکنا شروع کی کہ سننے والا شرمنا جاوے۔ اتفاق سے ایک ہندو منصف بھی اسی ڈبہ میں آ بیٹھے۔ عہدہ اس کا بھی بڑا تھا مگر غیر مذہب کا آدمی تھا۔ جنٹلمینوں نے آپس میں فحش فحش اشعار پڑھنا شروع کئے منصف صاحب کی کمبختی آئی کہ کسی شعر پر آپ بول اٹھے کہ ہاں صاحب ذرا پھر پڑھئے انہوں نے وہ شعر تو دوبارہ پڑھا نہیں مگر منصف صاحب کے سر ہو گئے ایک بولا اچھا آپ بھی شاعر ہیں اس نے کہا جی نہیں میں شاعر تو نہیں۔ دوسرے بولے آپ ضرور شاعر ہیں اس جماعت کی یہ حالت تھی جیسے بھانڈ ہوتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر تیسرا بولا آپ یقینی شاعر ہیں آپ کا تخلص مسکین ہے ایک بولے آہ ہا تو یہ شعر آپ ہی کا ہے مسکین خر اگرچہ بے تمیز است چوں بار ہے برد عزیز است (مسکین کا گدھا اگرچہ بد تمیز ہے چونکہ ہمارا بوجھ اٹھاتا ہے اس لئے ہمیں عزیز ہے)

غرض بچارے کو ایک مشغلہ بنا دیا مگر منصف صاحب کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ وہ خود ہی اپنے ہاتھوں بلا میں پھنسے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ کا خود ہی جی چاہا مسخرہ بنے کو ایسے بھانڈوں کو چھیڑا ہی کیوں تھا پھر انہوں نے ایک حرکت یہ کی کہ جب دسترخوان بچھایا اور کھانا نکالا گیا تو ایک بولے آئے منصف صاحب آپ بھی کچھ گوہ موت کھا لیجئے دوسرا بولا کہ تم بڑے بد تمیز ہو کہ کھانے کو گوہ موت کہتے ہو۔ اس نے کہا میاں اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہئے۔ اسی کا نام تو اضع ہے اپنے کھانے کو کھانا کہنا تکبر ہے میں تو چادر لپیٹ کر ایک طرف کولیٹ گیا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر بھی کچھ عنایت ہو خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر تو کچھ عنایت نہیں ہوئی اور شاید وہ منصف صاحب کو بھی کچھ نہ کہتے مگر ان کی کمبختی نے خود ہی دھک دیا کہ اپنے آپ پنچوں میں شامل ہوئے اور بجلی کے تار کو ہاتھ لگایا۔ خیر مجھے یہ حکایت صرف اتنی مناسبت سے یاد آ گئی کہ اپنی چیز کو گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہئے اتنی بات تو صحیح ہے مگر جیسا گھٹیا نام ان جہلمیوں نے اپنے کھانے کو دیا وہ نہایت بد تمیزی اور بد تہذیبی کا نمونہ تھا۔ کھانے کو گوہ موت کہنا تو اضع نہیں ہے کھانا خدا کا رزق ہے اس کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے مگر کسی قدر گھٹیا نام سے یاد کر سکتے ہیں مثلاً دال روٹی یا آب و نمک کہہ دیا جاوے مگر نہ اس قدر گھٹانا کہ گوہ موت ہی کہہ دیا جائے۔ کیونکہ کھانے میں یہ بھی تو ایک حیثیت کہ وہ خدا کا رزق ہے اسی لحاظ سے وہ بہت کچھ معظم و مکرم ہے غرض یہ ان کا مسخرہ پن تھا کہ رزق کے لئے ایسے الفاظ بیہودہ استعمال کئے۔ (کساء النساء ج ۲۰)

## حقیقت تقویٰ

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اللہ والوں کے یہاں جیسی دیکھی کہیں نہیں دیکھی۔ چنانچہ ایک بار حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب قدس سرہ کے یہاں میں مہمان تھا۔ جب میں نے کھانا شروع کیا مولانا نے پوچھا کیا کھانا ہے۔ میں نے کہا ارہر کی دال اور روٹی ہے فرمایا سبحان اللہ خدا کی بڑی نعمت ہے۔ دیکھو صحابہ کرام نے جہاد میں ایک ایک چھوڑے پر پورا دن گزارا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بعض وقت بدوں سالن کے روٹی کھاتے تھے کبھی سرکہ سے کھا لیتے۔ واقعی اللہ کے بندے ایسے ہی شاکر ہوتے ہیں۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ کوئی کھانا کھاتا ہے تو اس میں دس قسم کے اعتراضات نکالتے ہیں اور جگہ جگہ گاتے

پھرتے ہیں کہ فلانے کے یہاں گھی کم تھا گوشت سخت تھا۔ گلا گھونٹ پلاؤ تھا۔ گھونسے مار مار کر حلق سے اتارا گیا۔ یہ کیا بیہودگی ہے اپنے آپ کو ایسا بڑا سمجھتے ہیں کہ پلاؤ قورمہ بھی نظر میں نہیں آتا اگر واقعی کھانا خراب ہی تھا اور تمہیں پسند نہ آیا تو اس کو نہ کھاتے واپس چلے آتے مگر اس کی نسبت تحقیر کے الفاظ کہنا جا بجا گاتے پھر نایہ کہاں کی تہذیب ہے دیکھو مولانا نے ارہر کی دال کو بڑی نعمت فرمایا اور فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کھایا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو کو پیس کر پھونک سے بھوسی اڑا کر کھا لیا جاتا تھا پھر کس کا منہ ہے کہ پلاؤ قورمہ سے بھی ناک چڑھائے میں نے اپنے ایک استاد کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ بخش دیا میں نے پوچھا کس بات پر بخش دیا فرمایا ایک ذرا سی بات پر وہ یہ کہ ایک روز گھر میں کچھڑی پکی تھی اس میں نمک ٹھیک نہ تھا۔ میں نے اس کو حق تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر چپکے بیٹھ کر کھالیا کچھ تکرار نہیں کیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں تمہاری یہ بات پسند آئی لہذا تم کو بخش دیا۔ ہم تو اس بناء پر ان کے معتقد تھے کہ وہ بڑے متقی تھے نماز ایسی پڑھتے تھے ذکر و شغل کرتے تھے بڑے پابند شرع تھے مگر بخشش انکی اس پر ہوئی کہ بے نمک کی کچھڑی خوشی سے کھالی تھی۔ حق تعالیٰ کے سامنے کسی کا زہد و طاعت اور اتنا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارا عمل ان کی شان کے موافق ہے۔ اگر بخشش ہو سکتی ہے تو صرف نظر عنیہ سے ہو سکتی ہے.....

جس کے لئے سبب ادنیٰ بھی کافی ہو سکتا ہے۔ پھر اس سبب میں کیا مردوں ہی کا حصہ ہے عورتوں کا نہیں ہم لوگ حدیث پڑھتے ہیں جو لوگ پلاؤ قورمہ پر ناک مارتے ہیں وہ حدیث میں دیکھیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جو کھانا پسند نہیں آیا اس کو چھوڑ دیا۔ نہ کھایا نہ کوئی بُرا لفظ اس کے متعلق فرمایا آج کل افراط و تفریط دونوں ہیں یا تو پلاؤ قورمہ پر ناک ماریں یا باوجود رغبت نہ ہونے کے کھائے چلے جاویں اور اس کو بڑی نفس کشی سمجھیں کہ طبیعت لیتی نہیں مگر زبردستی حلق سے اتارے چلے جاتے ہیں اسے نفس کی مخالفت نہیں کہتے بلکہ اس کا نام زہد خشک ہے شریعت میں اعتدال ہے۔ (کساء النساء ج ۲۰)

## اعتدالِ طعام

سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم نہیں فرمائی کہ جی نہ چاہتا ہو تو خواہ مخواہ کھا



ہی لو بلکہ تعلیم دی ہے کہ جی چاہے تو کھاؤ نہ چاہے تو چھوڑ دو مگر اس کو بُرا کہنے کی اجازت نہیں دی اعتدال وہی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھا دیا کھانا پسند آیا کھانا پسند آیا چھوڑ دیا۔ حدیث میں ہے۔ لم یحب طعاما یعنی کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا جیسا ہم کرتے ہیں کہ گھی کم ہے کچا ہے پکا ہے۔ یہ سارے نخرے اس لئے ہیں کہ خدا نے دے رکھا ہے۔ کھانے کی قدر بھوکے سے پوچھو اس کو یہ نہیں سوچتا کہ روٹی تازی ہے یا باسی گھی کم یا زیادہ کھانا گرم ہے یا ٹھنڈا غرض کھانے کو کسی حال میں بُرا نہ کہنا چاہئے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ باورچی کیسا ہی خراب اور بے ترکیبی سے پکائے اس کو تنبیہ بھی نہ کی جائے، یہ بات نہیں پکانے والے کو سمجھا دینا چاہئے مگر کھانے سے ناک منہ چڑھایا جاوے کہ منہ میں رکھا اور ذرا نمک کم ہے تو تھوک دیا اٹھا کر برتن پھینک دیا بی بی یا خادمہ کے سر پر سالن لوٹ دیا۔ بعض لوگ برتن بہت توڑتے ہیں۔ ارے برتن نے کیا خطا کی تھی بلکہ ان سے کوئی یہ پوچھے کہ یہ جرمانہ کس پر ہوا آپ نے جو اپنے گھر کا آٹھ آنہ کا پیالہ توڑا یہ تو آپ ہی کے اوپر جرمانہ ہوا جس سے لازم آیا کہ خطا وار تم ہی ہو غصہ میں یہ بھی نہیں سوچا کہ خطا وار نوکر ہے یا تم خود ہو اور جرمانہ کس پر ہو رہا ہے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنا یُخْرِبُونَ بُیُوتَهُمْ بِأَیْدِهِمْ (اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو برباد کرتے ہیں) کا مصداق بننا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایک گروہ کفار کی حالت میں بیان فرمایا ہے کہ ان پر یہ عذاب الہی نازل ہوا کہ بھاگتے وقت اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے گھر میں رہنا نو کیا ملتا اسی طرح کھانا تو تم سے چھین ہی لیا گیا تھا کہ بھوکے رہے اور یہ جرمانہ ہوا کہ برتن بھی ٹوٹ گئے بُری بات ہے۔ کھانے میں عیب نکالنا تکبر کی بات ہے اور اتنا بڑا عیب نکالنا کہ اس کو گوہ موت کہنا۔ یہ سب ان کا مسخرہ پن تھا۔ اور اس کو تواضع میں ٹھونسا تو نری شرارت تھی اس کو تواضع نہیں کہتے یہ تو ایسا ہے جیسے تم کسی کے پاس جاؤ اور وہ پوچھے تم کون ہو تو جواب میں یوں کہو کہ گدھا ہوں اور اس کو تواضع سمجھو تو ہرگز کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرے گا اپنی نسبت کوئی تعظیم کا لفظ نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو کہ انسان سے گدھے بن جاؤ اس کا نام تواضع نہیں ہے۔ اس کا نام ناشکری اور بدتمیزی ہے۔ اسی طرح اپنی نماز کو بالکل رائیگاں اور بیکار سمجھ لینا یہ بھی تواضع نہیں ہے اعتدال کا درجہ یہ ہے کہ نماز کو اس حیثیت سے کہ اپنا فعل ہے ہیج سمجھے مگر اس حیثیت سے حق

تعالیٰ کا عطیہ ہے یوں سمجھے کہ جس نماز کی توفیق ہم کو دی گئی ہے ہم اس کے بھی قائل نہ تھے یہ محض حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایسے نالائقوں کو ایک دین کے کام کی توفیق دی۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی  
(کساء النساء ج ۲۰)

## نیت لباس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شَهْرَةِ الْبَسَةِ اللَّهُ ثَوْبَ الذِّلِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

یعنی جو شخص کوئی کپڑا دکھاوے کی غرض سے پہنے گا اس کو خدا تعالیٰ ذلت کا لباس قیامت کے دن پہناویں گے۔

کیا عورتوں کے ان معمولی افعال کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ رسوم میں نیت انکی درست ہے۔ عورتوں کو اس طرف التفات بھی نہیں کہ نیت درست اور نادرست کیسی ہوتی ہے۔ اور یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب کوئی کپڑا بناتا ہے تو دو چار کپڑوں میں سے اچھا ہی چھانٹ کر لیتا ہے تو یہ سب ترفع یا دکھلاوا ہوا اس کا گر یا درکھو کہ کپڑا اپنا جی خوش کرنے کو پہنا جاوے تو مباح ہے اور دوسرے کی نظر میں بڑا ہونے کے لئے پہنا جاوے تو ناجائز ہے گویا کپڑے کے اچھے ہونے کے دو مرتبے ہیں ایک یہ کہ بُرا نہ ہو جس سے اپنا دل خوش ہو اور اوروں کے سامنے ذلیل نہ ہونا پڑے۔ اس کا کچھ حرج نہیں اور ایک یہ کہ دوسروں سے بڑھا چڑھا ہو کہ اس کی طرف نظریں اٹھیں یہ بُرا ہے یہ گناہ تو کپڑے کے متعلق تھے جن سے بعض رسوم کا حکم بھی معلوم ہوا۔ (منازعہ الھوئی ج ۲۰)

## ریائی کھانا

کھانے کے متعلق سنئے کہ رسموں سے اس کا بھی تعلق ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ کھانا کھانا جائز ہے اور مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ جائز ہے مگر شریعت کی فہرست میں تو دیکھو اس میں حدیث کا یہ مضمون بھی گناہوں میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی حدیث میں ہے:

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِئِينَ.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کے کھانا کھانے سے منع فرمایا جو آپس کی

بحثِ بجٹی سے کھانا کھلاتے ہوں دیکھ لیجئے یہ کھانا جائز ہے تو آپ کا یہ کہنا صحیح نہ رہا کہ کھانا کھلانے میں کیا حرج ہے اسی پر تمام ان کاموں کو قیاس کر لیجئے جن کے مجموعہ کا نام رسوم ہے آپ نے رسوم کے جواز میں یہ دلیل پیش کی تھی کہ کھانا کھلا دینا لینا آنا جانا علیحدہ علیحدہ سب افعال مباح ہیں ان کے جمع ہونے سے ممانعت کیسے لازم آگئی میں کہتا ہوں دیکھ لیجئے کپڑا پہننے کو آپ جائز سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے لئے شریعت میں ایک قید ہے کھانے کھلانے کو آپ جائز کہتے ہیں۔ اس میں بھی ایک قید ہے۔ اب ان رسوم میں دیکھ لیجئے کہ وہ افعال معہ ان قیدوں کے موجود ہیں یا بلا قیدوں کے اس میں آج کل کے عقلمند بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ (منازعہ الھوی ج ۲۰)

## رسمیں دو قسم پر ہیں

مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ خدا کا شکر ہے اس زمانہ میں پہلی سی رسمیں بہت کم ہو گئیں میں نے کہا ہر گز نہیں۔ بات یہ ہے کہ رسمیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو شرک تک پہنچی ہیں وہ البتہ چھوٹ گئیں۔ ایک وہ ہے جن کی اصل تفاخر ہے۔ یہ پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔ البتہ پہلے شرک کی عجیب عجیب رسمیں تھیں۔ (منازعہ الھوی ج ۲۰)

## نکاح میں فضول خرچی

میں کہتا ہوں مجموعہ اسرافات ہیں اور آپ نے اپنی فہرست میں اسراف کو بھی گناہ نہیں لکھا جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا اِخْوَانَ الشَّيَاطِیْنِ ترجمہ: فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

اسراف شریعت کی فہرست میں گناہوں میں لکھا ہوا ہے شریعت نے نکاح کو مسنون کیا اور رسوم کو اس کا جز نہیں قرار دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقریب کو کر کے دکھلا دیا۔ (منازعہ الھوی ج ۲۰)

## انبیاء علیہم السلام کی دلیری

انبیاء علیہم السلام اتنے دلیر ہوتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ فرعون کو ذرا نرمی سے کہنا۔ یعنی اس قدر صاف اور دلیر تھے کہ اگر یہ ارشاد نہ ہوتا تو جانے کیا اکھاڑ

پچھاڑ کر آتے اور نرمی سے کہنے میں ضرور فائدہ ہوتا ہے گو خاص اس کو نہ ہو مگر دوسروں کو تو یقیناً ہوتا ہے۔ نیز اس میں یہ حجت باقی نہیں رہتی کہ مجھے سوچنے کا موقع نہ دیا اور خدا کو یہ منظور ہے لَنْلَا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ. (تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے آنے کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے) نرمی سے بات کرنے میں یہ مصالح ہوتے ہیں اس لئے یہ فرمایا تھا کہ نرم باتیں کرنا۔ (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

## حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کو تین

### باتوں کا حکم

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فیوض الحرمین میں لکھا ہے۔ کہ مجھ کو تین باتوں پر مجبور کیا گیا تو جو طبعاً مجھ پر گراں تھیں۔ مگر حکم مقدم ہے طبع پر ایک تمسک بالاسباب (یعنی اسباب کو اختیار کرنا) دوسرے عدم خروج عن المذاهب الاربعہ (مذاهب اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی حنبلی سے خارج نہ ہونا) تیسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر شیخین کی تفضیل (ابوبکر و عمر کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت دینا) اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے میں ایک تو شان افتقار (احتیاج) کہ ہم حق تعالیٰ کے اس درجہ محتاج ہیں کہ ان کے مقرر کئے ہوئے اسباب سے سبھی بے نیاز نہیں ہیں دوسرے اس میں پردہ داری ہے کہ عوام کو خبر نہیں ہوتی کہ متوکل ہیں۔ اسباب کا اختیار کرنا توکل میں پردہ ہے۔ عوام سمجھتے ہیں کہ کیا متوکل ہیں نوکری کر رکھی ہے۔ مباشرت اسباب میں دو مصلحتیں تو یہی ہیں اور ان کے علاوہ اور خدا جانے کیا کیا مصلحتیں ہوں گی۔ پس اسباب کو ہرگز ترک نہ کرنا چاہئے۔ حضرت علیؑ کا قصہ ہے کہ آپ سے ایک ملحد نے پوچھا کہ کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ بے وقت موت نہیں آتی آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ جب آپ کا عقیدہ ہے تو پھر چھت کے اوپر سے کودیئے آپ نے فرمایا کہ خدا کی جانچ کرنا بھی بے ادبی ہے۔ یہ تو خدا کی جانچ ہے۔ ہاں البتہ اگر اتفاق سے گر پڑیں گے تو گرتے وقت یہ عقیدہ لے کر چلیں گے کہ اگر اس وقت موت نہیں تو ہم مر نہیں سکتے۔ سو حضرت علیؑ کے اس جواب سے بھی معلوم ہوا کہ تدبیر کی مزاحمت کرنا ٹھیک نہیں تدبیر ہو اور اس کے ساتھ توکل۔



گر تو کل مے کنی درکار کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن  
(اگر تو کل کرو تو کام کے اندر تو کل کرو یعنی کسب اور کام کرو۔ اور ان کے اثر  
بخشنے میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو) (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

## اسباب میں توکل

اسباب میں توکل یہ ہے کہ اگر اپنے نفس میں قوت پائے اور پریشانی نہ ہو تو ترک کر دینا  
جائز ہے تیسرے اسباب وہمہ کہ مسبب کا مرتب ہونا ان پر بہت بعید ہے جیسا دور دراز کا سامان  
کرنا کہ فلاں جگہ سے روپیہ مل جاوے تو جائیداد خریدوں گا۔ اور اس جائیداد کی آمدنی سے ایک  
تجارت کا کارخانہ کھولوں گا اس کے بعد فلاں کام کروں گا یہ سوچ کر ان اسباب میں ایسا مشغول و  
منہمک ہو گیا کہ حلال و حرام کی بھی تمیز نہ رہی ایسے اسباب کا ترک واجب ہے۔ (التوکل ج ۲۱)

## اسباب کے تین اقسام

اسباب کی کل تین قسمیں ہوتیں اسباب قطعہ، اسباب ظنیہ، اسباب وہمہ اسباب  
قطعہ کا ترک حرام اور اسباب ظنیہ کا ترک بشرط قوت نفس مندوب اور اسباب وہمہ کا ترک  
واجب صوفیہ کرام توکل سے مراد اسباب ظنیہ کا ترک لیتے ہیں اور قرآن مجید اور احادیث  
میں جہاں توکل کا امر ہے اس سے کہیں تو تقلیل یا ترک اسباب ظنیہ مراد ہے اور کسی جگہ  
ترک اسباب وہمہ مقصود ہے یہ تقریر تو نفس توکل کے متعلق تھی۔ (التوکل ج ۲۱)

## خواص متوکلین کی ایک غلطی:

توکل کے متعلق بعضے خواص متوکلین ایک غلطی میں مبتلا ہیں وہ غلطی یہ ہے کہ متوکلین کی  
حالت باعتبار توکل کے تمام احوال میں یکساں نہیں دیکھی جاتی حالانکہ توکل کا اقتضاء یہ ہے  
کہ تمام احوال میں حق تعالیٰ پر یکساں نظر ہو لیکن ان کے مختلف احوال میں بڑا فرق دیکھا  
جاتا ہے اور اس فرق کا احساس خود ان کو بھی نہیں ہوتا اور وہ فرق یہ ہے کہ اسباب کے ترک  
میں جتنی انکی نظر حق تعالیٰ پر ہے اس قدر نظر اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں نہیں  
ہوتی حالانکہ دونوں مواقع توکل کے ہیں کہ دونوں میں تفویض الی الحق یکساں ہونا چاہیے  
گو اسباب کے اختیار کرنے کو اصطلاحاً توکل نہیں کہا جاتا۔ (التوکل ج ۲۱)

## توکل کی حقیقت

توکل کی حقیقت جو تفویض الی الحق ہے وہ اختیار اسباب اور عدم اختیار اسباب دونوں میں یکساں ظاہر ہونا چاہیے اس لئے کہ الشئى اذا ثبت ثبت بلوازمہ تو توکل کے لوازم بلکہ حقیقت اس کی یہی تفویض الی الحق ہے کہ ہر موطن میں اس کا ظہور ہونا ضروری ہے گو اعتقاداً تو یکساں حالت ہے لیکن حالاً یکساں نہیں ہے دیکھ لیجئے اور اپنے وجدان کی طرف رجوع کر لیجئے متوکلین اور غیر متوکلین سب اس بات کو احساس کر سکتے ہیں کہ ترک اسباب جو کیفیت قلب کی تفویض کے اعتبار سے ہوتی ہے اس درجہ کی کیفیت اسباب کے اختیار کرنے میں نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص نوکری یا تجارت چھوڑ کر بیٹھ گیا تو جیسی نظر اس صورت میں حق تعالیٰ پر ہوتی ہے اس مرتبہ کی نظر اس صورت میں نہیں ہے کہ کھانا کھا رہے ہیں اس صورت میں حالاً نظر اس پر ہے کہ کھانا کھانے سے یہ شمع ہو گا یہ حالت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اگر چاہیں گے تو شمع اور قوت حاصل ہوگی ورنہ نہیں۔ یا مثلاً مکان بنوا رہے ہیں یہاں اس قسم کی نگاہ حق تعالیٰ پر نہیں بلکہ اسباب پر نظر ہے جتنا روپیہ پاس ہے اس پر نظر ہے اور آئندہ کے لئے فکر ہے کہ کیسے اس کی تکمیل ہوگی پس اس فرق کے کیا معنی، یہ ہے وہ غلطی جو اول میرے ذہن میں آئی اس کے بعد تلاش ہوئی کہ کہیں شریعت میں بھی اس کا پتہ ہے یا نہیں چنانچہ بعد تلاش کے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ صریح دلالت اس مضمون پر اس آیت کو ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَشَاوِرْهُمْ فِی الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ یعنی ان سے کام میں مشورہ کیجئے پھر جب آپ عزم کریں گے تو اللہ پر بھروسہ کیجئے اس آیت میں ایک مرتبہ تو ہے مشورہ کا اور دوسرا مرتبہ ہے عزم کا یعنی جب مشورہ میں پختہ ارادہ ایک جانب کا طے ہو جائے اس کے بعد حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے یہ ظاہر بات ہے کہ مشورہ ایک تدبیر ہے پس مشورہ کا محل وہ امر ہوگا جو محل تدبیر ہو اور اس کا تعلق اسباب اور تدبیر سے ہو غیر اختیاری نہ ہو نیز عزم کا حاصل ہے ترجیح احد المقدورین اس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امر اختیاری کے متعلق یہ ارشاد ہے پس حاصل یہ ہوا کہ جن امور کا تعلق اسباب سے ہے انکی نسبت ارشاد ہے کہ ان کے اسباب اور تدبیر میں اول آپ مشورہ فرمائیے اور مشورہ میں جو امر طے ہو یعنی جس سبب

کی مباشرت قرار پائے جب آپ اس سبب کا عزم فرماویں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے پس اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ توکل کچھ اسی موقع کیساتھ خاص نہیں ہے کہ جس میں اسباب کو ترک کر دیا جاوے بلکہ اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں بھی توکل مع اپنے آثار و لوازم کے ہونا چاہئے اب دیکھ لیجئے کہ اس حالت میں توکل کس کے اندر ہے عوام تو عوام خواص جو تارک اسباب یا مقلل اسباب ہیں ان میں بھی یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے جیسے ان کی نظر ترک اسباب کی صورت میں اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اس درجہ کی نظر اسباب کے اختیار کرنے کی حالت میں نہیں ہوتی تو یہ بڑی کوتاہی ہے۔ (التوکل ج ۲۱)

## صفت توکل میں کمی:

حقیقت میں توکل کی صفت میں کمی ہے اور اپنی اس غلطی پر تنبیہ نہیں ہے مجھ کو خود اس پر تنبیہ نہیں تھا سفر میں یہ بات محسوس ہوئی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سفر میں تو توکل کی صفت کا ظہور زیادہ ہوتا ہے یعنی جب کہیں سفر ہوتا ہے تو قلب خوف ورجا میں ہوتا ہے کہ دیکھئے کہ گھر واپس ہوگی یا نہیں اگر حق تعالیٰ خیر و عافیت رکھیں گے تو ہو جاوے گی ورنہ ممکن ہے کوئی عارض ایسا پیش آجاوے کہ جو راہ ہی میں ختم ہو جائیں حالانکہ اسباب گھر پہنچنے کے موجود ہیں لیکن ان اسباب پر نظر نہیں ہوتی صرف حق تعالیٰ پر ہوتی ہے پس اس مقام پر تو حالی توکل حق تعالیٰ نے نصیب کر دیا اور ممکن ہے کہ یہ امر میرے ضعف قلب سے ہو اور میں اس کو توکل سمجھتا ہوں بہر حال جو کچھ بھی ہو اس حالت میں نظر حق تعالیٰ پر ہوتی ہے یہ تو سفر کی حالت تھی اور مسجد سے گھر جانے تک یہ کیفیت نہیں ہوتی کہ قلب کے اندر خوف ورجا کی کیفیت ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو پہنچیں گے ورنہ نہیں جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ہر وقت تھی چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاپ سے فارغ ہو کر فوراً تیمم فرما لیتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی تو موجود ہے آپ فرماتے ہیں کہ شاید پانی تک نہ پہنچ سکوں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہر وقت اور ہر حال میں حق تعالیٰ پر تھی یہ بات ہم لوگوں کو میسر نہیں

## دعا بھی اسباب توکل میں شامل ہے:

دعا بھی اسباب توکل میں داخل ہے جس پر بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ امر متعین

ہے کہ جو کچھ ہوگا بہتر ہوگا پھر ایک جانب کی درخواست اور دعا کرنے کے کیا معنی بات یہ ہے کہ اس میں اظہار ہے افتقار کا اور اسی لئے دعا کرتے وقت تردید نہ کرو بلکہ جس جانب کو تم خیر سمجھتے ہو اور تمہارے علم میں وہ مصلحت ہے اس کو بالتعمین خدا تعالیٰ سے مانگو ہاں جس کے خیر ہونے میں شبہ ہو وہاں قید لگا دی جاوے اور تنگ چشموں کے نزدیک اس میں بھی بظاہر سخت تعارض معلوم ہوتا ہے کہ مانگی ہوئی چیز بھی خیر ہو اور جب اس کے خلاف واقع ہو تو اس مانگی ہوئی چیز کے مقابل خیر ہو مگر فی الواقع تعارض کچھ نہیں اس لئے کہ جس جانب کو تم مانگ رہے ہو۔ وہ تمہارے علم کے اعتبار سے خیر ہے اور جو واقع ہوگا وہ نفس الامر کے لحاظ سے خیر ہے۔ (التوکل ج ۲)

## افتقار الی اللہ منافی توکل نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا کہ کھانا تناول فرما کر آپ دعا فرماتے الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا غیر مستغنی عنہ ربنا یعنی اے اللہ اس روٹی کے ہم محتاج ہیں ہم اس سے مستغنی نہیں ہیں۔ غرض حق تعالیٰ کے سامنے اسباب کی احتیاج کا اظہار اس نظر سے کہ اپنا افتقار (اللہ تعالیٰ کی طرف محتاجی کا اظہار) الی اللہ ظاہر ہو تو توکل کے منافی نہیں ہے ہاں اگر خود ان اسباب ہی کو مطلوب بنا لیں تو یہ البتہ منافی توکل ہے غرض اسباب اور تدابیر کی مشروعیت (شرع کے مطابق جائز) ہمارے ضعف اور افتقار کے اظہار کے لئے ہے نہ کہ ان کو مقصود بالذات بنانے کے واسطے۔ (التوکل ج ۲)

## تدابیر کی مشروعیت میں حکمت

بعض اہل اللہ نے تدابیر کی مشروعیت کی عجیب حکمت لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ تدبیر کرنا اس لئے جائز کیا گیا ہے کہ ہم تدبیر کریں اور وہ اس کو توڑتے رہیں تاکہ ہم کو یہ معلوم ہو جاوے کہ ہمارے اسباب اور تدابیر کوئی چیز نہیں۔ موثر حقیقی حقیقت میں ذات واحد ہے چنانچہ بعض اہل حال کے ساتھ عجیب معاملہ ہوتا ہے کہنے کی بات تو نہ تھی لیکن زبان پر آئی ہوئی بات کہ دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ عوام کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنی تدابیر میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے شاذ و نادر تدبیر خطا بھی ہو جاتی ہے۔ (التوکل ج ۲)



## بعض اہل حال و خواص سے معاملہ

اہل حال و خواص عباد کیساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ جو تدبیروہ کرتے ہیں اکثر توڑ دی جاتی ہے۔ وہ عزم کرتے ہیں کہ فلاں کام نہ کریں گے وہی ان سے صادر ہوتا ہے آخر رفتہ رفتہ ان کو واضح ہو جاتا ہے کہ ہماری حول اور قوت اور ارادہ لاشے محض ہے اور اس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور تفویض محض ان کی شان ہو جاتی ہے حضرت ابراہیم بن ادہم کی تہجد کی نماز قضا ہو گئی بہت افسوس کیا بہت روئے دوسرے روز بڑا اہتمام آنکھ کھلنے کا کیا کھانا کم کھایا پانی کم پیا اور سویرے سے سوئے اس روز صبح کی نماز بھی اڑ گئی وہ فرماتے ہیں ففوضت واسترحت کہ اس کے بعد میں نے اپنے کو تفویض کر دیا اور راحت سے ہو گیا (التوکل ج ۲۱)

## توکل کے لئے ایک ضروری دستور العمل:

جو کام کرو کم از کم ایک ہی مرتبہ ضرور سوچ لیا کرو کہ اے اللہ یہ کام آپ کے اختیار میں ہے اگر آپ چاہیں گے تو ہوگا ورنہ نہیں ہوگا یہ ایسی سہل اور آسان بات ہے کہ کچھ اس میں مشقت نہیں اور نفع اس کا کثیر ہے چند روز کر کے تو دیکھو کیا رنگ لاتی ہے۔ اب میں ختم کر چکا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ توفیق عمل کی عطا فرماویں۔ (التوکل ج ۲۱)

## حضرت خواجہ عبید اللہ احرار اور مولانا جامی کی حکایت:

حضرت مولانا جامی کی حکایت یاد آئی کہ جب وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں امیرانہ ٹھاٹ دیکھا تو بہت جھلائے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جن کے پاس اس قدر دنیا بھری ہوئی ہے آپ نے اسی وقت جھلا کر یہ مصرع پڑھا۔

نہ مردست آنکہ دنیا دوست دارد

اور یہ کہہ کر چل دیئے اور ایک مسجد میں آکر سو رہے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور ایک شخص ان کے سر ہو گیا کہ میرے پیسے دلو او جو تمہارے ذمہ ہیں مولانا جامی بڑے پریشان ہوئے کہ یہاں اس کو کہاں سے پیسے دوں اس نے کہا پھر نیکیاں دلو او۔ یہ اسی کشمش میں تھے کہ ایک طرف سے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی سواری بڑی شان سے آتی ہوئی نظر

پڑی خواجہ صاحب نے مولانا جامی کو پریشان دیکھ کر سواری روکی قرض خواہ کو دھمکایا کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو جاؤ تمہارا جو کچھ تمہارا مطالبہ ہو ہمارے خزانہ سے وصول کر لو جو ہم نے یہاں پہلے سے جمع کر رکھا ہے یہ کہہ کر مولانا جامی کو اپنے ساتھ سوار کر لیا یہ دیکھ کر آنکھ کھل گئی۔ اب تو ان کو تنبیہ ہوا کہ خواجہ صاحب بڑے درجہ کے درویش ہیں اور میں نے سخت غلطی کی جو ان پر اعتراض کیا ہے اسی سوچ میں تھے کہ اتنے میں خواجہ صاحب نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے یہ دوڑ کر قدموں میں گر پڑے اور خطا معاف کرائی خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ذرا وہ اپنا مصرع تو پھر سناؤ جو آتے ہی سنایا تھا مولانا جامی نے شرمندہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت وہ تو میری حماقت تھی فرمایا کہ ایک بار تم نے اپنی خواہش سے حماقت کی تھی اب ہماری خوشی کے لئے وہ حماقت کر لو چنانچہ آپ نے پڑھا کہ ۔

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد

تو حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا۔

اگر دارد برائے دوست دارد غرض مال کی محبت کا یہ درجہ خلاف زہد نہیں اور نہ مال کا جمع کرنا مطلقاً خلاف زہد ہے البتہ اس کو ذریعہ معاصی بنانا یہ خلاف زہد ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر کچھ حرج نہیں بلکہ بعضوں کے لئے مالدار ہونا ہی مفید ہے اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کو مال سے قرب ہوگا اور کس کو افلاس سے۔ اس لئے کسی کو مال دیتے ہیں کسی کو مفلس رکھتے ہیں (الفصل والانفصال ج ۲۱)

**اخلاق حسنہ کام نام و نشان مسلمانوں میں مٹ رہا ہے:**

اخلاق کی حالت یہ ہے کہ جو اچھے اخلاق تھے ان کا نام و نشان مسلمانوں سے مٹا جاتا ہے۔ اخلاص، شکر و صبر تو کل حمیت و غیرت تو اضع، مروت، ہمدردی، رحم، ایفاء وعدہ یہ اخلاق حسنہ ہیں۔ ہمارے اندران کی بجائے ریا، فخر، تکبر، حسد، کینہ، بخل، خلاف وعدگی اور جھوٹ و غیبت رہ گئے ہیں تو دین کے پانچ اجزاء تھے عقائد عبادات، معاملات و معاشرت و اخلاق پانچوں کی یہ حالت ہے جو میں نے عرض کی، پھر ہم نے اپنے کو اللہ کی جماعت بتلاتے ہیں اور مستحق بننا چاہتے ہیں عزت و ترقی و غلبہ کے اور جب پستی ہوتی ہے تو سوال کرتے ہیں کہ یہ وعدہ الہی کے خلاف کیوں ہوا کیا۔ اب بھی ہمارا منہ سوال کا ہے حزب اللہ ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔ (القرض ج ۲)

## نعمتوں کی دو اقسام:

نعمتوں میں بھی غور کر لیجئے جو کہ محل ہیں شکر کا اگرچہ احصاء نعمتوں کا محال ہے لیکن جو نعم ہم کو معلوم ہیں سو وہ دو قسم کے ہیں دنیویہ اور دینیہ دنیویہ تو یہ ہیں کہ تندرستی چشم و گوش، ہاتھ پاؤں، نوکر چاکر، عزت و آبرو، بیوی بچے، مکان جائیداد، دینیہ یہ ہیں کہ اپنی محبت و معرفت عطا فرمائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اپنی مرضیات اور ناراضیات سے آگاہ فرمایا اگر ہم کو مطلع نہ فرماتے اور ہم کو اپنی رائے اور عقل اور سلیقہ پر چھوڑ دیتے اور پھر ان غلطیوں پر مواخذہ فرماتے تو ان کو حق حاصل تھا دیکھو۔ دنیا میں نوکروں کو کہا جاتا ہے کہ ہمارے اشارے پر چلو اگر کچھ مخالفت کرتے ہیں مواخذہ کرتے ہیں، باز پرس کرتے ہیں کہ تم نے ہمارے اشارہ کو نہیں سمجھا تو باوجود ایک قلیل معاوضہ کے جب ہم کو یہ حق ہے تو کیا حق تعالیٰ کو حق نہ تھا کہ ہم کو ہماری عقل پر چھوڑ دیتے اور معاصی پر مواخذہ کرتے اگر ایسا کرتے تو کیسی سخت مصیبت ہوتی اس لئے کہ ہماری عقل مرضیات و ناراضیات کے ادراک کیلئے کافی نہ تھی ایسا نہیں، کیا بلکہ تمام احکام کو صاف صاف بیان فرما دیا ہے اور ایک مرتبہ نہیں۔ (الشکر ج ۲)

## وجودی اور عدمی نعمتیں

نعمتیں دو قسم کی ہیں وجودی اور عدمی لوگ وجودی کو شمار کرتے ہیں مثلاً رزق ملنا، کپڑا ملنا، مال حاصل ہونا ان کو تو نعمتیں جانتے ہیں اور عدمی کی طرف کسی کا ذہن ہی منتقل نہیں ہوتا حالانکہ وہ اپنے اسباب کے اعتبار سے بے انتہا ہیں مثلاً اس وقت ہم آرام اور عافیت سے بیٹھتے ہیں اس مکان کی چھت ہم پر نہیں گرتی یہ دیواریں نہیں گرتیں، آسمان سے پتھر نہیں برستے کوئی سانپ بچھو درندہ ہم کو نہیں ستاتا چور ہرن ڈاکو نہیں لوٹتے۔ بستی میں امن و امان قائم ہے۔ کوئی ہم کو زہر نہیں دیتا کوئی قتل نہیں کرتا۔ روٹی ہم کھاتے ہیں قبض نہیں ہوتا ہضم ہو جاتی ہے۔ لقمہ گلے میں پھنس کر نہیں مرتے۔ پانی پیتے ہیں گلے میں نہیں رکتا۔ ہاتھ پاؤں ہمارے چلتے ہیں رہ نہیں جاتے۔ آنکھوں کا نور سلب نہیں کیا جاتا کانوں کی سماعت نہیں لیجاتی اسی طرح بے شمار نعمتیں ہیں کہ اگر رات دن شمار کرنے لگیں تو شمار نہیں کر سکتے۔ غرض ہر وقت بے شمار نعمتیں ہیں اب فرمائیے کہ ہم کیا شکر ادا کر رہے ہیں۔ خیر اس

پر تو ہم کو قدرت نہیں کہ تمام نعمتوں پر شکر ادا کریں اس لئے کہ ان نعمتوں کا احصاء محال ہے۔ لیکن جس قدر قدرت ہے اتنا بھی نہیں کرتے۔ بعض دن چوبیس کے چوبیس گھنٹے ایسے گزر جاتے ہیں کہ اس میں زبان سے بھی ایک مرتبہ الحمد للہ نہیں کہتے اگر کوئی ذہین آدمی کہے کہ ہم تو پانچ وقت نماز میں الحمد پڑھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یہ تمہارا الحمد للہ کہنا محض درجہ عنوان میں ہے درجہ معنوں میں نہیں یہ چھلکا ہے جس میں گری نہیں۔ یعنی الفاظ شکر ہیں اور شکر نہیں اور جب شکر کے معنی نہیں تو شکر نہیں جیسے کوئی بادام خریدے اور اس میں سے مغز نہ نکلے اور نرا چھلکا ہو تو اس کو بادام نہ کہیں گے اسی طرح ہر عمل کا ایک مغز اور روح ہے اور ایک پوست اور صورت ہے۔ (الشکر ج ۲۱)

## شکر کی روح

روح شکر کی یہ ہے کہ منعم اور نعمت کی دل سے قدر ہو۔ میں اس کو ایک مثال سے عرض کرتا ہوں اس شکر کی حقیقت ذہن نشین ہو جائے گی وہ یہ ہے کہ مثلاً آپ کا کوئی دوست ہو کہ جس پر آپ مال و جان نثار کرنے سے دریغ نہ کرتے ہوں اور وہ آپ کو عنایت و لطف سے کوئی شے ہدیہ بھیجے اور اس سے پہلے اس محبوب نے کبھی آپ کو منہ بھی نہ لگایا تھا اس وقت آپ کی کیا حالت ہوگی۔ دفعتاً آپ کی حالت بدل جائے گی اور غایت فرحت سے شادی مرگ ہو جائے تو عجب نہیں اور اس شے کو آپ چومیں گے سر پر رکھیں گے آنکھوں سے لگائیں گے سب کو دکھلاتے پھریں گے کہ ہمارے دوست نے ہم کو یہ تحفہ بھیجا ہے اگر ممکن ہوگا تو اس کو اٹھا کر تبرکات اور منجملہ یادگار کے قرار دے کر رکھیں گے اور اس دوست کے ساتھ پہلے سے دس گنی محبت زیادہ ہو جاوے گی غرض ایک خاص جوش و خروش ہوگا اور اس کے لئے اطاعت بھی لازم ہوگی کہ اگر اس وقت وہ دوست سر بھی بانگے تو حاضر ہے عمر بھر میں حق تعالیٰ کی کسی نعمت پر ایک ہی مرتبہ کوئی بتلا دے کہ کسی کی یہ حالت ہوتی ہو حالانکہ ہر ساعت میں نعمتوں کی ہم پر بارش ہے اور نری الحمد للہ پڑھنے سے کیا ہوتا ہے اگر کوئی کہے کہ ہر حالت کا پیدا ہو جانا ہماری وسعت میں نہیں ہے تو کھانا تو ہم پہلے کھا لیتے ہیں لیکن یہ کو د پھاند ہم سے نہیں ہو سکتی۔ بات یہ ہے کہ امور اختیار یہ میں بھی اس کا ہر مرتبہ اختیاری نہیں ہوتا صرف مرتبہ غیر اختیاری ہوتا ہے مگر باوجود اس کے بھی اس کو اختیاری محض مراتب



ابتداءً یہ کہ سبب کہا جاتا ہے جیسے یوں کہا جاوے کہ تحصیلداری مل جانا اختیاری ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ جو اس کا طریقہ ہے کہ پاس حاصل کرو امتحان دو شرائط اس کی جمع کرو یہ اختیاری ہے غرض طریقہ کسی شے کا جب اختیاری ہوتا ہے تو اس شے کو اختیاری ہی کہتے ہیں اور دوسری مثال لیجئے ایک شخص علامہ دوراں ہے اگر کوئی چاہے کہ میں آج ہی ایسا ہو جاؤں تو غیر اختیاری ہے لیکن جو اس کا قاعدہ اور طریقہ ہے اس کے اعتبار سے اختیاری ہے ایسے ہی شکر کے مراتب ہیں ابتدائی درجہ تو مرتبہ عقلی ہے کہ حق تعالیٰ کو منعم حقیقی جانے اور عقلاً اس کی قدر پہچانے اور انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اس کا اثر طبع اور جوارح اور حرکات و سکنات میں نمایاں ہو جیسا میں نے مثال میں عرض کیا ہے۔ (الشکر ج ۲)

## حق تعالیٰ شانہ سے محبت حاصل کرنے کا طریقہ:

طریقہ تحصیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور یاد کرو اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جانور رفتہ رفتہ حق تعالیٰ سے محبت ہوگی اور شکر کا درجہ کاملہ نصیب ہو جاوے گا جیسے کوئی عالم ہونا چاہے تو اول الف باتا شروع کرتا ہے بتدریج علم کامل تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس جب حقیقت شکر کی یہ ہوئی ہم جو دیکھتے ہیں تو اپنے اندر کوئی درجہ شکر کا نہیں پاتے نہ عقلی درجہ ہے نہ طبعی دونوں سے معزا ہیں اس لئے شکر خواہ عقلی ہو یا طبعی اس کے لوازم میں سے ہے منعم کے حقوق کو ادا کرنا اور اس کی نافرمانی نہ کرنا اب دیکھ لیجئے کہ ہم سے صبح شام تک کتنی طاعت ہوتی ہے اور کتنی نافرمانیاں غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ کوئی وقت بھی نافرمانی سے خالی نہیں گزرتا مگر ہم نے نافرمانیوں کی فہرست چونکہ بہت مختصر بنا رکھی ہے اس لئے ہم کو یہ امر معلوم نہیں ہوتا ہم چوری، زنا، غصب، قتل ناحق، شراب پینے وغیرہ کو محض گناہ سمجھتے ہیں اور حالانکہ گناہ ہاتھ سے بھی ہوتا ہے پاؤں سے بھی ہوتا ہے آنکھ سے بھی ہوتا اور سب سے زیادہ یہ کہ قلب ہمارا بہت گندہ ہے قلب میں حسد، تکبر، حرص، حب مال، حب جاہ کینہ بھرا ہوا ہے نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اور قلب میں یہ بلائیں بھری ہوئی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب ہم ہر وقت نافرمانی میں مبتلا ہیں تو کھل کھیلیں اور جن نافرمانیوں سے محفوظ ہیں اس میں بھی مبتلا ہو جاویں اس لئے کہ جتنے جرائم سے بچیں بہتر ہے ورنہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کسی شخص پر ایک مقدمہ قائم ہو وہ اور جرائم کا بھی مرتکب ہونے لگے

اس کو تو یہ چاہئے کہ اس مقدمہ سے بھی کسی طرح بری ہو میرا مقصود اس تعیم نافرمانی کے بیان سے صرف اس شخص کو جتلاتا ہے جو ناز کرتا ہے کہ ہم بڑے فرمانبردار ہیں الحاصل نافرمانیوں کا ارتکاب کرنا بڑی ناشکری ہے یہ تو بیان تھا نعمتوں اور اس کے شکر کے متعلق۔ (الشکر ج ۲۱)

## عورتوں کو اپنے شوہروں کے شکر کی ضرورت:

بعض عورتیں اللہ تعالیٰ کی بندیاں ایسی بھی ہیں جو شوہر کو معظم سمجھتی ہیں۔ اس کی لائی ہوئی چیزوں کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتی ہیں اور جن کا اس حدیث پر عمل ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جس نے آدمیوں کا شکر نہیں کیا وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کرتا۔ سو یاد رکھو کہ جب تک شوہر کا شکر نہ کرو گی اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرا شکر بھی قبول نہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ جب ہم کوئی نعمت اپنے کسی بندے کے ذریعہ سے تم کو دیں تو ہمارے شکر کے ساتھ اس آدمی کا شکر بھی کرو۔ غرض شکر کی حقیقت یہ ہے کہ زبان سے بھی شکر کرو ہاتھ اور پاؤں سے شکر کرو۔ دل سے بھی شکر کرو اور زبان کا شکر یہی نہیں ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ تیرا شکر کہہ دیا کرو بلکہ زبان کو ان کاموں میں مشغول کرو جو خدا تعالیٰ کو پسند ہیں اور ان باتوں سے بچاؤ جن سے وہ ناراض ہوتے ہیں۔ زبان سے خدا تعالیٰ کا ذکر کرو قرآن کی تلاوت کرو۔ مسئلے مسائل پڑھو دوسروں کو بتلاؤ زبان سے غیبت نہ کرو۔ چغلی نہ کھاؤ۔ جھوٹ نہ بولو۔ یہ زبان کا شکر ہے۔ کان کے متعلق شکریہ ہے کہ اچھی باتیں سنو۔ قرآن اور مسئلے مسائل اور اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنو۔ غیبت اور چغلی اور حکایات و شکایت نہ سنو۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

## دل کا شکر

دل کے متعلق شکریہ ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کرو۔ تواضع اور مسکنت اور توکل اور خوف خدا تعالیٰ پیدا کرو۔ اور بری عادتیں اس میں سے نکال دو۔ تکبر اور حسد اور عجب وغیرہ سے اس کو پاک و صاف رکھو کسی کو حقیر نہ سمجھو۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

## سارے بدن کا شکر

اور سارے بدن کے متعلق یہ شکر ہے کہ عورت کوئی ایسا کپڑا نہ پہنے جس سے

بدن جھلکے۔ اور نامحرم سے پردہ میں کمی نہ کرے۔ اپنی مسلمان بہن کے سامنے بڑا بنے یا اترانے کے واسطے کوئی بڑھیا کپڑا یا زیور نہ پہنے جس سے اس کا دل ٹوٹے۔ اسی طرح مرد کوئی لباس خلاف شرع نہ پہنے۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

## کامل شکر

کامل شکر یہ ہے کہ تمام اعضاء زبان اور ہاتھ دل سب کے سب خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں دل میں محبت و معرفت الہی ہو۔ اور کسی عضو سے گناہ کا ارتکاب نہ ہو۔ اس وقت تم شا کر ہوگی۔ اس لئے کہ تم کو ایک احکام جاننے کی۔ دوسرے ہمت کی ضرورت ہوگی۔ سو بھلا اس وقت علم کا سامان بہت آسان ہو گیا ہے ضروری معلومات کے لئے بہشتی زیور کے حصے بھی کافی ہیں۔ سو سب سے پہلے تو علم کا اہتمام کرنا چاہئے دوسری ضرورت ہے ہمت کی کہ دل سے یہ ہمت کر لو کہ ہم خدا تعالیٰ کی نافرمانی کبھی نہ کریں گے اگر کوئی غیبت اور شکایت کی باتیں کرے اس کی بات ہرگز نہ سنو چاہے کوئی ہوا اگر کہیں خلاف شرع رسمیں ہوں وہاں کبھی نہ جاؤ چاہے۔ ساری برادری ناراض ہو جائے کچھ پرواہ نہ کرو۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

## فرح بطر اور فرح شکر میں فرق:

مصیبت زائل ہو جانے پر خدا کا شکر کرنا چاہئے یہ خوشی ممنوع نہیں یہ تو فرح شکر ہے یہ عمدہ حالت ہے ممنوع فرح بطر ہے جس کو اترانا کہتے ہیں یہ مذموم ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ فرح بطر کے بعد غفلت ہوتی ہے فرح شکر کے بعد غفلت نہیں ہوتی اب فیصلہ تمہارے ہاتھوں میں ہے آزماؤ کہ یہ خوشی کیسی ہے اگر دل میں خوف خدا رہا اور نمازی ہو گئے لوگوں کے حقوق ادا کر دیئے تو یہ فرح شکر ہے اگر ایسا نہ ہوا تو فرح بطر ہے اس سے ڈرنا چاہئے خدا جانے پھر کیا بلا نازل ہو جائے۔ اور آفات دو قسم کی ہیں آفاقی نفسی آفاقی تو جیسے لڑائی ہو جائے مرض عام پھیل جائے۔ نفسی یہ ہے کہ اپنے اوپر کوئی بلا آئے جس میں سب سے بڑھکر قساوت قلبی ہے کہ گناہ کرتے کرتے دل سخت ہو جائے جس سے روز بروز غفلت بڑھتی جاتی ہے یہ سخت آفت ہے اس سے رفتہ رفتہ کبھی ایمان جاتا رہتا ہے خدا نخواستہ ایمان گیا تو آخرت برباد ہوئی لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا خوش اقبال تھا کہ کھاتے پیتے عیش میں مر گیا۔ (تمہ ج ۲۱)

## دنیا کی حقیقت

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر آخرت کا وجود نہ ہوتا یا تحصیل و دنیا و آخرت سے مانع نہ ہوتی تب بھی دنیا کی حقیقت ایسی ہے کہ اس کو معلوم کر کے عاقل ہرگز اس کی طرف رغبت نہ کرتا اور آخرت کے مقابلہ میں تو اس کا طلب کرنا محض حماقت اور جہالت ہے۔ شاید اس پر اہل دنیا کو یہ سوال ہو کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ دنیا خود قابل ترک ہے ہماری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آئی ہم تو دیکھتے ہیں کہ دنیا سے بہت راحت ملتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی ایسی مثال ہے جیسے سانپ کے کالے کونیم کے پتے بیٹھے معلوم ہوتے ہیں مگر تندرست آدمی کو کڑوے معلوم ہوتے ہیں۔ پس آپ کو دنیا اس لیے اچھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی ایمانی حس درست نہیں اگر ایمانی حس درست ہوتی جس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں:

صحت ایں حس بجوئید از طبیب صحت آں حس بجوئید از حبیب

(جسمانی امراض کا حال حکیم سے پوچھو اور امراض روحانی کی کیفیت شیخ کامل سے پوچھو) کہ ایمان کی حس اگر درست کرنا چاہو تو اس کا طریقہ مقبولان الہی سے پوچھو۔ بہر حال وہ حس جو مجاہدات کے ذریعے سے خافقاہوں میں حاصل کی جاتی ہے درست ہوتو اس کہنے کی بھی ضرورت نہ رہی کہ آخرت ایسی چیز ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا قابل ترک ہے بلکہ تم خود بخود دنیا سے دلبرداشتہ ہو جاؤ۔ اس کی حالت کو ان لوگوں سے پوچھئے جن کی عمر دراز ہو گئی ہے جنہوں نے دنیا کو اچھی طرح آزمایا ہے اور اس کے سرد و گرم کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ایک تجربہ کار شاعر کہتا ہے:

ومن یحمد الدنیا لعیش یسرہ فسوف لعمری عنقریب یلومھا

اذا ادبرت کانت علی المر معسرہ وان اقبلت کانت کثیرا ھموھا

کہ جو شخص کسی خوش کن عیش کی وجہ سے دنیا کی تعریف کر رہا ہے میری جان کی قسم وہ عنقریب اس کی خود ہی برائی کرے گا۔ اس کی حالت یہ ہے کہ جب یہ چلی جاتی ہے تو آدمی کو حسرت ورنج دے کر جاتی ہے اور جب آتی ہے تو بہت سے افکار ساتھ لاتی ہے

اور یہ حسرت انہی لوگوں کو ہوتی ہے جو اس میں پھنسے ہوئے ہیں ورنہ عاقل کو خصوصاً عارف کو حسرت نہیں ہوتی کیونکہ کھنا بلا جائے تو خوشی کی بات ہے مگر جو لوگ دنیا کے عاشق ہیں ان کے یہاں چوری ہو جائے تو ان کی بری حالت ہو جاتی ہے۔ (الراقب ج ۲۲)



## بعض علماء و مشائخ کا باہمی حسد

معقولی علماء اور مشائخ میں یہ مرض خاص طور سے ہے کہ اپنے ہم پیشہ کے نام سے جلتے ہیں۔ معقولی علماء کی تو یہ حالت ہے کہ دوسرے کا نام آیا اور جو منہ میں آیا کہنا شروع کر دیا۔ دوسرے مدرسہ کے طالب علموں کو طرح طرح کی ترکیبوں سے توڑتے ہیں۔ کان پور میں ایک مدرسہ تھا اس میں دستار بندی کا جلسہ ہوا انہوں نے دوسرے مدرسہ کے ایک طالب علم کو جہاں ان کی زیادہ کتابیں ہوتی تھیں دستار بندی کے لیے کھینچا (ساری خرابی چندہ کی ہے ہزاروں آدمیوں کا چندہ مدرسہ میں آتا ہے تو ان کو کارروائی دکھانا بھی ضروری ہے اور وہ کارروائی یہی ہے کہ فارغ شدہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہو اور اس کو کون دیکھتا ہے کہ جن کی دستار بندی ہوئی ہے ان کو کچھ آ بھی گیا ہے یا نہیں بس یہ فکر رہتی ہے کہ قوم کو کتنی گنا دیں ایسا نہ کریں تو مدرسہ کی نیک نامی کیسے ہو) غرض اس طالب علم کو کھینچا اور چونکہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ عین وقت پر دوسرے مدرسہ والے اس کو اپنی طرف لے جائیں اس کے انسداد کیلئے یہ کیا کہ اس طالب علم کو کسی میلہ سے بلا کر کوٹھری میں بند کر دیا اور وہاں اس کی آسائش کا پورا انتظام کر دیا کوئی تکلیف نہیں ہونے پائی اور صبح کو عین وقت پر نکالا اور دستار بندی کر کے چھوڑ دیا کہ اب جہاں چاہو جاؤ ہمیں تو ایسی ترکیبیں نہیں آتیں۔ (الاقاف ج ۲۱)

## دل کی عجیب و غریب مثال

دل کی حالت تو موج کی سی ہے کہ ہر وقت زیر و زبر ہوتا رہتا ہے۔ حدیث میں خود موجود ہے کہ حضرت حظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکایت کی کہ جب تک ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رہتے ہیں تو گویا دوزخ جنت آنکھ کے سامنے ہوتے ہیں پھر ہم اہل وعیال میں مشغول ہو جاتے ہیں تو یہ حالت نہیں رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ حالت مستمر رہتی تو تم سے فرشتے مصافحہ کیا کرتے۔ ”ولکن یا حنظلہ ساعة فساعة“ یعنی کبھی وہ حال ہوتا ہے اور کبھی یہ۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ذکر کا جس میں دوسری طرف توجہ بھی نہ ہو استمرار مامور بہ نہیں ہے بلکہ مقدور بھی نہیں قلب کو تو قلب کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس میں تقلب ہوتا رہتا ہے یعنی لوٹنا پوٹنا رہتا ہے غرض یہ کہ

ذکر ہر وقت نہیں رہ سکتا۔ اس کا جواب سن لو سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہی چیز کی طرف قلب کا ہر وقت متوجہ رہنا عادت ناممکن ہے اس کو ہم مانتے ہیں اور ہم خود کہتے ہیں کہ تم ایک ہی چیز دل میں نہ رکھو مختلف چیزوں کو رکھو مگر وہ مختلف چیزیں ہوں اس ایک چیز کے تعلق کی پس خدا تعالیٰ کی یاد بھی خاص مختلف چیزوں کے ساتھ مجتمع ہو سکتی ہے (القاف ج ۲۱)

## توجہ الی المحبوب کے تین درجات

توجہ الی المحبوب کے تین درجے ہیں توجہ الی الذات اور توجہ الی الصفات اور توجہ الی الافعال اور ذات تو ظاہر ہے اور صفات بھی ظاہر ہیں اور افعال جیسے یہ خیال کرنا کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا یہ سب توجہ الی الحق ہی ہے اور اس سے شعر کے معنی اور زیادہ صاف ہو گئے یعنی اس میں توئی سے مراد مرتبہ ذات ہے اور خوئے تو سے مراد صفات ہیں اور بوئے تو سے مراد افعال ہیں۔ پس ان سب کی طرف توجہ حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ ہے اب سب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ عالم کے ہر جزو کی طرف توجہ کرنا بھی توجہ الی اللہ ہو سکتی ہے کیونکہ کم از کم اس کے افعال کے ساتھ تو ہر وقت ہی تعلق ہوگا۔ حتیٰ کہ اس نیم کے درخت کو اس نظر سے دیکھیں کہ محبوب کے تصرف سے اس کی شاخیں ایسی ہیں یوں پھل آتا ہے یوں پتے پیدا ہوتے ہیں ذائقہ پھل کا اور ہے اور پتوں کا اور خصوص بھی ہر جزو کے علیحدہ ہیں یہ بھی توجہ الی غیر اللہ نہیں ہے بلکہ نیم معرفت ہے کیونکہ مفہمی الی معرفۃ الافعال ہے اور اگر اس طرح دیکھیں کہ اس کو خدا تعالیٰ نے بنایا ہے یعنی مصنوع سے ذات صانع کی طرف انتقال کریں تو پھر نیم نہیں بلکہ پوری معرفت ہے۔ (تحقیق الفکر ج ۲۱)

## محض خوف ریاء کو مانع عبادت نہ سمجھو

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ عبادت جیسے ہی ہو کئے جاؤ خواہ ریاء ہی سے ہو کیونکہ ریاء اول اول ریاء ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے اس کے بعد عبادت ہو جاتی ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ریاء کی اجازت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محض خوف خدا ریاء کو مانع مت سمجھو باقی جب اس کا وقوع ہو دفع کر دو ایک بزرگ کے سامنے ایک شخص نے شکایت کی کہ فلاں جماعت کی فلاں عبادت بے نتیجہ ہی کیا فائدہ ہوا انہوں نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا:

سودا قمار عشق میں مجنوں سے کوہ کن بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھوسکا  
 کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا  
 خلاصہ یہ ہے کہ نیک کام کرتے رہو جیسے بھی ہوشم پشیم کیے جاؤ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اول اول  
 انتظام سے نہیں ہوتا جی نہیں لگتا تو اس کی پروا مت کرو جیسے ہو کرو جس دن توفیق ہو کرو یہ خیال  
 نہ کرو کہ کل تو کیا نہیں آج کرنے سے کیا فائدہ ہوگا جیسے بھی بنے کیے جاؤ۔ مولانا فرماتے ہیں:  
 دوست دارد دوست این آشفگی کوشش بیہودہ بہ از خفگی  
 (محبوب حقیقی اس آشفگی کو پسند فرماتے ہیں سعی اگرچہ بے ثمر ہو لیکن تعطل سے بہتر ہے)  
 کیا اچھی تعلیم ہے کوشش اگرچہ بے انتظامی سے ہو کافی ہے مگر شرط وہی ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں:  
 اندریں رہ می تراش وی خواش تادم آخر دے غافل مباش  
 (اس راستہ میں آخر وقت تک تراش و خراش (محنت و مشقت سے فارغ مت رہ تاکہ  
 تیرا آخری سانس آخر وقت تک شاید اللہ کی مہربانی سے کارآمد ہو جائے) (رطوبۃ اللسان ج ۲۱)

## اکابرین کے صدمات میں صبر جمیل کے چند واقعات

ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوان صاحبزادے  
 کا عین عین عید کے دن انتقال ہوا۔ ادھر جوان بیٹے کے نزع ہو رہی ہے ادھر نماز کا وقت  
 قریب ہے۔ مولانا نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ لو بھائی خدا کے سپرد ہم تو اب جاتے  
 ہیں کیونکہ ہمیں نماز پڑھنی ہے۔ انشاء اللہ اب قیامت میں ملاقات ہوگی۔ یہ کہہ کر رخصت  
 ہو گئے اور نماز کا اہتمام شروع کر دیا، آنکھ سے تو آنسو جاری تھے لیکن ایک کلمہ بھی بے صبری  
 کا زباں سے نہیں نکلا، خوش تھے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ  
 کے جوان صاحبزادے کا انتقال ہو گیا، لوگ تعزیت کے لیے آئے لیکن چپ بیٹھے ہیں کہ کیا  
 کہیں۔ اہل اللہ کا رعب ہوتا ہے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کچھ کہے اور آخر کہتے بھی تو کیا  
 کہتے۔ اگر کہے کہ رنج ہوا تو اس کے اظہار کی کیا ضرورت اگر کہے کہ صبر کیجئے تو وہ خود ہی کیے  
 بیٹھے ہیں۔ آخر ہر جملہ خبریہ کہ کوئی نہ کوئی غایت تو ہونی چاہیے بڑی دیر کے بعد آخرا ایک نے  
 ہمت کر کے کہا کہ حضرت بڑا رنج ہوا۔ فرمایا معلوم ہے کہنے کی کیا ضرورت ہے، پس پھر سارا  
 مجمع چپ لگ آتے تھے اور کچھ دیر چپ بیٹھ کر چلے جاتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے

انتقال کا صدمہ حضرت مولانا کو اس درجہ ہوا تھا کہ دست لگ گئے تھے اور کھانا موقوف ہو گیا تھا لیکن کیا مجال کہ کوئی کچھ ذکر کر دے۔ میں بھی اس موقع پر حاضر ہوا اب میں وہاں پہنچ کر متحیر کہ یا اللہ کیا کہوں۔ آخر چپ ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایک مولانا ذوالفقار علی صاحب تھے حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے والد بڑے عاشق مزاج اور حضرت حاجی صاحب کے والد و شیدا۔ ان کا یہ رنگ تھا کہ جب میں حضرت حاجی صاحب کے انتقال کے بعد اول مرتبہ ان سے ملنے گیا تو میری صورت دیکھتے ہی بڑے جوش کے ساتھ کہا:

بنال بلبل اگر بامنت سریاری ست کہ مادو عاشق زاریم کارمازاری ست  
(اے بلبل اگر تجھ کو میری دوستی کا خیال ہے تو رو کیونکہ ہم دونوں لاغر عاشق ہیں اور ہمارا کام رونا ہی ہے)

اور آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے میں آبدیدہ ہو گیا، خیر وہاں کچھ دل کی بھڑاس نکلی۔ حضرت مولانا گنگوہی پر اتنے بڑے بڑے صدمات پڑے لیکن کیا ممکن کہ کسی معمول میں ذرا فرق آجائے چاشت، تہجد، اوابین کوئی معمول قضا تو کیا کبھی مؤخر بھی نہیں ہونا پایا۔ یہاں تک کہ کھانا بھی جب سامنے آیا تو اسے بھی خدا کی نعمت سمجھ کر کھالیا۔ آنے والے کو یہ حالت دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ انہیں کچھ بھی رنج نہیں۔ حالانکہ رنج اس قدر ہوتا تھا کہ میں نے ایک عریضہ صاحبزادہ کی تعزیت کا لکھا تھا اس کے جواب میں مجھے فقط یہ لکھا کہ شدت ضبط سے قلب و دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ مجھ کو حیرت ہوئی تھی کہ یہ بھی کیسے ظاہر فرما دیا، بے حد عنایت تھی کہ اتنا لکھ دیا ورنہ وہاں ضبط کی یہ شان تھی کہ کسی طرز سے پتہ نہ چلتا تھا نہ چہرہ سے نہ زبان سے وہی معمولات وہی اذکار اشغال وہی تعلیم، تلقین کسی معمول میں ذرا فرق نہیں۔ واللہ یہ تعلق مع اللہ کی قوت ہے یہ وہ قوت ہوتی ہے کہ:

موحد چہ برپائے ریزی زرش چہ فولاد ہندی نہی برسرش  
امید و ہراسش نباشد زکس ہمیں ست بنیاد توحید و بس  
(موحد کے پیروں میں روپیہ کا خواہ ڈھیر لگا دیا جائے یا اس کے سر پر ہندوستانی تلوار رکھی جائے اس کو کسی سے امید و خوف نہ ہوگا توحید یہی ہے پس) (راحت القلوب ج ۲۲)

**دل کھول کر گناہ کرنے سے ارمان نہیں نکلتا**

نافرمانی میں خاص اسی وقت تو لطف آ جاتا ہے لیکن پھر بعد کو بس پوری مصیبت کا سامنا



ہے۔ مثلاً دن کو ایک حسین عورت سامنے سے گزری۔ نفس نے دیکھنے کا بہت تقاضا کیا لیکن فوراً آنکھیں بند کر لیں، نظر کے روکنے میں اس وقت تو بہت تکلیف ہوگی لیکن جب الگ ہو گئے تو واللہ دیکھو گے کہ دل میں ایک بہار ہوگی اور سارا دن ساری رات آرام میں گزرے گا اور اگر نظر بھر کر دیکھ لیا اور پھر چار دن نظر نہ آئے تو دوزخی کی زندگی گزرے گی۔ کہتے ہیں کہ صاحب نظر کے روکنے کی کلفت نہیں اٹھتی۔ میں کہتا ہوں کہ ایک منٹ کی کلفت نہ اٹھائی اور چار دن کی کلفت اٹھا لو گے یہ تو وہی ہوا کہ گناہ دے بھلی دے بعض کو بعض معاصی کی نسبت یہ غلطی ہو گئی ہے کہ ایک مرتبہ اچھی طرح دل کھول کر گناہ کر لینے سے ارمان نکل جائے گا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس سے قلب کے اندر جڑ اور زیادہ جمتی ہے گو اس وقت کچھ تسکین کی سی ہو جائے۔

تمباکو کی سی لت ہے کہ جتنا یہ پیو گے اتنی ہی اور لت بڑھے گی اور اگر ہر بار خواہش کو روک لو گے تو کچھ دن بعد بالکل بجھ جائے گی یونہی نفس کو مارو۔ ان شاء اللہ مادہ فاسد جڑ پیڑ سے نکل جائے گا۔ خلاصہ عذر کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب ہمت نہیں ہوتی، دین کے واسطے تو ہمت نہیں ہوتی اور دنیا کے واسطے بڑی ہمتیں کرتے ہو۔ حضرت اگر کوئی حاکم آپ پر ایک شخص کو مسلط کر دے کہ جس وقت یہ نامحرم پر نظر کرے فوراً اس کی آنکھوں میں تھکے دے دینا تو سچ کہے کیا پھر بھی نظر کونہ روک سکو گے۔ دیکھیں تو پھر نظر کیسے نہیں رکتی۔ پھر افسوس ہے اللہ تعالیٰ کے تکلوں کا ڈر نہیں۔ بات یہ ہے کہ تکلیف اٹھانا گوارا نہیں ورنہ سب کچھ ممکن ہے۔ خدا کے طالب نہیں راحت کے طالب ہیں مگر راحت حقیقی بھی تو اللہ ہی کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: ”إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ“ (یاد رکھو دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتا ہے)

پچ کنجے بے دود بے دام نیست      جز بہ خلوت گاہ حق آرام نیست  
(کوئی گوشہ جال اور درندوں سے خالی نہیں سوائے اللہ کی خلوت گاہ کے اور کہیں آرام نہیں) (راحت القلوب ج ۲۲)

## لوگ ناموری کی خاطر شادی میں زیادہ خرچ کرتے ہیں

مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شادی کے متعلق جس میں بہت زیادہ خرچ کیا گیا تھا جس میں نیت محض ناموری کی تھی یہ فرمایا کہ خرچ تو خوب کیا لیکن

اتنے خرچ سے ایسی چیز خریدی کہ جس کو اگر بیچنے لگیں تو پھوٹی کوڑی کو بھی کوئی نہ لے وہ کیا چیز ہے۔ نام بس ایسے ہی لوگوں نے اخراجات غیر ضروریہ اختراع کر رکھے ہیں۔ مرتے ہیں، کھپتے ہیں، برباد ہوتے ہیں مگر ان کو پورا کرتے ہیں، ارے آگ لگاؤ ایسی ضرورتوں کو۔ یہ دیکھو کہ شریعت کا حکم کیا ہے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## حضرت صدیق اکبرؓ کا ایک عجیب واقعہ استقلال

ایک واقعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقلال کا اس سے بھی زیادہ عجیب ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کچھ قبائل عرب مرتد ہو گئے تھے جن میں تو مسلمہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت کے ساتھ ہو گئے اور بعض لوگ کسی کے ساتھ تو نہیں ہوئے بلکہ ظاہر میں اپنے کو مسلمان کہتے رہے تو حید و رسالت کے مقرر ہے کہ کعبہ کو قبلہ مانتے رہے نماز کی فرضیت کے قائل رہے مگر زکوٰۃ فرضیت سے منکر ہو گئے اور یہ کہا کہ فرضیت زکوٰۃ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے مخصوص تھی اب فرض نہیں اور رعلت یہ بتلائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں پر فقر زیادہ تھا اس لیے اس وقت زکوٰۃ کی ضرورت تھی۔ اب وہ حالت نہیں رہی اس لیے فرضیت بھی باقی نہیں رہی۔ جیسے آج کل بھی بہت سے لوگ اس قسم کی تاویلیں کیا کرتے ہیں۔ پہلی جماعت کے بارے میں سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بالاتفاق یہ رائے تھی کہ ان کے ساتھ جہاد کیا جائے۔

مگر دوسری جماعت کے حق میں سب کی رائے نرم تھی حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی یہ رائے تھی کہ ان کے ساتھ نرمی کی جائے اور جو کھلے کافر ہیں صرف ان سے لڑائی کی جائے ان لوگوں پر جہاد نہ کیا جائے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اس دوسری جماعت کے متعلق بھی وہی تھی جو اور مرتدین کے متعلق تھی وہ ان لوگوں کو کافر کہتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس کے ساتھ قتال کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ یہ لوگ تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہیں ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں ان پر کیونکر جہاد ہو سکتا ہے اور ان کو کفار کی طرح کیسے قتل کیا جاسکتا ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ سہی مگر یہ لوگ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں (کہ نماز کو تو فرض مانتے ہیں اور زکوٰۃ کو فرض نہیں مانتے حالانکہ شریعت نے دونوں

کو فرض کیا ہے تو یہ لوگ فرض قطعی کے منکر ہیں اور) ان لوگوں نے دین کو بدل دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ“ (جو شخص آپ کے دین کو بدل دے پس اس کو قتل کر دو) اس لیے میں ان کے ساتھ قتال کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر کہا کہ آپ کلمہ گو آدمیوں سے کیسے قتال کریں گے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

أَجْبَارُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَوَارَ فِي الْإِسْلَامِ وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي وَفِي رِوَايَةٍ عِنَا قًا عِقْلًا كَانُوا يُؤْذُونَهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا قَاتِلَنَّهُمْ عَلَيْهِ ۝

اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو زبردست تھے اور اسلام میں اتنے بودے ہو گئے بخدا اگر یہ لوگ ایک رسی کو یا ایک بکری کے بچے کو بھی روکیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ”إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا“ (یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت میں بھی تھا تو خدا تعالیٰ میرے ساتھ بھی ہیں اگر میں تنہا بھی جہاد کو نکل کھڑا ہوں گا تو خدا میرے ساتھ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میں تمام دنیا پر غالب آؤں گا کیا انتہا ہے اس وقت قلب کی۔ چنانچہ پھر سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر متفق ہو گئے اور بعد میں اقرار کیا کہ اس وقت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم لوگوں کو سنبھالا ورنہ ہم گمراہی میں پڑ چکے تھے کہ ان لوگوں کو مسلمان سمجھے تھے ۲۱) اس واقعہ سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقلال و قوت قلب کا بخوبی یہ پتہ چلتا ہے کہ تمام صحابہ کے اختلاف کرنے پر بھی وہ تنہا اس جماعت کے مقابلہ پر آمادہ رہے۔ غرض صحابہ میں جو سب سے افضل تھے وہ سب سے زیادہ مستقل اور قوی القلب تھے اور یہ بات تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تھی کہ وہ غلبہ حالات و کیفیات سے کبھی مغلوب نہ ہوتے تھے اسی لیے نہ وہ کبھی وجد میں رقص کرتے تھے نہ کپڑے پھاڑتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کپڑے پھاڑنے والے گو معذور ہوں گے مگر صاحب کمال نہیں، کامل کو ضبط کیفیت پر پوری قدرت ہوتی ہے۔ ہمارے مشائخ میں سے حضرت شیخ عبدالحق ردو لوی قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے:

منصور بچہ بود کہ از بیک قطره بفریاد آمد

ایں جامردانند کہ دریا ہا فرد برند و آروغ نزنند

یعنی منصور طریق سلوک میں بچے تھے کہ ایک قطرہ پی کر فریاد کرنے لگے اور جوش میں آ کر انا الحق کہہ بیٹھے اور یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا پی جائیں اور ڈکار تک نہ لیں ان حضرات کا دریا وجد یا رقص یا سطح کی صورت سے نہیں بہتا البتہ ان کا دریا دوسری راہ سے نکلتا ہے یعنی افادات و نفع رسانی کی راہ سے کہ وہ اپنے جوش و خروش کو طالعین کی توجہ میں صرف کرتے ہیں جس سے ہزار ہا مخلوق درجہ ولایت پر پہنچ جاتی ہے یا اگر کبھی بہت ہی غلبہ ہوا تو ان کا دریا آنسوؤں کی راہ سے بھی کسی وقت بہہ نکلتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں      یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم  
(اے اللہ چشمہ محبت کیسا چشمہ ہے کہ اس کا میں نے ایک قطرہ پیا اور آنسوؤں کا دریا ہو گیا)  
یہ حضرات بڑے عالی ظرف ہوتے ہیں بہت ضبط کرتے ہیں ہاں کبھی ضبط پورا نہ ہو سکا تو آنکھوں سے آنسو بہا لیتے ہیں اور یہ نقص نہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ نماز میں بعض دفعہ آپ روتے تھے تو سینے سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسے ہنڈیا پکتی ہو۔  
الغرض یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو لوگ چلاتے چیختے اور کپڑے پھاڑتے ہیں وہ اہل کمال نہیں ہیں۔ اسی لیے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”لَا تَشْقُوا جُيُوبَكُمْ بَلْ تَشْقُوا قُلُوبَكُمْ“  
(اپنے دامنوں کو نہ پھاڑو اپنے دلوں کو چرو)

ہاں صاحب حال ہیں اسی واسطے شیخ سعدی ان پر ملامت و طعن سے منع فرماتے ہیں:  
مکن عیب درویش حیران و مست      کہ غرق است ازاں مے زند پاؤ دست  
(درویش حیران و مست یعنی صاحب کمال پر لعن طعن مت کرو اس لیے کہ وہ محبت میں غرق ہے اس وجہ سے ہاتھ پیر مارتا ہے) (ذم النسیان ج ۲۲)

## اپنے گناہوں کو بہت زیادہ سمجھنا تکبر ہے

مشہور ہے کہ ایک مچھر نیل کے سینک پر جا بیٹھا تھا جب وہاں سے اڑنے لگا تو نیل سے معذرت چاہی کہ معاف کیجئے گا آپ کو میرے بیٹھنے سے بہت تکلیف ہوئی ہوگی، نیل نے کہا ارے بھائی مجھ کو تو خبر بھی نہیں کہ تو کب بیٹھا تھا اور کب اڑا تو جیسے وہ مچھر سمجھا تھا کہ مجھ میں اتنا وزن ہے کہ جس سے نیل بھی دب گیا ہوگا۔ اسی طرح یہ شخص بھی اپنے گناہوں کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ جس سے اسباب کا اندیشہ ہو گیا کہ حق تعالیٰ میرے ان گناہوں سے متاثر



ہو گئے ہوں گے۔ حالانکہ حق تعالیٰ پر کسی چیز کا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تو اپنے گناہوں کو اتنا بڑا سمجھنا کہ توبہ کافی نہ ہو یہ درحقیقت تکبر ہے گو صورتاً شرمندگی ہے۔

پھر صاحب ہمارا تو نصوص پر ایمان ہے۔ نصوص میں یہ کہیں نہیں وارد ہوا کہ فلاں گناہ میں توبہ نہیں۔ سب سے بڑا گناہ کفر ہے مگر توبہ اس کے لئے بھی ہے۔ ابو جہل تک کو بھی توبہ کا حکم ہے اگرچہ اس کے متعلق خبر دے دی گئی کہ وہ ایمان نہیں لائے گا مگر پھر بھی حکم ہے کہ توبہ کر۔ تو حضرت اس سے بڑھ کر کس کا کفر شدید ہوگا۔ اور اس کا کفر ظاہراً ممتنع (یہ علم بھی عجیب و غریب ہے جس کی علماء ظاہر کو غالباً ہوا بھی نہیں لگی ۱۲) الزوال بھی تھا کیونکہ نص کے اندر خبر دے دی گئی تھی مگر اس کو بھی حکم ہے کہ آمین و تب الیہ۔ (راحت القلوب ج ۲۲)

## اسرار کی مثال

اسرار کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کا محل سرائے اور زنان خانہ اور خاص خزانہ ہوتا ہے بادشاہ اگر کسی کو خود اپنے محل سرائے اور زنان خانہ کی سیر کرا دے تو اس کی عنایت و رحمت ہے خود کسی کو اس درخواست کا حق نہیں ہے کہ حضور مجھے اپنے زنان خانہ یا خزانہ پر مطلع فرما دیجئے اور اگر کوئی ایسی درخواست کرے گا تو وہ شاہی عتاب میں گرفتار ہوگا اور اس پر دوسرے جرائم کی نسبت عتاب زیادہ ہوگا کیونکہ اور جرائم کا منشا کبر نہیں بلکہ شہوت ہے اور اس جرم کا منشا کبر ہے اور کبر سے بدتر کوئی جرم نہیں کیونکہ متکبر ایسی صفت کا مدعی ہے جو سلطان کے ساتھ خاص ہے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کبریا کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں الْكِبْرِيَاءُ رِذَاءٌ نِّى وَالْعِظْمَةُ اِذَا رِى فَمَنْ نَاَزَّ عَنْهُمَا قَصَمْتُهُ (مسند احمد ۴: ۳۱۳) کبریا کی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے یعنی میری صفات مخصوصہ سے ہیں تو جو شخص ان میں مجھ سے منازعت (تکرار) کرے گا یعنی شرکت کا قصد کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا، ایسی وعید کسی اور جرم کی نسبت وارد نہیں ہے۔ (استرار التوبہ ج ۲۳)

## حکایت حضرت جنیدؒ

حضرت جنیدؒ کی حکایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو سوال کرتے دیکھا جو کہ صحیح و تندرست تھا آپ نے دل میں فرمایا کہ یہ شخص صحیح سالم ہے اور پھر سوال کرتا ہے۔ رات

کو اپنے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص آپ کے پاس مُردار لایا اور کہا کہ اس کو کھائیے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو مُردہ ہے کیونکر کھاؤں اس شخص نے جواب دیا کہ آج صبح تم نے اپنے ایک بھائی کا گوشت کھایا ہے تو اس کے کھانے میں کیوں تامل ہے انہوں نے کہا کہ میں نے تو غیبت نہیں کی۔ اس نے جواب دیا کہ گوزبان سے غیبت نہیں کی لیکن دل میں اس کو حقیر تو سمجھا اور دل ہی سے تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔ آخر جنید رحمۃ اللہ علیہ بہت گھبرائے اور اس فقیر کے پاس پہنچے وہ کوئی کامل شخص تھا ان کو دیکھتے ہی کہا وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ (وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے)۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## توبہ کے موانع

ایک مانع توبہ کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ انسان گناہ کو بہت ہی بڑی چیز سمجھ لیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اتنے بڑے گناہ کے مقابلے میں توبہ سے کیا کام نکل سکے گا۔ علیٰ ہذا بعض کو یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ ہمارے گناہ اس قدر کثیر ہیں کہ ان کی معافی ممکن ہی نہیں اگرچہ ہم کتنی ہی توبہ کریں ان دونوں غلطیوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی بارگاہ کو بندوں پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں عادت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بہت بڑے امر میں کسی کی نافرمانی کرے یا معمولی باتوں میں ہمیشہ نافرمانی کرے تو ان دونوں کے قصور کو معاف نہیں کیا جاتا اسی طرح گویا خدا کے کارخانے کو بھی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے بندہ اول تو محتاج ہے اس کو اپنا دل ٹھنڈا کرنے کی بھی ضرورت ہے، دوسرے کے مقابلے میں اپنی بات رکھنے کی بھی ضرورت ہے دوسرے بندہ متاثر ہے کہ جب کسی نے اس کی مخالفت کی تو اس پر کچھ اثر ہوا اگر مکرر مخالفت ہوئی اس اثر اور انفعال (شرمندگی) میں ترقی ہوئی اسی طرح ترقی ہوتے ہوتے اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ استعداد (صلاحیت) موافقت سلب ہو جاتی ہے اس لئے یہ معاف نہیں کر سکتا برخلاف خدا تعالیٰ کے کہ ان کا ہر فعل اختیاری ہے وہاں تاثر کا نام بھی نہیں وہ عذاب بھی کرتے ہیں تو ارادہ محض سے کہ اس میں غیر اختیاری جوش کا شائبہ بھی نہیں ہوتا اس کا علاج یہ ہے کہ اس خیال فاسد سے توبہ کرے اور رحمت کی حدیثیں مطالعہ میں رکھے یقین ہے کہ ان سے یہ مایوسی مبدل بامید (امید میں تبدیل ہونا) ہو جائے گی، حدیث میں ہے کہ اگر کسی شخص نے تمام روئے زمین کی برابر گناہ کئے اور وہ

توبہ کر لے تو خدا تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمادیں گے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عدد گناہوں کا بڑھ جانا موجب یاس نہ ہونا چاہیئے، رہی کیفاً زیادتی اس کو یوں سمجھئے کہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کفر ہے کہ اس کی برابر کوئی دوسرا گناہ نہیں ہے پھر دیکھ لیجئے جس وقت حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز عالم ہوئے دنیا کا کیا حال تھا بجز معدودے چند فرقوں کے اور ان میں بھی کنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ ساری دنیا کفر و جہل سے پڑ تھی خصوصاً عرب اور پھر اس میں بھی خاص کر قریش کہ انہوں نے تین سو ساٹھ بت اپنے لئے بنا رکھے تھے یعنی ہر دن ایک نیا خدا (بزعم شاں) ان سے سر تسلیم خم کراتا تھا لیکن دیکھ لیجئے خدا تعالیٰ نے اسی قبیلہ قریش سے فلک اسلام کے لئے کیسے نیر اکبر پیدا کئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اسی قبیلے کے ہیں جن کے بارے ارشاد ہے اَذِيقُوْهُ لِمَصَاحِبِهِ لَا تَخْزَنُ (جب وہ کہنے لگے اپنے ساتھی سے غم نہ کرو) حضرت عمرؓ اس قبیلے کے ہیں جن کے لئے حدیث ہے اَسْلَهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُوْهُ وَعَلٰی هٰذَا (المستدرک للحاکم ۳: ۴۲۲) (احکام الہی کے جاری کرنے میں سب سے زیادہ مضبوط حضرت عمرؓ ہیں) غرض یہ سمجھنا کہ ہمارے گناہ معاف نہ ہوں گے غلطی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بغیر توبہ کئے مرجاتا ہے۔

ایک مانع توبہ سے یہ ہے کہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ مجھ سے پھر گناہ ہو جائے گا اور جب کہ ہنوز صدور گناہ کا احتمال باقی ہے تو توبہ سے کیا فائدہ ہوگا لہذا توبہ اس وقت کرنی چاہیئے کہ اس کے بعد پھر گناہ نہ ہو۔

صاحبو! میں پوچھتا ہوں کہ زندگی کا کون سا حصہ ہے جس میں نہ ہونے کا یقین کر لیا ہے جوانی میں اگر چالاکی عیاری نہیں تو بد مستی لا ابالی پن ہوتا ہے، بڑھاپے میں اگر آوارگی بد مستی نہیں ہوتی تو حرص طول امل حیل سازی مکر و فریب حسد بغض۔ (تفصیل التوبہ ج ۳)

## غفور رحیم کی خبر سے مقصود

ایک مانع توبہ سے یہ ہے کہ بندہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے اس کو ہمارے گناہ بخش دینے کیا مشکل ہیں لیکن صاحبو! یہ جواب ظاہری بیماریوں میں کیوں نہیں دیا جاتا اور امراض کی میں اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا کیا کوئی شخص بتلا سکتا ہے کہ اس نے اس خیال سے کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ ہم کو ضرور تندرست کر دے گا۔ امراض جسمانی کا

علاج نہ کیا ہو یا کوئی شخص بتلا سکتا ہے کہ اس نے خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے زہر کھالیا ہو کبھی نہیں بلکہ اگر کوئی دوسرا یوں کہے کہ میاں خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے سٹکھیا کھا جاؤ تو اس کو دیوانہ بتلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ خدا کے غفور رحیم ہونے کے یہ معنی کہ سٹکھیا کھاؤ تو ضرر نہ کرے بلکہ سٹکھیا ضرر بھی کرے گا اور خدا غفور رحیم بھی رہے گا اسی طرح گناہ کا ضرر ہوتا ہے لیکن اس سے خدا تعالیٰ کے غفور رحیم رہنے میں کوئی نقص نہیں آتا۔

صاحبو! اس خبر سے کہ ہم غفور رحیم ہیں مقصود یہ ہے کہ جو گناہ تم سے ہو گئے ہیں ان کی وجہ سے پریشان خاطر مت ہو اور توبہ کو بے کار نہ سمجھو۔ ہم ان سب کو معاف کر دیں گے چنانچہ اس آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ اَسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (آپ فرمادیں کہ اے میرے بندو جو اپنے نفسوں پر زیادتی کر کے گناہ کر چکے ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کر دے گا درحقیقت وہی بخشش کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں) کا شان نزول یہی ہے کہ جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول مکہ میں مبعوث ہو کر دعوت اسلام فرمائی تو لوگوں نے آکر عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان تو لے آئیں لیکن جو گناہ ہم نے اس کے قبل کئے ہیں ان پر تو ہم کو ضرور سزا ہوگی بس جب دینِ آبائی بھی چھوڑا بدنامی بھی اٹھائی اور آخرت کا عذاب بھی باقی رہا تو ہم کو فائدہ ہی کیا ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم لوگ پچھلے گناہوں کا اندیشہ نہ کرو ہم غفور رحیم ہیں سب پچھلے گناہ بھی معاف کر دیں گے اور اگلے بھی بس معلوم ہوا کہ مقصود آیت سے ان لوگوں کی ناامیدی کو دور کرنا ہے جو اسلام اور توبہ سے اس خیال پر رکتے تھے نہ کہ وہ مقصود جو لوگوں نے سمجھا۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے زیادہ اعلم باللہ ہیں بلکہ آپ کا ارشاد ہے: انا اعلمکم باللہ (تفسیر الکشاف: ۱۳۹) (میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم رکھنے والا ہوں) آپ کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے کہ باوجود سردار عالم ہونے کے کس قدر سادگی آپ کے ہر ہر انداز میں تہی بیٹھنے میں کبھی آپ نے کوئی ممتاز جگہ نہیں بنائی حتیٰ کہ لوگ جب زیارت کو آتے تو صحابہؓ سے



دریافت کرتے مَنْ مُحَمَّدٍ فِيكُمْ (تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں) صحابہؓ جواب دیتے کہ هَذَا الْاَبْيَضُ الْمُتَكِنِي (یہ جو گورے گورے سہارا لگائے بیٹھے ہیں) اور سہارا لگانے کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ حضور کوئی گاؤں تکبہ لگا کر بیٹھتے تھے عربی محاورے میں ہاتھ پر سہارا لگانے کو بھی اتکا کہا جاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ تکبہ وغیرہ ہی ہو چلنے میں یہ حالت تھی کہ ہمیشہ ملے جلے چلتے تھے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ باوجودیکہ آپ کی شان یہ ہے کہ ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

## ضرورت توبہ

توبہ کا شرط ابتدائی ہونا ثابت تو بیشک ہو گیا مگر وہ مطلق توبہ نہیں ہے بلکہ توبہ عن الشرک والکفر ہے۔ اور یہ ایک فرد ہے توبہ کا تو بعض افراد توبہ کا ابتدائی ہونا ثابت ہوا اور درجے توبہ کے دو ہیں توبہ عن الکفر اور توبہ عن المعاصی یہ البتہ محتاج اثبات رہا کہ یہ دوسری قسم بھی آیا شرط ابتدائی ہے یا نہیں تو بات یہ ہے کہ گویا توبہ اس فرد توبہ کے درجے میں تو شرط نہیں یعنی شرط امتیاز نہیں لیکن شرط کمال ضرور ہے چنانچہ مولیٰ بات ہے (اول الاعمال ج ۲۳)

## حیط اعمال کا مفہوم

محققین کے نزدیک دوسری نصوص کی دلیل سے مراد حیط کمال ہے جو خاصہ کفر ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں بھی عدم ایمان سے مراد عدم ایمان کامل ہے اور موجود ہے وہ حدیث یہ ہے لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يُسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يُسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (صحیح بخاری ۱۷۸:۳، صحیح مسلم، الایمان ب ۲۳ رقم: ۱۰۰) جس کا حاصل یہ ہے کہ زنا کرتے وقت ایمان باقی نہیں رہتا اور چوری کرتے وقت ایمان باقی نہیں رہتا اس سے بھی ایک باطل کے دھوکہ کو قوت ہوئی مگر اہلسنت کا اتفاق ہے اس بات پر کہ اس سے ایمان نہیں جاتا اور اس کا ماخذ حدیث کا صریح لفظ ہے لَا تَكْفُرُهُ بِذَنْبٍ (مجمع الزوائد ۱: ۱۰۶) یعنی مسلمان کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ سمجھو اور اس کے بعد دوسرا یہ جملہ ہے جو اس سے بھی زیادہ اوضح فی المقصود ہے۔ لَا تَخْرُجْهُ عَنِ الْإِيمَانِ یعنی اس کو مومن ہونے سے خارج مت کرو۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

## توبہ کا قانون

قانون توبہ یہ ہے التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ (سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۰، کنز العمال: ۱۰۱۳۹) یعنی جب آدمی گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا گناہ کیا ہی نہیں تو اگر توبہ ٹوٹ بھی گئی تو پھر کر لے پھر گناہ معاف ہو گیا پھر ٹوٹ گئی پھر کر لی۔ پھر ٹوٹ گئی پھر کر لی اس پر اگر یہ خیال کیا جائے کہ کہاں تک معافی ہوا کرے گی اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بھی اپنی طرح سمجھا ہمارا تو دستور یہ ہے کہ کہتے ہیں ایک خطا خطا دو خطا تیسری مادر خطا وہاں یہ نہیں ہے اللہ جل جلالہ کی شان تو بڑی ہے۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

## حکایت حجتہ الاسلام حضرت نانوتویؒ

مولانا محمد قاسم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر چار حرفوں کی تہمت نہ لگی ہوتی تو میں ایسا اپنے کو غائب کرتا کہ کوئی یہ بھی نہ جانتا کہ میں دنیا میں پیدا بھی ہوا ہوں۔ مگر اس غائب نہ کر سکنے پر بھی آپ کی یہ حالت تھی کہ ایسی وضع سے رہتے تھے کہ دیکھ کر کوئی نہ پہچانتا تھا کہ یہ کوئی عالم ہیں۔ بس ایک لنگی گاڑھے کی کندھے پر ڈالے ہوئے رہا کرتے تھے۔ غدر میں مولانا کے پیچھے پولیس پھرتی تھی مگر کسی نے بھی آپ کو نہ پہچانا ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ مولانا مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے پولیس آئی اور خود مولانا ہی سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب کہاں ہیں تو آپ ذرا سا اپنی جگہ سے کھسک کر فرماتے ہیں کہ ابھی تو یہاں تھے، پولیس چلی گئی۔ سفر میں جب کبھی جاتے تو ساتھیوں کو نام بتلانے کی ممانعت تھی کہ میرا نام کسی سے ظاہر نہ کرنا اور اگر کوئی آپ سے دریافت کرتا کہ آپ کا نام کیا ہے تو فرماتے میرا نام خورشید حسن ہے یہ مولانا کا شاید کسی تصرف سے تاریخی نام تھا۔ مگر اسے کوئی جانتا بھی نہ تھا، مشہور نام محمد قاسم تھا وہ نہیں بتلایا کرتے تھے اگر کوئی وطن کا نام پوچھتا تو فرماتے الہ آباد۔ ایک بار کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا وطن تو نانوتہ ہے الہ آباد کیسے ہو گیا۔ فرمایا نانوتہ بھی تو خدا ہی نے آباد کیا ہے۔ بتلادیا کہ معنی لغوی کے اعتبار سے وہ بھی الہ آباد ہے۔ سبحان اللہ کیسا اخفا حال تھا مگر باوجود اس اخفا کے چھپے تھوڑا ہی رہتے تھے آخر عشاق نے پہچان ہی لیا طالبوں نے تاڑ ہی لیا پھر ایسے مشہور ہوئے کہ دنیا میں نام روشن ہے، بھلا آفتاب کہیں

چھپ سکتا ہے۔ جب شاہجہانپور میں مباحثہ ہوا ہے مسلمانوں کا اور آریوں اور عیسائیوں کا تو مسلمانوں نے مولانا کو بھی بلایا تھا، مولانا تشریف لے گئے مگر وقت سے کچھ ہی پہلے پہنچے تھے اس لئے آپ سیدھے میدان مناظرہ میں تشریف لے گئے، صورت سے کسی نے بھی نہ پہچانا کہ یہ کوئی عالم ہیں۔ ایک نیلی لنگی موٹی سی سر پر ڈال رکھی تھی اس شان سے آپ پہنچے۔ لوگ سمجھے کہ کوئی معمولی آدمی ہیں مگر آپ کا سادہ حسن تکلف والوں کے حسن سے بڑھا ہوا تھا، بڑے بڑے جبے عمامے والے مولوی آپ کے حسن خداداد کے سامنے گرد تھے کیونکہ

حُسْنُ الْحَضَارَةِ مُجْلُوبٌ، بِنَظَرِيَّةٍ وَفِي الْبَدَاوَةِ حُسْنٌ، غَيْرُ مُجْلُوبٍ  
(شہریوں کا حسن بناوٹی ہوتا ہے اور دیہاتیوں کا حسن خداداد ہے)۔ (العمرہ بذب البقرہ ج ۲۳)

## اخلاق کے مراتب

اخلاق کے اندر دو مرتبے ہیں ایک نفس اخلاق دوسرے عمل مقتضی الاخلاق یہ بات جو میں کہتا ہوں بڑے کام کی ہے جو مصیبت میں پھنسا ہوگا اس کو اس کی قدر ہوگی اور ان شاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ خود وجود اخلاق رذیلہ مذموم نہیں ہے، ہاں عمل مقتضی الاخلاق الرذیلہ مذموم و منہی عنہ ہے مثلاً وجود غصہ کا مذموم نہیں لیکن اس کے بے محل صرف کرنا ناجائز ہے۔ مجاہدے سے پہلے بے موقع غصہ چلاتا تھا اب موقع پر چلاتا ہے نہ یہ کہ بے موقع کبھی آتا کبھی آتا نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) تو اخلاق رذیلہ کے ازالہ پر اس کو قدرت نہیں ہاں اُن کو بے محل صرف نہ کرنے پر قدرت ہے اس لئے صرف اسی کی تکلیف دی گئی ہے جب یہ بات ہے تو ان اخلاق رذیلہ کے ابھرنے اور ان سے متاثر ہو جانے سے غمگین اور ناامید ہونا محض بے وجہ ہے مثلاً کسی کو نصیحت کی گئی اور اس کے نفس پر طبعاً گراں ہوئی۔ چہرہ پر تغیر آ گیا۔ مگر نصیحت کی مخالفت نہیں کی تو کچھ مضائقہ نہیں اور کچھ مواخذہ نہیں ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ وَالْكُظُمِينَ الْغِيظَ تعالیٰ فرماتے ہیں یعنی جب وہ غصہ کو ضبط کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اچھے لوگوں کو بھی غصہ آتا ہے مگر ان میں اور دوسروں میں فرق یہ ہے کہ اور لوگ ضبط کے موقع پر

بھی ضبط نہیں کرتے اور یہ حضرات ضبط کرتے ہیں بلکہ اسے ترجیح اس حالت کو معلوم ہوتی ہے کہ غصہ رہے ورنہ ضبط اور صبر کی فضیلت کیسے حاصل ہوگی۔ (اطلاع الاحکام ج ۲۳)

## اخلاق ذمیمہ کا صرف امالہ مطلوب ہے

حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اخلاق ذمیمہ کا رہنا ضروری ہے اور شیخ کامل کا کام ان کا ازالہ نہیں بلکہ اسکا کام ان کا امالہ ہے یعنی ان کا معرف بدل دینا مثلاً بخل ہے پہلے حقوق واجبہ میں بخل تھا اب منہیات و محرمات میں اس کو صرف کرنے لگا اور واجبات میں اگر اس کا تقاضا بھی ہوتا ہے تو اس کا استعمال نہیں کرتا تو اگر یہ صفت ہی نہ رہے تو محرمات میں امساک مال کس قوت سے کر لے اسی طرح غصہ رہنا چاہیے کیونکہ اگر غصہ نہ ہو تو مخالف کی مدافعت ضروریہ کیسے کر سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک سانپ کسی بزرگ کا مرید ہو گیا تھا ان بزرگ نے اس سے عہد لیا کہ کسی کو ستانا مت اس نے عہد کر لیا چند روز بعد پیر کا ادھر گذر ہوا دیکھا کہ وہ پڑا ہوا ہے پوچھا کیا حال ہے کہا حضرت یہ بیعت کی برکت ہے میں عہد کر لیا تھا جس کی خبر جانوروں کو ہو گئی اس لئے جانور بہت ستاتے ہیں ان بزرگ نے کہا کہ بندہ خدا میں نے تو کاٹنے سے منع کیا تھا۔ پھنکارنے سے تو منع نہ کیا تھا۔ پھنکارنے کی اجازت ہے پس انسان کے اندر کچھ حرکت ضرور ہونا چاہیے۔

## حضرت امام حسینؑ کا اپنے غلام سے عفو و درگزر

ایک بار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے اور مہمان بھی حاضر تھے۔ غلام کا پاؤں پھسلا اور شور بہ کا پیالہ حضرت امام کے اوپر گرا۔ حضرت نے اس کو نظر تادیب سے دیکھا۔ غلام نے فوراً یہ آیت پڑھی وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ یعنی اللہ تعالیٰ مدح فرماتے ہیں غصہ پینے والوں کی۔ اللہ اکبر اس وقت کے غلام بھی ایسے ہوتے تھے کہ اس وقت آقا بلکہ بزرگ بھی ایسے نہیں۔ ہر بات میں قرآن و حدیث ہی ان کی زبان پر تھا۔ قرآن شریف سنتے ہی حضرت امامؑ نے فرمایا کظمت غیظی یعنی میں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا۔ پھر غلام نے پڑھا وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدح فرماتے ہیں جو لوگوں کا قصور معاف فرمانے والے ہیں۔ فرمایا عفو عنک یعنی میں نے تجھ کو معاف کیا۔ پھر اس نے



آگے پڑھاؤ اللہ یُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ یعنی اور اللہ احسان کرنے والے بندوں کو چاہتے ہیں فرمایا اعتقتک یعنی میں نے تجھ کو آزاد کیا۔ (الظلم ج ۲۳)

لیکن باوجود اس کے حضورؐ نے اپنی عمر کے ۶۳ سال اس حالت سے گزار دیئے کہ کسی کو اُف تک نہیں فرمایا۔ اپنے اہل کے ساتھ حضورؐ اس قدر نرم تھے اور اس قدر دلجوئی فرماتے تھے کہ حضرت عائشہؓ نو برس کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آئی تھیں۔ آپ ایک مرتبہ ان کے ساتھ دوڑے تھے، نیز آپ اپنے گھر کا خود کام بھی کر لیتے تھے بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔ اپنی جوتی سی لیتے تھے جھاڑو دے لیتے تھے۔ (الظلم ج ۲۳)

## خوف کو ترک معاصی میں بڑا دخل ہے:

معصیت میں مطلوب یہ ہے کہ اس کو ترک کیا جائے اور معاصی کے ترک پر ثواب و رضاء قرب کا وعدہ تو رغبت کی وجہ سے معاصی کو ترک کرے گا اور خوف کی وجہ سے ان کے فعل سے رکے گا، کیونکہ گناہوں کے ارتکاب پر عذاب کی وعید ہے، اس طرح سے یہ رغبت اور خوف دونوں مل کر انسان کو طاعات میں مشغول اور معاصی سے متنفر بنادیں گے اور یہ دونوں مستقل طریقے ہیں، ان میں سے اگر ایک بھی حاصل ہو جائے وہ بھی اتباع احکام کے لئے کافی ہو جائے گا کیونکہ اگر صرف خوف ہی ہو اور رغبت نہ ہو تو جب بھی گناہوں سے بچے گا اور طاعات کو ترک نہ کرے گا

## غیبت کا منشاء کبر ہے:

غیبت کا منشاء کبر ہے کیونکہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھے گا جنہی اس کی برائی کرے گا۔ چنانچہ جن کو اپنے سے افضل سمجھا جاتا ہے ان کے واقعی عیوب میں بھی تاویل کر لی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہر شخص کو اپنے سے اچھا سمجھا جائے تو اس کی غیبت اور برائی پر جرأت نہ ہو اس کے ہر عیب میں کوئی نہ کوئی تاویل ضرور کر لی جاتی مگر آج کل کبر کا مرض عام ہے، ہر شخص اپنے کو دوسروں سے افضل سمجھتا ہے اس لئے غیبت کی بھی کثرت ہے اور چونکہ کبر میں نفس کو حظ ہوتا ہے اس لئے غیبت کر کے جی برا بھی نہیں ہوتا جب فخر کے ساتھ گناہ ہوگا تو جی کہاں برا ہوگا اور ظاہر ہے کہ گناہ پر فخر کرنا سخت گناہ ہے اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ حدیث میں غیبت کو زنا سے بدتر کہا گیا ہے کیونکہ زنا کا خاصہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں ندامت اور

شرمندگی پیدا ہوتی ہے، اسی لئے کھلم کھلا اس کا ارتکاب نہیں کیا جاتا، چھپ چھپا کر پردہ میں کیا جاتا ہے کہ کہیں کسی کو خبر نہ ہو جائے بلکہ زنا کر کے انسان خود اس عورت کی نظروں میں بھی اپنے آپ کو ذلیل سمجھتا ہے، جس سے یہ حرکت کرتا ہے تو اس پر فخر نہیں کر سکتا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## غیبت حق العبد بھی ہے:

زنا میں صرف خدا کا گناہ ہے جس کو اگر وہ چاہیں معاف کر سکتے ہیں، اور غیبت میں خدا کا بھی گناہ ہے اور بندے کا حق بھی ہے، اس کو حق تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں فرمائیں گے جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی گئی ہے اور بندہ محتاج ہے، نہ معلوم قیامت میں وہ اس شخص کی نیکیاں ملتی ہوئی دیکھ کر معاف کرے یا نہیں، اگر اس کی ساری ہی نیکیاں مل گئی تو یہ میاں بالکل خالی ہاتھ ہی رہ جائیں گے اس لئے اس گناہ سے بچنے کی بہت ہی فکر چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اندر سے کبر کا مادہ نکالے اس کے بغیر غیبت نہیں چھوٹ سکتی، تکبر کے ہوتے ہوئے اگر غیبت چھوٹے گی بھی تو دو چار دن سے زیادہ نہیں چھوٹے گی، پھر چونکہ مادہ کبر کا اندر موجود ہے وہ پھر اس کو اسی میں مبتلا کر دے گا۔ افسوس یہ ہے کہ آج کل ہم لوگوں نے دین فقط تسبیحوں اور نفلوں کو سمجھ لیا ہے، دل کی اصلاح کو ضروری ہی نہیں سمجھتے اور میں سچ کہتا ہوں کہ دل کی اصلاح کے بغیر ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہو سکتے اور دل کی اصلاح کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اندر خدا کی محبت اور خوف اور فکر آخرت پیدا کیا جائے، جب دل پر محبت اور خوف اور فکر سوار ہو جائے گا تو بہت جلد اس کی اصلاح کی امید ہے۔ امراض قلب کی زیادہ تر وجہ بے فکری ہے، جب دل فکر سے خالی ہوتا ہے تو اس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مگر فکر سے مراد فکر آخرت ہے ورنہ دنیا کی فکر تو اس کے لئے سم قاتل ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## بدگمانی بڑا جھوٹ ہے:

ایک عام گناہ جس میں بکثرت ابتلاء ہے یہ ہے کہ بے تحقیق کوئی بات سن کر کسی کی طرف منسوب کر دی یا بدگمانی پکالی۔ تحقیق کا مادہ ہی آج کل نہ رہا۔ بس کسی سے کچھ سن لیا اور اٹکل پچو گھوڑے دوڑا لئے۔ قرآن و حدیث میں اس کی سخت ممانعت ہے اور بہت ہی تاکید کے ساتھ

تحقیق کا حکم ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تقف ما ليس لك به علم یعنی جس بات کی پوری تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔ ایک آیت میں ارشاد ہے یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا یعنی اگر کوئی فاسق فاجر کوئی خبر لاوے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ حدیث میں ہے ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (الصحيح للبخاری ۵: ۴) بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بھی بڑا جھوٹ ہے مگر آج کل بدگمانی کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ پھر بدگمانی بھی کسی بڑی وجہ سے نہیں کی جاتی ذرا سا اشارہ سن لیا اور طومار باندھ دیا، یاد رکھو یہ بہت سخت گناہ ہے ان باتوں سے احتیاط کرو ورنہ سارا تقویٰ و طہارت دھرا رہ جائے گا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

## مدرسہ دارالعلم ہے:

تعدد فی نفسہ تو برانہ تھا کیونکہ مدرسہ دارالعلم ہے اور دین کے لئے علم کی ضرورت ہے، تو جتنے دارالعلم زیادہ ہوں گے اتنے ہی دین کی قوت ہوگی اور اس کی نظیر بھی موجود ہے۔ دیکھئے ایک شہر میں بلکہ ایک قصبہ میں مسجدیں متعدد ہوتی ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا بلکہ کسی کا دل نہیں کھٹکتا پھر مدارس نے کیا قصور کیا ہے مسجد دارالعمل ہے اور مدارس دارالعلم تو جیسے دارالعمل کا تعدد دین کے لئے مضر نہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے آرام دہ ہے اور ترقی دین کی علامت ہے ایسے ہی دارالعلم کا تعدد بھی دین کے لئے مفید اور علامت ترقی ہونا چاہئے لیکن عجیب بات ہے کہ مساجد کے تعدد سے کوئی نہیں کھٹکتا اور مدارس کے تعدد سے کھٹکتے ہیں۔ یہ بات دراصل بے بنیاد بھی نہیں ہے اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ عادتاً تعدد مساجد کی بنا ان باتوں پر نہیں ہوتی جن پر تعدد مدارس کی بنا ہوتی ہے یعنی باہمی مخالفت اور جاہ اور بڑائی، اس واسطے مساجد سے کوئی نہیں کھٹکتا اور مدارس سے کھٹکتے ہیں اور جہاں کہیں مساجد میں بھی یہ خرافات شامل ہو جاتی ہیں اور تعدد کی بنا جاہ اور بڑائی پر ہو جاتی ہے تو وہاں مساجد کی بھی یہی گت ہو جاتی ہے کہ ہر شخص ان کو بری نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ (السوق لاهل الشوق ج ۲۴)

## اتفاق کی اصل:

حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں مگر جو اصل ہے اتفاق کی اس سے بہت دور ہیں تو اتفاق کی اصل تو واضح ہے جن دو شخصوں میں

تواضع ہوگی ان میں نا اتفاقی نہیں ہو سکتی اور تواضع کی ضد تکبر ہے جہاں تکبر ہوگا وہاں اتفاق نہیں ہو سکتا اب لوگ ہر بات میں تکبر کو اختیار کرتے ہیں اور اور زبان سے اتفاق اتفاق پکارتے ہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے اگر دونوں تواضع سے کام لیں تو اتفاق قائم رہے اور تواضع جب ہوتی ہے جبکہ حب مال و جاہ نہ ہو اور جہاں مال و جاہ کا دخل ہوگا وہاں نزاحم ضرور ہوگا۔ یہ حب مال و جاہ فساد کی جڑ ہیں اگر یہ نہ ہوں تو خدا کی قسم کہ نزاحم کبھی نہ ہو (السوق لاهل الشوق ج ۲۴)

## کبر سے احتراز کی ضرورت

لوگ کفر سے تو بچتے ہیں اور اس کے نام سے بھی ڈرتے ہیں جو ایک شاخ ہے کبر کی اور کبر سے نہیں بچتے اور اس سے نہیں ڈرتے حالانکہ وہ اصل ہے کفر کی، حیرت ہے شاخ سے تو ڈرا جائے اور جڑ سے نہ ڈرا جائے۔ یہ ایسا ہوا جیسے کوئی جلیبی اور قلاقند سے تو بچے لیکن گڑ خوب کھاوے۔ (السوق لاهل الشوق ج ۲۴)

## کبر دلوں کے اندر ایک چنگاری ہے:

کبر دلوں کے اندر ایک چنگاری ہے جو راہ سے دبی ہوئی رکھی ہے۔ اس کا انتظار نہ کیجئے کہ جب وہ ظاہر ہوگی اور آگ بھڑک اٹھے گی، اس وقت بچالیں گے کیونکہ جس وقت آگ بڑھک اٹھتی ہے پھر کسی کے بس میں نہیں آتی۔ مال اور اسباب کو تو جلاتی ہی ہے، بجھانے والے کو بھی لپیٹ لیتی ہے۔ آگ سے زیادہ چنگاری سے حفاظت کیجئے کیونکہ آگ کی طرف تو التفات ہوتا بھی ہے اور آدمی اس سے ہوشیار ہو ہی جاتا ہے مگر چنگاری کی طرف التفات کم ہوتا ہے اور وہ دبے ہی دبے اپنا کام کر جاتی ہے تو اس کا انتظار کیوں کیا جائے کہ جب کفر تک نوبت آئے گی اس وقت تکبر کا علاج کر لیں گے، پہلے ہی سے اس کی تدبیر کیوں نہ کی جائے تاکہ کفر تک نوبت ہی نہ آئے۔ مولانا کہتے ہیں:۔

علت ابلیس انا خیر بد است ایں مرض در نفس ہر مخلوق ہست

”ابلیس کی بیماری اپنے کو بہتر سمجھنے کی تھی اور یہ مرض ہر مخلوق کے اندر موجود ہے۔“

(السوق لاهل الشوق ج ۲۴)

عجیب بات ہے کہ یہی سب سے خطرناک چیز ہے اور اسی کا علاج نہیں کیا جاتا۔ اچھے



اچھے نمازی اور پرہیزگار ہیں جن کے لوگ معتقد ہیں مگر ان کے اندر یہ بلا بھری ہوئی ہے کہ اس کو کچھ گناہ اور عیب ہی نہیں سمجھا جاتا، معمولی گناہوں سے بچتے ہیں اور کبر جیسے گناہ کی کچھ پرواہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دین نام رکھا گیا ہے صرف اعمال ظاہری کا اور اعمال باطنی کو دین کے اندر داخل ہی نہیں سمجھا جاتا۔ پس نیچا کرتا پہن لیا اور پانچوں وقت کی نماز پڑھ لی اور پاجامہ شرعی پہن لیا اور اپنے آپ کو شبلی وقت سمجھنے لگے خواہ باطنی معاصی میں سر سے پیر تک آلودہ ہوں اور یہ حالت ہو جو ایک بزرگ کہتے ہیں:-

از بروں چوں گور کافر پر حلل و اندروں قہر خدائے عزوجل  
 ”باہر سے مثل کافر کی قبر کے خوب زینت ہے اور اندر خدائے تعالیٰ کا قہر ہو رہا ہے۔“  
 از بروں طعنہ زنی بر بایزید وز درونت تنگ می دارد یزید  
 ”باہر سے تو ایسے صوفی کہ بایزید بسطامی کو بھی شرمندہ کریں اور باطنی حالت اس قدر خراب کہ یزید بھی شرمندہ ہو جائے۔“

بعض اوقات راستے میں اس طرح دبے ہوئے اور جھکے ہوئے چلتے ہیں جن سے معلوم ہو کہ بڑے متواضع ہیں حالانکہ دل میں یہ ہوتا ہے کہ اسی متواضعانہ ہیئت کو دیکھ کر لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھیں۔ یہ ایک کبر دقیق ہے اس کا پتہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کے ایک مقولے سے چلا، فرمایا تھا کہ بعض کبر بصورت تواضع ہوتا ہے جیسا کہ بعض شخصیں میں دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی مجمع میں پہنچے تو صفِ نغال میں بیٹھ گئے، اس کے سوا کوئی جگہ ہی نہیں اختیار کرے، لوگ جانتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہیں یا وضع قطع اور صورت و شکل سے بھی سفید پوش اور شریف پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں، پڑھے لکھے کی صورت چھپتی نہیں ہے اب لوگ اصرار کرتے ہیں کہ حضرت یہاں تشریف لائے صدر مقام پر بیٹھے آپ کہاں بیٹھ گئے، ہم سب کو شرمندہ کر دیا، یہ جگہ آپ کے بیٹھنے کی نہیں۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے بڑا رتبہ دیا ہے مگر یہ ہیں کہ جوں جوں اصرار ہوتا جاتا ہے اور اسی جگہ پر جے جاتے ہیں اور نہایت عاجزی سے کہتے ہیں کہ بھائی میں تو اس جگہ کے بھی قابل نہیں، من آنم کہ من دانم (میں اپنے آپ کو خوب جانتا ہوں) سفید کپڑوں کو یا ظاہری تقدس کو مت دیکھو، اندر تو میرے سارے عیب ہی بھرے ہوئے ہیں۔ (سچ کہتا ہے واقعی سارے عیب

ہی بھرے ہوئے ہیں کیونکہ ام العیوب یعنی کبر موجود ہے (کتنا ہی کہئے مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے بلکہ اور نیچے کو کھسکتے جاتے ہیں، یہ وہی کبر ہے جس کو مولانا نے فرمایا کہ بعض کبر بصورت تواضع ہوتا ہے، صورت تو ایسی کہ بالکل سراپا متواضع معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگ ہم کو متواضع سمجھیں اور اس طرح ان کے دلوں میں ہماری وقعت اور بڑائی آجائے تو بڑائی مقصود ہوئی نہ تواضع یہ کبر بڑا خطرناک ہے۔ (السوق لاهل الشوق ج ۲۷)

## تکبر تمام اخلاق ذمیمہ کا اصل الاصول ہے:

اور اصل الاصول تمام اخلاق ذمیمہ کی کبر ہے اور اس کے شعبے اس قدر مخفی ہیں کہ بڑے بڑے علم والوں کو بھی پتہ نہیں چلتا جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ بہت سے لوگوں میں کبر بصورت تواضع ہوتا ہے اور اس وصف میں اہل علم زیادہ حصہ رکھتے ہیں اور دیاسلانی کے مصالح کی طرح یہ مادہ سب میں موجود ہے کسی کو بے فکر نہ ہونا چاہئے نہ معلوم کس وقت رگڑ لگ جاوے اور جل اٹھے اور سب خانما کو پھوک دے۔ یہ کبر وہ چیز ہے جو سبب ہوا ہے ابلیس کے کافر ہونے اور رجم ہونے کا۔ حق تعالیٰ نے اس کے اور اس کے تمام شعبوں کی برائی بیان فرمائی ہے فہنس مثنوی المتکبرین میں اور چونکہ تمام اخلاق ذمیمہ کبر ہی سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے (السوق لاهل الشوق ج ۲۷)

## شیخی عورتوں کی سرشت میں داخل ہے:

عورتوں کے بڑے اختیارات زبان پر ہوتے ہیں جب ذرا سی بات پر اسی ماما کو دے دوں پھوٹی خاک ملی چھاڑو ماری کہہ ڈالتی ہیں تو یہ تواضع کیسی؟ اصل یہ ہے کہ تواضع وغیرہ کچھ نہیں حقیقت اس کی بے حسی ہے کیونکہ تواضع اور شیخی ضدیں ہیں دونوں جمع نہیں ہو سکتیں، دیدوں پھوٹی کہنے کے وقت تو اس کو جوتی کے برابر بھی نہیں سمجھتیں جو کہ یقیناً شیخی ہے اور باوجود اس کے اس کو سرہانے بٹھاتی ہیں جب شیخی موجود ہے تو اس کی ضد کیسے موجود ہو سکتی ہے تو ضرور اس سرہانے بٹھانے کی وجہ تواضع کے سوا کچھ اور ہے اور وہ بجز بے حسی کے اور کیا ہے۔ کوئی کام بھی اپنے موقع پر نہیں۔ شیخی جس موقع پر کار آمد ہے یعنی حفظ مراتب میں وہاں اس کا ظہور نہیں ہوتا وہاں بے نفس بن جاتے ہیں۔ یہ بے نفسی نہیں بلکہ بے حسی اور بے

تمیزی ہے اور جس موقع پر شیخی مذموم اور ممنوع ہے وہاں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ذمہ عورتوں کی تو گویا سرشت میں داخل ہے۔ اٹھنے میں بیٹھنے میں بولنے چالنے میں اور زیور میں تو ایسا اس شیخی کو نباھا ہے کہ اس کی بناوٹوں کی بناء اسی پر وہ زیور بلا باجہ کا نہ پہنیں گی۔ باجہ میں فائدہ یہ ہے کہ جب کہیں جائیں تو پہلے سے مردوں عورتوں سب کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ہو جائے جب کہیں جائیں گی تو ڈولی سے اترتے ہی گھر میں اطلاع کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ بیگم صاحبہ آئی ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ کون سے ملک کی بیگم ہیں یا یہ لفظ نواب بے ملک کا ترجمہ ہے وہاں پہنچ کر ایسی جگہ بیٹھیں گی کہ سب کی نظر ان پر پڑے۔ ہاتھ کان ضرور دکھلائیں گی۔ ہاتھ گوڈھکے ہوئے ہوں مگر گرمی کے بہانہ یا کسی ضرورت کے بہانے کھول کر ضرور دکھلائیں گی کہ ہمارے پاس اتنا زیور ہے اور اگر کوئی بی بی بہت ہی مہذب ہوئیں اور قسمت سے بہشتی زیور پڑھی ہوئی ہیں اور دکھاوے اور شیخی کی مذمت ان کو یاد ہوئی تو خدا سلامت رکھے باریک کپڑوں کو وہ ان کے بالا ارادہ ہی سب بناؤ سنگار دکھلا دیتے ہیں اور اگر کسی کی نظر نہ بھی پڑی تو کھجلی اٹھا کر کان تو دکھا ہی دیں گی جس سے اندازہ کیا جاوے کہ جب اتنا زیور ان کے کانوں میں ہے تو گھر میں روپیہ تو نہ معلوم کتنا ہوگا۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا چاہے گھر میں خاک نہ ہو روپیہ کے بجائے چوہے ہی فلا بازیاں کھاتے پھرتے ہوں۔ یہ گناہ تو ہاتھ پیر سے کئے پھر وہاں بیٹھتے ہی سوائے غیبت کے اور دوسرا مشغلہ ہی نہیں۔ ان عورتوں کو شیخی کے مواقع دو ملتے ہیں۔ خوشی کا اور ایک غمی کا، انہی دو موقعوں میں اجتماع ہوتا ہے۔ (دواء العیوب ج ۲۳)

## دین دار اور تعلیم یافتہ عورتوں میں بھی شیخی کا مرض ہے:

خاوند پر تفاخر، جائیداد پر تفاخر، مکان پر تفاخر، نسب پر تفاخر، اور یہ مرض جاہل عورتوں تک محدود نہیں، لکھی پڑھی عورتوں میں بھی موجود ہے۔ حتیٰ کہ جو اپنے کو دین دار اور عالم سمجھتی ہیں ان میں بھی موجود ہے۔ مجموعوں میں بیٹھ کر کہتی ہیں میں نے مشکوٰۃ شریف پڑھی ہے۔ میں نے جلالین شریف پڑھی ہے۔ ایک جگہ کی عورتیں بہت تعلیم یافتہ اور دیندار ہیں اور باعمل بھی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آج کل عمل بالدين کے معنی صرف نماز، روزہ کے رہ گئے ہیں باقی رہے اخلاق سوان کی طرف کسی کا یہ خیال بھی نہیں جاتا کہ ان کو بھی کچھ دین



سے علاقہ ہے۔ خیر جو معنی بھی ہوں وہاں کی عورتیں بہت دیندار ہیں۔ ان عورتوں نے مجھ سے وعظ کی فرمائش کی تو مجھ کو بہت سوچنا پڑا کہ ان کو کس چیز کی اصلاح کی ضرورت ہے جس کا میں بیان کروں۔ بہت سوچ کر سمجھ میں آیا کہ اور ظاہری امراض ان میں نہ سہی مگر شیخی اور فضول خرچی ان میں ضرور ہے۔ میں نے اسی کا وعظ کہا اس کو سن کر ان مستورات نے میرے پاس کہلا بھیجا کہ ہماری آج آنکھیں کھلیں اور مجھے یہ عیب اس طرح معلوم ہوا تھا کہ ہمارے یہاں وہ عورتیں ایک روز صبح سے شام تک رہیں اور یہی مشغلہ رہا۔ ایک کہتی تھی کہ میں نے مشکوٰۃ شریف پڑھی ہے۔ دوسری کہتی تھی کہ میں نے شرع وقایہ پڑھا ہے۔ تیسری کہتی تھی میں نے جلالین شریف پڑھی ہے۔ میں نے دل میں دعا کی اے اللہ ان کے منہ سے وعظ کی فرمائش ہو۔ چنانچہ شام ہی کو وعظ کی فرمائش ہوئی۔ بیان ہوا، الحمد للہ بہت نفع ہوا، سب نے بہت دعائیں دیں۔ یہ ان کے قرآن و حدیث کے پڑھنے کی برکت تھی کہ ان کو نفع محسوس ہوا اور کہنا بھی دلسوزی سے تھا، اس کا بھی اثر ہوتا ہے جب پڑھی لکھی اور دیندار بیبیوں تک میں تفاخر اس طرح رچا ہوا ہے تو دنیا داروں میں کیوں نہ ہو۔ اسی تفاخر سے عورتوں کو بار بار کپڑے بدلنا گھنٹوں وقت اس میں صرف کرنا زیور بہت وزنی لا دنا باوجودو فی نفسہ شاق ہونے کے ان کو آسان ہے۔ غرض ہر کام میں شیخی اور تفاخر موجود ہے۔ عورتوں میں زیادہ اور مردوں میں بھی کافی درجہ میں ان شادی بیاہ کی رسموں کو اور تقریبات کو دیکھ لیجئے کہ ہر قسم کا مبنی تفاخر ہی پر ہے۔ جہیز دیں گے بیٹی کو لیکن دکھائیں گے تمام برادری کو ایک جگہ نیو تہ دیا گیا جس میں تین گनियाں تھیں اول گनियाں دیں لیکن ساتھ ہی خیال آیا کہ تین گنیوں کو کون دیکھے گا اس واسطے ان کے روپیہ بھنا کر سینی میں رکھ کر بھیجے گئے تاکہ اہل مجمع کی نظریں تو پڑیں۔ بلجہ گلجہ اور جتنے سامان شادی بیاہ کے ہیں سب کی بناء اسی تفاخر اور نمود پر ہے اور یہ تفاخر گو مرد بھی کرتے ہیں مگر اصل جڑ اس میں عورتیں ہی ہیں۔ یہ اس فن کی امام ہیں اور ایسی مشتاق اور تجربہ کار ہیں کہ نہایت آسانی سے تعلیم دے سکتی ہیں جو آدمی جس فن کا ماہر ہوتا ہے اس کو اس فن کے کلیات خوب منکشف ہوتے ہیں۔ یہ ایک کلیہ میں سب کچھ سکھا دیتی ہیں جب ان سے پوچھا جائے کہ شادی بیاہ میں کیا کیا کرنا ہے تو ایک ذرا سا کلیہ چٹکلہ سا بتا دیتی ہیں کہ زیادہ نہیں اپنی شان کے موافق تو کر لو یہ کلیہ نہیں بلکہ کاہیا ہے



اور کھیا بھی ایسی ہے کہ ہاتھی بھی اس میں سما جاوے۔ یہ تو اتنا سا جملہ کہہ کے الگ ہو گئیں کرنے والوں نے جب اس کی شرح پوچھی تو وہ اتنی طویل ہوئی کہ ہزاروں جزئیات اس میں سے نکل آئیں جن سے دنیا کی بھی بربادی ہوئی اور آخرت کا بھی کوئی گناہ نہیں بچا یہ شیطان کا سا شیرہ ہے جس کا ایک قصہ ہے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

## بخل طبائع پر غالب ہے:

لوگ عبادات مالیہ میں کوتاہی زیادہ کرتے ہیں کیونکہ عام طور سے بخل طبائع پر غالب ہے جان دینا اور بدن پر مشقت برداشت کر لینا تو ان کو آسان ہے مگر روپیہ اور مال خرچ کرنا دشوار ہے۔ جیسا مولانا نے ایک بدوی کا قصہ لکھا ہے کہ سفر میں ایک کتا اس کے ساتھ تھا۔ راستہ میں بھوک کی وجہ سے وہ مرنے لگا تو بدوی رونے لگا۔ کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو کہا یہ کتا میرا رفیق سفر تھا۔ اب یہ مر رہا ہے اس لئے رو رہا ہوں۔ پوچھا اس کو مرض کیا ہے؟ کہا اس کا مرض جوع الکلب ہے یعنی بھوکا ہے۔ سائل کو بھی یہ سن کر رحم آیا۔ اس نے ایک طرف بڑا سا بورا رکھا ہوا دیکھا۔ پوچھا اس بورے میں کیا ہے۔ کہاں اس میں سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے ہیں۔ اس نے کہا پھر تو دو چار ٹکڑے اس کتنے کو کیوں نہیں دے دیتا جس سے تجھے اتنی محبت ہے کہ اس کے مرنے پر رو رہا ہے۔ کہا واہ صاحب واہ روٹی میں تو میرے دام لگے ہیں آنسوؤں میں کون سے دام لگے ہیں اس لئے مجھے رو لینا آسان ہے روٹی نہیں دے سکتا۔ مولانا نے اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

گفت ناید بے درم در راہ ناں لیک ہست آب دو دیدہ رائے گاں

اس نے کہا کہ بغیر درم کے روٹی نہیں آتی لیکن دو آنسو مفت کے ہیں

خیر اس بدوی نے تو بخل کی حد ہی کر دی مگر یہ ضرور ہے کہ بخل عام طور پر طبائع پر غالب ہے اور اکثر آدمیوں کو روپیہ پیسہ ہاتھ سے نکالنا گراں ہوتا ہے۔ ہاں نماز یا قرآن جتنا چاہو پڑھو الو، اسی واسطے اکثر سود خوار بخیل نمازی اور روزہ دار بہت دیکھے جاتے ہیں۔

اخفاء کی حالت برعکس ہے ان سے مال تو جتنا چاہو لے لو اور جان میں ایسے بخیل ہیں

(الجمعین بین الفعین)

## اخلاق مامون الرشید

مامون کے اخلاق بہت اعلیٰ درجہ کے تھے ایک دفعہ قاضی یحییٰ بن اکثم مامون کے یہاں مہمان ہوئے۔ رات کو انہیں پیاس لگی اور پیاس کی وجہ سے نیند نہ آئی۔ ادھر ادھر کروٹیں بدلنے لگے۔ مامون رشید نے پوچھا یا یحییٰ مالک متقلب نام لے کر پکارنا بے تکلفی کی وجہ سے تھا ورنہ خلیفہ کے دل میں قاضی صاحب کی جتنی عظمت تھی وہ ابھی معلوم ہو جائے گی۔ انہوں نے بتلایا کہ پیاس لگ رہی ہے۔ خلیفہ نے اس وقت کسی غلام کو آواز نہ دی کیونکہ تھوڑی ہی رات گزری تھی غلاموں کی آنکھ ابھی لگی تھی ان کو جلدی جگانا گوارا نہ ہوا تو خلیفہ آہستہ آہستہ خود اٹھے اور گلاس میں پانی لا کر قاضی صاحب کو خود پلایا۔ قاضی یحییٰ نے عرض کیا کہ امیر المومنین آپ نے کسی غلام کو آواز نہ دے دی۔ فرمایا ان کی ابھی آنکھ لگی ہے اس وقت ان کو جگانا مناسب نہ تھا۔ کہا پھر میں خود جا کر پی آتا ہوں۔ فرمایا تم مہمان تھے اور مہمان کا خود پانی پینے کو جانا اکرام ضیف کے خلاف تھا اور قاضی صاحب خود جاتے بھی تو کیا ہوتا ان کو پانی ملتا تھوڑا ہی کیونکہ محل شاہی اتنا وسیع اور بڑا ہوتا ہے کہ اس میں بدون کسی کے بتلائے کیا پتہ لگے کہ پانی کہاں ہے اور پاخانہ کہاں ہے۔ چنانچہ شاہ چین ایک دفعہ کسی دوسرے بادشاہ کے یہاں مہمان ہوا۔ رات کو پاخانہ کی ضرورت ہوئی اور جگہ معلوم نہ تھی بڑا پریشان ہوا، محل شاہی اتنا بڑا کہ وہاں بیسیوں درجہ طے کر کے زینہ ملتا ہے۔ پھر زینہ کے بعد نہ معلوم کتنے درجے ہوں گے۔ پاخانہ کی کیونکہ خبر ہوئی آخر کار جب کوئی جگہ نہ ملی تو اس نے اپنی چادر میں قضاء حاجت کی اور صبح کے وقت سویرے جنگل میں جا کر خود پھینک آیا اور اپنے ملک میں واپس آ کر اپنے ولی عہد کو یہ وصیت لکھی کہ جب کوئی تمہارے یہاں مہمان ہو تو سب سے پہلے اس کو پاخانہ بتلا دو اور تم بھی کہیں مہمان ہو تو سب سے پہلے پاخانہ دریافت کر لو ورنہ سخت مصیبت ہوگی۔ ہاں اگر چھوٹا گھر ہو تو سونگھ سونگھ کر شاید پتہ لگ جائے کہ پاخانہ کون سا ہے۔ بس جہاں سے بدبو آئے گی وہیں پاخانہ ہوگا مگر بعض دفعہ اس میں بھی غلطی کا اندیشہ ہے جیسے ایک آزاد شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا۔ واللہ علم صحیح تھا یا غلط مگر تکذیب کی وجہ بھی کچھ نہیں وہ کہتے تھے کہ میں اپنے دوست کی شادی میں بنگالہ گیا اور ان کے یہاں مہمان

ہوا۔ رات کو قضاء حاجت کی ضرورت ہوئی، پاخانہ معلوم نہ تھا، میں بڑا پریشان تھا، آخر کار سونگھنا شروع کیا۔ ایک گڑھے میں سے بدبو آئی تو میں سمجھا کہ یہی پاخانہ ہے۔ میں نے وہاں بیٹھ کر قضاء حاجت کر لی، صبح کو شادی کی تقریب میں ایک بڑے مجمع کی دعوت تھی۔ قسم قسم کے کھانے لائے گئے آخر میں کسی نے کہا کہ بھائی اچار بھی تولے آؤ۔ اب میں نے دیکھا کہ ایک شخص اسی جگہ گیا جہاں میں نے قضاء حاجت کی تھی اور اسی گڑھے میں سے جس میں پاخانہ کیا تھا کئی برتن بھر بھر کے لائے جب میں نے اس کی بدبو سونگھی تو یقین آ گیا کہ یہ تو وہی ہے، اب میں نے دیکھا کہ لوگ اس میں سے کھانے لگے۔ میں ڈر کے مارے خاموش رہا کہ اگر تو نے اپنی حرکت کی اطلاع کی تو لوگ تجھے ماریں گے اور وہ سب میرے سامنے اسی میں سے کھاتے رہے، اللہ معاف کرے۔ اس شخص نے بڑی غلطی کی ان کو واقعہ ظاہر کر دینا واجب تھا اور اپنا عذر بھی کہ مجھے اس کی بدبو سے یہ خیال ہوا کہ شاید یہ سنڈ اس ہے، بہر حال مامون رشید نے قاضی یحییٰ بن اٹم کو خود اپنے ہاتھ سے پانی پلایا اور یہ وہ سلاطین تھے جن سے بڑے بڑے سلاطین کانپتے تھے، مگر اس پر بھی علماء صلحاء کا اتنا ادب کرتے تھے کہ خود پانی پلایا، کسی غلام کو بھی نہ جگایا۔ بہر حال اخلاق یہ نہیں ہیں کہ تمہارے ہی ہو کر بیٹھ جائیں اور باتیں بنانے لگیں بلکہ اخلاق ملکات باطنہ کا نام ہے وَ الْمُؤَفُّونَ بَعْدَهُمْ إِذَا عَلَهِدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَ حِينَ الْبَأْسِ (اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ یہ کریں اور وہ صبر کر نیوالے ہیں جب کہ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں جب معاملہ کریں) میں انہی اخلاق کا ذکر ہے۔ آج کل ان کا پتہ ہی نہیں بلکہ بعض تو ان پر نکیر کرتے ہیں کہ یہ کہاں کی اصلاح ہے کہ خواہ مخواہ مسلمانوں پر بدگمانی کر کے حکم لگاتے ہیں کہ تم میں تکبر ہے تم میں حسد ہے، تم میں عجب ہے، تم کو بد نظری کا مرض معلوم ہوتا ہے۔ یہ محض بدگمانی ہے اور افسوس یہ ہے کہ ان نکیر کرنے والوں میں بعض وہ بھی جو اصلاحی مولوی ہیں اس لئے ان کی حالت عام معترضین سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ مولوی جب بگڑتا ہے تو بہت دور پہنچتا ہے اس وقت وہ مولوی سالار بخش صاحب کی اصطلاح کا مولوی ہو جاتا ہے، مولوی صاحب وعظ میں کہا کرتے تھے کہ آج کل جو کہ مولوی ہیں ان مولوی کی اصل بھی معلوم ہے۔ یہ لفظ ہے مولوی مو کہتے ہیں موسم کو اور لوی

کہتے ہیں بئیر کو، یہ تو موسم کی بئیریں ہیں۔ مولوی سالار بخش صاحب کو کچھ مراق تھا مگر بعض لطیفے ان کے بہت اچھے ہوتے تھے۔ بعض باتیں کام کی بھی کہتے تھے تو جو مولوی بگڑتا ہے وہ مولوی صاحب کی تفسیر کے موافق مولوی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے مولویوں نے فتویٰ لگا دیا کہ مشائخ بدگمانی سے مسلمانوں پر امراض قلبیہ کا حکم لگاتے ہیں اور بدگمانی حرام ہے۔ نص میں موجود ہے۔ ان بعض الظن اثم واجتنبوا کثیرا من الظن (بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں اور بہت سے گمانوں سے بچا کرو) مگر میں کہتا ہوں سخن شاش نہ دلبر اخطا میں جاست۔ بات یہ ہے کہ ان بعض الظن اثم کو پڑھا تم نے مگر سمجھا ہے مشائخ ہی نے، کیونکہ تمہارے پاس صرف الفاظ ہیں اور ان کے پاس معانی ہیں۔ دیوبند میں سے ایک رئیس مجھے کہنے لگے کہ تم لوگ حاجی صاحب کے پاس دوڑ دوڑ کر کیوں جاتے ہو وہ تو کچھ زیادہ پڑھے ہوئے بھی نہیں۔ حضرت نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا میں نے کہا کہ تم کو کیسے سمجھاؤں کہ حضرت کے پاس کیا چیز ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھو وہ یہ کہ ایک شخص تو وہ ہے جس کو مٹھائیوں کے نام خوب یاد ہیں مگر اس کے پاس کھانے کو کوئی مٹھائی بھی نہیں اور ایک وہ شخص ہے جس کے پاس قسم قسم کی مٹھائیاں موجود ہیں مگر اس کو نام معلوم نہیں اب تم بتلاؤ ان میں سے کون کس کا محتاج ہے۔ یقیناً جس کے پاس مٹھائیاں رکھی ہوئی ہیں اس کو نام یاد کرنے کی کچھ ضرورت نہیں اس کو ہر مٹھائی کی لذت حاصل ہے اور وہ مزے لے کر ہراک کو کھا رہا ہے۔ البتہ جس کو محض نام یاد ہے وہ اس کا محتاج ہے کیونکہ محض نام یاد کرنے سے اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا نہ کچھ لذت آ سکتی ہے۔ میں جب ڈھا کہ گیا تو نواب ڈھا کہ اپنی بیویوں سے قسم قسم کے کھانے پکوا کر میرے واسطے خود لایا کرتے تھے اور سامنے رکھ کر مجھ سے پوچھتے کہ بتلائیے کہ اس کھانے کے کیا اجزاء ہیں میں کہہ دیتا کھانے کی اجازت اس بتلانے پر موقوف ہے تو مجھ کو کھانے ہی کی ضرورت نہیں اور اگر موقوف نہیں تو پھر بتلانے کی ضرورت نہیں جب کہ اصل چیز میرے پاس آ چکی۔ نواب صاحب ہنستے اور ہر کھانے کا نام اور اجزاء بتلاتے۔ بے چارے بڑے بے نفس تھے کہ نواب ہو کر خود اپنے ہاتھ سے کھانا لاتے اور یہ بھی ان کی محبت تھی کہ اپنی بیگمات سے خاص طور پر میرے واسطے کھانے پکواتے تھے۔ غرض اہل ظاہر کی اہل اللہ کے سامنے وہ مثال ہے کہ کسی کو مٹھائی کے نام تو یاد ہوں مگر



آنکھ سے کبھی نہ دیکھی ہوں اور اہل اللہ کو نام تو یاد نہیں مگر حقیقت ان کے پاس موجود ہے اس لئے وہ ہمارے محتاج نہیں اور ہم ان کے محتاج ہیں (المجمعین بین الفعین)

## مرض بخل:

ایک مرض کی طرف اس وقت متوجہ کرتا ہوں اور وہ مرض بخل کا ہے جو ہم طالب علموں کے طبقہ میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ہم لوگوں میں پوری سخاوت نہیں ہے حتیٰ کہ عوام میں مشہور ہو گیا کہ علماء کنجوس بہت ہوتے ہیں۔ گو اس دعوے کی دلیل میں وہ بعض ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن کا منشاء بخل نہیں بلکہ انتظام ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کو علماء کے اس فعل پر اعتراض ہے کہ یہ لفافوں کو الٹ کر دوبارہ کام میں لے آتے ہیں۔ میں ایسا بہت کرتا ہوں اور میں نے یہ طریقہ حضرت استاد سے سیکھا ہے۔ مولانا کی عادت تھی کہ لفافوں کو الٹ کر دوبارہ کام میں لے آتے تھے۔ اسی وقت سے مجھے بھی اس کی عادت ہے۔ سو یہ اعتراض تو لغو ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ایسے کام میں انگریزوں کی تو تعریف کی جائے اور مولویوں کو الزام دیا جائے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ یہ جو کاغذ بن کر آتا ہے اس میں حیض کے چیتھڑوں اور گوڈر کو کام میں لایا جاتا ہے۔ لکھنؤ میں کاغذ بننے کی مشین تھی۔ میں نے وہاں جا کر خود اس کا مشاہدہ کیا ہے اور اس پر لوگ تعریف کرتے ہیں کہ انگریز بڑے عاقل ہیں، کسی چیز کو ضائع نہیں کرتے۔ ہر چیز کو خواہ کیسی ہی بے کار ہو کام میں لے آتے ہیں۔ نیز ہم نے سنا ہے کہ ولایت میں درختوں کی چھال سے بھی کاغذ بنتا ہے جو ہمارے یہاں بے کار شمار ہوتی ہے نیز ہمارے بھائی ایک ریاست میں ملازم تھے۔ زمانہ جنگ میں کاغذ بہت گراں ہو گیا تھا تو انہوں نے ہم طالب علموں سے سیکھ کر یہی عمل شروع کیا کہ لفافوں کو الٹ کر دوبارہ کام میں لانے لگے اور الٹے ہوئے لفافے کلکٹر کو دکھائے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور ان کی بہت مدح لکھی کہ ہمارے منیجر نے ایک مفید طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے ہم بہت خوش ہوئے۔ سب اہل ریاست کو اس طریقہ پر عمل کرنا چاہئے۔ لیجئے اب تو انگریزوں کا بھی فتویٰ ہو گیا اب تو ان لوگوں کو جو انگریزوں کے معتقد ہیں مولویوں کے اس فعل پر اعتراض کا حق نہیں رہا تو یہ کنجوسی نہیں ہے بلکہ انتظام ہے کہ مال کو اضاعت سے بچانا ہے

جب ایک لفافہ دو مرتبہ اس طرح کام دے سکتا ہے تو کیا وجہ کہ اس سے دوبارہ کام نہ لیا جاوے مگر دیکھنا یہ ہے کہ جو شخص لفافے اُلٹتا ہے وہ جیسا صرف میں منظم ہے ایسا آمد میں بھی منظم ہے تو اس کو یہ فعل مبارک ہے اور جو آمدنی میں حرام و حلال کی پروا نہیں کرتا محض صرف ہی میں منظم ہے تو واقعی طماع ہے۔ (الجمعین بین النفعین ج ۲۴)

## اخلاق باطنہ

اخلاق باطنہ کی حقیقت یہ ہے کہ اعمال باطنہ درست ہوں چونکہ اس سے علماء تک بھی غافل ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے کہ شرائط کمال میں ان کو بھی داخل فرمایا۔ چنانچہ اول و الْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا (اور وہ اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ عہد کریں) فرمایا اور اس سے آگے ارشاد فرمایا: وَ الصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَآءِ وَ حِينَ الْبَأْسِ (اور صبر کرنے والے ہیں سختی اور تکلیف میں اور جنگ کے وقت) یہی جزو اس وقت مقصود بالبیان ہے اور جو مضمون میں بیان کرنا چاہتا ہوں اس کو اسی جزو سے تعلق ہے۔ (الجمعین بین النفعین ج ۲۴)

## طاعت کے ساتھ خوف کی ضرورت:

اعمال کے ساتھ جو خوف ہوتا ہے اس میں لذت ہوتی ہے۔ اللہ اکبر! صحابہ کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما میں گفتگو ہوئی۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے بہت لوگوں کو مسلمان کیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بہت نیک کام کئے اور سب پر اجر کے اُمیدوار ہیں۔ اعمال نیک میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو اس پر راضی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جو کام کئے اس پر اجر مل جاوے اور جو بعد میں کئے ہیں ان پر نہ اجر ملے نہ مواخذہ ہو۔

اس کا تجربہ کر لیجئے وہ لوگ جن کے نوکر ہیں یا بیوی بچے ہیں ان کو اچھی طرح سے اس کا تجربہ ہو جائے گا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نوکر یا بیوی بچوں نے کوئی کام آقا، خاوند، باپ کی خوشنودی اور رضا کے لئے کیا لیکن وہ پسند نہ آیا اور اس قدر غصہ آیا کہ کام نہ کرنے پر اس قدر غصہ نہ آتا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ طاعت کے ساتھ بھی خوف ہونا چاہئے۔ رضا جوئی اور خوف ساتھ ساتھ ہیں۔ ایک مثال سے اس کی مزید توضیح ہوگی۔ (شوق اللقاد ج ۲۴)

## اطاعت کی حالت میں خوف کا ہونا محبت کا مقتضاء ہے:

جب ہمارے طاعت و افعال کی یہ حالت ہے تو ہم کو باوجود اعمال صالحہ کے بھی ڈرنا چاہئے۔ طاعت کر کے ڈرنا ان لوگوں کا طریقہ ہے جو خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کی مثال میں محمود و ایاز کا واقعہ قابل ذکر ہے۔

ایک مرتبہ محمود نے اپنے خزانے سے ایک نہایت قیمتی گوہر منگا کر وزیر اعظم کو دے کر حکم دیا کہ اس کو توڑ ڈالو۔ وزیر اعظم نے عذر کیا کہ یہ ایک نہایت قیمتی موتی ہے، ہرگز مناسب نہیں کہ اس کو توڑ ڈالا جائے۔ محمود نے دوسرے وزیر کو دیا۔ اس نے بھی اس قسم کا عذر کیا۔ سب سے آخر میں محمود نے وہ موتی ایاز کو دے کر حکم دیا کہ اس کو توڑ ڈالو۔ ایاز نے فوراً توڑ ڈالا۔ محمود نے نہایت غضبناک ہو کر کہا تم نے ایسا قیمتی موتی کیونکر توڑ ڈالا۔ ایاز نے جواب میں کہا کہ خطا ہوئی۔ محمود کو یہ ادا پسند آئی اور کہا کہ وزراء نے موتی کے قیمتی ہونے کا خیال کیا اور میرے حکم و اطاعت پر توجہ نہ کی اور ایاز نے باوجود اطاعت و فرمانبرداری کے اقرار قصور کیا۔ یہی ادا ہے جو مجھے ایاز کی بھاتی ہے۔

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اطاعت و فرمانبرداری کی حالت میں خوف کرنا محبت کا مقتضاء ہے کہ خطا ہونے پر تو قصور کا اقرار کرے ہی مگر خطا نہ ہونے کی حالت میں بھی خوف کرے اور اقرار خطا کرے۔ لیکن جب ہم اپنے کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم باوجودیکہ ہر وقت خطاوار ہیں لیکن خطاوار ہونے پر بھی اقرار جرم نہیں کرتے۔ خدا کے لئے قلوب کو ٹٹول کر دیکھو کہ ہم کہاں تک افعال و اعمال میں خداوند تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔ جب ہمیں اپنی حالت پر نظر ڈالنے کا موقع ملے گا تو معلوم ہوگا کہ ہم کیا ہیں اور واضح ہو جائے گا کہ کوئی قلب کسی وقت جرم سے خالی نہیں۔ (شوق اللقاد ج ۲۴)

## ریا و دکھلاوے کی نیت سے ثواب نہیں پہنچتا:

مشہور حدیث ہے انما الاعمال بالنیات (الصحيح للبخاری ۱: ۲) اب دیکھ لیجئے آپ کی افعال مروجہ میں نیت کیا ہے فقط ریا اور دکھلانا برداری کو کہ ہم نے فلانے کی موت ایسی کی۔ کہا کرتے ہیں اے میاں روپیہ دو روپیہ کے چنوں کے لئے نک کٹی کراتے ہو معلوم ہوا

کہ صرف تک کٹی کا خیال اس کا موجب ہوتا ہے۔ جب اس کام میں صرف نیت ریا کی ہے تو ثواب کیسا اور جب فاعل کو ثواب نہ ہوا تو موبوب لہ کو کیا چیز پہنچے گی اور جو کوئی اس سے منع کرے تو کہتے ہیں کہ واہ صاحب ایصال ثواب سے منع کرتے ہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ منع کرنے والا ایک طریق سے منع کرتا ہے اور دوسرا طریق ایصال ثواب کا بتلاتا ہے جیسے کہ اس وقت حج بمبئی سے منع ہو گیا اور چاٹ گام سے اجازت ہے۔ دوسرا طریق یہ کہ جتنا روپیہ سویم و چہلم میں صرف کرتے ہو محتاج بیواؤں کو خفیہ طور پر دے دو دیکھو کتنا ثواب ہوتا ہے مگر بڑا خیال تو یہ ہے کہ برادری کیا کہے گی۔ چار چار دانہ برادری کو ملنے چاہئیں تاکہ اعلان ہو جاوے چاہے بھلا ایک کا بھی نہ ہو۔ طرح طرح کے دستور باندھ رکھے ہیں۔ مثلاً جمعرات کا دن آیا اب آج تلاش پڑی کہ لاؤ مسجد کے ملا کو فاتحہ دینے کے واسطے، چاروں طرف سے حلوے اور مٹھائی کی بھر مار ہو رہی ہے۔ ہفتہ کے اور چھ دن میں تو بے چارے کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ بچی کھچی روٹی اور بگڑا ہوا سالن اس غریب کے لئے اور آج ساتویں دن تمنائیں کرتے کرتے یہ دن آیا کہ ایک سالن سے دوسرا سالن اسے ملے گا مگر وہ یوں بیکار ہے کہ اک دم سے اتنا آن پڑا کہ سب کھا نہیں سکتا اور ہفتہ بھر تک رکھا بھی نہیں جاسکتا بگڑ جائے گا۔ بے چارہ اس کو سکھاتا ہے اور پھنکی بنا کر نکلتا ہے جو چیز سکھانے کے قابل نہیں جیسے حلو اور تر چیز تو اس کو محلہ والوں سے چھپا کر بیچ لیتا ہے۔ خیال تو کیجئے کہ اس کی نیت بگڑی اور آپ کا مال ضائع گیا۔ اگر بجائے اس کے کہ جمعرات ہی کو خیرات کریں اور دونوں میں بھی کوئی نئی چیز اس کے پاس بھیج دیا کرتے تو اس کی نیت نہ بگڑتی اور نہ سکھانے کی نوبت آتی۔ (اشرف المواعظ ج ۲۳)

## خوف کی حد

خوف میں بھی ایک حد ہے چنانچہ الحمد للہ ایک حدیث سے میں اس کو سمجھا ہوں۔ حدیث میں آپ کی یہ دعا مذکور ہے اللھم انی اسئلک من خشیتک ما تحول بہ بینی و بین معاصیک۔ (موارد الظمآن للہیثمی بلفظ آخر ۵۰۹) اے اللہ میں آپ سے آپ کی خشیت کا وہ درجہ مانگتا ہوں جس سے میں معاصی سے بچ جاؤں معلوم ہوا کہ زیادہ خوف مطلوب نہیں۔ ورنہ وہ حال ہوگا جو ایک وکیل صاحب کا حال ہوا تھا جو میرے ہم نام تھے صرف اتنا فرق تھا کہ ان کے نام میں علی نہ تھا انہوں نے احیاء العلوم کا باب الخوف دیکھا تو اس کو دیکھ کر ان پر ایسا



خوف طاری ہوا کہ یاس کے قریب ہو گئے۔ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے جب ہر حالت میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہے پھر عمل سے کیا نفع؟ میں نے کہا کہ آپ کو احیاء العلوم کی کتاب الخوف دیکھنا جائز نہیں آپ کو اس کا باب الرجاء دیکھنا چاہیے اور مشکوٰۃ وغیرہ میں احادیث رجاء کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضرت امام غزالی پر خوف کا بہت غلبہ ہے اس لئے کتاب الخوف میں ان پر یہ حال غالب ہے اسی کا یہ اثر ہے کہ اس باب کے مطالعہ کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ امام غزالی پر خوف کا غلبہ ایسا رہا کہ دس برس تک اس کی وجہ سے قبض میں مبتلا رہے۔ اور صحرا قدس میں پھرتے رہے۔ معتقدین نے ایک طبیب نصرانی کو جسے ڈاکٹر کہنا چاہیے آپ کا قارورہ دکھلایا اس نے تشخیص میں کمال کیا کہ قارورہ دیکھ کر کہا کہ صاحب قارورہ کو کوئی ظاہری مرض نہیں ہے اس پر خالق کا خوف غالب ہے اس کا علاج خدا ہی کے پاس ہے وہ وکیل صاحب بھی مغلوب الحال تھے اس لئے کتاب الخوف کو دیکھ کر یہ خیال ہو گیا کہ عمل سے کیا نفع (الحدود والقیود ج ۲۵)

شوق کے لئے بھی ایک حد ہے حدیث میں ہے واسئلک شوقاً الی لقائک فی غیر ضراء مضرة وفتنة مضلة۔ اور میں آپ سے آپ کی بقاء کا شوق مانگتا ہوں جس میں نہ کوئی جسمانی تکلیف ہو اور نہ ایسا فتنہ ہو جو گمراہ کر دے۔ ضواء مضرة تو یہی ہے کہ ایسا شوق غالب ہو کہ جسم کو گھلا دے جیسا کہ بعض عشاق شوق میں گھل گئے ہیں اور فتنہ مضلة یہ ہے کہ شوق بقاء میں تشبیہ و تجسیم میں مبتلا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص صورت میں تصور کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہونگے ویسے ہونگے۔ جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں۔

کہ ترا گوید زمستی بوالحسن یا صغیر السن یاربطن البدن  
غلبہ شوق ہی کا اثر ہے آگے اس سے بتری کرتے ہیں۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من خاک برفرق من وتمثیل من  
اس تمثیل کا عذر بتاتی ہیں۔

بندہ نشکیدز تصویر خوشت ہر دمّت گوید کہ جانم مفرشت

(الحدود والقیود ج ۲۵)

## اعتدال کے درجات

افراط، تفریط، اعتدال، مثلاً قوت عقلیہ میں تفریط کا درجہ حماقت ہے اور درجہ افراط کا نام جزیرہ جس کا ترجمہ ہے۔ چہ بر الیعنی بہت تیز اور درجہ اعتدال کا نام حکمت ہے اسی

طرح قوت شہوت میں ایک درجہ افراط کا ہے جس کا نام فجور ہے ایک درجہ تفريط کا ہے جس کا نام خمود ہے۔ ایک درجہ اعتدال کا ہے جس کا نام عفت۔ اور قوت غضب میں افراط کا نام تہور ہے اور تفريط کا نام جبن ہے اور اعتدال کا نام شجاعت ہے یہ کل ۹ درجے ہوئے جنگی مفصل تعریف کتب حکمت و اخلاق میں مذکور ہے جن میں سے مطلوب صرف تین درجے ہیں اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت ہے۔ چھ درجے مطلوب نہیں حکما کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ ان تینوں قوتوں میں اعتدال کا درجہ حاصل کرے اور اگر افراط کا درجہ ہو یا تفريط کا تو یہ کمال نہیں بلکہ نقص ہے۔ پس آج کل جو ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی حد پر نہ ٹھہر دے یہ باتفاق حکماء غلط اور باطل ہے۔ اور علماء اسلام کے نزدیک تو باطل ہے ہی کیونکہ اسلام میں اعتدال ہی کی تعلیم ہے۔ اسی لیے امت کو امت عادلہ اور امت وسط قرآن میں کہا گیا ہے۔ اور شہود میں اور روایت حدیث میں جو عدالت شرط ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ ان نو درجوں میں سے تین معتدل درجے حاصل کئے ہوئے ہوں اور افراط و تفريط کے درجات سے مبرا ہوں۔ ہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اعتدال کے بھی درجے ہیں ایک تو اعتدال حقیقی بالمعنی اللغوی ہے۔ اس پر تو بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی قادر نہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

## اعتدال کی قسمیں

لن يشاد الدين احدا لا غلبه فسدوا وقاربوا (الصحيح للبخاری

۱: ۱۶۰ سنن النسائی الايمان ۲۸)

کہ دین پر کوئی غالب نہیں آسکتا یعنی درجہ کمال حقیقی پر۔ پس سیدھے چلتے رہو اور قریب قریب چلتے رہو اور ایک اعتدال حقیقی اصطلاحی ہے یعنی ایسا اعتدال جس پر عام طور پر سب کو قدرت ہے۔ مامور بہ اور مطلوب یہی اعتدال ہے۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

## اسراف اور تفاخر کا منشاء

حدیث مسلم میں ہے لا یدخل الجنة من كان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر۔ (سنن ابی داؤد: ۴۰۹۱ سنن الترمذی: ۱۹۹۸) جس کے دل میں رائی

برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ غرض ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے خرچ کرنے کو اچھا سمجھ لیا ہے تو اب خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اسراف کی بھی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ خرچ کی شریعت میں ایک حد ہے۔ جس سے آگے بڑھنا اسراف ہے اور اسراف کی سخت ممانعت ہے بلکہ اس پر اتنی سخت وعید ہے کہ مسرف کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

ان المبذرين كانوا اخوان الشياطين و كان الشيطان لربه كفورا۔

تحقیق فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور اس میں راز وہی ہے جو میں نے ابھی بتلایا ہے کہ اسراف کا منشا تفاخر ہے اور تفاخر کا منشا تکبر ہے اور تکبر علت ابلیس ہے۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## نفرت نفسانی

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے بے نمازی آدمی سے نفرت آتی ہے، سلام کرنے کو جی نہیں چاہتا، میں نے کہا کہ تم اس وقت اپنے کو اس سے افضل سمجھتے ہو یا نہیں۔ اگر اپنے کو افضل سمجھتے ہو تو یہ نفرت شرعی نہیں بلکہ نفسانی ہے۔ کہنے لگے کہ ہاں میں اپنے کو افضل سمجھتا ہوں۔ میں نے کہا بس یہی کسر ہے اس حالت میں تم اس سے بدتر ہو کیونکہ تکبر اور عجب سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔ وہ تو بے نمازی ہی ہے مگر بے نماز اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھا کرتا ہے اور تم نمازی ہو کر اپنے کو بڑا سمجھتے ہو اور دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھتے ہو تم اس سے بھی زیادہ ایک گناہ میں مبتلا ہو۔ یہاں شاید کسی کو یہ سوال ہو کہ جب باوجود گناہ اور فسق و فجور کے ہم دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھیں گے تو پھر حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کیا چیز ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو بھی اپنے سے افضل بھی سمجھیں اور پھر اس سے بغض بھی رکھیں۔ اس پر ہم کو غصہ بھی آوے اس سے ترک تعلق بھی کریں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اپنی اولاد پر بھی کبھی غصہ آتا ہے یا نہیں اس وقت آپ کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اولاد پر غصہ کرنے کے وقت ان کے فعل سے نفرت بھی ہوتی ہے ان سے قطع تعلق بھی چند روز کیلئے کر لیا جاتا ہے مگر اس کیساتھ ایک شفقت بھی دل میں ہوتی ہے۔ اور وہ شفقت ہی ان سب افعال کا منشاء ہوتی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اس کی بد حالی پر رنج و افسوس ہو کر رونا آتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ خدا کرے کسی طرح جلدی اس کی

اصلاح ہو جائے۔ نیز آپ غصے کے وقت اولاد کو حقیر و ذلیل بھی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اگر کوئی دوسرا اس کو حقیر و ذلیل کرنے لگے تو آپ کو ناگوار ہوتا ہے بس اگر یہی شان عاصی پر غصہ کرنے کی ہو تو وہ بغض فی اللہ ہے ورنہ نفسانی بغض ہے۔ ایک اشکال اس جگہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب بے نماز سے اپنے کو بدتر کیسے سمجھ لیں اور اس کو افضل کیسے سمجھیں جب خدا نے ہم کو ایک چیز دی ہے اور دوسرے کو نہیں دی۔ تو لامحالہ ہم دوسرے کو اس سے محروم دیکھ کر اپنے سے کم اور اپنے کو اس سے زیادہ سمجھیں گے۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو ہزاروں روپے دیئے ہیں اور دوسرے کو ایک بھی نہیں دیا تو اس صورت میں وہ ہزاروں والا اپنے کو مفلس سے کم اور مفلس کو اپنے سے زیادہ کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس اشکال کا جواب تو خود اشکال ہی کے اندر آ گیا۔ وہ یہ کہ جب یہ نعمت خدا نے آپ کو دی ہے تو آپ یوں سمجھیں کہ میں تو سب سے بدتر تھا اور اب بھی بدتر ہوں مگر خدا نے محض اپنے فضل سے مجھ کو یہ نعمتیں دیدی ہیں اس میں میرا کچھ کمال نہیں۔ اس مضمون کے استحضار کے بعد آپ میں کبر و عجب پیدا نہ ہوگا۔ باقی یہ میں نے کب کہا ہے کہ آپ اپنے کو بے نماز اور بے نماز کو نمازی سمجھنے لگیں۔ اگر میں یہ کہتا اس وقت یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ صاحب امیر آدمی کو اپنے کو مفلس اور مفلس کو امیر کیسے سمجھ لے۔ نہیں امیر اپنے کو امیر ہی سمجھے اور مفلس کو مفلس سمجھے مگر اس سے اپنے کو افضل نہ سمجھے یہ خیال کر لے کہ میں خود امیر نہیں ہوا بلکہ خدا نے مجھے امیر کیا ہے۔ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ یہ نعمت مجھ سے سلب کر کے دوسرے کو دیدے۔ یہ بات جس کے دل میں جمی ہوئی ہوگی وہ ہرگز اپنے کو دوسرے سے افضل نہ سمجھے گا اور نہ دوسروں کو حقیر سمجھے گا۔ بلکہ انکی حالت پر اس کو رحم آئے گا۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## آداب قرض

لایقضین قاض بین اثنین وهو غضبان (سنن الدارقطنی ۲۰۶:۴)  
 غصہ کی حالت میں قاضی کو فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ غصہ میں فیصلہ صحیح نہ ہوگا اس میں غالب احتمال غلطی کا ہے اسی طرح غصہ میں تین طلاق دینے کا انجام اکثر برا ہوگا بعد میں ندامت و حسرت ہوگی۔ چنانچہ ہم نے بہت واقعات دیکھے اور سنے ہیں کہ تین طلاق دے کر بعد میں لوگ پچھتاتے تھے اور اب نکاح باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہاں تک



کہ بعض جگہ شوہر کا کفر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ شاید اس سے کبھی کلمہ کفر نہ نکل گیا ہو جس سے نکاح ٹوٹ گیا ہو تو اب یہ تین طلاقیں واقع نہ ہونگی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی لئے شریعت نے تین طلاق ایک دم سے دینے کی ممانعت کی ہے۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## بچوں کو غصہ میں سزا نہ دینے کا حکم

غصہ میں بچوں کو مارنا نہ چاہیے کیونکہ غصہ میں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ کتنی سزا کا مستحق ہے ضرور حد سے تجاوز ہو جاتا ہے مکتب کے میاں جی اس میں زیادہ مبتلا ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ لڑکے آئے بیوی سے اور فیض عام پہنچا سب لڑکوں کو بس ذرا سی بات پر ایک لڑکے کے چھڑی لگانی تھی کہ ایک طرف سے سبھی کو مارتے چلے گئے خطا کی ایک نے اور سزا دی سب کو بھلا یہ بھی کوئی انسانیت ہے انکو خدا کا خوف نہیں آتا کہ آخرت میں اس کی باز پرس ہوگی یاد رکھو لڑکوں کے معاف کرنے سے یہ ظلم معاف نہیں ہوتا وہ اگر معاف بھی کر دیں تو سرکار مدعی ہوگی (حرمت الحدود ج ۲۵)

## حقیقت تو کل

تو کل کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد ہو اسباب پر نظر نہ ہو۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع ہی نہ کرے ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع کر کے پھر ان پر نظر نہ کرے۔ تو شیخ کو چاہیے کہ جس شخص کی طبیعت کمزور دیکھے اس کو مال جمع کرنے سے نہ روکے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ اس کو توکل کی تعلیم دے اور طبیعت کا کمزور ہونا قوی ہونا یہ فطری امر ہے اگر کوئی شخص فطرۃً کمزور ہو تو اس سے ولایت و مغفرت میں کچھ نقصان نہیں آتا۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## حضرت علیؑ کی نگہداشت نفس

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمعہ کے دن ایک نیا کرتہ پہنا جو ان کو اچھا معلوم ہوا، آپ نے قینچی منگا کر اس کی دونوں آستین کاٹ ڈالیں لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں یہ کرتہ پہن کر اپنے کو اچھا لگا اور جس وقت انسان اپنی نگاہ میں اچھا لگے اس وقت وہ خدا کی نظر میں برا ہوتا ہے اس لئے میں نے کرتہ کو معیوب کر دیا تھا تا کہ اس پر نظر نہ رہے۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

سبحان اللہ ان حضرات کو اپنے نفس کی کیسی نگہداشت تھی ان کو قیمتی کپڑا پہننا بالکل جائز تھا کیونکہ ان کو قیمتی لباس سے اپنے اوپر نظر نہ ہوتی تھی اور اگر کبھی اس کا شبہ ہوتا تو فوراً ہی اس کا علاج کر لیتے تھے۔

## غلبہ شوق کی روحانی خرابی

خرابی روحانی یہ ہے کہ شوق سے ناز بڑھ جاتا ہے کیونکہ غلبہ شوق میں انبساط زیادہ ہوتا ہے اور زیادت انبساط سے ناز پیدا ہوتا ہے تو یہ شخص ناز میں آ کر کچھ سے کچھ بکنے لگتا ہے۔ مجذوبین میں یہی تو نقص ہے گو اس وقت اس شخص کو گناہ نہ ہو کیونکہ غلبہ حال سے وہ بے خبر ہوتا ہے مگر تاہم یہ حال کمال کے منافی ہے۔ کمال یہی ہے کہ ادب سے تجاوز نہ ہو۔ پھر یہ شخص تو بے خبر ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ اس کی باتیں دوسرے لوگ سن لیتے ہیں وہ ان سے گمراہ ہو جاتے ہیں اہل شوق کو چاہیے کہ مجمع عام میں اپنی باتیں نہ کیا کریں مولانا اسی کی شکایت فرماتے ہیں۔

ظالم آں قوے کہ چشماں دو خند از خنہا عالمے راسو خند  
یعنی وہ لوگ بڑے ظالم ہیں جنہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر دنیا کو اپنی باتیں سنائیں اور مخلوق کو گمراہ کیا نیز بعض دفعہ غلبہ حال رفع ہو جانے کے بعد بھی اس شخص کی زبان سے حسب عادت کلمات شیطانی نکل جاتے ہیں اس وقت گناہ بھی ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولا فتنہ مصلۃ۔ میں اس کی بھی نفی فرمادی کہ غلبہ شوق سے میں گمراہی کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## خواص کا ایک مرض

آجکل مشائخ میں ایک مرض افراط شفقت ہے آپ کو سنتے ہی معلوم ہو گیا کہ اس کو کون مرض سمجھتا ہے۔ شفقت کی کمی تو سمجھا جاتا ہی نہیں اور یہ تفریط شفقت عوام میں زیادہ ہے۔ کیونکہ عوام میں خود غرضی زیادہ ہے ان کو اپنی غرض مطلوب ہوتی ہے اس لیے دوسروں پر شفقت نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص سو رہا ہو اور یہ نماز کا وقت ہے تو عوام اس کو جگاتے نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھو گا تو اپنے واسطے نہیں پڑھو گا تو اپنا نقصان کریگا اور خواص میں شفقت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے جو صفت محمودہ ہے مگر بعض کی شفقت افراط کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور یہ مرض ہے مگر عام طور پر اس کو مرض نہیں سمجھا جاتا بلکہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صفات محمودہ میں جس قدر بھی زیادت ہو محمود ہی ہے حالانکہ یہ غلط ہے شریعت نے صفات محمودہ کیلئے بھی حدود مقرر کی ہیں ان حدود سے تجاوز محمود نہیں بلکہ مذموم ہے (النزاحم فی النزاحم ج ۲۵)

## دوسروں کی فکر کا اصل منشاء

دوسروں کی فکر کا اصل منشاء جاہ وغیرہ ہے اس وقت بھی فکر غیر سے منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے ان کا مرید بہت مجاہدہ و ریاضت کرتا تھا مگر اثر کچھ نہ تھا وہ بزرگ بھی بہت پریشان تھے کہ کیا بات ہے اثر کچھ نہیں۔ ایک روز اس سے پوچھا کہ میاں یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری نیت اس سے کیا ہے۔ حضرت نیت یہ ہے کہ اپنی اصلاح ہو جائے تو دوسروں کو ہدایت کروں فرمایا تو بہ کرو یہ شرک فی الطریقت ہے ابھی سے بڑا بننے کی فکر ہے۔ یہاں تو بجز اس کے کچھ نہیں مٹ جائے گم ہو جائے۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت  
(یعنی افروختہ ہونا پروانہ نے جلنا شمع نے، جامہ دری کرنا گل نے مجھ سے سیکھا ہے)  
تو درو گم شود وصال نیست و بس گم شدن را گم کن کمال نیست و بس  
(وصال بس یہی ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت میں مٹ جاؤ گم ہو جاؤ بڑا کمال یہی ہے کہ اس گم ہونے کو بھی گم کر دو) (یعنی فنا الفنا حاصل کرو)۔

پھر خدا جس کو چاہے بڑا بنادے خود کون اس کا قصد کرے اور خود کرنے سے ہوتا بھی نہیں۔  
ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ  
(یعنی یہ سعادت قوت بازو سے نہیں حاصل ہو سکتی جب تک خدائے تعالیٰ نہ عطا کریں)۔  
(التصمدی للغیر ج ۲۵)

## ذکر ریائی

حضرت مولانا جامیؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ذکر ریائی کرتا ہے فرمایا کرتا تو ہے تم تو یہ بھی نہیں کرتے۔  
سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن بازی اگرچہ پانہ سکا سر کو کھوسکا  
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا  
یعنی اس نے کچھ تو کام کیا کرنے والے کو نہ کرنے والا کیا چڑا سکتا ہے البتہ اگر وہ اپنے  
عیوب ہی سے قطع نظر کر لے گا وہ دوسرے کو کہہ سکے گا۔ (التصمدی للغیر ج ۲۵)

## غیبت گناہ جاہی ہے

غیبت نہایت سخت گناہ ہے حتیٰ کہ حدیث میں آیا ہے الغیبة اشد من الزنا (مجمع

الزوائد ۸: ۹۱، مشکوٰۃ المصابیح ۴/ ۸۷۴) یعنی غیبت زنا سے سخت تر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غیبت تو حق العبد جب وہ معاف کرے گا تب معاف ہوگا اور زنا حق اللہ ہے تو بہ اور ندامت سے معاف ہو جائے گا اور آخرت میں جب غیبت کرنے والے کی نیکیاں معتاب کو ملنے لگیں گی تو وہ کیوں معاف کرے گا اس لئے کہ وہ وقت شدت احتیاج کا ہے اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہیں اپنے حق کو معاف فرمادیں گے اور عبد محتاج ہے اور ایک فرق اور ہے جس کو ہمارے حضرتؒ نے دو کلموں میں فرمایا۔ فرمایا کہ غیبت گناہ جاہلی ہے اور زنا گناہ باہلی ہے شرح اس کی یہ ہے کہ آدمی جب زنا سے فارغ ہوتا ہے تو خود اپنی نظر میں بھی اور غیروں کی نظر میں بہت ذلیل و خوار ہوتا ہے غرض اس کو بعد گناہ کے ذلت و ندامت ہوتی ہے اور غیبت کے بعد ندامت نہیں ہوتی بلکہ فخر کرتا ہے اور اظہار و اعلان کرتا ہے اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس معصیت کے بعد ندامت اور عجز ہو وہ اس اطاعت سے بھی بہتر ہے جس کے بعد عجب اور پندار ہو چہ جائیکہ گناہ بھی اور موجب عجب بھی ہو اور عجب اس میں لازم ہے کیونکہ غیبت آدمی جب ہی کرتا ہے جبکہ اپنے کو پاک سمجھے پس یہ عیب بڑا سخت ہے۔ (التصمدی للغیر ج ۲۵)

## اسراف کی خرابیاں

ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسراف سے دنیا ہی خراب ہوتی ہے مگر نہیں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔ کہ اس سے دنیا و دین دونوں خراب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اول تو اسراف سے خدا نے منع فرمایا ہے تو وہ گناہ ہوا اور گناہوں سے دین کا خراب ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے اسراف سے پریشانی بہت زیادہ لاحق ہوتی ہے۔ اور پریشانی سے دین کا بھی بہت ضرر ہوتا ہے۔ (الاسراف ج ۲۵)

## حقیقت اسراف

ہر چند کہ اسراف عرفاً اس کو کہتے ہیں کہ مال میں بے موقع زیادہ خرچ ہو مگر اسراف کی حقیقت صرف یہی نہیں بلکہ اس کی ایک فرد یہ بھی ہے۔ حقیقت میں اسراف کہتے ہیں۔ حد اعتدال گزر جانے کو جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ خرچ کرنے میں انسان حد اعتدال سے گزر جائے۔ اسی طرح تمام گناہ اسراف میں داخل ہیں کیونکہ شریعت نے انہی باتوں کو گناہ کہا ہے۔ جن میں سے حد اعتدال سے خرچ ہوتا ہے۔ اسراف کی حقیقت جاننے کے



بعد اب ہم کو اپنی حالت پر نظر کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ہم لوگ حد اعتدال پر کہاں تک قائم ہیں اور اعتدال سے کس قدر نکلے ہوئے ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ یا تو بخل میں مبتلا ہیں یا فضول خرچی میں بس ہماری وہ حالت ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی (الاسراف ج ۲۵)

## حضرت ذوالنون مصریؒ کی تواضع

ایک بار حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے کہا کہ دعا فرمائیے کہ بارش ہو قحط کی وجہ سے سب لوگ پریشان ہیں آپ نے فرمایا کہ جب تک موانع مرتفع نہ ہوں اس وقت تک بارش نہیں ہو سکتی۔ اور بارش کے مانع ذوالنون مصریؒ کے گناہ ہیں۔ تو مجھے پہلے شہر سے نکال دو جب بارش ہوگی لوگ یہ سن کر رونے لگے۔ آپ کو شہر سے کون نکالتا۔ آخر آپ کو خود ہی بھاگ گئے۔ خدا کی شان آپ کے بھاگنے کے بعد بارش ہو گئی۔ حضرات یہ موقع ہے امتحان کا۔ ذوالنون مصریؒ کے بھاگنے کے بعد بارش ہو جانے کو بہت ہی کم لوگوں نے تو سمجھا ہوگا کہ آپ کی اس تواضع کی برکت سے ہوئی اور بعض ایسے بھدے لوگ بھی ہوں گے کہ سچ مچ حضرت ذوالنون مصریؒ کے گناہوں کو بارش نہ ہونے کا سبب سمجھے ہوں گے۔ کہ دیکھو واقعی جب تک یہ شہر میں رہے بارش نہ ہوئی جب یہ نکل گئے فوراً بارش ہو گئی معلوم ہوا کہ یہی بارش سے مانع تھے اور ایسے بھولے لوگ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب بھی ایسے لوگ بہت سے ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

## حضرت مولانا گنگوہیؒ کی تواضع

ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنی نسبت فرمایا۔ واللہ میں کچھ نہیں ہوں مجھے کچھ نہیں آتا۔ جو لوگ میرے معتقد ہیں وہ محض حسن ظن سے معتقد ہیں سو بعض بھدے لوگ اس سے یہ سمجھنے لگے کہ جب مولانا قسم کھا رہے ہیں تو سچ مچ ان کو کچھ نہ آتا ہوگا۔ غضب یہ کہ حضرت کے ایک معتقد کو شبہ ہو گیا کہ حضرت نے اس بات پر قسم کیسے کھائی۔ اب یا تو حضرت کی قسم جھوٹی یا ہمارا اعتقاد ہی جھوٹا ہے۔ میں نے کہا کہ بندہ خدا کمالات دو قسم کے ہیں ایک موجودہ ایک آئندہ۔ حضرت کی نظر کمالات آئندہ پر ہے۔ جن کے سامنے وہ کمالات موجودہ کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اس لیے ان کی قسم صحیح ہے۔ کیونکہ عارفین جس قدر ترقی کرتے جاتے ہیں

وہ اپنی پہلی حالت اور گزشتہ مقامات سے توبہ کرتے جاتے ہیں مثلاً آج ہم کو خدا تعالیٰ کی جس قدر معرفت حاصل ہے جب اس سے آگے ہم کو ترقی ہوگی تو ہم سمجھیں گے کہ اب تک ہم خدا تعالیٰ کی نسبت ناقص اعتقاد کئے ہوئے تھے۔ جب یہ حالت ہے تو عارفین کا آئندہ کمالات کے اعتبار سے موجودہ کمالات کی نفی کر دینا بالکل سچا ہے۔ اور ہمارا اعتقاد حضرت کے موجودہ کمالات پر ہے جو ان کی نظر میں چاہے کمالات نہ ہوں۔ مگر ہم تو ان کو یقیناً کمالات سمجھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کی قسم بھی صحیح اور ہمارا اعتقاد بھی سچا، (الاسراف ج ۲۵)

## اسراف بخل سے زیادہ برا ہے

مفسد اسراف کے زیادہ ہیں یا بخل کے سوا یک مدت تک میں بھی اس غلطی میں رہا کہ میں بھی بخل کو اسراف سے زیادہ برا سمجھتا تھا۔ مگر اس وقت تک آثار پر میری نظر نہیں تھی۔ مگر جب آثار کو دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ اسراف زیادہ برا ہے۔ بخل میں تو صرف یہی ہے کہ دوسرے کو نفع نہیں پہنچتا۔ پس یہی ایک خرابی ہے مگر یہ کوئی زیادہ نقصان نہیں جیسے کہ تجارت میں۔ اگر نفع نہ ہو تو یہ ٹوٹا نہیں ہے۔ تو بخیل آدمی صدقہ خیرات کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔ مگر اس سے دوسروں کو تکلیف اور نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ بخیل آدمی کو دیکھا ہے کہ وہ اکثر خوشامدیوں لوگوں کی بہت کیا کرتا ہے۔ اور خوشامد کر کے کام نکالتا ہے۔ تاکہ روپیہ خرچ نہ ہو جائے۔ تو بخیل آدمی اول تو خوشامدی بہت ہوتا ہے تو کسی کو ستا دے گا کیا دوسرے خرچ کے ڈر کے مارے وہ کسی پر ظلم بھی نہیں کرتا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ نالش کرے۔ پھر خواہ مخواہ روپیہ خرچ کرنا پڑے۔ تو بخیل کے ہاتھ سے ظلم بہت کم ہوتا ہے اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ مگر شریعت نے بخل کو اس لئے جرم قرار دیا ہے کہ اس سے کسی کو نفع بھی نہیں پہنچتا۔ اور مسرف سے لوگوں کو نقصان بہت پہنچتا ہے۔ کیونکہ آج جو یہ لوگوں کو دے رہا ہے آخر یہ آتا ہے کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ قارون کا خزانہ تو ہے نہیں یقیناً ایک دن روپیہ ختم ہو جائے گا۔ پھر یہ لوگوں سے قرض لے گا۔ دوسروں کی امانتیں خرچ کرے گا۔ کسی کی چیز مانگ کر بازار میں رہن رکھے گا اور روپیہ اپنے خرچ میں لائے گا۔ (الاسراف ج ۲۵)

## لباس میں اسراف

حدیث میں ہے جس شخص میں جو صفت نہ ہو اس کو ظاہر کرنے والا ایسا ہے جیسے دو

کپڑے جھوٹ کے پہننے والا اس کی ایک تفسیر تو ظاہر ہے کہ اس نے دو کپڑے یعنی لنگی چادرہ جھوٹ کی پہن لی۔ یعنی سراسر جھوٹ ہو گیا۔ (الاسراف ج ۲۵)

## اسراف کی حد حقیقی

اسراف کی حد حقیقی تو یہ ہے کہ التجاوز علی الحد الشرعی حد شرعی سے آگے بڑھنا اس تعریف سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسراف مال ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سب کو عام ہے۔ یعنی غیر اموال میں بھی اسراف ہوتا ہے مگر میں اس وقت اسراف فی الاموال (مالوں میں فضول خرچی کرنا) ہی کو بیان کر رہا ہوں۔ تو شریعت کی حد سے تجاوز کرنا یہ ہے اسراف مگر جب تک شریعت کی حدود نہ معلوم ہوں اس وقت تک اس کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک کپڑا میں پہنوں تو میں مسرف (فضول خرچ) ہوں اور نواب رامپور پہنیں تو وہ مسرف نہیں۔ مثلاً دس روپے گز کا کپڑا پہننا نواب صاحب کے لئے اسراف نہیں کیونکہ ان کے نزدیک دس روپے کی حقیقت اتنی ہے جتنی ہمارے نزدیک دس کوڑیوں کی ہے تو ایک اسراف تو ایسا ہے جو ہر شخص کی حالت اور وسعت کے تابع ہے اور ایک اسراف وہ ہے جو کسی کی حیثیت کا تابع نہیں (الاسراف ج ۲۵)

## امتیاز شان کی نیت شرعاً کبر ہے

علماء کی وضع کوئی شخص اس نیت سے اختیار کرے کہ ذرا شان امتیاز پیدا ہوگی تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ منشاء اس کا یہ ہے کہ امتیاز شان اور ترفع حاصل ہو اور یہ منشاء شرعاً کبر میں داخل ہے اور یہ مرض عورتوں میں بھی بہت زیادہ ہے، کپڑا خریدنے میں اکثر ان کی نیت اچھی نہیں ہوتی۔ سردیوں میں رضائی کی چھینٹ خریدتی ہیں تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسی چھینٹ ہو کہ محلہ بھر میں ویسی نہ نکلے۔ (الاسراف ج ۲۵)

## ترفع اور تکبر کا عملی علاج

میں کیرانہ گیا ہوا تھا ایک صاحب آئے اس شان سے کہ خدمت گار ساتھ مٹھائی لئے ہوئے اور فرمائش کی کہ مجھے بیعت کر لیجئے۔ میں اس حرکت کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ ان میں

مرض تکبر اور ترفع کا ہے میں نے کہا جلدی نہ کیجئے مجھے اس وقت وعدہ کے سبب ایک اور جگہ جانا ہے وہاں میرے ساتھ چلئے اور یہ مٹھائی بھی لے لیجئے وہ خود مٹھائی لے کر میرے ساتھ چلے دوسرے مکان پر پہنچے میں اسی طرح وہاں سے اور ایک مکان پر گیا اور وہاں سے اور مکان پر۔ اسی طرح بہت سے مکانوں پر گیا اور ایسی ایسی جگہ سے قصداً گزرا جو خوب آباد ہیں اسی طرح خوب چکر لگوا یا۔ ان کا علاج ہو گیا ترفع اور تکبر سب ملیا میٹ ہو گیا۔ یہ عملی علاج ایک ہی جلسہ میں ان کے لئے اکسیر ہو گیا اب مرض کا نام و نشان بھی نہیں رہا۔ دیکھئے اتنی سی دیر میں مزاج درست ہو گیا اتنی ذرا سی تدبیر نافع ہو گئی۔ زبان سے اس حرکت کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا گیا لیکن اس حرکت کا منشا مع تمام اس جیسے اور حرکات کے رخصت ہوا۔ (الصالحون ج ۲۶)

## رضائے حق کی لذت

آج کل لوگ سود کے جواز کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اسے تو کسی طرح حلال کرنا ہی چاہئے۔ دوسری قوموں کی ترقی کو دیکھ دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھرا آتا ہے میں سچ کہتا ہوں کہ سود کی ضرورت اور مصلحت اس وجہ سے آپ کے ذہن میں آتی ہے کہ اپنے مقصود کو نہیں سمجھا۔ اگر مقصود پر نظر پڑ جائے تو یہ ساری مصلحتیں اور ضرورتیں کلیۃً ذہن سے نکل جائیں۔ اور آپ خود اپنی زبان سے یہ کہنے لگیں۔

مصلحت دیدن آنست کہ یاران ہمہ کار بگزارند و خم طرہ یارے گیرند  
(بڑی مصلحت یہی ہے کہ دوست سب کو چھوڑ کر بس ایک محبوب حقیقی کے ہو جائیں)

اس مقصود کا نام رضاء حق ہے اور وہ حق تعالیٰ کی مرضیات کے خلاف کرنے سے حاصل نہیں ہوتی سود لینا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے اور رضائق و مخالفت احکام یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ آپ رضائق کی لذت سے واقف نہیں اس لئے سود کی خوبیاں آپ کو نظر آتی ہیں اور سود لینے والوں کی حالت دیکھ کر منہ میں پانی بھرا آتا ہے اگر رضاء حق کا پتہ چل جاتا تو سود پر ہرگز نظر نہ پڑتی۔ حضرت رضاء محبوب وہ چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ساری چیزوں سے نظر اندھی ہو جاتی ہے بس وہی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے جس میں رضاء محبوب کو دخل ہو۔ میرے قصبہ کا قصہ ہے کہ ایک شخص سے کسی نے کہا کہ اگر تم بالکل ننگے ہو کر مجمع سے نکل جاؤ تو میں تجھ کو اتنے مرمرے دوں۔ حضرت چونکہ وہ مرمرے کا طالب



تھا اس نے ایسا ہی کیا ننگا ہو کر بھرے مجمع میں سے نکل گیا اور ذرا بھی آنکھ نہیں جھپکی۔ عزت گئی آبرو گئی مگر اسے کچھ پروا نہیں ہوئی کیونکہ اس کی نظر اس وقت ان چیزوں پر تھی ہی نہیں اس کا تو مقصود کچھ اور ہی تھا اس پر نظر تھی جب عزت آبرو پر نظر ہی نہ تھی تو آنکھ کیوں جھپکتی اس کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ کس نے مجھے ننگا دیکھا اور کس نے نہیں دیکھا اسی طرح اگر کوئی بازاری عورت اپنے عاشق سے ایسی ہی فرمائش کرے اس کو ذرا بھی جھجک نہ ہوگی کیونکہ اس عاشق کا مقصود تو بیسوا کو راضی کرنا تھا اس کو کسی دوسرے سے کیا مطلب کوئی راضی ہو یا ناراض کوئی برا کہے یا بھلا اس پر ان باتوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے صاحبو جب ایک عورت کے عشق میں یہ بات ہو سکتی ہے کہ ساری مصلحتیں اور تمام عزت و آبرو برباد کر دی جاتی ہے تو محبوب حقیقی یعنی حضرت حق کے عشق میں یہ حالت کیوں نہیں ہو سکتی اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلے بود      گوے گشتن بہر او اولے بود  
(مولا حقیقی کا عشق لیلیٰ سے کب کم ہو اس کے لئے کوچہ گردی زیادہ ہے)

(الصالحون ج ۲۶)

### عنایت خداوندی

کوئی شخص ملحد ہو کافر ہو خدا کا کیسا ہی دشمن ہو لیکن وہ بھی اگر ان کو راضی کرنا چاہے تو بس ایک دفعہ کلمہ پڑھ لے کلمہ پڑھنا تھا کہ وہ راضی ہو گئے پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو دفعہ جرم کرنے کے بعد پھر وہ کبھی راضی نہ ہوں۔ نہیں کسی نے ایک دفعہ دو دفعہ دس دفعہ ہزار مرتبہ خلاف ورزی کی لیکن جب آستانے پر آ کر حاضر ہو گئے اور اپنی تقصیر کی معافی چاہی بس سب معاف۔

اگر خشم گیرد بہ کر دار زشت      چو باز آمدی ماجرا در نوشت  
(یعنی اگر اللہ تعالیٰ برے کاموں کی وجہ سے غصہ ہو جائیں تب تو بہ کر کے باز آ جاتا کہ تیرا ماجرا لپیٹ دیں)

یہ آپ کے عقائد کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ہزار دفعہ مرتد ہو اس کے بعد پھر ایمان لائے تو وہ مومن ہے بتائیے یہ نظیر اور کہیں مل سکتی ہے۔ کسی کو ایک مرتبہ ناراض کر دو تو اس کا راضی کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور دو تین دفعہ کے بعد تو وہ بات بھی نہیں کرتا چہ جائے کہ راضی ہونا۔ اور وہاں معافی کی کوئی حد ہی مقرر نہیں عمر بھر کوئی یہی سلسلہ رکھے کہ ایک دن مومن ہو ایک دن کافر تو جب مومن ہوگا اس کے ساتھ وہی برتاؤ ہوگا جو اس سے پہلے مومن ہونے کے وقت تھا ساری

عمر کبھی اس سے یہ نہ کہا جائے گا کہ جا اب ہم تیرا ایمان اور تیری توبہ نہیں قبول کرتے اس کی نظیر کوئی ایک بھی نہیں دکھا سکتا تو میرا یہ کہنا صحیح ہوا کہ اتنی آسان کسی کی بھی رضامندی نہیں جتنی کہ حضرت حق جل شانہ کی ہے اب ایک بات اور بھی سمجھ لیجئے وہ یہ کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کیا کرو کہ آج مومن ہوئے کل کافر ہو گئے آج گناہ کیا کل توبہ کرنے لگے۔ (الصالحون ج ۲۶)

## اللہ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ

اور اللہ کی محبت کے حاصل ہونے کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا ہے اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر کے سوچا کرو کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر نعمتیں ہیں چند روز کے بعد آپ کو مشاہدہ ہوگا کہ ہم سر تا سر عنایات اور نعمتوں میں غرق ہیں اس سے آپ کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور اپنی ناکارگی اور تقصیر جاگزیں ہوگی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا تعلق آپ سے بھی ہے آپ کے ساتھ محبت کا طریقہ بھی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہمارے لئے مشقتیں اٹھائیں اور اپنی امت پر شفقت فرمائی اس کو سوچا کرو جب محبت پیدا ہوگی۔ اطاعت خوشی سے ہوگی ادھر محبت ہوگی۔ (تسهیل الاصلاح ج ۲۶)

## خشیت اعتقادی

ایک خشیت اعتقادی یہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے کیونکہ ایمان نام ہی ہے خوف ورجا کا پس اس درجہ سے تو کوئی مسلمان خالی نہیں مگر اعتقادی خشیت گناہوں سے روکنے میں کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ استحضار خشیت کی بھی ضرورت ہے یہ دوسری قسم ہے پھر استحضار کے دو درجے ہیں ایک استحضار کامل دوسرے استحضار ناقص استحضار کامل کے ساتھ معصیت ہرگز نہیں ہو سکتی مگر ہم لوگوں کو استحضار کامل حاصل نہیں اور اسی کی ضرورت ہے لیکن استحضار کامل ایک دو دن میں حاصل نہیں ہوا کرتا اس کے لئے مشق کی ضرورت ہے پہلے آپ استحضار ناقص ہی کیجئے اس سے گو معصیت کا انعدام نہ ہوگا مگر تقلید ضرور ہو جائے گی اور وہی کیفیت ہو گی جو میں نے ابھی بیان کی ہے کہ خشیت ناقصہ کے ساتھ معصیت بھی ناقص ہی ہوگی اور معاً توبہ و استغفار کی توفیق ہوگی وہ حالت نہ رہے گی جو پہلے تھی کہ گناہ کر کے دل پر جوں بھی نہ رہتی تھی پھر اسی حالت پر اکتفا نہ کیجئے بلکہ استحضار ناقص سے استحضار کامل کی طرف ترقی کیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ شدہ شدہ آپ ایک دن کامیاب ہو جائیں گے۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

## اسباب تکبر

تکبر کچھ دولت اور شرافت پر نہیں ہوتا ہم لوگ اس تکبر میں مبتلا ہیں کہ ہم کو اپنے علم پر ناز ہے اور یہ تکبر اس سے بدرجہا بدتر ہے اس واسطے کہ دنیا دار لوگ اپنے عیوب پر بھی نظر رکھتے ہیں گواجمالاً ہی کیونکہ جب کبھی کسی دنیا دار سے کہا جاوے کہ تم میں فلاں فلاں عیب ہیں تو اقرار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں بھائی ہم میں تو صد ہا عیب ہیں خدا اصلاح کرے بخلاف علماء کے کہ ان کو تو خود اپنے عیوب پر نظر نہیں ہوتی اگر بتلادیا جاوے تب بھی اس عیب کو عیب نہ مانیں گے تاویل سے کھینچ تان کر اس عیب کو ہنر بنا دیں گے اور اس بتانے والے پر الٹا کوئی عیب لگا دیں گے خوب سمجھ لیجئے کہ دنیا داروں کا تکبر جہل تھا تو وہ جہل بسیط تھا اور یہ جہل مرکب ہے اب بتائیے کون گروہ اس مرض سے خالی ہوا۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

## حسد بہت مخفی مرض ہے

حسد بہت مخفی مرض ہے بہت ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے اور حسد اسی کا نام نہیں کہ دوسرے کی مصیبت دیکھ کر جی خوش ہو بلکہ یہ بھی حسد ہے کہ دوسرے کی چیز دیکھ کر اس کے پاس سے زوال کی خواہش ہو تو دیکھتے ہم لوگوں کی یہ حالت ہے یا نہیں کہ کسی کا سامان دیکھ لیا یا گھوڑا دیکھ لیا یا زیور دیکھ لیا تو خواہش ہوتی ہے کہ یہی بعینہ ہمارے پاس آ جائے۔ اس کے کیا معنی ہیں سوائے اس کے کہ ان سے چھین جائے۔

ورنہ اس کے بعینہ منتقل ہونے کی خواہش کیوں ہے اور اگر یہ نہ ہو تو حسب مال تو جبلی چیز ہے اگر اس کو دوسرے کا زیور یا سامان دیکھ کر اس جبلی عادت کو ہیجان ہوتا ہے کہ مجھے بھی ایسا ہی مل جائے نہ کہ یہی آ جائے اس کا کچھ ڈر نہیں۔ اس کو غبطہ کہتے ہیں کہ دوسرے کی اچھی حالت کی تمنا کرے کہ یا اللہ ہم کو بھی ایسی حالت نصیب فرما۔ اور یہ کچھ گناہ نہیں بلکہ کہیں گناہ کہیں مستحب ہے۔ مگر ہم لوگوں کو اتنی تمیز کہاں کہ غبطہ اور حسد کو الگ الگ پہچانیں۔

## غیبت کی خرابیاں

ایک گناہ زبان کا غیبت ہے جس میں ہم لوگ اس قدر مبتلا ہیں کہ خدا کی پناہ خاص کر

مستورات میں تو یہ مرض بہت ہی زیادہ ہے بیبیوں کے لئے تو یہ گناہ طبیعت ثانیہ ہو گیا ہے حتیٰ کہ ان کو یہ بھی احساس نہیں رہا کہ غیبت کچھ بری چیز ہے یا غیبت کیا چیز ہے یہاں تک کہ اگر کسی بی بی کو غیبت پر ٹوکا جائے تو جواب دیتی ہے کہ اس میں غیبت کی کیا بات ہے میں تو اس کے منہ پر کہہ دوں گویا غیبت کی تعریف انہوں نے یہ سمجھ رکھی ہے کہ پیچھے وہ بات کہی جائے جو کہ منہ پر نہ کہہ سکیں اور کہہ سکنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان کا مقابلہ نہ کر سکے حالانکہ ایک معنی نہ کہہ سکنے کے یہ بھی ہیں کہ منہ پر کہنا اس کو ناگوار ہو صحیح معنی یہ ہیں (ذم المکروہات ج ۲۶)

## غیبت سے عداوت پیدا ہوتی ہے

ایک عجیب لطف یہ ہے کہ بعض غیبت کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو کیسے خبر پہنچے گی بلکہ بعض مخاطب سے یہ کہتے ہیں کہ میاں کسی سے ذکر نہ کرنا خود تو دوسرے سے ذکر کر دیا اور دوسرے کو نصیحت ہے کہ ذکر نہ کرنا جو کام اپنے آپ سے نہ ہو سکے دوسرے سے اس کی ہو سکنے کی توقع عجیب بات ہے جب بات دوسرے کے منہ تک پہنچ گئی پھر چھپنا کیا معنی میں کہتا ہوں کہ کوئی غیبت بھی نہیں چھپ سکتی کیونکہ غیبت اکیلے تو ہوتی نہیں کم از کم دو آدمیوں میں ہوتی ہے جب بات ایک سے دوسرے تک پہنچ گئی تو اپنے قابو سے باہر ہو گئی۔ اب جہاں تک بھی پہنچے روک تھام نہیں ہو سکتی زبان سے بات نکالنے کے بعد یہ توقع کرنا کہ چھپ سکے گی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں تک عقل کے موافق ہے۔

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند مخفلا

(وہ راز کب مخفی رہ سکتا ہے جس کے لئے مخفیس منعقد کی جائیں) (ذم المکروہات ج ۲۶)

## نفس کا مکر

عورتوں میں یہ مرض بہت ہے اول تو تہجد گزار عورتیں ہیں ہی کم اور اگر کوئی ہے بھی تو رات کو تہجد پڑھیں گی اور صبح کو دو چار دفعہ اس کو منہ پر لاویں گی کسی سے کہیں گی آج میرا سر بھاری ہو رہا ہے رات کو نیند نہیں آئی۔ آنکھ کھل گئی تھی میں نے کہا لاؤ تہجد ہی پڑھ لوں جب پڑھنے کھڑی ہوئی تو بارہ رکعتیں پوری ہی کر کے چھوڑیں ایسا لطف آیا کہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا کسی سے کہیں گی بہن تم بھی تہجد پڑھا کرو میری آنکھ رات کو کھل گئی تھی کیا نور ظہور کا



وقت تھا جس نے تہجد نہ پڑھا اس نے کچھ بھی نہ کیا۔ کسی سے بطور مسئلہ کے پوچھیں گی کیوں جی اگر وقت زیادہ ہو تو تہجد میں بارہ رکعت سے بھی زیادہ پڑھ لیں تو کچھ حرج ہے۔ اس سے یہ جتلانا مقصود ہوتا ہے۔ کہ ایسی شوقین ہیں کہ نفلوں سے انکا جی ہی نہیں بھرتا۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کے سامنے فریب نہیں چلتا یہ سب نفس کے مکر ہیں اپنی طاعت کو جتلانا درحقیقت غیر اللہ کو مقصود بنانا ہے یہ کیا حماقت ہے کہ طاعت میں نام تو لگایا جائے خدا تعالیٰ کا اور مقصود ہو غیر وہ طاعت منہ پر مار دینے کے قابل ہے حق تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے۔ کسی ادنیٰ سے آدمی کے ساتھ بھی وہی معاملہ کر کے دیکھئے اس کو کتنا غیظ آتا ہے۔ کسی کے واسطے پان لگا کر لائے اور جب اس کے سامنے آو تو بجائے اس کے ہاتھ میں دینے کے ایک بھنگی کے ہاتھ میں رکھ دو تو دیکھئے اسے کتنا غصہ آتا ہے اور اس حرکت کو اپنی توہین سمجھ کر وہ پان کو الٹا آپ ہی کے منہ پر مارے گا۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

## نامشروع تحریر کا حکم

نامشروع تحریر کا وہی حکم ہے جو نامشروع تقریر کا ہوگا اور کسی بات کا لکھنا زبان سے ادا کرنے ہی کے حکم میں ہے تو کتاب میں لکھنا اسی بات کا درست ہے اور اسی مضمون کو دیکھنا بھی درست ہے جس کا زبان سے کہنا درست ہے تو بری کتابوں کا لکھنا اور دیکھنا سب زبان ہی سے بری باتیں کہنے کے حکم میں ہے صاحبو! جو بات زبان سے کہی جاوے کتاب میں لکھی جاوے یا سنی جاوے یا پڑھی جاوے اس کو سوچ سمجھ کر اور خیال کر کے سن کر یا پڑھایا دیکھا جائے بہت اہتمام کے ساتھ اس کی عادت کر لینی چاہئے۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

## کثرت کلام کا منشاء

ایک قاعدہ سمجھنا چاہئے کہ ہر فعل کا کوئی نہ کوئی منشاء ہوتا ہے یعنی اگر کوئی گالیاں بکتا ہے تو گالیاں بکنا تو زبان کا فعل ہے مگر اس کا منشاء اندر ہے یعنی قلب میں غضب ہونا جب قلب میں غصہ آتا ہے تب زبان سے گالیاں نکلتی ہیں ہر فعل کی یہی حالت ہے کہ اس میں جوارح قلب کے تابع ہوتے ہیں جب قلب کو حرکت ہوتی ہے تب ہی جوارح کو ہوتی ہے اور قلب کی حرکت کا بھی کوئی سبب ہوتا ہے جس سے اس میں حرکت پیدا ہوتی ہے اس سبب

ہی کو منشاء کہتے ہیں اب سمجھ لیجئے کہ کثرت کلام کا منشاء کیا ہے جس سے یہ مرض پیدا ہوتا ہے سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز ترفع ہے یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اس واسطے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی ایسے موقع پر زیادہ نہیں بول سکتا جہاں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے دیکھو اپنے کسی بزرگ کے سامنے اور استاد کے سامنے کوئی زیادہ نہیں بولتا اس واسطے کہ اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے اور اس کو بڑا اپنے ہم جولیوں میں یا اپنے چھوٹوں کے سامنے بے محابا بولتا ہے ان شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ کثرت کلام جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ اپنا بڑا ہونا اپنے ذہن میں ہو اور جب آدمی اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے تو ممکن نہیں کہ اس سے کثرت کلام ہو سکے اب میں پوچھتا ہوں کہ ہمارے لئے کوئی موقع اپنے کو برا سمجھنے کا ہے یا نہیں میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں کیونکہ ہم لوگ جو اپنے لئے بڑے بننے کا کوئی موقع تجویز کرتے ہیں۔ یہ اسی وقت تک ہے جب تک ہماری نظر کوتاہ ہے اور اگر ذرا بھی اس میں وسعت ہوتی تو کوئی موقع بھی بڑے بننے کا نظر میں نہ آتا اس واسطے کہ اگر کوئی آدمی کسی سے بڑا ہے تو اس کے اوپر بھی ایک بڑا ضرور موجود ہے اور حالت یہ ہے کہ جس سے یہ بڑا ہے بعض اوقات اس کے سامنے بھی نہیں ہوتا اور جو اس سے بڑا ہے وہ ہر وقت اس کے سامنے ہے وہ کون یعنی حق تعالیٰ شانہ صاحبو! کوئی آدمی لاکھ بڑوں کا بڑا ہو مگر حق تعالیٰ کے سامنے تو چھوٹا ہی ہے اور حق تعالیٰ ہر وقت حاضر ناظر ہیں۔ تو اس کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا جب ہی ہو سکتا ہے جب حق تعالیٰ کی طرف سے نظر ہٹ جائے اور یہ کس قدر غفلت اور حرمان کی بات ہے۔

ہر آں کہ غافل ازدے یک زمان ست در آں دم کافر ست اما نہاں ست  
(جو شخص اس سے ایک گھڑی غافل ہے اس گھر میں کافر ہے لیکن نہاں ہے) (ذم المکروہات ج ۲۶)

## اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کے مقاصد

صاحبو! اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ایسا فعل ہے جس میں مفاسد ہی مفاسد ہیں۔ آدمی اپنے آپ کو کبھی بڑا نہ سمجھے اگر یوں ذہن میں نہ آوے تو چاہئے کہ تکلف اس کی مشق کرے اہل اللہ نے اس کی تدابیر لکھی ہیں اور یہ ہیں کہ اگر اپنے سے چھوٹے کو دیکھے تو اس وقت یہ خیال کرے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے اس نے گناہ کم کئے ہیں میری عمر زیادہ ہے گناہ بھی میرے زیادہ ہوں

گے اور اپنے سے بڑے کو دیکھے تو یوں خیال کرے کہ اس کی عمر زیادہ ہے اس نے نیکیاں مجھ سے زیادہ کی ہوں گی۔ لوگ ان باتوں کو توہمات سمجھتے ہیں لیکن یہ توہمات ہی کام دینے والے ہیں آخر اپنے کو بڑا سمجھ کر کونسی بات حاصل ہوگی اور کیا نفع ہو جائے گا شیطان ایک یہ بھی وسوسہ ڈالتا ہے کہ ان خیالات کے یعنی دوسروں کے گناہ کم ہونے اور دوسروں کی طاعات کے زیادہ ہونے کا تو کوئی ثبوت نہیں پھر خواہ مخواہ ان میں پڑنا سوائے خطہ الحواسی کے اور کیا ہے۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

## بزرگوں کے چند واقعات

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ آپ چلے جاتے تھے راستہ میں ایک کتا ملا وہ سامنے سے آتا تھا راستہ تنگ تھا اور آس پاس کچھڑ تھی دونوں ایک دم سے نہیں جاسکتے تھے۔ بس یہی صورت تھی کہ یا تو یہ کچھڑ میں اترتے یا وہ اترتا۔ یہ بھی کھڑے ہو گئے وہ بھی کھڑا ہو گیا انہوں نے کتے سے کہا کہ راستہ چھوڑ کر کچھڑ میں اتر جا اس نے کہا تم کیوں نہیں اترتے انہوں نے کہا کہ میں مکلف ہوں میرے کپڑے یا بدن ناپاک ہو جائیں گے تو نماز نہ ہوگی۔ اس نے کہا اگر کپڑے نجس ہو گئے تو پانی سے ذرا سی دیر میں پاک ہو سکتے ہیں لیکن میرے اترنے سے جو آپ کے باطن میں نجاست پیدا ہوگی کہ مجھ سے اپنے کو بڑا سمجھا اور کچھڑ میں نہ اترے تو یہ ناپاکی ہزار سمندروں سے بھی پاک نہ ہوگی۔ میں تو اتر ہی جاؤں گا میرا کیا بگڑے گا اور تمہارا قلب بگڑ جائے گا اور وہ سمندر میں بھی دھونے سے پاک نہ ہوگا۔ یہ سن کر ان پر ایک حالت طاری ہوئی اور بہت روئے اور کچھڑ میں اتر پڑے۔ حضرت بایزید کی حکایت ہے کہ ایک بار راستہ میں ایک کتے سے دامن بچا کر نکلے کتے نے کہا میری ظاہری نجاست کو دیکھا اور اپنی باطنی نجاست کو نہ دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تجھ سے دوستی کر لوں اس نے جواب دیا کہ تمہارا میرا کیا ساتھ تمہاری تعظیم و تکریم ہوتی ہے اور مجھ کو ہر شخص دھتکارتا ہے اس پر یہ بہت روئے اور کہا کہ جب ایک کتا مجھے دوستی میں قبول نہیں کرتا تو حق تعالیٰ کے مقبول بننے کا کیسے خیال کیا جائے۔ انہیں بزرگ کی ایک اور حکایت ہے جس کو شیخ نے بوستاں میں لکھا ہے۔

شنیدم کہ روزے سحر گاہ عید زگرما برآمد بروں بایزید

(میں نے سنا کہ ایک روز عید کی صبح کے وقت بایزید حمام سے باہر نکلے)

قصہ یہ ہے کہ حضرت بایزید ایک دفعہ عید کے روز حمام میں سے غسل کر کے کپڑے بدل

کر نکلے راستہ میں جا رہے تھے کہ کسی نے کوٹھے پر سے کوڑے کا ٹوکرا سر پر پھینک دیا یہ ایسی بات تھی کہ اس پر اتنے بڑے شخص کو غصہ آنا کم تھا مگر ان بزرگ نے کچھ بھی نہیں کہا اور سیدھے گھر کو چلے آئے اور نہادھو کر دوسرے کپڑے پہن لئے پیشانی پر بل بھی نہیں پڑے ایک تو یہ ان حضرات کے حالات ہیں اور ایک ہمارے حالات ہیں کہ ٹوکرا تو کہاں اگر کوئی بات بھی خلاف مزاج کہہ دے تو آپے میں نہ رہیں رگیں پھول جائیں آنکھیں سرخ ہو جائیں منہ میں جھاگ آجائے اور بلا انتقام لئے ہرگز نہ مانیں اور سزا میں بھی یہ نہ ہو کہ جرم کے برابر ہی سزا دیں اور بدلہ پراکتفا کریں بلکہ جہاں تک بھی قابو چلے اس کی عقوبت میں کمی نہ کریں ترفع کا مادہ انسان میں طبعاً رکھا ہوا ہے بڑے بڑے مجاہدوں سے اصلاح ہوتی ہے۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

## عورتوں سے خطاب

خاص کر میں عورتوں کو خطاب کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے اس میں ایسا حصہ لیا ہے کہ ایک دنیا کو پریشان کر ڈالا ہے شادی بیاہ میں جو کچھ ہوتا ہے ان کی خرابیاں اس حد کو پہنچ گئی ہیں کہ وہ لوگ بھی جو دین سے کچھ تعلق نہیں رکھتے چلا اٹھے کہ ان کا انسداد ہونا چاہئے کیونکہ جہاں ایک شادی عورتوں کے قانون کے موافق ہو گئی وہیں دیونکل گیا اور کئی کئی پشتیں قرض میں بندھ گئیں۔ دین تو غارت ہوا ہی تھا دنیا بھی برباد ہو گئی شادی بیاہ سے قطع نظر ان کی ذرا سی نقل و حرکت ہو تو اس کے لئے وہ سامان ہونا چاہئے جس کے لئے ایک معقول رقم چاہئے جوڑا بھی نیا ہونا چاہئے زیور بھی اسی وقت بنایا جائے جو تا بھی عمدہ ہی ہو یہ تو مال کا خرچ ہوا پھر اس میں وقت بھی اتنا صرف ہوتا ہے کہ اس میں بہت سے کام ہو سکتے تھے ان سب مفاسد کی وجہ وہی حرص ہے کہ جس کو ذرا اپنے سے اونچا دیکھا اسی کی ریس کرنے لگیں کہ ہم بھی اسی کے سے کپڑے پہنیں اسی کا ساز زیور ہوا اسی کا سامکان ہوا اسی کی سی معاشرت ہو۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

## جملہ رسوم کا مبنی

حدیث شریف میں ہے۔ لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من

کبر (الصحيح المسلم الايمان ب: ۳۹)

(جس کے دل میں ذرہ بھر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ داخل ہوگا) اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ



تکبر شریعت میں منع ہے جب یہ بات ہے کہ رسوم کا مبنی یہی ہے تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ رسوم شرعاً منع نہیں ہیں اور جب رسوم ممنوع اور گناہ ہوئیں تو ان میں خرچ کرنا اضلعتہ مال ہوایا نہیں پس معلوم ہو گیا ہوگا کہ صرف ناچ میں خرچ کرنے کو ہی اضلعتہ مال نہ کہیں گے بلکہ اضلعتہ مال کی حقیقت یہ ٹھہری کہ جہاں شریعت نے منع کیا۔ وہاں خرچ کرنا اضلعتہ مال ہے۔ (ذم المکتر وہات ج ۲۶)

## حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ

### اور مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کتنے بڑے امیر تھے اور اسی کے ساتھ شیخ وقت بھی تھے مولانا جامی ان کے پاس گئے دیکھا کہ بڑے ٹھاٹھ ہیں۔ مولانا جامی کو یہ بات پسند نہ آئی اور یہ مصرعہ سنا کر چل دیے اور ایک مسجد میں جا پڑے۔ نہ مردست آنکہ دنیا دوست وارد۔ (وہ مرد خدا نہیں جو دنیا کو دوست رکھے) دوپہر کو خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور حساب و کتاب ہو رہا ہے ان کو ایک شخص نے آ کر پکڑ لیا کہ میرے تین پیسے جو تمہارے ذمہ ہیں وہ دیتے جاؤ وہاں ان کے پاس پیسے کہاں تھے بہت حیران ہوئے کہ کیا کروں۔ دیکھا کہ خواجہ عبید اللہ احرار ایک سواری میں سوار سامنے سے گزرے اور یہ واقعہ دیکھ کر اپنے کسی خادم سے کہا کہ جو خزانے ہم نے یہاں بھیجے ہیں ان میں سے یہ دام دے کر ان کو چھڑا دو یہ ہمارے مہمان ہیں بس مولانا کی آنکھ کھل گئی اور سمجھے کہ میں غلطی پر تھا اٹھ کر شاہ صاحب سے معافی چاہی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ صاحبزادہ وہ مصرعہ کیا پڑھا تھا انہوں نے عذر کیا کہ اب کیا مجال جو ایسا حرف زبان پر لاؤں فرمایا پہلے اپنی خوشی سے پڑھا تھا اب ہماری خوشی کے لئے پڑھ دو۔ غرض مجبور ہو کر پڑھا مصرعہ نہ مردست آنکہ دنیا دوست وارد (وہ مرد خدا نہیں جو دنیا کو دوست رکھے) شاہ صاحب نے بیساختہ فرمایا۔ گردارد برائے دوست دارد (اگر رکھے دوست کی وجہ سے رکھے) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں بڑے امیر تھے مگر ہم میں اور ان میں فرق یہ تھا کہ وہ حلال سے کھاتے تھے اور حلال میں خرچ کرتے تھے نہ آمد میں ان پر کوئی اعتراض ہو سکتا تھا نہ خرچ میں اور ہماری یہ حالت ہے کہ نہ کمانے میں حلال و حرام کا خیال نہ اٹھانے میں۔ آمد بھی قابل الزام خرچ بھی قابل الزام۔ (ذم المکتر وہات ج ۲۶)

## غصہ کا علاج

مجھے یاد ہے کہ میں پہلے غصہ میں تعجیل کرتا تھا جس سے کام بگڑتا تھا تو میں نے اس کا یہ علاج کیا ہے کہ ایک کلیہ یاد کر لیا کہ تعجیل نہ کرنا چاہئے اس سے برسوں تک کام لیتا رہا بحمد اللہ اس طریق سے تعدیل ہو گئی (الاریاب والاعیاب ج ۲۶)

## بدگمانی کا علاج

میں بدگمانی کا علاج بتلاتا ہوں اس کا علاج یہ ہے کہ جب کسی سے بدگمانی پیدا ہو تو اپنے عیوب کو پیش نظر کر لیا کرو جیسے حضرت مرزا جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواجہ میر درد کی شکایت کی کہ وہ سماع سنتے ہیں حالانکہ خواجہ میر درد نقشبندی ہیں اور نقشبندیہ کے یہاں سماع بالکل نہیں مگر جب دل میں آگ لگتی ہے تو چاہے نقشبندی ہو یا چشتی بعض اوقات وہ سماع کی طرف مضطرب ہو جاتا ہے تو مرزا صاحب نے یہ شکایت سن کر فرمایا کہ میاں کوئی آنکھوں کا مریض ہے کوئی کانوں کا مریض ہے یعنی میرے سامنے ان پر کیا اعتراض کرتے ہو میں خود ایک مرض میں مبتلا ہوں آنکھوں کے مرض میں۔ کیونکہ مرزا صاحب کو لوگوں نے حسن پرست مشہور کر رکھا تھا حالانکہ حسن پرست نہ تھے بلکہ لطیف الطبع تھے اسی لئے جب جامع مسجد دہلی میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لاتے پاکی کے پٹ بند کر دیا کرتے تھے تاکہ راستہ میں دکانوں کا بے قاعدہ عمارت پر نظر نہ پڑے کیوں کہ اس سے ان کے سر میں درد ہو جاتا ہے اور یہ لطافت مرزا صاحب میں فطری تھی چنانچہ شیر خوارگی کے زمانہ میں بھی کسی بد صورت آدمی کی گود میں نہ جاتے تھے ہمیشہ خوب صورت آدمیوں کی گود میں جاتے تھے کیا اس وقت بھی حسن کے سبب شہوت نفس کا احتمال ہو سکتا ہے ہرگز نہیں پس معلوم ہوا کہ آپ حسن پرست نہ تھے بلکہ لطیف الطبع تھے لیکن عوام کو لطافت کی کیا خبر وہ تو آپ کے واقعات لطافت کو حسن پرستی ہی پر محمول کرتے تھے تو حضرت مرزا صاحب نے خواجہ میر درد کی شکایت سن کر فوراً تہمت کو پیش نظر کر لیا کہ میں بھی تو ایک تہمت سے متہم ہوں۔ (الاریاب والاعیاب ج ۲۶)

## غیبت کا منشاء

اس سے یہ معلوم ہوا کہ غیبت کا منشا یہی کبر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ متکبر کی غرض

پوری طرح غیبت ہی سے حاصل ہوتی ہے تجسس اور بدگمانی سب اسی کے مقدمات ہیں اگر کوئی شخص بدگمانی اور تجسس کرے مگر غیبت سب سے اشد ہے۔ یہ نسب نامہ اور باہمی تعلق ہے ان گناہوں کا کہ یہ سب تکبر سے ناشی ہیں اس کے بعد تفاخر بالانساب سے ممانعت ہے یہ بھی تکبر ہی سے ناشی ہے عرب میں یہ مرض بہت تھا اور اب بھی (الاریاب والاغیاب ج ۲۶)

## غیبت کا ضرر و مفسدہ

عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے کیونکہ وہ عموماً بے کار رہتی ہیں بے کاری میں سوائے غیبت کے ان کا کچھ مشغلہ نہیں ہوتا اور مردوں میں یہ مرض کم ہے اگر ان کو کچھ کام نہ ہو تو ان میں بھی یہ مرض زیادہ ہوتا۔ اور مفاسد افتراق کا علم سب کو ہے کیونکہ مقدمہ بازی لڑائی جھگڑا سب اسی کی بدولت ہوتے ہیں اور اتفاق کے اندر جو مصالح و منافع ہیں افتراق کی صورت میں ان سے بھی محرومی ہو جاتی ہے۔ (الاریاب والاغیاب ج ۲۶)

## شاہجہاں کے صعوبت زوال کی حکایت

عالمگیر نے جب شاہجہاں کو معزول کر کے مقید کیا تو دریافت کیا کہ اس حالت میں آپ کے لئے کیا شغل تجویز کیا جائے فرمایا کہ کچھ بچے پڑھنے کے لئے بھیج دو ان کو بیٹھا پڑھایا کروں گا عالمگیر نے کہا ہاں ابھی تک بوئے سلطنت دماغ سے نہیں نکلی کیونکہ یہ میاں بھی بادشاہوں سے کم نہیں ہوتے چنانچہ ایک میاں جی کی گفتگو بادشاہ سے ہوئی تھی میاں جی نے کہا میری بادشاہت تمہاری سلطنت سے افضل ہے کیونکہ میری فوج میری اطاعت تمہاری فوج سے زیادہ کرتی ہے بادشاہ نے کہا ہرگز نہیں میاں جی نے کہا بہت اچھا ابھی امتحان کر لیجئے اپنی فوج کو حکم دیجئے کہ سب کے سب اپنے منہ کالا کر کے ایک لنگوٹی باندھ کر ڈنڈے ہاتھ میں لیں اور بازار کے بیچ میں کوکالے ڈنڈے پیلے ڈنڈے کہتے ہوئے ڈنڈے بجاتے ہوئے نکل جائیں چنانچہ بادشاہ نے فوج کو یہ حکم دیا سب نے انکار کر دیا کہ دشمن کے مقابلہ میں بھیج دو جان دینے کو حاضر ہیں لیکن اگر بیچنے کے واسطے ہم نے نوکری نہیں کی تو بادشاہ بہت کھسیانا ہوا اس کے بعد میاں جی نے اپنے مکتب کے لڑکوں کو حکم دیا سب نے منہ کالے کر کے ڈنڈے ہاتھ میں لئے اور بیچ بازار میں کالے ڈنڈے پیلے ڈنڈے کرتے

ہوئے نکل گئے بچوں کو اپنے میاں جی سے محبت بہت ہوتی ہے ایک بار مجھے میرے والد صاحب نے حافظ صاحب کے پاس سے اٹھانا چاہا کسی بات پر خفا ہو گئے تھے مگر میں چل گیا اور ہرگز نہ اٹھا آخر والد صاحب تھک کر خاموش ہو گئے نیز میں اکثر اپنا کھانا مکتب میں منگا لیا کرتا تھا تا کہ زیادہ آوے اور حافظ صاحب بھی کھالیں اور ان کو سہارا لگے کیونکہ ان کی آمدنی کافی تھی اور یہ قاعدہ ہے کہ گھر سے جب کھانا باہر جاتا ہے تو خوراک سے زیادہ ہی بھیجا جاتا ہے تا کہ سب کی بس کی نہ ہو۔ مگر جتنی محبت لڑکوں کو میاں جی سے ہوتی اتنا ہی میاں جی کو تنگ بھی کرتے ہیں لوہاری میں ایک میاں جی تھے وہ اپنے حجرہ میں جو چیز کھانے پینے کی رکھتے لڑکے سب کھا جاتے تھے ایک دفعہ ان کے پاس بتائے آئے تو انہوں نے ایک لوٹے میں رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا لڑکوں کو فکر ہوئی کہ ان کو کس طرح نکالیں تو ایک رائے دی کہ لوٹے میں پانی ڈالو سب گھل جائیں گے پھر شربت بنا کر پی لو چنانچہ ایسا ہی کیا اوپر سے منہ بند کا بند رہا اور اندر سے خالی ہو گیا تو دیکھئے شاہجہاں کے دماغ میں بوئے سلطنت بسی ہوئی تھی تو انہوں نے معزولی میں بھی ایسا کام تجویز کیا جو سلطنت کے مشابہ تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ تو اضع ایک دن میں حاصل نہیں ہو سکتی تکبر کو دماغ سے نکالنے کے لئے زمانہ چاہئے تو جب تک اصل مرض کا علاج ہو اس وقت تک مرض کا علاج کرو یعنی غیبت سے بچنے کیلئے فوری تدبیر یہ کرو کہ بدوں سوچے کوئی بات نہ کیا کرو جو بات کرو سوچ کر کرو اس سے غیبت کم ہو جائے گی اور کچھ دنوں کے بعد بالکل نہ ہوگی۔ اب اگر کوئی کہے کہ اس کلیہ کو کون یاد رکھے کہ ہر بات سوچ کر کیا کرے۔ (الاریاب والاغیاب ج ۲۶)

## غیبت کی حدود

بعض دفعہ غیبت کی ضرورت ہوتی ہے تو سنئے؟ شریعت نے اس کے لئے بھی حدود مقرر کئے ہیں وہ یہ کہ غیبت ایک تو حفظ نفس کے لئے ہے یہ تو حرام ہے اور ایک ضرورت سے ہے جس کو شریعت ضرورت کہے وہ جائز ہے مثلاً کسی عورت کو استفتاء کی ضرورت ہے اور اس ضرورت سے اپنے شوہر کا حال مفتی سے کہنا پڑے تو اس کو اس وقت شوہر کی غیبت جائز ہے اسی طرح قاضی کے یہاں بیان کرنا بھی جائز ہے اور مفتی اور قاضی میں فرق یہ ہے کہ مفتی کا جواب تو جملہ شرطیہ ہوتا ہے کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس کا حکم یہ ہے اور قاضی کا فیصلہ جملہ



انشائیہ ہوتا ہے کہ اس معاملہ کی صورت اس طرح ہو جانا چاہئے اسی لئے مفتی صرف ایک شخص کے بیان پر فتویٰ دے سکتا ہے اور قاضی ایک شخص کے بیان پر فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ اس کو دونوں طرف کا بیان سننا ضروری ہے پھر شہادت و حلف کے بعد فیصلہ کرے قاضی یا سلطان کو یہ جائز نہیں ہے کہ صرف مدعی کا بیان سن کر فیصلہ کرنے لگے جب تک کہ مدعی علیہ سے دریافت نہ کرے یک طرفہ بیان سن کر قاضی و سلطان کو قضیہ شرطیہ کے ارادہ سے بھی حکم بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں احد الفریقین کی حمایت ظاہر ہوگی اور قاضی و سلطان کو فریقین میں تسویہ کا حکم ہے بخلاف مفتی کے کہ اس کو ایک شخص کا بیان سن کر بھی فتویٰ دے دینا جائز ہے کیونکہ اس کا فتویٰ واقعہ کا فیصلہ نہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر واقعہ یوں ہی ہے تو مسئلہ یہ ہے اور اگر یوں نہیں تو جواب دوسرا ہے آج کل لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں کہ مفتی کے فتویٰ کو فیصلہ سمجھتے ہیں اور جب ایک واقعہ میں دو شخص استفتاء کرتے ہیں اور جواب مختلف دیا جاتا ہے تو علماء کو بدنام کرتے ہیں کہ اس کو کچھ جواب دیا اس کو کچھ جواب دے دیا اور یہ نہیں دیکھتے کہ سوال کرنے والوں نے سوال مختلف کیا ہے اور مفتی کا جواب جملہ شرطیہ ہوتا ہے تو دو سوال کے بدلنے سے ضرور بدلے گا اور ہر سوال کا جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ واقعہ یہ ہے کہ تو جواب یہ ہے اور دوسری طرف واقعہ ہے تو جواب دوسری طرح ہے۔ (الاریاب والاغیاب ج ۲۶)

## تجسس کے بعض افراد دقیق ہیں

تجسس کے بعض افراد دقیق ہیں چنانچہ تجسس کا ایک فرد یہ ہے کہ دو آدمی باتیں کر رہے ہوں اور ایک آدمی آڑ میں اس طرح بیٹھا ہو کہ ان کو اس کے موجود ہونے کی اطلاع نہ ہو تو اس طرح آڑ میں بیٹھ کر کسی کی باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے اس کو اگر آڑ میں بیٹھنا ہے تو زبان سے کہہ دینا چاہئے کہ میں بیٹھا ہوا ہوں یا اس کے سامنے سونے لیٹ گیا ہو اور دوسروں کو یہ خیال ہو کہ یہ سو گیا ہے اور وہ آپس میں باتیں کرنے لگیں مگر یہ جاگ رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ ان کو اطلاع کر دے کہ میں جاگ رہا ہوں۔ البتہ اگر وہ لوگ اس کے متعلق باتیں کر رہے ہوں اور اس کو ضرر پہنچانا چاہتے ہوں تو تجسس کے ساتھ ان کی گفتگو سننا جائز ہے نیز اگر دو شخص آپس میں انگریزی یا عربی میں گفتگو کر رہے ہوں اور تیسرا شخص بھی ان زبانوں کو سمجھتا ہو مگر ان دونوں کو خبر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ ان دونوں کو مطلع کر دے کہ میں

انگریزی یا عربی سمجھتا ہوں کانپور میں ایک جنٹلمین میرے پاس آئے اور بچہ کی تعلیم کے لئے معلم کی درخواست کی میرے سامنے اس وقت ایک طالب علم تھے ان سے اس کے متعلق عربی میں گفتگو کرنے لگا تو وہ جنٹلمین کہنے لگے کہ شاید آپ عربی میں مجھے اخفاء کے لئے گفتگو کر رہے ہیں لیکن میں عربی سمجھتا ہوں اس لئے اگر ارشاد ہو میں دوسری جگہ بیٹھ جاؤں اس شخص کی تہذیب پر مجھے حسرت ہوئی اور اب میں اپنی حرکت سے اتنا شرمندہ ہوا کہ میرے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کی تہذیب کا میرے اوپر خاص اثر ہوا اور اب ایسے مہذب سے اخفاء کی ضرورت نہیں۔ (الاریاب والاعتیاب ج ۲۶)

## کفر و شرک کا مبنی

کفر و شرک کا مبنی ہمیشہ کبر ہے۔ اب غور کر کے دیکھئے تو یہ بھی ثابت ہو جائے گا اور بہت سے معاصی کا مبنی بھی کبر ہی ہے جو کفر و شرک سے نیچے ہیں۔ ایسے گناہ کبر سے اس طرح ہوتے ہیں کہ گنہگار اپنے برے عمل کو صرف اس عار کی وجہ سے نہیں چھوڑتا کہ لوگ کہیں گے کیا اتنے روز سے یہ احمق رہا اس کام کو ہمیشہ سے کیوں کرتا رہا جواب چھوڑنا پڑا۔ اس شخص نے عیب حماقت سے اپنے نفس کو بچایا۔ یہی کبر بڑا مرض ہے اور علاج بالصدق ہوا کرتا ہے۔ یہ مرض پیدا ہوا عدم معرفت کبر یا حق سے تو علاج معرفت کبر یا حق ہوگا یعنی عظمت حق تعالیٰ کی اس کو حق تعالیٰ نے آیت میں بلفظ حصر اپنے واسطے ثابت کیا ہے۔ (علاج الکبر ج ۲۶)

## صفت کبر مضاد ایمان ہے

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر. (الصحيح المسلم كتاب الايمان باب : ۳۹)  
یعنی جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ بلکہ ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تشدد ہے۔

اخرجوا من النار من كان في قلبه مثقال ذرة من ايمان. (اتحاف

السادة المتقين ۱ : ۱۳۹)

یعنی قیامت کے دن حکم ہوگا کہ جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہے اسے

دوزخ سے نکالو۔ اس کو پہلی حدیث سے ملائے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے وہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر کبر جس کے دل میں ہے جنت میں نہ جائے گا۔ یہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر بھی ایمان جس کے دل میں ہے جنت میں جائے گا اس سے صاف یہ بات نکلتی ہے کہ ذرہ بھر کبر بھی جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہو سکتا۔ اور ذرہ بھر ایمان جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر کبر نہیں ہو سکتا ہے (علاج الکبر ج ۲۶)

## رسومات بیاہ و شادی میں تفاخر کا منشاء

بیاہ شادی کی جتنی رسمیں ہیں سب تفاخر ہی پر مبنی ہیں پھر کسی کے دل کو صدمہ تو کیا اور ان سے خوش ہوتے ہیں خاص کر جبکہ ان پر وہ ثمرہ مرتب بھی ہو جائے جس کے واسطے کی جاتی ہیں۔ یعنی علو اور شہرت جبکہ کسی کے یہاں تقریب میں بد نظمی نہ ہو اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہو اور خیریت سے اختتام کو پہنچ جائے تو نام ہوتا ہے یوں کہتے ہیں اپنی حیثیت سے زیادہ لگا دیا بڑی ہمت کی پانچ روپے کی اوقات میں کھانا کیا اچھا دیا۔ بارات کیسی بڑھیا لایا۔ اس کو کفر نہ کہئے مگر قریب کفر ضرور ہے دیکھئے شرعی مسئلہ ہے اور کتابوں میں لکھا ہے کہ گناہ کو چھوٹا سمجھنا کفر ہے اس کو سب جانتے ہیں مگر اس کو خاص کر لیا ہے۔ (علاج الکبر ج ۲۶)

## مفاسد غیبت

غیبت کوئی جب ہی کرتا ہے کہ جب اپنے آپ کو اس سے اچھا سمجھتا ہے جس کی غیبت کرتا ہے۔ کسی مریض کو ہنساتا وہی شخص ہے جو خود تندرست ہو اور اگر اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ مریض پائے تو کہیں نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے سے کم مریض کو ہنساتا ہو۔ یہ اچھا سمجھنا ہی کبر ہے۔ علی ہذا دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جو آدمی جلتا ہے (جسے حسد کہتے ہیں) اس کی بناء بھی اس پر ہے کہ اس صاحب نعمت سے زیادہ اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل سمجھتا ہے یہ بھی اپنے نفس کی بڑائی ہے جسے کبر کہتے ہیں۔ غرض اکثر گناہوں کو ٹٹولتو تو بنا کبر ہی پر پاؤ گے۔ لہذا سب کو چھوڑ دو حتیٰ کہ معاصی کی اصل ہی دل میں سے نکل جائے کیونکہ بڑائی کو حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے کسی دوسرے کا اس میں حصہ نہیں تو جو شخص کبر کو نہیں چھوڑتا وہ نہیں پہچانتا کہ یہ کس کا حق تھا اور کس کو دیتا ہے تو اس نے نہ نفس کا حق

پہچانا نہ حق تعالیٰ کا اس سے بڑھ کر جاہل کون ہوگا یہ شخص معاصی سے کبھی چھوٹ نہیں سکتا جس گناہ میں بھی پڑ جائے کم ہے۔ کیونکہ معاصی کی جڑ اس کے دل میں موجود ہے ایک سے بچے گا دوسرے میں پڑ جائے گا۔ گناہ ہونہ پڑا۔ (علاج الکبرج ۲۶)

## حضرت رابعہ بصریہ رحمہما اللہ کا مذاق

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا پر جب فاقہ اور مرض نہ ہوتا تو یہ بے قرار ہو کر فرماتیں کہ شاید محبوب ناراض ہیں جو بہت دنوں سے پیام و سلام نہیں آیا۔ یعنی فاقہ اور بیماری یہ ان کے نزدیک محبوب کا پیام و سلام تھا۔ پھر ان لوگوں کی بیماری اور فاقہ مستی کو مصیبت کون کہہ سکتا ہے ہاں یوں کہئے کہ صورت مصیبت ہے۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

## یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

لوگ اہل اللہ کی تکالیف کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ وہ بھی ان کی طرح پریشان ہوں گے مگر جس کو یہ دولت حاصل ہو جس کا مذاق عبدیت اور فنا ہو چکا ہو بھلا وہ بھی کہیں تکلیف سے پریشان ہوا کرتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ روتے بھی ہوں آہ بھی کرتے ہوں بیماری میں تڑپتے بھی ہوں مگر اس تڑپنے سے ان کا دل پریشان نہیں ہوتا دل کو اس وقت ایک خاص سرور و لذت حاصل ہوتی ہے۔ باطن میں وہ پوری راحت میں ہوتے ہیں۔

دما دم شراب الم درکشند و گر تلخ بیند دم درکشند  
(ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)  
(تعظیم العلم ج ۲۷)

## حضرت امام اعظم کی اپنے صاحبزادہ کو نصیحت

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے صاحبزادے حماد کو نصیحت فرمائی تھی کہ علم کلام و مناظرہ میں مشغول نہ ہونا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو خود مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ فرمایا: ہاں ہم نے مناظرہ کیا ہے لیکن ہماری یہ حالت تھی کہ ہم یہ تمنا کرتے تھے کہ حق بات خصم کے منہ سے نکلے اور ہم اس کو قبول کریں اور تم کو یہ تمنا ہوتی ہے کہ خصم کے منہ سے سوائے باطل کے کچھ نہ نکلے تاکہ تم غالب رہو ہم کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ ہمارا مسلمان



بھائی اپنی زبان سے غلط بات کہے۔ پھر اس کی سچ کرے یا ہم حق بات کہیں اور اس کو ہار کر ہماری بات ماننا پڑے جس سے ہمارا غلبہ اور اس کا عجز ظاہر ہو یا ضد میں آ کر وہ ہماری حق بات کو رد کرنے لگے تو اس کے ایمان کا ضرر ہو اس لیے ہم یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ خصم کے منہ سے حق بات نکلے تو ہم اس کو جلدی سے قبول کر لیں جس سے اس کی عزت بھی ہو اور حق بھی واضح ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ امام صاحب کے بعد کا زمانہ بھی غنیمت تھا کیونکہ اس زمانہ کے لوگ جو یہ تمنا کرتے تھے کہ خصم کے منہ سے باطل کے سوا کچھ نہ نکلے اور حق بات ہمارے ہی منہ سے نکلے تو اس تمنا کا منشا یہ تھا کہ وہ لوگ اس بات کا قصد کرتے تھے کہ اگر کبھی خصم کے منہ سے حق بات نکل گئی تو ہم ضرور مان لیں گے ورنہ اگر ان کی نیت یہ نہ ہوتی تو اس تمنا کی ان کو کیا ضرورت تھی کہ خصم کے منہ سے باطل ہی نکلے۔ معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ غلط بات ہی کا رد کرنا چاہتے تھے حق بات کے رد کرنے کا وہ قصد نہیں کرتے تھے مگر آج کل تو یہ تمنا کرتے ہیں کہ خصم کے منہ سے حق بات نکلے نہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ باطل نکلے کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے یہ بات دل میں ٹھان لیتے ہیں کہ خصم کے منہ سے جو کچھ نکلے گا اس کو رد ہی کریں گے خواہ حق ہو یا باطل ہو۔ افسوس تو یہ ایک تیسرا درجہ ہے جو پہلے زمانہ میں نہ تھا یہ آج پیدا ہوا ہے کہ مناظرہ میں ہر شخص یہ ٹھان لیتا ہے کہ دوسرے کے منہ سے جو کچھ نکلے اس کو رد ہی کرنا چاہیے اگرچہ وہ حق بات ہی ہو۔ ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) (تعلیم العلم ج ۲۷)

## حضرات اکابر دیوبند کی بے نفسی

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے ایک معقولی صاحب آ کر لپٹ گئے کہ میں آپ سے مناظرہ کروں گا مولانا نے فرمایا کہ مناظرہ سے دو مقصود ہوتے ہیں ایک اظہار حق یہ تو آج کل مفقود ہے دوسرے بڑا بننا اور اپنی شان علم جتانا آج کل زیادہ تر یہی مقصود ہوتا ہے تو اس کیلئے آپ کو مناظرہ کی ضرورت نہیں، فضول کیوں مشقت میں پڑتے ہیں۔ با واز بلند کہے دیتا ہوں کہ صاحبو! آپ مجھ سے زیادہ عالم ہیں میں جاہل ہوں مجھے کچھ نہیں آتا بس آپ کا مقصود حاصل ہو گیا۔ چنانچہ مولانا نے با واز بلند یہ مضمون فرمادیا اور وہ معقولی اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ سبحان اللہ! یہ حضرات کیسے بے نفس تھے اپنے آپ کو بالکل مٹائے ہوئے تھے۔ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ (مولانا محمد یعقوب صاحب) کی عادت تھی کہ درس میں اگر کسی طالب علم نے

آپ کی تقریر پر اعتراض کیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ مجھ سے تقریر میں غلطی ہوئی ہے تو فوراً اپنی غلطی کا اعتراف فرما لیتے تھے پھر ایک دفعہ نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بار بار فرماتے تھے کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی یہاں تک کہ اعتراض کرنے والا شرما شرما جاتا تھا اور بعض دفعہ جب کسی مضمون میں پڑھاتے ہوئے شرح صدر نہ ہوتا تو صاف فرما دیتے کہ مجھے اس مقام پر شرح صدر نہیں ہوا پھر اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ عین درس میں طلبہ کے سامنے کتاب اٹھا کر اپنے ماتحت مدرسین میں سے کسی کے پاس پہنچ جاتے اور بے تکلف فرما دیتے کہ مولانا مجھے اس مقام پر شرح صدر نہیں ہوا ذرا آپ اس کی تقریر فرما دیجئے۔ انہوں نے تقریر کر دی تو پھر اپنے حلقہ درس میں انہی صاحب کا نام لے کر فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی حقیقت میں ایسا بے نفس ہونا بڑا مشکل ہے آج کل لوگ اس کو ذلت سمجھتے ہیں مگر واللہ عزت و تواضع ہی میں ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: ”مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ“ (جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رفعت عطا فرماتے ہیں) آخر ان حضرات نے جو ایسی بے نفسی اختیار کر رکھی تھی کیا اس سے ان کی جاہ و عزت میں کچھ کمی آگئی بخدا پہلے سے زیادہ عزت ہو گئی کہ آج ان کی یہ باتیں کمالات اور کرامات میں شمار ہو رہی ہیں لیکن طلبہ کیساتھ یہ برتاؤ اسی وقت تک ہونا چاہیے جب کہ سوال صحیح ہو۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

## مسلمان کی اصل کامیابی

مسلمان کی اصل کامیابی رضائے حق ہے اور اس کی اصل کوشش اس کی طلب ہے جس کا طریق اتباع احکام ہے خواہ دنیا میں کسی حال میں رہے اور اس حالت میں جو حظ اور راحت مومن کو ہوتی ہے وہ سب کامیابیوں سے بڑھ کر ہے اسی بناء پر حق تعالیٰ نے ایمان و اعمال کے ثمرات میں راہ حق پر ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے: ”أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ“ (یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔) (تعظیم العلم ج ۲۷)

## منتظر سلام رہنا تکبر کی علامت ہے

ہم لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ علم دین پڑھ کر ہم اس کے منتظر رہتے ہیں کہ لوگ ہم کو

سلام کریں کیونکہ یہ دنیا دار ہیں اور ہم دیندار ہیں۔ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سو اس قسم کے لوگ متکبر ہیں اور زیادہ وجہ اس انتظار کی یہ ہوتی ہے کہ اپنے کو عالم سمجھتے ہیں مگر صاحبو! یہ کہاں لکھا ہے کہ جاہل عالم کو سلام کرے ہاں یہ لکھا ہے کہ سوار پیادے کو سلام کرے آنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے مگر یہ کہیں نہیں کہ جاہل عالم کو سلام کرے بلکہ دونوں کے ذمہ برابری ضروری ہے تو یہ انتظار تکبر نہیں تو کیا ہے۔ (طلب العلم ج ۲۷)

## فقراء کا تکبر عجیب ہے

اس وقت تو فقراء بھی الا ماشاء اللہ تکبر وغیرہ بہت سی خرابیوں میں مبتلا ہیں اور فقراء کا تکبر بہت ہی عجیب ہے کیونکہ فقیری کا تو حاصل یہ ہے کہ اپنے کو مٹایا جائے تو یہ فقیر ہو کر بھی نہ مٹے غرض سب قابل الزام ہیں کہ معاشرت و اخلاق وغیرہ کو سب نے دین سے نکال دیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جس کو دین سمجھتے ہیں اس کی بھی تحقیق نہیں جیسے نماز مثلاً اور ان میں بھی سب سے زیادہ خاص ان لوگوں کی شکایت ہے جو نمازی بھی ہیں کہ باوجود اس کے پڑھنے کے کوئی مسئلہ کبھی کسی عالم سے دریافت نہیں کرتے۔ خدا جانے ان کو کبھی کوئی شبہ ہی نہیں ہوتا یا خود سارے مسائل معلوم ہیں یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ سارے مسائل ان کو معلوم ہیں کیونکہ نماز کے متعلق اتنے مسائل ہیں کہ اب تک بھی مجھے کتاب دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو جو لوگ نہ لکھے نہ پڑھے ہیں ان کو کیونکر معلوم ہو گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ جی کو سمجھا لیا ہے کہ یوں بھی ہو جاتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دین کی طلب نہیں یہی ہے وہ مرض جس کو میں بیان کر رہا ہوں اور اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس تقریر کو پھر پیش نظر کر لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر طلب دین کو فرض کر رہے ہیں اس حد تک کہ کبھی طالب کا پیٹ نہ بھرے تو ہر مسلمان پر فرض ہوا کہ کتنی ہی عمر ہو جائے برابر دین کی طلب میں رہے اس سے کوئی ڈرے نہیں کہ انہوں نے مولویت ہی کو فرض کر دیا۔ (طلب العلم ج ۲۷)

## شکر کا مفہوم

شکر کے معنی ہیں منعم کے۔ انعام کے جواب میں منعم کا دل سے یا زبان سے یا ہاتھ پاؤں سے کوئی ایسا فعل کرنا جس سے منعم کی عظمت ظاہر ہوتی ہو (شکر المثنوی ج ۲۷)

حق سبحانہ فرماتے ہیں:

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

یعنی حق سبحانہ جس چھوٹی یا بڑی نعمت کو کھول دیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو وہ بند کر دیں اس کو کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب مطلق اور حکیم مطلق ہیں۔ نیز فرماتے ہیں: ”مَا أَصَابَكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ“ یعنی جو نعمت تم کو ملی وہ حق سبحانہ کی طرف سے ہے ان نصوص میں تصریح ہے کہ ہر نعمت خواہ علم ہو یا کچھ اور اسی کے اختیار میں ہے اور بدوں اس کے دیئے کسی کو نہیں مل سکتے۔ پس بجائے اس کے ناز کیا جاوے ہم کو حق سبحانہ کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے ہم پر انعام کیا اور ہم سے یہ خدمت لی ہم کو ناز کا کیا حق ہو سکتا ہے جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ارشاد ہوتا ہے: ”لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ“ ”یعنی اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم چاہیں تو جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی ہے اسے سلب کر لیں۔“ (شکر المثنوی ج ۲۷)

## اہل علم میں اخلاق حسنہ کی کمی پر اظہار افسوس

اے صاحبو! اہل علم میں جو فضائل ہونا چاہیے وہ ہمارے اندر کہاں ہیں، صبر کہاں ہے، شکر کہاں ہے، تواضع کہاں، حب جاہ سے نفرت اور خموں کی رغبت جو مسلمان ہم سے ملتے ہیں ہم خود ان سے تعظیم کے طالب ہوتے ہیں اگر کوئی ایک مرتبہ ہم کو بلاوے اور نذر دے دوسری دفعہ اگر بلائے گا تو خیال ہوتا ہے کہ اب کی مرتبہ بھی نذر ملے گی اور اگر نہیں دیتا تو قلب میں شکایت ہوتی ہے اور بعضے زبان سے بھی ظاہر کر دیتے ہیں اور یہ حالت میں عام واعظوں کی بیان نہیں کرتا ان کے حالات تو اس سے بھی زیادہ ناگفتہ بہ ہیں۔ یہ تو ان علماء کی حالت ہے جو علم کے ساتھ مشیخت کی مسند پر بھی بیٹھے ہیں اور لوگوں کے مقتدا بنے ہیں تو آخر یہ کیا بات ہے یہ کیا آفت ہے۔ بس بات یہ ہے کہ علم ہمارے صرف زبان پر ہے ہمارے اندر نہیں پہنچا۔ اگر قلب میں اس کا اثر ہوتا اور قلب اس سے رنگین ہوتا تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔

علم چوں بر دل زنی یارے بود      علم چوں بر تن زنی مارے بود  
(علم کو اگر دل پر مارو تو دوست بن جاتا ہے اور علم کو اگر بدن پر مارو تو سانپ بن جاتا ہے)



علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت رنگ گمراہی ز دل بزدایدت  
 (علم وہ ہے جو تجھے راستہ دکھا دے اور تیرے دل سے گمراہی کا رنگ دور کرے)  
 ایں ہوسہا از سرت پیروں کند خوف و خشیت در دولت افزوں کند  
 (یہ علم تمام خواہشات نفسانی کو باہر نکال دیتا ہے اور خوف و عاجزی کو تیرے دل کے  
 اندر زیادہ کرتا ہے) (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

## ٹھنڈا پانی پینے میں حکمت

ایک بزرگ نے سنا کہ فلاں صوفی شوربے میں پانی ملا کر کھاتا ہے فرمایا وہ طفل مکتب  
 ہے وہ اس تجلی کو معطل کرتا ہے جو شوربے کی لذت میں ظاہر ہے ہمارے حاجی صاحب رحمہ  
 اللہ کا ارشاد جو خود مجھ سے فرمایا میاں اشرف علی پانی جب پیو خوب ٹھنڈا پینا ہر بن موسیٰ  
 الحمد للہ نکلے گا اور گرم پانی پیو گے تو زبان تو الحمد للہ کہے گی مگر دل اس کا ساتھ نہ دے گا۔ یہ  
 ہیں حقائق جن کو محقق ہی سمجھتا ہے۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

## بیت المال میں ضرورت احتیاط

حضرت عمر فاروقؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت حضرت علی کرم اللہ  
 وجہہ ان سے ملنے کو آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو اندر بلا لیا اور ان کے آتے ہی چراغ  
 گل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں گل کر دیا  
 فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اور میں اس وقت بیت المال ہی کا کام کر رہا تھا  
 اب چونکہ ہم اور آپ باتیں کریں گے اور یہ کام بیت المال کا نہیں ہے اس لئے اس  
 تیل سے بات چیت میں انتفاع نہیں کر سکتے حضرت آپ کو اس پر بھی تعجب ہو گا مگر اس  
 کی وجہ وہی ہے کہ آپ کو شریعت کے اصول و قواعد معلوم نہیں اور جو معلوم بھی ہیں تو ان  
 پر عمل کا اہتمام نہیں ہے، شاید یہاں کسی کو یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اتنی احتیاط کس سے ہو  
 سکتی ہے یہ تو قدرت سے باہر ہے تو سن لیجئے کہ قدرت سے باہر تو نہیں ہاں دشوار ضرور  
 ہے مگر دشواری اسی وقت تک ہے جب تک آپ نے ہمت نہیں کی ذرا ہمت کر کے عمل  
 شروع کیجئے ان شاء اللہ قدم قدم پر غیب سے اعانت ہوگی۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## ہمت و ارادہ پر نصرت خداوندی

چنانچہ میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ ہمت و ارادہ کے بعد حق تعالیٰ کیسی امداد فرماتے ہیں۔

بارہ اکبر پور ایک مقام ہے اس کے قریب ایک چھوٹا سا اسٹیشن لالپور ہے ایک دفعہ میں بارہ سے وہاں پہنچا اور بارش کے سبب وقت سے بہت پہلے پہنچا اتفاق سے جس وقت میں پہنچا بارش ہونے لگی اور اسٹیشن کا سائبان بوچھاڑ سے نہ بچا سکتا تھا۔ اکبر پور میں ایک منصف صاحب میرے جاننے والے تھے ان کو اطلاع ہو گئی تو انہوں نے اسٹیشن ماسٹر کو لکھ دیا کہ یہ ہمارے دوست ہیں ان کی راحت کا کافی انتظام کیا جائے۔ اس غریب نے ہمارے واسطے ایک بڑا کمرہ کھلوادیا شام ہوئی تو چوکیدار سے کہا کہ کمرہ میں روشنی کر دو اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ غالباً اس وقت ہمارے واسطے سرکاری تیل جلا کر روشنی کی جاوے گی جو شرعاً جائز نہیں کیونکہ سرکاری تیل سرکاری کاموں کے واسطے دیا جاتا ہے نہ کہ مسافروں کی خاطر رات بھر جلانے کے واسطے اب اگر اسٹیشن ماسٹر مسلمان ہوتا تو میں بے تکلف اس سے کہہ دیتا کہ ہمارے واسطے سرکاری تیل کا جلانا جائز نہیں مگر وہ ہندو تھا میں نے سوچا کہ اس کے سامنے شرعی مسئلہ بیان کروں تو یہ کیا سمجھے گا بلکہ عجب نہیں کہ تمسخر کرنے لگے غرض جب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اس وقت آپ ہی مجھ کو گناہ سے بچائیے میری کوشش تو بے کار ہے۔ میں دل دل میں دعا ہی کر رہا تھا کہ دفعۃً اسٹیشن ماسٹر نے ملازم سے کہا کہ دیکھو سرکاری تیل نہ جلانا ہماری ذاتی لالٹین رکھ دینا۔ اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اگر انسان ہمت و ارادہ کرے تو خدا تعالیٰ مدد کرتے ہیں اس لئے آپ گھبرائیں نہیں بلکہ ہمت سے کام لینا چاہئے۔ دنیا کے کاموں میں تو آپ کبھی ہمت نہیں ہارتے بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل کام شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ السعی منی والایتمام من اللہ (میرا کام کوشش کرنا ہے پورا کرنا اللہ کا کام ہے) چنانچہ اس نیت کی برکت سے کامیاب بھی ہوتے ہیں مگر دین کے کاموں میں ہمت نہیں کرتے۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## حضرت گنج مراد آبادیؒ کی سادگی

مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب میں یہی بات تھی کہ ان کا غصہ اور تیزی سادگی کے

ساتھ تھی اس لئے کسی کو ناگواری نہ ہوتی تھی بعض دفعہ وہ بڑے بڑے عہدہ داروں کو ایسی تیز تیز باتیں فرما دیا کرتے تھے کہ ہم ویسی باتیں کہیں تو ایک دن میں بدنام ہو جائیں۔

ایک مرتبہ وزیر حیدر آباد مولانا کے یہاں حاضر ہوئے تو آپ فرماتے ہیں ارے نکالو ارے نکالو، صاحبزادے نے عرض کیا حضرت حیدر آباد کے وزیر ہیں فرمایا ارے تو میں کیا کروں میں کیا ان سے تنخواہ پاتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا اچھا رات کے دو بجے تک رہنے کی اجازت ہے اس کے بعد چلے جائیں، بے چارے وزیر نے اسی کو غنیمت سمجھا اور اس کی تہذیب دیکھئے کہ رات کے ۲ بجے فوراً چلا گیا خدام نے کہا بھی کہ صبح کو چلے جائیے گا۔ اب تو مولانا سو رہے ہیں انہیں کیا خبر ہوگی کہا نہیں یہ بے ادبی ہے بزرگوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا چاہئے، اب حضرت کی اجازت نہیں ہے میں نہ ٹھہروں گا تو مولانا بڑے سے بڑے کو ایسی تیز تیز کہہ دیتے تھے اور کچھ ناگوار نہ ہوتا تھا۔

ایک دفعہ لیفٹیننٹ گورنر نے آپ کی زیارت کو آنا چاہا اور اپنے سیکرٹری کے ذریعہ سے باقاعدہ اجازت حاصل کی مولانا نے اجازت دے دی اور لوگوں سے فرمایا وہ ہم کو کیا جانیں لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ کو تو سارا زمانہ جانتا ہے پھر فرمایا کہ وہ بیٹھیں گے کہاں ہمارے یہاں تو سونے کی کرسی بھی نہیں۔ خدام نے عرض کیا کہ حضرت وہ لکڑی کی کرسی پر بھی بیٹھ جاویں گے فرمایا اچھا۔ پھر فرمایا کہ کیا ہم لیفٹیننٹ گورنر کو دروازہ تک لینے جاویں، عرض کیا گیا کہ اگر مزاج چاہے تو مضائقہ بھی نہیں، یہ باتیں ان کے آنے سے پہلے ہو رہی تھیں، مگر کچھ دیر کے بعد مولانا بھول بھال گئے اور جب وہ تاریخ آئی جس میں لیفٹیننٹ گورنر آنے والے تھے تو حضرت نے نہ کچھ سامان کیا نہ استقبال کیا بلکہ اپنی جگہ سے اٹھے تک نہیں جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے لیفٹیننٹ گورنر تو بیٹھ گئے باقی سب انگریز جوان کے ساتھ تھے کھڑے رہے ایک میم بھی کھڑی رہ گئی تو مولانا نے ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا بی تو اس پر بیٹھ جاوہ اس پر بیٹھ گئی پھر لیفٹیننٹ گورنر نے عرض کیا کہ حضرت ہمیں کچھ وصیت فرمائیے فرمایا تم کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہے دیکھو ظلم مت کرنا ورنہ تم سے حکومت چھن جائے گی۔ پھر اس نے کہا کہ حضرت ہمیں کچھ تبرک عطا فرمایا جائے، آپ نے فرمایا مجھ غریب کے پاس تمہارے دینے کو کیا رکھا ہے، پھر خادم سے پکار کر فرمایا ارے مٹھائی کی ہنڈیا

میں کچھ چور پڑا ہو تو ان کو دیدے یہ مانگ رہے ہیں چنانچہ وہ چور اٹھوڑا تھوڑا سب کو بانٹا گیا اور سب نے نہایت ادب سے اس کو لیا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ لیفٹیننٹ گورنر کو مولانا کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی کیا مولانا حاکم تھے یا نواب اور رئیس تھے کچھ بھی نہیں پھر آخر یہ دل کشی کس چیز کی تھی کہ مسلم اور غیر مسلم ان کے دروازے پر آتے تھے۔

صاحبو! یہ سادگی ہی کی دل کشی تھی تکلف اور تصنع سے یہ بات پیدا نہیں ہوا کرتی اسی کو فرماتے ہیں۔

دل فریبان نبائی ہمہ زیور بستند      دلبر ماست کہ باحسن خدا داد آمد

زیر بارند درختاں کہ ثمرہا دارند      اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

(دل فریبان نبائی زیور متعارف سے مزین ہیں ہمارے محبوب میں حسن خدا داد ہے جو

درخت پھلدار ہیں وہ زیر بار ہیں سرو بہت اچھا ہے کہ ہر غم سے آزاد ہے) (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## حضرت حاتمِ اصم کی حکایت

مجھے حضرت حاتمِ اصم کی حکایت یاد آئی کہ ایک شخص نے مجمع میں ان کے سامنے ہدیہ پیش کیا اول تو انہوں نے قبول سے انکار کیا اس نے اصرار کیا تو آپ نے لے لیا۔ لوگوں نے بعد میں پوچھا کہ حضرت اگر آپ کو لینا ہی تھا تو پہلے انکار کیوں کیا اور جو نہ لینا مقصود تھا تو بعد میں کیوں لے لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اصل میں تو مجھ کو لینا مقصود نہ تھا اس لئے انکار کر دیا تھا مگر پھر میں نے دیکھا کہ اس وقت مجمع میں ہدیہ رد کر دینے سے اس شخص کی ذلت ہوگی اور میری عزت اور لے لینے سے میری ذلت ہوگی کہ انکار کے بعد لے لیا اور اس کی عزت ہوگی تو میں نے اپنے بھائی کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دی اب ہماری یہ حالت ہے کہ دلجوئی کریں گے تو ایسی کہ حرص میں مبتلا ہو جائیں گے پس جو آیا لے لیا چاہے حرام ہو یا حلال واپس کرنا جانتے ہی نہیں یا استغناء برتتے ہیں تو ایسا جو کبر تک پہنچ جاتا ہے استغناء میں چونکہ اپنی عزت ہوتی ہے اور ایک قسم کا حظ حاصل ہوتا ہے اس لئے اس میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں کہ پھر کسی کا دل توڑنے کی بھی پروا نہیں کرتے غرض ہماری کوئی بات اعتدال کی نہیں بس یہ حالت ہے

چوں گرسنہ میشوی سگ میشوی      چونکہ خوردی تند و بدرگ میشوی

(جب بھوکا ہوتا ہے تو کتے جیسا ہو جاتا ہے اور بے شکم سیر ہوتا ہے تو مغرور و

متکبر بن جاتا ہے) (اسباب الفتنہ ج ۲۸)



## ذکر ریائی

مولانا جامیؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ریاء سے ذکر کرتا ہے فرمایا وہ تم سے پھر بھی اچھا ہے کہ خدا کا نام تو لیتا ہے تم تو ریاء سے بھی خدا کا نام نہیں لیتے قیامت میں اس کا ذکر ریائی ٹٹماتا ہوا چراغ بن کر پل صراط سے اس کو پار کر دے گا مگر تمہارے پاس تو ٹٹماتا ہوا چراغ بھی نہیں یہ ہیں محقق لوگ جو اعمال صالحہ کی اتنی قدر کرتے ہیں غرض کام نہ کرنے والے سے پھر بھی بہت اچھا ہے کہ کچھ کرتا تو ہے اور جو بالکل نہیں کرتا وہ تو بالکل محروم ہے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ایک مجمع صلحاء کے بارے میں جو ایک دینی کام کے لئے اٹھے تھے مگر ناکام رہے طعن کے طور پر کہا کہ ان لوگوں نے ناحق اس میدان میں قدم ڈالا بھلا کیا حاصل ہوا تو مولانا نے اس کے جواب میں سودا کا یہ قطعہ پڑھ دیا۔  
 سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن بازی اگرچہ پانہ سکا سر تو کھوسکا  
 کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیا تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا  
 (الحج ج ۲۸)

کہ مرکوبات ان نعمتوں میں سے ہیں جن کے ساتھ تلبس کم ہے یعنی رکوب کے اعتبار سے کم ہے۔ اسی لئے نکاح پر شکر کیا جاتا ہے گھر بنا کر شکر کیا جاتا ہے اور سواری کا جانور خریدتے وقت تو شاید شکر کر لیا جاتا ہو مگر سواری کے وقت بہت کم شکر کرتے ہیں اس کی یہی وجہ ہے کہ نعمت مرکوب کی طرف التفات کم ہے (النعم المرغوبہ فی النعم المرکوبہ ج ۲۸)

## لطیفہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

ایک لطیفہ یاد آیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے باپ یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو جیسا کہ ایک اعرابی نے مجھ کو تسلی دی ایسی کسی نے نہیں دی سچ یہ ہے کہ دیندار خواہ گاؤں کا ہو یا شہر کا اس کا فہم چونکہ دین کی وجہ سے درست ہو جاتا ہے اس لئے وہ حقائق امور کو خوب سمجھتا ہے وہ مضمون تسلی کا یہ ہے

اصبر تکن بک صابرین فانما صبر الرعية بعد صبر الراس  
 خیر من العباس اجرک بعدہ واللہ خیر منک للعباس

مطلب یہ ہے کہ اب صبر کیجئے ہم بھی آپ کی وجہ سے صبر کریں گے کیونکہ چھوٹوں کا صبر بڑے کے صبر کے بعد ہوتا ہے اور اس واقعہ میں نہ تمہارا کچھ نقصان ہوا بلکہ نفع ہی ہے اور وہ نفع یہ ہے کہ تم کو ثواب ملا اور وہ ثواب تمہارے لئے حضرت عباسؓ سے بہتر ہے اور حضرت عباسؓ کا بھی کچھ نقصان نہیں ہوا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مل گئے اور اللہ تعالیٰ عباسؓ کے لئے تم سے بہتر ہے یعنی تمہارے پاس رہنے سے اللہ کے پاس رہنا بہتر ہے یہ عجیب مضمون ہے۔ (غص البصر ج ۲۸)

## شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی حکایت متعلق پردہ پوشی

مجھے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یاد آئی شاہ صاحب مسجد میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا کرتے تھے ایک مرتبہ حسب معمول حدیث کا درس ہو رہا تھا کہ ایک طالب علم وقت سے دیر کر کے سبق کے لئے آئے حضرت شاہ صاحب کو منکشف ہو گیا کہ یہ جنبی ہے غسل نہیں کیا وہ طالب علم معقولی تھے معقولی ایسے ہی لا پرواہ ہوتے ہیں شاہ صاحب نے مسجد سے باہر ہی روک دیا اور فرمایا کہ آج تو طبیعت سست ہے جمنا پر چل کر نہائیں گے سب لنگیاں لے کر چلو سب لنگیاں لے کر چلے اور سب نے غسل کیا اور وہاں سے آ کر فرمایا کہ ناعہ مت کرو کچھ پڑھ لو وہ طالب علم ندامت سے پانی پانی ہو گیا اہل اللہ کی یہ شان ہوتی ہے کیسے لطیف انداز سے اس کو امر بالمعروف فرمایا اور جب بزرگوں کی شان معلوم ہو گئی کہ وہ کسی کو رسوا نہیں کرتے تو اب مستفیدین کو بھی چاہیے کہ ایسے شیوخ سے اپنے عیب کو نہ چھپایا کریں اس لئے کہ عیب ظاہر نہ کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے یا تو خوف ہوتا ہے کہ یہ ہم کو حقیر سمجھیں گے سو ان حضرات میں نہ تو یہ بات ہے کہ کسی کو حقیر سمجھیں اس لئے کہ یہ حضرات سوائے اپنے نفس کے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے اور یا یہ خوف ہوتا ہے کہ کسی کو اطلاع کر دیں گے سو نہ ان حضرات میں یہ بات ہے اس لئے ان سے صاف کہہ دینا چاہیے مگر یہ اظہار معالجہ کے لئے ہے نہ کہ بلا ضرورت کیونکہ بلا ضرورت گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے اور بضرورت ظاہر کرنے کے حق میں حضرت عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

چنداں کہ گفتیم غم باطیباں درماں نکردند مسکین غریباں  
ماحال دل را با یار گفتیم نتوان نہفتن درد از جیباں  
(ہر چند کہ طبیبوں کے پاس ہم نے اپنا غم بیان کیا لیکن انہوں نے ہم مسکینوں

غریبوں کے درد کا درماں نہ کیا، ہم اپنے دل کا اپنے محبوب دوست سے بیان کریں گے محبوبوں سے اپنا درد نہ چھپانا چاہیے)

غرض چونکہ وہ لوگ کسی کو فضیحت نہیں کرتے اور جو فضیحت کرنے والے ہیں ان کو اطلاع نہیں ہوتی اس لئے یہ گناہ بدنگاہی کا اکثر چھپا ہی رہتا ہے اس لئے لوگ بے دھڑک اس کو کرتے ہیں۔ (غص البصر ج ۲۸)

## ہر گناہ کی توبہ الگ ہے

یہ یاد رکھئے کہ ہر گناہ سے توبہ کرنے کا طریقہ الگ ہے اگر جھوٹ بولا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے استغفار کر لو اور اگر غیبت کی ہے تو اس کے لئے صرف استغفار کافی نہیں بلکہ جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی بھی چاہو مگر معافی چاہنے میں اس کی ضرورت نہیں کہ اس سے یوں کہو کہ میں نے تیری فلاں فلاں غیبت کی ہے اور تجھے یوں برا بھلا کہا ہے کیونکہ اس تفصیل سے خواہ مخواہ اس کو ایذا دینا ہے ممکن ہے کہ اب تک اس کو غیبت کی اطلاع بھی نہ ہوئی ہو تو تم خود کہہ کر اس کا دل کیوں دکھاتے ہو بلکہ اجمالاً معافی چاہ لو کہ میرا کہا سنا معاف کر دو اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے سامنے تم نے غیبت کی تھی ان کے سامنے اس کی مدح و ثنا بھی کرو اور پہلی بات کا غلط ہونا ظاہر کر دو اور اگر وہ بات غلط نہ ہو چکی ہو تو یوں کہہ دو کہ بھائی میری اس بات پر اعتماد کر کے تم فلاں شخص سے بدگمان نہ ہونا کیونکہ مجھے خود اس پر اعتماد نہیں رہا (یہ تو یہ ہوگا کیونکہ سچی بات پر بھی اعتماد قطعی بدوں وحی کے نہیں ہو سکتا) اور وہ مر گیا ہو جس کی غیبت کی تھی تو اب غیبت کے معاف کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے دعا و استغفار کرتے رہو یہاں تک کہ دل گواہی دے دے کہ اب وہ تم سے راضی ہو گیا ہوگا غرض حفاظت لسان کی سخت ضرورت ہے جتنے گناہ زبان سے ہوتے ہیں اور کسی عضو سے نہیں ہوتے ہیں سب کی تفصیل کہاں تک بیان کروں اگر تفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو امام غزالیؒ کی کتاب ”احیاء العلوم“ میں باب آفات اللسان دیکھو اور ”ضمان الفردوس“ ایک رسالہ اردو میں ہے اس کا مطالعہ کرو۔ (مظاہر الاقوال ج ۲۸)

## غیبت محرمہ

غرض دینی ضرورت سے اگر کسی کی غیبت کرے تو جائز ہے مگر ضروری ہونے کے

ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ بات محقق ہوگئی جو تم بیان کرنا چاہتے ہو اگر دینی ضرورت نہیں بلکہ محض نفسانیت ہی نفسانیت ہے تو اس صورت میں امر محقق کا بیان کرنا بھی جائز نہیں کہ یہ غیبت محرمہ ہے اور بلا تحقیق کوئی بات کہی جائے تو بہتان ہے (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

## تواضع حاصل کرنے کا طریقہ

اور تواضع محض کتابیں پڑھنے سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس کو مولانا فرماتے ہیں  
قال را بگذار و مرد حال شو پیش مردے کا ملے پامال شو  
یعنی تواضع حال سے پیدا ہوتی ہے اور حال کسی کامل کی جوتیاں سیدھی کرنے سے حاصل ہوتا ہے پس تواضع حاصل کرو اور اپنی بات غالب کرنے کے لئے مباحثہ کبھی نہ کرو ایک گناہ زبان کے متعلق یہ ہے کہ کسی کو کو سا جائے یا کسی کو طعنہ دیا جائے یا اس کے عیب کو جتلا یا جائے میں سب کی تفصیل کہاں تک بیان کروں بس۔ (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

## غرباء میں بھی مرض حب جاہ ہوتا ہے

ایک سب انسپکٹر صاحب تھے ان کے یہاں کوئی تقریب تھی تو انہوں نے تمام برادری کو جمع کیا ایک شخص برادری میں اندھے اور بہت ہی غریب تھے وہ نہیں آئے وہ دل کے بھی اندھے ہی تھے حسد ان پر غالب ہوا اور شرکت سے انکار کر دیا بعض آدمیوں میں یہ ایسی بد خصلت ہوتی ہے کہ ہیں تو دو کوڑی کی حیثیت کے مگر ایسے موقعوں پر بڑی آن بان دکھاتے ہیں اور ایسے موقعوں کے منتظر رہتے ہیں ویسے تو ان کو کوئی پوچھتا نہیں جب ایسے مجموعوں میں نہیں آتے تو خواہ مخواہ غل مچتا ہے اور شہرت ہو جاتی ہے (گو بدنامی اور برائی کے ساتھ ہو) بس اسی کی اصلیت حب جاہ و شہرت ہے حب جاہ کچھ بڑے ہی آدمیوں کے ساتھ خاص نہیں ایک فقیر میں بھی ہو سکتی ہے جب وہ نہ آئے تو سب انسپکٹر صاحب جیٹھ بیسا کھ کی دھوپ میں دوپہر کے وقت ان کو منانے کو گئے اور مسجد دروازہ پر تھی کبھی مسجد میں آنے کی توفیق نہ ہوئی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس کام کی ضرورت آدمی کے ذہن میں ہو اس میں دھوپ مانع نہیں ہوتی اگر دھوپ واقعی مانع ہے گھر سے نکلنے کو تو اس میں مانع کیوں نہ ہوئی یہ سب عذر



بارد ہیں اور حیلے ہیں دنیا کے کاموں میں بھی یہ حیلے چل جاویں تو جانیں اس کا کسی کے پاس کیا جواب ہے دین کے لئے ذرا سی بھی مشقت کسی سے نہیں اٹھتی۔ (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

## درستی باطن کا خلاصہ

صاحبو! باطن کی درستی کا خلاصہ ایک لفظ میں ہے یعنی محبت الہی باطن کی درستی کے مدعی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے قلب میں محبت الہی موجود ہے اس بے فکری اور موٹاپے پر یہ دعویٰ کس قدر بے محل ہے خدا جانتا ہے کہ محبت تو وہ چیز ہے کہ آدمی کو کاشنا بنا دیتی ہے موٹا پا تو بے فکری سے پیدا ہوتا ہے اور محبت میں بے فکری کہاں اہل محبت کی حالت تو یہ ہوتی ہے

داما دم شراب الم درکشند وگر تلخ بینند دم درکشند  
(ہر دم رنج و الم کی شراب پیتے ہیں اور جب اس میں رنج کی کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو خاموش ہو رہتے ہیں) (مطاہر الاقوال ج ۲۸)

## اہل اللہ کی زندگی پر لطف ہونے کا راز

راحت کی کنجیاں حق تعالیٰ کے پاس ہیں یہ ایسی موٹی بات ہے کہ جو خدا کا قائل ہے وہ اس سے انکار کر ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک خدا تعالیٰ کو مانے گا اور کنجی والے سے فضل کے اندر کی چیز لینے کا طریقہ عقلاً یہی ہے کہ اس کو راضی کیا جاوے اگر کوئی کہے کہ کبھی کنجی چھین کر بھی تو اندر کی چیز لی جاسکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جب ہو سکتا ہے جب کہ کنجی والا اس سے کمزور ہو اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کسی سے کمزور نہیں تو حق تعالیٰ سے اگر کنجی کے اندر کی چیز مل سکتی ہے تو رضا ہی سے مل سکتی ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی راحت کا طالب ہو اور وہ خدا کو بلا راضی کئے راحت کو حاصل کر لے یہ الٹی چال سائنس کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف کہاں گئی عقل جب طاعت ہی سعادات دنیویہ و اخرویہ کی شرط ٹھہری اور اطاعت نام ہے عمل کا جس کا بڑا حصہ اعمال ظاہری ہیں تو ظاہر کا ضروری ہونا صاف واضح ہو گیا اور اس باب میں نصوص اس قدر ہیں کہ ان کا احصاء نہیں ہو سکتا پس نصوص کا اگر انکار ہے تو کفر صریح ہے اور اگر تاویل ہے تو بلا عمل کے کوئی عقلمند بنتا ہو یا تعلیم یافتہ یا دیندار یا مقتدا بنتا ہو کسی شمار میں بھی نہیں اور وہ غلطی میں مبتلا ہے اور نفس نے اس کو دھوکہ میں ڈال رکھا

ہے ان نصوص میں ایسی من گھڑت تاویلیں کرنا بمقابلہ تمام اُمت سلف اور خلف کے غیر مقبول اور الحاد اور زندقہ ہے غرض نصوص سے بھی ظاہر کی ضرورت ثابت ہے ادھر سائنس سے بھی اوپر ثابت ہو چکا کہ نرے خیالات کسی کام کے لئے کافی نہیں بلکہ ان خیالات کو درجہ عمل میں آنے کی ضرورت ہے اور بلا اس کے کوئی ترقی نہیں ہو سکتی تو دین کے لئے نرے باطن کی ضرورت کا قائل ہونا کیسے صحیح ہوگا اور ظاہر کیسے اڑ جاوے گا مدعیان تعلیم ذرا غور کریں۔ (الظاہر ج ۲۸)

## اللہ تعالیٰ کے عاشق صادق بننے کی ضرورت

میں طلباء سے کہتا ہوں کہ تم کسی کی تحقیر کی پروا نہ کرو اگر کوئی تمہارے طرز میں عیب نکالے نکالنے دو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کافی ہے تم ان کو راضی کرنے کی فکر کرو اور یاد رکھو کہ عشق میں تو ملامت ہوا ہی کرتی ہے تم خدا تعالیٰ کے عاشق بننا چاہتے ہو تو ملامت سننے کے لیے تیار رہو۔

نسازد عشق رانج سلامت خوشار سوائی کوئے ملامت  
(عشق کے لیے گوشہ سلامتی لائق نہیں اس میں تو رسوائی کے کوچہ کی ملامت بہت اچھی ہے)  
اور اگر کوئی تم کو نحوست و عکبت سے مطعون کرے یا کوئی دیوانہ کہے تو تم اس کو یہ جواب دو۔  
ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم مست آں ساقی و آں پیانہ ایم  
(ہم اگر قلاش ہیں یا دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے یہی دولت کیا کم ہے کہ اس ساقی و محبوب حقیقی اور اس کی شراب محبت سے مست ہیں)

عارف شیرازی سلامت کو مٹانے اور ملامت کو گوارا کرنے کے حق میں فرماتے ہیں:  
ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولیٰ ویں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ  
(یہ لباس جو کہ میں پہنے ہوئے ہوں شراب خانہ میں رکھنا بہتر ہے اور میرے دفتر فضولیات کو شراب کے مٹکے میں ڈبونا بہتر ہے۔)

من حال دل اے زاہد با خلق نخواہم گفت کایں نغمہ اگر گویم با چنگ و رباب اولیٰ  
(زاہد اپنے دل کے حال کو دنیا سے کہنا نہیں چاہتا اگر میں اس نغمہ کو گاؤں تو کوچہ ملامت ہی زیادہ بہتر ہے)

ایک بزرگ نے چنگ و رباب کی تفسیر ملامت سے کی ہے کہ ملامت کے وقت میں یہ نغمہ عشق ظاہر کروں گا کیونکہ محبوب کے لیے ملازمت اور دھول دھپہ میں بھی لذت ہوتی ہے اور یہ حالت عشاق مجازی تک پر طاری ہوتی ہے وہ بھی اپنے اشعار میں اس ذلت کو ظاہر کرتے ہیں۔

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست تو نیز بر سر بام آگہ خوش تماشا نیست  
(تیرے عشق کے جرم میں مجھے کھینچے لیے جاتے ہیں اور بھیڑ لگی ہوئی ہے تو بھی تو  
کوٹھے پر آ کر دیکھ لے کہ کتنا اچھا تماشا ہو رہا ہے)  
جو کلام مؤثر ہو سمجھ لو کہ حال سے نکلا ہے خواہ عشق حقیقی کا حال ہو یا مجازی کا ہو  
حالات دونوں کو قریب قریب ہی پیش آتے ہیں۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## اخفاء عبادت میں ریا

عام صوفیہ کا مشہور قول ہے کہ اظہار عبادت مخلوق پر ریا ہے اور محققین حضرات کا ارشاد ہے کہ  
اخفاء عبادت خلق سے ریا ہے کیونکہ مخلوق پر نظر ہی کیوں گئی جو اس سے اخفاء کا اہتمام کیا۔ اگر تم مخلوق کو  
ایسا سمجھتے جیسی مسجد کی صفیں تو ان سے اخفاء نہ کرتے۔ کوئی مسجد کی صفوں سے بھی اخفاء کا اہتمام کیا  
کرتا ہے بس تم مخلوق کو کالعدم اور لاشے محض سمجھو کسی پر نظر نہ کرو صرف ایک ذات پر نظر رکھو۔  
دلارامے کہ داری دل در و بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند  
(جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لو)  
یہی تو وحدۃ الوجود ہے جو کسی کی زبان سے کسی طرح نکل گیا وہ کافر کہلائے گا  
کیونکہ اس نے زبان عشق میں اس کو ظاہر کیا اور عاشق کی زبان کافی نہیں ہوتی۔ توضیح  
مراد کے لیے عاقل کی زبان کافی ہوتی ہے چنانچہ محققین اسی وحدۃ الوجود کو زبان عقل  
سے ظاہر کرتے ہیں ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگا سکتا مگر جن پر فتویٰ لگایا گیا ہے ان کو اس کی  
بھی پروا نہیں وہ اپنے کلام میں تاویل بھی نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایمان و کفر  
مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہے اور تاویل وہ کرے جو مخلوق پر کچھ بھی نظر کرتا ہو اور جس کی  
نظر مخلوق پر بالکل نہ ہو اس کو اس کی بھی ضرورت نہیں۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## فنا بغرض شہرت کبر ہے

فناء بغرض شہرت کبر ہے اسی طرح تفویض بغرض راحت تجویز ہے۔ بعض لوگ اس  
غرض سے تفویض کرتے ہیں کہ اس میں راحت بہت ہے تم اس کا قصد کر کے تارک تفویض  
نہ بنو بلکہ فنا کا اس لیے قصد کرو کہ تم واقع میں فنا ہی کے مستحق ہو۔

وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب

(تیرا وجود ہی گناہ ہے کسی گناہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا)

اور تفویض اس نیت سے کرو کہ یہ محبوب کا حق ہے کہ سب کام اسی کے سپرد کر دیا جاوے۔

سپردم بتو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را  
(میں نے اپنا سرمایہ تیرے حوالے کر دیا حساب کی کمی بیشی کو تو ہی جانے) (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## بزرگوں کا مذاق

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کو کسی نے برا بھلا کہا تو بجائے اس کے کہ لوٹ کر اس کو جواب دیتے یا برا مانتے یہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرے بہت سے عیب تمہیں معلوم نہیں ہوئے ورنہ اور زیادہ برا بھلا کہتے دیکھئے کیا شان ہے بزرگوں کی۔ ان کا مذاق تو یہ ہے:

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق ہے برا وہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے  
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے پھر برا کہنے سے کیوں اس کے برا مانتا ہے  
وہ تو پروا بھی نہیں کرتے کسی کے برا بھلا کہنے کی کیوں وہ عاشق ہیں اور عاشق کی  
شان یہ ہوتی ہے کہ اس کو تو برا بھلا سننے میں مزا آتا ہے۔

نہ سازد عشق رانج سلامت خوشا رسوائی کوئے ملامت  
(عشق کو سلامتی کا گوشہ اچھا نہیں لگتا بلکہ اس کو محبوب کے کوچہ کی ملامت اچھی معلوم ہوتی ہے)

## وسوسہ ریاء ریاء نہیں

ذاکر کو بھی جب شیطان ذکر سے روکتا ہے تو محض وسوسہ سے اس کو پریشان کرتا ہے  
اور اس کو اتنی قدرت نہیں کہ کسی کو پکڑ کر عمل سے روک دے پس وہ اگر ذاکر نادان ہے تو اس  
کو اس طرح نقصان پہنچ جاتا ہے کہ شیطان نے اس وسوسہ سے اس کو ڈرایا اور وہ دفع وسوسہ  
کے لیے اس کے مقابلہ کو کھڑا ہو گیا اور وسوسہ سے ڈر کر اس کے پیچھے ہولیا، پھر جتنی دیر اس  
کے پیچھے چلتا رہا اتنی دیر ذکر سے رہ گیا اس طرح شیطان کا کام بن گیا اور اس کی غرض  
حاصل ہو گئی کہ ذاکر کو اتنی دیر کے لیے ذکر سے روک دیا تو اے ذاکرین ہوشیار رہو اور خوب  
سمجھ لو کہ یہ بھی شیطان کا مکر ہے اور گہرا مکر ہے کہ تم کو وسوسہ سے ڈرا کر اپنا کام بنالیتا ہے اس



سے ہرگز مت ڈرو اور یاد رکھو کہ ذکر کرنے میں اگر ریاء کا وسوسہ آئے تو اس کی کچھ پروا مت کرو یہ وسوسہ ریاء کا ہے ریاء نہیں ہے اسی طرح اس کا محل قعر قلب نہیں حوالی قلب ہے اور قلب میں جو متوہم ہوتا ہے تو وہ اس کا عکس ہے۔ (الباطن ج ۲۹)

## وسوسہ کی مثال

اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینہ کے اوپر کوئی مکھی بیٹھی ہو تو ایک مکھی آئینہ کے اندر بھی نظر آئے گی مگر وہ مکھی آئینہ کے اندر نہیں ہے بلکہ خلاف واقع ایک چیز نظر آتی ہے اس کو دیکھ کر وہ شخص جو آئینہ کی خاصیت کو نہیں جانتا یہ سمجھتا ہے کہ آئینہ کے اندر مکھی ہے۔ چنانچہ بچوں کے سامنے جب آئینہ لاتے ہیں تو وہ اس کے اندر اپنا عکس دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر ہمارا بھائی بیٹھا ہے اور خوش ہوتے ہیں اور اس کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہیں وجہ اس کی یہی ہے کہ ان کو آئینہ کی اس خاصیت کی خبر نہیں کہ اس کے اندر باہر کی چیز کا عکس نظر آیا کرتا ہے جس کا وجود واقع میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اور سمجھدار آدمی جو اس آئینہ کی خاصیت کو جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے۔ تو اے سالکین! تم بچے مت بنو سمجھ لو کہ اس ریاء کا کچھ وجود نہیں ہے شیطان باہر سے عکس ڈال کر تم کو ڈراتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم کچھ دیر کو اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے لڑنے میں اور دفع کرنے میں مشغول ہو جاؤ اور اتنی دیر ذکر سے رہ جاؤ یہ ایسا ہے جیسے ایک بچہ کے سامنے کوئی ڈراؤنی صورت آئینہ میں دکھائی جائے کہ وہ اس کو دفع کرنے میں اور اس سے لڑنے میں مصروف ہو جاتا ہے کبھی آئینہ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کبھی آئینہ کے پیچھے ہاتھ لے جاتا ہے مگر ہاتھ اس کے کچھ بھی نہیں آتا۔ (الباطن ج ۲۹)

## توبہ کرنے کا ایک فائدہ عاجلہ

توبہ کرنے کا ایک فائدہ عاجلہ بھی ہے وہ یہ کہ بار بار توبہ کرنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ چند روز میں بتدریج وہ گناہ چھوٹ جاتا ہے۔ پس یہ توبہ کی برکت ہے کہ اس سے تائب آخر کار متقی پرہیزگار ہو جاتا ہے۔ غرض اگر گناہ اور توبہ دونوں کے سلسلے برابر جاری رہیں تب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ گناہ کا سلسلہ مٹ جائے گا اور توبہ کا سلسلہ

”بمقتضائے ”سبقت رحمتی علی غضبی“ (میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی) غالب آجائے گا جیسے سلیٹ کی لکھائی ہے کہ پانی سے مٹ جاتی ہے اسی طرح گناہ بھی آب رحمت سے مٹ جائیں گے۔ لیکن اس سے گناہوں پر دلیر نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ میرا مقصود تو اس سے یہ ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ میں گناہ نہ کروں اور نفس سے کشاکش ہوتی ہے کبھی یہ غالب ہوتا ہے کہ باوجود تقاضاء شدید کے نفس کے مقتضاء پر عمل نہیں کرتا اور کبھی بمقتضاء بشریت اس پر نفس غالب آجاتا ہے اس سے کڑھتا ہے اور روتا ہے اور توبہ کرتا ہے اور پھر گناہ ہو جاتا ہے وہ پھر ایسا ہی کرتا ہے اور اس کی ہمت ٹوٹنے کی ہوتی ہے ایسے شخص کی ہمت بندھانے کے لیے یہ مضمون بیان کر رہا ہوں کہ ایسا شخص اس تدبیر سے ان شاء اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن ضرور متقی و پرہیزگار ہو جائے گا۔ اگر نہ بھی ہو لیکن مغفور تو ان شاء اللہ ہو ہی گا۔ باقی جو پہلے سے گناہ میں دلیر ہے اور اس کو کچھ غم ہی نہیں اس کے غم کے علاج ہی کی کیا ضرورت ہے اس کو یہ خطاب نہیں کہ گناہ سے معصوم نہ ہو کہ توبہ اس کا علاج ہے بس میرا مقصود گناہ کی اجازت دینا نہیں۔ نیز ظاہر ہے کہ جس سے گناہ بالکل نہ ہو اور جس سے گناہ ہوا کرے لیکن توبہ بھی کر لے ان میں بڑا فرق ہے۔ (خواص الخشیة ج ۲۹)

## اخلاق صرف ظاہری نرمی کا نام نہیں

یہ بات خوب غور سے سن لو کہ عقائد کی پختگی کے بعد اعمال و اخلاق کو لو اور اخلاق صرف ظاہری نرمی کا نام نہیں ہے جیسا لوگ تو اضع وغیرہ کے یہی معنی سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک حکایت میں ہے۔ کہ ایک گاڑی بان اپنے بچپنے میں کسی مکتب میں پڑھنے گیا۔ کریم پڑھا کرتا تھا تو اضع کا بیان پڑھ رہا تھا۔ ایک روز میاں جی نے پوچھا کہ تو اضع کسے کہتے ہیں کہنے لگا کہ اجی یہی کہ اگر کوئی آدمی آدے جاوے تو حقہ بھر کر پلانا تمباکو پان کھلانا اور کیا میاں جی نے یہ سن کر خوب مارا گاڑی بان اس روز سے جو بھاگے ہیں تو آج تک پڑھنے نہ گئے اور اب گاڑی جوت رہے ہیں۔ اکثر لوگ تو اضع کے یہی معنی سمجھتے ہیں سو نرم نرم باتوں کا نام اخلاق نہیں (دعاء ج ۳۰)

## اخلاق کا مفہوم

اخلاق کہتے ہیں خشیت، توکل، حق پسندی، قناعت، صبر اور اخلاص فی العبادۃ کو یہ چیزیں اپنے میں پیدا کرنی چاہئیں تب کہیں اخلاق حاصل ہو سکتے ہیں۔ (دعاء ج ۳۰)

## شفقت میں ضرورت اعتدال

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے بازار سے شکر خریدی اور خوب مضبوط کپڑے میں باندھ لی کئی منزل پر گھر تھا گھر جا کر جو کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک چیونٹی ہے پریشان ہو گئے پھر اسی جگہ واپس تشریف لے گئے اور اس چیونٹی کو اس کے ٹھکانے پر چھوڑ آئے البتہ ترحم و ہمدردی میں بھی اعتدال واجب ہے پس گاؤ کشی یا گوسفند کشی خلاف ترحم و ہمدردی نہیں کیونکہ وہ امتثال ہے خالق تعالیٰ شانہ کے حکم کا (جو کہ مالک ہے تمام اشیاء کا) حق تعالیٰ نے اس کو ہمارے لئے حلال فرمایا ہے اس لئے ایسی ہمدردی کے ہم مامور نہیں ہیں ایسی ہمدردی کریں گے تو معتب ہوں گے کیونکہ گائے بھینس بکری خالق تعالیٰ شانہ کے حکم کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے اگر ہم ان کی رعایت کریں اور ان کو ذبح نہ کریں تو خالق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا لازم آتا ہے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## ریاسب کے آخر میں دل سے نکلتی ہے

اپنے اساتذہ میں اگر دو شخص ہوں ایک مشہور اور دوسرا غیر مشہور تو ہم اپنے کو مشہور کی طرف نسبت کرتے ہیں غیر مشہور کی طرف نسبت کرتے ہوئے عار آتی ہے۔ اسی واسطے بزرگان دین نے لکھا ہے کہ ریاسب بہت آخر میں دل سے نکلتی ہے۔ ہاں اگر یہ اکرام دنیا کے لئے نہ ہو دفع شریاء و لجوئی کے لئے ہو اور غریب کی تحقیر بھی نہ ہو تو وہ مذموم نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگوں کی دینداری بس صورت اور ظاہر ہے اور حقیقی دینداری بہت ہی کم ہے خود ہی فرماتے ہیں وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہیں) اکثر لوگ رسم پرستی اسم پرستی ظاہر پرستی میں مبتلا ہیں اور یہ سب دنیا ہے اور دنیا کی نسبت ارشاد ہے لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَرٰزَنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَىٰ مِنْهَا كَافِرًا شَرْبَةَ مَاءٍ (سنن ابن ماجہ ۴۱۱۰ الدر المنثور ۶: ۱۷) یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی قدر رکھتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## ہمارے اعمال کی حالت

اہل علم اہل زہد اپنی حالت کا موازنہ صحیح کر کے دیکھیں تو زیادہ حصہ اپنے اعمال

میں اغراض نفسانیہ کا پائیں گے مثلاً عبادات نافلہ تلاوت قرآن و ذکر و نوافل تہجد اور جو اعمال اخفاء کے قابل ہیں ان کو کر کے ہمارا جی چاہتا ہے کہ ان کا عام طور پر ظہور ہو جاوے اور لوگوں میں ہم عابد زاہد مشہور ہوں مثلاً تہجد میں اگر کوئی شب کو ایسے وقت اٹھا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور تہجد پڑھ کر سو رہا تو اس حالت میں اور جس حالت میں کہ دوسرے کو اطلاع ہو بڑا فرق ہوتا ہے اطلاع ہونے پر بڑی خوشی ہوتی ہے اور اگر اطلاع نہ ہو تو جی چاہتا ہے کہ کسی طرح ظہور ہو جاوے اور اس کے متجسس رہتے ہیں کہ کوئی ہمارا ذکر تو نہیں کرتا اگر کسی نے ذکر نہ کیا تو نفس کو ایک طرح کا افسوس ہوتا ہے کہ رات کا اٹھنا بے کار ہی ہوا۔ اسی طرح تمام اعمال میں ہماری یہ حالت ہے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## غلو فی الاخلاص

اہل خلوص کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے وہ رات دن اسی غم میں گھلتے ہیں کہ ہماری نماز کو جو فلاں شخص نے دیکھا اور ہم کو خوشی ہوئی یہ بھی ریاء ہو گئی حالانکہ یہ فرحت طبعی ہے ریاء نہیں مگر یہ نہیں سمجھتے اور اپنی عبادت کو بے کار جانتے ہیں اور شب و روز اسی غم میں رہتے ہیں۔ انجام ایسے اخلاص کا یہ ہوتا ہے کہ شیطان بہکا دیتا ہے کہ جب تمہارا عمل کارآمد نہیں ہے تو ایسے عمل سے فائدہ ہی کیا پس یہ شخص مایوس ہو کر اس عمل ہی کو چھوڑ دیتا ہے اور کبھی عمل تو نہیں چھوڑتا لیکن اخلاص کے اندر سعی ترک کر دیتا ہے اور بعض مرتبہ یہ مضرت ہوتی ہے کہ اپنے شیخ سے بدگمانی ہو جاتی ہے کبھی ان کے کمال میں بدگمانی ہو جاتی ہے کہ میاں اگر یہ صاحب کمال ہوتے تو ہم کو اخلاص ضرور نصیب ہوتا اور کبھی توجہ میں بدگمانی ہوتی ہے کہ ہماری طرف توجہ نہیں ہے اور یہ کفران نعمت ہے جو شخص تمہارا مربی اور مصلح ہو اور اس کو ہر وقت تمہارا خیال رہتا ہو یہ خیالات تمہارے اگر اس کو معلوم ہو جاویں تو اس کا دل ضرور دکھے گا اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ نعمت تم سے سلب ہو جاوے گی۔ یہ غلو فی الاخلاص ہے کہ ایک دولت حاصل کی نفی کر رہے ہو۔ کسی درویش سے ایک ہاتھی سوار نے کہا کہ باوا دعاء کرو کہ ترقی ہو درویش نے کہا کہ باوا ہاتھی پر تو سوار ہے کیا بانس پر سوار ہوگا اسی طرح تم کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص نصیب فرمایا ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے نہ کہ اس کا کفران کیا جاوے غرض یہ فرحت طبعی ہے اس کو ریا سمجھنا غلطی ہے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ریاء اعمال



اختیار یہ میں سے ہے اور وسوسہ ریاء غیر اختیاری پس وسوسہ ریاء نہیں ہے جیسے کہ وسوسہ کفر کفر نہیں خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو وسوسا آ جاتے تھے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## اخلاص کا وجود

اخلاص نیت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کسی نیک عمل کے کرنے کے وقت اس امر کا بھی تصور و قصد ہو کہ یہ عمل حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے ہے اب دیکھنا چاہئے کہ اس معنی کے اعتبار سے اخلاص کا وجود کہیں متحقق ہے کہ نہیں ہم غور کر کے جو دیکھتے ہیں تو اس معنی کے اعتبار سے عوام میں تو کیا خواص میں بھی اخلاص نہیں نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں تلاوت کرتے ہیں اور کبھی عمل سے پہلے خصوصیت کے ساتھ ابتغاء مرضاة حق کا تصور تک بھی نہیں ہوتا ہے چنانچہ ابھی سب نے نماز جمعہ کی پڑھی ہے کسی کے دل میں بھی تصور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا نہیں ہوا ہوگا۔ غایۃ مافی الباب گاہ گاہ نیک عمل کرتے وقت اس کا تصور ہو جاتا کہ یہ ایک نیک کام ہے پس اگر نیت کے معنی یہی ہیں کہ قصد کرنا رضائے حق کا تو اس معنی کو تو کسی کی نیت بھی خالص نہیں اور دنیا میں کوئی بھی مخلص نہیں کیونکہ اکثر اوقات اس کا بلکہ کسی اور غایت کا بھی مطلق تصور نہیں آتا اور اسی بنا پر یہ جو عقلی مسئلہ مشہور ہے کہ افعال اختیار یہ کا صدور مسبوق بصور الغایۃ ہوتا ہے مجھ کو اس مسئلہ میں ایک شبہ ہے کیونکہ اکثر مواقع پر کوئی غایۃ بھی ذہن میں نہیں ہوتی تنویر اس کی یہ ہے کہ ہم سے بہت سے افعال میں اگر مجرد صدور کوئی دریافت کرے کہ یہ فعل کیا فائدہ سمجھ کر کیا ہے تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ کیا فائدہ بیان کریں ہاں کچھ دیر کے بعد گڑھ مڑھ کر کوئی وجہ بیان کر دیں تو وہ اور بات ہے ہاں اگر غایت پہلے سے سوچ لیتے ہیں تو بجز سوال اس کو بیان کر دیتے ہیں مثلاً ہم کسی امر پر زد و کوب کریں اور بعد اس ضرب کے کوئی ہم سے وجہ پوچھے تو فوراً بتلا دیں گے کہ اس وجہ سے مارا تو وجہ یہ ہے کہ پہلے سے اس غایت کا قصد ہو گیا تھا۔ اور اگر دو وقت کے کھانا کھانے کے بعد فوراً اس کا جواب لینا چاہیں کہ تم نے کھانا اس وقت کیا فائدہ سوچ کر کھایا تو کوئی معقول وجہ بے سوچے نہیں بتلا سکتے کیونکہ پہلے سے تصور نہ تھا اس لئے نہیں بتلا سکے۔ اس لئے یہ قاعدہ اب تک سمجھ میں نہیں آیا ہاں اگر یوں کہا جاوے کہ اجمال کے

درجہ میں غایہ کا تصور ہوتا ہے تو خیر مگر علم تفصیلی تو ہرگز نہیں ہوتا پس نیت کے اگر یہ معنی لئے جاویں گے تو تمام ہی مسلمانوں کے اعمال بے کار ٹھہریں گے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## اعمال صالحہ کی تین صورتیں

نیک عمل میں نیت تین طرح کی ہو سکتی ہے ایک یہ کہ وہ فعل قصد اور اختیاراً کیا جاوے لیکن اس میں نہ غایہ محمودہ کا تصور ہو نہ غایہ مذمومہ کا دوسرے یہ کہ غایہ محمودہ کا قصد ہو مثلاً یہ کہ میں نماز اس لئے پڑھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ غایہ مذمومہ کا ارادہ ہو مثلاً نماز اس لئے پڑھے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بنے۔ پس ان تینوں صورتوں میں سے ریاہ مذمومہ کی صورت ہے اور صورت اولیٰ و ثانیہ اخلاص میں داخل ہے اس لئے کہ ریا یہ ہے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بننے کے لئے کوئی فعل کرے سو اس کے ارتقاء کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی غایہ مقصود نہ ہو ہاں محرک اس کا اعتشال ہو گو اس اعتشال کی کوئی غایت تصور میں نہ آوے اور ایک یہ کہ مقصود ہو اور محمود ہو مقید کا ارتقاء کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ قید نہ ہو دوسری خاص قید سے مقید ہو اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ دوسری قید بھی نہ ہو۔ البتہ صورت اولیٰ اخلاص کا ادنیٰ درجہ ہے اور صورت ثانیہ اعلیٰ درجہ۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید کی طبعاً نرم مزاجی

ایک مرتبہ محل شاہی میں آپ کا وعظ ہوا بہادر شاہ کے محل میں ایک بوڑھی بی بی تھیں جو بادشاہ کی بہن تھیں ان کو معلوم ہوا کہ مولوی اسماعیل صاحب بی بی کی صحت کو منع کرتے ہیں پوچھا بیٹا اسماعیل میں نے یوں سنا ہے کہ تم بی بی کی صحت کو منع کروں بلکہ بی بی صاحبہ کے ابا ہی منع کرتے ہیں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بڑی بی بی نے کہا کیا واقعی بی بی صاحبہ کے ابا اس سے منع کرتے ہیں فرمایا جی ہاں پھر کل بدعة ضلالة پر ایک بلیغ تقریر فرمائی۔ کہنے لگیں تو اب سے ہم کبھی نہ کریں گے ہم کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ مولانا گنگوہہ بھی تشریف لائے ہیں وہاں کے پیر جیون کو آپ نے ایسے ایسے نرم جواب دیئے کہ سب لوگ حیران ہو گئے۔ یہ واقعہ میں نے شاہ احمد حسین صاحب گنگوہی سے سنا ہے اگر مولانا میں طبعی طور پر سختی ہوتی اور مزاج ہی کے سخت ہوتے تو ہر جگہ اس کا ظہور ہوتا مگر وہ موقع ہی پر سختی کرتے

تھے اور ویسے بہت نرم تھے چنانچہ ایک شخص کو معلوم ہوا کہ مولانا بہت تیز مزاج ہیں اور اس کا تو یقین ہو گیا مگر اسے یہ خیال ہوا کہ اس بات کا امتحان کرنا چاہئے تیزی اللہ کے واسطے ہے یا نفس کے لئے اس نے اس طرح امتحان کیا کہ ایک دن آپ جامع مسجد دہلی میں وعظ فرما رہے تھے سامعین کی کثرت سے مسجد بھری ہوئی تھی اس ظالم نے بھرے مجمع میں جا کر کہا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔ غور کیجئے ایک شخص کو بھرے مجمع میں ایسا لفظ کہا جائے تو اس کا کیا حال ہوگا خصوصاً اس شخص کا جو وعظ کہہ رہا ہو اس کو تو اس طعن سے ایسا غصہ آئے گا کہ سارا مضمون اگلا پچھلا بھول جائے گا مگر مولانا کے چہرہ پر اس سے بل بھی نہیں پڑا نہ تقریر میں کوئی بندش ہوئی۔ نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کسی نے تم سے غلط کہہ دیا ہے کہ شرعی قاعدہ ہے الولد للفراش (الصحيح البخارى ۱۹۲۵ سنن ابی داؤد ۲۲۷۳) کہ بچہ فراش کے تابع ہوتا ہے اور میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ اب تک موجود ہیں تو شرعاً میں ثابت النسب ہوں حرام زدہ نہیں اور ثابت النسب کو غیر ثابت النسب کہنا شرعاً جائز نہیں بلکہ گناہ ہے۔ یہ فرما کر پھر وہی مضمون شروع کر دیا جو پہلے سے بیان فرما رہے تھے یہ ہیں وہ واقعات جن سے خواہ مخواہ دشمنوں کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں اور تواضع سے وہ رفعت حاصل ہوتی ہے جو تصنع سے کبھی نہیں ہوتی۔ (الاخوة ج ۳۰)

## تواضع سے رفعت حاصل ہوتی ہے

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نے ان کی دعوت کی اور کہہ دیا کہ فلاں وقت مکان پر تشریف لے آئیے گا چنانچہ جب وہ وقت پر آئے تو داعی نے کہا کیوں آئے کیسے آئے فرمایا بھائی تم نے دعوت بھی کی تھی کہا کس نے دعوت کی تھی خواہ مخواہ لوگوں کے سر ہوتے پھرتے ہو یہ سن کو وہ بے چارے لوٹ چلے تو وہ کہتا ہے جاتے کہاں ہو ہم نے تو دعوت کی تھی تم نخرے کرتے ہو وہ پھر واپس چلے آئے تو کہنے لگا سبحان اللہ آپ تو کھانے کے لئے ہاتھ دھوئے پھرتے ہیں وہ بے چارے پھر لوٹنے لگے تو کچھ دور جانے کے بعد کہتا ہے عجیب آدمی ہو ہم نے تو تمہاری دعوت کی تھی میاں چلے جا رہے ہیں۔ کئی بار ایسا ہی کیا وہ بار بار چلے جاتے تھے اور چلے آتے تھے۔ وہ پیروں میں گر پڑا کہ حضرت میں تو دیکھنا چاہتا تھا پس میں نے آزمایا کہ واقعی آپ بزرگ ہیں فرمایا میاں اس سے دھوکہ نہ کھانا بزرگی تو وہ ہے جو انسان کے اوصاف میں ہو اور جو



بات تم نے میرے اندر دیکھی ہے۔ یہ صفت تو کتے کے اندر بھی ہے کہ وہمکا دو تو چلا جائے گا اور روٹی دکھلا دو تو آ جائے گا (یہ بات پہلے سے بھی زیادہ تواضع کی ہے) (الاخوة ج ۳۰)

## سرہانے کی طرف بیٹھنے کی دو حیثیتیں

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (جو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے مدرس اول تھے) ایک بار چار پائی پر پانکتی کی طرف بیٹھے تھے کہ حجام خط بنانے آیا اور آ کر کھڑا ہو گیا وہ اس کا منتظر تھا کہ مولانا سرہانے کی طرف بیٹھ جاویں تو میں پانکتی کی طرف بیٹھوں مگر مولانا سرہانے کی طرف نہ ہوئے اور اس سے فرمایا کہ کھڑا کیوں ہے بیٹھتا کیوں نہیں اس نے کہا حضور میری کیا مجال جو سرہانے بیٹھوں فرمایا اچھا یہ بات ہے تو پھر جب کبھی مجھے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھو اس وقت خط بنا جانا اب تو میں سرہانے نہیں بیٹھتا۔ وہاں کوئی دوسرے بزرگ بھی موجود تھے انہوں نے حجام سے کہا کہ بھائی یہ تو سرہانے نہ بیٹھیں گے تو ہی سرہانے بیٹھ کر اپنا کام کر چنانچہ مجبور ہو کر وہی سرہانے بیٹھا اور خط بنا کر چلا گیا۔ تو کیا اس سے کچھ مولانا کی وقعت کم ہو گئی ان کی تو وہ وقعت ہوئی کہ آج تک ان کا یہ فعل مقام مدح میں بیان کیا جا رہا ہے باقی میں یہ نہیں کہتا کہ آپ بھی ایسا ہی کریں نہیں آپ کو اجازت ہے کہ سرہانے بیٹھ کر خط بنوالیا کریں مگر سرہانے کی طرف بیٹھنے کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ تم اپنے کو اس سے افضل سمجھو اس لئے سرہانے بیٹھو یہ تو تکبر اور حرام ہے اور ایک یہ کہ انتظاماً سرہانے بیٹھو تاکہ دوسرے کا دماغ نہ بگڑ جاوے پھر وہ اس عادت کی وجہ سے کسی موقع پر ذلیل ہوگا اس پر اپنا واقعہ یاد آیا کہ طالب علمی کے زمانہ میں ایک بار میں گھر پر آیا تو ایک بڑے میاں غریب قوم کے میرے پاس آئے میں نے اصرار کر کے ان کو قالین پر بیٹھایا اتنے میں والد صاحب تشریف لے آئے انہوں نے نہایت تیز لہجہ میں اس سے فرمایا کہ تجھے یہاں بیٹھنے کو کس نے کہا اٹھ اور نیچے بیٹھ۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ والد صاحب نے بہت زیادتی کی آخر ہم کو اس غریب پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ خدا کے نزدیک نہ معلوم کون بڑا ہے جب وہ بڑے میاں چلے گئے تو والد صاحب نے فرمایا کہ تم نے اپنے نزدیک یہ کام تواضع کا کیا تھا مگر اس غریب کے حق میں تم نے بدخواہی کی کیونکہ آج یہاں قالین پر بیٹھا کل کو دوسری جگہ بھی یہ قالین ہی چاہے گا پھر وہاں اس کی لمبختی آئے گی کیونکہ سب آدمی تمہاری طرح متواضع نہیں



ہیں جو ہر شخص کو اپنے سر پر بٹھالیں اس وقت معلوم ہوا کہ والد صاحب کا فعل حکمت و انتظام پر مبنی تھا پس جو شخص منتظم ہو وہ تو حفظ مراتب کی رعایت کرے۔ (الاخوة ج ۳۰)

## شکر کی حقیقت

اہل بلاغت نے اس راز کو سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ حمد تو زبان کے ساتھ خاص ہے اور شکر زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ قلب اور لسان اور جوارح سب سے ہوتا ہے اور گو زبانی شکر یہ میں شکر کی تصریح ہوتی ہے اور عملی شکر میں اس کی تصریح نہیں ہوتی مگر درجہ عملی شکر کا بڑھا ہوا ہے۔ دیکھو اگر تم اپنے دو غلاموں کو انعام دو جن میں سے ایک غلام نے تو محض زبان سے شکر یہ ادا کر دیا اور ایک غلام روپیہ اور خلعت ہاتھ میں لے کر آپ کے پیروں میں گر پڑا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر زبان سے کچھ نہیں کہا تو بتلاؤ کس کا شکر بڑھا ہوا ہے یقیناً جو پیروں میں گر پڑا اس کا شکر بڑھا ہوا ہے معلوم ہوا کہ شکر عمل سے بھی ہوتا ہے اور اس میں قدر نعمت زیادہ ظاہر ہوتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زبان روشن ترست      لیک عشق بے زبان روشن گرست  
(اگرچہ زبان کی تفسیر روشن تر ہے لیکن بے زبان کا عشق زیادہ روشن بنانے والا ہے)  
اور اگر زبان سے بھی شکر یہ ہو اور پھر پیروں میں گر پڑے تو یہ تو نور علی نور ہے یہ اس لئے کہہ دیا کہ شاید کوئی اس تقریر سے یہ سمجھ جائے کہ میں زبانی شکر یہ کو بے کار کہتا ہوں نہیں بے کار تو وہ بھی نہیں مگر اس پر اکتفا کر لینا غلطی ہے کیونکہ وہ تو محض صورت ہے۔ حقیقت شکر عمل ہے پس ہم کو حقیقت کا لحاظ زیادہ کرنا چاہئے اور جو لوگ جامع اور محقق ہوتے ہیں وہ صورت اور حقیقت دونوں کی رعایت کرتے ہیں۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

## حکایت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار سورہ طہ پڑھی تھی پھر خواب میں دیکھا کہ نامہ اعمال میں یہ سورت لکھی ہوئی ہے مگر ایک آیت کی جگہ خالی ہے ملائکہ سے پوچھا کہ یہ آیت کیوں نہیں لکھی گئی میں نے تو اس کو بھی پڑھا تھا جواب ملا کہ اس وقت ایک شخص وہاں گزر رہا تھا تم نے اس کے سنانے کو اس آیت کو سنوار کر پڑھا تھا تو یہ آیت تم نے اخلاص

کے ساتھ نہیں پڑھی تھی اس لئے قبول نہیں ہوئی جگہ خالی چھوڑ دی گئی اگر کبھی خلوص سے پڑھ دو گے تو لکھ دی جائے گی۔ اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ بعض دفعہ قراء سے فرمائش کی جاتی ہے کہ تھوڑا قرآن سنا دو اب اگر وہ سنوار کر پڑھیں تو ریاء لازم آتی ہے کہ مخلوق کے لئے بنانا کر پڑھا جاتا ہے اور اگر معمولی طور سے پڑھیں یا انکار کر دیں تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اس میں عرصہ تک مجھے اشکال رہا پھر خدا تعالیٰ نے سمجھا دیا جواب یہ ہے کہ سنوار کر پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھیں کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے ہم قاری مشہور ہوں گے یہ تو واقعی ریاء ہے اور ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھیں کہ ایک مسلمان کا جی خوش ہو گا یہ ریاء نہیں بلکہ موجب ثواب ہے۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

## تطیب قلب مسلم میں ریاء نہیں

تطیب قلب مسلم مطلوب ہے اور اس کی دلیل مجھے حدیث سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن سنایہ بہت خوش الحان تھے صبح کو آپ نے فرمایا کہ اے ابو موسیٰ رات میں نے تمہارا قرآن سنا لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد (الصحيح للبخاری ۶/۲۴۱، الصحيح لمسلم، صلوۃ المسافرين ۳۴، رقم ۲۳۶) تم کو خدا تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے حصہ عطا کیا ہے اس پر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے عرض کیا لو علمت بک یا رسول اللہ لحبرۃ لک تحبیرا یا رسول اللہ اگر مجھے یہ خبر ہو جاتی کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اور زیادہ بنا سنوار کر پڑھتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول پر نکیر نہیں فرمایا پس آپ کی تقریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سے قرآن کو بنا سنوار کر پڑھنا جائز تھا کیونکہ اس میں تطیب قلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور یہ ریاء نہیں بلکہ یہ بھی خدا ہی کے لئے سنوارنا ہے کیونکہ حق تعالیٰ ہی نے تطیب قلب نبی کا امر فرمایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راضی کرنا خدا کا راضی کرنا ہے۔ مَنْ يُطِيعَ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (جس شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی) (عمل الشکر ج ۳۰)

## دنیا کی عجیب مثال

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے ساتھ ایسی ہے جیسے پرندہ اور سایہ آخرت پرندہ ہے اور دنیا سایہ ہے تم پرندہ کو پکڑ لو سایہ خود بخود اس کے ساتھ چلا آئے گا اور اگر سایہ کو پکڑو گے تو نہ وہ قبضہ میں آئے گا نہ یہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طالب آخرت کے پاس مال بہت آجاتا ہے نہیں بلکہ حق تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کو راحت اور چین دیدیتے ہیں جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اس کو وہ راحت دیتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی چاہے اس کے پاس مال و دولت کچھ بھی نہ ہو مگر اطمینان اور انشراح قلب سے زیادہ ہوتا ہے خوب کہا ہے۔

چوں ترانا نے و خر قانے بود      ہر بن موئے تو شیطانے بود

(جب تیرے پاس کھانے کی اشیاء ہیں اس وقت تک تیرا بال بال بادشاہ ہے)  
شاید کسی کو شبہ ہو کہ کہہ دینا تو آسان ہے مگر جب فقر و فاقہ پڑا ہو گا تو نانی یاد آئی ہو گی تو میں سچ کہتا ہوں کہ ان کو نہ نانی یاد آئی تھی نہ دادی ہاں خدا بے شک یاد آ یا تھا۔ صاحبو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے آ زما کر مشاہدہ کر لیجئے واقعی اہل اللہ سلاطین سے زیادہ سکون میں ہیں۔ ان کی یہ شان ہے۔  
مبین حقیر گدایاں عشق را کیں قوم      شہان بے کمرو خسروان بے  
(گدایان عشق کو حقیر مت سمجھو یہ لوگ تخت و تاج کے بادشاہ ہیں)  
(اور)

گدائے می کدہ ام لیک وقت مستی ہیں      کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم  
(میں گدائے میکدہ ہوں مگر مستی کے وقت دیکھ کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں) (عمل الشکر ج ۳۰)

## توکل کا درجہ فرض

توکل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ اعتقاداً ہر حال میں خالق پر نظر رہے اسی پر اعتماد ہو یہ تو فرض ہے یعنی اسباب ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں بھروسہ خدا پر ہوا اصلی کار ساز اسی کو سمجھیں اسباب پر نظر نہ رکھیں۔ دوسرا درجہ توکل کا علمی ہے یعنی ترک اسباب اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ سبب کسی ضروری مقصود دینی کے لیے ہے تو اس کا ترک حرام ہے جیسا کہ اسباب

جنت میں سے نماز وغیرہ ہیں ان کا ترک جائز نہیں اور اگر مقصود دنیوی کا سبب ہے تو پھر اس میں بھی تفصیل ہے کہ اگر عادت اس مقصود کا توقف ثابت ہے اور وہ مسبب مامور بہ ہے تو اس کا ترک بھی حرام ہے جیسے کھانا سبب شبع ہے اور پانی پینا سبب ارتواء ہے ان اسباب کا ترک جائز نہیں اور اگر سبب پر مقصود دنیوی کا ترتب ضروری اور موقوف نہیں تو اقویاء کے لیے ایسے اسباب کا ترک جائز بلکہ بعض صورتوں میں افضل ہے اور ضعفاء کے واسطے ترک کی اجازت نہیں اور اگر وہ سبب محض وہمی ہے تو اس کا ترک سب کے لیے افضل ہے اور اگر اشتغال میں کوئی دینی ضرر ہے تو اس کا ترک واجب ہے خوب سمجھ لو۔ (الرحمة علی الامۃ ج ۳۱)

## ریا ہمیشہ نہیں رہتی

حاجی صاحب ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ریا ہمیشہ ریا ہی نہیں رہتی۔ پہلے ریا ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت بن جاتی ہے۔ غرض ریا ہمیشہ ریا نہیں رہا کرتی آخر کار مبدل مخلص ہو جاتی ہے پھر وہ خلوص موجب قرب ہو جاتا ہے تو اہل تربیت کے نزدیک ابتداء عمل کے لیے اخلاص کی قید بھی ضروری نہیں وہ تو یوں فرماتے ہیں کہ جس طرح ہو ذکر کرنا چاہیے خلوص کا انتظار نہ کرنا چاہیے دوسرے یہ کہ بعض اعمال سے دوسروں کو تو نفع پہنچ جاتا ہے پھر ان کی برکت سے اس عامل کا کام بن جاتا ہے فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب سے ریا کار مر گئے ابواب خیر بند ہو گئے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ریا بھی کوئی اچھا عمل ہے۔ نہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں بہت سے لوگ نام آوری کے لیے خانقاہیں اور سرائے مدرسے وغیرہ بنایا کرتے تھے۔ مقصود ان کا صرف نام ہوتا تھا مگر جب ان سے مخلوق کو نفع پہنچا تو کوئی ان میں خدا کا خاص بندہ بھی ہوتا تھا وہ بانی کے حق میں دعاء خیر کرتا تھا حق تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتے تھے۔ اس طرح وہ ریا بواسطہ نفع ہو جاتی تھی۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمن ج ۳۱)

## حقیقت تواضع

اخلاق پر ایک قصہ یاد آیا ایک گاڑی بان اپنی حکایت بیان کرتا تھا کہ ایک مولوی صاحب سے کریم پڑھا کرتا تھا اس میں تواضع کا بیان آیا۔ مولوی صاحب نے سبق



پڑھا کر اگلے دن سنا اور پوچھا کہ بتلا تو اضع کس کو کہتے ہیں، کہا جی کوئی آیا اس کو حقہ دے دیا، پان کھلا دیا، بٹھالیا، انہوں نے خوب پیٹا، اس قصہ کو سن کر تو لوگ ہنستے ہیں کیونکہ ایک جاہل اور گنوار کا قصہ ہے لیکن آج کل کے تعلیم یافتوں کے اخلاق اور تواضع دیکھئے تو ان کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں جس کو اس گنوار نے تواضع کہا تھا جھکتے بہت ہیں اور نرمی سے بولتے ہیں لیکن دل میں تکبر بھرا ہوا ہے اور جس کے سامنے جھکتے ہیں اور نرم بولتے ہیں اس کو اپنے سامنے سمجھتے بھی کچھ نہیں، بڑا اپنے آپ ہی کو سمجھتے ہیں حالانکہ تواضع کے معنی فروتنی اور انکسار کے ہیں یعنی اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا اور اخلاق مع الخلق کی حقیقت ہے دوسرے کی رعایت اپنے آپ سے زیادہ کرنا۔

اب دیکھ لیجئے کہ یہ دونوں چیزیں آج کل کے لوگوں میں کہاں تک موجود ہیں، بس جو کچھ ہے زبانی جمع خرچ ہے میں کہتا ہوں کہ آج کل کے جو کچھ اخلاق ہیں وہ صورت ہے اخلاق کی اور حقیقت کا اس میں پتہ بھی نہیں (السلام التحقیقی ج ۳۱)

## حضرت صدیق اکبرؓ کا ادب:

حضرت صدیق اکبرؓ کا ادب دیکھئے کہ مصافحہ سے انکار نہ کیا جو ان سے مصافحہ کرتا اس سے مصافحہ کر لیتے تھے اور یہ نہ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہیں راحت رسائی اس کو کہتے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا ہم سواں ہوتا تو خود کبھی مصافحہ نہ کرتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو تکلیف دینا سادگی یہ تھی جو حضرت صدیقؓ کے فعل سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایسے موقعہ پر بڑوں کو کلفت سے بچانا چاہئے خود ہی مصافحہ کر لیا تو کیا حرج ہوا۔ بزرگوں کی راحت رسائی کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے مگر آج کل تعظیم ایسا غلو کیا جاتا کہ راحت پہنچانے کی مطلق فکر نہیں کی جاتی غرض کہ لوگ آتے تھے اور حضرت ابو بکرؓ کو السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے جاتے تھے اور مصافحہ کرتے جاتے تھے اس وقت تک سب لوگ یہی سمجھتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہیں یہاں تک جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آنے لگی اس وقت حضرت صدیقؓ کھڑے ہو کر ایک کپڑا لے کر آپ پر سایہ کرنے لگے جب صحابہ کو خبر ہوئی کہ آقا یہ ہیں اور جن سے ہم مصافحہ کرتے

تھے وہ غلام ہیں پھر صحابہ کا ادب یہ تھا کہ دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرنے کا قصد نہیں کیا اگر آج کل کے لوگ ہوتے تو یہ معلوم کر کے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ نہیں کیا بلکہ آپ کے خادم اور رفیق سے کیا ہے دوبارہ پھر آپ سے مصافحہ کرتے مگر حضرات صحابہ ان تکلفات سے بری تھے۔ تو اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ جو حضرت ابوصدیقؓ کے ساتھ ظاہر ہوا ہے اس سے عایت درجہ اتحاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ لوگ حضرت ابوبکر کو السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے اور انہی سے مصافحہ کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

عارفین نے اس واقعہ کا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جو مرتبہ فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غایت درجہ اتحاد نصیب تھا اس کے اظہار کے واسطے حق تعالیٰ نے یہ صورت واقعہ ظاہر کر دی اور حضرت صدیقؓ کو ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی زبان سے کہلوا دیا اور اہل حال صوفیوں کو خشک فتوے سے بچا دیا۔ صدیقؓ کا مقام ایسا عالی ہوتا ہے کہ اس کے علوم کا ماخذ بھی وہی ہوتا ہے جو نبی کا ماخذ ہے اور جو بات نبی کے دل میں آتی ہے وہ صدیقؓ کے دل پر بھی فائز ہوتی ہے مگر صدیقؓ کے علوم کا اعتبار نبی کی تائید کے بغیر نہیں ہوتا۔ (تحقیق الشکر ج ۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# اتباعِ سنت

- ☆ زندگی کے ہر نشیب و فراز میں قابل عمل اسوہ حسنہ
- ☆ سنت کی اہمیت اور انوار و برکات
- ☆ بدعت کی مذمت اور اس سے بچنے کی تاکید
- ☆ اتباعِ سنت کا معیار اور خیر القرون سے
- ☆ تانہوز بزرگان دین کے اتباعِ سنت پر مبنی
- ☆ ایمان افروز واقعات پر مشتمل جواہرات

## اتباع سنت حقیقی کرامت

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک شخص آیا اور دس برس تک رہا۔ دس برس کے بعد کہنے لگا حضرت میں اتنے عرصہ سے آپ کی خدمت میں ہوں مگر میں نے کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ واقعی یہ شخص بھی کوئی بڑا ہی کوڑمغز تھا جس کو اتنے عرصہ میں حضرت جنیدؒ کے کمالات نظر نہ آئے ورنہ ان کمالات کے سامنے کرامت کی کیا حقیقت تھی۔ حضرت جنیدؒ کو جوش آگیا۔ فرمایا کہ اے شخص! اس دس برس کے عرصہ میں تو نے کوئی کام خلاف سنت جنیدؒ سے ہوتا ہوا دیکھا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت خلاف سنت تو میں نے کوئی کام آپ کا نہیں دیکھا۔ فرمایا کہ پھر اس سے زیادہ تو جنیدؒ کی کرامت اور کیا چاہتا ہے کہ دس برس اس سے ایک کام بھی خلاف سنت صادر نہیں ہوا۔ اس پر اس شخص کی آنکھیں کھل گئیں۔ (تیمم التعلیم ج ۲)

## غریب کی قدر

غریبوں کی قدر وہ کرے گا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے۔  
حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو صاحبزادے نے شکریہ میں بہت لوگوں کی دعوت کی۔ مولانا نے اپنے ایک خاص خادم سے فرمایا کہ جب غریب لوگ کھانا کھا چکیں تو ان کے سامنے کا بچا ہوا کھانا جو کہ سقوں کو دیا جاتا ہے وہ سب میرے پاس لے آنا کہ وہ تبرک کھاؤں گا اور خیال نہ کرنا کہ ان کا بدن صاف نہیں، انکے کپڑے صاف نہیں اور اس کو تبرک اس لیے قرار دیا کہ اول تو وہ لوگ مومن ہیں۔ دوسرے ان کی یہ شان ہے کہ حدیث قدسی میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ”انا عند المنکسرة قلوبہم“ اسی لیے حدیث میں آیا ہے: ”یا عائشہ قربی المساکین“ چنانچہ وہ کھانا حضرت کے پاس لایا گیا اور حضرت نے اس کو نہایت رغبت سے کھایا تو کیا کسی نے اس قسم کی قدر غریبوں کی کر کے دکھائی ہے؟ (تجارت آخرت ج ۱)



## نکاح میں ہم عمری کا لحاظ

خدا تعالیٰ نے شادی کا ایک نمونہ (یعنی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی) ہم کو دکھلادیا ہے کہ اس میں نہ مہمان آئے تھے نہ لال خط گیا تھا۔ نہ ڈوم گیا تھا نہ نائی نہ واسطہ سے پیغام پہنچا تھا پیغام خود دولہا صاحب لے کر گئے تھے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بھیجے ہوئے تھے اول حضرت فاطمہ زہرا سے حضرات شیخین نے پیغام دیا تھا لیکن ان کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے حضور نے عذر فرمادیا۔ اللہ اکبر! صاحبو! غور کرنے کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کیسے کیسے گہرے امور پر مطلع فرمادیا ہے یعنی حضرات شیخین سے انکار فرما کر آپ نے یہ بتلادیا کہ اپنی اولاد کے لئے شوہر کی ہم عمری کا لحاظ بھی ضرور کرو۔

جب دونوں صاحبوں کو اس شرف سے مایوسی ہوئی تو دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور نے ہم دونوں سے تو اس خاص وجہ سے انکار فرمادیا ہے تم کم عمر ہو بہتر ہے کہ تم پیغام دو۔ جو لوگ شیخین پر حضرت علی کے ساتھ عداوت رکھنے کا الزام رکھتے ہیں ان کو اس واقعہ میں غور کرنا چاہئے غرض حضرت علی تشریف لے گئے اور جا کر خاموش بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ جس غرض سے تم آئے ہو اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح تم سے کر دوں منظوری کے بعد حضرت علی چلے گئے ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چار اصحاب کو جمع کر کے خطبہ پڑھا اور نکاح پڑھ دیا چونکہ حضرت علی مجلس نکاح میں موجود نہ تھے اس لئے یہ فرمادیا کہ اگر علی منظور کریں حضرت علی کو جب خبر ہوئی تو آپ نے منظور کیا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن کے ساتھ حضرت فاطمہ کو حضرت علی کے گھر روانہ کر دیا نہ ڈولہ تھا نہ برات تھی۔

اگلے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے پانی مانگا انہوں نے اٹھ کر پانی دیا آج ہم نے اس سادگی کو بالکل چھوڑ دیا ہے نکاح کے بعد ایک مدت تک دلہن منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہتی ہے میں کہا کرتا ہوں کہ بجائے منہ پر ہاتھ کے ہاتھ پر منہ رکھنا چاہئے بہر حال جو کچھ بھی کہا جائے منہ ڈھکا جاتا ہے اور وہ اس قدر پابند بنائی جاتی ہے کہ نماز وغیرہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتی جس طرح بندے کو خدا کے ہاتھ میں ہونا چاہئے تھا اسی طرح وہ نائن کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور کس قدر بے حیائی ہے کہ عورتیں

منہ دیکھ کر فیس دیتی ہیں۔ تو آج کل پابندی کی یہ حالت ہے اور حضرت فاطمہؑ نے اگلے ہی دن کام کیا اور پھر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ پانی لاؤ۔ وہ بھی لائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت فاطمہؑ پانی لائی تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اب عورتیں اس فعل کو بالکل ناجائز سمجھتی ہیں اسی طرح کی اور بھی جہالتیں ہیں۔ (ضرورة الاعتناء بالدين ج ۳)

## غم کے لمحات میں اسوہ حسنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غمی کر کے بھی دکھلا دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادہ ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ جزع فزع کیا نہ کسی کو اجازت دی صرف آنسو نکلے اور یہ فرمایا کہ۔

انا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون (المصنف لابن ابی شیبہ ۳: ۳۹۳ بلفظ انا بفراقک لمحزونون)

(اے ابراہیم تیری جدائی سے ہم بڑے مغموم ہیں۔)

اور ایک جگہ تشریف فرما رہے۔ لوگ آ کر تعزیت کرتے رہے پس ہم کو بھی چاہئے کہ تسلی دیں اور ثواب بخشیں۔ یہ دونوں امر مسنون ہیں اور باقی سب لغو ہیں مثلاً دور دراز کے مہمانوں کا آنا اور دسویں میں اور چالیسویں میں شریک ہونا پھر عدت کے ختم کے بعد اس عورت کو عدت سے نکالنے کیلئے جمع ہونا گویا وہ کسی کو ٹھڑی میں بند تھی کہ یہ سب مل کر اس کا قفل توڑیں گے۔

ضلع بلند شہر کے ایک رئیس کا انتقال ہوا ان کے صاحبزادے نے اس رسم کو توڑنا چاہا لیکن اس کی یہ صورت اختیار نہیں کی کہ کچھ نہ کریں بلکہ یہ کیا کہ حسب رسم تمام برادری کی دعوت کی اور بہت سے عمدہ عمدہ مرغن کھانے پکوائے۔ بڑے لوگوں پر ایک یہ بھی آفت ہے کہ جب تک وہ گھی کی نہر نہ بہا دیں اس وقت تک ان کا کرنا کچھ سمجھا نہیں جاتا۔ غرباء بجم اللہ اس سے بری ہیں میں جب ڈھا کہ گیا تو وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں سیر بھر گوشت میں سیر بھر گھی کھاتے ہیں میں نے کہا کہ صاحب گھی کچھ زیادہ کھانے کی چیز نہیں ہے ورنہ جنت میں گھی کی بھی ایک نہر ہوتی جیسے دودھ شہد کی نہریں جنت میں ہیں۔

غرض جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ہاتھ دھلوا کر کھانا چنوا دیا اور سب کو بٹھلا دیا اجازت شروع سے پہلے کہنے لگے کہ صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد ماجد کا انتقال ہو گیا ہے اور

والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ جانا جیسے عظیم الشان صدے کا باعث ہوتا ہے ظاہر ہے تو صاحبو! کیا یہی انصاف ہے کہ ایک تو میرا باپ مرے اور اوپر سے تم لوگ مجھ کو لوٹنے کے لئے جمع ہو تم کو کچھ شرم بھی آتی ہے؟ اس کے بعد کہا کہ کھائیے لیکن سب لوگ اسی وقت اٹھ گئے اور یہ رائے ہوئی کہ ان رسوم کے متعلق علیحدہ بیٹھ کر غور کرنا چاہئے چنانچہ بہت سے آدمی جمع ہوئے اور باتفاق رائے ان کو موقوف کر دیا اور وہ سب کھانا فقراء کو تقسیم کر دیا گیا۔ (ضرورۃ الاعتناء بالمدین ج ۳)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا مقصد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی یہی غایت ہے کہ اپنے فیضان علمی و عملی و حالی سے اس میں امت کی تکمیل فرماویں۔ جو حاصل ہے اتباع کامل کا پس حاصل غایت تشریف آوری کا یہ ہوا کہ امت اتباع کامل اختیار کرے۔ (الظہور ج ۵)

## مجالس میلاد

اور ہم نے تو اکثر مجالس میں میلاد والوں کو یہی دیکھا ہے کہ یہ محبت سے بالکل خالی ہوتے ہیں اس لئے کہ بڑا معیار محبت کا محبوب کی اطاعت ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

تعصى الرسول وانت تظهر حبه      هذا لعمرى فى الفعال بدیع  
لو كان حبك صادق لا طعته      ان المحب لمن يحب مطیع  
(یعنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے اپنی جان کی قسم! یہ امر افعال عجیبہ میں سے ہے اگر تیری محبت صادق ہوتی تو حضور کی اطاعت کرتا اس لئے کہ محبت محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔)

مولد پرستوں کو دیکھا ہے کہ مجلس میلاد کا اہتمام کرتے ہیں بانس کھڑے کر رہے ہیں ان پر کپڑے منڈھ رہے ہیں اور سامان روشنی کا فراہم کر رہے ہیں اور اس درمیان میں جو نمازوں کے وقت آتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے اور داڑھی کا صفایا کرتے ہیں کیوں صاحبو! کیا محبین رسول کی ایسی ہی صورتیں اور یہی ان کی حالت ہوتی ہے؟ کیا بس حضور کا یہی حق ہے کہ پانچ روپیہ کی مٹھائی منگا کر تقسیم کر دی اور سمجھ لیا کہ ہم نے رسول کا حق ادا کر دیا؟ کیا آپ لوگوں نے حضور کو نعوذ باللہ کوئی پیشہ ور پیرزادہ سمجھ لیا ہے؟ کہ تھوڑی سی مٹھائی پر خوش ہو جاویں تھوڑے سے نذرانہ پر

راضی ہو جاویں، توبہ توبہ نعوذ باللہ یاد رکھو! حضور ایسے محبین سے خوش نہیں ہیں سچے محبت وہ ہیں جو اقوال و افعال وضع انداز ہر شے میں حضور کا اتباع اور اطاعت کرتے ہیں۔ (السرد ج ۵)

## بدعت کی مذمت

بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ غیر دین کو دین سمجھ کر کیا جاوے اور اس کو یہ لوگ دین سمجھتے ہیں پس یہ بدعت واجب الترتیب ہے یہ تو قرآن مجید سے اس کے متعلق کلام تھا۔ اب حدیث لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فہورد (الصحيح

للبخاری ۳: ۲۴۱، الصحيح لمسلم كتاب الاقضية: ۱۷، سنن ابن ماجه: ۱۴

سنن أبی داود كتاب السنة باب: ۵، مشکوة المصابيح: ۱۴۰)۔

”یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں وہ شے نکالے جو اس میں نہیں وہ واجب الرد ہے۔“

جو تقریر آیت کے ذیل میں کی گئی ہے وہی یہاں بھی ہے اور مراد نئی شے سے وہ ہے جس کا سبب قدیم ہو اور پھر اس وقت معمول نہ ہوئی ہو۔ باقی جس کا سبب جدید ہو اور نیز وہ موقوف علیہ کسی مامور بہ کی ہو وہ مامنہ میں داخل ہو کر واجب ہے اور دوسری حدیث لیجئے۔ مسلم کی روایت ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام

من بين الليالي ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام الا ان

يكون في صوم يصومه احدكم. (لا تختصوا يوم ليلة الجمعة

الخ: الصحيح لمسلم كتاب الصيام باب: ۲۴، رقم ۱۴۸، السنن الكبرى للبيهقي

۳: ۲۰۲، مشکوة المصابيح: ۲۰۵۲، كنز العمال: ۲۳۹۰۸)۔

”یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شب جمعہ کو اور راتوں میں سے شب بیداری کے ساتھ خاص مت کرو اور یوم جمعہ کو ایام میں سے روزہ کے ساتھ خاص مت کرو مگر یہ کہ اس دن میں کوئی تم میں پہلے سے روزہ رکھتا ہو۔“

اس حدیث سے یہ قاعدہ کلیہ نکالا کہ جو تخصیص منقولہ نہ ہو وہ منہی عنہ ہے (السرد ج ۵)

## مثالی طرز معاشرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم میں حکمت وہ تھی جس کی بناء پر یحییٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ



ہمارے بندوں کے سامنے ہنستے ہوئے رہا کرو تا کہ مخلوق دل شکستہ نہ ہو کہ جب یہ نبی ہو کر اتنے خائف ہیں تو بس ہمارا تو کیا ہی حال ہوگا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کمالات میں سب انبیاء سے زیادہ ہیں تو کیا آپ کو یحییٰ علیہ السلام کے برابر خوف و خشیت نہ تھا یقیناً تھا مگر آپ حکمت کی وجہ سے ضبط کر کے تبسم فرماتے تھے اور اسی لئے کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے۔ (نور النور ج ۵)

## اتباع حکمت

اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آپ اپنی طبیعت سے کچھ کام نہ کرتے تھے۔ یہ سوال اسی وقت ذہن میں آیا اس سے پہلے کبھی اس طرف التفات نہیں ہوا۔ اور اس کا جواب بھی ۶۵ برس کی عمر میں آج ہی عطا ہوا۔

جواب یہ ہے کہ حضور صاحب طبیعت بھی تھے مگر اتباع حکمت بھی آپ کی طبیعت بن گئی تھی۔ اپنی طبیعت کو حضور کی طبیعت پر قیاس نہ کرو۔ ہمارے طبیعت طبعی محض ہیں اور آپ کی طبیعت حکمت کے موافق ہیں۔ اب جو کام طبیعت سے بھی صادر ہوتا تھا حکمت کے موافق ہوتا تھا۔ الحمد للہ ۶۵ سال کے بعد آج یہ علم عظیم حاصل ہوا۔

اشکال کا منشا یہ ہے کہ ہم نے حضور کی طبیعت کو اپنی طبیعت پر قیاس کیا کہ جس طرح بعض دفعہ ہم تقاضائے طبیعت سے ہنستے اور مزاح کرتے ہیں جس میں کوئی حکمت نہیں ہوتی یوں ہی حضور بھی تقاضائے طبیعت سے ہنستے اور مزاح کرتے ہوں گے۔ کوئی حکمت نہیں طبیعت سے ایسا کرتے تھے پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ آپ کے تبسم میں یہ حکمت تھی اور مزاح میں یہ حکمت تھی۔ کیونکہ حکمتیں افعال اختیار یہ میں ہوتی ہیں نہ کہ اضطراب یہ میں۔ اور اگر آپ ہمیشہ ہر کام حکمت و اختیار سے کرتے تھے تو پھر یہ اشکال ہے کہ کیا طبیعت سے کچھ بھی نہ کرتے تھے اور یہ بظاہر دشوار ہے۔

بحمد اللہ! میرے جواب سے اشکال حل ہو گیا کہ آپ طبیعت سے بھی بعض کام کرتے تھے مگر وہ طبیعت بالکل حکمت کے موافق تھی اور خود اتباع حکمت آپ کی فطرت و طبیعت بن گئی تھی۔

كما قالت عائشة كان خلقه القرآن ای اتباعه وهو الحکمة

(مسند الإمام أحمد ۶: ۹۱، ۱۶۳، السنن الکبری للبیہقی ۲: ۳۹۹)

إتحاف السادة المتقين ۷: ۹۲، ۳۱۸ کنز العمال ۸: ۱۸۳

۱۸۷۱۸ تفسیر ابن کثیر ۵: ۴۵۴.

(جیسا کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ مطلب یہ کہ قرآن کا عملی نمونہ آپ کی ذات بابرکت تھی۔ قرآن کی اتباع کرنا جو کہ مقصود اصلی ہے وہی آپ کا خلق تھا)۔

خوب سمجھ لو اور حضور کی طبیعت کو اپنی طبیعت پر قیاس نہ کرو۔ مولانا اسی قیاس کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔  
 جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد  
 گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ماؤ ایشاں بستہ خوابیم و خور  
 (تمام دنیا اسی خام خیالی کی وجہ سے گمراہ ہو گئی کہ انہوں نے اولیاء اللہ کو نہیں پہچانا اور کہنے لگے کہ ہم بھی انسان ہیں وہ بھی کھاتے پیتے ہیں اور ہم بھی کھاتے پیتے ہیں۔)  
 یعنی کفار اسی سبب سے تو گمراہ ہوئے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے اوپر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ یہ بھی ہمارے ہی جیسے آدمی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

کار پا کاں را قیاس از خود مکیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر  
 (نیک لوگوں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو گرچہ لکھنے میں شیر اور شیر یکساں ہیں) حالانکہ شیر ایک درندہ کا نام ہے اور شیر دودھ کو کہتے ہیں) (نور النور ج ۵)

## عارفین کی حالت

عارفین اپنے خصوم کے مقابلہ میں ہمیشہ جیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی نے جب بدعات سے منع کرنا شروع کیا اور بیوی کی صحتک سے عورتوں کو روکا تو اس کی خبر شاہ دہلی کی خالہ یا پھوپھی کو پہنچی جو بڑی بوڑھی عورت تھیں اور شاہی خاندان میں سب پر حاوی تھیں۔ غالباً یہ زمانہ اکبر شاہ ثانی کا تھا اور گو اس وقت شاہ دہلی کی حکومت دہلی سے باہر بہت کم تھی مگر تاہم بادشاہت کا رعب باقی تھا تو ان بڑی بی نے مولانا شہید کو بلوا بھیجا۔ مولانا بادشاہ کے محلات میں بلائے ہوئے چلے جایا کرتے تھے۔ ان حضرات کا یہ رنگ نہ تھا کہ امراء و سلاطین سے اینٹھ مروڑ کریں بلکہ دین کی عزت باقی رکھ کر سب سے ملتے تھے اور خاص کر مولانا شہید تو امر بالمعروف کے لئے ہر جگہ پہنچ جاتے تھے چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور پردہ کرا کر مولانا کو اندر بلا لیا گیا مولانا نے بڑی بی کو ادب سے سلام کیا اور انہوں نے پرانی بوڑھیوں کے دستور کے موافق سلام کا جواب دیا اور دعا بھی دی کہ عمر دراز ہو اقبال میں ترقی ہو۔ اس کے بعد

مولانا نے دریافت کیا کہ مجھ کو کس لئے یاد فرمایا بڑی بی نے کہا اسماعیل میں نے سنا ہے کہ تو بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کسی نے غلط کہا اماں میں منع نہیں کرتا بلکہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں۔ پوچھا یہ کیسے؟ فرمایا سنیئے اور یہ کہہ کر مولانا نے خطبہ پڑھا۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره الخ

اور اس کے بعد وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَا يَطْعُمُهُ إِلَّا مَنْ لَشَاءَ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءٌ عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ کایا حدیث کل بدعۃ ضلالتہ (ہر بدعت گمراہی ہے) کا بیان شروع کیا۔ اور یہ بات تو مولانا کی خصوصیات میں سے تھی کہ ہر وعظ میں سے لوگ توبہ کر کے اٹھتے تھے۔ نہ معلوم کیا ستم تھا۔ بس بات یہ تھی کہ از دل خیزد بردل ریزد۔ ان کو امت کے ساتھ شفقت بے حد تھی۔ وہ دل سے چاہتے تھے کہ مخلوق کی اصلاح ہو ہی جائے۔ اسی کا یہ اثر تھا کہ ہر وعظ میں لوگ تائب ہو کر اٹھتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے وعظ بیان فرمایا تو ایک بیچرا بھی اس میں موجود تھا جس کے ہاتھ مہندی سے رنگے ہوئے تھے اور کنگن چوڑیاں چھلے پہنے ہوئے تھا۔ بیان کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ سب چوڑیاں اور کنگن ہاتھ سے نکال پھینکے اور مہندی چھڑانے کے لئے پتھر پر ہاتھوں کو رگڑنے لگا اور اس قدر رگڑا کہ خون نکلنے لگا۔ مولانا نے فرمایا کہ جتنا اثر زائل نہ ہو سکے وہ معاف ہے۔ بس اب زیادہ نہ رگڑو۔ اس نے کہا مولانا بس اب خاموش رہئے۔ یہ ہاتھ اسی قابل ہیں کہ لہو لہان ہو کر کٹ جائیں اور بے ساختہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔

ایک اور ایسا ہی قصہ مولانا کا ہے کہ ایک دفعہ بہت رات گئے مدرسہ سے تنہا نکلے اس وقت چھوٹے میاں مولانا محمد یعقوب صاحب بیدار تھے۔ ان کو فکر ہوئی کہ مولانا اس وقت تنہا کہاں چلے۔ پھر حفاظت کے خیال سے پیچھے پیچھے اس طرح ہو لئے کہ مولانا کو خبر نہ ہو۔ اب دیکھا کہ مولانا نے چکلے کی طرف رخ کیا ہے ان کو حیرت ہوئی کہ ادھر کیا کام ہے۔ پھر دیکھا کہ دہلی کی ایک مشہور رنڈی مینا کے مکان پر ٹھہر کر مولانا نے فقیروں کی طرح ایک صدا لگائی۔ اس رات اس رنڈی کے یہاں کچھ تقریب تھی۔ شہر کی ساری رنڈیاں وہاں جمع تھیں اور باہر کی رنڈیاں بھی آئی ہوئی تھیں۔ مولانا کی آواز سن کر گھر والے یہ سمجھے کہ کوئی فقیر ہے۔ رنڈی نے اپنے ماما سے کہا کہ اس کو کچھ پیسے دے دے وہ پیسے لے کر باہر آئی اور

مولانا کو دینے لگی۔ مولانا نے فرمایا کہ اپنی بی بی سے جا کر کہو کہ فقیر کہتا ہے کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں۔ بغیر صدا سنائے کچھ نہیں لیا کرتا۔ اس نے جا کر پیام پہنچایا۔ چونکہ تقریب کا موقع تھا اس نے کہا اچھا فقیر سے کہہ دو کہ اندر آ کر صدا سنائے کچھ دیر اسی کا لطف رہے گا۔

مولانا اندر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھ کر بیان شروع کیا اور زنا کی مذمت اور زنا کاروں کی وعید بیان کی۔ اس کا ایسا اثر ہوا کہ تمام رنڈیاں روتے روتے بے تاب ہو گئیں اور جب بیان ختم ہوا تو سب قدموں میں گر پڑیں کہ ہم کو توبہ کرائیے اور ہمارا نکاح کر دیجئے۔ آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے آشناؤں سے ان کے نکاح کر دیئے اور لوٹ کر مدرسہ کی طرف چلے۔

اس وقت مولانا محمد یعقوب صاحب سامنے آئے اور کہا صاحبزادے تم نے اپنے کو کیسا ذلیل کر دیا۔ فرمایا کیسی ذلت؟ کہا صاحبزادے! تم اس خاندان کے چراغ ہو جس کے سلامی بادشاہ رہے ہیں اور آج تم رنڈیوں کے مکانوں پر مارے مارے پھرتے ہو۔ مولانا نے فرمایا حضرت کیا آپ اس کو ذلت سمجھتے ہیں۔ واللہ! میں تو اپنی عزت اس دن سمجھوں گا کہ جبکہ دلی والے میرا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے میرے سر پر جوتے مارتے ہوں اور یوں کہتے ہوں کہ یہ فاسق ہے بدین ہے اور میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔

قال الله كذا وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا

مولانا محمد یعقوب صاحب کہتے ہیں کہ اس وقت میری آنکھیں کھلیں اور مجھے اپنی بات پر بڑی ندامت ہوئی کہ میں نے یہ کیا کہا اور اس ندامت میں کئی روز تک آنکھیں سامنے نہ کر سکا غرض مولانا کے بیان میں یہ خاص بات تھی کہ سامعین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ چنانچہ محل شاہی میں بھی بیان کا یہی اثر ہوا اور وہ بڑی بی تا سب ہوئیں اور کہا بیٹا اسماعیل! ہم تو بی بی کے ابا جان ہی کے خوش کرنے کو صحنک کرتے تھے اور جب وہی اس سے ناخوش ہیں تو آج سے ہم کبھی نہ کریں گے۔ (نور النور ج ۵)

## محبت رسول کے حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حق ہیں۔ محبت، عظمت، اطاعت، لیکن اگر کوئی شخص تینوں حق کو جدا جدا نہ سمجھے بلکہ صرف ایک محبت ہی کو حق سمجھے تو میں کہتا ہوں کہ خود محبت ہی ایک ایسا حق ہے کہ اور حقوق کو مستلزم ہے یعنی محبت مستلزم ہے عظمت کو بھی اطاعت کو بھی۔ یعنی جب سچی محبت ہوگی تو عظمت بھی ہوگی، اطاعت بھی ہوگی۔ مگر لوگوں نے صرف یہ یاد کر لیا



ہے کہ ہم عاشق ہیں رسول کے۔ بس اپنے زعم میں اور کسی بات کے مکلف ہی نہیں رہے بلکہ اگر سچ مچ بھی ہو سوز و گداز اور اس سے چیخنا چلانا رقت کا طاری ہونا یہ آثار پیدا ہوتے ہوں تو گویا ہر نظر میں یہ کمال معلوم ہوتا ہے مگر محققین کے نزدیک خود یہ ضعیف محبت ہے اور ضعیف اس وجہ سے کہ محل محبت کا ہے قلب اور یہ علامتیں ہیں ضعف قلب کی۔ تو جب قلب ہی ضعیف ہے تو جو اس کی صفت ہوگی وہ بھی ضعیف ہوگی۔ اس کو محبت کامل نہیں کہیں گے محبت کامل وہ ہے کہ رگ رگ عشق سے چور ہو مگر پھر بدحواس نہ ہو۔ (المریج فی الریج ج ۵)

## اطاعت رسول کا انعام

جو لوگ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کیساتھ رہیں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ (جنت میں ہوں گے۔ اور یہ لوگ اچھے رفیق (اور اچھے دوست) ہیں۔ ساتھ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ سب کے سب ان کے درجہ میں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے قریب ہوں گے اور ان سے زیارت و ملاقات کیا کریں گے۔ کبھی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات کو جایا کریں گے۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان شاء اللہ ہمارے پاس تشریف لایا کریں گے۔ اس وقت ہم خوش ہو کر یہ کہیں گے۔

امروز شاہ شاہان مہماں شدست مارا      جبریل بالملائک درباں شدست مارا  
(آج بادشاہوں کے بادشاہ ہمارے مہمان ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کے ہمراہ ہمارے مہمان ہیں)

آگے ناز کو قطع کرتے ہیں کہ اپنے عمل پر ناز نہ کرنا۔ ذالک الفضل من اللہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محض فضل ہوگا۔ اس کے بعد فضل پر تکیہ کو توڑا و کفی باللہ علیما کہ فضل پر تکیہ کر کے یہ بے فکر نہ ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ فضل کس پر ہوگا کس پر نہیں ہوگا۔ جس کو دوسرے مقام پر صراحت کے ساتھ بتلادیا گیا ہے۔ (الغالب للطالب ج ۶)

## درجات اتباع

جس شخص کو طریق کی طلب ہے یہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہو جاؤں

پھر اتباع کے دو درجے ایک یہ کہ فتویٰ علماء پر عمل کرتا رہے۔ جس کو وہ جائز کہیں اس کو جائز جانے اور جس کو وہ ناجائز اور حرام کہیں اس سے بچے۔ یہ بھی ایک درجہ اتباع کا ہے کہ مباحات شرعیہ پر عمل کرے۔ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مباحات کو نہ کیا ہو اور یہ بھی نجات کے لئے کافی ہے۔ میں غلو نہیں چاہتا گو یہ مضمون میری نظر میں بہت اہم ہے جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اور ایسا اہم ہے کہ میں اس کی بناء پر اپنی حالت کو نظر ثانی کا محتاج سمجھتا ہوں مگر میں حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہتا کہ مباحات پر عمل کرنے کو نا کافی کہہ دوں۔ ہرگز نہیں! بلکہ میں صاف کہتا ہوں کہ مباحات پر عمل کرنا بھی اتباع میں داخل اور نجات کے لئے کافی ہے۔

دوسرا درجہ اتباع کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات و افعال کا اتباع کیا جائے۔ یہ کامل اتباع ہے اور اس کے لئے ضرورت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و افعال و طریق عمل کے معلوم کرنے کی پھر اس میں بھی تین درجے ہیں ایک عبادات میں اتباع۔ دوسرے معاملات میں اتباع۔ ان میں تو جہاں تک ہو سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا اتباع کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق عمل کی تلاش کرے کیونکہ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور مخلوق سے ہے اور ایک یہ کہ ماکولات و مشروبات میں اتباع کیا جائے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا وہی کھائے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا وہی پیے جو آپ نے پہنا وہی پہنے۔ اس میں جس قدر سہولت ہو سکے اتباع کیا جائے مبالغہ نہ کیا جائے کیونکہ اس میں مبالغہ کرنا بعض اوقات ہم جیسے ضعفاء کے تحمل سے باہر ہوتا ہے اور یہ اقویاء کا کام ہے۔

حضرت خواجہ بہاء الدین کی یہی تحقیق ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ آپ کی مجلس میں حدیث پڑھی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھاتے تھے بلکہ آٹے کو پیس کو پھونک سے بھوسا اڑا دیا جاتا تھا جو اڑ گیا وہ اڑ گیا باقی کو گوندھ کر پکا لیا جاتا تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آج سے ہمارے واسطے بھی اسی طرح آٹا گوندھا جائے اور چھلنی میں نہ چھانا جائے شام کو جو روٹی اس طرح کھائی گئی سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہم نے بڑی گستاخی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مساوات کا قصد کیا اور اپنے کو اس سنت پر عمل کرنے کا اہل سمجھا ہم اس کے اہل نہ تھے اس لئے تکلیف ہوئی۔ آئندہ سے ہمارے واسطے چھنا ہوا آٹا ہی بدستور پکا یا جائے۔

سبحان اللہ کیسا ادب تھا کوئی بے ادب ہوتا تو سنت پر اعتراض کرتا کہ اچھا سنت پر عمل کیا تھا عمل بالسنّت سے یہ ضرر ہوا مگر حضرت شیخ نے ہم جیسوں کی تعلیم فرمادی کہ ہم اس سنت کے اہل نہ تھے کیونکہ ہمارے قوی ضعیف ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قوی ہم سے زیادہ قوی تھے اس لئے۔ یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطے مناسب تھا۔

غرض ماکولات و مشروبات و ملبوسات میں اگر ہو سکے تو جتنا بھی ہو سکے اتباع کرے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدور غبت سے کھایا ہے اسی طرح آپ کو دست کا گوشت مرغوب تھا اور ٹھنڈا اور میٹھا پانی مرغوب تھا۔ وغیرہ وغیرہ لیکن اس میں اپنی ہمت سے آگے غلو نہ کیا جائے زیادہ اہتمام اور کاوش کی ضرورت ان امور میں ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے یا مخلوق سے یعنی عبادات و معاملات اور ماکول و مشروب کا تعلق تو اپنی ذات سے ہے اس میں بہت کاوش کی ضرورت نہیں ہاں سہولت سے جتنا ہو جائے یہ بھی دولت عظیمہ ہے۔ مگر آج کل برعکس معاملہ ہے کہ ماکول و مشروبات و ملبوس میں تو اتباع نبوی کاوش کیسا تھ کیا جاتا ہے عبادات اور معاملات میں اتباع کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ (الغالب للطالب ج ۶)

### اتباع سنت کا معیار

کسی کو عمدہ غذا کا شوق ہے اس نے یہ حدیث چھانٹ لی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ کھانا کھایا ہے چنانچہ ایک فارسی نے آپ کی دعوت کی تھی اور عمدہ گوشت پکایا تھا۔ کسی کو عمدہ لباس کا شوق ہے اس نے وہ حدیث یاد کر لی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی بادشاہ نے ایک جبہ ہدیہ کیا تھا جس کی آستین وغیرہ میں ریشم کی گوٹ تھی اور آپ نے وہ جبہ زیب تن فرمایا تھا کسی کو روسا کی خوشامد کی عادت ہے اس نے تالیف قلوب کے واقعات یاد کر لئے کسی میں بخل ہے اس نے یہ حدیث یاد کر لی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ کچھ مال تقسیم فرمایا اور ایک شخص کو نہ دیا جس پر حضرت سعد بن ابی وقاص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ انی اراہ مومنًا فقال او مسلماً اسی طرح ایک شخص لنگی پہنتا ہے وہ لباس ازار کی حدیث یاد کئے ہوئے دوسرا پا جامہ پہنتا ہے وہ احادیث ازار میں تاویل کرتا ہے اب یہ سب احادیث کتابوں میں موجود ہیں اور اس میں شک نہیں کہ حضور سے یہ سب افعال صادر ہوئے ہیں مگر ان کو یاد کر لینے کا نام اتباع سنت نہیں۔

دیکھو ایک باغ میں پھل بہت قسم کے ہیں۔ ایک درخت انار کا بھی ہے ایک درخت امرود کا بھی ہے ایک دوناشپاتی کے بھی ہیں مگر یہ بتاؤ کہ اس کو کس چیز کا باغ کہا جائے گا یقیناً جس پھل کا غلبہ ہوگا اور جو پھل زیادہ ہوگا اسی کا باغ کہلائے گا اگر آم زیادہ ہیں تو اس کو آم کا باغ کہیں گے ایک امرود کے درخت سے اس کو امرود کا باغ کوئی نہ کہے گا۔

اسی طرح یہاں سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات تو بہت ہیں ہر قسم کے واقعات آپ کو احادیث میں مل جائیں گے مگر اس سے آپ کا طرز ثابت نہیں ہو سکتا۔ آپ کی طرز و عادت وہ ہے جو غالب و مستمر ہو پس غالب حالت اور دائمی حالت کو دیکھو اور اس کا اتباع کرو یہ اتباع حقیقی ہوگا اتفاقی واقعات کے اتباع کا نام اتباع سنت نہیں پھر علماء کو تو علم سے اس کا پتہ چلے گا کہ غالب حالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تھی اور عوام کو چاہیے کہ کتب واقعات و سیرت کا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ غالب واقعات کس قسم کے ہیں۔ جو غالب عادت ہو اس کو اصل قرار دو اور دوسرے کو عارض پر محمول کرو۔

بلکہ اتباع سنت یہ ہے کہ حضور کی عادت غالبہ کا اتباع کیا جائے اور اس کے لئے مطالعہ سیرت نبویہ کی بھی ضرورت ہوگی۔ سیرت نبویہ میں میرا رسالہ نشر الطیب مفصل ہے۔ اگر اتنی فرصت نہ ہو تو حیوۃ المسلمین کا مطالعہ کر لیا جائے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا خلاصہ ہے۔ اس لئے جوش محبت میں یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ ختم ماہ ربیع الاول تک جس کی فرمائش آئے گی اس سے محصول ڈاک بھی نہ لیا جائے گا۔ (الغالب للطالب ج ۶)

## اشراف نفس

ایک واقعہ مجھے یاد آیا بلگرام میں ایک بزرگ عالم متوکل تھے ایک دن ان کے یہاں فاقہ تھا صبح کو جب حسب معمول پڑھانے لگے تو شاگرد نے چہرہ اور آواز سے پہچان لیا کہ شیخ کو فاقہ کا ضعف ہے۔ اس نے دو چار سطریں پڑھ کر کتاب بند کر دی اور یہ کہا کہ میری طبیعت آج اچھی نہیں آج سبق موقوف فرما دیجئے۔ استاد نے سبق کا ناغہ منظور فرمایا اور شاگرد وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر گئے اور تھوڑی دیر میں ایک خوان سر پر رکھے ہوئے آئے جس میں عمدہ عمدہ کھانے تھے، وہ خوان استاد کے سامنے پیش کیا کہ یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ استاد نے کہا کہ یہ ہدیہ ایسے وقت آیا کہ مجھے اس کی ضرورت تھی



مگر ایک عذر اس کے قبول سے مانع ہے وہ یہ کہ تم جس وقت اٹھ کر چلے ہو میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ تم کھانا لینے گئے ہو اور حدیث میں آیا ہے:

مَا اتَاكَ مِنْ غَيْرِ اشْرَافَ نَفْسٍ فَخُذْهُ وَمَا لَا فَلَا تَتَّبِعْهُ نَفْسُكَ ۝

”جو ہدیہ بغیر انتظار کے مل جائے اسے قبول کرو جو انتظار سے آئے اپنے نفس کو اس کے پیچھے مت ڈالو۔“ اور یہ ہدیہ اشرف النفس کے بعد آیا ہے۔ اس لیے اس کا قبول کرنا خلاف سنت ہے وہ شاگرد بھی ان بزرگ کی صحبت کی برکت سے فہیم تھے۔ اس نے شیخ پر اصرار نہیں کیا۔ اگر ہم جیسے ہوتے تو اصرار کرنے لگتے اور عاجزی کے ساتھ منہ بنا کر خوشامد کرتے کہ جس طرح بھی ہو اب تو قبول ہی کر لیجئے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آج کل کھانا کھانے میں اصرار کیا جاتا ہے کہ اور کھائے میری خاطر سے تھوڑا سا تو اور کھا لیجئے، اب انکار کیا جائے تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اور کھایا جائے تو اپنی شکم شکنی ہوتی ہے۔ وہ تو اصرار کر کے زیادہ کھلا کر اپنے گھر آرام سے سو رہے ہیں گے اور ہم کو زیادہ کھانے سے رات بھر بے چینی رہے گی، نہ نیند آئے گی نہ طبیعت صاف ہوگی اس لیے میں ایسے اصرار کو قبول نہیں کرتا۔ (اصل العبادۃ ج ۷)

## حقوق رسالت

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق جو قرآن میں آئے ہیں اور وہ مثل حقوق الہیہ کے تین ہی حقوق ہیں۔

۱۔ اطاعت

۲۔ محبت

۳۔ عظمت

چنانچہ مختصراً و مختلطاً مع بعض فروع کے ان کو عرض کرتا ہوں۔ مثلاً ایک نوع حق محبت کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد ہے ”وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ الْآيَةَ وَغَيْرَهَا مِنْ الْآيَاتِ“ (تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہیں دینی چاہیے) اس پر ایک تفریع کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ احادیث میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُمتوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو ہماری بد اعمالیوں سے جبکہ ملائکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا دل دکھتا ہوگا تو اس سے کس قدر احتراز لازم ہوگا۔

عظمت کے متعلق آپ کا یہ حق وارد ہے کہ ”لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ“

(اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تم سبقت نہ کیا کرو) اور اسی باب میں فرماتے ہیں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ“ (اے ایمان والوں تم اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چیخ کر مت بولو۔ اور اسی طرح ارشاد ہے:

وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ. ”یعنی معمولی طور سے آپ کو پکارو مت، کبھی ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال غارت ہو جاویں۔“ آگے فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنَ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ. وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ.

”یعنی جو لوگ حجروں کے پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں۔“

واقعہ یہ ہوا تھا کہ کچھ دیہاتی بے وقوف آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زنانہ میں تشریف رکھتے تھے مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ کون سے قطعہ میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک ایک آدمی ایک ایک حجرہ کے مقابل کھڑے ہو کر پکارے کہیں تو سن لیں گے۔ اس پر حق تعالیٰ نے انہیں آیت بالا میں ڈانٹا اور اس کی یہ اصلاح فرمائی کہ ”وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ“ یعنی اگر ذرا دیر اور ٹھہرے رہتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی باہر تشریف لے آتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ یعنی انہیں کیا حق ہے کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکاریں۔

اس مقام پر میں حضرات سامعین سے تفریعاً و تفریجاً ایک سوال کرتا ہوں کہ جب حجرہ کے باہر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا جائز نہیں تو ہندوستان سے پکارنا کب جائز ہوگا، میں فتویٰ نہیں دیتا آپ سے پوچھتا ہوں..... یہ تو عظمت کا کچھ مضمون تھا۔ (اسرار العبادات ۷)

## شغل اور استغراق

اولیاء اللہ ایسے ہوئے ہیں جن سے باوجود کمال عشق کوئی امر خلاف عقل اور دین کے صادر نہیں ہوا شیخ عبدالحق ردولوی باوجود غایت استغراق کے فرماتے ہیں کہ۔

منصور بچہ بود کہ از قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریا ہا فرو برند و آروغ ترند  
منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ (شراب عشق) سے شور و غل کرنے لگا۔ یہاں ایسے  
(بہادر) مرد ہیں کہ دریا کے دریا پی جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔

حضرت شیخ علی احمد صابر صاحب بارہ سال تک مراقبہ میں مشغول رہے کچھ ہوش نہ تھا  
حتیٰ کہ پیر کے یہاں سے مزاج پرسی کے لئے ڈوم آیا تو آپ کو خبر دی گئی کہ شیخ کے یہاں  
سے ڈوم آیا ہے آپ نے سراٹھا کر اتنا فرمایا کہ پیر اچھے ہیں کہا جی ہاں! خیریت سے ہیں  
اور اس کی یہ خاطر کی کہ آپ گولر پھیکے بلا نمک کے کھایا کرتے تھے اس روز فرمایا کہ آج  
گولروں میں نمک ڈال دینا اس بیچارے کے تو زخم پر نمک چھڑکا گیا وہ تو بڑی بڑی خاطر  
کا خوگر تھا اس نے واپس ہو کر شیخ سے بڑی شکایت کی کہ حضرت انہوں نے تو آپ کو بھی  
زیادہ نہیں پوچھا۔ صرف کچھ دیر کو آنکھیں کھول کر اتنا پوچھا تھا کہ شیخ اچھے ہیں اس کو سن کر شیخ  
پھڑک گئے اور فرمایا ان کی محبت ہے کہ ایسی حالت میں مجھ کو یاد رکھا۔

دیکھئے حضرت صابر صاحب اس قدر تو مشغول و مستغرق تھے مگر بارہ سال تک ایک  
وقت کی نماز وقت سے ٹلی نہیں۔ عوام الناس اہل کمال کو کیا جانیں وہ تو بھنگڑوں کو جانتے ہیں  
جو نماز بھی نہ پڑھیں۔ استغراق محمود وہ ہے جو سنت کے دائرہ سے خارج نہ ہونے دے۔  
غرض انبیاء علیہم السلام کی تو بڑی شان تھی اولیاء اللہ ایسے ایسے گزرے ہیں جن کا دین غالب  
تھا عشق پر اور ان کو استغراق میں بھی دین سے غفلت نہ ہوتی تھی۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

## اکابر کا اتباع سنت

غدر کے موقع میں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے ایک عجیب ذہانت سے بچاؤ کیا۔ بعض  
لوگوں نے آپ سے شکایت کر دی تھی کہ یہ بھی عذر تھا نہ بھون میں شریک تھے تو تین دن تک  
آپ روپوش رہے۔ تین دن کے بعد ظاہر ہو گئے لوگوں نے کہا۔ حضرت ابھی تک آپ کی  
تلاش جاری ہے اور وارنٹ موقوف نہیں ہوا ابھی کچھ دنوں اور چھپے رہیے۔

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے موقع تین ہی دن غار ثور میں روپوش رہے  
تھے۔ بس! سنت پر عمل کر لیا ہے اس سے زیادہ مدت تک مخفی رہنا زائد علی السنت ہے۔

سبحان اللہ! اتباع سنت اسے کہتے ہیں کہ روپوشی میں بھی اس کا لحاظ رہا کہ سنت سے زیادہ نہ ہو۔ آجکل لوگ نوافل و تسبیحات ہی میں اتباع سنت کو منحصر سمجھتے ہیں کمال اتباع یہ ہے کہ جو مولانا کے فعل سے ظاہر ہوا۔

غرض تین دن کے بعد آپ اعلانیہ پھرتے تھے کئی مرتبہ گھر پر دوڑ آئی۔ مگر آپ اپنی ذہانت سے بچ جاتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا چھتے کی مسجد میں تھے کسی نے مخبری کر دی اور فوراً دوڑ آ گئی۔ مولانا اس وقت جہاں بیٹھے تھے اس جگہ سے ذرا کھسک کر بیٹھ گئے۔ پولیس کے افسر نے صورت سے نہ پہچانا کہ یہی مولانا محمد قاسم ہیں۔ کیونکہ لباس مولانا کا عالمانہ نہ ہوتا تھا۔ عامیانہ لباس پہنتے تھے اس نے سمجھا کہ یہ کوئی عالم نہیں معمولی آدمی ہے۔ تو اس نے مولانا ہی سے پوچھا کہ یہاں مولانا محمد قاسم صاحب آئے تھے؟ تو آپ نے اپنی پہلی جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ابھی تو یہیں تھے دیکھ لو۔ یہ کہہ کر اپنے جوتے ہاتھ میں لئے پولیس کے درمیان سے نکل گئے۔ بعد میں پولیس افسر کو معلوم ہوا کہ جس سے میں نے باتیں کی تھیں وہی مولانا محمد قاسم صاحب تھے۔ وہ مولانا کی ذہانت پر بڑا حیران ہوا کہ جھوٹ بھی نہیں بولا اور صاف بچ بھی گئے۔

## حالت غم میں اسوہ حسنہ

آپ کا ہر فعل و قول و حال ہمارے واسطے اسوہ حسنہ ہے بجز اس کے جس کا آپ کی ذات کے لئے مخصوص ہونا حق تعالیٰ کے یا آپ کے ارشاد سے معلوم ہو گیا ہے پس رونا مطلقاً خلاف سنت نہیں بلکہ وہ رونا خلاف سنت ہے جس میں نوحہ ہو یعنی بیان اور بین ہو۔ باقی آنسو بہا لینا رو لینا اچھا ہے اس سے دل کا غبار نکل کر تسلی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تجربہ ہے۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے کسی کی موت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ یا رسول اللہ عورتیں رورہی ہیں۔ فرمایا منع کر دو۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود منع نہیں فرمایا۔ حالانکہ آپ کو اطلاع تھی بلکہ اس شخص نے دو تین بار آ کر اطلاع دی کہ میں نے منع کیا مگر وہ نہیں رکتیں۔ تو اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا فرمایا کہ ان کے منہ پر خاک ڈالو یعنی جانے دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسی واسطے نہیں منع فرمایا کہ اس حکمت پر نظر تھی کہ اس سے تسلی ہو جاتی ہے۔ (آداب المصاب ج ۹)



مگر اہل اللہ اسی کے ساتھ دعا اور دوا بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے جمع بین الاضداد کر کے دکھلایا ہے۔ وہ تجویز کو بھی قطع کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی دعا بھی الحاح سے کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں حکم ہے

ليعزم المسئلة وان الله يحب الملحين في الدعاء

اور دوا کے ساتھ پرہیز بھی کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا کی ہے۔ تو ظاہر میں تفویض و قطع تجویز کے ساتھ اس کا جمع ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ خصوصاً دعا بالاحاح کا۔ کیونکہ دعا میں تو طلب ہے اور طلب تجویز ہے مگر محقق کی نظر وسیع ہے وہ سب کو جمع کر لیتا ہے اس لئے کہ دعا الحاح سے کرتا ہے۔ مگر دل سے ہر شق پر راضی رہتا ہے کہ جو کچھ ہوگا ہم اس پر راضی ہیں۔ (الاجرائیل ج ۹)

## بدعت سے احتراز

حاجی صاحب کے سامنے ایک بڑے متبحر عالم نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ ترک حیوانات کے ساتھ چلہ کھینچوں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مولانا تو بہ کیجئے بدعت ہے۔ حالانکہ یہ سائل بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ مگر ان کی نظر اس پر نہ پہنچی مگر حاجی صاحب نے فوراً فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔ حالانکہ حاجی صاحب اصطلاحی عالم نہ تھے مگر عالم گرتھے (الاجرائیل ج ۹)

## اتباع شریعت

مولوی جمال الدین صاحب بھوپال میں مدارالمہام تھے گویا وزیر ریاست تھے۔ وزارت اس وقت تو ضابطہ ہی کی رہ گئی ہے۔ اس زمانہ میں تو واقعی سلطنت تھی۔ کیونکہ پہلے اتنے ضابطے نہ تھے اور پھر خود ایک بڑی رئیسہ نے ان سے نکاح بھی کر لیا تھا۔ غرض ان کا بہت بڑا مرتبہ تھا مگر تھے بڑے حق پرست۔ یہاں تک کہ وہ رئیسہ بوجہ انتظامات ریاست کے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ ایک دفعہ مسجد میں نماز پڑھنے گئے مولوی جمال الدین عالم تو تھے ہی۔ نماز پڑھانے کے لئے لوگوں نے آگے کھڑا کر دیا۔

اتفاق سے ایک ولایتی مولوی صاحب بھی موجود تھے انہوں نے ہاتھ پکڑ کر پیچھے ہٹا دیا کہ تم نماز نہیں پڑھا سکتے۔ تم اس قابل نہیں اور کوئی پڑھائے مگر مجال کس کی تھی کہ وزیر صاحب کے

سامنے اور کوئی پڑھانے کے لئے بڑھے بالخصوص ایسے موقع پر۔ جب کوئی نہ بڑھا تو وہ آپ خود جا کر مصلے پر کھڑے ہو گئے کہ ہم پڑھائیں گے اور یہ کہا کہ تمہاری بیوی پردہ نہیں کرتی۔ اور تم اس کو گوارا کرتے ہو۔ لہذا تم دیوث ہو اور دیوث کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ یہ فقہ کا مسئلہ ہے یہ کہا اور اللہ اکبر! وزیر صاحب جماعت میں شریک رہے۔ نماز پڑھ کر بھی کچھ نہیں بولے بلکہ وہیں سے سیدھے پہنچے رئیسہ کے پاس۔ وہ اس وقت اجلاس میں تھیں آپ نے بے دھڑک سب کے سامنے علی الاعلان اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تمہارے پردہ نہ کرنے کی وجہ سے میں بدنام ہوا۔ لوگ مجھے دیوث کہتے ہیں اور میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ تم نے مجھے بھی ذلیل کیا۔ یا تو وعدہ کرو کہ میں پردہ میں بیٹھوں گی نہیں تو تین طلاق۔ (رمضان فی رمضان ج ۱۰)

## عیادت کا حق

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ اس کو بخار ہے فرمایا لا باس طہور انشا اللہ تعالیٰ یعنی کچھ حرج نہیں۔ یہ بخار تمہارے حق میں مطہر ہے۔

اللہ اکبر! عیادت کا حق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ادا کرنے والا کون ہوگا۔ عیادت کی غرض اصلی تسلیہ ہے اور تسلی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی۔ کہ جس شے کو وہ ضرر سمجھتا ہو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفع کے افراد میں داخل کر دیں۔ یہ تو ایسے تسلی ہے کہ طبیعت میں اس قدر تسلی اس سے ہونی چاہیے کہ مرض بھی نہ رہے لیکن اس تسلیہ کی اس بیمار نے قدر نہ کی وہ ایک ضعیف الایمان بڑھاتا کہتا ہے کلابل حمی تقع علی شیخ کبیر تزیرو القبور۔ (ہرگز نہیں بلکہ یہ تو ایسا بخار ہے جو ایک بوڑھے کو قبر میں پہنچا دے گا) فرمایا اچھا یوں ہی سہی۔ (العنبد ج ۱۰)

## ہر حالت کیلئے اسوہ حسنہ

حق تعالیٰ نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ (تمہارے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بہترین نمونہ ہے) آپ ہمارے لئے نمونہ ہیں تو جس طرح آپ قولاً نمونہ ہیں ایسے ہی فعلاً بھی آپ نمونہ ہیں خوشی میں بھی نمونہ ہیں اور غمی میں بھی خوشی آپ نے کی یعنی نکاح کیا اور غمی بھی کی۔ اللہ میاں نے سب واقع کر کے

دکھلادیا تاکہ امت کو معلوم ہو کہ جیسے رسول نے کیا ہے ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے چنانچہ جب آپ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو نہ کوئی مجمع ہوا نہ کوئی رویا نہ چلایا آنسو البتہ خود آپ کے بھی نکلے اتنی اجازت تھی آپ نے یہ بھی فرمایا تھا

انا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون (جامع المسانید 2: 576) (اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے ضرور غمگین ہیں) یہ تو آپ نے غمی کر کے دکھائی اور شادی کر کے اس طرح دکھائی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا اس میں نہ نائی خط لیکر آیا نہ ڈومنی آئی خود دلہا صاحب آئے اور انہوں نے خواستگاری کی اس میں نہ نشانی تھی نہ انگوٹھی نہ خط نہ شکرانہ نہ نائی کو روپیہ دیا (الاتمام لعمۃ الاسلام ج ۱۲)

### سیدۃ النساء کا نکاح

خیال فرمائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا اور کر کے دکھلادیا کہ نکاح اس طرح ہونا چاہیے۔ اس میں کوئی بکھیڑا نہیں ہوا۔ حضرت علیؓ کو بلایا اور کسی کو نہیں بلایا جو موجود تھے ان کے سامنے نکاح پڑھ دیا۔

اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ غالباً مواہب لدنیہ میں ہے کہ نکاح کے وقت حضرت علیؓ بھی موجود نہ تھے اس لئے آپ نے یوں فرمایا تھا ان رضی علیؓ کہ اگر حضرت علیؓ راضی ہوں جب حضرت علیؓ آئے انہوں نے کہا رضیت کہ میں راضی ہوں جہاں دولہا کی بھی ضرورت نہ ہو وہاں برات تو کیا ہوتی مگر ہمارے یہاں تو سب نھو خیرا کو موجود ہونا چاہیے کہتے ہیں اب تک فلانا تو آیا نہیں نکاح کیسے ہو وہ تو روٹھ جائیگا اس کو لاؤ مناؤ۔ بھائی اس بکھیڑے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سیدھا نکاح ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد حضرت فاطمہؓ کو ام ایمنؓ کے ہمراہ حضرت علیؓ کے یہاں پہنچا دیا گیا۔ حضور ان کے یہاں رات کو تشریف لے گئے فرمایا فاطمہؓ پانی لاؤ۔ دیکھئے نئی دلہن ہیں وہ خود اپنے ہاتھ سے پانی لاتی ہیں اب تو نکاح سے پہلے دولہن کو مایوں بٹھلاتے ہیں۔ اس بے چاری کو تو سرسام ہو جاتا ہے اختلاج قلب ہو جاتا ہے۔ اور اوپر سے تعلیم دیتی ہیں کھاؤ مت وہ بے چاری تو ناتجربہ کار ہے ان کے کہنے سننے سے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ بیمار ہو گئی تو کہتے ہیں اللہ بخش آ گیا وہ کہاں آ گیا بھلا گنگوہ سے وہ یہاں آ گیا اس کو اور کوئی عورت ملی نہیں یہی ملی یہی پسند آ گئی۔ اب نہ دوانہ

دارو کیونکہ اللہ بخش کی دوا کیا ہو غریب ایک جیل خانہ سے چھوٹی تھی اب دوسرا جیل خانہ موجود ہے جیسے قیدیوں کو آگرہ ہے جہاں سی بدل دیتے ہیں۔ غرض مائیوں بٹھلانے میں دلہن کو تعلیم ہوتی ہے کہ کھلی اٹھے تو کھجلا نا نہیں پیشاب پاخانہ نہ کرنا اگر وہ پیشاب کرنا چاہے تو کہتی ہیں یہ کیسی بے حیا ہے کہ لوٹا لے کر چل پڑی۔ (الاتمام لعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## رضاء محبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاء محبت وہی مطلوب ہے جو اس حیثیت سے ہو کہ آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مظہر حق ہیں۔ دوسری حیثیت سے آپ کی رضاء و محبت مطلوب نہیں۔ ہاں اگر پہلی حیثیت کے ساتھ دوسری حیثیات بھی جمع ہو جائیں تو نور علی نور ہے ورنہ صرف دوسری حیثیات کافی نہیں مثلاً ابوطالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی مگر وہ صرف اس حیثیت سے تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بھتیجے تھے یا بعض کفار کو آپ سے اس لئے محبت تھی کہ آپ عاقل کامل تھے اور اب بھی بعض مصنفان یورپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل و ہمت و استقلال وغیرہ کی تعریف بہت شد و مد کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان حیثیات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و رضاء شرعاً کافی نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ رسول ہونے کی حیثیت سے آپ کے ساتھ محبت کی جائے اور اس ہی حیثیت سے آپ کی رضاء شرعاً مطلوب ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## افعال میں اعتدال

آج کل بعض لوگ پیروں کی تعریف کیا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ اناج نہیں کھاتے یہ کچھ کمال نہیں۔ تعریف یہ ہے کہ سب کچھ کھاوے مگر حلال روزی کھاوے اور اعتدال سے کھاوے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کھانے میں سب کے ساتھ بیٹھتے اور سب کے ساتھ اٹھتے مگر کم کھاتے تھے اور کوئی ہدیہ لاتا تو حاضرین سے فرمایا کرتے کہ کھاؤ یہ خدا کے واسطے سے آئی ہے اس میں واسطہ کی وجہ سے نور ہے۔

خوب کھاؤ اور خوب کام کرو۔ حضرت کا تو یہ معمول تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی حالت تھی مگر آپ باوجودیکہ ہر وقت فکر آخرت میں مصروف رہتے تھے۔ مگر یہ کیفیت اتنی غالب نہ تھی جو کھانے اور پینے اور ہنسنے بولنے سے بھی روک دے۔ اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے



ہمارے حق میں بھلائی کی ورنہ ہم تو مر جاتے اور وہی حال ہوتا جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کا تھا کہ مارے خوف کے روتے روتے آپ کے رخسار مبارک کا گوشت تک گل گیا تھا۔ (وحدة الحب ج ۱۵)

## حقیقت ولایت

حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک مرید صاحب کشف تھے۔ یہ خیال ہوا کہ نماز ایسی پڑھنا چاہیے جس میں کوئی خطرہ نہ آوے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو بغیر آنکھ بند کئے حضور قلب نہ ہو تو آنکھ بند کر کے نماز پڑھنا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے چنانچہ انہوں نے آنکھیں بند کر کے اس طرح نماز پڑھی کہ کوئی خطرہ نہیں آنے پایا۔ جب فارغ ہوئے تو بہت خوش ہوئے پھر متوجہ ہوئے نماز کی ہیئت مشکوف ہوئی۔ دیکھا نہایت حسین و جمیل ہے۔ پھر غور کر کے ہر عضو کو دیکھنے لگے اتفاقاً آنکھوں پر نگاہ پڑی دیکھا تو آنکھیں نہیں ہیں۔ بہت پریشان ہوئے۔ حضرت سے آکر عرض کیا۔ تمام واقعہ مفصل نہیں عرض کیا۔ مگر کیا ٹھکانا ہے حضرت کی فراست کا فی البدیہہ فرمایا کہ تم نے نماز آنکھیں بند کر کے پڑھی ہوگی۔ پھر فرمایا گو تم نے اس طرح نماز پڑھی کہ خطرات نہ آئیں مگر آنکھیں بند کرنا سنت کے خلاف تھا۔ تو آنکھیں کھول کر نماز پڑھنا گو خطرات آئیں افضل ہے اور آنکھیں بند کر کے نماز پڑھنا گو خطرات نہ آئیں مفضل ہے کیونکہ خلاف سنت ہے۔ (روح القیام ج ۱۶)

## عظمت رمضان

ہمارے ایک فارسی کے استاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جیسے رمضان کے جانے کا غم ہوتا ہے اس کے آنے کی خوشی بھی ہونی چاہیے تو اگر جانے پر خطبہ الوداع پڑھتے ہو تو اس کے آنے پر بھی ایک مرحبا کا پڑھنا چاہیے کہ مرحبا مرحبا یا شہر رمضان خصوصاً جب کہ یہ دیکھا جائے کہ اظہار سرور کی تو شریعت میں اصل بھی ہے اور اظہار غم کی کوئی اصل نہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے آنے سے پہلے تو مسلمانوں کو رمضان کے لئے مستعد ہو جانے کا ارشاد فرمایا ہے جانے کے وقت کوئی حسرت ورنج ظاہر نہیں فرمایا۔ (اکمال العدة ج ۱۶)

## نسبت مع اللہ

بزرگی نسبت مع اللہ کا نام ہے جس کی پوری حقیقت کا بعض دفعہ فرشتوں کو بھی پتہ نہیں

لگتا۔ البتہ اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال اقوال حرکات میں زیادہ تشبہ ہو یعنی جس طرح نماز ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری متابعت کی کوشش کی جائے اسی طرح آپس کے برتاؤ روزمرہ کی باتوں میں سونے میں جاگنے میں۔ غرض ہر ہر بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کوشش کی جائے اور یہ اتباع عادت ہو جائے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں اور عادات کو اس عموم میں اس لیے داخل کیا گیا کہ حدیث میں ”ما نانا علیہ واصحابی“ (جس راستے پر میں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اور میرے صحابہ ہیں) آیا اور ماعام ہے۔ عبادت اور عادت دونوں کو تو بزرگی اور نسبت کی علامت یہ ہے اور کم کھانے یا کم پینے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ دوسرے کسی شخص کی نسبت یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بہت کھاتا ہے یا کم کھاتا ہے تو قطع نظر بزرگی کی علامت ہونے سے خود اس کا حکم بھی مشکل ہے کیونکہ کم کھانا یہ ہے کہ بھوک سے کم کھائے تو ممکن ہے کہ جس کو تم بہت کھانے والا سمجھے ہو اس کی بھوک اس خوراک سے دوئی ہو تو وہ تو کم کھانے والا ہوا۔ ایک شیخ سے ان کے مریدوں نے ایک دوسرے مرید کی شکایت کی کہ حضرت یہ بہت کھاتا ہے چالیس پچاس روٹیاں کھا جاتا ہے۔ شیخ نے اس کو بلا کر کہا کہ بھائی اتنا نہیں کھایا کرتے ”خیر الامور اوسطھا“ (تمام کاموں میں میانہ روی بہتر ہے) اس مرید نے کہا کہ حضرت ہر ایک کا اوسط الگ ہے یہ صحیح ہے کہ میں اتنی مقدار کھا جاتا ہوں لیکن یہ غلط ہے کہ میں زیادہ کھاتا ہوں کیونکہ میری اصلی خوراک اس سے بہت زیادہ ہے جب تک مرید نہ ہوا تھا اس سے دوئی کھایا کرتا تھا۔ (تفاضل الاعمال ج ۱۸)

## ادب و تکلف کا فرق

احادیث میں آیا ہے کہ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے لیکن پھر چھوڑ دیا لما کنا نعرف من کراہۃ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قیام اس وجہ سے ترک کر دیا کہ ہم نے جانا کہ آپ کونا گوار ہے آجکل لوگوں میں تکلف بہت آگیا ہے اور اس کا نام ادب رکھا ہے صحابہؓ سے زیادہ کون ادب والا ہوگا۔ مگر یہ تکلفات ان میں نہ تھے اور لطف بھی اسی میں ہے بلکہ بعض جگہ بے تکلفی اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ صورت بے ادبی اور گستاخی معلوم ہوتی ہے۔ مگر محبوب کو اگر مطلوب ہے تو وہ بھی محبوب ہے۔ (المنقب ج ۱۹)

## تعلیم اعتدال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کا قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:  
 اَمَّا اَنَا فَاَقُومُ وَاَرُقُدُ وَاَصُومُ وَاَفْطِرُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ هَذَا مِنْ سُنَّتِي  
 وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي اَوْ كَمَا قَالَ:

(حالانکہ میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں  
 اور افطار بھی کرتا ہوں اور میں مستورات سے شادی بھی کرتا ہوں، یہ میری سنت ہے جو میری  
 سنت سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں)

اب ظاہر بین سمجھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکثیر عمل سے منع فرمادیا مگر شاہ ولی  
 اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقلیل عمل سے منع فرمادیا ہے  
 کیونکہ مبالغہ فی العمل کا مآل تعطل ہے۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم  
 سے فرمایا کرتے تھے کہ محنت میں زیادتی نہ کرنا یہ کامل اور عاقل کی تعلیم ہے اور اناڑی تو یوں  
 کہتا ہے کہ جتنی محنت ہو سکے کر لو مگر مولانا فرماتے تھے کہ اگر سبق کو دس دفعہ کہنے کو جی چاہے تو  
 ایک دفعہ کا شوق باقی رکھ لو جیسے کھانے میں اطباء کہتے ہیں کہ تھوڑی سی بھوک رکھ کر کھانا  
 چاہئے ورنہ ایک دفعہ ٹھونس کر کھانے کا انجام یہ ہوگا کہ دوسرے وقت بھوک مر جائے گی۔  
 پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک مر جائے گی پھر اگر دوسرے وقت اگر بے بھوک کھالیا  
 گیا تو معدہ کا ناس ہو جائے گا۔ مگر بعض لوگ ایسے بے تکے ہوتے ہیں کہ مولوی فیض الحسن  
 صاحب سہارنپوری کے پاس ایک بد ہضمی کا مریض آیا آپ نے اس کے لئے نسخہ لکھنا چاہا تو  
 وہ کہتا ہے کہ اس کے پینے کی گنجائش ہوتی تو اور کھانا ہی نہ کھاتا اسی طرح یہاں ہمارے قصبہ  
 میں ایک صاحب تھے وہ کھاتے تھے اور قے کرتے تھے اور قے کر کے پھر کھاتے تھے یہ تو  
 واہیات ہے بلکہ موجب ہلاکت ہے۔ (رفع الالباس عن نفع الالباس ج ۲۰)

## صحابہ کی کمال اتباع

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تو اتباع کا اتنا اہتمام تھا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے کھانے تک کی حدیثیں بھی ضبط کی ہیں مثلاً یہ کہ:

## انّی آکل کما یا کل العبد

کہ میں تو اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھایا کرتا ہے۔  
 سو تم بھی ایسے ہی کھاؤ جس طرح غلام کھاتا ہے۔ دیکھو تو ہم سب خدا کے غلام ہیں  
 اور ہر وقت خدا کے سامنے ہیں تو اس طرح سے کھانا چاہئے، جیسے آقا کے سامنے غلام۔  
 حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکڑ و بیٹھ کر کھاتے تھے ایک اس میں بڑی مصلحت  
 ہے کہ پیٹ رانوں سے مل کر دب جاتا ہے کھانا حد سے زیادہ نہیں کھا سکتا جس سے پیٹ بھی  
 نہیں بڑھ سکتا جیسا بعض حریصان بندہ شکم کا بڑھ جاتا ہے، چنانچہ ایک پیر جی تھے ان کا پیٹ  
 بہت بڑھ گیا تھا ایک مرید نے کہا اس کا کیا سبب ہے فرمایا کہ کتا مر کر پھول جاتا تو میرا نفس  
 بھی چونکہ مر چکا ہے اس لئے پھول گیا۔ غرض بعض لوگ بہت ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں۔  
 شریعت کو تو وسط مطلوب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اکڑ و بیٹھ کر کھاؤ۔ نیز اکڑ و بیٹھ کر تواضع  
 اور انکسار بھی ہے۔ بعض لوگ فرعون کی طرح بیٹھ کر کھاتے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کدو  
 کا سالن پکایا تو میں نے دیکھا کہ آپ پیالے میں جا بجا سے کدو کو تلاش فرما کر نوش فرماتے  
 تھے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ کونسا کدو تھا مگر محققین نے دونوں کو عام کہا ہے تو  
 حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فلم ازل احب الدباء من یومئذ یعنی اس دن  
 سے مجھے کدو سے محبت ہو گئی نہیں کہا: فلم ازل اکل الدباء

بلکہ میں اس دن سے کدو کھانے لگا تو صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ جس چیز کی طرف حضور  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت دیکھتے ان کا دل بھی اس کو چاہنے لگتا تھا۔

مسلمانو! اگر یہ بات نصیب نہ ہو تو عقلاً تو پسند کرنا چاہئے اور اس کا اتباع تو کرنا چاہئے  
 تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا کہ کوئی رسم وغیرہ  
 نہیں کی اور یہ رسمیں اس وقت موجود ہی نہ تھیں یہ تو بعد میں لوگوں نے نکالی ہیں اور خوشی میں تو  
 رسمیں ہوا کرتی تھیں امراء کے یہاں غمی میں بھی رسمیں ہوتی ہیں۔ (فضل الجالبین ج ۲۰)

## حضرت فاطمہؓ کی منگنی

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کیا نہ اس میں منگنی تھی..... نہ مہندی تھی نہ نشانی



تھی۔ منگنی آپ کی یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود جا کر پیغام دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا نہ اس میں مٹھائی کھائی گئی نہ کوئی مجمع ہوا۔ اور درحقیقت منگنی چیز کیا ہے، صرف وعدہ ہے جو زبان سے ہوا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ مٹھائی کھٹائی وغیرہ کی کیا ضرورت ہے اگر خط میں لکھ کر وعدہ بھیج دیا جائے تب بھی یہ ہی کام ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ جس قدر بھی زوائد ہیں سب زائد از کار ہیں۔ اس میں پرانی تاویل ہے کہ اس سے وعدہ کا استحکام ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں جو شخص اپنی زبان کا پکا ہے اس کا ایک مرتبہ کہنا ہی کافی کافی ہے۔ اور جو زبان کا پکا نہیں وہ منگنی کر کے بھی خلاف کرے تو کیا کوئی توپ لگا دے گا۔ چنانچہ بہت جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصلحت سے یا کسی لالچ سے منگنی چھوڑا لیتے ہیں اس وقت وہ استحکام کس کام آتا ہے اور جو کچھ خرچ ہوا وہ کس کام آیا، غرض یہ تاویل صحیح نہیں، صرف دھوکہ ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی منگنی تو یہ ہوئی۔ (منارۃ الہوی ج ۲۰)

## نکاح فاطمہؑ

اب نکاح سنئے نہ اس کے لئے کوئی مجمع کیا گیا نہ کوئی خاص اہتمام ہوا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو آسمان کے فرشتے کو بھی بلا لیتے، صرف چند آدمیوں کو بلایا۔ ان میں حضرت انسؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ایک دو اور صحابی تھے اور یہ سکر حیرت ہوگی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود موجود نہ تھے۔ آپ کی غیبت میں نکاح معلق برضاء علی رضی اللہ عنہ کر دیا گیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر پہنچی تب آپ نے قبول کیا۔

## رخصتی

پھر رخصتی سنئے۔ حضرت فاطمہؑ گوام ایمن کے ہمراہ حضرت علیؑ کے یہاں پہنچو ادیانہ پاکی تھی نہ رتھ تھا نہ عماری تھی اپنے پاؤں چلی گئیں۔ پھر اگلے دن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا تھوڑا پانی لاؤ۔ حضرت فاطمہؑ خود اٹھ کر پانی لائیں پھر حضرت علیؑ سے پانی منگایا۔ جس سے معلوم صاف ہوا کہ حضرت فاطمہؑ کا پانی لانا حضرت علیؑ کے سامنے تھا۔ ذرا اپنی دہنوں کو دیکھئے کہ سال بھر تک منہ پر ہاتھ رہتے ہیں شادی کے زمانہ میں تو کبھی وہ اپنے منہ سے پانی تک بھی مانگ بیٹھے تو چاروں طرف سے غل مچ جائے کہ ہے

ہے کیسی بے حیائی کا زمانہ آگیا بلکہ شادی سے پہلے ہی سے یہ مصیبتیں اس بیچاری پر آ جاتی ہیں اول سخت قرنطینہ میں رکھی جاتی ہے جس کو آپ کی اصطلاح میں مائیوں بیٹھنا کہتے ہیں۔

ایک کوٹھڑی میں بند کر دی جاتی ہے جہاں ہوا تک اس کو نہیں پہنچتی سارے گھر سے بولنا بند ہو جاتا ہے اپنی ضروریات میں دوسرے کی محتاج ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ پاخانہ پیشاب کو نہیں جاسکتی یہاں تک بھی غنیمت تھا کہ ان رسموں کی بدولت دنیا کی سزائیں بھگتیں۔ لیکن غضب یہ ہے کہ اس قرنطینہ میں نماز تک نہیں پڑھتی کیونکہ اپنے منہ سے پانی نہیں مانگ سکتی اور اوپر والیوں کو اپنی ہی نماز کی پرواہ نہیں اس کی کیا خبر لیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ نماز جو کہ مرتے وقت بھی معاف نہیں، چنانچہ کتاب میں لکھا ہے (منازعہ الہوی ج ۲۰) غرض حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اگلے دن حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے اور دلہا دلہن دونوں سے فرمایا پانی لاؤ دونوں اٹھ کر پانی لائے۔ یہ ساری باتیں قصہ کہانی ہیں۔ یا اس واسطے کی گئی تھیں کہ ہم لوگ سیکھیں۔ (منازعہ الہوی ج ۲۰)

## اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن شریف میں ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی ذات مبارک میں ایک اچھا نمونہ دیا ہے۔ نمونہ دینے سے کیا غرض ہوتی ہے یہی کہ اس کے موافق دوسری چیز تیار ہو۔ میں نے ایک بزرگ محقق کا اس کے متعلق ایک لطیف مضمون سنا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی نے درزی کو ایک اچکن سینے کو دی اور نمونہ کیلئے ایک سلی ہوئی اچکن بھی دی کہ اس ناپ اور نمونہ کی اچکن سی لاؤ۔ درزی نے ساری اچکن نمونہ کے موافق تیار کی غرض طول بھی برابر سلائی بھی یکساں غرض کہیں قصور نہیں کیا۔ فرق کیا تو صرف یہ کیا کہ ایک آستین ایک بالشت چھوٹی بنا دی جب وہ اچکن لے کر مالک کے پاس پہنچے گا تو مالک اسے کیا کہے گا وہ اچکن خوش ہو کر لے گا یا اس کے سر سے مارے گا۔ اگر درزی جواب میں یہ کہے کہ جناب ساری اچکن تو ٹھیک ہے صرف ایک آستین میں ذرا سی کمی ہے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ مالک اس کو پسند کرے گا ہرگز نہیں اس سارے کپڑے کی قیمت رکھوائے گا۔

خوب یاد رکھئے کہ حق تعالیٰ نے احکام نازل کئے جو بالکل مکمل قانون ہے اور ان کا عملی نمونہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا سو اگر آپ کے اعمال نمونے کے موافق ہیں تو صحیح ہیں ورنہ غلط ہیں۔ اگر نماز آپ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے موافق ہے تو نماز ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اگر ذکر آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے موافق ہے تو ذکر ہے ورنہ الٹی معصیت ہے۔ دیکھئے نماز میں کوئی بجائے دو کے ایک سجدہ کر لے تو وہ نماز نہ رہی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

کوئی قرآن شریف بحالت جنابت پڑھے تو بجائے ثواب کے الٹا گناہ ہوتا ہے (اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ اسمائے الہی توقیفی ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی نام رکھنا جائز نہیں) اگر آپ روزہ رکھیں تو وہی روزہ صحیح ہوگا جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو علیٰ ہذا حج وہی صحیح ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے موافق ہو اگر حج میں کوئی احرام نہ باندھے تو وہ حج، حج نہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ وہی صحیح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق ہو اور کوئی سارا مال خلاف تعلیم خرچ کر دے تو زکوٰۃ سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ (منازلہ الہوی ج ۲۰)

## سنت کا ادب

ایک حکایت ہے، خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ کی کہ آپ کی نظر سے یہ حدیث گزری کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کی روٹی کھاتے تھے اور بغیر چھانے ہوئے۔ بس یہ طریقہ تھا کہ آٹے میں پھونک مار کر بھوسی اڑادی جو رہ گیا اس کی روٹیاں پکالیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھاننے کا طریقہ نہ تھا۔ جب آپ نے یہ حدیث دیکھی تو خدام سے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جو کاتا بے چھنا ہو۔ یہ چھانا خلاف سنت ہے۔ پس آج سے چھانا نہ جاوے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے بموجب ایسا ہی کیا گیا اور بے چھنے جو کے آٹے کی روٹی پکائی گئی۔ مگر اس کو جو کھایا تو سب کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ اب وقت ہے امتحان کا کوئی بے ادب تو یہ کہتا کہ اچھا اتباع سنت کیا۔ جس سے تکلیف ہوئی مگر وہ لوگ نہایت مودب تھے کہنے لگے کہ درحقیقت ہم نے بے ادبی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا کہ ہر عمل میں کمال حاصل کرنا چاہا اور ہم نے کامل اتباع سنت کا دعویٰ کیا ابھی ہم اس قابل نہیں۔ ہم ضعیف ہیں ہم کو رخصت پر عمل کرنا چاہئے۔ پس آٹا تو جو ہی کا ہو لیکن چھنا ہوا ہو، ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک درجے نیچے رہنا چاہئے سبحان اللہ کیا احترام ہے۔ اب مسلمانوں

سے یہ بات کم ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ تو دقیق ادب تھا اب تو بہت موٹے موٹے موقع پر استخفاف (خفیف جاننا) کرتے ہیں، اور تحقیر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے یہ ادب کیا کہ سنت میں کسی طرح کی کمی نہیں نکالی بلکہ خود اپنے اندر ضعف سمجھا۔ (اجلۃ الداعی ج ۲۱)

## دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے قریب چھپنا مسنون ہے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو قرآن و حدیث سے تمدن اور اخلاقی تعلیم کے استنباط کا بڑا ملکہ تھا۔ ایک روز فرمایا کہ دیکھو حدیث سے ایک قاعدہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے شر سے بھاگے اور یہ چاہے کہ میں ہاتھ نہ آؤں تو بہت دور نہ جاوے نزدیک ہی کہیں چھپ جاوے اس لئے کہ ڈھونڈ جب پڑتی ہے تو دور دور تو دیکھنے جاتے ہیں اور پاس کوئی نہیں دیکھتا اور اس قاعدہ کو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے سمجھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے ہیں تو تین میل پر جا کر غار ثور میں چھپے ہیں حالانکہ تمام عالم دشمن اور اونٹنیاں ایسی تیز موجود کہ اگر دھاوا فرماتے تو کم سے کم مدینہ طیبہ کی آدھی منزل پر تو قیام فرماتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون دانشمند ہوگا آپ تین میل جا کر چھپ گئے لوگوں نے دور دور ڈھونڈا اور قریب کسی نے نہ ڈھونڈا اور جب لاچار ہو گئے تو ایک قائف کو لائے اس زمانہ میں قیافہ شناس غضب تھے اس قائف نے غار ثور لا کر کھڑا کر دیا کہ اس سے آگے نہیں گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جن سے حضرات شیعہ بہت خفا ہیں بلکہ اس میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے کہ جن حضرات کی خاطر یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے خفا ہیں اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں یہ لوگ ان سے ناراض ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس واسطے کہ انہوں نے اسکا حق کیوں نہ دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس واسطے کہ انہوں نے اپنا حق کیوں نہ وصول کیا۔ ایک جاہل متعصب شیعہ کی حکایت ظرافت آمیز یاد آگئی کہ نماز کے واسطے سنیوں کی مسجد میں گیا وہاں لکھا دیکھا

چراغ مسجد و محراب منبر ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

دیکھ کر بہت خفا ہوئے کہ ہم تو تمہارے واسطے جان کھپاتے پھرتے ہیں اور تم کو جب دیکھتے ہیں ان ہی کے ساتھ بیٹھا دیکھتے ہیں اور غصہ میں چھری لے کر چڑھ گیا اور حضرت



علی کرم اللہ وجہہ کا اسم مبارک چھری سے چھیل دیا گویا اپنے نزدیک ان کو وہاں سے علیحدہ کر دیا خدا پچاوے جہل سے ایسی محبت سے بھی خدا محفوظ رکھے اور ایسی عداوت سے بھی مامون رکھے غرض ایسے وقت بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے ساتھ نہیں چھوڑا تھا کوئی ان سے پوچھے کہ اگر ابو بکرؓ دشمن تھے تو کیا ایسے وقت دشمن کو ساتھ رکھا کرتے ہیں القصہ جب وہ لوگ غار پر آئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو دیکھا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ اپنے قدموں کو دیکھیں تو ہم کو پالیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا حضرات شیعہ میں ایک شخص اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ شور و غل مت کرو اول تو حزن کے معنی شور و غل کے نہیں دوسرے آگے إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا کے کیا معنی ہوں گے یہ تو جیہ تو جب صحیح ہو کہ جب اللہ تعالیٰ کو بھی (نعوذ باللہ) دشمن قرار دیں اور معنی یہ کئے جاویں کہ شور و غل مت کرو اللہ میاں ہمارے ساتھ ہیں وہ سن لیں گے سبحان اللہ کیا اچھا حق ادا کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن گردانا الحاصل ان لوگوں نے ادھر ادھر تلاش کیا ادھر حق تعالیٰ کی یہ قدرت ظاہر ہوئی کہ اسی وقت غار کے منہ پر مکڑی نے جالاتن دیا اور کبوتر نے انڈے دیئے۔ انہوں نے قائف سے کہا کہ تو احمق ہوا ہے اس غار میں تو کسی طرح جا نہیں سکتے اس لئے اس کے منہ پر مکڑی کا جالا ہے اور کبوتر نے انڈے دے رکھے ہیں کبوتر وحشی جانور ہے یہ انڈے بچے ویرانہ میں دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تو مجنون ہے قائف نے کہا کہ کچھ کہو واللہ آگے نہیں بڑھے حق تعالیٰ نے عقلوں پر ان کی ایسا پردہ ڈال دیا کہ اتنا سننے کے بعد بھی اتنا نہ ہوا کہ علی سبیل الاحتمال ہی غار کے اندر دیکھ لیتے اگرچہ احتمال بعید تھا لیکن جو شخص کسی شے کو تلاش کیا کرتا ہے تو ایسی ایسی جگہ بھی دیکھتا ہے جس میں بالکل احتمال نہ ہو سکے جیسے کسی بننے کی تھالی کھو گئی تھی تو اس نے سب جگہ دیکھا حتیٰ کہ گڑھے کے اندر شاید اس میں نہ ہو حالانکہ اس میں کسی درجہ بھی احتمال نہ تھا تو احتیاطاً غار میں بھی دیکھ لیتے لیکن عقل اور وہم اور خیال سب تو میں حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جس طرف چاہیں ان کو پھیر دیں۔ دیکھ بھال کر چلے گئے غرض اس قصہ سے یہ نکلا اگر چھپنا ہو تو قریب جگہ چھپنا چاہیے۔ (التوکل ج ۲۱)

## حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و افعال دونوں متبوع ہیں

حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے چلنے پھرنے کی یہ حالت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آگے نہ چلتے تھے بلکہ کچھ صحابہ آگے ہوتے تھے اور کچھ برابر میں ہوتے تھے اور کچھ پیچھے ہوتے تھے اور یہ کسی کا آگے اور کسی کا پیچھے چلنا بھی کسی خاص نظم اور ترتیب سے نہیں تھا جیسا آج کل بادشاہوں اور بڑے بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ جب چلتے ہیں تو باقاعدہ کچھ لوگ ان کی عزت و شان بڑھانے کو ان کے آگے پر اجماع ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے پیچھے ہوتے ہیں سو یہ نہ تھا بلکہ جس طرح بے تکلف احباب ملے جلے چلتے ہیں کہ کبھی کوئی آگے ہو گیا اور کبھی کوئی آگے ہو گیا اس طرح چلتے تھے لباس کی یہ شان تھی کہ ایک ایک کپڑے میں کئی کئی پیوند لگا کر پہنتے تھے آرام کرنے کی یہ حالت تھی کہ ٹاٹ کے اوپر آرام کرتے تھے۔ معاشرت کی یہ حالت تھی کہ اپنا کاروبار خود کرتے تھے بازار سے ضرورت کی چیزیں جا کر خرید لاتے تھے۔ غرض یہ سب افعال جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منقول ہیں تو کس لئے کیا اس لئے ہم سنیں اور پرواہ بھی نہ کریں۔ صاحبو! جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول متبوع ہے اسی طرح آپ کا فعل بھی متبوع (جنکی پیروی کی جائے) ہے جب تک تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو۔ ارشاد ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اچھی اور عمدہ عادتیں ہیں) تو یہ افعال بھی سب اتباع ہی کیلئے ہیں کہ ہماری بھی وہی وضع ہو وہی چال ڈھال ہو وہی معاشرت ہو۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھاتے دیکھا تو کانپ اٹھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کی کس حیثیت سے بیٹھے ہیں۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی باہر کا ایلیچی ڈر گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ سے مت ڈرو میں ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو کہ سوکھا گوشت کھاتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حالات کو دیکھئے اور پھر اپنے کو تو معلوم ہوگا۔

بہیں تفاوت رہ از کجا ست تا کجا

(راستے کا فرق دیکھو کہ کہاں سے کہاں تک ہے) (العمل للعلماء ۲۱)

## نفس کے حقوق:

پھر آپ خواخواہ کیوں مشقت میں پڑتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی راتوں کو سوتے نہ تھے اور دن میں کھاتے نہ تھے رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا ان لنفسک علیک حقاً ولعینک علیک حقاً ولا ھلک علیک حقا قم ونم وصم وافطر ھذا من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی (تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔)

رات کو کچھ وقت نماز میں کھڑے رہو کچھ سو رہو دن میں کبھی روزہ رکھو کبھی بے روزہ رہو یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے وہ مجھ سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا اگر مشقت میں ہر حالت میں فضیلت و ثواب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو مشقت سے کیوں منع فرمایا ظاہر میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو تکثیر عمل سے منع فرمایا یہ غلط ہے بلکہ آپ نے تقلیل عمل سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس تکثیر کا انجام تقلیل ہی ہے۔ (التیسر للتیسر ج ۲۱)

## پر سکون زندگی صرف شریعت پر چلنے سے نصیب ہوگی:

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یورپ کی تقلید ہی سے دنیا مل سکتی ہے یہ خیال بالکل غلط ہے واللہ تم شریعت پر چل کر بھی دنیا حاصل کر سکتے ہو بلکہ خوش گوار دنیا دین کے ساتھ میسر ہوتی ہے اور یہ دنیا دین کے ساتھ مثل سایہ کے ہے پرندہ کو پکڑ لو سایہ اس کے ساتھ ساتھ اور تنہا سایہ کو پکڑنا چاہو تو ممکن نہیں پس مسلمانوں کو تو شریعت سے الگ ہو کر دنیوی ترقی نصیب نہیں سکتی۔ اور یہ نسخہ مجرب ہے حضرات صحابہ اس سے کامیاب ہو چکے ہیں اور ایسے کامیاب ہوئے ہیں کہ دنیا میں ان کی کامیابی کی نظیر نہیں مل سکتی پھر تم یورپ کی تقلید میں کیوں اپنے کو برباد کرتے ہو تمہاری بالکل یہ حالت ہے۔

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر      تو ہی جوئی لب نان در بدر  
تا بزانوئے میاں قعر آب      وز عطش وز جوع کشتی خراب

ایک ٹوکرا روٹیوں کا تیرے سر پر رکھا ہے اور تو ایک روٹی ٹکڑے کے لئے در بدر مارا پھرتا ہے زانو تک پانی میں کھڑا ہے اور بھوک اور پیاس سے خراب ہوتا ہے۔

آپ کے پاس ترقی کے اسباب و ذرائع سب سے زیادہ موجود ہیں مگر اپنے گھر سے بخیر ہو کر آپ دوسروں کے در پر گداگری کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ شریعت کی یسر و سہولت کے یہ چند نمونے ہیں جو اس مختصر جلسہ میں اجمالاً ظاہر کئے گئے ہیں اس سے آپ کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا کہ مشقت و پریشانی میں پڑنا مطلقاً مجاہدہ نہیں اور نہ اسی میں مطلقاً ثواب ہے بلکہ شریعت نے ہم کو مشقت و پریشانی سے ہر طرح بچانا چاہا ہے۔ بس مجاہدہ وہ مشقت و پریشانی ہے جس میں ہمارے قصد و اختیار کو دخل نہ ہو۔ (التیسرے للتیسیر ج ۲۱)

حدیث میں حضرت زینبؓ کی رسی کا قصہ موجود ہے کہ انہوں نے اپنی نماز کی جگہ ایک رسی باندھ رکھی تھی کہ جب نیند کا غلبہ ہوتا اس سے سہارا لیتیں تاکہ نیند جانی رہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کاٹ ڈالا اور فرمایا علیکم من الاعمال ما تطيقون فان الله لا يمل حتى تملوا کام اتنا ہی کرو جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت (ثواب دینے) سے نہیں گھبرائیں گے بلکہ تم ہی (مشقت سے) گھبرا جاؤ گے اور حضرت عبداللہ بن عمرو کا قصہ بھی موجود ہے کہ وہ راتوں کو نوافل پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا قم و نم و صم و افطر۔ کہ تہجد بھی پڑھو اور سویا بھی کرو اور روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو ایک بات تو اہل سلوک سے یہ کہنی تھی دوسرا مسئلہ یہ بتلانا ہے کہ اگر کوئی مشقت و پریشانی تم کو پیش آئے تو اس کو اپنے لئے عقوبت ہی نہ سمجھو جب کہ قصد کو ان میں دخل نہ ہو بلکہ قصد و اختیار آئی ہو تو یہ خیال نہ کرو کہ ہم سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے اس لئے یہ عقوبت پیش آئی بلکہ اس کو یسر و رحمت سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ان مع العسر يسراً۔ کہ مشقت کے ساتھ یسر بھی ہے۔ رہا یہ کہ اس سے مراد عسر غیر اختیاری ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے اوپر جس عسر کا ذکر ہے وہ غیر اختیاری تھا چنانچہ و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظہرک میں عسر کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قتل و جی وغیرہ کا تھا وہ غیر اختیاری تھا تو اس عسر کے متعلق ارشاد ہے کہ اس کے یسر بھی ہے اور اس میں معیت یسر ظاہر ہے کیونکہ اس سے رفع درجات ترقی اجر ہوتا ہے پس ہر پریشانی اور ضیق و قبض وغیرہ کو عقوبت نہ سمجھو بلکہ اس کو رحمت سمجھو۔ (التیسرے للتیسیر ج ۲۱)



## علماء مشائخ کا ایک خلاف سنت عمل:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی ہے تو آپ نے اہل مدینہ کو تاریخ سے اطلاع نہ دی تھی کہ آپ کس دن مدینہ پہنچیں گے۔ صحابہ ہر روز مدینہ سے باہر آپ کے اشتیاق میں آتے تھے اور دوپہر کے قریب واپس ہو جاتے تھے۔ مجھے اس واقعہ سے آج کل کے علماء اور مشائخ کا طرز دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ان میں یہ عرف اور رسوم خلاف سنت کیوں ہیں کہ پہلے اپنی آمد کی تاریخیں مقرر کرتے ہیں تاکہ اس تاریخ پر ان کا شاندار استقبال ہو پھر کہیں موٹرے آتے ہیں کہیں گاڑی میں سے گھوڑے کھول کر الگ کئے جاتے ہیں اور آدمی گاڑی کو کھینچتے ہیں اور علماء مشائخ ہیں کہ ان باتوں سے خوش ہیں زبان سے منع بھی نہیں کیا جاتا یہ سب وہ تکلفات ہیں جو یورپ سے منقول ہیں مجھے شکوہ ہی نہیں ہے بلکہ افسوس ہے آخر خلاف سنت ان رسوم اور تکلفات کو اپنے لئے کیوں گوارا کیا جاتا ہے پھر بعض دفعہ ان تکلفات میں جانیں تک ضائع ہو جاتی ہیں۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

## صحابہ کی محبت کا ایک قصہ

صحابہ کی محبت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے پختہ مکان ڈاٹ دار کسی مصلحت سے بنالیا کہ وہ مصلحت ضرورت کے درجے میں نہ تھی گوانہوں نے کسی درجے میں ضروری سمجھا ہوا اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مرتبہ اس طرف سے ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ فلاں شخص کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔ جب صاحب مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے سلام عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ اب تو ان کو بہت فکر ہوئی انہوں نے دوسرے صحابہ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ کوئی خاص بات ہے تو ہم کو معلوم نہیں ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مکان کی طرف تشریف لے گئے تھے اور تمہارے مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ ہم نے

بتلا دیا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا تو نہیں لیکن اس وقت سے خاموش ہیں۔ دیکھئے اس حدیث میں کہیں تصریح نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان کی بابت کچھ بھی فرمایا ہو اس لئے صاحب مکان کے پاس اس یقین کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کبیدگی کی وجہ یہ مکان ہی ہے۔ آج کل کی عقل کا تو جس کا نسبت کسی قول ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(عقل دور اندیش کو آزمایا جب اس سے کام نہ چلا تو اپنے کو میں نے دیوانہ بنایا)

یہ فتویٰ ہوتا کہ پوچھ لیتے یہی وجہ ناراضی کی ہے یا کچھ اور۔ اگر یہی تو خیر اس کو گرا دیں بلکہ آج کل تو اس پر بھی اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ پوچھا جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں خرابی کیا ہے۔ یہ تو فلاں فلاں مصلحتوں پر مبنی ہے۔ جیسا کہ آج کل ورثۃ الانبیاء کے ساتھ ان کے احکام خداوندی پہنچانے کے وقت اور منکرات پر تنبیہ کرنے کے وقت معاملہ کیا جا رہا ہے تو صحابہ کرام بھی ایسا کر سکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حکم کے اسرار دریافت کرتے جیسا کہ آج کل دریافت کئے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اسرار کی اطلاع بھی تھی علماء کو تو اسرار کی خبر بھی نہیں یہ تو قانون کے عالم ہیں نہ کہ اسرار قانون کے عالم تو اس صورت میں علماء سے اسرار کا دریافت کرنا ہی غلطی ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو صاحب وحی ہیں آپ کو تو اگر بالفرض اسرار کی اطلاع نہ بھی ہوتی تو خدا تعالیٰ سے پوچھ کر بتلا دیتے لیکن ان صحابی نے ان سب کو نظر انداز کر کے وجہ خفگی تعین کی بھی ضرورت نہیں سمجھی بلکہ جس میں ذرا سا بھی احتمال سبب غضب ہونے کا ان کو ہوا اس کو خاک میں ملا دیا یعنی اسی وقت جا کر مکان کو زمین کے برابر کر دیا۔ شاید آج کل کے عقلاء اس حرکت کو خلاف عقل بتلا دیں کہ محض احتمال پر اتنا مال ضائع کر دیا۔ لیکن اگر خلاف عقل ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گرانے پر ناخوش ہوتے۔ غرض انہوں نے فوراً مکان گرا دیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھی نہیں کی بلکہ اپنی قسمت پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً مکان کو دیکھ لیا تھا۔ اسی طرح میرے گرانے کی اطلاع بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنوی میری قسمت میں ہے تو اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو جاوے گی۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اطلاع تو جب کروں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکان گرانے کا کچھ احسان ہو تو یہ محض اپنی ہی بھلائی ہے۔ (التبہ ج ۲۱)

## آداب رزق

اگر کھاتے ہوئے اتفاق سے کوئی لقمہ اس کے ہاتھ سے گر جائے تو یہ کیا کرے گا ظاہر ہے کہ اس کو اٹھائے گا۔ اور صاف کر کے کھا جائے گا۔ علیٰ ہذا یہ بھی سوچو کہ بادشاہ کے سامنے کس انداز سے بیٹھ کر کھائے گا کیا اسی طرح جیسے اپنے گھر میں بیٹھ کر کھاتا تھا کبھی نہیں بلکہ نہایت ادب سے بیٹھ کر کھائے گا تو جب شاہان دنیا کے سامنے ان تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے تو کیا خداوند جل و علا کے سامنے ضروری نہیں، آج کل کی تہذیب نری لفاظی رہ گئی ہے جس میں اصل حقیقت کا نام و نشان بھی نہیں ہے بہتر ہے کہ اس میں ہ کی جگہ عین بدل دیا جائے کہ اسم بھی مسمیٰ کے مطابق پڑے۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

## کھانے کے آداب تعلیم فرمانے میں حکمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے آداب کی تعلیم جو فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح باطنی حالات کا اثر ظاہری اعضا پر پڑتا ہے یوں ہی ظاہری ہیئت کا اثر بھی انسان کی اندرونی حالت تک پہنچتا ہے اگر ظاہری ہیئت پر رعونت و تکبر برستا ہے تو دل تک بھی اس کا چھینٹا ضرور پہنچے گا اور یہ ملکہ بد دل میں ضرور پیدا ہونا شروع ہوگا اور اگر ظاہری حالت منکسرانہ ہے تو دل میں بھی انکسار و خشوع و تذلیل کے آثار نمایاں ہوں گے اور سبب اس کا یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے ظاہر کو اتباع سنت سے آراستہ کیا اور راہ سنت پر گام زن ہوا تو اس نے کسی قدر قرب کا قصد کیا اور وعدہ ہے کہ من تقرب الی شبرا تقرب الیہ ذراعاً ومن تقرب الی ذراعاً تقرب الیہ باعاً (مسند احمد ۲: ۴۱۳، کنز العمال: ۱۱۷۹) کہ جو میری طرف تھوڑا سا بھی بڑھتا ہے میں اس کی طرف بہت سا بڑھتا جاتا ہوں اور ظاہر ہے کہ خدا کا قرب اس سے زیادہ ہوگا کہ قرب باطنی میسر ہو جائے تو لازم آگیا کہ درستی ظاہر سے قرب باطنی نصیب ہوتا ہے مولانا اسی کو فرماتے ہیں

تشنگاں گر آب جو ینداز جہاں      آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

## اطاعت رسول دو چیزوں سے مرکب ہے

جاننا چاہیے کہ اس مقصود یعنی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تحصیل کا طریق دو چیزوں سے مرکب ہے علم سے اور عمل سے اور علم سے مراد علم دین ہے اور عمل کی تحصیل کے لئے ایک اور شے کی بھی ضرورت ہوگی وہ کیا ہے ہمت اور ہمت بڑھانے کا طریق جو تجربے سے نافع ہے موت کو یاد کرنا ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن ہے بڑے کام کی بات مگر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ موت کے نام سے گھبراتے ہیں اس لئے یاد نہیں کرتے اور بعضے خود اصلاح ہی سے گھبراتے ہیں کہ اس سے حظوظ نفس فوت ہوتے ہیں اس لئے موت یاد نہیں کرتے کہ کہیں اس سے اصلاح نہ ہو جائے۔ صاحبو! گھبراؤ یا ڈرو موت بھی ضرور آئے گی اور اصلاح بھی واجب ہو چکی ہے خواہ موت کو یاد کرو یا نہ کرو اس کی یاد سے یہ واجب آسان ہو جانا۔

اطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک تو ضابطہ کی اور ایک دل سے اور خوشی سے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلوب دوسری نوع ہے اس لئے کہ اطیعوا کا ماخذ طلوع ہے اور طوع کے معنی رغبت ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت رغبت اور خوشدلی سے کرو یعنی ہر امر دین کے اندر رغبت اور خوشدلی ہو کسل اور کراہیت نہ ہو۔ (اطاعة الاحکام ج ۲۳)

## مستورات کا شادی کی تقریبات میں پردے کو پس پشت ڈالنا

مستورات تقریبات میں ایسی منہمک ہوتی ہیں کہ پردہ بھی نہیں رہتا۔ بہشتی اور کمیوں کے لئے تو رواج ہی یہ ہے کہ بیبیاں نہیں اٹھتیں اور پردہ نہیں کرتیں وہ آنے والا پردہ کر لیتا ہے اس طرح کہ اپنے منہ پر ایک کپڑا ڈال لیتا ہے۔ یہ ترکیب اس معنی پر تو بڑی عقل کی بات ہے کہ پچاس شخصوں کو اٹھنا اور پردہ کرنا مشکل ہے بجائے اس کے ایک ہی کو کرنا پڑتا ہے مگر کوئی عقلمندان سے پوچھے کہ کیا وہ کپڑا ایسا ہوتا ہے جس میں کچھ نظر نہ آوے اور پردہ کے لئے کافی ہو جاوے، اگر وہ کپڑا ایسا ہے تو وہ منہ پر ڈال کر چلتا کیسے ہے، راستے کیسے دیکھتا ہے اور پانی ڈالنے کو گھڑو نچی تک کیسے پہنچ جاتا ہے جبکہ بیچ میں پلنگ پیڑھی اور تمام سامان پھیلا پڑا ہوتا ہے۔ یہ تو بہت ہی مولیٰ بات ہے جب وہ پلنگ پیڑھی اور راستے کو دیکھتا



ہے تو بیبیوں کو کیسے نہیں دیکھتا پھر جب اس کا دیکھنا گوارا ہے تو اس تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے کہ کپڑا منہ پر ڈالے بس زمانہ تقریب تک اس سے پردے بالکل ہی کیوں نہ اٹھا دیا جائے یہ تو کمیوں کے ساتھ برتاؤ ہے اور ایرا غیر امہمان وغیرہ سے بھی گو قصد پردہ کا ہوتا ہے مگر طوفان بے تمیزی میں پردہ وردہ کچھ نہیں رہتا کسی کا سامنا پڑا تو بڑا پردہ یہ ہے کہ کسی کی کمر کے پیچھے سر چھپا لیا۔ غرض اس حد سے زیادہ بے تمیزی ہوتی ہے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

## امر بالمعروف کے حدود و قیود

جاہل کو امر بالمعروف جائز نہیں کیونکہ وہ اصلاح سے زیادہ فساد کے گاجیسے مکہ میں ایک جاہل نے مجھے امر بالمعروف کیا کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے۔ میں نے کہا تم پاجامہ کی جگہ لنگی کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے۔ اس پر تو بڑے چپ ہوئے سوچ کر کہنے لگا کہ مجھے عذر ہے میں بوڑھا ہوں لنگی میری جسم پر ٹھہرتی نہیں ڈھلک جاتی ہے۔ میں نے کہا میں جواں ہوں عمامہ سے مجھے گرمی لگتی ہے۔ اس جواب پر تو بڑے جھلائے کہنے لگے۔ خدا کرے تمہارے دماغ میں اور گرمی بڑھ جائے۔ بھلا ایسے جاہلوں کو جو امر بالمعروف سے پہلے مخاطب کی حالت بھی دریافت نہ کریں اور ایک سنت زائد کے ساتھ اس سختی کے ساتھ امر بالمعروف کریں امر بالمعروف کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اور میں نے جو اس کو اس طرح جواب دیا اس کا منشاء اس کی جہالت ہی تھی ورنہ میری عادت اس طرح جواب و سوال کی نہیں ہے دوسرے اس وقت میری بھی جوانی تھی مجھے اس کی سختی پر غصہ آ گیا۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

## حضرات صحابہ کا عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صحابہؓ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے فوراً چھوڑ دیا۔ صحابہؓ ایسے جاں نثار تھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کسی امر کے متعلق ان کو معلوم ہو جاتی فوراً اس کی تعمیل کرتے تھے نفع و نقصان کی ذرا پرواہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے مکان کی طرف گزرے حدیث میں آتا ہے قبة مشرفة، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کوئی قبہ بلند دیکھا، دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس کا ہے صحابہؓ نے بتلادیا کہ فلاں صحابی کا ہے بس اتنی بات ہوئی تھوڑی دیر میں وہ صحابی حاضر خدمت ہوئے تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا، انہیں یہ کہاں گوارہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ پھرا ہو  
ادیکھیں بس بے تاب ہو گئے کسی نے خوب کہا ہے ۔

از فراق تلخ مے گوئی سخن ہر چہ خواہی کن و لیکن ایس مکن  
فراق کی باتیں کرتے ہو اور جو چاہو سو کرو مگر یہ نہ کرو۔

صحابہ سے دریافت کیا کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مجھ سے پھرا ہوا کیوں ہے  
کہ ہم کو اور تو کچھ معلوم نہیں البتہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مکان کی طرف گزرے  
تھے بلند قبہ دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا گھر ہے۔ بس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بلند  
قبہ ناگوار ہوا ہو تو ممکن ہے۔ باقی اور کوئی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی وہ بھی ایسے عاشق تھے  
کہ یہ بھی تحقیق نہ کیا کہ یہ سب واقعی ہے یا محض احتمال ہی احتمال ہے اس وہم پر کہ اس قبہ ہی  
سے شاید آپ کو ناگواری ہوئی ہو فوراً جا کر اسے ڈھادیا۔

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف و چہ ایماں

بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

یعنی جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔

اس کے چند روز بعد پھر آپ کا گزر اس مکان کی طرف ہوا تو آپ نے وہ قبہ نہ دیکھا  
دریافت فرمایا کہ یہاں ایک بلند قبہ تھا اب کیا ہوا صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کے مالک کو آپ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری کا احتمال ہو اس لئے ڈھادیا۔ (الباب لاولی الالباب ج ۲۵)

## سلف کا طرز مناظرہ

سلف کا مناظرہ آج کل کا سا مناظرہ نہ تھا کہ ہر شخص کی یہ نیت ہوتی ہے کہ دوسرے کو  
لا جواب کر دوں۔ ان کی نیت یہ تھی کہ بحث کرنے سے حق واضح ہو جائے خواہ کسی کی طرف  
ہو چنانچہ دونوں فریق نے گفتگو کی اور غور کیا جس سے حق واضح ہو گیا اور دونوں قتال پر متفق  
ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ ایک طرف تھے اور تمام حضرات ایک طرف کثرت رائے پر فیصلہ نہیں  
ہوا۔ دونوں فریق حق کے طالب تھے اور جانتے تھے کہ حق وہ ہے جو وحی سے ثابت ہو دونوں  
نے غور کیا اور سوچ کر وحی کا حکم نکال لیا اور اسی کو سب نے مان لیا۔ رائے محض سے فیصلہ نہیں  
کیا۔ وہ لوگ خدا کے احکام کے تابع تھے اپنی رائے کے تابع نہ تھے۔ (الصالحون ج ۲۶)

## کھانے میں حضرت ضامن شہید کا اتباع سنت

مولانا گنگوہی (قدس سرہ) فرماتے تھے کہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار فرمایا کہ بھائی بزرگوں نے تو ہر لقمہ اور ہر گھونٹ پر الحمد للہ کہنے کی ترغیب دی ہے اور یہی ان کا معمول بھی ہے مگر ہم کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے محبت ہے کہ بس ایک بار شروع کھانے میں بسم اللہ کہہ لے اور ایک بار فراغت کے بعد الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین) (الصحيح لمسلم كتاب الذكر والدعاء: ۶۴)

سب تعریف ہے اللہ ہی کے لئے جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں سے کیا) کہہ لیا مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ حافظ صاحب نے یہ کیا اچھی بات فرمائی اتباع سنت اس کا نام ہے مگر ہم لوگوں نے تو محض نام ہی یاد کر لیا ہے پس اتباع سنت اسی میں ہے کہ اس زمانہ کے متعلق جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہی کیا جائے اور اپنی طرف سے کچھ زیادتی نہ ایجاد کی جائے شعبان کے مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تو یہ ثابت ہے کہ پندرہویں رات کو کچھ اور راتوں سے زیادہ بیدار رہا جائے۔ دوسرے یہ ثابت ہے کہ پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھا جائے اس روزہ کا بہت ثواب ہے اور حکمت اس دن کے روزہ کی اور اس کی رات کے قیام کی یہ سمجھ میں آتی ہے کہ نصف شعبان کا وقت مقدار و کیفیت وغیرہ میں رمضان کے وقت کے مماثل ہوتا ہے چنانچہ اس کے بعد رمضان تک دن کی زیادتی کمی میں نمایاں فرق نہیں ہوتا چند منٹوں ہی کا تفاوت ہوتا ہے نیز موسم میں بھی کچھ زیادہ تغیر نہیں ہو سکتا پندرہ دن میں کوئی معتد بہ تفاوت نہیں ہوا کرتا جیسی گرمی ۱۵ شعبان کو ہوگی بس قریب قریب اسی کے یکم رمضان کو ہوگی تو اس دن کے روزہ کی اور اس کی رات کے قیام کی ترغیب میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اس دن کا روزہ رکھ کر اور اس کی رات کو جاگ کر امتحان کر لو کہ بس رمضان کا روزہ بھی ایسا ہی ہوگا اور تراویح کی نماز بھی ایسی ہی ہوگی جیسے اس رات کا جاگنا پھر گھبراتے کیوں ہو میں اس حکمت کا دعویٰ تو نہیں کرتا مگر مجھے یہ حکمت معلوم ہوتی ہے اور گو یہ حکمت مقصود نہ ہو مگر اس دن کے صیام اور رات کے قیام پر یہ فائدہ مرتب تو ضرور ہوتا ہے کہ اس سے رمضان کے صیام و قیام کا نمونہ معلوم ہو کر اس کی ہمت بندھ جاتی ہے اور مجھے یہی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد فرماتے تھے الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا غیر مستغنی عنہ ربنا یعنی اے رب ہمارے ہم آپ کے رزق سے مستغنی نہیں ہیں (اشرف الموعظ ج ۲۶)

## حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی شادی کا حال

ہر کام میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق چلوائیسی معیشت رکھو جیسی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کی ہے شادی ایسی کرو۔ جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہوئی تھی نہ وہاں منگنی تھی نہ بری تھی نہ بارات تھی۔ نہ رخصتی متعارف تھی۔ بس منگنی یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی اور بارات اور شادی یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نکاح کر دیا۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت موجود بھی نہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اس پر معلق کیا کہ اگر علی قبول کر لیں تو نکاح ہے۔ بعد میں حاضر ہو کر منظوری ظاہر کر دی۔ دیکھئے یہ بارات کیسی تھی کہ دولہا بھی موجود نہیں ہے۔ ایک جزو تو نکاح کا ایک جلسہ میں ہوا اور دوسرا جزو یعنی قبول نکاح دوسرے وقت میں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر بازار میں پہنچی وہاں انہوں نے قبول کیا اور رخصتی یہ ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ان کو علی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا آؤ وہ ان کو پیادہ ہاتھ پکڑ کر پہنچا آئیں نہ ڈولانہ پا لکی تھی نہ گھوڑا نہ جوڑا کچھ بھی نہ تھا۔ جہیز یہ تھا دو چادر یمانی جو سوسے کے طور پر بنی ہوئی تھیں اور دونہا لے جن میں اسی کی چھال بھری ہوئی تھی اور چادر گدے دو بازو و بند چاندی کے اور ایک کملی اور ایک تکیہ اور ایک پیالہ اور ایک چکی اور ایک مشکیزہ اور پانی رکھنے کا برتن یعنی گھڑا اور بعض روایتوں میں ایک پلنگ بھی آیا ہے یہ دونوں جہان کی شہزادی کا نکاح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون عزت دار ہے اس شادی میں جو کچھ بھی ہو جاتا کم تھا۔ بارات میں فرشتے ہوتے ہیں اور جہیز میں سونے چاندی کے پہاڑ ہوتے غرض جو کچھ بھی ہو جاتا بعید نہ تھا کیونکہ اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں سب کچھ تھا جتنا آپ چاہتے فوراً موجود ہو جاتا اور اگر اس سے کسی کے دل کو اطمینان نہ ہو تو وہ اسی بات میں غور کر لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان دین ہونے کے ساتھ سلطان



دنیا بھی تو تھے اتنے اموال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے کہ دونوں ہاتھ بھر کر سونا تقسیم کیا کرتے تھے تو کیا صاحبزادی کے واسطے بڑی سے بڑی مقدار چاہتے تو فراہم نہ ہو جاتی۔ بات یہی ہے کہ جس کی نظر اللہ اور ما عند اللہ (جو اللہ کے پاس ہے) پر ہے اس کی نظر میں سونا چاندی تو کیا دنیا و مافیہا بھی کچھ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے جگر گوشوں اور خاص لوگوں کے لئے دنیا کو پسند ہی نہیں کیا اور ایک دینار بھی رکھنا کبھی گوارا نہیں کیا جیسا کہ کتب حدیث میں صاف صاف مذکور ہے۔ (ذم المکر وہات ج ۲۶)

## ولیمہ اور اس کی حقیقت

ولیمہ کی سنئے اس پر بہت ہی زور دیا جاتا ہے کہ یہ تو بالیقین سنت ہے۔ سنت کا نام تو سن لیا یہ بھی معلوم ہے کہ سنت کہتے کس کو ہیں سنت نام ہے ما ثبت بالنسۃ کا یعنی وہ فعل جو حدیث سے ثابت ہو۔ ولیمہ بیشک حدیث سے ثابت ہے مگر لا تقر بوا الصلوٰۃ کی مثل نہ کرو کہ نفس ولیمہ کا ثبوت تو حدیث سے لے لیا اور اس کی کیفیت جو حدیث میں آئی ہے۔ چھوڑ دی جس طرح کہ نفس ولیمہ ثابت بالحدیث ہونے کی وجہ سے اختیار کرتی ہو اسی طرح اس کی کیفیت اور طریقہ بھی کیوں نہیں اختیار کرتیں اگر وہ ثابت ہے تو یہ بھی ثابت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ولیمہ کی کیفیت سنئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ صبح کو صحابہ سے فرمایا جو کچھ کھانے کی چیز کسی کے پاس ہو لے آؤ لوگوں کے پاس سفر میں جیسا کچھ توشہ موجود تھا لا کر رکھ دیا کسی کے پاس کھجوریں تھیں کسی کے پاس پنیر تھا کسی کے پاس سوکھی روٹیاں تھیں جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا اور سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا۔ ولیمہ کا ثبوت تو سب کو یاد ہے اس کیفیت کا ثبوت کسی کو یاد نہیں۔ کیا کوئی ایسا کر سکتا ہے۔ یہ حدیث تو فعلی ہے قولی حدیث لیجئے

شر الطعام طعام الولیمۃ یدعی لها الاغنیاء

ویترک الفقراء (الصحيح المسلم کتاب النکاح: ۱۹۸)

یعنی برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب ولیمے اچھے ہی نہیں بعضے برے بھی ہوتے ہیں۔ جب برا ہے تو منع کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ آج کل کا ولیمہ ایسا ہی ہوتا ہے اگر کوئی غریب محتاج مانگے تو

کہہ دیتے ہیں پہلے جن کے واسطے پکا ہے ان کو تو کھا لینے دو تم کو بعد میں ملے گا۔ اس ولیمہ کی برائی میں نے حدیث سے سنادی پھر علماء اگر منع کریں تو کیا الزام دوسری حدیث سے سنئے۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن طعام المتبارئين۔ (سنن ابی داؤد: ۳۷۵۴)

یعنی منع فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کے کھانے سے جو آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں یعنی بخشا بخشی سے کہلاتے ہوں۔ اب دیکھ لو کہ برادری کے کھانے ایسے ہی ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر ایک نے گوشت روٹی دیا ہے تو دوسرے کی کوشش ہوتی ہے کہ بریانی دے تیسرے کی کوشش ہوتی ہے کہ فرینی بھی ہو چوتھا شیرمال اور بڑھاتا ہے۔ حدیث کے بموجب ایک کے یہاں بھی کھانا نہ چاہئے دیکھو یہ ان تقریبوں کی حالت ہے جن کو مسنون بتاتے ہیں۔ (ملاج الکبرج ۲۶)

## شریعت پر عمل کرنے والا بادشاہ ہے

خدا کی قسم جو شخص شریعت کے موافق چل رہا ہو وہ بادشاہ ہے گویا ہر میں سلطنت نہ ہو اور جو شخص شریعت سے ہٹا ہوا ہو وہ پنجرہ میں مقید ہے۔ گویا ہر میں بادشاہ ہو مسلمان متبع شریعت کو چونکہ یقین ہے کہ میں سیدھے راستہ پر ہوں اس لیے اس کو ساری مصیبتیں سہل معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ چند دن کی مصیبتیں ہیں پھر ختم ہو جائیں گی۔ کفار کو یہ دولت نصیب نہیں کیونکہ ان کو اپنی نجات کا کسی صحیح دلیل سے یقین ہی نہیں اور باطل کا خاصہ یہی ہے کہ اسے اطمینان و سکون کبھی حاصل ہوتا ہی نہیں ہاں کوئی جہل مرکب میں مبتلا ہو تو اور بات ہے مگر اس کو بھی اہل حق کے برابر ہرگز اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مصائب کے وقت جس قدر استقلال اہل حق میں ہوتا ہے کسی جماعت میں نہیں ہوتا۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

## دوستوں کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے

حضرت مولانا فتح محمد صاحب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ ہاں آخر جب بہت دیر ہو گئی تو میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا، حضرت فرمانے لگے کہ مولانا یہ کیا فرمایا کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور

دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بیٹھتے تھے اور حد جواز تک جس قسم کی باتیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ شریک رہتے مگر عوام الناس کیا سمجھیں۔

دریابد حال پختہ بیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام  
(تجربہ کار آدمی کی حالت کو غیر تجربہ کار آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ لہذا بات کو طول نہ دے، بڑوں کی شان میں اعتراض کرنے سے اپنی زبان کو تھامے رکھا اسی میں بھلائی و خیریت ہے) (تفاضل الاعمال ج ۲)

## حقوق نفس میں حکمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سرمہ لگاتے تھے کیوں اس لیے کہ آنکھ سالم رہے تاکہ راستہ چل سکیں، مسجد میں جماعت کے لیے حاضر ہو سکیں، بیت اللہ کے حج کو جا سکیں، تو آنکھ کا بھی حق ہے اور اس مرتبہ والا یہ کہتا ہے:

نازم بچشم خود کہ جمال دیدہ است اتم پپائے خود کہ بکویت رسیدہ است  
(مجھ کو اپنی آنکھ پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پیروں پر رشک کرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچے میں پہنچے) (اشرف العلوم ج ۲)

## زمانہ طاعون میں تیجہ دسواں موقوف رہا

ایک دفعہ لکھنؤ میں دیکھا کہ ہر کھانے پر الگ الگ فاتحہ دی جا رہی ہے پھر وہاں بیان کی فرمائش ہوئی تو میں نے اس بیان میں کہا کہ فاتحہ و مولود کے سنت اور بدعت ہونے کا امتحان بہت آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو مولوی صاحب مولود پڑھیں یا فاتحہ دیں ان کو کچھ دیا نہ جائے ان سے خوب مولود پڑھواؤ اور الگ الگ ہر رکابی پر فاتحہ دلواؤ مگر نذرانہ کچھ نہ دو نہ مٹھائی کا دہرا حصہ دو پھر دیکھنا وہ خود ہی اس کو فضول اور بدعت کہنے لگیں گے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اس پر عمل کیا تو اسی روز شام کو آ کر ایک فاتحہ خواں صاحب کہنے لگے کہ واقعی یہ تو ایک فضول سا قصہ معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ فاتحہ ہو ایک ہی کافی ہے میں نے جی میں کہا کہ اب تو معلوم ہو ہی جائے گا صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ ان کی آمدنی بند کر دو تو وہ خود ہی کہنے لگیں گے کہ سب فضول قصہ ہے یہ ساری باتیں روٹیاں کھانے کی ہیں۔ جب

ایک سال طاعون بہت زور کا ہوا تو میں دیکھ رہا تھا کہ چنے پڑھوانا اور فاتحہ دلوانا اور تیجہ دسواں سب موقوف ہے میں دیکھتا رہا جب طاعون کا زور ختم ہو گیا تو میں نے لوگوں سے کہا کہ کیوں جناب وہ چنے اور فاتحہ کہاں گئے اور اب وہ تیجہ دسویں کیوں نہیں ہوئے۔ کہنے لگے اجی ان باتوں کی کسے فرصت تھی میں نے کہا بھلا اس عدیم الفرستی میں کسی نے جنازہ کی نماز بھی چھوڑی اور کفن دفن بھی چھوڑا کہا نہیں۔ میں نے کہا بس سمجھ لو جو کام حذف ہو گئے وہ دین کے کام نہ تھے بلکہ فرصت کی باتیں تھیں اور یہ دین کے کام تھے اس لئے یہ کم فرصتی میں بھی ترک نہ ہوئے بس خاموش ہی تو ہو گئے۔ اسی طرح گاؤں کے ایک صاحب کہنے لگے کہ فاتحہ میں حرج کیا ہے بلکہ فائدہ ہے کہ اس میں سورتوں کا ثواب بھی مردوں کو پہنچ جاتا ہے، میں نے کہا یہ فائدہ تو کھانے کے ساتھ مخصوص نہیں روپے پیسے اور کپڑے میں بھی ہو سکتا ہے پھر کبھی اللہ نام کے روپے پیسے اور کپڑے پر بھی فاتحہ پڑھی کہنے لگے کبھی نہیں۔ میں نے کہا کیوں نہیں پڑھی مردہ کو فائدہ ہی ہوتا سورتوں کا بھی ثواب پہنچ جاتا کہنے لگے اجی بس سمجھ میں آ گیا تم سچ کہتے ہو۔ صاحبو! یہ بالکل کھلی ہوئی باتیں ہیں یہ سارے قصے محض آمدنی کے واسطے نکالے گئے ہیں اگر ان فاتحہ مولود پڑھنے والوں کی آمدنی بند کر دی جائے تو پھر دیکھئے وہ بھی وہی کہنے لگیں گے جو ہم کہتے ہیں اس مجلس میں میں نے سنت و بدعت کی تحقیق بیان نہیں کی بلکہ وہ باتیں بیان کر دی ہیں جو بہت موٹی ہیں جن سے ہر شخص کو بآسانی حق کا پتہ چل سکتا ہے۔ اگرچہ بحمد اللہ سنت و بدعت کی شناخت کے حقیقی اصول بھی اپنے پاس موجود ہیں مگر

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبر نیست کہ نیست  
(راز کا فاش کرنا مصلحت کے خلاف ہے ورنہ عارفین کی مجلس میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ نہ ہو) (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## ریل پر سوار ہوتے ہوئے کیا پڑھنا چاہئے

شکر مراکب کے دو صیغے قرآن میں وارد ہیں ایک سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَأَنَا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ (وہ ذات پاک جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کیا جبکہ ہم اس کو قابو کرنے والے نہ تھے، اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں) جو رکوب انعام کے وقت اللہ تعالیٰ نے ہم کو تعلیم فرمایا ہے اور دوسرے بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِيهَا



وَمُرْسَهَا إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ. (اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام سے ہے بالیقین میرا رب غفور ہے رحیم ہے) جو رکوب سفینہ کے وقت نوح علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا اور چونکہ ریل کو حمل اقبال میں انعام کے ساتھ بھی مشابہت ہے اور سرعت سیر وغیرہ میں کشتی کے ساتھ اس لئے بہتر ہے کہ دونوں کو جمع کر لیا جائے۔ (العم المرغوبہ فی العم المرکوبہ ج ۲۸)

## پردہ اہتمام کی ضرورت

اے لڑکیو اور اے جوان عورتو! تم کو کہاں اجازت ہوگی کہ دور دور کے رشتہ داروں کے سامنے بے محابا آ جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی نہ ہوا نہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے سے عورتوں کو پردہ کراتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو بعضے تو تعلیم یافتہ کہتے ہیں کہ پردہ ضروری نہیں ہے اور ایسا پردہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں محض غلط ہے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن و حدیث کو دیکھا ہی نہیں بس دیکھا کیا ہے کوئی اخبار دیکھ لیا دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے زیادہ تو کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔ میں تم کو قصہ سناتا ہوں جس سے تم کو اندازہ ہوگا کہ پردہ کس درجہ ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک نابینا صحابی ہیں وہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ازواج مطہرات میں سے غالباً حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن بیٹھی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پردہ میں ہو جاؤ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو اندھے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”افعمیا وان انتما لستما تبصرانہ“ (یعنی کیا تم بھی اندھی ہو اس کو دیکھتی نہیں ہو) دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں امہات المؤمنین دوسری طرف نابینا صحابی بھلا یہاں کونسے وسوسہ کا احتمال ہو سکتا ہے مگر پھر بھی پردہ کا کس درجہ اہتمام کرایا۔ پس تم کو تو غیر مرد کے سامنے آنا کیسے جائز ہوگا۔ آج کل تو عورتیں بارات اور دولہا کی زیارت کو خانہ کعبہ کی زیارت سمجھتی ہی۔ چنانچہ آپس میں اس کی گفتگو ہوتی ہے کہ دولہا زیادہ خوبصورت ہے یا دلہن سخت افسوس ہے۔ (العقدہ ج ۲۹)

## لباس میں اتباع سنت

شریعت نے لنگی یا پاجامہ کی حد مقرر کر دی ہے کہ ٹخنوں سے نیچا نہ ہو تو ٹخنے کھلا پاجامہ خواہ کیسی وضع ہو بشرطیکہ شبہ بالکفار نہ ہو شریعت جائز رکھتی ہے تو جواز کی حد میں رہنا بھی قولاً اتباع ہے اگر

بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو کہ سنن عادیہ میں سے بھی کوئی سنت نہ چھوڑے تو سبحان اللہ مگر ہم میں اتنی ہمت نہیں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے سر مو اتباع سے قدم باہر نہیں رکھا ایک بزرگ نے صرف اس وجہ سے خر بوزہ نہیں کھایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت قطع کسی حدیث میں نہیں ملی۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے بے چھنا جو کا آٹا کھایا صرف پھونک مار کر بھوسی ہٹاتے اور گیہوں کا آٹا ہوتا تو اس کی روٹی بے سالن کے کھاتے کیونکہ گیہوں خود سالن ہے۔ خواجہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ خدام سے فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو کے آٹے کی روٹی بغیر چھانے ہوئے کھایا کرتے تھے اس سنت پر بھی عمل کرنا چاہئے اب سے اسی طرح روٹی پکائی جائے کہ جو کا آٹا ہو اور اس کو چھانا نہ جائے چنانچہ اسی طرح روٹی پکائی گئی اس کے کھانے سے سب کے پیٹ میں درد ہوا آپ نے فرمایا کہ ہم سے بڑی بے ادبی ہوئی کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعویٰ کیا ہم کو نیچے کے درجے میں رہنا چاہئے اور رفقاء سے کہا تو بہ کرو آٹا چھان کر کھایا کرو بے چھنا آٹا کھانا حالاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا دعویٰ ہے کس قدر باریک بات ہے یہ بات ذکر اللہ اور صحبت سے حاصل ہوتی ہے کہ آدمی حق تعالیٰ کے معاملات کو سمجھنے لگتا ہے۔ شیخ نے وسعت بھی اختیار کی تو کس نیت سے پھر وسعت پر عمل کرنے میں سنت کے ادب کو بھی ملحوظ رکھا ہم جو اگر ہوتے تو کہتے اچھا عمل بالسنت کیا کہ پیٹ میں درد ہی ہو گیا گویا (نعوذ باللہ) سنت سے وحشت ہو جاتی ہماری حالت یہ ہے کہ جو بات اپنے آپ کو پسند ہوئی اور اتفاق سے شریعت نے بھی اس کا امر کیا تو اس پر تو عمل کر لیا اور شریعت کی تعریف کرنے لگے اور جو بات اپنے آپ کو پسند نہ ہوئی یا اس میں اپنا کچھ نقصان ہوا تو اس کے پاس کو بھی نہ جاویں یہ وہ حالت ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْبِدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ. فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ نَّاطَمَانٌ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ. خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ظَلَمَكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ یعنی بعض آدمی وہ ہیں جو حق تعالیٰ کی عبادت کا دم بھرتے ہیں مگر کنارے پر رہتے اگر ان کو کچھ نفع پہنچتا تو مطمئن ہو گئے اور اگر کوئی تکلیف پہنچی تو بس منہ پھیر کر ہٹ جاتے ہیں۔ انہوں نے دنیا بھی کھوئی اور دین بھی آج کل یہ حالت ہے کہ آ کر فرائض کے مسئلے پوچھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی حکم کی طلب ہے حالانکہ مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ ہم کو میراث مل جائے اگر ان کو دور کے رشتہ سے پانچ ہزار میراث کے مل گئے تو کہتے ہیں شریعت کیسا اچھا قانون ہے کسی کا حق نہیں مارتا ہر ایک کا پورا پورا حق دلواتا ہے حق تلفی تو اس قانون میں ہے ہی نہیں اور اگر

انہیں معلوم ہو گیا کہ ہمیں کچھ نہ ملے گا تو کہتے ہیں بس رہنے دیجئے فرائض نکالنے کی ضرورت نہیں ہم سے تو یہ مال گیا حتیٰ کہ بعض لوگوں نے فرائض نکلوائے جب دیکھا کہ ان کا حصہ نہیں ہے تو کہا بس رہنے دو آگے کیوں تکلیف کرتے ہو اب ضرورت نہیں رہی۔ ایک شخص نے مجھ سے ایک فرائض لکھوائی اس سے ان کا حصہ نہ آیا تو پوچھنے لگے کہ میرا حصہ کیوں نہ آیا مجھے تو بڑی امید تھی میں نے کہا کہ فلاں وارث موجود ہے اس کے ہوتے آپ کو نہیں مل سکتا تو کہنے لگے کہ پھر اس وارث کو نہ لکھو سبحان اللہ واقعات میں تراش خراش کرنا اختیار ہو گئی یہ حالت ہے ہم لوگوں کی کہ بس دنیا کے نفع نقصان کو دیکھتے ہیں اگر دین بھی ساتھ میں آ گیا تو خیر ورنہ کچھ اس کی پرواہ نہیں تو ہم لوگ دین کو بھی دین ہونے کی نیت سے نہیں لیتے اور اہل اللہ اگر دنیا بھی لیتے ہیں تو دین کی نیت سے دیکھتے حضرت خواجہ نقشبند نے وسعت بھی اختیار کی تو کس نیت سے ہم لوگ اگر وسعت اختیار کرنے میں بھی نیت کر لیں کہ عزیمت پر عمل کرنے میں تکلیف ہے اور ہم کو اس کے تحمل کی ہمت نہیں تب بھی غنیمت ہے مگر ایک تو حد جواز سے باہر نہ جانا چاہئے۔ دوسرے صرف کسی ایک جزو دین کو منتہی نہ قرار دے لیں بلکہ تمام اجزاء دین میں پورا پورا اتباع کریں کیونکہ مانا علیہ میں ماکلمہ عموم ہے جو شامل ہے۔ اجزائے خمسہ کو عقائد میں عبادات میں معاملات میں معاشرت میں اخلاق میں سب میں دین کے پابند رہیں اسلام کھانا پینا سونا اٹھنا بیٹھنا سب اسلام کا سا ہو دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع فرمایا حالانکہ یہ بھی ایک لغت تھی مگر چونکہ اہل جاہلیت اس کو بولتے تھے اس واسطے پسند نہیں فرمایا (ادب الاسلام ج ۳۰)

## اپنی اصلاح مقدم ہے

اسلام کی اصل خدمت یہی ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اور اپنے اعمال و اقوال و احوال کو اسلام کے مطابق بناؤ جب تمہاری کامل اصلاح ہو جائے گی تو اسلام کو ترقی ہو جائے گی۔ مگر اب تو یہ حالت ہے کہ اسلام کی خدمت اور حفاظت کا دعویٰ کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وقت نماز روزہ کی تعلیم اور مسئلہ مسائل بتلانے کا نہیں ہے اب تو خدمت اسلام کی ضرورت ہے اے اللہ نہ معلوم وہ اسلام کی خدمت و حفاظت کیا چیز ہے جس کے لئے نماز روزہ کی اور حلال و حرام کے جاننے کی بھی ضرورت نہیں۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

## محبت کا تقاضہ اطاعت ہے

بعض لوگ صرف محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری سمجھتے ہیں تو انہوں نے فقط



محبت کو لے لیا ہے مگر یہ بھی محض ان کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور ظاہر ہے دعویٰ بدون دلیل مسموع (سننے کے قابل) نہیں ہو سکتا اور دلیل مفقود بس ان کے نزدیک تو محبت اس کا نام ہے کہ کبھی مجلس میلاد منعقد کر لی۔ نعتیہ غزلیں پڑھ دیں یا سن لیں اس کے سوا ان کو کچھ بھی خیال نہیں کہ ہم جو کچھ حرکتیں کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی ہیں یا ناراض؟ ہم نے مدعیین محبت کو دیکھا ہے کہ شراب پیتے ہیں، سود لیتے ہیں، زنا میں مبتلا ہیں مگر سال میں ایک دو مرتبہ ربیع الاول میں میلاد کی مجلس منعقد کر کے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ابن مبارک کا قول بھول گئے۔

تعصى الرسول وانت تظهر حبه هذا العمرى فى الفعال بدیع  
لو كان حبك صادقاً لاطعته ان المحب لمن يحب مطيع  
(تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور آپ کی محبت کا اظہار کرتا ہے  
اپنی جان کی قسم یہ کاموں میں نادر بات ہے اگر تو آپ کی محبت میں صادق ہوتا تو آپ کی  
اطاعت کرتا اس لیے کہ محبت محبوب کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے)

کیا غضب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ ہے اور سر سے پیر  
تک مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غرق ہیں بھلا یہ بھی کہیں عاشق کا  
طریقہ ہوا کرتا ہے۔ یہ عجیب محبت ہے کہ عاشق کو محبوب کے ناراض ہو جانے  
کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ جو برتاؤ یہ لوگ محبت رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کر کے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ  
کرتے ہیں اگر کوئی ان کے ساتھ یہی برتاؤ کرے کہ ان کی محبت کا دعویٰ  
کر کے مجلس میں بیٹھ کر ان کی مدح سرائی کر دیا کرے مگر ان کا حکم کوئی بجا نہ  
لاوے تو یہ لوگ خود اس کی محبت کو اس کے منہ پر دے ماریں گے۔ پھر جائے  
افسوس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی برتاؤ کر کے خوش ہیں  
اور نازاں ہیں اور ذرا بھی نہیں ڈرتے کہ یہ محبت تو اس قابل ہے کہ الٹی  
ہمارے منہ پر ماری جائے۔ (شکر النعمة بذكر رحمة الرحمة)



# حقوق العباد

- ☆ متعلقین کے حقوق کی حدود
- ☆ حقوق کی ادائیگی کیلئے آسان شرعی طریقے
- ☆ حقوق کی اقسام، حقوق العباد کی اہمیت
- ☆ اسلام اور انسانی حقوق
- ☆ خانگی معاملات، حقوق نکاح
- ☆ مالی حقوق کی اہمیت جیسے عنوانات پر مشتمل جوابات

## قرض کا ضرر

حدیث میں ہے کہ مقروض جنت سے محبوس رہتا ہے جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ ہو۔ یہ وعید ایسے ہی قرض کے بابت ہے جو محض کاغذی ہو جس کے ادا کرنے کی نیت نہ ہو نیز بلا ضرورت ہو۔ باقی ضرورت کا قرض اس سے مستثنیٰ ہے۔ ضرورت کا قرض وہ ہے جس کے بغیر ضرر ہو شکایت ہو سورسوم نہ کرنے میں تمہارا کیا ضرر ہے۔ (ترجیح الاخرہ ج ۱)

## اہل و عیال کے حقوق

ایک بار میں اپنی گھر والی کو علاج کے لیے میرٹھ لے گیا وہاں ایک مسماۃ نے بیعت کی درخواست کی تو دوسری بعض مستورات نے اس کو منع کیا کہ ان سے مرید نہ ہو یہ تو بیوی کو ساتھ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ ہمارے پیر سے بیعت ہونا انھوں نے پچاس برس سے بیوی سے بات تک نہیں کی۔ مگر اس اللہ کی بندی نے التفات بھی نہ کیا گویا زبان حال یہ جواب دیا کہ تم مجھے ایسے شخص سے بیعت ہونے کی ترغیب دیتی ہو جس نے پچاس برس سے خدا تعالیٰ کو ناراض کر رکھا ہے۔ میں اس سے ہرگز بیعت نہ ہوں گی۔ صاحبو! یہ جو مشہور ہے کہے آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عزیز و خانماں را چہ کند اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اہل و عیال کے حقوق ضائع کر دو۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ اس کو اہل و عیال کی محبت خدا تعالیٰ سے غافل نہ کر سکے ورنہ جو شخص خدا کو پہچانے گا وہ خدا کے احکام کو ضرور پہچانے گا اور خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ اہل و عیال کے حقوق ادا کرو مگر نہ اس حیثیت سے کہ وہ چیزیں تمہاری ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ اللہ کی چیزیں ہیں چنانچہ وارو ہے۔ الخلق عیال اللہ اور جس کے متعلق خدا تعالیٰ حکم یہ ہے:

احبکم الی اللہ احسنکم الی عیالہ او کما قال یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کی عیال سے اچھا برتاؤ کرے یعنی مخلوق سے۔ (اکبر الاعمال ج ۲)

## عہد کی پاسداری

وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا۔ اور وہ لوگ عہد کو پورا کرنے والے ہیں جب عہد کر لیتے ہیں ہر چند کہ حقوق العباد میں بعض حقوق ایسے ہیں جو ایفاء عہد سے مقدم ہیں مثلاً قرض کا ادا کر دینا امانت میں خیانت نہ کرنا۔ لیکن اس جگہ حق تعالیٰ نے صرف ایفاء عہد کو بیان فرمایا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب وہ لوگ ایسے حقوق العباد کو ادا کرتے ہیں جن کا مطالبہ کرنے والا ان سے کوئی بھی نہیں (کیونکہ ایفاء عہد قضا لازم نہیں گویا نہ بعض کے نزدیک واجب ہے) تو اس سے خود بخود یہ بات معلوم ہو گئی کہ جن حقوق کا مطالبہ کرنے والا موجود ہو ان کو تو ضرور ادا کریں گے اور اسی نکتہ کی وجہ سے موارد میں وصیت کو دین پر مقدم فرمایا ہے اس سے حقوق العباد کا درجہ معلوم ہو گیا کہ جب حق تعالیٰ کو ان حقوق کا بھی اہتمام ہے جس کا مطالبہ کوئی نہ ہو تو جن حقوق کا مطالبہ بھی موجود ہو تو وہ کس قدر قابل اہتمام ہوں گے اور یہاں بطور مثال کے بعض حقوق کا ذکر فرمایا گیا ہے ورنہ حقوق العباد اور بھی ہیں۔ اگرچہ لوگ فقط مال کو حق العباد سمجھتے ہیں مگر ایک حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق العباد مال ہی میں منحصر نہیں بلکہ حقوق العباد کے اقسام اور بھی ہیں۔

وہ حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جو خطبہ پڑھا ہے اس میں آپ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا۔ این یوم هذا یہ کونسا دن ہے۔ قالوا اللہ ورسولہ اعلم۔ صحابہ نے عرض کیا خدا اور اس کا رسول ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایس یوم النحر۔ کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے۔ قالوا بلی۔ صحابہ نے عرض کیا بے شک۔ اس سے صحابہ کا غایت ادب معلوم ہوا کہ جس بات کو وہ جانتے بھی ہیں اس کو بھی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیتے تھے اپنی شان علم ظاہر نہ کرتے تھے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ مقام کون سا ہے پھر اسی طرح خود ہی فرمایا کہ کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟ صحابہ نے عرض کیا

بے شک۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینہ کی بابت سوال کیا اور اسی طرح خود ہی فرمایا کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے۔ صحابہ نے عرض کیا بے شک۔ پھر آپ نے فرمایا۔  
 فان اموالکم ودماءکم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم هذا  
 فی شہرکم هذا فی بلدکم هذا۔ الصحيح لمسلم فی کتاب القسامۃ  
 ”کہ تمہارے اموال اور جانیں اور آبروئیں آپس میں تم پر ہمیشہ کے لئے ایسی ہی حرام ہیں جیسے اس مہینہ میں اس مقام میں اس دن میں حرام ہیں۔“

پس معلوم ہوا کہ ایک قسم حقوق العباد کی جان کو تکلیف پہنچانا ہے مثلاً ناحق مارنا جس میں اہل حکومت اور معلمین بکثرت مبتلا ہیں اور ایک قسم حقوق العباد کی کسی کی آبرو کو صدمہ پہنچانا بھی ہے یعنی کسی پر لعن طعن کرنا، کسی کی تحقیر کرنا کسی پر بے وجہ بدگمانی کرنا یہ سب حرام ہے۔ اسی طرح کسی کی غیبت کرنا بھی ناجائز ہے بلکہ بعض نصوص سے حقوق آبرو کا درجہ زناء وغیرہ سے بھی بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

## جانوروں کے حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں پر بھی رحم کا حکم فرمایا ہے اور ان کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں چنانچہ حکم ہے کہ جانوروں کو زیادہ نہ مارو بھوکا نہ رکھو کل سے زیادہ کام نہ لو زیادہ بوجھ نہ لا دو مجھے یاد آیا کہ ایک صاحب نے مجھے خط میں لکھا تھا کہ جانوروں کے حقوق میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تو واقعی اس وقت تک کوئی کتاب مستقل نہیں لکھی گئی تھی۔ اور ضرورت تھی اس لئے میں نے ”ارشاد الھائم فی حقوق البھائم“

کتاب لکھی ہے جانور رکھنے والوں کو اس کتاب کے رکھنے کی ضرورت ہے اس سے معلوم ہوگا کہ شریعت میں جانوروں کے کس درجہ کے حقوق ہیں حدیث شریف میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کا قصہ مذکور ہے کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا نہ تو چھوڑتی تھی نہ کچھ کھانے کو دیتی تھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ میں اس کا عذاب دیا جانا دیکھا دیکھئے ایک بلی کے ستانے پر اسے عذاب ہوا اور جانور کو تکلیف پہنچانے پر وہ معذب تھی ہماری حالت یہ ہے کہ عام انسان اور عام مسلمان کا تو کیا خیال کرتے ہم تو حقیقی بھائی کو تکلیف پہنچانے پر کمر بستہ ہیں جائیداد دبانے کو تیار ہیں بلکہ ہم لوگوں کی معاشرت اعزہ



اقارب کے ساتھ زیادہ خراب ہے حالانکہ ہم جانوروں پر تک بھی رحم کرنے کے لئے مامور ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان افعال پر ضرور ہم سے سوال ہوگا۔ (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

## اصلاح مرض

انما الاصلاح تبديل المزاج (بے شک اصلاح مزاج بدل جاتا ہے)

اصلاح کا طریقہ یہی ہے کہ مریض کے مزاج کو بدل دیا جائے جس کی حقیقت یہ ہے کہ جو سبب ہے اس کے مرض کا اس کو زائل کر دیا جائے تو سنئے تا کد حق کے دو سبب ہوتے ہیں۔ کبھی تو عظمت حق کی وجہ سے حق کا تا کد ہوتا ہے اور کبھی حاجت کی وجہ سے عظمت حق کی وجہ سے حق کا موکد ہونا تو ایسا ہے جیسے باپ کسی کام کو کہے کہ یہ کر اور پڑوسی کہے کہ مت کر۔ یہاں عقلاً اور شرعاً باپ کی اطاعت واجب ہے کیونکہ اس کی عظمت پڑوسی کی عظمت سے زیادہ ہے اس لئے پڑوسی کی بات پر عمل نہ کیا جائے گا بلکہ باپ کی بات پر عمل کیا جائے گا خواہ اس کام میں باپ کا ذاتی نفع بھی نہ ہو۔ جیسے باپ کہے کہ میرا بدن دبا اور پڑوسی کہے کہ میرا بدن دبا، تو بتلائیے اس صورت میں پڑوسی کا حق زیادہ ہوتا یا باپ کا۔ سب عقلاء یہاں متفق ہیں کہ باپ کا حق زیادہ ہے اور حاجت کی وجہ سے تا کد کی مثال یہ ہے، جیسے ایک سائل آ کر آپ سے روپیہ مانگے کہ مجھے ایک روپیہ دیدو، میں برف کی قلفیاں کھاؤں گا (جیسا کہ بعض بھنگڑ رئیسوں سے ایسی فرمائش کیا کرتے ہیں اور وہ ان کو مجذوب سمجھ کر سب کچھ کھلاتے ہیں۔ ۱۲) اور ایک سائل آ کر یہ کہے کہ مجھے ایک روپیہ دیدو، میرے یہاں آٹھ دن کا فاقہ ہے، بچے بھوکے تڑپ رہے ہیں، بتلائیے اس صورت میں کس کا حق زیادہ ہے، آیا اس شخص کا جو برف کی قلفیاں کھانے کو مانگتا ہے، یا اس غریب کا جس کے یہاں آٹھ دن کا فاقہ ہے۔ یقیناً اس غریب فاقہ زدہ کا حق زیادہ ہے۔ ایسے ہی ایک رئیس کے یہاں شادی ہو جس میں سو روپیہ نیوتہ دینے کے لئے آپ لے جا رہے ہیں حالانکہ اس کو آپ کے سو روپیہ کی کچھ بھی ضرورت نہیں اور اس وقت ایک غریب آدمی پر جو شریف خاندان کا ہے کوئی مقدمہ قائم ہو گیا جس میں ضمانت نہ داخل کی گئی تو اس شریف آدمی کی آبرو جاتی رہے گی تو بتلائیے اس وقت نیوتہ میں امیر کو سو روپیہ دینا چاہیے جس کو اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں یا اس غریب کی آبرو بچانی چاہیے تو جس کو جس ہو گا وہ سمجھے گا کہ اس صورت میں روپیہ

دینے سے زیادہ ضروری اس غریب کی آبرو کو بچانا ہے۔ یہاں بھی حاجت کی وجہ سے حق کا تاکد ہو گیا۔ غرض آپ دنیا کے معاملات میں غور کر لیں تو معلوم ہوگا کہ تاکد حد کا سبب کبھی عظمت ہے، کبھی حاجت۔ مگر دین کے بارے میں اس قاعدہ پر کوئی بھی خیال نہیں کرتا۔ یہاں سب لوگوں نے تاکد حق کو صرف عظمت میں منحصر کر لیا ہے جس کی عظمت قلب میں ہے۔ اسی کے حقوق ادا کرتے ہیں، حاجت کو تاکد حق کا سبب نہیں سمجھتے اور اگر حاجت کی وجہ سے کسی کا حق ادا بھی کرتے ہیں تو وہ بھی جبکہ اپنے ملنے والوں میں کسی امیر کو حاجت پیش آ جاوے۔

## حقوق البہائم

اس وقت کیا ہوگا جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ بہائم کے بھی حقوق ہیں۔ میرا ارادہ ہوا تھا کہ اس وقت حقوق العباد کی بجائے حقوق الخلق بیان کروں جس میں تمام مخلوق کے حقوق کا بیان ہو جائے، کافروں کے بھی اور جانوروں کے بھی، مگر سارا قاعدہ بغدادی آج ہی کیونکر ختم کرادوں! اس لئے میں حقوق بہائم کی تفصیل کرنا نہیں چاہتا مگر اجمالاً کہہ دیتا ہوں کہ شریعت میں جانوروں کے بھی حقوق ہیں تو انسانوں کے حقوق کیوں نہ ہوں گے جن کو آپ جانور سمجھتے ہیں پس خوب سمجھ لو کہ غریب اگر کافر بھی ہو اس کے بھی حقوق ہیں کچھ ایسے ہی کوئی مسلمان فاسق و فاجر ہو تو اس کے بھی حقوق ہیں، گناہ کرنے سے یا کفر کرنے سے وہ وقف نہیں ہو گیا کہ آپ جو چاہیں اس کے ساتھ معاملہ کریں۔ ایک بزرگ نے کسی شخص کو حجاج بن یوسف کی غیبت کرتے ہوئے دیکھا تھا تو فرمایا کہ جس طرح حق تعالیٰ حجاج سے ان لوگوں کا بدلہ لے گا جن پر اس نے ظلم کیا تھا، ایسے ہی حجاج کا بدلہ ان لوگوں سے لے گا جنہوں نے اس کی غیبت وغیرہ کی ہوگی۔ حجاج خدا کی نافرمانی کر کے سب کے لئے وقف نہیں ہو گیا کہ جو بھی چاہے اس کو برا بھلا کہے۔ سبحان اللہ! ایسا کون سا قانون ہے جس میں باغیوں کے بھی حقوق ہیں، یہ خدا ہی کا قانون ہے، اس میں باغیوں تک کے حقوق ہیں۔ چنانچہ بیٹے کو جائز نہیں کہ وہ جہاد میں اپنے کافر باپ کو قتل کرے، گو وہ خدا کا باغی ہے مگر خدا تعالیٰ نے بیٹے پر اس کا یہ حق رکھا، غرض ہم لوگوں نے تاکد حق کا سبب محض عظمت کو سمجھ لیا ہے اور یہ مرض دینداروں میں بھی ہے کہ وہ بھی اہل عظمت ہی کے حقوق کو زیادہ ادا کرتے ہیں۔ میں نے ایک دفعہ دیوبند کے مدرسے میں طلبہ سے کہا تھا کہ تم لوگ اساتذہ کی عظمت

نہیں کرتے نہ ان کے حقوق کی رعایت کرتے ہو۔ پھر میں نے کہا شاید آپ اپنے دل میں کہتے ہوں کہ ہم تو حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی بہت عظمت کرتے ہیں اور ان کی خدمت بھی کرتے ہیں۔ دل میں خیال کر لو کہ مولانا کی یہ عظمت و خدمت محض استاد ہونے کی وجہ سے ہے یا ان کی شہرت و عظمت کی وجہ سے ہے۔ ظاہر ہے کہ محض حق استادی کی وجہ سے تم مولانا کی عظمت نہیں کرتے ورنہ اس کی کیا وجہ کہ اور استادوں کی عظمت و وقعت نہیں کی جاتی، آخر وہ بھی تو استاد ہیں۔ معلوم ہوا کہ مولانا کی عظمت بوجہ شہرت کے کرتے ہو کہ وہ سب سے زیادہ بزرگی وغیرہ میں مشہور ہیں تو جب اہل علم میں بھی یہ مرض ہے کہ وہ مشاہیر اہل عظمت ہی کے حقوق ادا کرتے ہیں پھر دوسروں کا تو کیا کہنا۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## حق العبد کی اقسام

بعض لوگوں میں غلطی یہ ہے کہ وہ حق العبد کو صرف مال میں منحصر کرتے ہیں کہ چوری کرنا، غضب کرنا، قرض لے کر انکار کر دینا کسی کی امانت رکھ کر مکر جانا بس یہی جرم ہے ان کے علاوہ حق العباد میں اور کوئی جرم نہیں حالانکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق العبد مال ہی میں منحصر نہیں بلکہ اور بھی حقوق ہیں اور وہ حقوق مالیہ کے برابر بلکہ ان سے بھی معظم ہیں۔ چنانچہ جتہ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دریافت فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادب کی وجہ سے عرض کیا ”اللہ و رسولہ اعلم“ فرمایا ”الیس یوم عرفہ“ کیا یہ عرفہ کا دن نہیں ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا ”ہاں“ بیشک یہ عرفہ کا دن ہے پھر پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادب سے وہی جواب دیا ”اللہ و رسولہ اعلم“ آپ نے فرمایا ”الیس ذی الحجہ“ کیا یہ حج کا مہینہ نہیں ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا بیشک یہ حج کا مہینہ ہے پھر دریافت کیا فرمایا یہ کونسا شہر ہے اس پر بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ادب سے ”اللہ و رسولہ اعلم“ ہی کہا آپ نے فرمایا ”الیس بالبلد الحرام“ کیا یہ بلد حرام نہیں ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا بیشک یہ بلد حرام ہے اس تمہید کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا ان اموالکم و دمانکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم

هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا من يومكم الى يوم القيامة  
(او كمال قال) (الصحيح للبخاري في كتاب الحج باب الخطبة

ايام منى رقم: ۱۷۴۱، ۳: ۵۷۳)

”سن لو! تمہارے اموال اور جانیں اور آبروئیں آج سے قیامت تک ویسی ہی حرام ہیں جیسے اس  
یوم معظم، شہر معظم اور بلد معظم میں حرام ہیں، ہمیشہ کیلئے ان کی حرمت ویسی ہے جیسی آج ہے۔“  
اس سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد کی تین قسمیں ہیں ایک حقوق نفس، دوسرے حقوق  
مال، تیسرے حقوق عرض، جب شریعت سے حقوق معلوم ہوتے ہیں تو آپ کو صرف مال  
میں حق العبد کو منحصر کرنے کا کیا حق ہے۔ صاحبو! جان کا بھی حق ہے آبرو کا بھی حق ہے، مال  
کا بھی حق ہے، جان کا حق تو یہ ہے کہ کسی کو ناحق قتل نہ کرو، خیر تو اس بادشاہت میں بکثرت  
کون کر سکتا ہے اس کی طاقت تو یہاں کسی کو نہیں، گوشاذ و نادر کبھی ایسا ہو جاتا ہے مگر وہ چھپ  
نہیں سکتا، فوراً مقدمہ قائم ہو کر پھانسی ہو جاتی ہے اس لئے اس سے سب ڈرتے ہیں ہاں یہ  
حق البتہ باقی ہے کہ کسی غریب کے دو چار ڈنڈے لگا دیئے گو ہمارے قصبہ میں یہ حق بھی باقی  
نہیں رہا وہاں کسی کی مجال نہیں کہ جو کسی بھنگی کو بھی مار سکے یا بیگار میں کام لے سکے۔ ہمارے  
بھائی کے ایک کارندہ ہیں حاجی حاجی، اب تو کارندگی سے انہوں نے استعفیٰ دیدیا ہے مگر  
جس زمانہ میں وہ کارندہ تھے اس زمانہ کا قصہ بیان کرتے تھے۔ ایک دن میں نے سڑک  
صاف کرنے والے بھنگی سے کہا کہ جب تو سڑک پر جھاڑو دیا کرے تو ذرا ہمارے دروازہ پر  
بھی جھاڑو دے دیا کر، تو وہ کیا کہتا ہے کہ حاجی جی! کون تو ہے نہیں خیر تمہاری خاطر سے  
دے دیا کروں گا تو وہاں کے بھنگی بھی قانونی ہیں۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## حکومت عادلہ کی مثال

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جبلۃ الاسلام شاہ غسان اسلام لایا تھا۔  
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے اسلام سے خوشی ہوئی تھی کیونکہ بادشاہ کے مسلمان  
ہونے سے اس کی رعیت کے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ دوسرے اس  
سے مخالفین پر بھی رعب پڑتا ہے مگر اس خوشی کا اثر نہ تھا کہ جبلہ کی ایسی رعایت کی جاتی کہ وہ  
جس پر چاہے ظلم کرنے لگے اور کچھ باز پرس نہ ہو چنانچہ ایک مرتبہ جبلہ لنگی باندھے ہوئے



خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، لنگی باندھنا اہل عرب کا عام شعار تھا، بادشاہ اور غریب سب لنگی باندھتے تھے تو اس وقت اتفاق سے کسی غریب کے پیر سے جبلہ کی لنگی کا کونہ دب گیا، جبلہ نے جو قدم آگے بڑھایا دفعۃً لنگی کھل گئی، غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس غریب مسلمان کے بڑی زور سے طمانچہ مارا اس کا دانت ٹوٹ گیا، اس نے جبلہ کو تو کچھ نہ کہا سیدھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجلاس میں جا کر دعویٰ دائر کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبلہ کو بلایا اور پوچھا کہ تو نے اس مسلمان کو طمانچہ مارا ہے اس نے اقرار کیا آپ نے مدعی سے فرمایا کہ تم جبلہ سے قصاص لے سکتے ہو جبلہ نے کہا اے امیر المؤمنین اس بازاری کو مجھ جیسے بادشاہ کے برابر کس چیز نے کر دیا جو اس کو مجھ سے قصاص لینے کا حق حاصل ہو گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اسلام نے تم دونوں کو برابر کر دیا، جبلہ نے کہا اچھا مجھے کل تک کی مہلت دی جاوے میں کل قصاص دیدوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں مہلت نہیں دے سکتا یہ مدعی کا حق ہے اگر وہ چاہے مہلت دے یا نہ دے بیچارہ غریب آدمی ذرا سی بات پر پیسج جاتا ہے۔ مدعی نے کہا کہ مجھے کل تک کی مہلت دینا منظور ہے پھر رات کو وہ کمبخت چپکے سے نکل کر بھاگ گیا اور مرتد ہو کر نصرانیوں سے جا ملا مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذرا بھی پروا نہ ہوئی اور نہ اسلام کو جبلہ کے ارتداد سے کچھ نقصان پہنچا بلکہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی رعایت کرتے تو اس سے بیشک اسلام کو ضرر پہنچتا۔ کیونکہ عقلاء کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ اسلام میں ضعیف کا حق قوی سے نہیں دلایا جاتا بلکہ زبردستوں کی رعایت کی جاتی ہے اور یہ خلاف عدل ہے اور اب تو گونا گویا ہر ایک جبلہ اسلام سے نکل گیا مگر عدل اسلامی کی نظیر تمام دنیا کے سامنے قائم ہو گئی اور سب کو معلوم ہو گیا کہ قانون اسلام میں کوئی زبردست کسی کمزور کا حق نہیں دبا سکتا جس سے ہزاروں لاکھوں آدمی عدل اسلامی کے شیدابن گئے۔ ۱۲ جامع) اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں جبلہ بھی اپنے ارتداد پر بہت پچھتا تا تھا اور باوجودیکہ نصرانیوں میں اس کی بڑی عزت اور آؤ بھگت ہوتی تھی اور ہر قسم کے سامان عیش اس کے لئے مہیا تھے مگر بعض دفعہ وہ رو کر یہ کہتا تھا کہ اے کاش میں اس دن قصاص کو گوارا کر لیتا تو وہ میرے لئے اس عزت سے ہزار درجہ بہتر ہوتا۔ اسلام واقعی ایسی چیز ہے کہ اس کو چھوڑ کر

کبھی چین نہیں مل سکتا تو جہاں حکومت مسلمہ عمریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو وہاں کسی رئیس یا بادشاہ کی کسی غریب کے مقابلہ میں کچھ رعایت نہ ہوگی۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## خصوصی حقوق

اگر کوئی شخص مسلمان بھی ہے تو اسلام کی وجہ سے اس کا حق اور بھی بڑھ جائے گا مثلاً مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ بیمار ہو تو عیادت کرو، جب ملے تو سلام کرو، اس کو چھینک آوے اور الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہو، مر جاوے تو جنازہ کی نماز پڑھو، دفن کفن میں شریک ہو وغیرہ وغیرہ۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی شخص ہمارا پڑوسی ہے جو ار کی وجہ سے اس کا حق بڑھ جائے گا۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی ہمارا محسن بھی ہے جیسے استاد یا پیر یا کوئی دوست وغیرہ۔ سوا احسان کی وجہ سے ان کے حقوق عام مسلمانوں کے حقوق سے زیادہ ہوں گے۔ محسن ہونے میں باپ ماں کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ان کے حقوق سب سے زیادہ ہیں۔

اسی طرح بعض اور رشتے بھی بواسطہ احسان میں داخل ہیں۔ مثلاً سرالی رشتہ جیسے بیوی کی ماں اس کا باپ وغیرہ کہ وہ بیوی کے محسن ہیں اور بیوی سے دوستی کا رشتہ ہے تو دوست کے محسن گویا اپنے ہی محسن ہیں ان کے حقوق بھی عام لوگوں سے زیادہ ہیں۔ غرض کہ خصوصیات کی وجہ سے حقوق عامہ پر حقوق خاصہ کا اضافہ ہو جاتا ہے اس وقت نہ میں اس کی تفصیل کر سکتا ہوں نہ اتنا وقت ہے۔ علماء کی کتابیں موجود ہیں جن میں سب کے حقوق لکھے ہوئے ہیں۔ غرض اسلام میں سب انسانوں کے لئے کچھ نہ کچھ حقوق ہیں۔

میری ایک کتاب مختصر اس بارے میں طبع ہو چکی ہے جس کا نام حقوق الاسلام ہے اس کو دیکھو۔ اس میں مختصر اُسب کے حقوق لکھے ہوئے ہیں۔ ایک مسلمان ڈپٹی نے وہ کتاب ایک انگریز کو دکھائی تھی۔ اس نے جو دیکھا تو اس میں رعایا اور حکام کے بھی حقوق تھے کہ رعایا کو حکام کے ساتھ اس طرح رہنا چاہیے اور حکام کو رعایا کے ساتھ یوں برتاؤ کرنا چاہیے۔ ایک حق تو حاکم مسلم کا ہے وہ الگ ہے۔ اسلام میں مطلق حاکم کا بھی بوجہ معاہدہ کے نیز بوجہ احسان انتظام راحت کے ایک حق ہے چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم، تو وہ انگریز بڑا متعجب ہوا کہ اسلام میں حکام کے بھی حقوق ہیں، اس کو اسی پر تعجب ہوا۔ اسے یہ خبر نہ ہوئی کہ اسلام میں بہائم کے بھی حقوق ہیں تو اور زیادہ تعجب ہوتا۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## حقوق العباد کی تلافی کا طریقہ

ایک سوال ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے کسی پر ظلم کیا ہو اور کسی سے رشوت لی ہو کسی کی غیبت کی ہو اور اب وہ مرچکے ہیں یا لاپتہ ہیں تو انکے حقوق کیونکر ادا کر سکتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں کوئی صورت لا اعلان نہیں ہے، کرنے والا ہونا چاہیے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اول تو پوری کوشش کرے، ان لوگوں کے پتہ لگانے میں اگر ان کا پتہ لگ جائے تب تو ان کو حق پہنچائے۔ اگر معلوم ہوا کہ وہ مر گئے ہیں تو مالی حقوق ان کے ورثاء کو پہنچائے۔ اگر ورثاء کا بھی پتہ نہ لگے تو جتنی رقم تم نے ظلم و رشوت سے لی ہے اتنی رقم خیرات کر دو اور نیت کر لو کہ یہ ہم ان کی طرف سے دے رہے ہیں۔ یہ حقوق مالیہ کا حکم ہے۔

غیبت، شکایت اور جانی ظلم کی تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ مظلوم مر گیا ہو یا لاپتہ ہو گیا ہو تو اس کے حق میں دعا کرو، نماز اور قرآن پڑھ کر اس کو ثواب بخشو اور عمر بھر اس کے لئے دعا کرتے رہو۔ ان شاء اللہ حق تعالیٰ ان کو تم سے راضی کر دیں گے جس کی صورت قاضی ثناء اللہ صاحب نے یہ لکھی ہے کہ قیامت میں مسلمانوں کو بڑے بڑے خوبصورت عالی شان محل دکھلائیں جائیں گے اور حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان محلات کا خریدار کوئی ہے اور ارشاد ہوگا کہ ان کی قیمت یہ ہے کہ جس کا جو حق کسی کے ذمہ ہوا سے معاف کر دے، اس وقت کثرت سے اہل حقوق اپنے حق معاف کر دیں گے، پھر سرکار کی طرف سے مثل داخل دفتر ہو جائے گی۔ قاضی صاحب اپنے زمانے کے محدث اور محقق تھے۔ انہوں نے تحقیق کر کے یہ روایت کہیں سے لکھی ہوگی، ہم کو ان پر اعتماد ہے۔

غرض معذرت کرنے والوں کی وہاں بڑی قدر ہے۔ ان کے حقوق اللہ تعالیٰ خود ادا کر دیں گے، وہاں تو اینٹھ مروڑ پر گرفت ہوتی ہے کہ باوجود ظلم و تعدی کے پھر بھی فکر نہ ہو اور ادائے حقوق کا اہتمام نہ ہو۔ اب ایک سوال اور رہ گیا وہ یہ کہ کسی نے مثلاً دس ہزار روپے سود یا رشوت میں لیے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ کس کس سے لیے ہیں۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اس کا حق ادا کرے تو کیونکر کرے اس لئے کہ اس وقت اس کے پاس دس ہزار روپے نہیں ہیں، ساری عمر میں جو حرام مال کھایا تھا آج ایک دن میں سب کیسے ادا کر دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کام کا شروع کر دینا اور ادا کا عزم کر لینا

بھی مقبول ہے۔ تم اول تو صاحب حق سے معافی کی درخواست کرو، اگر وہ خوشی سے معاف کر دے تب تو جلدی ہلکے ہوئے اور اگر معاف نہ کرے تو اب تھوڑا تھوڑا جتنا ہو سکے اس کا حق ادا کرتے رہو مگر یہ ضروری ہے کہ اپنے فضول اخراجات کو موقوف کر دو۔ بس ضروری ضروری خرچوں میں اپنی آمدنی خرچ کرو اور اس سے جتنا بھی بچے وہ حقدار کو ادا کرو اور اگر وہ مر گئے ہوں تو ان کے ورثاء کو دو اور اگر ورثاء بھی نہ معلوم ہوں تو ان کی نیت سے خیرات کرتے رہو۔ ان شاء اللہ اول تو امید ہے کہ حق تعالیٰ ادا کر دیں گے۔ حق تعالیٰ کے یہاں نیت کو زیادہ دیکھا جاتا ہے جس کی نیت پختہ ہو کہ میں حق ادا کروں گا پھر اس پر عمل بھی شروع کر دے حق تعالیٰ اس کو بالکل بری کر دیتے ہیں۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

من سلم المسلمون من لسانه ويده (انظر تخریج الحديث الرقم: ۴۳)  
(کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سالم رہیں) (کف الاذی ج ۴)

## تین حق

حدیث شریف کے الفاظ ہیں کہ من سلم المسلمون (جس سے مسلمان سالم رہیں) کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلم کی رعایت ضروری نہیں کیونکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ  
المومن من امن الناس بوائقه.

(کہ مومن وہ ہے جس کے خطرات سے تمام آدمی امن میں رہیں) تو تمام لوگوں کی رعایت ضروری ہوئی خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر اور ان سب ہی کے حقوق بھی ہوئے۔ البتہ حربی اس حکم میں داخل نہیں تو یہاں صرف اس لئے مسلمان فرمایا کہ یہ موقع اسی کا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کتاب تو تصنیف فرمائی نہیں جس سے غلط کام عام ہونا ضروری ہو بلکہ جس وقت جس امر کی ضرورت دیکھی زبان مبارک سے بیان فرما دیا۔

اور مسلمون جو جمع کے صیغہ سے فرمایا تو جمع سے کبھی تو مجموعہ مراد ہوتا ہے اور کبھی ہر ہر واحد تو ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہر ہر واحد مراد لیا جاوے کہ ہر مسلمان اس کی ایذا سے محفوظ رہے اور اگر مجموعہ مراد ہوگا تو اس پر یہ شبہ ہوگا کہ مجموعہ مسلمین کو تکلیف نہ دی جائے۔ اگر بعض کو تکلیف دی جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان احکام میں سے ہے کہ جہاں مجموعہ اور ہر ہر واحد کے حکم میں



فرق نہیں ہوتا تو بصورت مجموعہ مراد ہونے کے یہی معنی ہوں گے کہ مجموعہ مسلمانوں کا ہر ہر واحد تکلیف سے بچا رہے۔ اب وہ شبہ جاتا رہا کہ اگر بعض کو تکلیف پہنچ جائے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ جب ایک مسلمان نہ بچا تو مجموعہ کہاں بچا کیونکہ ایک جزو نکل جانے سے مجموعہ نہیں رہا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کسی کو بھی تکلیف نہ پہنچے۔

آگے فرماتے ہیں من لسانہ ویدہ (اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے) اس میں د و قسم کے حقوق کی طرف اشارہ ہے۔ گو یہ حقوق تروک (چھوڑانے کے) ہیں۔ تین قسم کے مالی جانی عرضی جس کو اس حدیث میں صاف فرمایا:

ان دماء کم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا۔  
(الصحيح للبخاری فی کتاب الحج باب الخطبة ایام منی رقم: ۱۷۴۲، ۵۷۳: ۳)  
(تحقیق تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں مثل تمہارے اس دن کی حرمت کے)

یعنی نہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے، نہ ناحق مال لے، نہ آبروریزی کرے، پس یہ تین قسم کے حق ہیں مگر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال اور جان کے حقوق تو اکثر ہاتھ سے تلف ہوتے ہیں اور عرضی اکثر زبان سے، مال کا حق مثلاً کسی کا مال لوٹ لیا یا کسی کو لکھ دیا لوٹنے کے لئے تو اس کا آلہ بھی یہی ہاتھ ہوگا۔ اب رہا جان کا حق یہ بھی ہاتھ ہی سے ہوتا ہے اور اگر کسی کو زبان سے کسی کے قتل کرنے کو کہا تو یہ بھی پورا ہاتھ ہی سے ہوگا۔ اب رہی آبرو وہ کبھی ہاتھ سے تلف کی جاتی ہے اور اکثر زبان سے سو یہ حقوق گو تین قسم کے ہیں مگر ہیئت اضافہ کے اعتبار سے انہیں دو صورتوں میں داخل ہے من لسانہ ویدہ (اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے) پس اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں حقوق کو جمع کر دیا، اجمالاً پس حاصل اس حدیث کا یہ ہوا کہ نہ جان کو تکلیف دے نہ مال کو نہ آبرو کو، اب ہر شخص کو دیکھ لینا چاہیے کہ کہاں تک اس پر عمل کرتا ہے اور کتنے حقوق ترک ہوتے ہیں۔ (کف الاذئی ج ۴)

## دوسروں کی راحت کا خیال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو آہستہ سے اٹھتے تھے اور آہستہ ہی سے سلام کرتے تھے۔ پس ایسی چیزوں کا مدلول حدیث ہونا خفی ہے مگر ہے مدلول صریح۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بستر پر سے اٹھے اور آہستہ سے جوتیاں پہنیں اور آہستہ ہی سے دروازہ کھولا اور آہستہ ہی بند کیا۔ وہاں یہ الفاظ ہیں:

وفتح الباب رویدا واغلق الباب رویدا ”وخرج رویدا“

(یعنی آپ نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور آہستہ سے دروازہ بند کیا اور آہستہ سے باہر نکلے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شبہ ہوا کہ شاید حضور کسی اور بی بی کے ہاں جاتے ہیں اور وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عاشق تھیں اور عشق میں یہ حالت ہوا کرتی ہے۔

باسایہ ترانمی پسندم عشق است و ہزار بدگمانی  
(یعنی عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہیں اس لئے ہم آپ کے سایہ کے ساتھ رہنا بھی پسند نہیں کرتے ہیں)

بس اس شبہ کی وجہ سے آپ بھی پیچھے پیچھے ہو لیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر اموات کے لئے دعا فرمائی۔ جب دعا کر چکے تو وہاں سے واپس ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جلدی جلدی چلیں اور پہلے آ کر بستر پر لیٹ رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالک یا عائشۃ حشیا رابیۃ (یعنی اے عائشہ کیا بات ہے کہ تمہارا سانس پھولا ہوا ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ کچھ نہیں۔ فرمایا کہ یا تو بتلا دو ورنہ مجھ کو خدا تعالیٰ خبر دے دیں گے۔ تب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سارا واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے تھے کہ بقیع میں جا کر مومنین کے لئے دعا استغفار کرو۔ اس لئے میں وہاں گیا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسا بے تکلفی کا علاقہ اور پھر وہ آپ پر عاشق چنانچہ کہتی ہیں۔

لواہی زلیخا لوراین جینہ لاثرن بالقطع القلوب علی الید  
(یعنی اگر زلیخا کو ملامت کرنے والی عورتیں آپ کی جبین مبارک کو دیکھ لیتیں تو بجائے ہاتھوں کے قطع کرنے کے قلوب کو قطع کر لیتیں)

سو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدر عاشق زار تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے کسی فعل سے بھی ان کو اذیت نہ ہوتی مگر اس پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رعایت کی کہ رات کو جب اٹھے تو سارے کام آہستہ کیے تاکہ ان کی نیند میں خلل نہ آوے۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جہاں ناگواری کا احتمال بھی نہ ہوتا وہاں بھی ایسے امور کی رعایت فرماتے تھے اور ہماری یہ حالت ہے کہ رات کو اٹھے تو دھڑ دھڑ کرنا شروع کر دیا۔ خصوصاً اگر انگریزی جوتے ہوں یا رات کو ڈھیلے لیتے ہیں تو بھڑا بھڑا توڑتے ہیں حالانکہ اس سے لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے مگر کچھ پروا نہیں تو یہ امور ظاہر انا جائز نہیں اس لیے ان سے بچنے کو دین نہیں سمجھتے مگر واقع میں ناجائز ہیں۔ (کف الاذی ج ۴)

## کافر کا مال

مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک عجیب بات فرمائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا مال لینا مسلمان کے مال لینے سے بھی زیادہ برا ہے۔ چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ بھئی اگر کسی کا حق ہی رکھنا ہو تو مسلمان کا رکھ لے کافر کا نہ رکھے کیونکہ قیامت میں ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جاویں گی تو اگر کسی مسلمان پر ظلم کیا تو نماز روزہ ظالم کا اس کے بھائی ہی کو ملے گا۔ خیر اگر ظاہر میں ظلم کیا تو باطن میں قومی ہمدردی بھی تو کی کہ اپنی نیکیاں اسے دے دیں اور اگر کافر کا حق رکھا تو ایک تو اپنی نیکیاں پر ائے گھر، پھر اس صورت میں نہ تمہارا بھلا نہ اس کا بھلا کیونکہ وہ تو پھر بھی جہنم ہی میں گیا۔ (اسرار العبادۃ ج ۷)

## نئی ایجادوں سے تاسدین

ایک صاحب اس پر الجھے ہوئے تھے کہ اگر معراج جسمانی ہوئی تو ہوا کے کرہ کے بعد آگ کا کرہ ہے یا یوں کہئے کہ ہوا نہیں ہے جہاں بغیر سانس لیے کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں نے کہا کہ اس دعویٰ کی کہ بغیر سانس لیے ہوئے زندہ نہیں رہ سکتے دلیل کیا ہے تو قاعدہ سے تو اتنا ہی جواب میرے ذمہ تھا۔ مگر ایک بات دفع استبعاد کے لیے بعد میں سمجھ میں آ گئی کہ سیر کی دو قسمیں ہیں۔ سیر سر بھی اور سیر بطنی یعنی ایک جلدی گزرنا اور ایک ٹھہر ٹھہر کے گزرنا۔ سو جلدی گزرنے میں استبعاد بھی نہیں کیونکہ سرعت کے ساتھ آگ میں سے نکل جائے تو جل نہیں سکتا۔ جیسے ایک شعلہ ہو، اس کے اندر سے جلدی جلدی انگلی کو یا ہاتھ کو نکالو تو روٹکا بھی

نہیں جلے گا۔ بس اگر اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی معراج میں اس سرعت کے ساتھ پہنچا دیئے گئے کہ یہ چیزیں اثر نہ کر سکیں تو استبعاد بھی نہیں رہا۔

اسی طرح ان چیزوں کے بولنے میں امتناع عقلی تو نہیں ہے صرف استبعادی ہے اور اب تو استبعادی بھی نہیں کیونکہ روزانہ نئی ایجادیں نکلتی ہیں جن سے بہت سے مستبعدات کا مشاہدہ ہونے لگا۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ ایسے لوگوں سے تائید دین کا کام لیا ہے جو کافر ہیں کہ وہ نئی نئی ایجادیں کر دیں جن سے بہت سے شبہات حل ہو گئے۔ (ایضاً)

## اہمیت حقوق العباد

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس کو قاضی ثناء اللہ نے رسالہ حقیقت الاسلام میں نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا روز ہوگا بڑے بڑے عالی شان محل لوگوں کو نظر پڑیں گے اور ندا ہوگی کہ ہے کوئی ان محلوں کا خریدار وہ حیران ہوں گے عرض کریں گے کہ اس کو کون خرید سکتا ہے ارشاد ہوگا کہ قیمت تو پوچھی ہوتی (پھر مایوسی ظاہر کی جاتی) وہ قیمت دریافت کریں گے جواب ملے گا کہ اس کی قیمت یہ ہے کہ جس کے ذمہ کسی دوسرے کا حق آتا ہو وہ معاف کر دے اس کے عوض یہ محل مل سکتے ہیں۔ ہزاروں آدمی محل خریدنے کو حقوق معاف کر دیں گے اور یہ انہی لوگوں کے ساتھ برتاؤ ہوگا جن کو بخشنا حق تعالیٰ کو منظور ہوگا لیکن خود معاف نہ فرمائیں گے۔ معافی جب ہی ہوگی جب کہ بندے باہم خود معاف کریں شہادت اتنی بڑی چیز ہے مگر حقوق العباد اس سے بھی نہیں معاف ہوتے۔ (شعبان ج ۷)

## حقوق العباد

حقوق العباد اتنی بڑی چیز ہیں۔ لوگوں کو اس کی پرواہی نہیں۔ نماز روزہ کرتے ہیں تسبیح پڑھتے ہیں۔ کسی کا انانج دبا لیا، زمین دبا لی، خصوصاً زمینداروں کو بالکل اس طرف توجہ نہیں اور وہ کہتے ہیں۔

لاریاسة الا بالسیاسة ای بالسیاسة المتلفة لحقوق الغير

ریاست بدون سیاست کے نہیں ہوتی یعنی ایسی سیاست سے جو حقوق غیر کو تلف کرنے والی ہو۔

ایک صاحب بہت معمر ہمارے ہاں کے پر نالہ کا چونا اکھاڑ رہے تھے۔ کہا گیا یہ کیا کرتے ہو۔ جواب دیا اجی میں مخادیم بھی ہوں جیون بھی ہوں۔ غرض یہ مخدومیت و شیخ زادگی کا



قیام بغیر ظلم نہیں ہوتا اس لئے ظلم کرتا ہوں کہ ظلم نہ کرنا شیخ زادگی کے خلاف ہے چونکہ مخادیم ہیں اس لئے بغیر ظلم کئے کیسے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ہی کہیں مسخرے پن سے کیکر کاٹ لیا کہیں کسی کا قرض لے کر مار لیا چار سو، پانچ سو، چار ہزار، پانچ ہزار کچھ پرواہی نہیں۔ زمینداری میں بڑا ظلم ہوتا ہے۔ اس سے قلب مسخ ہو جاتا ہے۔ (بھلائی برائی کی تمیز نہیں کر سکتا)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ کافر کا حق مار لو۔ اس کا کچھ حرج نہیں۔ حالانکہ یہ زیادہ حرج کی بات ہے۔ اس لئے کہ قیامت میں جب نیکیاں چھین کر اہل حقوق کو دی جاویں گی تو مسلمان کو ہی اگر ملیں تو اچھا ہے اس سے کہ کافر کو ملیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ بڑے محقق عالم تھے فرمانے لگے کہ اگر بے ایمانی ہی کرنا ہو تو مسلمان کا حق مارے۔ کافر کی حق تلفی نہ کرے تاکہ نیکیاں کافر کے پاس نہ جاویں۔ (شعبان ج ۷)

## ریل کا کرایہ

میرے ایک دوست نے اس رقم ریلوے کے ادا کرنے کی ایک ترکیب سوچی ہے اور مجھ سے بیان کیا کہ جس لائن کی رقم رہ گئی ہے اس رقم کا اسی لائن کا ٹکٹ جتنی دور تک کامل سکے خرید کر چاک کر ڈالے اور استعمال میں نہ لاوے (اس لئے کہ جس لائن کا نقصان کیا تھا وہ اس طریق پر پورا کر دیا گیا) میں نے بھی پسند کیا مگر خیال رہے کہ ایک لائن کا حق دوسری لائن کا ٹکٹ لینے سے ادا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ کمپنی جدا ہے۔ ایسٹ انڈیا اوڈھرویل کھنڈ وغیرہ۔ مگر یہ وقت ایسا عجیب ہے کہ اگر کوئی حقوق سے سبکدوش ہونا چاہے تو اس کو احمق بتاتے ہیں۔

چنانچہ میرے ایک دوست بی، اے سفر میں بوجہ تنگی وقت بغیر وزن کرائے اسباب کے ریل میں سوار ہو گئے۔ اسٹیشن پر پہنچ کر ٹکٹ بابو سے کہا کہ اسباب بظاہر زیادہ ہے اور قصہ بیان کیا اور کہا کہ آپ وزن کر کے محصول لے لیجئے وہ منہ دیکھنے لگا اور کہا لے بھی جاؤ بغیر محصول کے۔ انہوں نے کہا کہ آپ مالک نہیں اس لئے آپ کیسے چھوڑ سکتے ہیں وہ ان کو اسٹیشن ماسٹر کے پاس لے گیا۔ اس نے بھی وہی کہا جو ٹکٹ بابو نے کہا تھا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو اس کو جواب دیا تھا۔ پھر وہ دونوں باہم انگریزی میں گفتگو کرنے لگے۔ یہ بھی بی اے تھے گفتگو کو سمجھ گئے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اس شخص نے شراب پی ہے انہوں نے کہا میں نے شراب نہیں پی۔ اہل حق کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں۔ (ایضاً)

## وقف و میراث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ آپ چراغ کی روشنی میں مال وقف کا حساب لکھ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے ان کو آتے ہوئے دیکھ کر آپ نے چراغ گل کر دیا انہوں نے دریافت کیا کہ اس میں کیا مصلحت تھی آپ نے فرمایا کہ یہ چراغ بیت المال کے تیل کا ہے اگر روشن رہنے دیتا اور آپ سے باتیں کرتا تو باتوں میں اس کا صرف کرنا درست نہ تھا اور اگر آپ سے باتیں نہ کرتا تو مروت کے خلاف تھا۔

اسی طرح میراث میں سلف سخت احتیاط کرتے تھے ایک بزرگ ایک دوست کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے وہاں گئے تو ان کو نزاع کی حالت میں پایا چنانچہ تھوڑی دیر میں ان کا انتقال ہو گیا وہاں چراغ جل رہا تھا آپ نے فوراً اسے گل کر دیا اور اپنے پاس سے پیسے دے کر تیل منگایا اور اس سے چراغ روشن کیا اور فرمایا کہ وہ تیل مرحوم کی ملک اسی وقت تک تھا جب تک کہ وہ زندہ تھے اور انتقال کرتے ہی تمام ورثاء کی ملک ہو گیا۔ جس میں بعض ورثاء یتیم ہیں۔ بعض غائب ہیں۔ اس لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔

## فیصلہ کا طریقہ

لایقضی القاضی و هو غضبان (کہ قاضی کو چاہیے کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے) میاں جی وغیرہ کو بھی چاہیے کہ غصہ میں نہ ماریں جب غصہ آئے تو خاموش ہو جائیں جب غصہ اتر جائے تو غور کریں کہ کتنی سزا دینی چاہیے اور ہر جرم پر تھپڑیا پتھریوں کا عدد مقرر کر لیں یہ نہیں کہ بے طرح مارنا شروع کر دیا خواہ ہاتھ ٹوٹے یا ٹانگ کہ جو شخص اس دستور العمل کا لحاظ رکھے گا اس کے ہاتھ سے ظلم نہ ہوگا۔ (احکام الجاہ ج ۸)

## اہل خانہ کی خبر گیری

ابھی کل پرسوں کا واقعہ ہے کہ میں صبح کی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ بڑے گھر سے آدمی دوڑا ہوا یہ خبر لایا کہ گھر میں سے کوٹھے کے اوپر سے گر گئی ہیں میں نے خبر سنتے ہی فوراً نماز توڑ دی یہاں تو سب سمجھ دار لوگ ہیں مگر شاید بعض ناواقف اپنے دل میں اس وقت یہ کہتے ہوں کہ ہائے بیوی

کے واسطے نماز توڑ دی بیوی سے اتنا تعلق ہے کہ خدا کی عبادت کو اس کے لئے قطع کر دیا۔ بے شک اس وقت اگر کوئی دکاندار پیر ہوتا وہ ہر گز نماز نہ توڑتا کیونکہ اس سے جاہل مریدوں کی نظر میں بیٹی ہوتی مگر الحمد للہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی کیا کہے گا اگر کسی کی نظر میں اس فعل سے میری بیٹی ہوئی وہ شوق سے کوئی دوسرا شیخ تلاش کر لیں جب خدا کا حکم تھا کہ اس نماز کو توڑ دو تو میں کیا کرتا کیا اس وقت جاہلوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے میں حکم خداوندی کو چھوڑ دیتا اور جرتج عابد کی طرح نماز میں مشغول رہتا وہ تو اس حکم سے ناواقف تھے اس لئے معذور تھے مگر میں بحمد اللہ اس حکم سے ناواقف نہ تھا ظاہر ہے کہ جب بیوی کو ٹھٹھے پر سے گری تو اس کی چوٹ کو شوہر ہی ہلکا کر سکتا ہے اور وہی دریافت کر سکتا ہے کہ چوٹ کہاں لگی کہاں نہیں لگی خصوصاً ایسی حالت میں کہ گھر کے اندر بجز ایک نا سمجھ بچی کے اور ایک معذور بڑھیا کے کوئی امداد کرنے والا بھی نہ تھا اور امداد کرنے والے ہوں بھی تو کوٹھے سے گر جانا بعض دفعہ ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہے فوراً ہی کوئی تدبیر ہو جائے تو زندگی کی آس ہو سکتی ہے اس لئے بھی مجھ کو فوراً جانا ضروری تھا اس لئے میں نے شرعاً نماز کا توڑ دینا اور فوراً جا کر ان کی خبر گیری کرنا ضروری سمجھا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے کہ حضرات حسین رضی اللہ عنہ میں سے کوئی ایک صاحبزادے مسجد میں آگئے اس وقت وہ چھوٹے بچے تھے چلتے ہوئے لڑکھڑاتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ توڑ کر انکو دور ہی سے گود میں اٹھالیا حالانکہ خطبہ بحکم صلوٰۃ ہے جو بدون کسی سخت عذر کے قطع نہیں ہو سکتا۔

تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نو اسوں کے لئے خطبہ توڑ دیا تو میں کیا چیز تھا کہ اتنے بڑے حادثے کے وقت سنتوں کی نیت نہ توڑتا اس میں بیوی کی رعایت نہ تھی بلکہ حق تعالیٰ کی رعایت تھی کیونکہ اس وقت خدا کا حکم یہی تھا خدا کے حکم کے سامنے بیوی کیا چیز ہے اگر حق تعالیٰ کسی وقت بیوی کے قتل کا حکم دیں تو سچا مسلمان ایسا بھی کر دے گا اور جہاں وہ اس کی خبر گیری کا حکم دیں وہاں وہ اس کے لئے نماز بھی توڑ دے گا اور دونوں صورتوں میں دونوں فعلوں کا سبب حق اللہ ہی ہوگا پس جس جگہ شریعت ترک معمولات کا امر کرتی ہو جیسے سفر میں رفقاء کی رعایت سے فرائض و سنن موکدہ پر اکتفا کرنا یا جس جگہ نماز توڑنے کا امر کرتی ہو جیسے کسی مسلمان کی حفاظت و خبر گیری کے لئے ایسا کرنا وہاں معمولات کی پابندی کرنا غلو فی الدین اور تقویٰ کا ہیضہ ہے۔ (ما علیہ الصبر ج ۹)

## بچوں پر ظلم

بعض دفعہ چھوٹوں پر بھی بری طرح غصہ کیا جاتا ہے اور وہ بالکل بے بس ہوتے ہیں ان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہیں ہو سکتا، بچوں پر جو ظلم ماں باپ سے یا میانجی صاحبان سے ہوتا ہے وہ اسی قبیل سے ہے بعضے ماں باپ ایسے قصائی ہوتے ہیں کہ بچوں کو اس طرح مارتے ہیں جیسے کوئی جانوروں کو مارتا ہے بلکہ جیسے کوئی چھت کوٹتا ہو اور جو کوئی کہے تو کہتے ہیں ہمیں اختیار ہے ہم اس کے باپ ہیں یا درکھے باپ ہونے سے ملک رقبہ حاصل نہیں ہوتی ورنہ یہ بھی ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کو بیچ لیا کرتا باپ کا رتبہ حق تعالیٰ نے بڑا بنایا ہے نہ اس واسطے کہ چھوٹے اس کی ملک ہوں اور اس سے چھوٹوں کو تکلیف پہنچے بلکہ اس واسطے کہ چھوٹوں کی پرورش کرے اور ان کو آرام دے ہاں کبھی اس آرام دینے ہی کی ضرورت سے سزا اور تادیب کی حاجت بھی پڑتی ہے اس کی اجازت ہے اور ”الضروری یتقدّر بقدر الضرورة“ (ضروری بقدر ضرورت ہی ضروری ہوتا ہے) کے قاعدہ سے اتنی ہی تادیب کی اجازت ہو سکتی ہے جو پرورش اور تربیت میں معین ہو نہ اتنی جو درجہ ایلام تک پہنچ جائے اور ماں باپ سے ایسی زیادتی قطع نظر گناہ ہونے کے انسانیت اور فطرت کے بھی خلاف ہے ماں باپ کو تو حق تعالیٰ نے محض رحمت بنایا ہے ان سے ایسی زیادتی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص انسانیت سے بھی خارج ہے اور میانجی صاحبوں کی تو کچھ پوچھئے ہی نہیں انہوں نے تو ایک مثل یاد کرائی ہے کہ ہڈی ماں باپ کی اور چمڑی استاد کی نہ معلوم یہ کوئی قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے یا فقہ میں کہیں لکھا ہے اور لطف یہ ہے کہ بعض دفعہ غصہ تو آتا ہے بیوی پر کیونکہ گھر میں لڑائی ہوئی تھی اب بیوی پر تو کوئی بس چلا نہیں وہ غصہ باہر بچوں پر اترتا ہے یہ تو عیسائیوں کا کفارہ ہو گیا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی میانجی صاحبان یا درکھیں کہ قیامت کے دن اس کا دینا ہوگا یہاں بچوں کی چمڑی آپ کی ہے وہاں آپ کی چمڑی بچوں کی ہوگی کیا تماشا ہوگا کہ وہ بچے جو ان کے محکوم تھے علی روس الخلاق ان کو پیٹ رہے ہوں گے قطع نظر اس سے ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ زیادہ مارنا تعلیم کے لیے بھی مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے ایک تو یہ کہ بچے کے قوے کمزور ہو جاتے ہیں دوسرے یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھی بھول جاتا ہے تیسرے جب بچہ پٹے پٹے عادی ہو جاتا ہے تو بے حیا بن جاتا ہے پھر پٹنے سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا



اس وقت یہ مرض لا علاج ہو جاتا ہے اور ساری عمر کے لیے ایک خلق ذمیم یعنی بے حیائی اس کی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہے الغرض غصہ میں کبھی تو ظلم ہوتا ہے جبکہ انتقام کی قدرت ہو اور جب انتقام کی قدرت نہ ہو تو کینہ پیدا ہوتا ہے پھر اس سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً حسد پیدا ہوتا ہے پھر اس سے ایذا رسانی کی فکر ہوتی ہے پھر مکر و فریب کی عادت پڑ جاتی ہے یہ سب امراض ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور یہ سب اولاد ہے اسی ایک مرض کی جس کا نام کبر ہے اب تو آپ کو اس کی برائیاں معلوم ہو گئی ہوں گی۔ (اوج قنوج ج ۱۱)

## اہل اللہ کی حالت

اہل اللہ اپنے مقبوعین پر گویا فدا ہوتے ہیں ہمارے حضرت نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر اب میں تھانہ بھون جاؤں تو کہاں ٹھہروں پھر خود ہی فرمایا کہ اشرف علی کے ہاں ٹھہروں دیکھئے کسی عزیز قریب کا نام نہیں لیا لیا تو ایک خادم ہی کا نام لیا یہ شفقت ہوتی ہے بزرگوں کے خدام پر ایک مرتبہ حضرت نے میری اہلیہ کو ایک کپڑا بطور تبرک دیا اس پر ایک خادمہ نے عرض کیا کہ فلانی آپ کی رشتہ دار پوتی ہے اس کے لیے بھی دیجئے فرمایا ہم کسی بیٹی پوتی کو نہیں جانتے ہمارے پوتے وہی ہیں جن کو اللہ کے لیے ہم سے تعلق ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ اولاد اور رشتہ داروں سے ان کو تعلق نہیں ہوتا ان کو تعلق سب سے ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی ان کے رشتہ داروں سے بدسلوکی کرے تو اول جوش انہیں کو ہوگا کیونکہ ادائے حقوق ضروری ہے اور اہل اللہ سے بہتر کوئی ادائے حقوق نہیں کر سکتا کیونکہ یہ حقوق کو شریعت کے موافق ادا کرتے ہیں اور شریعت سے بہتر کوئی حقوق کو نہیں جان سکتا اور وہ جوش بجا ہوتا ہے کیونکہ کسی شخص کے رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس شخص کے ساتھ محبت نہ ہو رشتہ دار تو بڑی چیز ہیں ادنیٰ تعلق جس چیز کو محبوب کے ساتھ ہوتا ہے محبت کے نزدیک وہ بھی محبوب ہوتی ہے۔ دیکھئے سگ لیلیٰ کے ساتھ مجنوں نے کیا برتاؤ کیا اس کو گود میں اٹھا لیا کسی نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے تو وہ کہتا ہے:

پاسبان کوچہ لیلیٰ است ایں

(یہ لیلیٰ کے کوچہ کا چوکیدار ہے)

محبت ایسی ہی چیز ہے یہ وجہ اہل اللہ کے اس غصہ کے بجا ہونے کی حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیٹے کے ساتھ بعض خلفاء شیخ نے بدسلوکی کی تو شیخ کو

بڑے غصہ کا خط ان کے پاس گیا، ان کا غصہ دراصل ان رشتہ داروں کی طرف داری سے نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مدعی محبت کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا اس تصنع سے وہ بھڑک اٹھتے ہیں تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل اللہ کو اولاد سے کوئی تعلق نہیں یا ان کو ہم سے بھی زیادہ تعلق ہوتا ہے چنانچہ ہمارے وطن میں ایک معلمہ کے پاس ایک لڑکی پڑھنے آئی، وہ لڑکی سید کی تھی تو اس معلمہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں اور کہا ہماری بچی آئی ہے اس پر اچھی طرح توجہ رکھنا دیکھئے کتنے بعید رشتہ کا یہ خیال ہے۔ غرض اہل اللہ کو عزیز و اقارب سے بھی محبت ہوتی ہے اور متبعین سے بھی ہوتی ہے اور انہیں کی محبت کا عکس متبعین کی محبت میں دکھائی دیتا ہے۔ (اوج قنوج ج ۱۱)

## مسلمان اور حقوق انسانی

حضرت اسلام ایسی چیز ہے کہ مسلمان انسانی حقوق تو کیا ضائع کرتا وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انہوں نے سفر میں ایک دکاندار سے شکر خریدی اور کپڑے میں باندھ لی۔ گھر جا کر کھولا تو اس میں ایک چیونٹی نظر آئی یہ دیکھ کر آپ کو بے حد قلق ہوا کہ نہ معلوم بیچاری اپنے کس کس عزیز سے الگ ہوئی ہوگی اس کا دل ان کی جدائی سے تڑپتا ہوگا۔ آخر اسی طرح کپڑا باندھ کر پھر سفر کر کے جہاں سے شکر لائے تھے وہیں لا کر اسی دکان پر کپڑا کھولا اور چیونٹی کو اس کے مستقر پر پہنچایا۔ تو دیکھئے اتنی ہمدردی۔ یہ اثر ہے تعلیم اسلام کا کہ انسان تو انسان حیوان پر بھی اسلام ہمدردی کرتا ہے۔ اتنا ترحم ہے اسلام میں کہ حیوانات کے بھی حقوق مقرر کئے ہیں۔ ان پر بھی ظلم و ستم کو جائز نہیں رکھا۔ اس کے متعلق بھی بہت سے احکام ہیں۔ چنانچہ اس میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ میں نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام ہے ارشاد الہائم فی حقوق الہائم۔ اس میں بتلایا ہے کہ حیوانات کے حقوق کیا ہیں اور کیا برتاؤ ان سے کرنا چاہیے۔ اور ہر حکم حدیث سے ثابت کیا ہے اپنی طرف سے نہیں لکھا۔ تو جس اسلام نے جانور پر بھی رحم کیا ہے کیا وہ انسان پر رحم نہ کریگا۔ ضرور کریگا۔ اب اگر کسی حکم میں کسی کو جبر و تشدد کا شبہ ہو تو چونکہ وہ ایسے اسلام کے حکم سے ہوا ہے جس میں اتنا رحم ہے تو وہ واقع میں جبر و تشدد نہیں ہے ضرور اس میں کوئی عظیم مصلحت ہوگی۔ مگر حقیقت میں جس کی وجہ سے وہ جبر عین رحمت و مصلحت ہے اس وقت وہ مصلحت

اسی کو مقتضی ہے اس کو ہر شخص اپنے معاملات میں غور کر کے سمجھ سکتا ہے کہ بعض دفعہ ہم ضرورت کی وجہ سے اولاد تک کے ساتھ سختی کرتے ہیں اور مجبوراً کرنا پڑتی ہے بدون اس کے کام نہیں چلتا۔ یعنی دوسرے کی اصلاح بدوں اس کے نہیں ہوتی۔ (الاتمام لعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## حقوق المال

ہمارے ایک دوست کا، جو کہ بی اے ہیں، واقعہ ہے کہ وہ ایک بار ریل کا سفر کر رہے تھے، ان کے پاس اسباب پندرہ سیر سے زیادہ تھا، اسٹیشن پر تنگی وقت کی وجہ سے وہ اس کو وزن نہ کرا سکے۔ اس وقت تو جلدی میں سوار ہو گئے لیکن جب منزل مقصود پر اترے تو وہاں کے بابو سے جا کر اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں جلدی میں اسباب کو وزن نہ کرا سکے۔ اب آپ اس کو وزن کر لیں اور جو محصول میرے ذمہ ہو اس کو وصول کر لیجئے۔ بابو نے انکار کیا کہ مجھ کو فرصت نہیں تم ویسے ہی لے جاؤ ہم تم سے محصول نہیں لیتے۔ انہوں نے کہا کہ صاحب آپ کو اس معافی کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ آپ ریلوے کے مالک نہیں بلکہ ملازم ہیں آپ کو محصول مجھ سے لینا چاہیے مگر اس نے پھر بھی انکار کیا تو یہ اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے۔ اس نے بھی کہا کہ آپ بلا تکلف سامان لے جائیں ہم آپ سے محصول نہیں لیتے۔ انہوں نے اس سے بھی کہا کہ آپ کو معافی کا کوئی حق نہیں۔ اس کے بعد اسٹیشن ماسٹر اور اس بابو میں انگریزی میں گفتگو ہونے لگی۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ مسافر انگریزی نہیں سمجھتا ہوگا (کیونکہ ان کی صورت ملائوں کی سی تھی)۔ غرض ان دونوں کی اس گفتگو میں یہ رائے قرار دی کہ یہ شخص شراب پیئے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ہمارے انکار کے یہ محصول دینے پر اصرار کرتا ہے۔

انہوں نے جواب دیا کہ صاحب! میں نے شراب نہیں پی بلکہ ہمارا مذہب ہی حکم ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رکھو۔

اس پر وہ دونوں بولے کہ صاحب! ہم تو اس وقت اسباب وزن نہیں کر سکتے آخر یہ اسباب اٹھا کر پلیٹ فارم سے باہر لائے، اور سوچنے لگے کہ یا اللہ! اب میں ریلوے کے اس حق سے کس طرح سبکدوشی حاصل کروں۔ آخر خدا نے امداد کی، اور یہ بات دل میں ڈالی کہ جتنا اسباب زیادہ ہے اس کے محصول کے برابر ایک ٹکٹ اسی ریلوے کے کسی اسٹیشن کا لیکر چاک کر دیا جاوے۔ اس طرح ریلوے کا حق اس کو پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔

میرے ایک دوست کا جو کہ ڈپٹی کلکٹر بھی تھے۔ واقعہ ہے کہ ان کا ایک بچہ ریل کے سفر میں ان کے ہمراہ تھا، جس کا قد بہت کم تھا کہ دیکھنے میں دس سال کا معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس کی عمر تقریباً تیرہ سال کی تھی اور ریلوے کے قاعدہ سے اس عمر کے بچے کا ٹکٹ پورا لینا ضروری ہے انہوں نے اس کا ٹکٹ لینا چاہا تو ساتھیوں نے بہت منع کیا کہ اس کو تیرہ سال کا کون کہہ سکتا ہے آپ آدھا ٹکٹ لے لیجئے۔ کوئی کچھ نہ کہے گا انہوں نے کہا کہ بندے کچھ نہ کہیں گے تو کیا حق تعالیٰ بھی باز پرس نہ فرمائیں گے کہ تم نے دوسرے کی چیز میں تھوڑی اجرت پر بدوں اس کی اجازت کے کیوں تصرف کیا۔ غرض انہوں نے پورا ٹکٹ لیا اور ان کے ساتھی ان کو بیوقوف بناتے رہے مگر

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد جو دیوانہ نہیں ہوا وہی دیوانہ ہے

## حقیقی مفلسی

حدیث مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اتدرون من المفلس فیکم (کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟) صحابہ نے عرض کیا من لا درهم له ولا دينار (صحیح مسلم کتاب البر والصلة: ۵۹، سنن الترمذی: ۲۴۱۸، کنز العمال: ۱۰۳۲۷) جس کے پاس درہم و دینار نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مفلس وہ ہے جو آخرت میں اس حالت میں جائے گا کہ اس کے پاس نماز بھی ہے روزہ بھی ہے زکوٰۃ بھی ہے حج بھی ہے اور بہت سے اعمال ہر قسم کے ہیں مگر اسی کے ساتھ ہی اس نے کسی کو مارا بھی تھا کسی کو گالیاں بھی دی تھیں کسی کی غیبت کی تھی، پس ایک آیا اس کی نماز لے گیا، دوسرا آیا اس کی زکوٰۃ لے گیا، کوئی حج لے گیا کوئی اور اعمال لے گیا پھر بھی بعضے حقدار باقی رہ گئے تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے گئے وہ تو جنت میں چلے گئے اور یہ سب کے گناہوں کو لے کر جہنم میں بھیج دیا گیا، یہ شخص اپنے کو غنی سمجھتا تھا مگر حقوق العباد ضائع کرنے کی وجہ سے سب نیکیاں اہل حقوق لے گئے اور یہ کورے کا کورا رہ گیا۔ درمختار میں روایت ہے (واللہ اعلم بالصواب وضعہا ۱۲) کہ ایک دانگ کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازیں دی جائیں گی بھلا اتنی نمازوں کو کون چھوڑ دے گا تم ہی سوچو! وہاں تو ہر شخص ایک ایک نیکی پر جان دے گا۔ صاحبو! اس کی فکر بہت ضروری ہے مگر افسوس کہ لوگوں کو ذرا فکر نہیں۔ (المؤدۃ الرحمانیہ ج ۱۳)



## ذاتی حقوق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”ان لنفسک علیک حقاً وان لعینک علیک حقاً وان لجسدک علیک حقاً وان لاهلک علیک حقاً“  
(الکامل لابن عدی ۳: ۹۰۷، مسند احمد ۱: ۲۰۱، کنز العمال ۳: ۸۲۹۱)

تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور آنکھ کا بھی اور جسم کا اور اہل و عیال کا بھی حق ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان اشیاء میں آپ خود مختار نہیں ہیں بلکہ یہ حق تعالیٰ کی امانتیں ہیں جن کی حفاظت آپ کے ذمہ ضروری ہے اس حیثیت سے ان کے ساتھ محبت کرنا عین محبت حق ہے باقی لنفسک اور لعینک اور لجسدک میں جو آپ کی طرف اضافت ہے یہ محض آپ کا دل بہلانے کیلئے اور دل خوش کرنے کے واسطے ہے تاکہ تم کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب یہ چیزیں انہی کی ہیں تو نامعلوم کب لے لیں اس لئے تمہارا دل بہلا دیا کہ نہیں یہ چیزیں تمہاری ہی ہیں مگر ہمارے کہنے سے ان کے حقوق ادا کرو۔ (ایضاً)

## اہمیت حقوق

بعض ایسا کرتے ہیں کہ باوجود وسعت کے ایک ہی جانور کی قربانی کرتے ہیں اگر کسی کو وسعت کافی ہو تو اس کو چاہیے کہ واجب نہیں مگر آخر حقوق بھی کوئی چیز ہیں اس بناء پر مناسب ہے کہ اپنے بزرگوں کی طرف سے بھی قربانی کرے اور ایک قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی کرے آپ کو امت کے ساتھ کیسی محبت تھی کہ آپ اپنی طرف سے تو قربانی کرتے ہی تھے ایک قربانی زیادہ کرتے تھے اور فرماتے کہ یہ ان لوگوں کی طرف سے ہے کہ جو میری امت میں سے قربانی کی وسعت نہیں رکھتے اور ایک روایت میں ہے کہ عن محمد وامتہ اور ایک روایت میں ہے ہذا عن آمن بی وصدقنی (ہکذا فی جمع الفوائد) (یہ اس کی طرف سے جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تعریف کی) دیکھئے کیسی محبت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ حالانکہ ہم اس وقت موجود بھی نہ تھے مگر آپ کو ساری امت سے غائبانہ محبت تھی۔

مانبودیم و تقاضا ہم نبود لطف تو ناگفتہ مای شنود

(نہ ہم تھے نہ ہمارا تقاضا تھا تیرے لطف نے ہمیں بغیر مانگے ہی نوازدیا)

ادائے حق محبت عنایت ست زد دوست      ورنہ عاشق مسکین بہ ہیج خور سندست  
(محبت کا حق ادا کرنا دوست کی عنایت ہے ورنہ مسکین عاشق کے پاس تو کچھ نہیں بھی  
تو پھر بھی راضی ہے) (سنت ابراہیم ج ۱۷)

## حقوق کی نگہداشت

حقوق العباد کو حتی الوسع ادا کرے اس وقت حقوق کے متعلق ذرا خیال نہیں ہے۔ یاد رکھو! کہ اگر کسی کے تین پیسے بھی کسی کے ذمے رہ گئے تو اس کی سات سو نمازیں اس صاحب حق کو دلوائی جائیں گی۔ آج کل دوسرے کا حق ادا کرنا ایسا گراں ہوتا ہے گویا کہ اپنے گھر سے دے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض اوقات تو صاحب حق کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ کے واسطے دے دو اور اسی سبب سے دوسرے کو قرض دینے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اسی لیے قرض میں اٹھارہ گنا ثواب ملتا ہے اور صدقے میں دس کا ملتا ہے۔ اٹھارہ کا حساب اس طرح ہوا کہ اصل میں صدقہ سے مضاعف ملا تھا ایک کے مقابلہ میں دو مگر جب اصل روپیہ واپس مل گیا تو اس کے مقابلے میں دو کٹ گئے اور اٹھارہ رہ گئے اور ہمارے اس برتاؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر لوگوں کو قرض نہیں ملتا۔ آج مسلمانوں میں بہت سے لوگ اپنے بھائیوں کا کام نکال سکتے ہیں کہ مالدار ہیں مگر کسی وجہ سے خود تجارت نہیں کرنا چاہتے اور چاہتے ہیں کہ کوئی دوسرا کام میں لگا لے تاکہ حفاظت سے بچیں مگر اس خوف سے نہیں دیتے کہ ان سے وصول کون کرے گا۔ لہذا مسلمانوں کو وقت ضرورت مہاجن سے قرض لینا پڑتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند روز کے بعد تمام گھریار کا مالک مہاجن ہی ہو جاتا ہے اور یہ محض مسلمانوں کی بے اعتباری کی وجہ سے ہے۔ مظفرنگر میں میرے ایک دوست سے ایک شخص نے دس روپے یہ کہہ کر قرض لیے کہ آج میرے مقدمے کی تاریخ ہے اور گھر سے دن کے دن منگا نہیں سکتا تم اس وقت دے دو میں وطن جاتے ہی بھیج دوں گا۔ غرض انہوں نے جب وطن جا کر بھی مدت تک نہ بھیجا انہوں نے تقاضا شروع کیا، اخیر میں کہا کہ کیا ہمارا کوئی رقعہ ہے صبر کر کے بیٹھ رہے اور پھر غضب یہ کہ اس حرکت کو دین کے خلاف بھی نہیں سمجھتے۔ صاحبو! کیا قبر میں جا کر جواب دو گے؟ اپنے سارے کام کر لیتے ہیں مگر دوسرے کا قرض نہیں دیتے اور اگر کوئی مانگتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ کیا قرض مار میں ہے اور اس سبب کی وجہ ایک ہی بھاری مرض ہے کہ دین کی فکر نہیں۔ بہت

سے مسلمانوں کو دیکھا ہے کہ ریل میں زیادہ مال لے جاتے ہیں اور ذرا پروا نہیں کرتے بلکہ بعض تو کہتے ہیں کہ کافر کا حق مار لینا کچھ ڈر نہیں حالانکہ وہ بھی واجب التحرز ہے بلکہ ایک بزرگ تو یہ کہتے تھے کہ مسلمان کا تو چاہے لے لو لیکن کافر کا حق نہ لو کیونکہ مسلمان سے تو یہ امید ہے کہ وہ قیامت میں معاف کر دے اور کافر سے تو یہ بھی امید نہیں۔ دوسرے اگر معاف نہ کیا تو خیر اپنی نیکیاں اپنے ہی بھائی کے پاس جائیں گی دشمن کے پاس تو نہ جائیں گی۔ (ازلۃ المغفلۃ ج ۱۸)

## میراث میں بے احتیاطی

میراث میں تو ایسی گڑبڑ ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ جس کے ہاتھ جو آ گیا وہ اس نے دبا لیا اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیوی مہر معاف کر دیتی ہے لیکن پھر بعد وفات ورثاء سے اختلاف کر کے وصول کر لیتی ہے۔ بعض لوگ شرعی حیلے ایجاد کر کے ورثاء کو نہیں دینا چاہتے۔ (ایضاً)

## فضولیات سے اجتناب

میں کہتا ہوں کہ تمہارے کھانے کپڑے کے عوض میں بیبیاں تمہاری اس قدر خدمت کرتی ہیں کہ اتنی تنخواہ میں کوئی نوکر یا ماما ہرگز نہیں کر سکتی جس کو شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے بدوں بیوی کے گھر کا انتظام ہو ہی نہیں سکتا چاہے تم لاکھ خادم رکھو۔ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جن کی معقول تنخواہ تھی مگر بیوی نہ تھی نوکروں کے ہاتھوں خرچ تھا تو ان کے گھر کا خرچ اس قدر بڑھا ہوا تھا جسکی کچھ حد نہیں نکاح ہی کے بعد گھر کا انتظام ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بیوی کچھ بھی گھر کا کام نہ کرے صرف انتظام اور دیکھ بھال ہی کرے تو یہی اتنا بڑا کام ہے جس کی دنیا میں بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں اور منتظم کی بڑی عزت و قدر کی جاتی ہے۔ دیکھئے ویرائے ظاہر میں کام کچھ نہیں کرتا کیونکہ اس کے تحت میں اتنا بڑا عملہ کام کرنے والا ہوتا ہے کہ اس کو خود کسی کام میں ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر اس کی جو اتنی بڑی تنخواہ اور عزت ہے محض ذمہ داری اور انتظام کی وجہ سے پس بیویوں کا یہی کام اتنا بڑا ہے جس کا عوض نان و نفقہ نہیں ہو سکتا مگر ہم تو شریف زادیوں کو دیکھتے ہیں وہ خود بھی اپنے ہاتھ سے گھر کا بہت کام کرتی ہیں۔ خصوصاً بچوں کو بڑی محنت سے پرورش کرتی ہیں یہ وہ کام ہے کہ تنخواہ دار ماما کبھی بیوی کی برابری نہیں کر سکتیں۔ (رفع اللباس عن نفع اللباس ج ۲۰)

## حقوق محکوم پر حکایت عجیب

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں ایک باپ نے اپنے بیٹے پر دعویٰ کیا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا حضرت عمرؓ نے لڑکے سے دریافت کیا اس نے کہا اے امیر المومنین کیا باپ ہی کا سارا حق اولاد پر ہے یا اولاد کا بھی باپ پر کچھ حق ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اولاد کا بھی باپ کے ذمہ حق ہے: کہا میں ان حقوق کو سننا چاہتا ہوں۔ فرمایا اولاد کا حق باپ پر یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کے لئے شریف عورت تجویز کرے اور جب اولاد پیدا ہو ان کا نام اچھا رکھے اور جب ان کے ہوش درست ہو جائیں ان کو تہذیب اور تعلیم دین دے۔ لڑکے نے کہا کہ میرے باپ نے ان حقوق میں سے ایک حق بھی ادا نہیں کیا کیونکہ اس نے ایسی باندی کو میری ماں بنایا ہے جو آوارہ گرد تھی۔ اور جب میں پیدا ہوا تو میرا نام بھل رکھا (جس کے معنی ہیں گواہ کا کیڑا) اور مجھے دین کا ایک حرف نہیں سکھایا مجھے دینی تعلیم سے بالکل کور رکھا۔ یہ سن کر حضرت عمر کو باپ پر بہت غصہ آیا اور اس کو بہت دھمکایا اور یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دیا کہ جاؤ پہلے تم اپنے ظلم کی مکافات کرو اس کے بعد لڑکے کے ظلم کی فریاد کرنا۔ (رفع التباس عن نفع الایاس ج ۲۰)

## خانگی معاملات

گھر کا خرچ دینے میں بھی یہی گڑبڑ ہے میاں جو کچھ کماتے ہیں بی بی کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں بی بی سمجھتی ہے کہ یہ سب مجھے دیدیا یعنی میری ملک کر دیا اور جس طرح چاہتی ہیں کھاتی اڑاتی ہیں اسی میں سے خیرات کرتی ہیں اسی میں سے اپنے میکہ والوں کو خوب دل کھول کر دیتی ہیں کیونکہ اطمینان ہے کہ میری ملک ہے بعض وقت جب میاں دیکھتے ہیں کہ اس بے دردی کے ساتھ میری کمائی اڑائی جا رہی ہے اور باز پرس کرتے ہیں تو بی بی صاحبہ کہتی ہیں کہ یہ رقم تم نے مجھے دیدی تھی لہذا مجھے اختیار ہے جہاں چاہوں خرچ کروں میاں کہتے ہیں میں تجھے کیوں دیتا میں نے تو بطور امانت دیا تھا غرض خوب تکرار ہوتی ہے یہ خرابی اسی گول مول بات کی ہے۔ معاملہ صاف رکھو جو کچھ دو اس کے متعلق تصریح کر دو کہ یہ کس مد میں دیا ہے میری رائے یہ ہے کہ بیوی کو جو کچھ گھر کے خرچ کے لئے بھی دو اس کے متعلق بھی تصریح کر دو کہ یہ رقم امانت ہے گھر کے خرچ میں ہی صرف کر سکتی ہو لیکن بی بی کا یہ بھی حق ہے



کہ اس کو کچھ رقم ایسی بھی دو جس کو وہ اپنے جی آئی خرچ کر سکے جس کو جیب خرچ کہتے ہیں۔ اس کی تعداد اپنی اور بیوی کے حیثیت کے موافق ہو سکتی ہے مثلاً روپیہ دو روپیہ دس بیس پچاس روپیہ جیسی گنجائش ہو یہ رقم خرچ سے علیحدہ دو لیکن صاف کہہ دو کہ وہ رقم تو صرف گھر کے خرچ کی ہے اور یہ رقم تمہارا جیب خرچ ہے یہ تمہاری ملک ہے اس کو جہاں چاہو خرچ کرو جب تم جیب خرچ الگ دو گے تو تمہارا یہ کہنے کو منہ ہوگا کہ یہ رقم جو گھر کے خرچ کے لئے دی ہے امانت ہے کیونکہ آدمی کے پیچھے بہت سے خرچ ایسے بھی لگے ہوئے ہیں جو اپنی ذات خاص کے ساتھ ہیں، اگر بیوی کو کوئی رقم ذات خاص کے خرچ کے لئے نہ دی گئی کہ جس کو جیب خرچ کہتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرنے پر مجبور ہوگی اس صورت میں اس پر تشدد کرنا ایک گونہ ظلم اور بے حیثی ہے یہ طریقہ ہے صحیح معاشرت کا اس میں جانبین کا دین محفوظ رہ سکتا ہے مگر ہم لوگوں کے رسم و رواج کچھ ایسے خراب ہو گئے ہیں کہ اگر اب ایسا کیا جاوے کہ گھر کی چیزوں کو الگ الگ میاں بیوی کے نامزد کیا جاوے تو ایک اچنبھے کی بات معلوم ہوگی اور سب ناک بھوں چڑھانے لگیں گے تمام کنبہ اور برادری میں چرچا ہونے لگے گا۔ چنانچہ ہمارے یہاں ایک بی بی نے ایک کٹورا ہدیہ دیا تو میں نے پوچھا یہ تم نے کس کو دیا ہے مجھ کو یا گھر کے لوگوں کو تو اب سوچنے لگیں کہ کیا جواب دوں کیونکہ وہ تم رسم و رواج کے موافق اس واسطے لائی تھیں کہ گھر میں کام آوے گا اس سے کیا بحث کہ کس کی ملک ہوگا جب وہ پہلے سے نیت کر کے لائی ہی نہ تھیں تو میرے سوال کے جواب میں کیا کہتیں؟ آخر بہت سوچنے کے بعد یوں کہا جی میں نے تو دونوں کو دیا ہے میں نے کہا خیر یہی معلوم ہو گیا کہ یہ کٹورا مشترک ہے، اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے یہاں ایک چیز بھی گول مول نہیں مثلاً چار پائیاں گھر میں ہیں ان میں ایک چار پائی میری ہے ایک دوست نے ایک اچھی سی چار پائی دی تھی اس کو میں نے اپنے نام کر لیا ہے باقی چار پائیاں گھر کے لوگوں کی ہیں اسی طرح ہر چیز بٹی ہوئی ہے یوں برتنے میں سب کے آتی ہیں مگر یہ تو معلوم ہے کہ یہ ملک کس کی ہے موت حیات سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اگر کوئی آدمی گھر میں سے کم ہو جائے تو صاف معاملہ کی صورت میں گڑبڑ تو نہ ہوگی کہ یہ چیز کس کی ہے اور یہ کس کی وہ کہے فلانے کی ہے وہ کہے فلانے کی۔ سارے گھروں میں یہ انتظام ہونا چاہئے اور اس سے جو لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور بُرا مانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسم عام نہیں ہے اگر ایک دو آدمی

ایسا کرتے ہیں تو نئی سی بات معلوم ہوتی ہے اگر یہی رسم عام ہو جاوے تو نہ کوئی بُرا مانے گا نہ اس سے وحشت ہوگی اور اسکے فوائد دیکھ کر سب قائل ہو جاویں گے اور تحسین کرنے لگیں گے زیور میں بھی یہی چاہئے کہ جب بنوایا جاوے تو تصریح کر دی جاوے صاف کہہ دیا جاوے کہ بیوی تمہاری ملک ہے اور اگر انکی ملک کرنا نہیں ہے تو صاف کہہ دیا جاوے کہ ملک میری ہے اور تمہارے واسطے عاریت ہے صرف پہننے کی اجازت ہے اب جو ایسا نہیں کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیور کے متعلق جو حقوق شرعی ہیں ان میں یہی کوتاہی ہوتی ہے مثلاً زکوٰۃ کہ میاں بے فکر ہیں کہ میرے کام میں تھوڑا ہی آ رہا ہے میرے اوپر زکوٰۃ کیوں ہو اور بیوی بے فکر ہیں کہ میری ملک تھوڑا ہی ہے نتیجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کوئی بھی نہیں دیتا، جب خاوند کھسک گئے تو اب بیوی صاحب کہتی ہیں کہ یہ میری ملک ہے انہوں نے مجھے دیدیا تھا عجیب بات ہے کہ یہ زیور تمام عمر تو پہننے کے لئے تھا اس لئے زکوٰۃ شوہر کے ذمہ واجب کی جاتی تھی اور بعد مرنے کے مالک بننے کے لئے بیوی صاحب موجود ہیں غرض خرچ کے لئے تو خاوند مالک اور آمدنی کے لئے بیوی یہ خرابی کا ہے سے پیدا ہوئی۔ صرف اس وجہ سے کہ ملک علیحدہ نہیں کی گئی اور اگر بنوانے کے بعد ہی تصریح کر دی جاتی کہ یہ کس کی ملک ہے تو یہ کوتاہی نہ ہوتی اور زکوٰۃ دینے کے وقت یہ حیلہ بھی ذہن میں نہ آتا کہ ہر چیز میری تھوڑا ہی ہے بس معاملہ صاف ہونا چاہئے۔ اگر زیور بیوی کی ملک کر دیا گیا ہے تو زکوٰۃ اسی کے ذمہ ہوگی اور اگر عاریۃ دیا گیا ہے تو زکوٰۃ خاوند کے ذمہ ہوگی (یہ اور بات ہے کہ بیوی کی طرف سے بھی اس کی اجازت سے خاوند ادا کر دے زکوٰۃ اس طرح بھی ادا ہو جاتی ہے۔ کاتب) (کساء النساء ج ۲۰)

## مسئلہ حق العبد

ایک خرابی اور لیجئے کہ زیور ہزاروں روپے کا بی بی صاحب کو دیئے جاتے ہیں مگر یہ تصریح نہیں کرتے ہیں یہ زیور مہر بھی محسوب ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی کو سب کچھ دیدیا مگر مہر کا ایک پیسہ بھی ادا نہیں ہوا، لاکھ روپے خرچ ہو گئے مگر قرض دار کے قرض دار ہی رہے جو حق العبد ہے اور حق العبد کا جو نتیجہ ہے وہ آپ سن چکے ہیں کہ تین پیسہ کے بدلہ سات سو مقبول نمازیں چھین لی جائیں گی۔ پھر یہ کیا عقلمندی ہوئی کہ خرچ تو دیں مہر سے زیادہ ہو گیا مگر قرضہ بدستور ذمہ باقی رہا۔ ہاں جب دنیا میں مہر کا مطالبہ ہوتا ہے کہ بیوی مر گئیں اور

وارثوں نے مہر کا دعویٰ کیا یا طلاق کا اتفاق ہوا اور بیوی نے مہر کا دعویٰ کیا تو اب شوہر صاحب کہتے ہیں کہ یہ سب زیور میں نے مہر میں تو دیا تھا کوئی اس سے پوچھے کہ خدا کے بندے خدا تو نیت کو جانتا ہے بندوں کی نیت کی کیا خبر؟ تو نے کب کہا تھا کہ یہ زیور مہر میں ہے یوں تم کسی کو لاکھ روپے بخش دو۔ اگر اس کا ایک پیسہ آپ کے ذمہ قرض ہے تو وہ تمہارے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ قرض جب ادا ہوتا ہے جب یہ کہہ کر دو کہ یہ قرض کی رقم ہے تو اگر زیور مہر میں دینا ہے تو دیتے وقت تصریح کر دینا چاہئے کہ یہ مہر میں ہے اور اس کا حساب لکھو یا ذہن میں رکھو۔ غرض گول مول بات کیوں رکھتے ہو یہ حقوق کا معاملہ ہے ایک پیسہ بھی رہ جائے گا تو قرض ہی رہے گا غرض جو کام ہو باضابطہ ہو گول مول نہ ہو۔ (کساء النساء ج ۲۰)

## مسئلہ مساوات مرد و زن

لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ نا انصافی ہے کہ ایک صنف کو دوسری صنف سے گھٹا دیا جائے۔ بیسیو! تمہارا بائیں طرف رہنا ہی سلامتی کی بات ہے ہر چیز اپنے موقع پر اچھی ہوتی ہے۔ سر کی چیز سر ہی پر اچھی ہوتی ہے اور پاؤں کی چیز پاؤں میں اور اس میں سلامتی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت میں عقل کم ہوتی ہے اور جس میں عقل کم ہو اس سے ہر کام میں غلطی کرنے کا احتمال ہے لہذا اس کے واسطے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ زیادہ عقل والے کا تابع ہو، اسی واسطے حق تعالیٰ نے مردوں کو ان پر حاکم بنایا چنانچہ فرماتے ہیں:

الرجال قوامون على النساء (مرد عورتوں پر حاکم ہیں)

تاکہ ان کے کام سب انکی نگرانی میں ہوں اور غلطی سے حفاظت رہے اس کا نام سختی نہیں ہے بلکہ یہ تو عین عدل و حکمت و شفقت ہے دیکھو بچے ناقص العقل ہوتے ہیں اب اگر ان کو خود سر بنا دیا جاوے اور وہ کسی کے تابع ہو کر نہ رہیں تو اس کا کیا انجام ہوگا؟ پس یہ حق تعالیٰ کی نہایت رحمت ہے کہ عورتوں کو خود سر نہیں بنایا ورنہ ان کا کوئی کام بھی درست نہ ہوتا دین اور دنیا سب کاموں میں ان سے غلطیاں ہوا کرتیں خود سری میں بڑی مصیبت ہے۔ (ایضاً)

## حقوق والد و پیر

مردوں میں مشہور ہے کہ باپ کا رتبہ اتنا نہیں جتنا پیر کا رتبہ ہے اس پر ان کے پاس

کوئی شرعی دلیل نہیں محض قیاس ہے جس کے مقدمات یہ ہیں لغوی باپ سے تو جسمانی فیض ہوا ہے اور پیر سے روحانی فیض ہوا ہو اس کا رتبہ اس باپ سے زیادہ ہونا چاہیے جس سے جسمانی فیض ہوا ہو۔ ان میں سے یہ مقدمہ تو مسلم ہے کہ پیر روحانی باپ ہے مگر یہ مقدمہ مسلم نہیں کہ روحانی باپ کا رتبہ جسمانی باپ سے زیادہ ہے اس واسطے کہ شریعت میں باپ کے حقوق جو کچھ آئے ہیں۔ ان کو سب جانتے ہیں اور یہ حقوق اسی کے ہیں جس کو عرفاً باپ کہا جاتا ہے۔ پس بدوں حکم شرعی محض تخمینی مقدمات سے فضیلت کا حکم کرنا کیسے صحیح ہے۔ اصل بات صرف اتنی ہے جو باپ حقیقتہً باپ ہے وہ باعتبار دنیا کے باپ ہے۔ اور پیر باعتبار دین کے باپ کہا جاتا ہے پس حقیقی باپ کی طرف دنیا کے حقوق راجع ہوتے ہیں اور پیر کی طرف دین کے حقوق راجع ہوتے ہیں۔ ان میں خلط ملط کر دینے سے غلطی پیدا ہوتی ہے۔ اب فیصلہ یہ ہے کہ دنیاوی باتوں میں باپ کا حکم مقدم ہے اور دین کی باتوں میں پیر کا۔ اگر پیر دین کی کسی بات کا حکم کرے اور باپ اس سے منع کرے تو ترجیح پیر کے حکم کو ہوگی مثلاً پیر کہتا ہے کہ اس وقت نماز فرض پڑھو اور باپ کہتا ہے کہ یہ وقت دنیا کے فلاں کام کا ہے اس میں حرج ہوگا اس وقت نماز مت پڑھو تو پیر کا حکم مقدم ہوگا اور درحقیقت اس کو پیر کا حکم کیوں کہا جاوے یہ تو خدا کا حکم ہے پیر تو صرف بتانے والا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ خدا کا حکم سب کے حکموں سے مقدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تقدم ان ہی احکام میں ہوگی جو خدا تعالیٰ کا حکم ہے یعنی مامور بہ ہے اور نوافل وغیرہ میں نہیں ہوگی اس میں باپ کی اطاعت پیر سے مقدم ہے کیونکہ نوافل من جانب اللہ مامور بہ نہیں محض مرغوب فیہ نہیں اور اگر یہ پیر یہ کہتا ہے کہ فلاں جگہ شادی کر لو اور باپ کہتا ہے کہ وہاں شادی مت کرو تو اس صورت میں باپ کا حکم مقدم ہوگا۔ خوب سمجھ لو گڑبڑ مت کرو ہر چیز کو اس کے درجہ میں رکھو افراط تفریط نہ کرو۔ (کساء النساء ج ۲۰)

صرف نان نفقہ ہی عورت کا حق نہیں ہے بلکہ یہ بھی حق ہے کہ اسکی دلجوئی کی جائے حدیث میں استَوْضُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ یعنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس مثل قیدی کے ہیں اور جو شخص کسی کے ہاتھ میں قید ہو ہر طرح اس کے بس میں ہو اس پر سختی کرنا جو انمردی کے خلاف ہے۔ دلجوئی کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بات ایسی نہ کرو جس سے اس کا دل دکھے، دل کو تکلیف ہو بیسیو! اس سے زیادہ اور وسعت کیا چاہتی ہو۔



نان نفقہ وغیرہ ضابطہ کے حقوق کو تو سب جانتے ہیں اور وہ محدود حقوق ہیں لیکن دلجوئی ایسا مفہوم ہے جس کی تحدید نہیں ہو سکتی کہ جس بات سے عورتوں کو اذیت ہو وہ مست کرو بھلا اسکی تحدید کیسے ہو سکتی ہے۔ اب کہا جاسکتا ہے کہ عورت کے حقوق غیر محدود ہیں اس حدیث میں ایک اور نکتہ پر متنبہ کرتا ہوں کہ لفظ عواہن سے پردہ بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ مقید ہی ہو کر رہنے کا نام تو پردہ ہے نیز پردہ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کا منشاء حیا ہے اور حیا عورت کے لئے امر طبعی ہے اور امر طبعی کے خلاف پر کسی کو مجبور کرنا باعث اذیت ہے اور اذیت پہنچانا دلجوئی کے خلاف ہے۔ پس عورتوں کو پردہ میں رکھنا ان پر ظلم نہیں ہے بلکہ حقیقت میں دلجوئی ہے اگر کوئی عورت اس کو بجائے دلجوئی کے ظلم سمجھے تو وہ عورت نہیں اس سے اس وقت کلام نہیں یہاں ان عورتوں سے بحث ہے جن میں عورتوں کی فطری حیاء موجود ہو، بے حیاءوں کا ذکر نہیں افسوس ہم ایسے زمانہ میں ہیں جس میں فطری امور کو بھی دلائل سے ثابت کرنا پڑتا ہے۔ (کساء النساء ج ۲۰)

### خرچ زوجہ

بعض لوگ ضرورت کھانے پینے میں بھی عورت پر تنگی کرتے ہیں اور اسی کے لئے اصول مقرر کرتے ہیں مثلاً چار آنے روز سے زیادہ نہ دیں گے چاہے کوئی مہمان آوے یا کوئی بیمار ہو جاوے بات بات پر کہتے ہیں کہ بس اس سے زیادہ نہ ملے گا بھلے مانس عورت تو اہل وصول ہے اہل وصول نہیں ہے۔ تم بڑے اہل اصول ہو تو ذرا اپنی ذات کے لئے پابندی کر کے دکھلاؤ اپنے واسطے تو کوئی رقم دو آنہ چار آنہ یا روپیہ کی مقرر کرو کہ اس سے زیادہ کسی حال میں خرچ نہ کرو گے خواہ بیماری ہو یا شادی یا غمی ہو یا کوئی آفت ناگہانی مثلاً کوئی مقدمہ آپ کے سر پڑ جاوے پھر دیکھیں کہ آپ اصول کی پابندی کہاں تک کرتے ہیں سب اصول رکھے رہ جائیں گے ذرا اسی دیر میں سینکڑوں روپیہ پر پانی پھر جاوے گا پھر غریب بیوی کے ساتھ ہی کیوں اصول بگھارتے ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عورتوں کو فضول خرچی کی اجازت دیدی جاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے جتنی وسعت تم کو دی ہے جیسا تم اپنی ذات کے لئے خرچ کرتے ہو ویسا ہی اس کو بھی خرچ کرنے دو شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو راحت دو اس کو پریشان اور تنگ مت کرو نان نفقہ فراغت کے ساتھ اس کی دلجوئی کرو اس کی بہت سی ایذاؤں پر صبر کرو۔ (کساء النساء ج ۲۰)

## حقیقت حق

حدیث میں ہے: کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا)

مرد اپنے خاندان میں اپنے متعلقین میں حاکم ہے۔ قیامت میں پوچھا جائے گا کہ محکومین کا کیا حق ادا کیا اور خض نان و نفقہ ہی سے حق ادا نہیں ہوتا کیونکہ یہ کھانا پینا تو حیات دنیا تک ہے آگے کچھ بھی نہیں اس لئے صرف اس پر اکتفا کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا چنانچہ حق تعالیٰ نے صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔

کہ اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اپنے اہل کو دوزخ سے بچاؤ یعنی انکی تعلیم کرو حقوق الہی سکھاؤ ان سے تعمیل بھی کراؤ۔ جب قدرت ہو اس میں آپ معذور نہ ہوں گے کہ ایک دفعہ کہہ دیا رسم کے طور پر پھر چھوڑ دیا۔ آپ ایک دفعہ کہنے میں سبکدوش نہ ہوں گے اگر یہی مزاق ہے تو کھانے میں اگر نمک تیز کر دیں تو اس وقت بھی اسی مزاق پر عمل کیا جائے ایک بار کہہ دیا کہ بی بی اتنا تیز نمک ہے کہ کھایا نہیں جاتا یہ کہہ کر فارغ ہو جائے۔ پھر اگر ایسا اتفاق ہو تو کچھ نہ کہیئے حالانکہ وہاں ایسا نہیں کرتے بلکہ اس پر ناراض ہوتے ہیں اگر پھر کرے تو مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں وجہ یہ ہے کہ وہاں سکوت سے ضرر سمجھا جاتا ہے اور دین کے معاملہ میں یوں کہہ دیتے ہیں کہ جیسا کرے گی ویسا بھرے گی اور غور سے دیکھئے تو وہاں ضرر ہی کیا پہنچا صرف یہ کہ کھانا بگڑ گیا اور کیا زیادہ بات ہوئی.....؟ یہاں تو دین کا ضرر ہے..... بس اب سمجھ لیجئے!

جیسے سکوت سے وہاں آپ کا ضرر ہے۔ سکوت سے یہاں بھی آپ کا ضرر ہے۔ کہ ان کے متعلق آپ سے باز پرس ہوگی یہ کیا تھوڑا ضرر ہے اب دوسرے مزاق کے اعتبار سے اور گفتگو کرتا ہوں کوئی آپ کا چاہتا بچہ ہو وہ دوانہ پئے تو آپ زبردستی دوا پلاتے ہیں بے مروتی گوارا کرتے ہیں اگر ویسے نہ پئے تو چمچہ سے اس کے منہ میں ڈالتے ہیں اس خیال سے کہ یہ تو بیوقوف ہے، نادان ہے، انجام پر اس کی نظر نہیں مگر ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے وہاں اس کو آزاد نہیں چھوڑتے ہر طرح سے اس کی حفاظت رکھتے ہیں سو کیا وجہ ہے کہ وہاں تو اس مزاق سے کام لیا جاتا اور یہاں نہیں لیا جاتا۔ سچ یوں ہے کہ مردوں نے بھی دین کی ضرورت کو ضرورت نہیں سمجھا کھانا ضروری، فیشن ضروری، ناموری ضروری، مگر غیر ضروری ہے تو دین۔

دنیا کی ذرا ذرا سی مضرت کا خیال ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتے اگر دین کی مضرت پہنچ گئی تو کیسا بڑا نقصان ہوگا۔ پھر وہ مضرت اگر ایمان کی حد میں ہے، تب تو چھٹکارا بھی ہو جاوے گا مگر نقصان جب بھی ہوگا گودائی نہ ہو اور اگر ایمان کی حد سے بھی نکل گئی تو ہمیشہ کا مرنا ہو گیا اور تعجب ہے کہ دنیا کی باتوں سے تو بے فکری نہیں ہوتی مگر دین کی باتوں سے کس طرح بے فکری ہو جاتی ہے ایک بزرگ نے فرمایا ہے

چوں چنینں کارے ست اندر رہ ترا خواب چوں می آید اے ابلہ ترا

(جب راہ میں ایسا کام ہے تو بے وقوف تجھ کو نیند کیونکر آتی ہے) (العالمات الغافلۃ ج ۲۰)

## نکاح میں تناسب عمر

آج کل عورتوں کے حقوق میں لوگوں نے بہت کوتاہی کر رکھی ہے مثلاً بچی کا نکاح بوڑھے سے کر دیتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر شوہر پہلے مر جاتا ہے پھر لڑکی کی مٹی خراب ہوتی ہے اور کہیں دوسری طرح ظلم ہوتا ہے کہ بچہ سے جوان عورت کا نکاح کر دیتے ہیں اور اس مرض کا مجھے اب تک گواجمالاً علم تھا مگر تفصیلاً نہ تھا یعنی جس درجہ پر وہ پہنچا ہوا ہے اس کا علم نہ تھا ایک واقعہ جو یہاں ہوا اس سے اس مرض کا پتہ چلا اور ایک بزرگ کے آنے سے اس پر زیادہ توجہ ہوئی وہ یہ کہ ایک نکاح یہاں ہوا ہے لالہ چھوٹا بہو بڑی کہ دونوں کی عمر میں اتنا تفاوت تھا کہ اگر اس عورت کے پہلوٹا لڑکا ہوتا تو شاید وہ اس کے برابر ہوتا مجھے یہ ناگوار ہوا مگر وہ ناگواری اس وجہ سے نہ تھی کہ وجوب یا حرمت تک پہنچی ہوئی ہو بلکہ صرف کراہت طبعی اور عقلی تھی کہ تناسب بین العمرین اگر ہو تو اس سے موانست ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

فَاصِرَاتِ الطُّرَفِ أَتَرَابِ (بچی نگاہ والی ایک عورت)

کہ حوروں کی ہیئت ایسی ہوگی جیسے ہم عمر ہوتے ہیں۔ دوسری آیت میں ہے اِنَّا اَنْشَاْنَاهُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَهُنَّ اَبْكَارًا غُرُبًا اَتْرَابًا لَا صَحْبَ الْيَمِينِ۔

(ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو اچھے اٹھان پر پھر کیا ان کو کنواریاں پیار دلانے والی ہم عمر) غرض تفاوت عمر کا اثر اجنبیت ہوتی ہے۔ آپ دیکھئے بچہ سے بچہ کو جیسی محبت ہوتی ہے بڑے سے نہیں ہوتی۔ ایک حکایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وقت کی لکھی دیکھی ہے کہ:

ایک لڑکانالی میں گھس گیا اور وہاں آپ ہنسنے لگے کوئی تدبیر نکالنے کی نہ تھی کیونکہ جتنا بلاتے اور نکالنا چاہتے وہ اور اندر گھسا جاتا تھا یہاں تک کہ نیچے گر پڑنے کا اندیشہ ہوا لوگ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو۔ ایک دوسرے لڑکے کو اس کے پاس بٹھلا کر کھیل میں مشغول کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، بچہ کو کھیلتا دیکھ کر یہ بھی بدرو سے نکل آیا اور اس کے ساتھ کھیلنے لگا۔ (فضل الجالبیہ ج ۲۰)

## نکاح کا جو اثر زوجہ پر ہوتا ہے اس سے بھی ہم کو سبق لینا چاہیے

اب نکاح کا ایک اور اثر جو لڑکی پر ہوتا ہے وہ یہ کہ نکاح سے پہلے تو لڑکی کا گھر وہ تھا جو اس کے ماں باپ کا گھر تھا اور اس کے دوست وہ لوگ تھے جو باپ ماں کے دوست تھے اور دشمن وہ تھے جو اس کے باپ ماں کے دشمن تھے مگر نکاح ہو جانے کے بعد ہی سے وہ کم عمر لڑکی جس کو دنیا کی ہوا بھی نہیں لگی آج ہی سے اپنی زندگی میں ایسا انقلاب عظیم کر لیتی ہے کہ آج سے اس کا گھر وہ ہے جو شوہر کا گھر ہے اور اس کا دوست وہ ہے جو شوہر کا دوست ہے اور دشمن وہ ہے جو اس کے شوہر کا دشمن ہے یہاں تک کہ اگر کبھی خدا نخواستہ اس کے باپ اور شوہر میں جھگڑا ہو جائے تو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی اپنے باپ کا ساتھ نہیں دیتی بلکہ اس کا گوشہ خاطر اس وقت بھی شوہر کی طرف ہوتا ہے۔ صاحبو! ایک کم عمر لڑکی اپنے شوہر کے تعلق کا یہ حق ادا کرتی ہے اور اس کی وجہ سے ایسا انقلاب اپنی زندگی میں کر دیتی ہے افسوس آپ مرد ہو کر خدا کے تعلق کا اتنا حق بھی ادا نہیں کرتے کہ خدا سے تعلق رکھنے والوں کو یگانہ و آشنا سمجھو اور جو اس سے بے تعلق ہو اس کو بیگانہ و نا آشنا سمجھو۔ خدا کے دوستوں کو اپنا دوست اور اس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھو، افسوس آپ اس کم سن لڑکی سے بھی گئے گزر رہے۔

صاحبو! محبت کا یہ بہت بڑا حق ہے اس کو ادا کرو آج کل اس میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے بس آپ کی تو یہ شان ہونا چاہئے

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد      فدائے ایک تن بیگانہ کا شنا باشد  
(ہزاروں عزیز و اقارب جو حق سبحانہ تعالیٰ سے بیگانہ نہیں، اس ایک شخص پر قربان جائیں جس کو تعلق مع اللہ نصیب ہے) (غایۃ التجاح فی آیۃ النکاح ج ۲۰)

## میاں بیوی میں کبھی شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے

تعلق نکاح کا ایک اور اثر سنئے اور اس سے بھی سبق لیجئے کیونکہ واقعی یہ تعلق ایسا پاکیزہ



ہے کہ بلاشبہ دنیا میں یہ تعلق مع اللہ کی نظیر ہے وہ اثر یہ ہے کہ میاں بیوی میں چاہے کیسی ہی لڑائی ہو جائے مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر پوری صفائی ہو جاتی ہے اور ایسی صفائی ہوتی ہے کہ پہلے رنج کا مطلق کوئی اثر باقی نہیں رہتا اس سے یہ سبق لیجئے کہ جب ایک تنگ ظرف کی یہ حالت ہے کہ محبت اور تعلق کے بعد اگر کچھ اس کو ناگواری پیش آ جائے تو ذرا سی دیر میں اس کو دل سے نکال دیتی اور دل کو صاف کر لیتی ہے کہ ذرا اس کے دل میں کینہ نہیں رہتا بلکہ مثل سابق بدستور شوہر کی خیر خواہ جان نثار ہو جاتی ہے تو کیا نعوذ باللہ اگر آپ سے تعلق مع اللہ کے بعد کوئی گناہ یا خطا سرزد ہوگی تو بعد تو بہ استغفار کے وہ تعلق کو بحال نہ کریں گے اور نعوذ باللہ تم سے کینہ رکھیں گے۔ حالانکہ وہ غیر متاثر ہیں کہ کسی کی نافرمانی و مخالفت سے ان کو بے اختیار ہو کر غصہ نہیں آتا۔ بلکہ ان کا غضب و رحمت سب اختیاری ہے پھر انکی شان یہ ہے۔ سبقت رحمتی علی غرضی! کہ رحمت غصہ پر غالب ہے تو کیا تم نے خدا کو نعوذ باللہ کم حوصلہ سمجھ لیا ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں پس اس کا تصور کیا کرو جیسے میاں بیوی میں شکر رنجی کے بعد بہت جلد صفائی ہو جاتی ہے یوں ہی حق تعالیٰ سے تعلق کے بعد اگر کچھ کوتاہی ہو جائے تو بعد تو بہ و معذرت کے وہ تعلق کو ویسا ہی بحال کر دیں گے اس کو سوچ کر دیکھو بہت نفع ہوگا۔ (غالبہ التجار فی آیۃ الزکاح ج ۲۰)

## مرد بیوی کی باتوں کا بہت تحمل کرتا ہے

میاں بیوی کے تعلقات میں ایک بات یہ ہے کہ بعض دفعہ میاں کو بیوی کی جہالت و نادانی سے تکلیف بھی ہوتی ہے تو وہ تحمل کرتا ہے خاص کر بیوی محبوبہ بھی ہو تو اس کے ہر امتحان پر تحمل کیا جاتا اور اس کے ناز و نخروں کو برداشت کیا جاتا ہے پھر یہ کیا غضب ہے کہ حق تعالیٰ کے امتحانات کا تحمل نہ کیا جائے کہ اگر کبھی وہ بیمار کر دیں یا ماں کا نقصان کر دیں یا کسی عزیز کو موت دے دیں تو اس پر ناگواری ظاہر کی جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ظاہری تکلیف بھی نہ ہو اور طبعی رنج بھی نہ ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عقلاء کو رنج و شکایت نہ ہونا چاہئے بلکہ عقلا کو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ویسا ہی راضی اور خوش رہنا چاہئے جیسا انعامات اور راحت کے وقت خوش رہتے ہو مولانا فرماتے ہیں۔

تو بیک زخمی گریزانی ز عشق تو بخیر نامے چہ میدانی ز عشق

(تم ایک ہی چہ کہ میں عشق کو خیر باد کہنے لگے تم سوائے عشق کے نام کے اور کچھ نہیں جانتے) (ایضاً)

## حقوق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو اقسام

حقوق الرسول کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ حق جو خود ذات رسول کی طرف راجع ہے جیسے کوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مال کی چوری کر لے یا ان کو کوئی اذیت پہنچائے دوسرے وہ کہ انہوں نے جو احکام الہی تعلیم فرمائے ہیں ان کی مخالفت کرے قسم اخیر کو حق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنا مجاز اہوگا اس لئے کہ وہ احکام خود رسول کے بنائے ہوئے نہیں ہاں بتائے ہوئے ہیں شارع تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں اور پہلی قسم حقیقیہ حق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے پس صحابہؓ کی کوتاہی قسم ثانی سے ہے جو حقیقیہ اللہ تعالیٰ کا حق اور مجاز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے تو اس کوتاہی کو اللہ تعالیٰ خود معاف کر سکتے تھے چنانچہ کر بھی دیا چنانچہ ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ لَیْکِنْ کیا انتہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا کہ آپ سے بھی فرمائش ہے کہ ہم نے تو معاف فرمادیا آپ بھی معاف فرمادیں اگر کوئی کہے جبکہ وہ کوتاہی محض حق اللہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف بھی کر دیا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاف کرانے کے کیا معنی اور وہ کون چیز باقی رہ گئی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معافی متعلق ہوگی۔ بات یہ ہے کہ ایک تو توبہ ہے دوسرے تکمیل توبہ تو حق تعالیٰ کے معاف فرمانے سے توبہ تو متحقق ہوگئی لیکن تکمیل اس توبہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف کرنے سے ہوگی۔ (التوکل ج ۲)

## بیوی بچوں کو چھوڑ کر حجرہ سنبھالنا معصیت ہے

خوب سمجھ لو کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر حجرہ سنبھالنا محبت الہی نہیں بلکہ معصیت حق ہے محبت الہیہ ان کو چھوڑنے کا امر نہیں کرتی بلکہ پہلے سے زیادہ ان کی دل داری دلجوئی کا امر کرے گی۔ (الفصل والافتصال ج ۲)

## حقوق العباد کا اہتمام حقوق اللہ سے زیادہ ہے

حدیث شریف میں آیا ہے۔ وَدِیْوَانُ لَا یَتْرُکُہُ اللّٰهُ ظَلَمَ الْعِبَادَ فِیْمَا بَیْنَهُمْ حَتّٰی یَقْتَصَّ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِیْوَانُ لَا یُعْبَا اللّٰهُ بِظَلَمِ الْعِبَادَ فِیْمَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ اللّٰهِ فَذَٰکَ اِلٰی اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَذَابُہٗ وَاِنْ شَاءَ تَجَاوَزَعْنٰہُ۔ یعنی حق اللہ

معاف ہو سکتا ہے لیکن حق العباد بدوں ادا کئے چارہ نہیں اور اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ حق اللہ کا اہتمام نہ کرنا چاہئے کیونکہ ان شاء ارشاد ہے یعنی اگر اللہ چاہے تو معاف کر دے گا معافی کا حتمی وعدہ نہیں ہے جس کی بنا پر حقوق خداوندی سے بے پرواہی کا فتویٰ دیا جاسکے اور حقوق مالیہ زیادہ قابل اہتمام ہیں کیونکہ حرام مال سے خیرات قبول نہیں اور کھانے پینے یا کپڑے میں حرام صرف کر کے نماز قبول نہیں ہوتی نہ حج قبول ہوتا ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں امید ہے کہ اس مختصر معروض کو قبول کر کے اس ظلم عام کی رفع کی طرف توجہ منعطف فرمائیں گے تفصیل کا یہ محل نہیں ۲ (جامع) (شفاء الہی ج ۲۱)

## باپ کے مرجانے کے بعد اس کا حق

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کے مرجانے کے بعد اس کا حق میرے ذمہ کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے دوستوں کے ساتھ احسان کرو اور جو قرابت اس کی وجہ سے ہے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو تو جب دوستوں کے ساتھ احسان کرنے سے بھی باپ کا حق ادا ہوتا ہے تو اس کی اولاد کے ساتھ احسان کرنے سے اس کا حق کیونکر نہ ادا ہوگا۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

## حقوق اللہ کی ادائیگی ذکر اللہ حقیقی ہے

ذکر اللہ حقیقی اور ذکر اللہ کا فرد کامل یہی ہے ذکر لسانی بھی ذکر اللہ کا ایک فرد ہے مگر ناقص اور صرف صوری۔ ہاں اگر دونوں جمع ہو جائیں یعنی ادائے حقوق کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو سبحان اللہ درجہ اکمل ہے۔ غرض اس آیت میں ذکر اللہ کو ہمارے مرض کا علاج قرار دیا گیا اجمالاً سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ذکر اللہ کتنے معنوں کو حاوی ہے اگر آپ غور سے دیکھئے تو ظاہر ہو جائے گا کہ کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو اس میں نہ آگئی ہو۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

## حقوق اللہ کی اقسام

حقوق اللہ کی بہت قسمیں ہیں جیسے عقائد اعمال اخلاق معاملات حقوق الناس۔

(تفصیل الذکر ج ۲۲)

## حقوق العباد حقوق اللہ کی قسم ہے

حقوق الناس کے لفظ پر کوئی صاحب یہ شبہ نہ کریں کہ حق العباد اور چیز ہے اور حق اللہ اور چیز۔ وہ بندوں کی طرف منسوب ہے وہ اللہ کی طرف اور دونوں کے احکام میں فرق ہے۔ حق اللہ توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے اور حق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔ (اگر ایسا ہوتا تو پھر کیا تھا بڑی سہولت ہوتی کسی کا مال چھین لیا اور ہضم کر لیا پھر توبہ کر لی) حق العباد میں صاحب حق کے معاف کرنے کی ضرورت ہے حتیٰ کہ حج اور شہادت سے بھی اس سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔ پس جب حقوق العباد تقسیم ہیں حقوق اللہ کی تو تم نے اس کو قسم کیسے بنادیا۔ حل اس شبہ کا یہ ہے کہ پوچھا جاتا ہے کہ بندوں کے حقوق کہاں سے پیدا ہوئے بندہ خود مخلوق اور مملوک ہے تو اس کے حقوق اس کے پیدا کردہ تو ہو نہیں سکتے دوسرے کے عطا کردہ ہوں گے۔ یعنی حق تعالیٰ کے حقوق العباد وہ حقوق ہوئے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کر دیا۔ نظیر اس کی یہ ہے کہ کہتے ہیں یہ گھر فلاں شخص کا ہے ظاہر ہے کہ کہنے والے کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس کی ذاتی ملک ہے بلکہ ملک حقیقی حق تعالیٰ کی ہے ہاں حق تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس کو مالک بنادیا ہے اس سے حق تعالیٰ کی ملک سے گھر نکل نہیں گیا حالانکہ تمام حقوق مالکانہ دنیا میں اسی شخص کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اسی طرح حقوق العباد حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کیلئے مقرر ہوئے ہیں۔ (ایضاً)

## حق العبد کی اہمیت

ہر شخص سے قیامت کے دن ہر ایک دانگ کے بدلے جو تین پیسے کا ہوتا ہے سات سو مقبول نمازیں چھین لی جائیں گی۔ یہ حالت اگر لوگوں پر منکشف ہو جائے تو کوئی اس کے معمولی کھانے کو بھی گوارا نہ کرے۔ چہ جائیکہ ولیمہ کرنا جب اس مال میں سے ایک مسنون رسم ادا کرنے کا یہ حکم ہے تو ان رسموں کا حال قیاس کر لیجئے جو رسوم کفار ہونے سے فی نفسہ بھی قبیح (بری) ہیں جن کا ادا کرنا اپنی ملک میں سے بھی جائز نہیں۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

## حقوق العباد کی ادائیگی درویشی میں داخل ہے

کیا حقوق العباد کا اہتمام درویشی سے خارج ہے یہ بھی درویشی میں داخل ہے چنانچہ



کسی نے امام محمد صاحب سے کہا کہ حضرت آپ نے سب فنون میں کتابیں لکھی ہیں اور فن تصوف میں کوئی تصنیف نہیں ہے امام محمد صاحب کی نو سونانوے یعنی ایک کم ہزار تصانیف ہیں، فرمایا کہ میاں لکھی تو ہے پھر ایک فقہ کی کتاب کا نام لیا اور فرمایا کہ کیا یہ کتاب لکھی نہیں، تصوف میں سائل نے کہا حضرت یہ تو فقہی کتاب ہے فرمایا میاں یہ بھی تصوف ہے اس کے ذریعے سے حلال و حرام کی تمیز ہوگی، حرام سے بچیں گے اس سے نور پیدا ہوگا، علم و عمل کی توفیق ہوگی اور اس سے قرب الہی نصیب ہوگا۔ یہی تو تصوف ہے اور تصوف میں کیا رکھا ہے اسی طرح ریلوے مسائل کی تحقیق بھی تصوف ہی ہے۔ مقصود ان کی تحقیق سے یہ ہے کہ کسی کا حق اپنے ذمہ نہ رہے اس زمانہ میں تو بڑے بہادر لوگ ہوئے ہیں جو بلا ٹکٹ سفر کرتے ہیں پرانے لوگ بھی دعا فریب کرتے تھے مگر ان کا مکر سادہ ہوتا تھا جو چھپتا نہیں تھا چنانچہ ایک سفر میں دو آدمی ساتھ ہوئے، ایک نے تو ٹکٹ لیا اور دوسرے کو اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے بستر میں باندھ کر اسباب بنا کر سر پر رکھ کر چلے۔ جب بابو کو ٹکٹ دینے لگے اتفاق سے جو بستر میں بندھا ہوا تھا اس کو چھینک آئی، بابو نے کہا اسباب میں چھینک کیسی، پھر ان کو گرفتار کر لیا تو پرانے لوگوں کو مکر نہ آتا تھا اور یہ نئی روشنی والے بڑے استاد ہیں یہ تو مکر کے فن داں ہیں بالخصوص جنٹل مین ان کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں کہ تمہارے پاس ٹکٹ ہے یا نہیں کیونکہ قیمتی اور فیشن کا لباس دیکھ کر بابو ان سے یہ کہتے ہوئے شرماتا یا بعض دفعہ ڈرتا ہے کہ ٹکٹ لاؤ حالانکہ سب سے زیادہ یہی لوگ بے ٹکٹ سفر کرتے ہیں مگر لباس کی وجہ سے کوئی ان کو نہیں پوچھتا اور غریب و سادہ لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ ٹکٹ دکھاؤ حالانکہ یہ لوگ بے ٹکٹ سفر نہیں کرتے اسی وجہ سے ایسے موقع پر بعض لوگ جنٹل مینوں کے کپڑے پہن کر چلے جاتے ہیں اور خیر مرد تو ہوتے ہی ہیں چالاک، ہم نے ایک عورت کو بھی دیکھا ہے جس کے ساتھ ایک بکری کا بچہ بھی تھا جس کا محصول نہیں دیا تھا اس نے کمال کیا کہ بابو جب جا بجا ٹکٹ چیک کرنے کو آتا تھا تو وہ بکری کے بچہ کو تخت کے نیچے کر لیتی تھی مگر جیسے اس کو چھینک آتی تھی (یعنی بستر والے کو) ایسے ہی بکری کا بچہ بھی اس دفعہ بولا اس نے یہ چالاکی کی کہ اپنے بچہ کے ایک چپت لگایا کہ کیوں رے بکری کی بولی بولتا ہے میں نے کہا سچ ہے ان کید کن عظیم (ان کا عذاب کم نہ کیا جائے گا) بابو کو اول تو عورت سے بولتے ہوئے شرم آتی ہے نیز وہ

سمجھا کہ بچے ایسی شرارت کیا ہی کرتے ہیں اس کو کیا خیر یہ اس کا مکر ہے پھر میں تو پہلے اتر گیا تھا نہ معلوم منزل مقصود تک کیا کیا ہوا۔ شاید وہاں بھی کوئی ایسا ہی عزیز قریب آن کر لے گیا ہوگا تو کیا اس کا مواخذہ نہ ہوگا ضرور ہوگا۔ (رطبہ اللسان ج ۲۲)

## حقوق کی تین اقسام

آج کل بعض لوگ ریل کا سفر کرتے ہیں اور کرایہ نہیں دیتے مگر خوب سمجھ لو کہ یہ مالی حق ہے بدون ادا کیے معاف نہیں ہوگا بہر حال حقوق العباد کا بہت اہتمام سے لحاظ کرنا چاہیے خواہ کسی قسم کے ہوں کیونکہ ان میں بعض حقوق مالیہ ہیں، بعض بدنیہ ہیں بعض عرضیہ ہیں اب لوگ حقوق مالیہ کی اور کسی درجہ میں بدنیہ کی تو کچھ رعایت کرتے بھی ہیں مگر حقوق عرضیہ کا تو بالکل ہی لحاظ نہیں کرتے اس سے بالکل ہی لاپرواہی ہے حتیٰ کہ اس میں مشائخ بھی مبتلا ہیں چنانچہ غیبت سے خواص تک محفوظ نہیں ہیں اور ان کا نفس کسی تاویل کی بناء پر یہ سمجھا دیتا ہے کہ اس میں گناہ ہی نہیں ہوا اور یہ وہی بات ہے جو ایک گاؤں کا آدمی کہتا تھا (یہ گاؤں کے لوگ بڑے ہوشیار ہوتے ہیں) کہتا تھا کہ اگر لکھے پڑھے جھوٹ بولیں تو کہتے ہیں مبالغہ ہے مبالغہ (یعنی مبالغہ ہے مبالغہ) اور اگر ہم اس کام کو کرتے ہیں تو کہتے ہیں لعنت لی لعنت لی (یعنی لعنت اللہ لعنت اللہ) واقعی اگر ہم گناہ بھی کرتے ہیں تو اس پر جھول پھیر کر جیسے وہی تانبے پر سونے کا جھول پھیر کر اسے سونا بنا لیتے ہیں دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید سونا چاندی ہے مگر آگ یا کسوٹی پر حقیقت کھل جاتی ہے اسی طرح ہم لوگ گناہ کرتے ہیں مگر رنگ طاعت کا چڑھا کرتا کہ معتقدین نہ بگڑیں چنانچہ وہ غریب دھوکہ میں آ جاتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ حضرت کوئی گناہ تھوڑا ہی کرتے ہیں عوام تو اپنے گناہ کو گناہ بھی سمجھتے ہیں مگر خواص کی یہ مصیبت ہے کہ وہ اس کو طاعت بتاتے ہیں ان کا حال اور اتر ہے۔ جامی خوب فرماتے ہیں:

گناہ آمرز رندان قدح خوار بطاعت گیر پیراں ریا کار

(رند شراب خور کے گناہوں کو بخشتا ہے اور ریا کاروں کی طاعت کو پکڑتا ہے)

آدمی گناہ کرے اور اپنے کو گناہ گار سمجھے یہ اچھا ہے اس سے کہ گناہ کو رنگ عبادت میں ظاہر کرے۔ یہ بہت ہی برا ہے گناہ کو گناہ تو سمجھو۔ الغرض جیسے عوام اس گناہ میں مبتلا ہیں خواص کا بھی یہ ہی مشغلہ ہے کہ جہاں دو آدمی بیٹھے کسی بات کو لے کر گو وہ مباح ہو اب وہ تو ختم ہو گئی پھر غیبت

شروع ہو جاتی ہے۔ صاحبو اور بھی تو وعظ و نصیحت کی باتیں ہیں وہ کرو مگر نہیں کرتے کیونکہ لذت اسی میں ہے وعظ و نصیحت میں مزہ کہاں ہے اسی کو میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ زبان کے گناہ میں آج کل کثرت سے مبتلا ہیں کسی کو تو اس میں مزہ آتا ہے اور کوئی اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتا۔ (طبۃ اللسان ج ۲۲)

## سفر ریل میں زائد اسباب لے جانے کی ممانعت

صاحبو! ان میں سخت ضرورت۔ ہمسائل دین کے سیکھنے اور معلوم کرنے کی بتلائیے کہ جب بدن پر ناجائز مال لپٹا ہوا ہوگا تو نماز روزے کی توفیق اور اعمال صالحہ کی ہمت کیونکر ہوگی۔ اسی طرح سفر ریل میں اکثر عورتیں اور بعض مرد بھی اس قدر اسباب لے جاتے ہیں کہ وہ حدا جازت سے زیادہ ہو جاتا ہے اور نہ اس کا محصول دیتے ہیں نہ اس کو وزن کراتے ہیں اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خود تو تیسرے درجے کا ٹکٹ لیا تھا لیکن اتفاق سے درمیانہ درجے میں کوئی دوست بیٹھا ہے اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے اور دو تین اسٹیشن تک اس میں بیٹھے چلے گئے یا ٹکٹ لیا دو تین اسٹیشن کا اور چلے گئے بہت دور تک ان سب صورتوں میں یہ شخص ریلوے کمپنی کا قرضدار رہتا ہے اور قیامت کے دن اس سے وصول کیا جائے گا۔ اگر کبھی ایسی غلطی ہوگئی ہو تو اس کا سہل طریقہ ادا کرنے کا یہ ہے کہ حساب کر کے جس قدر قیمت ریلوے کی اپنے ذمہ نکلے اس قیمت کا ایک ٹکٹ خرید کر اس سے کام نہ لے اس سے کمپنی کا روپیہ بھی ادا ہو جائے گا اور اس شخص پر کوئی الزام بھی نہ آئے گا۔ اب معاشرت کو لیجئے کہ اس میں لوگوں سے بہت گناہ ہو جاتے ہیں آج کل نوجوانوں نے اہل یورپ کی تقلید کو تہذیب اور انسانیت سمجھ رکھا ہے۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## مالی حقوق کی اہمیت

اگر ایسا اتفاق ہوا کہ بضرورت قرض لیا تھا پھر اس کے ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہوئی تو حق تعالیٰ قلب کو دیکھتے ہیں اگر نیت میں فتور نہیں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جتنی گنجائش ہوتی ہے ادا کر دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ حلوے اور مٹھائیاں اڑاؤ اور جب قرض مانگا جاتا ہے تو جواب دے دو کہ ہے نہیں۔ بلکہ ایک روپیہ کا حلوہ کھاؤ تو ایک تو قرض میں بھی دے دو تو اگر نیت سالم ہے تو امید ہے کہ جو ادا ہونے سے رہ گیا ہوگا وہ قیامت کے دن معاف کر دیا جائے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ایک روایت لکھی ہے کہ مومنین سے

حق تعالیٰ قیامت کے دن حقوق باہمی کی معافی اس طرح کرائیں گے کہ صاحب حق کو بڑے بڑے محل جنت کے دکھلائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم اپنے بھائی کا حق معاف کر دو تو تم کو یہ محل ملیں۔ پھر کون ہے کہ معاف نہ کر دے۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

## غیر مالی حقوق کا طریق معافی

دیکھئے حقوق العباد وہ چیز ہیں کہ جنت میں جانے سے مانع ہوں گے کہ تا وقتیکہ ان سے سبکدوشی نہ ہو جائے جنتی شخص بھی جنت میں نہ جاسکے گا اور ان کو حق تعالیٰ براہ راست خود معاف نہ کریں گے بلکہ صاحب حق سے اس ترکیب سے معاف کروائیں گے یہ بھی محض رحمت ہے جب حاکم چاہے تو معافی ہو ہی جاتی ہے اور بعض حقوق العباد غیر مالی ہیں ان میں کوئی چیز ادا کرنے کی نہیں ہے ہاں اس کی ضرورت کہ صاحب حق سے معافی حاصل کرو اس کی خوشامد درآمد کر کے یا اس کے ساتھ سلوک کر کے یا گڑ گڑا کر یا جس طرح ممکن ہو اس صورت میں اگر آپ نے اپنے امکان بھر کوشش کر لی اور وہ معاف نہیں کرتا تو اب وہ گنہگار ہے بعض لوگ ایسے سنگدل اور بے رحم ہوتے ہیں کہ قصور وار کا قصور کسی طرح معاف ہی نہیں کرتے اور اسی کو فخر اور شان سمجھتے ہیں کہ وہ خوشامد کر رہا ہے اور ان کی ناہاں نہیں ہوتی یہ تکبر ہے سمجھ لینا چاہیے کہ تم بھی خدائے تعالیٰ کے قصور وار ہو کہیں تمہارے ساتھ بھی یہی معاملہ نہ کیا جائے کہ تم معافی چاہو اور معافی نہ دی جائے تب کیا ہوگا۔ غرض حقوق العباد اگر حقوق مالیہ ہیں تو ان سے توبہ یہ ہے کہ ان کو ادا کیا جائے یا معاف کرایا جائے اور اگر حقوق مالیہ نہیں ہیں تو ان سے توبہ یہ ہے کہ صاحب حق سے معاف کرایا جائے۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

## حقوق اللہ کی دو اقسام

حقوق اللہ میں تفصیل یہ ہے کہ وہ دو قسم ہیں۔ منہیات یعنی وہ امور جن سے منع کیا گیا ہے اور مامورات جن کو طاعات بھی کہتے ہیں یعنی وہ امور جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ ان میں سے قسم اول تو توبہ کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں مثلاً کوئی شراب پیتا ہے یا زنا میں مبتلا ہے پھر توبہ کر لے تو یہ سب معاف ہو جاتے ہیں اور قسم دوم یعنی طاعات اگر وہ گنیں تو ان کے لئے صرف توبہ کافی نہیں بلکہ ان کو ادا کرنا چاہیے اور اگر ادا کرتا



رہا مگر کچھ رہ گئیں تو امید ہے کہ حق تعالیٰ معاف کر دیں اور بعض کا فدیہ بھی دینا چاہیے جیسے روزے کسی کے ذمہ رہ گئے یا نمازیں کچھ رہ گئیں تو وصیت کر جانا چاہیے جیسے حج اگر رہ گیا۔ تو ضرور ہے کہ حج بدل کے لئے وصیت کر جائے اور اگر نہ فدیہ ہو سکا نہ وصیت کا موقع ملا مثلاً مرگ مفاجات ہو گئی تو حق تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں مگر اپنی طرف سے فدیہ اور وصیت کی فکر اور عزم سے غفلت نہ چاہیے۔ یہ تفصیل ہے بطور کلی اقسام گناہ کی اور توبہ کی۔ (ایضاً)

## بیوی کے الگ رہنے کا مطالبہ اس کا حق ہے

ایک ظلم بیوی پر اور بھی ہوتا ہے جس میں دینداری کے مدعی بکثرت موجود ہیں وہ یہ کہ جو کچھ کماتے ہیں ماں باپ کی نذر کر دیتے ہیں اور بیوی کو ان کا دست نگر رکھتے ہیں اور ماں باپ بھی بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس کی خبر گیری نہیں کرتے اور بیوی الگ رہنا چاہے تو الگ نہیں کرتے کہتے ہیں کہ گھر کی ہوائ نکل جائے گی۔ پرانی بڑھیوں کے زیادہ تر ایسے ہی خیالات ہیں یاد رکھو حق تعالیٰ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں اگر بیوی الگ رہنا چاہے تو الگ رکھنا اس کا حق اور ضروری ہے بلکہ اس زمانہ میں تو اسی میں مصلحت ہے کہ الگ رہیں شامل رہنے میں بہت فساد ہیں یہ پرانی عورتیں اکثر بہوؤں کو بہت ستاتی ہیں اور عجیب بات ہے اگر بیٹا بیوی کی طرف ملتفت ہوتا ہے وہ اس سے بھی جلتی ہیں اور اگر ملتفت نہ ہو تو نمک پڑھوائی پھرتی ہیں۔ تعویذ کراتی ہیں الگ رہنے میں ان سب بکھیڑوں سے نجات ہے اور اگر یہ کہو کہ بہوؤں آج کل نالائق ہوتی ہیں ساسوں سے لڑتی ہیں۔ وق کرتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ ان کو الگ کر دو۔ غرض علیحدہ رہنے میں طرفین کو راحت ہے یہ تو بیوی کے حقوق کا ذکر تھا۔ (انظلم ج ۳)

## اولاد کے حقوق

عورتوں کے ساتھ بھی اور اولاد کے ساتھ بھی۔ اولاد کے بہت سے حقوق والدین کے ذمہ ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ اولاد کا درجہ والدین کے مساوی نہیں بلکہ اولاد محکوم ہے اور والدین حاکم ہیں۔ چنانچہ اولاد کا ایک حق والدین کے ذمہ یہ بھی ہے کہ ان کے اخلاق کی اصلاح کریں انکو تعلیم دیں بعض لوگ اولاد کو تعلیم نہیں دیتے بلکہ ناز و نعم میں پالتے ہیں اس کا انجام یہ ہوتا ہے۔ جو میں نے کانپور میں دیکھا کہ ایک نواب صاحب ماہوار پر جامع مسجد

کا سقادہ بھرا کرتے تھے سب لوگ ان کو نواب نواب کہتے تھے میں نے اول تو یہ سمجھا کہ اس کا نام ہی نواب ہوگا پھر معلوم ہوا کہ نہیں یہ واقع میں نواب تھے انکے پاس بڑی ریاست تھی مگر عیاشی میں سب برباد کردی اور اس وقت ان کی زندگی بہت تلخ تھی۔ (الحمد و دوالقیود ج ۲۵)

## نفس کا حق

ایک بزرگ شاہ جہاں کے پاس بیٹھے تھے۔ ذرا دیوار جھکی تو فوراً ہٹ گئے بادشاہ بھی بعد میں ہٹے۔ تو ان سے شکایت کی کہ آپ کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی میرا کچھ خیال نہ ہوا فرمایا کہ واقعی یہی بات ہے کیونکہ تم مرجاتے تمہارا بیٹا تمہاری جگہ کام کرتا مگر میں مرجاتا تو میری جگہ کون دین کا کام کرتا۔ غرض یہ حضرات اس لئے اپنی جان کی قدر کرتے ہیں کہ وہ سرکاری چیز ہے اور سرکاری چیز کی نگہبانی اور قدر لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص سر میں تیل اس لئے لگائے کہ یہ سرکاری مشین ہے اگر اس کو تیل نہ دوں گا خراب ہو جائے گی پھر سرکار ناراض ہوں گے۔ تو اس کو تیل لگانے میں بھی ثواب ہے اور اگر محض یہ نیت ہے کہ مجھے اس سے آرام ملے گا اس نیت سے ثواب نہ ملے گا اور اسی نسبت پر اس حدیث کو محمول کر سکتے ہیں۔ ان لنفسک علیک حقاً ان لعینک حقاً (مسند احمد ۶: ۲۶۸) المستدرک للحاکم (۶۰: ۴) (یعنی تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے) یعنی یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ہیں تمہارے پاس بطور امانت کے ہیں۔ ان کا حق ادا کرنا تمہارے ذمہ خدا نے فرض کیا ہے تو خدا کی چیز سمجھ کر ان کا حق ادا کرو۔ اس صورت میں تم کو سونے میں کھانے میں بھی ثواب ملے گا۔ اسی مضمون کو کسی نے نظم کیا ہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است فتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است  
(اپنی آنکھوں کی وجہ سے مجھ کو ناز ہے کہ انہوں نے آپ کے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے قدموں سے مجھ کو محبت ہے کہ انہوں نے آپ کے کوچہ کا شرف حاصل کیا ہے)

ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را کو دامت گرفته بسویم کشیدہ است  
(یعنی ہر دم اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بوسے دیتا ہوں اس لیے کہ اس نے محبوب کا دامن پکڑ کر اس کو میری طرف کھینچا ہے) (الاسراف ج ۲۵)

## والدین کے حقوق کی رعایت

شریعت کا مسئلہ ہے کہ ایک شخص مسلمان ہو اور ماں باپ اس کے کافر ہوں تو اس کے لئے یہ حکم تو نہیں ہے کہ اس حالت میں اس کی اطاعت کرو لیکن یہ حکم اب بھی ہے کہ ان کا ادب کرو۔ حتیٰ کہ اگر جہاد میں بیٹا تو مسلمانوں کے ساتھ ہو اور باپ کافروں کے ساتھ اور دونوں کا مقابلہ ہو جائے تو ایسی حالت میں بیٹے کو یہ اجازت نہیں کہ باپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے ہاں اگر ایسی ہی ضرورت پڑ جائے تو وہ کسی دوسرے مسلمان کو باپ کے مقابل کر دے کہ وہ قتل کر دے دیکھئے شریعت میں کس قدر حد و کی رعایت اور کیسا عدل ہے۔ اور حکمت اس رعایت میں یہ ہے کہ باپ تمہاری ہستی کا واسطہ بنا ہے لہذا تم اس کی نیستی کا سبب نہ بنو رہا یہ کہ وہ تم کو جہنمی بنانا چاہتا ہے یعنی مرتد کرنا تو تم اس کے جواب میں اسے جہنمی کیوں نہ بنادو یعنی قتل کیوں نہ کر دو کہ ابھی جہنم میں پہنچ جاوے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہنمی بننا نہ بننا فعل اختیاری ہے وہ باوجود اغوا کے اس میں واسطہ نہیں بن سکتا تم اگر اغوا کے بعد جہنمی بنو گے تو اپنے اختیار سے بنو گے وہ تم کو مجبور نہیں کر سکتا۔ بخلاف خلق اور تکون کے جس میں وہ واسطہ بنا ہے کہ وہ تمہارے اختیار سے نہیں ہوا لہذا اس کا احسان اس اساءت سے بڑھا رہا۔ (الصالحون ج ۲۶)

## جھوٹی گواہی دینے کا حکم

وہ جھوٹ جو حق العبد کے متعلق ہو جیسے جھوٹی گواہی دے کر کسی کا حق مار دینا کہ یہ تو ایسا گناہ ہے کہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتا تا وقت یہ کہ صاحب حق ہی نہ معاف کرے آج کل یہ حالت ہے کہ بعض لوگوں نے گواہی دینے کا پیشہ کر لیا ہے چار آنہ پیسہ میں بھی جھوٹی گواہی دے دیتے ہیں کس قدر بے وقوفی ہے کہ چار آنہ کے پیچھے جہنم مول لیتے ہیں۔ بعض جگہ اس حرکت سے یہ نوبت ہوئی کہ حاکم کو معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں گواہی کا پیشہ کرتے ہیں ان کو مردود الشہادت کر دیا اور کچھری کے احاطہ میں آنے کی ممانعت کر دی خسر الدنيا والاخرة (دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھایا) دین میں تو مردود تھے ہی دنیا میں بھی پھٹکار پڑی کہ ہر شخص ان سے نفرت کرتا ہے۔ (زم المکتروہات ج ۲۶)

## حقوق العباد کی چار قسمیں

پس حقوق العباد چار ہیں نمبر کسی کے دین کو نقصان پہنچانا آبرو کو نقصان پہنچانا جان کو نقصان پہنچانا مال کو نقصان پہنچانا ان سب سے بچنا واجب ہے اور سب میں زیادہ سخت دین کو نقصان پہنچانا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ کسی مسلمان کو مسئلہ غلط بتلادیا یا اس کو بدعت میں مبتلا کر دیا مگر اس کو حق العباد میں کوئی شمار نہیں کرتا بلکہ محض حق تعالیٰ سمجھتے ہیں مگر نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ حق العبد بھی ہے ایک حدیث میں غلط مشورہ دینے کی خیانت فرمایا گیا ہے اور مشورہ میں دنیا کی تخصیص نہیں اور خیانت کا حق العبد ہونا ظاہر ہے۔ نیز جب اس پر حق العبد کی تعریف صادق آتی ہے یعنی جس میں عبد کا ضرر ہو۔ پھر حق العبد ہونے میں کیا شبہ ہے اور دین کا ضرر سب ضرروں سے اشد ہے پھر دین کے بعد آبرو کا درجہ ہے آبرو کی تنقیص جان و مال کی تنقیص سے بھی اشد ہے مگر آج کل اس کی ذرا پرواہ نہیں کی جاتی چنانچہ اس میں رات دن مبتلا ہے حتیٰ کہ وہ اتقیا بھی جو کسی کا ایک پیسہ مارنا بھی جرم سمجھتے ہیں غیبت سے احتراز نہیں کرتے۔ (الاریاب والاغیاب ج ۲۶)

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

دیکھو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حق ہیں ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہو دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت قلب میں ہو تیسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی جائے اس وقت بعض نے عظمت کو تو لیا مگر محبت اور متابعت دونوں کو بالکل چھوڑ دیا تو بعض نے متابعت تو کی مگر محبت اور عظمت کو چھوڑ دیا اور بعض نے محبت و عظمت دونوں کو لیا مگر متابعت چھوڑ دی۔ (ضرورة العمل فی الدین ج ۲۷)

حضرت خوب سمجھ لیجئے کہ صرف ضابطہ کا تعلق حقوق پرورش کے ادا کرنے کے لیے کافی نہیں ہے دوسری مثال اور لیجئے دیکھئے اگر بیوی سے محبت نہ ہو صرف قانونی تعلق ہو تو یہ قسم قسم کے زیور اور نوع بنوع کے جوڑے آپ ہرگز نہ بناویں اور بیمار ہوتی ہے تو سینکڑوں روپیہ جو آپ خرچ کرتے ہیں ہرگز نہ کریں اس لیے شرعاً زوج کے ذمہ زوجہ کا معالجہ نہیں اسی طرح زوجہ کو اگر زوج سے محبت نہ ہو تو خانہ داری کے متعلق وہ خدمات جو قانون شرع سے اسکے ذمہ



نہیں ہرگز نہ کرے۔ ہمارے تھانہ بھون میں ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب واعظ آئے تھے انہوں نے وعظ میں یہ کہہ دیا کہ کھانا پکانا عورتوں کے ذمہ نہیں ہے جن عورتوں پر قانونیت غالب تھی وہ بہت خوش ہوئیں اور انہوں نے اپنے خاوندوں کی مخالفت شروع کر دی۔ میں نے جب یہ رنگ دیکھا تو میں نے وعظ میں یہ کہنا شروع کیا کہ اگر کھانا پکانا عورتوں کے ذمہ نہیں ہے تو دوا دارو کرنا مردوں کے ذمہ نہیں لیکن یہ اثر ان ہی عورتوں پر ہوا تھا کہ جن پر ضابطہ اور قانون غالب تھا اور جن میں محبت تھی ان کو کچھ اثر نہیں ہوا۔ (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

## احکام چندہ

آج کل جو چندہ لیا جاتا ہے اس میں بھی اکثر خوش دلی کا اہتمام نہیں کیا جاتا گو اس میں دینے والوں پر بھی ملامت ہے کہ وہ دین کے کاموں میں خوشی سے کیوں نہیں خرچ کرتے لیکن اگر وہ یہ کوتاہی کرتے ہیں تو اس سے لینے والوں کو وہ چندہ حلال نہ ہو جائے گا۔ حدیث میں صاف حکم موجود ہے الا لا یحل مال امرأ مسلم الا بطیب نفس منہ (یاد رکھو کسی مسلمان آدمی کا مال بدوں اس کی خوش دلی کے حلال نہیں ہوتا) اگر کسی نے محض شرم و لحاظ سے چندہ دیا ہو تو اس کا لینا ہرگز جائز نہیں اگر یہ کہا جائے کہ صاحب اتنی احتیاط کی جائے تو چندہ بہت کم آئے گا جس سے کام نہیں چل سکتا تو اول تو مجھے اسی میں کلام ہے کہ کام نہیں چل سکتا۔ (اسباب الفقہ ج ۲۸)

## بہنوں کا حق

اہل علم نے تاویل کر لی ہے کہ اس نے تو اپنا حق معاف کر دیا میں پوچھتا ہوں کہ ذرا انصاف سے کہنا کیا بہنوں نے خوشی سے اپنا حق چھوڑا ہے ہرگز نہیں بلکہ محض بدنامی کے خوف سے کیونکہ بہنوں کے لئے یہ بات عیب شمار کی جاتی ہے کہ وہ باپ کی جائیداد سے حصہ لیں۔ نیز وہ اس خیال سے بھی نہیں لیتیں کہ اگر ہم حصہ لے لیں گے تو پھر شادی بیاہ کے موقع پر بھائی ہمیں پوچھیں گے نہیں اور چھوٹ چھٹاؤ ہو جائے گا تو یہ دینا کچھ خوشی کا دینا نہ ہوا۔ دوسرے دینا اس شخص کا معتبر ہوتا ہے جسے شے موہوب کی حقیقت بھی معلوم ہو یعنی جس چیز کو دے رہا ہے وہ اس کی حقیقت بھی سمجھتا ہو اور جسے اپنے فعل کی حقیقت بھی معلوم نہ ہو۔

پھر تمہاری ان سب باتوں کے مان لینے کے بعد بھی یہ بات ہے کہ بہن جو بھی کہہ

دیتی ہے میں نے اپنا حق معاف کر دیا اس سے تو کسی طرح بھی بھائی کے لئے بہن کا حق حلال نہیں ہو سکتا چاہے وہ خوشی ہی سے معاف کرتی ہو کیونکہ معافی کی حقیقت ابراء ہے اور ابراء دیون سے ہوتا ہے نہ کہ اعیان سے اور اگر اس کو ہبہ کہا جائے تو اول تو اس لفظ کے یہ معنی نہیں اور اگر ہوں بھی تو ہبہ کے لئے موہوب کا مقسوم و مفرز ہونا شرط ہے مشاع کا ہبہ درست نہیں اور عموماً بہنوں کی یہ معافی تقسیم و قبضہ سے پہلے ہوتی ہے۔ اس لئے کسی حال میں اس لفظ سے بہن کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ اگر کسی بہن کو اپنا حق خوشی سے دینا ہی منظور ہو تو اس کی بے خلجان صورت یہ ہے کہ معافی کا لفظ نہ کہے بلکہ بھائی سے یوں کہے کہ میں نے اپنا حصہ تمہارے ہاتھ اتنے روپیہ میں بیع کیا اور وہ کہے میں نے قبول کیا اب زمین بہن کی ملک سے نکل گئی اور بھائی کے ذمہ زر ثمن واجب ہو گیا۔ اس زر ثمن کو یہ بہن اگر چاہے معاف کر دے۔ اب بتلائیے اس طرح کون کرتا ہے اور افسوس یہ ہے کہ طریقہ معلوم ہونے کے بعد بھی کسی کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ بہن کی گذشتہ معافی معتبر نہ تھی لاؤ اب اس سے دوبول پھر کہہ لیں ذرا سی سستی اور غفلت میں عمر بھر حرام کھاتے ہیں بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ زبان ہلانے میں کیا خرچ ہوتا ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہوتا ہے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر کہ وہ معاملات میں قانونی رعایات تو بہت جلدی کر لیتے ہیں مگر شرعی رعایات نہیں کرتے اس کی پرواہ نہیں کہ اس معاملہ میں شرعاً سقم ہے لاؤ اس کی اصلاح کر لیں اگر کوئی یہ عذر کرے کہ بہن سے زبانی کہتے ہوئے شرم آتی ہے تو خط میں لکھ بھیجو۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## شریعت میں اعتدال کی تعلیم

شکایت اس بات کی ہے کہ محبت کشر کیوں ہے خواہ وہ محبت مال کی ہو یا اولاد کی ہو یا بیوی کی ہو شریعت ہر شے میں اعتدال کی تعلیم کرتی ہے۔ شریعت کا مقصود یہ نہیں کہ سارا مال خیرات کر کے اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کر لو بلکہ مقصود یہ ہے کہ اعتدال کی رعایت رکھو نہ اتنی محبت ہو کہ آخرت سے غافل کر دے اور نہ اتنی بے تعلقی ہو کہ حقوق ادا کرنے میں کوتاہی ہونے لگے کہ اہل و عیال بھوکے مر رہے ہیں اور یہ اپنے ذکر و شغل میں لگ رہے ہیں اور جہت افراط کا نام جبکہ مال میں ہو حرص مذموم ہے اور جب شہوت میں ہو تو

وہ فحور ہے اور جو ضرورت سے بھی کم ہو خمود ہے اور ان کے درمیان عفت ہے۔ غرض ہر شے کی رغبت کا اعتدال عفت کہلاتا ہے۔ شریعت کو بھی عفت مطلوب ہے۔ (العقۃ ج ۲۹)

## خشوع مستحب اور خشوع واجب

خشوع کے پیدا کرنے کا وقت کون سا ہے آیا ہر وقت خشوع ہی کے اہتمام میں رہیں یا اس کا کوئی خاص وقت ہے تو اب سنئے کہ ایک خشوع تو مستحب ہے اور دوسرا واجب ہے۔ مستحب تو یہ ہے کہ ہر وقت یہی حالت استحضار کی قلب پر غالب رہے لیکن یہ ہر شخص کے لیے نہیں ہے۔ صرف اسی کو جائز ہے جس کی ایسی حالت نہ ہو کہ نہ تو خود اس کی ضروریات میں مغل ہو نہ کسی دوسرے کی حق تلفی کا باعث ہو ورنہ تباہی کی نوبت آ جائے گی۔ مستحب کے لیے واجبات ترک ہونے لگیں گے بجائے ثواب کے الٹا وبال ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کسی کی بی بی آٹے کے لیے پیسے دے کہ آٹا لے آؤ بچے بھوکے ہو رہے ہیں اور وہ لگے رہیں خشوع حاصل میں جس کی وجہ سے بچے بھوکے مریں تو ایسا خشوع موجب قرب نہیں ہو سکتا خدا سے دوری کا باعث ہوگا۔ حکایت ہے کہ ایک ولایتی صاحب کسی مسجد میں ٹھہرے تھے۔ جب رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ ایک مسافر جو وہاں سو رہا تھا خراٹے لے رہا ہے آپ نے اس کو کئی دفعہ تو اٹھا اٹھا کر بٹھا دیا اور کہا کہ تم کس طرح سوتے ہو ہمارے خشوع میں خلل پڑتا ہے وہ بے چارہ تھکا ہوا تھا پھر سو گیا آپ کو جو غصہ آیا نکال چھرا اس کا کام تمام کر دیا اچھا خشوع حاصل کیا کہ بے چارے کی جان ہی لے ڈالی۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنی بی بی بچوں کو تباہ کر رکھا ہے اور غلطی میں مبتلا ہیں۔ دائمی حضور قلب اور خشوع کے پیچھے حق تلفیاں کرتے ہیں۔ یہ امر نہایت نازیبا ہے۔ (حقیقت احسان ج ۲۹)

## حقوق کی رعایت

اتحاد جب باقی رہے گا جب تقویٰ کی رعایت ہوگی کیونکہ جب تقویٰ کی رعایت ہوگی تو خدا کا خوف ہوگا اور دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا خیال ہوگا اور جب دوسروں کے حقوق ادا ہوتے رہیں گے تو پھر نا اتفاقی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ نا اتفاقی جب ہی پیدا ہوتی ہے جب کسی کو ضرر پہنچایا جائے یا اس کے حقوق تلف کئے جائیں۔ پھر شریعت میں حقوق کی

رعایت ایسی ہے کہ صرف جان و مال ہی کے حقوق نہیں ہیں بلکہ معاشرت کے بھی حقوق ہیں جن کی اس قدر رعایت ہے کہ اگر تین آدمی بیٹھے ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمیوں کو خفیہ باتیں کرنا ممنوع ہے بھلا ایسی رعایت کسی دنیوی دستور العمل میں بھی ہے پھر یہ حکم ہے کہ بدون استیذان کسی کے گھر میں بلکہ اپنے گھر میں بھی نہ جاؤ۔ اور یہ حکم زنانہ گھر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ وہاں تو حجاب ہی ضرورت استیذان کی کافی دلیل ہے۔ بلکہ مردانے میں بھی استیذان کی ضرورت ہے مگر مردانہ مکان میں تفصیل ہے ایک صورت یہ ہے کہ کسی مجلس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں اور کوئی پردہ وغیرہ پڑا ہوا نہ ہو اور لوگوں کی آمد و رفت جاری ہو اس صورت میں استیذان کی ضرورت نہیں وہ مجلس عام ہے۔ ایک صورت ہے کہ مردانہ مکان میں کوئی شخص پردہ چھوڑے ہوئے یا کواڑ بند کئے ہوئے بیٹھا ہو یہاں استیذان کی ضرورت ہے بدون اجازت کے پردہ اٹھانا یا کواڑ کھولنا ممنوع ہے اور استیذان کا طریقہ یہ ہے کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر اول سلام کرو پھر کہو کہ میں اندر آ جاؤں تین دفعہ ایسا ہی کرو اگر اجازت ملے تو اندر آ جاؤ ورنہ لوٹ جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خود کر کے دکھلا دیا ہے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر قباء میں تشریف لے گئے جو مدینہ سے تین کوس پر ہے آپ نے تین بار سلام کر کے اجازت چاہی حضرت سعد نے بلند آواز سے جواب نہ دیا کہ اچھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سلام کریں کیونکہ سلام دعا ہے۔ یہ بھی ایک حال ہے بعض لوگ اس کو بے ادبی کہیں گے مگر عشاق کا ادب دوسروں سے الگ ہے جب تیسری بار کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام نہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپس جا رہے ہیں۔ دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روک لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ واپس کیوں چلے فرمایا میں نے تین بار سلام کیا تم نے جواب نہ دیا اس لئے واپس جا رہا ہوں کیونکہ تین بار سے زیادہ استیذان کا حکم نہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تو آپ کی دعا لینا چاہی تھی اس لئے خاموش رہا تا کہ اور برکت ہو بھلا آج تو کوئی ایسا کر کے دکھائے ایک دفعہ ہی کے بعد جواب نہ ملنے پر غصہ آ جائے گا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا ناگواری نہیں ہوئی خوش خوش مدینہ کو واپس ہو گئے پھر جب وہ



دوڑے آئے دوبارہ پھر تشریف لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے واسطے کچھ خصوصیت نہیں رکھی بلکہ خود بھی قانون کے ویسے ہی تابع رہے جیسے دوسروں کو تابع بنایا تھا اسلام میں ملاقات کا بھی کتنا اچھا طریقہ ہے کہ اول السلام علیکم کرتے ہیں اس میں مخاطب کو سلامتی کی دعا ہے اور سلامتی ایسا جامع مضمون ہے جس میں ہر طرح کی خیر و خوبی داخل ہے۔ نیز اس میں سلامتی کا اظہار کر کے مخاطب کو مطمئن کر دیا جاتا ہے کہ تم مجھ سے مامون و بے فکر رہو میں تمہارا خیر خواہ اور طالب سلامت ہوں دوسری قومیں تو ایسا طریقہ اپنے یہاں بتلائیں۔ (الاخوہ ج ۳۰)

## اصلی کام

دنیا کے کام کرو اور ساتھ ساتھ اللہ اللہ بھی کرتے رہو آدمی جس کام کو اصلی کام سمجھتا ہے تو اگر وہ دوسرے کام میں لگ جاتا ہے تو اس کو انتظار رہتا ہے کہ یہ کام ختم ہو جاوے تو میں اپنے اصلی کام میں لگوں بس یہی حال تمہارا ذکر کے ساتھ ہونا چاہئے اپنی زندگی کا سرمایہ ذکر کو سمجھو اور اگر کسی وقت بھول جاؤ تو بجائے اس کے کہ اس کا افسوس کرو ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ یہ بھی شیطان کا ایک جال ہے کہ افسوس و حسرت کے اندر لگا دیتا ہے کچھ خیال نہ کرو بس جب یاد آوے فوراً ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور نسیاں سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رکھو اس کی کچھ پرواہ نہ کرو کہ لوگ ریا کار کہیں گے تسبیح مذکر ہوتی ہے حضرت جنید بغدادی کے ہاتھ میں کسی نے تسبیح دیکھی تو پوچھا کہ حضرت اب تو آپ منتہی ہو گئے اب اس کی کیا ضرورت ہے فرمایا کہ اسی نے تو ہم کو خدا تک پہنچایا ہے ایسے رفیق کو ہم کیسے چھوڑ دیں بس تم بھی تسبیح بھاننا شروع کر دو اور کچھ شرم نہ کرو ایسی ہی شرم کی نسبت کسی نے کہا ہے جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم اگر ایسی ہی شرم ہمارے آباؤ اجداد کرتے تو آج ہم مسلمان نہ ہوتے انہوں نے شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر دین حق کو قبول کیا اور دین آبائی کو آگ لگا دی۔ (الذکر ج ۳۰)

## ترکیب تحصیل خلوص و احسان

خلوص و احسان کے حصول کی ترکیب حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے دل میں القا فرمائی ہے اس میں نہ مجاہدہ ہے نہ ریاضت ہے نہ دنیا کے مشاغل چھوڑنے کی ضرورت بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جن معاصی میں ابتلاء تم کو ہو رہا ہے ان کا بھی کچھ غم نہ کرو بس اس دستور

العمل پر اللہ کا نام لے کر عمل شروع کر دو گو اس علاج سے دیر میں شفا ہوگی لیکن ہوگی ضرور اس معالجہ کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شفیق طبیب جب دیکھتا ہے کہ مریض اپنی کم ہمتی یا افلاس یا مشاغل کی وجہ سے باقاعدہ میرے پاس رہ کر علاج نہیں کر سکتا تو وہ مقتضائے شفقت کوئی مختصر سی دوا ایسی تجویز کرتا ہے کہ جس میں نہ پرہیز کی ضرورت ہو نہ تمام کام چھوڑ کر طبیب کے پاس رہنے کی حاجت ہو نہ کسی وقت کی قید نہ نبض و قارورہ دکھانے کی حاجت ہو اور کہہ دیتا ہے کہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کھاتے رہو ایک دن ایسا ہوگا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے اثر سے طبیعت غالب ہو کر مرض کو دفع کر دے گی تو ظاہر ہے کہ یہ صورت علاج کی سہل تو بہت ہے لیکن شفا بدیر ہوگی اور ایک وہ مریض ہے جس نے اپنے کو بالکل طبیب کے سپرد کر دیا اور دوا اور پرہیز کا باقاعدہ پابند ہے اور طبیب جو دوا خواہ وہ تلخ ہو یا شیریں تجویز کر دے وہ بخوشی اس کو پیتا ہے ایسے مریض کو ظاہر ہے کہ جلدی شفا حاصل ہوگی۔ تو آپ کو باقاعدہ معالجہ کرنے اور ناگوار نبض و مسہل پینے کی اگر فرصت و ہمت نہ ہو تو یہ مختصر سی پڑیہ ستانسخہ میں نے تم کو بتلا دی ہے اسی کو استعمال کرو اور اگر اس سہل نسخہ کو بھی استعمال نہ کیا تو ظاہر ہے کیا ہوگا کہ مرض غالب ہوگی طبیعت مغلوب ہو جاوے گی اور آخر ایک دن ہلاکت کا دن سامنے آجائے گا اور امراض جسمانیہ میں تو ہلاکت جسمانی ہی ہوگی اور امراض روحانیہ میں ہلاکت اور خسران ابدی ہوگا۔ صاحبو میں پھر مکرر سے کر رہا ہوں کہ اس سستے نسخہ کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دو اور ہر وقت اللہ اللہ کرنا شروع کر دو۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہ کند و آگاہ نباشی  
اس شہنشاہ حقیقی سے پلک جھپکنے کی دیر بھی غافل نہ ہو شاید کہ وہ نگاہ فرمائیں اور تمہیں

اس کی خبر نہ ہو۔ (الذکر ج ۳۰)

# فقہی مسائل

☆ اسلام کے ہزاروں مسائل کے بارہ میں فقہی حل  
☆ بیسیوں شرعی احکام کے اسرار و نکات

☆ دین کے تمام شعبوں سے متعلق جدید مسائل  
☆ کے بارہ میں فقہی رہنمائی  
☆ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے علمی کمال کے شاہکار مسائل و معارف  
☆ ہزاروں منتخب جواہرات کا مجموعہ

## ارادہ عمل کا سبب غالب ہے

خطا و عمد میں شریعت نے فرق کیا ہے۔ اگر قصد کسی کو قتل کیا گیا تو اس میں گناہ بھی بہت زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خیال تھا کہ قتل عمد کے لیے توبہ بھی نہیں۔ اگرچہ جمہور نے اس کو رد کیا ہے اور صورت میں قاتل پر قصاص بھی آیا ہے کہ مقتول کے عوض اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر خطا بھول چوک سے قتل ہو گیا اور قتل کا ارادہ نہ تھا۔ مثلاً تیر شکار پر چلایا تھا کسی آدمی کے لگ گیا اور وہ مر گیا تو اس صورت میں گناہ بھی نہیں ہوتا نہ قصاص آتا ہے صرف دیت آتی ہے۔ نیز اگر کسی معصیت کا پختہ عزم ہو جائے تو گناہ فوراً لکھا جاتا ہے اور اگر بدوں ارادہ کے غلطی اور خطا سے گناہ ہو گیا تو کچھ بھی گناہ نہیں ہوتا وہ معاف ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ ارادہ سبب غالب ہے اس عمل کے ہو جانے کا اور ایسے سبب کے لیے حکم مسبب کا ہوا کرتا ہے۔

مثلاً سنکھیا سبب غالب ہے ہلاکت کا تو اگر کوئی شخص بے قاعدہ بلا مشورہ طبیب خودکشی کی نیت سے سنکھیا تولہ بھر کھالے تو چاہے بعد میں دست و قے کرا کے اس کی جان بچ بھی جائے تب بھی اس کو گناہ خودکشی کا ہو گیا کیونکہ اس نے تو کوئی کسر جان ہلاک کرنے میں نہ رکھی تھی۔ یہ اتفاقی بات تھی کہ وہ اس کے بعد بھی بچ گیا۔ اسی طرح جب کسی شخص نے پختہ ارادہ کر لیا کسی گناہ کا تو گویا اس نے اس کے کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی کیونکہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ پختہ ارادہ کے بعد عمل ہو ہی جایا کرتا ہے۔ یوں کبھی اتفاقاً نہ ہوا تو یہ نادر ہے۔ ”والنادر کالمعدوم“ اس لیے یہ شخص ارادہ پختہ کر لینے سے ایسے سبب کا مرتکب ہو گیا جو اکثر مفطی الی المسبب ہو جاتا ہے اس لیے گناہ کا مستحق ہو گیا۔ اسی طرح کسی شخص نے نیک کام کا قصد کیا تو وہ ثواب کا مستحق ہو گیا کیونکہ سبب کے بعد اکثر کام ہو جاتا ہے۔ کبھی نہ ہونا اتفاقی بات ہے لہذا وہ مثل کرنے والے کے سمجھا جائے گا اور اس کو اس عمل کا ثواب مل جائے گا۔ اب معلوم ہوا کہ



ارادہ کتنی بڑی چیز ہے جو کہ عمل کے وجود کے لیے سبب غالب ہے جس کے بعد اکثر کام ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شریعت میں اس کو عمل ہی کے مثل شمار کیا گیا ہے۔ (المراد ج ۱)

حق تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ آدمی کے بدن میں قسم قسم کی نجاستیں اور گندگیاں بھر رہی ہیں اور معدہ اور اندرون جسم سے ظاہر بدن تک کئی منفذ بھی ہیں مگر ان منافذ سے بو نہیں آتی۔ اگر ان منافذوں سے بو آنے لگے تو آدمی کو بڑی مشکل ہو جائے، کہیں بیٹھنے کے قابل بھی نہ رہے جہاں جائے دھکے دے دیئے جائیں۔ چنانچہ کبھی کبھی اس کا نمونہ دکھلا دیتے ہیں بخر یعنی گندہ دہنی کا بعض لوگوں کو مرض ہو جاتا ہے ایسے شخص کے پاس کھڑا ہونا موت ہو جاتا ہے۔ جب میں دیوبند میں طالب علمی کرتا تھا نماز میں ایک شخص کبھی کبھی میرے پاس آ کر کھڑے ہو جاتے تو نماز پوری کرنا مصیبت ہو جاتی تھی۔ فقہاء سبحان اللہ! کیسے حکیم ہوئے ہیں فرماتے ہیں کہ جس شخص کو بخر کی بیماری ہو اس کو چاہیے کہ جماعت سے نماز نہ پڑھے علیحدہ پڑھا کرے جماعت کا ہی ثواب ملے گا۔ پس یہ بخر معدہ ہی کی رطوبت سے ہوتا ہے۔ پس انسان کا یہ کلمہ کہ نہیں جانتے ہو میں کون ہوں بڑے کبر اور جہل کی بات ہے پس ہماری جب یہ حالت ہے تو کسی شے کو اپنی کہنا کیسے صحیح ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے: یقول ابن آدم مالی مالی مالک الا ما اكلت فافیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت۔

یعنی آدمی کہتا ہے کہ میرا مال ہے میرا مال ہے تیرا کیا ہے مگر جو تو نے کھا لیا وہ تو فنا کر دیا اور جو پہنا وہ پرانا کر دیا اور جو صدقہ دیا وہ آگے بھیج دیا وہ بے شک تیرا ہے۔ (الدنیاج ۱)

## میلا و منانے کا آسان طریقہ

میں اس کا بہت آسان طریقہ بتلاتا ہوں مگر وہ طریقہ نفس کو گوارا نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ خفیہ خرچ کیا کرو مثلاً ربیع الاول کے مہینہ میں پچاس روپیہ خرچ کرو مگر ظاہر نہ کرو اور ایک ایک روپیہ ایک ایک مسکین کو دے دو۔ اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو اس طریقہ پر عمل کرو مگر میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ کبھی نہ ہو سکے گا، نفس کہے گا کہ میاں پچاس روپے بھی خرچ ہوئے اور کسی کو خبر تک بھی نہ ہوئی۔ (الرضا بالذنیاج ۱)

## برتنوں کی واپسی

حالانکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس برتن میں کھانا بھیجا جائے اس کھانے کو دوسرے برتن میں نکال کر کھانا چاہیے اسی برتن میں کھانا جائز ہے۔ ہاں اگر وہ ایسا کھانا ہے جس کو دوسرے برتن میں لوٹنے سے اس کی لذت جاتی رہے یا صورت بگڑ جائے تو اس کو اسی برتن میں کھانا جائز ہے جیسے فیرنی کو طشتری میں جما کر بھیجا تو اس کو دوسرے برتن میں لوٹنے سے صورت خراب ہو جاتی ہے۔ فیرنی کا لطف یہی ہے کہ جس برتن میں اس کو جمایا گیا ہے اسی میں کھایا جائے، لوٹ پوٹ کرنے سے بدنما ہو کر اس کی طرف رغبت ہو جاتی ہے ہاں کوئی بہت ہی بھوکا ہو تو ہر حالت میں رغبت ہو سکتی ہے۔ (ترجیح الآخرہ ج ۱)

## احکام چندہ

ایک مقام پر ایک مدرسہ کا جلسہ تھا۔ اس میں میرا بیان تھا وہ زمانہ چندہ بلقان تھا۔ بعد جلسہ کے کسی نے مختصر اس کی بھی تحریک کر دی اس پر ایک تحصیلدار پنشنر نے اس چندہ میں سو روپے دیئے۔ میں باہر جا رہا تھا چند آدمی ایک جگہ باتیں کرتے نظر آئے دریافت پر یہ قصہ معلوم ہوا۔ میں نے جزاک اللہ کہہ دیا بس یہ میرا جرم تھا جس پر انہوں نے مجھ کو بعد میں پریشان کیا۔ قصہ یہ ہوا کہ ان تحصیلدار صاحب نے جن لوگوں کو چندہ دیا تھا ان کو مجبور کیا کہ میرے سو روپیہ کی رسید علیحدہ منگا کر دو انہوں نے اس درخواست کو لغو سمجھ کر کچھ توجہ نہ کی۔ جب وہ مایوس ہو گئے چونکہ میں نے جزاک اللہ کہا تھا اس جرم میں وہ میرے سر ہوئے اور میرے پاس خط آیا کہ مجھے سو روپیہ کی رسید منگا دو میں نے بواسطہ ایک دوست کو لکھا کہ جن کو تم نے چندہ دیا ہے ان سے رسید مانگو مجھ سے کیا واسطہ! انہوں نے پھر مجھے لکھا کہ یا تو رسید منگا دو ورنہ روپیہ واپس دو نہیں تو عدالت میں دعویٰ کروں گا۔ میں نے چندہ کرنے والوں کو لکھا کہ اس شخص کا روپیہ واپس کر دو۔ معلوم ہوا کہ وہاں تو خرچ روانہ ہو گیا۔ میں نے دفع فتنہ کے لیے سو روپے اپنے پاس سے ایک دوست کے پاس واپس بھیج دیئے کہ ان کو دیدیں مگر وہاں کے میرے دوستوں نے ان کو اپنے پاس سے رقم ادا کر دی اور میری رقم واپس کرنا چاہی میں نے انکار کیا جب جانبین سے اصرار و انکار بڑھا آخر سب کے اتفاق سے وہ رقم ایک نیک کام میں لگا دی گئی۔

تو اس وقت ایک عالم صاحب نے مجھے رائے دی تھی کہ تم نے اپنے پاس سے کیوں دیا اس مد میں اور چندہ بھی تو آ رہا تھا اس میں سے بھیج دیتے۔ میں نے کہا مجھے آپ کے اس فتویٰ پر حیرت ہے یہ مجھے کہاں جائز ہے کہ میں دوسروں کا روپیہ اس شخص کو دوں کیا لوگوں نے اس واسطے چندہ دیا ہے۔ بھلا آپ ہی سوچیں کہ اگر آپ چندہ میں روپیہ دیں اور میں اس کو اس طرح خرچ کر دوں تو کیا آپ کو یہ گوارہ ہوگا ہرگز نہیں۔ پھر دوسروں کی رقم میں آپ مجھے یہ رائے کس طرح دیتے ہیں؟ اور تعجب یہ کہ وہ عالم مدرس بھی تھے اور صاحب فتویٰ بھی تھے۔ (ترجیع الآخرہ ج ۱)

## مدعی مجتہد کا واقعہ

ایک مدعی اجتہاد عالم صاحب نے ساس کو حلال کر دیا۔ ایک شخص کو اپنی ساس سے تعلق ہو گیا تھا، کم بخت نے بیوی کو چھوڑ کر اس سے نکاح کرنا چاہا، علماء سے فتویٰ لیا۔ سب نے یہی کہا کہ ساس سے نکاح حرام ہے مگر ایک عالم نے ایک ہزار روپیہ لے کر فتویٰ دیدیا کہ حلال ہے مگر چونکہ ساس کا حرام ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ ”وَأُمَّهَاتُ نِسَائِهِمْ“ اس سے آپ نے تاویل نکالی کہ آج کل عورتوں میں جہالت زیادہ ہے جس کی وجہ سے بعض کلمات ان کے زبان سے ایسے نکل جاتے ہیں جن کی وجہ سے ایمان زائل ہو جاتا ہے تو اس کی منکوحہ کی زبان سے ایسے کلمات نکلے ہوں گے اور نکاح کے وقت تجدید ایمان نہیں ہوئی اس لیے منکوحہ سے اس کا نکاح درست نہیں ہوا، جب نکاح درست نہیں ہوا تو منکوحہ کی ماں اس کی ساس بھی نہیں ہوئی۔ رہا حرمت مصاہرت کا مسئلہ سو یہ محض امام ابوحنیفہ کا مسئلہ ہے ہم اس کو نہیں مانتے۔ حدیثیں اس کے خلاف ہیں۔

غرض اس نے گڑھ مڑھ کر ساس کو حلال کر دیا۔ محض اس لیے کہ اس کو ایک ہزار روپیہ ملتا تھا۔ کم بخت حرص نے اس عالم کو تحریف دین پر آمادہ کر دیا، یہ حرص بری بلا ہے۔ اس میں انسان جو کچھ نہ کرے تھوڑا ہے۔ (ایضاً)

## تقریبات میں کھانے کا مسئلہ

فقہاء نے صاف لکھا ہے کہ اباحت میں کھانا مالک کی ملک میں رہتا ہے، اگر مالک لقمہ اگلا وانا چاہے تو اس کو اس کا بھی حق ہے۔ البتہ تملیک کی صورت میں وہ کھانا لینے والے کی ملک

ہو جاتا ہے جیسے تقریبات کے اندر کھانا گھروں میں بھیجا جاتا ہے وہ ملک ہے۔ باقی مہمانوں کے سامنے جو کھانا آتا ہے وہ اس کی ملک نہیں ہوتا وہ محض اباحت ہے کہ جتنا تم کھا سکو کھا لو باقی مالک کو واپس کر دو مگر آج کل بعض اہل علم تک کو بھی اس کا لحاظ نہیں۔ (ترجیح الآخرۃ ج ۱)

## تلاوت قرآن کا مسئلہ

اول سے آخر تک قرآن کا پڑھنا فرض عین نہیں گو فرض کفایہ ضرور ہے اور ایک آیت کا یاد کرنا فرض عین اور سورہ فاتحہ اور ایک سورہ کا سیکھنا گو چھوٹی سی ہی سورہ ہو واجب علی العین ہے۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

## میراث میں مقررہ حصے

ابھی ہمارے یہاں ایک واقعہ پیش آیا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اس کے ورثہ میں ایک بیوی تھی ایک بیٹی اور ایک عصبہ جو ذرا دور کا تھا۔ اور جس سے مرنے والے کے ورثا کی مخالفت تھی۔ جب فرائض نکلوائے گئے تو مولویوں نے اس عصبہ کا حصہ بھی لکھا۔ بس اس پر سارے ورثا فتویٰ کو اور مفتی کو برا بھلا کہنے لگے کہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ اتنے دور کے رشتہ دار کو وارث بنایا جائے۔ میں نے کہا کہ شریعت کی قدر کوئی اس عصبہ کے دل سے پوچھے جس کو خلاف امید رقم مل گئی۔ اگر تم شریعت کو برا کہو گے تو جس کے پاس رقم جائے گی وہ اچھا کہے گا۔ ظالمو! اگر تم کو کسی ایسی جگہ سے شریعت میراث دلوادے جہاں سے تم کو امید وہم بھی نہ ہو تو پھر اس وقت تم ہی شریعت کی تعریف کرنے لگو گے۔ (ایضاً)

## مال میراث غبن کرنے رواج

ایک اور خط آیا ہے اس میں لکھا ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہو گیا۔ شوہر اور بھائی وارث ہیں۔ مگر شوہر شیعہ ہے اور شیعہ کا نکاح سنیہ سے جائز نہیں۔ اس لئے تنہا میں ہی وارث ہوں یعنی بھائی۔ تو میں نے اس پر لکھا کہ سوال کیساتھ یہ بھی تو لکھا ہوتا کہ میری بہن نے بیس سال تک حرام کرایا اور میں اس پر راضی رہا۔ تم کو شرم نہیں آتی کہ چار پیسوں کے واسطے اپنی بہن کو بعد مرنے کے زانیہ بنانے اور اپنے کو دیوث قرار دینے لگے۔ جب تم کو معلوم تھا کہ شیعہ سے سنیہ کا نکاح جائز نہیں تو تم نے اپنی بہن کا نکاح جان بوجھ کر شیعہ سے کیا ہی کیوں تھا؟ پھر



میں نے لکھا کہ اگر نکاح سے پہلے مجھ سے مسئلہ پوچھتے تو میں نکاح کو ناجائز ہی کہتا۔ باقی اب تو میں تمہارے چار پیسے سیدھے کرنے کیلئے ایک مسلمان عورت کو زانیہ نہیں بنا سکتا۔ مسلمانوں کو تعلیم قرآن اور تلاوت قرآن کا پابندی کے ساتھ اہتمام کرنا چاہیے۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

## صحت قرأت کا اہتمام

جب الفاظ قرآن مقصود ہو گئے تو ان کے صحیح پڑھنے کا بھی اہتمام ضروری ہے کیونکہ جب تک الفاظ کو صحیح طور پر ادا نہ کیا جائے گا، اس وقت تک وہ عربی زبان نہ کہلائے گی اور تصحیح الفاظ کے بعد اگر عربی لہجہ (اس سے تکلف و تغنی کا لہجہ مراد نہیں بلکہ بے تکلف لہجہ جس میں صفات و مخارج کی پوری رعایت ہو۔ گو بلا قصد طبیعت کی موزونیت سے کسی لحن غنا پر منطبق بھی ہو جائے بقصد تطبیق نہ ہو۔ ۱۲ منہ) بھی حاصل کر لیا جائے تو نور علی نور ہے۔ جن میں اس کے وجوب (یعنی ایک درجہ قرأت کا واجب ہے اور وہ حروف کی تصحیح اور مخارج سے صحیح ادا کرنا ہے۔ دوسرا درجہ مستحب ہے۔ کہ صفات الفاظ و لہجہ ادا بھی حاصل کیا جائے۔ علاء السنن کے علاوہ کتاب القراءۃ میں قرآن و حدیث وفقہ سے اس کے لزوم پر کافی بحث کی گئی ہے۔ قابل مطالعہ ہے ۱۲ اظ) و استحباب کے دلائل بالاستیعاب مذکور ہیں۔ (ایضاً)

## ایک فقہی مسئلہ

فقہاء نے لکھا ہے کہ حرام مال پر بسم اللہ کہنا کفر ہے۔ کوئی حرام کام کسی نیت سے یا بسم اللہ کہنے سے جائز نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ایسے کاموں میں خدا کا نام لینے سے ایمان پر اندیشہ ہے کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ کے نام کی بے تعظیسی ہے۔ جیسے کوئی شخص پاخانہ جانے کے وقت بسم اللہ کہنے لگے۔ فقہاء نے اس کو کفر لکھا ہے اور جو حدیث میں آتا ہے کہ پاخانہ میں جاتے ہوئے بسم اللہ کہو اس کا مطلب یہ ہے کہ پاخانہ کی حد سے باہر بسم اللہ کہو۔ یہ مطلب نہیں کہ اندر جا کر کہو۔ خوب یاد رکھو۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ پاخانہ میں خبیث شیطین ہوتے ہیں۔ جب آدمی ننگا ہوتا ہے تو اس کے بدن کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے ستر کو شیطین سے چھپانے کے لئے ان کو یہ تعلیم فرمائی کہ پاخانہ میں جانے سے

پہلے بسم اللہ اعوذ باللہ من الخبث والخبائث کہہ لیا کرو۔ اس کے بعد نہ وہ تمہارے بدن کو دیکھ سکیں گے نہ ایداء دے سکیں گے۔ (تیمم التعلیم ج ۲)

## بددعا سے ہلاکت میں تفصیل

شاہجہاں پور میں ایک شخص صاحب سماع تھے۔ بہت مخلص آدمی تھے عقائد بھی عمدہ تھے صرف اتنی کسر تھی کہ صاحب سماع تھے لیکن دوکاندار نہ تھے صاحب دل آدمی تھے۔ ایک بار میرے پاس ان کا خط آیا کہ ایک شخص میرا دشمن تھا مجھے بہت ستاتا تھا۔ ایک دن میرے منہ سے اس کے حق میں بددعا نکل گئی کہ الہی اس کو ہلاک کر دے۔ اسی عرصہ میں وہ ہلاک ہو گیا۔

غرض ان بزرگ نے لکھا کہ میں نے بددعا کی تھی جس کے بعد وہ شخص ہلاک ہو گیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اگر کسی دوسرے کو پیش آتا تو وہ اپنے مریدوں میں بیٹھ کر ڈینگیں مارتا کہ دیکھو! ہماری بددعا سے ہلاک ہو گیا۔ بھلا ہماری بددعا خالی جاسکتی تھی۔ مگر ان بزرگ میں اس کی بجائے دوسری حالت پیدا ہوئی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ قتل کا گناہ نہ ہوا ہو۔ سبحان اللہ! خوف خدا کی یہی شان ہوتی ہے۔ میرے اوپر اس خط کا بہت اثر ہوا۔ اور اس سوال سے مجھے سائل کی بہت قدر ہوئی۔ کیونکہ ایسا سوال عمر بھر مجھ سے کسی نے نہ کیا تھا۔ اور سوال بھی ایسے واقعہ کا جو ظاہر میں مشابہ کرامت کے معلوم ہوتا ہے۔

میں نے جواب لکھا کہ واقعی آپ کا اندیشہ درست ہے مگر اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ بددعا کے وقت دو حالتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ محض سرسری طور پر حق تعالیٰ سے درخواست کر دی اور اپنے دل کو اور خیال کو اس کے ہلاک کرنے کی طرف متوجہ نہیں کیا۔ اس صورت میں اگر وہ شخص ہلاک ہو جائے تو یہ بددعا کرنے والا قاتل تو نہ ہوگا کیونکہ بددعا سے ہلاک ہونے میں اس کا دخل نہیں بلکہ اس میں محض حق تعالیٰ سے درخواست ہے اور حق تعالیٰ اپنی مشیت سے اس کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ پس یہ شخص قاتل تو نہیں۔ البتہ وہ شخص اگر بددعا کے قابل تھا تب تو گناہ بھی نہیں ہوا اور اگر بددعا کے قابل نہ تھا تو قتل کا گناہ تو نہیں ہوا مگر بددعا کرنے کا گناہ ہوا۔ اس سے توبہ واستغفار کرنا لازم ہے۔

اور ایک صورت بددعا کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے درخواست کرنے کے ساتھ اپنے دل کو بھی اس کے ہلاک کرنے کی طرف متوجہ کیا اور اپنے تصرف سے کام لیا۔ اس صورت میں

یہ تفصیل ہے کہ اگر اس شخص کو تجربہ سے اپنا صاحب تصرف نہ ہونا معلوم ہے۔ مثلاً بارہا تصرف کا قصد کیا مگر کچھ نہیں ہوا۔ اس وقت بھی قتل کا گناہ نہیں ہوا۔ البتہ اگر وہ شرعاً قابل قتل نہ تھا تو اس کی ہلاکت کی تمنا کا گناہ ہوگا۔ اور اگر تجربہ سے اپنا صاحب تصرف ہونا معلوم ہے تو یہ شخص قاتل ہے۔ کیونکہ تلوار سے قتل کرنا اور تصرف سے قتل کرنا برابر ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ قتل عمد ہے اور یہ قتل شبہ عمد۔ (تعمیم التعلیم ج ۲)

## احکام مسجد

فقہانے تصریح کی ہے کہ جو مدرس اور ملا پچوں کو تنخواہ لے کر پڑھاتا ہو اس کو مسجد میں نہ بیٹھنا چاہئے۔ کیونکہ مسجد میں اجرت کا کام کرنا بیع و شراء میں داخل ہے۔ اسی طرح جو شخص اجرت پر کتابت کرتا ہو یا جو درزی اجرت پر کپڑے سیتا ہو، یہ سب لوگ مسجد میں بیٹھ کر یہ کام نہ کریں (قلت الا ان یكون معتمداً فیجوز له ذلك کما هو مقتضى قواعدهم واللہ اعلم ۱۲ جامع) اور اگر اپنے لئے عمل پڑھا جائے تو تجارت تو نہیں مگر ہے دنیا کا کام وہ بھی مسجد میں نہ چاہیے۔ (ایضاً)

## دین سیکھنے کی ضرورت

ہر مسلمان ہر وقت مسلمان ہونے کی حیثیت سے طالب علم ہے کیونکہ ایک درجہ طلب علم کا ہر مسلمان پر فرض ہے اور وہ ضروریات کا علم ہے۔ یعنی بقدر ضرورت عقائد کا اور احکام صلوٰۃ و صوم و احکام معاملات و معاشرت کا علم ہر مسلمان پر لازم ہے۔ (طلب العلم فریضہ علی کل مسلم الحدیث ۱۲ ظ) نیز اس کی بھی ضرورت ہے کہ دین اور علم دین سے مناسبت پیدا کرے اور دین کی سمجھ حاصل کرے اور فہم کو بڑھائے اور اسی کا نام طالب علمی ہے (الحکمة ضالة المؤمن فیحث وجدھا فهو احق بها الحدیث ۱۲ ظ) (کوثر العلوم ج ۲)

## اجرت و نفقہ میں فرق

اجرت اور نفقہ میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ تنخواہ میں تعین ہوتا ہے اور نفقہ میں تعین نہیں ہوتا بلکہ اس میں قدر ضرورت کا استحقاق ہوتا ہے زیادہ کا استحقاق نہیں ہوتا مگر کبھی نفقہ زوجہ میں بھی فرض جائز ہے تاکہ نزاع نہ ہو اور جانبین کے مصالح محفوظ رہیں۔ اس

تعیین سے وہ نفقہ ہونے سے نہیں نکل جاتا۔ چنانچہ نفقہ زوجہ فرض قاضی کے بعد بھی نفقہ ہی رہتا ہے۔ اسی طرح اگر مدرسین کی تنخواہ معین ہو تو محض تعلیم سے وہ تنخواہ اجرت تعلیم نہ ہوگی بلکہ حق احتباس اور نفقہ میں داخل رہے گی۔ (ایضاً)

## مسجد میں بیع سے بچنا چاہئے

ایک بار مجھ کو اپنے ایک دوست کی کہ ان کو تلمذ کا تعلق بھی تھا ایک بات نہایت پسند آئی کہ مسجد میں بیٹھا تھا ایک روپیہ کی ریزگاری ایک شخص نے خریدی انہوں نے فوراً متنبہ کیا کہ یہ بیع ہے اور مسجد میں نہ چاہئے۔ (آداب المساجد ج ۴)

## احکام نماز

بدوں طہارت کے نماز نہیں ہوتی اور گوبدوں نظافت کے ہو جاتی ہے مگر بد ہیئت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ بھی حکم ہے کہ جس شخص کے کپڑوں میں سے پسینہ کی سخت بدبو آ رہی ہو اس کو جماعت میں شریک ہونا مکروہ و ممنوع ہے۔ (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

## احکام تصرف

تصرف سے کسی سے کچھ وصول کرنا یہ بھی حرام ہے بعض اہل تصرف اس کو بزرگی سمجھتے ہیں کہ کسی کی طرف متوجہ ہو گئے کہ یہ شخص ہم کو پانچ سو روپے دے گا تصرف کے اندر یہ اثر ہے کہ اس شخص کا قلب مغلوب ہو کر متاثر ہو جاتا ہے اور وہ وہی کام کرتا ہے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حلال ہے حالانکہ حرام ہے اور ایسا ہی حرام (۱) ہے جیسے کسی کو مار کر کچھ چھین لیا جائے اور ایسے دیئے ہوئے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعد میں آدمی پچھتاتا ہے ایک فقیر صاحب تصرف تھا وہ کچھ پڑھ کر پیشانی پر مٹی لگا لیتا تھا ایک مرتبہ وہ ایک انگریز کے پاس گیا اس انگریز نے اس کی صورت دیکھتے ہی خانساں کو حکم دیا کہ اس کو سو روپیہ دے دو جب وہ چلا گیا تو بہت پچھتایا کہ میں نے کیا کیا فوراً خانساں سے کہا کہ اس کو پکڑو جب وہ آیا صورت دیکھتے ہی کہا کہ اس کو وہ سو روپے دیدو کچھ نہ کہو پھر وہ چلا گیا تو نادام ہوا پھر خانساں نے کہا کہ آپ تو دق کرتے ہیں آپ لکھ دیجئے چنانچہ سو روپیہ دینا اس سے لکھوا لیا اس وقت وہ نادام تو ہوا۔ (امتدیب ج ۴)



## رسمی مشائخ کا ظلم

ایک طبقہ اور ہے جو بچوں کی جان و مال پر ظلم کرتا ہے وہ رسمی مشائخ کا طبقہ ہے یہ تو مریدوں کو اپنی ملک سمجھتے ہیں اور ان سے آئے دن فرمائش کرتے ہیں، کبھی پاؤں دبواتے ہیں، کبھی پنکھا جھلواتے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ اب کے آؤ تو انگور لانا، بعضے گھوڑے کے لئے گھاس منگواتے ہیں اور ایسی خدمتیں لیتے ہیں جو اکثر ان پر بار ہوتی ہیں۔ یاد رکھو یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیسا ہی مخلص مرید ہو از خود اس سے کوئی فرمائش نہ کرنا چاہیے ورنہ تمہاری وہ حالت ہوگی جیسے ایک مرید نے کہا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں تو شہد میں بھری ہوئی ہیں اور میری انگلیاں پاخانے میں، وہ بڑے خوش ہوئے کہنے لگے کیوں نہ ہو، بحمد اللہ ہم پاک صاف ہیں اور تم دنیا دار گندگیوں کے اندر بھرے ہوئے ہو، کہنے لگا حضور یہ تو سچ ہے مگر ابھی خواب پورا نہیں ہوا۔ پھر میں نے دیکھا کہ آپ کی انگلیاں میں چاٹ رہا ہوں اور میری انگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں۔ اب تو وہ بڑے جھلائے کہ نالائق ہے مردود ہے، کہنے لگا حضور میں نے خواب بیان کیا ہے جو دیکھا تھا وہی عرض کر دیا۔ واقعی اگر یہ خواب تھا تو اس کی تعبیر ظاہر ہے کہ مرید تو شیخ سے دین حاصل کر رہا ہے اور شیخ مرید سے دنیا وصول کر رہا ہے اگر اس نے گڑھا تھا تو بہت ہی موقع کے مطابق گڑھا۔ اس لئے مشائخ کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مریدوں کی دنیا پر نظر نہ کریں اور از خود کسی سے کچھ فرمائش نہ کریں، ہاں کسی سے بہت ہی بے تکلفی ہو جہاں بار ہونے کا مطلق احتمال نہ ہو۔ اس سے کوئی بہت ہی ہلکی فرمائش کا مضائقہ نہیں مگر ایسے مخلص ہزار میں ایک دو ہی ہوتے ہیں۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## خالی آنے جانے کا مسئلہ

مشہور ہے کہ خالی جاوے خالی آوے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خلوص سے خالی جاویں وہ فیوض سے خالی آوے۔ یہ مطلب نہیں کہ جو فلوس سے خالی جاوے وہ بھی محروم ہی آتا ہے اور اگر کسی کو ایسا ہی التزام کا شوق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا اہتمام نہ کرے کہ ہر دفعہ بڑھیا چیز ہی لے جاوے بلکہ کبھی کبھی معمولی چیزیں بھی لے جایا کرے (مثلاً مسواک لے گئے یا ایک دو پیسہ کی روشنائی ہی لے گئے، یا ایک دو قلم لے گئے، کبھی

دو چار خوشبودار پھول لے آئے وغیرہ وغیرہ (۱۲) بزرگان سلف ایسا ہی کرتے تھے کہ جب ہدیہ کا شوق ہوا تو جو چیز بھی ملی خواہ کیسی ہی معمولی ہو وہی لے گئے اس کے لئے اہتمام اور تکلف نہ کرتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک بزرگ دوسرے بزرگ سے ملنے گئے، راستہ میں خیال ہوا کہ کچھ ہدیہ لے چلنا چاہیے، کوئی دوسرا ہوتا تو گھر واپس آتا مگر انہوں نے یہ کیا کہ جنگل میں سے کچھ سوکھی ہوئی لکڑیاں اٹھالیں اور لا کر ان بزرگ کے سامنے رکھ دیں کہ یہ لکڑیاں حضرت کے لئے پانی گرم کرنے کو لایا ہوں، وہ بزرگ اس ہدیہ سے بڑے خوش ہوئے اور اس کی ایسی قدر کی کہ فوراً اپنے خادم کو بلایا اور کہا کہ لکڑیاں بہت حفاظت سے رکھو جب ہم مرجائیں تو ہمارے غسل کے لئے اس سے پانی گرم کیا جاوے۔ امید ہے کہ حق تعالیٰ اس ہدیہ حلال و خالص کی برکت سے میری مغفرت فرمادیں۔ سبحان اللہ! کیسے قدردان لوگ تھے تو اس طرح اگر التزام بھی کرو تو کچھ مضائقہ نہیں اگر گھاس پھوس نہ ملے تو کم از کم دو چار مٹی کے ڈھیلے ہی استنجاء کے لئے لے جائے اور اگر یہ خیال ہو کہ ایسے حقیر ہدیہ سے شیخ ناخوش ہوں گے اور اس کی قدر نہ کریں گے تو یاد رکھو ایسا شخص شیخ بنانے کے قابل نہیں جس کو خلوص کی قدر نہ ہو، فلوس ہی کی قدر ہو۔ صاحب تم کر کے دیکھو محبت کی قدر ضرور ہو جاتی ہے، چاہے ہدیہ ظاہر میں قلیل ہی ہو اور دنیا میں قدر نہ ہو تو خدا کے یہاں تو ضرور قدر ہوگی۔ حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابائنا و امہاتنا و ارواحنا، و ما بایدا ۱۲) کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچانے کے لئے کھانا پکوا یا تھا (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدیہ ثواب سے زیادہ اور کس چیز میں وہ خرچ کرتے ۱۲) کھانا تیار ہو گیا تو خدام نے اجازت چاہی کہ اس کو اٹھا کر تقسیم کر دیا جائے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ ابھی ذرا ٹھہرو، پھر کچھ دیر کے بعد پوچھا تو فرمایا ابھی ٹھہرو، کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ اب تقسیم کرو۔ کسی خادم نے وجہ پوچھی کہ آپ کو کس کا انتظار تھا، پہلے بار بار انکار کیوں تھا اور اب اجازت کیسے دے دی، فرمایا اس وقت میرے بھائی علی احمد صابر نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کی ثواب کے لئے بھونے ہوئے چنے تقسیم کئے تھے تو اپنا کھانا تقسیم کرنا نہیں چاہا بلکہ میں نے یہ چاہا کہ ذرا حضور ادھر متوجہ ہوں تو کھانا اٹھاؤں، تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صابر کے چنے

اس قدر محبوب تھے کہ آپ ہمہ تن اس طرف متوجہ تھے حالانکہ حضرت سلطان جی کے کھانے طاہر میں ان سے بہت بڑھے ہوئے تھے مگر چونکہ حضرت صابر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیادہ سامان نہ تھا انہوں نے ساری عمر گولر اور درخت کے پتے کھا کر ہی گزار دی حتیٰ کہ چند سیر سے زیادہ اناج عمر بھر میں بھی ان کے پیٹ میں نہیں پہنچا۔ واقعی بڑے صابر تھے مگر آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا ہدیہ ہوگا ویسا ہی ثواب ہوگا، اگر ہدیہ قلیل ہو تو ثواب بھی قلیل ہوگا۔ صاحبو! یہ صحیح نہیں بلکہ وہاں تو خلوص کو دیکھا جاتا ہے اگر ہدیہ قلیل ہو مگر خلوص زیادہ ہو تو ثواب زیادہ ملے گا اور ہدیہ زیادہ ہو تو خلوص کم ہو تو ثواب کم ہوگا۔ البتہ اگر دونوں زیادہ ہوں، خلوص بھی اور ہدیہ بھی تو بے شک یہ نور علی نور ہوگا۔ ہاں اس کے بعد پھر اس کو بھی دیکھا جاتا ہے جس نے زیادہ دیا ہے، وہ صاحب وسعت ہے اور جس نے کم دیا ہے وہ صاحب وسعت نہیں، تو باوجود خلوص میں برابر ہونے کے بھی کم وسعت والے کا ہدیہ صاحب وسعت کے ہدیہ سے بڑھ جائے گا۔ (۱۲) (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## حکام کا ظلم

بعض حکام یہ ظلم کرتے ہیں کہ دورہ کے وقت کہیں سے بلا قیمت دودھ منگواتے ہیں، کہیں سے پھل منگواتے ہیں اور بعض جگہ قصبات کے رؤسا ان کے لئے یہ چیزیں بھیجتے ہیں۔ پہلی صورت تو صریح ظلم ہے اور دوسری صورت رشوت میں داخل ہے اور اس میں بھی اکثر ظلم کر کے ان سے لیتے ہیں اور حکام کے ڈیرہ پر پہنچاتے ہیں۔ جب حکومت کی طرف سے دورہ کرنے والوں کو ماہوار تنخواہ ملتی ہے اور دورہ کا بھتہ بھی ملتا ہے پھر ان کو بستی والوں سے یہ چیزیں لینے کا کیا حق ہے۔ مسلمانوں کو اس طریقہ سے بچنا چاہیے۔

بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ حاکم خود تو منتظم ہوتا ہے کسی سے رشوت نہیں لیتا نہ کسی پر ظلم کرتا ہے مگر ان کے متعلقین چپڑاسی وغیرہ ظلم کرتے ہیں۔ اس لئے حاکم تنہا اپنی احتیاط سے نجات نہیں پاسکتا بلکہ اس کا انتظام بھی اس کے ذمہ ہے کہ متعلقین بھی ظلم نہ کرنے پائیں جس کی صورت یہ ہے کہ عام طور سے اشتہار دے دے کہ میرے یہاں رشوت کا بالکل کام نہیں اس لئے اگر میرے عملہ میں سے کوئی شخص کسی سے رشوت لے تو ہرگز کوئی نہ دے بلکہ ہم سے اس کی اطلاع کرے۔ پھر اطلاع کے بعد جس نے ایسی حرکت کی ہو اس سے رقم واپس کرائے

اور کافی سزا دے۔ نیز جو شخص حاکم سے ملنے آئے اس کو خود جا کر دروازہ سے باہر تک پہنچائے تاکہ نکلتے ہوئے کوئی چپڑا سی وغیرہ اس کو تنگ نہ کرے۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## عظمت مساجد

بعض لوگ مسجد کو تماشا گاہ بنا دیتے ہیں جس کی کراہت حدیث شریف میں ہے:  
لتزخرفن المساجد کما زخرفت الیہود والنصارى۔ (موارد الظمآن للہیثمی: ۳۰۵)  
”مساجد (کی زیب و زینت اور نقش و نگار) پر فخر کریں جیسے یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں پر فخر کرتے ہیں۔“

مگر سنوارنا اور بات ہے اور استحکام اور بات ہے سوفقہاء نے لکھا ہے کہ استحکام جتنا چاہو کر لو حقیقت میں فقہاء اور صوفیاء ہی حکمائے امت ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ذکر کا حجرہ اتنا تنگ ہو کہ پاؤں نہ پھیلا سکے اور اس میں کسی قسم کا سامان آرائش وغیرہ نہ ہوتا کہ عبادت کے وقت قلب کو مشغولی نہ ہو دیکھئے! (اصلاح الیتمی ج ۴)

## نماز جمعہ

مثلاً اذان جمعہ کے وقت بیع و شراء (خرید و فروخت) کرنا کہ اگر جمعہ کی طرف چلتے ہوئے راہ میں بیع و شراء کریں تو جائز ہے مگر افسوس ہمارے قصبہ میں عین جمعہ ہی کے وقت بازار لگتے ہیں۔ شاید یہ کسی بڑے بوڑھے کی اچھی نیت تھی کہ گاؤں والے لوگ بھی آکر نماز جمعہ میں شریک ہو سکیں گے مگر ”حفظت شینا و غابت عنک اشیاء“ (ایک چیز کا تو خیال کیا اور بہت سی چیزوں کو نظر انداز کر دیا)

ایک چیز کا تو خیال کر لیا کہ نماز جمعہ میں شریک ہو سکیں گے مگر اس کا خیال نہ کیا کہ جب تک وہ گاؤں میں ہیں اس وقت تک ان پر جمعہ واجب نہیں۔ اگر جمعہ پڑھنے کے لئے یہاں نہ آئیں تو کچھ حرج نہیں اور جب یہاں آگئے تو ان پر جمعہ واجب ہو گیا۔ اب اگر نہ پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے اور اذان جمعہ کے وقت بیع و شراء کرنا بھی حرام ہے اس حرام میں بھی مبتلا ہوں گے۔ خیر اہل علم اس مسئلہ کو تو خوب جانتے ہیں۔ (الوقت ج ۴)



## اہل علم کو احتیاط کی ضرورت

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اہل علم کو اس دعوت سے بچنا چاہیے جس میں ذلت ہو۔ وجہ یہ کہ اہل علم کی ذلت خود علم کی ذلت ہے، قبول کرنے کے لائق صرف وہ دعوت ہے جو محض محبت سے ہو، حلال کھانا ہو، نہ اس میں رسم کی پابندی ہو نہ تفاخر اور نہ ریا ہو، نہ ذلت ہو بلکہ اس کی بنا محض محبت ہی محبت ہو۔ (حقوق العاشر ج ۴)

## آداب تعزیت

حقوق میں سے تعزیت و شرکت جنازہ بھی ہے۔ اس کے بھی آداب ہیں۔ مثلاً کندھا دینا، قبر میں اترنا، کچھ پڑھ کر ثواب بخشنا مگر شریعت کے موافق اس کو نفع پہنچے ورنہ بیکار ہے۔ مثلاً بعض لوگ ایصال ثواب کے لیے میت کے تمام پارچات پوشیدنی دے دیتے ہیں اور تمام ورثاء سے اجازت نہیں لیتے یا ورثاء نابالغ ہیں جن کی اجازت قبل از بلوغ معتبر نہیں۔ سو یہ تصرف میت کے ترکہ میں جو کہ سب ورثاء میں مشترک ہے ناجائز ہے۔ ہاں بعد تقسیم ترکہ جس کا جی چاہے اپنے حصے میں سے دے سکتا ہے اور ایسے کپڑے وغیرہ اشیائے استعمال اکثر مساجد اور مدارس میں آتے ہیں۔ لہذا مدرسہ اور مسجد والوں کے ذمہ ضروری ہے کہ امور مذکورہ کی تحقیق کر لیا کریں۔ (ایضاً)

## مسئلہ عشر و زکوٰۃ

پس سنئے کہ شریعت میں اس حق کو جو پیداوار زمین پر مقرر کیا گیا ہے عشر کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ لفظ اصطلاح شرع میں دسویں حصہ اور بیسویں حصہ دونوں کو شامل ہے مگر یہ اصطلاح ولغت کا فرق ہے کہ جو لفظ لغت خاص تھا اور اصطلاح شریعت میں اس کو عام کر دیا گیا جیسے حضرات چشتیہ کی اصطلاح میں ایک وظیفہ کا نام بارہ تسبیح ہے حالانکہ اس میں تیرہ تسبیحیں ہیں ممکن ہے کہ شروع میں بارہ ہی تسبیحیں ہوں مگر اب تیرہ ہیں اور نام وہی ہے۔ اب سمجھئے کہ زکوٰۃ مال کی طرح زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے جس کے دو محل ہیں۔ ایک جنوب دوسرے ثمرات، ان کے علاوہ بعض اشیاء اور بھی ہیں جن میں عشر واجب

ہے جیسے دواؤں کی کھیتی جبکہ استقلالاً آمدنی کے لیے بطور کھیت کے بویا ہو ورنہ قدرے قلیل میں نہیں مگر دواؤں کی مستقل کاشت ہمارے دیار میں بہت کم ہے۔ یہاں محل عشر عادیہ دو ہی ہیں۔ ایک تو حبات دوسرے جنات ہیں یعنی باغات اس کے متعلق حکم یہ ہے ’واتوا حقہ یوم حصادہ‘ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرو، ان کے کاٹنے اور پھل توڑنے کے وقت۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ حصاد سے مراد حصاد بالفعل نہیں بلکہ بالقوہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب پھل آفات سے محفوظ ہو جائے تو عشر واجب ہو گیا۔ یہ امام صاحب کا قول ہے، اگر مالک نے ایسی حالت کے بعد بیع کیا تو عشر بائع کے ذمہ ہوگا، مشتری کے ذمہ نہ ہوگا اور محض پھل آجانے کے بعد اس حصاد کے قبل اگر بیع کر دیا تو مشتری کے ذمہ عشر ہے، بائع کے ذمہ نہیں اور صاحبین کے نزدیک حصاد بالفعل مراد ہے مگر یہاں ایک نازک مسئلہ اور ہے وہ یہ کہ بعض لوگ کہہ آتے ہی بیع کر دیتے ہیں تو اس کا عشر کس کے ذمہ ہے کھیتوں میں تو بیع میں کوئی خرابی نہیں جب چاہو بیچ دو کیونکہ وہ تو جڑ سمیت بکتے ہیں۔ گو اس کے عشر میں تفصیل ہے کہ اگر تیاری سے پہلے بیچ دی تو عشر مشتری کے ذمہ ہے اور اگر تیاری کے بعد بیچ دی تو بائع کے ذمہ ہے مگر ہر حال میں بیع جائز ہے بخلاف پھلوں کے کیونکہ یہاں باغ کے درخت نہیں بکتے ہیں اور پھل موجود نہیں ہے تو بیع کس چیز کی؟ کیا معدوم کی بیع ہے۔ سو بیع معدوم باطل ہے۔

میں اس بلوہ عام سے بچنے کی ایک آسان تدبیر بتلاتا ہوں جس سے دوسروں کو تو یہ خریدے ہوئے آم حلال ہو جائیں اور حرام کا سلسلہ نہ چلے وہ یہ کہ جو لوگ پھل آنے سے پہلے باغ فروخت کر چکے ہیں وہ اب پھل آنے کے بعد دو جملے کہہ دیں یا یہ کہہ دیں کہ میں قیمت معلومہ پر باغ کا پھل اب بیچتا ہوں۔ مشتری کہہ دے کہ میں خریدتا ہوں، صرف دو لفظوں کی بات ہے۔ اس سے یہ ہوگا کہ پہلے جو گناہ ہوا سو ہوا لیکن آئندہ تمام مخلوق کو حرام کھلانے کا تو گناہ نہ ہوگا پہلے گناہ سے اب توبہ کر لیں اور آئندہ گناہ سے بچنے کے لیے یہ دو لفظ کہہ دیں تو بہت کچھ گناہ کم ہو جائے۔

مگر افسوس کہ ہمارے بھائی مسلمانوں کو دوزخ میں جانا منظور ہے مگر یہ دو جملے کہنا منظور نہیں۔ ایک یہ کہ زمین بٹائی پر دیں، اس صورت میں اپنے اپنے حصہ کا عشر دونوں کے ذمہ ہے۔ کاشت کار کے بھی اور زمیندار کے بھی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زمین ٹھیکہ پردی جائے۔ مثلاً فی بیگھ من بھر غلہ لیس گے یا فی بیگھ دو روپیہ، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ عشر کس کے ذمہ ہوگا مگر ہم لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ عشر کاشت کار کے ذمہ ہے کیونکہ کاشت کا وہی مالک ہے۔ اب ایک مسئلہ قابل غور یہ ہے کہ عشر کس زمین میں ہے تو یاد رکھو کہ عشر زمین عشری میں ہے اور یہ وہ زمین ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اس کو فتح کیا ہے تو وہ زمین کسی کافر کے قبضہ میں نہ آئی ہو، اب زمین کی تین حالتیں ہوں گی۔

ایک یہ کہ معلوم ہو جائے کہ یہ زمین مسلمانوں کے ہاتھوں میں آتی رہی ہے اس میں تو عشر کا وجوب ظاہر ہے۔ دوسرے یہ کہ معلوم ہو جائے کہ یہ زمین کافروں کے ہاتھ سے آئی ہے اس میں عشر نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ معلوم نہ ہو کہ یہ کافروں کے ہاتھ سے آئی ہے یا مسلمانوں کے مگر اس وقت وہ مسلمان کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بھی باس صحاب حال قسم اول کے حکم میں ہے۔

ایک بات یہ معلوم کرنا چاہیے کہ عشر کی مقدار کیا ہے؟ سو اس کا مدار پانی کے اوپر ہے تو جس زمین کو کنویں سے پانی دیا جائے یا جس میں سرکاری نہر سے پانی دیا جائے اس میں پیداوار کا بیسواں حصہ ہے اور جو بارانی ہو اس میں دسواں حصہ ہے۔

ایک بات یہ جاننا چاہیے کہ لوگ عام طور سے کھیت ہی کو محل عشر سمجھتے ہیں، باغات میں عشر کو لازم نہیں سمجھتے حالانکہ باغات میں عشر واجب ہے جبکہ زمین عشری ہو اور اس کی مقدار کا مدار بھی پانی پر ہے۔ (العشر ج ۴)

## عشر کا مصرف

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے کہ اس میں بھی تملیک فقراء واجب ہے اور اس کا مصرف فقراء مسلمین ہیں۔ اگر مردہ پر کفن ڈال دیا یا مسجد میں لوٹے منگا دیئے یا فرش بنا دیا یا کافر کو دے دیا تو عشر ادا نہیں ہوا۔

ایک بات اور ہے جس کے بیان کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر ضرورت کی وجہ سے بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگ جو مولوی ہوتے ہیں وہ زکوٰۃ و عشر کے مصرف میں ایک حیلہ کرتے ہیں۔ مثلاً ان کو زکوٰۃ کا روپیہ یا عشر کا غلہ مدرسہ کی عمارت میں یا مدرسین کی تنخواہ میں لگانا ہے تو ایک غریب طالب علم کو بلاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ ہم تم کو کچھ روپیہ زکوٰۃ

کا دیں گے تو اس کو لے کر مدرسہ میں ہبہ کر دینا وہ کہتا ہے بہت اچھا، اب انہوں نے اس کو روپیہ دیدیا اور اس نے مدرسہ میں دیدیا۔ مولوی صاحب خوش ہیں کہ زکوٰۃ بھی ادا ہو گئی اور رقم مدرسہ کی عمارت میں یا تنخواہوں میں بھی لگ گئی مگر یاد رکھو کہ یہ حیلہ محض لغو ہے۔

اہل علم وہ گناہ تو نہیں کرتے جو عوام کرتے ہیں مگر علم کے پردہ میں یہ بھی گناہ کرتے ہیں، مولویوں کا گناہ بھی مولوی ہوتا ہے اسی طرح صوفیوں کا گناہ صوفی ہوتا ہے۔ صوفیوں کا گناہ یہ ہے کہ تسبیح ہاتھ میں لیے بیٹھے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے عابد، ذاکر، شاغل ہیں مگر باطن کا یہ حال ہے کہ

از بروں چوں گور کافر پر حلال و اندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید و ز درونت ننگ میدارد یزید

(باہر سے کافر کی قبر پر شکوہ اور شاندار ہے اور اسکے اندر خدائے عزوجل کا قہر برس رہا ہے، اپنی ظاہری حالت کی بنا پر تو حضرت بایزید بسطامیؒ پر طعنہ زنی کرتا ہے اور تیری باطنی حالت سے یزید بھی شرماتا ہے)

یہ بڑا گناہ ہے کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے تسبیح ہاتھ میں رکھے یا گلے میں موٹے موٹے دانوں کی تسبیح ڈال لے۔ عارف اسی کو فرماتے ہیں۔

ریا حلال شمارند و جام بادہ حرام زہے شریعت و ملت زہے طریقت و کیش

(ریا کو جائز سمجھتے ہیں اور شراب کے جام کو حرام، یہی انکی شریعت و ملت اور طریقت و

مذہب ہے) (الاعتراف ج ۴)

## تاویل سے نفرت

میں زمانہ طالب علمی میں ایک بار میرٹھ گیا۔ وہ زمانہ نوچندی کے میلہ کا تھا، میرا بچپن تھا، اس لیے میں بھی میلہ دیکھنے چلا گیا۔ جب میلہ سے واپس آیا تو حافظ عبد الکریم صاحب رئیس کے صاحبزادہ غلام محی الدین مرحوم نے مجھ سے پوچھا کہ مولوی صاحب نوچندی کے میلہ میں جانا کیسا ہے۔ میں نے کہا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی اس غرض سے جائے کہ اس کو فتویٰ دینے کے لیے تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ عوام کے سامنے اس کے مفاسد بیان کر سکے تو ایسے شخص کو جانا جائز ہے۔ صاحبزادہ صاحب بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ مولوی گناہ بھی کرتے ہیں تو اس کو جائز کر لیتے ہیں۔



مجھے اس تاویل کے بعد تاویل سے ایسی نفرت ہو گئی ہے کہ اس سے زیادہ نفرت کسی چیز سے بھی نہیں اور اس تاویل سے مراد وہ تاویل ہے جس سے اپنے نفس کی نصرت مقصود ہو۔ عارف شیرازی اسی کو فرماتے ہیں۔

ترسم کہ صرفہ بز دروز باز خواست نان حلال شیخ بہ نان حرام ما  
(یعنی اندیشہ ہے کہ کہیں قیامت میں ہمارا نان حرام شیخ کے نان حلال پر غالب نہ آجائے کیونکہ ہم تو حرام کو حرام جانتے ہیں اور وہ حرام کو تاویل سے حلال بنا کر کھاتے ہیں) (المشرج ۴)

## حیلہ سے بچنے کی ترکیب

اب سنو! کہ اگر کوئی ایسی ضرورت ہو کہ زکوٰۃ یا عشر کی رقم ایسے مصرف میں لگانا جہاں تملیک کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً مسجد میں لگانا ہے یا تملیک کا تحقق تو ہو سکتا ہے مگر جہاں رقم بھیجنا ہے ان لوگوں پر اطمینان نہیں کہ وہ مصرف میں صحیح طور پر استعمال کریں گے یا نہیں، وہاں پہلی ترکیب نہ کرو بلکہ یوں کر ناچاہیے کہ مسکین سے کہا جائے کہ اگر تم ثواب چاہتے ہو تو کسی شخص سے اتنی رقم قرض لا کر اس کام میں دے دو اور ہم اس قرض کے ادا کرنے میں تمہاری امداد کر دیں گے جب وہ کسی سے یا تم ہی سے رقم قرض لے کر چندہ میں دے دے، اب تم اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دو کہ اس سے تم خواہ اپنا قرض ادا کرو یا جو چاہو کرو۔

اس صورت میں مسکین سے وہی رقم واپس نہیں لی جاتی جو اس زکوٰۃ میں دی گئی ہے کیونکہ زکوٰۃ کی رقم سے تو وہ اپنا قرض ادا کرے گا جو اس کا ذاتی خرچ ہے تو اس صورت میں تملیک کا تحقق پوری طرح ہو گیا کہ زکوٰۃ لے کر مسکین اپنے خرچ میں بھی لے آیا البتہ جو رقم اس نے کسی سے قرض لے کر چندہ میں دی ہے وہ خرچ ہونے سے پہلے مسکین کی ملک سے خارج نہیں ہوتی قبل از خرچ وہ اس کو واپس لینے کا اختیار رکھتا ہے مگر یہ اختیار تو اس حیلہ میں بھی رہتا ہے جو عام طور پر کیا جاتا ہے اس لیے یہ نقص اسی تدبیر کے ساتھ خاص نہیں اور اس کا تدارک یوں ہو سکتا ہے کہ جب مسکین رقم قرض لا کر چندہ میں دے دے اس کی اسی وقت مدرسہ یا مسجد یا ترکوں کے فنڈ میں خرچ کر دیا جائے پھر ادائے قرض کے لیے اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے ثواب واپسی کا حق اس کو نہ رہے گا اور متعارف تدبیر میں کوئی تدارک نہیں۔ (المشرج ۴)

## عشر اور زکوٰۃ کا فرق

عشر کے متعلق ایک مسئلہ اور سن لینا چاہیے وہ یہ کہ زکوٰۃ میں تو حکم یہ ہے کہ اگر صاحب نصاب کے ذمہ قرض ہو تو زکوٰۃ قرض کو منہا کرنے کے بعد بقیہ رقم پر واجب ہوتی ہے مگر عشر میں یہ حکم نہیں مثلاً ایک شخص کے پاس سو روپے جمع ہیں جن پر سال بھی گزر گیا مگر اس کے ذمہ پچاس روپیہ قرض بھی ہے تو زکوٰۃ تو پورے سو کی واجب نہیں بلکہ قرض کی رقم نکال کر باقی ماندہ پچاس میں زکوٰۃ فرض ہوگی اور عشر میں یہ قاعدہ نہیں بلکہ عشر تمام پیداوار پر فرض ہوگا یہ نہیں کہ بنے کا قرض ادا کرنے کے لیے غلہ الگ کر کے باقی میں سے عشر نکالا جائے۔ (العشر ج ۴)

## قنوت نازلہ پڑھنا

میں آج کل نوازل کی وجہ سے صبح کی نماز میں قنوت پڑھتا ہوں مگر بعض دفعہ نہیں پڑھتا کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قنوت صبح کی نماز میں سنت دائمہ نہیں۔ ہاں شافعیہ کے نزدیک سنت دائمہ ہے۔ تو حنفی کو گا ہے گا ہے ترک کر دینا چاہئے تاکہ التزام نہ ہو جائے شاید مقتدی کسی دن میری قنوت نہ پڑھنے سے یہ سمجھے ہوں کہ آج پیشاب کا تقاضا زیادہ ہوگا جو قنوت نہیں پڑھی مگر اس ترک کی وجہ یہ نہیں بلکہ وہ ہے جو میں نے ابھی عرض کی۔ (نور النور ج ۵)

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی وقت خدا نخواستہ کفار کسی نبی کو گرفتار کر لیں اور ان کو ترس (ڈھال) بنالیں اور کفار پر حملہ کرنے سے نبی کی ایذاء کا اندیشہ ہو تو اس وقت کیا کیا جائے فقہاء فرماتے ہیں کہ اس وقت ان نبی ہی سے دریافت کیا جائے کہ حضرت اس حالت میں ہم کو کیا حکم ہے؟ حملہ کریں یا نہ کریں۔ جو وہ کہیں اس پر عمل کرو۔ (نور النور ج ۵)

## ایک سوال کا جواب

ایک صاحب کا سوال آج کل آیا ہے۔ ہمارے یہاں عجیب عجیب سوالات آتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک شخص کسی عورت پر عاشق تھا۔ عورت شریف خاندان کی تھی اور یہ عاشق صاحب گھٹیا خاندان کے تھے۔ اس کے کفو نہ تھے۔ جب آپ نے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے عدم کفایت کا عذر کیا کہ تیرے نکاح سے میری نسل بگڑے گی۔ عاشق صاحب نے

کہا کہ میں تو نکاح کر کے صرف دیدار چاہتا ہوں اور کچھ نہ کروں گا۔ چنانچہ وہ اس شرط پر نکاح کرنے کو آمادہ ہو گئی کہ مجھ سے مقاربت نہ کرنا۔ عورت بھی بڑی ہمت کی تھی۔ اور اسی شرط پر نکاح ہو گیا کچھ دنوں تو عاشق نے صبر کیا مگر پاس لیٹ کر پھر صبر کس سے ہو۔ اب میاں کی جان پر بنی تو استفتاء کیا ہے کہ اگر میں صحبت کر لوں تو خلاف شرط ہونے کے سبب نکاح میں تو خلل نہ آئے گا اور یہ بھی لکھا کہ وہ راضی نہیں ہے۔

میں نے لکھا پاگل ہے جو اس شرط کی رعایت کرتا ہے۔ یہ شرط فاسد ہے اور نکاح صحیح ہو گیا اور عورت کی ناراضی کی کچھ پرواہ نہیں تم کو پورے اختیارات ہیں۔ کیا تم عورت ہو جو ایک عورت پر قابو یافتہ نہ ہو سکو۔ اگر فقہاء نہ ہوتے اور آج کل کے محدث ہوتے جن کو محدث (بے وضو) کہنا چاہئے۔ تو وہ کہتے کہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوا کیونکہ حدیث میں ہے بھی عن بیع و شرط۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے۔ اسی لئے بیع میں شرط کرنے سے بیع بھی فاسد ہو جاتی ہے اور شرط بھی اور نکاح بھی مثل بیع کے ایک معاملہ مالیہ ہے کیونکہ اس میں منافع عورت کو مہر کے معاوضہ میں لیا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں بھی نکاح اور شرط دونوں فاسد ہونے چاہئیں۔

حضرت اگر فقہاء کا وجود نہ ہوتا تو یہ لوگ بیع اور مشروط بشرط فاسد کی طرح تمام عقود کو فاسد کہتے۔ مگر خدا جزائے خیر دے حضرات فقہاء کو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس ہیں۔ وہ حضور کے لب و لہجہ کو پہچانتے ہیں۔ (المورد الفرخنی فی المولد ابرزخی ج ۵)

## جبہ شریف کے متعلق احکام

بعض لوگ یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ جبہ شریفہ کے لئے نذریں مانتے ہیں۔ فقہاء نے اس کو حرام لکھا ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہو سکتی۔ عبادت خالق جل و اعلیٰ شانہ کے لئے خاص ہے۔ بحر الرائق میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ نذر ماننا مخلوق کے لئے سب کے نزدیک اتفاقاً حرام ہے نہ وہ نذر منعقد ہوگی اور نہ اس کا پورا کرنا ذمہ میں واجب ہوگا۔ اور وہ حرام بلکہ سخت حرام ہے۔

مجاوروں کو اس کا لینا کھانا اور اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں۔ اصل عبارت یہ ہے۔

فی البحر النذر للمخلوق لایجوز لانه عبادة والعبادة لایکون

للمخلوق و فيه الاجماع على حرمة النذر للمخلوق ولا ينعقد ولا  
تشتغل الذمة منه وانه حرام بل سحت ولا يجوز الخادم الشيخ  
اخذہ ولا اكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجو  
بعض لوگ جبہ شریف کے عرس وغیرہ کے لئے زمینیں وقف کرتے ہیں تو یاد رکھئے  
اگر وقف کرنے والے کی نیت اس وقف سے یہی ہے کہ ان بدعات و خرافات میں اس کا  
روپیہ صرف کیا جائے تب تو یہ وقف باطل ہے جائز نہیں اور وقف کرنے والا گنہگار ہے۔  
و فی العالمگیریۃ و منها ان من شرائط صحته ان یکون قربته  
من ذاته و عند التصرف الخ  
یعنی صحت وقف کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کام کے لئے  
وقف کیا گیا ہے وہ فی نفسہ بھی قربت ہو۔ اور وقت تصرف کے بھی قربت ہو۔ اور ظاہر  
ہے کہ عرس وغیرہ کا دلائل شرعیہ سے حرام ہونا معلوم تو اس کی نیت سے وقف بھی صحیح نہ  
ہوگا اور نہ اس کے لئے چندہ دینا درست ہوگا البتہ اگر اس نیت سے وقف کیا جائے کہ  
جو فقراء و مساکین اس کی زیارت کو حاضر ہوں ان پر صرف کیا جائے اور جو لوگ اس  
کے متولی ہوں وہ بھی بقدر حاجت اس میں سے لے لیا کریں تو یہ وقف صحیح ہے اور اس  
نیت سے خدام جبہ کو کچھ دینا بھی جائز ہے۔  
غرض جبہ شریف کے لئے نذرین ماننا بالکل حرام ہے اس سے مسلمانوں کو  
احتراز لازم ہے۔ (راس الربیعین ج ۵)

## دینی احکام علماء نے نہیں بنائے

ایک بیرسٹر الہ آباد میں ہیں۔ وہ مولانا محمد حسین صاحب سے کہتے تھے مولوی  
صاحب! اب تو مسلمانوں کو بہت تنزل ہے اگر علماء سود کی اجازت دے دیں تو بہت اچھا  
ہے کہا قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے کس کی مجال ہے اس کو حلال کرے تو بہ کرو  
تو بہ کرو! آپ کہتے ہیں کیا قرآن مجید میں اس کی حرمت آئی ہے؟ کہا ہاں! تو آہستہ آہستہ  
رخسارہ پر طمانچے مارے مولانا یہ معلوم نہ تھا اگر یہ ہے تو سر آنکھوں پر میں تو واللہ یہ سمجھے  
ہوئے تھا کہ ان مولویوں نے یہ احکام تجویز کر لئے ہیں۔



تو بعضوں کا یہ گمان ہے کہ مولویوں نے یہ احکام اپنے گھر سے بنائے ہیں۔ غنیمت ہے مولویوں تک ہی تبرا پہنچایا آگے حضور تک نہیں پہنچے۔ الحمد للہ کہ علماء وقایہ تو ہو گئے حضور کے سبحان اللہ غرض یہ ہے کہ اپنے نزدیک اس قسم کی اصلاحات کرتے ہیں اس کی بنایہ ہے کہ وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم کو بالکل آزاد رکھا گیا ہے۔ اس لئے بہت سے احکام کی تشریح کا انکار ہے۔ سو بعضے اس اعتقاد کے لوگ مسلمانوں میں بھی ہیں اب اگر کوئی دوسرا شخص بھی ہوتا تو ان پر بھی فتویٰ دیتا۔ (نقد اللیب فی عقد الحلیب ج ۵)

مثلاً قانون شریعت میں اس کے متعلق کوئی قید نہیں کہ عمامہ میں چار پتے ہوں زیادہ نہ ہوں تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا قانون نے اس سے تعرض ہی نہیں کیا حالانکہ یہ نہیں ہے بلکہ قانون نے اس کے متعلق بحث کی ہے اور بحث کر کے اجازت دی ہے تو علماء کا اعتقاد یہ نہیں ہے کہ بعض امور کے متعلق شریعت نے بحث ہی نہیں کی۔ نہیں بلکہ شریعت نے بحث کی ہے اور بحث کر کے ان امور کی اجازت دی۔ غرض یہ ہے کہ جن امور کو علماء نے جائز کیا ہے ان امور کے متعلق شریعت سے فتویٰ جواز کا ملا تب جائز کیا۔ اگر شریعت سے فتویٰ جواز کا نہ ملتا تو ہرگز جائز نہ کرتے اور آزاد لوگ شریعت میں جواز کا فتویٰ تلاش ہی نہیں کرتے۔ یہ فرق ہے علماء کی آزادی میں اور ان لوگوں کی آزادی میں بہر حال قرآن مجید رد کر رہا ہے ان کے اس خیال کو۔ (ایضاً)

## مقدار مہر

آج کل مہر کی زیادتی کو بھی بڑا فخر سمجھا جاتا ہے۔ میری بھتیجی کے نکاح میں پانچ ہزار کا مہر باندھا گیا۔ ایک رئیس تھے سندھ کے وہ بھی نکاح میں شریک تھے میرے یہاں آئے ہوئے تھے انہوں نے سن کر تعجب کیا کہ اجی پانچ ہزار اس قدر زیادہ۔ انہیں اتنے ہی پر تعجب ہوا۔ حالانکہ ہمارے پاس ایک قصبہ ہے جلال آباد۔ وہاں تو سوالا کھ روپیہ کا مہر باندھا جاتا ہے۔ اس سے تو پانچ ہزار سستا ہی ہے مگر ان کے یہاں کے مقابلہ میں یہ بھی مہنگا تھا۔ کہنے لگے اجی ہمارے یہاں تو ایک بکری یا ایک گائے یا سات آٹھ روپیہ بہت سے بہت دس روپیہ بڑے بڑے رئیسوں کا یہی مہر ہوتا ہے۔ لیجئے ان کے یہاں مہر بس اتنا ہی ہے۔

واقعی صاحب! مہر تو بس کم ہی اچھا اور خاص کر جب لینا دینا ہی نہیں تو پھر زیادہ مقدار سے فائدہ ہی کیا۔ اگر شان ہے تو دینے میں ہے محض نام لینے میں کیا شان اور

اگر نام ہی لینے میں شان ہے تو پھر لاکھ ہی کے اوپر کیوں رہنمائی اقلیم کا نام لے دیا کرو بلکہ دنیا و مافیہا بلکہ آخری و مافیہا بلکہ عرش اور کرسی اور جنت سب ہی کا نام کیوں نہ لے دیا کرو۔ جب لینا دینا ہی نہیں تو پھر کیوں کسر رکھے۔

چنانچہ ایک جگہ مہر عجیب طرح سننے میں آیا۔ دس مٹکے چھروں کے دس مٹکے پسوؤں کے۔ لاجول والا قوت۔ یہ کیا خرافات ہے۔ مطلب یہ کہ ساری عمر مرد بار ہے اور دے ہی نہ سکے۔ اور ایک مقام پر سوا سیر کو دو نکا مہر ہوتا ہے۔ اس کو سن کر میں بڑا خوش ہوا کہ بہت ہی سستا مہر ہے مگر اس کی تفسیر کی گئی کہ سستا نہیں ہے سوا سیر کو دوں سے مراد سوا سیر کو دو نکا اناج نہیں ہے بلکہ اتنے روپے جتنے سوا سیر کو دوں میں دانے ہوتے ہوں گے۔ جن کا گننا بھی مشکل ہے۔ تو سوا سیر کو دوں کے یہ معنی کہ لاکھوں روپیہ۔

اب آپ ہی فرمائیے کہ کیا ہے محض رسوم قبیحہ۔ اجمی مہر نہ اتنا کم ہی ہو کہ لڑکی کی تحقیر ہی ہو نہ وسعت سے زیادہ ہو کہ دیا ہی نہ جاسکے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی کا مہر گیارہ سو بھی تھا۔ حساب سے صرف تین چار روپیہ کم ہوتے ہیں گیارہ سو سے۔ اگر بہت ہی بڑا فخر کرنا ہے تو گیارہ سو کا مہر باندھ دو۔ مگر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ گیارہ سو کا مہر زیادہ تھا۔ کیونکہ ایک بادشاہ تھے جیشہ کے حضرت نجاشی۔ یہ نکاح حضور کا انہوں نے کیا تھا اور یہ مہر بھی انہوں نے اپنے ہی ذمہ رکھا تھا۔ تو دیکھئے ایک بادشاہ نے اپنے ذمہ صرف گیارہ سو روپے رکھے۔ تو یہ بھی بڑی رقم نہ ہوئی۔ بادشاہ کے یہاں گیارہ لاکھ تو ہوتے۔ اگر ایسا ہی شوق ہے تو زیادہ مہر باندھنے کا تو خیر یہ مقدار گیارہ سو کی بھی موجود ہے مگر اتنا تو نہ بڑھاؤ کہ دیا ہی نہ جاسکے۔ رہی شان تو شان کو رہنے دو۔ (نقد الملبی فی عقد النبی ج ۵)

## ایک جاہل کی حکایت

قصہ یہ تھا کہ ایک داماد ساس پر فریفتہ ہو گیا تو اس نے ایک مفتی سے کہا کہ کیا ترکیب کروں کہ اس سے نکاح کر سکوں۔ اس نے کہا ہزار روپیہ دو ترکیب میں بتا دوں گا چنانچہ اس نے ہزار روپے دیئے۔ ہزار روپیہ لے کر اس نے کیا ترکیب کی کہ یہ لکھا کہ ساس اس کو کہتے ہیں جو منکوحہ کی ماں ہو پہلا مقدمہ۔ منکوحہ اس کو کہتے ہیں جس کا نکاح شریعت کے موافق ہوا ہو۔ دوسرا مقدمہ عموماً عورتیں کلمات شرک و کفر اپنی زبان سے جاری کرتی ہیں جس سے مرتد ہو جاتی ہیں اور مرتدہ کا نکاح درست نہیں ہوتا اس لئے قبل نکاح تجدید

ایمان ضروری ہے تیسرا مقدمہ یہ مشرکہ تھی کہ عادت کے موافق کلمات شرک و کفر زبان پر لاتی تھی چوتھا مقدمہ۔ اور اسے تجدید ایمان نہیں کرائی گئی پانچواں مقدمہ۔ لہذا نکاح شرعاً نہیں ہوا کہ مشرکہ سے مومن کا نکاح نہیں ہوا۔ جب یہ منکوحہ نہ ہوئی اس کی ماں ساس بھی نہیں ہوئی۔ رہ گئی حرمت مصاہرت سو یہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی گھڑت ہے جو حدیث کے خلاف ہے اس لئے حدیث کے مقابلہ میں ہم ابوحنیفہ کا قول نہیں مانتے اسے اس لئے بس وہ حرمت مصاہرت سے بھی بری ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (الشریعت ج ۶)

## چاندی کا مسئلہ

اگر آپ نے چاندی خریدی تو اس میں مسئلہ یہ ہے کہ چاندی کا مقابلہ اگر چاندی سے ہو تو زیادتی کمی حرام ہے۔ اگر آپ کہیں کہ صاحب اچھا مسئلہ سنا کہ نرخ کے حساب سے سو روپیہ کی چاندی ایک سو بیس بھر آئی مگر اب سو روپیہ کی سو ہی روپیہ بھر ملی۔ اچھا عمل کیا کہ بیس روپیہ کا خسارہ ہوا۔ اب ساری عمر کے لئے مولویوں کو خیر باد کہہ دیں گے۔ تو سنئے بات یہ ہے اگر مولوی صاحب سے یوں پوچھتے کہ مولوی صاحب جب چاندی میں زیادتی حرام ہے تو اب اگر اس پر اس خاص صورت میں عمل کریں تو بڑا نقصان ہوگا۔ کیا کوئی جائز شکل معاملہ کی ہے تو مولوی صاحب یوں کہتے ہیں کہ ان روپوں میں ایک گنی بھی ملا تو ایک سو بیس روپیہ بھر چاندی جو آئے گی تو پچاس روپیہ بھر تو پچاس کی آئے گی اور باقی کو اس گنی میں شریعت محسوب کر دے گی۔ تم کو نیت کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ شریعت خود فیصلہ کر چکی ہے۔ (نفی الحرج ج ۶)

## مقام ادب

علماء نے اس قدر ادب کیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا جائز نہیں ہاں شافی کہنا جائز ہے۔ یہاں رائے و عقل سے کام لینا جائز نہیں کیونکہ۔

دور بیناں بارگاہ الست غیر ازیں پے نبرہ اند کہ ہست

(الغالب للطالب ج ۶)

## حرمت سود

مسائل ربو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مثلاً بمثل یدابید والفضل

دبوا (شرح معانی الآثار للطحاوی ۳: ۶۶، ۶۷) اور دوسری جگہ یہ فرمایا کہ دعوا الربوا الربیہ اس سے معلوم ہوا کہ ربوا حرام ہے مگر اس کی جزئیات کا پتہ اس سے نہیں چلتا تھا۔ ہمارے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بمثل اور ید ابید سے سب جزئیات کو نکال دیا جن کو عوام الناس نہ سمجھ سکتے تھے اور اسی لئے علم اصول مدون کیا۔ نیز یہ بھی کہہ دیا کہ القیاس مظہر لامثبت جس میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔ جو کچھ کہا ہے۔ (تقویم الزیغ ج ۶)

### مسئلہ درود

ایک تو وہ شخص ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنے اور صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا حق ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے یا سنا جائے تو صلی اللہ علیہ وسلم کہنا واجب ہے۔ اگر نہ کہے گا تو گناہ ہوگا ایسے ہی حق تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ جل جلالہ یا اور کوئی لفظ مشعر تعظیم کہنا واجب ہے ورنہ گناہ ہوگا۔ لیکن ایک مجلس میں اگر چند بار نام لیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر صلی اللہ علیہ وسلم کہنا (اور حق تعالیٰ کے نام پر جل جلالہ یا تعالیٰ کہنا) ایک بار تو واجب ہے اور ہر بار کہنا مستحب ہے وہ اس کا مصداق ہوگا۔

### اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ہو المسک ما کررتہ يتضوع

حضرت نعمان کا تذکرہ ہمارے سامنے دہرائے کیونکہ ان کا تذکرہ کستوری ہے جتنا تو اسے دہرائے گا پھیلے گی۔ (العید والوعید ج ۶)

### نماز عید

اگر شہر میں عید کی نماز بلا عذر پڑھی جاتی ہے تو یہ خلاف سنت ہے اور اگر بعذر ہے تو ان کو بھی وہی ثواب ملے گا جو شہر سے باہر پڑھنے کو ملتا ہے اور ان کا عدم خروج اگر کسی کے بے راہی سے ہے تو اس کا وہاں لوگوں پر ہوگا۔ جن کی وجہ سے یہ لوگ خروج سے معذور ہیں اور اگر حدیث میں خروج من البیت مراد ہو تو یہ تو ہر حال میں متحقق ہوگا۔ (ایضاً)

### فکر دین کے ثمرات

ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ وجد میں اگر غشی کی حالت میں گر پڑوں تو وضو ہے



گایا نہیں۔ میں اس سوال سے بہت خوش ہوا اور میں نے کہا کہ عمر بھر میں آج تم نے یہ سوال کیا ہے اور کسی نے نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے تم کو دین کی فکر ہے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں وضو کا اعادہ ضروری ہے، وہ کہنے لگا کہ درویشوں میں کوئی بھی وضو کا اعادہ نہیں کرتا۔ اس صورت میں مرید تو کیا پیر کی بھی نماز درست نہیں ہوتی مگر نماز کا اہتمام اور اس کی قدر و وقعت ہو تو مسائل جاننے کی فکر ہو۔ (اصل العبادۃ ج ۷)

## مسئلہ طلاق و میراث

طلاق کے متعلق میرے پاس ایک استفتاء آیا تھا کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی۔ عورت نے کہا میں تو نہیں لیتی۔ سائل نے پوچھا تھا کہ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں۔ یہاں سے جواب گیا کہ طلاق ہو گئی۔ عورت کے نہ لینے سے کچھ نہیں ہو سکتا، اس کو تو جھک مار کے لینا پڑے گی اور نہ لے جب بھی پڑ جائے گی۔

گر نہ ستانی بہ ستم مے رسد (اگر نہیں لیتی تو زبردستی پہنچے گی)

اب اگر کوئی عورت کہے کہ میری لیاقت اور شائستگی تھی کہ میں نے تمہاری خاطر سے طلاق کو قبول کر لیا تو کوئی عقلمند اس کا احسان مانے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ ہر شخص اس کی بات پر ہنسے گا کہ سبحان اللہ! یہ بڑا کمال کیا آپ نے۔ بھلا اس کے نہ قبول کرنے سے ہوتا کیا ہے۔ ذرا قبول نہ کر کے تو دیکھ لیجئے۔ مثلاً طلاق و انقضائے عدت کے بعد کے متعلق اگر عدالت میں نالش کرے اپنے نان و نفقہ کی تو عدالت خواہ رسمی ہو خواہ قانونی، خواہ عرفی ہو خواہ شرعی، یہی حکم کرے گی کہ چونکہ طلاق واقع ہو گئی اس لیے نان و نفقہ واجب نہیں رہا۔ جب نہ قبول کرنے کا کچھ اثر نہیں تو قبول میں کچھ کمال بھی نہیں، قبول کرنا اسی چیز کا کمال ہے جو نہ قبول کرنے سے رد ہو سکے۔ (اسراء العبادۃ ج ۷)

## بہنوں کا حصہ میراث

بعض اہل علم بھی ایک غلطی میں مبتلا ہیں۔ وہ یہ کہ بعض دفعہ کوئی خاص وارث اپنا حق نہیں لینا چاہتا مثلاً بہن عام طور پر اپنا حق نہیں لیتی اور اس کی بناءً ابتداءً تو ظلم سے ہوئی ہے مگر اب رسم عام ہو گئی کہ میراث میں سے حصہ لینا عورت کے لیے عیوب میں داخل سمجھا جاتا ہے،

اس واسطے وہ حصہ نہیں لیتی بلکہ یہ کہہ دیتی ہے کہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ میرا حصہ بھائی لے لے تو اس کے اس کہنے سے بھائی اس بہن کے حصہ کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ اول تو جب اس رسم و رواج کی بناء ظلم پر ہے تو بہن نے طیب قلب سے اپنا حصہ نہیں چھوڑا اور بدون طیب قلب کے کسی کا مال دوسرے کے لیے حلال نہیں۔ دوسرے اگر فرض کیجئے کہ اس کہنے کی بناء ظلم بھی نہ ہو بلکہ طیب خاطر سے بھی کہہ دے تب بھی بوجہ اس کے اضطراب مالک ہو جانے کے وہ حصہ اس کی ملک ہو گیا اور ملک ہو جانے کے بعد کوئی عقد انتقال ملک کا پایا نہیں گیا۔ اس لیے وہ حصہ اس کی ملک سے خارج نہیں ہوا بلکہ وہ ترکہ میں سے اپنے حصہ کی بدستور مالک ہے۔

اب اس مسئلہ کے چند فروع ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس نے اپنی زندگی میں نہ لیا تو مرنے کے بعد بہن کی اولاد اس کا حصہ پاوے گی اور اگر ماموں سے لینا چاہیں تو شرعاً مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس میں غلطی کی بناء یہ ہوتی ہے کہ بہن کے اس کہنے کو کہ میں اپنا حصہ لینا نہیں چاہتی کافی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کافی نہیں۔ اس پر شاید یہ سوال ہو کہ اچھا پھر کیا کہیں؟ کیا یوں کہہ دے کہ میں اپنے حصہ سے دست بردار ہوتی ہوں، سو یہ بھی کافی نہیں کیونکہ ابراء دیون سے ہوتا ہے اعیان سے نہیں ہوتا۔

یعنی اگر کسی کے ذمہ میرے دس روپے آتے تھے اور میں نے کہا کہ میں نے یہ روپیہ معاف کر دیا تو میرے اس کہنے سے قرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا۔ یہ تو ہے برأت عن الدین اور اگر میرا قلمدان رکھا ہے میں نے کہا جاؤ میں نے تمہیں یہ قلمدان معاف کر دیا تو اس کہنے سے نہ وہ میرے ملک سے خارج ہوا نہ آپ کی ملک میں داخل ہوا۔ وہاں ”وہبت نخلت اعطیت“ (میں نے ہبہ کیا یا بخشش کیا یا عطا کیا) یا اور انہیں کے ہم معنی الفاظ کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح تمام شرائط ہبہ کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ اس واسطے بہن کے معاف کر دینے سے وہ حق وراثت معاف نہیں ہوا اور نہ بھائی کی ملک میں داخل ہوا کیونکہ وہ حصہ حصہ عین ہے دین نہیں ہے۔ اگر اس کے واقعی دینے کی نیت ہو تو اس کو الفاظ ہبہ کے ساتھ ہبہ کرنا چاہیے یا بیع کرنا چاہیے اور جو کچھ کرے اس کی شرائط پورے ادا کرنا چاہئیں۔

مثلاً اگر ہبہ کرے تو مسئلہ یہ ہے کہ قبل تقسیم کے ہبہ صحیح نہیں۔ مثلاً ایک جائیداد قابل تقسیم ہے اور اس میں بہن کا حصہ ہے اور بہن نے تقسیم سے پہلے ہبہ کیا تو یہ ہبہ جائز نہیں اور اگر تقسیم کے بعد ہبہ ہوا

ہے تو بشرط قبض صحیح ہے غرض ہبہ صرف کاغذی نہیں ہونا چاہیے حسی و حقیقی ہونا چاہیے۔ کاغذ تو محض تکمیل ہبہ کی سند اور حکایت ہے جس سے پہلے محکی عنہ کا وجود ضروری ہے۔ (اسرار العبادۃ ج ۷)

دیکھئے آپ ایک مرتبہ لفظ کے احکام کا بیان فرما رہے تھے کہ کسی کو کوئی گمشدہ بکری ملے تو اس کو چاہئے کہ پکڑ لے۔ اگر مالک مل گیا تو وہ لے لے گا ورنہ تصدیق کے بعد اور کسی کے کام میں آوے گی۔ اگر اس کو ویسے ہی چھوڑ دے گا تو ممکن ہے کہ بھیڑیا لے جاوے۔ ایک شخص نے عرض کیا فضالہ الابل کہ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے۔ اس پر آپ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا مالک ولہا معہا حذاء ہا وسقاء ہا مطلب یہ تھا کہ اونٹ ایسا جانور نہیں کہ اس کو کوئی درندہ پکڑ لے کوئی اس کو ستا نہیں سکتا اس شخص نے بے ڈھنگا سوال کیا تھا اس پر آپ نے غصہ فرمایا اور وہ شخص معذور تھا نہیں کیونکہ اتنی بات وہ بھی جانتا تھا اس قصہ میں آپ نے ضابطہ پر عمل کیا اور اس پر کچھ بھی نہیں ہوا۔ (شکر العطاء ج ۷)

## مسائل نماز جمعہ

جمعہ میں ایسی وسعت نہیں بلکہ اذان کے بعد فوراً ہی نماز کے لئے چلنے کا حکم ہے اور سب کام بعد اذان کے چھوڑ دینے کا حکم ہے اس حکم سے اشارۃً یہ بھی سمجھا آیا کہ جمعہ متعدد مسجدوں میں مناسب نہیں اور سب جگہ نماز جمعہ برابر نہیں اگر برابر ہو تو اس قدر تنگی کیوں کی جاتی کہ فوراً اذان ہوتے ہی نماز کے لئے چلنا واجب کر دیا گیا کیونکہ اگر ایک شخص کو ایک جگہ جمعہ میسر نہ ہوتا تو دوسری مسجد میں پڑھ لیتا اصلی مرضی یہی ہے کہ سب لوگ جمع ہو کر جماعت سے ایک جگہ جمعہ ادا کریں اس زمانہ میں بعض مجتہدین پیدا ہوئے ہیں، جو بغیر جماعت کے بھی اور جنگل میں بھی جمعہ صحیح فرماتے ہیں اور شہر اور جماعت کو شرائط جمعہ نہیں کہتے۔ سو یاد رکھو کہ مجتہد ہونا ہر ایک کے لائق نہیں

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو شخص بھی آئینہ رکھتا ہو وہ سکندری بھی جانتا ہو۔

مجتہد ہونا بڑا مشکل ہے بہت علم اور فہم درکار ہے افسوس ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو کہا جاتا ہے کہ فقط سترہ حدیثیں جانتے تھے غضب کی بات ہے کہ اتنی حدیثوں پر اس قدر اجتہاد ممکن نہیں کہ یہ روایت صحیح قرار دی جاوے کیسے ہو سکتا ہے کہ سترہ حدیثیں معلوم کر کے محدث اور مجتہد ہو جاوے بہر حال یقیناً آپ کے ماخذ وسیع

ہیں مگر پھر بھی آپ کا زیادہ اجتہاد عمق نظر سے تھا۔ اور اجتہاد ایک ذوقی امر ہے وسعت نظر پر موقوف نہیں اور عمق نظر ہر ایک کو نصیب نہیں۔

شہد آں نیست کہ موی و میا نے دارد بندہ طلعت آن باش کہ آنے دارد  
محبوب وہ نہیں کہ جس کے بال عمدہ اور کمر پتلی ہو بلکہ محبوبیت اس کی ایک آن اور ادا  
میں ہوتی ہے جو محبوب اور دلکش ہوتی ہے۔ (شعبان ج ۷)

## شب برأت کی بدعات

بعض بدعات و معاصی اس شب میں واقع ہوتی ہیں۔ چنانچہ ۱۴ شعبان کو لوگوں نے  
یہ دستور کر رکھا ہے کہ حلوا پکاتے ہیں اور تیوہار کی طرف عزیزوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ سو یہ  
عید بنانا جائز ہے۔ ہاں اتنی تو وسعت ہے کہ پندرہویں شب کو نہ کہ چودھویں دن شعبان  
کو (اس لئے کہ فضیلت چودھویں شعبان کی نہیں) کھانا پکا کر خیرات کر دیا جاوے اور اگر  
زیادہ ہو اور ہمیشہ کسی عزیز کے لئے دینے کا قاعدہ ہو تو اس روز بھی دے دے۔ (ایضاً)

## سفر میں روزہ

جس سفر میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے خود نفس سفر کی وجہ سے نہ کسی اور عارض کی وجہ سے وہ  
سفر ہے جس کی حد تین منزل ہے جس کی مقدار علماء نے یہاں کے کوسوں کے حساب سے  
۳۶ کوس اور انگریزی میل کے حساب سے ۴۸ میل مقرر کر دی ہے لیکن انگریزی میل کا  
حساب آسان ہے کیونکہ یہ ہر جگہ یکساں ہے، بخلاف کوس کے کہ اس کا حساب مختلف  
مقامات پر مختلف ہے۔ چنانچہ یورپ میں بہت بڑا کوس ہوتا ہے یعنی وہاں دو میل کا کوس ہوتا  
ہے۔ لہذا ۴۸ میل کا حساب زیادہ آسان ہے کیونکہ وہ ذرا منضبط ہے۔

ہر چند یہ تین منزل شرعی مقدار تھی جس کی تحدید میلوں سے شرع نے نہیں کی۔  
لیکن علماء نے جیسا کہ حوض میں ایک تحدید مقرر کر لی ہے یعنی وہ درودہ کی مقدار  
انتظام اور سہولت کے لیے مقرر کر لی ہے اسی طرح یہ حد بھی سفر کی انتظام اور سہولت کے  
لیے مقرر کر لی ہے ورنہ شریعت نے تو دار و مدار احکام سفر کا تین منزل کو قرار دیا ہے مگر چونکہ  
عرفاً اوسط منزل بارہ کوس کی ہوتی ہے اس لیے علماء نے سفر شرعی کی مقدار ۳۶ کوس مقرر



کردی ہے تاکہ عوام میں پریشانی اور اختلاف نہ ہو ورنہ اگر عوام کی رائے پر چھوڑ دیتے تو وہ صرف پانچ کوس ہی کی منزل کر کے پندرہ کوس ہی کے اندر احکام سفر کو جاری کر لیتے اور کہہ دیتے کہ ہم تو صاحب پانچ کوس سے زیادہ نہیں چل سکتے تو تحدید کے اندر یہ ایک نفع ہوتا ہے انتظام کا۔ بہر حال جو سفر ۳۶ کوس کا ہو یا ۲۸ میل کہئے وہی سفر شرعی ہے اور اسی سفر کے اندر روزہ کا افطار بھی ہے اور اسی سفر کے اندر نماز کا قصر بھی ہے۔

لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نماز کا قصر کرنا تو واجب ہے اور روزہ کا افطار کرنا واجب نہیں، ہاں روزہ کا افطار کرنا جائز ہے لیکن فی نفسہ واجب نہیں جب تک کہ سخت ضرر کا اندیشہ نہ ہو اور نماز کا قصر کرنا بہر حال واجب ہے۔ تو یہ وہ سفر ہے جو سفر شرعی کہلاتا ہے مسافر اور مریض کے لیے ارشاد ہے کہ روزہ افطار کر لینا جائز ہے۔ ”وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ“۔ یہ شیخ فانی کا حکم ہے یعنی اس کے لیے روزہ کا فدیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا دو وقت کا شکم سیر کر کے اور اگر کوئی زیادہ دے دے اپنی خوشی سے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ گو بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ”أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ“ سے متعلق ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔ ظاہر اتو تینوں ہی کے متعلق ہے۔ یعنی مسافر مریض اور شیخ فانی ان تینوں کے لیے روزہ رکھ لینا بہتر ہے مگر دوسرے دلائل کی وجہ سے اس حکم میں قید یہ ہے کہ تحمل ہو یعنی اگر تحمل ہو تو روزہ رکھ لینا اچھا ہے۔ تو ”أَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ“ سے مسافر کے لیے بھی روزہ رکھنا افضل ہوا اور اگر قرآن کو اس بارے میں نص نہ کہا جائے کیونکہ بعض کے نزدیک اس کا تعلق شیخ فانی کے ساتھ محتمل ہے اور ”اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطُلُ الْاِسْتِدْلَالِ“ مگر حدیثیں تو صریح ہیں۔ چنانچہ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں روزہ رکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا، اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جیسا جاو یا ہی افضل بھی ہے۔ بہر حال سفر میں روزہ رکھنا ہی افضل ہوا۔ (شرائط الطاعة ج ۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصف اخیر شعبان میں روزہ سے نہی فرمائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت روزہ رکھنے سے کہیں ضعف نہ ہو جائے۔ پھر اس سے رمضان کے روزہ میں خلل واقع ہو۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف شعبان کے بعد روزہ سے نہی فرمادی۔ اب اس علت کے معلوم ہو جانے سے اس کا درجہ بھی متعین ہو گیا۔ وہ یہ کہ فی نفسہ روزہ حرام نہیں ایک عارض کی وجہ سے ممانعت ہے۔ اگر وہ عارض نہ پایا جاوے تو روزہ رکھنے

میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی کو ضعف نہ ہوتا ہو اور وہ عادی ہو ان ایام میں روزہ رکھنے کا اور روزہ رکھنے سے کوئی اثر معتد بہ رمضان میں واقع نہ ہو تو اس کو روزہ رکھنا جائز ہوگا۔  
چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رمضان شریف سے دو تین روز قبل روزہ نہ رکھے مگر جس کی عادت ہو۔ (شعبان فی شعبان ج ۷)

## بڑھیا کا مسجد میں آنا

ہمارے امام صاحبؒ نے اس باب میں نہایت سختی فرمائی ہے کہ عجوز (بڑھیا) کو بھی مسجد میں آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ وہ فرماتے ہیں۔  
لکل ساقطة لا قطة گری پڑی چیز کا اٹھانے والا موجود ہے یعنی ہر عورت کی طرف کوئی نہ کوئی میلان کرنے والا موجود ہے۔  
اور دوسرے علماء نے بھی اگرچہ کسی قدر نرمی کی ہو مگر اولیٰ اسی کو سمجھا ہے لیکن کسی نے اس انکار کو رد نہیں کیا۔ (المال والجاه ج ۸)

## کافر سے سود لینا

ایک مرتبہ میرے پاس ایک عہدہ دار کا خط آیا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے میں نے لکھا کہ کافر عورت سے زنا کرنا کیوں حرام ہے اور خلاصہ ان کے اس سوال کا علت کا سمجھنا تھا تو سمجھ لیجئے کہ علت کا سمجھنا خواص کا کام ہے تو ان عہدہ دار صاحب نے علت پوچھی تھی تو اگر میں خوش خلقی کو کام میں لاتا اور کچھ لکھ دیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ  
مغز ماخورد و حلق خود بدرید

ہمارا مغز کھایا اور اپنا حلق پھاڑا۔ یعنی ہمارا دماغ بھی خالی کیا اور خود کوئی فائدہ بھی نہ اٹھایا۔  
تو میں نے یہ لکھ دیا کہ زنا کیوں حرام ہے وہ بہت خفا ہوئے اور مجھ کو لکھا کہ علماء کو ایسا خشک اخلاق نہ ہونا چاہیے میں نے اس کو ردی میں ڈال دیا۔ اس کے بعد اتفاق سے وہ مجھے ایک سفر میں ملے اور زبانی گفتگو سے سمجھ گئے اور پھر کبھی کوئی بات فضول نہیں پوچھی۔ (ایضاً)

## مغلوب العقل کا چندہ

چندہ کے متعلق ایک مسئلہ سنو خوب یاد رکھو کہ جو شخص جوش میں آ کر اپنی حیثیت سے

زیادہ چندہ دیتا ہے وہ مغلوب العقل کے حکم میں ہوتا ہے ایسی حالت میں اس سے چندہ لینا اور اس کو خالی کر کے چھوڑ دینا دین کے تو خلاف ہے ہی عقل کے بھی خلاف ہے ہمدردی کے بھی خلاف ہے۔ کیوں کہ یہ اس کو فقیر کر دینا ہے۔ (احکام المال ج ۸)

## حق شفعہ

شریعت نے جس چیز کو مقوم نہیں قرار دیا اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں مثلاً آپ کا حق شفعہ تھا۔ آپ نے سو روپیہ لے کر اس کو چھوڑ دیا تو یہ سو روپیہ واجب الادا ہیں اور حق شفعہ بھی نہیں رہا کیونکہ شریعت نے شفعہ کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی یا مثلاً کسی نے حاکم سے سفارش کر دی اور پچاس روپیہ لے لئے یہ پچاس روپیہ حرام ہیں اکثر لوگ رشوت مقدمات میں کچھ لینے کو کہتے ہیں حالانکہ یہ سب بھی رشوت میں داخل ہیں حاکم سے سفارش کرنا بھی ایسا ہی فعل ہے کہ شریعت نے اس کی کوئی قیمت مقرر نہیں کی۔ (ایضاً)

## رائے دینے اور مسئلہ بتانے کی اجرت

اسی طرح سے رائے دینا بھی ہے کہ اس کی قیمت لینا جائز نہیں۔ اگر رائے کی قیمت ہے تو جو بھی کوئی رائے دے دے قیمت لے لیا کرے اگر کہو کہ اوروں کی رائے میں اور ہماری رائے میں فرق ہے کہ ہم قانون دان ہیں۔ ہماری رائے سے لوگوں کا کام چلتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کو کوئی رائے دے دی تو اس میں کون سی محنت پڑی اور اگر کہو کہ اس میں محنت یہ ہے کہ سوچنا پڑتا ہے یہ دماغ خرچ کرنے کی قیمت ہے تو میں کہوں گا کہ اگر محنت اس کا نام ہے تو پھر رومال میں روپے باندھنے پڑیں گے اور پھر گھرتک لانے پڑیں گے پھر ان کو صندوق میں رکھنا پڑے گا ان سب باتوں کی بھی قیمت ہونی چاہیے کیونکہ ایسی محنت ان کے اندر بھی ہے بس اس کا سارا گھر لے لو۔

اسی طرح مسئلہ بتلانے کی قیمت لینا جائز نہیں کیونکہ اس میں دین فروشی ہے اور وہ حرام ہے البتہ تعلیم دین بطرز تدریس پر اجرت لینا جائز ہے کیونکہ اس میں مشقت ہے لیکن مسئلہ بتلانے کی کیا اجرت بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ پانچ روپے لاؤ جب مسئلہ بتلائیں گے۔ یہ جائز نہیں

ایک شخص نے تو کمال ہی کر دیا کہ ایک فتویٰ دیا اور ہزار روپیہ لے لیا۔ فتوے میں عجیب تماشا یہ کیا کہ پھر پھار کے ایسی صورت نکالی کہ ساس سے نکاح کرنا جائز کر دیا۔ (احکام المال ج ۸)

## نفلی حج کا مسئلہ

اگر کسی شخص کی بابت اس کے مجموعی حالات سے ثابت ہو جاوے کہ حج کے راستہ میں اس سے نماز کی پابندی نہ ہو سکے گی تو اس کو حج نفل سے منع کیا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کو ایک نماز کے بھی قضا ہونے کا گمان غالب ہو تو اس کو حج نفل کرنا جائز نہیں اسی کے بارہ میں عارف مسعود بک کہتے ہیں۔

اے قوم حج رفتہ کجائید کجائید معشوق درینجا ست بیائید بایید

یعنی تم کہاں چلے حج کرنے تمہارا محبوب یعنی اللہ میاں تو یہاں ہیں۔

اس شعر میں مطلق حج مراد نہیں جس سے شبہ پڑے کہ حج سے روک رہے ہیں بلکہ حج نفل جس سے کوئی فرض چھوٹتا ہو وہ مراد ہے۔ (ایضاً)

## باطنی تصرف

اگر کوئی درویش باطنی تصرف سے کسی کے قلب میں یہ خیال ڈال دے کہ فلاں شخص کو ایک ہزار روپیہ دیدو تو اس کا لینا بھی حرام ہے لوگ اس کو کمال سمجھتے ہیں اگر یہ صورت حرام ہے کہ باطنی تصرف سے کسی کا مال لیا جاوے۔ تجربہ ہے کہ ایسی صورت میں آدمی دب کر کچھ دے دیتا ہے پھر بعد میں پچھتا تا ہے یہ اس کی علامت ہے کہ خوش دلی سے نہیں دیا تھا۔ (احکام الجاہ ج ۸)

## نکاح کیلئے تعویذ

کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور وہ نہیں چاہتی اور اس پر نکاح کرنا واجب بھی نہیں تو اس نے کسی سے تعویذ کرایا اس غرض سے کہ وہ نکاح کر لے تو یہ بھی جائز نہیں نہ ایسا تعویذ دینا جائز ہے کیونکہ اس میں بھی عامل کی قوت خیالی کا اثر ہوتا ہے اور قلب سے کسی کو مجبور کرنا جائز نہیں البتہ میاں بی بی کی موافقت کے لئے تعویذ کرنا جائز ہے کہ دونوں میں موافقت ہو جائے اور شوہر حقوق کو ادا کرنے لگے مگر عامل یہ تصور نہ کرے کہ شوہر اس پر فریفتہ ہو جاوے بلکہ صرف تصور ادائے حقوق واجبہ کا رکھے اور جس کو آج کل تسخیر کہتے ہیں اس کا قصد نہ کرے۔ تعویذ دینے والے اور لینے والے سب کو یہی لحاظ رکھنا چاہیے۔ (ایضاً)



## حج اور تجارت

اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو جس کی علامت یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ ہوتا جب بھی ضرورت حج کو جاتا تو اس صورت میں خلوص محفوظ ہے اور ثواب حج بھی کم نہ ہوگا۔ اور اگر حج اور تجارت دونوں کی نیت برابر درجہ میں ہے تو اس حالت میں تجارت جائز تو ہے مگر خلوص کم ہوگا۔ اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حج کے ساتھ ایک فعل مباح ہی کو منضم کیا ہے فعل حرام کو تو منضم نہیں کیا اور اگر تجارت اصل مقصود ہے اور حج تابع ہے تو اس صورت میں گناہ ہوگا اور یہ شخص ریاکار ہوگا کیونکہ یہ مخلوق کو دھوکہ دے رہا ہے کہ جاتا ہے تجارت کے لئے اور ظاہر کرتا ہے کہ میں حج کو جا رہا ہوں۔

رہا یہ کہ اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو تو اس صورت میں مال تجارت لے جانا افضل ہے یا نہ لے جانا افضل ہے تو اگر زاد راہ بقدر کفایت موجود ہے تو افضل یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ لے جائے کیونکہ اس میں خلوص زیادہ ہے اور اگر زاد راہ بقدر ضرورت ہی ہے بقدر کفایت نہیں اور نیت تجارت تابع ہے تو اس نیت سے کہ سفر میں سہولت و اعانت ہوگی مال تجارت لے جانا موجب ثواب ہے۔ (علاج المحرم ج ۸)

## احکام و مسائل نکاح سیکھنا ضروری ہیں

جو شخص نکاح کا ارادہ کرے اس پر نکاح کے احکام سیکھنا ضروری اور فرض ہیں مگر اس وقت وہی احکام فرض ہوں گے کہ جو وقت تزوج کے ہیں۔ طلاق کے احکام اس وقت سیکھنے فرض نہ ہوں گے کیونکہ نکاح بہ نیت طلاق موجب معصیت ہے یعنی اس نیت سے نکاح کرنا کہ میں طلاق دے دوں گا موجب گناہ ہے۔ اور اس نیت سے گناہ ہوتا ہے البتہ نکاح ہو جاوے گا مگر گناہ ضرور ہوگا۔ اور نکاح نافذ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ زنا کا گناہ نہ ہوگا۔ بہر حال جب یہ عزم اور یہ ارادہ معصیت ہو تو یہ ارادہ نہ کیا جائے گا کہ طلاق دوں گا اور جب یہ ارادہ نہ ہوگا تو تزوج کے وقت احکام طلاق کا سیکھنا ضروری اور فرض بھی نہ ہوگا البتہ جب عزم طلاق ہو اس وقت احکام طلاق سیکھنے فرض ہوں گے کہ طلاق کس وقت دینی چاہئے۔ طہر میں یا حیض میں اور کے دینی چاہئیں۔ مثلاً تین طلاق دفعۃً دینی چاہئیں یا متفرق طور سے۔ پھر جب طلاق

موافق سنت دے دی تو اب یہ احکام سیکھنے ضروری ہیں کہ یہ طلاق رجعی ہوئی یا بائن اور عدت کے احکام سیکھنے لازم ہوں گے کہ عدت میں نفقہ ضروری ہے یا نہیں تو ان احکام کا اس وقت سیکھنا ضروری ہے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں زیادہ مثالوں کی ضرورت نہیں۔

فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ علماء کو دستاویز پر دستخط نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس سے عداوت ہوتی ہے اسی طرح علماء کو کھال کے قصہ میں بھی نہ پڑنا چاہئے کیونکہ یہ بھی باعث عداوت ہے اگر کہیں سے آگئی لے لی ورنہ پھرنے پھرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (تائیس البیان ج ۸)

## ایام تعزیت کی حد

فقہاء نے لکھا ہے کہ تین روز کے بعد تعزیت کرنا پاس والوں کو ممنوع ہے۔ ہاں جو لوگ باہر رہتے ہوں ان کو تین دن کے بعد تعزیت کی اجازت ہے۔

وجہ یہ ہے کہ تین دن میں طبعی غم ہلکا ہو جاتا ہے اس کے بعد تعزیت کرنا اس کو بڑھانا ہے۔ اب اگر وہ آکر تعزیت نہ کرے۔ تو طرفین میں بد مزگی ہوگی صاحب واقعہ اپنے دل میں کہے گا کہ اس ظالم کو میری مصیبت سے غم ہی نہیں ہوا۔ اس نے ایک حرف بھی تسلی کا نہ کہا۔ اس لئے مسافر کو تین دن کے بعد بھی جب وہ آئے تعزیت کرنی چاہئے اور اس کی تعزیت سے صاحب واقعہ کا غم نہ بڑھے گا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص ضرورت کی وجہ سے اتنے دنوں کے بعد تعزیت کر رہا ہے۔ یہ پہلے نہ آسکتا تھا۔

فقہاء نے تین دن کی حد کو غالباً اس حدیث سے استنباط کیا ہو۔

لا یحل لمؤمن ان یہجر اخاه فوق ثلثة ایام

”کوئی شخص اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ ہجراں نہ کرے۔“

یعنی اگر کسی سے دنیوی معاملہ میں رنج و تکرار ہو گیا ہو تو تین دن تک تو بات چیت سلام کلام ترک کرنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ جائز نہیں کیونکہ شارع علیہ السلام نے عادت انسانیہ سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ طبعی غم و غصہ تین دن میں کم ہو جاتا ہے اس کے بعد تکلف بڑھانے سے رنج بڑھے گا۔ اگر اسباب زیادہ اختیار نہ کئے جائیں تو تین دن کے بعد رنج کا غلبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ تو جب طبعی رنج کا غلبہ تھا اس وقت تک شریعت نے بھی اس کو ترک کلام میں معذور سمجھا جب غلبہ جاتا رہا اب یہ معذور نہیں۔ اب ترک کلام و سلام محض خبث نفس کی وجہ سے ہے اس کی اجازت نہیں۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی رحمت فرمائی کہ تین دن تک ہجران کی اجازت دیدی۔ اگر کوئی فلسفی ہوتا تو ایک دن کے لئے بھی ہجران کو جائز نہ رکھتا اور یہ کہتا کہ ہجران اتفاق و اتحاد باہمی کے خلاف ہے پس رنج و تکرار کو جلد رفع کرنا اور فوراً صفائی کر لینا چاہئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جذبات نفس پر بڑی گہری نظر ہے آپ نے تین دن تک ہجران کی اسلئے اجازت دی کہ فوراً صفائی کرنا عادتہ دشوار اور نفس پر بہت گراں ہوتا ہے۔ آپ نے ہمارے اوپر گرانی اور دشواری ڈالنا گوارا نہیں فرمایا۔

دوسرے رنج و تکرار کے وقت چونکہ دونوں طرف نفس میں رنج و غصہ بھرا ہوگا تو فوراً صفائی کرنے سے یہ صفائی بیکار ہوگی۔ گویا ہر میں دونوں بات چیت کرنے لگیں گے۔ مگر دلوں میں سخت غبار ہوگا۔ اس حالت میں صفائی کرنے سے کینہ پیدا ہو جائے گا۔ اور اس سے جو غرض تھی یعنی اتحاد و اتفاق وہ مطلق حاصل نہ ہوگی۔ اس لئے آپ نے معاً صفائی کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ تین روز تک ترک کلام و ہجران سے دل کا غبار نکالنے کے اجازت دیدی جب تین دن میں دل کا غبار نکل گیا اور غلبہ رنج فرو ہو گیا۔ اب ملنے جلنے کا حکم دیا اس وقت صفائی سے نفع بھی ہوگا اور چونکہ غبار نکل چکا ہے اس لئے کینہ بھی پیدا نہ ہوگا واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں جذبات نفس کی جس درجہ رعایت ہے۔ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ (اور یہ حکم دنیوی رنج و تکرار کا ہے اور اگر کسی سے دینی معاملہ میں رنج ہو گیا ہو تو اس میں یہ حد نہیں۔ بلکہ جب تک دوسرا شخص اس معصیت سے جو سبب ہجران تھی توبہ خالص نہ کرے اس وقت تک ہجران کی اجازت ہے اور بعض مواقع میں واجب ہے۔) (الصبر ج ۹)

## تفقه فی الدین

ایک بار امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سفر میں تھے اونٹ پر چلتے ہوئے نیند آگئی اور بالکل طلوع شمس کے قریب آنکھ کھلی جلدی سے اتر کر وضو کیا نماز شروع کی امام ابو یوسفؒ امام بنائے گئے امام ابو یوسفؒ نے چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں اور تمام ارکان میں تخفیف کی رکوع اور سجدہ وغیرہ جلدی جلدی ادا کیا اس وقت کوئی زاہد خشک ہوتا تو یوں کہتا کہ نماز ناقص ہوئی مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کے بعد فرمایا۔

الحمد لله صار يعقوبنا فقيها

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے یعقوب۔ یعنی امام ابو یوسف فقیہ ہو گئے۔

اس وقت ان کا نماز میں جلدی کرنا تفقہ کی علامت تھی کیونکہ طلوع شمس قریب تھا اگر وہ جلدی نہ کرتے تو نماز قضا ہو جاتی اور گناہ ہوتا دوسرے ادا نماز کا درجہ قضا سے بہت بڑھا ہوا ہے پس اس وقت جلدی کرنے ہی سے نماز کامل ہوئی خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے سے ناقص ہوتی مگر ان باتوں پر فقیہ کی نظر ہی پہنچ سکتی ہے کہ اس وقت جلدی مناسب ہے یا ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مناسب ہے جاہل تو ہر حالت میں ایک سی ہی نماز پڑھے گا چاہے وہ ادا ہو یا قضا ہو جائے یا رفقاء کو ایذا ہونے لگے۔ (ما علیہ الصبر ج ۹)

## فقہاء کی کمال فراست

فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص ایک دانہ گیہوں کی تعریف یعنی تشہیر کرتا پھرے کہ یہ دانہ کس کا ہے اس پر تعزیر جاری کی جائے آخر کیوں اسی لئے کہ یہ ورع نہیں بلکہ ورع کا ہیضہ ہے۔ (ایضاً)

## بلوغ کی قسمیں

فقہاء نے جو پندرہ برس کی عمر پر بلوغ کا حکم کیا ہے اور وہ بھی علی الاختلاف، یہ بلوغ فی احکام الدنیا کے لئے ایک معیار ہے حقیقی بلوغ کا معیار نہیں۔ پس جس طرح شہید کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شہید آخرت یعنی شہید فی الاحکام الاخریہ۔ دوسرے شہید فی الاحکام الدنیویہ۔ اسی طرح بلوغ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک بلوغ حقیقی یعنی بلوغ فی الاحکام الاخریہ۔ وہ تو خاص علامات کے ظہور پر ہوگا۔ دوسرے بلوغ فی الاحکام الدنیویہ یہ پندرہ برس کی عمر سے ہو جاتا ہے۔ اب اگر کوئی بچہ عمر کے لحاظ سے پندرہ برس کا ہو گیا ہو مگر اس میں علامت بلوغ نہ پائی گئی ہوں۔ جیسی حالت وعظ کی موضوع مرحومہ کی تھی میرے خیال میں عند اللہ وہ نابالغ ہے۔ اور لم یبلغوا الحنث کا مصداق ہے اور یہ سب اجر و فضیلت اس سے متعلق ہوگی۔ (آداب المصاب ج ۹)

## چند مسائل

۱: جس بیماری میں روزہ رکھنا نہایت شاق ہو اس میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔



۲: سفر شرعی حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اپنی جائے قیام سے تین منزل کے قصد سے سفر کرے تو رستہ میں تو یہ مسافر ہو گیا۔ اب منزل مقصود پر پہنچ کر اگر پندرہ روزہ یا زیادہ قیام کا ارادہ کر لیا تو مسافر نہ رہا۔ اور اگر پندرہ روزے سے کم کے قیام کا ارادہ کیا تو پھر بھی مسافر ہے۔  
غرض! جو شخص شرعی مسافر ہو اس کو جائز ہے کہ باوجود روزہ رکھ سکے روزہ نہ رکھے لیکن ایسی حالت میں زیادہ افضل یہی ہے کہ رکھے۔

۳: یہ مریض اور مسافر جن کا ذکر کیا گیا اگر اس روز کے روزہ کی نیت نہ کر چکے تھے تو روزہ نہ رکھنا درست ہے اور اگر نیت کر چکے ہوں تو بلا تکلیف شدید روزہ توڑنا جائز نہیں۔  
۴: یہ مریض اور مسافر جتنے دن روزہ نہ رکھیں ان دنوں کا شمار یاد رکھیں۔ اور جب مرض اور سفر ختم ہو جاوے بعد رمضان گزر جانے کے اتنے دنوں کا روزہ بہ نیت قضا رکھیں۔ اور یہ قضا کے روزے خواہ ایک دم سے رکھیں اور خواہ ایک ایک دو دو کر کے رکھیں اور بعد ختم ہونے مرض اور سفر کے اگر کچھ رمضان بھی باقی ہے تو بقیہ رمضان کا روزہ ادا کر کے اس کے گزرنے کے بعد یہ قضا روزے رکھ سکتے ہیں۔

۵: شروع اسلام میں جب لوگوں کو بتدریج روزہ کا خوگر کرنا۔۔۔ منظور تھا یہ حکم ہو گیا تھا کہ باوجود استطاعت روزے کے فدیہ کی اجازت تھی اب یہ حکم منسوخ ہے البتہ جو شخص بہت بوڑھا ہو یا ایسا بیمار ہو کہ اب صحت کی توقع نہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ حکم اب بھی ہے کہ فی روزہ یا تو ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں یا خشک جنس دینا چاہیں تو فی روزہ اسی روپے کے سیر سے پونے دو سیر دیا کریں۔ اگر اتنے گیہوں دو مسکین کو دیں گے درست نہیں یا ایک مسکین کو ایک تاریخ میں دو دن کا فدیہ دیں گے تب بھی درست نہیں۔ اور اگر فدیہ دینے کے بعد اس شخص میں طاقت آگئی یا وہ مرض جاتا رہا تو ان روزوں کو پھر قضا کرنا ہوگا۔ اور اگر کسی کو فدیہ دینے کی بھی وسعت نہ ہو تو بجائے فدیہ کے وہ صرف استغفار کرے اور نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کروں گا۔ (آداب العباد ج ۹)

## احداث فی الدین

جو شخص احداث فی الدین کرتا ہے وہ درپردہ مدعی نبوت کا ہے کہ مجھے بھی شریعت میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے۔ نیز درپردہ شریعت پر نقص کا الزام لگاتا ہے کہ ابھی شریعت مکمل

نہیں۔ بلکہ میرے اضافہ کی ضرورت ہے اور اس کا سخت جرم ہونا ظاہر ہے۔ اب لوگ اس راز کو تو سمجھتے نہیں خواہ مخواہ علماء سے جھگڑتے ہیں کہ فاتحہ اور مولود میں کیا خرابی ہے یہ تو اچھا کام ہے پھر اس سے کیوں منع کرتے ہیں اس کا حقیقی جواب یہی ہے کہ جن قیود کے ساتھ تم ان افعال میں ثواب کے قائل ہو شریعت نے ان قیود پر ثواب نہیں بیان کیا۔ مگر عوام اس کو کیا سمجھیں۔ اس لئے میں ان لوگوں سے الزامی گفتگو کیا کرتا ہوں۔

چنانچہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ گاؤں میں جمعہ کیوں نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ پہلے آپ یہ بتلائیں کہ بمبئی میں حج کیوں نہیں ہوتا۔ بس خاموش ہو گئے۔

اسی طرح ایک گاؤں والے نے مجھ سے پوچھا کہ فاتحہ دینا کیسا ہے۔ میں نے کہا میاں تم نے کبھی لکڑیاں بھی اللہ واسطے دی ہیں کہا جی ہاں! میں نے کہا تم نے کپڑا بھی کبھی دیا ہے کہا ہاں! میں نے کہا پھر اس پر بھی فاتحہ پڑھی تھی کہا نہیں۔ میں نے کہا پھر کھانے ہی پر فاتحہ کیوں پڑھتے ہو۔ تو وہ گاؤں والا کہنے لگا کہ جی ہاں! بس یہ تو فضول سی بات ہے۔ میں نے کہا ہاں خود سمجھ لو۔ اگر ثواب ہی پہنچانا ہے تو فاتحہ الگ پڑھ دو۔ کھانا الگ دے دو۔ دونوں میں جوڑ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ گاؤں والے سمجھنے کے بعد جتیں نہیں نکالتے کیونکہ ان کی طبائع میں سلامتی ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک صاحب نے فاتحہ کے متعلق مجھ سے سوال کیا تو میں نے کہا کہ آپ پوری دیگ پر فاتحہ کیوں نہیں پڑھتے۔ پلاؤ کی دیگ میں صرف ایک طباقی میں کھانا رکھ کر اسی پر کیوں پڑھتے ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ کو نمونہ دکھلاتے ہو۔

اور ایک شخص کو میں نے یہ جواب دیا کہ بتلاؤ ثواب پہنچتا ہے پکانے کا یا کھلانے کا۔ کہا ثواب تو کھلانے کا ہوتا ہے۔ میں نے کہا پھر کھلانے کے بعد فاتحہ پڑھ دینا اور ثواب پہنچا دینا۔ (الاجرائیل ج ۹)

## آج کل کے مجتہد

بعض مدعی اجتہاد اس زمانہ میں ایسے ہیں کہ صرف ترجمہ دیکھ کر اجتہاد کرتے ہیں اجتہاد کیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تحریف کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے یہ رائے دی

تھی کہ اب وضو کی ضرورت نہیں۔ اس وجہ سے کہ وضو سے مقصود تطہیر اعضا ہے اور ہم لوگ اس زمانہ میں ویسے ہی صاف ستھرے رہتے ہیں۔ اس لئے اب کیا ضرورت ہے وضو کی۔ پہلے زمانہ میں گرد و غبار پڑتا رہتا تھا۔ میلے کچیلے رہتے تھے اس لئے وضو کی ضرورت تھی۔ اب ہم آئینوں کے مکانوں میں رہتے ہیں۔ گرد و غبار پاس کو بھی نہیں آتا۔ تو اب وضو کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ان صاحب نے اجتہاد کیا۔ یا تو اس قدر اجتہاد کا زعم اور یا اس طرف التفات بھی نہیں۔

چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب ایک بیرسٹر کا قصہ سناتے تھے کہ اس نے ان سے یہ کہا کہ علماء کو چاہیے کہ جمع ہو کر سود کی حلت کا فتویٰ دے دیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ علماء کے گھر کی بات تھوڑا ہی ہے کہ جیسے چاہیں پھیر لیں۔ سود کی حرمت تو کلام اللہ میں منصوص ہے۔ کلام اللہ کے خلاف کون جرأت کر سکتا ہے اس پر آپ حیرت سے پوچھتے ہیں کہ کیا سود کی حرمت قرآن شریف میں ہے ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ مولویوں کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔

دیکھئے یہ حال ہے ان لوگوں کی اجنبیت کا قرآن سے کہ اعلیٰ درجہ کی لیاقت کے بیرسٹر تھے اور مولوی بھی کہلاتے تھے مگر اتنی خبر نہ تھی کہ یہ قرآن کا مسئلہ ہے لیکن چونکہ مسلمان تھے اس وجہ سے معلوم ہونے کے بعد اپنے منہ پر طمانچہ مارے اور بہت نادم ہوئے۔ سو آج کل کے عقلاء دعویٰ تو اجتہاد کا کرتے ہیں مگر ان کی اجنبیت کا قرآن سے یہ حال ہے۔

ایک اور قصہ ہے کسی معقولی کا کہ ان سے ایک دفعہ لوگوں نے کہا کہ کچھ بیان کیجئے۔ آپ نے نماز کا بیان شروع کیا۔ کچھ یاد تھا نہیں۔ بہت سوچ کر آپ نے فرمایا کہ آج کل لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ نماز نہیں پڑھتے حالانکہ قرآن شریف میں ہے من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر۔ اس پر کسی نے ان حضرات کو ملامت کی کہ آپ نے اسے (یعنی حدیث شریف کو) قرآن شریف میں کیسے بتلا دیا۔ تو آپ تعجب سے فرماتے ہیں کہ کیا یہ قرآن کی آیت نہیں ہے۔

یہ حالت رہ گئی ہے اس زمانہ میں۔ یہ بھی خبر نہیں کہ یہ قرآن کی آیت ہے یا حدیث ہے۔ اس حالت پر اندیشہ ہے کہ قیامت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں نہ فرمانے لگیں (الصلوۃ ج ۱۰)

## صدقہ فطر

یہ صدقہ صاحب نصاب کے ذمہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے اور اپنے نابالغ بچوں کی طرف

سے ادا کرے۔ اولاد بالغ اور بیوی کی طرف سے واجب نہیں اگر بیوی اور بالغ اولاد خود مالدار بے صاب صدقہ فطر ہوں تو خود اپنی طرف سے ادا کریں ورنہ ان کے ذمہ بھی واجب نہیں۔

اگر گےہوں سے صدقہ فطر ادا کیا جائے تو پونے دو سیر نمبری سیر سے ادا کرنا چاہیے اور اگر پورے دو سیر دے دے تو زیادہ بہتر ہے اور اگر جو دیوے تو اس سے مضاعف (دوچند) دیوے۔ مگر یہ دوچند وزن کے اعتبار سے دینا جو بعضی اردو کی کتابوں میں لکھا ہے غلط ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس برتن میں پونے دو سیر گےہوں سماویں اس سے دوچند بڑے برتن میں جتنے جو سماویں وہ صدقہ فطر میں دیئے جائیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ دوچند ہونے میں کیل یعنی ناپ کا اعتبار ہے وزن اور تول کا اعتبار نہیں خوب سمجھ لو اور یاد رکھو اسی طرح جن کے نام حدیث میں آئے ہیں مثلاً تمر وہ گندم سے مضاعف ہیں اور جن کا نام نہیں آیا ہے جیسے مکی، چاول، چنے وغیرہ۔ سو اس کا حکم یہ ہے کہ کسی منصوص کی برابر قیمت میں دے دیا جائے۔ بنگال میں چاول کا یہی حکم ہے کہ چاول اتنے دینے پڑیں گے جو قیمت میں نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا تمر کے برابر ہو۔ اور جہاں گےہوں وغیرہ نہیں ہوتے وہاں قیمت کا اندازہ کرنے کا طریق جزئیہ تو دیکھا نہیں مگر قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اقرب البلاد میں جس نرخ سے فروخت ہوتے ہیں اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے۔

ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ صدقہ فطر نماز سے پہلے دینا مناسب ہے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جیسے تمہارے عید ہے ایسے ہی مساکین کی عید ہے تو اگر نماز سے پہلے ان کو پہنچ جائے گا تو بیچارے پکا کر کھالیں گے یہ قومی ہمدردی ہے۔ (الفطر ج ۱۰)

## افتاء کی مہارت

ایک استفتاء میرے پاس آیا وہ مثال ایک مسئلہ کی تحقیق کے ضمن میں مجھے پیش آئی۔ وہ مسئلہ تو خیر سب کو معلوم ہی ہے لیکن مجھے اس کی مثال عرض کرنا ہے کہ ہر فن میں بہت سی باریک باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں ماہر ہی سمجھتا ہے غیر ماہر نہیں سمجھ سکتا۔ چنانچہ جو بات میں عرض کروں گا وہ اس سے پہلے شاید کسی کے ذہن میں بھی نہ آئی ہوگی۔

ایک شخص نے استفتاء کیا کہ میرے گھر میں کچھ ایسا سلسلہ ہے کہ جب رمضان



المبارک کا مہینہ قریب آتا ہے تو بچہ پیدا ہو جاتا ہے اور روزے دودھ، چلہ چھٹی میں قضا ہو جاتے ہیں پھر سال بھر تک ضعیف رہتی ہے۔ پھر وہی بچہ۔ غرض قضا روزوں کے رکھنے کی نوبت ہی نہیں آنے پاتی۔ اب کیا کرے جب قضا روزے نہیں رکھ سکتی تو کیا فدیہ دیدے۔ میرے ذہن میں یہ آیا کہ مسئلہ تو یہ ہے کہ جب تک امید رہے عود قوت اور عود صحت کی روزہ ہی رکھے فدیہ نہ دے۔ خیر یہ مسئلہ تو ہے ہی۔ مگر میرے جی میں یوں آیا کہ یوں لکھ دوں کہ بالفعل چاہے فدیہ بھی دیدے لیکن اگر کبھی صحت اور قوت عود کر آئے تو اس فدیہ کو کافی نہ سمجھے بلکہ ان روزوں کی قضا بھی کرے۔ یہ آیا ذہن میں۔ میں نے اپنے نزدیک اس میں یہ احتیاط سمجھی کہ اگر صحت اور قوت نے عود نہ کیا تو یہ فدیہ ہی دینا کافی ہو جائے گا اور سال کے سال دیتے رہنے میں سہولت رہے گی ورنہ بہت ساجع ہو گیا تو شاید پھر نہ دے سکے اس میں دونوں رعایتیں ہو جائیں گی کہ نفع تو بہت اور نقصان کچھ نہیں۔ نفع تو یہ کہ اگر صحت اور قوت نے عود نہ کیا تو تھوڑا تھوڑا کر کے دینے میں فدیہ آسانی کے ساتھ ادا ہو جائے گا ورنہ جمع ہو کر کثیر رقم ہو جائے گی جس کا ادا کرنا بھی دشوار ہوگا اور اگر صحت اور قوت نے عود کیا تو روزے رکھ لیے جائیں گے اور وہ فدیہ جو دیا جا چکا ہے تطوع ہو جائیگا۔ وہ گویا نفل خیرات ہو جائے گی جس کا ثواب الگ ملے گا۔ بس قریب تھا کہ یہی لکھ دوں لیکن اللہ تعالیٰ نے سنبھالا۔ دست گیری فرمائی۔ معاً شرح صدر ہوا کہ حالت عوام کی یہ ہے کہ فدیہ کو بدل سمجھتے ہیں روزہ کا۔ اگر فدیہ دیدیا تو پھر بے فکر ہو جائیں گے اور قلب میں تقاضا قضاے صوم کا پیدا نہ ہوگا کہیں گے کہ فدیہ تو دے ہی چکے ہیں لہذا مجھے یہ لکھنا پڑا کہ جائز نہیں فدیہ دینا جب تک صحت و قوت سے ناامید ہی نہ ہو جائے تو دیکھئے یہاں فدیہ ظاہراً اہل علم کے نزدیک بھی فخر ہے لیکن کتنے بڑے شریف کو مستلزم تھا۔ (رمضان فی رمضان ج ۱۰)

## واعظ کا تقرر

فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ جس جگہ حاکم نہ ہو وہاں اگر متقی پرہیزگار اہل الرائے مسلمان کسی ایک شخص کو کوئی منصب دیدیں تو وہ سب مل کر امیر کے قائم مقام سمجھے جائیں گے اور ان کا اعطا امیر ہی کا اعطا ہوگا کیونکہ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اعطاء مناصب

کا اختیار جو امام کو ہے وہ بھی درحقیقت اہل اسلام ہی کو ہے اور امام بحیثیت ان کا نائب ہونے کے ان کا کام کرتا ہے کیونکہ امام کا امام ہونا تو خود اہل اسلام کے اتفاق پر ہے پس اگر وہ موجود نہ ہو تو خود ان کا فعل جائز ضرور ہوگا۔

جیسے جمعہ کی نماز کے لئے انتخاب امام کا کہ اگر امیر موجود نہ ہو اور مسلمان مل کر کسی کو منتخب کر لیں تو وہ امام صحیح ہو جاتا ہے یا ناظر وقف کو امام کی عدم موجودگی میں اہل اسلام کے انتخاب سے کسی خاص شخص کو عہدہ نظارت وقف دیا جاسکتا ہے۔ پس جب دیندار فہیم مسلمانوں نے مل کر ایک شخص کو وعظ و نصیحت کے لئے انتخاب کر لیا ہو خواہ قولاً یا حالاً تو ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز ہے۔ باقی بدوں اہل دیں اور اہل عقل کے انتخاب کے جو لوگ اس کام کو کر رہے ہیں اور اہل نہیں ہیں تو وہ وعظ کے رنگ میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ ضروری مسائل تک سے ان کو واقفیت نہیں ہوتی اور وعظ کہنے کی جرأت کر بیٹھتے ہیں۔ (احکام عشر الاخرہ ج ۱۰)

## قریب المرگ کیلئے حکم

یہ جو مشہور ہے کہ مردہ کے پاس صرف اللہ پڑھنا چاہیے لا الہ الا اللہ کے ساتھ نہ ملاوے اس لئے کہ اگر لا الہ پر دم نکل گیا تو بے ایمان مریگا کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ کوئی معبود نہیں ہے تو اس سے حق تعالیٰ کی معبودیت کی نفی بھی ہوگئی اور یہ کفر ہے۔ یہ بھی بالکل بے اصل اور خلاف عقل ہے اس لئے کہ اگر لا الہ پر خاتمہ ہو گیا اور دل میں اس کے تھا کہ لا الہ بھی کہوں گا تو کفر کہاں لازم آیا۔ اللہ تعالیٰ تو دل کو ہی دیکھتے ہیں اور نیز ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ لا الہ کہنے نہ پایا۔ اس کو اس قدر وقت ہی نہ ملا۔ باقی یہ ظاہر ہے کہ توحید اس کے ذہن میں پہلے سے تھی۔

مادروں رائن گریم وقال را مادروں رائن گریم وحال را  
(ہم کسی شخص کی ظاہری حالت اور اس کی گفتگو کو نہیں دیکھتے بلکہ ہم اس کی اندرونی کیفیت اور حالت کو دیکھتے ہیں) (ایضاً)

بحر الرائق میں لکھا ہے کہ اگر مرتے وقت کسی مسلمان کے منہ سے کلمات کفر نکلیں تو وہ سب معاف ہیں مرنے کا وقت بڑا نازک وقت ہے۔ تھوڑی سی آدمی کو تکلیف ہوتی ہے تو پریشان ہو جاتا ہے اور وہ وقت تو جان نکلنے کا ہے۔ اسی واسطے ایسے وقت

میں سمجھ دار آدمی پاس ہونا چاہیے تاکہ مردہ کی حالت کو سمجھیں۔ بعض حالتیں ایسی پیش آتی ہیں کہ پاس والوں کو بالکل سمجھ میں نہیں آتیں۔ (الہدیب ج ۱۰)

## خسوف اور نکاح

ایک بات یہ مشہور ہے کہ خسوف و خسوف کا وقت منحوس ہوتا ہے۔ ایسے وقت نکاح یا کوئی شادی کی تقریب نہ کرنا چاہیے۔ میں نظام آباد علاقہ حیدر آباد میں اپنے بھتیجے کا نکاح کرنے گیا تھا جو دن اور جو وقت نکاح کے لئے قرار پایا تھا اس وقت خسوف ماہ ہو گیا۔ اب وہاں کے لوگوں میں کھلبلی پڑی کہ ایسے وقت میں کیا نکاح ہوگا۔ اور اگر ایسے وقت نکاح کیا تو تمام عمر نحوست کا اثر رہے گا۔ بہت سے جنٹلمین بھی ان مہملات میں مبتلا تھے چنانچہ جمع ہو کر میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ عرض کرنا ہے میں نے کہا کہ فرمائیے کہنے لگے کیا چاند گرہن کے وقت بھی نکاح ہوگا۔ میں نے کہا اس وقت تو نکاح کرنا بہت ہی اولیٰ و افضل ہے اور میرے پاس اس کی دلیل بھی موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ ہم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ خسوف کے وقت ذکر اللہ و نوافل میں مشغول ہونا چاہیے۔ اب سمجھئے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح میں مشغول ہونا نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ پس ایسے وقت نکاح کا شغل اور بھی افضل و اولیٰ ہے ان سب نے اس کو تسلیم کر لیا۔ (ایضاً)

## حق العبد مقدم ہے

فقہاء نے لکھا ہے اس کا قاعدہ کہ حق العبد مقدم علی حق اللہ بہت سی نظیریں اس کی مثلاً زکوٰۃ ہے اس کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ جو مقروض ہو اس کے ذمہ زکوٰۃ نہیں اس واسطے کہ زکوٰۃ ہے خدا کا حق اور قرض ہے بندہ کا حق اور بندہ کا حق مقدم ہے۔ خدا کے حق پر اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے عوام کو کہ جب خدا بڑا ہے تو اس کا حق بھی بڑا ہونا چاہیے۔ (تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال ج ۱۱)

## مریض کے احکام

فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص سے جماعت کو ایذا ہو جیسے کوڑھ کا مریض یا خارش کا مریض یا گندہ دہن وغیرہ اس کو جماعت معاف ہے کیونکہ ایک کی وجہ سے دس کی جماعت جاتی

ہے بعض لوگوں کو اس ایذا پر صبر نہ ہوگا تو وہ جماعت سے بیٹھ رہیں گے۔ فقہاء نے تکثیر جماعت کو مہتمم بالشان سمجھا ہے اسی تکثیر کی وجہ سے امام کی صفات لکھی ہیں ان سب کی بناء اسی پر ہے کہ جماعت میں تکثیر ہو اور نفرت نہ ہو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر علم و فضل میں چند آدمی برابر ہوں تو ایک وجہ ترجیح کی خوبصورت ہونا بھی ہے جو ان میں سب سے زیادہ خوبصورت ہو اس کو امام بنایا جائے مگر امر نہ ہو کیونکہ امر د کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی طرف زیادہ رغبت ہوگی اور ایک وجہ ترجیح کی یہ بھی لکھی ہے کہ جو نسب میں بڑھا ہوا ہونسب سے بھی آدمی کی عزت ہوتی ہے اور مقتدیوں کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں عار نہیں آتی تو اس سے تکثیر ہوگی۔ جماعت کی یہاں تک لکھا ہے کہ جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو اس کو امام بنایا جائے کیونکہ ایسا آدمی عقیف زیادہ ہوگا اور غیر عقیف سے عقیف کے پیچھے جماعت زیادہ جمع ہوگی اور اس سے کوئی یہ سمجھے کہ امام صاحب کی بیوی کو جا کر جھانکا کریں تاکہ اس کا حسین ہونا معلوم ہو بلکہ یہ بات آپس میں ملنے جلنے والوں کو معلوم رہتی ہے کہ کس کے گھر کی کیا حالت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مقتدیوں کو یہ بات معلوم ہو کہ فلاں شخص کی عورت حسین ہے تو یہ بھی کسی درجہ میں وجہ ترجیح کی ہو سکتی ہے فقہاء شرعی مذاق نہایت صحیح رکھتے ہیں شریعت کی تاکیدیں جماعت کے متعلق دیکھ کر تکثیر جماعت کی صورتیں تجویز فرمائی ہیں شریعت کو تکثیر جماعت کا خاص اہتمام ہے اس لیے امام کو تطویل قرأت سے منع فرمایا ہے اور تطویل کرنے والے کو فغان فرمایا ہے تاکہ جماعت میں تقلیل نہ ہو امام کے متعلق ان جملہ احکام کی بناء تکثیر جماعت ہی ملے گی اس طرح شریعت نے مقتدیوں میں رعایت کی ہے کہ ان باتوں سے منع کیا ہے جو تکثیر جماعت میں حارج ہوں۔ مثلاً حدیث میں ہے جو شخص لہسن کھاوے وہ مسجد میں نہ آوے کیونکہ اس سے ایذا ہوتی ہے جو محل فی التکثیر ہے۔ (کثرت میں خلل انداز) (اوج قنوج جلد نمبر ۱۱)

## نیت کے کرشمے

فتویٰ یہ ہے کہ اگر سفر میں مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اصل مدار نیت ہی پر ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص دھوکہ سے شراب پی لے تو اس کو گناہ نہیں ہوا گو صورت گناہ موجود ہے۔ کیونکہ نیت نہ تھی۔ اور اگر ایک شخص شراب پینے کے



لئے دوکان پر جائے اور دوکاندار بجائے شراب کے کوئی شربت اس کو دے دے جسے یہ شراب سمجھ کر پی لے تو اس کو گناہ ہوگا کیونکہ اس کی نیت تو شراب پینے ہی کی تھی۔ اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے مجامعت کرے مگر وہ اندھیرے میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ میری بیوی نہیں بلکہ کوئی اجنبی عورت ہے تو اس کو گناہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مجامعت میں تصور کسی اجنبیہ کا کرے یعنی بیوی سے مجامعت کرتے ہوئے یہ تصور کرے کہ میں گویا فلاں اجنبیہ سے مجامعت کر رہا ہوں اور اس کی صورت ذہن میں حاضر کر کے اس سے لذت لے۔ تب بھی گناہ ہوگا اور اگر شب زفاف میں عورتوں نے اس کے پاس غلطی سے بجائے اس کی بیوی کے کسی دوسری عورت کو بھیج دیا جس کے ساتھ یہ شخص یہ سمجھ کر ہمبستر ہوا کہ یہی میری بیوی ہے تو اس کو گناہ نہ ہوگا اور یہ وطی زنا شمار نہ ہوگی بلکہ وطی بالشبہ ہوگی جس سے ثبوت نسب بھی ہو جاتا ہے اور عدت بھی لازم ہوتی ہے۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

## کسی کو کافر کہنا

جو بعض لوگ تشدد کرتے ہیں کہ مسلمان کو کافر اور منافق کہہ دیتے ہیں یہ بڑی غلطی اور جرات ہے۔ جب وہ زبان سے اسلام ظاہر کرتا ہے اور آج کل کوئی وجہ اس بات کی رہی نہیں کہ نفاق کا وتیرہ اختیار کیا جائے تو پھر کسی کو کافر اور منافق کہنے کے کیا معنی؟ کافر بڑا سخت لفظ ہے بڑی احتیاط چاہیے۔ کافر کسی کو اس وقت کہہ سکتے ہیں جب کہ وہ کوئی فعل ایسا کرتا ہو جو محتمل تاویل کو بھی نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص بت پرستی بلا اکراہ کھلم کھلا کرتا ہو تو اس وقت اس کو کافر کہہ سکتے ہیں۔ (الاسلام الحقیقی ج ۷)

## احتیاط کی ضرورت

اور اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہم نے آج کل یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنا جو ایک مسلک قرار دے لیا ہے بس وہی اسلام ہے اور وہی ایمان ہے جو اس کے خلاف ہو وہ کافر ہے یہ بہت سخت بات ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کو دیکھئے۔ صاحب مذہب تھے، مجتہد تھے۔ ان کا یہ منصب تھا کہ ایک مسلک قرار دے لیتے ہم تو اس کے بھی اہل نہیں مگر ان کی احتیاط دیکھئے ان کے زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے حق میں کیا فرماتے

ہیں جو یہ کہتا ہے کہ لایدخل النار کافر یعنی کوئی کافر دوزخ میں نہیں جائے گا آپ نے شاگردوں سے پوچھا سب نے اس شخص پر کفر کا فتویٰ لگا دیا کیونکہ یہ لفظ صراحۃً خدا تعالیٰ کے قول کے خلاف ہے قرآن شریف میں صاف آیا ہے کہ کفار دوزخ میں جائیں گے اور یہ شخص کہتا ہے کہ کوئی کافر دوزخ میں نہ جائے گا تو اس نے تکذیب کی حق تعالیٰ کے قول کی اور اس کا کفر ہونا ظاہر ہے امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ظاہر معنی تو یہی ہیں مگر اس میں کوئی تاویل بھی ہو سکتی ہے یا نہیں لوگوں نے کہا ایسے صریح لفظ میں کیا تاویل ہو سکتی ہے۔ فرمایا نہیں میرے نزدیک ایک تاویل ہو سکتی ہے اس کا یہ کہنا کہ دوزخ میں کوئی کافر نہیں جائے گا اس کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ دوزخ میں جاتے وقت کوئی کافر نہ رہے گا کیونکہ قیامت میں کفار کو حق ظاہر ہو جائے گا اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم غلطی پر تھے۔ جب اپنی غلطی ظاہر ہو جائے گی تو اس وقت انبیاء کی بھی تصدیق کریں گے اور جنت کی بھی اور نار کی بھی تو وہ منکر نہ رہے تو اب یہ کہنا ٹھیک ہو گیا کہ دوزخ میں جو کوئی جائے گا وہ منکر اور کافر نہ ہوگا یعنی اس وقت تو اس شخص نے کیا جھوٹ کہا پھر کفر کا فتویٰ کیوں لگایا جاوے۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت کا ایمان نفع نہ دے گا کیونکہ قیامت دارالجزاء ہے دارالعمل نہیں ہے دارالعمل تو دنیا ہے دنیا کا کیا ہو عمل کام دے سکتا ہے نہ کہ آخرت کا۔

## احکام تبلیغ و دعوت

نہی من الممنکر میں اگر اندیشہ ہو۔ ایسی اذیت کا کہ جس اذیت کا یہ متحمل نہ ہو تو اس وقت نہی عن الممنکر معاف ہے اور جہاں ایسی اذیت نہیں۔ فقط یہ اندیشہ ہے کہ مخاطب برا مانے گا یا ہمارا مرتبہ اس کی نظر میں کم ہو جاوے گا یا ہمیں شاید کچھ دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو نہ دے گا یہ سب خیال فاسد ہیں اس وجہ سے نہی عن الممنکر معاف نہیں ہے مگر اب تو یہ نوبت ہے کہ محض اپنے حفظ جاہ و مال کے لئے نہی عن الممنکر سے بچتے ہیں۔ اللہ کے بندے ایسے بھی تو ہوتے ہیں کہ نہی عن الممنکر یا امر بالمعروف میں اندیشہ تو کیا، مقاسات اذیت بھی ہو جاوے تب بھی وہ باز نہیں آتے۔ (الدعوت الی اللہ ج ۱۳)

## ایک حکایت

جیسے ایک نیم ملانے گاؤں کے ایک چودھری کو مسئلہ بتایا۔ کہ نیت کے بغیر روزہ نہیں ہوتا۔ اس نے

پوچھانیت کیا ہے؟ آپ نے کہانیت یہ ہے اللہم وبصوم غد نویت دوسرے روز جو دیکھا تو چودھری مزہ سے بیٹھا حقہ پی رہا ہے۔ پوچھا، ارے یہ کیا۔ روزہ نہیں رکھا؟ اس نے کہا صاحب! میں کیا کروں بدوں نیت روزہ ہوتا نہیں اور نیت ابھی یاد نہیں ہوئی اس میں اس کی بھی غلطی ہے کہ یہ مسئلہ پھر پوچھ لیتا۔ کہ اگر کسی کو نیت یاد نہ ہو تو کیا کرے، اور مولوی صاحب کی بھی غلطی ہے کہ خواہ مخواہ انہوں نے گنوار کو عربی میں نیت بتلائی۔ اول تو زبان سے کہنا ہی ضروری نہیں اور اگر کسی کو کہنا ہی ہے تو اردو بھی کافی ہے۔ (الدعوت الی اللہ ج ۱۳)

## اقسام تبلیغ

یہ بھی ایک فرد اعظم ہے تبلیغ کی اور اس میں بھی ایک تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک خطاب خاص ایک خطاب عام۔ امر بالمعروف خاص تو آپ کے ذمہ ہے۔ یہ کسی فرد بشر سے ساقط نہیں ہوتا اور امر بالمعروف عام یعنی وعظ کہنا یہ سب کے ذمہ فرض نہیں۔ بلکہ یہ صرف علماء پر واجب ہے اور امر بالمعروف خاص کا مدار قدرت پر ہے۔ یعنی جس کو جس کسی پر جتنی قدرت ہے۔ اس کے ذمہ واجب ہے۔ کہ اس کو امر بالمعروف کرے۔ مثلاً ماں باپ کے ذمہ واجب ہے کہ اپنی اولاد کو نماز روزہ کی نصیحت کریں۔ خاوند پر فرض ہے کہ اپنی بی بی کو احکام شرعیہ پر مجبور کرے۔ آقا کے لئے لازم ہے کہ اپنے نوکر چاکر جو ان کے ماتحت ہیں ان کو امر بالمعروف کرے۔

حدیث میں ہے: مروا اصبيانکم بالصلوة اذا بلغوا، سבעاً واضربوہم

اذا بلغوا عشراً (مسند احمد ۲: ۱۸۰، حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۶)

(اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو، جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس برس کے ہو جائیں اور (نماز نہ پڑھیں) تو انہیں مارو)

غرض ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے ماتحتوں کو حکم کرے۔ امور خیر کا اور خلاف شرع باتوں سے روکے۔ اس میں عالم ہونے کی ضرورت نہیں، ہاں جہاں علم درکار ہے۔ مثلاً کوئی مختلف فیہ مسئلہ ہے یا ایسا کوئی مسئلہ ہے جس کے بہت شقوق ہیں اور وہ ان شقوق کا احاطہ نہیں کر سکا یا احاطہ تو کر لیا مگر درجہ معلوم نہیں۔ کہ متفق علیہ مسئلہ ہے یا مختلف فیہ۔ مسئلہ مختلف فیہ میں گنجائش ہوتی ہے تو ایسا مسئلہ بتلانا ہر شخص کے لئے جائز نہیں بلکہ جس کی نظر کافی نہ ہو اس کو ایسا مسئلہ بیان کرنا بھی جائز نہیں۔ یہ علماء کے بتلانے کا ہے پس تبلیغ خاص کے لئے تو مسئلہ کی حقیقت کا

پورے طور سے منکشف ہونا اور قدرت ہونا شرط ہے اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے۔ خواہ درسیات پڑھ کر عالم ہوا ہو یا کسی عالم سے مسئلے مسائل سن سن کر عالم ہو گیا ہو۔ اس کو بھی تبلیغ عام کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ کسی بڑے نے اس کو اس کام کے لئے معین کیا ہو۔ چنانچہ صحابہ نے کہاں پڑھا تھا۔ وہ بھی تو سن سن کر تبلیغ کرتے تھے۔ مگر ہر شخص خود نہ سمجھے کہ میں اس کے قابل ہوں۔ جب تک کوئی کامل نہ کہہ دے کہ تم قابل ہو۔ بقول ایک حکیم کے:

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند  
(اپنا موتی کسی صاحب نظر کو دکھلا دے کیونکہ چند گدھوں کی تصدیق سے تم عیسیٰ نہیں ہو سکتے) (آداب تبلیغ ج ۱۳)

## مسائل بتانے میں احتیاط

حضرت مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ گنگوہ میں ایک جاہل مفتی تھے۔ مولانا نے امتحان ان سے پوچھا کہ حاملہ سے نکاح کرنا کیسا ہے۔ مولانا نے مسئلہ بھی چھانٹ کر وہ پوچھا جو بہت ہی شقوق رکھتا ہے مگر وہ شخص تھا متدین۔ یہ جواب دیا کہ بیوہ حاملہ سے نکاح کرنا ایسا ہے جیسے گھیرادے دینا۔ پوچھا کہ مطلب کیا ہے۔ کہا تم خود سمجھ لو۔ غرض وہ بڑا ہوشیار تھا۔ جواب ایسا دیا کہ مخاطب کو کچھ پتہ ہی نہ چلے۔ نہ حلت کا پتہ لگے نہ حرمت کا اور نہ عقیدہ بگاڑا۔ مگر مسائل کو کیا حاصل ہوا بجز اس کے کہ متحیر رہے۔ مگر خیر پہلے کچھ تو اہلیت تھی۔ اب تو من گھڑت سے بھی باک نہیں۔ (ایضاً)

## نماز سے غفلت

ایک شخص نے خود مجھ سے فخر اُ کہا کہ نماز تو چاہے قضا ہو جائے۔ مگر پیر نے جو وظیفہ بتلایا ہے وہ کبھی قضا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ جب قضا آئے گی۔ اس وقت اس کا نتیجہ معلوم ہوگا۔ کہ نماز زیادہ ضروری تھی یا وظیفہ؟ اور ان میں بھی اسلم وہ ہیں جو وظیفے ثواب کے لئے پڑھتے ہیں۔ ورنہ اکثر تو دنیا ہی کے واسطے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ کوئی قصیدہ غوثیہ کا ورد کرتا ہے۔ کوئی حزب البحر کا۔ اگر ان کو ثواب مطلوب ہوتا۔ تو ادعیہ ماثورہ میں ان سے زیادہ ثواب ہے۔ مگر دنیا مطلوب ہے۔ اس لئے ادعیہ ماثورہ سے دلچسپی نہیں۔ بلکہ اس قسم کے وظائف سے دلچسپی ہے۔ جن سے دنیوی منافع بھی حاصل ہوتے ہیں۔ (التواجم بالصمر ج ۱۳)



## اہل دین سے دنیا کا سوال

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی سے ایک شخص نے نماز کا مسئلہ پوچھا۔ قاضی صاحب نے حوض پر وضو کیا اور دو رکعت شکر یہ کی پڑھیں۔ پھر مسئلہ بتایا۔ اس نے پوچھا۔ حضرت مسئلہ بتانے میں اتنا توقف کیوں کیا۔ فرمایا کہ کئی سال میں نماز کا مسئلہ پوچھا گیا۔ ورنہ حدود و قصاص بیع و شریٰ ہی کے مسائل سے سابقہ تھا۔ کیوں کہ قاضی تھے۔ قاضی کے یہاں تو دنیا کے جھگڑے پیش ہوتے ہیں اور غیر ممکن ہے کہ لوگ قاضی صاحب سے اس لئے نماز کے مسئلے نہ پوچھتے ہوں۔ کہ سمجھتے ہوں کہ فرصت نہیں۔ مگر ہمیں تو فرصت ہے کہ کوئی ویسا مشغلہ نہیں۔ مگر لوگوں کو خود توجہ نہیں۔ کہ کوئی شخص ہم ہی سے کوئی مسئلہ پوچھنے آتے بھی ہیں۔ تو یہی فرمائش ہوتی ہے کہ تعویذ دے دو۔

صاحبو! علماء سے تعویذ کی درخواست کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے سارے یہ کہنا کہ گھاس کھونے کا کھرپا بنا دو۔ سار کا کام تو یہ ہے۔ کہ وہ عمدہ نازک زیور بنائے۔ اسی طرح علماء کا کام مسئلے بتانا ہے۔ افسوس! گوشہ نشینوں سے دنیا کے کام کراتے ہو۔ کیا انہوں نے تمہارے دنیا کے کام کرنے کے لئے دنیا کو چھوڑا ہے۔ (آداب اصلاح ج ۱۳)

## جمعیت قلب

فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو تیز بھوک لگ رہی ہو اور کھانا سامنے رکھا ہو، ادھر جماعت شروع ہوگئی ہو تو پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے یہ مسئلہ تو حدیث میں صراحتاً مذکور ہے اِذَا حَضَرَ الْعِشَاءَ وَالْعِشَاءُ فَاَبْدُوا بِالْعِشَاءِ (جب کھانا سامنے آئے اور عشاء کا وقت ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ) جس سے معلوم ہوا کہ کم کھانا مطلوب نہیں بلکہ جمعیت قلب مطلوب ہے اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں کھانے کو نماز سے مقدم فرمایا پھر فقہاء نے اس پر ایک دوسرے مسئلہ کی تصریح کی وہ یہ کہ اگر کسی کو بھوک زیادہ نہ ہو مگر کھانا ٹھنڈا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور ٹھنڈا ہونے سے اس کی لذت جاتی رہے گی جب بھی اجازت ہے کہ کھانا پہلے کھالے اور نماز کو موخر کر دے کیونکہ بعض کھانے ایسے ہیں جن کی لذت گرم ہی رہنے تک ہے مثلاً چائے گرم ہی اچھی لگتی ہے اور اہل ذوق کہتے ہیں کہ پلاؤ گرم ہی اچھا ہوتا

ہے اور زردہ ٹھنڈا اچھا ہوتا ہے اور ہمارا ذوق تو سب ہی سے نرالا ہے ہم تو اُس دیہاتی پیر کے مشابہ ہیں جس سے مرید نے کہا کہ حضور میں نے میٹھے چاول پکائے ہیں گھی سے کھائیں گے یا دودھ سے تو پیر نے کہا بھائی ہم بے سوادوں کا کیا سواد، ہم تو گھی لگا کر اوپر سے دودھ ڈال لیں گے۔ (سبحان اللہ! دونوں نعمتوں کو منگوا کر بھی بے سواد ہی رہے۔) اور آج کل جنٹلمینوں میں یہ نیا رواج نکلا ہے کہ چائے میں برف ڈال کر پیتے ہیں یہ تو محض یورپ کے مقلد ہیں اگر وہ کسی وقت ناک کٹوانے لگیں تو یہ ناک بھی اڑا دیں گے اس فیشن کی اصل یہ ہے کہ کوئی انگریز بڑے درجہ کاریل سے اسٹیشن پر اتر کر ہوٹل میں کھانا کھانے گیا پھر چائے سامنے لائی گئی جو بہت گرم تھی ٹھہر ٹھہر کر پینے میں گاڑی چھوٹ جانے کا اندیشہ تھا اس نے اس مصلحت سے برف ڈال لیا تھا کہ ٹھنڈا کرنے میں دیر نہ لگے کسی ہندوستانی نے صاحب بہادر کا یہ فعل دیکھ لیا وہ سمجھے کہ یہ بھی فیشن ہے حالانکہ ایک خاص وجہ سے اس نے ایسا کیا تھا۔ (جمال الجلیل ج ۱۳)

## اہل زمانہ سے واقفیت

فقہاء نے کہا ہے کہ عالم کو اپنے اہل زمانہ سے واقف ہونا چاہئے اور جو شخص اپنے زمانے والوں سے واقف نہیں وہ جاہل ہے۔ (ایضاً)

## شرط داخلہ جنت

ایک شخص عمر بھر جنت کے عمل کرتا ہے لیکن آخر میں کوئی عمل اس سے ایسا سرزد ہو جاتا ہے کہ وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے، یہ حدیث دیکھی بس اس حدیث کو دیکھ کر یہ مطلب سمجھ لیا کہ سارے عمل بیکار ہیں اب وہ عقیدہ پختہ ہو گیا کہ جنت اختیاری نہیں، ساری عمر تو کوشش کریں جنت میں جانے کی اور لو ذرا سی بات میں دوزخ میں چلے گئے، اب یہاں دو غلطیاں ہیں ایک تو یہ سمجھنا کہ ذرا سی بات میں دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔ دوسری غلطی یہ کہ نعوذ باللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا اندھیرا ہے اتنے سارے عمل ذرا سی بات میں خطا دینی سی بات میں کیا کرایا ندارد، حالانکہ وعدہ یہ ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا) پھر کیا بات ہے وہ خیر کہاں گئی جو کی تھی سو بات

یہ ہے وہ خود فرماتے ہیں فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَامُّهُ هَاوِيَةٌ (پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ تو خاطر خواہ آرام میں ہوگا اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا) یعنی جس قسم کے اعمال زیادہ ہوں گے وہی غالب رہیں گے، اگر اعمال صالحہ زیادہ ہوں گے تو گناہ معاف ہو جائیں گے، گناہ معاف ہو کر جنتی ہو جائیں گے، ہاں اگر گناہ غالب ہوئے تو پھر دوزخ میں اُن گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد بشرط ایمان جنت میں داخل ہوں گے لیکن داخل ہوں گے ضرور، پھر اعمال صالحہ بیکار کہاں گئے، کیا کرایا سب کہاں مٹا، جنت میں تو ان کی بدولت پہنچ گئے۔ بلکہ اگر گناہ بھی غالب ہوں گے تب بھی اکثر کے ساتھ تو معاملہ رحمت ہی کا ہوگا اگر کوئی کہے کہ جب دوزخ میں بھیج دیئے گئے تو خیراً یَرَهُ کا اثر کہاں ظاہر ہوا، بات یہ ہے کہ شَرّاً یَرَهُ کا اثر تو اس طرح ہوا کہ پہلے دوزخ میں بھیجے گئے پھر نکل کر جنت گئے اب ظہور ہوا خیراً یَرَهُ کا یعنی گناہ کا اثر بھی ہوا کہ پہلے دوزخ میں بھیجے گئے اور خیر کا بھی اثر ہوا کہ اخیر میں نجات ہو گئی۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی چیز بیکار نہیں جاتی بلکہ سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت میرے غصہ پر غالب آگئی) سے یہ تو ہوا کہ گو گناہ غالب تھے اور اعمال صالحہ مغلوب مگر پھر بھی رحمت کا غلبہ ہو گیا کہ اخیر ہی میں نجات ہو گئی لیکن اس کا عکس کبھی نہیں ہوا کہ اول میں انعام راحت دے کر اخیر میں جہنمی کر دیا جاتا تو ایک غلطی تو یہ ہے کہ اعمال صالحہ کو بے اثر سمجھ گئے، دوسری غلطی یہ ہے کہ صاحب ذرا سی بات ہو گئی تھی، بس اُسی میں جہنمی ہو گئے، سو حضرت وہ بات ذرا سی نہیں ہوتی وہ بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ (آثار الربع ج ۱۴)

## بغاوت کی سزا

فرض کرو کسی نے گورنمنٹ کی خدمت پچاس برس تک کی پھر اس نے بغاوت کی اور ایک بم گولہ وائسرائے پر پھینک مارا وہ شخص گرفتار ہو گیا اور بعد تحقیقات کے اس کو پھانسی دے دی گئی، اب کوئی شخص کہے کہ دیکھئے صاحب یہ کیا اندھیر ہے اس کی ساری عمر کی خدمتیں اور وفاداریاں ایک ذرا سی بات میں نظر انداز کر دی گئیں بے چارہ نے کیا ہی کیا تھا ایک ذرا سا بم ہی تو چھوڑ دیا تھا۔ سبحان اللہ! آپ کے نزدیک گویا ذرا سی بات ہے بم چھوڑ دینا ایک ذمہ دار حاکم پر۔ تو جیسے بم چھوڑنا بظاہر تو ذرا سا فعل ہے لیکن اتنا بڑا جرم ہے ساری خدمات

ملیا میٹ کر دینے کے لئے کافی ہے اور عمر بھر کی خدمت کو خاک میں ملا دیتا ہے، اسی طرح جو اللہ سے بغاوت کرتا ہے، اس کے تمام اعمال حبط ہو جاتے ہیں اور ہو جانے چاہئیں کیونکہ بغاوت جرم ہی ایسا ہے غرض اس غلطی کے متعلق ایک تو یہ تحقیق ہے کہ جس کو چھوٹی بات سمجھا جاتا ہے وہ دراصل بہت بڑی بات ہے، دوسری تحقیق یہ ہے کہ وہ جو بڑی بات ہے آیا وہ اختیار سے ہے یا بلا اختیار یعنی خود بخود ہو پڑی وہ بات جس سے وہ جہنمی ہو گیا یا اس کو اپنے قصد سے اپنے ارادہ سے اپنے اہتمام سے کیا تھا تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو بات بلا اختیار کے ہوتی ہے واللہ ثم واللہ اس سے مطلق ضرر نہیں ہوتا، چہ جائے کہ جہنمی ہونا، خوب سمجھ لو کہ دوزخی اُسی فعل سے ہوتا ہے جس کو اپنے قصد سے کرتا ہے اور اپنے اختیار سے کرتا ہے ورنہ ہرگز دوزخی نہیں ہوتا، پس پھر اب یہ کہاں سے لازم آیا کہ جس نے عمر بھر جنت کے عمل کئے تھے، ہائے وہ بلا اختیار خالد فی النار ہو گیا اور یہ کہاں سے لازم آیا کہ جس نے عمر بھر دوزخ کے عمل کئے تھے دیکھو وہ بلا اختیار ہمیشہ کے جنتی ہو گیا، خوب سمجھ لو کہ جنت میں جانا بھی اختیار سے ہوا اور جنت سے ہٹنا بھی اختیار ہی سے ہوا، وہ خود ہٹا جنت سے، جیسے دربار شاہی میں کوئی شخص حاضری دینے کے لئے چلا تھا جب دروازہ پر پہنچا تو یکا یک اس کی رائے بدل گئی اور بادشاہ کو گالیاں سناتا ہوا بجائے ایوان شاہی کے باغی کی کوٹھی پر جا پہنچا، ایوان شاہی صرف ایک بالشت رہ گیا تھا کہ خدا کی مار چلتے چلتے رائے جو بدلی جھٹ رُخ بدل کر باغی کے مکان کی طرف ہو لیا، اب کوئی یوں کہنے لگے کہ کیا کرے، بیچارہ تقدیر کی بات عمر بھر تو جنت میں جانے کے عمل کئے اخیر میں ذرا سی بات ایسی ہو گئی جس سے دوزخی ہو گیا، پھر کیا خود ہو گئی وہ بات کیا زبردستی اُسے دوزخ میں بھیج دیا گیا، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، خدا کے یہاں ایسا ہرگز نہیں، حضرت وہ بہت ٹالتے ہیں، بہت طرح دیتے ہیں مگر پھر جو جان جان کر شرارت کرتا ہے اُسی کو دوزخ میں بھیجتے ہیں۔ (آثار المربع ج ۱۴)

## شہادت قلب کا حکم

ارشاد ہے: استفت قلبک و لو افتاک المفتون (اپنے دل سے فتویٰ لو اگرچہ مفتی فتویٰ دے دیں)



(الصحيح للبخارى 8:107، الصحيح لمسلم كتاب الذكر والدعاء  
باب: 10، رقم: 31 سنن الترمذی: 3467، مشکوة المصابيح: 2298)  
حضرت جب دل کو لگتی ہے اس وقت جواز کے سارے فتوے رکھے رہ جاتے ہیں اور  
اس وقت تک چین نہیں ملتا جب تک کھٹک کی بات کو دور نہ کیا جائے۔ مولانا محمد منیر صاحب  
نانوتہ میں ایک بزرگ تھے ایک دفعہ ان کے ہاتھ سے مدرسہ دیوبند کی ایک امانت ضائع  
ہو گئی تھی، سفر میں کسی نے چرائی اور رقم ذرا زیادہ تھی۔ انہوں نے فوراً مدرسہ میں اطلاع کر دی  
کہ وہ امانت میرے پاس سے چوری ہو گئی لیکن میں ضمان ادا کروں گا۔ مدرسہ والوں نے  
چاہا کہ مولوی صاحب سے ضمان نہ لیں کیونکہ ان کی دیانت پر پورا اعتماد تھا کہ انہوں نے  
قصداً حفاظت میں کوتاہی نہیں کی اور ایسی حالت میں شرعاً امین پر ضمان نہیں۔

چنانچہ اُن سے کہا گیا تو انہوں نے اس کو منظور نہ کیا اور کہا مجھے بدوں ضمان دیئے چین نہ  
آئے گا۔ مدرسہ والوں نے مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت مولوی منیر صاحب نہیں مانتے  
مدرسہ کا ضمان ادا کرنا چاہتے ہیں اگر آپ فتویٰ لکھ دیں تو وہ شاید مان جائیں۔ کیونکہ مولانا  
گنگوہیؒ کو ساری جماعت بڑا مانتی تھی اور مولانا کے فتوے پر ہر شخص کو پورا اعتماد تھا۔ حضرت نے  
فتویٰ لکھ دیا کہ جب امین نے حفاظت میں کوتاہی نہ کی ہو تو اس پر شرعاً ضمان نہیں۔

مدرسہ والوں نے یہ فتویٰ مولانا محمد منیر صاحب کو لا کر دکھلا دیا سو حالانکہ مولوی محمد منیر  
صاحب مولانا گنگوہیؒ کا بڑا ادب کرتے تھے۔ مگر اس وقت یہ فتویٰ دیکھ کر اُن کو بڑا جوش آیا  
اور ہم عمری کے سبب ناز کے لہجہ میں کہا بس میاں رشید احمد نے سارا فقہ میرے ہی واسطہ  
پڑھا تھا ذرا وہ اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ اگر اُن کے ہاتھ سے مدرسہ کی امانت ضائع  
ہو جاتی تو کیا وہ خود بھی اس فتوے پر عمل کرتے یا بدوں ادا کئے چین نہ ملتا۔ لے جاؤ میں کسی  
کا فتویٰ نہیں دیکھنا چاہتا۔ حضرت انہوں نے نہیں مانا اور زمین بیچ کر یا نہ معلوم کس طرح  
مدرسہ کی رقم ادا کی جب چین پڑا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

## عظمت والدین

آج کل جس قدر ادب پیروں کا کرتے ہیں باپ کا نہیں کرتے۔ حالانکہ اطاعت  
عظمت کرنا والدین کی امر منصوص فی القرآن (قرآن شریف میں منصوص ہے ۱۲ ص) ہے

شرعاً اگر باپ کہے کہ میرے پیر دباؤ اور پیر کہے کہ نفلیں پڑھو باپ کا کہنا واجب ہے اگر باپ سے سرکشی کر کے نفلیں پڑھے گا شرعاً گنہگار ہوگا۔ پس پیر کا اتنا ادب کرنا کہ رسول و والدین کا بھی اتنا حق نہ سمجھے یقیناً غلو فی العمل (عمل میں غلو ۱۲ ص) ہے جس کی اصلاح واجب ہے۔ بہت سے بہت پیر کا حق والدین کے برابر رکھوا کر چہ واقعی اس سے بھی کم ہے اور واقع میں تو اتنا ہے کہ جتنا حق استاد کا سمجھتے ہو اتنا سمجھو۔ اب تو پیر کا ادب خدا تعالیٰ کے برابر کرتے ہیں کہ اگر سجدہ کا بھی حکم کرے تو شاید کر لیں۔ (وحدۃ الحب ج ۱۵)

## تکلیف دور کرنے کا نسخہ

جس کسی کو تکلیف و پریشانی میں مبتلا دیکھا جائے سمجھنا چاہئے کہ اُس کو غیر اللہ کے ساتھ تعلق زیادہ ہے۔ اس تعلق کو قطع کر دو تکلیف جاتی رہے گی۔ یہ طریقہ تمام دنیا کی تکالیف کا خاتمہ کر دینے والا ہے۔ یہی وہ مضمون ہے جو پہلے خود بخود ذہن میں آیا تھا۔ اس کے بعد یہ حدیث نظر سے گزری۔

اللهم اجعل حبک احب الاشياء الیّ واجعل خشیتک اخوف الاشياء عندی کہ اے اللہ تعالیٰ اپنی محبت کو میرے دل میں سب سے زیادہ محبوب بنا دے اور اپنا خوف میرے دل میں سب سے زیادہ پیدا کر دے۔ سبحان اللہ! کیا جامع دعا ہے کیونکہ دو ہی طرح کے تعلقات ہوتے ہیں۔ رغبت کے یا ہیبت (ڈرنا ۱۲ ص) کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہی لفظوں میں سب تعلقات کو کھپا دیا کہ سارے تعلقات اس حد تک ہونے چاہئیں کہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کی محبت نہ ہو اور نہ خدا تعالیٰ سے زیادہ کسی کا ڈر ہو۔ سب تعلقات خدا کے تعلق سے مغلوب ہونے چاہئیں تو وہ مسئلہ وار قلبی اچھی طرح ثابت اور سنت سے مؤید ہو گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے بھی اور فعل سے بھی۔ کیونکہ میں نے پہلے آپ کو جتلا دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال بیان کر کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز سے زیادہ تعلق نہ تھا۔ (ایضاً)

## فضیلت طول قیام یا کثرت سجود

علماء کا اس مقام پر ایک اختلاف بھی ہے کہ طول قیام افضل ہے یا کثرت سجود یعنی رکعتیں

مختصر مختصر کر کے تعداد میں زیادہ پڑھنا افضل ہیں یا یہ افضل ہیں کہ رکعتِ تعداد میں خواہ کم ہوں مگر بہت طویل ہوں۔ غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے مگر مجھے اس اختلاف کی بابت کچھ بیان کرنا نہیں۔ دو وجہ سے اول تو اس وجہ سے کہ میرا یہ مقصود نہیں۔ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ مولانا محمد یعقوب صاحب سے اس مسئلہ میں ایسا فیصلہ سن چکا تھا کہ جس سے مجھ کو دونوں مذہب میں کسی قسم کا اختلاف نہیں معلوم ہوتا اور وہ فیصلہ یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے سے من وجہ افضل ہے جس وقت جس کو دل زیادہ چاہئے اور جس سے دلچسپی اور رغبت و شوق ہو اس پر عمل کریں جس وقت طول قیام مرغوب ہو اسے اختیار کرے اور جس وقت کثرتِ سجود محبوب ہو اس وقت اس پر عمل کرے۔ حاصل فیصلہ یہ ہے کہ ہر ایک میں دوسرے کے اعتبار سے فضیلت ہے۔ (اعلاء النافع ج ۱۵)

## ملکیت جسم

ہم کو حکم ہے کہ خودکشی نہ کرو اگر کسی نے خودکشی کی اور اپنے کو قتل کیا تو جرم کا مرتکب ہوا کیونکہ یہ ہمارا بدن ہماری چیز نہیں۔ اسی وجہ سے خودکشی حرام جیسا کہ کیرے کو ہل توڑنے کا اختیار نہیں۔ ہاں ہل چلانے کا اختیار ہے۔ اسی طرح ہمیں صرف اس جسم سے کام لینے کا اختیار ہے۔ مثلاً جو غلام ہماری ملک ہو اس کو ہماری منشاء کے مطابق چلنے کا اختیار ہے۔ یہ ہرگز اختیار نہیں کہ زہر کی بوٹی کھا کر مر جاوے۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو اُس نے ہماری خیانت کی۔ اسی طرح چونکہ ہمارا بدن اور جسم ہماری چیز نہیں سرکاری چیز ہے۔ اس لئے اس حیثیت سے اس کی خدمت وغیرہ میں بھی ثواب ہے۔ اور اسی جہت سے اُن کے ساتھ محبت بھی ہونا چاہئے۔ اسی کو کسی صاحبِ حال نے فرمایا ہے

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است اتم پائے خود کہ بکویت رسیدہ است  
یعنی اپنے ہاتھ پیروں پر بھی ناز کرتا ہوں اس واسطے کہ اس سے آپ تک وصول ہوا ہے نہ اس وجہ سے کہ میری چیز ہے آگے فرماتے ہیں

ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را کودامنت گرفته بسوئم کشیدہ است  
(اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بار بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے) (ایضاً)

## ایمان کی حفاظت

ہمارے حضرات بعض لوگوں کو ترکِ ملازمت سے منع فرماتے تھے بلکہ بعض کو ناجائز

ملازمت کے ترک سے بھی منع فرمایا کہ جب تک حلال ملازمت ملے اس وقت تک اسی کو کئے جاؤ اور استغفار اور توبہ کرتے رہو۔ کیونکہ گویہ ملازمت حرام ہے۔ مگر ایمان کا وقایہ ہے ایسا نہ ہو کہ افلاس کی پریشانی سے ایمان ہی جاتا رہے۔ ہم نے مسرف مفلس کو تو مرتد ہوتے ہوئے بکثرت دیکھا ہے۔ کسی نے بخیل جمعدار کو مرتد ہوا دیکھا ہوا، تو بتلایئے۔ (افناء الحب ج ۱۵)

## کمال کا تقاضہ

حسین جمیل آدمی ہو تو خواہ مخواہ ہر شخص کا دل اُسے دیکھنے کو چاہتا ہے۔ غرض جو چیز بھی کامل ہے اُس کے کمال کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ اپنی طرف دل کو کشش کرتی ہے اور توجہ کو مقضیٰ ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ توجہ مفید ہے تو جائز ہے۔ ورنہ ناجائز ہے۔ جیسے نظرائی غیر المحارم و نظرائی الامارد۔ اسی طرح کسی کے مال کو حسرت سے تکتنا وغیرہ کو ان توجہات سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ (الصحاح فی الاوقات ج ۱۵)

## مسئلہ استیجار علی العبادۃ

قبر پر جا کر حافظ کو مقرر کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی استیجار علی العبادۃ ہے اس پر بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا ہو گیا ہے۔ علماء نے میت کا ثواب ہی بند کر دیا۔ ہم کہتے ہیں اس کا ثواب ہی نہیں پہنچتا پھر بند کیا کر دیا کیونکہ ثواب پہنچنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اول عمل خیر کرنے والے کو ثواب ملتا ہے پھر اس کو اختیار ہے جسے چاہے بخش دے۔ جیسے اپنا مال جسے چاہے دے دے۔ اور یہاں خود کو ہی ثواب نہیں ملتا تو بخشا ہی کیا۔ اگر کوئی کہے کہ قرآن شریف کا پڑھنا ثواب کی بات ہے اور اجرت لینا گناہ تو ایک معصیت اور ایک ثواب ہو گیا تو ثواب پہنچ جائے گا اور گناہ ہمارے ذمہ رہ جائے گا پھر ہم توبہ کر لیں گے تو یہ عمل حسن رہ گیا تو ہم کہیں گے انما الاعمال بالنیات (کاموں کا مدار تو نیتوں پر ہے)۔ قاری کی نیت دیکھ لیجئے کہ استحصال مال ہے نہ ثواب۔ پھر ثواب کہاں جب اسی کو ثواب نہ ملا تو دوسرے کو کیا بخشے گا۔

بعض لوگ یہاں کہتے ہیں کہ یہ استیجار نہیں کیونکہ ہم کوئی مقدار مقرر نہیں کرتے جو ہمارے مقدر میں پہنچتا ہے۔ سبحان اللہ المعروف کا لمشر وط جو بات مشہور ہوتی ہے اس میں ٹھہرانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے اگر کسی طرح معلوم ہو جائے کہ یہاں کچھ نہ ملے گا وسط



رمضان ہی میں حافظ صاحب چھوڑ کر بیٹھ رہیں۔ ثابت ہوا کہ مقصود حافظ صاحب کو اجرت ہی ہے ختم سے بحث نہیں۔ اگر کوئی شخص خالی الذہن ہو اور اس جگہ رواج بھی دینے کا نہ ہو تو جو کچھ ہدیہ قبول کیا جائے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ ان کو ان کی ضرورت کے موافق بطور ہدیہ دے دیا کرو اور چونکہ اس طرح سے دینے کی عادت نہیں اسی وجہ سے ان کی نیتوں میں فساد پیدا ہو گئے۔ اگر بلا سوال و حیلہ ان کے دے دیا جایا کرے تو نوبت کا ہے کو آئے۔ (تطہیر رمضان ج ۱۶)

## مساجد کا استحکام ضروری ہے نقش و نگار ضروری نہیں بلکہ ناجائز ہے

اکثر مسجدوں کے لئے بھی لوگوں سے محصل کی وجاہت کے ذریعہ سے وصول کرتے ہیں پھر اس میں بھی بعض محض فضول زینت کے لئے جس کی ممانعت آئی ہے اگرچہ اپنے ہی مال سے ہو۔ ہاں استحکام منع نہیں ہے۔ مصالحہ عمدہ لگایا جائے۔ معمار تجربہ کار ہوں۔ اینٹ پختہ ہو۔ آرائش بالطبع کسی قدر ہو تو مضائقہ نہیں اور اس کی تو کسی درجہ میں ضرورت ہی نہیں کہ لوگوں سے غصب کر کے آرائش میں خرچ کیا جائے۔ مسجد چھپر کی بھی ادائے نماز کے لئے کافی ہے بلکہ جو مقصود ہے یعنی خشوع وہ چھپر میں پکی مسجد سے کچھ کم نہیں ادا ہوتا بلکہ اس کے تو نقش و نگار میں ہی خیال بٹ جاتا ہے اور وہ اس سے محفوظ ہے تو جب اصل مقصود ہی حاصل نہ ہوا تو یہ تزئین کیا کرے گی۔ ایسا ہی حال ہے مٹھائی میں کہ اس میں بھی کہیں جبر کہیں تفاخر ہوتا ہے اور اس کا امتحان یوں ہو سکتا ہے کہ اگر وسط صلوٰۃ میں آدمی زیادہ جمع ہو جائیں تو مٹھائی کی فکر پڑ جاتی ہے۔ نمازیوں کو بھی اور مہتممین کو بھی۔ مہتممین کو تو اپنی آبرو کی پڑ جاتی ہے اور نمازیوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اب ایک ہی ایک بتا شہ ملے گا۔ خشوع تو کوسوں دور گیا۔ مٹھائی کیا آئی کہ اتنے گناہ چپکا لائی۔ علاوہ بریں اکثر عام بے نماز لوگ آتے ہیں اور تعجب نہیں کہ بعضے جب بھی ہوں پھر لوگ باتیں کرتے اور مغالطے دیتے ہیں اور لغویات بکتے ہیں۔ غیبتیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے کا ظلم سمیٹتے ہیں۔ (ایضاً)

## فقہاء و صوفیاء

حقیقت میں بھی دو گروہ حکماء ہیں ایک صوفیہ دوسرے فقہاء تو صوفیہ نے بھی اس کو

سمجھا کہ وہاں کی لذتوں کا نمونہ ہے اور فقہاء نے بھی اس کو سمجھا چنانچہ صاحب ہدایہ جن کی عادت ہے کہ ہر مسئلہ کی ایک دلیل نقلی بیان فرماتے ہیں اور ایک عقلی جہاں یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں کہ حریر چار انگل تو جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں۔ چار انگل اس طور پر کہ سنجاف یا تیل عمامہ یا ٹوپی یا اور کسی کپڑے میں لگا لے تو کچھ حرج نہیں۔ اول اس کی دلیل نقلی ارشاد فرمائی اس کے بعد حکمت عقلیہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ نمونہ ہے۔ لباس اہل جنت کا کیونکہ لِبَاسُهُمْ فِيهَا خَرِيرٌ (جنت میں ان کا لباس ریشمی ہوگا ۱۲) تاکہ تھوڑا دیکھ کر وہ یاد آوے اور اس کے حاصل کرنے کی رغبت ہو اور اس کا حصول موقوف ہے۔ اعمال صالحہ پر لہذا جب اس کی رغبت ہوگی تو اعمال صالحہ کی بھی رغبت ہوگی۔ سبحان اللہ حریر پہن رہے ہیں اور سلوک طے کر رہے ہیں۔ (روح الافطار ج ۱۶)

فقہاء و صوفیہ نے اس قاعدہ کا بہت لحاظ کیا ہے کہ جو مباح و مستحب مفہمی الی المعصیت ہو جائے۔ وہ بھی ممنوع ہے۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶)

## وجوب قربانی

ذی وسعت پر قربانی واجب اور اسکے ترک پر وعید وارد ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص وسعت رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آوے۔ یہ عید گاہ وہ جگہ ہے جس میں حاضر ہونے کی تاکید اور ترغیب بیان فرمائی ہے کہ جن پر نماز عید واجب بھی نہیں بلکہ ان کو نماز پڑھنا فرض بھی نہیں ان کو بھی پہلے یہ حکم تھا کہ عید گاہ میں حاضر ہوں چنانچہ حیض والی عورتوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ وہ بھی عید گاہ میں حاضر ہوں۔ حالانکہ حائضہ کو نماز پڑھنا جائز نہیں (مگر یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا اس زمانہ میں بسبب فتنہ کے یہ حکم نہیں۔ (سنت ابراہیم ج ۱۷))

## عید گاہ میں نماز

مسلمانوں کو عید گاہ میں ضرور جانا چاہئے اور وہیں نماز ادا کرنا چاہئے بعض لوگ اس میں تاہل کرتے ہیں اور بلا عذر اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ہمارے فقہاء نے اس کو منع فرمایا ہے البتہ معذورین جو عید گاہ جانے کی طاقت نہیں رکھتے ان کو اتنی اجازت دی

ہے کہ ان کے واسطے بستی میں ایک امام رہ جائے یا ایسا ہی کوئی عذر شرعی ہے ان کو بھی شہر کی مسجد میں پڑھنے کی اجازت ہے اور فقہاء یہ اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ قواعد سے جن کو وہ اپنی خداداد قوت اجتہاد سے سمجھتے کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ باری تعالیٰ کا فرمودہ ہے مولانا فرماتے ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود      گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(سنت ابراہیم ج ۱۷)

## مداومت کی قسمیں

مداومت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مداومت حقیقیہ اور دوسری مداومت حکمیہ۔ مداومت حقیقیہ تو یہ ہے کہ کسی فعل کو صورتاً بھی ہمیشہ کیا جاوے اور مداومت حکمیہ یہ ہے کہ کسی فعل کو صورتاً تو کسی مصلحت کی وجہ سے کبھی چھوڑ دیا ہو لیکن ارادہ میں اس فعل پر دوام ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کو بھی بجائے فعل کے موثر سمجھنا چاہیے اور حضور کا ارادہ دوام تراویح کے متعلق خود اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور آپ نے جماعت تراویح پر مداومت اس وجہ سے نہیں کی تاکہ یہ فرض نہ ہو جائے۔ اور امت دقت میں نہ پڑ جائے۔ یہ غایت درجہ کی امت پر شفقت ہے۔ یہ مصلحت امت تھی ترک دوام صوری میں چونکہ مداومت حکمیہ ارادہ جو بمنزلہ فعل کے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکی تو یہ تراویح کی سنت مؤکدہ ہونے کی کافی بلکہ الگ دلیل ہے۔ (ایضاً)

## قربانی میں ریاکاری

بعض ایسے بھی ہیں کہ قربانی تو کرتے ہیں مگر محض برائے نام ہی کرتے ہیں خواہ عند اللہ مقبول ہونے کے قابل ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ کانپور میں ایک لوہار تھے انہوں نے قربانی کے لئے ایک ایسا بکرا تجویز کیا جس میں سب ہی عیب تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ میاں ایسا جانور کیوں ذبح کرتے ہو۔ لوہار بولا واہ صاحب ہماری بیوی صاحبہ کا فتویٰ ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے اس شخص نے کہا کہ ذرا ہم کو بھی دکھانا چاہیے کہ آپ کی بیوی نے کہاں سے فتویٰ دیا ہے۔ لوہار گھر گیا اور بیوی سے ذکر کیا کہ حضور کے فتویٰ کو بعض لوگ نہیں مانتے ذرا انہیں بھی قائل کر دو۔ وہ اتفاق سے اردو پڑھی ہوئی تھی۔ اس نے فوراً اردو کا شرح وقایہ نکال کر دکھلایا کہ دیکھو

اس میں لکھا ہے کہ جس جانور کے تہائی سے کم دم و کان ناک وغیرہ کٹی ہوں وہ جائز ہے اس بکری میں چونکہ ہر چیز تہائی سے کم کٹی ہوئی ہے اور یہ عیب موثر نہیں لہذا جائز ہے اس شخص نے کہا کہ بھائی ہم شرح وقایہ تو سمجھتے نہیں علماء کے پاس چلو اور یہ جانور ان کو دکھلا لو پھر وہ جو حکم دیں۔ لوہار کہنے لگا کہ بس صاحب ہم کو تو ہماری بیوی کا فتویٰ کافی ہے کسی عالم کو دکھلانے کی حاجت نہیں۔ بس اس لوہار کو صرف قربانی کا نام کرنا تھا۔ (سنت ابراہیم ج ۱۷)

## قربانی کی حقیقت

جب فضیلت قربانی کی صحابہؓ نے سنی تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ حقیقت قربانی کی کیا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا سنو ابیکم ابراہیم (کنز العمال) یعنی تمہارے باپ ابراہیم کا طریقہ اور سنت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ فرمایا تو اس لئے فرمایا کہ مخاطب عرب ہیں اور اکثر عرب کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے تو اس صورت میں ابراہیم کا باپ ہونا حقیقت ہوگا اور اگر مخاطب کل امت کو مانا جاوے اس صورت میں ابراہیم علیہ السلام کا کل امت کے لئے باپ ہونا مجازاً ہوگا یعنی روحانی باپ وہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے روح اور نفس کی اصلاح ہو اور ہماری روحانی اصلاح کا سلسلہ ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے لہذا وہ ساری امت کے روحانی باپ ہیں۔ تو باپ کے پہلے معنی ظاہری ہیں اور دوسرے معنی باطنی۔

اور اتفاق سے اسی طرح خود مقصود حدیث بھی دو معنی کو مشتمل ہے یعنی جس طرح ابیکم میں ایک ظاہری معنی ہیں ایک باطنی معنی اسی طرح سنت ابراہیم کے دو معنی ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لكل آية ظہر و بطن (لم أجد الحديث في موسوعة) یعنی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ (ایضاً)

## عمدہ قربانی کی جائے

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ گھٹیا جانور کی قربانی کرتے ہیں حالانکہ قربانی بجائے اولاد کے ہے جیسا کہ بناء قربانی کا واقعہ اس پر شاہد ہے اس لئے چاہیے کہ عمدہ سے عمدہ جانور کی قربانی کی جاوے۔ غرض یہ ہے کہ اچھا جانور ذبح کرنا چاہیے۔ (ایضاً)



## میت کی طرف سے قربانی

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ میت کی طرف سے قربانی کریں یا نہیں۔ اور اگر کریں تو کیونکر کیا کریں۔ تو قربانی مردوں کی طرف سے بھی جائز ہے ماں باپ پیر، استاد حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی کر سکتے ہیں مگر ایک حصہ کئی مردوں کی طرف سے درست نہیں۔ (تعظیم الشعائر ج ۱۷)

## حرام جانور کی قربانی

ایک یہ مسئلہ ہے کہ بعض لوگ قربانی کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ جانور شریعت کی رو سے ملک طیب ہے یا ملک خبیث تو بعض دفعہ ملک خبیث ہوتی ہے وہ خدا کے یہاں مقبول نہیں گو واجب اتر جاتا ہے اور بعض دفعہ ملک ہی نہیں ہوتی۔ جیسے چرائی کا بکرا کہ سال بھر میں ایک دفعہ زمیندار کو دیا جاتا ہے یہ آمدنی حرام ہے کہ لینے سے بھی اس کا کوئی مالک نہیں اور وجہ یہ ہے کہ گھاس کسی کی ملک نہیں اس میں سب کا حق ہے وہ دو طرح ملک ہو سکتی ہے۔ کاٹنے سے یا کھیت کی طرح سینچنے سے بھی ملک ہو جاتی ہے مگر یہ جو ہزاروں بیگھہ کا رقبہ پڑا ہے وہاں کون آپاشی کرتا ہے تو کسی کی ملک نہیں ہے۔ اس سے سب کا انتفاع جائز ہے اس کی مثال آب باراں ہے کہ اس کا کوئی مالک نہیں تو گھاس کا بھی کوئی بھی مالک نہیں۔ جس کا کھر پا چل جائے تو مالک وہی ہے تو گھاس کے عوض جانور لینا ہرگز جائز نہیں۔ اور اگر کسی نے لیا تو وہ اس کی ملک میں نہیں آتا۔ بلکہ اسی کا ہے جس نے دیا ہے لینے والے کو اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں اور اگر اس کی قربانی کی تو ادا نہ ہوگی بلکہ خود اس کے لئے اس کا تجویز کرنا معاذ اللہ ایسا ہے جیسے غلیظ کو کسی بڑے عظیم الشان حاکم کے پاس تحفہ لے جائے خدا کا خوف کرنا چاہیے اول تو یہ جانور لینا نہ چاہیے اور اگر شیطننت سر پر سوار ہو اور لے ہی لو تو اس کی قربانی تو نہ کرو اور قربانی بھی کرو تو خدا کے لئے اسے خود ہی کھاؤ کسی اور مسلمان بھائی کو تو مت کھاؤ۔ کوئی خود گوہ کھائے تو دوسروں کو تو نہ کھائے۔ (ایضاً)

## جانور کی خرید میں احتیاط

ایک وہ صورت ہے کہ ملک تو ہو جاتی ہے مگر خبیث ہوتی ہے جیسے حصے پر جانور لیتے

ہیں جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص نے اپنی گائے کا بچہ کسی دوسرے کو پالنے کے واسطے دیا اور اجرت یہ قرار دی کہ جب یہ بڑا ہو جائے گا تو اس کی قیمت لگا کر نصف نصف بانٹ لیں گے یا تو مالک آدھی قیمت دیکر اس کو لے لیگا یا پالنے والا آدھی قیمت دیکر لے گا یہ عقد ناجائز ہے مگر پہلی صورت میں کہ مالک نے پالنے والے کو آدھی قیمت دیکر جانور اپنے پاس رکھا اس جانور میں کوئی خباثت نہیں وہ حلال طیب ہے اگرچہ عقد فاسد کرنے کا گناہ ہوا۔ اور دوسری صورت میں کہ پالنے والا جانور کو لے اور مالک کو آدھی قیمت دے اس کی ملک خبیث ہے اور برابر خبیث رہے گا۔ اس لئے ایسے جانور کی بھی قربانی جائز نہیں کیونکہ ان الله طيب لا يقبل الا الطيب (اصح لمسلم کتاب الزکوٰۃ ۶۵) (اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک ہی چیز کو قبول فرماتے ہیں) اگرچہ قربانی کر دینے سے واجب ذمہ سے ساقط ہو جائے گا مگر مقبول نہیں۔ (تعظیم الشعائر ج ۱ ص ۱۷)

## گوشت کی تقسیم

کلہ پارچوں میں کمینوں کا حق سمجھا جاتا ہے تو اگر حق الخدمت سمجھ کر دیا تو اس قدر گوشت کے برابر قیمت تصدق کرنا واجب ہے گو لوگ تو یہ کہا کرتے ہیں کہ قربانی ہی نہ ہوگی تاکہ لوگ اس کو چھوڑ دیں اور بالکل نہ کریں کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس قدر گوشت کی قیمت تصدق کر دو تو لوگ دینا تو چھوڑیں گے نہیں اور تصدق بھی نہ کریں گے۔ مگر میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ احکام صاف صاف ہم کو بیان کر دینا چاہیے جس کا دل چاہے مانے یا نہ مانے رہی اس کی دلیل کہ قربانی ہو جائے گی تو میں طالب علم کو بتا دوں گا کہ بعض عوام اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ اب رہی یہ بات کہ کمینے گالیاں دیں گے تو اہل ہمت کے لئے تو یہ جواب ہے کہ اگر گالی دیں بلا سے کچھ پرواہ نہ کرو بلکہ اور خوش ہونا چاہیے کہ اس کی نیکیاں تم کو مل رہی ہیں ایک بزرگ کا قاعدہ تھا کہ ان کو جو کوئی گالی دیتا اس کو مٹھائی بھیجتے اور راز اس میں یہی ہے کہ اس نے اپنی نیکیاں تمہیں دیں تو مٹھائی اس سے بہت کم قیمت ہے اس نے تم پر بڑا احسان کیا۔ اس لئے کیا اس کو مٹھائی دے کر بھی خوش نہ کیا جائے۔ مگر اہل ہمت کو میں ایک اور مشورہ دیتا ہوں کہ ان کمینوں کو بالالتزام نہ دیا کریں کبھی کبھی دے دیا کریں۔ مگر جب دیں

غریب سمجھ کر دیں۔ خدمت گار سمجھ کر نہ دیں۔ سو اس طرح دینے سے وہ اپنا حق نہ سمجھیں گے اور اگر گالیاں کھانے کی ہمت نہ ہو تو ہمیشہ دیدیا کرو۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دو کہ تیرا حق تو کچھ ہے نہیں مگر تجھ کو غریب سمجھ کر دیتے ہیں۔ اس میں بھی حرج نہیں مگر یہ کم ہمتی کی بات ہے ایک مسئلہ یہ ہے جس کو اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر کئی شخصوں کے حصے ہوں تو سب کو بدوں تقسیم کئے ہوئے یا بعض کو تقسیم کر کے اور بعض کو مشترک تصدق کرنا جائز ہے یا نہیں۔ تو سن لو کہ جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ کچھ مشترک تصدق ہو گیا ہو اور بقیہ کو تقسیم کر لو۔ مگر اندازے سے بانٹنا حرام ہے اگر ایک طرف کچھ زیادہ کم چلا گیا تو سود کا گناہ ہوا۔ دیکھو! اگر چھٹانک بھر بھی ایک طرف زیادہ ہوا تو سود خوروں میں دونوں لکھے جائیں گے۔ ہاں! اگر ایک طرف زیادہ گوشت ہو اور دوسری طرف گلے پائے ہوں تو جائز ہے کیونکہ جنس بدل گئی۔ (تعظیم اشعار ج ۱۷)

## کھال کا مصرف

ایک مسئلہ یہ ہے کہ کھال کا مصرف معلوم کر لینا چاہیے اس میں اکثر مؤذن ملا مولویوں پر خفا ہوتے ہیں کہ انہوں نے ہماری آمدنی کم کر دی مگر میں ان کو سمجھاتا ہوں کہ ہم کھال دینے سے منع نہیں کرتے کھال مؤذنوں ہی کو دو مگر اس طرح جس طرح ہم کہیں کہ اجرت سمجھ کر مت دو یعنی مؤذن مقرر کرتے وقت یہ نہ کہا جائے کہ بقر عید میں کھال بھی ملا کرے گی۔ یہ تو گویا تنخواہ ہو گئی بلکہ اس سے کہہ دو کہ کھال میں تمہارا کوئی حق نہیں اس کے بعد تنخواہ مقرر کر دو۔ جب تنخواہ دے چکو تو کھال بھی دیدو کیونکہ وہ بھی غریب ہے اور کھال میں غریبوں ہی کا حق ہے۔ تو ہم تو مؤذنوں کے خیر خواہ ہیں کہ تنخواہ الگ دلوائی۔ کھال الگ دلوائی ہاں یہ جو میں نے کہا کہ کھال بھی دے دو یہ صیغہ وجوب کا نہیں۔ بلکہ امر مستحب ہے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ان کی خاطر سے غیر واجب کو ہم واجب کہہ دیں اور یاد رکھو کہ اگر امام و مؤذن کو مسجد میں مقرر کرتے وقت کھال دینے یا نہ دینے کا ذکر بھی نہ ہو۔ تب بھی کھال دینا جائز نہیں۔ کیونکہ المعروف کا لمشر وط (معروف مثل مشروط کے ہوتا ہے) تو نہ سکوت جائز ہے نہ شرط ہاں یہ جائز ہے کہ اس وقت نفی کر دو اور وقت پر دیدو۔ اسی طرح حقے کی تنخواہ میں بھی کھال دینا جائز نہیں۔ اچھی آپ لوگوں نے اللہ میاں کے کاموں کی تنخواہ مقرر کی کہ یوں بیگار سمجھ کر قربانی کی کھال سے

پوری کی جاتی ہے اور کسی غنی کو خود کھال کا دے دینا یا اپنے کام میں لانا جائز ہے مثلاً ڈول بنوالو یا چرس بنوالو۔ مگر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اگر اپنے کام میں لاؤ اور وہ شے پرانی ہو کر فروخت کرو تو یہ دام پھر خیرات کرنے پڑیں گے۔ جیسے چرسہ بنوالیا اور وہ پرانا ہو گیا اور اس کو فروخت کیا تو ان داموں کو خیرات کرنا ضروری ہے اور مصرف اس کا وہی ہے جو تازی کھال کے داموں کا ہے کہ سید کو اور غنی کو اس کا دینا ناجائز ہے اور شروع وقت قربانی ۱۰ تاریخ ذی الحجہ کی بعد نماز عید کے ہے اور ختم ۱۲ تاریخ کے غروب سے پہلے تک ہے لیکن دسویں کو افضل ہے اور گاؤں والوں کو جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی نماز سے پہلے بھی ذبح کرنا جائز ہے۔ (تعظیم المعائر ج ۱)

## ذبح کے مسائل

ایک مسئلہ اور قابل یاد رکھنے کے ہے کہ جانور کے گلے میں ایک گھنڈی ہوتی ہے اس کے نیچے سے ذبح کرنا چاہیے اوپر ذبح نہ کرے کہ اکثر فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں احتیاط اسی میں ہے دیکھو ایک برتن میں اگر کھانا رکھا ہو اور ایک شخص کہتا ہے کہ اس میں کتے نے منہ ڈالا ہے اور دوسرا کہتا ہے نہیں ڈالا تو تم اس کو ہرگز نہ کھاؤ گے اسی طرح جانور کے ذبح کرنے میں خصوصاً قربانی کے معاملہ میں احتیاط پر عمل کرنا چاہیے یہ بھی اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ کہاؤں اور چماؤں کو بھی قربانی کا گوشت دینا جائز ہے جواب یہ ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ کسی کام کی اجرت میں نہ دیا جائے کتابوں میں قربانی کے جانور کے ذبح کرنے کی ایک دعا بھی لکھی ہے یاد رکھنا چاہیے کہ بغیر اس دعا کے بھی قربانی جائز ہو جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر آدمی جانور کو لیتے ہوں سب کو بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے اگر ایک بھی نہ کہے گا تو قربانی نہ ہوگی یہ بالکل غلط ہے صرف ذابح کو کہنا ضروری ہے اور ذابح ایسا شخص ہونا چاہیے جو ذبح خوب سمجھتا ہو ہر شخص کے ہاتھ سے ذبح کرنا مناسب نہیں۔ اور بچوں کی طرف سے قربانی واجب نہیں۔ صدقہ فطر پر اس کو قیاس نہ کریں ایک بات زیادہ اہتمام کے قابل ہے وہ یہ کہ قصاب جانور کو ذبح کرنے کے بعد ٹھنڈا نہیں ہونے دیتے کھال کھینچنی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ حرام ہے۔ جب جانور خوب ٹھنڈا ہو جائے اس وقت کھال کھینچنا چاہیے بعض لوگ نفس ذبح پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جانور کو تکلیف دینا



ہے ہم کہتے ہیں کہ ذبح میں تکلیف نہیں ہوتی موت طبعی میں زیادہ ہوتی ہے اور اگر ہوتی بھی ہو تو جو محبوب حقیقی کے امر سے ہو وہ سب محبوب ہے۔

ایک مسئلہ ضروری یہ ہے کہ بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ گاہن کی قربانی بھی درست ہے جواب یہ ہے کہ جائز ہے پھر اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کر دینا چاہیے۔ (تعظیم الشعائر ج ۱۷)

## نہایت اہم مسئلہ

ایک مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جو لوگ مکہ اور مدینہ دونوں کے خرچ کو ملا کر اتنے خرچ ہونے پر حج فرض سمجھتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں جس کے مکہ تک کا خرچ ہے اس پر حج فرض ہے وہ حج کو جائیں البتہ جن پر حج فرض نہیں ہے وہ آج کل نہ جائیں کیونکہ جب فرض نہیں تو کیا ضرورت ہے کہ خدشہ میں پڑو اگرچہ یہ خدشہ ضعیف ہی ہے اس کے علاوہ آج کل کرایہ بھی گراں ہے اور گنجائش ہو تو مدینہ کو بھی جائیں۔ کہ بڑی فضیلت ہے

۔ زہے سعادت کہ آل بندہ کہ کرد نزول گہے بہ بیت خدا گہے بہ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (بڑی خوش نصیبی اس بندہ کی کہ اس نے کبھی خانہ کعبہ کی زیارت کی اور کبھی مدینہ کی) (ایضاً) صبی کی اقتداء محققین کے نزدیک تراویح میں بھی درست نہیں ہے اس لیے کہ نوافل صبی ضعیف ہیں چنانچہ اگر شروع کر کے فاسد کر دے تو قضا نہیں ہے اور بالغ کے ذمہ قضا ہے۔ (البحار ج ۱۸)

## زمانہ اجتہاد

ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ بعد چار سو برس کے اجتہاد نہیں رہا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چار سو برس کے بعد کسی کو اجتہاد کے قابل دماغ نہیں ملا کیونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ علاوہ ازیں یہ مطلقاً صحیح بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر زمانہ میں ہزاروں ایسی جزئیات نئی نئی پیش آتی ہیں جن کا کوئی حکم آئمہ مجتہدین سے منقول نہیں اور علماء خود اجتہاد کر کے ان کا جواب بتلاتے ہیں۔ پس اگر اجتہاد کا باب بالکل بند ہو گیا ہے اور اب کسی کا دماغ اجتہاد کے قابل نہیں ہو سکتا تو کیا ایسے نئے نئے مسائل کا جواب شریعت سے نہیں ملے گا؟ یا ان مسائل کے جواب کے لیے کوئی نیانبی آسمان سے اترے گا؟ اگر یہی بات ہے تو خدا خیر کرے کہیں قادیان والے نہ سن لیں۔ کہیں یہ بات ان کے کانوں میں پڑ گئی تو مسیح موعود کی دلائل نبوت کی فہرست میں ایک اور

دلیل کا اضافہ کر لیں گے پھر اس آیت کے کیا معنی ہوں گے: ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ“ (آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی سو دروازہ اجتہاد اگر بالکل بند کر دیا جائے تو پھر شریعت کی تکمیل کس طرح مانی جائے گی کیونکہ ظاہر ہے کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ ان کا جواب کتب فقہ میں مذکور نہیں نہ آئمہ مجتہدین سے کہیں منقول۔ پچھلے دنوں میں ایک سوال آیا تھا کہ ہوائی جہاز میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں اب بتلائیے اگر اجتہاد بعد چار سو برس کے بالکل جائز نہیں تو اس مسئلہ کا شریعت میں کوئی بھی جواب نہیں پہلے زمانہ میں نہ ہوائی جہاز تھا نہ فقہاء اس کو جانتے تھے نہ کوئی حکم لکھا اب ہم لوگ خود اجتہاد کرتے ہیں اور ایسے نئے مسائل کا جواب دے دیتے ہیں تو فقہاء رحمہم اللہ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ چار سو برس کے بعد اجتہاد بالکل بند ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اجتہاد فی الاصول کا دروازہ بند ہو گیا اور اجتہاد فی الفروع اب بھی باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا اگر اجتہاد فی الفروع بھی اب نہ ہو سکے تو شریعت کے نامکمل ہونے کا شبہ ہوگا جو کہ بالکل غلط ہے شریعت میں کسی قسم کی کمی نہیں۔ قیامت تک جس قدر صورتیں پیش آتی رہیں گی سب کا جواب علماء ہر زمانہ کے شریعت سے نکالتے رہیں گے کیونکہ یہ جزئیات اگر کتب فقہ میں نہیں تو اصول و قواعد تو سب پہلے مجتہدین بیان کر چکے جن سے قیامت تک کے واقعات کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ البتہ قرآن و حدیث سے اصول مستنبط کرنا یہ اب نہیں ہو سکتا۔ یہ خاص اجتہاد فی الاصول بعد چار سو برس کے ختم ہو گیا کیونکہ اول تو جس قدر اصول و قواعد شریعت کے تھے وہ سب آئمہ مجتہدین بیان کر چکے انہوں نے کوئی قاعدہ چھوڑ نہیں دیا دوسرے ان کے بعد اگر کسی نے اصول مستنبط بھی کیے تو وہ مستحکم نہیں کہیں نہ کہیں ضرور ٹوٹتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد فی الاصول کے لیے اب دماغ قابل ہی نہیں رہے۔ یہ حضرات مجتہدین ہی کا خاص حصہ تھا کہ انہوں نے نصوص سے اس خوبی سے اصول مستنبط کیے جو کہیں نہیں ٹوٹ سکتے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ ہدایہ کے اصول مسلم نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہدایہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس میں اصول غلط نقل کر دیئے گئے ہیں بلکہ شاہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے بعض اصول خود شریعت سے مستنبط کیے ہیں جن میں وہ ناقل نہیں ہیں سو وہ معتبر نہیں باقی جزئیات اس کی سب معتبر ہیں۔ (الجلالہ لاء بتلاء ج ۱۸)

## اجتہاد فی الفروع باقی ہے

اجتہاد فی الفروع اب بھی باقی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آ سکتا کہ ہم بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مجتہد ہو گئے کیونکہ اصحاب سیاست خوب جانتے ہیں کہ قانون بنانا قانون جاری کرنے سے بہت زیادہ دشوار ہے ہم لوگ سوائے اس کے کہ ان حضرات کے استنباط کردہ اصول کو حوادث الفتاویٰ میں جاری کر دیں اور کیا کر سکتے ہیں؟ کمال انہیں حضرات کا تھا کہ انہوں نے حدیث و قرآن میں سے غور کر کے ایسے اصول و قواعد سمجھے جو قیامت تک کے جزئیات کے لیے کافی ہیں، کوئی مسئلہ ایسا پیش نہیں آ سکتا جس کا حکم جواز و عدم جواز ان اصول سے نہ نکلتا ہو بلکہ ان حضرات نے صرف اصول و قواعد ہی پر اکتفا نہیں کیا جزئیات بھی اس قدر نکال کر بیان کر گئے کہ بہت ہی کم کوئی مسئلہ ایسا ہوتا ہے جس کو وہ صراحتہ یا دلالتہ بیان نہ کر گئے ہوں اور اگر کوئی شاذ و نادر ایسا مسئلہ معلوم ہوتا ہے جو فقہاء نے نہیں بیان کیا تو کبھی تو مفتی کی نظر کی کوتاہی ہوتی ہے کہ اس کو سب مواقع پر عبور نہیں ہوتا یا فہم کی کمی ہوتی ہے کہ وہ مسئلہ عبارت سے نکل سکتا ہے مگر مفتی صاحب کی سمجھ میں نہیں آیا اور اگر بالفرض جزئیہ انہوں نے نہیں بیان کیا تو اصول سے تو وہ ضرور ہی مستنبط ہوتا ہوگا۔ پس آج کل یہ کسی کا منہ نہیں کہ اپنے کو آئمہ مجتہدین کے برابر کہہ سکے جو فرق کہ خلافت صدیقی و خلافت عمری میں ہے وہی فرق آئمہ مجتہدین و فقہاء متاخرین میں سمجھنا چاہیے۔ قانون کا جاری کرنا اور چیز ہے قانون کا بنانا کچھ اور ہی ہے اور ہم لوگوں کو تو ان سے خاک بھی نسبت نہیں ہو سکتی۔ (ایضاً)

## احکام المسجد

امردھمی کی امامت کو فقہاء نے ناجائز کہا ہے۔ جو ان یا میانہ عمر عورت کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے۔ البتہ بوڑھی کے لئے بجز امام صاحب کے اوروں نے اجازت دی ہے کہ اس میں فتنہ نہیں ہے مگر یہ اس زمانہ میں ہوگا آج تو ایسی گندی طبیعتیں ہو گئی ہیں کہ مطلقاً ناجائز کہا جائے گا۔ اگرچہ بڑھیا ہی ہو۔ (التعاظ بالغیر ج ۱۹)

یہ مسئلہ خوب کان کھول کر سن لیجئے کہ غصہ تو غصہ طلاق ہنسی سے بھی ہو جاتی ہے اس

میں نص موجود ہے ثلث جلعن جلدوہزلہن جد۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں ہنسی اور بے ہنسی سب کا ایک حکم ہے۔ ان میں سے ایک طلاق بھی ہے کوئی ہنسی میں بلا ارادہ اپنی عورت سے کہہ دے کہ میں نے طلاق دی تو طلاق ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ یا دو دفعہ دی تو رجعی ہوتی ہے یعنی اس سے عدت کے اندر رجوع کرنا ممکن ہے جبکہ وہ مدخول بہا ہو۔ رجوع کرنے سے نکاح بدستور رہے گا۔ اور اگر تین دفعہ کہہ دیا تو مغلظ طلاق ہو گئی۔ اب کوئی صورت اس نکاح کے لوٹنے کی نہیں رہی۔ گھر گھرستی کا خاتمہ ہو گیا۔ یہی حکم ہنسی کا ہے اور یہی حکم غصہ کا۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

## جمال شریعت

شریعت نے بھی فی الجملہ یکسوئی کا اہتمام کیا ہے چنانچہ حکم ہے: اذا حضر العشاء والعشاء ابذوا بالعشاء کہ جب کھانا سامنے ہو اور عشاء کی نماز تیار ہو تو نماز کو مقدم نہ کرو بلکہ کھانے کو مقدم کرو۔ سبحان اللہ! شریعت بھی کتنی آسان ہے کہ ہم کو پریشانی کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ پہلے کھانے سے فراغت کر لینے کی اجازت دی۔ افسوس! اب بھی لوگ شریعت کو دشوار کہتے ہیں۔ صاحبو! آپ نے ڈاکوؤں کو دیکھا ہے اس لئے شریعت کا جمال آپ سے مخفی رہ گیا۔ میں آپ کو شریعت کا جمال دکھانا چاہتا ہوں۔ واللہ شریعت نہایت حسین و جمیل ہے اس کی تو یہ حالت ہے کہ

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(اصلاح ذات البین ج ۱۹)

## شریعت کا کمال شفقت

ایک ہندو نابینا کنوئیں کے پاس سے جا رہا ہے اور اندیشہ اس کے گرنے کا ہے تو واجب ہے کہ اس کو بچایا جائے یہاں تک کہ اگر نماز بھی پڑھ رہے ہو تو نماز توڑ دینا ضروری ہے اور جب تمام زمین پر بسنے والوں پر رحم واجب ہے تو جتنی خصوصیات بڑھتی جائیں گی رحم کرنا زیادہ واجب ہوگا پس اگر کوئی شخص مسلمان بھی ہو جس کے بارے میں فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں اس کے ساتھ رحم کرنا زیادہ ضروری ہوگا۔ اور اگر مسلمان ہونے کے ساتھ کوئی نسبی قرابت بھی ہو تو وہ دوسروں سے



زیادہ مستحق رحم ہوگا یا قرابت کے سوا کوئی اور دوسری بات زیادہ ہو مثلاً وہ کوئی دین کا کام کر رہے ہوں تو وہ اور زیادہ مستحق رحم ہوں گے دوسروں سے۔ (مواساة المصابین ج ۱۹)

## چرم قربانی کا مسئلہ

زکوٰۃ کے روپے اور چرم قربانی کی قیمت میں شرط یہ ہے کہ جس کو دیا جائے اس کی ملک کر دیا جائے (ایضاً)

## قدرت خداوندی

بہت عرصہ ہوا کہ ضلع اعظم گڑھ سے میرے پاس ایک سوال آیا تھا کہ ایک عورت مرد بن گئی ہے اب اس کا مہر خاوند کے ذمہ واجب رہے گا یا نہیں اور دیگر حقوق واجبہ کا کیا حکم ہے مجھے یہ سوال نہایت منکر معلوم ہوا کیونکہ یہ خیال ہوا کہ محض فرضی سوال ہے بھلا ایسا بھی کہیں ہو سکتا ہے کہ عورت مرد بن جاوے اس زمانہ میں جوانی کا جوش تھا میں نے ٹھان لی کہ جس طرح ہوگا اس سوال کو حل کر کے رہوں گا چنانچہ ساری فقہ کی کتابیں الٹ ڈالیں اور تمام شقوں کے جواب دلائل فقہیہ سے لکھے۔ اب جب عمر ڈھلی تو مجھے اپنے نکیر پر ہنسی آئی کہ اس میں تعجب کی کیا بات تھی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کیا بڑی بات ہے کہ عورت مرد بن جاوے چنانچہ بعد میں ایک شخص اسی موضع کے رہنے والے ملے انہوں نے کہا یہ تو ہمارے ہی گاؤں کا قصہ ہے اور واقعی وہ عورت مرد بن گئی تھی (بن گئی کہوں یا بن گیا) پھر وہ شخص (شخص کہوں یا شخصہ) حج کو گیا (یا گئی) غرض اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ عورت کو مرد اور مرد کو عورت کر دیں پس اے بیسیو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو کہیں تشبہ بالرجال کرنے سے تمہارے منہ پر داڑھی نہ نکل آوے۔ ہم نے لکھنؤ میں ایک تمباکو فروش عورت کو دیکھا ہے اس کے داڑھی نکل آئی تھی تو اس میں امکان عقلی اور امکان وقوعی دونوں موجود ہیں ممکن ہے کوئی بی بی ایسی بہادر ہوں کہ وہ اس کو بھی گوارا کر لیں اور کہہ دیں کہ اس میں حرج کیا ہے میں کہتا ہوں کہ بہت اچھا تم نے اس کو تو گوارا کر لیا مگر اس کا کیا علاج ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔ جو مردوں کی سی وضع بنائے اس لعنت کو مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ لعنت کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد

پر جو عورتوں جیسی وضع بنائے اور اس عورت پر جو مردوں جیسی وضع بنائے۔ علماء نے اسی حدیث سے عورتوں کے لئے کھڑے جوتے کو حرام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں کو پھنڈا جوتا پہننا چاہیے۔ ہمارے قصبات میں تو اس عورت کو بازاری عورت سمجھا جاتا ہے جس کے پیر میں کھڑا جوتا ہو، مگر شہروں میں ایسی آزادی پھیلی ہے کہ بعض شہروں میں عورتیں اچکن بھی پہنتی ہیں اور یہ رواج تو عام ہو چلا ہے کہ عورتیں گرگابی جوتا پہنتی ہیں اور اس میں قصور عورتوں کا تو ہے ہی، کچھ ڈھیلا پن مردوں کا بھی ہے کہ وہ ان باتوں کو معمولی سمجھ کر عورتوں پر روک ٹوک نہیں کرتے حالانکہ یہ باتیں خفیف نہیں ہیں لعنت سے زیادہ اور کیا سختی ہوگی جب ان باتوں پر لعنت آئی ہے تو خفیف کیسی مگر یوں کہیے کہ لوگوں کو دین کا اہتمام ہی نہیں سالن میں ذرا نمک تیز ہو جاوے تو مرد ایسے خفا ہو جاتے ہیں کہ کھانا نہ کھاویں اور رکابی بی بی کے منہ پر دے ماریں اسے مارنے پینے کو کھڑے ہو جاویں مگر لعنت کے کام پر ذرا حرکت نہیں ہوتی بلکہ بعض مرد تو ایسے آوارہ مزاج ہیں کہ باہر والی عورتوں کو دیکھ کر ان کے دل میں خود ہی شوق اٹھتا ہے کہ گھر والیوں کو ان ہی جیسا بنائیں افسوس.....؟ کہاں گئی ان کی غیرت اور کہاں گئی شرافت؟ کیا شریف بیویوں کو بازاری بنانا چاہتے ہیں؟ گھر میں رہنے والی عورتیں تو بس اول جلول ڈھیلی ڈھالی وضع ہی میں اچھی لگتی ہیں یہ کیا کہ کسی کسائی پھرتی ہیں یہ کوئی سپاہی ہیں جو ہر وقت کمر کسی ہوئی ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ میلی کچیلی نہ رہیں کیونکہ صفائی اور زینت یہ زوج کا حق ہے مگر یہ مناسب نہیں کہ آستینیں بھی کسی ہوئی ہیں پا جائے بھی ایسے چست ہیں کہ چٹکی لو تو کھال چٹکی میں آ جاوے جوتا بھی چڑھا ہوا ہے یہ کیا لغو حرکتیں ہیں خدا تعالیٰ نے تو تم کو عورت بنایا ہے تم مرد کیسے بن سکتی ہو۔ (کساء النساء ج ۲۰)

## مسائل طلاق

صاحبو! میرے پاس اس قسم کے سوالات بکثرت آتے ہیں کہ لڑکا تو نابالغ ہے کوئی ایسی تدبیر بھی ہے کہ نکاح ٹوٹ سکے۔ باپ کے اختیار میں جوڑنا تو ہے مگر توڑنا نہیں کیونکہ ولی صبی (بچہ کا سرپرست) کو منافع کا اختیار ہے مضار کا نہیں بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر لڑکے سے طلاق دلوادیں تو ہو جائے گی یا نہیں تو نابالغ کی طلاق نہیں پڑتی۔ بعض دفعہ لڑکا نو جوان ہوتا ہے

اور لڑکی بہت جوان مگر بعض دفعہ سوال آتا ہے کہ بہو کا لڑکے کے باپ سے تعلق ہو گیا۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ خاوند پر بھی حرام ہو گئی اور وہ احتیاط بھی نہیں کرتا کہ وہ ماں بھی ہوتی ہے اور بیوی بھی تو شریعت اس کو کیسے پسند کر سکتی ہے۔ ہاں اگر دو چار برس کا تفاوت ہو تو کھپ سکتا ہے۔

کانپور میں ایک دیور سے زبردستی لڑکی کا نکاح کر دیا گیا۔ عورت اس لئے مجبور ہوتی ہے کہ اگر سرے کا کہنا نہ مانوں تو روٹی نہ ملے گی۔ (عقل الجاہلیہ ج ۲۰)

## نیوتہ کا حکم

لوگ کہتے ہیں کہ نیوتہ سلوک ہے گویا اس کو صلہ رحم میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ یہ قرض ہے کیونکہ صلہ رحم میں بشرط عوض کی قید نہیں ہوتی اور اس میں یہ قید ہے صراحۃً ہو یا تعاملًا دیکھ لیجئے نیوتہ بکھر وصول کیا جاتا ہے۔ ایک صاحب کے یہاں شادی ہوئی تو اس میں نیوتہ کم آیا انہوں نے کاغذ نکال کر دیکھا تو بہت سے آدمی نیوتہ دینے سے رہ گئے تھے۔ شادی ختم ہو گئی مگر انہوں نے ایک تنخواہ دار نو کر کئی مہینہ تک تنخواہ دیکر تحصیل نیوتہ کے لئے مقرر کیا یہ کیسا صلہ رحم تھا جس طرح وصول کیا جاتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ یہ صرف تاویل ہے درحقیقت نیوتہ قرض ہے اس کو کسی اور عقد میں داخل کرنے کی گنجائش نہیں جب یہ قرض ہے تو اس پر احکام شرعی قرض کے جاری ہوں گے ان احکام میں آپ کو کوئی اختیار نہیں کہ کوئی تغیر تبدیل کر سکیں جیسا کہ حاکم وقت کسی معاملہ کو ایک عقد میں داخل کر کے اس کے احکام جاری کر دیتا ہے تو وہ جبراً تسلیم کرنے پڑتے ہیں اس میں آپ کو اختیار نہیں ہوتا کہ ان احکام میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر دیں۔

مثلاً ایک زمین کچھ مدت تک کاشت کرنے سے موروثی قرار دی جاتی ہے اور اس پر حاکم وقت یہ حکم مرتب کر دیتا ہے کہ اب مالک کاشتکار کو بیدخل نہیں کر سکتا تو یہ حکم لازم ہو جاتا ہے اس میں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ موروثی ہے مگر اس حکم کو ماننے کی ضرورت نہیں کہ اب اس کا قبضہ نہیں چھوٹ سکتا۔ ہماری ملک ہے جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

جب دنیا کے بادشاہ کا ایک معاملہ پر حکم مرتب کرنا جس میں ابھی یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ یہ عقلاً صحیح ہے یا نہیں لازم ہو جاتا ہے تو خدائے احکم الحاکمین کے قرار دادہ احکام معاملات میں کیوں لازم نہ ہوں گے۔ (منازعۃ الغوی ج ۲۰)

## ایک مسئلہ

فقہ کا مسئلہ ہے کہ نابالغ کے تصرفات تبرعات کے متعلق نافذ نہیں غرض یہ مال جو تیجہ اور دسواں میں لگایا جاتا ہے مالِ سُحت ہے غنی کو یا فقیر کو کسی کو بھی اس کا کھانا جائز نہیں کیونکہ حق غیر ہے خاص کر اس صورت میں کہ جب وارث نابالغ ہوں کہ اس میں حق غیر ہونے کے ساتھ اتنا اور اضافہ ہے کہ مالِ یتامی ہے جس پر قرآن شریف کی یہ وعید ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ  
نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا.

(ترجمہ: جو لوگ یتیموں کا مال بلا کسی حق کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے) (ایضاً)

## داڑھی کا ثبوت

داڑھی کے متعلق ایک استفتاء چھپا تھا کہ داڑھی رکھنا قرآن سے ثابت کرو۔ میں نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ قرآن ہی سے ثابت ہو۔ ضرورت تو دلیل صحیح کی ہے۔ خواہ قرآن سے ہو یا حدیث سے یا قیاس یا اجماع سے کیونکہ یہ چاروں اولہ شرعیہ (شرعی دلیلیں) ہیں تو جس دلیل سے بھی ثابت کر دیا جاوے اسکے بعد کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اس دلیل سے نہیں فلاں دلیل سے ثابت کرو جیسے عدالت کے گواہ کہ وہاں ضرورت اس کی ہے کہ معتبر گواہوں سے دعوے کو ثابت کیا جائے۔ پس جب معتبر گواہوں سے دعوے کو ثابت کر دیا تو مدعا علیہ اگر یوں کہے کہ میں تو ان کی گواہی نہیں جانتا فلاں ہی شخص گواہی دے گا تو مانوں گا تو یہ بات اس کی ہرگز نہیں سنی جائے گی۔ کیونکہ گواہ معتبر ہونے چاہئیں یہ کیا واہیات کہ گواہ ہیں تو معتبر مگر میں ان کی نہیں مانتا تو اسی طرح شرعی اولہ (شرعی دلیلیں) گواہ ہیں ہم کو اختیار ہے کہ خواہ قرآن سے ثابت کریں۔ خواہ حدیث سے خواہ قیاس سے خواہ اجماع سے سائل کو حق نہیں ہے کہ وہ فرمائش کرے کہ قرآن ہی سے ثابت کرو سائلوں کو خبط ہے ہی مجبوروں کو بھی خبط ہے وہ بھی اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر بات کو قرآن سے ثابت کر دیں۔ چنانچہ ایک صاحب ملے کہنے لگے کہ مجھ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ داڑھی کا ثبوت قرآن سے ہونا چاہئے تو میں نے داڑھی کو قرآن سے ثابت کر دیا وہ



اس طرح کہ حضرت ہارونؑ کے قصہ میں ہے لا تاخذ بلحیتی یعنی میری داڑھی نہ پکڑیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہارونؑ ڈاڑھی رکھتے تھے۔ میں نے کہا کہ اس کو سن کر وہ سائل کیا بولا کہنے لگے کہ وہ مان گیا میں نے کہا کہ اس سے تو داڑھی کا وجود ثابت ہوتا ہے وجوب کہاں ثابت ہوا تو آپ کیا جواب دیتے کہنے لگے کہ اس کو اتنی عقل کہاں تھی کہ یہ پوچھتا۔ سو آج کل مجبوں نے یہ طرز اختیار کر رکھا ہے۔ مگر سمجھو کہ یہ بنیاد کو کھوکھلی کرنا ہے اگر ایسی بنیاد پر مکان بنائیں گے تو بہت جلد مکان گر پڑے گا مثلاً اگر وہ اسی وقت یہ کہہ دیتا کہ اس سے تو داڑھی کا صرف وجود ثابت ہوا وجوب کیسے ثابت ہوا۔ تو اب ان کے پاس کیا جواب تھا تو اگر ایسے جواب دیئے جاویں گے تو اس پر شبہات ہوں گے اور اس سے سائل سمجھے گا کہ شریعت کے دلائل ایسے ہی ہوتے ہیں سو اس طرز کے اختیار کرنے میں یہ ضرر ہے پس اصلی جواب یہ ہے کہ تم کو اس کے کہنے کا منصب نہیں ہے کہ قرآن سے ثابت کرو۔ ہم چاروں دلیلوں میں سے جس دلیل کو چاہیں گے ثابت کریں گے۔ ایک جماعت آج نکلی ہے کہ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن سے ہر چیز ثابت ہے حدیث کچھ نہیں پہلے ایک جماعت فقہ کی منکر نکلی تھی۔ یہ حدیث کے منکر نکلے اور عجب نہیں کہ کچھ دنوں میں لوگ کہنے لگیں لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ (اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کلام فرماتے) کہ ہم اس وقت مانیں گے جب کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود کلام کریں۔ (اجلۃ الداعی ج ۲)

## خبر قطعی کا حکم

حدیث میں ہے کہ جب تحویل قبلہ ہوا تو قبائیں اس وقت خبر ہوئی جبکہ لوگ صبح کی نماز میں تھے ایک شخص نے آ کر خبر دی کہ اب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہو گیا ہے وہ سنتے ہی کعبہ کی طرف پھر گئے یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ پہلا حکم تو قطعی تھا اور یہ دوسرا خبر واحد سے معلوم ہوا جو کہ ظنی ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حکم ظنی حکم قطعی کا نسخ نہیں ہو سکتا پھر اہل قبائے اس خبر پر کیسے عمل کیا تو میری تقریر سے اس کا جواب ہو گیا کہ کلکٹر کے بنگلہ سے کہتا ہوا نکلا۔ خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ یہ خبر قطعی تھی کیونکہ قطعیات صرف خبر دینے والوں کی تعداد ہی سے نہیں ہوتی بلکہ قرآن مقامیہ سے بھی ہوتی ہے اور وہ قرینہ اس جگہ یہ ہے کہ عہد نبوت میں ایک شخص علی الاعلان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسا کہے کہ آپ نے یہ حکم دیا ہے اس طرح جھوٹ کہنے کی کسی کو ہمت نہیں ہو سکتی۔ (اجلۃ الداعی ج ۲)

## جن اسباب کا ترک کرنا حرام ہے

جو اسباب ایسے ہیں کہ عادتاً مسبب اسی پر مرتب ہوتا ہے ایسے اسباب کو ترک کرنا حرام ہے ہاں اس کی تقلیل کر دے جیسے کھانا پیٹ بھرنے کے لئے پینا سیرابی کے لئے سونا راحت کے واسطے اگر کسی نے یہ اسباب ترک کر دیئے اور مر گیا تو گناہگار ہوگا ہاں اگر کسی کے ساتھ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہو جاوے کہ اس کے بغیر کھائے بھوک نہ لگے اور ضعف نہ ہو تو مستثنیٰ ہے جیسے بعض بزرگوں نے سال سال بھر نہیں کھایا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواتر کئی کئی روز بدون شب کو افطار کئے ہوئے روزہ رکھتے تھے صحابہؓ نے بھی دیکھ کر شروع کئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا ایکم مثلی انما یطعمنی ربی ویسقیننی یعنی تم میں مجھ جیسا کون ہے مجھ کو تو میرا رب کھلا پلا دیتا ہے ذکر اللہ سے ایسے حضرات کو ایسی سیری حاصل ہو جاتی ہے جیسے غذا سے کسی نے خوب کہا ہے ۔

وذكرک للمشتاق خیر شراب وکل شراب دونہ کسراب

(التوکل ج ۲۱)

## ادنی شئی مسکین کو کس نیت سے دینا جائز ہے

ادنی شئی کسی مسکین کو رفع حاجت کے لئے دے دو۔ گواجر اس سے بھی مل جاوے گا مگر اللہ کے نام پر خراب شئی دینے میں جو بے ادبی تھی اس سے احتراز ہو گیا کیونکہ تم نے وہ اللہ کے نام پر نہیں دی بلکہ مسکین کو رفع حاجت کے لئے دی ہے۔ دیکھئے احکام نہ جانے سے اتنی کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ (شفاء العی ج ۲۱)

## مشتکہ مال خرچ کرنے کے چند شرائط

مشتکہ مال خرچ کرنے کی چند شرائط ہیں ایک اجازت دوسرے اجازت دینے والے کا عاقل بالغ ہونا۔ تیسرے طیب خاطر سے اجازت دینا۔ یہ شرطیں یہاں بھی ملحوظ رہیں تینوں باتوں کو خوب دیکھنے کے بعد خرچ کیا جاوے تو جائز ہوگا ورنہ حرام یعنی سب ورثہ سے اجازت لی جاوے اور ان میں کوئی نابالغ نہ ہوں مجنون نہ ہو اور اجازت خوشی سے دے دیں اگر کسی دباؤ سے یا بنا برواج کے اجازت دی گئی تو وہ معتبر نہیں کیونکہ اس میں طیب

خاطر نہیں ہوتی۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی وارث کا دل نہیں چاہتا مگر انکار میں سبکی ہوتی ہے اس لئے اجازت دی جاتی ہے۔ یاد رکھو حدیث شریف میں صاف وارد ہے الا لایحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ یعنی کسی مسلمان کا مال بدون اس کے دلی خوشی کے لینا حلال نہیں۔ پس اصل صورت تو اس کی یہی ہے کہ ترکہ تقسیم کر کے ہر شخص کا حصہ اس کو پہنچا دیا جاوے۔ سب منقول و غیر منقول کو باہم تقسیم کر لو اس طرح کہ جو چیز ذوات الامثال ہیں مثلاً غلہ ان کو بجنسہ بانٹ لو اور جو متمائل نہ ہوں اس کی آسان صورت یہ ہے کہ اس کی قیمت لگا لو اور اگر اختلاف ہو تو قرعہ ڈال لو۔ یا نیلام کر کے دام تقسیم کر لو غرض سب کی رضا مندی سے جب پورا ترکہ تقسیم ہو چکا تو پھر جس کا دل چاہے اپنے اپنے حصہ میں سے خیرات کر دے۔ یہ بیان تھا صدقہ کی کوتاہیوں کا۔ (شفاء العی ج ۲)

## ترکہ کی تقسیم میں چند عظیم کوتاہیاں

تقسیم ترکہ کی کوتاہی سنے اول تو جس جس وارث کو شریعت نے مستحق ٹھہرایا ہے۔ اس کے مطابق آج کل ورثہ کے حقوق ہی نہیں سمجھتے بلکہ رواج عام جس کو وارث کہے وہی حقدار قرار دیا جاتا ہے یہ پورا اور صریح مقابلہ شریعت کا جس سے کفر کا اندیشہ ہے اس سے توبہ کرو اور شریعت کے مطابق میراث تقسیم کیا کرو۔ چنانچہ آج کل بہنوں کا ترکہ میں کچھ نہیں شمار کیا جاتا اور اگر کسی نے بہن کو حقدار سمجھا بھی تو اس سے معافی کرانے کی فکر کی جاتی ہے۔ معافی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ جانتی ہے کہ مجھے کچھ ملتا تو ہے نہیں (کیونکہ ظالموں نے قانون میں بہن کو محروم الارث کر رکھا ہے) تو بھائی صاحب سے بری کیوں بنوں وہ تو مجبور ہو کر اپنا حق معاف کر دیتی ہے اور جہاں قانون اسے حق مل سکتا ہے (جیسا کہ اضلاع سہارنپور و مظفرنگر وغیرہ میں) وہاں بھائی صاحب سے حصہ لینے میں بدنامی سمجھی جاتی ہے اور دعویٰ کرتے ہیں متبع شریعت ہونے کا کہ ہم نے تو بہن سے کہا تھا اس نے خود ہی اپنا حق چھوڑ دیا۔

پس جاننا چاہئے کہ یہ معافی معتبر نہیں البتہ اگر ہمیشہ کو اس کا حق سپرد کر دیا جاوے پھر وہ قبضہ کے بعد بلکہ چند روز اس سے منفعہ ہونے کے بعد جس سے اس کو اس کی حقیقت منکشف ہو جاوے طیب خاطر سے ہبہ کر دے تو جائز ہو سکتا ہے ورنہ بلا طیب خاطر کے یہ رسمی اجازت ہرگز معتبر نہیں۔ (ایضاً)

## دین کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کافروہ ہے جو کفر کا کام کرے یا کفر کی بات کہے اگرچہ عقائد کفریہ نہ ہوں پس اگر کوئی مسلمان کفر کا کام کرے گا جیسے بلا عذر زنا پر بہن لینا وہ بھی کافر ہو جاوے گا۔ یا جب زبان سے کلمہ کفر کہا فوراً کفر عائد ہو جاوے گا۔ اس سے بھی آج کل نہایت بے پرواہی ہو رہی ہے مثلاً بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ روزہ وہ رکھے گا جس کے پاس کھانے کو نہ ہو اور کچھ خیال نہیں ہوتا کہ ہم نے کس درجہ کا گناہ کیا حالانکہ وہ کافر ہو گیا۔ اب یا تو اس کو اپنے کفر کی خبر نہیں باخبر ہے مگر کفر کی خفیف خیال کرتا ہے اور درحقیقت یہ کلمہ بہت شدید اور سخت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم نے تو مذاق میں کہا تھا تو سن لو کہ دین سے مذاق کرنا بھی کفر ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ اَبَاللّٰهِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَهْزِؤْنَ (کہہ دیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ اس کی نشانیوں اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے) اس سے صاف معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کے ساتھ تمسخر کرنا بھی کافر ہے۔ (شفاء الہی ج ۲)

## کافر بنانا اور کافر بتانا میں فرق

آج کل کوئی عالم یہ فتویٰ دیتا ہے کہ تم کافر ہو گئے تو اس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں یہ کیسے مولوی صاحب ہیں جو مسلمانوں کو کافر بتاتے ہیں اے صاحب خبر بھی ہے کہ بنانے کے کیا معنی ہیں بنانے کی معنی ہیں تعلیم دینا چنانچہ مسلمان بنانے کے معنی سب کے نزدیک یہی ہیں کہ کافر کو اسلام کی تعلیم دینا تم جو مولویوں پر اعتراض کرتے ہو کہ یہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں تو کیا وہ کسی کو کفر کی تعلیم کرتے ہیں ہرگز نہیں ہاں وہ دلیل کی بناء پر کسی کو کافر ضرور کہتے ہیں کہ کافر کہنا کافر بنانا نہیں دیکھو کافروں کو مسلمان کہہ دینے پر کسی کے نزدیک بھی مسلمان بنانا صادق نہیں آتا بلکہ کافروں کو اسلام کی تعلیم دینے سے البتہ کہا جاوے گا کہ اس نے فلاں کافر کو مسلمان بنایا ہے اسی طرح کافر بنانے کے یہی معنی ہوں گے کہ کسی شخص کو کفر کی بات سکھا دیں تو ایسا کسی عالم کو دیکھا ہے اور اگر فتویٰ دیا تو اس کو کافر بنانا (نون سے) نہیں کہہ سکتے البتہ یہ تو کافر بتانا (تا سے) ایک نقطہ کا فرق ہے (اس نکتہ کو یاد رکھنا) پس یہ الزام علماء پر خوانخواہ کا ہے بلکہ وہ تو خیر خواہی کرتے ہیں کہ



تمہارے قول و فعل کا انجام بتلا کر اس سے محفوظ رہنے کا طریقہ سکھاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم مسلمان رہو تو درحقیقت وہ مسلمان بناتے ہیں اور یہی ان کا کام ہے تاکہ مسلمان اس کفر سے محروم رہیں خصوصاً وہ لوگ جو علوم معاش میں ترقی کر رہے ہیں ان کا تورات دین یہی شیوہ ہے کہ شریعت کا استہزار استخفاف کرتے رہتے ہیں۔ (شفاعی ج ۲۱)

## یقینی امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کفر ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو فرما دیتے کہ نکاح ثانی کرو اور اس کے قلب میں اس سے تنگی پیدا ہوتی تو اس وقت کیا بچاؤ ہوتا کیونکہ خطاب خاص خود دلیل ہوتی بطلان عذر کے لئے اور اس کے لئے نظیر موجود ہے کہ حضرت زینبؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے کرنا چاہا اور حضرت زینبؓ بوجہ عالی خاندان کے ہونے کے ذرا رکتی تھیں اور اسی طرح ان کے بھائی بھی فوراً یہ آیت نازل ہوئی ما کان لمؤمن و لا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امر ان یکون لہم الخیرۃ ط۔

(کسی مومن اور مومنہ کو شایاں نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی امر کا فیصلہ فرما دیں تو اس امر میں ان کو اختیار ہو)

حالانکہ یہ ایک دنیا کا معاملہ تھا لیکن اس میں بھی حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چون و چرا کرنے کی اجازت نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ خواہ دنیا کا کام بتلاویں یا دین کا کام بتلاویں مگر جس کو فیصلہ کر کے فرما دیں اس سے انکار کفر ہے تو اس وقت اگر ہم انکار کرتے تو فوراً کافر ہو جاتے اور اس وقت تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ مولویوں کے طرز بیان سے استنکاف ہے نہ کہ حکم شریعت سے تو ہمارے لئے اس زمانہ سے بعید ہونا ہی رحمت ہوا۔ (فوائد الصحیحہ ج ۲۱)

## رسومات کی حقیقت

### رسم نبوت کے مفاسد

میں کہتا ہوں نبوت قواعد شرع کے موافق قرض ہے اور قرض کیوں نہ ہو اس کے واپس لینے کے لیے لڑائیاں ہوتی ہیں اور جو کوئی واپس نہ دے اس کو برادری سے خارج کیا جاتا ہے تو اس سے قطع رحم لازم آتا ہے یہ کیسا صلہ رحم تھا جو قطع ہوا غرض یہ قرض ہے اور قرض کے احکام میں شرعیہ ہے

کہ اس میں میراث بھی جاری ہوتی ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنا قرض کسی پر چھوڑ مرے تو وارثوں کے اس کے حصول کرنے کا حق ہوتا ہے اس حکم کو یاد رکھئے اور نیوتے میں دیکھئے اگر کوئی شخص مر جائے جس کے دو سو روپے لوگوں کے ذمہ نیوتے کے پڑے ہوں اور وہ دو بیٹے چھوڑ جائے تو روانج یہ ہے کہ جب ان دونوں بیٹوں میں سے بڑے کے نکاح کا وقت آئے گا تو سب ان نیوتوں کو ادا کریں گے اور اس کو لوگ بہت ہی خیر سمجھتے ہیں۔ اگر اس کے باپ نے اتنا نیوتہ نہ چھوڑا ہوتا تو بڑی بات بگڑ جاتی۔ اس وقت آڑے وقت میں کام چل گیا (بناء فاسد علی الفاسد) سمجھ لیجئے کہ شریعت کا حکم میراث میں یہ ہے کہ فرائض کے موافق تقسیم کی جائے جس کو خدا تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں بیان فرمادیا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ باپ کا قرض دو بیٹوں میں سے ایک کو دے دیا جائے بلکہ ادا کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں پر آدھوں آدھ بانٹے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو عند اللہ گنہگار ہوگا۔ یہ حال تو ادا کرنے والے کا ہے اب اس بیٹے کا سنئے جس نے لیا۔ یاد رہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو باپ کے ترکہ میں قرض وصول ہو اس کو تمام ان وارثوں پر تقسیم کرے جو اس وقت موجود ہوں جن کو شریعت نے مستحق قرار دیا ہو بڑے بیٹے کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ کل روپیہ اپنے کام میں لگائے اگر اس بڑے بیٹے نے ان دو سو روپیہ کو تقسیم نہ کیا اور اپنی شادی میں لگایا اور اس سے وہ رسم کی جو شرعاً مسنون ہے مثلاً ولیمہ تو اس کا بھی حکم یہ ہے کہ مال سحت ہے جو کوئی اس کو کھائے گا آکل سحت ہوگا اور حق العبد گنہگار ہوگا جس کے معاف ہونے کی بھی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ ارباب حق یعنی وارث معاف کریں تو یہ اس کے لیے کافی نہیں۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

## باپ کی میراث میں عورتوں کا حصہ ہے

عورتوں کے ذہن میں سے قریب قریب یہ بات بالکل نکل ہی گئی ہے کہ باپ کی میراث میں کچھ ہمارا بھی حصہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر ان بہنوں سے بھائی کہیں بھی کہ اپنا حق لے لو تو کہتی ہیں تم نے ہمیں ایسا غیر سمجھ لیا کہ باپ کے مال کے حصے بخرے کرنے لگے۔ اب ہبہ اور دعوے کی حقیقت سنئے کہ جب چند روز باپ کو مرے ہو جاتے ہیں اور ان کو کسی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارا بھی حق میراث میں تھا تو اپنے اس دعوے اور ہبہ کو واپس کرنے کی تدبیریں کی جاتی ہیں اس کا غلہ کو جعلی ثابت کیا جاتا ہے جھوٹے گواہ بہم پہنچائے جاتے ہیں خوب مقدمہ بازی ہوتی ہے جس میں طرفین کی بربادی ہو جاتی ہے۔ (واقعی دلی

اجازت اور ہبہ کے یہی معنی ہیں) یہ رسم بھی نہایت ہی فبیح رسم ہے کہ اثاثہ کو محروم الارث (عمورتوں کو وراثت سے محروم کرنا) کر دیا جائے یہ صریح ظلم ہے اس کی بڑی احتیاط چاہیے اور اگر وارثوں میں کوئی چھوٹا بھی ہے تو وہ اگر منہ سے صریح اجازت بھی دے تب بھی معتبر نہیں، نابالغ کے تصرفات خرچ میں نافذ نہیں ہوتے اس صورت میں کھانے والوں پر یہ وعید عائد ہوتی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ  
نَارًا وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا o

یعنی جو لوگ یتیموں کا مال بلا کسی حق کے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں کو آگ سے بھرتے ہیں۔ عنقریب دوزخ میں جائیں گے (حق سے مراد حق شرعی ہی ہو سکتا ہے اور شریعت نے نابالغ کو اخراجات میں ممنوع التصرف (خرچ کرنے سے روکنا) قرار دیا ہے تو جو کچھ اس کی اجازت سے بھی صرف ہوگا ناحق ہی ہوگا) اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب کوئی مرتا ہے تو کچھ نہ کچھ وارث صغیر بھی ہوتے ہیں قریب ہوں یا بعید جن کو شریعت نے وارث قرار دیا ان سب کا حصہ ہے اور ان کا بھی حکم ہے خوب ولیمہ ہوا کہ تقریب خوشی کی تھی اور گناہوں کے بوجھ کے بوجھ شرکاء پر لد گئے۔ یہ حال اس رسم کا ہے جس کو آپ محمود کہتے ہیں اور جن کے فبیح ہونے کے آپ خود قائل ہیں ان کی نسبت کیا کہا جائے۔ اب یہ بھی سمجھ لیجئے کہ رسمیں اگرچہ از جنس اعمال ہیں لیکن اعمال کا منشا قلب ہے۔ آدمی ہاتھ پیر سے کوئی کام جب کرتا ہے کہ جب دل میں اس کی خواہش پیدا ہو اور دل میں خواہش جب پیدا ہوتی ہے جب اس کو اچھا سمجھے یا کم از کم اس کو برانہ سمجھے۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

## غدر و سرقہ کافر سے بھی حرام ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافر کا مال جس طرح ہو لوٹ لو کیوں صاحب کافر کو کیوں لوٹیں کیا یہ بھی کوئی قاعدہ شرعی ہے شریعت نے غدر و سرقہ کو کافر کے ساتھ بھی تو حرام کیا ہے بلکہ مولانا محمد قاسم صاحب فرماتے تھے کہ کافر کا حق رکھنے سے تو مسلمان کا حق رکھ لینا اچھا ہے کیونکہ نیکی اگر جاوے تو اپنے بھائی مسلمان ہی کے پاس جاوے دشمن کے پاس کیوں جاوے۔ اگر ہماری مغفرت نہ ہو تو بھائی ہی کی سہی اور وہاں تو دشمن کے پاس

تمہارے سب کیا کرایا جاوے گا جس میں نہ اس کا نفع نہ اس کا البتہ ہاں اس کی نیکی سے اس کافر کا عذاب کچھ کم ہو جائے گا مگر یہ کم کہنا بھی اضافہ ہے ورنہ حقیقتاً کم کسی کافر کا بھی نہیں عذاب سب کا کامل ہے بس کسی کا شدید ہے کسی کا اشد ہے۔ چنانچہ اس معنی کو ارشاد ہے: ”لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ“ (فرمائے گا بلکہ ہر ایک کے لیے دونا عذاب ہے) اور ارشاد ہے: ”قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٍ“ ہاں اس اشد کے مقابلہ میں کچھ خفیف ہوگا مگر اس کو خفیف کہنا لغتہً تو صحیح ہے محاورہ میں صحیح نہیں محاورہ میں خفیف وہ ہے جس کا اثر معتد بہ درجہ میں خفیف ہو ورنہ اس کو محاورہ میں خفیف نہیں کہتے۔ (رطوبة اللسان ج ۲۲)

## بڑے مفسدہ کے خوف سے چھوٹے مفسدہ کو گوارہ کرنا

میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ وہ حضرات دنیائے مباح کو تو کیوں منع کرتے بعض اوقات دنیائے غیر مباح کو بھی کسی بڑے دینی ضرر سے بچانے کے لیے گوارا کر لیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص ہے کہ وہ کسی ناجائز نوکری میں مبتلا ہے اور اس کے پاس اور کوئی جائز ذریعہ معاش نہیں ہے اس کو احساس ہوا کہ میں ناجائز کام کرتا ہوں اب وہ کسی محقق عالم سے پوچھتا ہے کہ میں یہ نوکری چھوڑ دوں تو وہ بحالت موجودہ اس کو یہ جواب دیتے ہیں کہ نہیں جلدی نہ کرو کسی جائز ذریعہ معاش کا انتظام کر لو پھر چھوڑنا اور ایسی حالت میں وہ حضرات اس واسطے منع نہیں کرتے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت تو وہ ایک ہی گناہ میں مبتلا ہے اس کو چھوڑ کر بہت ممکن ہے کہ ناداری کا تحمل نہ ہونے سے بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جائے کیونکہ احتیاج وہ چیز ہے کہ اسکی بدولت بہتوں نے خودکشی کر لی ہے بہت سے (نعوذ باللہ) مرتد ہو گئے ہیں تو وہ محقق اندازہ کر لیتے ہیں کہ اس کے قلب میں تحمل نہیں۔ اگر میں اس نوکری کو چھوڑنے کی اجازت دے دوں گا تو پھر ایمان تک کی خیر نہیں۔ البتہ اگر وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کسی میں صفت تحمل موجود ہے تو پھر اس کو بلا ضرورت ناجائز میں مبتلا رہنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے کیونکہ ایسی صورت میں ایسا کرنا جائز ہی کہاں ہو سکتا ہے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے

حرام کا کسب تو گناہ ہی کا مرتبہ ہے اور تحلیل حرام کفر ہے گناہ اور کفر میں کچھ فرق ہے یا



نہیں پھر خواہ کوئی مرتبہ ہو مگر ہم کو گناہ اور کفر میں کیوں شریک کرتے ہو ہم سے ایسے فتوؤں کی کیوں توقع رکھتے ہو۔ ایسی درخواستیں کر کے لوگوں نے مولویوں کو ہاں میں ہاں ملانے کے لیے نوکر رکھنا شروع کیا ہے جیسے ایک حکایت ہے کہ ایک رئیس کے یہاں لازمی طور پر ایک نوکر ہاں میں ہاں ملانے کے لیے رہا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک نوکر انہوں نے رکھا اور یہی خدمت سپرد کی کہ جو بات ہم کہیں اس کی تم تصدیق کر دیا کرو۔ ایک دن کہنے لگے ہم شکار کے لیے گئے تھے ایک ہرن مارا گولی اس کا سم توڑ کر پیشانی پھوڑ کر نکل گئی۔ لوگ ہنسنے لگے کہ کہاں سم کہاں پیشانی۔ نوکر صاحب بولے حضور بجا فرماتے ہیں وہ ہرن اس وقت پیشانی کھجلا رہا تھا۔ جانور کی عادت ہوتی ہے کہ سم سے کھجلاتا ہے۔ گویا انہوں نے تصدیق کر دی کہ سم کو توڑنے اور پیشانی کو پھوڑنے کی یہ صورت ہوئی کہ سم اور کھوپڑی ایک ہی جگہ تھے کیونکہ کھوپڑی کو سم سے کھجلا رہا تھا اسی حالت میں ایسا نشانہ مارا کہ گولی سم کو توڑ کر اور کھوپڑی کو پھوڑ کر پار نکل گئی۔ اب آپ لوگ بھی بس یہ چاہتے ہیں کہ مولویوں سے یہ کام لیں سو حضور مولویوں سے ایسی نوکری نہیں ہوتی۔ اول تو زیادہ مولوی ایسے ہیں کہ فتویٰ لکھنے کی تنخواہ نہیں لیتے اور جو بیچارے پیٹ کی خاطر تنخواہ بھی لیتے ہیں تو یہ کام ان سے بھی نہیں ہو سکتا دنیا کی خاطر دین نہیں بیچا جاتا کوئی اجتہادی امر ہوتا تو شاید فتویٰ بھی دیا جاسکتا۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

## مسئلہ وقف

بعض مدعیان خیر خواہ قوم کے مسئلہ وقف علی الاولاد کی تحریک شروع کی تھی یہ لمبا عنوان مدعیان خیر خواہی قوم میں نے اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ توضیح کامل ہو جائے ورنہ اجمالی عنوان (خیر خواہان قوم وغیرہ) سے ایہام ہوتا اب آئندہ چاہے مختصر عنوان اختیار کروں مگر مراد وہی لوگ ہیں جو بزعم خود قوم کے خیر خواہ ہیں مگر واقع میں خیر خواہ نہیں کیونکہ ان کی دوستی رپچھ کی سی دوستی ہے غرض ان لوگوں نے مسئلہ وقف علی الاولاد کی تحریک اٹھائی تھی تو اس زمانہ میں نواب محمود خان صاحب رئیس چھتاری نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے دریافت کیا تھا کہ اس تحریک کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، مولانا نے جواب دیا کہ ایسا خیال حرام ہے بلکہ سلب ایمان کا اندیشہ ہے کیونکہ اس شخص کے اس خیال کا منشا صرف یہ ہے کہ مسئلہ میراث کو جو منصوص قطعی ہے مضر قوم اور خلاف حکمت سمجھا جاتا ہے چنانچہ اس وقت خیر خواہان قوم نے وقف علی الاولاد کے پاس کرانے کے لئے جن وجوہ کو پیش کیا تھا ان میں

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس طرح جائیداد حصے بخرے ہونے سے محفوظ رہتی ہے اور میراث کے سہام جاری ہونے سے جائیداد کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔

مولانا کا یہ قول میرے ذہن میں تھا اسی لئے جب پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کو رد کیا اور خیر خواہان قوم پھر اٹھے اور علما سے دستخط لئے تو سب نے اس درخواست پر دستخط کر دیئے سوائے میرے کیونکہ میں دیکھ رہا تھا کہ اس وقت بھی وہی لوگ اٹھے ہیں جو پہلے اس تحریک کو لے کر کھڑے ہوئے تھے اور ان کا منشاء وہی ہے کہ یہ لوگ مسئلہ میراث کو مضرت قوم اور خلاف حکمت سمجھتے تھے وہ محض اس واسطے اس مسئلہ کو پاس کرائے نہیں اٹھے تھے کہ وقف علی الاولاد شرعاً جائز ہے پھر گورنمنٹ اس کو ناجائز کیوں قرار دیتی ہے بلکہ ان کا منشاء صرف یہ تھا کہ وہ اس کو اقتصادی حیثیت سے قوم کیلئے مفید سمجھتے تھے کہ اس مسئلہ کے پاس ہو جانے سے مسلمانوں کی جائیدادیں محفوظ ہو جائیں گی اور حصے بخرے ہونے سے بچ جائیں گی۔ (اترار التوبہ ج ۲۳)

## کیمیانا جائز ہے

فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے حتیٰ کہ فقہانے لکھا ہے کہ اگر کسی متولی وقف کی نسبت یہ معلوم ہو کہ وہ کیمیا کی لت میں ہے تو اس کو موقوف کر دیا جائے۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

## یزید پر لعنت کرنے کا حکم

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے میں نے کہا کہ اگر وہ مستحق لعنت بھی ہو تب بھی کلام اس میں ہے کہ تم کو لعنت کرنا مناسب ہے یا نہیں سو تم کو یزید پر لعنت کرنا اس وقت سزاوار ہے جب کہ تم کو یہ معلوم ہو کہ یزید سے بہتر ہو کر مروں گا ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھو کہ کس حالت میں ہو اور کیا کیا خرابیاں اپنے اندر بھری ہوئی ہیں پھر کس منہ سے یزید پر لعنت کرتے ہو ہاں اگر با یزید ہو کر مرو تو یزید پر لعنت کرو جب با ایمان یہاں سے چلے جاؤ گے اور قبر میں کچھ کام تو ہوگا نہیں بے فکری سے یزید پر لعنت کیا کچھ اور ابھی تک تو یہی خبر نہیں کہ تم کس حالت میں مرو گے۔ ممکن ہے یزید سے بھی بدتر حالت میں ہو کر مرو یہ جواب سن کر وہ شخص خاموش ہو گئے اور کہنے لگے کہ میری تسلی ہو گئی غرض انسان ہر وقت کشاکشی میں رہتا ہے

کہ چینیں بنماید و کہ ضد ایں خبر کہ حیرانی نبا شد کار دیں  
(کبھی ایک حالت طاری ہوتی ہے اور کبھی اسکی ضد اس لئے تجھے دین کے کام میں  
حیرانی نہیں ہونی چاہئے)

گویا یہ انسان ایک اکھاڑہ ہے کہ اس میں دو پہلو ان کشتی کرتے ہیں کبھی یہ  
غالب ہوتا ہے کبھی وہ۔ (الاختصاص ج ۲۳)

## دینی امور میں اپنی رائے دینا بڑا مرض ہے

ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے اور بڑا سخت مرض یہ ہے کہ دنیا کے امور میں تو اپنی رائے  
لگاتے ہی ہیں دین کے اندر بھی کہتے ہیں کہ ہماری رائے یہ ہے مجھے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ انگریزی  
پارلیمنٹ میں کسی کو ممبر بننے کی ہوس نہیں ہوتی اور خدائی پارلیمنٹ کے ممبر بننے کو ہر شخص تیار ہے  
استغفر اللہ یہ دین کی قدر ہے اس وقت کی وہ حالت ہے کہ دین زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے  
اے گراں جاں خوار دیدستی مرا زان کہ بس ارزان خریدستی مرا  
(اے کاہل تو نے مجھ کو بے قدر سمجھ رکھا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں تجھ کو مفت مل گیا ہوں)

## مضاربہ

مضاربہ یہ ہے کہ مال ایک کا ہو اور محنت دوسرے کی اور نفع میں دونوں شریک، لیکن اس میں یاد  
رکھنے کی بات ہے کہ نفع معین نہ کرے۔ جیسے آج کل معین کر لیتے ہیں کہ دس روپے ماہوار لیا  
کریں گے۔ یہ جائز نہیں ہے بلکہ حصہ معین کرے کہ تین چوتھائی مثلاً تیرا ایک اور چوتھا ہمارا یا  
نصف نصف مثلاً اگر شارع چاہتے تو اس عقد کو حرام کر دیتے اور اس کے نفع کو سود میں داخل کر دیا  
جاتا لیکن بندوں کی ضرورت پر نظر کر کے اس کی اجازت دے دی۔ غرض تجارت کرنے کی  
اجازت اور تجارت کرانے کی اجازت، اس سے زیادہ اور کیا سہولت ہو سکتی ہے۔ (ذکر الموت ج ۲۳)

## فقہاء کی پردہ میں احتیاط

فقہاء نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ جو ان بھتیجی کا حقیقی چچا سے بھی پردہ کرانے کو  
لکھا ہے کہ وہ اگر خود بری نظر سے نہ دیکھے گا تو ممکن ہے کہ اسی نظر سے دیکھے کہ یہ میرے

لڑکے کے قابل ہے یا نہیں اور اس نظر سے دیکھنے میں شہوت کی آمیزش کا ضرور اندیشہ ہے۔ اللہ اکبر! یہ ہیں حکماء امت واقعی فقہاء نے زمانہ کی حالت کو خوب سمجھا ہے اور شیطان کے دھوکوں پر ان کی بہت نظر تھی۔ فقہاء نے جب ایسے ایسے انتظامات کئے ہیں تب ہی تو اس وقت آپ کو کچھ دین کی صورت نظر آ رہی ہے، بعض گھروں میں اگر نامحرم عزیزوں سے پردہ کا اہتمام ہے تو ایک اور بے احتیاطی ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## باپ کے مرتے ہی لڑکیوں کا ترکہ لینے سے انکار کرنا شرعاً معتبر نہیں

باپ کے مرتے ہی جو لڑکیاں آمدنی اور زمین لینے سے انکار کر دیتی ہیں وہ انکار معتبر نہیں اول تو اس وقت صدمہ تازہ ہوتا ہے، صدمہ میں اس کو اپنے نفع و نقصان کا خیال نہیں ہوتا۔ دوسرے جب رواج یہی پڑا ہوا ہے کہ بہنوں کو میراث سے محروم سمجھا جائے تو وہ اپنا حق لیتے ہوئے بدنامی سے بھی ڈرتی ہیں۔ تیسرے ان کو اپنے حق کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ کتنا ہے اور کس قدر ہے جب صدمہ کا وقت گزر جائے اور تم ان سے کہہ دو کہ تمہارا حق شرعی ہے تم کو لینا پڑے گا، پھر وہ اپنی آمدنی کی مقدار بھی دیکھ لیں، اس کا لطف بھی اٹھالیں، اس کے بعد اگر کوئی دے تو مضائقہ نہیں مگر ہم دکھاویں گے کہ اس کے بعد سو میں سے ایک یا دو ہی ایسی نکلیں گی کہ پھر بھی اپنا حق معاف کر دیں پس جس طرح سے آج کل بہنیں اپنا حق بھائیوں کو معاف کرتی ہیں وہ شرعاً معتبر نہیں اس میں رضا اور طیب خاطر نہیں ہوتی اور حدیث میں صاف موجود ہے کہ الا لا یحل مال امرأ مسلم الا بطیب نفس منہ (کنز العمال: ۳۹۷) کہ خبردار کسی مومن کا مال بدون طیب خاطر کے لینا حلال نہیں ہے تو یہ ساری خرابی کس چیز کی ہے، محض محبت مال کی۔ یہ محبت آج کل دلوں میں پیوست ہو گئی ہے اور بالخصوص عورتوں میں یہ مرض بہت ہے۔ (ایضاً)

## مستعمل ٹکٹ کا حکم

ایک واقعہ جس میں بعض لوگ طمع سے کام لیتے ہیں یہ ہے کہ بعض دفعہ لفافہ کا ٹکٹ مہر سے بچ جاتا ہے تو اس کو استعمال نہیں کرتا بلکہ ایسے ٹکٹ دیکھ کر سب سے پہلا کام میرا یہ ہوتا ہے



کہ اس ٹکٹ کو فوراً چاک کر دیتا ہوں مگر بعض لوگ ایسے ٹکٹوں کو دوبارہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ شرعاً جائز نہیں کیونکہ ٹکٹ اس اجرت کی رسید ہے جو ڈاک پہنچانے کے عوض میں ڈاک والوں کو دی گئی ہے اور جب خط پہنچ گیا تو انتفاع کامل ہو چکا اب ایک بار کی اجرت میں دوبارہ کام لینا حرام ہے مگر لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے مگر عوام میں اور خواص میں اتنا فرق ہے کہ عوام گناہ کر کے اس کے جواز کی دلیل بیان نہیں کرتے اور خواص ایسا کریں گے تو اس کے ساتھ لان بھی لگائیں گے۔ بعض تو یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ حربی کا مال ہے اور حربی کا مال بدون عذر کے جس طرح بھی حاصل ہو حلال ہے۔ سوال تو مجھے اسی میں کلام ہے کہ صورت مذکورہ میں عذر نہیں کیونکہ جب یہ معاملہ اجارہ کا ہے اور اجارہ ایک دفعہ کے لئے منعقد ہوا ہے تو دوبارہ اس سے کام لینا یقیناً عذر ہے اور اگر پھر بھی حربی کا مال استیلاء سے آپ کو حلال ہو جاتا ہے اسی طرح اگر حربی آپ کے مال پر استیلاء کرے تو اس کے لئے بھی تو آپ کا مال جائز ہو جاتا ہے کیونکہ استیلاء ان کے حق میں بھی سبب ملک سے ہے اب بتلاؤ اگر وہ تمہارا گھر لوٹ لیں تو ان کو بھی اس کا حق ہونا چاہئے پھر اس وقت چیختے کیوں ہو اور شکایت کس لئے کرتے ہو اگر ان کو یہ حق حاصل نہیں تو معلوم ہوا وہ صرف حربی نہیں بلکہ معاہد ہیں اور جب معاہد کیساتھ عام حربیوں کا معاملہ کرنا آپ کو کہاں جائز ہے بعض لوگ ریل میں بلا کرائے کے سفر کرتے ہیں اور یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ حربی کے مال سے انتفاع جائز ہے پھر بعض تو کہتے ہیں کہ معاہدہ ہوا ہی نہیں اور بعض کہتے ہیں ہوا تھا مگر ٹوٹ گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر عہد ٹوٹ گیا ہے تو اگر وہ بھی آپ پر ظلم کریں تو ان کو حق ہونا چاہئے پھر اس وقت کیوں احتجاج کرتے اور ان کو معاہدے کیوں یاد دلاتے ہو یہ کیا جب تم کچھ کرو اس وقت تو عہد نہیں اور جب وہ کچھ کریں تو عہد ہو جاتا ہے جیسے بمبئی کے سیٹھ کرتے ہیں کہ ان کو سود سے منع کیا جائے تو یوں کہتے ہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے اور دارالحرب میں سود جائز ہے اور جب زکوٰۃ کے لئے کہا جائے تو کہتے ہیں کہ ہمارا مال تو سودی ہے اور حرام مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ سود لینے کے وقت تو وہ حلال تھا اور زکوٰۃ دینے کے وقت حرام ہو گیا۔ ان کی مثال شتر مرغ جیسی ہے کہ اس سے اڑنے کو کہا جائے تو کہتا ہے کہ اونٹ ہوں اور کہیں اونٹ بھی اڑا کرتا ہے اور جو کہا جائے کہ پھر بوجھ اٹھا تو کہتا ہے میں تو پرندہ ہوں اور پرندہ بھی کہیں بوجھ لا داتا کرتا ہے۔ حضرت عطار فرماتے ہیں:

چوں شتر مرغے شناس این نفس را      نے کشد بارد نہ پرد بر هوا  
گرہر گویش گوید اشترم      ورنہی بارش بگوید طارم  
”اپنے نفس کو شتر مرغ کی مانند (چالاک) سمجھو کہ جو تو نہ بوجھ اٹھاتا ہے اور نہ ہوا  
میں اڑتا ہے لہذا اگر اس سے کہا جائے کہ اڑ تو کہتا ہے میں تو اونٹ ہوں اور اگر کہا جائے  
کہ بوجھ اٹھا تو کہتا ہے کہ میں تو پرندہ ہوں“

مستعمل ٹکٹوں کو استعمال کر کے یہ شخص اپنی حد پر نہ رہے گا اور اس میں مرض طمع بڑھ  
جائے گا اس لئے اس کو یہ فعل جائز نہیں۔ دوسرے حدیث میں ہے لا ینبغی للمؤمن ان  
یذل نفسه (مشکوٰۃ المصابیح: ۲۵۰۳) یعنی مسلمان کو نہ چاہئے کہ اپنے کو ذلیل کرے اور  
مستعمل ٹکٹ لگانے میں ذلت کا اندیشہ ہے، گو وہ کیسے ہی صاف ہوں مگر بعض دفعہ ڈاکخانہ  
والے خوردبین سے اسے دیکھتے ہیں اور مہر کا خفیف سا اثر ان کو نظر آ جاتا ہے جو ہم کو نظر نہیں  
آیا تھا، پھر اس میں بعض دفعہ جیل خانہ ہو جاتا ہے تو چار پانچ پیسوں کے لئے اپنے کو اتنے  
بڑے خطرے میں ڈالنا کون سی عقلمندی ہے۔ اگر ایسا ہی لگانا ہے تو پوسٹ ماسٹر کو اطلاع کر  
کے لگاؤ دیکھو تو کیسی خبر لی جاتی ہے۔ اسی واسطے بعض علماء کہتے ہیں کہ چونگی دے دیا کرو  
تا کہ بعد میں ذلت نہ ہو۔ نیز بعض دفعہ اس میں اسلام کی ذلت ہوتی ہے کیونکہ عرفاریل میں  
بے ٹکٹ سفر کرنا اور استعمالی ٹکٹوں کو دوبارہ کام میں لانا اور چونگی سے مال کو بچالینا بے ایمانی  
شمار ہوتا ہے اب اگر کبھی گرفت ہوگئی اور واقعہ کھل گیا اور تم سے عدالت میں سوال ہوا کہ تم  
نے یہ جرم کیوں کیا اور آپ نے یہ جواب دیا کہ میرے مذہب میں ایسا کرنا جائز تھا جیسا کہ  
بریلی میں ایک تاجر نے برسر عدالت یہی جواب دیا تھا تو عدالت والے یہ کہیں گے کہ توبہ  
توبہ اسلام بے ایمانی اور چوری سکھلاتا ہے اس لئے مشائخ کہتے ہیں کہ اسلام کو ذلت سے  
بچانے کے لئے چونگی دے دو اور چار پیسوں کی بچت نہ کرو۔ یہ وہ مفاسد ہیں جن پر علماء قشر  
کی نظریں نہیں پہنچتیں، ان کو مشائخ عارفین ہی سمجھتے ہیں۔ (الجمعین بین العین ج ۲۴)

## ختم تراویح میں حافظ کو چندہ دینا ناجائز ہے

ختم تراویح کے دن جو حافظ کو چندہ اکٹھا کر کے دیا جاتا ہے وہ بھی ناجائز ہے جہاں  
مشروط یا معروف ہو، کیونکہ روپیہ کی طمع سے قرآن پڑھنا ہے۔ ایسے پڑھنے کا ثواب کیا

ہو سکتا ہے، یہ غنیمت ہے اگر اس پر مواخذہ نہ ہو اور حافظ کو محض روپیہ کے واسطے پڑھنا ظاہر ہے، کیونکہ پندرہ رمضان کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کچھ نہ ملے گا تو حافظ صاحب ہرگز نہ پڑھیں گے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو بھی محنت کے عوض میں دیا جاتا ہے تو کسی چکی پیسنے والی کو بلا لیا ہوتا۔ اس سے نصف بلکہ چوتھائی پر راضی ہو جاتی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ صاحب بغیر اس کے کوئی حافظ نہیں ملتا تو میں یہ کہوں گا کہ ایسے حافظوں سے قرآن مجید سننے سے یہ بہتر ہے کہ کوئی الم تر کیف سے تراویح پڑھا دیا کرے۔ یہ اول تو دین فروشی ہے اور دوسرے لوگوں پر دباؤ ڈال کر چندہ لیا جاتا ہے۔ چندہ کی فہرست مجمع میں پیش کی جاتی ہے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی کچھ لکھتا ہی پڑھتا ہے، بعد کو غیرت دلائی جاتی ہے۔ میاں یہ تو تمہاری حیثیت کے خلاف ہے، کم سے کم دو چند تو کر دیجئے۔ طوعاً و کرہاً جب چاروں طرف سے زور ڈالا جاتا ہے، بے چارے کو بڑھانا پڑتا ہے۔ یہ رقم قطعاً حرام ہوتی ہے، کیونکہ حلت عطایا میں طیب خاطر شرط ہے۔ اول تو یہ موقع تھا کہ خوشی سے دیا جاتا تب بھی لینا جائز نہ ہوتا اور اس پر اور ایک امر موجب حرمت مزید ہو گیا۔ جب معلوم ہوا کہ ایسے کاموں سے میت کو ثواب نہیں ہوتا تو کس اُمید پر انسان اولاد کے واسطے اپنا ایمان خراب کرے، جبکہ مرنے کے بعد ان سے کچھ بھی نفع نہ پہنچے اور اس کے اعمال اس پر سوار ہو جاویں۔ ان کی قسمت میں اگر عیش ہے تو عیش ملے گا۔ اگر مصیبت ہے تو مصیبت پہنچے گی۔ غرض ان کی کیفیت کے بعد مرنے کے تم کو کچھ خبر نہ ہوگی۔ (احکام و مسائل متعلق موت ج ۲۴)

## نابالغ ورثہ کے مال میں تبرع حرام ہے

یہاں دستور ہے کہ مردہ کے کچھ کپڑے اور جانماز وغیرہ مؤذن کو دی جاتی ہے اور ان کپڑوں کے دینے کا دستور اس طرح تاکید کے ساتھ ہے کہ چاہے گھر میں ان کے سوا اور کچھ اثاثہ نہ ہو اور اس کے بچے ننگے ہی رہ جاویں مگر رسم کے خلاف نہ ہو حالانکہ ترکہ میں وہ کپڑے بھی داخل ہیں اور ترکہ مشترک ہے۔ بعض ورثاء نابالغ ہوتے ہیں ان کے مال میں تبرع حرام ہے۔ بعض غائب ہوتے ہیں، بعض کا دینے کو جی نہیں چاہتا اور ان کی عمدگی دیکھ دیکھ کر لالچ آتا ہے مگر مجبوراً دیئے جاتے ہیں ورنہ برادری والے دیکھ کر کہیں گے کہ دیکھو مردہ کے کپڑے

پہن رکھے ہیں اور پھر اگر قیمتی ہیں اور مؤذن کے پاس پہنچے تو یوں ناس ہوا کہ وہ ان کی قدر نہیں جانتا۔ بازار میں لے جا کر جس قیمت کو بکے فروخت کر دیتا ہے۔ صاحبو! اگر تقسیم کر کے جو بالغ حاضرین کے حصہ میں آوے اس کو وہ مالک نابالغوں کا حصہ محفوظ رکھ کر آپ خود بیچ کر قیمت خیرات کرتے یا بچوں کو پہننے دیتے تو کیا جرم تھا۔ (اشرف الموعظ ج ۲۳)

## تلاوت قرآن شریف پر اجرت لینا حرام ہے

بعض جگہ دستور ہوتا ہے کہ میت کی قبر پر چالیس روز تک قرآن شریف پڑھواتے ہیں اور کچھ اجرت حافظ کو دینی پڑتی ہے اور اتنے دنوں کا کھانا بھی ملتا ہے۔ اس میں سنیے تلاوت قرآن شریف پر اجرت لینا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فقہ میں لکھا ہوا ہے۔ تعلیم میں جو اس کے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے تو اس ضرورت سے کہ لوگوں کو یوں تو پڑھانے کا شوق رہا نہیں اگر بالعوض تعلیم کو بھی منع کر دیا جائے تو قرآن شریف کے ضائع ہو جانے کا احتمال ہے اور مردہ کی قبر پر نہ پڑھوانے سے یہ احتمال نہیں تو حرمت اصلہ کی طرف راجع ہو گا جب عوض لے کر قرآن شریف پڑھا گیا تو قاری ہی کو ثواب نہ ہوا پھر اس کے بخشنے کے کیا معنی یہ اجرت آپ کی ضائع ہو گئی اور حافظ صاحب کے قلب پر جو کچھ اثر پڑا وہ الگ ہر وقت منتظر رہتے ہیں کہ کوئی مرے اور جہاں جنازہ دیکھا بس اطمینان ہو گیا کہ اب چالیس روز کا سہارا تو ہوا اور چلے جوں جوں ختم ہوتا جاتا ہے دوں دوں دعا مانگتے جاتے ہیں مرے موٹا بھرے لوٹا۔ (ایضاً)

## فضول کاموں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے

یہ لوگ اگر کرہ قمر میں پہنچ جائیں تو ہم تو خوش ہوں گے۔ مگر ہاں اس احتمال سے کہ شاید وہاں جا کر ہلاک و برباد ہوں۔ ہمدردی انسانی کی وجہ سے جی کڑھتا ہے اور دل یہ چاہتا ہے کہ ان کو رستہ ہی نہ ملے تو اچھا ہے کیونکہ چاند کی خاصیت ابھی تک محقق نہیں ہوئی اس میں کشش کا وہ مادہ بھی ہے یا نہیں جو زمین میں ہے۔ کیونکہ حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زمین پر انسان وغیرہ کا استقرار سو جیسے ہے کہ اس میں کشش کا مادہ ہے اگر یہ مادہ نہ ہوتا تو آدمی کا زمین پر رہنا اور دوسرے کرات میں نہ چلا جانا ترجیح بلا مرجح ہے۔ آسانی کے لئے یوں سمجھئے کہ زمین کی اور اس پر رہنے والی مخلوق کی یہ صورت ہے کہ سب کے قدم تو زمین پر جمے ہوئے ہیں مگر سر کسی



کا اوپر کو ہے اور کسی کا دوسرے کے اعتبار سے نیچے کو ہے۔ اس کے صورت میں یقیناً اگر زمین میں کشش کا مادہ نہ ہوتا تو انسان و حیوانات کا اس پر مستقر ہونا سخت دشوار ہوتا۔ اور قمر میں مادہ کشش کا ہونا اب تک سائنس والوں کو بھی محقق نہیں ہوا۔ بس یہ لوگ دور سے ہی حساب لگا رہے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں ان کے حساب کی وہی مثال نہ ہو جو بننے کو حساب کی ہوئی تھی کہ لیکھا جوں کا توں کنبہ ڈوبا کیوں مگر آج کل اس پر بھی فخر ہے کہ جس نے تحقیق میں جانیں دیں ہیں حالانکہ فضول باتوں میں جان دینا ایک فضول حرکت ہے۔ تمہارے جان دینے پر جب کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوا تو اس پر فخر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی سنکھیا کھا کر جان دے اور فخر کرے کہ میں بڑا بہادر ہوں مگر اس کو کوئی بہادری نہیں کہتا بلکہ حماقت کہتے ہیں۔ اسی طرح ان فضول تحقیقات کے پیچھے جان دینا ہمارے نزدیک تو حماقت ہی حماقت ہے۔ صاحبو! یہ جان آپ کی نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی امانت ہے اس کو بدون خدا کے حکم کے صرف کرنا جائز نہیں اور اسی بناء پر خود کشی سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ (الحودود والقیود ج ۲۵)

## علماء کا مقام

فقہاء نے لکھا ہے کہ جس بستی میں ایک ہی عالم ہو اور جہاد شروع ہو جائے تو اس عالم کو میدان جہاد میں جانا جائز نہیں ہے کیونکہ علماء اگر مرجائیں گے تو علم دین کون سنبھالے گا۔ اس لئے ہمارے حاجی صاحب علماء کو ہجرت سے منع کرتے تھے۔ کہ اگر تم ہندوستان کو چھوڑ دو گے تو ہندوستان میں دین کا کیا حال ہوگا؟ (ایضاً)

## حکم ضیافت

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن طعام المتبارین (سنن ابی داؤد ۵۴۵۳، مستدرک حاکم ۴: ۱۲۹- سنن ابی داؤد ۴۰۹۱، سنن الترمذی ۱۹۹۸) رسول نے بہ نیت تفاخر کھانا کھلانے والوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آجکل شادیوں کے موقع پر کھانا کھلایا جاتا ہے کہ اس میں اپنی آمدنی اور حیثیت کو بھی نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کی شادی میں کتنے کھانے پکائے تھے اور کتنے آدمیوں کو بلایا تھا پھر اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ کھانے پکائے جائیں

اس سے زیادہ مجمع کیا جائے اگر زیادہ نہ ہو تو کم از کم اس کے برابر تو ہوتا کہ وہ ہم سے بڑھا ہوا نہ رہے یہ ہے طعام المتبارین جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ افسوس ہے کہ دعوت کھانے والے نہیں دیکھتے کہ داعی کی نیت کیا ہے نہ داعی کو اس کا خیال ہوتا ہے کہ میری نیت درست ہے یا نہیں۔ (حرمت الہدود ج ۳۴)

## طریقہ طلاق

ایک طلاق دینی چاہیے تین نہ دینی چاہئیں۔ اور ایک توجیہ یہ کہ تین دفعہ مت دو۔ اگر تین ہی دینی ہوں تو ایک طہر میں ایک طلاق پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق متفرقا دینی چاہئیں۔ مجھے سب توجیہوں کا بیان کرنا مقصود نہیں صرف یہ بتلانا ہے کہ اس جگہ طلاق کی حد مذکور ہے کہ ایک وقت میں ایک دینی چاہیے ایک دم سے تین نہ دینی چاہئیں اور اس کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ تم کو کیا معلوم ہے کہ اس کے بعد تمہارے دل میں کیا بات پیدا ہو تو ایک طلاق دینے میں یا تین متفرقا دینے میں مصالح و منافع کی رعایت ہے اور تین دفعہ دینے میں معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ پھر اگر ندامت ہو تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ آجکل لوگوں کو تین طلاقیں دینے کا بہت شوق ہے بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک یا دو سے طلاق ہی نہیں ہوتی اس کا منشاء جہل بالا حکام ہے اور بعض جانتے ہیں کہ ایک یا دو سے بھی طلاق ہو جاتی ہے مگر وہ تین اس واسطے دیتے ہیں کہ عورت اس سے مری رہے گی۔

## نکاح ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے

صاحبو! نکاح تو ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے ہاں اس صورت میں سسک سسک کر مرتا ہے کہ عدت کے بعد ٹوٹتا ہے اور تین میں اسی وقت مرجاتا ہے تو بعض لوگ عورت کو ستانے کے لئے تین طلاق دیتے ہیں کہ اس کو رجعت کی امید کیوں دلائی جائے اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایک طلاق کے بعد کہیں ہماری ہی رائے نہ بدل جاوے اور اس کا رکھنا منظور نہیں اس لئے تین ہی دیدیتے ہیں۔ ان کی حالت بہت افسوس ناک ہے کہ خدا نے ان کو عقل اور سمجھ دی تھی مگر یہ اس سے کام نہیں لیتے ان سے کوئی پوچھے مت دو چنانچہ فقہی مسئلہ ہے۔

ابغض المباحات عند الله الطلاق (تلخیص الحبیر لابن حجر ۳: ۲۵)

(مباحات میں مبغوض تر اللہ کے نزدیک طلاق ہے)۔

اور یہ مضمون ایک حدیث کا بھی ہے جس کا مرسل ہونا صحیح ہے اور رفع ضعیف ہے۔  
 کذا فی المقاصد الحسنۃ للسخاوی ۱۲ جامع (جیسا کہ سخاوی کی کتاب مقاصد حسنہ میں مذکور ہے)۔

کہ اگر بعد میں تمہاری رائے بدل گئی اور اس کو اپنے پاس رکھنا چاہا تو اس کی گنجائش رکھنے میں تمہارا کیا حرج ہے عقل کی بات تو یہ ہے کہ انسان جب کوئی کام کرے تو اس کے تمام پہلوؤں کی رعایت کر لے خصوصاً اکثر غصہ میں ہوا کرتی ہے اس میں گنجائش رکھنا اور سمجھ کر کام کرنا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ بعض دفعہ عورت سے محبت ہوتی ہے لیکن اتفاقاً ناگواری پیش آگئی ایسی حالت میں تین طلاق دینا اپنے کو سخت پریشان کرنا ہے۔ جب دل میں اس کی محبت ہے تو جدائی کی کلفت ہوگی۔ اور اگر ہمت سے کام لیا تو ارتکاب حرام کا بھی اندیشہ ہے۔ بعض دفعہ عورت سے محبت نہیں ہوتی مگر اس سے اولاد ہو چکی ہے تین طلاق دینے کے بعد جب اولاد کی ویرانی اور پریشانی کا خیال ہوتا ہے تو سوائے حسرت و ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اگر اولاد کو اس سے جدا کیا جائے تو مرد سے ان کی تربیت اور دیکھ بھال دشوار ہے اگر جدا نہ کیا جائے اور اس کے پاس رکھا جائے تو اولاد کو ماں سے زیادہ ہمدردی ہوگی، باپ کی خاک بھی وقعت ان کے دلوں میں نہ ہوگی۔ بلکہ اس کو اپنا دشمن سمجھیں گے کہ اس نے ہماری ماں کو گھر سے نکال دیا۔

بعض دفعہ طلاق کے بعد اس شخص کو دوسری بیوی نہیں ملتی اور طلاق دینے والوں کو اکثر نہیں ملتی، خاندان میں بدنام ہو جاتا ہے کہ اس کو کون لڑکی دے یہ تو ظالم ہے طلاق دیدیتا ہے پھر یا تو صبر سے کام لینا پڑتا ہے اور ایسے بہت کم ہیں یا رنڈیوں اور لڑکوں سے خراب خستہ ہوتے ہیں جس میں دنیا کی بھی ذلت آخرت کی بھی بربادی اور گھربتاہ ہوا وہ الگ کیونکہ عورت کے بغیر گھر کا انتظام نہیں ہو سکتا تجربہ کر لیا جائے۔ ان واقعات کی بناء پر شریعت نے طلاق کیلئے بہت حدود مقرر کی ہیں۔ اول تو یہ حکم ہے کہ طلاق کو جہاں تک ٹال سکو ٹالو۔ دوسری تدبیروں سے کام لو۔ (حرمت الہدود ج ۲۵)

## ناموافقت مزاج کے ساتھ نباہ مشکل ہے

روایت میں ہے کہ ایک عورت نے وضع ولد سے بیس منٹ پہلے اپنے شوہر سے طلاق مانگی اس کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ بچہ جننے سے فوراً عدت ختم ہو جاتی ہے اگرچہ اس سے

پانچ منٹ پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو شوہر کو اس وقت خیال نہ تھا اس نے کہا کہ خدا کی بندی اس وقت تو طلاق لے کر کیا کرے گی آخر کوئی وجہ بھی، کہنے لگی کہ وجہ کچھ بھی نہیں بس میرا دل خوش ہو جائے گا تمہارا حرج ہی کیا ہے۔ ایک طلاق سے نکاح تھوڑا ہی ٹوٹتا ہے تم پھر رجعت کر لینا اس نے طلاق دیدی اور نماز کو چلے گئے تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا اور عدت ختم ہو گئی تو بعض عورتیں بوجہ ناموافقت مزاج کے نباہ نہیں کر سکتیں اس لئے ان کو طلاق سے خوشی ہوتی ہے اس لئے نکاح میں موافقت مزاج اور مناسبت طبائع کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ جب مزاج میں موافقت نہیں ہوتی تو نباہ دشوار ہو جاتا ہے۔ (ایضاً)

## بوقت ضرورت ایک طلاق دی جائے

اگر ضرورت ہو تو ایک طلاق دے پھر اگر اس سے عورت کو تنبیہ نہ ہوئی ہو تو دوسرے طہر میں دوسری طلاق دے سکتا ہے۔ اس صورت میں ایک مہینہ کم از کم سوچنے کیلئے اس کو ملے گا۔ جس میں تمام مصالح پر نظر کر سکتا ہے۔ دوسری طلاق ایک مہینہ کے بعد وہی دے گا جس کو بہت ضرورت ہوگی اس کے بعد پھر ایک ماہ تک اور سوچتے رہو اگر طلاق سے مصالح فوت ہونے کا اندیشہ ہو تب تو رجعت کر لو اور اگر نباہ دشوار ہی معلوم ہو تو تیسری طلاق تیسرے مہینے میں دے سکتے ہو۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ تیسری طلاق نہ دے بلکہ عدت ختم ہونے دے وہ خود ہی نکاح سے نکل جائے گی شاید نکاح سے نکلنے کے بعد پھر دونوں کی رائے تجدید نکاح کی ہو تو سہولت رہے گی۔ تین طلاق کے بعد بدون حلالہ کے نکاح نہ ہو سکے گا۔ (ایضاً)

## سلام میں پہل کرنا

بدلت بالسلام میں دو عبادتیں ہیں تطیب قلب مسلم بھی اور تقدم فی الخیر بھی ہے اس مجموعہ کی وجہ سے وہ افضل ہو گیا۔ (الترجم فی التراجم ج ۲۵)

## چار انگشت حریر کا استعمال جائز ہے

یعنی چونکہ ان ہاتھوں پیروں سے خدا کی اطاعت کے کام ہوئے ہیں اور اس اطاعت سے قرب الہی میسر ہوا ہے اس حیثیت سے ان کو اپنی جان کے ساتھ اپنے اعضا کے ساتھ محبت



ہوتی ہے اور خدا کی تمام نعمتوں کو بھی وہ اسی حیثیت سے محبوب رکھتے ہیں۔ اس لئے یہاں تھوڑا سا حریر جائز کر دیا جس کی مقدار شریعت نے چار انگشت رکھی ہے اس سے زیادہ خود کے لئے بھی ناجائز ہے اور بچوں کو پہنانا بھی ناجائز ہے ہاں لڑکیوں کے لئے جائز ہے۔ (الاسراف ج ۲۵)

## اغلاط العوام

بہت سے ایسے مسائل مشہور ہیں کہ جن کی کوئی سند نہیں چنانچہ ایک مسئلہ یہ ہے کہ جنازہ کی نماز کے لئے جو وضو کیا جائے فرض نماز اس سے پڑھنا جائز نہیں۔ ایک مسئلہ یہ مشہور ہے کہ اذان داہنی طرف ہو اور تکبیر بائیں طرف اور عورتوں میں یہ مشہور ہے کہ رات کو درخت کو ہلانا نہ چاہئے اس لئے کہ گناہ ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک کتاب ایسی لکھوں جس میں ایسے غلط مسائل درج ہوں۔ کچھ لکھے بھی ہیں اور اس کا نام اغلاط العوام رکھا جائے گا تاکہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ یہ مسائل غلط ہیں میں نے اس وجہ سے اس کا تذکرہ کیا تاکہ کوئی صاحب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرنے کی توفیق دے دیں یہ تو ظن و تخمین کے باب میں عوام الناس کے اغلاط کا بیان تھا اور بعض غلطیاں علماء کے اندر ہیں۔ اس سے عوام کو اور زیادہ دھوکہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر کسی سے مسئلہ سن کر اعتماد نہ کر لیا کریں۔ جب تک محققین علماء سے نہ دریافت کر لیں۔ چنانچہ ایک مسئلہ ہے جس میں بعض لکھے پڑھے لوگ بھی تسامح کرتے ہیں کہ ایک مسجد میں اگر چونا اینٹ وغیرہ کی ضرورت ہو اور دوسری مسجد سے لگایا جائے تو جائز ہے یا نہیں تو یہ مشہور ہے کہ مسجدیں سب یکساں ہیں جو شے ایک مسجد سے زائد ہو دوسری میں لگا دینا جائز ہے۔ یہ محض رائے ہے اور رائے بھی ایسی ہے کہ ذرا غور کرو تو غلطی اس رائے کی ثابت ہوتی ہے اگر سب مسجدیں ایک ہوں تو خدا خیر کرے بدھنوں اور چٹائیوں کی اگر کوئی کہے کہ مراد یہ ہے کہ جب کوئی شے نکمی ہو تو دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے تو ثابت کیجئے کہ چونا وغیرہ نکما ہے اور اگر نکمے سے مراد زائد از حاجت ہے اس سے تو لازم آتا ہے کہ جو چٹائیاں بچھ رہی ہیں وہ نہ لینا چاہئے اور جو زائد کھڑی ہیں وہ لینا جائز ہیں اور بعض ان سے بھی بڑھ کر ایسے بہادر اور پہلوان ہیں کہ مسجد کی چیزیں اپنے گھر لے جاتے ہیں اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کیا تمہارے باوا ملک ہے ان سے کوئی پوچھے کہ تمہارے باوا کی ملک بعض لوگ حمام میں سے گرم پانی گھر لے

جاتے ہیں اور حیرت تو یہ ہے کہ بعض متقی پرہیزگار بھی اس میں بھی مبتلا ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ استنجے کے ڈھیلے لے جاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ آخر یہ پانی اسی واسطے تو ہے کہ وضو کریں خواہ یہاں کریں خواہ مکان پر کریں یا در کھو مسجد کی چیز کا خلاف مصرف میں برتنا سخت گناہ ہے اور وبال اکثر یہ ہوتا ہے کہ اس وبال میں آئے ہوئے سے زیادہ گھر سے نکل جاتا ہے۔ کانپور میں ایک شخص تھے انہوں نے مسجد کا ایک کونہ دبا لیا۔ ایک درویش آئے ان سے ہم نے شکایت کی انہوں نے کہا خوش ہو وہ کونہ اب سارے مکان کو مسجد میں لائے گا چنانچہ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ان کو حاجت شدید پیش آئی اور وہ گھر ان کو پہنچا پڑا اور مسجد میں خرید کر شامل کر دیا گیا۔ غرض ایک مسجد کے لئے جو شے وقف ہو اور وہاں کے کام کی نہ رہی ہو وہ دوسری مسجد میں بہ قیمت جاسکتی ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہاں کے منتظمین کی اجازت ہو اور بغیر اس کے ہرگز جائز نہیں فقہانے لکھا ہے کہ اگر مسجد میں پانی پینے کے لئے رکھا ہے تو اس سے وضو کرنا حرام ہے۔ (الغالب ج ۲۵ ج ۲۵)

**مردار کی ہڈی بعد رطوبت خشک ہو جانے کے پاک ہے**  
 ایک مسئلہ بیان کرتا ہوں کہ اس میں مجھے اپنی ایک غلطی معلوم ہوئی اور اس مسئلے سے پہلے ایک قاعدہ سمجھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ مردے کے اجزاء بعد مرنے کے نجس ہو جاتے ہیں اس لئے کہ موت نجس ہے اس بناء پر میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ مردہ جانور کا دودھ بھی حلال نہ ہوگا لیکن ایک شخص کے پوچھنے پر احتیاطاً کتاب میں جو دیکھا تو اس میں حلال لکھا تھا بہت دیر تک حیرانی رہی کہ اس کی کیا وجہ ہے بہت دیر کے بعد اس بناء کی غلطی ظاہر ہوئی وہ یہ کہ مردار جو نجس ہوتا ہے تو موت نجس ہے تو جن اجزاء میں موت حلول کرے گی وہ اجزاء نجس ہوں گے اور موت کا اثر وہاں ہوگا جہاں پہلے سے حیات ہو اور جن اجزاء میں حیات نہ ہوگی وہاں موت بھی موثر نہ ہوگی چنانچہ اسی وجہ سے مردار کی ہڈی بعد رطوبت خشک ہو جانے کے پاک ہے۔ اسی طرح دودھ میں بھی بوجہ بیجان ہونے دودھ کے موت کا اثر نہ ہوگا جیسے پہلے پاک تھا بعد موت کے بھی پاک رہے گا۔ اس سے خود اندازہ کر لو کہ جب ہم لوگوں کی رائے غلط ہوتی ہے تو جو گلستان بوستان پڑھ کر یا انٹرنس پاس ہو کر مسائل شرعیہ میں رائے زنی کریں ان کی رائے کس درجہ میں ہوگی۔

بعض لوگ مردے پر اجرت ٹھہرا ٹھہرا کر قرآن شریف پڑھتے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ رسم یہاں بھی ہے بہت افسوس ہوا کہ لوگوں نے دین کے کاموں کو بھی ایک پیشہ بنا لیا ہے اور تمام تر فکر و توجہ اس طرف ہے کہ کھانے کو ملے دین جائے یا رہے۔

عاقبت ساز و ترا از دین بریں      ایں تن آرائی و ایں تن پروری

یہ تمہاری من آرائیاں اور تن پروریاں تم کو انجام کار دین سے جدا کر دیں گی۔

اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں کیا خرابی ہے ہم نے اللہ کے واسطے پڑھ دیا اس نے اللہ کے واسطے دے دیا۔ جناب ایسے ہی آپ اللہ کے واسطے پڑھنے والے ہیں کسی اور مردے پر کیوں نہ پڑھ دیا اور اگر اللہ کے واسطے پڑھا ہے تو اس ٹھہرانے کے کیا معنی ہیں۔ بس اپنی من سمجھوتی کر لی اور اگر زبان سے بھی نہ ٹھہرایا دل میں تو ٹھہرا رکھا ہے حتیٰ کہ اگر اس سے کم ملے تو ناراض ہوتے ہیں۔ اس میں بعض نیم ملا قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تعلیم قرآن پر اجرت لینا علماء نے جائز کر دیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے اس میں اور اس میں کیا فرق ہے جناب من ایک آدھ مسئلہ جاننے سے عالم نہیں ہوتا ہے۔

نہ ہر کہ آئینہ دار سکندری داند      نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند

یعنی جو شخص آئینہ بنانا جانتا ہو ضروری نہیں کہ وہ سکندری بھی جانتا ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو شخص بھی چہرہ کو برافروخت کر لے اس میں دلبری کی شان بھی ہو۔

جبکہ ایک شخص صاحب تقویٰ کہتا ہے کہ یہ صورت جائز ہے اور وہ ناجائز ہے تو تمہارے لئے اس کا قول حجت ہے۔ (الغناء المجازۃ ج ۲۵)

## قول صحابیؓ بھی حجت ہے

ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ حدیث موقوف بھی حجت ہے اور مقدم ہے قیاس پر حدیث موقوف اس کو کہتے ہیں جس میں صحابیؓ اپنی طرف سے ایک حکم بیان کرے جو مدرک بالرائے ہو سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت نہ کرے۔ اس کو کہا جائے گا کہ یہ صحابیؓ کی رائے ہے سو امام صاحب اس کے سامنے بھی قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں اور بعض فقہائے مجتہدین کہتے ہیں ہم رجال و نحن رجال یعنی جب قرآن و حدیث میں اس حکم کے بارہ میں کوئی تصریح نہیں ہے تو یہ صحابیؓ کا قیاس ہے تو جیسے وہ قیاس کر سکتے ہیں ایسے ہم بھی

قیاس کر سکتے ہیں لہذا اگر وہ قول ہمارے قیاس کے مطابق ہو تو خیر ورنہ ہم کو اپنے قیاس پر عمل کرنا چاہئے۔ ان کا قیاس ہمارے اوپر حجت نہیں جیسے کہ عام قاعدہ ہے کہ ایک مجتہد کا قیاس دوسرے پر حجت نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو سب کے لئے حجت ہے ہی جیسا کہ مسلم ہے لیکن جس امر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول نہ ہو اور اس میں ضرورت ہو اجتہاد کی تو اس اجتہاد میں صحابی اور ہم برابر ہیں وہ بھی مجتہد ہیں اور ہم بھی اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں مگر امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ صحابی کی بھی تقلید مجتہد پر واجب ہے یعنی اس کا اتباع بلا دلیل (تقلید کی حقیقت یہ ہے) بلفظ دیگر صحابی کا قول بھی دلیل ہے اور قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی دلیل نہ ہو اور قول صحابی دلیل ہے تو اس صورت میں امام صاحب اپنے قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (الصالحون ج ۲۶)

## اتباع فقہ اتباع وحی ہونے کا مفہوم

اتباع فقہ اتباع وحی ہونے کا مفہوم آج کل کی اہل رائے پر صادق ہے یا فقہاء کی رائے پر جس کو قیاس کہتے ہیں دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ایک حق ہے ایک باطل۔ بلکہ رائے بالمعنی الحقیقی کا لفظ بھی قیاس پر اطلاق کرنا صحیح نہیں تو قیاس کے اتباع کو اتباع رائے نہیں کہہ سکتے بلکہ قیاس منجملہ ادلہ شرعیہ کے ایک دلیل ہے تو اس کا اتباع وحی ہی کا اتباع ہوا۔ یہ اس کا جواب ہو گیا کہ فقہ کا اتباع بھی رائے کا اتباع ہے جو مذموم ہے حاصل جواب کا یہ ہے کہ فقہ کا اتباع رائے کا اتباع نہیں بلکہ وحی کا اتباع ہے۔ بعض لوگ جو فقہ کے خلاف ہیں کہتے ہیں ایسے فن کا کیا اعتبار جس میں ہر قسم کی روایتیں موجود ہیں اور جس کے متبعین کی یہ حالت ہے کہ نہ قرآن سے بحث نہ حدیث سے جس کسی امام سے روایت مل جائے اور جب تک روایت نہ ملے اس وقت تک قرآن و حدیث سے ان کی تشفی نہیں ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کونسا فن ہے جس میں رطب و یابس نہیں ہیں نحو میں نہیں ہیں یا معقول اور فلسفہ میں نہیں یا طب میں نہیں ڈاکٹری میں نہیں محض اس خلط میں کس کس فن کو چھوڑ دو گے ہر فن میں مدار قول رائج اور مذہب جمہور اور روایت مفتی بہا ہوا کرتا ہے اور امام کی روایت پر جو اعتماد کیا جاتا ہے اور بلا اس کے تشفی نہیں ہوتی اس کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ امام کے قول کو حدیث و قرآن سے زیادہ سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ہم کو اتنا علم نہیں



جتنا ان فقہاء کو تھا جنہوں نے فقہ کو مرتب کیا۔ نصوص سے جس فہم اور احتیاط کے ساتھ وہ مسائل کا استخراج کر سکتے تھے ہم نہیں کر سکتے۔ اس واسطے مسائل دریافت کرنے کے وقت امام کی روایت پوچھی جاتی ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق کیا تحقیق کی ہے اگر ان کی تحقیق ہماری تحقیق کے خلاف ہو تو اس کو ترجیح دی جاتی ہے۔ (الصالحون ج ۲۶)

## تقلید کی حقیقت کی مثال

ایک طالب علم سے ایک مسئلہ پوچھا جاوے اور وہ اس کا جواب دے اور اسی کو ایک پرانے استاد اور مدرس سے پوچھا جاوے اور وہ جواب دے اور ان کی تحقیق اس طالب علم کے خلاف ہو تو کس کو ترجیح ہوگی ظاہر ہے کہ استاد کے فتوے کو ترجیح ہوگی تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ جو معنی قرآن و حدیث کے تھے (جیسا کہ اس طالب علم نے سمجھا تھا) قرآن و حدیث کو چھوڑ کر استاد کا اتباع کیا گیا اور قرآن و حدیث سے استاد کو زیادہ سمجھا گیا اور قرآن و حدیث کو چھوڑ کر ان کا فتویٰ تلاش کیا جاتا ہے نہیں بلکہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ قرآن و حدیث ہی کے فتوے کی تلاش ہے اور اسی کے حکم کا اتباع کیا جاتا ہے مگر اس کا حکم طالب علم کے پاس صحیح نہیں ملتا ہے اس واسطے استاد کے پاس حکم کو تلاش کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے تقلید ائمہ کی۔

رہا یہ کہ ائمہ معروفین ہی پر اس کو کیوں ختم کر دیا گیا اب قرآن و حدیث کے جاننے والے نہیں رہے جو استخراج مسائل کر سکیں اس کا جواب یہ ہے کہ قدرتی غیر اختیاری بات ہے کہ ان پر ملکہ استخراج ختم ہو گیا جیسا کہ فن روایت حدیث محدثین معروفین پر ختم ہو گیا ورنہ اس پر بھی وہ سوال ہو سکتا ہے کہ ان پر روایت حدیث کو کیوں ختم کر دیا گیا وہ بھی آدمی تھے ہم بھی آدمی ہیں۔ اب روایت حدیث کی کوئی کر کے دکھاوے۔ (الصالحون ج ۲۶)

## ائمہ مجتہدین پر اجتہاد ختم ہونے کی دلیل

ائمہ کے فقہ کو عارضی طور پر الگ رکھ دیجئے اور قرآن و حدیث سے خود استنباط مسائل شروع کیجئے اور ایک معتد بہ مقدار مسائل کی جمع کر لیجئے پھر اس کو فقہ منقول سے ملا کر دیکھئے اپنی غلطیاں آپ کو خود معلوم ہو جاویں گی اور آپ بے ساختہ بول اٹھیں گے کہ استنباط صحیح وہی ہے جو فقہ میں ہے علاوہ اس کے آج کل عافیت بھی اسی میں ہے کہ قرآن و حدیث

سے استنباط کی اجازت نہ دی جاوے ورنہ ہوئی اور رائے کا وہ غلبہ ہے کہ معاذ اللہ زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین کہہ دینا کوئی بات ہی نہیں دیکھ لیجئے۔ (ایضاً)

## مجازیب کے بارہ میں حکم

مجازیب کے ساتھ برا معاملہ نہیں کرنا چاہئے سو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ گستاخی اور بے ادبی کے کلمات ان کے واسطے باعث فضیلت ہیں اور اس کی وجہ سے وہ مقرب ہو گئے ہیں اور ان باتوں میں ان کی نقل کرنا کسی کو روا ہو وہ ان باتوں میں بوجہ بے ہوشی کے معذور ہیں شریعت نے ان کو مرفوع القلم کر دیا ہے ان کے ساتھ برا معاملہ کرنے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان پر عشق الہی کا استیلاء ہو گیا ہے خواہ وہ کسی صورت سے ہو اس لئے کسی کو اجازت نہیں ہے کہ ان کی تحقیر کرے یا انہیں ایذا پہنچائے۔ جب شریعت ہی ان کو مرفوع القلم کہتی ہے اور ایسی سخت باتوں پر ان سے گرفت نہیں کرتی تو دوسرے کسی کو کیا منصب ہے کہ ان کو ستائے۔ (ایضاً)

## کثرت رائے مطلق حجت نہیں

کثرت رائے مطلقاً حجت نہیں اس کے لئے بھی کچھ قواعد اور قیدیں ہیں مگر لوگوں نے یہ سبق یاد کر رکھا ہے کہ بات بات میں کثرت رائے کو پیش کر دیتے ہیں سو یہ محض مغالطہ ہے۔ (الصالحون ج ۲۶)

## مجتہدین کے اختلاف کا حکم

تحری قبلہ کے بارہ میں چار شخصوں میں کیسا اختلاف ہوا جس میں جمع کی کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی تھی مگر فقہ نے اس میں یہ حکم دیا کہ جس طرف جس کا دل یقین کرے نماز پڑھ لے ہر شخص کی نماز صحیح ہو جائے گی اور اس کے لئے یہی جہت قبلہ ہے حتیٰ کہ اگر اپنی تحری کے خلاف نماز پڑھی تو وہ اطل سمجھی جائے گی اور مقبول نہیں ہوگی اور قیامت کے دن وہ منہ پر ماری جائے گی۔ یہ نماز بے کار گئی اور مردود ہوئی نتیجہ یہ کہ اس وقت کی نماز اس کے ذمہ باقی رہی قیامت میں اس نماز کا سوال ہوگا اور ایک دوسری باز پرس الگ رہی کہ غیر قبلہ کی طرف نماز کیوں پڑھی اس کی پکڑ و دھکڑ علیحدہ ہوگی کیونکہ اس کا قبلہ تو جہت تحری تھا گو واقع میں وہ قبلہ نہ ہو۔ اسی کو کہا ہے

ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست

یہیں سے ایک مسئلہ یہ نکالا گیا ہے کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید حرام ہے۔ (ایضاً)

## شریعت کی شفقت

حدیث اذا انتصف شعبان فلا صوم الا عن رمضان (کشف الخفاء للعجلونی ۷۸:۱)

(جب نصف شعبان گزر جائے تو سوائے رمضان کے روزہ نہ رکھا جائے) کی (جب شعبان نصف گزر جائے اور گزر جانے کے ترجمہ سے خود پندرہویں تاریخ کا اس سے خارج ہونا مفہوم ہو گیا کیونکہ نصف متیقن پندرہویں کے بعد ہی گزرتا ہے نہ اس سے پہلے) تو رمضان کے سوا اور روزہ نہیں) کہ اس سے بھی رمضان کے لئے ہمت کا تازہ رکھنا مقصود ہے اگر نصف شعبان کے بعد روزے رکھے گئے تو ان سے لحوق ضعف کا اندیشہ ہے جس سے شاید رمضان کے روزوں کی ہمت پست ہو جائے اور اگر نصف شعبان کے بعد کھانے پینے میں مشغول رہے گی تو وہ ہمت جو ایک روزہ کے امتحان سے پیدا ہو چکی تھی کمزور نہ ہوگی باقی احکام شریعہ کی مصالح کا احاطہ کون کر سکتا ہے یہ بھی حق تعالیٰ کا انعام ہے کچھ تھوڑی بہت حکمتیں ہم جیسوں کو بھی بتلا دی جاتی ہیں جن سے ضعیف الایمان لوگوں کو تسلی ہو جاتی ہے ورنہ مسلمان کا اصل مذاق تو یہ ہونا چاہئے۔

زباں تازہ کردن باقرار تو <sup>نیکستن</sup> علت از کار تو

(آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں علتیں نکالنے کو مانع ہے)

(الاسعاد والاعاد ج ۲۶)

## جہاد فرض عین اور فرض کفایہ

ایک طالب علمانہ شبہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاد میں جانا تو فرض کفایہ ہے جب ایک جماعت نے اس فرض کو ادا کر لیا تو سب کی طرف سے ادا ہو گیا۔ پھر وَاٰخِرَ سَيِّئًا کے کیا معنی ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کے لئے امر عام فرمایا تھا اس لئے وہ فرض عین ہو گیا تھا اور حضور کی شان تو اعلیٰ وارفع ہے۔ اگر امام المسلمین کسی امر مباح کا بھی امر کر دے تو وہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ (اشرف الموعظ ج ۲۶)

## سادات کی عظمت

آج کل جن لوگوں نے سادات کے لئے زکوٰۃ دینے کا فتویٰ دیا ہے سخت غلطی کی ہے۔ حضور کا یہ شرف ہے کہ آپ اور آپ کی اولاد کے لئے اموال زکوٰۃ و صدقات واجبہ حرام کئے گئے ہیں۔ (ایضاً)

## سجدہ شکر کی ممانعت کا سبب

فقہاء نے بہت سی ایسی چیزوں کو کہ بظاہر وہ سنت ہیں محض اس بناء پر منع کیا ہے کہ وہ امر سبب بن گیا ہے معصیت کا۔ چنانچہ سجدہ شکر کو مکروہ کہا ہے حالانکہ ثابت ہے کہ احیاناً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر کیا ہے جیسا حدیثوں میں خراسا جہاد اُصاف وارد ہے گو اس میں تاویل اصلی صلوٰۃ کی گئی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ تاویل ہے بعید سیدھی بات یہی ہے کہ آپ نے کبھی کبھی سجدہ شکر کیا ہے اور اکثر نہیں کیا پس فقہاء نے اس سے مجھا کہ سجدہ شکر مقاصد دین سے نہیں ہے فی نفسہ مندوب ہے۔ لیکن مفسدہ یہ: یکھا کہ اس کو ضروری سمجھنے لگیں گے اور اس کو اپنی حد پر نہ رکھیں گے اس لئے اس کو مکروہ ٹھہرا دیا۔ (اشرف الموعظ ج ۲۶)

## مستورات کی آواز کا پردہ

عورتیں ان کتابوں کو مجمع میں بیٹھ کر بلند آواز کے ساتھ اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھتی ہیں جو دروازہ میں یا سڑک پر مردوں تک بھی پہنچ جاتی ہے کیا یہ جائز ہو سکتا ہے۔ دیکھو نماز میں عورت کے لئے قرآن شریف کی قرأت جہراً ناجائز ہے پھر مناجاتیں اور غزلیں اس طرح پڑھنا کہ غیر مردوں تک آواز پہنچے کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ حج میں لبیک حاجی کو پکار پکار کر کہنا مسنون ہے حدیث میں تصریح موجود ہے کہ اچھا حج وہی ہے جس میں بہت چیخ پکار ہو یعنی لبیک کے نعرے لگائے جائیں لیکن عورت کے لئے لبیک بھی جہراً ناجائز ہے جب ایسے موقعوں پر عورت کو آواز نکالنے کی ممانعت ہے تو ان موقعوں پر بھی جہاں مردوں کو بھی جہر کا اذن نہیں ہے کیسے اجازت ہوگی خصوصاً اس وقت میں جبکہ فتنہ کا خوف بھی ہو عورت کو تو بلا ضرورت پکار کر بولنے کی بھی ممانعت ہے اور جس موقع پر ضرورت بھی نہ ہو اس موقع پر زور سے بولنا اور آواز بنا کر پڑھنا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آج کل طبائع میں کیسا انقلاب ہو گیا ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ غیرت اس کو کیونکر جائز رکھتی ہے کہ عورتیں بلند آواز سے گائیں۔ جیسے باہر نکلنا ویسے ہی مردوں کو گانا سنانا۔ پردہ صرف صورت ہی کا نہیں ہوتا آواز کا بھی پردہ ہے سنگار کا بھی پردہ ہے صورت کا بھی پردہ ہے۔ حیاء خود جزو ایمان ہے۔ جو افعال حیاء کے خلاف ہیں ان کو فحشاء کہتے ہیں جن کی نسبت وارد ہے۔ (ذم المکتر وہات ج ۲۶)



## عنی میں ایصال ثواب کے لئے اجتماع کی ضرورت نہیں

عنی میں مجمع بالکل ہی نہ چاہئے ہاں جس کے جانے سے تسلی ہو وہ جائے وہ اگر کہیں دور بھی ہو تو اس کا پہنچ جانا مناسب ہے۔ لوگ کہتے ہیں مجمع ایصال ثواب کے واسطے کیا جاتا ہے کہ سب کچھ کچھ پڑھ کر بخشیں گے مجمع کو کچھ کھانا کھلایا جائے گا تو سمجھ لیجئے کہ ثواب بلا مجمع کے بھی پہنچ سکتا ہے۔ خلوص کے ساتھ عزیز واقارب اور اہل محبت خفیہ کچھ کچھ خیرات کر دیں یا کچھ پڑھ کر بخش دیں یا کچھ نہ ہو تو اس کے لئے دعا کریں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ اس کے لئے زیادہ کارآمد ہو گا آپ کے ہزاروں روپیہ خرچ کرنے اور دھوم دھام مچانے سے میت کو کچھ نفع نہیں ہوتا۔ (ایضاً)

## اجتہاد کی مثال

ایک صاحب نے مجھ سے ریل میں پوچھا کہ اجتہاد کیا چیز ہے میں نے کہا کہ اس کی حقیقت میں آپ کو کس طرح بتاؤں ہاں ایک مثال بیان کرتا ہوں اس سے آپ کو اجتہاد کا نمونہ معلوم ہو جائے گا وہ یہ کہ اگر دو شخص مسافر ایسے ہوں جو علم میں مساوی ہیں قرأت میں بھی مساوی ہیں اور تقویٰ و ورع میں بھی برابر ہیں عمر نسبت میں بھی یکساں ہیں پھر وہ دونوں رات کو سوئیں اور جب انہیں میں سے ایک کو احتلام ہو گیا ہو جس کے ذمہ غسل واجب ہے اور دوسرے کو احتلام نہیں ہوا اور دونوں ایسے مقام میں ہیں جہاں پانی دور تک نہیں ملتا اس لئے دونوں نے تیمم کیا ایک نے غسل جنابت کا تیمم کیا ایک نے وضو کا تو بتائیے ان دونوں میں امامت کے لئے کون افضل ہے کہا وہ شخص جس نے وضو کا تیمم کیا کیونکہ طہارت دونوں کی برابر ہے نجاست ایک کی اشد تھی میں نے کہا لیکن فقہاء فرماتے ہیں کہ جس نے غسل کا تیمم کیا ہے وہ افضل ہے اس پر وہ صاحب حیران ہو کر میرا منہ تگنے لگے کہ یہ کیونکر؟ میں نے کہا کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ تیمم فقدان ماء کے وقت طہارۃ کاملہ ہے تو جس نے غسل کا تیمم کیا ہے اس نے غسل کیا ہے اور جس نے وضو کا تیمم کیا ہے اس نے وضو کیا ہے غسل نہیں کیا اور غسل وضو سے افضل ہے۔ دوسرے جس نے وضو کا تیمم کیا ہے ممکن ہے اس کے ذمہ کبھی غسل واجب ہو گیا ہو جس کی خبر نہ ہوئی ہو اور جنابت والے نے چونکہ غسل کا تیمم کیا ہے تو اس کے لئے یہ احتمال اب منقطع ہو گیا کیونکہ اس نے اس وقت غسل کر لیا ہے تو اس کی طہارت ہر طرح کامل ہے

اس کو سن کر وہ کہنے لگا کہ واقعی فقہاء نے صحیح کہا میں نے کہا بس یہی اجتہاد کا نمونہ ہے اور اس سے یہ لازم نہیں کہ ہم لوگ استقلالاً فقہاء کے تابع ہیں بلکہ استقلالاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اتباع کرتے ہیں مگر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد فقہاء کے بیان فرمانے سے معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے جیسے کوئی شخص قانون کو وکیل سمجھ کر اس پر وکیل کو بتلانے کے موافق عمل کر لے تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ شخص وکیل کا متبع ہے نہیں بلکہ قانون گورنمنٹ کا متبع ہے گورنمنٹ ہی کی اطاعت کر رہا ہے اسی طرح یہاں سمجھو (اور جو لوگ مقلدین کو فقہاء کا متبع کہتے ہیں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ لوگ خود اہل لغت اور اہل نحو و صرف اور محدثین کا اتباع کرتے ہیں کیوں کہ بدون اہل لغت کے حدیث و قرآن کو سمجھنا محال ہے اسی طرح بدون محدثین کے حدیث کا علم دشوار ہے تو یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہ ہوئے بلکہ ان وسائل کے متبع ہوئے اور اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ محض فہم حدیث و فہم لغت قرآن میں واسطہ ہیں ان کے ذریعہ سے ہم صرف مراد رسول کو معلوم کرتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں تو بعینہ یہی جواب مقلدین کی طرف سے ہے کہ ہم بھی فقہاء کو محض فہم مراد رسول اللہ واسطہ بناتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں رہا۔ (الارتباب والاغیاب ج ۲۶)

### مسئلہ استیذان

استیذان کا حکم زنا نہ مکان ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مردانہ مکان میں بھی اگر قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ وقت اس شخص کی خلوت کا ہے مثلاً پردے پڑے ہوں یا اور کوئی علامت ہو مثلاً دوپہر کو لیٹ گیا ہو تو لیٹ جانا بھی خلوت کی علامت ہے اس وقت اس کے پاس نہ جانا چاہئے کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے گو کوئی بزرگ اپنے اخلاق کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ کہیں چنانچہ تھانہ بھون میں جب حضرت حاجی صاحب کا قیام تھا تو بعض لوگ دوپہر کو حاجی صاحب کے پاس آ کر بیٹھ جاتے حاجی صاحب بھی اخلاق کی وجہ سے بیٹھے رہتے حضرت حاجی ضامن صاحب کو اطلاع ہوئی ان کی عادت میں سختی تھی وہ ایسے روگ نہیں پالتے تھے فوراً تشریف لائے اور ان لوگوں کو دھمکایا کہ تم لوگ راتوں کو تو بیوی کی بغل میں سوتے ہو اور آٹھ بجے جاگتے ہو پھر دنیا کے کاموں سے فارغ ہو کر دوپہر کو بزرگوں کی نیند حرام کرنے آتے ہو تم کو شرم نہیں آتی یہ اللہ والے راتوں کو جاگتے ہیں دوپہر کو تھوڑی دیر

آنکھ لگا لیتے ہیں یہی وقت تم برباد کرنے آتے ہو جاؤ اپنا راستہ لو خبردار اس وقت کبھی نہ آنا حافظ صاحب نے اس کا انتظام کر دیا ورنہ حاجی صاحب کے ایسے اخلاق تھے کہ وہ اپنی زبان سے اپنے نفس کے لئے کبھی کسی کو کچھ نہ کہا کرتے تھے بلکہ میں نے مکہ معظمہ میں دیکھا ہے کہ بعض لوگ دوپہر کو آئے ہیں اور حاجی صاحب ان کی خاطر سے بیٹھے رہے آنکھوں میں نیند کا غلبہ ہے مگر دوسروں کے لحاظ سے بیٹھے ہیں ایک دفعہ کسی خادم نے لوگوں کو اشارہ سے متنبہ کیا کہ حضرت کو نیند آ رہی ہے اسی وقت آپ تشریف لے جائیں حضرت نے اشارہ کرتے ہوئے دیکھ لیا خادم کو ڈانٹا اور فرمایا کہ یہ لوگ محض حسن ظن سے میرے پاس آتے ہیں ورنہ مجھ میں کچھ کمال نہیں نہ دنیا کا نہ دین کا کیا عجب ہے کہ ان کے قدم کی برکت سے میری مغفرت ہو جائے اور تم ان کو آنے سے روکتے ہو اس وقت معلوم ہوا کہ حاجی صاحب کی اس میں کیا نیت ہے مگر یہ بزرگوں کے اخلاق کا تو کمال ہے لیکن تم کو ایسا کرنا جائز نہیں کہ ان کو تکلیف دو اول تو اس سے تکلیف کبھی ضرور ہوتی ہے دوسرے یہ دعویٰ محبت کے بھی تو خلاف ہے اور اگر اہل اللہ اپنی تکلیف ظاہر نہ کریں تو یہ مت سمجھو کہ ان کو تواذیت نہیں پھر ہم کو بھی گناہ نہیں ہوتا یا درکھو کہ عدم اظہار اور عدم ایذاء کو مستلزم نہیں رہا یہ کہ اگر ان کو تکلیف ہوئی بھی ہو وہ معاف کر دیتے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ شاید اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ (الاریاب والختیاب ج ۲ ص ۲۶)

## لیڈران قوم کو مسائل نماز بھی معلوم نہیں

ایک جنٹلمین میرے ساتھ تھے وہ تھانہ بھون میں جوان کا اصلی وطن تھا فرض رباعی کی جماعت میں دو رکعت کے بعد بیٹھ گئے۔ امام نے تو تیسری رکعت کا قیام کیا اور انہوں نے نماز ختم کر دی لوگوں نے بعد میں اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہا میں مسافر ہوں اس لیے میں نے قصر کیا ہے۔ سبحان اللہ اول تو وطن اصلی میں پہنچ کر سفر کیسا پھر وہ بھی امام مقیم کے پیچھے۔

## کھیت میں نماز کا قصر

ایک صاحب کی حکایت سنی ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے جنگل میں جاتے کھیت پر جاتے تو قصر کیا کرتے اور کہتے کہ قرآن میں ”إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ“ (اور جب تم زمین میں سفر کرو سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم

نماز کو کم کر دو) مطلق آیا ہے اس میں مطلقاً زمین میں چلنے پر قصر کی اجازت دی گئی ہے تین دن یا چار دن کی مسافت کا کچھ ذکر نہیں۔ یہ بھی کوئی اہل حدیث ہی میں سے تھے۔ مولانا سخاوت علی صاحب جو پوری نے فرمایا تھا کہ پھر جنگل اور کھیت ہی میں جا کر قصر کیوں کرتے ہو بلکہ گھر سے محلہ کی مسجد میں آ کر قصر کیا کرو کیونکہ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ (اور جب تم زمین میں سفر کرو) تو اس پر صادق ہے۔ یہ فہم اور دین رہ گیا ہے۔ کچھ نہیں بس یہ لوگ ضربتم (تم کو پیٹا جائے) بصیغہ مجہول کے مستحق ہیں۔ پھر غضب یہ ہے کہ اس فہم پر یہ لوگ اپنے کو تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں۔ پس جس نے ایک دو کتابیں ادب تاریخ کی دیکھ لیں وہ بھی اپنے کو عالم سمجھتا ہے۔ (الہدی والمغفرہ ج ۲ ص ۲۷)

## ایک لیڈر کا تیمم

ایک لیڈر کا قصہ ہے جو آج کل مسلمانوں کے مقتدا بنے ہوئے ہیں کہ کسی جگہ نماز کا وقت آ گیا اور پانی نہ تھا۔ تیمم کی ضرورت ہوئی تو لیڈر صاحب نے اس طرح تیمم کیا کہ اول تو مٹی کو ہاتھوں پر بہایا جیسے پانی کو بہایا کرتے ہیں پھر کلی کرنے کے واسطے منہ میں مٹی دی شاید اس کے بعد وہ دو ہتھ بھر کر منہ پر بھی ڈالتے اور مسح کے لیے سر پر بھی ڈالتے اور پیروں پر بھی مٹی بہاتے مگر منہ میں مٹی دیتے ہوئے بعض لوگ ہنس پڑے اس لیے وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ بس انگریزی پڑھ کر ایسا علم آتا ہے کہ عقل خاک میں مل جاتی ہے بھلا اگر وہ کسی سے پوچھ ہی لیتے کہ تیمم کا طریقہ کیا ہے تو اس میں کچھ حرج تھا مگر پوچھتے کس طرح لیڈر ہو کر اپنی جہل کو کیوں کر ظاہر کریں، گو مٹی سے کلی کر کے اس سے زیادہ جہل ظاہر کر دیا اور مزایہ کہ ظہور جہل کے بعد بھی وہ قوم کے لیڈر ہی رہے۔ یہ حالت قوم کی ہے کہ اس جہل پر بھی ان کو مقتدا ہی بنائے رکھا۔

ان ہی حضرات کا یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک دفعہ موٹر میں سوار تھے نماز کا وقت آ گیا، موٹر ٹھہرایا گیا اور اسی میں بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لی حالانکہ سامنے سڑک پر ایک طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے تھے مگر انہوں نے موٹر کے اندر ہی بیٹھ کر پڑھی۔ بھلا موٹر میں ترک قیام کس طرح جائز ہو گیا جبکہ موٹر کھڑا ہوا تھا۔ چلتی ریل میں تو اگر گرنے کا اندیشہ ہو تو بیٹھ کر نماز کی گنجائش بھی ہے مگر موٹر میں تو چلتے ہوئے بھی ترک قیام کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کا ٹھہرا لینا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے اور ریل کا ٹھہرانا ہمارے اختیار میں نہیں اور اگر موٹر کھڑا ہوا ہو تب تو کسی طرح ترک قیام کی گنجائش ہی



نہیں مگر ان لوگوں نے تو محض لیڈر بننے کے لیے نماز شروع کی ہے اس لیے نماز بھی لیڈری ہوتی ہے۔ شرعی نماز کی ان کو کیا ضرورت ہے۔ (الہدی والمغفرہ ج ۲۷)

## ایک بیوہ کا کلمہ کفر

چنانچہ بعض بدنصیب اس بات کو زبان سے بھی کہہ دیتے ہیں جو کہ ایک سخت کفریہ کلمہ ہے ایک شخص کی لڑکی بیوہ ہو گئی لوگ اس کو عقد ثانی کی ترغیب دے رہے تھے کہ بیوہ کے نکاح کی شریعت میں بہت فضیلت ہے تم اپنی لڑکی کا دوسرا عقد کر دو۔ تو وہ کمبخت کہتا ہے: (نقل کفر کفر نہ باشد) کہ صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے روزہ نماز کے نبی ہیں شادی بیاہ کے نبی نہیں اس میں ہم اپنی رائے سے جو چاہیں گے کریں گے (نعوذ باللہ واستغفر اللہ) ایک عورت کمبخت نے اسی باب میں جبکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صاحبزادیوں کے عقد ثانی کا ذکر کیا گیا تو اس نے سن کر یہ کہا کہ (نعوذ باللہ) وہ لڑکیاں جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد ثانی کیا ہے شریف بیوی کے پیٹ سے نہ تھیں (نعوذ باللہ) دیکھو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نہیں ہوا۔ کمبخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو کم ذات قرار دیا، بھلا کوئی اس احمق سے یہ پوچھے کہ تو نے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مثال دی تو ان کے عقد ثانی کی ضرورت ہی کہاں اور کب ہوئی تھی وہ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ہی انتقال فرما گئی تھیں۔ پھر اس احمق کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب بیٹیاں ایک ہی بیوی سے تھیں اور دوسری بیبیوں سے آپ کی اولاد ہوئی ہی نہیں اور ہوئی بھی تو وہ سب بھی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی شریف زادیاں ہوئیں کیونکہ آپ کی سب بیٹیاں عالی خاندان اور اشرف نسب کی تھیں، غرض معاملات میں اکثر لوگ اپنے کو خود مختار سمجھتے ہیں اور شریعت میں ان کو داخل ہی نہیں سمجھتے۔

اس انتخاب کی وجہ سے ہماری وہ حالت ہو رہی ہے کہ کسی کے ہاتھ ہے تو پیر نہیں، سر ہے تو دھڑ نہیں، دھڑ ہے تو سر نہیں۔ مجموعہ مل کر تو ایک ایک فرد سالم نکل سکتا ہے مگر فرداً فرداً تو ہم سب ناقص ہی ہیں اور بقاعدہ منطق دیکھا جاوے تو مجموعہ بھی ناقص ہی ہے کیونکہ ناقصین کا مجموعہ بھی منطقی قاعدہ سے ناقص ہی ہوتا ہے مگر افسوس کہ ہم لوگ اس نقص پر ہی کفایت کئے ہوئے ہیں۔ (الہدی والمغفرہ ج ۲۷)

## ایک مسئلہ

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے مسئلہ پوچھا کہ میری توند بڑھ گئی ہے اور زیر ناف کا بدن نظر نہیں آتا تو بال کس طرح صفا کروں۔ میں نے کہا کہ ہڑتال اور چونہ سے صاف کر لیا کرو وہ یہ سن کر بہت دعائیں دینے لگا اور ایک بڑے عالم کا نام لے کر کہا کہ میں نے ان سے دریافت کیا تھا انہوں نے یہ فرمایا کہ بیوی سے صاف کرالیا کرو میں نہایت پریشان تھا آپ نے مجھ کو بڑی پریشانی سے نجات دی تو وہ بڑے بھاری عالم تھے مگر چونہ اور ہڑتال کے خواص و طبائع سے جو کہ واقعات میں سے ہے نا واقف ہونے کی وجہ سے ایسی غلطی کی بھلا بیوی اس لیے ہے کہ اس سے یہ کام لیا جائے طبیعت اس کو کس طرح گوارا کر سکتی ہے۔

اب اور غضب سنئے کہ بعض رئیسوں کو سنا ہے کہ وہ زیر ناف بال نائی سے اترواتے ہیں کچھ ٹھکانا ہے اس بے حیائی کا غرض عالم اگر خواص و طبائع سے واقف ہو تو اس سے اس قسم کی غلطی پھر نہیں ہو سکتی۔ لہذا ضرورت ہے ہر عالم کو کہ بقدر ضرورت واقعات و خواص طبائع سے واقف ہو مگر اس کی ضرورت نہیں کہ امریکہ بھی جاوے اور انجن بھی چلانا جانے۔ (بفضل العظیم ج ۲۷)

## اجتہاد ہر ایک کے بس کی بات نہیں

ابھی میرے پاس اسی سفر میں خط آیا تھا کہ ایک نصرانی مع اپنے گھربار کے مسلمان ہوا ہے لوگ اس کو مجبور کرتے ہیں کہ ختنہ کراؤ لیکن اگر زیادہ مجبور کیا گیا تو اندیشہ ہے دین سے پھر جانے کا میں نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ ختنہ کرانا اسلام کا رکن نہیں ہے اول تو فقہاء نے لکھا ہے کہ جس کو تحمل نہ ہو اس کو اس کا ترک جائز ہے۔ دوسرے وہ ختنہ نہ کرانے سے زیادہ سے زیادہ گنہگار رہے گا۔ (بفضل العظیم ج ۲۷)

## اردو میں خطبہ جمعہ کا مسئلہ

خطبہ اردو میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں وہ استنباط یہ ہے کہ قرآن نے خطبہ کا نام ذکر اللہ رکھا ہے چنانچہ ”فَاسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ“ فرمایا ہے جب خطبہ ذکر ہے تذکیر نہیں تو خطبہ کو اردو میں نہ پڑھیں گے جیسے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ خطبہ سے مقصود تذکیر ہے اور

تذکیر موقوف ہے فہم پر اس لیے مادری زبان میں پڑھنا چاہیے تو اس سے اس کا جواب ہوگا کہ قرآن نے خطبہ کو ذکر فرمایا ہے جس کی غرض فہم پر موقوف نہیں تذکیر نہیں بلکہ قرآن مجید کو جا بجا ذکر بمعنی تذکیر فرمایا گیا ہے مگر پھر بھی کسی کے نزدیک نماز میں وہ مادری زبان نہیں پڑھا جاتا تو خطبہ کے لیے تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ثابت ہوگا تو ”فَاسْعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ“ سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا اور یہ تبرع ہے ورنہ اگر اس سے یہ نہ بھی مستنبط ہو تب بھی فتویٰ اس پر موقوف نہیں فتویٰ تو فقہاء کے قول پر ہے کہ انہوں نے اس پر نہایت قوی استدلال کیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی غیر عربی زبان میں خطبہ نہیں پڑھا حالانکہ وہ فارس میں روم میں برابر رہے اور صحابہ وہاں کے فارسی اور ترکی زبان کے ماہر بھی تھے مگر خطبہ کبھی ترکی یا فارسی زبان میں نہیں پڑھا۔ بس ہمارے لیے فقہاء کا یہ کہہ دینا کافی ہے۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

## شریعت کی آسانی

شریعت مخلوق کو تکلیف سے بچانا چاہتی ہے اس لیے حکم ہے کہ اگر بیٹا نفل نماز پڑھ رہا ہو اور والدین میں سے کوئی پکارے تو دیکھے کہ ان کو اس کا نماز میں ہونا معلوم ہے یا نہیں اگر انہیں معلوم ہے کہ بیٹا نماز پڑھ رہا ہے اور پھر بھی پکار رہے ہیں تو نہ بولے کیونکہ جان کر پکارنا ان کی شرارت ہے اور اگر ان کو معلوم نہیں کہ بیٹا نماز پڑھ رہا ہے تو بول پڑے اور نماز کا بعد میں اعادہ کر لے یہ مسئلہ فقہاء نے حدیث سے سمجھا ہے۔ واقعی دو فرقے امت کے لیے رحمت ہیں ایک فقہاء دوسرے صوفیاء۔ (تفہیم الکلام ج ۲۷)

## جرتح عابد کی حکایت

جرتح بنی اسرائیل کا ایک عابد تھا۔ ایک دفعہ یہ اپنے صومعہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کی ماں کسی ضرورت سے آئی اور اس نے صومعہ کے نیچے کھڑے ہو کر آواز دی جرتح جرتح یہ نماز پڑھ رہا تھا اس نے دل میں حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ میں نماز میں ہوں اور میری ماں پکار رہی ہے یعنی جواب دینے سے معذور ہوں غرض نماز میں مشغول رہا۔ اس نے پھر آواز دی جرتح نے پھر وہی کیا اللہم امی و صلاتی اور بدستور نماز میں مشغول رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کو بیان فرما کر ارشاد فرماتے ہیں: ”لو کان فقیہا لا

جواب امہ“ اگر جرتح فقیہ ہوتا تو اپنی ماں کے پکارنے کا جواب دے دیتا اس لیے فقہاء نے سمجھا کہ والدین کے پکارنے پر نماز میں بول پڑنا جائز ہے۔ بشرطیکہ ان کو اس کا نماز میں ہونا معلوم نہ ہو یہ قید دوسرے دلائل کی وجہ سے بڑھائی گئی۔ جرتح کی ماں نے اس موقع پر اپنے بیٹے کو کو سا بھی تھا جب اس نے کئی آوازیں دیں یہ نہ بولا تو اس نے بددعا دی ”اللہم لا تمت حتی ترید وجوہ المومسات“ یعنی خداوند اے اس وقت تک موت نہ دیجو جب تک یہ کسی فاحشہ کا منہ نہ دیکھ لے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دینداری بہت ہی زیادہ تھی کہ رنڈی کا منہ دیکھنا اس زمانہ میں بددعا اور کوسنے میں بیان کیا جاتا تھا گویا غیر عورت کا منہ دیکھنا مردوں کے لیے بہت ہی بڑا عیب سمجھا جاتا تھا جیسا تو اس کو کوسنے میں بیان کیا اور آج کل منہ دیکھنا تو کیا اس سے منہ کالا کرنا بھی عیب نہیں سمجھا جاتا۔

غرض جرتح کی ماں نے اس کو یہ کوسنا دیا کہ خدا اے موت سے پہلے فاحشہ عورت سے پالا ڈالے بددعا قبول ہوگئی اور ایک فاحشہ عورت جرتح کے پیچھے پڑی اور اس کے صومعہ میں آکر بدکاری پر اسے برا بیختہ کرنا چاہا یہ شخص متقی تھا اس نے دھمکا کر اسے نکال دیا اس نے کہا کہ میں تجھ کو بدنام کر کے رہوں گی بڑا متقی بنا ہے۔ چنانچہ جنگل کے کسی چرواہے سے اس نے منہ کالا کیا جس سے حمل رہ گیا جب بچہ پیدا ہوا تو لوگوں نے پوچھا یہ بچہ کس کے زنا سے ہوا اس نے جرتح کا نام لے دیا۔ بس اب لوگ کہاں تھے بلا تحقیق گمان پکالیا اور جرتح کے صومعہ پر جا چڑھے اور لگے اسکو ڈھانے جرتح اندر سے نکلا اور لوگوں سے کہا کہ میرے صومعہ کو کیوں گراتے ہو کہا کمبخت تو اس قابل نہیں کہ صومعہ میں رہے تو زنا کار بدکار ہے اور ظاہر میں متقی بنا ہوا ہے اس نے پوچھا کہ آخر تم سے کس نے کہا کہ میں زانی ہوں لوگوں نے اس عورت کو معہ بچہ کے پیش کیا کہ دیکھ یہ عورت کیا کہتی ہے کہ تو نے اس سے زنا کیا اور یہ بچہ تیرے زنا کا ہے جرتح نے کہا کہ ذرا ٹھہرو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے اس کے بعد اس نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر اس بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا اے بچہ خدا کے حکم سے بول اور بتلا کہ تیرا باپ کون ہے خدا تعالیٰ نے بچہ کو گویائی عطا فرمائی اس نے کہا میرا باپ فلاں چرواہا ہے اب تو سب کو یقین ہو گیا کہ یہ عورت جھوٹی ہے اور اس نے چرواہے سے منہ کالا کر کے جھوٹ موٹ جرتح کا نام لیا ہے اتنی بڑی کرامت کے بعد کیا شبہ ہو سکتا تھا بس سب



کے سب جرتح کے قدموں پر گر پڑے کہ ہماری خطا معاف کرو ہم نے بلا تحقیق تم کو متہم کیا اور اب ہم تمہارا صومعہ سونے کی اینٹوں سے بنادیں گے۔ اس نے کہا نہیں جیسا پہلے تھا تم ویسا ہی بنادو غنیمت ہوا کہ جرتح کی ماں نے اتنی ہی بددعا کی تھی کہ خدا اسے رنڈی کا منہ دکھا دے آگے اور کچھ نہ کہا تو جرتح نے رنڈی کا منہ ہی دیکھا اور کچھ نہ ہوا اس لیے والدین کی بددعا سے ڈرنا چاہیے مگر ناحق کی بددعا نہیں لگتی اور یہاں جوام جرتح کی بددعا لگ گئی تو وہ ناحق بددعا نہ تھی بلکہ جرتح کے نہ بولنے سے اس کو ایذا ہوئی اور اس ایذا میں جرتح کے فعل کو بھی دخل تھا کہ اس نے بے موقع سکوت کیا گو وہ بوجہ جہل کے اس سکوت میں معذور ہو مگر نفس جہل خود ایک جرم ہے اس لیے بددعا لگ گئی اور اس کی معذوری کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ جلدی ہی برأت ہو گئی اور جن کو سوء عقیدت ہوئی تھی ان کو پھر حسن عقیدت ہو گئی۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

## مساجد کے نقش و نگار

ہمارے فقہانے مساجد میں ایسے نقش و نگار اور ظاہری بھڑک کو مکروہ قرار دیا ہے۔ جس سے نمازیوں کا دل بننے لگے حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک وہ وقت آوے گا کہ لوگ مسجد بنانے پر باہم فخر کریں گے ایک اپنی مسجد کو اچھا کہے گا تو دوسرا اس سے اچھی بنانے کی کوشش کرے گا چنانچہ آج کل اس کا ظہور ہو رہا ہے کہ مسجدیں بھی نام کے واسطے بنائی جاتی ہیں حتیٰ کہ جب کوئی مسجد بناتا ہے تو نئی بناتا ہے گوئی مسجد کی ضرورت نہ ہو پرانی مسجد کی تعمیر میں رقم لگانے کو پسند نہیں کرتے کیونکہ نام نہ ہو گا یوں سمجھتے ہیں کہ پرانی مسجد میں عمارت سے نام تو اصل بانی کا ہو گا پھر ہم کیوں اس میں رقم لگائیں۔ مگر خوب سمجھ لو کہ شہرت کی طلب سے شہرت نہیں ہوتی شہرت بھی اپنے کو مٹانے ہی سے ہوتی ہے کسی نے خوب کہا ہے اگر شہرت ہو س داری اسیر دام عزلت شو کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا (اگر شہرت کی ہو س ہے گوشہ نشینی اختیار کرو گوشہ گیری سے عنقا کا نام مشہور ہے)

(اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## ترکہ کے مال میں ضرورت احتیاط

ترکہ کے مال میں لوگ بالکل احتیاط نہیں کرتے جو لوگ میت کے گھر جاتے ہیں وہ

بے تکلف اس کی چیزیں استعمال کرتے رہتے ہیں حالانکہ مرنے کے بعد فوراً وہ تمام چیزیں میت کی ملکیت سے نکل کر ورثاء کی ملک میں داخل ہو گئی ہیں اب ان کا استعمال بدوں تمام ورثاء کی اجازت کے جائز نہیں۔ اہل تقویٰ نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ ایک بزرگ رات کے وقت اپنے دوست کی عیادت کو گئے اور ان کے سامنے اس کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فوراً چراغ گل کر دیا اور ایک شخص کو اپنے پاس سے پیسے دیئے کہ بازار سے تیل لے آؤ کیونکہ اس چراغ کا تیل میت کے مرتے ہی ورثاء کی ملک ہو گیا ہے جن میں بعض حاضر اور بعض غائب ہیں (اور ممکن ہے کوئی نابالغ بھی ہو) اس سے انتفاع اب درست نہیں، حضرت یہ بات آپ کو عجیب معلوم ہوتی ہوگی مگر تعجب کا منشا یہ ہے کہ آپ کو ان امور کا اہتمام نہیں اگر آپ کو بھی حلال و حرام کا خیال ہو جائے تو پھر آپ کا بھی یہی معمول ہوگا۔ (ایضاً)

## تجوید سیکھنا فرض ہے

میں تو کہتا ہوں کہ تجوید کا سیکھنا فرض ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے جس کا عربی میں پڑھنا فرض ہے اور عربیت کے موافق صحیح تلفظ بدوں تجوید کے نہیں آ سکتا تو تجوید کا سیکھنا فرض ہوا۔ (ایضاً)

## پھلوں کی مروجہ بیع

آج کل کے مناسب میں ایک نظیر بتلاتا ہوں وہ یہ کہ اب آم کی فصل آوے گی اور اکثر مسلمان پھل آنے سے پہلے ان کی بیع کر دیتے ہیں شرعاً یہ بیع حرام ہے اور پھل کا کھانا دوسروں کو بھی حرام ہے۔ باغ والوں کی ذرا سی کابلی سے ساری دنیا حرام کھاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے قلوب میں نور نہیں پیدا ہوتا اور جو کچھ نماز وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے وہ اس حرام غذا کی ظلمت سے زائل ہو جاتا ہے میں نے اس کی اصلاح کا ایک آسان طریقہ بتلایا تھا۔ اصل طریقہ تو وہی ہے کہ ایسے وقت میں پھل فروخت ہی نہ کیا جائے بلکہ جب اچھی طرح پھل نمودار ہو جائے اس وقت بیع کی جائے اس میں باغ والے یہ عذر نکالتے ہیں کہ صاحب اس وقت تک کون حفاظت کرے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر کسی وجہ سے گورنمنٹ کا یہ قانون ہو جائے کہ پھول خوب نمودار ہونے سے پہلے کوئی بیع نہ کرے تو اس وقت کوئی عذر

نہ کرے گا بلکہ سب کو حفاظت کے طریقے خود بخود سوجھ جائیں گے اور اس وقت اگر کوئی کہے بھی کہ تم میرے ہاتھ پھل آنے سے پہلے باغ کی بیج کر دو تو مالک کہے گا کیا تم مجھے مجرم بنانا چاہتے ہو یہاں کے مجرم بننے کا تو اتنا ڈر ہے لیکن آخرت کے مجرم بننے کو سب کے سب تیار ہوئے بیٹھے ہیں۔ خیر یہ طریقہ تو لوگ کیا ہی اختیار کرتے مگر ایک آسان ترکیب بتلائی گئی تھی جس سے دنیا حرام کھانے سے محفوظ ہو جاتی مگر افسوس وہ بھی نہ ہو سکی۔ میں نے کہا تھا کہ جو لوگ پھل آنے سے پہلے بیج کر چکے ہوں وہ پھل آنے کے بعد دوبارہ بیج کر لیا کریں۔ بائع خریدار سے یہ کہے کہ بھائی ہم نے جو پہلے بیج کی تھی وہ شرعاً درست نہ تھی اب ہم اسی قیمت پر اس پھل کی بیج تمہارے ہاتھ دوبارہ کرتے ہیں۔ خریدار کہہ دے میں قبول کرتا ہوں اب اس پھل کا کھانا سب کو حلال ہو جائے گا۔ بتلائیے اس میں کیا مشکل تھی صرف زبان ہلتی تھی مگر بات یہ ہے کہ اس کی کوئی قانونی ضرورت نہ تھی قانون سے ایسی بیج جرم نہ تھی صرف خدا نے منع کیا تھا اس لئے پرواہ نہیں اور اس کے لئے ذرا سی آسان بات بھی گوارا نہیں بعبارت دیگر یوں کہئے کہ نعوذ باللہ ہم کو خدا ہی کی ضرورت نہیں۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۷)

## تیس سالہ تحقیق

آج مجھے شامی کی ایک تقریر دیکھ کر اپنی تیس سالہ تحقیق کی تائید ملی وہ یہ کہ میں کہا کرتا تھا کہ اعمال صالحہ سے یا توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں حقوق معاف نہیں ہوتے مثلاً کسی نے آج گناہوں سے توبہ کی تو اس کے گناہ تو معاف ہو گئے مگر اس نے جتنی نمازیں قضا کی ہیں روزے کھائے ہیں یا کسی کا قرض لے کر مار لیا ہے یہ حقوق اللہ و حقوق العباد اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوئے ان کا ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے بس آج سے ان کی ادا میں لگ جائے جس قدر اس سے ہو سکے ادا کرے اور سب کے ادا کا عزم رکھے اگر کچھ باقی رہ گئے اور مر گیا تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کو بری الذمہ کر دیں گے مگر توبہ کے بعد حقوق ماضیہ سے بے فکر ہونا جائز نہیں تو علامہ شامیؒ کے کلام میں اس کی تصریح مل گئی کہ ذنوب اور چیز ہیں حقوق اور ہیں اور توبہ سے ذنوب معاف ہوتے ہیں نہ حقوق اھ اور حج سے یا ہجرت سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں نہ کبائر اور صغائر کا معاف ہو جانا کیا تھوڑی بات ہے آپ کو معلوم نہیں کہ صغائر کیسے ہوتے ہیں۔ (ایضاً)

## اللہ تعالیٰ کو عاشق رسول کہنا سخت گناہ ہے

ایک غلطی کا ازالہ کرنا بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا معشوق کہتے ہیں چنانچہ شعراء اشعار نعتیہ میں اسی مضمون کو باندھتے ہیں سو عشق کا خاصہ ہے عاشق کو مضطرب کر دینا اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے مگر غضب یہ ہے کہ بعض بیباکوں نے اس اضطراب کو بھی نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کیلئے مان لیا چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے

پئے تسکین خاطر صورت پیرا ہن یوسف

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی جاحق نے سایہ رکھ لیا قد کا

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں بھیج دیا اور چونکہ وہ معشوق تھے اور عاشق کو بدوں معشوق کے قرار نہیں ہوتا اس لئے تسلی کے واسطے سایہ ان کا وہاں رکھ لیا کہ اسی سے مجھ کو تسلی رہے گی جیسے یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے کرتے سے تسلی ہو گئی تھی یہ نعت نہیں یہ حد درجے کی بے ادبی ہے باری عزائسمہ کی جناب میں اور نیز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بھی ایسے اشعار سننا اور پڑھنا گناہ ہیں احترام ضروری ہے بعض دینداروں کو بھی خبط ہوتا ہے کہ اشعار نعتیہ خواہ ان کا مضمون شریعت پر منطبق ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو ذوق و شوق میں پڑھتے ہیں بعض اشعار نعت کے ایسے ہیں کہ ان میں دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کی بے ادبی ہوتی ہے۔ الحاصل معشوق کہنا یہ سخت بے ادبی ہے اس لئے کہ عشق خاصہ آدمی کا ہے اس لئے کہ عشق نام ہے نفس کے ایک خاص انفعال کا اور اللہ تعالیٰ انفعال اور تاثر سے پاک ہے ہاں یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول ہیں۔ (ترجیم المفسدہ علی المصلحہ ج ۲۸)

## رضاعی بہن سے نکاح

ایک جگہ ہمارے قرب میں غلطی سے یہ ہوا کہ ایک لڑکی کا نکاح پڑھا گیا اور رخصتی بھی ہو گئی اس کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکی اس کی رضاعی بہن ہے کہ وہ جس عورت کا دودھ پیتی تھی ایک روز اس لڑکے نے اس کا دودھ پی لیا تھا اب شرعی مسئلہ تو یہ ہے کہ جب معلوم ہو گیا تو اب دونوں میں تفریق کر دینی چاہئے جو ہوا سو ہوا مگر اس کو گھر والوں نے غیرت کے خلاف سمجھا اور کوشش کی کہ کسی طرح یہ نکاح صحیح ہی رہے جا بجا مسئلہ کسی کے باوا کی جاگیر تو نہیں



ہے کہ اس میں تغیر تبدل کر سکے صاف کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ رضاعی بہن بھی حقیقی بہن کے حکم میں ہے کہیں سے فتویٰ نہ ملا تو وہ کسی غیر مقلد کے پاس پہنچ گئے اور اس سے یہ مسئلہ سنا کہ بچہ جب تک پانچ گھونٹ نہ پیئے رضاع کا حکم ثابت نہیں ہوتا بس انہوں نے ایک سوال اسی قید سے بنایا حالانکہ آج کس کو یاد ہے کہ اس نے کتنے گھونٹ پیئے تھے اور اس سوال کا جواب ایسے ہی شخص سے لکھوا کر فتویٰ حاصل کر لیا اور دل کو سمجھا لیا اور دونوں میں تفریق نہیں کی اور یہ مسئلہ گواختلافی ہے مگر اول تو بلا ضرورت دوسرے کی تقلید کیسے درست ہوگی پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ پانچ گھونٹ نہیں پیئے تھے کچھ نہیں بس ایک آڑہا تھ آگئی تعجب ہے کہ تفریق تو غیرت کے خلاف تھی اور تمام عمر کے لئے حرام میں مبتلا رہنا غیرت کے خلاف نہیں۔ (اظہار ج ۲۸)

## مسئلہ زکوٰۃ

مقروض کے واسطے زکوٰۃ کا قانون یہ ہے کہ رقم قرض کی منہا کر کے باقی کی زکوٰۃ دو رقم قرض کی زکوٰۃ شریعت خود نہیں مانگتی اور خدا جانے زکوٰۃ سے کیوں جان چرائی جاتی ہے زکوٰۃ کی تو مقدار اس قدر تھوڑی ہے کہ برائے نام ہی کا مرتبہ ہے چالیسواں حصہ بھی کوئی چیز ہے اور یاد رکھو کہ اللہ میاں اپنا حساب پورا کر ہی لیتے ہیں کوئی بیماری بھیج دی یا کوئی مقدمہ لگا دیا، ایک دفعہ ڈاکٹر کو بلانا پڑا سولہ روپے فیس میں نکل گئے، زکوٰۃ میں اتنے شاید خرچ بھی نہ ہوتے۔ (اظہار ج ۲۸)

## عامی کو ہر صورت میں مجتہد کی تقلید واجب ہے

مفتی صاحب نے پوچھا کہ اگر عامی شخص کو کسی مسئلہ میں ثابت ہو جائے کہ مجتہد کا قول حدیث کے خلاف ہے تو اس وقت میں حدیث پر عمل کیوں جائز نہ ہوگا ورنہ حدیث پر قول مجتہد کی ترجیح لازم آتی ہے فرمایا یہ صرف فرضی صورت ہے عامی کو یہ کہنے کا منصب ہی کہاں ہے کہ مجتہد کا قول حدیث کے معارض ہے اس کو حدیث کا علم مجتہد کے برابر کب ہے نیز وہ تعارض اور تطبیق کو مجتہد کے برابر کیسے جان سکتا ہے تو اول تو یہ صورت فرضی ہے کہ قول مجتہد حدیث کے معارض ہو پھر میں تنزل کر کے کہتا ہوں کہ اگر اس عامی شخص کا قلب گواہی دیتا ہو کہ اس مسئلہ میں مجتہد کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو اس صورت میں بھی ترک تقلید جائز نہیں اس کی نظیر یہ ہے کہ طبیب سے نسخہ لکھواتے ہیں تو اس نسخہ کو غلط کہنے کی کیا صورت ہو سکتی

ہے عامی تو عامی کوئی دوسرا طبیب بھی اس نسخہ کو غلط نہیں کہہ سکتا دوسرا نسخہ دوسرا طبیب تجویز کر دے لیکن اس نسخہ کو غلط کہنے کا مجاز نہیں اس وقت تک کہ اس نسخہ کو بالکل صریح غلط نہ ثابت کر سکے دوسری تجویز کے بہت سے وجوہ ہو سکتے ہیں حتیٰ کہ یہ بھی ایک وجہ ہوتی ہے کہ ایک دہلی کا تعلیم یافتہ ہے دوسرا لکھنؤ کا لکھنؤ کا طرز مطب اور ہے اور دہلی کا اور اور اوزان ادویہ تک میں فرق ہے تو ایک دہلی کے تعلیم یافتہ کو لکھنؤ کے نسخہ کو صرف اس وجہ سے غلط کہہ دینا کہ اس کے اوزان میں فرق ہے کیسے درست ہو سکتا ہے علیٰ ہذا مجتہدین کے اختلاف کے وجوہ بھی بہت ہیں بعض وقت برائے کا اختلاف موضع کے اختلاف سے بھی ہو جاتا ہے۔ (ادب الاعلام ج ۲۸)

## استیلاء کا فر موجب ملک ہے

سوال۔ محکمہ تعلیم کے مصارف محکمہ جنگی سے پورے ہوتے ہیں تو محکمہ کی تعلیم تنخواہ حلال ہے یا نہیں۔ فرمایا استیلاء کا فر موجب ملک ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہاں بھی مسئلہ امام ابوحنیفہؒ ہی کا کام آتا ہے۔ ایک انگریز نے لکھا ہے کہ سلطنت فقہ پر نہیں چل سکتی سوائے فقہ حنفی کے ایک سیاسی شخص کا یہ کہنا ضرور بڑے تجربے کی خبر دیتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی عجیب نظر ہے دیکھئے امام صاحب کا قول ہے کہ آلات لہو کا توڑ ڈالنا واعظ کو یا کسی کو جائز نہیں اگر کوئی توڑ ڈالے تو ضمان لازم آئے گا یہ کام سلطنت کا ہے وہ احتساب کرے اور توڑ پھوڑے اور سزا دے جو چاہے کرے دیکھئے اس میں کتنا امن ہے سوائے سلطان کے اور کسی کے احتساب کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ کام بند تو ہوتا نہیں جنگ و جدل و فتنہ ہو جاتا ہے اور باہمی منازعات بڑی دور تک پہنچ جاتے ہیں۔

علیٰ ہذا اقامت حدود سلطان ہی کے ساتھ ہیں فقہ بڑی مشکل چیز ہے فقیہ کو جامع ہونا چاہئے فقیہ بھی ہو محدث بھی ہو متکلم بھی ہو سیاسی دماغ بھی رکھتا ہو بلکہ کہیں کہیں طب کی بھی ضرورت ہے بعض امور میں تشریح کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ فقہ مشکل چیز ہے مگر آج کل بعض لوگوں نے اس کی کیا قدر کی ہے کہ فقہاء پر سب و شتم کرتے ہیں یہ گروہ نہایت درجہ مفسد ہے یہ لوگ جان جان کر فساد کرتے ہیں اور اشتعال دلاتے ہیں بعض وقت تو ذرا سی بات میں بڑا فتنہ ہو جاتا ہے۔ (ایضاً)

## حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عمل بالحدیث

ایک شخص نے بیان کیا کہ ہندو داروغہ کے سامنے غیر مقلدوں نے امام ابو حنیفہؒ پر اعتراض کیا کہ امام صاحب قائل ہیں کہ اگر کوئی محرم عورت سے نکاح کرے اور وطی کرے تو اس پر حد واجب نہیں یہ کیسی غلطی ہے۔ فرمایا حضرت والا نے اسی مسئلہ میں امام صاحب پر فدا ہو جانا چاہئے اس کے بیان کے لئے دو مقدموں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ حدیث میں ادرو الحدود بالشبہات ایک مقدمہ یہ ہوا اور دوسرا یہ کہ شبہ کس کو کہتے ہیں مشابہ حقیقت کو اور مشابہت کے لئے کوئی وجہ شبہ ہوتی ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں کبھی مشابہت قوی ہوتی ہے اور کبھی ضعیف امام صاحب نے حدود کے ساقط کرنے کے لئے ادنیٰ درجہ کی مشابہت کو بھی معتبر مانا ہے اور صرف نکاح کی صورت پیدا ہو جانے سے کہ باوجہ حقیقت نکاح نہ ہونے کے مشابہت تو نکاح کی ہے حد کو ساقط کر دیا انصاف کرنا چاہئے کہ یہ کس درجہ عمل بالحدیث ہے بات یہ ہے کہ ایک صحیح معنی کو برے اور مہیب الفاظ کی صورت پہنادی گئی ہے اس فتوے کی حقیقت تو غایت درجہ کا اتباع حدیث ہے لیکن اس کو بیان اس طرح کیا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ امام صاحب نے نکاح بائیں مخرمات کو چنداں برا نہیں سمجھا اس کے سوا اور بھی چند مسائل اسی طرح بری صورت سے بیان کر کے اعتراض کئے جاتے ہیں مسئلہ مذکور پر اعتراض جب تھا کہ اس پر امام صاحب کوئی زجر و احتساب تجویز نہ کرتے ایسے موقعوں پر جہاں حد کو فقہاء ساقط کرتے ہیں تعزیر کا حکم دیتے ہیں ایسے مواقعے تمام ائمہ کے نزدیک بہت سے ہیں کہ شبہ سے حد ساقط ہو گئی آخر حدیث ادرو الحدود بالشبہات کی تعمیل کہیں تو ہوگی اور کوئی موقع تو ہوگا جہاں اس کو کر کے دکھایا جاوے کیا غضب ہے جو شخص حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھے وہ کس قدر عامل بالحدیث ہے فدا ہو جانا ایسے شخص پر تعجب ہے کہ امام مالک صاحب خبر واحد پر بھی قیاس کو مقدم رکھتے ہیں اور ان کو لوگ عامل بالحدیث کہتے ہیں اور امام صاحب حدیث ضعیف پر بھی قیاس کو مقدم نہیں رکھتے اور ان کو تارک حدیث کہا جاتا ہے۔ (ادب الاعلام ج ۲۸)

## مصافحہ مستمم سلام ہے

حدیث میں آیا ہے من تمام تحیاتکم المصافحۃ جس کا مطلب یہ ہے کہ مصافحہ

متمم سلام ہے اور سلام کے لئے کچھ قواعد مقرر ہیں تو مصافحہ کے لئے جو کہ اس کا تابع ہے بطریق اولیٰ ہوں گے مثلاً لکھا ہے کہ اذان کے وقت سلام نہ کرو کھانا کھاتے وقت سلام نہ کرو اور بھی مواقع ہیں جن کا ما حاصل یہ ہے کہ مشغولی کے وقت سلام نہیں کرنا چاہئے اس سے معلوم ہوا کہ مشغولی کے وقت مصافحہ بھی نہیں کرنا چاہئے بہت سے علماء تو وداعی مصافحہ کو بھی بدعت کہتے ہیں مگر خیر ہمارے علماء جائز کہتے ہیں چونکہ وداع کے وقت سلام تو نصوص سے ثابت ہے اور مصافحہ متمم سلام ہے تو مصافحہ بھی درست ہوا مگر ہر چیز کی حد ہوتی ہے۔ (ادب العشر ج ۲۸)

### امور تکوینیہ میں دعا جائز ہے

امور تکوینیہ میں دعا جائز ہے خواہ عمل کا دخل اس میں ظاہر نہ ہو باقی امور تشریعیہ اور فضائل دینیہ میں دعا انہی امور میں ہے کہ جن کے حصول میں عمل کو دخل ہے یا ان کو عمل میں دخل ہے بخلاف کرامت وغیرہ کے۔ (اسباب الفحائل ج ۲۹)

### مستحب اور واجب میں فرق

فقہاء نے لکھا ہے کہ مندوب اس وقت تک مندوب ہے کہ اس کے اشتغال سے کوئی واجب ترک نہ ہو۔ (التوجہ ج ۲۹)

### پردے کی احتیاط

ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اجنبی مرد کا جھوٹا عورت کو اور اجنبی عورت کا جھوٹا مرد کو کھانا مکروہ ہے اس لیے کہ خیال ہوگا کہ اس میں سے فلاں شخص نے کھایا ہے پھر استدلال کیا جاوے گا کہ بڑے سلیقہ سے کھایا ہے۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ بڑا نازک مزاج ہے اور نیز جس جگہ اس کا ہاتھ لگا ہے وہاں سے کھانے میں اتنا ذہوگا اور لیجئے اُمہات المؤمنین کہ جن سے نکاح ابد احرام ہے ان کو حکم ہے کہ نرم لہجہ سے بات مت کرو بلکہ کڑوے لہجہ سے بات کرو تا کہ جس شخص کے دل میں روگ ہے وہ طمع نہ کرے۔ بیہو آخریہ قرآن و حدیث و احکام کس واسطے ہیں تمہارے ہی تو عمل کے لیے ہیں جب تم عمل نہ کرو گی تو اور کون کرے گا۔ (لعنفہ ج ۲۹)

### ارتکاب معاصی

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ صغائر و کواخف الصغائر ہی ہوں اصرار سے کبار ہو



جاتے ہیں تو اس درجہ میں مکروہ تنزیہی فقہاء کے نزدیک بھی ضروری ترک ہے۔ تیسرے یہ کہ مکروہ تنزیہی کا ارتکاب بسا اوقات مکروہ تحریمی کے ارتکاب کی طرف مفقہ ہو جاتا ہے کیونکہ جو شخص مکروہ تنزیہی کے ارتکاب پر اقدام کرے گا وہ اس کو معمولی بات سمجھے گا اور جب نفس میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ وہ ادنیٰ معصیت کو معمولی بات سمجھنے لگے تو اس میں خوف کا مادہ کم ہو جاتا ہے جس سے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کو مکروہ تحریمی کے ارتکاب پر بھی جرات ہو جاتی ہے اور قاعدہ ہے کہ مقدمة الحرام حرام حرام کا مقدمہ بھی حرام ہوتا ہے۔ اس لئے مکروہ تنزیہی گوئی نفسہ حرام نہ ہو مگر اس مقدمہ پر نظر کر کے اس کا ترک بھی ضروری ہے اسی لئے حدیث میں ہے۔ (تقلیل الطعام بصورة الصيام ج ۳۰)

## تقویٰ کامل

لا يبلغ المؤمن درجة المتقين حتى يترك مالا باس به حذرا مما به باس (او كما قال) (اتحاف السادة المتقين ۶: ۲۲) یعنی تقویٰ کامل یہ ہے کہ جس چیز میں اندیشہ بھی نہ ہو اس کو اس چیز سے بچنے کے لئے چھوڑ دے جس میں اندیشہ ہے اور یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو یہ پوچھا کرتے ہیں کہ یہ کام گناہ صغیرہ ہے یا گناہ کبیرہ مجھ سے جب کوئی یہ پوچھتا ہے تو میں تعین قسم سے جواب نہیں دیتا بلکہ اس سے سوال کرتا ہوں کہ اگر یہ گناہ صغیرہ ہوا تو کیا تمہارا ارادہ اس کے ارتکاب کا ہے اگر اس نے کہا نہیں تو میں کہتا ہوں کہ پھر تمہارا اس سوال سے مقصود کیا ہے اور اگر کہتا ہے کہ جی ہاں گناہ صغیرہ ہوا تو میں ارتکاب کا قصد رکھتا ہوں تو میں کہہ دیتا ہوں کہ تم قابل خطاب نہیں ہو۔ بندہ خدا کیا تم اس کو گوارا کر سکتے ہو کہ تمہارے چہرے میں ایک چھوٹی سی چنگاری لگادی جائے حالانکہ اس کی حقیقت ہی کیا ہے چھوٹی چنگاری تو اکثر خود ہی بجھ جاتی ہے اس میں کچھ زیادہ اندیشہ نہیں مگر بایں ہمہ کوئی شخص ذرا سی چنگاری کو بھی اپنے چہرے کے لئے گوارا نہیں کرتا اور یہی کہا جاتا ہے کہ صاحب خدا بری گھڑی نہ لائے، بعض دفعہ یہ چھوٹی سی چنگاری غضب ڈھا دیتی ہے۔ افسوس ایک چار روپیہ کے چہرے کی تو اتنی قدر اور ایسی احتیاط اور متاع ایمان کی ایسی بے قدری کہ اس میں گناہ صغیرہ کی چنگاری لگانا گوارا ہے۔ یہاں یہ اندیشہ کیوں نہیں ہوتا کہ بعض دفعہ چھوٹی سی چنگاری بھی غضب ڈھا دیتی ہے۔ (تقلیل الطعام بصورة الصيام ج ۳۰)

## مقدمات زنا بھی حرام ہیں

اسی طرح حق تعالیٰ نے لا تقربوا الزنا فرمایا ہے (کہ زنا کے پاس مت جاؤ ۱۲) لا تفعلوا الزنا (زنا مت کرو) نہیں فرمایا لا تقربوا الزنا سے مقدمات زنا سب حرام ہو گئے جیسے نگاہ کرنا تصور کرنا۔ خلوت میں نامحرم کے پاس بیٹھنا اس کو ہاتھ لگانا وغیرہ وغیرہ کیونکہ اگر ان مقدمات کو حرام نہ کیا جاتا تو لوگ ان میں تساہل کرتے اور مقدمات میں مبتلا ہو کر پھر بچنا مشکل ہے پھر تو وہ یہ کہے گا۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ باز می گوئی کہ دامن ترمن ہشیار باش (دریا کی گہرائی میں ایک تختہ سے باندھ دیا ہے اور پھر کہتا ہے کہ تو دامن ترمٹ کر ہوشیار رہنا) نامحرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھ کر پھر معصیت سے بچا رہنا بہت ہی دشوار ہے شیطان کا مقولہ ہے جو اس نے بعض بزرگوں سے کہا تھا کہ اگر خلوت میں جنید جیسا مرد اور رابعہ بصری جیسی عورت جمع ہو جاویں تو میں ان کے خیالات بھی خراب کر دوں پھر ہماری اور آپ کی تو کیا ہستی ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ کی یہ بڑی رحمت ہے کہ جس کام سے منع کرنا چاہا اس کے مقدمات کو بھی حرام کر دیا۔ اگر مقدمات حرام نہ ہوتے تو پھر معاصی سے بچنا بہت لوگوں کے حق میں گویا تکلیف مالا یطاق ہو جاتا گویا بھلا ایک بھوکا آدمی تنہا گھر کے اندر دسترخوان بچھا ہے اور روٹی کے سامنے بیٹھا رہے اور روٹی سے صبر کئے رہے بہت مشکل ہے۔ ہاں روزہ دار ہو تو شاید بچا رہے اور اگر روزہ بھی نہ ہو یا یہ شخص روزہ کی فرضیت ہی کا قائل نہ ہو تو پھر بھوکے کا اس حال میں کھانے سے رکنا دشوار ہے۔ (ایضاً)

## برا کام ہمیشہ حرام سمجھ کر کیا جائے

جو لوگ خلاف شریعت کام کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ اصرار کریں اور اس کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیں۔ برا کام ہمیشہ حرام سمجھ کر کیا جائے۔ خداوند تعالیٰ کبھی بچنے کی بھی توفیق عطا فرمائے گا۔ (دعا جلد ۳۰)

## حرام مال کا مسئلہ

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حرام مال میں زکوٰۃ نہیں یہ علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ یہ حکم اپنے مال حرام کا ہے

جو یقیناً حرام ہو اور حلال سے مخلوط نہ ہو اور اگر مخلوط ہو گیا ہو تو پھر سارے کی زکوٰۃ واجب ہے اور وہ حرام مال اس کے ذمہ میں واجب ہو گیا اصل مالکوں کو پہلے اس کے ذمہ ہے ۱۲۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

## خلاف ادب

کانپور میں ایک مرتبہ دولڑکے مسجد میں نماز پڑھنے آئے ان میں سے ایک دوسرے سے انگریزی میں گفتگو کرنے لگا دوسرے نے کہا کہ بھائی مسجد میں تو انگریزی مت بولو اس نے کہا کیوں کیا مسجد میں انگریزی بولنا گناہ ہے پھر انہوں نے ایک ملازم کو مجھ سے دریافت کرنے کے لئے بھیجا میں نے کہا گناہ تو نہیں مگر ادب کے خلاف ضرور ہے لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں گو اس پر فتویٰ کوئی نہ لگایا جاسکے مگر آخر ادب بھی تو کوئی چیز ہے۔ دیکھئے بعض آداب کے ترک پر عدالت میں ناخوشی ہوتی ہے میرے ایک ملنے والے کا مقدمہ عدالت میں تھا وہ پیشی کے وقت عطر مل کر گئے مقدمہ سے وہ رہا کر دیئے گئے مگر پھر بلا کر سمجھایا گیا کہ دیکھو یورپین کے سامنے عطر مل کر کبھی مت جانا۔ سو عطر مل کر آنا کوئی جرم نہ تھا چنانچہ عدالت نے بھی اس کو جرم قرار نہیں دیا اس کی وجہ سے کوئی مقدمہ ان پر قائم نہیں ہوا لیکن فہمائش کی گئی اس وقت کسی نے یہ نہ کہا کہ عطر مل کر آنا کیا جرم ہے بلکہ یہی کہا ہوگا کہ بہت اچھا حضور قصور ہوا پھر کیا وجہ ہے کہ خدا کا اور خدا کے گھر کا ادب نہ ہو اور وہاں وہ الفاظ استعمال کئے جائیں جو مخالفین و کفار کے الفاظ ہیں ادب ایک بڑی چیز ہے اور ترک ادب کوئی معمولی بات نہیں حرام اور مکروہ کا تلاش کرنا یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب دل میں ادب نہ ہو اور جب دل میں ادب ہوتا ہے تو حکم سنتے ہی آدمی گردن جھکا لیتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی حرام اور مکروہ نہیں پوچھا۔ جب بعد میں اس قسم کے سوالات ہونے لگے تب فقہاء نے احکام کے مراتب کو استنباط کر کے قائم کر دیا۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

## قیاس بھی حجت ہے

فقہاء کتاب و سنت سے ایک علت سمجھ کر ایک کلیہ حاصل کرتے ہیں پھر اس کو تمام جزئیات کی طرف متعدی کرتے ہیں پس خواہ وہ حکم کتاب اللہ سے ثابت ہو یا سنت سے یا اجماع و قیاس سے سب حکم الہی ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت رامی شناسم  
(خواہ کسی ہی رنگ کا لباس پہن لو میں قد کے انداز سے پہچان لوں گا)

اسی واسطے فقہاء نے کہا ہے القیاس مظہر لا مثبت (قیاس حکم شرعی کو ظاہر کرنے والا ہے نہ ثابت کرنے والا) پس جب تمام احکام فقہیہ کا احکام الہی ہونا معلوم ہو چکا اب اس میں بھی چون و چرا کرنا اور اس کی علت دریافت کرنا نہایت بے ادبی ہے ہاں طالب علم اگر مستفیدانہ علت سے سوال کرے تو کچھ حرج نہیں مثلاً طبیب نے مریض کو ایک نسخہ لکھ کر دیا اگر مریض دریافت کرنے لگے کہ جناب آپ نے گل بنفشہ کا وزن ۵ ماشہ کیوں لکھا ہے طبیب غصہ ہوگا اور اس کو کان پکڑ کر نکال دے گا اور اگر کوئی طالب علم جو اس فن کو حاصل کرنے آیا ہے سوال کرے اس کے سوال کرنے سے خوش ہوگا اور بیان کرے گا پس عوام الناس کا علل و اسرار سے سوال کرنا ایک بے ہودہ حرکت ہے اور اگر معاندانہ سوال کرے تو سخت بے ادبی اور قریب بکفر ہے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## نیت کا مفہوم

نیت کے معنی میں عرض کرتا ہوں نیت کے معنی ہیں ارادہ کے یعنی وہ فعل اختیار اور قصد ہوا ہو مثلاً وضو کے دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ ارادہ کر کے وضو کرے اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص حوض میں یا نہر میں غوطہ لگا دے اور اس کے ضمن میں وضو بھی ہو جاتا ہے اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ وضو نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے نزدیک نیت ضروری ہے اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ نیت کے معنی ارادہ کے ہیں دوسری مثال لیجئے اگر کوئی شخص بلا ارادہ صلوٰۃ اٹھک بیٹھک کرتا رہے اگرچہ تمام ارکان صلوٰۃ ادا کرے مگر فقہا فرماتے ہیں کہ نماز نہ ہوگی اس لئے کہ بلا نیت یہ صلوٰۃ ہے پس ان تمام جزئیات سے معلوم ہوا کہ نیت کے معنی ارادہ کے ہیں۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## اتحاد کی ہر فرد مستحسن نہیں

اتحاد کی بھی ہر فرد مستحسن نہیں اس کو علی الاطلاق محمود کہنا اتحاد کا ہیضہ ہے افسوس ہے کہ آج کل اتحاد کے فضائل تو بہت بیان کئے جاتے ہیں مگر اس کے اصول و حدود بیان نہیں کئے جاتے پس خوب سمجھ لو کہ خدا سے نا اتفاقی کرنے پر اتفاق کرنا



مذموم اور نہایت مذموم ہے پس اس سے اس اتحاد کا حکم سمجھ لیا جاوے جس میں اتحاد کے لئے شریعت کے احکام کو چھوڑا جاتا ہے۔ (الاخوة ج ۳۰)

## احکام اسلام کی شفقت

بازار کا نرخ مقرر نہ کرو ہر شخص جتنے میں چاہے اپنا مال فروخت کرے سب کو آزاد رکھو آج کل جو لوگ آزادی کے مدعی ہیں وہ بھی دکانداروں کو آزادی نہیں دیتے بلکہ بازار کا نرخ مقرر کر دیتے ہیں یا قلیوں اور نمٹم والوں کا کرایہ معین کر دیتے ہیں اسلام میں اس کی ممانعت ہے کیونکہ اپنی چیز میں ہر شخص خود مختار ہے۔ ایک حکم یہ کہ مطل الغنی ظلم (الحج للبخاری ۲: ۱۲۳، کنز العمال ۱۳۲۶) مالدار آدمی کا قرض خواہوں کو ٹالنا ظلم میں داخل ہے اس کی سخت ممانعت ہے کہ رقم پاس ہوتے ہوئے قرض خواہ کو ٹالا جائے۔ سبحان اللہ کتنی رعایت ہے حقوق کی میں کہاں تک اسلام کی برکات کو بیان کروں۔ (ایضاً)

## ایک عجب واقعہ

امام شافعی رحمۃ اللہ ایک دفعہ کسی رئیس کے یہاں مہمان ہوئے وہ آپ کا معتقد اور محب تھا اس نے بہت محبت سے میزبانی کی روزانہ کھانوں کی فہرست لکھ کر غلام کو دیا کرتا تھا کہ آج امام صاحب کے لئے فلاں فلاں کھانے پکاؤ ایک دن غلام فہرست لے کر امام صاحب کے سامنے سے گزرا تو آپ نے فہرست لے کر اس میں ایک کھانا اپنی طرف سے بڑھا دیا میزبان نے دوسرے وقت جو فہرست میں ایک کھانے کا نام امام کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا تو اتنی خوشی ہوئی کہ فوراً غلام کو آزاد کر دیا کہ تیرے ذریعہ سے مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ امام نے خود فرمائش کی جا میں نے تجھے آزاد کیا بتلائے ایسے مخلص جان نثار کی کوئی چیز اگر بدون اجازت کے کھالی جاوے تو اس میں کوئی قباحت ہے۔ خصوصاً اگر وہ مرید بھی ہو کیونکہ مرید سب سے زیادہ جان نثار ہوا کرتا ہے غرض حضرت بایزید نے جو کچھ کیا تھا شرعاً سب جائز تھا مگر ظاہر میں یہ حرکتیں ناجائز معلوم ہوتی تھیں۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

## عوام کو اہل اللہ کی گستاخی اور بے ادبی جائز نہیں

جب تداوی اور معالجہ کے لئے بعض احوال میں حرام واقعی کو بھی فقہاء نے مباح کہا ہے تو مباح

واقعی جس کی محض صورت ہی منکر ہے کیونکہ مباح نہ ہوگا پس عوام کو ان حضرات کی شان میں گستاخی نہ کرنا چاہئے کیونکہ حدیث قدسی میں ہے من عادی لی ولینا فقد آذنتہ بالحرب (الدر المنثور ۴: ۲۵۷ الترغیب والترہیب ۶۸۱ بلفظ آخر) جو میرے ولی کو ایذا دے اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور جس کو خدا اعلان جنگ دے اس کا کہاں ٹھکانہ رہ سکتا ہے وہ جس سے جنگ کریں گے اس کا ایمان تک سلب کر لیں گے البتہ مقتدا انتظام دین کے واسطے ان کی شان میں کچھ کہے تو اس کو اجازت ہے کیونکہ حدود کی رعایت سے کہے گا چنانچہ ایک عارف شیخ ابن عربی کو زندگی بھر زندیق کہتے رہے جب شیخ کے وصال کی خبر آئی تو رونے لگے اور فرمایا الیوم صدیقی کہ آج صدیق کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ان کی زندگی میں سو آپ انہیں زندیق کہتے رہے اور ہم کو ان کے فیوض سے محروم رکھا اور آج صدیق فرما رہے ہیں فرمایا کہ میں نے ان کو اس لئے زندیق کہا تھا تا کہ تم ان کے پاس جا کر زندیق نہ ہو جاؤ کیونکہ ان کے علوم تمہاری سمجھ سے بالاتر تھے تم ان کی باتوں کو سن کر ایمان سے ہاتھ دھو لیتے مولانا فرماتے ہیں۔

لقمہ و نکتہ است کامل راحل      تو نہ کامل مخور میباش لال  
در حق اودح در حق تو ذم      در حق او شہد و در حق تو سم  
(نکات و دقائق کامل کے لئے ہیں اگر تم کامل نہیں تو اس طرف توجہ نہ کرو یہ اس کے حق میں تعریف اور تیرے حق میں مذمت ہے اس کے حق میں شہد اور تیرے حق میں زہر ہے) (ایضاً)

## قرآن فروشی

کانپور میں ایک عرب قاری صاحب نے مجھے قرآن سنایا بہت ہی عمدہ پڑھا پھر میں ایک رئیس کو جو میرے دوست تھے ان کے پاس لایا تا کہ وہ بھی قرآن سنیں اور قاری صاحب کی کچھ خدمت کر دیں کسی نے ان قاری صاحب کے بھی کان میں کہہ دیا کہ یہ بڑے رئیس ہیں۔ انہوں نے ایسا بنایا کہ بگڑ گیا تو یہ جائز نہیں کہ رئیسوں کو بنا سنوار کر اس لئے سناؤ تا کہ وہ کچھ خدمت کر دیں ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ تم خلوص سے یا تطیب قلب مسلم کی نیت سے سنوار کر پڑھو پھر وہ خلوص سے خدمت کر دیں تو اس وقت قبول ہدیہ کا مضائقہ نہیں مگر ادب یہ ہے کہ ہدیہ دینے والا مجلس قراءت میں ہدیہ نہ دے اور اگر وہ مجلس قراءت ہی میں دے تو قاری کو اس مجلس میں ہدیہ قبول نہ کرنا چاہئے۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

## ایک مسئلہ

ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس وقت ایک اندھا آدمی کنویں پر آ رہا ہے کہ اگر اس کو بچایا نہ جائے تو کنویں میں گر جانے کا اندیشہ ہے اس وقت واجب بلکہ فرض ہے کہ نماز کو توڑ دے گو وہ نماز فرض ہی ہو اور اس اندھے کو بچائے یہاں ظاہر میں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ اس میں دنیا کو دین پر مقدم کرنا لازم آتا ہے کیونکہ نماز دین کا کام ہے اور جان کا بچانا دنیوی کام ہے مگر واقع میں یہاں دنیا کی تقدیم دین پر نہیں گونا ظاہر ہے کہ شبہ ہوتا ہے بلکہ ایک امر دین کی تقدیم ہے دوسرے امر دین پر کیونکہ حفاظت جان مسلم یہ بھی دین ہے گونا ظاہر میں اس کے لئے تو دنیا ہے مگر ہمارے لئے یہ دین ہی کا کام ہے اگر حفاظت جان مسلم ہمارے لئے دنیا کا کام ہوتا تو یہ حفاظت اسی جگہ واجب ہوتی جہاں ہماری دنیا کا نفع ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس حکم میں نہ قرابت کی قید ہے نہ دوستی کی بلکہ ہر مسلمان کی جان بچانا فرض ہے خواہ وہ عزیز ہو یا اجنبی دوست ہو یا نہ ہو حتیٰ کہ دشمن کی جان کا بچانا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ دشمن کی حفاظت تو دنیا ہو ہی نہیں سکتی بلکہ یہ تو دنیا کے لئے مضر ہے کیونکہ اگر دشمن ہلاکت سے بچ گیا تو ساری عمر کے لئے ایک مشغلہ رہے گا مگر شریعت کا حکم ہے کہ اگر تمہارا کوئی دشمن بھی کنویں میں گرتا ہو یا کوئی شخص اس کو ناحق قتل کرتا ہو تو اس کا بچانا حسب وسعت واجب ہے اس جگہ اس کی جان کی حفاظت مسلم ہونے کے لحاظ سے واجب ہے۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

## عید میلاد منانا بدعت و ضلالت ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ان باتوں کی تعلیم نہیں بلکہ صراحۃً منع فرمایا ہے اور عید میلاد کے متعلق اصول شریعت سے بتلادیا گیا ہے کہ یہ فعل بالکل ناجائز اور بدعت ضلالت ہے مگر اس دفعہ مجھے ایک حدیث اس کے متعلق بہت صریح ملی ہے جس سے صاف صاف اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ حدیث یہ ہے: "لا تلتحنوا قبری عیداً" (میری قبر کو عید مت بناؤ) اس حدیث سے عید میلاد کی نفی نہایت واضح ہے اور میرے لیے یہ حدیث بالکل تسلی بخش ہوگئی میں دوسروں کے لیے بھی تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کرتا ہوں کہ اس حدیث سے عید میلاد کی نفی کیونکر ہوگئی۔ حدیث کا ترجمہ ہے کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ اول بطور مقدمہ کے جاننے کے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہؓ کا بھی یہی اعتقاد ہے۔

حدیث میں بھی نص ہے ”ان نبی حی فی قبرہ یرزق“ کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے مگر یہ یاد رہے اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جس کو حیات برزخیہ کہتے ہیں باقی یہ کہ حیات برزخیہ تو سب کو حاصل ہے پھر اس میں نبی کی کیا تخصیص ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس کے مختلف مراتب ہیں ایک مرتبہ تو تمام جماعت مؤمنین کو حاصل ہے جس کے ذریعے سے نعیم قبر کی ہر مسلمان کو حس ہوگی۔ دوسری حیات شہداء کی ہے یہ عام مؤمنین کی حیات برزخیہ سے اقویٰ ہوگی۔ عام مؤمنین کی حیات برزخیہ بہ نسبت شہید کے کمزور ہوتی ہے اگرچہ اس حیات ناسوتیہ سے وہ بدرجہا اعلیٰ ہو۔ پس یہ کوئی نہ سمجھے کہ عام مؤمنین کی حیات برزخیہ اس حیات دنیوی سے بھی کمزور ہوگی اور حیات شہید کے اقویٰ ہونے کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ زمین اس کی لاش کو نہیں کھا سکتی اور یہ نہ کھانا ایک اثر ہے حیات کا پس شہید میں اس اثر کا ظاہر ہونا اور عام مؤمنین کا نہ ہونا یہ دلیل ہے شہید کی حیات کی قوی ہونے کی بہ نسبت عام کی حیات کے بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ مشاہدہ اس کے خلاف ہوا ہے مگر یہ کوئی انکار کی وجہ نہیں بن سکتی کیونکہ جس طرح اس کے خلاف مشاہدہ ہوا ہے اس کے موافق بھی مشاہدہ ہوا ہے جب دونوں طرح مشاہدے موجود ہیں تو سرے سے اس کا انکار کیونکر کیا جاسکتا ہے بہت سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ قاعدہ کلی نہیں اکثری ہے اور نصوص کا محمل بھی اسی کو کہا جاوے گا باقی مطلقاً انکار تو صحیح نہیں ہو سکتا یہ تو جواب تسلیمی ہے اس تقدیر پر جبکہ ہم مان لیں کہ جہاں تم نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید ہی تھا مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ شہید ہی نہ ہو کیونکہ شہادت صرف اسی کا نام نہیں کہ معرکہ میں قتل ہو جائے بلکہ حقیقی شہادت کے لیے کچھ باطنی شرائط بھی ہیں مثلاً نیت کا خاص لوجہ اللہ ہونا جس کی خبر سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کو آپ نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید حقیقی نہ تھا صرف شہید احکام تھا اور یہ حیات کا قویٰ درجہ صرف شہید حقیقی کے ساتھ خاص ہوگا اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ حقیقی شہید تھا تو ممکن



ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو کہ اس کی لاش گل گئی مثلاً اس جگہ کی مٹی تیز ہو ہم نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ شہید کی حیات ایسی ہوتی ہے کہ اگر جلاؤ بھی تو اس کی لاش نہ جلے بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ اگر شہید کو موافق عادت کے دفن کر دیا جائے جیسا کہ عموماً مردے دفن ہوتے ہیں کہ اس کی قبر میں کوئی خاص عارض دوسروں سے زیادہ مثل شوریت زمین وغیرہ کی نہ ہو تو اس کی لاش مثل دوسرے مردوں کے نہیں گلے گی بعینہ محفوظ رہے گی۔

تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی حیات برزحیہ کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لیے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھا سکتی۔ حدیث میں ہے ”حرم اللہ اجساد الانبیاء علی الارض“ (اللہ تعالیٰ نے زمین کے لیے اجساد انبیاء علیہم السلام کو کھانا حرام کر دیا ہے) اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم السلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔ ”نحن معاشر الانبیاء لانورث ماترکنا صدقہ“ (ہم حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہیں ہم میراث میں ترکہ نہیں چھوڑتے) انبیاء علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے یہ باتیں شہید کے لیے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا خاص کوئی راز نہیں بیان کیا مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں امروں سے اور گواہ ازواج نبی سے بعد وفات نبی کے نکاح حرام ہونا تمام انبیاء کے بارے میں منقول نہیں ہوا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ خصوصیت قرآن میں ذکر کی گئی ہے مگر علماء حکم میراث پر قیاس کر کے اس حکم کو بھی عام جملہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے لیے سمجھتے ہیں اور میراث کا تقسیم نہ ہونا حدیث سے جملہ انبیاء علیہم السلام کے لیے عام طور پر معلوم ہو چکا ہے تو ان امتیازات سے حیات برزحیہ انبیاء کا شہداء اور عام مؤمنین سے اقویٰ ہونا ثابت ہوا۔ بہر حال غرض یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں ان کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی حیات کا اقرار ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے ان کا اقرار معلوم ہو جائے گا۔ تاریخ مدینہ میں یہ واقعہ لکھا ہے اور میں نے خود اس تاریخ میں دیکھا ہے۔ (الجمہور النور الصدور ج ۳۱)

**بجز مکتوبات محترمہ کے دوسرے تبرکات کا قبر میں رکھنا جائز ہے**

وعن ام عطية في قصة غسل زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وتكفينها انها قالت فالقي حقوه فقال اشعرنها اياه قال الشيخ في اللمعات وهذا الحديث اصل في البركة بآثار الصالحين ولباسهم

حضرت ام عطیہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل و کفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند ہمارے پاس ڈال دیا کہ اس کو مرحومہ کے بدن سے مماس کر کے پہناؤ یعنی سب سے نیچے اس کو رکھو (تاکہ اس کی برکت بدن سے متصل رہے) حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث آثار و ملبوسات صالحین سے برکت لینے میں اصل ہے۔ معلوم ہوا کہ تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بعد موت کے اس کو کفن میں رکھ دیا جائے مگر اس سے قرآن اور دعاؤں کی کتابوں کا کفن میں رکھنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں ان کا احترام باطل ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ساتھ ناپاکی کا اتصال حرام ہے اور بدن میت چند روز کے بعد پھولے پھٹے گا وہ نجاست قرآن کو بھی لگے گی اسی طرح وہ کتابیں جن میں دعائیں ہیں اور اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جا بجا ہے قابل احترام بلکہ الفاظ و حروف مطلقاً قابل احترام ہیں بلکہ سادہ کاغذ بھی بوجہ آلہ علم ہونے کے قابل احترام ہے بعض لوگ فرعون و ہامان کا نام لکھ کر اس پر جوتے مارتے ہیں۔ یہ بالکل لغو و مہمل حرکت ہے اس پر تو بس نہ چلا الفاظ ہی کی بے حرمتی پر بہادری دکھائی یہ لوگ وہ تھے جو فرعون کے لفظ کی بے حرمتی کرتے ہیں اور ان کے مقابل بعض وہ لوگ ہیں جو اس لفظ کی ایسی حرمت کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے احسان و انعام کے تذکرہ کا ایک صنعت سے اس کو عنوان بناتے ہیں۔ (الجمہور النور الصدور ج ۳۱)

## تعظیم رسالت کی جامعیت

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں سے

یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متعلقات کی تعظیم کی جائے اور جس جگہ آپ تشریف لے گئے ہیں اس کا اکرم کیا جاوے اور مکہ مکرمہ مدینہ منورہ میں جن مکانات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا انتساب ہے ان کا احترام کیا جاوے۔ ویسی ہی جن چیزوں کو آپ نے لمس کیا ہے نیز شفاء میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ بعض لڑائیوں میں ان کی کلاہ سر پر سے گر پڑی تو اس کے لیے انہوں نے ایسا سخت حملہ کیا جو ان کے ساتھوں کو غیر معمولی معلوم ہوا کیونکہ اس حملہ میں بہت آدمی قتل ہوئے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے ان کی وجہ سے کیا تھا کہ مبادا کہیں میں ان کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور یہ مبارک بال کفار کے ہاتھ میں پہنچ جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ چند کھجوریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دم کر دی تھیں جس کو انہوں نے ایک توشہ میں رکھ لیا تھا اور ان میں ایسی برکت ہوئی کہ ہمیشہ ان میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت میں وہ ان کے پاس سے کھوئی گئیں جس کا ان کو بہت صدمہ ہوا۔ چنانچہ ان کا شعر بھی اس بارے میں مشہور ہے:

لِلنَّاسِ هُمْ وَلِيٌّ فِي الْيَوْمِ هَمَانٌ فَقَدْ الْجِرَابُ وَقَتْلُ الشَّيْخِ عَثْمَانُ  
کہ لوگوں کو ایک ہی غم ہے اور مجھے آج دو غم ہیں توشہ دان کے کھوئے جانے کا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس برکت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہو جانے کا غم تھا جو ان چھوڑوں میں تھی عشاق کی یہی حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی ذرا ذرا سی چیز پر جان دیتے ہیں۔

در منزلے کہ جاناں روزے رسیدہ باشد با خاک آستانش داریم مرحبائے  
(کسی گھر میں میرا محبوب جس دن آجائے تو میں اس کی مٹی کو روز روز مبارک کہوں)  
(المجود النور الصدور ج ۳۱)

## بدعات کے لیے وقف ناجائز و باطل ہے

بعض لوگ یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ جبہ شریفہ کے لیے نذریں مانتے ہیں فقہاء نے اس

کو حرام لکھا ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے نہیں ہو سکتی عبادت خالق جل شانہ کے لیے خاص ہے۔ بحر الرائق میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ نذر ماننا مخلوق کے لیے سب کے نزدیک اتفاقاً حرام ہے نہ وہ نذر منعقد ہوگی اور نہ اس کا پورا کرنا ذمہ میں واجب ہوگا اور وہ حرام بلکہ سخت حرام ہے مجاوروں کو اس کا لینا کھانا اور اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں۔

## میراث میں غصب مع مستورات

ایک قاعدہ سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز کسی سے چھین لی اور پھر کسی طرح واپس کر دی۔ اس صورت سے کہ مالک کو اس کی خبر نہیں ہوئی کہ یہ چیز اصل میں میری تھی تب بھی یہ رد صحیح ہو گیا اور اس کا ذمہ اس مغضوب سے بری ہو گیا گناہ نہیں رہا۔ البتہ اس کے رد صحیح ہونے میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ چیز بجنسہ واپس کی ہو نہ ایسا جیسے کہ آج کل لوگ بہنوں کا حصہ غصب کرتے ہیں کہ میراث میں سے ان کا حصہ نہیں دیتے اور اس کو ادا اس طرح کرتے ہیں کہ بھات میں اور دیگر رسوم میں روپیہ لگا دیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ان کا حق ادا ہو گیا اتنا ہم نے لیا بھی نہیں تھا جتنا ان کو لگا دیا اس سے ان کا حق ادا نہیں ہوا اور رسم کی بدعت علیحدہ رہی۔ خدا جانے اس سے کیا نفع ہے کہ خرچ اتنا ہی ہو جاتا ہے مگر بے قاعدہ اور شریعت کے خلاف۔ اگر یہی خرچ قاعدہ کے موافق ہوتا تو حق بھی ادا ہو جاتا اور کوئی گناہ بھی نہ ہوتا۔ اب اسے جس طرح خرچ کیا ہے اس سے نفع تو کچھ بھی نہیں اور گناہ مفت میں کمایا۔ (اسلام لائحہ عمل ج ۳۱)

## زنا کی شہادت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک شخص پر چار آدمیوں نے زنا کی شہادت دی اور یہاں تک کہا کہ ہم نے مرد اور عورت دونوں کو ننگے اور اوپر نیچے دیکھا مگر یہ نہیں کہا کہ دخول ہوتے دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شہادت کو تسلیم نہیں کیا اور مدعا علیہ پر زنا کو ثابت نہیں کیا بلکہ ان گواہوں کو جھوٹا قرار دیا اور ان پر حد قذف جاری کی۔ اس کی وجہ کیا ہے یہی کہ ضابطہ پورا نہ ہوا اور شہادت کی جو شرائط تھیں ایک جزو اس کا رہ گیا۔ وہ یہ ہے کہ کالمیل فی المکحلۃ لکھا ہو حالانکہ ظاہر تو یہی ہے کہ جب مرد اور عورت ننگے ہو چکے تھے تو زنا بھی ضرور واقع ہوا جب ایسا موقع تھا کہ ننگے ہو سکے تو زنا سے کون مانع



موجود تھا۔ یہ بات بظاہر قریب یقین ہی کی تھی لیکن اس پر بھی جب کہ آنکھ سے دخول ہوتے نہ دیکھا، گواہوں کے لیے زبان سے ان دونوں کو زانی کہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ چاروں گواہوں پر حد قذف لگائی گئی، آج کل لوگ صرف وہم و گمان پر حکم لگا دیتے ہیں اور جو سمجھ میں آتا ہے کسی کی نسبت خیال پختہ کر لیتے ہیں اور افسوس ہے کہ یہ بلا علماء اور مشائخ کے یہاں بہت ہے آج کل حضرت عمر ہوتے تو بکثرت علماء اور مشائخ کے درے لگتے۔ (ایضاً)

## احکام فقہ

فقہ کے بہت سے احکام کا یہی مانی ہے کہ بسا اوقات ضابطہ کے درجہ میں ایک حکم کو ثابت مانا جاتا ہے خواہ واقع میں کچھ بھی ہو۔ مثلاً دو عادل آدمی گواہی دیں کہ ہم نے ۲۹ کو چاند دیکھا ہے تو اب رمضان یا عید کو ثابت مانا جاوے گا۔ اگرچہ انہوں نے جھوٹی ہی گواہی دی ہو۔ (ایضاً)

## فقہاء کی کمال فراست

اسی طرح بسا اوقات ایک حکم منفی مانا جاتا ہے خواہ واقع میں ثابت ہی ہو۔ مثلاً ایک شخص کا ایک بچہ ہونے پر تہمت لگانے سے لعان ہوا تو اس بچہ کے نسب کی اس شخص سے نفی کی جاوے گی۔ خواہ واقع میں اسی کا ہو اس کی صدہا نظیریں موجود ہیں تمام کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں لیکن اس کا کیا علاج کیا جائے۔ بہشتی زیور میں کوئی ایسا مسئلہ لکھ دینا جرم قرار پاوے اور وہی مسئلہ اور اس کی صدہا نظیریں عربی کی کتابوں میں لکھی ہوں بلکہ ان کے اردو ترجمے میں بھی لکھے ہوں تو جرم نہیں۔ مثلاً بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ کسی عورت کے بچہ ہو اور خاوند اس کا مدت سے غائب ہے تو اس بچہ کو ولد حرام نہ کہا جائے گا اس مسئلہ پر بڑا غل مچا ہے اور لوگوں کو بڑے بڑے اشکال ہوئے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ بہشتی زیور میں کسی نے اپنی طرف سے اس کو لکھ دیا ہے یا فقہ کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ کتاب کو تو دیکھ لینا چاہیے تھا اور کتاب کو بھی نہ دیکھا جاوے تو یہ مسئلہ کوئی چھپا ہوا مسئلہ نہیں ہے مبتدی طالب علم بھی اس سے واقف ہیں۔ غرض یہ کہ بہشتی زیور میں اختراع کر کے یہ مسئلہ نہیں لکھا گیا بلکہ فقہ کی کتابوں سے نقل کیا گیا ہے۔

تعجب ان لوگوں سے ہے جو فقہ کو تسلیم کرتے ہیں اور بہشتی زیور پر اعتراض کرتے ہیں اور اسی فقہ کی کتاب کے ترجمہ پر اعتراض نہیں کرتے جس میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ سو بہشتی

زیور پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے اگر اعتراض کرنا ہے تو فقہ پر کرو فقہ میں صاف لکھا ہے کہ اس صورت میں وہ بچہ ولد حرام نہیں کہا جائے گا جب تک کہ خاوند انکار نہ کرے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے اور صرف انکار ہی نہیں بلکہ لعان ہوگا۔ باقاعدہ اس طرح کہ قاضی کے سامنے مقدمہ جائے گا، مرد اور عورت دونوں حاضر ہوں گے۔ مرد اس بچہ کی نسب سے انکار کرتا ہے مگر انکار کر کے چھوٹ نہیں جائے گا کیونکہ یہ انکار مستلزم ہے عورت کو حرام کار کہنے کو یعنی زنا کی تہمت لگانے کو اور بچہ کو مجہول النسب کر دینے کو اس کو شریعت نے کوئی معمولی بات نہیں قرار دیا کیونکہ تمام عمر کے لیے ایک عورت بے آبرو ہوتی ہے اور ایک بچہ مجہول النسب بنتا ہے۔ لہذا اس مرد سے چار دفعہ قسم لی جائے گی کہ خدا کی قسم میں اپنے اس دعویٰ زنا میں سچا ہوں اور اتنے پر بھی بس نہیں۔ پانچویں دفعہ یوں کہلایا جائے کہ میرے اوپر لعنت ہو خدا کی اگر میں جھوٹا ہوں۔ دیکھئے کس قدر سخت بات ہے کسی کے نسب میں طعن کرنا خیر یہ تو اس مرد کو قسمیں دی گئیں ابھی لعان ختم نہیں ہوا۔ اب عورت سے کہا جائے گا کہ چار دفعہ اس طرح قسم کھاوے کہ میں خدا کی قسم کھاتی ہوں کہ یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یوں کہلایا جائے گا کہ خدا کا غضب ہو میرے اوپر اگر یہ سچا ہو۔

یہاں ایک نکتہ بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ مرد سے تو یوں کہلایا گیا کہ لعنت ہو خدا کی میرے اوپر اگر میں جھوٹا ہوں اور عورت سے یوں کہلایا گیا کہ غضب ہو خدا کا، وہاں لعنت کا لفظ اور یہاں غضب کا اس کی کیا وجہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی زبان پر لعنت کا لفظ تو کثرت سے چڑھا رہتا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے زیادہ تر دوزخ میں عورتوں کو دیکھا اور اس کی وجہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا ”و تکثرن اللعن“ یعنی تمہاری یعنی عورتوں کی عادت ہے کہ لعنت بہت کرتی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ لعنت کا لفظ ان کی زبان پر عادتاً بہت چڑھا ہوا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی کثرت سے عورتوں کی زبان پر یہ الفاظ رہتے ہیں خدا کی ما، خدا کی پھٹکار وہی لعنت کا ترجمہ اس لیے لعان کے موقع پر اگر ان سے لعنت کا لفظ کہلایا جائے تو طبیعت ان کی کچھ ایسی نہ رُکے گی۔ لہذا بجائے لعنت کے غضب کے لفظ کو اختیار کیا گیا۔ واقعی قرآن ایسے متکلم کا کلام ہے کہ اس کو رگ رگ پرزہ پرزہ معلوم ہے۔ اس کو لعان کہتے ہیں اس کے بعد قاضی کہے گا ”فرقت

بینکما، یعنی میں نے تمام دونوں کو الگ کر دیا اور یہ بچہ اس مرد کا نہیں اب اس کا نکاح اور بچہ کا نسب زائل ہو گیا اور مان لیا جائے گا کہ یہ بچہ اس خاوند کا نہیں ہے اور پھر بھی اس سارے جھگڑوں اور قصوں کا حاصل صرف یہ ہے کہ بچہ کا نسب اس سے قانوناً ثابت نہ رہا اور میراث وغیرہ کے احکام جاری نہ ہوں گے اس کے سوا کوئی اثر نہیں۔ حتیٰ کہ اب بھی یہ کسی کو عمر بھر جائز نہیں کہ اس عورت کو بدکاریاں اس بچہ کو ولد الحرام کہے۔

اور کتابوں میں وہ احتمالات بھی لکھے ہیں جن کی وجہ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ عورت بدکار نہ ہو اور بچہ ہو جائے۔ مثلاً یہ صورت ہوئی ہو کہ سوتی عورت سے کسی غیر شخص نے جماع کیا اور حمل ہو گیا تو اس وقت میں خاوند بھی سچا ہے کہ اس کا یہ بچہ نہیں ہے اور عورت بھی بے قصور ہے کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ گو اس قسم کے احتمالات بعید ہیں مگر امکان کے درجہ میں ضرور ہیں۔ احتیاط کے موقع پر ان کا لحاظ کیا جاسکتا ہے کسی عورت کو تہمت لگانا کوئی معمولی گناہ نہیں بلکہ بڑا کبیرہ ہے اس میں حد درجہ کی احتیاط کرنا ضروری ہے۔ شریعت نے اس بارے میں نہایت درجہ احتیاط کی ہے اور اگر اس صورت میں بھی جبکہ خاوند نے بچہ کے نسب سے انکار کیا ہے اور اس سے لعان کو کہا گیا اور اس نے منظور نہ کیا تو باوجود انکار کے بھی بچہ اسی کا کہا جاوے گا اور قاضی اس انکار کو نہیں مانے گا اور بچہ کو مجہول النسب نہیں کہے گا اور تمام احکام نسب کے جیسے میراث وغیرہ سب کو جاری کرے گا۔ غرض جب تک لعان نہ ہو اس وقت نسب ثابت رہے گا خواہ خاوند حاضر ہو اور نسب کی نفی کرے اور خواہ غائب ہو ہر حالت میں نسب ثابت ہوگا اور ثابت ہونے کے معنی وہی ہوں گے جو اوپر معروض ہوئے کہ قانوناً ثابت ہوگا مگر لوگوں کے ایسے مذاق بگڑے ہیں کہ یہ مسئلہ سن کر ہی فوراً بے سمجھے اعتراض کر دیتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مرد دس برس سے باہر ہو اور پھر بھی یہ بچہ اس کا کہا جائے اس اعتراض کی وجہ درحقیقت تو یہ ہے کہ دلوں میں خوف خدا اور دین سے مس اور احکام شرعی کی پرواہ نہیں ہے۔ زبان سے جو چاہا کہہ دیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ شریعت نے اس بارے میں کس قدر احتیاط سے کام لیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فراش کے ہوتے ہوئے نسب کو دوسری طرف نہیں لیجا سکتے یعنی جب تک کہ میاں بی بی کا تعلق موجود ہے نسب کو ثابت ہی کہیں گے۔ رہی یہ بات کہ

خاوند دو برس سے باہر ہے یہاں اس سے بچہ کیسے ہو گیا یہ بعید بیشک ہے مگر اُدھر گناہ جو موجود ہے کسی عورت کو حرام کار کہنا اور کسی آدمی کو مجہول النسب کر دینا سخت کبیرہ ہے اس کے حرام کار ہونے کا ثبوت کوئی کہاں سے لائے گا۔ اس واسطے بعید سے بعید صورت بھی ایسے موقعہ پر مان لی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اس کی بعض صورتیں جو ممکن ہیں کتابوں میں لکھی ہیں مثلاً استخدام جن سے ایسا ہو سکتا ہے یعنی کسی کے جن تابع ہو اس نے عورت کو وہاں پہنچا دیا یا مرد کو یہاں لے آیا یا یہ کہ جن نے بوجہ عداوت ایسا کیا کہ بدنام کرنے کو عورت کو مرد کے پاس پہنچا دیا یا مرد کو عورت کے پاس پہنچا دیا اور حمل ہو گیا اور بچہ ہوا جنوں کا وجود ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ بھی انسانوں کی طرح عداوت بغض وغیرہ اخلاق رذیلہ رکھتے ہیں تو اگر کسی جن کو کسی عورت سے عداوت ہو اور وہ ایسا کر گزرے اس غرض سے کہ عورت بدنام ہو جائے تو کیا عجب ہے یہ صورتیں بعید اور بہت بعید سہی مگر امکان کے درجہ میں ضرور ہیں۔ پھر جب ایک صورت ممکن ہے تو کس طرح کسی کو تہمت لگائی جائے۔ یہ حیلے بھی میں نے نہیں تراشے بلکہ انہی کتابوں میں لکھے ہیں جن سے بہشتی زیور ماخوذ ہے اور جو معترض کے نزدیک بھی مسلم ہیں سو جو کچھ اعتراض کرنا ہو ان کتابوں پر کیجئے اور جو کچھ تعجب ہو وہ ان کتابوں پر ہونا چاہیے، نقل کرنے والا کسی بات کا ذمہ دار نہیں اور کسی اعتراض کا دفع کرنا اس کے ذمہ نہیں۔ (السلام للتحقیق ج ۳۱)



# مُعَامَلَات

- ☆ دین میں معاملات کی اہمیت
- ☆ اور ان کی درستگی کے اثرات و برکات
- ☆ معاملات کی خرابی سے ظاہر و باطن کی تباہی
- ☆ اور اس کے دور رس نتائج
- ☆ حقوق کی اقسام اور ان کی حق تلفی سے بچنے کی تاکید و ترغیب
- ☆ کسب حرام سے بچاؤ اور کسب حلال میں اعتدال کی تعلیم و ترغیب

## اقسام معاملہ

معاملہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو کہ بالعوض ہو دوسرے وہ جو کہ بلا عوض ہو۔ پہلی قسم میں بھی اگرچہ خرابیاں آج کل بہت ہیں مگر پھر بھی ایک حد تک اس میں جواز کی صورتیں بھی بکثرت معمول بہا ہیں لیکن بلا عوض میں تو بہت ہی بے احتیاطی کی جاتی ہے اور بلا عوض کی صورت دو ہیں ہدیہ یا چندہ۔ ان دونوں میں سراسر بے احتیاطیاں ہو رہی ہیں۔

چنانچہ ہدیہ میں ایک تو یہ بے احتیاطی کر رکھی ہے کہ کبھی کسی کا ہدیہ واپس ہی نہیں کیا جاتا جو شخص بھی ہدیہ پیش کرے اس کو فوراً قبول کر لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص واپس کر دیتا ہو تو اس کو برا کہتے ہیں اور اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ صاحبو! رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک ہدیہ لینا بھی ناپسندیدہ ہے۔ ارشاد ہے:

ما اتاک من غیر اشراف نفس فخذوہ ومالا فلا تتبعہ نفسک۔

کہ جو بلا انتظار نفس آئے اس کو لے لو اور جو نہ آئے اس کی فکر میں نہ پڑو۔ اسی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول کرنے کے متعلق ایک قید بتلائی ہے اس کو ادب سے تعبیر کیا جائے یا شرط واجب سے۔ میں اس وقت اس سے خالی الذہن ہوں جو کچھ بھی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ اشراف نفس سے بچنا چاہیے۔ میں نے اس سے ایک امر مستنبط کیا ہے۔ اگر استنباط غلط ہو تو اس کی اصلاح کر دی جائے۔ سو میں نے اس سے یہ قاعدہ سمجھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس آمد و رفت رکھو تو ہمیشہ ہدیہ لے جانے کے پابند نہ بنو بلکہ کبھی ہدیہ لے کر چلے جاؤ کیونکہ تجربہ بتلا رہا ہے کہ پابندی کی صورت میں جب اس شخص کی صورت نظر پڑے گی تو طبعاً ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ خدا جانے کچھ لایا ہے یا نہیں۔ یہی اشراف ہے تو اس کا علاج یا تو یہ ہے کہ نفس ایسا ہو جائے کہ اس میں اشراف ہی نہ ہو یا یہ کہ پابندی سے منع کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے لیے یہی تجویز کیا ہے بلکہ نہ لانا اکثر ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: ”تہادوا تحابوا“ تو ہدیہ دینے کی مصلحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازدیاد محبت کو قرار دیا ہے اور ازدیاد محبت اس وقت ہوتا ہے کہ ہدیہ لے کر جی خوش ہو اور جی اس وقت خوش ہوتا ہے کہ جب اشراف نفس نہ ہو ورنہ مسرت نہیں ہوتی بلکہ انتظار کی جو کلفت تھی وہ رفع ہو گئی تو اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ ہدیہ میں اشراف کی نوبت نہ آنی چاہیے۔ دوسرے اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ بیعت کے وقت ہدیہ نہ لینا چاہیے کیونکہ اس کی بھی وہی حالت ہوتی ہے۔

جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھائی آج کل کے پیروں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر کوئی دیہاتی ان کے سامنے سر کھجانے لگے تو پیر صاحب کو خیال ہوگا کہ شاید یہ پگڑی میں سے روپیہ نکال کر دے گا واقعی بالکل سچ ہے۔ (تجارت آخرت ج ۱)

## افتاء میں احتیاط

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اسی طرح ایک شخص کو میں نے ایک مسئلہ فرائض کا جواب لکھ کر دیا۔ جب وہ لے کر چلا گیا۔ تب یاد آیا کہ جواب غلط لکھا گیا سخت تشویش ہوئی۔ اس شخص کو تلاش کر آیا تو نہ ملا اور یہ پوچھا نہ تھا کہ کدھر جاؤ گے۔ آخر خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ یا الہی میرے اختیار سے تو یہ خارج ہو چکا ہے اب آپ کے اختیار کی بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ پندرہ منٹ نہ گزرے تھے کہ وہ شخص واپس آیا کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ نے مہر تو کی ہی نہیں۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی میں نے کہا کہ ہاں بھائی لے آؤ۔ اس سے لے کر جواب کو صحیح کیا اور اس سے کہا کہ بھائی مہر تو میرے پاس ہے نہیں اس وقت تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما کر تجھے واپس بھیجا ہے کیونکہ مسئلے میں ایک غلطی ہو گئی تھی۔ اس واقعہ کے بعد سے میں نے عہد کر لیا کہ کبھی دستی فتوے کا جواب نہ دوں گا۔

اکثر لوگ ایسے امور پر مجھے بے مروت کہتے ہیں لیکن بتلائیے کہ ان واقعات پر کیوں کر خاک ڈال دوں۔ اب میں نے یہ معمول کر رکھا ہے کہ جب کوئی شخص دستی فتویٰ لاتا ہے تو اس سے کہتا ہوں کہ اپنا پتہ لکھ کر اور دو پیسے کا ٹکٹ دے کر رکھ جاؤ۔ میں اطمینان سے جواب لکھ کر تمہارے پاس ڈاک میں بھیج دوں گا۔ (فضل العلم والعمل ج ۲)

## نظم کی ضرورت

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب کوئی ان کے پاس بیعت ہونے آتا تو وہ اس کے لئے کھانا کچھ زیادہ بھیجتے اور جب وہاں سے بچ کر آتا تو یہ دیکھتے کہ روٹی اور سالن تناسب سے بچا ہے یا بلا تناسب۔ اول صورت میں بیعت کرتے دوسری صورت میں انکار کر دیتے۔ تو ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ بہت چھوٹی سی بات پر وہ ایسی سختی کرتے تھے مگر حقیقت میں وہ اس سے استدلال کرتے تھے اس کی بے انتظامی پر۔ اور بد انتظام شخص کو وہ اپنی خدمت میں نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ کوئی کام بدون انتظام کے نہیں ہو سکتا اور واقعی جس میں انتظام کا مادہ نہ ہو وہ کسی کام کو نباہ نہیں سکتا۔ کچھ دن کیا پھر چھوڑ دیا۔ (الدین الخالص ج ۳)

## درستی معاملات کی ضرورت

دیندار لوگ بھی عبادات میں تو فرائض و واجبات بلکہ مستحبات تک کا اہتمام کرتے ہیں۔ یعنی جو لوگ کام کرنے والے ہیں اگرچہ بعض ایسے بھی ہیں کہ سب ہی اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں مگر جو کام کرنے والے ہیں وہ عبادات میں تو فرائض و واجبات کے لئے بھی کوشش کرتے ہیں، مستحبات کی بھی پابندی کرتے ہیں۔ درود شریف اور تسبیحات حتیٰ کہ دلائل الخیرات اور وظائف تک کا اہتمام کرتے ہیں اور گویا دلائل و حزب برکت کی چیزیں ہیں اور ان میں ثواب بھی ہے مگر دلائل الخیرات اور حزب البحر وغیرہ یہ جتنے وظائف آج کل معمول بہا ہیں حدیث کے اوراد کے برابر ہرگز نہیں، غرض بعض لوگ ان زوائد کے پابند ہیں مگر حقوق العباد کا ان کو بھی خیال نہیں بس آج کل لوگوں نے محض نوافل اور تسبیحات پڑھنے کو دینداری سمجھ لیا ہے حالانکہ اصل دینداری معاملات سے معلوم ہوتی ہے چنانچہ سلف کے نزدیک دینداری کا معیار زیادہ تر معاملات ہی تھے۔ صرف نماز، روزہ کرتے ہوئے دیکھ کر کسی کے دیندار ہونے کا حکم نہ لگاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں مدعی کے پاس دو گواہ تھے۔ ایک گواہ کی عدالت تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھی، دوسرے گواہ کی عدالت کا انہیں علم نہ تھا تو آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ اس گواہ کی عدالت کے متعلق تم میں سے کوئی گواہی دیتا ہے ایک شخص



کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میں اس کے عادل ہونے پر گواہی دیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ تجھ کو اس کا عادل ہونا کیسے معلوم ہوا۔

هل جاورنه ام صحبت معه فى السفر الذى يسفر عن الحقيقة ام  
عقدت معه عقداً.

”کیا تو اس کے پڑوس میں کبھی رہا ہے یا سفر میں کبھی تیرا اور اس کا ساتھ ہوا ہے جس سے انسان کی مخفی حقیقت ظاہر ہوتی ہے یا تو نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ بیع و شراء کیا ہے، اس نے کہا نہیں۔“

قال فلعلك رائيته خارجاً من المسجد بعد الصلوة.

”فرمایا تو شاید تم نے اس کو نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتا ہوا دیکھ لیا ہوگا، اس نے کہا جی ہاں“ فرمایا فانت لا تعرف (تم اس کو نہیں پہنچانتے) (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## مشتبہ رقم کی واپسی

ایک مرتبہ ایک رئیس نے میرے پاس مدرسہ کے لئے دو سو روپیہ بھیجے اور لکھا تھا کہ میں جناب کو لینے آؤں گا۔ میں نے لکھا کہ میں یہ روپیہ اس وجہ سے نہیں لینا چاہتا کہ مجھ کو اس مضمون سے شبہ پڑ گیا کہ روپیہ بھیج کر مجھ پر شاید اثر ڈالا جاتا ہو تو اس میں ایک گونہ رشوت کا شائبہ ہے اگر بلانا ہے تو بلانے کے بارہ میں مستقل گفتگو کیجئے اور روپیہ وصول نہیں کئے تو اس کا جواب معذرت سے بھرا آیا کہ آپ مدرسہ کے لئے روپیہ لے لیں اور میں نہیں بلاتا۔ پھر مدت کے بعد مستقلاً انہوں نے بلایا۔ (الاعتصام بحبل اللہ ج ۶)

بعض نے معاملات کو ضروری نہیں سمجھا چنانچہ اجارات و تجارت میں بیع و شراء میں باستثناء شاذ و نادر کوئی جانتا تک بھی نہیں کہ اس کے متعلق شریعت میں کچھ احکام بھی ہیں۔ ریل میں بے ٹکٹ سفر کرنے کو حرج نہیں سمجھتے اور جو ٹکٹ لیتے ہیں تو قانون سے زائد اسباب لے جانے کو برا نہیں سمجھتے حالانکہ ریل حق العبد ہے۔ جب ہم نے اس کو استعمال کیا ہے تو ہمیں اس کا حق معبودہ کرایہ بھی دینا چاہیے۔ اسی طرح مدارس اور انجمنوں کے چندے بھی حق العبد ہیں اس کی تحصیل میں جبر کی کچھ پروا نہیں کرتے بلکہ قصد زیادہ دباؤ ڈالتے ہیں تا کہ زیادہ چندہ وصول ہو۔ (آثار العبادۃ ج ۷)

## دوسروں سے حسن ظن

مشہور ہے الحزم سوء الظن۔ اس کی تفسیر میں ہمارے حضرت نے فرمایا تھا کہ بنفسہ یعنی ذاتی و احتیاط یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس سے سوء ظن ہی رکھے کسی وقت مطمئن نہ ہو ہمیشہ کھلتا رہے اگرچہ حکماء نے اس جملہ کے دوسرے معنی لئے ہیں وہ یہ کہ انسان کو کسی پر اعتماد نہ چاہئے ہر شخص پر بدگمان رہے احتیاط رکھے چاہے وہ کیسا ہی مخلص دوست ہو۔ اور معاملہ کے اعتبار سے یہ بھی صحیح ہے مگر عارفین یہ کہتے ہیں کہ دوسروں سے تو حسن ظن رکھے اور اپنے نفس سے سوء ظن رکھے۔ (شب مبارک ج ۷)

## شان فاروقی

حضرت ابو موسیٰ اشعری کا میرنشی ایک نصرانی تھا جب وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ آیت نہیں پڑھی۔  
لاتتخذوا بطانة من دونكم لا یالونکم خیالاً یعنی غیر مذہب کے شخص کو اپنا ہمراز مت بناؤ۔ وہ تم کو ضرر پہنچانے میں کمی نہیں کریں گے۔  
انہوں نے کہا کہ وہ حساب خوب جانتا ہے اس لئے ایسا کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا کام اس پر منحصر ہے اگر وہ مرجائے تو پھر کیا کرو گے آخر یمین میں جا کر دیکھا کہ وہ مر گیا تھا کیوں نہ ہوئی کوئی ایسی ویسی زبان تھوڑا ہی تھی وہ زبان تھی جس کی شان میں ہے۔  
الحق ینطق علی لسان عمر (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق بات جاری ہوتی تھی)  
غرض کہ غیر مسلم کو ہمراز بنانے کی حق تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے اور خود عقل بھی تو اس کی اجازت نہیں دیتی۔ چنانچہ دیکھئے کہ روزمرہ کے معاملات میں کیا ہم پسند کرتے ہیں کہ اپنے راز پر غیر کو مطلع کریں ہرگز نہیں۔ بعض اوقات اپنے اسرار سے بیوی کو بھی مطلع نہیں کرتے۔ (المال والجاه ج ۸)

## ریلوے کی حق تلفی

عوام الناس کا توفتویٰ ہی ہے کہ کفار کا مال جس طرح بھی ملے لے لیا جائے سب روا

ہے۔ چنانچہ ریل میں بے احتیاطیوں کا مشاہدہ ہوتا ہے اس طرف توجہ ہی نہیں کہ تعداد سے زیادہ اسباب ریل میں لے جانا چاہیے یا نہیں؟ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کفار کا قانون ماننا ضروری تھوڑا ہی ہے مگر خوب سمجھ لیجئے کہ یہ کوئی قانون ملکی نہیں ہے جو یہ عذر کیا جائے بلکہ یہ قانون اجازت کے متعلق ہے اگر من حیث السلطنت اس کا ماننا ضروری نہ بھی ہو تو من حیث الاستیجار (اجرت کی حیثیت سے) تو ماننا ضروری ہے۔ شرائط اجارہ میں سلطنت اور غیر سلطنت برابر ہیں جن شروط پر اجارہ قرار پائے۔ ان کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے تو ان کا قانون بحیثیت اجارہ تو واجب الامتثال ہے جب انہوں نے قانون مقرر کر دیا ہے کہ پندرہ سیر سے زیادہ کسی کو اسباب بلا کر ایہ لے جانے کی اجازت نہیں تو اگر تھوڑا بھی اس سے زیادہ ہوگا تو بوجہ اسکے کہ غیر کی حق تلفی ہے اس کا لے جانا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ بہت لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کفار کا مال ہے چاہے جس طرح تصرف کرو یہ ان کی غلطی ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی یہ وجہ گھڑی ہے کہ بہت سے حقوق ہمارے گورنمنٹ کے ذمہ رہ گئے ہیں ہمیں جائز ہے کہ ہم خفیہ طور پر سے وصول کر لیں اول تو اس میں یہ بات ہے کہ ساری ریلیں گورنمنٹ کی نہیں ہیں بہت سی ٹرینیں کمپنی کی ہیں دوسرے اگر ساری ریلیں گورنمنٹ ہی کی ہوں تو کیا ہر شخص کا حق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گیا ہے اور پھر جن کے حقوق گورنمنٹ کے ذمہ ہوں بھی تو کیا اس کا حساب ان کے پاس ہے کہ کتنے حق ان کے گورنمنٹ کے ذمہ ہیں اور کتنے گورنمنٹ کے ان کے ذمہ ہیں۔ یہ سب نفس کی تاویلیں ہیں بلکہ اگر ثابت بھی ہو جاوے کہ اس کا حق گورنمنٹ کے ذمہ رہ گیا ہے تب بھی حفاظت نفس کا مقتضی یہی ہے کہ ایسا نہ کیا جاوے۔

راز اس کا یہ ہے کہ نفس کو جیسی عادت ڈالی جاتی ہے ویسی ہی پڑ جاتی ہے اگر اس کی عادت ڈالی گئی تو اس کا خوگر ہو جاوے گا اور آئندہ حد سے تجاوز کرے گا۔ جہاں قطعاً جائز نہ ہوگا وہاں بھی اس عادت پر کاربند ہوگا نفس کو تو ذرا سا بہانہ چاہئے۔ (احکام المال ج ۸)

## مالی احتیاط

میرے پاس کثرت سے ایسے خطوط آتے ہیں کہ جن پر یا تو ڈاکخانہ کی مہر ہی نہیں ہوتی یا ہوتی بھی ہے تو ٹکٹ سے بچی ہوئی ہوتی ہے اگر میری بری نیت ہو تو میں ان ٹکٹوں

سے منتفع ہو سکتا ہوں کہ دوسرے خطوط پر لگا کر بھیج دوں مگر شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی کیونکہ جو دو پیسے لفافہ کے دیئے گئے ہیں وہ اجرت کے طور پر ہیں اور وہ لفافہ کی شکل اصل میں رسید ہے ان دو پیسے کی پس جب ڈاک پہنچی تو وہ دو پیسے وصول ہو گئے اب اس رسید سے دوسری بار وصول کرنا حرام ہے پس میں ایسے ٹکٹوں کو چاک کر کے پھینک دیتا ہوں باوجودیکہ مجھ کو اس کی عادت ہو گئی ہے مگر پھر بھی وسوسہ ہوتا ہے کہ شاید تقویٰ ظاہر کرنے کو ایسا نہ کرتا ہوں حضرت نفس کی کیفیت یہ ہے۔

نفس اژدہ است او کے مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است  
نفس اژدہا ہے وہ نہیں مرا۔ غم بے آلتی سے افسردہ ہے۔

نفس کے کید سے کبھی غافل نہ رہنا چاہئے ہر وقت ہوشیار رہے۔ (احکام المال ج ۸)

## معاملات میں کوتاہی

اکثر کا یہ حال ہے کہ وہ بالکل ان امور میں احتیاط نہیں کرتے عوام الناس تو غفلت سے کرتے ہیں کہ ان کو خبر نہیں کہ یہ ناجائز ہیں اور اہل علم اس کو جائز کر کے کرتے ہیں چنانچہ میں اس کا ایک قصہ سناتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ میں اور ایک معقولی طالب علم ریل میں سفر کر رہے تھے۔ ایک شخص نے سنا کہ وہ اس ریل میں سوار ہیں ہم تو درمیانہ درجہ میں تھے اور وہ تیسرے درجہ میں یہ شخص محبت سے ہمارے پاس آ بیٹھے دو ایک اسٹیشن تک بیٹھے رہے اس کے بعد اتر کر اپنے درجہ میں جانے لگے میں نے ان سے کہا کہ تم نے اتنی مسافت درمیانہ درجہ میں قطع کی ہے اور تمہارے پاس ٹکٹ ہے سوم کا اتنی مقدار محصول کی تمہارے ذمہ دین ہے تم اس کو ادا کر دینا اور آسان ترکیب بتلا دی کہ اتنی مسافت کا جس قدر محصول درمیانہ درجہ کا سوم سے زائد ہے اس کا ٹکٹ اسی لائن کا خرید کر چاک کر دینا۔ بس ادا ہو جائے گا اس پر وہ معقولی طالب علم صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ (احکام المال ج ۸)

## فقہ اور اہل علم

فقہ کا مسئلہ ہے کہ منافع غصب مضمون نہیں ہوتے مثلاً کوئی کسی کے گھوڑے پر



زبردستی سوار ہو کر چل دے تو اس کا کرایہ نہ دینا پڑے گا ہاں اگر مغضوب عین ہو اور اس کو تلف کر دے تو ضمان لازم آتا ہے۔

انہوں نے جو یہ بات کہی مجھ کو سن کر حیرت ہوئی کہ جب اہل علم ہی ایسے فتوے دیں گے تو پھر عوام کی کیا حالت ہوگی۔ ایسے ہی لوگ بدنام کرتے ہیں فقہ کو اب جو شخص فقہ ہی کا قائل نہ ہو اس سے تو ہماری گفتگو ہی نہیں اور جو فقہ کا قائل ہے تو وہ فقہ کی کتابیں کھول کر دیکھے کہ فقہاء کا کیا مقصود ہے اصل یہ ہے کہ اس موقع پر دو مسئلے جدا جدا ہیں ایک یہ کہ منافع مغضوب کو تلف کرانے سے گناہ ہوگا یا نہیں اور ایک یہ کہ اس پر ضمان لازم آئے گا یا نہیں تو فقہاء گناہ کی نفی نہیں کرتے صرف ضمان کی نفی کرتے ہیں یعنی یہ نہیں کہتے کہ گناہ نہ ہوگا گناہ ضرور ہوگا لیکن ضمان لازم نہیں آئے گا۔

فقہاء کے پاس اس کی دلیل موجود ہے جس کو اہل علم سمجھ سکتے ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ عقد اجارہ ایک عقد ہے اور عقد کا عقلی مقتضایہ ہے کہ بدلیں میں تناسب ہونا چاہئے اگر کوئی چیز خریدیں تو اس چیز میں اور اس میں جو اس کے عوض میں دی گئی ہو تناسب ہو اور جہاں بدلیں میں تناسب نہ ہو تو قیاس کے مقتضایہ سے وہ مبادلہ صحیح نہ ہوگا۔

جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب سنیے کہ منافع کا مبادلہ ثمن سے قیاس کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ایک طرف تو عین ہے یعنی ثمن اور ایک طرف عرض یعنی منافع کسی چیز کے اور اعیان و اعراض میں تماثل نہیں ہے اس لئے ایک دوسرے کا بدل نہیں ہو سکتا تو قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ منافع کا مبادلہ ثمن سے کسی صورت میں بھی جائز نہ ہو مگر چونکہ عقد اجارہ میں اس مبادلہ کو نص جائز بتلا رہی ہے اس لئے فقہاء نے عقد اجارہ کے اندر قیاس کو چھوڑا اور حدیث کو اختیار کیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے ہمارا قیاس کوئی چیز نہیں اور جہاں عقد نہ ہو جیسے کہ منافع کے غصب کی صورت میں اس کے اندر کوئی نص نہیں ہے جواز کی جو قیاس کے چھوڑنے پر مجبور کرے یعنی غیر عقد میں نص ہی نہیں اس لئے وہاں بمقتضائے قیاس اس مبادلہ کی عدم صحت کے قائل ہوئے اور منافع مغضوب کو مضمون نہ ٹھہرایا۔ یہ تحقیق ہے اس مسئلہ کی کہ منافع مغضوب مضمون نہیں۔

ان مولوی صاحب نے اس مسئلہ سے کام لیا مگر اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ گناہ بھی نہ

ہوگا۔ اس پر تو انہوں نے نظر کی کہ ضمان نہیں آتا اور اس پر نظر نہ کی کہ گناہ ہوتا ہے اور اس گناہ کی تلافی یہی ہے کہ اس کا بدل ادا کر دے کیونکہ یہ گناہ حقوق العباد سے ہے جو مال کے متعلق ہے اسی واسطے علم ہر ایک کے لئے نافع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ اس پر نظر کرتے ہیں کہ کسی کے واسطے علم مضر ہوگا جس کو مضر ہوتا ہے اس کو درسیات سے محروم رکھتے ہیں زبانی تعلیم بقدر فرض عین کے اس کے لئے تجویز کرتے ہیں اسی کے بارے میں تو مولانا فرماتے ہیں۔

بدگہر را علم و فن آموختن دادن تیغ ست بدست رہزن

(بدگہر کو علم و فن سکھانا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے) (احکام المال ج ۸)

## سودی مال اور محق کی حقیقت

سودی معاملہ کے بارہ میں ہے یمحق اللہ الربوا سودی مال جمع ہوتا ہے اور ایک دن مٹ کر رہتا ہے اور حقیقتاً تو مٹتا ہی ہے مگر صورتاً بھی مٹتا ہے ایک دن بے طرح مارے جاتے ہیں اور اگر اتفاقاً کبھی نہ بھی مٹے تب بھی اس سے کلام الہی پر اعتراض نہیں آتا۔ کیونکہ یمحق اللہ الربوا قضیہ مہملہ ہے جو وقت میں جزئیہ کے ہوتا ہے اگر ایک دفعہ بھی مٹ جائے تو وہ صادق آجائے گا معنی یہ ہیں کہ سود والے اکثر مٹتے ہیں اور اس کے بہت سے واقعات ہیں جن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اگر کہیں ظاہر نہ مٹے تو اور طریقہ سے مٹتا ہے۔

محق کی قسمیں مختلف ہیں ایک یہ ہے کہ مال جاتا رہے چوری وغیرہ ہو جائے یہ تو ظاہری محق ہے اور ایک محق ہے۔ معنوی وہ یہ کہ سود والا مال سے خود منتفع نہیں ہوتا۔ فاقہ بھر بھر کر عمر ختم ہو جاتی ہے سود لینے کا سبب بخل ہے جتنا سود لیتا ہے اتنا ہی بخل بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے تن پر بھی خرچ نہیں کرتا یہ حالت ہوتی ہے۔

سختیاں زاموال بری خورند      بخلاں غم سیم و زری خورند

سختی لوگ مالوں کو کھاتے ہیں اور بخیل چاندی اور سونا کھاتے ہیں۔

ایک ماسٹر تھے۔ سو روپے ان کی تنخواہ تھی اور پانچ روپے ان کا خرچ تھا۔ لوگوں نے کہا، میاں تمہاری اتنی بڑی تنخواہ ہے تم تکلیف کے ساتھ کس لئے گزر کرتے ہو انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس تصور میں کہ میرے پاس اتنا روپیہ ہے ایسا حظ آتا ہے کہ میرا دل ہی جانتا ہے وہ اسی میں مست تھے۔

غرض کہیں اس طرح بھی سود میں محق ہوتا ہے کہ اپنے اوپر خرچ نہیں ہوتا تو یہ محق برکت اور انتفاع کا ہوا۔ (احکام المال ج ۸)

## رشوت کا حشر

لوگ رشوت لے لے کر مال جمع کرتے ہیں پھر دیکھئے اس کا کیا حشر ہوتا ہے میرے ایک عزیز پولیس میں ملازم تھے انہوں نے خوب رشوتیں لے لے کر روپیہ جمع کیا تھا اتفاق سے سرکار کی طرف سے کسی معاملہ میں مقدمہ قائم ہو گیا تھا جتنا کمایا تھا سب اس میں لگ گیا حتیٰ کہ گھر کا زیور بھی نہ رہا۔ بالکل خالی رہ گئے جب خدا خدا کر کے اس مقدمہ سے جان بچی اس کے بعد پھر اسی طرح روپیہ جمع کیا اور اس روپیہ کے نوٹ خریدے اور ایک پرانے تکیہ میں سی دیئے اس خیال سے کہ اسے چور کیا لیں گے ایک روز اتفاق سے وہ تحقیقات میں گئے تھے ان کے مکان میں آگ لگ گئی گھر والوں نے قیمتی اسباب اٹھا اٹھا کر گھر سے باہر پھینکا۔ اس تکیہ کا کسی نے خیال بھی نہ کیا وہ جب تحقیقات کر کے آئے تو معلوم ہوا کہ گھر میں آگ لگ گئی تھی پوچھا کہ میرا تکیہ کہاں ہے گھر والوں نے کہا کہ جو قیمتی چیزیں تھیں وہ مشکل سے بچائی ہیں وہ پرانا تکیہ بھی کوئی حفاظت کے قابل تھا کہنے لگے میرے تو اس میں نوٹ تھے اور نوٹوں کے نمبر محفوظ تھے نہیں اس لئے سب کمائی جاتی رہی اور اس میں سے کچھ جائیداد خرید لی تھی اس میں اس طرح کسر نکلی کہ کسی کاشتکار پر نالش کی تھی اس مقدمہ میں اس کاشتکار نے ان حضرات کو قتل کر دیا۔ (احکام المال ج ۸)

## نیوتہ کے مفاسد

اول تو نیوتہ کی رسم ایک رسم ہے بے ہودہ اس میں اگر خالص اپنا مال ہو تب بھی نہ لگانا چاہئے پھر یہ تو مشترکہ مال ہے اگر کوئی کہے کہ صاحب نیوتہ تو نہایت عمدہ رسم ہے یہاں نیوتہ دیتے ہیں تو نیوتہ لینے والا اتنے لوگوں کا مقروض بنتا ہے حدیث میں صاف موجود ہے کہ مقروض جنت میں نہ جائے گا تا وقتیکہ اہل حق کا حق ادا نہ ہو جائے۔

دوسرا مفسدہ تو بالکل لاعلاج ہی ہے اس کا علاج ہی نہیں سوائے اس کے کہ اس رسم کو چھوڑا جائے اور وہ میراث کے ایک مسئلہ پر متفرع ہے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ ایک شخص مرا اس نے دو بیٹے چھوڑے اور اس نے مثلاً پانچ روپے نیوتہ میں دیئے تھے تو پانچ روپے

بھی مردہ کی میراث ہیں جب وصول ہوں گے تو ان کا ورثاء پر تقسیم کرنا واجب ہوگا۔ اب وہ آئیں گے کس طریقہ سے اس کی صورت یہی ہے کہ جب ان کے یہاں تھوڑا تھوڑا دینے میں شادی والے کا کام ہو جاتا ہے اور دینے والوں میں سے کسی پر بار نہیں ہوتا تو مستحسن کو قبیح کیسے کہہ دیا۔ غریب کو دیا اس کی شادی ہوگئی یہ تھوڑی بات ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے ایک فائدہ کو تو دیکھ لیا اور دوسرے مفاسد جو اس کے اندر ہیں ان کو چھوڑ دیا۔ اس میں اگر ایک فائدہ ہے تو مفاسد کتنے ہیں۔ ان مفاسد کو بھی تو دیکھنا چاہئے اور اول تو جو فائدہ اس میں سوچا گیا ہے وہ بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ آج کل کی شادیوں میں خرچ اتنا کیا جاتا ہے کہ نیوتہ اس کے لئے کافی نہیں ہوتا اور مفاسد اس کے اندر بہت ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک مفسدہ یہ ہے کہ تو وہ بطور نیوتہ کے دیئے جائیں گے اب ایک بیٹے کی شادی ہوئی اور وہ پانچ روپے آئے تو وہ روپے پانچ روپے اس کے نہیں بلکہ یہ صرف اڑھائی روپے کا مستحق ہے اور باقی اڑھائی روپے دوسرے بھائی کا حصہ ہے۔ لہذا وہ اس کو دینے لازم ہیں مگر وہ اس کو نہیں دیئے جاتے اس لئے دینے والے کے ذمہ سے پانچوں روپیہ ادا نہ ہوئے بلکہ صرف اڑھائی روپے ادا ہوئے اور دوسرے بیٹے کے اڑھائی روپے رہ گئے پھر وہ مر گیا تو اب ان اڑھائی روپے کی میراث چلے گی اسی طرح آگے اولاد ہوگی اور یہی سلسلہ چلے گا تو اس اڑھائی روپیہ کے ہزاروں آدمی مستحق ہو گئے قیامت میں اس شخص کی جان پر بنے گی اس لئے ایک ایک پیسہ اور کوڑی کوڑی کا دعویٰ ہوگا آخر اس کا علاج کیا سوچا ہے؟ اس نیوتہ سے تو نا نیوتہ اچھا۔ یہ مفاسد ہیں اس نیوتہ خبیث میں مگر چونکہ لوگوں کو شریعت کا علم نہیں اس واسطے ان خرابیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (احکام المال ج ۸)

## حقوق نفس

صاحبو! ہمیں اپنی آنکھ سے اس وجہ سے تعلق نہ ہونا چاہیئے کہ وہ ہماری آنکھ ہے بلکہ اس وجہ سے تعلق ہونا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی چیز ہے اور ان کی خدمت کرتی ہے اس نے ان کا جمال دیکھا ہے گو بواسطہ مظاہر ہی سہی۔ آگے فرماتے ہیں۔

ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را      کو دامن گرفتہ بسویم کشیدہ است



ہر وقت اپنے ہاتھوں کو ہزاروں بو سے دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر اپنی طرف آپ کو کھینچا۔

اس اعتبار سے عارف کو اپنے نفس سے بھی محبت ہوتی ہے اور اسی لئے حدیث میں ہے۔

ان لنفسک علیک حقاً کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے

تو عارف کو اپنے نفس سے اس لئے محبت ہوتی ہے کہ وہ سرکاری چیز ہے دیکھو اگر کوئی مشین سرکاری کسی کے سپرد ہو تو اس شخص کو اس کے آلات صاف کرنا اور تیل دینا ضروری ہوگا۔ البتہ اگر اپنی ملک ہے اس وقت اختیار ہے کہ چاہے صاف کر کے تیل دے چاہے نہ دے۔ مگر جب ملک سرکاری ہے اس کو صاف کرنا تیل دینا ضروری ہے ورنہ باز پرس ہوگی۔

اب یہاں پر لوگوں سے ایک غلطی تو یہ ہوا کرتی ہے کہ تیل نہیں دیتے اور اپنی جان کو اپنی ملک سمجھتے ہیں۔ اور ایک غلطی بعض سے یہ ہوتی ہے کہ تیل بہت دینے لگتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ بعضے دنیا دار فقیر یا تو اسباب حفاظت نفس کو اختیار نہیں کرتے اور اس کو نفس کشی کہتے ہیں یا اختیار کرتے ہیں تو حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور نوابی رنگ کو شان محبوبیت سمجھتے ہیں۔

صاحبو! سر میں تیل لگانا بھی اس اعتبار سے محمود ہے کہ یہ سرکاری چیز ہے میرا سر نہیں۔ میں مالک نہیں۔ یہ مضمون شاعرانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے مگر اس حقیقت تک رسائی تدریجاً ہوتی ہے ایک دن میں نہیں ہوتی اور ابتداء میں کسی قدر تکلف بھی کرنا پڑتا ہے۔ مگر اخیر میں ملکہ ہو جاتا ہے۔ غرض عارف اس اعتبار سے حقوق نفس ادا کرتا ہے تا کہ خدا کا کام کرے اسی طرح عارفین قربانی کے جانور کو خدا کے نام پر فدا کرتے ہیں اپنے اوپر فدا نہیں کرتے۔ خواہ اپنے ہی کھانے کے لئے ذبح کریں۔ یہ حقیقت ہے قربانی کی۔ (سلوۃ المحزین ج ۹)

## باہمی معاملات و معاشرت کے احکام کا خلاصہ

معاملات و معاشرت کے سارے احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی سے کسی کو ایذا و ضرر نہ ہو خواہ جانی ہو یا مالی۔ اس کا لحاظ شریعت میں کمال درجہ پر کیا گیا ہے چنانچہ کتب فقہ میں لکھتے ہیں کہ تجارت میں کسی کو دھوکا نہ ہونا چاہیے اور لکھتے ہیں بائع مبیع کے عیوب نہ چھپائے تو دیکھئے اس راست گوئی میں دنیا کا کتنا نفع ہے۔

معاملات میں اسلام کا حسن ہے کہ مخلوق کو دھوکہ فریب دینا حرام ہے چاہے مسلمان کو دھوکہ دے یا کافر کو من غشنا فلیس منا (جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں گزرے تو گیہوں کے ایک ڈھیر میں آپ نے ہاتھ ڈالا تو اس میں اوپر تو سوکھے ہوئے گیہوں تھے اور اندر بھیگے ہوئے تھے اس وقت آپ نے فرمایا من غشنا فلیس منا اور اس شخص سے فرمایا کہ بھیگے ہوئے گیہوں اوپر کرو تا کہ لوگوں کو دھوکہ نہ ہو۔ اسی طرح جن صورتوں سے معاملات میں نزاع پیدا ہو ان کو سب کو ناجائز کر دیا۔ نہی عن بیع الغرر (سنن ابی داؤد: 3376) اسی طرح سود و ربا کو مطلقاً حرام کیا گیا کیونکہ اس سے قرض لینے والا بہت جلد تباہ ہو جاتا ہے۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

تم بزرگوں کا تذکرہ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ مشائخ کے یہاں زمان سابق میں اسی قسم کی تعلیم تھی اور انہی باتوں پر روک ٹوک تھی۔ میرے استاد فرماتے تھے۔ کہ ایک بزرگ کا معمول تھا۔ کہ جو شخص ان کے یہاں مہمان ہوتا۔ اس کے لئے اندازے سے کچھ زائد روٹی سالن بھیجتے۔ پھر جب سالن روٹی بچ کر آتا تو دیکھتے۔ اگر تناسب سے بچا ہوتا۔ تب تو وہ اس کو اپنے سلسلہ میں داخل فرماتے۔ ورنہ صاف کہہ دیتے۔ کہ تمہاری طبیعت میں بے ڈھنگا پن ہے۔ ہم سے تم سے نبھانہ ہوگا۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

### مشورہ میں اختیار

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باندی بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کو سابق شوہر کے پاس رہنے میں اختیار عطا فرمایا اور یہ اختیار ہر ایک باندی کو حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ آزاد ہو تو پہلے شوہر سے جس سے حالت غلامی میں با اجازت مولیٰ نکاح ہوا تھا اگر مرضی ہو نکاح باقی رکھے نہیں تو نکاح فسخ کر دے۔ چنانچہ حضرت بریرہؓ کو جب اختیار دیا گیا تو انہوں نے اپنے پہلے شوہر سے علیحدگی اختیار کی اور نکاح فسخ کر دیا۔ ان کے شوہر کا نام مغیث تھا۔ ان کو اس سے بہت رنج ہوا اور بیچارے ان کے پیچھے روتے پھرتے تھے۔

اس وقت مغیث کا رونا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ترس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے فرمایا کہ بریرہؓ تم رجوع کر لو اور مغیث کی درخواست قبول کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت بریرہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ حکم فرماتے ہیں یا بطور سفارش کے فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں حکم نہیں ہے صرف سفارش ہے تو حضرت بریرہؓ نے صاف عرض کر دیا کہ میں اس سفارش کے قبول کرنے سے معذور ہوں۔ چنانچہ انہوں نے یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بطور امر کے نہیں بلکہ مشورہ ہے صاف اپنی معذوری ظاہر کر دی اور مغیث سے قطع تعلق کر دیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا ذرا بھی ملال نہیں ہوا۔ اب تو کوئی مرید ایسا کر کے دیکھے پھر معلوم ہو جائے گا کہ پیر صاحب کیسے ناراض ہو کر منہ چڑھاتے ہیں۔ سو اس کی نظیر تو شریعت میں کہیں نہیں اتنا حق تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہؓ پر نہیں سمجھا بلکہ ان کو مشورہ کے ماننے نہ ماننے میں اختیار دیا۔ (وحدۃ الحب ج ۱۵)

## کسب معاش میں حدود کی رعایت

میرا یہ مقصود ہرگز نہیں کہ لوگ کماتے کیوں ہیں۔ صاحبو! دکان کرو تجارت کرو لیکن حدود شرع کی رعایت رکھو! سودے کے عیب کو ظاہر کر دیا کرو یہ کہہ دو کہ یہ جدوار اصلی ہے اور یہ نفلی۔ اگر وبا کے دن ہیں تو ایسا نہ کرو کہ ایک ہی بوتل سے عرق بادیان اور گلاب اور بید مشک سب نکلتا چلا آئے۔ اسی طرح برسوں کی رکھی ہوئی دوانہ دوا اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم سچ بولیں تو تجارت کیسے چلے؟ اول تو یہ غلط ہے کہ سچ بولنے سے تجارت نہ چلے گی دوسرے نہ بھی چلے تو تمہارا کیا حرج ہے خدا دوسرے ذرائع سے رزق دے گا۔ کانپور میں ایک شخص نے بانس کی تجارت شروع کی جب کوئی خریدار آتا تو صاف کہہ دیتے کہ یہ بانس چار برس چلے گا یہ سن کر خریدار واپس چلا جاتا لوگوں نے ان سے کہا کہ اور سچ بولو کہنے لگے کہ نہ بکے گا تو میرا کیا حرج ہے خدا تعالیٰ دوسرے طریق سے دے گا۔ آخر ان کا ایسا اعتبار بڑھا کہ ان کے ہاں مال ہوتے ہوئے دوسروں کا مال بکنا کم ہو گیا۔ مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک طالب علم مثنوی پڑھنے کے لیے آیا مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اول روٹیوں کا بندوस्त کر لو پھر پڑھنا اس نے کہا روٹی تو اللہ تعالیٰ دیں گے اور جب نہ دیں گے اپنی جان لے لیں گے اس کی کیا فکر! لوگوں کو کہیں اطلاع ہو گئی پھر تو ان کی دعوتیں ہونا

جو شروع ہوئیں تو کئی ماہ تک خوب مزے دار کھانے دو وقت ملتے تھے اور جتنا ان کو پڑھنا تھا خوب اطمینان سے پڑھ لیا کسی نے خوب کہا ہے:

رزق مقسوم ست و وقت آں مقرر کردہ اند پیش ازاں حاصل نمیکرد و بچید  
(رزق مقسوم حساب سے ملتا ہے اور اس کا وقت مقرر ہے کتنی ہی کوشش کرو وقت سے پہلے اور مقررہ مقدار سے بڑھ کر نہیں مل سکتا) (ازلۃ الغلۃ ج ۱۸)

## میراث میں غبن

ایک بار ایک ایسے ہی شخص آئے اور انہوں نے مسئلہ پوچھا کہ ہماری بہن بے اولاد مر گئی اور خاوند اس کا شیعہ ہے آیا اس کے خاوند کو بھی عورت کے ترکہ میں سے کچھ ملے گا۔ میں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ملے گا نصف ترکہ اس کا ہے تو وہ بھائی یہ چاہتے تھے کہ خاوند کو نہ ملے مال بہت تھا اور انہوں نے کہیں سنا تھا کہ شیعہ پر کفر کا فتویٰ ہے تو اس لئے چاہتے تھے کہ اس تاویل سے اس کے خاوند کو کچھ نہ ملے۔ سب مال ہمارے قبضہ میں آوے کہنے لگے کہ سنی کا تو شیعہ سے بوجہ کفر شیعہ کے نکاح نہیں ہوتا پھر وہ شوہر کب ہے۔ میں نے کہا کہ تم کو کچھ خدا کا خوف بھی ہے کہ دوسرے کا حق رکھنا چاہتے ہو اور اگر خوف نہیں تو اچھا حمیت اور غیرت کہاں اڑ گئی کہ تھوڑی سی دنیا کے لئے یہ ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تمہاری بہن تمام عمر حرام کاری میں مبتلا رہی۔ اور دوسرے یہ تو بتلائیے کہ آپ نے نکاح کے وقت کیوں نہ پوچھا کہ یہ خاوند شیعہ ہے۔ اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔ اور تیسرے یہ کہ سچ مچ کہنا اگر یہ مال خاوند کے قبضہ میں ہوتا اور وہ مرتا اور تمہاری بہن کو ملنے کے بعد پھر تمہاری طرف سے منتقل ہونے کا احتمال ہوتا تو کیا اس وقت بھی تم اس نکاح کے صحیح نہ ہونے کی کوشش کرتے۔ میرے پاس کثرت سے ایسے سوال آتے ہیں کہ کوئی بات نکال دو۔ (ذمہ وی ج ۱۹)

## ایک غاصب کا علاج

دہلی میں شہزادہ ثریا جاہ نے تماشا کیا تھا کہ وہاں ایک واعظ صاحب کسی مسجد کے مکان پر تولیت کے بہانہ سے قبضہ کرنا چاہتے تھے اور حق تولیت ثابت کرنے کیلئے ایک استفتاء بھی لکھا ہے۔ جس پر بڑے بڑے علماء کے دستخط کرنا چاہتے تھے۔



چونکہ ان کے زعم میں بعض علماء ثریا جاہ کے اثر میں تھے اس لئے ان کے ذریعہ سے یہ کام کرانا چاہا۔ ثریا جاہ کو ایک صاحب نے پہلے سے خبر کر دی کہ کل فلانے ایک مولوی صاحب اس قسم کا استفتاء لائیں گے اور وہ تولیت کے بہانہ سے مسجد کے مکان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ثریا جاہ نے کہا بہت اچھا میں ان کا اچھی طرح علاج کر دوں گا کہ پھر اس کا نام لینا بھی بھول جائیں گے۔

چنانچہ اگلے دن مولوی صاحب پاکی پر سوار ہو کر ان کے مکان پر آئے انہوں نے بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ اور صدر پر بٹھلایا اور چائے پان وغیرہ سے خوب تواضع کی۔ پھر پوچھا کہ جناب نے کیسے تکلیف فرمائی کوئی خدمت میرے لائق ہو تو ارشاد فرمائیے۔ کہا جی ہاں۔ مجھے ایک استفتاء پر علماء کے دستخط کرانے ہیں آپ دستخط کر دیجئے۔ ثریا جاہ نے استفتاء کو پڑھا اور پڑھ کر اپنے خزانچی کو بلایا کہ ہمارے خزانہ کی کنجیاں مولانا کے سپرد کر دو اس نے کنجیاں لا کر سامنے رکھ دیں۔ مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ثریا جاہ نے کہا مولانا یہ تو خزانہ کی کنجیاں ہیں اور یہ گھر مع سامان کے حاضر ہے اگر آپ کو گھر کی ضرورت ہے تو میں اپنا گھر اور اپنا خزانہ پیش کر سکتا ہوں لیکن خدا کا گھر نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد باہر نکل کر محلہ والوں کو پکارا کہ بھائی ذرا یہاں آنا سب لوگ گھبرائے کہ آج ثریا جاہ کو کیا ہو گیا جو یوں باولوں کی طرح چلا رہا ہے۔ لوگ جمع ہو گئے تو ثریا جاہ نے سب سے کہا کہ بھائی یہ مولوی صاحب مجھ سے خدا کا گھر مانگتے تھے میں نے عرض کر دیا کہ آپ کو مکان کی ضرورت ہو تو میں اپنا گھر دے سکتا ہوں خدا کا گھر نہیں دے سکتا اب تم سب گواہ رہو کہ آج سے یہ گھر میرا نہیں۔ بلکہ مولوی صاحب کا ہے میرے لئے اگر تھوڑی سی جگہ ایک جھونپڑے کے برابر آپ لوگ دیدیں گے تو میں اسی میں اپنا گزر کر لوں گا۔

اس ترکیب سے مولوی صاحب کی تو یہ حالت ہوئی کہ ان کا رنگ زرد ہو گیا ان میں کاٹو تو خون نہیں تھا۔ بیٹھے بیٹھے مارے ندامت کے کانپنے لگے اور ثریا جاہ سے کہا شہزادے صاحب مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی کہ آپ میرے ساتھ یہ معاملہ فرمائیں گے۔ ثریا جاہ نے کہا مولانا مجھے بھی آپ سے یہ امید نہ تھی کہ میرے ذریعہ سے خدا کے گھر پر قبضہ کرنا چاہیں گے۔

بس مولوی صاحب تو اسی وقت ہانپتے ہانپتے بخار کی حالت میں سوار ہو کر

اپنے گھر چلے گئے اور مہینوں تک گھر سے باہر نہ نکلے اور ادھر تمام شہر میں اس واقعہ کا شور ہو گیا کہ فلاں مولوی صاحب مسجد پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد پھر ان کو دعویٰ تولیت کی ہمت نہ ہوئی (اصلاح ذات البین ج ۱۹)

## تغییر منکر

شیخ ابوالحسن نورئی ایک دفعہ ساحل کی طرف گئے تو دیکھا کشتیوں پر مکے لدے ہوئے ہیں اور ساحل پر اتارے جا رہے ہیں آپ نے ملاح سے پوچھا کہ ان منکوں میں کیا ہے کہا خلیفہ کے لئے شراب آئی ہے آپ کو یہ سنتے ہی غصہ آیا اور فرمایا ذرا لکڑی تو دو۔ اس نے لکڑی دیدی اور سمجھا کہ ویسے ہی مذاق کر رہے ہیں۔ مگر آپ ڈنڈا لے کر کشتیوں پر جا چڑھے اور ایک طرف سے منکوں کو توڑنا شروع کیا۔ دس مکے تھے نو کو توڑ دیا۔ ایک چھوڑ دیا۔ مخبر نے خلیفہ کو اطلاع دی کہ ابوالحسن نورئی نے شاہی شراب کے مکے توڑ دیئے۔ دربار میں بلائے گئے اور سوال ہوا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی۔ فرمایا حدیث میں ہے من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ اولسانہ او بقلبہ اس لئے میں نے منکر کو دیکھ کر اس کو مٹا دیا۔ خلیفہ نے کہا کہ یہ کام محتسب کا ہے تم کو محتسب کس نے بنایا۔ فرمایا مجھے اس نے محتسب بنایا جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا کہا سند! فرمایا حق تعالیٰ فرماتے ہیں یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلَاةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں پس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو کر چکا ہوں۔ اب تو جو کچھ میرے ساتھ معاملہ کرے اس پر صبر کرنے کیلئے آمادہ ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ اس کی کیا وجہ کہ ایک منکے چھوڑ دیا اس کا انہوں نے جواب عجیب دیا۔ فرمایا کہ جب میں نو مکے توڑ چکا تو میرے نفس نے کہا اے ابوالحسن! آج تو نے بڑا کام کیا کہ خلیفہ کی بھی پرواہ نہ کی۔ واقعی تو دین کے معاملہ میں بڑا جری ہے اس خیال کے آتے ہی میں نے ہاتھ روک لیا۔ کیونکہ اب میرا توڑنا اللہ تعالیٰ کے واسطے نہ ہوتا نفس کے واسطے ہوتا۔ اور میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ جو کام اللہ کے واسطے کیا جائے اس میں نفس کی آمیزش ہو اس لئے دسویں مکے کو چھوڑ دیا۔ یہ ویسا ہی قصہ ہوا جیسا حضرت علیؑ کا واقعہ مثنوی میں ہے کہ آپ

نے ایک دفعہ معرکہ جہاد میں ایک یہودی کو پچھاڑ لیا اور سینہ پر بیٹھ کر ذبح کرنا چاہا۔ یہودی نے آپ کے چہرہ پر تھوک دیا تو فوراً چھوڑ کر کھڑے ہو گئے مولانا فرماتے ہیں۔

او خدا و انداخت بر روی علی افتخار ہر نبی و ہر ولی  
بعض لوگوں نے اس شعر کو الحاقی کہا ہے کہ یہ کسی شیعہ نے مثنوی میں بڑھا دیا ہے کیونکہ اس میں حضرت علیؑ کو افتخار ہر نبی کہا ہے مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ فخر ہمیشہ چھوٹوں ہی کو بڑوں پر نہیں ہوتا کبھی بڑوں کو بھی چھوٹوں پر فخر ہوتا ہے کہ دیکھو یہ ہمارا لڑکا کیسا لائق ہے حدیث میں بھی تو ہے تزوجوا لودود اللود دفانی ابامی بکم الامم حضور ہمارے اوپر فخر کریں گے ویسا ہی افتخار یہاں مراد ہے۔ جب حضرت علیؑ یہودی کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تو اس نے سوال کیا کہ حضرت دشمن پر قابو پا کر اور اس کی گستاخی دیکھ کر چھوڑ دینا تعجب خیز ہے۔ فرمایا گستاخی کی وجہ سے چھوڑ دیا کیونکہ اس سے پہلے تو میں اللہ کے واسطے مار رہا تھا۔ اور گستاخی کے بعد نفس کو ہیجان اور جوش انتقام ہوا اب میرا تجھے مارنا خالص اللہ کے واسطے نہ ہوتا۔ بلکہ اس میں شفا غیظ نفس بھی شامل ہوتا۔ اس کو میں نے گوارا نہ کیا۔ کیونکہ یہ شان اخلاص کے خلاف تھا۔

یہ سنتے ہی یہودی ایمان لے آیا۔ صاحبو! ہمارے امر بالمعروف میں اثر نہ ہونے کی یہ بھی وجہ ہے کہ ہمارے اندر خلوص نہیں۔ ہمارے سب وعظ ونصائح اپنی بڑائی ظاہر کرنے کیلئے ہوتے ہیں۔ ورنہ اخلاص ہو تو ضرور اثر ہو۔

چنانچہ شیخ ابوالحسن نوری پر یا تو خلیفہ کو غصہ آرہا تھا۔ اور دربار میں سناٹا چھایا ہوا تھا کہ دیکھئے اب شیخ کے لئے کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ مگر دسویں مئی کے چھوڑنے کی وجہ جب معلوم ہوئی تو خلیفہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور اخلاص کا اثر ہوا۔ اور کہا جاؤ ہم نے آج سے تم کو باقاعدہ محتسب بنایا تم بازاروں اور کوچوں میں خلاف شرع کام کرنے والوں کو سزا دیا کرو۔ جس کو ایسی ہمت ہو اور خطرات کے تحمل کی طاقت ہو اس کو تو سکوت جائز نہیں اور جس کو تحمل نہ ہو اسے سکوت جائز ہے۔ مگر جو واقعہ یہاں ہوا ہے اس میں سکوت کی اجازت کسی کو نہ تھی کیونکہ حق کے ظاہر کرنے میں کوئی خطرہ نہ تھا۔ یہ اور بات ہے کہ بعض کو ضعف طبیعت کی وجہ سے سکوت کرنے میں گناہ کم ہوا ہو۔ مگر گناہ سے وہ بھی نہیں بچے۔ یہ کتنا بڑا ضرر ہوا۔ دو شخصوں کے باہمی فساد سے۔ (اصلاح ذات البین ج ۱۹)

## گیارہویں کے سائل کو حضرت حکیم الامت کا جواب:

میں ایک جگہ گیا تو ایک شخص نے گیارہویں کے متعلق سوال کیا میں نے جواب دیا کہ استفادہ مقصود ہے یا امتحان اگر استفادہ کی ضرورت ہے تو اس کے لئے اعتماد شرط ہے کیونکہ جس پر اعتماد نہیں ممکن ہے کہ وہ مسئلہ بتلا دے۔ اور اعتماد کے لئے واقفیت شرط ہے اور آپ میری اصلی حالت سے ناواقف ہیں۔ پس جن حضرات سے آپ کی واقفیت ہے ان سے دریافت کیجئے اور اگر امتحان مقصود ہے تو میرا امتحان میرے اساتذہ لے چکے ہیں۔ آپ کو اس کا کوئی حق نہیں (یہ جواب حضرت والا نے اس واسطے دیا کہ قرآن سے اس سائل کی نیت معلوم کر لی تھی کہ محض امتحان مقصود ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ ناواقف کو بالکل مسئلہ نہ بتلایا جائے) ایسے ہی واقعات کی بنا پر میں سخت مزاجی میں بدنام ہوں مگر میں کیا کروں جبکہ ایسے لوگوں کو تحقیق ہی مقصود نہیں ہوتی بلکہ محض یہ معلوم کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس کا مسلک کیا ہے اور جب جواب ملنے سے مسلک کا علم ہو گیا تو پھر مجیب سے کہتے ہیں کہ فلاں عالم تو اس کے خلاف کہتے ہیں پھر اس مجیب نے اتفاقاً اس کو برا بھلا کہہ دیا۔ اس کو وہاں پہنچاتے ہیں اب دونوں میں لڑائی پیدا ہو گئی یہ نتیجہ ہے کہ ان کی تحقیق کا حالانکہ جس سے تحقیق کی جاوے اس کے اعتماد کی یہ حالت ہونا چاہئے۔

دلارامے کہ داری دل دروبند      دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند  
اگر تم محبوب رکھتے ہو تو دل کا تعلق اسی سے رکھو اور اپنی نگاہ کو سارے عالم سے بند ہی کر  
ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ما ہے      چہ کنم کہ چشم بدخوند بکس نگاہ ہے  
سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند کے خیال میں مست ہوں کیا کروں  
کہ چشم بدخو کی نظر کسی پر بھی نہ پڑی۔

ایسا تعلق ہو تب دریافت کرنا مفید ہوگا مگر بات یہ ہے کہ ضروری وغیر ضروری میں امتیاز جب کریں جب کہ جہل کو معصیت سمجھتے ہوں جو شخص بیمار ہوگا اس کو فضول باتوں کی کب فرصت ہوگی بلکہ وہ تو اپنے مرض کی دوائیں حکیم سے پوچھے گا نہ یہ کہ شلجم کا اچار کیسے بنتا ہے اور اگر کسی کو اچار ہی کی ترکیب معلوم کرنا ہو تو باورچی سے دریافت کرو طبیب سے کیوں پوچھتے ہو۔ اب علماء کے ساتھ یہ برتاؤ ہو رہا ہے جیسا کہ سنارے کے پاس کھریا بنوانے جاویں اور علماء سے تو یہی برتاؤ ہے کہ ان سے کوئی فضول مسئلہ ہی پوچھے گا لیکن ہوگا تو وہ ظاہر میں مسئلہ ہی۔ (شفاء المعیج ۲۱)



## سفارش کی حقیقت

سفارش کی حقیقت تو یہ ہے کسی کے واسطے کلمۃ الخیر کہہ دیا وہ مانے یا مانے اور اگر انکار کرے تو سفارش کرنے والا برانہ مانے چنانچہ حدیث سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت بریرہؓ ایک لونڈی تھیں جن کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آزاد کر دیا تھا اور یہ مسئلہ ہے کہ جب باندی آزاد ہو جاوے تو اس کو اختیار ہے کہ نکاح سابق کو باقی رکھے یا فسخ کر دے پس اس اختیار کی بنا پر حضرت بریرہؓ نے نکاح سابق کو فسخ کر دیا۔ ان کے خاوند کو نہایت محبت کے سبب بہت رنج ہوا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے ان کے خاوند کے متعلق فرمایا کہ اے بریرہ تم اپنے خاوند سے رجوع کرو تو اچھا ہے بریرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا حکم ہے یا سفارش حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سفارش کرتا ہوں عرض کیا کہ اگر محض سفارش ہے تو منظور نہیں کرتی وہ جانتی تھیں کہ سفارش کا قبول کرنا ضروری نہیں اور اگر حکم ہوتا تو ضرور عمل کرتیں اسی لئے تو جواب دینے سے بیشتر دریافت کیا یہ ہے حقیقت سفارش کی اور آپ نے ذرا برا نہیں مانا مگر آج کل اگر کوئی سفارش کو نہ مانے تو پیر صاحب پیٹ بھرنا راض ہو جاتے ہیں اس لئے مریدوں کو ان کی سفارش ضروری پوری کرنی پڑتی ہے چاہے کتنی ہی مشقت اٹھانا پڑے تو اس حالت میں سفارش اپنی حقیقت پر کہاں رہی جب کہ اس کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر سفارش پر عمل ہو تو عمل کر نیوالے کو کلفت اور اگر عمل نہ ہو تو سفارش کرنے والے کو کلفت ایسی سفارش کے تو جواز میں بھی کلام ہے۔ بعض لوگ ان شبہات کو سن کر بھی کہتے ہیں کہ کسی کا کام ہو جاوے تو اچھا ہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کا کام کرنا جو کہ مستحب تھا اور دوسرے کو تکلیف دینا جو کہ حرام ہے کوئی اچھی بات ہے کہ حرام کا ارتکاب کیا جاوے یہ خرابی اسی کی ہے کہ ضروری اور فضول یا مضر میں لوگوں کو امتیاز نہیں۔ بزرگوں سے بجائے تحقیق دین کے کہ ان کا اصل منصب ہے فضول یا ناجائز کام لیتے ہیں چنانچہ ایک عالم سے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے ایمان کی نسبت سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نماز کے فرض تم کو یاد ہیں جواب دیا کہ نہیں فرمایا

فرائض نماز یاد کرو جن میں سے اگر کوئی متروک ہو جائے تو نماز ہی نہ ہو اور نماز وہ چیز ہے کہ قیامت میں سب اول اسی کی باز پرس ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے متعلق تو کچھ سوال بھی نہ ہوگا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنہ۔ یعنی اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی فضول کو ترک کر دے اور کوئی وجہ تو ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر میں گفتگو کرنے کی ممانعت فرمائی کیا حضرات صحابہؓ اس کو سمجھ نہ سکتے تھے۔ حالانکہ ہم جیسے بھی کچھ تفصیل سمجھ لیتے ہیں وجہ یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسئلہ تقدیر کی تحقیق پر کوئی کام اٹکا ہوا نہیں جو اعمال کرنے کے ہیں ان کی تحقیق چاہئے تقدیر پر مجملہ ایمان بالکل کافی ہے اور دیکھو قرآن شریف میں ہے یَسْئَلُونَكَ عَنِ الْهَلَةِ یعنی صحابہ دریافت کرتے ہیں کہ چاند چھوٹا بڑا کیوں ہوتا ہے۔ جواب ملا قُلْ هِيَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ یعنی چاند کے یہ حالات مختلفہ حج وغیرہ کے اوقات معلوم کرنے کے واسطے ہیں تو سوال علت سے تھا مگر جواب میں حکمت بیان کی اس میں یہی اشارہ ہے کہ کام کی بات پوچھو اور غیر ضروری سے پرہیز کرو۔ یہ جواب علیٰ اسلوب الحکیم کہلاتا ہے اور دیکھئے ایک جگہ میں تصریح ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ۔ (اور جو لوگ اعراض کرتے ہیں لغو امور سے) لغو کے معنی ہیں مالا نفع فیہ اور یہ عام ہے خواہ مضر ہو یا نہ ہو۔ پس کتاب و سنت تو لا یعنی کے ترک کرنے کا حکم دے رہی ہے مگر آج کل عموماً اسی میں ابتلاء ہو رہا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ جہل کو مرض نہیں سمجھتے اور ضروری وغیر ضروری میں امتیاز نہیں کرتے اور اس عدم امتیاز کا منشاء بھی جہل ہے۔ اگر لوگ جہل کو مرض سمجھتے تو اس کے رفع کرنے کی فکر میں لگتے فضول قصوں میں وقت ضائع نہ کرتے اور دین کی ضروری بات کو ضرور دریافت کرتے اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جس کی میں نے تلاوت کی ہے متنبہ فرما دیا کہ جہل مرض ہے۔ پس ایک فائدہ تو یہ ہے جو کہ حدیث شریف میں ہے لفظ شفاء سے مستبط ہوا۔ دوسرا فائدہ لفظ سوال سے معلوم ہوا وہ یہ کہ جب مرض ہوا تو ظاہر اس کی شفاء علم کو فرمانا چاہئے تھا۔ (شفاء المعی ج ۲)

## بیع فاسد کی تمام صورتیں سود ہیں

یاد رکھو بیع فاسد کی تمام صورتیں سودی ہیں بیجک آجانے پر مال کا بیچنا یہ بھی سود ہے اور ناجائز۔ سینکڑوں مسلمان ایسا کرتے ہیں (القرض ج ۲۱)

## آج کل معاملات میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں:

حلال و حرام کا معیار آج کل یہ رہ گیا ہے کہ جس کھانے میں گھی زیادہ ہو حلال ہے ورنہ حرام استغفر اللہ یہ بھی کچھ کم جہالت ہے۔ صاحبو! آپ خوب سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ معاملات میں کبھی کوئی شخص علماء سے رجوع نہیں کرتا صرف وکیلوں سے قانونی سوال و جواب کر کے تسلی کر لیتے ہیں اگر آپ نے کبھی کوئی گاؤں خریدا ہوگا تو اس کا مسودہ کسی وکیل سے تو لکھوا لیا ہوگا مگر کسی عالم سے پوچھنے کی نوبت نہ آئی ہوگی۔ غرض معاملات میں آج کل حلال و حرام کی کوئی بھی تمیز نہیں کیونکہ اس کو دین سے خارج سمجھ کر رکھا ہے۔ دین صرف نماز روزہ کو سمجھ رکھا ہے۔ (القرض ج ۲۱)

## معاملات اور حقوق کی چند مفید عام کتب

معاملات اور حقوق اور جو کچھ ذکر کے افراد میں سے باقی رہا وقت ختم ہو جانے کی وجہ سے ان سب کو ان کتابوں پر حوالہ کرتا ہوں جو اس کے کام کے لیے لکھی گئی ہے۔ بقدر ضرورت ان میں موجود ہے دو تین نام میں اس وقت بتائے دیتا ہوں۔

اصلاح الرسوم۔ اس میں رسموں کا مفصل بیان موجود ہے۔ صفائی معاملات یہ معاملات کے لیے بقدر ضرورت کافی ہے۔ حقوق الاسلام سے آپس کے اکثر حقوق معلوم ہو سکتے ہیں۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

## ایک کاتب کا کارنامہ

یہاں ایک واقعہ یاد آیا میرے ایک عزیز مولوی سعید مرحوم وعظ لکھا کرتے تھے کچھ وعظوں کے مسودے ان کے ہاتھ کے ایسے رہ گئے جن کے صاف کرنے کی نوبت نہیں آئی اور ان کا انتقال ہو گیا۔ ایک کاتب اور پیدا ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں ان کو صاف کر لوں گا۔ ایک وعظ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول آیا تھا انہوں نے سمجھا کہ عبد اللہ

سے مراد عبداللہ بن مسعود ہیں اور اس کی اصل یہ ہے کہ روایت حدیث میں جب عبداللہ مطلق آتا ہے تو مراد عبداللہ بن مسعود ہوتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے بہت غلطیاں کیں ایسی صریح تو غلطیاں کیں اور اجرت بھی کتابت کی لے لی پھر ان کو اس کا علم بھی ہوا اور اجرت واپس نہ کی۔ بس کہہ دیا کہ میں اپنا کام کر چکا۔ (القاف ج ۲۲)

## عورتوں کی ایک نامعقول حرکت

عورتوں میں یہ تو اچھی بات ہے کہ صفائی جلدی ہو جاتی ہے مگر ایک بڑی لغو حرکت ان میں یہ ہے کہ اگر اس نے قولاً یا فعلاً اپنی خطا کو معاف بھی کر لیا ہو یعنی زبان سے معافی چاہ لی یا برتاؤ سے لیکن اس کے بعد اگر اور کسی بات میں کسی روز لڑائی ہو جائے تو پچھلے مردے پھر اٹھیں گی پھر ان پرانی باتوں کو دہراتی ہیں کہ تو نے یہ کیا تھا وہ کیا تھا سو یہ نہایت ہی نامعقول حرکت ہے مردوں میں گو صفائی بدیر ہوتی ہے مگر ایک بار صفائی کے بعد پھر پچھلے واقعات کو دہراتے نہیں۔ سو یہ عورتوں کی بہت ہی نامعقول حرکت ہے عقلاً بھی اور شرعاً بھی یہ طریقہ زیادہ دل دکھاتا ہے بہر حال کسی درجہ میں ظالم کی شکایت کی تو اجازت ہے لیکن اگر کسی نے ستایا نہ ہو محض اپنا وقت گزارنے کے لیے کسی کی غیبت کرنا جیسے گنجفہ شطرنج وقت بہلانے کے لیے ہوتا ہے یہ کہاں جائز ہے اور یہ مرض غیبت کا صرف عورتوں ہی میں نہیں بلکہ مردوں میں بھی ہے گو قلت کے ساتھ ہے مگر یہ قلت اس درجہ کے اعتبار سے ہے جو عورتوں میں بھی ہے۔ گو قلت کے ساتھ ہے مگر یہ قلت اس درجہ کے اعتبار سے ہے جو عورتوں میں ہے ورنہ یہاں بھی کثرت ہے اور یہ ایسا مرض ہے کہ اتقیا اور مولویوں میں بھی ہے مجلس میں بیٹھے اور کسی کی غیبت ہو رہی ہے کسی کی شکایت ہو رہی ہے کیونکہ جب تک ادھر ادھر کی باتیں نہ ملا دیں اس وقت تک مجلس کی رونق نہیں ہوتی لوگ مجالست مقصود سمجھتے ہیں کہ مجالست میں فرق نہ آوے خواہ کتنے ہی گناہ ہو جاویں حالانکہ مجالست مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ مقصود بالعرض ہے کسی بزرگ کے پاس جاؤ تو دین کی باتیں پوچھو مسئلے دریافت کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مگر اب تو یہ آفت ہے کہ بزرگوں کی مجلس بھی دل بہلانے کے لیے ہو گئی ہے بس جہاں جی گھبرایا اور خیال ہوا کہ وہاں چلو شاہ صاحب کے پاس باتیں بتائیں گے دل بہلے گا یہ تو ایسا ہوا جیسے رند لوگوں کا بازاری عورت کے پاس جانا تو گویا بزرگ اس درجہ میں ہوئے۔ (رطبۃ اللسان ج ۲۲)



## آداب ملاقات:

ایک تحصیل دار صاحب نے مولانا کی شکایت کی کہ دوپہر کو ملنے گیا تھا مولانا اس وقت جاگ رہے تھے مگر مجھے دیکھ کر قصد آپشت پھیر لی اور مجھ سے بات تک نہ کی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو مولانا نے بہت اچھا کیا کیونکہ اس شخص نے بے اصول کام کیا۔ بھلا دوپہر کا وقت بھی کوئی ملنے کا وقت تھا۔ یہ وقت اہل اللہ کے لئے آرام کا وقت ہے کیونکہ وہ رات اتنے سویرے اٹھتے ہیں کہ اہل دنیا کو اس وقت نیند کی مستی میں دنیا و دین کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اب جو شخص رات کو تین چار گھنٹے جاگتا ہو وہ اگر دوپہر کو ایک دو گھنٹہ سو لے تو کیا ظلم ہے بلکہ قیلولہ تو سنت ہے مگر افسوس یہ ہے کہ لوگ آج کل انگریزوں سے تو ان کی فرصت کا وقت معلوم کر کے ملتے ہیں اور بزرگوں ملاؤں سے اپنی فرصت دیکھ کر ملتے ہیں۔ وہاں تو اپنا کام چھوڑ کر دن بھر اس لئے ضائع کرتے ہیں کہ صاحب کو جس وقت فرصت ہو اس وقت فوراً حاضر ہو جائیں اور یہاں اپنے سب کاموں سے فارغ ہو کر جب اپنی فرصت دیکھی بزرگوں کے پاس ان کا وقت ضائع کرنے کو حاضر ہو گئے۔ ان کو اتنی عقل نہیں کہ یہ وقت ہماری فرصت کا ہے تو یہ کیا ضرور ہے کہ دوسرے کی بھی فرصت کا ہو۔ حضرت حاجی صاحب کے پاس بھی دوپہر کو بعض لوگ ملنے آتے تھے، مگر حضرت اتنے نرم تھے کہ سب کے ساتھ بیٹھے رہتے اور ان کی باتیں سنتے رہتے۔ آنکھوں میں نیند ہوتی سر جھکا جاتا مگر طبیعت پر جبر کر کے بیٹھے رہتے۔ بعض دفعہ کسی خادم نے اگر کہہ دیا کہ یہ وقت ملاقات کا نہیں ہے حضرت کے آرام کا وقت ہے تو حضرت خادم پر خفا ہوتے کہ تم روکنے والے کون ہو؟ یہ بے چارے محبت سے آتے ہیں اگر مجھے تھوڑی سی تکلیف ہی ہو جائے گی تو کیا بڑی بات ہے اپنے دوستوں کے لئے آدمی تکلیف بھی گوارا کر لیا کرتا ہے۔ اس کے بعد خادم خاموش ہو گئے اور لوگوں نے بھی طریقہ اختیار کر لیا کہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر دوپہر کو حضرت کے پاس آ بیٹھے۔ ایک دن حضرت حافظ محمد ضامن صاحب نے دوپہر کو دیکھا کہ ایک صاحب حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہیں۔ خوب دھمکایا کہ رات کو تو بیویوں کو بغل میں رکھو اور صبح کو آٹھ بجے سو کر اٹھو۔ نہ تہجد کی پرواہ نہ صبح کی نماز کی، نہ جماعت کا خیال اور دوپہر کو اپنے سب کاموں سے فارغ ہو کر آئے بزرگوں کا وقت ضائع کرنے۔ رات کو

دوبکے سے جاگ اٹھتے ہیں، پھر صبح تک نہیں سوتے۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ خبردار! جو آج سے کوئی دوپہر کو آیا ناٹکیں چیر دوں گا۔ حافظ صاحب کے دھمکانے پر حضرت کچھ نہیں بولے، پھر اس دن سے کوئی ایسے وقت میں نہ آیا تھا۔ (الجمعین بین النفعین ج ۲۴)

## صفائی معاملات بھی ذکر موت میں داخل ہے:

موت کی یاد میں یہ بھی داخل ہے کہ معاملات کو صاف رکھے۔ اپنے ذمہ میں لوگوں کے جو حقوق ہوں ان کی اطلاع اپنے عزیزوں کو کرتا رہے، تاکہ اگر کسی کو رحم آ جائے تو اس کے بعد اس کو دین سے بری کرادے۔ صاحب قرض کی روح جنت میں نہیں جاتی، بلکہ جب تک قرض ادا نہ ہو معلق رہتی ہے۔ افسوس ہے کہ جن ماں باپ نے اس کے واسطے اپنے ایمان کو فدا کر دیا ان کی روح کو یہ معلق رکھتا ہے۔ درمختار میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک ایک دانگ کے عوض میں جو دو تین پیسہ کا ہوتا ہے، سات سو نمازیں دلائی جائیں گی۔ آج کل تو لوگ اس کو بھی لازمہ ریاست سمجھتے ہیں کہ کسی کا حق ٹال کر دیں۔ مطل الغنی ظلم اجارہ میں قبل شروع کرنے کام کے جانہین کی رضامندی شرط ہے۔ بعد کو اپنی تجویز سے دے دینا حرام ہے، بلکہ حکام کو بازار کے نرخ میں دست اندازی شرعاً جائز نہیں ہے۔ مالک کو اختیار ہے چاہے جس نرخ سے فروخت کرے، نرخ تو اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے: ”ان الله هو القابض الباسط“ (بے شک اللہ تعالیٰ ہی روزی میں فراخی اور تنگی کرنے والے ہیں) حقوق العباد ایسی سخت چیز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں سب لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ لوگو! جس کسی کا مجھ پر کوئی حق ہو وہ آج مجھ سے لے لے۔ میں چاہتا ہوں کہ قیامت میں مجھ پر دارو گیر نہ ہو۔ اگرچہ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کسی کا حق مار لیا، لیکن حقیقت میں بہت ہی کم ظلم کا مال ہضم ہوتا ہے۔ کسی پر کوئی مقدمہ قائم ہو گیا۔ ہزاروں کے وارے نیارے ہو گئے، کسی کو کوئی بیماری ایسی لگ جاتی ہے کہ دوا و ڈاکٹروں کی فیس میں گھر بک جاتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از در حق بہر استقبال می آید

(مظلوم کی بددعا سے ڈرو، کیونکہ اللہ کی طرف سے قبولیت استقبال کو آتی ہے)

انچہ بر تو آید از ظلمات و غم آں زیبای کی و گستاخی است ہم  
(تجھ پر جو ظلمات و غم آئیں تو اس کا سبب گستاخی و بے باکی ہے)

بعض مسلمان سود میں مبتلا ہیں۔ بہت کم ایسے ہوں گے جو سود دینے سے بچے ہوں گے۔ جائیداد کو رہن کرنے میں سود دیتے ہیں۔ بعض اوقات کسی نئی جائیداد پر مائل ہو کر مکان و جائیداد کو رہن کر دیتے ہیں اور برسوں سود دیتے رہتے ہیں۔ جب سود دینے کی برائی سنتے ہیں تو اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہیں، تو بہ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کے حال سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ تو موت کے خیال سے کوسوں بھاگتے ہوں گے۔ مگر موت کو قریب و یقینی سمجھتے تو کیوں اس طول امل و بلائے عظیم میں مبتلا ہوتے۔ ایسے لوگوں کا بجز اس کے کوئی علاج نہیں کہ اس جائیداد کو فوراً بیچ کر قرضہ سے اپنی جان کو آزاد کریں، ورنہ سود کا قصہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اگر کہیں اس سے روپیہ برسنے کی امید تھی تو خریداری ہی کو اتنے عرصہ تک ملتوی کرنا چاہئے تھا۔ جہاں تک تجربہ ہوا، معلوم ہوا کہ ایسے لوگ اکثر اپنی پہلی جائیداد کو بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ سود لینے والے کو ستر گناہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے ادنیٰ یہ ہے کہ اپنی ماں سے برا کام کیا اور باقی ۶۹ اس سے زیادہ ہیں اور دینا اور لینا برابر ہے۔ لقولہ علیہ السلام و نم سواء اگر مہاجن آپس میں یہ تجویز کریں کہ کسی مسلمان کو ہر گز روپیہ نہ دیا جائے تو کارروائی کی ہزاروں تجویزیں سمجھ میں آجاویں لیکن دین کی تو فکر ہی نہیں۔ سوچے ہماری بلا اگر چھوڑنے کا ارادہ کیا جائے تو سو باتیں نکل آئیں لیکن بعضے ان میں سے خلاف وضع ہوں گی۔ پھر وضع ہی کو اختیار کر لو یا دین کو، دنیا میں کوئی کسی پر عاشق ہو جاتا ہے تو کیا کیا ذلت گوارا کرتا ہے۔ برسر بازار جو تیاں کھانا گوارا ہوتی ہیں لیکن دوست کی گلی نہیں چھوٹی۔ اللہ تعالیٰ جو تیاں بھی نہیں لگاتے۔ محبت اور وضع داری جمع نہیں ہو سکتیں۔

اے دل آں بہ کہ خراب از گلگوں باشی بے زر گنج بصد حشمت قاروں باشی  
در رہ منزل لیلی کہ خطر ہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی  
”اے دل یہی بہتر ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت و عشق میں مشغول رہ کر بغیر مال و دولت کے حشمت و جذبہ میں قارون یعنی دنیا داروں سے بڑھے رہو۔ لیلیٰ یعنی محبوب کی منزل میں جان کو سینکڑوں خطرے ہیں پہلی شرط اس راہ کے لیے مجنوب بن جانا ہے۔“

صاحبزادہ کی شادی میں اگر کہیں قرض نہ ملے تو آخری تجویز یہی ہوتی ہے کہ زمین زیور بیچ کر کام کیا جاوے، اور یہ سب بلا ضرورت برادری کی خوشی کے واسطے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے اگر یہ کام کیا جائے تو کیا بعید ہے۔ جب ظاہراً کوئی اُمید ادا نیگی کی بالفعل نہیں ہے تو کس اُمید پر زیور و مکان رہن کرتے ہو۔ کوئی بزرگوں کے پاس آ کر کہتا ہے صاحب ایسا تعویذ یا وظیفہ بتلائیے کہ قرض ادا ہو جائے۔ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی کہے صاحب ایسا تعویذ دیجئے کہ بیٹا ہو جائے لیکن نکاح نہ کروں گا۔ تو پھر بیٹا کیا منہ سے جھڑے گا۔ (احکام و مسائل متعلق موت ج ۲۴)

## حدود و معاملات

معاملات کو دیکھ لیا جائے ان میں بھی حدود ہیں نکاح کی بھی ایک حد ہے کہ چار بیبیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ اسی طرح ہر عورت سے نکاح جائز نہیں بلکہ بعض حلال ہیں بعض حرام بہت سی عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں بعض رضاع کی وجہ سے بعض مصاہرت کی وجہ سے بیع و شراء کے لئے بھی حدود ہیں بعض صورتیں ربوہ میں داخل ہیں بعض صورتیں بیوع فاسدہ ہیں بعض صورتیں بیوع باطلہ ہیں۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## اسلاف کی احتیاط

امام سفیان ثوریؒ باوجود یہ کہ بہت بڑے تارک تھے حتیٰ کہ خلیفہ ہارون الرشید جو خلافت سے پہلے ان کا بڑا دوست تھا خلیفہ ہونے کے بعد انہوں نے ہارون رشید سے ملنا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ بیت المال میں ان کے مذاق کے موافق احتیاط نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ہارون رشید کا خط ان کے پاس آیا تو اس کو ہاتھ سے نہیں کھولا بلکہ ایک لکڑی سے کھولا۔ خط میں ہارون رشید نے ایک شکایت کی تھی کہ آپ نے مجھ سے ملنا چھوڑ دیا امام سفیان ثوریؒ نے سخت جواب دیا اور لکھا کہ تم بیت المال میں بیجا تصرف کرتے ہو قیامت میں تم سے اس کی باز پرس ہوگی اسلئے میں تم سے نہیں ملنا چاہتا مبادا کہیں میں بھی غضب میں گرفتار نہ ہو جاؤں وقف کا مال بہت احتیاط کے قابل ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ چراغ جلا کر کچھ کام کر رہے تھے۔ کہ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ



وجہ تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ نے چراغ فوراً گل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اب تک تو میں بیت المال کا کام کر رہا تھا اس لئے میرے واسطے مباح تھا اور اب ہم دونوں باتیں کریں گے اس لئے بیت المال کا تیل جلانا جائز نہیں۔ اس لئے میں نے چراغ گل کر دیا۔

سبحان اللہ حضرات صحابہ میں کیسی احتیاط تھی اگر آجکل کوئی شخص ایسی احتیاط کرنے لگے تو عوام تو کیا خواص بھی اسے وہی کہنے لگیں۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## مشائخ و علماء کو شفقت میں اعتدال کی ضرورت

بعض مشائخ و علماء کی حالت یہ ہے کہ غلبہ شفقت میں ہر شخص کے کام میں گھس جاتے ہیں پھر معاملہ میں مشورہ بھی دیتے ہیں اور ہر شخص کی خدمت کو تیار ہو جاتے ہیں اور اس سے وہ اپنا نقصان کر لیتے ہیں کہ نہ معمولات کا انضباط رہتا ہے نہ کسی وقت یکسوئی حاصل ہوتی ہے نہ کوئی وقت تنہائی کا ان کو ملتا ہے۔ ہر وقت مجلس جمائے بیٹھے رہتے ہیں اور دوسروں کی دنیا سنوارنے میں اپنا دین برباد کر دیتے ہیں یہ حالت قابل اصلاح ہے مگر آجکل مشائخ اس کو عین طاعت سمجھتے ہیں۔ ہمارے ماموں صاحب جن پر آزادی غالب تھی مگر باتیں حکیمانہ فرماتے تھے تو ان کی کوئی بات حکمت کی ہو تو اس کے بیان کرنے میں کیا حرج ہے وہ مجھے فرماتے تھے کہ دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت میں اپنی پونجی کو برباد نہ کر دینا جیسے بنارس کی حکایت سنی ہے کہ وہاں نہاں کے موقع پر ایک رئیس نے اپنے ملازم کو سامان کے پاس بٹھا دیا اور خود نہانے چلا گیا سامان بہت قیمتی تھا اور نقد روپیہ بھی ساتھ تھا چوروں نے دیکھ لیا اور کوشش کی کہ کسی طرح ملازم یہاں سے اٹھے تو سامان پر قبضہ کریں تو انہوں نے یہ تدبیر کی کہ پیتل کی اشرفیاں جیب میں بھر کر اس ملازم کے سامنے سے زمین پر گراتے ہوئے گزرے ملازم یہ سمجھا کہ سونے کی اشرفیاں ہیں اور بے خبری میں جیب کے پھٹ جانے سے گر رہی ہیں وہ حرص میں سامان کے پاس سے اٹھا کہ قریب تو ہوں ہی اور اشرفیاں جمع کرنے لگا چوروں کی ایک جماعت جو اسی انتظار میں تھی آئی اور رئیس کا سامان اٹھا کر چلتی ہوئی تو جیسے اس شخص نے پیتل کی

اشرفیوں کیلئے قیمتی سامان کو برباد کیا اسی طرح بعض مشائخ غلطی کرتے ہیں۔ بہر حال ہمارے ماموں صاحب کا یہ ارشاد تھا اور واقعی سچی بات تھی۔ (الترجم فی الترام ج ۲۵)

## اولیاء اللہ کی طبیعتوں میں بڑا انتظام ہے

حضرت سلطان نظام الدینؒ کے یہاں دو شخص بیعت کے واسطے آئے آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے یہاں کا حوض اس مسجد کے حوض سے بہت بڑا ہے۔ سلطان جی نے سن لیا پوچھا کتنا بڑا ہے کہنے لگے یہ تو معلوم نہیں سلطان جی نے فرمایا کہ جاؤ ناپ کر آؤ۔ بے چارے مرتے کھپتے گئے اور جا کر ناپا تو ایک بالشت بڑا نکلا۔ بڑے خوش ہوئے کہ ہماری بات سچی رہی۔ مہینہ بھر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو سلطان جی نے پوچھا کہ حوض کو ناپ آئے کہا حضور ہاں، فرمایا کتنا بڑا ہے بتلایا ایک بالشت بڑا ہے۔ سلطان جی نے فرمایا کہ تم تو یوں کہتے تھے کہ ہمارا حوض بہت بڑا ہے۔ ایک بالشت بڑے کو بہت بڑا نہیں کہہ سکتے تم میں تحقیق و انتظام کا مادہ نہیں ہے جاؤ تمہاری ہم سے موافقت نہ ہوگی ہم بیعت نہ کریں گے۔ اسی طرح ایک بزرگ کا معمول تھا کہ جب کوئی طالب انکے یہاں آتا تو روٹی اور سالن معمولی خوراک سے مگر باہمی تناسب کی رعایت سے اس کے آگے بھیجتے کھانا بچنے کے بعد پھر دیکھتے سوا گروہ مناسب انداز سے روٹی سالن چھوڑتا تب تو بیعت کر لیتے اور اگر سالن ختم کر دیا روٹی چھوڑ دی یا روٹی ختم کر گیا اور سالن چھوڑ دیا یا دونوں چیزیں چھوڑیں مگر مناسب انداز سے نہیں بلکہ روٹیاں دو ہیں تو سالن ایک ہی روٹی کا ہے یا برعکس تو اسے بیعت نہ فرماتے تھے اور کہہ دیتے کہ تمہارے اندر سلیقہ اور انتظام نہیں ہمارا تمہارا نباہ نہ ہوگا۔ اگر آج کل کوئی شیخ ایسا برتاؤ کرے تو اس کو بد مزاج کہتے ہیں بھلا ان ناقدروں سے کیا توقع کی جائے۔ (الباب لاوی الباب ج ۲۵)

## رئیس ضلع بلند شہر کے رسم چہلم ختم کرانے کا واقعہ

ضلع بلند شہر کے ایک رئیس کا انتقال ہوا ان کے صاحبزادے نے چالیسویں کی رسم کو توڑنا چاہا لیکن اس کی یہ صورت اختیار نہ کی کہ کچھ سامان نہ کریں بلکہ یہ کیا کہ رسم کے موافق تمام برادری کو دعوت دی اور بہت سے عمدہ عمدہ مرغن کھانے پکوائے۔ بڑے لوگوں پر ایک

یہ بھی آفت ہے کہ جب تک وہ گھٹی کی نہریں نہ بہا دیں اس وقت تک ان کا کرنا کچھ نہیں سمجھا جاتا۔ غرباء الحمد للہ اس سے بری ہیں۔ غرض جب سب لوگ جمع ہو گئے تو کھانا چنوا یا اور ہاتھ دھلوا کر سب کو بٹھلایا گیا اور کھانا شروع کرنے کی اجازت دینے سے پہلے پکار کر کہا صاحبو آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد ماجد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے اور والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ جانا جس عظیم الشان صدمہ کا سبب ہوتا ہے ظاہر ہے تو صاحبو کیا یہی انصاف ہے کہ ایک تو میرا باپ مرے اور اوپر سے تم لوگ لوٹنے کے لئے جمع ہو تم کو کچھ شرم بھی آتی ہے اس کے بعد کہا کہ اب بسم اللہ کر کے کھائیے لیکن سب لوگ اسی وقت اٹھ گئے اور یہ رائے ہوئی کہ ان رسوم کے متعلق علیحدہ بیٹھ کر غور کرنا چاہئے چنانچہ بہت سے آدمی جمع ہوئے اور باتفاق رائے ان کو موقوف کر دیا اور وہ کھانا فقراء کو تقسیم کر دیا گیا۔ (ذم المکتر دہات ج ۲۶)

## مسلمانوں میں صفائی معاملات کا فقدان ہے

آج کل ہم لوگوں نے دین میں انتخاب کر لیا ہے۔ کسی نے صرف نماز کو لے لیا کسی نے صرف روزہ کو کسی نے عبادات میں واجبات و فرائض کا اہتمام کیا تو اخلاق کو چھوڑ دیا۔ اس لیے اعمال بلا اخلاق کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھ کر عجب اور تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں دعویٰ اور فخر کرنے لگتے ہیں دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس حالت کی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے ایسے لوگوں نے دین کو نماز روزہ پر منحصر سمجھ لیا ہے اخلاق و معاملات کو بالکل پس پشت ڈال دیا۔ چنانچہ اخلاق کی کیفیت تو اوپر معلوم ہو چکی معاملات کی حالت یہ ہے کہ مسلمان معاملات عدالت کو وکلاء سے تو پوچھتے ہیں علماء سے کبھی نہیں پوچھتے کہ ہم یہ معاملہ کس طرح کریں۔ یہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت کو معاملات سے کیا مطلب۔ (المحذی والمغفرہ ج ۲۷)

## آداب ضیافت

مسلم میں حدیث ہے مقداد بن اسود اس کے راوی ہیں یہ اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تیرہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مہمان ہوئے صحابہ کی عادت تھی کہ مہمانوں کو تقسیم کر لیا کرتے تھے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی تقسیم کر دیا چند آدمی اپنے حصے میں رکھے ان میں یہ بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد تشریف لاتے اور ہم

لیئے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سلام کرتے کہ جاگتا آدمی تو سن لے اور سوتا آدمی جاگ نہ جائے۔ دیکھئے تہذیب یہ ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اس کی رعایت ہر شخص کے ساتھ چاہئے اور حدیث بقیع عرفہ میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں قام روید او انطلق رویدا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ اٹھے اور آہستہ آہستہ تشریف لے گئے تاکہ حضرت عائشہ کی نیند میں خلل نہ آئے اپنے سے چھوٹوں کی بھی یہ رعایت ہے آج کل بڑوں کے سامنے بھی دبنا نہیں چاہتے۔ اب لوگ تہجد کو اٹھتے ہیں تو ڈھیلے پھوڑتے ہیں کھٹ کھٹ چلتے ہیں گویا بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم تہجد کو اٹھے تہذیب تو کہیں باقی ہی نہیں رہی ادب کے معنی لوگوں نے بار بار جھکنے کھڑے ہونے اور آداب و تسلیمات لے لئے ہیں حقیقت میں مؤدب تھے تو صحابہ تھے مگر نہ ان میں بار بار اٹھنا تھانا بار بار جھکنا تھانا چبا چبا کر باتیں کرنا تھا لیکن موقع پر دیکھئے کہ جان دینے میں بھی تامل نہ تھا زیادہ صورت تعظیم و تکریم کو اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ شخص وقت پر کچھ بھی کام نہ دے گا نیز ایسی تعظیم سے دوسرے شخص کا ضرر ہوتا ہے کہ اس کے اندر عجب پیدا ہو جاتا ہے حدیث میں جو آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو کچھ آدمیوں کو آگے اور کچھ کو پیچھے کر لیتے جب اس پر عمل کر کے دیکھا جاتا ہے تب اس کی قدر ہوتی ہے کہ اس میں جانبین کی کس قدر منفعت ہے مگر ان باتوں کا خیال تو کیا ان کا داخل شریعت ہونا بھی اب معلوم نہیں رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بیٹھتے کہ کوئی امتیاز نہ ہوتا۔ عرب میں اب بھی یہ رسم ہے کہ سب یکساں بیٹھتے ہیں۔ ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں پاشا نے حجاج کو محمد حسین سندھی مطوف کے مکان پر جمع کیا سب لوگ وقت سے پہلے پہنچ گئے پاشا اپنے وقت پر آئے، لوگ ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے مگر وہ ایک کونے میں بیٹھ گئے جہاں پہلے ایک معمولی آدمی بیٹھتا تھا اور مجمع میں کسی نے اونچی جگہ بیٹھنے کی تو اضع بھی نہ کی بتائیے اس میں کیا حرج ہو گیا تکلفات کے رواج ڈال لینے سے ایک خرابی یہی پیدا ہوتی ہے کہ اگر پھر تکلف نہ کیا جائے تو برامانے کی نوبت آتی ہے اور جب تکلفات کا رواج ہی نہیں تو برامانے کا موقع بھی نہ ہوگا۔ (ادب العشر ج ۲۸)

## ایک دیندار ڈپٹی کی حکایت

ایک ڈپٹی صاحب ہیں جو بہت دیندار ہیں وہ اپنے ایک لڑکے کا ٹکٹ آدھا لیتے تھے اور گھروالوں سے اس کی تحقیق کر رہے تھے کہ اس کی عمر کیا ہے۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا



کہ اس کی اتنی عمر ہے جس پر ٹکٹ پورا لگنا چاہئے۔ آس پاس جو لوگ کھڑے تھے وہ سب ہنس رہے تھے کہ دیکھو اس بچے کے لئے آدھا ٹکٹ بھی کھپ سکتا تھا اگر آدھا ٹکٹ لیتے تب بھی کوئی نہ ٹوکتا یہ خود ہی اپنا پیسہ پھینکتے ہیں۔ ایک اور شخص بی اے ہیں وہ ریل میں سوار ہوئے وقت کم تھا اسباب تلوانہ سکے جہاں اترے وہاں انہوں نے کہا اسباب تول لو بابو نے دیکھا اور کہا جاؤ لے جاؤ انہوں نے کہا نہیں اسباب زیادہ ہے (خدا جسے نیکی دے وہ ایسے ہی ہوتے ہیں) ان کی وضع قطع سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ انگریزی جانتے ہیں اس لئے اسٹیشن ماسٹر اور وہ بابو انگریزی میں آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ ایک نے دوسرے سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شراب پی رکھی ہے اس کے نشہ میں ہے۔ انہوں نے کہا جناب میں شراب پئے ہوئے نہیں ہوں میں مسلمان ہوں مذہب اسلام میں حق تلفی جائز نہیں محصول لے لیجئے۔ بابو نے کہا کہ جاؤ جی ہم کو فرصت نہیں (عجیب بات ہے کہ چھپے ہوئے کو تو پکڑتے ہیں اس کے واسطے چلتی گاڑی میں بھی گشت کرتے ہیں اور یہ محصول دے رہے ہیں اور نہیں لیتے) اب انہیں فکر ہوئی کہ آخر میں کیا کروں میں محصول دے رہا ہوں اور یہ لوگ نہیں لیتے مگر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا فوراً سمجھ میں آ گیا بس حساب کیا کہ کتنا محصول واجب ہے اتنی رقم کا ایک ٹکٹ کسی اسٹیشن کا لے کر پھاڑ دیا اس طرح کرایہ ادا ہو گیا یہ خدا کا خوف تھا لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبائع میں بالکل انقلاب ماہیت ہو گیا ہے اور یہ اگرچہ ہدایت برا ہے لیکن اس کے عام ہو جانے سے اس کی برائی نظروں سے اٹھ گئی ہے بلکہ بجائے برائی کے رواج عام ہو جانے سے اس کی بھلائی ذہنوں میں آ گئی ہے پھر ایسے فعل پر عمل کیسے ہو جس کے مقابل کی بھلائی ذہنوں میں موجود ہے یہ دشواریاں ہیں جس کی وجہ سے دین پر قائم رہنے والے کو چنگاری کے ہاتھ میں لینے کے ساتھ ساتھ حدیث میں تشبیہ دی گئی ہے لیکن جس طرح عمل اس وقت میں دشوار ہے اسی طرح (میں بشارت سناتا ہوں آپ کو کہ) اس وقت عمل کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ ایسے وقت میں ایک عمل کرنے والے کو ثواب پچاس آدمیوں کا ملے گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا ان کے پچاس کا یا ہم میں کے پچاس کا (ان کے پچاس ہوں گے تو سارے نکلے ہوں گے) جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم

میں کے پچاس کا دیکھئے کتنی بڑی بات ہے اس حدیث کے بموجب اس وقت ایک عمل کا ثواب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پچاس عمل کے برابر ملتا ہے کتنی بڑی فضیلت ہے یہ اور بات ہے کہ ان کا ایک ہی حصہ ہمارے پچاس سے کیفاً بڑھا ہوا ہو۔ صحابہ کے اعمال ہم سے ضرور بڑھے ہوئے ہیں ان کا ایک اور ہمارے سو بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں موجود ہے لو انفق احدکم مثل الاحد ذہبا مابلغ مداحدہم ولا نصیفہ او کما قال یعنی اگر کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خیرات کر دے گا تو صحابی کے ایک مدیا اس کے نصف کے برابر بھی نہ ہوگا ہمارے اعمال کیسے بھی ہوں لیکن ان میں وہ چیز نہیں ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال میں تھی ان میں روح بھری ہوئی تھی اور ہمارے اعمال میں صرف صورت ہے اور کسی کے عمل میں روح ہو بھی تب بھی ان جیسی روح نہیں ہے خیر پچاس تو ہیں گو وہ پچاس ایک کے بھی برابر نہ ہوں ہم صحابہ جیسے تو بن نہیں سکتے تاہم ان کی نقل تو کر سکتے ہیں۔ (ادب الاسلام ج ۳۰)

## حضرات صحابہؓ کی عجیب شان

کانپور میں ایک صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہتے تھے ایک مرتبہ اتفاق سے میں ان سے ملا انہوں نے وہی تذکرہ چھیڑا اور حدیث پڑھی۔ ”من سب اصحابی فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ“ (جس نے صحابہ کو گالی دی پس تحقیق کہ اس نے مجھ کو گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی پس تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی) اور کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نامناسب الفاظ کہہ دیتے تھے تو وہ اس حدیث کے مصداق ہو گئے۔ میں نے کہا کہ صاحب آپ نے غور نہیں کیا اس حدیث کے یہ معنی نہیں جو آپ نے سمجھے بلکہ اس کے معنی دوسرے ہیں ان کے سمجھنے کے لیے اول آپ ایک محاورہ سمجھئے کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ جو شخص میرے بیٹے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا میں اس کی آنکھیں نکال دوں گا تو اب بتلائیے کہ یہ وعید کس شخص کے لیے ہے آیا اپنی دوسری اولاد کے لیے بھی کہ اگر وہ آپس میں لڑیں جھگڑیں تو ان کے ساتھ بھی یہی کیا جائے گا یا غیروں اور اجانب کے لیے ہے۔ ظاہر ہے کہ اجانب کے لیے یہ وعید ہے پس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ غیر اصحاب

میں سے جو شخص میرے اصحاب کو برا کہے اس کے لیے یہ حکم ہے اس کو سن کر وہ کہنے لگے کہ یہ ذہانت کی باتیں ہیں میں نے کہا کہ صاحب پھر کیا غباوت کی باتیں کہوں اس پر وہ شرمندہ سے ہو گئے تو مجھے بہت حجاب ہوا۔ اسی لیے میں نے اپنا یہ معمول کر لیا ہے کہ اگر کوئی بڑا آدمی مجھے بلاتا ہے تو اول یہ شرط کر لیتا ہوں کہ خلوت میں گفتگو کروں گا کیونکہ جلوت میں گفتگو کرنے سے اکثر مخاطب لا جواب ہو کر شرمندہ ہو جاتا ہے اور میں اس کو باوجاہت لوگوں کے لیے پسند نہیں کرتا۔ آخر میں ان کی شرم یوں اتاری کہ میں نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے آپ عامل ہیں مجھ کو نیند کم آتی ہے اگر آپ پانی پڑھ کر بھیج دیا کریں تو بہت اچھا ہو۔ چنانچہ وہ اس سے خوش ہوئے اور تشریف لکھ دینے کا وعدہ کیا۔ غرض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف داری کر کے دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا نہ کہنا چاہیے اور صاحبو! اس وقت کی سلطنت ہی کیا تھی جس پر کوئی لالچ کرتا اس وقت کی سلطنت یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوپہر کے وقت گرمی میں چلے جا رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا پوچھا کہ امیر المومنین کہاں چلے آپ نے فرمایا کہ بیت المال کا ایک اونٹ غائب ہو گیا ہے اس کی تلاش کو جا رہا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت آپ نے اس گرمی میں کیوں تکلیف کی کسی کو حکم دیا ہوتا کہ وہ تلاش کر لیتا آپ نے فرمایا کہ اے عثمان! میدان قیامت کی گرمی اس گرمی سے اشد ہے۔ (فضائل العلم والحیۃ ج ۳۱)

## اہل دین کا شفقت میں غلو

ایک شفقت اہل دین کی ہے کہ ان لوگوں کو جوش اٹھتا ہے کہ جس طرح ہو سکے قوم کی اصلاح ہو جائے اس کوشش میں مختلف طرح کی مشکلات ان کو پیش آتی ہیں اور ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ جو کچھ مدارس یا انجمنیں قائم کرتے ہیں ان سے مقصود صرف اپنا نفع ہوتا ہے کہ ہم کو خوب روپیہ ملے یا ہمارا خوب نام ہو۔ یہ لوگ تو مصلحین کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل ہی نہیں دوسرے وہ لوگ ہیں کہ واقعی وہ اصلاح چاہتے ہیں اور ان کی سچی تمنا یہ ہے کہ قوم کی حالت درست ہو جائے مگر ان کو شفقت میں غلو ہو گیا ہے اس میں اول تو جسمانی تکلیف ہوتی ہے دوسرے بعض اوقات دین کی بھی خرابی ہو جاتی ہے

کہ اس کے اہتمام میں بعض ناجائز طریقوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ تیسرے بہت پیچھے پڑنے سے عداوت ہو جاتی ہے۔ یاد رکھو ”لایکلف اللہ نفساً الا وسعها“ خدا تعالیٰ کے دربار میں وسعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی مجھے تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آتا ہے اگر ان کے پاس کوئی فہرست مسجد کے چندہ وغیرہ کی لے کر آتا اور دستخط کرنے کی درخواست کرتا تو فرماتے کہ یہاں کیوں لوگوں کے پیچھے پڑے ہو مسجد یا مدرسہ بنانا ہی ہے تو کچی دیواریں اٹھا کر بنا لو اگر وہ کہتا کہ حضرت کچی دیواریں گر جائیں گی تو فرماتے کہ میاں کچی بھی آ خر گریں گی تو جب گر جائیں گی کوئی دوسرا بنادے گا تم قیامت تک کا بندوست کرنے کی فکر میں کیوں پڑے۔ بات یہ ہے کہ:

آرزو میںخواہ لیک اندازہ خواہ برتنا بد کوہ رایک برگ کاہ  
چار پارا قدر طاقت بار نہ بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ  
(تمنا کر لیکن اپنے مرتبہ کے موافق کر اس لیے کہ پہاڑ کو ایک گھاس کا پتہ نہیں اٹھا  
سکتا، چوپایوں پر ان کی طاقت کے بقدر بوجھ رکھ کمزوروں پر ان کی ہمت کے بقدر کام رکھ  
یعنی کام سپرد کر) (فضائل العلم والخیر ج ۳۱)



# آخرت

- ☆ دنیا اور آخرت کی حدود
- ☆ اور ان سے معاملہ کرنے میں آخرت کو ترجیح دینے
- اور پیش نظر رکھنے کی تاکید
- ☆ اللہ تعالیٰ سے ملاقات
- ☆ قبر حشر، جنت، جہنم، صدقات جاریہ
- ☆ مراقبہ موت، غفلت کا علاج
- ☆ جیسے دیگر موضوعات پر حکیم الامت رحمہ اللہ
- کی حکیمانہ الہامی خطبات سے انتخاب

## دودھ والی رات کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو کسی دوسرے بزرگ کو کشف ہوا یا خواب میں دیکھا کہ ان سے سوال ہو رہا ہے کہ ہمارے واسطے کیا عمل لے کر آئے ہو انہوں نے جواب دیا کہ اور تو کچھ نہیں، تو حید لے کر آیا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ تو جھوٹا ہے، تو حید بھی تیری درست نہیں۔ ”اذکر لیلة اللبن“ دودھ والی رات کا قصہ یاد کرو۔ دودھ والی رات کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک روز دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہو گیا تھا تو انہوں نے کسی سے یہ کہا کہ دودھ پینے سے درد ہو گیا تو یہ باز پرس ہوئی کہ تم نے دودھ کو موثر قرار دیا حالانکہ موثر ہم ہیں۔ یہ کیسی تو حید ہے جب تو حید بھی غلط ثابت ہوئی تو وہ بزرگ بہت پریشان ہوئے۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم اپنے قول کے موافق دوزخ کے مستحق ہو چکے کیونکہ تمہارے اقرار میں تمہارے پاس صرف ایک نیکی تھی اور وہ بھی غلط ثابت ہوئی۔ اب سنو! ہم تم کو کس بات پر بخشتے ہیں۔ ایک رات کو تم نے ایک بلی کے بچے کو سردی سے کانپتا دیکھا تھا اور تم نے اس پر رحم کھا کر لحاف ڈال دیا تھا جس پر اس نے تم کو دعا دی۔ وہ دعا اس بلی کے بچے کی ہم نے قبول کر لی اور تم کو اس کی دعا پر بخشا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عمل تھا مگر کبھی حق تعالیٰ بدوں عمل کے صرف ظاہری صورت پر بخش دیتے ہیں۔ (المراد ج ۱)

## دنیا و آخرت

طلب دنیا طلب آخرت دونوں کے ثمرات کو قرآن مجید میں کس طرح بیان کیا گیا ہے۔ طالب دنیا کی بابت تو ارشاد ہے: ”عَبَّجُلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ“ یعنی ہم طالبان دنیا میں جس کو چاہتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نہ سب کا کامیاب ہونا ضروری ہے اور نہ یہ ضروری کہ جو وہ چاہا کریں وہی مل جائے بلکہ حق تعالیٰ چاہیں گے تو دے دیں گے۔

اور طالبان آخرت کے متعلق ارشاد ہے: ”فَاُولَٰئِكَ كَانَتْ لَهُمْ مَّشْكُورًا“ کہ جو آخرت کی طلب، کوشش عملی اور ایمان کے ساتھ کرتے ہیں ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔ ایمان اور سعی کی قید واقعی ہے احترازی نہیں اور یہ دراصل بیان ہے من ارادہ الآخرة کا کہ ارادہ آخرت کہتے ہی ہیں ایمان اور عمل صالح میں سعی کرنے کو کیونکہ اس کے بدوں طلب آخرت سمجھتے ہیں مگر عمل صالح نہیں کرتے کہ دراصل یہ لوگ طالب آخرت ہی نہیں، طلب کے لیے علامت بھی چاہیے۔ طلب آخرت کی علامت یہی ہے کہ ایمان اور عمل صالح اختیار کیا جائے اور میں نے یہ مضمون کہ ”وَسَعَىٰ لَهَا سَعِيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ“ قید واقعی ہے اس لیے بیان کیا تا کہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں جو ثمرہ ارادہ آخرت کے متعلق مذکور ہے وہ صرف ارادہ کا ثمرہ کہاں ہے بلکہ سعی اور ایمان اور ارادہ اس سب مجموعہ کا ثمرہ ہے اور دعویٰ تمہارا ارادہ آخرت کے ثمرہ کا ہے تو اس تقریر سے یہ شبہ زائل ہو گیا کیونکہ میں نے بتلادیا کہ یہ قید واقعی ہے اور یہ ارادہ کا بیان اور اس کی شرح ہے۔ رہا یہ سوال کہ پھر اس کے مقابل ارادہ عاجلہ کی تفسیر کیوں نہ بیان کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادہ آخرت کی اس تفسیر سے مقصود یہ ہے کہ ارادہ آخرت کا سہل ہونا معلوم ہو جائے کہ اس میں معمولی سعی اور ایمان کی ضرورت ہے تا کہ اس کے بعد آخرت کی طلب کرنے کے لیے رغبت دل میں پیدا ہو بخلاف ارادہ دنیا کے کہ اس کی ترغیب مقصود نہیں اس لیے اس کی تفسیر بیان نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں یہ کہ ارادہ آخرت کی تفسیر کے متعلق تو لوگ غلطی میں مبتلا ہیں کوئی کسی طریقہ کو طلب آخرت سمجھتا ہے کوئی کسی طریقہ کو۔ اس لیے اس کی تفسیر کی ضرورت تھی اور ارادہ دنیا کو ہر شخص سمجھتا ہے اس کے بیان کی حاجت نہ تھی۔ (المراد ج ۱)

## دنیا کی حقیقت

اب یہ سمجھو کہ دنیا اس مال کا نام نہیں، مال بے چارہ تو مفت میں بدنام ہو گیا ہے اس لیے کہ بعض مال اچھا ہے جیسے حلال مال اور بعض مال برا ہے جیسے رشوت، چوری کا مال۔ پس اگر دنیا نفس مال کا نام ہوتا تو اس کی دو قسمیں کیسے ہوتیں۔ دنیا نام تعلق بغیر اللہ کا ہے یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے تعلق بڑھا کر بکھیڑوں میں پڑ کر معاملات میں گھس کر اللہ تعالیٰ سے غافل ہونا۔ پس یہ تعلق بغیر اللہ سب کے لیے برا ہے۔ بخلاف

مال کے کہ کسی کے لیے اچھا، کسی کے لیے برا ایسے ہی اولاد بھی دنیا نہیں، ہاں قلب کا اس کے ساتھ اتنا تعلق جو غافل کر دے یہ دنیا ہے۔ (الدنیاج ۱)

## دنیا بقدر ضرورت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ ضرورت کے موافق دنیا سے تعلق رکھو مگر اس سے دل نہ لگاؤ، اس میں منہمک نہ ہو جاؤ نہ تعلقات کو بڑھاؤ بلکہ حتی الامکان اختصار رکھو۔ اس میں نہ تعطل ہے نہ اس پر عمل دشوار ہے مگر اللہ بھلا کرے بعض واعظین کا کہ وہ وعظ کے وقت جو زہد و توکل کا بیان کریں گے تو اس کو ہوا ایسا بنادیں گے جو ان واعظ صاحب کے باپ سے بھی نہ ہو سکے۔ حالانکہ شریعت میں ممتنع العمل کوئی بات نہیں ہے۔ پس یہ شریعت کی تعلیم نہیں ہے بلکہ واعظوں کی من گھڑت ہے۔ شرعاً زہد و توکل کے لیے یہ لازم نہیں کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ بھی زہد و توکل ہو سکتا ہے۔

جس کی صورت یہ ہے کہ مال کے ساتھ دل نہ لگائے اور ضرورت سے زیادہ کے درپے نہ ہو۔ پس یہ زہد ہے اور اگر بدوں طلب و انہماک کے ضرورت سے زیادہ سامان حق تعالیٰ عطا فرمائیں تو یہ بھی زہد کے خلاف نہیں۔ اور توکل یہ ہے کہ اسباب کو مؤثر نہ سمجھے اور نہ ان پر اعتماد کرے بلکہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے اور ہر چیز کو انہی کی عطا سمجھے۔ اس کے لیے ترک اسباب اور ترک ملازمت ضروری نہیں۔ (غریب الدنیاج ۱)

## موت کی یاد

ایک وقت مقرر کر کے اس میں موت کو یاد کیا کرو۔

اور پھر قبر کو یاد کرو۔

اور پھر حشر کو یاد کرو

اور یوم حشر کے احوال کو اور وہاں کے شدائد کو یاد کرو۔

اور سوچو کہ ہم کو خدائے تعالیٰ قادر کے روبرو کھڑا کیا جائے گا!

اور ہم سے باز پرس ہوگی!

ایک ایک حق اُگلنا پڑے گا۔ اور پھر سخت عذاب کا سامنا ہوگا!



اسی طرح روزانہ سونے کے وقت سوچ لیا کرو۔ دو ہفتے میں ان شاء اللہ تعالیٰ کا یا پلٹ ہو جائے گی اور جو اطمینان و انس اور دلچسپی دنیا کے ساتھ اب باقی ہے نہ رہے گی۔ (الرصا بال دنیا ج ۱)

## دعوت تدبر

یہ جو قرآن شریف میں ہے کہ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

(البقرہ آیت نمبر ۲۱۹، ۲۲۰)

”تا کہ تم دنیا و آخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو۔“

کہ فکر کرتے ہیں دنیا اور آخرت میں اس فکر فی الدنیا کی کسی نے کیا اچھی تفسیر کی ہے کہ دنیا کی تکالیف اور دنیا کی لذات میں غور کرے کہ یہاں کی لذات سب ایک دن فنا ہو جائیں گی اور دنیا کی زندگی تکالیف سے بھری ہوئی ہے اور فکر آخرت سے اس کا عکس ثابت ہوگا۔ اس مجموعہ کے سوچنے سے دنیا کی بے قدری ہوگی اور آخرت کی طرف رغبت بڑھے گی۔ جب دونوں کا موازنہ کرے گا تو معلوم ہوگا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا لاشے محض ہے۔ اور اس مراقبہ سے دنیا کی تکالیف میں بھی کمی ہوگی کیونکہ جب سوچے گا کہ دنیا میں بالفعل اگرچہ تکالیف ہیں مگر یہ ایک روز فنا ہو جائے گی اور آخرت میں راحت ہی راحت ہے تو وہ تکالیف نہ معلوم ہوں گی اس لیے میں نے اس ذکر سے کہا کہ جب موت کے تفکر سے جی گھبراتا ہے تو حیات کا تفکر کرو۔ حق تعالیٰ نے ہر شخص کے مناسب سوچنے کی چیزیں بتلا دی ہیں مگر افسوس ہمارا کوئی وقت سوچنے کے لیے فارغ نہیں۔ (الاطمینان بال دنیا ج ۱)

## امور آخرت میں تفکر

آخرت کے تمام امور کو سوچا کرو کہ میں قبر میں جاؤں گا وہاں سوالات ہوں گے اگر ٹھیک جواب دے دیا تو راحت ہوگی اور اگر جواب ٹھیک نہ دیا گیا تو عذاب ہوگا پھر اس کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا میدان قیامت کی سختیوں کو بھی سوچے یہ کہ خدا تعالیٰ کے روبرو کھڑا کیا جاؤں گا اس کے بعد پل صراط پر چلنا ہوگا پھر جنت ملے گی یا دوزخ میں ڈالا جاؤں گا دوزخ میں کوئی پرسان حال نہ ہوگا غرض سارے امور کو سوچا کرے۔ (ایضاً)

## ایک قابل عمل بات

کسی بزرگ سے تعلق پیدا کر لو اگر ممکن ہو سکے تو اس کی صحبت میں رہو۔ اگر اس کے حقوق صحبت ادا نہ کر سکو تو اس سے خط و کتاب کر کے اپنے اعمال کی حفاظت رکھو۔ دیکھ بھال رکھو کہ زبان کو کس چیز میں مشغول رکھتے ہو۔ کان سے کیا کام لیتے ہو تمام اعضاء کی حفاظت رکھو اور شیخ کو اپنے حالات کی اطلاع کرتے رہو اور جو وہ بتلائے اس پر عمل کرو کیونکہ امراض باطنی کی جو دوائیں ہیں وہ ان کی خاصیت خوب جانتا ہے وہ بصیر ہے دانشمند ہے طبیب روحانی ہے امراض قلبی کے علاج سے بخوبی واقف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصل مرض ہمارے اندر یہ ہے کہ آخرت سے بے فکر ہو کر دنیا پر اطمینان کر لیا ہے۔ (ایضاً)

## کلام عارف

عارف اسی کو فرماتے ہیں:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم      راحت جاں طلسم وز پئے جاناں بروم  
نذر کردم کہ گر آید بسرایں غم روزے      تادر میکده شاداں و غزلخواں بروم  
(وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ اس میں ویرانہ دنیا سے جاؤں جان کو آرام مل جائے اور  
محبوب کے دیدار کے لیے چلا جاؤں میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو  
خوش و خرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں) (الغانی ج ۱)

## شوق لقاء میں موت کی تمنا جائز ہے

اہل اللہ تو موت کے دن کی تمنا کرتے ہیں اور یہاں ہم کو اس کے نام سے بھی جاڑہ بخار چڑھتا ہے۔ (الغانی ج ۱) حق یہ ہے کہ اس بات میں اہل اللہ سب ہی کا یہی مذاق ہے کہ وہ موت سے نہیں گھبراتے۔ آخر کچھ تو بے فکری تھی جو ایسی وصیت سوچھی۔ شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ مرنے کے بعد ان کو کسی کے شعر پڑھنے سے کیا مزہ آیا ہوگا تو واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مرنے کے بعد بھی مزہ آتا ہے۔ چنانچہ حضرت سلطان نظام الدینؒ کے جنازہ کے ساتھ ایک مرید فرط حزن میں یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

سروسیمینا بھجرامی روی سخت بے مہری کہ بے مامی روی  
 اے تماشا گاہ عالم روئے تو کجا بہر تماشا می روی  
 ”اے محبوب آپ جنگل جارہے ہیں سخت بے مہری کہ بغیر ہمارے جارہے ہیں اے  
 محبوب آپ کا رخ انور جہاں کا تماشا گاہ ہے آپ تماشا کے لیے کہاں جارہے ہیں۔“  
 شیخ کے انتقال پر مریدین کی جو حالت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ اس شخص نے اسی حالت  
 میں یہ اشعار پڑھے تھے۔ دفعۃً حضرت سلطان جی کا ہاتھ کفن میں بلند ہو گیا۔ جیسا کہ وجد کی  
 حالت میں ہوا کرتا ہے۔ لوگوں نے اس مرید کو روکا کہ اشعار پڑھنا بند کرو۔ نہ معلوم کیا سے کیا  
 ہو جائے گا پھر کچھ دیر کے بعد ہاتھ کفن میں سیدھا ہو گیا۔ یہ تو موت سے پہلے اور موت کے  
 بعد متصل کی حالت تھی اور برزخ کی حالت کے بارے میں ایک بزرگ فرماتے ہیں:  
 گر نکیر آید و پرسد کہ بگورب تو کیست گویم آں کس کہ ربوداں دل دیوانہ ماہ  
 ”اگر منکر نکیر آئیں اور پوچھیں کہ تمہارا رب کون ہے تو میں کہوں گا جو ہمارا دل چھین کر  
 لے جا رہا ہے ہمارا رب ہے۔“ (ہم الآخرہ ج ۱)

## آخرت کو مقدم رکھئے

اگر کوئی حسین عورت پر نظر پڑی۔ اس وقت ایسے لوگ بہت کم ہیں جو آخرت کے خیال  
 سے نگاہ نیچی کر لیں۔ اکثر لذت نفس کے لیے اس کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔ یہ بھی اسی گناہ کی فرد  
 ہے کہ آخرت سے دنیا کو مقدم کیا گیا۔ پھر کوئی تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہم مجبور ہیں۔ ہم سے یہ نہیں  
 ہو سکتا کہ آخرت کو دنیا پر مقدم کریں۔ یہ کام تو بزرگوں کا ہے تو یہ لوگ تو گناہ کر کے اپنے کو گنہگار  
 بھی نہیں سمجھتے اور بعض لوگ گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں مگر دل کو یہ سمجھا لیتے ہیں کہ بعد میں توبہ کر لیں  
 گے۔ اس غلطی میں بہت کم لوگ مبتلا ہیں مگر یاد رکھو یہ سراسر دھوکہ ہے نفس کا۔ (ترجیح الآخرہ ج ۱)

## ارادہ دنیا کی قسمیں

ارادہ دنیا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو دنیا محض کا ارادہ کرنا کہ اس کے ساتھ آخرت کا  
 ارادہ بالکل نہ ہو۔ یہ مذموم ہے اور موجب وعید۔ دوسرے دنیا کا ارادہ کرنا آخرت کے لیے  
 کہ تجارت و زراعت و ملازمت بطریق حلال اس لیے کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے

اہل حقوق کے حقوق ادا کرے اور اطمینان سے آخرت کے کام بجالائے۔ اس صورت میں اصل ارادہ آخرت ہے اور دنیا کا ارادہ اس کے تابع ہے۔ اس کی مذمت نہیں یہ موجب وعید ہے بلکہ یہ ارادہ تو ایک درجہ میں فرض ہے جس کو یہ حدیث بیان کرتی ہے۔  
 ”طلب الحلال فريضة بعد الفريضة“ (ایضاً)

## طرز تعزیت

جب حضرت عباس بن عبدالمطلب کا وصال ہو گیا تو ان کے صاحبزادہ عبداللہ بن عباس کو بہت صدمہ تھا۔ ایک بدوی نے ان کی اس طرح تسلی کی۔

اصبر کن بک صابرین فانما صبر الرعية بعد صبر الراس  
 اے ابن عباس! صبر کیجئے کہ آپ کو دیکھ کر ہم بھی صابر ہو جائیں گے کیونکہ رعیت کا صبر سردار کے صبر کے تابع ہے۔ اس کے بعد کہتا ہے:

خير من العباس اجرک بعده واللہ خير منک للعباس

اور صبر کیوں نہ کیا جائے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ عباس جو تم سے جدا ہو گئے اس میں نہ تمہارا کچھ نقصان ہو نہ ان کا نقصان ہوا۔ تم کو تو ان کی مفارقت پر صدمہ ہونے کا ثواب مل گیا جو تمہارے حق میں عباس کے وجود سے زیادہ بہتر ہے اور ان کو تم سے جدا ہو کر خدا مل گیا جو ان کے حق میں تم سے بہت بہتر ہے۔ واقعی خوب ہی تسلی کی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس بدوی سے بہتر کسی نے میری تسلی نہیں کی۔ (دارالمسعود ج ۱)

## عقبی میں نیکیوں کی قدر

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی گئیں تو پورے قرآن پر کس قدر نیکیاں لکھی جائیں گی تو یہ کتنا بڑا نفع ہوا اور اگر کوئی کہے کہ نیکیوں کو کیا کریں تو سمجھو کہ نیکیاں اس وقت تم کو بے کار نظر آتی ہیں لیکن جب تم دار دنیا سے چل کر دار عقبیٰ میں پہنچو گے تو معلوم ہوگا کہ حسنات کیسا کارآمد سکھ تھا۔

اس وقت حسنات بیکار معلوم ہوتے ہیں لیکن جب قیامت کے میدان میں کھڑے ہو گے اور لوگوں کے اعمال نامے وزن کئے جا رہے ہوں گے اور ان کے موافق جزا مل رہی ہوگی اور تم تہی دست ہو گئے اس وقت معلوم ہوگا کہ حسنات کیا چیز تھیں فرماتے ہیں کہ



کہ بازار چند آنکھ آگندہ تر تھی دست را دل پراگندہ تر  
اگر کسی عمدہ بازار میں کسی مفلس کو بھیج دیا جائے تو اس کو انتہائی پراگندگی حاصل ہوگی  
کیونکہ جدھر نظر پڑے گی اچھی اچھی قیمتی چیزیں نظر آئیں گی اور ساتھ ہی ساتھ اپنا افلاس اور  
تہی دستی بھی یاد آئے گی اس لئے حسرت بھی بڑھتی جائے گی بالخصوص جب کہ بازار جاتے  
وقت اس سے کہا گیا ہو کہ کچھ نقد لیتے جاؤ اور وہ چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ (ضرورۃ العلم بالدين ج ۳)

## فکر آخرت

میرے پاس اکثر ایسے ٹکٹ آ جاتے ہیں کہ ڈاک خانہ کی مہر سے بچے ہوئے ہوتے  
ہیں اگر میں ان کو استعمال کر لوں تو کوئی بھی باز پرس نہیں کر سکتا کیونکہ نہ میرے پاس ڈاک  
خانہ والے ہوتے ہیں نہ کوئی دوسرا دیکھنے والا ہوتا ہے لیکن محض خدا کے خوف سے اکثر میں  
سب سے اول ان ہی کو چاک کر کے پھینک دیتا ہوں۔ اس کے بعد خط پڑھتا ہوں۔ علیٰ ہذا  
اگر روزمرہ کے واقعات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دوسروں کے حقوق کی پوری حفاظت  
جب ہی ہو سکتی ہے جب دل میں خدا کا خوف ہو۔ (ضرورۃ العلماء ج ۳)

## عذاب قبر کا واقعہ

تھانہ بھون کا ایک قصہ ہے کہ ایک میاں جی کے پاس دو سو روپیہ جمع ہو گئے تھے جن کو ایک لوٹے  
میں رکھ کر زمین کے اندر گاڑ رکھا تھا مگر محبت مال کی یہ حالت تھی کہ روزانہ اس کو گنا کرتا تھا، کسی دن  
لڑکوں نے بھانپ لیا، وہ موقع کے منتظر رہے۔ آخر ایک دن ملا جی کہیں دعوت میں گئے ہوئے تھے  
پیچھے لڑکوں نے وہ روپیہ نکال لیا اور خوب عمدہ عمدہ کھانے پکوائے اور ملا جی کے حال پر اتنا رحم کیا کہ  
ان کی بھی دعوت کر دی۔ ملا جی خالی الذہن تھے، خوشی خوشی دعوت کو چلے گئے، انہیں ایسے عمدہ کھانے  
کب ملے تھے، بڑے خوش ہوئے، کھاتے جاتے اور پوچھتے جاتے کہ بھائی آج کیا تقریب تھی  
جو ایسے کھانے پکوائے گئے۔ لڑکوں نے کہا حضور یہ سب آپ ہی کی جوتیوں کا طفیل ہے۔ تھوڑی  
دیر کے بعد ملا جی نے پھر کہا کہ آج کیا بات ہے، کون مہمان آ گیا ہے جس کے لئے یہ اہتمام ہوا  
ہے، پھر بھی لڑکوں نے وہی جواب دیا کہ سب حضور ہی کا طفیل ہے۔ اس پر ایک لڑکے کو ہنسی آ گئی تو ملا  
جی کھٹک گئے کہ شاید میرے روپوں میں ہاتھ پڑ گیا ہے جیسی یہ بار بار اس کو میرا طفیل بتلاتے ہیں۔

بس اب تو کھانا پینا سب بھول گئے، اندھے باؤلوں کی طرح سیدھے حجرے میں آئے، کھولا تو روپے ندارد، بس فوراً ہی جان نکل گئی، لوگ دوڑے کہ یہ قصہ کیا ہے معلوم ہوا کہ روپے گم ہونے کا اتنا صدمہ ہوا۔ یہ قصہ بستی میں مشہور ہوا تو اس وقت تھانہ بھون میں ایک عالم مولانا سعد الدین علی صاحب موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ روپیہ منحوس ہے جس نے ایک مسلمان کی جان لے لی اس کو کوئی ہاتھ نہ لگائے بلکہ جنازہ کے ساتھ ہی قبر میں دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ اہل محلہ نے اس کی تعمیل کی اور کسی نے ان روپیوں کو ہاتھ نہ لگایا بلکہ سب کو ایک تھیلی میں باندھ کر قبر میں میاں جی کے ساتھ دفن کر دیا۔

کفن چوروں کو خبر لگی انہوں نے کہا کہ مولوی کی تو عقل جاتی رہی خواہ مخواہ اتنا روپیہ زمین گاڑ دیا چلو اس کو نکالنا چاہیے۔ چنانچہ رات کو ایک شخص نے قبر کھودی تو دیکھا کہ سب روپے کفن سے باہر سینے کے اوپر ترتیب وار رکھے ہوئے ہیں اور چمک رہے ہیں۔ یہ خوش ہوا کہ اب تو اور آسانی ہو گئی، اوپر ہی سے سب سمیٹ لوں گا۔ پس انگلی ہی روپوں سے لگی تھی کہ چیخ مارتا ہوا بھاگا، وہ روپے عالم برزخ کی آگ سے دھک رہے تھے جن سے میت کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ پھر اس کفن چور کی عمر بھر یہ حالت رہی کہ ہر وقت ایک آنخورہ ہاتھ میں لیے پھرتا تھا جس میں وہ انگلی ہر وقت ڈوبی رہتی تھی۔ اس طرح کچھ تسکین رہتی اور جہاں پانی بدلنے کو انگلی آنخورہ سے نکالی فوراً چیخیں مارتا تھا کہ ہائے میں جلا ہائے مرا۔

تو بعض ایسے بے حس بھی ہیں جو مال کے واسطے جان دے دیتے ہیں مگر ایسے کم ہیں زیادہ حالت تو یہی ہے کہ مال سے جان کو زیادہ سمجھتے ہیں اور جان سے زیادہ آبرو کو سمجھتے ہیں مگر دین کو سب سے کم تر کر رکھا ہے۔ (خیر الارشاد الحق العباد ج ۴)

## صدقات جاریہ

صدقہ جاریہ وہ چیز ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے اور ذرہ ذرہ نیکی کو ترستا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی سبیل ہو کہ کوئی شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ہی کہہ کر بخش دے حتیٰ کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی احتیاج ظاہر کرنے میں کہتے ہیں۔

اے کہ برما میروی دامن کشاں از سر اخلاص الحمدے بخواں  
(اے وہ شخص جو دامن جھاڑتے ہوئے گزر گیا ذرا ایک مرتبہ اخلاص سے سورۃ الفاتحہ پڑھتے جانا)

کہ اگر اور کچھ نہیں تو ایک دفعہ تو ایک الحمد ہی پڑھتے جاؤ۔ آج جس الحمد کو ہم ہزار بار خود پڑھ سکتے ہیں بعد مرگ اس کو ایک دفعہ دوسرے کی زبان سے پڑھنے کے لئے ترسیں گے۔ تو یہ صدقہ جاریہ اس وقت کام آئے گا۔

نیز جس وقت قیامت کے روز اعمال پیش کئے جائیں گے اور دیکھے گا کہ میرے پاس کافی نیکیاں نہیں اس وقت جب ورق الٹا جائے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ کسی جگہ بخاری کا ثواب لکھا ہوا کسی جگہ مسلم شریف کا ثواب لکھا ہوا کہیں قرآن شریف پڑھنے کا ثواب لکھا ہوا ہے علیٰ ہذا۔ صاحبو! اگر آج سے ہزار سال کے بعد قیامت آئے تو اس وقت تک اس مکان میں یا تعلیم پانے والوں کے سلسلہ میں جتنی مرتبہ بخاری کا ختم ہوگا اور جتنی دفعہ مسلم شریف پڑھائی جائے گی برابر اس کی روح کو ثواب ملتا رہے گا اور قیامت کے روز اس کی غایت پریشانی کے وقت ان شاء اللہ تعالیٰ کہا جائے گا کہ تو نے جو دارالطلبہ میں مثلاً مدد کی تھی کہ آج یہ پوٹ ثواب کی اس کی بدولت تم کو مل رہی ہے اس وقت خوش ہوگا اور زبان حال سے کہے گا۔

جما دے چند دادم جاں خریدم      بخدم اللہ زہے ارزاں خریدم  
(میں نے چند سکوں کے عوض جان خریدی الحمد للہ میں نے بہت سستی خریدی)  
اور اس وقت معلوم ہوگا کہ ایک روپیہ یا دو روپے دینے سے کیا نفع عظیم حاصل ہوا۔ صاحبو! خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے کہ اتنی بڑی دولت مفت میں ہاتھ آتی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض وہمی مزاجوں کو شبہ ہو کہ جب اس مکان میں یہ کام یا خود یہ مکان نہ رہے گا تو کیسے ثواب ملے گا اور اول تو اس کا گمان کرنا ہی برا ہے۔ یاد رکھو کہ نیک کام کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا کرتا۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد      چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد  
(اگر سارا جہاں ہوائے مخالف بن جائے تب بھی اللہ والوں کا چراغ گل نہ ہوگا)  
(تجارت آخرت ج ۶)

## موت کی یاد

ایک بزرگ چند سال ہوئے اکبر جہاز میں سوار تھے جب کہ وہ طوفان میں آ رہا تھا اس جہاز کے مسافر مجھ سے جس قدر ملے سب پریشان تھے اور اس مصیبت کی حالت کو بڑے ہیبت ناک لہجہ سے بیان کرتے تھے مگر ان بزرگ سے جو میں لکھنؤ میں ملا تو وہ بڑے خوش تھے ہنس ہنس کر واقعہ بیان کرتے تھے کہتے تھے کہ اس وقت بڑا مزہ آ رہا تھا جہاز میں ہر طرف نور ہی نور تھا

کیونکہ سب لوگ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے کوئی ذکر کر رہا تھا کوئی توبہ استغفار کوئی گناہوں پر رو رہا تھا بس بڑا مزہ آ رہا تھا ان لوگوں سے کوئی دین کی لذت کو پوچھے کہ وہ انوار ذکر کی لذت میں جہاز کا طوفان میں آنا اور غرق ہونے کو تیار ہونا بھی بھول گئے۔ (العیذ والوعید ج ۶)

## اہل تقویٰ کی حالت

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں سہارنپور سے کانپور جا رہا تھا میں نے سہارنپور سے پونڈے ساتھ لے جانے کو خریدے۔ وہ تھے وزن میں زیادہ میں نے ان کو تلوانا چاہا تا کہ محصول دے کر لے جاؤں ریل کے بابو نے کہا، تھوڑے سے ہیں لے بھی جاؤ۔ میں نے کہا کہ یوں تو آپ کی اجازت معتبر نہیں اور پھر یہ کہ اگر راستہ میں کوئی تولنے لگے وہ بولے کہ میں گارڈ سے کہہ دوں گا میں نے کہا یہ گارڈ کہاں تک جائیگا کہنے لگے کہ غازی آباد تک۔ میں نے کہا کہ آگے کیا ہوگا کہا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا اور وہ کلکتہ تک جائے گا اور کانپور راستہ میں پڑے گا میں نے کہا کہ کانپور کے بعد کیا ہوگا اس نے کہا کہ آگے تو آپ کو جانا نہیں میں نے کہا کہ ابھی سفر ختم نہیں ہوا آخرت کا سفر باقی ہے اگر وہاں پکڑ ہوئی تو کیا ہوگا اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے کہہ دے تو خیر لے جاؤں غرض میں محصول دے کر گنوں کو لے گیا۔

میں یہ واقعہ بیان نہ کرتا کبھی کوئی کہنے لگے کہ اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں اپنی تعریف کرتے ہیں مگر میری غرض یہ ہے کہ واقعات کے سننے سے قلوب میں اثر خوب ہوتا ہے اس لئے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کام کو کرنے والا میں ہی نہیں اللہ کے بندے بہت کثرت سے ایسے بھی موجود ہیں۔ میں تو ادنیٰ سے بھی ادنیٰ شخص ہوں مگر الحمد للہ مجھ کو اس کا خیال ہے۔ تو جو متقی اور پرہیزگار ہیں وہ کیوں نہ خیال کریں۔ (احکام المال ج ۸)

## تعلق مع اللہ کی برکات

میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر خدا سے تعلق ہو جاوے تو کبھی غم پاس نہ آوے یہ ہے زندگی اور یہ ہے حیات طیبہ بخلاف دنیا کے کہ اس کی لذت خیالی لذت ہے اس لئے یہ سب کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً خطاب کرتا ہوں کہ دنیا کی فناء اور آخرت کی بقاء کا مراقبہ کیا کریں۔ زیادہ نہیں تو دس ہی منٹ کے لئے روزانہ کر لیا کریں۔ اور وقت بھی وہ لیں جو محض بے کار ہو یعنی جس وقت سونے کو



لیٹیں اس وقت دس منٹ کے لئے سوچ لیا کریں کہ دنیا ایک نہ ایک دن ہم سے چھوٹ جائے گی۔ سارا سامان پڑا رہ جائے گا پھر آخرت کو پیش نظر کریں کہ خدا تعالیٰ کے سامنے جانا ہوگا۔ اعمال پیش ہوں گے۔ اعمال ٹھیک نہ ہوئے تو دوزخ میں جانے کا گمان غالب ہے اس واسطے ہمیں اچھے اعمال کرنا چاہئیں تاکہ دوزخ کے عذاب سے بچیں۔ اور جنت ملے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سب نعمتیں ہوں گی اور وہ دنیا کی نعمتوں کی طرح فنا نہ ہوں گی۔ خدا تعالیٰ کا دیدار بھی وہاں ہوگا جو سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہوگی۔ جس میں یہ حالت ہوگی۔

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم ہر گز نظر بروئے تو کردم جوان شدم  
اور ظاہر ہے کہ ایسی دائمی نعمت کو چھوڑ کر دنیا کی فانی چیزوں میں منہمک رہنا سراسر بے عقلی ہے حرص دنیا کے متعلق مجھے ایک قطعہ یاد آیا اسی کا مراقبہ کر لیا کریں اور بھی کچھ نہیں تو یہی سہی کیونکہ عورتوں کو گیت کا بہت شوق ہوتا ہے تو وہ مراقبہ کے لئے اسی کو پڑھ لیا کریں یہ تو آسان مراقبہ ہے۔

کل ہوں اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے خوب ملک روس ہے اور سرزمین طوس ہے  
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی اس طرف آواز طبل ادھر صدائے کوس ہے  
صبح سے تا شام چلتا ہے مے گلگوں کا دور شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے  
سننے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے چل دکھاؤں تو جو قید آرز کا محبوس ہے  
لے گئی یک بارگی گور غریباں کی طرف جس جگہ جان تمنا سو طرح محبوس ہے  
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیا کوس ہے  
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و افسوس ہے  
(خیر الاثبات للاناٹ ج ۸)

## علیؑ و معاویہؓ

مولانا محمد نعیم صاحب لکھنوی سے ایک شخص نے حضرت علیؑ و معاویہ رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال کیا۔ مولانا نے سائل سے پوچھا کہ یہ سوال کس کا ہے اور وہ اور تم کیا کام کرتے ہو؟ کہا کہ سوال فلاں حافظ صاحب کا ہے اور وہ رگریز ہیں اور میں درزی ہوں۔ فرمایا کہ تم کپڑے سیٹے رہو اور ان حافظ صاحب سے کہہ دو کہ کپڑے رنگتے رہیں۔ علیؑ جانیں اور معاویہؓ جانیں۔ تم سے ان کے معاملہ کا کیا تعلق؟ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ قیامت کے دن ان کا مقدمہ تمہارے اجلاس میں نہ آئے گا۔

اسی طرح ایک شخص نے میرٹھ میں ایک عالم سے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین مومن تھے یا نہیں۔ عالم نے کہا کہ آپ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ کہا ہاں پڑھتا ہوں۔ کہا اچھا بتلاؤ نماز کے اندر کتنے فرض ہیں؟ اب وہ خاموش ہیں فرمایا جاؤ تم کو نماز کے فرائض کی خبر نہیں جس کا سب سے اول قیامت میں حساب ہوگا۔ اور زائد باتوں کی تحقیق کے درپے ہو۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

## صحابہ کی تسلی

حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کو غیب سے اس طرح تسلی دی گئی۔ ان فی اللہ عزاء من کل مصیبة وخلفا من کل فائت فبا اللہ فتقوا وایاہ فارجوا فانما المحروم من حرم الثواب ”کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر مصیبت سے تسلی کے لئے کافی ہے اور ہر فوت ہو نیوالی چیز کا عوض ہیں اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید رکھو۔ کیونکہ محروم تو وہ ہے جو ثواب (یعنی رضائے حق) سے محروم رہے۔“

صاحبو! یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ تمہارے عزیز کے بدلے تم کو خدا ملتا ہے پس اب تو ایسے موقع پر یوں کہنا چاہئے۔

روز ہاگر رفت گو رو پاک نیست تو بمان اے آنکہ جز تو پاک نیست  
اگر دن ختم ہو گئے تو کیا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ موجود ہے تیرے سوا کون پاک ہے۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

## دنیا میں نعم البدل

دنیا میں بھی ہر فوت ہونے والی چیز کا نعم البدل ہم کو عطا ہوتا ہے خواہ مال و اولاد فوت ہو یا کوئی عزیز و قریب۔

چنانچہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت کے لئے ہم کو دعا تعلیم فرمائی

انا لله وانا اليه راجعون اللهم عندك احتسب مصیبتی فاجرنی  
فیہا وابدلنی بہا خیرا منها۔

”اے اللہ! میں آپ سے اس مصیبت کا ثواب مانگتی ہوں۔ پس مجھے اس کا اجر عطا فرمائیے اور اس کا نعم البدل دیجئے۔“

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے یہ دعا پڑھی مگر وابدلنی بھا خیرا منھا کہتے ہوئے دل رکتا تھا کیونکہ میں اپنے دل میں یہ کہتی تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر کون ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملنے کا وہم بھی نہ ہوتا تھا کیونکہ

آرزوی خواہ لیک اندازہ خواہ

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دل پر جبر کر کے یہ بھی کہا تو خدا تعالیٰ نے مجھے ابو سلمہ کے عوض حضور صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۔ (ایضاً)

## مغفرت کا بہانہ

چنانچہ ہمارے ایک استاد تھے ملا محمود صاحبؒ بہت سادہ اور پاک طینت بزرگ تھے۔ میں نے انتقال کے بعد ان کو خواب میں دیکھا دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بخش دیا۔ میں نے پوچھا کہ کس بات پر بخش دیا۔ جواب دیا کہ میں ایک مرتبہ گھر میں آیا اور کھانا کھانے بیٹھا۔ کچھڑی میں نمک ٹھیک نہ تھا۔ مگر میں نے کچھ کہا نہیں اور کوئی عیب نہ نکالا۔ اسی طرح کھانا کھالیا۔ حق تعالیٰ کے یہاں میرا معاملہ پیش ہوا۔ اس پر میری مغفرت ہو گئی۔

اللہ اکبر! غور کیجئے کہ یہ بھی کوئی بڑی بات تھی جس پر مغفرت ہوئی حق تعالیٰ بڑے قدر دان ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مغفرت فرماتے ہیں۔ دیکھئے صرف کھانے میں عیب نہ نکالنے پر مغفرت ہو گئی۔ حالانکہ اس نعمت کا ہمارے ذمہ خود ہی یہ حق تھا کہ ہم اس میں عیب نہ نکالیں مگر حق سبحانہ کی قدر تو دیکھئے کہ اس پر بھی ہم کو ثواب عطا فرمادیتے ہیں اور ثواب اتنا کہ صرف اسی وجہ سے مغفرت فرمادی۔ حق تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔ (سلوة الحزین ج ۹)

## یزید اور لعنت

ایک شخص نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ مرنے کے بعد قبر میں جائز ہے۔ جب یہ اطمینان ہو جاوے کہ ہماری حالت

یزید سے اچھی ہے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج اس پر لعنت کریں اور کل کو ہماری حالت اس سے بھی بدتر ہو جاوے تو یزید کہے گا کہ سبحان اللہ! آپ دنیا میں کس سرخروئی کی بناء پر مجھ پر لعنت کیا کرتے تھے۔ اب گریبان میں منہ ڈال کر تو دیکھو۔ کسی کو کا نا وہ شخص کہے جس کو اپنے اندھے ہونے کا اندیشہ نہ ہو اگر یزید برا تھا تو اس کا کیا اطمینان ہے کہ ہم اس سے اچھے ہو کر مریں گے۔ میاں بس زندگی میں تو روتے ہی رہو۔ (ایضاً)

## عہد صحابہ میں ترقی کا مدار

اللہ کی قسم یہی وہ شے ہے جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام امت میں ممتاز ہوئے اور یہی وہ دولت ہے جس کے سبب سے سلف رحمہم اللہ کے آج تذکرے لکھے جاتے ہیں اور اصل سبب ترقی کی یہی شے ہے آج کل صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یوں ترقی کی اور اس امر میں اُن کا اپنے نزدیک اقتدار کرتے ہیں اور اصل روح اور سبب ترقی سے مس تک نہیں اور نہ ترقی کی حقیقت سے واقف ہیں دنیا سمیٹنے کو اور جاہ مذموم کے تحصیل کا نام ترقی رکھا ہے، صحابہؓ نے جو فتوحات کیں وہ سب للہ دین تھیں دنیا ان کے پاس تک نہ تھی سوائے ترقی کو کون منع کرتا ہے۔

باقی صحابہ اور نیز دیگر سلف صالحین میں بھی مختلف رنگ کے لوگ تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گھر تک نہیں بنایا، حضرت سلیمان علیہ السلام صاحب سلطنت ہوئے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مال جمع کرنے کو بالکل حرام فرمایا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اے ابو ذر میں تمہارے لئے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں تم دو شخصوں کے درمیان کبھی فیصلہ مت کرنا اور نہ یتیم کے مال کا ولی بننا اس لئے کہ میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں یعنی تعلقات کی برداشت نہ ہوگی، یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کا ہی جگر تھا کہ مدینہ طیبہ میں چٹائی پر بیٹھے ہیں اور روم و شام، دمشق و فارس کا انتظام کر رہے ہیں، غرض انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام اور اولیاء اللہ میں بھی ہر ایک کا جدارنگ ہے اور ان کے لئے وہی رنگ مناسب ہے بعضے روپیہ پیسے سے اس لئے گھبراتے ہیں کہ میاں کون جھگڑے میں پڑے ہم سے حقوق ادا نہ ہوں گے، زکوٰۃ عشر قربانی وغیرہ سینکڑوں حقوق ہیں یہ بڑا قصہ ہے



ایسے لوگوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ ان کو کچھ نہیں دیتے اور ہمیشہ وہ مفلس رہتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم ادہم کہ سلطنت چھوڑ دی۔ (حیوة طیہ ج ۱۴)

## گناہوں میں ارضاء خلق

دنیوی تعلقات اور معاملات میں ہم لوگ ارضاء خلق کا قصد کرتے ہیں یا نہیں۔ رات دن یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ آپ کے سامنے کوئی کسی کی غیبت کرنے لگے۔ حالانکہ اس میں کوئی نفع بھی نہیں نہ کچھ مالی فائدہ ہے جو بڑا نفع شمار ہوتا ہے۔ مگر اس بے کار اور فضول گناہ میں بھی لوگوں کو ارضاء خلق کا اہتمام ہے کہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے نہیں روکتے بلکہ سنتے رہتے ہیں۔ اور محض اس وجہ سے اس کو نہیں روکتے نہ خود وہاں سے ٹلتے ہیں کہ اس کو ناگوار ہوگا، اور اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتے کہ غیبت کا سننا حق تعالیٰ کو ناگوار ہے جب ایک بے کار اور بے منفعت کام میں یہ حال ہے تو جس گناہ میں کچھ دنیوی منافع بھی معلوم ہوتے ہوں جیسے کسی رئیس کی یا دوست کی خاطر جھوٹی گواہی دینا تا کہ وہ ہمارے وقت میں کام آئے۔ وہاں تو یہ کیوں ارضاء خلق کا اہتمام نہ کریں گے۔ اسی طرح رسوم شادی و غمی میں ارضاء خلق کے لئے سب کچھ کرتے ہیں۔ اسی طرح تجارت میں خریداروں کو راضی کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ چاہے دین ضائع ہو جائے یہ تو دنیا کے قصے تھے۔

افسوس اس کا ہے کہ دین کے باب میں بھی ارضاء خلق کا خیال کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک سوال کوئی اجنبی کرے تو اس کو صاف صاف مسئلہ بتلایا جائے گا اور وہی سوال کوئی اپنا آشنا کرے جس سے کچھ مصالح و ابستہ ہوں۔ مثلاً کوئی رئیس ہمارے مدرسہ میں چندہ دیتا ہو تو وہاں اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کے لئے کچھ گنجائش نکالی جائے۔ غرض اس کو مسئلہ نرم بتلائیں گے۔ (ایضاً)

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ بس اس تحقیقات کو چھوڑ کر قبر کا عذاب کیونکر ہوگا اس کی تلاش کر کہ اس سے نجات کی سبیل کیا ہے۔ اگر نجات ہوگئی اور کیفیت عذاب قبر کی نہیں معلوم ہوئی تو ہمارا ضرر ہی کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ نقصان ہی کیا ہوگا۔ پھانسی سے رہائی ہوگئی اور یہ تحقیق نہ ہوا کہ کیونکر جان نکلی ہے تو اس کا ضرر کیا بخلاف اس کے اگر یہ تحقیق بھی ہو گیا مگر جان نہ بچی تو نفع کیا ہوا۔ (روح الارواح ج ۱۷)

## فکر عاقبت

کہ ہم میں اکثر کو تو دین ہی کی خبر نہیں ان کا تو یہ مذہب ہے کہ  
اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے  
کیوں صاحب اگر کوئی شخص آپ کو زہر بھرالڈولا کر دے تو کیا اسی اپنے قول کے موافق  
وہاں بھی عمل کرو گے کہ کل کے دن کیا خبر کیا گزرے اب تو لڈو کھانے کو ملتا ہے یا کہ اس کے  
انجام بد پر نظر کر کے اس کو ترک کر دو گے۔ تو کیا قیامت آپ کے نزدیک کل سے کچھ زیادہ  
دور ہے۔ صاحبو! کل کے چار بجے تک تو ۲۴ گھنٹے یقین ہیں اور قیامت کے متعلق تو ۲۴ منٹ  
کی بھی خبر نہیں۔ اس لیے کہ شاید ہمیں نفس نفس واپس بود۔ موت کا کوئی مقرر اور معین وقت  
نہیں۔ لوگ اس دھوکے میں ہیں کہ ابھی تو ہم جوان ہیں۔ صاحبو! لوگوں کو اس طرح موت  
آگئی ہے کہ خود ان کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ اب ہم مرجائیں گے۔ کانپور میں ایک صاحب گھر  
میں آئے کھانا مانگا، ماما کھانا اتار کر لائی، دیکھا تو آقا صاحب ختم ہو چکے۔ غرض موت کا کوئی  
قاعدہ اور وقت مقرر نہیں ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض آپ سو برس کے بھی ہو گئے تو کیا  
ہوگا۔ وہ سو برس بھی جب گزر جائیں گے تو ایک دن کے برابر بھی نہیں معلوم ہوں گے۔  
حضرت نوح علیہ السلام سے جن کی عمر قریب ڈیڑھ ہزار برس کے ہوئی۔ حضرت عزرائیل  
علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے دنیا کو کیسا پایا، فرمایا جیسا دو دروازے والا ایک گھر ہو کہ ایک  
دروازے سے داخل ہو اور گزرتا ہو اور دوسرے دروازے سے نکل جائے اور اگر یہ سمجھ میں نہ  
آئے تو یوں سمجھو کہ آپ کی عمر کے مثلاً چالیس چالیس پچاس پچاس برس گزر گئے ہیں مگر غور  
کر کے دیکھو کہ یہ اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا جیسے آئندہ کل کا دن (استخفاف المعاصی ج ۱۸)

## ایصال ثواب کا طریقہ

صاحبو! اسی طرح اگر تم کو مسلمانوں سے محبت ہو تو سمجھ میں آ جائے کہ اگر ہمارے کسی  
فعل سے کوئی بگڑے تو ہم کو بھی اس کے کرنے کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ اجازت نہیں اور اگر  
کرنا ہی ہے تو یہ کرو کہ اس کی صورت بدل دو۔

میری ہمشیرہ کا جب انتقال ہوا تو طالب علموں نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم جمع ہو کر

قرآن شریف پڑھ دیں۔ میں نے کہا کہ پڑھو لیکن جمع ہو کر نہ پڑھو بلکہ ہر شخص اپنے حجرے میں بیٹھ کر جتنا جی چاہے پڑھ دے اور اس میں راز یہ ہے کہ جو کام خدا کے لیے نہیں ہوتا وہ مقبول نہیں ہوتا اور ثواب بخشنے کی حقیقت یہ ہے کہ اپنا ثواب دوسرے کو دیا جائے تو جب اپنے ہی کو ثواب نہ ملے گا تو دوسرے کو کیا چیز دی جائے گی اور جب جمع ہو کر پڑھا جائے گا تو چار آدمی تو اللہ کے واسطے پڑھیں گے اور دس آدمی محض شکایت رفع کرنے کے لیے اور اس نیت سے کہ اگر ہم نہ پڑھیں گے تو یہ اپنے دل میں سمجھیں گے کہ دیکھو ان لوگوں کو ہم سے تعلق کم ہے اور ایسوں کو خود ہی ثواب نہ ملے گا پھر وہ مرحومہ کو کیا بخشیں گے۔ لہذا تم سب حجرے میں بیٹھ کر پڑھو اور پھر پڑھنے کے بعد بھی نفس تلاوت یا مقدار تلاوت کی مجھ کو اطلاع نہ کرو کیونکہ اس میں میری خوشی مد نظر ہوگی۔ اس کے جواب میں لوگ کہتے ہیں کہ یوں تو کوئی بھی نہ پڑھے گا۔ میں کہتا ہوں کہ رسم کے طور پر ہونا بھی تو نہ ہونے کے برابر ہے پھر اگر فرضاً کسی نے نہ بھی پڑھا تو کیا نقصان ہو گیا، ثواب اب بھی نہیں ہوتا اس وقت بھی نہ ہوگا۔ ایک شخص کہنے لگا کہ اصلاح الرسوم سے مردوں کو بہت نقصان ہوا۔ میں نے کہا کہ مردوں کو تو نقصان نہیں ہوا لیکن زندوں کو نفع ہو گیا کیونکہ لوگ جو کچھ کرتے تھے دکھاوے کے لیے کرتے تھے اور اس سے ان کے نقصان کے سوا مردے کو کچھ بھی نفع نہ ہوتا تھا اور دکھاوے کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ فلاں شریف آدمی کو جو کہ نہایت غریب ہے پچاس روپے دے دو لیکن خفیہ دینا ورنہ وہ لے گا نہیں تو کوئی دینے والا بھی اس کو گوارا نہ کرے گا اور دل میں کہے گا کہ واہ اتنا روپیہ بھی خرچ ہو اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی تو جب وہ عمل مخلوق کے دکھانے کو ہوا تو اس میں ثواب تو یقیناً نہ ملا پھر اس کے نہ دینے سے مردوں کا کیا نقصان ہو گیا؟ ہاں! زندوں کا نفع ہو گیا، کہنے لگا کہ واقعی سچ کہتے ہو تو یہ ایسی صاف باتیں ہیں کہ ہر شخص سمجھتا ہے ع اور اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت کو خدا سمجھے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلے بھی تو علماء تھے! انہوں نے کیوں منع نہیں کیا؟ میں کہتا ہوں کہ پہلے بھی منع کیا ہے کتابوں میں سب کچھ موجود ہے، ہم لوگ خفی ہیں خفیہ کی کتابوں میں دیکھ لیجئے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ کیا ہے یہ سب جزئیات ان کے اصول کے موافق ہیں۔ (ازالہ الغفلۃ ج ۱۸)

## اصلاح کا نسخہ

اب اگر کسی شخص کو ہر دم موت کا دھیان رہے کہ ایک دن وطن کا گھر بھی ہم سے چھوٹنے والا ہے تو یقیناً وہ اس گھر سے بھی زیادہ دل نہ لگائے گا اور یہ بھی انسان کی اصلاح کے لیے کافی ہے کیونکہ اصل ضرر دنیا سے دل لگانے کا ہے۔ (مراقبۃ الارض ج ۱۸)

## مکان آخرت

ایک مکان آخرت اس وقت بھی موجود ہے یعنی آسمان اور عالم بالا چنانچہ آسمان کا موجود ہونا تو مشاہد ہے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت ساتویں آسمان پر ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ جنت موجود ہے تو معلوم ہوا کہ مکان آخرت اس وقت موجود ہے۔ اس تحقیق سے بہت سے اشکالات سہولت کے ساتھ حل ہو گئے۔ مثلاً ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں رویت حق کیونکر ہوئی جبکہ دنیا میں رویت حق محال عادی ہے اس تحقیق کے بعد جواب آسان ہو گیا کہ آپ کی رویت دنیا میں نہ تھی بلکہ عالم آخرت میں تھی کیونکہ امکان آخرت اب بھی موجود ہے اس پر شاید یہ اشکال ہو کہ گو آپ اس وقت مکان آخرت میں تھے مگر آپ کی حیات تو دنیوی تھی پھر حیات دنیویہ رویت کی کیسے متحمل ہوئی۔ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ جیسے زمانہ آخرت میں یہ خاصیت ہے کہ اس وقت تحمل رویت ہو جائے گا ایسے ہی مکان آخرت میں بھی یہ خاصیت ہے کہ جو وہاں پہنچ جائے اس میں تحمل رویت پیدا ہو جاتا ہے گو وہ حیات دنیاویہ ہی سے متلبس ہو آخرت کے مکان و زمانہ دونوں کی خاصیت دنیا سے الگ ہے۔ (مراقبۃ الارض ج ۱۸)

## عالم آخرت کے احوال

عالم آخرت کی خاصیت سے دنیا کی خاصیت جدا ہے وہاں کھانا پینا ایسا ہضم ہو جاتا ہے کہ فضلہ بالکل نہیں رہتا جیسا کہ اہل جنت کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ وہ ہگنے موتنے سے پاک ہوں گے بس کھانا کھا کر ان کو مشک جیسا خوشبودار پسینہ آئے گا اور کچھ نہ ہوگا گو یا فضلہ اتنا کم ہوگا کہ پسینہ ہی کی راہ سے نکل جائے گا۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو صرف پسینہ



آ جاتا ہوگا اور کچھ ضرورت نہ ہوتی ہوگی رہا یہ کہ کھاتے کہاں سے ہیں اس کا جواب ظاہر ہے کہ جنت آسمان ہی پر ہے ممکن ہے کہ وہاں سے فرشتہ کے ذریعے سے ان کے لیے غذا پہنچتی ہو اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھوک پیاس ہی نہ لگتی ہو خدا تعالیٰ بدون غذا کے بھی تو زندہ رکھ سکتے ہیں کیونکہ جس نے غذا میں قوت ابقاء رکھی ہے وہ بدون غذا کے بھی اس قوت کو پیدا کر سکتا ہے اگر قوت ابقاء کے لیے غذا کا واسطہ ضروری ہے تو خود غذا میں جو قوت ابقاء ہے کیا اس کے لیے بھی غذا کا واسطہ ہے تو پھر غذا کے لیے غذا لازم آئے گی پھر اس میں بھی ہم کلام کریں گے۔ اسی طرح سلسلہ چلتا رہا کہ ہر غذا کے لیے دوسری غذا کا واسطہ بنایا گیا تو تسلسل مستحیل لازم آئے گا۔ پس لامحالہ کسی جگہ یہ کہنا پڑے گا کہ اس غذا میں قوت ابقاء بلا واسطہ پیدا ہوئی ہے معلوم ہوا کہ اس قوت کے لیے غذا کا واسطہ لازم نہیں حق تعالیٰ بلا واسطہ غذا بھی اس قوت کو پیدا کر سکتے ہیں پھر اگر عیسیٰ علیہ السلام میں اسی طرح یہ قوت پیدا کر دیتی ہو تو کیا استحالہ ہے؟ پھر دنیا میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ بعض لوگوں کو بدون غذا کے ہفتوں اور مہینوں زندہ رکھتے ہیں چنانچہ مریض بعض دفعہ مہینہ بھر تک کچھ نہیں کھاتا اور زندہ رہتا ہے اب یہاں تاویل کی جاتی ہے کہ اس مریض کے جسم میں رطوبات فضلیہ بہت پیدا ہو گئے ہیں معدہ ان کے تحلیل میں مشغول ہے اس لیے بھوک نہیں لگتی اور نہ حیات پر کچھ اثر پڑتا ہے۔ مگر یہ محض بات کا بنانا اور تاویل گھڑنا ہے میں کہتا ہوں کہ تندرست آدمی تو مریض سے زیادہ مرطوب ہوتا ہے۔ غریب بیمار جس کا چہرہ بھی زرد اور ہاتھ پیر بھی لاغر ہو جاتے ہیں جو قتل دوران خون کی علامت ہے کیا ہٹے کٹے سرخ و سفید رنگ والے سے زیادہ مرطوب ہو سکتا ہے ہرگز نہیں پھر ذرا کوئی تندرست تو مہینہ بھر بھوکا رہے کہ غذا کا دانہ بھی اس کے حلق میں نہ جانے پائے جس طرح بیماروں کو اس طرح کئی ہفتہ اور مہینہ بھر گزر جاتا ہے تندرست تو یقیناً ہلاک ہو جائے مگر بیماروں کو حق تعالیٰ اپنی قدرت سے بدون غذا کے زندہ رکھتے ہیں تو کیا جس نے مہینہ بھر بدون غذا کے زندہ رکھا وہ اس سے زیادہ مدت تک بغیر غذا کے زندہ رکھنے پر قادر نہیں۔ ضرور قادر ہے اگر یہ بھی سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھو کہ غذا کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری ایک باطنی جس طرح غذا ظاہری سے قوت و حیات باقی رہتی ہے اسی طرح کبھی غذائے باطنی بھی اس کی قائم مقام ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دنیا میں صوفیاء کے واقعات بکثرت اس قسم کی منقول ہیں کہ وہ مہینوں محض ذکر اللہ پر اکتفا کرتے

تھے اور بہت دنوں کے بعد کھانا کھاتے تھے۔ حضرت شیخ علی صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت متواتر اور مشہور ہے کہ زندگی بھر میں ان کے پیٹ کے اندر چند سیر سے زیادہ غذا نہیں پہنچی اور اس پر قوت کی یہ حالت کہ حضرات صوفیاء کی عمریں عام آدمیوں سے طویل ہوتی ہیں۔ آخر یہ کس چیز کی طاقت تھی محض ذکر الہی کی کہ وہ ان کے لیے غذا کا قائم مقام بن گیا تھا اس لیے ان کو غذا کی بہت کم ضرورت ہوتی تھی اور باوجود تقلیل غذا کے ان کی قوت میں کمی نہ آتی تھی تو ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یہی غذائے باطنی ظاہری غذا کے قائم مقام بن گئی ہو اور چونکہ عالم آخرت کی خاصیت دنیا کی خاصیت سے الگ ہے تو ممکن ہے کہ یہاں اگر غذائے باطنی مہینہ بھر یا چالیس دن تک غذائے ظاہری کی قائم مقام ہوتی ہے تو وہاں برسوں اور مدت دراز تک اس کے قائم مقام ہو جاتی ہو۔ آخر اس میں استحالہ کیا ہے؟ بہر حال شیخ کی اس تحقیق نفیس سے بہت سے اشکالات کا حل ہو گیا اور اس عالم آخرت کا تصور بالفعل بھی آسان ہو گیا کیونکہ عالم آخرت باعتبار مکان کے اس وقت بھی موجود ہے پس یہاں دو تصور ہوئے ایک روح کے مبداء و معاد یعنی آسمان کا کہ وہ آخرت ہے دوسرے جسم کے مبداء و معاد کا کہ وہ زمین ہے اور یہ دونوں ہر وقت پیش نظر ہیں جس سے تصور میں کوئی تکلف ہی نہیں کرنا پڑتا۔ بس اسی طرح تصور کیا کرو کہ روح کا مبداء و معاد سر کے اوپر ہے ایک دن روح جسم سے الگ ہو کر اوپر چلی جائے گی اور جسم کا مبداء و معاد زمین ہے ایک دن یہ روح سے الگ ہو کر مٹی میں مل جائے گا اور زمین کا جسم کے لیے مبداء و معاد ہونا قرآن کا جس طرح مدلول ہے اسی طرح مشاہد بھی ہے۔ چنانچہ معاد ہونا تو بہت ہی ظاہر ہے رات دن اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے کہ بہت سے بدن مرنے کے بعد پیوند زمین ہو گئے ہیں۔ (مراقبۃ الارض ج ۱۸)

## زمین کی روٹی

تمام لذائذ اور ہر قسم کے مزے زمین ہی کے اندر موجود ہیں سو جس طرح اس وقت حق تعالیٰ ہر مزے کو الگ الگ پھلوں میں نکال کر دیتے ہیں اس وقت تمام مزیدار چیزوں کی اصل نکال کر اس کا مزہ بنایا جائے گا وہ جو ہر ارض ہوگا اس میں گیسوں، چنّا، انگور، بادام، انار، سیب اور ہر قسم کی لذیذ چیزوں کا مزہ موجود ہوگا اس کی روٹی بنا کر مسلمانوں کو کھلائی جائے

گی۔ میں کہتا ہوں کہ اس وقت آپ جو گیہوں کی روٹی کھاتے ہیں یہ کس چیز کی روٹی ہے صاحب یہ بھی تو زمین ہی کی روٹی ہے، آٹا بھی تو زمین ہی کے اجزاء سے بنتا ہے جس کو گیہوں میں الگ کر کے کھاتے ہو اور گیہوں یہ کہاں سے آیا تھا اسی مٹی میں سے۔ چنانچہ ایک دانہ زمین میں ڈالتے ہو وہ زمین کی مٹی اور پانی کے بہت سے اجزاء کو کھینچ کر پرورش پاتا ہے اور اسی ایک دانہ کے ہزاروں دانہ ہو جاتے ہیں مگر چونکہ اس وقت وہ مٹی کی شکل میں نہیں ہے بلکہ صورت بدل گئی ہے اس لیے یہ نہیں کہا جاتا کہ مٹی کھا رہے ہیں مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو آپ رات دن مٹی ہی کھاتے ہیں کیونکہ وہی رنگ بدل بدل کر ہر غلہ اور ترکاری اور پھل پھلواری میں ظاہر ہوتی ہے۔ پس سمجھ لو کہ حق تعالیٰ قیامت میں زمین کے انہی عمدہ اجزاء کو جنہیں آج کل تم بہت شوق سے کھاتے ہو یکجا جمع کر کے مسلمانوں کو کھلائیں گے پھر اس کو ڈلے پتھر اور مٹی کہنا کیونکر صحیح ہے اور حقیقت کے اعتبار سے کہو تو آج کل جتنی بھی چیزیں تم کھاتے ہو وہ سب بھی مٹی ہی ہیں اور صورت کے اعتبار سے جیسے یہ مٹی نہیں اسی طرح وہ بھی مٹی نہ ہوگی بلکہ صورت اور مزے میں آج کل کی غذاؤں سے بہت زیادہ خوشنما اور لذیذ ہوگی کیونکہ اس میں تمام لذائذ کے مزے اور سب کے رنگ موجود ہوں گے۔ اب یہ سوال رہا کہ یہ تو معلوم ہو گیا کہ وہ روٹی ڈلے پتھروں اور مٹی کی نہ ہوگی بلکہ زمین کے ماکول اجزاء کا جو ہر اور ست ہوگا لیکن مسلمانوں کو جو ہر کھلایا جائے گا اس میں حکمت کیا ہے اور جنت کے اغذیا کے ہوتے ہوئے اجزاء ارضیہ جو اس سے بدرجہا کم درجہ ہے کھلانے کی مصلحت کیا ہے۔ سو حکمت بھی سنئے اس میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد چونکہ دنیا کی لذیذ چیزوں کے مزے کچھ تو طول مدت کی وجہ سے اور کچھ ہول محشر کی وجہ سے لوگوں کو یاد نہ رہے ہوں گے تو اس وقت مسلمانوں کو تمام ماکول اجزاء کا جو ہر کھلا کر جو کہ ہر ماکول کے الگ الگ کھانے سے زیادہ لذیذ ہوگا یہ بتلادیا جائے گا۔ (مراقبۃ الارض ج ۱۸)

## چھوٹے عمل کا بڑا اجر

حدیث شریف میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک شخص تھا جب اس کا انتقال ہوا تو حکم ہوا دیکھو کوئی نیکی اس کے پاس ہے دیکھا گیا تو کوئی نیکی نہ نکلی بجز اس کے کہ اس کی عادت یہ تھی

کہ لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ اور اپنے لوگوں سے اس نے یہ کہہ دیا تھا کہ وصول کرنے میں تشدد نہ کیا کرو۔ اگر کسی کے پاس نہ ہوا کرے تو مہلت دیدیا کرو یا معاف کر دیا کرو اور روپیہ والے کو یہ کچھ مشکل نہیں ہے حکم ہوا کہ ہمارا بندہ محتاج ہو کر جب اپنے حقوق چھوڑ دیا کرتا تھا تو ہم غنی ہو کر کیوں نہ اس کو اپنے حقوق معاف کر دیں۔ (عمل الذرہ ج ۱۹)

## وقت ایک نعمت عظمیٰ ہے

صاحبو! وقت کو غنیمت سمجھو کہ یہ بھی نعمت عظمیٰ ہے یہاں ایک دفعہ سبحان اللہ کہا اور سارا آسمان ثواب سے بھر جاتا ہے پھر اس ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کو ترس جاؤ گے بعض طبائع میں ناقدری ہوتی ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتیں مگر مرنے کے بعد معلوم ہو گا اس وقت اس کی قدر ہوگی سب چیزیں رکھی رہ جائیں گی۔ (التبہ ج ۲۱)

## مراقبہ کی حقیقت

اپنے ہر کام کو پہلے سوچ لیا کرو اور ایک وقت موت کے سوچنے حالات قبر کے سوچنے اور قیامت کے سوچنے کے لیے مقرر کرو اور باقی اوقات میں ذکر اللہ میں مشغول رہو اس فکر کا نام مراقبہ ہے۔ اس سے آپ کو مراقبہ کی فضیلت معلوم ہوئی ہوگی کہ یہ کتنی بڑی چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے جا بجا امر بھی فرمایا ہے اور ترغیب بھی دی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے دنیا و آخرت کی راحت حاصل ہوتی ہے اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم اور توفیق عمل عطا فرمائیں۔ آمین۔ (المراقبہ ج ۲۲)

## مسلمانوں کا اصل مقصود

مسلمانوں کا اصلی مقصود آخرت ہے اور اس مقصود کے لیے مطابق قاعدہ عقلیہ و نقلیہ کے علم و عمل دونوں کی ضرورت ہے اور اس وقت ان دونوں میں کوتاہی ہو رہی ہے۔ پس اس آیت میں ان ہی دونوں کا ذکر ہے۔ اب ہر شخص دیکھ لے علم و عمل دونوں میں اس سے کتنی کوتاہی ہوتی ہے اور اس سے لسانی، بدنی کتنے گناہ دن رات میں ہوتے ہیں بلکہ کوتاہی علم سے بعض کا تو گناہ ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا۔ مثلاً متاع دنیا کی طرف نظر حرص کرنا گناہ ہے۔ ”لا تملدن عینیک الی ما متعنا بہ الایۃ“ مگر اس کی کسی کو بھی خبر نہیں کہ وہ بھی گناہ ہے حرام تو کیا مکروہ بھی نہیں جانتے۔ (شرط التذکرہ ج ۲۲)



## آخرت سے ذہول پر مولانا جامی کی تنبیہ

اسی کے خلاف کی شکایت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے:

دلا تاکے دریں کاخ مجازی      کنی مانند طفلان خاکبازی  
توئی آں دست پرور مرغ گستاخ      کہ بودت آشیان بیروں ازیں کاخ  
چرازاں آشیان بیگانہ گشتی      چو دونان چغداں ویرانہ گشتی  
(اے دل اس مجازی مکان (دنیا) میں کب تک لڑکوں کی طرح خاک سے کھیلتا رہے  
گا تو ہی وہ ہاتھ کا پلا ہوا مرغ گستاخ ہے کہ تیرا آشیانہ اس مکان سے باہر تھا اس آشیانہ  
سے کیوں بیگانہ ہو گیا، کمینوں کی طرح سے اس ویرانہ کا الو بنا ہوا ہے)  
آگے مولانا نے وطن اصلی کو یاد دلایا ہے:

بیشاں بال و پرزیں عالم خاک      پر تا کنگرہ ایوان افلاک  
(اس عالم خاک (دنیا) سے باز اور پر جھاڑ ایوان افلاک کے کنگرہ تک اڑ) (جلاء القلوب ج ۲۲)

## غفلت کا علاج تذکرہ آخرت ہے

ہمارے اندر بڑا مرض یہ ہے کہ ہم اعمال میں سستی کرتے ہیں جس کا سبب غفلت عن  
الآخرۃ ہے اور اس کا علاج تذکرہ آخرت ہے اسی کو میں مراقبہ کہتا ہوں چاہے مراقبہ کی  
صورت متعارفہ سے نہ ہو ویسے ہی چلتے پھرتے دھیان رکھا جائے۔ مقصود یہ ہے کہ جو غفلت  
اعمال کی خرابی کا سبب ہو رہی ہے وہ دفع ہونا ضروری ہے مگر باوجود ضروری ہونے کے اس  
میں بہت ہی کوتاہی ہو رہی ہے اور اس کوتاہی کا ایک باریک سبب ہے اور یہ بات آج ہی  
میرے ذہن میں آئی ہے اور اسی کے بیان کے لیے میں نے یہ آیت اختیار کی ہے وہ یہ کہ  
جب لوگوں سے آخرت کی یاد کو کہا جاتا ہے تو ان کا ذہن فوراً اس طرف جاتا ہے کہ آخرت تو  
بہت دور ہے اس سے پہلے بہت سے واقعات پیش آنے والے ہیں۔ امام مہدی کا ظہور  
ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا، دجال نکلے گا، پھر آفتاب مغرب سے نکلے گا، اس  
کے بھی ایک مدت بعد نفخ صور ہوگا۔ اس وقت یہ عالم فنا ہوگا پھر قرن کے قرن اسی حالت فنا  
میں گزر جائیں گے پھر دوسرا نفخ صور ہوگا تب کہیں قیامت آئے گی۔ اس بعد کی وجہ سے

انسان آخرت کو اپنے ذہن میں نہیں آنے دیتا کہ یہ تو ابھی بہت دور ہے اور اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال آتا بھی ہے تو اس بعد کی وجہ سے اس کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوتا کیونکہ خطرہ بعیدہ سے عادتہ تاثر کم ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے عقلاء کا مقولہ مشہور ہے:

بترس از بلائے کہ شب در میان ست

(مصیبت سے ڈر کہ رات درمیان میں ہے)

اگرچہ فی الواقع یہ بات علی الاطلاق غلط ہے کیونکہ طبیعت کو مشوش کرنے کے لیے طبعاً بس رات کے بعد کی مصیبت بھی کافی ہے۔ (التعمیت بمراقبہ لمیت ج ۲۲)

## آخرت کی دو قسمیں

آخرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قریب ایک بعید تو اگر آخرت بعید کا خوف نہیں تو آخرت قریبہ کا خوف ہونا چاہیے اور وہ موت ہے اور موت کچھ بعید نہیں کیونکہ سفر اور ریل اور گاڑی اور کھانا پینا اور بیمار ہونا اور چلنا پھرنا یہ سب موت ہی کے اسباب ہیں اور ان کو کوئی بعید نہیں سمجھتا اس لیے آخرت بعیدہ کے مراقبہ سے غالباً موت کا مراقبہ زیادہ نافع ہوگا اس لیے میں نے اس آیت کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں لفظ فی الآخرت کی تفسیر قبر سے وارد ہوتی ہے جس نے مراقبہ آخرت کو قریب کر دیا کہ آخرت صرف قیامت ہی کا نام نہیں بلکہ آخرت قبر ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور قبر میں جانا کچھ دور نہیں تو اس کو ہی یاد کر لیا کرو۔ قرآن شریف میں ایسے اشارات بکثرت ہیں جن میں خاص مراقبات کی تعلیم کی گئی ہے۔ (ایضاً)

## مراقبہ موت

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک خاص مقدار میں موت کا دھیان کر لینا بھی کافی ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بیس دفعہ روزانہ موت کو یاد کر لیا کرے اس کو شہادت کا ثواب ملے گا۔ پس ہر وقت نہ ہو سکے تو اس مراقبہ کی کثرت ہی ہو اور اگر موت کے بعد کا حساب و کتاب بھی یاد کر لیا کرو تو اور بھی اچھا ہے پھر اپنا سونا بھی آپ کو گراں ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ تم سونا چھوڑ دو گے بلکہ نیند کا آنا ناگوار ہوگا اور سونے کو جی نہ چاہے گا ہاں اگر حال غالب ہو گیا تو پھر یہ بھی ہو جائے گا کہ نیند ہی نہ آ سکے گی۔ اس وقت تم سونے والوں سے یوں کہو گے:

چوں چنین کارے ست اندر رہ ترا لب چوں می آید اے ابلہ ترا  
(جب تجھے اس راہ میں مشکل نظر آتی ہے تو اے بیوقوف تیرے لب پر کیا آتا ہے)  
بعض اولیاء اللہ کو ایسا پیش آیا ہے۔ (التعمیت بمراقبۃ المہیت ج ۲۲)

## منکر نکیر موت کے ایک مقررہ وقت کے بعد آتے ہیں

حدیث میں ہے کہ دفن کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر مردہ کا اچار ڈال لو اور دفن نہ کرو تو یہ فرشتے نہ آئیں گے بعض اسی خیال میں ہیں چنانچہ ایک جاہل دیندار نے مکہ میں یہ وصیت کرنے کا ارادہ کیا کہ میری لاش کو دفن نہ کیا جائے بلکہ ایک پہاڑ پر رکھ دیا جائے تاکہ سوال قبر نہ ہو میں نے کہا سبحان اللہ کیا آپ قبر اس گڑھے کو سمجھتے ہیں کہ اس میں اگر دفن نہ کیا جائے گا تو قبر کے معاملات ہی بند ہو جائیں گے بلکہ قبر تو عالم برزخ کا نام ہے جس میں انسان اس عالم سے منتقل ہو کر پہنچتا ہے چاہے دفن ہو یا نہ ہو غرض فرشتے تو اس وقت کی ایک معین مقدار کے بعد آ جاتے ہیں۔ گو اس وقت غسل ہی ہو رہا ہو یا نماز ہی ہو رہی ہو وہ اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور تمام سوالات و جوابات روح سے ہوتے ہیں اور اس وقت روح کو اس جسم عنصری سے ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا لباس اتارنے کے بعد ہم کو اپنے لباس سے تعلق ہوتا ہے کہ اگر کوئی ہماری رضائی چھین کر آگ میں جلادے تو گو ہم متالم و محترق نہیں ہوتے مگر ہم کو ناگوار ہوتا ہے باقی روح کو زیادہ تعلق مرنے کے بعد جسم مثالی سے ہوتا ہے جو اس جسم عنصری کے علاوہ دوسرا جسم ہے جس کے ماننے سے بہت سے اشکالات رفع ہوتے ہیں ضغطہ قبر وغیرہ سب باتیں اسی جسم مثالی سے ہوتی ہیں۔ غرض مردہ میں موت کے بعد بھی برزخی حیات ہوتی ہے۔ (ایضاً)

## حکایت قاضی یحییٰ بن اکثم

قاضی یحییٰ بن اکثم شیخ بخاری کا جب انتقال ہوا تو حق تعالیٰ نے ان سے پوچھا ”شیخ السوء ما عملت لنا“ اے بڑے بڑھے تو نے ہمارے واسطے کیا عمل کیا ہے قاضی یحییٰ خاموش ہو گئے حق تعالیٰ نے فرمایا بولتے کیوں نہیں ہو عرض کیا یا اللہ میں ایک سوچ میں ہوں پوچھا کیا سوچ ہے عرض کیا میں نے یہاں کا حال تو اور طرح کا سنا تھا اور ارشاد ہوا کہ کیا سنا تھا عرض کیا:

حدثنا فلان عن فلان عن فلان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يستحي من ذى الشبهة المسلم

سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان کا لحاظ فرماتے ہیں اور میں اس وقت معاملہ اس کے خلاف دیکھ رہا ہوں اور اب مجھے یہ سوچ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا راویوں نے غلطی کی۔ حکم ہوا کہ جاؤ تمہارے سب راوی سچے اور میرا حبیب بھی سچا۔ آج ہم تم کو محض بڑھاپے ہی کی وجہ سے بخشتے ہیں۔ (یہ واقعہ کسی بزرگ کو قاضی یحییٰ اکثم کے انتقال کے بعد مکشوف ہوا ہو گا یا کسی نے ان کو خواب میں دیکھا ہو اور انہوں نے بیان کیا ہو ۱۲) تو حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کے ساتھ یہ نفع ہوا کہ قاضی یحییٰ کو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے مغفرت کی امید تھی حق تعالیٰ نے ان کا یہ گمان پورا کر دیا۔ اسی طرح اگر ہم یہ امید رکھیں کہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی تو یہ گمان بھی ان شاء اللہ پورا ہوگا اور یہ ایسی خوشی کی بات ہے کہ اس کا خیال کر کے تو مسلمانوں کو قبر میں جانے کا شوق پیدا ہو گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر مسلمان کو سب سے زیادہ محبت ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ ایک تو توقع ہے اور ایک دھوکہ ہے اگر اسباب جمع کر کے امید ہو وہ تو توقع ہے اور بدون اسباب کے امید ہو تو دھوکہ ہے جیسے نکاح کے بعد اولاد کی تمنا کرنا تو توقع ہے اور بدون نکاح کے اس کی تمنا کرنا محض دھوکہ ہے۔ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ”اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي“ (میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں) میں دراصل اسباب کی تعلیم ہے کیونکہ عادتاً اسباب ہی سے ظن پیدا ہوتا ہے بدون اسباب کے امید نہیں ہوتی ہاں کسی زن کو ہو جائے تو اور بات ہے بہر حال مومن کو احوال و احوال آخرت سے خوف تو رکھنا چاہیے اور اعمال میں کوشش کرنا چاہیے مگر پریشان نہ ہونا چاہیے۔ (التعمیت بمراقبۃ السمیت ج ۲۲)

## حضرت رابعہ بصریہ کا منکر نکیر کو عجیب جواب

حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا اور قبر میں فرشتوں نے سوال کیا کہ ”من ربک وما دینک“ (تمہارا رب کون ہے؟ اور تمہارا دین کیا ہے؟) تو انہوں نے فرمایا کہ تمہارے سوال کا جواب تو میں بعد میں دوں گی پہلے تم میرے سوال کا جواب دو کہ تم کہاں سے آرہے ہو؟ کہا آسمان سے پوچھا آسمان وزمین میں کتنا فاصلہ ہے؟



کہا پانچ سو برس کی مسافت ہے، فرمایا تم خدا کو نہیں بھولے کیونکہ بہت دور سے آرہے ہو فرشتوں نے کہا ہم تو خدا تعالیٰ کو نہیں بھولے، فرمایا جب تم اتنی دور سے چل کر بھی نہیں بھولے تو کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ رابعہ زمین سے چار گز نیچے آ کر خدا تعالیٰ کو بھول گئی ہوگی حالانکہ زمین پر ایک ساعت بھی اس سے غافل نہیں رہی یہ سن کر فرشتے متعجب رہ گئے۔

یہ مقام ناز ہے جس کے آگے فرشتے بھی نہیں چل سکتے۔ اسی کو عارف فرماتے ہیں:  
 گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم  
 (گدائے میکدہ ہوں لیکن مستی کی حالت میں دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں)  
 اور حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گر نکیر آید و پرسد کہ بگورب تو کیست گویم آنکس کہ ربود ایں دل دیوانہ ما  
 (اگر منکر نکیر پوچھیں گے کہ تمہارا رب کون ہے تو میں کہوں گا کہ وہی ہے جو ہمارے  
 اس دیوانے دل کو لے گیا)

یہ بھی حضرت رابعہ ہی کے قول کے مثل ہے۔ غرض کافر چونکہ ایمان تحقیقی و تقلیدی دونوں سے محروم ہے اس لیے فرشتے اس کو قبر میں عذاب دیں گے اور دوزخ کی کھڑکی کھول دیں گے اور وہ سمجھے گا کہ قیامت میں اس میں داخل ہونا ہوگا اور مومن کے لیے جنت کی طرف کھڑکی کھولی جائے گی اور وہ یہ سمجھے گا کہ قیامت کے دن اس میں داخل ہونا ہوگا اس لیے مسلمان جنت کو دیکھ کر قیام ساعت کی تمنا کرے گا اور کافر دوزخ کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ قیامت کبھی نہ آئے اس کے عذاب سے تو قبر ہی کا عذاب اہون ہے۔ واللہ اعلم

## حیات برزحیہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ قبر کو حیات دنیا میں داخل فرمایا یا آخرت میں سو احتمال دونوں طرف سے ہے قبر کو حیات دنیا میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے اور آخرت میں بھی۔ دوسرا احتمال تو محتاج تاویل نہیں کیونکہ موت سے حیات دنیا منقطع ہو جاتی ہے اس لیے مابعد الموت حیات دنیا میں داخل نہیں بلکہ وہ آخرت میں داخل ہونا چاہیے البتہ پہلا احتمال محتاج نہیں تاویل ہے اس پر کہہ سکتے ہیں کہ گو موت سے حیات دنیا منقطع ہو جاتی ہے مگر حیات اخرویہ بھی شروع نہیں ہوتی کیونکہ حیات اخرویہ وہ ہے جبکہ یہی جسد عنصری دوبارہ

زندہ ہوگا اور یہ قیامت میں ہوگا، قبر میں جسدِ عنصری زندہ نہیں ہوتا۔ گو روح کو اس سے تعلق رہتا ہے پس گو موت کے بعد انسان کو نہ حیاتِ اخرویہ حاصل ہوتی ہے نہ حیاتِ دنیویہ بلکہ حیاتِ برزخیہ ہوتی ہے مگر حیاتِ برزخیہ کو حیاتِ دنیا سے بہ نسبتِ آخرت کے قرب زیادہ ہے اس لیے حکماً وہ حیاتِ دنیا میں داخل ہو سکتی ہے لیکن یاد آید منشور میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الاخرۃ کی تفسیر عذابِ قبر سے فرمائی ہے اب کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہی نہ دوسرا احتمال رہا۔ (التمییز بمراقبۃ المہیت ج ۲۲)

## غفلت کا علاج

ہم کو معاصی سے بچنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے جن کا سبب غفلت عنِ الآخرت ہے اور غفلت کا علاج تذکر ہے اور تذکرِ آخرت کا سہل طریقہ موت کو یاد کرنا ہے۔ پس ہم کو غفلت دور کرنے کے لیے موت کو یاد کرنا چاہیے اور یاد کرنے کا طریقہ بھی میں نے بتلادیا کہ صرف موت موت کا ورد کرنا کافی نہیں بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ حدیث میں جو باتیں موت کے متعلق وارد ہیں کہ دفن کے بعد فرشتے قبر میں آئیں گے اور اس طرح سوال و جواب ہوگا اس کا تصور کیا جائے۔ اگرچہ یہ مراقبہ ہر وقت کرنے کا ہے مگر حکمائے اُمت نے اس کے لیے بھی ایک وقت مقرر کر دیا ہے تاکہ تعین وقت سے کام میں سہولت ہو جائے اچھا وقت اس کے لیے سونے کا وقت ہے کیونکہ ”النوم اخو الموت“ سونا ہی موت کے مشابہ ہے تو سوتے وقت ہم کو یاد کرنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جبکہ ہم بہت لمبی نیند سوئیں گے جس کے بعد قیامت سے پہلے اٹھنا ہی نہ ہوگا۔ روزانہ سوتے ہوئے اس کو یاد کرنا چاہیے تاکہ ہم کو قولِ ثابت کی برکتیں حاصل ہوں۔ رہا یہ کہ قولِ ثابت سے مراد کیا ہے اور اس کی برکتیں کیا ہیں اس کو قرآن ہی سے معلوم کرو۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس میں توحید کا ذکر ہے اس میں حق تعالیٰ نے کلمہ توحید و کلمہ کفر کی مثال بیان فرمائی ہے۔ صاحبِ تفسیر (یعنی امام فخر رازی) کا قول ہے کہ تمام قرآن تین مضمونوں کی شرح ہے توحید و رسالت و معاد یہ قول مجھے بہت ہی پسند آیا۔ اس کا لحاظ کر لینے سے تمام قرآن مرتبط معلوم ہوتا ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ حضرت حاجی صاحب نے مثنوی کا خلاصہ نکالا تھا کہ تمام مثنوی میں دو مضمون اصل مقصود ہیں ایک توحیدِ حالی دوسرے حقوقِ شیخِ واقعی عجیب خلاصہ ہے جس کے بعد تمام مثنوی مرتبط معلوم ہوتی ہے۔ (التمییز بمراقبۃ المہیت ج ۲۲)

## آخرت کے لئے تدابیر کی ضرورت

یوں سمجھتے ہیں بلکہ زباں سے کہتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہے جنت یا دوزخ وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ پھر نہ طاعت سے کچھ فائدہ اور نہ گناہ سے کوئی ضرر مگر تعجب ہے کہ یہ تقدیر دنیا کے کاموں میں مثلاً کمانا کھانا مال و دولت جمع کرنا ان میں کہاں چلی جاتی ہے ہم نے کسی کو نہ دیکھا کہ اس نے تقدیر کے بھروسے پر کمانا چھوڑ دیا ہو یا کھانا نہ کھایا ہو یا کھیتی کرنی چھوڑ دی ہو اور اس میں تخم ریزی نہ کی ہو۔ کہ اگر تقدیر میں ہے تو خود بہ خود سب کام ہو جائیں گے اس موقع پر تو کہتے ہیں کہ صاحب تقدیر حق ہے لیکن تدبیر بھی تو کرنی چاہیئے بدوں تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا افسوس یہاں تو تدبیر کی ضرورت اور دین کے کام میں تدبیر کی ضرورت نہیں حالانکہ آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاش کی خدا تعالیٰ نے ایک حد تک ذمہ داری بھی کی ہے فرماتے ہیں وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (زمین پر چلنے والی اور رہنے والی جتنی بھی چیزیں ہیں سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے) اور معاد کے بارے میں ذرا بھی ذمہ داری نہیں فرمائی بلکہ صاف ارشاد ہے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (انسان کو اسی قدر ملے گا جس قدر وہ کوشش کرے گا) اور مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا (جس نے اچھے عمل کئے تو اپنے فائدے کے لئے کئے جس نے بُرے عمل کیا اپنے لئے کیا) کہ ہم بالکل وعدہ نہیں کرتے جو جیسا کرے گا بھرے گا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ارشاد فرمایا اَيُّطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ كَلَّا (کیا ہر شخص اس کی خواہش کرتا ہے کہ وہ نعمتوں والی جنت میں داخل کیا جائے ایسا تو ہرگز نہ ہوگا یعنی عمل کے موافق جزا ملے گی) تو جب تک پاک نہ بنو گے ہرگز دخول جنت کے قابل نہ ہو گے۔

غرض معاش کو تدبیر پر رکھنا اور معاد کو تقدیر پر چھوڑ دینا سخت غلطی ہے بالخصوص جب کہ تحصیل معاد کی تدابیر خود خدا تعالیٰ ہی نے بتلائی ہیں اگر معاد کا حصول محض تقدیر سے ہوتا۔ اور تدبیر کو اس میں دخل نہ ہوتا تو تدابیر بتلانے کی کیا ضرورت تھی۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## آخرت کے دو درجے

آخرت کے دو درجے ہیں زمان آخرت اور مکان آخرت، سوزمان آخرت بھی گو کچھ

دور تو نہیں ہے لیکن خبر اس کی نسبت بعید ہونے کا گمان ہو سکتا ہے لیکن مکان آخرت تو بالفعل ہی موجود ہے اس لئے اس آسمان دنیا سے آگے مکان آخرت ہی ہے۔ تو اگر ذہن میں یہ مضمون جمالو کہ چھت پر گویا ایک کثیر مخلوق ہم کو دیکھ رہی ہے تو یہ مراقبہ بھی انشاء اللہ گناہ سے بچنے کے لئے کافی ہوگا۔ اور آسمان کے چھت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔  
 جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً (اور تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنانا) غرض یہ ہے کہ جس طرح ہو سکے گناہ سے بچو۔ (الاخفا ح ج ۲۳)

## موت کو یاد کرنے کا طریق

حدیث شریف میں ہے اَكْثِرُوا ذِكْرَهَا ذِمَّ اللَّذَاتِ الْمَوْتَ (سنن الترمذی ۲۳۰۷، سنن النسائی ۴: ۴) یعنی لذات کے منادینے والی شے یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تسبیح لے کر بیٹھ گئے اور موت موت کہہ لیا مطلب یہ ہے کہ پندرہ بیس منٹ اپنے اوقات میں سے نکال کر خلوت میں بیٹھ جاؤ اور یہ سوچو مجھ کو ایک دن اس دنیا سے سفر کرنا ہے اول بیمار ہوں گا اس کے بعد مروں گا۔ پھر لوگ قبر میں دفن کر دیں گے وہاں دو فرشتے سوال کے لئے آئیں گے اے نفس ان کے جواب کے لئے تیار رہ اور وہ بدکار کے پاس ڈراؤنی شکل سے آئیں گے اور نیک کے پاس اچھی شکل سے پھر قبر یا تو دوزخ کا ایک گڑھ یا بہشت کا باغ ہوگا کہ اس میں جنت کی ہوائیں آئیں گی اور اسی طرح جو جو واقعات دخول جنت و جہنم تک احادیث میں آئے ہیں ان کو اسی تفصیل سے سوچے اسی طرح روزانہ یاد کر لیا کرے۔ دیکھئے تو سہی ایک مدت کے بعد اس کا کیا ثمرہ ہوتا ہے کہ دل دنیا سے ہٹ جائے گا اور آخرت کی طرف رغبت ہوگی۔ اور نیک کاموں کی ہمت بڑھے گی۔ پھر ہمت سے عمل آسان ہوگا اور اس سے طریق کا ایک جزو حاصل ہو جائے گا اب دوسرے جزو کو لیجئے یعنی علم دین سے ہماری مراد مقدار اور وہ طرز خاص نہیں جیسا کہ بعض لوگ الزام دیتے ہیں کہ مولوی تو یوں چاہتے ہیں کہ سب مولوی ہو جائیں۔ تو یہ محض افترا ہے بلکہ ہم تو اس کے عکس کو چاہتے ہیں یعنی یہ چاہتے ہیں کہ سب نہ بنیں بلکہ اگر سب بنیں بھی تو ہم ہرگز نہ بننے دیں اس لئے کہ علم دین بشکل مولویت و مقتدائیت ہر شخص کے مناسب نہیں صرف اس شخص کو لائق ہے جس میں حب دنیا نہ ہو اور دین کی محبت ہو ورنہ النامضر ہے۔



بد گہر را علم و فن آموختن دادن تیغ است دست راہزن  
(نااہل کو علم و فن سکھانا ایسا ہے جیسا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینا) (اطاعۃ الاحکام ۲۳)

## آخرت کے ثواب و عذاب کی ضرورت استحضار

ہر مسلمان کو عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کا یقین ہے ہی مگر اعتقادی علم کافی نہیں ہے بلکہ اس کے استحضار کی بھی ضرورت ہے۔ اس کا مراقبہ اتنا کرنا چاہئے کہ ہر وقت عذاب و ثواب کا خیال دل میں حاضر رہے، اسی لئے حق تعالیٰ نہایت تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں فان اجل اللہ لات (سو مدت معین ضرور آنے والی ہے) اس میں ان حروف سے تاکید ہے، اس کے بعد خبر پر لام تاکید ہے پھر جملہ اسمیہ خود تاکید کو موجب ہے مطلب یہ ہے کہ آخرت کا آنا بالکل یقینی ہے اس میں ذرا بھی شک نہیں اب آپ خود سوچ لیں کہ جس طرح ہم کو دوسری یقینی باتوں کا استحضار ہوتا ہے کیا ایسا ہی استحضار آخرت کا بھی ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو پھانسی کا حکم سنا دیا جائے تو اندازہ کر لیا جائے کہ اس کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ اگرچہ حکم سنا دینے کے بعد پھانسی دے دینا حاکم کے اختیار میں من کل الوجہ نہیں ممکن ہے کہ آگے چل کر اپیل منظور ہو جائے مگر ان سب احتمالات کے باوجود پھر بھی جو حالت اس شخص کی ہوتی ہے جس کو پھانسی کا حکم سنایا گیا ہے اس سے کوئی ناواقف نہیں۔ وہ ان احتمالات پر مطلق نظر نہیں کرتا اس کے سر پر ہر وقت موت کھیلتی ہے اور وہ مرنے سے پہلے مردہ ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ایک ادنیٰ حکم کا انسان پر کیا اثر ہوتا ہے جس کا واقع ہونا آخرت کے برابر یقینی ہرگز نہیں ہوتا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## درستی معاد کا طریق حصول

عقائد و اعمال کی اصلاح کی جاوے اور یہ موقوف ہے علم پر تو علم کی ضرورت ثابت ہو جاوے گی اور یہ مضمون اس علمی جلے کے مناسب ہو جاوے گا۔ صاحبو! یوں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی سے ضرورت علم کی معلوم ہے۔ بہت سی حدیثیں علم کی فضیلت اور اس کے طلب و جوب کے متعلق موجود ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہم کو مل گیا تو ضرورت معلوم ہو گئی کہ اس کام کو کرنا چاہئے اب اور کسی ضرورت کے تلاش کی حاجت نہیں رہی لیکن اگر عقل سے بھی ثابت ہو جاوے اس طرح سے کہ تحرز عن المضرت اور جلب منفعت ضروری چیز ہے اور منجملہ مضرتوں کے مضار آخرت بھی ہیں بلکہ مضرت کے افراد میں

اکمل وہی ہیں تو آخرت کے مضار سے بچنا بھی ضرور ہوا اور وہ موقوف ہے مضار آخرت کے علم پر جس کا ذریعہ محض علم دین ہے تو اس سے یہ مضمون اور زیادہ اقرب الی الفہم اور موجب طمانیت قلب ہوگا۔ آج کل اس کو سب مانتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے تمام حالات میں اصلاح کی حاجت ہے اور اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ سب مسلمان مل کر کوشش کریں یہ کام ایک دو افراد کا نہیں ہے اور اصلاح کے لئے علم کی ضرورت ہے تو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ علم کے لئے سب مسلمان مل کر کوشش کریں۔ گھر گھر علم کا چرچا ہو، جگہ جگہ مجمعے اہل علم کے موجود ہوں۔ چنانچہ بحمد اللہ بہ نسبت پہلے زمانہ کے اس میں ترقی بھی ہے۔ ہر جگہ مدرسہ موجود ہے کچھ نہ کچھ مجمع اہل علم کا موجود رہتا ہے اور مدرسہ جگہ جگہ ہونے سے بہت فائدہ پہنچا ہے کیونکہ جب علم کی مسلمانوں کو ضرورت ہے اور علم کی ترقی علمی مجالس سے ہوتی ہے تو علمی مجالس جس قدر زیادہ ہوں اسی قدر علم کو ترقی ہونے کی اور اسی قدر مسلمانوں کو نفع پہنچنے اور قوت علمی بڑھنے کی امید ہوگی۔ (السوق لاہل الشوق ج ۲۳)

## حق تعالیٰ شانہ کی ناراضگی سے ڈرنے کی ضرورت

ہماری حالت یہ ہے کہ جس چیز سے ڈرنا چاہئے یعنی جو چیز ڈرنے کی ہے اس سے تو نہیں ڈرتے اور نہ ڈرنے کی چیز سے ڈرتے ہیں۔ ڈرنے کی چیز حق تعالیٰ کی ناراضی اور غضب ہے مگر اس سے ہم بالکل بے پرواہ ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی لوگوں نے کچھ اپنی حالت کی اصلاح نہیں کی جو شخص جس گناہ میں مبتلا ہے، اسی میں مبتلا ہے۔ (خیر الحیات وخیر الممات ج ۲۳)

## بیماری ڈرنے کی چیز نہیں

بیماری جو درحقیقت ڈرنے کی چیز نہیں ہے اس سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر تو یوں کہنا چاہئے کہ ہم اس بیماری سے اتنا ڈرتے ہیں کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے جیسا کہ شیخ سعدی رحمہ اللہ اسی کے مناسب ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

گر وزیر از خدا بتر سیدے      ہچناں گز ملک ملک بودے

”کہ اگر وزیر خدا تعالیٰ سے اتنا ڈرتا جتنا بادشاہ سے ڈرتا ہے تو فرشتہ ہو جاتا۔“

یہاں شیخ رحمۃ اللہ نے دو شکایتیں کی ہیں۔ ایک خدا تعالیٰ سے نہ ڈرنے کی، دوسرے

بادشاہ سے اس قدر ڈرنے کی یعنی عقل کا مقتضا تو یہ تھا کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا اور بادشاہ سے اس قدر نہ ڈرتا کیونکہ بادشاہ تو ایک ہم ہی جیسا آدمی ہے فی الحقیقت وہ ڈرنے کی چیز نہیں مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۴)

## کوئی مومن بشارت عند الموت سے محروم نہیں

مولانا فتح محمد صاحب کے ایک شاگرد مولوی نور احمد صاحب طالب علم تھے، مولانا کے وصال کے بعد وہ اپنے گھر جانے لگے اور سامان وغیرہ باندھ کر سب رکھ دیا تھا کہ دفعتاً طاعون میں مبتلا ہو گئے۔ لوگوں کو بہت صدمہ ہوا کہ بے چارہ کو اس وقت اپنے وطن کی کیسی حسرت ہوگی، سب ان کی تسلی کرنے لگے کہ گھبراؤ نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ تم اچھے ہو جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ اب یوں نہ کہو اب تو خدا تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے، پھر ان کا جنازہ آیا تو گوہم جیسوں کا ادراک ہی کیا مگر مجھے ان کے جنازہ پر انوار ہی انوار معلوم ہوتے تھے۔ صاحبو! مومن چاہے کیسا ہی گنہگار ہو ایمان کی وجہ سے تو بشارت اس کو بھی ملتی ہے اس لئے وہ مرتے ہوئے ضرور خوش ہوتا ہے اور جو ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی زیادہ ہوں پھر تو اس کی خوشی کا کیا کہنا بس بشارت عند الموت سے اگر محروم ہے تو کافر ہی محروم ہے۔ مومن چاہے کیسا ہی ہو وہ اس سے محروم نہیں گو اس کے ساتھ معاصی بھی ہوں مگر ایمان کامل ہو تو موت کے وقت اسے حق تعالیٰ سے ملنے کا اشتیاق ہوگا اور قبل موت گو اس درجہ کا اشتیاق طبعی نہ ہو مگر عقلی کراہت بھی نہ ہونا چاہئے۔ (ایضاً)

## اہل محبت کو وحشت نہیں ہوتی

مسلمانوں میں بعضے گنہگار بھی ہیں اور اہل محبت تو اپنے کو سب سے زیادہ گنہگار سمجھتے ہیں۔ تو قیامت میں گناہوں پر سزا بھی تو ہوگی میں تو کہتا ہوں کہ واللہ مجھے تو یقین ہے کہ مسلمانوں کو بہت کم سزا ہوگی۔ حضرت حق ان کو تو کسی بہانہ سے معاف ہی کر دیتے ہیں (سبحان اللہ! کیسی رجاء اور کیسی محبت ٹپکتی ہے) میرا یہ مطلب نہیں کہ یہ سمجھ کر تم حق تعالیٰ سے ڈرو اور دل میں ہیبت رکھو، مگر ویسی ہی ہیبت رکھو جیسی محبوب سے ہوا کرتی ہے۔ محبوب سے اس کے جمال و جلال کی وجہ سے ہیبت ہوتی ہے۔ ہوا سمجھ کر وحشت اور خوف نہیں ہوتی۔ اس ہیبت کو ایک شاعر نے خوب بیان کیا ہے:

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آ جائے ہے تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہے  
خلاصہ یہ کہ محبوب سے ہیبت تو ہوتی ہے مگر وحشت نہیں ہوتی۔ اسی طرح حق تعالیٰ سے  
اور ان کی لقاء سے وحشت نہیں ہونی چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ محبت پیدا کرو، محبت کے  
بعد تم گنہگار ہو کر بھی حق تعالیٰ سے متوحش اور موت سے متنفر نہ ہو گے اور محبت کا وہی طریقہ  
ہے جو اوپر بتلایا ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو اور ان کے احسانات کو یاد کرو۔ دوسری بات یہ کہ  
اہل محبت کی صحبت اختیار کرو اور تیسری بات اور بھی ہے کہ تھوڑی دیر ذکر کر لیا کرو، جو خلوص  
سے نہ ہو مگر فلوس کے لئے بھی نہ ہو۔ یعنی دنیا کے لئے نہ ہو۔ (خیر الحیات و خیر الممات ج ۲۳)

## فکر آخرت کی ضرورت

بہت لوگوں کی عمریں اسی میں ختم ہو گئیں کہ پنشن مل جائے تو دینداری اختیار کریں اور  
گورنمنٹ سے پنشن سے پہلے ان کو دنیا ہی سے پنشن مل گئی اور آخرت میں جا پہنچے۔ صاحبو!  
حق تعالیٰ کی طرف سے تو ہر وقت آپ کو یہ ندا ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ      گر کافر و کبر و بت پرستی باز آ  
(واپس آ، واپس آ، جو کچھ بھی تو ہے اگرچہ کافر آتش پرست بت پرست ہے واپس آ)  
یعنی تم جیسے بھی ہو اسی حالت میں متوجہ ہو جاؤ، چاہے کیسے ہی گوہ در گوہ ہو، کیونکہ دور  
رہ کر تم پاک ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ناپاک ہو اور دریا میں اس  
لئے نہ جاتا ہو کہ وہ پاک شفاف اور میں ناپاک، اس حال میں کیونکر جاؤں بلکہ پاک  
ہو جاؤں گا تو دریا اس سے یہی کہے گا کہ تو جیسا بھی ہے اسی حال میں میرے پاس چلا آ،  
کیونکہ مجھ سے دور رہ کر تو پاک نہیں ہو سکتا۔ پس اس کا ہرگز خیال نہ کرو کہ ہم تو گنہگار ہیں،  
دنیا دار ہیں، دنیا کے علاقے میں پھنسے ہوئے ہیں، اس حال میں کیونکر ذکر اللہ شروع کریں۔  
صاحبو! تم اسی حال سے کام شروع کر دو، پھر تمہارے علاقے اور گناہوں کو ہی کم کر دے گا۔  
اسی طرح اس سے بھی پریشان نہ ہونا چاہئے کہ پابندی نہیں ہوتی، ناعد ہو جاتا ہے۔ (ایضاً)

## تمام غلطی کی جڑ

تمام غلطی کی جڑ یہ ہے کہ ہم اپنی عمر کو طویل اور ممتد سمجھتے ہیں، لہذا جی چاہا کہ اس کی



اصلاح کر دی جائے اس کی اصلاح بھی ہے کہ ہر جزو عمر کو اخیر سمجھنا چاہئے۔ یہ اجمالی اصلاح ہے اس کی تفصیل آپ خود کر سکتے ہیں۔ ایک دفعہ غور کر کے دیکھئے کہ اگر کسی طرح آپ کو کسی صاحب کشف یا نجومی یا طبیب کے کہنے سے ضعیف سا شبہ بھی پڑ جائے کہ آج شام تک زندگی ختم ہے تو اس وقت آپ کی کیا حالت ہوگی۔ سوائے ضروریات کے کسی طرف خیال بھی نہ جائے گا لیکن اب جو ہم لمبے چوڑے قصے لئے بیٹھے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ غفلت کی عادت ڈال لی ہے ذہن کبھی اس طرف جاتا ہی نہیں کہ ایک دن عمر ختم بھی ہوگی حالانکہ ہر شخص کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ عمر ختم ہوگی بلکہ یہ معلوم ہے کہ اس کے لئے کوئی قاعدہ بھی مقرر نہیں کہ کب ختم ہوگی۔ اچھے خاصے ہٹے کٹے آدمی جن کے قوی ایسے تھے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ سو برس سے پہلے مریں گے، ذرا سی دیر میں مر جاتے ہیں۔ بالخصوص طاعون اور ہیضہ کے زمانہ میں یہ تماشے ہر شخص کے دیکھے ہوئے ہیں کہ اچھے اچھے شہ زور نوجوان صبح کو اچھے خاصے ملے اور شام کو دنیا سے رخصت ہو گئے کسی محقق اور تجربہ کار کو اب تک کوئی ایسا قاعدہ نہیں جس سے عمر کا اندازہ کر سکیں باوجود ان باتوں کے مسلم ہونے کے عمر کے امتداد کا خیال غفلت کے سوا کس بات پر مبنی ہو سکتا ہے جو ایسی ظاہر چیز کو چھپا دیتی ہے۔

اگر موت کو یاد کر کے شریعت کو دستور العمل بنالیں تو دنیاوی زندگی صحیح نہ ہو سکے گی شریعت تو اکثر چیزوں سے روکے گی میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ شریعت پر چلنے سے کوئی ضروری اور مفید کام بند نہیں ہو سکتا۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

## فضولیات و ممنوعات کی بنا غفلت ہے

جن چیزوں کے چھوڑنے کے لئے تذکر موت کو ذریعہ بنایا ہے یعنی فضولیات و ممنوعات جس کی بناء غفلت ہے زوال غفلت سے ایسی چیزیں بے شک چھوٹ جاویں گی سوا اس سے دنیا تو نہ چھوٹی اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ موت کی یاد اگر غالب ہوگئی تو اس کے غلبہ کی ضروریات بھی چھوٹ جاویں گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس غلبہ سے طاعات کا زیادہ اہتمام ہوگا اور ضروری دنیا کا کسب طاعت ہے تو اس کا تو زیادہ اہتمام ہوگا نہ کہ وہ متروک ہو جاوے۔ البتہ دلچسپی بے شک نہ رہے گی۔ سو دلچسپی خود مطلوب نہیں نہ ضروری دنیا کا

موقوف علیہ ہے بہر حال موت کی یاد سے ضروری تمدن نہیں مٹ سکتا نہ ضروری تمدن سے روکا جاسکتا ہے مگر یہ سو برس کے منصوبے کیسے تراشے جاتے ہیں۔ بس اس کو روکا جاتا ہے۔ ذرا اپنے حالات میں غور کر کے دیکھئے کہ سینکڑوں برس کی تیاریاں کی جاتی ہیں اور اس بے تمیزی کے ساتھ کہ اس میں حلال و حرام کچھ بھی نہیں دیکھا جاتا۔ باقی ضروری تمدن، سو میں نے اوپر بیان کر دیا کہ ضروریات کے لئے سامان کرنا مضائقہ نہیں بلکہ آسائش و آرائش تک بھی مضائقہ نہیں لیکن کوئی حد تو ہونی چاہئے، کوئی کام ایسا نہیں ہو سکتا جس کے لئے کوئی حد نہ ہو۔ دیکھئے کھانا کھانا کتنا ضروری ہے کہ موقوف علیہ حیات کا ہے اس کی بھی حد مقرر ہے اگر کوئی چاہے کہ مطلق العنان ہو کر کھائے اور جو کوئی اسے ٹوکے تو جواب میں یہ کہے تم کھانے جیسی ضروری چیز سے منع کرتے ہو تو بتلائیے آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔ یہی نا کہ ہم قدر ضرورت سے منع نہیں کرتے بلکہ حد سے آگے بڑھنے کو منع کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم بتلائے ہیضہ ہو کر مر جاؤ گے۔ میں کہتا ہوں کہ شریعت کو بھی ہم سے اسی بات کی شکایت ہے کہ ہم لوگ دنیا کے سامان میں قدر ضرورت و قدر راحت پر بس نہیں کرتے بلکہ ہم کو دنیا کا ہیضہ ہو گیا ہے جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

## جنازہ کی موجودگی میں غفلت

جنازہ سامنے ہے اور دنیا کے بکھیڑے زبان پر ہیں اور جو اس سے قرابت رکھتے ہیں ان کو تو سب سے بڑی فکر یہ ہے کہ میراث لے لیں۔ گو معلوم ہے کہ میراث فرائض کے موافق بٹے گی مگر دل نہیں مانتا اور یہ فکر ہے کہ جتنا ہاتھ لگے دبا لو، اس کی حق تعالیٰ نے بھی شکایت فرمائی ہے۔ وَتَاْكُلُوْنَ التَّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (تم میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے تم لوگ بہت ہی محبت رکھتے ہو) اور جن کو کوئی قرابت نہیں ان کو اگر اور کچھ شغل نہ ہو تو کچھ ہی کے مقدمے لے بیٹھتے ہیں جن کو مقدمہ سے بھی مس نہیں وہ تیری میری شکایت غیبت ہی شروع کر دیتے ہیں کوئی پوچھے کہ ایک بڑا سنگین مقدمہ تو سامنے موجود ہے اس کو دیکھ کر کچھ اپنی حالت تو سنبھالی ہوتی دیکھئے جب کسی کو پھانسی ہوتی ہے تو دیکھنے والے کانپتے ہیں حالانکہ یہ یقینی بات ہے کہ ان پر کوئی آفت آنے والی نہیں۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قبر پر رونے کا سبب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور جلیل القدر صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دامادی کا دوہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ذوالنورین مشہور ہیں جب آپ کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی۔ جب یہ قصہ حدیث میں آتا ہے تو طالب علم پوچھا کرتے ہیں کہ اس قدر رونے کی اور خوف کی کیا وجہ تھی بلکہ بعض بے ہودہ اور فلسفی مذاق رکھنے والے طالب علم تو یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ اس سے تو نعوذ باللہ حضرت عثمانؓ کے ایمان اور تصدیق میں شبہ ہوتا ہے کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے ناجی اور جنتی ہونے کی بشارت سن چکے تھے پھر اس قدر رونا کیوں سوائے اس کے کہ اس خبر میں کچھ احتمال ہے۔ ایسے احمقوں کا جواب زبان سے نہیں دینا چاہئے بلکہ انکو پھانسی گھر میں کھڑا کر دینا چاہئے اور بقسم پوچھنا چاہئے کہ پھانسی والے کو دیکھ کر تمہارا قلب اپنی حالت پر ہے یا نہیں؟ بس اس وقت اس کو اس شبہ کا جواب کافی مل جائے گا کہ باوجود اپنے اوپر یہ خطرہ نہ ہونے کے دل کانپتا ہے کیونکہ وہ صورت اور موقع ہی ایسا ہے تو اگر حضرت عثمانؓ کا دل باوجود نجات کے یقین ہونے کے قبر کے احوال دیکھ کر کانپتا ہو تو کیا تعجب ہے۔ یہ ان کی غایت خوف اور تصدیق بالاخبار الواردہ کی دلیل ہے۔ نہ معلوم ہم لوگوں کو جنازہ دیکھ کر کیوں ہیبت نہیں ہوتی جبکہ نجات کی خبر تو کیا اُمید بھی ہونا مشکل ہے۔

**بڈھوں کا یہ لفظ کہ ہم چراغ سحری ہیں صرف زبان ہی پر ہے**

ہم لوگ موت سے بالکل غافل ہیں۔ کیا بچے اور کیا جواں اور کیا بوڑھے، البتہ بوڑھے کا بطور محاورہ کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو چراغ سحری ہیں مگر یہ صرف لفظ ہی لفظ ہے جو زبان پر ہے اور قلب اس سے خالی ہے۔ غور کر کے دیکھئے تو بڈھوں کو جوانوں سے زیادہ دنیا کی ہوس ہے۔ اس لفظ کو سن کر جوانوں پر ایک عجیب بے فکری کا اثر ہوتا ہے کہ خیر ہم تو چراغ سحری نہیں ہیں، سحر تک روشن رہیں گے مگر ایک جوان بزرگ نے اس لفظ کے جواب میں خوب کہا۔ کسی بڈھے نے ان کے سامنے کہا تھا کہ ہم تو چراغ سحری ہیں۔ کہا حضرت! آپ ساری رات جل تولئے۔ ہم تو چراغ شام ہیں، ایک جھونکے میں ختم

کہ ایک رات بھی جلنے نہ پائے۔ یہ لطیفہ مجھے بہت پسند آیا۔ بہر حال بڑھوں کا یہ کہنا صرف ایک مہذب لفظ ہے جو بلا عملی ثبوت کے کچھ کارآمد نہیں۔ (ایضاً)

## گناہ بے لذت فوراً چھوڑنے کی ضرورت

وہ گناہ جس کے ترک میں تکلیف بھی نہیں ان کے نہ چھوڑنے کا کیا سبب اور وہ کون سی بات ہے جس کو ان کے لئے ایک دن کے واسطے بھی عذر کہا جائے جیسے داڑھی منڈانا، ٹخنوں سے نیچا پا جامہ پہننا، غیبت وغیرہ کرنا ان کے چھوڑنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ بس یہ دوسری قسم کے گناہ ایک دم اور آج ہی چھوڑ دیجئے میں اس کو مخاطب بناتا ہوں جس کو اپنی اصلاح کی کچھ بھی فکر ہے مگر افسوس آج کل حس کی بھی کافی کمی ہے اور مجھ کو بڑی شکایت اس کی بھی ہے کہ ہم لوگوں کو غور کرنے کی عادت بالکل نہیں رہی حالانکہ جو کوئی اپنی اصلاح کا طالب ہے عورت ہو یا مرد اس کے واسطے پہلی سیڑھی یہی ہے کہ تفکر کی عادت ڈالے۔ (دواء العیوب ج ۲۳)

## مراقبہ موت کی ضرورت

ہم کو مراقبہ موت کی ضرورت ہے اور اس میں اس کا بہت آسان طریقہ بتلاتا ہوں جس سے آپ کے کسی کام میں بھی حرج نہ ہوگا۔ مراقبہ کے لئے آپ وہ وقت دیجئے جو آپ سے بیکار ہو اور وہ سونے کا وقت ہے۔ جب پلنگ پر لیٹے تو پندرہ بیس منٹ اس مراقبہ کے لئے دیجئے کہ سوچئے یہ سونا مشابہ موت کے ہے مع تفصیل ان امور کے..... جو موت کے وقت پیش آتے ہیں کہ اس طرح بیمار ہو کر پلنگ پر پڑنا ہوگا، دنیا کے سب کام جیسے اس وقت ختم ہو گئے اس وقت بھی ختم ہو جائیں گے دینا لینا اور جو حقوق باقی رہ گئے ہیں سو کر ان سے پیچھا نہیں چھوٹا ایسے ہی موت سے بھی ان سے رہائی نہ ہوگی۔ نیز ان باتوں کو تفصیل وار یاد کیجئے جو موت کے بعد پیش آئیں گی جو خبر صحیح سے ثابت ہیں اور جو یقیناً پیش آنے والی ہیں۔ اس کو ذہن میں حاضر کیجئے کہ مرنے کے بعد تمام قویٰ معطل ہو جائیں گے ہمارا چلتا پھرتا جسم مٹی کا ڈھیر ہو جائے گا جس کو چار آدمی کندھوں پر لے چلیں گے، پھر ہم کو اپنے عزیز قریب اپنے ہاتھوں سے ایک تنگ و تاریک گڑھے میں ڈال آئیں گے اور مٹی دے کر تنہا چھوڑ آئیں گے، پھر منکر نکیر سے سابقہ پڑے گا۔ یہ کیسی سخت منزل ہے خدا جانے ان سے



کیا معاملہ گزرے، پھر خاک میں مل جانا ہوگا اور قیامت تک اسی طرح رہنا ہوگا۔ پھر قیامت آئے گی اور ایک ایک بات پر جواب دہی کرنی ہوگی۔ میدان حشر میں گرمی کی یہ حالت ہوگی، میزان قائم ہوگی، پل صراط پر چلنا ہوگا۔ غرض ان تمام واقعات کو جو قیامت نامہ اور دیگر کتابوں میں مذکور ہیں ذہن میں حاضر کیجئے اور روزمرہ اس کا التزام کیجئے۔ انشاء اللہ بہت جلد تنبیہ ہوگا اور فکر پیدا ہو جائے گی۔ جب فکر ہو جائے گی تو دل خود بخود اس طرف چلے گا کہ ان احوال سے بچنے کی کوئی تدبیر ہونی چاہئے ان تدبیروں کے معلوم کرنے کے لئے علم دین کا شوق ہوگا اور ہمت ہوگی اور اعمال خود بخود ہونے لگیں گے۔ (دواء العیوب ج ۲۳)

میں نے شوقِ وطن میں دعویٰ کیا کہ موت مسلمانوں کے لئے بہر حال رغبت کی چیز ہے عید ہے اگرچہ مسلمان جہنم میں بھی جائے جیسے رمضان عید ہے اگرچہ اس میں فاقہ ہی ہو یعنی جیسے رمضان اس لئے عید ہے کہ عید کا لطف اسی سے ہے اسی طرح بعض مسلمانوں کے لئے جہنم سے جنت کا لطف بڑھ جاوے گا۔ جیسا بعض کو بلا واسطہ بھی جنت کا لطف بھی حاصل ہوگا، البتہ جہنم جیسے اثر کے اعتبار سے لطف افزا ہے۔ ذات کے اعتبار سے مثل گرم حمام کے ہے جہاں گرم گرم پانی سے غسل دیا جاتا ہے تکلیف وہ بھی ہے لیکن اس تکلیف کا انجام تصفیہ و تزکیہ ہے اسی لئے کفار کے حق میں لایز کیہم (نہیں پاک کرے گا) فرمایا گیا ہے اور مومنین کے باب میں عقوبت کے بعد حتیٰ اذا ہذبوا و نقوا (انہیں پاک نہ کرے گا) آیا ہے (رواہ البخاری) مگر گرم پانی کا بھی تحمل مشکل ہے تو بندہ میلا ہو کر ہی کیوں جاوے کہ حمام سے غسل دیا جائے جس کی برداشت نہ ہو سکے اور اس لئے وہ مصیبت نظر آوے۔ جیسے ایک چمار کے لڑکے کا قصہ ہے کہ وہ بگولے میں لپٹ کر اڑ گیا تھا اور ایک راجہ کے محل پر جا پڑا۔ لوگوں نے جو اس کو آسمان سے گرتا ہوا دیکھا، یوں سمجھے کہ یہ کوئی اوتار ہے۔ فوراً اس لڑکے کو تعظیم و تکریم کے ساتھ راجہ کے پاس لائے۔ راجہ نے وزیر سے مشورہ کر کے یہ رائے طے کی کہ بادشاہ زادی کا نکاح اسی لڑکے سے کر دیا جائے کیونکہ اس سے بہتر کون ہوگا۔ یہ تو ابھی خدا کے پاس سے آ رہا ہے لیکن چونکہ ظاہر میں خراب خستہ تھا اس لئے حکم دیا کہ اس کو حمام میں لے جا کر غسل دیا جائے وہاں جو اس کے بدن پر گرم گرم پانی پڑا تو چیخنے چلانے لگا اور یہ سمجھا کہ مجھے مجرم قرار دے کر یہ سزا دی جا رہی ہے۔ وہاں سے نکال کر اسے

قیمتی پوشاک پہنائی گئی۔ اس سے اور زیادہ رویا، پھر بہلانے کے لئے اس کے سامنے جواہرات ڈالے گئے۔ ان کو دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور رونا بند نہ ہوا، پھر شہزادی کو اس کے سامنے بھیج دیا گیا کہ شاید اس کو دیکھ کر مانوس ہو، اس نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور پہلے سے زیادہ چلانے لگا۔ آخر کاریہ رائے قرار پائی کہ ابھی عالم غیب سے تازہ تازہ آیا ہے اس لئے دنیا سے وحشت کرتا ہے۔ چند دن اس کے حال پر چھوڑ دیا جاوے تاکہ مانوس ہو جائے۔ چنانچہ چھوڑ دیا گیا۔ چھوٹنے کے ساتھ ہی محل سے نکل کر بھاگا اور اپنی ماں کے پاس پہنچا اور اپنی سرگزشت اس طرح بیان کی کہ مجھے بہت سے آدمیوں نے پکڑ لیا۔ میں جب بھی نہ مرا، پھر مجھے ایک جگہ لے گئے اور تاتاپانی میرے اوپر ڈالا (یعنی گرم گرم) میں جب بھی نہ مرا تو پھر مجھ کو کفن پہنایا (یہ پوشاک کی قدر کی) میں جب بھی نہ مرا، پھر میرے سامنے آگ کے انگارے رکھے (یہ جواہرات کی قدر کی) کہ شاید ان سے جل جائے۔ میں جب بھی نہ مرا، پھر ایک ڈائن کو جس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں (یہ شہزادی کی گت بنائی) میرے پاس بھیجا تاکہ مجھے کھالے میں جب بھی نہ مرا۔ اسی طرح اس نے سب باتوں کو مصیبت و عذاب ہی کے پیرایہ میں بیان کیا تو جس طرح اس چمار کے لڑکے نے حمام کے غسل کو عذاب سمجھا تھا اسی طرح ممکن ہے کوئی مسلم جہنم کو بھی اپنے لئے عذاب محض سمجھے ورنہ حقیقت میں وہ مسلمانوں کے لئے مثل حمام کے ہے تمہارے واسطے عذاب نہیں ہے۔ عذاب تو کافروں کے لئے ہے اسی واسطے ارشاد ہے: اعدت للکافرین یعنی جہنم ہونے کی حیثیت سے تو کفار ہی کے لئے، مسلمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کے لئے تو محض حمام ہے۔ گو گرم گرم پانی اور خادمان حمام کے ملنے و لٹنے سے تکلیف بھی ہوتی ہے مگر خدا کی قسم تم کو کفار کے برابر تکلیف نہ ہوگی، پھر مسلمانوں کو وہاں خدا تعالیٰ سے محبت زیادہ ہو جائے گی اس لئے بھی جہنم سے تکلیف زیادہ نہ ہوگی کیونکہ محبوب کے ہاتھ سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ تکلیف محض نہیں ہوتی اور گو حق تعالیٰ یہاں بھی محبوب ہیں مگر دنیا میں ہماری محبت ناقص ہے اس لئے بعض دفعہ کلفت دہ واقعات سے تکلیف ہوتی ہے جیسے ایک شخص ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ! مجھے کھینچ، کسی مسخرہ نے سن لیا اور اس نے کہا کہ اس کو مزہ چکھانا چاہئے۔ چنانچہ اگلے دن ایک رسی ساتھ لے کر پہلے سے درخت پر جا

بیٹھا۔ جب اس نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے کھینچ، تو اس نے رسی میں پھانسی لگا کر اسے لٹکا دیا اور نرم آواز سے کہا میرے بندے اس رسی کو اپنے گلے میں ڈال لے میں کھینچ لوں گا۔ یہ بیوقوف بڑا خوش ہوا کہ دعا قبول ہو گئی اور سچ مچ اللہ میاں مجھ سے کلام فرما رہے ہیں۔ اس نے رسی کو گلے میں ڈال لیا۔ اس نے کھینچنا شروع کیا۔ جب زمین سے دو گز اٹھ گیا اور گلا گھٹنے لگا تو آپ کہتے ہیں کہ اے اللہ! میں نہیں کھینچتا، مجھے چھوڑ۔ خیر یہ حکایت تو مسخرہ پن کی ہے مگر ہماری حالت دنیا میں یہی ہے کہ ذرا سی تکلیف میں ساری محبت دھری رہ جاتی ہے مگر آخرت میں ایسا نہ ہوگا۔ وہاں محبت قوی ہوگی اس لئے مومن کو عذاب میں بھی مشاہدہ راحت کا ہوگا البتہ کفار کو خالص عذاب کے مشاہدہ سے آخرت میں حق تعالیٰ سے بغض بڑھ جائے گا۔ غرض یہ تو عید ہے یعنی رمضان جس کا بیان اس وقت ہوگا اور دوسری عید ہے یعنی طاعون جس کو عام لوگ وعید سمجھتے ہیں اور خواص تو اس کو بھی عید کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو عید بھی میں واو عاطفہ ہے یعنی عید وعید گویا دو عیدین مجتمع ہیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ کیسی عید ہے۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ اس مرتبہ رمضان جیسے اچھی موسم میں آئے تھے کہ رات بھی ٹھنڈی اور دن بھی ٹھنڈا اس سے بڑا لطف آتا مگر طاعون نے کام کھو دیا اور سارا لطف کر کر اہو گیا اس کو تم عید کہہ رہے ہو۔ (الجمعین بن النفعین ۲۴)

## غفلت کا اصل سبب

غفلت کا اصل سبب موت کو بھلا دینا ہے اور اکثر امراض کا سبب غفلت ہے اس لئے ضرورت ہے اس امر کی کہ موت کو یاد دلایا جائے اور غفلت سے متنبہ کیا جائے اور جب یہ کمی دور ہو جائے گی تو نافرمانی و عصیان بھی دور ہو جائیں گے۔ (شوق اللقاء ج ۲۴)

آخرت دنیا سے ہر حال میں بہتر ہے۔ اب ذرا سا خیال ہوگا تو صرف یہ کہ دوزخ کی تکلیف یہاں کے آرام سے کیسے اچھی ہو سکتی ہے۔ میں نے اس بحث میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ”شوق وطن“ ہے۔ یہ رسالہ اس وقت لکھا گیا جبکہ ہمارے قصبہ میں طاعون کا بہت زور تھا اور لوگ پریشان تھے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے لوگوں کی حالت بدل گئی اور مرنے کی ترغیب پیدا ہو گئی۔ موت کو زندگی سے اچھا سمجھنے لگے۔ اس رسالہ کے میں نے دو کالم کر کے چھپوائے ہیں۔ ایک میں احادیث درج کی ہیں اور مقابل میں ان کا ترجمہ ہے۔



خلاصہ وعظ: غرض مرثیہ کوئی خوف کی چیز نہیں۔ مگر یہ اس وقت حاصل ہوگا جب اعمال نیک ہوں گے۔ کیونکہ اعمال نیک ہونے کی خاصیت رغبت موت ہے اور اعمال سیدہ کا خاصہ نفرت و وحشت ہے۔ خود قرآن شریف اس امر پر بھی دلالت کرتا ہے کہ موت سے عقلاً ڈرنا ناقبولیت کی دلیل ہے۔ اور موت کی رغبت مطلوب ہے۔ اور ہماری یہ حالت ہمارے اعمال سے پیدا ہو سکے گی۔ پس اعمال صالحہ میں کوشش کیجئے اور خدا تعالیٰ سے توفیق مانگئے۔ (شوق لقاء ج ۲۳)

## قریب المرگ سے معاملہ

دیکھو ہر شخص جانتا ہے کہ اولیاء اللہ کی تعظیم ضروری ہے اور انہیں مسلمانوں میں اولیاء بھی ہیں۔ کسی کے ماتھے پر تو لکھا ہی نہیں، ہر شخص کی نسبت یہی گمان کرے کہ شاید یہ اللہ کا ولی ہو یا آئندہ ہو جائے۔ جب ایسا خیال کرے تو کیوں کسی کے دل کو دکھائے۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (اصح للبخاری: ۹:۱) (مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) جب کسی مریض سے مایوسی ہو جائے اور خود اس کی بھی توقع زیست نہ رہے تو آخری وقت میں ان باتوں کا خیال رہے۔ اس کے سامنے دنیا کی بات نہ کہی جائے۔ کوئی بات ایسی نہ کہی جائے جس سے اس کی توجہ الی الحق میں فرق آوے۔ جیسا کہ رواج ہے ایک طرف بی بی کھڑی کہہ رہی ہے مجھے کس پر چھوڑ چلے۔ کبھی بچوں کو اس کے سامنے لایا جاتا ہے۔ تھوڑا سا وقت جو کلمہ کلام میں صرف کرتا وہ پیار و محبت میں جاتا ہے۔ اس بات کی کوشش چاہئے کہ خاتمہ تو خیر پر ہو جائے، خود کسی بچہ وغیرہ کو سامنے مت لاؤ۔ اگر وہ دیکھنا چاہے تو فوراً دکھلا دو، تا کہ اس کے خیال سے بھی جلد نجات ہو۔ اس کے سامنے اللہ کا نام لو، کلمہ پڑھو، توبہ استغفار پکار پکار کر کرو لیکن اس سے مت کہو۔ اس مضمون کو اردو میں بھی کہو کہ اے اللہ! میرے گناہ معاف فرماتا کہ وہ بھی سن کر کہنے لگے۔ قرآن مجید خاص کر یسین شریف قریب پڑھی جائے۔ آج کل اس سورت سے جاہلوں کو بڑی وحشت ہوتی ہے کہ بعضے بڑا مان جاتے ہیں اور نعوذ باللہ نامبارک سمجھتے ہیں۔ (احکام و مسائل متعلق موت ج ۲۳)

## کفن و دفن میں تاخیر مناسب نہیں

ایک ضروری امر یہ ہے کہ کفن و دفن میں دیر نہ کی جائے۔ اس میں گوشت و پوست بگڑ



جانے کا احتمال ہے۔ بدبو سے آب و ہوا کے خراب ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ شریعت نے ان امور پر کیسی توجہ فرمائی ہے۔ کیسی پردہ داری ہے۔ اگر اولاد ماں باپ کو ایسی ردی حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھے گی تو اس کو کیسا صدمہ ہوگا یا نفرت ہو جائے گی۔ بعض اوقات ایسا مادہ ہوتا ہے جس کے اثر سے خراب بدبو آ جاتی ہے۔ بعض لاش کو دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ اس خیال سے کہ ماں باپ کے پاس دفن کریں گے، کیا وہاں بھی ماں کا دودھ پیے گا۔ اگر منع کیا جائے تو سختی سمجھتے ہیں، حالانکہ حدیث شریف میں ہے مؤمن کے واسطے گھر سے اس کی قبر تک فرشتے دعاء و استغفار کرتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ جس قدر زیادہ فاصلہ ہوگا اس کی رحمت کا سامان ہے یہ بڑی نادانی ہے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مصلحتوں میں دخل دینا۔ اگر کوئی باورچی کھانا پکاتا ہے تو کوئی اس کے کام میں دخل نہیں دیتا۔ اگر انجینئر کسی اچھے خاصے مکان کے گرانے کا حکم دے تو فوراً اگر لاکھ روپیہ کا بھی مکان ہو تو گرا دیا جاتا ہے۔

نہ معلوم اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں دخل دینے کی کیوں جرأت کی جاتی ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ انسان کی خلقت خاک ہے اور زمین اس کی اصل ہے۔ اس لئے جہاں تک جلد ممکن ہو سکے اصل میں پہنچا دو۔ کیا بری رسم ہے کہ مردوں کو عورتوں کے اختیار میں چھوڑ دیتے ہیں۔ عورتوں کو ان امور میں ہرگز دخل نہ دینے دو۔ ان کو رونے چھینکنے دو۔ عاقل مردوں کو جمع کرو۔ بعد مرنے کے فوراً اہتمام تجہیز و تکفین شروع کر دو۔ جب لے کر چلو تو جلدی چلو۔ حدیث شریف میں ہے مردوں کو جلد قبر کی طرف لے چلو۔ اگر نیک ہے تو اس کی راحت کی طرف جلد لے جاؤ، اگر بد ہے تو جلد اپنی گردنوں کو اس سے چھڑاؤ۔ اگر اچھا ہے تو انعام و اکرام کی طرف لے جاتے ہیں۔ جیسے پیاسے کو پانی کے پاس۔ دارالظلمت جس کو سمجھے ہوئے ہو وہ مومن کے لئے بڑی نورانی ہے۔ ایک روز بادشاہ اکبر کی رات میں آنکھ کھل گئی، چراغ گل ہو گیا تھا۔ بہت گھبرائے، قبر یاد آئی۔ فوراً چراغ روشن کرایا، بیربل کو بلایا اور کہا کہ اس اندھیرے کو دیکھ کر مجھے قبر کی تاریکی یاد آئی جس سے نہایت وحشت ہے۔ خدا نے دشمن کے منہ سے سچی بات نکلا دی۔ اس نے کہا حضور! مسلمانوں کی قبر میں اندھیرا ہی نہیں۔ آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ۲۳ سال کی

روشنی جیسے آب و تاب کے ساتھ اب تک قائم ہے اسی طرح جب سے آپ زیر زمین تشریف لے گئے ہیں وہی روشنی زیر زمین موجود ہے، جس سے مسلمانوں کی قبریں روشن اور نورانی ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ یہ بات اس نے خوشامد میں کہی، لیکن سچی کی۔ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ایسی ہے جس سے قبر میں روشنی ہوتی ہے۔ مُردے سے جب فرشتے پوچھتے ہیں: ”من هذا الرجل“ مؤمن جواب میں کہتا ہے یہ ہمارے نبی علیہ السلام ہیں۔ نور ایمان سے اس جواب کی توفیق ہوتی ہے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک سے اس کی قبر تک پردے اُٹھ جاتے ہیں اور یہ صورت مبارک کو دیکھ لیتا ہے۔ اس طرح زیارت کی اُمید پر مسلمانوں کو موت کی تمنا بھی جائز ہے۔ کسی نے شوق میں کیا خوب کہا ہے

کششے کہ عشق دارد نہ گزاردت بدیاں      بجنازه گرنیائی بمزار خواہی آمد  
”عشق کی کشش تجھ کو اس طرح نہ چھوڑے گی جنازہ پر اگر نہ آئے تو مزار پر ضرور آئے گا“۔ (احکام و مسائل متعلق موت ج ۲۳)

## موت کی خبر دور دراز دینا مناسب نہیں:

ایک خراب رسم موت کے متعلق یہ ہے کہ موت کی خبر دور دراز تک دی جاتی ہے۔ باہر سے لوگوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ گھر والے کو مہمان داری کی فکر میں ایک دوسری مصیبت پیش آتی ہے۔ آئے پسوائے جاتے ہیں، دانے دلوائے جاتے ہیں، شادی کی طرح جنس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور مہمانوں کی آسائش کی فکر کی جاتی ہے۔ اس سے سمجھ دار شخص خیال کر سکتا ہے کہ اس طرح لوگوں کے آنے سے اس مصیبت زدہ کا غم غلط ہوتا ہے یا اور بلا کا سامنا ہے، یتیم و بیوہ کا مال اس طرح برباد ہوتا ہے۔ اس کی اصلاح یوں ہو سکتی ہے کہ عزیز واقارب کو موت کی اطلاع دی جائے اور ساتھ ہی اس میں یہ بھی لکھ دیا جائے کہ تم ہر گز یہاں کا ارادہ نہ کرنا۔ (ایضاً)

## صاحب ہدایہ کا عجیب نکتہ

صاحب ہدایہ نے جو نکتہ لکھا ہے وہ ایسا ہے کہ اگر اس سے کام لیا جائے تو کسی قدر ریشم پہننا طاعت بھی ہو جائے گا اور اس نیت سے ریشم پہننے پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں لیکن انموذ جالحریر الجنیۃ یعنی قدر قلیل حریر کی اجازت اس لئے دی گئی تاکہ اس کو دیکھ کر حریر

جنت یاد آئے اور اس کی تحصیل کی کوشش کریں۔ اب اگر کوئی اس نیت کو کام میں لائے اور ریشم کا استعمال حریر جنت کا نمونہ سمجھ کر کرے اس کو ضرور اس نیت پر ثواب ملے گا۔ سو واقعی صاحب ہدایہ نے کیسا عجیب نکتہ بیان فرمایا جس سے ایک مباح کو طاعت بنانے کا طریقہ بتلادیا پھر یہ نکتہ حریر ہی کے ساتھ خاص نہیں اس سے تمام نعمتوں میں کام لیا جاسکتا ہے۔ آپ ایک لذیذ کھانا اپنی حیثیت کے موافق کھائیں تو اس کا کھانا صرف مباح ہے اور اس حیثیت سے کھائیں کہ یہ نعماء جنت کا نمونہ ہے اس سے آخرت کی طرف رغبت ہوتی ہے تو اس میں ثواب بھی ملے گا حقیقت میں فقہاء اور صوفیہ حکماء امت ہیں اور آج کل چاہے کوئی کتنا پڑھ لے مگر وہ بات کہاں سے لائیگا جو ان حضرات میں تھی خوب کہا ہے۔

شہد آں نیست کہ موی و میانے دارد بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد  
محبوب وہ نہیں جس کے بال عمدہ کمر پتلی ہو بلکہ محبوب وہ ہے جو ایک آن اور ادا رکھتا ہو  
جو محبوب اور دلکش ہوتی ہے۔ (الاسراف ج ۲۵)

## حضرت زین العابدینؑ کی خشیت خداوندی

حضرت امام زین العابدینؑ نے بچپن میں یہ آیت سنی وقودھا الناس والحجارة یعنی دوزخ کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔ تو بے انتہار روتے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ آپ تو اہل بیت میں سے ہیں آپ اس قدر کیوں روتے ہیں فرمایا کہ کنعان نوحؑ کا بیٹا تھا دیکھئے اس کیلئے ارشاد ہے انه لیس من اہلک یہ شخص تمہارے گھر والوں میں سے نہیں اس شخص نے کہا آپ تو بچے ہیں فرمایا میں نے اپنی ماں کو دیکھا ہے کہ جب چولہے میں آگ سلگاتی ہیں تو چھوٹی لکڑیوں میں آگ لگاتی ہیں۔ پھر ان سے بڑی لکڑیوں میں اسی طرح مجھ کو ڈر ہے کہ وہاں بھی یہی ترتیب نہ ہو۔ (الغناء المجازنہ ج ۲۵)

## ایک دنیا دار عالم اور درویش

ایک درویش کی حکایت ہے کہ وہ کسی دنیا دار عالم کے پاس پہنچے جن کے یہاں بڑے بڑے محل اور دنیا کا سامان تھا۔ عرض کیا کہ حضرت مجھے وضو کرنا نہیں آتا مجھے وضو کرا دیجئے۔ چنانچہ وہ عالم ان کو وضو کرانے لگے۔ اس درویش نے کسی عضو پر چار مرتبہ پانی

ڈال لیا تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ اسراف ہے تین مرتبہ ڈالو۔ درویش صاحب نے فرمایا کہ یہ اتنے بڑے بڑے محل اور طرح طرح کے سامان جو تمہارے یہاں میں دیکھتا ہوں اس میں اسراف نہیں ہے۔ اور ایک چلو پانی میں اسراف ہو گیا۔ ان مولوی صاحب کے دل پر ایک چوٹ لگی اور سب ذخیرہ خیرات کر کے اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔ دیکھئے اس ایک دم کی صحبت نے کیا کچھ کر دیا۔ اور اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین وہی کارآمد ہے کہ جس سے دین درست ہو اور دنیا سے بے رغبت کر دے۔ صحابہؓ میں آخر کیا بات تھی کہ وہ علوم اصطلاحیہ سے بالکل واقف نہیں تھے۔ لیکن جو مقصود اصلی ہے علم کا وہ ان میں اس درجہ تھا کہ قیامت تک کسی میں نہ ہوگا۔ ان میں اکثر کی شان یہ تھی نحن امة امیة لا نکتب ولا نحسب (مسند احمد ۲: ۱۲۲) (یعنی ہم ان پڑھ امت ہیں حساب اور لکھنا نہیں جانتے ہیں۔) حق تعالیٰ نے جہاں ہدی کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس کے عوض دس روزے تین قبل از حج اور سات بعد حج رکھنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے آخر میں ارشاد ہے تلک عشرة کاملہ۔ یعنی یہ پورے دس ہیں اس میزان الکمل کے بیان فرمانے سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ فن حساب وغیرہ میں نہایت سادہ تھے۔ ایک تاریخ میں نظر سے گزرا ہے کہ ایک صحابی کی فارس میں کسی عورت پر نگاہ جا پڑی اس پر فریفتگی ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ شاید وہ شہر فتح ہو تو وہ عورت مجھے دے دیجئے اور آپ لکھ دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوا دیا۔ خدا کی قدرت حضرت عمرؓ کے وقت میں لشکر اسلام وہاں پہنچا اور وہ ملک فتح ہو گیا اور وہ عورت جو کہ شہزادی تھی قید ہو کر آئی انہوں نے وہ تحریر دکھلائی چنانچہ وہ ان کو مل گئی۔ اس کے بھائی کو اطلاع ہوئی تو اس نے روپیہ دے کر چھڑانا چاہا پوچھا کیا لوگے فرمایا کہ ایک ہزار روپیہ لوں گا۔ سمجھے کہ ایک ہزار روپیہ بہت ہوتا ہوگا وہ دیا گیا فرمانے لگے میں تو سمجھا تھا کہ ایک ہزار روپیہ بہت ہوتا ہوگا یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں نہیں لیتا اس نے کہا آپ کو لینا پڑے گا۔ غرض امیر لشکر نے فیصلہ کیا کہ آپ کو حسب وعدہ لینا پڑے گا۔ غرض صحابہؓ اس قدر بھولے تھے کہ ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ اسی واسطے صورتہ قدر میں الف کا عدد کہ جو کنایہ ہے کثرت سے اختیار کیا اس لئے کہ اکثر عرب الف کو بہت شمار کرتے تھے۔ (الفاء الجازفتہ ج ۲۵)



## حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عجیب حکایت عدل

دو شخص راہ میں رفیق ہوئے۔ کھانے کا وقت آیا ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں۔ اتفاقاً ایک مسافر بھی آگیا اس کو بھی بلا کر کھانے میں شریک کیا تینوں نے مل کر وہ روٹیاں کھائیں جب وہ مسافر ان سے علیحدہ ہوا تو اس نے ان کے احسان کے صلہ میں آٹھ درہم ان کو دیئے کہ تم آپس میں ان کو تقسیم کر لے۔ تقسیم میں دونوں رفیقوں میں اختلاف ہوا۔ پانچ والے نے کہا کہ بھائی تیری تین روٹیاں تھیں تین درہم تو لے اور میری پانچ تھیں مجھ کو دیدے۔ تین والے نے کہا نہیں نصف نصف تقسیم ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ دونوں عدد قریب قریب ہیں۔ یہ قصہ حضرت علیؑ کی خدمت میں پہنچا حضرت نے دونوں کو سمجھایا کہ صلح کر لو صلح پر راضی نہ ہوئے اور درخواست حساب سے دینے کی کی تو تین والے کو فرمایا ایک تم لو اور سات اس کو دے دو۔ محاسب سن کر بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا فیصلہ ہے۔ لیکن سننے کے بعد معلوم ہوا کہ عین عدل ہے۔ اس لئے کہ کل روٹیاں آٹھ تھیں اور تین آدمیوں نے کھائیں اور کمی بیشی کا اندازہ ناممکن اس لئے یوں کہیں گے کہ تینوں نے برابر کھائیں تو اب دیکھنا چاہئے کہ ہر ایک نے کتنا کھایا۔ پس ہر روٹی کے تین تین ٹکڑے کر لو تو کل 24 ٹکڑے ہوئے پس ہر شخص نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے۔ سو تین والے کی روٹیوں کے نو ٹکڑے ہوئے جس میں سے آٹھ تو اس نے خود کھائے ایک بچا وہ مسافر نے کھایا۔ اور پانچ والے کی روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے جن میں سے آٹھ اس نے کھائے اور سات مسافر نے کھائے بس یہی نسبت درہم میں بھی ہونا چاہئے کہ سات درہم پانچ والے کو اور ایک تین والے کو ملنا چاہئے۔ اس قسم کے بہت قصے حضرت علیؑ کے ہیں کہ جو حضرت کی ذکارت و فطانت پر دال ہیں۔ لیکن اکثر صحابہؓ لکھے پڑھے کم تھے۔ مگر دیکھ لیجئے کہ صحابہؓ کی کیا فضیلت ہے تو یہ سب ایک ذات پاک کی صحبت کی برکت ہے۔ اسی صحبت کی نسبت حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

شراب لعل و مے بیغش و رفیق شفیق      گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یعنی خالص محبت الہی اور مرشد کامل شفیق اگر ہمیشہ تم کو میسر ہوتے رہیں تو بہت اچھی توفیق ہے۔ (الغناء المجازۃ ج ۳۵)

## جنت میں حسد نہ ہوگا

اگر کوئی کہے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک کے پاس دنیا کا سامان جیسے مال اولاد مکان گھوڑے جوڑے وغیرہ بہت ہوتا ہے تو دوسرا دیکھ کر اس کو حسد کرتا ہے اور حسد کی آگ سے جلتا ہے تو یہ مسلم ہے کہ جنت میں سب نعمتیں ہوں گی لیکن اختلاف درجات کی وجہ سے شاید آپس میں حسد ہو تو یہ بھی ایک قسم کی تکلیف اور کدورت ہے جواب یہ ہے کہ وہاں یہ حسد نہ ہوگا ہر شخص اپنے حال اور نعمتوں میں بے حد خوش ہوگا اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھے گا یا نہیں اگر افضل جانے گا تو حسد ہوگا اور اگر نہ جانے گا تو جہل لازم آئے گا جواب یہ ہے کہ ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ وہ افضل کو اپنے سے افضل جانے گا۔ لیکن وہ ان کے درجات کی تمنانہ کرے گا اس لئے کہ اپنی استعداد اس کو معلوم ہوگی اور اپنے اعمال اس کو اپنے پیش نظر ہوں گے اور تفاوت درجات وہاں تفاوت اعمال سے ہوں گے اس لئے اس کو معلوم ہوگا کہ اس سے زیادہ درجہ مجھ کو نہیں مل سکتا اس لئے وہ اسی میں خوش ہوگا نہ کسی پر اس کو حسد ہوگا اور نہ زیادہ کا متمنی ہوگا۔ دوسرا جواب اس سے باریک ہے وہ یہ کہ وہاں سب عبد کامل ہوں گے تمام مقامات باطنی حاصل ہوں گے اور مقامات میں سے رضا بھی ہے اس لئے مقام رضا بھی اس کو حاصل ہوگا اور وہ اس میں اس قدر خوش ہوگا کہ درجات فاضلہ کی اس کے قلب میں تمنانہ ہوگی جیسا کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض طبائع میں قناعہ کا مضمون ایسا راسخ ہے کہ ان کے قلب میں ترقی دنیا نہ ہونا کیا معنی بلکہ اس سے نفرت ہے۔ ایک پولیس کے اہلکار کو دیکھئے کہ ان کے افسر کو شش کرتے ہیں کہ ان کی ترقی کریں مگر وہ منظور نہیں کرتے اور ان کے ہم چشم ان پر ہنستے ہیں۔ بات یہ ہے کہ طبائع کا مذاق مختلف ہے جبکہ دنیا میں اس کا نمونہ موجود ہے۔ آخرت میں تو کیا بعید ہے۔ ہاں ایک شبہ رہا وہ یہ کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ جنتی آپس میں ملیں گے اور ایک جنتی دوسرے کو دیکھ کر تمنا کرے گا کہ جیسا لباس اس کا ہے ایسا ہی میرا بھی ہو۔ (تہذیب الاخلاق ج ۲۶)

## مضرت آخرت سے بچنے کا طریق

آخرت کی منفعت جنت ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریق اعمال صالحہ ہیں اور

آخرۃ کی مضرت دوزخ ہے اور اس سے بچنے کا طریق بد اعمالیوں سے بچنا ہے خلاصہ یہ کہ اعمال صالحہ کو اختیار کیا جاوے اور ذنوب سے بچا جاوے اور جو ہو چکے ہیں ان سے توبہ کی جاوے خلاصہ یہ کہ مقصود دوشے ہیں اصلاح اعمال محوذ ذنوب اور محوذ ذنوب کے معنی یہ ہیں کہ گزشتہ سے توبہ کی جائے اور آئندہ بچنے کا عزم کیا جائے لیکن اعمال کی تحصیل اور گناہوں سے بچنا اول تو اکثر لوگوں پر ہمیشہ ہی سے گراں اور ثقیل ہے۔ (تہذیب الاخلاق ج ۲۶)

## حضرت اکابر صوفیاء کی عمدہ لباس اور عمدہ غذا میں نیت

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرات اکابر صوفیہ جیسے حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ عمدہ لباس اور عمدہ غذائیں اس لئے استعمال کرتے تھے کہ ان کو ان چیزوں میں نعمائے جنت کے اظلال نظر آتے تھے تو عارف کو بعض دفعہ ہر چیز میں ظل جمال حق نظر آتا ہے اس وقت یہ حال ہوتا ہے کہ وہ حور کو بھی حاجب نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کے لئے ایسی بن جاتی ہے جیسے آئینہ میں صورت محبوب نظر آیا کرتی ہے اور جس وقت معرفت کا غلبہ نہ ہو بلکہ عشق کا غلبہ ہو تو وہ اس سے زیادہ کہتا ہے یعنی اپنے کو بھی حجاب سمجھتا ہے حور کو تو کیوں نہ سمجھے گا حضرت قلندر فرماتے ہیں۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ ہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم  
(مجھ کو آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ ان کو محبوب کے چہرہ انور کو نہ دیکھنے دوں اور کانوں کو بھی اس کی باتیں نہ سننے دوں)

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرو تانہ پیغم رخ تو روح رمیدن نہ دہم  
(اگر ملک الموت میری جان لینے کو آئے تو میں جب تک آپ کی تجلی نہ دیکھ لوں جان نہ دوں گا۔ اور عارف اپنے کو بھی مرآۃ سمجھتا ہے اور یوں کہتا ہے۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن در آ تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا نکمن در آ  
(تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھانک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کر لو)  
چنانچہ صوفیہ نے قلب میں تمام عالم ناسوت و ملکوت کو مندرج مانا ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ تم کو چمن اور سرو و سمن کی سیر کی ضرورت نہیں اپنے دل کا دروازہ کھول کر اس کی سیر کرو اس میں سب کچھ موجود ہے اور دوسرے آثار کو بھی جیسا مولانا نے ایک صوفی کا قصہ لکھا ہے۔

صوفی درباغ از بہر کشادہ صوفیانہ روئے بر زانو نہاد  
یعنی وہ سر جھکائے باغ میں مراقب بیٹھا تھا کسی نے کہا فَاَنْظُرْ اِلٰی اَثْرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ  
(الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

## عورتوں کا دنیا میں اسہاک و اشتغال

میں دیکھتا ہوں کہ یہ عورتیں دنیا کے کاموں میں بے حد کھپتی ہیں۔ کپڑوں میں زیور میں جب یہ مشغول ہوتی ہیں اس وقت ان کو اس قدر اسہاک ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد بالکل ان کے قلب میں نہیں ہوتی اور پھر زیادہ شکایت اس کی ہے کہ وقت گزرنے کے بعد بھی اپنی اس حالت کا کچھ قلق ان کو نہیں ہوتا۔ چاہئے تھا کہ بعد اس حالت کے تو اپنے وقت ضائع ہونے پر کچھ کڑھتیں مگر حس تک نہیں ساری عمر جانوروں کی طرح گزر جاتی ہے۔ ہاں کپڑوں اور زیور سے لاد دو۔ بڑا لائق خاوند وہ ہے جو ان کو چاندی سونے سے لاد دے خواہ کہیں سے لائے حرام آمدنی سے یا حلال سے ان کو اس سے کچھ بحث نہیں۔ جب کسی کا خاوند پردیس سے آتا ہے تو یہی سوال ہوتا ہے کیا کمال کر لائے اگر وہ بجائے روپیہ اور زیور کے یہ کہے کہ بی بی اب کی مرتبہ میں تو دین کے مسائل سیکھ کر آیا ہوں دین کی دولت لایا ہوں۔ تو بی بی صاحبہ اگر زبان دراز اور خاوند پر غالب ہوئیں تو پوری خبر ان کی لیں گی کہ کیا مسئلوں کو لے کر ہم چائیں گے اور اگر کوئی نیک مزاج ہوئی تو سنتے ہی منہ ضرور سوکھ جائے گا۔ (السوال ج ۲۶)

## روزانہ محاسبہ نفس کی ضرورت

محاسبہ نفس ایک آدھ وقت کر لینے سے کام نہیں چلتا ضرورت اس کی ہے کہ روز کا دھندا ہو جائے فرماتے ہیں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ (اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور چاہئے کہ نظر میں رکھے نفس اس چیز کو جس کو اس نے کل کے لئے بھیجا ہے) یعنی اس کو سوچو کہ کل کے لئے کیا کر رکھا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ کر معطل ہو جاؤ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی دھن لگ جائے اگر روزانہ نصف گھنٹہ بھی اس تفکر کے لئے نکال لیا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت کم نافرمانی ہوگی اور دنیا کی محبت جاتی رہے گی پھر ان شاء اللہ تعالیٰ یہ حالت ہو



گی کہ تم دنیا کے سب کاروبار کرو گے لیکن ان کاموں میں جی نہ لگے گا اور اس کے بعد دو چیزوں کی اور ضرورت ہوگی ایک تو بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنے کی سو بجز اللہ اب اس کا سامان بہت میسر ہو گیا ہے اور ہر شخص کو ہر جگہ رہ کر اس کا سیکھنا آسان ہے اس کیلئے یہ کرو کہ کوئی جامع رسالہ لے کر اس کو کسی عالم سے پڑھنا اگر پڑھنے کا موقع نہ ہو تو نہایت غور سے دیکھنا شروع کر دو اور ہمیشہ اس کا ورد رکھو۔ (اصلاح النفس ج ۲۶)

## حضرات مجتہدین کا خوف الہی

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصال کے وقت حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ خداوند! میں نے اپنے زمانہ قضا میں جہاں تک مجھ سے ہو سکا ہے خلاف حق فیصلہ نہیں کیا نہ کسی فریق کی رعایت کی ہے ہمیشہ حق کی حمایت کی ہے مگر ایک بار مجھ سے یہ غلطی ہو گئی کہ خلیفہ ہارون الرشید کا مقدمہ ایک یہودی کے ساتھ ساتھ اس وقت میں نے خلیفہ کو اپنی مسند پر بٹھلایا اور خود یہودی کے برابر بیٹھا حالانکہ مجھے ایسا نہ کرنا چاہئے تھا پھر فیصلہ میں ڈگری میں نے یہودی ہی کو دی مگر فریقین کی نشست میں جو مساوات لازم تھی اس میں مجھ سے غلطی ہو گئی اس گناہ سے میں توبہ و استغفار کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں پھر امام ابو یوسف بہت روئے اور اس لغزش پر بہت اہتمام سے بار بار استغفار کیا اس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ حضرات مجتہدین خدا تعالیٰ سے کس قدر خائف تھے اور وہ اتباع احکام کا کس درجہ اہتمام کرتے تھے تو کیا ان حضرات کے متعلق یہ وسوسہ ہو سکتا ہے کہ وہ قصداً قرآن و حدیث پر قیاس کو اور اپنی رائے کو مقدم کریں گے اور اپنی رائے کے مقابلہ میں نصوص شریعت کو چھوڑ دیں گے جو لوگ ان کی شان میں ایسی سخت بات کہتے ہیں وہ اپنی عاقبت کی خیر منائیں۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے) (الاریاب والاعتیاب ج ۲۶)

## عورتوں کے قبرستان جانے کا حکم

عورتوں کے پردے سے نکلنے میں بہت سی خرابیاں ہیں مراد تذکرہ آخرت و قیامت ہے جس طرح بھی ہو کسی معتبر کتاب میں قیامت کے حالات پڑھیں یا سنیں (اور یہ موت اور قیامت کی اجمالی حالت کافی نہیں کہ کوئی موت موت کی تسبیح پڑھا

کرے بلکہ موت کو یاد رکھنا یہ ہے کہ جب کوئی کام کرے سوچ لے کہ موت کے اس پر کوئی جواب دہی تو میرے ذمہ عائد نہ ہوگی۔ ہمیشہ اس کا خیال رہے اور اگر کچھ کام قابل جواب دہی ہو گئے ہیں تو ان سے توبہ کرو۔ اور برابر توبہ کرتی رہو۔ (علاج الکبرج ۲۶)

## نا اہل کو علم دین پڑھانے کا انجام

کلکتہ میں ایک عالم نے مسئلہ رضاع غلط لکھا اور علماء کے پاس اس کو دستخط کے واسطے بھیجا، علماء نے بالاتفاق اس پر دستخط سے انکار کیا کہ یہ تو بالکل غلط مسئلہ ہے کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا آخر میں ان کو اپنی غلطی کا علم بھی ہو گیا تھا مگر بات کی سچ بری بلا ہے۔ انہوں نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھ مارا اور اس میں وہی تباہی دلائل سے اپنے مطلب کو ثابت کرنا چاہا پھر وہ اپنے استاد کے پاس اس فتویٰ کو لے گئے اور ان سے جا کر کہا کہ اس مسئلہ میں سب لوگ مجھ سے علیحدہ ہیں، کوئی میرے ساتھ نہیں، آپ ہی میرا ساتھ دیدیتے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی یہ تو غلط مسئلہ ہے اس میں ساتھ کیونکر دوں۔ کہنے لگے کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ غلط ہے مگر اب تو زبان و قلم سے نکل گیا اب تو جس طرح ہو میری تائید کر دیجئے مگر استاد نے ساتھ نہیں دیا۔ افسوس دین کو کھیل بنا رکھا ہے کہ محض اس وجہ سے کہ ایک بات زبان سے نکل گئی ہے اس کی لکیر پیٹے جاتے ہیں حالانکہ اس کا غلط ہونا معلوم ہے نہ معلوم ان لوگوں کے دلوں سے خوف خدا کہاں جاتا رہا۔ اب سنا ہے کہ ان عالم مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا، خدا معاف کرے۔ اگرچہ جرم بہت سنگین ہے میں تمام مدرسین و مہتممین مدارس سے بالتجا کرتا ہوں کہ اللہ اس بات کا کچھ انتظام کیجئے کہ سب طلبہ کو ایک لائٹھی سے نہ ہانکا جائے اور سب کی تعلیم کو ضروری نہ سمجھا جائے بلکہ جس شخص کے اخلاق خراب ہوں اول اس کے اخلاق کی اصلاح کا اہتمام کیا جائے بات بات پر اس کو ٹوکا جائے، اگر اصلاح کی امید نہ ہو تو مدرسہ سے علیحدہ کیا جائے۔ اسی طرح جس طالب علم کی طبیعت میں کجی معلوم ہو سلامتی سے محروم ہو اس کو بھی ہرگز پورا نصاب نہ پڑھایا جائے کیونکہ تکمیل نصاب کے بعد وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو عالم و مقتدا سمجھیں گے اور ایسا شخص مقتدا ہو کر جو کچھ ستم ڈھائے گا ظاہر ہے پھر ان سب کا وبال ان مدرسین و مہتممین کے اوپر ہوگا کہ انہوں نے ایسے نا اہلوں کو کیوں علم پڑھایا۔ میری رائے میں ایسے لوگوں کے لیے ایک مختصر نصاب اردو

میں یا فارسی میں یا کسی قدر عربی میں مقرر کر لیا جائے جو ضروری مسائل و احکام کے جاننے کیلئے کافی ہو وہ نصاب پڑھا کر ان سے کہہ دیا جائے کہ جاؤ دنیا کا کوئی کام سیکھو (تعظیم العلم ج ۲۷)

## امور اختیار یہ کی قسمیں

امور اختیار یہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا بقاء و حدوث دونوں قصد و اختیار کے محتاج ہیں اور دوسرے وہ جو حدوث میں قصد و اختیار کے محتاج ہیں بقاء میں محتاج نہیں تو کلام اسی دوسری قسم میں داخل ہے جیسا کہ مشی (یعنی چلنا) بھی اور بھی بعضے افعال اس صفت میں کلام کے ساتھ شریک ہیں یعنی ایسے ہی امور اختیار یہ میں سے ہیں کہ ان کا حدوث محتاج قصد و اختیار ہے گو بقاء میں اس کی ضرورت نہیں کہ مثلاً ہر قدم پر ارادہ جدید متعلق ہو البتہ یہ ضرور ہے کہ بقاء میں گو تفصیلی علم و ارادہ نہیں ہوتا مگر اجمالی ضرور ہوتا ہے یہاں تک تو اشتراک ہے مگر پھر تکلم میں ان سب سے یہ خاص امتیاز ہے کہ اور مشی (چلنا) وغیرہ سے زیادہ آسان بولنا ہے یہ کام اتنا آسان ہے کہ بظاہر اس میں قصد کی بھی ضرورت نہیں اسی واسطے کسی نے کہا ہے اللسان جرمہ صغیر و جرمہ کبیر (زبان کا (جرم) جسم چھوٹا ہے اور اس کا جرم (گناہ) بڑا ہے اور اس سہولت ہی کی وجہ سے لوگوں نے اس کو غیر مہتمم بالشان سمجھ رکھا ہے دوسرے ہر فعل کا کچھ اثر ظاہر میں باقی رہتا ہے مثلاً اگر آپ کچھ لکھیں گے تو اس کا اثر باقی رہے گا اسی طرح سب افعال کا اثر چنانچہ تتبع سے معلوم ہو سکتا ہے مگر زبان کا اثر باقی نہیں رہتا اس لئے بھی لوگوں نے اس کو معمولی سمجھ لیا ہے مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے یہاں تو سب کچھ محفوظ ہے آپ سمجھتے ہیں کہ ہم زبان سے جو کچھ کہتے رہتے ہیں وہ معدوم ہوتا جاتا ہے اور یہ خبر نہیں کہ وہ سب ایک دفتر میں جمع ہو رہا ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں دیتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے) حق تعالیٰ کے دفتر بہت سے ہیں سب سے چھوٹا دفتر انسان کا نامہ اعمال ہے قیامت کے دن ہر شخص کو اس کا نامہ اعمال دے دیا جائے گا اور کہا جائے گا اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا (اپنے نامہ اعمال کو پڑھا آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب ہے) جس دن لوگ اس کتاب کو دیکھیں گے تو حیرت سے کہیں گے مَا لِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يَغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا

حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا o (اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب لکھا ہوا موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا) (خفیہ پولیس والے کہاں تک لکھیں گے وہ تو تقریر کا خلاصہ ہی نوٹ کرتے ہیں اور یہاں تو بعینہً تجسہ لکھا جاتا ہے پہلے تو یہ بات بعضوں کی عقل میں بھی نہ آتی تھی کہ فرشتے بعینہً کس طرح لکھتے ہیں مگر خدا بھلا کرے یعنی ہدایت کرے گراموفون ایجاد کر نیوالوں کو کہ ان کی اس ایجاد سے ہم کو عقل پرستوں کے سامنے ایک نظیر پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ (مطہر الاقوال ج ۲۸)

## ہم ہر وقت سفر آخرت میں ہیں

خدا کا راستہ قصیر نہیں بلکہ طویل ہے کہ عمر دراز میں بھی طے نہیں ہو سکتا مگر جن کو توفیق دی گئی ہے ان کے لیے قصیر ہو جاتا ہے۔ گو واقع میں طویل ہے جیسے قیامت کے بارے میں ارشاد ہے: ”فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ“ (کہ وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا) مگر حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو اتنا چھوٹا معلوم ہوگا جیسے ایک نماز کے شروع سے اس کے ختم کرنے تک فاصلہ ہوتا ہے اور اوپر جو حضرت بایزیدؒ کے قصہ میں طریق دین کا قصیر ہونا بیان کیا گیا ہے مراد اس قصر سے سہولت ہے بمقابلہ مشاق دنیا کے۔ اب سمجھئے اور اسی بات کا سمجھنا اس بیان سے مقصود ہے کہ جب خدا کا راستہ طویل ہے اور ہم اس پر چل رہے ہیں تو ہم ہر وقت سفر میں ہوئے اور قرآن اس سفر کی یادداشت ہے جو اس راستہ سے منازل و مقامات سے ہم کو آگاہ کرتا ہے۔ جب ہم سفر میں ہوئے تو بتلائے کیا سفر میں بھی چین ہوا کرتا ہے۔ مگر افسوس ہم کیسے بے فکر و مطمئن ہیں۔ گویا وطن میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اے صاحب جس کو ہر وقت سفر درپیش ہو وہ کیونکر مطمئن ہو کر بیٹھ سکتا ہے اور جس کے سامنے اتنا لمبا سفر ہو وہ کیونکر دل کھول کے ہنس سکتا ہے۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## لوازم سفر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ (یعنی یہ قرآن عام لوگوں کے لیے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور یقین



لانے والوں کے لیے بڑی رحمت ہے) اس میں لفظ بصائر سے ضیاء پر دلالت ہے۔ ایک دفعہ مجھے اس آیت میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ اس جگہ تین چیزیں کیوں بیان کی گئیں۔ ”بصائر وھدی ورحمۃ“ (بصیرت ہدایت اور رحمت) پھر سمجھ میں آیا کہ راستہ چلنے میں ایک تو رہبر کی ضرورت ہے وہ تو ھدی ہے پھر رہبر کی عنایت و شفقت کی ضرورت کہ مختصر اور سہل راستہ سے لے جائے وہ رحمت ہے پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ چلنے والا سوا نکھا ہوا اگر راستہ حسی ہے تو بصر کی ضرورت ہے اور معنوی ہے تو بصیرت کی ضرورت ہے اس کا ذکر بصائر میں ہے مگر بصائر سے مراد اسباب بصیرت ہیں یعنی ضیاء کیونکہ قرآن کو جو بصیرت فرمایا ہے ظاہر ہے کہ وہ اسباب بصیرت میں سے ہے۔ پس قرآن میں ضیاء معنوی موجود ہے جس میں تامل کرنے سے بصیرت کام کرنے لگتی ہے اور اس کو راستہ نظر آنے لگتا ہے۔ پس اس آیت سے ضیاء بھی ثابت ہوئی اور دوسری آیات میں تو صاف طور پر لفظ نور وارد ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ. (یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں) غرض قرآن سے سفر اور لوازم سفر سب ثابت ہیں۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## دل سے خیالات مٹانے کی عمدہ تدبیر

جب دل میں دنیا کی کوئی چیز آوے تو فوراً یہ سوچو کہ ہماری بی بی وہاں منتظر ہے کہ دیکھئے کب ملاقات ہوتی ہے سو مجھ کو ایسے کام کرنے چاہئیں جس سے یقیناً ملاقات ہو جائے یہ خیال ایسا ہے کہ دوسرے سب خیالوں کو فوراً دبا لے گا کیونکہ دنیا میں ایسا کوئی نہیں جس کو بی بی کا شوق نہ ہو اور وہ بی بی بھی کیسی جس کی صفت حدیث میں یہ آئی ہے کہ اگر اس کے دامن کا ایک کنارہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی کے سامنے چاند سورج ماند ہو جائیں یہ تو ان کے کپڑے کی صفت ہے اور ان کے جسم کی یہ کیفیت آئی ہے کہ متعدد حلوں اور گوشت پوست اور ہڈی کے اندر سے گودا نظر آئے گا اس کی نظیر

کہیں بھی دنیا میں ہے یا ہو سکتی ہے ایسی بی بی کا خیال ایسی چیز نہیں ہے کہ سرد سے سرد آدمی کو بھی ایک دفعہ گرم نہ کر دے اور ست سے ست کو بھی اعمال کے لیے مستعد نہ بنادے اس کے سامنے کوئی خیال دل میں نہیں رہ سکتا۔ (الباطن ج ۲۹)

## سفر آخرت کا الارم

خدا تعالیٰ کی یاد میں کیسے امن و عیش یعنی اطمینان اور بے فکری ہو جبکہ ہر وقت جس یہ فریاد مچا رہا ہو کہ کجاوے باندھو جب ہر وقت کوچ کی گھنٹی بج رہی ہو۔ بڑا غافل ہے وہ جو اس وقت بے فکری سے باتیں بنا رہا ہو اور کوچ کی تیاری نہ کرے وہ گھنٹیاں یہی ہیں جو جا بجا موتیں ہو رہی ہیں، ریل پر دیکھا ہوگا کہ جب گھنٹی بج جاتی ہے سب مسافر اپنا اپنا سامان لے کر تیار ہو جاتے ہیں اور ریل تو ریل عرب کے سفر میں دیکھا ہے کہ اونٹ جو کہ اپنے اختیار کی سواری ہے وہ بھی نہیں ٹھہرتے جب جمال جی جی پکارتے ہیں اور اونٹوں کے لادنے کا تہیہ کر لیتے ہیں پھر وہ بالکل نہیں دیکھتے کہ کون فارغ ہے اور کون نہیں۔ چنانچہ بعض قضائے حاجت کرتے ہوئے ہیں، بعض کچھ پکاتے ہوئے ہیں سب چھوڑ کر ہنڈیا ہاتھ میں لیے ہوئے بھاگتے ہیں اور اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ سفر آخرت کی گھنٹیاں بج رہی ہیں، ہر وقت جی جی کا شور ہے کوئی دوست مر گیا، کوئی عزیز مر گیا لیکن ہم ہیں کہ خواب خرگوش میں کروٹ ہی نہیں بدلتے۔ مسلمانوں کو عموماً بھی بے فکر نہ ہونا چاہیے اور خصوصاً ان لوگوں کو جن کو اللہ تعالیٰ نے معاش سے بے فکر کیا ہے ان کو تو ضروری ہے کہ ہر وقت متوجہ رہیں کسی وقت غفلت نہ ہو اب یہیں پرذاکرین کو دوام توجہ کے متعلق ایک غلطی ہو جاتی ہے پوری بات تو وقتاً فوقتاً جس طرح کے حالات پیش آویں شیخ ہی سے طے ہوتے ہیں لیکن یہاں بھی اجمالاً کچھ ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ انسان کا خاصہ طبعی ہے کہ ہر وقت ایک کام نہیں کر سکتا، طبیعت اکتا جاتی ہے جیسے کوئی رات دن پڑھے اور کسی وقت بھی فارغ نہ ہو اور سیر و تفریح سے جی نہ بہلاوے تو لازمی بات ہے کہ طبیعت اس کی اکتا جاوے گی اور بعض مرتبہ ایسی پڑمردہ ہوگی کہ وہ بالکل معطل محض ہو جاوے گا۔ اسی واسطے ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر سبق دس دفعہ کہنے کا شوق ہو تو آٹھ دفعہ کہو دو دفعہ چھوڑ دو تا کہ شوق باقی رہے اور اس شوق سے پھر کام لیا جاوے۔ اسی

طرح عابدین ذاکرین کو بھی یہ امر پیش آیا ہے کہ کثرت ذکر سے ان کو ایک قسم کا ملال اور اکتاؤ پیش آ جاتا ہے اور بعض مرتبہ شیخ کامل اگر نہ ہو تو اس کا نتیجہ آخرہ غفلت و تعطل ہو جاتا ہے اس وقت یہ ضروری ہے کہ سب کام خلوت کا چھوڑ دے اور باغ میں دوستوں کے مجمع میں بیٹھے اور کچھ دیر باتیں کرے مزاح کرے تو وہ نشاط سابق پر عود کر آوے گا اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ غفلت کی اجازت ہے۔ صاحبو! یہ غفلت نہیں اس کو بھی ذکر ہی میں شمار کریں گے اس لیے کہ معین ذکر ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً کوئی شخص پوچھے کہ تمہارے یہاں کھانے میں کیا ہوتا ہے اور کس حساب سے ہوتا ہے تو تم کہو کہ جنس اس قدر اور مصالح اس قدر اور لکڑیاں اتنی تو وہ شخص اعتراض کرے کہ کیا آپ لکڑیاں بھی کھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ معترض احمق ہے اس لیے کہ جس سے کھانے میں اعانت ہو وہ کھانے ہی کے حساب میں شمار کی جاتی ہے۔ (التوبہ ج ۲۹)

## شفاعت کبریٰ

صاحبو! میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ تم کو کچھ عذاب بھی نہ دیں صرف کھڑا کر کے اتنا پوچھ لیں کہ ارے ظالم تجھ کو ہمارا اتنا بھی خوف نہ تھا کہ جتنا اپنے چھوٹوں سے ہوتا ہے تو اس وقت جو ذلت و شرمندگی ہوگی اسی کا خوف گناہ سے بچنے کے لیے کافی ہے کیونکہ ایسے موقع پر آدمی یہ چاہا کرتا ہے کہ بلا سے دوزخ میں چلا جاؤں لیکن یہاں سے مجھ کو خلاصی ہو چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے جب سب اولین و آخرین قبور سے اٹھائے جائیں گے اور مجرمین کو سخت ذلت و پریشانی ہوگی تو سب بے قرار ہوں گے کہ کسی طرح یہاں سے نجات اور خلاصی ہو اور آپس میں مشورہ کریں گے کہ کیا تدبیر کریں چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہوگا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ مقبول بندے اور بے گناہ ہیں ان کی خدمت میں عرض کریں تا کہ وہ ہماری اس بات میں شفاعت کریں۔ پس سب جمع ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ صفی اللہ ہیں اور آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے آپ دعا فرمائیے اور شفاعت فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے خلاصی دیں تو وہ فرمائیں گے کہ میرا یہ منصب نہیں ہے اور شجر کے کھانے کا عذر فرمائیں گے پھر نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام بھی یہی جواب دیں گے اور اپنے اپنے عذر ذکر

کریں گے۔ حتیٰ کہ فخر عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی خدمت میں آئیں گے، آپ سب کی شفاعت فرمائیں گے کہ اس میدان سے نجات ہو یہ شفاعت کبریٰ کہلاتی ہے اس کے بعد سب کو موقف سے نجات ہوگی اور حساب و کتاب شروع ہوگا اور اس میں مومنین و کافرین سب داخل ہیں یہ حدیث کا حاصل ہے اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ سب مومنین و کافرین جو اس مقام سے خلاصی چاہیں گے اس کی کیا وجہ ہے یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ اس وقت سب کو یہ گمان ہوگا کہ ہم سب یہاں سے چھوٹ کر بہشت میں چلے جائیں گے اس لیے کہ حقائق وہاں منکشف ہوں گے مغیبات مشاہدہ ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ“ (سواب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ غفلت اٹھا دیا، سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے) اور کفار کو معلوم ہوگا کہ ہم معذب ہوں گے تو پھر خلاصی پا کر دوزخ میں جانا کیوں گوارہ کیا۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ چونکہ وہاں اولین و آخرین جمع ہوں گے ان سب کے سامنے رسوا ہونے سے بچنا چاہیں گے۔ طبعی بات ہے کہ آدمی رسوائی سے بچنے کے لیے سزا اور تکلیف کو اختیار کر لیتا ہے اور عام رسوائی میدان قیامت میں ہوگی دوزخ میں نہ ہوگی۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دوزخ میں ہر کافر کو ایک صندوق میں بند کر کے الگ الگ آگ میں دفن کر دیا جائے گا پھر وہاں تاریکی بھی ہوگی کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھے گا۔ ”وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا“ (جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب موجود پائیں گے) اس کی تفسیر میں حضرت استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ گناہ کو اس کی صورت میں دکھلایا جائے گا۔ مثلاً اہل محشر کو یہ معلوم ہوگا کہ چور نقب دے رہا ہے زانی زنا کر رہا ہے اور اس کو بعید نہ سمجھا جائے دیکھئے بائیس کوپ میں اچھی خاصی دوڑتی ہوئی صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ وہ تلوار لگی اور سر کٹ گیا اور گولا پھٹا اور توپ چلی۔ جب مخلوق کو ایسی قوت دی ہے کہ وہ واقعات گزشتہ کو ہو بہو دکھلا دیتے ہیں تو کیا خداوند تعالیٰ گناہوں کو ان کی صورت میں نہیں دکھلا سکتے ضرور اس سے زیادہ پر قادر ہیں۔ (خواص الحکمۃ ج ۲۹)

## حکایت مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم

میں نے عبدالرحمن خاں صاحب مالک مطبع نظامی سے سنا ہے کہ مولانا مفتی عنایت



احمد صاحب مرحوم حج کو تشریف لے گئے تھے۔ طوفان آیا جہاز ڈوبنے لگا اور پانی چاروں طرف سے غرغراس میں آ رہا تھا، تمام مخلوق جو اس میں تھی سخت پریشانی میں تھی اور مفتی صاحب مرحوم ایک جگہ اطمینان سے بیٹھے ہوئے اس آیت کا تکرار فرما رہے تھے:

قُلْ لَّنْ يُصِيبِنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ  
(یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرمادیجئے کہ ہم کو ہرگز کچھ مصیبت نہ پہنچے گی مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے وہ ہمارا مولا ہے اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے) یہ آیت پڑھتے پڑھتے غرق ہو گئے۔ غرض فرمانبردار ہر حالت میں راضی ہے حتیٰ کہ مصیبت میں بھی یہ تفاوت تھا۔ مصیبت میں اور نعمت کی حالت میں بھی مطیع اور غیر مطیع کے درمیان تفاوت ہے یعنی نافرمان کو نعمت میں بھی پوری لذت نصیب نہیں بلکہ وہ بھی فرمانبردار ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ طعام کے اندر بھی اس کو وہ لذت آتی ہے کہ دوسرے کو نہیں آتی، لوگوں کو سن کر حیرت ہوگی کہ فرمانبرداری کو کھانے کے مزے کے اندر کیا دخل ہے لیکن تھوڑا سا غور فرمائیں گے تو سمجھ میں آ جائے گا۔ دیکھئے جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کی ہر شے پیاری معلوم ہوتی ہے، خواہ وہ شے خراب ہی ہو۔ مثلاً دوا نبہ میں ایک تو اپنا خریدنا ہوا اور ایک محبوب نے دیا ہو دونوں میں بڑا فرق ہے، محبوب کے دیئے ہوئے انبہ کو اگرچہ وہ ترش ہی ہو جس رغبت سے کھائے گا اپنے انبہ کو اس طرح نہ کھائے گا اور اس میں مزہ بھی بہت آئے گا۔ اس لیے کہ وہ مزہ نرے انبہ کا نہیں بلکہ وہ اس نسبت کا ہے کہ محبوب کا دیا ہوا ہے پس ایسے ہی یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ جس کو حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو گیا ہے اس کو ہر نعمت میں بے حد مزہ آئے گا کہ یہ میرے محبوب نے مجھ کو عطا فرمائی ہے اس کو سوکھی روٹی میں وہ لطف آئے گا جو دوسروں کو پلاؤ، تو رمہ میں نہیں آتا اور حرام خورنا فرمان اناج کی کوٹھیاں اور پانی کے تالاب کے تالاب خالی کر دیتے ہیں اور کبھی دل میں تو کیا زبان پر بھی یہ نہیں آتا کہ معطی حقیقی کا شکر کریں اور ان نعمتوں کو اس کی طرف سے سمجھیں، پھر وہ اس نسبت کی لذت سے بھی محروم ہیں اور نعمت تو نعمت فرمانبردار کو تو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مصیبت اور تکلیف میں بھی مزہ آتا ہے جیسے محبت کو محبوب کی مار میں بھی لطف آتا ہے اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ نافرمانی میں معیشت کے تنگ ہونے کے کیا معنی ہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رہم جیسا کہ

افراط خوف کو درجہ تو وسط پر لانے والا ہے اسی طرح نفس خوف کو بھی درجہ تفریط سے ترقی دینے والا ہے اور خشیتہ پر مغفرت اجر کبیر کے مرتب کرنے سے اور یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ اگر خشیت نہ ہوگی تو ان کے لیے مغفرت اور اجر کبیر کا وعدہ نہیں۔ (خواص الاخیہ ج ۲۹)

## خوف خدا

مسلمان کو گناہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا خوف ضرور ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور آخرت میں عذاب ہوگا یہ خیال ساری لذت کو مگر کر دیتا ہے اس لئے مسلمان کا گناہ کرنا تو محض حماقت ہی ہے گناہ کرے تو کافر کرے جس کو یہ خدشہ نہ ہو کیونکہ وہ آخرت کا قائل ہی نہیں تو اس کو لذت تو آئے گی اور مسلمان کا گناہ تو بے لذت ہے پھر گناہ بے لذت میں کیا نفع اور ایک بات اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ مسلمان کو دنیا میں بھی گناہ کر کے سخت تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ گناہ کی خاصیت ہے کہ اس سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے جس سے ایک وحشت اور بے چینی دل پر غالب ہو جاتی ہے انشراح اور اطمینان کی کیفیت زائل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ گنہگار کے دل کو مطیع و متقی کی برابر راحت نہیں ہوتی نیز گنہگار کا دل اس ظلمت و وحشت کی وجہ سے کمزور بھی ہو جاتا ہے جس کا تجربہ نزول حوادث کے وقت ہوتا ہے کہ متقی اس وقت مستقل مزاج رہتا ہے اور گنہگار کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کو گناہ کر کے ظلمت محسوس نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو نور ہی کا احساس نہیں ہوا باقی جس کو بالکل ہی نور کا احساس نہ ہوا یا تو کافر ہی ہو سکتا ہے۔ مومن کو ایمان کی وجہ سے نور ضرور حاصل ہوتا ہے اور جو شے حاصل ہے اس کا احساس بھی ضرور ہے گو اس کی طرف التفات نہ ہو جیسے ہماری آنکھ آفتاب کی روشنی ہی میں کام کرتی ہے مگر اس کی طرف التفات کبھی نہیں ہوتا چنانچہ ہم بار بار خط دیکھتے اور کتاب لکھتے ہیں مگر کبھی اس کا دھیان بھی نہیں آتا کہ ہماری آنکھ کی روشنی کے ساتھ ایک اور روشنی بھی ہے اور ہم اس سے یہ کام کر رہے ہیں ہاں رات کو اندھیرے میں اس طرف التفات ہوتا ہے کہ ہماری آنکھ کی روشنی آفتاب کی روشنی سے مل کر ابصار کا سبب تھی اس لئے اس وقت قندیل کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح مسلمان کو گناہ کر کے معلوم ہوتا ہے کہ میرے اندر ایک نور تھا جو اس وقت گل ہو گیا۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

## اشیاء جنت کی حقیقت

جنت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں سے اچھا کہنے کے معنی یہ نہیں کہ چیزیں جنت میں وہی ہیں جو دنیا میں ہیں مگر اعلیٰ درجہ کی ہیں جیسے دنیا کی چیزوں میں یہی فرق ہوتا ہے ایک میلا پانی اور ایک صاف ستھرا چھنا ہوا پانی کہ حقیقت دونوں کی ایک ہے صرف وصف میں فرق ہے بلکہ اچھا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جنت کی چیزوں کی حقیقت ہی دوسری ہے اس حقیقت کی چیز دنیا میں موجود ہی نہیں۔ رہا یہ کہ پھر ان کا نام دنیا کی چیزوں کا کیوں ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اور کوئی عنوان ان سے تعبیر کرنے کا نہیں اگر کوئی عنوان ہے تو یہی ہے جو دنیا کی چیز کا ہے بایں معنی کہ اگر اس سے کچھ مناسبت اور قرب ہے صورتاً یا کسی معنی کو تو فلاں دنیا کی چیز کو ہے اس لحاظ سے اس کے اوپر اس کا نام اطلاق کر دیا۔ مثلاً انار ایک چیز ہے جو دنیا میں موجود ہے اور اس کے افراد میں سے بھی وہ فرد لیجئے جو سب سے بڑھیا ہوا اور انار جنت میں بھی موجود ہے جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں میں کچھ بھی علاقہ نہیں سوائے اس کے کہ صورتاً ایک کہے جاویں۔ یہ مضمون ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور جنت کی نعمتوں کا صرف نام ہی مشترک ہے ورنہ وہاں اور چیزیں ہیں جن کا خیال بھی نہیں آ سکتا بلکہ یہ مضمون حدیث میں ہے وہ یہ ہے ”اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر“ یعنی فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا۔ معلوم ہوا کہ وہاں کی چیزیں ایسی ہیں جو یہاں موجود نہیں ورنہ کوئی آنکھ تو دیکھتی اور نہ کبھی ہم سے پہلے زمانہ میں دنیا میں پیدا ہوئیں ورنہ ان کا ذکر تو کان سے سنتے بلکہ ان کو یہاں کی چیزوں سے اس قدر مغایرت ہے کہ خیال بھی ان تک نہیں پہنچ سکتا اس کے معنی یہی تو ہوئے کہ وہاں کی چیزیں دنیا سے علیحدہ ہی ہیں اور مثلاً وہاں کی عورتیں جو حور کہلاتی ہیں ان کا نام سن کر خیال ہوتا ہے کہ دنیا کی حسین عورتوں کی نوع سے ہوں گی خود دنیا میں بھی ایک سے ایک حسین موجود ہیں مگر حدیث میں جو ان کی صفات آئی ہیں ان کو سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ حور کسی اور ہی نوع سے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر حور عین کے کپڑے کا ایک کونہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی سے سورج اور چاند ماند

ہو جائیں جس کے کپڑے کا یہ حسن ہو اس کی ذات کا کیا حسن ہوگا اس کا حسن تو وہم و گمان سے باہر ہے۔ چنانچہ حدیث میں ان کے حسن کی نسبت آیا ہے ”یری مخ سقھن من وراھن“ یعنی ان کا جسم ایسا صاف شفاف ہوگا کہ کپڑوں کے اندر سے اور کھال کے اندر سے اور ہڈی کے اندر سے پنڈلی کا گودا نظر آئے گا۔ یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ سچی بات ہے کیونکہ حدیث میں آچکی ہے۔ قرآن و حدیث میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا سچی سچی اور سیدھی باتیں بیان ہوتی ہیں حور واقع میں ایسی ہی ہوگی یہ خبر ایسی نہیں ہے جیسے کہ یہاں ہم نے سنا تھا کہ ایک حسین آدمی ایسا ہے کہ جب وہ پان کھاتا ہے تو اس کا رنگ گلے میں اترتا نظر آتا ہے۔ یہ قصہ غلط ہے بھلا دنیا میں ایسا کون ہو سکتا ہے آخر گلے میں اوپر کھال ہے اس کے نیچے گوشت ہے اس کے نیچے زخروے کی ہڈیاں ہیں ایسی بھی کیا لطافت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حاجب نہ ہو ایک جلد ہی شاع نظر کو روکنے کے لیے کافی ہے چہ جائیکہ کہ تین تین چیزیں ہوں۔ غالباً کسی نے مبالغہ سے کام لیا ہے بہر حال جو یہاں مبالغہ ہے وہ وہاں حقیقت ہوگی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہاں کے حالات میں اور یہاں کے حالات میں بڑا فرق ہے وہاں کے حالات یہاں ذہن میں آ ہی نہیں سکتے اس واسطے کہ ان کی کوئی نظیر کبھی نظر سے نہیں گزری اس دقیقہ سے غافل ہونے کے سبب لوگوں نے حور کو محبوبان دنیا کی طرح سمجھ لیا اور بعضوں نے تو یہاں تک بیہودگی کی کہ براہِ تمسخر گھوسنوں سے اور کشمیر کے چکلے کی رنڈیوں سے تشبیہ دی (نعوذ باللہ) بات یہ ہے کہ لوگوں میں مادہ قیاس الغائب علی الشاہد کا ہے اسی لیے حور کو بھی اگر قیاس کیا تو اس پر کہ جس کو دیکھا ہے یا جو اپنے خیال میں ہے اب جن کے خیالات گندے ہیں رنڈیوں اور گھوسنوں تک ان کا ذہن پہنچا۔

## آخرت کی دو حالتیں

اور جیسے دنیا میں دو حالتیں ہیں ایک راحت اور ایک تکلیف ایسے ہی آخرت میں بھی دونوں حالتیں ہیں ایک راحت کی حالت جس کی جگہ جنت ہے دوسری تکلیف کی حالت جس کی جگہ دوزخ ہے مگر اتنا فرق ہے کہ دنیا کی ہر راحت میں الم ہے اور ہر الم میں کچھ راحت بھی مگر آخرت میں نہ راحت کے ساتھ الم ہے نہ الم کے ساتھ راحت

## اہل ایمان دوزخ میں امید و ارجات ہوں گے

سوائے ان اہل ایمان کے جو بعض گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جاویں گے کہ ان کو



وہاں تکلیفیں جو کچھ بھی ہوں مگر اتنی راحت ضرور ہوگی کہ توقع ہوگی نجات کی اور یہ امید رہے گی کہ سو برس میں ہزار برس میں دس ہزار برس میں کبھی نہ کبھی یہاں سے نکل جاویں گے سو اس گروہ کے ذکر کا یہ مقام اس لیے نہیں کہ یہ حقیقی اہل دوزخ نہیں ہیں ان کا مکان اصلی تو جنت ہے مگر کچھ نجاستوں میں آلودہ ہونے کی وجہ سے ان کو پاک و صاف کیے جانے کی ضرورت تھی اس واسطے دوزخ میں ڈالے گئے چند روز میں یہاں سے نکل جاویں گے حقیقی اہل دوزخ کفار ہی ہیں جو دوزخ کے واسطے موضوع ہیں اور دوزخ ان کے واسطے موضوع ہے قرآن شریف میں جگہ جگہ ان ہی کو فرمایا گیا ”ما ولکم النار والنار مثویٰ لہم ونحوہ“ سو ان کے واسطے واقعی دوزخ میں شائبہ بھی راحت کا نہ ہوگا بلکہ جب اہل ایمان کو کبھی نہ کبھی نجات ہو جائے گی اس وقت ان کو صاف حکم سنا دیا جائے گا کہ تم کبھی نہیں نکالے جاؤ گے اتنا جزو راحت کا بھی نہ رہا اب سوائے الم کے اور کیا رہا ہر قسم کا الم وہاں موجود ہے مگر راحت ذرا بھی نہیں درد ہر طرح کا ہے مگر طبیب نہیں دوا نہیں تیمار دار نہیں اپنے ابناء جنس کو بھی رحم نہیں آتا آیت میں صاف موجود ہے کہ اہل دوزخ اہل جنت سے لجا جت کریں گے کہ ”افیضوا علینا من الماء او مमार زقکم اللہ“ یعنی تھوڑا سا پانی یا اور کوئی نعمت جنت کی ذرا سی ہم کو بھی دیدو تو جواب ملے گا کہ ”ان اللہ حرمہما علی الکفرین“ یہ تم کو نہیں مل سکتی حق تعالیٰ نے ان کو کفار کے لیے حرام کیا ہے یہ جواب ان لوگوں کا ہے جو اہل دوزخ کے ابناء جنس ہیں یعنی آدمی ہیں مگر اس لحاظ سے اجنبی بھی ہیں کہ اب ان میں اور ان میں کوئی تعلق نہیں رہا وہ اہل جنت ہیں یہ اہل دوزخ ہیں وہ چین میں ہیں یہ تکلیف میں ہیں بلکہ درحقیقت تو ان میں اور ان میں تعلق دنیا میں بھی نہ تھا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کو ماننے والے تھے اور یہ خدا تعالیٰ کے منکر تھے وہ ان کے دشمن تھے یہ ان کے دشمن تھے ہاں کچھ وہ تعلقات دنیا کے دونوں میں تھے جو معیشت دنیا کے لیے ضروری تھے بہر حال اہل جنت اہل دوزخ سے بالکل مغائرت رکھتے ہیں اگر ان سے ایسا روکھا جواب ملے تو کچھ تعجب اور شکایت کی بات نہیں۔

## اہل دوزخ میں باہم بھی عداوت ہوگی

مگر وہاں تو اہل دوزخ میں باہم بھی تراحم نہ ہوگا یہ بھی ایک قسم کی راحت ہوا کرتی

ہے کہ ایک بلا میں ایک مجمع کا مجمع گرفتار ہو مگر ان میں باہم ہمدردی ہو اور ایک دوسرے کا شریک حال ہو اس سے وہ مصیبت کچھ نہ کچھ ہلکی ہو جاتی ہے دوزخ میں اتنی بھی راحت نہ ہوگی بلکہ ایک کا ایک دشمن ہوگا۔ چنانچہ آیا ہے:

كلما دخلت امة لعنت اختها حتى اذا اداركو افياها جميعا قالت  
اخرهم لاولهم ربنا هولاء اضلونا فاتهم عذاباً ضعفاً من النار قال  
لكل ضعف ولكن لاتعلمون وقالت اولهم لآخرهم فما كان لكم  
علينا من فضل فذوقوا العذاب بما كنتم تكسبون.

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب کوئی ایک گروہ دوزخ میں جائے گا تو دوسرے گروہ پر لعنت کرے گا اور برا بھلا کہے گا یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں پہنچ جاویں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت یوں کہیں گے کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہم کو بہکایا تھا یعنی یہ گمراہ تھے ان کی تقلید میں ہم بھی گمراہ ہو گئے۔ لہذا ان کو دونا عذاب ہونا چاہیے حکم ہوگا کہ سب کے لیے دونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں عذاب کی کچھ کمی نہیں ایک حصہ اور دوسرے سب برابر ہیں کیونکہ کوئی بھی ختم ہونے والا نہیں ایک گروہ نے تو یہ کہا دوسرا گروہ کہے گا کہ تم ہم سے کس بات میں بڑھے ہوئے ہو جیسا کیا تھا اس کی سزا بھگتو یہ اہل دوزخ کی باہم جنگ و جدل ہے اور عذاب میں تو تھے ہی یہ بھی عذاب ہی ہے کہ باہم سلوک اور ہمدردی بھی نہیں تو وہاں کی تکلیف بھی کامل تکلیف ہے جس میں کوئی شائبہ راحت کا نہیں مگر مجھ کو اس وقت وہاں کے تکلیف کے جزو کا بیان کرنا مقصود نہیں مقصود محض راحت کے جزو کا بیان کرنا ہے اور یہ دکھانا ہے کہ دنیا کی راحتوں سے وہاں کی راحت کو بڑا فرق ہے۔ پس تمام اشکالات رفع ہو کر ثابت ہو گیا کہ آیت میں اسلام کا کامل ثمرہ بتلایا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی کام پر ناقص ثمرہ کا وعدہ ہو تو اس کی طرف رغبت بھی ناقص ہوگی اور اگر کامل ثمرہ کا وعدہ ہو تو رغبت بھی کامل ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص سے ایک تو یوں کہا جائے کہ ایک گھنٹہ فلاں کام کرو تو ایک پیسہ ملے گا اور ایک سے یوں کہا جائے کہ ایک گھنٹہ فلاں کام کرو تو ایک اشرفی ملے گی۔ تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو اس کام کی طرف رغبت زیادہ ہوگی جس کی اجرت کامل ہے یعنی جس پر ایک اشرفی کا وعدہ ہے اسی طرح یہاں جب حق تعالیٰ نے اسلام کا ثمرہ کامل

بیان فرمایا اس طرح سے کہ ثمرے ہر کام کے دوہی ہوتے ہیں، نجات عن التکلیف اور حصول راحت اور یہاں دونوں کا وعدہ ہے تو اب کوئی فرد ثمرہ کا باقی نہیں رہا اور اس طرح سے ثمرہ کامل ہو گیا تو اس میں اسلام کی پوری ترغیب ہو گئی اور اس ثمرہ کا کامل ہونا یہاں تو اس طریق سے معلوم ہوا اور دوسری نصوص میں دوسرے عنوانات سے بھی مذکور ہے۔ (السلام الحق ج ۳۱)

## جنت میں نیند کی خواہش نہیں ہوگی

کچھ عجب نہیں کہ یہ لوگ جنت میں بھی نیند کی خواہش کریں اور یہ ثابت ہے کہ جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے تو نیند بھی ملنی چاہیے تو تعارض ہو گیا نصوص میں ایک نص میں ہے ”وفیہا ماتشتہیہ الانفس“ اور حدیث میں ہے کہ ”النوم اخ الموت“ (نیند موت کی بہن ہے) جس کو میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ مطلب یہ ہے کہ وہاں نیند نہ ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سب قدرت ہے وہاں نیند کی خواہش ہی نہ ہونے دیں گے اور راز اس کا یہ ہے کہ نیند فی نفسہ کوئی مرغوب چیز نہیں اور یہاں جو مرغوب ہے تو اس وجہ سے کہ یہاں جاگنے سے تکان ہو جاتا ہے اس واسطے ضرورت پڑتی ہے سب کام چھوڑ کر تھوڑی دیر آرام کرنے کی یہی حقیقت ہے نیند کی اور جہاں تکان نہ ہو وہاں اس کی کیا ضرورت ہے۔ طالب علموں کے سمجھنے کے قابل تقریر اس امر کی کہ نوم کوئی مطلوب چیز نہیں اس طرح پر ہے کہ اصل نعمت وجودی چیز ہے اور اسی بناء پر تو دنیا کو عدم سے وجود میں لایا گیا کیونکہ حق تعالیٰ کو اپنی نعمت کا اظہار مقصود تھا۔

من نکردم خلق تا سودے کنم      بلکه تا بر بندگاں جودے کنم

(تو پیدا کرنا نعمت ہو افنا کرنا اصل میں نعمت نہیں ہوا)

اور موت عدم ہے من وجہ (من وجہ اس واسطے کہا کہ عدم محض نہیں ہے) اور نیند مشابہ موت کے ہے۔ لہذا نیند بھی اصل میں نعمت نہ ہوئی اور جنت نعمتوں اور عیش کا گھر ہے تو وہاں اس کا کیا ذکر ہے اس لیے جنت میں کسی کو اس کی تمنا ہی نہ ہوگی۔ بس یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی کہنے لگے کہ جب جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو جی چاہے تو اگر کسی کا جی موت ہی کو چاہے تو یہ بھی ملنی چاہیے یا کسی کا جی لڑائی دنگے خون خرابے کو چاہے تو یہ بھی جنت میں ہونا چاہیے یہ مذاق تو ایسا ہے۔ (السلام الحق ج ۳۱)

## روزانہ اپنے محاسبہ کی ضرورت

صاحبو! ہنوز وقت باقی ہے اپنا علاج کرلو اور زادراہ جمع کرلو ”والتنظر نفس“ ایک کلیہ ہے اللہ کے بندوں نے اس کے جزئی طریقے نکال کر بتلا دیئے ہیں ان میں ایک طریقہ یہ ہے کہ دن رات میں ایک وقت تجویز کرلو اور اس وقت بیٹھ کر سوچا کرؤ سب سے اول یہ سوچو کہ خدا تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں ہم پر ہیں اس کے بعد یہ سوچو کہ ہمارا خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا برتاؤ ہے ہم اس کی نعمتوں کا کس قدر شکر ادا کرتے ہیں اور کچھ بھی نہیں تو صبح سے شام تک کے گناہ ہی گن ڈالے اس کے بعد غور کرے کہ اگر ہمارا یہ برتاؤ کسی دوسرے سے خصوصاً حاکم یا آقا سے ہوتا تو وہ کیا کرتا اور جو کچھ ذہن میں آئے اس کی بابت سوچے کہ خدا تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ یہ کر سکتا ہے اس کے بعد سوچے کہ میدان قیامت برپا ہے آفتاب قریب آ گیا ہے احکم الحاکمین کا اجلاس ہو رہا ہے نہ کوئی بیرسٹر ہے نہ کوئی وکیل ہے اور اس اثناء میں مجھے پکارا گیا ہے فرشتے آئے اور مجھ کو پکڑ کر لے گئے اور وہاں لیجا کر چھوڑ دیا اب مجھ سے میرے اعمال کی باز پرس ہو رہی ہے اور میرے پاس کوئی معقول جواب نہیں نہ کوئی ٹھکانا ہے کہ وہاں بھاگ کر پناہ لوں ہاں سامنے جہنم ہے ملائکہ گرفتار کر کے مجھ کو

پابد ستے دگرے درست بدست دگرے

جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں۔ بس یہ سوچ کر فوراً سر بسجود ہو جاؤ اور نہایت گڑ گڑا کر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور رونا نہ آئے رونے کی صورت بناؤ اور یہ دعا کرو کہ اے خدا میرے گناہوں کو معاف کر اور مجھے ہمت دے کہ مجھ سے گناہ نہ ہوں۔ یہ تو رات کو کرے اور دن میں علماء کے رسائل لے کر ان کو پڑھے اور اپنے بچوں اور بیوی کو بھی پڑھاوے۔ اگرچہ بچے انگریزی ہی پڑھتے ہوں افسوس تم لوگ اولاد کو کندہ جہنم بنانے کے لیے پرورش کرتے ہو۔ صاحبو! جب ان کا مال یہ ہوا تو ان کے پیدا ہونے سے اور پرورش ہونے سے کیا نفع ہوا اس سے تو پیدا نہ ہوتے اور بچپن میں مر جاتے تو اچھا تھا۔

مرا اے کاشکے مادر نمیزاد وگر میزاد کس شیرم نمی داد

(مجھ کو کاش کہ میری ماں نہ جنتی اور اگر پیدا کرتی کوئی مجھ کو دودھ نہ دیتا اور ان رسائل

میں جہاں شبہ ہو اس کو علماء سے حل کرلو) (فضائل العلم ج ۳۱)



# سیاست

- ☆ سلطنت کی حقیقت
- ☆ جمہوری نظام کا شرعی جائزہ
- ☆ مروجہ سیاست کی اصلاح
- ☆ معاملات و معاشرت
- ☆ سیاسیات کس طرح دین کا حصہ ہیں
- ☆ کثرت رائے کی حقیقت
- ☆ جیسے عنوانات پر منتخب جواہرات

## سلطنت کی حیثیت

ایک بادشاہ نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ اگر آپ کسی موقع پر راستہ بھول جائیں اور وہاں پیاس معلوم ہو اور تشنگی بے چین کر رہی ہو اور ایک شخص پانی لے کر آئے اور کہے کہ میں یہ کٹورہ پانی کا آدھی سلطنت کو فروخت کرتا ہوں تو آپ اسے خرید لیں گے؟ بادشاہ نے کہا بلا شک میں آدھی سلطنت میں اس ایک کٹورہ پانی کو خرید لوں گا۔ بزرگ نے کہا اگر اسی طرح کبھی آپ کا پیشاب بند ہو جائے اور کوئی شخص یہ کہے کہ میں نصف سلطنت کے معاوضہ میں پیشاب کا بند کھولتا ہوں تو آپ اس پر راضی ہو جائیں گے؟ کہا بیشک! بزرگ نے فرمایا کہ آپ کی سلطنت کی کیا قیمت ہوئی! ایک کٹورہ بھر پانی اور پیشاب؟ ایسی قیمت کی چیز پر نخوت و غرور کرنا اور دوسروں کو حقیر و ذلیل خیال کرنا کہاں تک درست کہا جاسکتا ہے۔ (تذکیرۃ الآخرۃ ج ۱)

## لیڈر کی نماز

آج کل ایک لیڈر ہیں جو پہلے تو بے نمازی ہی تھے مگر اب چند روز سے وہ نمازی ہو گئے ہیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ ایک مرتبہ اسٹیشن پر اتر کر موٹر میں سوار ہوئے۔ نماز کا وقت تھا تو موٹر ہی میں بیٹھے بیٹھے آپ نے نماز شروع کر دی۔

انہیں لیڈر کا ایک قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز کا وقت آیا۔ پانی موجود نہ تھا تیمم کی ضرورت ہوئی۔ آپ کو تیمم کا طریقہ تو معلوم نہ تھا اور کسی سے اس لئے نہیں پوچھا کہ لیڈر اور مقتدا ہو کر کسی سے پوچھنا عیب کی بات ہے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ اچھا لیڈر ہے جسے تیمم کا قاعدہ بھی معلوم نہیں۔ غرض خود ہی تیمم شروع کر دیا۔ سب سے پہلی حرکت تو آپ نے یہ کی کہ مٹی لے کر ہاتھ کو ملی جس طرح پانی کو ملا کرتے ہیں۔ حالانکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر مٹی کو جھاڑ کر پھر ملنا چاہیے۔ شریعت نے بدن کو بھبھوت ملنے سے منع کیا ہے کیونکہ

یہ مسئلہ ہے جس سے انسان کی صورت بگڑ جاتی ہے۔ سبحان اللہ! کس قدر رعایت ہے کہ تمہاری صورت بھی بگاڑنا نہیں چاہتے۔ تو ان لیڈر صاحب نے اول تو مٹی کو پانی کی طرح ہاتھ پر بہایا۔ پھر منہ میں بھی مٹی دی گویا آپ نے مٹی سے کلی کرنا چاہی۔ اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور سب کو ان کی جہالت معلوم ہو گئی۔ اس سے تو یہی اچھا ہوتا کہ وہ پہلے سے چپکے سے ایک آدمی سے پوچھ لیتے کہ تیمم کا طریقہ کیا ہے۔ اگر جہالت ظاہر ہوتی تو ایک آدمی پر ظاہر ہوتی یا دوسروں کے تیمم کو دیکھ لیتے۔ مگر آپ نے اجتہاد سے کام لیا جس سے سب کو معلوم ہو گیا کہ بالکل ہی جاہل ہے۔ اس پر بھی وہ مسلمانوں کے پیشوا اور لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ (تعمیم التعليم ج ۲)

## امارت و سیادت

حکومت وہ چیز ہے کہ حضرات سلف تو اس سے بھاگتے تھے، ماریں کھاتے تھے اور قبول نہ کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے آپ مقلد کہلاتے ہیں اسی پر شہید کئے گئے۔ خلیفہ وقت نے ان کو کئی دفعہ عہدہ قضا پر مامور کیا مگر انکار کر دیا کیونکہ ان کو یہ حدیث یاد تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من جعل قاضیا فقد ذبح بغير سكين. (المسند الامام احمد

۲: ۳۶۵، شرح السنة للبغوی ۱۰: ۹۲)

یعنی جو شخص قاضی بنا دیا گیا وہ بدوں چھری کے ذبح کر دیا گیا۔ اس لئے امام صاحب عذر کرتے تھے۔ آخر اسی بات پر امام صاحب قید کئے گئے اور قید خانہ ہی میں زہر دے کر شہید کیے گئے۔ یہ سب کچھ گوارہ تھا مگر حکومت منظور نہ تھی۔

صاحبو! سلف کی یہ حالت تھی کہ جب خلفاء کسی عالم کو قاضی بنانا چاہتے اور وہ قضا کی مذمت اور وعید میں ان کو احادیث سناتے تو سلاطین ان کی خوشامد کرتے تھے کہ اچھا، ہم تم کو چھوڑ دیتے ہیں مگر اللہ یہ باتیں دوسروں سے نہ کہنا ورنہ سب لوگ قضا کو چھوڑ دیں گے۔ لیکن یہ وعیدیں اسی حاکم کے لئے ہیں جو حکومت کے حقوق ادا نہ کرے اور جو عدل و انصاف کا اہتمام کر کے اس کے حقوق ادا کرے تو اس کے لئے قیامت میں عرش کا سایہ بھی ہے۔ (خیر الارشاد لحقوق العباد ج ۴)

## احساس ذمہ داری

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ دوپہر کو سخت گرمی میں سر پر چادر ڈالے ہوئے ایک اونٹ کی تلاش میں جا رہے تھے۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بالا خانے پر بیٹھے تھے۔ دور سے دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ شاید امیر المؤمنین جا رہے ہیں۔ جب قریب آئے تو پکارا اے امیر المؤمنین! آپ اس دھوپ اور لو میں کہاں جا رہے ہیں۔ فرمایا: بیت المال کا ایک اونٹ گم ہو گیا ہے اس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ عرض کیا کہ تھوڑی دیر کے بعد بھی تلاش ممکن تھی اس دھوپ میں کیوں تکلیف کی۔ فرمایا: جہنم کی آگ اس سے بھی سخت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اچھا میں اپنے غلام کو بھیج دیتا ہوں آپ یہاں آرام کیجئے۔ فرمایا کہ قیامت میں تم سے یا تمہارے غلام سے باز پرس نہ ہوگی۔ بیت المال کے متعلق باز پرس تو مجھی سے ہوگی اس لئے میں اپنی رہائی کی فکر میں خود ہی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ فرما کر تشریف لے گئے اور دوپہر کی دھوپ ہی میں اس کو تلاش کیا۔

عرب کی گرمی اور دھوپ مشہور ہے۔ اندازہ کر لیجئے کیسی سخت دھوپ ہوگی مگر امیر المؤمنین اس وقت خود تلاش کے واسطے نکلے، دوسروں پر بھی بھروسہ نہ کیا تو حضرت جن کو حکومت میں جہنم سے بچنے کا خیال ہے وہ ایسی ایسی تکالیف برداشت کر کے حکومت کرتے ہیں۔ آپ نے اس کو منہ کا نوالہ سمجھا ہے اور باوجودیکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدل و انصاف و جفاکشی کی یہ حالت تھی کہ دنیا میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے اور خود حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فخر تھا کہ میں نے ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنایا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا تو ایک شخص نے کہا اے ابو بکر! تم نے مسلمانوں پر ایک سخت مزاج شخص کو خلیفہ بنادیا، خدا کو اس کا کیا جواب دو گے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فخر کے ساتھ فرمایا کہ تو مجھے کیا ڈراتا ہے اگر مجھ سے سوال ہوا تو میں حق تعالیٰ سے عرض کروں گا کہ میں نے ایسے شخص کو خلیفہ بنایا تھا کہ روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی نہ تھا۔

صاحبو! خدا کے یہاں ایسی ویسی بات نہیں چل سکتی، خدائے تعالیٰ کے سامنے پکی ہوئی بات کوئی کہہ سکتا ہے، پس حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی وثوق تھا جو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حق تعالیٰ کے سامنے شہادت دینے کو تیار تھے مگر اس پر



بھی کسی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصال سے دس یا پندرہ سال بعد خواب میں دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے آرہے ہیں، پوچھا: اے امیر المؤمنین! آپ کا کیا حال ہے فرمایا: عمر قریب بہلاکت ہو گیا تھا، مرنے کے بعد سے جو حساب شروع ہوا ہے تو آج حساب سے فراغت ہوئی ہے۔ الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔

تو حضرت حکومت کوئی مزہ کی چیز نہیں ہے جس کو جتنی بھی حکومت حاصل ہے اسی قدر اس کے ذمہ حقوق ہیں جن کا ادا کرنا اس کے ذمہ لازم ہے۔ پس حکام پر لازم ہے کہ جو شخص ان سے ملنے آئے اس کو جائے امن تک پہنچائیں تاکہ عملہ والے اس کو پریشان نہ کریں یہ تو جان و مال کے حقوق تھے۔ (خیر الارشاد للحقوق العباد ج ۴)

## دین میں قطع و برید

ابھی ایام تحریکات میں ایک بڑا ہندو جیل خانہ میں گیا تھا پھر اخباروں میں مشہور ہوا کہ وہ جیل خانہ سے جیل خانہ میں بھی پہنچ گیا یعنی وہ قرآن کا مطالعہ کر رہا ہے گویا وہ بھی قرآن سمجھنے کے قابل اور استنباط احکام کا اہل ہو گیا اور صاحب ایک ہندو کا عالم ہو جانا کیا تعجب ہے جب کہ اس کے لئے نبوت تک کی تجویزیں ہو رہی تھیں تو مولویت کا درجہ تو کم ہی ہے چنانچہ ایک ایسے شخص کا مقولہ اخبار میں شائع ہوا تھا جو دوسرے لیڈروں کی طرح آزاد بھی نہیں بلکہ تہجد گزار پابند صوم و صلوٰۃ ہیں جن کی داڑھی بہت لمبی ہے اور پانچامہ بھی بہت اونچا رہتا ہے ان کا اس ہندو کے متعلق یہ مقولہ ہے کہ اگر نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو یہ شخص مستحق نبوت ہوتا اللہ خیر کرے اگر یہی ترقی ہے تو شاید کل یہ کہیں گے کہ اگر یہ بشر نہ ہوتا تو مستحق خدائی ہوتا۔ نعوذ باللہ! کیونکہ دونوں میں کچھ بھی فرق نہیں نہ یہاں استلزام ہے نہ وہاں اگر محض قضیہ شرطیہ کے ساتھ کافر کو باوجود مانع کفر کے مستحق نبوت کہنا کفر نہیں تو پھر کفر نہ ہونا چاہیے افسوس کیا انتہا ہے اس اندھیر کا گویا نبوت کے لئے ایمان کی بھی شرط نہیں رہی تقویٰ اور ورع تو الگ رہا۔ (المورد الفریخی فی المولد البرزخی ج ۵)

## مقام ادب اور تعمیل حکم

داراشکوہ اور عالمگیر میں اختلاف تھا اور ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ تخت و تاج میرے قبضہ میں ہو

اور اس کی مختلف تدابیر میں مصروف رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ داراشکوہ کو ایک صاحب حال درویش کا پتہ لگا۔ اس کی خدمت میں جا کر مودب کھڑا ہو گیا اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں بیٹھنے کو کہا داراشکوہ نے ادب کے سبب عذر کر دیا کیونکہ یہ درویشیوں کے بے حد معتقد تھے خیر وہ اپنی جگہ بیٹھ گئے پھر داراشکوہ نے تخت کے واسطے کہا درویش صاحب نے فرمایا میں تو تخت پر بٹھلاتا تھا مگر تو نے انکار ہی کر دیا بہت افسوس ہوا اور اس نے کسی سے نہیں کہا کہیں عالمگیر کو خبر نہ ہو جائے۔

پھر ان صاحب حال کا عالمگیر کو پتہ چلا داراشکوہ تو جاہل تھے اور عالمگیر عالم تھے گو داراشکوہ کتابی علم رکھتا تھا مگر اس کی حقیقت صرف زبان دانی ہے زبان دانی دوسری چیز ہے اور علم دوسری چیز زبان دان تو سب سے زیادہ عرب میں ابو جہل تھا (ابن جہل بھی نہیں) غرض جب عالمگیر ان کے پاس پہنچے تو وہ تعظیم کو کھڑے ہو گئے اور اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں سے بھی بیٹھنے کو کہا یہ بے تکلف جا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ تخت و تاج دلوائیے فرمایا تخت پر تو تم بیٹھے ہی ہو اور تاج میرے قبضہ میں نہیں ہے پوچھا وہ کس کے متعلق ہے کہا وہ تمہارے فلاں خدمت گار کے قبضہ میں ہے وہ اگر تمہارے سر پر ٹوپی یا عمامہ رکھ دے تو بس تاج مل گیا دیکھئے ایک خدمتگار کو تاج بخشی کی طاقت حاصل تھی۔

میں حقیر گدایان عشق را کیس قوم      شہان بے کمر و خسروان بے کلمہ اند  
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی میں      کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کم  
خاکساران جہاں را حقارت منگر      توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد  
گدایان عشق کو حقیر نہ سمجھو کہ یہ لوگ بے تاج و تخت اور پٹکے کے بادشاہ ہیں۔ میں عشق و معرفت کے کوچہ کا گدا ہوں لیکن مستی کے وقت دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں۔  
خاکسار لوگوں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو کہ ان میں کوئی اہل دل صاحب حال ہو۔

انہوں نے اس خدمت گار کا نام وغیرہ پورا پتہ بتا دیا۔ پھر مکان پر واپس آ کر اس خدمت گار کو بلایا اسی آن بان سے اور اسی صولت و شکوت سے جب وہ آیا کہا وضو کے واسطے پانی لاؤ زبردستی وضو کرنا شروع کر دیا نہ وقت تھا نہ ضرورت تھی عمامہ اتار کر علیحدہ کر دیا پھر تولیہ منگایا اس کے بعد کہا ہمارے سر پر یہ عمامہ رکھ دو اس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا میری کیا مجال عمامہ کو ہاتھ لگاؤں اس نے ڈانٹ پلائی کہ نہیں جو ہم حکم دیتے ہیں کرنا پڑے گا۔

جناب زبردستی اس سے تاج لے لیا اور بیچارہ عمامہ رکھ کر اس فقیر کو کوستا ہوا چلا گیا کہ خدا اس فقیر کا ناس کرے جس نے مجھے رسوا کیا۔ یہ مضمون استطراداً اس شعر کی تفسیر پر آ گیا تھا۔  
 بجائے بزرگاں بناید نشست۔ (الاعتصام بحبل اللہ ج ۶)

## قرآن اور جمہوری نظام

قرآن شریف میں مشورہ کی تاکید ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کرنا وہی جو اپنی سمجھ میں آ جاوے۔ حضرت قرآن شریف میں سب کچھ ہے اس کی شان ہے تبیاناً لکل شئیء کوئی ضروری بات ایسی نہیں ہے جو اسکے اندر نہ ہو۔ چنانچہ قرآن شریف میں مشورہ کا بھی امر ہے و مشاورہم فی الامر کہ آپ مشورہ کیجئے اور آگے یہ بھی ہے فاذا عزم فتوکل علی اللہ یعنی جب خود آپ کا قصد ہو جائے تو آپ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس کام کو کر ڈالئے یہ نہیں فرمایا فاذا عزموا کہ وہ جب عزم کریں یا فاذا عزم اکثر بہ کہ ان میں سے اکثر عزم کریں۔ مطلب یہ ہے کہ مشورہ تو ان سے کیجئے اور عزم اپنا ہو کہ مشورہ کے بعد جس بات پر آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے۔

یہاں سے سلطنت جمہوری کا قلع قمع ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جدھر کثرت رائے ہو اس جانب کو لیا جاوے سو قرآن شریف کی تعلیم اس کے خلاف ہے ورنہ یوں ہوتا فاذا عزم اکثرہم مگر یہ نہیں فرمایا بلکہ فاذا عزم فرمایا کہ جب آپ کا عزم ہو تب کیجئے۔

خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ مشورہ تو سب کا ہو اور عزم آپ کا ہو مشورہ کے بعد جو آپ کی رائے ہو وہ کیجئے دوسروں کی رائے پر عمل کرنا آپ کو لازم نہیں ہے۔ اگرچہ وہ اہل ہی ہوں اور آج کل کے تو اہل الرائے ماشاء اللہ اہل بھی نہیں ہوتے۔ (احکام المال ج ۸)

## حکومت ذمہ داری ہے

حدیث میں آیا ہے کہ جو حکومت کی درخواست کرے ہم اس کو کبھی حکومت نہ دیں گے راز اس میں یہ ہے کہ حکومت بڑی ذمہ داری کی چیز ہے اور بڑا بوجھ اٹھانا ہے اگر دس پر حاکم ہے تو دس کا بوجھ اٹھانا اور پچاس پر حاکم ہے تو پچاس کا بوجھ اٹھانا اور ایک پر حاکم ہے تو ایک کا بوجھ اٹھانا اور یہ بوجھ اٹھانا اور ان کی راحت کی فکر کرنا نہایت دشوار کام ہے جیسا تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مقام پر پہنچے آپ کو ایک خیمہ جنگل میں نظر آیا آپ اس خیمہ کے باہر کھڑے ہو گئے دیکھا کہ اس میں بچوں کے رونے کی آواز آ رہی ہے اور گو یہ تجسس تھا مگر امام وقت کو تفتیش اور تجسس جائز ہے دوسرے کو جائز نہیں۔ غرض آپ کو معلوم ہوا کہ ایک خاندان باہر سے آ کر ٹھہرا ہے ان کے بچے بھوک سے چلا رہے ہیں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ بی بی نے ایک خالی دیکھی چڑھا رکھی ہے اور بچوں سے کہہ رہی ہے کہ سو جاؤ کچھ دیر میں کھانا پکا کر تمہیں اٹھالیں گے۔

اس حالت کو دیکھ کر آپ بے حد دل گیر ہوئے پھر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے وہاں کوئی فیشن تو تھا نہیں جس سے شناخت ہوتی معمولی وضع سے جو کھڑے ہوئے تو کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کون ہیں۔ آپ نے ان سے خود فرمایا کہ عمر کے پاس جا کر اپنے حال کی اطلاع کرو۔ وہ تمہیں کھانے پینے کا سامان دیں گے تو وہ عورت کہتی ہے سبحان اللہ! یہ ہمارے ذمہ ہے یا ان کے ذمہ ہے کہ وہ خود ہماری خبر رکھیں۔ انہوں نے خلافت کیوں اختیار کی ہے جب ان سے انتظام نہیں ہو سکتا آپ نے کہا کہ عمر غیب دان نہیں ہے ایک شخص تمام باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا اس عورت نے کہا کہ پھر کیوں خلافت کا منصب اختیار کیا ہے چھوڑ دیا ہوتا۔ بس یہ سن کر آپ واپس ہوئے اور رات ہی کو بیت المال کا قفل کھولا اور کچھ آٹا اور جنس اپنے ساتھ لیا غلام نے کہا کہ یہ سامان میرے حوالے کیجئے میں لے چلوں گا تو آپ فرماتے ہیں۔

لا تزد وازدة و زداخري فرمایا یہاں کا بوجھ اٹھانا سہل ہے آخرت کا بوجھ اٹھانے سے۔

آپ لے کر وہیں پہنچے اور ان سے کہا کہ اس کو کھاؤ پیو۔

میں نے ایک تاریخ میں دیکھا ہے کہ اسی طرح آپ شب کے وقت ایک بار گشت کرتے پھر رہے تھے ایک خیمہ دیکھا اور اس میں سے دردناک آواز سنی تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ ایک عورت کے درد زہ ہو رہا ہے۔ آپ نے کہا کہ تم نے کسی دایہ کو نہیں بلایا وہ لوگ بولے ہم پردیسی ہیں ہمارے پاس کون ہے بلانے والا بس آپ فوراً اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی کو وہاں لائے اور ان سے کہہ دیا کہ یہ ظاہر نہ کرنا کہ میں خلیفہ کی بیوی ہوں اس کے جتلانے کی ضرورت نہیں غرض یہ کہ بچہ پیدا ہوا اور ان کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکل گیا۔

ابشر یا امیر المومنین بشارت ہو آپ کو یا امیر المومنین!



اس سے ان لوگوں کو پتہ چل گیا کہ یہ امیر المومنین ہیں خیال تو فرمائیے کہ یہ خلیفہ کی بیگم ہیں۔ (احکام الجاہ ج ۸)

## حصول اقتدار کیلئے سعی

اگر کسی زمانہ میں کسی شخص کو اپنی نسبت یہ معلوم ہو کہ میں اپنے بھائیوں کو راحت پہنچا سکتا ہوں اور مخلوق اگر کسی دوسرے کے قبضہ میں پہنچے گی تو راحت نہیں مل سکتی اور اس کو بھروسہ ہو کہ میں آرام پہنچا سکتا ہوں اور شریعت کے موافق حکومت و انتظام کر سکتا ہوں اور اس کو مال و جاہ کی بالکل پرواہ نہ ہو تو ایسے شخص کو اب بھی حکومت کی درخواست کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اور ہمارے نزدیک عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی سلطنت کے لئے سعی کرنا بھی اسی وجہ سے تھا یا یہ صورت ہو کہ کوئی حاکم نہ ہو تو غیر قوم سے ہو جائے گا اور اس صورت میں مسلمانوں کی بری گت بنائی جائے گی تو درخواست کرنا حکومت کی اس صورت میں بھی جائز ہے مگر اس میں بھی دو شرطیں ہیں۔

ایک یہ کہ مال مقصود نہ ہو۔ دوسرے جاہ مقصود نہ ہو۔

حکومت میں بڑی مشقت اور دلسوزی کرنی پڑتی ہے یہ آسان کام نہیں ہے۔ حاکم اگر قصد کرے مخلوق کی نفع رسانی کا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے تمام کاموں میں مدد ہوتی ہے مگر دلسوزی کی ضرورت ہے میں تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں مشائخ کو بھی اطباء کو بھی عہدہ داروں کو بھی کہ دوسروں کو وہی شخص راحت پہنچا سکتا ہے جو اپنے اوپر تکلیف اٹھائے اور جو شخص خود آرام کا طالب ہو گا وہ شخص دوسروں کو آرام نہیں پہنچا سکتا۔ (احکام الجاہ ج ۸)

میرے ذوق میں اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو سلطنت دی گئی تھی تو اس کے ساتھ ان کی یہ خاص تسلی بھی حقوق ادا ہو سکنے یا نہ ہو سکنے کی کردی گئی تھی ارشاد ہے۔ **هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** کہ یہ ہماری عطا ہے خواہ کسی پر احسان کرو یا جمع کرو۔ یعنی عطا و امساک بالکل تمہارے اختیار میں ہے آپ پر کسی قسم کی پابندی نہیں تم سے اس کا کوئی حساب نہ ہو گا اس تسلی کے بعد ان کو سلطنت سے گرانی نہیں ہوئی ورنہ گھبرا جاتے اور ایک دن بھی بادشاہت نہ کر سکتے۔

اس آیت پر ایک بات یاد آگئی کہ آج کل تعلیم جدید والے ترقی دنیا پر اس سے دلیل

پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کیا سلیمان علیہ السلام بادشاہ نہ تھے معلوم ہوا ترقی دنیوی محمود ہے اول تو ان لوگوں کو تمام انبیاء علیہم السلام میں دلیل پکڑنے کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام ہی ملے ہیں میں کہتا ہوں کیا اور انبیاء علیہم السلام دنیا میں نہیں ہوئے ان کے حالات بھی لینے چاہیں دیکھ لیجئے کہ ان میں سے اکثر کی بلکہ قریب قریب کل انبیاء علیہم السلام کی کیا حالت تھی سب کی حالت قریب قریب فقر کی رہی ہے دوسرے خود یہ استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ حکمت الہیہ سے ہر زمانہ کا ایک خاص مقتضا ہوتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بڑے بڑے جبار اور متکبر بادشاہ تھے اس وقت کا مقتضا یہی تھا کہ نبی کو بطور معجزہ ایسی سلطنت دی جاوے جس کا سب لوہا مان لیں اسی واسطے جانوروں اور ہوا تک پر ان کو حکومت دی گئی کہ تمام بادشاہ پست ہو گئے پس سلطنت ان کا معجزہ تھا یہ راز تھا ان کی سلطنت میں ترقی دنیا مطلوب نہ تھی چنانچہ اس حالت میں بھی حسب نقل عارف رومی

زار سلیمان خویش را مسکین بخواند

یعنی آپ اپنے کو مسکین ہی کہا کرتے تھے اور اپنی ذات کے لئے بادشاہی سامان سے کام نہ لیتے تھے بلکہ حسب نقل بہشتی زیور اپنی دستکاری زنبیل سازی کے پیسوں سے کھاتے پیتے تھے اور بادشاہ سے گھبراتے تھے کہ مبادا حقوق کی ادائیگی میں کمی رہ جائے اس لئے آپ کے بارے میں ارشاد ہوا۔

فامن او امسک بغیر حساب پس خواہ کسی پر احسان کرو یا بے اندازہ جمع کرو۔ کہ ہم ان حقوق کے متعلق آپ سے حساب نہ لیں گے آپ نہ گھبرائیے۔ (خیر المال للرجال ج ۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے من جانب اللہ حق پوچھا گیا کہ اگر آپ کہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے احد پہاڑ کو سونا کر دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہا کریں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ مجھ کو تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت ہو تو کھا کر آپ کا شکر بجالاؤں۔ اور جب نہ ہو تو آپ سے مانگوں۔ غریب متروک دنیا ہوتا ہے۔ آپ تارک دنیا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں سلطنت تھی۔ آپ کو سلطنت کے اختیارات تھے۔ سو اس کو غریب نہیں کہتے۔ (وعظ الحیوۃ ج ۸)

لوگ یا تو اپنا علاج خود تجویز کریں یا شیخ تجویز کرے۔ دو ہی صورتیں ہیں۔ مگر شیخ کی

تجویز کرنے میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ شیخ طیب ہے علاج کو خوب سمجھتا ہے اس لئے اس کا علاج تجویز کیا ہوا اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ دوسرے اپنے ہاتھ سے اپنے نفس پر چھری چلانا مشکل ہے نشتر لگانا مشکل ہے جیسے محسود کے خود پاؤں دبانا مشکل ہے اور جب شیخ نے کہا کہ پاؤں دباؤ تو اب آسان ہو جاوے گا شیخ کے کہنے کے بعد اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر طبع سلیم ہو تو خود بھی علاج سمجھ سکتا ہے مگر پھر بھی شیخ کی تجویز میں جو برکت ہے وہ کہاں سے لائے گا۔

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند  
”جو شخص بھی چہرہ کو برافروختہ کرے لازم نہیں کہ وہ دلبری بھی جانتا ہو جیسے جو شخص بھی آئینہ بناتا ہو لازم نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو“۔ (ایضاً)

## باہمی جھگڑے

پہلی تحریکات میں ہمارے ہی بھائیوں نے بعض مسلمانوں کی طرف سے ایسے جھوٹے الزامات عائد کئے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا مصداق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً وہ مسلمان جس کی حالت کا عرصہ دراز تک تجربہ بھی کر لیا گیا ہو پھر ان باتوں کا انجام فساد ذات البین ہوا کہ دوستوں اور بھائیوں کی عداوت اور بغض پیدا ہو گیا اور فساد ذات البین وہ بلا ہے جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم و فساد ذات البین فانہما ہی الحالقة لا اقول تحلق الشعر بل تحلق الدین۔

یعنی مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرماتے ہیں کہ فساد ذات البین کو اپنے سے دور رکھو کیونکہ یہ مونڈنے والی چیز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔ یاد رکھو مصائب میں حدود شرع سے تجاوز کرنا اعلیٰ درجہ کی بے صبری ہے صابر وہی ہے جو ایسے مواقع میں شریعت پر جمار ہے اور کوئی کام خلاف مرضی حق نہ کرے ایسے ہی صابرین کے لئے بشارت ہے اور انہی لوگوں کی فضیلت احادیث و قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ (حقیقت المصبر ج ۹)

## کثرت رائے کی حقیقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نقشہ جنگ کا اس طرح انتظام فرمایا کہ اس گھائی پر ایک

دستہ فوج مقرر فرما دیا کہ اس طرف سے کفار نہ آسکیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو کفار پر حملہ کا حکم دیا تو تھوڑی ہی دیر میں کفار کو شکست ہوئی (اور ان کا جھنڈا زمین پر گر پڑا۔ سات دفعہ اس کو اٹھایا گیا۔ مگر ہر دفعہ سرنگوں ہوا اور کفار بری طرح بھاگے) اب اس دستہ فوج میں جو گھائی پر متعین تھا، اختلاف ہوا۔ اکثر کی رائے یہ ہوئی کہ اب ہم کو یہاں رہنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے بھائیوں کو پورا غلبہ حاصل ہو چکا ہے اور وہ کفار کے تعاقب میں جا رہے ہیں۔ ہم کو بھی اب جہاد و غنیمت میں حصہ لینا چاہئے۔ ان کے افسر نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہاں سے بدوں اجازت کے ہٹنے سے منع فرما دیا ہے تم کو یہاں سے نہ ہٹنا چاہئے۔ مگر مجردس پانچ آدمیوں کے کسی نے افسر کی رائے نہ مانی۔ اور زیادہ تعداد وہاں سے ہٹ کر قتال و غنیمت میں مشغول ہو گئی۔ یہاں سے آپ کو کثرت رائے کی حقیقت واضح ہو کہ کثرت رائے کا ہمیشہ حق پر ہونا ضروری نہیں۔ (السر بالصرح ۹۷)

## حاکم کی اطاعت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجذوم عورت کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ”یا امۃ اللہ اقعدی فی بیتک ولا تؤذی الناس“ یعنی اے خدا کی بندی اپنے گھر بیٹھ اور لوگوں کو تکلیف مت دے وہ طوعاً کرہاً چلی گئی۔ چند سال کے بعد دیکھا گیا کہ پھر آ رہی ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا مگر اس کو خبر نہ تھی ایک شخص نے اس سے کہا ”بشری فقد مات ذاک الرجل“ یعنی اب دل کھول کر طواف کر لے کیونکہ عمر (جنہوں نے منع کیا تھا) وفات پا چکے ہیں اس نے بہت تاسف کیا اور انا اللہ پڑھا اور کہا میں اب آئندہ طواف نہ کروں گی۔ اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ ہوتے تو طواف کرتی میں ان کو مردہ سمجھ کر نہیں آئی تھی بلکہ زندہ سمجھ کر آئی تھی طواف کے شوق نے مجھے مجبور کیا اور میں نے جی میں کہا کہ طواف کروں گی بہت سے بہت یہ سزا ہو جاوے گی۔ عمر ایسا شخص نہ تھا کہ زندگی میں تو اس کا حکم مانا جاوے اور مرنے کے بعد نہ مانا جاوے یہ کہہ کر چلی گئی۔ یہ تھی اطاعت حاکم کی اور یہ تھا مسلمانوں کا باہم ارتباط اور تعلق جس کی نظیر ملنا مشکل ہے حتیٰ کہ ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ بعض لشکروں کے امیر نے حکم دیا کہ سپاہی آگ میں کود پڑے اور وہ کودنے کے لیے تیار ہوئے (یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا ہے) اس لشکر میں فقہاء صحابہ بھی



تھے۔ انہوں نے ان کو دینے والوں کو پکڑا اس قاعدہ کے موافق ”لا طاعة للمخلوق فی معصیۃ الخالق“ (اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مخلوق کی طاعت منہی ہے) اور مجمع مرکب از مجاذیب و سالکین تھا پھر یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سالکین مانعین کی تصویب فرمائی، غرض وہ بی بی واپس چلی گئی۔ (اوج فتوح ج ۱۱)

### مذہب اور سیاست

مذہب میں بھی سیاسیات کا بہت بڑا حصہ ہے مگر وہ سب مذہب کے تابع ہے اور وہ سیاسیات خالص مذہبی سیاسیات ہیں ان میں غیر مذہب کا دخل ہرگز نہیں ہو سکتا اگر ان حضرات کے نزدیک پہلی تحریکات مذہبی سیاسیات میں داخل تھیں تو ان کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ تحریک انسداد ارتداد خالص مذہبی تحریک ہے اس میں سب کو شریک ہونا چاہیے۔ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تحریک خالص مذہبی نہ تھیں تو پھر وہ مذہبی سیاسیات میں بھی داخل نہ تھیں۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

### مشروعیت جہاد کی علت

جہاد حفاظت اسلام کے لئے مشروع ہوا ہے نہ کہ اشاعت اسلام کیلئے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ لوگ اس فرق کے نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جہاد کی مثال آپریشن جیسی ہے کیونکہ مادے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک متعدی ایک غیر متعدی۔ جو مادہ غیر متعدی ہوتا ہے اس کو تو محلات اور ام کے ذریعہ سے دبا دیا جاتا ہے۔ کوئی مرہم لگا دیا۔ مالش کر دی جس سے وہ دب گیا اور متعدی مادہ کے لئے آپریشن کیا جاتا ہے۔ اس کو چیر کر نکال دیا جاتا ہے۔ اسی طرح دشمنان اسلام دو طرح کے ہیں بعض تو وہ جن سے صلح کر لینی مناسب ہوتی ہے۔ وہ صلح کر کے مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان سے تو صلح و مصالحت کر لی جاتی ہے۔ بعض ایسے موذی و مفسد ہوتے ہیں کہ صلح پر آمادہ نہیں ہوتے۔ یہ مادہ متعدیہ ہے۔ ان کے واسطے آپریشن کی ضرورت ہے اسی کا نام جہاد ہے۔ پس جہاد سے لوگوں کو مسلمان بنانا مقصود نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہے۔ (ایضاً)

### موجودہ سیاست

محکمہ تعلیم اور محکمہ مال تمام کاموں کی جڑ ہے۔ اگر محکمہ تعلیم نہ رہا تو آئندہ کام

کرنے والے کیوں کر پیدا ہوں گے اور محکمہ مال نہ رہا تو چندہ کون دے گا۔ پس یہ کیسی حماقت تھی ان لوگوں کی جو مدرسوں اور خانقاہوں کو ایک ذرا سے کام کے واسطے بند کرنا چاہتے اور سب مسلمانوں کو اسی میں لگانا چاہتے تھے۔ افسوس یہ لوگ اپنے کو سیاست دان سمجھتے ہیں مگر واللہ ان کو سیاست کی ہوا بھی نہیں لگی۔

صاحبو! سیاست کو بھی وہی لوگ زیادہ جانتے ہیں جن کو تم دنیا سے بے خبر اور تاریک خیال کہتے ہو۔ کیونکہ وہ شریعت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں اور شریعت نے سیاست کے اصول سب سے بہتر بتلائے ہیں۔ پس تبلیغ میں بھی یہ صورت نہ ہونا چاہیے۔ کہ علماء سب کے سب آگرہ ہی میں جا گریں۔ بلکہ اصول سے کام کرنا چاہیے۔ میں نے بتلا دیا ہے کہ تبلیغ کے مختلف شعبے ہیں۔ خطاب عام و خطاب خاص اور خطاب بالمخصوص اور خطاب بغیر المخصوص بس خطاب عام اور خطاب بغیر المخصوص تو علماء ہی کریں اور خطاب بالمخصوص کے ساتھ ہر مسلمان تبلیغ کا کام کر سکتا ہے اور اسی لئے تبلیغ کا امر سب کو دیا گیا ہے۔ (التواصی بالحق ج ۱۳)

## تعلیم اعتدال

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جب تم کسی کو ایسی حالت میں دیکھو۔ کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہو کہ بہت کام کرتا ہے۔ اس کو شمار میں نہ لاؤ اور جس کو اعتدال سے کام کرتا ہو ادیکھو۔ فار جوہ اس سے امید رکھو۔ کہ ان شاء اللہ یہ کامیاب ہوگا۔

شریعت کی تعلیم تو یہ ہے۔ مگر آج کل کچھ مذاق ایسا بدلا ہے۔ کہ اظہار و اشتہار و ٹیپ ٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہیں جانتے۔ یاد رکھو جوش سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ ہوش سے کام چلتا ہے۔ پس جوش اور ہنگامہ کی ضرورت نہیں۔ ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کا وہی طریقہ ہے کہ جس سے جتنا ہو سکے بس اللہ کا نام لے کر شروع کر دے۔ (ایضاً)

## ہوس اقتدار

حکومت دنیوی کی نسبت حدیث میں ہے کہ جس کی دس آدمیوں پر بھی حکومت ہوگی، قیامت میں اس کو مشکلیں کس کر لایا جاوے گا۔ اگرچہ اس کے بعد چھوٹ ہی جاوے آج اس

کی درخواست کی جاتی ہے اس کے لئے روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ ہم میں اگر صاحب حکومت نہ ہوں گے تو قوم تباہ ہو جائے گی۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ حاکم ہوں۔ لیکن کون شخص ہو اس کا فیصلہ خود حدیث میں موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں  
 الْقَضَاءُ ثَلَاثَةٌ اِثْنَانِ فِي النَّارِ وَ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ ط (سنن ابن ماجہ: 4196، الدر المنثور: 26513)

(قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ان میں دو قسمیں دوزخی ہیں صرف ایک قسم جنتی ہیں)  
 اور اس واحد کو عالم باعمل بتلایا ہے تو حکومت ضروری ہے مگر حکومت کے لئے تبحر عالم ہونا چاہئے ورنہ بدوں علم کے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور امتحان علم کا یہ ہے کہ ان کے سامنے جتنے واقعات و مقدمات پیش ہوں اُن میں اپنی رائے لکھیں اور اس کے بعد اہل علم سے ان کا حکم دریافت کریں پھر دونوں میں موازنہ کریں واللہ! زمین آسمان کا فرق نکلے گا۔  
 دوسری اس میں ایک اور شرط ہے کہ حکومت کی خود درخواست نہ کرے کیونکہ جو درخواست کرے گا وہ خود غرض ہوگا۔ اور نفسانیت سے کام کرے گا۔ اس کو لوگوں کی مصلحت پر ہرگز نظر نہ ہوگی بلکہ اپنی مصلحت پر ہرگز نظر ہوگی اور اس سے جتنی خرابیاں پیدا ہوں کم ہیں۔  
 حضرت عثمانؓ نے ابن عمرؓ سے قضا کا عہدہ قبول کرنے کے لئے کہا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تم منظور نہیں کرتے تو اپنے انکار کی کسی کو خبر نہ کرنا کیونکہ ایسا نہ ہو کہ سب ہی انکار کر دیں۔ (طریق القرب ج ۱۵)

## سلطنت کی ضرورت

نظام عالم تابعیت و متبوعیت کو چاہتا ہے۔ اسی لئے متبوع کو تابع کی مساوات گوارا نہیں۔ اسی وجہ سے سلطنت کی ضرورت ہے تاکہ ایک تابع ہو ایک متبوع ہو سب کے سب آزاد نہ ہوں۔ بلکہ متبوع کے سامنے تابع کی آزادی سلب ہو جائے یہ حقیقت ہے سلطنت کی اگر سلطنت نہ ہو تو ہر شخص آزاد ہوگا اور آزادی مطلق انتظام کے لئے ہرگز کافی نہیں اور نہ کسی نے آج تک اس کو گوارا کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلطنت کوئی چیز نہیں چنانچہ آج کل ایک فرقہ نکلا ہے جو سلطنت کا مخالف ہے مگر میں نہیں سمجھتا کہ بدون سلطنت کے انتظام اور نزاعات کا فیصلہ کیونکر ہوگا اگر کہو کہ کثرت رائے سے فیصلہ ہوگا تو میں کہتا ہوں کہ جن

کثیرین کی رائے پر فیصلہ ہوگا وہی سلطنت کے مصداق ہو گئے کیونکہ ان کے سامنے دوسروں کی آزادی سلب ہوگئی اور یہی حقیقت ہے سلطنت کی کہ بعض کی آزادی بعض کی رائے کے سامنے سلب ہو جائے کثرت رائے پر فیصلہ ہونے کے بعد بھی آزادی مطلق کہاں رہی۔ اس فیصلہ کی پابندی سے بھی تو آزادی سلب ہوگی تو یہ لوگ جس چیز کو مٹاتے ہیں اخیر میں اس کو ثابت کرتے ہیں خدا تعالیٰ نے بھی آزادی مطلق کو گوارا نہیں کیا۔ بلکہ ایک کو تابع ایک کو متبوع بنایا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے احکام نبی کے واسطے سے بھیجے ہیں اور تمام مخلوق پر نبی کا اتباع فرض کیا ہے تاکہ مخلوق کو کسی ایک کا تابع کیا جائے ورنہ بہت سہل تھا کہ انبیاء کو نہ بھیجتے بلکہ آسمان سے چھپے ہوئے کاغذ ہر ایک کے پاس آگرا کرتے اور ہر شخص اس کو پڑھ کر کام کرتا۔ نہ نبی کا اتباع ضروری ہوتا نہ خلیفہ کا نہ علماء و مجتہدین کا۔

جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں اور حریت و مساوات کے مدعی ہیں وہ بھی آزادی کا عام ہونا گوارا نہیں کرتے۔ کیونکہ جمہوری سلطنت کے بعد بھی وہ کوئی قانون ہوگا جس کی پابندی عام رعایا پر لازم ہوگی تو اس قانون کے سامنے سب کی آزادی سلب ہو جائے گی۔ ہم تو آزادی کا دعویٰ جب جانیں کہ کسی شخص کو بھی قانون کا پابند نہ کیا جائے بلکہ جس کے جوجی میں آئے کرنے دیا جائے کسی سے کچھ مزاحمت نہ کی جائے کیونکہ تم آزادی کے حامی ہو تو آزادی تو اسی کا نام ہے کہ کوئی کسی بات کا پابند نہ ہو۔ پھر تم لوگوں کو قانون کا پابند کیوں بناتے ہو اور ان کی آزادی کو قانون کا تابع کیوں بنایا کرتے ہو۔ یا کم از کم یہی کرو کہ قانون بنانے میں ساری رعایا کی رائے لے لیا کرو قانون سازی کے لئے پارلیمنٹ کی مختصر جماعت کو کیوں خاص کر رکھا ہے اور تمام رعایا کو چند آدمیوں کی رائے کا تابع کیوں بنا رکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں وہ بھی شخصیت ہی کے حامی ہیں مگر ہر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے کبھی حکمی۔ فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ بھی شخص واحد ہے مگر وہ واحد حکمی ہے حقیقی نہیں تو یہ لوگ جس پارلیمنٹ کے فیصلوں کا اتباع کرتے ہیں اس میں گو بظاہر بہت سے آدمی معلوم ہوتے ہیں مگر مجموعہ مل کر پھر شخص واحد ہے کیونکہ جو قانون پاس ہوتا ہے وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے پارلیمنٹ میں بھی ہر شخص آزاد نہیں کہ جو شخص جو رائے دیدے وہی قانون ہو جایا کرے اگر ایسا بھی ہوتا جب بھی کسی قدر آزادی کا دعویٰ صحیح ہوتا مگر وہاں تو پارلیمنٹ کے بھی ہر شخص کی انفرادی رائے معتبر نہیں بلکہ اجتماعی رائے معتبر



ہے اور اجتماعی رائے پھر شخصی رائے ہے کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم شخص واحد حقیقی کے حامی ہیں اور تم شخص واحد حکمی کے حامی ہو جمہوریت کے حامی ہو تو تم بھی نہ رہے۔ جمہوریت اور آزادی کامل تو جب ہوتی جب ہر شخص اپنے فعل میں آزاد ہوتا کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا نہ ایک بادشاہ کا نہ پارلیمنٹ کے دس ممبروں کا اور یہ کیا آزادی ہے کہ تم نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو پارلیمنٹ کے دس ممبروں کی رائے کا تابع بنا دیا۔ ہم تو ایک ہی کا غلام بناتے تھے تم نے دس کا غلام بنا دیا اب تمہیں فیصلہ کر لو کہ ایک کا غلام ہونا اچھا ہے یا دس بیس کا غلام ہونا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص پر ایک کی حکومت ہو وہ اس سے بہتر ہے جس پر دس بیس کی حکومت ہو۔ یہ حاصل ہے جمہوری سلطنت کا کہ رعایا کی غلامی سے تو اس کو بھی انکار نہیں مگر وہ یہ کہتی ہے کہ تم دس بیس کی غلامی کرو۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک کی غلامی کرو۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶)

## اسلام اور جمہوریت

اسلام میں جمہوری سلطنت کوئی چیز نہیں۔ اسلام میں محض شخصی حکومت کی تعلیم ہے اور جن مفاسد کی وجہ سے جمہوری سلطنت قائم کی گئی ہے وہ سلطنت شخصی میں تو محتمل ہی ہیں اور جمہوری متیقن ہیں۔ شخصی سلطنت میں یہ خرابی بیان کی جاتی ہے کہ اس میں ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے حالانکہ ممکن ہے کسی وقت اس کی رائے غلط ہو اس لئے ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام نہ چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ ایک جماعت کی رائے سے کام ہونا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح شخصی سلطنت کے بادشاہ کی رائے میں کبھی غلطی کا احتمال ہے اسی طرح جماعت کی رائے میں بھی غلطی کا احتمال ہے کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک شخص کی رائے ہمیشہ غلط ہو کرے اور دس کی رائے ہمیشہ صحیح ہو کرے بلکہ ایسا بھی بکثرت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں ہزاروں آدمیوں کا ذہن نہیں پہنچتا۔ ایجادات عالم میں رات دن اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کیونکہ جتنی ایجادات ہیں وہ اکثر ایک ایک شخص کی عقل کا نتیجہ ہیں۔ کسی نے کچھ سمجھا کسی نے کچھ سمجھا۔ ایک نے تار برقی کو ایجاد کیا ایک نے ریل کو ایجاد کیا تو موجد اکثر ایک شخص ہوتا ہے اور اس کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں صد ہا ہزار مخلوق کا ذہن نہیں پہنچتا علوم میں بھی یہ امر مشاہدہ ہے کہ بعض دفعہ ایک

شخص کسی مضمون کو اس طرح صحیح حل کرتا ہے کہ تمام شراح و محشین کی تقریریں اس کے سامنے غلط ہو جاتی ہیں تو جماعت کی رائے کا غلط ہونا بھی محتمل ہے اب بتلائیے اگر کسی وقت بادشاہ کی رائے صحیح ہوئی اور پارلیمنٹ کی رائے غلط ہوئی تو عمل کس پر ہوگا۔

جمہوری سلطنت میں کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے تو بادشاہ اپنی رائے پر عمل نہیں کر سکتا۔ بلکہ کثرت رائے سے مغلوب ہو کر غلط رائے کی موافقت پر مجبور ہوتا ہے اور شخصی سلطنت میں بادشاہ اپنی رائے پر ہر وقت عمل کر سکتا ہے وہ کسی سے مغلوب نہیں ہوتا اگر وزراء کی رائے صحیح معلوم ہوئی اس پر عمل کر لیتا ہے اگر وزراء کی رائے غلط معلوم ہوئی تو وہ اپنی صحیح رائے پر عمل کر سکتا ہے۔ اور جمہوری میں اگر کثرت رائے غلطی پر ہوئی تو صحیح رائے پر عمل کرنے کی کوئی بھی صورت نہیں سب مجبور ہیں غلط رائے کی موافقت پر۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶)

## کثرت رائے کی حیثیت

یہ کتاب بڑا ظلم ہے اس لئے یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ کثرت رائے پر فیصلہ کیا جائے۔ بلکہ قاعدہ یہ ہونا چاہیے کہ صحیح رائے پر عمل کیا جائے خواہ وہ ایک ہی شخص کی رائے ہو۔ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے سید احمد خاں سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ قانون فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بیوقوف زیادہ تو اس قاعدہ کی بناء پر کثرت رائے کا فیصلہ بیوقوفی کا فیصلہ ہوگا۔ سید احمد خاں نے جواب دیا کہ دنیا میں جو عقلاء کی قلت اور بیوقوفوں کی کثرت ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ بہت سے آدمیوں کو کیفما اتفق جمع کر لیا جائے تو ان میں واقعی بیوقوف زیادہ ہوں گے۔ لیکن ہم جن لوگوں کی کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں وہ کیفما اتفق جمع نہیں کئے جاتے بلکہ انتخاب کر کے خاص خاص آدمیوں کی کمیٹی بنائی جاتی ہے جس میں سب عقلاء ہی ہوتے ہیں۔ تو ان میں جس طرف کثرت ہوگی وہ بیوقوفوں کی کثرت نہ ہوگی۔ بلکہ عقلاء کی کثرت ہوگی۔ مولانا نے جواب دیا کہ بہت اچھا۔ لیکن عقلاء میں بھی قانون فطرت یہ ہے کہ کامل العقل تھوڑے ہیں اور ناقص العقل زیادہ۔ چنانچہ تجربہ کر لیا جائے کہ ہزار عاقلوں میں کامل العقل ایک ہی یا دو ہوتے ہیں۔ تو عقلاء میں بھی کثرت ان ہی لوگوں کی ہے جو ناقص العقل ہیں پس کثرت رائے پر فیصلہ اگر حماقت کا فیصلہ نہیں تو کم عقلی کا فیصلہ تو ضرور ہی ہوگا۔ سید احمد خان

کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا بالکل ہی خاموش ہو گئے۔ غرض صحیح رائے پر عمل کرنا بدون شخصی حکومت کے ممکن نہیں جمہوری میں تو کثرت رائے کا اتباع لازم ہے خواہ وہ غلط ہو یا صحیح بلکہ مولانا محمد حسین صاحب کے قول کے موافق کثرت رائے اکثر غلط ہی ہوگی۔ تو گویا جمہوری میں اکثر غلط رائے پر عمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک صحیح رائے پر عمل نہ ہوگا اس وقت تک انتظام درست نہیں ہو سکتا پس ثابت ہو گیا کہ انتظام بدون شخصی حکومت کے نہیں ہو سکتا۔ دوسرے جو لوگ کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھتے ہیں اور بادشاہ کو تنہا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیتے وہ پہلے ہی سے اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ ایسا ضعیف الرائے ہے کہ اس کی تنہا رائے قابل اعتبار نہیں۔ اور وہ نااہل ہے۔ تو واقعی جو لوگ اپنے بادشاہ کو ایسا سمجھتے ہوں ہم ان سے گفتگو نہیں کرتے۔ ان کو جمہوریت مبارک ہو ایسا نااہل بادشاہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو شخصی سلطنت کا بادشاہ بنایا جائے۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶)

## باہمی مشاورت

شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ کر لیا کریں یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کیا کریں اور اگر کثرت رائے بادشاہ کے خلاف ہو جائے تو وہ کثیرین کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو اس وقت تک شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ سے جمہوریت ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی جب اسلام میں ایک معمولی آدمی بھی بادشاہ کے مشورہ پر مجبور نہیں ہوتا تو تم بادشاہ کو رعایا کے مشورہ پر کیونکر مجبور کرتے ہو۔ آخر اس کی کوئی دلیل بھی ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور ہمارے پاس حدیث بریرہ سے دلیل موجود ہے کہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ خواہ نبی ہی کا مشورہ کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اگر حکام رعایا سے مشورہ لیں تو وہ ان کے مشورہ پر عمل کرنے کیلئے مجبور ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ عمل خود اپنی رائے پر کریں۔ خواہ وہ دنیا بھر کے مشورہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت میں آگے ارشاد ہے فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ کہ مشورہ کے بعد جب آپ ارادہ کسی بات کا کریں تو خدا پر بھروسہ کر کے اس پر عمل کریں۔ یہاں اذا عزم مت صیغہ واحد ہے معلوم ہوا کہ عزم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستقل تھے۔ اسی طرح آپ کا نائب یعنی سلطان بھی

عزم میں مستقل ہے۔ اگر عزم کا مدار کثرت رائے پر ہوتا تو اذا عزم مت نہ فرماتے بلکہ اس کے بجائے اذا عزم اکثر کم فتوکلوا علی اللہ فرماتے۔ پس جس آیت سے یہ لوگ جمہوریت پر استدلال کرتے ہیں اس کا اخیر جزو خود ان کے دعویٰ کی تردید کر رہا ہے مگر ان کی حالت یہ ہے حفظت شیناً و غابت عنک اشیاء کہ ایک جزو کو دیکھتے ہیں اور دوسرے جزو سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام ج ۱۶)

## مقصود سلطنت

سلطنت خود مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل مقصود رضا حق ہے اگر ہم سے خدا راضی نہ ہو تو ہم سلطنت کی حالت میں فرعون ہیں اور لعنت ہے ایسی سلطنت پر جس سے ہم فرعون کے مشابہ ہوں۔ اگر سلطنت مقصود بالذات ہوتی تو فرعون و ہامان و نمرود و شداد بڑے مقرب ہونے چاہئیں۔ حالانکہ وہ مردود ہیں معلوم ہوا کہ سلطنت وہی مطلوب ہے جس میں رضا حق بھی ساتھ ساتھ ہو اور جس سلطنت میں رضا حق نہ ہو وہ وبال جان ہے اگر ہم سے خدا راضی ہو تو ہم پاخانہ اٹھانے پر بھی راضی ہیں اور اسی حالت میں ہم بادشاہ ہیں۔ آخر حضرت ابراہیم بن ادھم کیا تمہارے نزدیک پاگل تھے ان کو تو سلطنت ملی ہوئی تھی پھر کیوں چھوڑ دی محض اس لئے کہ مقصود میں خلل واقع ہوتا تھا معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود دوسری چیز ہے کہ اگر اس میں خلل واقع ہونے لگے تو اس وقت ترک سلطنت ہی سلطنت ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم ہر فن کے امام ہیں۔ حدیث میں ثقہ اور محدث ہیں اور فقہاء میں فقیہ اور صوفیہ میں تو امام ہیں۔ ان کو کوئی پاگل نہیں کہہ سکتا جو ان کو پاگل کہے وہ خود پاگل ہے پھر دیکھ لو انہوں نے کیا کیا۔ جب رضا حق میں سلطنت کو مزاحم دیکھا تو بادشاہت پر لات مار کے الگ ہو گئے۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سلطنت مضر مقصود نہ تھی تو ان کو اجازت دی گئی کہ منصب خلافت کو قبول کریں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے لئے مضر مقصود تھی تو ان کے لئے حکم ہے لاتلین مال یتیم ولا تقضین بین اثنین (اتحاف السادة المتقين ۸: ۳۱۸) اس سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ مقصود رضائے حق ہے اگر سلطنت سے مقصود میں خلل واقع ہو تو اس وقت اس سے منع کیا جائے گا حضرت ابوذر کو تو اتباع احکام کا ارادہ بھی



کرتے ہیں ان کو جب بھی قضاء و حکومت کی اجازت نہ دی گئی اور تم تو اتباع احکام کا بھی قصد نہیں کرتے۔ اس حال میں تم کو کیونکر اجازت دی جاسکتی ہے۔ (تقلیل الاختلاط مع الامم ج ۱۶)

## خلافت صدیقی کی افضلیت

خلافت صدیقیہ و خلافت عمریہ کہ بعض ظاہر ہیں لوگ خلافت عمریہ کو بوجہ کثرت فتوحات کے خلافت صدیقیہ سے افضل سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے زمانہ خلافت میں جدید فتوحات کچھ زیادہ نہ ہوئی تھی بلکہ ان کی خلافت کا زیادہ زمانہ خود مسلمانوں کے سنبھالنے میں صرف ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض قبائل مرتد ہو گئے تھے کچھ لوگوں نے زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کر دیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت اس فتنہ ارتداد کے فرو کرنے اور مسلمانوں کی حالت سنبھالنے میں صرف ہوا۔ مخالفین کے ملک فتح کرنے کی زیادہ نوبت نہ آئی اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں شاید کوئی دن بھی جدید فتوحات سے خالی نہیں رہا، روزانہ یہی خبریں آتی تھیں کہ آج فلاں شہر فتح ہو گیا اور کل فلاں شہر پر حملہ ہے یہاں تک کہ دس سال کے عرصہ میں حکومت اسلامیہ شرقاً و غرباً پھیل گئی اس لیے بعض کم فہم خلافت عمریہ کو خلافت صدیقیہ سے افضل شمار کرتے ہیں مگر عقلاء خوب جانتے ہیں کہ مکان کی خوبصورتی میں زیادہ کمال اس شخص کا ہے جس نے کہ اول نقشہ تیار کیا تھا اور بنیادیں قائم کی تھیں کیونکہ اس کو بہت دماغ سوزی سے کام کرنا پڑا ہے۔ مکان کا خوبصورت نقشہ بنانا اور بنیاد کا مستحکم کرنا یہ بڑا کام ہے دیواریں قائم کرنے والے کا اتنا بڑا کمال نہیں کیونکہ وہ تو اینٹ پر اینٹ رکھتا چلا گیا ہے اس کو کوئی دماغ سوزی کرنی پڑی۔ ظاہر ہیں لوگ دوسرے معمار کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ مکان کو اسی نے مکمل کیا مگر حقیقت شناس سمجھتا ہے کہ اس مکان کی خوبصورتی میں بڑا کمال نقشہ بنانے والے اور بنیاد قائم کرنے والے کا ہے۔

اسی طرح جو اسرار شناس ہیں وہ جانتے ہیں کہ خلافت صدیقیہ سے خلافت عمریہ کو کوئی بھی نسبت نہیں کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکومت اسلامیہ اور خلافت کی بنیاد قائم کرنے میں جو تعب برداشت کرنا پڑا ہے اس کا عشر عشر بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں پیش آیا۔ یہ کام اسی عالی حوصلہ خلیفہ کا تھا کہ ایسے فتنے کے زمانہ میں جبکہ خود اپنی ہی جماعت قبضہ سے باہر ہوا چاہتی تھی تمام فتنوں کا مقابلہ کر کے اور ان کو ایک دم نیست و نابود

کر کے اڑھائی سال کے عرصہ میں خلافت اسلامیہ کے کھونٹے گاڑ دیئے اور نظام حکومت کو ایسے مستحکم اصول پر قائم کر دیا کہ بعد کے خلیفہ کو کوئی پریشانی ہی پیش نہ آ سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں وہ اصول جاری ہو گئے اور وہ نظام صدیقی شائع ہو گیا تو بڑا کمال حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور جس قدر فتوحات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوئی ہیں ان سب کا ثواب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیفہ اعمال میں داخل ہوگا۔ اہل تمدن و سیاست اس کو خوب سمجھتے ہیں کہ قانون جاری کرنے سے زیادہ مشکل قانون بنانا ہے۔ قانون بنانے والے کو جس مشقت کا سامنا ہوتا ہے جاری کرنے والے کو اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں آتا۔ (الجللاء الاہل ج ۱۸)

## اہل یورپ کے نزدیک جمہوری سلطنت بہتر ہے

آجکل جن لوگوں کو لیڈر کہا جاتا ہے وہ ایک خاص مسئلہ کے اندر اکثر کلام کیا کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ سلطنت جمہوری بہتر ہے یا شخصی ان لوگوں کی وہی مثل ہے، رہیں جھونپڑوں میں خواب دیکھیں محلوں کا اپنی حد پر نہیں رہتے مولانا فرماتے ہیں ۔  
آرزوی خواہ لیک اندازہ خواہ برنتابد کوہ را یک برگ کاہ  
(آرزو کر لیکن اعتدال کے ساتھ کیونکہ گھاس کا ایک تنکا پہاڑ کو موڑ نہیں سکتا)

اے صاحبو! اپنی بساط سے زیادہ مت کو دو۔ حد سے زیادہ مت اچھلو تم سلطنت جمہوری و شخصی کا کیا فیصلہ کرو گے تم اپنا ہی فیصلہ کر لو۔ تمہارے اندر رات دن ایک معرکہ رہتا ہے مولانا فرماتے ہیں ۔  
موسیٰ و فرعون در ہستی ست

ایک مصرعہ یاد نہیں رہا۔ اور خاص کر یہ زمانہ تو بہت زیادہ سکوت کا ہے۔ ہذا وقت السکوت و ملازمة البیوت جو بالکل ساکت رہتے ہیں اگر ان کو سلطنت نہیں ملتی تو یہ لوگ جو دن رات بیٹھکوں میں بیٹھ کر سلطنتوں کے فیصلے کیا کرتے ہیں ان کو بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا بلکہ ایسے لوگوں کی ان خرافات سے قوم کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ان پر وہی مثل صادق ہے۔ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ ادب مانع ہے ورنہ پہلا فقرہ بھی اس مثل کا میں کہہ دیتا خیر یہ مسئلہ ان لوگوں کے زیر بحث ہے اور لوگوں کے یہاں فتویٰ اس پر دیا گیا ہے کہ جمہوری سلطنت اچھی ہے اور اصل وجہ تو اس کی صرف یہ ہے کہ یہ لوگ ہر بات میں یورپ پر ایمان

لائے ہوئے ہیں یورپ ہی ان کا قبلہ ہے گو ٹیڑھا قبلہ ہے۔ غرض دلیل کا ایک مقدمہ تو یہ ہے کہ اہل یورپ سلطنت جمہوری کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسرا مقدمہ یہ ملایا کہ یورپ جو کہتا ہے وہ حق ہے اس لئے کہ وہ معصوم ہے بس نتیجہ نکال لیا کہ سلطنت جمہوری سلطنت شخصی سے بہتر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تم کو تو نہ شخصی ملتی ہے نہ جمہوری تم کو اس فیصلہ سے کیا ملا ہاں جمہوری سلطنت البتہ مل جاوے گی جس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔

گر بہ میروسگ وزیر و موش رادیواں کنند  
(اگر بلی میر بنی ہوئی اور کتا وزیر اور چوہا منشی تو اس قسم کے ارکان حکومت ملک کو ویران کر دیتے ہیں۔)

آج لوگوں کو حکومت کا بڑا شوق ہے کوئی انجمن بناویں گے اس میں عہدہ دار ہوں گے اور عشق تقلید یورپ میں عہدوں کا نام بھی انگریزی میں رکھیں گے مثلاً ایک سیکرٹری ہوگا کوئی گورنر بنے گا۔ میں کہتا ہوں بجائے سیکرٹری کے اگر آپ ناظم یا مہتمم یا خادم لقب رکھتے تو کیا حرج تھا اور پھر سیکرٹری ہی پر بس نہیں بلکہ اس کو انگریزوں کی طرح سیکرٹری کہتے ہیں تشبہ نے ناس کر دیا ہے ہر شے میں یورپ کے ساتھ تشبہ کا شوق ہے۔ (التوکل ج ۲۱)

## قرآن پاک سے سلطنت جمہوری کا اثبات نہیں ہوتا

غضب یہ ہے کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن سے ثابت ہے کہ سلطنت جمہوری سلطنت شخصی سے بہتر ہے اور دلیل میں وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کو پیش کرتے ہیں اس استدلال کی ایسی مثال ہے جیسے کسی شخص نے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا سے یہ فتویٰ لکھا تھا۔ اور وہ فتویٰ میں نے بھی دیکھا تھا کہ جمع ہو کر کھانا واجب ہے۔ اگر سلطنت جمہوری کی حقیقت صرف اسی قدر ہوتی ہے کہ جس میں صرف مشورہ ہو تو بے شک یہ استنباط صحیح تھا سلطنت جمہوری میں تو یہ ہوتا ہے کہ مشورہ کے بعد کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے اور بادشاہ کی رائے دورائے کے برابر سمجھی جاتی ہے اور اس آیت سے اس کی خلاف سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کے بعد ارشاد ہے فَإِذَا عَزَمْتَ صِيغہ مفرد مخاطب سے جس کا حاصل یہ ہے کہ مشورہ تو کیجئے لیکن مشورہ کے بعد عمل اس پر کیجئے۔ جس کا آپ عزم کر لیں اور اس میں کوئی قید ہے نہیں تو اس میں سب مختلف صورتیں

آگئیں ان صورتوں میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ سب کی رائے ایک جانب ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے ایک طرف تو اس صورت میں بھی آپ ہی کی عزم اور ترجیح پر مدار رہا پس اس سے تو سلطنت جمہوری کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ سلطنت جمہوری کی بناء ہی اس سے منہدم ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں ایسا نہیں ہوتا غرض اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مشورہ کے بعد فیصلہ کثرت رائے سے ہوگا بلکہ سلطان مشورہ کے بعد مستقل و مستعد ہے کہ اپنی بصیرت خداداد سے جس صورت کو چاہے اختیار کر لے۔ (التوکل ج ۲۱)

## اسلام اور مال

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کا سلام پھیرا اور سلام کے بعد نہایت سرعت سے گھر میں تشریف لے گئے جس پر صحابہ کو تعجب ہوا کہ کیا بات ہے آپ اس قدر سرعت سے کیوں تشریف لے گئے آپ نے واپس تشریف لا کر فرمایا کہ میرے گھر میں کچھ سونا رکھا ہوا تھا جو تقسیم نہ ہوا تھا میں نے اُس کو جا کر تقسیم کر دیا کیوں کہ نبی کے لئے مناسب نہیں کہ اس پر اس حالت میں رات گزرے کہ اس کے گھر میں چاندی سونا رکھا ہوا ہو اور ترک سلطنت کی کسی حال میں اجازت نہیں الا بعد رواضطرار۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کیلئے حکومت تو شرعاً مطلوب ہے مگر مالدار ہونا مطلوب نہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے مسئلہ میراث کو اسی واسطے مشروع کیا ہوتا کہ مسلمان جمعہ دار اور مالدار نہ ہوں کیوں کہ شریعت نے مقصود اُمال جمع کرنے سے منع کیا ہے اور اس کو مسلمانوں کیلئے مضرت لایا ہے اِلَّا مَنْ قَالَ هٰکَذَا وَهٰکَذَا مگر جو ادھر ادھر تقسیم کرتا رہے اس کو مضرت نہیں یہ تو اس کا اصل حکم ہے لیکن ضعفاء کو عذر کی وجہ سے جمع مال کی بھی اجازت ہے جبکہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں۔ (اسرار التوجہ ج ۲۳)

## شاہی اور فقیری کا فرق

ایک طرف دو چار بادشاہوں کے حالات رکھے اور ایک طرف چند اولیاء اللہ کے (میں اس بیان کو طول نہیں دیتا کتابیں بھری پڑی ہیں) دونوں فریق کے قصے پڑھئے خود آپ کا قلب بول اٹھے گا کہ میرا کہنا کہاں تک سچا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایسا ہوا ہے کہ سلطنت چھوڑ کر کسی نے فقیری اختیار کی ہے لیکن ایسی نظیر ایک بھی نہ ملے گی کہ فقیری چھوڑ کر



کسی نے سلطنت اختیار کی ہو۔ کوئی بات تو ہو جو فقیری کو سلطنت پر ترجیح دیتی ہے (فقیری سے مراد میری واقعی فقیری ہے بھیک مانگنا نہیں بھیک مانگے تو سلطنت پر کیا پیسہ پیسہ پر جان دیتے ہیں) دنیا کا نفع چاہے کیسا ہی بڑا معلوم ہوتا ہو لیکن جب آخرت کے نفع کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے بشرطیکہ نظر بھی صحیح ہو تو ہیج ثابت ہوگا۔ (ذکر المکتوبات ج ۲۶)

## حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سلطنت کی عجیب تفسیر

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب سلطنت کی دعا کی ہے تو ساتھ میں یہ بھی فرما دیا: ”رَبِّ هَبْ لِي مَلِكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي“ (یعنی مجھے ایسا ملک عطا ہو جو میرے بعد والوں کے لیے ملنا مناسب نہ ہو)

مولانا رومی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ظاہر اس سے حرص و حسد کا شبہ ہوتا ہے مگر واقعہ میں یہ ضعفاء کے حق میں انہوں نے اس دعا میں عین رحمت فرمائی جس کی توجیہ یہ ہے کہ من بعدی میں بعدیت زمانیہ مراد نہیں بلکہ بعدیت رتبیہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسا ملک مجھے عطا کیا جائے جو میرے درجہ والوں کے لیے خواہ مناسب ہو مگر مجھ سے کم درجہ والوں کے لیے غیر مناسب ہوگا یعنی ان کو عطا نہ کیا جائے کیونکہ وہ ایسی سلطنت سے کفر و تکبر میں مبتلا ہو جائیں گے اب اس تفسیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ اشکال نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ تو سلیمان علیہ السلام کے اعتبار سے من معی بلکہ من قبلی (مجھ سے پہلے) ہیں یعنی آپ تو ان کے ہم رتبہ نبوت و رسالت میں اور درجہ میں ان سے بھی افضل ہیں ختم ہوئی تفسیر مولانا کی۔ واقعی تفسیر کو ان حضرات سے سیکھئے الغرض سلیمان علیہ السلام کا ملک ان کے حق میں با خدا ہونے کے خلاف نہ تھا وہ سلطنت کے ساتھ بھی ہر دم با خدا تھے اور حضرت سلیمان کو تو ملک کیا مضر ہوتا جبکہ حضرات صحابہ کو مضر نہ ہوا۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس دنیا ایسی تھی جیسے منتر جاننے والے کے ہاتھ میں سانپ جس طرح منتر جاننے والے پر سانپ کے زہر کا اثر نہیں ہوتا اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر دنیا کا اثر نہ ہوتا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی وجہ یہ تھی کہ ان حضرات کے ہاتھ میں دنیا تھی دل میں دنیا نہ تھی دل میں خدا کی محبت و معرفت اس درجہ بھری ہوئی تھی کہ وہاں دنیا و مافیہا کا گذر ہی نہ تھا۔ مولانا نے عجیب مثال بیان فرمائی ہے:

آب در کشتی ہلاک کشتی است      آب اندر زیر کشتی پشتی است  
(کشتی میں پانی کشتی کو ڈبونے والا ہے اور اس کے نیچے ہونا کشتی کے لیے پشتی ہے) (تعظیم العلم ج ۲)

## سلطنت تقرب الی اللہ کا سبب نہیں

خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لیے سلطنت ہے اور اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کر کے حاصل کی جاوے۔ یاد رکھو سلطنت کوئی تقرب الی اللہ کا سبب نہیں۔

بعض انبیاء علیہم السلام ایسے بھی ہوئے ہیں جن کو ساری عمر سلطنت نصیب نہیں ہوئی۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی ہوگا اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا تو کیا سلطنت نہ ہونے سے ان انبیاء کے درجہ میں کوئی کمی آگئی؟ اگر محض سلطنت کوئی قرب کی چیز ہوتی تو فرعون بڑا مقرب ہونا چاہیے جس نے چار سو برس تک نہایت شان و شوکت کے ساتھ سلطنت کی تھی۔ (ایضاً)

## علم کی دو قسمیں

علم کی اصل میں دو قسمیں ہیں ایک علم احکام اور ایک علم واقعات اور یہ تقسیم خصوصاً جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تامل کرنے سے بہت زیادہ سمجھ میں آجاوے گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب سلطنت بھی تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو قسم کے علم کی ضرورت تھی ایک حکم کے علم کی اور ایک واقعات کے علم کی جیسے حکام کو دونوں باتوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ اگر واقعہ نہ معلوم ہو تو نرے قانون سے کیا ہوتا ہے یا اس کا عکس ہو کہ قانون نہ معلوم ہو تو صرف واقعہ معلوم ہو جانے سے کیا ہوتا ہے فیصلے میں دونوں ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ واقعہ کا بھی علم ہو اور اس کے حکم کا بھی علم ہو اور یہیں سے اس کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی ہوگی جو حدیث میں آیا ہے کہ حاکم تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ علم دین رکھتا ہے اور اس کے موافق فیصلہ کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ فیصلہ کے معنے یہی ہیں کہ کسی جزئی کو کسی کلی پر منطبق کرنا اور وہ موقوف ہے اس جزئی کے علم پر اور وہی واقعہ ہے۔ پس اس فیصلہ بحق سے علم تحقیق واقعہ کی ضرورت ثابت ہوگئی یہ تو جنت میں ہے ایک وہ

جو علم دین ہی نہیں رکھتا ایک وہ جو علم دین رکھتا ہے مگر اس کے موافق فیصلہ نہیں کرتا یہ دونوں جہنم میں ہیں تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ ان دونوں چیزوں کے علم کی ضرورت ہے پس جس نے واقعہ کا علم تلاش نہیں کیا یا واقعہ کا علم تو حاصل کیا مگر حکم کا علم نہیں ہے یہ دونوں جہنم میں ہوں گے اور جس کو دونوں کا علم ہوگا اور اسی کے موافق فیصلہ کرے گا وہ جنت میں ہوگا۔ اب اس حدیث کو سن کر ان لوگوں کو ذرا آنکھیں کھولنی چاہئیں جو آج کل بڑے عہدوں پر ہیں یا محلہ کے سردار ہیں کیونکہ وہ اکثر واقعات کی تحقیق تو زیادہ کرتے ہیں مگر فیصلہ جو کرتے ہیں وہ اکثر اپنی رائے سے کرتے ہیں علم دین سے نہیں کرتے تو اب یہ لوگ کیا کریں یا تو فیصلہ کرنا چھوڑ دیں یہ صورت تو مجھے پسند نہیں بلکہ یہ کریں کہ فیصلہ تو کریں مگر اس طرح کہ واقعات کی تحقیق کر کے ایک مثل تیار کریں اور کسی عالم کے پاس وہ مثل لے جاویں جو کچھ وہ عالم جواب لکھ دے پس اسی کے موافق فیصلہ کر دیا کریں۔ غرض یہ ہے کہ حاکم کو دو چیزوں کی ضرورت ہوئی ہے ایک تو احکام جاننے کی اور دوسری واقعات کے علم کی۔ (بفصل العظیم ج ۲)

## بدامنی میں صبر و سکون کی تعلیم

مسجد کان پور کے واقعہ میں بعض احباب نے مجھ سے مشورہ لیا تھا کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے میں نے سب کو یہی رائے دی کہ صبر و سکون سے کام لو ہلڑ نہ کرو اور اطمینان کے ساتھ گورنمنٹ تک اپنی آواز پہنچاؤ ان شاء اللہ اس کا اثر ہوگا باقی حکام سے مقابلہ نہ کرو کیونکہ سلطنت سے مقابلہ کرنا رعایا کا کام نہیں یہ کام سلطنتوں کا ہے تو میرے بعض خطوط اس قسم کے حکام کی نظر سے بھی گزرے یا کسی نے ان کو خبر کر دی کہ فلاں شخص نے اپنی جماعت کو صبر و سکون کے ساتھ درخواست کرنے کا امر کیا تھا اسی کا حکام پر خاص اثر ہوا اور یہ تجویز کی گئی کہ اس کے لئے کوئی صورت اعزاز و امتیاز کی ہونا چاہئے مجھ کو بعض افسروں کے ذریعہ سے معلوم ہوا میں نے صاف کہہ دیا کہ میں نے اس واقعہ میں جو کچھ تعلیم مسلمانوں کو دی ہے وہ محض قوانین شرع کے اتباع کی تعلیم تھی ایسے موقعہ میں ہماری شریعت کا یہی حکم ہے سکون سے کام لیا جائے۔ حکومت کو نفع پہنچانا میرا بالذات مقصود نہ تھا یہ اتفاقی بات ہے کہ حکومت کو بھی نفع ہو گیا کیونکہ یہ شریعت ہی ایسی ہے جس کے اندر سب کے حقوق کی رعایت ہے اس لئے میں اپنی رائے کا صلہ صرف حق تعالیٰ سے چاہتا ہوں اور کسی سے نہیں چاہتا۔ (الاخوہ ج ۳۰)

## معاملات و معاشرت اور سیاسیات دین کا حصہ ہیں

ہمارا سب کا ایک ہی مقصود ہے یعنی اسلام اور وہ مشتمل ہے تمام مقاصد حقیقیہ و غیر حقیقیہ کو اس میں نماز روزہ حج زکوٰۃ بھی آگئے اور کھانے پینے کے احکام متعلق آمدنی بھی آگئے۔ اسی طرح تمام معاملات و معاشرت و سیاسیات بھی اس میں داخل ہیں گو لوگوں نے ان کو اسلام سے خارج سمجھ رکھا ہے۔ آج کل صرف چند عبادات کو اسلام میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ نماز روزہ ہی میں لوگوں نے دین کو منحصر کر لیا ہے۔ بس اگر نماز پڑھ لیں تو دیندار ہیں اور اگر تہجد بھی پڑھنے لگیں تو جنید ہیں اور اگر زکوٰۃ بھی دینے لگیں پھر تو ان کی دینداری میں کچھ کسر ہی نہیں اور اگر حج بھی کر لیا تو گویا رجسٹری ہو گئی گو معاملات کیسے ہی خراب اور گندے ہوں اگر معاملات و معاشرت کو بھی دین میں داخل سمجھا جاتا تو فقط نماز روزہ کر لینے سے ہم اپنے کو دیندار نہ سمجھتے کیونکہ ابھی بعض اجزاء دین کے ہم سے فوت ہو رہے ہیں۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ تہجد پڑھ لینے کے بعد اپنے کو دیندار سمجھنے لگتے ہیں۔ نیز کسی قدر وضع کی درستی کو بھی دین میں داخل سمجھتے ہیں کہ ثقہ وضع ہو چو غہ اور پانجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو لباس ریشمی نہ ہو ڈاڑھی منڈی ہوئی یا کتری ہوئی نہ ہو شبہ بالکفار نہ ہو اگر ایسی وضع ہو گئی تو بس ان کی دینداری میں کچھ کسر نہیں رہی بڑے پکے دیندار ہو گئے پھر دوسروں کو اگر ہماری وضع دیکھ کر دینداری کا گمان ہو تو کچھ تعجب نہیں مگر غضب تو یہ ہے کہ ہم خود بھی اپنے کو ایسا ہی سمجھنے لگتے ہیں۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

## کثرت رائے سے فیصلہ

آج کل کثرت رائے کو کس بناء پر معیار صواب قرار دے رکھا ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں فقط اہل یورپ کی تقلید سے ایسا کرتے ہیں باوجود یہ کہ دعویٰ کرتے ہیں ان کی مخالفت اور مقاطعت کا اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان صحابہؓ کی یہ شرکت فی الغنیمت (مال غنیمت میں شریک ہونا) کسی دنیوی غرض سے نہ تھی یعنی مال حاصل کرنے کے واسطے نہیں تھی کیونکہ غنیمت کا حکم یہ ہے کہ جو بھی جہاد میں شریک ہو اس کو غنیمت سے حصہ ملتا ہے خواہ وہ لوٹ میں شریک ہو یا نہ ہو یہ نہیں ہے کہ جس کے جو ہاتھ لگے وہ لے بھاگا بلکہ اول سب غنیمت کو جمع کر کے پھر سب مجاہدین پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اگر وہ صحابہؓ گھائی پر



بیٹھے رہتے تب بھی ان کو اتنا ہی حصہ ملتا جتنا کہ لوٹ میں شرکت کے بعد ملا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے تحصیل مال کے لیے شرکت کی تھی بلکہ محض قتال میں شرکت چاہی تھی تاکہ ثواب میں اضافہ ہو کیونکہ ان لوگوں نے ظاہر میں اب تک کچھ کام نہ کیا تھا صرف گھائی پر خالی بیٹھے ہی رہے تھے وہ سمجھے کہ ہم نے کچھ کام نہیں کیا لاؤ جہاد میں ہم بھی عملی حصہ لیں۔ (الرحمۃ علی الامم ج ۳۱)

## سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ فرمانے میں حکمت

ایک روایت میں تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو مشورہ کی ضرورت نہیں مگر اُمت پر رحمت کے لیے کہ تطیب قلب بھی اس میں داخل ہے اس لئے کر لیتا ہوں۔

”اخرجه ابن عدی والبیہقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس  
لما نزلت وشاورهم فی الامر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
اما ان اللہ ورسوله یغنیان ولكن جعلها اللہ تعالیٰ رحمة لامتی  
کذا فی روح المعانی۔“

(ابن عدی اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند حسن سے روایت کیا ہے جبکہ آیت شاورہم فی الامر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لیے رحمت اس کو بنا دیا ایسے ہی روح المعانی میں ہے)

اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت مشورہ کی نہ تھی اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مشورہ کے خلاف کوئی کام نہ کرتے تھے۔

”اخرجه الامام احمد عن عبدالرحمن بن غنم ان رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم قال لابی بکر و عمر لواجتمعما فی مشورة ما  
خالفتكما کذا فی روح المعانی ایضاً“

(امام احمد نے عبدالرحمن بن غنم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ میں متفق ہو جاؤ گے تو میں تمہاری مخالفت نہ کروں گا۔ ایسے ہی روح المعانی میں ہے) مراد انتظام و بعث عسا کر وغیرہ کا کام۔

اس کا مقتضایہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب اوقات میں تو مشورہ کی حاجت نہ ہوتی تھی کبھی کبھی اتفاقاً ضرورت پڑ جاتی تھی اور یہ بات شان نبوت کے خلاف نہیں بلکہ مناسب شان ہے۔ میں نے اس میں ایک نکتہ نکالا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی حاجت ہونے میں ”ولو فی بعض الاحوال“ (اگرچہ بعض حالتوں میں ہو) حکمت ہے کیونکہ حاجت منافی الوہیت ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان شریف کا اظہار تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں الہ نہیں اور بعض علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کی حکمت تعلیم اُمت بیان کی ہے۔ اب مشورہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کی وسعت بیان فرماتے ہیں۔ ”فاذا عزم فتوکل علی اللہ“ (پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں تو خدا پر اعتماد کیجئے) اس میں مطلقاً یہ فرمایا ہے کہ مشورہ کے بعد جدھر آپ کا عزم ہو اپنے عزم پر عمل کیجئے اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سب کے خلاف ہو یا ایک کے موافق اور اکثر کے خلاف ہو ہر حال میں تو کلاً علی اللہ (اللہ پر بھروسہ کر کے) اپنے عزم پر عمل کرنے کے واسطے حکم فرمایا۔ (الرحمۃ علی الامۃ ج ۳۱)

## بعض کتب ناقابل مطالعہ ہیں

میں جب ضلع فتح پور گیا تو ایک صاحب میرے ملنے والے ہیں انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ وہ سیرت میرے پاس بھیجی کہ ذرا اس کو دیکھ لو اور یہ بتلا دو کہ یہ سیرت دیکھنے کے قابل ہے یا نہیں؟ میں نے یہ عذر کیا کہ بھائی میں اس وقت سفر میں ہوں اس وقت ساری کتاب کا دیکھنا دشوار ہے اور دو تین مواقع دیکھ کر میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اس میں کیا خوبی ہے اور کیا خرابی ہے۔ جب میں وطن پہنچوں گا وہاں بھیج دی جائے تو میں وہاں دیکھ کر اس کا فیصلہ کر سکتا ہوں۔ اسی مجلس میں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ آپ کو اس ساری کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہیں میں ایک موقع دکھاتا ہوں بس اسی کو دیکھ لینا کافی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک موقع نکال کر دکھایا اس جگہ مصنف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کمالات کو ظاہر کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام میں انتظام سلطنت کی قابلیت نہ تھی۔

نوح علیہ السلام میں رحمت و شفقت کا مضمون نہ تھا، میں نے کہا لو بھائی اس کتاب کا حال تو اسی موقع سے معلوم ہو گیا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کی گئی ہے آپ کے بھائیوں کو عاری عن الفہائل (فضائل سے خالی) بتلا کر۔ اسی سے قیاس کر لو کہ جب مصنف کے دل میں انبیاء علیہم السلام کی یہ وقعت ہے تو اور کیا کچھ گل کھلائے ہوں گے۔

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(میرے چمن ہی سے میری بہار کا اندازہ کر لو)

میرے نزدیک وہ سیرت ہرگز قابل دیکھنے کے نہیں جس میں انبیاء علیہم السلام کی تنقیص کی گئی ہو۔

صاحبو! یہ کتنا بڑا غضب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان میں سلیقہ ملک داری نہ تھا حالانکہ احادیث صحاح میں وارد ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور اس وقت وہ بادشاہت بھی کریں گے اور انتظام سلطنت بہت خوبی کے ساتھ انجام دیں گے تو جس شخص کے انتظام سلطنت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدح فرمائیں اب کسی کا کیا منہ ہے جو ان پر یہ الزام لگائے کہ ان میں سلیقہ ملک داری نہ تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں چونکہ ساری عمر زہد و پارسائی کے ساتھ بسر کی اس لیے اس سے یہ قیاس کر لیا گیا کہ ان کو انتظام سلطنت آتا ہی نہ تھا سو خود یہ قیاس کتنا غلط قیاس ہے۔ بھلا بادشاہت نہ کرنے سے یہ کیونکر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان میں قابلیت ہی نہ تھی قابلیت نہ ہونا تو یوں معلوم ہو سکتا ہے کہ بادشاہت کرتے اور اچھے طریقے سے نہ کرتے۔

اس باب میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اور مسلمانوں پر بادشاہت کریں گے اور نہایت عدل و خوبی کے ساتھ بادشاہت کریں گے اور ان میں ایسی قابلیت ہوگی کہ ایک بہت بڑے قانون کا انتظام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سپرد فرماتے ہیں وہ یہ کہ جزیہ کو موقوف کر دیں گے جس پر بظاہر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تو شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہو کر تشریف لائیں گے پھر وہ شریعت کے کسی حکم کو کیونکر منسوخ کریں گے مگر میری تقریر سے جواب نکل آیا۔ اگرچہ صورتاً خبر ہے مگر معناً انشاء ہے۔ گویا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو امر فرما گئے ہیں کہ اپنے زمانہ میں آپ جزیرہ کو موقوف فرمادیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اتنا بڑا مدبر تسلیم فرماتے ہیں کہ ان کے سپرد اتنا بڑا قانون فرماتے ہیں کسی دوسرے کو یہ اجازت نہیں دیتے۔ بات یہ ہے کہ ان میں ملکہ سلطنت کامل ہے۔ مگر جب تک حق تعالیٰ نے اس سے کام لینے کو نہیں فرمایا اس سے کام نہیں لیا اور جب اس سے کام لینے کا حکم ہو گا کام لیں گے۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمن ج ۳۱)

## حضرات صحابہؓ کا حال

آخر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کیا بات تھی حالانکہ وہ حضرات ثوئی ہوئی چٹائیوں پر بلکہ کنکریوں پر بیٹھے ہوئے سلطنت فارس و روم کا فیصلہ فرماتے تھے مگر کوئی مال و دولت ان کے پاس نہ تھی اور نہ اس کی ہوس تھی اسی لیے ان حضرات کو ثروت کے ملنے سے ذرا بھی خوشی نہیں ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ حضرت حباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو آپ روتے تھے لوگوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا افسوس ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں پلہ داری کرتے تھے اور آج اس قدر مال و دولت جمع ہے کہ بجز مٹی میں دفن کرنے کے اور کہیں رکھنے کی جگہ نہیں۔ حضرات! اگر وہ اصلی ترقی آپ کو نصیب ہو جائے تو واللہ اس ظاہری نمود کو آپ ہیچ در ہیچ سمجھنے لگیں۔ آپ کو معلوم ہوا کہ ان حضرات کے دل میں دنیا کی کیا قدر تھی آپ کی ساری عمر دنیا پرستی میں گزری ہے اس لیے آپ کو کچھ خبر نہیں۔

تو نہ دیدی کہے سلیمان را      چہ شنای زبان مرغاں را  
(تو نے کبھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہیں دیکھا تو پرندوں کی بولی کو کیسے پہچانے گا)



# عملیات و تعویذ

- ☆ وظائف و اوراد کی اہمیت
- ☆ سحر کی اقسام
- ☆ ناجائز عملیات
- ☆ تسخیر کا عمل
- ☆ مسئلہ اجازت عملیات
- ☆ جیسے دیگر عنوانات منتخب جواہرات

## سحر کی اقسام

سحر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سحر حرام کہ محاورات میں اکثر اسی پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے۔ دوسرا سحر حلال جیسے عملیات اور عزائم اور تعاویذ وغیرہ کہ لغتہ یہ بھی سحر میں داخل ہیں اور ان کو سحر حلال کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تعاویذ و عزائم وغیرہ مطلقاً مباح نہیں بلکہ اس میں بھی تفصیل ہے کہ اگر اس میں اسماء الہی سے استعانت ہو اور مقصود بھی جائز ہو، تو جائز ہے۔ اگر مقصود ناجائز ہو تو حرام ہے۔ اور اگر شیاطین سے استعانت ہو تو مطلقاً حرام ہے۔ خواہ مقصود اچھا ہو یا برا۔ بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ جب مقصود اچھا ہو تو شیاطین کے نام سے بھی استعانت جائز ہے۔ یہ بالکل غلط ہے خوب سمجھ لو۔ (تعمیم التعلیم ج ۲)

## ایک عوامی غلطی

بعض لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر نیت اچھی ہو اور کسی کا نفع ہو تو سفلی عمل بھی جائز ہے جس میں شیاطین سے استعانت ہوتی ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ نفع کی نیت سے حرام عمل جائز نہیں ہو جاتا۔ پس سفلی عمل تو اپنی حقیقت ہی کے اعتبار سے گناہ ہے گو نیت کیسی ہی اچھی ہو۔ مگر علوی عمل بھی مطلقاً جائز نہیں اگر کوئی علوی عمل پڑھے تو اس کو دیکھنا چاہیے کہ نیت کیا ہے۔ اگر مباح کام کے واسطے پڑھا جائے تو جائز ہے جیسے حلال نوکری کے واسطے پڑھے یا کوئی شخص مقروض ہو وہ ادائے قرض کے واسطے عمل پڑھے اور اگر مثلاً کسی اجنبی عورت کو مسخر کرنے کے واسطے پڑھا ہے تو حرام ہے۔ (ایضاً)

## عورت کی تسخیر کا عمل کرنا کیسا ہے؟

اگر بلا نکاح ہی مسخر کرنا مقصود ہے تب تو حرام ہے اور اگر نکاح کے لئے مسخر کرنا ہے تب چونکہ اس سے نکاح کرنا اس کے ذمہ واجب نہیں ہے وہ بھی جائز نہیں۔ ہاں اگر کسی کی

بیوی نافرمان ہو، اس کے مسخر کرنے کے واسطے عمل پڑھے تو جائز ہے۔ اسی طرح کسی عورت کا شوہر ظالم ہو اس کا مسخر کرنا بھی۔ لیکن بعض افراد اس کے بہت نازک ہیں اکثر لوگ ان کو علی الاطلاق جائز سمجھتے ہیں مگر فقہاء نے ان کو بھی حرام لکھا ہے۔ مثلاً کوئی عورت اپنے شوہر کو تابعدار بنانے کے واسطے عمل پڑھے تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر وہ ادائے حقوق میں کمی کرتا ہے تو اس درجہ کے حاصل کرنے کے واسطے جائز ہے۔ اور اگر حقوق ادا کرتا ہے تو محض عاشق و مفتون بنانے کے واسطے عمل کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح کسی امیر آدمی کے واسطے عمل پڑھنا کہ وہ ہم کو پچاس روپے دے دے نا جائز ہے۔ (تیمم التعليم ج ۲)

## دعا کی طاقت

اور وظائف میں ثواب کی نیت نہیں ہوتی بلکہ محض دنیا ملنے کی نیت ہوتی ہے اس لئے ثواب کچھ نہ ہوگا بخلاف دعا کے کہ وہ اپنی ذات سے عبادت ہے حتیٰ کہ اس میں اگر دنیا مانگی جائے تب بھی شریعت اس کو عبادت کہتی ہے چنانچہ خود شریعت نے اس کو دنیا مانگنے کا طریق تجویز فرمایا ہے پس دنیا کی نیت کرنا دعا کے منافی نہیں کیونکہ احادیث میں دنیا کی نیت سے بھی دعا کرنا حکم ہے۔

مثلاً ایک حدیث میں ہے۔ واسئلوا اللہ العافیۃ الصحیح لمسلم کتاب الجہاد: ۲۰)

کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگو اسی طرح حصول رزق و حصول غنا و اداء دین وغیرہ کے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں تعلیم فرمائی ہیں اور اگر احادیث میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دنیوی راحت کو نہیں چھوڑا جس کے لئے کوئی دعا نہ بتلائی ہو اور کسی مصیبت کو نہیں چھوڑا جس سے پناہ مانگنے کا طریقہ نہ بتلایا ہو بلکہ راحت و مصیبت کے علاوہ بھی ہر حالت کے متعلق ایک نہ ایک دعا آپ نے مقرر فرمائی ہے۔ (تفصیل الدین ج ۳)

## صحابہ کرامؓ کی حالت

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو یہ حالت تھی کہ غرباء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کرتے ہوئے آئے کہ یا رسول اللہ مالدار لوگ ہم سے بڑھ گئے کیونکہ جس طرح نماز روزہ ذکر و شغل ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں اور ان میں یہ بات زیادہ ہے کہ وہ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ خیرات و صدقات کرتے رہتے ہیں۔ جہاد میں خوب مال خرچ کرتے ہیں اور یہ کام ہم نہیں کر سکتے۔ تو حضور نے ان سے فرمایا کہ تم پانچوں نمازوں کے بعد۔





## راز محبوبیت

بعض لوگ تسخیر کے لئے عمل کیا کرتے ہیں یہ بھی حرام ہے اور اگر کسی بزرگ کو دیکھا ہو کہ وہ میاں بیوی میں محبت ہونے کے لئے عمل کرتے ہیں۔ تو وہ اس درجہ کا عمل کرتے ہیں جس سے میاں حقوق واجبہ ادا کرنے لگے یہ نہیں کہ وہ مغلوب الحواس ہو جائے بزرگوں کے پاس تسخیر کا عمل تو تہذیب اخلاق ہے اس سے بڑھ کر کوئی تسخیر نہیں جس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔ اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے (المہذیب ج ۴)

## ممنوع تعویذ

بعض تعویذ بھی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ قابل منع کرنے کے ہیں ایک تعویذ یہ مشہور ہے: لی خمسۃ اطفی بھا جرا الوباء الحاطم المصطفیٰ والمرضى وابناهما والفاطمہ میرے پاس پانچ تن ایسے ہیں جن سے میں وبا کی حرارت کو توڑتا ہوں۔ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جناب مرتضیٰ ان کے دونوں بیٹے اور حضرت فاطمہؑ۔ یہ حضرات پنجتن کے نام مبارک ہیں اگر کچھ تاویل نہ کی جائے تو اس کا مضمون شرک ہے اور اگر تاویل کی جاوے کہ ان کے توسل سے یہ اللہ تعالیٰ سے سوال اور دعا ہے تو دعا کا ادب یہ ہے کہ نثر میں ہو نظم میں کیسی دعا اور پھر یہ کہ توسل ہی ہے تو صحابہؓ اور بھی تو ہیں ان کا نام کیوں نہیں آیا یہ کسی شیعہ کی تصنیف ہے ان کو اور حضرات سے بغض ہے اس لئے ان کو چھوڑ دیا۔ اور طرفہ یہ ہے کہ جن کی دوستی میں اوروں سے بغض ہے بغض فرق شیعہ کو خود ان سے بغض ہے حضرات شیخین سے تو اس لئے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان کا حق کیوں نہ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس لئے کہ انہوں نے اپنا حق وصول کیوں نہ کیا۔ (المصر ج ۹)

## وظائف و اوراد قابل قدر ہیں

یہ اوراد بیکار نہیں ہیں بڑے کام کی چیزیں ہیں جہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مستحبات و سنن کی ترغیب دی ہے بلکہ اگر احادیث کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض و واجبات سے زیادہ سنن و مستحبات کی ترغیب و بیان

فضائل کا اہتمام فرمایا ہے کیونکہ واجبات کو تو لوگ خود ہی کرتے ہیں ان کے لئے زیادہ ترغیب کی ضرورت نہ تھی اور سنن و مستحبات کا لوگ اہتمام نہیں کرتے اور ہیں ضروری بھی اور مفید اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا (۱۲ جامع) اور اسی واسطے مشائخ نے بھی مستحبات کا بہت اہتمام فرمایا ہے۔ چنانچہ اہل طریق کا ارشاد ہے من لا ۛردلہ ۛاردلہ جس شخص کا کوئی ۛرد نہ ہو اس پر کوئی ۛارد بھی نہ ہوگا اور یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں حقیقت میں صاحب ۛاردات وہی لوگ ہیں جو ۛوارد کے پابند ہیں اور جو لوگ سوائے فرائض و واجبات کے کچھ نہیں کرتے ان پر ۛاردات نہیں ہوتے (الاقلیل ۱۲) پس خوب سمجھ لو کہ جس طرح فرائض و واجبات اصل اور ۛواردان کی فرع ہیں مگر اصل کا نفع ان فرع ہی کے ساتھ کامل ہوتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے آپ مسہل لینا چاہیں تو اس کے لئے طبیب آپ کو ایک نسخہ لکھ کر دیتا ہے یہ تو اصل مسہل ہے لیکن اس کے بعد وہ یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ دو چار گھنٹہ کے بعد مدد کے لئے سونف کا عرق بھی نیم گرم پینا یا بنج جلا یا کوئی گولی کھا لینا تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مدد بیکار ہے ہرگز نہیں مدد کی بھی بہت ضرورت ہے ورنہ مسہل میں ضرور کسر رہے گی اسی طرح یہاں سمجھو کہ ۛوارد و نوافل فرائض کے لئے بمنزلہ مدد کے ہیں اس کا نفع اس کے ساتھ مل کر ہی کامل ہوتا ہے پس ان کی پابندی بھی بہت ضروری ہے اور یہی معنی ہیں صبر کے آدمی اپنے معمولات پر مستقل رہے، جو شخص ہر حالت میں اپنے معمولات پر جما رہے گا اور اعمال شرعیہ کا پابند رہے گا وہ کسی نعمت موہوبہ غیر اختیار یہ کے سلب سے یاس و کفران میں اور کسی نعمت موہوبہ کے عطا سے فرح و فخر میں مبتلا نہ ہوگا کیونکہ اس کی نظر میں اعمال مکتبہ اختیار یہ مقصود بالذات ہوں گے اور اعمال موہوبہ غیر اختیار مقصود بالذات نہ ہوں گے اور جو احوال موہوبہ کو مقصود بالذات سمجھتا ہے وہ ان کے حصول پر اعمال و معمولات میں اکثر کمی کر دیتا ہے اور سلب احوال پر یاس و کفران میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (المعرق والحق ج ۱۴)

## تعبیر خواب

بس آج کل تو بڑا بزرگ وہ سمجھا جاتا ہے جو خوابوں کی تعبیر بتا دیتا ہو یا جیسا کوئی تعویذ

مانگے ویسا ہی وہ دیتا ہو اور اگر کوئی صاحب کہہ دے کہ ہم تو بھائی تعویذ گنڈے جانتے نہیں تو یا تو اسے کہیں گے کہ یہ جھوٹا ہے بھلا کوئی بزرگ بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ جو تعویذ نہ جانتا ہو اور اگر اسے سچا سمجھیں گے تو کہیں گے کہ اجی یہ بزرگ و زرگ کچھ نہیں اگر بزرگ ہوتے تو تعویذ لکھنا نہ جانتے، پھر اگر تعویذ دیا اور بیمار اچھا نہ ہوا تو تعویذ دینے والے کی بزرگی ہی میں شک ہونے لگتا ہے کہ اگر یہ بزرگ ہوتے تو کیا تعویذ میں اثر نہ ہوتا حالانکہ اچھا ہو جانا کچھ بزرگی کی وجہ سے تھوڑا ہی ہوتا ہے بلکہ جس کی قوت خیالیہ قوی ہوتی ہے اس کے تعویذ میں زیادہ اثر ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بہت زیادہ قوت خیالیہ رکھتا ہو تو اس کے محض سوچنے ہی سے جاڑا بخارا اتر جاوے چاہے وہ کافر ہی کیوں ہو کیونکہ یہ قوت تو اس میں بھی موجود ہے اور یہ مشق سے اور بھی بڑھ جاتی ہے بالخصوص بعض طبائع کو تو اس سے خاص مناسبت ہوتی ہے غرض بزرگی کا اس میں کچھ دخل نہیں یا مثلاً آج کل لوگ تصرفات کو بڑی بزرگی سمجھتے ہیں کہ ایک نگاہ دیکھا تھا دھڑ سے نیچے گر گیا تو یہ بزرگ کیا ہیں گویا گرگ ہیں، یوں کہئے کہ پہلوان بھی ہیں بزرگ صاحب، سو جناب یہ ساری خرابی بزرگوں کے اخلاق کی ہے کہ چاہے سمجھ میں آوے یا نہ آوے کچھ نہ کچھ تعبیر ضرور دے دینا، یا کوئی نہ کوئی تعویذ ضرور لکھ دینا اس میں بھی تو ایک بناوٹ اور تصنع سے ایسا کرنا ہے تاکہ درخواست کرنے والا ہماری بزرگی کا معتقد رہے یہ بات تو خیر الحمد للہ اہل حق میں نہیں ہے لیکن یہ خیال کر کے کہ اس کا دل نہ ٹوٹے لاؤ کچھ کر دیں اور بنا کر سوچ سا چکر کچھ کر کر دیا اس میں اہل حق بھی محتاط نہیں الا ماشاء اللہ اور صاف جواب اس لئے نہیں دیتے کہ دل ٹوٹے گا، سواب چونکہ کہیں سے جواب تو ملتا نہیں اس لئے ان چیزوں کو بھی لوگ داخل بزرگی سمجھنے لگے، یہ خرابی ہوئی اخلاق کی، میں کہتا ہوں کہ خیر اگر دل شکنی کو بھی دل گوارا نہ کرے اور صاف جواب نہ دے سکیں تو کم از کم ایک بات تو ضروری ہے وہ یہ کہ یوں کہہ دیا کریں کہ بھائی اس کا تعلق دین سے تو کچھ نہیں ہے لیکن خیر تمہاری خاطر سے تعویذ دیئے دیتا ہوں باقی اثر ہونے کا میں ذمہ دار نہیں اور اگر اثر ہو بھی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس میں میرا کچھ دخل نہ ہوگا۔ (آثار الموعج ج ۱۴)

## عمل تسخیر

ہمارے حضرت استاد علیہ الرحمۃ کو ایک شخص نے تسخیر کا عمل بتلایا تھا اور مولانا کو کمالات

کا ایسا شوق تھا کہ ہر قسم کی چیز کو سیکھ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح یہ عمل بھی سیکھ لیا جس سے مقصود محض علم تھا، عمل مقصود نہ تھا۔ کیونکہ اہل اللہ مخلوق کو مسخر کرنے کی تدبیریں نہیں کیا کرتے۔ جیسا بعض لوگوں کو بزرگوں پر شبہ ہو جاتا ہے کہ ان کو تسخیر کا عمل آتا ہے اور انہوں نے کوئی عمل ایسا کیا ہے جس کی وجہ سے لوگ ان کی طرف جھکے چلے آتے ہیں۔ میں اس کی نفی نہیں کرتا۔ بلکہ آپ کو اس کی حقیقت بتلاتا ہوں۔ غور سے سنو کہ واقعی انہوں نے تسخیر کا عمل کیا ہے۔ وہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہے۔ جس کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے بندہ خدا کا محبوب ہو جاتا ہے۔ پھر مخلوق کے دلوں میں بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وِثًّا

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔ (پارہ نمبر ۱۶، رکوع نمبر ۹)

اور حدیث میں إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا نَادَىٰ جِبْرِيلُ إِنِّي أَحِبُّ فُلَانًا فَاجِبُهُ ثُمَّ يَنَادِي جِبْرِيلُ فِي السَّمَوَاتِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَاجِبُوهُ ثُمَّ يُوَضَّعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ (او کما قال)

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کو ندا ہوتی ہے کہ میں فلاں کو چاہتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر جبریل آسمانوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر زمین میں بھی اس کے لئے قبول رکھ دیا جاتا ہے۔ یعنی اہل قلب کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ اہل کلب کے دلوں میں نہیں اس میں اعتبار ان لوگوں کا ہے جن کو کوئی غرض اس شخص سے وابستہ نہ ہو۔ نہ نفع کی نہ ضرر کی یعنی کسی دنیوی غرض سے نہ دوست ہوں نہ دشمن ہوں۔ بلکہ خالی الذہن ہوں کیونکہ جن لوگوں کو اس شخص سے کچھ دنیوی ضرر پہنچتا ہے۔ مثلاً اس کی وجہ سے ان کی شہرت میں کمی آگئی ہو وہ تو خواہ مخواہ اس کے دشمن ہوں گے اور جن کو اس سے کچھ نفع پہنچ رہا ہے وہ خود بخود دوست ہوں گے۔ ان دونوں کا اعتبار نہیں بلکہ اعتبار ان کا ہے جن کو نہ اس سے کچھ ضرر پہنچا ہے۔ نہ نفع۔ کوئی غرض دنیوی اس کے ساتھ متعلق نہ ہو تو ایسے لوگوں کے دلوں میں خلقی کی محبت ضرور ہوگی۔ بشرطیکہ وہ اہل قلب ہو اہل کلب نہ ہو۔ کیونکہ بعض قلب کلب ہوتا ہے۔ (افناء المحبوب ج ۱۵)



## نسبت پر عملیات کا اثر

حضرت شاہ فضل الرحمن صاحب پر بھی بعض لوگوں کو ایسا گمان تھا۔ مولانا صاحب کشف تھے ان کو اس خطرہ پر اطلاع ہو گئی فرمایا استغفر اللہ، بعض لوگوں کا ایسا خیال ہے کہ اہل اللہ عملیات سے لوگوں کو مسخر کرتے ہیں۔ ارے یہ بھی خبر ہے کہ عمل سے نسبت باطنی سلب ہو جاتی ہے وہ ایسا کبھی نہیں کرتے تو مولانا محمد یعقوب صاحب نے تسخیر و حُب کا عمل محض اس لئے سکھ لیا تھا کہ مولانا کو ہر چیز کے جاننے کا شوق تھا۔ عمل کرنے کے واسطے نہیں سیکھا تھا۔ چنانچہ جس شخص نے آپ کو یہ عمل بتلایا تھا اس نے اخفاء کے اہتمام کے جنگل میں لے جا کر تعلیم کیا تھا۔ جب مولانا نے اس عمل کو محفوظ کر لیا تو اس شخص نے مولانا کو زیادہ معتقد بنانے کے لئے یہ کہا کہ حضرت یہ عمل بہت تیز ہے۔ میں نے ایک ایسی امیر زادی پر اس عمل کا امتحان کیا تھا۔ جس کی ہوا بھی پردہ سے باہر نہ نکلی تھی مگر اس عمل سے وہ فوراً میرے پاس حاضر ہو گئی۔ یہ سن کر مولانا اس عمل سے گھبرا گئے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ نفس کا کیا اعتبار ہے نہ معلوم کس وقت وہ بدل جائے اس لئے میں نے اس عمل کو ذہن سے بھلانے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ اب اس کا ایک لفظ بھی یاد نہیں۔ واقعی یہ بڑا کمال ہے کہ یاد کی ہوئی چیز کو اس طرح بھلا دیا جائے۔ اس کو کرامت کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

ایک حالت مولانا کی اس سے بڑھ کر یاد آئی مجھ سے خود فرمایا کہ ایک بار خط لکھ کر دستخط کرنا چاہا تو اپنا نام یاد نہیں آیا۔ یہ واقعہ اگر میں خود حضرت سے نہ سنتا تو راوی کو کاذب سمجھتا۔ تو ایسے حالات اور کرامات تو مستثنیٰ ہیں لیکن عادیہ امور اختیار سے باہر تھے۔ پس شیخ سے یہ درخواست کرنا کہ ہم بچہ کو بھول جائیں واقعہ ہی یاد نہ رہے۔ فضول ہے کیونکہ یہ بات اختیار سے باہر ہے اور اگر کسی نے ایسا کیا بھی ہے تو وہ محض کرامت ہے اور کرامت بھی اختیار میں نہیں۔ دوسرے اگر ایسا ہو جائے تو صبر ہی کہاں رہا اور صبر کا ثواب کیونکر ملے گا کمال تو یہی ہے کہ واقعہ غم یاد ہو پھر صبر کرے یعنی اجر کو یاد کر کے دل کو سمجھائے اور ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے اس پر وعدہ ہے اطمینان کے مرتب ہونے کا۔

آلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (سمجھ لو) کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو چین حاصل ہوتا ہے۔ (پارہ نمبر ۱۳۔ رکوع نمبر ۱۰)

اور جس مرتبہ کا ذکر ہوگا اسی مرتبہ کا اطمینان ہوگا۔ اور اس اطمینان کا حاصل یہ نہ ہوگا

کہ غم بالکل زائل ہو جائے گا۔ بلکہ حاصل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ ہوگا۔ عقلاً اس پر راضی ہو جائے گا یا یہ سمجھے گا کہ جو ہوا عین حکمت ہوا۔ اسی ذکر کے تکرار سے غم کا غلبہ کم ہو جائے گا۔ جس سے تکلیف کا درجہ جاتا رہے گا۔ تو کیا ٹھکانہ ہے رحمت کا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا طریقہ بتلایا کہ عذابِ غم سے بھی بچ جاؤ اور ثواب سے بھی محروم نہ ہو۔ مگر تم یہ چاہتے ہو کہ غم ہی نہ رہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا ثواب نہ ملے۔ (انباء المحبوب ج ۱۵)

## جن بھگانے کے لئے اذان

حدیث میں ہے۔ اذا تغولت الغیلان نادى بالاذان یعنی جبکہ جن کسی شکل کے اندر ظاہر ہو تو اذان پکار کر کہہ دے اس پر مجھے یاد آیا کہ بعض لوگ طاعون پر اذان کہتے ہیں اور استدلال یہ کرتے ہیں کہ طاعون ہے جن سے اور تغول جن (جن کی شکل میں ظاہر ہونے) کے لئے اذان کہنا آیا ہے۔ یہ تو استدلال صحیح نہیں کیونکہ تغول دفعۃً ہوتا ہے اور اس سے دفعۃً ہی ضرر پہنچتا ہے تو اگر اس کے لئے نماز کی اذان کا انتظار کریں تو اتنی دیر میں وہ تباہ کر دے گا۔ اور طاعون کا ضرر دفعۃً نہیں ہوتا پس اس میں جو جن ہیں وہ نماز مغرب کی اذان سے اور دوسرے اوقات کی نماز کی اذان سے بھاگ جائیں گے تو اس کیلئے مستقل اذان کی کیا ضرورت ہے خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اصل بات یہ ہے کہ جب حدیث میں اذا تغولت الغیلان ہے تو لاغول کے معنی یہ ہیں کہ آدمی مر کر بھوت نہیں ہوتا اب رہی یہ بات کہ وہ تو مرے ہوئے شخص کا نام بتلاتے ہیں کہ میں فلانا ہوں تو وہ جھوٹ اپنا نام بدل کر بتلا دیتے ہیں۔ (اجلیۃ الداعی ج ۲۱)

## مرض طاعون کا ازالہ

طاعون کی تدبیر میں صفائی مکانات کی اور فرائض ہی کافی نہیں ہے بلکہ دوسری صفائی بھی ضروری ہے اور یہ دوسری صفائی وہ نہیں جو بعضے بد مذاق لوگ سمجھتے ہیں یعنی وہ تعویذوں کو کافی سمجھتے ہیں کہ تعویذ دروازہ پر چسپاں کر دو طاعون تعویذ سے ڈر کر بھاگ جائے گا۔ یہ ان سے بڑھ کر ہیں جو دوا پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ دوا کا کھانا اور استعمال کرنا بیماری زائل ہو جانے کی طبعی تدبیر تو ہے لیکن تعویذ کا چسپاں کرنا طاعون کے بھاگ جانے کے لئے تو اس درجہ کی طبعی تدبیر بھی نہیں اور نہ باطنی و حقیقی جیسا کہ اصلاح حالت تدبیر حقیقی ہے پس اس پر اتنا اعتقاد رکھنا

بہت ہی عجیب ہے جتنا وہ لوگ رکھتے ہیں جو کہ تعویذوں کے معتقد ہیں یعنی ان کو شک ہی نہیں ہوتا گویا ایک پتہ لکھوا لیا ہے صاحبو! طاعون تو جب بھاگے جبکہ باہر سے آتا ہو طاعون تو گھر کے اندر موجود ہے باہر تعویذ لگانے سے کیا ہوتا ہے وہ طاعون کیا ہے معصیت، کیونکہ طاعون ہوا کوئی اور مصیبت ہو اس کا اصلی سبب تو معصیت ہے۔ (الاستغفار ج ۲۳)

## مسئلہ اجازت عملیات

ایک شخص نے دہلی میں میرے ترجمہ کی جمائل شریف چھاپی۔ اس میں حاشیہ پر آیات کے متعلق عملیات بھی چھاپ دیئے۔ گو عملیات میں میری ایک علیحدہ کتاب ہے مگر اس جمائل پر جو عملیات چھپے ہیں اس کی مجھے خبر نہیں کہ وہ کہاں سے چھاپے اب لوگوں کے خطوط میرے پاس بکثرت آتے ہیں کہ ان عملیات کی اجازت دیدیتجئے میں لکھ دیتا ہوں کہ مجھے خود کسی نے اجازت نہیں دی، کیا ایسے شخص کی اجازت مفید ہو سکتی ہے میں کہتا ہوں اس اہتمام کے ساتھ یہ اجازت کا قصہ بھی محض ایک فضول حرکت ہے کیونکہ اس سے تسلسل لازم آئے گا کہ ہر اجازت دینے والے کے لیے اجازت دینے والا لازم آئے گا کہ کہو کہ منتہا سب کے حضور ہیں اور حضور کو حق تعالیٰ نے اجازت دی، بس سلسلہ ختم ہو گیا تو خود یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ عمل اور تعویذ گنڈے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو منقول نہیں تو سب سے اول عمل والے کو کس نے اجازت دی تھی اگر اس کے عمل بے اجازت موثر ہوئے تو معلوم ہوگا کہ عملیات کے موثر ہونے کے لیے اجازت شرط نہیں یہ سب کھانے کمانے والوں کی ترکیبیں ہیں کہ لوگ خود تعویذ نہ لکھ سکیں ہمارے محتاج رہیں اسی طرح اس کی بھی کیا ضرورت ہے کہ ایصال ثواب کے لیے کھانے پر پنج آیت بھی ضرور پڑھی جاوے جس میں جاہل لوگ ان پیر جیوں کے محتاج رہیں۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

## تعویذ کی حیثیت

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل عملیات میں زبان سے کہنا ہے لیکن جو بچہ وغیرہ پڑھنے پر قادر نہ ہو اس کے واسطے روایات ہی میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ”کبھا فی صک و علقھا فی عنقہ“ یعنی لکھ کر گلے میں ڈال لیتے ہیں، سمجھداروں کے واسطے کہیں کسی روایت سے ثابت نہیں کہ تعویذ اس کے گلے میں لٹکایا گیا ہو میں اس کے جواز کا انکار نہیں کرتا۔ مقصود میرا یہ بتلانا ہے کہ سلف میں نقش تعویذ کا کیا درجہ ہے اور اب کیا ہوگا چنانچہ اب تو لوگوں کا یہ

اعتقاد ہے کہ جو بات تعویذ سے ہوگی وہ پڑھنے سے بھی نہ ہوگی کیونکہ لکھا ہوا تو کسی بزرگ کا ہے ان کے لکھنے کی وجہ سے برکت زیادہ ہوگی اور پڑھا ہوا ہمارا ہم میں وہ برکت کہاں ارے بھئی بس انہیں بزرگ ہی سے تعویذ لکھوا لو حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں مگر رواج اس کا اس قدر عام ہے کہ اپنے پڑھنے پر دوسرے سے لکھوانے کو ترجیح دی جاتی ہے میرے خیال میں تو اس کا راز یہ ہے کہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ محنت نہ کرنا پڑے بس جو کام ہو وہ بزرگوں کے تعویذ ہی سے نکل جائے خود کچھ نہ کرنا پڑے اس لیے فرمائش کی جاتی ہے کہ طاعون کا تعویذ لکھ دو اگر ان لوگوں سے یہ کہا جاوے کہ میاں تعویذ سے کیا ہوگا استغفار پڑھا کرو تو جواب میں یوں کہیں گے کہ اجی ہم نے تعویذ لکھوا لیا ہم تو مطمئن ہو گئے۔ یاد رکھو کہ یہ تعویذ صرف بچوں کے لیے ہیں جو خود پڑھنے اور لکھنے سے قاصر اور معذور اور تعویذ لکھنے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں۔ البتہ آپ کا معمول تھا کہ آپ پڑھ کر دم فرما دیا کرتے تھے تو دم بھی تو کر دیا کرو محض تعویذ پر اکتفا نہ کیا کرو پھر اگر صاحب حاجت سمجھ دار ہے تو خود بھی پڑھے اور پڑھوا کر دم بھی کرا لے اور خیر ایسا ہی جی چاہے تو تعویذ بھی لکھوائے غرض ان تین چیزوں کو جمع کرے صرف ایک تعویذ ہی پر اکتفا نہ کرے اب تو تعویذ کی ایسی رسم ہو گئی ہے کہ بوڑھے بوڑھے تعویذ مانگتے ہیں یا آگے ترقی۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

## وکیل کی مخالفت الی الشر کی اجازت نہیں

فقہاء نے کہا ہے کہ وکیل کی مخالفت الی الشر اپنے موکل کی جائز نہیں ہاں مخالفت الی الخیر جائز ہے جیسے کسی نے قلمدان بیچنے کو دیا کہ اسے ایک روپیہ کو بیچنا تو سوارو پیہ کو بیچنا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے کیونکہ سوارو پیہ میں تو ایک روپیہ بھی ہے اور بارہ آنہ کو بیچنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر فقیر نے ایک پیسہ مانگا اور تم نے ایک روپیہ دیدیا تو اس کے سوال کو رد کیا یا کہ اور زیادہ قبول کر لیا اب آپ سو روپے کی دعا کر کے اثر یہ ثابت کر دیجئے کہ نہ آپ کو سو روپے ملے نہ اس کی اچھی چیز ملی تو عدم قبول کا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے لیکن اگر آپ کو بجائے سو روپیہ کے دو رکعت نماز نفل کی توفیق ہو گئی تو کیا پھر بھی عدم قبول کا دعویٰ کر سکتے ہو۔ کیا نماز بھی سو روپے سے زیادہ اچھی چیز نہیں کیا روزہ اس سے اچھا نہیں ہے؟ اگر سو روپے نہیں ملے اور نماز روزہ کی توفیق ہو گئی تو یہ قبول ہی تو ہے بلکہ اور زیادہ قبول ہے کہ ایسی چیز مل گئی جس کا اجر سو روپے سے بدرجہا زائد قیمتی ہے تو بعضا قبول خفی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ اگر آج دعا نہ کرتے تو پارہ اور نماز پڑھنے کی توفیق ہی نہ ہوتی۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)



## زیارت نبوی غیر اختیاری چیز ہے

بعض لوگ اس کی ترکیبیں پوچھا کرتے ہیں کہ کوئی وظیفہ یا درود ایسا بتلا دو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہو جائے۔ گو بزرگوں نے اس کے طریقے بھی لکھے ہیں مگر حقیقت میں یہ محض ہیبت ہے اختیاری چیز نہیں اسی لئے اگر خواب میں کسی کو زیارت ہو جائے تو یہ کچھ کمال مامور بہ نہیں (گو نعمت عظیمہ ہے)۔

اور اگر کسی کو عمر بھر زیارت نہ ہو تو یہ کچھ نقص منہی عنہ نہیں کیونکہ ایسے کمال و نقص کا مدار تو امور اختیاریہ ہیں غیر اختیاری امور کے نہ ہونے سے نقص لازم نہیں آتا اور خواب میں دیکھ لینا امر غیر اختیاری ہے تو نہ کچھ کمال ہے اور نہ اس کی ضد کچھ نقص ہے بلکہ خود بیداری میں اختیار سے دیکھ لینا گو فضیلت ہے مگر نہ دیکھنا کوئی ایسا نقص نہیں جس میں کوئی دینی نقص ہو بلکہ بعض حالتوں میں دیکھنے پر نہ دیکھنے کو ترجیح ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت زندگی بعض ایسے لوگوں نے بھی دیکھا ہے جو مرتکب کبائر تھے گو کفار نے بھی دیکھا مگر ان کا دیکھنا تو نہ دیکھنے کے حکم میں ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (اور آپ ان کو اپنی طرف نظر کرتا ہوا دیکھیں گے حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے ۱۲) کفار کے دیکھنے کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی حسین جمیل محبوب کی صورت خوردبین کے آئینہ میں کو دیکھے جس میں چھوٹی شے بہت بڑی معلوم ہوتی ہے اب اس کو محبوب کا قد شہتیر سے بھی بڑا نظر آئے گا اور ناک ہاتھی کی۔ دیکھئے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو باوجودیکہ زیارت نہیں ہوئی مگر ان کی وہ فضیلت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم اویس سے ملو تو ان سے اپنے واسطے دعا کرانا وہ بڑے مستجاب الدعوات ہیں ان کی شفاعت سے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت بخشی جائے گی اور ان کے نہ دیکھنے پر اس لئے ترجیح تھی کہ وہ خود سرکار کے روکے ہوئے تھے ان کی والدہ بہت بوڑھی اور ضعیف تھیں اور خدمت کرنے والا ان کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا اس وقت ان کے لئے خدمت والدہ سفر مدینہ سے زیادہ اہم تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو نہ آ سکے کیا ان کا دل نہ تڑپتا ہوگا ضرور تڑپتا ہوگا آج ہم لوگ دیدار نبوی کی حسرت میں ہیں حالانکہ کوئی صورت متوقع نہیں اور حضرت اویسؓ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا زمانہ پایا ہے جس میں زیارت متوقع تھی مگر وہ اس واسطے نہ جاسکے کہ۔

ارید وصالہ ویرید ہجری فاترک ما ارید لما یرد  
 میل من سوے وصال نہ میل او سوے فراق ترک کام خود گرفتہ تا برآید کام دوست  
 (میں تو اس کے وصال کا خواہاں ہوں اور وہ میری جدائی کے درپے ہے۔ پس میں  
 اپنی خواہش کو اس کی مرضی کے تابع کرتے ہوئے ترک کرتا ہوں)  
 وہ تو آنا چاہتے تھے مگر خدا و رسول کا حکم یہی تھا کہ ماں کی خدمت کے لئے اپنے گھر ہی  
 پر رہو اور اطاعت واجب تھی اور زیارت مستحب۔ (انفاق المہجوب ج ۲۰)

عن عثمان بن عبد اللہ بن وہب قال فارسلنی اہلی الی ام سلمة  
 بقدر من ماء وکان اذا اصاب الانسان عین او شئی بعث الیہا  
 محصنة لہا فاخرجت من شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 وکانت نفسکہ فی جلجل من فضة فحضفہ فشرب منه قال  
 فاطلعت فی الجلجل فرایت شعرات حمراء۔ (رواہ البخاری)

عثمان بن عبد اللہ بن وہب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے  
 حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک پیالہ پانی کا دے کر بھیجا اور یہ قاعدہ  
 تھا کہ جب کسی انسان کو نظر وغیرہ کی تکلیف ہوتی تو حضرت ام سلمہ کے پاس پانی کا پیالہ بھیج دیتا  
 ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال تھے جن کو انہوں نے چاندی کی نلکی میں رکھ رکھا  
 تھا پانی میں ان بالوں کو ہلادیا کرتی تھیں اور وہ پانی بیمار کو ہلادیا جاتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں  
 نے جو جھک کر نلکی کو دیکھا تو اس میں چند سرخ بال تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ ایک  
 صحابیہ کے پاس نلکی میں بال رکھے ہوئے تھے جس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاتا تھا کہ بیماروں کی  
 شفاء کے لیے اس کا غسالہ ہلادیا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے بارے میں  
 اختلاف ہوا ہے صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال پکنے لگے تھے جس سے دیکھنے والوں  
 کو خضاب کا شبہ ہوتا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کبھی نہیں کیا کیونکہ حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے کل سفید بال قریب بیس کے تھے یا کچھ زائد۔ (المجہد والنور الصدور ج ۳۱)

# لطائف و ظرائف

- ☆ مزاح کے بارہ میں اسلامی حدود
- ☆ اکابر کے مزاج پر مبنی حکایات

## ضعیف اور ضعیفہ

کانپور میں مجھ سے ایک بڑھے نے پوچھا تھا کہ وتروں کے بعد سبحان الملک القدوس کہنا کیسا ہے میں نے کہا ہاں مسنون ہے حدیث سے ثابت ہے۔ کہنے لگا وہ حدیث تو ضعیف ہے۔ میں نے ظرافت سے کہا تم بھی تو ضعیف ہو۔ تم ہی کہاں کے قوی ہو جو تمہیں حدیث قوی کی ضرورت ہے۔ اس وقت مجھے اس حدیث کی قوت و ضعف کی تحقیق نہ تھی۔ ہاں اتنا معلوم تھا کہ موضوع نہیں ہے اور فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ پر بھی عمل جائز ہے۔ اس لئے میں نے بڑھے میاں کو بوجہ اس کے کہ وہ علمی مباحث کو سمجھ نہیں سکتا تھا اس وقت یہی جواب دے دیا کہ تم بھی تو ضعیف ہی ہو۔ (العیذ والوعید ج ۶)

## آمین کی اذان

یہ لطیفہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے صاحبزادے نور الحسن خان نے فرمایا تھا۔ ایک بار وہ کسی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے جب امام نے ولا الضالین کہا تو غیر مقلدین نے بڑے زور سے آمین کہی۔ نواب صاحب کے بیٹے بھی موجود تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان چلانے والوں کو بلایا وہ اپنے دل میں خوش ہوئے ہوں گے کہ نواب زادہ بھی ہم جیسے ہوں گے۔ ان کو ہمارا جہر پسند ہوا ہوگا۔ ضرور کچھ انعام دیں گے جب یہ قریب پہنچے تو ایک چپت رسید کیا اور کہا کہ آمین بالجہر تو حدیث میں آئی ہے مگر آمین کی اذان کون سی حدیث میں آئی ہے۔ واقعی بعض لوگ اتنے زور سے آمین کہتے ہیں کہ جیسے لڑ رہے ہوں۔

ہمارے سب سے چھوٹے بھائی جن کو ہم نے عربی پڑھائی تھی وہ ایک دفعہ قنوج میرے ساتھ گئے وہاں جمعہ کی نماز میں کچھ غیر مقلد بھی شریک تھے جنہوں نے آواز ملا کر



زور سے آمین کہی کہ سننے والوں کو تو وحش ہوتا تھا نماز کے بعد میرے بھائی کہنے لگے کہ آمین تو دعا ہے اور دعا خاص لب و لہجہ عاجزی و نیاز مندی کا ہوتا ہے جس کا ان لوگوں میں پتہ بھی نہیں۔ ان کے لہجہ میں تو دعا کی شان نہیں معلوم ہوتی۔ یہ بات مجھے بہت پسند آئی واقعی اس میں جہر شدید کے ممنوع ہونے کو یہی بات کافی ہے کہ اس میں دعا کا لہجہ نہیں ہوتا۔

ایک انگریز نے بھی اس بات کو سمجھا۔ کسی جگہ مقلدوں اور غیر مقلدوں کا جھگڑا تھا انگریز موقعہ پر تحقیقات کو خود آیا اور یہ فیصلہ لکھا کہ آمین کی تین قسمیں ہیں۔ ایک بالجہر یہ تو سنت ہے احادیث سے ثابت ہے۔ ایک بالسریہ بھی سنت ہے احادیث سے ثابت ہے۔ ایک بالشر جس سے مشتعل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ قابل روکنے کے ہے اور ان لوگوں کی آمین تیسری قسم کی ہے۔ لہذا قابل روکنے کے ہے۔ (العید والوعید ج ۶)

## حفاظ جی کھائی

ایک حافظ جی دعوت کھا کر ایک لڑکے کے ساتھ واپس ہو رہے تھے راستہ میں کھائی یعنی خندق آئی تو لڑکے نے کہا 'حافظ جی کھائی' تو وہ فرماتے ہیں ہاں بیٹا خوب کھائی۔ اس نے پھر کہا 'حافظ جی کھائی'۔ وہ یہی کہتے رہے ہاں بیٹا خوب کھائی۔ آخر کو گڑھے میں گر پڑے تو اس پر بڑے خفا ہوئے کہ تو نے بتلایا کیوں نہیں۔ اس نے کہا کہ میں نے تو بار بار کہا تھا۔ حافظ جی کھائی۔ حافظ جی کھائی۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ تجھے یوں کہنا چاہئے تھا 'حافظ جی خندق'۔ (خیر الاثبات الاناث ج ۸)

## اکبر اور بیربل کا لطیفہ

ایک دفعہ اکبر نے بیربل سے کہا کہ یہ جو مشہور ہے کہ تین ہٹیں بہت سخت ہیں جن کا پورا کرنا مشکل ہے راج ہٹ، تریا ہٹ، بالک ہٹ، تو ان میں بادشاہ اور عورت کی ضد کا دشوار ہونا تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ وہ دونوں عاقل ہوتے ہیں ممکن ہے کسی وقت سوچ کر ایسی دشوار بات کہیں جو کسی سے پوری نہ ہو سکے مگر بچہ کی ہٹ کا پورا کرنا کیا مشکل ہے اس میں اتنی سمجھ کہاں جو سوچ سوچ کر دشوار باتیں نکالے اور دوسروں کو عاجز کر دے۔

بیربل نے کہا حضور سب سے زیادہ مشکل بالک ہٹ ہی ہے جس کے پورا کرنے کے

لئے بڑی عقل درکار ہے اکبر نے کہا یہ سمجھ میں نہیں آیا اس کا امتحان ہونا چاہئے بیربل نے کہا حضور پھر میں بچہ بنتا ہوں۔ آپ میری ضدیں پوری کیجئے کہا اچھا! چنانچہ بیربل بچوں کی طرح رونے لگا۔ اکبر نے پوچھا کیوں روتا ہے کہا ہم تو کھیا لیں گے۔ اکبر نے فوراً ایک کھیا منگا دی وہ پھر رونے لگا۔ پوچھا اب کیوں روتا ہے کہا ہم تو ہاتھی لیں گے۔ اکبر نے فیل خانے سے ایک ہاتھی منگا دیا۔ وہ پھر رونے لگا۔ کہا اب کیوں روتا ہے۔ کہا اس ہاتھی کو کھیا میں رکھ دو۔ بس اکبر عاجز ہو گیا ہے کہا اچھا اب ہم بچے بنتے ہیں تم ہماری ضد پوری کرو۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ اکبر کو اور کچھ تو سبق آتا نہ تھا۔ بیربل ہی کا پڑھایا ہوا سبق دہرایا دیا کہ ہم تو کھیا لیں گے اس نے بازار سے مٹی کا ایک ذرا سا ہاتھی منگا دیا پھر کہا اس کو کھیا میں رکھ دو اس نے اٹھا کر رکھ دیا۔ بس خاموش ہو گئے بیربل نے کہا حضور آپ نے یہ غلطی کی کہ بچہ کی فرمائش پر اتنا بڑا ہاتھی منگا دیا۔ آپ کو ہاتھی بھی بچے کے مناسب منگانا چاہئے تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اکبر نے بیربل ہی کا سبق دہرایا تھا اس لئے بیربل نے اسے جلدی ہی پورا کر دیا۔ (الصمر ج ۹)

### جنت میں بوڑھیاں

مزاح حدیث سے بھی ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض دفعہ فرمایا ہے چنانچہ ایک بوڑھیا نے حضور سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں پہنچا دے حضور نے فرمایا لا تدخل العجوز الجنة کہ بوڑھی عورت جنت میں نہ جائے گی وہ لگی رونے تب آپ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّا اَنْشَاْنَا هُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا لِّاَصْحَابِ الْيَمِينِ بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی پیدائش پر پیدا کیا کنواریاں، انس و محبت رکھنے والیاں، ہم عمر، داہنے والوں کیلئے۔ مطلب یہ تھا کہ بوڑھی عورت بوڑھیا ہو کر جنت میں نہ جائے گی ایک بار حضرت ابو ذر نے ایک مسئلہ کے متعلق بار بار سوال کیا آپ نے ہر دفعہ جواب دیا پھر آخر میں فرمایا وان رغم انف ابی ذر کہ ہاں یہی جواب ہے اگرچہ ابو ذر کی ناک رگڑ جائے یہ مزاح ہی تو تھا گو برنگ عتاب تھا مگر عاشق کو اس میں ایسا لطف آتا ہے کہ حضرت ابو ذر جب اس حدیث کو بیان کرتے تو آخر میں یہ بھی کہتے وان رغم انف ابی ذر وان زعم انف ابی ذر کیونکہ ان کو اس میں حظ آتا تھا۔ (الرباط ج ۱۱)

## کافر بنانا یا بتانا

اہل حق کا طریقہ یہی ہے کہ حتی الامکان جب تک کوئی بھی تاویل بن سکے کسی کو کافر نہ بتادیں۔ ہاں اگر وہ خود ہی تاویل کو بھی رد کرے تو مجبوری ہے کہ اب مدعی ست اور گواہ چست کا قصہ ہے باقی اپنی طرف سے کبھی کسی کو کافر نہیں بناتے اور جہاں کہیں بضرورت شرعی انہوں نے کسی کو کافر کہہ دیا ہے بعض جہلاً اس پر بھی طعن کرتے ہیں کہ لوگوں کو کافر بناتے ہیں۔ میں اس کے متعلق بطور لطیفہ کہا کرتا ہوں کہ انہوں نے کافر بنایا نہیں بلکہ کافر بتایا ہے (دونوں میں ایک نقطہ کا فرق ہے) (الاسلام الحق ج ۱۲)

## بڑھاپے کے اثرات

ایک بوڑھے شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک طبیب سے اپنا حال کہا کہ آنکھوں میں تیرگی ہے طبیب نے کہا بڑھاپے سے اس نے کہا سانس پھول جاتا ہے کہا یہ بھی بڑھاپے سے ہے پھر کہا بھوک نہیں لگتی کہا یہ بھی بڑھاپے سے غرض جو شکایت کی اس نے یہی جواب دیا کہ یہ بھی بڑھاپے سے ہے۔ آخر وہ بڑھا بگڑ گیا اور طیش میں آ کر اس طبیب کے ایک دھول رسید کی کہ تو نے ساری طب میں بس یہی پڑھا ہے کہ بڑھاپے سے۔ طبیب نے کہا بڑے میاں یہ بے جا غصہ بھی بڑھاپے ہی سے ہے۔ تمہارے اس مارنے کا بھی برا نہیں مانتا۔ (روح الارواح ج ۱۷)

## امراء و سلاطین میں نفرت موت

خصوصاً امراء و سلاطین میں موت سے اس قدر نفرت پائی جاتی ہے کہ وہ موت کے ذکر کو بھی پسند نہیں کرتے۔ میں نے سنا ہے کہ دہلی کے قلعہ میں جنازہ نکلنے کے لئے ایک دروازہ خاص طور پر بنادیا تھا اس لئے کہ کہیں اور دروازہ مردے کے نکلنے سے منحوس نہ ہو جائے اور اس دروازہ کا نام جس میں سے مردہ نکالا جاتا تھا مناسب تو یہ تھا کہ موت کا دروازہ رکھ دیتے لیکن اس خیال سے کہ موت کا نام لینا بھی ٹھیک نہیں ہے اس کا نام خضر دروازہ رکھا گیا تھا۔ بے چارے خضر کو بھی بدنام کیا۔ اگرچہ خضر کی حیات میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ اس وقت بھی زندہ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مدتوں زندہ رہ کر وفات پا چکے ہیں مگر

نام رکھنے والے نے اپنے نزدیک زندہ گمان کر کے دروازہ کا نام خضر دروازہ رکھا ہے۔ اسی طرح ایک مناظرہ کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ وہ دو فاضلوں میں جھگڑا اور مباحثہ رہا کرتا تھا۔ بادشاہ تیمور لنگ کے دربار میں ایک بار ایک فاضل نے دوسرے سے کوئی مسئلہ فرائض و تقسیم کا پوچھا؟ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ ان کو فرائض نہیں آتی تو یہ ہار جائیں گے۔ انہوں نے اپنی ذہانت سے فوراً ایک نکتہ تصنیف کر کے کہا کہ موت کا ذکر دربار میں کرتے ہو یہ ہرگز مناسب نہیں ہے۔ غرض اس وقت اس طرح اپنے عجز کو مستور کر لیا پھر مطالعہ کتب کا کر کے اس فن میں ایک کتاب لکھ کر ان کے پاس بھیج دی کہ جو کچھ دیکھنا ہو اس کتاب میں دیکھ لیا کرو۔ تمہیں اس سے ہر مسئلہ کا پتہ چل جائے گا۔ (شوق اللقاء ج ۲۴)

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں حکمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرماتے تھے اس میں بھی حکمت تھی۔ ایک حکمت تو تطیب قلوب اصحابہ تھی۔ اور دوستوں کا دل خوش کرنا بھی عبادت ہے میں نے اپنے استاد مولانا فتح محمد صاحبؒ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے اور باتیں کرتے رہے جب اٹھنے لگے تو حضرت سے عرض کیا کہ آج میں نے حضرت کا بہت وقت ضائع کیا حضرت کی عبادت میں خلل ڈالا حاجی صاحب نے فرمایا کیا تفلیس ہی پڑھنا عبادت ہے۔ دوستوں سے باتیں کرنا عبادت نہیں؟ یہ تم نے کیا کہا کہ وقت ضائع کیا نہیں بلکہ یہ سارا وقت عبادت ہی میں گزارا اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ صبح کی نماز کے بعد بعض دفعہ مصلے پر بیٹھے رہتے تھے اور اشراق کے وقت تک دوستوں سے باتیں کرتے تھے۔ آدمی تو یہ سمجھتا ہوگا۔ کہ یہ وقت عبادت سے خالی گزرا مگر مولانا اس کو بھی عبادت میں مشغول سمجھتے تھے۔ کیونکہ تطیب قلب مومن بھی عبادت ہے۔ بس ایک حکمت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں یہ تھی دوسری حکمت وہ تھی جو مجھے خواب میں بتلائی گئی۔ میں نے شباب میں خواب دیکھا تھا کہ ملکہ وکٹوریہ ایک ایسی سواری میں سوار ہے جس میں نہ انجن ہے نہ گھوڑا ہے نہ نیل۔ اس وقت تو میں اس سواری کی حقیقت کو نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اب موٹر کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ وہ سواری لاری موٹر کی شکل تھی اور میں نے دیکھا کہ ملکہ سوار تھی تھانہ بھون کی گلیوں اور سڑکوں میں



پھر رہی ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے کو بھی اس سواری پر سوار دیکھا۔ اس وقت ملکہ نے مجھے کہا کہ مجھے حقانیت اسلام میں اور کوئی شبہ نہیں صرف ایک بات کھٹکتی ہے۔ اگر وہ حل ہو جائے تو پھر اسلام کے حق ہونے میں مجھے کوئی اشکال نہ رہیگا میں نے کہا آپ بیان کیجئے۔ وہ کیا شبہ ہے۔ کہا حدیث میں آتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی فرماتے ہیں۔ اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور نبی کیلئے باوقار ہونا ضروری ہے یہ اشکال سلاطین ہی کے مذاق کے مناسب ہے کیونکہ وقار و خودداری کا سب سے زیادہ اہتمام انہی کو ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں ایک بڑی حکمت تھی۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

## مزاح مباح

مزاح کرنا بچوں سے یا دوستوں سے یہ فی نفسہ مباح ہے جس سے نہ ثواب نہ گناہ مگر اثر کے اعتبار سے یا مفید آخرت ہے یا مضر اگر مفید ہو تو لایعنی نہ رہے گا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مزاح فرمایا ہے حالانکہ یقیناً آپ امور لایعنی سے بری تھے اس کا معیار یہ ہے کہ اپنی نیت کو دیکھو کہ مزاح سے مقصود کیا ہے۔ ہمارے یہاں تو کچھ بھی مقصود نہیں ہوتا ہم لوگ اکثر کام بدون کسی خاص ارادہ اور نیت کے کرتے ہیں محض عادت کی بنا پر اکثر کام ہوتے ہیں اور اگر کسی مقصود کا ارادہ بھی ہوتا ہے تو وہ نفس کی کوئی غرض ہوتی ہے بلکہ ہم کیا کہیں ہماری تو نماز بھی نفس ہی کے لئے ہے اس میں بھی کوئی نیت خالص آخرت کے لئے نہیں ہوتی اسی لئے نماز پڑھ کر ہمیں تو ڈر لگتا ہے کہ یہ کس منہ سے کہیں کہ اے اللہ قبول فرمالے بلکہ یوں دعا کرتے ہیں کہ خدا معاف کرے تو ہمارے یہاں مزاح میں تو کیا نیت ہوتی امور واجبہ و مفروضہ میں بھی کوئی خاص نیت نہیں ہوتی بلکہ اکثر افعال عادت کی وجہ سے خود بخود صادر ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی نیت ہوتی بھی ہے تو وہ نفس کی غرض سے خالی نہیں ہوتی خیر یہ تو ہمارا حال ہے اس کو تو رہنے دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں تو یقیناً کچھ مصالح ضرور رہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں تو مصالح کیوں نہ ہوتیں عارفین نے بھی عجیب عجیب مصالح مزاح میں اختیار کی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں علاوہ اور مصالح کے ایک ادنیٰ مصلحت کم از کم یہ تو ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود تبلیغ و اصلاح ہے جس میں ایک کام تو آپ کا تھا پہنچا دینا اور ایک کام قابل کا ہے کہ وہ فیض لے

جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداد ہیبت کس قدر مانع ہو سکتی تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے وہ ہیبت عطا فرمائی تھی جس کی وجہ سے بڑے بڑے سلاطین و دراز کی مسافت پر آپ کے رعب سے کانپتے تھے اور جو آپ کے سامنے آتا تھا اس کو از خود گفتگو کی ہمت نہ ہوتی تھی اور فیض لینے کے لئے مستفید کے دل کھلنے کی ضرورت ہے جب تک اس کا دل نہ کھل جائے اس وقت تک وہ فیض نہیں لے سکتا بس یہ حال ہو جاتا ہے۔

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آ جاتا ہے تھا متا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے عاشق پر جب محبوب کی ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے تو جو کچھ وہ سوچ کر آتا ہے کہ یوں کہوں گا یہ پوچھوں گا صورت دیکھتے ہی سب ذہن سے نکل جاتا ہے اور وقت پر کچھ بھی نہیں کہا جاتا ہمارے ایک عزیز ناخواندہ کہتے ہیں۔

یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آ جاتا سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے گاہے گاہے مزاح فرمایا کرتے تھے تاکہ ان کا دل کھل جائے اور بے تکلف ہو کر استفادہ کر سکیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت تو بھلا کیسی کچھ ہوگی۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

## بزرگوں کے مزاح میں حکمت

بزرگوں نے جو گاہے اپنے متعلقین سے مزاح کیا ہے اس کی حکمت یہ تھی کہ اس سے طالب کا دل کھل جاتا ہے تو وہ استفادہ بخوبی کر سکتا ہے مگر یہ حکمت ان بزرگوں کے مزاح میں ہے جن کے ذمہ تبلیغ و اصلاح کا کام ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو آزاد طبع ہیں وہ تبلیغ و ارشاد سے گھبراتے ہیں ان کا مذاق یہ ہوتا ہے۔

احمد تو عاشقی مشیخت ترا چہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

(احمد تو عاشق ہے مشیخت سے تجھ کو کیا کام عاشق رہے سلسلہ ہو ہونہ ہو نہ ہو)

وہ حضرات اس قاعدہ کے پابند نہیں ان کے مزاح میں ایک دوسری حکمت ہوتی ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ وہ اپنی وضع کو خاک میں ملانا چاہتے ہیں اس لئے مزاح و دل لگی کرتے رہتے ہیں تاکہ چھپھورا پن ظاہر ہو ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی ہم کو چھپھورا سمجھ کر چھوڑ دے گا معتقد نہ رہے گا ان کا مذاق یہ ہوتا ہے۔

رند عالم سوز را با مصلحت بنی چہ کار کار ملک است آنکہ تدبیر و تحمل بایدش  
(رند عالم سوز یعنی عاشق کو مصلحت بنی سے کیا تعلق اس کو تو محبوب حقیقی کا کام  
سمجھ کر تحمل اور تدبیر کرنی چاہئے)

مگر یہ رند وضع سوز ہوتے ہیں شرح سوز نہیں ہوتے وضع و ناموس کو جلا پھونک دیتے  
ہیں مگر شریعت کے پابند ہوتے ہیں اور جو وضع سوز ہونے کے ساتھ شروع سوز بھی ہو وہ یا تو  
فاسق ہے یا مجذوب ہے ان دونوں کے مزاج کی حکمت بیان کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں  
فاسق تو ولی ہی نہیں اور مجذوب گو ولی ہوتا ہے مگر اس کے افعال میں حکمت کا قصد نہیں ہوتا گو  
واقع میں حکمت ہوا کرے۔ سوان دونوں سے یہاں بحث نہیں یہاں گفتگو ان بزرگوں کے  
مزاج میں ہے جو اپنے افعال میں حکمت کا قصد کرتے ہیں تو ان میں جو آزاد ہوتے ہیں میں  
نے ان کے مزاج کی حکمت بتلا دی کہ وہ اپنی وضع کو جلانے کے لئے اور ناموس کو خاک میں  
ملانے کے لئے مزاج کیا کرتے ہیں وہ ان مصالح پر نظر نہیں کیا کرتے جن پر اہل سلسلہ کو نظر  
ہوتی ہے کار ملک است الخ میں اہل سلسلہ ہی مراد ہیں کہ وہ انتظام سلطنت کرتے ہیں ان کو  
مصالح کی رعایت کرنی پڑتی ہے سو وہ کریں رند کو اس کی ضرورت نہیں وہ تو ہر وقت اپنے  
مٹانے کی کوشش کرتا ہے اور بعض دفعہ یہ صفت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ یوں کہنے لگتا ہے۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن پروانہ زمن شمع گل زمن آموختن  
(روشن ہونا اور جلنا اور کپڑے پھاڑنا پروانہ ہم سے شمع نے گل سے ہم سے  
سیکھا ہے) اور یوں کہتا ہے۔

جوش عشق است کاندہ مے فقاد آتش عشق است کاندہ مے فقاد

(جوش عشق ہے جو شراب میں ہے اور آتش عشق ہے جو بانسری میں ہے)

اس وقت جوش میں کوئی اس کے برابر نہیں ہوتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ میرے ہی عشق کا اثر  
پروانہ اور شمع میں ہے اور میرے ہی جوش کا ظہور ہے اور نے میں ہے اور یہ بات محض مبالغہ  
کے طور پر نہیں بلکہ حقیقت کے بھی موافق ہے۔ (الاسعاد والا بعد ج ۲۶)

## حضرت شیخ الہند کی ظرافت

اور اگر بے ڈھنگا سوال ہو جس کے طرز سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا منشا محض

اعتراض اور پریشان کرنا ہے تو اول اس کو حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی طرح الزامی جواب سے خاموش کرو۔ مولانا کو الزامی جواب میں بہت ملکہ تھا مگر وہ ایسوں ہی کے واسطے ہوتا تھا جن کا مقصود محض اعتراض ہوتا اور جو لوگ تحقیق کے طالب معلوم ہوتے ان کے سامنے تحقیقی جوابات بھی خوب بیان فرماتے تھے۔ مولانا میں ظرافت بھی بہت تھی جب طالب علم الزامی جواب سے سکت ہو جاتا تو فرما دیا کرتے تھے کہ تالاب پاس ہے۔ (یعنی اس میں جا کر ڈوب مرو) (تعظیم العلم ج ۲۷)

## ایک حبشی کے آئینہ پانے پر حکایت

ایک حبشی کی حکایت لکھی ہے کہ اس کو کہیں سے ایک آئینہ پڑا ہوا مل گیا اس کو اٹھا کر دیکھا تو اس میں اپنی کالی کالی صورت شریف نظر پڑی کہنے لگا کہ کجخت جب تو ایسا بد صورت تھا تب ہی تو کوئی تجھ کو یہاں پھینک گیا ہے۔ ایک اور احمق کی حکایت ہے کہ اس کا بچہ کھانا کھا رہا تھا روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی کے لوٹے میں گر گیا اس بچہ نے اس میں دیکھا تو اپنی صورت اس میں نظر پڑی کہنے لگا کہ ابا اس نے میری روٹی چھین لی۔ ابا جان نے جھک کر دیکھا تو اس میں اپنی صورت مبارک نظر آئی کہتے ہیں تف ہے تیری اوقات پر اور لعنت ہے تجھ پر یہ ڈاڑھی سفید لگا کر بچہ کی روٹی چھین لی۔ (شکر المثنوی ج ۲۷)

## مزاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ کبھی کبھی مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گاؤں کی چیزیں ہدیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو شہر کی چیزیں مرحمت فرمایا کرتے اور یہ فرمایا کرتے کہ زاہر ہمارا گاؤں ہے اور ہم زاہر کے شہر ہیں ایک مرتبہ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ بازار میں چلے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر پیچھے سے ان کو آغوش میں پکڑ کر دبا لیا آنکھوں پر ہاتھ نہیں رکھا جیسا آج کل کرتے ہیں کیونکہ اس سے تو ایذا اور وحشت ہوتی ہے حضرت زاہر رضی



اللہ عنہ بولے یہ کون ہے چھوڑ دو پھر جب معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر تو انہوں نے غنیمت سمجھا کہ آج کا دن پھر کہاں نصیب اپنی پیٹھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے خوب ملنا شروع کر دیا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا کہ کوئی ہے جو اس غلام کو خریدے حضرت زاہر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا گاہک کون ہے میں تو کم قیمت ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کے نزدیک تو کم قیمت نہیں ہو دیکھئے آپ ان کے ساتھ کس طرح پیش آئے اور ان کے خوش کرنے کو مزاح بھی فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی مصلحت کے لئے گاہ گاہ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ (الاخلاص ج ۳۵)

## رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں حکمت

ایک یورپ کے بادشاہ کو میں نے خواب میں دیکھا اس نے یہ اعتراض کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مجھے صرف ایک شبہ ہے اور کچھ نہیں وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے مزاح فرمایا کرتے تھے اور مزاح وقار کے خلاف ہے اور وقار لوازم نبوة سے ہے میں نے جواب دیا کہ مطلق مزاح وقار کے خلاف نہیں بلکہ خلاف وہ ہے جس میں کوئی معتد بہ مصلحت نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں مصلحت و حکمت تھی وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے ہیئت اور رعب ایسا عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے شان و شوکت اور جرات والے آپ کے روبرو ابتداء کلام نہ کر سکتے تھے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے ایسی بے تکلفی کا برتاؤ نہ فرماتے تو صحابہ کو جرأت نہ ہوتی کہ آپ سے کچھ دریافت کریں اور ہیئت اور رعب کی وجہ سے الگ الگ رہتے اور اس حالت میں ہدایت کا ایک بڑا باب جو کہ استفسار ہے بند ہو جاتا اور تعلیم و تعلم کا بڑا حصہ مسدود ہو جاتا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مزاح فرماتے تھے تاکہ بے تکلفی سے جو چاہیں پوچھیں پھر مزاح بھی تین قسم کا ہوتا ہے ایک مزاح وہ جو ہلکے پن اور چھپور پن پر دلالت کرے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہیں اور ایک مزاح وہ جس سے کسی کو تکلیف

بچے اور تیسرے وہ کہ وقار اور متانت سے ہو کذب اور خلاف حق اس میں نہ ہو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج اسی قسم کا ہوتا تھا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ غرباء کے ساتھ یہ تھا۔ (الاخلاص ج ۳۰)

## بھوکوں کو ہیضہ کے تمنا کرنے کی حکایت

ایک گاؤں کا قصہ مشہور ہے کہ وہاں ہیضہ پھیلا تو وہاں سے نکل کر بھاگے دوسرے گاؤں میں سے گزرے جو غریب اور قحط زدہ تھے انہوں نے پوچھا کیوں بھاگے جا رہے ہو جواب ملا کہ اس گاؤں میں ہیضہ ہو رہا ہے پوچھا ہیضہ کیا ہوتا ہے کسی نے کہا زیادہ کھا لینے سے خرابی ہو جاتی ہے اس کو ہیضہ کہتے ہیں تو وہ کیا کہتے ہیں افسوس یہ مبارک مرض ہم کو کبھی نہ ہوا پیٹ بھر کر کھانے کو تو مل جاتا پھر مرتے یا کچھ ہی ہوتا۔ ایک بی بی کا قصہ بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنے ایک عزیز کے لیے اولاد کی متمنی تھیں ایک بار کہنے لگیں کہ میرے بچہ کے ایک بچہ ہو جاتا پھر چاہے میں اس خبر کو سنتے ہی فوراً ہی مر جاتی۔

(السلام حقیقی ج ۳۱)

# مُعاشِرَت

- ☆ اسلامی معاشرت کے زیریں اصول
- ☆ معاشرت کے اصول و ضوابط
- ☆ معاشرتی زندگی کے نمایاں احکام و آداب
- ☆ موجودہ دور میں معاشرتی احکام سے غفلت
- اور اس کے معاشرہ پر اثرات
- ☆ اسلامی معاشرت کے محاسن
- اور غیر اسلامی طرز معاشرت کے نقصانات



## شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی اہل علم کو نصیحت

میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے اور ملک ملک پھرا ہوں ہر ملک اور ہر طبقہ کی اردو، عربی، فارسی اور انگلش کی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ اصلاح نفس اور اصلاح ظاہر و باطن سے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ سے بڑھ کر میں نے کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ اپنی حد سے زیادہ مصروفیات کے باوجود میں ہر روز سونے سے پہلے ان کا تقریباً پانچ منٹ ضرور مطالعہ کرتا ہوں۔ بعض اوقات دل ان میں ایسا لگتا ہے کہ یہ مختصر سا دورانیہ آدھے گھنٹے تک بھی چلا جاتا ہے۔ حضرت کا کوئی نہ کوئی وعظ ہمیشہ میرے سر ہانے رکھا رہتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں انکی افادیت تمہارے دل و دماغ میں کس طرح اتاروں؟

بس! میں آپ سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر طالب علم حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ (خطبات) کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کر لے۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں آپ کا دل ان میں نہ لگے لیکن آپ جوں جوں آگے بڑھتے جائیں گے ان شاء اللہ دل ان میں کھینچتا چلا جائے گا اور ایک ہی مجلس میں آپ انہیں ختم کرنا چاہیں گے۔ (لطائف اشرفیہ)

## مقام ادب

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ بہاء الدین صاحب نقشبندیؒ کی نظر سے وہ حدیث گزری جس میں طرز معیشت صحابہ کا منقول ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کو پیستے تھے اور پھونک کر جو کچھ موٹے موٹے چھلکے ہوتے ان کو اڑا دیتے اور بغیر چھانے ہوئے ویسے ہی گوندھ کر روٹی پکاتے اور تناول کرتے تھے۔ اگرچہ یہ حدیث سینکڑوں مرتبہ نظر سے گزری ہوگی لیکن اس مرتبہ یہ بات یہ پراثر کر گئی اور التفات خاص ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ ہماری معیشت معیشت نبویؐ و طریقہ صحابہؓ کے موافق نہ ہو اور ہم پر تکلف کھانے کھائیں تو آپ نے تلامذہ سے ارشاد فرمایا کہ ہم آج سے ایسی جو کی روٹی بلا چھنے آٹے کی کھایا کریں گے۔

چنانچہ مطابق ارشاد دوسرے دن جو کی روٹی اسی طرح تیار ہوئی اور آپ نے تناول فرمائی چونکہ تمام اناج میں جو کی بھوسی سخت ہوتی ہے اور بغیر چھانے روٹی پکائی گئی تھی اس وجہ سے سب کے پیٹ میں درد ہو گیا اور ایسی سخت تکلیف ہوئی کہ دوسرے وقت کھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

اللہ اکبر! ان حضرات کے مراتب عالیہ ان مقالات سے منکشف ہوتے ہیں اگر کوئی ہم جیسا نفس پرست ہوتا تو معاً یہ خیال ہوتا اور خیال کیا معنی بلکہ بہت سے منہ پھٹ زبان سے یہ کہتے کہ میاں اچھا سنت پر عمل کیا کہ پیٹ ہی کو پکڑے پکڑے پھرتے ہیں۔ اگر دو چار مرتبہ اور سنت پر عمل کیا تو شاید دنیا ہی سے چل بسیں، ہم باز آئے ایسی سنت پر عمل کرنے سے مگر ان حضرات کا ادب دیکھئے کہ آئندہ کے لیے جو کچھ کھانے کو تو چھوڑتے ہیں مگر اس طرح کہ سنت نبویؐ پر ذرا برابر بھی غبار نہ آنے پائے اور آپ نے یہ بھی نہیں کہا کہ نفس کش اور سخت پیروں کی طرح سے جو کا کھانا لازم کر لیتے کہ جو چاہے ہو گزرے۔ اگرچہ پیٹ میں درد ہو لیکن جو کھانا نہ چھوڑیں گے بلکہ کمال یہ کیا کہ جو بھی چھوڑ دیا اور سنت پر بھی التزام نہ آیا۔ آپ نے ان دونوں باتوں کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ جمع کر دیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بے ادبی کی کہ من کل الوجوه آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مساوات کا قصد کیا جو کہ من وجہ مساوات کا دعویٰ ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ مساوات محض غلطی تھی جس کی ہم کو مزادے دی گئی۔ سنت پر کسی قسم کا الزام نہیں بلکہ درحقیقت ہم میں قصور ہے کہ ان مراتب عالیہ کی تحصیل اور ان کے تحمل سے ہمارا نفس قاصر ہے۔ یہ طریقہ حضرات صحابہ ہی کے مناسب ہے وہی اسی کے متحمل تھے ہم کو اس کی ہوس نہ کرنا چاہیے۔ (الدینا والا آخرہ ج ۱)

## ہدایا کے آداب

ایک ادب ہدایا کا یہ ہے کہ دنیاوی حاجت کی آمیزش اس میں نہ ہو۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ آکر ہدیہ دیتے ہیں پھر تعویذ لکھ دینے کی فرمائش کرتے ہیں۔ ایسے ہدیہ کو فوراً واپس کر دینا چاہیے۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کو ایک اونٹ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عوض میں کئی اونٹ اس کو دیے مگر وہ شخص راضی نہ ہوا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج ہوا اور فرمایا کہ فلاں فلاں خاندان کے سوا کسی سے ہدیہ نہ لوں گا۔

وجہ اس کی یہی تھی کہ اس شخص نے دنیوی غرض سے ہدیہ دیا تھا اور اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ اکثر لوگوں سے اول ملاقات میں ہدیہ نہ لینا چاہیے کیونکہ اول ملاقات میں یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ ہدیہ دینے والے کی کیا نیت ہے۔ اسی لیے میں نے اپنا معمول مقرر کر لیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اس سے میں ہدیہ نہیں لیتا البتہ اگر قرآنِ قویہ سے خلوص ثابت ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ رسم پرست لوگوں نے اس ہدیہ لے جانے کی وجہ یہ نکالی ہے کہ اگر پیر کے پاس خالی ہاتھ جاوے گا تو وہاں سے خالی ہاتھ آئے گا۔ چنانچہ اس کی نسبت مثل بھی مشہور ہے کہ خالی جائے خالی آئے اس لیے ضروری ہے کہ جاتے ہی پیر جی کی مٹھی گرم کر دو اور اس مٹھی گرم کرنے کے محاورہ کی ایک اصل ہے وہ یہ کہ پیر زادوں نے اپنا راز چھپانے کے لیے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ مصافحہ میں ہدیہ دیا کریں تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے۔

صاحبو! اول تو مصافحہ ایک مستقل عبادت ہے اس میں دنیا کے انضمام کے کیا معنی۔ دوسرے اس کی کیا خبر ہے کہ کوئی دوسرا شخص مصافحہ نہ کرے گا تو اگر کسی دوسرے نے بھی مصافحہ کر لیا تو اس کو معلوم ہوگا کہ پیر صاحب کو ہدیہ دیا گیا ہے پھر اخفا کہاں رہا اور

اگر دوسروں کو مصافحہ سے روکا جائے پھر تو خواہی نخواہی دال میں کالے کا شہہ ہوگا کیونکہ بعضی احتیاط سبب بے احتیاطی کا بن جاتی ہے۔ (تجارت آخرت ج ۱)

واللہ! بہت گندی معاشرت ہو رہی ہے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کو سختی کے ساتھ تاکید کیا کرے کہ جب کسی کے یہاں سے کھانا آیا کرے فوراً اس کا برتن ساتھ کے ساتھ واپس کر دیا کریں۔ بحمد اللہ مجھے اس کا بہت ہی اہتمام رہتا ہے جب تک دوسرے کا برتن واپس نہیں ہو جاتا مجھے چین نہیں آتا۔ یہ تو عوام کی حالت ہے۔

اہل علم کی یہ حالت ہے کہ کسی کی کتاب لے لی تو اب اس کو واپس دینے کا نام جانتے ہی نہیں۔ کتاب دینے والا اگر کثیر المشاغل ہو تو اس کو یاد بھی نہیں رہتا کہ مجھ سے کتاب کس نے مانگی تھی، بس مہینہ بھر کے بعد وہ سمجھ لیتا ہے کہ کتاب چوری ہو گئی اور لینے والا بے فکر ہو گیا کہ وہ تو مانگتا ہی نہیں۔ اب گویا وہ ان کی ملک ہو گئی۔ پھر ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی چیز تو دوسرے کی چھاتی پر سوار ہو کر لے لیتے ہیں اور دوسروں کی چیز دینے میں لا پرواہ ہوتے ہیں اور بعض دینے میں بھی لا پرواہ ہوتے ہیں اور اپنی چیز لینے میں بھی لا پرواہ ہوتے ہیں۔ اس کو لوگ بزرگ سمجھتے ہیں کہ بڑا زاہد ہے ایسی تیسی ایسے زاہد کی۔ یہ شخص خدا کا مجرم ہے اپنی چیز کے وصول کرنے میں تو لا پرواہ ہونا تو عیب نہیں مگر دوسروں کی چیز واپس کرنے میں لا پرواہ ہونا بڑا گناہ ہے۔ آج کل لوگوں نے گویا بے ڈھنگے پن کا نام بزرگی اور زہد رکھ لیا ہے حالانکہ اہل اللہ بڑے منتظم ہوتے ہیں۔ دوسروں کا حق کبھی نہیں رکھتے۔ (ترجیح الاخرۃ ج ۱)

## تدریس کا طریقہ

پڑھانے میں ایک اس امر کی بھی رعایت ضروری ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو تو اس کو صاف کہہ دے۔ یہ طریقہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے موروث چلا آتا ہے اس طریق میں یہ نفع ہے کہ طالب علم کو مدرس پر ہمیشہ وثوق رہتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے جو کچھ بتلایا جا رہا ہے سب صحیح ہے اور جہاں اس طریقے پر عمل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بات کو بنایا جاتا ہے اور اکثر طالب علم ان کی ہٹ دھرمی کو سمجھ جاتا ہے تو وہاں مصیبت ہوتی ہے جھک جھک میں سبق بھی خراب ہوتا ہے اور یہی بد خلقی طالب بھی سیکھتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس



اقرار غلطی سے طالب علم بگڑ جاتا ہے حالانکہ محض لغویات ہے وہ اور زیادہ سنور جاتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اس کو مدرس پر وثوق ہو جاتا ہے۔ (تعلیم البیان ج ۲)

## اہل اللہ کی حالت

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کو ایک بادشاہ نے لکھا کہ آپ پر بہت تنگی ہے۔ کھانے کی بھی کپڑے کی بھی۔ بہتر ہو کہ آپ میرے پاس چلے آئیں اور یہاں رہیں۔ آپ نے جواب میں ایک قطعہ لکھ کر بھیجا جس کے بعض اشعار یہ تھے۔

خوردن تو مرغ مسمن و مے	بہتر از نانک جوین ما
پوشش تو اطلس و دیبا حریر	بخیه زده خر قہء پشمین ما
نیک ہمیں است کہ بس بگذرد	راحت تو محنت دوشین ما
باش تا طبل قیامت زند	آن تو نیک آید و یایں ما

واقعی وہاں جا کر نہ یہاں کا عیش رہے گا نہ مصیبت۔ اور آخر تو یہ گذشتہ چیزیں کیا یاد رہتیں۔ دنیا ہی میں دیکھ لیجئے کہ عمر گزشتہ بیش از خواب نہیں ہے۔ زمانہ گزرتا چلا جاتا ہے کہ جیسے برف کا ٹکڑا کہ پگھلنا شروع ہوا تو ختم ہی ہو کر رہے گا۔

اسی واسطے حدیث شریف میں ہے کہ جب قیامت کے روز اہل مصیبت کو بڑے درجے عنایت ہونگے تو اہل نعمت کہیں گے کہ کاش ہماری کھالیں مقراض سے کاٹی گئی ہوتیں۔ تو آج ہم کو بھی یہ درجے ملتے۔ تو اس حالت پر نظر کر کے دیکھا جائے تو بے تامل یہ کہنا پڑتا ہے کہ دنیا میں کچھ بھی نہ ملتا تو کچھ بھی حرج نہ تھا تو یہ اعتراض محض لغو ہے کہ یہ جنت کا وعدہ ہے۔ (فضل العلم والعمل ج ۲)

## آداب مجلس

ایک مرتبہ میں پڑھ رہا تھا کہ ایک صاحب میری پشت کی طرف سے آکر بیٹھ گئے۔ تو میں نے ان کو منع کیا۔ جب نہ مانے تو میں ان کی پشت کی طرف جا کر بیٹھ گیا۔ گھبرا کر فوراً کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا کہ جناب پشت کی طرف بیٹھنا اگر بری بات ہے تو آپ باوجود منع کرنے کے اس سے کیوں نہیں باز آئے۔ اور اگر اچھی بات ہے تو مجھے کیوں نہیں کرنے

دیتے۔ اور میں نے کہا کہ آپ اندازہ کیجئے کہ میرے پشت کی جانب بیٹھنے سے آپ کو کس قدر گرانی ہوئی۔ اسی سے میری تکلیف کا بھی اندازہ کر لیجئے۔ اور اگر بجائے میرے کوئی دوسرا بھی اسی طرح بیٹھ جائے تب بھی گرانی یقینی ہے گو میرے بیٹھنے اور اس کے بیٹھنے میں کچھ تفاوت ہو مگر ایذا رسائی کا تو کوئی جزو بھی بلا ضرورت جائز نہیں۔ (فضل العلم والعمل ج ۲)

## معاشرتی زندگی کا اہم سبق

نسائی شریف میں حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس آرام فرماتے تھے کہ رات کو اٹھنے کی ضرورت ہوئی تو حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ قام رویدا یعنی نہایت آہستہ اٹھے واخل رویدا اور جوتے نہایت آہستہ سے پہنے وفتح الباب رویدا اور نہایت آہستہ سے دروازہ کھولا وخرج رویدا اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے۔ غرض کئی جگہ لفظ رویدا آیا ہے۔

حدیث بہت بڑی ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی چپکے سے اٹھ کر پیچھے پیچھے ہو لیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جبہ البقیع میں تشریف لے گئے۔ پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ بھی رہیں۔ جب آپ واپس ہونے لگے تو حضرت عائشہؓ جلدی سے آکر اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔ حضورؐ نے تشریف لا کر دیکھا کہ ان کا سانس پھول رہا ہے پوچھا۔ مالک یا عائشہ حشیا رابہ یعنی سانس کیوں پھول رہا ہے۔ انہوں نے چھپانا چاہا لیکن چھپ نہ سکا۔ تب انہوں نے اپنے پیچھے جانے کا قصہ بیان کیا آپؐ نے فرمایا شاید تم کو خیال ہوا کہ میں تمہاری باری میں کسی دوسری بیوی کے پاس چلا جاؤں گا تو ایسا کب ہو سکتا ہے۔ بڑی حدیث ہے۔

مجھ کو اس حدیث میں سے صرف بیان کرنا اس کا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپؐ کی شان وہ محبوبیت مطلقہ ہے کہ اگر آپؐ کسی کو تکلیف بھی پہنچائیں تب بھی راحت ہی ہو۔ پھر خاص کر حضرت عائشہؓ کے ساتھ کہ عاشق زار تھیں تو اگر ان کی آنکھ کھل بھی جاتی۔ تب بھی ناگواری کا احتمال نہ تھا لیکن چونکہ صورت تکلیف کی تھی۔ اس لیے آپؐ نے اس کو بھی گوارا نہیں فرمایا۔ تو اتنے موانع کلفت کے ساتھ جب آپؐ نے اتنی رعایت فرمائی تو ہم کو کب اجازت ہے کہ کوئی ایسی حرکت کریں جس سے دوسروں کو تکلیف کا احتمال ہو۔ (فضل العلم والعمل ج ۲)

## جدید معاشرت کی حالت

اب جدید معاشرت کو دیکھئے میں ایک مرتبہ اپنے بھائی کے یہاں کھانا کھا رہا تھا۔ تو ہم لوگ فرش پر بیٹھے ہوئے کھا رہے تھے اس وقت ایک جنٹلمین بھی مہمان تھے وہ کھانے کے لئے اس حلیہ سے آئے کہ کوٹ پتلون میں جکڑے ہوئے تھے۔ بیچارے آکر کھڑے ہو گئے اور اس کے منتظر رہے کہ شاید میرے واسطے کرسی لائی جاوے گی مگر بھائی نے میری وجہ سے کرسی وغیرہ کا انتظام نہ کیا۔ دیر تک وہ کھڑے رہے مجھے شرم بھی آئی کہ ایسے کھڑے ہیں جیسے کوئی مانگنے آیا ہو بلا خر وہ بہ تکلف اس طرح بیٹھے کہ دونوں پیر ایک طرف لمبے کر دیئے اور دھم سے گر پڑے اور کہنے لگے کہ معاف فرمائیے گا میں پیر لمبے کرنے پر مجبور ہوں۔ میں نے کہا کہ معاف فرمائیے گا میں کرسی پر کھانے سے معذور ہوں ان کو پیر لمبے کرنے سے شرم آتی تھی اور مجھے کرسی پر کھانے سے شرم آتی تھی۔ میری شرم ایسی تھی جیسے علامہ تفتازانی کی شرم تھی اور ان کی شرم تیمور لنگ جیسی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ تیمور لنگ دربار میں پیر پھیلا کر بیٹھتا تھا کیونکہ اس کا ایک پیر بوجہ لنگ کے سیدھا رہتا تھا۔ علامہ تفتازانی اس کے زمانہ میں بہت بڑے عالم تھے۔ تیمور ان کی اتنی وقعت کرتا تھا کہ دربار میں ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھلاتا تھا۔ جب پہلی مرتبہ علامہ تفتازانی دربار میں بلائے گئے اور تیمور نے ان کو تخت پر بٹھلایا تو یہ بھی تیمور کی طرح ایک پیر لمبا کر کے بیٹھے تیمور نے ناگواری سے کہا۔ معذورم دار کہ مرا لنگ است۔ یعنی مجھے معذور سمجھئے کیونکہ میرے پیر میں لنگ ہے۔ میں نے قصداً پیر لمبا نہیں کیا جس کا آپ نے مقابلہ کیا ہے۔ علامہ نے جواب دیا۔ ”معذورم دار کہ مرا لنگ است“ یعنی آپ بھی مجھے معذور سمجھئے کیونکہ مجھے لنگ و عار آتا ہے کہ ظاہر میں بادشاہ کی وضع سے کم تر وضع اختیار کروں۔ کیونکہ اس میں دیکھنے والوں کی نظر میں علم کی تحقیر ہے۔ تیمور خاموش ہو گیا۔ پھر ہمیشہ یہی دستور رہا کہ علامہ پاؤں پھیلا کر ہی تخت پر بیٹھتے تھے۔

اسی لئے میں نے بھی ان حضرات کے لئے کرسی نہ منگوائی کیونکہ اس میں اسلامی معاشرت کی توہین تھی۔ میں نے کہا اچھا ہے ذرا آج یہ اپنی معاشرت کا مزا تو چکھیں کہ اس میں کتنی مصیبت ہے۔ تو یہ کیا آزادی ہے کہ انسان بدون کرسی اور میز کے بیٹھ ہی نہ سکے۔

(فضل العلم والعمل ج ۲)

## معاشرتی آداب کے فوائد

آج آپ بہت سے اسلامی احکام کو اسلامی احکام نہیں سمجھتے بلکہ انگریزوں یا کسی دوسری قوم کی خصوصیات معاشرت میں سمجھتے ہیں اور ان سے لے لے کر عمل کرتے ہیں۔ ازاں جملہ مسئلہ استیذان ہے کہ شریعت مطہرہ کا یہ حکم ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے مکان خلوت میں اگرچہ وہ مکان مردانہ ہی ہو اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ صاحب مکان سے اجازت نہ لے واقعات اور تجارب سے اس کی خوبی دریافت کر کے تمام متمدن قوموں نے اس پر عمل شروع کر دیا لیکن مسلمان اس کو معاشرت یورپ کی خصوصیات سے سمجھتے ہیں۔ ان کو یہ خبر نہیں کہ یہ حکم شریعت مطہرہ کا ہے اور دوسروں نے یہیں سے لیا ہے حالانکہ یہ ایسا صریح حکم ہے کہ صاف صاف قرآن میں موجود ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا  
وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا. ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

اے ایمان والو تم (اپنے خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک ان سے اجازت نہ حاصل کر لو اور (اجازت لینے سے قبل) ان کے رہنے والوں کو سلام کر لو یہی تمہارے لئے بہتر ہے (یہ بات تم کو اس لئے بتلائی ہے) تاکہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو)

اور راز اس مسئلے میں یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے اتفاق قومی باقی رہتا ہے کیونکہ اتفاق کی جڑ صفائی قلب ہے اور صفائی قلب اس وقت تک باقی رہتی ہے کہ جب ایک سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو اور مسئلہ استیذان پر عمل نہ کرنے سے بسا اوقات تکلیف ہوتی ہے اور تکلیف موجب تکدر ہے اور تکدر مورث نفاق و افتراق ہے اور جب اس مسئلے پر عمل کیا جائے گا تو ہرگز یہ نوبت نہ آئے گی کیونکہ فرض کیجئے ایک شخص نے آپ سے اجازت چاہی آپ نے بے تکلف کہہ دیا کہ میں اس وقت کام میں ہوں یا آرام کرنا چاہتا ہوں چنانچہ جو قومیں اس مسئلے کو برت رہی ہیں وہ اسی کی بدولت دیکھ لیجئے کہ کس قدر آرام میں ہیں۔ (ضرورۃ العلم بالدين ج ۳)

## فقیرانہ طرز زندگی

حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے تھے حضرت علیؓ نے کہا کہ حضور صلی اللہ



علیہ وآلہ وسلم سے کوئی غلام لونڈی لے آؤ تا کہ کچھ مدد دے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ حضور کے پاس گئیں اپنی راحت کے لئے یا شوہر کے امتثال امر کے لئے جس وقت حضرت فاطمہ حضور کے گھر پہنچیں تو حضور تشریف فرمانہ تھے۔ یہ حضرت عائشہ سے کہہ کر چلی آئیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ سے معلوم ہوا۔ پھر آپ حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت حضرت فاطمہ لیٹی ہوئی تھیں آپ کو دیکھ کر اٹھنے لگیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لیٹی رہو۔ غرض اس وقت پھر حضور سے عرض کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کہو تو غلام لونڈی دے دوں اور کہو تو اس سے بھی اچھی چیز دے دوں۔

یہ سن کر حضرت فاطمہ نے پھر یہ نہیں پوچھا کہ وہ اچھی چیز کیا ہے بلکہ فوراً عرض کیا کہ اچھی ہی چیز دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ سوتے وقت سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لیا کرو بس یہ غلام اور لونڈی سے بھی بہتر ہے۔ اس خدا کی بندی نے خوشی سے اسکو قبول کر لیا۔ تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فقر محبوب تھا تو اپنی اولاد کے لئے بھی آپ نے اس کو تجویز کر کے دکھلا دیا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ ہماری اولاد کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ ایسے قوانین مقرر ہوتے کہ سب روپیہ انہی کو ملتا مگر ایسا نہیں ہوا تو دین میں دلچسپی اس کو کہتے ہیں۔ (ضرورة العلماء ج ۳)

## شادی کی فضولیات

ایک بے جا خرچ جو عورتوں اور مردوں کو سب کی شرکت سے ہوتا ہے بیاہ شادی کا خرچ ہے گویہ ہوتا ہے سب کی شرکت سے مگر اس میں بھی امام اور مقتداء عورتیں ہیں مردوں کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ شادی کے متعلق کیا کیا خرچ ہوتے ہیں بس عورتوں سے پوچھ پوچھ کر سب کچھ کیا جاتا ہے۔ اس میں یہی حاکم ہوتی ہیں بھلا کیا مجال جو ان کی منشاء کے خلاف کچھ بھی ہو سکے۔

میں نے کانپور میں دیکھا ہے کہ ایک صاحب کے یہاں بارات آئی مگر جب تک بیوی نے اجازت نہ دی اس وقت تک بارات کو ٹھہرا نہیں سکے۔ مردوں میں تو ان حضرت کی بڑی ذلت ہوئی۔ مگر وہ بی بی پھولی نہیں سماتی تھی کہ دیکھا ہماری اجازت کے بغیر بارات بھی نہ ٹھہر سکی پھر اس کے بعد شادی میں یہ عورتیں ایسے بے تکے خرچ نکالتی ہیں جن سے مرد کا پڑا ہو جاتا ہے اور اگر کسی وقت شوہر کہتا بھی ہے کہ ذرا سنبھل کر دیکھ بھال کر خرچ کرو تو بیوی

صاحبہ کہتی ہیں کہ بہت اچھا میرا کیا حرج ہے میں کفایت شعاری سے کام کرنے لگوں گی۔ مگر پھر دیکھئے میں نہ جانوں کہیں برادری میں ناک کٹ جائے۔ بس ناک کٹنے کے خوف سے مرد بھی خاموش ہو جاتے ہیں اور عورتیں اندھا دھند روپیہ برباد کرتی ہیں حالانکہ یہ محض ان کا ہی خیال ہے کہ سادگی کے ساتھ بیاہ کرنے سے ناک کٹتی ہے۔ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ سادگی میں کچھ بھی ناک نہیں کٹتی اور زیادہ دھوم دھام کرنے میں ہمیشہ کٹتی ہے۔

حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوہ لڑکی کی شادی اس طرح کی تھی جیسے کنواری کی کرتے ہیں یہ وہ زمانہ تھا کہ بیوہ کے نکاح کو تک کئی سمجھتے تھے بعد نکاح کے مولانا نے نائی کو حکم دیا کہ آئینہ تمام برادری کو دکھلا دے سب اپنی اپنی ناکوں کو دیکھ لیں کہ کٹیں تو نہیں۔

تو اس رسم بد کی مخالفت سے مولانا کی عزت میں کیا فرق آیا۔ ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس دھوم دھام کو دیکھ کر دوسرے مالداروں کے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ہم سے بھی بڑھنے لگا۔ اب وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح انتظام میں کوئی عیب نکالیں اگر کچھ بھی انتظام میں کمی رہ گئی تو پھر کیا ٹھکانہ ہے ہر طرف اس کا چرچا سن لیجئے۔ کوئی کہتا ہے کہ میاں کیا ہمیں تو حقہ بھی نصیب نہ ہوا۔ دوسرا کہتا ہے میاں ہمیں تو پان کے پتہ سے بھی کسی نے نہ پوچھا۔ تیسرا کہتا ہے میاں بھوکے مر گئے رات کے دو بجے کھانا نصیب ہوا۔ جب انتظام نہیں ہو سکتا تھا تو اتنے آدمیوں کو بلایا کیوں تھا۔ غرض اس کم بخت کا تو روپیہ برباد ہوا اور ان کی ناک بھی سیدھی نہ ہوئی۔ بعض دفعہ حسد میں کوئی یہ حرکت کرتا ہے کہ پکتی دیگ میں ایسی چیز ڈال دیتا ہے جس سے کھانا خراب ہو جائے۔ پھر اس کا ہر محفل میں چرچا ہوتا ہے اور اچھی طرح ناک کٹتی ہے اور اگر سارا انتظام عمدگی سے بھی ہو گیا تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی برا نہ کہے تو بھلا بھی نہیں کہتا۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے ایک مہاجن کی حکایت بیان فرمائی تھی کہ اس نے اپنی لڑکی کی شادی میں بہت دھوم دھام کی تھی اور سارا انتظام بہت اچھا کیا اور جب بارات رخصت ہونے لگی تو ہر باراتی کو ایک ایک اشرفی دی اور اپنے دل میں خیال کیا کہ آج سارے بارات والے میری ہی تعریف کرتے جائیں گے۔ چنانچہ وہ اپنی تعریف سننے کے لئے اس راستہ میں جس سے بارات گزرنے والی تھی ایک جھاڑ کی آڑ میں جا بیٹھا۔

تھوڑی دیر میں بہلیاں گزرتا شروع ہوئیں۔ پہلے ایک گزری پھر دوسری پھر تیسری مگر سب میں سناٹا تھا کسی نے بھی لالہ صاحب کی تعریف میں ایک لفظ نہ کہا۔ آخر اسی طرح بہت سی بہلیاں خاموشی کے ساتھ نکل گئیں۔ لالہ جی کو بڑا غصہ آیا کہ یہ لوگ بھی عجب نمک حرام ہیں (بلکہ اشرفی حرام کہنا چاہئے) کہ میں نے اتنا روپیہ ان پر خرچ کیا اور کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی تعریف کا نہ نکلا۔

آخر اس نے تھک کر لوٹنے کا ارادہ کیا تو اخیر کی بہلیوں میں سے ایک شخص کی آواز آئی جو دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ بھائی لالہ جی نے تو بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام کیا کہ ہر آدمی کو ایک ایک اشرفی دی۔ لالہ جی کی ذرا جان میں جان آئی کہ کچھ تو محنت وصول ہوئی۔ دوسرا بولا اونہہ! سرے نے کیا کیا۔ اس کے گھر میں تو اشرفیوں کے کوٹھے بھرے ہوئے تھے اگر دو دو بانٹ دیتا تو اس کے یہاں کیا کمی آ جاتی۔ سرے نے بانٹی بھی تو ایک ایک اشرفی بس لالہ جی یہ جواب سن کر اپنا سامنہ لے کر واپس چلے گئے۔ (اسباب الغفلۃ ج ۳)

## معاملات کی اہمیت

حسن معاشرت کا معاملات سے بھی زیادہ خیال رکھنا لازمی ہے اس وجہ سے کہ معاملات کا اثر تو اکثر مال پر ہوتا ہے اور معاشرت کا اثر قلب پر ہوتا ہے اور قلب پر جو اثر ہو مال کے اثر سے زیادہ گراں اور موجب صدمہ ہوتا ہے مثلاً ایک شخص آپ کے پاس آیا اور آپ نے اس کی طرف التفات نہ فرمایا اس کی بات کا جواب نہ دیا اس سے اس کا دل دکھا تو اس اخلاص معاشرت کا اثر اس کے قلب تک پہنچایا ماں باپ کی نافرمانی کی ان کا دل دکھایا تو یہ آثار موزیہ اخلاص معاشرت سے اور اس کو ضروری نہ سمجھنے سے پیدا ہوئے پس ثابت ہوا کہ حسن معاشرت حسن معاملہ سے بھی زیادہ ضروری ہے عارف شیرازی کا قول ہے

مباش در پئے آزار ہر چہ خواہی کن کہ در طریقت ماغیر از یں گناہ نیست

(علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

اسلام کے برابر تو طہارت و نظافت کسی مذہب میں بھی نہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ استری اور کلف کا اہتمام کرو اور ہر وقت بنے ٹھنے رہو کیونکہ اس کا نام نظافت نہیں بلکہ یہ تصنع اور تکلف ہے اور تن آرائی ہے اس کے متعلق حدیث میں ہے:

البزادة من الايمان. کہ ”سادگی ایمان کا جزو ہے۔ (سنن ابن ماجہ)  
 بذات کے معنی میلا کچیلارہنے کے نہیں بلکہ سادگی سے رہنے کے ہیں پس نظافت اور طہارت  
 کی حقیقت یہ ہے کہ کپڑے اور بدن کو پاک صاف رکھو اور میلا ہو جائے تو دھوؤ الوصاف ہو جاؤ  
 اور پاک ہو جاؤ اور پاک بن جاؤ شریعت اسلامیہ میں طہارت کی تو بہت زیادہ تاکید ہے،

## خیر القرون میں اسلامی معاشرت

مسلمانوں کی تو یہ حالت تھی کہ حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہو گئی تھی، آپ نے اس کو ایک  
 یہودی کے پاس دیکھا اس سے مطالبہ کیا، اس نے نہ دی، اور کہا کہ یہ تو میری ہے، آپ  
 باوجود اس کے کہ خلیفہ تھے، مگر اس کو لیکر مدعی بن کر حضرت شریح (قاضی) کے یہاں پہنچے،  
 قاضی صاحب نے گواہوں کو طلب کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے اپنے صاحبزادہ اور  
 ایک آزاد شدہ غلام کو گواہی میں پیش کیا۔ حضرت علیؓ کے نزدیک ولد عادل کی گواہی باپ  
 کے موافق جائز تھی، مگر قاضی شریح کے نزدیک جائز نہ تھی، اس لئے قاضی صاحب نے  
 صاحبزادے کی گواہی رد کر دی، اللہ اکبر! ایک بادشاہ وقت کی چیز چوری ہو جائے اور بادشاہ  
 اس کو پہچان لے، اور ایک ادنیٰ آدمی رعیت کا جو کہ مسلمان بھی نہ ہو بے تکلف اپنی ظاہر  
 کرے پھر بادشاہ اپنے ہی ماتحت قاضی کے یہاں محاکمہ کے لئے جاویں اور صاحبزادہ کو  
 گواہی میں پیش کریں جو کہ اہل جنت کے سردار ہیں اور قاضی صاحب ان کی گواہی قبول نہ  
 کریں اور زرہ یہودی کو دلوادیں اور خلیفہ اس کو قبول کر لیں۔ آخر یہ حقانیت ان کو بجز تعلیم  
 اسلام کے کس نے دی ہے۔ پس اسلام یقیناً حق ہے، یہودی یہ حالت دیکھ کر فوراً مسلمان ہو  
 گیا اور حضرت علیؓ سے بیعت ہو گیا اور جنگ صفین میں شہید ہوا۔ (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

## آداب مجلس

ایک شخص میرے پاس آیا میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر گیا کہ کیا ہے کہو کہنے لگا تیج  
 (تعویذ) چاہئے پوچھا کا ہے کا کہا بکھار آؤے (بخار آتا ہے) لیجئے ایک تعویذ کے واسطے  
 اس بندہ خدا نے میرا حرج کیا میں صبح کو اپنی مصلحت سے جنگل چلا جاتا ہوں بعض حضرات  
 وہاں بھی پہنچتے ہیں بعض حضرات ایک اور حرکت کرتے ہیں وہ ہیں جو ذرا بزرگ ہیں وہ یہ



کرتے ہیں کہ بیٹھ تو جاتے ہیں الگ ہی لیکن قلب سے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں یاد رکھو کہ اگر کسی کا شیخ ”صاحب کشف“ نہ ہو تو اس کا کچھ حرج نہیں اور اگر وہ صاحب کشف ہے تو اس کو ادراک ہوگا کہ کوئی شخص میری طرف متوجہ ہے اس کو تکلیف ہوگی (العذب ج ۴)

## ایک عابدہ کا واقعہ

ایک بزرگ بی بی کا قصہ ہے کہ وہ رات کو بعد نماز عشاء کے خوب زینت کرتیں، عمدہ لباس پہنتیں، زیور سے آراستہ ہو کر کنگھی، سرمہ لگاتیں اور اس حالت میں شوہر کے پاس آ کر ان سے دریافت کرتیں کہ تم کو میری حاجت ہے اگر وہ کہہ دیتے کہ ہاں تو ان کے پاس کچھ دیر لیٹ جاتیں اور اگر وہ کہتے کہ مجھے حاجت نہیں تو پھر کہتیں کہ اچھا اب مجھے اجازت دو کہ میں اپنے خدا کے ساتھ مشغول ہوں چنانچہ شوہر کی اجازت کے بعد وہ اپنا لباس اور زیور وغیرہ اتار کر رکھ دیتیں اور کمر اور ٹاٹ کا لباس پہن کر تمام رات عبادت کرتیں۔ تو دیکھئے یہ بزرگ بی بی ایک وقت میں کیسی زینت کرتیں اور دوسرے وقت کمر اور ٹاٹ میں رہتیں، اب اگر کوئی زینت کے وقت ان کو دیکھتا تو یہی کہتا کہ یہ کیسی بزرگ ہیں جو اس قدر زیب و زینت کا اہتمام کرتی ہیں مگر کسی کو کیا خبر کہ وہ کس لیے زینت کرتی تھیں وہ نفس کی خواہش کے لئے ایسا نہ کرتیں تھیں بلکہ حکم شریعت کی وجہ سے زینت کرتی تھیں کیونکہ شریعت کا حکم ہے کہ عورت کو شوہر کے لئے زیب و زینت کرنا چاہیے۔ اس صورت میں اس کو زینت کرنے سے ثواب ملتا ہے مگر آج کل عورتوں کی یہ حالت ہے کہ شوہر کے سامنے تو بھنگیوں کی طرح رہتی ہیں اور جب کہیں برادری میں جاتی ہیں تو سر سے پیر تک آراستہ ہوتی ہیں اور اگر کوئی بیچاری شوہر کی خاطر زینت کر لے تو اس کو نکو بتاتی ہیں کہ ہائے اسے حیا و شرم ذرا نہیں کہ یہ اپنے میاں کے واسطے کیسے کیسے چوچلے کرتی ہے۔ افسوس کہ جس جگہ زینت کا حکم تھا وہاں تو اس پر طعن ہوتا ہے اور جہاں ممانعت ہے وہاں اہتمام کیا جاتا ہے تو وہ بزرگ بی بی ایسی نہ تھیں وہ تو حکم کے تابع تھیں جہاں شریعت کا حکم ہوتا وہاں وہ خوب زینت کرتیں کیونکہ جب شوہر زینت کو کہے دلہن کو خراب و خستہ رہنے کا کیا حق ہے مگر جب شوہر کو کچھ غرض نہ ہوتی تو وہ اپنے نفس کے لئے زینت کا اہتمام نہ کرتی تھیں بلکہ وہی کمر اور ٹاٹ پہن لیتی تھیں۔ اسی طرح کالمین زینت اور ترک زینت میں حکم کے تابع ہوتے ہیں وہ

اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں کرتے چنانچہ شاہ عبدالرحیم صاحب دربار میں جانے کے لئے عمدہ بیش قیمت لباس پہن کر جا رہے تھے اس حالت سے تو ظاہر بینوں کو کچھ کچھ شبہات ہوئے ہوں گے۔ اب دوسری حالت دیکھئے کہ راستہ میں آپ نے ایک کتے کے بچہ کو دیکھا جو نالی میں سردی کے مارے جاڑے میں سکڑ رہا تھا۔ آپ سے یہ حالت دیکھ کر رہا نہ گیا، فوراً کھڑے ہو گئے اور خادم سے فرمایا کہ اس کو نالی سے نکال لو، اس نے کچھ ناک منہ چڑھایا تو آپ نے آستیں چڑھا کر اسے خود نکالا اور ایک حمام قریب تھا، وہاں لے جا کر گرم پانی سے اس کو غسل دیا۔ پھر آگ میں تاپا، یہاں تک کہ اس کی سردی کم ہو گئی اور اچھی طرح چلنے پھرنے لگے۔ پھر آپ نے اہل محلہ سے فرمایا کہ اگر تم اس کی راحت کا انتظام کر سکو اور نگہداشت کا وعدہ کرو تو میں اس کو یہیں چھوڑ دوں ورنہ اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں اور میں خود اس کا انتظام کروں گا۔ اہل محلہ نے وعدہ کیا تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور پھر دربار میں تشریف لے گئے۔ (بھلا یہ شخص فخر و تکبر کے لئے زینت کرتا ہو، کیا اس سے یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کتے کے بچہ کو اپنے ہاتھ سے اس طرح دھوئے اور یوں اس کو راحت پہنچائے، ہرگز نہیں، مگر شاہ صاحب نے بے تکلف اس کی خدمت کی، خادم نے بھی ناک منہ چڑھایا مگر آپ کو ذرا بھی اس سے انقباض نہ ہوا۔ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنے نفس کے لئے زیب و زینت نہ کرتے تھے) یہ قصہ تمہید ہے۔ دوسرے قصہ کی اور وہ دوسرا قصہ جو مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ایک بار آپ بٹیا پر جا رہے تھے ایک موقع ایسا آیا کہ دونوں طرف پانی اور کیچڑ تھا، صرف بٹیا ہی کا راستہ سوکھا تھا، سامنے سے ایک کتا بھی اسی بٹیا پر آ گیا، اب وہاں اس کی ضرورت تھی کہ دونوں میں سے ایک کیچڑ میں اترے تو دوسرا بٹیا کے راستہ سے نکلے کیونکہ بٹیا تلی تھی اور اس میں اتنی وسعت نہ تھی کہ دونوں برابر کو نکل جائیں چنانچہ شاہ صاحب کھڑے ہو گئے اور وہ کتا بھی سامنے کھڑا ہو گیا، پھر اشارات میں گفتگو شروع ہوئی (بعض اہل اللہ جمادات و حیوانات سب کی گفتگو سمجھ لیتے ہیں ۱۲) چنانچہ شاہ صاحب نے کتے سے کہا بھائی تم پانی میں اترو اس نے کہا کیوں مجھ میں اور آپ میں کیا فرق ہے، آپ کیوں نہیں اترتے اور یہ کہا افسوس! پہلے بزرگوں کا مذہب ایسا تھا اور اس وقت کے بزرگوں کا مذہب اختیار ہے، فرمایا نہیں تو نے بدگمانی کی بلکہ میں تجھ کو اترنے کے لئے اس لئے کہتا ہوں کہ تو مکلف نہیں ہے اور میں مکلف ہوں اگر تو اس پانی اور کیچڑ سے ناپاک بھی ہو جائے گا تو تھوڑی دیر میں

خشک ہو کر پھر پاک ہو جائے گا پھر تیرے ذمہ نہ وضو ہے، نہ نماز اور میں اتروں گا تو مجھے سارے کپڑے اور بدن کا دھونا اور پاک کرنا لازم ہوگا جس میں بہت دیر لگے گی ممکن ہے نماز میں دیر ہو جائے۔ اس نے جواب دیا کہ بہت اچھا میرا تو کچھ حرج نہیں، میں پانی میں اترتا ہوں مگر یہ یاد رکھو کہ تمہارے کپڑے ناپاک ہو جائیں تو ایک دولوٹے پانی سے پاک ہو سکتے ہیں لیکن اگر میں اس وقت پانی میں اتر ا اور تمہارے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو اس سے تمہارا قلب ایسا ناپاک ہوگا جس کی ناپاکی ہفت قلزم سے بھی نہ دھل سکے گی۔ یہ سن کر شاہ صاحب پر ایک حالت طاری ہو گئی اور فوراً پانی میں اتر کر راستہ سے ہٹ گئے اور کتابیہا پر سے چلا گیا اور آپ اس کے بڑے احسان مند ہوئے کہ اس کے ذریعے سے ایک علم عظیم عطا ہوا، اب شاہ صاحب پر غیب سے الہام ہوا کہ عبدالرحیم! خبر بھی ہے کہ ہم نے یہ علم عظیم کتے کے ذریعے کیوں دیا، یاد کرو تم نے ایک دن ایک کتے کے بچے پر احسان کیا تھا کہ اس کو پانی سے نکال کر گرم پانی سے دھویا پھر آ کر آگ سے تاپا تھا تو ہم نے اس احسان کا آج بدلہ کر دیا ہے کہ اس کی ابن النوع کے ذریعے سے تم کو یہ علم عظیم عطا کیا تاکہ اس کتے کے بچہ پر اپنا احسان نہ رکھیں۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

## مشورہ کی اہمیت

حدیث میں آتا ہے: ”المستشار مؤتمن“ (سنن ابی داؤد)  
جس سے مشورہ لیا جاتا ہے اس کو امانت دار سمجھا جاتا ہے پس مشورہ غلط دینا خیانت ہے اس سے بہت احتراز کرنا چاہیے۔

ہماری بستی میں ایک صاحب اپنا گھر فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے مجھے بھی اس کے خریدنے کا خیال تھا مگر بعد میں ان کی رائے بدل گئی۔ پھر کچھ ایسے واقعات بستی میں ان کے ساتھ پیش آئے جن سے گھبرا کر انہوں نے باہر ملازمت کر لی اور گھر بیچنے کا پھر ارادہ کر لیا۔ اس وقت بھی میرا خیال تھا کہ یہ اگر فروخت کریں گے تو میں ضرور لے لوں گا کیونکہ اس مکان کے نہ لینے سے مجھے گو نہ تکلیف ہے لیکن اس دفعہ انہوں نے مجھ سے مشورہ کیا کہ میں گھر بیچنا چاہتا ہوں اس میں آپ کی کیا رائے ہے۔ اس وقت اگر میں اپنی غرض کا لحاظ کر کے ان کو یہ مشورہ دے دیتا کہ ہاں فروخت کر دو تو فوراً بیچ دیتے کیونکہ ان کی زیادہ رائے



اسی طرف مائل تھی مگر جب مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے اپنی مصلحت پر نظر کرنا اور ان کی مصلحت کو نظر انداز کر دینا خیانت سمجھا اور وہی رائے دی جو ان کے لئے مناسب تھی۔ میں نے کہا کہ آپ گھر کو ہرگز فروخت نہ کریں کیونکہ دوسری جگہ چاہے کیسی راحت ہو مگر کسی وقت پھر وطن یاد آتا ہے اور جب باہر جا کر ٹھوکریں لگتی ہیں تو اس وقت اپنے وطن سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہوتی چنانچہ اس رائے کی وجہ سے انہوں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

اس پر بعض لوگوں نے مجھے بیوقوف بھی بنایا کہ تم نے یہ رائے دے کر ساری عمر کی مصیبت پھر اپنے سر لی، میں نے کہا کچھ بھی ہو یہ تو مجھ سے کبھی نہ ہوگا کہ ایک شخص امین سمجھ کر مجھ سے مشورہ کرے اور میں اس کی مصلحت کے خلاف مشورہ دوں۔ مجھے دین سب سے مقدم ہے اب چاہے مجھے راحت ہو یا کلفت ہو اور ان شاء اللہ اس نیت کی برکت سے راحت ہی ہوگی مگر عموماً آج کل مشیروں کی یہ حالت ہے کہ جان جان کر غلط مشورہ دیتے ہیں جس میں ان کے نزدیک صراحتہ دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔ (خیر الارشاد الحق العباد ج ۴)

## رسومات کی تباہی

یہ ایک قصبہ ہے ضلع مظفر نگر میں جو تھانہ بھون سے تقریباً ۱۵ میل پر ہے، میں ایک شخص ملازمت سے گھر آیا اور ساتھ میں بہت کچھ نقد اور سامان وغیرہ بھی لایا۔ پھر اس کی لڑکی کا بیاہ ہونے لگا تو بستی کے بھائیوں نے اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا شروع کیا اور یہ رائے دی کہ ذرا شادی میں خوب دھوم دھام کرو تا کہ لوگوں کی نگاہ میں تمہاری عزت ہو اور خاندان کا نام ہو۔ چنانچہ اس نے ایسی دھوم دھام کی کہ جو کچھ باہر سے کما کر ساتھ لایا تھا سب غارت کر دیا۔ بعد میں ان مشیروں میں سے ایک نے فخر اُکھا کہ یہ بہت بڑھ گیا تھا۔ یہ رائے دے کر ہم نے اسکو اپنے برابر کر دیا، آج کل برادری کے بھائیوں کی عام حالت یہی ہے کہ کسی کو اپنے سے بڑھا ہوا دیکھ نہیں سکتے۔ بس جہاں کوئی بڑھا اور انہوں نے اس کو ایسی پٹیاں پڑھانا شروع کیں جس سے چار دن میں وہ ان کے برابر بلکہ کم ہو جائے اور برابر دو غرض سے کرتے ہیں، کبھی حسد سے اور کبھی اس لئے کہ وہ ہم کو گھٹانے کی فکر نہ کرے کیونکہ آج کل جہاں کوئی ذرا بڑھتا ہے وہ دوسروں کو گھٹانا شروع کر دیتا ہے اس لئے وہ اپنی جان بچانے کو اس کوشش میں رہتا ہے کہ کسی طرح یہ ہم سے بڑھا ہوا نہ رہے۔ (خیر الارشاد الحق العباد ج ۴)



## مسئلہ استیذان

ان قیل لکم ارجعوا فارجعوا۔

(یعنی اگر تم سے کہہ دیا جائے کہ اس وقت واپس ہو جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ)

اور حدیث میں ایک قانون مقرر کیا گیا ہے کہ ارجعوا بھی نہ کہنا پڑے وہ قانون یہ ہے کہ تین دفعہ پکارا اگر کچھ جواب نہ ملے تو واپس ہو جاؤ اور استیذان کا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ احتمال ہو کہ سوتے ہوں گے تو اس طرح اجازت لو کہ اگر جاگتا ہو تو سن لے اور اگر سوتا ہو تو آنکھ نہ کھل جائے۔

اور دلیل اس کی مقدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر مہمانوں کو صحابہ اہل مدینہ پر تقسیم کر دیا تھا اور تین آدمی خود رکھ لیے تھے ان میں حضرت مقدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بکریاں بتلادی تھیں کہ ان کا دودھ نکال کر پی لیا کرو تو یہ معمول ہو گیا تھا کہ بکریوں کا دودھ نکال کر خود پی لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ رکھ دیا۔ حضرت مقدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لانے میں دیر ہوئی، مجھے شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آج کہیں دعوت ہوگئی ہوگی اب آپ کو کیا حاجت رہی ہوگی لاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کا بھی پی لوں۔ یہ خیال کر کے اس کو بھی پی لیا جب پی لیا تو شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ کھایا اور کہیں دعوت نہ ہوئی ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے ہی رہیں گے اور اگر اس حالت میں بددعا دے دی تو کیا ہوگا، اس خیال سے یہ بہت پریشان ہوئے۔

آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر میں تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ جب تشریف لاتے تو نہ تو یہ کرتے کہ بہت زور سے سلام کریں بلکہ ایسا کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو نیند میں خلل نہ پڑے چنانچہ حسب عادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے سلام کیا اور پھر نماز پڑھی اور پھر آہستہ سے برتن کھولے اور پھر مصلے پر تشریف لے گئے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اب ان کا دم ہوا ہوا کہ بس اب بددعا کریں گے مگر بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بددعا کیوں فرماتے آپ نے یہ دعا فرمائی کہ:

اللهم اطعم من اطعمنی (الصحيح مسلم)

(اے اللہ! جو مجھے کھانا کھلائے آپ اس کو کھانا کھلائیے)

دیکھئے یہ ہے توکل کہ نہ کوئی شخص ہے نہ کوئی سامان ہے مگر دعا فرما رہے ہیں اور پھر اسباب سے بعد بھی نہیں اختیار کیا۔ یہ دعا کی کہ اے اللہ! جو مجھے کھانا کھلائے آپ اسکو کھانا کھلائے جسکا حاصل یہ ہوا کہ کسی ایسے شخص کو بھیج دیجئے کہ جو مجھ کو کھانا کھلائے اس سے بتلا دیا کہ متوکل کو بھی اسباب ہی سے ملتا ہے اللہ اکبر! آخر نبی تھے یہ بات آپ نہ بتلاتے تو اور کون بتلاتا۔ سوکل میں بھی اسباب کو بالکل ترک نہیں کیا جاتا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ متوکل کو نہ دروازہ بند کرنا چاہیے اور نہ دروازہ پر نظر رکھنی جائز ہے۔ غرضیکہ حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ دعا سنی تو بد دعا سے تو بے فکری ہوئی۔ اب یہ تمنا ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی لوں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے، توکل ان میں بھی غالب ہوا اور بکریوں کا دودھ دوبارہ دوہنے بیٹھ گیا وہاں دیکھا تو دودھ بھرا ہوا تھا، غرض نکال کر پیش کیا اور پلایا۔

سو مقصود میرا یہ ہے کہ حدیث میں ایک جزویہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرتے تھے آہستہ کہ سوتے ہوں تو نہ جاگیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں سونے کا احتمال ہو وہاں ایسا کھڑکا خواہ ہاتھ سے خواہ زبان سے نہ کرو کہ وہ پریشان ہوں۔ تو اب میں کہتا ہوں کہ اس کی فرع ایک یہ بھی ہے کہ اگر استیذان میں سلام کرے تو ایسی طرح کرنا چاہیے کہ دوسرے شخص کو تکلیف نہ ہو۔ (کف الاذی ج ۴)

## آداب معاشرت

عیادت کے متعلق ارشاد ہے ”فلیخفف الجلوس“ (چاہیے کہ بیٹھنے میں تخفیف کریں کیونکہ دیر تک بیٹھنے سے مریض کو تکلیف ہوگی سبحان اللہ! کتنی دقیق رعایت ہے اور بعض لوگ تو ایسے بے حس ہوتے ہیں کہ وہ کسی طرح اٹھتے ہی نہیں)۔

میں سفر میں عشاء کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹا، چند لوگ آن بیٹھے اور باتیں کرنا شروع کیں۔ جب بہت دیر ہوگئی تو میں نے کہا کہ آرام کیجئے مگر پھر بھی نہیں مانے، آخر مجھے بے مروتی کرنا پڑی، میں نے کہا کہ مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے تو کہنے لگے کہ تکلیف کی کیا بات ہے میں نے کہا کہ یہ وقت مباحثہ کا نہیں ہے کہ تکلیف کی کیا بات ہے۔ غرض جیسے کہ عموماً عادت ہے ایسے ہی ایک صاحب عین دوپہر کے وقت حضرت حاجی صاحب کے

پاس آئے حضرت کو سخت تکلیف ہوئی مگر لحاظ کی وجہ سے کچھ نہیں فرمایا، آنکھوں میں نیند تھی، بیٹھے ہوئے جھوم رہے تھے مگر کچھ نہ فرماتے تھے، اگلے دن پھر وہی صاحب تشریف لائے، حضرت نے تو اس روز بھی کچھ نہ کہا مگر حضرت حافظ ضامن صاحب تھے صاف انہوں نے خبر لی کہ تمہیں شرم نہیں آتی خود تو رات بھر جو رو کی بغل میں پڑے سوتے رہتے ہو اور اللہ والے جو رات کو جاگتے ہیں اور دوپہر کو ذرا ان کے آرام کا وقت ہوتا ہے اس وقت تم ان کو پریشان کرنے کو آ بیٹھتے ہو خبردار! جب اب کبھی اس وقت آئے پھر اگر اس وقت دیکھوں گا تو ٹانگیں ہی توڑ دوں گا۔

اب لوگ کہتے ہیں کہ بعضے بزرگ بہت سخت مزاج ہیں تو وہ خود سخت مزاج نہیں ہوتے غرض جس تعظیم سے گرانی ہو ایسی تعظیم بھی نہ کرنی چاہئے۔ اس راز کو حضرات صحابہؓ نے خوب سمجھا۔ فرماتے ہیں کہ

ما کنا نقوم لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما کنا نعرف منکراً۔  
(یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کیلئے نہیں کھڑے ہوتے تھے کیونکہ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے گرانی ہوتی ہے)

مگر آج کل لوگوں کو اس کا بالکل خیال نہیں۔ میں نے دیکھا کہ میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب ہاتھ میں جوتے اٹھا کر جامع مسجد سے گرمیوں کے موسم میں باہر آنے لگے تو ایک صاحب نے لپک کر چاہا کہ مولانا کے جوتے میں لے لوں۔ انہوں نے تو اپنے نزدیک ادب کیا کہ مولانا کے ہاتھ سے جوتے لے گئے مگر یہ بھی کوئی خدمت ہے کہ چار قدم جوتے پہنچا دیئے، کیا جوتوں کا کوئی بڑا بوجھ تھا اور دو چار میل لے کر جانا تھا کہ مولانا تھک جاتے تو اگر خدمت کرو تو کوئی معتد بہ خدمت کرو تا کہ کچھ راحت پہنچے۔ آخر مولانا نے نہیں دیا مگر انہوں نے نہ مانا اور ایک ہاتھ سے تو مولانا کی کلائی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے جھٹکا مار کر جوتا چھین لیا۔ یہ بے تمیزی ہے ہم لوگوں میں، اپنے نزدیک تو بڑی خدمت کی کہ لڑکر جوتا چھین لیا تو ساری خرابی نا عاقبت اندیشی اور تکلف کی ہے۔ (کف الاذئی ج ۴)

## دوسروں کو تکلیف نہ دیجئے

ہر عمل میں اس کا لحاظ رہنا چاہیے یہ یہاں ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ باقی

اس کی مثالیں اتنی کثرت سے ہیں کہ مدت تک سوچنی پڑیں گی اور اس کے لیے ایک سہل قاعدہ بتلاتا ہوں کہ جو برتاؤ کسی کے لیے کرو سوچ لو کہ اگر ہمارے ساتھ یہ برتاؤ کرے تو کیا اثر ہوگا۔ مثلاً جیسے کسی کی پشت کی طرف بیٹھے تو سوچ لے کہ اگر میرے پس پشت کوئی بیٹھے تو ناگوار ہوگا یا نہیں تو ایسے قول و فعل کو چھوڑ دو جس کا اثر تکلیف ہو۔ اگر اس معیار کو پیش نظر کر لیں تو ہماری بہت اصلاح ہو جائے گی اور اس وقت ایمان کامل نصیب ہوگا۔ (کف الاذنی ج ۴)

سلف میں سے دو شخص سفر میں جا رہے تھے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تم سردار بنو گے یا خادم؟ انہوں نے کہا کہ خادم۔ پھر پہلے شخص نے کہا کہ اچھا جب میں سردار ہوں تو میں جو کچھ کہوں اسے ماننا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں مانوں گا۔ یہ طے ہونے کے بعد دونوں سردار خادم سفر میں روانہ ہوئے۔ منزل پر پہنچ کر سردار نے خادم سے کہا کہ تم الگ بیٹھے رہو، میں سب کام کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تو خادم ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میں سردار ہوں، میرا کہا تم کو ماننا پڑے گا، تمام راہ سفر میں سردار صاحب کام کرتے چلے گئے۔ سبحان اللہ! سید القوم خادم (قوم کا سردار قوم کی خدمت کرنے والا ہوتا ہے) کے یہی معنی ہیں۔ اتفاق کے لئے یہی لازم ہے کہ جو کچھ آپس میں طے ہو گیا اس کے خلاف نہیں کرتے لیکن اب اتفاق کے معنی ہی بدل گئے۔

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آج کل کے لیڈر جو اتفاق اتفاق پکارتے ہیں انہیں اس کی جڑ معلوم نہیں۔ اس کی جڑ ہے تواضع اور تواضع کا غد پر نام کے ساتھ حقیر، ذلیل، نیاز مند، خاکسار کے لکھنے سے نہیں ہوتی۔ (الوقت ج ۴)

## ضیافت کا ادب

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعوت میں ایک آدمی ویسے ہی چلے گئے آپ نے مکان پر پہنچ کر صاحب خانہ سے صاف فرما دیا کہ یہ ایک آدمی ہمارے ساتھ ہولیا ہے اگر تمہاری اجازت ہو تو آوے ورنہ چلا جاوے۔ صاحب خانہ نے اس کی اجازت دے دی اور وہ شریک ہو گیا۔

رہا یہ شبہ کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے اس نے اجازت دیدی ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر آزادی سے



رکھی تھی کہ جس کا جی چاہتا قبول کرتا تھا اور جس کا جی چاہتا تھا انکار کر دیتا تھا۔ چنانچہ حضرت بریرہؓ کا قصہ آپ نے ابھی سنا ہے ایک قصہ اس سے بڑھ کر سنئے۔

مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ ایک فارسی شخص نے کہ شور با عمدہ پکاتا تھا، شور با پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ آپؐ نے فرمایا: بشرطیکہ عائشہؓ کی بھی دعوت کرو تو قبول کرتا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری بھی نہیں۔ پھر اس نے اصرار کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا، اس نے چند بار انکار کیا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ کا بوجھ اور دباؤ ہوتا تو وہ انکار کیوں کرتا۔ پھر اپنی خوشی سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی دعوت قبول کی اور آنحضرت نے قبول فرمائی اور یہ جائز ہے کہ دعوت قبول کرنے میں کوئی شرط لگا دے۔ (حقوق المعاشرت ج ۴)

## آداب عیادت

من جملہ ان حقوق کے جو ایک مسلمان کے دوسرے پر ہیں، عیادت یعنی بیمار پر سی ہے، اس کے بھی آداب ہیں۔ ان میں بھی افراط و تفریط ہو رہی ہے چنانچہ بعض آدمی تو سرے سے بیمار کو پوچھنے ہی نہیں جاتے یہ تفریط ہے اور بعض پوچھنے جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ بیمار کو ان سے راحت ہوتی یہ اور الٹے موجب تکلیف بنتے ہیں۔ مثلاً وہاں جا کر زیادہ دیر تک بیٹھا رہے یہ تکلیف کی بات ہے۔ بیمار آدمی کو مختلف حوائج اور ضروریات ہوتی ہیں اور وہ بے چارہ ان کا لحاظ کرتا اور تکلیف اٹھاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ ”من عاد منکم مریضاً فلیخفف جلوسه“ (جو شخص تم میں سے مریض کی عیادت کرے اس کو چاہیے کہ اس کے پاس کم بیٹھے) البتہ تیمارداری اور چیز ہے اس میں بیمار کے پاس ہر وقت بیٹھنا خدمت کے لئے ہے۔ خدمت ہر کسی پر ضروری نہیں مگر دفع اذیت اور راحت سب پر ضروری ہے۔ (حقوق المعاشرت ج ۴)

## اقسام رسوم

حقیقت یہ ہے کہ رسوم دو قسم کی ہیں ایک وہ جو شرک و بدعت ہیں اور دوسری تفاخر کی میں کہتا ہوں کہ رسوم شرکیہ و بدعیہ تو بے شک گھٹ گئی ہیں لیکن تفاخر کی رسوم پہلے سے زیادہ

بڑھ گئی ہیں اور چونکہ تفاخر کی رسوم کو رسوم ہی نہیں سمجھا جاتا اس لئے رسوم کی ممانعت کی جاتی ہے تو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اس وقت روشنی کا زمانہ ہے۔ اب رسوم ہی کہاں رہ گئی ہیں اور نظائر میں ان ہی رسوم شرکیہ کو پیش کر دیتے ہیں اور واقع میں وہ بہت کم ہو گئی ہیں لیکن رسوم فخریہ پہلے سے بھی بڑھ گئی ہیں چونکہ پچھلے زمانہ میں نہ اتنا تمول تھا نہ اتنا دامگوں میں غلو تھا نہ فخر میں غلو تھا۔ بالکل سیدھی سادی معاشرت تھی بڑے بڑے امراء گاڑھا گزری پہنتے تھے ہمارے قصبہ میں صرف ایک رئیس کے یہاں ایک فرش اور ایک مراد آبادی حقہ اور ایک فیتل سوز تھا باوجودیکہ ہزاروں خوشحال اور متمول لوگ تھے جب کسی کے یہاں شادی ہوتی تو یہ چیزیں ان کے یہاں سے فرش قالین وغیرہ منگالی جاتی تھیں اور کسی کے یہاں نہ تھیں اب بھی پہلے بادشاہوں کے جوڑے عجائب خانوں میں موجود ہیں انہیں کو دیکھ لیجئے وہ ایسے ادنیٰ درجہ کے ہیں کہ بادشاہ تو بہت بڑی چیز ہے اب کوئی ادنیٰ ملازم بھی ایسے کپڑوں کو پسند نہیں کرتا یہاں تک کہ بادشاہ لوگ بھی نینو استعمال کرتے تھے چنانچہ ظفر شاہ کا جامہ نینو کا اب تک موجود ہے کیا ٹھکانہ ہے سادگی کا اب نینو چماریاں اور بھنگنیں بھی نہیں پہنتیں یہ حالت تھی اس زمانہ میں بہت ہی سادگی تھی کبر و فخر بھی کم تھا اور اس قسم کے لباس ہوتے تھے پہلے زمانہ میں۔

اب تو یہ حالت ہے کہ اگر دو سو سے کم کا ہو تو وہ جوڑا ہی نہیں اس کا نام کفن رکھا ہے کہا جاتا ہے کہ جوڑا کیا دیا جیسے کفن ڈال دیا اور اکثر جو جوڑے دوسرے عزیزوں کو دیئے جاتے ہیں وہ ہوتے بھی ایسے ہی ہیں کیونکہ اب تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہوں دس چاہے ہوں بالکل کفن سے خواہ مخواہ بہت سے جوڑے دیئے جاتے ہیں یہ بہو کے باپ ماں کا ہے یہ نانائانی کا ہے یہ خاک کا ہے یہ بلا کا ہے۔ غرض عدد کا پورا کرنا ضروری ہے حالانکہ ضرورت ایک کی بھی نہیں جیسے کہ کوئی لفظ بضرورت شعر بڑھا دیا جاتا ہے لیکن مصلح تو یہی کہے گا کہ شعر گفتن چہ ضرور! (شعر کہنا کیا ضروری ہے)

مرزا فائق ایک شاعر تھا۔ اس نے ایک خط منظوم غالب کو لکھا جس کے ایک شعر میں یہ کالفظ مشدد آتا تھا اور اس کے حاشیہ پر لکھا دیا کہ تشدید بضرورت شعر غالب ایک مسخرہ شخص اگرچہ حاشیہ پر وہ نہ بھی لکھتا تب بھی وہ کہیں چوکنے والا تھا اور اب تو ایک بہانہ مل گیا مسخرے نے اس کے جواب میں ایک قطعہ لکھا۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرا کہ کس ہچو من ذہن رسا نباشد  
چو مقام ضرورت شعر افتد تشدید جائز چرا نباشد  
(کیا خوب کہا فائق غرا شاعر نے کہ کوئی شخص میرے مثل ذہن رسا نہیں ہے جب  
شعر میں کسی جگہ ضرورت پیش آئے تو تشدید کس لئے جائز نہ ہوگی۔)

حقیقت میں شعر گفتن چہ ضرور۔ اسی طرح ان کو ضرورت اتنے جوڑوں کی کیا تھی۔  
کون سی وحی نازل ہوئی تھی۔ اس کی بنا کیا ہے محض فخر اور اس کو کوئی برا سمجھتا نہیں اور برا کیوں  
نہیں سمجھتا وجہ اس کی یہ ہے کہ ہماری فہرست معاصی کی نہایت مختصر ہے ہم نے معاصی کی  
فہرست میں انتخاب کیا ہے۔ ہماری فہرست میں معاصی صرف دو چار ہیں۔ زنا، چوری،  
شرا، بخوری، بس یہ چیزیں ہمارے نزدیک معاصی ہیں اور کوئی چیز معصیت ہی نہیں۔ اگر یہ  
بات ہے تو حق تعالیٰ کے ارشاد کے کیا معنی سنئے ارشاد فرماتے۔

وَذُرُوا ظَاهِرًا لِأَلْسِنَةٍ أَوْ بَاطِنًا (ظاہری گناہ بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ بھی۔)  
اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری گناہ اور باطنی گناہ۔ ظاہری گناہ کی  
تفسیر یہ ہے کہ جو محسوس ہو دوسروں کو اور باطنی گناہ وہ ہے جو دوسروں کو محسوس نہ ہو۔ پس  
معلوم ہوا کہ یہ جو ظاہری گناہ ہیں صرف یہی گناہ نہیں ہیں بلکہ اور بھی گناہ ہیں جو محسوس نہیں  
اور یہ جو محسوس گناہ ہیں ظاہر کے یہ محسوس کیوں ہیں۔ محسوس اس لئے ہیں کہ ان کا محل محسوس  
ہے یعنی ہاتھ پاؤں آنکھ زبان وغیرہ ان جوارح سے جو گناہ ہوتے ہیں چونکہ یہ جوارح  
محسوس ہیں اس واسطے ان کے افعال بھی محسوس ہوتے ہیں اور باطنی گناہ ایسے محل کے ہیں جو  
خود محسوس نہیں اس لئے وہ بھی غیر محسوس ہیں۔ وہ محل کون ہے وہ محل ہے قلب اور نفس تو  
معلوم ہوا کہ بعض گناہ قلب اور نفس کے بھی ہیں۔

اب ذرا مہربانی کر کے ان گناہوں کے نام تو بتائیے جو نفس اور قلب کے ہیں آپ تو  
کیا بتلائیں گے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا

”خدا تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے“۔ حدیث صحیح میں ہے۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرَدَلٍ مِنْ كِبَرٍ (سنن)

ابی داؤد: ۴۰۹۱، سنن الترمذی: ۱۹۹۸، ۱۹۹۹، سنن ابن

ماجہ: ۵۹، ۴۱۷۳، المعجم الكبير للطبرانی ۱۰: ۹۲.

”جس کے قلب میں رائی برابر بھی کبر ہوگا وہ ہرگز جنت میں نہ جائے گا۔“ یہ ہے قلب کا گناہ۔ اب دیکھئے دوسرا گناہ قلب کا حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ  
”یعنی اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر باطل نہ کرو۔  
مثلاً اس شخص کے جو لوگوں کے دکھلاوے کے واسطے خرچ کرتا ہے۔“ اس آیت سے ریا کا  
گناہ معلوم ہوا۔ یہ آیتیں اور حدیثیں ریا اور فخر کو حرام بتاتی ہیں اور یہ دونوں گناہ متعلق ہیں  
نفس اور قلب کے۔ اب اس کا تو کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا کہ ریا اور فخر بھی گناہ ہیں کیونکہ  
قرآن اور حدیث سے ان کا گناہ ہونا ثابت ہے۔ (نقد الملیب فی عقد الحیب ج ۵)

## اقسام مجالس

مجالس دو قسم کی ہوتی ہیں ایک تو وہ کہ عام ملاقات کے لئے ہو جس میں تخیلی منظور نہ  
ہو اس میں استیذان کی ضرورت نہیں بلکہ وہاں پہرہ کھڑا کرنا بھی جائز نہیں ہاں اگر اندیشہ  
ہو تو جائز ہے مجلس قضا و مجلس وعظ وغیرہ فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کو الگ مکان نہ بنانا چاہئے  
جامع مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کرنا چاہئے اگر کوئی شبہ کرے کہ مسجد میں غیر مسلم کیونکر جا سکیں گے  
تو جواب یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں جائز ہے البتہ غیر مسلم کو پاک صاف ہونا ضروری ہے  
بحالت جنابت مسجد میں نہیں آسکے گا غرض قاضی کو حکم ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر فیصلے کرو۔ اسی  
میں اجلاس قائم کرو اور گواہ بھی وہاں ہی آئیں البتہ سزا وغیرہ فرش مسجد سے جدا ہونی چاہئے  
مسجد میں کسی کو سزا نہ دی جائے شریعت نے اس کو دین کا کام قرار دیا ہے اور واقعی یہ دین کا  
بڑا کام ہے اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ خلقت کو نفع پہنچایا جائے۔

اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حکومت دین کا کام ہے جب تو اس کے لئے جامع مسجد  
تجویز کی گئی ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کرنا کھیل نہیں ہے جیسا کہ آج کل ہو رہا  
ہے کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور حکومت کا شوق میں نے ایک نواب زادے کو دیکھا کہ وہ  
پانچ سو روپیہ ماہوار گھر سے منگواتے تھے اور بے تنخواہ کے ڈپٹی تھے۔



تو اجلاس پر پہرہ چوکی بٹھانا حاکم کو اس لئے جائز نہیں کہ اس کی مجلس عام ہونی چاہئے تاکہ تمام مخلوق اپنی مصیبت بیان کر سکے ایک قسم کی تو یہ مجلس ہے اس میں استیذان کی ضرورت نہیں۔ ایک مجلس تنہائی کی ہوتی ہے جو ذاتی کام پورے کرنے کے لئے ہوتی ہے جسے امیروں کی آرام گاہ کہنی چاہئے اور غریبوں کا گھر اس میں جانے کے لئے استیذان کی ضرورت ہے بلا اجازت کے جانا جائز نہیں البتہ اگر قرآن سے اجازت معلوم ہو جائے تب بھی جانا جائز ہے اس صورت میں صاحب مکان کو پورا اختیار ہے کہ جس کو چاہے آنے دے اور جس کو چاہے روک دے اور یہ حکم ہے کہ اگر اجازت نہ دے تو بلا ملے ہوئے واپس ہو جائے۔ تو یہ مسئلہ شریعت کا ہے مگر مسلمان اس سے بالکل واقف نہیں اور اس کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور اگر کوئی اس پر عمل کرے اس کو صاحب بہادر سمجھا جاتا ہے ہم لوگوں کی بے توجہی کی یہ حالت ہے کہ ہم یہی سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونا ہی اسلام ہے اور یہی کافی ہے کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہیں اور یہ مرض عورتوں میں زیادہ ہے کیونکہ مرد تو کچھ لکھتے پڑھتے بھی ہیں بہت سی باتیں معلوم کر لیتے ہیں نیز اکثر علماء سے ملتے رہتے ہیں بہت سی باتیں کانوں میں پڑتی رہتی ہیں مگر عورتوں کو سوائے کھانے پکانے کے کسی چیز کی خبر نہیں۔ اگر ہے تو صرف نماز کی ہے۔ جو نماز پڑھتی ہے وہ سب کچھ ہے جو حج بھی کر لے وہ اپنے وقت کی رابعہ بصریہ ہے اور جوزیور کی زکوٰۃ بھی دینے لگے تو اس کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں غرض ان کو بجز معدودے چند باتوں کے اور کسی چیز کی خبر نہیں۔ (شعب الایمان ج ۶)

## مذہب کا ست

آج کل مسلمانوں نے مذہب کا بھی ست نکال لیا ہے کہ نماز روزہ تسبیح کا نام اسلام ہے میں نے بہت لوگ دیکھے ہیں کہ لمبی تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں اور سود لیتے ہیں اور دودو مرتبہ مال گزاری وصول کرتے ہیں اور پھر اچھے خاصے مسلمان کے مسلمان ہیں۔ تو آج کل ثقافت تسبیح کا نام ہے جھوٹ بولتے ہیں اور رشوت لیتے ہیں زمین دوسروں کی دبا لیتے ہیں لڑکیوں کا حق نہیں دیتے بہن پھوپھی کا حق لے کر ادا نہیں کرتے اور پھر نیک کے نیک ہیں۔ آج کل نیکی بڑی سستی چیز ہو گئی ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگوں نے واقعی دین کا بھی ست اور خلاصہ نکال لیا ہے۔ بہت سی چیزوں کو دین سے نکال دیا ہے (شعب الایمان ج ۶)

## مسئلہ اجازت

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو۔ یہ مسئلہ استیذان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر استیذان کے کسی کے گھر میں داخل نہ ہو اور یہ آیت مجمل ہے اس میں استیذان کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی کہ کب تک اجازت مانگا کریں۔ حدیث میں اس آیت کی شرح ہے کہ تین مرتبہ اجازت چاہو اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ (شعب الایمان ج ۶)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ اگر تین آدمیوں کا مجمع ہو تو ان میں سے دو کو یہ جائز نہیں کہ ایک کو تنہا چھوڑ کر کسی خفیہ مشورے میں لگ جائیں جب تک کہ تیسرا چلا نہ جائے یا کہ کوئی چوتھا نہ آجائے کیونکہ اس کو ناگوار ہوگا۔ اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ مجھ کو غیر سمجھا اور مجھ سے پردہ رکھا۔ اور جب چوتھا آجائے گا تو اس تیسرے کو اس لئے رنج نہ ہوگا اس کو احتمال ہوگا کہ شاید چوتھے سے مخفی کرنا راز کا مقصود ہے۔ اور چوتھے کو اس تیسرے سے یہی احتمال ہوگا۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے متعلق ایک نہایت مناسب قانون مقرر فرمادیا ہے۔ مگر افسوس ہے ہمارے بھائیوں نے ان قانونوں کو کبھی دیکھا بھی نہیں۔

## ایک قائدہ

اگر کسی شخص کے پاس آمد و رفت رکھو تو ہمیشہ ہدیہ لے جانے کے پابند نہ بنو بلکہ کبھی ہدیہ لے کر چلے جاؤ اور کبھی خالی چلے جاؤ۔ کیونکہ تجربہ بتا رہا ہے کہ پابندی کی صورت میں جب اس شخص کی صورت نظر پڑے گی تو طبعاً ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ خدا جانے کچھ لایا ہے یا نہیں یہی اشراف ہے تو اس کا علاج یا تو یہ ہے کہ نفس ایسا ہو جائے کہ اس میں اشراف ہی نہ ہو یا یہ ہے کہ پابندی سے منع کر دیا جائے چنانچہ میں نے اپنے لئے یہی تجویز کیا ہے بلکہ نہ لانا اکثر ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ (تجارت آخرت ج ۶)

## معاشرت بطور جزو دین

قرآن و حدیث و فقہ میں سب چیزوں کی تعلیم موجود ہے، معاملات کی بھی معاشرت

کی بھی لیکن معاشرت کو معاملات سے بھی زیادہ دین سے الگ سمجھتے ہیں کہ لباس پہنیں گے، دوسری اقوام کا سا باتیں کریں گے تو انہی کی زبان یا انہی کے لب و لہجہ میں حتیٰ کہ کمرہ بھی سجائیں گے تو اسی طرح جس کے معنی یہ ہوئے کہ ہم معاشرت میں در یوزہ گر ہیں۔ دوسری قوموں کے اور گویا اس کا اقرار ہے اور نہایت گندہ اقرار ہے کہ ہمیں اس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں دی۔ حالانکہ ان قوموں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم سے معاشرت کا طریقہ سیکھا ہے مگر آپ کی تو وہ حالت ہے:

یک سبد پر ناں ترا بر فرق سر      تو ہی جوئی لب ناں در بدر  
تا بزا نوئے میان قعر آب      از عطش و ز جوع کشتستی خراب  
(تیرے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا رکھا ہے تو ایک روٹی کے ٹکڑے کو در بدر مارا پھرتا ہے تو زانو تک نہر میں کھڑا ہے اور پیاس و بھوک سے خراب ہو رہا ہے) (آثار العبادۃ ج ۷)

## معاشرت جزو دین ہے

معاشرت بھی جزو دین ہے اس کو بھی اپنے ہی گھر سے سیکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی ایسی اعلیٰ تعلیم دی ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب کوئی رواج ایسا نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ میں بطور مثال ایک چھوٹا سا نمونہ پیش کرتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر تین آدمی ہوں، دو آدمیوں کو تیسرے سے جدا ہو کے سرگوشی کی اجازت نہیں، سلف کا دستور یہ تھا کہ ایسے موقع پر جب چوتھا آدمی آجاتا تب ان میں سے دو اٹھ کے سرگوشی کر لیتے تاکہ تیسرے کی دل شکنی نہ ہو، میں کہتا ہوں کسی مذہب میں بھی ایسا قانون ہے۔ بھلا کوئی اس کی نظیر دکھلا تو دے آج کسی تمدن میں بھی ایسے قانون کا پتہ نہیں۔ واقعی جو اصول اسلام نے سکھائے ہیں وہ کسی قوم میں بھی نہیں، میں تو دوسری اقوام کے سامنے اپنے بزرگان دین کو پیش کر کے یہ کہوں گا۔

اولنک آبائی فجتنی بمثلہم اذا جمعتنا یا جریر المجمع

”یہ ہمارے آباؤ اجداد ہے اے جریر تو ان جیسے ہمارے پاس جبکہ ہم مجموعوں کو جمع کریں“  
بھلا کوئی لا سکتا ہے ایسے اصول بس ہمیں تو وہی معاشرت چاہیے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی اور گو وہ ظاہر میں شاندار نہ ہو تو نہ ہو مگر واللہ ہیبت اصلی اس میں ہے بقول مولانا:

ہیبت حق است ایں از خلق نیست      ہیبتہ از صاحب ایں دل نیست

(یہ ہیبت حق کی ہے خلق کی نہیں کچھ ہیبت صاحب دلق کی نہیں) (آثار العبادۃ ج ۷)

چنانچہ حضرت علیؓ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک بار کرتہ پہنا اس کی آستینیں خوبصورت معلوم ہوئیں آپ نے انکو فوراً تراش ڈالا کہ بد شکل ہو جاویں آج کل اگر کوئی ایسا کرے تو مجنوںوں میں شمار ہوگا اس کو دیوانہ کہیں گے مگر واقعی بات یہ ہے کہ

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد مرعس را دید درخانہ نہ شد

(شب مبارک ج ۷)

## عورتوں کا دستور العمل

عورتیں ان کے لیے آسان یہ ہے کہ جو عورتیں پڑھی لکھی ہیں وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر بہشتی زیور وغیرہ پڑھا کریں اور جو پڑھی ہوئی نہیں ہیں وہ اپنے لڑکوں، بچوں سے کسی وقت بہشتی زیور کے مسائل سن لیا کریں اور یہ بھی نہ ہو تو لڑکیوں کو پڑھوا کر تیار کر لیں اور ان سے اسی سلسلے کو جاری کریں۔ یہ ہے مختصر دستور العمل اس سے ان شاء اللہ ہر شخص کو علم دین حاصل ہوگا اور محبت بھی بڑھے گی اور دین کی تکمیل ہوگی۔ (آثار المحبہ ج ۷)

## نبی معاشرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت کہ اس طرح رہتے تھے کہ پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ صدر کون ہیں چنانچہ باہر کے ناواقف لوگ آتے تو ان کو پوچھنے کی ضرورت ہوتی اور وہ پوچھتے من محمد فیکم صحابہ فرماتے هذا الابيض المتکسر کہ یہ جو گورے چٹے تکیہ کئے بیٹھے ہیں یہ ہیں محمد۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بتلانے سے پتہ چلتا ہے یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے پتہ نہ چلتا تھا۔ بیٹھنے میں تو آپ کی یہ حالت تھی۔

چلنے میں یہ حالت تھی کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم آگے کر دیئے اور کچھ پیچھے کر دیئے کبھی کوئی آگے ہو گیا کبھی پیچھے ہو گیا ملے جلے چلتے تھے پتہ نہیں چلتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں۔ سو آپ کی تو یہ حالت اور آج بزرگی کے یہ معنی ہو گئے کہ سب سے ممتاز ہو۔ (احکام المال ج ۸)

## امراء کی قابل رحم حالت

مجھے امراء پر بہت رحم آتا ہے کیونکہ ان کے اخراجات ایسے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کی



آمدنی اس کے لئے کافی نہیں ہوتی پھر ان پر یہ مصیبت ہے کہ دعوت بھی کریں گے تو ایسی کہ بدوں قرض لئے نہ ہو سکے۔ بھلا گھر کا معمولی کھانا کس طرح کھلاویں تاوقتیکہ رنگ برنگ کے کھانے دسترخوانوں پر نہ ہوں دعوت ہی نہیں کرتے۔ حالانکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مختلف رنگ کے کھانوں سے سادہ کھانا زیادہ لذیذ ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ مختلف رنگ کے کھانے عادت کے خلاف ہوتے ہیں دوسرے متعدد کھانے طبیعت کو مشوش کر دیتے ہیں۔ (احکام المال ج ۸)

## اہل اللہ کی معاشرت

اہل اللہ کی معاشرت دیکھئے مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی کا قصہ ہے کہ آپ دہلی میں ایک مدرسہ میں صدر مدرس تھے۔ ان سے مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی نے فرمایا کہ مولانا آپ دہلی سے جب وطن جایا کریں تو راستہ میں مجھ سے مل کر جایا کریں۔ (کیونکہ کاندھلہ راستہ ہی میں پڑتا ہے) انہوں نے منظور کیا مگر شرط یہ لگائی کہ میری منزل میں حرج نہ ہو۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے اس کو منظور فرمایا۔ مولانا مملوک علی صاحب جب دہلی سے تشریف لاتے تو مولانا مظفر حسین صاحب سے راستہ میں ضرور ملتے اور مل کر سوار ہو جاتے۔ ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ مولانا مملوک علی صاحب دہلی سے آرہے تھے جب کاندھلہ پہنچے تو مولانا مظفر حسین صاحب سے ملنے کے لئے سواری ٹھہرائی اور سواری وہیں چھوڑ کر مولانا سے ملنے گئے۔ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی گھر کے رئیس تھے۔ مگر آپ کی سادگی دیکھئے کہ آپ نے پوچھا کہ کھانا کھا چکے ہو یا کھاؤ گے۔ مولانا مملوک علی صاحب نے کہا کھائیں گے انہوں نے فرمایا کہ تازہ تیار کراؤں یا جو رکھا ہوا ہے وہی لے آؤں۔ مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ جو موجود ہو وہی لے آئیے بس آپ مٹی کی رکابی میں کھجڑی کی کھرچن لے آئے اور کہا رکھا ہوا تو یہ ہے وہ بھی ایسے ہی تھے۔ بس انہوں نے اسی کو کھالیا اور پانی پی کر رخصت ہو گئے۔ یہ حالت تھی ان حضرات کی کہ جو ہوا وہ سامنے رکھ دیا۔

ایک دفعہ مولانا مظفر حسین صاحب گنگوہ تشریف لے گئے مولانا گنگوہی کے مہمان ہوئے صبح جب رخصت ہونے لگے تو مولانا گنگوہی نے کھانے کے لئے عرض کیا مولانا مظفر حسین صاحب رام پور جانے والے تھے۔ فرمایا کہ میری منزل کھوٹی ہوگی کیونکہ کھانا تیار ہونے میں دیر لگے گی ہاں اگر رات کا رکھا ہوا ہو تو لا دو۔ مولانا نے ماش کی دال اور

باسی روٹی لادی آپ نے رکابی کی دال روٹی پر الٹ کر پلے میں باندھ لی اور رخصت ہو گئے۔ حالانکہ آپ رئیس تھے جب رام پور پہنچے تو حکیم ضیاء الدین صاحب سے کہا کہ مولوی رشید احمد بڑے اچھے آدمی ہیں حکیم صاحب نے کہا کہ ہاں واقعی بڑے بزرگ ہیں۔ آپ فرمانے لگے کہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ بڑے اچھے آدمی ہیں اور آپ کہتے ہیں بڑے بزرگ ہیں۔ میں ان کے بزرگ ہونے کی تعریف نہیں کر رہا میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ اگر خود نہیں سمجھتے تو پوچھ ہی لو۔ انہوں نے کہا کہ اچھا حضرت فرمائیے۔ آپ نے کہا کہ دیکھو کیسے اچھے آدمی ہیں انہوں نے مجھے کھانے کے لئے کہا پھر میرے کہنے سے جو کھانا رکھا ہوا تھا بے تکلف لادیا میں اس واسطے کہہ رہا ہوں کہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ (احکام المال ج ۸)

## شادی بیاہ کی رسومات

شادی بیاہ میں لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں کچھ اس سے بحث نہیں ہوتی کہ اس موقع پر خرچ کرنا چاہئے بھی ہے یا نہیں۔ سو سمجھ لو کہ خرچ کرنے کے بھی حدود ہیں جیسے نماز روزہ کے حدود ہیں۔ اگر کوئی نماز بجائے چار رکعت کے چھ پڑھنے لگے یا کوئی روزہ عشاء تک رکھنے لگے تو گنہگار ہوگا اسی طرح مال کو حد سے زیادہ خرچ کرنے سے بھی گنہگار ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے ہر چیز کے حدود مقرر کئے ہیں۔ پس حدود کو معلوم کرنا چاہئے علماء سے پوچھو..... ایک بات تو یہ یاد رکھو۔ دوسرے یہ یاد رکھو کہ جو کام کرو سوچ کر کرو۔ اگر ان دونوں باتوں پر عمل کرو گے تو حقوق ضائع نہ ہوں گے اور جس میں لوگوں سے زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں وہ حقوق مالی ہیں اس کا بڑا خیال رکھنا چاہئے۔

ایک خرابی مسلمانوں میں یہ ہے کہ قرض لے کر ادا نہیں کرتے قرضے ادا کرنے کی بالکل عادت ہی نہیں۔ اس لئے ان کا اعتبار نہیں رہا۔ اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہر ایک سے قرض مانگتے ہیں اور کوئی نہیں دیتا۔ حالانکہ قرض دینے کا بڑا ثواب ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ دینے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور قرض دینے سے اٹھارہ۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ قرض

وہی مانگتا ہے جسے سخت حاجت ہوتی ہے (کیونکہ اسے پھر واپس کرنا پڑتا ہے) بخلاف صدقہ کے تو قرض دینے کا اتنا بڑا ثواب ہے.....!

مگر جب کوئی لے کر ادا ہی نہ کرے تو پھر کون دے حالت یہ ہو گئی ہے کہ قرض دے کر وصول نہیں ہوتا حتیٰ کہ قرض دار سامنے آنا تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی واسطے مولانا جامی فرماتے ہیں۔  
مدہ شان قرض و مستان نیم حبہ فان القرض مقراض المحبہ  
(امتوں کو آدھی پائی بھی قرض نہ دے کیونکہ قرض بے شک محبت کی پہنچی ہے) (احکام المال ج ۸)

## غایت ادب

دیکھئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ شریف پہنچے تو آپ جس وقت مجلس میں تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں حاضر تھے لوگ زیارت کو آتے تھے چونکہ حضرت ابوبکر صدیق زیادہ بوڑھے معلوم ہوتے تھے لوگوں کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھ کر یہ گمان ہوا کہ حضور یہ ہوں گے۔ اس لئے ان سے مصافحہ کرتے رہے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھ سے نہیں بلکہ حضورؐ سے مصافحہ کرو۔ کیونکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت میں خلل پڑتا۔ جب ذرا آفتاب بلند ہوا اور دھوپ آئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چادر تان کر آپ پر سایہ کرنے کی غرض سے کھڑے ہو گئے اس وقت لوگوں کو پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہیں۔ دیکھئے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصافحہ کی بھی تکلیف نہیں ہونے دی مصافحہ کی تکلیف کو خود گوارا کر لیا۔ یہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا غایت ادب تھا کہ آپ وقایہ ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچے۔ (احکام الجاہ ج ۸)

## سفارش کی تین صورتیں

سفارش کی تین صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ نہ تو محبت کا اثر ہو اور نہ وجاہت کا اس میں تو ذلت ہے۔

ایک یہ کہ وجاہت کا اثر ہو محبت کا نہ ہو اس میں مخاطب کو تکلیف ہے۔

ایک یہ کہ وجاہت کا اثر نہ ہو محض محبت کا ہو۔ اس میں مضائقہ نہیں اس میں نہ سفارش

کرنے والے کو ذلت نہ مخاطب کو تکلیف۔ بشرطیکہ محبت کافی ہو اور بے تکلفی بھی ہو۔ چونکہ تیسری قسم نادر الوجود ہے اس لئے میں نے سفارش کرنی چھوڑ دی۔ (تائیس انبیان ج ۸)

## معاشرتی لا پرواہی

بریلی میں ایک صاحب یتیم خانہ کے مہتمم تھے انہوں نے میرے نام ایک فتوے کے لئے خط لکھا اور پتہ میں اپنے نام کے ساتھ گورنر یتیم خانہ لکھا آج کل ایک آفت یہ بھی ہو گئی کہ جاہ مقصود بالذات ہو گیا جاہ کے لئے اپنے لئے خانہ ساز عہدے پھر ان عہدوں کے نام انگریزی نام تجویز کرتے ہیں تو ان صاحب نے اپنے کو گورنر لکھا مگر وہ ایسے گورنر تھے کہ جو اب کے لئے آپ نے ٹکٹ تک نہ بھیجا تھا۔ میں اس وقت تک ایسے خطوط کا جواب بیرنگ دے دیا کرتا تھا اس کا جواب بھی میں نے بیرنگ بھیج دیا تو گورنر صاحب نے واپس کر دیا اور مجھے ایک آنہ دینا پڑا کیونکہ اس وقت ایک ہی آنہ محصول تھا۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں میرا جانا بریلی ہو گیا۔ میں نے بھائی سے یہ قصہ بیان کیا کہ میں ان گورنر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان سے ایک آنہ وصول کرنا ہے۔ یہ کیسے گورنر ہیں کہ استفتاء بھیجیں اور جواب کے لئے ٹکٹ نہ رکھیں اور بیرنگ جواب دیا جائے تو محصول بھی ہمارے ذمہ ڈالیں۔ اس وقت بعض لوگ اور بھی بیٹھے تھے جب وہ چلے گئے تو بھائی نے کہا کہ تم نے غضب کیا۔ اس وقت ان گورنر صاحب کے صاحبزادے بھی موجود تھے میں نے کہا یہ اچھا ہوا کہ میرا مدعا حاصل ہو گیا کیونکہ میں تو ان کو اس تہذیب پر تنبیہ کرنے کے لئے ہی ملنا چاہتا تھا۔ اب مجھے ان سے ملنے کی ضرورت نہیں صاحبزادے ضرور مطلع کر دیں گے۔ (الجر بالصرح ج ۹)

## آجکل کے واعظین

بعض احباب نے دہلی میں ایک جلسہ میں مجھ کو مدعو کیا۔ اور چلتے وقت پچیس روپیہ تھانہ بھون کی زاد راہ کے لئے دینے لگے۔ میں نے کہا کہ تھانہ بھون دور نہیں صرف چار روپیہ کا تقریباً صرفہ ہوگا۔ وہ کہنے لگے کہ کل پرسوں ایک مولوی صاحب تشریف لائے تھے وہ ایک دن میں گیارہ روپے کے پان کھا گئے۔ بکری کو بھی مات کر دیا مگر آبرو کی بکری ہو گئی۔ اور خود تو کیا کھاتے بس جو آیا تو اضع پر تو اضع کی کہ آپ بھی کھائیے اور آپ بھی



کھائیے۔ کیونکہ مفت کا مال تھا۔ مال مفت دل بے رحم۔ ایک واعظ صاحب کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ رخصت کے وقت ساٹھ روپے کرایہ کیلئے۔ کیونکہ فرسٹ کلاس کا ٹکٹ اسی کے قریب ہوگا۔ گوسفر کیا ہو تھرڈ ہی میں۔ آج کل یہ امور بھی بزرگی کے خلاف نہیں۔ آج کل کی بزرگی بھی بی بی تمیزہ کا وضو ہے کہ کسی طرح نہیں ٹوٹتا۔ (سلوۃ الحزین ج ۹)

## سادگی علامت ایمان

حدیث میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :  
”البذاذۃ من الایمان“ یعنی سادگی سے رہنا ایمان کی علامت ہے آپ لوگ مقتداء ہیں، نائب رسول ہیں، آپ اگر اس فیشن کے لباس وضع کو اختیار کریں گے تو عوام کا کیا حال ہو گیا، وہ تو اچھے خاصے انگریز ہی ہو جائیں گے۔

بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روادارد      زند لشکر یانش ہزار مرغ بخ  
(اگر بادشاہ آدھا نڈہ ظلم سے روار کھے تو اس کے لشکری ہزار مرغ بخ پر ذبح کرتے ہیں)  
عوام اس سے غفلت میں پڑ جائیں گے اور ان کو آپ پر حق احتجاج حاصل ہوگا اور اس سب کا وبال آپ لوگوں کی گردن پر ہوگا۔ دیکھ لیجئے احادیث میں قصہ آتا ہے کہ کوئی خلیفہ باریک کپڑے پہن کر خطبہ جمعہ کو آئے۔ ایک صحابی نے فوراً اعتراض کیا کہ ”انظروا الی امیرنا هذا یلبس لباس الفساق“ دیکھئے خلیفۃ المسلمین کو محض باریک کپڑے پہننے پر جو اس وقت شعار او باش کا تھا مجمع عام میں کیسا تاڑا گیا۔ حدیث شریف میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”من تشبه بقوم فهو منهم“ اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کا طریقہ زینت یا فیشن کا اہل کفر یا اہل غفلت سے ماخوذ ہوگا تو آپ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔ طلبہ کے لیے یہ لباس ہرگز شایان نہیں۔ اس سے علم کی ناشکری بے قدری ہوتی ہے خصوصاً طالب علمی کی حالت میں تو بالکل فقراء و مساکین کی طرح سادہ لباس سادہ مزاج رہنا چاہیے، میں قیمتی لباس سے منع نہیں کرتا، خدا تعالیٰ نے جس کو دیا ہے وہ پہنے میں ترفع و تفاخر سے روکتا ہوں، باقی جن لوگوں میں یہ تفاخر و بڑائی کا مادہ نہ ہو، وہ کیسا ہی بڑھیا لباس پہنیں جب بھی ان کی طالب علمی کی شان میں ضرر رساں نہیں ہوتا کیونکہ وہ بڑھیا لباس میں بھی ایسے الول جلول رہتے ہیں کہ صورت سے آثار طالب علمی صاف نظر آتے

ہیں اور جو لوگ زینت و وضع کی فکر میں رہتے ہیں یا نئے فیشن کو اختیار کرتے ہیں ان کی صورت پر طالب علمی کی شان نہیں ہوتی بلکہ افسوس سے کہا جاتا ہے کہ آج کل اس طرز و وضع کو اس لیے اختیار کیا جاتا ہے کہ کہیں لوگ طالب علم نہ سمجھ لیں۔ گویا یہ چاہتے ہیں کہ عوام ہم کو زمرہ طلبہ سے علیحدہ سمجھیں یا ایک شاندار و ممتاز طالب علم تصور کریں اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ جہلاء اور عوام کی نظروں میں ذلیل نہ ہوں۔ صاحبو! ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ یہ کیسی عزت ہے جس کی عزت ہونے پر اہل جہل کی نظر سے استدلال کیا جاتا ہے اس جہالت کا بھی کوئی ٹھکانا ہے عزت تو وہ جس کو اہل نظر عزت کہیں اہل علم کو چاہیے کہ اپنے سلف صالحین اہل علم کا اتباع کریں ان کی پیروی کو اختیار کرو اسی میں فلاح دارین تصور کریں یہ آپ کے بچپن کا زمانہ ہے اب جس طرح چاہو نفس کو سدھار سکتے ہو پھر اصلاح مشکل ہوگی۔

والنفس كالطفل ان تمهله على نسب حب الرضاع وان تفضمه ينفطم  
(نفس مثل بچہ کے ہے جس راہ پر ڈال دو اس پر پڑ جاتا ہے اگر دودھ پلاتے رہو پیتا رہے گا لیکن اگر دودھ چھڑا دو تو چھوڑ دے گا) (دستور سہارنپور ج ۱۱)

## عورتوں کی عادت

عورتوں کو رات دن زیور اور کپڑے کے تذکرہ سے سوا اور کوئی کام ہی نہیں پھر مصیبت یہ ہے کہ جس کے پاس زیور نہ ہو وہ تو دوسروں کے زیور کا ذکر کرتی رہتی ہیں اور جس کے پاس ہو وہ بھی چین سے نہیں بیٹھتی۔ اس کو اس کی تلاش رہتی ہے کہ اگر کسی کے پاس میرے زیور سے اچھا نمونہ ہو تو میں بھی اس کو تڑوا کر ویسا ہی بنواؤں چنانچہ جہاں کسی کا زیور پسند آیا اور اپنا زیور ان کے دل سے اتر ا اور انہوں نے فوراً فرمائش کی کہ اس کو تڑوا کر ویسا ہی بنایا جائے اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ ابھی اس کی بنوائی میں اتنے روپے گئے ہیں تڑوانے سے وہ سب لاگت ضائع ہو جائے گی اور دوسری لاگت الگ دینی پڑے گی مگر ان کی بلا پروا کرے جانتی ہیں شوہر کماوے گا اور لاوے گا ہم کیوں فکر کریں بس ان کی تو اپنی فرمائش پوری ہونی چاہیے شوہر کے ذمہ چاہیے کتنا ہی ہو جائے کپڑوں کی جمع کرنے کی بھرمار ہوتی ہے کہ صندوق بھرا ہوا ہے مگر کیا ممکن ہے کہ بزازان کے گھر کے سامنے سے خالی گزر جائے غرض عورتوں کے اقوال و افعال و اموال تو سراسر لالچ یعنی ہیں ان کی فہرست گننا تو گویا محال ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شہینہ کجا کجا نہم

(تمام جسم پر داغ ہی داغ ہیں پھیلائے کہاں کہاں رکھا جائے)

خیر یہ مضمون تو ظاہر تھا جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اب میں ایک بات مختصر طور پر ایسی بیان کرنا چاہتا ہوں جو ذرا باریک بات ہے جس کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

## اسلامی قوانین

ایک دفعہ حضرت علیؑ کی زرہ چوری ہو گئی تھی آپ نے اس کو ایک یہودی کے پاس دیکھا اس وقت آپ خلیفہ تھے کہا یہ زرہ میری ہے۔ یہودی نے کہا میری ہے دیکھئے خلیفہ کے مقابلہ میں ایک رعیت کا آدمی کس بیباکی سے کہتا ہے کہ یہ چیز میری ہے۔ یہ اسلام ہی کے قوانین سے تو اس کی جرات تھی کیونکہ جانتا تھا کہ بادشاہ کے صرف کہنے سے یہ زرہ ان کی نہ ہو جائے گی دیکھئے اسلام کی کتنی خوبی ہے کہ غیر قوموں کو بھی اس سے نفع ہوتا تھا اب تو یہ حال ہے کہ خود مسلمان بھی اس سے نفع نہیں لیتے ہیں۔ غرض آپ نے قاضی کے پاس جا کر دعویٰ کیا اس وقت قاضی تھے شریح تابعی وہ آپ کے ماتحت تھے اب دیکھئے ادھر آپ بادشاہ اور شیخ کامل صاحب فضائل اور حضرت علیؑ کے خصائص و فضائل دیکھ کر کہیں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ آپ جھوٹ بول سکتے ہیں ہرگز نہیں مگر با اہنمہ حضرت شریح یہودی کے مقابلہ میں حضرت علیؑ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی گواہ ہے صاحبو! اب تو حضرت علیؑ کیا اگر ہم بھی ہوتے اور ہمارا کوئی شاگرد یا مرید قاضی ہو اور وہ ہم سے گواہ طلب کرے تو کہتے کیوں جی کیا ہم جھوٹ بولتے ہیں مگر وہاں تو یہ بات نہ تھی وہ تو قوانین اسلام کے پابند تھے چنانچہ حضرت علیؑ نے گواہ پیش کئے ایک قنبر آزاد شدہ آپ کے غلام تھے اور ایک آپ کے بیٹے امام حسنؑ شریح نے کہا غلام آزاد شدہ کی تو شہادت معتبر اور لڑکے کی شہادت باپ کے حق میں قبول نہیں کی جاتی۔ حضرت شریح کا مذہب یہی تھا کہ اولاد کی شہادت باپ کے حق میں مقبول نہیں اس میں اختلاف ہے کہ اولاد کی شہادت معتبر ہے یا نہیں۔ حضرت علیؑ کا مذہب یہ تھا کہ معتبر ہے اسی لئے ان کو پیش کیا اور شریح کے نزدیک معتبر نہیں اور قاضی فیصلہ کے وقت اپنے مذہب پر عمل کرے گا نہ کہ بادشاہ کے مذہب پر اس لئے شریح نے حکم دیا کہ زرہ یہودی کی ہے۔ حضرت علیؑ مقدمہ ہار کر عدالت سے ہنسی خوشی نکل آئے کوئی تکدر اور رنج نہ ہوا۔ یہودی نے دیکھا کہ باوجودیکہ یہ بادشاہ ہیں مگر میرے مقابلہ میں ان کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ کہا

اگر یہ مذہب سچ نہ ہوتا تو اس میں اتنی حقانیت و برکت نورانیت نہ ہوتی۔ بس کلمہ شہادت پڑھ کر کہا کہ حضور آپ ہی کی زرہ ہے میں مسلمان ہوتا ہوں آپ نے کہا اب میں نے تم کو ہبہ کر دی وہ حضرت علیؓ سے بیعت ہو گیا اور جنگ صفین میں شہید ہوا۔ (الاتمام لعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## معاشرتی ادب

معاشرت میں ایک ادب یہ ہے کہ اگر تین آدمی ہوں تو دو شخص باہم سرگوشی نہ کریں کیونکہ تیسرا کبیدہ خاطر ہوگا کہ مجھ ہی سے اخفا مقصود ہے اور اگر چار آدمی ہوں تو دو کی سرگوشی میں تیسرا شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ شاید مجھ سے چھپاتا نہیں دوسرے سے چھپاتا ہو رنجیدگی نہ ہوگی ایک میرا واقعہ اسی طرح کا ہے۔

میرے پاس ایک نائب تحصیلدار آئے ان کو اپنے بچہ کی تعلیم کیلئے مدرس کی ضرورت تھی۔ مجھ سے تجویز کرنے کی درخواست کی مجھ سے یہ حماقت ہوئی کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے جو مجھ سے پڑھ رہے تھے اس کے متعلق عربی میں گفتگو شروع کی تھوڑی ہی گفتگو کرنے پایا تھا کہ نائب صاحب نے کہا عربی میں بات کرنے سے معلوم ہوتا ہے شاید آپ مجھ سے مخفی رکھنا چاہتے ہیں سو میں عربی سمجھتا ہوں آپ اجازت دیجئے میں یہاں سے اٹھ جاؤں۔ میں بہت شرمندہ ہوا اور کہا ایسے مہذب سے میں کوئی راز مخفی نہیں رکھنا چاہتا غرض ناواقف کے سامنے دو آدمیوں کا عربی میں کلام کرنا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے۔

نیز انہوں نے اس حدیث کو بھی سمجھا کہ اگر دو آدمی پوشیدہ باتیں کرتے ہوں تو کسی کو ان کی باتوں پر کان نہ لگانا چاہیے۔ فرمایئے کس قدر دقیق ہے۔ غرض شریعت کا ایک ایک باب کھولو اور اس کے منافع و محاسن کو دیکھو تو خود فیصلہ کر لو گے کہ احکام شرع میں جو خوبیاں اور منافع ہیں اور کسی میں نہیں ہیں۔ (الاتمام لعمۃ الاسلام ج ۱۲)

## حسن معاشرت:

معاشرت کی خوبی یہ ہے کہ سب سے پہلے تواضع کی تعلیم دی گئی ہے من تواضع لله رفعہ اللہ تواضع کے یہ معنی ہیں کہ اپنے کو سب سے کمتر سمجھے۔ حتیٰ کہ جانوروں سے بھی کمتر سمجھے کیونکہ اگر نجات ہوگئی تب تو اپنے کو ان سے افضل کہنے کا حق ہے اور اگر خدا نخواستہ



نجات نہ ہوئی تو جانوروں سے بھی بدتر ہوئے کیونکہ وہ غضب الہی سے محفوظ ہیں کیا اس تواضع کی نظیر کوئی دکھا سکتا ہے الحمد للہ اسلام میں اس کی صد ہا نظائر موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے اور جو لوگ آپ کے سچے نائب ہیں وہ بھی اسی مذاق کے ہوتے ہیں اور تواضع حسن معاشرت کی جڑ ہے۔ معاشرت میں خرابی اسی سے آتی ہے کہ میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہوں اور تم اپنے کو اور جب دونوں اپنے کو دوسرے سے کمتر سمجھیں گے تو پھر نزاع کی نوبت ہی نہ آئے گی اور اگر آئے گی بھی تو وہ حد سے متجاوز نہ ہوگی۔ آج کل لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں۔ ہمارے حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تو ان لوگوں میں ہے نہیں محض باتوں سے اتفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اتفاق کی جڑ تواضع ہے۔ جو لوگ متواضع ہوں گے۔ ان میں آپس میں نزاع ہو ہی نہیں سکتا اور بدوں تواضع کے کبھی اتفاق پیدا نہیں ہو سکتا۔ واقعی عجیب گر کی بات ہے۔

ایک خوبی معاشرت کی یہ ہے کہ استیذان کا مسئلہ مشروع کیا گیا ہے کہ بدوں اجازت و اطلاع کے اپنے گھر میں بھی نہ آئے۔ شاید کوئی پردہ دار ہو۔ اس کی پردہ دری ہوگی جب اپنے گھر کا یہ حکم ہے تو دوسروں کا تو کیا پوچھنا اور زنانہ تو زنانہ مردانہ میں بھی جب قرآن سے معلوم ہو کہ مجلس خاص ہے مثلاً کوئی شخص پردے چھوڑ کر بیٹھا ہو تو بدوں اس کی اجازت کے اندر نہ جاؤ۔ گو مکان مردانہ ہی ہو۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی یہاں تک رعایت فرمائی ہے کہ آپ کا حکم ہے کہ جو خود کھاؤ وہی غلاموں کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہی پہناؤ اور جب وہ کھانا پکا کر لائے تو اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ۔ عین وصال کے وقت کے آپ کی یہ حالت تھی الصلوۃ وما ملکت ایمانکم (سنن ابن ماجہ: 1625) یعنی نماز کا خیال رکھو اور ان غلاموں کا بھی جو تمہارے ہاتھوں کے نیچے ہیں اس سے زیادہ اور کیا رعایت ہو سکتی ہے؟ اور بحمد اللہ حضرات صحابہ و تابعین اور اکثر سلاطین اسلام نے غلاموں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا اگر کسی ایک نے دونے اس کے خلاف عمل درآمد کیا تو وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے اسلام پر اس سے اعتراض نہیں ہو سکتا۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

## بد وضع کا اثر

بد وضع اور بد چلن لوگوں کی وضع بھی ضرور اثر کرتی ہے آج کہتے ہیں کہ کیا ہم کوٹ

پتلون، بوٹ سوٹ پہننے سے نصرانی ہو جائیں گے۔ میں نے ایک مرتبہ گورکھپور میں وعظ میں کہا کہ تم گھر میں جا کر بیگم صاحبہ کا جوڑا لے کر پہنو، کڑے بھی پہنو، چھڑے بھی پہنو، بالیاں بھی کانوں میں اٹکالو کیونکہ سوراخ تو ہیں ہی نہیں جو پہنو گے اور وہی دوپٹہ اوڑھ کر تھوڑی دیر مجلس میں اجلاس کرلو۔ اگر کوئی کہے ہنسے بتائے کہ زنا نہ لباس پہنے ہو تو کہو کیا زنا نہ کپڑا پہننے سے عورت ہو جائیں گے۔ جب تم ایسا کرلو گے تو ہم جواز کا فتویٰ تو نہ دیں گے ہم تو دونوں کو ناجائز ہی کہیں گے۔ مگر تم کو کہنا چھوڑ دیں گے۔ (روح المعانی ج ۱۷)

## خوبی معاشرہ

اور لیجئے ایک سبب محبت کا خوش معاملگی و خوبی معاشرت ہے جو مفہوم کلی کمال میں داخل ہو سکتی ہے۔ شریعت نے اس کی یہاں تک تعلیم کی ہے کہ دور دور تک کے احتمالات تک پر نظر فرمائی ہے۔ کہ کسی کے مال میں بلا اجازت تصرف نہ کرو۔ کسی کے خلوت خانہ میں بلا اجازت نہ جاؤ۔ اگر جاؤ تو اجازت لے کر جاؤ۔ اور اس کا طریقہ کیسا اچھا تعلیم فرمایا کہ دروازے پر کھڑے ہو کر کہو السلام علیکم ادخل۔ یعنی میں آؤں۔ تین بار کہنے پر اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ کواڑ مت کھٹ کھٹاؤ۔ ممکن ہے کہ اس وقت ملنے سے کچھ عذر ہو۔ سوتا ہو یا جی نہ چاہتا ہو۔ اس کو معذور سمجھ کر واپس چلے آؤ۔ اور اگر اندر سے یہ کہہ دیا جائے کہ اس وقت واپس جاؤ تو واپس چلے آؤ۔ برامت مانو۔ (الاتفاق ج ۱۹)

## باہمی محبت کا راز

اور لیجئے اسلام کی تعلیم ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو۔ اور یہ جڑ ہے محبوبیت باہم دگر کی چنانچہ ارشاد ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں یعنی کسی کو اس سے ضرر و اذیت نہ پہنچے یہ تو کلیہ ہے پھر اس کی جزئیات کی عملی اور علمی طور سے ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ انتہا کو پہنچا دیا ہے چنانچہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی بھائی مسلمان سوتا ہو اور تم کو اٹھنے اور کہیں جانے کی ضرورت ہو تو آہستہ سے اٹھو اور آہستہ سے جوتے پہنو۔ آہستہ سے کواڑ کھولو اگر بات کرو آہستہ سے کرو۔ یہ سب حضورؐ نے کر کے دکھلا دیا۔ (الاتفاق ج ۱۹)

## مخلوق پر شفقت کا انعام

حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے بعد وفات کے خواب میں ملاقات کی۔ پوچھا کہ کہئے حضرت کیا گزری فرمایا کہ ارشاد ہوا کہ کوئی عمل قابل نجات نہیں صرف ایک عمل پر تم کو بخشے ہیں کہ تم نے ایک بلی کے بچے کو سردی میں کانپتا ہوا دیکھا اور اس کو اپنے لحاف میں چھپا کر لٹالیا چونکہ تم نے اس پر رحم کیا تھا ہم تم پر رحم کرتے ہیں۔ (مواساة المصابین ج ۱۹)

## مصیبت کا مفہوم

میرے ایک مریض دوست نے مجھ سے کہا کہ مجھ پر کچھ پڑھ کر دم کرو۔ میں نے سورہ یسین پڑھ کر دم کر دی۔ مگر اس خوف سے کہ کہیں گھر کی عورتوں کو گراں نہ گزرے چپکے چپکے پڑھی اسی طرح ایک بات عام شکایت کی قابل یہ ہے کہ جو چیز لوگوں کے نزدیک منحوس ہوتی ہے وہ مسجد کیلئے تجویز کرتے ہیں مثلاً کیلے کا درخت یا قمری پالنا جو عوام کے زعم میں اللہ ہو کا ذکر کرتی ہے اس کیلئے مسجد تجویز کی جاتی ہے اور فی نفسہ ذکر اللہ ایک مبارک چیز ہے مگر لوگ اس خیال سے مسجد اس کیلئے تجویز نہیں کرتے۔ بلکہ اس کیلئے مسجد میں کرتے ہیں کہ گھر نہ اجڑے مسجد چاہے اجڑ جائے عوام میں مشہور ہے کہ الوجہالی ذکر کرتا ہے اس لئے گھر کو اجڑتا ہے اللہ اکبر! استغفر اللہ! لوگ کہاں تک بے ادب ہو گئے ہیں کہ اللہ کے نام کو بھی منحوس کہتے ہیں۔ ارے صاحبو! اللہ کا نام وہ مبارک نام ہے کہ جس کی بدولت دنیا قائم ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جب دنیا میں اللہ کا نام لینے والا ایک بھی نہ رہے گا جب قیامت آئے گی۔ بے وقوفوں نے یہ بات گھڑی ہے کہ اللہ کے ذکر سے مکان ویران ہوتا ہے یہ سخت بے ادبی ہے۔ اللہ کے نام میں تو ہر طرح برکت ہی برکت ہے اور سورہ یسین اور اناللہ تو پوری سورت اور پوری آیت ہے جس میں وہ نام پاک بھی ہے اس میں تو اور بھی زیادہ برکت ہوگی تو اناللہ سے برکت بڑھتی ہے نہ کہ جاتی ہے۔ تو دیکھو حدیث سے معلوم ہوا کہ اتنی سی مصیبت یعنی چراغ گل ہو جانا بھی مصیبت ہے لہذا کسی کو ذرا سی بھی تکلیف ہو تو اس کو بھی مصیبت کہیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ مصیبت کا مفہوم بہت عام ہے اس کے بہت سے افراد نکلیں گے۔ اور ہر مصیبت زدہ کا مسلمانوں پر حق ہے سب پر اس کی ہمدردی اور غمخواری واجب ہے۔ (مواساة المصابین ج ۱۹)

## امور معاشرت میں غفلت

آجکل لوگ معاشرت کے باب میں بہت غفلت کرتے ہیں۔ بعضے بات بہت چھوٹی سی ہوتی ہے لیکن نتیجہ اس کا بہت برا ہوتا ہے۔ دوسروں کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ بعضے لوگ بڑے بڑے عہدوں پر ہیں لیکن معاشرت کے بعض جزئیات کا ان کو خیال نہیں۔ حالانکہ تمدن کے مدعی ہیں اور معاشرت کے تمام آداب کا تعلق تمدن سے ہے مثلاً ایک معمولی بات ہے کرسی کہیں سے اٹھا کر دوسری جگہ جہاں راستہ ہے بچھائیں گے اور وہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اب کوئی اندھا اپنا جگہ آیا وہ گر پڑتا ہے۔ بعضے چارپائی ایسے موقع پر چھوڑ دیتے ہیں کہ آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ کرسی تو پھر تھوڑی جگہ میں آتی ہے اور چارپائی تو چارپایہ کی طرح پھیلتی ہے۔ غرض! ان لوگوں نے تو دوسروں کی تکلیف کا پورا پورا سامان کر دیا۔ اور یوں کوئی اپنی خوش قسمتی سے بچ جائے وہ دوسری بات ہے اس وقت اس کے حق میں یہ شعر صادق آئے گا

قتل ایں خستہ بشمیر تو تقدیر نبو      ورنہ ہیچ ازول بیرحم تو تقصیر نبو

بعض دیہات میں ایسی چارپائیاں ہوتی ہیں کہ واقعی ان کا چارپایہ ہی کہنا چاہیے ان میں الجھ کر اور زیادہ چوٹ لگتی ہے۔ خاص کر عورتیں ایسے میں بہت لا پرواہی کرتی ہیں ان میں یہ مرض ہے کہ شے کو اپنے ٹھکانے نہیں رکھتیں پیڑھی بے موقع چھوڑ دیتی ہیں جیسے چارپائی میں الجھ کر گرتے ہیں اسی طرح اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یہ اس کا بچہ ہے۔ (عمل الذرہ ج ۱۹)

## فضول خرچی

بعض چندہ وصول کرنے والے قصداً عورتوں کے مجمع میں بیان کرتے ہیں، تاکہ چندہ زیادہ وصول ہو چنانچہ ان پر واقعی بڑا اثر ہوتا ہے اور چندہ خوب ہو جاتا ہے۔ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ چندہ دینے میں عورتوں کے دل کو کیا لگتی ہے کچھ بھی نہیں کیونکہ خاوند کا مال ہے اور مال مفت دل بے رحم۔ دوسرے یہ کہ ان بیچاروں میں عقل بھی کم ہوتی۔ موقع محل کو نہیں سمجھتیں جوش میں جو کچھ ہاتھ میں آیا دے ڈالا اور ایک تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں ذرا کوئی قصہ رقت آمیز سنا دیا اور یہ پانی پانی ہو گئیں۔ ایک چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ عورتیں سونے چاندی سے خالی نہیں ہوتیں سب کے پاس کچھ نہ کچھ زیور ضرور ہوتا ہے وہ ضرور کچھ



نہ کچھ دے ہی دیتی ہیں اور مرد تو جیب میں روپیہ پیسہ لانا کبھی بھول بھی جاتے ہیں۔ اور ایسے حضرات واعظین کو حدیث بھی ایک ہی یاد ہے۔

يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ الْخ

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے عورتو! خیرات کرو اگرچہ اپنے زیور ہی میں سے ہو کیونکہ مجھ کو دکھلایا گیا ہے کہ زیادہ تر اہل دوزخ عورتیں ہیں۔ یہ حدیث اپنے موقع پر صحیح ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں میں بوجہ کثرۃ جہل کے کوتاہیاں بہت ہیں اس لئے وہ دوزخ میں زیادہ جائیں گی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ عورتیں اپنی نجات سے مایوس ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کا علاج کرنا چاہئے وہ یہ کہ ان کوتاہیوں کو دور کیا جائے اور اعمال صالحہ زیادہ کئے جاویں ان ہی اعمال صالحہ میں سے ایک خیرات بھی ہے یہ مطلب نہیں کہ بس خیرات ہی علاج ہے تمام کوتاہیوں کا (مثلاً نماز نہ پڑھے اور خیرات کر دے یا حج نہ کرے اور خیرات کر دے یا روزہ باوجود قدرت کے نہ رکھے اور خیرات کر دے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کسی کے نزدیک بھی درست نہیں کاتب ۱۲) ان پیشہ ور واعظوں نے حدیث بھی اختیار کی تو وہ جس میں ان کا فائدہ ہو یعنی چندہ ملے۔ (کساء النساء ج ۲۰)

## مسئلہ ملکیت

حدیث مذکور میں یہ بات بھی تو قابل غور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے من حلیکن فرمایا ہے۔ من حلی الزوج نہیں فرمایا جس کا مطلب یہ ہوا کہ خیرات کرنے کی ترغیب اپنے مملوک زیور میں ہے نہ کہ خاوند کے مملوک میں عرب کی عادت تھی کہ اثاثات البیت میں سے ہر چیز شوہر اور بیوی کے درمیان بٹی ہوئی ہوتی تھی عورت کی الگ مرد کی الگ جیسے آج کل یورپ میں ہے کہ صاحب کی چیزیں الگ ہوتی ہیں میم صاحب کی الگ۔ تو من حلیکن کے معنی یہی ہوں گے کہ اس زیور میں سے خیرات کرو جو تمہاری ملک ہو نہ اس زیور میں جو تم پہنے ہوئے ہو اور خاوند کی ملک ہو آج کل ہم لوگوں کی معاشرت اس قدر گندی ہو گئی ہے کہ کسی کے حق کی بھی پرواہ نہیں رہی اور جہالت کی یہ حد ہے کہ ہم کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ صفائی معاملات اور تمایز حقوق کا طریقہ ہمارے یہاں کا تھا جو اب یورپ میں ہے۔ معاملہ کی صفائی اسی کو مقتضی ہے کہ میاں بیوی کے املاک ممتاز ہوں۔

ہندوستان میں بھی یہی رواج ہو جاوے تو اچھا ہے مگر ہمارے یہاں تو حالت یہ ہے کہ گھروں میں یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ چیز کس کی ہے اور وہ چیز کس کی۔ اسکی چیز پر وہ قابض ہے اور اسکی چیز پر یہ..... عورت کے پاس زیور ہوتا ہے تو اس میں امتیاز نہیں کہ کونسا باپ کے گھر کا ہے اور کونسا خاوند کے گھر کا پھر وہ عورت کی ملک کر دیا گیا ہے یا عاریت ہے اگر کوئی مرد اپنے گھر میں اسکی تنقیح کرنا چاہے کہ میری ملک کوئی اور دوسرے کی کوئی تو اس پر بڑی انگشت نمائی ہوتی ہے اور سارے کنبہ میں بدنام کیا جاتا ہے کہ لو صاحب اپنی ذرا ذرا سی چیز فلاں شخص الگ کرتا ہے۔ اور اس قدر کنجوس ہے اس قدر بخیل ہے کہ اپنی چیز کو کسی کا ہاتھ لگنا گوارا نہیں کرتا۔ مطلب یہ کہ خنّی وہ ہے جو بالکل بد انتظام مغفل اور مجہول ہو جس کو نہ اپنی ملک کی خبر ہو نہ دوسرے کی پھر اس سخاوت کا لطف جب آتا ہے جب ان میں سے کوئی کھسک جاوے اور تر کہ تقسیم کیا جاوے۔ اس وقت ایک کہتا ہے یہ چیز مرنے والے نے مجھ کو دے دی تھی۔ ایک کہتا ہے یہ چیز میت کی نہیں تھی۔ میری تھی۔ ایک عورت کہتی ہے یہ سامان میرے باپ کے گھر کا ہے۔ دوسری کہتی ہے میرے باپ کے گھر کا ہے اب کوئی سبیل نہیں کہ اس جھگڑے کو کس طرح طے کیا جائے پھر وہ جوتی پیزار ہوتی ہے کہ دیکھنے والے ہنستے ہیں اور جو کوئی خاندان بڑا مہذب ہو تو وہاں یہ جوتی پیزار تو نہیں ہوتی کیونکہ یہ باتیں تہذیب اور شرافت کے خلاف ہیں مگر دلوں میں رنجشیں اور عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں شکایتوں کی نوبت آتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر جیل خانہ بن جاتا ہے۔ (کساء النساء ج ۲۰)

## اسلامی طرز معاشرت

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے شوہر سے بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہ بنت عمر بیوہ ہو گئی ہے اس سے تم نکاح کر لو۔ وہاں ہندوستان کی سی رسم نہ تھی کہ باپ کا خود بیٹی کے لئے کہنا حرام سمجھتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے عذر کر دیا اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حفصہ بنت عمر بیوہ ہو گئی ہے اس سے آپ نکاح کر لیجئے، انہوں نے بھی وہی جواب دیا کہ سوچوں گا، پھر کچھ جواب ہی نہ دیا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آیا اور نکاح کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ملے۔ حضرت ابو بکر

رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے کچھ جواب نہ دینے پر تم خفا ہو گئے ہو گے بھائی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے سنا تھا اس لئے ہم نے جواب میں توقف کیا کہ نہ خود قبول کر سکتا تھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کر سکتا تھا اور صاف جواب دینے میں شبہ تھا کہ تم اور کہیں منظور نہ کر لو۔ غرض عرب میں ایسی بے تکلفی تھی کہ باپ اپنی بیٹی دیتے ہوئے نہیں شرماتا تھا بلکہ خود عورتیں آ کر عرض کرتیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے نکاح کر لیجئے۔ ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی لڑکی نے کہا کہ یہ عورت کیسی بے حیا تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تجھ سے اچھی تھی اس نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دی غرض عرب میں یہ کوئی عیب نہ تھا۔ (عقل الجاہلیہ ج ۲۰)

### کتا پالنا ناجائز کیوں ہے:

چنانچہ ایک مولوی صاحب کا قصہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ سوار تھے جس درجہ میں وہ جا کر بیٹھے اس درجہ میں ایک جنٹلمین صاحب بھی بیٹھے تھے۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی کوٹ پتلون پہنے ہوئے کتا بغل میں مولوی صاحب نے اس سے سلام علیک نہ کی وہ کہنے لگے کہ مسلمان سے سلام علیک تو ضرور کر لینی چاہئے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں تم کو مسلمان نہیں سمجھتا تھا۔ وہ کہنے لگے کیوں میرے اندر کوئی ایسی بات ہے جس سے آپ مجھ کو مسلمان نہیں سمجھے مولوی صاحب نے کہا کہ بھلے آدمی ڈاڑھی تمہاری منڈی ہوئی ہے کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہو کتا بغل میں ساری وضع تو کافروں کی سی ہے پھر میں مسلمان کس طرح سمجھتا کہنے لگا کہ کتا ساتھ رکھنے کی تو یہ وجہ ہے کہ آپ ہی لوگ فرماتے ہیں کہ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں ملائکہ نہیں آتے تو میں کتے کو اس لئے پاس رکھتا ہوں تاکہ ملک الموت میرے پاس روح قبض کرنے کیلئے نہ آویں۔ یہ جواب دے کر وہ بہت خوش ہوئے مولوی صاحب نے کہا کہ صاحب آخر کتے بھی تو مرتے ہیں انکی روح بھی تو کوئی فرشتہ قبض کرتا ہوگا وہی آپ کی کرے گا۔ اگر انسان کا ملک الموت آپ کے پاس نے آ سکے گا تو کتے کا ملک الموت تو آ سکے گا۔ آپ کتے کی موت مرنا پسند کرتے ہیں۔ غرض آجکل کتا رکھنا داخل فیشن ہو گیا ہے سو ان صاحب کے پاس ملازم کتا پہنچا گیا (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

## آج کل کی معاشرت کا خلاصہ:

آج کل کی ساری معاشرت کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ غیر قوموں کی تقلید پر فخر کیا جاتا ہے اٹھنے بیٹھنے میں کھانے پینے میں وضع میں لباس میں یہاں تک کہ لہجہ میں بھی غیر قوموں کی تقلید کی جاتی ہے اگر کوئی حدیث من تشبہ بقوم فہو منہم پڑھ دے تو متعصب کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ من تشبہ بقوم فہو منہم تو تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے اس کا انکار کوئی کر ہی نہیں سکتا اور اگر ایسا نہیں ہے تو ذرا آپ اپنی بیگم صاحبہ کا لباس تو پہن کر مجمع میں چلے آئیے اگر اور بھی کچھ نہیں تو کم از کم زنانے پن کا خطاب تو ہر طرف سے مل ہی جائے گا تو اگر کسی نے آپ کو کافروں کا لباس پہنے ہوئے دیکھا کر ان کے مشابہ کہہ دیا تو کیا ظلم کیا۔ (القرض ج ۲)

## ضیافت سے متعلق ضروری امر

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا داروں کے پاس بیٹھ کر ایسا معلوم ہوا ہے کہ جیسے پنجرہ میں مقید ہو جاتے ہیں۔ میں خود اپنی حالت بیان کرتا ہوں کہ میں دعوت میں ایک پر تکلف صاحب کے ساتھ شریک ہو گیا، وہ چھوٹے چھوٹے لقمے لیتے تھے اور بڑے تکلف سے کھاتے تھے ان کے ساتھ مجھے بھی آہستہ کھانا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا پیٹ نہ بھرا کیونکہ اس طرح کھانے سے سیری نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک داعی کھانا کھلاتے ہوئے میرے اوپر مسلط ہو گئے کہ ہر چیز میرے سامنے رکھتے جاتے تھے کہ یہ کھاؤ اور وہ کھاؤ اس سے بھی میرا کھانا منعص ہو گیا۔ اب میں نے شرط کر لی ہے کہ جب دعوت کرو تو بتلا دو کہ میرے ساتھ کھانے میں کون کون شریک ہوگا، بعض دفعہ میں یہ شرط کر لیتا ہوں کہ تنہا کھاؤں گا۔ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ہم کو ملانوں میں داخل کر دیا ہے اس لیے ان پابندیوں کی فکر نہیں ہے خدا تعالیٰ والد کی قبر کو ٹھنڈا کرے کہ وہ مجھے ملانوں میں داخل کر گئے ہیں۔ اگرچہ پورا ملا تو نہ ہوا مگر سینگ کٹا کر کچھڑوں میں تو داخل ہو گئے۔ (المراتب ج ۲۲)

## دین کے پانچ اجزاء

دین کے پانچ جزو ہیں، پہلا جز عبادات جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ دوسرے



معاملات جیسے بیچنا خریدنا، نوکر رکھنا رشوت لینا سود لینا روپے کے عوض پیسے لینا یا گوڑہ بھڑہ خریدنا وغیرہ، تیسرے عقائد کہ خدا کو ایک جاننا اور اس کو قادر مطلق ماننا سیتلا وغیرہ کے توہمات کو باطل سمجھنا وغیرہ، چوتھے معاشرت کہ آپس میں میل جول کس طرح رکھیں جب ملیں سلام کریں، مصافحہ وغیرہ، پانچویں اخلاق یعنی ملکات باطنہ کا درست کرنا، حسد بغض، کینہ، عداوت وغیرہ سے دل کو پاک کرنا تحمل بردباری وقار نرمی خوش کلامی اپنے اندر پیدا کرنا۔ یہ پانچ حصے دین کے ہیں، ہمارے مسلمان بھائیوں نے دین کو صرف عبادات میں منحصر کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ چاروں اجزاء کو دین سے خارج سمجھتے ہیں گویا ان کے نزدیک بہت سی نقلیں پڑھ لینا گلے میں تسبیح ڈال لینا روزہ رکھ لینا بس اسی کا نام دین ہے بعضے عبادات کے ساتھ تصحیح عقائد کو بھی دین سمجھتے ہیں۔ باقی معاملات اور معاشرت اور اخلاق کوئی شخص دین کا جزو ہی نہیں سمجھتا الا ماشاء اللہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے دنیا کے حالات ہیں ان میں ہم جس طرح چاہیں کریں، شریعت کو ان سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ یہ سب شریعت کے اجزاء ہیں اسی طرح عقائد بھی۔ ان اجزاء میں ہر جزو کے اندر بہت سے احکام ہیں (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## عورتوں کو آپس میں مسنون طریقہ پر سلام کی ضرورت

ایک جزو معاشرت کا یہ ہے کہ عورتیں سلام شریعت کی تعلیم کے بالکل خلاف کرتی ہیں، بعض عورتیں تو صرف سلام کہتی ہیں گویا اس قدر تحفیف کہ چار حرف بھی پورے زبان سے نہ نکلیں اور اس سے بھی زیادہ لطف یہ کہ جواب دینے والی سارے کنبے کی فہرست گنوا دے گی کہ بھائی جیتا رہے اور بیٹا زندہ رہے اور شوہر خوش رہے لیکن ایک لفظ وعلیکم السلام نہ کہا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

اب رہے اخلاق ان کو تو کوئی جانتا ہی نہیں بس یہ سمجھتے ہیں کہ نرمی سے باتیں کر لینا یہی اخلاق ہے۔ صاحبو! اخلاق کہتے ہیں ملکات باطنہ کو مثلاً اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا اعمال میں ریا نمود نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کے آداب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے دولت خانوں میں بلا اجازت مت جاؤ آگے اس کی علت ارشاد ہوتی ہے  
 اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ اِس لئے کہ یہ بات نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف دینے والی  
 ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے کسی القاب آداب کی بھی ضرورت نہیں جس طرح چاہو  
 پکارو، چنانچہ نرنام پاک اللہ اللہ پکارتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ ایسا ہے، اے اللہ پانی برسا  
 دے، اللہ رزق دیدے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے کے آداب ہیں۔

چنانچہ حدیث میں قصہ وارد ہے کہ ایک اعرابی آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں  
 تشریف فرما تھے۔ اور اس نے باہر سے آکر پکارنا شروع کیا۔ ”یا محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم) یا محمد  
 (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی اور اسکے بعد یہ آیت نازل ہوئی  
 اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھُمْ لَکَانَ خَیْرًا لِّھُمْ

یعنی جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ  
 صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اس  
 آیت میں ادب بارگاہ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) تعلیم کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت  
 خانہ کے اندر تشریف رکھتے ہوں تو پکارنا اور بلانا بے ادبی ہے، چاہئے کہ صبر کرو جب حضور صلی  
 اللہ علیہ وسلم خود دولت کدہ سے برآمد ہوں اس وقت جو چاہو عرض کر لو یہاں سے ظاہر بینوں کو  
 یہ شبہ ہوگا کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب حق تعالیٰ سے  
 زیادہ کرنا چاہئے اور ادب کا مبنی ہے عظمت چنانچہ جس کی عظمت ہمارے دل میں زیادہ ہوتی ہے  
 اس کا ادب زیادہ کرتے ہیں۔ تو نعوذ باللہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے عظمت میں  
 زیادہ ہیں بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زیادہ ادب کا منشاء آپ کا بشر اور مخلوق  
 ہونا ممکن ہونا ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو ادب و تعظیم کے اندر کچھ کمی ہو اور آپ کو اس سے تکلیف ہو اور  
 اس سے ان لوگوں کا ایمان تباہ ہو جائے اور حق تعالیٰ متاثر نہیں پھر عظمت کے ایسے مرتبہ میں  
 ہیں کہ ان کو کسی کے آداب والقاب کی ضرورت نہیں ہے صرف نام پاک اللہ خود دال ہے عظمت  
 پر اور نیز علاقہ کا حق تعالیٰ کے ساتھ اتنا قوی ہونا کہ اس کے ہوتے ہوئے تکلف کے القاب  
 و آداب اس کے نام پاک کے ساتھ لانا مغائرہ اور بے ادبی ہے الحاصل حق تعالیٰ کے ساتھ ہر  
 شخص کو بے حد تعلق ہے اور اسی بنا پر بے تکلفی ہے اور اس غایت بے تکلفی کی وجہ سے اس قدر ناز

ہو گیا کہ وہ کم فہموں میں بے ادبی کے درجہ کو پہنچ گیا اور اس خصوصیت اور بے تکلفی کا اثر ہم میں یہ ہو گیا ہے کہ خدا کے دیکھتے ہوئے اگر خلوت میں گناہ کرتے ہیں تو نہیں شرماتے اور دوسرے لوگوں کے سامنے شرماتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ پس اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق کو ہم پر مسلط کر دیا ہے کہ وہ ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں اور لکھتے ہیں اور پھر اس کی ہم کو اطلاع بھی کر دی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ (الافتاح ج ۳۳)

## استیذان کا حکم

اسلام میں ایک تعلیم یہ ہے کہ جو شخص خاص مجلس میں عام نہ ہو تو اس کے پاس بدون اجازت کے نہ جاؤ اور اس میں زنا نہ مکان ہی کی تخصیص نہیں بلکہ مردانہ مکان میں بھی اگر کوئی پردے چھوڑ کر بیٹھا ہو اس کے پاس بھی بدون اجازت کے نہ جانا چاہئے اور زنا نہ مکان میں جس طرح دوسروں کو استیذان (اجازت لینا) کا حکم ہے خود گھر والے کو بھی حکم ہے کہ اپنے گھر میں بدون اطلاع کے نہ جائے ممکن ہے کوئی پردہ دار عورت آئی ہوئی ہو اگر تم بلا اطلاع چلے جاؤ گے اس کا سامنا ہو جائے گا یا ممکن ہے تمہاری ماں بہن ہی کسی وجہ سے تنگی بیٹھی ہو اپنے گھر میں دس دفعہ عورتوں کو ایسا اتفاق پیش آتا ہے اس لئے مردوں کو حکم ہے کہ اپنے گھر میں بھی بدون اطلاع کے نہ جائیں پھر اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ جب تم کسی کے پاس جانا چاہو اور وہ اجازت نہ دے بلکہ یہ کہہ دے کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا پھر کسی وقت ملوں گا تو اس بات کا بُرا نہ مانو بلکہ لوٹ آؤ فَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا هُوَ أَزْكى لَكُمْ (پس اگر تم سے کہا جائے لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آؤ یہ برتاؤ تمہارے دلوں کو زیادہ صاف رکھنے والا ہے)۔ (المعراج البقرہ ج ۲۳)

## استیذان میں حکمت

اس میں حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ برتاؤ تمہارے دلوں کو زیادہ صاف رکھنے والا ہے کیونکہ ایسے وقت میں شرما شرمائے اگر کسی نے بلا بھی لیا تو انشراح و انبساط کے ساتھ وہ تم سے نہ ملے گا اس لئے کہ دل تو ملنے کو چاہتا ہی نہ تھا تو یقیناً اس کے قلب پر تمہاری ملاقات سے گرانی ہوگی پھر ممکن ہے کہ اس گرانی کا احساس تم کو بھی ہو جائے تو اس سے تم کو بھی دل میں شکایت ہوگی کہ یہ کیسا روکھا آدمی ہے کیسا بدخلق ہے جس پر میرا آنا اتنا گراں ہوا۔

اس لئے بہتر یہی ہے کہ جب کوئی یہ کہہ دے کہ اس وقت میں نہیں مل سکتا فوراً لوٹ آؤ۔ اب اس مسئلہ میں ہم لوگ کتنی کوتاہی کرتے ہیں استیذان کا سبق ہم لوگوں نے بالکل ہی بھلا دیا۔ مگر دوسری قومیں اس پر عامل ہیں کوئی شخص کسی کے کمرہ میں بدون اجازت کے نہیں جاسکتا سو دیکھ لیجئے جو قومیں اس پر عمل کر رہی ہیں ان میں باہم کیسا اتفاق ہے آگے یہ ان کے تکلفات ہیں کہ استیذان ان کے لئے اپنے پتہ کا کارڈ بھیجتے ہیں۔ ہم کو ان تکلفات کی ضرورت نہیں بس زبانی اجازت لینا کافی ہے مگر ہماری تو یہ حالت ہے کہ چاہے کوئی پردے چھوڑ کر بیٹھا ہو چاہے کوئی سوہی رہا ہو مگر ان کا سلام و مصافحہ قضا نہ ہو۔ (العمرہ بذخ البقرہ ج ۲۳)

## سونے والوں کی رعایت کا حکم

ایک دفعہ سیوہارہ میں مجھے خود یہ واقعہ پیش آیا کہ شب کے سفر سے مجھے تکان زیادہ محسوس ہوا تو جاتے ہی ایک کمرہ میں لیٹ گیا اور سونے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک صاحب تشریف لائے اور بڑے زور سے آکر پوچھا کہ فلاں شخص (میرا نام لے کر) کہاں ہے، لوگوں نے کہا ذرا آہستہ بولو وہ سو رہا ہے کہنے لگے واہ مجھے ان سے ابھی ملنا ہے لوگوں نے بہت منع کیا مگر وہ کب باز آنے والے تھے۔ سیدھے وہیں پہنچے جہاں میں لیٹا تھا اور آکر بڑے زور سے سلام کیا میں جاگ رہا تھا مگر میں نے قصداً آنکھ نہ کھولی کیونکہ اس وقت یہی مصلحت تھی جب اس نے دیکھا کہ سلام سے بھی یہ نہیں جاگا تو میرے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اور پیشانی پر گھس کر چل دیئے لوگوں نے برا بھلا کہا کہ یہ کون سا وقت تھا سلام اور مصافحہ کا۔ تو آپ فرماتے ہیں واہ جی ہم حج کو جا رہے ہیں پھر نہ معلوم کب ملنا ہوتا۔ بس ان کو توجہ ہوا چاہے دوسرے کا کچھ ہی حال ہو جائے۔ حالانکہ شریعت میں سونے والے کی اس قدر رعایت ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے، حضرت مقداد راوی ہیں کہ ایک بار چند شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مہمان تھے۔ آپ جب رات کو ذرا دیر سے گھر میں تشریف لاتے اور یہ مہمان لیٹے ہوتے تو آپ بہت آہستہ آہستہ تشریف لاتے اور ایسی آواز سے سلام فرماتے کہ جاگنے والا تو سن لے اور سونے والے کی نیند خراب نہ ہو۔ حالانکہ یہ وہ ذات ہے کہ اگر آپ قتل بھی کر دیتے تو صحابہ کرام کو انکار نہ ہوتا۔ بلکہ آپ کے ہاتھ سے خوشی خوشی جان دینا ان کے نزدیک فخر تھا مگر پھر بھی آپ صحابہ کی نیند کی اتنی رعایت فرماتے تھے۔ مگر یہاں یہ حالت ہے کہ ہر وقت مصافحہ ہے چاہے کسی کو تکلیف ہوتی ہو۔



دیوبند کے جلسہ میں بڑا اثر دھام تھا ایک بار میں نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر پہنچ چکا تھا تو ایک صاحب تیسری صف سے نکلے اور مصلے پر سے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور مصافحہ کر کے چھوڑ دیا کہ اب جاؤ، بھلا یہ بھی کوئی آدمیت تھی اس بھلے مانس کو مصافحہ کا یہی وقت ملا تھا۔ غرض دوسرے کی راحت و تکلیف کا ذرا خیال نہیں۔ اب اگر کوئی انتظام کرنے لگے تو اسے قانون باز، قانون ساز کہتے ہیں۔ عیادت اور بیمار پرسی کے لئے یہ قانون ہے اِذَا عَادَا أَحَدُكُمُ الْمَرِيضَ فَلْيَخَفِ الْجُلُوسَ حدیث شریف میں ہے کہ جب بیمار کی عیادت کیا کرو تو اس کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا کرو کیونکہ بیمار کو زیادہ ہجوم سے تکلیف ہوتی ہے حضرات فقہاء نے اس حکم کی حقیقت کو سمجھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس چیز سے مریض کو تو وحش ہو وہ کام نہ کرو جس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ مثلاً کسی کو بدھ کے دن عیادت کرنے سے اعتقاد شرک ہو تو اس دن عیادت نہ کرو بلکہ دوسرے دن عیادت کر کے اس عقیدہ کی اصلاح کرو و کوئی زاہد خشک ہوتا تو یوں کہتا کہ نہیں کہ ایسے شخص کی عیادت بدھ ہی کے دن کرنا چاہیئے تا کہ اس عقیدہ باطلہ کی مخالفت ہو۔ تو اے صاحب پھر وہ عیادت ہی کیا ہوئی مناظرہ ہو گیا۔ (العمرہ بذخ البقرہ ج ۲۳)

## آداب گفت و شنید

فقہاء حکماء امت ہیں شریعت کو ان حضرات نے سمجھا ہے بات چیت کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انتظام فرمایا ہے لَا يَتَنَاجَى اِثْنَانِ دُونَ الثَّلَاثِ حَتَّى يَأْتِي رَابِعٌ (او کما قال) (المعجم الکبریٰ للطبرانی ۱۲: ۲۷۷ مسند الحمیدی: ۱۰۹) یعنی جہاں تین آدمی بیٹھے ہوں وہاں دو شخص آہستہ آہستہ باتیں نہ کریں اس سے تیسرے کی دل شکنی ہوگی کہ مجھ کو غیر سمجھا یہاں تک کہ چوتھا آجائے تو اب دو شخص باتیں کر سکتے ہیں کیونکہ تیسرے کو باتوں کا شوق ہوگا تو وہ چوتھے سے کرنے لگے گا پھر اس کو وہ بدگمانی نہ ہوگا احتمال ہوگا کہ شاید اس چوتھے سے اخفا مقصود ہو اور اس چوتھے کو اس تیسرے پر یہی احتمال ہو گا۔ سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی ذرا اسی باتوں کی رعایت فرمائی ہے اور یہ معجزہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ باوجود اتنے مشاغل کیثرہ کے پھر بھی آپ نے معاشرت کے دقیق سے دقیق امور (باریک کاموں) کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا کہ بدون نبوت کے ایسا ہو سکتا ہے ہرگز نہیں اسی جامعیت تعلیم کو دیکھ کر تو کفار کہا کرتے تھے حضرات

صحابہ کرام سے کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم کو ہر بات سکھلائی حتیٰ کہ ہگنا موتنا بھی سکھلا دیا۔ کفار نے تو یہ بات طعن سے کہی تھی مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہاں بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھلایا ہے کہ بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت نہ کریں اور داہنے ہاتھ سے اپنے عضو کو نہ چھوئیں اور تین ڈھیلوں سے کم استنجا کے واسطے نہ لے جائیں اور ہڈی اور کونڈہ سے استنجانہ کریں یہ تعلیم سن کر کفار کی آنکھیں کھل گئیں کہ واقعی بول و براز کے یہ آداب تو بدون تعلیم کے معلوم ہو ہی نہیں سکتے۔ بھلا کچھ ٹھکانا ہے انتظام کا کہ پیشاب و پاخانہ کے لئے بھی آداب مقرر ہیں۔ پاکی اور صفائی کا یہ قانون ہے کہ آپ فرماتے ہیں إِذَا سَتَقِظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسُ يَدَهُ فِي إِنَاءٍ هَ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ (سنن النسائی ۱: ۹۹) جب کوئی سو کر اٹھے تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے کیا خبر ہاتھ کہاں کہاں پہنچا ہوگا بھلا یہ انتظام ہی نہیں اور کیا ہے۔ نیز ارشاد ہے نَظْفُوا أَفْنِيَّتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ (سنن الترمذی: ۲۷۹۹، كشف الخفاء ۱: ۳۴۲) اپنے گھر کے سامنے کا میدان صاف رکھا کرو یہود کی طرح نہ بنو وہ صفائی کا اہتمام نہیں کرتے۔ سبحان اللہ جب فنا دار کی صفائی کا اتنا اہتمام ہے تو خود گھر کی صفائی کا اہتمام کیا کچھ ہوگا۔ اور جب گھر کا اتنا اہتمام ہے تو لباس کی صفائی کا کیا کچھ اہتمام نہ ہوگا پھر بدن اور روح کی نظافت کا امر تو کیسا کچھ ہوگا۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ (چمن سے میری بہار کو قیاس کرو) اسی سے عاقل سمجھ سکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کی نظافت کا اتنا خیال ہے تو نظافت باطن کا تو کس درجہ اہتمام ہوگا مگر آج کل مسلمان اپنے گھر کے اس سبق کو ایسا بھولے ہیں کہ کوئی اس زمانہ میں نظافت مکان و نظافت لباس و بدن کا اہتمام کرنے لگے تو اس کو عیسائی اور انگریز کہنے لگیں۔ (العمرہ بذخ البقرہ ج ۲۳)

## عورتوں کا کفرانِ عشیر

آج کل عورتیں حقیقت میں گھر کو کھوتی ہیں۔ بعض تو اپنے ماں باپ بھائیوں کو دیتی ہیں۔ بعض کپڑوں اور زیور میں روپیہ برباد کرتی ہیں اور جس قدر ان کو دیا جائے ان کی نظروں میں کچھ اس کی قدر نہیں۔ کفرانِ عشیر گویا ان کا جزو ذات ہے۔ بقول مولوی عبدالرب صاحب مرحوم کے عورتوں سے جب کبھی پوچھا جاتا ہے کہ تم کو کچھ کپڑوں کی ضرورت ہے یا کافی

مقدار میں موجود ہیں تو یہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہے دو چھتھڑے۔ اور جب برتنوں کا ذکر آتا ہے تو کہتی ہیں کیا ہیں دو ٹھیکرے۔ جوتا کی نسبت پوچھو تو کہتی ہیں کیا ہے دو لیترے۔ یہ نرا قافیہ بندی نہیں حقیقت یہی ہے کہ اس فرقے کے اندر شکر گزاری کا مادہ مطلق نہیں۔ الا ماشاء اللہ اور شب و روز فضولیات میں لگی رہتی ہیں اگر کوئی شے سامنے آ جاتی ہے اور پسند آ جائے تو اگرچہ ضرورت نہ بھی ہو مگر پھر بھی لے لیتی ہیں اور پوچھنے پر یہ جواب دیتی ہیں کہ گھر میں ہوئی چیز کبھی نہ کبھی کام آ جاتی ہے اور شادی میں تو ایسا بے تکار رویہ اڑاتی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اگر پاس نہ ہو تو قرض لیتی ہیں خواہ سود ہی ملے اور مشہور یہ کر رکھا ہے کہ شادی اور تعمیر کا قرض ضرور ادا ہو جاتا ہے تو ایسی عورتوں کا ذکر نہیں۔ باقی اگر فضولیات سے باز آ جائیں اور انتظام سے چلیں تو وہ رونق ہو جاتی ہے کہ دس روپے میں مرد نہیں کر سکتا تو دیکھئے شادی کرنے سے افلاس اس طرح دور ہو جاتا ہے۔ بہر حال شادی میں تھوڑا سا خرچ ہوا اور اس کے بدلے میں گھر میں رونق ہو گئی لیکن شرط یہی ہے کہ سلیقہ سے کام لیا جائے۔ (ذکر الموت ج ۲۴)

### نظر بد سے بچنے کا طریقہ:

اس لئے ساتھ ساتھ نظر بد سے بچنے کا طریقہ بھی بتلادیا کہ آنکھیں نیچی رکھا کرو، پھر کسی پر نظر پڑے ہی گی نہیں۔ اس میں آج کل بہت بے احتیاطی کی جاتی ہے۔ بعض گھروں میں دیور اور جیٹھ سے اور ان کے جوان لڑکوں سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ بعض عورتیں خالہ زاد اور ماموں زاد اور چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائیوں سے پردہ نہیں کرتیں، اس میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے اور اگر کوئی اندیشہ نہ بھی ہو تو یہ کیا کم فتنہ ہے کہ ہر روز نامحرموں کے سامنے آنے کا گناہ ان کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

### بہنوں کا حق میراث نہ دینا ظلم ہے:

بہنوں کا حق لیا جاتا ہے اور بہانے یہ کرتے ہیں کہ ان کی شادی وغیرہ میں باپ نے اتنا خرچ کیا ہے کہ ہمارے واسطے اتنا خرچ نہیں کیا اس لئے ان کا اب کیا حق رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کی زندگی میں سارا مال اس کا تھا وہ جہاں چاہے اس کو خرچ کرے اس سے میراث میں کسی کا حق کیوں کر کم ہو جائے گا۔ پھر شادیوں میں جو کچھ کیا جاتا ہے وہ بیٹی

کے واسطے نہیں کیا جاتا محض اپنے نام کے واسطے کیا جاتا ہے بھلا دس پانچ ہزار آدمیوں کو کھانا کھلا دینے سے لڑکی کا کیا نفع ہو گیا اس لئے باپ نے اپنی بیٹی کے واسطے کچھ نہیں کیا وہ سب اپنے واسطے خرچ کیا ہے پھر اس کی وجہ سے بہن کا حق کیوں کم کیا جاتا ہے۔ بعضے یہ کہتے ہیں کہ بہن نے ہم کو خوشی سے اپنا حق معاف کر دیا ہے یہ بھی بالکل غلط ہے خوشی سے کوئی معاف نہیں کرتی وہ سمجھتی ہے کہ مجھے کچھ ملے گا تھوڑا ہی لاؤ ان کی خاطر یہی کہہ دوں کہ میں نے معاف کیا۔ خوشی سے دینے کی صرف ایک صورت ہے اس کا امتحان کر لیا جائے وہ یہ کہ بہن کا شرعی حصہ فرائض کے موافق علیحدہ کر کے اس پر اس کا نام چڑھا دو اور داخل خارج سب کچھ کر دو جو آمدنی اس کی آوے ساری اس کے حوالہ کرو اور صاف کہہ دو کہ یہ تمہاری ملک ہے اس میں تم کو ہر طرح تصرف کا اختیار ہے۔ سال دو سال اس کو اس طرح آمدنی دیتے رہو اور اگر وہ پہلے پہل رسم و رواج کی وجہ سے انکار کرے تو مجبور کر کے دو اور صاف کہہ دو کہ اس وقت ہم تم سے نہیں لیں گے۔ دو تین سال کے بعد دوگی تو لے لیں گے پھر دو تین سال جب وہ اپنی آمدنی کو لیتی رہے اور صرف کرتی رہے اور اس مزہ کو دیکھ لے پھر بھی اگر کوئی بخش دے اس وقت البتہ یہ دینا خوشی کا دینا ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

### مستورات کی زیورات سے محبت کا حال

عورتوں کو زیور کی ایسی محبت ہے کہ گویا اس کی بھوک اور پیاس سے بلکہ بھوک اور پیاس سے بھی زیادہ کیونکہ اکثر عورتوں کو کھانے پینے کا اتنا شوق نہیں ہوتا، اگر کسی دن خاوند گھر پر نہ ہو تو چولہا سرد پڑا رہتا ہے۔ چٹنی اچار ہی سے باسی کوسی کھا کر بیٹھ رہتی ہیں مگر زیور کا اتنا چاؤ ہے کہ اس میں شوہر کی حیثیت بھی نہیں دیکھتیں۔ عورتوں کے زیوروں میں اکثر لوگ سودی قرض لے لیتے ہیں۔ بعض رشوت کا روپیہ کماتے ہیں۔ غرض مردوں کو حرام اور حلال کی بھی پرواہ نہیں رہتی، پھر اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ سودی قرض اگر بڑھ گیا تو سارا زیور بھی اسی میں جاتا ہے اور گھر بار تک نیلام ہو جاتا ہے اور آخرت کا وبال جدار ہا، مگر عورتوں کو اس کی بھی کچھ پرواہ نہیں کہ اس زیور کمبخت کی خاطر شوہر جہنم کی آگ میں جلے گا، اسی طرح کپڑوں کی عورتوں کو ایسی دھت ہوتی ہے کہ جوڑے پر جوڑے بناتی چلی جاتی ہیں۔ بعضوں کے پاس اتنے کپڑے ہوتے ہیں کہ سب کے پہننے کی بھی ان کو نوبت نہیں آتی۔ بس اپنے نامزد کر کے ڈال دیتی



ہیں، پھر جب مرتی ہیں تو وہ کورے کے کورے اور نئے کے نئے اللہ واسطے دیئے جاتے ہیں۔  
بھلا اتنے کپڑے بنانے سے کیا نفع جن کے پہننے کی بھی نوبت نہ آئے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## گھر کا بگاڑنا اور سنوارنا عورتوں کے ہاتھ میں ہے:

مثل مشہور ہے کہ عورت اگر چاہے تو سوئی کی نوک سے گھر کو ڈھا دے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ گھر کا بگاڑنا اور سنوارنا عورتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ مگر یاد رکھو کہ روپیہ کو اس طرح ضائع اور برباد کرنا خدا کو پسند نہیں۔ اسراف اور فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن میں شیطان کا بھائی کہا گیا ہے کیونکہ شیطان نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی ہے اور فضول خرچی کرنے والے بھی نعمتوں کی بے قدری کرتے ہیں، پھر اگر کسی کو ایسی ہی ہمت ہو اور اس کو زیور کا اور روپیہ کا درد نہ آتا ہو تو کم از کم اتنا خیال تو کرنا چاہئے کہ قرض کر کے ادھار کر کے تو اپنے چاؤ نہ پورے کرو کیونکہ قرض سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ تمام راحت کو مٹی کر دیتی ہے۔ راحت اور چین ہمیشہ بے فکری سے نصیب ہوتی ہے اور قرض والے کو بے فکری کہاں اس کے دل پر تو قرض کا غم پہاڑ کی طرح کھڑا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ قرض کی فکر میں نیند نہیں آتی پھر ایک ذرا چاؤ کے لئے اتنا بڑا غم اپنے سر پر سوار کرنا کون سی عقل مندی ہے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۳)

## بحث مباحثہ میں بڑی گنجائش ہے:

ایک طالب علم کا قصہ ہے کہ راستہ میں ان کی ایک جاہل آدمی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اسے سلام نہیں کیا۔ یہ مرض اہل علم میں ہوتا ہی ہے کہ اس وقت اسی کا بیان ہو رہا ہے، اس جاہل نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کیا آپ نے کتاب میں ابتدا بالسلام کرنے کی فضیلت نہیں پڑھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں پڑھی ہے مگر قاعدہ یہ ہے کہ چھوٹا آدمی بڑے کو سلام کرے، تم جاہل ہو ہم عالم ہیں لہذا تم چھوٹے ہو اور ہم بڑے، تم کو چاہئے تھا کہ ہمیں سلام کرتے، ان دونوں میں گفتگو بہت بڑھ گئی حتیٰ کہ وہ شخص ان کو پکڑ کر ان کے استاد کے پاس لے گیا اور سارا قصہ سنایا۔ استاد نے طالب علم صاحب سے کہا کہ بھائی یہ قضیہ مسلم سہی کہ چھوٹا آدمی بڑے کو سلام کرے مگر تم کو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ بڑا اور چھوٹا ہونا اپنے خیال کا معتبر نہیں۔ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک وہ بڑا ہو۔ استاد نے یہ سچی بات

کہی اور صحیح تعلیم دی مگر طالب علموں کی ذہانت دیکھئے، آپ فرماتے ہیں کہ یہی بات تو اس جاہل کو بھی سمجھنا چاہئے تھی کہ ممکن ہے عند اللہ میں بڑا ہوں لہذا اس کو ابتداء بالسلام کرنا چاہئے تھی۔ دیکھئے کیا جواب دیا ہے کہ جاہل تو جاہل استاد کو بھی بند کر دیا حاصل یہ کہ قیل و قال اور بحث مباحثہ کو تو بہت گنجائش ہے اور کوئی ایسی بات نہیں جس کا جواب نہ ہو سکے مگر اس سے کام نہیں چلتا اور یہ طریقہ کچھ مفید نہیں۔ (السوق لاهل الشوق ج ۲۴)

## راقم گنہگار لکھنے کی مثال

ہم آداب معاشرت سے بھی واقف نہیں ہم کو اگرچہ شریعت نے ہمارے واسطے آداب معاشرت اور آداب کلام سب کچھ بیان کر دیئے ہیں لیکن آج کوئی یہ جانتا بھی نہیں کہ شریعت نے ہم کو کیا آداب معاشرت و آداب کلام سکھائے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ فرمایا لا یقل احدکم خبثت نفسی (الصحيح للبخاری ۵: ۵۱) یعنی جب تم میں سے کسی کا جی خراب ہوا کرے تو یہ نہ کہا کرو کہ میرا جی میلہا ہے کیونکہ مسلمان میلہا نہیں ہوتا لیکن آج فخر کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ راقم گنہگار، عاصی، پر معاصی وغیرہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص گورنمنٹ کو ایک عرضی لکھے اور اس کے آخر میں لکھے فدوی فلاں باغی تب معلوم ہو کہ اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ خاکسار لکھو لیکن گنہگار کا لفظ استعمال نہ کرو یہ بالکل سچ ہے کہ ہم گنہگار ہیں لیکن گنہگار ہو کر ظاہر کرنا کوئی خوبی نہیں۔ گنہگار آج کل وہ شخص لکھتا ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ میں گنہگار نہیں ہوں اپنے کو گنہگار سمجھنا کوئی بری بات نہیں مگر گنہگار کہنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ غرض ہم کو آداب کلام کی بھی تعلیم دی گئی ہے، پھر مناظرہ میں حسن الفاظ کا استعمال کس طرح جائز ہوگا۔ (شوق اللقاء ج ۲۴)

## تان کر سلام کرنے کی مذمت

ایک بار میں کاندھلہ گیا بیٹھا تھا تو ایک نائی صاحب آئے اور بڑے تان کر سلام کیا یعنی سخت لہجہ میں السلام علیکم کہا مجھے اس کے لہجہ سے مساوات کا دعویٰ معلوم ہوتا تھا، میں نے جواب دے دیا اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ حضرت جو سلام سے برامانے وہ کیسا ہے۔ میں نے کہا جو سلام سے برامانے وہ بہت برا اور جو تان کر سلام کرے جس سے مساوات

کا دعویٰ ٹپکتا ہو وہ اس سے بھی برا وہاں جتنے رئیس بیٹھے تھے سب ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اس مرض کو تم نے سمجھا سلام سے بھلا کون برامانتا ہے مگر اس کے طرز سے لوگوں کو ناگواری ہوتی ہے اور فی الواقع چھوٹوں کا دعویٰ مساوات تو ناگوار ہوتا ہی ہے بیٹا چاہے کیسے ہی بڑے درجہ پر ہو باپ سے تو ادنیٰ ہی ہے پھر اگر وہ باپ کی برابری کرنے لگے تو یقیناً برا معلوم ہوگا بیٹا ظاہر میں تو باپ سے کم ہی ہے گو باپ کافر ہو اس کا بھی ادب ضروری ہے ورنہ سلام سے مسلمانوں کو کیوں ناگواری ہونے لگے۔ (حرمت الہد و ج ۲۵)

## حضرات سلف کا مذاق

میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ وہ ایک اسلامی مدرسہ میں مہمان ہوئے مغرب کے بعد مہتمم صاحب نے کسی خادم کو حکم دیا کہ ان کے کمرے میں لالٹین روشن کر دے انہوں نے فوراً ہی کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا تیل ہو تو لانا اور اگر مدرسہ کا ہو تو مت لانا۔ وہاں ایک بزرگ خان صاحب تشریف فرما تھے جو ہمارے حضرات کے صحبت یافتہ ہیں وہ کہنے لگے کہ یہ شخص اشرف علی کا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ ایسی احتیاط اسی کے یہاں ہے۔ ان باتوں پر لوگ مجھے وہی کہتے ہیں مگر ایسا وہم بھی مبارک ہے۔ (حرمت الہد و ج ۲۵)

## استیذان کا حکم

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ صحابہؓ کے ساتھ ایسا ہی تھا کہ کوئی خاص امتیازی شان آپ نے اپنے واسطے نہیں رکھی تھی۔ حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو آپ نے تین بار السلام علیکم ادخل (اتحاف السادة المتقين ۹: ۲۸۰) میں اندر آؤں فرمایا۔ یہ استیذان تھا یعنی آپ نے بعد سلام کے اجازت طلب کی کہ میں اندر آؤں۔ حضرت سعد بن عبادہ خاموش رہے یہ خیال کیا کہ اچھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار سلام فرمائیں جو کہ دعا ہے تو ہم کو برکت دعا کی زیادہ حاصل ہو۔ جب تین بار کے بعد بھی جواب نہ آیا تو آپ واپس ہو گئے۔ سبحان اللہ کیسی شان تھی بھلا آجکل تو کوئی ایسا کر کے دیکھے اپنے پیر کے ساتھ جو اسی وقت بیعت قطع نہ کریں کہ ہم نے تین بار آواز دی اور جواب بھی نہ دیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا بھی

ناگواری نہ ہوئی کیونکہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنے گھر میں تو ہے ہی مردانہ مکان میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ کہ بدون اجازت کے اندر مت جاؤ۔ مگر افسوس آج کل مسلمانوں نے اس طریقہ کو چھوڑ دیا اور شرم کی جگہ ہے کہ اس پر غیر تو میں عمل کرتی ہیں انہوں نے اسلام ہی سے یہ قاعدہ سیکھا ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں کو اسلامی اصول کی قدر نہیں البتہ مردانہ مکان میں ایک تفصیل بھی ہے وہ یہ کہ مردانہ مکان دو قسم کے ہیں ایک وہ جس میں اسی واسطے بیٹھے ہوں تاکہ لوگ آکر ملیں وہاں استیذان کی ضرورت نہیں۔ مثلاً مردانہ مکان کے صحن میں جانے کیلئے استیذان کی ضرورت نہیں اور ایک مردانہ مکان وہ ہے جہاں ملاقات کے لئے بیٹھتے مثلاً مردانہ مکان میں کوئی کمرہ ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں گویا کواڑ بند ہیں تو اس میں بدون استیذان کے داخل نہ ہونا چاہیے۔ خوب سمجھ لو اس میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ غرض جب واپس تشریف لے چلے اور حضرت سعدؓ نے پھر آواز نہ سنی تو باہر نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دوڑے اور واپس تشریف لیجانے کے متعلق دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تیسری بار میں جواب نہیں ملا ہم واپس ہو گئے۔ کیونکہ شرعی قانون اسی سے متعلق یہی ہے تو دیکھئے آپ نے اس قانون کو اپنی ذات مبارک کیلئے بھی جاری فرمایا۔ (حرمت الحدود ج ۲۵)

## سفر میں ضروری سامان کی حاجت

ایک حکایت مجھ سے ایک مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے جو بہاولپور ریاست میں ملازم ہیں وہ کہتے تھے۔ کہ میں بہاولپور سے وطن کو چلا چونکہ لمبا سفر اور گرمی کا موسم تھا۔ اس لئے میرے ساتھ صراحی وغیرہ پانی کے چند برتن تھے۔ جن میں اسٹیشن سے پانی بھر والیا تھا۔ جس گاڑی میں میں جا کر بیٹھا اس میں ایک صاحب جنٹلمین بھی سوار تھے۔ یہ لوگ عموماً پانی کا برتن ساتھ نہیں رکھتے۔ بس بیک بنی و دو گوش۔ ایک ناک اور دو کان یعنی بدون سامان ضروری کے سفر کرتے ہیں وہ صراحی کو دیکھ کر ان سے کہنے لگے کہ یہ کیا برتن ہے جیسے بھنگیوں کا برتن ہوتا ہے میں خاموش رہا۔ تھوڑی دیر میں ان صاحب کو بھی پیاس لگی۔ مگر شرم کے مارے مجھ سے پانی نہ مانگ سکتے تھے۔ کیونکہ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ صراحی کو بھنگیوں کا برتن کہہ چکے تھے۔ لیکن پیاس کی وجہ سے بار بار صراحی کو تکتے تھے اور اس کے منتظر تھے کہ یہ سو جائے تو ہم



پانی پیئیں۔ میں بھی سمجھ گیا کہ ان کا یہ ارادہ ہے تو میں نے قصداً آنکھیں بند کر لیں اور اپنے کو سوتا ہوا بنا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے وہ صاحب تختہ پر سے اتر کر صراحی کے پاس آئے اور اس کو منہ لگا کر لگے پانی پینے میں خاموش پڑا رہا۔ جب وہ پانی پی چکے اور اٹھنے لگے۔ میں نے فوراً ہاتھ پکڑ لیا کہ کیوں صاحب آپ نے بھنگیوں کے برتن میں سے پانی کیوں پیا۔ آپ کو شرم و غیرت نہ آئی کہ ابھی تو آپ نے اس برتن پر اعتراض کیا تھا پھر خود ہی اس برتن کو منہ لگا کر پانی پی لیا۔ بس میرا یہ کہنا تھا کہ ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور اب میں نے ان کو خوب ہی سنانا شروع کیا کہ بھلے مانس اتنا بھی فیشن پر عاشق نہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی نے صراحی رکھ لی تو یہ کیا برائی ہے۔ اب تو آپ کو اس کی قدر معلوم ہوئی۔ مگر انہوں نے گردن تک نہ اٹھائی پھر جو یہ معلوم ہوا کہ میں بہاولپور ریاست مدرسہ کا پروفیسر ہوں پھر تو وہ بہت معافی چاہنے لگے کیونکہ ذرا معزز مولوی کے سامنے یہ لوگ بہت لچتے ہیں ایسے ویسے کو یہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ بس اس کی وجہ کیا تھی۔ وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ انگریز صراحی نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ انگریزی فیشن کے خلاف ہونے کی وجہ سے بری ہے۔ انا اللہ۔ (الاسراف ج ۲۵)

## لارڈ ڈفرن کا اسلامی وضع کو پسند کرنا

مولوی عبدالجبار صاحب بردوانی لارڈ ڈفرن سے جب ملے ہیں تو وہ کہتے تھے۔ میں عباوہ غیرہ پہن کر ان سے ملنے گیا تھا تو وہ کہتے تھے کہ لارڈ صاحب نے میری عبا کا دامن پکڑا اور کہا کہ مولوی صاحب اس لباس میں آپ شہزادے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ مولوی صاحب ہم تو اپنی قومی وضع سے مجبور ہیں مگر آپ کی قوم کو کیا ہوا کہ وہ اپنی راحت کی وضع چھوڑ کر ہماری وضع اختیار کرتے ہیں۔ میں نے لوٹ کر الہ آباد میں ایک وعظ میں کہا کہ جنٹلمینو! تمہارے لارڈ صاحب کا فتویٰ تو قابل تقلید ہے۔ اب لارڈ صاحب ہی کے فتوے سے اس انگریزی وضع کو چھوڑ دو۔ تو حقیقت یہ ہے کہ لوگ انگریزی وضع اس خیال سے اختیار کرتے ہیں کہ اس سے کچھ ہماری عزت ہوگی۔ مگر اس سے انگریزوں کی نظر میں اور ذلت ہوتی ہے۔ انگریز بھی اسی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو اپنی اسلامی وضع میں ان سے ملے۔ پھر انگریزی وضع میں سراسر تکلیف کے سوا راحت کچھ بھی نہیں۔ آدمی اس میں سرے سے پیر تک بندھ جاتا ہے۔ دیکھئے مسلمانوں کی وضع بھی گو ایک مخصوص وضع ہے۔ مثلاً کرتہ، پاجامہ، ٹوپی، عمامہ، عبا

وغیرہ۔ مگر ان میں سے لازم ملزوم ایک بھی نہیں۔ کسی وقت چاہے تو پا جامہ کی جگہ لنگی بھی باندھ سکتے ہیں اور دوسرا لباس بحالہ رہے۔ لیکن اگر کسی فیشن ایبل کا پتلون خراب ہو جائے تو ان سے کبھی ممکن نہیں کہ وہ کوٹ کے ساتھ لنگی باندھ سکیں۔ غرض سر سے پیر تک وہ لوگ مقید ہیں۔ پھر وہ آزاد کدھر سے ہیں۔ آزاد تو وہ ہے جو شریعت پر عمل کرے وہ کہہ سکتا ہے۔

زیر بارند درختاں کہ ثمرہا دارند      اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد  
جو درخت کہ پھل رکھتے ہیں وہی زیر بار ہیں سرو کی خوش نصیبی کہ وہ بند غم سے آزاد ہے  
یعنی جو لوگ فیشن کے دلدادہ ہیں وہ بڑی تکلیف میں ہیں۔ شریعت پر عمل کرنے والا اچھا کہ  
ان تمام قیود سے آزاد ہے۔ اور باوجود اس بے قیدی کے اس میں ایک دلربائی اور دلفریبی بھی  
ہوتی ہے اسی کی نسبت کہتے ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

## بے پردگی شرمندگی

ہمارے نوجوان بھائی اس کی بھی فکر میں ہیں کہ عورتوں کا پردہ ٹوٹ جائے لیکن واللہ اگر پردہ ٹوٹ گیا تو وہ خرابیاں پیدا ہوں گی کہ پھر سر پکڑ کر روئیں گے۔ چنانچہ بعضے بے پردہ لوگوں میں ایسے واقعات رات دن ہوتے ہیں مگر ان کو تو شرم و حیا نہ ہوگی۔ مگر آپ کے یہاں تو شرم حیا کی بھی تعلیم ہے۔ فحش باتوں سے روکا گیا ہے۔ آپ پردہ توڑ کر کیونکر چین سے بیٹھ سکتے ہیں۔ پھر آپ پچھتائیں گے مگر اس وقت پچھتنا فضول ہوگا۔ آپ اس وقت ہزار کوشش کریں گے کہ پردہ کرائیں مگر پھر نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ اس وقت تو عورتوں کے لئے پردہ طبیعت ثانیہ ہو گیا ہے۔ ان کو دنیا کی خبر ہی نہیں آزادی کی ہوا ان کو لگی ہی نہیں اس لئے وہ بسہولت پردہ کی پابندی کر سکتی ہیں۔ مگر آزادی کی ہوا چند دن کھا کر پھر پردہ میں بیٹھنا ان کو محال ہوگا۔ اب تو ہمارے بزرگوں نے ان کے دلوں میں یہ رچا دیا ہے کہ عورت کی عزت پردہ ہی میں ہے۔ اس لئے وہ خوشی کے ساتھ اس قید کو گوارا کرتی ہیں۔ لیکن اگر یہ تعلیم ان کے دلوں سے نکال دی گئی اور یہ سمجھا دیا گیا کہ عزت اسی میں ہے کہ باہر پھرو تو پھر وہ قیامت تک پردہ کی مصیبت کو برداشت نہ کریں گی۔ صاحبو! عورتوں کا جو ہر یہی ہے کہ ان کو اپنے گھر کے سوا دنیا کی کچھ بھی خبر نہ ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نیک عورتوں کی تعریف میں فرماتے

ہیں۔ الغافلات المؤمنات بھولی بھالی مسلمان عورتیں لوگ ان کو معذور اور پاہنج خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ آدمی گھر کی چار دیواری میں قید رہے۔ مگر دیکھئے خدا تعالیٰ ان کے غافل اور بے خبر ہونے کو مدح کے موقع میں بیان فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بے خبر اسی وقت رہ سکتی ہے جب تک کہ وہ پردہ میں مقید ہیں۔ پردہ سے نکل کر تو وہ دنیا بھر سے خبردار ہو جائیں گی۔ اس پر مجھ کو بھائی کا مقولہ یاد آتا ہے۔ جب بعضی خاندان کی عورتوں نے ان سے کہا کہ بھلا دنیا میں یوں بھی کہیں ہوتا ہے تو انہوں نے کہا تم کیا جانو کہ دنیا کیا چیز ہے۔ بس میرا گھر دیکھ لیا بھائی کا گھر دیکھ لیا یہ دنیا ہو گئی۔ تو واقعی ان کو دنیا کی کیا خبر ہے۔ (الاسراف ج ۲۵)

## جدید فیشنوں میں اسراف کثیر

ایک صاحب جب بریلی میں اپنا دماغی علاج کرانے آئے تھے۔ اور میری قیام گاہ کے سامنے کے کمرہ میں ٹھہرے تھے۔ طبیبوں کو ان کے اصطلاحی مرض پر رحم آتا تھا۔ اور مجھے ان کے حقیقی مرض پر رحم آتا تھا۔ کہ وہ ہر وقت ہر حالت کے مناسب لباس ہی بدلتے رہتے تھے۔ اور اس مصیبت کی وجہ سے کئی روز تک وہ مجھ سے نہ مل سکے۔ کئی روز کے بعد ملے اور ذرا سادہ لباس میں ملے کہنے لگے کہ میرا جی بہت چاہتا تھا کہ آپ سے ملوں مگر فرصت نہیں ہوئی۔ میں نے کہا کہ واقعی میں بھی دیکھتا تھا کہ ہر وقت آپ پریشانی میں مبتلا تھے۔ خیر ان سب مصائب کو تو گوارہ کر لیا جائے مگر اس کو کیونکر گوارہ کیا جائے کہ اس فیشن کی بدولت مسلمانوں کا روپیہ بہت ضائع ہوتا ہے۔ اور میں مولویوں کو بھی کہتا ہوں کہ یہ سادہ پنے میں بھی بہت اسراف کرتے ہیں۔ مثلاً کپڑا تو بنایا پرانی ہی وضع کا مگر بنایا بہت قیمتی تو یہ بھی اسراف میں مبتلا ہے۔ کیونکہ انہوں نے قیمتی کپڑے کی ہوس میں خدا کے مال کو اڑایا۔ اور بعض لباس مولویوں میں بھی ایسے رائج ہو گئے ہیں جو ضرورت سے زیادہ ہیں۔ مثلاً بہت سے لوگ صدری پہنتے ہیں۔ میری سمجھ میں آج تک اس لباس کی کوئی حکمت نہیں آئی۔ اکثر دوستوں سے پوچھا کرتا ہوں کہ تم نے صدری کیوں پہنی کسی نے آج تک مجھے اس کا سبب زینت کے سوا کچھ نہیں بتلایا۔ ایک طالب علم صدری پہن کر میرے پاس آئے میں نے ان سے کہا کہ تم صدری کو کرتہ کے نیچے پہن لو اب بھی کم نظر نہ آئے گی۔ کچھ نہیں یہ محض ایک تاویل تھی اور اصل وجہ وہی زینت ہے بعضے گھڑی وغیرہ رکھنے کے لئے صدری پہنتے ہیں۔ مگر

اس کا بھی علاج آسان یہ ہے کہ کرتہ میں اندر جیب لگوائی جائے یا صدری ہی نیچے پہن لی جائے۔ مگر اس صورت میں زینت تو نہ ہوگی۔ اور بعض صدری میں بھی یہ غضب کرتے ہیں کہ آگے پیچھے دو قسم کا کپڑا لگاتے ہیں۔ جیسے جنٹلمینوں کی عادت ہے۔ سو طالب علموں کو کیا ہوا کہ وہ انگریزی خوانوں کی وضع اختیار کرتے ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

## اہل زینت کی اقسام

اگر کسی کو ابتداء سے اہل اللہ کی صحبت میسر ہوئی ہو تو وہ بے شک اس مرحلے کو طے کر چکا ہے۔ اس کو آج وہ بات حاصل ہے جو آپ کو برسوں کے مجاہدے کے بعد حاصل ہوگی اور اگر کسی کو ابتداء فطرت ہی سے زینت پسند ہو تو اس کو بغیر مجاہدہ کے تحمل و آرائش جائز ہے کیونکہ وہ عمدہ لباس اپنی فطری عادت کی وجہ سے پہنتا ہے اس کو کسی کا دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ چنانچہ بعضے روساء نفیس المزاج ہوتے ہیں۔ وہ بچپن سے عمدہ لباس ہی میں پرورش پاتے ہیں ان کی طبیعت زینت پسند ہوتی ہے وہ اپنی عادت کی وجہ سے اچھا لباس پہنتے ہیں اور ان کی نظر میں اس قیمتی لباس کی وہی وقعت ہوتی ہے جو وقعت ہمارے دل میں گاڑ ہے دھوتر کی ہے اگر عمدہ لباس اس نیت سے پہنیں کہ دوسرے لوگ ہم کو حقیر نہ سمجھیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ ذلت سے بچنا بھی مطلوب ہے۔ اگر ایک رئیس آدمی گاڑھے کے کپڑے پہنے لگے تو لوگ اس کو بخیل اور کنجوس مشہور کریں گے کہ کمبخت کے پاس خدا کا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے مگر صورت ایسی بناتا ہے جیسے کوئی مزدور ہو۔ تو اس ذلت سے بچنے کے لئے بھی عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ مگر ہاں یہ نیت جائز نہیں کہ لوگوں میں ہماری بڑائی ہوگی ممتاز معلوم ہوں گے (الاسراف ج ۲۵)

## غریب آدمی کی فکر آرائش اسراف ہے

تو غریب آدمی کا بھڑکتے رہنا اور زینت و آرائش کی فکر کرنا اسراف میں داخل ہے۔ کیونکہ خرچ اس کی وسعت سے زیادہ ہوگا۔ (الاسراف ج ۲۵)

## تعلیم معاشرت

پھر یہ کہنا زبردستی نہیں تو اور کیا ہے کہ شریعت میں صرف دیانات کی تعلیم ہے دیکھئے



معاشرت کے متعلق یہ تعلیم موجود ہے۔ احب حبیبک ہوناً ما عسی ان یکون بغیضک یوماً ماوا بغض بغیضک ہوناً ما عسی ان یکون حبیبک یوماً ما (سنن الترمذی: ۱۹۹۷)

یعنی کسی سے دوستی کرو تو اوسط درجہ کی کرو کیونکہ ممکن ہے کہ اس سے کبھی مخالفت ہو جائے اور کسی سے دشمنی کرو تو اوسط درجہ کی کرو ممکن ہے کہ اس سے کبھی دوستی ہو جائے۔ سبحان اللہ کیا تعلیم ہے جس کی خوبی بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ یہ تو اپنی جماعت کے ساتھ تعلق رکھنے کے متعلق تعلیم ہے اور دیگر اقوام کے ساتھ تعلق رکھنے کے متعلق سنئے ولا یجبر منکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا۔ یعنی کسی قوم کی عداوت اس کا سبب نہ ہو جائے کہ تم عدل یعنی حدود شرعیہ کو چھوڑ دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان معاشرات کے لئے بھی حدود ہیں پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ شریعت نے ہم کو بعض کاموں میں آزاد چھوڑ دیا ہے (الصالحون ج ۲۶) علماء نے جو ریا اور نمود کے لین دین کو روک دیا تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو طریقے میل جول کے اور جو ذرائع محبت کے رہ گئے تھے ان کو مولوی لوگ اڑائے دیتے ہیں ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ (جب حقیقت کا پتہ نہ چلا ڈھکوسلوں کا راستہ اختیار کیا) میں کہتا ہوں ان رسوم کو محبت سے مس ہی نہیں بلکہ ان میں اثر یہ ہے کہ ان سے محبت جاتی رہتی ہے۔ یاد رکھیے محبت کے لئے سادہ ہی زندگی مناسب ہے اور جہاں تکلفات آئے بس محبت کی جڑ کٹی۔ (ذم المکتروہات ج ۲۶)

## فتح بیت المقدس کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عالم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ جب شام کی طرف تشریف لے گئے تو نہ ٹھاٹ کا سامان تھا نہ رعب داب کی کوئی تدبیر کی گئی تھی بلکہ اور یہ ہوا کہ امیر المؤمنین کے پاس ایک ہی اونٹ تھا اور سوار ہونے والے ایک آپ تھے اور ایک غلام تھا قرار داد یہ ہوئی کہ اس پر ایک میل مثلاً خود سوار ہوں اور ایک میل غلام سوار ہو۔ یہاں سے ہم لوگوں کو یہ بھی سبق لینا چاہئے کہ سفر رفیق کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے آج کل لوگوں کی عجیب حالت ہے کہ جس کو ذرا سا بھی امتیاز حاصل ہو وہ اور رفیقوں سے بڑا بننا چاہتا ہے خواہ وہ امتیاز فرضی اور وہی اور اپنے ہی خیال کے موافق ہو اور دوسروں پر ان کو بڑا بننے کا کوئی حق حاصل نہ ہو مثلاً کوئی مولوی صاحب ہیں یا کوئی حکیم صاحب ہیں یا کسی محکمہ کے افسر ہیں تو وہ جب راستہ

کو نکلتے ہیں ان کے دل میں خواہش ہوتی ہے بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ راغبیر بھی جو نہ ان کے شناسا ہیں اور نہ ان پر کوئی حکومت ہے وہ بھی ان سے آگے نہ چلیں اور ان کو سلام کریں اور جوان کے کچھ شناسا یا شاگرد ہیں یا ان کے محکمہ کے ملازم ہیں ان کی تو کیا مجال ہے کہ سامنے بول بھی سکیں۔ صاحبو! یہ نخوت اور تکبر ہے آپ کو یہ کیا استحقاق حاصل ہے کہ راغبیروں سے آپ کو امتیاز ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ایک محکوم اور زرخرید غلام کے ساتھ جس پر ان کو ملک رقبہ حاصل ہے یہ برتاؤ کرتے ہیں کہ ایک میل یہ پیدل چلیں اور ایک میل وہ۔ یہ ہے مساوات۔ کہاں ہیں مدعیان مساوات اس کی نظیر دکھائیں اور یہ ہے طریقہ اسلامی، غرض بیت المقدس پہنچے وہاں شہر کے دروازہ پر علماء اہل کتاب انتظار میں تھے جنہوں نے خلیفہ المسلمین کو دیکھنے کے لئے بلایا تھا اور یہ بات طے ہوئی تھی کہ اگر خلیفہ وہی ہیں جن کی خبر اگلی کتابوں میں ہے تو ہم ان سے نہیں لڑیں گے یہ ثابت ہے کہ ان سے کوئی جیتے گا نہیں اور اگر وہ نہیں ہیں تو ہم لڑیں گے۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو لوگوں نے عرض کیا کہ اس وقت مناسب یہ ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو جائیے آپ نے ان کے اصرار سے منظور کر لیا اور گھوڑے پر چڑھے مگر فوراً ہی اتر پڑے اور فرمایا کہ اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور فرمایا نحن اقوام اعزنا الله بالاسلام یعنی ہم کو حق تعالیٰ نے اسلام سے عزت دی ہے بس یہی کافی ہے اس کے سوا کسی طریقہ عزت کی ہم کو ضرورت نہیں اور اسی طرح آپ پیوند زدہ لباس میں اونٹنی پر سوار ہو کر چل دیئے اور یا نہیں کہیں دیکھا ہے کہ لطف یہ ہوا کہ اس وقت باری غلام کی سواری کی تھی اس نے عرض کیا کہ حضرت اب موقعہ آپ کے پیدل چلنے کا نہیں ہے شہر آ گیا ہے آپ سوار ہو لیں۔ فرمایا کہ میں ظلم کروں یہ تو حق تلفی ہے اس نے عرض کیا کہ میں اپنا حق معاف کرتا ہوں مگر آپ نے منظور نہیں کیا اور اسی طرح سے چلے کہ غلام اونٹ پر اور خلیفہ اس کی مہار پکڑے ہوئے تھے جب دروازہ کے پاس پہنچے تو علمائے اہل کتاب نے سوار کو خلیفہ سمجھا اور اس کا حلیہ کتاب سے ملایا جب حلیہ نہ ملا تو پوچھا کیا خلیفہ پیچھے آتے ہیں لوگوں نے کہا نہیں خلیفہ یہ ہیں جو مہار پکڑے ہوئے ہیں ان سے حلیہ ملایا تو مل گیا پھر معلوم ہوا کہ کتاب میں یہ بھی تھا خلیفہ جس وقت بیت المقدس پر آئیں گے تو ہیئت یہ ہوگی کہ غلام سوار ہوگا اور خلیفہ اونٹ کی مہار پکڑے ہوں گے بس لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور بدون لڑائی کے مسلمانوں کی فتح ہوگئی سادہ زندگی نے وہ کام کر دیا جو بڑے بڑے لشکر بھی نہ دیتے بتلائے یہ ہیئت کا ہے کی تھی نہ وہاں کپڑے تھے نہ موچھیں بڑھی

ہوئی تھیں نہ جوتے کھٹ کھٹ بولنے والے تھے غرض کوئی سامان بھی ہیبت پیدا کرنے کا نہ تھا مگر ہیبت موجود تھی اور ایسی ہیبت تھی کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ (ذم المکتر وہات ج ۲۶)

## سادگی سے شادی کی ضرورت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر مجبوری اور ناداری اور محتاجی کا نہ تھا بلکہ اختیاری تھا پھر بھی حضرت سیدہ کی شادی میں کسی قسم کا تکلف نہیں کیا صرف یہی سامان تھا جو بیان ہوا اس لئے اس سے یہ بات بخوبی نکلتی ہے کہ کسی کو لاکھ روپے کا بھی مقدور ہو اور والی ملک ہی کیوں نہ ہو تب بھی ان خرافات اور تکلفات کی گنجائش نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان جہاں بھی تھے پھر بھی اتنی سادگی کے ساتھ شادی کی ماوشما (ہم اور تم) تو کس شمار میں ہیں مگر ہم لوگوں نے اپنی دولت خراب کی ہے کہ مریں گے اور تباہ ہوں گے اور قرضوں کی نالشوں میں کھچے کھچے پھریں گے مگر شادی اسی طرح کریں گے جس میں ذرا دیر کے لئے نام کی صورت ہو چاہے ساری عمر کی بربادی ہو مستورات اس میں اس طرح کھپی ہوئی ہیں کہ خود تو ڈوبتی ہی ہیں اپنے ساتھ مردوں کو بھی ڈبوئی ہیں اور ایک مرد کو نہیں بلکہ سارے خاندان کو بلکہ پشتہا پشت تک کو بس ایک شادی میں اندھے بہرے بن کر جتنا مال تھا سب لٹا دیا اور محتاج ہو گئیں۔ جب یہ محتاج ہو گئیں تو اولاد کے واسطے کیا رہا۔ کئی کئی پشت تک سنبھلنے کی نوبت نہیں آتی۔ (ذم المکتر وہات ج ۲۶)

## میزبان کے لیے ایک ضروری ہدایت

ایک صاحب نے جو کہ میرے دوست کے بیٹے ہیں میری دعوت کی تھی وہ بندہ خدا کھانا کھاتے ہوئے میرے سر پر سوار ہو گئے بار بار مجھے ٹوکیں کہ مولانا آپ تو بہت کم کھاتے ہیں اچھی طرح کھائیے تکلف نہ فرمائیے اب وہ تو مجھے زیادہ کھانے کو فرما رہے تھے مگر میری یہ حالت کہ جب مجھے اس کا تصور آتا کہ میزبان میرے لقموں کو دیکھ رہا ہے مجھ سے غیرت کی وجہ سے لقمہ نہ ٹوٹا آخر کار میں بھوکا ہی رہا اور اپنے گھر آ کر میں نے دوبارہ کھانا کھایا۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

## حضرت امیر معاویہؓ اور ایک بدوی کی حکایت

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کے دسترخوان پر ایک بدوی بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا اور



دیہاتیوں کی طرح بڑے بڑے لقمے بنا رہا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے خیر خواہی کے طور پر اتنا فرما دیا کہ اے شخص اپنی جان پر رحم کر اور لقمہ چھوٹا لے تاکہ گلے میں نہ اٹک جائے۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ بدوی فوراً دسترخوان سے اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت معاویہؓ سے خطاب کر کے کہا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ کوئی شریف آدمی تمہارا کھانا کھاوے۔ تم مہمانوں کے لقموں کو تکتے ہو کہ کون چھوٹا لیتا ہے کون بڑا، تم کو اس سے کیا غرض تم کو دسترخوان پر مہمانوں کو بٹھلا کر پھر اپنے کھانے کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھنا چاہیے۔ یہ کہہ کر چلتا ہوا۔ (تعظیم العلم ج ۲)

## نظافت تو شریعت میں مطلوب ہے

آپ علماء محققین کو ہمیشہ سادہ لباس میں دیکھیں گے ہاں ناقص علماء کو جبہ و دستار کے اہتمام میں مشغول پائیں گے کیونکہ ان میں خود کمال نہیں ہے وہ لباس ہی سے بڑا بننا چاہتے ہیں (۱۲) میں یہ نہیں کہتا کہ میلے کچیلے رہا کرو سادگی سے میرا یہ مطلب نہیں میں نظافت اور صفائی سے نہیں منع کرتا بلکہ تکلف اور تصنع سے منع کرتا ہوں اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے نظافت اور چیز ہے بناوٹ اور چیز ہے نظافت تو شریعت میں مطلوب ہے اور اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا اہتمام فرمایا ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں نظفوا افیتکم ولا تشبہوا بالیہود (او کما قال) اپنے گھروں کے سامنے کا میدان بھی صاف رکھا کرو اور یہود کی مشابہت مت کرو کیونکہ یہود صفائی نہیں رکھتے تھے تو جب گھر کے سامنے میدان کی بھی صفائی کا حکم ہے تو خود گھر کی صفائی کا کتنا حکم ہوگا پھر لباس اور بدن کی صفائی کا کس درجہ کا حکم ہوگا اور جب ظاہر کی بھی صفائی مطلوب ہے تو دل کی صفائی تو کیا کچھ مطلوب ہوگی (جس کی صفائی پر آدمی کا آدمی بننا موقوف ہے کیونکہ انسان تو دل ہی سے انسان ہے ۱۲)

غرض صفائی تو بڑی اچھی چیز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت اہتمام تھا آپ بہت صاف رہے تھے اور مسلمانوں کو بھی صفائی کی تاکید فرماتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جمعہ کے دن کپڑے بدل کر آیا کرو مگر حکم نظافت کے ساتھ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے البذاذۃ من الایمان کہ سادگی ایمان میں سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ سادگی اور نظافت دونوں جمع ہو سکتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تصنع اور تکلف شان ایمان کے خلاف ہے مگر آج کل دونوں طرف افراط و تفریط سے کام لیا جا رہا ہے بعض لوگ جو صفائی پسند ہیں وہ تو حد تکلف



تک پہنچ جاتے ہیں کہ ہر وقت بناؤ سنگار ہی میں رہتے ہیں کپڑا بھی ان کے واسطے قیمتی بھڑکدار ہونا چاہئے سرمہ کنگھی کا بھی ناغہ نہ ہونا چاہیے۔ کپڑوں پر استری کلف بھی دوسرے تیسرے دن ضرور ہونا چاہئے اور جو سادگی پسند ہیں وہ میلے کچیلے رہتے ہیں غرض اعتدال نہیں ہے۔ سادگی اور صفائی یہ ہے کہ لباس چاہے گھٹیا ہی ہو مگر داغ و دھبہ سے منزہ ہو اگر دھبہ لگ جائے فوراً اس کو چھڑا دو اگر کپڑا میلا ہو جائے اس کو صابن سے دھو ڈالو کلف اور استری کے انتظار میں نہ رہو اور اس کا انتظار تکلف ہے اسی طرح قیمتی بھڑکدار کپڑے کا اہتمام بھی تکلف ہے اور کپڑے پر داغ و دھبہ لگا رہنا یا ویسا ہی میلا کچھلا پہنے رہنا بھی برا ہے کہ یہ صفائی اور نظافت کے خلاف ہے اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ سادگی اور صفائی کس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔ پس سادگی کے ساتھ صفائی کا اہتمام بھی کرنا اعتدال ہے۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

## بچوں کی معاشرت

نئی نئی وضع سے نئے نئے فیشن بنائے جاتے ہیں اور ان میں جو کچھ ایجادیں اور اضافے ہوتے ہیں ان سب کی بنا تکبر ہی پر ہوتی ہے پھر اسی کی عادت بچوں کو ڈالتے ہیں حتیٰ کہ یہ معاشرت طبعی ہو جاتی ہے بول چال میں کھانے پینے میں اٹھنے بیٹھنے میں چلنے پھرنے میں غرض تمام حرکات سکناات تکلف سے خالی نہیں ایک دفعہ ایک شخص میرے پاس آئے اور نہایت انکساری سے کہا میں خادم ہونا چاہتا ہوں بعد تفتیش کے معلوم ہوا ان کی مراد اس سے بیعت کی درخواست تھی۔ کوئی آکر کہتا ہے دامن میں لے لو کوئی کہتا ہے غلام بنا لو یہ کیا تکلفات ہیں۔ (ادب العشر ج ۲۸)

## مہمان کا اکرام

امام مالک صاحبؒ کے یہاں امام شافعی صاحبؒ مہمان ہوئے جب کھانے کا وقت آیا تو خادم نے پہلے امام شافعیؒ صاحب کے سامنے کھانا رکھا امام مالک صاحب نے اس کو منع کیا اور پہلے اپنے سامنے رکھوایا ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کو اپنے سے کم سمجھا چنانچہ اگر آج کل کوئی ایسا کرے تو ضرور یہی سمجھا جائے کہ مہمان سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور عجب نہیں کہ مہمان خفا ہو کر اٹھ جائیں اور بعض مواقع میں یہ بات بے اصل بھی نہ ہوگی آج کل ہم لوگوں میں تکبر ہے ہی وہ لوگ بے نفس تھے اور اخلاق شرعی ان کے لئے عادت بن گئے تھے ان کا یہ فعل ہر گز ازراہ

تکبر نہ تھا بلکہ اس واسطے تھا کہ مہمان کو انقباض نہ ہو دیکھئے کتنی باریک نظر ہے اور چونکہ اس میں خلوص تھا اس واسطے مہمان پر بھی برا اثر نہ ہوا یہاں سے اور یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ آج کل ایسا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ہم نے کس واسطے ایسا کیا یہاں اس میں سلامتی ہے کہ اکرام کی صورت کو باقی رکھا جائے۔ (ادب العشر ج ۲۸)

## آج کل کے مصافحہ کا غلو

یہاں مصافحہ کی کوئی حد ہی نہیں ہے استنبجے کے بعد بھی مصافحہ اٹھنے کے بعد بھی مصافحہ بیٹھنے کے بعد بھی مصافحہ اسی واسطے میں نے یہ ترکیب کی تھی کہ کمرہ میں بیٹھ کر کواڑ بند کر لیتا تھا اس سے بہتوں کی دل شکنی ہوئی ہوگی مگر کیا کیا جائے اپنا تحمل بھی تو دیکھنا چاہئے میری طبیعت کسل مند ہے یہ سفر میں نے بغرض آسائش کیا ہے اور جب یہ بھر مار مصافحہ کی ہوگی تو پھر آسائش کہاں نیز تعلیم کی بھی ضرورت ہے کبھی کسی کے کان میں یہ پڑا ہی نہیں کہ ایسا مصافحہ نہ چاہے مصیبت یہ ہے کہ آج کل کے مشائخ بجائے اس کے کہ اس سے منع کریں اور اس کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اس سے ان کی گرم بازاری ہوتی ہے اس واسطے میں نے اس دل شکنی کو گوارا کیا کہ یہ بات یاد تو رہے گی۔ سنا ہے مدینہ طیبہ میں رجبی کے دن خطیبہ معراج شریف کا بیان کرتا ہے بعد ختم بیان کے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اس کے بدن کو ہاتھ لگانا موجب برکت ہے مجمع بہت ہوتا ہے خطیب تنگ آ جاتا ہے اس کے لئے پہلے ہی سے کپڑے کا ایک مقصورہ بنایا جاتا ہے پس وہ اٹھ کر اس میں چلا جاتا ہے اور پھر اس کے چاروں طرف پہرہ ہو جاتا ہے تب نجات ملتی ہے اور واقعی بات یہ ہے کہ ہر وقت کا مصافحہ مصیبت ہے ہر چیز موقع کی اچھی ہوتی ہے۔ (ادب العشر ج ۲۸)

## لباس معیار لیاقت نہیں

لباس اور وضع سے یا اہل دنیا کے طرز گفتگو سے عزت کا طلب کرنا انسان کا کام نہیں اور یہ تو نہایت ہی بھدا پن ہے کہ لباس سے کسی کی قدر و قیمت پر استدلال کیا جائے۔ یہ بات ہمیں شملہ میں پیش آئی ہے جبکہ ہم وہاں وفد بن کر گئے تھے۔ گو آج کل کے وفد میں شرکت کرنا مجھے پسند نہیں ہے کیونکہ وہ بالآخر قود ہو جاتے ہیں مگر وہ وفد دیوبند کے حضرات

کا تھا آج کل کے فود جیسا نہ تھا۔ جب وہاں پہنچے تو مختلف اوقات میں متعدد حضرات کے بیانات ہوئے، جمعہ کے دن میرا بیان ٹھہرا تھا۔ چنانچہ میں جمعہ کی نماز کے بعد بیان کو کھڑا ہوا اس دن غریب مسلمان بھی دوسرے دنوں سے اچھے کپڑے پہنتے تھے اور میں تو زیادہ غریب بھی نہیں۔ الحمد للہ متوسط حالت ہے تو میرے کپڑے اپنے نزدیک خاصے تھے مگر ایک جنٹلمین صاحب کی نظر میں وہ بھی حقیر معلوم ہوئے۔ چنانچہ وہ صاحب ہمارے بیانات کے اعلان کرنے والے سے جو ایک ریاست کے کرنل تھے کہنے لگے کہ آپ کے مولویوں کا کیسا لباس ہے جیسے پانچخانہ سے نکل کر آئے ہوں۔ شاید کرنل صاحب نے دانش مندی کا جواب دیا کہ میں ابھی کچھ نہیں کہتا، بیان کے بعد جواب دوں گا۔ چنانچہ بیان ہوا اور وہ معترض بھی بہت محفوظ و حیرت زدہ ہوئے۔ اب کچھ نہیں بولتے مگر کرنل صاحب نے خود پوچھا کہ ہاں اب کہئے آپ کیا فرماتے تھے تو وہ معترض بڑے چپ ہوئے اور کہا اب کیا کہوں میں اپنی حماقت پر خود شرمندہ ہوں۔ میں تو اب تک لباس سے لیاقت پر استدلال کرتا تھا اب معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط ہے۔ افسوس یہ تو تعلیم یافتہ لوگ اپنی عقل پر اپنے کو عاقل سمجھتے ہیں جن کے نزدیک لباس معیار لیاقت ہے لباس کو تو معیار لیاقت کوئی احمق بھی نہیں کہہ سکتا مگر وہ شملہ کی چوٹی پر رہ کر بھی جو ان لوگوں کی گویا معراج ہے اس حماقت میں مبتلا تھے۔

اس کے بعد میرا بیان پھر ہوا اور اس وقت یہ حکایت میرے کان میں پڑ چکی تھی تو میں نے ان لوگوں کے کان کھولنا چاہے۔ میں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے بعض خیر خواہان کا یہ خیال ہے کہ علماء کو لباس عمدہ پہننا چاہیے اور غالباً ان کا یہ خیال خیر خواہی اور دلسوزی ہی کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ علماء کی عزت ہو، کسی کی نظر میں ذلت نہ ہو، اس سے ان کے بیان کی بھی وقعت بڑھے گی تو ہم اس خیر خواہی کا شکریہ ادا کرتے ہیں (میں نے انہی کے محاورات استعمال کیے جیسے میرٹھ میں ایک انگریز وکیل ایک دیہاتی سے کہہ رہا تھا کہ مطلب بھی سمجھ گیا) مگر دیکھنا یہ ہے کہ علماء قیمتی لباس کہاں سے پہنیں، ان کی آمدنی کی تو حالت یہ ہے کہ کوئی بیس روپیہ کا مدرس ہے کوئی پندرہ روپیہ کا کسی مطبع میں صحیح ہے اور جس کے اسی روپے یا سو روپیہ ماہوار ہوں وہ تو مولویوں میں صاحب معراج ہے۔ اب بتلائیے وہ عمدہ عمدہ اور قیمتی لباس جو آپ کی نظر میں بھی عمدہ اور قیمتی ہو کس طرح

پہنیں۔ سو اس کے دو ذریعے ہیں جن میں سے ایک تو ہمارے نزدیک بھی اور آپ کے نزدیک بھی حرام ہے۔ گو آپ کے نزدیک عقلاً حرام ہے اور ہمارے نزدیک شرعاً حرام ہے اور ایک صرف ہمارے نزدیک حرام ہے۔ دوسری صورت تو یہ ہے کہ مولوی بھی آپ کی طرح ڈپٹی کلکٹری اور ججی وغیرہ کے منصب حاصل کریں یہ تو ہمارے نزدیک حرام ہے اور پہلی یہ صورت ہے کہ وعظ کے بعد سوال کیا کریں کہ صاحبو! ہمیں جھانسی کے ٹکٹ کی ضرورت ہے یہ سب کے نزدیک حرام ہے ہمارے یہاں نقل اور آپ کے یہاں عقلاً تو مولوی تو اس حالت میں عمدہ اور قیمتی لباس بنانے سے معذور ہے۔ ہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ جن خیر خواہوں کی یہ رائے ہے وہ خود یا اپنے چند احباب سے چندہ کر کے ہمارے قیمتی جوڑے اپنی پسند کے موافق بنادیں۔ ہم جب تک شملہ میں رہیں گے ان جوڑوں کو پہن کر وعظ کہا کریں گے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ شملہ سے جاتے ہوئے وہ جوڑے آپ کے حوالہ کر دیں گے ہم اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے پھر آپ ان جوڑوں کو بہتر یہ ہے کہ یہاں کی انجمن میں وقف کر دیں اور جب کوئی مولوی ہمارے جیسا خراب و خستہ لباس والا آوے اس کو وعظ کہنے کے لیے دے دیا کریں کہ تم اس جوڑے کو پہن کر وعظ کہو تا کہ مخاطبین پر اثر ہو۔ بس وہ جوڑے اسی کام کے واسطے رکھے رہیں اس سے آپ کا مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور علماء پر بھی قیمتی کپڑے بنانے کا بار نہ پڑے گا اور چونکہ آپ لوگ علماء سے زیادہ صاحب ثروت ہیں آپ کو یہ کام کچھ گراں بھی نہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ آپ کی ہی پیش کردہ رائے ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہاں سے جا کر تم نے کسی اور جگہ اپنے کپڑوں میں وعظ کہا تو وہاں ذلت ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اور جگہ کے مسلمانوں سے بھی اگر انہوں نے ہمارے لباس کو حقیر سمجھا یہی کہیں گے جو آپ سے کہہ رہے ہیں۔ دوسرے آپ کو دوسروں سے کیا لینا آپ کو تو اپنے یہاں کا انتظام کرنا چاہیے۔ پس اب میں منتظر ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کون کون صاحب ہمارے لیے جوڑے تیار کر کے لاتے ہیں مگر صدائے برنخاست۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

## مشکل الفاظ بولنے کا مرض

ایک رئیس صاحب کو مرض تھا کہ ہر بات میں موٹے موٹے لغت بولتے تاکہ لیاقت اور قابلیت خوب ظاہر ہو مگر ایسے لوگ عوام ہی میں بیٹھ کر خوب لیاقت بگھارا کرتے ہیں۔



اہل علم کے سامنے بولیں تو معلوم ہوا اول تو اہل علم کے سامنے ایسی ہمت ہی نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی ہمت کرے بھی تو راز کھل جائے اور غلطی پکڑ لی جاوے تو ان رئیس صاحب کو ایک دفعہ کاشتکاروں سے یہ پوچھنا تھا کہ بارش ہوئی ہے یا نہیں تو سیدھی بات تھی یوں پوچھ لیتے کہ بارش ہوئی یا نہیں یا مینہ برسا یا نہیں مگر ان صاحب نے کس قدر گت بنائی اس ذرا سی بات کی۔ آپ ان کاشتکاروں سے پوچھتے ہیں کیوں صاحبو! امسال کشت زار گندم پر تقاطر امطار ہوا یا نہیں وہ کاشتکار ان کے منہ کو دیکھنے لگے، گنوار ہوتے ہیں بڑے ذہین شہری لوگ تو چکنے چڑے بہت ہوتے ہیں بعض موقع پر ایسی بات کہہ اٹھتے ہیں کہ شہری کو کبھی بھی نہ سوجھے ان میں سے ایک اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بولا اس وقت میاں قرآن پڑھ رہے ہیں چلو جب یہ آدمیوں کی بولی بولیں گے اس وقت آنا۔

## علوم محمودہ اور مذمومہ کی مثال

ایک طالب علم نے علوم محمودہ اور مذمومہ کے متعلق خوب فیصلہ کیا اس کی ایک فلسفی سے بحث ہوئی، فلسفی نے کہا دیکھو ہمارے علوم کیسے دقیق ہیں کہ تم جیسوں کی سمجھ میں بھی نہ آویں اور تمہارے کیا علم ہیں کہ نماز فرض ہے وضو ایسے ہوتا ہے اس میں کیا باریکی ہے اس نے کہا کہ تمہارے علوم تو ایسے ہیں جیسے سور کاشکار کہ مشکل تو اس قدر کہ گھوڑا بھی چاہیے اور بہت سے آدمی بھی چاہئیں اور ہتھیار بھی چاہئیں اور اس پر جان کا بھی خطرہ اور حاصل کیا ہوا سور جو سسرانہ کھانے کا نہ کسی مصرف کا۔

اور ہمارے علوم ایسے ہیں جیسے کبوتر کاشکار جو بے بندوق کے بھی مل جاوے۔ غلہ ہی سے مار لو جال ہی سے پکڑ لو اور ہر جگہ کثرت سے ہے۔ کہیں دور جانے اور کسی سامان کی ضرورت نہیں اور ایسا بے خطر کہ حملہ بھی کچھ نہیں کرتا، غرض نہایت سہل اور بے خطر اور پھر کام کا۔ کھانے کے کام میں آتا ہے زبان کا بھی مزہ اور غذا بھی۔ تو یہ شکار اچھا یا وہ شکار اچھا کہ جان ماری اور محنت کی اور خطرہ میں پڑے اور اخیر نتیجہ نکالا جاوے تو حاصل کچھ بھی نہیں، مردار اور نجس العین ہے۔

ایسا ہی تمہارا فلسفہ ہے کہ پڑھتے پڑھتے دماغ خراب کر لیا اور آخر نتیجہ کیا کچھ بھی نہیں سوا اس کے کہ اشراقین کی یہ رائے ہے اور مشائین کی یہ رائے ہے، معلوم نہیں کونسی غلط ہے اور کونسی صحیح ہے اور ہمارا علم یہ ہے کہ اول ہی دن سے ہم نے پڑھا کہ وضو میں اتنے فرض ہیں

اور وضو کرنا شروع کر دیا، اسی وقت سے حاصل نکلنے لگا اور عمل پر ثواب کی امید ہوئی اور تمہیں کیا ملا کونسا ثواب، مشائخ یا اشرافین کی رائے پر ملنے کی امید ہے۔ (الباطن ج ۲۹)

## اجزائے دین

صاحبو! دین کے اجزاء تو یہ ہیں عقائد اعمال معاشرت معاملات اخلاق ان سب کی تکمیل سے دین کی تکمیل ہوتی ہے اب یہ حالت ہے کہ ان اجزاء میں سے بعضوں کا تو نام سن کر بھی لوگ چونکتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں بعض وقت زبان سے بھی کہتے ہیں کہ ان کو دین سے کیا تعلق۔ معاشرت بھی کوئی دین کے سکھلانے کی چیزیں ہیں یہ تو آپس کے برتاؤ ہیں جو ملنے جلنے سے خود آدمی سیکھ جاتا ہے اس میں بھی مولویوں نے پابندیاں لگا دی ہیں۔ علیٰ ہذا معاملات میں بھی ایسی ہی باتیں کہی جاتی ہیں۔ (الباطن ج ۲۹)

## اولاد کی اصلاح کا فکر

خدا کے لئے اپنے سے زیادہ اپنی اولاد پر رحم کرو اس زمانہ میں الحاد کا طوفان برپا ہے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان کو صحبت بد سے بہت اہتمام سے بچاؤ اور صحبت نیک کا اہتمام کرو آپ شاید اس کو تو سخت مشکل سمجھیں گے کہ انگریزی چھڑا کر عربی پڑھائیں۔ چلو میں بھی اس کو حذف کرتا ہوں آپ اسکولوں ہی میں پڑھائیے لیکن اتنی درخواست میری منظور کر لیجئے کہ اسکولوں میں جو تعطیلیں ہوتی ہیں اور ان تعطیلوں میں لڑکے ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں صرف ان تعطیلوں میں ان کو حضرات اہل اللہ کی خدمت میں بھیج دیا کرو۔ اگر کہو کہ پڑھائی کے دنوں میں تو وہ اسکول رہے اور تعطیل کے ایام میں بزرگوں کے پاس تو ہمارے ان کو دیکھنے کا کونسا وقت ہوگا تو میرے پاس اس کا بھی جواب ہے وہ یہ کہ آپ تعطیل کے ایام کا تجزیہ کر لیجئے زیادہ دنوں اپنے پاس رکھیں اور تھوڑے دنوں کے لئے حضرات اہل اللہ کی خدمت میں بھیج دیا کیجئے یہ تو اولاد کے واسطے ہوا۔ (اختیار الخلیل ج ۳۰)

## عورتوں کی تربیت

عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف کسی کو مطلق التفات نہیں ہے اولاد کی طرف ہے تو گو

بری طرح ہو اور وہ کون ہیں؟ عورتیں۔ ان کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے وہ اگر درست ہو جائیں گی تو پھر اولاد بھی صالح ہوگی اس لئے کہ ابتداء میں تو بچے ان کے ہی ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ ان کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے ان کو مسائل اور بزرگوں کی حکایات کی کتابیں پڑھائیں یا سنایا کریں اور اس کی پروا نہ کریں کہ وہ سنتی ہیں یا نہیں۔ آپ گھر میں بیٹھ کر پکار کار کر پڑھا کریں۔ اس طرح سے آپ اپنا کام کئے جائیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اثر ہوگا لیکن کتابیں علماء سے پوچھ کر انتخاب کریں۔ عورتوں کا نصاب نہ خریدیں وہ کتابیں اس کو سمجھتی ہیں جیسے نور نامہ وفات نامہ ہر فی نامہ معجزہ آل نبی ساپن نامہ قصہ گل بکاؤلی کہ ان میں بعض تو بالکل ہی خرافات ہیں اور بعض موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ایسے ہی برائے نام نعت کی اکثر کتابیں کہ ان میں اکثر ایسے اشعار ہوتے ہیں کہ جن میں بے ادبی ہوتی ہے خدا تعالیٰ کی یا انبیاء علیہم السلام کی۔ کام کی کتابیں علماء سے پوچھ کر منتخب کریں غرض یہ ہیں طریقے اصلاح کے جن میں کوئی مشقت بھی نہیں دنیاوی کاموں کا بھی اس میں حرج نہیں۔ (اختیار الخلیل ج ۳۰)

## تشبہ کی ممانعت

حدیث میں ہے کہ اللہ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی شکل بنائیں اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی شکل بنائیں جبکہ عورتوں کے ساتھ تشبہ غیر جائز ہے حالانکہ ہمارے میں اور عورتوں میں اسلامی شرکت ہے تو جہاں اسلامی شرکت بھی نہ ہو جیسے کفار اور ان کی وضع بنانا تو کیسے جائز ہوگا جو صاحب تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو کرتے ہیں ان سے ہماری ایک التجا ہے اگر اس کو انہوں نے پورا کر دیا تو ہم آج ہی سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہرگز ان سے تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو نہ کریں گے آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا لباس اتار دیجئے اور اندر دولت خانہ میں جا کر بیگم صاحبہ مکرمہ معظمہ کا کنبو اب کا پا جامہ اور سرخ ریشمی کا مدار کرتہ اور بناری دوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں اور پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار اور تمام زیوروں سے آراستہ پیراستہ ہو کر اور جہاں آپ کے دوست ہم چشم اور آپ کے بڑے چھوٹے بیٹھے ہوں وہاں تشریف لا کر تھوڑی دیر کے لئے ذرا کرسی پر اجلاس فرمائیجئے اگر آپ نے یہ حرکت کر لی تو ہم آپ کے تشبہ کے مسئلہ میں کبھی گفتگو نہ کریں گے مگر مجھے امید نہیں کہ کوئی صاحب اس پر راضی ہو جاوے بلکہ اگر ان کو ہزار روپیہ بھی دیں تب بھی راضی نہ ہوں

گے اور عار سمجھیں گے تو بتلائے یہاں انقباض اور ناگواری کا مٹی بجڑتہ بالہاء کے کچھ اور بھی ہے افسوس ہے کہ عورتوں کی وضع بنانا تو عار ہے اور اعداء اللہ کی وضع بنانا گوارا ہے بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر سب کفار مسلمان ہو جائیں تو کیا اس وقت بھی تشبہ ممنوع ہوگا جواب یہ ہے کہ اس وقت وہ تشبہ ہی نہ ہوگا کیونکہ وہ وضع اب وضع الکفار نہ رہی (الاخلاص ج ۳۰)

## عبادت کی حقیقت

انسان کی کوئی خدمت متعین نہیں بلکہ ہر وقت میں اس کے لئے جدا خدمت ہے۔ جیسے غلام ہوتے ہیں ایک وقت اس کو سونے کا حکم ہے اس وقت سونا اس کی عبادت ہے ایک وقت جاگنے کا حکم ہے اس وقت جاگنا اس کی عبادت ہے۔ ایک وقت پیشاب پاخانہ کا حکم ہے اس وقت یہی اس کی عبادت ہے پس اس کی عبادت کی حقیقت کیا ہے۔ محض امتثال امر کہ جس وقت جو حکم ہو اس کو بجالائے اور اس سے ہم کو سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کی ہمارے حال پر کس قدر شفقت و عنایت ہے کہ اول تو ہم سے غلاموں کا سا برتاؤ فرمایا نوکروں جیسا برتاؤ نہیں کیا اور یہ کتنا بڑا فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنا غلام بنالیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہی کئی منت شناس ازو کہ بخد مت بداشتت  
(احسان مت جتاؤ کہ میں بادشاہ کی خدمت کرتا ہوں بلکہ اس کا احسان سمجھو کہ تم جیسے کو اپنی خدمت میں رکھ چھوڑا ہے) پھر اس برتاؤ میں ہمارا نفع کس قدر ہے کہ ہم کو سونے اور جاگنے اور قضاے حاجت کرنے اور بیوی کے پاس جانے میں بھی ثواب ملتا ہے۔ قدم قدم پر ثواب ہی ثواب ہے کیونکہ معاشرت کو بھی دین ہی میں داخل فرمایا ہے گو بعض لوگ اس کو دین سے خارج سمجھتے ہیں۔ مگر بالکل غلط ہے۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

## اتفاق کی صورتیں

صاحبو! علماء کب اتفاق سے روکتے ہیں لیکن اتفاق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ علماء اپنے مرکز سے ہٹیں اور آپ کے مرکز پر آجائیں۔ سو یہ اتفاق تو یقیناً محمود نہیں ہاں دوسری صورت اتفاق کی کہ علماء اپنے مرکز پر رہیں اور قوم اپنی وہی ترقیوں اور مضمر خیالوں کو چھوڑ کر ان کے مرکز پر آجائیں بیشک محمود ہے اور اس طرح اتفاق ہونا چاہیے اور اس کی دلیل یہ ہے



کہ قوم کو جو متفق بنایا جائے گا تو اس اتفاق کے لیے آخر کوئی معیار بھی ہو گا یا نہیں کہ قوم کو اس معیار کی طرف بلایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ضرور ہو گا اب میں پوچھتا ہوں کہ وہ معیار کیا ہے سو سب جانتے ہیں کہ وہ معیار حق ہے یعنی حق کی طرف قوم کو بلایا جائے گا کہ یہی ایک مامون اور صاف و ہموار شاہراہ ہے جس میں نشیب و فراز کا نام نہیں اس معیار سے الگ جتنا اتفاق پکارتے ہو اسی قدر نفاق بڑھتا ہے (فضائل العلم والنجیۃ ج ۳۱)

## جدید تعلیم یافتہ حضرات کا حال

میرے ایک دوست لکھتے ہیں کہ آج یہاں چند عقلاء جمع ہوئے اور اس میں گفتگو ہوئی کہ مسلمانوں کے تنزل کا اصلی سبب کیا ہے۔ بہت سی گفتگو کے بعد اخیر فیصلہ یہ ہوا کہ اصلی سبب تنزل کا اسلام ہے جب تک اس کو نہ چھوڑا جائے گا اس وقت تک ترقی ناممکن ہے لیکن مجبوری ہے کہ مذہبی ضرورت روکتی ہے۔ صاحبو! کیا تجویز کے بعد بھی یہ لوگ مسلمان رہے افسوس اسلام کو خار راہ بتایا جائے اور طرہ یہ کہ پھر بھی اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ صاحبو! کیا یہ لوگ اسلامی خیر خواہ ہیں ہاں اسلام بمعنی قوم اگر ہو تو ضرور اسلامی خیر خواہ ہیں (فضائل العلم والنجیۃ ج ۳۱)

## غیر قوموں کی تقلید

ایک صاحب معزز مجھ سے فرمانے لگے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا لڑکا ایسا ہو جائے کہ پندرہ روپے میں گزر کر لیا کرے اور حالت لڑکے کی یہ تھی کہ پندرہ سے زیادہ کا اس کا ایک کوٹ ہی تھا۔ افسوس ہے کہ ہم کو دوسری قوموں کی تقلید نے برباد کیا ہم تقلید کرتے ہیں اور وہ بھی بری باتوں کی۔ انہوں نے ہماری تقلید کر کے اپنا گھر آباد کر لیا اور ہم ان کی تقلید کر کے اپنی رہی سہی حالت بھی برباد کیے دیتے ہیں۔ دعویٰ ہے قومی ہمدردی کا اور اجنبیت یہ ہے کہ شہر میں رہنا بھی گوارا نہیں الگ جنگل میں جا کر رہتے ہیں۔ صاحبو! کیا ترقی اس پر موقوف ہے کہ قوم کا قرب بھی چھوڑ دیا جائے۔ (فضائل العلم والنجیۃ ج ۳۱)

## مدعیان عقل کی ایک حکایت

میرے ایک مخدوم فارسی کے استاد اپنا واقعہ بیان فرماتے تھے کہ کسی حاکم نے ایک

فیصلہ کیا جو اتفاق سے عالمگیریہ کے ایک جزئیہ کے موافق تھا۔ گو عالمگیریہ کے جزئیہ کی بناء پر نہیں تھا۔ مولانا موصوف نے کسی واقعہ کے متعلق ایک مسئلہ کسی مجمع میں بیان فرمایا کہ عالمگیریہ میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے بڑے بڑے مدعیان عقل وہاں موجود تھے کسی نے التفات بھی نہ کیا، مولانا بڑے ظریف حاضرین سے فرمانے لگے کہ حال ہی میں ایسے ہی واقعہ کے متعلق ایک مقدمہ ہوا ہے صاحب کلکٹر کے یہاں انہوں نے بھی اسی کے موافق فیصلہ کیا ہے یہ سنتے ہی سب چوکنے ہو گئے اور اصرار شروع ہوا کہ ہاں صاحب ذرا فرمائیے تو کلکٹر صاحب نے کیا فیصلہ کیا۔ مولانا نے وہ فیصلہ بیان کیا جو کہ عالمگیریہ کے اس جزئیہ کے موافق تھا جس کو مولانا اس سے قبل بیان فرما رہے تھے اور کوئی التفات بھی نہ کرتا تھا، سب نے سن کر تسلیم کیا۔ انہوں نے کہا کہ جناب یہ وہی تو بات ہے جو عالمگیریہ میں لکھی ہوئی ہے مگر عالمگیریہ پہلے معتبر نہ تھی اور اب انگریزی فیصلہ کی موافقت سے معتبر ہو گئی۔

حیرت اور تعجب کی بات ہے صاحبو! یہ تو حال ہے اور پھر کہتے ہیں کہ ہم لوگ مومن ہیں ہم مسلمان ہیں۔ یہ کیا ایمان ہے اور کیا اسلام ہے تو اس مذاق کے بھی لوگ اس زمانہ میں کثرت سے موجود ہیں (ملت ابراہیم ج ۳۱)

## مردوں کو حضرات انبیاء علیہم السلام اور مستورات کو

### سیدۃ النساء کی تقلید کی ضرورت

مردوں کو انبیاء علیہم السلام کی تقلید سے عار نہ آنی چاہیے اور عورتوں کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تقلید کو اپنا فخر سمجھنا چاہیے جو باوجود اس کے کہ صاحبزادی تھیں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم شاہ دو عالم کی لیکن چکی پیسا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کے ہاتھوں میں آبلے پڑ جاتے تھے۔ ایک روز حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ان کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ سنا ہے کچھ غلام لونڈی تقسیم ہونے کے لیے آئے ہیں تم بھی گھر کے کام کاج کے لیے کوئی لونڈی اپنے ابا سے مانگ لاؤ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دولت خانہ پر حاضر ہوئیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ رکھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا موجود تھیں ان سے کہہ کر چلی آئیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپسی پر اطلاع ملی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مکان پر خود تشریف لائے اور آ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بیٹھ گئے، عشاء کے بعد کا وقت تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لیٹی ہوئی تھیں، وہ اٹھنے لگیں آپ نے فرمایا لیٹی رہو۔ آخر صاحبزادی تھیں بے تکلف لیٹی رہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیسے آئی تھیں، کیا کام تھا، اب وہ تو مارے شرم کے کچھ عرض نہ کر سکیں چپ رہیں۔ اس قدر شرماتی تھیں کہ دنیا کے نام لینے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو مقصد تھا عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لونڈی دوں یا اس سے بھی اچھی چیز دوں۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد کے واسطے کیا اختیار کیا۔ حضرت فاطمہ بولیں کہ حضرت اچھی چیز سب مانگتے ہیں میں بھی اچھی ہی چیز مانگتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوتے وقت سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر ۳۳-۳۳ بار پڑھ لیا کرو۔ بس اس پر راضی ہو گئیں۔ بھلا اب تو کسی عورت کو راضی کر لو کہ سونے کے کڑوں کا کیا کروگی یہ تسبیح پڑھ لیا کرو۔ (ملت ابراہیم ج ۳۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



خطباتِ حکیمِ الامت 32 جلدوں سے منتخب الہامی جواہرات

# جواہرِ حکیمِ الامت

از افادات

حکیمِ الامت مجید الملائت  
حضرت محمد اسلم علیہا نوی

پسند فرمودہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ  
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ  
ودیگر اکابرین

جمع و ترتیب

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحبِ مدظلہ  
خلیفہ مجاز  
مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ

جلد ۱

عقائد... نماز... حج  
رمضان... روزہ  
زکوٰۃ... سیرۃ النبی

جلد ۲

علم و عرفان  
شریعت کے اسرار و رموز  
حکمت و معرفت کا منتخب گنجینہ

جلد ۳

تصوف... اخلاق  
باطنی ترکیب کا دستور العمل  
تصوف کی اصلاحات  
کی تشریحات

جلد ۴

اتباع سنت  
حقوق العباد فقہی مسائل  
معاملات... آخرت  
سیاست  
تعویذات و عملیات  
لطائف و ظرائف  
معاشرت

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان